إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ أَقْوَمُ

بلاشبہ یہ قرآن نہایت سیدھی راہ دکھاتا ہے

تفسیر

ہِدایتُ القرآن

ان شاء اللہ یہ تفسیر آپ کو قرآنِ کریم سے بہت قریب کردے گی

جلد دُوم

تالیف

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری

شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم دیوبند

ناشر

مکتبہ حجاز دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد سوم کے بارے میں

الحمد لله، والصلاة والسلام على رسول الله، أما بعد:

حضرت مولانا محمد عثمان کاشف الہاشمی رحمہ اللہ نے تفسیر ہدایت القرآن (پارہ عَمَّ کے بعد) سورۃ الانفال کی آیت ۵۴ تک لکھ کر قلم رکھ دیا، پھر میں نے گھوڑا دوڑایا، اس لئے خیال تھا کہ چالیس سال پہلے کی لکھی ہوئی میری تحریر پھس پُھسی ہوگی، لہٰذا اس کو دوبارہ لکھنا چاہئے، مگر جب لکھتا ہوا اپنے حصہ تک پہنچا تو اندازہ ہوا کہ **الحمد للہ** اس وقت کی زبان بھی اور مضامین بھی ٹھیک ہیں، میں تفسیر میں خاص طور پر ربط آیات کا خیال رکھتا ہوں، اور ربط باہر سے داخل نہیں کرتا، آیات سے ابھارتا ہوں، یہ بات بھی میری لکھی ہوئی تفسیر میں موجود تھی، اس لئے دوبارہ لکھنے کا ارادہ ملتوی کر دیا، البتہ حسب سابق عناوین بڑھائے، بنیادی بھی اور بغلی بھی، عنوان سے مضمون جلدی قابو میں آتا ہے، اور جہاں مفردات پر حواشی نہیں تھے: بڑھائے۔ پس اس جلد میں نظر ثانی کی ہے، کوئی خاص تبدیلی نہیں کی، البتہ اس جلد کی سیٹنگ دوبارہ کی ہے، اس لئے صفحات گھٹ گئے ہیں، پہلے ہر پارے کے نمبرات الگ تھے، اب مسلسل کر دیئے ہیں۔

اسی طرح جلد چہارم پر بھی نظر ثانی کرنے کا ارادہ ہے، اگرچہ وہ پوری میرے قلم سے ہے اور اس میں لغات بھی ہیں، مگر عناوین نہیں، وہ بڑھاؤں گا اور جلد پنجم پر نظر ثانی کر رکھی ہے، اگرچہ اس میں عناوین نہیں ہیں، مگر اب ہمت نہیں۔

انداز بدلا ہے: اب تک جو انداز چل رہا تھا وہ یہ تھا کہ ایک مضمون کی آیات لکھ کر مفردات کا ترجمہ کیا جاتا تھا، پھر عنوان قائم کر کے تقریر کی جاتی تھی، پھر آخر میں آیت مع ترجمہ لکھی جاتی تھی، مگر جلد سوم کے نصف سے یہ انداز بدل گیا ہے، مفردات کے بعد عنوان قائم کر کے تقریر اور آیات کا ترجمہ ساتھ ساتھ چلتا ہے اس میں قارئین کو ذرا دشواری پیش آئے گی، آیت کے ساتھ نہ ہونے کی وجہ سے ترجمہ ملانے کی زحمت اٹھانی پڑے گی۔

یہ تفسیر قارئین کو قرآنِ کریم سے قریب کرے گی

اس تفسیر میں زوائد و فوائد نہیں ہیں، اس کے لئے بڑی تفسیریں ہیں، اس تفسیر میں قرآن پاک جو ارشاد فرماتا ہے وہی سمجھایا ہے، لہٰذا تفسیر پڑھنے والے پہلے آیات پاک کو دو تین مرتبہ پڑھیں، پھر مفردات پڑھیں، پھر ترجمہ مفردات کے ساتھ ملائیں اور طلبہ اور اہل علم حواشی بھی دیکھیں، پھر عنوان میں غور کریں اور تفسیر پڑھیں، امید ہے کہ وہ قرآن پاک سے نزدیک ہونگے، **والله ولي التوفيق. والأمر بيد الله! وصلى الله على النبي الكريم وعلى آله وصحبه أجمعن.**

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اب آپ کیا کریں گے؟

سوال: تفسیر ہدایت القرآن بفضلہٖ تعالیٰ پوری ہوگئی، اب آپ کیا کریں گے؟

جواب: اب میں ایک قرضہ اتاروں گا، مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند منعقدہ ۱۶، ۱۷ شعبان ۱۴۳۷ھ نے درج ذیل تجویز منظور کی تھی:

''طلبہ دارالعلوم کو اکابر کے منہج اور فکر سے واقف کرانے کا مسئلہ زیر بحث آیا، اس سلسلہ میں مجلس حضرت صدر المدرسین سے گذارش کرتی ہے کہ وہ ''دیوبندیت کیا ہے؟'' کے موضوع پر کوئی تحریر مرتب فرمادیں، جس میں اکابر کے منہج، مشرب اور مذاق کو واضح کیا گیا ہو، اس موضوع پر حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کو بھی پیش نظر رکھا جائے''

اس وقت میں نے مؤقر اراکینِ شوریٰ سے عرض کیا تھا کہ میں ابھی تفسیر ہدایت القرآن میں مشغول ہوں، جب وہ پوری ہوجائے گی اس موضوع پر لکھنے کی کوشش کروں گا، مجلس نے میری بات قبول کرلی، اب بحمدہ تعالیٰ تفسیر پوری ہوگئی ہے، اب ان شاء اللہ اس موضوع پر لکھوں گا، والامر بیداللہ!

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لئے

دیوبندیت کیا ہے؟ یہ پوری ملت کا موضوع ہے، اور ابھی بحمدہ تعالیٰ ملت میں بہت سے بالغ نظر حضرات موجود ہیں، جو اس سلسلہ میں میری مدد کرسکتے ہیں، میں ان کا ممنون ہوں گا اگر وہ اپنے خیالات تحریری شکل میں بھیجیں یا واٹس ایپ پر ڈالیں، تاکہ میں اپنی کتاب میں اس سے استفادہ کروں۔ **واللہ یجزی المحسنین!**

نوٹ: یہ تحریر واٹس ایپ پر ڈلوارہا ہوں، دوسرے گروپوں والے اسے آگے بڑھائیں، تاکہ اطلاع عام ہوجائے، میرے پاس واٹس ایپ (بڑا موبائل) نہیں ہے، برخوردار کا نمبر ہے اُس پر آپ اپنی تحریرات بھیج سکتے ہیں جن کا نمبر یہ ہے **9997658227** اور ڈاک کا پتہ وہ ہے جو اس تفسیر پر ہے یعنی:

مکتبہ حجاز دیوبند
ضلع سہارن پور (یو، پی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آغازِ تکمیل

۲۳ ربیع الاول ۱۴۱۶ ہجری کو پارہ پندرہ (سورۂ کہف) کی تفسیر مکمل ہوئی تھی، جو اسی وقت طبع ہوگئی تھی۔ پھر گیارہ سال کا طویل عرصہ بیت گیا کہ آگے کام نہ ہوا۔ کچھ ایسے اسباب پیدا ہوگئے کہ میں حجۃ اللہ البالغہ کی اردو شرح رحمۃ اللہ الواسعہ میں لگ گیا۔ اس کی ضخیم پانچ جلدیں لکھیں جو طبع ہوگئی ہیں۔ پھر متن پر عربی حاشیہ میں لگ گیا۔ جو دو جلدوں میں طبع ہوگیا ہے۔ اس درمیان اور بھی چھوٹے موٹے کام کئے۔ جیسے شرح علل الترمذی (عربی) مبادئ الاصول (عربی) اور معین الاصول شرح مبادئ الاصول (اردو) لکھی گئیں۔ مگر دوستوں اور قارئین کے پیہم اصرار کے باوجود تفسیر کا کام آگے نہ بڑھ سکا۔ یہاں تک کہ لوگ اس سے مایوس ہوگئے۔ مگر میرے ذہن سے تفسیر کی تکمیل کا خیال کبھی نہیں ہٹا، مگر ہوتا وہی ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں۔ اس عرصہ میں لندن کے میرے ایک کرم فرما ولی بھائی کھنکھارا اللہ کو پیارے ہوگئے، اللہ تعالیٰ ان کی بال بال مغفرت فرمائیں، وہ اور ان کے خاندان کے دوسرے حضرات تفسیر ہدایت القرآن کی تکمیل سے خصوصی دلچسپی رکھتے تھے۔ امریکہ اور افریقہ کے دوسرے حضرات بھی متوجہ تھے خاص طور پر جناب مولانا اسماعیل صاحب سیدات (سابق امام مسجد مسجد قبا اسٹامفورہیل، لندن) کی خصوصی توجہ تھی، مگر کلُّ أمر مرهون بوقته: ہر کام وقت پر ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ امسال ایک دوست مولانا طارق انور قاسمی سلمہ کا بڑا ہی حوصلہ افزا اور تکمیل کے اصرار کا خط ملا۔ اس خط نے دل پر بہت اثر ڈالا۔ چنانچہ میں ضروری کتاب (آسان صرف حصۂ سوم) کو صیغۂ التواء میں ڈال کر تفسیر میں مشغول ہوگیا۔ محرم ۱۴۲۷ ہجری میں کام شروع کیا اور ربیع الاول میں یہ پانچویں جلد تکمیل پذیر ہوئی جو آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اب زندگی کے دن کچھ زیادہ نظر نہیں آرہے اس لئے ارادہ ہے کہ اب مسلسل اس کام میں لگا رہوں اور اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچاؤں۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائیں اور کام آسان فرمائیں (آمین)

تفسیر پہلے لیتھو پر چھپی تھی اور الگ الگ پارے تھے۔ کئی سال پہلے ان کو کمپیوٹر سے طبع کیا گیا اور جلدیں بنائی گئیں تو شروع کے چودہ پارے چار جلدوں میں آئے۔ پارہ پندرہ اگلی جلد کے لئے باقی رکھا تھا۔ جو اب پانچویں جلد میں شامل کیا گیا ہے۔ اس میں نے نظر ثانی کی ہے اور بہت کچھ حک وفک کیا ہے، بلکہ بعض مضامین از سر نو لکھے ہیں۔ پس جن کے پاس یہ پارہ پہلے سے ہے ان کے لئے بھی یہ پارہ نیا ہے۔ بس قارئین سے اس دعا کی التماس ہے کہ اللہ تعالیٰ بلا وقفہ تفسیر کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں (آمین)

کتبہٗ

سعید احمد عفا اللہ عنہ پالن پوری

خادم دارالعلوم دیوبند ۵ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

احوالِ واقعی

اس تفسیر کی تقریباً پچاس سال پہلے حضرت مولانا محمد عثمان صاحب کاشف الہاشمی قدس سرہٗ نے بسم اللہ کی تھی، آپ دیوبند کے قریب قریہ راجوپور کے باشندے تھے اور دیوبند میں مقیم ہوگئے تھے، انھوں نے دس سال کے عرصہ میں دس پارے لکھے، آخری پارہ اور شروع سے پارہ نہم تک۔ پھر چالیس سال پہلے راقم الحروف دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت مدرس آیا، مکتبہ حجاز کے مالک میرے ہم سبق جناب قاضی انوار صاحب زید مجدہٗ تھے، مولانا کاشف صاحب لکھتے تھے اور قاضی صاحب چھاپتے تھے، جب وہ تھک گئے اور لکھنا بند کردیا تو میرے رفیق نے اصرار کیا کہ میں اس کو لکھوں، میں متردد تھا، مولانا کاشف صاحب اردو کے ادیب تھے، شاعر بھی تھے، اور میں گجراتی: ادب نا آشنا اور علمی صلاحیت بھی میری فروتر تھی، مگر رفیق محترم کا اصرار بڑھا تو میں نے قلم پکڑا، اور دسواں پارہ لکھا، جب یہ پارہ قاضی صاحب نے مولانا کاشف رحمہ اللہ کو بھیجا تو انھوں نے پڑھ کر تبصرہ کیا: پیوند کچھ برا تو نہیں! اس سے میرا حوصلہ بڑھا، اور میں نے وقفہ وقفہ سے لکھنا شروع کیا، تا آنکہ قاضی صاحب نے اقتصادی مجبوری سے مکتبہ حجاز میرے ہاتھ فروخت کردیا، اب کام میں تیزی آنی چاہئے تھی، مگر رفتار سست ہوگئی، کیونکہ کوئی سر پے مسلط نہیں تھا، لشتم پشتم کئی سال میں سورۃ المؤمنون کے ختم تک پہنچا، پھر سلسلہ رک گیا، رحمۃ اللہ الواسعہ شرح حجۃ اللہ البالغہ کا کام شروع ہوگیا، پانچ ضخیم جلدوں میں وہ شرح مکمل ہوئی، پھر تحفۃ الالمعی شرح سنن الترمذی کا کام شروع ہوگیا، آٹھ جلدوں میں یہ شرح بھی مع شرح علل وشمائل پوری ہوئی۔ پھر تحفۃ القاری شرح صحیح البخاری کا کام چھڑ گیا، وہ کام بھی بارہ جلدوں میں تکمیل پذیر ہوگیا، اب بلاتوقف تفسیر کی تکمیل میں لگ گیا ہوں، اور عزم یہ ہے کہ کوئی اور کام نہ چھیڑوں، کیونکہ عمر ڈھل چکی ہے، ایک اندازے کے مطابق ۱۹۴۰ء کی پیدائش ہے، پس اب کیا باقی رہ گیا ہے! مگر مولیٰ کریم سے بھیک مانگی ہے کہ تفسیر کی تکمیل تک عمر دراز فرمائیں، اور امید ہے کہ میری یہ دعا ضرور قبول فرمائیں گے، انھوں نے مجھے کبھی نامراد نہیں کیا، اس تفسیر کا خاص امتیاز آیات اور آیت کے اجزاء میں ربط کا بیان ہے، مطالعہ کرنے والے اس نقطۂ نظر سے قرآن پاک کی تلاوت کریں، ان شاء اللہ یہ تفسیر قارئین کرام کو قرآن سے قریب کرے گی۔ حقائق ودقائق کے لئے بڑی تفسیریں دیکھیں، یہ تفسیر تو عبارت النص پیش نظر رکھ کر لکھ رہا ہوں۔ وما توفيقي إلا بالله، عليه توكلت وإليه أنيب، وصلى الله على النبي الكريم، وعلى آله وصحبه أجمعين!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ان شاء اللہ یہ تفسیر آپ کو قرآنِ کریم سے بہت قریب کردے گی

حضرت مولانا محمد عثمان صاحب کاشف الہاشمی قدس سرہٗ (ولادت ۵ر رمضان سن ۱۳۱۵ھ مطابق ۳ر جنوری سن ۱۹۳۳ء وفات: ۱۸ر شعبان سن ۱۴۱۷ھ مطابق ۳۰ر دسمبر سن ۱۹۹۶ء) اس تفسیر کے ٹائیٹل پر مذکورہ عنوان لکھا کرتے تھے، کیونکہ انھوں نے تفسیر کا انوکھا طریقہ اختیار کیا تھا، وہ پہلے مفردات کے معانی لکھا کرتے تھے، پھر سلیس، آسان، بامحاورہ ترجمہ کیا کرتے تھے، مرحوم تفسیر بھی آسان لکھتے تھے، وہ عوام کو پیش نظر رکھ کر لکھتے تھے، پھر جب میں نے پارہ دس سے لکھنا شروع کیا تو ان کے طریقہ کی پیروی کی، اگرچہ میں اُن جیسی رسیلی زبان نہیں لکھ سکتا تھا، مگر انھوں نے اپنی عالی ظرفی سے میرے لکھے ہوئے پارے پر تبصرہ کیا کہ پیوند کچھ برا تو نہیں! ـــــ اس سے کلاہِ دہقاں بآفتاب رسید!

پھر چند پاروں کے بعد میں نے ایک اضافہ کیا، حاشیہ میں مشکل الفاظ کے معانی اور مشکل جملوں کی ترکیب لکھنی شروع کی، میں نے یہ کام طلبہ اور علماء کے لئے مفید سمجھ کر شروع کیا ہے، پھر جلد ششم کے نصف سے عناوین کا اضافہ کیا، اس ساتویں جلد میں مضامین پر دلالت کرنے والے عناوین بڑھائے ہیں، پھر اس کے بعد تقریر ہے جو آیاتِ کریمہ کو پیش نظر رکھ کر کی گئی ہے، پھر ترجمہ ہے، اور جہاں ضرورت محسوس کی گئی تفسیر بھی ہے، میرے خیال میں یہ طریقہ سبھی قائین کے لئے مفید ہوگا۔

علاوہ ازیں: قرآنِ کریم نہایت منظّم کلام ہے، کوئی بات بے ربط نہیں، ارتباط بھی عناوین سے خود بخود واضح ہوجائے گا، البتہ نص فہمی کے چار طریقے ہیں: نص کے الفاظ سے، اشاروں سے، دلالت سے اور اقتضاء سے استدلال کرنا، مفسرین کرام چاروں طریقوں سے تفسیر کرتے ہیں، مگر اس تفسیر میں صرف عبارت النص کو پیش نظر رکھا گیا ہے، باقی تین دلالتوں کو فائدہ کی شکل میں لکھا ہے، اس سے بھی کلام میں ارتباط آسانی سے سمجھ میں آجائے گا۔

بہرحال میں نے کوشش میں کمی نہیں کی، رہی یہ بات کہ میں قارئینِ کرام کو قرآنِ کریم سے قریب کرنے میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں: اس کا فیصلہ دوسرے کریں گے، میں نے تو درگذر نہ کی (چھوڑا نہیں) جو مجھ سے ہوسکا:

سپردم بتو مایۂ خویش را ❁ تو دانی حسابِ کم و بیش را

(میں نے اپنا سرمایہ آپ کو سونپ دیا ❁ آپ خود کمی بیشی کا حساب کرلیں)

فہرست مضامین

بقیہ سورۃ الاعراف

سورۃ الانفال

سورۃ التوبہ

سورۂ یونس (علیہ السلام)

فہرست مضامین

سورۂ ہود (علیہ السلام)

سورۂ یوسف (علیہ السلام)

سورۃ الرعد

سورۂ ابراہیم (علیہ السلام)

سورۃ الحجر

سورۃ النحل

فہرست مضامین

سورۂ بنی اسرائیل

سورۂ کہف

سورۂ مریم

سورۂ طٰہٰ

سورۃ الانبیاء

سورۃ الحج

سورۃ المؤمنون

﴿سورۃ المؤمنون پوری ہوئی﴾

فہرست مضامین

سورۂ نور

سورت کا آغاز

سورۃ الفرقان

سورۃ الشعراء

سورۃ النمل

سورۃ القصص

سورۃ العنکبوت

سورۃ الروم

سورۂ لقمان

سورۃ السجدۃ

سورۃ الاحزاب

سورہ سبا

سورۂ فاطر

فہرست مضامین

سورۂ یٰسٓ

سورۂ صافات

سورۂ ص

سورۃ الزمر

سورۃ المؤمن

سورۂ حٰم السجدۃ

سورۃ الشوریٰ

سورۃ الزخرف

سورۃ الدخان

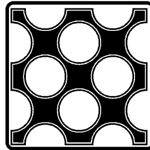
سورۃ الجاثیہ

سورۃ الاحقاف

سورۂ محمد

سورۂ فتح

سورۂ حجرات



فہرست مضامین

سورہ قٓ

سورۃ الذاریات

سورۃ الطّور

سورۃ النجم

سورۃ القمر

سورۃ الرحمان

سورۃ الواقعہ

سورۃ الحدید

سورۃ المجادلہ

سورۃ الحشر

سورۃ الممتحنۃ

سورۃ الصّف

سورۃ الجمعہ

سورۃ المنافقون

سورۃ التغابن

سورۃ الطلاق

سورۃ التحریم

سورۃ الملک

سورۃ القلم

سورۃ الحاقۃ

سورۃ المعارج

سورۃ النوح

سورۃ الجنّ

سورۃ المزّمّل

سورۃ المدثّر

سورۃ القیامہ

سورۃ الدہر

سورۃ المرسلات

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا فِىۡ قَرۡيَةٍ مِّنۡ نَّبِىٍّ اِلَّاۤ اَخَذۡنَاۤ اَهۡلَهَا بِالۡبَاۡسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمۡ يَضَّرَّعُوۡنَ ﴿۹۴﴾ ثُمَّ بَدَّلۡنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الۡحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوۡا قَدۡ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذۡنٰهُمۡ بَغۡتَةً وَّهُمۡ لَا يَشۡعُرُوۡنَ ﴿۹۵﴾ وَلَوۡ اَنَّ اَهۡلَ الۡقُرٰٓى اٰمَنُوۡا وَاتَّقَوۡا لَفَتَحۡنَا عَلَيۡهِمۡ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ وَلٰـكِنۡ كَذَّبُوۡا فَاَخَذۡنٰهُمۡ بِمَا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ ﴿۹۶﴾

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا	اور نہیں بھیجا ہم نے	الۡحَسَنَةَ	اچھائی کو	اٰمَنُوۡا	ایمان لاتے
فِىۡ قَرۡيَةٍ	کسی بستی میں	حَتّٰى عَفَوْا(۵)	یہاں تک کہ زیادہ ہوگئے وہ	وَاتَّقَوۡا	اور (شرک سے) بچتے
مِّنۡ نَّبِىٍّ	کوئی نبی	وَّقَالُوۡا	اور کہا انھوں نے	لَفَتَحۡنَا	تو کھول دیتے ہم
اِلَّاۤ اَخَذۡنَاۤ	مگر دوچار کیا ہم نے	قَدۡ مَسَّ	تحقیق چھویا	عَلَيۡهِمۡ	ان پر
اَهۡلَهَا	اس کے باشندوں کو	اٰبَآءَنَا	ہمارے باپ دادوں کو	بَرَكٰتٍ	برکتیں
بِالۡبَاۡسَآءِ(۱)	نہایت تنگ حالی سے	الضَّرَّآءُ	نہایت تکلیف نے	مِّنَ السَّمَآءِ	آسمان سے
وَالضَّرَّآءِ(۲)	اور تکلیف (بیماری) سے	وَالسَّرَّآءُ	اور خوش حالی نے	وَالۡاَرۡضِ	اور زمین سے
لَعَلَّهُمۡ	تاکہ وہ	فَاَخَذۡنٰهُمۡ	پس پکڑا ہم نے ان کو	وَلٰـكِنۡ	لیکن
يَضَّرَّعُوۡنَ(۳)	عاجزی کریں	بَغۡتَةً	اچانک (یکبارگی)	كَذَّبُوۡا	جھٹلایا انھوں نے
ثُمَّ	پھر	وَّهُمۡ	درانحالیکہ ان کو	فَاَخَذۡنٰهُمۡ	پس پکڑا ہم نے ان کو
بَدَّلۡنَا(۴)	بدل دیا ہم نے	لَا يَشۡعُرُوۡنَ	محسوس بھی نہیں ہوا	بِمَا كَانُوۡا	ان کاموں کی وجہ سے
مَكَانَ	جگہ میں	وَلَوۡ اَنَّ	اور اگر یہ بات ہوتی کہ		جو تھے وہ
السَّيِّئَةِ	برائی کے	اَهۡلَ الۡقُرٰٓى	بستیوں والے	يَكۡسِبُوۡنَ	کیا کرتے

(۱) البأساء: اسم مؤنث، از بُؤْسٌ: سختی، تنگی، جنگ کی شدت (۲) الضراء: اسم مؤنث: از ضُرٌّ: تکلیف، مرض، ضرر، نقصان (۳) یضرعون: از تَضَرُّع (باب تفعل) دراصل یتضرعون تھا: گڑگڑانا، عاجزی کرنا، (۴) بَدَّل کے دو مفعول آتے ہیں، اور دونوں حرفِ جر کے بغیر بھی آتے ہیں (ہدایت القرآن ۱:۸۷) (۵) عَفَا (ن) عُفُوًّا: اضداد میں سے ہے: بڑھنا گھٹنا، عفا الشیئَ: لمبا اور زیادہ کرنا، عفا عنہ: معاف کرنا، یہاں بڑھنے کے معنی ہیں۔

انبیاء کی تکذیب کرنے والی قوموں کو دکھ سکھ سے آزما کر ہلاک کیا جاتا ہے

رسالت کا مسئلہ چل رہا ہے، ابھی دور تک چلے گا، انبیائے خمسہ کی تکذیب کرنے والی اقوام کی ہلاکت کا ذکر آیا، آگے موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کرنے والے فرعونیوں کی ہلاکت کا ذکر ہے، درمیان میں سلسلہ کلام روک کر عبرت وموعظت ابھارتے ہیں، اور ایک سوال مقدر کا جواب بھی دیتے ہیں کہ جن قوموں کو ہلاک کیا گیا ان کو غفلت میں رکھ کر ہلاک نہیں کیا گیا، بلکہ ان کے لئے پہلے راہِ راست پر آنے کے مواقع فراہم کئے گئے، جب اقوام نے ان سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا، اور پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا تو ان کو ہلاک کیا گیا۔

سنتِ الٰہی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پہلے انبیاء کو مبعوث فرماتے ہیں تاکہ وہ مشرکین کو توحید کی دعوت دیں اور شرک کے انجام سے آگاہ کریں، شروع میں اللہ تعالیٰ انبیاء کی اقوام کو بدحالی اور بیماری وغیرہ سے دوچار کرتے ہیں، تاکہ ان کے دل نرم پڑیں، کبھی لوگ حالات سے دوچار ہوتے ہیں تو اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں، اور اپنی زندگیاں سنوار لیتے ہیں۔

پھر جب اس کا فائدہ ظاہر نہیں ہوتا تو خوش حالی کا دور شروع ہوتا ہے، خوب بارشیں ہوتی ہیں، باغات پھلتے پھولتے ہیں، تجارتوں میں نفع ہوتا ہے، مال اور اولاد بڑھتی ہے اور قوموں کو عروج حاصل ہوتا ہے، حالات کی اس تبدیلی سے بھی کبھی فائدہ ہوتا ہے، لوگ شکر گذار ہوتے ہیں، بعض لوگ سبق لیتے ہیں اور راہِ راست پر آجاتے ہیں۔

مگر ضدی طبیعت کے لوگ کوئی سبق نہیں لیتے، وہ کہتے ہیں: ''سرد وگرم حالات سے ہمارے اسلاف بھی گذرے ہیں!'' یعنی یہ حالات کی تبدیلی انبیاء کی تکذیب کا نتیجہ نہیں، نہ شرک کا وبال ہے، بس زمانہ کا الٹ پھیر ہے۔

اس طرح جب قوموں پر حجت تام ہو جاتی ہے تو عذاب آتا ہے، اور وہ اس طرح پکڑ لئے جاتے ہیں کہ ان کو عذاب کی بھنک بھی نہیں پڑتی، یکا یک عذاب میں دھر لئے جاتے ہیں۔

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ یَضَّرَّعُوْنَ ۝ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّیِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور ہم نے جب بھی کسی بستی میں کوئی نبی بھیجا ـــــ نبی: رسول سے عام ہے، قوموں کی ہلاکت کے لئے رسول کی بعثت ضروری نہیں، نبی کی بعثت بھی کافی ہے ـــــ تو اس کے باشندوں کو سختی اور تکلیف سے دوچار کیا، تاکہ وہ عاجزی کریں ـــــ اور ایمان لائیں ـــــ پھر ہم نے بدحالی کو خوش حالی سے بدل دیا ـــــ تاکہ وہ شکر گذار بنیں اور ایمان لائیں ـــــ یہاں تک کہ وہ خوب پھلے پھولے ـــــ یعنی انہیں خوب عروج حاصل ہوا ـــــ اور انھوں نے کہا:

''ہمارے باپ دادوں کو بھی دکھ سکھ نے چھویا ہے!'' ــــ یعنی یہ زمانہ کا الٹ پھیر ہے، کچھ شرک کا وبال اور نبی کی تکذیب کا نتیجہ نہیں ــــ پس ہم نے ان کو اچانک عذاب میں دھرلیا، درانحالیکہ انہیں بھنک بھی نہیں پڑی!

ماضی کے احوال سے موجودین کو ایمان کی ترغیب

اب ایک آیت گریز کی ہے، کلام کا نہج بدل کر ہلاک شدہ قوموں پر افسوس ظاہر کیا ہے اور قریش کو ایمان کی دعوت دی ہے، فرماتے ہیں: اگر گذشتہ قومیں انبیاء کی باتیں مانتیں، شرک کو چھوڑتیں اور ایک اللہ کی عبادت کرتیں تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنی نعمتوں سے نہال کر دیتے، آسمان وزمین اپنی برکتوں کے دہانے ان پر کھول دیتے، مگر افسوس! انھوں نے رسولوں کی تکذیب کی اور شرک سے باز نہ آئے، جیسے آج قریش رسول اللہ ﷺ کی تکذیب پر تُلے ہوئے ہیں، شرک کو چھوڑنا ہی نہیں چاہتے، پس جس طرح ان اقوام کو ان کے کرتوتوں کی پاداش میں پکڑلیا کیا مشرکین مکہ کا بھی یہ انجام نہیں ہوسکتا؟ وہ ماضی کے احوال سے سبق کیوں نہیں لیتے!

﴿ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٩٦﴾ ﴾

ترجمہ: اور اگر بستیوں والے ــــ یعنی گذشتہ انبیاء کی امتیں ــــ ایمان لاتے اور (گناہوں سے) بچتے، تو ہم ان پر آسمان وزمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے، لیکن انھوں نے انبیاء کی تکذیب کی، پس ہم نے ان کو ان کے کرتوتوں کی وجہ سے عذاب میں پکڑ لیا! ــــ یہی حال آج کے مکذبین کا بھی ہوسکتا ہے۔

اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿٩٧﴾ اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿٩٨﴾ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٩٩﴾

ربع

اَفَاَمِنَ	کیا پس نڈر ہو گئے	بَيَاتًا	رات میں	اَهْلُ الْقُرٰٓى	بستیوں والے
اَهْلُ الْقُرٰٓى	بستیوں والے	وَّهُمْ	درانحالیکہ وہ	اَنْ يَّاْتِيَهُمْ	اس بات سے کہ پہنچے ان کو
اَنْ يَّاْتِيَهُمْ	اس بات سے کہ پہنچے ان کو	نَآئِمُوْنَ	سو رہے ہوں؟	بَاْسُنَا	ہمارا عذاب
بَاْسُنَا	ہمارا عذاب	اَوَاَمِنَ	کیا اور بے خوف ہو گئے	ضُحًى	دن چڑھے

وَّهُمْ	درانحالیکہ وہ	مَكْرَ اللّٰهِ	اللہ کی خفیہ تدبیر سے؟	اِلَّا الْقَوْمُ	مگر لوگ
يَلْعَبُوْنَ	کھیل رہے ہوں؟	فَلَا يَاْمَنُ	پس نہیں مطمئن ہوتے	الْخٰسِرُوْنَ	کھاٹے میں رہنے
اَفَاَمِنُوْا	کیا پس مطمئن ہوگئے وہ	مَكْرَ اللّٰهِ	اللہ کی خفیہ تدبیر سے		والے!

گذشتہ قوموں کی طرح موجودین کو بھی عذاب میں پکڑا جاسکتا ہے

اب تین آیتوں میں موجودہ مکذبین کو، یعنی جزیرۃ العرب کے لوگوں کو جو قرآن کے اولین مخاطب ہیں تنبیہ فرماتے ہیں کہ تم اللہ کے عذاب سے کیوں نڈر ہوگئے ہو؟ بے فکر سورہے ہو! جبکہ عذاب کی بنیاد: شرک وتکذیب تم میں بھی موجود ہے، تم اپنی خوش حالی پر اترا رہے ہو، حالانکہ جس طرح اللہ نے پہلوں کو پکڑا ہے تمہیں بھی پکڑ سکتے ہیں۔

مکر: کے اصلی معنی ہیں: دھوکہ، فریب، یہاں مشاکلۃً یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے، یہاں اس کے معنی ہیں: خفیہ تدبیر، انبیاء کی تکذیب کرنے والوں کو جو دنیا میں ڈھیل دی جاتی ہے، پھر ان کو ان کے فریب کی سزا دی جاتی ہے: اس کو ''اللہ کی خفیہ تدبیر'' کہا گیا ہے۔

آیاتِ کریمہ: کیا تو بستیوں والے ـــــ یعنی جزیرۃ العرب کے باشندے ـــــ نڈر ہوگئے اس بات سے کہ ان کو ہمارا عذاب پہنچے رات میں جبکہ وہ سو رہے ہوں، اور کیا بستیوں والے بے خوف ہوگئے ـــــ یہ دوسری بات کہنے کے لئے تمہید لوٹائی ہے اور یہ قرآن کا اسلوب ہے ـــــ اس بات سے کہ ان کو ہمارا عذاب پہنچے دن چڑھے جبکہ وہ کھیل رہے ہوں ـــــ کاروبار بھی ایک طرح کا کھیل ہے ـــــ کیا تو وہ اللہ کی خفیہ تدبیر سے مطمئن ہوگئے؟ جبکہ اللہ کی خفیہ تدبیر سے صرف گھاٹے میں رہنے والے ہی مطمئن ہوتے ہیں!

اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ۭ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۱﴾ وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

اَوَلَمْ	کیا اور نہیں	يَهْدِ	راہ ملی	لِلَّذِيْنَ	ان کو جو

يَرِثُوْنَ	وارث ہوئے	نَقُصُّ	سناتے ہیں ہم	يَطْبَعُ	مہر کردیتے ہیں
الْاَرْضَ	زمین کے	عَلَيْكَ	آپ کو	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
مِنْۢ بَعْدِ	بعد	مِنْ اَنْۢبَآىِٕهَا	ان کے کچھ احوال	عَلٰى قُلُوْبِ	دلوں پر
اَهْلِهَآ	اس کے باشندوں کے	وَلَقَدْ	اور بخدا واقعہ یہ ہے کہ	الْكٰفِرِيْنَ	منکرین کے
اَنْ لَّوْ	کہ اگر	جَآءَتْهُمْ	پہنچے ان کو	وَمَا	اور نہیں
نَشَآءُ	چاہتے ہم	رُسُلُهُمْ	ان کے رسول	وَجَدْنَا	پایا ہم نے
اَصَبْنٰهُمْ	پہنچتے ہم ان کو	بِالْبَيِّنٰتِ	واضح دلائل کے ساتھ	لِاَكْثَرِهِمْ	ان کے اکثر کے لئے
بِذُنُوْبِهِمْ	ان کے گناہوں کی وجہ سے	فَمَا كَانُوْا	پس نہیں تھے وہ	مِّنْ عَهْدٍ	کوئی پیمان (وچن)
وَنَطْبَعُ	اور مہر کردیتے ہم	لِيُؤْمِنُوْا	کہ ایمان لاتے	وَاِنْ	اور بے شک
عَلٰى قُلُوْبِهِمْ	ان کے دلوں پر	بِمَا كَذَّبُوْا	ان باتوں پر جن کو	وَّجَدْنَآ	پایا ہم نے
فَهُمْ	پس وہ		انھوں نے جھٹلایا	اَكْثَرَهُمْ	ان کے اکثر کو
لَا يَسْمَعُوْنَ	بات نہ سنتے	مِنْ قَبْلُ	پہلے سے	لَفٰسِقِيْنَ	البتہ حد اطاعت سے
تِلْكَ الْقُرٰى	وہ بستیاں	كَذٰلِكَ	اسی طرح		نکل جانے والے

موجودہ لوگ مطمئن نہ بیٹھیں، ان کے ساتھ بھی قدماء جیسا معاملہ کیا جاسکتا ہے!

اب پھر گریز کی آیتیں ہیں، پھر موضوع بدلے گا، پہلی آیت کا تعلق موجودین (مشرکین عرب) سے ہے، پھر دو آیتوں کا تعلق انبیائے سابقین کی امتوں سے ہے، ان کی ہلاکت کا مضمون فرعونیوں کی ہلاکت سے مسلسل ہوجائے گا۔

پہلی آیت میں یہ بات ہے کہ موجودہ مشرکین گذشتہ مشرکین کے وارث ہوئے ہیں، اُن لوگوں کے بعد اِن لوگوں نے زمین کو آباد کیا ہے، پس کیا قدماء کے احوال سے اِن لوگوں کو راہ نہیں ملی؟ گذشتہ اقوام نے اپنے انبیاء کی باتیں نہیں سنیں، ضد میں بھر گئے، پس اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر کردی، اور انجام کار وہ ہلاک ہوئے، یہی صورتِ حال آج بھی ہے، لوگ نبی ﷺ کی باتیں گوش ہوش سے نہیں سن رہے، مقابلہ اور محاربہ پر اترے ہوئے ہیں، پس کیا ایسا ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے دلوں پر بھی مہر کردیں، اور ان کی حرکتوں کی پاداش میں ان کو ہلاک کردیں؟ ایسا ہونا بڑی حد تک ممکن ہے! پھر موجودین: قدماء کی ہلاکت سے سبق کیوں نہیں لیتے؟ اپنے حالات کو ان کے حالات پر قیاس کیوں نہیں کرتے؟ اور اللہ کی گرفت سے بچنے کے لئے ایمان کیوں نہیں لاتے؟ آخر انتظار کس بات کا ہے؟ —— اس طرح یہ

آیت موجودہ لوگوں سے متعلق ہے جو قرآنِ کریم کے مخاطب ہیں۔

﴿ اَوَلَمْ یَهْدِ لِلَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَاۤ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: کیا اور راہ نہیں ملی ان لوگوں کو جو زمین کے وارث ہوئے ہیں اس کے قدیم باشندوں کے بعد کہ اگر ہم چاہتے تو ان کو ان کے گناہوں کی وجہ سے پہنچتے اور ان کے دلوں پر مہر کر دیتے، پس وہ بات نہ سنتے؟

گذشتہ اقوام اور آج کی قوم ایک تھیلی کے چٹے بٹے ہیں!

انبیائے خمسہ کی قوموں کے کچھ احوال پہلے آچکے ہیں، ان کے پاس رسول واضح دلائل کے ساتھ پہنچے، مگر ان کے منہ سے 'نا' نکل گیا وہ 'ہاں' ہوکر نہیں دیا، ایک دفعہ جس چیز کا انکار کر بیٹھے اس کا اقرار نہیں کیا، اگرچہ ان کے مطلوبہ معجزات دکھا دیئے، جب اللہ کے مقابلہ میں کسی قوم کی ہٹ دھرمی اس حد تک پہنچ جاتی ہے تو ان میں قبول حق کا امکان باقی نہیں رہتا، ان کے دلوں پر ٹھپّہ لگ جاتا ہے اور ہلاکت کے سوا کوئی دوسری راہ باقی نہیں رہتی، اکثر انسانوں کا یہی حال ہے، انھوں نے عہد الست میں جو اللہ کی ربوبیت کا اقرار کیا ہے اس کا کوئی پاس ولحاظ نہیں کیا، اکثر لوگ اللہ کی اطاعت کے لئے آمادہ نہیں، جیسے فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کا حال آگے آرہا ہے، انھوں نے بھی کسی قیمت پر موسیٰ علیہ السلام کی بات نہیں مانی اور ہلاک ہوئے!

﴿ تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَیْكَ مِنْ اَنْۢبَآىِٕهَا ۚ وَ لَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِیُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ یَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِیْنَ ۝ وَ مَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَ اِنْ وَّجَدْنَاۤ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِیْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: وہ بستیاں —— یعنی انبیائے خمسہ کی امتیں —— ہم آپ کو ان کے کچھ احوال سناتے ہیں —— وہ احوال بالتفصیل پہلے آچکے ہیں، اور بالاجمال یہاں بیان کئے ہیں —— اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ ان کے پاس ان کے رسول واضح معجزات کے ساتھ پہنچے، مگر وہ ان باتوں پر ایمان نہیں لائے جس کو وہ قبل ازیں جھٹلا چکے تھے، اس طرح اللہ تعالیٰ مہر کر دیتے ہیں انکار کرنے والوں کے دلوں پر! —— اور ہم نے نہیں پایا ان کے اکثر کے لئے کوئی عہد و پیمان، اور ان کے اکثر بالیقین حد اطاعت سے نکلنے والے ہیں۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰیٰتِنَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ىِٕهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَیْفَ

كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ۝۱۰۳ وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۰۴
حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۭ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ
بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝۱۰۵ قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۱۰۶ فَاَلْقٰى
عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ۝۱۰۷ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ۝۱۰۸

ثُمَّ بَعَثْنَا	پھر ہم نے بھیجا	مِّنْ رَّبِّ	پالنہار کی طرف سے	اِنْ كُنْتَ	اگر ہے تو
مِنْۢ بَعْدِهِمْ	ان لوگوں کے بعد	الْعٰلَمِيْنَ	جہانوں کے	جِئْتَ	آیا ہے
مُّوْسٰى	موسیٰ کو	حَقِيْقٌ (۲)	سزاوار ہے	بِاٰيَةٍ	بڑی نشانی کے ساتھ
بِاٰيٰتِنَآ	ہماری نشانیوں کے ساتھ	عَلٰٓى اَنْ لَّآ (۳)	کہ نہ	فَاْتِ بِهَآ	تو لا اس کو
اِلٰى فِرْعَوْنَ	فرعون کی طرف	اَقُوْلَ	کہوں	اِنْ كُنْتَ	اگر ہے تو
وَمَلَا۟ئِهٖ (۱)	اور اس کے سرداروں	عَلَى اللّٰهِ	اللہ پر	مِنَ الصّٰدِقِيْنَ	سچوں میں سے
	کی طرف	اِلَّا الْحَقَّ	مگر سچی بات	فَاَلْقٰى	پس ڈالی اس نے
فَظَلَمُوْا	پس حق مارا انھوں نے	قَدْ جِئْتُكُمْ	تحقیق آیا ہوں میں	عَصَاهُ	اپنی لاٹھی
بِهَا	ان (نشانیوں) کا		تمہارے پاس	فَاِذَا هِيَ	پس اچانک وہ
فَانْظُرْ	پس دیکھ	بِبَيِّنَةٍ	واضح معجزہ کے ساتھ	ثُعْبَانٌ	اژدہا ہے
كَيْفَ كَانَ	کیسا ہوا	مِّنْ رَّبِّكُمْ	تمہارے پروردگار کی	مُّبِيْنٌ	کھلا
عَاقِبَةُ	انجام		طرف سے	وَّنَزَعَ	اور نکالا اس نے
الْمُفْسِدِيْنَ	فساد مچانے والوں کا؟	فَاَرْسِلْ	پس بھیج تو	يَدَهٗ	اپنا ہاتھ
وَقَالَ مُوْسٰى	اور کہا موسیٰ نے	مَعِيَ	میرے ساتھ	فَاِذَا هِيَ	پس اچانک وہ
يٰفِرْعَوْنُ	اے فرعون	بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ	بنی اسرائیل کو	بَيْضَآءُ	سفید (روشن) ہے
اِنِّيْ رَسُوْلٌ	بیشک میں پیغامبر ہوں	قَالَ	کہا فرعون نے	لِلنّٰظِرِيْنَ	دیکھنے والوں کے لئے

(۱) المَلَأُ: اسم جمع: سردارانِ قوم، سربرآوردہ لوگ، مَلَأَ (ف) مَلْئًا: بھرنا، پُر کرنا (۲) حقیق: حَقٌّ سے بروزن فعیل: صفت مشبہ: بمعنی جدیر (۳) علی: بمعنی باء ہے اور حقیق سے متعلق ہے۔

لمبے واقعہ کا ایک آیت میں خلاصہ

قرآنِ کریم کا ایک اسلوبِ بیان یہ ہے کہ جب وہ کوئی لمبا واقعہ بیان کرتا ہے تو پہلے اس کا خلاصہ کرتا ہے، پھر تفصیل شروع کرتا ہے، جیسے سورۃ یوسف میں پہلے ایک رکوع میں پورا واقعہ اجمالاً بیان کیا ہے، پھر دوسرے رکوع سے تفصیل شروع کی ہے، اور جیسے سورۃ الکہف میں اصحابِ کہف کا واقعہ بیان کیا ہے تو پہلے چار آیتوں میں اس کا نچوڑ بیان کیا ہے پھر تفصیل شروع کی ہے۔ یہاں بھی موسیٰ علیہ السلام، فرعون، قبطیوں اور سبطیوں کے مفصل احوال بیان کئے ہیں، مگر اصل مقصود فرعون کا واقعہ بیان کرنا ہے کہ اس نے موسیٰ علیہ الالام کی دعوت ٹھکرائی اور ہلاک ہوا، چنانچہ ایک آیت میں واقعہ کا خلاصہ بیان کیا ہے کہ ہم نے گذشتہ اقوام (انبیائے خمسہ کی امتوں) کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو محیر العقول معجزات (عصا اور ید بیضا) کے ساتھ فرعون کی طرف اور اس کی قوم کے سرداروں کی طرف مبعوث فرمایا، مگر انھوں نے ان معجزات کو درخور اعتناء نہیں سمجھا اور وہ ہلاک ہوئے، سارے غرقاب کر دیئے گئے۔

فائدہ: سِبط: پوتا، نواسہ، نواسہ کے لئے زیادہ مستعمل ہے، پوتے کے لئے حفید ہے، سبطیوں سے مراد بنی اسرائیل ہیں اور قبطی فرعون کی قوم ہے۔

﴿ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ۝﴾

ترجمہ: پھر ہم نے ان لوگوں کے بعد —— یعنی انبیائے خمسہ کی امتوں کی ہلاکت کے بعد —— موسیٰ کو اپنے معجزات کے ساتھ فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کی طرف بھیجا، پس انھوں نے ان معجزات کے ساتھ ناانصافی کی —— ان کا حق مارا، ایمان نہیں لائے —— پس دیکھ فسادیوں کا انجام کیا ہوا؟ —— سب غرقاب کر دیئے گئے!

موسیٰ علیہ السلام کی بعثت اور فرعون سے گفتگو

معجزات دکھائے اور بنی اسرائیل کی رہائی کا مطالبہ کیا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے گھر میں پرورش پائی ہے، جب وہ جوان ہوئے تو ان کے ہاتھ سے نادانستہ ایک قبطی مارا گیا، فرعون کی پارلیمنٹ میں جوابی قتل (قصاص) کے لئے مشورہ شروع ہوا، فرعون کے خاندان کا ایک شخص، جو موسیٰ علیہ السلام کا ہمدرد تھا، میٹنگ سے اٹھ کر تیزی سے شہر میں آیا، اور آپؑ کو مشورہ دیا کہ وہ فوراً فرعون کی حکومت کی حدود سے نکل جائیں، ورنہ مارے جائیں گے، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام مدین کی طرف چل دیئے، وہ فرعون کی حدودِ مملکت سے

باہر تھا، وہاں آپؑ نے ایک نیک بندے کے یہاں دس سال نوکری کی اور اس کی لڑکی سے شادی کی، جب مدتِ اجارہ پوری ہوئی تو آپ اپنے گھر والوں کو اور مال سامان کو لے کر اپنے آبائی وطن کنعان کے لئے چلے، مگر راستہ بھول کر وادیٔ سَینا میں پہنچ گئے، وہاں آپ نے ایک ٹھنڈی رات میں طور پہاڑ پر روشنی دیکھی، جب آگ لینے کے لئے وہاں پہنچے تو نبوت سے سرفراز کئے گئے اور فرعون، اس کے سرداروں، سبطیوں اور قبطیوں کی طرف جانے کا حکم ملا، آپ نے سفارش کر کے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو نبی بنوایا، اس طرح آپ مدین سے لوٹ کر مصر پہنچے، بھائی اور خاندان سے ملے اور گھر والوں کو ٹھہرایا، پھر دونوں بھائی فرعون کے دربار میں پہنچے، اور اس سے چار باتیں کہیں:

۱- میں جہانوں کے پالنہار اللہ کی طرف سے نمائندہ بن کر آپ کے پاس آیا ہوں، پس میری باتیں میری نہیں، رب العالمین کی ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ آپ ان کو قبول کریں۔

۲- اور جب میں اللہ کا فرستادہ ہوں تو میرے شایانِ شان یہی بات ہے کہ میں بجز سچ کے اللہ کی طرف کوئی بات منسوب نہ کروں، یعنی میری ہر بات کانٹے کے تول پوری ہوگی، اس میں ذرا شک کی گنجائش نہیں۔

۳- اور میں خالی ہاتھ نہیں آیا، میرے پاس دربارِ عالی کی سند ہے، مجھے محیر العقول معجزات عنایت فرمائے گئے ہیں۔

۴- بنی اسرائیل کو جو انبیاء کی اولاد ہیں میرے ساتھ ان کے آبائی وطن کنعان کی طرف جانے دیں، ان کو اپنی قید سے آزاد کریں۔

فائدہ: بنی اسرائیل کے جدِ اعلیٰ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے عراق سے ہجرت کر کے شام ہی میں قیام فرمایا تھا، بعدہٗ: حضرت یوسف علیہ السلام کی وجہ سے بنی اسرائیل مصر میں آباد ہوئے، اب چونکہ یہاں کی قوم قبطیوں نے ان پر طرح طرح کے مظالم کر رکھے ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ ان کو قبطیوں کی ذلیل غلامی سے آزادی دلا کر آبائی وطن کی طرف واپس کیا جائے، تاکہ وہ وہاں آزادی کے ساتھ اپنے پروردگار کی عبادت میں مشغول ہوں (فوائد)

فرعون نے جواب دیا: تم جن معجزات کے ساتھ آئے ہو وہ دکھاؤ، اگر تم سچے ہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی ڈالی تو وہ صاف اژدہا بن گئی، نظر بندی نہیں تھی، واقعی انقلاب ماہیت ہوگیا، کہتے ہیں: اژدہا منہ کھول کر فرعون کی طرف لپکا، فرعون بدحواس ہو کر بھاگا، موسیٰ علیہ السلام نے سانپ کو پکڑ لیا تو وہ لاٹھی بن گیا، پھر موسیٰ علیہ السلام نے ہاتھ گریبان میں ڈالا، اور بغل میں دبا کر نکالا تو وہ غیر معمولی طور پر سفید اور چمکدار تھا —— موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے نو معجزات دیئے تھے، ان میں سے یہ دو اہم معجزات تھے، ان کا اس موقعہ پر مظاہرہ کیا گیا۔

آیاتِ کریمہ: اور موسیٰ نے کہا: (۱) اے فرعون! بے شک میں رب العالمین کا فرستادہ ہوں (۲) میرے لائق یہی

ہے کہ میں بجز سچ کے اللہ کی طرف کوئی بات منسوب نہ کروں (۳) میں آپ لوگوں کے پاس آپ لوگوں کے پروردگار کی طرف سے واضح معجزہ کے ساتھ آیا ہوں (۴) لہٰذا تم میرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دو۔

فرعون نے کہا: اگر تو کسی بڑی نشانی کے ساتھ آیا ہے تو اس کو دکھا، اگر تو سچا ہے، پس موسیٰ نے اپنی لاٹھی ڈالی تو یکا یک وہ واضح اژدہا تھی، اور اپنا ہاتھ نکالا تو اچانک وہ چمکدار تھا دیکھنے والوں کے لئے!

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۹﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِي الْمَدَاۤئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۱۱۲﴾ وَجَاۤءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَاۤءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۱۶﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَاۤءَتْنَا ۚ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾

ع ۱۴ / ۴

قَالَ الْمَلَاُ	کہا سرداروں نے	مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ	قوم کی فرعون کے	اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ	بے شک یہ البتہ جادوگر ہے

عَلِيۡمٌ	ماہر	اِنۡ كُنَّا	اگر ہوں ہم	وَاسۡتَرۡهَبُوۡهُمۡ(۲)	اور ڈرادیا انھوں نے ان کو
يُّرِيۡدُ	چاہتا ہے	نَحۡنُ	ہی	وَجَآءُوۡ	اور آئے وہ
اَنۡ يُّخۡرِجَكُمۡ	کہ نکالے تم کو	الۡغٰلِبِيۡنَ	جیتنے والے؟	بِسِحۡرٍ	جادو کے ساتھ
مِّنۡ اَرۡضِكُمۡ	تمہاری سرزمین سے	قَالَ	کہا فرعون نے	عَظِيۡمٍ	بڑا
فَمَاذَا	پس کیا	نَعَمۡ	ہاں!	وَاَوۡحَيۡنَاۤ	اور وحی بھیجی ہم نے
تَاۡمُرُوۡنَ	حکم دیتے ہو تم (فرعون کو)	وَاِنَّكُمۡ	اور بے شک تم	اِلٰى مُوۡسٰٓى	موسیٰ کی طرف
قَالُوۡۤا	کہا انھوں نے	لَمِنَ الۡمُقَرَّبِيۡنَ	البتہ نزدیک کئے ہوؤں	اَنۡ اَلۡقِ	کہ ڈالیں آپ
اَرۡجِهۡ(۱)	ڈھیل دیں آپ اس کو		میں سے ہوگے	عَصَاكَ	اپنی لاٹھی
وَاَخَاهُ	اور اس کے بھائی کو	قَالُوۡا	کہا جادوگروں نے	فَاِذَا هِىَ	پس یکا یک وہ
وَاَرۡسِلۡ	اور بھیجیں آپ	يٰمُوۡسٰٓى	اے موسیٰ	تَلۡقَفُ(۳)	پھرتی سے نگلنے لگی
فِى الۡمَدَآئِنِ	شہروں میں	اِمَّاۤ	یا تو یہ	مَا يَاۡفِكُوۡنَ(۴)	اس سوانگ کو جو بنا
حٰشِرِيۡنَ	جمع کرنے والوں کو	اَنۡ تُلۡقِىَ	کہ ڈالے تو		لائے تھے وہ
يَاۡتُوۡكَ	آئیں وہ آپ کے پاس	وَاِمَّاۤ	اور یا یہ	فَوَقَعَ	پس ثابت ہوگیا
بِكُلِّ سٰحِرٍ	ہر جادوگر کے ساتھ	اَنۡ نَّكُوۡنَ	کہ ہوں ہم	الۡحَقُّ	سچ
عَلِيۡمٍ	جاننے والے	نَحۡنُ	ہی	وَبَطَلَ	اور غلط ہوگیا
وَجَآءَ	اور آئے	الۡمُلۡقِيۡنَ	ڈالنے والے	مَا كَانُوۡا	جو تھے وہ
السَّحَرَةُ	جادوگر	قَالَ	کہا موسیٰ نے	يَعۡمَلُوۡنَ	بناتے
فِرۡعَوۡنَ	فرعون کے پاس	اَلۡقُوۡا	ڈالو تم	فَغُلِبُوۡا	پس ہار گئے فرعونی
قَالُوۡۤا	کہا انھوں نے	فَلَمَّاۤ اَلۡقَوۡا	پس جب ڈالا انھوں نے	هُنَالِكَ	اس جگہ
اِنَّ لَنَا	بے شک ہمارے لئے	سَحَرُوۡۤا	جادو کردیا انھوں نے	وَانۡقَلَبُوۡا	اور پلٹے وہ
لَاَجۡرًا	البتہ مزدوری ہوگی	اَعۡيُنَ النَّاسِ	لوگوں کی آنکھوں پر	صٰغِرِيۡنَ	ذلیل ہوکر

(۱) أَرْجِ: إرجاء (افعال) سے امر کا صیغہ واحد مذکر حاضر، ہٗ: ضمیر واحد مذکر غائب مفعول بہ (۲) اسْتِرْهَاب: ڈرانا، گھبرانا (۳) لَقِفَ (س) لَقْفًا: پھرتی سے نگل جانا (۴) أَفَکَ (ض) إفکًا: جھوٹ طور پر بنانا، سوانگ: شعبدہ، کھیل۔

وَ اُلْقِيَ	اور ڈال دیئے گئے	لَكُمْ	تمہیں	اَجْمَعِيْنَ	سبھی کو
السَّحَرَةُ	جادوگر	اِنَّ هٰذَا	بے شک یہ	قَالُوْٓا	کہا انھوں نے
سٰجِدِيْنَ	سجدے میں	لَمَكْرٌ	البتہ ایک چال ہے	اِنَّآ	بے شک ہم
قَالُوْٓا	کہا انھوں نے	مَّكَرْتُمُوْهُ	جس کو چلے ہو تم	اِلٰى رَبِّنَا	ہمارے پروردگار کی طرف
اٰمَنَّا	ایمان لائے ہم	فِى الْمَدِيْنَةِ	اس شہر میں	مُنْقَلِبُوْنَ	لوٹنے والے ہیں
بِرَبِّ	پروردگار پر	لِتُخْرِجُوْا	تا کہ نکالو تم	وَمَا تَنْقِمُ (۱)	اور نہیں ناگوار گذری تجھے
الْعٰلَمِيْنَ	جہانوں کے	مِنْهَآ	اس (شہر) سے	مِنَّآ	ہماری
رَبِّ مُوْسٰى	موسیٰ کے پروردگار پر	اَهْلَهَا	اس کے باشندوں کو	اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا	مگر یہ بات کہ ایمان
وَ هٰرُوْنَ	اور ہارون کے	فَسَوْفَ	پس عنقریب		لائے ہم
قَالَ	کہا	تَعْلَمُوْنَ	جان لوگے تم	بِاٰيٰتِ رَبِّنَا	ہمارے رب کے معجزات پر
فِرْعَوْنُ	فرعون نے	لَاُقَطِّعَنَّ	میں ضرور کاٹوں گا	لَمَّا جَآءَتْنَا	جب وہ پہنچے ہمیں
اٰمَنْتُمْ	کیا ایمان لائے تم	اَيْدِيَكُمْ	تمہارے ہاتھوں کو	رَبَّنَآ	اے ہمارے پروردگار!
بِهٖ	اس (پروردگار) پر	وَ اَرْجُلَكُمْ	اور تمہارے پیروں کو	اَفْرِغْ عَلَيْنَا	ریڑھیے ہم پر
قَبْلَ	پہلے	مِّنْ خِلَافٍ	مخالف جانب سے	صَبْرًا	صبر (برداشت)
اَنْ اٰذَنَ	(اس کے) کہ اجازت	ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ	پھر میں ضرور تم کو سولی	وَّ تَوَفَّنَا	اور موت دیجئے ہمیں
	دوں میں		دوں گا	مُسْلِمِيْنَ	مسلمان ہونے کی حالت میں

سرداروں نے معجزات کو جادو قرار دیا، اور جادوگروں سے مقابلہ کرانے کا مشورہ دیا

موسیٰ علیہ السلام نے دعوت سر دربار دی تھی، اپنے دونوں معجزات تمام درباریوں کو دکھائے تھے، پس ان میں سے بعض نے کہا: یہ ماہر جادوگر ہے، چاہتا ہے کہ تم کو تمہارے ملک سے بے دخل کردے، اور ملک کا کنٹرول خود سنبھال لے، دریں صورت پارلیمنٹ نے فرعون کو یہ مشورہ دیا کہ وہ موسیٰ کو اور اس کے بھائی کو ڈھیل دے، اور ملک میں چپڑاسی ڈورائے جو تمام ماہر جادوگروں کو جمع کرلائیں، اور ان کا موسیٰ سے مقابلہ کرائے۔

آگے کا مضمون سورۂ طٰہٰ میں ہے: فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا: ہم تیرے مقابلہ میں ویسا ہی جادو لائیں گے،

(۱) نَقَمَ (ض) منه: کوئی بات ناپسند کرنا، ناگوار سمجھنا۔

لہٰذا تو مقابلہ کا کوئی دن اور میدان مقرر کر، موسیٰ علیہ السلام نے جشن کا دن اور دن چڑھے کا وقت مقرر کیا، اور لوٹ گئے۔

﴿قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ۝ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ۝ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِي الْمَدَاۗىِٕنِ حٰشِرِيْنَ ۝ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ۝﴾

ترجمہ: فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا: بے شک یہ ماہر جادوگر ہے، چاہتا ہے کہ تم کو تمہارے ملک سے بے دخل کردے، پس آپ حضرات (فرعون کو) کیا حکم (مشورہ) دیتے ہو؟

سب سرداروں نے (فرعون سے) کہا کہ آپ اس کو اور اس کے بھائی کو ڈھیل دیں ـــــ یعنی ابھی جواب نہ دیں ـــــ اور شہروں میں ہرکارے دوڑائیں، جو آپ کے پاس تمام ماہر جادوگروں کو لائیں ـــــ اور ان کا موسیٰ سے مقابلہ کرائیں۔

جادوگروں نے فرعون سے اجرت کی امید باندھی

جب جادوگر فرعون کے پاس آئے تو انھوں نے خوبصورت طریقہ پر مزدوری مانگی، وہ پیشہ ور تھے، جادو کرنا یا کاٹنا ان کا دھندا تھا، وہ مفت میں کام نہیں کرتے، انھوں نے فرعون سے کہا: اگر ہم مقابلہ میں جیت گئے تو ہمیں کچھ مزدوری ملے گی؟ فرعون نے کہا: بالکل ملے گی! اور تم کو دربار میں جگہ بھی دی جائے گی (تاکہ آئندہ بھی تم سے کام لیا جاسکے)

فائدہ: جو عامل نذرانہ پہلے وصول کرتے ہیں، پھر عمل کرتے ہیں: وہ صحیح نہیں! معلوم نہیں عمل سے فائدہ ہو یا نہ ہو، حدیث میں **عَسْبُ الفحل** کی ممانعت آئی ہے، یعنی مادہ کو گابھن کرانے کی اجرت جائز نہیں، اور اس کی بنیاد یہ ہے کہ نر کے جست کرنے سے مادہ کا گابھن ہونا یقینی نہیں، کبھی داؤ خالی جاتا ہے، اسی طرح عمل کا فائدہ بھی یقینی نہیں، البتہ اجرت پہلے طے کرلی جائے اور عمل کا فائدہ ظاہر ہونے کے بعد لی جائے تو جائز ہے۔

﴿وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ۝ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝﴾

ترجمہ: اور جادوگر فرعون کے پاس آئے، انھوں نے کہا: کیا ہمارے لئے کچھ مزدوری ہوگی اگر ہم ہی غالب رہیں؟ فرعون نے کہا: ہاں! اور تم مقرب بارگاہ ہوجاؤ گے!

مقابلہ شروع ہوا، جادوگروں نے اپنا کرتب دکھایا، جس کو موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ نگل گیا

میدان میں سبطی اور قبطی مقابلہ دیکھنے کے لئے جمع ہوگئے، فرعون بھی مع اعوان وانصار موجود تھا، جادوگر فیلڈ میں

اترے، انھوں نے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا: آپ ابتدا کرتے ہیں یا ہم ابتدا کریں؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: تم ہی زور آزمالو! انھوں نے لاٹھیاں اور رسیاں جو منتر پڑھ کر لائے تھے میدان میں ڈالیں، اور نظر بندی کردی، جس سے سارا میدان سانپوں سے بھرا ہوا نظر آنے لگا، جس سے سب پر دہشت طاری ہوگئی، ایک سانپ گھبرانے کے لئے کافی ہوتا ہے، یہاں تو ان گنت سانپ تھے، یوں انھوں نے اپنے خیال میں زبردست جادو کا مظاہرہ کیا۔

فوراً وحی آئی کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی لاٹھی ڈالیں، ڈالی تو وہ اژدہا بن کر جادوگروں کے سوانگ (تماشہ) کو نگلنے لگی، اور دیکھتے ہی دیکھتے سب کو چٹ کرگئی، تب سچ کھل گیا اور باطل مٹ گیا ـــــ جادوگروں نے نظر بندی کی تھی، لاٹھیوں اور رسیوں کی ماہیت نہیں بدلی تھی، اس لئے وہ کسی کو کاٹ نہیں سکتے تھے، اور موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی حقیقۃً سانپ بن گئی تھی، اس لئے وہ سب کو پھرتی سے نگل گئی۔

﴿ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ۝۱۱۵ قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ۝۱۱۶ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ۝۱۱۷ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۱۸ ﴾

ترجمہ: جادوگروں نے کہا: ''اے موسیٰ! یا تو تو ڈالے یا ہم ہی ہوں (پہلے) ڈالنے والے؟'' ـــــ موسیٰ نے کہا: تم ڈالو! پس جب انھوں نے ڈالا تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کردیا، اور ان پر دہشت طاری کردی، اور انھوں نے زبردست جادو کا مظاہرہ کیا ـــــ اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ آپ اپنی لاٹھی ڈالیں، پس یکایک وہ اس سوانگ کو پھرتی سے نگلنے لگی جو جادوگر بنا کر لائے تھے، اس طرح سچ کھل گیا، اور جادوگروں کا بنایا ہوا مٹ گیا۔

مقابلہ میں فرعونیوں نے منہ کی کھائی، جادوگر مسلمان ہوگئے،

اور انھوں نے فرعون کی سزا خندہ پیشانی سے قبول کی!

میدانی مقابلہ میں فرعون کی پارٹی ہاری، وہ ذلیل ہوکر میدان سے لوٹی، اور جادوگر سجدہ ریز ہوگئے، ان کے سجدہ کا مطلب تھا: رب العالمین پر ایمان لانا، بس پھر کیا تھا؟ فرعون آپے سے باہر ہوگیا، اس نے جادوگروں سے کہا: ''تم موسیٰ اور ہارون کے پروردگار پر ایمان لائے میری اجازت کے بغیر؟ معلوم ہوتا ہے یہ تمہاری ملی بھگت ہے، تم سب مل کر ملک پر قبضہ کرنا چاہتے ہو، تمہارے ایمان کا انجام تمہیں ابھی معلوم ہوجائے گا، جب میں تمہارے مخالف جانب سے ہاتھ پیر کاٹوں گا، پھر تم سب کو سولی پر لٹکاؤں گا!''

جادوگروں نے جواب دیا: "ہمارا کیا بگڑے گا! ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹیں گے، اور تو جو ہمیں سزا دے گا تو کس گناہ کی سزا دے گا؟ اسی گناہ کی کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کو معجزہ مان لیا!" یعنی یہ ہمارا گناہ نہیں، خوبی ہے!

پھر انھوں نے دعا کی: "الٰہی! ہمیں سزا برداشت کرنے کا حوصلہ عطا فرما! اور ہمیں آخری سانس تک ایمان پر برقرار رکھ!" —— اس طرح جادوگروں نے فرعون کی سزا کو خندہ پیشانی سے قبول کیا!

﴿فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ۝١١٩ وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ۝١٢٠ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝١٢١ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۝١٢٢ قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝١٢٣ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝١٢٤ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ۝١٢٥ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَاۗءَتْنَا ۭ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ۝١٢٦﴾

ترجمہ: پس وہاں —— مقابلہ کے میدان میں —— فرعونی ہارے، اور ذلیل ہوکر (میدان سے) لوٹے، اور جادوگر سجدہ میں ڈال دیئے گئے —— ﴿اُلْقِيَ﴾ فعل مجہول ہے، یعنی بغیر کسی خارجی دباؤ کے مسلمان ہوگئے —— انھوں نے کہا: "ہم جہانوں کے پالنہار پر ایمان لائے، موسیٰ اور ہارون کے پالنہار پر"

فرعون نے کہا: "تم اس (رب العالمین) پر ایمان لائے میرے اجازت دینے سے پہلے؟ یہ ضرور کوئی سازش ہے جو تم نے مملکت میں رچی ہے، تاکہ تم مملکت سے اس کے (اصل) باشندوں کو بے دخل کردو، پس ابھی تمہیں (سازش کا انجام) معلوم ہوجائے گا (جب) میں بالیقین تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف جانب سے کاٹوں گا، پھر تم سب کو سولی پر لٹکاؤں گا!" —— تب تم اپنی سازش کا مزہ چکھوگے!

جادوگروں نے کہا: "بے شک ہم ہمارے پروردگار کی طرف لوٹنے والے ہیں، اور تجھے ہماری یہی بات ناگوار گذری ہے کہ ہم ہمارے پروردگار کے معجزات پر ایمان لائے جب وہ ہمیں پہنچے!"

دعا: "اے ہمارے پروردگار! آپ ہم پر صبر انڈیل دیں! اور ہمیں فرمان بردار ہونے کی حالت میں موت دیں!"

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ۭ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَاۗءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَاۗءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ۝١٢٧ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ڐ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَاۗءُ

مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾

وَقَالَ	اور کہا	نِسَآءَهُمْ	ان کی عورتوں کو	قَالُوْٓا	کہا بنی اسرائیل نے
الْمَلَاُ	سرداروں نے	وَاِنَّا فَوْقَهُمْ	اور ہم ان پر	اُوْذِيْنَا	تکلیف پہنچائے گئے ہم
مِنْ قَوْمِ	قوم	قٰهِرُوْنَ	زور آور ہیں	مِنْ قَبْلِ	آپ کے ہمارے پاس
فِرْعَوْنَ	فرعون کے	قَالَ مُوْسٰى	کہا موسیٰ نے	اَنْ تَاْتِيَنَا	آنے سے پہلے
اَتَذَرُ	کیا چھوڑتے ہیں آپ	لِقَوْمِهِ	اپنی قوم سے	وَمِنْۢ بَعْدِ	اور آپ کے ہمارے
مُوْسٰى	موسیٰ کو	اسْتَعِيْنُوْا	مدد مانگو تم	مَا جِئْتَنَا	پاس آنے کے بعد
وَقَوْمَهٗ	اور اس کی قوم کو	بِاللّٰهِ	اللہ سے	قَالَ	کہا موسیٰ نے
لِيُفْسِدُوْا	تاکہ بگاڑ پیدا کریں وہ	وَاصْبِرُوْا	اور صبر کرو	عَسٰى رَبُّكُمْ	نزدیک ہے تمہارا پروردگار
فِى الْاَرْضِ	ملک میں	اِنَّ الْاَرْضَ	بے شک زمین	اَنْ يُّهْلِكَ	کہ ہلاک کرے
وَيَذَرَكَ	اور چھوڑ دیں وہ آپ کو	لِلّٰهِ	اللہ کی ہے	عَدُوَّكُمْ	تمہارے دشمنوں کو
وَاٰلِهَتَكَ	اور آپ کے معبودوں کو	يُوْرِثُهَا	وارث بناتے وہ اس کا	وَيَسْتَخْلِفَكُمْ	اور نائب بنائے تم کو
قَالَ	کہا فرعون نے	مَنْ يَّشَآءُ	جس کو چاہتے ہیں	فِى الْاَرْضِ	زمین میں
سَنُقَتِّلُ	اب قتل کریں گے ہم	مِنْ عِبَادِهٖ	اپنے بندوں میں سے	فَيَنْظُرَ	پھر دیکھے وہ
اَبْنَآءَهُمْ	ان کے بیٹوں کو	وَالْعَاقِبَةُ	اور اچھا انجام	كَيْفَ	کیسے
وَنَسْتَحْيٖ	اور زندہ رکھیں گے	لِلْمُتَّقِيْنَ	پرہیزگاروں کیلئے ہے	تَعْمَلُوْنَ	کرتے ہو تم کام!

جادوگروں کو سزا دے کر فرعون نے بنی اسرائیل کو بھی سزا دی

جب فرعون جادوگروں کو سزا دے کر فارغ ہوا تو پارلیمنٹ میں سرداروں نے کہا: آپ نے جادوگروں کو تو سزا دیدی، مگر موسیٰ اور اس کی قوم کو چھوڑ دیا، وہ ملک میں اودھم مچائیں گے، رفتہ رفتہ اپنی طاقت جمع کر کے آپ کے لئے خطرہ بن

جائیں گے، آپ کی مورتیوں کو اور آپ کے دھرم کو چھوڑ دیں گے، لہٰذا ان کو بھی ضرور سزا دینی چاہئے۔

مگر ان کی تعداد چھ لاکھ تھی، اتنی بڑی تعداد کو قتل کرنا سیاسی مصلحت نہیں تھی، اس لئے فرعون نے بنی اسرائیل کی تعداد کو آہستہ آہستہ گھٹانے کا طریقہ اختیار کیا، اس نے کہا: ہم حسبِ سابق ان کے لڑکوں کو قتل کریں گے اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دیں گے، اس طرح ان کی تعداد گھٹ جائے گی، اور لڑکوں کے قتل کے واقعات اکا دکا پیش آئیں گے اس لئے کوئی خلفشار نہیں ہوگا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جس سال موسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہونی تھی، نجومیوں نے پیشین گوئی کی تھی کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کے ہاتھ سے فرعون کی حکومت ختم ہو جائے گی، چنانچہ فرعون نے حکم دیا کہ اس سال بنی اسرائیل میں جو بھی لڑکا پیدا ہو اس کو قتل کر دیا جائے اور لڑکیوں کو زندہ رکھا جائے، کیونکہ ان سے کوئی خطرہ نہیں، اب وہی سزا دوبارہ فرعون نے بنی اسرائیل کے لئے تجویز کی کہ لڑکوں کو قتل کیا جائے، تاکہ ان کی تعداد گھٹے، اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دیا جائے، تاکہ بنی اسرائیل کے لئے دردِ سر بنیں اور قبطیوں کی خدمت کریں (تفصیل پوری ہوئی)

فرعون نے یہ بھی کہا کہ حالات ہمارے قابو میں ہیں، اس پر عمل کرنے میں کسی فتنہ (خلفشار) کا اندیشہ نہیں، جب اس حکم پر عمل شروع ہوا تو بنی اسرائیل بہت گھبرائے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو تسلی دی، اور فرمایا: اللہ سے مدد مانگو اور صبر (برداشت) سے کام لو، ملک اللہ کا ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں مالک بنائیں، اور اچھا انجام نیکو کاروں کے لئے ہے! —— یعنی اگر تم نیکوکار ہوئے تو تمہارا پلّہ بھاری رہے گا!

سِبطیوں نے شکوہ کیا، انھوں نے کہا: آپ کی بعثت سے پہلے بھی ہم پر یہ آفت آئی تھی، اب دوبارہ آپ کی بعثت کے بعد یہی آفت آئی! —— اس سے معلوم ہوا کہ دوبارہ لڑکوں کا قتل شروع ہو گیا تھا۔

موسیٰ علیہ السلام نے قوم سے کہا: وہ دن دور نہیں جب اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو ہلاک کریں گے، اور تمہیں زمین میں ان کا قائم مقام بنائیں گے، پھر دیکھیں گے کہ تم کیسے کام کرتے ہو، خلف ثابت ہوتے ہو یا ناخلف!

سوال: فرعون کا دعوی تھا: ﴿ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴾: میں تمہارا سب سے بڑا پروردگار ہوں! پھر اس کے معبود کون تھے؟ اور ﴿ اٰلِهَتَكَ ﴾ کا کیا مطلب ہے؟

جواب: فرعون بھی 'بندہ' تھا، بندگی اس کی فطرت تھی، حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وہ مورتیوں کو پوجتا تھا، اور سلیمان تیمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وہ گائے کو پوجتا تھا، اس طرح وہ اپنی طبیعت کا تقاضا پورا کرتا تھا، جیسے قبوری: نماز نہیں پڑھتے، قبروں کا طواف کر کے اور اولیاء سے مرادیں مانگ کر طبیعت کا تقاضا پورا کر لیتے ہیں۔

آیاتِ کریمہ: فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا: ''کیا آپ موسیٰ کو اور اس کی قوم کو چھوڑتے ہیں کہ وہ ملک میں اودھم مچائیں، اور آپ کو اور آپ کی مورتیوں کو چھوڑ دیں؟'' —— یعنی کیا ان کو کوئی سزا نہیں دیں گے؟ —— فرعون نے کہا: ''اب ہم ان کے بیٹوں کو قتل کریں گے اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھیں گے، اور ہم ان پر قابو یافتہ ہیں!''

اور موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: ''اللہ سے مدد مانگو، اور قوتِ برداشت سے کام لو، زمین یقیناً اللہ کی ہے، وہ جس کو اپنے بندوں میں سے چاہیں وارث بنائیں، اور اچھا انجام پرہیزگاروں کے لئے ہے!''

فائدہ (۱): انبیائے کرام عالم الغیب نہیں ہوتے، ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ جو وعدے فرماتے ہیں وہ اجمالی ہوتے ہیں، تفصیلات سے وہ آگاہ نہیں ہوتے، ان آیات میں مکی دور میں مسلمانوں سے وعدہ کیا گیا ہے کہ وہ صبر وہمت سے مخالفین کے ظلم وستم سہیں، زمین اللہ تعالیٰ کی ہے، وہ جس کو چاہیں مالک بنائیں اور اچھا انجام بہرحال پرہیزگاروں کے لئے ہے، رہی یہ بات کہ اس کی کیا صورت ہوگی؟ اور اس میں کتنا وقت لگے گا؟ یہ بات نبی ﷺ کو بھی نہیں بتائی گئی تھی، موسیٰ علیہ السلام کو بھی معلوم نہیں تھی، بالاجمال یہ خوش خبری سنائی تھی۔

فائدہ (۲): معجزہ نہ نبی کا فعل ہوتا ہے نہ نبی کے اختیار میں ہوتا ہے، وہ اللہ کا فعل ہوتا ہے، اور اللہ کے اختیار میں ہوتا ہے، اللہ جب چاہتے ہیں معجزہ ظاہر ہوتا ہے، عصا جو سانپ بنتا تھا وہ ہر وقت لاٹھی ڈالنے سے نہیں بنتا تھا، نہ ہاتھ چمکتا تھا، بلکہ جب اللہ تعالیٰ چاہتے تو یہ معجزات ظاہر ہوتے۔

بنی اسرائیل نے کہا: ''ہم آپ کی بعثت سے پہلے —— آپ کی ولادت کے وقت —— تکلیف پہنچائے گئے، اور (اب) آپ کی بعثت کے بعد بھی!'' —— موسیٰ نے کہا: ''جلدی تمہارا پروردگار تمہارے دشمنوں کو ہلاک کرے گا، اور تم کو زمین میں نائب بنائے گا، پھر دیکھے گا کہ تم کیسے کام کرتے ہو؟''

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ۗ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۣ فَاسْتَكْبَرُوْا

وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۳۴﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ڏ بِمَا صَبَرُوْا ۭ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۷﴾

وَلَقَدْ	اور بخدا! واقعہ یہ ہے	قَالُوْا	(تو) کہتے	طٰٓئِرُهُمْ (۳)	ان کی بدفالی
اَخَذْنَآ	(کہ) پکڑا ہم نے	لَنَا هٰذِهٖ	ہمارے لئے ہے یہ	عِنْدَ اللّٰهِ	اللہ کے پاس ہے
اٰلَ فِرْعَوْنَ	فرعون والوں کو	وَاِنْ تُصِبْهُمْ	اور اگر پہنچتی ان کو	وَلٰكِنَّ	لیکن
بِالسِّنِيْنَ (۱)	قحطوں میں	سَيِّئَةٌ	بدحالی	اَكْثَرَهُمْ	اکثر
وَنَقْصٍ	اور کمی میں	يَّطَّيَّرُوْا (۲)	(تو) بدفالی لیتے وہ	لَا يَعْلَمُوْنَ	جانتے نہیں
مِّنَ الثَّمَرٰتِ	پھلوں کی	بِمُوْسٰى	موسیٰ کی	وَقَالُوْا	اور کہا انھوں نے
لَعَلَّهُمْ	تاکہ وہ	وَمَنْ مَّعَهٗ	اور ان کی جو اس کے	مَهْمَا (۴)	جو کچھ بھی
يَذَّكَّرُوْنَ	نصیحت قبول کریں		ساتھ تھے	تَاْتِنَا بِهٖ (۵)	لائے تو ہمارے پاس اس کو
فَاِذَا جَآءَتْهُمُ	پس جب پہنچتی ان کو	اَلَآ	سن!	مِنْ اٰيَةٍ (۶)	یعنی کوئی نشانی
الْحَسَنَةُ	خوش حالی	اِنَّمَا	اس کے سوا نہیں کہ	لِّتَسْحَرَنَا	تاکہ جادو کرے تو ہم پر

(۱) سِنِین: سَنَةٌ کی جمع: اصل معنی: سال، مجازی معنی: قحط (۲) تَطَیُّر (تفعل) یَطَّیَّرُوْا اصل میں یَتَطیروا تھا: بدشگونی لینا، بدفالی لینا (۳) طائر: پرندہ، مجازی معنی: بدشگونی، بدفالی، عرب پرندہ اڑا کر فال لیا کرتے تھے (۴) مهما: اسم ظرف بمعنی متی: جو بھی، جو کچھ بھی، دو فعلوں کو جزم دیتا ہے، اور ما (برائے غیر ذوی العقول) کے معنی میں ہوتا ہے۔ (۵) به کی ضمیر مهما کی طرف عائد ہے۔ (۶) من آية: مهما کا بیان ہے۔

بِمَا	اس (نشانی) کے ذریعہ	رَبَّكَ	اپنے پروردگار سے	فَانْتَقَمْنَا	پس بدلہ لیا ہم نے
فَمَا نَحْنُ	تو نہیں ہیں ہم	بِمَا عَهِدَ[1]	اس پیمان کی وجہ سے جو	مِنْهُمْ	ان سے
لَكَ	تجھ پر	عِنْدَكَ	تیرے پاس ہے	فَاَغْرَقْنٰهُمْ	پس ڈوبا دیا ہم نے ان کو
بِمُؤْمِنِيْنَ	ایمان لانے والے	لَئِنْ	بخدا! اگر	فِي الْيَمِّ	سمندر میں
فَاَرْسَلْنَا	پس چھوڑا ہم نے	كَشَفْتَ	کھول دیا تو نے	بِاَنَّهُمْ	بایں وجہ کہ انھوں نے
عَلَيْهِمُ	ان پر	عَنَّا	ہم سے	كَذَّبُوْا	جھٹلایا
الطُّوْفَانَ	طوفانِ بادوباراں	الرِّجْزَ	یہ عذاب	بِاٰيٰتِنَا	ہماری باتوں کو
وَالْجَرَادَ	اور ٹڈیاں	لَنُؤْمِنَنَّ	(تو) ضرور بات مان	وَكَانُوْا عَنْهَا	اور تھے وہ ان سے
وَالْقُمَّلَ	اور جوئیں		لیں گے ہم	غٰفِلِيْنَ	غفلت برتنے والے
وَالضَّفَادِعَ	اور مینڈک	لَكَ	آپ کی	وَاَوْرَثْنَا	اور وارث بنایا ہم نے
وَالدَّمَ	اور خون	وَلَنُرْسِلَنَّ	اور ضرور بھیجیں گے ہم	الْقَوْمَ	ان لوگوں کو
اٰيٰتٍ	نشانیاں	مَعَكَ	تیرے ساتھ	الَّذِيْنَ كَانُوْا	جو تھے
مُّفَصَّلٰتٍ	جدا جدا	بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ	بنی اسرائیل کو	يُسْتَضْعَفُوْنَ	کمزور قرار دیئے گئے
فَاسْتَكْبَرُوْا	پس گھمنڈ کیا انھوں نے	فَلَمَّا كَشَفْنَا	پس جب کھول دیا ہم نے	مَشَارِقَ	مشرق کا
وَكَانُوْا قَوْمًا	اور تھے وہ لوگ	عَنْهُمُ	ان سے	الْاَرْضِ	سرزمین کے
مُّجْرِمِيْنَ	بدکار	الرِّجْزَ	وہ عذاب	وَمَغَارِبَهَا	اور اس کے مغرب کا
وَلَمَّا وَقَعَ	اور جب پڑا	اِلٰٓى اَجَلٍ	ایک مدت کے لئے	الَّتِيْ	جو کہ
عَلَيْهِمُ	ان پر	هُمْ	وہ	بٰرَكْنَا	برکت رکھی تھی ہم نے
الرِّجْزُ	عذاب	بٰلِغُوْهُ	اس مدت کو پہنچنے	فِيْهَا	اس میں
قَالُوْا	(تو) کہا انھوں نے		والے ہیں	وَتَمَّتْ	اور پوری ہوگئی
يٰمُوْسَى	اے موسیٰ	اِذَا هُمْ	(تو) اچانک وہ	كَلِمَتُ	بات
ادْعُ لَنَا	دعا کرو تو ہمارے لئے	يَنْكُثُوْنَ	عہد توڑ بیٹھے	رَبِّكَ	آپ کے پروردگار کی

(۱) **بما: ما مصدریہ ہے۔**

الْحُسْنٰی	عمدہ	وَدَمَّرْنَا	اور ملیامیٹ کر دیا ہم نے	وَ قَوْمُهٗ	اور اس کی قوم
عَلٰى بَنِيْٓ	اولاد پر	مَا كَانَ	اس کو جو تھے	وَمَا كَانُوْا	اور جو تھے وہ
اِسْرَآءِيْلَ	یعقوب کی	يَصْنَعُ	بناتے	يَعْرِشُوْنَ (۱)	اونچا چڑھاتے
بِمَا صَبَرُوْا	ان کے صبر کرنے کی وجہ سے	فِرْعَوْنُ	فرعون	۞	۞

آلِ فرعون کا ابتلاء اور ان کا آخری انجام

ربط: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ اس آیت سے شروع ہوا ہے: ﴿ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ﴾ یعنی گذشتہ انبیائے خمسہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو معجزات (عصا اور ید بیضاء) کے ساتھ فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کی طرف مبعوث فرمایا، ان لوگوں نے ان معجزات کو جادو قرار دیا، اور جادوگروں سے مقابلہ کرایا، جس میں وہ بری طرح ہارے، جادوگروں نے اسلام قبول کرلیا، فرعون نے ان کو قتل کر دیا، پھر بنی اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کرنے کا حکم دیا، اس طرح بات بڑھتی چلی گئی۔

اب گفتگو پیچھے کی طرف لوٹ رہی ہے، جہاں سے یہ جلد شروع ہوئی ہے وہاں تین آیتوں میں اللہ کی ایک سنت کا بیان ہے۔ سنت الٰہی یہ ہے کہ جب کوئی نبی مبعوث کئے جاتے ہیں تو ابتداءً تکذیب کرنے والوں کو سرد و گرم حالات سے دوچار کیا جاتا ہے، یہ تنبیہ ہوتی ہے کہ لوگ شرارتوں سے باز آئیں، اور نبی کی طرف مائل ہوں، ان آیات میں اسی ابتلاء کا ذکر ہے، اور یہ مضمون آلِ فرعون کے آخری انجام تک چلا گیا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کے سات معجزات جو آلِ فرعون کے لئے ابتلاء تھے

سورۃ بنی اسرائیل (آیت ۱۰۱) میں ارشادِ پاک ہے: ﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ﴾: اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو نو نہایت واضح نشانیاں عطا فرمائی تھیں، ان میں سے دو: بڑے معجزات تھے، باقی سات آلِ فرعون کے لئے ابتلا تھے، تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی جو زمین پر ڈالنے سے اژدہا بن جاتی تھی، مگر اس کا مظاہرہ تین ہی مرتبہ ہوا ہے: ایک: جب نبوت سے سرفراز کیا گیا۔ دوم: فرعون کے سامنے جب پہلی مرتبہ اس کے پاس دعوت لے کر گئے۔ سوم: جادوگروں کے مقابلہ میں ــــــ ان کے علاوہ لاٹھی سے دوسرے دو کرشمے ظاہر ہوئے ہیں: ایک: لاٹھی دریا پر ماری تو پانی

(۱) عَرَشَ (ن،ض) عَرْشًا: اونچا بنانا، چھتری (ٹٹی) چڑھانا۔

پھٹ گیا اور بارہ راستے نکل آئے۔ دوم: میدانِ تیہ میں پتھر پر لاٹھی ماری تو اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔ علاوہ ازیں اس سے بکریوں کے لئے پتے جھاڑنے کا بھی کام لیا جاتا تھا، پس یہ لاٹھی کثیر المقاصد تھی، ہمیشہ سانپ نہیں بنتی تھی۔

۲- ید بیضاء: جب موسیٰ علیہ السلام اپنا ہاتھ بغل میں دبا کر نکالتے تو وہ سورج کی طرح چمکنے لگتا، اس کا مظاہرہ دو مرتبہ ہوا ہے، ایک: جب نبوت سے سرفراز کیا گیا، دوم: فرعون کے سامنے، ایسا نہیں تھا کہ اندھیری رات میں اس سے چراغ کا کام لیتے ہوں۔

یہ دو نشانیاں: موسیٰ علیہ السلام کے بڑے معجزات تھے، قرآنِ کریم میں متعدد جگہ ان کا ذکر آیا ہے، اس سورت کی (آیت ۱۰۸) میں بھی اس کا ذکر ہے۔

وہ سات نشانیاں جو از قبیل ابتلاء تھیں:

۱- طوفان (بادوباراں کا سیلاب) ۲- ٹڈی دَل ۳- جوئیں، چیچڑی، سرسری یا گھن ۴- مینڈک ۵- خون —— ان پانچ کا ذکر اسی سورت کی (آیت ۱۳۳) میں ہے —— (۶) قحط سالیاں (۷) پھلوں کی کمی، ان دو کا ذکر (آیت ۱۳۰) میں ہے، بعض حضرات ان کو ایک قرار دیتے ہیں اور ساتویں نشانی طاعون کو قرار دیتے ہیں، جس کا ذکر سورۃ البقرۃ (آیت ۵۹) میں ہے، مگر وہ عذاب بنی اسرائیل پر آیا تھا، آل فرعون سے اس کا کچھ تعلق نہیں تھا، حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے ان آخری دو کو الگ الگ شمار کیا ہے۔

یہ ساتوں نشانیاں قبطیوں کے لئے ابتلاء تھیں، رہی یہ بات کہ یہ نشانیاں کس ترتیب سے واقع ہوئی ہیں؟ اور ہر ابتلاء کتنے دن رہا؟ اور دو عذابوں کے درمیان کتنا فصل رہتا تھا؟ —— اس کی تعیین و تفصیل کی کوئی صورت نہیں، نہ اس کا کوئی فائدہ ہے، اور مفسرین جو لکھتے ہیں کہ ہر آزمائش ہفتہ بھر رہتی تھی، اور دو آزمائشوں کے درمیان ایک ماہ کا فصل ہوتا تھا: یہ بات بے دلیل ہے، البتہ اتنا اشارہ ملتا ہے کہ آخری دو نشانیاں پہلے واقع ہوئی ہیں، باقی پانچ بعد میں، واللہ اعلم!

تفصیل:

غالباً پہلے کئی سال کا قحط پڑا، جیسے یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں سات سال کا قحط پڑا تھا، اور بھوک مری کی نوبت آگئی، پھر بارش ہوئی مگر پیداوار برائے نام ہوئی، یہ بھی قحط ہی کی ایک شکل تھی۔

اور قبطیوں کا حال یہ تھا کہ جب بھی اچھی حالت آتی تو اس کو اپنا حق جتلاتے، اور جب برا حال ہو جاتا تو اس کو موسیٰ علیہ السلام اور مؤمنین کی نحوست سمجھتے، حالانکہ بدحالی ان کی بداعمالی کے نتیجہ میں آتی تھی، مگر وہ بے وقوف اس کو سمجھتے نہیں تھے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ﴾: سن! یہ برا حال اللہ کے پاس سے ہے یعنی اس میں

موسیٰ اور مؤمنین کا کچھ دخل نہیں!

اور قبطی ڈھٹائی سے کہتے کہ یہ سب موسیٰ کے جادو کے کرشمے ہیں، ہم ان شعبدہ بازیوں سے ایمان لانے والے نہیں!

پھر یکے بعد دیگرے باقی پانچ آزمائشیں آئیں، جب بھی کسی آفت میں مبتلا ہوتے تو قبطی: فرعون کی طرف رجوع کرتے، فرعون: موسیٰ علیہ السلام سے دعا کراتا، نبوت کے واسطہ سے، موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کو زبان سے تو مانتا نہیں تھا، مگر اس کا دل قائل تھا، اور بنی اسرائیل کو آزاد کرنے کا وعدہ کرتا تھا۔

موسیٰ علیہ السلام دعا کرتے اور اللہ تعالیٰ عذاب ہٹاتے، مگر ان کی سرکشی اور بدعہدی کا حال یہ تھا کہ وہ ہر بار وعدہ کر کے مکر جاتے، نہ ایمان لاتے، نہ بنی اسرائیل کو آزاد کرتے۔

اس طرح معاملات چلتے رہے، تا آنکہ پیمانۂ صبر لبریز ہوگیا، پس موسیٰ علیہ السلام کو حکم ملا کہ وہ کسی رات بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکل جائیں، فرعون کے لشکر نے ان کا تعاقب کیا، اور اللہ تعالیٰ نے ان کو تکذیب اور غفلت کی سزا میں غرقاب کردیا۔

اور بنی اسرائیل کو جن کو بے حیثیت کردیا گیا تھا ایک پورے ملک (شام) کا مالک بنادیا، یہ علاقہ زرخیز تھا، بنی اسرائیل وہاں خوب پھلے پھولے، ان کو ان کے صبر کا صلہ مل گیا، اور محلات و باغات والے فرعونیوں کو ملیا میٹ کردیا۔

اللہ کی سنت یہی ہے، جب کوئی قوم ظلم، تکبر، عیش پرستی اور دوسری قسم کی برائیوں میں مبتلا ہوتی ہے تو اس کو نیچا دکھایا جاتا ہے اور دبی کچلی قوم کو ابھارا جاتا ہے۔

آیاتِ کریمہ مع تفسیر:

﴿وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝۱۳۰﴾

ترجمہ: اور البتہ واقعہ یہ ہے کہ ہم نے فرعون والوں (قبطیوں) کو قحطوں میں اور پھلوں (پیداوار) کی کمی میں مبتلا کیا، تاکہ وہ نصیحت قبول کریں ــــ یعنی غفلت سے چونکیں ــــ قحط اور پیداوار کی کمی دو الگ الگ نشانیاں تھیں، پس طاعون (پلیگ) کو نو نشانیوں میں لینے کی ضرورت نہیں، اور غالباً یہ دو نشانیاں پہلے ظاہر ہوئی تھیں، اس لئے ان کا ذکر پہلے کیا۔

﴿فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ۭ اَلَآ اِنَّمَا طٰۗىِٕرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۱۳۱ وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۳۲ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۣ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۝۱۳۳﴾

ترجمہ: اور جب بھی ان پر خوش حالی آتی تو کہتے: یہ تو ہمارا حق ہے! ـــــ یعنی ہم مبارک اور اقبال مند ہیں ـــــ اور اگر ان کو کوئی بدحالی پہنچتی تو اس کو موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کی نحوست قرار دیتے! ـــــ حالانکہ وہ ان کے اعمال کا نتیجہ ہوتی تھی، ارشاد پاک ہے: ـــــ سن! ان کی نحوست اللہ کے پاس ہے! ـــــ یعنی ان کے کفریہ اعمال کی وجہ سے ان کے لئے مقدر ہے ـــــ لیکن ان کے اکثر جانتے نہیں ـــــ اور (اوپر سے) یوں کہتے ہیں کہ تم خواہ کیسی ہی عجیب بات ہمارے سامنے لاؤ، جس کے ذریعہ تم ہم پر جادو کردو، پھر بھی ہم تمہاری بات ہرگز نہیں مانیں گے ـــــ جب ایسی سرکشی اختیار کی تو ہم نے ان پر طوفانِ (بادو باراں) بھیجا، اور ٹڈیاں، اور جوئیں، اور مینڈک اور خون یہ سب جدا جدا نشانیاں تھیں، پس انھوں نے گھمنڈ کیا اور وہ جرائم پیشہ لوگ تھے!

﴿ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝١٣٤ ﴾

ترجمہ: اور جب آپڑتا ان پر عذاب تو کہتے: ''اے موسیٰ! ہمارے لئے اپنے پروردگار سے دعا کر، اس وچن کی وجہ سے جو تیرے پاس ہے ـــــ یعنی تیرا دعوی ہے کہ تو سرکار کا ایلچی ہے، اس لئے وہ تیری دعا سنے گا ـــــ بخدا! اگر تو نے ہم سے یہ عذاب ہٹا دیا تو ہم ضرور آپ کی بات مان لیں گے ـــــ یعنی تجھے رسول مان لیں گے ـــــ اور ہم ضرور تیرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دیں گے ـــــ یعنی آزاد کریں گے۔

﴿ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ۝١٣٥ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ۝١٣٦ ﴾

ترجمہ: پس جب ہم ان سے عذاب ہٹا دیتے، ایک مدت کے لئے ـــــ مثلاً ایک ماہ کے لئے یا ایک سال کے لئے ـــــ جس تک وہ پہنچنے والے ہیں ـــــ یعنی وہ مدت بہر حال ایک دن پوری ہوجائے گی، پھر دوسری آفت آئے گی ـــــ پس یکا یک وہ عہد توڑ بیٹھتے! ـــــ یعنی نہ ایمان لاتے ہیں نہ بنی اسرائیل کو آزاد کرتے ہیں ـــــ پس ہم نے ان سے بدلہ لیا ـــــ یعنی نقض عہد کی ان کو سزا دی ـــــ اور انہیں دریا میں ڈوبو دیا، اس لئے کہ انھوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا، اور وہ ان سے بے پروا تھے ـــــ تکذیب اور غفلت کا ایک ہی مطلب ہے۔

﴿ وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰي بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ڏ بِمَا صَبَرُوْا ۭ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ۝١٣٧ ﴾

ترجمہ: اور ہم نے ان لوگوں کو وارث بنایا —— یعنی مالک بنایا —— جن کو کمزور قرار دیا گیا تھا، سرزمین (شام) کے مشرق و مغرب کا، جس میں ہم نے برکتیں رکھی ہیں —— اُس وقت ملکِ شام بڑا ملک تھا، اب وہ فلسطین، اردن اور شام میں تقسیم ہوگیا ہے، یہ علاقہ بڑا زرخیز ہے —— اور بنی اسرائیل کے حق میں آپ کے پروردگار کا اچھا وعدہ پورا ہوا —— یعنی ان کو آزادی مل گئی —— ان کے صبر کرنے کی وجہ سے —— جس کی موسیٰ علیہ السلام نے ان کو ﴿ اصْبِرُوْا ﴾ سے تلقین کی تھی —— اور ہم نے ملیا میٹ کردیا جو کچھ فرعون نے اور اس کی قوم نے بنایا چڑھایا تھا! —— بنایا تھا: یعنی ساختہ پرداختہ کارخانے، اور چڑھایا تھا: یعنی اونچی اونچی عمارتیں —— نہ رہے مکیں نہ رہے مکان!

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰی قَوْمٍ یَّعْکُفُوْنَ عَلٰٓی اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا کَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّکُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِیْهِ وَبٰطِلٌ مَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ قَالَ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْکُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَاِذْ اَنْجَیْنٰکُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَکُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ یُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَکُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَکُمْ ؕ وَفِیْ ذٰلِکُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ عَظِیْمٌ ﴿۱۴۱﴾

وَجٰوَزْنَا	اور پار اتار دیا ہم نے	لَهُمْ	اپنی	قَالَ	کہا موسیٰ نے
بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ	بنی اسرائیل کو	قَالُوْا	کہا انھوں نے	اِنَّکُمْ قَوْمٌ	بیشک تم ایسے لوگ ہو
الْبَحْرَ	سمندر سے	یٰمُوْسٰی	اے موسیٰ!	تَجْهَلُوْنَ	نادانی کرتے ہو
فَاَتَوْا	پس پہنچے وہ	اجْعَلْ لَّنَآ	بنا ہمارے لئے	اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ	بے شک یہ لوگ
عَلٰی قَوْمٍ	ایک قوم پر	اِلٰهًا	کوئی مورتی	مُتَبَّرٌ (۲)	تباہ ہے
یَّعْکُفُوْنَ (۱)	جمے ہوئے تھے وہ	کَمَا لَهُمْ	جیسا ان کے لئے	مَّا هُمْ فِیْهِ	وہ حالت جس میں وہ ہیں
عَلٰٓی اَصْنَامٍ	مورتیوں پر	اٰلِهَةٌ	مورتیاں ہیں	وَبٰطِلٌ	اور باطل ہونے والا ہے

(۱) عکف (ن) عُکوفا: جم کر بیٹھنا، لگ کر بیٹھنا (۲) متبر: اسم مفعول، تبتیر (تفعیل): تباہ و برباد، ٹوٹا ہوا، متبر: إن کی خبر ہے، اور ماهم فيه: موصول صلہ مل کر نائب فاعل ہیں، اور باطل: اسم فاعل، مابعد اس کا فاعل ہے۔

مَا كَانُوْا	جو وہ ہیں	عَلَى الْعٰلَمِيْنَ	جہانوں پر	اَبْنَآءَكُمْ	تمہارے بیٹوں کو		
يَعْمَلُوْنَ	کرتے	وَاِذْ	اور (یاد کرو) جب	وَيَسْتَحْيُوْنَ	اور زندہ رہنے دیتے تھے		
قَالَ	کہا موسیٰ نے	اَنْجَيْنٰكُمْ	نجات دی ہم نے تم کو	نِسَآءَكُمْ	تمہاری عورتوں کو		
اَغَيْرَ اللّٰهِ	کیا اللہ کے علاوہ کو	مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ	فرعون والوں سے	وَفِيْ ذٰلِكُمْ (۳)	اور اس میں		
اَبْغِيْكُمْ (۱)	چاہوں میں تمہارے لئے			بَلَآءٌ	انعام تھا		
اِلٰهًا	معبود	يَسُوْمُوْنَكُمْ (۲)	جو چکھاتے تھے تم کو	مِّنْ رَّبِّكُمْ	تمہارے پروردگار کی		
وَّهُوَ	درانحالیکہ اس نے	سُوْٓءَ الْعَذَابِ	بدترین سزا		طرف سے		
فَضَّلَكُمْ	برتری بخشی ہے تم کو	يُقَتِّلُوْنَ	قتل کرتے تھے	عَظِيْمٌ	بڑا		

فرعون سے نجات پانے کے بعد بنی اسرائیل کے حالات

۱- بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے مورتی کی درخواست کی جو رد کر دی گئی

پہلے تین باتیں جان لیں:

۱- حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے تمام بنی اسرائیل کو لے کر نکلے تھے، ان میں مؤمنین بھی تھے اور منافقین بھی، اکثریت مؤمنین کی تھی، اور اقل قلیل منافق تھے، ان کا سردار سامری تھا، اس نے برائے نام موسیٰ علیہ السلام کا اتباع کیا تھا، جب موسیٰ علیہ السلام طور پر بلائے گئے تو وہ اوپن ہو گیا، اور اس نے بچھڑا بنایا اور منافقوں نے اس کی پوجا شروع کی، اس کا واقعہ سورۂ طٰہٰ میں آیا ہے، اور بنی اسرائیل میں نفاق اس لئے تھا کہ وہ غلام تھے، اور محکوم قوم کے افراد دنیوی مفاد کے لئے حاکم قوم کی طرف پینگ بڑھاتے ہیں، ان کا ایک پیر حاکم قوم کے پالے میں ہوتا ہے اور دوسرا پیر اپنے دین میں، اور جب حاکم قوم: محکوم قوم کو نقصان پہنچانا چاہتی ہے تو انہیں افراد کو آلۂ کار بناتی ہے۔

۲- مصر کے قبطی اصنام پرست تھے، وہ گائے کو بھی پوجتے تھے، اور ایک ساتھ بسی ہوئی قوموں کے ایک دوسرے پر

(۱) أبغيكم: دراصل أبغي لكم ہے۔ (۲) يسومونكم: ہدایت القرآن (۸۲:۱) کے حواشی دیکھیں (۳) ذا: اسم اشارہ مفرد مذکر کے لئے ہے، اس کے آخر میں کاف مخاطب کے احوال کے موافق بڑھایا جاتا ہے، یہاں مشارٌ الیہ مذکورہ دونوں باتیں ہیں، اس لئے جمع کی ضمیر کم آئی ہے، فرعون سے نجات دینا اور بدترین سزا چکھانا: دونوں باتیں پیش نظر ہیں، مگر ماسیق لاجلہ الکلام پہلی بات ہے، اس لئے بلاء کا ترجمہ 'انعام' کیا ہے، اور سورۃ بقرہ میں دوسری بات مقصود تھی، اس لئے وہاں ترجمہ 'آزمائش' کیا تھا۔

اثرات پڑتے ہیں، جیسے آج جاہل مسلمانوں میں بہت سی ہندوانہ رسمیں رائج ہوگئی ہیں، بنی اسرائیل کے منافقین کا بھی مورتیوں کی طرف میلان تھا، اس لئے موقع ملتے ہی وہ درخواست کر بیٹھے۔

۳-معبود صرف اللہ تعالیٰ ہیں، وہی خالق و مالک ہیں، مگر وہ لامکان ولازمان ہیں، اس لئے عاقل تو معبود غائب کی پرستش کرسکتا ہے، مگر جاہل کے لئے پیکر کی ضرورت ہوتی ہے، مظاہر پرستی انسانوں کی بنیادی کمزوری ہے، یہی کمزوری: انبیاء اور اولیاء کی قبروں کی اور اصنام پرستی کا سبب بنتی ہے۔

آیاتِ پاک کی تفسیر:

جب فرعون کا لشکر سمندر میں غرقاب ہوگیا، اور بنی اسرائیل دریا سے پار اتر گئے تو آگے وہ ایک ایسی قوم پر پہنچے، جو مورتیوں کی دلدادہ تھی، وہاں بنی اسرائیل کے منافقین موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کر بیٹھے کہ ان کے لئے بھی کوئی مورتی تجویز کی جائے، جس پیکر کے واسطے سے وہ اللہ کی عبادت کریں، موسیٰ علیہ السلام نے ان کو ڈانٹا، فرمایا: تم نادان ہو! سمجھتے نہیں کہ ان اصنام پرستوں کا انجام ہلاکت ہے، اور ان کی ساری کمائی اکارت جانے والی ہے، اور کیا میں اللہ کے علاوہ تمہارے لئے کوئی معبود تلاش کروں؟ جبکہ اللہ نے تمہیں دین حق دے کر جہانوں پر برتری بخشی ہے، اور دوسرا انعام تم پر یہ کیا ہے کہ تم کو قبطیوں سے نجات بخشی جو تمہیں بری طرح سزا دیتے تھے، تمہارے بیٹوں کو مار ڈالتے تھے، اور تمہاری عورتوں کو زندہ رہنے دیتے تھے، یہ رستگاری کیا بڑا انعام نہیں؟ پھر بھی تم دوسرا خدا چاہتے ہو! —— اس ڈانٹ ڈپٹ سے وقتی طور پر ان منافقین کا صنم پرستی کا جذبہ سرد پڑ گیا۔

آیاتِ کریمہ: اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر کے پار اتار دیا، پس وہ ایک قوم پر پہنچے جو اپنی مورتیوں پر جمی ہوئی تھی —— وہ قوم کونسی تھی؟ معلوم نہیں! متعین کرکے کیا کروگے؟ —— انھوں نے درخواست کی: اے موسیٰ! ہمارے لئے بھی مورتی بنا جیسی ان کے لئے مورتیاں ہیں —— موسیٰ نے کہا: بے شک تم نادان لوگ ہو! بے شک یہ لوگ جن مورتیوں کو پوجتے ہیں ان کا انجام ہلاکت ہے، اور وہ جو کام کرتے ہیں وہ اکارت جانے والے ہیں! —— (نیز) کہا: کیا اللہ کے علاوہ کو میں تمہارے لئے معبود چاہوں؟ حالانکہ اس نے تم کو (دین حق کے ذریعہ) جہانوں پر برتری بخشی ہے —— (دوسرا انعام: یاد کرو:) جب تمہیں ان قبطیوں سے نجات بخشی جو تمہارے بیٹوں کو مار ڈالتے تھے، اور تمہاری عورتوں کو زندہ رہنے دیتے تھے، اور اس (نجات دینے میں) تمہارے پروردگار کی طرف سے بڑا انعام ہے! —— مشارٌ لیہ: مرجع کی طرح قریب ہوتا ہے، پس مشار الیہ دریا سے پار اتارنا نہیں ہے، بلکہ سخت عذاب سے نجات دینا ہے جو انعام ہے۔

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴۲﴾

وَوٰعَدْنَا	اور ہم نے میعاد مقرر کی	مِيْقَاتُ	مدت	هٰرُوْنَ	ہارون سے
مُوْسٰى	موسیٰ کے لئے	رَبِّهٖٓ	اس کے پروردگار کی	اخْلُفْنِيْ	نیابت کر میری
ثَلٰثِيْنَ	تیس	اَرْبَعِيْنَ	چالیس	فِيْ قَوْمِيْ	میری قوم میں
لَيْلَةً	راتیں	لَيْلَةً	راتیں	وَاَصْلِحْ	اور سنوار (احوال کو)
وَّاَتْمَمْنٰهَا	اور پورا کیا ہم نے ان کو	وَقَالَ	اور کہا	وَلَا تَتَّبِعْ	اور مت پیروی کر
بِعَشْرٍ	دس کے ساتھ	مُوْسٰى	موسیٰ نے	سَبِيْلَ	راہ کی
فَتَمَّ	پس پوری ہوگئی	لِاَخِيْهِ	اپنے بھائی	الْمُفْسِدِيْنَ	فسادیوں کے

۲-موسیٰ علیہ السلام لمبے وقت کے لئے طور پر چلے گئے تو پیچھے منافقوں نے بچھڑے کی پوجا شروع کردی

بنی اسرائیل کے منافقوں نے مورتیوں کی تجویز رکھی تھی، موسیٰ علیہ السلام نے ان کو ڈانٹ پلائی تھی، اور ان کو درخواست کی نامعقولیت سمجھائی تھی، جس سے بات دب گئی تھی، پھر قافلہ آگے بڑھا تو یہ واقعہ پیش آیا۔

مخلص مسلمانوں نے موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ آپ اللہ سے مانگیں، وہ ہمیں اپنی کتاب عنایت فرمائیں، تاکہ منافقوں کو ریشہ دوانیوں کا موقع نہ ملے، موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی، وحی آئی کہ آپ طور پر آئیں، ایک ماہ کا اعتکاف کریں، ہم آپ کو اپنی کتاب (تورات) دیں گے۔

موسیٰ علیہ السلام قوم سے تیس دن کا وعدہ کر کے طور پر تشریف لے گئے، اور اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا قائم مقام بنا گئے، اور ان کو تاکید کی کہ قوم کے احوال پر نظر رکھیں، منافقین کوئی فساد برپا نہ کرنے پائیں، اگر وہ کچھ گڑبڑ مچائیں تو اصلاح کریں، اور میرے طریقہ پر کاربند رہیں، مفسدہ پردازوں کی راہ پر نہ چلیں۔

پھر موسیٰ علیہ السلام خدام کے ساتھ طور پر تشریف لے گئے، وہاں ایک ماہ کے روزے رکھے اور اعتکاف کیا، وہاں

تورات نازل ہونی شروع ہوئی اور موسیٰ علیہ السلام اس کو تختیوں میں لکھتے رہے، جب مہینہ پورا ہوا تو ابھی نزول پورا نہیں ہوا تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے دس دن بڑھادیئے، یہی مدت منافقوں کے لئے فتنہ بن گئی۔

ایک ماہ تک تو وہ موسیٰ علیہ السلام کا انتظار کرتے رہے، جب مدت مقررہ پر موسیٰ علیہ السلام نہ لوٹے تو سامری نے زیورات سے بچھڑا بنایا، اور منافقوں نے کہنا شروع کیا کہ خدا تو یہ رہا، موسیٰ اس کو بھول کر طور پر خدا کو تلاش کررہے ہیں! وہ اب تک نہیں لوٹے، ان کو خدا نہیں ملا، اس طرح منافقوں نے بچھڑے کی پوجا شروع کردی۔

حضرت ہارون علیہ السلام نے اس کو ہر چند سمجھایا، مگر وہ اپنی حرکت سے باز نہیں آئے، حضرت ہارون علیہ السلام مخلصین کے ساتھ ان کے پاس ٹھہرے رہے، اگر وہ مخلصین کو لے کر آگے بڑھتے تو منافقین ساتھ نہ دیتے اور قوم دو حصوں میں بٹ جاتی، چنانچہ حضرت ہارون علیہ السلام نے مصلحت یہ سمجھی کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی واپسی تک ٹھہرے رہیں، یہ واقعہ تفصیل سے سورۂ طٰہٰ میں آیا ہے۔

جب موسیٰ علیہ السلام تورات لے کر لوٹے تو پیچھے منافقین نے جو گڑبڑ مچائی تھی وہ سامنے آئی، وحی آئی کہ مرتدین کو قتل کیا جائے، مشرکین بیٹھ جائیں اور تائبین ان کو قتل کریں، جب چند لوگ قتل ہوگئے تو باقی کو معاف کردیا۔

ان آیات میں یہی واقعہ ذکر کیا گیا ہے، یہاں ایک سوال ہے کہ پہلے ایک ماہ کی مدت کیوں مقرر کی؟ پھر اس میں دس دن کا اضافہ کیوں کیا؟ پہلے ہی سے چالیس دن کی مدت کیوں مقرر نہیں کی؟

اس کا جواب: یہ ہے کہ تورات کا نزول مکمل نہیں ہوا تھا، اس لئے مدت بڑھادی، اگر پہلے سے چالیس دن مدت مقرر کرتے تو منافقین یہ حرکت نہ کرتے، موسیٰ علیہ السلام کا چالیس دن تک انتظار کرتے، مگر جب مدت میں چالیس دن کا اضافہ ہوا تو بنی اسرائیل کو اس کی خبر نہ ہوئی، اس لئے فتنہ پردازوں کو بچھڑا بنانے کا اور اس کا پروپیگنڈہ کرنے کا موقع مل گیا، اور یہی اللہ تعالیٰ کو منظور تھا، جس طرح ہدایت کے اسباب بنتے ہیں گمراہی کے بھی اسباب بنتے ہیں: ﴿يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ﴾: اللہ تعالیٰ مچھر جیسی مثالوں سے بہتوں کو گمراہ کرتے ہیں، اور بہتوں کو راہ راست دکھاتے ہیں، اور ان مثالوں سے حد اطاعت سے نکلنے والوں ہی کو گمراہ کرتے ہیں [البقرۃ ۲۶]

فائدہ: جماعت کے ایک ذمہ دار نے کہا: ''موسیٰ علیہ السلام جماعت کو چھوڑ کر خانقاہ میں چلے گئے تو چھ لاکھ بنی اسرائیل میں سے پانچ لاکھ اسّی ہزار مرتد ہوگئے!'' ــــــ یہ بات صحیح نہیں، موسیٰ علیہ السلام از خود طور پر نہیں گئے تھے، بلائے گئے تھے، پس اگر پیچھے ارتداد پھیلا تو الزام کس پر جائے گا؟ بلانے والے پر! (العیاذ باللہ) ــــــ علاوہ ازیں: ہر داعی کا ہر وقت قوم میں رہنا ضروری نہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے بھائی کو قائم مقام بنا کر گئے تھے، اور وہ بھی نبی تھے، اور ان کو تاکید کرکے گئے تھے ــــــ اور آخری بات: پانچ لاکھ اسّی ہزار کا مرتد ہونا کونسی آیت یا حدیث میں آیا ہے؟ یہ تو

تخمینہ ہے جو کسی نے قائم کیا ہے، صحیح بات اس کے برعکس ہے، بیس ہزار مرتد ہوئے ہوں گے باقی دین پر جمے رہے ہونگے، یہ بات قرین قیاس ہے، اگر بڑی تعداد مرتد ہوجاتی تو ان کو قتل نہیں کیا جاسکتا تھا، بغاوت ہوجاتی، تھوڑی ہی مقدار مرتد ہوئی تھی جو کان ہلائے بغیر قتل کے لئے بیٹھ گئی۔

آیاتِ کریمہ: اور ہم نے موسیٰ کے لئے تیس راتوں کی میعاد مقرر کی، اور ان کو دس راتوں سے مکمل کیا، پس آپ کے پروردگار کی مدت چالیس راتیں پوری ہوئی، اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا: میری قوم میں میری قائم مقامی کریں، اور (لوگوں کے احوال) سنواریں، اور فسادیوں کی پیروی نہ کریں!

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۭ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴۳﴾

وَلَمَّا جَآءَ	اور جب پہنچے	لَنْ تَرٰىنِيْ	ہرگز نہیں دیکھے گا تو مجھے	جَعَلَهٗ	(تو) کردیا اس کو
مُوْسٰى	موسیٰ	وَلٰكِنِ انْظُرْ	البتہ دیکھ تو	دَكًّا[1]	ریزہ ریزہ
لِمِيْقَاتِنَا	ہمارے مقررہ وقت پر	اِلَى الْجَبَلِ	پہاڑ کی طرف	وَّخَرَّ مُوْسٰى	اور گر پڑے موسیٰ
وَكَلَّمَهٗ	اور ان سے بات کی	فَاِنِ اسْتَقَرَّ	پس اگر وہ ٹھہرا رہا	صَعِقًا	بے ہوش ہوکر
رَبُّهٗ	ان کے رب نے	مَكَانَهٗ	اس کی جگہ	فَلَمَّآ اَفَاقَ	پھر جب اس کو ہوش آیا
قَالَ	کہا اس نے	فَسَوْفَ	تو عنقریب	قَالَ	(تو) کہا
رَبِّ	اے میرے رب!	تَرٰىنِيْ	تو مجھے دیکھے گا	سُبْحٰنَكَ	آپ کی ذات پاک ہے!
اَرِنِيْٓ	دکھلایئے آپ مجھے	فَلَمَّا	پس جب	تُبْتُ	متوجہ ہوا میں
اَنْظُرْ	دیکھوں میں	تَجَلّٰى	تجلی فرمائی	اِلَيْكَ	آپ کی طرف
اِلَيْكَ	آپ کو	رَبُّهٗ	اس کے رب نے	وَاَنَا اَوَّلُ	اور میں پہلا
قَالَ	فرمایا	لِلْجَبَلِ	پہاڑ پر	الْمُؤْمِنِيْنَ	ایمان لانے والا ہوں

(۱) دَکَّہٗ (ن) دَکًّا: کوٹنا، منہدم کرنا، ریزہ ریزہ کرنا، دکا: مصدر، بمعنی اسم مفعول ہے۔

منافقین بچھڑا پوج رہے تھے، اور موسیٰ علیہ السلام دیدار خداوندی کی درخواست کرر ہے تھے، ببیں تفاوتِ راہ از کجا است تا بکجا؟

جب موسیٰ علیہ السلام مقررہ وقت میں طور پر پہنچے، اور ایک چلّہ کا اعتکاف کیا، پھر دس دن کا اضافہ کیا، اور تورات کا نزول مکمل ہوا تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے براہ راست کلام فرمایا، یہ دوسری مرتبہ ہم کلامی تھی، موسیٰ علیہ السلام کو بلاواسطہ کلام سننے سے بے پایاں لذت حاصل ہوئی، آپ نے کمالِ اشتیاق سے اللہ کے دیدار کی درخواست کردی کہ اے پروردگار! میرے اور اپنے درمیان سے حجاب اٹھا دیجئے، تاکہ میں بے حجاب آپ کا جلوہ دیکھ سکوں، اُدھر سے جواب ملا: آپ میرے دیدار کا تحمل نہیں کرسکیں گے، دنیا میں موت سے پہلے کسی کو بھی دیدارِ خداوندی کا شرف حاصل ہونا ممتنع (ناممکن) ہے، اگرچہ عقلاً جائز ہے، اسی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام نے درخواست کی تھی، اہل السنہ والجماعہ کا یہی مذہب ہے کہ دنیا میں رویتِ باری گو عقلاً ممکن ہے، مگر شرعاً ممتنع ہے، البتہ آخرت میں نصوص قطعیہ سے جمالِ خداوندی کا دیدار نصیب ہوگا (از فوائد)

پھر ارشاد ہوا: آپ سامنے والے پہاڑ کی طرف دیکھیں، ہم اس پر ایک جھلک ڈالتے ہیں، اگر پہاڑ جیسی مضبوط مخلوق جلوہ برداشت کرسکے تو آپ بھی میرا جلوہ دیکھ لیں گے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پر ذرا سی تجلی فرمائی تو پہاڑ کے پرخچے اڑ گئے، اور موسیٰ علیہ السلام چونکہ محل تجلی سے قریب تھے اس لئے وہ بے ہوش ہوکر گر پڑے، جب ہوش آیا تو آپ نے اللہ کی پاکی بیان کی کہ اس دنیا میں اللہ کی رویت ممکن نہیں، اور اپنی نامناسب درخواست سے توبہ کی اور اعتراف کیا کہ میں سب سے پہلے مانتا ہوں کہ دنیا میں آپ کی رؤیت ممکن نہیں! ـــــ اِدھر تو یہ صورتِ حال تھی، اُدھر منافقین چلّہ کے ختم پر بچھڑے کے سامنے گھٹنے ٹیکے بیٹھے تھے، پس موازنہ کرو: منافقین کا کیا حال تھا اور موسیٰ علیہ السلام کس حال میں تھے؟ ببیں تفاوتِ راہ از کجا است تا بکجا؟ ان آیات میں یہی مضمون ہے۔

آیاتِ پاک: اور جب موسیٰ ہمارے مقررہ وقت پر پہنچے، اور ان سے ان کے پروردگار نے بات کی تو انھوں نے درخواست کی: اے میرے پروردگار! آپ مجھے (خود کو) دکھلائیں (تاکہ) میں آپ کو دیکھوں ـــ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکو گے، البتہ پہاڑ کی طرف دیکھو، پس اگر وہ اپنی جگہ برقرار رہا تو تم بھی مجھے دیکھ لوگے! ـــ پھر جب آپ کے پروردگار نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو اس کے پرخچے اڑ گئے، اور موسیٰ بے ہوش ہوکر گر پڑے ـــ پھر جب ان کو ہوش آیا تو عرض کیا: ''آپ کی ذات پاک ہے! میں آپ کے سامنے توبہ کرتا ہوں، اور میں پہلا شخص ہوں جو اس بات کو مانتا ہوں!

قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ ۖ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَىْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ۗ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

قَالَ	فرمایا	وَكُنْ	اور ہوں آپ	فَخُذْهَا	پس لیں آپ اس کو
يٰمُوْسٰى	اے موسیٰ!	مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ	شکر گذاروں میں سے	بِقُوَّةٍ	مضبوطی سے
اِنِّىْ	بے شک میں نے	وَكَتَبْنَا	اور لکھ دی ہم نے	وَّاْمُرْ	اور حکم دیں
اصْطَفَيْتُكَ	چن لیا تجھے	لَهٗ	اس کے لئے	قَوْمَكَ	اپنی قوم کو
عَلَى النَّاسِ	لوگوں پر	فِى الْاَلْوَاحِ	تختیوں میں	يَاْخُذُوْا	کہ لیں وہ
بِرِسٰلٰتِىْ	میرے پیغامات کے لئے	مِنْ كُلِّ شَىْءٍ	ہر قسم کی	بِاَحْسَنِهَا	اس کے بہترین کو
وَبِكَلَامِىْ	اور میری ہم کلامی کیلئے	مَّوْعِظَةً	نصیحت	سَاُورِيْكُمْ	ابھی دکھاؤں گا میں تم کو
فَخُذْ	پس لیں آپ	وَّتَفْصِيْلًا	اور تفصیل	دَارَ	گھر
مَآ اٰتَيْتُكَ	جو عطا کیا میں نے آپ کو	لِّكُلِّ شَىْءٍ	ہر چیز کی	الْفٰسِقِيْنَ	نافرمانوں کا

دیدار نہ ہوسکا تو دیگر امتیازات کیا کم ہیں؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیدارِ خداوندی کی درخواست کی تھی، اس کا جواب نفی میں ملا کہ موجودہ ضعیف قُویٰ کے ساتھ یہ بات ممکن نہیں، البتہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تین امتیازات بخشے ہیں جو تسلی کے لئے کافی ہیں!

ایک: آپ کو رسالت سے سرفراز کیا گیا ہے، آپ کو اللہ کے پیغامات پہنچتے ہیں، رسول کا مرتبہ نبی سے بڑا ہوتا ہے، پھر موسیٰ علیہ السلام تو اولوالعزم رسول ہیں۔

دوم: آپ کو دنیا میں ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا ہے، کسی اور کو یہ شرف حاصل نہیں ہوا، اور یہ آپ کی جزوی فضیلت ہے، اور اسی لئے آپ کا مخصوص لقب کلیم اللہ ہے۔

سوم: آپ کو جامع، کامل و مکمل کتاب تورات عنایت فرمائی ہے، جس میں ہر دینی ضرورت کا تفصیلی بیان ہے، جس کا

نمبر قرآنِ کریم کے بعد ہے، لہٰذا اس کتاب کو مضبوطی سے لیں، اور اس پر عمل کر کے شکر گذار بندہ بنیں (اس امتیاز کا ذکر اگلی آیت میں ہے)

﴿قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ ۖ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝﴾

ترجمہ: ارشاد فرمایا: اے موسیٰ! میں نے آپ کو لوگوں پر امتیاز بخشا ہے میرے پیغامات اور میری ہم کلامی کے ذریعہ، پس آپ لیں جو میں نے آپ کو عنایت فرمایا ہے، اور آپ شکر گذاروں میں شامل ہوں!

تورات اللہ تعالیٰ کی بہترین کتاب، اور اس پر عمل کی ترغیب وترہیب

تورات شریف: لکڑی کی تختیوں پر لکھی ہوئی ملی تھی، یہ تختیاں کہاں سے آئی تھیں؟ کس نے لکھی تھیں؟ اور وہ کس کا کلام تھا؟ ـــــ جاننا چاہئے کہ موسیٰ علیہ السلام طور پر تنہا نہیں گئے ہونگے، مہینہ بھر کا کھانے پینے کا انتظام بھی ساتھ لے کر گئے ہونگے، اس لئے ساتھ میں خدام بھی ہونگے، آپ تختیاں لے کر گئے ہونگے یا خدام سے منگوائی ہونگی، اور گوسالہ پرستی کا واقعہ چونکہ مدت کے آخر میں پیش آیا تھا اس لئے موسیٰ علیہ السلام کو اس کی خبر نہیں ہوئی، جب واپس لوٹنے کا وقت آیا تو اللہ تعالیٰ نے سامری کے سوانگ سے آپ کو مطلع کیا۔

اور تورات: یا تو فرشتہ کا کلام تھا یا خود موسیٰ علیہ السلام کا کلام تھا، اللہ کا کلام نہیں تھا، ورنہ اس میں تحریف ممکن نہ ہوتی، اللہ کا کلام صرف قرآنِ کریم ہے، اس لئے اس میں تحریف ممکن نہیں، قرآن اللہ کی کتاب بھی ہے اور کلام بھی، دوسری کتابیں: صرف اللہ کی کتابیں تھیں، کلام نہیں تھیں، قرآن میں ہر جگہ ان کو اللہ کی کتابیں کہا ہے، اللہ کا کلام کسی جگہ نہیں کہا، البتہ سورۃ البقرۃ (آیت ۷۵) میں ہے: ﴿يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ﴾: بنی اسرائیل کا ایک گروہ اللہ کا کلام سنتا ہے، پھر اس کو بدل ڈالتا ہے۔ اس آیت میں ان ستّر آدمیوں کا ذکر ہے جنھوں نے طور پر اللہ کا کلام سنا تھا، تورات کا ذکر نہیں (براہین قاسمیہ، جواب ترکی بہ ترکی از حضرت مولانا نانوتوی قدس سرہٗ)

اور کتاب: خط کو بھی کہتے ہیں، اور خط دوسرے سے بھی لکھوا سکتے ہیں، پس ﴿كَتَبْنَا لَهٗ﴾ میں اسناد مجازی ہے، اللہ کے حکم سے موسیٰ علیہ السلام نے لکھی تھی اس لئے اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے، جیسے سورۃ الانفال (آیت ۱۷) میں ارشادِ پاک ہے: ﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى﴾: مگر اللہ نے پھینکا: یہ اسناد مجازی ہے، بدر کے میدان میں مٹھی بھر کر نبی ﷺ نے مٹی پھینکی تھی، مگر اللہ کے حکم سے پھینکی تھی، اس لئے اس کو اللہ نے اپنی طرف منسوب کیا۔

تورات میں ہر قسم کی پند وموعظت تھی، اور ہر دینی ضرورت کی تکمیل تھی، اور موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ اسے مضبوطی

سے لیں، یعنی اس کے سارے احکامات پر عمل کریں، اور بنی اسرائیل کو بھی حکم دیں کہ وہ تورات کی بہترین باتوں پر عمل کریں، یہ قضیہ قیاسا تہامعہا ہے، یعنی ایسی بات ہے جس کی دلیل اس کے ساتھ ہے، تورات کے احکام پر عمل کیوں ضروری ہے؟ اس لئے کہ وہ بہترین احکام ہیں، یہاں تک تورات پر عمل کی ترغیب ہے، پھر فرمایا: ''ابھی میں تم کو حد اطاعت سے نکلنے والوں کے انجام (دوزخ) سے آگاہ کرتا ہوں'' یہ ترہیب (ڈراوا) ہے۔

﴿ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَّ تَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۱۴۵ ﴾

ترجمہ: اور ہم نے اس کے لئے تختیوں میں ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی، پس (حکم دیا کہ) آپ اس کو مضبوطی سے لیں، اور اپنی قوم کو (بھی) حکم دیں کہ وہ اس کی بہترین باتوں پر عمل کریں، ابھی میں تم کو حد اطاعت سے نکل جانے والوں کا ــــ یعنی تورات کے احکام پر عمل نہ کرنے والوں کا ــــ گھر (انجام، دوزخ) دکھاؤں گا ــــ یعنی موت کے بعد وہ کہاں پہنچیں گے؟ وہ تمہارے سامنے آجائے گا۔

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ۝۱۴۶ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَاۗءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۭ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۴۷ ع وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰي مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ۭ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۝۱۴۸ وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۱۴۹

سَاَصْرِفُ	اب پھیروں گا میں	الَّذِيْنَ	ان کو جو	فِي الْاَرْضِ	زمین میں
عَنْ اٰيٰتِيَ	میری آیتوں سے	يَتَكَبَّرُوْنَ	گھمنڈ کرتے ہیں	بِغَيْرِ الْحَقِّ	ناحق

وَاِنْ يَّرَوْا	اور اگر دیکھتے وہ	كَذَّبُوْا	جھٹلایا	وَلَا يَهْدِيْهِمْ	اور نہ دکھاتا ہے ان کو
كُلَّ اٰيَةٍ	سب نشانیاں	بِاٰيٰتِنَا	ہماری باتوں کو	سَبِيْلًا	راہ
لَّا يُؤْمِنُوْا	(تو) نہیں ایمان لاتے وہ	وَ لِقَآءِ	اور آخرت کی	اِتَّخَذُوْهُ	(معبود) بنالیا انھوں
بِهَا	ان پر	الْاٰخِرَةِ	ملاقات کو		نے اس کو
وَاِنْ يَّرَوْا	اور اگر دیکھتے وہ	حَبِطَتْ	برباد ہوئے	وَكَانُوْا	اور تھے وہ
سَبِيْلَ	راہ	اَعْمَالُهُمْ	ان کے کام	ظٰلِمِيْنَ	(اللہ کی) حق تلفی کرنے
الرُّشْدِ	ہدایت	هَلْ يُجْزَوْنَ	نہیں بدلہ دیئے جائیں		والے
لَا يَتَّخِذُوْهُ	(تو) نہیں بناتے وہ اس کو		گے وہ	وَلَمَّا سُقِطَ[1]	اور جب گرایا گیا
سَبِيْلًا	راہ	اِلَّا مَا كَانُوْا	مگر ان کاموں کا جو تھے	فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ	ان کے ہاتھوں میں
وَاِنْ يَّرَوْا	اور اگر دیکھتے وہ	يَعْمَلُوْنَ	وہ کرتے	وَرَاَوْا	اور دیکھ لیا انھوں نے
سَبِيْلَ	راہ	وَاتَّخَذَ	اور بنایا	اَنَّهُمْ	کہ وہ
الْغَيِّ	ضلالت	قَوْمُ مُوْسٰى	موسیٰ کی قوم نے	قَدْ	بالتحقیق
يَتَّخِذُوْهُ	(تو) بناتے ہیں اس کو	مِنْۢ بَعْدِهٖ	ان کے جانے کے بعد	ضَلُّوْا	گمراہ ہوگئے
سَبِيْلًا	راہ	مِنْ حُلِيِّهِمْ	اپنے زیورات سے	قَالُوْا	(تو) کہا انھوں نے
ذٰلِكَ	یہ بات	عِجْلًا	بچھڑا	لَئِنْ	بخدا! اگر
بِاَنَّهُمْ	بایں وجہ ہے کہ انھوں نے	جَسَدًا	دھڑ	لَّمْ يَرْحَمْنَا	نہ مہربانی کی ہم پر
كَذَّبُوْا	جھٹلایا	لَّهٗ خُوَارٌ	اس کے لئے گائے کی	رَبُّنَا	ہمارے پروردگار نے
بِاٰيٰتِنَا	ہماری باتوں کو		آواز ہے	وَيَغْفِرْ لَنَا	اور (نہ) بخشا ہم کو
وَكَانُوْا عَنْهَا	اور تھے وہ ان سے	اَلَمْ يَرَوْا	کیا نہیں دیکھا انھوں نے	لَنَكُوْنَنَّ	تو ضرور ہونگے ہم
غٰفِلِيْنَ	بے خبر	اَنَّهٗ	کہ وہ	مِنَ الْخٰسِرِيْنَ	گھاٹا پانے والوں
وَ الَّذِيْنَ	اور جن لوگوں نے	لَا يُكَلِّمُهُمْ	ان کے ساتھ بات نہیں کرتا		میں سے

ربط: گذشتہ آیت کا آخر تھا: ﴿سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ﴾: میں جلدی تم کو حد اطاعت سے نکلنے والوں کا گھر

(۱) سُقِطَ (ن): ماضی مجہول، اور یہ محاورہ ہے: سُقِطَ فی يده: أی نَدِمَ: پشیمان ہوا۔

دکھاؤں گا۔اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ فاسقوں سے مراد فرعونی اور عمالقہ ہیں، اور ان کا گھر مصر اور بیت المقدس ہے، پس یہ ترغیب کا مضمون ہے، اور آگے کی آیت ترہیب کا مضمون ہے، مگر بنی اسرائیل کا مصر کی طرف لوٹنا تاریخی طور پر ثابت نہیں۔

اس لئے میں نے دوسری تفسیر اختیار کی ہے، فاسقین سے مراد اعلیٰ درجہ کے فاسقین ہیں، جو حد اطاعت سے نکلنے والے کافر ہیں، اور ان کا گھر دوزخ ہے، جو مرتے ہی ان کے سامنے آنے والا ہے، پس اب زیر تفسیر آیت کو مستقل مضمون قرار دینا چاہئے، اور اس میں قریش پر چوٹ بھی ہے۔

اللہ کے دین کی تکذیب وہ لوگ کرتے ہیں جن کو اپنی چودھراہٹ پیاری ہوتی ہے

انبیائے کرام جب مبعوث ہوتے ہیں یا داعی جب اللہ کے دین کی طرف بلاتا ہے تو لوگ پیچھے ہٹتے ہیں، تکذیب کرتے ہیں، دعوت قبول نہیں کرتے: یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو زمین میں بلا وجہ کی بڑائی مارتے ہیں، ان کو اپنی لیڈری ختم ہوتی ہوئی نظر آتی ہے، انبیاء کی بات ماننے میں ان کی ہیٹی ہوتی ہے، ان کے سامنے خواہ لاکھ دلائل پیش کئے جائیں یا معجزات دکھائے جائیں: ایمان نہیں لاتے، انبیاء جو دین پیش کرتے ہیں اس کی خوبیوں میں غور نہیں کرتے، اور اس کو نہیں اپناتے، ہاں گمراہی کی راہ سامنے آئے تو بے سوچے سمجھے اس کو اپنا لیتے ہیں ـــــ اور یہ دونوں باتیں: یعنی راہِ ہدایت کو نہ اپنانا اور گمراہی کی راہ کو اپنانا: بایں وجہ ہے کہ وہ اللہ کی باتوں کو نہیں مانتے، وہ اللہ کی آیتوں سے غافل ہیں، اپنے انجام کو نہیں سوچتے، انبیاء کی تکذیب کرتے ہیں، قیامت کے دن ان کے اعمال برباد ہوں گے، اور ان کو اپنے اعمال کی وجہ سے دوزخ کا سامنا کرنا پڑے گا۔

﴿سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ۝۱۴۶ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَاۗءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۭ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۴۷﴾

ترجمہ: ابھی میں اپنی آیتوں سے برگشتہ کروں گا ان لوگوں کو جو زمین میں ناحق کی بڑائی مارتے ہیں ـــــ یعنی ان کا غرور اجازت نہیں دیتا کہ احکام الٰہی کو قبول کریں، اس لئے اللہ نے بھی اپنی آیات سے ان کا دل پھیر دیا، اب ان کو منتفع ہونے کی توفیق نہ ہوگی ـــــ اور اگر وہ ساری نشانیاں دیکھیں تو بھی ان پر ایمان نہ لائیں، اور اگر وہ ہدایت کی راہ دیکھیں تو اس کو نہ اپنائیں، اور اگر وہ گمراہی کی راہ دیکھیں تو اس کو اپنا لیں، یہ بات بایں وجہ ہے کہ انھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، اور وہ ان سے غافل رہے ـــــ اور جنھوں نے ہماری آیتوں کو اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا ان کے اعمال برباد گئے، اور وہ

انہی اعمال کا بدلہ دیئے جائیں گے جو وہ کیا کرتے تھے!

دین کو وہ لوگ بگاڑتے ہیں جو چودھراہٹ کے خواہش مند ہوتے ہیں

جب موسیٰ علیہ السلام طور پر تشریف لے گئے، اور ایک ماہ کی مدت پوری ہوگئی، اور وہ واپس نہیں لوٹے، کیونکہ مدت میں دس دن کا اضافہ کردیا گیا تھا، پس بنی اسرائیل کے لئے الانتظارُ أشدُّ من الموت ہوگیا، اور سامری نے زیور جمع کرکے ایک بچھڑا بنایا، جو محض دھڑ تھا، اس میں جان نہیں تھی، نہ پڑسکتی تھی، مگر وہ گائے کی طرح رانبھتا تھا، سامری ٹیکنیک (ہنرمندی) جانتا تھا، اس نے بچھڑے میں ایسے سوراخ رکھے تھے کہ جب ہوا اس میں گھس کر نکلتی تو گائے کی آواز پیدا ہوتی تھی، پھر کیا تھا؟ منافقین اس پر مفتون ہوگئے، اور اس کی پوجا شروع کردی، حالانکہ معبود کے لئے ضروری ہے کہ وہ بولے اور اپنے بندوں کو ہدایت دے، جبکہ بچھڑا نہ بات کرتا تھا نہ راہ نمائی! مگر عقل کے اندھوں نے اس کو معبود بنالیا، اور عبادت جو اللہ کا حق تھا اس کو غیر محل میں رکھ دیا، یہ ظلم (شرک) ہوا۔

اس پورے واقعہ کا ذمہ دار سامری تھا، اس نے بڑا بننے کے لئے یہ سوانگ رچا تھا، وہ خود بچھڑے کا مجاور بن بیٹھا تھا، اسی طرح گذشتہ مذاہب میں اور موجودہ دین اسلام میں جو لوگ گمراہی نکالتے ہیں ان کا مقصد بھی بڑا بننا ہوتا ہے، سورہ بقرۃ (آیت ۲۱۳) میں ہے: ﴿ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ﴾ یعنی ایک دوسرے پر بڑائی جتانے کے لئے ملت میں غلط راہ نکالنے کی کوشش کی جاتی ہے، لیڈرا پنی چلانے کے لئے اسلام میں غلط راہ نکالتا ہے، مسلمانوں میں گمراہ فرقوں کے بانیوں کا در پردہ یہی مقصد ہوتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ اپنے دین کی حفاظت کرتے ہیں، طائفہ منصورہ ہمیشہ دین پر برقرار رہتا ہے۔

اور اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو اس کے مقصد کے برخلاف سزا دی، فرمایا: ﴿ فَاذْهَبْ فَإِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهُ ﴾: پس جا! اس زندگی میں تیری سزا یہ ہے کہ تو کہتا پھرے گا: ''مجھے مت چھونا'' اور تیرے لئے (آخرت میں) ایک وعدہ ہے جس سے تو ہرگز پیچھے نہیں رہے گا، یعنی آخرت میں تجھے تیری حرکت کی سزا مل کر رہے گی، اور دنیا میں تو 'اچھوت' بن جائے گا، یہ اس کے مقصد کے برخلاف سزا دی۔

﴿ وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ۭ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۝۱۴۸ ﴾

ترجمہ: اور موسیٰ کی قوم نے ان کے (طور پر) جانے کے بعد اپنے زیورات سے بچھڑا بنایا، ایک دھڑ جس کے لئے گائے کی آواز تھی، کیا نہیں دیکھا انھوں نے کہ وہ ان سے بات نہیں کرتا، نہ وہ ان کی راہ نمائی کرتا ہے، انھوں نے اس کو

معبود بنالیا، اور وہ ظالم (اللہ کی حق تلفی کرنے والے) تھے۔

توبہ کا دروازہ کھلا ہے: ہرچہ کردی باز آ!

غیر مسلم ہو یا مرتد: ہر ایک کے لئے توبہ کا دروازہ کھلا ہے، اسی طرح گنہگار مؤمن کے لئے بھی، چنانچہ جب بعض گوسالہ پرستوں کو عقل آئی تو وہ اپنی حرکت پر سخت نادم ہوئے، ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے، اور جب ان کو یقین آ گیا کہ انھوں نے شرکِ جلی کیا تو انھوں نے توبہ کی اور اعتراف کیا کہ اگر اللہ نے ان پر مہربانی نہ کی اور بخشش نہ کی تو وہ آخرت میں گھاٹے میں رہیں گے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کی، اور اس کی صورت مرتدین کا قتل تجویز کیا، جب کچھ لوگ قتل ہو چکے تو باقی کو معاف کر دیا (سورۃ البقرۃ (آیت ۵۴) میں اس کا تذکرہ ہے)

﴿ وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿١٤٩﴾ ﴾

ترجمہ: اور جب وہ ــــ یعنی بعض گوسالہ پرست ــــ اپنی حرکت پر سخت نادم ہوئے، اور انھوں نے سمجھ لیا کہ وہ بالیقین گمراہ ہو گئے تو انھوں نے کہا: بخدا! اگر ہمارے پروردگار نے ہم پر مہربانی نہ کی اور ہمیں نہ بخشا تو ہم ضرور گھاٹا پانے والوں میں سے ہونگے۔

وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗٓ اِلَيْهِ ۭ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ ڮ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَاۗءَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٥٠﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ڮ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿١٥١﴾

ع ۱۸

وَلَمَّا رَجَعَ	اور جب لوٹے	غَضْبَانَ (۱)	غضبناک	بِئْسَمَا (۲)	بری ہے جو
مُوْسٰى	موسیٰ	اَسِفًا (۱)	افسوس کرتے ہوئے	خَلَفْتُمُوْنِيْ	نیابت کی تم نے میری
اِلٰى قَوْمِهٖ	اپنی قوم کی طرف	قَالَ	(تو) کہا	مِنْۢ بَعْدِيْ	میرے بعد

(۱) غضبان اور أسفا: موسی کے احوال ہیں (۲) بئس: فعل ذم ہے اور ما: تمیز ہے بئس کے فاعل مستتر سے۔

أَعَجِلْتُمْ	کیا جلدی کی تم نے	ابْنَ أُمَّ	اے ماں جائے![1]	الظّٰلِمِيْنَ	شرک کرنے والے
أَمْرَ رَبِّكُمْ	تمہارے رب کے حکم میں؟	إِنَّ الْقَوْمَ	بے شک لوگوں نے	قَالَ رَبِّ	کہا اے پروردگار!
وَأَلْقَى	اور ڈال دیں	اسْتَضْعَفُوْنِيْ	کمزور سمجھا مجھے	اغْفِرْ لِيْ	بخش دے مجھے
الْأَلْوَاحَ	تختیاں	وَكَادُوْا[2]	اور قریب تھے	وَلِأَخِيْ	اور میرے بھائی کو
وَأَخَذَ	اور پکڑا	يَقْتُلُوْنَنِيْ	کہ وہ مار ڈالیں مجھے	وَأَدْخِلْنَا	اور داخل فرما ہمیں
بِرَأْسِ	سر	فَلَا تُشْمِتْ[3]	پس نہ ہنسا تو	فِيْ رَحْمَتِكَ	اپنی مہربانی میں
أَخِيْهِ	اپنے بھائی کا	بِيَ	مجھ پر	وَأَنْتَ	اور آپ
يَجُرُّهُ	گھسیٹ رہے ہیں اس کو	الْأَعْدَاءَ	دشمنوں کو	أَرْحَمُ	بڑے رحم فرمانے والے
إِلَيْهِ	اپنی طرف	وَلَا تَجْعَلْنِيْ	اور نہ بنا تو مجھے	الرّٰحِمِيْنَ	مہربانی کرنے والوں
قَالَ	کہا اس نے:	مَعَ الْقَوْمِ	لوگوں کے ساتھ		سے ہیں

بنی اسرائیل سے سخت باز پرس، اور معقول معذرت سامنے آنے پر دلداری

واقعات: زمانی ترتیب سے ذکر نہیں کئے گئے، مضامین کا ربط پیش نظر ہے، ان دو آیتوں میں جو واقعہ ہے وہ طور سے لوٹتے ہی پیش آیا ہے، تورات لکھنے کے لئے موسیٰ علیہ السلام تختیاں ساتھ لے گئے ہونگے، تورات: اللہ کی کتاب ہے، کلام نہیں، کلام یا تو فرشتہ کا ہے یا موسیٰ علیہ السلام کا، موسیٰ علیہ السلام اس کو لکھتے جاتے تھے، تیس دن میں کام مکمل نہ ہوا تو دس دن کی مدت بڑھادی۔

جب کام پورا ہوگیا تو موسیٰ علیہ السلام کو اطلاع دی کہ تمہارے پیچھے سامری نے سوانگ بھرا، بچھڑا بنایا اور بنی اسرائیل کو گمراہ کردیا، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام غضبناک افسوس کرتے ہوئے قوم کی طرف لوٹے، اور آتے ہی بنی اسرائیل کو لیا، اور ان سے سخت باز پرس کی، حضرت ہارون علیہ السلام ان کے ذمہ دار تھے: ان کو مخاطب بنایا، مگر حقیقت میں سارے بنی اسرائیل مخاطب ہیں کہ تم نے میرے بعد بری حرکت کی، ایک ماہ میں دس دن کا اضافہ ہوا تو کیا بگڑ گیا؟ کیا تم یہ سمجھے ہوئے تھے کہ چٹکی بجاتے تورات مل جائے گی! پھر بھاری تختیاں نیچے رکھ دیں، اور دونوں ہاتھ خالی کر لئے، اور بھائی کا سر اور ڈاڑھی پکڑ کر اپنی طرف کھینچا، یہ آخری درجہ کی سرزنش تھی۔

حضرت ہارون علیہ السلام نے عرض کیا: بھیّا! گمراہوں نے مجھے کمزور سمجھا، اور قریب تھے کہ مجھے مار ڈالیں، پس آپ

(۱) ماں جایا: ماں شریک بھائی یعنی حقیقی بھائی (۲) فعل کاد: محل اثبات میں نفی کرتا ہے (۳) إشمات: دشمن کو ہنسانا، خوش کرنا۔

میرے ساتھ جو معاملہ کر رہے ہیں اس سے دشمن خوش ہونگے، آپ مجھے مشرکوں کا ہمنوا نہ سمجھیں۔

موسیٰ علیہ السلام نے سر اور ڈاڑھی چھوڑ کر دعا کی: الٰہی! مجھے اور میرے بھائی کو بخش دیں، میں نے ان کے ساتھ جو نازیبا برتاؤ کیا ہے اس کو معاف کریں، اور بھائی نے جو کمزوری کا مظاہرہ کیا ہے اس کو بھی معاف کریں اور آپ اپنی مہربانی میں ہمیں شامل فرمائیں، آپ ارحم الراحمین ہیں! —— یہ مؤمنین کی دلداری ہے، مخاطب ہارون علیہ السلام ہیں، ان کے ضمن میں سب مؤمنین آ گئے۔ پھر دوسروں کی طرف متوجہ ہوئے اور بچھڑے کو ریت کر دریا میں بہادیا، اور گوسالہ پرستوں کے لیڈر سامری کو 'اچھوت' بنادیا۔

آیاتِ کریمہ: اور جب موسیٰ غضبناک افسوس کرتے ہوئے اپنی قوم کی طرف لوٹے تو کہا: "تم نے میرے بعد میری بری نیابت کی! کیا تم نے اپنے پروردگار کا کام جلدی نمٹ جانے والا سمجھا!" اور تختیاں ڈال دیں —— بھاری بوجھ جلدی میں رکھ دیا جائے تو ایسا محسوس ہوگا کہ ڈال دیا —— اور اپنے بھائی کا سر پکڑ کر اپنی طرف گھسیٹنے لگے —— سورۂ طٰہٰ میں ڈاڑھی کا بھی ذکر ہے —— بھائی نے کہا: "اے ماں جایے! لوگوں نے مجھے کمزور سمجھا، اور قریب تھے کہ وہ مجھے مار ڈالیں، پس آپ مجھ پر دشمنوں کو نہ ہنسائیں، اور مجھے شرک کرنے والوں میں شامل نہ کریں"

موسیٰ نے کہا: "اے میرے پروردگار! مجھے اور میرے بھائی کو معاف فرمائیں، اور ہمیں اپنی رحمت میں شامل فرمائیں، اور آپ سب سے بڑے مہربانی فرمانے والے ہیں!"

إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِينَ ﴿١٥٢﴾ وَالَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ ثُمَّ تَابُوا مِن بَعْدِهَا وَآمَنُوا إِنَّ رَبَّكَ مِن بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٥٣﴾

إِنَّ الَّذِينَ	بیشک جن لوگوں نے	وَذِلَّةٌ	اور رسوائی	عَمِلُوا	کیے
اتَّخَذُوا	معبود بنالیا	فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا	دنیوی زندگی میں	السَّيِّئَاتِ	برے کام
الْعِجْلَ	بچھڑے کو	وَكَذَٰلِكَ	اور اسی طرح	ثُمَّ تَابُوا	پھر توبہ کی انھوں نے
سَيَنَالُهُمْ	عنقریب پہنچے گا ان کو	نَجْزِي	بدلہ دیتے ہیں ہم	مِن بَعْدِهَا	برائیوں کے بعد
غَضَبٌ	سخت غصہ	الْمُفْتَرِينَ	بہتان باندھنے والوں کو	وَآمَنُوا	اور ایمان لائے وہ
مِّن رَّبِّهِمْ	ان کے پروردگار کا	وَالَّذِينَ	اور جن لوگوں نے	إِنَّ رَبَّكَ	بیشک آپ کا پروردگار

مِنۢ بَعۡدِهَا	برائیوں کے بعد	لَغَفُوۡرٌ	یقیناً بڑا بخشنے والا	رَّحِيۡمٌ	بڑا رحم فرمانے والا ہے

دنیا میں مرتد کی سزا قتل ہے اور آخرت میں دوزخ: اور ایمان لائے تو معتبر ہے

گوسالہ پرستوں میں سے کچھ لوگ سنبھل گئے، جیسا کہ پہلے گذرا، اور کچھ لوگ مرتد ہی رہے، ان کا لیڈر سامری بھی مرتد رہا اور اس کے فتنہ کا 'اچھوت' بنا کر تدارک کیا، باقی مرتدین کو قتل کیا۔

مرتد کی سزا دنیا میں قتل ہے اور آخرت میں دوزخ! مگر یہ سزا مرد مرتد کے لئے ہے، مرتد عورت کی سزا نظر بندی ہے، اس کو دوسری عورتوں کے ساتھ ملنے سے روک دیا جائے گا، اور دوسری عورتوں کو بھی اس سے ملنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

اور مرد اور عورت کی سزا میں یہ فرق اس وجہ سے ہے کہ فتنہ کا سدّباب مقصود ہے: ﴿اَلۡفِتۡنَةُ اَشَدُّ مِنَ الۡقَتۡلِ﴾ مرد آزاد پھرے گا اور لوگوں کو گمراہ کرے گا، اور نظر بندی مرد کے موضوع کے خلاف ہے، اور عورت کو نظر بند رکھا جاسکتا ہے اس لئے اس کو یہ سزا دی جائے گی۔

اور مرتد کا قتل: ﴿لَاۤ اِكۡرَاهَ فِى الدِّيۡنِ﴾ کے خلاف نہیں، آیت پاک کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو ابتداءً اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، اور مرتد کو جو اسلام سے نکل گیا ہے، فتنہ روکنے کے لئے نمٹایا جاتا ہے، چنانچہ مرتدہ کو قتل نہیں کیا جاتا۔

اور مرد مرتد کو بھی اس وقت قتل کیا جاتا ہے جب اس کے شبہات اس حد تک دور کردیئے جائیں کہ اس کی بولتی بند ہوجائے، پھر مہلت مانگنے پر تین دن سوچنے کا موقع دیا جائے، اگر اسلام کی طرف لوٹے تو اس کی قسمت! ورنہ قتل کیا جائے، اور وہ بھی اسلامی حکومت قتل کرسکتی ہے، اور دوبارہ اسلام قبول کرلے تو اس کا ایمان معتبر ہے۔ ان آیات میں یہی مضمون ہے۔

آیاتِ کریمہ: بے شک جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود بنایا، ان کو عنقریب ان کے پروردگار کا سخت غصہ پہنچے گا —— آخرت کا عذاب مراد ہے —— اور دنیوی زندگی میں رسوائی! —— دنیا میں مرتد کا قتل مراد ہے —— اور اسی طرح ہم افتراء پردازوں کو سزا دیتے ہیں —— اور جن لوگوں نے برائیاں کیں، پھر ان کے بعد توبہ کی اور ایمان لائے تو ان کا پروردگار برائیوں کے ارتکاب کے بعد یقیناً بڑا بخشنے والا، بڑا مہربانی کرنے والا ہے!

وَلَمَّا سَكَتَ عَنۡ مُّوۡسَى الۡغَضَبُ اَخَذَ الۡاَلۡوَاحَ ۖۚ وَفِىۡ نُسۡخَتِهَا هُدًى وَّرَحۡمَةٌ لِّلَّذِيۡنَ هُمۡ لِرَبِّهِمۡ يَرۡهَبُوۡنَ ۝ وَاخۡتَارَ مُوۡسٰى قَوۡمَهٗ سَبۡعِيۡنَ رَجُلًا لِّمِيۡقَاتِنَا ۚ فَلَمَّاۤ اَخَذَتۡهُمُ الرَّجۡفَةُ قَالَ رَبِّ لَوۡ شِئۡتَ اَهۡلَكۡتَهُمۡ مِّنۡ قَبۡلُ وَاِيَّاىَ ؕ اَتُهۡلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنۡ هِىَ اِلَّا فِتۡنَتُكَ ؕ تُضِلُّ بِهَا مَنۡ تَشَآءُ

وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ ؕ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾

وَلَمَّا سَكَتَ	اور جب تھم گیا	رَجُلًا	آدمیوں کو	السُّفَهَآءُ	بے وقوفوں نے
عَنْ مُّوْسَى	موسیٰ کا	لِّمِيْقَاتِنَا	ہمارے مقررہ وقت کیلئے	مِنَّا	ہم میں سے
الْغَضَبُ	غصہ	فَلَمَّآ	پس جب	اِنْ هِيَ	نہیں ہے وہ
اَخَذَ	(تو) لی اس نے	اَخَذَتْهُمُ	پکڑا ان کو	اِلَّا فِتْنَتُكَ	مگر آپ کی آزمائش
الْاَلْوَاحَ	تختیاں	الرَّجْفَةُ(۲)	زلزلہ نے	تُضِلُّ	گمراہ کرتے ہیں آپ
وَفِيْ نُسْخَتِهَا(۱)	اور اس کی اصل کاپی میں	قَالَ	کہا اس نے	بِهَا	اس کے ذریعہ
هُدًى	راہ نمائی ہے	رَبِّ	اے پروردگار!	مَنْ تَشَآءُ	جس کو چاہتے ہیں
وَّرَحْمَةٌ	اور مہربانی ہے	لَوْ شِئْتَ	اگر چاہتے آپ	وَتَهْدِيْ	اور راہ دکھاتے ہیں آپ
لِّلَّذِيْنَ	ان کے لئے جو کہ	اَهْلَكْتَهُمْ	ہلاک کرتے ان کو	مَنْ تَشَآءُ	جس کو چاہتے ہیں
هُمْ لِرَبِّهِمْ	وہ اپنے رب سے	مِّنْ قَبْلُ	پہلے	اَنْتَ وَلِيُّنَا	آپ ہمارے کارساز ہیں
يَرْهَبُوْنَ	ڈرتے ہیں	وَاِيَّايَ	اور مجھ کو (بھی)	فَاغْفِرْ لَنَا	پس بخش دیں آپ ہمیں
وَاخْتَارَ	اور چنا	اَتُهْلِكُنَا	کیا ہلاک کرتے ہیں	وَارْحَمْنَا	اور مہربانی فرمائیں
مُوْسٰى	موسیٰ نے		آپ ہم کو		آپ ہم پر
قَوْمَهٗ	اپنی قوم سے	بِمَا فَعَلَ	اس حرکت کی وجہ سے	وَاَنْتَ	اور آپ
سَبْعِيْنَ	ستّر		جو کی	خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ	بہترین بخشنے والے ہیں

تورات اللہ کی عظیم کتاب تھی

موسیٰ علیہ السلام طور سے لوٹے تو غصہ میں بھرے ہوئے تھے، تورات کی تختیاں رکھ دیں، اور حضرت ہارون علیہ السلام سے سخت باز پرس کی، پھر جب معقول معذرت سامنے آئی تو دلداری کی، پھر گوسالہ پرستوں کی طرف متوجہ ہوئے،

(۱) نسخہ: لکھی ہوئی تحریر، کتاب کی اصل کاپی جس سے نقل لی جائے، تورات کا اصل نسخہ جو موسیٰ علیہ السلام نے طور پر لکھا تھا جو عرصہ تک بنی اسرائیل کے پاس محفوظ رہا، جس سے بنی اسرائیل نقلیں لیتے تھے۔ (۲) الرجفة: زلزلہ، بھونچال، سورۃ بقرہ اور سورۂ نساء میں الصاعقة ہے، اس کے معنی ہیں: بجلی، کڑک، دونوں باتیں جمع تھیں، زلزلہ بھی آیا اور کڑک بھی ہوئی۔

ان کو ڈانٹا ڈپٹا اور بچھڑے کی بے قدری سمجھائی، پھر اس کو ریت کر دریا برد کر دیا، پھر سامری کو سزا دی کہ تو کہتا پھرے گا: ﴿ لَا مِسَاسَ ﴾: مجھے ہاتھ مت لگانا! ہاتھ لگانے سے اس کو بخار چڑھ جاتا تھا، پھر مرتدین کو سزا دی، جب تمام معاملات نمٹ گئے اور موسیٰ علیہ السلام کا غصہ ٹھنڈا پڑا تو آپ تورات کی تختیوں کی طرف متوجہ ہوئے، بنی اسرائیل سے کہا: ''یہ اللہ کی کتاب ہے، اس پر مکمل طور پر عمل کرو!''

تورات کے اصل نسخہ میں، جو موسیٰ علیہ السلام نے طور پر لکھا تھا، اور جس سے بنی اسرائیل نقلیں لیا کرتے تھے: اس میں اللہ کی راہ نمائی تھی، اور جو اللہ سے ڈر کر تورات کے احکام پر عمل کرے: اس کے لئے مہربانی کا مژدہ تھا، یعنی تورات اللہ کی قیمتی کتاب تھی، قرآنِ کریم کے بعد اسی کا نمبر ہے، مگر اس سے فائدہ اسی کو پہنچے گا جو اللہ سے ڈر کر اس پر عمل کرے، جیسے قرآن کے بارے میں ہے: ﴿ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴾: قرآن راہ نما کتاب ہے اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے!

اور یہ آیت اگلے واقعہ کی تمہید ہے، دیکھو! ایسی قیمتی کتاب کی بنی اسرائیل نے کیا قدر کی! گدھا کیا جانے زعفران کی قدر! ـــــ اور 'اصل نسخہ' کی قید سے محرف تورات نکل گئی، آج جو تورات یہود کے پاس ہے وہ محرف ہے۔

﴿ وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۚ وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ ﴾

ترجمہ: اور جب موسیٰ کا غصہ ٹھنڈا پڑا تو اس نے تختیاں لیں، اور اس کے نسخہمیں (اصل کاپی میں) راہ نمائی اور مہربانی ہے ان لوگوں کے لئے جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں!

مخلصین کا حال دیکھیں، دوسروں کو کیا روئیں!

جب موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے سامنے تورات کی تختیاں پیش کیں تو قوم نے کہا: ''ہم کیا جانیں کہ یہ اللہ کی کتاب ہے!'' (ان کو شبہ اس سے پڑا تھا کہ تحریر موسیٰ علیہ السلام کی تھی) موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ''تم اپنے قبائل میں سے چند آدمی منتخب کرو، میں اللہ پاک سے کہلوادوں کہ یہ میری کتاب ہے'' قوم نے ستّر سردار منتخب کئے، موسیٰ علیہ السلام ان کو طور پر لے گئے، وہاں انھوں نے اللہ کا کلام سنا، مگر کہنے لگے: ''جب تک ہم اللہ کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں اور رودررو بات نہ سنیں: کیسے یقین کریں کہ یہ اللہ نے فرمایا!'' اس گستاخی پر پہاڑ کپکپایا اور اوپر سے بجلی گری، اور سب کانپ کر مر گئے، اس سے موسیٰ علیہ السلام بہت پریشان ہوئے کہ قوم کو کیا جواب دیں گے؟ چنانچہ آپ نے دعا کی:

''الٰہی! اگر آپ ان لوگوں کو اور مجھ کو (بھی) پہلے ہی بنی اسرائیل کے سامنے ہلاک کر دیتے تو کس کو مجال تھی کہ آپ کی مشیت پر انگلی اٹھاتا! آپ نے قوم کے احمقوں کی بات کی وجہ سے ان کو ہلاک کر دیا، یہ آپ کا امتحان

ہے، ایسے تکوینی واقعات سے کچھ لوگ گمراہ ہوتے ہیں، اور کچھ لوگ راہِ راست پاتے ہیں، آپ ہی ہمارے دستگیر ہیں، آپ ہمیں معاف فرمائیں، اور ہم پر مہربانی فرمائیں، آپ بہترین معاف فرمانے والے ہیں!''

چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی، اور وہ لوگ بخشے گئے، اللہ تعالیٰ نے ان کو از سرِ نو زندہ کر دیا، سورۃ بقرۃ (آیت ۵۶) میں ہے: ﴿ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴾: پھر ہم نے تمہیں زندہ کیا، تمہارے مرے پیچھے، تاکہ تم شکر گزار بنو! یہ واقعہ سورۃ النساء (آیت ۱۵۳) میں بھی آیا ہے۔ دیکھو! بنی اسرائیل نے اللہ کی کتاب کی کیا قدر کی؟ مخلصین کا جب یہ حال تھا تو دوسروں کا کیا رونا! سچ ہے گدھے کیا جانیں زعفران کی قدر! موسیٰ علیہ السلام کلامِ الٰہی سن کر مشتاقِ دید ہوئے اور قوم کے سردار کلام سن کر شک میں مبتلا ہو گئے!

﴿ وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ۭ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَاۗءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِىَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ۭ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَاۗءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَاۗءُ ۭ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ ﴾

ترجمہ: اور موسیٰ نے اپنی قوم میں سے مقرر وقت کے لئے ستر آدمی چنے، پس جب ان کو زلزلہ نے پکڑا تو اس نے کہا: ''اے میرے پروردگار! اگر آپ چاہتے تو ان کو اور مجھے پہلے ہی ہلاک کرتے! کیا آپ ہم کو ہلاک کرتے ہیں اس گستاخی کی وجہ سے جو ہمارے بے وقوفوں نے کی! یہ آپ کی آزمائش ہے! اس (آزمائش) سے جس کو آپ چاہیں گمراہ کریں، اور جس کو چاہیں راہِ راست دکھائیں، آپ ہی ہمارے کارساز ہیں! پس آپ ہمیں بخش دیں! اور ہم پر مہربانی فرمائیں! اور آپ بہترین بخشنے والے ہیں! ـــــ دعا ابھی باقی ہے اور قبولیت بھی!

وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ۭ قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَاۗءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۭ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۡ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَـبٰۗىِٕثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ

عَلَيْهِمْ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۱۵۷ۧ

۱۹ ع ۹

وَاكْتُبْ لَنَا	اور لکھیے ہمارے لئے	وَيُؤْتُوْنَ	اور دیتے ہیں	بِالْمَعْرُوْفِ	نیک کاموں کا
فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا	اس دنیا میں	الزَّكٰوةَ	زکات	وَيَنْهٰهُمْ	اور روکتے ہیں ان کو
حَسَنَةً	خوبی (بھلائی)	وَالَّذِيْنَ(۲)	اور ان کے لئے جو کہ	عَنِ الْمُنْكَرِ	بری باتوں سے
وَّفِي الْاٰخِرَةِ	اور آخرت میں	هُمْ	وہ	وَيُحِلُّ	اور حلال کرتے ہیں
اِنَّا هُدْنَآ(۱)	بیشک ہم نے رجوع کیا	بِاٰيٰتِنَا	ہماری آیتوں پر	لَهُمُ	ان کے لئے
اِلَيْكَ	آپ کی طرف	يُؤْمِنُوْنَ	یقین رکھتے ہیں	الطَّيِّبٰتِ	پاکیزہ چیزوں کو
قَالَ	فرمایا	اَلَّذِيْنَ(۳)	ان کے لئے جو	وَيُحَرِّمُ	اور حرام کرتے ہیں
عَذَابِيْٓ	میرا عذاب	يَتَّبِعُوْنَ	پیروی کرتے ہیں	عَلَيْهِمُ	ان پر
اُصِيْبُ	پہنچوں گا میں	الرَّسُوْلَ	رسول	الْخَبٰۗىِٕثَ	گندی چیزوں کو
بِهٖ	اس کے ساتھ	النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ	نبی امی کی	وَيَضَعُ	اور اتارتے ہیں
مَنْ اَشَاۗءُ	جس کو چاہوں گا	الَّذِيْ	جو	عَنْهُمْ	ان سے
وَرَحْمَتِيْ	اور میری مہربانی	يَجِدُوْنَهٗ	پاتے ہیں وہ اس کو	اِصْرَهُمْ(۴)	ان کے بوجھ
وَسِعَتْ	شامل ہے	مَكْتُوْبًا	لکھا ہوا	وَالْاَغْلٰلَ(۵)	اور قیود
كُلَّ شَيْءٍ	ہر چیز کو	عِنْدَهُمْ	اپنے پاس	الَّتِيْ	جو
فَسَاَكْتُبُهَا	پس اب لکھوں گا میں	فِي التَّوْرٰىةِ	تورات میں	كَانَتْ عَلَيْهِمْ	تھیں ان پر
لِلَّذِيْنَ	ان کے لئے جو	وَالْاِنْجِيْلِ	اور انجیل میں	فَالَّذِيْنَ	پس جو لوگ
يَتَّقُوْنَ	ڈرتے ہیں	يَاْمُرُهُمْ	حکم دیتے ہیں وہ ان کو	اٰمَنُوْا بِهٖ	ایمان لائے اس پر

(۱) هُدْنا: ماضی، جمع متکلم: ہم نے توبہ کی، ہم نے رجوع کیا، هَادَ يَهُوْدُ (ن) هَوْدًا (۲) الذین کا عطف پہلے الذین پر ہے، حرفِ جر لوٹائے بغیر (۳) یہ الذین: پہلے الذین سے بدل ہے، عطف نہیں، تاکہ یہ نیا جملہ بن سکے، پس یہ مبتدا ہوگا، اور فالذین آمنوا به: خبر ہوگی، اس کو بھی جملہ مستقلہ کی صورت میں لایا گیا ہے (۴) إصر: بھاری بوجھ: جو اٹھانے والے کو چلنے سے روک دے، مراد تکالیف شاقّہ ہیں (۵) أغلال: غُلّ کی جمع ہتھکڑیاں، قیدیں، مراد تکالیف شاقّہ ہیں۔

وَ عَزَّرُوْهُ(۱)	اور انھوں نے اس کو قوت پہنچائی	وَ اتَّبَعُوا	اور پیروی کی انھوں نے	اُنْزِلَ مَعَهٗٓ	اتاری گئی اس کے ساتھ
وَ نَصَرُوْهُ	اور اس کی مدد کی	النُّوْرَ	اس روشنی کی	اُولٰٓئِكَ هُمُ	وہی لوگ
		الَّذِيٓ	جو	الْمُفْلِحُوْنَ	کامیاب ہونے والے ہیں

موسیٰ علیہ السلام کی دعا کا تتمہ اور دعا کا جواب اور جواب کا تتمہ

بنی اسرائیل کی کامیابی آخری نبی ﷺ پر ایمان لانے پر موقوف ہے

ربط: جب طور پر ستر نمائندے ہلاک ہوئے تو موسیٰ علیہ السلام نے لمبی دعا کی ہے، اس کے نتیجہ میں ان لوگوں کو زندہ کردیا، یہ دعا کی قبولیت تھی، یہ دعا تین حصوں پر مشتمل تھی، اور وہ گذشتہ آیت میں آئی ہے، وہ دعا یہ تھی:

۱- میں ان سرداروں کو طور پر لایا ہوں، یہاں انھوں نے ایک حماقت کی اور ہلاک ہوئے، اب بلاء میرے سر پڑے گی، قوم کہے گی: ہمارے سرداروں کو موسیٰ نے لے جاکر مار دیا، حالانکہ آپ ان کو اور مجھے قوم کے سامنے ہلاک کرسکتے تھے، اس صورت میں میرے سر الزام نہ آتا!

۲- یہ واقعہ آپ کی طرف سے ایک امتحان ہے، اور آزمائشی واقعات سے کوئی گمراہ ہوتا ہے، کوئی راہ پاتا ہے، پس کچھ بنی اسرائیل تو اس واقعہ کو ان کی حماقت کی سزا قرار دیں گے اور ایمان پر جمے رہیں گے، اور کچھ بنی اسرائیل اس کا الزام میرے سر دھریں گے اور گمراہ ہونگے، پس اگر یہ واقعہ پیش نہ آتا تو بعض لوگ گمراہ نہ ہوتے۔

۳- آپ ہمارے کارساز ہیں، آپ ان احمقوں کی غلطی معاف کریں، اور ان پر مہربانی فرمائیں، یعنی ان کو دوبارہ زندہ کریں، تاکہ میں الزام سے بری ہوجاؤں اور قوم بھی ایمان پر برقرار رہے۔

یہ تینوں دعائیں ایک سلسلہ کی کڑیاں ہیں، اس لئے ان کو گذشتہ آیت میں جمع کیا ہے، اور اس کی قبولیت یعنی مردوں کے زندہ ہونے کی دوسری جگہ صراحت ہے۔

اور اب یہاں پہلی آیت میں موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے لئے دونوں جہانوں میں سربلندی کی دعا کی ہے، یہ گذشتہ دعا کا تتمہ ہے اور اسی آیت میں اس کی قبولیت کا ذکر ہے:

دعا: الٰہی! میری امت سربلند رہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، اس لئے کہ ہم ٹوٹ کر آپ کے ہوگئے ہیں!

جواب: اللہ تعالیٰ نے جواب کی تمہید میں ایک قاعدہ بیان کیا ہے:

(۱) عَزَّرَ تعزیرا: مدد کرنا، قوت پہنچانا، تعظیم کرنا۔

قاعدہ: اللہ کی صفتِ رحمت: صفتِ غضب پر غالب ہے، صفتِ غضب کی کارفرمائی ان لوگوں کے حق میں ہوتی ہے جو سزا کے مستحق ہوتے ہیں، اور مہربانی: گنہ گار مؤمنین پر بھی ہوگی، ان کے گناہ بخش دیں گے اور جنت عطا فرمائیں گے۔ ﴿ كُلَّ شَيْءٍ ﴾ کی تعمیم گنہگار مؤمنین کی حد تک ہے۔

دعا کا جواب: بنی اسرائیل کی کامیابی دو باتوں پر موقوف ہے: اعمالِ صالحہ پر اور آخری نبی ﷺ کی پیروی پر۔

اعمالِ صالحہ:

۱- وہ تقوی شعار رہیں، اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور ممنوعاتِ شرعیہ کو چھوڑیں، اور پہلے اس کو اس لئے ذکر کیا کہ دفع مضرت: جلبِ منفعت سے مقدم ہوتی ہے۔

۲- زکات ادا کریں، یہ مال میں اللہ کا حق ہے، وہ غریبوں کو پہنچائیں —— مالی عبادت بھاری ہوتی ہے، اس لئے اس کا ذکر کیا، پس نماز جو بدن کا حق ہے، اس کو بدرجۂ اولیٰ ادا کرنا ہوگا۔

۳- اللہ کی تمام باتوں کو مانیں، خواہ دل چاہے یا نہ چاہے —— آخری نبی ﷺ پر ایمان لانے کو یہود ونصاری کا دل نہیں چاہتا، مگر ایمان لانا ضروری ہے۔

آخری شرط: آخری نبی پر جو ام القری میں مبعوث ہونگے، جو رسول بھی ہونگے اور نبی بھی، جن کا ذکر تورات وانجیل میں ہے: ان کی پیروی کریں تو وہ سرخ رو ہونگے۔

آخری پیغمبر بنی اسرائیل کے تعلق سے پانچ کام کریں گے:

۱- وہ بنی اسرائیل کو نیک کاموں کا حکم دیں گے۔

۲- وہ ان کو بری باتوں سے روکیں گے۔

۳- وہ ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال کریں گے —— بنی اسرائیل کی شریعت میں اونٹ کا گوشت اور چربی وغیرہ حرام تھیں، آخری نبی ان کو حلال کریں گے، اس لئے کہ وہ پاکیزہ چیزیں ہیں، اور بنی اسرائیل کے لئے ان کی حرمت خاص وجہ سے تھی۔

۴- آخری نبی بنی اسرائیل کے لئے گندی چیزوں کو حرام کریں گے —— عیسائی خنزیر کھاتے ہیں، وہ گندہ جانور ہے، آخری نبی اس کی حرمت کا اعلان کریں گے۔

۵- اہل کتاب پر جو ریت رواج کا بوجھ اور بندشیں ہیں ان کو ہٹائیں گے —— کسی بھی ملت پر جب عرصہ دراز

گذر جاتا ہے تو شریعت کے شاندار محل میں مکڑیاں جالے تن دیتی ہیں، اہل ملت کے لئے وہ چیزیں بوجھ اور بیڑیاں بن جاتی ہیں، خواہی نخواہی ان کو کرنا پڑتا ہے، اسی لئے ریت رواج اور بدعات کو مٹانے کا حکم ہے۔

پس جو اہل کتاب (یہود و نصاری) آخری نبی ﷺ پر ایمان لائیں گے، ان کی تائید کریں گے، ان کی مدد کریں گے، اور اس روشنی کی پیروی کریں گے جو آخری نبی پر نازل کی گئی ہے یعنی قرآن کی پیروی کریں گے: وہ کامیاب ہونگے!

سوال: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے زمانہ میں دعا کی تھی، اس وقت آخری نبی ﷺ کا وجود نہیں ہوا تھا، پھر دعا کے جواب میں آخری نبی پر ایمان کی شرط کیوں لگائی؟

جواب: ایمان کے لئے اگلے پچھلے تمام رسولوں اور نبیوں پر ایمان لانا ضروری ہے، خواہ ان کا زمانہ گذر چکا ہو یا آئندہ ان کا وجود ہونے والا ہو، سورۃ البقرۃ کے شروع میں ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ ایمان والے وہ لوگ ہیں جو اس کتاب پر یقین رکھتے ہیں جو آپ پر اتاری گئی ہے، اور ان کتابوں پر بھی جو آپ سے پہلے اتاری گئی ہیں، بعد میں کوئی کتاب یا کوئی نیا نبی آنے والا نہیں، اس لئے بعد کی کتاب کا ذکر نہیں کیا، پس یہ آیت ختم نبوت کی دلیل ہے، مگر موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں تو نبوت جاری تھی، ان کے بعد بھی انبیاء و رسل آنے والے تھے اور کتابیں بھی اترنے والی تھیں، اس لئے آخری رسول اور آخری کتاب تک سب پر ایمان لانا ضروری تھا۔

فائدہ (۱): أمی کی قید اس لئے لگائی کہ آخری نبی أم القری میں مبعوث ہونگے، یعنی بنی اسماعیل میں مبعوث ہونگے، اور نبی رسول سے عام ہے، بنی اسرائیل میں نبی بھی مبعوث ہونے والے ہیں اور آخر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی خاتم انبیاء بنی اسرائیل مبعوث ہونگے، پھر آخری رسول نبی امی مبعوث ہونگے، اب سلسلہ ختم!

فائدہ (۲): خاتم النّبیین ﷺ عالمگیر رسول ہیں، جیسا کہ اگلی آیت میں آرہا ہے، اور اس آیت میں بنی اسرائیل کی طرف لوٹنے والی ضمیریں تخصیص ذکری کے طور پر ہیں، آپ بنی اسرائیل ہی کے لئے پانچ کام نہیں کریں گے، اپنی ساری امت کے لئے یہ کام کریں گے۔

فائدہ (۳): إصر (بوجھ) اور أغلال (بیڑیاں) دونوں میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے، بوجھ عام ہے اور ہتھکڑیاں خاص، اور مراد ریت رواج اور بدعات ہیں، یہ چیزیں شروع میں بوجھ ہوتی ہیں، آخر میں سر پڑجاتی ہیں اور آدمی کو جکڑ دیتی ہیں، اس لئے ریت رواج اور بدعات ابتداء ہی سے قابل ترک ہیں، حدیث شریف میں ہے: من أحدث فی أمرنا هذا ما لیس منه فهو رد: دین میں ایجاد بندہ ممنوع ہے، خواہ وہ رواج ثواب کی نیت کے بغیر کیا جائے یا وہ بدعت ثواب کی نیت سے کی جائے: دونوں ممنوع اور قابل ترک ہیں، جیسے نکاح کی رسمیں اور موت کے بعد کی بدعات:

سب کو مٹانا چاہئے اور ان کی جگہ سنت کو زندہ کرنا چاہئے۔

فائدہ (۴): قرآنِ کریم میں صرف اللہ کی کتابوں کو 'نور' کہا گیا ہے، کسی نبی یا رسول کو نور نہیں کہا گیا، اور سورۃ المائدۃ (آیت ۱۵) میں: ﴿ نُوۡرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيۡنٌ ﴾ میں عطف تفسیری ہے، اور قرینہ: ﴿ يَّهۡدِىۡ بِهِ اللّٰهُ ﴾ میں مفرد کی ضمیر ہے، اس آیت میں بھی قرآنِ کریم کو نور فرمایا ہے۔

فائدہ (۵): ﴿ اُنۡزِلَ ﴾: ماضی مجہول تحقق وقوع کے لئے ہے، قرآن کا نزول اگرچہ آئندہ ہوگا، مگر اس کا نزول یقینی ہے اس لئے اس کو فعل ماضی سے تعبیر کیا ہے۔

آیاتِ کریمہ: اور ہمارے لئے اس دنیا میں بھلائی لکھ دیں اور آخرت میں (بھی) بے شک ہم نے آپ کی طرف رجوع کیا ہے!

(اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: (تمہید) ''میں جسے چاہوں اپنے عذاب سے دوچار کروں، اور میری رحمت ہر چیز کو شامل ہے'' ـــــ تمہید پوری ہوئی ـــــ پس میں عنقریب اس (رحمت) کو لکھوں گا ان لوگوں کے لئے جو (اللہ کے احکام کی خلاف ورزی سے) بچتے ہیں اور زکات دیتے ہیں، اور ان لوگوں کے لئے جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔

جو لوگ نبی امی رسول کی پیروی کرتے ہیں، جن کو وہ اپنے پاس تورات وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، جو ان کو نیک کاموں کا حکم دیتے ہیں، اور ان کو بری باتوں سے روکتے ہیں، اور ان کے لئے پاکیزہ چیزیں حلال کرتے ہیں، اور ان پر گندی چیزیں حرام کرتے ہیں، اور ان سے ان کے وہ بوجھ اور بیڑیاں اتارتے ہیں جو ان پر تھیں، پس جو لوگ ان پر ایمان لائے، اور ان کی تائید کی، اور ان کی مدد کی، اور اس نور کی پیروی کی جو ان کے ساتھ اتارا گیا ہے: وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں!

قُلۡ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَيۡكُمۡ جَمِيۡعَا ۨالَّذِىۡ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ‌ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحۡىٖ وَيُمِيۡتُ‌ ۖ فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهِ النَّبِىِّ الۡاُمِّىِّ الَّذِىۡ يُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوۡهُ لَعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ ﴿۱۵۸﴾

قُلۡ	کہہ دو	اللّٰهِ	اللہ کا	الَّذِىۡ لَهٗ	جس کے لئے
يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ	اے لوگو!	اِلَيۡكُمۡ	تمہاری طرف	مُلۡكُ	حکومت ہے
اِنِّىۡ رَسُوۡلُ	بیشک میں رسول ہوں	جَمِيۡعَا	سبھی کی طرف	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں

وَالْاَرْضِ	اور زمین کی	فَاٰمِنُوْا	پس ایمان لاؤ	بِاللّٰهِ	اللہ پر
لَآ اِلٰهَ	کوئی معبود نہیں	بِاللّٰهِ	اللہ پر	وَكَلِمٰتِهٖ	اور اس کے کلاموں پر
اِلَّا هُوَ	مگر وہ	وَرَسُوْلِهِ	اور اس کے رسول	وَاتَّبِعُوْهُ	اور پیروی کرو تم ان کی
يُحْيٖ	جلاتا ہے وہ	النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ	نبی امی پر	لَعَلَّكُمْ	تاکہ تم
وَيُمِيْتُ	اور مارتا ہے وہ	الَّذِيْ يُؤْمِنُ	جو یقین رکھتا ہے	تَهْتَدُوْنَ	راہ پاؤ

آخری نبی ﷺ سبھی انسانوں کی طرف مبعوث ہیں

اب ایک آیت عجیب جامعیت کی شان لئے ہوئے ہے، اور اس میں ایک غلط فہمی کا ازالہ بھی ہے، گذشتہ آیت میں — جو کہ موسیٰ علیہ السلام کی اپنی قوم (بنی اسرائیل) کے لئے دنیا وآخرت میں کامیابی کی دعا کے جواب کا تتمہ تھی — بار بار ھم: جمع مذکر غائب کی ضمیر آئی ہے، اس کا مرجع بنی اسرائیل ہیں، اس سے غلطی فہمی ہوسکتی تھی کہ آخری نبی صرف بنی اسرائیل کے لئے ہونگے، اور انہیں کو آخری نبی پر ایمان لانے کا، تقویت پہنچانے کا، مدد کرنے کا اور ان پر نازل شدہ قرآن کی پیروی کرنے کا حکم ہے، آخری نبی دوسرے انسانوں کے لئے نبی نہیں ہونگے، اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے یہ آیت آئی ہے۔

جیسے سورۃ الانعام اور سورۃ الشوریٰ میں یہ آیت ہے: ﴿لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا﴾: تاکہ آپ مکہ کے رہنے والوں کو اور جو لوگ اس کے آس پاس ہیں: ان کو ڈرائیں، اس آیت سے بھی بعض لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے کہ آخری نبی صرف عربوں کے لئے ہیں، تمام انسانوں کے لئے نبی نہیں۔

حالانکہ تخصیص کبھی ذکری ہوتی ہے، موقع کے تقاضے سے تخصیص کی جاتی ہے، قرآنِ کریم عربی میں ہے، اس کے پہلے مخاطب عرب ہیں، پھر ان کے واسطہ سے تمام انسانوں کو دعوت پہنچے گی، پس آخری نبی کی بعثت دوہری ہے، یہ بات حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہٗ نے حجۃ اللہ البالغہ میں قسم اول کے مبحث ششم کے باب دوم میں بیان کی ہے۔

اسی طرح گذشتہ آیت چونکہ موسیٰ علیہ السلام کی دعا کے جواب کا تتمہ تھی اس لئے ضمیر ھم بار بار آئی ہے اور جن پانچ کاموں کا بنی اسرائیل کے تعلق سے تذکرہ کیا ہے وہ سبھی انسانوں کے لئے ہیں، بنی اسرائیل کی تخصیص نہیں۔

اس لئے اب اس آیت میں تمام لوگوں کے لئے صاف اعلان کیا جارہا ہے کہ:

میں بالیقین تم سبھی کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں!

اس لئے کہ پوری کائنات پر اللہ کی حکومت ہے، اور سرکار عالی مقام اپنا نمائندہ بھیجتا ہے، وہ نمائندے لوگوں کو سرکار

عالی مقام (ایک اللہ) کی عبادت کی دعوت دیتے ہیں، اور نمائندے بھیجنے کا یہ سلسلہ پہلے دن سے جاری ہے، انبیاء علیہم السلام آتے ہیں اور جاتے ہیں، اللہ جلاتے ہیں اور مارتے ہیں، اب آخری رسول آئے ہیں جو ام القریٰ میں مبعوث کئے گئے ہیں، پس تمام لوگوں کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے نمائندے پر ایمان لائیں، ایمان: عقائد کا نام ہے، اور یہ آخری رسول اس لئے ہیں کہ اللہ نے ان پر اپنا کلام نازل فرمایا ہے، جس کی حفاظت کی ذمہ داری خود لی ہے، اس لئے وہ رہتی دنیا تک باقی رہے گا، اب کسی نئے نبی اور نئی کتاب کی ضرورت نہیں ہوگی، لہٰذا اس آخری رسول پر اور اس کی کتاب پر ایمان لاؤ، یہ رسول خود بھی صرف اللہ کو معبود مانتا ہے اور قرآن کو اس کا کلام مانتا ہے، اور اسی کی وہ تمہیں دعوت دیتا ہے، لہٰذا اس رسول کی افعال واعمال میں پیروی کرو، یہی ہدایت کا راستہ ہے!

آیتِ کریمہ: کہو: اے لوگو! میں بالیقین تم سبھی کی طرف اللہ کا رسول (بھیجا ہوا) ہوں، جس کے لئے آسمانوں اور زمین کی حکومت ہے —— یعنی سرکار: ملک میں نمائندے (گورنر) بھیجتی ہے —— جن کے سوا کوئی معبود نہیں —— یعنی سرکار عالی مقام کے نمائندے توحید کی دعوت دیتے ہیں —— وہ جلاتے اور مارتے ہیں —— یعنی ہمیشہ سے نبوت کا سلسلہ چل رہا ہے —— پس تم اللہ پر اور اس کے رسول امی نبی پر ایمان لاؤ، وہ (خود بھی) اللہ پر اور اس کے کلاموں (قرآن) پر ایمان رکھتے ہیں —— یعنی یہ آخری رسول ہیں ان پر اللہ کا کلام نازل ہوا ہے، جو رہتی دنیا تک باقی رہے گا —— اور تم ان کی پیروی کرو —— افعال واعمال میں —— تا کہ تم راہ پاؤ!

وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿١٥٩﴾ وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗٓ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۚ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۚ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۚ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۚ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿١٦٠﴾ وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ۚ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٦١﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿١٦٢﴾ ع

وَمِنْ قَوْمِ [1]	اور قوم سے	اثْنَتَا عَشْرَةَ	بارہ	يَظْلِمُوْنَ	نقصان کرتے
مُوْسٰے	موسیٰ کی	عَيْنًا	چشمے	وَاِذْ قِيْلَ	اور جب کہا گیا
اُمَّةٌ	ایک امت ہے	قَدْ عَلِمَ	تحقیق جان لی	لَهُمْ	ان سے
يَّهْدُوْنَ	جو راہ بتاتے ہیں	كُلُّ اُنَاسٍ	سب لوگوں نے	اسْكُنُوْا	رہو بسو
بِالْحَقِّ	دین حق کی	مَّشْرَبَهُمْ	اپنی گھاٹ	هٰذِهِ الْقَرْيَةَ	اس بستی میں
وَبِهٖ	اور اسی کے موافق	وَظَلَّلْنَا	اور سایہ کیا ہم نے	وَكُلُوْا مِنْهَا	اور کھاؤ اس میں سے
يَعْدِلُوْنَ	انصاف کرتے ہیں	عَلَيْهِمُ	ان پر	حَيْثُ شِئْتُمْ	جہاں سے چاہو
وَقَطَّعْنٰهُمُ	اور جدا جدا کیا ہم نے ان کو	الْغَمَامَ	بادل کا	وَقُوْلُوْا	اور کہو:
اثْنَتَيْ عَشْرَةَ	بارہ	وَاَنْزَلْنَا	اور اتارا ہم نے	حِطَّةٌ	معافی!
اَسْبَاطًا [2]	دادوں کی اولاد	عَلَيْهِمُ	ان پر	وَّادْخُلُوا	اور داخل ہوؤ
اُمَمًا	بڑی بڑی جماعتیں	الْمَنَّ	منّ	الْبَابَ	دروازے میں
وَاَوْحَيْنَآ	وحی کی ہم نے	وَالسَّلْوٰى	اور سلوی	سُجَّدًا	سجدہ کرتے ہوئے
اِلٰى مُوْسٰٓى	موسیٰ کی طرف	كُلُوْا	کھاؤ	نَّغْفِرْ	بخشیں گے ہم
اِذِ اسْتَسْقٰىهُ	جب پانی مانگا ان سے	مِنْ طَيِّبٰتِ	پاکیزہ چیزوں سے	لَكُمْ	تمہارے لئے
قَوْمُهٗٓ	ان کی قوم نے	مَا رَزَقْنٰكُمْ	جو کھانے کو دیں ہم	خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ	تمہاری خطائیں
اَنِ اضْرِبْ [3]	کہ ماریں آپ		نے تم کو	سَنَزِيْدُ	عنقریب زیادہ دیں گے ہم
بِّعَصَاكَ	اپنی لاٹھی	وَمَا ظَلَمُوْنَا	اور نہیں نقصان کیا	الْمُحْسِنِيْنَ	نیکوکاروں کو
الْحَجَرَ	پتھر پر		انھوں نے ہمارا	فَبَدَّلَ	پس بدل دیا
فَانْۢبَجَسَتْ	پس پھوٹ نکلے	وَلٰكِنْ كَانُوْٓا	بلکہ تھے وہ	الَّذِيْنَ	جنھوں نے
مِنْهُ	اس سے	اَنْفُسَهُمْ	اپنی جانوں کا	ظَلَمُوْا مِنْهُمْ	ظلم کیا ان میں سے

(۱) **من قوم**: خبر مقدم ہے، اور من: تبعیضیہ ہے، اور **أمة**: مبتدا مؤخر ہے اور جملہ **یهدون**: **أمة** کی صفت ہے، (۲) **أسباط**: **سِبط** کی جمع: عربوں کے قبائل کی طرح یہود کے قبائل کا نام...... **اثنتی عشرة**: حال ہے، اور **أسباطا**: اس سے بدل ہے اور **أمما**: بدل در بدل ہے۔ (۳) **أن اضرب**: **أن**: تفسیر یہ ہے، وحی کی تفسیر ہے۔

قَوْلًا	بات کو	فَاَرْسَلْنَا	پس بھیجا ہم نے	مِّنَ السَّمَآءِ	آسمان سے
غَيْرَ الَّذِيْ	علاوہ اس کے جو	عَلَيْهِمْ	ان پر	بِمَا كَانُوْا	اس وجہ سے کہ تھے وہ
قِيْلَ لَهُمْ	کہی گئی تھی ان سے	رِجْزًا	عذاب	يَظْلِمُوْنَ	ناانصافی کرتے

بنی اسرائیل کے احوال

بہت اچھے، اچھے، برے اور بہت برے: درجہ بدرجہ

ربط: اب بنی اسرائیل کے احوال بیان کئے جارہے ہیں، ان کا پہلا حال: بہت اچھا ہے، پھر تین احوال بھی اللہ کے انعامات ہیں، اس لئے وہ بھی اچھے حالات ہیں، پھر پانچویں معاملہ کے آخر میں انھوں نے گڑ بڑ کردی، اللہ نے منّ وسلوی اتارا، اور حکم دیا کہ ذخیرہ نہ کریں، مگر انھوں نے ظلم کیا اور ذخیرہ کیا تو وہ نعمت بند ہوگئی، یہ ان کا برا حال ہوگیا، پھر بیت المقدس فتح ہونے کے بعد شہر میں داخل ہونے کی اجازت ملی تو شرارت پر اتر آئے، اس کی سزا میں ان پر پلیگ اترا، تفصیل آگے آرہی ہے، ان آیات میں انہی چھ احوال کا تذکرہ ہے، اور بہت برے احوال کا تذکرہ آگے آئے گا۔

تمہید: بنی اسرائیل جب دریا سے پار اترے اور وادئ سَینا میں پہنچے تو اللہ کا حکم آیا کہ عمالقہ سے جہاد کرو، اور ان کو اس سرزمین سے کھدیڑو! اور وہاں جاکر بسو اور وہاں کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاؤ۔

بنی اسرائیل چونکہ چار پانچ سو سال سے غلامی کی زندگی بسر کررہے تھے اس لئے بزدل ہوگئے تھے، وہ جہاد کے لئے تیار نہیں ہوئے، انھوں نے موسیٰ علیہ السلام کو ٹکا سا جواب دیا کہ آپ اور اللہ تعالیٰ عمالقہ سے لڑیں، ہم یہاں ہیں، جب آپ علاقہ فتح کرلیں گے تو ہم وہاں جاکر بسیں گے، اس گستاخی کی وجہ سے ان پر بیت المقدس کا علاقہ چالیس سال کے لئے حرام کردیا، سورۃ المائدۃ میں ہے کہ وہ چالیس سال تک زمین میں حیران وسرگشتہ پھیریں گے، کہیں قرار نہیں پائیں گے۔

اس عرصہ میں حضرت ہارون علیہ السلام پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام دنیا سے چل بسے، اس مدت میں بنی اسرائیل کہاں کہاں رہے؟ اس کا ریکارڈ نہیں، سورۃ المائدۃ میں صرف: ﴿ يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ ﴾ ہے، یعنی اس مدت میں وہ زمین میں حیران پھریں گے، لوگوں نے ﴿ يَتِيْهُوْنَ ﴾ سے میدانِ تیہ نکال لیا، اور اس کا نقشہ اور پیمائش بھی بتادی (نوے میل لمبائی اور اٹھارہ میل چوڑائی) حالانکہ اس نام کا کوئی میدان پرانے جغرافیہ میں نہیں، یہ مقاتل رحمہ اللہ کا بیان ہے، انھوں نے ﴿ فِي الْاَرْضِ ﴾ کو نظر انداز کردیا ہے، جبکہ مجمل کو مجمل ہی رہنے دینا چاہئے، اور بات اللہ کے حوالے کرنی چاہئے کہ معلوم نہیں کہاں کہاں رہے؟

۱-بنی اسرائیل کی اکثریت دینِ حق پر جمی رہی: یہ ان کی بہت اچھی حالت تھی

موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بنی اسرائیل میں منافقین بھی تھے، انھوں نے ہی بچھڑا بنایا تھا، مگر اکثریت دین حق پر جمی رہی، وہ اللہ کے دین کو لوگوں میں پھیلاتے تھے، اور کورٹوں میں شریعتِ موسوی کے مطابق فیصلے کرتے تھے، یہ ان کا عمومی حال تھا اور بہت اچھا حال تھا، اور گیہوں میں کنکر تو ہوا ہی کرتے ہیں، کوئی بھی بڑی جماعت منافقوں سے خالی نہیں ہوتی، دورِ نبوی میں بھی مسلمانوں میں منافقین تھے اور آج بھی ہیں، بلکہ پہلے سے زیادہ ہیں، مگر حکم جمہور پر لگتا ہے، اس لئے یہ بنی اسرائیل کی بہت اچھی حالت تھی۔

﴿ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ۝۱۵۹ ﴾

ترجمہ: اور موسیٰ کی قوم میں سے ایک جماعت (لوگوں کی) دین حق کی طرف راہ نمائی کرتی تھی، اور اس کے موافق انصاف (بھی) کرتی تھی!

۲-بنی اسرائیل کے بارہ بڑے خاندان: ایک انعام

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ صاحبزادے تھے، ان کی اولاد چھ سو سال میں بارہ بڑے خاندان بن گئی، یہ بنی اسرائیل پر اللہ کا ایک انعام تھا، لہٰذا یہ بھی اچھی حالت ہے۔

﴿ وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ؕ ﴾

ترجمہ: اور ہم نے ان کے بارہ علاحدہ علاحدہ بڑے خاندان بنائے!

۳-بنی اسرائیل پیاسے ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے پتھر سے بارہ چشمے نکالے: دوسرا انعام

بنی اسرائیل زمین میں بھٹکتے ہوئے کسی ایسی جگہ پہنچے جہاں پانی نام کو نہیں تھا، ان کی بڑی تعداد تھی، وہ سخت پیاسے ہوئے، انھوں نے موسیٰ علیہ السلام سے دعا کی درخواست کی، وحی آئی کہ فلاں پتھر پر اپنی لاٹھی ماریں، فوراً بارہ چشمے پھوٹ نکلے، بنی اسرائیل کے بارہ خاندان تھے، سب نے چشمے تقسیم کر لئے، تاکہ پانی لینے میں کوئی نزاع نہ ہو، یہ بنی اسرائیل پر اللہ کا دوسرا انعام تھا، پس یہ بھی ان کا اچھا حال ہے، اور یہ انعام وقتی تھا، قوم آگے بڑھ گئی تو چشمے بند ہوگئے۔

اس کی نظیر: بخاری شریف کی روایت ہے: اُس سفر میں جس میں فجر کی نماز قضاء ہوئی تھی: قافلے کے پاس پانی ختم ہوگیا، چنانچہ سفر روک دیا اور حضرت علی اور حضرت عمران رضی اللہ عنہما کو پانی تلاش کرنے کے لئے بھیجا، ان کو ایک عورت ملی جو اونٹ پر پانی لے کر آرہی تھی، دونوں نے اس سے پوچھا کہ پانی کہاں ہے؟ اس نے کہا: یہاں سے ۲۴ گھنٹوں کی دوری

پر ہے، وہ دونوں اس عورت کو اونٹ کے ساتھ نبی ﷺ کے پاس لائے، اس کو اونٹ سے اتارا اور پکھالوں کے اوپر کے دہانے کھولے اور ان میں نبی ﷺ کا دم کیا ہوا پانی ڈالا، پھر بڑے برتن رکھ کر نیچے کے منہ کھول دیئے، لشکر نے پانی لیا، پیا اور اونٹوں کو بھی پلایا، جب ضرورت پوری ہوگئی تو پکھالوں کے نیچے کے منہ باندھ دیئے، اس وقت پکھالیں پہلے سے زیادہ بھری ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔

پتھر کے نیچے تو زمین ہوتی ہے اور زمین میں پانی کے سوت ہوتے ہیں، اس لئے پتھر سے چشمے نکلنا زیادہ تعجب خیز نہیں، اور پکھالوں کا زمین سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، پھر بھی اس میں سے بے حساب پانی نکلنا زیادہ تعجب خیز ہے۔

اسی طرح ایک موقعہ پر پانی نہیں رہا، نبی ﷺ نے ایک برتن میں تھوڑے پانی میں ہاتھ رکھا، تو انگلیوں کے درمیان سے پانی نکلنا شروع ہوگیا، جبکہ انگلیوں کا بھی زمین سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، پس یہ بھی زیادہ تعجب خیز بات ہے۔

پتھر کا حال تو زمزم جیسا تھا، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے زمزم کی جگہ ایڑی یا ہتھیلی ماری تو چشمہ پھوٹ پڑا، سوت چشمے کی طرح ابل پڑا جو زمین کے نیچے تھا۔

﴿ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗٓ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۭ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۭ ﴾

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی ـــــ جب ان کی قوم نے ان سے پانی مانگا ـــــ کہ آپ پتھر پر اپنی لاٹھی ماریں ـــــ ماری ـــــ تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے، سب لوگوں نے اپنی گھاٹیں جان لیں ـــــ یعنی تقسیم کرلیں۔

۴- بنی اسرائیل پر بادل نے سایہ کیا: تیسرا انعام

قافلہ زمین میں گھومتا ہوا کسی ایسی جگہ پہنچا جہاں سایہ کا کوئی انتظام نہیں تھا، اور گرمی سخت تھی، قوم نے شکوہ کیا تو موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی، اللہ تعالیٰ نے بادل بھیج دیا جو وقتِ ضرورت تک ان پر سایہ فگن رہا، یہ بھی بنی اسرائیل پر ایک انعام تھا، پس یہ بھی ان کا اچھا حال تھا۔

﴿ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ ﴾

ترجمہ: اور ہم نے ان پر بادل کا سایہ کیا۔

۵- بنی اسرائیل کے پاس کھانے کو نہ رہا تو اللہ نے منّ وسلویٰ اتارا: اس انعام میں انھوں نے خیانت کی!

اسی آوارہ گردی کے زمانے میں بنی اسرائیل ایسی جگہ پہنچے جہاں ان کے پاس کھانے کے لئے کچھ نہیں رہا، انھوں

نے موسیٰ علیہ السلام سے دعا کی درخواست کی، اللہ تعالیٰ نے ان پر منّ وسلوی اتارا۔ مَنّ: ربڑی جیسی میٹھی چیز تھی، شبنم کی طرح اترتی تھی، اور پتوں پر جم جاتی تھی، لوگ اس کو چاٹتے تھے، یہ گویا کھانے کے بعد کا میٹھا تھا، اور سَلوٰی: سمندر کے پرندے تھے، ان کو بٹیر اور مرغابی کہتے ہیں، وہ سمندر سے اڑتی تھیں اور لوگوں کے قریب آ کر بیٹھ جاتی تھیں، لوگ ان کو پکڑ کر ذبح کرتے اور بھون کر کھاتے، یہ بھی ایک انعام تھا، مگر بنی اسرائیل نے اس میں خیانت کی۔

حکم یہ تھا کہ حسبِ ضرورت مرغابیاں پکڑیں۔ باقی اڑ جاتی تھیں، ذخیرہ نہ کریں، روز یہ پرندے آئیں گے، مگر لالچی لوگوں نے حکم کی خلاف ورزی کی تو یہ نعمت بند ہوگئی، یہ انھوں نے اپنا نقصان کیا، اللہ کا کچھ نہیں بگاڑا، پس یہ حال شروع میں اچھا تھا، آخر میں برا ہوگیا۔

﴿ وَ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۭ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۭ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝۱۶۰ ﴾

ترجمہ: اور ہم نے ان پر منّ وسلوی اتارا (اور کہا:) کھاؤ ان ستھری چیزوں میں سے جو ہم نے تم کو بطور روزی عنایت فرمائی ہیں، اور انھوں نے ہمارا کچھ نہیں بگاڑا، بلکہ ان لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا!

۶- بنی اسرائیل شروع سے آخر تک احکام کی خلاف ورزی کرتے رہے: ان کا برا حال

جب حصار کی مدت پوری ہوئی تو بنی اسرائیل نے اپنے زمانہ کے نبی سے درخواست کی کہ ان کے لئے کوئی بادشاہ مقرر کیا جائے، جس کی امارت میں وہ جہاد کر کے بیت المقدس فتح کریں، طالوت کو بادشاہ مقرر کیا گیا، وہ بنی اسرائیل کو لے کر چلے، آگے ایک نہر پر ان کا امتحان کیا، ۳۱۳ کھرے نکلے، باقی کھوٹے! کھروں نے جہاد کیا، جالوت کو مار گرایا اور عمالقہ کو بھگایا، تب اللہ نے بنی اسرائیل کو اجازت دی کہ وہ بیت المقدس میں جائیں، مگر معافی مانگتے ہوئے اور عاجزی کے ساتھ، اللہ تعالیٰ ان کی غلطیاں معاف کریں گے، اور جنھوں نے جہاد کیا ہے ان کو اور بھی انعامات سے نوازیں گے۔

مگر ان ظالموں نے وہ تو کیا نہیں جو ان سے کہا گیا تھا، کہتے ہیں کہ معافی کے بجائے گیہوں کہتے ہوئے اور سینہ تان کر اکڑتے ہوئے داخل ہوئے، اللہ تعالیٰ نے ان کو اس شرارت کی سزا دی، پلیگ پھوٹا اور بے شمار لوگ لقمۂ اجل بن گئے۔

بنی اسرائیل کا یہ حال شروع سے آخر تک برا تھا، پہلے تو انھوں نے طالوت کو بادشاہ تسلیم کرنے سے انکار کیا، پھر نہر سے پیٹ بھر کر پانی پیا اور جہاد سے انکار کر بیٹھے، اور جب بیت المقدس فتح ہوا اور داخلہ کی اجازت ملی تو بھی احکام کی خلاف ورزی کی، پس یہ ان کا از ابتدا تا انتہا برا حال ہے، اور بہت برے حال کا ذکر اگلی آیات میں ہے۔

﴿ وَإِذْ قِيلَ لَهُمُ اسْكُنُوا هَٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُولُوا حِطَّةٌ وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيئَاتِكُمْ ۚ سَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٦١﴾ فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَظْلِمُونَ ﴿١٦٢﴾ ﴾

ترجمہ: اور جب ان سے کہا گیا کہ اس بستی (بیت المقدس) میں رہو بسو، اور اس میں سے جہاں سے چاہو کھاؤ، اور (داخل ہوتے وقت) کہو: ہمیں معاف فرما! اور دروازے میں داخل ہوؤ عاجزی کے ساتھ: ہم تمہاری خطائیں بخش دیں گے، اور نیک کام کرنے والوں پر (جہاد کرنے والوں پر) مزید نوازشات فرمائیں گے۔

پس ان میں سے ظالموں نے بات کو بدل دیا اس کے علاوہ سے جو ان سے کہی گئی تھی، پس ہم نے ان پر آسمان سے عذاب اتارا، اس شرارت کی وجہ سے جو وہ کیا کرتے تھے!

وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ إِذْ يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ إِذْ تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَيَوْمَ لَا يَسْبِتُونَ ۙ لَا تَأْتِيهِمْ ۚ كَذَٰلِكَ نَبْلُوهُم بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿١٦٣﴾ وَإِذْ قَالَتْ أُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُونَ قَوْمًا ۙ اللَّهُ مُهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا ۖ قَالُوا مَعْذِرَةً إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿١٦٤﴾ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ أَنجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَذَابٍ بَئِيسٍ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿١٦٥﴾ فَلَمَّا عَتَوْا عَن مَّا نُهُوا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ﴿١٦٦﴾

وَسْئَلْهُمْ	اور پوچھو ان سے	اِذْ يَعْدُوْنَ	جب حد سے بڑھے وہ	حِيْتَانُهُمْ	ان کی مچھلیاں
عَنِ الْقَرْيَةِ	اس بستی کا حال	فِي السَّبْتِ	سنیچر کے دن میں؟	يَوْمَ	دن میں
الَّتِيْ كَانَتْ	جو تھی	اِذْ تَأْتِيْهِمْ	(یاد کرو) جب آنے	سَبْتِهِمْ	ان کے سنیچر کے
حَاضِرَةَ الْبَحْرِ	سمندر کے کنارے		لگیں ان کے پاس	شُرَّعًا (۱)	قریب

(۱) شُرَّعًا: شارِع کی جمع: تأتیهم کے فاعل کا حال، شَرَعَ علیه: قریب ہونا۔

وَّيَوْمَ	اور جس دن	عَذَابًا شَدِيْدًا	سخت سزا!	ظَلَمُوْا	گناہ کیا
لَا يَسْبِتُوْنَ	ان کا سنیچر نہ ہوتا	قَالُوْا	جواب دیا انھوں نے	بِعَذَابٍ	سزا میں
لَا تَأْتِيْهِمْ	نہیں آتی تھیں وہ ان	مَعْذِرَةً (۴)	عذر پیش کرنے کیلئے	بَئِيْسٍ	سخت
	کے پاس	اِلٰى رَبِّكُمْ	تمہارے رب کے سامنے	بِمَا كَانُوْا	اس وجہ سے کہ تھے وہ
كَذٰلِكَ (۱)	اس طرح	وَلَعَلَّهُمْ	اور شاید وہ	يَفْسُقُوْنَ	بے حکمی کرتے
نَبْلُوْهُمْ	آزمارہے تھے ہم ان کو	يَتَّقُوْنَ	بچیں	فَلَمَّا عَتَوْا	پس جب بڑھے وہ
بِمَا كَانُوْا	اس وجہ سے کہ تھے وہ	فَلَمَّا نَسُوْا	پس جب بھول گئے وہ	عَنْ مَّا	اس سے جو
يَفْسُقُوْنَ	بے حکمی کرتے	مَا ذُكِّرُوْا	جو نصیحت کئے گئے تھے وہ	نُهُوْا	روکے گئے تھے وہ
وَاِذْ قَالَتْ	اور (یاد کرو) جب کہا	بِهٖٓ	اس کے ذریعہ	عَنْهُ	اس سے
اُمَّةٌ مِّنْهُمْ	ان کی ایک جماعت نے	اَنْجَيْنَا	(تو) بچالیا ہم نے	قُلْنَا	(تو) کہا ہم نے
لِمَ تَعِظُوْنَ	کیوں سمجھاتے ہو تم	الَّذِيْنَ	ان کو جو	لَهُمْ	ان سے
قَوْمًا	ان لوگوں کو	يَنْهَوْنَ	روکتے تھے	كُوْنُوْا	ہوجاؤ
اللّٰهُ (۲)	اللہ تعالیٰ	عَنِ السُّوْٓءِ	برے کام سے	قِرَدَةً	بندر
مُهْلِكُهُمْ	ہلاک کرنے والے ہیں ان کو	وَاَخَذْنَا	اور پکڑا ہم نے	خٰسِئِيْنَ (۵)	ذلیل
اَوْ مُعَذِّبُهُمْ (۳)	یا سزا دینے والے ہیں ان کو	الَّذِيْنَ	ان کو جنھوں نے	❁	❁

بنی اسرائیل کے بہت برے احوال

۱- بنی اسرائیل نے حیلہ کرکے سنیچر میں مچھلیاں پکڑیں تو بندر بنادیئے گئے!

کسی سمندر کے کنارے اسرائیلی آباد تھے، یہود کے لئے سنیچر کے دن میں ہر کام ممنوع تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کا امتحان کیا، بار کے دن مچھلیاں ان کے قریب آتی تھیں، دوسرے دنوں میں غائب ہوجاتی تھیں، ان لوگوں نے سمندر کے قریب حوض بنائے اور ان کا سمندر کی طرف راستہ کردیا، جب سمندر میں مدّوجزر ہوتا اور پانی چڑھتا تو وہ ان حوضوں تک پہنچ جاتا،

(۱) کذلک: میں معانقہ ہے دونوں طرف سے اس کا تعلق ہے (۲) اللہ مهلكهم: جملہ قوما کی صفت ہے (۳) أو معذبهم: أو: مانعۃ الخلو کا ہے۔ (۴) معذرۃ: فعل محذوف کا مفعول لہ ہے أی للمعذرۃ (۵) اس کا ذکر سورۃ البقرۃ (آیت ۶۵) میں گذرا ہے (ہدایت القرآن ۱:۹۹)

ساتھ ہی مچھلیاں بھی پہنچ جاتیں، پھر جب پانی اترتا تو مچھلیاں وہاں رہ جاتیں، مچھیرے ان کو اتوار کے دن پکڑ لیتے، یہ انھوں نے مچھلیوں کے پکڑنے کا حیلہ کیا۔

جب ان لوگوں نے یہ مکاری شروع کی تو بستی کے لوگ (بنی اسرائیل) تین حصوں میں بٹ گئے:

اول: جنھوں نے یہ حیلہ کیا، اور سبت (سنیچر) کی حرمت کو پامال کیا۔

دوم: جنھوں نے پہلی قسم کے لوگوں کو سمجھایا کہ ایسا مت کرو: سنیچر میں مچھلیاں پکڑنا اور حیلہ کر کے اتوار میں پکڑنا یکساں ہے، جیسے سود لینا اور دینا یکساں ہے، اور راست سود لینا اور فارموں کا حیلہ کرنا یکساں ہے، حیلہ سازی اللہ کے آگے پیش نہیں جاتی۔

سوم: وہ لوگ تھے جو مچھیروں کی حرکت کو دل سے برا سمجھتے تھے، مگر وہ ان کی اصلاح سے مایوس تھے، اور اس درجہ مایوس تھے کہ انھوں نے سمجھانے والوں کو سمجھایا کہ تم اُن لوگوں کے پیچھے کیوں دماغ پچّی کر رہے ہو، ان کو اللہ تعالیٰ برباد کریں گے یا سخت سزا دیں گے! یہ لوگ ماننے والے کہاں ہیں؟

سمجھانے والوں نے جواب دیا کہ ہم ان پر اس لئے محنت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے عذر پیش کرسکیں کہ ہم نے اپنا فریضہ ادا کیا، مگر وہ باز نہیں آئے تو ہم کیا کرتے! اور یہ بھی احتمال ہے — اگرچہ درجۂ صفر میں ہے — کہ وہ اپنی حرکت سے باز آجائیں، ہم ان کی اصلاح سے مایوس نہیں!

پھر جب ان مکاروں نے شریعت موسوی کا حکم بھلا دیا، اور اپنی حرکت سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ کا تکوینی حکم پہنچا، اور وہ ذلیل بندر بن گئے، کہتے ہیں: اور تین دن میں مر گئے، مسخ شدہ لوگوں کی نسل نہیں چلتی۔

اور قوم کے دوسرے حضرات جو برابر ان کو حیلہ سازی سے روکتے تھے: ان کو اللہ تعالیٰ نے عذاب سے محفوظ رکھا، اور تیسری قسم کے لوگوں کا معاملہ کیا رہا؟ اس سے قرآنِ کریم نے سکوت اختیار کیا، البتہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے شاگرد حضرت عکرمہ رحمہ اللہ نے آیات سے استنباط کیا کہ وہ بھی عذاب سے بچ گئے، ابن عباسؓ نے ان کے اس استنباط کی تائید کی اور خوش ہو کر ایک جوڑا عنایت فرمایا، اور قرآن نے ان کا تذکرہ اس لئے نہیں کیا کہ ان کے عمل کو اعتباریت حاصل نہ ہو جائے۔

اور حدیث سے بھی عکرمہ رحمہ اللہ کے فہم کی تائید ہوتی ہے، ایمان کا ادنی درجہ یہ ہے کہ برائی کو دل سے برا جانے، پس جب وہ ایماندار تھے تو کیوں ہلاک کئے جاتے؟ البتہ ان کا عمل قابل تقلید نہیں، عزیمت یہ ہے کہ آخر تک اصلاح کی کوشش جاری رکھی جائے۔

فائدہ(۱): حیلہ ساز صورتیں مسخ کر کے واقعی بندر بنا دیئے گئے تھے، اس میں کسی تاویل یا تحریف کی ضرورت نہیں، اور عجیب بات یہ ہے کہ جب ڈارون کسی قطعی دلیل کے بغیر کہے کہ بندر ترقی کر کے انسان بن گیا تو اسے ایک دنیا مان لیتی ہے، لیکن جب اللہ تعالیٰ اپنے کلام قطعی میں فرمائیں کہ انسان تنزل کر کے بندر بن گیا تو دانشور تاویل کرنے لگتے ہیں (از آسان ترجمہ)

فائدہ(۲): بنی اسرائیل کے اچھے برے احوال: قرآنِ کریم میں مسلمانوں کی عبرت کے لئے بیان کئے جاتے ہیں، تاکہ یہ امت ان کے اچھے احوال کی پیروی کرے اور برے احوال سے بچے، چونکہ بنی اسرائیل (یہود ونصاریٰ) کا عربوں کے ساتھ اختلاط تھا اس لئے عرب ان کے احوال سے واقف تھے، اور بات مثال کے ساتھ بیان کی جائے تو وہ اوقع فی النفس ہوتی ہے، اس کا سمجھنا آسان ہوتا ہے، اور طبقۂ صحابہ میں مثالیں نہیں تھیں، وہ دودھ کے دھلے تھے، اس لئے قرآن باہر سے مثالیں لے کر احوال بیان کرتا ہے، قرآن میں بنی اسرائیل کے بکثرت تذکرہ کی وجہ یہی ہے۔

فائدہ(۳): حیلہ سازی کے تعلق سے امت کا حال بھی یہود جیسا ہوتا جا رہا ہے، بعض مدارس میں حیلۂ تملیک کا ڈھونگ ہوتا ہے، مسلم فنڈوں میں فارموں کا حیلہ ہوتا ہے، اہل بدعت کے یہاں حیلۂ اسقاط ہوتا ہے (نماز روزہ معاف کرانے کا حیلہ) اور اسلامی بینکنگ میں مرابحہ کا حیلہ کیا جاتا ہے: یہ سب یہود کے مذکورہ حیلہ کی طرح ہیں۔

ایک واقعہ: ایک جبّہ قبّہ والا مہتمم کسی مالدار کی دکان پر چندہ لینے گیا، دکاندار نے جو دینا تھا دیا، پھر اس نے مسئلہ پوچھا کہ میرے پاس بینک کے سود کے دو لاکھ روپے ہیں: ان کو کہاں خرچ کروں؟ مہتمم نے کہا: مجھے دیدو! سیٹھ نے کہا: وہ سود کی رقم ہے، حرام مال ہے، آپ اس کو کیا کریں گے؟ مہتمم نے کہا: ہم اس کو پاک کرلیں گے، سیٹھ نے پوچھا: کیسے پاک کرو گے؟ مہتمم نے حیلۂ تملیک بتایا کہ ہم وہ رقم کسی غریب طالب عالم کو دیں گے، وہ مالک ہو کر مدرسہ کو دیدے گا تو وہ حلال وطیب ہو جائے گی، سیٹھ نے کہا: اگر اس طرح کرنے سے وہ رقم پاک ہو سکتی ہے تو میری دکان میں بھی غریب ملازم ہیں، میں ان کے ساتھ ہیر پھیر کرلوں گا! مہتمم کو وہاں سے اٹھنا بھاری پڑ گیا۔

سوچو! اگر حیلۂ تملیک درست ہو تو بڑے مالدار زکات کیوں نکالیں گے، وہ اپنے غریب ملازم کو پکڑا کر واپس لے لیں گے، اور اسلام کا سارا نظام زکات معطل ہو جائے گا۔

فائدہ(۴): حیلہ کا جواز قرآن وحدیث سے ثابت ہے، سورۂ ص میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو حیلہ بتایا ہے کہ سینکوں کا مٹھا لے کر بیوی کو ماریں، سو ڈنڈے مارنے کی قسم پوری ہو جائے گی: ﴿ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ﴾: اور آپ اپنے ہاتھ میں ایک مٹھا سینکوں کا لیں، اور اس سے ماریں اور قسم نہ توڑیں، اور جو شخص حد کا تحمل

نہیں کرسکتا: اس کے لئے حدیث میں حیلہ بتایا کہ کھجور کا ایک بڑا خوشہ لیا جائے جس میں سو چھوٹی شاخیں ہوں: اس سے ایک مرتبہ ماردیا جائے (مشکوۃ حدیث ۳۵۷۴ رحمۃ اللہ ۵: ۳۱۰)

مگر حیلہ قانون نہیں ہوتا، اس کو اسکیم بنا کر چلانا درست نہیں، حیلہ قانون کی لچک کا نام ہے، قانون اگر لوہے کا ڈنڈا ہوگا تو مجبور اس کو توڑنے پر مجبور ہوگا، اور اس میں لچک ہوگی تو مضطر اس کو موڑ کر نکل جائے گا، غرض حیلہ ایمرجنسی حالات ہی کے لئے ہے، لوگ اس کو اچھی طرح سمجھ لیں۔

ایک واقعہ: حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی قدس سرہٗ نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے صرف ایک مہتمم کو حیلۂ تملیک کی اجازت دی ہے، اس کا مدرسہ بڑے قرضہ میں آگیا تھا، اور مہتمم کی عزت کا سوال پیدا ہوگیا تھا، پس مفتی صاحب نے فتوی دیا کہ حیلہ کرکے قرض ادا کردے، یہ ایمرجنسی کی مثال ہے۔

آیاتِ کریمہ: اور آپ (اپنے زمانہ کے یہود سے) اس بستی والوں کا حال پوچھیں جو سمندر کے کنارے پر آباد تھی، جبکہ وہ سنیچر کے دن میں حد شرعی سے آگے بڑھے؟ (یاد کرو:) جب ان کے پاس ان کی مچھلیاں قریب آتی تھیں ان کے سنیچر کے دن میں، اور جس دن سنیچر نہ ہوتا نہیں آتی تھیں، اس طرح ہم ان کو آزمارہے تھے بایں سبب کہ وہ بے حکمی کررہے تھے۔ اور (یاد کرو:) جب ان کی ایک جماعت نے (سمجھانے والوں سے) کہا: تم ان لوگوں کو کیوں سمجھاتے ہو جن کو اللہ تعالیٰ یا تو ہلاک کرنے والے ہیں یا ان کو سخت سزا دینے والے ہیں؟ سمجھانے والوں نے جواب دیا: ہم اللہ تعالیٰ کے سامنے عذر پیش کرنے کے لئے سمجھا رہے ہیں، اور شاید وہ اپنی حرکت سے باز آجائیں! —— پس جب انھوں نے اس بات کو بھلا دیا جس کے ذریعہ وہ نصیحت کئے گئے تھے، تو ہم نے ان کو جو برے کام سے روکتے تھے بچالیا، اور ہم نے ان کو جنھوں نے گناہ کیا سخت سزا میں دھرلیا، بایں وجہ کہ وہ بے حکمی کرتے تھے، پس جب وہ اس سے بڑھے جس سے وہ روکے گئے تھے —— یہ تمہید لوٹائی ہے، دوسری بات کہنے کے لئے —— تو ہم نے ان سے کہا: تم ذلیل بندر ہوجاؤ!

وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۭ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ښ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۷﴾ وَ قَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَ مِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۡ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَ السَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۶۸﴾

وَ اِذْ	اور (یاد کرو) جب	الْعَذَابِ	عذاب	مِنْهُمُ	ان میں بعضے
تَاَذَّنَ (۱)	دھمکی آمیز اعلان کیا	اِنَّ رَبَّكَ	بیشک آپ کا پروردگار	الصّٰلِحُوْنَ	نیک لوگ ہیں
رَبُّكَ	آپ کے رب نے	لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ	جلد سزا دینے والا ہے	وَ مِنْهُمْ	اوران میں سے بعضے
لَيَبْعَثَنَّ	(کہ) ضرور بھیجیں گے وہ	وَاِنَّهٗ	اور بے شک وہ	دُوْنَ ذٰلِكَ	اس سے کم تر ہیں
عَلَيْهِمْ	ان پر	لَغَفُوْرٌ	البتہ بڑا بخشنے والا	وَبَلَوْنٰهُمْ	اورآزمایا ہم نے ان کو
اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ	قیامت کے دن تک	رَّحِيْمٌ	بڑا مہربان ہے	بِالْحَسَنٰتِ	اچھےاحوال سے
		وَ قَطَّعْنٰهُمْ	اور متفرق کردیا ہم نے ان کو	وَ السَّيِّاٰتِ	اور برے احوال سے
مَنْ يَّسُوْمُهُمْ (۲)	اس کو جو چکھائے ان کو	فِى الْاَرْضِ	زمین میں	لَعَلَّهُمْ	تاکہ وہ
سُوْٓءَ	برا	اُمَمًا	گروہ گروہ	يَرْجِعُوْنَ	واپس لوٹیں

۲- یہود قیامت تک محکوم رہیں گے

جس طرح حق کی مخالفت میں جب انسان آخری مرحلہ تک پہنچ جاتا ہے تو اس کی ایمان کی صلاحیت ختم ہوجاتی ہے، اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر کردیتے ہیں، کان اور آنکھ پر پردہ ڈال دیتے ہیں: اسی طرح قومی زندگی میں جب یہی مرحلہ آتا ہے، کوئی قوم شرارت پر اتر آتی ہے اور آخری پوائنٹ کو چھولیتی ہے تو اس پر محکومی اور ذلت کا ٹھپہ لگ جاتا ہے، پھر وہ قوم ہمیشہ غلام رہتی ہے۔

یہود بھی جب شرارتیں کرتے رہے تو موسیٰ علیہ السلام کے بعد ابنیائے بنی اسرائیل کے ذریعہ یہ دھمکی آمیز اعلان کیا گیا کہ وہ قیامت تک غلامی کی زندگی بسر کریں گے، ان پر ایسے لوگ مسلط ہونگے جوان کو بدترین سزا چکھائیں گے، یہود کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد ان پر کوئی نہ کوئی جابر مسلط ہوتا رہا، جس نے ان کو محکوم بنا کر طرح طرح کی تکلیفیں دیں —— بدترین سزا سے یہی محکومانہ زندگی مراد ہے —— اور آج فلسطین میں یہود کی حکومت عیسائیوں کی مرہونِ منت ہے، پس وہ عزت کی بات نہیں، بلکہ وہ بھی ایک طرح کی محکومیت اور ذلت ہے، اگر برطانیہ اور امریکہ یہود کے سر سے شفقت کا ہاتھ ہٹالیں تو مسلمان ان کا بھرتا بنادیں!

﴿وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ط﴾

ترجمہ: اور وہ وقت یاد کرو جب آپ کے پروردگار نے دھمکی آمیز اعلان کیا کہ وہ ان پر قیامت کے دن تک ایسے

(۱) تَأَذَّنَ فی الناس: منادی کرنا، دھمکی کا اعلان کرنا (۲) سَامَ الإنسانُ ذُلًّا: ذلت وحقارت کا برتاؤ کرنا۔

لوگوں کو ضرور مسلط کرتے رہیں گے جو ان کو بدترین سزا چکھائیں!

یہود کے لئے بھی عزت حاصل کرنے کا موقع ہے

فرد یا قوم: حق کی مخالفت میں یا احکام کی خلاف ورزی میں جب آخری حد کو چھو لے، اور اس کے دل پر مہر ہو جائے اور اس قوم پر ذلت کا ٹھپہ لگ جائے: تب بھی اس فرد کی ہدایت کا اور اس قوم کی عزت کا امکان باقی رہتا ہے، اس لئے کہ مہر اور ٹھپہ عارض کی وجہ سے لگتا ہے، اور امتناع بالغیر کے ساتھ امکان ذاتی جمع ہوتا ہے، آیت کے آخر میں یہی مضمون ہے کہ اللہ تعالیٰ جلد آخرت میں یہود کو سزا دینے والے ہیں اگر وہ اپنی ضد اور شرارت پر برقرار رہیں، لیکن اگر وہ آخری نبی ﷺ پر ایمان لے آئیں اور مخالفت چھوڑ دیں تو اللہ تعالیٰ ان کو بخش دیں گے، وہ بڑے مہربان ہیں، وہ ان کو عزت و رفعت سے نوازیں گے

﴿ إِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيعُ الْعِقَابِ ۖ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾

ترجمہ: بے شک آپ کے پروردگار جلد سزا دینے والے ہیں، اور بے شک وہ بڑے بخشنے والے بڑے مہربان ہیں!

۳- یہود میں افتراق وانتشار

یہود کے بارے میں دوسری پیشین گوئی یہ ہے کہ ان میں ہمیشہ افتراق وانتشار رہے گا، ان کی آبادیاں منتشر رہیں گی، انہیں ایک جگہ اکٹھا ہو کر رہنا نصیب نہ ہوگا اور ان میں مذہبی گروہ بندیاں ہونگی اور باہم سر پھٹول ہوتا رہے گا، یہ برا حال ہے، اچھا حال اس کے برعکس ہے، قوم کو اجتماعی قوت و شوکت حاصل ہو اور وہ ایک اور نیک ہو کر رہیں۔

اور اس افتراق وانتشار کے زمانہ میں یہود میں کچھ افراد نیک ہونگے اور کچھ ان سے کم تر ہونگے، یعنی فاسق وکافر ہونگے، ان کے لئے بھی اللہ تعالیٰ انابت کے مواقع فراہم کریں گے، کبھی ان کو عیش و آرام میں رکھیں گے، کبھی سختی اور تکلیف سے دوچار کریں گے، تاکہ وہ احسان مان کر یا تکالیف سے ڈر کر توبہ کریں اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوں۔

فائدہ: احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود کی تاریخ میں ایک وقت ایسا آئے گا: جب یہودی: فلسطین میں جمع ہو جائیں گے، اور انہیں قوت و شوکت حاصل ہوگی، اسی حالت میں دجال کا ظہور ہوگا، اور وہ پوری دنیا کو پامال کرے گا، آخر میں عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے اور یہود کا نام و نشان مٹا دیں گے، پس ممکن ہے موجودہ اسرائیلی حکومت تاریخ یہود کا یہی وقفہ ہو، واللہ اعلم (از آسان تفسیر)

﴿ وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَ مِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۡ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ

وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۶۸﴾

ترجمہ: اور ہم نے ان کو زمین میں گروہ گروہ کر کے بانٹ دیا، ان میں بعض نیک ہیں، اور ان میں بعض اس سے کم تر ہیں، اور ہم نے ان کو خوش حالی اور بدحالی کے ذریعہ آزمایا، شاید وہ باز آجائیں!

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَ يَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ؕ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۷۰﴾ وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۱﴾

ع ۲۱

فَخَلَفَ	پس آئے	لَنَا	ہمارے لئے	اَنْ لَّا	کہ نہ
مِنْۢ بَعْدِهِمْ	ان کے بعد	وَاِنْ يَّاْتِهِمْ	اور اگر آئے ان کے	يَقُوْلُوْا	کہیں وہ
خَلْفٌ	ناخلف		پاس	عَلَى اللّٰهِ	اللہ پر
وَّرِثُوا	وارث ہوئے وہ	عَرَضٌ	مال سامان	اِلَّا الْحَقَّ	مگر سچی بات
الْكِتٰبَ	اللہ کی کتاب کے	مِّثْلُهٗ	ویسا ہی	وَدَرَسُوْا	اور انھوں نے پڑھا
يَاْخُذُوْنَ	لیتے ہیں وہ	يَاْخُذُوْهُ	لے لیں وہ اس کو	مَا فِيْهِ	جو اس میں ہے
عَرَضَ	مال سامان	اَلَمْ يُؤْخَذْ	کیا نہیں لیا گیا	وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ	اور آخرت کا گھر
هٰذَا الْاَدْنٰى	اس اقرب دنیا کا	عَلَيْهِمْ	ان سے	خَيْرٌ	بہتر ہے
وَ يَقُوْلُوْنَ	اور کہتے ہیں وہ	مِّيْثَاقُ (۱)	پیمان	لِّلَّذِيْنَ	ان لوگوں کے لئے جو
سَيُغْفَرُ	اب معاف کیا جائے گا	الْكِتٰبِ	اللہ کی کتاب میں	يَتَّقُوْنَ	بچتے ہیں

(۱) اضافت بمعنی فی ہے

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ	کیا تو سمجھتے نہیں وہ؟	الْمُصْلِحِيْنَ	سنوارنے والوں کا	وَاقِعٌ	گرنے والا ہے
وَالَّذِيْنَ	اور جو لوگ	وَاِذْ	اور (یاد کرو) جب	بِهِمْ	ان پر
يُمَسِّكُوْنَ [۱]	تھامتے ہیں	نَتَقْنَا [۳]	اکھاڑا ہم نے	خُذُوْا	(کہا ہم نے:) لو تم
بِالْكِتٰبِ [۲]	اللہ کی کتاب	الْجَبَلَ	پہاڑ	مَآ اٰتَيْنٰكُمْ	جو دیا ہم نے تم کو
وَاَقَامُوا	اور اہتمام کیا انھوں نے	فَوْقَهُمْ	ان کے اوپر	بِقُوَّةٍ	مضبوطی سے
الصَّلٰوةَ	نماز کا	كَاَنَّهٗ	گویا وہ (پہاڑ)	وَّاذْكُرُوْا	اور یاد کرو
اِنَّا	بے شک ہم	ظُلَّةٌ	سائبان ہے	مَا فِيْهِ	جو اس میں ہے
لَا نُضِيْعُ	نہیں ضائع کرتے	وَّظَنُّوْٓا	اور گمان کیا انھوں نے	لَعَلَّكُمْ	تاکہ تم
اَجْرَ	بدلہ	اَنَّهٗ	کہ وہ (پہاڑ)	تَتَّقُوْنَ	پرہیزگار بنو

۴- یہود میں رِشوت ستانی کی گرم بازاری!

جب اگلے یہود کا زمانہ بیت گیا تو پیچھے ناخلف آئے، وہ تورات کے حامل بنے اور رشوتیں لے کر تورات کے خلاف فیصلے اور فتوے دینے لگے، اور بے باکی سے کہتے تھے: ”ہم کو معاف ہو جائے گا!“ اس لئے کہ ہم اللہ کی اولاد اور اس کے محبوب ہیں، اور اسی اعتقاد سے وہ آج بھی رشوت لینے کے لئے تیار ہیں —— یہ ان کا بہت برا حال ہے!

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: کیا تورات میں ان سے عہد نہیں لیا گیا کہ وہ اللہ کی طرف سچ کے سوا کوئی بات منسوب نہ کریں؟ —— لیا گیا ہے! پھر بھی وہ تورات میں تحریف کر کے غلط فیصلے اور فتوے دیتے ہیں، اور اس کو اللہ کا حکم بتاتے ہیں، درانحالیکہ وہ تورات پڑھتے ہیں، اور اس عہد و پیمان سے واقف ہیں! کاش وہ آخرت کو پیش نظر رکھتے اور رشوت ستانی سے بچتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا، پس کیا وہ یہ موٹی بات نہیں سمجھتے!

البتہ جو لوگ تورات کی پیش گوئی کو پیش نظر رکھ کر آخری نبی ﷺ پر ایمان لائے ہیں، اور وہ قرآنِ کریم کو مضبوط پکڑے ہوئے ہیں، اور نماز وغیرہ عبادات ٹھیک سے ادا کرتے ہیں، اور لوگوں کی اصلاح کی کوشش کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ ان کی محنت ضائع نہیں کریں گے، ان کو اجر جزیل عطا فرمائیں گے۔

﴿فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَ يَقُوْلُوْنَ

(۱) تمسیک (باب تفعیل): پکڑنا، پابند ہونا (۲) حضرت عطاء بن ابی رباحؒ نے کتاب سے قرآنِ کریم مراد لیا ہے (روح)
(۳) نتقنا کے لئے دیکھیں (ہدایت القرآن ۱:۹۸)

سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ۭ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ۭ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۭ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۷۰﴾

ترجمہ: پس ان کے بعد برے جانشین آئے، وہ اللہ کی کتاب (تورات) کے وارث بنے، وہ اس دنیائے دَنی کا مال سامان (رشوت) لیتے ہیں، اور کہتے ہیں: ''ہم کو معاف ہوجائے گا!'' اور اگر ایسا ہی مال سامان (آج بھی) ان کے سامنے آئے تو وہ اس کو لے لیں —— یعنی موجودہ یہود ان نالائقوں کے نقشِ قدم پر ہیں۔

کیا ان سے اللہ کی کتاب (تورات) میں عہد و پیمان نہیں لیا گیا کہ وہ اللہ کے تعلق سے سچی بات کے سوا کچھ نہ کہیں؟ درانحالیکہ پڑھا ہے انھوں نے جو اس کتاب میں ہے —— یعنی وہ تورات کے اس بیان سے واقف ہیں۔

اور آخرت کا گھر (جنت) بہتر ہے ان لوگوں کے لئے جو (رشوت ستانی سے) بچتے ہیں، کیا پس وہ سمجھتے نہیں! اور جو لوگ کتاب الٰہی (قرآن) کو مضبوطی سے تھامتے ہیں، اور انھوں نے نماز (وغیرہ) کا اہتمام کیا تو ہم احوال سنوارنے والوں کا بدلہ رائیگاں نہیں کریں گے!

۵- بنی اسرائیل کے سروں پر پہاڑ بڑھایا تب انھوں نے تورات کو قبول کیا

بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی تھی کہ ان کے لئے اللہ کی کتاب لائیں، تاکہ وہ اس پر عمل کریں! موسیٰ علیہ السلام تختیوں پر لکھ کر تورات شریف لائے، بنی اسرائیل نے اس کو اللہ کی کتاب ماننے سے انکار کردیا، موسیٰ علیہ السلام ستر سرداروں کو طور پر لے گئے، وہاں انھوں نے اللہ کا کلام سنا، مگر اس میں پَخ (بے کار کی علت) نکالی کہ کون بولا وہ ہم نے نہیں دیکھا، اللہ پاک ہمارے روبرو آکر فرمائیں تو ہم جانیں اور مانیں، اس گستاخی پر پہاڑ کپکپایا اور اوپر سے کڑاکا گرا اور سب کھیت رہے، پھر وہ موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے زندہ کئے گئے اور واپس آکر بنی اسرائیل کے سامنے گواہی دی، مگر اپنی طرف سے یہ بھی بڑھادیا کہ تورات کے سب احکام پر عمل ضروری نہیں، جس قدر ہوسکے عمل کرنا، بس پھر کیا تھا؟ ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا! بنی اسرائیل کو پھر بہانہ مل گیا اور انھوں نے تورات کو قبول کرنے سے انکار کردیا۔

پس اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کا ایک حصہ ان پر بڑھایا، جیسے سائبان ہوتا ہے۔ سائبان چھوٹی چھت کو کہتے ہیں، جو دیوار سے جڑی اور آگے بڑھی ہوئی ہوتی ہے، جب اس طرح پہاڑ ان پر بڑھا، اور انھوں نے خیال کیا کہ اب وہ ان پر گرے گا: اس وقت ان سے کہا گیا کہ جو کتاب تم کو اللہ نے دی ہے اس کو مضبوطی سے لو، اور اس کے احکام پر عمل کرو، اس میں تمہارا فائدہ ہے، تم پرہیزگار بندے بن جاؤ گے!

پس مرتے کیا نہ کرتے، خواہی نخواہی تورات کو قبول کیا، مگر مرغ کی ایک ٹانگ رہی، کمینی دنیا کی چند کوڑیوں کی خاطر غلط فیصلے کرتے رہے اور فتوے دیتے رہے —— یہ بھی ان کا نہایت برا حال ہے۔

فائدہ: ماضی کے واقعات اور آگے کے احوال 'غیب' ہیں، ان میں سے جتنی باتیں قرآن وحدیث میں بیان کی گئی ہیں وہ 'شہادت' ہیں، لوگ ان کو جان لیتے ہیں، باقی تفصیلات غیب ہی رہتی ہیں، ان کو جاننے کی کوئی صورت نہیں ہوتی، پس پہاڑ بنی اسرائیل پر کیسے بڑھا؟ اس کو کوئی مفسر نہیں سمجھا سکتا۔

(یہاں یہود کے برے احوال کا بیان پورا ہوا، آگے عام انسانی احوال کا بیان ہے اور وہ بھی یہود ہی کو سنائے گئے ہیں)

﴿وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝١٧١﴾

ترجمہ: اور (یاد کرو) جب ہم نے ان پر پہاڑ اٹھایا، گویا وہ سائبان ہے، اور انھوں نے خیال کیا کہ وہ ان پر گرنے والا ہے (اور کہا:) قوت سے لو جو ہم نے تم کو دیا ہے، اور یاد کرو جو اس میں ہے، تاکہ تم پرہیزگار بنو!

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰي ۚۛ شَهِدْنَا ۚۛ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ۝١٧٢ۙ اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَاۗؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝١٧٣ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝١٧٤

وَاِذْ	اور (یاد کرو) جب	ذُرِّيَّتَهُمْ	ان کی اولاد کو	قَالُوْا	کہا انھوں نے
اَخَذَ	لیا	وَاَشْهَدَهُمْ	اور گواہ بنایا ان کو	بَلٰي	کیوں نہیں!
رَبُّكَ	آپ کے پروردگار نے	عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ	ان کی ذاتوں پر	شَهِدْنَا (۲)	ہم نے اقرار کیا
مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ	اولاد آدم سے	اَلَسْتُ	کیا نہیں ہوں میں	اَنْ تَقُوْلُوْا (۳)	کہیں تم کہو
مِنْ ظُهُوْرِهِمْ (۱)	ان کی پیٹھوں سے	بِرَبِّكُمْ	تمہارا پروردگار؟	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	قیامت کے دن

(۱) من ظهورهم: من بنی آدم سے بدل اشتمال ہے (۲) شہادت میں قسم کے ساتھ اقرار کا مفہوم ہوتا ہے (۳) أن سے پہلے لام اور بعد میں لا مقدر مانا جاتا ہے، أی لئلا، اور بغیر تقدیر کے: کہیں، کبھی، ترجمہ کرتے ہیں۔

اِنَّا كُنَّا	بے شک ہم تھے	مِنْ قَبْلُ	ہم سے پہلے	فَعَلَ	کیا
عَنْ هٰذَا	اس سے	وَ كُنَّا	اور تھے ہم	الْمُبْطِلُوْنَ	باطل پرستوں نے؟
غٰفِلِيْنَ	بے خبر	ذُرِّيَّةً	اولاد	وَكَذٰلِكَ	اور اس طرح
اَوْ تَقُوْلُوْٓا	یا تم کہو	مِّنْۢ بَعْدِهِمْ	ان کے بعد	نُفَصِّلُ	کھول کر بیان کرتے ہیں ہم
اِنَّمَآ	اس کے سوانہیں کہ	اَفَتُهْلِكُنَا	کیا پس ہلاک کرتے ہیں	الْاٰيٰتِ	اپنی باتیں
اَشْرَكَ	شرک کیا		آپ ہم کو	وَ لَعَلَّهُمْ	اور شاید وہ
اٰبَآؤُنَا	ہمارے اسلاف نے	بِمَا	اس شرک کی وجہ سے جو	يَرْجِعُوْنَ	(شرک سے) لوٹ جائیں

عام انسانی احوال (یہ احوال بھی یہود کو سنائے ہیں)

۱- تورات سے پہلے عالم ذُرّ میں اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں سے اپنے رب ہونے کا اقرار لیا

ربط: میثاقِ خاص کے بعد میثاقِ عام کا ذکر ہے، اور یہ بھی یہود کو سنایا ہے۔ بنی اسرائیل سے بصورت تورات جو عہد وپیان لیا تھا، جس کا تذکرہ گذشتہ آیات میں آیا، جس کے لئے وہ تیار نہیں تھے، مرغا بنایا تب مانا: وہ میثاقِ خاص تھا، اور میثاقِ عام وہ ہے جو تمام انسانوں سے عہد الست میں لیا گیا ہے۔

عہد الست اور عالَم ذُرّ کا واقعہ: حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد ان کی پشت سے ان کی صلبی اولاد پیدا کی گئی جیسا کہ حدیث میں تفصیل ہے، پھر اولاد کی پشت در پشت سے ان کی اولاد نکالی، اور اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو اپنے سامنے پھیلا دیا یعنی ان پر اپنی تجلی فرمائی، اپنا جلوہ دکھایا، اس طرح دیدار کرا کر اپنی معرفت اور پہچان کرائی، پھر ان سے پوچھا: ''کیا میں تمہارا رب نہیں؟'' سب نے کہا! کیوں نہیں! ہم سب گواہی دیتے ہیں یعنی اقرار کرتے ہیں۔ یہ مضمون مسند احمد ج۱ص۲۷۲ اور مستدرک حاکم ج۲ص۵۴۴ کی روایت میں ہے، جس کی سند صحیح ہے۔

پھر وہ روحیں اصلاب میں واپس نہیں کی گئیں بلکہ عالم ارواح میں ان کو خاص ترتیب سے رکھ دیا گیا، بخاری شریف میں روایت ہے **الأرواحُ جنودٌ مُجَنَّدَة:** عالم ارواح میں روحیں خاص ترتیب سے جیسے فوج کی پلٹنیں ہوتی ہیں رکھی ہوئی ہیں پھر شکم مادر میں تیار ہونے والے جسم میں وہیں سے روح لاکر فرشتہ پھونکتا ہے۔

غرض: انسان اس دنیا میں نیا نہیں پیدا ہوتا، اس دنیا میں صرف انسان کا جسم نیا بنتا ہے، کیونکہ یہ عالَم اجساد ہے، اور اس کی روح اس سے بہت پہلے پیدا کی جا چکی ہے، اور وہی درحقیقت انسان ہے، بدن تو روح کی سواری ہے، اور تمام

روحیں عالم ارواح میں موجود ہیں، وہاں سے روح شکم مادر میں بننے والے جسد خاکی میں منتقل کی جاتی ہے، پھر بچہ 'پیدا' ہوتا ہے، پیدا فارسی لفظ ہے، اس کے معنی ہیں: ظاہر ہونا، انسان چار ماہ پہلے ماں کے پیٹ میں زندہ ہوا ہے، ظاہر اب ہوا۔

پھر دنیا میں انسان زندگی گذار کر مر جاتا ہے، روح نکل کر عالم برزخ میں چلی جاتی ہے، مر گیا میں مَرَّ: فعل ماضی ہے، اور 'گیا' اس کا ترجمہ ہے، ملا کر 'مر گیا' استعمال کرتے ہیں، اور جسم یہاں پڑا رہتا ہے، اس کو 'لاش' کہتے ہیں، یہ لاشیئ کا مخفف ہے یعنی یہ کچھ نہیں، انسان گذر گیا، یہی ارواح بروز قیامت دوبارہ بننے والے اجسام میں ریوس آئیں گی اور نئی زندگی شروع ہوگی جو تا ابد چلے گی۔

فائدہ: ذُرّ: چھوٹی بھوری چیونٹی، پیٹھوں سے انسانوں کی روحیں نکالی تھیں، اور روحیں اعراض ہیں، جو قائم بالذات نہیں ہوتیں، قائم بالغیر ہوتی ہیں، اس لئے ان ارواح کو عالم مثال کے اجسام دیئے گئے تھے، جو چیونٹی کی شکل کے تھے، اس لئے عہد الست کو عالَم ذُرّ بھی کہتے ہیں، اور یہ بات بھی حدیث میں آئی ہے۔

سوال: عہد الست کا واقعہ کسی کو یاد نہیں، پھر اس کو کیسے مان لیا جائے؟

جواب: یاد ہونا ضروری نہیں، دلیل کا موجود ہونا کافی ہے، ہر شخص زندہ چار ماہ ماں کے پیٹ میں رہا ہے، مگر کسی کو یاد نہیں، دیکھا دیکھی مانتا ہے، بچپن کے زمانہ کی تفریحات کسے یاد ہیں؟ آدمی مدرسہ میں کئی سال پڑھتا ہے، فراغت کے بعد جب عرصہ گذر جاتا ہے تو تفصیلات بھول جاتا ہے، مگر استعداد باقی رہتی ہے جو دلیل ہوتی ہے کہ اس نے پڑھا ہے۔

اسی طرح اللہ کی پہچان فطرت میں موجود ہے، آڑے وقت انسان اللہ ہی کو پکارتا ہے، یہ دلیل ہے کہ اس نے کبھی اللہ کو پہچانا ہے، اب اللہ کے سچے کلام میں اس کی خبر دی گئی اور مخبر صادق ﷺ نے بھی اس کی اطلاع دی، پس اس کو قبول کرنے میں لیت ولعل کیوں؟

﴿ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰي ۚ شَهِدْنَا ۚ ﴾

ترجمہ: اور (یاد کرو) جب آپ کے رب نے اولادِ آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا، اور ان سے ان ہی کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا: کیوں نہیں! ہم اقرار کرتے ہیں! —— کہ آپ ہی ہمارے رب ہیں!

فائدہ: ربّ: وہ ہستی ہوتی ہے جو تین کام کرے: (۱) کسی چیز کو موجود کرے، نیست سے ہست کرے (۲) وجود پذیر ہونے والی مخلوق کی بقاء کا سامان کرے، تاکہ وہ آناً فاناً ختم نہ ہوجائے (۳) پھر بتدریج اس مخلوق کو ترقی دے کر منتہائے کمال

تک پہنچائے ـــــ یہ تینوں کام اللہ تعالیٰ ہی کرتے ہیں، پس وہی رب ہیں، اور توحید ربوبیت اور توحید الوہیت میں چولی دامن کا ساتھ ہے، ایک دوسرے سے جدا نہیں، رب ہی معبود ہوتا ہے، پس انسانوں کا اقرار ربوبیت: اقرار الوہیت بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے عہد الست میں تمام انسانوں سے اپنی ربوبیت کا اقرار کیوں لیا؟

جواب: اس لئے لیا کہ انسان اس دنیا میں پیدا ہو کر صرف اللہ کی بندگی کرے، کسی کو ان کے ساتھ بندگی میں شریک نہ کرے، اور کرے تو قیامت کے دن کوئی بہانہ نہ بنا سکے، اور ممکن ہے کسی مشرک کو عہد الست یاد آجائے اور وہ توحید کی طرف لوٹ جائے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ غیب ہیں، مخلوقات سے وراء الوراء ہیں، اس دنیا میں ان کا دیدار ممکن نہیں، مگر معبود وہی ہیں، اس لئے کہ خالق و مالک وہی ہیں، چنانچہ ضروری ہوا کہ انسان کو اس دنیا میں بھیجنے سے پہلے اللہ تعالیٰ اپنی پہچان کرا دیں، اپنی معرفت کا بیج اس کے دل میں بو دیں، تاکہ جب رسول آئیں اور اس مکنون معرفت کو مہمیز کریں تو وہ صرف اللہ کی بندگی کے لئے تیار ہو جائے، اسی لئے تمام رسول سب سے پہلے لوگوں کو توحید کی دعوت دیتے ہیں، اور شرک کی قباحت سمجھاتے ہیں۔

پھر بھی جو لوگ دل کی آواز نہ سنیں، اور رسولوں کی یاددہانی پر کان نہ دھریں اور شرک کے دلدل میں پھنسے رہیں: وہ کل قیامت کے دن یہ نہ کہہ سکیں کہ ہمیں اللہ کی معرفت حاصل نہیں تھی، ہم ان ہی کی عبادت کیسے کرتے؟ اور نہ ان کے لئے یہ کہنے کا موقع رہے کہ مورتیوں کی پرستش تو اوپر سے چلی آرہی تھی، ہم بعد کے لوگ اگلوں کی روش پر چلتے رہے، پس مجرم اگلے ہیں، ہم نہیں! اب مشرکین یہ عذر نہیں کر سکتے، اس لئے کہ ہر ایک کے نہاخانۂ دل میں اللہ کی معرفت موجود ہے، پھر وہ اپنے اسلاف کی روش پر کیوں چلے؟ دل کی آواز اور انبیاء کی بات کیوں قبول نہیں کی؟ مشرکین قیامت میں یہ دو بہانے نہ بنا سکیں، اس لئے عہد الست میں ارواح پر اللہ تعالیٰ نے تجلی فرمائی، اپنی پہچان کرائی اور اپنی ربوبیت کا اقرار لیا، پھر اس دنیا میں بھیجا۔

اہل فترت اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر رہنے والوں کا حکم

اہل فترت اور اہل جاہلیت: دو نبیوں کے درمیان کے لوگوں کو کہتے ہیں، جب ایک نبی کی دعوت ختم ہو جائے یعنی اس کا لایا ہوا دین دنیا میں باقی نہ رہے اور اگلا نبی ابھی نہ آیا ہو تو اس درمیانی وقفہ کے لوگوں کو اصحاب فترت اور اہل جاہلیت کہتے ہیں۔

اور سکّان شواہق جبال: پہاڑوں کی چوٹیوں پر بسنے والے لوگوں سے مراد وہ لوگ ہیں جن تک نبی کی دعوت نہیں پہنچی یعنی وہ کسی ایسے دور دراز خطے میں بستے ہیں کہ اللہ کے دین کے داعی وہاں تک نہیں پہنچ سکے، نہ کسی اور ذریعہ سے اللہ کے دین کی بات ان کے کان میں پڑی۔

مذکورہ دونوں قسم کے لوگوں کا اخروی انجام کیا ہوگا؟ ناجی ہوں گے یا ناری؟ یہ کانٹوں بھرا مسئلہ ہے، کیونکہ ان کے بارے میں دلائل متعارض ہیں:

(۱) سورہ بنی اسرائیل آیت ۱۵﴿ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴾ سے بعض لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ وہ معذب نہ ہوں گے، ناجی ہوں گے، حالانکہ اس آیت میں دنیوی عذاب (سزا) کا ذکر ہے جو حق وباطل کی کشمکش کے آخر میں، عملی فیصلہ کرنے کے لئے نازل ہوتا ہے، آخرت کے عذاب سے اس آیت کا کوئی تعلق نہیں۔

(۲) اور ابن ماجہ میں سند صحیح سے حدیث (نمبر ۱۵۷۳) ہے کہ ایک دیہاتی نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! میرے ابا صلہ رحمی کرتے تھے اور فلاں فلاں اعمال صالحہ کرتے تھے، اب مرنے کے بعد وہ کہاں ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ دوزخ میں ہے — اس روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے اس دیہاتی کو یہ بھی حکم دیا کہ (حَيْثُمَا مَرَرْتَ بقبر مشرک فَبَشِّرْہُ بالنار) (تم جس مشرک کی قبر پر گزرو، اس کو جہنم کی خوش خبری دو) اس سائل کا باپ اصحاب فترت میں سے تھا اور وہ اصحاب قبور بھی اہل فترت میں سے تھے پس اس روایت سے ان کا معذب ہونا ثابت ہوتا ہے۔

الغرض یہ بڑا پیچیدہ مسئلہ ہے، اس مسئلہ میں درج ذیل آراء پائی جاتی ہیں۔

(۱) شیخ محیی الدین ابن عربی (۵۶۰-۶۳۸ھ) جو ساتویں صدی کے مشہور بزرگ اور صوفی ہیں، فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن ان لوگوں کی طرف میدان محشر میں نبی مبعوث کئے جائیں گے، جو لوگ ان کی اتباع کریں گے وہ ناجی ہوں گے اور جو ان کا انکار کریں گے وہ ناری ہوں گے — مگر یہ بات بے دلیل ہے اور یوم قیامت دار عمل نہیں، بلکہ دار جزاء ہے۔

(۲) حضرت مجدد الفِ ثانی شیخ احمد بن عبدالاحد سرہندی (۹۷۱-۱۰۳۴ھ) جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب سے تقریباً ایک صدی پہلے گزرے ہیں، مکتوبات جلد اول مکتوب نمبر ۱۵۹ میں فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کو ان کے برے اعمال کی جو سزا دینی ہے وہ میدان محشر میں دیدی جائے گی، پھر ان کو دیگر حیوانات کی طرح مٹی بنادیا جائے گا اور مجدد صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ میں نے یہ رائے تمام انبیاء کی محفل میں پیش کی، تو سب نے میری رائے پسند کی اور اس کو صحیح قرار دیا۔

یہ کوئی مکاشفہ ہے اور انبیاء کے علاوہ کسی کا بھی کشف حجت شرعیہ نہیں، وہ محض ظن پیدا کرتا ہے، حکم شرعی ثابت

کرنے کے لئے دلیل قطعی کی ضرورت ہے۔

(۳) مفسرین کی ایک رائے یہ ہے کہ وہ لوگ اعراف میں رہیں گے، جو جنت اور جہنم کے بیچ میں ایک مقام ہے۔ مگر یہ رائے بھی درست نہیں، کیونکہ اعراف ہمیشہ رہنے کی جگہ نہیں، تمام اہل اعراف آخر میں جنت میں منتقل کردئے جائیں گے۔

(۴) اصولیوں کی عام رائے یہ ہے کہ اعمال کا حسن وقبح من وجہٍ عقلی ہے یعنی اعمال کی وضع ہی میں خوبیاں اور خرابیاں رکھی گئی ہیں مگر یہ فطری حسن وقبح انسان سمجھ نہیں سکتا اس لئے نزول شرع ضروری ہے۔ البتہ اللہ کی معرفت کا حسن اور اس کے ساتھ شریک ٹھہرانے کی برائی انسان نزول شرع کے بغیر بھی اپنی خداداد عقل سے سمجھ سکتا ہے، باقی اعمال کے حسن وقبح کا عقل ادراک نہیں کرسکتی، شریعت نازل ہوکر جب احکام دیتی ہے، تبھی اعمال کا حسن وقبح معلوم ہوتا ہے۔

پس وہ اعمال جن کا حسن وقبح انسان عقل سے نہیں سمجھ سکتا ان پر نزول شرع سے پہلے مؤاخذہ نہ ہوگا اور توحید وشرک پر جزاؤسزا مرتب ہوگی، علامہ محبّ اللہ بہاری رحمہ اللہ نے مسلم الثبوت (ص ۱۶) میں امام اعظم رحمہ اللہ سے یہی روایت نقل کی ہے۔ انھوں نے لکھا ہے: **رُوِی عن أبی حنیفة رحمه اللّٰه تعالیٰ: لاعُذْر لأحدٍ فی الجهل بخالقه لما یری من الدلائل** پھر علامہ نے اس روایت میں ایک قید بڑھائی ہے اور مذکورہ مسئلہ اس روایت پر متفرع کیا ہے، لکھتے ہیں:

أقول: لعل المرادَ بعد مُضِیِّ مدة التأمل، فإنه بمنزلةِ دعوةِ الرسل فی تنبیه القلب بذلک؛ وتلک المدة مختلفة، فإن العقول متفاوتة، وبما حرَّرنا من المذاهب یتفرع علیه مسألةُ البالغ فی شاهق الجبل الخ

اور اللہ تعالیٰ کی معرفت اور احسان مندی کا حسن اور شرک اور احسان فراموشی کی برائی عقل سے اس لئے سمجھی جاسکتی ہے کہ یہ باتیں اللہ تعالیٰ نے پچھلی زندگی میں سمجھا کر انسان کو اس دنیا میں بھیجا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ **کلُّ مولد یولد علی الفطرة**: ہر بچہ فطرت یعنی اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔

﴿ اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ ﴿۱۷۲﴾ اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَ كُنَّا ذُرِّیَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۱۷۳﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ وَ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۱۷۴﴾ ﴾

ترجمہ: (اللہ تعالیٰ نے زمانۂ الست میں اپنی ربوبیت والوہیت کا اقرار اس لئے لیا) تاکہ تم قیامت کے دن نہ کہو کہ ہم اس سے ـــــ اللہ کی الوہیت سے ـــــ بے خبر تھے یا یہ نہ کہو کہ شرک ہم سے پہلے ہمارے اسلاف نے کیا، اور ہم تو ان کے بعد آنے والی نسل تھے ـــــ اور انسان ریت رواج کی پیروی پر مجبور ہوتا ہے ـــــ پس کیا آپ ہمیں ان باطل

پرستوں کے فعل کی وجہ سے ہلاک کرتے ہیں ــــ یعنی دوزخ میں ڈالتے ہیں! ــــ تم یوں بات دوسروں پر نہ ڈال سکو؛ اس لئے پہچان کرا کر پیمان لیا ہے ــــ اور اس طرح ہم وضاحت کے ساتھ اپنی باتیں بیان کرتے ہیں ــــ تا کہ لوگ ان کو سمجھیں اور شرک کی کیچڑ میں نہ پھنسیں ــــ اور اس لئے بھی کہ وہ (توحید کی طرف) واپس آجائیں ــــ یعنی اگر کوئی شرک میں مبتلا ہوجائے تو وہ قرآن کا یہ بیان سن کر توبہ کرے اور گھر لوٹ آئے، صبح کا بھولا شام کو آجائے تو لوگ اسے بھولا نہیں کہتے!

یہ بات بھی یہود کو سنائی ہے کہ وہ بھی عہد سے پھرے ہیں جیسے مشرک پھرتے ہیں (موضح القرآن)

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۱۷۵﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۶﴾ سَآءَ مَثَلَا ۨ الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۷۸﴾ وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ؗ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ؗ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

وَاتْلُ	اور آپ پڑھیں	اٰتَيْنٰهُ	دی ہم نے اس کو	فَاَتْبَعَهُ	پس پیچھے لگا اس کے
عَلَيْهِمْ	ان کے سامنے	اٰيٰتِنَا	ہماری آیتیں	الشَّيْطٰنُ	شیطان
نَبَاَ	خبر	فَانْسَلَخَ (۱)	پس چھوڑ نکلا وہ	فَكَانَ	پس ہوگیا وہ
الَّذِيْٓ	اس کی جو کہ	مِنْهَا	اُن آیتوں سے	مِنَ الْغٰوِيْنَ (۲)	گمراہوں میں سے

(۱) انْسَلَخَ انسلاخا (انفعال): کھال سے نکل جانا، جیسے سانپ کینچلی سے نکل جاتا ہے (۲) الغاوی: کج رو، مراد بتوں کا پجاری۔

وَلَوْ شِئْنَا	اور اگر چاہتے ہم	الَّذِيْنَ	جنھوں نے	فَاُولٰٓئِكَ	تو وہ لوگ
لَرَفَعْنٰهُ	تو ضرور بلند کرتے اس کو	كَذَّبُوْا	جھٹلایا	هُمُ الْخٰسِرُوْنَ	ہی گھاٹے میں رہنے
بِهَا	ان آیات کی بدولت	بِاٰيٰتِنَا	ہماری آیتوں کو		والے ہیں
وَلٰكِنَّهٗ	لیکن وہ	فَاقْصُصِ	پس بیان کریں آپ	وَلَقَدْ	اور بخدا! واقعہ یہ ہے
اَخْلَدَ[1]	مائل ہوا	الْقَصَصَ	احوال (یہود سے)	ذَرَاْنَا[5]	پیدا کئے ہم نے
اِلَى الْاَرْضِ	زمین کی طرف	لَعَلَّهُمْ	تاکہ وہ	لِجَهَنَّمَ	دوزخ کے لئے
وَاتَّبَعَ	اور پیروی کی اس نے	يَتَفَكَّرُوْنَ	سوچیں	كَثِيْرًا	بہت سوں کو
هَوٰىهُ[2]	اپنی خواہش کی	سَآءَ	بری ہے	مِّنَ الْجِنِّ	جنات میں سے
فَمَثَلُهٗ	پس اس کا حال	مَثَلًا	مثال	وَالْاِنْسِ	اور انسانوں میں سے
كَمَثَلِ	جیسے حال	الْقَوْمُ الَّذِيْنَ	ان لوگوں کی جنھوں نے	لَهُمْ قُلُوْبٌ	ان کے لئے دل ہیں
الْكَلْبِ	کتے کا	كَذَّبُوْا	جھٹلایا	لَّا يَفْقَهُوْنَ	نہیں سمجھتے وہ
اِنْ تَحْمِلْ[3]	اگر بھگائیں آپ	بِاٰيٰتِنَا	ہماری آیتوں کو	بِهَا	ان سے
عَلَيْهِ	اس کو	وَاَنْفُسَهُمْ	اور وہ اپنا ہی	وَلَهُمْ	اور ان کے لئے
يَلْهَثْ[4]	(تو) ہانپے	كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ	نقصان کر رہے تھے	اَعْيُنٌ	آنکھیں ہیں
اَوْ تَتْرُكْهُ	یا چھوڑیں اس کو	مَنْ يَّهْدِ	جسے راہ دکھائیں	لَّا يُبْصِرُوْنَ	نہیں دیکھتے وہ
يَلْهَثْ	(تو) ہانپے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	بِهَا	ان سے
ذٰلِكَ	یہ	فَهُوَ	تو وہ	وَلَهُمْ اٰذَانٌ	اور ان کے لئے کان ہیں
مَثَلُ	مثال ہے	الْمُهْتَدِيْ	راہ پانے والا ہے	لَّا يَسْمَعُوْنَ	نہیں سنتے وہ
الْقَوْمِ	ان لوگوں کی	وَمَنْ يُّضْلِلْ	اور جسے گمراہ کریں وہ	بِهَا	ان سے

(۱) أخلد إخلادًا: ہمیشہ رہنا، اور جب إلی صلہ آئے تو معنی ہوتے ہیں: مائل ہونا، جھکنا، راغب ہونا (۲) یہاں فَوَضَعْنَاهُ: محذوف ہے، یعنی ہم نے اس کا مرتبہ گرادیا، یہ حاصل کلام ہے (۳) حَمَلَ الکلبَ وعلیه حَمْلاً: دھتکارنا، بھگانا، اور مصدر میں حاء کے کسرہ کے ساتھ حِملاً کے معنی ہیں: لادنا بوجھ اٹھانا، یہاں یہ معنی نہیں، کتے پر بوجھ نہیں لادا جاتا۔ (۴) لَهَثَ (ف) لهثًا: زبان باہر نکال دینا (۵) ذَرَأَ (ف) ذَرْءً ا: پیدا کرنا، ظاہر کرنا اور پھیلانا۔

اُولٰٓئِکَ	وہ لوگ	بَلْ هُمْ	بلکہ وہ	اُولٰٓئِکَ	وہ لوگ
كَالْاَنْعَامِ	چوپایوں کی طرح ہیں	اَضَلُّ	زیادہ بے راہ ہیں	هُمُ الْغٰفِلُوْنَ	ہی (دین سے) غافل ہیں

۲- ان لوگوں کی مثال جو اللہ کے عہد کی پروانہیں کرتے

اب بنی اسرائیل کو ان کے ایک بزرگ کا واقعہ سناتے ہیں، اس کا نام بلعم بن باعورا تھا، اس کی زبان سینہ تک لٹک آئی تھی، کسی معاملہ میں اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے بددعا کی تھی، اس لئے بطور سزا اس کی زبان نکل آئی تھی، حدیث میں ہے: **من عادی ولیًا لی فقد آذنتُه بالحرب**: جو شخص اللہ کے دوست کے ساتھ برسرِ پیکار ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے نمٹ لیتے ہیں، اگر کوئی شخص ہدایت کے اعلیٰ مقام پر پہنچنے کے بعد مرتد ہوجائے تو اس کو دنیا میں بھی سزا مل سکتی ہے، جیسے بلعم کو ملی، اور اگر وہ اپنے علمی مقام کی حفاظت کرے تو اسے بلند سے بلند درجہ حاصل ہوسکتا ہے، اور دنیائے دَنی کی طرف راغب ہوجائے تو اس پر رال ٹپکاتا رہے گا، اس لئے آدمی کو ہمیشہ فکر مند رہنا چاہئے، کبھی اپنے بارے میں مطمئن نہیں ہونا چاہئے، معلوم نہیں کب وہ ہدایت سے محروم ہوجائے، سورۃ آلِ عمران (آیت ۸) میں ایک دعا سکھلائی ہے: ﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ﴾ اے ہمارے ربّ! ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کریں، اس کے بعد کہ آپ نے ہمیں ہدایت سے نوازا، اور ہمیں خاص اپنے پاس سے مہربانی سے نوازیں، بے شک آپ ہی بڑے بخشنے والے ہیں (آمین)

اور چونکہ بلعم کی زبان باہر نکل آئی تھی اس لئے اس کو کتّے سے تشبیہ دی، ہر حیوان بے تکلف اور بے مشقت ناک سے سانس لیتا ہے، اور اندر کی ہوا باہر نکالتا ہے، مگر کتا ناک سے یہ کام نہیں کر پاتا، اس لئے زبان باہر نکال کر بہ مشقت یہ کام کرتا ہے، اسی کو ہانپنا کہتے ہیں، اگر آپ کے پاس کتا بیٹھا ہو اور آپ اسے بھگائیں تو وہ ہانپتا ہوا جائے گا، اور بیٹھا رہنے دیں تو بھی بیٹھا ہوا ہانپتا رہے گا، اسی طرح دنیا کے طالب کو دنیا ملے تو مزید کا طلب گار ہوگا، اور نہ ملے تو بھی اس کے لئے ہانپتا رہے گا۔ یہ بری مثال ان لوگوں کی ہے جو اللہ کی باتوں کی تکذیب کرتے ہیں، یعنی مرتد ہوجاتے ہیں، وہ اپنا ہی نقصان کرتے ہیں، اللہ کا کچھ نہیں بگاڑتے، اور جو لوگ گمراہ ہوجاتے ہیں وہ آخرت میں گھاٹے میں رہیں گے۔

آیاتِ پاک: اور آپؐ اُن (یہود) کے سامنے اس شخص کا واقعہ پڑھیں جسے ہم نے اپنے دین کا علم دیا تھا، پس وہ اس کو چھوڑ نکلا —— اور موسیٰ علیہ السلام کے لئے بددعا کرنے لگا —— پس شیطان اس کے پیچھے لگ گیا، چنانچہ وہ گمراہوں میں سے ہوگیا —— یعنی مرتد ہوگیا —— اور اگر ہم چاہتے تو اس کا اس علم کی بدولت درجہ بلند کرتے —— یعنی اگر وہ دینی علم کے تقاضے پورے کرتا تو اللہ تعالیٰ اس کو امامت کا مرتبہ عطا فرماتے —— لیکن وہ پستی کی طرف مائل

ہوا، اور اس نے اپنی خواہش کی پیروی کی ـــــ تو اللہ نے اس کا مرتبہ گرادیا اور سزا دی۔

پس اس کا حال جیسے کتے کا حال: اگر آپ اس کو (اپنے پاس سے) بھگائیں تو ہانپتا ہوا جائے، اور اس کو اپنے پاس (بیٹھا) رہنے دیں تو بھی ہانپتا رہے ـــــ یہ ان لوگوں کی مثال ہے جنھوں نے ہماری باتوں کی تکذیب کی، پس آپ (یہود سے) ان کے حالات بیان کریں، تاکہ وہ سوچیں! ـــــ اور عبرت پکڑیں!

بری مثال ہے ان لوگوں کی جنھوں نے ہماری باتوں کو جھٹلایا ـــــ یعنی یہ مثال خاص بلعم ہی کے لئے نہیں، بلکہ عام ہے ـــــ اور وہ اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں ـــــ یعنی جو اللہ کے دین کو چھوڑتا ہے وہ اپنا ہی بیڑا غرق کرتا ہے ـــــ جسے اللہ راہ دکھائیں وہی راہ پانے والا ہے ـــــ یہ دوسری بات کہنے کے لئے الفاظ بدل کر تمہید لوٹائی ہے ـــــ اور جسے وہ گمراہ کریں تو وہی لوگ گھاٹے میں رہنے والے ہیں ـــــ یہ دوسری بات ہے، پہلی تھی: اپنا نقصان کرنا۔

فائدہ: انسان دو چیزوں کا مجموعہ ہے، روح ربانی اور بدن ارضی کا، اور نسمہ درمیانی کڑی ہے، اگر آدمی روح ربانی کو سنوارنے کی طرف متوجہ ہوجائے، جو عالَم بالا کی چیز ہے، تو کرّوبی (مقرب فرشتے) اس کا دامن دھوکر پئیں گے، اور اگر وہ أرض (پستی) کی طرف یعنی بدن کے تقاضوں کی طرف متوجہ ہوجائے تو وہ أسفل السافلین میں پہنچ جائے گا ـــــ یہ آیت کریمہ کے مضمون کا خلاصہ ہے۔

۳- بہت لوگ جہنم کا ایندھن بننے کے لئے تیار کھڑے ہیں!

کچھ بلعم بن باعورا کی تخصیص نہیں، بے شمار لوگ جہنم کا ایندھن بننے کے لئے تیار ہیں، وہ پستی (دنیا) کی طرف مائل ہیں، ان کے پاس دل ہیں، مگر بے کار! آنکھیں ہیں مگر اندھی! کان ہیں مگر بہرے! اللہ تعالیٰ نے ان کو عقل وفہم دی ہے، مگر انھوں نے اس کا کھوپرا کھایا ہے، انھوں نے اسبابِ علم سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا، کائنات میں پھیلی ہوئی توحید کی نشانیاں نہ دیکھتے ہیں نہ سنتے! وہ لوگ جانوروں جیسے ہیں، بلکہ ان سے بھی بدتر! جانور تو اپنا کچھ نفع نقصان سوچتا بھی ہے، کوئی گھاس چرتا ہے کوئی چھوڑ دیتا ہے، مگر یہ لوگ مطلق اپنی فکر نہیں کرتے!

فائدہ: دو چیزیں الگ الگ ہیں: تکوین اور تشریع۔ تکوین کے معنی ہیں: تخلیق، پیدا کرنا، اس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے، بندوں کا اس میں کوئی دخل نہیں، اور تشریع کے معنی ہیں: شریعت سازی، احکام دینا اور اس پر عمل کرنا، اس کا تعلق بندوں سے ہے، اور اسی کے لئے بندوں کو جزوی اختیار دیا ہے، اس لئے اس پر جزاؤسزا مرتب ہوتی ہے، اور جزوی اختیار کا مطلب ہے: ایک حد تک اختیار۔

اورآیت کریمہ کے شروع حصہ میں (ذرأنا میں) تکوین کا ذکر ہے، اورآخری حصہ میں (﴿ لَهُمْ قُلُوْبٌ ﴾ میں) تشریع کا، اوراس آیت کے شروع کے مضمون میں اورسورۃ الذاریات کی آیت: ﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴾ میں تعارض نہیں، یہاں تکوین کا ذکر ہے، اورسورۃ الذاریات میں تشریع کا، اور تعارض کے لئے وحدتِ موضوع شرط ہے جو یہاں مفقود ہے۔

﴿ وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۫ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۫ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ١٧٩ ﴾

ترجمہ: اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ ہم نے دوزخ کے لئے جنات اورانسانوں کی کثیر تعداد پیدا کی ہے، جن کے پاس دل ہیں، مگر وہ ان سے سمجھتے نہیں! اوران کے پاس آنکھیں ہیں، مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں! اوران کے پاس کان ہیں، مگر وہ ان سے سنتے نہیں! وہ لوگ جانوروں جیسے ہیں، بلکہ ان سے بھی زیادہ بے راہ! یہی لوگ (اپنے دین سے) غافل ہیں!

﴿ یہاں تک عام انسانوں کے احوال کا بیان پورا ہوا، آگے توحید، رسالت، آخرت، ردِّ اشراک، پھر رسالت کے مضامین ہیں ﴾

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۠ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَاۗىِٕهٖ ۭ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ١٨٠ وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ١٨١ۧ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ١٨٢ۚۖ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۭاِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ١٨٣

ع ۲۲ / ۱۲

وَلِلّٰهِ	اور اللہ کے لئے	فَادْعُوْهُ	پس تم پکارو ان کو	الَّذِيْنَ	ان کو جو
الْاَسْمَاۗءُ	نام ہیں	بِهَا	ان (ناموں) سے	يُلْحِدُوْنَ (۲)	کج روی اختیار کرتے ہیں
الْحُسْنٰى (۱)	اچھے	وَذَرُوا	اور تم چھوڑو	فِيْٓ اَسْمَاۗىِٕهٖ	ان کے ناموں میں

(۱) الحُسنى: بروزن فُعلیٰ: از حُسْنٌ: اسم تفضیل، واحد مؤنث: سب سے عمدہ، سب سے اچھا (۲) يُلحدون (افعال) أَلْحَد فلان: حق سے منحرف ہوکر اس میں بے بنیاد باتیں داخل کرنا، ملحد ہونا۔

سَيُجْزَوْنَ	عنقریب بدلہ دیئے	بِالْحَقِّ	دین حق کے مطابق	مِّنْ حَيْثُ	ایسی جگہ سے
	جائیں گے وہ	وَبِهٖ	اور اس کے موافق	لَا يَعْلَمُوْنَ	کہ نہیں جانتے وہ
مَا كَانُوْا	ان کاموں کا جو تھے وہ	يَعْدِلُوْنَ	انصاف کرتے ہیں	وَاُمْلِيْ	اور ڈھیل دے رہا
يَعْمَلُوْنَ	کیا کرتے	وَالَّذِيْنَ	اور جن لوگوں نے		ہوں میں
وَمِمَّنْ	اور ان میں سے جن کو	كَذَّبُوْا	جھٹلایا	لَهُمْ	ان کو
خَلَقْنَآ	پیدا کیا ہم نے	بِاٰيٰتِنَا	ہماری آیتوں کو	اِنَّ	بے شک
اُمَّةٌ	ایک جماعت ہے	سَنَسْتَدْرِجُهُمْ	آہستہ آہستہ پکڑ رہے	كَيْدِيْ	میری خفیہ تدبیر
يَّهْدُوْنَ	جو راہ دکھلاتی ہے		ہیں ہم ان کو	مَتِيْنٌ	بڑی مضبوط ہے

توحید کا بیان

اللہ تعالیٰ کے اچھے اچھے نام ہیں، اور نام چند ہونے سے شخص چند نہیں ہوتا

ربط: گذشتہ آیت کا آخر تھا: ﴿ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴾ یعنی جو لوگ اللہ کی بخشی ہوئی صلاحیتوں سے کام نہیں لیتے، اور اللہ تعالیٰ اور ان کے دین سے غافل ہیں وہ جانوروں جیسے ہیں، بلکہ ان سے زیادہ گمراہ، کیونکہ جانور تو اپنا کچھ مفاد سوچتے بھی ہیں، یہ لوگ مطلق نہیں سوچتے، آخرت سے بالکل غافل ہیں ـــــ اب ان کے بالمقابل ان لوگوں کا تذکرہ کرتے ہیں جو ہر وقت اللہ تعالیٰ کو یاد رکھتے ہیں اور مضبوطی سے اللہ کے دین کی پیروی کرتے ہیں۔

فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے بہت اچھے اچھے نام ہیں، اسماء وصفات: کمالات کی ترجمانی کرتے ہیں، کسی میں متعدد خوبیاں ہوں اور سب پر دلالت کرنے والا کوئی جامع لفظ نہ ہو تو متعدد الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں، جیسے مفتی، قاری، قاضی، حاجی وغیرہ، اور اللہ تعالیٰ کے کمالات بے حساب ہیں، اور کوئی ایک لفظ ان سب کمالات کو بیان نہیں کرسکتا، اس لئے اللہ تعالیٰ کی صفات اور نام متعدد ہیں، اللہ تعالیٰ کو ان ناموں سے موسوم کیا جائے، اور ان ناموں میں سے کسی بھی نام سے ان کو یاد کیا جائے: غفلت دور ہوگی اور دل کو چین نصیب ہوگا: ﴿ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴾: سنو! دل کا سکون چاہتے ہو تو اللہ تعالیٰ کو ان کے کسی بھی نام سے یاد کرو۔

اور صفات متعدد ہونے سے ذات متعدد نہیں ہوتی، کیونکہ ذات کا وجود ہی صفات کا وجود ہوتا ہے، البتہ صفات کا مفہوم الگ ہوتا ہے، جیسے زید: مفتی بھی ہے قاضی بھی، قاری بھی ہے اور حاجی بھی، پس زید چند نہیں ایک ہی ہے، البتہ اس میں

کمالات (خوبیاں) چند ہیں، اس لئے نام (لقب) چند ہیں۔

اور متفق علیہ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سو — ایک کم — نام ہیں، جو ان کا احاطہ کرے جنت میں جائے گا، اور وہ نام ترمذی شریف کی روایت میں آئے ہیں اور مشہور ہیں، چھپتے رہتے ہیں، اور ان کے احاطہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو حفظ کیا جائے، مطلب سمجھا جائے اور جو نام عام ہیں، جیسے مہربانی کرنا: وہ خوبی اپنے اندر پیدا کی جائے۔

﴿وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا﴾

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے اچھے اچھے نام ہیں، پس تم ان ناموں سے اللہ تعالیٰ کو موسوم کیا کرو۔

اللہ تعالیٰ کی صفات میں ٹیڑھی چال چلنے والوں سے کنارے پر رہا جائے

صفت: وہ کمال ہے جو با کمال میں پایا جاتا ہے، اور جس سے وہ با کمال پہچانا جاتا ہے، جیسے کسی کا قاضی، قاری، مفتی اور حاجی وغیرہ ہونا۔ پھر صفات کی دو قسمیں ہیں: اچھی اور بری، اچھی صفات کو صفاتِ حسنہ کہتے ہیں، وہ اس کی خوبیاں ہوتی ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کرنا ضروری ہے، اور دوسری قسم کو صفاتِ قبیحہ کہتے ہیں، وہ عیوب ونقاص ہیں، ان کی اللہ تعالیٰ سے نفی ضروری ہے۔ اول کو صفاتِ ثبوتیہ اور ثانی کو صفاتِ سلبیہ بھی کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا علیم وخبیر اور قادر وکامل ہونا ثبوتی صفات ہیں، اور بزدل وبخیل نہ ہونا سلبی صفات ہیں۔

اور کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کی ثبوتی اور سلبی صفات میں غلط روش اختیار کرتے ہیں، مثلاً:

۱- معتزلہ — ایک اسلامی فرقہ — کہتا ہے: اللہ کی صفات بعینہٖ ان کی ذات ہے، ان کا مفہوم بھی الگ نہیں، یہ صفات کا انکار ہے، اور ان کا وسوسہ یہ ہے کہ صفات کو اگر الگ مانا جائے گا — اگرچہ صرف مفہوم کی حد تک ہو — تو تعدّدِ آلہہ لازم آئے گا، خدا چند ہو جائیں گے، اور توحید گاؤ خورد ہو جائے گی، حالانکہ صفات کا وجود الگ نہیں، پھر چند خدا کیسے ہونگے؟ — معتزلہ کا یہ خیال اللہ کے ناموں میں ٹیڑھی چال چلنا ہے۔

۲- معطلہ [1] — دوسرا اسلامی فرقہ — اللہ تعالیٰ کے لئے صفات نہیں مانتا، وہ اللہ تعالیٰ کو ذاتِ بحت (مجرد) مانتا ہے، یہ بھی صفات میں کج روی ہے، جب اللہ تعالیٰ بے شمار خوبیوں کے مالک ہیں، اور وہ ہر عیب سے پاک ہیں تو ان پر دلالت کرنے والے الفاظ ضروری ہیں، وہی اللہ کے اسماء وصفات ہیں، یہ اللہ کی صفات سے تعطیل (چھٹی کرنا) بھی الحاد (کج روی) ہے۔

(۱) مُعَطِّلَة: تعطیل (باب تفعیل) سے اسم فاعل، واحد مؤنث، تعطیل کے معنی ہیں: چھٹی کرنا یعنی اللہ کے لئے صفات نہ ماننا۔

۳-مُشَبِّهَة، مُجَسِّمَة[1] ـــــ تیسرا اسلامی فرقہ ـــــ اللہ تعالیٰ کے لئے مخلوق جیسی صفات مانتے ہیں، کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے لئے ہمارے جیسے کان اور آنکھیں ہیں، ہمارے جیسے پیر اور ہاتھ ہیں، جن سے وہ سنتے دیکھتے، چلتے پھرتے اور پکڑتے ہیں، یہ بھی صفات میں ٹیڑھی چال ہے، جب سب مخلوقات کے کان، آنکھیں اور ہاتھ پیر ایک جیسے نہیں، تو خالق اور مخلوق کی صفات ایک جیسی کیسے ہوسکتی ہیں، ہم مخلوقات کی صفات کو تو جانتے ہیں، اس لئے کہ وہ ہمارے سامنے ہیں، مگر خالق کی صفات کو جاننے کی کوئی صورت نہیں؟ اس لئے وہ غیب ہیں، لہٰذا ان کی کیفیت ونوعیت سمجھنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے، اس کو اللہ کے علم کے حوالے کرنا چاہئے۔

۴-عیسائی: اللہ تعالیٰ کو باپ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کا بیٹا مانتے ہیں، یہ بھی صفات میں کج روی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے لئے ایسی بات ثابت کرنا ہے جو ان میں نہیں، ان کو نہ کسی نے جنا ہے نہ وہ جنے گئے ہیں، نہ ان کی کوئی اولاد ہے نہ ان کے ماں باپ ہیں: ﴿لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ﴾

ایک واقعہ: جب انگریزوں نے ہندوستان پر قبضہ کیا، تو انگلینڈ سے حکومت نے ہندوستانیوں کو عیسائی بنانے کے لئے پادریوں کی کھیپ ملک میں اتاردی، یہ پادری نماز کے وقت بڑی مسجد کے دروازے پر پہنچ جاتے، پولس نمازیوں کو زبردستی بٹھاتی، پادری وعظ کہتا، ایک پادری نے ڈرامہ کیا، اس نے چند لوگوں کو کھڑا کر کے اس کا اور اس کے باپ کا نام پوچھا، سب نے بتایا، پس اس نے تقریر شروع کی کہ ''او مسلمانو! تم میں سے کوئی بے باپ نہیں، پھر تم عیسیٰ علیہ السلام کو بے باپ کا کیوں کہتے ہو؟ یہ کیسی بھونڈی بات تم کہتے ہو! جاؤ اگلی نماز میں اپنے مولویوں سے پوچھ کر اس کا جواب لانا''

مجمع کے آخر سے ایک پھکڑ مسلمان بولا: ہم اگلی نماز میں اپنے علماء سے پوچھ کر اس کا جواب لائیں گے، مگر میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ عیسیٰ علیہ السلام کا باپ کون ہے؟ پادری نے کہا: اللہ تعالیٰ ان کے باپ ہیں، اس مسلمان نے پوچھا: اللہ تعالیٰ کے بیٹے کتنے ہیں؟ پادری نے کہا: صرف ایک عیسیٰ علیہ السلام! اس مسلمان نے کہا قادر مطلق (**Almighty**) کا صرف ایک بیٹا! مجھ ضعیف کے دس بیٹے ہیں، آپ اس کا جواب لائیں، پادری اگلی نماز میں غائب تھا!

اس مسلمان کی بات کا مطلب یہ تھا کہ اگر بیٹا ہونا کمال ہے تو قادر مطلق کے ان گنت بیٹے ہونے چاہئیں، اور اگر بیٹا ہونا عیب ہے تو ایک بیٹا ہونا بھی عیب ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہیں۔

۵-مشرکین مکہ اللہ تعالیٰ کے لئے بیوی اور بیٹیاں مانتے تھے، ان احمقوں نے اللہ تعالیٰ کا جنات سے دامادی کا رشتہ

(۲) مشبهة: تشبیہ (باب تفعیل) سے اسم فاعل، واحد مؤنث: مشابہ قرار دینا اور مجسمة: تجسیم (باب تفعیل) سے اسم فاعل، واحد مؤنث: جسم ماننا۔

قائم کیا تھا، اور وہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے: ﴿ وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ﴾: یہ بھی اللہ تعالیٰ کی صفات میں کج روی ہے۔

۶- یہود کے نزدیک اللہ تعالیٰ ملول (رنجیدہ) ہوتا ہے، کتاب پیدائش (باب ۶) میں ہے: ''اور خداوند نے دیکھا کہ زمین پر انسان کی بدی بہت بڑھ گئی، اور اس کے دل کے تصور اور خیال سدا برے ہی ہوتے ہیں، تب خداوند زمین پر انسان کو پیدا کرنے سے 'ملول' ہوا اور دل میں غم کیا'' —— یہ بھی اللہ کی صفات میں الحاد ہے۔

خلاصہ: یہ ہے کہ اللہ کی صفات کا در پردہ انکار کرنا، من مانی تاویل کرنا اور ایسی صفات اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کرنا جو اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان نہیں: صفات میں کج روی اختیار کرنا ہے، اور ایسے لوگوں سے بے تعلق رہنے کا حکم ہے۔ اور آیت کے آخر میں اعلان ہے کہ ایسے لوگوں کو ان کی حرکت کی سزا آخرت میں ضرور ملے گی۔

جو لوگ عرش کو اللہ تعالیٰ کے لئے 'مکان' مانتے ہیں وہ کج رَو ہیں، ان سے بے تعلق رہنا ضروری ہے، اللہ تعالیٰ لا زمان ولا مکان ہیں!

نوٹ: الحاد کی دیگر صورتوں کا بیان ہدایت القرآن (۷:۲۴۶) میں ہے، اس کو ضرور دیکھیں۔

﴿وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآىِٕهٖ ۭ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: اور ان لوگوں سے تعلق مت رکھو جو اللہ کے ناموں میں کج روی اختیار کرتے ہیں، ان لوگوں کو ان کے کئے کی سزا ضرور ملے گی!

امت میں اہل حق بھی ہیں، اور کج روی اختیار کرنے والوں کی ڈھیل استدراج ہے

اس امت میں ایک جماعت (اہل السنہ والجماعہ) افراط وتفریط سے دور ہے، سچائی اور انصاف کی راہ پر گامزن ہے، اور اسی کی دوسروں کو دعوت دیتی ہے —— اور جو لوگ اللہ کی باتوں کی تکذیب کرتے ہیں اور اللہ کی صفات میں کج روی اختیار کرتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ فوراً سزا نہیں دیتے، ان کا عیش ان کی حقانیت کی دلیل نہیں، وہ استدراج (اللہ کی ڈھیل) ہے، ان پر اللہ تعالیٰ نے عیش وعشرت اور رزق میں فراخی کے دروازے کھول رکھے ہیں، بیل کی رسّی ڈھیلی چھوڑی ہے، جب وقت آئے گا ایسا زور کا جھٹکا دیں گے کہ ناک سوج جائے گی —— کید کے معنی ہیں: داؤ کرنا، اور داؤ اچھا بھی ہوتا ہے اور برا بھی، اس کا زیادہ استعمال مذموم داؤ کے لئے ہوتا ہے، اور یہاں محمود داؤ کے معنی میں استعمال کیا ہے۔

﴿وَمِمَّنْ خَلَقْنَا أُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿١٨١﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٨٢﴾ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۭ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿١٨٣﴾﴾

ترجمہ: اور ہماری مخلوقات (جن وانس) میں ایک جماعت ایسی ہے جو دین حق کے موافق لوگوں کی راہ نمائی کرتی ہے، اوراسی کے موافق انصاف بھی کرتی ہے —— یعنی کورٹ میں فیصلے بھی کرتی ہے، یہ اہل السنہ والجماعہ ہیں۔ابن جریرؒ نے یہ حدیث روایت کی ہے: نبی ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرما کر ارشاد فرمایا کہ اس آیت میں میری امت کا ذکر ہے، وہ اپنے سب جھگڑوں کے فیصلے حق وانصاف یعنی قانونِ الٰہی کے مطابق کریں گے، اور لینے دینے کے تمام معاملات میں حق وانصاف کو سامنے رکھیں گے (معارف القرآن شفیعی)

اور جو لوگ ہماری باتوں کو جھٹلاتے ہیں، ہم ان کو آہستہ آہستہ اس طور پر جہنم کی طرف لے جارہے ہیں کہ انہیں احساس تک نہیں، اور میں ان کو (دنیا میں) ڈھیل دے رہا ہوں، بے شک میرا داؤ بڑا مضبوط ہے —— وہ میری پکڑ سے بچ نہیں سکتے!

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا ۫ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٨٤﴾ اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۙ وَّاَنْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٨٥﴾ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ۭ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿١٨٦﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ۘ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ۭ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٨٧﴾ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْۗءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿١٨٨﴾

ع ۲۳ / ۱۲

اَوَلَمْ	کیا اور نہیں	يَتَفَكَّرُوْا	سوچا انھوں نے	مَا بِصَاحِبِهِمْ	نہیں ہے ان کے ساتھی کو

مِّنْ جِنَّةٍ(۱)	کچھ جنون	يُؤْمِنُوْنَ	ایمان لائیں گے وہ؟	اِلَّا هُوَ	مگر وہی
اِنْ هُوَ	نہیں ہیں وہ	مَنْ يُّضْلِلِ	جسے بے راہ کریں	ثَقُلَتْ	بہت بھاری ہے وہ
اِلَّا نَذِيْرٌ	مگر ڈرانے والے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	فِي السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں
مُّبِيْنٌ	صاف صاف	فَلَا هَادِيَ	تو نہیں کوئی راہ پر لانے والا	وَالْاَرْضِ	اور زمین میں
اَوَلَمْ	کیا اور نہیں	لَهٗ	اس کو	لَا تَاْتِيْكُمْ	نہیں آئے گی وہ تمہارے
يَنْظُرُوْا	غور کیا انھوں نے	وَيَذَرُهُمْ	اور چھوڑتے ہیں وہ ان کو		پاس
فِيْ مَلَكُوْتِ	عظیم حکومت میں	فِيْ طُغْيَانِهِمْ	ان کی سرکشی میں	اِلَّا بَغْتَةً	مگر اچانک
السَّمٰوٰتِ	آسمانوں کی	يَعْمَهُوْنَ(۳)	ٹامک ٹوئیاں مارتے	يَسْئَلُوْنَكَ	لوگ آپ سے پوچھتے ہیں
وَالْاَرْضِ	اور زمین کی	يَسْئَلُوْنَكَ	لوگ آپ سے پوچھتے ہیں	كَاَنَّكَ	گویا آپ
وَمَا خَلَقَ(۲)	اور (اس میں) جو پیدا کیا	عَنِ السَّاعَةِ	قیامت کے بارے میں	حَفِيٌّ(۵)	تحقیق کئے ہوئے ہیں
اللّٰهُ	اللہ نے	اَيَّانَ	کب ہے	عَنْهَا	اس کی
مِنْ شَيْءٍ	کسی بھی چیز سے	مُرْسٰهَا(۴)	اس کا لنگر انداز ہونا؟	قُلْ	بتادو
وَّاَنْ عَسٰى(۲)	اور (اس میں) کہ شاید	قُلْ	بتادیں آپ	اِنَّمَا	اس کے سوا نہیں کہ
اَنْ يَّكُوْنَ	کہ ہو	اِنَّمَا	اس کے سوا نہیں کہ	عِلْمُهَا	اس کا علم
قَدِ اقْتَرَبَ	قریب آچکی	عِلْمُهَا	اس کا علم	عِنْدَ اللّٰهِ	اللہ کے پاس ہے
اَجَلُهُمْ	ان کی مقررہ مدت	عِنْدَ رَبِّيْ	میرے رب کے پاس ہے	وَلٰكِنَّ	لیکن
فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ	پس کس بات پر	لَا يُجَلِّيْهَا(۶)	نہیں کھولیں گے اس کو	اَكْثَرَ النَّاسِ	بیشتر لوگ
بَعْدَهٗ	اس کے بعد	لِوَقْتِهَا(۷)	اس کے وقت میں	لَا يَعْلَمُوْنَ	جانتے نہیں

(۱) جِنَّة: دیوانگی، جَنٌّ سے بنا ہے، دیوانگی عقل کو چھپا دیتی ہے، اس لئے اسے جِنَّۃ کہتے ہیں (۲) ما خلق اللہ اور أن عسی کا ملکوت پر عطف ہے، پس فی یہاں بھی آئے گا (۳) عَمِهَ (ف، س) عَمَهًا: سرگرداں پھرنا، حیران ومتردد ہونا (۴) مُرْسٰی: مصدر میمی: ٹھیرانا، جمانا، کشتی کا لنگر ڈال دینا، رَسَا يَرْسُو (ن) رَسْوًا: ٹھہرنا، جگہ پر جم جانا (۵) جَلّٰی تَجْلِيَة: کھولنا، نمودار کرنا (۶) لوقتها: لام بمعنی فی ہے (۷) حَفِيٌّ بروزن فعیل: صفت مشبہ کا وزن: متلاشی، ریسرچ کرنے والا، پورے طور پر باخبر، علمی تحقیق کیا ہوا، اسْتَحْفٰى عن الشيئ: زبردست کھوج لگانا، کھود کرید کرنا، حد سے زیادہ پوچھ تاچھ کرنا۔

قُلْ	کہہ دو	وَلَوْ كُنْتُ	اور اگر ہوتا میں	مَسَّنِيَ	چھوتی مجھے
لَّآ اَمْلِكُ	نہیں مالک ہوں میں	اَعْلَمُ	جانتا	السُّوْٓءُ	برائی
لِنَفْسِيْ	اپنی ذات کے لئے	الْغَيْبَ	غیب کو	اِنْ اَنَا	نہیں ہوں میں
نَفْعًا	کسی نفع کا	لَاسْتَكْثَرْتُ	(تو) بہت کچھ حاصل	اِلَّا نَذِيْرٌ	مگر ڈرانے والا
وَّلَا ضَرًّا	اور نہ کسی ضرر کا		کر لیتا میں	وَّبَشِيْرٌ	اور خوشخبری دینے والا
اِلَّا مَا	مگر جو	مِنَ الْخَيْرِ	بھلائی سے	لِّقَوْمٍ	لوگوں کو
شَآءَ اللّٰهُ	چاہیں اللہ تعالیٰ	وَمَا	اور نہ	يُّؤْمِنُوْنَ	(جو) ایمان لاتے ہیں

رسالت کا بیان

مشرکین مکہ لوگوں کو نبی ﷺ سے دور رکھنے کے لئے آپ پر 'پاگل' کی پھبتی کستے تھے، جنون ایک بیماری ہے، لوگوں کا اس پر یقین کرنا آسان تھا، اور قرآنِ کریم کو دیوانے کی بڑ قرار دیتے تھے، اللہ پاک اس کی تردید فرماتے ہیں کہ یہ بات وہی کہہ سکتا ہے جو بے سوچے سمجھے بات کرنے کا عادی ہو، بھلا جس کو سو بڑے آدمیوں (The Hundred) کے مصنف نے اول نمبر پر رکھا ہو، اس وجہ سے کہ انھوں نے انسانوں کو سب سے زیادہ متأثر کیا ہے: کیا وہ دیوانہ ہوسکتا ہے؟ کیا تاریخ انسانیت کوئی ایسا دیوانہ دکھا سکتی ہے جس نے انسانوں کو سب سے زیادہ متأثر کیا ہو؟ اور جس نے قرآنِ کریم جیسا فصیح و بلیغ کلام پیش کیا ہو؟ قرآنِ کریم تو لوگوں کو صاف صاف وارننگ دینے کے لئے ہے کہ ہوش کے ناخن لو! معبود حقیقی کو پہچانو، اس کو چھوڑ کر تم کہاں بھٹکے جا رہے ہو؟

لوگ تین چیزوں میں غور کیوں نہیں کرتے!

ایک: اللہ تعالیٰ کی عظیم سلطنت میں، جو آسمانوں اور زمین پر مشتمل ہے، دیکھو! اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا مضبوط انتظام کیا ہے، چاند سورج پابندی سے نکلتے چھپتے ہیں، جس کے ساتھ رات دن کا نظام وابستہ ہے، ہوائیں چلتی ہیں، بادل اٹھاتی ہیں، وہ جگہ جگہ برستے ہیں اور زمین اگاتی ہے، اس طرح حیوانات کی معیشت کا انتظام ہوتا ہے، جس ہستی نے انسان کی مادی ضرورت کا انتظام کیا ہے: کیا اس نے انسان کی روحانی ضرورت کا انتظام نہیں کیا ہوگا؟ اسی ضرورت کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ نے رسول بھیجا ہے اور اس پر اپنا کلام نازل کیا ہے۔

دوم: غور کرو! آسمانوں اور زمین میں اللہ تعالیٰ نے جو بھی مخلوق پیدا کی ہے وہ ناپائدار ہے، کاغذی پیرہن ہے ہر پیکر

تصویر کا! ایک وقت تک وہ موجود ہے پھر وہ پردۂ عدم میں چلی جاتی ہے، موجودہ انسان گذشتہ انسانوں کی جگہ لئے ہوئے ہیں، اور گذشتہ لوگ جن کو اپنے کرّ وفر پر ناز تھا اور وہ رسولوں کی تکذیب کرتے تھے، اور اللہ کی کتابوں کو جھٹلاتے تھے: وہ آج کہاں ہیں؟ ان کو زمین نگل گئی! ان کے حال سے عبرت کیوں نہیں پکڑتے!

سوم: موجودہ کفار اپنے احوال میں غور کیوں نہیں کرتے؟ ہوسکتا ہے ان کا پیمانۂ حیات لبریز ہوگیا ہو، ان کی موت کا وقت قریب آگیا ہو، پھر وہ فرصت کے لمحات سے فائدہ کیوں نہیں اٹھاتے؟ غفلت کا شکار کیوں ہیں؟ قرآن کریم کی باتوں کے بعد وہ کونسی بات کے منتظر ہیں، قرآن تو اللہ کا کلام ہے، اس سے برتر اور بہتر کوئی کلام نہیں ہوسکتا۔

بات دراصل یہ ہے کہ جس نے اپنے پیروں پر تیشہ زنی کی اس کو کوئی راہ پر نہیں لاسکتا، رسول اپنا فرض ادا کرچکے، قرآنِ کریم ان کو پہنچا چکے، اب بھی وہ گمراہی میں بھٹکتے رہیں تو وہ جانیں، رسول کی کیا ذمہ داری ہے!

﴿ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا ۜ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۙ وَّاَنْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ۝ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ۭ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: کیا اور ان لوگوں نے سوچا نہیں کہ ان کے ساتھی (محمد ﷺ) کو ذرا بھی جنون نہیں، وہ تو (قرآن کے ذریعہ) صرف صاف صاف ڈرانے والے ہیں —— کیا اور ان لوگوں نے غور نہیں کیا: (۱) آسمانوں اور زمین کی عظیم سلطنت میں (۲) اور ان دوسری چیزوں میں جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں (۳) اور اس بات میں کہ ممکن ہے ان کا مقررہ وقت (موت) قریب آگیا ہو —— پھر وہ اس (قرآن) کے بعد کونسی بات پر ایمان لائیں گے؟

نبی ﷺ کو تسلی: جسے اللہ تعالیٰ بے راہ کریں! اسے کوئی راہ پر نہیں لاسکتا، اور اللہ تعالیٰ ان کو ان کی گمراہی میں بھٹکتے چھوڑ دیتے ہیں!

آخرت کا بیان

قیامت کا دن امتحان (جانچ) کے لئے ہے، ایمان واعمال سب جانچے جائیں گے، اور جنت وجہنم کے فیصلے ہونگے، اور امتحان تین طرح ہوتا ہے:

۱- طالب علم کو بھنک بھی نہ پڑنے دی جائے کہ امتحان ہوگا، اچانک بگل (نرسنگا) بجادیا جائے کہ آج امتحان ہے، اس صورت میں صحیح جانچ ہوتی ہے کہ طالب علم پڑھتا رہا ہے یا مدرسہ میں 'پڑا' رہا ہے؟

۲- پہلے بتادیا جائے کہ کسی وقت امتحان ہوگا، متعین تاریخ نہ بتائی جائے، پھر کسی دن اچانک امتحان لیا جائے تو بھی صحیح جانچ ہوگی کہ طالب علم پڑھا ہوا یاد کرتا رہا ہے یا نہیں؟ —— قیامت اسی طرح قائم ہوگی، سورۃ طٰہٰ کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعٰى ﴾: بے شک قیامت آنے والی ہے، میں قریب تھا کہ اس کو پوشیدہ رکھتا یعنی کسی کو اس کی بھنک بھی نہ پڑنے دیتا، مگر بالاجمال بتادیا؛ تاکہ لوگ اس کی تیاری کریں، تاکہ ہر شخص کو اس کا بدلہ دیا جائے جو اس نے کیا ہے۔

ایک واقعہ: حضرت مولانا برکات احمد ٹونکی رحمہ اللہ: حضرت مولانا عبدالحق خیر آبادی رحمہ اللہ کے پاس منطق پڑھنے گئے، مولانا نے فرمایا: ''پڑھاؤں گا، مگر جب چاہوں گا امتحان لوں گا!'' طالب علم نے منظور کیا، سبق شروع ہوا، آٹھ دن پڑھایا، نویں دن پڑھنے گیا تو فرمایا: آج امتحان ہوگا! طالب علم کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں تھا کہ اتنا جلدی امتحان ہوگا، اس نے پڑھا ہوا یاد نہیں کیا تھا، اس کو بھگادیا، اس نے ایک مسجد میں چالیس دن اعتکاف کیا، اور دعا کرتا رہا کہ استاذ پڑھانے کے لئے راضی ہوجائیں، پھر نواب ٹونک سے نواب رام پور کے ذریعہ سفارش کرائی، مولانا نے پڑھانا منظور کیا، مگر اسی شرط کے ساتھ کہ جب چاہوں گا امتحان لوں گا، اب وہ طالب علم روزانہ سونے سے پہلے خواندہ پھیر کر سوتا تھا اس خیال سے کہ شاید کل امتحان ہو، مگر پھر مولانا نے کبھی امتحان نہیں لیا، امتحان کا مقصد کتاب یاد کرانا ہے، وہ حاصل ہوگیا۔

۳- پہلے سے طالب علم کو بتادیا جائے یا معمول کے مطابق وہ جانتا ہو کہ پہلا امتحان ربیع الاول میں ہوگا اور آخری امتحان شعبان میں ہوگا: تو یہ کیا خاک امتحان ہوا! طلبہ بھٹکتے رہتے ہیں، پھر جب امتحان میں ایک ماہ رہ جاتا ہے تو کتاب پکڑتے ہیں۔

قیامت کے دن زندگی میں کیا کیا ہے؟ اس کی جانچ ہوگی، مگر اللہ تعالیٰ نے بات بالکل مبہم نہیں رکھی، صاف صاف بتادیا ہے کہ قیامت آنے والی ہے، مگر کب آئے گی یہ نہیں بتایا، اسرافیل علیہ السلام جو صور پھونکنے پر مامور ہیں ان کو بھی معین وقت کا پتہ نہیں دیا، کیونکہ ایک کو بتادیا جائے تو بات لیک ہوجاتی ہے۔

مگر مشرکین کو اس کا یقین ہی نہیں، آج بھی عام مسلمانوں کو جو قیامت کو مانتے ہیں: یقین کہاں ہے؟ اس لئے مشرکین ٹھٹھا مذاق کے طور پر نبی ﷺ سے پوچھتے تھے کہ قیامت کی کشتی کب لنگر انداز ہونے والی ہے؟ یعنی ان کو قیامت کا معین وقت بتادیا جائے۔

ان کو جواب دیا جائے کہ اس کا معین وقت صرف اللہ پاک جانتے ہیں، وہی وقت آنے پر اس کو برپا کریں گے، تمہیں تو بس یہ بات جان لینی چاہئے کہ جس دن قیامت برپا ہوگی تمہارے ہوش اڑ جائیں گے، قیامت بڑا بھاری حادثہ ہے اور

وہ اچانک آپڑے گی!

لوگ نبی ﷺ سے قیامت کی تاریخ اس طرح پوچھتے ہیں کہ گویا آپؐ اس کا ریسرچ (علمی تحقیق) کر چکے ہیں، اور اللہ کے بھیدوں سے واقف ہیں، حالانکہ رازہائے دروں سے کوئی واقف نہیں، نہ کسی کو واقف کیا ہے، قیامت کی تاریخ اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں کہ نبی ﷺ کو اس کی تاریخ کا پتہ نہیں، اور لوگوں کا یہ خیال غلط ہے کہ جب نبی ﷺ سرکارِ عالی مقام کے نمائندے ہیں تو ان کو حکومت کی ہر بات معلوم ہونی چاہئے، جبکہ غیب کا علم اللہ کے ساتھ خاص ہے، بڑے سے بڑا رسول بھی غیب نہیں جانتا۔

﴿ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ۭ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ۭ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۱۸۷ ﴾

ترجمہ: لوگ آپؐ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ اس کی کشتی کب لنگرانداز ہونے والی ہے؟ آپ جواب دیں: اس کا علم صرف میرے پروردگار کے پاس ہے، وقت پر اس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ظاہر نہیں کرے گا، وہ آسمانوں اور زمین میں بڑا بھاری حادثہ ہوگا، وہ تم پر اچانک آپڑے گی، وہ لوگ آپؐ سے اس طرح پوچھتے ہیں کہ گویا آپ اس کی علمی تحقیق کر چکے ہیں، آپ فرمادیں: اس کا علم اللہ ہی کے پاس ہے، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں!

نبی ﷺ اپنی ذات کے لئے بھی کسی نفع وضرر کے مالک نہیں

سورۃ النمل میں ہے: ﴿ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۭ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴾: بتادیں! آسمانوں اور زمین میں کوئی بھی پوشیدہ باتوں کو نہیں جانتا (مثلاً:) کوئی نہیں جانتا کہ لوگ کب دوبارہ زندہ کئے جائیں گے؟ —— پھر غیب کی دو قسمیں ہیں: کلی اور جزئی:

غیب کلّی: وہ ہے جس کو ازابتدا تا انتہا کوئی نہیں جانتا، مثلاً: جن انبیاء کا تذکرہ قرآنِ کریم میں نہیں کیا گیا: ﴿ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ﴾ یا مستقبل میں پیش آنے والے بہت سے معاملات جن کی اطلاع قرآن وحدیث میں نہیں دی گئی، اسی طرح آخرت میں ابد تک جنتیوں اور جہنمیوں کے ساتھ جو معاملات ہونگے: وہ سب غیب کلّی ہیں۔

اور غیب جزئی: وہ باتیں ہیں جن کا کچھ حصہ بتایا گیا اور کچھ حصہ نہیں بتایا، جیسے قیامت کے بارے میں بتادیا کہ وہ بالیقین آنے والی ہے، مگر معین وقت نہیں بتایا، پس یہ غیب جزئی ہے۔ حدیث جبرئیل کی بعض روایات میں صراحت ہے:

نبی ﷺ نے فرمایا: ''یہ پہلا موقع ہے کہ میں نے جبرئیل کو واپسی کے وقت تک نہیں پہچانا'' (فوائد) انھوں نے قیامت کے بارے میں سوال کیا تو آپؐ نے جواب دیا: ما المسئول عنها بأعلم من السائل: اس بارے میں جتنا آپ جانتے ہیں اتنا ہی میں جانتا ہوں آپ جانتے ہیں کہ قیامت بالیقین آنے والی ہے: اتنی ہی بات میں بھی جانتا ہوں، اور آپ نہیں جانتے کہ کب آئے گی، اسی لئے پوچھتے ہیں، میں بھی یہ بات نہیں جانتا پس کیا جواب دوں؟

علم غیب کلی کی ایک مثال: انسان کے اپنے ذاتی احوال ہیں، کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا؟ کیا کھائے گا؟ کہاں رہے گا؟ اور کہاں مرے گا؟ اسی طرح نبی ﷺ بھی اپنے ذاتی احوال سے واقف نہیں تھے کہ آئندہ آپ کے ساتھ کیا احوال پیش آئیں گے؟ چنانچہ آپ کو حکم دیا گیا کہ:

آپؐ لوگوں کو بتادیں کہ میں معمولی غیب کی باتیں بھی نہیں جانتا، میں اپنی ذات کے لئے کسی نفع وضرر کا مالک نہیں، نہ کوئی نفع حاصل کرسکتا ہوں نہ کوئی ضرر ہٹا سکتا ہوں، اللہ تعالیٰ جن احوال سے مجھے دوچار کرنا چاہیں: کرتے ہیں، اگر میں غیب جانتا تو میں ڈھیر سارے منافع حاصل کر لیتا، اور مجھے کوئی ضرر نہ پہنچتا، جب میں اپنی ذات سے تعلق رکھنے والے احوال سے واقف نہیں ہوں تو کائنات کے رموز کی مجھے کیا خبر؟ اللہ تعالیٰ مجھے جتنا بتاتے ہیں اتنا ہی لوگوں کو بتاتا ہوں، باقی باتیں اللہ تعالیٰ جانتے ہیں، میرا کام صرف یہ ہے کہ جو میری باتیں مانیں ان کو آخرت کی کامیابی کا مژدہ سناؤں، اور جو نہ مانیں ان کو اللہ کے عذاب سے ڈراؤں، اس سے آگے میری کوئی ذمہ داری نہیں!

﴿ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْۗءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۱۸۸ ﴾

ترجمہ: آپؐ کہہ دیں: میں خود اپنی ذات کے لئے کسی نفع ونقصان کا مالک نہیں، مگر جو اللہ تعالیٰ چاہیں، اور اگر میں غیب (پوشیدہ باتیں) جانتا تو ڈھیر سارے منافع حاصل کر لیتا، اور مجھے کوئی مضرت نہ پہنچتی، میں تو صرف ڈرانے والا اور خوش خبری سنانے والا ہوں ان لوگوں کو جو ایمان لاتے ہیں!

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَىِٕنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝۱۸۹ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَاۗءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۱۹۰ اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ

شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۝۱۹۱ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ۝۱۹۲
وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ۭ سَوَاۗءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ
صَامِتُوْنَ ۝۱۹۳ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ
فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۱۹۴ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ ۡ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ
يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ ۡ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ ۡ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ قُلِ
ادْعُوْا شُرَكَاۗءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ۝۱۹۵ اِنَّ وَلِيِّ َۧ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ
الْكِتٰبَ ڮ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ۝۱۹۶ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ
نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ۝۱۹۷ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا ۭ
وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۝۱۹۸

هُوَ الَّذِيْ	وہی ہیں جنھوں نے	حَمَلَتْ	اٹھایا اس نے	لَنَكُوْنَنَّ	(تو) ضرور ہونگے ہم
خَلَقَكُمْ	پیدا کیا تم کو	حَمْلًا خَفِيْفًا	ہلکا سا اٹھانا	مِنَ الشّٰكِرِيْنَ	شکر گذاروں میں سے
مِّنْ نَّفْسٍ	ایک نفس (ناطقہ)	فَمَرَّتْ	پس چلتی رہی وہ	فَلَمَّآ	پس جب
وَّاحِدَةٍ	سے	بِهٖ	اس کے ساتھ	اٰتٰىهُمَا	دی اللہ نے دونوں کو
وَّجَعَلَ	اور بنایا	فَلَمَّآ	پس جب	صَالِحًا	بھلی چنگی (اولاد)
مِنْهَا	اس سے	اَثْقَلَتْ	بوجھل ہوگئی وہ	جَعَلَا	بنائے دونوں نے
زَوْجَهَا (۱)	اس کا جوڑا	دَّعَوَا	(تو) پکارا دونوں نے	لَهٗ	اللہ تعالیٰ کے لئے
لِيَسْكُنَ	تاکہ آرام پکڑے وہ	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ کو	شُرَكَاۗءَ	ساجھی
اِلَيْهَا	اس کے پاس	رَبَّهُمَا	جو دونوں کا پروردگار ہے	فِيْمَآ	اس (اولاد) میں جو
فَلَمَّا	پس جب	لَىِٕنْ اٰتَيْتَنَا	بخدا! اگر دی آپ نے ہمیں	اٰتٰىهُمَا	عنایت فرمائی اس نے
تَغَشّٰىهَا	ڈھانکا مرد نے اس کو	صَالِحًا	بھلی چنگی (اولاد)		دونوں کو

(۱) زوج کے معنی ہیں: جوڑا، یعنی ایسی دو چیزیں جو مل کر ایک مقصد کی تکمیل کریں، اور بیوی یا شوہر اس کے مصداق ہیں۔

فَتَعٰلَى	پس برتر ہیں	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کے سوا	بِهَا	ان سے
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	عِبَادٌ	(وہ) بندے ہیں	قُلِ	کہو
عَمَّا يُشْرِكُوْنَ	اس سے جس کو شریک کرتے ہیں وہ	اَمْثَالُكُمْ	تم جیسے	ادْعُوْا	پکارو
		فَادْعُوْهُمْ	پس پکارو ان کو	شُرَكَآءَكُمْ	تمہارے بھاگی داروں کو
اَيُشْرِكُوْنَ	کیا شریک ٹھہراتے ہیں وہ	فَلْيَسْتَجِيْبُوْا	پس چاہیئے کہ جواب دیں وہ	ثُمَّ كِيْدُوْنِ	پس چال چلو تم میرے ساتھ
مَا لَا يَخْلُقُ	اس کو جو پیدا نہیں کرتا				
شَيْئًا	کسی چیز کو	لَكُمْ	تمہیں	فَلَا تُنْظِرُوْنِ	پس نہ ڈھیل دو تم مجھے
وَّهُمْ	اور وہ	اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم	اِنَّ وَلِيِّ ـيَ	بے شک میرا کارساز
يُخْلَقُوْنَ	پیدا کئے گئے ہیں	صٰدِقِيْنَ	سچے	اللّٰهُ	اللہ ہے
وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ	اور نہیں طاقت رکھتے وہ	اَلَهُمْ	کیا ان کے لئے	الَّذِيْ نَزَّلَ	جس نے اتاری
لَهُمْ	ان کے لئے	اَرْجُلٌ	پیر ہیں	الْكِتٰبَ	اپنی کتاب (قرآن)
نَصْرًا	مدد کرنے کی	يَّمْشُوْنَ بِهَآ	جن سے چلتے ہیں وہ	وَهُوَ	اور وہ
وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ	اور نہ اپنی ذاتوں کی	اَمْ لَهُمْ	یا ان کے لئے	يَتَوَلَّى	کارسازی کرتے ہیں
يَنْصُرُوْنَ	وہ مدد کرتے ہیں	اَيْدٍ	ہاتھ ہیں	الصّٰلِحِيْنَ	نیک بندوں کی
وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ	اور اگر بلائیں آپ ان کو	يَّبْطِشُوْنَ	پکڑتے ہیں وہ	وَالَّذِيْنَ	اور جن کو تم
اِلَى الْهُدٰى	راہ ہدایت کی طرف	بِهَآ	ان سے	تَدْعُوْنَ	پکارتے ہو
لَا يَتَّبِعُوْكُمْ	نہ پیروی کریں وہ تمہاری	اَمْ لَهُمْ	یا ان کے لئے	مِنْ دُوْنِهٖ	اللہ کے سوا
سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ	یکساں ہے تم پر	اَعْيُنٌ	آنکھیں ہیں	لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ	نہیں طاقت رکھتے وہ
اَدَعَوْتُمُوْهُمْ	کیا پکاریں آپ ان کو	يُّبْصِرُوْنَ	دیکھتے ہیں وہ	نَصْرَكُمْ	تمہاری مدد کرنے کی
اَمْ اَنْتُمْ	یا ہوں آپ لوگ	بِهَآ	ان سے	وَلَآ اَنْفُسَهُمْ	اور نہ وہ اپنی
صَامِتُوْنَ	خاموش رہنے والے	اَمْ لَهُمْ	یا ان کے لئے	يَنْصُرُوْنَ	مدد کرتے ہیں
اِنَّ الَّذِيْنَ	بے شک جن کو	اٰذَانٌ	کان ہیں	وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ	اور اگر بلاؤ تم ان کو
تَدْعُوْنَ	پکارتے ہو تم	يَّسْمَعُوْنَ	سنتے ہیں وہ	اِلَى الْهُدٰى	راہ ہدایت کی طرف

لَا يَسْمَعُوْا	تو نہ سنیں وہ	يَنْظُرُوْنَ	تک رہے ہیں وہ	وَهُمْ	درانحالیکہ وہ
وَتَرٰىهُمْ	اور دیکھتا ہے تو ان کو	اِلَيْكَ	تیری طرف	لَا يُبْصِرُوْنَ	نہیں دیکھتے

ردّ اشراک کا بیان

ردّ اشراک بھی توحید ہی کا مضمون ہے، پس یہ توحید کی طرف عود (لوٹنا) ہے ـــــ اور ان آیات میں تین باتیں ہیں:

پہلی بات: تمہید ہے، اللہ تعالیٰ نے نوع انسانی کا پہلا جوڑا بنایا، آدم وحواء علیہما السلام کو پیدا کیا، پھر مرد وزن کا جوڑا بنانے کی حکمت بیان کی ہے، پھر اس شرک کا بیان ہے جو جاہل مسلمانوں میں پایا جاتا ہے۔

دوسری بات: پھر اس شرک کی پرزور تردید کی ہے جو مشرکین میں پایا جاتا ہے، اور مورتیوں کا بے حیثیت ہونا بیان کیا ہے۔

تیسری بات: پھر یہ بیان ہے کہ مشرکین نبی ﷺ کو بتوں سے ڈراتے ہیں، اس کا جواب دیا ہے کہ مورتیاں اللہ کے رسول کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کے کارساز ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہی نے نوع انسانی کا پہلا جوڑا بنایا

حیوانات کی تمام انواع کے پہلے جوڑے (نر مادہ) اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کئے ہیں، پھر ان میں توالد وتناسل کا سلسلہ قائم کیا ہے، چنانچہ آدم وحواء علیہما السلام کو بھی جو انسان کے نفس ناطقہ کی دو صنفیں ہیں: مٹی سے پیدا کیا ہے، تفصیل سورۃ النساء کے شروع میں گذر چکی ہے، اور اس تمہید کا آگے کے مضمون سے تعلق یہ ہے کہ جب پہلا جوڑا اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے تو آگے کے جوڑے بھی اسی نے پیدا کئے ہیں، پھر ان میں غیر اللہ کو شریک کرنے کا کیا جواز ہے؟

اور انسانوں کا جوڑا بنانے میں حکمت: یہ ہے کہ زوجین کو ایک دوسرے سے سکون ملے، اور ﴿ لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ﴾ میں اصلی مضمون ہے، دوسرا تابع مضمون فہم سامع پر اعتماد کر کے چھوڑ دیا ہے، پوری بات یہ ہے: ''تاکہ مرد کو عورت کے پاس سکون ملے اور عورت کو مرد کے پاس'' جب مرد زندگی کے جھمیلوں سے پریشان ہو کر گھر لوٹتا ہے، اور خوش نصیب بیوی سے دو گھڑی باتیں کرتا ہے تو سارا غم غلط ہو جاتا ہے، اسی طرح بیوی بھی شوہر کی مشتاق رہتی ہے، شوہر کے لوٹنے میں تاخیر ہو جائے تو وہ بے تاب ہو جاتی ہے ـــــ جوڑا بنانے کا یہ بڑا فائدہ ہے۔

اور جوڑے سے نسل پھیلانا چھوٹا فائدہ ہے، اس لئے کہ نسل تو اللہ تعالیٰ جوڑے کے بغیر بھی پھیلاتے ہیں، بے شمار فرشتے اللہ تعالیٰ نے جوڑے کے بغیر پیدا کئے ہیں، اسی طرح بہت سی مخلوقات ـــ کیڑے وغیرہ ـــ اللہ تعالیٰ زمین سے راست پیدا کرتے ہیں، اس لئے افزائشِ نسل جوڑے کا ضمنی فائدہ ہے، اصل فائدہ ایک کا دوسرے سے راحت پانا ہے،

اس لئے زوجین میں محبت ومودت پیدا کی ہے، پس یہ فائدہ انسان کے ساتھ خاص ہے، دیگر حیوانات بوقتِ ضرورت ملتے ہیں، اور قرآن میں اس تمہید کے آخر میں وقفِ جائز کی علامت (ج) بنائی ہے یعنی یہ مستقل مضمون ہے، اگلے مضمون میں اس سے استدلال کیا جائے گا۔

اس شرک کا بیان جو جاہل مسلمانوں میں پایا جاتا ہے

پہلے جوڑے سے انسانوں کی نسل چلی، آگے کا حال یہ ہے کہ جب مرد نے عورت سے فطری خواہش پوری کی تو عورت حاملہ ہوگئی، شروع میں حمل کا احساس نہیں ہوتا، عورت معمول کے مطابق زندگی گذارتی ہے، مگر جب وقت پر ماہواری نہیں آتی تو عورت کا ماتھا ٹھنکتا ہے، پھر جب پیٹ بڑھ جاتا ہے اور حمل کا یقین ہوجاتا ہے تو میاں بیوی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں: ''الٰہی! ہمیں بھلی چنگی اولاد عنایت فرما، ہم شکر گذار ہونگے!'' مگر جب ان کی تمنا برآتی ہے، اور گود بھر جاتی ہے تو نظر اللہ سے ہٹ جاتی ہے، اور نبی بخش، ولی بخش، غلام محمد، غلام نبی وغیرہ نام رکھ دیا جاتا ہے اور کوئی تو یہ اعتقاد جمالیتا ہے کہ فلاں زندہ یا مردہ پیر نے یہ اولاد دی ہے، چنانچہ وہ اسی کے نام کی نذر بھرتا ہے یا بچہ کو اس کے آستانہ پر یا مزار پر لے جاکر ماتھا ٹیکتا ہے، یہ کیا ہے؟ محض جہالت! کسی بڑی سے بڑی مخلوق کا اولاد میں کچھ حصہ نہیں، اللہ تعالیٰ ہی اولاد عنایت فرماتے ہیں، انسانوں کا پہلا جوڑا بھی انھوں نے ہی پیدا کیا ہے، اس میں کوئی شریک نہیں تھا، اب پیر مرشد یا نبی ولی کہاں سے شریک ہوگئے؟ اللہ تعالیٰ لوگوں کے شرک سے برتر وبالا ہیں!

فائدہ: عبدالحارث نام رکھنے کی حضرت سمرۃ رضی اللہ عنہ کی جو مرفوع حدیث ترمذی اور حاکم میں ہے وہ متعدد وجوہ سے معلول ہے، ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس پر جرح کی ہے، تفصیل تحفۃ الالمعی (۷: ۲۵۰) میں ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی آیت کی یہ تفسیر کی ہے کہ آدم علیہ السلام نے شرک نہیں کیا، بلکہ آیت کا شروع کا حصہ شکر پر مشتمل ہے اور آخری حصہ میں بعد کے لوگوں کی حالت کا نقشہ کھینچا ہے: **ما أشرک آدم، إن أولها شكر، وآخرها مَثَلٌ ضربه لمن بعده** (درمنثور)

آیت کا شروع کا حصہ: ہمارے اکابر نے آیت کے ابتدائی حصہ کو حضرت آدم وحواء سے متعلق کیا ہے، فوائد شبیری میں ہے: ''بیشک ابتداءً: ﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾ میں بطور تمہید آدم وحواء کا ذکر تھا، مگر اس کے بعد مطلق مرد وعورت کے ذکر کی طرف منتقل ہوگئے، اور ایسا بہت جگہ ہوتا ہے کہ شخص کے ذکر سے جنس کے ذکر کی طرف منتقل ہوجاتے ہیں''...... لیکن اگر اس کو شکر کا عام مضمون قرار دیا جائے، جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہے، تو یہ اور بھی اچھی بات ہوگی، اس صورت میں آیت کے ابتدائی حصہ کا مطلب یہ ہوگا کہ خدا کی اس نعمت کو یاد

کرو کہ اس نے تم کو نفسِ انسانی سے پیدا کیا، کسی اور نفسِ حیوانی سے پیدا نہیں کیا، یعنی تمہیں اشرف المخلوقات بنایا...... پھر دوسرا احسان یہ فرمایا کہ اس کا جوڑا بھی اسی جنس سے بنایا، تاکہ تھکے ماندے مرد کو اہلیہ کے پاس پہنچ کر سکون ملے، اگر جوڑا خلافِ جنس سے بنا دیا جاتا تو یہ راحت وسکون کہاں نصیب ہوتا؟ لیکن ناہنجار انسان نے ان دونوں نعمتوں کا شکر کس طرح ادا کیا؟ اس طرح کہ جب زوجین میں مقاربت ہوئی اور حمل ٹھہرا، تو شروع شروع میں تو حمل کا پتہ ہی نہیں چلا، عورت حسب معمول چلتی پھرتی رہی، مگر جب پیٹ بھاری ہوگیا، اور حمل کا یقین ہوگیا تو لگے دونوں گڑگڑانے کہ پروردگار! اگر آپ ہمیں بھلا چنگا بچہ دیں گے تو ہم شکر گذار ہونگے، مگر جب اللہ تعالیٰ نے اس تیسری نعمت سے بھی بہرہ ور فرمادیا تو دونوں نے اللہ کے لئے ساجھی بنائے اس بچہ میں جو اللہ نے ان کو دیا یعنی اس تیسری نعمت کی اس طرح ناشکری کی کہ کسی نے تو عقیدہ جمالیا کہ یہ اولاد فلاں زندہ یا مردہ ولی نے ہمیں دی ہے، اور کسی نے غیر اللہ کی نذر ونیاز شروع کردی، اور کسی نے بچہ کو لے جا کر کسی چوکھٹ کے سامنے اس کی پیشانی ٹیک دی، اور کسی نے بچہ کا نام ایسا رکھ دیا جس سے شرک کی بو آتی ہے، جیسے نبی بخش، غلام رسول، اور غلام جیلانی وغیرہ، غرض مانگا اللہ سے، دیا اللہ نے اور نام لگا دیا غیروں کے!

﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْكُنَ اِلَیْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِیْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّاۤ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَىِٕنْ اٰتَیْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ ﴿۱۸۹﴾ فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِیْمَاۤ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۰﴾﴾

ترجمہ: وہی (اللہ تعالیٰ) ہیں جنھوں نے تم کو ایک نفس (ناطقہ) سے پیدا کیا، اور اس سے اس کا جوڑا بنایا، تاکہ مرد عورت سے سکون پائے —— اور عورت مرد سے چین پائے —— پس جب مرد نے عورت کو ڈھانکا —— مقاربت کی —— تو عورت نے ہلکا سا بوجھ اٹھایا —— یعنی حاملہ ہوگئی —— پس وہ اس کے ساتھ چلتی رہی —— یعنی اس کو حمل کا احساس تک نہ ہوا —— پس جب وہ بوجھل ہوگئی تو دونوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی —— جو ان دونوں کے پروردگار ہیں! —— "بخدا! اگر آپ نے ہمیں بھلی چنگی اولاد عنایت فرمائی تو ہم ضرور شکر گذار ہونگے!" —— پھر جب اللہ تعالیٰ نے دونوں کو بھلی چنگی اولاد عنایت فرمائی تو لگے دونوں اللہ کے ساجھی بنانے اس اولاد میں جو اللہ نے ان کو عنایت فرمائی، پس اللہ تعالیٰ برتر وبالا ہیں اس سے جس کو وہ شریک ٹھہراتے ہیں!

اس شرک کی تردید جس میں مورتی پجاری مبتلا ہیں

گذشتہ آیت کا آخر ہے: ﴿فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ﴾: اللہ تعالیٰ لوگوں کے شرک سے بلند وبالا ہیں! یعنی کہاں ذاتِ عالی اور کہاں لوگوں کے تجویز کئے ہوئے شرکاء! کوئی اللہ تعالیٰ کا ہم سر ہو تو بھاگی دار ہو! —— اور لوگ جس شرک

میں مبتلا ہیں اس کی دو قسمیں ہیں: ایک: وہ شرک جو جاہل مسلمانوں میں پایا جاتا ہے، اس کا بیان ہو چکا، دوسرا: وہ شرک جو صنم پرستوں میں پایا جاتا ہے، اب اس کی تردید فرماتے ہیں، اور پانچ طرح تردید فرمائی ہے، اور تردید میں اوپر سے نیچے اترے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ صنم پرستی کی بنیاد اکابر پرستی ہے، قبر پرستی کی بھی یہی بنیاد ہے، مورتی اور قبر: شبیہ ہے کسی نبی ولی کی، لوگ درحقیقت اس نبی یا ولی کو پوجتے ہیں، لوگ جس کے عقیدت مند ہوتے ہیں اس کا فوٹو یا مورت کھڑی کرتے ہیں، اور اس کے سامنے ڈنڈوت کرتے ہیں اور اس سے استمداد کرتے ہیں، مگر وہ حقیقت میں ذی صورت سے یہ معاملہ کرتے ہیں۔

صنم پرستوں سے پانچ سوال:

۱- مشرکین جن مورتیوں کی پوجا کرتے ہیں انھوں نے کوئی چیز پیدا کی ہے؟ —— نہیں! بلکہ وہ خود مخلوق ہیں، کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ نے پیدا کیا ہے، نبی اور ولی کو بھی اللہ نے پیدا کیا ہے، پس جو خالق نہیں وہ معبود کیسا؟

۲- اچھا بتاؤ! اگر مورتیاں خالق نہیں تو وہ مشرکین کی کچھ مدد کر سکتی ہیں؟ —— مدد تو ایک انسان دوسرے انسان کی بھی کرتا ہے، مدد کرنے کے لئے ناصر کا خالق ہونا ضروری نہیں مگر مورتیاں تو اپنے پجاریوں کی مدد بھی نہیں کر سکتیں، بلکہ اگر کوئی ان پر چڑھ بیٹھے یا ان کو توڑنے پھوڑنے لگے تو وہ اس کو ہٹا بھی نہیں سکتیں، ایسی بے بس شکلوں کو وہ کیا پوجتے ہیں!

۳- اچھا چلو! اگر یہ مورتیں کچھ مدد نہیں کر سکتیں تو وہ اپنے پجاریوں کی پکار ذو شبیہ کو پہنچا سکتی ہیں تاکہ وہی کچھ مدد کریں؟ ٹیلی فون: بے جان آلہ ہے، مگر وہ بات دوسرے تک پہنچاتا ہے اور وہ دوسرا امداد کرتا ہے۔

یہاں یہ صورت بھی نہیں، بھینس کے سامنے بین بجائیں بھینس کھڑی جگالے، بے وقوف سے کچھ کہنا نہ کہنا برابر ہے! لوگ ایسی مورت کی کیا پوجا کرتے ہیں جو ٹیلی فون سے بھی گئی گذری ہے!

۴- اچھا چلو! اگر یہ مورتیاں ذی مورت کو پیغام پہنچا دیں تو جان لو کہ مورتیاں جن کے پیکر ہیں وہ تمہیں جیسے بندے ہیں، وہ تمہیں کوئی جواب نہیں دیں گے، تمہاری آواز صدا بصحراء ثابت ہوگی، اگر تم سچے ہو کہ یہ مورتیاں ان کا پیکر ہیں تو ان ذی صورت کو پکار دیکھو، پھر دیکھو! وہ تمہیں کوئی جواب دیتے ہیں؟ صدا برنخواست کا معاملہ ہوگا!

۵- اور اگر مشرکین کا خیال ہو کہ مورتیاں جن کی شبیہ ہیں وہ بولیں گے نہیں، البتہ وہ ڈور ہلائیں گے اور پتلیاں ناچیں گی! تو سنو! ان مورتیوں کے پاس چلنے والے پیر، پکڑنے والے ہاتھ، دیکھنے والی آنکھیں اور سننے والے کان کہاں ہیں؟ وہ تو محض بت بنی کھڑی ہیں، وہ ناچیں بھی تو کیا ناچیں گی؟ جنگل میں مور ناچا، کس نے دیکھا!

خلاصہ: مشرکین کس امید پر ان صورتوں کو پوجتے ہیں، ان سے کسی طرح کی نفع رسانی ممکن نہیں، اللہ تعالیٰ کی بندگی

کیوں نہیں کرتے، وہ خالق بھی ہیں ناصر بھی، وہ بندوں کی دعائیں سنتے ہیں، وہ قادر مطلق ہیں اور اسباب کے مالک ہیں، جس کے لئے چاہتے ہیں اسباب موافق کردیتے ہیں اور اس کا کام بن جاتا ہے۔

﴿ اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿۱۹۱﴾ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۲﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ۭ سَوَاۗءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ﴿۱۹۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ ۡ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ ۡ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ ۡ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ ﴾

ترجمہ: (۱) کیا وہ (مشرکین) اس کو شریک ٹھہراتے ہیں جس نے کوئی بھی چیز پیدا نہیں کی، اور وہ پیدا کئے گئے ہیں (۲) اور نہ وہ ان کی مدد کرنے کی طاقت رکھتے ہیں، اور نہ وہ اپنی ذاتوں کی مدد کرتے ہیں (۳) اور اگر آپ ان کو سیدھے راستے کی طرف بلائیں تو وہ آپ کا فولو (Follow) نہ کریں، ان پر یکساں ہے: خواہ آپ ان کو بلائیں یا آپ خاموش رہنے والے ہوں! (۴) بے شک جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو ـــــ یعنی مورتیں جن کی صورت ہیں ـــــ وہ تمہیں جیسے بندے ہیں ـــــ اور دلیل یہ ہے کہ تم ان کو پکارو ـــــ پس چاہئے کہ وہ تمہیں جواب دیں اگر تم سچے ہو ـــــ کہ ان مورتیوں کے پیچھے ذی مورت ہیں ـــــ (۵) کیا ان کے پیر ہیں جن سے وہ چلتے ہیں؟ یا ان کے ہاتھ ہیں جن سے وہ پکڑتے ہیں؟ یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے ہیں؟ یا ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے ہیں؟ ـــــ نہیں کچھ بھی نہیں، پھر وہ کیا ناچیں گی؟ اور تمہارے کیا کام آئیں گی؟

مشرکین نبی ﷺ کو مورتیوں سے ڈراتے ہیں

جب مورتیوں کو کنڈم کیا تو مشرکین نے نبی ﷺ سے کہا: ''ہماری مورتیوں سے ڈرو، ان کی برائی مت کرو، وہ تمہارا ستیاناس کردیں گی!'' ـــــ ان کو جواب دو کہ اپنے شرکاء کو بلالاؤ، وہ میرے ساتھ چال چل دیکھیں، اور مجھے لحہ بھر کی مہلت نہ دیں، وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گی، میرے کارساز اللہ تعالیٰ ہیں، اور جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے! اور اللہ تعالیٰ نے مجھ پر قرآن نازل کیا ہے، یہ میری نیکی کی دلیل ہے، نیک بندوں ہی پر اللہ اپنا پیغام اتارتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی کارسازی فرماتے ہیں۔

اور تمہارے معبود تمہاری مدد کرنے کی طاقت نہیں رکھتے، کیونکہ وہ اپنی ذاتوں کی مدد نہیں کرسکتے، اگر کوئی ان کا گھوڑا

بنائے یا ان کو توڑے پھوڑے تو وہ ہوں' تک نہیں کر سکتے، اور وہ جن کی شبیہ ہیں ان کو اطلاع تک نہیں کر سکتے، وہ ٹکٹکی باندھے دیکھتے ہیں مگر کچھ نہیں دیکھتے، ان سے کیا میں ڈروں؟ وہ اپنا کام کریں، میں اپنا کام کرتا ہوں۔

﴿قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ۝ اِنَّ وَلِيِّ َۧ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۚۖ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ۝ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا ۭ وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: کہو: تم اپنے شرکاء کو پکارو، پھر تم میرے ساتھ چال چلو، اور مجھے ذرا مہلت نہ دو، بے شک اللہ تعالیٰ میرے رکھوالے ہیں، جنھوں نے (مجھ پر) اپنی کتاب نازل کی ہے —— جو میری نیکی کی دلیل ہے —— اور وہ نیک بندوں کی کارسازی فرماتے ہیں —— پس وہ میری بھی بگڑی بنائیں گے۔

اور جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو —— یعنی عبادت کرتے ہو —— وہ تمہاری مدد کرنے کی طاقت نہیں رکھتے، اور نہ وہ اپنی ذاتوں کی مدد کر سکتے ہیں، اور اگر تم ان کو سیدھی راہ کی طرف بلاؤ تو وہ نہیں سنیں گے، اور آپ ان کو دیکھتے ہیں کہ وہ آپ کی طرف دیکھتے ہیں، حالانکہ وہ نہیں دیکھتے!

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ۝ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰۗىِٕفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ۝ۚ وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ۝ وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ۭ قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ۚ هٰذَا بَصَاۗىِٕرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ۝۩

ع ۲۴ / ۱۴

خُذِ	اپنائیں آپ	تَذَكَّرُوْا	(تو وہ اللہ کو) یاد کرتے ہیں	اِلَيَّ	میری طرف
الْعَفْوَ[1]	درگذر کو	فَاِذَا هُمْ	پس اچانک وہ	مِنْ رَّبِّيْ	میرے رب کی طرف سے
وَاْمُرْ	اور حکم دیں	مُّبْصِرُوْنَ	دیکھنے والے ہیں	هٰذَا بَصَآئِرُ	یہ بصیرتیں ہیں
بِالْعُرْفِ[2]	نیکی کا	وَاِخْوَانُهُمْ	اور ان کے برادر	مِنْ رَّبِّكُمْ	تمہارے رب کی
وَاَعْرِضْ	اور روگردانی کریں	يَمُدُّوْنَهُمْ	گھسیٹتے ہیں ان کو		طرف سے
عَنِ الْجٰهِلِيْنَ	جاہلوں سے	فِي الْغَيِّ	گمراہی میں	وَهُدًى	اور راہ نمائی
وَاِمَّا[3]	اور اگر	ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ	پس وہ باز نہیں آتے	وَّرَحْمَةٌ	اور مہربانی ہے
يَنْزَغَنَّكَ[4]	کچوکا لگے آپ کو	وَاِذَا	اور جب	لِّقَوْمٍ	ان لوگوں کے لئے
مِنَ الشَّيْطٰنِ	شیطان کی طرف سے	لَمْ تَاْتِهِمْ	نہیں لائے آپ ان	يُّؤْمِنُوْنَ	(جو) ایمان لاتے ہیں
نَزْغٌ	کوئی کچوکا		کے پاس	وَاِذَا قُرِئَ	اور جب پڑھا جائے
فَاسْتَعِذْ	تو پناہ مانگ لیں آپ	بِاٰيَةٍ	کوئی نشانی	الْقُرْاٰنُ	قرآن
بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کی	قَالُوْا	(تو) کہتے ہیں	فَاسْتَمِعُوْا	تو کان لگا کر سنو
اِنَّهٗ سَمِيْعٌ	بے شک وہ سننے والے	لَوْلَا	کیوں نہیں	لَهٗ	اس کو
عَلِيْمٌ	خوب جاننے والے ہیں	اجْتَبَيْتَهَا[6]	چن لائے آپ اس	وَاَنْصِتُوْا	اور خاموش رہو
اِنَّ الَّذِيْنَ	بیشک جن لوگوں نے		معجزہ کو؟	لَعَلَّكُمْ	تا کہ تم
اتَّقَوْا	تقوی اختیار کیا	قُلْ	کہو	تُرْحَمُوْنَ	مہربانی کئے جاؤ
اِذَا مَسَّهُمْ	جب چھوتا ہے ان کو	اِنَّمَآ	اس کے سوا نہیں کہ	وَاذْكُرْ	اور یاد کرو
طٰٓئِفٌ[5]	کوئی خیال (وسوسہ)	اَتَّبِعُ	میں پیروی کرتا ہوں	رَّبَّكَ	اپنے پروردگار کو
مِّنَ الشَّيْطٰنِ	شیطان کی طرف سے	مَا يُوْحٰٓى	(اس کی) جو وحی کیا گیا ہے	فِيْ نَفْسِكَ	اپنے دل میں

(۱) العفو: عفا یعفو کا مصدر ہے، متعلق کے اعتبار سے اس کے معانی مختلف ہوتے ہیں، عَفَا ذنبہ: گناہ معاف کیا، درگذر کیا (۲) العُرف: اسم بمعنی اسم مفعول ہے: ہر پسندیدہ نیک کام (۳) اِما: اِن شرطیہ کا ما زائدہ میں ادغام ہوا ہے (۴) نَزَغَ فلانا: کسی کے انگلی چبھونا، کچوکا لگانا، مجازی معنی: وسوسہ ڈالنا۔ (۵) طائف: اسم فاعل، طاف یطوف طَوفا وَطَوَافًا: گھومنا، کسی چیز کے گرد چکر کاٹنا، اور بطور استعارہ: وسوسہ، خیال۔ (۶) اجتِبَاء: چھانٹ لینا، چن لینا، پسند کرنا۔

تَضَرُّعًا	گڑگڑاتے	وَلَا تَكُنۡ	اور نہ ہوؤ تم	لَا يَسۡتَكۡبِرُوۡنَ	گھمنڈ نہیں کرتے ہیں
وَّخِيۡفَةً (۱)	اور ڈرتے	مِّنَ الۡغٰفِلِيۡنَ	بے خبر ہونے والوں	عَنۡ عِبَادَتِهٖ	اللہ کی بندگی سے
وَّدُوۡنَ الۡجَهۡرِ	اور آواز بلند کئے بغیر		میں سے	وَ يُسَبِّحُوۡنَهٗ	اور پاکی بیان کرتے
مِنَ الۡقَوۡلِ	زبان سے	اِنَّ الَّذِيۡنَ	بے شک جو فرشتے		ہیں وہ ان کی
بِالۡغُدُوِّ	صبح میں	عِنۡدَ رَبِّكَ	آپ کے رب کے	وَلَهٗ	اور اس کے لئے
وَالۡاٰصَالِ (۲)	اور زوال سے رات تک میں		پاس ہیں	يَسۡجُدُوۡنَ	سجدہ کرتے ہیں

رسالت کا بیان

ابھی ایک آیت (نمبر۱۸۴) میں رسالت کا بیان آچکا ہے، مگر وہ بیان مختصر تھا، اب مفصل ہے، پس یہ رسالت کی طرف عَود (لوٹنا) ہے، اسی پر سورت ختم ہوگی، اور اگلی سورت اسی مضمون سے شروع ہوگی، اس وجہ سے رسالت کی تفصیل مؤخر کی ہے تاکہ دونوں سورتیں مربوط ہوجائیں۔

نبی ﷺ کے بلند اخلاق

گذشتہ آیات میں بت پرستی کو حماقت بھرا کام کہا ہے، اس لئے ممکن تھا کہ جاہل مشرکین طیش میں آکر نبی ﷺ کی شانِ اقدس میں کوئی نامناسب حرکت کر بیٹھتے یا کوئی نازیبا بات بول دیتے، اور آپ اس کا ترکی بہ ترکی جواب دیتے تو بات بگڑتی اور دعوت کے کام کو نقصان پہنچتا: اس لئے آپ کو تین حکم دیتے ہیں:

۱- نبی ﷺ عفو ودرگذر کو عادت بنالیں، لوگ ناشائستہ حرکت کریں تو ان کو معاف کردیں، چنانچہ بےتمیزی کا برتاؤ کرنے والوں سے درگذر کرنے کے واقعات سے سیرتِ پاک بھری پڑی ہے۔

۲- آپ ﷺ لوگوں کو اچھے کاموں کا حکم دیں: مثبت پہلو سے بھی اور منفی پہلو سے بھی، آپ اپنی امت کو بھی مجرم سے درگذر کرنے کا حکم دیں: یہ بھی نیک کام کا حکم دینا ہے۔

۳- آپ نادانوں کی نادانی کی طرف دھیان نہ دیں، ان کی جہالت آمیز حرکتوں پر ان سے نہ الجھیں، جو عفو ودرگذر کا

---

(۱) خيفة: خاف يخاف کا مصدر ہے: ڈر، خوف......اور اسی سورت کی (آیت ۵۵) میں خُفْيَة ہے، یہ إخفاء سے ہے، جس کے معنی ہیں: چپکے، پوشیدہ (۲) آصال: أصيل کی جمع: زوال سے رات چھانے تک کا وقت، اردو میں اس کے لئے کوئی لفظ نہیں، شام سے پورا مفہوم ادا نہیں ہوتا، اس کا ہم معنی العشی ہے، مفردات امام راغب میں ہے: العشی: من زوال الشمس إلی الصباح: سورج ڈھلنے سے صبح تک کا وقت۔

عادی ہو: یہ کام اس کی شان کے خلاف ہے۔

یہ تینوں احکام ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں، اور اگر کسی وقت بشریت کے تقاضے سے کسی کی نامعقول حرکت پر غصہ آجائے تو آپؐ اللہ کی پناہ طلب کریں، کیونکہ جب غصہ کا بھوت چڑھتا ہے تو آدمی آپے سے باہر ہوجاتا ہے، ایسے وقت مشکل کشا کا سہارا لینا ضروری ہے، وہ سب کی سنتے ہیں اور سب کی حالت سے واقف ہیں، وہ شیطانی حرکت (غصہ) کا مداوا کریں گے۔ اس میں اشارہ ہے کہ ناشائستہ حرکت کرنے والے سے درگذر کرنا مشکل کام ہے، خاص طور پر جب پارہ چڑھ جائے، چنانچہ برے برتاؤ کے جواب میں اچھا برتاؤ کرنے کا حکم قرآنِ کریم میں تین جگہ آیا ہے: ایک: یہاں، دوسرے: سورۃ المؤمنین (آیت ۹۶) میں، تیسرے: سورۃ حٰم السجدۃ (آیت ۳۴) میں: تینوں جگہ غصہ دلانے والے سے عفوودرگذر کے حکم کے بعد شیطان سے پناہ مانگنے کی ہدایت ہے۔

جہالت آمیز باتوں سے درگذر کرنے کی ایک مثال:

بخاری شریف (حدیث ۴۶۴۲) میں حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں: عیینۃ بن حصن فزاری (مدینہ) آیا، اور اپنے بھتیجے حرّ بن قیس کا مہمان بنا، اور حرّان لوگوں میں سے تھے جن کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے قریب کرتے تھے، اور قراء (علماء) حضرت عمرؓ کے ہم مجلس اور ہم مشورہ ہوتے تھے، خواہ ادھیڑ ہوں یا جوان، پس عیینہ نے اپنے بھتیجے سے کہا: بھتیجے! تیرا ایک مقام ہے اس امیر کے نزدیک، پس تو میرے لئے اس سے ملنے کی اجازت لے، حرّ نے کہا: میں عنقریب آپ کے لئے ان سے ملنے کی اجازت لونگا۔

ابن عباسؓ کہتے ہیں: پس حرّ نے عیینہ کے لئے اجازت طلب کی، حضرت عمرؓ نے اس کو اجازت دیدی، پس جب وہ ان کے پاس پہنچا تو کہا: ہائے خطاب کے لڑکے! بخدا! تو ہم کو بہت سارا مال نہیں دیتا، اور تو ہمارے درمیان انصاف سے حکومت نہیں کرتا، پس حضرت عمرؓ غضبناک ہوئے، یہاں تک کہ آپؓ نے اس کو سزا دینے کا ارادہ کیا، پس ان سے حرّ نے کہا: اے امیر المؤمنین! اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا ہے کہ درگذر کی عادت ڈالیں، اور بھلی بات کا حکم دیں اور نادانوں سے روگردانی کریں، اور بے شک یہ شخص نادانوں میں سے ہے! پس بخدا! حضرت عمرؓ اس آیت سے آگے نہیں بڑھے جب حرّ نے وہ آیت آپؓ کے سامنے پڑھی، اور حضرت عمرؓ کتاب اللہ کے پاس بہت زیادہ ٹھہر جانے والے تھے۔

غصہ چڑھے تو أعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کہہ لے، قابو میں نہ آئے تو درود شریف کا ورد کرے، پھر بھی شیطان نہ بھاگے تو حالت بدل لے، کھڑا ہو تو بیٹھ جائے اور بیٹھا ہو تو لیٹ جائے، اب بھی معاملہ قابو میں نہ آئے تو وضوء کرے، ان شاء اللہ کام بن جائے گا

﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ۝ وَإِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ إِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝﴾

ترجمہ: آپؐ درگذر کی عادت بنالیں، اور نیک کاموں کا حکم دیں، اور نادانوں کی طرف دھیان نہ دیں، اور اگر آپؐ کو شیطان کی طرف سے کوئی چھوٹا بڑا کچوکہ لگے تو آپؐ اللہ کی پناہ طلب کریں، بے شک وہ خوب سننے والے، سب کچھ جاننے والے ہیں!

متقی بندے نبی ﷺ کے نقشِ قدم پر ہوتے ہیں

پہلے خطاب خاص نبی ﷺ سے تھا، اگرچہ حکم استعاذہ میں امت بھی شامل تھی، اب عام متقیوں کا حال بیان کرتے ہیں، عام پرہیزگاروں کی طرف شیطان کا گذر ہوسکتا ہے، مستبعد نہیں، اور وہ کوئی چرکا بھی لگا سکتا ہے، مگر وہ اس کے کچوکے سے ممتد غفلت میں نہیں پڑتے، اللہ کو یاد کرتے ہیں اور چونک پڑتے ہیں، ٹھوکر لگتی ہے مگر سنبھل جاتے ہیں، ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور غفلت کا پردہ ہٹ جاتا ہے، یہی لوگ نبی ﷺ کے پیروکار ہیں!

اور جن لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا ڈر نہیں، جن کو شیاطین کا بھائی بند کہنا چاہئے: ان کو شیطان گمراہی میں گھسیٹتے رہتے ہیں، اس لئے وہ گمراہی سے باز نہیں آتے، گمراہی میں پیر پسارتے رہتے ہیں، یا وہ شیطان کوتاہی نہیں کرتے اضلال میں۔ إقصار کے دو معنی ہیں: باز رہنا اور کمی کرنا، حاصل دونوں معنی کا ایک ہے۔

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَإِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ۝ وَإِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: بے شک جو لوگ تقوی شعار ہیں: جب ان کو کوئی شیطانی وسوسہ چھولیتا ہے تو وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں، پس یکا یک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں —— اور ان (گمراہوں) کے برادران کو گمراہی میں گھسیٹتے ہیں، پس وہ باز نہیں آتے!

نبی ﷺ کا منتخب معجزہ قرآنِ کریم ہے

مشرکین طرح طرح کے معجزات طلب کرتے تھے، جن کا دکھلانا حکمت کا تقاضا نہیں ہوتا تھا، اس لئے وہ کہتے تھے کہ آپ مختلف معجزات دکھلاتے ہیں، ہمارے مطلوبہ معجزات کیوں نہیں دکھلاتے؟ ان کو چھانٹ کر لائیے نہ!

جواب دو: تمہارے مطلوبہ معجزات میرے اختیار میں نہیں، میرا سب سے بڑا معجزہ قرآنِ کریم ہے جو میری طرف وحی کیا گیا ہے، میں اسی کی پیروی کرتا ہوں اور اسی کو لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہوں، اس میں بصیرت افروز مضامین ہیں، ان

میں غور کیوں نہیں کرتے؟ ایک امی جس نے کسی سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا اس کی زبان پر جاری یہ کلام سب سے بڑا علمی، ادبی اور دائمی معجزہ ہے، اس کے بعد کسی دوسرے معجزے کی کیا ضرورت باقی رہتی ہے؟ اور قرآنِ کریم ایمان لانے والوں کے لئے راہ نما اور رحمت ہے، تم اس کی راہ نمائی اور رحمت سے حصہ کیوں نہیں لیتے؟

﴿ وَإِذَا لَمْ تَأْتِهِمْ بِآيَةٍ قَالُوا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ۚ قُلْ إِنَّمَا أَتَّبِعُ مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ مِنْ رَبِّي ۚ هَٰذَا بَصَائِرُ مِنْ رَبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور جب آپ ان (مشرکین) کے پاس کوئی (ان کی مطلوبہ) نشانی نہیں لائے ـــــ یعنی نہیں دکھلاتے ـــــ تو وہ کہتے ہیں: ''آپ ان (مطلوبہ) معجزات کو چھانٹ کر کیوں نہیں لائے؟ ـــــ آپ جواب دیں: ''میں اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے پروردگار کی طرف سے میری طرف وحی کی گئی ہے، یہ (قرآن) تمہارے پروردگار کی طرف سے بصیرتیں ہے، اور ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں راہ نمائی اور مہربانی ہے!''

قرآنِ کریم سے انتفاع کی شرط: استماع وانصات

قرآنِ کریم نبی ﷺ کا منتخب (چنیدہ) معجزہ ہے، علم وبصیرت کی کھان، راہ نما اور رحمت ہے، مگر اس سے انتفاع کے لئے شرط یہ ہے کہ اس کو پوری توجہ سے کان لگا کر سنا جائے، اس کے مضامین میں غور کیا جائے اور اس کی بصیرت افروز باتوں سے فائدہ اٹھایا جائے، اگر منکرین اسلام قرآن کو اس طرح سنیں تو کیا بعید ہے کہ وہ مشرف بہ اسلام ہو جائیں، اور پہلے سے مسلمان ہوں تو اللہ کے ولی (دوست) بن جائیں، ورنہ کم از کم اجر وثواب کے حقدار ہو جائیں۔

اور خاموش رہ کر سننا اس لئے ضروری ہے کہ اگر کچھ پڑھ بھی رہا ہے اور سن بھی رہا ہے تو وہ پوری توجہ سے نہیں سن سکتا، نہ سنی ہوئی بات میں غور کر سکتا ہے، سنی ہوئی بات کی طرف کامل توجہ اسی وقت ہو سکتی ہے کہ وہ خاموشی کے ساتھ سنے، نفس ناطقہ بیک وقت دو چیزوں کی طرف کامل متوجہ نہیں ہو سکتا۔

فائدہ: سورۃ المزمل کی آیت: ﴿ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ ﴾ کی وجہ سے نماز میں قرآن پڑھنا فرض ہے، اور اس آیت سے جہری نمازں میں جب قرآن پڑھا جائے تو خاموش رہ کر سننا بھی واجب ہے، اور فاتحہ بھی اس میں شامل ہے، پس جہری نمازوں میں مقتدی کے لئے بوقت قراءت کچھ بھی پڑھنا درست نہیں، حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی حدیثیں مسلم شریف میں ہیں: وإذا قرأ فأنصتوا: جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو، اور امام احمد رحمہ اللہ کا قول ان کے مذہب کی کتاب مغنی (۱:۶۰۲) میں ہے کہ میں نے کسی مسلمان سے یہ بات نہیں سنی کہ اس نے جہری نماز میں مقتدی کے لئے فاتحہ کو واجب کہا ہو!

اور یہی حکم سرّی نمازوں کا ہے، اس لئے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں، جو موطا محمدؒ میں مروی ہے، اور جس کی سند اعلیٰ درجہ کی ہے: یہ ارشادِ نبوی ہے: من كان له إمام فقراء ة الإمام له قراء ة: جو امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہے تو امام کا پڑھنا ہی اس کا پڑھنا ہے، پس جب روٹی ملے یوں تو کھیتی کرے کیوں؟ اور یہ بات سبھی ائمہ مانتے ہیں کہ مدرک رکوع کو مدرک رکعت کہتے ہیں، حالانکہ اس نے فاتحہ نہیں پڑھی، مگر اس کے امام نے پڑھ لی ہے، جو مقتدی کے حق میں محسوب ہوگئی۔

مسئلہ: خطبۂ جمعہ میں قرآن پڑھا جائے تو اس کا بھی یہی حکم ہے، خاموش رہ کر سننا واجب ہے۔

مسئلہ: نماز اور خطبہ کے علاوہ اگر قرآن پڑھا جائے تو اس کا سننا مستحب ہے، اس لئے کہ آیت نماز اور خطبہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، پس وہ مصداق اولیں ہیں اور دوسری صورتیں مصداق ثانوی، اس لئے احکام مختلف ہیں۔

مسئلہ: چند آدمی ایک جگہ تلاوت کریں تو سننا ضروری نہیں، ہر ایک اپنا پڑھ سکتا ہے، اس لئے کہ جو کسی عبادت میں مشغول ہو اس پر دوسری عبادت کے لئے خاموش رہنا ضروری نہیں، مثلاً: کوئی شخص تلاوت کر رہا ہے اور اذان شروع ہوگئی تو جواب دینے کے لئے تلاوت بند کرنا ضروری نہیں۔

فائدہ: اس آیت نے بتادیا کہ جب قرآنِ کریم کی تلاوت ہو رہی ہو تو اسے سننے کا اہتمام کرنا چاہئے، البتہ تلاوت کرنے والے کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ ایسے مقامات پر بلند آواز سے تلاوت نہ کرے جہاں لوگ اپنے کاموں میں مشغول ہوں، ایسی صورت میں اگر لوگ تلاوت کی طرف دھیان نہیں دیں گے تو اس کا گناہ تلاوت کرنے والے کو ہوگا (آسان ترجمۂ قرآن از مولانا محمد تقی صاحب)

﴿ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴾

ترجمہ: اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تاکہ تم رحم کئے جاؤ!

ذکر کے مراتب، آداب اور فرض نماز کی تاکید

اب ایک آیت بڑی جامع ہے، اس میں تین باتیں ہیں۔ بڑا ذکر تو قرآنِ کریم ہے، اس کا ادب گذشتہ آیت میں آچکا، اب عام اللہ کے ذکر کے کچھ احکام وآداب بیان فرماتے ہیں، اور فرض نمازوں کی تاکید فرماتے ہیں، نماز کا بھی بڑا مقصد اللہ کا ذکر ہے: ﴿ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ﴾ یعنی فحشاء اور منکر سے روکنا نماز کا چھوٹا فائدہ ہے، اور اللہ کی یاد اس کا بڑا فائدہ ہے، اس لئے اس کی تاکید فرمائی ہے۔

۱- ذکر ودعا کے مراتب: ذکر ودعا قرین ہیں، دونوں کا ادنیٰ درجہ: دل سے اللہ کو یاد کرنا اور مانگنا ہے، مشائخ مراقبہ دعائیہ بتلاتے ہیں، اس میں زبان نہیں ہلتی، آدمی تصور میں دعا کرتا ہے، اسی طرح تصور میں اللہ کا ذکر بھی ہوتا ہے،

﴿فِي نَفْسِكَ﴾ سے یہ مرتبہ مراد ہے، اسی کو ذکر نفسی (دل میں یاد کرنا) کہتے ہیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: اقرأ بها في نفسك (ترمذی) یعنی نماز میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کا تصور کرو، یہی عام ذکر کا ادنی مرتبہ ہے۔

اور اعلی مرتبہ: چلانے سے کم آواز سے ذکر کرنا ہے، جہر مفرط (چلّانا) منع ہے، ایک سفر میں صحابہ رضی اللہ عنہم چلا کر ذکر کررہے تھے، حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور نبی ﷺ سے کہا: آپ صحابہ کو ہدایت دیں کہ وہ چلا کر ذکر نہ کریں، چنانچہ آپ نے صحابہ سے فرمایا: **ارْبَعُوْا على أنفسكم، فإنكم لا تدعون أصم ولا غائبا:** اپنی ذاتوں پر شفقت کرو، تم کسی بہرے کو یا غیر حاضر کو نہیں پکارتے!

بعض سالک ایسی ضربیں لگاتے ہیں کہ دیواریں ہل جاتی ہیں، اور سارا محلّہ پریشان ہوجاتا ہے: یہ مکروہ ہے، مگر مشائخ ان کو نہیں روکتے، حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہٗ نے لکھا ہے کہ وہ بستی سے باہر چلا جائے۔

خلاصہ: دل میں اللہ کو یاد کرنا عام ذکر کا ادنی مرتبہ ہے، اور سرًّا ذکر کرنا اس کے بعد کا مرتبہ ہے اور ہلکی آواز سے ذکر کرنا اعلیٰ مرتبہ ہے، اس لئے کہ مسلسل ذکر قلبی سے نشاط باقی نہیں رہتا، اور چلانے سے دوسرے پریشان ہوتے ہیں، اس لئے اعتدال چاہئے، ایک حدیث میں ہے: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تہجد میں سراً قرآن پڑھتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت زور سے پڑھتے تھے، آپ نے دونوں سے وجہ پوچھی، حضرت ابوبکرؓ نے کہا: میں جس کا ذکر کرتا ہوں اس کو سنا رہا ہوں، اور حضرت عمرؓ نے کہا: میں سونے والوں کو جگا رہا تھا اور شیطان کو بھگا رہا تھا، دونوں کا جواب معقول تھا، پھر بھی آپ نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا: ذرا زور سے پڑھا کرو، اور حضرت عمرؓ سے فرمایا: ذرا آہستہ پڑھا کرو۔

فائدہ: یہ تو عام ذکر کے مراتب کا بیان ہے، اور نماز میں سرّی اور جہری قراءت کے مراتب اس سے مختلف ہیں: سرّی قراءت کا ادنی درجہ تصحیح حروف ہے، یعنی زبان ہلے، مخرج پر لگے اور حروف ادا ہوں، مگر آواز پیدا نہ ہو، اور اعلی درجہ: خود کو سنانا ہے، دوسرا نہ سنے —— اور جہری قراءت کا ادنی درجہ دوسرے کو سنانا ہے، اور اعلی درجہ: بقدر ضرورت آواز بلند کرنا ہے (فائدہ پورا ہوا)

۲- ذکر کا ادب: ذکر کرتے وقت دل میں رقّت ہونی چاہئے، رغبت ورہبت سے اللہ کو یاد کرے اور مانگے، جیسے خوشامد کرنے والا کسی سے التجا کرتا ہے: وہ انداز ہونا چاہئے، ذاکر کے لہجہ سے تضرع اور خوف محسوس ہونا چاہئے، حدیث شریف میں ہے کہ جب نبی ﷺ تہجد میں قرآن پڑھتے تھے تو سینہ سے ایک سنسناہٹ نکلتی تھی، جیسے ہانڈی سے نکلتی ہے۔

فرض نمازوں کی تاکید: نمازیں پانچ ہیں، ایک صبح میں اور چار زوال سے رات چھانے تک میں، جو شخص یہ نمازیں پابندی سے بروقت ادا کرتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ یاد رہتے ہیں، اور جو نہیں ادا کرتا وہ اللہ سے غافل ہوجاتا ہے۔

﴿ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور یاد کرو اپنے پروردگار کو اپنے دل میں ـــــ یہ ادنی مرتبہ ہے ـــــ عاجزی سے ڈرتے ہوئے ـــــ یہ ذکر کا ادب ہے ـــــ اور چلانے سے کم آواز سے ـــــ یہ ذکر کا اعلی مرتبہ ہے ـــــ (یاد کرو:) صبح میں اور زوال سے رات چھانے تک میں ـــــ اس میں پانچ نمازیں آگئیں ـــــ اور غافل لوگوں میں شامل مت ہوؤ!

ترکیب وتفسیر: ﴿ فِيْ نَفْسِكَ ﴾ کا مفہوم سراً نہیں، بلکہ دل میں یاد کرنا ہے، اور یہ ذکر کا ادنی مرتبہ ہے...... اور ﴿ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً ﴾ حال ہیں اور یہ درمیان میں ذکر کے ادب کا بیان ہے...... اور ﴿ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ ﴾: چلانے سے کم آواز سے، یہ ذکر کے اعلی مرتبہ کا بیان ہے...... اور ﴿ بِالْغُدُوِّ ﴾: ﴿ اُذْكُرْ رَّبَّكَ ﴾ سے متعلق ہے، اس میں پانچ نمازوں کی تاکید ہے۔

سوال: ﴿ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً ﴾ جو آداب دعا پر مشتمل ہے اس کو درمیان میں کیوں لائے ہیں؟

جواب: درمیان میں نہیں لائے، بلکہ ادنی مرتبہ سے متصل لائے ہیں، اس لئے کہ ادب کا لحاظ ذکر نفسی اور ذکر سرّی ہی میں ہوسکتا ہے، جہری میں تو ریا وسُمعہ کا احتمال ہے، اور عبادت وہی پسندیدہ ہے جس میں اخلاص ہو، بلکہ جو دل میں یا سرّاً ذکر کررہا ہے اور ہاتھ میں تسبیح گھمارہا ہے: اس میں ریاء کا احتمال ہوسکتا ہے۔

جو اللہ کا مقرب بندہ بننا چاہے وہ اپنے اندر ملکوتی صفات پیدا کرے

گذشتہ آیت کا مضمون تھا کہ ادب کے ساتھ اللہ کا ذکر کرو، اور نماز سے غافل مت ہوؤ، یہی اللہ کی نزدیکی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے، جو مؤمن اللہ کا مقرب بندہ بننا چاہتا ہے وہ اپنے اندر ملکوتی صفات پیدا کرے، فرشتے اسی لئے مقرب ہیں کہ وہ اللہ کی بندگی سے گھمنڈ نہیں کرتے، ہر وقت اس کی پاکی بیان کرتے ہیں (اور تعریف کرتے رہتے ہیں) ایک لمحہ کے لئے بھی غافل نہیں ہوتے، ہمہ وقت نماز میں کھڑے رہتے ہیں: ﴿ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ﴾: ہر مخلوق اپنی نماز اور اپنی تسبیح جانتی ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ انسان میں اللہ تعالی نے دو صفتیں رکھی ہیں: ملکیت اور بہیمیت: ﴿ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ﴾: اللہ تعالی نے نفس انسانی کو بہترین بنایا، پس اس کو اس کی بدکاری اور اس کی نیکوکاری الہام کی، پھر دونوں صفتوں کو بڑھاوا دینے کے لئے اسباب پیدا کئے، ملکیت کو ترقی دینے کے لئے ملائکہ پیدا کئے، اور بہیمیت کو بڑھانے کے لئے شیاطین پیدا

کئے، پس جو فرشتوں کا مشغلہ اختیار کرے گا وہ فرشتہ صفت بن جائے گا، اور جو شیاطین کے کاموں میں ملوث ہوگا وہ راندۂ درگاہ ہوگا ـــــ اور سجدہ سے مراد نماز ہے، جزء بول کر کل مراد لیا ہے، قرآن میں نماز کے ارکان بول کر نماز مراد لی جاتی ہے، جیسے: ﴿ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ﴾ میں قراءت سے تہجد کی نماز مراد ہے۔

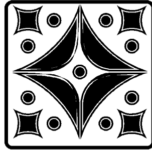
فائدہ: قرآنِ کریم میں چودہ آیتیں ایسی ہیں جن کو عربی میں پڑھنے سے سجدہ تلاوت واجب ہوتا ہے، ترجمہ پڑھنے سے سجدہ واجب نہیں ہوتا، یہ ان میں سے پہلی آیت ہے، یہاں سجدہ کرنا چاہئے، اور تلاوت کے بعد معاً سجدہ کرنا مستحب ہے، اور اگر موقع نہ ہو تو بعد میں بھی سجدہ کرنا ضروری ہے۔

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے ❁ ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَ يُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ۩ ﴾

ترجمہ: بے شک جو فرشتے آپ کے رب کے پاس ہیں ـــــ یعنی مقرب ہیں ـــــ وہ اس کی عبادت سے گھمنڈ نہیں کرتے، اور وہ اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور وہ اسی کو سجدہ کرتے ہیں!

﴿ بحمدہ تعالیٰ ۳؍ شعبان ۱۴۳۹ھ مطابق ۱۹؍ اپریل ۲۰۱۸ء کو سورۃ الاعراف کی تفسیر مکمل ہوئی ﴾



الٰہی! میری نیّا پار لگادے!
نیّا: ناؤ کی تصغیر: چھوٹی کشتی
﴿ بِسۡمِ اللّٰهِ مَجۡرٖىهَا وَمُرۡسٰىهَا ﴾
اس کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا اللہ کے نام سے ہے!
﴿ اِنَّ رَبِّیۡ لَغَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴾
بے شک میرا ربّ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے (میری لغزشوں کو ضرور معاف فرمادے گا!)

وقفۂ مسافرت

سورۃ الاعراف ۳؍شعبان ۱۴۳۹ھ مطابق ۱۹؍اپریل ۲۰۱۸ء کو پوری ہوئی تھی، پھر ایک ماہ بیس روز کا افریقہ کے سات ممالک کا سفر پیش آیا، یہ سفر میرے کرم فرما ابراہیم بھائی میز ازید مجدہٗ نے منظّم کیا تھا جو فی الحال دبئی میں مقیم ہیں، اصل باشندے زامبیا کے ہیں، اور گجرات میں کنتھاریہ کے ہیں، وہ پورے سفر میں ہم سفر رہے، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائیں، نیز برخوردار جناب مولانا مفتی حسین احمد صاحب پالن پوری سلمہ بھی ہم سفر تھے، یہ میرے پانچویں لڑکے ہیں، اور تحفۃ الالمعی اور تحفۃ القاری کے مرتب ہیں۔

۲۲؍شعبان (۸؍مئی) کو دیو بند سے بمبئی کے لئے سفر شروع کیا۔

۲۵؍شعبان (۱۱؍مئی) کو بمبئی سے جوہانسبرگ کا سفر شروع ہوا، پہلا پروگرام آزادول میں ہوا، پھر اسکاٹ لینڈ جانا ہوا، وہاں سے مولانا ابراہیم صالح جی بھی قافلہ میں شریک ہوگئے۔

اور نیو کاسل میں مولانا اسماعیل آ کو صاحب کے مدرسہ میں پہنچے، وہاں افتتاح بخاری شریف کا پرورگرام تھا، نیو کاسل سے موزنبیق جانا ہوا، یہ دوسرا ملک ہے، وہاں موپاٹا شہر میں مولانا امتیاز صاحب کے مدرسہ میں چار دن قیام رہا اور شہر میں پروگرام ہوتے رہے، مولانا صاحب ذی علم ہیں، ان سے مل کر جی خوش ہوا۔

پھر ۴؍رمضان (۱۹؍مئی) کو موزنبیق سے واپس ساؤتھ آفریقہ ورود ہوا، اور ۱۷؍رمضان (یکم جون تک جنوبی افریقہ کے مختلف شہروں میں جانا ہوا، یہاں میرے قدیم کرم فرما جناب مولانا احمد لمباڈا صاحب زید مجدہم کے گھر بھی جانا ہوا، یہ میرے انگریزی کے استاذ ہیں اور دارالعلوم اشرفیہ راندیر میں میرے شاگرد رہے ہیں۔ جنوبی افریقہ کے شہر اسپنگو بیچ میں مولانا ابراہیم صالح جی (یہ مذکورہ مولانا ابراہیم صالح جی کے چچازاد بھائی ہیں، اور خوب آدمی ہیں) ان کے مدرسہ میں اور ان کی خانقاہ میں پروگرام ہوا، پھر مولانا یوسف ٹُنلا صاحب (جو میرے دیو بند کی طالب علمی کے ساتھی ہیں) ان کی مسجد

میں پروگرام ہوا اور ان کی ضیافت سے لطف اٹھایا۔

پھر ۱۷؍رمضان (یکم جون) کو جوہانسبرگ سے لوسا کا جانا ہوا، یہ زامبیا کا دارالسلطنت ہے، وہاں میں بار بار گیا ہوں، حضرت مولانا ذوالفقار صاحب نقش بندی کی خانقاہ بھی اسی شہر میں لگتی تھی۔

وہاں سے چپاٹا ہوتے ہوئے ملاوی جانا ہوا، یہ الگ ملک ہے۔ ۲۶؍رمضان (۱۰؍جون) تک ملاوی میں رہنا ہوا، وہیں عید الفطر ہوئی، پھر یہ تین دن ملاوی جھیل پر وقت ضائع کیا۔

پھر ملاوی سے زامبیا واپسی ہوئی، ۴؍شوال (۱۸؍جون) کو شہر انڈولا میں ورود ہوا، ایک رات قیام کر کے ۵؍شوال (۱۹؍جون) کو بذریعہ کار کونگو جانا ہوا، یہ دوسرا ملک ہے، وہاں ۸؍شوال (۲۲؍جون) تک قیام رہا، پھر ۸؍شوال بروز جمعہ انڈولا واپسی ہوئی اور ایک رات وہاں قیام رہا، وہاں سے ۹؍شوال (۲۳؍جون) کو زامبیا کے شہر لوسا کا واپسی ہوئی، اور پانچ گھنٹہ قیام کے بعد بذریعہ ہوائی جہاز زمبابوے جانا ہوا، وہاں ہرارے میں دو دن قیام رہا، وہاں محمد بھائی موسیٰ ہول سیلر کے مہمان رہے اور شہر میں پروگرام ہوئے، محمد بھائی کے صاحبزے شریف بھائی موسیٰ نے خوب خدمت کی، اللہ تعالیٰ دونوں باپ بیٹوں کو جزائے خیر عطا فرمائیں۔

۱۱؍شوال (۲۵؍جون) کو ہرارے سے بمبئی کے لئے واپسی ہوئی، ابراہیم بھائی میزا جو ہم سفر تھے: آدھے راستہ سے دبئی کی طرف چل دیئے اور ہم باپ بیٹے ۱۲؍شوال (۲۶؍جون) بروز منگل دوپہر گیارہ بجے بمبئی اترے اور اسی شام کو فرینٹیر میل سے روانہ ہوکر ۱۳؍شوال بروز بدھ رات گیارہ بجے گھر پہنچے، خیر سے بدھو میاں گھر کو آئے!

پھر لکھنا چاہا، مگر پورے دس دن قلم اینٹھا رہا، مالش کرتا رہا مگر چلنے کا نام نہیں لیتا تھا، آج ۲۳؍شوال (۷؍جولائی) کو ہامی بھری ہے، اللہ تعالیٰ میری نیّا پار لگائیں، اب دو جلدیں لکھنی باقی ہیں (سوم اور چہارم) امسال لکھنے کا ارادہ ہے، پھر ان شاء اللہ تفسیر مکمل ہوجائے گی، پارہ پندرہ سے نظر ثانی کر چکا ہوں۔ دارالعلوم دیوبند میں داخلے جاری ہیں، اس کی مشغولیت ہے، الحمد للہ! تکان بالکل نہیں، تازہ دم ہوں!

سفر نمونۂ سقر ہوتا ہے، مگر پچاس دن میں چھ ملکوں کا سفر کیا، فالحمد للہ علی ذلک: ۱-جنوبی افریقہ، ۲-موزنبیق، ۳-زامبیا ۴-ملاوی، ۵-کونگو، ۶-زمبابوے۔

افریقہ میں سردی کا موسم تھا، روزہ بارہ گھنٹے کا تھا، اس لئے روزے بھی چلتے رہے، لمبے لمبے اسفار بھی ہوتے رہے اور روزانہ دو تین بیانات بھی ہوتے رہے۔

ہے مشقِ سخن جاری اور چکّی کی مشقت بھی
عجب طُرفہ تماشہ ہے حسؔرت کی طبیعت بھی

والسلام! آگے بڑھیں! کام کی بات کریں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الانفال

نمبر شمار ۸ نزول کا نمبر ۸۸ نزول کی نوعیت مدنی رکوع ۱۰ آیات ۷۵

أنفال: نَفَل (بفتح الفاء) کی جمع ہے، اس کے معنی ہیں: زائد، مزید یعنی مالِ غنیمت، مالِ فیٔ اور عطیہ وغیرہ۔ اور نَفْل (بسکون الفاء) کے معنی ہیں: انعام، جیسے ﴿ نَافِلَةً لَّكَ ﴾: آپؐ کے لئے (تہجد کی نماز) زائد چیز (انعام) ہے (بنی اسرائیل ۷۹) اور جیسے: ﴿ وَيَعْقُوبَ نَافِلَةً ﴾: اور یعقوب مزید برآں یعنی پوتا بھی (الانبیاء۷۲) —— اولاد کی اولاد! اس لئے نافلہ کہلاتی ہے کہ وہ سرمایہ کا سود ہوتی ہے، پھر یہ لفظ عطیہ اور بخشش کے معنی میں حقیقت بن کر مستعمل ہونے لگا۔

اسی طرح جنگ میں حوصلہ افزائی کے لئے انعام کا جو اعلان کیا جاتا ہے اس کو بھی 'نفل' کہتے ہیں، اس لئے کہ وہ بھی حصۂ غنیمت سے زائد ہوتا ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی پہلی آیت میں 'انفال' سے غنیمت مراد لی ہے، اس لئے کہ وہ بھی جہاد کے اصل مقصد سے زائد ہوتی ہے، جہاد کا اصل مقصد: اللہ کے دین کی سربلندی اور فتنہ فرو کرنا ہے، مالِ غنیمت ملے یا نہ ملے: اس سے کیا فرق پڑتا ہے! پس انفال: غنیمت، فیٔ اور انعام سب کو شامل ہے۔ تینوں چیزیں جہاد کے اصل مقصود سے زائد: اللہ کا عطیہ ہیں۔

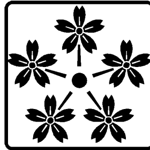
اور اس سورت کا نزول کا نمبر ۸۸ ہے، پس یہ مدنی سورت ہے، مکی سورتیں ۸۵ ہیں، پس یہ سورت ہجرت کے بعد جلدی نازل ہوئی ہے، جنگِ بدر کے موقعہ پر نازل ہوئی ہے، بدر کی جنگ دوسری ہجری میں ہوئی ہے، اس لئے اس سورت میں جنگِ بدر کے واقعات کی طرف اشارے ہیں، اور مالِ غنیمت کے مسائل بھی بیان ہوئے ہیں۔ جنگِ بدر: اسلام اور کفر کے درمیان پہلی بڑی جنگ ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح مبین عطا فرمائی، اور قریش مکہ کو ذلت آمیز شکست سے دوچار کیا۔

سورۃ الانفال اور سورۃ التوبہ ایک ہیں یا دو؟ اس میں دورِ صحابہ میں اختلاف رہا ہے، اسی لئے دونوں کے درمیان بسم اللہ نہیں لکھی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب مصحف تیار کیا گیا، یعنی تمام سورتوں کو یکجا کتابی شکل دی گئی تو اختلاف ہوا کہ دونوں ایک سورت ہیں یا دو؟ کیونکہ دونوں کا موضوع ایک ہے، دونوں میں جنگی احکامات ہیں اور سورۃ

الانفال ہجرت کے شروع میں نازل ہوئی ہے اور سورۃ التوبہ غزوۂ تبوک کے بعد ہجرت کے آخر میں نازل ہوئی ہے، اس لئے جمع قرآنی کے وقت دونوں سورتوں کو ایک قرار دے کر درمیان میں بسم اللہ نہیں لکھی، اس طرح یہ دونوں سورتیں سَبْعِ طُوَلْ میں شامل ہیں، اور دونوں کے نام الگ الگ ہیں، اس لئے وہ دو سورتیں بھی شمار کی گئی ہیں۔

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے انعامات یاد دلائے ہیں، اور مسلمانوں نے جس جاں نثاری کے ساتھ جنگ لڑی تھی اس کی داد دی ہے، اور اس میں جہاد اور مالِ غنیمت کی تقسیم کے احکام بھی ہیں، اور چونکہ یہ جنگ کفار مکہ کے ظلم وستم کے پسِ منظر میں پیش آئی تھی، اس لئے اس میں ان حالات کا تذکرہ بھی ہے اور ہجرت کا حکم بھی ہے کہ جو مسلمان مکہ میں رہ گئے ہیں وہ ہجرت کر کے مدینہ آجائیں، تاکہ وہ اسلام کی سربلندی میں حصہ لے سکیں، اور آزادی کے ساتھ دین پر عمل کر سکیں۔

اور اس سورت کے نزول تک میراث کی تقسیم مواخات (بھائی بندی) کی بنیاد پر ہوتی تھی، پھر جب مہاجرین کے رشتہ دار ہجرت کر کے مدینہ آگئے تو اس حکم میں تبدیلی آئی اور آخری آیت میں میراث کی تقسیم کی بنیاد رشتہ داری کو قرار دیا۔



(۸) سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ (۸۸)

ایاتہا ۷۵ — رکوعاتہا ۱۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ۭ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۠ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ①

يَسْئَلُوْنَكَ	لوگ آپ سے پوچھتے ہیں	وَالرَّسُوْلِ (۲)	اور اس کے رسول کیلئے ہے	وَاَطِيْعُوا	اور کہا مانو
عَنِ الْاَنْفَالِ (۱)	غنیمت کے بارے میں	فَاتَّقُوا	پس تم ڈرو	اللّٰهَ	اللہ کا
قُلِ	بتادیں	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ سے	وَرَسُوْلَهٗٓ	اور اس کے رسول کا
الْاَنْفَالُ	غنیمت	وَاَصْلِحُوْا	اور سنوارو	اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم
لِلّٰهِ	اللہ کے لئے	ذَاتَ بَيْنِكُمْ	آپسی معاملات	مُّؤْمِنِيْنَ	ایمان والے

جو اللہ تعالیٰ کا مقرب بندہ بننا چاہتا ہے وہ معاشرہ کو سنوارے اور فساد ذات البین سے بچے!

ماقبل سے ربط: گذشتہ سورت اس مضمون پر ختم ہوئی تھی کہ جو اللہ تعالیٰ کا مقرب بندہ بننا چاہتا ہے وہ اپنے اندر ملکوتی صفات پیدا کرے، فرشتے اسی لئے مقرب ہیں کہ وہ اللہ کی بندگی سے گھمنڈ نہیں کرتے، ہر وقت اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا میں لگے رہتے ہیں، ایک لحہ بھی اس سے غافل نہیں ہوتے۔ اب اس سورت کی پہلی آیت میں انسانوں کے لئے ایک مزید شرط بڑھاتے ہیں، جس کا تعلق انسانوں سے ہے، وہ بات فرشتوں میں نہیں پائی جاتی، اور وہ ہے اصلاح ذات البین، یعنی معاشرہ کو سنوارنا، رہن سہن میں خرابی پیدا نہ ہونے دینا، یہ بات فرشتوں میں نہیں پائی جاتی، یہ معاملہ انسانوں کے ساتھ خاص ہے، انسانوں کا معاشرہ جب بگڑتا ہے تو بڑی خرابی کا سبب بن جاتا ہے۔

آیت کا پسِ منظر: سن ۲ ہجری میں مکہ والوں کے ساتھ بدر کے میدان میں جنگ ہوئی، اللہ تعالیٰ نے اس میں

---

(۱) **انفال:** نَفَلٌ کی جمع ہے، یہ لفظ غنیمت سے عام ہے، جہاد میں جو مال حاصل ہوتا ہے وہ غنیمت کہلاتا ہے، اور دشمن کے ساتھ مصالحت کے ذریعہ جو مال حاصل ہوتا ہے وہ فئ کہلاتا ہے، انفال دونوں کو شامل ہے، پس خاص موقع پر آیت عام لفظ سے نازل ہوئی ہے (۲) **الرسول:** میں الف لام عہدی ہے، مراد نبی ﷺ ہیں۔

مسلمانوں کو فتح مبین عطا فرمائی، اور مکہ والوں کو ذلت آمیز شکست سے دوچار کیا، اس جنگ میں مسلمانوں کے ہاتھ میں بڑی غنیمت آئی، جنگ کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم میں اختلاف ہوا، پہلی دو صفیں لڑی تھیں، تیسری صف کھڑی تھی کہ جنگ نمٹ گئی، اس لئے پہلی دو صفوں نے کہا: غنیمت ہمارا حق ہے، ہم لڑے ہیں، تیسری صف والوں نے کہا: ہم بھی پشت پناہ تھے، ضرورت ہوتی تو ہم بھی لڑتے، لہٰذا ہمیں بھی غنیمت ملنی چاہئے۔

علاوہ ازیں: جنگِ بدر کے موقع پر جب دشمن کو شکست ہوگئی تو فوج تین حصوں میں تقسیم ہوگئی:

ایک حصہ: نبی ﷺ کی حفاظت کے لئے آپؐ کے ساتھ رہا۔

دوسرا حصہ: دشمن کے تعاقب میں روانہ ہوگیا۔

تیسرا حصہ: مالِ غنیمت جمع کرنے میں لگ گیا، اس نے کہا: مال ہم نے جمع کیا ہے، لہٰذا وہ ہمارا ہے۔

پہلے دو گروہوں نے کہا: ہم بھی خدمات انجام دے رہے تھے، لہٰذا مال میں ہمارا بھی حصہ ہونا چاہئے، جب یہ نزاع نبی ﷺ کے پاس پہنچا تو یہ آیت نازل ہوئی، اور لوگوں کو بتایا کہ مالِ غنیمت کے بارے میں فیصلہ کا پورا اختیار اللہ تعالیٰ کا اور اس کے رسول ﷺ کا ہے، چنانچہ آپؐ نے اسی سورت کی آیت ۴۱ کے مطابق پانچواں حصہ الگ کیا اور باقی غنیمت فوج میں حسب ضابطہ تقسیم کردی، اور مسلمانوں کو تنبیہ کی کہ باہمی جو رنجش ہوئی وہ دور کرلیں اور باہمی تعلقات درست کرلیں۔

حقیقتِ واحدہ کی دو تعبیریں:

قرآنِ کریم میں ایک حقیقت کی دو تعبیریں ہیں: (۱) جن تعلقات کو وابستہ رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ہے ان کو مت توڑو (۲) آپسی معاملات کو سنوارو۔ یہ حکم ابتدا کے اعتبار سے ہے، یعنی کوشش یہ ہونی چاہئے کہ آپسی معاملات خراب نہ ہوں، اگر باہمی معاملات خراب ہونگے تو لوگ بڑے گھاٹے میں پڑیں گے، حدیث میں ہے کہ فسادِ ذات البین سے بچو، یہ چیز مونڈنے والی ہے، اور سر کو نہیں مونڈتی، بلکہ دین کو مونڈتی ہے، آدمی بے دین، بلکہ بددین ہوجاتا ہے، جب تعلقات بگڑ جاتے ہیں تو غیبت، برائی، گالی گلوچ اور الزام تراشی شروع ہوجاتی ہے، بلکہ آدمی کبھی کردنی ناکردنی کر گذرتا ہے، اس طرح دین برباد ہوجاتا ہے —— اور فرشتے اس سے بے نیاز ہیں، ان میں یہ بگاڑ پیدا نہیں ہوتا۔

اور معاشرہ کی اصلاح کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں: ایک: اللہ سے ڈرنا، یعنی احکام الٰہی کی خلاف ورزی نہ کرنا، یہ منفی پہلو سے ضروری ہے، دوسری: اللہ ورسول اللہ ﷺ کی بات ماننا، یہ مثبت پہلو سے ضروری ہے، چنانچہ ﴿وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ﴾ سے پہلے ﴿اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ فرمایا ہے، اور بعد میں ﴿اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ﴾ آیا ہے، ان دونوں باتوں کا لحاظ مؤمن ہی کرے گا، جو اللہ ورسول پر ایمان نہیں رکھتا وہ کیا خاک احکام کی پیروی کرے گا!

اللہ کے نام پاک سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں!

آیتِ پاک: لوگ آپ ؐ سے غنیمت (زائد اموال) کے بارے میں دریافت کرتے ہیں؟ —— کہ وہ تین فریقوں میں سے کس کا حق ہے؟ —— آپ ؐ بتا دیں: مالِ غنیمت اللہ کے لئے اور ان کے رسول کے لئے ہے —— وہ جن کو دیں وہ لے —— پس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اور آپسی معاملات درست کرو، اور اللہ کا اور اس کے رسول کا کہنا مانو، اگر تم ایمان والے ہو!

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿۲﴾ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿۳﴾ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۚ لَهُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿۴﴾

اِنَّمَا	اس کے سوا نہیں کہ	زَادَتْهُمْ	(تو) بڑھاتیں ہیں وہ	يُنْفِقُوْنَ	خرچ کرتے ہیں
الْمُؤْمِنُوْنَ	ایمان والے		آیتیں ان کے	اُولٰٓئِكَ	وہ لوگ
الَّذِيْنَ	وہ لوگ ہیں جو کہ	اِيْمَانًا (۲)	ایمان کو	هُمُ	ہی
اِذَا ذُكِرَ	جب تذکرہ کیا جاتا ہے	وَّعَلٰى رَبِّهِمْ	اور اپنے پروردگار پر	الْمُؤْمِنُوْنَ	ایماندار ہیں
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ کا	يَتَوَكَّلُوْنَ	وہ بھروسہ کرتے ہیں	حَقًّا	کھرے (پکّے)
وَجِلَتْ (۱)	(تو) سہم جاتے ہیں	الَّذِيْنَ	جو لوگ	لَهُمْ	ان کے لئے
قُلُوْبُهُمْ	ان کے دل	يُقِيْمُوْنَ	اہتمام کرتے ہیں	دَرَجٰتٌ	مراتب ہیں
وَاِذَا	اور جب	الصَّلٰوةَ	نماز کا	عِنْدَ رَبِّهِمْ	ان کے رب کے پاس
تُلِيَتْ	پڑھی جاتی ہیں	وَمِمَّا	اور کچھ اس میں سے جو	وَمَغْفِرَةٌ	اور بخشش ہے
عَلَيْهِمْ	ان کے سامنے	رَزَقْنٰهُمْ	بطور روزی دیا ہے ہم	وَّرِزْقٌ	اور روزی ہے
اٰيٰتُهٗ	اللہ کی آیتیں		نے ان کو	كَرِيْمٌ	عزت والی

(۱) وَجِلَ (س) يَوْجَلُ وَجَلاً: ڈرنا، گھبرانا، سہم جانا (۲) ایمانا: مفعول ثانی ہے۔

اصلاح ذات البین میں مددگار پانچ اوصاف

پہلی آیت میں یہ مضمون تھا کہ مجاہدین بدر کے مالِ غنیمت میں نزاع نہ کریں، اس سے باہمی تعلقات بگڑیں گے، وہ اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے احکام کے سامنے سرفگندہ رہیں، اللہ کے رسول: اللہ کے حکم سے جس طرح غنیمت تقسیم کریں اس کو خوش ہو کر قبول کریں، یہی مؤمنین کے ایمان کا تقاضا ہے۔

اب ان آیات میں یہ مضمون ہے کہ پانچ اوصاف کا تقاضا اطاعت ہے، اور جن مؤمنین میں یہ اوصاف ہونگے وہی کھرے مؤمنین ہیں:

پہلا وصف: جب مؤمن کے سامنے اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم آئے تو اللہ کی عظمت کے استحضار سے اس کا دل سہم جائے، وہ سوچنے لگے کہ یہ حکم کسی ایسے ویسے کا نہیں، مالکِ کائنات کا ہے، جس کی اطاعت ہی میں سرخ روئی ہے۔

فائدہ: یہاں ﴿ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ ﴾ ہے، یعنی جب مؤمن کو اللہ کا حکم پہنچتا ہے تو اللہ کی عظمت کے تصور سے وہ خوب زدہ ہوجاتا ہے، اور سورۃ الرعد (آیت ۲۸) میں ہے: ﴿ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ﴾: سمجھ لو! اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے —— ان دونوں آیتوں کا مصداق الگ الگ ہے، جب مؤمن کسی پریشانی سے دوچار ہو: اگر وہ اللہ کو یاد کرے تو اس کو سکون حاصل ہوگا، افکار سے نجات ملے گی، اس کے دل کو اطمینان نصیب ہوگا، حدیث شریف میں ہے کہ جب نبی ﷺ کو کوئی پریشانی پیش آتی تو آپ نماز شروع کردیتے: إذا حزبه أمرٌ فزع إلى الصلاة (ابوداؤد) اور نماز اللہ کے ذکر کی بہترین صورت ہے۔

دوسرا وصف: جب مؤمن کے سامنے اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں اور اس کو اللہ کا حکم سنایا جاتا ہے تو وہ آیتیں اس کے ایمان کو فزوں کردیتی ہیں، اس کا ایمان قوی ہوجاتا ہے اور وہ فوراً تعمیل حکم کے لئے تیار ہوجاتا ہے۔

فائدہ: کامل ایمان گھٹتا بڑھتا ہے، تمام مؤمنین کا ایمان یکساں نہیں ہوتا، کم وبیش ہوتا ہے، اور نفس ایمان یکساں ہوتا ہے، یعنی جن باتوں پر ایمان لانے سے آدمی مؤمن ہوتا ہے، جن کا تذکرہ ایمانِ مفصل میں ہے، ان باتوں پر ایمان لانا تمام مؤمنین کے لئے ضروری ہے، یہی نفس ایمان ہے، پھر اس سے شاخیں نکلتی ہیں اور برگ وبار پھوٹتے ہیں، یعنی اعمال صادر ہوتے ہیں، ان میں مؤمنین مختلف ہوتے ہیں، یہی قوت وضعف میں مؤمنین کے ایمان کا تفاوت ہے۔

اس کو ایک مثال سے سمجھیں: بیج سے پودا نکلتا ہے، پھر اس کے تنے سے چھوٹی بڑی شاخیں نکلتی ہیں، ان میں برگ وبار نمودار ہوتے ہیں، یہی کامل درخت ہے، پہلا تو یعنی صرف تنا تو نام کا درخت ہے، یہ نفس ایمان کی مثال ہے، کام کا درخت تو دوسرا ہے جو اعمال سے قوی ہوا ہے۔ اللہ کی آیتیں مؤمن کے ایمان کو بڑھاتی ہیں: کا یہی مطلب ہے، مؤمن حکم

کی تعمیل کرتا ہے اس سے اس کا ایمان بڑھ جاتا ہے۔

ملحوظہ: نفس ایمان: نجات کا ضامن ہے، مؤمن کی بہرحال نجات ہوگی، اور کامل ایمان سے نجات اوّلی ہوگی اور اس کو جنت کے بلند درجات حاصل ہونگے۔

تیسرا وصف: مؤمن نتائج سے بے فکر ہو کر اللہ کے حکم کی تعمیل کرتا ہے، اس کا تکیہ اللہ تعالیٰ پر ہوتا ہے، اس کو یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جدوجہد کا جو نتیجہ ظاہر فرمائیں گے وہی بہتر ہوگا، بندہ کا کام حکم کی تعمیل کرنا ہے۔

فائدہ: اسی کا نام توکل ہے، اسباب اختیار کر کے نتیجہ اللہ کے حوالے کرنا اللہ پر تکیہ کرنا ہے، مثلاً: اسبابِ رزق اختیار کر کے روزی کا معاملہ اللہ کو سپرد کرنا ہی توکل ہے، مجاہد بھی اس کو جو حکم دیا جاتا ہے اس کی تعمیل کرتا ہے، جنگ کا نتیجہ کیا ہوگا؟ اس کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کرتا ہے۔

چوتھا وصف: مؤمن تمام عباداتِ بدنیہ کا پابند ہوتا ہے، عباداتِ بدنیہ میں سب سے اہم نماز ہے، وہ اس کا بڑا اہتمام کرتا ہے، دورانِ جنگ جب نماز کا وقت آتا ہے تو سرنیاز خم کر دیتا ہے، پس وہ دیگر بدنی عبادات کو بھی ضرور بجالائے گا۔

پانچواں وصف: مؤمن عباداتِ مالیہ بھی انجام دیتا ہے، عباداتِ مالیہ میں سب سے اہم زکات ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو مال دیا ہے: وہ بطور روزینہ (بھتا) دیا ہے، کام چلانے کے لئے دیا ہے، پوری طرح اس کو مالک نہیں بنایا، اپنا نائب بنا کر دیا ہے، سورۃ الحدید (آیت ۷) میں ہے: ﴿وَ اَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ﴾: جس مال میں اللہ تعالیٰ نے تم کو اپنا قائم مقام کیا ہے: اس میں سے تھوڑا (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو، پس جب مال کا مالک: منیجر کو خرچ کرنے کا حکم دے تو وہ خرچ کرنے میں کیوں دریغ کرے؟ غرض مؤمن تمام عباداتِ مالیہ میں بے دریغ خرچ کرتا ہے، اور جب مؤمنین میں یہ جذبہ ہوگا، دینے کا نہ کہ لینے کا، تو مالِ غنیمت میں نزاع کیوں ہوگا؟ وہ تو چاہے گا کہ دوسرے کو ملے۔

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ۚ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ؕ﴾

ترجمہ: بس ایمان والے تو وہی لوگ ہیں: (۱) جب ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے تو (اللہ کی عظمت کے استحضار سے) ان کے دل سہم جاتے ہیں (۲) اور جب ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں (جن میں جہاد کا حکم ہوتا ہے) تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو فزوں کر دیتی ہیں (اور وہ فوراً حکم کی تعمیل کے لئے آمادہ ہو جاتے ہیں) (۳) اور وہ لوگ اپنے پروردگار ہی پر تکیہ کرتے ہیں (اور نتائج سے بے فکر ہو جاتے ہیں) (۴) جو لوگ (دورانِ جنگ بھی) نماز کا اہتمام کرتے ہیں (۵) اور اس میں سے جو ہم نے ان کو بطور روزی دیا ہے تھوڑا خرچ کرتے ہیں۔

کھرے مؤمنین کی خوش انجامی

مذکورہ بالا حضرات ہی کھرے مؤمنین ہیں، جن میں مذکورہ اوصاف پائے جاتے ہیں، وہی اعلیٰ درجہ کے مؤمنین ہیں، جنت میں وہ مختلف درجات ومراتب میں ہونگے، حدیث شریف میں ہے کہ جو اللہ تعالیٰ پر اور ان کے رسول پر ایمان لایا، اور اس نے نماز کا اہتمام کیا، اور اس نے ماہِ رمضان کے روزے رکھے تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے کہ اس کو جنت میں داخل کریں؛ خواہ اس نے راہِ خدا میں جہاد کیا ہو یا اپنی اس سرزمین میں بیٹھا رہا ہو جہاں وہ جنا گیا ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ہم یہ خوش خبری لوگوں کو سنادیں؟ آپؐ نے فرمایا: (نہیں، کیونکہ) جنت میں سو درجات ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے راہِ خدا میں جہاد کرنے والوں کے لئے تیار کئے ہیں، ہر دو درجوں میں آسمان وزمین کا تفاوت ہے۔ یعنی لوگوں کو جہاد کرنے دو، اور یہ درجات حاصل کرنے دو، جہاد کے بغیر جنت کی خوش خبری مت سناؤ۔

(رواہ البخاری، مشکوۃ حدیث ۳۷۸۷)

جہاد میں مجاہدین کے کارنامے مختلف ہوتے ہیں، کوئی شہسوار ہوتا ہے کوئی پیدل، کوئی تیرانداز ہوتا ہے کوئی شمشیرزن، کوئی خشکی میں لڑتا ہے کوئی پانی اور فضا میں، کوئی معمولی دشمن کو مار گراتا ہے کوئی خطرناک آدمی کو، اس لئے مجاہدین کے درجات مختلف ہونگے، البتہ مغفرت اور جنت کی روزی عام ہوگی، وہ سب کو حسب خواہش ملے گی، مغفرت کے معنی ہیں: اللہ تعالیٰ کا اپنی رحمت میں ڈھانک لینا، غَفَرَ کے مادّہ میں چھپانے کا مفہوم ہے، مِغْفَر خود کو کہتے ہیں جو سر کو ڈھانکتا ہے، اللہ تعالیٰ شہید کو اپنی رحمت میں ڈھانک لیتے ہیں، قرض کے علاوہ اس کا ہر گناہ معاف کر دیتے ہیں، اور صالح بندہ ہوتا ہے تو بدرجۂ اولیٰ رحمت کا مستحق ہوتا ہے، اور شہید کے لئے چھ باتیں ہیں، ان میں سے پہلی بات یہ ہے کہ شہادت کے ساتھ ہی اس کی بخشش کر دی جاتی ہے، اسی طرح عزت والی روزی یعنی جنت کی نعمتیں بھی سب کو حاصل ہوتی ہیں، ان میں درجات ومراتب نہیں۔

﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝﴾

ترجمہ: یہی لوگ کھرے ایمان والے ہیں، ان کے لئے ان کے پروردگار کے پاس مختلف مراتب ہیں، اور (سبھی کے لئے) بخشش اور عزت والی روزی ہے!

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۠ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝

كَمَآ (۱)	جیسے	فَرِيْقًا	ایک جماعت	مَا تَبَيَّنَ (۴)	(اسکے) ظاہر ہونے کے
اَخْرَجَكَ	آپؐ کو نکالا	مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ	مؤمنین کی	كَاَنَّمَا	گویا
رَبُّكَ	آپؐ کے ربّ نے	لَكٰرِهُوْنَ	البتہ ناپسند کرتی ہے	يُسَاقُوْنَ	وہ ہانکے جارہے ہیں
مِنْ بَيْتِكَ (۲)	آپؐ کے گھر سے	يُجَادِلُوْنَكَ	جھگڑتے ہیں وہ آپؐ سے	اِلَى الْمَوْتِ	موت کی طرف
بِالْحَقِّ (۳)	خاص مقصد کے لئے	فِي الْحَقِّ	اس مقصد میں	وَهُمْ	اور وہ
وَاِنَّ	اور بے شک	بَعْدَ	بعد	يَنْظُرُوْنَ	(اس کو) دیکھ رہے ہیں

اللہ تعالیٰ کے یہ وعدے ایسے قطعی ہیں جیسے جنگِ بدر کا مقصد قطعی ہے

دو باتیں: (۱) سورۃ الانفال جنگِ بدر کے بعد نازل ہوئی ہے، جبکہ مالِ غنیمت کے سلسلہ میں نزاع پیش آیا تھا، (۲) جو واقعہ رونما ہوجاتا ہے وہ صدفی صد قطعی ہوتا ہے، اس میں عدم وقوع کا احتمال نہیں ہوتا، اور جو بات آئندہ پیش آنے والی ہے اس میں عدم وقوع کا احتمال رہتا ہے، اگرچہ وہ درجۂ صفر میں ہو، چنانچہ قیامت کے واقعات کو قرآنِ کریم میں صیغہ ماضی سے بیان کیا ہے۔

ربط: گذشتہ آیت میں کھرے مؤمنین (مجاہدین بدر) سے تین وعدے کئے ہیں: ایک: ان کے لئے آخرت میں مختلف درجات (مراتب) ہونگے، اس لئے کہ مجاہدین کے کارنامے یکساں نہیں ہوتے، کوئی شہسوار ہوتا ہے کوئی پیدل، کوئی نڈر ہوتا ہے کوئی کم دل، کوئی جوان ہوتا ہے کوئی بوڑھا، چنانچہ ترمذی شریف کی حدیث (نمبر ۱۶۳۶) میں شہداء کے چار مختلف درجات بیان کئے ہیں۔ دوم: مغفرت (اللہ کی بخشش) اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت میں ڈھانک لیں گے، حدیث میں بدریوں کے حق میں ہے: **اعملوا ما شئتم فقد غفرتُ لکم**: جو چاہو کرو میں نے تم کو بخش دیا۔ سوم: عزت والی روزی، یعنی جنت کی نعمتیں ـــــ یہ آخری دو نعمتیں سب کو یکساں ملیں گی، تفاوت صرف درجات میں ہوگا۔

یہ وعدے آئندہ پورے ہونگے مگر قطعی طور پر پورے ہونگے، اس آیت میں ان کی قطعیت کا بیان ہے۔ اور بات تشبیہ کے ذریعہ سمجھائی ہے، جیسے زیدٌ کالأسد میں زید کی بہادری تشبیہ سے سمجھائی ہے، اسی طرح بدر کی جنگ خاص مقصد سے

---

(۱) کاف: حرفِ تشبیہ ہے اور ما: مصدریہ، اور مشبّہ مقدر ہے أی: **هذه المواعيد حق كأخراجک من المدينة بالحق** (۲) من بیتک: **أی من المدينة إلى البدر**، پس مجموعۂ زمان کو شئ واحد قرار دیا ہے (۳) حقّ: مختلف معانی کے لئے آتا ہے، یہاں اسلام کی سربلندی مراد ہے جو حکمت کے مقتضی کے مطابق ہے، اس کو خاص مقصد کہا ہے (۴) ما: مصدریہ ہے اور تبین: ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے اور ضمیر ھو پوشیدہ الحق کی طرف راجع ہے۔

وقوع پذیر کی گئی، اور وہ خاص مقصد ہے: اسلام کی سربلندی اور مسلمانوں کی بالا دستی، اس جنگ کے ذریعہ مسلمانوں کا سر اونچا ہو گیا، پس جس طرح یہ مقصد حاصل ہو گیا، اب اس میں عدم وقوع کا احتمال نہیں، اسی طرح مجاہدین کے ساتھ جو وعدے کئے گئے ہیں وہ بھی قطعی طور پر پورے ہونگے۔

جنگِ بدر کا منظر اور پسِ منظر:

ہجرت سے پہلے قریش نے مسلمانوں پر اس قدر ستم ڈھایا تھا کہ وہ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے تھے، چند ہی نفوس مکہ میں نبی ﷺ کے ساتھ رہ گئے تھے، کفار دار الندوہ میں جمع ہوئے اور متفقہ قرار داد پاس کی کہ ہر قبیلہ کا ایک جوان آج رات نبی ﷺ کے مکان کو گھیر لے، جب آپؐ صبح نکلیں تو سب یکبارگی حملہ کریں، اور ان کا کام تمام کردیں، اُدھر نبی ﷺ کو ہجرت کی اجازت ملی۔ کفار نے آپؐ کے گھر کا محاصرہ کرلیا کہ جب آپؐ صبح نکلیں تو وہ یکبارگی حملہ کریں، عربوں کے نزدیک زنانہ مکان میں بے اجازت داخل ہونا عیب تھا، نبی ﷺ رات میں کسی وقت ان کے سروں پر مٹی ڈالتے ہوئے مکہ سے نکل گئے، اور ثور پہاڑ کی چوٹی پر ایک غار میں پناہ لی، صبح کفار کو پتہ چلا کہ شکار ہاتھ سے نکل گیا، انھوں نے چاروں طرف دوڑ دھوپ شروع کی، زیادہ تر مدینہ کے راستہ پر تلاش کیا، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی حفاظت کی اور آپؐ بہ سلامت مدینہ منورہ پہنچ گئے، اور قریش کے تمام منصوبے خاک میں مل گئے۔ پھر انھوں نے مشرکین کے سردار عبداللہ بن ابی کو خط لکھا کہ تم نے ہمارے آدمی کو ٹھکانہ دیا ہے، اور ہم اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ یا تو تم ان سے لڑو یا ان کو اپنے شہر سے نکال دو، ورنہ ہم سب مل کر مدینہ پر حملہ کریں گے، تمہارے جنگجوؤں کو قتل کریں گے اور تمہاری عورتوں کو مباح کرلیں گے (ابوداؤد حدیث ۳۰۰۴ کتاب الخراج باب فی خبر بنی النضیر) مگر نبی ﷺ کی فہمائش پر مشرکین مدینہ نے مسلمانوں سے جنگ نہیں کی تو مکہ والوں نے ٹھان لی کہ اب مدینہ والوں کو مزہ چکھانا ہے اور انھوں نے مسلمانوں کو کہلا بھیجا کہ تم مطمئن نہ ہو جانا، ہم مدینہ پہنچ کر تمہارا ستیاناس کردیں گے۔

ادھر نبی ﷺ نے مدینہ پہنچ کر مشرکین اور یہود کے ساتھ معاہدہ کرلیا کہ اگر دشمن باہر سے حملہ آور ہو تو سب مل کر دفاع کریں، اس کی خبر بھی مکہ والوں کو پہنچ گئی، پس انھوں نے بڑے پیمانہ پر جنگی تیاری شروع کی اور ایک بڑا قافلہ ترتیب دیا جس میں مکہ کے ہر باحیثیت آدمی کا سرمایہ لگا ہوا تھا، یہ قافلہ ملک شام سے ہتھیار خرید کر لائے گا، مگر اس پر تجارتی قافلہ (عِیْر) کا لیبل لگا ہوا تھا، اور طے پایا کہ ابوسفیان کی سرکردگی میں یہ قافلہ شام جائے اور ہتھیار لائے [1] نبی ﷺ کو سب

(۱) جاننا چاہئے کہ عرب میں ہتھیار بنتے تھے، مگر ہتھیاروں کا کارخانہ نہیں تھا، ہتھیار شام میں بنتے تھے، اور شام رومی حکومت کے ماتحت تھا، جو اس وقت کا سپر پاور تھا، پس آپس کی جھڑپوں کے لئے تو مکہ والوں کے پاس ہتھیار تھے، مگر باہر نکل کر کسی متحدہ ←

اطلاعات مل رہی تھیں، آپؐ نے مکہ سے شام جانے والے راستہ پر طلائع (۱) متعین کردیئے اور ایک فوجی دستہ مکہ اور طائف کے درمیان نخلہ مقام میں متعین کردیا جو مکہ والوں کی نقل وحرکت سے نبی ﷺ کو باخبر رکھتا تھا۔

جب کارواں شام کی طرف روانہ ہوا تو نبی ﷺ فوج کا ایک دستہ لے کر عُشیرۃ مقام میں —— جو ینبوع کے قریب ہے —— جمادی الاولیٰ ۲ ہجری میں ڈیڑھ سو دو سو آدمیوں کے ساتھ پہنچے، تاکہ اس پر قبضہ کریں، مگر جب آپؐ پہنچے تو قافلہ نکل چکا تھا، آپؐ بنومُدلج سے ناجنگ معاہدہ کرکے واپس آگئے۔

پھر جب وہ قافلہ شام سے لوٹا تو آپؐ نے صحابہ کو اطلاع دی، اور اس قافلہ کے تعاقب کے لئے نکلنے کی دعوت دی، اور مختصر جمعیت (کم وبیش تین سو تیرہ صحابہ) لے کر رمضان ۲ ہجری کی بارہ تاریخ کو مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے، چونکہ کسی مسلح فوج سے لڑنا پیش نظر نہیں تھا، اس لئے جو لوگ بروقت جمع ہوگئے ان کو ساتھ لے لیا، سامانِ جنگ بھی کوئی خاص نہیں تھا، دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے، جن پر باری باری سوار ہوتے تھے، بیر أَبِی عِنَبَۃ پر پہنچ کر (جو مدینہ سے ایک میل کے فاصلہ پر ہے) لشکر کا جائزہ لیا، جو کم عمر تھے ان کو واپس کردیا اور ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا حاکم بنا کر واپس کیا، پھر جب مقام صفراء کے قریب پہنچے تو بسبس بن عمرو جُہنی اور عدی بن أبی الزُّغباء جہنی رضی اللہ عنہما کو ابوسفیان کے قافلہ کے تجسس کے لئے آگے روانہ کیا، جب آپؐ مقام صفراء میں پہنچے تو دونوں قاصدوں نے اطلاع دی کہ ابوسفیان کا قافلہ بچ کر نکل گیا ہے، اور مکہ سے لشکر جرار بڑھتا چلا آرہا ہے، تب آپؐ نے مہاجرین وانصار سے مشورہ کیا، پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خوبصورتی کے ساتھ جاں نثاری کا اظہار کیا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تقریر کی اس کے بعد حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور انھوں نے فدایانہ تقریر کی جس کو سن کر نبی ﷺ کا چہرہ فرط مسرت سے کھل گیا، مگر آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''لوگو! مجھے مشورہ دو'' پس صدیق الانصار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! شاید روئے سخن انصار کی طرف ہے، آپؐ نے فرمایا: ہاں، اس کی وجہ یہ تھی کہ انصار کے ساتھ جو معاہدہ ہوا تھا وہ یہ تھا کہ اگر باہر سے دشمن مدینہ پر حملہ آور ہو تو انصار نبی ﷺ کا ساتھ دیں گے، مدینہ سے باہر نکل کر دشمن سے مقابلہ کرنے کے بارے میں انصار سے کوئی معاہدہ نہیں ہوا تھا، اور اب مدینہ سے باہر جنگ کی نوبت آرہی تھی، اس لئے آپؐ انصار سے مشورہ لینا چاہتے تھے، چنانچہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر جاں نثارانہ تقریر کی، نبی

← قوم سے ٹکرانے کے لئے بھرپور تیاری کی ضرورت تھی، اس لئے طے پایا کہ ہتھیار شام سے برآمد کئے جائیں، اس لئے شام کی طرف جانے والے قافلوں پر نظر رکھنی ضروری تھی، اسی لئے یمن کی طرف سفر کرنے والے تجارتی قافلوں پر نظر نہیں رکھی گئی، صرف شام اور عراق کی طرف جانے والے قافلوں کا تعاقب کیا گیا، یہ نکتہ ابتدائی مہمات میں پیش نظر رکھنا ضروری ہے ۱۲

(۱) طلائع: طلیعۃ کی جمع، دشمن کی سپاہ کا اندازہ لگانے اور معلومات حاصل کرنے کے لئے بھیجی جانے والی فوج کی ٹکڑی ۱۲

ﷺ اس سے مسرور ہوئے اور فرمایا: اللہ کے نام پر چلو، اور تم کو بشارت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ ابوجہل اور ابوسفیان کی دو جماعتوں میں سے کسی ایک پر ضرور فتح نصیب ہوگی، اور مجھے کفار قریش کے پچھڑنے کی جگہیں بھی دکھلائی گئی ہیں کہ فلاں شخص فلاں جگہ اور فلاں شخص فلاں جگہ مارا جائے گا، آپؐ کے اس ارشاد کے بعد فوج شاداں فرحاں بدر کی طرف روانہ ہوئی، کیونکہ ابوسفیان کے قافلہ کو وہیں سے گذرنا تھا۔

اُدھر ابوسفیان بھی چوکنا تھا، اسے اطلاع مل چکی تھی کہ جاتے ہوئے اس کا تعاقب کیا گیا تھا اس لئے اس کو خطرہ تھا کہ واپسی میں بھی اس کا تعاقب کیا جائے گا، اس نے آدمی چھوڑ رکھے تھے، جب اس کو یقینی اطلاع مل گئی کہ واپسی میں اس کے قافلہ کا تعاقب کیا جائے گا تو اس نے ضمضم غفاری کو مکہ روانہ کیا اور پیغام بھیجا کہ تمہارا قافلہ معرض خطر میں ہے دوڑو اور جلد اس کی خبر لو، اس خبر کا پہنچنا تھا کہ تمام مکہ میں ہلچل مچ گئی، کیونکہ مکہ کے ہر فرد نے تقریباً اپنی پوری پونجی اس قافلہ میں لگا رکھی تھی، اس لئے اس خبر کے سنتے ہی تمام مکہ میں جوش پیدا ہوگیا اور ایک ہزار آدمی پورے ساز وسامان کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے، اس لشکر کا کمانڈر انچیف ابوجہل تھا، لشکر کرّ وفر، سامانِ عیش وطرب کے ساتھ اور گانے بجانے والی عورتوں اور طبلوں کے ساتھ اکڑتا ہوا اور اتراتا ہوا روانہ ہوا، پھر جب ابوسفیان ساحل کے راستہ سے قافلہ کو بچا کر مسلمانوں کی زد سے نکال لے گیا تو اس نے قریش کو پیغام بھیجا کہ تم صرف اس لئے نکلے تھے کہ قافلہ کو، اپنے آدمیوں کو اور اپنے اموال کو بچاؤ، اللہ نے سب کو بچالیا ہے، لہٰذا تم مکہ واپس لوٹ جاؤ، مگر ابوجہل نے کہا: جب تک ہم بدر پہنچ کر تین دن تک کھا پی کر اور گا بجا کر خوب مزے نہیں اڑالیں گے ہرگز واپس نہیں ہونگے، چنانچہ قریش کا لشکر بدر میں پہلے پہنچ گیا اور اس نے پانی کے چشمے پر قبضہ کرلیا اور مناسب جگہوں کو اپنے لئے چھانٹ لیا، جب مسلمان بدر میں پہنچے تو ان کو نہ پانی ملا نہ مناسب جگہ، رتیلا میدان تھا، جہاں چلنا بھی دشوار تھا، پیر ریت میں دھنس رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے بارانِ رحمت نازل فرمائی، جس سے ریت جم گئی اور مسلمانوں نے چھوٹے چھوٹے حوض بنا کر پانی جمع کرلیا۔

یہ جمعہ کا دن تھا اور رمضان کی ۱۷ تاریخ تھی، ایک طرف اہل حق کی جماعت تھی اور دوسری طرف باطل پرستوں کی، صبح کو جنگ شروع ہوئی اور شام کو نمٹ گئی اور اللہ کا وعدہ پورا ہوا۔

آیتِ پاک: ترجمہ وتفسیر: (کھرے مؤمنین (مجاہدین بدر) کے ساتھ کئے گئے مذکورہ تینوں وعدے ایسے سچے پکے اور قطعی ہیں) —— جیسے آپ (ﷺ) کو آپ کے گھر سے (مدینہ منورہ سے) خاص مقصد کے لئے آپؐ کے پروردگار نے نکالا —— نبی ﷺ صحابہ کی ایک جمعیت لے کر مدینہ سے روانہ ہوئے، ٹارگیٹ (ہدف) ابوسفیان کا تجارتی قافلہ تھا، مگر اللہ تعالیٰ کو کچھ اور منظور تھا، ان نہتوں کو مکہ کے لشکر جرار سے بھڑانا تھا، تاکہ حق کا بول بالا ہو —— اور

آپ ؐ کے نکلنے کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا، فرمایا: ''اللہ نے آپ کو نکالا'' یہ شریعت کی زبان ہے، بندوں کے اچھے کاموں کو اللہ تعالیٰ اپنی طرف منسوب کرتے ہیں، اور برے کاموں کو شیطان کی طرف یا انسان کے نفس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے ــــــ اور وہ خاص مقصد: اسلام کی سربلندی اور مسلمانوں کی بالادستی تھی، یہ مقصد جنگِ بدر سے حاصل ہوا، چنانچہ بدر کی جنگ کو یوم الفرقان فرمایا، یعنی حق اور باطل کے درمیان فیصلہ کن جنگ۔

درانحالیکہ مؤمنین کی ایک جماعت اس کو بالیقین ناپسند کرتی تھی ــــــ یہ مقام صفراء کا تذکرہ ہے۔ جہاں قاصدوں نے آپ کو اطلاع دی کہ ابوسفیان کا قافلہ تو بچ کر نکل گیا ہے، مگر مکہ سے ایک لشکر جرّار بڑھتا چلا آرہا ہے، نیز وحی کے ذریعہ آپ کو اطلاع دیدی کہ دو جماعتوں میں سے ایک پر آپ کو ضرور غلبہ نصیب ہوگا، پس بات معین ہوگئی، ابوسفیان کا قافلہ تو بچ کر نکل گیا، اب سامنے لشکر جرار ہے، اسی پر غلبہ حاصل ہوگا۔

مقام صفراء میں نبی ﷺ نے صحابہ سے مشورہ کیا، ایک جماعت کی رائے مکی لشکر سے مقابلہ کی نہیں تھی، اس لئے کہ وہ تھوڑی تعداد میں ناکافی تیاری کے ساتھ نکلے تھے۔

وہ لوگ آپ ؐ سے لڑتے ہیں اس خاص مقصد میں اس کے واضح ہوجانے کے بعد ــــــ یعنی وحی سے متعین ہوگیا تھا کہ مکی لشکر کے مقابلہ میں فتح حاصل ہوگی، پھر بھی ان کا اصرار تھا کہ واپس چلیں ــــــ اور وہ (مکی لشکر کا مقابلہ کرنے سے) ایسا ڈر رہے تھے گویا وہ موت کی طرف ہانکے جارہے ہیں، اور وہ اس کو دیکھ رہے ہیں! ــــــ یعنی مکی لشکر سے مقابلہ میں ان کو یقینی طور پر موت نظر آرہی تھی!

مگر اللہ تعالیٰ کی مرضی کچھ اور تھی، چنانچہ حضرات ابوبکر وعمر ومقداد رضی اللہ عنہم نے فدایانہ تقریریں کیں، پھر صدیق الانصار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے ولولہ انگیز تقریر کی تو نبی ﷺ مسرور ہوئے، اور فرمایا: ''اللہ کے نام پر چلو، اور مکی لشکر کا مقابلہ کرو، اس مقابلہ میں تمہیں یقیناً فتح حاصل ہوگی، اللہ تعالیٰ نے یہ بات وحی سے مجھے بتلادی ہے، اس لئے ڈرنے کی کوئی بات نہیں!''

فوج پُرامید ہوکر بدر کی طرف بڑھی، ابوسفیان کے قافلہ کو وہاں سے گذرنا تھا، اور مکہ والوں کا لشکر بھی قافلہ بچانے کو وہاں پہنچنے والا تھا، بدر: ایک بڑی بستی ہے، اس کے پاس میدان میں جنگ ہوئی تھی، وہاں ریت بہت اوڑھتی ہے، تمام پہاڑ ریت میں ڈھکے رہتے ہیں۔

وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ

الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۙ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۚ

وَاِذْ	اور (یاد کرو) جب	غَيْرَ	سوا	وَيَقْطَعَ	اور کاٹ دیں
يَعِدُكُمُ	وعدہ کر رہے ہیں تم سے	ذَاتِ الشَّوْكَةِ [1]	کانٹے والی کے	دَابِرَ	جڑ
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	تَكُوْنُ	ہو وہ	الْكٰفِرِيْنَ	کافروں کی
اِحْدَى	ایک کا	لَكُمْ	تمہارے لئے	لِيُحِقَّ [3]	تا کہ ثابت ہو جائے
الطَّآئِفَتَيْنِ	دو جماعتوں میں سے	وَيُرِيْدُ	اور چاہتے ہیں	الْحَقَّ	برحق مقصد
اَنَّهَا	کہ وہ	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	وَيُبْطِلَ	اور باطل ہو جائے
لَكُمْ	تمہارے لئے ہے	اَنْ يُّحِقَّ	کہ ثابت کریں	الْبَاطِلَ	غلط بات
وَتَوَدُّوْنَ	اور چاہتے ہو تم	الْحَقَّ	خاص مقصد کو	وَلَوْ كَرِهَ	اگرچہ ناپسند کریں
اَنَّ	کہ	بِكَلِمٰتِهٖ [2]	اپنے فرمودات سے	الْمُجْرِمُوْنَ	بدکار لوگ

غزوۂ بدر کا خاص مقصد احقاقِ حق اور ابطالِ باطل تھا

گذشتہ آیت میں دو باتیں تھیں: ایک: اللہ تعالیٰ خاص مقصد کے لئے نبی ﷺ کو مدینہ سے بدر کی طرف لے چلے ہیں: وہ خاص مقصد کیا تھا؟ دوم: ایک جماعت مکہ کے لشکر سے نبرد آزما ہونے کو ناپسند کرتی تھی، ان لوگوں کی تمنا کیا تھی؟ ان دونوں باتوں کا بیان ان آیات میں ہے۔

مسلمان چاہتے تھے کہ حملہ تجارتی قافلہ پر ہو، تا کہ کانٹا نہ چبھے اور بہت مال مل جائے، اور قافلہ بچ کر نکل گیا ہے تو واپس لوٹا جائے، مکہ کے لشکر سے دو دو ہاتھ نہ کئے جائیں، اس میں ان کو موت نظر آ رہی تھی۔

اور اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ تھی کہ اس چھوٹی سی بے سروسامان جماعت کو ایک ہزار کے مسلح لشکر سے بھڑایا جائے، اور مسلمانوں کو فتح سے ہمکنار کیا جائے، تا کہ حق کا بول بالا ہو، اور قریش کے گرو گھنٹالوں کی جڑ کٹ جائے، اور سچ کا سچ اور جھوٹ کا جھوٹ کفار کے علی الرغم آشکارا ہو جائے۔

(۱) الشوکۃ: کانٹا، مجازی معنی: قوت وطاقت (۲) کلمۃ سے مراد فیصلۂ خداوندی ہے جس کی تعبیر کلمۂ کُن ہے (۳) یہ تکرار نہیں، دوسری بات ﴿ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴾ کہنے کے لئے تمہید لوٹائی ہے، اور یہ قرآن کا خاص اسلوب ہے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا، پل بھر میں کفار کے ستر سردار مارے گئے، جن میں اس امت کا فرعون ابوجہل بھی تھا، اور ستر سورما قید میں آئے، جن سے فدیہ میں خطیر رقم حاصل ہوئی، اس طرح کفار کی کمر ٹوٹ گئی اور شرک کی بنیادیں ہل گئیں اور لوگوں کے لئے اسلام میں آنے کا راستہ کھل گیا۔

آیاتِ پاک: اور (یادکرو) جب اللہ تعالیٰ تم سے (مقام صفراء میں) وعدہ کرتے تھے کہ جو جماعتوں میں سے ایک جماعت تمہارے ہاتھ لگے گی —— انبیاء سے بھی وعدے مبہم کئے جاتے ہیں، بات کھول کر نہیں بتائی جاتی، جیسے سورۃ الفتح (آیت ۲۷) میں ﴿ اٰمِنِيْنَ ﴾ کے ساتھ ﴿ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ ﴾ بڑھایا ہے، تاکہ صحابہ عمرۂ قضا کے لئے بے خوف ہوکر نہ جائیں، چنانچہ فوج ہتھیار لے کر چلی، اور مکہ سے آٹھ میل وادی یأجج میں وہ ہتھیار رکھ دیئے اور دوسو آدمی ان کی حفاظت کے لئے چھوڑ دیئے اور صرف تلواریں میانوں میں رکھ کر قافلہ مکہ میں داخل ہوا، مگر کوئی بات پیش نہ آئی، امن رہا، مکہ والوں نے وعدہ وفا کیا۔

اور تم اس تمنا میں تھے کہ غیر مسلح جماعت (ابوسفیان کا قافلہ) تمہارے ہاتھ آئے، اور اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ وہ برحق دین کو اپنے فرمودات سے بالا کردیں، اور منکرین اسلام کی جڑ کاٹ دیں، تاکہ وہ برحق دین کو برحق ثابت کردیں اور باطل دین کو باطل کردیں، چاہے بدکاروں کو کتنا ہی ناگوار گذرے!

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّىْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۝۹ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَىِٕنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۱۰

اِذْ	(یادکرو) جب	لَكُمْ	تم کو	مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ	فرشتوں میں سے
تَسْتَغِيْثُوْنَ (۱)	مدد مانگ رہے تھے تم	اَنِّىْ	کہ میں	مُرْدِفِيْنَ (۴)	پے بہ پے آنے والے
رَبَّكُمْ	اپنے پروردگار سے	مُمِدُّكُمْ (۳)	مدد دینے والا ہوں تم کو	وَمَا	اور نہیں
فَاسْتَجَابَ (۲)	پس جواب دیا اس نے	بِاَلْفٍ	ایک ہزار کے ذریعہ	جَعَلَهُ	بنایا اس (مدد) کو

(۱) غوث: مدد، سین تا طلب کے لئے۔ (۲) استجابہ: جواب دینا (۳) مُمِدّ: اسم فاعل، إمداد: مدد دینا (۴) مُرْدِف: اسم فاعل، إرداف: مصدر، ردیف: سواری پر پیچھے بیٹھنے والا، یہ ملائکہ کا حال ہے: پے بہ پے آنے والے، لگاتار آنے والے، یکے بعد دیگرے آنے والے، یعنی ہزار کے بعد اور فرشتے بھی آئیں گے۔

اللہ کے	اللّٰہِ	تمہارے دلوں کو	قُلُوْبُكُمْ	اللہ تعالیٰ نے	اللّٰهُ
بے شک اللہ تعالیٰ	اِنَّ اللّٰهَ	اور نہیں ہے مدد	وَمَا النَّصْرُ	مگر خوش خبری	اِلَّا بُشْرٰى
زبردست	عَزِيْزٌ	مگر	اِلَّا	اور تاکہ اطمینان ہو	وَلِتَطْمَىِٕنَّ
بڑی حکمت والے ہیں	حَكِيْمٌ	پاس سے	مِنْ عِنْدِ	اس (مدد) سے	بِهٖ

غزوۂ بدر میں فتح وظفر کے تین اسباب

بدر کی جنگ ایک دن میں نمٹ گئی تھی، سورج چڑھے لڑائی شروع ہوئی اور سورج چھپنے سے پہلے مجاہدین نے پالا مارلیا، قریش کے ستّر سور ما لقمۂ اجل بنے اور ستر ہی پا بہ زنجیر ہوگئے، یہ تاریخ کا انوکھا واقعہ ہے، عام طور پر ایسا نہیں ہوتا، بدر کی جنگ میں وہ کیا اسباب جمع ہوئے تھے جو چٹ پٹ کامیابی کا سبب بنے؟

جواب: ان آیات میں اور آئندہ آیات میں کامیابی کے تین اسباب کا تذکرہ ہے: فرشتوں کی کمک، چین کی نیند اور رحمت کی بارش، ان تین اسباب کی وجہ سے بدر میں حیرت انگیز کامیابی حاصل ہوئی، اور وہ جنگ یوم الفرقان (فیصلہ کن جنگ) ثابت ہوئی۔

پہلا سبب: —— فرشتو کی کمک —— یہ سب سے اہم سبب تھا، اس لئے اس کو پہلے ذکر کیا ہے، اور اس کا تذکرہ سورۃ آلِ عمران (آیات ۱۲۳-۱۲۷) میں بھی آیا ہے۔

بدر کی جنگ: اسلام کی پہلی جنگ تھی، اس وقت تک مسلمانوں کو کوئی نمایاں حیثیت حاصل نہیں تھی، مجاہدین کی تعداد بھی بہت کم تھی، سامانِ جنگ بھی کوئی خاص نہیں تھا، بدر میں دو گھوڑے اور ستّر اونٹ تھے، جن پر باری باری سوار ہوتے تھے اور مقابلہ میں ایک ہزار کا لشکر جرّار، ساز وسامان کے ساتھ، ہتھیاروں سے لیس تھا، اور اس امت کا فرعون بوجہل کمانڈر انچیف تھا، وہ لشکر کے ساتھ بدر میں پہلے پہنچ چکا تھا، اس نے پانی کے چشمہ پر قبضہ کرلیا تھا اور مناسب جگہ لشکر کے لئے چھانٹ لی تھی، جب مسلمان بدر میں پہنچے تو ان کو نہ پانی ملا نہ مناسب جگہ، ریتلا میدان حصہ میں آیا، جہاں چلنا بھی دشوار تھا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ایسا کیا کہ کافروں کے لشکر کو مسلمانوں کی نظر میں تھوڑا دکھایا، اور مسلمان تھوڑے تو تھے ہی، ان کو کافروں کی نظر میں اور تھوڑا کر کے دکھایا، اس کا تذکرہ ابھی اسی سورت کی (آیت ۴۵) میں آرہا ہے، مقصد یہ تھا کہ دونوں فریق جرأت سے لڑیں، ہر جماعت یہ سوچے کہ ابھی مقابل کو دھار پر دھرلیں گے۔

پھر جب جنگ شروع ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی کمک بھیجی، پہلے ایک ہزار فرشتے گھوڑوں پر سوار وردی پہنے ہوئے آئے، پھر اور دو ہزار نعرے لگاتے ہوئے آئے، پھر اور دو ہزار اسی طرح آئے، کل پانچ ہزار فرشتے اترے، یہ فرشتے

کفار کونظر آئے جس سے ان پر دھاک بیٹھی، صحابہ کو یہ فرشتے عام طور پر نظر نہیں آئے، اور پانچ ہزار ایک ساتھ نہیں آئے، کمک اسی طرح آتی ہے، جب وقفہ وقفہ سے کمک نعرہ لگاتی ہوئی آتی ہے تو دشمن کا دل دہل جاتا ہے، اور جنگ کا چٹ پٹ فیصلہ ہوجاتا ہے۔

فرشتے جب امداد کے لئے آتے ہیں تو کیا کام کرتے ہیں؟ باقاعدہ جنگ میں حصہ لیتے ہیں یا پشت پناہی کرتے ہیں؟

جواب: فرشتے جب بھی کسی جنگ میں نازل ہوتے ہیں تو لڑتے نہیں، لڑنا انسانوں کا کام ہے، فرشتے دلوں میں نیک جذبات ابھارتے ہیں، ہمت بندھاتے ہیں اور مجاہدین کے کاموں میں کمک پہنچاتے ہیں، جیسے کسی مجاہد نے بم پھینکا اس کا نشانہ غلط ہوسکتا تھا، فرشتہ اس بم کو صحیح جگہ گراتا ہے، یا مجاہد نے گیند لڑھکائی اس کو سو میٹر تک جانا چاہئے، فرشتہ نے اس میں کمک پہنچائی وہ ہزار میٹر تک چلی گئی، فرشتے جنگ میں اس طرح کا تعاون کرتے ہیں اور بدر کی جنگ میں فرشتوں کے لڑنے کی جو روایات ہیں ان کی صورت بھی یہی ہوئی تھی، صحابی نے تلوار چلائی، اس کی تلوار لگنے سے پہلے ہی دشمن کا سر جدا ہوگیا، یہ فرشتہ کی کمک تھی۔

فائدہ: دوسرا سبب: چین کی نیند تھی اور تیسرا سبب: رحمت کی بارش تھی، ان کا تذکرہ اگلی آیت میں ہے۔

آیاتِ کریمہ: (یاد کرو) جب تم اپنے پروردگار سے مدد مانگ رہے تھے ـــــ لوگ رات میں گہری نیند سو رہے تھے، اور نبی ﷺ دعا میں مشغول تھے ـــــ پس اس نے تم کو جواب دیا کہ میں تمہاری ایک ہزار فرشتوں سے مدد کرونگا، جو سلسلہ وار آئیں گے ـــــ اور اللہ تعالیٰ نے اس امداد کو خوش خبری ہی بنایا ہے، اور تا کہ تمہارے دلوں کو اس امداد سے چین نصیب ہو، اور نصرت تو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے، بے شک اللہ تعالیٰ زبردست بڑی حکمت والے ہیں!

إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ ﴿١١﴾

إِذْ	(یاد کرو) جب	أَمَنَةً	تسکین کے طور پر	عَلَيْكُمْ	تم پر
يُغَشِّيكُمُ(۱)	ڈھانک رہی تھی تم کو	مِّنْهُ	اللہ کی طرف سے	مِّنَ السَّمَاءِ	آسمان سے
النُّعَاسَ	اونگھ	وَيُنَزِّلُ(۲)	اور اتار رہے تھے وہ	مَاءً	پانی

(۱) تغشية (باب تفعیل) متعدی بدو مفعول ...... أمنة: مفعول لہٗ یا حال (۲) وینزل میں واو ترتیب کے لئے ہے، جیسے آیت وضوء میں امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک واو ترتیب کے لئے ہے یعنی بارش صبح میں ہوئی، رات میں گہری نیند سونے کے بعد۔

لِّيُطَهِّرَكُمْ	تاکہ پاک کرے وہ تم کو	رِجْزَ	گندگی	وَيُثَبِّتَ	اور جمائے وہ
بِهٖ	اس کے ذریعہ	الشَّيْطٰنِ	شیطان کی	بِهِ	اس کے ذریعہ
وَيُذْهِبَ	اور دور کرے وہ	وَلِيَرْبِطَ (۱)	اور تاکہ باندھے وہ	الْاَقْدَامَ	پیروں کو
عَنْكُمْ	تم سے	عَلٰى قُلُوْبِكُمْ	تمہارے دلوں پر	۞	۞

بدر میں فتح وظفر کے دو ظاہری سبب

بدر میں فتح وظفر کے تین اسباب جمع ہوئے تھے، پہلا سبب جو سب سے اہم تھا اس کا ذکر گذشتہ آیات میں آیا ہے، اور وہ فرشتوں کی کمک تھی، فرشتے تین غزوات میں اترے ہیں: بدر میں، احزاب میں اور حنین میں، جب مجاہدین آخری درجہ لاچار ہوجاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے ان کی مدد کرتے ہیں، فرشتے لڑتے نہیں، لڑنا مجاہدین کا کام ہے، فرشتے ان کے کاموں میں تعاون کرتے ہیں، جیسا کہ اگلی آیات میں آرہا ہے۔

بدر کی جنگ میں فتح وظفر کے دو ظاہری سبب:

پہلا سبب: بدر کی لڑائی جمعہ کے دن ہوئی ہے، اس سے پہلے جو رات گذری اس میں مجاہدین گھوڑے بیچ کر سوئے، بے فکری سے سوئے، اللہ تعالیٰ نے ان پر اونگھ طاری کردی، اس لئے خوب گہری نیند آئی، اور صبح تازہ دم ہوکر اٹھے، اور کافروں کی فوج بے چین سوئی، وہ فکرِ فردا میں مبتلا تھی، چنانچہ وہ بوجھل بیدار ہوئے، اس کا جنگ پر اثر پڑا۔

فائدہ: غزوۂ احد میں بھی اونگھ چین بن کر اتری تھی اور بے چینی دور ہوئی تھی، وہ میدان جنگ کا واقعہ تھا، وہ اونگھ مجاہدین کی ایک جماعت پر چھائی تھی اور یہاں جس اونگھ کا ذکر ہے وہ سب کو عام تھی، سورۃ آلِ عمران (آیت ۱۵۴) میں ہے: ﴿ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ﴾ تفصیل ہدایت القرآن (۱:۵۰۶) میں ہے۔

دوسرا سبب: پھر صبح جمعہ کے دن رحمت کی بارش ہوئی، اور چھاجوں پانی برسا، عرب میں بارش اسی طرح ہوتی ہے، اس سے چار فائدے حاصل ہوئے:

۱- مسلمان مدینہ منورہ سے کئی دن پہلے نکلے تھے، ان کو نہانے دھونے کا موقعہ نہیں ملا تھا، پھر میدانِ بدر میں گرد وغبار سے سابقہ پڑا تھا، اور پانی پر کفار نے قبضہ کرلیا تھا اس لئے وضو غسل کی تکلیف بھی پیش آئی، اس لئے جب بارش شروع

(۱) دل پر گرہ باندھنا یعنی دلوں کو قوی کرنا شیطان کا وسوسہ دور ہونے سے دل قوی ہوگئے۔ اور لام تعلیل کا ہے لیطھر کم کا لام دور گیا تھا اس لئے اس کو مکرر لائے ہیں۔

ہوئی تو صحابہ نے کھڈے کھود کر پانی جمع کر لیا، اور نہا دھو کر تازہ دم ہو گئے۔

۲- شیطان نے لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالا تھا کہ اگر تم حق پر ہوتے تو ضرور تائید ایزدی تمہارے ساتھ ہوتی، ایسی پریشان کن اور یاس انگیز صورتِ حال پیش نہ آتی کہ تم پانی سے محروم ہو اور پیر ریت میں دھنس رہے ہیں، بارش ہوتے ہی شیطانی وسوسہ کافور ہو گیا —— یہ بارش کا منفی پہلو سے فائدہ تھا۔

۳- شیطانی خلجان کے دور ہونے سے مجاہدین کے دل قوی ہو گئے اور وہ پُر حوصلہ ہو کر لڑے —— یہ بارش کا مثبت پہلو سے فائدہ تھا۔

۴- کافروں نے اچھی جگہ قبضہ جما لیا تھا، مسلمانوں کی طرف ریت بہت زیادہ تھی، جس سے چلتے ہوئے پاؤں دھنستے تھے، جب بارش ہوئی تو ریت جم گئی اور چلنا پھرنا آسان ہو گیا اور کافروں کی طرف مٹی کیچ بن گئی، جس میں پیر پھسلنے لگے۔ پھر جنگ شروع ہوئی، اور مجاہدین نے پل بھر میں پالا مار لیا۔

آیاتِ کریمہ: (وہ وقت یاد کرو) جب اللہ تعالیٰ تم پر اونگھ طاری کر رہے تھے، اپنی طرف سے چین کے طور پر —— اونگھ: نیند کا پیش خیمہ ہوتی ہے —— اور تم پر آسمان سے پانی برسا رہے تھے: (۱) تاکہ اس کے ذریعہ تم کو پاک صاف کریں (۲) اور تم سے شیطانی خلجان دور کریں (۳) اور تاکہ تمہارے دلوں کو قوی کریں (۴) اور تمہارے پاؤں جمائیں۔

إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا ۚ سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿۱۲﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ وَمَن يُشَاقِقِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۱۳﴾ ذَٰلِكُمْ فَذُوقُوهُ وَأَنَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۴﴾

إِذْ	(یاد کرو) جب	أَنِّي مَعَكُمْ	کہ میں تمہارے ساتھ ہوں	فِي قُلُوبِ	دلوں میں
يُوحِي	وحی کر رہے تھے	فَثَبِّتُوا	لہٰذا جماؤ	الَّذِينَ كَفَرُوا	منکرینِ اسلام کے
رَبُّكَ	آپ کے پروردگار	الَّذِينَ آمَنُوا	ان کو جو ایمان لائے	الرُّعْبَ	دہشت (دھاک)
إِلَى الْمَلَائِكَةِ	فرشتوں کی طرف	سَأُلْقِي	ابھی ڈالتا ہوں میں	فَاضْرِبُوا	پس مارو تم

فَوْقَ الْاَعْنَاقِ[1]	گردنوں کے اوپر	اللّٰهَ	اللہ	شَدِيْدُ	سخت
وَ اضْرِبُوْا	اور مارو تم	وَرَسُوْلَهٗ	اور اس کے رسول کی	الْعِقَابِ	سزا دینے والے ہیں
مِنْهُمْ	ان کی	وَمَنْ	اور جو شخص	ذٰلِكُمْ	یہ (سزائیں)
كُلَّ بَنَانٍ[2]	ہر پور کو	يُّشَاقِقِ	مخالفت کرتا ہے	فَذُوْقُوْهُ	پس چکھو تم ان کو
ذٰلِكَ	یہ (کمک)	اللّٰهَ	اللہ	وَاَنَّ	اور یہ بات (جان لو کہ)
بِاَنَّهُمْ	اس وجہ سے ہے کہ انھوں نے	وَرَسُوْلَهٗ	اور اس کے رسول کی	لِلْكٰفِرِيْنَ	منکرینِ اسلام کے لئے
شَآقُّوا	مخالفت کی ہے	فَاِنَّ اللّٰهَ	پس بے شک اللہ تعالیٰ	عَذَابَ النَّارِ	دوزخ کا عذاب ہے

فرشتوں کی کمک کیوں آئی؟ اور وہ کیا کام انجام دے گی؟

معرکۂ بدر میں خود ابلیس لعین کنانہ کے سردار اعظم سُراقہ بن مالک مُدلجی کی صورت میں ممثّل ہو کر ابوجہل کے پاس آیا، اور مشرکین کے خوب دل بڑھائے کہ آج تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا، میں اور میرا سارا قبیلہ تمہارے ساتھ ہے، ابلیس کے جھنڈے تلے بڑا بھاری لشکر شیاطین کا تھا (یہ مضمون آگے آیت ۴۸ میں آرہا ہے)

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی کمک بھیجی، پانچ ہزار فرشتے اترے، اس لئے کہ ابلیس شیاطین کا بھاری لشکر لے کر آیا تھا، پھر سارے فرشتے ایک ساتھ نہیں آئے: ﴿مُرْدِفِيْنَ﴾: پے بہ پے آئے، کمک جب اس طرح آتی ہے تو مخالف لشکر پر دھاک بیٹھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان فرشتوں کو وحی کے ذریعہ چند باتوں کا حکم دیا۔

۱- میں تمہارے ساتھ ہوں، یہ شیطان کی بات کا جواب ہے یعنی میری مدد تمہارے ساتھ ہے۔

۲- شیاطین کفار کے حوصلے بڑھا رہے ہیں تو تم کمزور مسلمانوں کے دلوں کو مضبوط کرو۔

۳- جب جنگ شروع ہوگی تو میں کفار کے دلوں میں دھاک بٹھاؤں گا، پس تم تلواریں گردنوں کے اوپر چلاؤ، یعنی تلواریں کفار کے سروں کو چھوتی ہوئی گذریں، اور گردنوں پر تلواریں مجاہدین ماریں، اس سے سر جدا ہو جائیں گے۔

---

(۱) فوق اور علی میں تھوڑا فرق ہے، اول میں اتصال ضروری نہیں اور علی میں اتصال ہوتا ہے، جیسے کتاب فوق الکتاب: کتاب کے اوپر کتاب، خواہ متصل ہو یا جدا ہو، اور کتاب علی الکتاب: کتاب پر کتاب یعنی ملی ہوئی۔ جاننا چاہئے کہ ضرب متعدی بنفسہ ہے، اگر گردن پر مارنا ہوتا تو فاضربوا الأعناق ہوتا۔ فوق اس لئے بڑھایا ہے کہ فرشتے گردنوں پر نہیں، بلکہ ان کے اوپر ماریں گے اور ٹھیک گردن پر مجاہد مارے گا (۲) کل بنان: پوریوں پر مارنے سے ہاتھ بیکار ہو جائے گا، اب کافر تلوار نہیں چلا سکے گا اور مجاہد اس کا کام تمام کر دے گا۔

۴-اور تم کفار کے ہاتھوں کی تمام پوریوں پر مارو، اس سے ان کے ہاتھ شل ہو جائیں گے، تلوار چلانے کے قابل نہیں رہیں گے اور مجاہدین ان کا کام تمام کردیں گے۔

فائدہ: فرشتے جب بھی کسی جنگ میں نازل ہوتے ہیں تو لڑتے نہیں، لڑنا انسانوں کا کام ہے، فرشتے دلوں میں نیک جذبات ابھارتے ہیں، ہمت بندھاتے ہیں اور مجاہدین کے کاموں میں کمک پہنچاتے ہیں، جیسے کسی مجاہد نے بم پھینکا اس کا نشانہ غلط ہوسکتا تھا، فرشتہ اس بم کو صحیح جگہ گراتا ہے، یا مجاہد نے گیند لڑھکائی اس کو سو میٹر تک جانا چاہئے، فرشتہ نے اس میں کمک پہنچائی وہ ہزار میٹر تک چلی گئی، فرشتے جنگ میں اس طرح کا تعاون کرتے ہیں اور بدر کی جنگ میں فرشتوں کے لڑنے کی جو روایات ہیں ان کی صورت بھی یہی ہوئی تھی، صحابی نے تلوار چلائی، اس کی تلوار لگنے سے پہلے ہی دشمن کا سر جدا ہوگیا، یہ فرشتہ کی کمک تھی۔

﴿اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ۝﴾

ترجمہ: (یاد کرو) جب آپؐ کے پروردگار فرشتوں کو وحی کررہے تھے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، پس تم ایمان والوں کی ہمت بڑھاؤ، میں ابھی منکرین اسلام کے دلوں میں دھاک بٹھاتا ہوں، پس تم گردنوں کے اوپر مارو، اور ان کی ہر پور کو مارو۔

بدر میں فرشتوں کے ذریعہ اللہ نے کافروں کو سزا دی

(نزول ملائکہ کی ایک اور حکمت)

جب نبرد آزما دشمنانِ اسلام قوی ہوتے ہیں اور مسلمان کمزور ہوتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی مصلحت ہوتی ہے کہ مسلمانوں کا بول بالا ہو تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو اتارتے ہیں، اور ان کے ذریعہ کفار کو نیچا دکھاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی اس سنت کا ذکر سورۃ التوبہ (آیت ۵۲) میں ہے: ﴿قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۭ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ڮ فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ۝﴾: آپؐ فرمادیں: تم ہمارے حق میں دو بہتریوں (شہادت یا ظفرمندی) میں سے ایک بہتری ہی کے منتظر رہتے ہو، اور ہم تمہارے حق میں اس کے منتظر رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تم پر کوئی عذاب واقع کردیں اپنی طرف سے یعنی فرشتوں کے ذریعہ یا کائنات میں تصرف کے ذریعہ یا ہمارے ہاتھوں سے یعنی ہم تمہیں قتل کریں سو تم بھی انتظار کرو، ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار میں ہیں۔

بدر میں مسلمان بہت تھوڑے تھے، ساز وسامان بھی کچھ زیادہ نہیں تھا، کفار تین گنا تھے، اور ہر قسم کے ہتھیاروں سے لیس تھے، اور یہ اسلام کی کفر کے ساتھ پہلی ٹکر تھی اور اللہ کی مصلحت یہ تھی کہ اسلام کا بول بالا ہو، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی کمک بھیجی اور ان کے ہاتھوں قریش کا منہ کیل دیا!

فرماتے ہیں: قریش نے اسلام کو قبول نہیں کیا اور اللہ ورسول سے برسر پیکار ہوگئے، اور جو یہ کام کرتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ دنیا میں سخت سزا دیتے ہیں، اور مسلمان اس پوزیشن میں نہیں تھے کہ ان سے دو دو ہاتھ کرسکیں۔ اس لئے اللہ نے فرشتوں کو اتارا اور ان کے ہاتھوں کفار کو سزا دی۔

ان کے ستر سردار مارے گئے اور اتنے ہی پابہ زنجیر ہوگئے اور ان کا مال سامان مسلمانوں کے ہاتھ لگا، یہ سزائیں تو انھوں نے چکھیں، ساتھ ہی یہ بات بھی جان لیں کہ آخرت میں منکرینِ اسلام کے لئے دوزخ کا عذاب تیار ہے!

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۳﴾ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۴﴾﴾

ترجمہ: یہ (فرشتوں کی کمک) اس وجہ سے آئی کہ انھوں نے (کفار قریش نے) اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کی، اور جو شخص اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو (دنیا میں) سخت سزا دیتے ہیں ——— یہ (سزائیں: سرداروں کا قتل ہونا وغیرہ) پس تم اس کو چکھو، اور یہ بات (جان لو کہ) منکرین اسلام کے لئے دوزخ کا عذاب (بھی) ہے!

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ﴿۱۵﴾ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے لوگو جو	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	کافروں سے	الْاَدْبَارَ	اپنی پیٹھوں کو
اٰمَنُوْٓا	ایمان لائے	زَحْفًا(۱)	آہستہ آہستہ چلتے ہوئے	وَمَنْ	اور جو
اِذَا لَقِيْتُمُ	جب ملاقات کرو تم	فَلَا تُوَلُّوْهُمُ	تو نہ پھیرو تم ان کی طرف	يُّوَلِّهِمْ	پھیرے گا ان کی طرف

(۱) زحفا: لقیتم کے فاعل کا حال ہے زَحَفَ الصبیُّ (ف) زَحْفًا: بچہ کا زمین پر کولہے کے بل سرکنا، رینگنا، آہستہ آہستہ چلنا، پیش قدمی کرنا۔ فوج جب مارچ کرتی ہے تو آہستہ آہستہ دائیں بائیں دیکھ کر بڑھتی ہے۔

يَوْمَئِذٍ	اس دن	اَوْ مُتَحَيِّزًا (۲)	یا سمٹنے والا	وَمَاْوٰىهُ	اور اس کا ٹھکانا
دُبُرَهٗ	اپنی پیٹھ	اِلٰى فِئَةٍ	بڑی جماعت کی طرف	جَهَنَّمُ	دوزخ ہے
اِلَّا مُتَحَرِّفًا (۱)	مگر مستثنیٰ ہے پینترا	فَقَدْ بَآءَ	پس بالیقین لوٹا وہ	وَبِئْسَ	اور برا ہے وہ
	بدلنے والا	بِغَضَبٍ	غصہ کے ساتھ	الْمَصِيْرُ	ٹھکانا
لِّقِتَالٍ	لڑنے کے لئے	مِّنَ اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کے	۞	۞

فرشتے لڑیں گے نہیں، مجاہدین دشمنوں کا ڈٹ کر مقابلہ کریں

جنگ میں پیٹھ پھیرنے والوں کے لئے سخت وعید

فرشتے: مجاہدین کے کاموں میں مدد کرتے ہیں، وہ لڑتے نہیں، ورنہ ایک فرشتہ سب کو نمٹا سکتا ہے، لڑنا مجاہدین کا کام ہے، پس وہ میدان جنگ میں دشمنانِ اسلام کا ڈٹ کر مقابلہ کریں، پیٹھ نہ پھیریں، آگے بڑھیں پس پا نہ ہوں، پیٹھ دکھانے والوں سے اللہ تعالیٰ سخت ناراض ہیں اور اس کا انجام بھی برا ہے۔

قرآنِ کریم کا ایک خاص اسلوب: جب قرآنِ کریم کوئی سخت وعید سناتا ہے، اور اس وعید سے کوئی مستثنیٰ ہوتا ہے تو وعید سنانے سے پہلے اس کا استثناء کیا جاتا ہے، جیسے کلمۂ کفر بولنے پر اگر جان لیوا دھمکی دی جائے تو زبانی جمع خرچ کر لینا جائز ہے، دل سے کفر اختیار کرنا جائز نہیں، سورۃ النحل (آیت ۱۰۶) میں ارتداد پر سخت وعید آئی ہے، مگر پہلے مجبور کا استثناء کیا ہے، فرمایا: ﴿مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۞﴾: جو شخص اللہ پر ایمان لائے پیچھے ـــــ البتہ وہ شخص مستثنیٰ ہے جس پر زبردستی کی گئی، بشرطے کہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو ـــــ ہاں جو جی کھول کر کفر کرے تو ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوگا اور ان کو بڑی سزا ملے گی۔ اس آیت میں ﴿اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ﴾ کا استثناء وعید سنانے سے پہلے کیا ہے، زیر تفسیر آیت میں بھی پینترا بدلنے والے کا اور مرکز کی طرف سمٹنے والے کا استثناء کر کے وعید سنائی ہے۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر وعید پہلے سنائی جائے گی تو جو وعید کا مستحق نہیں: وہ وعید سن کر نیم بسمل (نیم جان) ہو جائے گا،

---

(۱) متحرفا: اسم فاعل، تَحَرُّف (باب تفعل): پھرنے والا، مڑنے والا، دشمن کو فریب دینے کے لئے پیٹھ پھیرنے والا، پینترا بدلنے والا، تاکہ پلٹ کر حملہ کرے، اصل مادہ حَرْف ہے، جس کے معنی ہیں: کنارہ (۲) مُتَحَیِّزًا: اسم فاعل، تَحَیُّز (باب تفعل): سمٹ کر اپنی جماعت کی طرف آنے والا تاکہ ساتھیوں سے مدد لے کر دوبارہ حملہ کرے۔

پھر جان بحال ہوئی تو بھی اثر باقی رہ جائے گا، اس لئے اس کے اطمینان کے لئے پہلے اس کا استثناء کیا جاتا ہے، پھر وعید سنائی جاتی ہے تا کہ اس کا دل گھائل نہ ہو۔

آیت کا مضمون: مجاہدین کو حکم دیتے ہیں کہ جب تم دشمنانِ اسلام کی طرف میدانِ جنگ میں مارچ کرو، یعنی چوکنا ہو کر دھیمی رفتار سے آہستہ آہستہ آگے بڑھو، پھر جب کفار سے مڈبھیڑ ہو جائے تو ڈٹ کر لڑو، پس پامت ہوؤ، دشمن کو پیٹھ مت دکھاؤ، پیٹھ پھیرنے والوں کے لئے سخت وعید ہے، البتہ دو صورتیں مستثنیٰ ہیں:

ایک: فوج پینترا بدلنے کے لئے پس پا ہو، یعنی چال چلنے کے لئے پیچھے ہٹے تا کہ دوسرے رخ سے حملہ کرے تو یہ جائز ہے۔

دوسری: فوج کم ہو، وہ مرکز کی طرف لوٹے، تا کہ کمک لے کر آئے، اور نبرد آزما ہو تو یہ بھی جائز ہے، حدیث میں ایک واقعہ ہے:

حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے ایک سریہ میں بھیجا، جب دشمن سے مقابلہ ہوا تو لوگوں کے پیرا کھڑ گئے اور فوج میں بھگدڑ مچ گئی، پھر جب ہم مدینہ پہنچے تو ہم وہاں چھپ گئے، جب مدینہ قریب آیا تو ہم نے مشورہ کیا کہ ہماری شکست کی خبر یقیناً مدینہ پہنچ گئی ہوگی، پس ہم کیا منہ لے کر آنحضور ﷺ کے سامنے جائیں گے؟ اور کس منہ سے گھر والوں کا اور مسلمانوں کا سامنا کریں گے؟ چنانچہ بعض کی رائے ہوئی کہ واپس لوٹنا چاہئے اور دوبارہ مقابلہ کرنا چاہئے خواہ انجام کچھ بھی ہو، اور دوسری رائے یہ سامنے آئی کہ اب جبکہ ہم مدینہ کے قریب پہنچ چکے ہیں تو حضور اقدس ﷺ سے ملے بغیر واپس نہیں جانا چاہئے، چنانچہ وہ لوگ رات میں چھپ گئے، اپنے گھر نہیں گئے، سیدھے مسجد نبوی میں جا کر پڑ رہے، جب نبی ﷺ فجر کی نماز کے لئے نکلے تو انھوں نے حجرہ جان لیا، نماز کے بعد اس حجرہ کے باہر دو قطاریں بنا کر کھڑے ہو گئے، جب آپ حجرے میں واپس جانے لگے تو دروازے پر بہت سے لوگوں کو دیکھا، آپؐ نے پوچھا: کون؟ ان لوگوں نے ٹوٹے ہوئے دل سے کہا: یا رسول اللہ! ہم بھگوڑے ہیں! نبی پاک ﷺ کو جنگ کی صورتِ حال معلوم ہو چکی تھی، آپؐ نے فرمایا: ''نہیں، تم پلٹ کر حملہ کرنے والے ہو اور میں تمہارا مرکز ہوں''

ان دو صورتوں کے علاوہ جو معرکہ سے بھاگے گا وہ دنیا میں اللہ کا سخت غصہ لے کر لوٹے گا، اور آخرت میں اس کی سزا دوزخ ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔

مسئلہ: دوگنا دشمنوں سے مقابلہ ضروری ہے، اگر دشمن کی تعداد اس سے زیادہ ہو اور فوج پسپا ہو تو اس کے لئے یہ وعید نہیں (یہ مسئلہ آگے (آیت ۶۶ میں) آئے گا)

آیتِ پاک: اے ایمان والو! جب تم کافروں سے بھڑو تو اپنی پیٹھیں مت دکھاؤ، اور جو شخص (معرکہ میں) اپنی پیٹھ دکھائے گا ــــ البتہ لڑنے کے لئے پینترا بدلنے والا یا بڑی جماعت کی طرف سمٹنے والا مستثنیٰ ہے ــــ وہ بالیقین اللہ تعالیٰ کا سخت غصہ لے کر لوٹے گا، اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور وہ برا ٹھکانا ہے۔

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۸﴾

فَلَمْ	سو نہیں	وَلٰكِنَّ اللّٰهَ	بلکہ اللہ تعالیٰ نے	سَمِيْعٌ	خوب سننے والے
تَقْتُلُوْهُمْ	قتل کر رہے تھے تم ان کو	رَمٰى	پھینکا	عَلِيْمٌ	ہر بات جاننے والے ہیں
وَلٰكِنَّ اللّٰهَ	بلکہ اللہ تعالیٰ نے	وَلِيُبْلِيَ (۱)	اور تاکہ نعمت دے کر جانچے	ذٰلِكُمْ (۳)	یہ بات (تو ہو چکی)
قَتَلَهُمْ	قتل کیا ان کو	الْمُؤْمِنِيْنَ	مؤمنین کو	وَاَنَّ	اور (جان لو) کہ
وَمَا	اور نہیں	مِنْهُ (۲)	اس (نعمت) سے	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ
رَمَيْتَ	پھینکا آپ نے	بَلَآءً حَسَنًا	خوب جانچنا	مُوْهِنُ (۴)	کمزور کرنے والے ہیں
اِذْ رَمَيْتَ	جب پھینکا آپ نے	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ	کافروں کی سازش کو

معرکۂ بدر میں رؤسائے مشرکین کا قتل تم نے نہیں کیا، اللہ تعالیٰ نے کیا

میدانِ بدر میں نہ فرشتوں نے کفار سے لوہا لیا، نہ تم نے ان کا بُھرتا کیا، وہ اللہ تعالیٰ کا فعل تھا جو تمہارے ہاتھوں انجام پایا، جیسے جنگ کی شدت کے وقت نبی ﷺ نے مٹھی مٹی پھینکی، جو ہر کافر کی آنکھ میں پہنچ گئی، وہ بھی نبی ﷺ کا فعل نہیں تھا، بلکہ اللہ تعالیٰ کا فعل تھا، اسی طرح تمہارا ان کو قتل کرنا بھی اللہ تعالیٰ کا فعل تھا۔

اس کی تھوڑی تفصیل یہ ہے کہ جب گھمسان کا رن پڑا تو نبی ﷺ نے ایک مٹھی مٹی لی، اور تین بار شَاهَتِ الوجوه (چہرے برے ہو جائیں) پڑھ کر کفار کی طرف پھینکی جو ہر کافر کی آنکھ میں پہنچ گئی، وہ آنکھیں ملنے لگے اور مسلمانوں نے

(۱) يُبْلِيَ: مضارع، واحد مذکر غائب، مصدر إبلاء (افعال) مادہ: بَلْوٌ: نعمت دے کر جانچنا (۲) منه کی ضمیر کا مرجع إبلاء ہے۔
(۳) ذلكم: مبتدا ہے اور قد مَضٰى یا حقٌّ خبر محذوف ہے اور یہاں وقف مطلق ہونا چاہئے (۴) مُوْهِن: اسم فاعل، أَوْهَنَ فلانا: کمزور کرنا۔

دھاوابول دیااوران کا کام تمام کردیا۔

پھر آخر آیت میں ایک سوالِ مقدر کا جواب ہے:

سوال: اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہیں، وہ کفار کو زمین میں دھنسا بھی سکتے تھے، بدر میں پہنچنے ہی نہ دیتے، پھر مسلمانوں کے ہاتھوں قتل کرانے میں کیا حکمت تھی؟

جواب: مسلمانوں کو فتح کی نعمت سے سرشار کرنا مقصود تھا، اوران کی جانچ بھی کرنی مقصود تھی کہ کس کے کیا قلبی جذبات ہیں؟ اور کس نے کیا کارنامہ انجام دیا؟ اس لئے کفار کو مسلمانوں سے بھڑایا، اوران کے ہاتھوں ان کو کیفر کردار تک پہنچایا، اللہ تعالیٰ خوب سننے والے ہیں، وہ مسلمانوں کے دلوں کی دھڑکنیں بھی سن رہے ہیں، اور وہ ہر چیز جاننے والے ہیں وہ مجاہدین کے کارناموں سے واقف ہیں، وہ سب کو حسبِ نیت وعمل صلہ عطا فرمائیں گے، چنانچہ حدیث شریف میں حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں بدری صحابہ کے بارے میں ہے: **اعملوا ما شئتم فقد غفرتُ لکم**: تم جو چاہو کرو سب بخشے بخشائے ہو۔

آیتِ کریمہ: سو تم نے ان کو قتل نہیں کیا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو قتل کیا (مثال:) اور آپؐ نے مٹھی مٹی نہیں پھینکی، جبکہ آپؐ نے پھینکی، بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی (سوالِ مقدر کا جواب:) اور تاکہ اللہ تعالیٰ اس (قتل) سے مؤمنین کو نعمتِ فتح سے ہم کنار کرکے خوب خوب جانچیں، بے شک اللہ تعالیٰ خوب سننے والے، ہر بات سے پوری طرح باخبر ہیں!

بدر سے بھاگنے والوں کی سازش کو اللہ تعالیٰ کامیاب نہیں ہونے دیں گے

پھر ایک سوالِ مقدر کا جواب ہے: ﴿ ذٰلِكُمْ ﴾ یعنی یہ باتیں وہ تھیں جو پیش آچکیں، پس یہاں وقفِ مطلق کی علامت ط چاہئے، اب سوال یہ ہے کہ بدر میں ستر کام آئے، باقی بھاگ کھڑے ہوئے، وہ مکہ پہنچ کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پلان بنائیں گے، سازش کریں گے، ان سے کس طرح نمٹا جائے گا؟

جواب: اس سے اللہ تعالیٰ نمٹیں گے، اللہ تعالیٰ ان کے پلان کو ناکام اور سازشوں کو بودا کردیں گے، ان کی ایک نہیں چلے گی، کوئی تدبیر کارگر نہ ہوگی، بعد کے حالات نے اس کی تصدیق کی، بدر صغریٰ کے لئے وہ مکہ سے نکلے مگر خشک سالی کا بہانہ کرکے واپس لوٹ گئے، احد کی جنگ میں آخر میں کامیاب ہوئے مگر ان کے ہاتھ کیا لگا؟ اور احزاب میں بادِ صرصر نے ان کو سر پر پاؤں رکھ کر بھاگنے پر مجبور کردیا، پھر ان میں مدینہ پر چڑھائی کرنے کی ہمت نہ رہی، اور مسلمانوں نے بڑھ کر مکہ مکرمہ فتح کرلیا، اور اسلام کا راستہ صاف ہوگیا۔

﴿ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ۝۱۸ ﴾

ترجمہ: یہ باتیں (تو پیش آچکیں) اور یہ (بات جان لو کہ) اللہ تعالیٰ کافروں کی سازش کو بودا کرنے والے ہیں!

إِنْ تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمُ الْفَتْحُ ۖ وَإِنْ تَنْتَهُوا فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ ۖ وَإِنْ تَعُودُوا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَأَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۹﴾

إِنْ	اگر	خَيْرٌ لَكُمْ	بہتر ہے تمہارے لئے	فِئَتُكُمْ	تمہارا جتھا
تَسْتَفْتِحُوا	تم فیصلہ چاہتے ہو	وَإِنْ تَعُودُوا	اور اگر لوٹو گے تم	شَيْئًا	کچھ بھی
فَقَدْ جَاءَكُمُ	تو یقیناً پہنچا تمہیں	نَعُدْ	(تو) ہم (بھی) لوٹیں گے	وَلَوْ كَثُرَتْ	خواہ وہ کتنا ہی زیادہ ہو
الْفَتْحُ (۱)	وہ فیصلہ	وَلَنْ	اور ہرگز	وَأَنَّ	اور یہ کہ
وَإِنْ تَنْتَهُوا	اور اگر باز آجاؤ تم	تُغْنِيَ	کام نہیں آئے گا	اللَّهَ	اللہ تعالیٰ
فَهُوَ	تو وہ	عَنْكُمْ	تمہارے لئے	مَعَ الْمُؤْمِنِينَ	مسلمانوں کے ساتھ ہیں

ابوجہل کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوا مگر حاصل کیا ہوا؟

بعض روایات میں ہے کہ ابوجہل وغیرہ نے مکہ سے روانگی کے وقت کعبہ کے پردے پکڑ کر دعا کی تھی کہ خداوند! دونوں فریق میں سے جو اعلیٰ و اکرم ہو اسے فتح دے، اور فساد مچانے والوں کو مغلوب کر (فوائد)

پھر جب جنگ شروع ہوئی تو ابوجہل نے دعا مانگی: ''اے اللہ! ہم میں سے جو قرابتوں کو قطع کرنے والا ہے اور غیر معروف امور کا مرتکب ہے اس کو ہلاک کر، اور ہم میں سے جو تیرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے اس کو آج فتح عطا فرما (تحفۃ القاری ۸: ۴۴)

یہ فیصلہ بدر میں سامنے آگیا، مگر مشرکین نے اس سے کوئی سبق نہیں لیا، اگر وہ اب بھی اسلام کی مخالفت سے باز آجائیں تو ان کا بھلا ہوگا، اور اگر کتے کی دم ٹیڑھی رہی تو پھر شکست سے دوچار ہونگے، اور اگر ان کو یہ گھمنڈ ہو کہ ہماری نفری زیادہ ہے، ہمارا مضبوط جتھا ہے، اور مسلمان مٹھی بھر ہیں تو جان لیں کہ ان کی جمعیت خواہ کتنی بھی ہو: ان کے کچھ کام نہیں آئے گی، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے ساتھ ہیں، وہ ان کی مدد کریں گے۔

غزوۂ احزاب میں مشرکین کی تعداد دس ہزار تھی، جو مدینہ کی پوری آبادی سے بھی زیادہ تھی، وہ سب یہ عزم لے کر چلے

(۱) الفتح: میں الف لام عہدی ہے اور مراد بدر کی فتح ہے۔

تھے کہ اس مرتبہ مسلمانوں کا استیصال کر کے ہی لوٹیں گے، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی اور مسلمانوں کی مدد کی، اور باد صرصر چلی اور دشمن کوئی خیر حاصل کئے بغیر غیظ وغضب میں بھرے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے! اس لئے کہ اللہ کی مدد مسلمانوں کے ساتھ تھی۔

آیت کریمہ: اگر تم فیصلہ چاہتے ہو تو وہ فیصلہ تمہارے سامنے آگیا، اور اگر باز آجاؤ تو وہ تمہارے لئے بہت بہتر ہوگا، اور اگر تم پلٹے تو ہم بھی پلٹیں گے، اور تمہاری جمعیت تمہارے کچھ کام نہ آئے گی، اگر چہ وہ کتنی بھی زیادہ ہو، اور یہ (بات بھی جان لو) کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ساتھ ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ۚۖ ﴿۲۰﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۱﴾ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	قَالُوْا	کہا	لَا يَعْقِلُوْنَ	سمجھتا نہیں
اٰمَنُوْۤا	ایمان لائے	سَمِعْنَا	ہم نے سنا	وَلَوْ عَلِمَ	اور اگر جانتے
اَطِيْعُوا	کہا مانو	وَهُمْ	درانحالیکہ وہ	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
اللّٰهَ	اللہ کا	لَا يَسْمَعُوْنَ	نہیں سن رہے	فِيْهِمْ	ان لوگوں میں
وَرَسُوْلَهٗ	اور اس کے رسول کا	اِنَّ	بے شک	خَيْرًا	کوئی بہتری
وَلَا تَوَلَّوْا	اور رخ مت پھیرو تم	شَرَّ	بدترین	لَّاَسْمَعَهُمْ	(تو) ضرور سناتے ان کو
عَنْهُ	اس (رسول) سے	الدَّوَآبِّ	جانور	وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ	اور اگر سناتے وہ ان کو
وَاَنْتُمْ	درانحالیکہ تم	عِنْدَ اللّٰهِ	اللہ کے نزدیک	لَتَوَلَّوْا	تو وہ ضرور رخ
تَسْمَعُوْنَ	سن رہے ہو	الصُّمُّ	بہرہ		پھیرتے
وَلَا تَكُوْنُوْا	اور مت ہوؤ تم	الْبُكْمُ	گونگا ہے	وَّهُمْ	درانحالیکہ وہ
كَالَّذِيْنَ	ان کی طرح جنھوں نے	الَّذِيْنَ	جو	مُّعْرِضُوْنَ	منھ موڑنے والے ہیں

اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ساتھ کیوں ہیں؟ کافروں کے ساتھ کیوں نہیں؟

بدر میں کافروں کو ناکامی ہوئی، حالانکہ ان کی تعداد زیادہ تھی اور وہ ہتھیاروں سے بھی لیس تھے، اور مسلمانوں کو سرخ روئی حاصل ہوئی، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ تھے، اللہ تعالیٰ کس کے ساتھ ہوتے ہیں؟ اطاعت شعاروں کے ساتھ ہوتے ہیں۔ اب ان آیات میں ایمانداروں کو منفی پہلو سے مشخص کرتے ہیں کہ ایمان دار تو اللہ و رسول کی بات مانتے ہیں، اور مکہ والوں کے سامنے اللہ کے رسول نے مسلسل تیرہ سال تک اللہ کی بات رکھی، مگر انھوں نے مان کر نہ دی، کتّے کی دُم ٹیڑھی رہی، پھر اللہ تعالیٰ ان نالائقوں کا ساتھ کیسے دیتے؟ اور وہ کامیاب کیسے ہوتے؟

ان آیات میں کفار مکہ کے تعلق سے تین باتیں فرمائی ہیں اور ادنی سے اعلی حال کی طرف ترقی ہے، پھر آخر میں ایک سوال کا جواب ہے:

پہلا حال: کفار مکہ نے اللہ کے رسول کی بات سنی اَن سنی کردی، گوش ہوش نیوش سے سنی ہی نہیں!

دوسرا حال: کفار دعوی کرتے ہیں کہ وہ سنتے ہیں، حالانکہ وہ بالکل نہیں سنتے، ان کا دعوی جھوٹا ہے، کیونکہ جس سننے پر نتیجہ مرتب نہ ہو یعنی سن کر ایمان نہ لائیں تو وہ سننا کیا خاک سننا ہے!

تیسرا حال: کفار بہرے گونگے اور بے عقل جانوروں جیسے ہیں، جو نام کے جانور ہیں، حقیقت میں وہ روبوٹ (مشین کے بنے ہوئے جانور) ہیں، جو بدترین جانور ہیں۔

فائدہ: جانور سنتے، بولتے اور سمجھتے ہیں، بیل گھوڑا بات سنتے ہیں اور اپنی خواہش ظاہر کرتے ہیں، اور روبوٹ نہ سنتا ہے نہ بولتا ہے نہ سمجھتا ہے، وہ ایک کل ہوتی ہے جو اپنی ڈیوٹی بجالاتی ہے۔

سورت الاعراف (آیت ۱۷۹) میں ہے: ﴿ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ﴾: کفار تو چوپایوں کی طرح ہیں، بلکہ ان سے بھی گئے گذرے ہیں، یعنی وہ محض روبوٹ ہیں، نہ ان کے پاس سمجھنے والے دل ہیں، نہ دیکھنے والی آنکھیں اور نہ سننے والے کان!

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ مکہ والوں نے رسول کی بات کیوں نہیں سنی اور اللہ نے ان کو بات کیوں نہیں سنائی؟ جواب یہ ہے کہ یہ ان کی سوئے استعداد کا نتیجہ ہے، زمین میں اگانے کی صلاحیت ہی نہ ہو تو اس میں بیج ڈالنے سے کیا فائدہ؟ بیج ضائع کرنا ہے! اگر ان میں کچھ بھی بھلائی ہوتی تو اللہ تعالیٰ ان کو ضرور سناتے، بحالتِ موجودہ ان کو سنانا بے فائدہ ہے، وہ سن کر بھی رخ پھیر لیں گے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مؤمنین ایسے نہیں ہوتے، وہ اللہ و رسول کی بات سنتے ہیں اور مانتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی مدد ایسے ہی لوگوں

کے ساتھ ہوتی ہے، بدر میں تم نے دیکھ لیا کہ مؤمنین کا ہاتھ اوپر رہا اور کفار جنھوں نے بات نہیں سنی خائب وخاسر ہوئے۔

آیاتِ پاک: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا اور اس کے رسول کا کہنا مانو، اور اس (بات) سے روگردانی مت کرو درانحالیکہ تم سن رہے ہو! —— یعنی جانتے بوجھتے رخ کیوں پھیرتے ہو! —— پس ایمان والوں سے بالقوّہ ایمان لانے والے مراد ہیں یا یہ کہئے کہ خطاب مؤمنین سے ہے اور سنایا کفار کو ہے —— اور یہ پہلا حال ہے۔

(دوسرا حال:) اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہوجاؤ جو دعوی کرتے ہیں کہ ہم نے سنا، حالانکہ وہ سنتے نہیں! —— کیونکہ سننے کا فائدہ ظاہر نہیں ہوا۔

(تیسرا حال:) بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین جانور وہ لوگ ہیں جو بہرے گونگے ہیں، جو سمجھتے نہیں —— یعنی مشین کے پُرزے کی طرح ہیں، بس نام کے حیوان ہیں۔

(سوالِ مقدر کا جواب:) اور اگر اللہ تعالیٰ ان میں کوئی خوبی دیکھتے تو ان کو ضرور سناتے، اور (بحالتِ موجودہ) ان کو سنائیں تو وہ ضرور رخ پھیریں گے درانحالیکہ وہ بے رخی کرنے والے ہونگے —— یہی وہ حالت ہے جس کو دوسری جگہ مہر کرنے سے تعبیر کیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاۗصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	لِلّٰهِ	اللہ کو	لِمَا	اس کام کے لئے جو
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	وَلِلرَّسُوْلِ	اور اس کے رسول کو	يُحْيِيْكُمْ	زندگی بخشی ہے تمہارے لئے
اسْتَجِيْبُوْا(۱)	جواب دو	اِذَا دَعَاكُمْ	جب وہ پکارے تم کو	وَاعْلَمُوْٓا	اور جان لو

(۱) استجاب له: لبیک کہنا، کہا ماننا، قبول کرنا۔

اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ تعالیٰ	مِنۡكُمۡ	تم میں سے	تَخَافُوۡنَ	ڈرتے تھے تم
يَحُوۡلُ(۱)	آڑ بن جاتے ہیں	خَآصَّةً	خاص طور پر	اَنۡ	کہ
بَيۡنَ الۡمَرۡءِ	آدمی کے درمیان	وَاعۡلَمُوۡۤا	اور جان لو	يَّتَخَطَّفَكُمُ	اچک لیں گے تم کو
وَقَلۡبِهٖ	اور اس کے دل کے درمیان	اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ تعالیٰ	النَّاسُ	لوگ
وَاَنَّهٗۤ	اور (جان لو) کہ وہ	شَدِيۡدُ	سخت	فَاٰوٰىكُمۡ(۲)	پس ٹھکانا دیا تم کو
اِلَيۡهِ	اسی کی طرف	الۡعِقَابِ	سزا دینے والے ہیں	وَاَيَّدَكُمۡ	اور قوی کیا تم کو
تُحۡشَرُوۡنَ	جمع کئے جاؤ گے تم	وَاذۡكُرُوۡۤا	اور یاد کرو	بِنَصۡرِهٖ	اپنی مدد سے
وَاتَّقُوۡا	اور ڈرو	اِذۡ اَنۡتُمۡ	جب تم	وَرَزَقَكُمۡ	اور روزی دی تم کو
فِتۡنَةً	اس آزمائش سے	قَلِيۡلٌ	تھوڑے	مِّنَ الطَّيِّبٰتِ	ستھری چیزوں سے
لَّا تُصِيۡبَنَّ	جو ہرگز نہیں پہنچے گی	مُّسۡتَضۡعَفُوۡنَ	کمزور تھے	لَعَلَّكُمۡ	تاکہ تم
الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا	ظالموں کو	فِى الۡاَرۡضِ	سرزمین (مکہ) میں	تَشۡكُرُوۡنَ	شکر بجالاؤ

دعوتِ ایمان فوراً قبول کرو، کیا پتہ بعد میں رکاوٹ آجائے اور ایمان سے محروم رہو!

مؤمنین: سے بالقوۃ مؤمنین مراد ہیں، یعنی جو ابھی ایمان نہیں لائے، مگر لاسکتے ہیں، پس روئے سخن مشرکین کی طرف ہے، اللہ کے رسول اللہ کی طرف سے مکہ والوں کو ایمان کی دعوت دے رہے ہیں، ایمان: ان کے لئے حیات بخش ہے، آخرت میں مزے کی زندگی حاصل ہوگی اور کفر آخرت کی موت ہے، پس جب کفار کو ایمان کی دعوت دی جائے تو فوراً ایمان لائیں، آج کل نہ کریں، ہوسکتا ہے بعد میں ایمان کی راہ میں روڑا آجائے اور دل پھر جائے، اگر ایسا ہوا تو ایمان سے محروم رہے گا، اور آخرت میں لوٹ کر اللہ ہی کے پاس جانا ہے، وہاں وہ اپنے کفر کی سخت سزا پائے گا۔

فائدہ(۱): ﴿لِمَا يُحۡيِيۡكُمۡ﴾: اس کام کے لئے (بلائیں) جو تمہارے لئے زندگی بخش ہے یعنی دارین کی بھلائی کے کام کی طرف بلائیں تو ایک دم اس کام کے لئے تیار ہوجاؤ، ذرا دیر مت کرو، اگر نیت بندھی ہوئی ہو اس حال میں بھی لبیک کہو، بخاری شریف میں حضرت ابوسعید بن المعلّی انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث (نمبر ۴۶۴۷) ہے اور ترمذی میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے (حدیث ۲۸۸۴) کہ دونوں کو نبی ﷺ نے پکارا اور وہ نماز میں تھے، ان کے

(۱) حَالَ بين الشيئين (ن) حولاً: حائل ہونا، رکاوٹ بننا، دو چیزوں کو الگ الگ کرنا۔ (۲) آوی فلاناً إیواءً: پناہ دینا، اپنے پاس ٹھہرانا۔

عذر پر آپؐ نے ان کو یہ آیت یاد دلائی، معلوم ہوا کہ آیت نماز تک کو عام ہے۔

غرض: آیت کریمہ ایمان اور تمام نیک اعمال کو عام ہے، جب کسی بھی نیک کام کا دل میں جذبہ پیدا ہو تو اس کو کر گذرنا چاہئے، ممکن ہے بعد میں وہ جذبہ ٹھنڈا پڑ جائے، اور جلد بازی کی جو ممانعت ہے وہ دنیوی کاموں میں ہے، خیر کے کاموں میں تعجیل مطلوب ہے۔

فائدہ (۲): ﴿يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ﴾: اللہ تعالیٰ آدمی اور اس کے دل کے درمیان آڑ بن جاتے ہیں: یہ استعارہ[1] ہے اور صفاتِ متشابہات میں سے ہے، ایسی آیتیں اور بھی ہیں، جیسے: ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾: اور وہ تمہارے ساتھ ہیں جہاں بھی تم ہو (الحدید ۴) اور ﴿وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ﴾: اور ہم انسان سے اس قدر قریب ہیں کہ ان کی رگِ گردن سے بھی زیادہ (قٓ ۱۶) مفسرین کرام ان آیتوں میں بالعلم مقدر مانتے ہیں، یعنی بندوں کے تمام احوال اللہ کے علم میں ہیں، اور زیر تفسیر آیت میں بقدرتہ مقدر ہوگا، یعنی ہر چیز اللہ کی قدرت میں ہے۔ اور اس مضمون کو حدیث میں اس طرح تعبیر کیا ہے کہ بندوں کے دل رحمان کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں، جس طرح چاہتے ہیں پھیرتے ہیں، پس کبھی ایمان اور عمل خیر کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، پھر دوسرے وقت دل اس سے ہٹ جاتا ہے، آڑ بننے کا یہی مطلب ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ۖ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٢٤﴾﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اللہ کی اور اس کے رسول کی آواز پر لبیک کہو، جب وہ تمہیں تمہاری زندگی بخش چیز کی طرف بلائیں، اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ آڑ بن جاتے ہیں آدمی اور اس کے دل کے درمیان، اور یہ (بھی جان لو) کہ تم اسی کے پاس جمع کئے جاؤ گے۔

گناہ کا وبال صرف گنہگاروں کو نہیں پہنچتا، عام لوگ بھی اس کی لپیٹ میں آجاتے ہیں

یہ بات مکہ کے ان کافروں کو سنائی ہے جن کے دلوں میں ایمان کے تعلق سے نرم گوشہ تھا، فرماتے ہیں کہ جو لوگ کفر پر اڑے ہوئے ہیں، اور مسلمانوں کو ظلم وستم کا نشانہ بنائے ہوئے ہیں، اس کا وبال ضرور آئے گا، اور صرف بدکار نہیں پکڑے جائیں گے، بلکہ عذاب عام آئے گا۔

(۱) استعارہ: مجاز کی ایک قسم ہے، جس میں لفظ کے حقیقی اور مجازی معنی کے درمیان تشبیہ کا علاقہ ہوتا ہے اور بغیر حرف تشبیہ کے حقیقی معنی کو مجازی معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔

تم دیکھتے نہیں کہ بدر میں صرف کفر کے سرغنے کام نہیں آئے، عام کافر بھی مارے گئے یا قید میں آئے، یہ کفار کے ظلم وستم کا وبال تھا جس میں سب دھر لئے گئے، اسی طرح جب دنیا میں کچھ لوگ فساد مچاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو سزا میں پکڑتے ہیں تو خاص فسادیوں ہی کو نہیں پکڑتے، عام لوگ بھی اس وبال میں گرفتار ہوتے ہیں۔

مسلمانوں پر ظلم وستم مکہ کا ہر آدمی نہیں ڈھاتا تھا، گروگھنٹال ہی یہ حرکت کرتے ہیں اور بہت سے لوگوں کے دل میں ایمان کے تعلق سے نرم گوشہ تھا، مگر وہ بھی کفار کے ساتھ بدر میں نکلے تھے، ان کو ڈرنا چاہئے، اللہ کا عذاب سخت ہے وہ آئے گا تو عام ہوگا۔

﴿وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾﴾

ترجمہ: اور تم اس وبال سے ڈرو جو ہرگز نہیں پہنچے گا خاص طور پر ان لوگوں کو جو تم میں سے ظلم وستم ڈھاتے ہیں اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں۔

مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کی مہربانیاں: مدینہ میں ان کو ٹھکانا دیا، بدر میں فرشتوں کے ذریعہ ان کی مدد کی اور بہت مالِ غنیمت ہاتھ لگا

اس آیت کا مضمون بھی مکہ کے ان کافروں کو سنایا ہے جن کے دلوں میں ایمان کے تعلق سے نرم گوشہ تھا، ہجرت سے پہلے مکہ میں مسلمانوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی تھی، پھر وہ بے حیثیت بھی تھے، سروسامان بھی ان کے پاس کچھ نہیں تھا، اور کمزور اس قدر تھے کہ ہر وقت دھڑکا لگا رہتا تھا کہ کافر ان کو ہضم کر جائیں گے۔

پھر اللہ نے ان کو مدینہ میں ٹھکانا دیا، انصار دل وجان سے ان کے مددگار بن گئے، اس طرح ان کی تعداد دوگنی بلکہ تین گنی ہوگئی، پھر معرکۂ بدر میں کیسی کھلی ہوئی فرشتوں کی مدد آئی کہ اس نے کافروں کی جڑ کاٹ دی اور ان کو فتح نصیب ہوئی اور ڈھیر سارا مال ومنال اور فدیہ کی صورت میں زر کثیر ہاتھ آیا، تاکہ وہ شکر گذار بندے بن کر اللہ کی نعمتیں کھائیں ——— کہنا یہ ہے کہ وہ لوگ بھی اگر ایمان لاتے تو وہ بھی ان نعمتوں میں حصہ دار بنتے۔

﴿وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾﴾

ترجمہ: اور یاد کرو جب تم سرزمین مکہ میں تھوڑے کمزور تھے، تمہیں ڈر لگا رہتا تھا کہ لوگ تمہیں اچک لیں گے، پس اللہ نے تم کو (مدینہ میں) ٹھکانا دیا، اور اپنی مدد سے (فرشتوں کی کمک سے) تم کو قوی کیا، اور ستھری چیزیں تم کو کھانے کو

دیں ___ یعنی مالِ غنیمت تمہارے لئے حلال کیا ___ تاکہ تم شکر بجالاؤ۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	اَمٰنٰتِكُمْ	اپنی قابل حفاظت	اَمْوَالُكُمْ	تمہارے اموال
اٰمَنُوْا	ایمان لائے		چیزوں میں	وَاَوْلَادُكُمْ	اور تمہاری اولاد
لَا تَخُوْنُوا	خیانت مت کرو	وَ اَنْتُمْ	درانحالیکہ تم	فِتْنَةٌ	آزمائش ہے
اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ کے ساتھ	تَعْلَمُوْنَ	جانتے ہو	وَّ اَنَّ اللّٰهَ (۲)	اور (یہ بات) کہ اللہ
وَالرَّسُوْلَ	اور اللہ کے رسول کے ساتھ	وَاعْلَمُوْۤا	اور جان لو	عِنْدَهٗۤ	ان کے پاس
وَ تَخُوْنُوْۤا (۱)	اور خیانت (مت) کرو	اَنَّمَاۤ	اس کے سوانہیں کہ	اَجْرٌ عَظِيْمٌ	بڑا ثواب ہے

ایمان میں اخلاص چاہئے

آیات کا ماسبق سے ربط: یہ بات بھی مسلمانوں کو مخاطب بنا کر مشرکینِ مکہ سے کہی گئی ہے، گفتہ آید درحدیث دیگراں! گذشتہ باتیں سن کر شاید مشرکینِ مکہ سوچیں کہ چلو زبانی جمع خرچ کر لیتے ہیں، مسلمان ہو جاتے ہیں، تاکہ اسلام کے فوائد حاصل کر لیں، اس لئے ان آیات میں ان سے کہا جا رہا ہے کہ ایسا مخالص ایمان معتبر نہیں، ایمان میں اخلاص ضروری ہے، منافقانہ اسلام: اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ دھوکہ بازی ہے، ایسے ایمان پر ثمرات مرتب نہیں ہوتے۔

آیات کا شانِ نزول: بعض آیات کے اشارات کو سمجھنے کے لئے شانِ نزول کی ضرورت ہوتی ہے، ان آیات کا شانِ نزول حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے، ان کے بال بچے اور اموال بنو قریظہ میں تھے، بنو قریظہ نے غزوۂ احزاب میں نقضِ عہد کیا تھا، اور مشرکین کے ساتھ جنگ میں شریک ہو گئے تھے، احزاب کے چلے ہو جانے کے بعد اسلامی لشکر نے بنو قریظہ کا محاصرہ کیا، جب وہ حصار سے تنگ آ گئے اور ہتھیار ڈالنے کا ارادہ کیا تو ابولبابہؓ کو مشورے کے لئے بلایا، انھوں نے اس موقعہ پر اشارہ کیا کہ سب قتل کئے جاؤ گے، مگر فوراً ہی ان کو احساس ہوا کہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کے

(۱) تخونوا کا عطف لاتخونوا کے مجزوم پر ہے، اس لئے لا یہاں بھی آئے گا، اور خیانت: امانت کی ضد ہے (۲) أن الله کا عطف أنما پر ہے، پس یہ بھی اعلموا کے تحت ہے۔

ساتھ خیانت کی اور راز فاش کردیا، وہ سیدھے مدینہ گئے اور مسجد نبوی کے ایک ستون سے خود کو باندھ دیا، جب ان کی توبہ نازل ہوئی تو نبی ﷺ نے بدستِ مبارک ان کو کھول دیا۔

آیات کی تفسیر: آیات میں خطاب اگرچہ مؤمنین سے ہے مگر بات عام ہے، سبھی لوگ مخاطب ہیں کہ ایمان میں بے وفائی کو راہ مت دو، ایمان ایک قیمتی پونجی ہے، مؤمن کی یہی بہترین متاع ہے، دارین کی خوبی کا اس پر مدار ہے، اس لئے اس کو شوائب (کھوٹ) سے بچانا ضروری ہے۔ اعتقادی نفاق تو بے ایمانی ہے، ہی عملی نفاق بھی ایمان کے منافی ہے۔

اور جب اپنی باہمی قابل حفاظت چیزوں میں امانت داری ضروری ہے، جانتے بوجھتے چوری جائز نہیں، بھول کا حکم دوسرا ہے، پس ایمان میں جو اللہ کی مؤمن کے پاس امانت ہے: فریب اور دغل فصل کی گنجائش کیسے ہوسکتی ہے؟

اور حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے جو اپنے گلے پر ہاتھ پھیر کر اشارہ کیا تھا کہ اگر نبی ﷺ کے فیصلے پر ہتھیار ڈالو گے تو قتل کئے جاؤ گے یہ ایمان میں کھوٹ کی ایک مثال ہے، اور یہ راز انھوں نے اس لئے فاش کیا تھا کہ ان کے اموال اور بیوی بچے بنو قریظہ میں تھے، ان کی محبت میں یہ حرکت سرزد ہوئی تھی۔

مال و دولت اور اہل وعیال دو دھاری تلوار ہیں، اس کو اگر احتیاط سے چلایا جائے تو دشمن کا سر پھوڑے گی، اور بے احتیاطی کی جائے تو اپنے ہی سر کو زخمی کرے گی، فتنہ اور آزمائش ہونے کا یہی مطلب ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ مال دنیا کے لئے خرچ کیا جائے اور اولاد کو دنیا کے قابل بنایا جائے یا آخرت کے لئے خرچ کیا جائے اور اولاد کو آخرت کے قابل بنایا جائے؟ اس کا جواب آخر آیت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس بڑا ثواب ہے، لہٰذا مال آخرت کے لئے خرچ کیا جائے اور اولاد کی ایسی تربیت کی جائے کہ وہ آخرت میں بھی کام آئے، ان کی دنیا کے اللہ تعالیٰ ذمہ دار ہیں، ماں باپ کو چاہئے کہ ان کو دین کے بھی قابل بنائیں، حدیث میں ہے کہ تین چیزیں: موت کے بعد بھی ان کا ثواب ملتا رہتا ہے: صدقہ جاریہ، وہ علم جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں اور نیک اولاد جو ماں باپ کو دعائے خیر میں یاد رکھے، اور حدیث میں ہے: ما نَحَلَ والد ولداً خير من أدب حسن: کسی باپ نے اپنی اولاد کو بہترین تربیت سے اچھی گفٹ نہیں دی، اس لئے مال اولاد کی دینی تعلیم وتربیت پر خرچ کرنا چاہئے۔

آیاتِ پاک: اے ایمان والو! تم اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ بے وفائی مت کرو، اور جانتے بوجھتے اپنی قابل حفاظت چیزوں میں خیانت مت کرو، اور جان لو کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد آزمائش ہی ہیں اور یہ بات (بھی جان لو) کہ اللہ تعالیٰ کے پاس بڑا ثواب ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِن تَتَّقُوا۟ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنكُمْ سَيِّـَٔاتِكُمْ

وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾ وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ أَوْ يَقْتُلُوْكَ أَوْ يُخْرِجُوْكَ ۗ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ۗ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۳۰﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	وَيَغْفِرْ	اور بخشیں گے وہ	لِيُثْبِتُوْكَ (۲)	تاکہ قید کریں وہ آپ کو
اٰمَنُوْٓا	ایمان لائے!	لَكُمْ	تمہارے لئے	اَوْ يَقْتُلُوْكَ	یا قتل کریں وہ آپ کو
اِنْ تَتَّقُوا	اگر ڈرتے رہے تم	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	اَوْ يُخْرِجُوْكَ	یا نکال باہر کریں وہ آپ کو
اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ سے	ذُو الْفَضْلِ	مہربانی والے ہیں	وَيَمْكُرُوْنَ	اور داؤ چل رہے تھے
يَجْعَلْ	بنائیں گے وہ	الْعَظِيْمِ	بڑی		وہ لوگ
لَّكُمْ	تمہارے لئے	وَاِذْ	اور (یاد کرو) جب	وَيَمْكُرُ	اور داؤ چل رہے تھے
فُرْقَانًا (۱)	فیصلہ	يَمْكُرُ	چال چل رہے تھے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
وَّيُكَفِّرْ	اور مٹائیں گے	بِكَ	آپ کے بارے میں	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
عَنْكُمْ	تم سے	الَّذِيْنَ	جنھوں نے	خَيْرُ	بہترین
سَيِّاٰتِكُمْ	تمہاری برائیاں	كَفَرُوْا	اسلام کا انکار کیا	الْمٰكِرِيْنَ	داؤ چلنے والے ہیں

ایمان میں وفادار بدری صحابہ کے لئے تین بشارتیں

بدری مجاہدین مخلص مسلمان تھے، ان کے ایمان میں ذرا کھوٹ نہیں تھا، وہ وفاداری کے اعلیٰ معیار پر تھے، اگر وہ اپنے اس حال پر برقرار رہے تو ان کے لئے تین خوش خبریاں ہیں: اور یہ بات بھی مشرکین مکہ کو سنائی ہے کہ تم کیسی نعمتوں سے محروم رہ گئے!

۱- وقتاً فوقتاً ایسی باتیں پیش آتی رہیں گے جو فیصلہ کن ہونگی اور وہ صحابہ کے برحق ہونے کی دلیل ہونگی۔

۲- اللہ تعالیٰ نے ان کی برائیوں پر قلم عفو پھیر دیا ہے، حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں نبی ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جب انھوں نے حضرت حاطبؓ کے قتل کی اجازت مانگی: فرمایا تھا: کیا وہ بدری صحابی نہیں؟

(۱) فرقان: مصدر: دو چیزوں کو الگ الگ کرنا، فَرَق بين الخصوم: لڑنے والوں کا فیصلہ کرنا (۲) أثبت فلانا: قید کرنا، باندھنا۔

پھر فرمایا: ''شاید اللہ تعالیٰ بدریوں کے احوال سے واقف ہوگئے جو فرمایا: تم جو چاہو کرو یقیناً تمہارے لئے جنت ثابت ہوگئی یا فرمایا: یقیناً میں نے تمہاری بخشش کردی!'' (بخاری حدیث ۳۹۸۳) —— یہ بات اسی آیت سے مستفاد تھی —— اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے زمانہ میں جلاّد کا کام کرتے تھے، اس لئے انھوں نے قتل کی اجازت مانگی تھی، چنانچہ حضرت عمرؓ کا عرف ''عمر سیّاف'' پڑ گیا تھا، بعض مسلمان اپنے بچوں کا یہ نام بھی رکھتے ہیں۔

۳- آخرت میں اللہ تعالیٰ بدری مجاہدین کو اپنی بڑی مہربانی میں ڈھانک لیں گے، وہ بڑے فضل والے ہیں!

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝۲۹ ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہے —— یعنی ایمان کے تقاضوں کو پورا کرتے رہے —— تو وہ تمہارے لئے فیصلہ گردانیں گے —— یعنی ایسے واقعات پیش آئیں گے جو تمہارے برحق ہونے کی دلیل ہونگے —— اور تم سے تمہاری برائیاں مٹائیں گے اور تمہاری بخشش فرمائیں گے اور اللہ تعالیٰ بڑی مہربانی والے ہیں!

مکہ سے مدینہ کی طرف نبی ﷺ کی ہجرت: ایک فیصلہ کن واقعہ

گذشتہ آیت میں بدری صحابہ کو جو تین بشارتیں سنائی ہیں ان میں پہلی بشارت ''فرقان'' ہے، یعنی ایسے واقعات پیش آئیں گے جو اسلام کے برحق ہونے کی دلیل ہونگے، اب اس کی تین مثالیں دیتے ہیں، پھر مشرکین کے خلجانات کے جوابات ہیں —— قاتلوں کے نرغہ سے نکال کر بسلامت نبی ﷺ کو مدینہ منورہ پہنچانا اسلام کی حقانیت اور آپؐ کی صداقت کا ایک فیصلہ کن واقعہ ہے، دیکھو جو دیدۂ عبرت پذیر ہو!

اس کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں دعوت کے لئے ماحول کچھ زیادہ سازگار نہیں رہا تھا، بہت سے مسلمان نبی ﷺ کے حکم سے ہجرت کرکے حبشہ چلے گئے تھے، خود نبی ﷺ حج کے موقع پر مختلف قبائل کے سامنے خود کو پیش کرتے تھے کہ وہ آپؐ کو ٹھکانہ دیں، تاکہ آپؐ ان کی پناہ میں دعوت کا کام جاری رکھ سکیں، مگر کسی طرف سے خاطر خواہ جواب نہیں ملا، یہاں تک کہ مدینہ کے حضرات نے بیعتِ عقبہ اولیٰ اور ثانیہ کی، تو امید کی ایک کرن نظر آئی، پھر نبی ﷺ کو خواب میں ہجرت کی جگہ دکھلائی گئی، جگہ کا نام نہیں بتلایا گیا، صرف اتنا دکھلایا کہ آپؐ ایک نخلستان (کھجوروں والی سرزمین) کی طرف ہجرت فرما رہے ہیں، آپؐ کا خیال یمامہ کی طرف اور بحرین کے ہجر مقام کی طرف گیا، پھر وحی کے ذریعہ مدینہ منورہ کی تعیین کی گئی تو آپؐ نے صحابہ کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا، چنانچہ صحابہ نے اَرسالاً واجتماعاً ہجرت شروع کردی اور مکہ میں صرف پھنسے ہوئے صحابہ باقی رہ گئے، اور رسول اللہ ﷺ کے پاس مکہ میں سوائے ابوبکر صدیق اور

حضرت علی رضی اللہ عنہما کے کوئی باقی نہ رہا۔

قریش نے جب دیکھا کہ صحابہ رفتہ رفتہ ہجرت کر کے مدینہ جارہے ہیں اور رسول اللہ ﷺ بھی آج کل میں جانے والے ہیں، تو سردارانِ قریش مشورہ کے لئے دار الندوہ میں جمع ہوئے۔ ابلیس بھی ایک شیخ جلیل کی صورت میں عبا پہنے اس مجلس میں شریک ہوا، اس مجلس میں رائیں پیش ہونے لگیں: ابوالاسود نے یہ تجویز پیش کی کہ محمد (ﷺ) کو شہر بدر کر دیا جائے، پھر ہمیں اس سے کوئی سروکار نہ رہے گا اور ہمارا معاملہ ٹھیک ہوجائے گا۔ شیخ نجدی (ابلیس) نے اس کی تردید کی، پس ابوالبختری نے کہا: اسے لوہے کی زنجیروں میں جکڑ کر قید کر دو اور دروازہ باہر سے بند کر دو، پھر اس کے انجام (موت) کا انتظار کرو، شیخ نجدی نے یہ تجویز بھی پسند نہ کی، اس نے کہا: محمد کے پیرو کار ہلّہ بول دیں گے اور اس کو قید سے نکال دیں گے، تب ابوجہل نے تجویز پیش کی کہ ہر قبیلہ سے ایک جوان منتخب کیا جائے جو یکبارگی وار کرے اور اس کو قتل کر دیں، پس بنوعبد مناف سب قبائل سے جنگ نہ کر سکیں گے اور معاملہ دیت پر ٹھہرے گا جو ادا کر دی جائے گی، شیخ نجدی نے اس تجویز کو سراہا اس نے کہا: یہ ہے تجویز! نہ بانس رہے نہ بانسری! پس یہ تجویز پاس ہوگئی، اور یہ بھی طے ہوا کہ آج رات ہی یہ کارروائی ہوجانی چاہئے۔

اُدھر وہ اشقیاء یہ تدبیریں گانٹھ رہے تھے، اِدھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور نبی ﷺ کو ہجرت کی اجازت دی، نبی ﷺ عین دوپہر کے وقت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے گھر گئے اور فرمایا: مجھ کو ہجرت کی اجازت مل گئی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میری رفاقت؟ آپؐ نے فرمایا: تم بھی ساتھ چلو گے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرطِ مسرت میں رو پڑے، چنانچہ جب رات آئی اور مشرکین نے آپؐ کے گھر کا گھیرا ڈال دیا تو آپؐ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی چارپائی پر سلا کر مشرکین کے سروں پر خاک ڈالتے ہوئے گھر سے نکل کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر جبلِ ثور کا راستہ لیا، اور وہاں جا کر ایک غار میں چھپ گئے، تین دن کے بعد غار سے نکل کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے اور بسلامت مدینہ پہنچ گئے۔

غور کرو! آپؐ کا بال بیکا نہ ہوا اور دشمن خائب وخاسر رہے، پھر جنھوں نے آپؐ کے قتل کی تجویز پاس کی تھی سب بدر میں کیفر کردار کو پہنچے، کیا یہ واقعہ فرقان (فیصلہ کن واقعہ) نہیں ہے؟

﴿ وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ ۚ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ ۖ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ ۝٣٠ ﴾

ترجمہ: اور (اس واقعہ کا بھی ذکر کیجئے) جب کافر لوگ آپؐ کی نسبت تدبیریں سوچ رہے تھے کہ یا تو آپ کو قید

کردیں، یا آپؐ کو قتل کردیں، یا آپؐ کو شہر بدر کردیں، اور وہ اپنی تدبیریں کررہے تھے اور اللہ تعالیٰ اپنی تدبیر کررہے تھے، اور اللہ تعالیٰ بہترین تدبیر کرنے والے ہیں! ـــــ پس انہیں کی تدبیر کامیاب رہی!

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا قَالُوا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَٰذَا ۙ إِنْ هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٣١﴾ وَإِذْ قَالُوا اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ هَٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِنَ السَّمَاءِ أَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٣٢﴾

وَإِذَا	اور جب	إِنْ هَٰذَا	نہیں ہیں یہ	مِنْ عِنْدِكَ	آپ کے پاس سے
تُتْلَىٰ	پڑھی جاتی ہیں	إِلَّا	مگر	فَأَمْطِرْ	پس برسائیں آپ
عَلَيْهِمْ	ان کے سامنے	أَسَاطِيرُ	مذہبی جھوٹی داستانیں	عَلَيْنَا	ہم پر
آيَاتُنَا	ہماری آیتیں	الْأَوَّلِينَ	گذشتہ لوگوں کی	حِجَارَةً	پتھر
قَالُوا	(تو) کہا انھوں نے	وَإِذْ	اور (یاد کرو) جب	مِنَ السَّمَاءِ	آسمان سے
قَدْ سَمِعْنَا	تحقیق سنا ہم نے	قَالُوا	کہا انھوں نے	أَوِ ائْتِنَا	یا آئیں آپ ہمارے
لَوْ نَشَاءُ	اگر چاہیں ہم	اللَّهُمَّ	اے اللہ		پاس
لَقُلْنَا	(تو) ضرور کہیں ہم	إِنْ كَانَ	اگر ہے	بِعَذَابٍ	عذاب کے ساتھ
مِثْلَ	مانند	هَٰذَا	یہ (دین)	أَلِيمٍ	دردناک
هَٰذَا	اس (قرآن) کے	هُوَ الْحَقَّ	وہی برحق	۞	۞

قرآنِ کریم فیصلہ کُن کتاب ہے (دوسری مثال)

قرآنِ کریم فرقان (فیصلہ کن کتاب) ہے، اس کا نزول حق و باطل کا فیصلہ کرنے کے لئے ہوا ہے، وہ نبی ﷺ کی صداقت کی دلیل ہے، مشرکین مکہ کو بار بار چیلنج دیا گیا کہ سب مل کر اس جیسا ایک ٹکڑا بنا لاؤ، نضر بن الحارث نے اس کا جواب دیا: ہم چاہیں تو قرآن جیسا کلام بنا سکتے ہیں، اس میں گذشتہ قوموں کی مذہبی جھوٹی داستانوں کے سوا ہے کیا! ـــــ پھر انھوں نے چاہا کیوں نہیں؟ کسی نے کہا: میرا گھوڑا اگر چلے تو ایک دن میں امریکہ پہنچ سکتا ہے، مگر چلتا نہیں! اور چلے گا بھی نہیں! حالانکہ سب جھگڑوں کا فیصلہ اسی ایک بات پر موقوف تھا، مگر ان سے یہ چیلنج اٹھ نہ سکا!

فائدہ: قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اس سے پہلے جو کتابیں نازل ہوئی ہیں وہ اللہ کی کتابیں تھیں، کلام نہیں تھیں،

کتاب کے معنی ہیں: خط، اور خط دوسرے سے بھی لکھوا سکتے ہیں، گذشتہ کتابیں فرشتہ کا کلام تھیں یا پیغمبروں کا، جیسے احادیث شریفہ وحی ہیں، مگر کلام نبی ﷺ کا ہیں، اسی لئے نماز میں احادیث پڑھنے سے نماز نہیں ہوتی، نماز اللہ کی عبادت ہے، اس لئے اس میں اللہ ہی کا کلام پڑھنا ضروری ہے، اور کلامُ الملوک ملوک الکلام: شاہوں کا کلام کلاموں کا شاہ ہوتا ہے، اس لئے اللہ کا کلام معجز ہے، اس کے مانند کوئی نہیں بنا سکتا، پس وہ فرقانِ حمید ہے!

نوٹ: یہ بات حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہٗ نے براہین قاسمیہ صفحہ ۱۱۵ میں فرمائی ہے، اور وہاں سے تحفۃ القاری شرح صحیح بخاری کی نویں جلد کے شروع میں نقل کی ہے۔

﴿ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا قَالُوا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَٰذَا ۙ إِنْ هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٣١﴾ ﴾

ترجمہ: اور جب ان لوگوں کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ کہتے ہیں: یقیناً ہم نے سن لیا، اگر ہم چاہیں تو ہم بھی ایسا کلام بنا سکتے ہیں، یہ تو گذشتہ قوموں کی جھوٹی داستانیں ہی ہیں!

کفار کا مانگا ہوا فیصلہ بدر میں سامنے آ گیا (تیسری مثال)

مشرکینِ مکہ بطور عناد (مخالفت) کہتے تھے: الٰہی! اگر یہ دین واقعی برحق دین ہے، اور آپ نے نازل فرمایا ہے اور ہم شدومد سے اس کی تکذیب کر رہے ہیں تو ہمیں سخت سزا کیوں نہیں دی جاتی؟ دیر کیوں ہے! گذشتہ اقوام کی طرح ہم پر بھی پتھروں کا مینہ کیوں نہیں برسایا جاتا؟ یا کسی اور عذاب میں مبتلا کر کے ہمارا استیصال کیوں نہیں کر دیا جاتا؟ ہمیں جڑ سے اکھاڑ دیں تو ہم سمجھیں کہ یہی دین برحق ہے!

اس کا جواب دیتے ہیں کہ جو کچھ انھوں نے مانگا تھا اس کو اپنی آنکھوں سے بدر میں دیکھ لیا، پس بدر کا دن بھی یوم الفرقان (فیصلہ کن دن) ہے، بدر میں کفار کے ستر سردار مارے گئے اور ستر سردار ناک رگڑ کر قید میں آئے، اس طرح وہ دردناک عذاب سے دوچار ہوئے، پس یہ واقعہ فیصلہ کن ہے، عقل ہو تو عبرت حاصل کرو!

﴿ وَإِذْ قَالُوا اللَّهُمَّ إِن كَانَ هَٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِندِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَاءِ أَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٣٢﴾ ﴾

ترجمہ: اور (یاد کرو) جب انھوں نے کہا: اے اللہ! اگر یہ دین ہی برحق دین ہے! آپ کے پاس سے (آیا ہے) تو ہم پر آسمان سے پتھر برسائیں، یا ہمیں دردناک عذاب سے دوچار کریں! —— ان کی یہی دعا بدر میں پوری ہوئی!

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ؕ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ؕ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۵﴾

وَمَا	اور نہیں	يُعَذِّبَهُمْ	سزا دیں ان کو	وَلٰكِنَّ	لیکن
كَانَ اللّٰهُ	تھے اللہ تعالیٰ	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	اَكْثَرَهُمْ	ان کے اکثر
لِيُعَذِّبَهُمْ	کہ سزا دیتے ان کو	وَهُمْ	درانحالیکہ وہ	لَا يَعْلَمُوْنَ	جانتے نہیں
وَاَنْتَ	درانحالیکہ آپ	يَصُدُّوْنَ	روکتے ہیں	وَمَا كَانَ	اور نہیں ہے
فِيْهِمْ	ان میں ہیں	عَنِ الْمَسْجِدِ	نماز کی جگہ سے	صَلَاتُهُمْ	ان کی نماز
وَمَا	اور نہیں	الْحَرَامِ	محترم	عِنْدَ الْبَيْتِ	اللہ کے گھر کے پاس
كَانَ اللّٰهُ	تھے اللہ تعالیٰ	وَمَا كَانُوْٓا	اور نہیں ہیں وہ لوگ	اِلَّا مُكَآءً (۲)	مگر سیٹیاں
مُعَذِّبَهُمْ	سزا دینے والے ان کو	اَوْلِيَآءَهٗ (۱)	اس کے متولی	وَّتَصْدِيَةً (۳)	اور تالیاں
وَهُمْ	درانحالیکہ وہ	اِنْ	نہیں (ہیں)	فَذُوْقُوا	پس چکھو
يَسْتَغْفِرُوْنَ	معافی مانگ رہے ہوں	اَوْلِيَآؤُهٗٓ	اس کے متولی	الْعَذَابَ	سزا
وَمَا لَهُمْ	اور کیا (مانع) ہے ان کیلئے	اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ	مگر پرہیزگار (شرک	بِمَا كُنْتُمْ	بایں وجہ کہ ہو تم
اَلَّا	کہ نہ		سے بچنے والے)	تَكْفُرُوْنَ	اسلام کا انکار کرتے

کفار قریش کا بدر میں لا کر بھرتا کیوں کیا؟

سوال: ہجرت سے پہلے اور ہجرت کے بعد کفار مکہ کو مکہ مکرمہ میں سزا کیوں نہیں دی، بدر میں لا کر ان کو سزا کیوں دی؟

(۱) أولیاء: ولی کی جمع ہے، یہاں اس کے معنی ہیں: کارساز، مختار اور متولی۔ (۲) مُكاءً: مصدر باب نصر: مَكَا يَمْكُوْ مُكَاءً: منہ سے سیٹی بجانا، دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کی جالی بنا کر منہ سے اس میں پھونکنا تا کہ آواز پیدا ہو (۳) تصدية: مصدر باب تفعیل: صَدّٰی بیدَیه تصدية: دونوں ہاتھوں سے تالی بجانا۔

جواب: کفر واسلام کی کش مکش کے نتیجہ میں جو عذاب آتا ہے: اس کے لئے سنتِ الٰہی یہ ہے کہ جب رسول وہاں سے نکل جاتے ہیں اور مؤمنین بھی کفار سے علاحدہ ہوجاتے ہیں: تب عذاب آتا ہے، جیسے لوط علیہ السلام جب عیال کے ساتھ رات کے پچھلے پہر بستی سے نکل گئے تب فرشتوں نے زمین تلپٹ کردی، اسی طرح نبی ﷺ جب کسی بستی پر چڑھائی کرتے تھے تو رات میں وہاں پہنچ جاتے تھے، اور فجر میں اذان کی آواز سنتے تھے، اگر آواز نہ آتی تو نماز کے بعد حملہ کرتے، اور اذان کی آواز آتی تو مسلمانوں کو کفار سے علاحدہ ہوجانے کا موقع دیتے پھر حملہ کرتے۔

اس سنت کے مطابق جب تک نبی ﷺ مکہ میں تھے، ہجرت نہیں فرمائی تھی، عذاب نہیں آیا، پھر آپؐ کی ہجرت کے بعد کمزور مسلمان مکہ میں پھنسے ہوئے تھے، جو اللہ تعالیٰ سے شرک کی معافی طلب کرتے رہتے تھے، وہ کافروں سے الگ نہیں ہوئے تھے: اس لئے کفار کو مکہ میں سزا نہیں دی، ان کو مسلمانوں سے جدا کرکے بدر میں نکال لائے، پھر وہاں ان کو سزا دی۔

﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝۳۳ ﴾

ترجمہ: اور نہیں تھے اللہ تعالیٰ کہ ان کو سزا دیتے درانحالیکہ آپؐ ان میں ہوں، اور نہیں تھے اللہ تعالیٰ ان کو سزا دینے والے درانحالیکہ وہ (شرک کی) معافی مانگ رہے ہوں! —— عذاب آتا ہے تو سبھی پر آتا ہے، کمزور مسلمان بھی پس جائیں گے، اس لئے جب تک ان مسلمانوں کو الگ نہ کیا جائے عذاب نہیں آتا۔

مکہ میں بھی سبب عذاب متحقق تھا، مگر مذکورہ مصلحت سے وہاں ان کو سزا نہیں دی

مکہ مکرمہ میں عذاب کا نہ آنا، ان دو سبب سے تھا جو اوپر مذکور ہوئے، اگر وہ دو باتیں نہ ہوتیں تو فوراً عذاب آجاتا۔ اس سے زیادہ ظلم کیا ہوگا کہ مکہ کے مسلمانوں کو کعبہ کے پاس نماز پڑھنے کی بھی اجازت نہیں تھی، وہ بیچارے دار ارقم میں نماز پڑھتے تھے، اور اگر کوئی اکا دکا کعبہ کے پاس نماز پڑھتا تو اس کی سخت پٹائی کرتے، حضرت عمر اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہما کو مار مار کر نیم جان کردیا تھا، انھوں نے نبی ﷺ کو بھی نہیں بخشا، بخاری شریف میں روایت (نمبر ۲۴۰) ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ بیت اللہ شریف کے قریب نماز پڑھ رہے تھے، اور ابوجہل اور اس کے ساتھی وہاں بیٹھے تھے، اچانک ان میں سے بعض نے بعض سے کہا: تم میں سے کون ہے جو فلاں قبیلہ کی اونٹنی کا میل لائے اور جب محمد (ﷺ) سجدے میں جائیں تو اس کو ان کی پیٹھ پر رکھ دے؟ پس ان میں سے نہایت بدبخت (عقبہ بن ابی معیط) اٹھا اور میل لے آیا، اور انتظار میں رہا، یہاں تک کہ جب آپؐ نے سجدہ فرمایا تو اس میل کو آپؐ کی پیٹھ پر کندھوں کے درمیان رکھ دیا (ابن مسعودؓ کہتے ہیں) اور میں یہ سارا ماجرا دیکھ رہا تھا، مگر میں کچھ نہیں کرسکتا تھا کاش مجھے قوت حاصل ہوتی! ابن مسعودؓ کہتے ہیں: پس وہ سب ہنسنے لگے، اور ایک دوسرے پر لوٹ پوٹ ہونے لگے۔ اور آپ سجدے میں پڑے رہے،

آپؐ نے سر نہیں اٹھایا، یہاں تک کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں اور آپؐ کی پیٹھ سے میل کو الگ کیا (حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بیٹی اور بچی تھیں وہ بدبخت ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے، اور حضرت ابن مسعودؓ کی پٹائی کر دیتے اس لئے وہ کچھ نہ کر سکے) پھر آپؐ نے سر اٹھایا اور بددعا فرمائی: اے اللہ! قریش کو پکڑ لے اور یہ بددعا تین مرتبہ فرمائی۔ یہ بددعا ان پر بہت بھاری ہوئی۔ ابن مسعودؓ کہتے ہیں: وہ جانتے تھے کہ بیت اللہ کے قریب دعا قبول کی جاتی ہے پھر آپؐ نے نام بنام بددعا فرمائی، اے اللہ! ابوجہل کو پکڑ لے، اور عتبہ بن ربیعہ کو، شیبہ بن ربیعہ کو، ولید بن عتبہ کو، امیہ بن خلف کو اور عقبہ بن ابی مُعیط کو۔ ابو اسحاق کہتے ہیں: عمرو بن میمون نے ساتویں کا نام لیا مگر ہمیں وہ یاد نہ رہا (وہ عمارۃ بن الولید تھا) ابن مسعودؓ کہتے ہیں: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! میں نے ان سب کو جن کے نام نبی ﷺ نے لئے تھے، بدر کے کنویں میں پچھڑے ہوئے دیکھا۔

اور ستم ظریفی یہ تھی کہ وہ اس ظلم وستم کے جواز کے لئے دلیل یہ پیش کرتے تھے کہ ہم حرم شریف کے بااختیار متولی ہیں، جسے چاہیں آنے دیں، جسے چاہیں روک دیں، یہ ہمارا حق ہے، حالانکہ اول تو متولی کو بھی یہ حق نہیں کہ مسجد میں لوگوں کو نماز اور عبادت سے روکے، دوسرے: ان کو حق تولیت پہنچتا بھی نہیں تھا، وہ مشرک اور کافر تھے، متولی غیر مسلم نہیں ہوسکتا، اور وہ جو متولی بنے بیٹھے تھے وہ تغلُّب (زبردستی) تھا، متولی تو پرہیزگار مسلمان ہی کو ہونا چاہئے، اور وہی آگے ہونگے، مگر وہ اپنی جہالت سے آئندہ کے احوال جانتے نہیں۔

﴿ وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ۭ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۳۴ ﴾

ترجمہ: اور ان کے لئے کیا مانع ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو (مکہ میں) سزا نہ دیں؟ حالانکہ وہ مسجد حرام سے روکتے ہیں! اور وہ اس کے متولی نہیں (جو ان کو روکنے کا حق ہو) اس کے متولی تو پرہیزگار ہی ہیں، لیکن ان کے اکثر (یہ بات) سمجھتے نہیں!

مشرکین مکہ کو کعبہ کی تولیت پر گھمنڈ تھا

کعبہ شریف کی تولیت ایک بڑا دینی اعزاز تھا، تمام عربوں پر اس کی چھاپ تھی، عرب اسی کو برحق سمجھتے تھے جس کا کعبہ پر قبضہ ہو، قریش خود کو مسجدِ حرام کا خود مختار متولی سمجھتے تھے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: مشرکین مکہ کس منہ سے کہتے ہیں کہ ہم خانۂ کعبہ کے متولی ہیں؟ ذرا وہ اپنی نماز کا حال دیکھیں! وہ نماز میں سیٹیاں اور تالیاں بجاتے ہیں، اصلی نمازیوں کو تو مسجد حرام سے روکتے ہیں، اور خود نماز کا تماشہ بناتے ہیں، اس لئے اب بدر میں اپنے کفر کا مزہ چکھیں —— اور نماز میں کس طرح سیٹیاں اور تالیاں بجاتے تھے؟ یہ بات مروی نہیں، جیسے بدعتی قوالی میں کودتے ہیں اور ہندو مندر میں گھنٹہ بجاتے ہیں: ایسی

کوئی صورت ہوگی۔

﴿ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَاۗءً وَّتَصْدِيَةً ۭ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝۳۵ ﴾

ترجمہ: اور ان کی نماز خانۂ کعبہ کے پاس صرف سیٹیاں اور تالیاں بجانا ہے، پس اپنے کفر کے سبب سے عذاب کا مزہ چکھو!

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ڛ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ۝۳٦ۙ لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰي بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۳۷ۧ

ع ۱۸

اِنَّ الَّذِيْنَ	بے شک جن لوگوں نے	ثُمَّ تَكُوْنُ	پھر ہوگا	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
كَفَرُوْا	اسلام کا انکار کیا	عَلَيْهِمْ	ان پر	الْخَبِيْثَ	ناپاک کو
يُنْفِقُوْنَ	خرچ کرتے ہیں وہ	حَسْرَةً	پچھتاوا	مِنَ الطَّيِّبِ	پاک سے
اَمْوَالَهُمْ	اپنے اموال	ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ	پھر ہاریں گے وہ	وَيَجْعَلَ	اور کریں وہ
لِيَصُدُّوْا	تاکہ روکیں وہ	وَالَّذِيْنَ	اور جن لوگوں نے	الْخَبِيْثَ	ناپاک کو
عَنْ سَبِيْلِ	راہ سے	كَفَرُوْٓا	اسلام کو قبول نہیں کیا	بَعْضَهٗ	اس کے ایک کو
اللّٰهِ	اللہ کی	اِلٰى جَهَنَّمَ	دوزخ کی طرف	عَلٰي بَعْضٍ	دوسرے پر
فَسَيُنْفِقُوْنَهَا	پس اب خرچ کریں	يُحْشَرُوْنَ	جمع کیے جائیں گے	فَيَرْكُمَهٗ (۱)	پھر تہہ بہ تہہ کردیں
	گے وہ ان کو	لِيَمِيْزَ	تاکہ جدا کریں		اس کو

(۱) رَكَمَ يَرْكُمُ رَكْمًا (ن) تہہ بہ تہہ کرنا، بنڈل بنانا، جیسے: سحاب مرکوم: تہہ بہ تہہ بادل، اور حَشْر کا حاصل پاس پاس کرنا ہے اور رَکْم کا حاصل بالکل ملا دینا ہے۔

جَمِيْعًا	اکٹھا (ایک ساتھ)	فِيْ جَهَنَّمَ	دوزخ میں	الْخٰسِرُوْنَ	گھاٹا پانے والے
فَيَجْعَلَهٗ	پس کردیں وہ اس کو	اُولٰٓئِكَ هُمُ	یہی لوگ		ہیں

قریش کو اپنی دولت پر بھی گھمنڈ تھا

قریش کو تولیتِ کعبہ کی طرح قومی دولت پر بھی ناز تھا، تولیت ان کا دینی اعزاز تھا اور قوم کا سرمایہ ان کا فخر تھا۔ نبی ﷺ کے ساتھ جو چند حضرات تھے وہ کنگلے تھے، ان کی کوئی مالی حیثیت نہیں تھی، اور قریش ایک بڑی قوم تھی، ان کے پاس دولت کی کمی نہیں تھی، پھر ابوسفیان کا تجارتی قافلہ بڑی دولت کے ساتھ لوٹا تھا، اس میں ایک ہزار اونٹ تھے، جن پر کم از کم پچاس ہزار دینار (دوسو ساڑھے باسٹھ کلو سونے) کی مالیت کا سامان بار کیا ہوا تھا، وہ سارا سرمایہ ارباب اموال نے بدر میں جو سردار مارے گئے تھے ان کا بدلہ لینے کے لئے روک لیا تھا، اور اسی سے تیاری کر کے اُحد میں مدینہ پر چڑھ آئے تھے، انھوں نے تہیہ کر لیا تھا کہ اپنی دولت کے ذریعہ لوگوں کو اسلام سے روک دیں گے —— ان آیات میں اس سلسلہ میں گفتگو ہے۔

پہلے ایک عام بات بیان فرمائی ہے کہ اسلام کے مخالف لوگوں کو اسلام سے روکنے کے لئے بے دریغ اپنا مال خرچ کرتے ہیں، یہود و نصاریٰ وغیرہ بے حساب دولت خرچ کرتے ہیں کہ لوگ اسلام کو قبول نہ کریں، وہ جاہل قلاش مسلمانوں کو مال کا لالچ دے کر اسلام سے پھیر دیتے ہیں۔

پھر قریش کا حال بیان کیا ہے کہ وہ بھی اپنی دولت اللہ کے راستہ سے روکنے کے لئے خرچ کریں گے، مگر اس کا انجام صفر ہوگا، وہ آخر میں کفِ افسوس ملیں گے، اور اس کے بعد ان کی قسمت میں مغلوبیت (ہار) ہے، غزوۂ احد اور احزاب میں یہ پیشین گوئی پوری ہوئی، وہ پاؤں جھاڑتے ہاتھ ملتے خائب و خاسر لوٹ گئے، پھر فتح مکہ پر ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہوگئے۔

یہ تو ان کا دنیا میں حال ہوگا، اور آخرت میں وہ دوزخ کے پاس جمع کئے جائیں گے، پھر ان کے بنڈل بنائے جائیں گے، پھر ان کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا، یہ انھوں نے دنیا کی طرح آخرت میں بھی گھاٹا پایا۔

آخرت میں اسلام قبول کرنے والے پاک لوگوں کو اسلام قبول نہ کرنے والے گندے لوگوں سے جدا جدا کر دیا جائے گا، اہل اسلام جنت میں پہنچائے جائیں اور اہل کفر دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔

اس دنیا میں تو انسانوں کا رَل گڈا ہے، مؤمن و کافر ملے جلے ہیں، اور حق پر پردہ پڑا ہوا ہے، مگر آنے والی دنیا میں یہ صورت نہیں ہوگی، دانہ اور بھوس الگ کر دیا جائے گا، دانہ کوٹھی میں جائے گا جس کو انسان کھائیں گے اور بھوس باڑے میں ڈالا جائے گا، جس کو جانور کھائیں گے، اگرچہ کھیت میں سب ملا جلا ہوتا ہے۔

آیاتِ کریمہ: بلاشبہ کافر لوگ اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں تا کہ اللہ کی راہ سے روکیں —— یہ عام بات ہے

—— پس عنقریب وہ —— یعنی مکہ کے کافر —— اپنے مالوں کو خرچ کریں گے، پھر وہ (اموال خرچ کرنا) ان کے حق میں پچھتاوا ہوگا، پھر وہ ہاریں گے!

اور کفار کو دوزخ کی طرف جمع کیا جائے گا، تاکہ اللہ تعالیٰ ناپاک (لوگوں) کو پاک (لوگوں) سے جدا کردیں، اور ناپاکوں کو ایک دوسرے سے ملا کر متصل کردیں، پھر ان کو جہنم میں ٹھونس دیں، یہی لوگ (دارین میں) خسارے میں رہنے والے ہیں!

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۳۹﴾ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ۭ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۴۰﴾

قُلْ	کہہ دو	سُنَّتُ	برتاؤ	بِمَا	ان کو جو
لِّلَّذِيْنَ	ان لوگوں سے جنھوں نے	الْاَوَّلِيْنَ	اگلوں کے ساتھ	يَعْمَلُوْنَ	وہ کریں گے
كَفَرُوْٓا	اسلام کو قبول نہیں کیا	وَقَاتِلُوْهُمْ	اور لڑو تم ان سے	بَصِيْرٌ	خوب دیکھنے والے ہیں
اِنْ يَّنْتَهُوْا	اگر وہ باز آجائیں	حَتّٰى	یہاں تک کہ	وَاِنْ	اور اگر
يُغْفَرْ	(تو) معاف کردیا جائے گا	لَا تَكُوْنَ	نہ رہے	تَوَلَّوْا	روگردانی کریں وہ
لَهُمْ	ان کے لئے	فِتْنَةٌ	فساد (دنگا)	فَاعْلَمُوْٓا	تو جان لو
مَّا	جو	وَّيَكُوْنَ	اور ہوجائے	اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ تعالیٰ
قَدْ	تحقیق	الدِّيْنُ	دین	مَوْلٰىكُمْ	تمہارے حمایتی ہیں
سَلَفَ	پہلے گذر چکا	كُلُّهٗ	سارا	نِعْمَ	کیا خوب ہیں وہ
وَاِنْ يَّعُوْدُوْا	اور اگر لوٹیں وہ	لِلّٰهِ	اللہ کے لئے	الْمَوْلٰى	حمایتی!
فَقَدْ	تو تحقیق	فَاِنِ انْتَهَوْا	پس اگر باز آجائیں وہ	وَنِعْمَ	اور کیا خوب ہیں وہ
مَضَتْ	ہو چکا ہے	فَاِنَّ اللّٰهَ	تو بے شک اللہ تعالیٰ	النَّصِيْرُ	مددگار!

قریش کو اسلام کی دعوت، اور بصورت انکار تباہی کی وارننگ

ان آیات پر کفار مکہ سے گفتگو مکمل ہو رہی ہے، آخر میں ان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جاتی ہے، فرماتے ہیں کہ اگر اب بھی یعنی بدر میں برسر پیکار ہونے کے بعد بھی تم کفر و عناد اور عداوتِ اسلام سے باز آجاؤ، اور دین اسلام کو قبول کرلو تو اب تک تم نے اسلام کے خلاف جو حرکتیں کی ہیں، اور سب سے بڑی حرکت یہ کی ہے کہ بدر میں اسلام کے خلاف برسر پیکار ہوئے: وہ سب معاف کردیا جائے گا، اور اگر نہیں تو سن لو جس طرح گذشتہ رسولوں کی تکذیب کرنے والے تباہ و برباد ہوئے ہیں تم بھی صفحۂ ہستی سے مٹادیئے جاؤ گے۔

﴿ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۳۸ ﴾

ترجمہ: آپ ان لوگوں سے جنھوں نے اسلام کو قبول نہیں کیا کہہ دیں: اگر وہ باز آجائیں (اور اسلام کو قبول کرلیں) تو ان کے لئے ان کی گذشتہ حرکتیں معاف کردی جائیں گی، اور اگر وہ دوبارہ حرکت کریں گے تو اگلوں کے ساتھ برتاؤ ہو چکا ہے —— وہی برتاؤ ان کے ساتھ بھی ہوگا۔

جہاد فساد روکنے کے لئے ہے، جب فساد برپا ہو تو جہاد ضروری ہے

جہاد کا اولیں مقصد یہ ہے کہ اہل اسلام مطمئن ہو کر اللہ کی زمین میں اللہ کی عبادت کریں، اور جہاد اقدامی بھی ہوتا ہے، دفاعی بھی اور اتفاقی بھی، بدر کی جنگ اتفاقی تھی، اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہٗ نے حجۃ اللہ البالغہ میں جنگ کی دو بنیادیں بیان کی ہیں:

① دفاع کے لئے: جب درندہ صفت لوگ حملے کرتے ہیں، لوگوں کے اموال لوٹتے ہیں، ان کے اہل و عیال کو قید کر کے لے جاتے ہیں، ان کی عزت کی دھجیاں اڑاتے ہیں اور لوگوں کا ناک میں دم کردیتے ہیں تو خلیفہ کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ لوگوں سے ضرر ہٹانے کے لئے تلوار اٹھائے اور دشمنوں کا منہ کیل دے، ہاتھ توڑ دے اور پاؤں اکھاڑ دے۔ بنی اسرائیل جب اس قسم کے حالات سے دوچار ہوئے تھے تو انھوں نے اپنے پیغمبر سے درخواست کی تھی کہ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کردیجئے کہ ہم اللہ کی راہ میں (جالوت سے) قتال کریں۔ (سورۃ البقرۃ آیت ۲۴۶)

② اقدامی طور پر: جب خواہش پرست اور درندہ صفت لوگ بدراہی اختیار کرتے ہیں، زمین میں اُدھم مچاتے ہیں اور اللہ کی زمین کو فتنہ سے بھر دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انبیاء کے توسط سے یا براہ راست خلیفہ کو الہام فرماتے ہیں کہ وہ ان شر

پسندوں کی شوکت کو توڑ دے اور ان لوگوں کو تہ تیغ کر دے جن کی اصلاح کی قطعاً کوئی امید نہیں ہے، جو انسانوں میں سڑا لگے ہوئے عضو کی طرح ہیں، جس کو کاٹ کر پھینک دینا ہی مصلحت ہے۔

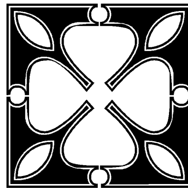
ان آیاتِ پاک میں مؤمنین سے خطاب ہے کہ تم مخالفین اسلام سے لڑو، یہاں تک کہ فتنہ وفساد باقی نہ رہے، اور دین سارا اللہ کے لئے ہوجائے، یعنی مسلمان جہاں بھی ہوں صرف اللہ کی عبادت کرسکیں، پھر جب کفار: اسلام دشمنی سے باز آجائیں اور مسلمانوں کو پریشان کرنا چھوڑ دیں تو ہاتھ روک لو، اور دیکھتے رہو کہ آئندہ کفار کا طرز عمل کیا رہتا ہے، اللہ تعالیٰ تو ان کے کاموں کو خوب دیکھ رہے ہیں۔

پھر اگر وہ سلامت روی چھوڑ دیں، اور دوبارہ دنگا فساد مچائیں تو تم پھر ان کی سرکوبی کے لئے ہتھیار اٹھالو، خواہ ان کی تعداد کتنی ہی زیادہ ہو، ان سے ہراساں ہونے کی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ تمہارے حمایتی ہیں، اور وہ بہترین کارساز اور مددگار ہیں۔

﴿ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝٣٩ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ۭ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝٤٠ ﴾

ترجمہ: اور تم ان سے یہاں تک لڑو کہ فساد باقی نہ رہے، اور دین سارا اللہ کے لئے ہوجائے —— یہاں دین سے مراد عبادت ہے، مسلمان ہر جگہ اطمینان سے اللہ کی عبادت کرسکیں —— پھر اگر وہ (فساد سے) رک جائیں —— تو تم بھی جہاد سے رک جاؤ، اور آگے ان کا طرز عمل کیسا رہے گا؟ اس کو دیکھتے رہو —— پس بے شک اللہ تعالیٰ پوری طرح باخبر ہیں ان کاموں سے جو وہ (آگے) کریں گے۔

اور اگر وہ روگردانی کریں —— اور پھر دنگا فساد شروع کردیں —— تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے حامی ہیں —— یعنی تم جہاد شروع کرو —— وہ کیا خوب حامی ہیں؟ اور کیا خوب مددگار! —— یعنی ان کی مدد سے تم پالا مارلوگے!



وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۴۱﴾

وَاعْلَمُوْٓا (۱)	اور جان لو	وَالْیَتٰمٰی	اور یتیموں	یَوْمَ	دن
اَنَّمَا	تحقیق جو	وَالْمَسٰکِیْنِ	اور غریبوں	الْفُرْقَانِ	فیصلہ کے
غَنِمْتُمْ	لڑ کر حاصل کیا تم نے	وَابْنِ السَّبِیْلِ	اور مسافروں کے لئے	یَوْمَ (۴)	جس دن
مِّنْ شَیْءٍ	کوئی بھی چیز	اِنْ كُنْتُمْ (۲)	اگر ہو تم	الْتَقَی	مقابل ہوئے
فَاَنَّ	پس تحقیق	اٰمَنْتُمْ	ایمان رکھتے	الْجَمْعٰنِ	دو لشکر
لِلّٰهِ	اللہ کے لئے ہے	بِاللّٰهِ	اللہ پر (تو یہ بات جان لو)	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
خُمُسَهٗ	اس کا پانچواں	وَمَآ (۳)	اور اس پر جو	عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ	ہر چیز پر
وَلِلرَّسُوْلِ	اور رسول کے لئے	اَنْزَلْنَا	اتارا ہم نے	قَدِیْرٌ	قادر ہیں
وَلِذِی الْقُرْبٰی	اور رشتہ داروں کے لئے	عَلٰی عَبْدِنَا	ہمارے بندے پر	۞	۞

ربط: سورت کے شروع میں انفال کے بارے میں فرمایا تھا کہ وہ اللہ کا اور اللہ کے رسول کا ہے، مؤمنین کے درمیان اس کے سلسلہ میں نزاع واقع نہ ہو، پھر مؤمنین کے اوصاف بیان ہوئے تھے، پھر دوسری باتیں شروع ہوگئی تھیں، اور بہت سی باتیں مؤمنین کو مخاطب بنا کر کافروں کو سنائی تھیں، وہ سلسلۂ بیان پورا ہوا، اب پھر شروع سورت کی طرف لوٹتے ہیں، اور مالِ غنیمت کے خمس کے مصارف بیان کرتے ہیں، باقی چار اخماس کا تذکرہ قرآنِ کریم میں نہیں ہے، احادیث میں

(۱) ترکیب: اعلموا: فعل بافعل...... أنما: دو حرف ہیں، أنَّ: حرف تحقیق (حرف مشبّہ بالفعل) اور ما: موصولہ، إمام (مصحف عثمانی) میں دونوں کو ساتھ لکھا گیا ہے، اور بعض مصاحف میں علاحدہ علاحدہ لکھا گیا ہے (جمل) ...... اور ما موصولہ کا عائد محذوف ہے أی ما غنمتم به...... اور من شیئ: ما کا بیان ہے...... پھر جملہ اعلموا کا مفعول بہ ہے...... أن للّٰه: مبتدا محذوف کی خبر ہے، أی فحکمه أن اور للّٰه خبر مقدم ہے اور خُمُسَه: اسم مؤخر ہے...... اور للرسول اور لذی القربی: للّٰه پر معطوف ہیں باعادۂ حرفِ جر اور باقی تین کا بھی اسی پر عطف ہے، حرفِ جر لوٹائے بغیر، اس لئے کہ پہلے تین مصارف ساقط ہونے والے تھے اور بعد کے تین باقی رہنے والے تھے۔ (۲) إن کنتم آمنتم کی جزاء پوشیدہ ہے، أی فاعلموا ذلک (جلالین) (۳) ما کا عطف اللّٰه پر ہے أی وبما (۴) یوم التقی: پہلے یوم سے بدل ہے۔

ہے، وہ مجاہدین کا حق ہیں، وہ نبی ﷺ نے فوج میں تقسیم فرما دیئے، پیدل کو ایک حصہ اور گھوڑ سوار کو دو یا تین حصے عنایت فرمائے، اس لئے کہ اس زمانہ میں حکومت کے پاس فوج نہیں تھی، ہر شخص لڑنا جانتا تھا اور اس کے پاس ہتھیار بھی تھے، اس لئے چونکہ ان کو کوئی تنخواہ نہیں ملتی تھی، رضا کارانہ لڑتے تھے اس لئے غنیمت کے چار اخماس ان کا حق قرار دیئے گئے ہیں۔

غنیمت اور فئ: غَنِمَ الشیئَ (س) غَنْمًا: غازی کا مالِ غنیمت حاصل کرنا، جنگ کے نتیجہ میں حاصل ہونے والا مال۔ اور فئ: بلا جنگ حاصل ہونے والا مال، اس میں مجاہدین کا حصہ نہیں ہوتا، صرف غنیمت کے چار اخماس ان کا حق ہیں، اور مالِ غنیمت کے خمس اور مالِ فئ کے مصارف ایک ہیں، خمس کے مصارف کا بیان یہاں ہے، اور فئ کے مصارف کا بیان سورۃ الحشر (آیت ۷) میں ہے، تفصیل ہدایت القرآن (۸: ۲۲۳) میں ہے۔

غنیمت اس امت کے لئے حلال کی گئی ہے

گذشتہ امتوں کے لئے غنیمت حلال نہیں تھی، صرف اس امت کے لئے حلال کی گئی ہے اور اس کی حکمت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے علاوہ تمام انبیاء کی بعثت مخصوص علاقہ اور مخصوص قوم کے لئے تھی، اس لئے ان کا جہاد وقتی تھا، اور نبی ﷺ کی بعثت ساری دنیا کی طرف ہے اور قیامت تک کے لئے ہے، اس لئے آپ کی امت میں ہمیشہ جہاد جاری رہے گا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کی ضرورت کے پیش نظر غنیمت کو حلال کیا ہے۔

بہ الفاظ دیگر: غنیمت میں اصل حلال نہ ہونا ہے تا کہ جو جہاد کرے اخلاص کے ساتھ کرے، اگر غنیمت حلال ہوگی تو غنیمت کے لالچ میں لوگ جہاد کریں گے، مگر امت محمدیہ کے لئے ایک مجبوری تھی، اس وجہ سے ان کے لئے غنیمت حلال کی گئی۔

اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ گذشتہ امتوں کا جہاد معینہ مدت، معین قوم اور معین علاقہ تک محدود تھا کیونکہ ان انبیاء کی بعثت مخصوص قوم اور مخصوص علاقہ کے لئے تھی، اس لئے ان کا جہاد وقتی تھا، اور مجاہدین کے پاس کمانے کھانے کا وقت رہتا تھا، اس لئے غنیمت کو حلال کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی، مگر اس امت کی صورت حال دوسری ہے، ان کا جہاد ہمیشہ جاری رہے گا اور قیامت تک جاری رہے گا، کیونکہ حضور اقدس ﷺ کی بعثت ساری دنیا کے لئے اور قیامت تک کے لئے ہے، اس وجہ سے اس امت کے لئے غنیمت حلال کی گئی تا کہ سال بھر اور ہمیشہ جہاد جاری رہ سکے اور مجاہدین کی ضرورتیں پوری ہوتی رہیں۔

مالِ غنیمت کے پانچویں حصہ کے مصارف

خمس اور فئ کے مصارف ایک ہیں، ان میں اللہ تعالیٰ کا تذکرہ تبرکاً باقی مصارف کی دلداری کے لئے ہے، تا کہ وہ اس

مال کو بھیک کا لقمہ نہ سمجھیں۔

دوسرا مصرف: اللہ کے رسول ﷺ ہیں، آپؐ اس میں سے اپنی ازواج کا سال بھر کا خرچ نکالتے تھے، اور باقی مال مسلمانوں کی ضروریات میں خرچ کرتے تھے، پس آپؐ قاسم (بانٹنے والے) بھی تھے، یہ اموال آپؐ کی تحویل میں تھے، آپؐ ان کے مالک نہیں تھے، آپؐ کی وفات پر یہ مصرف ختم ہوگیا، اب یہ مال حکومت کے کنٹرول میں ہوگا۔

تیسرا مصرف: نبی ﷺ کے رشتہ دار تھے، آپؐ اس میں سے بنو ہاشم اور بنو مطلب کو دیتے تھے، اور ان کا اس مال میں حق نصرت کی وجہ سے تھا، جاہلیت اور اسلام میں وہ نبی ﷺ کے مددگار تھے، پس اب جب آپ ﷺ نہ رہے تو نصرت بھی نہ رہی، اس لئے یہ مصرف بھی ختم ہوگیا، اور بنو ہاشم اور بنو المطلب میں جو یتیم، مسکین اور مسافر ہیں وہ اگلے مصارف میں شامل ہیں۔

پس احناف اور امام بخاری رحمہما اللہ کے نزدیک خمس اور مالِ فئ کے تین مصارف باقی رہے: یتامی، مساکین اور وہ مسافر جو دورانِ سفر حاجت مند ہوگئے ہوں۔ البتہ ان تین مصارف میں حصر نہیں، اس لئے کہ حنین کی غنیمت کے خمس میں سے نبی ﷺ نے مولفۃ القلوب کو بھی دیا ہے، اور بنو نضیر کے مال فئ میں سے مہاجرین کو بھی دیا ہے، البتہ یہ اموال زکات وعشر کی طرح حکومت چلانے کے لئے نہیں ہیں۔

آیتِ کریمہ: اور یہ بات جان لو کہ جو کچھ بھی تم نے (دشمن سے) پایا ہے (اس کا حکم یہ ہے کہ) اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لئے ہے، اور اللہ کے رسول کے لئے ہے، اور رسول کے رشتہ داروں کے لئے ہے، اور یتیموں اور غریبوں اور مسافروں کے لئے ہے، اگر تمہارا اللہ پر یقین ہے (تو یہ بات جان لو) اور اس پر (بھی یقین ہے) جو ہم نے اتارا ہے ہمارے بندے پر فیصلہ کن دن میں یعنی جس دن دو لشکر ایک دوسرے کے مقابل ہوئے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں۔

تفسیر: ﴿ مِّنْ شَیْءٍ ﴾ سے تعمیم کی ہے کہ غنیمت میں جو کچھ ملے وہ حسب قاعدہ تقسیم ہوگا، چوری اور کوئی چیز چھپانے کی کسی کو اجازت نہیں، البتہ کھانے پینے کی چیزیں اور گھاس چارہ تقسیم سے پہلے بھی استعمال کر سکتے ہیں۔

''جو ہم نے ہمارے بندے پر اتارا'' اس میں نازل ہونے والی وحی، کامیابی کی خوش خبری اور ملائکہ کی کمک سب شامل ہے۔

بدر کی جنگ کو یوم الفرقان (فیصلہ کن معرکہ) کہا، پھر اس سے بدل آیا: جس دن دو لشکر ایک دوسرے کے مقابل ہوئے: اس بدل سے یہ سمجھایا ہے کہ اس دن نہتے مسلمانوں کو کامیابی عطا فرمائی، اور اس کی وجہ آیت کے فاصلہ میں بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں، پس وہ کمزور فریق کو کامیاب کر سکتے ہیں اور کیا۔

إِذْ أَنتُم بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُم بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوَىٰ وَالرَّكْبُ أَسْفَلَ مِنكُمْ ۚ وَلَوْ تَوَاعَدتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيعَادِ ۙ وَلَٰكِن لِّيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَن بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَن بَيِّنَةٍ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٤٢﴾ إِذْ يُرِيكَهُمُ اللَّهُ فِي مَنَامِكَ قَلِيلًا ۖ وَلَوْ أَرَاكَهُمْ كَثِيرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ سَلَّمَ ۗ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٤٣﴾ وَإِذْ يُرِيكُمُوهُمْ إِذِ الْتَقَيْتُمْ فِي أَعْيُنِكُمْ قَلِيلًا وَيُقَلِّلُكُمْ فِي أَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا ۗ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿٤٤﴾

ع ۵

إِذْ أَنتُمْ (۱)	جب تم	تَوَاعَدتُّمْ (۳)	تم ایک دوسرے سے	عَنْ بَيِّنَةٍ	واضح دلیل سے
بِالْعُدْوَةِ (۲)	وادی کے کنارے پر (تھے)		وعدہ کرتے	وَيَحْيَىٰ	اور زندہ رہے
الدُّنْيَا	اِس طرف کے	لَاخْتَلَفْتُمْ	توضرور تم پیچھے رہتے	مَنْ حَيَّ	جو زندہ رہا
وَهُم	اور وہ لوگ	فِي الْمِيعَادِ	وقت معین میں	عَنْ بَيِّنَةٍ	واضح دلیل سے
بِالْعُدْوَةِ	وادی کے کنارے پر (تھے)	وَلَٰكِن	لیکن	وَإِنَّ اللَّهَ	اور بے شک اللہ تعالیٰ
الْقُصْوَىٰ	اُس طرف کے	لِّيَقْضِيَ اللَّهُ	تاکہ کر گذریں اللہ تعالیٰ	لَسَمِيعٌ	البتہ خوب سننے والے
وَالرَّكْبُ	اور تجارتی قافلہ	أَمْرًا	اس کام کو	عَلِيمٌ	خوب جاننے والے ہیں
أَسْفَلَ	نیچے (تھا)	كَانَ مَفْعُولًا	جو ہونے والا تھا	إِذْ	(یادکرو) جب
مِنكُمْ	تم سے	لِّيَهْلِكَ	تاکہ ہلاک ہو	يُرِيكَهُمُ (۴)	دکھلائے آپ کو ان کو
وَلَوْ	اور اگر	مَنْ هَلَكَ	جو ہلاک ہوا	اللَّهُ	اللہ نے

(۱) إذ (پہلے) یومَ سے بدل ہے (جلالین) أذکر محذوف کا ظرف نہیں (۲) العدوة: وادی (پہاڑوں کے میدان) کا کنارہ، جمع عُدًی اور عِداءٌ ...... الدنیا: الأدنی کا مؤنث: الأقرب من المدينة ...... القُصوی: الأقصی کا مؤنث: دورافتادہ ...... الرکب: کارواں، دس یا زیادہ سواروں کا قافلہ (۳) تواعدتم: ماضی، جمع مذکر حاضر، تَوَاعُدٌ (تفاعل): آپس میں ایک دوسرے سے وعدہ کرنا ...... المیعاد: اسم ظرف: وقتِ وعدہ (۴) یریکھم: مضارع، واحد مذکر غائب، إراء ة مصدر کَ: مفعولِ اول، ھم: مفعولِ دوم: اور قلیلاً: مفعول دوم کا حال: وہ کم دکھارہا تھا تجھے ان کو۔

فِیْ مَنَامِكَ	آپؐ کے خواب میں	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ نے	قَلِيْلًا	تھوڑے
قَلِيْلًا	تھوڑے	سَلَّمَ	محفوظ رکھا	وَّيُقَلِّلُكُمْ	اور تھوڑا کیا اس نے تم کو
وَلَوْ	اور اگر	اِنَّهٗ	بے شک وہ	فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ	ان کی نگاہوں میں
اَرٰىكَهُمْ	دکھلاتا وہ تم کو ان کو	عَلِيْمٌۢ	خوب جاننے والے ہیں	لِيَقْضِيَ اللّٰهُ	تاکہ گذریں اللہ تعالیٰ
كَثِيْرًا	بہت زیادہ	بِذَاتِ الصُّدُوْرِ	سینوں کی باتوں کو	اَمْرًا	اس کام کو
لَّفَشِلْتُمْ	تو ہمت ہار جاتے تم	وَاِذْ	اور (یاد کرو) جب	كَانَ مَفْعُوْلًا	جو ہونے والا تھا
وَلَتَنَازَعْتُمْ	اور ضرور جھگڑتے تم	يُرِيْكُمُوْهُمْ (۱)	دکھلائے تم کو ان کو	وَاِلَى اللّٰهِ	اور اللہ کی طرف
فِي الْاَمْرِ	معاملہ میں	اِذِ الْتَقَيْتُمْ	جب آمنے سامنے ہوئے تم	تُرْجَعُ	لوٹتے ہیں
وَلٰكِنَّ	لیکن	فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ	ان کی نگاہوں میں	الْاُمُوْرُ	سب کام

غزوۂ بدر کو یوم الفرقان کس طرح بنایا؟ اور کیوں بنایا؟

گذشتہ آیت میں غزوۂ بدر کو یوم الفرقان (حق و باطل کے درمیان فیصلہ کُن معرکہ) فرمایا تھا، اب ان آیات میں یہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس غزوہ کو فیصلہ کن معرکہ کس طرح بنایا؟ اور کیوں بنایا؟

جواب: چیونٹی کو ہاتھی کے مقابل کیا، اور سابقہ پروگرام کے بغیر کیا، پھر کمزوروں کی مدد کی انھوں نے ہاتھی کو پچھاڑ دیا، اور دنیا نے دیکھ لیا کہ حق غالب آیا، اور باطل نے منہ کی کھائی، اب جو کفر پر جمع رہنا چاہتا ہے جما رہے، اور جائے جہنم میں! اور جس کی قسمت یاوری کرے وہ یوم الفرقان سے سبق لے اور ایمان لے آئے اس کا دارین میں بھلا ہوگا۔

بدر میں فریقین اتفاقاً جمع ہوگئے تھے، پہلے سے جنگ کا کوئی پروگرام نہیں تھا، اگر میعاد متعین ہوتی تو مسلمان پیچھے رہ جاتے، کیونکہ ان کی کل تعداد پانچ سو سات سو تھی، اور مکہ والے ہزار نہیں ہزاروں امنڈ آتے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ ابوسفیان کا قافلہ راستہ بدل کر سمندر کے راستے نکل گیا تھا، وہ بدر سے گذرا ہی نہیں تھا، پھر اس نے مکی لشکر کو اطلاع کر دی تھی کہ قافلہ بچ گیا ہے، تم لوٹ جاؤ، مگر ابوجہل نے کہا: ہم بدر تک جائیں گے، وہاں رنگ رلیاں منائیں گے، پھر لوٹیں گے۔

اِدھر نبی ﷺ کو مقام صفراء میں اطلاع مل چکی تھی کہ قافلہ بچ کر نکل گیا ہے، اور مکہ سے ایک ہزار کا لشکر جرار بدر تک

(۱) یریکموھم: مضارع، واحد مذکر غائب، مصدر إراء ۃ: کُمو: مفعول اول، ھم: مفعول ثانی، کُم اور کُمو ایک ہیں، صرف لکھنے کا فرق ہے: وہ دکھارہا تھا تمہاری نظروں میں ان کو۔

پہنچ چکا ہے، آپؐ نے صحابہ سے مشورہ کیا اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی تقریر کے بعد طے پایا کہ بدر تک جانا چاہئے، اور نبی ﷺ نے وحی سے اطلاع دی کہ عیر اور نفیر میں سے ایک پر قابو ملے گا، کفار بدر میں پہلے پہنچے تھے اور اچھی جگہ اور پانی پر قبضہ کرلیا تھا، مسلمان بعد میں پہنچے، ان کے حصہ میں ریتلا میدان آیا، اس طرح اللہ تعالیٰ نے دونوں کو علی غیر میعاد جمع کردیا اور جنگ ہوئی اور جو اللہ تعالیٰ کو منظور تھا اس کی تکمیل ہوگئی۔

بدر میں دو واقعے پیش آئے جنھوں نے جنگ کو مہمیز کیا

پہلا واقعہ: معرکہ سے پہلے جو رات گذری، جس میں اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کو گہری نیند سلادیا، جس کا ذکر اسی سورت کی (آیت ۱۱) میں گذرا ہے، اس رات میں نبی ﷺ نے خواب دیکھا، خواب میں آپ کو مشرکین تعداد بہت کم دکھائی، صبح آپؐ نے خواب صحابہ کو سنایا، نبی کا خواب وحی ہوتا ہے، اس سے مسلمانوں کا حوصلہ بڑھا، انھوں نے سوچا: ابھی ان سے نمٹ لیتے ہیں، خواب میں صرف وہی کفار دکھائے گئے تھے جو کفر پر مرنے والے تھے اور جو دیر سویر ایمان لانے والے تھے وہ نہیں دکھائے گئے، کیونکہ وہ انجام کے اعتبار سے کافر نہیں تھے۔

دوسرا واقعہ: جب دونوں فوجیں ایک دوسرے سے قریب ہوئیں تو ہر ایک کو مقابل کم نظر آئے، یہاں بھی جو کفر پر مرنے والے تھے وہی نظر آئے اور مسلمان تو تھے ہی کم! اس سے بھی فریقین میں جوش پیدا ہوا اور گھمسان کا رن پڑا، تا کہ جو بات اللہ کو منظور تھی اس کی تکمیل ہوجائے۔

آیاتِ پاک: جب تم میدان کے اِدھر والے کنارے پر تھے، اور وہ میدان کے اُدھر والے کنارے پر تھے، اور تجارتی قافلہ تم سے نیچے (جارہا) تھا، اور اگر تم اور وہ کوئی وقت مقرر کرتے تو تم ضرور اس مقررہ وقت میں پیچھے رہتے، یعنی جو بات اللہ تعالیٰ کو کرنا منظور تھی ان کی تکمیل کردیں، تا کہ جس کو برباد ہونا ہو —— یعنی جس کو کفر پر جمار ہنا ہو —— واضح دلیل (فیصلہ کن دلیل) کے بعد برباد ہو، اور جس کو زندہ رہنا ہو —— یعنی ایمان لانا ہو —— وہ بھی واضح دلیل کے بعد زندہ رہے، اور اللہ تعالیٰ بلاشبہ خوب سننے والے خوب جاننے والے ہیں۔

اور (یاد کرو) جب اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو خواب میں ان کی تعداد کم دکھلائی (تا کہ فوج کے دل سے ہول نکل جائے) اور اگر آپؐ کو ان کی تعداد زیادہ دکھلاتے تو تم پست ہمت ہوجاتے، اور جنگ کے معاملہ میں تم میں باہم اختلاف ہوجاتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے بچالیا، بے شک وہ دلوں کے رازوں کو خوب جانتے ہیں۔

اور (یاد کرو) جب اللہ تعالیٰ تم کو ان کی نظر میں کم دکھلا رہے تھے، جب تم ان کے بالمقابل ہوئے اور ان کی نظر میں تم کو کم کر کے دکھلا رہے تھے (تا کہ دونوں فریق پر جوش ہوجائیں) تا کہ جو بات اللہ کو منظور ہے اس کی تکمیل ہوجائے اور

سارے امور اللہ ہی طرف لوٹتے ہیں ـــــ یعنی فیصلہ اللہ کے اختیار میں ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَاۗءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۴۷﴾

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	اللّٰهَ	اللہ کی	خَرَجُوْا	نکلے
اٰمَنُوْٓا	ایمان لائے ہو!	وَرَسُوْلَهٗ	اور اس کے رسول کی	مِنْ دِيَارِهِمْ	اپنے گھروں سے
اِذَا	جب	وَلَا تَنَازَعُوْا	اور نہ جھگڑو باہم	بَطَرًا[1]	اتراتے ہوئے (نازاں)
لَقِيْتُمْ	تمہارا مقابلہ ہو	فَتَفْشَلُوْا	پس کم ہمت ہو جاؤ تم	وَّرِئَاۗءَ	اور دکھلاتے ہوئے
فِئَةً	کسی جماعت سے	وَتَذْهَبَ	اور نکل جائے	النَّاسِ	لوگوں کو
فَاثْبُتُوْا	تو جم جاؤ	رِيْحُكُمْ	تمہاری ہوا	وَيَصُدُّوْنَ	اور روکتے ہیں وہ
وَاذْكُرُوا	اور یاد رکھو	وَاصْبِرُوْا	اور ثابت قدم رہو	عَنْ سَبِيْلِ	راہ سے
اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ کو	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	اللّٰهِ	اللہ کی
كَثِيْرًا	بہت	مَعَ الصّٰبِرِيْنَ	صبر کرنے والوں کے	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
لَّعَلَّكُمْ	تاکہ تم		ساتھ ہیں	بِمَا	ان کاموں کو جو
تُفْلِحُوْنَ	کامیاب ہوؤ	وَلَا تَكُوْنُوْا	اور نہ ہوؤ تم	يَعْمَلُوْنَ	وہ کرتے ہیں
وَاَطِيْعُوا	اور بات مانو	كَالَّذِيْنَ	ان لوگوں جیسے جو	مُحِيْطٌ	گھیرنے والے ہیں

کامیابی کے لئے ثابت قدمی اور اللہ کی یاد ضروری ہے

بدر کا معاملہ تو خاص نوعیت کا معاملہ تھا، سابقہ پروگرام کے بغیر اللہ تعالیٰ نے دونوں فریقوں کو بدر میں جمع کر دیا تھا، پھر نہتوں کی فرشتوں کے ذریعہ مدد کی اور چٹ پٹ معاملہ نمٹا دیا۔

(۱) بطراً اور رئاء: مصدر بمعنی اسم فاعل ہیں، اور خرجوا کے فاعل کے احوال ہیں۔

مگر عام احوال میں جہاد میں کامیابی کے لئے مثبت پہلو سے دو باتیں ضروری ہیں: ثابت قدمی سے لڑنا اور اللہ تعالیٰ کو بکثرت یاد کرنا، جو لوگ میدان میں ڈٹ کر لڑتے ہیں، پسپائی اختیار نہیں کرتے اور دشمن کو پیٹھ نہیں دکھاتے اور اللہ کی خوشنودی کے لئے لڑتے ہیں اور زبان پر بھی اللہ کا ذکر جاری رہتا ہے تو کامیابی بڑھ کر ان کے قدم چومتی ہے، جنگ کے دوران نمازوں کے اوقات آتے ہیں، پس نمازوں کا اور دعاؤں کا اہتمام بھی ذکر اللہ میں شامل ہے، ذکر اللہ کی تاثیر یہ ہے کہ ذاکر کا دل مضبوط اور پرسکون ہوتا ہے، جس کی جہاد میں سب سے زیادہ ضرورت ہے (فوائد)

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تمہاری (کافروں کی) کسی جماعت سے مڈبھیڑ ہو تو جم کر لڑو، اور اللہ تعالیٰ کا بکثرت ذکر کرو، تاکہ تمہیں کامیابی ملے۔

کامیابی کے لئے اطاعت اور نتائج کا انتظار ضروری ہے

جہاد میں کامیابی کے لئے اللہ رسول کی اطاعت اور ان کے قائم مقام سرداروں کی اطاعت اور فرمان برداری اور باہمی اتحاد و اتفاق بھی ضروری ہے۔ اگر مجاہدین کمانڈر کی بات نہیں مانیں گے یا باہم اختلاف ہوگا تو اندرونی خرابی کم ہمتی کی صورت میں ظاہر ہوگی، فوجی چھوڑ دے گی اور جوش و ولولہ کافور ہو جائے گا، اور خارجی خرابی یعنی دشمن کی نظر میں ہوا خیزی ہوگی، بھرم کھل جائے گا، جب دو فریق باہم لڑتے ہیں تو دشمن خوش ہوتا ہے، اور امیر کی اطاعت تو باہمی اتحاد و اتفاق سے بھی زیادہ ضروری ہے۔

ایک واقعہ: دوسری عالمی جنگ میں ــــ جو ۱۹۴۲ء-۱۹۴۸ء میں ہوئی ہے ــــ ہٹلر نے اتحادیوں کے کچھ کمانڈر گرفتار کئے، انھوں نے ہٹلر سے پوچھا: آپ کی فوج کم ہے، ہماری زیادہ، پھر بھی آپ بڑھتے چلے جا رہے ہیں: وجہ کیا ہے؟ ہٹلر نے اتحادیوں کے سو فوجی آزاد کئے اور ان کے لئے وردی مہیا کی اور اپنے بھی سو فوجی بلائے، پھر جرنیلوں کو حکم دیا کہ اپنے فوجیوں کو پریڈ کراؤ، اور اس نے خود اپنے فوجیوں کو پریڈ کرائی، پھر ایک ایسے راستہ سے گذارا جس میں گھڑا کھود دیا تھا، اتحادی کمانڈر لیفٹ رائٹ کراتا ہوا فوج کو لے چلا، جب کھڈا آیا تو فوج رک گئی اور کھڑی کھڑی لیفٹ رائٹ کرتی رہی، پھر ہٹلر اپنے فوجیوں کو لے کر چلا، جب کھڈا آیا تو سارے فوجی اس میں گر پڑے، ایک کے بھی قدم نہیں رکے، تب ہٹلر نے کہا: میری کامیابی کی وجہ اطاعت ہے اور تمہاری ناکامی کی وجہ عدم اطاعت ہے، تمہارے فوجی اپنا مفاد سوچتے ہیں اور میرے فوجی کمانڈر کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔

کامیابی کے لئے دوسری چیز صبر ضروری ہے، صبر کے لغوی معنی ہیں: روکنا، خواہ طاعات پر نفس کو روکے یا معاصی سے

روکے، اور جہاد میں صبر کے لغوی معنی ہیں: نتائج کا انتظار کرنا، جنگ کنویں کا ڈول ہوتی ہے، ہر جنگ میں مسلمانوں کی کامیابی ضروری نہیں، بخاری شریف میں ابوسفیان اور ہرقل کے واقعہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء کا بھی امتحان کرتے ہیں، ہر جنگ میں ان کی کامیابی ضروری نہیں، پس اگر کسی معرکہ میں ناکامی ہو تو فوج دل نہ چھوڑے، ہمت نہ ہارے، جدوجہد مسلسل جاری رکھے، اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں وہ ایک دن کامیاب ہونگے۔

﴿ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۚ﴾

ترجمہ: اور تم اللہ کا اور اس کے رسول کا کہنا مانو، اور باہم پھوٹ مت ڈالو، ورنہ کم ہمت ہو جاؤ گے، اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، اور صبر کرو، بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں۔

تفسیر: اللہ کے رسول: اللہ کے تابع دار ہوتے ہیں، اور کمانڈر: رسول کے قائم مقام ہوتا ہے، اور ﴿ وَلَا تَنَازَعُوْا ﴾ کا عطف واو سے ہے، جس میں من وجہٍ اتحاد اور من وجہٍ مغائرت ہوتی ہے، پس امیر کی اطاعت اتحاد کا پہلو ہے اور باہم اختلاف مغائرت کا پہلو ہے اور دونوں مراد ہیں، اور ﴿ فَتَفْشَلُوْا ﴾ میں داخلی خرابی کا بیان ہے، اور ﴿ وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ ﴾ میں شماتتِ اعداء کا بیان ہے، اور ﴿ وَاصْبِرُوْا ﴾ میں جہاد میں کامیابی کے لئے دوسری ضروری چیز کا بیان ہے۔

جہاد اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے ہوتا ہے

جہاد کا ایک ہی مقصد ہے: فتنہ و فساد مٹانا اور اللہ کے دین کا بول بالا کرنا، ملک گیری کے لئے، بہادری کا جوہر دکھانے کے لئے قومی عصبیت کے لئے جو لڑائیاں لڑی جاتی ہیں وہ جہاد نہیں، یہ بات حدیث میں آئی ہے۔

آیت کا پس منظر: ابوجہل لشکر لے کر مکہ سے بڑی دھوم دھام اور باجے گاجے کے ساتھ اتراتا ہوا نکلا تھا، راستہ میں اس کو ابوسفیان کا پیام پہنچا کہ قافلہ خطرہ سے باہر ہو گیا ہے: اب تم مکہ لوٹ جاؤ: ابوجہل نے نہایت غرور سے کہا: ہم بدر کے چشمہ پر پہنچ کر مجلس طرب و نشاط جمائیں گے، گانے والیاں خوشی اور کامیابی کے گیت گائیں گی، تین دن مزے اڑائیں گے اور اونٹ ذبح کر کے قبائل عرب کی دعوت کریں گے تاکہ تمام عربوں پر ہماری دھاک بیٹھ جائے اور وہ اسلام کے قریب نہ جائیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ان کی یہ سب حرکتیں اور ان کا مطمحِ نظر اللہ تعالیٰ کے احاطۂ علمی میں ہے، انہیں کیا خبر کہ ان کے منصوبے پورے ہونگے یا انہیں پر الٹ دیئے جائیں گے؟ ہوا وہ جو دنیا نے دیکھا، ان کو جام شراب کی جگہ موت کا پیالہ پینا پڑا، عیش و نشاط کی جگہ بدر سے مکہ تک صفِ ماتم بچھ گئی اور بدر کے میدان میں توحید کا پتھر نصب ہو گیا اور سمجھداروں کے لئے حق کو پہچاننا آسان ہو گیا۔

اب ایک آیت میں مسلمانوں کو آگاہ کیا ہے کہ جہاد محض ہنگامۂ کشت و خون کا نام نہیں، اس سے لوگوں کے لئے اسلام

کی اور اللہ کی عبادت کی راہ کھلتی ہے، اس لئے وہ عظیم الشان عبادت ہے، اور عبادت پر اترانا یا دکھاوا کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا، مجاہدین کو چاہئے کہ وہ فخر و غرور اور نمود و نمائش میں کفار کی چال نہ چلیں۔

﴿ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿٤٧﴾ ﴾

ترجمہ: اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کو دکھاتے ہوئے نکلے، اور وہ (اس مقابلہ کے ذریعہ) لوگوں کو اللہ کی راستے سے روکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کاموں کو جو وہ کرتے ہیں گھیرنے والے ہیں!

وَإِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي جَارٌ لَكُمْ ۖ فَلَمَّا تَرَاءَتِ الْفِئَتَانِ نَكَصَ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ وَقَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِنْكُمْ إِنِّي أَرَىٰ مَا لَا تَرَوْنَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ ۚ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٤٨﴾ ع

وَإِذْ (۱)	اور (یاد کرو) جب	وَإِنِّي	اور بے شک میں	بَرِيءٌ	بیزار (بے تعلق) ہوں
زَيَّنَ	خوش نما بنایا	جَارٌ	پڑوسی ہوں	مِنْكُمْ	تم سے
لَهُمُ	ان (کافروں) کیلئے	لَكُمْ	تمہارا	إِنِّي أَرَىٰ	بیشک میں دیکھتا ہوں
الشَّيْطَانُ	شیطان نے	فَلَمَّا	پس جب	مَا لَا	جو نہیں
أَعْمَالَهُمْ	ان کے کاموں کو	تَرَاءَتِ (۳)	ایک دوسرے کو دیکھا	تَرَوْنَ	دیکھتے تم
وَقَالَ	اور کہا اس نے	الْفِئَتَانِ	دونوں جماعتوں نے	إِنِّي أَخَافُ	بے شک میں ڈرتا ہوں
لَا غَالِبَ (۲)	نہیں ہے کوئی جیتنے والا	نَكَصَ (۴)	ہٹا وہ	اللَّهَ	اللہ تعالیٰ سے
لَكُمُ	تم سے	عَلَىٰ عَقِبَيْهِ	اپنی ایڑیوں پر	وَاللَّهُ	اور اللہ تعالیٰ
الْيَوْمَ	آج کے دن	وَقَالَ	اور کہا اس نے	شَدِيدُ	سخت
مِنَ النَّاسِ	لوگوں میں سے	إِنِّي	بے شک میں	الْعِقَابِ	سزا والے ہیں

(۱) واذ کا عطف لاتکونوا پر ہے اور خطاب مؤمنین سے ہے (۲) لا: نفی جنس کا ہے، غالب: اس کا اسم ہے، لکم بمعنی علیکم خبر ہے اور الیوم: خبر کا ظرف ہے (۳) تَرَاءَ یٌ سے ماضی واحد مؤنث غائب، تَرَاءَ یٌ القومُ: لوگوں کا ایک دوسرے کو دیکھنا (۴) نکص (ن،ض) نکصا علی عَقِبَيْهِ: الٹے پاؤں پھرنا، کسی کام کا ارادہ کرنے کے بعد اسے چھوڑ کر دوسری طرف پھرنا۔

مجاہدین شیطانی حرکتوں سے گھبرائیں نہیں

جب ابوسفیان کا ایلچی مکہ پہنچا، اور اس نے خبر دی کہ تجارتی قافلہ خطرہ میں ہے، اس کو بچانے کے لئے آؤ، تو مکہ والوں میں ایک جوش پیدا ہوگیا، شیطان نے لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالا، اور ان کے دھرم (شرک) کو ان کے لئے مزین کیا کہ تمہارا مذہب ہی برحق ہے اور اس نے لوگوں کے دلوں میں یہ خیال بھی پیدا کیا کہ تم سے کون ٹکر لے سکتا ہے؟ اور عرب کے دوسرے کفار بھی تمہارے حمایتی ہیں وہ تمہاری مدد کریں گے، کیونکہ وہ بھی اسلام کے مخالف ہیں، تم اور وہ ایک تھیلی کے چٹے بٹے ہو، لہٰذا چلو اور بڑھو، چنانچہ قریش کے سرداروں کا جم غفیر ہتھیاروں سے لیس ہو کر نکل پڑا۔

پھر کیا ہوا؟ جب بدر میں فریقین کی صفیں درست ہوئیں اور اتنے قریب ہوگئے کہ ایک نے دوسرے کو دیکھ لیا تو شیطان کی وسوسہ اندازی کافور ہوگئی، وہ اپنی ایڑیوں پر پلٹ گیا، اور کافروں کو فرشتوں کی کمک نظر آنے لگی، وہ شیطان کو بھی نظر آئی تو اس نے اپنی بے تعلقی کا اظہار کیا اور کہا: مجھے وہ لوگ نظر آرہے ہیں جو تمہیں نظر نہیں آرہے، وہ مجھے سخت سزا دے سکتے ہیں، اور اللہ کا عذاب بڑا ہی سخت ہے!

یہ آیت تمثیل (پیرایۂ بیان) ہے یا بیانِ واقعہ ہے؟ روح المعانی میں پہلی تفسیر یہ ہے کہ یہ تمثیل ہے اور اس تفسیر کو حسن بصری وغیرہ کی طرف منسوب کیا ہے، پھر دوسری تفسیر کی ہے کہ یہ بیان واقعہ ہے، ہمارے بزرگوں نے بیان القرآن اور فوائد عثمانی میں اسی کو اختیار کیا ہے، فوائد عثمانی میں ہے:

قریش اپنی قوت وجمعیت پر مغرور تھے لیکن بنی کنانہ سے ان کی چھیڑ چھاڑ رہتی تھی۔ خطرہ یہ ہوا کہ کہیں بنی کنانہ کامیابی کے راستہ میں آڑے نہ آجائیں، فوراً شیطان ان کی پیٹھ ٹھونکنے اور ہمت بڑھانے کے لئے کنانہ کے سردارِ اعظم سُراقہ بن مالک کی صورت میں اپنی ذریت کی فوج لے کر نمودار ہوا اور ابوجہل وغیرہ کو اطمینان دلایا کہ ہم سب تمہاری مدد وحمایت پر ہیں، کنانہ کی طرف سے بےفکر رہو، میں تمہارے ساتھ ہوں۔ جب بدر میں زور کا رَن پڑا اور شیطان کو جبرئیل وغیرہ فرشتے نظر آئے تو ابوجہل کے ہاتھ میں سے ہاتھ چھڑا کر الٹے پاؤں بھاگا۔ ابوجہل نے کہا: سُراقہ! عین وقت پر دغا دے کر کہاں جاتے ہو؟ کہنے لگا میں تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتا، مجھے وہ چیزیں دکھائی دے رہی ہیں جو تم کو نظر نہیں آتیں (یعنی فرشتے) خدا کے، اس خدائی فوج کے ڈر سے میرا دل بیٹھا جاتا ہے، اب ٹھہرنے کی ہمت نہیں، کسی کی سخت عذاب اور آفت میں نہ پکڑا جاؤں۔

اور ایسا اختلاف علماء میں ہوتا ہے، بخاری شریف کی حدیث ہے: **إذا اشتد الحر فأبردوا بالصلوۃ فإن شدۃ الحر من فیح جھنم**: جب گرمی سخت ہوجائے تو نماز ٹھنڈی کرو یعنی وقت ٹھنڈا ہونے کے بعد نماز پڑھو، اس لئے کہ گرمی

کی زیادتی جہنم کے پھیلاؤ سے ہے۔

حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد حقیقت ہے یا مجاز؟ امام شافعی رحمہ اللہ کا رجحان یہ ہے کہ یہ مجاز ہے یعنی یہ پیرایۂ بیان ہے، اس سے یہ سمجھانا مقصود ہے کہ گرمی کی شدت تکلیف دہ ہے، ظاہر ہے جب جہنم بذاتِ خود تکلیف دہ ہے تو اس کے اثرات بھی تکلیف دہ ہونگے، مگر جہنم اپنی جگہ ہے نہ وہ خود پھیلتی ہے اور نہ اس کے اثرات پھیلتے ہیں، بلکہ سخت گرمی تکلیف دہ ہے: یہ بات سمجھانا مقصود ہے، اور جب یہ تمثیل ہے تو وقت میں کوئی خرابی نہیں، چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک گرمیوں میں بھی عورتوں کے لئے ظہر اول وقت میں پڑھنا مستحب ہے، کیونکہ ان کو گھر میں نماز پڑھنی ہے اسی طرح وہ نمازی جن کو محلّہ کی مسجد میں نماز پڑھنی ہے اور انہیں زیادہ دور سے نہیں آنا ان کے لئے بھی اول وقت میں ظہر پڑھ لینا مستحب ہے، ہاں اگر مسجد دور ہو، اور نمازیوں کی تعداد بہت ہو تو تاخیر کرنے میں کچھ حرج نہیں۔

اور احناف، حنابلہ اور امام بخاریؒ کے نزدیک حدیث میں حقیقت کا بیان ہے، یعنی گرمی کی شدت واقعی جہنم کے اثر کے پھیلاؤ سے ہے، اور چونکہ جہنم اللہ کی صفت غضب کا مظہر ہے جس طرح جنت اللہ کی صفت رحمت کا مظہر ہے پس جہنم کے اثرات بھی صفتِ غضب کا مظہر ہونگے اور وہ اثرات گرمیوں میں ظہر کے اول وقت میں پھیلتے ہیں اس لئے اول وقت میں خرابی ہوئی، اس لئے گرمیوں میں ظہر تاخیر کرکے پڑھنا مستحب ہے خواہ گھر میں پڑھے یا مسجد میں اور خواہ سفر میں پڑھے یا حضر میں۔

فائدہ: قرآن وحدیث میں تمثیلات بھی ہیں اور بیان حقیقت بھی۔ اور دونوں کے درمیان امتیاز اس طرح ہوتا ہے کہ اگر گفتگو مثال سے ممثل لہ کی طرف منتقل ہو جائے تو وہ تمثیل ہے اور اگر مثال ہی پر کلام ختم ہو جائے تو وہ حقیقت ہے، جیسے سورۃ النور (آیت ۳۹) ہے: ﴿وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءًؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا وَّ وَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗؕ وَ اللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ۝﴾: قیامت کے دن کفار کے اعمال سراب کی طرح ہونگے، سراب چمکتی ریت کو کہتے ہیں جس کو انسان پانی سمجھتا ہے حالانکہ وہ ریت ہوتی ہے پھر جب کفار اپنے اعمال کا صلہ پانے کے لئے پہنچیں گے تو وہاں کچھ نہ پائیں گے بلکہ وہاں اللہ ہونگے یعنی ان کو حساب کا سامنا کرنا ہوگا، اور اللہ تعالیٰ ان کا پورا حساب چکائیں گے، یہاں کلام مثال سے ممثل لہ کی طرف منتقل ہو گیا ہے، اس لئے یہ تمثیل ہے —— اور حدیث مذکورہ میں بیان حقیقت ہے کیونکہ وہاں مثال ہی پر بات پوری ہو گئی ہے، اور **فإن شدة الحر** پہلے جملہ کی تعلیل ہے۔

تفسیر: یہاں آیت میں ﴿جَارٌ لَّكُمْ﴾ تک مثال ہے، اور ﴿فَلَمَّا﴾ سے کلام ممثل لہ کی طرف منتقل ہوا ہے، اس

لئے میں نے پہلی تفسیر اختیار کی ہے۔

مسلمانوں کے لئے سبق: مسلمان شیطانی وسوسہ کا شکار نہ ہوں، جنگ حنین میں اس کی نوبت آئی تھی، سورۃ التوبہ (آیت ۲۵) میں ہے: ﴿ اِذۡ اَعۡجَبَتۡكُمۡ كَثۡرَتُكُمۡ ﴾: جب تمہیں اپنے مجمع کی کثرت پر غرّہ ہوگیا تھا، مسلمانوں کا لشکر بارہ ہزار تھا اور کافر چار ہزار، بعض مسلمان اپنا مجمع دیکھ کر ایسے طور پر کہ اس سے پندار مترشح ہوتا تھا: کہنے لگے: ''ہم آج کسی طرح مغلوب نہیں ہوسکتے!'' مگر جب جنگ شروع ہوئی تو مجاہدین میں بھگدڑ مچ گئی! یہ تو اللہ کے رسول کی پامردی تھی کہ پانسہ پلٹا، ورنہ فوج نے تو لٹیا ڈبودی تھی، پس تعداد کی کثرت اور اسلام کی حقانیت پر غرّہ نہیں ہونا چاہئے، یہ تو کافروں کا شیوہ ہے، جیسا کہ اس آیت میں مذکور ہے۔

آیتِ کریمہ: اور (یاد کرو) جب شیطان نے کافروں کے لئے ان کے اعمال (شرک وکفر) مزین کرکے دکھلائے اور اس نے کہا کہ لوگوں میں سے ــــ یعنی مسلمانوں میں سے ــــ آج کوئی تم پر غالب آنے والا نہیں، اور میں تمہارا حامی ہوں ــــ پھر جب جماعتیں ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں تو وہ اپنی ایڑیوں پر پلٹا، اور اس نے کہا: میرا تم سے کوئی واسطہ نہیں! میں ان چیزوں کو دیکھ رہا ہوں جو تم کو نظر نہیں آتیں، بلاشبہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں، اور اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں۔

سوال: شیطان کو قیامت تک مہلت ملی ہوئی ہے، پھر وہ اللہ کے عذاب سے کیوں ڈرتا ہے؟

اس کا جواب: چند وجوہ ہے:

۱- شیطان کو مہلت دینے کا مطلب یہ ہے کہ وہ قیامت سے پہلے نہیں مرے گا، نہ وہ ہلاک کیا جائے گا، مگر عذاب اس سے کم درجہ کا بھی ہوتا ہے، ہوسکتا ہے کہ اس کا قیامت سے پہلے مرغا بنایا جائے، کان پکڑوائے جائیں، اس سزا سے ڈرنا مراد ہے۔

۲- مہلت دینے کے ساتھ سزا دہی کا امکانِ عقلی باقی ہے، اس لئے کہ وعدو وعید کی اضداد پر بھی اللہ تعالیٰ قادر ہیں اور اسی کا نام عموم قدرت ہے، اس لئے وہ عذاب سے ڈر رہا ہے۔

۳- میں نے جو تفسیر اختیار کی ہے اس میں یہ تمثیل (پیرایۂ بیان) ہے، اور کلام ممثل لہٗ کی طرف منتقل ہوا ہے، پس یہاں عذاب سے عذاب آخرت مراد ہے، وہ اس کے لئے ثابت ہے۔

اِذۡ يَقُوۡلُ الۡمُنٰفِقُوۡنَ وَالَّذِيۡنَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَاۤءِ دِيۡنُهُمۡ ؕ وَمَنۡ يَّتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ۞ وَلَوۡ تَرٰٓى اِذۡ يَتَوَفَّى الَّذِيۡنَ كَفَرُوا ۙ

الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿٥٠﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿٥١﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿٥٢﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٥٣﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿٥٤﴾ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٥٥﴾ اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ﴿٥٦﴾

اِذْ	(یادکرو) جب	يَّتَوَكَّلْ	بھروسہ کرتا ہے	كَفَرُوْا	اسلام کو قبول نہیں کیا
يَقُوْلُ	کہتے ہیں	عَلَى اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ پر	الْمَلٰٓئِكَةُ (۱)	فرشتے
الْمُنٰفِقُوْنَ	منافقین	فَاِنَّ اللّٰهَ	پس بیشک اللہ تعالیٰ	يَضْرِبُوْنَ	درانحالیکہ مارتے ہیں
وَالَّذِيْنَ	اور وہ لوگ	عَزِيْزٌ	زبردست	وُجُوْهَهُمْ	ان کے چہروں پر
فِيْ قُلُوْبِهِمْ	جن کے دلوں میں	حَكِيْمٌ	بڑی حکمت والے ہیں	وَاَدْبَارَهُمْ	اور ان کی پیٹھوں پر
مَّرَضٌ	بیماری ہے	وَلَوْ	اور اگر	وَذُوْقُوْا	اور (کہتے جاتے ہیں:)
غَرَّ	دھوکہ دیا	تَرٰٓى	دیکھتے آپ		چکھو
هٰٓؤُلَآءِ	ان لوگوں کو	اِذْ	جب	عَذَابَ	سزا
دِيْنُهُمْ	ان کے مذہب نے	يَتَوَفَّى	جان وصول کرتے ہیں	الْحَرِيْقِ	جلنے کی
وَمَنْ	اور جو شخص	الَّذِيْنَ	ان کی جنھوں نے	ذٰلِكَ	یہ (سزا)

(۱) الملائکۃ: یتوفی کا فاعل ہے اور جملہ یضربون حال ہے۔

بِمَا	پاداش ہے ان کی جو	قَوِيٌّ	طاقتور	كَدَاْبِ	جیسے دستور
قَدَّمَتْ	آگے بھیجے ہیں	شَدِيْدُ	سخت	اٰلِ فِرْعَوْنَ	فرعون والوں کا
اَيْدِيْكُمْ	تمہارے ہاتھوں نے	الْعِقَابِ	سزاوالے ہیں	وَ الَّذِيْنَ	اوران کا جو
وَ اَنَّ اللّٰهَ	اور یہ کہ اللہ تعالیٰ	ذٰلِكَ (۳)	یہ (سخت سزا)	مِنْ قَبْلِهِمْ	ان سے پہلے ہوئے
لَيْسَ	نہیں ہیں	بِاَنَّ	اس وجہ سے ہے کہ	كَذَّبُوْا (۶)	جھٹلایا انھوں نے
بِظَلَّامٍ (۱)	ذرا سا بھی ظلم کرنے والے	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ	بِاٰيٰتِ	آیتوں (باتوں) کو
لِّلْعَبِيْدِ	بندوں پر	لَمْ يَكُ (۴)	نہیں ہیں وہ	رَبِّهِمْ	ان کے پروردگار کی
كَدَاْبِ (۲)	جیسے دستور	مُغَيِّرًا (۵)	بدلنے والے	فَاَهْلَكْنٰهُمْ	پس برباد کردیا ہم نے
اٰلِ فِرْعَوْنَ	فرعون والوں کا	نِّعْمَةً	کسی احسان کو		ان کو
وَالَّذِيْنَ	اوران کا جو	اَنْعَمَهَا	جو کیا انھوں نے	بِذُنُوْبِهِمْ	ان کے گناہوں کی وجہ سے
مِنْ قَبْلِهِمْ	ان سے پہلے ہوئے	عَلٰى قَوْمٍ	کسی قوم پر	وَاَغْرَقْنَآ	اورغرقاب کردیا ہم نے
كَفَرُوْا	انکار کیا انھوں نے	حَتّٰى	تاآنکہ	اٰلَ فِرْعَوْنَ	فرعون والوں کو
بِاٰيٰتِ	آیتوں (باتوں) کا	يُغَيِّرُوْا	بدل دیں وہ	وَ كُلٌّ	اور سب (فرعون والے)
اللّٰهِ	اللہ کی	مَا	اس حالت کو جو	كَانُوْا	تھے وہ
فَاَخَذَهُمُ	پس پکڑا ان کو	بِاَنْفُسِهِمْ	ان کی اپنی ہے	ظٰلِمِيْنَ	ظلم پیشہ
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ نے	وَ اَنَّ اللّٰهَ	اور یہ کہ اللہ تعالیٰ	اِنَّ شَرَّ	بے شک بدترین
بِذُنُوْبِهِمْ	ان کے گناہوں کی وجہ سے	سَمِيْعٌ	خوب سننے والے	الدَّوَآبِّ (۷)	جانوروں میں
اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	عَلِيْمٌ	ہر چیز جاننے والے ہیں	عِنْدَ اللّٰهِ	اللہ کے نزدیک

(۱) ظَلَّام: صیغۂ مبالغہ ہے اور مبالغہ کمیت کے اعتبار سے ہے، یعنی ذرا سا بھی ظلم نہیں کرتا (۲) دَأْبٌ: اصل میں دَأَب یَدْأَب کا مصدر ہے، اس عادتِ مستمرہ کا نام ہے جو ہمیشہ ایک حالت پر رہے، اس کا ترجمہ: عادت، دستور اور طور طریقہ ہے (۳) ذلک: مبتدا، بأن: خبر ہے (۴) لم یک کا نون تخفیفاً حذف کیا گیا ہے، اصل لم یکن ہے اور بحذفِ نون مجزوم ہے اور ضمیر محذوف اس کا اسم ہے۔ (۵) مغیراً (اسم فاعل) کان کی خبر ہے اور نعمۃً اس کا مفعول بہ ہے اور جملہ أنعمها: مفعول بہ کی صفت ہے۔ (۶) کفروا اور کذبوا: ہم معنی ہیں اور یہ تفنن ہے، اور دو باتیں بیان کرنے کے لئے تمہید لوٹائی ہے، تکرار نہیں (۷) دواب: دابة کی جمع ہے، جس کے لغوی معنی ہیں: زمین پر چلنے والا جانور، مگر محاورات میں خاص چوپایے جانوروں کے لئے بولا جاتا ہے۔

اَلَّذِيْنَ	جنھوں نے	اَلَّذِيْنَ	جولوگ	عٰهَدْهُمْ	اپنے معاہدہ کو
كَفَرُوْا	اللہ کے دین کو قبول نہیں کیا	عٰهَدْتَّ	معاہدہ کیا آپ نے	فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ	ہر مرتبہ میں
فَهُمْ	پس وہ	مِنْهُمْ	ان سے	وَّهُمْ	اور وہ
لَا يُؤْمِنُوْنَ	ایمان نہیں لائے	ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ	پھر وہ توڑتے ہیں	لَا يَتَّقُوْنَ	ڈرتے نہیں

منافقوں اور دل کے مریضوں کا طعنہ اور اس کا جواب

منافق: ریا کار، بظاہر مسلمان مگر دل سے کافر اور دل کا روگی: ایمان کے معاملہ میں شک میں مبتلا۔

مقام صفراء میں جب مہاجرین وانصار سے مشورہ ہو گیا تو نبی ﷺ نے فوج کو بدر کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا، اور فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھ سے عیر اور نفیر میں سے ایک کا وعدہ کیا ہے کہ وہ تم کو ملے گا، پس اب عیر تو ہاتھ سے نکل گیا ہے لہٰذا نفیر ہی ملے گا، چنانچہ فوج پُر امید ہو کر بدر کی طرف روانہ ہوئی، اس وقت منافقوں اور دل کے مریضوں نے جملہ چست کیا: یہ مذہبی جنون ہے، دیکھو! چیونٹی ہاتھی سے ٹکرانے چلی ہے، نہتّے لشکر جرار سے لوہا لیں گے، یہ مسلمان خود کو موت کے منہ میں دھکیل رہے ہیں! یہ ایک چرکا تھا!

اللہ تعالیٰ اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہ دھوکہ خوردگی نہیں، اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا ہے، اور جس کو زبردست قوت والے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور یقین ہو کہ اُدھر سے جو کچھ ہوگا مبنی بر حکمت ہوگا، ایسا شخص حق کے معاملہ میں بے جگر اور دلیر ہو جاتا ہے۔

﴿اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَاۗءِ دِيْنُهُمْ ۭ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَي اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ؀﴾

ترجمہ: اور (یاد کرو) جب منافقین اور دل کے روگی کہتے تھے کہ ان لوگوں کو ان کے دین (دھرم) نے دھوکے میں ڈالا ہے —— (جواب) اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بلاشبہ زبردست بڑی حکمت والے ہیں!

مکہ کے کافروں کی موت کے وقت پٹائی اور دوزخ کی خوش خبری

میدانِ بدر میں کفار کے ستّر سردار کام آئے تھے، جب فرشتے ان کی جانیں نکال رہے تھے تو ان کے چہروں اور پیٹھوں کو پیٹ رہے تھے، اور کہتے جا رہے تھے کہ یہ سزا چکھو، اور ابھی کیا ہے؟ آگے دوزخ کا عذاب ہے! وہ سزا اس سے بھی بھیانک ہے۔ یہ آیت بدر میں مقتول کافروں کے بارے میں نازل ہوئی ہے، مگر الفاظ عام ہیں، پس یہ معاملہ سبھی کافروں کے ساتھ پیش آتا ہے، مشکوٰۃ شریف میں حدیث (نمبر ۱۶۳۰) ہے کہ کافر کے پاس جو فرشتے روح وصول کرنے کے لئے آتے ہیں ان کے چہرے بہت کالے ہوتے ہیں، ایسے کہ دیکھ کر ہی دَم نکل جائے، ان کے پاس موٹا ٹاٹ ہوتا ہے، وہ

آ کر مرنے والے سے فاصلہ پر بیٹھ جاتے ہیں (اور مکّے دکھاتے ہیں کہ نکل تیری خبر لیتے ہیں!) اتنے میں موت کا فرشتہ آتا ہے، اور سر پڑ کھڑے ہو کر بڑی سختی سے کہتا ہے: اے خبیث روح! نکل آ، اللہ کے غضب کی طرف چل، یہ سنتے ہی روح باہر نکلنے کے بجائے بدن کے ہر حصہ سے چمٹ جاتی ہے، موت کا فرشتہ اس کو زبردستی نکالتا ہے، جیسے بھیگی ہوئی روئی سے ٹیڑھے پھل والا آنکڑا نکالا جاتا ہے۔

﴿ وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰۤئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝۵۰ ﴾

ترجمہ: اور اگر آپ وہ منظر دیکھتے (تو حیرت زدہ رہ جاتے) جب فرشتے (بدر میں مقتول) کافروں کی جانیں وصول کر رہے تھے، اور ان کے مونہوں اور ان کی پیٹھوں پر مار رہے تھے (اور کہہ رہے تھے کہ ابھی کیا ہے؟ آگے) چکھو گے آگ کا عذاب!

بدر میں کفار مکہ کو ان کی بداعمالیوں کی سزا ملی

بدر کے میدان میں کفار کا جو قتل ہوا وہ ان کی بداعمالیوں کی سزا تھی، اللہ تعالیٰ نے ان پر رتّی بھر ظلم نہیں کیا، ان کی بارگاہ میں ظلم کا گذر نہیں، وہ صفاتِ کمالیہ کے حامل ہیں اور صفاتِ ناقصہ سے بری ہیں۔

مکہ والوں کی بداعمالیاں: جب نبی ﷺ کی بعثت ہوئی اور کمزور لوگ ایمان لائے تو مکہ کے رؤساء نے ان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے، ابو جہل نے حضرت سمیّہ رضی اللہ عنہا کو بری طرح برچھی مار کر شہید کر دیا، خاندانِ نبوت کا آب ودانہ بند کرنے کا عہد نامہ لکھا، بائیکاٹ کیا اور آپؐ کو تین سال تک ایک گھاٹی میں محصور رہنا پڑا، مسلمانوں کو کعبہ کے پاس نماز پڑھنے کی بھی اجازت نہیں تھی، اور صورتِ حال یہاں تک پہنچی کہ پہلے مسلمان حبشہ کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے، پھر گھر بار چھوڑ کر مدینہ منورہ کی طرف نکل گئے، مگر وہاں بھی ان کو چین نہیں لینے دیا، مشرکین اور یہود کو دھمکی آمیز خطوط لکھے اور مسلمانوں کو کہلا بھیجا کہ ہم مدینہ پر چڑھائی کر کے تمہارا ستیاناس کر دیں گے، اور حملہ کی تیاری کے لئے تجارتی قافلہ شام روانہ کیا جو وہاں سے ہتھیار خرید کر لائے گا، اس قسم کی بے شمار بداعمالیوں کی ان کو بدر میں سزا ملی، اللہ تعالیٰ نے ان پر ذرہ بھر ظلم نہیں کیا۔

سوال: اللہ تعالیٰ بندوں پر رتّی بھر ظلم نہیں کرتے، پھر ظَلّام (صیغۂ مبالغہ) سے ظلم کی نفی کیوں کی ہے؟ اس کا مطلب تو یہ نکلتا ہے کہ تھوڑا ظلم روا ہے؟

اس کا جواب: یہ ہے کہ اگر اللہ کی شان میں رتّی بھر ظلم روا ہوگا تو وہ اپنی عظمتِ شان کے لحاظ سے ظالم نہیں ظلام

(بڑے ظالم) ٹھہریں گے، کیونکہ کامل کی ہر صفت کامل ہی ہوتی ہے (ماخوذ از فوائد شبیری)

﴿ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴾ (۵۱)

ترجمہ: اور (بدر میں کفار کو) یہ سزا ان اعمال کی وجہ سے ملی ہے جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجے ہیں، اور یہ بات (ثابت) ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ذرہ بھر ظلم نہیں کرتے!

مکہ والوں کی طرح گذشتہ کافروں کو بھی سزا ملتی رہی ہے

بدر میں کفار مکہ کو قتل کی سزا ملی وہ کوئی انوکھی بات نہیں تھی، گذشتہ کافروں کو بھی اسی طرح سزا ملتی رہی ہے، جیسے فرعون اور اس کی قوم کو اور عاد وثمود اور قوم نوح کو اللہ تعالیٰ کی باتیں نہ ماننے کی وجہ سے تباہ کیا گیا، یہی معاملہ کفار مکہ کے ساتھ پیش آیا، انھوں نے بھی اللہ کی باتوں کو جھٹلایا اور دوسری برائیوں میں مبتلا ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے گناہوں کی پاداش میں پکڑ لیا، اللہ تعالیٰ زور آور سخت سزا دینے والے ہیں، سزا دیتے وقت کوئی ان کا ہاتھ نہیں پکڑ سکتا!

﴿ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴾ (۵۲)

ترجمہ: (مکہ والوں کی حالت) جیسے فرعون والوں کی حالت اور ان لوگوں کی حالت جو ان سے پہلے گذرے، انھوں نے اللہ کی باتوں کا انکار کیا، پس اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے گناہوں کی پاداش (بدلہ) میں پکڑ لیا، بے شک اللہ تعالیٰ بڑی قوت والے سخت سزا دینے والے ہیں۔

حالات بدلتے ہیں تو حالات آتے ہیں

دنیا میں سزا دہی کے لئے ضابطہ یہ ہے کہ جب انسان اپنی غلط کاری سے اپنی اچھی حالت کو بری حالت سے یا بری حالت کو بہت بری حالت سے بدل دیتا ہے تب وہ حالات سے دوچار ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے اپنی نعمت چھین لیتے ہیں یا اس کی بہت بری حالت پر اس کو سزا دیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ بندوں کی تمام باتوں کو خوب سنتے ہیں اور ان کے تمام احوال کو خوب جانتے ہیں، کوئی چیز ان سے پردہ میں نہیں، پس جس کے ساتھ جو معاملہ کریں ٹھیک اور برمحل ہوگا۔

آسان مثالیں: (۱) ایک شخص ہمیشہ چھت کے نیچے سوتا ہے، پھر جب موسم بدلتا ہے اور چار دن وہ کھلی جگہ میں سوتا ہے تو نزلہ زکام ہوسکتا ہے (۲) ایک شخص اعتدال کے ساتھ کھانا کھاتا ہے، پھر وہ مسلسل چند دنوں تک پُرخوری کرتا رہا تو اس کے ہضم کا نظام خراب ہوسکتا ہے، چنانچہ سورۃ الاعراف (آیت ۳۱) میں فرمایا: ﴿ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا وَ لَا تُسْرِفُوْا ﴾: کھاؤ

پیو اور حد سے مت نکلو یعنی پُرخوری فسادِ معدہ کا سبب ہے۔

حقیقی مثال: قریش مکہ اگرچہ مشرک اور بدعمل تھے، مگر اس کے ساتھ ان میں کچھ اچھے اعمال: صلہ رحمی، مہمان نوازی، حجاج کی خدمت اور بیت اللہ کی تعظیم وغیرہ بھی تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دین ودنیا کی نعمتوں کے دروازے کھول دیئے، ان کی تجارتوں کو فروغ دیا، ایسے ملک میں جہاں کسی کا تجارتی قافلہ سلامتی سے نہ گذر سکتا تھا: قریش کے تجارتی قافلے ملک شام ویمن میں جاتے اور کامیاب آتے —— اور دین کے اعتبار سے وہ عظیم نعمت عطا فرمائی جو کسی کو نہیں ملی، تمام نبیوں کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ان میں مبعوث ہوئے اور اللہ نے اپنی آخری کتاب قرآنِ مجید ان کی زبان میں نازل فرمائی۔

مگر ان لوگوں نے ان انعامات کی شکرگذاری اس طرح کی کہ صلہ رحمی کے بجائے ایمان لانے والے اپنے بھائیوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے، مہمان نوازی کے بجائے نبی ﷺ اور آپؐ کے خاندان کا آب ودانہ بند کردیا، حجاج کی خدمت کے بجائے مسلمانوں کا حرم میں داخلہ بند کردیا، پھر مسلمان مکہ چھوڑ کر اللہ کی زمین میں نکل گئے تو وہاں بھی ان کو چین سے نہیں رہنے دیا، بدر میں ان نہتوں سے نبرد آزما ہوگئے، یہ وہ حالات تھے جو کفار قریش نے بدل دیئے، پس اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی نعمتوں کو نقمتوں سے بدل دیا، اور وہ میدانِ بدر میں کھیت رہے!

فائدہ: آیت کریمہ میں اعطائے نعمت کا ضابطہ بیان نہیں کیا، اس کے لئے کوئی قید وشرط نہیں، ہمارا اپنا وجود ہمیں بلا استحقاق ملا ہے، اور بعثتِ نبوی کے ذریعہ عربوں کی کایا پلٹ دی، حالانکہ انھوں نے اپنے حالات کو سنورانے کا کوئی ارادہ نہیں کیا تھا، اور کسی شاعر نے جو مضمون باندھا ہے کہ:

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی ❁ نہ ہو جس کو خیال خود اپنی حالت کے بدلنے کا

یہ آیت کا مفہوم مخالف ہے جو حجت نہیں، آیت کا منطوق وہ ہے جو اوپر بیان کیا، یعنی اللہ تعالیٰ نعمت دے کر اسی وقت لے لیتے ہیں جب انسان اپنے حالات بگاڑ لیتا ہے۔

اور یہ مضمون سورۃ الرعد (آیت ۱۱) میں بھی ہے، اور وہاں یہ اضافہ ہے: ﴿ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْۗءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ﴾: اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر مصیبت ڈلنا چاہتے ہیں تو پھر اس کے ہٹنے کی کوئی صورت نہیں! یہ قدرتِ خداوندی کا بیان ہے، یعنی وہ مذکورہ ضابطہ کے پابند نہیں، بوڑھاپا آتا ہے تو بدن مضمحل ہونے لگتا ہے!

﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۙ﴾

ترجمہ: یہ بات (کفار مکہ کی سزا) اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسی نعمت کو جو انھوں نے کسی قوم کو عطا فرمائی: نہیں بدلتے جب تک وہ لوگ اپنے ذاتی احوال بدل نہ دیں، اور یہ بات (ثابت ہے) کہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والے بڑے جاننے والے ہیں!

ہمیشہ ظلم پیشہ کفار دنیوی عذاب میں گرفتار ہوئے ہیں (فرعون والوں کی مثال)

قریش نے اپنے حالات بگاڑ لئے تو ان کو بدر میں سزا ملی، ماضی میں بھی ظلم پیشہ کفار کو سزا ملتی رہی ہے، قبطیوں نے اپنے خالق و مالک کی باتوں کی تکذیب کی اور سبطیوں پر مظالم کئے، اسی طرح عاد و ثمود اور قوم نوح نے جو ان سے پہلے ہوئے ہیں، پس اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب سے برباد کر دیا، دیکھو! فرعون کو اس کے سارے لشکر کے ساتھ سمندر کی موجوں کے حوالے کر دیا، وہ سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے تھے، سب نے بنی اسرائیل پر ظلم ڈھایا، کسی نے کم کسی نے زیادہ، اس لئے سب ڈوب مرے!

﴿كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۝﴾

ترجمہ: (مکہ والوں کی حالت) جیسے فرعون والوں کی حالت، اور ان لوگوں کی حالت جو ان سے پہلے گذرے، انھوں نے اپنے پروردگار (خالق و مالک) کی باتوں کو جھٹلایا، پس ہم نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب برباد کر دیا، اور ہم نے فرعون والوں کو (قبطیوں کو) غرقاب کر دیا، اور وہ (فرعون والے) سب ظلم پیشہ تھے! —— اور عاد پر ہوا کا جھکڑ بھیج دیا، اور ثمود کو چیخ نے پکڑ لیا، اور قوم نوح کو سیلاب بہا لے گیا، اور سارے تباہ ہو گئے وہ بھی سب ظلم پیشہ تھے۔

یہود بھی اپنی بدعہدی کے سبب کیفر کردار کو پہنچے (زمانۂ حال کی مثال)

مدینہ منورہ اور اس کے گرد و نواح میں یہود کے تین قبیلے آباد تھے: بنو نضیر، بنو قریظہ اور بنو قینقاع، جو الگ الگ قلعہ نما بستیوں میں آباد تھے، نبی ﷺ نے ہجرت کے فوراً بعد مدینہ منورہ کی تمام قوموں (مسلمان، مشرکین اور یہود) کے درمیان ایک معاہدہ کیا تھا، اس کی دو دفعات یہ ہیں:

۱- مدینہ میں مار دھاڑ، دنگا فساد کرنا معاہدہ کرنے والی قوموں پر حرام ہے۔

۲- مدینہ کے یہودی مسلمانوں کے خلاف کسی بھی دشمن کو چھپ کر یا کھلے بندوں کسی طرح کی کوئی مدد نہیں دیں گے۔

یہود اس معاہدہ پر دستخط کر کے امنِ عام کا پیمان باندھ چکے تھے، لیکن ان کی فطری شرارتیں زیادہ دنوں تک چھپی نہ رہ

سکیں، ان کے ہر قبیلہ نے ﴿ كُلِّ مَرَّةٍ ﴾ نقض عہد کیا، اور اس کی سزا پائی۔

بنوقینقاع کا نقض عہد: مسلمان جب بدر کی طرف نکلے ان دنوں میں ایک مسلمان عورت دودھ بیچنے کے لئے ان کے محلّہ میں گئی، ایک شریر یہودی نے اس کو سر بازار ننگا کر دیا، عورت نے چیخ و پکار کی، ایک مسلمان اس کی مدد کے لئے موقع پر جا پہنچا اور فساد انگیز یہودی کو موت کی گھاٹ اتار دیا، اتنے میں اور یہودی جمع ہو گئے اور اس مسلمان کو شہید کر دیا۔ اور مدینہ میں ایک بلوہ ہو گیا۔

جب نبی ﷺ بدر سے واپس تشریف لائے تو ان یہودیوں کو معاملہ کی تحقیق کے لئے طلب کیا، انھوں نے معاہدۂ امن کا کاغذ واپس کر دیا، اور جنگ کے لئے آمادہ ہو گئے، چنانچہ ان کے ساتھ فوجی کاروائی کی گئی اور ان کو جلاوطن کیا گیا۔

بنونضیر کا نقضِ عہد: نبی ﷺ ایک مقتول کی دیت کے چندے کے سلسلہ میں بنونضیر کے محلّہ میں تشریف لے گئے، انھوں نے آپؐ کو ایک دیوار کے نیچے بٹھایا اور ابن حجاش نامی یہودی کو تیار کیا کہ وہ دیوار کے اوپر سے ایک بھاری پتھر آپؐ پر گرا دے، فوراً وحی نازل ہوئی، اور آپؐ وہاں سے کسی بہانے کھڑے ہو گئے اور مدینہ روانہ ہو گئے اور ان کی ناپاک سازش سے بال بال بچ گئے۔

قتل کا یہ منصوبہ بنونضیر کے سردار کعب بن اشرف نے بنایا تھا، چنانچہ اس کو اسی طرح کا منصوبہ بنا کر قتل کیا گیا، اور بنو نضیر پر فوج کشی کی گئی اور ان کو بھی جلاوطن کیا گیا۔

بنوقریظہ کا نقضِ عہد: سنہ ۵ ہجری میں غزوۂ خندق کے موقع پر بنوقریظہ نے عہد و پیمان توڑا اور احزاب کا ساتھ دیا، نبی ﷺ نے ان کو عہد و پیمان یاد بھی دلایا، مگر انھوں نے صاف کہہ دیا کہ محمد کون ہوتا ہے کہ ہم اس کی بات مانیں، اس کا ہم سے کوئی عہد و پیمان نہیں! چنانچہ غزوۂ احزاب کے بعد ان پر فوج کشی کی گئی، اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کے مطابق ان کے بالغ مردوں کو — جو چار سو تھے — قتل کیا گیا اور عورتوں اور بچوں کو غلام بنایا گیا۔

یہود کے بارے میں پیشین گوئی: پہلے ایک آیت میں یہود کے بارے میں پیشین گوئی کی ہے اور ان کو بدترین خلائق قرار دیا ہے، فرماتے ہیں کہ یہ کفار (یہود) اللہ کے نزدیک بدترین جانور ہیں، وہ ایمان لانے والے نہیں۔

یہ پیشین گوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی، ان میں سے چند ایمان لائے، باقی کفر پر جمے رہے، ان کو اسلام سے قریب لانے کے لئے بہت سے جتن کئے گئے مگر کتّے کی دم ٹیڑھی رہی، ان کا قبلہ عارضی طور پر اختیار کیا، ان کے ساتھ دامادی کا رشتہ قائم کیا، مگر سب لاحاصل!

دوسری آیت میں یہ مضمون ہے کہ ان کم بختوں کا یہ بھیانک حشر کیوں ہوا؟ اس لئے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے انعامات

سے نوازا، تورات دی، نبیوں کی اولاد ہونے کا شرف بخشا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت بنایا، مال و دولت سے نوازا، مگر وہ اپنی شرارتوں میں پہلے سے زیادہ تیز ہوگئے، نبی ﷺ کے ساتھ عہد و پیمان کر کے ہر قبیلہ نے ﴿ كُلِّ مَرَّةٍ ﴾ توڑا، اس لئے انھوں نے اپنے اعمال کا مزہ چکھا۔

﴿ إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِندَ اللَّهِ الَّذِينَ كَفَرُوا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٥٥﴾ الَّذِينَ عَاهَدتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنقُضُونَ عَهْدَهُمْ فِي كُلِّ مَرَّةٍ وَهُمْ لَا يَتَّقُونَ ﴿٥٦﴾ ﴾

ترجمہ: بلاشبہ بدترین جانور اللہ کے نزدیک یہ کافر (یہود) ہیں، پس وہ ایمان نہ لاویں گے —— اور اپنے کفر کی سزا پائیں گے —— جن سے آپؐ کئی بار عہد و پیمان کر چکے ہیں، پھر وہ ہر بار اپنا قول و قرار توڑ دیتے ہیں، اور وہ (عہد شکنی سے) ڈرتے نہیں! —— یعنی یہ برائی ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے۔

فَإِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِم مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴿٥٧﴾ وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِن قَوْمٍ خِيَانَةً فَانبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ ﴿٥٨﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَبَقُوا ۚ إِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُونَ ﴿٥٩﴾

فَإِمَّا	پس اگر	لَعَلَّهُمْ	تا کہ	إِلَيْهِمْ	ان کی طرف
تَثْقَفَنَّهُمْ (۱)	آپ ان پر قابو پالیں	يَذَّكَّرُونَ	نصیحت حاصل کریں	عَلَىٰ سَوَاءٍ	یکساں طور پر
فِي الْحَرْبِ	جنگ میں	وَإِمَّا	اور اگر	إِنَّ اللَّهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
فَشَرِّدْ (۲)	تو منتشر کردیں	تَخَافَنَّ	آپؐ ڈریں	لَا يُحِبُّ	نہیں کرتے
بِهِم	ان کے ذریعہ	مِن قَوْمٍ	کسی قوم کی	الْخَائِنِينَ	خلاف ورزی کرنے
مَّنْ	ان کو جو	خِيَانَةً	خلاف ورزی سے		والوں کو
خَلْفَهُمْ	ان کے پیچھے ہیں	فَانبِذْ	تو آپ ڈال دیں	وَلَا يَحْسَبَنَّ	اور نہ گمان کریں

(۱) ثَقِفَ (س) ثَقَفًا الشیئَ: کوشش کے بعد پانا، اصل معنی: حذاقت و مہارت سے ادراک کرنا ہیں، پھر صرف پانے کے معنی میں استعمال ہونے لگا، اگرچہ حذاقت نہ ہو، تثقفنَّ: مضارع، صیغہ واحد مذکر حاضر، نون ثقیلہ ہے (۲) شَرِّدْ: امر، واحد مذکر حاضر، تشرید: ایسی سزا دینا کہ دوسرے دیکھ کر بھاگ جائیں، منتشر ہو جائیں...... بھم: باء سببیہ ہے...... من خلفھم: مفعول بہ ہے اور مراد کفار مکہ ہیں۔

اَلَّذِیْنَ	وہ لوگ جنھوں نے	سَبَقُوْا	(کہ) ہاتھ سے نکل	اِنَّهُمْ	بے شک وہ
کَفَرُوْا	اسلام کا انکار کیا		گئے وہ	لَا یُعْجِزُوْنَ	بھاگ نہیں سکتے

قریش کی عبرت کے لئے بنوقریظہ کو سخت سزادی گئی

قبائل یہود میں سے بنوقینقاع اور بنونضیر کو تو جلاوطن کیا گیا، مگر یہ واقعات غزوۂ احزاب سے پہلے کے ہیں، اور بنوقریظہ کو غزوۂ احزاب کے بعد سخت سزادی گئی، ان کے بالغ مردوں کو قتل کیا گیا، اور عورتوں اور بچوں کو غلام بنایا گیا، ان کے ساتھ یہ معاملہ ان کے حکم حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کی بنا پر کیا گیا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ عدل وانصاف پر مبنی تھا، کیونکہ بنوقریظہ نے خطرناک لمحات میں مسلمانوں کے ساتھ بدعہدی کی تھی، اور اس کی سزا تورات میں یہی تھی، سفر استثناء (باب ۲۰، آیت ۱۰) میں ہے: ''نقض عہد کرنے والے جب تیرے قبضہ میں آجائیں تو تو وہاں کے ہر مرد کو تلوار سے قتل کر، مگر عورتوں، لڑکوں اور مویشی کو، پس جو کچھ اس شہر میں ہے سب اپنے لئے لوٹ لے، وہ تیرے خدا نے تجھے دیا ہے''

چنانچہ فیصلہ کے مطابق بنوقریظہ کے بالغ مرد قتل کئے گئے، جن کی تعداد چار سو تھی، چند حضرات فیصلہ سے پہلے مسلمان ہوگئے ان کی جان اور مال محفوظ رہا، اور بنونضیر کا سردار حیی بن اخطب اپنے وعدہ کے مطابق بنوقریظہ کے پاس قلعہ میں آگیا تھا اس کی بھی گردن ماردی گئی۔

سوال: بنوقریظہ کو ایسی سخت سزا کیوں دی؟ ان کے دو قبیلوں کے ساتھ جو معاملہ کیا گیا وہ ان کے ساتھ کیوں نہیں کیا گیا؟

جواب: ایسا قریش کی عبرت پذیری کے لئے کیا گیا، تاکہ وہ سمجھ لیں کہ اب خیر اسی میں ہے کہ دُم دبالیں، ورنہ ہمارا بھی یہی حشر ہوگا، چنانچہ غزوۂ احزاب کے بعد ان میں مدینہ پر حملہ کرنے کی سکت نہ رہی۔

اب ایک آیت میں ان بدعہدوں (بنوقریظہ) کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اگر آپ کسی جنگ میں ان لوگوں پر (یہود پر) قابو پالیں تو ان کو ایسی سخت سزادیں جو دوسروں (قریش) کے لئے عبرت بن جائے، اور ان کے (بنوقریظہ کے) پیچھے جو لوگ ان کے تعاون کی امید پر اسلام دشمنی میں لگے ہوئے ہیں وہ سمجھ لیں کہ اب خیر اسی میں ہے کہ چپ سادھ لیں اور دُم دبا کر بیٹھ رہیں!

﴿ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِی الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ یَذَّکَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ ﴾

ترجمہ: پس اب اگر آپ کسی جنگ میں ان (یہود) پر قابو پالیں تو ان لوگوں کے ساتھ ایسا سخت برتاؤ کریں کہ اس کی

وجہ سے وہ لوگ منتشر ہو جائیں جو ان کے پیچھے (تیار بیٹھے) ہیں، تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں!

معاہدۂ صلح کو ختم کرنے کی منصفانہ صورت

یہاں ایک بات سمجھ لینا ضروری ہے کہ جب یہودیوں کے ساتھ عہد و پیمان ہو چکا ہے تو پھر ان کے ساتھ جنگ کیسے ہوگی؟ یہ تو مسلمانوں کی طرف سے پیمان شکنی تصور کی جائے گی؟! اس بارے میں سمجھ لیا جائے کہ جن یہودیوں نے خود ہی پیمان شکنی کی ہے اور عہد کو توڑ دیا ہے اُن سے تو جنگ ہو سکتی ہے البتہ وہ لوگ جنھوں نے ابھی عہد شکنی نہیں کی ہے لیکن آثار اور علامتیں ایسی پائی جارہی ہیں کہ یہ بھی عہد شکنی پر تلے ہوئے ہیں انکے بارے میں آگے جنگ و صلح کے قانون کی ایک اہم دفعہ رسول اللہ ﷺ کو بتلائی جارہی ہے جس میں معاہدہ کی پابندی کی خاص اہمیت کے ساتھ معاہدۂ صلح کو ختم کرنے کی صورت بتلائی گئی ہے کہ اگر کسی وقت معاہدہ کے دوسرے فریق کی طرف سے عہد شکنی کا خطرہ پیدا ہو جائے تو یہ ضروری نہیں کہ ہم معاہدہ کی پابندی کو بدستور قائم رکھیں لیکن یہ بھی جائز نہیں کہ معاہدہ کو صاف طور پر ختم کر دینے سے پہلے اُن کے خلاف کوئی اقدام کر بیٹھیں بلکہ اس کی صحیح صورت یہ ہے کہ پہلے انہیں آگاہ کر دیا جائے کہ تمہاری بدنیتی ہم پر ظاہر ہو چکی ہے اور تمہارے معاملات مشتبہ نظر آرہے ہیں اس لئے ہم آئندہ اس معاہدہ کے پابند نہیں رہیں گے تمہیں بھی ہر طرح اختیار ہے۔

اور مناسب طور پر معاہدہ لوٹانے کا مطلب یہ ہے کہ کھلے طور پر ان کو آگاہ کر دیا جائے کہ ہم آئندہ معاہدہ کے پابند نہیں رہیں گے اور یہ اعلان ایسی طرح ہو کہ مسلمان اور دوسرا فریق اس میں برابر ہوں، ایسی صورت نہ ہونی چاہئے کہ اس اعلان سے پہلے ہی ان کے مقابلہ کی تیاری مکمل کر لی جائے اور انہیں خالی الذہن رکھ کر یا مقابلہ کی تیاری سے غافل رکھ کر اچانک عہد و پیمان ختم کر کے ہلّہ بول دیا جائے۔ کیونکہ ایسا کرنا بھی اسلام کی نظر میں خیانت ہے یہ اسلام کا عدل وانصاف ہے کہ دشمنوں کے حقوق کی بھی حفاظت کی جاتی ہے اور مسلمانوں کو انکے مقابلہ میں اس بات کا پابند کیا جاتا ہے کہ وہ عہد کو واپس کرنے سے پہلے جنگی اقدام نہ کریں۔

یہاں ہم اسلام کی تابناک تاریخ کا ایک سبق آموز واقعہ لکھتے ہیں جس سے ہمیں یہ بھی اندازہ ہو جائے گا کہ آیت میں بیان فرمودہ حکم پر عمل کس طرح ہونا چاہئے۔

سلیم بن عامر بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا کسی قوم کے ساتھ ایک خاص میعاد تک کے لئے التوائے جنگ کا معاہدہ تھا، جب میعاد ختم ہونے میں چند روز باقی رہ گئے تو حضرت معاویہؓ نے چاہا کہ معاہدہ کے ایام ہی میں لشکر اور سامان جنگ اس قوم کے قریب اپنی سرحد پر پہنچا دیا جائے، تا کہ معاہدہ کی مدت ختم ہوتے ہی دشمن پر ٹوٹ

پڑیں۔اسی خیال سے انھوں نے اپنے لشکر کو تیاری اور سرحد کی طرف کوچ کا حکم صادر فرمادیا۔مگر عین اسی وقت جب لشکر سرحد کی طرف روانہ ہورہا تھا دیکھا گیا کہ لشکر میں ایک معمر آدمی گھوڑے پر سوار ہوکر بڑے زور سے یہ اعلان کررہے ہیں کہ اَللّٰهُ اَکْبَرُ، اَللّٰهُ اَکْبَرُ، وَفَاءٌ لاَ غَدَرًا—— ''اللہ سے ڈرو! اللہ سے ڈرو! ہمیں معاہدہ پورا کرنا چاہئے اس کی خلاف ورزی نہیں کرنی چاہئے''—— حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر کی گئی۔انھوں نے اس اعلان کرنے والے شخص کو طلب فرمایا، جب وہ تشریف لائے تو معلوم ہوا کہ وہ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔حضرت معاویہؓ نے ان سے اعلان کی وجہ پوچھی۔انھوں نے حدیث سنائی کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''اگر کسی قوم سے صلح یا ترک جنگ کا معاہدہ ہوجائے تو چاہئے کہ ان کے خلاف نہ کوئی گرہ کھولی جائے اور نہ باندھی جائے'' حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث سنتے ہی اپنی فوج کو واپسی کا حکم دے دیا تاکہ خیانت کرنے کے مجرم نہ بنیں۔

﴿ وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَاۗىِٕنِيْنَ ﴾

ترجمہ: (جن لوگوں نے ابھی تک علانیہ عہد شکنی نہیں کی ہے، لیکن) اگر آپ کسی قوم سے عہد شکنی کا اندیشہ کریں تو آپ ان کی جانب مناسب طور پر معاہدہ لوٹا دیں —— ایسی صاف اطلاع کے بغیر جنگی اقدام کرنا خیانت ہے —— اور اللہ تعالیٰ بلاشبہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔

جو لوگ خیانت کرتے ہیں اگر وہ چند روز پنپ بھی جائیں تو بالآخر ان کے نصیب میں رسوائی ہے

اسلامی قانون جنگ وصلح میں کفار کے ساتھ دنیا میں جو رعایت رکھی گئی ہے اور انہیں جو زندہ رہنے کا موقع دیا گیا ہے اور بزور شمشیر ان کو اسلام کی دعوت قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا گیا، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ان کافروں پر اللہ کا بس نہیں چلتا یا انہیں ان کے کفر کی سزا دنیا اور آخرت میں چکھنی نہیں پڑے گی۔

﴿ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ۭ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ﴾

ترجمہ: اور کافر یہ ہرگز گمان نہ کریں کہ وہ ہاتھ سے نکل گئے، یقیناً وہ تھکا نہیں سکتے —— اللہ تعالیٰ ضرور ان کو سزا دیں گے اور کفر کا دیر سویر مزہ چکھائیں گے۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝

وَاَعِدُّوْا	اور تیار کرو تم	بِهٖ	اس کے ذریعہ	وَمَا تُنْفِقُوْا	اور جو کچھ خرچ کروگے تم
لَهُمْ	ان کے لئے	عَدُوَّ اللّٰهِ	اللہ کے دشمنوں پر	مِنْ شَيْءٍ	کوئی بھی چیز
مَّا	جو کچھ	وَعَدُوَّكُمْ	اور اپنے دشمنوں پر	فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	خدا کی راہ میں
اسْتَطَعْتُمْ	تمہارے بس میں ہو	وَاٰخَرِيْنَ	اور دوسروں پر	يُوَفَّ	پوری پوری ملے گی وہ
مِّنْ قُوَّةٍ (۱)	طاقت سے	مِنْ دُوْنِهِمْ	ان کے سوا	اِلَيْكُمْ	تم کو
وَّمِنْ رِّبَاطِ (۲)	اور پلے ہوئے	لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ	نہیں جانتے تم ان کو	وَاَنْتُمْ	اور تم
الْخَيْلِ	گھوڑوں سے	اَللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	لَا تُظْلَمُوْنَ	گھاٹے میں نہیں رکھے
تُرْهِبُوْنَ	دھاک بٹھاؤ تم	يَعْلَمُهُمْ	ان کو جانتے ہیں		جاؤگے

دفاع اور کفار سے مقابلہ کے لئے تیاری کے احکام

آیت شریفہ میں مسلمانوں کو جنگ کے لئے تیاری کی تعلیم دی گئی ہے اور ایک ایسا بنیادی ضابطہ بتلایا گیا ہے جس کے ساتھ فتح وکامرانی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ مسلمان جب تک اس ضابطہ پر عمل پیرا رہے ہمیشہ کامیابی اور فتح مندی نے بڑھ کران کے قدم چومے اس آیت میں دفاع اور کفار سے مقابلہ کے لئے تیاری کے احکام ہیں، ارشاد ہے — کفار کے لئے جس قدر تم سے ہوسکے سامان جنگ تیار کرو — اور اس میں ذرا غفلت اور کوتاہی نہ کرو، اپنی پوری طاقت تیاری میں خرچ کردو، خدا پر بھروسہ کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آدمی ضروری اسباب کئے بغیر ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھا رہے ضروری سامان فراہم کرنے کا حکم خود شریعت نے دیا ہے اور اسکے بعد نتیجہ ظاہر ہونے کے سلسلہ میں اللہ پر بھروسہ کرنا توکل ہے۔

اس کے بعد سامان جنگ کی کچھ تفصیل بیان فرماتے ہیں — یعنی مقابلہ کی قوت جمع کرو — ان جامع اور مختصر الفاظ میں سب کچھ آگیا، جنگی سامان، اسلحہ، ایٹمی قوت، ٹینک، لڑاکا طیارے، آب دوز کشتیاں، بندوق، توپ، ہوائی جہاز آہن پوش کروز روغیرہ سب اس لفظ کے تحت آگئے، حتی کہ بدن کی ورزش، فنون جنگ کا سیکھنا، سب ہی کچھ ان جامع الفاظ میں آگیا۔

قرآن پاک نے یہاں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں رائج ہتھیاروں کا تذکرہ نہیں فرمایا، بلکہ ایک عام لفظ ”قوت“ استعمال کیا ہے اور قوت ہر زمانہ اور ہر ملک ومقام کے اعتبار سے مختلف ہوسکتی ہے۔ حضور پاک ﷺ کے زمانہ کے اسلحہ تیر، تلوار اور نیزے تھے اب اور مختلف قسم کے اسلحہ پیدا ہوگئے ہیں، یہ سب اسی قوت کے مفہوم میں داخل ہیں۔ ان جدید

(۱) من: بیانیہ، ما موصولہ کا بیان ہے (۲) حرف جر کے اعادہ کے ساتھ عطف ہے اور ربط (ن، ض) رَبْطًا: باندھنا، مراد پالنا ہے۔

اسلحہ بنانے اور استعمال کرنے کے لئے جس علم وفن کو سیکھنا ضروری ہو وہ سب اگر اس نیت سے ہو کہ اس کے ذریعہ اسلام اور مسلمانوں سے دفاع اور کفار سے مقابلہ کا کام لیا جائے گا تو وہ بھی جہاد کے حکم میں ہے۔

جہاں تک قدرت ہو سامانِ جہاد فراہم کرنا مسلمانوں پر فرض ہے

اب رہا یہ سوال کہ جنگی سامان جمع کیسے ہو۔ اس کے لئے تو بڑے سرمایہ کی ضرورت ہے۔ اور بعض اوقات اسلامی مملکت کے پاس اتنا سرمایہ نہیں ہوتا کہ وہ اعلیٰ درجہ کی تیاری کر سکے اس لئے آخر آیت میں اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی فضیلت بیان فرمائی ہے — اور تم راہ خدا میں جو کچھ خرچ کرو گے وہ تمہیں پورا پورا ملے گا اور تمہیں گھاٹے میں نہیں رکھا جائے گا — دنیا میں امن وامان کا راج ملے گا اگر جنگ ہوگئی تو غنیمت سے نوازے جاؤ گے اور آخرت میں کئی گنا ثواب الگ رہا — آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ جب اسلامی مملکت تہی داماں ہو، اس کے پاس سرمایہ نہ ہو تو عام مسلمانوں سے مدد لی جائے گی۔ لیکن قانون، زبردستی، ٹیکس وغیرہ لگا کر نہیں بلکہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کے فضائل بتلا کر، ترغیب دلا کر خوشی خوشی چندہ لے کر اس سے فوجی قوت فراہم کی جائے گی۔

نوٹ: آیتِ کریمہ کا ترجمہ اوپر آگیا۔

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۶۱ وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ۭ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝۶۲ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ۭ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۶۳

وَاِنْ جَنَحُوْا (۱)	اور اگر وہ جھکیں	وَتَوَكَّلْ	اور بھروسہ کریں	الْعَلِيْمُ	خوب جاننے والا ہے
لِلسَّلْمِ (۲)	صلح کی جانب	عَلَى اللّٰهِ	اللہ پر	وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا	اور اگر وہ چاہیں
فَاجْنَحْ	تو آپ بھی جھک جائیں	اِنَّهٗ هُوَ	بلاشبہ وہی	اَنْ يَّخْدَعُوْكَ	کہ آپ کو دھوکہ دیں
لَهَا	اس کے لئے	السَّمِيْعُ	خوب سننے والا	فَاِنَّ	تو بلاشبہ

(۱) جَنَحَ (ف) جَنْحًا وَجُنُوْحًا: جھکنا، مائل ہونا، الجَنَاح: بازو، شانہ (۲) السِّلْم (سین کا زبر اور زیر): صلح، مصالحت، اس لفظ میں مذکر و مؤنث برابر ہیں، اس لئے مؤنث ضمیر لوٹی ہے۔

حَسْبَكَ	آپ کے لئے کافی ہیں	بَيْنَ	درمیان	قُلُوْبِهِمْ	ان کے دلوں کے
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	قُلُوْبِهِمْ	ان کے دلوں کے	وَلٰكِنَّ اللّٰهَ	اور لیکن اللہ نے
هُوَ الَّذِيْٓ	وہی ہیں جنھوں نے	لَوْ اَنْفَقْتَ	اگر آپ خرچ کرتے	اَلَّفَ	اتفاق پیدا کردیا
اَيَّدَكَ	آپ کو قوی کیا	مَا فِي الْاَرْضِ	جو کچھ زمین میں ہے	بَيْنَهُمْ	ان کے درمیان
بِنَصْرِهٖ	اپنی مدد سے	جَمِيْعًا	سارا	اِنَّهٗ	بلاشبہ وہ
وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ	اور مسلمانوں سے	مَّآ اَلَّفْتَ	نہ اتفاق پیدا کرسکتے	عَزِيْزٌ	زبردست
وَاَلَّفَ	اور اتفاق پیدا کیا	بَيْنَ	درمیان	حَكِيْمٌ	حکمت والے ہیں

دشمن مرعوب ہوکر صلح وآشتی چاہیں تو مسلمان بھی ہاتھ بڑھائیں

مسلمانوں کی تیاری اور فوجی قوت دیکھ کر اگر دشمن مرعوب ہوجائیں اور صلح وآشتی کے خواستگار ہوں تو مسلمانوں کو بھی چاہئے کہ حسب مصلحت وہ بھی صلح کا ہاتھ بڑھائیں۔ارشاد ہے ــــ اور اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو آپ بھی اس کی طرف جھک جائیں ــــ کیونکہ مسلمانوں کی تیاری کا مقصد خونریزی ہرگز نہیں بلکہ مقصد دفع فتنہ اور اعلاء کلمۃ اللہ ہے اگر جنگ وخونریزی کے بغیر یہ مقصد حاصل ہورہا ہو تو پھر خون بہانے کی کیا حاجت ہے؟ ہاں اس کا احتمال ہے کہ دشمن کی طرف سے صلح کی خواہش مسلمانوں کو دھوکہ دینے اور غفلت میں ڈالنے کے لئے ہو اور وہ صلح کے پردے میں مسلمانوں کے ساتھ کوئی چال چلنا چاہتے ہوں اس لئے آگے ارشاد ہے ــــ اور اللہ پر بھروسہ کیجئے ــــ ایسے بے دلیل احتمال کی کچھ پرواہ نہ کیجئے، نہ ایسے بے دلیل احتمالات پر اپنے کاموں کی بنیاد رکھئے اور ایسے خطرات کو اللہ کے حوالہ کردیجئے ــــ بلاشبہ وہی خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے ــــ وہ دشمن کی نیتوں کو جانتا ہے، انکے خانگی مشوروں سے بھی خوب واقف ہے وہ مسلمانوں کی مدد کے لئے کافی ہے۔

آگے یہ مضمون اور زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے ــــ اور اگر وہ آپ کو دغا دینا چاہیں تو بلاشبہ اللہ پاک آپ کے لئے کافی ہیں ــــ یعنی اگر صلح کرنے میں دشمن کی نیت صاف نہ ہو اور وہ صلح کے پردے میں مسلمانوں کو دھوکہ دینا چاہتا ہو تب بھی کوئی پرواہ نہ کرنا چاہئے۔اللہ پاک مسلمانوں کی مدد کیلئے کافی ہیں پہلے بھی اللہ پاک ہی کی امداد سے مسلمانوں کا کام چلا ہے اور وہی آج بھی مسلمانوں کی مدد کیلئے کافی ہے۔وہ دشمن کے سب فریب برباد کردے گا۔

آگے اس مضمون کی وضاحت ایک مثال کے ذریعہ کی جارہی ہے کہ اے پیغمبر (ﷺ) آپ بدر کا دن یاد کیجئے، اس دن آپ کے پاس نہ ساز وسامان تھا، نہ فوج تھی نہ ہتھیار تھے فقط چند نہتے مسلمان ساتھ تھے لیکن اللہ پاک نے فتح

وکامرانی کا سہرا آپ کے سر باندھا ارشاد ہے ـــــ وہی اللہ ہے جس نے اپنی امداد سے آپ کو (بدر کے معرکہ میں) قوت بخشی ـــــ وہی ہر موقعہ پر آپ کی دستگیری فرماتا رہے گا ـــــ اور (ظاہری طور پر جاں نثار و سرفروش) مسلمانوں سے (آپ کی تائید کی اور آپ کا بازو مضبوط کیا) ـــــ اور فتح و کامیابی کے یہ دونوں سبب، ایک حقیقی یعنی نصرت خداوندی اور دوسرا ظاہری یعنی مسلمانوں کی جمعیت یہ دونوں سبب ہمہ وقت موجود ہیں لہٰذا مسلمانوں کو صلح کرنے میں کسی خطرہ کا اندیشہ نہ کرنا چاہئے۔

فوج میں جس قدر اتحاد و اتفاق ہوگا اسی قدر اس کا وزن ہوگا

آگے یہ بیان ہے کہ مسلمانوں کی یہ معمولی جمعیت جو بدر کے معرکہ میں آنحضور ﷺ کے ہمراہ تھی یعنی تین سو تیرہ نہتے نفوس کی معمولی تعداد وہ فتح و کامیابی کا ظاہری سبب کیسے بنی؟ مزید برآں وہ اسباب جنگ سے تہی داماں بھی تھی اور مقابل دشمن کئی گنا زائد تھا اور ہر طرح کے سامان سے لیس تھا اللہ پاک اس کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کی یہ معمولی تعداد "صد قالب یک جان" تھی ان کے اسی اتحاد و اتفاق کی برکت سے معرکہ میں سرخروئی حاصل ہوئی۔ قوم میں جس قدر اتحاد و اتفاق ہوتا ہے اسی قدر اس کی قوت اور وزن ہوتا ہے، باہمی اتحاد و یگانگت کے رشتے قوی اور مضبوط ہوں تو پوری جماعت قوی ہے اور اگر یہ رشتے ڈھیلے پڑ جائیں تو پوری جماعت ڈھیلی اور کمزور ہے۔ اور یہ اتفاق بھی اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا فرمایا تھا ارشاد ہے ـــــ اور اسی نے مسلمانوں کے دلوں میں اتفاق پیدا فرمایا اگر آپ تمام وہ چیزیں خرچ کر ڈالتے جو زمین میں ہیں پھر بھی ان کے دلوں میں اتفاق پیدا نہیں کر سکتے تھے لیکن اللہ پاک نے ان کے دلوں میں اتفاق پیدا فرما دیا، بلاشبہ وہ زبردست حکمت والے ہیں ـــــ اُس نے مسلمانوں کے دلوں میں مکمل وحدت والفت پیدا کر دی اور ان کی مختصر سی جمعیت کو سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنا دیا حالانکہ اللہ کے پیارے رسول ﷺ کی مدینہ کی طرف ہجرت سے پہلے اور اسلام کی دولت ولذت سے سرشار ہونے سے پیشتر مدینہ کے باشندے، جو دو قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے ایک اُوس اور دوسرا خزرج کہلاتا تھا باہمی شدید جنگیں لڑ چکے تھے جن کے جھگڑے ایک صدی پرانے تھے لیکن آنحضرت ﷺ کی برکت سے اور اسلام کے فیض سے اللہ پاک نے ان جانی دشمنوں کو باہم شیر و شکر اور بھائی بھائی بنا دیا، ہجرت کے بعد مدینہ شریف میں دو طرح کے لوگ دوش بدوش رہتے تھے، ایک مہاجرین کی جماعت تھی جن کا اصلی وطن یا تو مکہ شریف تھا یا عرب کے قبائل تھے وہ اسلام کی نصرت کے لئے مدینہ میں آ بسے تھے دوسرے مدینہ کے مقامی باشندے تھے جن کا انصار (اسلام کے معاون) نام رکھا گیا تھا اور جن کا مدینہ اصلی وطن تھا ـــــ اور انسان کی فطرت یہ ہے کہ وہ اغیار کا وجود کبھی برداشت نہیں کر سکتا ـــــ پاکستان کے مہاجرین کا مسئلہ اس کی منہ بولتی تصویر ہے لیکن زبردست

اور حکمت والی مبارک ہستی نے مہاجرین اور انصار کو آپس میں بھائی بھائی بنادیا، انصار نے اپنے تمام مال ومنال میں اپنے مہاجر بھائیوں کو برابر کا شریک کرلینا خوشی خوشی منظور کرلیا ـــــ اللہ پاک ارشاد فرمار ہے ہیں کہ مختلف لوگوں کے دلوں کو جوڑ کران میں الفت ومحبت پیدا کرنا کسی انسان کے بس کا کام نہیں، صرف اسی ذات کا کام ہے جس نے سب کو پیدا کیا ہے۔ اگر کوئی انسان ساری دنیا کی دولت بھی خرچ کرڈالے تا کہ باہم منافرت رکھنے والے لوگوں کے دلوں میں الفت پیدا کردے تو وہ کبھی اس میں کامیاب نہیں ہو سکے گا۔

پائیدار اتفاق شریعت کی پابندی سے حاصل ہوتا ہے

آیت پاک سے خاص سبق یہ حاصل ہوتا ہے کہ دلوں کا پورا اور پائیدار اتفاق ظاہری تدبیروں سے حاصل نہیں ہوسکتا۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور شریعت کی پابندی سے حاصل ہوتا ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾ اگر سب مل کر اللہ کی رسی (شریعت) مضبوط تھام لیں تو سب آپس میں خود بخود متفق ہوجائیں گے اور باہمی تفرقے ختم ہوجائیں گے آج اتفاق اتفاق سب پکارتے ہیں، مگر ''اتفاق'' کے معنی ہر شخص کے نزدیک یہ ہوتے ہیں کہ لوگ میری بات مان لیں تو اتفاق ہوجائے اور دوسرے بھی اتفاق کے لئے اسی فکر میں رہتے ہیں کہ وہ ہماری بات مان لیں تو اتفاق ہوجائے حالانکہ رایوں کا اختلاف ناگزیر اور ضروری ہے لہٰذا اس طرح تو قیامت تک آپس میں اتفاق نہیں ہوسکتا ـــــ اتفاق کی صحیح اور فطری صورت صرف یہ ہے کہ دونوں مل کر کسی تیسرے کی بات مان لیں اور تیسرا وہی ہونا چاہئے جس کے فیصلے میں غلطی کا امکان نہ ہو، اور ظاہر ہے کہ ایسی ہستی صرف اللہ تعالیٰ کی ہے اس لئے اگر سب مل کر اللہ تعالیٰ کی کتاب کو مضبوط تھام لیں تو آپس کے جھگڑے ختم ہو کر کامل اتفاق پیدا ہوجائے گا۔

دوسری آیت میں ارشاد ہے ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا﴾ یعنی جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں اللہ تعالیٰ اُن میں آپس میں محبت ومودّت پیدا فرمادیتے ہیں اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ حقیقی محبت ومودّت پیدا ہونے کا اصلی راستہ ایمان اور عمل صالح کی پابندی ہے۔ اس کے بغیر اگر کہیں کوئی اتفاق واتحاد مصنوعی اور بناوٹی طور پر قائم کر بھی لیا جاوے تو وہ بودا اور کمزور ہوگا۔ ذرا سی ٹھیس سے چکنا چور ہوجائے گا ـــــ یہ تو حقیقی سبب تھا البتہ ظاہری اسباب کی رعایت بھی ضروری تھی اس لئے جب آنحضور ﷺ ہجرت کرکے مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو مہاجرین اور مقامی باشندوں کے قلوب میں محبت ومودت پیدا کرنے کے لئے آپ ﷺ نے ظاہری صورت یہ اختیار فرمائی کہ ایک مہاجری اور ایک انصاری کو نامزد کرکے بھائی بھائی قرار دیا۔ اسلام کی ابتدائی تاریخ کا یہ روشن باب ''مواخات'' کے لفظ سے یاد کیا جاتا ہے اس باہمی بھائی چارگی نے مہاجرین وانصار کے قلوب میں الفت

ومودّت پیدا کرنے میں کتنا اہم رول ادا کیا ہے اس سے تاریخ کا کوئی طالب علم نا آشنا نہیں ہے آج بھی مسلمان ایمان وعمل صالح کی پابندی اختیار فرمالیں اور اللہ کی رسی (قرآن پاک) کو مضبوطی سے تھام لیں تو اسلام کی اجڑی ہوئی تاریخ میں پھر بہار آسکتی ہے۔

بہار آئیگی پھر اسلام کے اجڑے گلستاں میں ❁ اسی شاخِ کہن پر پھر ہمارا آشیاں ہوگا

ع

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٤﴾ يَاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ۭ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿٦٥﴾ اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ۭ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿٦٦﴾

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ	اے پیغمبر	اِنْ يَّكُنْ	اگر ہوں گے	اَلْفًا	ہزار پر
حَسْبُكَ	کافی ہیں آپ کو	مِّنْكُمْ	تم میں سے	مِّنَ	(ان لوگوں میں) سے
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	عِشْرُوْنَ	بیس	الَّذِيْنَ	جنھوں نے
وَمَنِ	اور جو لوگ	صٰبِرُوْنَ	ثابت قدم رہنے والے	كَفَرُوْا	کفر کیا
اتَّبَعَكَ	آپ کے ساتھ ہیں	يَغْلِبُوْا	غالب ہوں گے وہ	بِاَنَّهُمْ	اس لئے کہ وہ
مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ	مؤمنین میں سے	مِائَتَيْنِ	دوسو پر	قَوْمٌ	لوگ
يَاَيُّهَا النَّبِيُّ	اے پیغمبر	وَاِنْ يَّكُنْ	اور اگر ہوں گے	لَّا يَفْقَهُوْنَ	سمجھ نہیں رکھتے
حَرِّضِ	ترغیب دیں	مِّنْكُمْ	تم میں سے	اَلْـٰٔنَ	اب
الْمُؤْمِنِيْنَ	مسلمانوں کو	مِّائَةٌ	سو	خَفَّفَ	بوجھ ہلکا کردیا
عَلَى الْقِتَالِ	لڑائی (جہاد) کی	يَّغْلِبُوْٓا	غالب ہوں گے وہ	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ نے

عَنْكُمْ	تم سے	صَابِرَةٌ	ثابت قدم رہنے والے	اَلْفَيْنِ	دو ہزار پر
وَعَلِمَ	اور جانا	يَّغْلِبُوْا	غالب ہوں گے	بِاِذْنِ	حکم سے
اَنَّ فِيْكُمْ	کہ تم میں	مِائَتَيْنِ	دو سو پر	اللهِ	اللہ تعالیٰ کے
ضَعْفًا	کمزوری ہے	وَاِنْ يَّكُنْ	اور اگر ہوں گے	وَاللهُ	اور اللہ تعالیٰ
فَاِنْ يَّكُنْ	پس اگر ہوں گے	مِّنْكُمْ	تم میں سے	مَعَ	ساتھ ہیں
مِّنْكُمْ	تم میں سے	اَلْفٌ	ہزار	الصّٰبِرِيْنَ	ثابت قدم رہنے
مِّائَةٌ	سو	يَّغْلِبُوْٓا	(تو) غالب ہوں گے		والوں کے

جہاد کی ترغیب دی جائے، پُرجوش مجاہدین دس گنا دشمن کے لئے کافی ہیں اور کم ہمت دوگنے کے لئے

ان آیات میں ایک جنگی قانون کا تذکرہ ہے کہ مسلمانوں کے لئے کس حد تک اپنے حریف کے مقابلہ میں جمنا فرض ہے اور بھاگنا گناہ ہے؟ ارشاد ہے —— اے پیغمبر! آپ کے لئے (حقیقت کے اعتبار سے تو) اللہ کافی ہے —— اسی کی نصرت وتائید سے آپ کا بیڑا پار ہوتا ہے اور کامیابی سے ہمکنار ہوتے ہیں —— اور (ظاہری اسباب کے اعتبار سے) مؤمنوں کی جماعت آپ کے لئے کافی ہے جنھوں نے آپ کی پیروی کی ہے —— مؤمنین اللہ کے دین کے بہادر سپاہی اور محافظ ہیں، یہ شیر کبھی زیر نہیں ہوسکتے لہٰذا کسی بڑے سے بڑے دشمن کی تعداد یا سامان سے خوف زدہ نہ ہوں روایات میں ہے کہ یہ آیت غزوۂ بدر کے میدان میں جنگ شروع ہونے سے پہلے نازل ہوئی تھی تاکہ مسلمانوں کی مٹھی بھر جماعت جو بے سروسامانی کی حالت میں تھی اپنے مقابل کی بھاری تعداد اور سامان جنگ کی کثرت سے مرعوب اور خوف زدہ نہ ہوجائے لیکن ضروری ہے کہ یہ خدائی فوج جہاد کے نشہ میں سرشار ہو، انہیں شہادت کا شوق دامن گیر ہو، میدان جنگ میں جنت کی خوشبوئیں ان کے مشام جان کو معطر کررہی ہوں، اس لئے ارشاد ہے کہ —— اے پیغمبر! آپ مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دیجئے —— انہیں اس عمل خیر کے فضائل سنائیے اور ان کے ساتھ آخرت کے اجر کے وعدے فرمائیے اور انہیں بتلائیے کہ —— اگر تم میں سے ثابت قدم رہنے والے بیس اشخاص ہوئے تو وہ دو سو کفار پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں سے سو ہونگے تو وہ ہزار کفار پر غالب رہیں گے —— یعنی اگر وہ تھوڑے بھی ہوں تو جی نہ چھوڑیں، خدا کی رحمت سے دس گنے دشمنوں پر غالب آجائیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی غیبی امداد مسلمانوں کے ساتھ ہوگی جس کی وجہ سے یہ تھوڑے بھی بہت سوں پر غالب آئیں گے۔

آخر آیت میں ایک نفسیاتی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ —— ایسا اس لئے ہوگا کہ وہ کفار سمجھ بوجھ نہیں رکھتے —— اور

مسلمان خوب سمجھتے ہیں کہ ہمارا یہ لڑنا مرنا محض خدا کے لئے ہے۔ انھیں یقین ہے کہ ہماری تمام قربانیوں کا صلہ آخرت میں ضرور ملنے والا ہے۔ ان کا ایمان ہے کہ خدا کے راستہ میں مرنا ہی اصلی زندگی ہے جیتیں یا ہاریں ہر صورت کو وہ اپنے لئے کامیابی مانتے ہیں ان کے دلوں کی اتھاہ گہرائیوں میں یہ بات گھر کئے ہوئے ہے کہ اللہ کا بول بالا کرنے کے لئے اور اس کے دین کو چمکانے کے لئے ہم جو بھی تکلیف اٹھائیں گے وہ ہمیں دائمی خوشی اور ابدی مسرت سے ہمکنار کرے گی مسلمان جب یہ سمجھ کر میدان جنگ میں قدم رکھتا ہے تو تائید ایزدی اس کے ہمرکاب ہوتی ہے۔ اسے موت سے وحشت نہیں رہتی وہ پوری دلیری اور بے جگری سے لڑتا ہے اور کافر چونکہ اس حقیقت سے نا آشنا ہے، مال ومنال ہی اس کی غرض وغایت ہے، دنیوی زندگانی اس کی معراج کمال ہے تائید ایزدی سے بھی وہ تہی داماں ہے اس لئے وہ بے جگری اور پوری دلیری سے کبھی قدم جما کر مقابلہ نہیں کرسکتا اس لئے وعدۂ وبشارت کی صورت میں حکم سنایا جارہا ہے کہ مؤمن پر فرض ہے کہ وہ دس گنے دشمنوں سے مقابلہ کرے کیونکہ وہ مؤمن ہے اور:

کوئی اندازہ کرسکتا ہے اس کے زورِ بازو کا ❁ نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

یہ حکم کہ دس گنے دشمنوں سے مقابلہ کرنا فرض ہے مؤمنوں کے لئے آسان حکم تھا۔ کفار کی یہ تعداد مؤمنوں کی ہمتوں سے فروتر تھی آنحضور ﷺ کے مبارک دور میں ایک ہزار مسلمان اسی ہزار کفار سے لڑے ہیں ''غزوۂ موتہ'' میں تین ہزار مسلمان دولاکھ کفار کے مقابلہ میں ڈٹے رہے تھے اور یہ کوئی انوکھا واقعہ نہیں ہے اس قسم کے تابناک واقعات سے اسلامی تاریخ بھری ہوئی ہے۔

لیکن انسانی طبیعت کا خاصہ اور بشری فطرت ہے کہ اگر کوئی سخت کام تھوڑے آدمیوں پر پڑ جائے تو کرنے والوں میں جوش عمل ہوتا ہے۔ ہر شخص اپنی بساط سے بڑھ کر ہمت کرتا ہے لیکن اگر وہی کام بڑے مجمع پر ڈال دیا جائے تو عمل کا ولولہ کم ہوجاتا ہے اور حسب کثرت جوش و ہمت میں کمی آجاتی ہے۔ ہر ایک منتظر رہتا ہے کہ دوسرا کرے، اور سمجھتا ہے کہ میں ہی تنہا اس کا ذمہ دار نہیں ہوں ــــ اس لئے جب مسلمانوں کی تعداد بڑھی تو جو حکم اب تک بہت ہی سہل تھا بھاری معلوم ہونے لگا چنانچہ اللہ پاک نے بدلے ہوئے حالات کے لئے دوسرا حکم نازل فرمایا۔ ارشاد ہے ــــ اب اللہ نے تم پر آسانی فرمادی اور معلوم کرلیا کہ تم میں ہمت کی کمی ہے سو اگر تم میں سے ثابت قدم رہنے والے سو ہوئے تو اللہ کے حکم سے وہ دو سو کفار پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں سے ہزار ہوئے تو وہ دو ہزار پر غالب رہیں گے ــــ یعنی اب حکم آسان کردیا جاتا ہے۔ دس گنے کی جگہ صرف دو گنے سے مقابلہ ضروری ہے کیونکہ اللہ نے تم میں ہمت کی کمی محسوس کی اس لئے بقدر ہمت بلکہ اس سے بھی آسان حکم دیا ــــ آخر میں عام قانون کی صورت میں فرمایا جارہا ہے ــــ اور اللہ تعالیٰ

ثابت قدم رہنے والوں کا ساتھی ہے ــــ لہٰذا اگر آج بھی تمہارے اندر سچا ایمان، کامل اطاعت اور ثابت قدمی کا جوہر موجود ہے تو تم نصرت خداوندی اور معیت الٰہیہ کو ہمرکاب پاؤ گے۔

آج بھی ہو جو براہیم سا ایماں پیدا ۞ آگ کرسکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ۭ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ڰ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۷﴾ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۶۸﴾ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ڮ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۹﴾ ع ۵

مَا كَانَ	مناسب نہ تھا	وَاللّٰهُ يُرِيْدُ	اور اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں	اَخَذْتُمْ	تم نے اختیار کیا ہے
لِنَبِيٍّ	نبی کے لئے	الْاٰخِرَةَ	آخرت	عَذَابٌ عَظِيْمٌ	کوئی بڑا عذاب
اَنْ يَّكُوْنَ	کہ ہوں	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	فَكُلُوْا	سو کھاؤ
لَهٗٓ	ان کے لئے	عَزِيْزٌ	بڑے زبردست	مِمَّا	اس میں سے جو کچھ
اَسْرٰى	قیدی	حَكِيْمٌ	بڑے حکمت والے (ہیں)	غَنِمْتُمْ	تم نے غنیمت میں لیا
حَتّٰى	یہاں تک کہ	لَوْلَا	اگر نہ ہوتا	حَلٰلًا طَيِّبًا	حلال پاکیزہ
يُثْخِنَ (۱)	خوب قتل کرلے	كِتٰبٌ	نوشتہ	وَّاتَّقُوا	اور ڈرتے رہو
فِي الْاَرْضِ	زمین میں	مِّنَ اللّٰهِ	اللہ کی طرف سے	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ سے
تُرِيْدُوْنَ	تم چاہتے ہو	سَبَقَ	جو پہلے لکھا جاچکا ہے	اِنَّ اللّٰهَ	بیشک اللہ تعالیٰ
عَرَضَ	مال ومتاع	لَمَسَّكُمْ	تو ضرور تم کو چھوتا	غَفُوْرٌ	بڑے بخشنے والے
الدُّنْيَا	دنیا کا	فِيْمَآ	اس امر کے بارہ میں جو	رَّحِيْمٌ	بڑے رحمت والے ہیں

جب تک دشمن کی اینٹھ (بَل) نہ نکل جائے قیدیوں سے فدیہ نہ لیا جائے

آیات کا پس منظر: غزوۂ بدر اسلام میں سب سے پہلا وہ جہاد ہے، جو اچانک پیش آیا تھا جس میں اللہ تعالیٰ نے

(۱) أَثْخَنَ (باب افعال) في الأرض: خوب جنگ کرنا، کشتے کے پشتے لگا دینا۔ ثَخُن (ک) ثخونة: موٹا اور دبیز ہونا، سخت اور کھردرا ہونا، فهو ثَخِين۔

مسلمانوں کو غیر معمولی فتح عطا فرمائی تھی، دشمن کا چھوڑا ہوا مال بھی غنیمت میں مسلمانوں کے ہاتھ آیا تھا اور کافروں کے بڑے بڑے ستر سردار مسلمانوں نے گرفتار کر لئے تھے لیکن اب تک قرآن پاک میں اس سلسلہ میں احکامات کی وضاحت نہیں فرمائی گئی تھی کہ جہاد میں اگر مال غنیمت ہاتھ آجائے تو اُسے کیا کیا جائے؟ دشمن کے سپاہی اپنے قبضہ میں آجائیں تو ان کو گرفتار کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور گرفتار کر لیا جائے تو پھر ان کے ساتھ معاملہ کیا کرنا چاہئے؟ —— پچھلے تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی مقدس شریعتوں میں یہ قانون تھا کہ مسلمانوں کو مال غنیمت سے فائدہ اٹھانا حلال نہ تھا اس وقت کا حکم یہ تھا کہ مال غنیمت جمع کر کے بیت المقدس میں خاص جگہ رکھ دیا جائے۔ آسمان سے ایک آگ آتی اور اسے جلا کر خاک کر دیتی، اور یہ جہاد کے مقبول ہونے کی علامت سمجھی جاتی لیکن اللہ پاک نے اپنے محبوب ﷺ کی امت کے لئے خصوصی طور پر مال غنیمت حلال فرما دیا۔ صحیحین میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا فرمائی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوئیں“ اُن پانچ میں یہ بھی ہے کہ کفار سے حاصل ہونے والا مال غنیمت امت محمدی کے لئے حلال ہے لیکن اب تک غنیمت کے بارے میں احکامات نازل نہیں فرمائے گئے تھے۔

اس کے علاوہ اللہ پاک اپنے پسندیدہ بندوں کا، اور سید الانبیاء کی امت کا ایک امتحان بھی کرنا چاہتے تھے چنانچہ جب بدر کے قیدیوں کا مسئلہ درپیش ہوا تو حضرت جبرئیل امین یہ وحی لائے کہ ”آپ ﷺ صحابۂ کرام کو دو چیزوں میں اختیار دیں کہ چاہیں تو قیدیوں کو قتل کر کے دشمن کی شوکت کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیں اور چاہیں تو کچھ مال لے کر انھیں چھوڑ دیں لیکن اس دوسری صورت میں آئندہ سال اتنے مسلمان شہید ہوں گے جتنے قیدی آج مال لے کر چھوڑ دیئے جائیں گے“

اس وحی میں اگر چہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو دو چیزوں میں اختیار دیا گیا تھا مگر ساتھ ہی اس میں ایک ہلکا سا اشارہ ضرور موجود تھا کہ دوسری صورت اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ نہیں ہے ورنہ ستر مسلمانوں کا خون اس کے نتیجہ میں لازم نہ ہوتا۔

بہر حال اسیران جنگ کے بارے میں آنحضور ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مسجد نبوی میں مشورہ فرمایا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور ایک انصاری صحابی حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے رائے دی کہ ”قیدیوں میں سے جو جس کا عزیز ہے وہی اس کو قتل کرے“ تا کہ مشرکوں کو معلوم ہو جائے کہ ہمارے دلوں میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت قرابت داری کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے۔ اور اسلام کے سامنے تمام رشتے ہیچ ہیں اور یہ حسن اتفاق ہے کہ کفر کے سرغنہ، سارے قریشی سردار اس وقت ہمارے قابو میں آ گئے ہیں ان کے اسلام قبول کر لینے کا احتمال تو صفر کے درجہ میں ہے غالب گمان یہ ہے کہ یہ لوگ واپس جا کر پہلے سے زیادہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سرگرمی شروع کر دیں گے —— لیکن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ نے یہ مشورہ دیا کہ ”فدیہ لے کر ان کو آزاد کر دیا

جائے تا کہ مسلمان جنگ کا ساز وسامان درست کرسکیں اور ممکن ہے کہ آئندہ ان قیدیوں میں سے اکثر دین اسلام قبول کرلیں رہا آئندہ سال ستر مسلمانوں کی شہادت کا معاملہ تو وہ مسلمانوں کے لئے سعادت ہے اس سے گھبرانا نہیں چاہئے''

رسول کریم ﷺ نے جو رحمۃ للعالمین اور شفقت مجسم تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دو رائیں دیکھ کر وہ رائے قبول فرمالی جس میں قیدیوں کے معاملہ میں رحمت وسہولت تھی، چنانچہ فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دینے کا فیصلہ صادر فرمایا لیکن صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مخاطب ہوکر فرمایا ﴿ لَوِ اتَّفَقْتُمَا مَاخَالَفْتُكُمَا ﴾ (اگر تم دونوں متفق ہوجاتے تو میں تمہاری مخالفت نہ کرتا) یعنی جب تم دونوں کی دو رائیں ہیں اور اکثریت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہے تو مجبوراً میں نے صدیق کی رائے قبول کی ـــــ اس ارشاد سے ظاہر ہوتا ہے کہ خود آنحضور ﷺ کے نزدیک زیادہ مناسب رائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تھی، چنانچہ روایات میں ہے کہ آنحضور ﷺ صحابہ سے مشورہ کرنے کے بعد فیصلہ کئے بغیر مکان میں تشریف لے گئے، لوگوں میں خوب قیاس آرائیاں ہوئیں، کسی کا خیال تھا کہ آپ صدیق اکبر اور جمہور کی رائے کا احترام کریں گے اور فدیہ لے کر قیدیوں کو رہا کرنے کا حکم عنایت فرمائیں گے، کوئی کہتا تھا کہ فاروق اعظم کی رائے قبول فرمائیں گے ـــــ ان تمام واقعات سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کو جمہور کا مشورہ قبول کرنے میں شرح صدر حاصل نہ تھا۔ آپ کے نزدیک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے پسندیدہ تھی لیکن مشکل یہ تھی کہ جمہور کا مشورہ اس کے خلاف تھا اور بڑی بات یہ تھی کہ صدیق اکبر بھی جمہور کے ہم نوا تھے۔ اس لئے بالآخر آپ نے تشریف لا کر فدیہ لینے کا فیصلہ صادر فرمایا جس پر عتاب آمیز وحی نازل ہوئی کہ اے مسلمانو! تم نے نبی ﷺ کو قیدیوں سے فدیہ لے کر چھوڑ دینے کا جو مشورہ دیا وہ مناسب نہ تھا کیونکہ ـــــ کسی بھی نبی کی شایان شان یہ بات نہیں ہے کہ اس کے قیدی باقی رہیں جب تک کہ وہ زمین میں اچھی طرح قتل نہ کرلے ـــــ اور دشمن کی شوکت کو خاک میں نہ ملادے کیونکہ جہاد کا مقصد فساد کا خاتمہ کرنا ہے اور یہ مقصد اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے جب کفار کی شوکت ٹوٹ جائے اُس سے پہلے دشمن کے قیدیوں کو زندہ چھوڑ دینا مناسب نہیں ـــــ اس آیت سے یہ ضابطہ واضح ہوا کہ جب تک دشمن کی شوکت برباد نہ ہولے نرمی کا برتاؤ جائز نہیں، ورنہ یہ نرم برتاؤ وبال جان اور سوہان روح ثابت ہوسکتا ہے۔

جب دشمن کی شوکت ختم ہوجائے تو پھر نرم برتاؤ کی گنجائش ہے

سورۂ محمد (ﷺ) میں ارشاد ربانی ہے:

﴿ فَاِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً حَتّٰی تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ﴾

ترجمہ: جب جنگ میں تمہارا کافروں سے مقابلہ ہوجائے تو اُن کی گردنیں مارو، یہاں تک کہ جب اچھی طرح قتل کرکے ان کی قوت وشوکت توڑ چکو تو پھران کو قید کرکے مضبوط باندھو، پھر یا تو اُن پر احسان کرکے بغیر کسی معاوضہ کے آزاد کردو یا فدیہ (بدلہ) لے کر چھوڑ دو، یہاں تک کہ جنگ اپنے ہتھیار رکھ دے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت میں قیدیوں کے بارے میں مسلمانوں کو چار اختیارات دیئے گئے ہیں:

(۱) چاہیں تو سب کو قتل کردیں۔ (۲) چاہیں تو غلام بنالیں۔ (۳) چاہیں تو فدیہ لے کر چھوڑ دیں۔ (۴) اور چاہیں تو بغیر فدیہ لئے ہی آزاد کردیں۔

ابتدائے جنگ میں فدیہ لینے کی ممانعت کی وجہ

آگے ان صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے خطاب ہے جنھوں نے فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑ دینے کی رائے دی تھی —— تم تو دنیا کا مال واسباب چاہتے ہو —— اسی لئے ہمارے رسول کو نامناسب مشورہ دیا —— اور اللہ تعالیٰ آخرت (کی مصلحت) چاہتے ہیں —— کہ دشمن کی قوت وشوکت ٹوٹ جائے اور مفسد قسم کے دشمنوں کا صفحۂ ہستی پر وجود نہ رہے تاکہ ہدایت اور اسلام کا نور آزادی سے پھیلے اور لوگ بے روک ٹوک بکثرت اسلام کے حلقہ بگوش بنیں اور جہنم کے دائمی عذاب سے چھٹکارہ حاصل کریں —— اور (تمہاری آرزو بہر صورت پوری ہوتی کیونکہ) اللہ تعالیٰ بڑے زبردست بڑی حکمت والے ہیں —— وہ فتوحات کی کثرت سے تمہیں مالا مال کردیتے۔

بدر کے قیدیوں کے بارے میں جو صورت اختیار کی گئی وہ سنگین تھی، تاہم زرِ فدیہ حلال ہے:

آگے یہ واضح کیا جارہا ہے کہ قیدیوں کے سلسلہ میں تم نے جو صورت اختیار کی تھی وہ بڑی سنگین تھی —— اگر اللہ تعالیٰ کا ایک نوشتہ پہلے سے نہ ہوتا تو جو امر تم نے اختیار کیا ہے اس کے بارے میں تم پر کوئی بھاری عذاب واقع ہوجاتا —— اس ''نوشتہ'' سے کیا مراد ہے؟ حضرات مفسرین فرماتے ہیں کہ ان قیدیوں میں سے بہت سوں کی قسمت میں مسلمان ہونا مقدر تھا۔ چنانچہ وہ کچھ دن کے بعد مسلمان ہوگئے اور اس طرح کوئی فساد رونما نہ ہوا اور معاملہ کی سنگینی ختم ہوگئی —— ورنہ یہ ستر قیدی رہا ہونے کے بعد اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نہ معلوم کیا آفت کھڑی کرتے اور اسلام کے درخت کے لئے جو ابھی تک ایک نونہال تھا معمولی آفت بھی جان لیوا ثابت ہوتی۔ معاملہ کا دوسرا پہلو وہ تھا جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مال غنیمت تم سے پہلے کسی امت کے لئے حلال نہیں تھا۔ بدر کے دن جب مسلمان مال غنیمت جمع کرنے لگے حالانکہ ابھی تک ان کے لئے مال غنیمت حلال

نہیں کیا گیا تھا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی ـــــ یعنی مال غنیمت کے حلال ہونے کا حکم نازل ہونے سے پہلے مسلمانوں کا یہ اقدام ایسا گناہ تھا کہ اس پر عذاب آجانا چاہئے تھا لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم لوح محفوظ میں لکھا جاچکا تھا کہ اس امت کے لئے مال غنیمت حلال کیا جائے گا اس لئے مسلمانوں کی اس خطا پر عذاب نازل کرنے کے بجائے غنیمت کے حلال ہونے کا حکم نازل کیا گیا۔ارشاد ہے ـــــ سو جو کچھ تم نے غنیمت میں پایا ہے اس کو حلال پاک سمجھ کر کھاؤ ـــــ دل میں کوئی تنگی محسوس نہ کرو۔ یہ خیال نہ کرو کہ غنیمت کے حلال ہونے کا حکم تو اب آیا ہے اور یہ مال تو اس سے پہلے بے ضابطہ حاصل کیا گیا ہے ـــــ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو ـــــ کیونکہ مال غنیمت جو حلال کیا گیا ہے وہ خاص اصول وضوابط کے ماتحت حلال کیا گیا ہے اس میں خیانت یا کسی بھی طرح کی بدعنوانی بہت بڑا جرم ہے ـــــ بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشش فرمانے والے، بڑی مہربانی فرمانے والے ہیں ـــــ اگر کبھی مال غنیمت کے بارے میں غلطی سرزد ہوجائے یا کوئی گناہ ہوجائے تو فوراً اللہ تعالیٰ کے سامنے سچی توبہ کرو، وہ ضرور بخش دے گا۔

غنیمت اور مالِ فئ کی حلت کی وجہ

پہلی امتوں کے لئے غنیمت حلال نہیں تھی۔ ہماری شریعت میں حلال کی گئی۔اور حدیث میں اس کی دو وجہیں بیان کی گئی ہیں:

پہلی وجہ: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری کمزوری دیکھی پس ہمارے لئے مال غنیمت کو حلال کیا۔متفق علیہ روایت ہے: **ذلک بأنه رأی ضَعْفَنَا وَعَجْزَنَا فَطَيَّبَهَا لنا**: وہ بات یعنی غنیمت کی حلّت بایں وجہ ہے کہ اللہ نے ہماری کمزوری اور بے طاقتی دیکھی پس اس کو ہمارے لئے طیب کردیا (مشکوۃ، کتاب الجہاد، باب قسمۃ الغنائم، حدیث نمبر ۳۹۸۵)

دوسری وجہ: یہ ہے کہ غنیمت کی حلّت ہمارے نبی ﷺ کی دیگر انبیاء پر اور آپ کی امت کی دیگر امتوں پر برتری کے قبیل سے ہے مسلم شریف میں روایت ہے: آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں چھ باتوں کے ذریعہ دوسرے انبیاء پر برتری دیا گیا ہوں۔ان میں تیسری بات یہ بیان فرمائی ہے کہ میرے لئے غنیمت کو حلال کیا گیا ہے (مشکوۃ، کتاب الفضائل، باب فضائل سید المرسلین حدیث نمبر ۵۷۴۸) اور نبی کی برتری میں امت کی برتری مضمر ہوتی ہے۔

اور دونوں وجہوں کی دلیلیں دو ہیں:

پہلی دلیل: یہ ہے کہ آپ ﷺ سے پہلے انبیاء مخصوص اقوام کی طرف مبعوث کئے جاتے تھے۔جن کی تعداد محدود ہوتی تھی۔جن کے ساتھ جہاد سال دو سال میں نمٹ سکتا تھا اور وہ امتیں طاقتور تھیں۔جہاد اور ذرائع معاش کو ایک ساتھ جمع کرسکتی تھیں۔اس لئے ان کے لئے مال غنیمت کو حلال کرنے کی ضرورت نہیں تھی اور یہ بات بھی پیش نظر تھی کہ ان کا عمل

جہاد کسی دنیوی غرض کے ساتھ ملوّث نہ ہو، تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ اجر کے مستحق ہوں —— اور ہمارے نبی ﷺ کی بعثت تمام لوگوں کی طرف ہوئی ہے۔ جن کی تعداد غیر محدود ہے۔ اوران کے ساتھ جہاد کرنے کا کوئی وقت بھی متعین نہیں ہے۔ کیونکہ جہاد قیامت تک جاری رہنے والا ہے اور آپ کی امت اپنی کمزوری اور بے طاقتی کی وجہ سے جہاد اور ذرائع معاش کو جمع کرنے پر قادر نہیں ہے اس لئے ضرورت تھی کہ آپؐ کی امت کے لئے مالِ غنیمت کو حلال کیا جائے۔ چنانچہ اس شریعت میں حلت نازل ہوئی۔

دوسری دلیل: یہ ہے کہ چونکہ آپ ﷺ کی دعوت عام ہے، اس لئے آپؐ کی امت میں کمزور نیت کے لوگ بھی شامل ہیں۔ جن کے بارے میں متفق علیہ روایت میں آیا ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ اس دین کو بدکار آدمی کے ذریعہ (بھی) قوی کرتے ہیں'' (بخاری، کتاب الجہاد باب ۱۸۲ حدیث نمبر ۳۰۶۲) —— اور یہ بدعمل لوگ تین وجہ سے جہاد کرتے ہیں:

(الف) کسی دنیوی غرض سے، جیسے عصبیت (جانب داری کے جذبہ) سے، بہادری کے جوہر دکھانے کے لئے یا مال غنیمت کے لالچ میں۔

(ب) اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ ان بدکار مسلمانوں پر فضل فرمائیں جہاد کے ذریعہ ان کے گناہ دھودیں یا ان کی زندگیاں پلٹ دیں یعنی ان میں سے جو شہید ہوں گے۔ حقوق العباد کے علاوہ ان کے تمام گناہ معاف ہوجائیں گے۔ مسلم شریف میں روایت ہے کہ کافر اور اس کا قاتل دوزخ میں کبھی جمع نہیں ہوسکتے (مشکوٰۃ، کتاب الجہاد، حدیث نمبر ۳۷۹۵) اور مسلم شریف ہی میں یہ روایت بھی ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے بیان فرمایا کہ جہاد فی سبیل اللہ اور ایمان باللہ تمام اعمال میں سب سے افضل ہیں۔ ایک صحابی نے کھڑے ہوکر دریافت کیا: یارسول اللہ! بتلائیں: اگر میں راہ خدا میں قتل کیا جاؤں تو میرے گناہ معاف کردیئے جائیں گے؟ آپؐ نے فرمایا: ''ہاں، بشرطیکہ تم راہِ خدا میں مارے جاؤ اور تم صبر کرنے والے ہو، ثواب کی امید رکھنے والے ہو، آگے بڑھنے والے ہو، پیٹھ پھیرنے والے نہ ہو'' پھر آپؐ نے فرمایا: ''تم نے کیا پوچھا؟'' انھوں نے وہی سوال دُہرایا تو آپؐ نے وہی جواب دیا مگر قرضہ کو مستثنیٰ کیا اور فرمایا کہ جبرئیل نے مجھے ابھی یہ بات بتلائی ہے (مشکوٰۃ حدیث نمبر ۳۸۰۵)

اور ان بدکاروں میں سے جو جنگ میں ظفریاب ہوتے ہیں، تجربہ یہ ہے کہ ان کی زندگیاں صحیح رخ پر پڑجاتی ہیں اور یہ جہاد کی برکت ہے اور اللہ تعالیٰ کا اُن بدعمل مسلمانوں پر فضل خاص ہے۔

(ج) جب اللہ تعالیٰ کا غصہ کافروں پر بھڑکتا ہے تو جہاد جاری ہوتا ہے اور یہ بدکار مسلمان بھی دوسروں کے ساتھ میدان کارزار میں نکل آتے ہیں اور اللہ کے مقصد کی تکمیل میں آلۂ کار بن جاتے ہیں۔ اور کافروں سے اللہ تعالیٰ کی شدید

ناراضگی کا تذکرہ مسلم شریف کی روایت میں آیا ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کی طرف دیکھا تو ان سے سخت ناراض ہوئے: عربوں سے بھی اور عجمیوں سے بھی بجز چند بچے کھچے اہل کتاب کے'' (جو صحیح دین پر قائم تھے)

(مسلم شریف، کتاب الجنة، باب الصفات التی یعرف إلخ جلد ۱۷ صفحہ ۱۹۷ مصری)

اور اللہ تعالیٰ کی اس ناراضگی کی وجہ سے کفار کے جان و مال کی عصمت بالکلیہ ختم ہوجاتی ہے اور ضروری ہوجاتا ہے کہ ان کے اموال میں تصرف کرکے ان کو غصہ سے آگ بگولہ کردیا جائے اور اسی مقصد سے آنحضرت ﷺ ابوجہل کا اونٹ جو بدر کے مال غنیمت میں حاصل ہوا تھا اور جس کی ناک میں چاندی کا حلقہ پڑا ہوا تھا حدیبیہ کے سال بطور ہدی لے گئے تھے (رواہ ابوداؤد، مشکوۃ کتاب المناسک، باب الہدی، حدیث نمبر ۲۶۴۰) اور اسی مقصد سے بنونضیر کے کھجور کے باغات کو کاٹنے کی اجازت دی تھی تاکہ ان کے مالکان غصہ سے بھر جائیں۔ سورۃ الحشر کی آیت ۵ اسی سلسلہ میں نازل ہوئی ہے۔ اور اسی مقصد سے اس امت کے لئے کفار کے اموال بطور غنیمت حلال کئے گئے ہیں۔

آغاز اسلام میں کفار سے لڑنا جائز نہیں تھا۔ کیونکہ اس وقت نہ کوئی لشکر تھا نہ حکومت وجود میں آئی تھی۔ پھر جب آپؐ نے ہجرت فرمائی اور مسلمان ہر طرف سے سمٹ کر مدینہ میں جمع ہوئے اور حکومت قائم ہوگئی اور مسلمان اللہ کے دشمنوں سے جنگ کرنے پر قادر ہوگئے تو اللہ پاک کا یہ ارشاد نازل ہوا: ''ان لوگوں کو لڑنے کی اجازت دی گئی جن سے لڑائی کی جاتی ہے۔ اس وجہ سے کہ ان پر ظلم کیا گیا ہے اور بیشک اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرنے پر ضرور قدرت رکھتے ہیں''

يَآأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيٓ أَيْدِيكُمْ مِّنَ الْأَسْرَىٰٓ إِنْ يَّعْلَمِ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ أُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ وَإِنْ يُّرِيدُوا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللَّهَ مِنْ قَبْلُ فَأَمْكَنَ مِنْهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝۷۱

يَآأَيُّهَا النَّبِيُّ	اے پیغمبر (ﷺ)	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	أُخِذَ	لیا گیا
قُلْ	فرمادیجئے	فِي قُلُوبِكُمْ	تمہارے دلوں میں	مِنْكُمْ	تم سے
لِّمَنْ	ان لوگوں سے جو	خَيْرًا	کچھ نیکی	وَيَغْفِرْ	اور بخشیں گے
فِيٓ أَيْدِيكُمْ	تمہارے ہاتھ میں ہیں	يُّؤْتِكُمْ	(تو) عطا فرمائیں گے تم کو	لَكُمْ	تم کو
مِّنَ الْأَسْرَىٰٓ	قیدیوں میں سے	خَيْرًا	بہتر	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
إِنْ يَّعْلَمِ	اگر جانیں گے	مِّمَّآ	اس سے جو	غَفُورٌ	بڑی مغفرت والے

رَّحِيْمٌ	بڑی رحمت والے ہیں	خَانُوا	دغا کر چکے ہیں وہ	مِنْهُمْ	ان پر
وَ اِنْ يُّرِيْدُوْا	اور اگر چاہیں گے وہ	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ سے	وَ اللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
خِيَانَتَكَ	آپ سے دغا کرنا	مِنْ قَبْلُ	اس سے پہلے	عَلِيْمٌ	خوب جاننے والے
فَقَدْ	تو تحقیق	فَاَمْكَنَ	پس قابو دیدیا اللہ نے	حَكِيْمٌ	بڑی حکمت والے ہیں

بدر کے جن قیدیوں سے فدیہ لیا گیا ان سے دو باتیں کہیں:

۱- اگر وہ مسلمان ہیں یا ہونگے تو زرِ فدیہ کا بہتر عوض ان کو مل جائے گا

۲- اور اگر وہ دھوکہ بازی کریں گے تو پھر گرفتار ہونگے اور سزا پائیں گے

بدر میں جو ستر قیدی ہاتھ آئے تھے انھیں جب فدیہ ادا کرنے کا حکم دیا گیا تو اُن میں سے بعض نے اپنے اسلام کا اظہار کیا جن میں آنحضور ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے ان لوگوں کا معاملہ زیرِ غور تھا کہ اُن سے فدیہ لیا جائے یا ویسے ہی چھوڑ دیا جائے اس سلسلہ میں فیصلہ سنایا جاتا ہے کہ فدیہ تو سب سے لیا جائے گا اگر اسلام ظاہر کرنے پر فدیہ معاف کردیا جائے گا تو احتمال ہے کہ فدیہ سے بچنے کے لئے اسلام کو بہانہ بنالیا جائے گا اس لئے فدیہ تو سب سے وصول کیا جائے گا پھر اگر انہوں نے دل سے اسلام ظاہر کیا ہے اور واقعۃً وہ مسلمان ہیں تو ان سے فرمادیجئے —— اے پیغمبر (ﷺ) آپ ان قیدیوں سے فرمادیجئے جو آپ کے قابو میں ہیں (کہ) اگر اللہ پاک کو تمہارے دلوں میں کچھ (بھی) نیکی کا اندازہ ہوا (تو) جو تم سے (فدیہ میں) لیا گیا ہے اس سے بہتر عطا فرمائے گا اور تمہاری بخشش فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت بڑی مہربانی فرمانے والا ہے —— یعنی اگر اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں کوئی خیر پائیں گے تو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے اس سے بہتر تمہیں دیں گے مزید یہ کہ تمہاری پچھلی خطائیں معاف فرمادیں گے اور اگر اسلام ظاہر کرنے کا مقصد دھوکہ دینا اور فدیہ سے جان بچانا ہے تو انھیں آگاہ فرمادیں —— اور اگر وہ آپ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں (تو اس سے آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا خود وہی ذلیل وخوار ہوں گے) تو وہ اس سے پہلے اللہ کے ساتھ دغا کر چکے ہیں جس پر اللہ نے انہیں گرفتار کرادیا (اور انھوں نے دھوکہ بازی کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا پس آئندہ بھی اگر دغا بازی کریں گے تو ایسی ہی سزا پائیں گے) اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے ہیں (وہ اللہ سے اپنی نیتوں کو چھپا نہیں سکتے) بڑی حکمت والے ہیں (جیسا مناسب ہوتا ہے معاملہ فرماتے ہیں) —— بہرحال یہ خیانت خود انھیں کے لئے مضر ثابت ہوگی اور وہی انجام کار ذلیل وخوار اور گرفتارِ عذاب ہوں گے اگر وہ مخالفت کرنے لگے تو اللہ کے قبضہ سے باہر

کہاں چلے جائیں گے؟! وہ پھر ان کو اسی طرح پکڑ لے گا۔

بدکار کی رسی اللہ پاک ڈھیلی کرتے ہیں جسے وہ اپنی کامیابی تصور کرتا ہے پھر جب اُس پر کامیابی کے غرور کا نشہ چڑھ جاتا ہے تو اللہ پاک کی سخت گرفت اُس کا کام تمام کر دیتی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۷۲﴾

اِنَّ الَّذِيْنَ	بے شک جو لوگ	اُولٰٓئِكَ	یہ لوگ	مِّنْ شَيْءٍ	کچھ بھی
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	بَعْضُهُمْ	ان کے بعض	حَتّٰى	یہاں تک کہ
وَهَاجَرُوْا	اور وطن چھوڑا	اَوْلِيَآءُ	دوست ہیں	يُهَاجِرُوْا	وہ ہجرت کریں
وَجٰهَدُوْا	اور لڑے	بَعْضٍ	بعض کے	وَاِنِ	اور اگر
بِاَمْوَالِهِمْ	اپنے اموال سے	وَ الَّذِيْنَ	اور جو لوگ	اسْتَنْصَرُوْكُمْ	وہ تم سے مدد چاہیں
وَ اَنْفُسِهِمْ	اور اپنی جانوں سے	اٰمَنُوْا	ایمان لائے	فِي الدِّيْنِ	دین کے معاملہ میں
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	اللہ کے راستے میں	وَلَمْ	اور نہ	فَعَلَيْكُمُ	تو تم پر لازم ہے
وَ الَّذِيْنَ	اور جن لوگوں نے	يُهَاجِرُوْا	ہجرت کی انھوں نے	النَّصْرُ	(ان کی) مدد کرنا
اٰوَوْا (۱)	ٹھکانہ دیا	مَا لَكُمْ	نہیں ہے تمہارے لئے	اِلَّا عَلٰى	مگر مقابلہ میں
وَّ نَصَرُوْٓا	اور مدد کی	مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ	ان کی دوستی میں سے	قَوْمٍ	(ان) لوگوں کے

(۱) آوَوْا: اِیْوَاءٌ سے ماضی، جمع مذکر غائب: انھوں نے جگہ دی ٹھکانہ دیا، اس کا مجرد: أَوَی (ض) أُوِيًّا فلاناً: پناہ دینا، اپنے پاس ٹھہرانا۔

تم کرتے ہو	تَعۡمَلُوۡنَ	عہد ہے	مِّيۡثَاقٌ	(کہ) تم میں	بَيۡنَكُمۡ
خوب دیکھنے والے ہے	بَصِيۡرٌ	اور اللہ تعالیٰ جو کچھ	وَ اللّٰهُ بِمَا	اوران میں	وَبَيۡنَهُمۡ

مسلمان قیدیوں کا بھی فدیہ معاف نہیں کیا، اس لئے کہ وہ ہجرت کر کے مدینہ نہیں آئے

اسلام ظاہر کرنے والے قیدیوں سے فدیہ وصول کرنے کے سلسلہ میں پچھلی آیت میں جو حکم بیان فرمایا گیا ہے اس سے دل میں یہ کھٹک ضرور پیدا ہوسکتی ہے کہ آخر اپنوں کے ساتھ ایسا برتاؤ کیوں؟ بعض قیدیوں نے تو یہ بھی ظاہر کیا تھا کہ ہم پہلے سے مسلمان ہو چکے ہیں۔ مکہ والے زبردستی ہمیں جنگ میں گھسیٹ لائے ہیں آنحضور ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے یہی عرض کیا تھا کہ كُنۡتُ مُسۡلِمًا وَلٰكِنِ اسۡتَكۡرَهُوۡنِیۡ (روح المعانی) میں تو مسلمان تھا لیکن مکہ والے مجھے زبردستی گھسیٹ لائے ہیں —— اس الجھن کا جواب دیا جاتا ہے کہ چونکہ ہجرت (وطن چھوڑ کر مدینہ آجانا) فرض ہے اس لئے جو لوگ اس فرض کو ادا نہیں کررہے ہیں انکے ساتھ مسلمانوں کا دوستی کا تعلق نہیں ہے اگر تم پہلے سے مسلمان تھے تو ہجرت کر کے مدینہ کیوں نہیں آگئے؟ اب جبکہ تم برسرپیکار ہوگئے، اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں مسلمانوں کے قبضہ میں کردیا تو اب باتیں بنانے سے کیا فائدہ؟! ارشاد ہے —— جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے وطن چھوڑا اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا اور وہ لوگ جنھوں نے (مہاجرین کو) رہنے کے لئے جگہ دی اور مدد کی بیشک یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے ولی (دوست اور رفیق) ہیں —— ان کے باہمی تعلقات ہر رشتے ناطے سے زیادہ قوی ہیں، اسی وجہ سے حضور پاک ﷺ نے ان مہاجرین اور انصار کے درمیان بھائی چارہ کیا تھا اور اسی بھائی چارہ کی بنیاد پر شروع اسلام میں میراث تقسیم ہوتی تھی، قرابت اور رشتہ داری کی وجہ سے مہاجر اور غیر مہاجر میں میراث جاری نہیں کی جاتی تھی —— اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے وطن نہ چھوڑا تمہارا ان کے ساتھ ولایت (اور رفاقت) کا کچھ بھی تعلق نہیں جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں —— کیونکہ مدنی زندگی کے شروع میں بہت نازک وقت تھا۔ اسلام کی موت وحیات کا مسئلہ درپیش تھا اور مسلمان نصرت واعانت کے محتاج تھے اسی لئے تمام ایمان لانے والوں پر ہجرت فرض کی گئی تھی۔ ایسے کٹھن وقت میں جو حضرات ایمان تو لائے لیکن وطن، گھربار، اعزاء واقرباء کو چھوڑ کر مدینہ نہیں آئے۔ اور اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد نہیں کیا ان سے تعلق کیسا؟ ان سے رفاقت اور دوستی کیا معنی رکھتی ہے؟ وہ تو امن وسلامتی سے اپنے گھروں میں اہل وعیال کے ساتھ مزے اڑائیں، مسلمانوں کا پریشانیوں میں کوئی ہاتھ نہ بٹائیں، پھر بھی ان کے ساتھ رواداری کا برتاؤ کیا جائے یہ کیسے ممکن ہے؟! لہٰذا اگر تم پہلے سے مسلمان ہو چکے ہو تو بھی فدیہ ادا کرنا ہوگا اس سلسلہ میں تمہارے ساتھ مراعات والا کوئی برتاؤ نہیں کیا جائے گا۔

ہجرت نہ کرنے والے مسلمانوں کی بھی امداد ضروری ہے،
مگر معاہد قوم کے مقابلہ میں امداد نہ کی جائے گی

لیکن ان احکام سے کہیں یہ خیال نہ کرلیا جائے کہ فریضۂ ہجرت کو ترک کرنے والے وہ مسلمان کافر ہیں ان کے ساتھ ہر جگہ کافروں والا برتاؤ کرنا چاہئے نہیں! بلکہ وہ مسلمان ہیں اگر وہ ہجرت کرنے والے مسلمانوں سے نصرت وامداد کے طالب ہوں تو مہاجر مسلمانوں پر ان کی امداد کرنا ضروری ہے ارشاد ہے —— اور اگر وہ (ہجرت نہ کرنے والے مسلمان) تم (ہجرت کرنے والے مسلمانوں) سے دین (کی حفاظت) کے لئے مدد طلب کریں تو تمہارے ذمہ ان کی امداد کرنا واجب ہے مگر (اس کی وجہ سے اصول عدل وانصاف اور پابندیٔ معاہدہ کو بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہئے۔ پس اگر وہ تم سے کسی) ایسی قوم کے مقابلہ میں (امداد طلب کریں) جن سے تمہارا (ناجنگ) معاہدہ ہو چکا ہے —— تو اس قوم کے مقابلہ میں اُن مسلمانوں کی بھی امداد کرنا جائز نہیں کیونکہ اس قوم سے مسلمانوں کا التواء جنگ کا معاہدہ ہو چکا ہے اور اسلام میں عدل وانصاف اور معاہدہ کی پابندی ایک اہم فریضہ ہے۔

یہاں ہم اسلام کی تابناک تاریخ کا ایک دلدوز واقعہ لکھتے ہیں جس سے ہمیں آیت پاک میں بیان ہونے والے حکم کا مقصد سمجھنے میں کافی مدد ملے گی ۶ھ میں حدیبیہ کے مقام پر مسلمانوں نے مکہ کے کافروں سے صلح کی تھی۔ اس چھ نکاتی صلح نامہ میں ایک دفعہ یہ تھی کہ مکہ سے کوئی کافر یا مسلمان مدینہ آئے تو اُسے واپس کر دیا جائے گا لیکن اگر کوئی مسلمان مکہ میں چلا جائے تو وہ واپس نہیں کیا جائے گا۔

صلح نامہ ابھی تکمیل کے مراحل سے گذر رہا تھا کہ حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ جو اسلام لانے کے جرم میں پابند سلاسل کر دیئے گئے تھے اور مکہ میں طرح طرح کی اذیتیں برداشت کر رہے تھے کسی طرح بھاگ کر پابہ زنجیر آنحضور ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے اور سب کے سامنے گر پڑے۔ کفار نے کہا: شرائط صلح کی تعمیل کا یہ پہلا موقع ہے، ابوجندل کو شرط کے مطابق واپس دے دو۔ آنحضور ﷺ نے کافروں کو ہر طرح سمجھایا مگر انھوں نے مان کر نہیں دیا مجبوراً آنحضور ﷺ نے ابوجندل کو کافروں کے حوالہ کر دیا اور ابوجندل کا سنگ دل باپ سہیل وہیں سے انھیں مارتا ہوا مکہ کی طرف لے چلا۔ اس نظارہ کو دیکھ کر تمام مسلمان تڑپ اٹھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ضبط نہ کر سکے۔ آنحضور ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا: یارسول اللہ کیا آپ برحق پیغمبر نہیں ہیں؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک میں برحق پیغمبر ہوں۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا: کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں ہم حق پر ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ پھر ہم دین کے معاملہ میں ایسی ذلت کیوں گوارا کریں؟ آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں اللہ کا رسول ہوں اس

کے حکم کی مخالفت اور بدعہدی نہیں کرسکتا، اللہ میری مدد کرے گا ــــ غور کا مقام ہے دین کی حفاظت کے لئے ابوجندل مسلمانوں سے مدد چاہتے ہیں، اپنے درد کا دُکھڑا سناتے ہیں سب کے دل جوش سے لبریز ہیں اگر آنحضور ﷺ کا اشارہ ہو جاتا تو تلواریں آگ برسانے لگتیں دوسری طرف معاہدہ پر دستخط ہو چکے ہیں اور ایفائے عہد کی ذمہ داری ہے بہت کڑا امتحان ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد سامنے ہے ــــ اور اللہ پاک جو کچھ تم کر رہے ہو اسے خوب دیکھنے والا ہے ــــ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوجندل کی طرف دیکھا اور ارشاد فرمایا "ابوجندل! صبر سے کام لو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اور دیگر مظلوموں کے لئے کوئی راہ نکالے گا۔ صلح اب ہو چکی ہے اور ہم ان لوگوں سے بدعہدی نہیں کرسکتے!" (سیرۃ ابن ہشام)

وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ﴿۷۳﴾

وَ الَّذِيْنَ	اور جن لوگوں نے	بَعْضٍ	بعض کے	فِتْنَةٌ	فتنہ
كَفَرُوْا	کفر کی راہ اختیار کی	اِلَّا	اگر نہ	فِي الْاَرْضِ	زمین میں
بَعْضُهُمْ	ان کے بعض	تَفْعَلُوْهُ	کروگے تم یہ	وَفَسَادٌ	اور خرابی
اَوْلِيَآءُ	دوست ہیں	تَكُنْ	(تو) ہو جائے گا	كَبِيْرٌ	بڑی

ہجرت کی فرضیت اور اہمیت کی وجہ

پچھلی آیت میں ہجرت پر جو اس قدر زور دیا گیا ہے اس کی وجہ اس آیت میں سمجھائی جارہی ہے ــــ اور جن لوگوں نے کفر کی روش اختیار کی یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے ولی (دوست اور رفیق) ہیں ــــ کافر، کافر کا رفیق اور وارث ہے بلکہ تم سے دشمنی کرنے میں سب کفار ایک آواز ہیں، جہاں پائیں گے ضعیف مسلمانوں کو ستائیں گے لہٰذا اگر مسلمان ایک دوسرے کے رفیق اور مددگار نہ ہوں گے، اور تمام مسلمان ہجرت کر کے کسی ایک مرکز میں اکٹھا نہ ہوں گے اور کمزور مسلمان ہجرت کر کے آزاد مسلمانوں کی رفاقت حاصل کرنے کی کوشش نہیں کریں گے تو سخت خرابی اور فتنہ بپا ہوگا۔ ارشاد ہے ــــ اگر تم وہ کام (مدینہ کی طرف ہجرت) نہ کروگے تو زمین میں فتنہ اور بڑی خرابی ہوگی ــــ کمزور مسلمان مامون نہ رہ سکیں گے ان کا ایمان خطرہ میں پڑ جائے گا۔

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۴﴾ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ

وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِىْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۵﴾ ع

وَ الَّذِيْنَ	اور جولوگ	حَقًّا	سچے پکے	فَاُولٰٓئِكَ	سو وہ لوگ
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	لَهُمْ	ان کے لئے	مِنْكُمْ	تم میں سے (ہیں)
وَ هَاجَرُوْا	اور وطن چھوڑا	مَّغْفِرَةٌ	بخشش (ہے)	وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ	اور قرابت والے
وَ جٰهَدُوْا	اور جہاد کیا انھوں نے	وَّرِزْقٌ	اور روزی (ہے)	بَعْضُهُمْ	ان کے بعض
فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	خدا کے راستے میں	كَرِيْمٌ	عزت والی	اَوْلٰى	زیادہ حقدار (ہیں)
وَ الَّذِيْنَ	اور جن	وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	اور جو ایمان لائے	بِبَعْضٍ	بعض کے
اٰوَوْا	لوگوں نے جگہ دی	مِنْۢ بَعْدُ	اس کے بعد	فِىْ كِتٰبِ اللّٰهِ	حکم خداوندی میں
وَّ نَصَرُوْٓا	اور مدد کی	وَهَاجَرُوْا	اور گھر چھوڑا	اِنَّ اللّٰهَ	تحقیق اللہ تعالیٰ
اُولٰٓئِكَ	وہ لوگ	وَجٰهَدُوْا	اور جہاد کیا	بِكُلِّ شَىْءٍ	ہر چیز سے
هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ	ہی ایمان والے (ہیں)	مَعَكُمْ	تمہارے ساتھ ہو کر	عَلِيْمٌ	واقف ہیں

ہجرت میں ڈھیل کرنے والے مسلمانوں کو ہجرت کرنے پر آمادہ کرتے ہیں

ان آیات میں سے پہلی آیت میں، ہجرت کرنے والے نیز ان کی امداد کرنے والے مسلمانوں کے فضائل کا بیان ہے اور ہجرت کرنے میں کوتاہی کرنے والے مسلمانوں کی ایک نفسیاتی الجھن کا حل پیش کیا گیا ہے کہ اگر ہم وطن، گھر بار اور کاروبار کو خیر باد کہہ کر کسی اجنبی جگہ جا بسیں گے تو ہماری معیشت کا کیا ہوگا؟ ہم کیا کھائیں گے پئیں گے؟ ان کی اس الجھن کا تشفی بخش حل پیش کیا جا رہا ہے۔ آیت پاک کا مقصد ہجرت کرنے میں ڈھیل کرنے والے مسلمانوں کو ہجرت کرنے پر آمادہ کرنا ہے۔ انھیں مہاجرین کے فضائل ومناقب سنا کر ہجرت کی ترغیب دی جا رہی ہے، ارشاد ہے —— اور جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے گھر بار اور وطن چھوڑا اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ لوگ جنھوں نے (مہاجرین کو) رہنے کے لئے جگہ دی اور ان کی مدد کی، وہی سچے پکے مسلمان ہیں —— لہٰذا جو لوگ مسلمان تو ہو چکے ہیں لیکن کسی وجہ سے اب تک ہجرت نہیں کر سکے ہیں انھیں پہلی فرصت میں ہجرت کر لینا چاہئے تا کہ سچے مسلمانوں کی فہرست میں ان کا نام بھی درج ہو جائے —— ان کے لئے بخشش و مغفرت اور عزت کی روزی ہے —— ہجرت کرنے میں انھوں نے جو ڈھیل

کی ہے، اللہ پاک ان کی یہ خطا بخش دیں گے۔ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ:

اَلاِسْلَامُ یَهْدِمُ مَا کَانَ قَبْلَهٗ وَالْهِجْرَةُ تَهْدِمُ مَا کَانَ قَبْلَهَا۔

ترجمہ: مسلمان ہو جانا پچھلے سب گناہوں کو ڈھا دیتا ہے، اسی طرح ہجرت کرنا پچھلے سب گناہوں کو ختم کر دیتا ہے۔

اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو باعزت روزی ملے گی وہ بھوکے نہیں مریں گے۔ سورۃ النساء آیت (نمبر ۱۰۰) میں ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً﴾

ترجمہ: اور جو شخص اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا اسے وافر زمین اور بہت گنجائش ملے گی۔

تاخیر سے ہجرت کرنے والے مسلمان بھی دنیوی احکام میں مہاجرین اولین کے مانند ہیں اور اب میراث رشتہ داری کی بنیاد پر تقسیم ہوگی

اس کے بعد دوسری آیت میں یہ بات واضح کی جارہی ہے کہ تاخیر سے ہجرت کرنے والے بھی دنیوی احکام میں مہاجرین اولین کے مانند ہیں اگرچہ اخروی مراتب میں مہاجرین اولین اور آخرین میں آسمان وزمین کا فرق ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں ـــــ اور جو لوگ زمانۂ مابعد میں ایمان لائے اور ہجرت (بھی) کی اور تمہارے ساتھ ہو کر جہاد (بھی) کیا تو وہ لوگ تمہارے ہی شمار میں ہیں ـــــ یعنی یہ مابعد زمانہ میں ایمان لانے والے اور ہجرت کرنے والے بھی تمہارے ہی زمرہ میں شامل ہیں۔ اس لئے وراثت کے احکام میں بھی انکا حکم عام مہاجرین کی طرح ہے۔ ارشاد ہے ـــــ اور (مہاجرین اولین کے) رشتہ دار کتاب اللہ (حکم الٰہی) میں ایک دوسرے (کی میراث) کے (بہ نسبت غیر رشتہ داروں کے) زیادہ حق دار ہیں ـــــ اور ہجرت کے بعد مدنی زندگی کے آغاز میں میراث کے متعلق جو حکم دیا گیا تھا کہ اس کی تقسیم بھائی چارہ کی بنیاد پر کی جائے وہ ایک وقتی حکم اور خاص حالت کے لئے تھا جبکہ اکثر مہاجرین کے رشتہ دار مسلمان نہیں ہوئے تھے یا ہجرت کر کے مدینہ شریف نہیں آئے تھے ـــــ اب جبکہ اکثر مہاجرین کے رشتہ دار مسلمان ہو کر یا ہجرت کر کے مدینہ آگئے ہیں تو اگرچہ وہ فضل ورتبہ میں ہجرت کرنے میں تاخیر کرنے کی وجہ سے مہاجرین سابقین کے ہم پلہ نہیں ہیں، لیکن قرابت داری کی وجہ سے مہاجرین کی میراث کے وہی زیادہ حق دار ہیں اس لئے وہ وقتی حکم ختم کر کے اس کی جگہ اب دوسرا دائمی حکم دیا جاتا ہے کہ اب سے میراث کی تقسیم بھائی چارہ کی بنیاد پر نہیں بلکہ عزیز داری کی بنیاد پر ہوگی ـــــ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں ـــــ اس لئے ہر وقت کی مصلحت کے مطابق حکم نازل فرماتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ التوبہ

نمبر شمار ۹ نزول کا نمبر ۱۱۳ نزول کی نوعیت مدنی رکوع ۱۶ آیات ۱۲۹

سورت کے تین ناموں کی وجہ تسمیہ: روح المعانی میں اس سورت کے تیرہ نام لکھے ہیں، ان میں سے مشہور نام تین ہیں:

(۱) سورۂ براءت: وہ سورت جس میں کفار سے بے تعلقی کا بیان ہے، اس نام کی وجہ ظاہر ہے، اس میں کفار سے براءت یعنی بیزاری کا اعلان ہے۔

(۲) سورۃ التوبہ: یہ نام اس لئے ہے کہ اس میں تین مخلص مسلمانوں کی توبہ کی قبولیت کا بیان ہے (آیت ۱۱۸)

(۳) سورۃ الفاضحہ: رسوا کرنے والی سورت۔ یہ نام اس لئے ہے کہ اس میں منافقین کے پول کھولے گئے ہیں، اس سورت نے ان کی دسیسہ کاری کا بھانڈا پھوڑ کر رکھ دیا ہے۔

سورت کی اہمیت: یہ سورت قرآن پاک کی بہت ہی اہم سورت ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی قلم رو میں ایک گشتی حکم جاری فرمایا تھا کہ ''سورۂ براءت سیکھو اور اپنی مستورات کو سورۂ نور سکھاؤ'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فرمان سے ہم اس سورت کی اہمیت کا اچھی طرح اندازہ کر سکتے ہیں۔ اس سورت کی خاص اہمیت کے پیش نظر ہی حضرت عمرؓ نے اس کے سیکھنے کا خصوصیت سے حکم دیا ہے۔

یہ سورت ایک آئینہ ہے جس میں ہر مسلمان اپنی صورت دیکھ سکتا ہے اسے اپنی سیرت کے تمام بدنما داغ اس آئینہ میں نظر آئیں گے۔ نیک بخت اور سمجھ دار مسلمان وہ ہے جو اپنی اصلاح کی فکر کرے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ اس نقطۂ نظر سے ہم اس سورت کو پڑھیں گے اور اگر اپنے اندر کوئی بات اسلامی زندگی کے خلاف محسوس کریں گے تو پہلی فرصت میں اس کی اصلاح کریں گے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم اپنی خرابیاں اس آئینہ میں دیکھ لینے کے بعد بھی اپنی اصلاح کے لئے کوئی قدم نہ اٹھائیں اور موقع ہاتھ سے ضائع کر دیں۔

انفال و براءت کے درمیان بسم اللہ نہ لکھنے کی وجہ

اس سورت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کے شروع میں بسم اللہ نہیں لکھی گئی، اس کی وجہ ترمذی شریف کی حدیث

میں آئی ہے، جو درج ذیل ہے:

حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کس چیز نے آپ حضرات کو ابھارا کہ آپ لوگوں نے انفال کا قصد کیا — درانحالیکہ وہ مثانی میں سے ہے — اور براءت کا قصد کیا — درانحالیکہ وہ مئین میں سے ہے — پس آپ حضرات نے دونوں کو ملایا، اور ان کے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی سطر نہیں لکھی، اور آپ حضرات نے ان کو لمبی سات سورتوں میں رکھا؟ کس چیز نے آپ حضرات کو ایسا کرنے پر ابھارا؟ پس حضرت عثمانؓ نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے کہ بیت جاتا تھا آپ پر زمانہ، درانحالیکہ آپؐ پر متعدد سورتیں اتاری جاتی تھیں، یعنی متعدد سورتوں کے نزول کا سلسلہ ایک ساتھ چلتا رہتا تھا، اور عرصہ دراز گذرنے پر وہ سورتیں مکمل ہوتی تھیں۔ پس جب آپؐ پر کوئی چیز اترتی تو آپؐ بعض لکھنے والے صحابہ کو بلاتے، اور فرماتے: ان آیتوں کو اُس سورت میں رکھو جس میں یہ اور یہ مضمون ذکر کیا گیا ہے، اسی طرح جب آپؐ پر ایک آیت اترتی تو بھی فرماتے: اس آیت کو اُس سورت میں رکھو جس میں ایسا اور ایسا مضمون ذکر کیا گیا ہے...... اور سورۃ الانفال اُن ابتدائی سورتوں میں سے ہے جو مدینہ میں نازل ہوئی تھیں، اور سورۃ البراءت قرآن کی آخری سورتوں میں سے تھی، اور سورۃ البراءت کا مضمون سورۃ الانفال کے مضمون سے ملتا جلتا تھا، اس لئے میں نے گمان کیا کہ براءت: انفال میں سے ہے یعنی سورۃ البراءۃ: سورۃ الانفال کا جزء ہے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اور آپؐ نے ہمارے لئے وضاحت نہیں فرمائی کہ براءت: انفال سے ہے، اس وجہ سے میں نے دونوں کو ملا دیا، اور ان کے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں لکھی، پھر میں نے دونوں کو لمبی سورتوں میں رکھ دیا۔

تشریح:

۱- آیتوں کے کم وبیش ہونے کے اعتبار سے قرآن کی سورتیں چار قسموں میں منقسم ہیں: ۱- سبع طول: سات بڑی سورتیں، جو سورۃ بقرہ سے شروع ہو کر سورۂ توبہ پر ختم ہوتی ہیں۔ ۲- مِئون (حالتِ رفعی میں) اور مِئین (حالتِ نصبی وجری میں) وہ سورتیں جن میں سو یا سو سے کچھ زائد آیتیں ہیں ۳- مَثانی: مَثنیٰ کی جمع: بار بار پھیری جانے والی سورتیں، یعنی وہ سورتیں جن میں سو سے کم آیتیں ہیں۔ ۴- مفصلات: وہ سورتیں جن میں چھوٹی چھوٹی آیتیں ہیں، یہ سورۃ قٓ سے آخر تک ہیں (اور یہ بات اکثری ہے کلی نہیں) اور سورۃ الانفال میں ۷۵ آیتیں ہیں، پس وہ مثانی میں سے ہے، اور سورۃ البراءۃ میں ۱۲۹ آیتیں ہیں، پس وہ مئین میں سے ہے، اور ان دونوں کا مجموعہ ۲۰۴ آیتیں ہیں، اس طرح وہ سبع طول میں شمار کی گئیں۔

۲- اوپر حدیث کا لفظی ترجمہ کیا ہے، اس سے بات سمجھ میں آ جائے گی۔ البتہ حضرت عثمانؓ کا جواب شاید لفظی ترجمہ سے سمجھ میں نہ آئے، ان کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ قرآنِ کریم ۲۳ سال کے طویل عرصہ میں تھوڑا تھوڑا اترا ہے ایک ہی

سورت کی آیتیں مختلف اوقات میں نازل ہوتی تھیں۔اور جبرئیل امین جب وحی لے کر آتے تھے تو ساتھ ہی یہ حکم الٰہی بھی لاتے تھے کہ یہ آیت فلاں سورت میں فلاں آیت کے بعد رکھی جائے،اسی کے مطابق رسول اللہ ﷺ وحی لکھنے والوں سے لکھوادیتے تھے۔

اسی طرح جب ایک سورت ختم ہوکر دوسری سورت شروع ہوتی تھی تو بسم اللہ نازل ہوتی تھی،جس سے سمجھ لیا جاتا تھا کہ پہلی سورت ختم ہوگئی،اوراب دوسری سورت شروع ہوئی،قرآنِ پاک کی تمام سورتوں میں ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔

لیکن سورۂ توبہ کے شروع میں عام دستور کے مطابق بسم اللہ نازل نہیں ہوئی،نہ رسول اللہ ﷺ نے وحی لکھنے والوں کو یہاں بسم اللہ لکھنے کی ہدایت فرمائی،اس لئے دورِ عثمانی میں جب قرآنِ کریم کو کتابی صورت میں جمع کیا گیا تو یہ دیکھ کر کہ مضامین کے اعتبار سے سورۂ توبہ کی سورہ انفال سے مناسبت ہے اور دورِ نبوی میں یہ دونوں سورتیں قَرِیْنَتَیْن (ملی ہوئی) کہلاتی تھیں،اس لئے دونوں کو ساتھ ملایا گیا،اور نزول کے اعتبار سے سورۂ انفال مدنی زندگی کے آغاز میں غزوۂ بدر کے موقعہ پر نازل ہوئی تھی،اور سورۂ توبہ مدنی زندگی کے بالکل آخری دور میں نازل ہوئی تھی،اس لئے دونوں کو ایک بھی نہیں کیا،اس طرح حضرت عثمانؓ اور تمام صحابہ کرام نے فیصلہ کیا کہ ان دونوں سورتوں کو ملاکر شروع کی سات بڑی سورتوں میں شمار کیا جائے،اور پہلے سورۂ انفال رکھی جائے اور اس کے بعد سورۂ توبہ،اور درمیان میں بسم اللہ نہ لکھی جائے،البتہ درمیان میں خالی جگہ چھوڑ دی جائے تاکہ دونوں سورتوں کو ایک نہ سمجھ لیا جائے۔

سورۃ التوبہ میں بسم اللہ پڑھنے کا مسئلہ

جو شخص اوپر سے سورۂ انفال کی تلاوت کرتا ہوا آرہا ہو اور سورۂ توبہ شروع کرے وہ ''بسم اللہ'' نہ پڑھے ـــــ لیکن جو شخص اسی سورت سے تلاوت شروع کرے یا درمیان سے تلاوت شروع کرے اُس کو چاہئے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر تلاوت شروع کرے۔عوام کا یہ خیال کہ سورۂ توبہ کی تلاوت میں کسی حال میں بسم اللہ پڑھنا جائز نہیں یہ غلط خیال ہے اور بعض لوگ بسم اللہ کے بجائے سورۂ توبہ کے شروع میں أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ النَّارِ پڑھتے ہیں اس کا آنحضور ﷺ اور صحابہ کرام سے کوئی ثبوت نہیں ہے۔

سورۃ التوبہ کا سورۃ الانفال سے ارتباط

سورۃ الانفال کی آیت ۵۸ ہے:﴿ وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ﴾ یعنی جن لوگوں نے ابھی تک علانیہ بدعہدی نہیں کی مگر بدعہدی کا اندیشہ ہے تو ان کی

طرف ''مناسب طور پر'' معاہدہ لوٹا دیا جائے، یعنی کھلے طور پر ان کو آگاہ کردیا جائے کہ ہم آئندہ معاہدہ کے پابند نہیں رہیں گے، اور یہ اطلاع ایسی طرح ہو کہ مسلمان اور دوسرا فریق برابر ہوں، اس سورت کے شروع میں اس کی مثال ہے، سنہ ۹ ہجری میں حج کے موقع پر عرب کے تمام قبائل کو اس کی اطلاع کردی تھی، پس گویا یہ سورت: سورۃ الانفال کا جزء ہے۔

اس کی ضروری تفصیل: یہ ہے کہ غزوۂ احزاب کے بعد سنہ ۶ ہجری میں نبی ﷺ پندرہ سو صحابہ کے ساتھ عمرہ کے لئے روانہ ہوئے، بیت اللہ ایک عام عبادت گاہ تھی، ہر ایک کو حج اور عمرہ کے لئے آنے کی عام اجازت تھی، مگر مکہ والوں نے دستور کے خلاف مسلمانوں کو مکہ میں داخلہ سے روک دیا، بالآخر حدیبیہ میں قریش کے ساتھ دس سال کے لئے ناجنگ معاہدہ ہوگیا، جو تاریخ میں صلح حدیبیہ کے نام سے مشہور ہے۔

اس معاہدہ کی ایک دفعہ یہ تھی کہ قریش کے علاوہ دیگر قبائل میں سے جس کا جی چاہے قریش کا حلیف بن جائے، اور جس کا جی چاہے رسول اللہ ﷺ کا حلیف بن جائے، چنانچہ خزاعہ آپؐ کے حلیف بن گئے، اور بنوبکر قریش کے حلیف بن گئے۔ اور معاہدہ کی رو سے یہ بھی لازم تھا کہ کسی جنگ کرنے والے قبیلہ کو کسی جانب سے کوئی امداد نہ دی جائے۔

اس معاہدہ پر ۲۲ ماہ کی مدت گذری تھی کہ ہجرت کے آٹھویں سال شعبان کے مہینہ میں بنوبکر نے بنوخزاعہ پر رات کے سناٹے میں چھاپا مارا، اور قریش نے یہ خیال کر کے کہ رات کا وقت ہے اور رسول اللہ ﷺ دور ہیں: واقعات کی تفصیلات آپؐ تک نہیں پہنچیں گی: بنوبکر کی ہتھیاروں اور سپاہیوں سے مدد کی، اس طرح مکہ والوں نے معاہدۂ صلح کی دھجیاں اڑادیں قبیلہ خزاعہ نے نبی ﷺ سے قریش کی بدعہدی اور مظالم کی شکایت کی، چنانچہ آپؐ نے خفیہ تیاری شروع کردی اور ہجرت کے آٹھویں سال رمضان المبارک میں بھاری جمعیت لے کر مکہ مکرمہ فتح کرلیا۔ اور مکہ اور اطراف مکہ میں بسنے والے سبھی غیر مسلموں کو جان و مال کا امان دے دیا۔

پھر سنہ ۹ ہجری میں حج کرانے کے لئے نبی ﷺ تو تشریف نہیں لے گئے، اس لئے کہ اس سال غیر مسلم بھی حج کے لئے آنے والے تھے، اور قمری تاریخیں بھی اپنی جگہ نہیں رہی تھیں، البتہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر بنا کر حج کرانے کے لئے بھیجا، اس میں ان کی خلافت بلافصل کی طرف اشارہ ہے، اس حج میں معاہدوں کے خاتمہ کا اعلان کیا گیا، تاکہ بات سارے عرب میں پہنچ جائے، یہی ﴿ عَلٰی سَوَآءٍ ﴾: مناسب طور پر اعلان کرنا ہے، پس اس سورت کی ابتدا میں سورۃ الانفال کے حکم کی مثال ہے، جس کی تفصیل سورت کے شروع میں ہے۔

سورت کے مضامین: اس سورت میں وہی مضامین ہیں جو سورۃ الانفال میں تھے، یعنی جنگی احوال میں ہدایات کا بیان ہے، اس سورت کا بڑا حصہ غزوۂ تبوک کے بعد نازل ہوا ہے، یہ غزوہ رومن امپائر کے ساتھ پیش آیا تھا، نبی ﷺ

تیس ہزار کی جمعیت لے کر تبوک تک تشریف لے گئے تھے، مگر رومی مقابلہ میں نہیں آئے، اور فوج فتح کا پھریرا اڑاتی ہوئی لوٹی، اس غزوہ میں چونکہ مقابلہ سخت تھا، منافقین بہانے بنا کر پیچھے رہ گئے تھے، اس لئے ان کو سخت لتاڑ پڑی، اور تین مخلص مسلمان سستی کی وجہ سے شریک نہیں ہوئے تھے ان کا پچاس دنوں تک شوسل بائیکاٹ کیا گیا، پھر ان کی توبہ نازل ہوئی (آیت ۱۱۸) اس لئے اس سورت کا نام سورۃ التوبہ رکھا گیا، پس یہ جزء سے کل کا نام رکھا گیا ہے، اور آخر میں ایک آیت میں نبی ﷺ کے محاسن ہیں اور بالکل آخری آیت میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کا بیان ہے۔

غیر مسلموں کے مختلف حالات: مکہ مکرمہ اور اطراف میں بسنے والے غیر مسلموں کے مختلف حالات تھے:

① کچھ لوگ وہ تھے جن کے ساتھ حدیبیہ میں صلح کا معاہدہ ہوا تھا مگر خود انھوں نے اس معاہدہ کی دھجیاں بکھیر دی تھیں اور ان کی یہی حرکت فتح مکہ کا سبب بنی تھی۔

② کچھ لوگوں کے ساتھ صلح کا معاہدہ خاص وقت تک کے لئے ہوا تھا اور وہ اپنے معاہدہ پر قائم تھے، یہ بنو ضَمُرَہ اور بنو مُدْلِج تھے جو دونوں بنو کنانہ کی شاخیں ہیں، ان کے ساتھ جو میعادی معاہدہ ہوا تھا، سورۂ براءت کے نزول کے وقت، اس معیاد کے پورا ہونے میں صرف نو مہینے باقی رہ گئے تھے۔

③ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن کے ساتھ صلح کا معاہدہ مدت کی تعیین کے بغیر ہوا تھا۔

④ اور ایسے لوگ بھی تھے جن کے ساتھ کسی قسم کا کوئی معاہدہ نہیں تھا۔

جہادِ اصغر اور جہادِ اکبر

تبوک سے واپسی میں نبی ﷺ نے فوج سے فرمایا: **رَجعنا من الجهاد الأصغر إلى الجهاد الأكبر:** ہم چھوٹے جہاد (مقابلہ) سے بڑے جہاد کی طرف لوٹتے ہیں، غزوۂ تبوک میں رومی سامنے نہیں آئے تھے اور نبی ﷺ کے ساتھ تیس ہزار کا لشکر تھا، اتنا بڑا لشکر فتح مکہ کے وقت بھی نہیں تھا، اس لئے شاید فوج کو خیال ہو کہ رومی ہم سے آنکھ نہیں ملا سکے، اس لئے آپؐ نے فوج کو تنبیہ کی یہ تو چھوٹا معرکہ تھا، آگے رومیوں کے ساتھ بڑے معرکے پیش آنے ہیں، جو خلفائے راشدین کے زمانہ میں پیش آئے، پس فوج لوٹ کر خواب خرگوش میں مبتلا نہ ہو جائے، آگے پیش آنے والے بڑے مقابلوں کی تیاری میں لگی رہے

❁ ❁ ❁

ایاتها ۱۲۹ (۹) سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ (۱۱۳) رکوعاتها ۱۶

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱ فَسِيْحُوْا فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِى الْكٰفِرِيْنَ ۝۲ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِىْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ ؕ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۳ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْئًا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝۴ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۵ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝۶ ع

بَرَآءَةٌ	بے تعلقی ہے	عٰهَدْتُّمْ (۱)	تم نے قول وقرار کیا ہے	اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ	چار مہینے
مِّنَ اللّٰهِ	اللہ کی طرف سے	مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ	مشرکین میں سے	وَّاعْلَمُوْٓا	اور جان لو
وَرَسُوْلِهٖٓ	اور اس کے رسول کی طرف سے	فَسِيْحُوْا (۲)	پس چلو پھرو تم	اَنَّكُمْ	کہ تم
اِلَى الَّذِيْنَ	ان لوگوں سے جن سے	فِى الْاَرْضِ	زمین میں	غَيْرُ	نہیں

(۱) عَاهَدَه معاهَدَة: باہم قول وقرار کرنا، وعدہ کرنا (۲) سِيْحُوا: امر، جمع مذکر حاضر، سَاحَ (ض) سَيْحًا: گھومنا، چلنا، زمین میں سفر کرنا۔

مُعْجِزِي [1]	عاجز کرنے والے	وَاِنْ	اور اگر	اَحَدًا	کسی کی
اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کو	تَوَلَّيْتُمْ	روگردانی کی تم نے	فَاَتِمُّوْٓا	پس پورا کرو
وَ اَنَّ اللّٰهَ	اور یہ کہ اللہ تعالیٰ	فَاعْلَمُوْٓا	تو جان لو	اِلَيْهِمْ	ان کے ساتھ
مُخْزِي [2]	رسوا کرنے والے ہیں	اَنَّكُمْ	کہ تم	عَهْدَهُمْ	ان کا قول وقرار
الْكٰفِرِيْنَ	کافروں کو	غَيْرُ	نہیں	اِلٰى مُدَّتِهِمْ	ان کی مدت تک
وَ اَذَانٌ	اور اعلان عام ہے	مُعْجِزِي	عاجز کرنے والے	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
مِّنَ اللّٰهِ	اللہ کی طرف سے	اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کو	يُحِبُّ	پسند کرتے ہیں
وَ رَسُوْلِهٖٓ	اور اس کے رسول کی طرف سے	وَ بَشِّرِ	اور خوش خبری سنائیں	الْمُتَّقِيْنَ	احتیاط کرنے والوں کو
اِلَى النَّاسِ	لوگوں کی طرف	الَّذِيْنَ	ان لوگوں کو	فَاِذَا	پس جب
يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ	بڑے حج کے دن میں	كَفَرُوْا	جنھوں نے انکار کیا	انْسَلَخَ [5]	گذر جائیں
		بِعَذَابٍ	عذاب کی	الْاَشْهُرُ	مہینے
اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ تعالیٰ	اَلِيْمٍ	دردناک	الْحُرُمُ	محترم
بَرِيْٓءٌ	بے تعلق ہیں	اِلَّا الَّذِيْنَ	مگر وہ لوگ جن سے	فَاقْتُلُوا	تو قتل کرو
مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ	شرک کرنے والوں سے	عٰهَدْتُّمْ	تم نے قول وقرار کیا ہے	الْمُشْرِكِيْنَ	مشرکین کو
وَرَسُوْلُهٗ [3]	اور اس کے رسول (بھی)	مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ	مشرکین میں سے	حَيْثُ	جہاں
فَاِنْ	پس اگر	ثُمَّ	پھر	وَجَدْتُّمُوْهُمْ	پاؤ ان کو
تُبْتُمْ	توبہ کی تم نے	لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ	انھوں نے نہیں کم کیا تم سے	وَخُذُوْهُمْ	اور پکڑو ان کو
فَهُوَ	تو وہ	شَيْــًٔا	کچھ بھی	وَاحْصُرُوْهُمْ [6]	اور گھیرو ان کو
خَيْرٌ	بہتر ہے	وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا [4]	اور نہیں مدد کی انھوں نے	وَاقْعُدُوْا	اور بیٹھو
لَّكُمْ	تمہارے لئے	عَلَيْكُمْ	تمہارے خلاف	لَهُمْ	ان کے لئے

(۱) معجزین: إعجاز سے اسم فاعل (اضافت کی وجہ سے نون گرا ہے): عاجز کرنے والے، ہرانے والے (۲) مُخزِیْ: إخزاء سے اسم فاعل واحد مذکر، خِزْی: مادہ (ناقص یائی): ذلیل کرنے والا، رسوا کرنے والا (۳) رسولُه (مرفوع) مبتدا ہے، اور اس کے بعد خبر بَرِیْءٌ محذوف ہے (۴) ظاهر مظاهرة: مدد کرنا (۵) انسلخ: انسلاخا: نکل جانا، گذر جانا (۶) أُحْصُرُوْا: حَصَرَ (ن ض) سے امر، جمع مذکر: روکنا، گھیرنا، قید کرنا تنگ کرنا۔

كُلَّ مَرْصَدٍ[1]	ہر گھات میں	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	كَلٰمَ اللّٰهِ	اللہ کا کلام
فَاِنْ تَابُوْا	پھر اگر توبہ کریں وہ	غَفُوْرٌ	بڑے بخشنے والے	ثُمَّ اَبْلِغْهُ	پھر پہنچا دیں اس کو
وَاَقَامُوا	اور اہتمام کریں وہ	رَّحِيْمٌ	بڑے رحم فرمانے والے ہیں	مَاْمَنَهٗ[2]	اس کے ٹھکانے میں
الصَّلٰوةَ	نماز کا	وَاِنْ اَحَدٌ	اور اگر کوئی	ذٰلِكَ	یہ بات
وَاٰتَوُا	اور دیں وہ	مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ	مشرکین میں سے	بِاَنَّهُمْ	اس وجہ سے ہے کہ وہ
الزَّكٰوةَ	زکات	اسْتَجَارَكَ	پناہ چاہے آپ سے	قَوْمٌ	لوگ
فَخَلُّوْا	تو چھوڑ دو	فَاَجِرْهُ	تو پناہ دیں آپ اس کو	لَّا يَعْلَمُوْنَ	نہیں جانتے ہیں
سَبِيْلَهُمْ	ان کی راہ	حَتّٰى يَسْمَعَ	یہاں تک کہ سن لے وہ	۞	۞

غیر مسلموں کی چاروں قسموں کے احکام

سورت کی تمہید میں غیر مسلموں کے چار مختلف حالات بیان کئے ہیں، فتح مکہ کے بعد عربوں کے یہی احوال تھے، اور معاہدہ کے تعلق سے ان کے احکام یہ ہیں:

۱و۲- جن سے مدت کی تعیین کے بغیر معاہدہ ہے ان کو چار ماہ کی مہلت ہے، اسی طرح جن سے کوئی معاہدہ نہیں

پہلی دو آیتوں میں صراحۃً تیسری قسم کا حکم ہے اور ضمناً چوتھی قسم کا، جن کے ساتھ صلح کا معاہدہ مدت کی تعیین کے بغیر ہوا ہے یا جن سے سرے سے کوئی معاہدہ نہیں ہوا: ان کو چار ماہ کی مہلت دی جاتی ہے، اس مدت میں یا تو اسلام قبول کرلیں یا جزیرۃ العرب چھوڑ چھوڑ دیں، مگر اللہ سے بچ کر جائیں گے کہاں؟ پس بہتر پہلی صورت ہے کہ اسلام قبول کرلیں۔

﴿ بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور ان کے رسول کی طرف سے بے تعلقی (دست برداری) کا اعلان ہے: ان کافروں کے لئے جن سے تم نے (غیر میعادی) معاہدہ کیا ہے، پس تم سرزمین عرب میں چار ماہ چل پھر لو (پھر جزیرۃ العرب چھوڑ

(۱) مَرْصَد: ظرف مکان، مفرد، جمع مَرَاصِد: گھات کی جگہ، رَصَدَ (ن) رَصْدًا: گھات لگانا، چھپ کر دشمن کا انتظار کرنا۔
(۲) مَاْمَن: ظرف مکان: جائے امن، قوم کی بستی۔

دو) اور جان لو کہ تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے، اور یہ بات (بھی جان لو) کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو رسوا کریں گے۔

تفسیر: یعنی تمہیں اطلاع دی جاتی ہے کہ ہم آئندہ معاہدہ باقی رکھنا نہیں چاہتے تمہیں چار مہینوں کی مہلت دی جاتی ہے یا تو اسلام قبول کر لو یا وطن چھوڑ کر ایمان و توحید کے مرکز کو اپنے ناپاک وجود سے پاک کر دو یا پھر مقابلہ کے لئے تیار ہو جاؤ —— لیکن یہ خوب یاد رکھو کہ تم اللہ کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ وہ تم کو دنیا اور آخرت میں رسوا کرنے والا ہے، تم اپنی تدبیروں اور حیلہ بازیوں سے اُسے عاجز نہیں کر سکتے۔

مہلت کا حکم کب سے نافذ ہوگا؟

پھر ایک آیت میں یہ بیان ہے کہ مہلت کا حکم کب سے نافذ ہوگا؟ —— آیت کا حاصل یہ ہے کہ جب سے ان احکام کا اعلان تمام عرب میں ہو جائے گا اُس وقت سے وہ احکام نافذ ہوں گے چنانچہ اس اعلان عام کے لئے یہ انتظام کیا گیا کہ ہجرت کے نویں سال حج کے دنوں میں عرفات اور منی کے عام اجتماعات میں اِس کی منادی کرائی گئی۔

﴿ وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۙ۬ وَ رَسُوْلُهٗ ؕ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ ۚ وَ اِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَیْرُ مُعْجِزِی اللّٰهِ ؕ وَ بَشِّرِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۙ﴿۳﴾ ﴾

ترجمہ: اور اللہ اور ان کے رسول کی طرف سے تمام لوگوں کے لئے بڑے حج کے دن یہ منادی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور ان کے رسول مشرکوں سے بے تعلق (بیزار) ہیں۔ پس اگر تم (شرک و کفر سے) توبہ کرو تو یہ بات تمہارے لئے بہتر ہے، اور اگر تم روگردانی کرو تو خوب سمجھ لو کہ تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہ کر سکو گے، اور جو لوگ کفر اختیار کریں ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دی جائے!

تفسیر: اس آیت میں تمام کافروں سے بیزاری کا اظہار کیا گیا ہے اور ایک بار پھر انھیں سمجھایا گیا ہے کہ اگر تم شرک و کفر سے توبہ کر لو گے تو تمہاری دنیا و آخرت سنور جائے گی، ورنہ خدا کا فیصلہ نافذ ہو کر رہے گا کوئی طاقت اور تدبیر اللہ پاک کو مغلوب نہیں کر سکتی اور تمہیں کفر اور بدعہدی کی سزا مل کر رہے گی۔

بڑا اور چھوٹا حج: عمرہ کو حج اصغر (چھوٹا حج) کہتے ہیں، اس لئے اس سے ممتاز کرنے کے لئے اس آیت میں حج کو حج اکبر کہا گیا ہے۔ پس ہر سال کا حج: حج اکبر ہوتا ہے، اور عوام میں جو مشہور ہے کہ جس سال جمعہ کے روز عرفہ ہو وہ حج اکبری ہوتا ہے، یہ عوامی بات ہے، شریعت میں اس کی کچھ اصل نہیں، البتہ جمعہ کے روز وقوفِ عرفہ ایک فضیلت رکھتا ہے مگر یہاں جو **الحج الأكبر** ہے: اس سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

۳- جن سے معیادی معاہدہ ہے اور وہ اس پر قائم ہیں ان کا معاہدہ میعاد تک باقی رہے

پھر ایک آیت میں ان کافروں کا حکم ہے جن کے ساتھ خاص میعاد کے لئے نا جنگ معاہدہ ہوا ہے، اور وہ اس پر قائم بھی ہیں، یہ دو قبیلے تھے: بنو ضمرۃ اور بنو مدلج، ان کی میعاد میں نو ماہ باقی تھے، ان کو میعاد تک مہلت مل گئی۔

﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: البتہ (براءت سے) وہ مشرکین مستثنیٰ ہیں جن سے تم نے صلح کا معاہدہ کیا ہے، پھر انھوں نے معاہدہ پر قائم رہنے میں کوئی کمی نہیں کی، اور نہ تمہارے مقابلہ میں کسی دشمن کی مدد کی تو تم ان کے معاہدہ کو اس کی مدت تک پورا کرو (اور بدعہدی نہ کرو) واقعی اللہ تعالیٰ (بدعہدی سے) بچنے والوں کو پسند کرتے ہیں۔

۴- جنھوں نے شرائط معاہدہ کی خلاف ورزی کی ان کو محرم کے ختم تک مہلت ہے

پھر ایک آیت میں کافروں کی پہلی قسم کا ذکر ہے، جن کے ساتھ حدیبیہ میں دس سال کے لئے التواء جنگ کا معاہدہ ہوا تھا لیکن خود انھوں نے صلح کے معاہدہ کی دھجیاں اڑا کر فتح مکہ کے لئے راستہ ہموار کیا تھا، فتح مکہ کے وقت لوگوں کی بڑی تعداد مشرف باسلام ہو چکی تھی اور جو کفر پر جمے رہے تھے، رسول کریم ﷺ نے سب کو جان و مال کا امان دے دیا تھا بلکہ ﴿ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ﴾ (تم سے ظلم و جور کا انتقام لینا یا کوئی سزا دینا تو درکنار، ہم تم کو ملامت کرنا بھی گوارا نہیں کرتے) کا عام اعلان فرما دیا تھا۔

اور اللہ پاک کا منشأ یہ تھا کہ جزیرہ نمائے عرب کو ایک اسلامی قلعہ کی حیثیت سے صرف مسلمانوں کے لئے خاص کر دیا جائے اس لئے چاہئے تو یہ تھا کہ مکہ اور جزیرۃ العرب پر اقتدار حاصل ہوتے ہی اعلان کر دیا جاتا کہ غیر مسلم یہاں سے دوسری جگہ منتقل ہو جائیں لیکن اسلام کے اصول عدل وانصاف اور رحیمانہ سلوک اور رحمۃ للعالمین ﷺ کی شفقت کے پیش نظر مہلت دیئے بغیر ایسا کرنا مناسب نہ تھا اس لئے دوسری قسم کو نو مہینے کی مہلت دی گئی، اور تیسری اور چوتھی قسموں کو چار مہینے کی لیکن پہلی قسم یعنی عہد شکنی کرنے والوں کے ساتھ چونکہ کوئی معاہدہ باقی نہیں رہا تھا اس لئے وہ اب کسی مزید مہلت کے مستحق نہیں تھے۔

لیکن چونکہ براءت اور قطع تعلق کا عام اعلان ہجرت کے نویں سال حج کی تاریخوں میں کیا گیا تھا جو **ذوالحِجَّةِ الحرام** کی تاریخیں تھیں پھر اس کے بعد متصل محرم الحرام آ رہا تھا اور یہ دونوں مہینے **اَشْهُرِ حُرُمٌ** میں شمار ہوتے تھے۔ اور ان مہینوں میں جنگ کی حرمت عربوں میں معروف و مسلم چلی آتی تھی اس لئے وہ لوگ ان مہینوں میں دشمن کی طرف سے

بالکل مطمئن رہتے تھے۔اب اگر براءت کے اعلان کے ساتھ ہی ان مہینوں میں ان سے جنگ شروع کردی جاتی تو یہ دشمن کو غافل رکھ کر حملہ بول دینے کے مرادف سمجھا جاتا، جس کی اسلام میں اجازت نہیں ہے اس لئے محرم الحرام کے ختم تک انھیں بھی مہلت دی گئی کہ جو چاہیں اپنا بندوبست کرلیں ورنہ پھر جنگ سے چارہ نہیں، اور جنگ میں جو کچھ ہوا کرتا ہے یعنی مارنا، پکڑنا، گھیرنا، داؤ لگانا، گھات میں رہنا، وہ سب کچھ ہوگا ـــــ لیکن اگر وہ اسلام قبول کرلیتے ہیں جس کی تین علامتیں ہیں، شرک سے توبہ، نماز کا اہتمام اور زکوٰۃ کی ادائیگی، تو پھر مسلمانوں کو ان سے تعرض کرنے اور ان کا راستہ روکنے کا حق نہیں، رہا باطن کا معاملہ تو وہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔

﴿ فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَإِن تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ ﴾

ترجمہ: پھر جب قابل احترام مہینے گذر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ مارو، پکڑو، گھیرو، اور ہر گھات میں ان کی تاک میں بیٹھو ـــــ پھر اگر وہ (شرک سے) توبہ کرلیں، اور نماز کا اہتمام کریں اور زکات ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو ـــــ قتل وقید نہ کرو ـــــ واقعی اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت فرمانے والے، بڑی مہربانی کرنے والے ہیں۔

چاروں قسموں کی مدتِ مہلت

پہلی جماعت کو یعنی مکہ کے عہد شکنی کرنے والے مشرکوں کو محرم سنہ ۱۰ ہجری کے ختم تک مہلت مل گئی اور مشرکوں کی دوسری قسم کو رمضان سنہ ۱۰ ہجری تک اور تیسری، چوتھی قسموں کو ۱۰ ربیع الثانی سنہ ۱۰ ہجری تک ـــــ اس مدت میں ان کو حدود حرم سے خارج ہوجانا چاہئے اور جو اس کی خلاف ورزی کرے وہ مستحق قتال ہوگا اس طرح اگلے سال کے حج کے زمانہ تک کوئی کافر حدود حرم کے اندر نہ رہنے پائے گا اس سورت کی اٹھائیسویں آیت میں اس بات کا صراحۃً تذکرہ آرہا ہے۔

اسلامی برادری میں شامل ہونے کے لئے تین باتیں ضروری ہیں

اس آیت پاک سے ہر شخص یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ محض کلمہ پڑھ لینا مسلمان ہونے کے لئے کافی نہیں، نہ اتنی بات پر جنگ بند کی جائے گی بلکہ کسی مسلمان کے مسلمان ہونے کا مدار تین چیزوں پر ہے۔ایک کفر وشرک کے اعمال، عقائد اور خیالات سے توبہ کرنا۔دوسرے نماز کا اہتمام کرنا، تیسرے زکوٰۃ کی پابندی ادائیگی کرنا۔اگر کسی مسلمان میں یہ تینوں چیزیں نہیں پائی جاتیں تو اس کا اسلام کا دعوی زبانی جمع خرچ سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا ـــــ آیت پاک سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کلمۂ اسلام پڑھے مگر نماز ادا نہ کرے یا زکوٰۃ نہ دے تو اسلامی حکومت ایسے شخص کا راستہ روک سکتی ہے

—— پھر اگر نماز نہ پڑھنے والا توبہ کر کے نماز شروع نہ کرے تو حضرت امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک ایسا شخص مرتد ہے اور اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ اسے قتل کر دے۔ امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک وہ مرتد تو نہیں ہے تاہم ان حضرات کے نزدیک بھی اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ اسے بطور سزا قتل کر دے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ نہ مرتد ہے نہ اُسے قتل کیا جائے گا بلکہ حکومت اس کی خوب مار پٹائی کرے گی اور قید میں رکھے گی تا آنکہ وہ مرجائے یا توبہ کرے۔ حدیث شریف میں ہے:

بَيْنَ الْعَبْدِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلوٰةِ — بندے اور کفر کے درمیان نماز چھوڑنا ہے یعنی نماز چھوڑنا بندے کو کفر سے جوڑ دیتا ہے

(رواه مسلم عن جابر رضى الله عنه)

دوسری حدیث میں ہے:

اَلْعَهْدُ الَّذِىْ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلوٰةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ. — ہم میں اور منافقوں میں پیمان نماز ہے لہٰذا جس نے نماز چھوڑی وہ کفر سے جاملا۔

حضرت عبداللہ بن شقیقؒ بڑے تابعی ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کسی بھی اسلامی عمل کے چھوڑنے کو کفر نہیں سمجھتے تھے علاوہ نماز کے—— حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو آنحضور ﷺ نے تاکید فرمائی تھی کہ جان کر فرض نماز نہ چھوڑنا، کیونکہ جو شخص جان کر فرض نماز چھوڑتا ہے اس سے اللہ تعالیٰ کی (حفاظت کی) ذمہ داری اٹھ جاتی ہے۔

نماز کی طرح زکوٰۃ کی بھی بڑی اہمیت ہے آنحضور ﷺ کی وفات کے بعد جن لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تھا اُن سے جہاد کرنے کے لئے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اسی آیت سے استدلال فرما کر صحابہؓ کو مطمئن کیا تھا اور سب نے مل کر ان کے ساتھ جہاد کیا تھا۔

جو غیر مسلم دین اسلام سمجھنا چاہے اس کو موقع دیا جائے

گذشتہ آیات میں کافروں کو جتنی مہلت دی گئی ہے اس کے بعد بھی اگر وہ مسلمان نہ ہوں، نہ جزیرۃ العرب خالی کریں تو جنگ ناگزیر ہو جائے گی، اس جنگ کے زمانہ میں اگر کوئی کافر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہے تاکہ آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین کو سمجھے تو کیا اسے اس کا موقعہ دیا جائے گا؟ ایک آیت میں اس کا جواب ہے:

﴿ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور اگر مشرکوں میں سے کوئی شخص آپؐ سے پناہ طلب کرے —— تاکہ آپؐ کے پاس آکر دین اسلام کو

سمجھے ــــ تو آپؐ اسے پناہ دیں، تاکہ وہ اللہ کا کلام سنے، پھر اسے اس کی امن کی جگہ (وطن) پہنچادیں ــــ تاکہ وہ اطمینان سے سوچ کر رائے قائم کرسکے ــــ یہ (حکم) اس سبب سے ہے کہ وہ (مشرک) ایسے لوگ ہیں جو (دین اسلام کو) جانتے نہیں ــــ پس ان کو جاننے کا موقع دیا جائے۔

فائدہ: اگر کوئی کافر مسلمانوں سے مطالبہ کرتا ہے کہ مجھے اسلام یا اسلام کی حقانیت دلیل سے سمجھاؤ تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس کا مطالبہ پورا کریں اور جب وہ اس مقصد سے ہمارے پاس آئے تو ہم پر لازم ہے کہ اُس کو اجازت دیں، اُس کی حفاظت کریں اور اس کو کسی قسم کی تکلیف یا نقصان نہ پہنچنے دیں پھر جب دین اُسے سمجھا دیا جائے تو اُسے اس کے وطن میں حفاظت کے ساتھ واپس پہنچا دیا جائے تاکہ وہ پوری آزادی سے کوئی رائے قائم کرسکے کیونکہ دین کے معاملہ میں کوئی زبردستی نہیں۔

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝۸ اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ اِنَّهُمْ سَاۗءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۹ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ۝۱۰ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ۭ وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝۱۱ وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ۝۱۲

كَيْفَ (۱)	کیسے	لِلْمُشْرِكِيْنَ	مشرکوں کے لئے	عِنْدَ اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کے نزدیک
يَكُوْنُ	ہوگا	عَهْدٌ	عہد وپیمان	وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ	اور اسکے رسول کے نزدیک

(۱) کیف: استفہام انکاری ہے، اس میں نفی کے معنی ہیں، اس لئے آگے استثناء آیا ہے، اور نفی اثبات مل کر حصر ہوا ہے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ	البتہ وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جن سے	يُرْضُوْنَكُمْ	راضی کرتے ہیں وہ تمہیں	الْمُعْتَدُوْنَ	زیادتی کرنے والے ہیں
عٰهَدْتُّمْ	عہد کیا تم نے	بِاَفْوَاهِهِمْ	اپنے مونہوں سے	فَاِنْ تَابُوْا	سو اگر توبہ کریں وہ
عِنْدَ	پاس	وَتَاْبٰى	اور انکار کرتے ہیں	وَاَقَامُوا	اور قائم کریں وہ
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ	مسجد حرام (کے)	قُلُوْبُهُمْ	ان کے دل	الصَّلٰوةَ	نماز کو
فَمَا	سو جب تک	وَاَكْثَرُهُمْ	اور اکثر ان کے	وَاٰتَوُا	اور دیتے رہیں
اسْتَقَامُوْا	سیدھے رہیں وہ	فٰسِقُوْنَ	بدعہد (ہیں)	الزَّكٰوةَ	زکات
لَكُمْ	تمہارے لئے	اِشْتَرَوْا	خرید لیا انھوں نے	فَاِخْوَانُكُمْ	تو تمہارے بھائی (ہیں)
فَاسْتَقِيْمُوْا	تو سیدھے رہو تم	بِاٰيٰتِ اللّٰهِ	احکام الٰہی کے بدلے میں	فِي الدِّيْنِ	دین میں
لَهُمْ	ان کے لئے	ثَمَنًا قَلِيْلًا	تھوڑی قیمت کو	وَنُفَصِّلُ	اور کھول کر بیان کرتے ہیں ہم
اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	فَصَدُّوْا	پس روکا انھوں نے	الْاٰيٰتِ	حکموں کو
يُحِبُّ	پسند کرتے ہیں	عَنْ سَبِيْلِهٖ	اس کے رستے سے	لِقَوْمٍ	ان لوگوں کے واسطے
الْمُتَّقِيْنَ	احتیاط کرنے والوں کو	اِنَّهُمْ	تحقیق وہ لوگ	يَّعْلَمُوْنَ	(جو) جانتے ہیں
كَيْفَ	کیسے؟	سَآءَ	برا (ہے)	وَاِنْ نَّكَثُوْٓا (۳)	اور اگر توڑ دیں وہ
وَاِنْ	اور اگر	مَا	جو کچھ	اَيْمَانَهُمْ	اپنی قسمیں
يَّظْهَرُوْا	غالب آجائیں وہ	كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ	کر رہے ہیں وہ!	مِّنْۢ بَعْدِ	پیچھے
عَلَيْكُمْ	تم پر	لَا يَرْقُبُوْنَ	نہیں لحاظ کرتے وہ	عَهْدِهِمْ	اپنے عہد کے
لَا يَرْقُبُوْا (۱)	(تو) نہ لحاظ کریں وہ	فِيْ مُؤْمِنٍ	کسی مسلمان کے حق میں	وَطَعَنُوْا	اور عیب لگائیں
فِيْكُمْ	تمہارے حق میں	اِلًّا	قرابت (کا)	فِيْ دِيْنِكُمْ	تمہارے دین میں
اِلًّا (۲)	قرابت کا	وَّلَا ذِمَّةً	اور نہ عہد (کا)	فَقَاتِلُوْٓا	تو لڑو
وَّلَا ذِمَّةً	اور نہ قول وقرار کا	وَاُولٰٓئِكَ هُمُ	اور یہ لوگ ہی	اَئِمَّةَ	سرداران

(۱) **لایرقبوا:** مضارع منفی مجزوم، جمع مذکر غائب، اصل میں یرقبون تھا، جزم کی وجہ سے نون اعرابی گرا تو واوجمع کے واو کے مشابہ ہوگیا، پس الف بڑھایا، رَقَبَ (ن) رُقوباً: نظر رکھنا، خیال رکھنا، لحاظ کرنا (۲) **إلًّا:** مصدر ہے أَلَّ يَؤُلُّ کا، اس کے متعدد معانی ہیں: قرابت، حِلف اور عہد اور مشترک معنی ہیں: پاس ولحاظ کرنا اور إلٌّ: یہاں اسم کی جگہ استعمال ہوا ہے اس لئے قرابت ترجمہ کرتے ہیں۔ (۳) نَکَثَ (ن) **نکثا العھدَ:** عہد و پیمان توڑنا، قول وقرار کی خلاف ورزی کرنا۔

اَلْکُفْرِ	کفر (سے)	لَآ اَیْمَانَ	نہیں قسمیں (ہیں)	لَعَلَّھُمْ	تاکہ
اِنَّھُمْ	بےشک وہ	لَھُمْ	ان کے لئے	یَنْتَھُوْنَ	وہ باز آئیں

مشرکوں سے بیزاری اور بےتعلقی کی وجہ

اور بنوضمرہ اور بنومدلج کا استثناء

ابتدائی پانچ آیتوں میں جس براءت (بیزاری اور قطع تعلق) کا ذکر ہے اس کی حکمت ان آیتوں میں بیان کی جارہی ہے ان آیات کا حاصل یہ ہے کہ مشرکوں کی طبیعتوں کی خِسَّت (کمینہ پن) اور مسلمانوں کے ساتھ بغض وعناد کی شدت، تعلقات باقی رکھنے کے لئے مانع ہے۔ کافروں سے وفاء عہد کی کوئی امید نہیں۔ اس لئے اب تعلقات ختم کئے بغیر چارہ نہیں۔ فرماتے ہیں —— اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک مشرکوں کے لئے عہد وپیان کیونکر ہوسکتا ہے؟ —— علاوہ ان لوگوں کے جن کے ساتھ تم نے مسجد حرام کے پاس پیان باندھا ہے (یعنی بنوضمرہ اور بنومدلج جن کا تذکرہ ﴿اِلَّا الَّذِیْنَ عٰھَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ ثُمَّ لَمْ یَنْقُصُوْکُمْ﴾ الآیۃ میں آچکا ہے) سو جب تک وہ تمہارے ساتھ سیدھے رہیں تم بھی ان کے ساتھ سیدھے رہو (ان کا عہد نہ توڑو) بلاشبہ اللہ تعالیٰ (عہد توڑنے سے) محتاط رہنے والوں کو پسند کرتے ہیں —— یہ قرآن پاک کا خاص اسلوب ہے کہ اگر کسی جگہ غلط فہمی پیدا ہونے کا امکان ہوتا ہے تو وہ بات اُدھوری چھوڑ کر پہلے غلط فہمی کا اِزالہ کرتا ہے پھر اپنی بات پوری کرتا ہے۔ سورۂ انفال کی آیت ۱۶ اور سورۂ نحل کی آیت ۱۰۶ میں بھی یہی انداز بیان ہے۔ اور تفصیل پہلی جگہ ہے۔

اللہ پاک نے جو ارشاد فرمایا ہے کہ مشرکوں کے لئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے پاس عہد وپیان کیونکر ہوسکتا ہے؟ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تمام مشرکوں کو ایک لاٹھی سے ہانک دیا جائے اور یہ فیصلہ کردیا جائے کہ کوئی بھی غیر مسلم قابل اعتبار نہیں۔ اگرچہ یہ بات صحیح ہے کہ مکہ کے مشرکوں نے معدودے چند کے علاوہ سبھوں نے غداری اور عہد شکنی کی تھی اور ایسے موقعہ پر کہنے والے عام طور پر سبھی کو برا کہہ دیا کرتے ہیں، مگر قرآن کریم کے عدل وانصاف کے پیش نظر سب کے ساتھ یکساں برتاؤ جائز نہیں، اس لئے بات روک کر پہلے استثناء کیا کہ جنھوں نے عہد شکنی نہیں کی اگرچہ وہ آٹے میں نمک کے برابر ہیں، مگر انکے بارے میں حکم یہ دیا جاتا ہے کہ جب تک وہ وفاء عہد پر کمربستہ ہیں تم بھی عہد پر قائم رہو، دوسرے مشرکوں کی غداری اور عہد شکنی سے متاثر ہوکر انکے عہد کو نہ توڑو۔ کیونکہ دشمن کے معاملہ میں بھی سچائی اور انصاف کو ہاتھ سے نہیں دینا چاہئے۔

اب پہلی بات، جو نا تمام چھوڑ دی گئی تھی، پوری کی جاتی ہے اور بات از سرنو شروع کی جاتی ہے ـــ کیونکر (ہوسکتا ہے اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک مشرکوں کے لئے عہد و پیمان؟! جب کہ ان کا حال یہ ہے:) اور اگر وہ تم پر قابو پالیں تو تمہارے معاملہ میں نہ کسی قرابت کا پاس کریں نہ عہد و پیمان کا! وہ صرف زبانی باتوں سے تمہیں راضی کر رہے ہیں مگر ان کے دل نہیں مانتے ـــ یعنی اُنھیں تم پر غلبہ اور قابو حاصل نہیں ہے، وہ زیر ہوگئے ہیں، اس لئے محض زبانی عہد و پیمان کر کے تم کو خوش رکھنا چاہتے ہیں، ابوسفیان دوڑ دوڑ کر مدینہ آتا ہے تا کہ معاہدۂ صلح کی تجدید کرالے، پچھلی غلطی پر پردہ ڈالے اور مسلمانوں کو ایک بار اور بے وقوف بنائے، لیکن یاد رکھو کہ یہ صرف ہاتھی کے دکھانے کے دانت ہیں ورنہ ان کے دل ایک منٹ کے لئے بھی اس عہد و پیمان پر راضی نہیں، وہ ہر وقت عہد شکنی کا موقعہ تلاش کرتے رہتے ہیں ـــ اور ان میں سے بیشتر بدعہد ہیں ـــ اس لئے اگر کچھ لوگ عہد پورا کرنا چاہتے بھی ہیں اور اس سلسلہ میں کوئی صدا بلند کرتے ہیں تو وہ صدا بصحرا ابن کر رہ جاتی ہے ـــ اور بدعہدی، غداری اور طبیعت کی کمینگی پر معاملہ ختم نہیں ہے، بلکہ ـــ انھوں نے احکام الٰہیہ کے عوض (دنیا کی) متاع ناپائدار مول لی ہے ـــ اللہ کے محبوب ﷺ کے پیش کئے ہوئے دین کو لات مار کر دنیا کی چند کوڑیوں میں جی لگا لیا ہے ـــ پھر انھوں نے (دوسرے لوگوں کو بھی) اللہ کے راستہ سے باز رکھا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ان کی یہ حرکتیں بہت ہی بری حرکتیں ہیں جن کے درپے وہ ہو رہے ہیں ـــ لیکن اگر وہ اپنی ان تمام اسلام دشمن حرکتوں کے باوجود عہد و پیمان کے معاملہ میں سیدھی طرح چلتے تو پھر بھی ان کے ساتھ رواداری کا برتاؤ کیا جاتا لیکن ان کا تو حال یہ ہے کہ ـــ کسی بھی مسلمان کے بارے میں نہ قرابت کا پاس کرتے ہیں نہ قول و قرار کا! ـــ اور بات صرف احتمال و اندیشہ تک نہیں ہے بلکہ انھوں نے اس کا عملی ثبوت بھی فراہم کیا ہے وہ تمہارے ساتھ کئے ہوئے قول و قرار کو پامال کر چکے ہیں ـــ اور یہی لوگ حد سے تجاوز کرنے والے ہیں ـــ اس لئے اب ان کے بارے میں کسی قسم کی رو رعایت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا؟ ـــ اب اگر وہ لوگ (کفر سے) توبہ کر لیں اور نماز پڑھنے لگیں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں ـــ اور ان کی پچھلی ساری فروگذاشتوں پر قلم عفو کھینچ دیا جائے گا ورنہ پھر ان کے ساتھ وہی برتاؤ کیا جائے جس کا تذکرہ سورت کے شروع میں آچکا ہے ـــ اور ہم سمجھ دار لوگوں کے لئے احکام کو خوب تفصیل سے بیان کرتے ہیں ـــ اللہ تعالیٰ نے صرف احکام دینے پر اکتفا نہیں کیا ہے، بلکہ ساتھ ہی اس کے مضمرات (حکمتوں اور مصلحتوں) سے بھی روشناس کیا ہے۔

ایک سوالِ مقدر کا جواب:

اخیر آیت میں ایک پیش افتادہ اندیشہ کا حکم مذکور ہے اندیشہ یہ ہے کہ محرم الحرام پورا ہونے پر جب کافروں کی پہلی قسم

سے جنگ چھڑے گی تو احتمال ہے کہ باقی تین جماعتیں بھی ان کے ہم دوش ہوجائیں اور اپنے عہد و پیمان اور قول وقرار کو بالائے طاق رکھ کر جنگ میں کود پڑیں تو ایسی صورت میں ان کے ساتھ کیا رویہ اختیار کیا جائے؟ ارشاد فرماتے ہیں —— اور اگر وہ لوگ (کافروں کی باقی تین قسمیں خاص کر دوسری قسم) عہد کرنے کے بعد اپنی قسموں (قول وقرار) کو توڑ بیٹھیں اور تمہارے دین کو زد پہنچائیں تو تم (بھی) کفر کے سرغنوں سے لڑو، بیشک ان کی قسمیں کچھ نہیں تاکہ وہ باز آجائیں —— یعنی جب عہد شکنی کا آغاز ان کی طرف سے ہو، تمہیں اور تمہارے دین کو نقصان پہنچانے پر وہ کمر بستہ ہوجائیں تو اب ان کے ساتھ کئے ہوئے قول وقرار کا کچھ پاس ولحاظ نہ کرو وہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کی قسم کوئی قابل اعتبار قسم نہیں ہے اس لئے ان پیشوایان کفر، سرداران شرک اور فتنہ وفساد کے سرغنوں کی خوب مرمت کرو تاکہ وہ باز آجائیں۔

> **جہاد کا مقصد دشمن کو ستانا، جوش انتقام کو فرو کرنا یا ملک گیری جیسے پست جذبات نہیں ہیں، بلکہ اس کا واحد مقصد دشمنوں کی خیر خواہی اور ہمدردی ہے اور یہ جذبہ ہے کہ لوگ اپنی غلط رَوِش سے باز آجائیں اور دنیا اور آخرت میں کامیابی سے ہم کنار ہوں!**

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَ هَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴﴾ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۵﴾

اَلَا	کیا نہیں	قَوْمًا	ایسے لوگوں سے	اَيْمَانَهُمْ	اپنی قسمیں
تُقَاتِلُوْنَ	لڑتے تم	نَّكَثُوْٓا (۱)	جنھوں نے توڑ دیں	وَ هَمُّوْا	اور ارادہ کیا انھوں نے

(۱) نَكَثَ فلانٌ عهدَه: إذا نقضه بعد إحكامه كما يُنكَث خيطُ الصوف بعد إبرامه ومنهُ قوله تعالى: مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا (کبیر) نَكَثَ فلانٌ عهدَهٗ: کہتے ہیں: جب کوئی شخص عہد و پیمان مضبوط باندھنے کے بعد توڑ دے، جیسے اون کا تاگا مضبوط بٹنے کے بعد نوچ ڈالا جائے، اور اسی سے (سورۃ النحل کی آیت ۹۲ میں ہے) ﴿مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا﴾ یعنی مکہ کی اس بے وقوف عورت کی طرح مت ہوجاؤ جس نے اپنا سوت کاتتے پیچھے بوٹی بوٹی کر کے نوچ ڈالا (یہ بات تفسیر کبیر میں امام رازیؒ نے فرمائی ہے)

بِاِخْرَاجِ	نکالنے کا	مُّؤْمِنِيْنَ	ایمان والے	قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ	ایمان داروں کے
الرَّسُوْلِ	رسول کو	قَاتِلُوْهُمْ	لڑوان سے	وَيُذْهِبْ	اور دور کرے گا
وَهُمْ	اور انھوں نے	يُعَذِّبْهُمُ	عذاب دے گا ان کو	غَيْظَ	غصہ
بَدَءُوْكُمْ	(جنگ) کی ابتدا کی تم سے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	قُلُوْبِهِمْ	ان کے دلوں کا
اَوَّلَ مَرَّةٍ	پہلی بار	بِاَيْدِيْكُمْ	تمہارے ہاتھوں سے	وَيَتُوْبُ	اور متوجہ ہوتا ہے
اَتَخْشَوْنَهُمْ	کیا ڈرتے ہو تم ان سے	وَيُخْزِهِمْ	اور رسوا کرے گا ان کو	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
فَاللّٰهُ	پس اللہ تعالیٰ	وَيَنْصُرْكُمْ	اور مدد کرے گا تمہاری	عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ	جس پر چاہتا ہے
اَحَقُّ	بہت حقدار ہیں	عَلَيْهِمْ	ان کے مقابلہ میں	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
اَنْ تَخْشَوْهُ	کہ ڈرو تم اس سے	وَيَشْفِ	اور ٹھنڈا کرے گا	عَلِيْمٌ	سب کچھ جاننے والے
اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم	صُدُوْرَ	سینے	حَكِيْمٌ	حکمت والے ہیں

عہد شکنی کرنے والے کافروں سے جہاد کی ترغیب اور ضمناً جہاد کی حکمت

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں — تم ایسے لوگوں سے کیوں نہیں لڑتے جنھوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا — اور تمہارے حلیف بنوخزاعہ کے خلاف بنوبکر کی مدد کی — اور اللہ کے رسول کو جلاوطن کردینے کا ارادہ کیا — جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب نبوت کا تیرہواں سال شروع ہوا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر طرف سے سمٹ کر مدینہ میں جمع ہونے لگے، تو قریش کو بڑی فکر دامن گیر ہوئی کہ مسلمان مدینہ میں جا کر طاقت پکڑتے جا رہے ہیں، اور انھیں سر چھپانے کے لئے آسرا مل رہا ہے چنانچہ انھوں نے دَارُالنَّدْوَة میں اجلاس عام کیا اور رسول اللہ ﷺ کے قتل کا منصوبہ بنایا اور اپنے منصوبہ کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے دولت خانہ کا محاصرہ کرلیا لیکن:

چراغے را کہ ایزد برفروزد ۞ کسے کو تف زند ریشش بسوزد

(ترجمہ) جس چراغ کو اللہ تعالیٰ نے روشن کیا ہو، کوئی شخص بجھانے کے لئے پھونک مارے تو ڈاڑھی جلائے گا۔

آپ ﷺ ان کے سنگین محاصرہ سے بال بال بچ کر ان کے سروں پر خاک ڈالتے ہوئے مکان سے باہر تشریف لائے اور کعبہ شریف پر آخری نظر ڈالی اور فرمایا ''اے مکہ! تو مجھ کو تمام دنیا سے زیادہ پیارا ہے لیکن تیرے فرزند مجھے رہنے نہیں دیتے!'' اس لئے ہم تو اب سفر کرتے ہیں! — یہ ہے مکہ کے کافروں کا اذیت دہ برتاؤ، جس سے مجبور ہو کر رسول اللہ ﷺ مکہ شریف کو خیر باد کہنے پر مجبور ہوئے۔ پس کیا تم ایسے کافروں کے ساتھ لڑنے میں پس وپیش کر رہے ہو؟

—— اور پہلی بار خود انھوں نے تمہارے ساتھ جنگ کا آغاز کیا ہے —— اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب آنحضور ﷺ مکہ سے صحیح سالم مدینہ میں جلوہ افروز ہو گئے، صحابہ بھی مدینہ شریف میں جمع ہو گئے تو قریش کے غیظ وغضب کی آگ بھڑک اٹھی پہلے تو انھوں نے منافقوں کے سرغنہ عبداللہ بن اُبی کو، جو آنحضور ﷺ کے ہجرت فرمانے سے پہلے تمام انصار کا سردار تھا اور انصار نے اُس کی تاج پوشی کی شاہانہ رسم ادا کرنے کے لئے تیاری بھی کر لی تھی، خط لکھا کہ: ''تم نے ہمارے آدمی کو اپنے یہاں پناہ دی ہے، ہم خدا کی قسم کھاتے ہیں کہ یا تو تم لوگ ان کو قتل کر ڈالو یا مدینہ سے نکال دو، ورنہ ہم سب لوگ تم پر حملہ کر کے تمہارے فوجیوں کو فنا کی گھاٹ اتار دیں گے اور تمہاری عورتوں پر تصرف کریں گے'' —— لیکن آنحضور ﷺ کی حسن تدبیر سے مدینہ والوں نے اس خط کا کوئی اثر نہیں لیا تو قریش اپنے آپ کو شکست خوردہ سمجھنے لگے اور اب ان کی تمام کوششیں مسلمانوں کو تباہ وبرباد کرنے پر مرکوز ہو کر رہ گئیں —— چونکہ حرم محترم کی تولیت اور کعبہ کی مجاورت کی وجہ سے تمام عرب قریش کا احترام کرتے تھے اور تمام قبائل ان کے زیر اثر تھے اس لئے انھوں نے تمام قبائل کو اسلام کا مخالف بنا دیا اور مدینہ پر حملہ کر کے اسلام کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کی ٹھان لی، چنانچہ ان کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں مدینہ کی طرف گشت کرنے لگیں؟ کُرز فہری مدینہ کی چراگاہوں تک آکر غارت گری کر گیا مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے سب سے زیادہ ضروری چیز مصارف جنگ کی فراہمی اور پھر ان سے اسلحہ کی خرید تھی، چنانچہ قریش نے شام کی طرف ایک کاروان روانہ کیا۔ اس سروسامان سے کہ مکہ کی تمام آبادی نے جس کے پاس جو رقم تھی کل کی کل دے دی مؤرخ ابن سعد نے کارواں کے سردار ابوسفیان کا قول لکھا ہے کہ: ''قسم بخدا! مکہ میں جس قریشی مرد یا عورت کے پاس بیس درہم یا زیادہ رقم تھی اُس نے وہ سارا سرمایہ ہمارے کارواں میں شامل کر دیا'' قریش کا یہ کارواں مکہ سے کھجوریں لے کر ملک شام گیا تا کہ فروخت کر کے وہاں سے اسلحۂ جنگ اور دیگر ضروریات خرید لائے یہی کارواں سب سے پہلی فیصلہ کن جنگ غزوۂ بدر کا سبب بنا۔

اس مختصر سی تفصیل سے ثابت ہوا کہ پہلی بار جنگ کا آغاز مکہ کے مشرکین نے کیا۔ حضرت امام زہری رحمہ اللہ کے ارشاد کے مطابق سب سے پہلی آیت جو قتال کی اجازت کے متعلق نازل ہوئی ہے وہ یہ ہے:

﴿ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰي نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُۨ ؀ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ﴾ (سورۃ الحج ۲۹، ۳۰)

ترجمہ: ان لوگوں کو لڑنے کی اجازت دی گئی جن سے لڑائی کی جاتی ہے اس وجہ سے کہ ان پر ظلم کیا گیا ہے اور بلا شبہ اللہ تعالیٰ ان کو غالب کر دینے پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔ جو اپنے گھروں سے بے وجہ نکالے گئے، محض اتنی بات پر کہ وہ یوں کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ تعالیٰ ہے۔

تفسیر ابن جریر کے بیان کے مطابق قتال کی اجازت کے بارے میں سب سے پہلی آیت یہ نازل ہوئی ہے:

﴿ وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ ﴾ (سورۃ البقرۃ آیت ۱۹۰)

ترجمہ: اور تم لڑو اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جو تمہارے ساتھ لڑتے ہیں۔

ان دونوں آیتوں سے واضح ہوتا ہے کہ جنگ کا آغاز مکہ والوں کی طرف سے ہوا تھا پس جنھوں نے پہلے چھیڑ کی، رسول اللہ ﷺ اور مؤمنوں کو بے گھر کیا، قول وقرار کا کچھ بھی پاس ولحاظ نہ کیا، ان سے لڑنے میں کیا سوچتے ہو؟! —— کیا تم لوگ ان سے خوف کھائے ہوئے ہو (کہ اُن کے پاس جمعیت زیادہ ہے؟) سو اللہ تعالیٰ اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ تم ان سے ڈرو اگر تم ایمان رکھتے ہو —— تو تمہیں خوف اور ڈر صرف اللہ تعالیٰ کا ہونا چاہئے —— تم (نڈر ہوکر) ان سے لڑو (تاکہ) اللہ تعالیٰ ان کو تمہارے ہاتھوں سزا دیں اور ان کو رسوا کریں اور تم کو ان پر غالب کریں اور مسلمانوں کے دلوں کو شفا دیں اور ان کے دلوں کی جلن دور کریں اور جن پر منظور ہوگا اللہ پاک توجہ مبذول فرمائیں گے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والے بڑی حکمت والے ہیں —— اس آیت پاک سے جہاد کی حکمت واضح ہوتی ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ قرآن پاک میں گذشتہ قوموں کے جو حالات ذکر کئے گئے ہیں ان کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ جب کوئی قوم کفر وشرارت اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تکذیب وعداوت میں حد سے بڑھ جاتی ہے تو اس پر آسمان سے تباہ کن عذاب نازل کیا جاتا ہے بلاشبہ یہ عذاب بہت سخت ہوتا ہے اور آئندہ نسلوں کے لئے عبرت ناک بھی ہوتا ہے لیکن عذاب پانے والے لوگوں کو دنیا میں رہ کر اپنی ذلت ورسوائی کا نظارہ نہیں کرنا پڑتا، نہ آئندہ کے لئے توبہ کا کوئی امکان باقی رہتا ہے۔

البتہ شریروں کو سزا دینے کی ایک دوسری صورت بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ بلا واسطہ عذاب دینے کے بجائے اپنے مخلص وفا دار بندوں کے ہاتھوں سزا دیں۔ اس صورت میں مجرموں کی رسوائی کے ساتھ ساتھ مخلصوں کی عزت افزائی بھی ہوگی، اللہ کے وفادار بندوں کا غلبہ سب آنکھیں دیکھیں گی اور مومنوں کے دل یہ دیکھ کر ٹھنڈے ہوں گے کہ کل تک جو لوگ انھیں حقیر وناتواں سمجھ کر ان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑتے تھے آج خدا کی تائید ورحمت سے انھیں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ کفر وباطل کی شوکت ونمائش دیکھ کر جن دلوں میں خلش اور چبھن تھی وہ شفایاب ہوں گے مظلوم مسلمانوں کی بے بسی اور ظالم کفار کی چیرہ دستیوں سے جن دلوں میں دکھن تھی وہ دور ہوگی اور آخری فائدہ یہ ہوگا کہ خود مجرموں کے حق میں سزا کا یہ طریقہ نسبتاً زیادہ نافع ہے کیونکہ سزا پانے کے بعد بھی توبہ کا دروازہ کھلا رہتا ہے اس لئے ممکن ہے حالات سے عبرت حاصل کر کے بہت سے مجرموں کو توبہ کی توفیق نصیب ہوجائے چنانچہ آنحضور ﷺ کے مبارک زمانہ میں تھوڑی ہی مدت میں سارا عرب سچے دل سے دینِ الٰہی کا گرویدہ بن گیا —— یہ ہے جہاد کی مشروعیت کی اصلی غرض وغایت!

آسمانی عذاب کافروں کا قصہ پاک کر دیتا ہے لیکن اسلامی جہاد کی شکل میں دی جانے والی سزا کافروں کی شرارت کو شرافت سے اور کفر وشرک کو ایمان واخلاص سے بدلنے کا سبب بن جاتی ہے!

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُتْرَكُوا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَا رَسُولِهِ وَلَا الْمُؤْمِنِينَ وَلِيجَةً ۚ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٦﴾ ع

أَمْ	کیا	الَّذِينَ	ان کو جنھوں نے	رَسُولِهِ	اس کے رسول (کے سوا)
حَسِبْتُمْ	تم گمان کرتے ہو	جَاهَدُوا	جہاد کیا	وَلَا	اور نہ
أَنْ	کہ	مِنْكُمْ	تم میں سے	الْمُؤْمِنِينَ	مسلمانوں (کے سوا)
تُتْرَكُوا	چھوڑ دیئے جاؤ گے	وَلَمْ	اور نہیں	وَلِيجَةً [1]	کوئی بھیدی
وَلَمَّا	حالانکہ اب تک نہیں	يَتَّخِذُوا	بنایا انھوں نے	وَاللَّهُ خَبِيرٌ	اور اللہ باخبر ہیں
يَعْلَمِ	معلوم کیا	مِنْ دُونِ اللَّهِ	اللہ تعالیٰ کے سوا	بِمَا	ان کاموں سے جو
اللَّهُ	اللہ تعالیٰ (نے)	وَلَا	اور نہ	تَعْمَلُونَ	تم کر رہے ہو

مشرکین کے ساتھ جہاد وقتال کی ترغیب اور مشروعیتِ جہاد کی ایک اور حکمت

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: —— کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ تم یوں ہی چھوڑ دیئے جاؤ گے؟! —— امتحان کی کسوٹی پر کسے نہیں جاؤ گے؟ کھرے کھوٹے کو چھانٹا نہیں جائے گا؟! —— حالانکہ اب تک اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھوں نے تم میں سے جہاد کیا اس حال میں کہ انھوں نے اللہ، رسول اور مؤمنوں کے سوا کسی کو —— چاہے وہ کتنا ہی قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہو —— جگری دوست نہیں بنایا —— عام کافروں سے جہاد وقتال کرنے میں پورا امتحان نہیں ہوتا، جب خاص اعزہ واقارب سے مقابلہ ٹھن جاتا ہے تب آدمی کا پورا امتحان ہوتا ہے کہ کون اللہ کو چاہتا ہے اور کون برادری اور رشتے ناطے کو؟ —— اس لئے اللہ پاک تمہیں مکہ کے کافروں کے ساتھ جو تمہارے قریبی رشتہ دار ہیں جہاد وقتال کا حکم دے کر دیکھنا چاہتے ہیں کہ کتنے مسلمان ہیں جو اللہ کی راہ میں جان ومال نثار کرنے کو تیار ہیں۔ اور اللہ،

(۱) وَلِيجَةً ای بِطَانَةً (وہ کپڑا جو دوسرے کپڑوں کے نیچے پیٹ وبدن سے متصل ہو) وصاحبَ سِرٍّ —— من الولوج وهو الدخول —— وكل شيئ أدخلته فى شيئ، وليس منه، فهو وليجة (روح المعانی)

رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے علاوہ کسی کو اپنا راز دار، بھیدی اور خصوصی دوست نہیں بناتے —— یہ ہے معیار جس پر مؤمنوں کا ایمان پرکھا جاتا ہے —— پھر جو لوگ اس امتحان میں کامیاب ثابت ہوں گے وہ بھلا دوسرے عام کافروں کو اپنا راز دار کیسے بنا سکتے ہیں؟ اور جہاد میں کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ دشمن کو راز ہائے سربستہ کی بھنک تک نہ پڑنے دی جائے —— اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے کاموں کی سب خبر ہے —— جیسا تمہارا عمل ہوگا ویسا بدلہ دے گا۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۸﴾

مَا كَانَ	نہیں تھا	وَفِي النَّارِ	اور آگ میں	الصَّلٰوةَ	نماز کو
لِلْمُشْرِكِيْنَ	مشرکوں کے لئے	هُمْ	وہ	وَاٰتَى	اور دیتا ہے
اَنْ يَّعْمُرُوْا	کہ آباد کریں وہ	خٰلِدُوْنَ	ہمیشہ رہنے والے ہیں	الزَّكٰوةَ	زکوۃ
مَسٰجِدَ اللّٰهِ	اللہ کی مسجدوں کو	اِنَّمَا	بس وہی	وَلَمْ يَخْشَ	اور نہیں ڈرتا وہ
شٰهِدِيْنَ	گواہی دیتے ہوئے	يَعْمُرُ	آباد کرتا ہے	اِلَّا اللّٰهَ	سوائے اللہ کے
عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ	اپنی جانوں کے خلاف	مَسٰجِدَ اللّٰهِ	اللہ کی مسجدیں	فَعَسٰٓى	پس توقع ہے
بِالْكُفْرِ	کفر کی	مَنْ اٰمَنَ	جو یقین رکھتا ہے	اُولٰٓئِكَ	وہ لوگ
اُولٰٓئِكَ	یہ لوگ	بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ پر	اَنْ يَّكُوْنُوْا	کہ ہوں وہ
حَبِطَتْ	اکارت گئے	وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ	اور آخرت کے دن پر	مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ	ہدایت پانے والوں
اَعْمَالُهُمْ	ان کے عمل	وَاَقَامَ	اور قائم رکھتا ہے		میں سے

مشرکین مکہ کا یہ دعوی غلط ہے کہ وہ حرم محترم کے آباد کار ہیں

مکہ کے مشرکوں نے کعبہ شریف میں سینکڑوں مورتیاں رکھ چھوڑی تھیں۔ فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے بیت اللہ اور مسجد حرام کو ان بتوں سے پاک صاف کیا، لیکن چونکہ حضور ﷺ مکہ والوں کو معافی اور امان دے چکے تھے

اس لئے مشرکین اب بھی بیت اللہ اور حرمِ محترم میں آزادی سے اپنے خود ساختہ طریقوں پر عبادت وطواف کیا کرتے تھے۔اب ضرورت تھی کہ جس طرح مسجد حرام کو بتوں سے پاک صاف کردیا گیا ہے اسی طرح مشرکانہ رسوم ورواج اور تمام خود ساختہ عبادتوں کا اس مقدس سرزمین سے خاتمہ کردیا جائے، کیونکہ مشرکانہ عبادات درحقیقت عبادت اور مسجد کی آبادی نہیں ہے بلکہ ویرانی ہے ـــــ اور اس کی صورت صرف یہ تھی کہ مسجد حرام میں مشرکوں کا داخلہ ممنوع قرار دے دیا جائے لیکن ایسا فوری اقدام امان کے خلاف تھا،اس لئے کافی مہلت دی گئی،اس کے بعد شرک وکفر کی نجاست سے اس سرزمین کو پاک کرنے کے لئے مکہ والوں سے جہاد وقتال کا حکم دیا گیا۔ارشاد ہے ـــــ مشرکوں میں یہ لیاقت نہیں کہ وہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں اس حال میں کہ وہ خود اپنے کفر کا اقرار کررہے ہوں ـــــ یعنی مکہ کے مشرکوں کو شرک سے انکار نہیں، وہ خود اپنے کفر وشرک کے گواہ ہیں ایسا نہیں ہے کہ کسی نے شرک کی تہمت ان پر لگادی ہو بلکہ شرک ان کا عقیدہ ہے جسے سوجان سے وہ گلے لگائے ہوئے ہیں پھر اس حالت میں اللہ کی مسجدوں کو آباد کرنے کی ان میں لیاقت کہاں رہی؟! ـــــ اس لئے اٹھو! ان مشرکوں کے ساتھ جہاد کرو اور ان کو وہاں سے بے دخل کر کے مسجد حرام کو آباد کرنے کے ذمہ دار تم خود بنو!

مکہ کے مشرک اپنی مشرکانہ رسوم کو عبادت اور مسجد حرام کی تعمیر کا نام دیتے تھے اور اس پر فخر کرتے تھے کہ وہ بیت اللہ اور مسجد حرام کے متولی اور اس کی عمارت کے ذمہ دار ہیں۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد جب غزوۂ بدر میں گرفتار ہوئے اور مسلمانوں نے ان کو کفر وشرک پر قائم رہنے پر عار دلائی تو انھوں نے جواب دیا کہ تم لوگ ہماری صرف برائیاں دیکھتے ہو اور بھلائیوں کا کوئی تذکرہ نہیں کرتے،کیا ہم بیت اللہ اور مسجد حرام کو آباد رکھنے والے،ان کا انتظام کرنے والے،اور حجاج کو پانی پلانے کی خدمات انجام نہیں دیتے؟اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ـــــ ان لوگوں کے سب اعمال اکارت (ضائع) ہیں ـــــ ان کے جو کام بظاہر اچھے ہیں وہ بھی کفر کی نحوست سے عند اللہ مقبول ومعتبر نہیں،ان کے سب اعمال بے جان اور بے روح ہیں کیونکہ مشرک کو جب اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت اور پہچان ہی حاصل نہیں تو اس کا کوئی کام اللہ تعالیٰ کے لئے کیسے ہوسکتا ہے؟اس لئے کافر ومشرک کا کوئی عمل اللہ کے نزدیک پسندیدہ اور معتبر نہیں ـــــ اور (جب ایمان کا فقدان ہے اور اعمال جو اسباب نجات ہیں وہ بھی ضائع اور برباد ہوگئے تو) دوزخ میں وہ لوگ ہمیشہ رہیں گے ـــــ اس آیت پاک میں عمارت مسجد کا جو لفظ آیا ہے وہ ایک عام لفظ ہے۔درو دیوار کی ظاہری تعمیر،مساجد کی حفاظت،صفائی اور ضروریات کا انتظام،نیز عبادت کے لئے مسجد میں حاضر ہونے وغیرہ کو شامل ہے مکہ کے مشرک ان تینوں معنی کے اعتبار سے اپنے آپ کو بیت اللہ کا معمار اور مسجد حرام کی عمارت کا ذمہ دار سمجھتے تھے اور اس پر فخر کیا کرتے تھے اللہ پاک نے اس آیت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ مشرکوں میں یہ سب کام کرنے کی لیاقت ہی نہیں

ہے؟ —— اس کے بعد مثبت پہلو بیان کرتے ہیں یعنی یہ بتلاتے ہیں کہ ان کاموں کے کرنے کی لیاقت کن لوگوں میں ہے —— اللہ کی مسجدیں بس وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر یقین رکھتے ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے —— یعنی مساجد کی تعمیر اور آبادی صرف انہی لوگوں کے ہاتھوں انجام پاسکتی ہے جو عقیدہ اور عمل کے اعتبار سے احکام الٰہی کے پابند ہوتے ہیں اور جو اللہ کے احکام پر عمل کرنے میں کسی سے نہیں ڈرتے ہیں —— ایسے لوگوں کے بارے میں توقع ہے کہ وہ اپنے مقصود (جنت ونجات) تک پہنچ جائیں —— اس آیت پاک سے ثابت ہوا کہ جو شخص مساجد کی حفاظت صفائی اور دوسری ضروریات کا انتظام کرتا ہو، عبادت، ذکر اللہ، علم دین اور قرآن پاک پڑھنے پڑھانے کے لئے مسجد میں آتا جاتا ہو، وہ مومن ہے رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

اِذَا رَأَيْتُمُ الرَّجُلَ يَعْتَادُ الْمَسْجِدَ فَاشْهَدُوْا لَهٗ بِالْإِيْمَانِ. قال تعالی اِنَّمَا يَعْمُرُ الآية.	ترجمہ: جب تم کسی شخص کو مسجد کی حاضری کا پابند دیکھو تو اس کے مؤمن ہونے کی شہادت دو کیونکہ اللہ پاک فرماتے ہیں کہ اللہ کی مسجدیں بس وہی لوگ آباد کرتے ہیں الخ۔

مساجد میں بکثرت حاضری اور وہاں جا کر اللہ کی یاد اور اللہ کے دین کی فکر کرنا جہاد ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

اَلْغُدُوُّ وَالرَّوَاحُ اِلَى الْمَسْجِدِ مِنَ الْجِهَادِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ.	ترجمہ: صبح وشام مسجد میں آنا جانا بھی جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

مسئلہ (۱): —— کسی کافر کو کسی اسلامی وقف کا متولی اور منتظم بنانا جائز نہیں۔

مسئلہ (۲): —— مسجد کی ظاہری تعمیر اور شکست وریخت کی مرمت کا کام غیر مسلم سے لیا جاسکتا ہے لیکن دیندار مسلمان سے لینا افضل ہے۔

مسئلہ (۳): —— کوئی غیر مسلم ثواب سمجھ کر مسجد بنادے یا مسجد بنانے کے لئے چندہ دے تو اس کو قبول کرنا اس صورت میں جائز ہے کہ اُس سے کسی دینی یا دنیوی نقصان یا الزام یا آئندہ اس پر قبضہ کر لینے کا یا احسان جتلانے کا خطرہ نہ ہو۔

مسئلہ (۴): —— جو شخص شریعت کے احکام کا پابند نہیں اس میں مسجد کا متولی اور منتظم ہونے کی لیاقت نہیں۔

مسئلہ (۵): —— جو شخص امانت دار، سمجھدار، شریعت کا پابند اور لوگوں کو دین پر لانے کا جذبہ رکھتا ہو اس کو مسجد کا متولی بنانا افضل ہے۔

فائدہ: یہاں یہ نکتہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ جہاد کے اصل اور اصطلاحی معنی قتال فی سبیل اللہ کے ہیں۔ دوسری

چیزیں: تحصیل علم کے لئے وطن سے نکلنا، مسجد کے اعمال کی پابندی کرنا اور دین کی سربلندی کے لئے دوسری محنتیں کرنا جہاد کے ساتھ ملحق اعمال ہیں، اور یہ الحاق ہی ان کی فضیلت ہے، ان کے علاوہ جہاد کے دیگر فضائل جو قرآن وحدیث میں وارد ہوئے ہیں وہ ان اعمال کے لئے ثابت نہیں کئے جائیں گے۔

جو مسلمان دل، زبان، ہاتھ، پاؤں اور مال ودولت میں اللہ کے فرمانبردار ہیں اُن کا فرض ہے کہ مساجد کو آباد رکھیں اور تعمیر کے جھوٹے دعوے داروں کو نکال باہر کریں کیونکہ ان کے وجود سے مساجد کی آبادی نہیں بربادی ہے!

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۲۰﴾ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ﴿۲۱﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۲﴾

اَجَعَلْتُمْ	کیا تم نے کر دیا	اٰمَنَ	یقین رکھتا ہے	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
سِقَايَةَ [1]	پانی پلانے کو	بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ پر	لَا يَهْدِي	ہدایت نہیں دیتے
الْحَآجِّ	حاجیوں کے	وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ	اور پچھلے دن (پر)	الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ	ظالموں (کو)
وَعِمَارَةَ	اور آباد کرنے کو	وَجٰهَدَ	اور جہاد کیا اس نے	اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	جو لوگ ایمان لائے
الْمَسْجِدِ	مسجد کے	فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	راہ خدا میں	وَهَاجَرُوْا	اور گھر چھوڑا انھوں نے
الْحَرَامِ	محترم	لَا يَسْتَوٗنَ	نہیں برابر ہیں (دونوں)	وَجٰهَدُوْا	اور جہاد کیا
كَمَنْ	اس شخص جیسا جو	عِنْدَ اللّٰهِ	اللہ کے نزدیک	فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	خدا کی راہ میں

(۱) السِقَايَة وَالْعِمَارة مصدران من سقى وعَمَرَ، كالصِيَانَةِ وَالْوِقَايَةِ (كشاف)

بِاَمْوَالِهِمْ	اپنے مالوں سے	يُبَشِّرُهُمْ	خوشخبری سناتے ہیں ان کو	نَعِيْمٌ	نعمت (ہے)
وَاَنْفُسِهِمْ	اور اپنی جانوں سے	رَبُّهُمْ	ان کے پروردگار	مُّقِيْمٌ	پائیدار
اَعْظَمُ	بڑے ہیں وہ	بِرَحْمَةٍ	مہربانی کی	خٰلِدِيْنَ	ہمیشہ رہنے والے ہیں
دَرَجَةً	درجے میں	مِّنْهُ	اپنی طرف سے	فِيْهَآ	اُن (باغات) میں
عِنْدَ اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کے نزدیک	وَرِضْوَانٍ	اور رضامندی (کی)	اَبَدًا	دائمی طور پر
وَاُولٰٓئِكَ	اور وہ	وَّجَنّٰتٍ	اور باغوں (کی)	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
هُمُ	ہی	لَّهُمْ	ان کے واسطے	عِنْدَهٗٓ	ان کے پاس (ہے)
الْفَآئِزُوْنَ	مراد کو پہنچنے والے (ہیں)	فِيْهَا	اُن (باغات) میں	اَجْرٌ عَظِيْمٌ	بڑا ثواب

معمولی کاموں کو لے کر بیٹھ جانا ناسمجھی کی بات ہے

مکہ کے مشرکوں کو اس بات پر فخر و ناز تھا کہ ہم حاجیوں کی خدمت کرتے ہیں، انھیں پانی پلاتے ہیں، کھانا کپڑا دیتے ہیں، حرم شریف میں چراغ جلاتے ہیں، کعبہ شریف پر غلاف چڑھاتے ہیں، کعبہ اور مسجدِ حرام کی شکست وریخت کی مرمت کرتے ہیں وہ اسی قسم کے کارناموں کی وجہ سے اپنے آپ کو مسلمانوں سے بہتر سمجھتے تھے۔

روایات میں ہے کہ انھوں نے مدینہ کے یہودیوں سے جن کے علم وفضل کے وہ بڑے معتقد تھے پوچھ کر اطمینان بھی کرلیا تھا کہ ہم حاجیوں کے لئے سبیل لگانے والے اور مسجدِ حرام کی تعمیر کرنے والے ہیں تو کیا ہم افضل ہیں یا محمد (ﷺ) اور ان پر ایمان لانے والے؟ یہود نے جواب دیا تھا کہ تم افضل ہو (کشاف) یہود کے اس جواب سے ان کے گمان میں اور بھی پختگی آ گئی تھی۔ چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی مسلمانوں کے ساتھ اس قسم کی ایک گفتگو ہوئی تھی جو پچھلی آیت کی تفسیر میں نقل کی جا چکی ہے قرآن پاک مکہ کے مشرکوں کی یہ غلط فہمی دور کرتا ہے —— کیا تم نے حاجیوں کے پانی پلانے کو اور مسجدِ حرام کی تعمیر کرنے کو اس شخص کے برابر قرار دیا ہے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر یقین رکھتا ہے اور اس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا ہے؟ اللہ کے نزدیک وہ برابر نہیں! —— اور یہ کوئی گہری حقیقت نہیں ہے جس کو سمجھنے کے لئے باریک بینی درکار ہو، بلکہ بالکل واضح حقیقت ہے —— اور اللہ تعالیٰ بے انصاف لوگوں کو سمجھ نہیں دیتے —— اس لئے وہ ایسی ظاہری اور کھلی بات کو بھی نہیں سمجھ پاتے —— معصیت ونافرمانی سے انسان کی عقل خراب ہوجاتی ہے، اچھے کو برا اور برے کو اچھا سمجھنے لگتا ہے۔ موٹے موٹے دینی حقائق بھی اس کی فہم سے بالاتر ہوجاتے ہیں۔ یہی بات کہ حاجیوں کے لئے سبیل لگا دینا، مسجدِ حرام کا متولی بن جانا، دینی محنت اور جہاد فی سبیل اللہ کے ہم پلہ نہیں ہوسکتا، ان لوگوں کی سمجھ ہی میں

نہیں آرہا تھا اس کے بالمقابل تقوی وطہارت انسان کی عقل کو جلا بخشتے ہیں، سلامت فکر نصیب ہوتی ہے اور اچھے برے کی تمیز ہونے لگتی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے۔

﴿اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا﴾ (سورۃ الانفال آیت ۲۹)

ترجمہ: اگر تم اللہ سے ڈرتے رہے تو وہ تمہیں ایک فیصلہ کی چیز (ہدایت اور نور قلب) عطا فرمائے گا۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنے استاذ حضرت وکیع رحمہ اللہ سے ذہن کند ہونے کا شکوہ کیا۔ استاذ نے اطاعتِ الٰہی کی تاکید فرمائی اور وجہ بتلائی کہ علمِ دین ایک نور ہے، وہ گنہگار کو کبھی نصیب نہیں ہوتا۔

شَكَوْتُ اِلٰى وَكِيْعٍ سُوْءَ حِفْظِىْ ۞ فَاَوْصَانِىْ اِلٰى تَرْكِ الْمَعَاصِىْ

فَاِنَّ الْعِلْمَ نُوْرٌ مِّنْ اِلٰهٍ ۞ وَذَا النُّوْرِ لَايُعْطٰى لِلْعَاصِىْ

ترجمہ: میں نے وکیع رحمہ اللہ سے حافظہ کی کمزوری کی شکایت کی تو انھوں نے گناہوں سے بچنے کی تاکید کی۔ اور فرمایا کہ علم دین ایک نور الٰہی ہے اور یہ نور گنہ گار کو نہیں دیا جاتا۔

نافرمانی اور گناہوں سے دین سمجھنے کا ذہن کند ہو جاتا ہے اور اطاعت کی برکات سے تیز ہو جاتا ہے

ایمان لانے والوں اور جہاد کرنے والوں کا اجر وثواب اور رتبہ

ارشاد پاک ہے —— جو لوگ ایمان لائے، اور (دین کی خاطر) گھر بار چھوڑا، اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کیا وہ اللہ کے نزدیک درجہ (اور رتبہ) میں بہت بڑے ہیں، اور پورے کامیاب یہی لوگ ہیں۔ ان کو ان کا پروردگار خوش خبری دیتا ہے اپنی طرف سے بڑی مہربانی کی، اور بڑی رضامندی کی، اور ایسے باغوں کی جن میں ان کے لئے دائمی نعمت ہے اور جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ بلاشبہ اللہ کے پاس (ان کے لئے) بڑا ثواب ہے۔

تفسیر: اللہ تعالیٰ نے ان کو تین کاموں کے عوض میں تین چیزیں عنایت فرمائی ہیں: ایمان کے عوض میں رحمت، جہاد کے صلہ میں رضوان (بڑی خوشنودی) اور ہجرت کے بدلے میں جنت کی سدابہار زندگی کیونکہ رحمت کا استحقاق ایمان کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے، ایمان نہ ہو تو آخرت میں رحمت ومہربانی سے کوئی حصہ نہیں مل سکتا اور رضوان جہاد فی سبیل اللہ کا صلہ ہے کیونکہ مجاہد اپنے تمام نفسانی تقاضے ترک کر کے خدا کے راستہ میں جان ومال نثار کرتا ہے اور خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے بڑی سے بڑی قربانی پیش کرتا ہے اس لئے اس کا صلہ بھی بڑے سے بڑا ہے اور وہ ہے حق تعالیٰ کی خوشنودی —— حدیث شریف میں ہے کہ اللہ پاک جنتیوں سے دریافت فرمائیں گے کہ تم خوش ہوگئے یا نہیں؟ وہ عرض

کریں گے، خدایا ہم کیوں خوش نہ ہوتے آپ نے ہمیں دوزخ سے نجات دی اور جنت میں جگہ بخشی! اللہ پاک فرمائیں گے کہ میرے پاس تمہارے لئے اس سے بھی افضل (نعمت) ہے۔ جنتی دریافت کریں گے کہ اس سے افضل کیا چیز ہے؟ اللہ پاک فرمائیں گے کہ میں تمہیں اپنی خوشنودی کا عطیہ بخشتا ہوں۔ آئندہ میں کبھی بھی تم سے ناخوش نہ ہوں گا۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ رضوان یعنی اللہ کی خوشنودی سب سے بڑی نعمت ہے اور آیتِ پاک سے معلوم ہوا کہ یہ نعمت جہاد فی سبیل اللہ کے صلہ میں ملتی ہے —— اور ہجرت کر کے مہاجرنے چونکہ گھر بار چھوڑا ہے اس لئے اسے خوش خبری دی گئی ہے کہ تیرے وطن سے بہتر وطن اور تیرے گھر سے بہتر گھر تجھے ملے گا جس میں تو ہمیشہ اعلیٰ درجہ کی آسائش اور راحت سے رہے گا، جہاں سے ہجرت کرنے کی کبھی نوبت نہ آئے گی۔

آیت پاک سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ پاک پر اور قیامت کے دن پر ایمان اور اللہ کی راہ میں جہاد اور اللہ کے دین کے لئے انتھک محنت، یہ ایسے اعمال ہیں جن کا مقابلہ کوئی دوسرا عمل نہیں کرسکتا —— جہاد کے معنی ہیں دین کے لئے انتھک محنت کرنا، وقت آنے پر خون کا آخری قطرہ بھی بہادینا، لڑنا، مرنا اور مارنا اصل مقصود نہیں ہے لہٰذا اللہ کے دین کو پھیلانے کے لئے جو بھی جدوجہد اور محنت کی جائے وہ جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ ابھی پچھلی آیت کی تفسیر میں حدیث درج کی جاچکی ہے کہ صبح وشام مسجد میں آنا جانا بھی جہاد فی سبیل اللہ ہے کیونکہ جب مسجد والے اعمال زندہ ہوں گے تو مساجد کی پربہار رونق دیکھ کر بہت سے دل اسلام کی طرف خود بخود مائل ہوں گے —— آیتِ پاک یہ غلط فہمی بھی دور کررہی ہے کہ دین کے معمولی کاموں کو لے کر بیٹھ جانا اور دعوت اور دین پھیلانے کی محنتوں سے غافل ہوجانا اور اس خوش فہمی میں مبتلا رہنا کہ ہم ہی سب سے اچھا کام کررہے ہیں نا سمجھی کی بات ہے جیسے حاجیوں کے لئے سبیل لگانا اور مسجد کا متولی بن جانا اور اسی کو سب کچھ سمجھ لینا اور افضل ترین عمل قرار دے بیٹھنا نادانی ہے۔ یہ اعمال جہاد فی سبیل اللہ اور اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے کی جانے والی محنتوں کے برابر کبھی نہیں ہوسکتے۔

اللہ کی راہ میں جہاد اور دین کے لئے انتھک محنت کا مقابلہ کوئی دوسرا عمل ہرگز نہیں کرسکتا

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ

اقۡتَرَفۡتُمُوۡهَا وَتِجَارَةٌ تَخۡشَوۡنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرۡضَوۡنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَيۡكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوۡلِهٖ وَجِهَادٍ فِىۡ سَبِيۡلِهٖ فَتَرَبَّصُوۡا حَتّٰى يَاۡتِىَ اللّٰهُ بِاَمۡرِهٖ ‌ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِيۡنَ ۞۲۴

ع ۹/۸

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ	اے وہ لوگو! جو	قُلۡ	کہہ دیں آپؐ	اِلَيۡكُمۡ	تمہیں
اٰمَنُوۡا	ایمان لائے	اِنۡ كَانَ	اگر ہوں	مِّنَ اللّٰهِ	اللہ سے
لَا تَتَّخِذُوۡۤا	نہ بناؤ تم	اٰبَآؤُكُمۡ	تمہارے باپ	وَ رَسُوۡلِهٖ	اور اسکے رسول سے
اٰبَآءَكُمۡ	اپنے باپوں کو	وَ اَبۡنَآؤُكُمۡ	اور تمہارے بیٹے	وَجِهَادٍ	اور لڑنے (سے)
وَاِخۡوَانَكُمۡ	اور اپنے بھائیوں کو	وَاِخۡوَانُكُمۡ	اور تمہارے بھائی	فِىۡ سَبِيۡلِهٖ	خدا کی راہ میں
اَوۡلِيَآءَ	دوست	وَاَزۡوَاجُكُمۡ	اور تمہاری عورتیں	فَتَرَبَّصُوۡا	تو انتظار کرو
اِنِ اسۡتَحَبُّوا	اگر ترجیح دیں وہ	وَعَشِيۡرَتُكُمۡ	اور تمہاری برادری	حَتّٰى	یہاں تک کہ
الۡكُفۡرَ	کفر کو	وَ اَمۡوَالُ	اور وہ مال	يَاۡتِىَ	بھیجے
عَلَى الۡاِيۡمَانِ	ایمان پر	اقۡتَرَفۡتُمُوۡهَا (۱)	جو تم نے کمایا ہے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
وَمَنۡ	اور جو	وَتِجَارَةٌ	اور وہ سوداگری	بِاَمۡرِهٖ	اپنا حکم
يَّتَوَلَّهُمۡ	ان سے دوستی کرتا ہے	تَخۡشَوۡنَ	ڈرتے ہو تم	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
مِّنۡكُمۡ	تم میں سے	كَسَادَهَا	اسکی کساد بازاری سے	لَا	نہیں
فَاُولٰٓئِكَ	سو وہ	وَمَسٰكِنُ	اور وہ حویلیاں	يَهۡدِى	راستہ دکھاتے ہیں
هُمُ	ہی	تَرۡضَوۡنَهَاۤ	جن کو پسند کرتے ہو تم	الۡقَوۡمَ	نافرمانوں (کو)
الظّٰلِمُوۡنَ	ستم گار (ہیں)	اَحَبَّ	زیادہ پیاری	الۡفٰسِقِيۡنَ	

جان و مال کی قربانی دینا اور غیروں کو راز دار نہ بنانا کامیابی کی کنجی ہے

یہ آیات سولھویں آیت کا تتمہ ہیں جس میں فرمایا گیا تھا کہ مکہ کے مشرکوں کے ساتھ جو تمہارے اعزہ ہیں جہاد و قتال کا

(۱) ای اکتسبتموھا وحصلتموھا، من الاقتراف بمعنی الاکتساب واصل الاقتراف. اقتطاع الشیئ من مکانہ الی غیرہ من قَرَفْتُ القرحۃَ اذا قشرتھا، ووصفت الاموال بذلک ایماءً الی عزتھا عندھم. لحصولھا بکدّ الیمین وعرق الجبین (روح)

حکم دے کر اللہ پاک تمہیں پرکھنا چاہتے ہیں کہ کون اللہ کی راہ میں جان و مال کی قربانی دیتا ہے اور اللہ، رسول خداؐ، اور مؤمنوں کے علاوہ کسی کو اپنا بھیدی اور راز دار نہیں بناتا۔ فرماتے ہیں —— اے ایمان والو! تم اپنے باپ (دادا) اور بھائیوں کو دوست نہ بناؤ اگر وہ ایمان کے مقابلہ میں کفر کو عزیز رکھیں —— جب انھیں ایمان سے زیادہ کفر عزیز ہے تو مؤمن کے لئے کیسے زیبا ہے کہ انھیں عزیز رکھے۔ مسلمان کی یہ شان نہیں ہے کہ ان سے رفاقت و دوستی کا دم بھرے۔

﴿ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ﴾

ترجمہ: جو لوگ اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر یقین رکھتے ہیں آپ ان کو نہ دیکھیں گے کہ وہ اُن لوگوں سے دوستی کریں جو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کے مدمقابل ہیں، چاہے وہ ان کے باپ (دادا) یا بیٹے (پوتے) یا بھائی یا کنبہ ہی کیوں نہ ہو۔

اور تم میں سے جو لوگ ان کے ساتھ دوستی رکھیں گے وہ اپنا ہی نقصان کریں گے —— وہ اللہ کے حکم کی نافرمانی کرنے کا وبال سر لیں گے اور جہاد کی کامیابی سے بھی محروم ہو جائیں گے کیونکہ اعزہ سے محبت کی وجہ سے وہ اپنے راز ان کے سامنے فاش کر دیں گے پھر کامیابی کہاں نصیب ہوگی۔

رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر تمام صحابہؓ کو راز سربستہ رکھنے کی تاکید فرمائی تھی پھر بھی حضرت حاطب بن ابی بَلْتَعَہ رضی اللہ عنہ نے، جو ایک معزز صحابی تھے اور جنھوں نے بدر کی جنگ میں شرکت فرمائی تھی، قریش مکہ کو خفیہ خط لکھا تھا ان کے عزیز و اقارب اب تک مکہ میں تھے اور وہاں ان کا کوئی حامی نہ تھا، اس لئے انھوں نے خط لکھ کر چاہا تھا کہ قریش پر احسان رکھیں تا کہ قریش اس کے صلہ میں ان کے اعزہ کی حفاظت کریں اور انھیں کوئی تکلیف نہ پہنچنے دیں —— یہ تو اچھا ہوا کہ وحی سے رسول اللہ ﷺ کو اس خط کے بارے میں اطلاع دیدی گئی اور آنحضور ﷺ نے راستہ سے وہ خط پکڑوالیا ورنہ مکہ شریف کی فتح لوہے کے چنے چبوا دیتی!

بہر حال رشتہ داری اور دوستی کے تعلقات سے دین کا تعلق مقدم ہے اس لئے جو تعلق اس سے ٹکرائے وہ توڑنے کے قابل ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہ کی یہی شان تھی انھوں نے رسول اللہ ﷺ پر اپنی جان، مال اور ہر رشتہ کو قربان کر دیا تھا، حبشہ کے حضرت بلال، روم کے حضرت صہیب، فارس کے حضرت سلمان، مکہ کے مہاجرین اور مدینہ کے انصار رضی اللہ عنہم بھائی بھائی ہو گئے تھے، اور بدر اور احد کے میدانوں میں باپ بیٹے اور بھائی بھائی دست و گریبان ہو گئے تھے یہ جذبۂ توحید اور کامل انقیاد کی کرشمہ سازی تھی:

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے ۞ یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

مطلقاً اعزہ واقارب، مال ودولت اور دنیا کے ساز وسامان میں دل لگا لینے اور دین کی محنت چھوڑ بیٹھنے کی ممانعت

پہلے کافر اعزہ کے ساتھ موالات اور دوستی رکھنے کی ممانعت فرمائی، اب مطلقاً اعزہ واقارب، مال ودولت اور دنیا کے ساز وسامان میں دل لگانے اور دین کی محنت چھوڑنے کی ممانعت فرماتے ہیں، ارشاد فرماتے ہیں —— آپ بتلا دیں کہ اگر تمہیں تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیبیاں اور تمہارا کنبہ اور تمہاری گاڑھی کمائی کا مال اور کاروبار جس کی کساد بازاری کا تمہیں اندیشہ لگا رہتا ہے اور حویلیاں جو تمہاری دل پسند ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس کے راستہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیاری ہوں تو (پھر) تم منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ پاک اپنا حکم لے آئیں۔

یعنی اللہ پاک کا حکم اور اس کا دین بہر حال آئے گا چاہے تم اس کی نصرت کرو یا نہ کرو، اس کی سربلندی اور نشر واشاعت میں حصہ لو یا نہ لو، اللہ کا دین کسی کا محتاج نہیں، جب اللہ نے اپنے دین کے پھیلانے کا فیصلہ کرلیا ہے تو وہ بہر حال پھیل کر رہے گا۔

﴿ وَاِنۡ تَتَوَلَّوۡا يَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَيۡرَكُمۡ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوۡنُوۡۤا اَمۡثَالَكُمۡ ﴾ (سورۂ محمد آیت ۳۸)

ترجمہ: اور اگر تم لوگ روگردانی کروگے تو اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ دوسری قوم پیدا کردے گا، پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔

اگر کوئی دین کی محنت چھوڑ بیٹھتا ہے اور مرغوبات کی محبت میں سرشار اور مست ہوکر رہ جاتا ہے تو نقصان اسی کا ہوگا، اللہ کا دین بہر حال چمکے گا —— اور اللہ تعالیٰ اطاعت سے باہر جانے والوں کو (دین کے لئے محنت کرنے کا اور حقیقی کامیابی کا) راستہ نہیں دکھاتے —— جو لوگ اللہ کی راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں اللہ پاک انھیں کو راہیں سُجھاتے ہیں۔

آیتِ پاک کا خاص سبق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت، نیز اللہ کے راستہ میں جہاد اور دین کے لئے محنت کرنے کی لگن اور ولولہ اتنا زیادہ ہونا چاہئے کہ دوسرا کوئی تعلق اور کسی چیز کی محبت اس پر غالب نہ آنے پائے۔

بِاَمۡرِهٖ (خدائی فیصلہ) سے مراد دین کے فروغ کا فیصلہ ہے جیسا کہ اسی سورت کی اڑتالیسویں آیت ﴿ وَظَهَرَ اَمۡرُ اللّٰهِ وَهُمۡ كٰرِهُوۡنَ ﴾ (اللہ کا حکم غالب ہوا اور وہ ناخوش ہی رہے) میں یہ محاورہ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے —— لیکن مفسرین کرام عام طور پر بِاَمۡرِهٖ سے 'عذاب کا فیصلہ' مراد لیتے ہیں۔ کیونکہ قرآن پاک میں اَمۡرُ اللّٰه کا محاورہ اس معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ ارشاد ہے ﴿ اَتٰۤى اَمۡرُ اللّٰهِ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡهُ ﴾ (النحل آیت ۱)

لیکن اگر غور کیا جائے تو یہ دونوں باتیں علاحدہ علاحدہ نہیں کیونکہ جب اللہ کے دین کو فروغ نصیب ہوگا، مسلمان

غالب و منصور ہوں گے تو حق کے مخالف مغلوب اور ذلیل ہوں گے انھیں دنیا میں مسلمان مجاہدین کے ہاتھوں سزا ملے گی اور آخرت میں احکم الحاکمین براہِ راست شرک وکفر کا مزہ چکھائیں گے لیکن اگر مسلمان دین کی جدوجہد چھوڑ بیٹھیں تو باطل کو فروغ ہوگا جس کا لازمی نتیجہ مسلمانوں کی ذلت کی شکل میں نمودار ہوگا جو سب سے بڑا عذاب ہے ـــــ اس صورت میں آیت پاک کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر کنبہ برادری سے جدائی کا قلق، گاڑھے پسینے کی کمائی خرچ ہوجانے کا ڈر، کاروبار کے ٹھپ ہوجانے کا اندیشہ اور آرام دہ مکانوں کی محبت اللہ پاک اور رسول اللہ ﷺ کے احکامات کی بجا آوری اور جہاد فی سبیل اللہ سے مانع بن جائے تو پھر ذلت، رسوائی اور عذاب الٰہی کا انتظار کرو۔ حدیث شریف میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ:

إِذَا تَبَايَعْتُمْ بِالْعِينَةِ، وَأَخَذْتُمْ بِأَذْنَابِ الْبَقَرِ، وَرَضِيتُمْ بِالزَّرْعِ وَتَرَكْتُمُ الْجِهَادَ سَلَّطَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ ذُلًّا لَا يَنْزِعُهُ حَتّٰى تَرْجِعُوا إِلٰى دِينِكُمْ (رواه الإمام أحمد وأبو داؤد عن ابن عمر رضى الله عنهما)

ترجمہ: جب تم بیع عینہ (قرض خواہ کو قرض حسنہ دینے کے بجائے اس کے ہاتھ کوئی چیز گراں قیمت پر اُدھار بیچنا) کرنے لگو (یعنی مجبور کی نصرت کرنے کے بجائے اس کا خون چوسنے لگو) اور بیلوں کی دم پکڑ کر کھیتی باڑی (اور کاروبار) پر راضی ہوجاؤ گے اور جہاد اور دین کے لئے محنت چھوڑ بیٹھو تو اللہ پاک تم پر ذلت مسلط کریں گے جسے اس وقت تک نہ ہٹائیں گے جب تک تم پھر اپنے دین (جہاد فی سبیل اللہ) کی طرف واپس نہ آجاؤ۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۚ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۚ وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۷﴾

لَقَدْ	البتہ تحقیق	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ نے	كَثِيْرَةٍ	بہت سے
نَصَرَكُمُ	مدد کی تمہاری	فِيْ مَوَاطِنَ (۱)	موقعوں میں	وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ	اور حنین کی جنگ میں

(۱) المواطن جمع موطن، وهو الموضع الذى يقيم فيه صاحبه ومواطن الحرب مقاماتها ومواقفها والمنع من الصرف لصيغة منتهى الجموع (روح)

اِذْ	جب	مُّدْبِرِيْنَ	پیٹھ دکھاتے ہوئے	كَفَرُوْا	جنھوں نے کفر کیا
اَعْجَبَتْكُمْ	اترائے تم	ثُمَّ اَنْزَلَ	پھر اتاری	وَ ذٰلِكَ	اور یہی
كَثْرَتُكُمْ	اپنی کثرت (پر)	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ نے	جَزَآءُ	سزا (ہے)
فَلَمْ تُغْنِ	پھر کام نہ آئی وہ کثرت	سَكِيْنَتَهٗ	اپنی تسکین	الْكٰفِرِيْنَ	کافروں (کی)
عَنْكُمْ	تمہارے	عَلٰى رَسُوْلِهٖ	اپنے رسول پر	ثُمَّ يَتُوْبُ	پھر توجہ مبذول فرمائی
شَيْـًٔا	کچھ بھی	وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ	اور مؤمنوں پر	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ نے
وَّضَاقَتْ	اور تنگ ہوگئی	وَ اَنْزَلَ	اور اتارا	مِنْۢ بَعْدِ	بعد
عَلَيْكُمُ	تم پر	جُنُوْدًا	(ایسا) لشکر	ذٰلِكَ	اس کے
الْاَرْضُ	زمین	لَّمْ تَرَوْهَا	کہ نہیں دیکھا تم نے	عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ	جس پر چاہا اس نے
بِمَا رَحُبَتْ (۱)	اپنی کشادگی کے باوجود		اس کو	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
ثُمَّ	پھر	وَعَذَّبَ	اور سزا دی	غَفُوْرٌ	بخشنے والا
وَلَّيْتُمْ	پھر گئے تم	الَّذِيْنَ	ان لوگوں کو	رَّحِيْمٌ	مہربان (ہے)

اللہ کا دین پھیل کر رہے گا، کوئی جہاد کرے یا نہ کرے

حنین کا معرکہ یاد کرو، کس نے غالب کیا تھا؟

پچھلی آیت میں دھمکی آمیز خطاب تھا کہ اگر تم لوگ عیش وعشرت کے دلدادہ بن کر رہ گئے اور تمہارے لئے دنیا کی دل لبھانے والی چیزیں، اللہ، رسولؐ اور دین کی محنت سے زیادہ پیاری ہوگئیں تو پھر تم بیٹھے نظارہ دیکھو۔ اللہ پاک بہر حال اپنا دین لاکر رہیں گے کیونکہ اللہ کا دین کسی کے بل بوتے پر نہیں پھیل رہا، بلکہ اللہ کی نصرت وتائید سے قدم جماتا جارہا ہے اور اللہ ہی اسے فروغ دے رہے ہیں، وہی ہر معرکہ میں تمہاری مدد فرماتے ہیں تب جاکر تمہیں کامیابی نصیب ہوتی ہے۔ بدر واُحد کے معرکوں میں جب تم بے سروسامان اور مٹھی بھر تھے تب بھی اللہ نے تمہیں فتح مند کرکے اپنا دین چمکایا تھا اور حنین کے معرکہ میں جب تم اپنی کثرت پر اترا رہے تھے تب بھی ہماری ہی دستگیری سے کام بنا تھا، تمہاری کثرت جس پر تمہیں بڑا ناز تھا، دھری کی دھری رہ گئی تھی، فرماتے ہیں — واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بہت سے معرکوں میں غلبہ دیا اور (خاص) حنین کے معرکہ میں (بھی) — مکہ شریف سے مشرق جنوب میں تین دن کی مسافت پر حنین

(۱) ما مصدرية، والباء بمعنى مع اى مع رحبها (كشاف) رَحُب (ك) المكانُ رُحْبًا: کشادہ اور فراخ ہونا۔

ایک وادی کا نام ہے اس سے قریب ہی اوطاس وادی ہے اور طائف اس علاقہ کا مرکزی شہر ہے۔ یہاں عرب کا ایک بڑا قبیلہ ہَوازِن سکونت پذیر تھا جس کی بہت سی شاخیں تھیں اور طائف کے مضافات میں پھیلی ہوئی تھیں یہ مشہور، بہادر، جنگجو اور مال دار قبیلہ تھا اور قریش کا حریف اور مدمقابل سمجھا جاتا تھا۔ طائف میں بسنے والے ثقیف بھی اسی قبیلہ کی ایک شاخ تھے۔

اسلام کی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوتا جارہا تھا ۸ھ کے رمضان المبارک میں مکۃ المکرّمہ بھی فتح ہوگیا۔ عرب دنیا کا خیال تھا کہ اگر محمد (ﷺ) سچے پیغمبر ہیں تو قریش پر غالب آجائیں گے اور مکہ فتح کرلیں گے۔ چنانچہ مکہ کی فتح کے بعد عرب قبائل خود پیش قدمی کرتے ہیں اور اسلام قبول کرتے ہیں لیکن چونکہ فتح مکہ کی کارروائی ایسی خوش اسلوبی سے انجام پائی تھی کہ خون کا ایک قطرہ بھی بہنے نہیں پایا تھا اس لئے طائف اور اس کے مضافات میں بسنے والے ان بہادر اور جنگجو قبائل نے مکۃ المکرّمہ کی فتح کو اسلام کی حقانیت اور اللہ پاک کی تائید و نصرت کا نتیجہ نہیں سمجھا، بلکہ ان کی خوددار طبیعتوں نے اور غیور ذہنوں نے اسے قریش کی بزدلی کا نتیجہ قرار دیا۔ چنانچہ ان کے کمانڈر انچیف مالک بن عوف نصری نے میدانِ جنگ میں اپنی بہادر فوج سے خطاب کرکے کہا تھا: ”محمد (ﷺ) کو اب تک کسی بہادر، تجربہ کار قوم سے سابقہ نہیں پڑا، مکہ کے بھولے بھالے قریشیوں کا مقابلہ کرکے انھیں اپنی طاقت کا زعم ہوگیا ہے اب ان کو پتہ چل جائے گا!“ —— علاوہ ازیں انھیں یہ اندیشہ بھی لگا ہوا تھا کہ فتح مکہ کے بعد مسلمانوں کا رخ ہماری طرف ہوگا اس لئے ہوازن اور ثقیف کے سردار اکھٹے ہوئے اور طے کیا کہ دانشمندی کی بات یہ ہے کہ ہم خود مسلمانوں پر حملہ کریں تاکہ ان کا بڑھتا ہوا سیلاب رک جائے [1]

قرارداد کے مطابق کارروائی شروع ہوئی، بنو کلاب اور بنو کعب کے علاوہ تمام قبائل کا لشکر جرّار تیار ہوگیا۔ لیڈر اور کمانڈر انچیف مالک بن عوف نصری چُنے گئے جو تیس سالہ جوشیلے نوجوان تھے (بعد میں آپ مسلمان ہوگئے تھے اور قادسیہ کی جنگ میں بڑے کارنامے انجام دیئے ہیں۔ دمشق کے حاکم بھی مقرر ہوئے تھے) دُرَید بن الصِمّہ کو جو ایک سال خوردہ تجربہ کار جرنیل تھا مشیر جنگ مقرر کیا گیا۔

آنحضور ﷺ کو مکہ میں یہ تمام حالات پہنچ رہے تھے۔ آپؐ نے تصدیق کے لئے حضرت عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی کو جاسوس بنا کر بھیجا۔ انھوں نے واپس آکر صحیح حالات سے حضور ﷺ کو مطلع کیا۔ مجبور ہوکر آنحضور ﷺ نے مقابلہ کی تیاریاں شروع فرمائیں۔ رَسَد اور سامان جنگ کے لئے قرض لیا گیا اور شوال ۸ھ (جنوری و فروری سنہ ۶۳۰ء) میں

---

(۱) قالوا والله إن محمدًا لاقىٰ قوماً لايحسنون القتالَ، فأجمعوا أمركم، فسيروا فى الناس، وسيروا اليه قبل ان يسيراليكم (زرقانى) وكانوا مشفقين من ان يغزوهم رسول الله صلى الله عليه وسلم بعد فتح مكة، وقالوا لامانع له من غزونا، والرأى ان نغزوه قبل ان يغزونا (تاريخ كامل جزرى).

اسلامی فوجوں نے جن کی تعداد بارہ ہزار تھی، حنین کی طرف مارچ شروع کیا یہ پہلا موقعہ تھا کہ اسلامی فوجیں اتنی بڑی تعداد میں کیل کانٹے سے لیس ہوکر دشمن کی طرف بڑھ رہی تھیں اور آنحضور ﷺ کا سچا ارشاد ہے کہ "بارہ ہزار لشکر، جن کی ایک آواز ہو، ان کی ہار تعداد کی کمی کا نتیجہ ہرگز نہیں ہوسکتی" یہ ارشاد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پیش نظر تھا چنانچہ فوج کا منظر دیکھ کر بعض صحابہ کی زبان سے بے اختیار نکل پڑا (جب ہم بہت تھوڑے تھے اس وقت ہمیشہ غالب رہے تو) "آج ہماری اتنی بڑی تعداد کسی سے مغلوب ہونے والی نہیں!"

مردانِ توحید کی زبان سے نکلے ہوئے یہ جملے بارگاہِ ایزدی میں ناپسند ہوئے۔ وہاں بڑا بول، کسی پیغمبر کی زبان سے بھی کیوں نہ ہو، کبھی گوارہ نہیں کیا جاتا، بارگاہِ احدیت میں تواضع کی قدر اور محنت کی پوچھ ہے اور کامیابی بھی درحقیقت اسی میں مضمر ہے:

کتنی ہی مشکلات ہوں پروا نہ چاہئے ❁ اقدام، راہِ حق میں دلیرانہ چاہئے

لیکن یہ گُر رسائیٔ منزل کا یاد رکھ ❁ کوشش تو خوب چاہئے دعویٰ نہ چاہئے

لشکرِ اسلام تہامہ کی وادیوں سے گزرتا ہوا وادیٔ حنین میں پہونچا۔ دشمنوں نے لشکرِ اسلام کے قریب پہنچنے کی خبریں پاکر وادیٔ حنین کی دونوں جانب کمین گاہوں میں تیراندازوں کے دستے بٹھادیئے، یہ قبائل تیراندازی میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے، میدانِ جنگ میں ان کا تیر بہت کم خالی جاتا تھا۔

جنگ نور کے تڑکے شروع ہوئی، ابھی اندھیرا ہی تھا، خوب روشنی پھیلنے بھی نہیں پائی تھی۔ جب اسلامی لشکر وادی کی پیچیدہ گزرگاہوں سے ہوکر نشیب کی طرف اترنے لگا تو کمین گاہوں سے تیراندازوں کے دستوں نے نکل کر اچانک تیروں کا مینہ برسادیا، اس اچانک حملہ سے مسلمان سراسیمہ ہوگئے اور ان کی صفیں پراگندہ ہوگئیں۔ مکہ کے دو ہزار طُلَقاء (نئے مسلمان) جنگ میں شریک تھے، سب سے پہلے ان میں بھگدڑ مچ گئی اور اس وجہ سے تمام لشکر تتر بتر ہوگیا۔

میدانِ جنگ میں صرف آنحضور ﷺ اور مسلمانوں کی مٹھی بھر جماعت رہ گئی۔ باقی مطلع صاف تھا۔ اللہ پاک یہی حالت بیان فرماتے ہیں —— جب تم اپنی (فوج کی) کثرت پر نازاں تھے پھر وہ کثرت تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین باوجود وسعت کے تمہارے لئے تنگ ہوگئی پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے —— رسول اللہ ﷺ دُلدل نامی سفید خچر پر سوار تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ لگام تھامے ہوئے تھے۔ حضور پرنور ﷺ کے چچازاد بھائی ابوسفیان بن حارث ہمرکاب تھے۔ اب دشمن کی پوری قوت کا ریلا آپؐ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ صحابہؓ کی مٹھی بھر جماعت جو آپؐ کے ساتھ رہ گئی تھی وہ جان پر کھیل گئی اور آنحضور ﷺ شجاعت اور استقامت کا نہ صرف پہاڑ بنے رہے بلکہ پیش قدمی کی

پوری کوشش فرماتے رہے آپ نبوت کے پرجلال لہجے میں فرماتے جارہے تھے:

اَنَا النَّبِیُّ لاَ کَذِبْ ۞ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

میں پیغمبر ہوں، جھوٹ نہیں ! ۞ میں عبد المطلب کا لڑکا ہوں

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نہایت بلند آواز تھے۔آپ ﷺ نے انھیں حکم دیا کہ مہاجرین اور انصار کو آواز دیں حضرت عباسؓ نے بیعتِ رضوان کرنے والوں کو پکارا پھر انصار کو ندا دی —— آواز کا کانوں میں پڑنا تھا کہ دفعۃً تمام فوج پلٹ گئی۔کشمکش کی وجہ سے جن لوگوں کے اونٹ،گھوڑے مُڑ نہ سکے انھوں نے زِرہیں پھینک دیں اور گھوڑوں سے کود پڑے اور سب رسول اللہ ﷺ کی طرف پروانہ وار دوڑ پڑے اسی لمحہ اللہ پاک نے فرشتوں کے پرے کے پرے بھیج دیئے اب جو مسلمانوں نے فرشتوں کے حصار میں حملہ کیا تو پہلے تو گھمسان کا رن پڑا،زبان نبوت سے نکلا: ﴿اَلْآنَ حَمِیَ الْوَطِیْسُ﴾ (اب تنور بھڑکا ہے) پھر آپ ﷺ نے تھوڑی مٹی اور کنکریاں اٹھا کر ﴿شَاهَتِ الْوُجُوْه﴾ (چہرے بد ہوجائیں) فرما کر کفار کے لشکر پر پھینک دیں۔خدا کی قدرت سے وہ ہر کافر کے چہرے اور آنکھوں میں جا پڑیں،پھر کیا تھا دفعۃً لڑائی کا رنگ بدل گیا۔کفار بھاگ کھڑے ہوئے جو رہ گئے تھے ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں،مال غنیمت کا ڈھیر لگ گیا۔مالک بن عوف اپنے اہل وعیال اور اموال چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا اور طائف کے قلعہ میں جا چھپا۔کافروں کے ستر سردار معرکہ میں کام آئے۔اللہ پاک اسی حالت کا تذکرہ فرماتے ہیں—— پھر اللہ نے اپنے رسولؐ پر اور مسلمانوں پر تسلی نازل فرمائی اور اللہ نے ایسی فوجیں بھیجیں جو تم نے نہیں دیکھیں اور کافروں کو خوب سزا دی اور یہی کافروں کی سزا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ فرشتوں کی جو کمک آتی ہے وہ عموماً مسلمانوں کو نظر نہیں آتی۔اکا دکا کبھی کسی کو نظر آئے تو وہ اس کے منافی نہیں۔البتہ کافروں کو وہ نظر آتے ہیں۔اسی جنگ میں شیبہ بن عثمان رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ پیش آیا تھا،اس میں اس کی صراحت موجود ہے۔

واقعہ یوں ہے کہ شیبہ رضی اللہ عنہ کے باپ بدر کی جنگ میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے اور چچا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ سے مارے گئے تھے،جس کی وجہ سے وہ خار کھائے بیٹھے تھے۔موقعہ کی تلاش میں تھے کہ پناہ بخدا! رسول اللہ ﷺ کا کام تمام کردیں۔اس جنگ میں وہ اسی ناپاک ارادے سے شامل ہوگئے تھے—— جب لشکر میں بھگدڑ مچ گئی اور جناب رسول اللہ ﷺ میدان میں تنہا رہ گئے تو وہ موقعہ کی تلاش میں رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے۔ فرشتوں کی کمک جب اترنا شروع ہوئی تو انھوں نے اسے دیکھا اور گھبرا کر عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے چتکبرے گھوڑے نظر آرہے ہیں! آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

يَا شَيْبَةُ اِنَّهُ لَا يَرَاهَا اِلَّا كَافِرٌ شیبہ! یہ گھوڑے کافر ہی کو نظر آیا کرتے ہیں (معلوم ہوتا ہے کہ تم ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے)

پھر آپؐ نے ان کے سینہ پر زور سے ہاتھ مارا اور فرمایا: اے اللہ! شیبہ کو نورِ ہدایت سے نواز! آنحضور ﷺ نے اسی طرح تین بار ان کے سینہ پر ہاتھ مار کر دعاء فرمائی —— شیبہؓ خود بیان کرتے ہیں کہ تیسری بار آنحضور ﷺ کے ہاتھ ہٹانے سے پہلے میرے دل میں حضور ﷺ کی محبت دنیا و مافیہا سے زیادہ سما گئی(۱)

اس حدیث شریف میں صراحت ہے کہ فرشتوں کی کمک صرف کافروں کو نظر آتی ہے۔ شیبہ رضی اللہ عنہ چونکہ ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اس لئے ان کو فرشتوں کے گھوڑے نظر آئے اور آں حضور ﷺ نے اسی سے سمجھا کہ شیبہؓ نے اب تک اسلام قبول نہیں کیا۔

جب وادیٔ حنین میں جنگ ختم ہوگئی تو شکست خوردہ فوج منتشر ہوکر کچھ تو دُرَید بن الصِمّہ کے ساتھ اَوْطاس میں جمع ہوئی اور کچھ مالک بن عوف نصری کے ساتھ طائف میں جا کر پناہ گزین ہوگئی —— اوطاس کی طرف آنحضور ﷺ نے ایک فوجی دستہ حضرت ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں روانہ فرمایا، جس نے وہاں کا قضیہ نمٹا دیا۔ لیکن طائف کا معاملہ سنگین تھا۔ وہاں مضبوط شہر پناہ تھی۔ شکست خوردہ فوج نے وہاں پہنچ کر جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اس لئے اموال غنیمت اور قیدیوں کو جُعرانہ روانہ فرما کر آنحضور ﷺ خود طائف روانہ ہوئے —— دشمن قلعہ بند ہوگیا تھا، شہر پناہ کی چاروں جانب منجنیقیں (گوپھنیں، قدیم طرز کی توپیں) نصب کرلی تھیں۔ جا بجا تیرانداز متعین کر لئے تھے۔ مسلمانوں نے بھی یہاں پہلی بار قلعہ شکن آلات، ٹینک، توپ کا استعمال کیا لیکن جب چمڑے کی بنی ہوئی ٹینکوں کو شہر پناہ کی دیوار سے لگا کر اسلامی فوج نے نقب زنی کی کوشش شروع کی تو دشمن نے اوپر سے لوہے کی گرم سلاخیں برسائیں جس سے ٹینک جل اٹھے اور فوج باہر نکلنے پر مجبور ہوگئی، ساتھ ہی دشمن نے اس شدت کی تیر باری کی کہ کئی صحابہ موقعہ پر ہی شہید ہوگئے، بہت سے زخمی ہوگئے اور حملہ آور پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوگئے —— محاصرہ بیس روز جاری رہا لیکن قلعہ فتح نہ ہوا۔ البتہ ایک بہت بڑا فائدہ یہ حاصل ہوا کہ نواحی قبائل کے لوگ مسلمان ہوگئے۔

آنحضور ﷺ نے نوفل بن معاویہ رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا کہ محاصرہ اٹھالینا چاہئے یا جاری رکھنا چاہئے، حالات کا تقاضا کیا ہے؟ انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! لومڑی بھٹ میں گھس گئی ہے اگر کوشش جاری رہی تو پکڑلی جائے گی لیکن چھوڑ دی جائے تب بھی کچھ اندیشہ نہیں! —— آنحضور ﷺ نے محاصرہ اٹھالینے کا حکم دیا۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ

(۱) رواه البيهقي عن شيبة كذا في التفسير لابن كثير.

یارسول اللہ! ان کے لئے بددعا فرمائیں! رحمۃ للعالمین ﷺ نے ہاتھ اٹھائے اور یوں دعاء فرمائی۔

اَللّٰھُمَّ اھْدِ ثَقِیْفًا وَائْتِ بِھِمْ — الٰہی! ثقیف کو ہدایت سے نواز! اور انھیں میرے پاس حاضر ہونے کی توفیق عطا فرما!

محاصرہ چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ جعرانہ تشریف لے آئے۔ یہاں آپ ﷺ نے اموال غنیمت اور قیدیوں کے بارے میں انتظار فرمایا کہ ان کے اعزہ آئیں اور گفتگو کریں لیکن جب کئی دن گزرنے پر بھی کوئی نہیں آیا تو حسبِ ضابطہ اموال غنیمت اور قیدی تقسیم کر دیئے گئے۔

مکۃ المکرّمہ کے اکثر رؤساء کو جنھوں نے ابھی ابھی اسلام قبول کیا تھا اور مذبذب سے تھے خوب دل کھول کر دیا۔ قبائل کے سرداروں کو بھی نہایت فیاضانہ انعامات سے نوازا، ہوازن کی سفارت جب خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئی تو آپ ﷺ نے ان سے مالک بن عوف نصری کا حال پوچھا۔ انھوں نے بتلایا کہ وہ ثقیف کے ساتھ طائف میں ہے۔ آپ ﷺ نے وفد کے ہمراہ پیغام بھیجا کہ اگر وہ مسلمان ہوکر حاضر خدمت ہوجائے تو اس کے تمام اہل وعیال اور اموال واپس کر دیئے جائیں گے اور مزید سو اونٹ بطورِ انعام دیئے جائیں گے —— وہ تو اپنی جان بخشی ہی کو غنیمت سمجھ رہا تھا کیونکہ جنگ کا بانی مبانی وہی تھا۔ اُسے جب آنحضور ﷺ کا پیغام پہنچا تو فوراً مسلمان ہوکر حاضر ہوگیا۔ آنحضور ﷺ نے حسبِ وعدہ اس کے اہل وعیال اور اموال واپس کئے اور سو اونٹ بطور انعام مرحمت فرمائے اور اس کی قوم پر ان کو حاکم مقرر فرمایا۔

جِعْرَانَہ ہی میں ایک معزز سفارت خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئی جس نے اسیران جنگ کی رہائی کے لئے درخواست پیش کی، مسلمانوں نے اسے منظور کر لیا اور چھ ہزار قیدی آزاد کر دیئے۔

اب چونکہ ان قبائل کے لئے یہ بات صرف شنیدہ نہیں رہی تھی بلکہ چشم دید حقیقت بن گئی تھی کہ کامیابی جو ہر معرکہ میں بڑھ کر مسلمانوں کے قدم چومتی ہے وہ ان کی اپنی قوت کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ غیبی قوت اور الٰہی تائید ونصرت کا نتیجہ ہے اس لئے تمام قبائل نے پیش قدمی کر کے اسلام کی غلامی قبول کر لی اس طرح عرب دنیا کے لئے اسلام کی حقانیت آشکارہ ہوگئی ارشاد پاک ہے:

﴿ سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِى الْاٰفَاقِ وَفِىْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ﴾ (حم السجدۃ ۵۳)

ترجمہ: عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں ان کے گردونواح میں دکھائیں گے اور خود ان کی ذاتوں میں بھی تاکہ ان کے لئے آشکارہ ہوجائے کہ بلاشبہ یہ (اسلام اور قرآن) حق ہے۔

اللہ پاک جل شانہ جنگ کا یہی نتیجہ بیان فرماتے ہیں —— پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ جس پر چاہیں گے توجہ مبذول فرمائیں گے اور اللہ پاک بڑے بخشنے والے نہایت مہربانی فرمانے والے ہیں۔

يَآيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّمَا الۡمُشۡرِكُوۡنَ نَجَسٌ فَلَا يَقۡرَبُوا الۡمَسۡجِدَ الۡحَرَامَ بَعۡدَ عَامِهِمۡ هٰذَا ۚ وَاِنۡ خِفۡتُمۡ عَيۡلَةً فَسَوۡفَ يُغۡنِيۡكُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖۤ اِنۡ شَآءَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ﴿۲۸﴾

يَآيُّهَا الَّذِيۡنَ	اے وہ لوگو جو	الۡحَرَامَ	حرام کے	يُغۡنِيۡكُمُ	(کہ) دولت مند کر دیں تم کو
اٰمَنُوۡۤا	ایمان لائے	بَعۡدَ	بعد	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
اِنَّمَا	اس کے سوا نہیں کہ	عَامِهِمۡ هٰذَا	ان کے اس سال کے	مِنۡ فَضۡلِهٖۤ	اپنے فضل سے
الۡمُشۡرِكُوۡنَ	مشرک	وَاِنۡ	اور اگر	اِنۡ شَآءَ	اگر چاہیں وہ
نَجَسٌ	پلید (ہیں)	خِفۡتُمۡ	ڈرتے ہو تم	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
فَلَا يَقۡرَبُوا	پس نہ نزدیک آویں وہ	عَيۡلَةً (۱)	فقر سے	عَلِيۡمٌ	سب کچھ جاننے والے
الۡمَسۡجِدَ	مسجد	فَسَوۡفَ	تو کچھ بعید نہیں	حَكِيۡمٌ	بڑی حکمت والے ہیں

مشرکین کو حرم کے داخلہ کی پابندی سے بھوک مری کے اندیشہ کا جواب

سنہ ۹ ہجری میں، حج کے موقعہ پر، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ذریعہ چار باتوں کا اعلان کیا گیا:

(۱) —— : جنت میں داخلہ صرف مؤمن کا ہوگا۔

(۲) —— : آئندہ بیت اللہ شریف کا طواف کسی ننگے آدمی کو کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

(۳) : —— رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جن لوگوں کا غیر متعینہ مدت کے لئے عہد و پیمان ہے اس کی پابندی چار مہینے تک کی جائے گی۔ اس کے بعد اللہ اور اس کے رسول ﷺ مشرکوں سے بری ہیں۔

(۴) —— : سالِ رواں (سنہ ۹ ہجری) کے بعد کسی مشرک کو حج (اور عمرہ) کی اجازت نہیں ہوگی۔

جب ان باتوں کی منادی کی گئی تو مکہ والوں کے ذہنوں میں ایک معاشی مسئلہ پیدا ہوا۔ یہ اندیشہ ان کی جان کھانے لگا کہ جب مکہ شریف میں حج اور عمرہ کے لئے مشرکوں کا داخلہ ممنوع ہو گیا اور مکہ شریف میں کچھ بھی پیداوار نہیں ہوتی،

(۱) اَلۡعَيۡلَةُ: الفقر، يقال: عَالَ الرجلُ يَعِيۡلُ عَيۡلَةً اذا افتقر (كبير) عَالَ الرجلُ: فقیر ہونا محتاج ہونا، فهو عَائِلٌ۔

ضروریات کا بڑا مدار حج اور عمرہ کے لئے باہر سے آنے والے زائرین کی درآمدات پر ہے تو پھر اہل شہر کا کام کیسے چلے گا؟! مکہ شریف میں بھوک مری پھیل جائے گی۔ اس آیت میں اللہ پاک نے لوگوں کی یہی الجھن دور فرمائی ہے۔

اور آیتوں میں باہمی مناسبت یہ ہے کہ دین کے فروغ کے لئے جو بندے محنت کرتے ہیں انھیں اس کا صلہ نہ صرف یہ کہ آخرت میں ملتا ہے بلکہ اگر اللہ پاک چاہیں تو دنیا میں بھی ملتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت مسلمانوں کے ساتھ نہ صرف دینی کاموں میں رہتی ہے بلکہ وہ ان کی دنیوی ضرورتیں بھی اپنے فضل وکرم سے پوری فرماتے ہیں ارشاد ہے:——

اے ایمان والو! مشرکین پلید ہیں —— وہ بہت سی ناپاک اور گندی چیزوں کو پاک بلکہ متبرک سمجھتے ہیں، غسل جنابت کا ان کے یہاں رواج نہیں، اور ان کے دل شرک وکفر کی نجاست سے اس قدر پلید اور گندے ہیں کہ پناہ بخدا! —— اس لئے وہ اس سال کے بعد —— یعنی سنہ ۹ ہجری کے بعد جس سال براءت کا اعلان کیا گیا تھا —— مسجد حرام کے قریب نہ آئیں —— آیتِ پاک میں جو اندازِ بیان اختیار کیا گیا ہے وہ صاف اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ مشرکوں کو نہ صرف مسجدِ حرام سے بلکہ اس کے نزدیک آنے سے بھی روک دیا جائے۔ حضرت عطاء رحمہ اللہ نے ''نزدیک'' کی تفسیر ''حرمِ محترم'' سے کی ہے جو کئی مربع میل کا رقبہ ہے اور جس کی تعیین حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بحکمِ الٰہی کی تھی تمام فقہاء رحمہم اللہ بھی پورا حرم مراد لیتے ہیں۔ پس حکم الٰہی کا حاصل یہ ہے کہ مشرکوں کو حرم کی حدود میں داخل نہ ہونے دیا جائے —— قرآن پاک میں یہی اندازِ بیان ایک اور جگہ بھی اختیار فرمایا گیا ہے ارشاد ہے:

﴿ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَىٰٓ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ﴾ (سورۂ بنی اسرائیل آیت ۳۲)

ترجمہ: اور زنا کے پاس مت پھٹکو، بلاشبہ وہ بڑی بے حیائی کی بات ہے اور بری راہ ہے۔

اس آیت پاک میں بھی صرف زنا سے نہیں روکا گیا بلکہ اس کے نزدیک جانے سے بھی منع فرمایا گیا ہے جس کی تفسیر رسول اللہ ﷺ نے اسباب ووسائلِ زنا سے فرمائی ہے کہ ہاتھ، پاؤں، زبان وغیرہ اعضاء بھی زنا کرتے ہیں۔ لہٰذا آیتِ پاک میں زنا کی ممانعت کے ساتھ اسبابِ زنا، نظرِ بد، فکرِ بد، ہاتھ، پیر، زبان اور کان وغیرہ کے غلط استعمال کی بھی ممانعت ہے۔

اسی سورت کی ساتویں آیت ﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ﴾ میں بھی ''مسجدِ حرام'' سے تمام حرم مراد ہے کیونکہ جس صلح کا اس آیت میں ذکر ہے وہ حدیبیہ میں ہوئی تھی جو حدودِ حرم سے متصل واقع ہے —— خود اس آیت کا مقتضی بھی یہ ہے کہ مسجدِ حرام سے پورا حرم مراد ہو کیونکہ تجارت کی منڈی مسجدِ حرام کے اندر نہیں، بلکہ مکہ شریف اور منیٰ میں لگتی تھی، نیز مسجدِ حرام سے اگر خاص مسجد ہی مراد لی جائے گی تو پھر مکہ والوں کے لئے سرے سے کوئی معاشی مشکل پیدا نہیں ہوگی۔ پھر ﴿ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً ﴾ کو مشکل کا حل کیسے قرار دیا جائے گا؟ —— اب آیتِ پاک کا

خلاصہ یہ ہوا کہ سال رواں کے بعد حرم شریف کے حدود میں مشرکوں کا داخلہ ممنوع ہے۔انھیں مشرکانہ طرز پر حج اور عمرہ کرنے کی اجازت نہیں۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صاف اعلان کیا تھا کہ سال رواں کے بعد کسی بھی مشرک کو حج (اور عمرہ) کرنے کی اجازت نہیں، لہٰذا حج اور زیارت کی غرض سے کسی بھی غیر مسلم کو حرم محترم میں آنے نہیں دیا جائے گا، تاکہ وہاں شرک وجاہلیت کے لوٹ آنے کا امکان ختم ہوجائے اور انکے غلبہ واستیلاء کا اندیشہ بھی نہ رہے۔

چند مسائل جن کا تذکرہ مناسب ہے:

یہاں چند مسائل کا تذکرہ مناسب معلوم ہوتا ہے جن کا براہِ راست تو آیتِ پاک سے تعلق نہیں لیکن مفسرین کرامؒ نے یہاں ان کا تذکرہ فرمایا ہے۔

مسئلہ: حنفیہ کے نزدیک غیر مسلم، عارضی طور پر، مسافرانہ، امام المسلمین کی اجازت سے، حرم شریف کی حدود میں، بلکہ خاص مسجدِ حرام میں آسکتا ہے، بشرطیکہ امام المسلمین اتنی اجازت دینا خلاف مصلحت نہ سمجھے لیکن حج، عمرہ اور زیارت وعبادت کی غرض سے وہاں کسی غیر مسلم کو جانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔حضرت جابر رضی اللہ عنہ آنحضور ﷺ کا پاک ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ:

لَايَدْخُلُ مَسْجِدَنَا بَعْدَ عَامِنَا هٰذَا مُشْرِكٌ اِلَّا اَهْلُ الْعَهْدِ وَخَدَمُهُمْ[1] سال رواں کے بعد ہماری مسجد (حرام) میں کوئی کافر نہ آنے پائے مگر ذمی اور ان کے نوکر چاکر آسکتے ہیں۔

خود حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آیت کی تفسیر یہ فرمائی ہے کہ "مشرکین پلید ہیں اس لئے وہ سال رواں کے بعد مسجدِ حرام کے قریب نہ پھٹکنے پائیں مگر غلاموں اور ذمیوں کے لئے اجازت ہے[2]" کیونکہ ان کو کسی ضرورت سے عارضی طور پر مسافرانہ آنے دینے سے نہ تو کفر وشرک کے لوٹ آنے کا امکان پیدا ہوتا ہے۔نہ ان کے غلبہ کا خطرہ ہے اور نہ اس پاک سرزمین کو مشرکانہ رسوم وعبادات سے ملوث کرنا ہے۔

مسئلہ: ظاہری نجاست اور پلیدی کا کسی بھی مسجد میں داخل کرنا جائز نہیں خواہ مسلمان داخل کرے یا غیر مسلم، معنوی یعنی حکمی نجاست: حیض نفاس اور جنابت کی حالت میں بھی مسجد میں داخل ہونا منع ہے۔خواہ داخل ہونے والا مسلمان ہو یا غیر مسلم۔اور اعتقادی نجاست یعنی کفر وشرک کی گندگی کی وجہ سے حنفیہ کے نزدیک کسی بھی مسجد میں داخلہ ممنوع نہیں۔فتح مکہ کے بعد جب ثقیف کی سفارت مدینہ شریف میں حاضر ہوئی تھی تو آپ ﷺ نے ان کو اپنی مسجد میں ٹھہرایا تھا حالانکہ وہ لوگ اس وقت کافر تھے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس آیت کے پیش نظر اشکال بھی ہوا تھا مگر آنحضور ﷺ نے یہ

(۱) رواه احمد وتفرد به. (۲) رواه عبد الرزاق.

فرما کر ان کی تشفی کردی تھی کہ ”مسجد کی زمین پر ان کی (اعتقادی) پلیدی کا کوئی اثر نہیں پڑتا“

شوافع کے نزدیک مسجد حرام میں تو کسی غیر مسلم کو آنے کی اجازت نہیں ہے مگر اور مسجدوں کا حکم ان کے نزدیک بھی وہی ہے جو حنفیہؒ کے نزدیک ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک تمام مسجدیں یکساں ہیں کسی میں بھی غیر مسلم کو داخل ہونے کی اجازت نہیں۔

احادیث میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلم مسجدوں میں آسکتے ہیں بلکہ اگر کسی غیر مسلم سے بھلی توقع ہو تو حسن تدبیر سے اسے مسجد میں لا کر مسجد والے اعمال دکھائے بھی جاسکتے ہیں۔ آنحضور ﷺ نے مسجد والے اعمال دکھانے ہی کی غرض سے غیر مسلم سفارتوں کو مسجدِ نبوی میں ٹھہرایا ہے اور غیر مسلم قیدیوں کو مسجدِ نبوی کے ستونوں سے باندھا ہے اور مسجد والے اعمال دیکھ کر ان کی کایا پلٹ بھی گئی ہے کیونکہ ہماری اصل طاقت ہمارے اعمال ہیں ان میں دلوں کو متأثر کرنے کی آج بھی وہی اسپرٹ موجود ہے جو پہلے تھی:

خدا کی یاد ہے طاقت ہماری ❁ مصلّٰی ہے ہمارا تختِ شاہی

ہماری فوج ہے اخلاق حسنہ ❁ ہمارا حِصن ہے ترک مناہی

حرم محترم میں مشرکوں کی آمدورفت بند کرنے سے مکہ کے باشندوں کو یہ اندیشہ لاحق ہوا تھا کہ اس سے تجارت کو بڑا نقصان پہنچے گا۔ باہر سے آنے والے حاجی جو سامانِ تجارت ساتھ لایا کرتے ہیں جب اس کی آمد بند ہوجائے گی تو مکہ والوں کے لئے بھوک مری کی نوبت آجائیگی۔ اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں —— اور اگر تمہیں تنگ دستی کا اندیشہ ہے تو کچھ بعید نہیں کہ اللہ پاک اگر چاہیں، تو اپنے فضل سے تمہیں محتاج نہ رہنے دیں۔ وہ بڑے حکمت والے اور خوب جاننے والے ہیں —— سب کام ان کے چاہنے پر موقوف ہیں۔ تمام مخلوقات کا نظام معاش انہی کے ہاتھ میں ہے وہ چاہیں گے تو تمہیں محتاج نہ رہنے دیں گے —— بعد میں یہ پیشین گوئی واقعہ بن گئی، سارا ہی ملک مسلمان ہوگیا اور تجارتی سازوسامان بدستور آتا رہا۔ بلکہ پہلے سے زیادہ آنے لگا۔ اللہ رب العزت نے فتوحات کے دروازے کھول دیئے اور مختلف طرح سے اسبابِ غنیٰ جمع فرمادیئے اور انھیں محتاج نہ رہنے دیا۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ۨابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى

ع ۱۰

الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۭ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝۳۰ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰـهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۳۱ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِــــُٔـوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝۳۲ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَي الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝۳۳

قَاتِلُوا	جنگ کرو	وَلَا يَدِيْنُوْنَ	اور قبول نہیں کرتے	وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ	اور یہود نے کہا
الَّذِيْنَ	(ان لوگوں سے) جو	دِيْنَ الْحَقِّ	سچے دین کو	عُزَيْرُ	عزیر
لَا يُؤْمِنُوْنَ	یقین نہیں رکھتے	مِنَ الَّذِيْنَ	ان لوگوں میں سے جو	ابْنُ اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں
بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ پر	اُوْتُوا	دیئے گئے ہیں	وَقَالَتِ	اور کہا
وَلَا بِالْيَوْمِ	اور نہ آخرت کے	الْكِتٰبَ	(آسمانی) کتاب	النَّصٰرٰى	نصاریٰ (نے)
الْاٰخِرِ	دن پر	حَتّٰى (۱)	یہاں تک کہ	الْمَسِيْحُ	مسیح
وَلَا يُحَرِّمُوْنَ	اور حرام نہیں سمجھتے	يُعْطُوا	دیں وہ	ابْنُ اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں
مَا	اس چیز کو جسے	الْجِزْيَةَ (۲)	جزیہ	ذٰلِكَ	یہ
حَرَّمَ	حرام کیا ہے	عَنْ يَّدٍ (۳)	اپنے ہاتھ سے	قَوْلُهُمْ	ان کی باتیں ہیں
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ نے	وَّهُمْ	اور وہ	بِاَفْوَاهِهِمْ	ان کے منہ کی
وَرَسُوْلُهٗ	اور اس کے رسول نے	صٰغِرُوْنَ (۴)	ذلیل ہوں	يُضَاهِـُٔوْنَ	وہ ریس کرتے ہیں

(۱) حتی يعطوا اى يَقْبَلُوْا اَنْ يُعْطُوْا (ابو السعود) (۲) الجزية: الفِعلة، من جَزٰى فلانٌ فلانًا ماعليه اذا قَضَاهُ يَجْزِيْهِ والجزية مِثْل القِعْدَةِ وَالْجِلْسَةِ (فى الدلالة على الهيئة) ومعنى الكلام حتى يعطوا الخراج عن رقابهم الذى يبذلونه للمسلمين دفعاً عنها (طبرى) لانهم يجزون بها من مَنَّ عليهم بالاعفاء عن القتل (ابو السعود) هى لغة: الجزاء لانها جزت عن القتل (درمختار) (۳) تقول العرب لكل مُعْطٍ قاهرًا له شيئًا، طائعا له او كارها اعطاه عن يده وعن يدٍ (طبرى) (۴) صٰغِرُوْنَ اَذِلَّاءَ مَقْهُوْرُوْنَ، يقال للذليل الحقير: صاغر (طبرى)

قَوْلَ الَّذِيْنَ	ان لوگوں کی جنھوں نے	اِلَّا	مگر	يُتِمَّ	کمال تک پہنچادیں
كَفَرُوْا	انکار کیا	لِيَعْبُدُوْٓا	یہ کہ بندگی کریں وہ	نُوْرَهٗ	اپنے نور (کو)
مِنْ قَبْلُ	ان سے پہلے	اِلٰهًا وَّاحِدًا	ایک معبود (کی)	وَلَوْ كَرِهَ	اور پڑے برا مانیں
قٰتَلَهُمُ	غارت کریں ان کو	لَآ	نہیں	الْكٰفِرُوْنَ	کافر
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	اِلٰهَ	عبادت کے لائق	هُوَ	وہ (اللہ)
اَنّٰى	کدھر	اِلَّا هُوَ	مگر وہی	الَّذِيْٓ	(ایسا ہے) جس نے
يُؤْفَكُوْنَ	الٹے جارہے ہیں وہ؟	سُبْحٰنَهٗ	پاک ہے وہ	اَرْسَلَ	بھیجا
اِتَّخَذُوْٓا	ٹھہرایا ہے انھوں نے	عَمَّا يُشْرِكُوْنَ	ان کے شرک سے	رَسُوْلَهٗ	اپنے رسول کو
اَحْبَارَهُمْ	اپنے علماء	يُرِيْدُوْنَ	چاہتے ہیں وہ	بِالْهُدٰى	ہدایت دے کر
وَرُهْبَانَهُمْ	اور اپنے مشائخ (کو)	اَنْ يُّطْفِـُٔوْا	کہ بجھادیں	وَدِيْنِ	اور دین
اَرْبَابًا	رب	نُوْرَ اللّٰهِ	اللہ کی روشنی	الْحَقِّ	حق (دے کر)
مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ کو چھوڑ کر	بِاَفْوَاهِهِمْ	اپنے منہ سے	لِيُظْهِرَهٗ	تاکہ اس کو غالب کرے
وَالْمَسِيْحَ	اور مسیح	وَيَاْبَى	حالانکہ مانیں گے نہیں	عَلَى الدِّيْنِ	دینوں پر
ابْنَ مَرْيَمَ	ابن مریم (کو)	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	كُلِّهٖ	تمام
وَمَآ	حالانکہ نہیں	اِلَّآ	بغیر	وَلَوْ كَرِهَ	اور پڑے برا مانیں
اُمِرُوْٓا	حکم دیئے گئے وہ	اَنْ	(اس کے) کہ	الْمُشْرِكُوْنَ	مشرک

مشرکین سے جہاد کے حکم کے بعد اہل کتاب سے جہاد کا حکم اور جزیہ کی حکمتیں

اب تک مشرکوں سے جنگ کا تذکرہ تھا، اب اہلِ کتاب سے جہاد کا حکم ہے کہ مشرکوں سے فارغ ہوکر ان سے بھی نمٹو، ان کی قوت وشوکت کو توڑو ـــــ اور آیتوں میں باہمی مناسبت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور بہت سے تابعین رحمہم اللہ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ پچھلی آیت میں جو فرمایا تھا کہ "اللہ پاک تمہیں محتاج نہ رہنے دیں گے" بلکہ وسیع رزق عنایت فرمائیں گے اور اس کے لئے اسباب ووسائل مہیا فرمائیں گے۔ اسی سلسلہ میں اب بطور مثال "جزیہ" کا تذکرہ فرمایا جارہا ہے کہ یہ بھی رزق کے وسائل میں سے ایک ذریعہ ہے۔(۱)

(۱) هذاعوض ما تخوفتم من قطع تلک الاسواق، فعوضهم الله مما قطع امر الشرک ما اعطاهم من ←

جنگ کی ہلاکت خیزی زبان زد عام وخاص ہے لیکن ''اسلامی جہاد'' کا معاملہ اس سے جداگانہ ہے۔ یہ ہمیشہ ہی دونوں فریقوں کے لئے برکات وثمرات کا ذریعہ ثابت ہوا ہے اور چونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا جہاد خالص دینی جہاد تھا، اس لئے ان کا ہر جہاد خود ان کے لئے اور دشمن کے لئے بھی بڑی خیر وبرکت کا سبب بنتا تھا۔ دشمن کے لئے وہ ایمان کی بہار اور امن کا راج لاتا تھا۔ پس آیتوں میں باہمی مناسبت یہ ہوئی کہ اہل کتاب کے ساتھ جو جہاد وقتال کا حکم دیا جارہا ہے وہ مسلمانوں کو مالا مال کردے گا۔ اس جہاد میں انھیں وسیع رزق ملے گا اور وہ غنی ہو جائیں گے۔ اس صورت میں جزیہ کی خصوصیت نہیں رہے گی بلکہ اہل کتاب سے جہاد ہی مسلمانوں کے لئے اللہ پاک کے فضل وکرم اور رزق میں وسعت کا ذریعہ بنے گا چنانچہ جب اہل کتاب کے ساتھ جہاد شروع ہوا تو مسلمانوں کے وارے نیارے ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں —— اُن اہلِ کتاب سے لڑو جو اللہ پر یقین نہیں رکھتے اور نہ آخرت کے دن پر یقین رکھتے ہیں اور جس چیز کو اللہ نے اور اس کے رسول نے حرام ٹھہرایا ہے اسے حرام نہیں مانتے اور نہ سچے دین کو قبول کرتے ہیں (ان سے) یہاں تک (لڑو) کہ وہ ماتحت ہو کر اور رعیت بن کر جزیہ دینا منظور کرلیں —— اس آیت میں اہل کتاب سے جنگ کی بنیاد چار چیزیں بتلائی گئی ہیں: (۱) وہ اللہ پر یقین نہیں رکھتے (۲) وہ آخرت پر بھی یقین نہیں رکھتے (۳) اللہ پاک نے اور اس کے رسولؐ نے جو چیزیں حرام ٹھہرائی ہیں وہ انھیں حرام نہیں مانتے یعنی اللہ پاک کے رسول نے جو شریعت ان کو سپرد کی ہے اس پر وہ عمل پیرا نہیں، بلکہ اللہ کی شریعت میں من مانی کرتے ہیں (۴) اور وہ اُس سچے دین کو قبول نہیں کرتے جسے لے کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں بلکہ مخالفت پر کمر بستہ ہیں اور لوگوں کو اس سچے دین سے محروم رکھنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں اس لئے ان سے اس وقت تک جنگ جاری رکھو کہ وہ ماتحت ہو کر اور رعیت بن کر جزیہ دینا منظور کرلیں اور اسلام کی اشاعت اور ترقی کے راستہ میں حائل نہ ہوں۔

ظاہر ہے کہ وہ رعیت بننا اور مسلمانوں کے ماتحت رہنا اسی وقت منظور کریں گے جب ان کی شان وشوکت ٹوٹ جائے، ان کا کروفر اور دبدبہ خاک میں مل جائے، وہ جنگ میں تھک ہار کر لاچار ہو جائیں تبھی وہ رعیت بن کر اور ماتحت رہ کر باج گزار بننا منظور کریں گے۔

جب نوبت یہاں تک پہنچ جائے تب جنگ ضروری نہیں بلکہ اس وقت جنگ بند کردینے کا حکم ہے کیونکہ اب جنگ کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اسلام کے خلاف ان کی سازشیں اور ریشہ دوانیاں ختم ہو گئیں، اب وہ اسلام کی راہ میں کوئی روڑا

→ اعناق أهل الكتاب من الجزية وهكذا روى عن ابن عباس ومجاهد وعكرمة وسعيد بن جبير وقتادة والضحاك وغيرهم (ابن کثیر)

اٹکا نہیں سکتے، نہ کسی قسم کا فتنہ برپا کرنے کی ان میں ہمت ہے۔

واضح ہوا کہ جہاد کسی کو زبردستی مسلمان بنانے کے لئے نہیں ہے۔ نہ جہاد بزور شمشیر اسلام کو پھیلانے کے لئے ہے، بلکہ وہ صرف فتنہ فرو کرنے کے لئے ہے، جب یہ مقصد حاصل ہوجائے تو جنگ کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ رہا دین کا معاملہ تو اللہ کا دین ہر طرح سے مکمل کر کے لوگوں کے سامنے رکھدیا گیا ہے اب لوگوں کی مرضی ہے قبول کریں یا نہ کریں۔

﴿ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ﴾ (سورۃ البقرۃ آیت ۲۵۶)

ترجمہ: دین کے معاملہ میں کوئی زبردستی نہیں، ہدایت یقیناً گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے۔

جزیہ کی مقدار اور اس کے مصارف:

جِزْیَہ کے لفظی معنیٰ ''جزاء'' اور ''بدلہ'' کے ہیں۔ شریعت کی اصطلاح میں اس سے وہ رقم مراد ہوتی ہے جو ذمیوں (غیر مسلم رعایا) سے جان بخشی کے عوض میں، ان کے اموال اور جائدادوں سے تعرض نہ کرنے کے بدلہ میں اور دشمنوں سے ان کے جان و مال کی حفاظت کرنے کے معاوضہ میں لی جاتی ہے۔

جزیہ کی مقدار باہمی مصالحت اور رضامندی سے مقرر کی جاسکتی ہے۔ نجران کے نصاری سے آنحضور ﷺ نے ایسا ہی معاملہ فرمایا تھا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بھی عرب کے ایک قبیلہ بنو تَغلِب سے، جو عیسائی ہوگیا تھا، اسی قسم کا معاہدہ کیا تھا۔ کسی جگہ آنحضور ﷺ نے فی بالغ ایک دینار بھی مقرر فرمایا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں سرمایہ دار سے ماہانہ چار درہم، درمیانی حالت والے سے دو درہم اور غریب سے جو تندرست ہو اور محنت مزدوری یا صنعت و حرفت اور تجارت وغیرہ کے ذریعہ کماتا ہو ایک درہم (تقریبا چار گرام چاندی) لینا طے کیا تھا۔ جس سے بعض فقہاء نے یہ سمجھا ہے کہ جزیہ کی کوئی خاص شرح شرعاً مقرر نہیں ہے بلکہ حاکم وقت کی صوابدید پر ہے وہ لوگوں کے حالات کا جائزہ لے کر جو مقدار مناسب سمجھے تجویز کرے ـــــ بالکل مفلس، اپاہج، معذور، عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور تارک الدنیا مذہبی پیشواؤں سے کچھ نہیں لیا جاتا ـــــ یہ معمولی مقدار جو غیر مسلم رعیت سے جزیہ (معاوضہ) کے نام سے لی جاتی ہے اس میں فریقین کے گوناگوں فوائد ہیں۔

① ـــــ جنگ میں بڑے بڑے نقصانات صرف اس امید پر برداشت کیے جاتے ہیں کہ جب کامیابی ہوگی تو تمام نقصانات کی تلافی ہوجائے گی۔ دشمن کے ملک پر قبضہ ہوگا۔ اس کے اموال اور جائدادیں ہاتھ آئیں گی، لیکن اسلامی جہاد کا معاملہ اس سے جداگانہ ہے اس کی بنیاد ملک گیری اور تحصیل منفعت جیسے پست جذبات نہیں ہیں اسی لئے جب جنگ کامیابی کے مراحل میں قدم رکھدیتی ہے، دشمن لڑ کر عاجز اور لاچار ہوجاتا ہے، اس وقت بھی اگر وہ رعیت بن کر رہنا منظور

کرلے تو اس کی جان بخشی کردی جاتی ہے۔اور جنگ موقوف کردی جاتی ہے کیونکہ انکی فتنہ انگیزی کا علاج ہو چکا اوران کا ملک اورزمین مطلوب نہیں اور رہا ایمان کا معاملہ تو اس میں کوئی زبردستی نہیں۔

لیکن جنگی نقصانات، جس کے سبب بھی وہی بنے ہیں اس کی کچھ نہ کچھ تلافی ضروری ہے اس لئے جزیہ (جنگی نقصانات کا معاوضہ) کے نام سے یہ معمولی رقم وصول کی جاتی ہے اسی وجہ سے یہ رقم صرف ان غیر مسلموں سے لی جاتی ہے جن میں جنگ کی صلاحیت ہوتی ہے، بچوں سے، عورتوں سے، بوڑھے مردوں سے، معذوروں سے اور تارک الدنیا مذہبی پیشواؤں سے کچھ نہیں لیا جاتا۔ کیونکہ وہ جنگی نقصانات کا سبب نہیں بنے۔

② ــــ مجاہدین (اسلامی فوج) کے کچھ جذبات بھی جنگ کی کامیابی سے وابستہ ہوتے ہیں اور اسلام جذبات کو پامال نہیں کرتا بلکہ ان کو پورا کرنے کی اچھی راہیں تجویز کرتا ہے۔جزیہ میں ان کے جذبات کی تسکین کا سامان ہے۔

③ ــــ اسلامی مملکت کے ذمے دو کام ہیں۔ملک کو ترقی کی راہوں پر گامزن کرنے کے لئے ہر طرح کے رفاہی کام کرنا اور رعیت میں جو بدحال ہیں ان کی خبر گیری کرنا۔مملکت یہ دونوں کام مذہب وملت کی تفریق کے بغیر انجام دیتی ہے، غیر مسلم رعیت (ذمیوں) میں جو حاجت مند، بوڑھے، بیوہ عورتیں اور یتیم بچے ہیں اور بے آسرا ہیں ان کی خبر گیری بھی اسلامی مملکت کے فرائض میں داخل ہے۔مسلمان حاجت مندوں ہی کی طرح ان کی بھی حاجت روائی ضروری ہے۔

ظاہر ہے اس کے لئے مملکت کے پاس کوئی مد چاہئے جس کے ذریعہ یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچے۔جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے اللہ پاک نے ان کے لئے زکوٰۃ صدقات اور عشر کی مدات رکھی ہیں کہ باحیثیت مسلمانوں سے لے کر بے حیثیت مسلمانوں پر خرچ کیا جائے لیکن غیر مسلم رعیت پر اس مد سے خرچ کرنا جائز نہیں، اس لئے جزیہ کے نام سے غیر مسلم رعیت کے باحیثیت لوگوں سے ایک رقم لی جاتی ہے جس میں سے بے حیثیت لوگوں پر خرچ کیا جاتا ہے اور اسے رفاہی کاموں میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

④ ــــ دشمن جنگ میں عاجز ہوکر ہی جان بچانے کے لئے رعیت بننا اور ماتحت رہنا گوارہ کرتا ہے اس لئے آج تو وہ سچے دل سے رعیت بن گیا ہے لیکن آئندہ اگر خودسری کے جراثیم ان میں جنم لینے لگیں تو مملکت کو اس کا اندازہ کیسے ہوگا؟ اس کے لئے جزیہ رکھا گیا ہے اور طے یہ کیا گیا ہے کہ ہر شخص بذاتِ خود آکر اپنا جزیہ داخل دفتر کرے، نیز جزیہ سال بہ سال وصول کیا جائے۔کئی سالوں کا ملا کر ایک ساتھ نہ لیا جائے تاکہ اگر ان کے ذہنوں میں خودسری کے جراثیم جنم لینے لگیں تو مملکت کو بروقت اندازہ ہوسکے اور سر سے پانی گزرنے سے پہلے ہی مملکت مناسب تدبیر اختیار کرسکے۔

⑤ ــــ جب اسلامی مملکت نے غیر مسلموں کو اپنی رعیت بنالیا تو اس کا فریضہ ہے کہ ان کی ہر طرح حفاظت کرے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں ایسا اتفاق ہوا ہے کہ مسلمان جنگی مصلحت سے مفتوحہ علاقہ چھوڑ کر پیچھے ہٹ گئے ہیں اس وقت جن لوگوں سے جزیہ وصول کیا گیا تھا اسے یہ کہہ کر واپس کردیا گیا کہ چونکہ ہم فی الحال تمہاری حفاظت نہیں کر سکتے اس لئے تمہاری خدمت کا جو معاوضہ ہم نے وصول کیا تھا وہ واپس کیا جاتا ہے ـــــ معلوم ہوا کہ جزیہ کی رقم اس لئے لی جاتی ہے کہ اس میں سے غیر مسلم رعایا کی اندرونی اور بیرونی حفاظت پر خرچ کیا جائے ـــــ جزیہ کی یہ چند حکمتیں ہیں، نہ معلوم ان کے علاوہ اور کیا کیا حکمتیں ہوں گی، بیشک اللہ پاک کا کوئی حکم حکمتوں سے خالی نہیں ہوتا۔

جزیہ اطاعت کی علامت ہے:

عربی زبان کے قواعد کی رو سے عَنۡ يَّدٍ حال ہے يُعۡطُوۡا کی ضمیر فاعل سے یعنی جب دشمن آپ ہی مغلوب ہو کر جزیہ دینے کے لئے آمادہ ہو جائے اور وہ اپنی جان بچانے کے لئے بدستِ خود جزیہ کی پیش کش کرے تو مسلمانوں کو چاہئے کہ اس پیش کش کو قبول کرلیں اور جنگ موقوف کردیں ـــــ ایسا نہ ہو کہ مسلمان خود ہی منفعت کوشی کے لئے ان سے جزیہ مانگنے لگیں یا جنگ سے جان چرا کر کسی سیاسی چال سے ان کو جزیہ دینے پر آمادہ کرنے لگیں یا ان کا جزیہ بطور اختیاری چندہ یا خیرات وامداد کے ہو، بلکہ اسلام کی شوکت وقوت کا لوہا مان کر خود ہی پیشکش کریں۔

اور ﴿ وَّ هُمۡ صٰغِرُوۡنَ ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ وہ رعیت بن کر جزیہ ادا کریں، خودمختار رہ کر باج گزار بننے والے نہ ہوں ـــــ اگر وہ خودمختار اور مکمل آزاد رہیں گے تو دوبارہ سر ابھاریں گے، اسلام کے خلاف سازشیں اور ریشہ دوانیاں کریں گے اور انھیں جب بھی موقع ہاتھ آئے گا آمادۂ پیکار ہو جائیں گے۔ اور جزیہ ادا کرنے کو قوت جمع کرنے اور پیر جمانے کا ذریعہ بنالیں گے ـــــ خودمختار رہنے کی صورت میں اسلامی معاشرہ سے ان کو قرب بھی حاصل نہ ہوگا، اس لئے اسلامی تعلیمات کی خوبیوں سے بھی وہ روشناس نہ ہوسکیں گے ـــــ علاوہ ازیں جن مقاصد اور حکمتوں کے پیش نظر جزیہ لیا جاتا ہے ان کا بھی فقدان ہوگا اس لئے جزیہ صرف کفر کا معاوضہ بن کر رہ جائے گا اس لئے حکم دیا گیا ہے کہ جزیہ اسی صورت میں قبول کیا جائے جبکہ وہ اسلامی مملکت کی رعیت بن کر رہنے کے لئے آمادہ ہوں۔

جنگ کی چار بنیادیں اور جزیہ کا حکم اہل کتاب کے ساتھ خاص نہیں:

جنگ کی بنیاد چار چیزیں ہیں: اللہ کو نہ ماننا، آخرت کا یقین نہ رکھنا، پچھلے پیغمبروں نے جو شریعت ان کے حوالے کی ہے اس کی پیروی نہ کرنا بلکہ اس میں تحریف اور من مانی کرنا اور آنحضور ﷺ کے لائے ہوئے سچے دین کو قبول نہ کرنا، یہ چار بنیادی باتیں جن قوموں میں بھی پائی جائیں گی ان کے ساتھ جنگ کا حکم ہے تا آنکہ وہ رعیت بن کر خود ہی جزیہ دینا

منظور کریں پھر ﴿ الَّذِيْنَ ﴾ کے بیان کے طور پر ﴿ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ﴾ لایا گیا ہے یعنی اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) کا ذکر بطورِ مثال کیا گیا ہے کہ چونکہ اہل کتاب میں یہ چاروں بنیادیں پائی جاتی ہیں اس لئے ان سے جنگ کرو۔

اور بیان میں ان کی تخصیص اس لئے کی گئی ہے کہ مسلمانوں کو عرب کے مشرکوں سے نمٹ کر سب سے پہلے انھیں سے سابقہ پڑنے والا تھا یا اس وجہ سے تخصیص کی گئی ہے کہ ممکن ہے مسلمانوں کو ان سے جہاد وقتال کرنے میں اس بناء پر جھجک ہو کہ وہ لوگ کسی درجہ میں ایمان رکھتے ہیں تورات وانجیل اور حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام پر ان کا ایمان ہے اس لئے ممکن تھا کہ انبیاء اور آسمانی کتابوں کی طرف ان کا منسوب ہونا مسلمانوں کے لئے جہاد سے رکاوٹ کا سبب بن جائے اس لئے خاص طور پر ان کے ساتھ قتال کا ذکر کیا گیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ آیتِ پاک میں جہاد وقتال کا جو حکم دیا گیا ہے وہ اہل کتاب کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ تمام کفار کا یہی حکم ہے، کیونکہ قتال کی بنیادیں سب میں مشترک ہیں اس لئے حکم بھی مشترک ہوگا، جمہور فقہاء کرام کی یہی رائے ہے۔ آنحضور ﷺ کا مجوس سے جزیہ قبول فرمانا ثابت ہے، نیز آپ ﷺ کا مجوس کے بارے میں ارشاد ہے:

سَنُّوْا بِهِمْ سُنَّةَ اَهْلِ الْكِتَابِ. مجوس کے ساتھ اہل کتاب والا برتاؤ کرو۔

یہ ارشاد آیت پاک کی واضح تفسیر ہے کہ اہل کتاب کے علاوہ تمام کفار کا حکم بھی وہی ہے جو اہل کتاب کا ہے۔

اہل کتاب کا ایمان نام کا ایمان ہے:

یہاں یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) تو اللہ تعالیٰ پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور آخرت کے بھی قائل ہیں پھر ان کے ایمان کی نفی کیوں کی گئی؟ —— آئندہ آیت میں اسی سوال کا جواب ہے کہ محض ایمان کے الفاظ دُہرانا اور صرف یہ مان لینا کہ ''اللہ ہے'' کافی نہیں جس طرح کا ایمان اللہ تعالیٰ کے نزدیک مطلوب ہے جب اس طرح کا ایمان نہ ہو تو وہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ یہود ونصاریٰ نے اگرچہ علانیہ طور پر توحید کا انکار نہیں کیا مگر یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اور نصاریٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مان کر ان کو اللہ پاک کی خدائی میں شریک بنالیا ہے اس لئے ان کا توحید کا اقرار لغو اور ایمان کا دعویٰ غلط ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں —— اور یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں —— عیسائیوں کے یہاں تو دین کی بنیاد ہی حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا ماننے پر ہے مدینہ شریف اور قرب وجوار کے یہودیوں کا حال بھی ایسا ہی تھا ان کے نزدیک حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا ماننا دین کی بنیاد تھی اور اسی کا نام ان کے نزدیک صحیح ایمان تھا —— حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ مدینہ کے یہودیوں کی ایک جماعت آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی جن میں سَلّام بن مِشْکَم، نعمان بن ابی

اَوْفٰی، شَاس ابن قیس اور مالک بن صَیف وغیرہ تھے۔انھوں نے آنحضور ﷺ سے کہا:

کَیْفَ نَتَّبِعُکَ وَقَدْ تَرَکْتَ قِبْلَتَنَا، وَاَنْتَ لاتَزْعَمُ اَنَّ عُزَیْرًا ابْنُ اللّٰہِ؟(۱)

ترجمہ:ہم آپ کا اتباع کیسے کریں جبکہ آپ نے ہمارے قبلہ (بیت المقدس) کی طرف نماز میں رخ کرنا چھوڑ دیا ہے اور حضرت عزیر کو اللہ کا بیٹا نہیں مانتے؟!:

آج اگر یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا نہیں مانتے تو اس سے قرآن پاک کے بیان پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ جو یہودی قرآن پاک کے پہلے مخاطب تھے وہ ان کو اللہ کا بیٹا مانتے تھے——مثلاً قرآن پاک کے بیان کے مطابق انھوں نے کہا تھا کہ:

﴿ اِنَّ اللّٰہَ فَقِیْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِیَآءُ ﴾ ترجمہ: (خاکم بدہن) اللہ یقیناً مفلس ہیں اور ہم مالدار ہیں۔

انھوں نے یہ بھی کہا تھا کہ:

﴿ یَدُ اللّٰہِ مَغْلُوْلَۃٌ ﴾ (سورۃ المائدہ آیت ۶۴) ترجمہ: (پناہ بخدا!) اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بند ہو گیا ہے (یعنی وہ بخیل ہو گیا ہے)

اب اگر موجودہ یہودی یہ باتیں نہ کہتے ہوں تب بھی قرآن پاک کے بیان پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ قرآن پاک نے سب سے پہلے جن یہودیوں سے خطاب کیا ہے وہ یہ بکواس کرتے تھے اور ان کا یہ عقیدہ تھا۔

فرض کرو قرآن پاک غلط بیانی کرتا یہود نہ حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے ہوتے نہ یہ ناپاک جملے ان کے منہ سے نکلے ہوتے تو وہ مسلمانوں کا ناطقہ بند کر دیتے اور اسلام اور قرآن پاک کے خلاف پروپیگنڈا کرتے کرتے آسمان سر پر اٹھا لیتے۔

بابل کی اسارت کے زمانہ میں اسرائیلی نسلوں کے پاس نہ تو تورات محفوظ رہی تھی نہ شریعت باقی رہی تھی۔ وہ اپنی روایات اور قومی زبان تک سے ناآشنا ہو گئے تھے۔حضرت عزیر علیہ السلام اسی زمانہ میں مبعوث ہوئے تھے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے چار سو پچاس سال پہلے ان کا زمانہ بیان کیا جاتا ہے۔انھوں نے وحی سے دوبارہ تورات لکھی اور شریعت کی تجدید کی، اس وجہ سے بنی اسرائیل ان کی بہت تعظیم کیا کرتے تھے۔جب تعظیم میں غلو پیدا ہوا تو بعض گروہوں نے ان کو ''اللہ کا بیٹا'' قرار دے دیا۔مدینہ شریف کے یہودی بھی یہی عقیدہ رکھتے تھے، جو قرآن پاک کے سب سے پہلے مخاطب تھے۔

(۱) أخرجه ابن ابی حاتم، وابو الشیخ، وابن مردویه عن ابن عباس رضی الله عنهما.

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ پاک نے چار امتیازات بخشے تھے۔ وہ بغیر باپ کے اللہ کے کلمہ سے پیدا ہوئے تھے۔ انھیں دشمنوں سے بچانے کے لئے آسمان پر اٹھالیا گیا تھا۔ دجال کی آمد کے وقت ان کا دوبارہ تشریف لانا تجویز کیا گیا ہے اور وہ انبیاءِ بنی اسرائیل کے خاتم ہیں —— جب عیسائیوں میں گمراہی پھیلی تو انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں غلو شروع کیا اور انہی چار امتیازات سے چار غلط عقیدے بنالئے۔ ان کے بغیر باپ کے پیدا ہونے سے اللہ کے بیٹے ہونے کا عقیدہ تراشا گیا۔ ان کا آسمان پر اٹھایا جانا چونکہ لوگوں کی فہم سے بالاتر تھا اس لئے ان کے پھانسی دیئے جانے کا عقیدہ بنایا گیا اور یہ انجام چونکہ بظاہر برا تھا اس لئے اس کو حسن کا جامہ پہنانے کے لئے فدیہ اور کفارہ کا عقیدہ گھڑا گیا کہ ''ابن اللہ'' انسانوں کے گناہوں کا کفارہ بن کر خود ہی سولی پر چڑھ گئے ہیں اور دجال کی آمد پر نزول کی خصوصیت کو ان کی روح کے آنے پر محمول کیا گیا کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روح حواریوں پر گاہ گاہ اترا کرتی تھی اور اسرائیلی پیغمبروں کے خاتم ہونے کی خصوصیت سے آپ کا مطلقاً خاتم النّبیین ہونا اور عیسائیت کا ابدی شریعت ہونا ثابت کیا گیا اللہ پاک فرماتے ہیں کہ ان کا —— یہ (ابنیت کا عقیدہ) بے حقیقت باتیں ہیں ان کے منہ سے کہی ہوئی —— نہ اس کی کوئی دلیل ہے نہ واقعیت سے اس کا کوئی تعلق ہے بلکہ اس غلط عقیدہ کی بنیاد صرف یہ ہے کہ —— وہ ان لوگوں کی ریس کرتے ہیں جو ان سے پہلے کفر میں مبتلا ہو چکے ہیں —— مصر، بابل، ہندوستان اور یونان میں جو قومیں پہلے گمراہ ہو چکی تھیں وہ تین تین خدا ماننے لگی تھیں، یہود و نصاریٰ نے بھی انہی کی ریس شروع کی۔ ان کے فلسفوں اور اوہام و خیالات سے متأثر ہو کر انہی جیسے گمراہ عقیدے گھڑ لیے —— پرانے مصری باپ: اُوزِیریس: بیٹا ہورس اور کنواری: ایزیس (اوزیریس کی بیوی) کو خدا مانتے تھے —— ہندوستان والے اگنی، وایو اور سوری (سورج) کو خدا مانتے تھے اور برہما، وشنو اور شیوا کو انہی کا مثنیٰ سمجھتے تھے —— بابل والے اَنُوْ، بَعْل اور ہِیَا کو خدا کہتے تھے اور سِیْن، شمس اور ریمان کو ان کا مثنی قرار دیتے تھے —— یونان کے فلسفی مُبْدَأ عالم (مَبدَاءِ فَیّاض) عقل اول اور باقی عقول کی خدائی کا دم بھرتے تھے —— عیسائیوں نے سوچا کہ ہم ایک خدا پر کیوں قانع رہیں انھوں نے بھی باپ (اللہ تعالیٰ) بیٹا (عیسی علیہ السلام) اور روح القدس (جبرئیل) کو تجویز کر لیا۔ ان میں سے بعض نے روح القدس کے بجائے کنواری (مریم رضی اللہ عنہا) کو یہ مقام دیا —— یہودی بھی انہی کی ریس کرنے لگے چنانچہ وہ بھی باپ اور بیٹے تک پہنچ گئے —— ان پر خدا کی مار ہو کدھر الٹے جارہے ہیں؟! —— اللہ پاک کے پیغمبروں نے انھیں کیا تعلیم دی تھی اور وہ کیا تجویز کر رہے ہیں؟!

یہ تو حال تھا اللہ پر ان کے ایمان کا اور توحید کے دعویٰ کا —— آخرت پر ان کے ایمان کا حال بھی کچھ اس سے مختلف نہ تھا۔ جس طرح کا ایمان مطلوب تھا وہ اہل کتاب میں مفقود تھا۔ وہ یہ ضرور مانتے تھے کہ قیامت آنے والی ہے، مر کر دوبارہ

زندہ ہونا ہے لیکن اس کے بعد کیا ہوگا؟ ـــــ یہود اور نصاریٰ دونوں ہی جنت کو اپنی جا گیر سمجھتے تھے:

﴿ وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ وَ النَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ ﴾ (سورۃ المائدہ آیت ۱۸)

ترجمہ: اور یہود ونصاری دعوی کرتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اسکے چہیتے ہیں (ہم کچھ بھی کریں اللہ ہم سے ناراض نہیں ہوتے وہ ہمیں جنت ہی دیں گے!)

﴿ وَ قَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ﴾ (سورۃ البقرۃ آیت ۱۱۱)

ترجمہ: اور یہود ونصاری کہتے ہیں کہ بہشت میں ہرگز کوئی نہ جانے پائے گا بجز ان لوگوں کے جو یہودی ہیں یا ان لوگوں کے جو نصرانی ہیں۔

عیسائیوں نے تو جنت کو اپنی جاگیر ثابت کرنے کے لئے کفارہ اور فدیہ کا عقیدہ بھی گھڑ رکھا تھا وہ کہتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہمارے گناہوں کا کفارہ بن کر سولی پر چڑھ گئے ہیں اس لئے جنت ہماری ہے اور ہم ہی جنت میں جائیں گے ـــــ ظاہر ہے کہ آخرت کا اور جزاء وسزا کا یہ تصور نہ صرف یہ کہ غلط ہے بلکہ نقصان رساں بھی ہے۔ جب جنت جاگیر سمجھ لی گئی تو پھر اچھے کام کرنے کی اور برے کاموں سے بچنے کی کیا ضرورت باقی رہ گئی؟! آخرت کا ماننا تو یہ ہے کہ اس بات کا یقین ہو کہ وہاں نہ کوئی سعی وسفارش کام آئے گی، نہ فدیہ، نہ کسی بزرگ سے انتساب نہ کوئی کسی کو بچا سکے گا نہ کفارہ بن سکے گا۔ اللہ پاک کی عدالت میں بے لاگ انصاف ہوگا اور ایمان وعمل کے علاوہ کسی چیز کا لحاظ نہ کیا جائیگا۔ ایسے عقیدے کے بغیر آخرت کا ماننا نہ ماننا برابر ہے۔

اہل کتاب اکابر پرستی کرتے تھے، پیروی نہیں کرتے تھے:

آئندہ آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) کو اللہ پاک کے رسولوں نے جو شریعت سپرد کی تھی وہ اس کی پیروی نہیں کرتے تھے بلکہ اس میں اپنی من مانی کرتے تھے ـــــ انھوں نے اپنے علماء اور مشائخ کو، اللہ کے سوا اپنا رب ٹھہرا لیا ہے ـــــ یعنی رب اور خدا کے اختیارات اپنے علماء ومشائخ کے سپرد کر رکھے ہیں اور اطاعتِ مطلقہ جو خالص اللہ تعالیٰ کا حق ہے انھیں دے رکھا ہے وہ جو کہیں اس کی پیروی کرتے ہیں۔ اللہ اور اس کی شریعت کچھ کہتی رہے انہیں اس سے کوئی سروکار نہیں۔ ظاہر ہے کہ کسی کی ایسی اطاعت کرنا اس کو اپنا رب اور معبود بنا لینا ہے ـــــ بخاری شریف میں ذکر ہے کہ ایک یہودی مرد وعورت آنحضور ﷺ کی خدمت میں لائے گئے۔ جنھوں نے بدفعلی کا ارتکاب کیا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے یہود سے دریافت فرمایا کہ تورات میں اس کا کیا حکم ہے؟ وہ کہنے لگے کہ ہمارے علماء نے منہ کالا کرنا اور گدھے پر بٹھا کر تشہیر کرنا تجویز کیا ہے (یعنی تورات میں اس سلسلہ میں کوئی حکم نہیں ہے) حضرت عبداللہ بن سلام رضی

اللہ عنہ نے (جو پہلے یہودی تھے) عرض کیا کہ یارسول اللہ! تورات منگوائیے، چنانچہ وہ لائی گئی۔ جب پڑھنے لگے تو رَجم (سنگسار) کی آیت پر ہاتھ رکھ کر اس کو چھپالیا اور اس کے آگے پیچھے سے پڑھتے رہے۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ چونکہ حقیقتِ حال سے واقف تھے اس لئے انھوں نے پڑھنے والے سے کہا کہ ذرا ہاتھ ہٹا کر اس کے نیچے جو مضمون ہے اسے بھی تو پڑھ! جب اسے پڑھا گیا تو چوری پکڑی گئی[۱] —— مسلم شریف میں روایت ہے کہ آنحضور ﷺ نے دیکھا کہ ایک یہودی کا منہ کالا کر کے کوڑے مار کر تشہیر کی جارہی ہے۔ آپ ﷺ نے ان سے دریافت کیا کہ زنا کی سزا تورات میں کیا یہی ہے؟ کہنے لگے ہاں! حضور ﷺ نے ان کے ایک عالم کو بلا کر پوچھا کہ تمہیں اس اللہ کی قسم دیتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل فرمائی ہے سچ سچ بتاؤ کہ زنا کی یہی سزا تورات میں ہے؟ اس نے کہا نہیں! —— اور اگر آپ قسم نہ دیتے تو میں ہرگز نہ بتاتا۔ بات یہ ہے کہ تورات میں زنا کی سزا رجم تھی لیکن جب یہ وبا ہمارے معزز گھرانوں میں پھیل گئی تو ہم ان کو تو رجم کر نہیں سکتے تھے۔ البتہ جب کوئی معمولی آدمی اس کا ارتکاب کرتا تو اسے ضرور رجم کرتے تھے (اس سے لوگوں میں خلفشار پیدا ہوا) تو ہم نے باہمی مشورہ کیا کہ کوئی ایسی سزا تجویز کی جائے جسے چھوٹے بڑے سب پر یکساں نافذ کی جاسکے۔ اس لئے ہم نے منہ کالا کرنا اور کوڑے مارنا تجویز کیا ہے (اور رجم کو منسوخ کردیا ہے)[۲]

یہ حال تو یہود کا تھا عیسائی ان سے بھی کئی قدم آگے تھے جب انھوں نے فدیہ اور کفارہ کا عقیدہ گھڑ لیا تو اب شریعت کی اور اللہ کے احکامات پر عمل کرنے کی حاجت ہی کیا باقی رہی؟ چنانچہ انھوں نے اجماع اور اتفاقی فیصلہ سے تورات وانجیل کے تمام احکامات منسوخ کردیئے صرف چار حکم باقی رکھے یعنی بت کے ذبیحہ کی، بہنے والے خون کی، گلا گھونٹ کر مارے ہوئے جانور کی، اور زنا کی حرمت باقی رکھی پھر پولوس نے ان کی بھی ضرورت نہیں سمجھی، اس نے پہلے تین حکموں کو بھی ختم کردیا صرف زنا کی حرمت باقی رکھی اور چونکہ خود ساختہ مسیحیت میں زنا پر کوئی سزا نہیں رکھی گئی تھی اس لئے عملاً اس کی حرمت بھی ختم ہوگئی۔

آیتِ پاک کی یہ تفسیر خود رسول اللہ ﷺ نے فرمائی ہے حاتم طائی کے لڑکے حضرت عدی رضی اللہ عنہ جو پہلے عیسائی تھے، جب خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے اور مشرف بہ اسلام ہوئے تو انھوں نے منجملہ اور باتوں کے یہ بھی پوچھا تھا کہ ہم اپنے علماء اور مشائخ کو رب نہیں مانتے ہیں، نہ ہم ان کی پوجا کرتے ہیں پھر قرآن پاک کے بیان کی حقیقت کیا ہے؟

(۱) رواہ البخاری عن ابن عمر رضی اللہ عنہما فی باب الرجم بالبلاط ص۱۰۰۷۔ (۲) رواہ مسلم عن البراء بن عازب رضی اللہ عنہ فی باب حد الزنا ج۲ص۷۰۔

آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَلَیْسَ یُحَرِّمُوْنَ مَا اَحَلَّ اللّٰہُ تَعَالیٰ فَیُحَرِّمُوْنَه،وَیُحِلُّوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ فَیَسْتَحِلُّوْنَ؟ فَقُلْتُ بَلیٰ ،قَالَ ذٰلِکَ عِبَادَتُھُمْ(۱)

ترجمہ: کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ جو کچھ وہ لوگ حرام قرار دیتے تھے اسے حرام مان لیا جاتا ہے اور جو کچھ وہ لوگ حلال قرار دیتے ہیں اسے حلال مان لیا جاتا ہے؟ حضرت عدیؓ نے عرض کیا کہ ایسا تو وہ ضرور کرتے ہیں! آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''بس یہی ان کو خدا بنالینا ہے''!

اہل کتاب کے علماء و مشائخ کسی دلیل کی بنیاد پر ایسا نہیں کرتے تھے بلکہ تھوڑے سے مال یا دنیوی فائدے کے لئے شریعت کا حکم بدل دیتے تھے اور وہ جو کچھ غلط سلط کہہ دیتے تھے سند اور حجت بن جاتا تھا اس طرح انھوں نے دنیا کی چند کوڑیوں کے بدلے میں پورے دین کو بیچ ڈالا تھا ـــــ اور مریم کے لڑکے مسیح کو ـــــ تو وہ اللہ کا بیٹا مانتے ہی ہیں بلکہ انھیں ایک تہائی خدائی کا مالک بھی بنا رکھا ہے ـــــ حالانکہ انھیں حکم یہ دیا گیا تھا کہ صرف ایک معبود کی عبادت کریں جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں وہ ان کے شرک سے پاک ہے ـــــ نہ حضرت مسیح علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں نہ خدائی میں شریک اور نہ اللہ پاک نے کسی کو شریعت سازی کا حق دیا ہے۔

اسلام کا نور پھیل کر رہے گا: پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا:

آگے چوتھی بات کا ذکر ہے کہ وہ آنحضور ﷺ کے لائے ہوئے سچے دین کو قبول کرنے کے لئے بھی آمادہ نہیں ہیں بلکہ اس کو مٹانے کے درپے ہیں ـــــ وہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کی روشنی کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں ـــــ اللہ کے دین کے دمکتے سورج پر خاک ڈال دیں۔ اپنی جان توڑ کوششوں سے اس کا فروغ روک دیں۔

عرب کے مشرک اہل کتاب کی باتوں کو سند مانتے تھے اس لئے وہ ان سے دریافت کیا کرتے تھے کہ ہم حق پر ہیں یا محمد (ﷺ)؟ اہل کتاب ہمیشہ ان کو یہ بات سمجھاتے تھے کہ تم حق پر ہو۔ حالانکہ وہ آپ ﷺ کا حق پر ہونا روزِ روشن کی طرح جانتے تھے۔ ﴿ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ﴾ (سورۃ البقرۃ آیت ۱۴۶) وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کو ایسا پہچانتے تھے جیسا اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔

پھر بھی رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے دین کو نہ تو خود قبول کرتے تھے نہ دوسروں کی اس کی طرف راہ نمائی کرتے تھے بلکہ الٹے یہ کوشش کرتے تھے کہ کوئی اسے قبول نہ کرے ـــــ حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنی روشنی کو کمال تک پہنچائے

(۱) کذا فی روح المعانی ص۸۴ ج۱۰۔

بغیر رکنے والے نہیں اور بڑے برا مانیں کافر! ـــــ ان کے بس کی بات نہیں ہے کہ اللہ کے دین کا فروغ روک دیں کیونکہ اس کا پھیلنا اللہ تعالیٰ طے فرما چکے ہیں ـــــ اللہ ہی نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے تا کہ وہ اس کو تمام ادیان پر غالب کردے اور بڑے برا مانیں مشرک!

حدیث شریف میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ''روئے زمین پر کوئی کچا پکا مکان ایسا نہیں بچے گا جس میں اسلام کی بات پہنچ نہ جائے، جس کے نصیب میں عزت ہوگی اسلام اسے معزز کردے گا اور جس کے نصیب میں ذلت ورسوائی ہوگی اسلام اسے ذلیل وخوار کردے گا۔ معزز کرنا یہ ہے کہ وہ اسلام کو قبول کر کے عزت وعظمت حاصل کرے گا اور ذلیل کرنا یہ ہے کہ اسلام اسے منقاد کردے گا''(۱) ـــــ اس پیشین گوئی کا واقعہ بننا تاریخ کا ہر طالبِ علم جانتا ہے لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ ایک بار آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شب وروز کا یہ نظام ختم ہوا اس سے پہلے لات وعزی کی پرستش شروع ہوجائے گی! صدیقہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى﴾ سے تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اللہ کا دین ہمیشہ غالب رہے گا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ (ایسا نہیں ہوگا بلکہ) اللہ تعالیٰ جب تک چاہیں گے دین غالب رہے گا۔ پھر اللہ پاک ایک نرم ہوا چلائیں گے جس سے ہر وہ شخص وفات پاجائے گا جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہوگا اور ایسے لوگ بچ جائیں گے جن سے خیر کی کوئی توقع نہیں ہوگی چنانچہ لوگ اپنی آبائی گمراہی کی طرف پلٹ جائیں گے۔(۲)

یہ دنیا چونکہ دارالاسباب ہے یہاں ہر چیز کا کوئی نہ کوئی سبب ہے، اس لئے دین کے غلبہ کے لئے بھی مسلمانوں کی محنت درکار ہے۔ جب تک مسلمان دین کے لئے محنت کرتے رہیں گے دین اسلام تمام باطل ادیان کی کمر پر سوار رہے گا لیکن جب مسلمان لذت پرستیوں کا شکار ہوجائیں گے، دین کی محنت سے منہ موڑنے لگیں گے تو نہ صرف یہ کہ باطل سر ابھارے گا بلکہ خود مسلمان لات وعزی کے پجاری بن کر رہ جائیں گے۔

آج مسلمانوں کا کیا حال ہے؟ دوسروں کو چھوڑیئے خود اپنوں کا حال دیکھئے؟ آج ہم میں سے کتنے لات وعزی کے پجاری ہیں؟ کتنے ہیں جو قبروں پر جبہ سائی کرتے ہیں؟ کتنے ہیں جو غیروں سے مرادیں مانگتے ہیں؟ کتنے بے عملی بلکہ بدعملی کا شکار ہیں؟ اسی نے ہم پر ذلت ورسوائی کی تہیں جمادی ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟ اس لئے کہ ہم نے اپنوں میں اور غیروں میں دعوت دین کی محنت چھوڑ دی ہے اگر اب بھی ہمیں زیاں کا احساس ہوجائے اور ہم دنیا کی فانی دلچسپیوں سے ہاتھ اٹھا کر دین کی محنت کے لئے کمر بستہ ہوجائیں تو عظمتِ رفتہ واپس لوٹ سکتی ہے:

(۱) اخرجه احمد عن المقداد بن الأسود رضى لله عنه. (۲) اخرجه الإمام مسلم عن عائشة رضى الله عنها فى كتاب الفتن ج۲ص۳۹۴۔

اگر منظور ہو تجھ کو خزاں نا آشنا رہنا ❁ جہان رنگ وبو سے پہلے قطع آرزو کر لے

پھر:

ضمیر لالہ میں روشن چراغ آرزو کر دے ❁ چمن کے ذرے ذرے کو شہید جستجو کر دے

قومیں جب جہالت اور خود غرضی کا شکار ہو جاتی ہیں تو گمراہی کی گھاٹیوں میں جا پہنچتی ہیں!

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ ٱلْأَحْبَارِ وَٱلرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَٰلَ ٱلنَّاسِ بِٱلْبَٰطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ ۗ وَٱلَّذِينَ يَكْنِزُونَ ٱلذَّهَبَ وَٱلْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٣٤﴾ يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِى نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ ۖ هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا۟ مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ ﴿٣٥﴾

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ	اے وہ لوگو جو	بِٱلْبَٰطِلِ	نامشروع طریقے پر	وَلَا يُنفِقُونَهَا	اور نہیں خرچ کرتے اس کو
ءَامَنُوٓا۟	ایمان لائے!	وَيَصُدُّونَ	اور روکتے ہیں وہ	فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ	اللہ کی راہ میں
إِنَّ كَثِيرًا	بے شک بہت سے	عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ	اللہ کی راہ سے	فَبَشِّرْهُم	پس آپ ان کو خوشخبری
مِّنَ ٱلْأَحْبَارِ (۱)	علماء	وَٱلَّذِينَ	اور جو لوگ		سنادیں
وَٱلرُّهْبَانِ (۲)	اور درویش	يَكْنِزُونَ (۳)	جمع کر کے رکھتے ہیں	بِعَذَابٍ أَلِيمٍ	دردناک عذاب کی
لَيَأْكُلُونَ	البتہ کھاتے ہیں	ٱلذَّهَبَ	سونا	يَوْمَ	جس دن
أَمْوَٰلَ ٱلنَّاسِ	لوگوں کے مال	وَٱلْفِضَّةَ	اور چاندی	يُحْمَىٰ	آگ دہکائی جائے گی

(۱) اَحْبَار، حِبْرٌ کی جمع ہے۔ لفظی معنی ''علم کو مزین کرنے والا'' اصطلاح میں ''نیک عالم'' اور یہودیوں کے یہاں پروہتوں کے سردار کو کہتے ہیں (۲) رُهْبَان رَاهِبٌ کی جمع ہے لفظی معنی ''خوف کھانے والا'' اصطلاح ہیں: ''زاہد و درویش'' اور عیسائیوں کے یہاں ''گرجا میں گوشہ نشین'' کو کہتے ہیں (۳) اصل ''الکنز'' فی کلام العرب هو الجمع وکل شیئ جُمع بعضه الی بعض فهو مکنوز، یقال هذا جسم مکتنز الاجزاء اذا کان مجتمع الاجزاء (کبیر) ومنه ناقة کناز اللحم ای مجتمعه، ولایشترط فی الکنز الدفن بل یکفی مطلق الجمع والحفظ (روح)

عَلَيْهَا (۱)	ان (اموال) پر	وَ جُنُوْبُهُمْ	اور ان کی گردنوں	لِاَنْفُسِكُمْ	اپنے واسطے
فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ	دوزخ کی بھٹی میں	وَظُهُوْرُهُمْ	اور ان کی پشتوں (کو)	فَذُوْقُوْا	تو (اب) چکھو
فَتُكْوٰى	پھر داغ دیا جائے گا	هٰذَا	یہ	مَا كُنْتُمْ	اس چیز کا (مزہ)
بِهَا (۲)	اُس سے	مَا	وہ ہے) جس کو	تَكْنِزُوْنَ	جسے تم جمع کیا کرتے
جِبَاهُهُمْ	اُن کی پیشانیوں	كَنَزْتُمْ	تم نے جمع کرکے رکھا ہے		تھے

علمائے سوء، مفاد پرست بزرگ اور بے توفیق مالدار امت کی خرابی کا سبب

ان دو آیتوں میں مسلمانوں کو مخاطب کر کے یہود و نصاریٰ کے علماء و مشائخ اور مالداروں کے وہ احوال ذکر کئے گئے ہیں جن کی وجہ سے عوام میں گمراہی پھیلی اور دین ضائع ہو گیا مسلمانوں کو یہ حالات اس لئے سنائے گئے ہیں کہ وہ ان کے نقش قدم پر چلنے سے احتراز کریں کیونکہ اللہ پاک نے مخلوقات کی جتنی انواع پیدا فرمائی ہیں سب کی افتادِ طبع ایک جیسی رکھی ہے۔ ہزاروں سال پہلے بیلوں، بھینسوں، گھوڑوں اور گدھوں کی جو روش تھی وہی آج بھی ہے۔ دریا، پودے، آگ، پانی اور ہواؤں کے جو احوال پہلے تھے وہی آج بھی ہیں۔ بنی نوع انسان کی افتادِ طبع بھی ایک ہی ہے، بگڑنے سنورنے میں ان کا مزاج بھی ایک ہی طرح کا واقع ہوا ہے۔ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ ”تم ضرور اگلے لوگوں کی (غلط) روش پر، قدم بہ قدم چلو گے“ صحابہ نے پوچھا: یہود و نصاریٰ کی؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ”اور کس کی؟“ —— اس لئے مسلمانوں کو چوکنا کیا جا رہا ہے کہ امتوں کی خرابی اور تباہی کا بڑا سبب تین جماعتوں کی بے راہ روی اور خرابی ہے ایک امت کے علماء کی دوسرے مشائخ کی تیسرے رؤساء اور اغنیاء کی حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَهَلْ اَفْسَدَ الدِّيْنَ اِلَّا الْمُلُوْكُ ۞ وَاَحْبَارُ سُوْءٍ وَّرُهْبَانُهَا

(رؤساء، علماء سوء اور بد باطن درویشوں ہی نے ہمیشہ دین کا بیڑا غرق کیا ہے!)

اس لئے ان تین جماعتوں کو سب سے پہلے ان آیات پر غور کرنا چاہئے اور اپنے اعمال و احوال کا محاسبہ کرنا چاہئے۔ اور یہود و نصاریٰ کی غلط روش پر چلنے سے بچنا چاہئے لیکن اگر خدانخواستہ یہ جماعتیں انھیں کے نقش قدم پر چل پڑیں تو پھر امت کو ان سے ہوشیار رہنا چاہئے اور ان کے دام فریب سے بچنا چاہئے۔ ارشاد فرماتے ہیں —— اے مؤمنو! اکثر علماء اور درویش، بلاشبہ لوگوں کے اموال نامشروع طریقہ پر کھاتے ہیں —— فتوے بیچتے ہیں، رشوتیں لیتے ہیں۔ نذرانے

(۱) ليس المراد أن تلك الاموال تحمى على النار بل المراد النار تحمى على تلك الاموال التى هو الذهب والفضة أى يوقد عليها نار ذات حمى وحر شديد (كبير) (۲) والضمير لكنوز الاموال (روح)

لوٹتے ہیں اور طرح طرح کی مذہبی رسوم ایجاد کرتے ہیں تا کہ لوگوں کا جینا مرنا، خوشی اور غمی کچھ بھی ان کو کھلائے بغیر نہ ہو سکے ـــــ اور (وہ) انھیں اللہ کی راہ سے روکتے ہیں ـــــ اور گمراہیوں کے چکر میں پھنسائے رکھتے ہیں۔

دنیادار انسان مال و جاہ کے پیچھے مرتا ہے۔ اسی کے لئے شب و روز دوڑ دھوپ کرتا ہے۔ اور کردنی نا کردنی سب کچھ کر گذرتا ہے جب ان چیزوں کی ہوس حاملین دین علماء و مشائخ میں پیدا ہوتی ہے تو وہ دین کو کوڑیوں کے عوض بیچ کھاتے ہیں اس کی عظمت و رفعت کا نیلام کر دیتے ہیں:

یہی شیخ حرم ہے جو چرا کے بیچ کھاتا ہے ❁ گلیم بوذرؓ ودلق اُویسؒ وچادر زہراؓ

اس آیت میں یہود و نصاریٰ کے علماء و مشائخ کی یہی دو خرابیاں ذکر کی گئی ہیں کہ وہ مال و دولت کی حرص میں دین فروخت کر رہے ہیں اور نا مشروع طریقوں سے لوگوں کے اموال اڑا رہے ہیں اور جاہ و منصب کے لئے لوگوں کو اللہ کی راہ سے روک رہے ہیں اپنی سیادت و ریاست قائم رکھنے کے لئے مکر و فریب سے عوام کو اپنے جال میں پھنسائے رکھتے ہیں اور نہ صرف یہ کہ سچے دین کو خود قبول نہیں کرتے اور لوگوں کی اس طرف رہنمائی نہیں کرتے بلکہ ان کی کوشش یہ رہتی ہے کہ اپنے متبعین کو اس دین کے سچے ہونے کا احساس بھی نہ ہونے دیں ـــــ اگر چہ سب ایسے نہیں ہیں کچھ اللہ سے ڈرنے والے اور خدا رسیدہ بندے بھی ہیں لیکن جب اکثریت میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے تو پھر نقار خانے میں طوطی کی صدا کون سنتا ہے؟ ـــــ معلوم ہوا کہ کسی ملت کے بگڑنے کے لئے سب کا بگڑنا ضروری نہیں اکثریت جب بگڑ جاتی ہے تو دین کا جنازہ نکل جاتا ہے۔

اس کے بعد تیسری جماعت (بے توفیق مالداروں) کا حال بیان کیا جاتا ہے ـــــ اور جو لوگ سونا، چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں، اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انھیں دردناک سزا کی خوش خبری سنا دیجئے جس روز جہنم کی بھٹی میں اس سونے اور چاندی پر آگ دہکائی جائے گی پھر اس سے ان لوگوں کی پیشانیاں، پہلو اور پیٹھوں کو داغا جائے گا (اور کہا جائے گا) یہ ہے وہ دولت جو تم نے اپنے واسطے جمع کر کے رکھی تھی، لو اب اپنی سمیٹی ہوئی دولت کا مزہ چکھو" ـــــ مال جمع کرنا برا نہیں ہے۔ قرآن پاک میں مال کو ﴿ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ ﴾ (لوگوں کے لئے گذران کا سبب) کہا گیا ہے۔ البتہ غلط طریقوں سے دولت اکٹھا کرنا یا جائز طریقوں سے جمع کر کے سینت کر رکھنا اور اللہ کے حقوق ادا نہ کرنا اور اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنا برا ہے۔ آنحضور ﷺ نے اسی آیت کی تفسیر میں ارشاد فرمایا ہے کہ "اللہ پاک نے زکوٰۃ اس لئے مقرر کی ہے کہ اس سے بقیہ مال پاک ہو جاتا ہے۔ اللہ نے میراث کا قانون اُسی مال میں مقرر کیا ہے جسے تم اپنے پیچھے چھوڑ جاتے ہو"[1]

(۱) اخرجه ابن ابی حاتم عن ابن عباس و کذا رواه ابو داؤد والحاکم.

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ ''مال میں زکوٰۃ کے علاوہ اور بھی حقوق ہیں'' پھر آپ ﷺ نے سورۂ بقرہ کی آیت ۱۷۷ تلاوت فرمائی جس میں فرمایا گیا ہے کہ ''جن لوگوں نے مال کی محبت کے باوجود اس کو قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سائلوں پر اور غلاموں کو آزادی دلانے میں خرچ کیا''[1] یعنی زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد بھی ضرورت مند بندوں کی امداد کی ذمہ داری دولت مندوں پر باقی رہتی ہے مثلاً ایک صاحب ثروت حساب سے پوری زکوٰۃ ادا کر دیتا ہے اس کے بعد اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پڑوس میں فاقہ ہے، قریبی رشتہ دار سخت محتاجگی کی حالت میں ہے۔ کسی مصیبت زدہ یا مسافر کو فوری امداد کی ضرورت ہے تو ایسی صورتوں میں ان ضرورت مندوں کی امداد اس پر واجب ہے۔

اگر کوئی مالدار مال کے حقوق ادا نہیں کرتا ہے تو قیامت کے دن میدان حشر میں جنت و دوزخ کا فیصلہ ہونے سے پہلے ایک دردناک سزا تو یہ دی جائے گی کہ اس کے مال کو خوب تیز گرم کیا جائے گا اس طرح کہ اس دولت پر آگ دہکائی جائے گی —— جو چیز آگ کے اوپر رکھ کر گرم کی جاتی ہے وہ اتنی گرم نہیں ہوتی جتنی آگ کے نیچے رکھ کر اس پر آگ دہکانے سے گرم ہوتی ہے اس لئے تُحۡمٰی ھِیَ کے بجائے تُحۡمٰی علیھا فرمایا—— پھر یہ گرم کرنا جہنم کی دہکتی ہوئی آگ میں ہوگا جس کی گرمی العیاذ باللہ! پھر اس سے اس کی پیشانی، پہلو اور پیٹھ داغی جائے گی اور اس مالدار کا جسم اتنا موٹا کر دیا جائے گا کہ سارے روپیوں کا الگ الگ داغ لگ سکے کوئی روپیہ دوسرے روپے سے لگنے نہ پائے گا۔ کیونکہ بخیل دولت مند سے جب اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے کہا جاتا تھا تو اس کی پیشانی پر بل پڑ جاتے تھے، زیادہ کہا جاتا تھا تو اعراض کر کے اُدھر سے پہلو بدل لیتا تھا۔ اگر اس پر بھی جان نہ بچتی تو پیٹھ پھیر کر چل دیتا، اس لئے اس کی دولت تپا کر انہی تین موقعوں پر داغ دیا جائے گا۔

اور دوسری سزا یہ دی جائے گی کہ اس کی دولت قیامت کے دن زہریلے ناگ کی شکل میں آئے گی، انتہائی زہریلے پن کی وجہ سے اس ناگ کے سر کے بال بھی جھڑ گئے ہوں گے جس کی آنکھوں کے اوپر دو سفید نقطے ہوں گے پھر وہ سانپ اس کے گلے کا طوق بن جائے گا پھر اس کی دونوں باچھیں پکڑ کر کاٹے گا اور کہے گا کہ میں تیری دولت ہوں! میں تیرا خزانہ ہوں! تو اپنی دولت پر سانپ بنا بیٹھا تھا، خرچ کرنے کے موقعوں پر بھی خرچ نہیں کرتا تھا، اب چکھ اس کا مزہ!

عذاب کا یہ سلسلہ حساب و کتاب پورا ہونے تک جاری رہے گا، پھر اگر محشر کی یہ سزا کافی ہو جائے گی تو اس کو نجات مل جائے گی اور جنت میں بھیج دیا جائے گا اور اگر اس عذاب سے حساب بے باق نہ ہوگا تو مزید سزا پانے کے لئے جہنم میں بھیجا جائے گا۔

عموماً دولت مندوں میں دو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں کوئی بخیل پیشہ بن جاتا ہے دولت کو سینت سینت کر رکھتا ہے۔ نہ حاجت مندوں پر خرچ کرتا ہے نہ رشتہ داروں پر، نہ اہل وعیال پر اور نہ خود اپنی ذات پر۔ اسے مایہ سے اس درجہ محبت ہوتی ہے کہ ایک پیسہ خرچ کرنے سے بھی اس کی جان نکلنے لگتی ہے۔ اور کوئی مالدار فضول کاموں میں، شہوت رانیوں میں، ناموری کی ہوس میں دونوں ہاتھوں سے اپنی دولت اڑانے لگتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی راہ میں، دین کے فروغ کے لئے اور مسلمانوں کی ترقی کے لئے خرچ کرنے کی اسے توفیق نہیں ہوتی آیت پاک میں دونوں طرح کے دولت مندوں کا تذکرہ ہے، جو دولت مند مال سینت کر رکھتے ہیں ان کا بھی اور جو اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ نہیں کرتے، البتہ فضول کاموں میں اڑاتے ہیں، ان کا بھی اور دونوں کو دردناک سزا کی خوش خبری سنائی گئی ہے۔

> جب لوگ دولت کے پجاری بن جاتے ہیں اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا چھوڑ دیتے ہیں تو دین کے سارے کام ٹھپ ہو جاتے ہیں!

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَٰبِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَٰوَٰتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ۚ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنْفُسَكُمْ ۚ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿٣٦﴾ إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ ۖ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ عَامًا وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا لِيُوَاطِئُوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فَيُحِلُّوا مَا حَرَّمَ اللَّهُ ۚ زُيِّنَ لَهُمْ سُوءُ أَعْمَالِهِمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿٣٧﴾

ع ۱۱ / ۵

إِنَّ عِدَّةَ (۱)	بے شک گنتی	شَهْرًا	مہینے (ہے)	السَّمَٰوَٰتِ	آسمانوں
الشُّهُورِ	مہینوں کی	فِي كِتَٰبِ اللَّهِ	نوشتۂ الٰہی میں	وَالْأَرْضَ	اور زمین کو
عِنْدَ اللَّهِ	اللہ کے نزدیک	يَوْمَ	جس روز	مِنْهَا	ان میں سے
اثْنَا عَشَرَ	بارہ	خَلَقَ	اس نے پیدا کیا	أَرْبَعَةٌ	چار (مہینے)

(۱) العِدَّةُ: الشيئ المعدود (راغب)

حُرُمٌ	ادب کے (ہیں)	مَعَ الْمُتَّقِيْنَ	متقیوں کے ساتھ ہیں	عِدَّةَ	تعداد
ذٰلِكَ الدِّيْنُ	یہی دین	اِنَّمَا	سوائے اس کے نہیں کہ	مَا	ان مہینوں کی جنھیں
الْقَيِّمُ	مستقیم (ہے)	النَّسِيْٓءُ (۲)	مہینوں کو انکی جگہ سے ہٹانا	حَرَّمَ	حرام ٹھہرایا (ہے)
فَلَا تَظْلِمُوْا	پس تم ظلم نہ کرو	زِيَادَةٌ	زائد	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ نے
فِيْهِنَّ	ان (چار مہینوں) میں	فِي الْكُفْرِ	کافرانہ حرکت ہے	فَيُحِلُّوْا	پس جائز کرلیتے ہیں وہ
اَنْفُسَكُمْ	اپنی جانوں پر	يُضَلُّ	گمراہ کئے جاتے ہیں	مَا	ان کو جن کو
وَقَاتِلُوا	اور لڑو تم	بِهِ	اس کے ذریعہ	حَرَّمَ	حرام ٹھہرایا ہے
الْمُشْرِكِيْنَ	مشرکوں (سے)	الَّذِيْنَ	وہ لوگ جنھوں نے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ (نے)
كَآفَّةً (۱)	سب سے	كَفَرُوْا	اسلام کا انکار کیا	زُيِّنَ	خوشنما بنائے گئے ہیں
كَمَا	جیسا کہ	يُحِلُّوْنَهٗ	حلال کرلیتے ہیں وہ اس کو	لَهُمْ	ان کے لئے
يُقَاتِلُوْنَكُمْ	وہ لڑتے ہیں تم سے	عَامًا	کسی سال	سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ	ان کے برے اعمال
كَآفَّةً	سب سے	وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ	اور حرام سمجھتے ہیں وہ اس کو	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
وَاعْلَمُوْٓا	اور جان رکھو	عَامًا	کسی سال	لَا يَهْدِي	ہدایت نہیں دیتے
اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ تعالیٰ	لِّيُوَاطِـُٔوْا (۳)	تاکہ پوری کرلیں	الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ	منکرین حق (کو)

(۱) كافة: مصدر كَفَّ عن الشيئ، فإن الجميع مَكفُوفٌ عن الزيادة (مظهری) وهی حال من الفاعل او المعفول (كشاف) (۲) النسیئ: بروزن فعیل: بمعنی مصدر، جیسے سَعِیر (دہکتی آگ) اور حَرِیْق (آگ) نَسَأَ (ف) نَسْئًا الشیئَ: مؤخر کرنا، نَسِیْئَة: ادھار، جس میں ثمن مؤخر کیا گیا ہو، اور اصطلاحی معنی ہیں: محرم کی حرمت کو صفر کی طرف مؤخر کرنا، زمانۂ جاہلیت میں تین ماہ (ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم) مسلسل جنگ بند رکھنا مشکل تھا، اس لئے کہ عربوں کی معیشت کا مدار لوٹ کھسوٹ (مالِ غنیمت) پر تھا، اس لئے حج کے موقعہ پر منیٰ بازار کے ختم پر ان کا شیخ المشائخ (بوجھ بجھ کر) اعلان کرتا تھا کہ اس سال میں نے محرم کو حلال کردیا اور صفر کو حرام کردیا، اب محرم میں قتل وقتال جائز ہوجاتا اور صفر میں بندش رہتی، یہ نَسِیْئ ہے (اور لوند اور کبیسہ الگ ہے، ہندی مہینوں میں تین سال میں ایک مہینہ بڑھاتے ہیں، اور اس کو انگریزی مہینوں کے مطابق کردیتے ہیں، یہ بھی جائز نہیں، اس لئے کہ اس سے بھی قمری تاریخیں اپنی جگہ نہیں رہتیں، مگر وہ نسیئ نہیں) (۳) یُوَاطِئُوا: مضارع، جمع مذکر غائب، مصدر مُوَاطَأَة (مفاعلہ): درست کرنا، موافق کرنا، یعنی محترم چار ماہ کی تعداد پوری کرلینا، صفر کو محترم قرار دے کر۔

علماء ومشائخ شریعت کو کس طرح بگاڑتے تھے؟

ابھی یہ ذکر گذرا ہے کہ اہل کتاب کے علماء ومشائخ شریعت پرعمل نہیں کرتے بلکہ شریعت میں تحریف کرتے ہیں اور عوام نے بھی انہیں شریعت سازی کا حق دے رکھا ہے وہ جو کچھ غلط سلط بتا دیتے ہیں عوام اس پر آمَنَّا وصَدَّقْنَا کہتے ہیں۔

اب مثال سے اس کی مزید وضاحت کی جارہی ہے اس مثال سے ہمیں یہ بھی اندازہ ہوجائے گا کہ کس قسم کی شریعت سازی کا حق علماء ومشائخ کو سپرد کرنا اُن کو اپنا رب بنالینا ہے—— مثال اہل کتاب کے حالات سے دینے کے بجائے مشرکین کے احوال سے پیش کی جارہی ہے جس سے خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کسی زمانہ میں دوچار رہ چکے تھے تاکہ وہ آسانی سے سمجھ میں بھی آجائے اور قومی اثرات کی وجہ سے اس غلط رسم کے لوٹ آنے کا امکان بھی ہمیشہ کے لئے ختم ہوجائے۔ نیز اس ضمن میں امت کو ایک تشریعی حکم بھی مل جائے۔

تمام شریعتوں میں عبادتوں کی ادائیگی قمر (چاند) کے حساب سے ہوتی رہی ہے جب سے چاند، سورج اور آسمان وزمین بنے ہیں تب سے برابر یہ نظام چل رہا ہے کہ مہینہ میں ایک بار چاند، ہلال بن کر طلوع ہوتا ہے جس سے سال کے بارہ مہینے بنتے ہیں۔ لیکن اللہ پاک نے قمر کی چال کچھ اس قسم کی تجویز فرمائی ہے کہ دن اور مہینے آہستہ آہستہ (سال میں دس دن اور چند گھنٹے) مقدم ہوتے رہتے ہیں اور سال کے تمام موسموں میں گردش کرتے رہتے ہیں۔ رمضان شریف کا مہینہ کبھی گرمیوں میں آتا ہے، کبھی سردیوں میں، اور کبھی برسات میں۔ حج اور قربانی کا بھی یہی حال ہے۔

اس میں حکمت یہ ہے کہ اللہ کے بندے زمانہ کی تمام گردشوں میں اور ہر قسم کے حالات میں عبادتیں کریں۔ روزے خواہ سخت گرمیوں میں آئیں اور دن بڑے سے بڑے ہوجائیں، یا سخت سردیوں میں آئیں اور دن چھوٹے سے چھوٹے رہ جائیں یا برسات میں آئیں جبکہ دن اور موسم معتدل ہوتے ہیں، اہل ایمان ہر حال میں روزے رکھ کر اللہ پاک کی فرمانبرداری کا ثبوت دیں۔ اسی طرح حج بھی مختلف موسموں میں آتا رہے اور لوگ ہر طرح کے حالات انگیز کرتے ہوئے، خدا تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے دُور دراز سے سفر کرکے یہ فریضہ ادا کرتے رہیں اور اپنے سچے عاشق ہونے کا ثبوت دیتے رہیں۔

عرب کے لوگ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام کی امت تھے اس لئے وہ بھی قمری حساب سے عبادتیں ادا کرتے تھے لیکن جب انھوں نے دین فراموش کردیا، عبادتیں رسم بن گئیں اور حج سالانہ میلہ بن گیا جس کا اصلی مقصد تجارت، شعروشاعری اور مفاخرت قرار پایا تو حج کا تمام موسموں میں گردش کرنا لوگوں کے تجارتی فوائد اور دنیوی اغراض کے لئے مضر ثابت ہونے لگا۔ کیونکہ میلے اسی زمانے میں مناسب رہتے ہیں جب لوگوں کے پاس پیسے ہوں،

تجارت کا سامان وافر مقدار میں موجود ہو۔لوگ دوسرے مشاغل سے فارغ ہوں اور موسم بھی خوشگوار ہوتا کہ لوگ دور دراز سے سفر کی زحمتیں برداشت کر کے میلہ میں شرکت کر سکیں ـــــ اس لئے ان کے بڑوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں اس طرح کتر بیونت کی کہ حساب تو قمری باقی رکھا لیکن حج کو تمام موسموں میں گردش کرنے سے روکنے کے لئے، یہودیوں سے سیکھ کر کَبِیْسَۃُ (لَوْند— وہ مہینہ جو ہر تیسرے سال شمسی حساب سے بڑھایا جاتا ہے) کا سسٹم جاری کیا اور قمری سال، شمسی سال کے مطابق کر دیا، تا کہ حج ہمیشہ ایک ہی موسم میں آتا رہے (تفسیر کبیر)

ہندوستان میں جو بکرمی سن رائج ہے وہ بھی ''قمری شمسی'' ہے یعنی اس کا مدار چاند کی رفتار پر ہے لیکن ہر تیسرے سال لوند کا مہینہ بڑھا کر شمسی سال کے مطابق کر لیا جاتا ہے ـــــ ظاہر ہے کہ لوند کا مہینہ بڑھانے سے قمری حساب تو موسم کا پابند نہیں ہو جائے گا۔اس کے دن اور مہینے تو برابر تمام موسموں میں گردش کرتے رہیں گے چاہے لوگ کچھ ہی خیال کرتے رہیں۔

چونتیس سال میں دن اور مہینے گردش کرتے ہوئے اپنی اصلی جگہ پہنچ جاتے ہیں اس لئے عرب تینتیس سال حج اس کی اصل تاریخوں کے علاوہ دوسری تاریخوں میں کرتے تھے البتہ چونتیسویں سال اصلی وقت میں یعنی ذوالحجہ کی ۹،۱۰ تاریخ کو ادا ہوتا تھا سنہ ۱۰ ہجری وہ چونتیسواں سال تھا جس میں حج کا وقت گردش کرتا ہوا ٹھیک اپنی اصلی تاریخوں میں آپہنچا تھا اس لئے اسی سال آنحضور ﷺ نے فریضۂ حج ادا فرمایا اور اپنے منی والے خطبہ میں اعلان فرمایا کہ:

أَلَا اِنَّ الزَّمَانَ قَدِاسْتَدَارَ کَھَیْئَتِہٖ یَوْمَ خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (متفق علیہ عن ابی بکرہؓ)	سنو! وقت گردش کرتا ہوا ٹھیک اس حالت پر آپہنچا ہے جو کائنات کی تخلیق کے وقت سے مقرر ہے۔

آپ ﷺ کے اس اعلان سے لوند کا سسٹم ختم ہو گیا اور تمام عبادتیں ٹھیک وقت پر ادا ہونے لگیں۔غرض عربوں کی شریعت ابراہیمی میں تحریف نے تمام شریعت کا نظام ہی درہم برہم کر کے رکھ دیا تھا اور اس تحریف کے پیچھے کوئی شرعی نص نہیں تھی بلکہ تجارتی فوائد اور دنیوی اغراض کارفرما تھے، ایسی شریعت سازی کا حق اپنے علماء ومشائخ کو سپرد کرنا ان کو اپنا رب بنالینا ہے۔

علاوہ ازیں: سال میں چار مہینوں کا ادب واحترام کرنا ملت ابراہیمی میں ضروری قرار دیا گیا تھا۔جنگ وجدال اور قتل وقتال ان میں ممنوع تھا۔تا کہ لوگ آزادی سے سفر کر کے حج اور عمرہ ادا کر سکیں۔ تین مہینے مسلسل حج کے لئے، ذوالقعدہ حاجیوں کی آمد کے لئے۔ذوالحجہ حج ادا کرنے کے لئے اور محرم وطن کی طرف واپسی کے لئے اور باقی مہینوں کے تقریباً وسط میں رجب کا مہینہ عمرہ کرنے والوں کی سہولت کے لئے قابل ادب قرار دیا گیا تھا۔

مگر جب عرب دین سے ناآشنا ہوگئے، جہالت نے طبیعتوں میں درندگی کی خو پیدا کردی، لوٹ کھسوٹ اور غارت گری ذریعۂ معاش بن گیا اور قبائلی حکومتوں کی وجہ سے رات دن جنگ وجدال کا بازار گرم رہنے لگا اور ان میں مسلسل تین مہینے جنگ سے صبر کرنے کی طاقت نہ رہی تو ان کے بڑوں نے حرام مہینوں کو حلال بنا لینے کا طریقہ ایجاد کیا —— جب کسی محترم مہینے میں جنگ کی ضرورت پیش آتی یا لڑتے لڑتے محترم مہینہ آجاتا تو کہہ دیتے کہ امسال یہ مہینہ محترم نہیں ہے۔ اگلا مہینہ محترم ہوگا مثلاً محرم میں لڑنا ضروری ہوتا تو کہتے کہ امسال محرم کا مہینہ محترم نہیں ہے بلکہ صفر کا مہینہ محترم ہوگا۔ مزید ضرورت پڑتی تو کہتے کہ صفر بھی محترم نہیں ہے بلکہ ربیع الاول محترم ہوگا کبھی کہتے کہ اس سال صفر کا مہینہ پہلے آگیا ہے محرم بعد میں آئے گا۔ یا لڑتے لڑتے دس مہینے گذر جاتے اور سال کے صرف دو ہی مہینے باقی رہ جاتے تو سال کے مہینوں کی تعداد بڑھا دیتے اور کہتے کہ امسال برس چودہ مہینوں کا ہوگا اور اس طرح محترم مہینوں کی تعداد پوری کر لیتے اور حیلہ بازی کر کے شریعت کی پابندی کی ظاہری شکل نکال لیتے۔

حرام کو حلال اور حلال کو حرام بنانے کے لئے عموماً محرم وصفر تختۂ مشق بنتے رہتے تھے اور تحریم وتحلیل کا پورا اختیار حذیفہ نامی ایک شخص کو جس کا لقب قُلَمُسْ تھا سونپ رکھا تھا جو بعد میں اس کی اولاد میں بھی منتقل ہوتا رہا، چنانچہ قلمس کے بعد اس کا لڑکا عباد، پھر اس کا لڑکا قلع، پھر اس کا لڑکا امیہ، پھر اس کا لڑکا عوف، پھر اس کا لڑکا جُنادہ جس کی کنیت ابوثمامہ تھی، حج کے موقع پر تحلیل وتحریم کا اعلان کیا کرتا، جب اسلام کا آفتاب طلوع ہوا تو ابوثمامہ کا دور تھا۔

لوند کا اثر بھی محترم مہینوں پر پڑتا تھا جو مہینے واقعۃً محترم ہوتے تھے وہ تو گردش کرتے کرتے کہیں سے کہیں نکل جاتے اور ان میں خوب قتل وقتال ہوتا اور جن مہینوں کو "محترم مہینوں" کا نام دیا جاتا وہ درحقیقت محترم ہوتے ہی نہیں تھے۔

عربی مہینوں کے نام اور وجہ تسمیہ:

عربی مہینوں کے موجودہ نام لوند کے زمانہ کی یادگار ہیں جبکہ ان کی گردش روک دی گئی تھی عربی مہینے اور ان کی وجہ تسمیہ حسب ذیل ہے:

① —— محرم —— محترم قرار دیا ہوا (چونکہ حلت وحرمت کا تختۂ مشق یہی مہینہ بنا کرتا تھا اس لئے اسے یہ نام دیا گیا تھا)

② —— صفر —— خالی (جنگوں اور سفروں میں لوگوں کے نکل جانے کا اور گھروں کے خالی رہ جانے کا مہینہ)

③ —— ربیع الاول —— گھروں میں رہنے کا پہلا مہینہ (ارتباع سے بنا ہے جس کے معنی ہیں گھر میں رہنا چونکہ اس مہینہ میں لوگ جنگ اور سفر سے گھر آجاتے تھے اس لئے یہ نام دیا گیا تھا)

④ —— ربیع الثانی —— گھروں میں رہنے کا دوسرا مہینہ۔

⑤ —— جمادی الاولی —— پانی جمنے کا پہلا مہینہ (سخت سردی کا پہلا مہینہ)

(۶)۔۔۔ جُمادی الثانیہ۔۔۔ پانی جمنے کا دوسرا مہینہ (سخت سردی کا دوسرا مہینہ)

(۷)۔۔۔ رجب۔۔۔ محترم مہینہ (تَرْجِیْب سے بنا ہے جس کے معنی ہیں تعظیم کرنا، یہ نام اس لئے رکھا گیا تھا کہ لوگ اس مہینہ میں عمرہ ادا کرتے تھے)

(۸)۔۔۔ شعبان۔۔۔ منتشر ہونے کا مہینہ (اس مہینہ میں لوگ جنگ وغارت گری کے لئے پھیل جاتے تھے)

(۹)۔۔۔ رمضان۔۔۔ سنگریزوں کے شدید گرم ہونے کا مہینہ (سخت گرمی کا مہینہ)

(۱۰)۔۔۔ شوال ۔۔۔ اونٹوں کی جفتی کا مہینہ (شَالَتِ الْاِبَلُ بِاَذْنَابِهَا لِلطِّرَاقِ سے لیا گیا ہے)

(۱۱)۔۔۔ ذوالقعدہ۔۔۔ جنگ اور سفر چھوڑ کر بیٹھ جانے کا مہینہ۔

(۱۲)۔۔۔ ذوالحجہ۔۔۔ حج ادا کرنے کا مہینہ۔

تفسیر: اس ضروری تفصیل کے بعد آیات کریمہ ملاحظہ فرمائیں۔ ارشاد ہے ۔۔۔ مہینوں کی تعداد اللہ کے نزدیک، نوشتۂ الٰہی میں، جب سے اللہ نے آسمان وزمین بنائے ہیں بارہ ہی ہے ۔۔۔ خواہ شمسی حساب ہو یا قمری، سال کے بارہ ہی مہینے ہیں، لوند کا مہینہ بڑھا کر تیرہ مہینوں کا سال کرنا لوگوں کی ایجاد ہے ۔۔۔ جن میں سے چار مہینے محترم ہیں ۔۔۔ اور وہ متعین ہیں جن میں تغیر وتبدل کا کسی کو کوئی حق نہیں ۔۔۔ یہی (حضرت ابراہیم علیہ السلام کا) صحیح دین ہے ۔۔۔ اور تم جسے ملت ابراہیمی سمجھے بیٹھے ہو وہ تمہاری خود تراشیدہ ملت ہے ۔۔۔ لہٰذا (اے مومنو!) تم ان (چار) مہینوں میں (گناہ کرکے) اپنا نقصان نہ کرو ۔۔۔ کیونکہ یہ مہینے اب بھی محترم اور برگزیدہ ہیں ۔۔۔ برگزیدگی کا سلسلہ ہر جگہ رکھا گیا ہے، فرشتوں میں سے بعض کو، انسانوں میں سے کچھ کو، باتوں میں اللہ کے ذکر کو، زمین میں مسجدوں کو، مہینوں میں رمضان شریف اور اشہر حرام کو، دنوں میں جمعہ کو، اور راتوں میں شب قدر کو برگزیدگی عطا فرمائی گئی ہے ۔۔۔ اور برگزیدہ زمان ومکان میں عبادتوں کا ثواب جس طرح بڑھ جاتا ہے گناہوں کا وبال بھی بڑھ جاتا ہے ۔۔۔ اور جہاد چونکہ عبادت ہے اس لئے ان مہینوں میں بھی جہاد نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ مأمور بہ ہے ارشاد فرماتے ہیں ۔۔۔ اور تم سب مشرکوں سے لڑو جیسا کہ وہ تم سب سے لڑتے ہیں ۔۔۔ اور کسی کو نہیں بخشتے نہ تم سے لڑنے میں ان کے لئے کوئی مہینہ روک بنتا ہے کیونکہ انھیں تو کسی معین مہینہ سے بحث ہی نہیں ہوتی۔ انھیں تو چار کی گنتی پوری کرنی ہوتی ہے وہ بہر حال پوری کر لیتے ہیں۔

محترم مہینوں میں جہاد مشروع ہونے کی وجہ:

اشہر حرم میں جہاد اس لئے مشروع کیا گیا ہے کہ دشمن دھوکہ نہ دے سکے، اگر جہاد کی ممانعت ہوتی تو دشمن اس سے

فائدہ اٹھاتا وہ خاص طور پر انہی مہینوں میں حملہ کرتا اور اپنی گنتی کسی اور وقت پوری کر لیتا جیسے دشمنوں نے نماز سے فائدہ اٹھانا چاہا تھا اور طے کیا تھا کہ جب مسلمان نماز میں مشغول ہو جائیں تو اچانک حملہ کر دیا جائے لیکن اسی وقت اللہ پاک نے صلوٰۃ الخوف کا حکم نازل فرمایا اور مسلمانوں کو دشمنوں کی زد سے بچا لیا۔

کافر ''اشہر حرم'' کا کوئی پاس ولحاظ نہیں کرتے تھے۔ رجب سنہ۲ ہجری میں حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے سریہ نے، آنحضور ﷺ کے ایماء کے بغیر، ایک مڈبھیڑ میں عمرو بن الحضرمی کو قتل کیا تھا تو مکہ والوں نے شور مچاتے ہوئے آسمان سر پر اٹھا لیا تھا۔ اور اسلام کے خلاف وہ پروپیگنڈہ کیا تھا کہ آیت شریفہ کو نازل ہو کر صفائی پیش کرنی پڑی۔

﴿ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ﴾ الآیہ (سورۃ البقرۃ آیت ۲۱۷)

ترجمہ: وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ اشہر حرام میں لڑنا کیسا ہے؟۔

لیکن جب ذوالقعدہ سنہ۶ ہجری میں آنحضور ﷺ عمرہ کی غرض سے مکۃ المکرّمہ تشریف لے جا رہے تھے تو یہی اشہر حرم کے حامی مقابلہ پر آ کھڑے ہوئے تھے اور ان میں سے کوئی بھی مسئلہ پوچھنے نہیں آیا تھا کہ اشہر حرام میں لڑنا کیسا ہے؟ ـــــ بہر حال اشہر حرم میں جہاد جائز ہے آنحضور ﷺ نے سنہ۸ ہجری میں طائف کا جو محاصرہ فرمایا تھا وہ ذوالقعدہ میں بھی جاری رہا تھا اور:

غزوۃ السویق	ـــــ	ذوالحجہ سنہ ۲ ہجری میں ہوا تھا۔
غزوہ بنو سُلَیم	ـــــ	محرم سنہ۳ ہجری میں ہوا تھا۔
غزوہ بنو قُریظہ	ـــــ	ذوالحجہ سنہ۵ ہجری میں ہوا تھا۔
غزوۂ خیبر	ـــــ	محرم سنہ۷ ہجری میں ہوا تھا۔
غزوۂ وادی القری	ـــــ	محرم سنہ۷ ہجری میں ہوا تھا۔
غزوۂ ذات الرقاع	ـــــ	محرم سنہ۷ ہجری میں ہوا تھا۔
غزوۂ تبوک	ـــــ	رجب سنہ۹ ہجری میں ہوا تھا۔
سریہ قطن	ـــــ	محرم سنہ۴ ہجری میں بھیجا گیا تھا۔
سریہ عبداللہ بن اُنیس	ـــــ	محرم سنہ۴ ہجری میں بھیجا گیا تھا۔
سریہ عبداللہ بن عتیک	ـــــ	ذی قعدہ سنہ۵ ہجری میں بھیجا گیا تھا۔
سریہ وادی القری	ـــــ	رجب سنہ۶ ہجری میں بھیجا گیا تھا۔
سریہ ابی الرعاء	ـــــ	ذوالحجہ سنہ۷ ہجری میں بھیجا گیا تھا۔

سریہ سیف البحر —— رجب سنہ ۸ ہجری میں بھیجا گیا تھا۔

سریہ عیینہ بن حصن —— محرم سنہ ۹ ہجری میں بھیجا گیا تھا۔

ان غزوات وسرایا کی تاریخوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اشہر حرم میں جہاد جائز ہے— اور جان رکھو کہ اللہ پاک متقیوں کے ساتھ ہیں —— اللہ کی نصرت انھیں لوگوں کے ساتھ رہتی ہے جو شریعت پر عمل پیرا ہوتے ہیں اور اس کے حکموں کی بجا آوری پر کمر بستہ رہتے ہیں۔

مہینوں کا ان کی جگہ سے ہٹا دینا —— لوند (کبیسہ) کے ذریعہ یا تحلیل وتحریم کے ذریعہ —— مزید کافرانہ حرکت ہے —— ملت ابراہیمی سے اس کا کوئی تعلق نہیں —— جس سے (عام) کافروں کو (ملت ابراہیمی سے) گمراہ کیا جاتا ہے (اس طرح کہ) وہ کسی سال تو اس (حرام مہینہ) کو حلال کر لیتے ہیں اور کسی سال اس کو حرام (ہی) سمجھتے ہیں تا کہ وہ اللہ کے محترم مہینوں کی تعداد پوری کرلیں، پس انھوں نے (وہ فعل) جائز کرلیا جو اللہ نے حرام کیا تھا —— یعنی شریعت میں نفس کی خواہش کے مطابق ردوبدل کرنا حرام کیا گیا تھا لیکن ان لوگوں نے اسے جائز کرلیا اور انھیں احساس تک نہیں ہوا کہ ہم اللہ کی شریعت میں ٹانگ اڑا کر کتنی بڑی گستاخی کررہے ہیں کیونکہ —— اُن کے برے اعمال ان کے لئے خوشنما بنا دیئے گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ منکرین حق کو راہ نہیں دکھاتے —— بلکہ رسی ڈھیلی کرتے ہیں، جس سے ان کی گمراہی کا سلسلہ بڑھتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ گمراہی کی وادیوں میں گم ہو کر رہ جاتے ہیں۔

مسئلہ: تاریخ وسال معلوم کرنے کے لئے قمری اور شمسی (عربی اور انگریزی) دونوں حسابوں سے فائدہ اٹھانا جائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے چاند ہی کی طرف آفتاب کو بھی علامت بنایا ہے (سورۂ یونس آیت ۵) البتہ احکام شرعیہ کا مدار چاند کے حساب پر ہے اس لئے قمری حساب کو محفوظ رکھنا فرض کفایہ ہے اگر تمام امت قمری حساب کو بھلا دے تو سب گنہ گار ہوں گے۔

مسئلہ: حج، روزوں اور زکوٰۃ کی ادائیگی قمری حساب سے ضروری ہے (مظہری)

مسئلہ: قمری حساب میں لوند کا مہینہ بڑھا کر اس کے مطابق احکامات شرعیہ ادا کرنا تحریف فی الدین ہے اور قطعاً حرام ہے۔

مسئلہ: کاروباری حساب میں بکرمی سنہ سے کام لینا جس میں لوند کا مہینہ بڑھایا جاتا ہے جائز ہے لیکن عبادتوں کی ادائیگی کا اس پر مدار رکھنا جائز نہیں۔

مسئلہ: غیر منصوص مسائل میں کسی مجتہد کی تقلید اس کو رب بنانا نہیں ہے بلکہ ﴿فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (اگر تم نہ جانتے ہو تو جاننے والوں سے پوچھو) کے تحت ضروری ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَا لَکُمْ اِذَا قِیْلَ لَکُمُ انْفِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَی الْاَرْضِ ؕ اَرَضِیْتُمْ بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِیْلٌ ﴿۳۸﴾ اِلَّا تَنْفِرُوْا یُعَذِّبْکُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۙ وَّیَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَیْئًا ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۳۹﴾

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ	اے وہ لوگو جو	بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا	دنیا کی زندگی پر	وَّیَسْتَبْدِلْ	اور کھڑا کردے گا
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	مِنَ الْاٰخِرَةِ (۳)	آخرت کے مقابلہ میں	قَوْمًا	کسی (اور) قوم کو
مَا لَکُمْ	تمہیں کیا ہوا	فَمَا	سو نہیں (ہے)	غَیْرَکُمْ	تمہارے علاوہ
اِذَا قِیْلَ	جب کہا گیا	مَتَاعُ	سروسامان	وَلَا تَضُرُّوْهُ (۴)	اور نہ نقصان پہنچا سکو
لَکُمُ	تم سے	الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا	دنیوی زندگی (کا)		گے تم اس کو
اِنْفِرُوْا (۱)	(کہ) نکلو	فِی الْاٰخِرَةِ	آخرت کی بہ نسبت	شَیْئًا	کچھ (بھی)
فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ	اللہ کے راستہ میں	اِلَّا قَلِیْلٌ	مگر تھوڑا	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
اثَّاقَلْتُمْ (۲)	(تو) لگ گئے تم	اِلَّا تَنْفِرُوْا	اگر نہ نکلے تم	عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ	ہر چیز پر
اِلَی الْاَرْضِ	زمین سے	یُعَذِّبْکُمْ	تو سزا دے گا وہ تمہیں	قَدِیْرٌ	پوری قدرت رکھنے
اَرَضِیْتُمْ	کیا مگن ہوگئے تم	عَذَابًا اَلِیْمًا	دردناک سزا		والے ہیں

ربط: اس سورت کی انتیسویں آیت میں اہل کتاب کے ساتھ جہاد کا حکم دیا گیا ہے پھر اسی سلسلہ کی مزید باتیں ذکر ہوئی ہیں، اب غزوۂ تبوک کے لئے مؤمنوں کو آمادہ کیا جارہا ہے جو اہل کتاب ہی کے مقابلہ میں پیش آیا تھا —— رومی سلطنت نے جنگ موتہ کے بعد ہی مدینہ شریف پر حملہ کرنے کا ارادہ کرلیا تھا۔ قیصر روم نے اس مہم پر غسانی خاندان کو

---

(۱) اِنْفِرُوْا: امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر: تم نکلو، تم کوچ کرو، تم بھاگو، تم جہاد کے لئے بے تاب ہوجاؤ، نَفَرَ (ن،ض) نَفْرًا وَنُفُوْرًا۔
(۲) اِثَّاقَلْتُمْ: ماضی کا صیغہ جمع مذکر حاضر: تم بوجھ سے جھکے جاتے ہو، زمین کی طرف مائل ہوتے ہو، تَثَاقُل (باب تفاعل) سے ہے، جس کے معنی ہیں: گراں بار اور بوجھل ہونا، اصل میں تثَا قلتم تھا، تاء کا ثاء میں ادغام کیا، پھر ہمزہ وصل بڑھایا، اس لئے کہ مدغم کا پہلا حرف ساکن ہوتا ہے (۳) من الآخرة: میں مِن: عوض کا ہے، جیسے: لجعلنا منکم ملائکة میں (کشاف)
(۴) ولا تضروہ: میں ضمیر کا مرجع: اللہ تعالیٰ، دین اسلام اور رسول اللہ ﷺ سب ہوسکتے ہیں۔

متعین کیا تھا جو شام میں رومیوں کے زیر اثر حکومت کر رہا تھا اور جو مذہباً عیسائی تھا۔

غزوۂ تبوک (اہل کتاب سے جہاد) کے لئے لوگوں کو آمادہ کرتے ہیں

فتح مکہ اور غزوۂ حنین سے واپسی پر آنحضور ﷺ کو اطلاع ملی کہ رومی مدینہ پر چڑھائی کرنے والے ہیں۔ شام کے نبطی سوداگروں نے ــــ جو مدینہ شریف میں روغن زیتون بیچنے آیا کرتے تھے ــــ یہ خبر دی کہ رومیوں نے شام میں لشکر جرار تیار کر لیا ہے اور فوج کا دل بڑھانے کے لئے سال بھر کی تنخواہیں پیشگی جاری کر دی ہیں، جس میں لخم، جذام اور غسان کے تمام عرب قبائل شامل ہیں۔ اس لئے آنحضور ﷺ نے یہ مناسب سمجھا کہ خود اقدام کر کے شام کی حدود تک بڑھیں۔

تمام مسلمانوں کو جہاد کے لئے تیار ہونے کا حکم دیا گیا۔ چونکہ گرمی سخت تھی، قحط سالی کا زمانہ تھا، کھجور کی فصل پک رہی تھی، لمبی مسافت طے کر کے جانا تھا اور رومن اِمپائر کی باقاعدہ، تربیت یافتہ جنگی ساز وسامان سے لیس افواج سے نبرد آزما ہونا تھا، کوئی کھیل تماشا نہ تھا اس لئے کچے، بودے اور نام نہاد مسلمانوں (منافقوں) کا پردہ فاش ہو کر رہا۔ وہ خود بھی جی چرانے لگے، حیلے بہانے بنا کر کھسکنے لگے۔ اور دوسروں کو بھی روکنے لگے۔

سچے مسلمانوں نے عام طور پر جہاد میں شرکت فرمائی جب ان سے مالی امداد طلب کی گئی تو اکثر صحابہ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا لیکن بعض سچے مسلمان وقت کی نزاکت، طویل سفر کی صعوبت اور موسم کی حرارت کی وجہ سے کترا رہے تھے، آخر کار ان میں سے بہت سے تو شریک ہو گئے چند گنے چنے حضرات سستی اور کسل کی وجہ سے شرکت کے شرف سے محروم رہے۔

یہاں سے آخر سورت تک لوگوں کی انہی تمام قسموں کا تفصیلی تذکرہ ہے۔

آنحضور ﷺ رجب سنہ ۹ ہجری مطابق نومبر سنہ ۶۳۵ء میں تقریباً تیس ہزار سرفروش مجاہدوں کا لشکر جرار لے کر شام کی سرحد کی طرف بڑھے اور تبوک مقام پر پہنچ کر ڈیرے ڈال دیئے ــــ تبوک مدینہ شریف اور دمشق کے وسط میں، چودہ منزل پر ایک مشہور مقام ہے۔ اسی مقام کے نام سے یہ غزوہ موسوم کیا گیا ہے۔ یہ غزوہ آنحضور ﷺ کا تقریباً آخری غزوہ ہے ــــ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ خبریں تمام تر صحیح نہیں تھیں۔ ہرقل شہنشاہ روم کو جب مسلمانوں کے تبوک تک پہنچ جانے کی خبر پہنچی تو اللہ پاک نے اس پر رعب طاری کر دیا اور وہ مقابلہ پر نہیں آیا ــــ اس غزوہ کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اہل کتاب (عیسائیوں) کے ساتھ جہاد کی داغ بیل خود آنحضور ﷺ کے مبارک ہاتھوں پڑ گئی، جس کی تکمیل بعد میں خلفائے راشدین کے دور میں ہوئی ــــ دوسرا فائدہ اس غزوہ سے یہ حاصل ہوا کہ سرحد کے تمام قبائل یا تو اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے یا جزیہ دے کر ماتحت بن گئے اور مسلمانوں کے لئے آگے بڑھنے کا راستہ ہموار ہو گیا۔

ان آیتوں میں ان سچے مسلمانوں کو جہاد کے لئے ابھارا جا رہا ہے جو موسم کی حرارت، باغوں کی پر بہار رونق اور

زراعتی دلچسپیوں کی وجہ سے جہاد سے کترا رہے تھے۔ انھیں بتلایا جاتا ہے کہ تھوڑے سے عیش و آرام کے لئے جہاد کو چھوڑنا عذاب الیم کو مول لینا ہے۔ مؤمن صادق کی نظر میں آخرت کے مقابلہ میں دنیا کے عیش و آرام کی کوئی وقعت نہ ہونی چاہئے چنانچہ وہ حضرات آیات پاک سن کر تمام راحتوں کو قربان کر کے جہاد میں شریک ہوگئے ارشاد فرماتے ہیں —— اے مؤمنو! جب تمہیں اللہ کے راستہ میں نکلنے کے لئے کہا گیا تو تمہیں کیا ہوگیا جو زمین سے لگے جاتے ہو؟! کیا تم آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی پر مگن ہوگئے؟! (سن لو!) دنیوی زندگی کا سروسامان آخرت کی بہ نسبت بہت ہی تھوڑا ہے! —— چار دن کی بہار ہے —— حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ ”آخرت کی بہ نسبت دنیا کی مقدار اتنی ہی ہے کہ کوئی یہ انگلی —— شہادت کی انگلی کی طرف اشارہ فرمایا —— کسی سمندر میں ڈبو کر نکالے پھر دیکھے کہ وہ کتنا پانی ساتھ لائی ہے؟!“[1] —— پس کیا تم اتنے قلیل نفع پر مگن ہو رہے ہو؟! اگر ایسا ہے تو یہ ﴿خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ﴾ کی صورت ہے —— معلوم ہوا کہ دین کے معاملہ میں ہر غفلت، کوتاہی، سستی اور تمام گناہوں کا سرچشمہ یہی دنیا کی محبت اور آخرت سے غفلت ہے، سچ فرمایا ہے رسول پاک ﷺ نے کہ ﴿حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيئَةٍ﴾ دنیا کی محبت ہر خطا کی جڑ ہے —— اگر تم (جہاد کے لئے) نہ اٹھے تو اللہ پاک تمہیں دردناک سزا دیں گے اور تمہارے بدلے دوسرے لوگوں کو کھڑا کردیں گے —— کیونکہ دین کا کام کسی پر موقوف نہیں رہتا، تم اگر سستی کروگے تو اللہ پاک اپنی قدرت کاملہ سے دوسرے لوگوں کو دین کی خدمت کے لئے تیار کردیں گے —— اور تم (سستی کرکے) اللہ کے رسول (ﷺ) کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکو گے اور اللہ پاک ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں —— وہ کسی بھی قوم کو دین کی خدمت کے لئے اور رسول اللہ ﷺ کی نصرت کے لئے کھڑا کردیں گے۔ تمہاری سستی سے رسول اللہ ﷺ کو کوئی نقصان نہ پہنچنے دیں گے۔ البتہ اللہ پاک نے اپنے فضل وکرم سے تمہیں جو دین کی خدمت اور رسول اللہ ﷺ کی مدد کا زریں موقع دیا ہے اس کو تم نادانی سے کھو کر سعادت ابدی سے محروم رہ جاؤ گے۔

إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا ۖ فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ ۗ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٤٠﴾

(۱) رواه مسلم واحمد عن المستورد رضی الله عنه.

إِلَّا	اگر نہیں	فِي الْغَارِ	غار میں (تھے)	لَمْ تَرَوْهَا	جو تمہیں نظر نہیں آئے
تَنْصُرُوْهُ	مدد کروگے تم اس	إِذْ يَقُوْلُ	جب وہ کہہ رہا تھا	وَجَعَلَ	اور کردی
	(رسول) کی	لِصَاحِبِهِ	اپنے رفیق سے	كَلِمَةَ	بات
فَقَدْ	تو تحقیق	لَا تَحْزَنْ	غم نہ کر!	الَّذِيْنَ كَفَرُوا	کافروں کی
نَصَرَهُ	ان کی مدد کی ہے	إِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ پاک	السُّفْلٰى	نیچی
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ نے	مَعَنَا	ہمارے ساتھ (ہیں)	وَكَلِمَةُ اللّٰهِ	اور اللہ کا بول
إِذْ	جب	فَأَنْزَلَ اللّٰهُ	پھر اتارا اللہ پاک نے	هِيَ	ہی
أَخْرَجَهُ	جلاوطن کیا ان کو	سَكِيْنَتَهُ	اپنا خاص سکون	الْعُلْيَا	بالا رہنے والا (ہے)
الَّذِيْنَ كَفَرُوا	کافروں نے	عَلَيْهِ [1]	اس (رفیق) پر	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
ثَانِيَ اثْنَيْنِ	دو میں کا دوسرا	وَأَيَّدَهُ [2]	اور مدد کی رسول کی	عَزِيْزٌ	زبردست
إِذْ هُمَا	جب دونوں	بِجُنُوْدٍ	(غیبی) لشکروں سے	حَكِيْمٌ	حکمت والے (ہیں)

اللہ تعالیٰ نے دو موقعوں پر (ہجرت کے وقت اور بدر میں) اپنے رسول کی مدد کی ہے

گذشتہ آیت میں جو فرمایا گیا ہے کہ اگر تم غزوہ تبوک میں رسول اللہ ﷺ کا ساتھ نہ دوگے تو ان کا کچھ نقصان نہ ہوگا ﴿وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْئًا﴾ اس کی دو مثالوں سے وضاحت کی جارہی ہے ایک ہجرت کے واقعہ سے دوسرے بدر کے حیرت انگیز معرکہ سے، جبکہ کامیابی کے تمام امکانات مفقود تھے، اللہ پاک نے اپنے رسول کی حفاظت فرمائی تھی اور مسلمانوں کو منصور وغالب کیا تھا۔ فرماتے ہیں —— اگر تم رسول اللہ (ﷺ) کی نصرت نہ کروگے —— تو نہ سہی، ان کا منصور ہونا کچھ تمہاری نصرت پر موقوف نہیں اللہ پاک اپنے رسول ﷺ کی حفاظت کا غیب سے سامان پیدا کردیں گے اور انھیں کامیاب لوٹائیں گے۔ دیکھو! —— اللہ پاک اس وقت ان کی مدد کرچکا ہے جب کافروں نے ان کو (مکہ شریف سے) نکال دیا تھا —— اور آپ صرف ایک رفیق ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مکہ شریف سے نکل گئے تھے اور چونکہ آپ کو یقین تھا کہ تعاقب ضرور کیا جائے گا اور دشمن مدینہ طیبہ جانے والی سڑک پر آپ کو تلاش کریں گے کیونکہ مسلمان بڑی تعداد میں مدینہ جاچکے تھے اس لئے آپ نے اپنی حفاظت کے لئے مدینہ کی راہ چھوڑ کر (جو مکہ سے شمال کی جانب ہے) جنوب

(۱) علیہ: کی ضمیر کا مرجع ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں، وہ اقرب ہیں، اور ضمیر کا مرجع اقرب ہوتا ہے، یہ بات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے (۲) أیدہ کا عطف نصرہ اللہ پر ہے۔

کی راہ لی اور تین میل جا کر کوہ ثور کی چوٹی پر ایک تنگ غار میں روپوشی اختیار فرمالی —— علی الصباح خون کے پیاسے دشمن قائف (نشانات قدم کے ماہر) کو ساتھ لے کر تلاش میں نکلے اور وادیوں اور پہاڑوں کا کوئی گوشہ ایسا نہ چھوڑا جہاں آپ ﷺ کو تلاش نہ کرلیا۔ چند لوگ تو ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے غار کے دھانہ تک پہنچ گئے جہاں ایک تو آپ ﷺ کا مبارک وجود تھا اور ایک یار غار تھا، باقی اللہ! —— جبکہ وہ دو میں کا ایک تھا جب وہ دونوں (کوہ ثور کی) غار میں تھے —— جس میں داخل ہونے کا صرف ایک ہی راستہ تھا وہ بھی ایسا تنگ کہ کھڑے ہوکر یا بیٹھ کر اس میں گھسا نہیں جاسکتا تھا، صرف لیٹ کر ہی اس میں داخل ہونا ممکن تھا اس لئے وہاں سے فرار کا بھی کوئی امکان نہ تھا[۱] —— دشمن کے قدموں کی آہٹ پاکر وہ رفیق غمگسار بھی سہم کر رہ گیا تھا۔ اسے فکر تھی کہ اگر عزیز از جان وجود دشمن کو نظر آ گیا تو کیا ہوگا؟ اس نے گھبرا کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اگر ان لوگوں نے ذرا جھک کر اپنے قدموں کی طرف دیکھ لیا تو وہ ہمیں دیکھ لیں گے! اس وقت آپ ﷺ نے اپنے رفیق کو یہ فرما کر تسلی دی کہ ''ابوبکر اُن دو کی نسبت تمہارا کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ ہے'' یعنی جب وہ ہمارے ساتھ ہے تو پھر کس کا ڈر؟! —— جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ ''غم نہ کرو اللہ یقیناً ہمارے ساتھ ہے'' —— پھر اللہ نے اس (رفیق) پر اپنی خاص تسلی نازل فرمائی —— جس سے اُن کو بھی اطمینان ہوگیا اور دونوں تین دن غار میں روپوش رہ کر بعافیت تمام مدینہ طیبہ پہنچ گئے۔ سچ ہے اللہ پاک بڑے زبردست ہیں وہ ہر طرح اپنے رسول کی حفاظت فرما سکتے ہیں کوئی ان کا ساتھ دے یا نہ دے!

اب دوسری مثال سنو! اگر تم رسول اللہ ﷺ کی نصرت کے لئے نہ نکلو گے تب بھی اللہ پاک انھیں منصور و غالب لوٹائے گا۔ بدر و حنین کے کٹھن معرکے یاد کرو جب اللہ نے انہیں فتح مند کیا تھا —— اور ایسے لشکروں سے ان کی تائید کی تھی جو تمہیں نظر نہ آئے تھے —— صرف کافروں کو نظر آئے تھے[۲] —— اور کافروں کی بات نیچی کردی —— ان کے تمام منصوبے خاک میں ملا دیئے وہ بدر کے میدان میں اِتراتے ہوئے آئے تھے تاکہ سارے عرب پر اپنی دھاک بٹھا دیں لیکن وہاں انھوں نے اپنے منہ کی کھائی —— اور اللہ ہی کا بول بالا رہا —— اسلام ہی کا جھنڈا لہراتا رہا —— اور اللہ تعالیٰ زبردست بڑی حکمت والے ہیں —— وہ ہر طرح اپنے رسول کو فتح مند بنا سکتے ہیں اور جس صورت سے چاہیں اپنا بول

(۱) کوہ ثور پر دو غار ہیں ایک: بہت وسیع اور کھلا ہوا ہے، اس میں چھپا نہیں جاسکتا۔ تین چار آدمی اس میں آرام سے لیٹ سکتے ہیں۔ دوسرا: نہایت تنگ، جس میں دو آدمی مشکل سے بیٹھ سکتے ہیں، اور اس کے بعد پہاڑ کی ڈھلان شروع ہوجاتی ہے یہ چھپنے کے قابل جگہ ہے اور اس میں چھپے ہوئے آدمیوں کے بالکل سر پر ایک سوراخ ہے۔ خطرہ کے وقت آپ ﷺ اس میں چھپتے تھے اور خطرہ ٹل جانے پر باہر کے کشادہ غار میں آرام فرماتے تھے۔ (۲) جہاد میں فرشتوں کی جو کمک نازل ہوتی ہے وہ عام طور پر مسلمانوں کو نظر نہیں آتی، البتہ کفار کو نظر آتی ہے جیسا کہ اسی سورت کی آیت ۲۶ کی تفسیر میں مفصل بیان کیا گیا ہے۔

بالاکر سکتے ہیں ـــــ آج بھی اگر تم نے رومن امپائر سے مقابلہ میں سستی کو راہ دی تو جو بھی مٹھی بھر جماعت آپؐ کے ہمراہ ہوگی اسی کے بہانے وہ آپ ﷺ کو فتح مند کردے گا اور اگر تم میں سے کسی نے ساتھ نہ دیا تب بھی وہ کامیابی کا سہرا آپ ہی کے سر باندھے گا!

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۴۱

اِنْفِرُوْا	نکلو	بِاَمْوَالِكُمْ	اپنے مالوں سے	خَيْرٌ	بہتر (ہے)
خِفَافًا	ہلکے	وَاَنْفُسِكُمْ	اور اپنی جانوں (سے)	لَّكُمْ	تمہارے لئے
وَّثِقَالًا	اور بوجھل	فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	اللہ کی راہ میں	اِنْ كُنْتُمْ	اگر تم
وَّجَاهِدُوْا	اور جہاد کرو	ذٰلِكُمْ	یہ	تَعْلَمُوْنَ	یقین کرو

غزوۂ تبوک کے لئے نفیر عام

اس آیت میں غزوۂ تبوک کے لئے نفیر عام ہے یعنی جنگی خدمات کے لئے عام بلاوا ہے ـــــ نکلو، خواہ ہلکے ہو یا بوجھل ـــــ رغبت ہو یا نہ ہو، خوش حالی ہو یا تنگ حالی، ساز وسامان کی فراوانی ہو یا بے سروسامانی، حالات سازگار ہوں یا ناسازگار، جوانی اور تندرستی ہو یا بڑھاپا اور کمزوری، سواری میسر ہو یا نہ ہو، جب رسول اللہ ﷺ نے جہاد کے لئے نکلنے کا حکم دے دیا تو ہر حال میں تم پر نکلنا فرض ہے۔ نفیر عام کے وقت کوئی عذر پیش نہ لاؤ ـــــ اور اللہ کی راہ میں جان ومال سے جہاد کرو ـــــ تمہارے لئے اسی میں بھلائی ہے اگر تم یقین کرو! ـــــ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ "اللہ پاک نے اپنی راہ میں جہاد کرنے والے کے لئے دو باتوں میں سے ایک بات کا ذمہ لیا ہے۔ اگر اس کی قضا آگئی ہے تو جنت میں داخل فرمائیں گے ورنہ ثواب وغنیمت سے اس کی جھولی بھر کر وطن واپس لے آئیں گے!"

عام حالات میں جہاد فرض کفایہ ہے لیکن نفیر عام کے وقت فرض عین ہو جاتا ہے

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۭ وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۴۲﴾

لَوْ كَانَ	اگر (مہم) ہوتی	بَعُدَتْ	دور معلوم ہونے گی	لَخَرَجْنَا	تو ہم ضرور چلتے
عَرَضًا	سامان	عَلَيْهِمُ	ان کو	مَعَكُمْ	تمہارے ساتھ
قَرِيْبًا	سہل الحصول	الشُّقَّةُ	پر مشقت مسافت	يُهْلِكُوْنَ	یہ لوگ تباہ کر رہے ہیں
وَّسَفَرًا	اور سفر	وَسَيَحْلِفُوْنَ	اور اب قسمیں کھائیں گے	اَنْفُسَهُمْ	اپنے آپ کو
قَاصِدًا	میانہ	بِاللّٰهِ	خدا کی	وَاللّٰهُ يَعْلَمُ	اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں
لَّاتَّبَعُوْكَ	تو وہ ضرور آپ کا ساتھ دیتے	لَوِ اسْتَطَعْنَا	(کہ) اگر ہمارے بس	اِنَّهُمْ	کہ یہ لوگ
وَلٰكِنْ	لیکن		میں ہوتا	لَكٰذِبُوْنَ	یقیناً جھوٹے (ہیں)

غزوۂ تبوک میں منافقین کے احوال

جہاد کی ترغیبات سن کر سچے مسلمان عام طور پر غزوہ میں شریک ہوگئے تھے اسی لئے اس غزوہ میں مجاہدین کی تعداد تقریباً تیس ہزار تھی ـــــ لیکن دلوں کے روگی نام نہاد مسلمانوں (منافقوں) کا کچھ اور ہی حال تھا وہ برابر لوگوں کو غزوہ میں شرکت کرنے سے روکتے تھے۔ سویلم نامی یہودی کے گھر میں سب جمع ہوتے اور مختلف طریقوں سے لوگوں کو لڑائی پر جانے سے روکتے رہے ـــــ جب مجاہدوں کا لشکر روانہ ہوا تو منافقوں کا سرغنہ عبداللہ بن ابی اپنی جمعیت لے کر ساتھ چلا لیکن تھوڑی دور جا کر اپنی پوری جمعیت کے ساتھ واپس لوٹ آیا تا کہ فوج کا دل ٹوٹے ـــــ منافقوں کی ایک ٹولی جاسوسی اور ریشہ دوانی کی غرض سے ساتھ ہوگئی اور مسلمانوں کے دلوں میں خلجان پیدا کرنے کی امکان بھر کوشش کرتی رہی۔

اب منافقوں کے یہی احوال بیان ہو رہے ہیں اور ان کی منافقانہ حرکتیں بہت تفصیل سے ذکر کی جارہی ہیں کیونکہ مارِ آستین ہمیشہ دشمن سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہوتا ہے۔ ملت کو ہمیشہ ان سے نا قابل تلافی نقصان پہنچا ہے اس لئے امت کو ہمیشہ ان سے ہوشیار رہنا چاہئے۔ ارشاد فرماتے ہیں ـــــ اگر مہم سہل الحصول ہوتی اور سفر میانہ ہوتا تو وہ لوگ (تر لقمہ سمجھ کر) ضرور آپ کے ساتھ ہو لیتے لیکن انھیں پر مشقت مسافت ہی دور دراز معلوم ہونے لگی ـــــ مہم تر لقمہ ہے یا گلے میں پھنسنے والا کانٹا، یہ تو بعد کی بات ہے! ان پر تو پہلے ہی سے سفر کا ہول سوار تھا اس لئے حیلے بہانے کر کے اجازت بے اجازت کھسکنے لگے ـــــ لیکن جب آپ فتح کا پھریرا لہراتے ہوئے مدینہ شریف واپس آئیں گے تو ان کا کیا حال ہوگا؟ ـــــ اور اب اللہ کی قسمیں کھا کر کہیں گے کہ اگر ہمارے بس میں ہوتا تو ہم ضرور تمہارے ساتھ چلتے! ـــــ لیکن کیا

کریں مجبور تھے فلاں عذر تھا! — یہ لوگ اپنے آپ کو تباہ کررہے ہیں اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ یہ لوگ یقیناً جھوٹے ہیں — پھر بھی جھوٹی قسمیں کھا کر باتیں بناتے ہیں۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۴۳﴾ لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۴﴾ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿۴۵﴾

عَفَا اللّٰهُ	معاف کیا اللہ (نے)	لَا يَسْتَاْذِنُكَ	اجازت نہیں مانگیں	اِنَّمَا	صرف
عَنْكَ	آپ کو!		گے آپ سے	يَسْتَاْذِنُكَ	وہ لوگ اجازت مانگتے
لِمَ	کیوں	الَّذِيْنَ	وہ لوگ		ہیں آپ سے
اَذِنْتَ	اجازت دی آپ نے	يُؤْمِنُوْنَ	جو ایمان رکھتے ہیں	الَّذِيْنَ	جو
لَهُمْ	ان کو	بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ پر	لَا يُؤْمِنُوْنَ	ایمان نہیں رکھتے
حَتّٰى	یہاں تک کہ	وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ	اور آخرت کے دن پر	بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ پر
يَتَبَيَّنَ	کُھل جاتے	اَنْ	کہ	وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ	اور آخرت کے دن (پر)
لَكَ	آپ کے لئے	يُّجَاهِدُوْا	جہاد کریں وہ	وَارْتَابَتْ	اور شک میں پڑے
الَّذِيْنَ	وہ لوگ جو	بِاَمْوَالِهِمْ	اپنے مالوں سے		ہوئے ہیں
صَدَقُوْا	(ایمان کے دعوے	وَاَنْفُسِهِمْ	اور اپنی جانوں (سے)	قُلُوْبُهُمْ	ان کے دل
	میں) سچے ہیں	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	فَهُمْ	پس وہ
وَتَعْلَمَ	اور جان لیتے آپ	عَلِيْمٌ	خوب جانتے ہیں	فِيْ رَيْبِهِمْ	اپنے شک میں
الْكٰذِبِيْنَ	جھوٹوں کو	بِالْمُتَّقِيْنَ	پرہیزگاروں کو	يَتَرَدَّدُوْنَ	غلطاں پیچاں ہیں

منافقین کو نبی ﷺ نے جہاد سے پیچھے رہنے کی اجازت دی: اس پر تنبیہ!

منافقوں نے غزوۂ تبوک میں شرکت نہ کرنا طے کرلیا تھا لیکن اعلان ہونے کے بعد طرح طرح کے بہانے بنانے

شروع کر دیئے۔ قبیلہ بنو سلمہ کے ایک معزز شخص جدّ بن قیس منافق کا ذکر ابھی آیت ۴۹ میں آرہا ہے کہ اس نے یہ نامعقول عذر پیش کیا کہ ''چونکہ میں عاشق مزاج، آوارہ نظر ہوں اس لئے ممکن ہے کہ رومیوں کی گوری عورتیں دیکھ کر نفس پر قابو نہ رکھ سکوں اور ''غزوہ'' میرے لئے فتنہ بن جائے اس لئے مجھے تو گھر رہنے کی اجازت دیجئے'' آپ ﷺ نے اس کو اجازت دیدی آپ کا یہ اجازت دینا، اجتہاد سے تھا کوئی حکم الٰہی اس بارے میں اب تک نازل نہیں ہوا تھا —— انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ضرورت کے وقت اجتہاد فرماتے ہیں تاکہ مجتہدین کے لئے اجتہاد کی راہیں ہموار ہوں۔ اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجتہادوں میں بھی خطا (چوک) کا امکان رہتا ہے لیکن اگر ان سے خطا ہو جاتی ہے تو انھیں خطاء پر متنبہ کر دیا جاتا ہے تاکہ غلط بات شریعت نہ بن جائے —— جب منافقین بہانے بنا بنا کر اجازتیں مانگنے لگے تو آپ ﷺ بھی ان کو رخصتیں دیتے رہے کچھ تو قلبی شفقت اور طبعی نرمی کی بناء پر اور کچھ یہ خیال کر کے کہ جو آنا ہی نہ چاہے زبردستی اس کو ساتھ لینے سے کیا فائدہ! —— آیت پاک نے نازل ہو کر واضح کیا کہ اجازت دینے میں آپ ﷺ سے اجتہادی خطا ہوئی مگر اللہ نے اس سے درگذر فرمایا —— بلکہ حدیث شریف میں ہے کہ ''اگر مجتہد (اجتہاد میں) صحیح بات پالیتا ہے تو اُسے ڈبل ثواب ملتا ہے اور اگر چوک جاتا ہے تو ایک اجر پاتا ہے'' —— بہر حال اجتہادی خطا معصیت نہیں ہوتی نہ اس کی معافی کے لئے توبہ کی حاجت ہے اس کی معافی تو پہلے ہی سے طے شدہ امر ہے اس لئے ارشاد فرماتے ہیں —— اللہ تعالیٰ نے آپ کو معاف کر دیا! —— کیونکہ یہ اجتہادی خطا تھی —— آپ نے انہیں اجازت کیوں دی؟ —— کسی کو بھی اجازت نہ دینی چاہئے تھی سب کی درخواستیں رد فرما دیتے۔ منافقوں کو تو شرکت کرنی ہی نہیں تھی آپ اجازت دیتے یا نہ دیتے ان کو بہر حال گھر رہنا تھا —— تاکہ سچے ایمان والے آپ کے لئے واضح ہو جاتے —— اور آپ ان کے ساتھ مومنوں جیسا برتاؤ کرتے جس کا اللہ پاک نے حکم دیا ہے اور انھیں پر آپ اعتماد کرتے —— اور ایمان کے جھوٹے دعویداروں کو (بھی) آپ جان لیتے —— تاکہ ان آستین کے سانپوں سے آپ ہوشیار رہتے —— لیکن اب تو آپ (ﷺ) کے اجازت دے دینے سے ان کو اپنے نفاق پر پردہ ڈالنے کا سنہرا موقعہ مل گیا۔

خطا پر تنبیہ کا لطیف پیرایہ:

آیت پاک میں غور فرمائیں: خطاء پر تنبیہ کس قدر لطیف پیرایہ میں ہے پہلے تو معافی کا اعلان کیا، پھر خطاء کا تذکرہ کیا، کیونکہ محبوب کی معمولی ناراضگی بھی محبّ صادق کے لئے ناقابل تحمل ہو جاتی ہے اگر تنبیہ پہلے کی جاتی تو قلب نبوت ناقابل برداشت غم میں ڈوب جاتا۔

اور ہمارے لئے اس پیرایہ بیان میں دو سبق ہیں:

(۱) ـــــ اگر اپنے چھوٹوں سے خطا ہو جائے اور انھیں ہم سے قلبی تعلق ہو تو ہمیں انکی غلطی پر تنبیہ کرنے کے لئے یہی پیرایۂ بیان اختیار کرنا چاہئے جو اللہ پاک جل شانہ نے آنحضور ﷺ کے ساتھ اختیار فرمایا ہے۔

(۲) ـــــ اپنے بڑوں اور بزرگوں کو کسی خطاء پر متنبہ کرنے کے لئے یا تنقید کے لئے یہی پیرایۂ بیان اختیار کرنا چاہئے مثلاً عربی میں '' عَفَا اللّٰهُ عَنْکَ مَا صَنَعْتَ فِیْ اَمْرِیْ!'' اور ''رَضِیَ اللّٰهُ عَنْکَ مَا جَوابُکَ عَنْ کَلَامِیْ؟!'' اور اردو میں ''اللہ آپ کا بھلا کرے میرے بارے میں آپ نے ایسی بات کیوں کہی؟!'' اور ''اللہ آپ کے مراتب بلند کرے آپ کی یہ بات تو صحیح معلوم نہیں ہوتی!''

تَعْلَمَ اور یتبین میں فرق:

آیت پاک سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اجازت نہ دینے میں مصلحت ایمان کے جھوٹے دعویداروں کو جاننا تھی اس لئے ان کے ساتھ تَعْلَم (آپ جان لیتے) فرمایا اور اس ضمن میں سچے ایمان والے خود بخود واضح ہو جائیں گے اس لئے ان کے حق میں یَتَبَیَّنَ (کھل جاتے) فرمایا اور ان کا واضح ہو جانا دین کے لئے سودمند ہوتا اس لئے لَکَ (آپ کے فائدے کے لئے) فرمایا۔

عذرخواہی کی درخواست قبول کرنے سے منافقین نے غلط فائدہ اٹھایا

منافقوں کا ایک طبقہ ایسا بھی تھا جن کے پاس جھوٹے بہانے بھی نہیں تھے۔ انھوں نے یہ وطیرہ اختیار کیا تھا کہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر غزوہ میں شرکت کی اجازت مانگتے تھے کہ اگر آپ پسند فرماویں اور حکم دیں تو ہم بھی چلیں ـــــ غیور طبیعت اس قسم کی درخواست کا یہی جواب دے گی کہ ''کوئی خاص ضرورت تو نہیں ہے تمہارا جی چاہے تو چلو'' ـــــ وہ اس جواب سے فائدہ اٹھاتے کہ جب ہماری کوئی ضرورت نہیں تو ہم کیوں مشقت برداشت کریں، اگر واقعی ہماری ضرورت ہوتی اور ہمیں حکم دیا جاتا تو ہم ضرور شرکت کرتے، اللہ پاک فرماتے ہیں ـــــ جو لوگ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں وہ آپ سے اس بات کی اجازت طلب نہیں کریں گے کہ وہ اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنا چاہتے ہیں ـــــ بلکہ وہ تو اعلان سنتے ہی آمادہ ہو جائیں گے کیونکہ جب شرکت کے لئے عام اعلان کر دیا گیا ہے تو اب اجازت طلبی کے کیا معنی؟ آیت پاک کا یہ ترجمہ اس صورت میں ہے جبکہ ''اَنْ'' مصدریہ سے پہلے ''فِیْ'' حرف جر محذوف مانا جائے ـــــ لیکن ایک دوسرا احتمال یہ بھی ہے کہ ''مِنْ'' پوشیدہ مانا جائے تو اس صورت میں ترجمہ اور مطلب یہ ہوگا ـــــ جو لوگ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں وہ آپ سے یہ درخواست نہیں کریں گے کہ انھیں جان

ومال سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے معاف رکھا جائے ـــــ ایسی درخواستیں کرنا تو منافقوں کا شیوہ ہے [1] ـــــ اور اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں کو خوب جانتے ہیں ـــــ جو لوگ غزوہ میں شرکت کی درخواست کرنے سے پرہیز کرتے ہیں ان کو بھی اچھی طرح جانتے ہیں اور جو گھر رہنے کے لئے بہانے بنانے سے پرہیز کرتے ہیں ان سے بھی اللہ پاک ناواقف نہیں ہیں وہ پرہیز گاروں سے اور سچے مؤمنوں سے بخوبی واقف ہیں ـــــ صرف وہی لوگ اس قسم کی درخواستیں کرتے ہیں جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے ـــــ جن لوگوں کے دلوں میں ایمان کا نور ہے ان کی تو یہ شان نہیں ہے کہ جہاد سے الگ رہنے کی اجازت حاصل کریں یا شرکت کے لئے اجازت طلب کر کے آنحضور ﷺ پر احسان رکھیں ـــــ بے حیا بن کر جہاد سے علحدہ رہنے کی اجازت لینا انہی کا شیوہ ہے جن کو اللہ کے وعدوں پر یقین نہیں، نہ آخرت کی زندگی کو سمجھتے ہیں ـــــ اور شک میں پھنسے ہوئے ہیں ان کے دل ـــــ اسلام اور مسلمانوں کے غالب و منصور ہونے کی جو خبریں اللہ تعالیٰ نے دی ہیں ان کے متعلق ہمیشہ شک وشبہ میں گرفتار رہتے ہیں ـــــ پس وہ اپنے شک (ہی) میں غلطاں پیچاں ہیں ـــــ اس دلدل سے نکل ہی نہیں پاتے۔

وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۴۶﴾ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاَاوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾

وَلَوْ اَرَادُوا	اور اگر وہ چاہتے	لَهٗ	اس کے لئے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ نے
الْخُرُوْجَ	نکلنا	عُدَّةً [2]	اسباب	انْۢبِعَاثَهُمْ [3]	ان کا اٹھنا
لَاَعَدُّوْا	(تو) ضرور تیار کرتے	وَّلٰكِنْ كَرِهَ	لیکن پسند نہیں فرمایا	فَثَبَّطَهُمْ [4]	پس ان کو باز رکھا

(۱) دونوں ترجمے اور مطلب صحیح ہیں اور آیت جوامع الکلم ہے (۲) العُدَّة: تیاری، سامان، کہا جاتا ہے كُوْنُوْا عَلٰى عُدَّةٍ (سامان حرب وغیرہ سے تیار رہو) اَخَذَ لِلاَمْرِ عُدَّتَهٗ (معاملہ کے لئے سامان لے لیا) جمع عُدَدٌ (۳) ای: الانطلاق فی الأمر، یقال: بعث البعیر فانبعث (کبیر) (۴) ثَبَطَهٗ (ن) ثَبْطًا وثَبَّطَهٗ عن الامر: روکنا، باز رکھنا، التثبیط: صرف الانسان عن الفعل الذی یهم به (روح البیان)

وَقِيْلَ	اور کہہ دیا	اِلَّا	سوائے	وَفِيْكُمْ	اور تم میں
اقْعُدُوْا	(کہ) بیٹھے رہو تم	خَبَالًا[1]	خرابی (کے)	سَمّٰعُوْنَ	سننے والے (ہیں)
مَعَ الْقٰعِدِيْنَ	بیٹھنے والوں کے ساتھ	وَّلَاَ اَوْضَعُوْا[2]	اور یقیناً وہ دوڑ دھوپ کرتے	لَهُمْ	ان کی باتوں کو
لَوْ خَرَجُوْا	اگر وہ نکلتے	خِلٰلَكُمْ[3]	تمہارے درمیان	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
فِيْكُمْ	تم میں	يَبْغُوْنَكُمُ[4]	چاہتے وہ تم کو	عَلِيْمٌۢ	خوب جانتے ہیں
مَّا زَادُوْكُمْ	(تو) نہ بڑھاتے وہ	الْفِتْنَةَ	فتنہ میں مبتلا کرنا	بِالظّٰلِمِيْنَ	ظالموں کو

ناچنا نہ جانے آنگن ٹیڑھا!

کچھ منافقوں نے غزوہ میں شرکت کے لئے نام تو لکھا دیا تھا لیکن دل میں شرکت نہ کرنا طے کر لیا تھا چنانچہ جب لشکر کی روانگی کا وقت آیا تو وہ لوگ بہانے بنانے لگے کہ چلنے کا تو ہمارا پکا ارادہ تھا لیکن اب فلاں فلاں مجبوریاں پیش آ گئی ہیں، ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں ـــ اور اگر (واقعی) ان کا ارادہ (جہاد کیلئے) نکلنے کا ہوتا تو وہ اس کے لئے ضرور کچھ تو تیاری کرتے ـــ کیونکہ سفر کوئی معمولی نہیں تھا، نہ مقابلہ آسان تھا پس جب انھوں نے کسی قسم کی تیاری ہی نہیں کی تو معلوم ہوا کہ اعذار کچھ نہیں ہیں درحقیقت ان کا نکلنے کا ارادہ ہی نہیں ہے ـــ عذر انہی لوگوں کا قابل قبول ہوسکتا ہے جو تعمیل حکم کے لئے تیار ہوں پھر کسی اتفاقی حادثہ کی وجہ سے معذور ہو گئے ہوں لیکن جس نے تعمیل حکم کے لئے کوئی تیاری ہی نہ کی ہو اس کا عذر بہانہ جوئی کے سوا کیا ہے ـــ مثلاً فجر کی نماز کے لئے وقت پر اٹھنے کی پوری تیاری کر لی، پھر اتفاق سے وہ تدبیریں فیل ہو جائیں اور نماز قضاء ہو جائے تو گناہ نہیں، لیکن اگر اپنی طرف سے وقت پر جاگنے کا انتظام ہی نہ کیا ہو بلکہ جاگنا ممکن ہی نہ ہو ایسے اسباب پیدا کر دیئے ہوں تو سوتے رہ جانا معقول عذر نہیں اگر نماز قضاء ہو جائے گی تو گنہ گار ہوگا ـــ خلاصہ یہ کہ تعمیل حکم کے لئے تیاری کرنے نہ کرنے ہی سے کسی عذر کے معقول یا نامعقول ہونے کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے محض زبانی جمع خرچ سے کچھ نہیں ہوتا ـــ آگے اصل وجہ ذکر فرماتے ہیں ـــ لیکن (اصل وجہ یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے ان کا (جہاد کے لئے) اٹھنا ہی پسند نہیں فرمایا ـــ کیونکہ وہ لوگ جہاد کے جذبے اور دین کے لئے جاں فشانی کے ولولے سے خالی تھے اور اس کے بغیر ان کی شرکت ہزار خرابیوں کا سبب ہوسکتی تھی ـــ اس لئے (اللہ

(۱) الخبال: الشرو الفساد فی کل شیئ، ومنه یسمی العَتَه بالخبل (کبیر) (۲) اَوْضَعَ الْبَعِیْرَ: اونٹ کو تیز دوڑانا (۳) الخَلَلُ: الفرجة بین الشیئین وجمعه خلال (کبیر) (۴) الجملة فی موضع الحال من ضمیر "اوضعوا" ای: باغین لَکُمُ الْفِتْنَةَ (روح) ومعنی الفتنة هٰهُنا: افتراق الکلمة وظهور التشویش (کبیر)

پاک نے) ان کو (شرکت سے) باز رکھا —— انھیں توفیق ہی نہ دی کہ مجاہدوں کی صفوں میں شامل ہوں بلکہ غزوہ سے ان کو بے رغبت کردیا —— اور کہہ دیا گیا کہ: ''بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو!'' —— تکوینی فیصلہ ان کے حق میں یہ کردیا گیا کہ جاؤ عورتوں، بچوں، بیماروں، اندھوں اور اپاہج آدمیوں کے ساتھ گھروں میں گھس کر بیٹھے رہو —— اور جہاد میں اللہ تعالیٰ نے ان کی شرکت اس لئے ناپسند کی کہ —— اگر وہ تم میں شامل ہوجاتے تو خرابی کے سوا کچھ نہ بڑھاتے —— نہ تعداد میں کوئی خاص اضافہ کرتے نہ مہم سر ہونے میں ان بزدلوں سے کچھ مدد ملتی صرف شر وفساد ہی کا باعث بنتے۔ فرماتے ہیں —— اور یقیناً وہ فتنہ پردازی کی فکر میں تمہارے درمیان دوڑ دھوپ کرتے —— لگائی بجھائی کر کے مسلمانوں میں تفریق ڈالنے کی کوشش کرتے، جھوٹی افواہیں اڑا کر دشمنوں سے ہیبت زدہ کرتے۔ اپنی نامردی کی وجہ سے دوسروں کی ہمتیں پست کرتے، غرض ان کی شرکت سے بھلائی میں تو کوئی خاص اضافہ نہ ہوتا ہاں خرابی بڑھ جاتی اور فتنہ انگیزی کا زور ہوتا اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو شرکت کی توفیق ہی نہیں بخشی —— اور یہ خیال کہ سچے مسلمان اول تو ان کی باتیں سنیں گے نہیں اور اگر سنیں گے تو ان کا اعتبار نہیں کریں گے اس لئے وہ فتنہ انگیزی کی کوشش میں ناکام رہیں گے۔ یہ خیال صحیح نہیں ہے کیونکہ —— تم میں (کچھ بھولے بھالے مسلمان) ان کی باتیں کان لگا کر سننے والے ہیں —— وہ متاثر ہوکر دوسرے مسلمانوں سے کہیں گے اور ظاہر ہے کہ پکے مسلمان ان بھولے بھالے مسلمانوں کی باتیں ضرور سنیں گے اس طرح سب متاثر ہوکر رہ جائیں گے اس لئے ان کا شرکت نہ کرنا ہی بہتر ہوا —— سَمّٰعُوْنَ کے ایک معنی ''جاسوس'' کے بھی کئے گئے ہیں اس صورت میں آیت کے اس حصہ میں مسلمانوں کو تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ منافقوں سے تم اب بھی مطمئن نہ رہو کیونکہ ان کے چھوڑے ہوئے جاسوس تمہارے ساتھ لگے ہوئے ہیں جن سے اللہ پاک خوب واقف ہیں —— اور اللہ تعالیٰ ان ظالموں (منافقوں) کو خوب جانتے ہیں —— وہ اس خیال میں ہرگز نہ رہیں کہ ہمارے دل کی باتوں سے کوئی واقف نہیں ہے، ہم جس طرح چاہیں مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں، اللہ پاک کو ان کی تمام چالوں کا علم ہے وہ ان کے شر سے اسلام اور مسلمانوں کو محفوظ رکھے گا اور اس غزوہ میں ان کو شرکت کی توفیق بھی اسی لئے نہیں بخشی ہے۔

لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۴۸﴾

لَقَدِ	البتہ تحقیق	الْفِتْنَةَ	فتنہ (فساد)	وَ	اور
ابْتَغَوُا	انھوں نے چاہا	مِنْ قَبْلُ	پہلے (بھی)	قَلَّبُوْا	الٹتے رہے وہ

لَكَ	آپ کے لئے	جَآءَ	آ گیا	اَمْرُ اللّٰهِ	اللہ کا حکم
الْاُمُوْرَ	مصلحتیں	الْحَقُّ	سچا وعدہ	وَهُمْ	اور وہ
حَتّٰى	یہاں تک کہ	وَظَهَرَ	اور غالب ہوا	كٰرِهُوْنَ	ناپسند ہی کرتے تھے

فتنہ پردازی منافقوں کی پرانی عادت ہے

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں —— انھوں نے پہلے بھی فتنہ پردازی چاہی تھی —— جب سے آنحضور ﷺ نے مدینہ طیبہ میں قدم رکھا ہے یہودی اور منافق برابر آپ کے خلاف فتنہ انگیزیاں کرتے رہے ہیں۔ شروع میں تو وہ کھل کر مخالفت کرتے رہے لیکن جب بدر میں کفر وشرک کے سورما کام آ گئے اور اسلام کا غلبہ حیرت انگیز طریقہ پر ظاہر ہو گیا تو منافقوں کے سرغنہ عبداللہ بن ابی نے اپنے چیلوں سے کہا: —— اِنَّ هٰذَا اَمْرٌ قَدْ تَوَجَّهَ (یہ چیز تو اب رکنے والی نہیں!) —— چنانچہ ان میں سے بہت سے لوگوں نے منافقانہ کلمۂ اسلام پڑھ لیا مگر چونکہ دل میں کفر چھپا ہوا تھا اس لئے جوں جوں اسلام اور مسلمانوں کا غلبہ ہوتا تھا وہ دل ہی دل میں جلتے تھے اور غیظ کھاتے تھے، وہ اسلام اور مسلمانوں کی علی الاعلان مخالفت کرنے کی اپنے اندر ہمت نہیں پاتے تھے اس لئے درپردہ فتنہ پردازی کرتے تھے —— اور وہ (ہمیشہ) آپ کے سامنے مصلحتیں الٹ کر پیش کرتے تھے —— جب بھی کسی معاملہ میں عمومی مشورہ کیا جاتا تو منافق ہمیشہ خلاف مصلحت کو مصلحت بنا کر پیش کرتے تا کہ مسلمانوں کو نقصان پہنچے، برابر ان کا یہی وطیرہ رہا ہے —— یہاں تک کہ اللہ کا سچا وعدہ پورا ہو گیا اور اللہ کا دین غالب ہو گیا اور وہ پیچ وتاب ہی کھاتے رہے —— اور انھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ حق غالب ہوا اور باطل ذلیل وناکام ہوا۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ؕ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ ۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۹﴾

وَمِنْهُمْ	اور ان (منافقین) میں سے بعض	لِّيْ	مجھے	سَقَطُوْا	یہ لوگ پڑ ہی چکے
		وَلَا تَفْتِنِّيْ	اور خرابی میں نہ ڈالئے مجھے	وَاِنَّ جَهَنَّمَ	اور یقیناً جہنم
مَّنْ يَّقُوْلُ	(وہ ہیں) جو کہتے ہیں	اَلَا	خوب سمجھ لو!	لَمُحِيْطَةٌ	گھیرنے والی (ہے)
ائْذَنْ	(کہ) اجازت دیجئے	فِي الْفِتْنَةِ	خرابی میں (تو)	بِالْكٰفِرِيْنَ	کافروں کو

میں عاشق مزاج ہوں: مجھے رہنے دیں! (منافقوں کے عذر کی ایک مثال)

جدّ بن قیس انصار کے قبیلہ بنوسلمہ کا ایک معزز شخص تھا۔ اس سے جب غزوہ میں شرکت کے لئے آنحضور ﷺ نے فرمایا تو اس نے یہ نامعقول عذر پیش کیا کہ ''میں عاشق مزاج، عورتوں کا دلدادہ ہوں اور روم کی عورتیں بہت حسین ہوتی ہیں ممکن ہے انھیں دیکھ کر دل قابو میں نہ رکھ سکوں اس لئے مجھے وہاں لے جا کر خرابی میں نہ ڈالیں، مجھے تو گھر ہی رہنے دیں''

—— اور منافقوں میں سے بعضے کہتے ہیں کہ مجھے اجازت دیجئے اور (ساتھ لے جا کر) مجھے خرابی میں نہ ڈالئے! —— خوب سن لو! خرابی میں تو یہ لوگ پڑ ہی چکے ہیں —— اللہ کے حکم کی خلاف ورزی سب سے بڑا فتنہ اور خرابی ہے اس میں تو وہ گرفتار ہو ہی چکے ہیں —— اور جہنم یقیناً کافروں کو گھیرنے والی ہے —— دنیا میں جہنم والے اعمال (کفر و شرک اور نفاق وغیرہ) نے ان کو گھیر رکھا ہے اور آخرت میں ان اعمال کا وبال (دوزخ) ہر طرف سے ان کو گھیر لے گا۔

اِنۡ تُصِبۡكَ حَسَنَةٌ تَسُؤۡهُمۡ‌ۚ وَاِنۡ تُصِبۡكَ مُصِيۡبَةٌ يَّقُوۡلُوۡا قَدۡ اَخَذۡنَاۤ اَمۡرَنَا مِنۡ قَبۡلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمۡ فَرِحُوۡنَ ﴿۵۰﴾ قُلْ لَّنۡ يُّصِيۡبَنَاۤ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا‌ۚ هُوَ مَوۡلٰٮنَا‌ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۵۱﴾ قُلۡ هَلۡ تَرَبَّصُوۡنَ بِنَاۤ اِلَّاۤ اِحۡدَى الۡحُسۡنَيَيۡنِ‌ؕ وَنَحۡنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمۡ اَنۡ يُّصِيۡبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنۡ عِنۡدِهٖۤ اَوۡ بِاَيۡدِيۡنَا ‌ۖ فَتَرَبَّصُوۡۤا اِنَّا مَعَكُمۡ مُّتَرَبِّصُوۡنَ ﴿۵۲﴾

اِنۡ تُصِبۡكَ	اگر پیش آتی ہے آپ کو	قَدۡ اَخَذۡنَاۤ	تحقیق لے لیا ہم نے	لَّنۡ يُّصِيۡبَنَاۤ	ہرگز نہیں پہنچتا ہمیں
حَسَنَةٌ	کوئی اچھی حالت	اَمۡرَنَا	ہمارا معاملہ	اِلَّا مَا	مگر (وہی) جو
تَسُؤۡهُمۡ	تو وہ بری لگتی ہے انکو	مِنۡ قَبۡلُ	پہلے ہی	كَتَبَ	مقدر فرمایا (ہے)
وَاِنۡ	اور اگر	وَيَتَوَلَّوْا	اور لوٹتے ہیں وہ	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ (نے)
تُصِبۡكَ	آپڑتا ہے آپ پر	وَّهُمۡ [1]	درانحالیکہ	لَنَا	ہمارے لئے
مُصِيۡبَةٌ	کوئی حادثہ	فَرِحُوۡنَ	وہ خوش ہیں	هُوَ	وہی (ہے)
يَّقُوۡلُوۡا	(تو) کہنے لگتے ہیں وہ	قُلْ	آپ فرمادیں	مَوۡلٰٮنَا	کارساز ہمارا

(۱) الجملة حال من الضمير فی ''يقولوا'' أو ''يتولوا'' لا من الاخير فقط (روح البيان)

وَعَلَى اللهِ	اور اللہ تعالیٰ ہی کو	اِحْدَى[1]	دوخوبیوں میں سے	بِعَذَابٍ	کوئی سزا
فَلْيَتَوَكَّلِ	پس چاہئے کہ سپرد کریں	الْحُسْنَيَيْنِ	ایک کے	مِّنْ عِنْدِهٖٓ	اپنے پاس سے
الْمُؤْمِنُوْنَ	مؤمنین (سب کام)	وَنَحْنُ	اور ہم	اَوْ بِاَيْدِيْنَا	اور ہمارے ہاتھوں سے
قُلْ هَلْ	آپ فرمادیں (کہ) نہیں	نَتَرَبَّصُ	منتظر ہیں	فَتَرَبَّصُوْٓا[2]	سواب تم انتظار کرو
تَرَبَّصُوْنَ	منتظر ہو تم	بِكُمْ	تمہارے حق میں	اِنَّا	بے شک ہم (بھی)
بِنَآ	ہمارے حق میں	اَنْ يُّصِيْبَكُمُ	کہ پہنچائیں تم کو	مَعَكُمْ	تمہارے ساتھ
اِلَّآ	مگر	اللهُ	اللہ تعالیٰ	مُّتَرَبِّصُوْنَ	انتظار کرنے والے (ہیں)

منافقین دوراندیشی سے غزوۂ تبوک میں شریک نہیں ہوئے

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب منافقین عام طور پر غزوات میں شرکت کیا کرتے تھے تو وہ خاص غزوۂ تبوک میں کیوں شریک نہیں ہوئے؟ —— اِن آیات میں اس کی وجہ بیان کی گئی ہے کہ یہ قوم انجام بینی اور دوراندیشی کے زعم میں مبتلا ہے ان کے اسی خیال نے ان کو شرکت کے شرف سے محروم رکھا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ منافقین اسی وقت غزوہ میں شرکت کرتے ہیں جب مہم تر لقمہ ہو (جیسا کہ آیت ۴۲ میں گذرا) چنانچہ غزوۂ تبوک کے بعد وہ ایسی مہموں میں شرکت کے متمنی رہے لیکن جب کوئی خطرناک مہم درپیش ہوتی ہے تو یہ لوگ دوراندیشی سے کام لیتے ہیں، اور شرکت سے پہلوتہی کرتے ہیں، احد اور خندق کے کٹھن معرکوں میں جب دشمن مدینہ طیبہ پر چڑھ آیا تھا یہ منافق شرکت سے جان چرا گئے تھے۔ بدر اور حدیبیہ کے موقعوں پر یہ بزدل نہ صرف یہ کہ غائب رہے، بلکہ شرکت کرنے والے بہادر مسلمانوں پر ''مذہبی جنون'' اور ''دین کے دیوانے'' ہونے کے فقرے بھی کسے۔

﴿ اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ ﴾ (سورۃ الانفال ۴۹)

ترجمہ: جب منافقین اور دل کے روگی کہتے تھے کہ یہ (مسلمان) اپنے دین پر مغرور ہیں۔

غزوۂ خندق کے موقعہ پر تو انھوں نے یہ بھی کہا تھا کہ ''اللہ کا وعدہ محض دھوکہ تھا'' اور اپنے گھروں کے غیر محفوظ ہونے کے بہانے بھاگ گئے تھے (الاحزاب آیت ۱۲ و ۱۳) —— جب مسلمان خطرناک معرکوں میں قدم رکھتے ہیں تو منافقوں کو یقین ہوتا ہے کہ اب یہ کبھی لوٹ کر اپنے گھر واپس نہ آسکیں گے، دشمن انھیں تباہ و برباد کردیں گے اور یہ خیال اس قدر ان کے دلوں میں جم جاتا تھا کہ وہ بڑے بڑے پلان بنانے لگتے تھے کہ اگر مسلمان واپس نہ آئے تو فلاں باغ میں لوں گا، فلاں عورت پر میں قبضہ کروں گا (الفتح آیت ۱۲)

---

(۱) أي: احدى العاقبتين الحسنتين (۲) الفاء فصيحة.

غزوۂ تبوک تمام معرکوں میں سب سے زیادہ خطرناک معرکہ تھا۔ مختصر سی فوج روم کی شہنشاہیت سے ٹکرانے چلی تھی جس کے جھنڈے آدھی دنیا پر لہرا رہے تھے اس لئے منافقوں کو یقین تھا کہ مسلمان اس جنگ میں پس کر رہ جائیں گے ان میں سے ایک بھی لوٹ کر واپس نہیں آسکے گا اس لئے وہ اپنے لئے خیر اسی میں سمجھتے تھے کہ کسی بھی طرح پیچھے رہ جائیں ارشاد ہے —— اگر آپ کا بھلا ہوتا ہے تو انہیں سخت ناگوار ہوتا ہے —— اگر مسلمانوں کو غلبہ نصیب ہوتا ہے تو وہ جلتے اور کڑھتے ہیں —— اور اگر آپ پر کوئی حادثہ آپڑتا ہے تو وہ (فخریہ) کہتے ہیں کہ ہم نے تو پہلے ہی احتیاط کا پہلو اختیار کرلیا تھا —— دُور اندیشی کا ثبوت دے کر بچاؤ کا انتظام کرلیا تھا کیونکہ ہم پہلے ہی سے سمجھتے تھے کہ یہی حشر ہونے والا ہے —— اور وہ (اپنی محفلوں سے گھروں کو) لوٹتے ہیں خوش خوش —— اپنے بخت پر نازاں مسلمانوں کی مصیبت پر شاداں وفرحاں! —— آپ (ان سے پہلی بات تو یہ) فرمادیں کہ ہمیں صرف وہی چیز پہنچتی ہے جو اللہ پاک نے ہمارے لئے مقدر فرمائی ہے —— کامیابی ہو یا ناکامی، سختی ہو یا نرمی جو مقدر ہو چکا ہے وہ ٹل نہیں سکتا اس لئے ہماری گردنیں تو اللہ کے فیصلے اور حکم کے سامنے جھکی ہوئی ہیں —— وہی ہمارا کارساز ہے —— مادی اسباب محض ایک پردہ ہیں ان کی تہ میں کام کرنے والی قوت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے وہی ہمارا مولیٰ اور مددگار ہے ہمیں چاہئے کہ اسی پر بھروسہ رکھیں۔ اس نے جو بھی حالات ہمارے لئے مقدر فرمادیئے ہیں اسی میں ہمارے لئے خیر ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ''ایمان کی حقیقت تک بندہ اسی وقت پہنچ سکتا ہے: جب وہ یقین کرلے کہ جو کچھ پہنچا وہ ٹل نہیں سکتا تھا اور جو نہیں پہنچا وہ مل نہیں سکتا تھا'' —— اور اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے!

توکل کا صحیح مطلب:

اور توکل کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھا رہے کہ جو قسمت میں ہوگا ہوجائے گا بلکہ پوری قوت وہمت سے کام لینے کے بعد صرف اللہ تعالیٰ پر نظر رکھنی چاہئے کہ نتائج اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں —— جو لوگ اللہ تعالیٰ پر توکل نہیں کرتے وہ ''بے دین'' ہیں انھوں نے مادی اسباب ہی کو خدا بنالیا ہے اور جنھوں نے توکل کو اپنی کم ہمتی اور بے کاری کا بہانہ بنالیا ہے وہ ''خوش فہم'' ہیں۔ صراط مستقیم یہ ہے کہ ظاہری اسباب اختیار کئے جائیں، اور بھروسہ اللہ تعالیٰ پر رکھا جائے۔ آنحضور ﷺ جہاد کے لئے پوری تیاری فرماتے تھے احد اور حنین کے معرکوں میں آپ ﷺ نے دوہری زرہیں پہنی تھیں، کیونکہ معرکے سخت تھے اور جب ایک دیہاتی نے آپ ﷺ سے توکل کی حقیقت پوچھی تو آپ نے اسے یوں سمجھایا کہ ''اونٹ کو دامنی دے کر جنگل میں چرنے کے لئے چھوڑ و پھر اللہ پر بھروسہ کرو''

ع برتوکل زانوئے اشتر بہ بند!

بہر حال ظاہری اسباب کا استعمال خدا پرستی کے خلاف نہیں، توکل یہ ہے کہ اسباب کو اسباب کے درجہ میں رکھا جائے اور یہ ایمان رکھا جائے کہ نتائج وثمرات اسباب کے تابع نہیں، اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہیں۔

دنیا پرست اور خدا پرست کی ذہنیت کا فرق:

آیت پاک کو ایک بار پھر پڑھئے وہ ہمیں دنیا پرست اور خدا پرست کی ذہنیت کا فرق سمجھائے گی کہ دنیا پرست کی اپنی دنیا ہر جگہ مقدم رہتی ہے وہ جو قدم اٹھاتا ہے وہ اپنی دنیا سنوارنے کے لئے اٹھاتا ہے اور جب اس کا یہ مقصد پورا ہو جاتا ہے تو وہ پھول جاتا ہے اور اسی کو اپنی بڑی کامیابی خیال کرتا ہے —— لیکن اللہ پر یقین رکھنے والا انسان ہر قدم اللہ کی رضا کے لئے اٹھاتا ہے اس پر خواہ مصائب نازل ہوں یا کامرانیوں کی بارش ہو وہ دونوں صورتوں کو اللہ پاک کی مرضی کا نتیجہ تصور کرتا ہے، نہ مصائب سے اس کا دل ٹوٹتا ہے نہ کامیابیوں پر اسے غرہ ہوتا ہے۔

چت بھی مؤمن کی اور پَٹ بھی!

منافقوں کو پہلی بات یہ بتلائی ہے کہ ہمارا معاملہ بنیادی طور پر تمہارے معاملہ سے مختلف ہے، تمہارے رنج وخوشی کے پیمانے اور ہیں اور ہمارے اور، تمہارا قبلہ توجہ تمہاری دنیا ہے اور ہمارا بھروسہ اللہ تعالیٰ پر ہے —— (اور دوسری بات) آپ (منافقوں سے یہ بھی) فرمادیں کہ تم ہمارے حق میں دو بہتریوں میں سے کسی ایک کے منتظر ہو—— یعنی اگر ہم معرکہ میں کام آگئے تو شہادت اور جنت کی سدا بہار نعمتوں سے ہم کنار ہوں گے یا پھر فتح وظفر کا پھریرا لہراتے ہوئے اجر وغنیمت سے جھولی بھر کر واپس آجائیں گے —— تم جس چیز کو ہمارے لئے مصیبت سمجھ کر خوش ہوتے ہو وہ ہمارے لئے مصیبت نہیں ہے بلکہ راحت وکامیابی ہی کی ایک صورت ہے۔ مؤمن ناکام ہو کر بھی کامیاب رہتا ہے اور بگڑنے میں بھی بنتا ہے

نہ کچھ شوخی چلی باد صبا کی ❁ بگڑنے پہ بھی زلف اس کی بنا کی

مؤمن کی کامیابی اور ناکامی کا معیار یہ نہیں ہے کہ اس نے کوئی ملک فتح کیا یا نہیں؟ کوئی حکومت قائم کی یا نہیں؟ بلکہ اس کا معیار یہ ہے کہ اس نے اللہ کے دین کو بلند کرنے کے لئے جان ومال، دل ودماغ، جسم وجان کی بازی لگائی یا نہیں؟ اگر اس نے یہ کام کر دیا تو وہ کامیاب ہے چاہے دنیا کے اعتبار سے اس کی محنت کا نتیجہ صفر ہی کیوں نہ رہا ہو!

اور منافقین کی دونوں حالتیں بری:

ارشاد فرماتے ہیں:—— اور ہم تمہارے حق میں (دو برائیوں میں سے ایک کے) منتظر ہیں کہ (یا تو) اللہ پاک خود ہی تمہیں کوئی سزادیں یا (پھر) ہمارے ہاتھوں سے دلوائیں —— ان دو برائیوں میں سے ایک برائی ضرور تمہیں پہنچ کر

رہے گی یا تو تمہارے نفاق اور شرارتوں کی بدولت قدرتی عذاب تم پر مسلط ہوگا یا پھر ہمارے ہاتھوں سے قدرت تمہیں سخت سزا دلوائے گی جو تمہیں رسوا کر کے تمہارے نفاق کا پردہ چاک کر دے گی —— اچھا تو اب تم بھی انتظار کرو ہم بھی تمہارے ساتھ منتظر ہیں —— جلد ہی تمہیں پتہ چل جائے گا کہ انجام پر نظر رکھنے والا اور دور اندیش کون تھا؟!

قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ۭ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۵۴﴾ فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۵۵﴾

قُلْ	آپ فرما دیں:	مَنَعَهُمْ (۲)	روکا ان کو	اِلَّا	مگر
اَنْفِقُوْا	خرچ کرو تم	اَنْ تُقْبَلَ	کہ قبول کیا جائے ان سے	وَهُمْ	درانحالیکہ وہ
طَوْعًا	راضی خوشی	مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ	ان کا خرچ	كُسَالٰى (۳)	جی ہارے (ہیں)
اَوْ كَرْهًا (۱)	یا ناگواری سے	اِلَّآ	مگر	وَلَا يُنْفِقُوْنَ	اور نہیں خرچ کرتے وہ
لَّنْ يُّتَقَبَّلَ	ہرگز نہیں قبول کیا جائیگا	اَنَّهُمْ	اس بات نے کہ انھوں نے	اِلَّا	مگر
مِنْكُمْ	تم سے	كَفَرُوْا	انکار کیا	وَهُمْ	درانحالیکہ
اِنَّكُمْ	بلاشبہ تم	بِاللّٰهِ	اللہ کا	كٰرِهُوْنَ	وہ ناپسند کرنے والے
كُنْتُمْ	ہو	وَبِرَسُوْلِهٖ	اور اس کے رسول کا		(ہیں)
قَوْمًا فٰسِقِيْنَ	نافرمان لوگ	وَلَا يَاْتُوْنَ	اور نہیں آتے وہ	فَلَا تُعْجِبْكَ (۴)	پس آپ کو حیرت میں
وَمَا	اور نہیں	الصَّلٰوةَ	نماز کے لئے		نہ ڈالیں

(۱) مَصْدَرَانِ وقعا موقع الحال (روح) (۲) مَنَعَ متعدی بدو مفعول ہے۔ پہلا مفعول "هُمْ" ضمیر ہے اور دوسرا مفعول "اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ" پورا جملہ ہے اور فاعل جملہ "اِلَّا اَنَّهُمْ الخ" ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے مَا مَنَعَهُمْ قُبُوْلَ نَفَقَاتِهِمْ اِلَّا كُفْرُهُمْ (۳) جمع كسلان، كسكارى وسكران وحيارى وحيران: سست، ہارے جی (۴) الاعجاب هو السرور بما يستحسن (مظہری)

أَمْوَالُهُمْ	ان کے اموال	لِيُعَذِّبَهُمْ	کہ سزادیں ان کو	وَتَزْهَقَ[1]	اور خلاصی پائیں
وَلَا أَوْلَادُهُمْ	اور نہ ان کی اولاد	بِهَا	ان چیزوں سے	أَنْفُسُهُمْ	ان کی جانیں
إِنَّمَا	اس کے سوانہیں کہ	فِي الْحَيٰوةِ	دنیا کی	وَهُمْ	درانحالیکہ وہ
يُرِيدُ اللهُ	اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں	الدُّنْيَا	زندگی میں	كٰفِرُوْنَ	کفر کرنے والے (ہوں)

منافقین کی مالی امداد قبول نہ کی جائے اور اس کی وجہ

پچھلی آیت میں منافقوں سے کہا گیا تھا کہ ''ہم تمہارے حق میں دو برائیوں کے منتظر ہیں۔ پہلی یہ کہ اللہ پاک بذات خود تمہیں سزادیں اور دوسری یہ کہ اللہ پاک ہمارے ہاتھوں تمہیں سزادلوائیں'' — اب ان آیات میں پہلی بات کا ذکر ہے کہ اللہ پاک نے منافقوں کو جونعمتوں سے نوازا ہے یہ بطور سزا ہے — جد بن قیس اور اس کے ہم مشرب منافق نہ تو غزوۂ تبوک میں شرکت کر کے اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈالنا چاہتے تھے نہ رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کی نگاہوں میں اپنی وقعت کھونا چاہتے تھے اور نہ اپنے نفاق کو طشت از بام ہونے دینا چاہتے تھے اس لئے شرکت سے معذرت طلب کرتے وقت انھوں نے مالی امداد کی پیش کش کی تھی[2] اللہ پاک فرماتے ہیں — آپ (ان منافقوں سے) فرمادیجئے کہ چاہے تم راضی خوشی خرچ کرو — جیسا کہ تمہارا دعوی ہے — یا ناگواری سے — جیسا کہ واقعہ ہے — تمہاری امداد ہرگز قبول نہیں کی جائے گی۔ بلاشبہ تم نافرمان لوگ ہو — اور ان کی امداد قبول کرنے میں مانع صرف یہ امر ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کا انکار کرتے ہیں — اور کافر کا ہر عمل بے جان ہوتا ہے پھر قبول کیوں کر ہو؟! — اللہ پاک نے اپنے بندوں پر عبودیت کے تین وظیفے مقرر کئے ہیں۔ ایک مالی، دوسرا بدنی، تیسرا قلبی۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا مالی وظیفہ ہے، نماز روزے بدنی عبادات ہیں اور ایمان دل کا وظیفہ ہے جو پہلے دو کے لئے بنیاد ہے اگر یہ نہیں ہے تو نہ کوئی مالی عبادت قبول ہے نہ بدنی — ایمان ہی تمام چیزوں کی جڑ ہے اسی سے ہر عمل میں جان پڑتی ہے ایمان نہ ہو تو ہر عمل مردہ اور بے جان ہے۔

منافقین کی بدنی اور مالی عبادتوں کا حال:

اب ذرا منافقوں کی بدنی اور مالی عبادتوں کا حال دیکھئے: — اور نہیں آتے نماز میں مگر ہارے جی! اور نہیں خرچ کرتے مگر بادل ناخواستہ! — کیونکہ اللہ کو خوش کرنے کا جذبہ تو ان کے اعمال کے پیچھے کارفرما نہیں ہے نہ کسی قسم کے

(۱) اصل الزھوق: الخروج بصعوبة: مشکل سے جان وغیرہ کا نکلنا (روح) ازھقت نفسه: خرجت، وزھق الباطل: اضمحل وبابه فتح (۲) ابن عبد البر کا بیان ہے کہ جد بن قیس بعد میں نفاق سے تائب ہو گئے تھے۔ واللہ اعلم

ثواب کی امید رکھتے ہیں۔صرف نفاق چھپانے کے لئے نماز، زکوٰۃ کا دکھاوا کرتے ہیں اس لئے جیسی روح ویسا عمل!

عبادتوں میں نشاط اور تعمیل احکام کی رغبت اسی وقت ہوسکتی ہے جب اللہ تعالیٰ پر ایمان ہو، آنحضور ﷺ کی لائی ہوئی شریعت پر یقین ہو، آخرت پر ایمان ہو، ثواب کی امید ہو اور عذاب کا ڈر ہو اور منافقین کو چونکہ یہ دولتیں حاصل نہیں ہیں اس لئے وہ نمازیں بھی ہارے جی پڑھتے ہیں، غزوہ میں امداد بھی ناگواریٔ خاطر کے ساتھ پیش کرتے ہیں اور یہ ان کی غلط بیانی ہے کہ ہم راضی خوشی امداد پیش کر رہے ہیں

منافقوں کے مال پر رال نہ ٹپکاؤ، یہ تو ان کے لئے عذاب ہے:

اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں:—— پس (اے مخاطب) اُن کے اموال واولاد تجھے حیرت میں نہ ڈالیں —— تجھے اس پر حیرت واستعجاب نہ ہو کہ اللہ پاک نے کافروں اور منکروں کو دولتوں اور نعمتوں سے کیوں نوازا ہے؟! —— اللہ تعالیٰ کو یہی منظور ہے کہ ان چیزوں کے ذریعہ ان کو دنیا کی زندگی میں سزا دیں اور کفر ہی کی حالت میں ان کی جانیں (جسم خاکی سے) نکالیں —— یعنی یہ نعمتیں دنیا میں بھی ان کے حق میں بڑا عذاب ہیں اور آخرت کے دائمی عذاب کا بھی سبب ہیں۔

دنیا کی محبت منافقوں کے لئے دنیا ہی میں ایک طرح کا عذاب ہے، وہ اس کے حاصل کرنے میں کیسی کیسی مشقتیں جھیلتے ہیں؟! دنوں کا چین اور راتوں کی نیند اس کیلئے حرام کئے ہوئے ہیں۔پھر دولت کی حفاظت اور اس کو بڑھانے کی فکر الگ عذاب ہے۔اگر کاروبار میں نقصان ہوگیا تو غموں کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں اور آخر میں موت کے وقت بصد حسرت ویاس دولت کی جدائی کا تماشا دیکھتے ہیں، یہ سب عذاب نہیں تو اور کیا ہے؟! —— منافق زندگی کے آخری لمحات تک اپنی دولت کے نشہ میں مدہوش رہتا ہے اسے سچے ایمان کی توفیق نصیب نہیں ہوتی اور اس طرح اللہ پاک کی بخشی ہوئی نعمتیں اس کے لئے جہنم کا راستہ ہموار کرتی ہیں!

منافق کی دو علامتیں ہیں:—— بادل ناخواستہ نماز پڑھنا اور ناگواری کے ساتھ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا!

وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ۭ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ﴿۵۶﴾ لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ﴿۵۷﴾

وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ	اور قسمیں کھاتے ہیں وہ اللہ پاک کی	اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ	(کہ) یقیناً وہ تم میں سے (ہیں)	وَمَا هُمْ	حالانکہ نہیں (ہیں) وہ

مِّنۡكُمۡ	تم میں سے	مَلۡجَاً (۲)	کوئی جائے پناہ	اِلَيۡهِ	اس کا
وَلٰكِنَّهُمۡ	لیکن وہ	اَوۡ مَغٰرٰتٍ (۳)	یا غار	وَهُمۡ	درانحالیکہ وہ
قَوۡمٌ يَّفۡرَقُوۡنَ (۱)	ڈرپوک لوگ (ہیں)	اَوۡ مُدَّخَلًا (۴)	یا گھس بیٹھنے کی جگہ	يَجۡمَحُوۡنَ (۵)	رسیاں تڑا کر بھاگنے
لَوۡ يَجِدُوۡنَ	اگر پالیں وہ	لَّوَلَّوۡا	(تو) ضرور رخ کریں وہ		والے ہوں

منافقوں کو مسلمانوں کا خوف اللہ کے خوف سے بھی زیادہ ہے

منافقوں سے دوسری بات یہ کہی گئی تھی کہ ہم تمہارے حق میں اس بات کے بھی منتظر ہیں کہ اللہ پاک ہمارے ہاتھوں تمہیں سزا دلوائیں۔ اب اسی سزا کا ذکر ہے کہ منافقوں پر مسلمانوں کا خوف اللہ کے خوف سے بھی زیادہ مسلط ہے۔ مسلمانوں کی طرف سے خطرات ہر وقت ان کے سروں پر منڈلاتے رہتے ہیں۔ یہ مسلمانوں کے ہاتھوں سے انھیں سزا نہیں مل رہی تو پھر کیا ہے؟! یہ ان کی ابلہی ہے کہ وہ اسے سزا نہ سمجھیں۔ ارشاد فرماتے ہیں —— اور (تمہارا خوف ان پر ایسا سوار ہے کہ) وہ اللہ پاک کی قسمیں کھاتے ہیں (اور تمہیں یقین دلاتے ہیں) کہ "وہ یقیناً تم میں سے ہیں" (یعنی وہ دل سے ایمان لائے ہوئے ہیں اور تمہاری جماعت کے افراد ہیں) حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں (کافروں کی جماعت کے افراد ہیں) لیکن (جھوٹی قسمیں اس لئے کھا رہے ہیں کہ) وہ ڈرپوک لوگ ہیں! —— کھل کر تمہاری مخالفت کرنے کی اپنے اندر ہمت نہیں پاتے —— اور وہ تم سے اس قدر دہشت زندہ ہیں کہ —— اگر وہ کوئی جائے پناہ یا غار یا گھس بیٹھنے کی جگہ پالیں تو یہ (دو ٹانگوں کے جانور) رسیاں تڑا کر ضرور ادھر ہی کو بھاگ کھڑے ہوں! —— لیکن چونکہ ان کو سر چھپانے کے لئے نہ کہیں لومڑی کا بھٹ ملتا ہے نہ گوہ کا بل اس لئے مجبور ہو کر تمہارے ساتھ رہ رہے ہیں —— منافق زیادہ تر مالدار اور عمر رسیدہ لوگ تھے، مدینہ طیبہ میں ان کی بڑی بڑی جائدادیں اور کاروبار تھے جب یہاں ہر طرف اسلام کی روشنی پھیل گئی تو ان لوگوں نے مصلحت اسی میں سمجھی کہ ایمان کا دعوی کرلیں تاکہ مسلمان ان کو اپنا سمجھیں اور وہ کفر کے نقصانات سے بچ جائیں —— ان پر ہمیشہ فکر سوار رہتا تھا کہ کہیں مسلمان ان کو پرایا نہ سمجھ لیں ورنہ پھر خیر نہیں اس لئے وہ مجبور تھے کہ جھوٹی قسمیں کھا کر اپنے آپ کو سچا مسلمان ثابت کریں بادل ناخواستہ نمازیں پڑھیں جرمانہ سمجھتے ہوئے زکوٰۃ ادا کریں

---

(۱) اصل الفرق: انزعاج النفس بتوقع الضرر، فرق کے اصل معنی ہیں: ضرر کے اندیشہ سے گھبرانا (۲) مَفۡعَلٌ من لجأ اليه يلجأ. اى مكانا يلجأون اليه (۳) جمع مَغَارَةٍ اسم للموضع الذى يغور فيه الانسان، أى: يغيب ويستتر یعنی: چھپنے کی جگہ، غار وغیرہ۔ (۴) مفتعل من الدخول، اصله مدتخل، فادغم بعد قلب تائه دالاً (۵) الجموح: النفور بإسراع، يقال: فرس جموح إذا لم يرده لجام.

کیونکہ ان میں اتنی ہمت تو تھی نہیں کہ اپنی جائدادوں اور کاروبار سے دست بردار ہوکر کہیں اور جا بسیں یا کھل کر مخالفت کریں —— منافقوں کی یہ حالت مسلمانوں کے ہاتھ سے ملنے والی سزا نہیں تو اور کیا ہے؟

وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّلۡمِزُكَ فِى الصَّدَقٰتِ‌ ۚ فَاِنۡ اُعۡطُوۡا مِنۡهَا رَضُوۡا وَاِنۡ لَّمۡ يُعۡطَوۡا مِنۡهَاۤ اِذَا هُمۡ يَسۡخَطُوۡنَ ﴿۵۸﴾ وَلَوۡ اَنَّهُمۡ رَضُوۡا مَاۤ اٰتٰٮهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ ۙ وَقَالُوۡا حَسۡبُنَا اللّٰهُ سَيُؤۡتِيۡنَا اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ وَرَسُوۡلُهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوۡنَ ﴿۵۹﴾ ع

وَ مِنۡهُمۡ	اوران میں سے کچھ	وَاِنۡ لَّمۡ يُعۡطَوۡا	اوراگر نہیں دیئے جاتے وہ	وَ قَالُوۡا	اور کہتے
مَّنۡ	(ایسے ہیں) جو	مِنۡهَاۤ	اس میں سے	حَسۡبُنَا	(کہ) کافی ہے ہمارے لئے
يَّلۡمِزُكَ[1]	آپ پر نکتہ چینی کرتے ہیں	اِذَا هُمۡ	(تو) اسی وقت وہ	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ!
فِى الصَّدَقٰتِ	صدقات (کی تقسیم)	يَسۡخَطُوۡنَ	بگڑنے لگتے ہیں	سَيُؤۡتِيۡنَا	عنقریب دیگا ہم کو
	کے بارے میں	وَلَوۡ اَنَّهُمۡ	اور اگر وہ	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
فَاِنۡ	پس اگر	رَضُوۡا	راضی رہتے	مِنۡ فَضۡلِهٖ	اپنے فضل سے
اُعۡطُوۡا	دیئے جائیں وہ	مَاۤ اٰتٰٮهُمُ	اس پر جو دیا ان کو	وَرَسُوۡلُهٗۤ	اور اس کے رسول
مِنۡهَا	اس میں سے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ (نے)	اِنَّاۤ اِلَى اللّٰهِ	بیشک ہم اللہ سے
رَضُوۡا	(تو) خوش ہوجاتے ہیں	وَرَسُوۡلُهٗ	اور اسکے رسول (نے)	رٰغِبُوۡنَ	لو لگانے والے ہیں

منافقین کی نکتہ چینی کہ نبی ﷺ مال کی تقسیم میں انصاف نہیں کرتے

ان آیات میں منافقوں کے ایک اور گروہ کا ذکر ہے جو رسول اللہ ﷺ پر نکتہ چینی کیا کرتا تھا —— زکوٰۃ، صدقات، اور عشر حاجت مندوں کا حق ہے اور منافقین چونکہ عام طور پر دولت مند تھے اس لئے اُن کو اس میں سے کچھ نہیں دیا جاتا تھا۔ وہ اس سے دلوں میں گھٹتے تھے۔ بعض تو برملا اعتراض اور نکتہ چینی بھی کیا کرتے تھے ابوالجواظ ایک منافق تھا جو لوگوں میں کہتا پھرتا تھا:

(۱) المشهور أن اللَّمز مطلق العيب كالهمز (روح) بابُهٗ نصر وضرب.

اَلَاتَرَوْنَ اِلٰی صَاحِبِکُمْ! اِنَّمَا یَقْسِمُ صَدَقَاتِکُمْ فِیْ رُعَاۃِ الْغَنَمِ، وَیَزْعَمُ اَنَّہٗ یَعْدِلُ!(روح)	دیکھوتو سہی تمہارے ''صاحب'' کیا کررہے ہیں! صرف چرواہوں کو تمہاری خیراتیں بانٹ رہے ہیں اور اپنے آپ کو ''انصاف کرنے والا'' بھی بتلاتے ہیں؟!

ظاہر ہے کہ خیراتوں کے حقدار عموماً چرواہے ہی ہوتے ہیں، دولت مندوں کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہوتا اور حق حقدار کو پہنچادینا ہی انصاف ہے پھر یہ تقسیم انصاف کے خلاف کہاں ہوئی؟!—— آنحضور ﷺ نے تو صاف اعلان فرمادیا تھا کہ ''اُس اللہ کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میں نہ تو کسی کو اپنے اختیار سے دیتا ہوں، نہ روکتا ہوں، میں صرف خزانچی ہوں'' اس لئے اصول وضوابط کا پابند ہوں، من مانی نہیں کرسکتا —— آپ ﷺ کے لئے اور آپ کے اقرباء کے لئے خیرات کے پیسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیئے ہیں۔ پھر ایسی ہستی سے ناانصافی کی توقع کیسے کی جاسکتی ہے؟!—— دراصل انھیں شکایت اس لئے تھی کہ اس میں سے ان کو حسب خواہش نہیں دیا جاتا تھا وہ حقیقی شکایت کو چھپا کر الزام یہ رکھتے تھے کہ مال کی تقسیم میں انصاف سے کام نہیں لیا جاتا، جانب داری سے کام لیا جاتا ہے!—— یہیں سے منافقوں کے اس دعوے کی حقیقت واشگاف ہوجاتی ہے، جس کا تذکرہ پچھلی آیات میں آیا ہے کہ ''وہ مالی امداد راضی خوشی پیش کررہے ہیں'' —— بھلا جن کے دلوں میں ایمان نہ ہو، جنھیں چمڑی سے زیادہ دمڑی پیاری ہو، جو مال کے اس قدر حریص ہوں کہ صدقات وخیرات میں سے بھی بیش از بیش لینے کے خواہش مند رہتے ہوں وہ اللہ کی راہ میں راضی خوشی کیا خرچ کریں گے؟!—— ارشاد فرماتے ہیں —— اورمنافقین میں سے بعضے صدقات (کی تقسیم) کے بارے میں آپ (ﷺ) پر نکتہ چینی کرتے ہیں —— کہ تقسیم میں انصاف سے کام نہیں لیا جاتا، جانب داری برتی جاتی ہے —— لیکن یہ اعتراضات اس وقت تک ہوتے ہیں جب تک کہ اُن کو اُن کی خواہش کے مطابق صدقات میں سے حصہ نہیں دیا جاتا، اگر انھیں خوب جی بھر کر حسب خواہش دے دیا جائے تو وہ خوش ہوجاتے ہیں اور کچھ اعتراض باقی نہیں رہتا ارشاد فرماتے ہیں —— پس اگر اس (خیرات) میں سے انھیں کچھ دے دیا جائے تو وہ خوش ہوجاتے ہیں —— اور آپ ﷺ ان کی نگاہوں میں ''انصاف پسند'' ہوجاتے ہیں —— اور اگر اس میں سے انھیں کچھ نہ دیا جائے تو اسی وقت وہ بگڑنے لگتے ہیں —— اور تقسیم کو غیر منصفانہ بتلانے لگتے ہیں —— اور (ان کے حق میں کیا ہی اچھا ہوتا) اگر وہ اُتنے پر راضی رہتے جو اللہ پاک نے اور رسول اللہ (ﷺ) نے انہیں دیا ہے —— اللہ پاک نے آمدنی کے جو ذرائع انہیں بخشے ہیں جس سے وہ کماتے اور کھاتے پیتے ہیں اور خوش حال زندگی بسر کرتے ہیں اسے اپنے لئے کافی سمجھتے اور رسول اللہ ﷺ نے مال غنیمت میں سے جو حصہ انھیں دیا ہے اور غیر مستطیع منافقوں کو خیرات میں سے جتنا دیا ہے اسی پر قانع رہتے—— اور

کہتے کہ اللہ ہمارے لئے کافی ہے! —— وہی ہمارا مطلوب و مقصود ہے —— آئندہ اللہ پاک اپنے فضل سے ہمیں (اور بھی) دیں گے اور اس کے رسول (ﷺ) بھی (عنایت فرمائیں گے) بیشک ہم اللہ پاک ہی سے لو لگائے ہوئے ہیں! —— وہ اپنے فضل و کرم سے ہمیں بہت کچھ مرحمت فرمائے گا تو ان کے حق میں کتنی اچھی بات ہوتی!

إِنَّمَا الصَّدَقَٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَٰكِينِ وَالْعَٰمِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَٰرِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۖ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٦٠﴾

إِنَّمَا الصَّدَقَٰتُ	خیراتیں تو بس	قُلُوبُهُمْ	کی دلجوئی مقصود ہے	وَابْنِ السَّبِيلِ	اور راہ گیروں کیلئے ہیں
لِلْفُقَرَآءِ (۱)	افلاس زدہ لوگوں کیلئے	وَفِي الرِّقَابِ (۲)	اور بردوں کو (چھڑانے)	فَرِيضَةً (۳)	طے شدہ امر ہے
وَالْمَسَٰكِينِ	اور محتاجوں کے لئے		میں	مِّنَ اللَّهِ	اللہ تعالیٰ کی طرف سے
وَالْعَٰمِلِينَ	اور اس کی وصولی کا کام	وَالْغَٰرِمِينَ	اور قرض داروں کیلئے	وَاللَّهُ	اور اللہ تعالیٰ
عَلَيْهَا	کرنے والوں کے لئے	وَفِي سَبِيلِ	اور راستے میں	عَلِيمٌ	سب کچھ جاننے والے
وَالْمُؤَلَّفَةِ	اور ان لوگوں کیلئے جن	اللَّهِ	اللہ کے	حَكِيمٌ	بڑی حکمت والے ہیں

زکات وصدقاتِ واجبہ کے آٹھ مصارف

ربط: آپ نے نبی پاک ﷺ کا ارشاد مبارک ابھی پڑھا ہے کہ "صدقات کے مال میں میری حیثیت صرف خزانچی کی ہے" یعنی نبی پاک ﷺ صدقات کے مال میں خود مختار نہیں ہیں کہ جس طرح چاہیں خرچ کریں، بلکہ آپ ﷺ بھی ان اصول و ضوابط کے پابند ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں —— حضرت زیاد بن حارث صدائی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک شخص نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ خیرات کے مال میں سے کچھ مجھے عنایت فرمایئے؟ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ: "اللہ پاک نے صدقات کی تقسیم نہ تو کسی نبی کی مرضی پر چھوڑی ہے نہ غیر نبی کی مرضی پر، بلکہ خود ہی اس کے صَرف کے لئے آٹھ مصارف متعین فرما دیئے ہیں، اگر تم ان قسموں میں سے کسی قسم

(۱) أی حق لهم أو مخصوصة لهم (۲) أی وللصرف فی فک الرقاب (أبو السعود) (۳) منصوب بفعله المقدر، أی: فرض الله مصارفها فریضة.

میں آتے ہوتو میں اس میں سے میں تم کو دے سکتا ہوں (ورنہ نہیں) (ابوداؤد)

اب آیت پاک میں مذکور آٹھ مصارف کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں جو خیراتوں کے خرچ کرنے کی جگہیں ہیں اور جس کی پابندی سب پر لازم ہے پھر فیصلہ فرمائیں کہ رسول اللہ ﷺ پر صدقات کی تقسیم کے بارے میں منافقوں کی نکتہ چینی کس ضمیر کا پتہ دیتی ہے؟ — ارشاد فرماتے ہیں — خیراتوں کے حقدار تو صرف افلاس زدہ اور حاجت مند ہیں اور وہ لوگ ہیں جو اس کی تحصیل پر مامور ہیں اور وہ لوگ ہیں جن کی دلجوئی مقصود ہے اور (اسے صرف کیا جائے) گردنوں (کو چھڑانے) میں اور قرض داروں (کی مدد) میں اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں، اور راہ گیروں (کی اعانت) میں — یہ طے شدہ امر ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے — جس کے رسول اللہ ﷺ بھی پابند ہیں — اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والے اور بڑی حکمت والے ہیں — انھوں نے اپنے علم وحکمت کی بناء پر خیراتیں انھیں آٹھ قسم کے لوگوں کے لئے مخصوص فرمادی ہیں اس لئے وہی اس کے حق دار ہیں۔

مصارفِ زکات کی تفصیل:

آیت پاک کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے ذیل میں مصارف زکوٰۃ کی مختصر تفصیل پیش کی جاتی ہے مسائل فقہ کی کتابوں میں دیکھے جائیں یا علماء سے دریافت کئے جائیں۔

فقراء — مفلس لوگ — فقیر عربی زبان میں غنی کے مقابلے میں بولا جاتا ہے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَاءِ هِمْ وَتُرَدُّ إِلٰى فُقَرَاءِ هِمْ: زکوٰۃ ان کے مالداروں سے وصول کی جائے گی اور ان کے فقراء کو دیدی جائے گی۔

پس وہ تمام غریب لوگ اس مصرف میں آجاتے ہیں جو غنی نہیں ہیں۔

مساکین — وہ حاجت مند ہیں جن کے پاس ضروریات پورا کرنے کے لئے کچھ نہ ہو بالکل خالی ہاتھ ہوں۔

عاملین — وہ سرکاری عملہ جو اسلامی حکومت کی طرف سے تحصیل صدقات کے کاموں پر مامور ہے۔ یہ لوگ چونکہ اپنے تمام اوقات اس خدمت میں خرچ کرتے ہیں اس لئے ان کی ضروریات کی ذمہ داری اسلامی حکومت پر عائد ہوتی ہے اس لئے یہ لوگ اگر بالفرض غنی بھی ہوں تب بھی ان کی محنت اور ان کے وقت کا معاوضہ مال زکوٰۃ سے دیا جاسکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں یہی دستور تھا۔

مؤلّفة القلوب — وہ لوگ ہیں جن کی تالیف قلب اور دلجوئی اہم دینی وملی مصالح کے لئے ضروری ہو، اگر وہ دولت مند بھی ہوں تب بھی زکوٰۃ کی مد سے ان پر خرچ کیا جاسکتا ہے۔

رقاب ـــــ مسلمان قیدیوں کی رہائی میں اور غلام باندیوں کی آزادی اور گلوخلاصی میں بھی زکوٰۃ خرچ کی جاسکتی ہے۔

غارمین ـــــ جن لوگوں پر اصلاح ذَاتُ البین (قومی نزاعات کے تصفیہ) کے سلسلہ میں کوئی ایسا مالی بار آپڑا ہو جس کے اٹھانے کی ان میں طاقت نہ ہو یا جو مقروض ہوں اور قرض کی ادائیگی کی ان کے پاس کوئی صورت نہ ہو تو ان کی بھی زکوٰۃ کے مال سے مدد کی جاسکتی ہے۔

فی سبیل اللہ ـــــ دین کی نصرت وحفاظت اور اعلاء کلمۃ اللہ کے سلسلے کی ضروریات میں بھی اس مد سے خرچ کیا جاسکتا ہے۔

ابن السبیل ـــــ جس مسافر کو راہ میں مدد کی ضرورت پیش آجائے اسکی بھی اس مد سے اعانت کی جاسکتی ہے۔

صدقات میں نیکی کے تین پہلو:

مصارف کی وضاحت کے بعد جاننا چاہئے کہ صدقات میں نیکی کے تین پہلو ہیں:

اول: یہ کہ صدقات عبادت ہیں ''عبادات'' بندے کے ان اعمال کو کہا جاتا ہے جن کا خاص مقصد اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی عبدیت اور بندگی کے تعلق کو ظاہر کرنا اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا رحم وکرم اور قرب حاصل کرنا ہوتا ہے۔ جس طرح نماز کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی بندگی تذلل اور نیازمندی کا مظاہرہ جسم وجان اور زبان سے کیا جاتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی رضا ورحمت اور قرب حاصل ہو اُسی طرح زکوٰۃ وصدقات کی صورت میں اپنی مالی نذر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اسی غرض سے پیش کی جاتی ہے کہ اس کی رضا اور اس کا قرب حاصل ہو صدقات کے ذریعہ مؤمن بندہ اس بات کا عملی ثبوت دیتا ہے کہ اس کے پاس جو کچھ ہے وہ اس کا اپنا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا ہے جسے وہ اسی کے حکموں پر قربان کرتا ہے ـــــ اسی وجہ سے جس طرح نماز خشوع وخضوع اور حضور قلب سے قیمتی بن جاتی ہے۔ زکوٰۃ وصدقات بھی اخلاص وانابت سے (مُضاعف: دوچند) ہوجاتے ہیں ـــــ زکوٰۃ کا نام غالباً اسی پہلو سے ''صدقہ'' رکھا گیا ہے کہ مؤمن بندہ اپنے فعل سے اس دعوی کا عملی ثبوت دیتا ہے کہ میرے مال خرچ کرنے کی کوئی دنیوی غرض نہیں ہے، صرف اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہے۔

دوسرا پہلو: یہ ہے کہ صدقات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے ضرورت منداور پریشان حال بندوں کی خدمت واعانت ہوتی رہتی ہے اور دولت کے ایک جگہ سمٹ جانے سے اقتصادی اعتبار سے طبقاتی تقسیم (سرمایہ دار اور افلاس زدہ) رونما نہیں ہونے پاتی۔

تیسرا پہلو: یہ ہے کہ دولت پرستی کا علاج بھی اس سے ہوتا رہتا ہے جو ایک ایمان کُش اور نہایت مہلک روحانی بیماری ہے، زکوٰۃ وصدقات سے اس کے گندے اور زہریلے اثرات سے نفس پاک ہوجاتا ہے ـــــ زکوٰۃ کا نام غالباً اسی

پہلو سے ''زکوٰۃ'' رکھا گیا ہے کیونکہ زکوٰۃ کے اصلی معنی ''پاکیزگی'' کے ہیں۔

زکات کا حکم سبھی انبیاء کی شریعتوں میں تھا

زکوٰۃ وصدقات کی اس غیر معمولی اہمیت وافادیت کی وجہ سے اس کا حکم اگلے پیغمبروں کی شریعتوں میں بھی نماز کے ساتھ ہی ساتھ رہا ہے اسلام میں شروع ہی سے زکوٰۃ وصدقات کی فرضیت نازل ہو چکی تھی۔ سورۂ مزمل جو بالکل ابتدائی سورتوں میں سے ہے اس میں نماز کے ساتھ ہی زکوٰۃ کا حکم بھی موجود ہے البتہ اس وقت کوئی خاص نصاب یا خاص مقدار مقرر نہ تھی بلکہ ایک مسلمان کی اپنی ضرورتوں سے جو کچھ بچ رہتا وہ سب اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم تھا۔ سورۂ بقرہ میں فرمایا گیا ہے کہ: ﴿ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ۙ قُلِ الْعَفْوَ ﴾: (سورۃ البقرۃ آیت ۲۱۹) ترجمہ: اور لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کتنا مال خرچ کیا کریں؟ آپ فرما دیجئے کہ جو تمہاری ضروریات سے زائد ہو!

یہ آیت پاک آج بھی کلام اللہ میں موجود ہے منسوخ نہیں ہوئی پس اگر کسی جگہ مسلمان کسی وجہ سے ناگفتہ بہ حالت سے دوچار ہو جائیں تو مالدار مسلمان صرف فریضہ زکوٰۃ ادا کرنے پر اکتفا نہ کریں بلکہ اپنی ضرورت سے جس قدر بچ رہے وہ سب اپنے بھائیوں کی حالت سدھارنے پر خرچ کریں۔

زکات کا حکم شروع اسلام سے ہے اور اس کی تفصیلات سنہ ۲ ہجری میں نازل ہوئیں اور اس کی وصولیابی اور تقسیم کا نظام فتح مکہ کے بعد بنا:

ہجرت کے بعد زکوٰۃ کی مقدار اور نصاب کا تعین ہو گیا تھا لیکن اس کی وصول یابی کا نظام اب تک عمل میں نہیں آیا تھا بلکہ مسلمان خود اپنے طور پر زکوٰۃ وصدقات ادا کیا کرتے تھے، جس سے معلوم ہوا کہ اگر اسلامی حکومت نہ ہو یا اُس نے زکوٰۃ کی وصول یابی کا کوئی باقاعدہ نظام نہ بنایا ہو تو اس صورت میں بھی مالداروں پر لازم ہے کہ اپنے طور پر صحیح مصارف میں زکوٰۃ خرچ کریں۔

فتح مکہ کے بعد وصولیابی کا محکم نظام عمل میں آیا اور ہر قسم کے اموال کی زکوٰۃ حکومت وصول کر کے ان کے مواقع میں خرچ کرنے لگی اس سے معلوم ہوا کہ جب اسلامی حکومت قائم ہو جائے تو اس کے فرائض میں یہ بات داخل ہے کہ وہ زکوٰۃ کی وصولیابی کرے اور اس کی تقسیم کا صحیح نظام بنائے۔

توانا تندرست کو زکات کا خواہش مند نہیں رہنا چاہئے:

رسول اللہ ﷺ کے مبارک زمانہ میں تو منافق ہی خیراتوں کے خواہش مند رہتے تھے لیکن ہمارے زمانہ میں مسلمان

بھی زکوٰۃ وصدقات کے خواش مند رہتے ہیں۔ انھیں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد سن لینا چاہئے کہ ”مالداروں کے لئے اور توانا تندرست کے لئے زکوٰۃ حلال نہیں ہے“[1]

حجۃ الوداع کے موقعہ پر دو آدمی خدمت نبوی میں حاضر ہوئے آپ ﷺ اُس وقت صدقات تقسیم فرمار ہے تھے ان دونوں نے اس میں سے کچھ مانگا، آپ نے نظر اٹھا کر ان کو اوپر سے نیچے تک دیکھا، آپ ﷺ نے انھیں توانا تندرست پایا، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اگر تم چاہو تو میں تمھیں دوں مگر (یہ سمجھ لو کہ) ان اموال میں نہ مالداروں کا حصہ ہے نہ ایسے تندرست وتوانا لوگوں کا حصہ ہے جو اپنی معاش کمانے کے قابل ہیں[2]

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ جو آدمی توانا وتندرست ہے اور محنت کر کے روزی کما سکتا ہے اس کو زکوٰۃ لینے سے بچنا چاہئے، حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مفلس انصاری نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے کچھ مانگا، آپ نے اس سے پوچھا کہ: ”کیا تمہارے گھر میں کوئی چیز نہیں ہے؟“ اس نے عرض کیا کہ بس ایک کمبل ہے جس میں سے کچھ ہم اوڑھ لیتے ہیں اور کچھ بچھا لیتے ہیں اور ایک پیالہ ہے جس سے ہم پانی پیتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا کہ ”یہ دونوں چیزیں میرے پاس لے آؤ“ جب وہ دونوں چیزیں آ گئیں تو آپ نے ان دونوں کو نیلام کیا جو دو درہم میں فروخت ہوئیں۔ آپ نے وہ دو درہم ان انصاری صحابی کے حوالہ کئے اور فرمایا کہ ایک درہم کا کھانے پینے کا سامان خرید کر گھر ڈال آؤ اور دوسرے درہم سے ایک کلہاڑی خرید کر میرے پاس لے آؤ —— آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اس کلہاڑی میں لکڑی کا ایک دستہ خوب مضبوط لگا دیا اور فرمایا: ”جاؤ جنگل کی لکڑیاں لا کر بیچو اور پندرہ دن تک مجھے نظر نہ آنا“ (یعنی دو ہفتہ تک یہی کام کرتے رہو اور میرے پاس آنے کی کوشش نہ کرنا) —— وہ صاحب چلے گئے اور آپ ﷺ کی ہدایت کے مطابق جنگل کی لکڑیاں لا کر بیچتے رہے جب پندرہ دن کے بعد خدمت نبوی میں حاضر ہوئے تو انھوں نے اپنی محنت اور لکڑی کے کاروبار سے دس درہم کما لئے تھے جن میں سے کچھ کا انھوں نے کپڑا خریدا اور کچھ کا غلہ —— رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ ”اپنی محنت سے تمہارا یہ کمانا اس سے بہت بہتر ہے کہ کل قیامت کے دن لوگوں سے مانگنے کا داغ اپنے چہرے پر لے کر اٹھو“ (ابوداؤد)

افسوس! جس پیغمبر کی یہ ہدایت اور یہ طرز عمل تھا اُس کی امت میں آج پیشہ ور سائلوں اور گداگروں کا ایک بڑا طبقہ موجود ہے اور کچھ لوگ وہ بھی ہیں جو عالم یا پیر بن کر معزز قسم کی گداگری کرتے ہیں، یہ لوگ سوال اور گداگری کے علاوہ فریب دہی اور دین فروشی کے بھی مجرم ہیں۔

(۱) رواہ الترمذی وابوداود والدارمی عن عبد اللہ بن عمروٍ. (۲) رواہ ابو داود والنسائی عن عبید اللہ بن عدی بن الخیار.

رائج حیلۂ تملیک ایک ڈھونگ ہے:

اولاً: لوگوں میں جو حیلۂ تملیک رائج ہے وہ اولاً تو ایک ڈھونگ ہے۔ اس سے کوئی حلّت پیدا نہیں ہوتی۔ حیلہ میں بھی جب تک واقعی تملیک نہ ہو حیلہ ہی نہیں۔ اور مروّجہ حیلہ میں واقعی تملیک نہیں ہوتی۔

ثانیاً: حیلہ سے دیانات میں حلّتِ واقعی پیدا نہیں ہوتی، صرف دنیوی احکام میں حلت پیدا ہوتی ہے، پس آخرت کے احکام میں باز پرس بدستور باقی رہے گی۔

ثالثاً: غور کا مقام ہے کہ جس امر کا اللہ کے رسول کو اختیار نہیں ہے، اس کا اختیار قوم کے ذمہ داروں کو اور مدارس کے مہتمم صاحبان کو کہاں سے ہو گیا؟

غرض یہ حیلۂ مروّجہ اللہ کے مال کو خرد برد کرنا ہے اس سے احتراز ضروری ہے ورنہ حیلہ باز آخرت میں اس کا ذمہ دار ہوگا۔

وَمِنۡهُمُ الَّذِيۡنَ يُؤۡذُوۡنَ النَّبِىَّ وَيَقُوۡلُوۡنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلۡ اُذُنُ خَيۡرٍ لَّكُمۡ يُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤۡمِنُ لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَرَحۡمَةٌ لِّلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡكُمۡ ؕ وَالَّذِيۡنَ يُؤۡذُوۡنَ رَسُوۡلَ اللّٰهِ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ۝

وَمِنۡهُمُ	اور بعضے (منافق)	اُذُنُ[1]	(کہ) وہ (کان کا) کچا ہے	اٰمَنُوۡا	ایمان لائے ہیں
الَّذِيۡنَ	(ایسے ہیں) جو	خَيۡرٍ لَّكُمۡ	تمہارے بھلے کے لئے	مِنۡكُمۡ	تم میں سے
يُؤۡذُوۡنَ	ایذاء پہنچاتے ہیں	يُؤۡمِنُ	وہ یقین رکھتا ہے	وَالَّذِيۡنَ	اور جو لوگ
النَّبِىَّ	نبی (ﷺ) کو	بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ پر	يُؤۡذُوۡنَ	ایذاء پہنچاتے ہیں
وَيَقُوۡلُوۡنَ	اور کہتے ہیں	وَيُؤۡمِنُ	اور یقین رکھتا ہے	رَسُوۡلَ اللّٰهِ	رسول اللہ (ﷺ) کو
هُوَ	(کہ) وہ	لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ	مسلمانوں کی (بات) پر	لَهُمۡ	ان کے لئے
اُذُنٌ	کان (کا کچا) ہے	وَرَحۡمَةٌ[2]	اور (وہ) مہربانی (ہے)	عَذَابٌ	دردناک سزا (ہے)
قُلۡ	آپ جواب دیجئے	لِّلَّذِيۡنَ	ان لوگوں کے لئے جو	اَلِيۡمٌ	

(۱) من قبيل اضافة الموصوف الى الصفة للمبالغة، نحو: رجل صدق ويجوز ان تكون الاضافة على معنى" فى" (روح مخلصًا)(۲)عطف على أُذُنُ خَيۡرٍ اى: وهو رحمة للذين آمنوا منكم لا للمنافقين، المؤذين له عليه السلام .

بدگوئیاں کرنے والے منافقین

پچھلی آیات میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ ناعاقبت اندیش منافق صدقات کی تقسیم کے بارے میں نکتہ چینی کر کے رسول اللہ ﷺ کو کس طرح ایذائیں پہنچاتے تھے؟ اب ان کے ایک ایسے گروہ کا تذکرہ کیا جارہا ہے جو مختلف طرح کی بدگوئیاں کر کے آپ ﷺ کو اذیت پہنچاتا رہتا تھا۔ارشاد فرماتے ہیں —— اور بعضے منافقین (بدگوئیاں کر کے) نبی پاک (ﷺ) کو دکھ دیتے ہیں اور وہ (آپ ﷺ کی شان مبارک میں) کہتے ہیں کہ وہ کان کا کچا ہے —— ہر بات کان دے کر سن لیتا ہے، بھولا بھالا اور سادہ لوح ہے، اس لئے جھوٹ بول کر اسے دھوکہ دے دینا آسان ہے۔اگر ہماری بدگوئیاں اُسے پہنچ بھی گئیں تب بھی کوئی پرواہ نہیں ہم اس کے سامنے جھوٹی باتیں بنا کر صفائی کرلیں گے، کیونکہ اسے باتوں میں لے آنا کچھ مشکل نہیں۔

بات درحقیقت یہ تھی کہ آپ ﷺ حیاء اور کریم النفسی کی وجہ سے جھوٹے کو بھی منہ پر جھوٹا نہیں کہتے تھے۔ بلند اخلاق کی وجہ سے چشم پوشی فرماتے تھے جس کی وجہ سے یہ بے وقوف خیال کرتے تھے کہ آپ ﷺ نے معاملہ کی حقیقت سمجھی ہی نہیں۔

منافقوں کی بدگوئی کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ آپ ﷺ کانوں کے کچے ہیں ہر شخص کی بات سن لیتے ہیں جس کا جی چاہتا ہے آپ کے پاس پہنچ جاتا ہے جس طرح چاہتا ہے آپ کے کان بھرتا ہے اور آپ اس کی بات مان لیتے ہیں —— یہ بات انھوں نے اس لئے کہی تھی کہ سچے مسلمان منافقوں کی سازشوں، شرارتوں اور مخالفانہ گفتگوؤں سے نبی پاک ﷺ کو مطلع کر دیا کرتے تھے جس پر یہ منافق سیخ پا ہو کر کہتے تھے کہ آپ کانوں کے کچے ہیں، ہم جیسے شرفاء و معززین کے خلاف ہر بے حیثیت اور فقیر کی دی ہوئی خبروں پر یقین کر لیتے ہیں اللہ پاک فرماتے ہیں —— آپؐ جواب دیجئے کہ وہ تمہارے بھلے کے لئے کان کے کچے ہیں —— وہ امت کی بہتری اور دین کی مصلحت کی باتیں سن لیتے ہیں فساد اور شر کی باتیں نہیں سنتے بلکہ صرف انہی باتوں پر توجہ دیتے ہیں جن میں تمہارے لئے خیر اور بھلائی کا پہلو ہوتا ہے۔تمہاری جھوٹی باتوں پر آپ ﷺ کی خاموشی اس لئے نہیں ہوتی کہ انھیں واقعی تمہارا یقین آجاتا ہے اور تمہارے سچ جھوٹ کو وہ سمجھ نہیں سکتے بلکہ وہ اپنی خوش خلقی اور کریم النفسی کی وجہ سے تمہاری باتوں کو ٹال جاتے ہیں منہ پر تمہاری تردید نہیں کرتے —— نبی پاک ﷺ کا ایسا ہونا تمہارے حق میں بہتر ہے اگر وہ ہر ایک کی سن لینے والے اور ضبط و تحمل سے کام لینے والے اور درگزر کرنے والے نہ ہوتے تو پہلے تمہاری ہی خبر لے ڈالتے اور تمہارے لئے جینا اور مدینہ میں ٹھہرنا دشوار ہو جاتا، پس ان کی یہ صفت تو تمہارے حق میں اچھی ہے نہ کہ بری —— اور جو باتیں تمہارے خلاف اُن تک پہنچتی ہیں ان سب کو وہ صحیح نہیں

مان لیتے بلکہ ــــ وہ اللہ تعالیٰ (کی باتوں) پر یقین رکھتے ہیں ــــ جو وحی کے ذریعہ ان تک پہنچتی ہیں ــــ اور مسلمانوں (کی باتوں) پر یقین رکھتے ہیں ــــ تمہارا یہ خیال غلط ہے کہ وہ ہر ایک کی بات پر یقین کر لیتے ہیں۔ وہ سنتے سب کی ہیں مگر یقین صرف اللہ تعالیٰ کی باتوں پر اور سچے مسلمانوں کی دی ہوئی خبروں پر کرتے ہیں ــــ یہاں تک ان کی بدگوئی کا جواب تھا۔ آگے رسول اللہ ﷺ کو دکھ دینے کا وبال اور آپؐ پر سچا ایمان رکھنے کا فائدہ ذکر فرماتے ہیں ــــ اور وہ (سراپا) رحمت ہیں تم میں سے (سچے) ایمان والوں کے لئے ــــ ﴿ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴾ (ایمان لانے والوں کے لئے شفیق ورحیم ہیں) ــــ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے رسول (ﷺ) کو دکھ دیتے ہیں ان کے لئے دردناک سزا ہے ــــ پس چاہئے کہ وہ اس کے منتظر رہیں۔

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝٦٢ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ۝٦٣ يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ۝٦٤ وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ۭ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۝٦٥ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ۭ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَاۗىِٕفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَاۗىِٕفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ۝٦٦ ع

يَحْلِفُوْنَ	وہ قسمیں کھاتے ہیں	وَرَسُوْلُهٗٓ	اور اس کے رسول	اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا	کیا انہیں معلوم نہیں
بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کی	اَحَقُّ	زیادہ حق دار ہیں	اَنَّهٗ[2]	کہ
لَكُمْ	تمہارے سامنے	اَنْ يُّرْضُوْهُ[1]	کہ راضی کریں اس کو	مَنْ يُّحَادِدِ[3]	جو شخص مخالفت کرتا ہے
لِيُرْضُوْكُمْ	تاکہ تمہیں راضی کریں	اِنْ كَانُوْا	اگر ہیں وہ	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ کی
وَاللّٰهُ	حالانکہ اللہ تعالیٰ	مُؤْمِنِيْنَ	ایمان والے	وَرَسُوْلَهٗ	اور اس کے رسول (کی)

(۱) أنْ مصدرية أى: أحق بالارضاء (أبو السعود) (۲) أى: الشأن و"مَنْ" شرطية (۳) قال الليث: حاددته أى: خالفته، واشتقاقه من الحد ومعنى حاد فلان فلانا أى صار فى حدٍ غير حده (كبير)

فَاَنَّ (۱)	تو بے شک	فِیْ قُلُوْبِهِمْ	ان کے دلوں میں ہیں	وَاٰیٰتِهٖ	اور اسکی آیتوں (کیساتھ)
لَهٗ	اس کے لئے	قُلِ	آپ فرمادیں	وَرَسُوْلِهٖ	اور اسکے رسول (کیساتھ)
نَارَ جَهَنَّمَ	دوزخ کی آگ ہے	اسْتَهْزِءُوْا	(کہ) تم مذاق اڑاتے جاؤ	كُنْتُمْ	تھے تم
خَالِدًا	ہمیشہ رہنے والا ہے وہ	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	تَسْتَهْزِءُوْنَ	دل لگی کررہے
فِيْهَا	اس میں	مُخْرِجٌ	کھولنے والے ہیں	لَا تَعْتَذِرُوْا	بہانے نہ بناؤ
ذٰلِكَ	یہ	مَّا تَحْذَرُوْنَ	وہ بھید جن کے کھل جانے	قَدْ كَفَرْتُمْ	یقیناً تم نے کفر کیا ہے
الْخِزْیُ الْعَظِيْمُ	بہت بڑی رسوائی ہے		سے تم ڈر رہے ہو	بَعْدَ	بعد
يَحْذَرُ	ڈر رہے ہیں	وَلَئِنْ	اور اگر	اِيْمَانِكُمْ	ایمان کے
الْمُنٰفِقُوْنَ	منافق	سَاَلْتَهُمْ	آپ ان سے پوچھیں	اِنْ نَّعْفُ	اگر ہم درگذر کریں
اَنْ (۲)	(اس بات سے) کہ	لَيَقُوْلُنَّ	تو جھٹ سے کہہ دیں گے	عَنْ طَآئِفَةٍ	ایک گروہ سے
تُنَزَّلَ	نازل کردیا جائے	اِنَّمَا	اس کے سوا نہیں کہ	مِّنْكُمْ	تمہارے
عَلَيْهِمْ	مسلمانوں پر	كُنَّا نَخُوْضُ (۳)	مذاق کررہے تھے ہم	نُعَذِّبْ	(تو) سزادیں گے
سُوْرَةٌ	قرآن کا کوئی حصہ	وَنَلْعَبُ	اور دل لگی کررہے تھے	طَآئِفَةً	دوسرے گروہ کو
تُنَبِّئُهُمْ	(جو) اطلاع دے ان کو	قُلْ	آپ کہیں	بِاَنَّهُمْ كَانُوْا	اس وجہ سے کہ تھے وہ
بِمَا	ان باتوں کی جو	اَبِاللّٰهِ	کیا اللہ کے ساتھ	مُجْرِمِيْنَ	جرم پیشہ

منافقین نبی اور مسلمانوں کی بدگوئیاں کرتے پھر قسمیں کھا کر اپنی پوزیشن صاف کرتے

منافقین اپنی مجلسوں میں اسلام اور رسول اللہ ﷺ کی بدگوئیاں کرتے تھے سچے مسلمانوں پر آوازے کستے تھے دین کی باتوں کا مذاق اڑاتے تھے اور جب رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو ان کی باتوں کی اطلاع ہوجاتی تو وہ جھوٹی قسمیں کھا کر اپنی پوزیشن صاف کرنے کی کوشش کرتے ارشاد فرماتے ہیں —— منافقین تمہارے سامنے اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے ہیں تا کہ تمہیں راضی کریں حالانکہ اگر یہ لوگ ایمان والے ہوتے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) اس بات کے زیادہ حق دار تھے کہ انھیں راضی کرتے —— ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ جھوٹی قسموں سے راضی ہونے والے نہیں بلکہ

(۱) جواب الشرط على ان خبره محذوف اى، فحق ان له نار جهنم (روح) (۲) أى من ان تنزل (روح) (۳) اصل الخوض الدخول فى مائع مثل الماء والطين ثم كثر حتى صار اسما لكل دخول فيه تلويث واذاء (روح)

اس سے تو وہ اور زیادہ ناراض ہوتے ہیں انھیں راضی کرنے کی صورت صرف یہ ہے کہ یہ لوگ نفاق سے توبہ کریں، سچے مؤمن بنیں اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں، رسول اللہ ﷺ کی متابعت کریں اور خلوت وجلوت میں آپ کی شان مبارک میں گستاخیاں نہ کریں ـــــ اور جب وہ اللہ تعالیٰ کو راضی کر لیتے تو رسول اللہ ﷺ اور مسلمان خود بخود خوش ہو جاتے، ان کے لئے قسمیں کھا کر صفائی کرنے کی ضرورت باقی نہ رہتی ـــــ کیا انھیں معلوم نہیں ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کی مخالفت کرتا ہے اس کے حق میں طے ہو چکا ہے کہ اس کے لئے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا؟! ـــــ بارہا انھیں یہ بات بتلائی جا چکی ہے کیا اب تک ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی؟! ـــــ یہ (انجام) بہت بڑی رسوائی ہے ـــــ لہٰذا اس سے بچنے کی فکر کرو، سچا ایمان لاؤ، اور نفاق سے توبہ کرو۔

منافقین کی بدگوئیاں:

غزوۂ تبوک میں جاتے ہوئے راستہ میں منافقین نبی پاک ﷺ اور مسلمانوں کا مذاق اڑاتے تھے طرح طرح کی باتیں کر کے لوگوں کی ہمتیں پست کرتے تھے روایات میں ان لوگوں کے بہت سے بیہودہ اقوال نقل کئے گئے ہیں۔ مثلاً ایک جگہ چند منافق بیٹھے گپ لڑا رہے تھے۔ ایک نے کہا ''اجی کیا رومیوں کو بھی تم نے کچھ عربوں کی طرح سمجھ رکھا ہے؟ کل دیکھ لینا یہ سب سورما جو رومیوں سے لڑنے نکلے ہیں رسیوں میں بندھے ہوئے ہوں گے!'' دوسرا بولا: ''مزہ تو جب ہے جب اوپر سے سو سو کوڑے لگانے کا بھی حکم ہو جائے!'' (ابن کثیر) کوئی کہتا کہ: ''آپ کو دیکھئے، آپ روم وشام کے قلعے فتح کرنے چلے ہیں'' کوئی صحابہ کی شان میں کہتا کہ ''ہمارے قراء (صحابہ رضی اللہ عنہم) پیٹو، جھوٹے اور نامردے روم کی با قاعدہ فوجوں سے کیا جنگ کریں گے!'' ـــــ اس قسم کی باتیں کر کے وہ مسلمانوں کو رومیوں سے مرعوب اور ہیبت زدہ بنانے کی کوشش کرتے تھے اور جب نبی پاک ﷺ کو ان کی باتوں کی اطلاع ہو جاتی اور آپ انھیں بلا کر باز پرس کرتے تو کہنے لگتے کہ حضرت! ہم کہیں سچ مچ ایسا اعتقاد تھوڑے رکھتے ہیں؟ ہم تو محض خوش وقتی اور دل لگی کے طور پر اس قسم کی باتیں کر رہے تھے تا کہ سفر آسانی سے کٹ جائے! اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں ـــــ منافق اس بات سے ڈر رہے ہیں کہ کہیں مسلمانوں پر قرآن کا کوئی ایسا حصہ نازل نہ کر دیا جائے جو مسلمانوں کو ان کے مافی الضمیر کی اطلاع دیدے آپ (ان سے) فرما دیں کہ تم مذاق اڑائے جاؤ! اللہ تعالیٰ یقیناً وہ بھید کھول دینے والے ہیں جن کے کھل جانے سے تم ڈر رہے ہو

چنانچہ اس سورت میں ان کے تمام ناپاک ارادوں اور سازشوں کی قلعی کھول دی گئی اور اسی وجہ سے اس سورت کا نام فَاضِحَۃُ (رسوا کرنے والی) اور حَافِرَۃ (کریدنے والی) بھی ہے ـــــ اور اگر آپ ان سے باز پرس کریں تو وہ جھٹ سے کہہ دیں گے کہ ہم تو محض ہنسی مذاق اور دل لگی کر رہے تھے! آپ (ان سے) پوچھیں کہ کیا اللہ تعالیٰ اور اس کی آیتوں

اوراس کے رسول (ﷺ) کے ساتھ تم دل لگی کررہے تھے؟!ــــ یعنی دل لگی اور خوش وقتی کے لئے صرف یہی موضوع رہ گیا تھا؟ آپ ان سے فرمادیں کہ ــــ اب تم عذر (لنگ) نہ کرو یقیناً تم نے کفر (ظاہر) کیا ہے ایمان (ظاہر کرنے) کے بعد (اس لئے) اگر ہم تمہاری ایک جماعت سے درگزر بھی کرلیں تو ایک جماعت کو ضرور سزادیں گے اس وجہ سے کہ وہ مجرم تھے ــــ روایات میں آیا ہے کہ ان منافقوں میں سے بعض نے سچے دل سے توبہ کرلی، جن میں مخشی بن حمیر رضی اللہ عنہ کا بھی شمار ہوتا ہے جنھوں نے جنگ یمامہ میں جام شہادت نوش فرمایا ہے۔ اللہ پاک نے ایسے حضرات کو تو معاف فرمادیا لیکن جو لوگ اپنے نفاق پر اڑے رہے ان کو ضرور سزادیں گے ان آیتوں سے یہ واضح ہوا کہ دین کی کسی بات کے ساتھ دل لگی اور مذاق کرنا کفر ہے، چاہے مذاق میں جو کہا ہے اس کو سچ نہ سمجھتا ہو۔

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ؕ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ؕ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۶۸﴾ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْۤا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ؕ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۙ۬ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ؕ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۷۰﴾

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ	منافق مرد اور منافق عورتیں	بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ [1]	ان کے بعض بعض سے ہیں	يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ	حکم دیتے ہیں وہ برائی کا

(۱) "من" اتصالية، كما يقول الانسان: انت مني وانا منك اى: أمرنا واحد لامباينة فيه (روح وكبير)

وَ يَنْهَوْنَ	اور روکتے ہیں	حَسْبُهُمْ	کافی ہے ان کے لئے	بِخَلَاقِهِمْ(۳)	اپنے حصہ سے
عَنِ الْمَعْرُوْفِ	بھلائی سے	وَ لَعَنَهُمُ	اور ان پر پھٹکار ہے	فَاسْتَمْتَعْتُمْ	سو تم نے بھی فائدہ
وَيَقْبِضُوْنَ	اور سکیڑ لیتے ہیں	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ (کی)		حاصل کیا
اَيْدِيَهُمْ	اپنے ہاتھ	وَلَهُمْ	اور ان کے لئے	بِخَلَاقِكُمْ	اپنے حصہ سے
نَسُوا اللّٰهَ	بھول بیٹھے وہ اللہ کو	عَذَابٌ	سزا (ہے)	كَمَا(۴)	جیسا کہ
فَنَسِيَهُمْ	پس بھلادیا اللہ نے ان کو	مُّقِيْمٌ	برقرار رہنے والی	اسْتَمْتَعَ	فائدہ حاصل کیا
اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ	یقیناً یہ منافق	كَالَّذِيْنَ(۱)	(تمہارا انجام) ان	الَّذِيْنَ	ان لوگوں نے جو
هُمُ	ہی		لوگوں جیسا ہوگا جو	مِنْ قَبْلِكُمْ	تم سے پہلے (ہو چکے)
الْفٰسِقُوْنَ	حد اطاعت سے نکلنے	مِنْ قَبْلِكُمْ	تم سے پہلے (ہو چکے)	بِخَلَاقِهِمْ	اپنے حصہ سے
	والے ہیں	كَانُوْٓا	تھے وہ	وَ خُضْتُمْ	اور تم بری باتوں میں گھسے
وَعَدَ اللّٰهُ	وعدہ فرمایا ہے اللہ نے	اَشَدَّ	زیادہ	كَالَّذِيْ(۵)	جیسے وہ لوگ
الْمُنٰفِقِيْنَ	منافق مردوں	مِنْكُمْ	تم سے	خَاضُوْا	گھسے تھے
وَ الْمُنٰفِقٰتِ	اور منافق عورتوں	قُوَّةً	زور میں	اُولٰٓئِكَ	یہ لوگ
وَ الْكُفَّارَ	اور کفر کرنیوالوں (سے)	وَّ اَكْثَرَ	اور بڑھ کر	حَبِطَتْ	ضائع ہوئے
نَارَ جَهَنَّمَ	دوزخ کی آگ (کا)	اَمْوَالًا	دولت میں	اَعْمَالُهُمْ	ان کے اعمال
خٰلِدِيْنَ	ہمیشہ رہنے والے ہیں وہ	وَّ اَوْلَادًا	اور اولاد (میں)	فِي الدُّنْيَا	دنیا میں
فِيْهَا	اس میں	فَاسْتَمْتَعُوْا(۲)	پس فائدہ حاصل کیا	وَ الْاٰخِرَةِ	و آخرت (میں)
هِيَ	وہ (آتش دوزخ)		انھوں نے	وَ اُولٰٓئِكَ	اور یہ لوگ

(۱) الکاف فی مَحَلِّ رَفْعِ خَبَرٌ لِمُبْتَدأٍ محذوف ای : عاقبتکم مثل عاقبة الذین من قبلکم من الامم المهلکة (۲) وفی صیغة الاستفعال ما لیس فی التفعل من الاستزادة والاستدامة فی التمتع (روح)(۳) واشتقاق "الخلاق" من " الخلق " بمعنی التقدیر ، وهو: ما قدر لصاحبه (ابو السعود)(۴) محل الکاف النصب علی انه نعت لمصدر محذوف ای: استمتعم استمتاعا کاستمتاع الذین والتکریر هٰهنا للتاکید کمن أراد أن ینبه بعض الظلمة علی قبح ظلمه یقول له:" انت مثل فرعون، کان یقتل بغیر جرم ویعذب من غیر موجب وانت تفعل مثل ما فعله (کبیر ملخصاً)(۵)أی: کالذین باسقاط النون تخفیفا، أو: کالفوج الذی أو: کالخوض الذی(ابوالسعود)

ھُمُ	ہی	قَوْمِ نُوْحٍ (۱)	(یعنی) نوح کی قوم	بِالْبَيِّنٰتِ	کھلی نشانیاں لے کر
الْخٰسِرُوْنَ	خسارے میں رہنے	وَّ عَادٍ	اور عاد	فَمَا كَانَ	پس نہیں تھے
	والے (ہیں)	وَّ ثَمُوْدَ	اور ثمود	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
اَلَمْ	کیا نہیں	وَ قَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ	اور ابراہیم کی قوم	لِيَظْلِمَهُمْ	کہ ظلم کرتے ان پر
يَاْتِهِمْ	پہنچے انہیں	وَ اَصْحٰبِ مَدْيَنَ	اور مدین والے	وَلٰكِنْ	مگر
نَبَاُ	احوال	وَ الْمُؤْتَفِكٰتِ (۲)	اور الٹی ہوئی بستیوں والے	كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ	وہ آپ ہی اپنا
الَّذِيْنَ	ان لوگوں کے جو	اَتَتْهُمْ	پہنچے ان کے پاس	يَظْلِمُوْنَ	نقصان کرنے والے
مِنْ قَبْلِهِمْ	ان سے پہلے (ہو چکے)	رُسُلُهُمْ	ان کے رسول		ہیں

ربط: اکتالیسویں آیت سے تفصیل کے ساتھ منافقوں کے احوال بیان ہو رہے ہیں اور ہم بحمد اللہ ان کے خدوخال خوب اچھی طرح پہچان چکے ہیں۔ اب ان آیات شریفہ میں منافقوں کے بارے میں تین بہت ہی اہم باتیں بیان فرمائی جارہی ہیں۔

① —— منافق خواہ مرد ہوں یا عورتیں، کم عقل ہوں یا فرزانے، دولت مند ہوں یا معمولی حیثیت کے لوگ سب ہی ایک تھیلے کے چٹے بٹے ہیں۔ سب کی ایک چال اور ایک مزاج ہے کوئی نمایاں فرق ان میں نہیں ہے۔

② —— ان آیتوں میں منافقانہ اعمال کی نشان دہی بھی فرمائی جارہی ہے اور پوری جامعیت کے ساتھ ان کی ایک فہرست دی جارہی ہے اس لئے یہ آیتیں پچھلی پچیس آیتوں کا خلاصہ اور نچوڑ ہیں۔

③ —— اور سب سے اہم بات یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ منافقوں کا دنیا و آخرت میں انجام کیا ہونے والا ہے۔

۱- منافقانہ اعمال:

ارشاد فرماتے ہیں —— منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک ہی طرح کے ہیں —— سب کا ایک ہی رنگ ڈھنگ، مزاج اور خیال ہے اگرچہ ان میں کوئی بڑا ہے کوئی چھوٹا مگر ہیں سبھی شیطان! —— وہ برائی کا حکم دیتے ہیں اور بھلائی سے روکتے ہیں —— یعنی انہیں برائیوں سے دلچسپی اور بھلائیوں سے عداوت ہے ان کی مدح سرائیاں، ہمدردیاں

(۱) بدل من الموصول (روح البیان) (۲) المؤتفكات جمع مؤتفكة، ومعنى الاستكاف في اللغة: الانقلاب (كبير) عطف على مدين.

اور نصرتیں برائیاں کرنے والوں کے ساتھ ہیں خود بھی دل وجان سے برے کاموں میں منہمک رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس میں حصہ لینے کی ترغیب دیتے رہتے ہیں۔ برائیوں کے پروان چڑھنے ہی سے ان کے دلوں کو راحت اور آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچتی ہے —— اور بھلے کاموں کے تصور سے بھی ان کا دل دکھتا ہے اگر کسی کو بھلائی کی طرف بڑھتے دیکھتے ہیں تو بے چین ہوجاتے ہیں اور اس کو باز رکھنے کے لئے ہر ممکن تدبیر اختیار کرتے ہیں —— اور اپنی مٹھیاں بند رکھتے ہیں —— نیک کاموں میں خرچ کرنے کے لئے ان کا ہاتھ کبھی نہیں کھلتا ان کی دولت یا تو تجوریوں میں بند رہتی ہے یا پھر نفس پروری کی نذر ہوتی رہتی ہے —— وہ اللہ تعالیٰ کو بھول بیٹھے ہیں —— یعنی انھوں نے اللہ پاک کے حقوق بھلا دیئے ہیں اسکی یاد سے غفلت اور بے پروائی برتتے ہیں، اور ایمان لانے سے گریز کرتے ہیں —— تو اللہ تعالیٰ نے (بھی) انہیں فراموش کر دیا —— دنیا میں اور آخرت میں اپنی خاص رحمتوں سے انہیں بے بہرہ کر دیا —— اللہ پاک اپنی بخششوں اور عنایتوں سے انہی بندوں کو یاد فرماتے ہیں جو ایمان اور فرمانبرداری سے انہیں یاد رکھتے ہیں [1] —— بلاشبہ یہ منافق بڑے ہی سرکش ہیں —— اطاعت خداوندی سے منہ موڑنے والے ہیں، عبودیت کے فرائض اور ذمہ داریوں سے باغی ہیں اور اسلام کے حق میں کافروں سے بھی زیادہ ضرر رساں ہیں۔

۲-منافقوں کا اخروی انجام:

اب اُن کا اخروی انجام دیکھئے —— منافق مردوں منافق عورتوں اور کافروں سے اللہ تعالیٰ نے آتش دوزخ کا وعدہ فرمایا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے وہی ان کے لئے کافی ہے —— وہ کوئی معمولی آگ نہیں، وہ تپتی ہوئی، کلیجہ کھینچ لینے والی آگ ہے [2] جو دلوں تک کی خبر لے لے گی [3] —— اور (مزید) اُن پر اللہ تعالیٰ کی پھٹکار ہے —— اللہ تعالیٰ کی یہ ناراضگی ان کے لئے آتش دوزخ سے بھی بڑی سزا ہے، جیسا کہ مؤمنین کے لئے بطور فضل مزید کے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہوگی جو جنت سے بڑی نعمت ہے —— اور ان کے لئے (اور بھی) برقرار رہنے والی سزا ہوگی —— چنانچہ پینے کے لئے کھولتے چشمے کا پانی پیش کیا جائے گا، کھانے کے لئے جھاڑ کانٹوں سے خاطر تواضع کی جائے گی [4] یا پھر زقوم سے ان کی تواضع کی جائے گی جو پیٹ میں پہنچ کر دیگچی کے پانی کی طرح کھولے گا [5] اور یہ سزائیں کبھی ہلکی نہ کی جائیں گی [6] نہ وہ ان سزاؤں سے مر ہی جائیں گے اور نہ جئیں گے [7] —— جس طرح مومنوں کے لئے بہشت میں ستھرے مکانات اور طرح طرح کی نعمتیں ہوں گی۔

(۱) سورۃ البقرۃ آیت ۱۵۲۔ (۲) المعارج ۱۵ و۱۶۔ (۳) الھمزہ ۷۔ (۴) الغاشیہ ۵،۶۔ (۵) الدخان ۴۳-۴۶ (۶) الزخرف ۵-۷۔ (۷) الاعلیٰ ۱۳۔

۳-منافقوں کا دنیوی انجام:

منافقوں کا اخروی انجام معلوم کرنے کے بعد اب اُن کا دنیاوی انجام بھی سنئے اور سوچئے کہ کس قدر بھیانک ہے ان کا یہ انجام! —— اب تک تو منافقوں کا غائبانہ ذکر ہو رہا تھا لیکن اب ان سے براہ راست خطاب فرمایا جا رہا ہے تا کہ وہ اپنے بھیانک انجام سے باخبر ہو کر اصلاح حال کی فکر کریں ارشاد فرماتے ہیں —— تم لوگوں کا انجام وہی ہوگا جو تمہارے پیش رؤوں کا ہو چکا ہے وہ تم سے زیادہ زور آور تھے اور تم سے بڑھ کر مال واولا د والے تھے—— تم نہ تو جسمانی طاقتوں میں ان کے برابر ہو، نہ مال و دولت اور اولاد میں ان کے ہم پلہ ہو —— پھر انھوں نے اپنے حصہ سے خوب فائدہ اٹھایا —— عیش کا جس قدر حصہ دنیا میں ان کے نصیب میں تھا اس سے انھوں نے خوب فائدہ حاصل کر لیا—— اب تم بھی اپنے حصہ سے خوب مزے لوٹ چکے ہو جیسا کہ تمہارے پیش رو اپنے حصہ سے خوب مزے لوٹ گئے اور تم بھی ویسی ہی حجت بازیوں میں مشغول ہو جیسی حجت بازیوں میں تمہارے پیش رو مشغول تھے (تمہارے) انہی پیش رؤوں کا سب کیا دھرا دنیا و آخرت میں ضائع ہو گیا اور وہی لوگ خسارے میں رہنے والے ہوئے —— تمہارا بھی یہی انجام ہونے والا ہے۔تم بھی اپنے پیش رؤوں کی طرح صفحہ کائنات سے حرف غلط کی طرح مٹا دیئے جاؤ گے اور تمہاری داستان تک کوئی جاننے والا نہ ہوگا۔تمہاری دولتیں، تمہارے جتھے تمہیں اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچا نہیں سکتے۔

۴-منافقین کے دنیوی انجام کی نظیریں:

اب پھر حسب سابق ان سے غائبانہ گفتگو شروع ہوتی ہے —— کیا ان لوگوں کو اپنے پیش رو نوح کی قوم اور عاد اور ثمود اور ابراہیم کی قوم اور مدین والوں اور الٹی ہوئی بستیوں (والوں) کے احوال نہیں پہنچے؟! ان کے پاس ان کے رسول کھلی کھلی نشانیاں لے کر پہنچے پھر اللہ تعالیٰ ان پر کچھ ظلم کرنے والے نہیں تھے بلکہ وہ آپ ہی اپنا نقصان کرنے والے تھے! —— یعنی وہ تباہ و برباد اس لئے نہیں ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کو انکے ساتھ کچھ دشمنی تھی بلکہ انھوں نے خود ہی وہ طرز زندگی اختیار کیا جو بالآخر انھیں بربادی کے گہرے غار میں لے پہنچا —— اللہ تعالیٰ نے تو ان کو سنبھلنے کا پورا موقعہ دیا، ان کے پاس اپنے رسول بھیجے، ان کے ساتھ کھلی کھلی نشانیاں بھیجیں، اور انہیں نہایت وضاحت سے بتا دیا گیا کہ فلاح وکامیابی کا راستہ کونسا ہے اور ہلاکت و بربادی کا کونسا—— پھر جب انھوں نے اپنی حالت کی اصلاح نہ کی بلکہ ہلاکت کی راہ چلنے ہی پر اصرار کیا تو ان کا انجام وہی ہوا جو ہونا تھا اور یہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ انھوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا۔

مذکورہ اقوام کا انجام کیا ہوا؟

① —— حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قوم کو ساڑھے نوسو سال تک سمجھایا لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔

بالآخروہ پانی کے طوفان کی نذر ہوگئی۔

② ــــ حضرت ہود علیہ السلام کی طویل محنت کا جب کوئی پھل ظاہر نہ ہوا تو تیز آندھی ''عاد'' کو لے اڑی۔

③ ــــ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ''ثمود'' کا بھی ''زور کی آواز'' نے کام تمام کر دیا۔

④ ــــ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم کو سمجھاتے سمجھاتے عاجز آ گئے لیکن وہ اپنی روش بدلنے پر کسی طرح آمادہ نہ ہوئے، بالآخر ان کا بھی وہی انجام ہوا جو ان کے بھائی بندوں کا ہوا۔

⑤ ــــ حضرت شعیب علیہ السلام نے مدین والوں پر محنت کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی پھر بھی وہ اپنی کج روی سے باز نہیں آئے تو زلزلہ نے ان کو نابود کر دیا۔

⑥ ــــ حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم پر عرصہ دراز تک محنت کی لیکن جب انھیں ہوش نہیں آیا تو جس طرح وہ ناپاک اور گندی حرکت کے لئے مردوں کو الٹا کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تمام بستیوں کو الٹ دیا۔

اب تم بھی اپنا انجام سوچ لو، تمہارے پاس بھی اللہ تعالیٰ کے سب سے بڑے رسول، نہایت ہی محکم اور واضح نشانی قرآن پاک لے کر پہنچ چکے ہیں تمہیں اس کے ذریعہ فلاح و کامیابی کا راستہ سمجھایا جا چکا ہے اور غلط روی کے برے نتائج سے آگاہ کیا جا چکا ہے اب بھی اگر تم نے اپنی روش نہ بدلی تو تمہارا بھی وہی حشر ہوگا جو تمہارے پیش رؤوں کا ہو چکا ہے۔

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

ع ۱۵

وَالْمُؤْمِنُوْنَ	اور ایمان دار مرد	اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ	بعض کے رفیق ہیں	وَيَنْهَوْنَ	اور روکتے ہیں
وَالْمُؤْمِنٰتُ	اور ایمان دار عورتیں	يَاْمُرُوْنَ	حکم دیتے ہیں وہ	عَنِ الْمُنْكَرِ	برائی سے
بَعْضُهُمْ	ان کے بعض	بِالْمَعْرُوْفِ	بھلائی کا	وَيُقِيْمُوْنَ	اور پابندی کرتے ہیں

آیت	ترجمہ	آیت	ترجمہ	آیت	ترجمہ
الصَّلٰوةَ	نماز کی	عَزِيْزٌ	زبردست	فِيْهَا	اس میں
وَ يُؤْتُوْنَ	اور ادا کرتے ہیں	حَكِيْمٌ	حکمت والے (ہیں)	وَمَسٰكِنَ [۲]	اور نفیس مکانوں کا
الزَّكٰوةَ	زکات	وَعَدَ اللّٰهُ	وعدہ فرمایا ہے اللہ نے	طَيِّبَةً	(بھی وعدہ فرمایا ہے)
وَ يُطِيْعُوْنَ	اور فرمانبرداری کرتے ہیں	الْمُؤْمِنِيْنَ	ایماندار مردوں	فِيْ جَنّٰتِ	ہیشگی کے باغوں میں
اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ کی	وَالْمُؤْمِنٰتِ	اور ایمان دار عورتوں سے	عَدْنٍ [۳]	
وَ رَسُوْلَهٗ	اور اس کے رسول کی	جَنّٰتٍ	(ایسے) باغات (کا)	وَرِضْوَانٌ	اور اللہ تعالیٰ کی
اُولٰٓئِكَ	یہ لوگ	تَجْرِيْ	(کہ) بہتی ہیں	مِّنَ اللّٰهِ	خوشنودی
سَيَرْحَمُهُمُ [۱]	مہربانی فرمائیں گے ان پر	مِنْ تَحْتِهَا	ان کے نیچے	اَكْبَرُ	سب سے بڑی نعمت ہے
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	الْاَنْهٰرُ	نہریں	ذٰلِكَ هُوَ	یہ ہی
اِنَّ اللّٰهَ	بلاشبہ اللہ تعالیٰ	خٰلِدِيْنَ	ہمیشہ رہیں گے وہ	الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ	بڑی کامیابی ہے

منافقین کے احوال کے بالمقابل مؤمنین کے احوال

قرآنِ کریم کا ایک خاص اسلوب ہے: وہ ایک فریق کے بعد دوسرے فریق کا تذکرہ کرتا ہے، کفار ومنافقین کے بعد مؤمنین کا، اور اس کے برعکس، تقابل سے ایک دوسرے کو پہچانا جاتا ہے، بضدها تتبين الأشياء: ضد سے ضد پہچانی جاتی ہے۔

علاوہ ازیں: جن لوگوں کو ایمان کی دولت حاصل ہے وہ یہاں پہنچ کر ضرور یہ جاننے کے خواہش مند ہوں گے کہ ایمان والے اعمال کیا ہیں؟ اور دنیا وآخرت میں مومنوں کا انجام کیا ہوگا؟ لیجئے اللہ پاک نے ہماری آرزو پوری فرمائی ارشاد فرماتے ہیں —— اور ایماندار مرد اور ایماندار عورتیں سب ایک دوسرے کے مددگار ہیں —— باہمی یگانگت، محبت اور لطف وکرم میں ان کی مثال ایک جسم کی سی ہے کہ اگر کسی ایک عضو میں کوئی تکلیف ہو جاتی ہے تو سارا ہی جسم بے خوابی اور بخار میں اس کا شریک رہتا ہے وہ ''دیوار'' کی مثال ہیں، باہم دیگر مل کر ہی قوت حاصل کرتے ہیں —— یہاں غور کرنے

(۱) "السين" تفيد المبالغة في انجاز الوعد بالرحمة كما يؤكد الوعيدُ به اذا قلتَ، سأنتقم منك يوما يعنى انك لا تفوتني وان تباطأ ذلك (غرائب للقمّي)(۲) عطف على " جنّٰتٍ"(۳) لاريب ان اصله صفة من قولك. عَدَنَ بالمكان اذا أقام به ومنه المعدن للمكان الذى يخلق فيه الجواهر وعلى هذا فالجنات كلها جنات عدن (غرائب)

کی خاص بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے لئے ﴿ بَعۡضُهُم مِّنۢ بَعۡضٍ ﴾ (سب ایک طرح کے ہیں) فرمایا اور مؤمنوں کے لئے ﴿ بَعۡضُهُمۡ أَوۡلِيَآءُ بَعۡضٍ ﴾ (سب ایک دوسرے کے مددگار ہیں) فرمایا کیونکہ منافقوں کے باہمی روابط، طبیعتوں کی افتاد، مزاجوں کی یکسانیت: خاندانی اشتراک اور نفسانی اغراض کا نتیجہ ہوتے ہیں لیکن مؤمنوں کو باہم جوڑنے والی چیزیں یہ نہیں ہیں بلکہ دینی رشتہ ہے چاہے ان کی طبیعتیں مختلف ہوں، خاندان الگ ہوں، ان میں وطنی امتیازات ہوں لیکن دین کا رشتہ ان کو ایک لڑی میں منسلک کر دیتا ہے۔

ایمان والے اعمال:

ارشاد فرماتے ہیں:—— وہ بھلائی کا حکم کرتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں—— برائیاں چھڑا کر لوگوں کو نیکیوں پر آمادہ کرتے ہیں—— اور نماز کی پابندی کرتے ہیں—— پانچ وقت روزانہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اسے بھول نہیں بیٹھتے —— اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں —— منافقوں کی طرح ان کی مٹھیاں بند نہیں رہتیں بلکہ نیکی کے کاموں میں خرچ کرنے کے لئے ان کے دونوں ہاتھ ہمیشہ کھلے رہتے ہیں—— اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرتے ہیں—— تمام معاملات میں اللہ ورسول ہی کے احکام پر چلتے ہیں اور کبھی حدود اطاعت سے قدم باہر نہیں نکالتے۔

غور فرمایئے ایمان کے دعوے دار منافق بھی تھے لیکن چونکہ ان کے دل سچے ایمان سے خالی تھے اس لئے ان کی زندگیوں کے رنگ ڈھنگ، ان کے اخلاق، ان کے فکر وعمل کا انداز ایسا تھا جو ان کے دعوئے ایمان کی تکذیب کرتا تھا—— اور سچے مؤمنوں میں چونکہ ایمان اپنی اصل حقیقت کے ساتھ موجود ہے اس لئے ان کے اخلاق، مزاج، رنگ طبیعت اور طرز فکر وعمل منافقوں سے بالکل مختلف ہیں، وہ نیکیوں سے دلچسپی رکھتے ہیں برائیوں سے نفرت کرتے ہیں، خدا کی یاد کو حرز جان بنائے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرنے کے لئے ان کے دونوں ہاتھ کھلے رہتے ہیں اور وہ خدا اور رسول کی فرمانبرداری کو سرمایۂ حیات جانتے ہیں۔

مؤمنین کا دنیوی انجام:

ارشاد پاک ہے:—— ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ ضرور مہربانی فرمائیں گے—— قدم قدم پر ان کی تائید ونصرت فرمائیں گے اور کامیابیوں سے ہمکنار فرمائیں گے—— بلاشبہ اللہ تعالیٰ زبردست (ہیں) —— اپنے محبوب بندوں کو غالب کرنے پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں —— حکمت والے ہیں —— اس لئے حسب مصلحت مناسب وقت پر غلبہ دیتے ہیں۔

مؤمنین کا اخروی انجام:

ارشاد پاک ہے:—— اللہ تعالیٰ نے ایمان دار مردوں اور ایماندار عورتوں سے ایسے باغات کا وعدہ فرمایا ہے جن کے

نیچے نہریں بہتی ہیں —— جس کی وجہ سے ان کی سرسبزی اور شادابی کبھی ختم نہ ہوگی وہ سدا بہار رہوں گے —— جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے —— نہ ان کو وہاں سے کوئی نکالے گا اور نہ وہ خود وہاں سے کہیں اور جانا چاہیں گے —— اور یہ ان کے لئے بڑی کامیابی ہے۔ ﴿فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ﴾ (سورۂ آلِ عمران آیت ۱۸۵) جو شخص دوزخ سے بچالیا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا سو وہ پورا کامیاب ہو گیا۔

اور (مزید) ہمیشگی کے باغوں میں نفیس مکانوں کا —— اور طرح طرح کی نعمتوں کا بھی وعدہ فرمایا ہے جس کا تذکرہ تفصیل سے احادیث میں آیا ہے —— منافقوں اور کافروں سے ﴿عَذَابٌ مُّقِيْمٌ﴾ کا وعدہ کیا تھا اس کے مقابل مؤمنوں سے نفیس مکانوں اور ان گنت نعمتوں کا وعدہ فرمایا ہے —— اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی (سب نعمتوں سے) بڑی نعمت ہے —— جنت بھی اُسی کے لئے مطلوب ہے کیونکہ جنت رضائے خداوندی کا مقام ہے۔ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جنتیوں کو پکاریں گے۔ جنتی لبیک کہیں گے۔ اللہ تعالیٰ دریافت فرمائیں گے کہ ”اب تم خوش ہو گئے؟“ جنتی جواب دیں گے کہ پروردگار! ہم کیوں نہ خوش ہوتے آپ نے ہم پر ہر طرح کی نعمتوں کی بارشیں فرمادی ہیں؟! —— اللہ پاک فرمائیں گے ”کیا ان سے بڑھ کر نعمت لینا چاہتے ہو؟“ جنتی سوال کریں گے اے پروردگار! ان سے بڑھ کر کیا نعمت ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے وہ میری خوشنودی ہے اب میں اپنی دائمی رضا تم پر اتارتا ہوں جس کے بعد کبھی تم سے ناخوش نہ ہوں گا —— یہی بڑی کامیابی ہے —— اور دنیاداروں کی نگاہوں میں کامیابی کے جو تصورات ہیں وہ دھوکہ ہیں سچے مؤمن کی نظر میں دنیا کے عیش وآرام کی آخرت کے مقابلہ میں کوئی وقعت نہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ ”اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی وقعت مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی نہ دیتے!“

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۷۳﴾ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۷۴﴾

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ	اے نبی!	كَلِمَةَ الْكُفْرِ	کافرانہ بات!	يَّتُوْبُوْا	توبہ کرلیں وہ
جَاهِدِ	پوری قوت سے مقابلہ کیجئے	وَكَفَرُوْا	اور انھوں نے کفر کیا ہے	يَكُ خَيْرًا	(تو) بہتر ہوگا
الْكُفَّارَ	کفار	بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ	اسلام کے بعد	لَّهُمْ	ان کے لئے
وَالْمُنٰفِقِيْنَ	اور منافقین (کا)	وَهَمُّوْا	اور انھوں نے ارادہ کیا	وَاِنْ	اور اگر
وَاغْلُظْ[1]	اور سختی کیجئے	بِمَا	اس بات کا جو	يَّتَوَلَّوْا	روگردانی کریں وہ
عَلَيْهِمْ	ان پر	لَمْ يَنَالُوْا	ان کے ہاتھ نہ لگی	يُعَذِّبْهُمُ	(تو) سزا دے گا ان کو
وَمَاْوٰىهُمْ	اور ان کا ٹھکانہ	وَمَا	اور نہیں	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
جَهَنَّمُ	جہنم (ہے)	نَقَمُوْٓا[2]	بدلہ دیا انھوں نے	عَذَابًا اَلِيْمًا	دردناک سزا
وَبِئْسَ	اور (وہ) بری	اِلَّآ	مگر صرف	فِي الدُّنْيَا	دنیا میں
الْمَصِيْرُ	لوٹنے کی جگہ (ہے)	اَنْ	اس بات کا	وَالْاٰخِرَةِ	اور آخرت (میں)
يَحْلِفُوْنَ	وہ لوگ قسمیں کھاتے ہیں	اَغْنٰىهُمُ	(کہ) ان کو مالدار کردیا	وَمَا لَهُمْ	اور نہیں (ہے) ان کیلئے
بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ (کی)	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ نے	فِي الْاَرْضِ	زمین میں
مَا قَالُوْا	(کہ) انہوں نے نہیں کہا	وَرَسُوْلُهٗ	اور اس کے رسول نے	مِنْ وَّلِيٍّ	کوئی یار
وَلَقَدْ	حالانکہ یقیناً	مِنْ فَضْلِهٖ	اپنے فضل سے	وَّلَا	اور نہ
قَالُوْا	انھوں نے کہی ہے	فَاِنْ	سواگر	نَصِيْرٍ	کوئی مددگار!

دنیا میں منافقوں کی تباہی اور بربادی مسلمانوں کے ہاتھوں مقدر ہے

آپ نے جان لیا ہے کہ ایمان والے اعمال کیا ہیں؟ اور مؤمنوں کا انجام دنیا وآخرت میں کیا ہوگا؟ لیکن یہ ایک ضمنی بات تھی، اوپر سے کافروں اور منافقوں کا دنیاوی اور اخروی انجام بیان ہو رہا ہے۔ اب یہ تذکرہ ہے کہ دنیا میں ان کی تباہی اور بربادی مسلمانوں کے ہاتھوں مقدر ہے اس لئے اللہ پاک مسلمانوں کو حکم دیتے ہیں کہ ـــــ اے نبی! کافروں اور منافقوں کا پوری قوت سے مقابلہ کیجئے اور اُن پر سختی کیجئے ـــــ جہاد کے معنی ہیں ''بد دینی کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا[3]'' اور ''دین کے فروغ کے لئے تمام وسائل اور قوتیں خرچ کر دینا'' لیکن اس کی کوئی خاص صورت متعین نہیں ہے وقت کا جو بھی

(۱) غَلَظَ علیہ سختی کرنا (مصباح) **(۲) نقم** (ض،س) **من فلانٍ**: سزا دینا (مصباح) **(۳) الجهاد : بذل الجهد فی دفع مالا یرضی** (روح ج۱۰ ص۱۳۷)

تقاضہ ہواس کے مطابق جان توڑ کر جدوجہد کرنے ہی کا نام ''جہاد'' ہے [1] اس لئے کافروں اور منافقوں کے ساتھ جہاد کی صورتیں بھی مختلف ہونگی۔

کافروں اور منافقوں کے ساتھ جہاد کی صورتیں:

کافروں کے ساتھ جہاد کی صورت یہ ہے کہ پہلے ان کے سامنے تقریر وتحریر، وعظ ونصیحت اور حکمت ودانش مندی سے دین پیش کیا جائے، اور انھیں سچا دین قبول کرنے کی ترغیب دی جائے اگر وہ مخالفت پر کمر بستہ ہوجائیں تو حتی الامکان برداشت سے کام لیا جائے اور ان کی مخالفت کا جواب دینے کے لئے حالات سازگار نہ ہوں تو مکی زندگی کو معیار بنا کر برابر برداشت ہی سے کام لیا جائے اور انکی طرف سے پہنچنے والی ہر اذیت برداشت کی جائے پھر جب حالات سازگار ہوجائیں تب ان کی مخالفت کا جواب دیا جائے کیونکہ انھیں سچا دین قبول کرنے پر تو مجبور نہیں کیا جائے گا لیکن انھیں اس کا بھی موقع نہیں دیا جائے گا کہ وہ رحمت کا جام اللہ کے پیاسے بندوں تک نہ پہنچنے دیں اور باران رحمت کو زرخیز زمین پر نہ برسنے دیں اس لئے پوری قوت سے ان کی مخالفت کا جواب دینا ضروری ہے اور ان کے ساتھ کسی قسم کا نرم برتاؤ کرنے کی گنجائش نہیں۔

نفاق کی دو قسمیں اور ان کے احکام:

اور نفاق کی دو قسمیں ہیں: اعتقادی نفاق اور عملی نفاق —— اعتقادی نفاق یہ ہے کہ وہ نام نہاد مسلمان ہو، صرف زبان سے اسلام کا کلمہ پڑھتا ہو اور اپنے آپ کو اسلامی برادری کا رکن بتلاتا ہو لیکن حقیقت میں وہ پکا کافر ہو، اسے ایمان کی ہوا تک نہ لگی ہو، صرف اسلام کو نقصان پہنچانے کے لئے یا دنیاوی اغراض کی خاطر اس نے اسلام کا لبادہ اوڑھ لیا ہو —— ایسے منافقوں کا معاملہ اگرچہ کافروں سے مختلف نہیں ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ ان کی پہچان مشکل ہے۔ ایمان کا تعلق دل سے ہے اور کسی کے دل میں گھسا نہیں جاسکتا۔

رسول اللہ ﷺ کو اس قسم کے منافقوں کی اطلاع کردی گئی تھی جو اس وقت کے حالات کے لئے نہایت ضروری تھی کیونکہ اسلام کا ابتدائی دور تھا اس لئے ان کی سازشوں اور شرارتوں سے پوری طرح باخبر رہنا ضروری تھا لیکن آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو عام طور پر ان کے ناموں کی اطلاع نہیں دی، صرف حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی۔

بعض صحابہ نے آنحضرت ﷺ کو مشورہ بھی دیا کہ ان لوگوں کو تہ تیغ کردیا جائے لیکن آپ ﷺ نے یہ فرما کر ان

(۱) **الصحیح ان الجهاد عبارة عن بذل الجهد وليس فی اللفظ مایدل علی أن ذلک الجهاد بالسیف او باللسان او بطریق آخر** (کبیر ج۴ ص۴۷۴)

کی بات قبول نہیں کی کہ اس سے لوگوں کو غلط پروپیگنڈہ کرنے کا موقع ملے گا وہ کہیں گے کہ محمد (ﷺ) جب دشمنوں سے نمٹ گئے تو اپنے صحابہ پر ہاتھ صاف کرنے لگے ــــ اگر چہ حقیقت میں وہ صحابہ نہیں تھے۔ بدترین کافر اور جانی دشمن تھے لیکن دنیا چونکہ ان کو صحابہ کا نام دیتی تھی اس لئے وہ اس غلط پروپیگنڈے سے ضرور متاثر ہوگی ــــ علاوہ ازیں ثعلبہ نامی منافق کا ذکر ابھی آرہا ہے اس کے دائمی نفاق پر قرآن کریم نے مہر تصدیق ثبت فرمادی تھی پھر بھی نہ تو رسول اللہ ﷺ نے اس کو قتل کیا نہ خلفائے راشدین نے ــــ بہر حال ہمارے لئے چونکہ اس قسم کے منافقوں کو جاننے کی کوئی صورت نہیں ہے اس لئے یہ قسم بحث سے خارج ہے۔

اور عملی نفاق یہ ہے کہ آدمی مسلمان تو واقعۃً ہو لیکن اس کا ایمان پختہ نہ ہو خواہشات نفسانی اور لذائذ دنیاوی کا اس پر اس قدر غلبہ ہو کہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ اور دین کی محبت کے لئے کوئی جگہ باقی نہ رہی ہو، مال کا لالچ، حسد، کینہ وغیرہ اخلاق رذیلہ کا اس کے دل پر قبضہ ہو جس کی وجہ سے عبادتوں کی طرف اسے رغبت ہی نہ ہوتی ہو نہ عبادتوں میں اسے کوئی حلاوت محسوس ہوتی ہو دنیا میں اس قدر انہماک ہو کہ آخرت کی فکر اور تیاری سے بے پرواہ ہو، شیطانی اثرات یا غلط تعلیم کے نتیجہ میں شکوک وشبہات کا شکار ہو، رسوم ورواج کا دلدادہ ہو دین کا صحیح علم حاصل نہ ہونے کی وجہ سے غلط خیالات اور غیر شرعی اعمال کا مرتکب ہو، یا پھر کسی کافر کی دوستی اسے لے ڈوبی ہو ــــ یہ سب عملی نفاق کی صورتیں ہیں۔

نفاق کی یہ قسم پہلی قسم کی بہ نسبت زیادہ پائی جاتی ہے اور ہمارے لئے اس قسم کے منافقوں کو پہچاننا بھی آسان ہے۔ قرآن کریم اور احادیث میں تفصیل کے ساتھ اس قسم کے نفاق کی علامات بیان کی گئی ہیں۔ ایک حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ ''جس شخص میں چار باتیں پائی جائیں وہ پکا منافق ہے اور جس میں کوئی ایک پائی جائے اس میں نفاق کا ایک حصہ ہے جب تک وہ اسے چھوڑ نہ دے (نفاق سے پاک نہیں ہوسکتا) (۱) جب اسے کوئی امانت سونپی جائے تو خیانت کرے (۲) بات کرے تو جھوٹ بولے (۳) عہد وپیمان کرے تو بے وفائی کرے (۴) اور کسی سے جھگڑے تو گالی گلوج پر اتر آئے'' ــــ اور ابھی پچھلی آیات میں بھی منافقانہ اعمال کی ایک جامع فہرست سامنے آچکی ہے اس قسم کے منافق کو ''فاسق'' بھی کہا جاتا ہے۔

اس قسم کے منافقوں کا معاملہ کافروں سے جداگانہ ہے ان کے ساتھ جہاد کا وہ نہج اختیار نہیں کیا جاسکتا جو کافروں کے ساتھ اختیار کیا جاتا ہے ــــ ان لوگوں کے ساتھ جہاد کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ان کی تعلیم وتربیت کا انتظام کیا جائے، انھیں دینی ماحول میں لاکر دین سے آشنا کیا جائے۔ وعظ ونصیحت اور پندوموعظت سے ان کا دل نرم کیا جائے اور ان کو سچا

پکا مسلمان بنانے کے لئے ہر طرح کی جدوجہد کی جائے اور ایمان ویقین حاصل کرنے کے لئے انھیں مواقع فراہم کئے جائیں —— لیکن ہمیشہ ان کی منافقانہ روش سے چشم پوشی بھی نہ کی جائے اگر ان کے طرزِ عمل سے یہ ثابت ہو جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے احکام کی فرمانبرداری کے لئے تیار نہیں ہیں اور مسلمانوں کے سچے اور مخلص رفیق نہیں ہیں تو ان کو سوسائٹی میں عزت واعتبار کا کوئی مقام نہ دیا جائے۔ معاشرت میں ان سے قطع تعلق کیا جائے، جماعتی مشوروں سے ان کو الگ رکھا جائے، عدالتوں میں ان کی شہادت غیر معتبر قرار دی جائے۔ عہدوں اور منصبوں کا دروازہ ان کے لئے بند رکھا جائے، محفلوں میں ان کو کوئی منہ نہ لگائے۔ ہر مسلمان ان سے ایسا برتاؤ کرے جس سے ان کو خود معلوم ہو جائے کہ مسلمانوں کی پوری آبادی میں کہیں بھی ان کا کوئی وقار نہیں اور کسی دل میں ان کے لئے احترام نہیں اگر ان میں سے کوئی شخص کسی صریح گناہ کا مرتکب ہو تو اس کے جرم پر پردہ نہ ڈالا جائے، نہ اسے معاف کیا جائے بلکہ اسے قرار واقعی سزا دی جائے —— ایسا کئے بغیر اسلامی سوسائٹی کو تنزل سے نہیں بچایا جاسکتا کیونکہ نفاق کا حال طاعون جیسا ہے، اگر اسلامی سوسائٹی میں منافقوں کو عزت واحترام کا مرتبہ دیا جائے گا تو ہزاروں آدمی منافقت پر دلیر ہو جائیں گے اور یہ خیال عام ہو جائے گا کہ اس سوسائٹی میں عزت پانے کے لئے اخلاص، خیر خواہی اور صداقت ایمانی کچھ ضروری نہیں بلکہ جھوٹے ایمانی دعوے کے ساتھ، بے عملی بلکہ بدعملی کے ساتھ بھی یہاں آدمی پھل پھول سکتا ہے اور اس طرح اسلامی سوسائٹی کی فلک بوس عمارت زمین بوس ہو کر رہ جائے گی۔ حدیث شریف میں اس حقیقت کو اس طرح واضح کیا گیا ہے کہ: ”جس شخص نے کسی بدعتی (گمراہ شخص) کی تعظیم وتوقیر کی تو وہ دراصل اسلام کی عمارت ڈھانے میں مددگار ہوا“

بہرحال اس قسم کے منافقوں کو راہ راست پر لانے کی پوری کوشش ضروری ہے اور بعض مخصوص حالات میں قتال بھی ضروری ہے فقہاء کرام کی ایک جماعت اسلامی حکومت پر تارک نماز کا قتل ضروری قرار دیتی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک قتل تو جائز نہیں لیکن سخت برتاؤ ان کے نزدیک بھی ضروری ہے اس طرح کہ اس کو مقید رکھا جائے —— اور اگر کوئی جماعت اجتماعی طور پر عملی نفاق کا شکار ہو جائے تو پھر ان سے جنگ بھی ناگزیر ہے۔ فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر شعائر اسلام میں سے کسی بات کے ترک پر کوئی جماعت اتفاق اور اصرار کرے تو ان سے جنگ کرنا ضروری ہے۔ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے دور میں جب کچھ لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تو صحابہؓ نے ان سے باقاعدہ جنگ کی ہے۔

کافروں اور منافقوں کے ساتھ جداگانہ طریقۂ جہاد کا اشارہ اس آیت میں بھی ہے چنانچہ کافروں کا ذکر پہلے کیا گیا ہے اور منافقوں کا ان کے بعد اور عربی زبان کا قاعدہ ہے کہ کسی چیز کو پہلے بیان کرنا اس کی اہمیت کو واضح کرتا ہے سورۂ تحریم میں بھی یہ آیت ہے اور وہاں بھی یہی انداز بیان ہے —— لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ کافروں کی طرح منافقوں کے ساتھ اس

قسم کا سخت برتاؤ کرنے کی مجاز صرف اسلامی حکومت ہے۔ یہ آیت شریفہ سنہ ۹ ہجری میں غزوۂ تبوک کے موقعہ پر نازل ہوئی ہے جبکہ اسلامی حکومت قائم ہو چکی تھی اور اسے قوت بھی حاصل ہو چکی تھی —— جہاں مضبوط اسلامی حکومت موجود نہ ہو وہاں تبلیغ و نصیحت ہی سے ان کو دین پر جمانے کی محنت کی جائے۔

یہ تو کافروں اور منافقوں کا دنیاوی انجام تھا —— اور (آخرت میں) ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور (جانتے ہو کہ وہ کیسی جگہ ہے؟) وہ بہت بری جائے قرار ہے!

اعتقادی منافقوں کے ساتھ کافروں جیسا برتاؤ کرنے کی وجہ:

اور اعتقادی منافقوں کے ساتھ کافروں جیسا برتاؤ کرنے کا حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ انکی حرکتیں کافرانہ ہیں، ارادے ناپاک ہیں اور انھوں نے خود ہی اپنے کفر کو طشت از بام کر دیا ہے چنانچہ —— وہ قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ انھوں نے فلاں بات نہیں کہی ہے حالانکہ انھوں نے ضرور وہ کافرانہ بات کہی ہے اور انھوں نے (اس قسم کی کافرانہ باتوں کے ذریعہ) کفر (ظاہر) کیا ہے اسلام (ظاہر کرنے) کے بعد —— روایات میں ایسی متعدد کافرانہ باتوں کا ذکر آیا ہے جو اُس زمانہ میں منافقوں نے کہی تھیں مثلاً تبوک کے سفر میں ایک جگہ نبی پاک ﷺ کی اونٹنی گم ہو گئی، چرتی چرتی کہیں سے کہیں نکل گئی، مسلمان اس کو تلاش کر رہے تھے اس پر منافقوں نے اپنی مجلس میں خوب مذاق اڑایا اور آپس میں کہا کہ یہ حضرت آسمان کی خبریں تو خوب سناتے ہیں مگر ان کو اپنی اونٹنی کی کچھ خبر نہیں کہ وہ اس وقت کہاں ہے! —— آپ ﷺ کو وحی سے اونٹنی کی اور ان کی کافرانہ باتوں کی اطلاع ہو گئی آپ نے ارشاد فرمایا کہ ایک شخص میرے بارے میں یہ یہ کہہ رہا ہے حالانکہ قسم بخدا! مجھے صرف وہی باتیں معلوم ہوتی ہیں جو اللہ تعالیٰ مجھے بتلاتے ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ نے مجھے اونٹنی کا پتہ نشان بتا دیا ہے۔ وہ فلاں میدان کی فلاں گھاٹی میں ہے وہاں اس کی لگام ایک درخت سے اٹک گئی ہے جس کی وجہ سے وہ وہیں کھڑی ہے (زاد المعاد ذکر غزوۂ تبوک) —— تبوک میں آپ ﷺ کا قیام دو مہینے رہا ہے اور منافقوں کے بیشتر احوال وہیں نازل ہوئے ہیں جلاس[1] نامی ایک منافق نے یہ آیات سن کر اپنے عزیزوں میں سے ایک مسلمان کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے کہا تھا کہ "اگر واقعی وہ سب کچھ برحق ہے جو یہ شخص (یعنی نبی پاک ﷺ) پیش کرتا ہے تو ہم سب گدھوں سے بھی بدتر ہیں!" —— ایک غزوہ میں ایک انصاری اور ایک مہاجری کا معمولی سا جھگڑا ہوا منافقوں نے اسے خوب ہوا دی اور منافقوں کے سرغنہ عبداللہ بن ابی نے حضور پاک ﷺ اور مہاجروں کے بارے میں یہ ناپاک بات کہی کہ: "کتا پالا، اس نے فربہ ہو کر پالنے والے ہی کو کاٹ کھایا!" —— اور جب ان کافرانہ باتوں کی آپ ﷺ کو

(۱) روایات میں ہے کہ جلاس رضی اللہ عنہ نے نفاق سے توبہ کر لی تھی اور ان کے حالات درست ہو گئے تھے (مظہری)

اطلاع ہو جاتی اور آپ ﷺ ان سے باز پرس کرتے تو وہ قسمیں کھا جاتے اور انکار کر دیتے ــــ اور انھوں نے وہ بات کرنے کا ارادہ کیا جسے وہ کر نہ سکے ــــ چونکہ منافقوں کو یقین تھا کہ نبی پاک ﷺ اور صحابہ رومیوں کے مقابلہ سے بخیریت واپس نہ آسکیں گے اس لئے انھوں نے آپس میں طے کر لیا تھا کہ جونہی اُدھر کوئی حادثہ پیش آئے اِدھر مدینہ میں عبد اللہ بن ابی کے سر پر شاہی تاج رکھ دیا جائے ــــ لیکن جب ان کی امیدوں کے خلاف آپ ﷺ اور صحابہ فاتحانہ مدینہ کو واپس لوٹے تو انھوں نے نبی پاک ﷺ کو ختم کرنے کے لئے سازش کی ــــ واپسی پر لشکر ایک ایسے مقام پر پہنچا جہاں پہاڑوں کے درمیان تنگ راستہ تھا۔ چند منافقوں نے آپس میں طے کیا کہ گھاٹی سے گذرتے وقت نبی پاک ﷺ کو کھڈ میں پھینک دیا جائے حضور پاک ﷺ کو اس کی اطلاع ہوگئی آپؐ نے تمام لشکر کو حکم دیا کہ وادی کا راستہ خالی کر دیں اور آپؐ صرف حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کو لے کر گھاٹی کے اندر داخل ہوئے منافق بھی پلان کے مطابق ڈھاٹا باندھ کر پیچھے پیچھے چلے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ جلدی سے ان کی طرف لپکے تاکہ مار مار کر ان کے اونٹوں کا منہ پھیر دیں لیکن وہ خود ہی ڈر کر اور اس خوف سے کہ کہیں ہم پہچان نہ لئے جائیں فوراً بھاگ کھڑے ہوئے اور آپ ﷺ بخیریت گھاٹی سے نکل آئے ــــ اور (نبی پاک ﷺ پر) ان کا یہ سارا غصہ صرف اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول (ﷺ) نے ان کو اپنے فضل سے غنی کر دیا ہے ــــ ہجرت سے پہلے مدینہ شریف ایک معمولی قصبہ تھا یہاں کے لوگ مال وجاہ کے اعتبار سے کوئی اونچا مقام نہیں رکھتے تھے مگر اسلام اور حضور پاک ﷺ کی تشریف آوری کے بعد یہی متوسط درجہ کا قصبہ جزیرۃ العرب کا دار السلطنت بن گیا، یہاں کے کاشتکار سلطنت کے اعیان واکابر بن گئے اور ہر طرف سے فتوحات، غنائم اور تجارت کی برکات بارش کی طرح برسنے لگیں اور منافقوں پر خصوصی انعام کیا گیا تاکہ وہ سنبھل جائیں ان کو مال و دولت کی فراوانی کی دعائیں دیں ان کے قرضے تک رسول اللہ ﷺ نے ادا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ اس پر انھیں شرم دلا رہے ہیں کہ ہمارے نبی پر ان کا یہ غصہ کیا اسی قصور کی پاداش میں ہے کہ ان کی بدولت یہ نعمتیں انھیں بخشی گئیں؟! ــــ لیکن اصلاح حال کا وقت ابھی باقی ہے پس ــــ اب (بھی) اگر یہ لوگ توبہ کر لیں تو ان کے حق میں بہتر ہوگا اور اگر وہ نہ مانیں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں دنیا و آخرت میں دردناک سزا دیں گے اور ان کا زمین میں نہ کوئی یار ہوگا اور نہ کوئی مددگار!!

وَ مِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَىِٕنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَ تَوَلَّوْا وَّ هُمْ

مُّعۡرِضُوۡنَ ﴿۷۶﴾ فَاَعۡقَبَهُمۡ نِفَاقًا فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ اِلٰى يَوۡمِ يَلۡقَوۡنَهٗ بِمَاۤ اَخۡلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوۡهُ وَبِمَا كَانُوۡا يَكۡذِبُوۡنَ ﴿۷۷﴾ اَلَمۡ يَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ سِرَّهُمۡ وَنَجۡوٰٮهُمۡ وَ اَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الۡغُيُوۡبِ ﴿۷۸﴾

وَ مِنۡهُمۡ	اور کچھ منافق	بَخِلُوۡا بِهٖ	تو اس میں بخل کرنے لگے	وَعَدُوۡهُ	وعدہ کیا تھا انھوں نے
مَّنۡ	(وہ ہیں) جنھوں نے	وَ تَوَلَّوۡا	اور روگردانی کی انھوں نے		اس سے
عٰهَدَ اللّٰهَ	عہد کیا اللہ تعالیٰ سے	وَّ هُمۡ	درانحالیکہ وہ	وَبِمَا	اور اس سبب سے (کہ)
لَـئِنۡ	(کہ) البتہ اگر	مُّعۡرِضُوۡنَ	ٹلانے والے ہیں	كَانُوۡا يَكۡذِبُوۡنَ	وہ جھوٹ بولتے تھے
اٰتٰىنَا	نوازیں وہ ہمیں	فَاَعۡقَبَهُمۡ (۲)	پس اثر چھوڑا (اللہ نے)	اَلَمۡ	کیا نہیں
مِنۡ فَضۡلِهٖ	اپنے فضل سے	نِفَاقًا	نفاق کو	يَعۡلَمُوۡۤا	جانتے وہ لوگ
لَنَصَّدَّقَنَّ (۱)	تو ہم ضرور خیرات کریں گے	فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ (۳)	ان کے دلوں میں	اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ تعالیٰ
وَلَنَكُوۡنَنَّ	اور ضرور ہوں گے ہم	اِلٰى يَوۡمِ (۴)	اس دن تک	يَعۡلَمُ	جانتے ہیں
مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ	نیک کام کرنے والوں	يَلۡقَوۡنَهٗ	کہ ملاقات کریں وہ اللہ سے	سِرَّهُمۡ	ان کے راز
	میں سے	بِمَاۤ	اس سبب سے (کہ)	وَنَجۡوٰٮهُمۡ	اور ان کی سرگوشیاں
فَلَمَّاۤ	پھر جب	اَخۡلَفُوا	خلاف ورزی کی انھوں نے	وَ اَنَّ اللّٰهَ	اور یہ کہ اللہ تعالیٰ
اٰتٰىهُمۡ	نوازدیا ان کو (اللہ نے)	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ (سے)	عَلَّامُ	غیب کی باتوں سے
مِّنۡ فَضۡلِهٖ	اپنے فضل سے	مَا	اس کی جو	الۡغُيُوۡبِ	پوری طرح باخبر ہیں؟

وہ منافق جو دعائے نبوی سے مالدار ہوئے مگر انھوں نے کفرانِ نعمت کیا

پچھلی آیتوں میں یہ بات بیان ہوئی ہے کہ منافقوں کو اللہ تعالیٰ نے اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے فضل وکرم سے

(۱) اصله: لَنَتَصَدَّقَنَّ، ادغمت التاء فی الصاد لقربها منها (کبیر) (۲) اَعۡقَبۡتُ فلانا ندامةً: اذا صَيَّرۡ ت عاقبةَ امره ذلک ويقال: اکل فلان اَكۡلَةً اَعۡقَبَتۡهُ سَقَمًا و اَعۡقَبَهُ اللّٰه خيرا وحاصل الکلام فيه انه اذا حصل شيئ عقيب شيئ آخر يقال: اَعۡقَبَهُ اللّٰه (کبیر) والضمير المستتر فی "اَعۡقَبَ" لله تعالیٰ وکذا الضمير المنصوب فی "يَلۡقَوۡنَهٗ" (روح) (۳) أی: راسخا فی قلوبهم (ابوالسعود) (۴) المراد بذلک اليوم: وقت الموت (روح)

مالدار کر دیا تھا لیکن وہ لوگ نہ صرف یہ کہ کفران نعمت پر تلے رہے بلکہ منعم کُشی کی ناکام کوششیں بھی کرتے رہے۔ اب مثال کے طور پر ایک ایسے گروہ کو پیش کیا جا رہا ہے جو نبی پاک ﷺ سے خصوصی دعائیں لے کر مالدار بن گیا تھا، انھیں چاہئے تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے ممنون احسان ہوتے، اللہ پاک کا شکر بجالاتے، لیکن نتیجہ امید کے خلاف نکلا وہ لوگ برابر کفران نعمت کرتے رہے، اس لئے ان کا نفاق بھی دلوں میں جڑ پکڑتا گیا اور موت تک اس نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا۔

ارشاد فرماتے ہیں —— اور کچھ منافقوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ ”اگر اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل سے نوازیں گے تو ہم ضرور خیرات کریں گے“—— تمام حقوق ادا کریں گے، رشتہ داروں اور غریبوں کو نوازیں گے—— اور صالح بن کر زندگی بسر کریں گے —— اللہ تعالیٰ کی عطا فرمائی ہوئی دولت سے نیک کام کریں گے اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں اُسے خوب لٹائیں گے —— پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے نواز دیا تو وہ اس میں بخل کرنے لگے —— اور خیرات کرنے سے جان چرانے لگے —— اور (مال کے حقوق ادا کرنے سے) اعراض کیا—— اور اپنے نفاق پر پردہ ڈالتے ہوئے صاف انکار کرنے کے بجائے امروز و فردا کا وعدہ کیا —— حالانکہ وہ ٹلانے والے ہیں —— دینا چاہتے ہی نہیں —— نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں نفاق بٹھا دیا (جو) اس کے حضور میں اُن کی پیشی کے دن تک (برقرار رہے گا) اس وجہ سے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے عہد کے خلاف کیا اور اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے—— یعنی ان کی بد عملی اور وعدہ خلافی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں نفاق کو جما دیا، اب انھیں توبہ کی توفیق نصیب نہ ہوگی۔

ایک منافق کی عبرت ناک داستان:

ثَعْلَبہ بن حاطب انصاری نے نبی پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر درخواست کی کہ آپ میرے حق میں دولت مند ہونے کی دعا فرما دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ ”ثعلبہ! تھوڑی چیز جس پر تو خدا تعالیٰ کا شکر بجالائے اس بہت چیز سے بہتر ہے، جس کے تو حقوق ادا نہ کر سکے“—— اس نے مکرر درخواست کی۔ آپ ﷺ نے پھر اسے سمجھایا کہ اے ثعلبہ! کیا تجھے پسند نہیں کہ میرے نقش قدم پر چلے؟ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر میں چاہتا تو مدینہ کے پہاڑ سونا بن کر میرے ساتھ پھرا کرتے!

لیکن اس کا اصرار برابر بڑھتا رہا اور اس نے وعدہ کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے دولت دیں گے تو میں پوری طرح اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کروں گا —— نبی پاک ﷺ نے اس کے لئے مال کی فراوانی کی دعا فرما دی جس کا اثر اس طرح ظاہر ہوا کہ اس کی بکریوں میں بے پناہ اضافہ ہونا شروع ہوا۔ مدینہ کی جگہ اس کی بکریوں کے لئے تنگ ہوگئی وہ بکریوں کے

چارے کی خاطر مدینہ سے باہر جنگل میں جابسا۔ وہاں سے روزانہ ظہر وعصر مدینہ میں آ کر پڑھ لیتا تھا باقی نمازیں غائب پھر جب بکریوں میں اور اضافہ ہوا تو وہاں بھی ان کے لئے چارہ نہ رہا۔ وہ ان کو لے کر مدینہ سے دور چلا گیا جہاں سے صرف جمعہ کو مدینہ میں حاضری دیتا پھر جب اسکے مال میں بہت زیادہ فراوانی ہوئی تو وہ جگہ بھی اس کیلئے ناکافی ثابت ہوئی اور وہ وہاں سے بھی بہت دور چلا گیا اور جمعہ کی حاضری سے بھی محروم ہو گیا!

جب زکوٰۃ وصول کرنے کا باقاعدہ نظام بن گیا تو نبی پاک ﷺ نے محصل (زکوٰۃ وصول کرنے والے) روانہ فرمائے جن کے پاس "قانون صدقات" کی تحریر بھی تھی اور انھیں خاص طور پر ثعلبہ کے پاس جانے کی ہدایت فرمائی —— ثعلبہ تحریر دیکھ کر کہنے لگا کہ "زکوٰۃ تو جزیہ کے قبیل سے معلوم ہوتی ہے!" اور محصل سے کہا کہ آپ صدقات وصول کر کے واپسی میں مجھ سے ملئے —— جب محصل دوبارہ اس کے پاس پہنچا تو اس نے تحریر دوبارہ دیکھی اور اب بھی وہی کہا جو پہلے کہہ چکا تھا کہ "یہ زکوٰۃ تو جزیہ کے قبیل سے معلوم ہوتی ہے!" اور محصل سے کہا کہ فی الحال تو آپ جایئے میں غور کروں گا پھر کوئی فیصلہ کروں گا —— جب محصل واپس مدینہ پہنچا تو آنحضور ﷺ نے اُس سے ثعلبہ کے حالات پوچھنے سے پہلے ہی تین بار فرمایا: وَيْحَ ثَعْلَبَةَ (ثعلبہ پر افسوس!) —— اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائی ہیں —— ثعلبہ کے بعض رشتہ داروں نے اسے اطلاع کی کہ تیرے متعلق یہ آیتیں نازل ہوئی ہیں۔ وہ بدنامی کے خوف سے بادل ناخواستہ زکوٰۃ لے کر خدمت نبوی میں حاضر ہوا، لیکن نبی پاک ﷺ نے یہ فرماتے ہوئے اس کی زکوٰۃ رد کر دی کہ "مجھے اللہ تعالیٰ نے تیری زکوٰۃ قبول کرنے سے منع فرما دیا ہے!" —— یہ سن کر وہ بہت کچھ چیخ و پکار اور واویلا کرنے لگا اور اپنے سر پر خاک ڈالنے لگا لیکن نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ "یہ تمہارے اعمال کا پھل ہے میں نے تمہیں حکم دیا تھا مگر تم نے اطاعت نہ کی اب تمہارا صدقہ قبول نہیں ہوسکتا" —— ثعلبہ ناکام واپس ہوا۔ نبی پاک ﷺ کے بعد خلفائے راشدین نے بھی اس کی زکوٰۃ قبول نہیں کی اور سب نے اسے یہی جواب دیا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے تیری زکوٰۃ قبول نہیں فرمائی تو ہم کیسے قبول کر سکتے ہیں!

یہاں خیال پیدا ہوسکتا ہے کہ جب ثعلبہ تائب ہو کر اور زکوٰۃ لے کر حاضر ہو گیا، تو کیوں قبول نہ کی گئی؟ آئندہ آیت میں اس کا جواب ہے کہ اس نے سچی توبہ نہیں کی تھی، دل میں نفاق بدستور موجود تھا لیکن چونکہ وہ مصلحت شناس تھا اس لئے مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لئے مگرمچھ کے آنسو رو رہا تھا، اس کے نفاق میں ذرہ برابر فرق نہیں آیا تھا —— کیونکہ ہمیں اللہ پاک نے بتلا دیا ہے کہ نفاق نے موت تک اس کا پیچھا نہیں چھوڑا اور —— کیا وہ لوگ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ان کے راز اور سرگوشیاں جانتے ہیں؟ اور یہ بات کہ اللہ تعالیٰ غیب کی تمام باتوں سے پوری طرح باخبر ہیں؟ —— یقیناً اللہ تعالیٰ

سب کچھ جانتے ہیں! پھر ان کی بتلائی ہوئی بات غلط کیسے ہوسکتی ہے؟

یہاں دو باتیں اچھی طرح سمجھ لینی چاہئیں:

① —— جب کوئی شخص اچھی یا بری خصلت اختیار کر لیتا ہے اور پابندی سے اسے کرتا رہتا ہے تو وہ جڑ پکڑ لیتی ہے —— اس لئے ہر شخص کو چاہئے کہ نیکی کے کام پابندی سے کرتا رہے اور برائی سے چاہے وہ معمولی ہی کیوں نہ ہو جلد از جلد پیچھا چھڑائے اور توبہ کرے، ایک لمحہ کے لئے بھی اس سے غفلت اور بے پروائی نہ برتے۔ ممکن ہے کہ وہ جڑ پکڑ لے اور پھر توبہ کی توفیق نصیب نہ ہو!

② —— آج بھی بہت سے لوگ جن کی کاروباری حالت کچھ زیادہ اچھی نہیں ہوتی دل میں یا زبانی اللہ تعالیٰ سے عہد و پیمان کرتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ انہیں دولت سے نوازیں گے تو وہ خوب خیرات کریں گے پھر جب اللہ تعالیٰ ان بندوں کے ساتھ خصوصی مہربانی کا معاملہ فرماتے ہیں اور وہ دولت مند ہو جاتے ہیں تو سب کچھ بھول جاتے ہیں اور اللہ کے راستے میں خرچ کرنے سے ان کی جان نکلنے لگتی ہے —— ان لوگوں کو ثعلبہ کی حالت اور اس کے انجام سے سبق لینا چاہئے۔

اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ۭ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ۧ

ع ۱۶

اَلَّذِيْنَ (۱)	جو لوگ	مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ	مؤمنوں میں سے	لَا يَجِدُوْنَ	نہیں پاتے
يَلْمِزُوْنَ (۲)	عیب لگاتے ہیں	فِي الصَّدَقٰتِ (۴)	مالی قربانیوں میں	اِلَّا	مگر
الْمُطَّوِّعِيْنَ (۳)	تبرع کرنے والوں پر	وَالَّذِيْنَ	اور جو لوگ	جُهْدَهُمْ (۵)	اپنی مشقت (کی کمائی)

(۱)مرفوع على انه خبر مبتدأ محذوف أى: هم الذين (روح) (۲) المشهور انه مطلق العيب كالهمز (روح) (۳)المطوعون: المتطوعون والتطوع: التنفل، وهو: الطاعة لله تعالى بما ليس بواجب وسبب ادغام التاء فى الطاء قرب المخرج (كبير) (۴) متعلق بيلمزون (روح) (۵) الجهد بالضم: الطاقة (روح) قال الليث: الجهد شيئ قليل يعيش به المقل (كبير) جُهْدُ الْمُقِلِّ (فقیر کی استطاعت بھر)

فَيَسْخَرُوْنَ	پس مذاق اڑاتے ہیں وہ	لَا تَسْتَغْفِرْ	بخشش کی دعا نہ کریں	لَهُمْ	ان کو
مِنْهُمْ	ان کا	لَهُمْ	ان کے لئے	ذٰلِكَ	یہ
سَخِرَ اللّٰهُ	مذاق اڑاتے ہیں اللہ	اِنْ	اگر	بِاَنَّهُمْ	اس وجہ سے کہ انھوں نے
مِنْهُمْ	ان کا	تَسْتَغْفِرْ	آپ بخشش کی دعا کریں	كَفَرُوْا	انکار کیا
وَلَهُمْ	اور ان کے لئے	لَهُمْ	ان کے لئے	بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کا
عَذَابٌ اَلِيْمٌ	دردناک سزا (ہے)	سَبْعِيْنَ	ستر	وَرَسُوْلِهٖ	اور رسول کا
اِسْتَغْفِرْ	آپ بخشش کی دعا کریں	مَرَّةً	بار	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
لَهُمْ	ان کے لئے	فَلَنْ يَّغْفِرَ	تو بھی ہرگز نہ بخشے گا	لَا يَهْدِي	ہدایت نہیں دیتے
اَوْ	یا	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	الْقَوْمَ	نافرمان لوگوں کو

منافقین: مؤمنین کی خوردہ گیری کرتے تھے

منافقین نہ صرف یہ کہ اللہ پاک سے عہد و پیمان کر کے مکر جاتے ہیں اور وعدوں کے مطابق خرچ نہیں کرتے بلکہ —— یہی منافقین تبرع کرنے والے مؤمنوں کی مالی قربانیوں پر باتیں (بھی) چھانٹتے ہیں —— ایک مرتبہ نبی پاک ﷺ نے مسلمانوں کو صدقہ کرنے کی ترغیب دی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ایک بڑی رقم حاضر کی۔ حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ نے کھجوروں کی بہت بڑی مقدار صدقہ کی اس پر یہ منافق کہنے لگے کہ یہ دونوں دکھلاوے اور نام ونمود کے لئے اتنا دے رہے ہیں! —— غزوۂ تبوک کے موقعہ پر نبی پاک ﷺ نے چندے کی اپیل کی تو یہ منافق خود تو ہاتھ روکے بیٹھے رہے لیکن جب حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما بڑھ بڑھ کر چندے دینے لگے تو ان لوگوں نے ان پر باتیں چھانٹنی شروع کیں ان پر ریاکاری کا الزام لگانے لگے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہاں چوکنے والے تھے، انھوں نے جواب دیا کہ "ہاں اللہ پاک کو اور رسول اللہ ﷺ کو تو ہم دکھلانا چاہتے ہیں لیکن کسی اور کو نہیں!" (روح) —— اور ان لوگوں کا مذاق اڑاتے ہیں جن کے پاس راہ خدا میں دینے کے لئے اس کے سوا کچھ نہیں جو وہ اپنے اوپر مشقت برداشت کر کے دے رہے ہیں —— ایک غریب صحابی حضرت ابوعقیل حَبحاب رضی اللہ عنہ رات بھر محنت مزدوری کر کے ایک صاع (تین کلو دو سو چھیاسٹھ گرام) کھجوریں حاصل کر کے لائے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے بال بچوں کا پیٹ کاٹ کر ایک معمولی رقم لائے تو یہ منافق ان کا مذاق اڑانے لگے کہ لو، یہ ٹڈی کی ٹانگ بھی آ گئی، جس سے روم وفارس کے قلعے فتح کئے جائیں گے! —— غرض تھوڑا دینے والا اور بہت خرچ کرنے والا کوئی ان کی زبان سے نہیں بچتا۔

کسی پر طعن کرتے ہیں تو کسی کا ٹھٹھا اڑاتے ہیں حق تعالیٰ فرماتے ہیں —— اللہ تعالیٰ ان مذاق اڑانے والوں کا مذاق اڑاتے ہیں —— اکتالیسویں آیت سے یہاں تک اور آگے جو کچھ بیان ہو رہا ہے یہ سب ان کا مذاق نہیں ہے تو کیا ہے؟—— اور (اتنے پر بس کہاں) ان کے لئے (تو) دردناک سزا (تیار) ہے—— اور اگر ان میں سے کسی کو خیال پیدا ہو کہ چونکہ ہم رسول اللہ ﷺ سے بخشش کی دعائیں بھی لیا کرتے ہیں اس لئے جس طرح نبی پاک ﷺ کی دعائیں حاصل کر کے ہم دنیا میں دولت مند ہو گئے ہیں آخرت میں بھی دردناک سزا سے چھٹکارہ حاصل کر لیں گے تو وہ جان لیں کہ —— چاہے آپ (ﷺ) ان کے لئے بخشش کی دعا فرمائیں یا نہ فرمائیں—— اگر آپ (ﷺ) ستر بار بھی ان کے لئے بخشش کی دعا فرمائیں —— تو اللہ تعالیٰ ہرگز ان کو بخشنے والے نہیں —— یعنی منافقوں کے لئے نبی پاک ﷺ خواہ کتنی ہی مرتبہ استغفار فرمائیں ان کے حق میں بالکل بے کار ہے اللہ پاک ان کو کبھی معاف فرمانے والے نہیں —— یہ اس وجہ سے ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ (ﷺ) کا انکار کیا ہے —— اور اللہ تعالیٰ طے فرما چکے ہیں کہ کفر کرنے والوں کی اور شرک کرنے والوں کی کبھی بخشش نہیں فرمائیں گے خواہ کوئی کتنی ہی بخشش کی دعائیں ان کے لئے کردے

یہاں اگر یہ خیال پیدا ہو کہ اللہ پاک اگر انھیں ہدایت سے نواز دیں، نفاق سے توبہ کی توفیق دیں تب تو ان کی بخشش کا سامان ہو سکتا ہے؟ اس بارے میں اللہ پاک کی سنت سن لیجئے——اور اللہ تعالیٰ سرکش لوگوں کی ہدایت نہیں فرمایا کرتے —— البتہ اگر سرکش اپنی سرکشی سے باز آجائیں تو پھر انہیں ہدایت کی دولت مل سکتی ہے۔

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ۭ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ۭ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۱﴾ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ (۱)	خوش ہوئے وہ لوگ جو پیچھے چھوڑ دیئے گئے	بِمَقْعَدِهِمْ (۲) خِلٰفَ (۳) رَسُوْلِ اللّٰهِ	اپنے بیٹھنے رہنے پر مخالفت کر کے رسول اللہ ﷺ کی	وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ	اور نا گوار ہوا انھیں جہاد کرنا اپنے مالوں سے

(۱) اَلْمُخَلَّفُ: المتروک ممن مضی (کبیر) (۲) متعلق بفرح، وھو مصدر میمی بمعنی القعود (روح) (۳) مصدر خالف کالقتال حال او مفعول له (روح) ویحتمل معنی " الخلف" ولکن فی الأول تاسیس وھو أولی من التاکید.

وَ اَنْفُسِهِمْ	اور اپنی جانوں (سے)	نَارُ جَهَنَّمَ	جہنم کی آگ	وَّلْيَبْكُوْا	اور روئیں وہ
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	راہ خدا میں	اَشَدُّ حَرًّا	زیادہ گرم ہے	كَثِيْرًا	بہت زیادہ
وَ قَالُوْا	اور انھوں نے کہا	لَوْ	کاش	جَزَآءًۢ (۱)	بدلہ میں
لَا تَنْفِرُوْا	مت نکلو	كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ	ان کو سمجھ ہوتی!	بِمَا	ان کاموں کے جو
فِي الْحَرِّ	اس سخت گرمی میں	فَلْيَضْحَكُوْا	اب ہنس لیں وہ	كَانُوْا	وہ کیا کرتے تھے
قُلْ	(اُن سے) کہئے	قَلِيْلًا	تھوڑا	يَكْسِبُوْنَ	

تبوک کے جہاد سے پیچھے رہنے والوں کے لئے نبی ﷺ کی دعائیں مفید نہیں!

پچھلی آیتوں میں منافقوں کو بتلایا گیا ہے کہ المناک عذاب ان کی راہ تک رہا ہے اور جب وہ اس کی گرفت میں آجائیں گے تو پھر کبھی نہ چھوٹ سکیں گے اور رسول اللہ ﷺ سے جو انھوں نے بخشش کی دعائیں لے رکھی ہیں وہ سب آخرت میں ان کے لئے بے سود ثابت ہوں گی کیونکہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہیں رکھتے —— لیکن چونکہ منافق خود ایمان کے مدعی ہیں اس لئے اب ان کے کفر پر خود انہی کے اعمال سے شہادت پیش کی جارہی ہے، مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری! ارشاد ہے:—— جن لوگوں کو پیچھے چھوڑ دیا گیا ہے انھوں نے رسول اللہ (ﷺ) کی مخالفت کر کے گھر بیٹھے رہنے پر گھی کے چراغ جلائے اور انھیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کرنا گوارا نہ ہوا اور (نہ صرف یہ کہ خود شریک جہاد نہیں ہوئے بلکہ دوسروں سے) کہا کہ ''اس سخت گرمی میں مت نکلو'' —— یعنی انہیں اس سے کوئی مطلب نہیں کہ غزوۂ تبوک میں رسول اللہ ﷺ پر کیا بیتے گی؟ اللہ تعالیٰ کے دین کا کیا حال ہوگا؟ انہیں تو غرض صرف اپنی جان سے ہے نہ رسول اللہ ﷺ سے ان کو کوئی دلچسپی ہے نہ اللہ تعالیٰ کے دین سے۔ اس لئے بہانے کر کے پیچھے رہ گئے اور رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرنے پر خوشیاں منارہے ہیں—— دیکھئے ان کی خوشیوں کے پیچھے کونسا جذبہ کارفرما ہے وہ صرف جان بچ جانے پر خوشیاں نہیں منارہے بلکہ رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرنے پر گھی کے چراغ جلا رہے ہیں!—— کیا یہ ان کے دعوئ ایمان کا ثبوت ہے یا ان کی یہ حرکتیں ان کی بے ایمانی کی غماز ہیں یہ لوگ خوشیاں منارہے ہیں کہ جان بچی تو لاکھوں پائے مگر حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جہاد کی فضیلت کے قابل ہی نہیں سمجھا اس لئے وہ تارک جہاد نہیں بلکہ مُخَلَّفْ (متروک) ہیں، اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے ان کو پیچھے چھوڑ دینے کے قابل سمجھا ہے —— (اُن سے) کہئے کہ جہنم کی آگ اس سے بہت زیادہ گرم ہے—— حدیث شریف میں ہے کہ ''جہنم کی

(۱) مفعول له للفعل الثانی (روح)

آگ دنیا کی آگ سے انہتر درجہ زیادہ تیز ہے[۱] اگر اس کا ایک شرارہ مشرق میں گرے تو مغرب میں اس کی گرمی محسوس کی جائے[۲] اور صحیح حدیث میں ہے کہ "قیامت کے دن جسے سب سے ہلکا عذاب دیا جائے گا اسے آگ کی دو جوتیاں پہنائی جائیں گی جس سے اسکا دماغ کھولے گا جس طرح دیگچی کھولتی ہے اور وہ سمجھے گا کہ مجھے ہی سب سے زیادہ عذاب ہو رہا ہے حالانکہ واقعہ میں وہ سب سے ہلکا عذاب ہوگا"[۳] —— کاش انہیں سمجھ ہوتی! —— کہ وہ یہاں کی گرمی سے بچ کر جس گرمی کی طرف بڑھ رہے ہیں وہ کہیں زیادہ سخت ہے وہ دھوپ سے بھاگ کر آگ کی پناہ لے رہے ہیں —— اب انہیں چاہئے کہ وہ (یہاں) تھوڑا ہنس لیں اور (آخرت میں) بہت زیادہ روئیں گے ان کاموں کی جزاء میں جو وہ کیا کرتے تھے —— یعنی ان لوگوں کی یہ ہنسی خوشی صرف چند روزہ ہے ان کو آخرت میں ہمیشہ کے لئے رونا ہی رونا ہے ترجمان القرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما آیت پاک کی تفسیر میں فرماتے ہیں دنیا چند روزہ ہے اس میں منافق جتنا چاہیں ہنس لیں پھر جب دنیا ختم ہو جائے گی اور وہ اللہ تعالیٰ کے پاس حاضر ہوں گے تو رونا شروع کر دیں گے —— ایسا رونا جس کے لئے ختم ہونا نہیں!

دنیا کی بڑی سے بڑی خوشی اور غمی کو ختم ہو جانا ہے لیکن آخرت کی خوشی اور غمی ہمیشہ باقی رہنے والی ہے!

فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآىِٕفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۴﴾

فَاِنْ[۴]	پس اگر	مِّنْهُمْ	ان میں سے	فَقُلْ	تو آپ صاف کہئے						
رَّجَعَكَ[۵]	واپس لوٹائیں آپ کو	فَاسْتَاْذَنُوْكَ	اور وہ آپ سے اجازت مانگیں	لَّنْ تَخْرُجُوْا[۶]	ہرگز نہیں چل سکتے تم						
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ			مَعِيَ	میرے ہمراہ						
اِلٰى طَآىِٕفَةٍ	ایک گروہ کی طرف	لِلْخُرُوْجِ	(جہاد کیلئے) چلنے کی	اَبَدًا	کبھی (بھی)						

(۱) اخرجه الشيخان عن ابی هريرةؓ (۲) رواه الطبرانی عن انسؓ (۳) اخرجه الشيخان عن النعمان بن بشير (۴) الفاء تفريعية (۵) من " الرجع" المتعدی دون " الرجوع" اللازم (ابو السعود) (۶) وهو اخبار فی معنی النهی للمبالغة (روح البيان)

وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا	اور ہرگز نہیں لڑوگے تم	مَعَ الْخٰلِفِيْنَ (۱)	بیٹھنے والوں کے ساتھ	اِنَّهُمْ	کیونکہ انھوں نے		
مَعِیَ	میرے ساتھ	وَلَا تُصَلِّ	اور آپ مغفرت کی دعا	كَفَرُوْا	انکار کیا		
عَدُوًّا	کسی دشمن سے		نہ کریں	بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کا		
اِنَّكُمْ	کیونکہ تمہیں	عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ	ان میں سے کسی کے لئے	وَرَسُوْلِهٖ	اور اس کے رسول کا		
رَضِيْتُمْ	پسند خاطر ہوا	مَّاتَ (۲)	جو مر چکا	وَمَاتُوْا	اور مرے وہ		
بِالْقُعُوْدِ	بیٹھ رہنا	اَبَدًا (۳)	کبھی (بھی)	وَهُمْ	درانحالیکہ وہ		
اَوَّلَ مَرَّةٍ	پہلی مرتبہ	وَلَا تَقُمْ	اور نہ کھڑے ہوں آپ	فٰسِقُوْنَ	سرکش تھے		
فَاقْعُدُوْا	پس تم بیٹھے رہو	عَلٰى قَبْرِهٖ	اس کی قبر پر	۞	۞		

دغاباز اور مکار لوگوں سے تعلقات توڑ لئے جائیں

حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مدینہ شریف میں بارہ منافقوں کا ایک گروہ تھا جو رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کر کے گھر بیٹھے رہنے پر گھی کے چراغ جلا رہا تھا جنھیں جان و مال سے راہ خدا میں جہاد کرنا گوارا نہیں تھا جو دوسروں کو بہلا پھسلا کر، بلا کی گرمی سے ڈرا کر، غزوہ میں جانے سے روک رہا تھا (۴) —— ایسے شریروں کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہئے؟ ان آیتوں میں ارشاد فرمایا جارہا ہے کہ دنیا میں تو آئندہ کے لئے ان کا نام مجاہدین اسلام کی فہرست سے خارج کر دیا جائے اور کسی جہاد میں ان کو شرکت کی اجازت نہ دی جائے اور مرنے کے بعد ان کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے، نہ آپ ﷺ ان کے لئے مغفرت کی دعا کریں اور نہ ان کے کفن و دفن میں شرکت فرماویں۔

ان دو آیتوں میں سے پہلی آیت اس وقت نازل ہوئی ہے جب نبی پاک ﷺ کا قیام تبوک میں تھا اس لئے پیرایۂ بیان وہ اختیار کیا گیا ہے جس سے فوج کو واپسی کا کامل اطمینان نہ ہونے پائے کچھ نہ کچھ خدشہ لگا رہے تاکہ وہ پوری طرح چاق و چوبند رہیں (۵) —— ساتھ ہی یہ بھی سمجھایا جارہا ہے کہ مہم خطرناک ہے، مدینہ شریف کو واپسی اللہ پاک کے فضل

---

(۱) ای مع المتخلفین الذین دَیْدَنُهُمُ القعود والتخلف دائما (ابو السعود) وقال ابن عباس: هم الرجال الذين تخلفوا عن النفور (در منثور) (۲) فی موضع جَرٍّ، لأنه صفة للنكرة (كبير) (۳) ظرف للنهی ای: لاتدع ولاتستغفر لهم ابدًا، وهو الأظهر (روح البيان) (۴) عن قتادة فی قوله تعالیٰ: "فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ" قال: ذُكر لنا انهم كانوا اثنى عشر رجلا من المنافقين، وفيهم قيل ما قيل (درمنثور)

(۵) سورۃ الفتح کی ستائیسویں آیت میں بھی اسی قسم کا پرایۂ بیان اختیار فرمایا گیا ہے۔

وکرم سے ہی ہوسکتی ہے ـــــ پس اگر اللہ تعالیٰ آپ کو ان (منافقوں) کے ایک (مخصوص) گروہ کی طرف (جن کی تعداد بارہ بیان کی گئی ہے صحیح سلامت) واپس لے آئیں اور (آئندہ) وہ (کسی دوسرے غزوہ میں) جہاد کیلئے چلنے کی اجازت مانگیں تو آپ (صاف) فرمادیں کہ ''تمہیں کبھی بھی میرے ہمراہ چلنے کی اجازت نہیں اور نہ تمہیں (مدینہ میں رہتے ہوئے) میری معیت میں کسی دشمن سے لڑنے کی اجازت ہے ـــــ کیونکہ تمہیں پہلی مرتبہ بیٹھ رہنا پسند خاطر ہوا تو اب (ہم تمہارے لئے یہی پسند کرتے ہیں کہ) تم بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو'' ـــــ یعنی تمہارے مکروفریب اور دغابازی کی سزا یہی ہے کہ ہم تم سے تعلقات توڑلیں ـــــ معلوم ہوا کہ اگر کوئی تعلق رکھنے والا شخص دغاباز اور مکار ہو اور بار بار کے تجربوں سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جائے تو اس سے تعلقات توڑ لینے چاہئیں۔

اور آپ ان میں سے کسی کے لئے، جو مرچکا، بخشش کی دعا نہ فرمائیں ـــــ یعنی نہ تو اس کا جنازہ پڑھیں نہ کسی اور طرح مغفرت کی دعا فرمائیں ـــــ اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں ـــــ یعنی اس کے کفن ودفن میں شرکت نہ فرمائیں ـــــ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ (ﷺ) کو نہیں مانتے اور وہ نافرمان ہونے کی حالت میں مرے ہیں ـــــ پھر ان کا جنازہ پڑھنے سے یا بخشش کی دعا کرنے سے کیا حاصل؟

توان پاک کردن زژنگ آئینہ ❁ ولیکن نیاید زسنگ آئینہ

(زنگ سے تو آئینہ صاف کیا جاسکتا ہے ❁ لیکن پتھر سے آئینہ تیار نہیں کیا جاسکتا)

بآب زمزم وکوثر سفید نتواں کرد ❁ گلیم بخت کسے راکہ بافتند سیاہ

(جس گلیم بخت کو سیاہ دھاگوں سے بنا گیا ہو اسے زمزم وکوثر سے دھو کر بھی سفید نہیں کیا جاسکتا)

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے جب مسلمان اور نبی پاک ﷺ تبوک سے کامیاب واپس ہوئے تو چند ہی روز کے بعد ان کا سرگروہ عبداللہ بن ابی مرگیا اس کے لڑکے کا اصلی نام حبحاب تھا لیکن چونکہ اس لفظ کے معنی تھے پست قد، بدنما اور بدشکل اور یہ شیطان کا بھی نام تھا اس لئے نبی پاک ﷺ نے بدل کر ان کا نام بھی عبداللہ رکھا تھا جو مخلص وفادار مسلمان تھے انھوں نے نبی پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنے باپ کے کفن میں لگانے کے لئے آنحضور ﷺ سے کرتہ مانگا، آپ نے عنایت فرمادیا پھر انھوں نے جنازہ پڑھنے کی درخواست کی آپ ﷺ اس کے لئے بھی تیار ہوگئے کیونکہ یہ آیت ابھی تک نازل نہیں ہوئی تھی البتہ ﴿ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ﴾ نازل ہوچکی تھی جو اسی سورت کی اسی ّویں آیت ہے لیکن اس میں استغفار یا جنازہ پڑھنے کی ممانعت نہیں ہے صرف یہ ہے کہ آپ ﷺ کا استغفار منافقوں کے حق میں بے سود ہے ان کی نجات کا ذریعہ نہیں بن سکتا ـــــ جب آپ ﷺ اس کا جنازہ پڑھنے کے لئے

آمادہ ہوئے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے باصرار عرض کیا کہ "یارسول اللہ! کیا آپ اس شخص کا جنازہ پڑھتے ہیں جو یہ اور یہ کرچکا ہے!"

نبی پاک ﷺ ان کی باتیں سن کر مسکراتے رہے اور اپنی اس رحمت و شفقت کی بناء پر جو دوست و دشمن سب کے لئے عام تھی آپؐ نے اس بدترین دشمن کے حق میں بھی دعائے مغفرت کرنے میں تامل نہ فرمایا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ "اے عمر! مجھے استغفار سے منع نہیں کیا گیا بلکہ آزاد رکھا گیا ہے کہ استغفار کروں یا نہ کروں اور یہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے کہ انھیں معاف نہ کریں" ___ بخاری شریف اور مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے اس کا جنازہ پڑھا، نماز کے بعد یہ آیت نازل ہوئی اور صاف طور پر کافروں اور مشرکوں کا جنازہ پڑھنے سے اور بخشش کی دعا کرنے سے، بلکہ کفن و دفن کا اہتمام کرنے سے بھی روک دیا گیا چنانچہ آپ ﷺ نے پھر کسی منافق کا جنازہ نہیں پڑھا۔

کافر کا جنازہ پڑھنا یا اس کے لئے دعائے مغفرت کرنا یا اعزاز کی خاطر اس کی قبر پر کھڑا ہونا یا اس کی زیارت کے لئے جانا حرام ہے۔

وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِذَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۷﴾ لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۬ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸۸﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۸۹﴾

ع ۱۱

وَلَا تُعْجِبْكَ	اور تجھے حیرت میں نہ ڈالیں	اِنَّمَا	صرف یہی	اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ	کہ سزا دیں ان کو
اَمْوَالُهُمْ	ان کے اموال	يُرِيْدُ	چاہتے ہیں	بِهَا	ان چیزوں سے
وَاَوْلَادُهُمْ	اور ان کی اولاد	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	فِى الدُّنْيَا	دنیا میں

وَتَزْهَقَ(1)	اور خلاصی حاصل کریں	مَعَ الْقٰعِدِيْنَ	بیٹھنے والوں کے ساتھ	لَهُمُ	کے لئے (ہیں)
اَنْفُسُهُمْ	ان کی جانیں	رَضُوْا	پسند کیا انھوں نے	الْخَيْرٰتُ(6)	ساری خوبیاں
وَهُمْ	اس حال میں کہ وہ	بِاَنْ يَّكُوْنُوْا	رہنا	وَاُولٰٓئِكَ	اور یہ
كٰفِرُوْنَ	کفر کرنے والے (ہوں)	مَعَ الْخَوَالِفِ(5)	مستورات کے ساتھ	هُمُ	ہی (ہیں)
وَاِذَآ(2)	اور جب جب	وَطُبِعَ	اور ٹھپہ لگا دیا گیا	الْمُفْلِحُوْنَ	فلاح پانے والے!
اُنْزِلَتْ	نازل کیا جاتا ہے	عَلٰى قُلُوْبِهِمْ	ان کے دلوں پر	اَعَدَّ	تیار کئے ہیں
سُوْرَةٌ	قرآن کا کوئی حصہ	فَهُمْ	پس وہ	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ نے
اَنْ اٰمِنُوْا(3)	کہ ایمان لاؤ	لَا يَفْقَهُوْنَ	سمجھتے نہیں	لَهُمْ	ان کے لئے
بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ پر	لٰكِنِ	لیکن	جَنّٰتٍ	ایسے باغات
وَجَاهِدُوْا	اور جہاد کرو	الرَّسُوْلُ	رسول اللہ (ﷺ) نے	تَجْرِيْ	بہہ رہی ہیں
مَعَ رَسُوْلِهِ	اس کے رسول کی معیت میں	وَالَّذِيْنَ	اور ان لوگوں نے جو	مِنْ تَحْتِهَا	ان کے نیچے
اسْتَاْذَنَكَ	تو رخصت مانگتے ہیں	اٰمَنُوْا	ایمان لائے ہیں	الْاَنْهٰرُ	نہریں
اُولُوا الطَّوْلِ(4)	مقدرت والے	مَعَهٗ	رسول کے ساتھ	خٰلِدِيْنَ	ہمیشہ رہنے والے
مِنْهُمْ	ان میں سے	جٰهَدُوْا	جہاد کیا انھوں نے	فِيْهَا	ان میں
وَقَالُوْا	اور کہتے ہیں	بِاَمْوَالِهِمْ	اپنے مالوں سے	ذٰلِكَ	یہ
ذَرْنَا	ہمیں چھوڑئے	وَاَنْفُسِهِمْ	اور اپنی جانوں (سے)	الْفَوْزُ	کامیابی
نَكُنْ	رہیں ہم	وَاُولٰٓئِكَ	اور انہیں	الْعَظِيْمُ	عظیم (ہے)

جب گانا کم پسند کیا جائے تو سُر (گلے کی آواز) بڑھا دو!

یہاں پھر ایک بار یہ حقیقت سمجھائی جارہی ہے کہ کافروں اور منافقوں کو جو مال و اولاد اور عیش وعشرت میسر ہے وہ ان

(۱) دیکھئے اسی سورت کی آیت ۵۵ کا حاشیہ (۲) تفيد التكرار بقرينة المقام (روح) (۳) " اَنْ" مصدرية حذف عنها الجار أی: بأن (روح) (۴) القدرة على الجهاد بدنًا ومالاً واصل هذه الكلمة من " الطُّول" الذی هو خلاف "القصر" وسمی الغنى بالطول لانه ينال به من المرادات مالاينال عند الفقر، كما انه ينال بالطول مالاينال بالقصر (روح البيان ملخصاً) (۵) جمع خالفة، واطلق على المرأة لتخلفها عن اعمال الرجال (روح) (۶) جمع خيرة بسكون الياء مخفف خَيِّرَةٍ المشددة ثانيث خير، وهو: الفاضل من كل شيء، المستحسن منه (روح)

کے مقبول عند اللہ ہونے کی علامت نہیں، بلکہ اس کی حیثیت صرف چوہے دان کے مرغن لقمہ کی ہے جسے پا کر چوہا پھولا نہیں سماتا حالانکہ وہ اس کے لئے پیغام موت ہے ـــ بعض حقیقتیں ایسی ہیں جو جلدی سے انسان کی سمجھ میں نہیں آتیں یا انھیں سمجھ تو خوب لیا جاتا ہے لیکن زیادہ عرصہ نہیں گذرنے پاتا کہ وہ ذہنوں سے اوجھل ہو جاتی ہیں یا ذہن میں رہتی تو ہیں لیکن وقت آنے پر انسان ان سے کام نہیں لیتا، قرآن کریم ایسے حقائق بار بار عنوان بدل کر بیان کرتا ہے کیونکہ:

نوارا تلخ تر می زن چو ذوق نغمہ کم یابی!

ارشاد فرماتے ہیں ـــ اور (اے مخاطب) ان کے اموال اور اولاد تجھے حیرت میں نہ ڈالیں ـــ یعنی تجھے ان پر کبھی حیرت و استعجاب نہ ہونا چاہئے کہ جب کفار اور منافق اللہ پاک کو ایسے مبغوض ہیں تو انھیں دولتوں اور نعمتوں سے کیوں نوازا ہے؟ کیونکہ ـــ (انھیں نعمتوں سے نواز کر) اللہ تعالیٰ کو بس یہی منظور ہے کہ ان چیزوں کے ذریعہ ان کو دنیا میں سزا دیں اور کفر ہی کی حالت میں ان کی جانیں (کالبد خاکی سے) خلاصی حاصل کریں ـــ وہ ایک ایک کے دس دس بنانے کی پھیر میں ہوں اور موت کا فرشتہ آپہنچے کہ جان واپس کیجئے ـــ یعنی یہ نعمتیں دنیا میں بھی ان کے حق میں بڑا عذاب ہیں اور آخرت کے دائمی عذاب کا بھی سبب ہیں پھر ان کی خوابوں کی راحتوں پر تجھے حیرت کیوں؟ ریگ زاروں کی جلتی ہوئی گود میں کیا ہوا اگر کھجوروں کا جھنڈ آ گیا!

اس سورت کی پچپن ویں آیت میں بھی یہی مضمون ہے۔ وہاں یہ بات بیان فرمائی گئی تھی کہ منافقوں کا دیا ہوا چندہ قبول نہ کیا جائے بلکہ اسے ٹھکرا دیا جائے اور اسے رد کرتے وقت ان کی وجاہت، دولت کنبہ اور جتھا مانع نہ ہو۔ اور یہاں یہ ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ زندگی میں اور موت کے بعد منافقوں کے ساتھ مذکورہ بالا برتاؤ کرنے سے ان کی دولتیں اور اولاد و انصار مانع نہ بنیں ان کا کوئی لحاظ نہ کیا جائے یہ منافق اسی برتاؤ کے مستحق ہیں ان کے اعمال ایسے ہیں کہ انھیں یہ سزا دی جائے۔ ملاحظہ فرمائیے ان کے اعمال ـــ اور جب کبھی قرآن کا کوئی حصہ نازل کیا جاتا ہے (اور حکم دیا جاتا ہے) کہ اللہ تعالیٰ کو مانو اور اس کے رسول (ﷺ) کی معیت میں جہاد کرو تو ان میں سے جو صاحب مقدرت ہیں وہ رخصت طلب کرنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں چھوڑ دیجئے ہم بیٹھنے والوں کے ساتھ رہیں ـــ یعنی یہ منافقین جان چرانے لگتے ہیں اور مقدور والے بھی جھوٹے عذر تراش کر اجازت طلب کرنے آتے ہیں کہ حضرت! ہمیں تو مدینہ میں رہنے دیجئے ـــ انھوں نے مستورات کے ساتھ رہنا پسند کیا! ـــ اور چوڑیاں پہن کر گھروں میں گھس بیٹھنے کو ترجیح دی ـــ اور ان کے دلوں پر ٹھپہ لگا دیا گیا اس لئے وہ سمجھتے نہیں ـــ کہ یہ کتنی بڑی شرم کی بات ہے کہ اچھے خاصے، ہٹے کٹے، تندرست اور صاحب مقدرت ایمان کا دعوی رکھنے والے کام کا وقت آنے پر میدان میں نکلنے کے بجائے گھروں میں گھس کر بیٹھ رہیں

اورعورتوں میں شامل ہو جائیں۔

لیکن جب انھوں نے جان بوجھ کر یہی رویہ اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان سے پاکیزہ احساسات چھین لئے اور ان کے دلوں پر مہر کردی اس لئے وہ اپنی اس انتہائی بے غیرتی اور بزدلی پر بجائے شرمانے کے نازاں وفرحاں ہیں —— اس لئے اگر وہ مذکورہ بالا برتاؤ کے مستحق نہیں تو اور کس اعزاز کے مستحق ہوں گے!

لیجئے اب ان نام نہاد مسلمانوں اور ایمان کے جھوٹے دعویداروں کا سچے ایمان والوں کے ساتھ موازنہ کیجئے —— لیکن رسول اللہ (ﷺ) نے اور ان لوگوں نے جو (واقعی) ایمان لائے ہیں اپنی جانوں اور مالوں سے جہاد کیا —— نہ کبھی جان سے ہٹے ہیں نہ مال سے، کیسا ہی خطرناک موقعہ کیوں نہ ہو وہ ہر قربانی کے لئے تیار رہے ہیں —— اور انہیں کے لئے ساری خوبیاں ہیں اور یہی فلاح پانے والے ہیں —— کیونکہ ایسوں کے لئے فلاح وکامیابی نہ ہوگی تو پھر کس کے لئے ہوگی! —— اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایسے (سدابہار) باغات تیار کئے ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں یہی عظیم الشان کامیابی ہے! —— جان اور مال یہی دو چیزیں انسان کی متاع ہیں لیکن یہ چیزیں کافروں اور منافقوں کو جہنم میں پہنچادیتی ہیں اور مومنوں کو بڑی کامیابی سے ہمکنار کرتی ہیں —— نتیجہ کا یہ تفاوت اس لئے ہے کہ:

عمل سے زندگی بنتی ہے، جنت بھی، جہنم بھی ❁ یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَاۤ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَاۤ اَجِدُ مَاۤ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۪ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ۝ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

وَجَآءَ	اورآئے	عَلَی الَّذِیۡنَ	ان لوگوں پر جو	لَآ اَجِدُ	میرے پاس نہیں
الۡمُعَذِّرُوۡنَ (۱)	عذر کرنے والے	لَا یَجِدُوۡنَ	نہیں پاتے	مَآ	کوئی چیز
مِنَ الۡاَعۡرَابِ (۲)	کچھ بدوی عرب	مَا یُنۡفِقُوۡنَ	وہ چیز جسے خرچ کریں	اَحۡمِلُکُمۡ	(کہ) سوار کروں میں
لِیُؤۡذَنَ	تاکہ اجازت دی جائے	حَرَجٌ	کوئی گناہ		تمہیں
لَهُمۡ	انھیں	اِذَا نَصَحُوۡا (۳)	جبکہ خیر خواہی کریں وہ	عَلَیۡهِ	اس پر
وَقَعَدَ	اور بیٹھ رہے	لِلّٰهِ	اور اللہ تعالیٰ کی	تَوَلَّوۡا	(تو) واپس گئے وہ
الَّذِیۡنَ	وہ لوگ جنھوں نے	وَرَسُوۡلِهٖ	اور اس کے رسول کی	وَّاَعۡیُنُهُمۡ	اس حال میں کہ ان کی
کَذَبُوا	جھوٹ بولا	مَا	نہیں (ہے)		آنکھیں
اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ سے	عَلَی الۡمُحۡسِنِیۡنَ	نیکیوں کاروں پر	تَفِیۡضُ	بہہ رہی تھیں
وَرَسُوۡلَهٗ	اور اس کے رسول سے	مِنۡ سَبِیۡلٍ	کسی قسم کا الزام	مِنَ الدَّمۡعِ	آنسوؤں سے
سَیُصِیۡبُ	عنقریب پہنچے گا	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	حَزَنًا	اس غم میں
الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا	ان کو جنھوں نے کفر کیا	غَفُوۡرٌ	بہت بخشنے والے	اَلَّا یَجِدُوۡا	کہ ان کو میسر نہیں
مِنۡهُمۡ	ان میں سے	رَّحِیۡمٌ	بڑے رحم والے ہیں	مَا یُنۡفِقُوۡنَ	وہ چیز جسے خرچ کریں
عَذَابٌ اَلِیۡمٌ	دردناک عذاب	وَّلَا (۴)	اور نہ	اِنَّمَا	بس
لَیۡسَ	نہیں (ہے)	عَلَی الَّذِیۡنَ	ان لوگوں پر	السَّبِیۡلُ	الزام
عَلَی الضُّعَفَآءِ	کمزوروں پر	اِذَا	جب	عَلَی الَّذِیۡنَ	ان لوگوں پر (ہے) جو
وَلَا	اور نہ	مَآ اَتَوۡکَ	وہ آپ کے پاس آئے	یَسۡتَاۡذِنُوۡنَکَ	آپ سے اجازت چاہتے ہیں
عَلَی الۡمَرۡضٰی	بیماروں پر	لِتَحۡمِلَهُمۡ (۵)	تاکہ آپ انکو سواری دیں	وَهُمۡ اَغۡنِیَآءُ	باوجود مالدار ہونے کے
وَلَا	اور نہ	قُلۡتَ	(تو) آپ نے کہا	رَضُوۡا	پسند کیا انھوں نے

(۱) اسم فاعل من اعتذر —— بادغام التاء فی الذال، ونقل حرکتها الی العین —— والاعتذار قد یکون بالکذب وقد یکون بالصدق(روح البیان ملخصاً)(۲)سکان البوادی من العرب لاواحد له.(۳) اصل النصح فی اللغة الخلوص یقال: نصحته ونصحتُ له(روح)(۴) معطوف علی " الضعفاء" او علی "المحسنین " (بیان القرآن)(۵) حَمَلَ (ض) الشیئَ:اٹھانا۔

بِاَنۡ یَّکُوۡنُوۡا	کہ رہیں وہ	وَطَبَعَ اللّٰهُ	اور ٹھپہ لگا دیا اللہ نے	فَهُمۡ	پس وہ
مَعَ الۡخَوَالِفِ	مستورات کے ساتھ	عَلٰی قُلُوۡبِهِمۡ	ان کے دلوں پر	لَا یَعۡلَمُوۡنَ	جانتے نہیں!

بدوی منافقوں کے احوال واحکام

اب تک آپ ان منافقوں کے احوال پڑھ رہے تھے جو مدینہ شریف میں بود وباش اختیار کئے ہوئے تھے۔ آیئے اب ذرا جنگل کے منافقوں کا حال بھی دیکھ لیں —— ہجرت کے نویں سال تک جب غزوۂ تبوک پیش آیا ہے اسلام کی روشنی مدینہ شریف سے نکل کر قرب وجوار کے قبائل تک پہنچ چکی تھی اور بہت سے دیہات مسلمان ہو چکے تھے لیکن جس طرح مدینہ شریف میں مخلص مسلمانوں کے دوش بدوش نام نہاد مسلمان بستے تھے دیہاتوں میں بھی یہ جنس پائی جاتی تھی چنانچہ جب غزوۂ تبوک کے لئے عام بلاوا ہوا تو جہاں دیہاتوں سے مسلمان جوق جوق آ کر فوج میں شامل ہونے لگے وہیں کچھ لوگ نبی پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اعذار پیش کرنے لگے تاکہ انہیں گھر رہنے کی اجازت مل جائے قبیلۂ اسد غطفان، غفار اور عامر بن الطفیل کے گروہ کا شمار ایسے ہی لوگوں میں ہوتا ہے —— اعذار پیش کرنے والوں میں کچھ لوگوں کے اعذار تو واقعی تھے جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے نزدیک قابل قبول تھے اور کچھ لوگ صرف بہانے بنا رہے تھے چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں کہ: لَعَنَ اللّٰهُ الْمُعَذِّرِيْنَ وَرَحِمَ اللّٰهُ الْمُعَذَّرِيْنَ (بہانہ بازوں پر خدا کی مار اور جن کے اعذار قابل قبول تھے ان پر اللہ تعالیٰ مہربانی فرمائیں [1])—— دیہاتیوں میں کچھ کٹر قسم کے منافق بھی تھے جنھوں نے جھوٹے اعذار پیش کر کے رخصت حاصل کرنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی —— ارشاد فرماتے ہیں—— اور کچھ عذر پیش کرنے والے بدوی عرب (نبی پاک ﷺ کی خدمت میں) حاضر ہوئے تاکہ انھیں اجازت دیدی جائے اور وہ لوگ (تو بالکل ہی) بیٹھے رہے جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ (ﷺ) سے جھوٹ بولے تھے —— انھیں تو رخصت حاصل کرنے کی بھی توفیق نہیں ہوئی —— اُن میں سے جن لوگوں نے کفر کی روش اختیار کی ہے وہ عنقریب دردناک عذاب سے دوچار ہوں گے—— چاہے وہ حیلے باز ہوں یا حاضر ہی نہ ہوئے ہوں البتہ جن کے اعذار واقعی تھے ان کا حکم یہ ہے کہ—— کوئی گناہ نہیں کمزوروں پر اور بیماروں پر اور ان لوگوں پر جنھیں خرچ کرنے کو کچھ میسر نہیں جبکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کے لئے خیر خواہ ہوں—— یعنی جو لوگ واقعۃً معذور ہیں اور ان کے دل صاف ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان کا معاملہ درست ہے وہ مقدور بھر نیکی کرنے اور اخلاص کا ثبوت دینے کے لئے تیار ہیں تو—— ایسے نیکوکاروں پر کسی قسم کا الزام نہیں اور—— ایسے مخلصین سے اگر

(۱) مفردات امام راغب اصفہانی (مادہ ع، ذ، ر)

بہ تقاضائے بشریت کوئی کوتاہی ہو جائے تو —— اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والے بڑے رحم فرمانے والے ہیں۔

آیت پاک سے یہ حقیقت بالکل واضح ہوگئی کہ صرف کمزوری یا بیماری یا محض ناداری کافی وجہ معافی نہیں بلکہ یہ چیزیں صرف اس صورت میں وجہ معافی ہیں جبکہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے سچے وفادار ہوں۔ اللہ پاک صرف ظاہر کو نہیں دیکھتے کہ جو بھی ڈاکٹری سارٹیفکیٹ لے آئے یا بڑھاپے اور جسمانی نقص کا عذر پیش کردے اسے معذور قرار دے دیں وہ تو دلوں کا حال بھی جانتے ہیں انھیں خوب معلوم ہے کہ کس بندے کی معذوری وفادار بندے کی سی معذوری ہے اور کس کی باغی اور غدار کی سی۔

ایک شخص تو وہ ہے کہ جب جہاد کی پکار سنتا ہے تو لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہے کہ بڑے اچھے موقعہ پر میں بیمار ہو گیا ورنہ یہ بلا کسی طرح ٹالے نہ ٹلتی دوسرا شخص جب یہی پکار سنتا ہے تو تلملا اٹھتا ہے کہ ہائے کیسے ناوقت میں بیمار پڑ گیا کہ شرکت کے شرف سے محروم رہ گیا!

ایک شخص نے اپنے لئے تو شرکت سے بچنے کا بہانہ پایا ہی تھا مگر اس کے ساتھ اس نے دوسروں کو بھی شرکت سے روکنے کی کوشش کی اور دوسرا شخص اگرچہ خود بستر علالت پر پڑا ہے مگر وہ برابر اپنے عزیزوں، دوستوں، بھائیوں اور تیمارداروں کو جہاد کا جوش دلاتا رہا۔

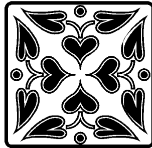
ایک نے بیماری کے عذر سے گھر بیٹھ کر سارا زمانۂ جنگ بد دلی پھیلانے، بری خبریں اڑانے جنگی مساعی کو ناکام کرنے اور مجاہدین کے پیچھے ان کے گھر بگاڑنے میں صرف کیا۔ دوسرے نے یہ دیکھ کر کہ وہ میدان میں جانے کے شرف سے تو محروم ہو گیا ہے اپنی امکان بھر کوشش کی کہ گھر کے محاذ کو مضبوط رکھے۔

ظاہر کے اعتبار سے دونوں ہی معذور ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ دونوں کسی طرح یکساں نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں معافی صرف دوسرے کے لئے ہے۔ رہا پہلا شخص تو وہ اپنی معذوری کے باوجود غدار اور بے وفا ہے بلکہ بے دین ہے حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ "دین خیر خواہی کا نام ہے" صحابہ نے پوچھا کہ کس کے لئے خیر خواہی کا نام دین ہے؟ آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے، اس کی کتاب کے لئے، اس کے رسول کے لئے، مسلمانوں کے پیشواؤں کے لئے اور عام مسلمانوں کے لئے [1] —— اور نہ ان لوگوں پر (کوئی الزام یا گناہ ہے) کہ جب وہ خود ہی آپ کی خدمت میں (اس لئے) حاضر ہوئے کہ آپ ان کے لئے کوئی سواری کا انتظام فرما دیں (تو) آپ نے جواب دیا کہ "میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جو تمہیں سواری کے لئے دوں" (تو) وہ اس حال میں واپس گئے کہ ان کی آنکھیں اس غم

(۱) حدیث متفق علیه عن تمیم الداری رضی الله عنه (۲) متفق علیه عن انس رضی الله عنه.

میں اشکبار تھیں کہ انھیں خرچ کرنے کو کوئی چیز میسر نہیں —— نبی پاک ﷺ کی صحبت نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے دلوں میں عشق الٰہی کا وہ نشہ پیدا کردیا تھا جس کی مثال کسی قوم وملت کی تاریخ میں موجود نہیں، حیثیت رکھنے والے صحابہ تو جان ومال سب کچھ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں لٹانے کے لئے تیار تھے ہی، نادار صحابہ بھی اس غم میں رو رو کر جان کھوئے لیتے تھے کہ ہماری ایسی حیثیت کیوں نہ ہوئی کہ ہم بھی اپنے آپ کو محبوب کی راہ میں قربان ہونے کے لئے پیش کرتے !—— ایسے لوگوں کا شمار اللہ تعالیٰ کے نزدیک جہاد کی خدمات انجام دینے والوں ہی میں ہے۔ غزوۂ تبوک سے واپسی پر اثنائے سفر میں نبی پاک ﷺ نے مجاہدین سے خطاب کرکے فرمایا تھا کہ ''مدینہ میں کچھ لوگ ایسے ہیں کہ تم نے کوئی وادی طے نہیں کی اور کوئی کوچ نہیں کیا جس میں وہ تمہارے ساتھ نہ رہے ہوں!'' مجاہدین نے تعجب سے پوچھا کیا وہ مدینہ میں رہتے ہوئے اس اجر کے مستحق ہیں؟ نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''ہاں مدینہ ہی میں رہتے ہوئے وہ اس اجر کے مستحق ہیں کیونکہ مجبوری نے انھیں روک لیا ہے'' ورنہ وہ خود رکنے والے نہ تھے [۲]—— الزام (تو) بس انہیں لوگوں پر ہے جو مالدار ہونے کے باوجود آپ (ﷺ) سے اجازت کے خواہش مند رہتے ہیں وہ (چوڑیاں پہن کر) مستورات کے ساتھ رہنے پر راضی ہوگئے ہیں اور ان کے دلوں پر اللہ نے ٹھپہ لگادیا ہے اس لئے وہ جانتے (ہی) نہیں—— کہ وہ کس قدر بے غیرتی اور بے شرمی کے کام کررہے ہیں—— گناہ کرتے رہنے سے انسان کا دل ایسا سیاہ ہوجاتا ہے کہ اسے بھلے برے کی تمیز باقی نہیں رہتی۔

جب کوئی شخص گناہ کرتا ہوا اس درجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ بجائے شرمندہ ہونے کے الٹا اس پر فخر کرنے لگے تو سمجھ لو کہ اس کے دل پر خدائی ٹھپہ لگ گیا!



یَعۡتَذِرُوۡنَ اِلَیۡکُمۡ اِذَا رَجَعۡتُمۡ اِلَیۡہِمۡ ؕ قُلۡ لَّا تَعۡتَذِرُوۡا لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَکُمۡ قَدۡ نَبَّاَنَا اللّٰہُ مِنۡ اَخۡبَارِکُمۡ ؕ وَسَیَرَی اللّٰہُ عَمَلَکُمۡ وَرَسُوۡلُہٗ ثُمَّ تُرَدُّوۡنَ اِلٰی عٰلِمِ الۡغَیۡبِ وَالشَّہَادَۃِ فَیُنَبِّئُکُمۡ بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۴﴾ سَیَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰہِ لَکُمۡ اِذَا انۡقَلَبۡتُمۡ اِلَیۡہِمۡ لِتُعۡرِضُوۡا عَنۡہُمۡ ؕ فَاَعۡرِضُوۡا عَنۡہُمۡ ؕ اِنَّہُمۡ رِجۡسٌ ۫ وَّمَاۡوٰىہُمۡ جَہَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا کَانُوۡا یَکۡسِبُوۡنَ ﴿۹۵﴾ یَحۡلِفُوۡنَ لَکُمۡ لِتَرۡضَوۡا عَنۡہُمۡ ۚ فَاِنۡ تَرۡضَوۡا عَنۡہُمۡ فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یَرۡضٰی عَنِ الۡقَوۡمِ الۡفٰسِقِیۡنَ ﴿۹۶﴾

یَعۡتَذِرُوۡنَ	عذر کریں گے	اللّٰہُ	اللہ تعالیٰ	لَکُمۡ	تمہارے سامنے
اِلَیۡکُمۡ	تمہارے سامنے	عَمَلَکُمۡ	تمہارے عمل کو	اِذَا انۡقَلَبۡتُمۡ (۱)	جب تم پلٹ کر جاؤ گے
اِذَا رَجَعۡتُمۡ	جب تم پلٹ کر جاؤ گے	وَرَسُوۡلُہٗ	اور اس کے رسول	اِلَیۡہِمۡ	ان کی طرف
اِلَیۡہِمۡ	ان کی طرف	ثُمَّ تُرَدُّوۡنَ	پھر تم پلٹائے جاؤ گے	لِتُعۡرِضُوۡا	تا کہ تم صرف نظر کرلو
قُلۡ	آپ فرمادیں	اِلٰی عٰلِمِ	جاننے والے کی طرف	عَنۡہُمۡ	ان سے
لَّا تَعۡتَذِرُوۡا	اعذار بیان نہ کرو	الۡغَیۡبِ	چھپے	فَاَعۡرِضُوۡا (۲)	سو تم نظر انداز کردو
لَنۡ نُّؤۡمِنَ	ہم کبھی سچا نہ سمجھیں گے	وَالشَّہَادَۃِ	اور کھلے کو	عَنۡہُمۡ	ان کو
لَکُمۡ	تم کو	فَیُنَبِّئُکُمۡ	پھر وہ تمہیں بتادیں گے	اِنَّہُمۡ	کیونکہ وہ لوگ
قَدۡ نَبَّاَنَا	ہمیں بتادیئے ہیں	بِمَا	وہ سب کچھ جو	رِجۡسٌ	پلید ہیں
اللّٰہُ	اللہ تعالیٰ نے	کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ	تم کیا کرتے تھے	وَّمَاۡوٰىہُمۡ	اور ان کا ٹھکانہ
مِنۡ اَخۡبَارِکُمۡ	تمہارے احوال	سَیَحۡلِفُوۡنَ	ابھی قسمیں کھائیں گے	جَہَنَّمُ	دوزخ (ہے)
وَسَیَرَی	اور جلد ہی دیکھیں گے	بِاللّٰہِ	اللہ تعالیٰ کی	جَزَآءًۢ	بدلے کے طور پر

(۱) انقلاب سے، ماضی کا جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے والانقلاب: هو الرجوع والانصراف مع زيادة معنى الوصول والاستيلاء (روح) انقلاب کے معنی ہیں پلٹ کر اور واپس لوٹ کر پہنچ جانا اور قبضہ کرلینا (۲) لكن لاِعْرَاض رِضًا. كما طلبوا بل اعراض اجْتِنَابٍ ومَقْتٍ، كما يُنْبِئُ عنه التعليل بقوله سبحانه ﴿اِنَّهُمْ رِجْسٌ﴾ (روح)

بِمَا	ان کاموں کے جو	لِتَرْضَوْا	تا کہ تم راضی ہوجاؤ	فَاِنَّ اللّٰهَ	تو اللہ تعالیٰ قطعاً
كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ	وہ کماتے رہے ہیں	عَنْهُمْ	ان سے	لَا يَرْضٰى	راضی ہونے والے نہیں
يَحْلِفُوْنَ	وہ لوگ قسمیں کھائیں گے	فَاِنْ تَرْضَوْا	پس اگر تم راضی ہوگئے	عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ	حد سے نکلنے والوں والے
لَكُمْ	تمہارے سامنے	عَنْهُمْ	ان سے		

تبوک کے بعد بدوی منافقوں کے حالاتِ زار

آپ نے دیکھ لیا: غزوۂ تبوک کے لئے روانگی کے وقت دیہاتی منافقوں کا رویہ کیسا رہا؟ وہ کس طرح حیلے بہانے کر کے کھسک گئے؟ اور جو کٹر قسم کے منافق تھے وہ تو بہانے کرنے بھی نہیں آئے! — لیکن جب نبیٔ پاک ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم غزوۂ تبوک سے کامیاب واپس لوٹے تو ان لوگوں کی حالت قابل دید تھی۔ تبوک ہی میں اللہ پاک نے مسلمانوں کو ان کے احوال پر مطلع کر دیا تھا۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں کہ — جب تم پلٹ کر ان کے پاس پہنچو گے تو وہ تمہارے سامنے (غزوہ میں شرکت نہ کرنے کی) وجوہ بیان کریں گے — کہیں گے: چلنے کا ارادہ تو ہمارا پختہ تھا، مگر فلاں فلاں رکاوٹیں پیش آگئیں۔ جن کی وجہ سے ہم مجبور ہوگئے اور شرکت نہ کر سکے! — حالانکہ معذرت کی تین صورتیں ہوتی ہیں: یا تو یہ کہا جائے کہ میں نے غلطی نہیں کی یعنی اپنی صفائی پیش کی جائے یا غلطی کرنے کی معقول وجہ بیان کی جائے یا غلطی کا اعتراف کیا جائے اور آئندہ نہ کرنے کا وعدہ کیا جائے جس کا دوسرا نام توبہ ہے۔ منافقوں کے لئے اس عذر کا تو موقع ہی نہیں رہا تھا کہ کہتے: ہم نے غزوہ میں شرکت سے پہلوتہی نہیں کی، نہ ان کا نفاق انہیں توبہ کی اجازت دیتا تھا اور نہ ہی ان کے پاس معقول اعذار تھے۔ لہٰذا — آپ ان سے فرما دیں کہ تم اعذار تصنیف مت کرو، ہم تمہیں کبھی سچا نہ سمجھیں گے ہمیں اللہ پاک نے تمہارے (واقعی) حالات بتا دیئے ہیں — پھر ہم تمہاری پوچ باتوں کا کیونکر یقین کریں؟ — اور (خیر اب پچھلے قصہ کو چھوڑو) آئندہ جلد ہی اللہ پاک اور اس کے رسول (ﷺ) تمہارے (طرزِ) عمل کو دیکھیں گے — کہ تم اپنے ایمان کے دعوے میں کہاں تک سچے ہو — پھر تم اس (اللہ پاک) کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو چھپے کھلے کے جاننے والے ہیں۔ پھر وہ تمہیں وہ سب کچھ بتا دیں گے جو تم کیا کرتے تھے — وہاں تمہارا سب سچ جھوٹ ظاہر ہوجائے گا۔ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہوجائے گا۔

جب منافقین نبی پاک ﷺ کا اور مسلمانوں کا یہ جواب سنیں گے تو جھوٹی قسموں کا سہارا لیں گے۔ ارشاد فرماتے ہیں — جب تم ان کی طرف پلٹ کر جاؤ گے تو وہ تمہارے سامنے اللہ پاک کی قسمیں کھائیں گے — اور تمہیں یقین دلانے کی کوشش کریں گے کہ ہم واقعی مجبوریوں کی وجہ سے گھر رہے ہیں — تا کہ تم ان سے صرفِ نظر کر لو — اور

ان کی جہاد کی غیر حاضری کو معاف کردو — تو (بہتر یہ ہے کہ) تم انھیں نظر انداز کردو — ان سے تعلقات توڑلو اور ان کے ساتھ کسی قسم کا واسطہ نہ رکھو — کیونکہ وہ پلید ہیں — اور پلیدی کی پوٹ کو دور پھینک دینا اور اس سے علاحدہ رہنا ہی بہتر ہے — اور ان کا (آخری) ٹھکانہ دوزخ ہے ان کاموں کی سزا میں جو وہ کماتے رہے ہیں — حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ اسّی اشخاص کے بارے میں نبی پاک ﷺ نے مسلمانوں کو ہدایت فرمادی تھی کہ ان کے ساتھ اٹھنا، بیٹھنا موقوف کردیا جائے اور بول چال بند کردی جائے۔ جس سے ان کی بری حالت ہوگئی۔ ہر شخص ان پر نفرین کرنے لگا۔ کوئی انھیں منہ لگانے کے لئے تیار نہ تھا۔ جب انھیں یقین ہوگیا کہ مسلمانوں نے توان کی غلطی سے درگزر کرنے کے بجائے انھیں نظر انداز کردیا تو ان کی مشکل سوا ہوگئی اور پھر انھوں نے جھوٹی قسموں کا سہارا لے کر کوشش کی کہ کسی طرح مسلمانوں کو خوش کرلیں اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں — وہ لوگ تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے خوش ہوجاؤ — اور انھیں اپنا بنالو — تو (فرض کرو) اگر تم ان سے خوش (بھی) ہوگئے تو (کیا حاصل؟) اللہ پاک تو ایسے سرکش لوگوں سے قطعاً راضی ہونے والے نہیں — پھر صرف تمہیں خوش کرکے ان کا کیا خاک بھلا ہوگا!

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۞ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۞ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۞

اَلْاَعْرَابُ [1]	یہ بدوی عرب	وَّاَجْدَرُ	اور اسی کے سزاوار (ہیں)	اَنْزَلَ	نازل فرمایا (ہے)
اَشَدُّ	خوب پکے (ہیں)	اَلَّا يَعْلَمُوْا	کہ نہ جانیں	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ (نے)
كُفْرًا	کفر	حُدُوْدَ	ضابطے	عَلٰی رَسُوْلِهٖ	اپنے رسول (ﷺ) پر
وَّنِفَاقًا	ونفاق (میں)	مَآ	اس دین کے جسے	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ

(۱) الف لام عہد ذہنی ہے والمرادُ منه جَمْعٌ مُعَيَّنُوْنَ من منافقي الأعراب (کبیر)

عَلِيْمٌ	سب کچھ جاننے والے	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	وَصَلَوٰتِ	اور دعائیں لینے کا ذریعہ
حَكِيْمٌ	بڑی حکمت والے ہیں	سَمِيْعٌ	سب کچھ سننے والے	الرَّسُوْلِ	رسول کی
وَمِنَ الْاَعْرَابِ	اور ان بدوی عربوں	عَلِيْمٌ	خوب جاننے والے ہیں	اَلَآ	ہاں
	میں سے کچھ	وَمِنَ الْاَعْرَابِ	اور ان بدوی عربوں	اِنَّهَا(۵)	وہ ضرور
مَنْ	(لوگ ایسے ہیں) جو		میں کچھ	قُرْبَةٌ	تقرب کا ذریعہ ہے
يَتَّخِذُ	سمجھتے ہیں	مَنْ	(ایسے ہیں) جو	لَّهُمْ	ان کے لئے
مَا يُنْفِقُ	(راہ خدا میں) خرچ	يُّؤْمِنُ	ایمان رکھتے ہیں	سَيُدْخِلُهُمُ	جلد ہی شامل فرمالیں
	کرنے کو	بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ پر		گے ان کو
مَغْرَمًا(۱)	ناحق کا تاوان	وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ	اور آخرت پر	اللّٰهُ	اللہ پاک
وَّيَتَرَبَّصُ	اور انتظار کرتے ہیں	وَيَتَّخِذُ	اور سمجھتے ہیں	فِيْ رَحْمَتِهٖ	اپنی مہربانی میں
بِكُمُ	تمہارے حق میں	مَا يُنْفِقُ	(راہِ خدا میں) خرچ	اِنَّ	بلاشبہ
الدَّوَآئِرَ(۲)	زمانے کی گردشوں کا		کرنے کو	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ
عَلَيْهِمْ	انہیں پر (آنے والی ہے)	قُرُبٰتٍ(۴)	تقرب کا ذریعہ	غَفُوْرٌ	بڑے بخشنے والے
دَآئِرَةُ السَّوْءِ(۳)	زمانے کی گردش	عِنْدَ اللّٰهِ	اور اللہ تعالیٰ کے یہاں	رَّحِيْمٌ	بڑے مہربان ہیں

صحرائی عربوں کے باقی احوال: برے اور اچھے!

پچھلی سات آیتوں سے ہم دیہاتی اور صحرائی عربوں کا حال پڑھ رہے ہیں۔ یہ لوگ مدینہ شریف کے اطراف وجوانب میں آباد تھے۔ جب انھوں نے دیکھا کہ اسلام کو غلبہ ہو رہا ہے تو مصلحتِ وقت اسی میں سمجھی کہ دائرۂ اسلام میں داخل ہو جائیں ـــــ لیکن مسلمان ہوتے ہی ان پر جو اخلاقی بندشیں، نماز روزے کی پابندیاں، زکوٰۃ کی ادائیگی اور جان ومال کی قربانیاں لازم ہوگئی تھیں وہ انھیں شدت سے ناگوار تھیں، اس لئے وہ ان سے پیچھا چھڑانے کے لئے ہر

(۱) الغُرْم وہ مالی ضرر جو کسی جنایت یا خیانت کے بغیر سر پر آپڑے (راغب) (۲) الدائرۃ کی جمع ہے، گردش، مصیبت یہ یا تو عافیۃٌ کاذبۃٌ کی طرح مصدر ہے یا دَارَ یَدُوْر دَوْرًا (پھرنا) سے اسم فاعل کا صیغہ واحد مؤنث ہے (۳) السوء فی الاصل مصدر ثم اطلق علی کل ضرر وشر. وقد کان وصفا للدائرۃ ثم أضیفت الیھا للمبالغۃ (روح) (۴) جمعُ قُرْبَۃٍ بمعنی التقرب، وھو مفعول ثانٍ لیتخذ (روح) (۵) الضمیر للنفقۃ المعلومۃ مما تقدم (روح)

طرح کی چال بازیاں اور بہانہ سازیاں کرتے رہتے تھے ـــــ اوپر سے ان کا ماحول ایسا تھا کہ نہ تو قرآنِ کریم ان کے سامنے آتا تھا، نہ اس کے معانی، مطالب اور احکام سے ان کو واقفیت ہوتی تھی اور نہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث شریفہ سے وہ لوگ فیض یاب ہوتے تھے۔اس لئے وہ اللہ پاک کے نازل فرمائے ہوئے دین کے حدود وضوابط سے بے خبر رہتے تھے ـــــ ان کے یہی احوال اب بیان ہو رہے ہیں، ارشاد فرماتے ہیں کہ ـــــ یہ بدوی عرب (شہریوں کی بنسبت) کفر ونفاق میں خوب پکے ہیں۔اور وہ اسی کے سزاوار ہیں کہ اس دین کے ضابطوں سے ناواقف رہیں جو اللہ پاک نے اپنے رسول (ﷺ) پر نازل فرمائے ہیں ـــــ یعنی شہری لوگ تو اہل علم اور اہل حق کی صحبتوں سے مستفید ہو کر کچھ دین کو اور اس کی حدود کو جان بھی لیتے ہیں لیکن علم وحکمت کی مجلسوں سے دور رہنے کی وجہ سے، دیہاتی لوگوں تک علم وعرفان کی روشنی بہت کم پہنچ پاتی ہے۔ان کو ایسے مواقع ہی فراہم نہیں ہوتے کہ علماء وصلحاء کی صحبتوں میں رہ کر، اس دین کے قاعدے معلوم کریں، جو اللہ پاک نے اپنے رسول ﷺ پر نازل فرمائے ہیں۔اس لئے ان کی جہالت شہری لوگوں کی جہالت سے بہت زیادہ سخت ہے۔

پس ہمارے جو بھائی دیہاتوں میں سکونت پذیر ہیں وہ اس طرف خاص توجہ کریں یعنی علماء وصلحاء کی صحبتوں سے مستفید ہونے کی کوشش کریں ـــــ کیونکہ اللہ والوں کی صحبت اور مقربان خدا کی ہم نشینی افضل ترین عبادت ہے۔ان کی ثابت قدمی، اولوالعزمی اور استقلال کو دیکھ کر انسان اپنے اندر ایک قوت اور ہمت محسوس کرتا ہے۔جس کی وجہ سے دین پر عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے۔اللہ پاک کا ارشاد ہے:﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴾:اے ایمان والو! اللہ پاک سے ڈرو، اور سچوں کے ساتھی بنو!

ایمان میں سچوں کی صحبت انسان کو پرہیز گار بنا دیتی ہے۔اور اللہ والوں کے پاس تھوڑی دیر بیٹھ جانا سو سالہ عبادت سے بہتر ہے۔اور علم ومعرفت ہی وہ چیز ہے جو انسان کے دل کو نرم کرتی ہے اور مہذب بناتی ہے۔

اور جو بھائی شہروں میں آباد ہیں وہ بھی یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ صرف گاؤں میں رہنا نقصان کا سبب نہیں ہے۔ خسارے کی بات، دینی ماحول سے، بزرگوں کی صحبت سے، اور علماء کے فیوض سے محروم رہ جانا ہے۔پس اگر کوئی شخص شہر میں رہ کر بھی حیوانی زندگی کی ضروریات سے بلند تر کسی چیز کی طرف توجہ نہیں کرتا تو اس کے حق میں بھی دین اور اس کے حدود سے ناواقف رہنے کے اتنے ہی امکانات ہیں جتنے ایک دیہاتی کے حق میں ہیں۔بلکہ آج کی شہری زندگی تو فتنوں سے، اور گناہوں کی طرف دعوت دینے والی چیزوں سے لبالب ہے۔اس لئے شہری بھائیوں کو بھی اس طرف کچھ زیادہ ہی توجہ کرنی چاہئے۔

اور اگر کسی وجہ سے صالحین کی صحبت میسر نہ آئے تو پھر ان کی کتابوں کا، قرآن کریم کا، اور حدیث شریف کا مطالعہ کرتے رہنا چاہئے اور کوشش کرنی چاہئے کہ کچھ وقت دینی ماحول میں گزرے دینی ماحول میں عجیب تاثیر ہے۔ آیت کے اخیر میں ارشاد فرماتے ہیں ——اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والے، بڑے دانا ہیں—— وہ اپنے علم وحکمت سے ہر انسان کے ساتھ اس کی استعداد اور قابلیت کے موافق معاملہ فرماتے ہیں۔ جو علم ومعرفت کے قابل نظر آتا ہے، یہ دولتیں اسے عنایت فرماتے ہیں اور جو نا قابل ثابت ہوتا ہے اسے بے بہرہ کر دیتے ہیں۔

اور ان بدوی عربوں میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو (راہِ خدا میں) خرچ کرنے کو ناحق کا تاوان سمجھتے ہیں—— یعنی جو زکاتیں ان سے وصول کی جاتی ہیں اسے ایک جرمانہ سمجھتے ہیں۔ اگر جہاد کی تیاری کے لئے ان سے کوئی چندہ مانگا جائے تو دلی جذبہ سے، رضائے الٰہی کی خاطر نہیں دیتے، بلکہ اسے زبردستی کا جرمانہ سمجھتے ہیں۔ اور ایسی ناگواری سے خرچ کرتے ہیں جیسے کوئی ڈنڈ دے رہے ہوں۔ اور دل میں کڑھتے ہیں کہ یہ مال تو فضول گیا——اور تمہارے حق میں زمانے کی گردشوں کا انتظار کرتے ہیں—— کہ کسی طرح تم پر کوئی مصیبت آپڑے اور تم کسی چکر میں پھنس جاؤ، تو انھیں زکاۃ، صدقات، عبادات اور اخلاقی بندشوں سے نجات مل جائے—— سنئے! انہیں پر آنے والی ہے زمانے کی گردش!——اسلام تو بہر حال غالب ہو کر رہے گا۔ ذلت اور رسوائی خود انہیں کے حصہ میں آنے والی ہے—— اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والے اور خوب جاننے والے ہیں—— وہ سب کی باتیں سن رہے ہیں اور خوب جانتے ہیں کہ عزت اور کامیابی کا حق دار کون ہے اور ذلت اور رسوائی کا سزاوار کون؟

دیہاتی اور صحرائی عرب سب یکساں نہیں تھے۔ ان میں مخلص مسلمان اور سمجھدار لوگ بھی تھے۔ اس لئے قرآنی عدل وانصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ آخر میں ان سچے، پکے مسلمانوں کا حال بھی بیان کیا جائے تاکہ مخلص مسلمانوں کی دل شکنی نہ ہو۔

کسی محفل میں کوئی قاری صاحب قرآن پاک تلاوت کر رہے تھے۔ سامعین میں ایک صحرائی عرب بھی تھا۔ جب قاری صاحب نے ﴿ اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا ﴾ پڑھنا شروع کیا تو وہ دیہاتی عرب کُڑھنے لگا۔ کیونکہ ان آیات میں ان کی برائی تھی۔ لیکن جب ﴿ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ ﴾ پڑھا تو اس کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا۔ اور کہنے لگا کہ "اللہ پاک نے اگر پہلے ہماری برائی کی تو آخر میں تعریف بھی تو کی!—— اسی وجہ سے حضرت محمد بن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص ﴿ اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ ﴾ پڑھے وہ ﴿ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ ﴾ پڑھے بغیر تلاوت موقوف نہ کرے (درمنثور)—— تو اب پڑھئے مخلص دیہاتیوں کا حال—— اور بدوی عربوں میں کچھ لوگ ایسے (بھی) ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور (راہِ خدا میں) خرچ کرنے کو اللہ کے ہاں تقرب کا اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دعائیں

لینے کا ذریعہ سمجھتے ہیں —— کیونکہ اللہ پاک کے راستے میں خرچ کرنا عبادت ہے —— ''عبادت'' بندے کے ان اعمال کو کہا جاتا ہے جن کا خاص مقصد اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی بندگی کے تعلق کو ظاہر کرنا، اور اس کے ذریعہ اللہ پاک کا رحم وکرم اور اس کا قرب ڈھونڈھنا ہوتا ہے۔ اور دیہات میں رہنے والے سچے مسلمان اللہ پاک کی راہ میں جو کچھ خرچ کرتے ہیں وہ اسی مقصد سے خرچ کرتے ہیں نیز وہ اپنے خرچ کرنے کو رسول اللہ ﷺ سے رحمت کی دعائیں حاصل کرنے کا ذریعہ بھی بناتے ہیں —— ہاں! وہ ضرور ان کے لئے تقرب کا ذریعہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جلد ہی انھیں اپنی مہربانی میں شامل فرمالیں گے! —— یعنی وہ لوگ اپنی امیدوں میں حق بجانب ہیں۔ ان کو یقیناً وہ چیز مل کر رہے گی جس کے وہ خواہش مند ہیں اور اللہ پاک جلد ہی انھیں اپنی بے کراں رحمتوں میں شامل فرمالیں گے —— اور ان سے جو کچھ کوتاہیاں سرزد ہوئی ہوں گی انھیں اپنے دریائے رحمت سے دھودیں گے کیونکہ —— بلاشبہ اللہ پاک بڑے بخشنے والے، بے حد مہربانی فرمانے والے ہیں۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۱۰۰

وَالسّٰبِقُوْنَ[1]	اور جو لوگ (دین کی طرف) پیش قدمی کرنے والے ہیں	بِاِحْسَانٍ	اخلاص کے ساتھ	جَنّٰتٍ	(ایسے سدابہار) باغ
		رَّضِيَ اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ راضی ہوگئے	تَجْرِيْ	(کہ) بہہ رہی ہیں
		عَنْهُمْ	ان (سب) سے	تَحْتَهَا	جن کے نیچے
الْاَوَّلُوْنَ	سب سے پہلے	وَرَضُوْا	اور وہ (سب) راضی ہوگئے	الْاَنْهٰرُ	نہریں
مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ	مہاجروں میں سے			خٰلِدِيْنَ	رہنے والے ہیں وہ
وَالْاَنْصَارِ	اور انصار (میں سے)	عَنْهُ	اللہ تعالیٰ سے	فِيْهَآ	اس میں
وَالَّذِيْنَ	اور جو لوگ	وَ	اور (اللہ تعالیٰ نے)	اَبَدًا	سدا
اتَّبَعُوْهُمْ	(دین قبول کرنے میں) ان کے نقش قدم پر ہیں	اَعَدَّ	تیار کر رکھے ہیں	ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ	یہی عظیم الشان کامیابی (ہے)
		لَهُمْ	ان کے لئے		

(۱) وَالسّٰبِقُوْنَ مبتداء ہے اور رضی اللہ عنهم الخ خبر ہے۔

سابقین اولین صحابہ کے اوران کی پیروی کرنے والوں کے فضائل

پچھلی آیتوں میں دیہات میں بسنے والے دو مختلف طرح کے لوگوں کا تذکرہ تھا۔ایک منافقوں کا گروہ جو کفرونفاق میں شیطان کے بھی کان کاٹتا تھا۔اور ایک مخلص مسلمانوں کی جماعت —— دونوں کی پرواز اگر چہ ایک ہی فضا میں تھی مگر دونوں کے احوال ومقامات مختلف تھے:

پرواز ہے دونوں کی ، اسی ایک فضا میں ۞ کرگس کا جہاں اور ہے شاہین کا جہاں اور

چنانچہ ارشاد فرمایا جارہا ہے کہ دیہات والے ان مخلص مسلمانوں کا شمار سابقین اولین کی پیروی کرنے والوں میں ہے، دونوں کا انجام بھی ایک ہے اور دونوں ہی سے اللہ پاک خوش ہیں۔ارشاد فرماتے ہیں —— اور مہاجرین وانصار میں سے جو سب سے پہلے (دین کی طرف) پیش قدمی کرنے والے ہیں،اور جو (دین قبول کرنے میں) اخلاص کے ساتھ ان کے نقش قدم پر ہیں،ان (سب) سے اللہ پاک راضی ہیں،اور وہ (سب بھی) اللہ پاک سے راضی ہیں۔اور (اللہ پاک نے) ان کے لئے ایسے (سدابہار) باغ تیار فرمائے ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں،جن میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں،یہی عظیم الشان کامیابی ہے!

آیتِ پاک میں خاص طور پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے لئے،اور عام طور پر امتِ مرحومہ کے تمام مخلص مسلمانوں کے لئے بڑی بشارت ہے۔اس لئے ضروری ہے کہ ہم اس ارشادِ پاک کے ایک ایک لفظ پر غور کریں۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے پہلی مرتبہ نبوت کے پانچویں سال حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی، پھر نبوت کے چودھویں سال دوسری مرتبہ مدینہ شریف کی طرف ہجرت فرمائی—— ہر ہجرت اگر چہ مقبول ترین عبادت ہے لیکن اس آیتِ پاک میں،اور قرآن کریم میں جہاں کہیں فضل ومنقبت کے طور پر ہجرت کا ذکر آیا ہے،ان سب جگہوں میں ہجرت سے مراد مدینہ شریف والی ہجرت ہے۔حبشہ والی ہجرت کسی جگہ مراد نہیں۔کیونکہ حبشہ والی ہجرت کا باعث قوتِ برداشت کی کمی تھا۔مکہ شریف میں جب دین پر برقرار رہنا،اور احکاماتِ خداوندی بجالانا دشوار ہوگیا تو جان وایمان کی حفاظت کے لئے بے سہارا مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دی گئی۔لیکن خود رسول اللہ ﷺ کو اس ہجرت کی اجازت نہیں ملی نہ ان صحابہ پر عتاب نازل ہوا،جنھوں نے یہ ہجرت نہیں کی —— اس کے برخلاف مدینہ شریف والی ہجرت دین کی امداد کے لئے تھی۔وہ رخصت واجازت ہی نہیں بلکہ اول درجہ کی عزیمت تھی۔اور جن لوگوں نے اس ہجرت میں سستی کی انھیں خوب ڈانٹ پلائی گئی۔

علاوہ ازیں: مدینہ شریف والی ہجرت میں جان پر کھیلنا تھا اور حبشہ والی ہجرت میں جان بچانا تھا اُس میں دین بچانا

پیش نظر تھا اور اِس میں اپنے روزے نماز کی حفاظت منظور تھی۔اس میں مارنا،مرنا اور تمام جہان سے مخالفت مول لینا تھا اور اِس میں دشمن کے ہاتھوں سے چھوٹ کر سلامت گزر جانا تھا۔اُس میں رسول اللہ ﷺ کی نصرت وامداد پیش نظر تھی اور اِس میں رسول اللہ ﷺ کو تنہا چھوڑ جانا تھا(ہدیۃ الشیعہ ص ۱۰۵ مطبوعہ کراچی از حضرت نانوتوی قدس سرہٗ)

جب مدینہ شریف والی ہجرت کا بنیادی مقصد دین کی نصرت تھا تو وہ صرف ہجرت نہ رہی بلکہ نصرت بھی بن گئی۔اسی وجہ سے مہاجروں کا مرتبہ انصار کے مرتبہ سے بلند قرار پایا۔آیت پاک میں اسی برتری کو ظاہر کرنے کے لئے مہاجرین کا تذکرہ پہلے کیا گیا ہے——ایک حدیث شریف میں یہ بات اور زیادہ صراحت سے فرمائی گئی ہے—— جب غزوۂ حنین کی غنیمت کے مال میں سے مکہ کے نومسلموں کو،تالیف قلب کے لئے،خوب دل کھول کر دیا تو بعض انصار نے کہا کہ قریش کو تو رسول اللہ ﷺ نے دیا لیکن ہمیں محروم رکھا،حالانکہ ہماری تلواروں سے اب تک قریش کا خون ٹپک رہا ہے، —— کسی نے یہ کہا کہ مشکلات میں تو ہم یاد آتے ہیں لیکن غنیمت اوروں کو ملتی ہے!—— جب رسول اللہ ﷺ نے اس قسم کی باتیں سنیں تو تمام انصار کو ایک چرمی خیمہ میں جمع فرما کر خطاب فرمایا کہ:**لَوْلاَ الْهِجْرَةُ لَكُنْتُ امْرأً مِّنَ الْأَنْصَارِ** (بخاری شریف) اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار ہی کا ایک فرد ہوتا،

اس ارشادِ پاک سے جہاں انصار کی فضیلت معلوم ہوتی ہے،مہاجرین کی برتری بھی ثابت ہوتی ہے۔

انصار(مددگار) وہ لوگ ہیں جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کو مدینہ منورہ تشریف لانے کی دعوت دی تھی۔اور دین کے لئے تن من دھن کی بازی لگادی تھی۔آیت پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ فضل ومنقبت میں ان کا نمبر مہاجرین سے متصل ہی ہے۔حدیث شریف میں ان کے متعلق ارشاد فرمایا گیا ہے کہ:**آيَةُ الْإِيْمَانِ حُبُّ الْأَنْصَارِ، وآيَةُ النِّفَاقِ بُغْضُ الأَنْصَارِ** (متفق علیہ) انصار سے محبت ایمان کی علامت ہے اور ان سے دشمنی نفاق کی نشانی ہے!

تمام مہاجرین سے اور تمام انصار سے محبت ضروری ہے،ان میں سے کسی سے بھی بغض رکھنا خرمن ایمان کو پھونک دینا ہے!

آیت پاک میں انہیں کو اول نمبر دیا گیا ہے اور باقی امت کو ان کا تابع اور ان کے نقش قدم پر چلنے والا قرار دیا گیا ہے —— انھیں اول نمبر اس لئے ملا ہے کہ دنیا میں جب بھی سچائی کا ظہور ہوتا ہے تو اس کا پہلا دور غربت و بے کسی کا دور ہوتا ہے اور ان تمام دنیوی ترغیبات سے یکسر خالی ہوتا ہے جو کسی انسان کے دل کو اپنی طرف مائل کرسکتی ہیں۔پس جو نفوس قدسیہ ایسے نازک وقت میں حق کا ساتھ دیتے ہیں ان کے درجے کو بھلا کوئی دوسرا کیسے پہنچ سکتا ہے؟!—— پھر جب دین کا بول بالا ہو جاتا ہے۔اسے دنیوی غلبہ بھی حاصل ہو جاتا ہے۔تو اب جو لوگ اس کی طرف لپکتے ہیں ان کے لئے وہ مقام نہیں جو

سب سے پہلے پیش قدمی کرنے والوں کے لئے ہے۔

غور فرمایئے جب نبی پاک ﷺ نے پہلے پہل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ایمان کی دعوت دی تھی تو زمین پر کوئی بھی متنفس اس دین کا حامی نہ تھا، تاہم اس پیکرِ صدق ووفا نے سنتے ہی آپ ﷺ کی دعوت قبول کرلی اور بیٹھے بٹھائے تمام ملک وقوم کو اپنا جانی دشمن بنالیا۔

عقبۂ اولیٰ میں جب مدینہ شریف کے سات آدمیوں نے نبی پاک ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعتِ اسلام کی تھی تو جانتے ہو انھوں نے کس سے بیعت کی تھی؟ اور کس حال میں کی تھی؟ اس مظلوم وبیکس کے دستِ مبارک پر کی تھی جسے گیارہ سال سے تمام جزیرۃ العرب جھٹلا رہا تھا۔ نبی پاک ﷺ نے ان سے کہا تھا کہ ”مجھے قبول کرلو اور ساری دنیا کی دشمنی مول لو“ انھوں نے بے جھجک خندہ پیشانی کے ساتھ قبول کرلیا اور عرض کیا کہ ”ہم آپؐ کے لئے سارے جہان کی دشمنی اور ہر مصیبت اپنے سر لیتے ہیں“ ——ایسے مہاجرین وانصار کے لئے اللہ پاک کے ہاں ایک مخصوص اور ممتاز مقام ہے۔ وہ ساری امت کے سردار ہیں۔ رضی اللہ عنہم اجمعین!

البتہ سابقین اولین کے درجات ومراتب باہم متفاوت ہیں۔ سب سے بلند وبالا مقام سیدنا حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کا ہے کیونکہ آزاد بالغ مردوں میں سب سے پہلے آپ ہی نے اسلام قبول کیا ہے۔ اور آپ کی ہی ترغیب پر عشرۂ مبشرہ میں سے پانچ حضرات نے اسلام قبول کیا ہے۔ آپؓ نے جان ومال سے اسلام کی جس قدر خدمت کی ہے اتنی کسی اور نے نہیں کی۔ خود نبی پاک ﷺ نے آپؓ کی خدمات ملی کا اس طرح اعتراف فرمایا ہے کہ:

اِنَّ مِنْ اَمَنِّ النَّاسِ عَلَيَّ فِيْ صُحْبَتِهٖ وَمَالِهٖ اَبُوْبَكْرٍ (متفق علیہ عن ابی سعید الخدریؓ)

مجھ پر جانی ومالی احسان سب سے زیادہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے!

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا مقام ہے۔ آپؓ کے اسلام لانے سے دین کو بڑی تقویت پہنچی ہے۔ اسی طرح بقیہ سابقین اولین کے مقامات بھی درجہ بدرجہ ہیں۔ سب ہم رتبہ نہیں ہیں۔

سابقین کے بعد ان لوگوں کا مقام ہے جو ان کو نمونہ بنا کر، ان کے نقشِ قدم پر چلنے والے ہیں۔ ان کا شمار بھی سابقین کے ساتھ ہی ہے۔ البتہ چونکہ بعد میں ایمان لانے والوں میں بعض منافق اور کچے دل کے آدمی بھی تھے اس لئے بِاِحْسَانٍ کی قید بڑھائی تاکہ سابقین کے ساتھ صرف انہیں لوگوں کا شمار ہو جو اخلاص کے ساتھ ان کے نقشِ قدم پر چلنے والے ہیں۔

رہی یہ بحث کہ سب سے پہلے دین کی طرف پیش قدمی کرنے والے کون حضرات ہیں اور ان کو نمونہ بنا کر ان کے نقشِ قدم پر چلنے والے کون ہیں؟ تو آیت پاک میں اس سلسلہ میں کوئی واضح اشارہ موجود نہیں، اس لئے:

① ـــــ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سابقین اولین کا مصداق حضرت صدیق اکبر، فاروق اعظم، علی مرتضیٰ، سلمان فارسی اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم کو قرار دیتے ہیں۔

② ـــــ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، سعید بن المسیب اور قتادہ رحمہما اللہ ان تمام حضرات کو سابقین کا مصداق ٹھہراتے ہیں جنھوں نے دونوں قبلوں (بیت المقدس اور کعبۂ معظّمہ) کی طرف نماز پڑھی ہے۔ یعنی جو حضرات تحویل قبلہ سے پہلے مسلمان ہوئے ہیں وہ سب سابقین اولین کا مصداق ہیں۔

③ ـــــ حضرت عطاء اور ابن سیرین رحمہما اللہ غزوۂ بدر میں شرکت فرمانے والے صحابہؓ کو مصداق بتلاتے ہیں[1]

④ ـــــ شعبی رحمہ اللہ ان صحابہ کو مصداق بتلاتے ہیں جنہوں نے حدیبیہ میں بیعتِ رضوان کی ہے۔

⑤ ـــــ بعض مفسرین تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سابقینِ اولین کا مصداق بتاتے ہیں۔ اور باقی امت کو ان کے نقش قدم پر چلنے والا قرار دیتے ہیں (بیان القرآن)

آیتِ پاک میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سابقین اولین کا مصداق وہ صحابہ ہیں جنہوں نے دین ایسے نازک وقت میں قبول کیا تھا، جبکہ کامیابی کے امکانات تمام تر مفقود تھے اور اسلام قبول کرنا خطرات کو دعوت دینا تھا ـــــ اور جب اسلام قبول کرنے میں فائدے نظر آنے لگے۔ مسلمانوں کی کامیابی کھل کر سامنے آگئی۔ اسلام کی حقانیت آشکارا ہوگئی۔ اور خطرات ٹل گئے تو جو حضرات ایمان لائے وہ سب سابقین کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں ـــــ اور حدِ فاصل اس سلسلہ میں یا تو صلح حدیبیہ کو قرار دیا جائے یا پھر زائد سے زائد فتح مکہ کو۔ کیونکہ سورۃ الفتح میں صلح حدیبیہ کو ''فتح مبین'' کہا گیا ہے اور سورۃ الحدید میں فتح مکہ کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ:

﴿ لَا يَسْتَوِىْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ قٰتَلُوْا ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ﴾

ترجمہ: فتح مکہ سے پہلے جن لوگوں نے راہ خدا میں خرچ کیا اور لڑے ان کے برابر وہ لوگ نہیں جنھوں نے فتح مکہ کے بعد خرچ کیا اور لڑے۔ رہا بھلائی (جنت) کا وعدہ تو وہ اللہ تعالیٰ نے سب سے کر رکھا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ فتح مکہ سے پہلے ایمان لانے والوں کا مقام و مرتبہ بعد والوں سے بلند و بالا ہے لہٰذا فتح مکہ کو سابقین و تابعین میں ''حد فاصل'' قرار دینا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

آیتِ پاک کا اصل مدعا یہ ہے کہ سابقین و تابعین سب سے اللہ پاک خوش ہیں اور اللہ پاک کی یہ خوشنودی ان کے

(۱) غزوۂ بدر اور تحویل قبلہ تقریباً ایک ہی زمانہ میں ہوئے ہیں۔

کمالِ ایمان وعمل کا نتیجہ ہے ـــــ اور وہ سب حضرات بھی اللہ پاک سے خوش ہیں یعنی وہ لوگ ایمان واخلاص اور رضا کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں۔

انسان جب کسی مقصد کے لئے قدم اٹھاتا ہے اور مصیبتوں سے دوچار ہوتا ہے تو کچھ لوگ جواں مرد اور باہمت ثابت ہوتے ہیں جو بلا تامل ہر طرح کی مصیبتیں جھیل لیتے ہیں لیکن مصیبتیں ان کے لئے بہرحال مصیبتیں رہتی ہیں، عیش وراحت نہیں بن جاتیں۔ باہمت آدمی کڑوا گھونٹ بغیر کسی جھجک کے پی لیتا ہے لیکن اس کی کڑواہٹ کی بدمزگی ضرور محسوس کرتا ہے ـــــ لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جنھیں صرف باہمت ہی نہیں کہنا چاہئے، بلکہ اس سے کچھ زیادہ سمجھنا چاہئے۔ ان میں صرف ہمت وجواں مردی ہی نہیں ہوتی بلکہ محبت وشیفتگی کی حالت پیدا ہوجاتی ہے۔ وہ مصیبتوں کو مصیبتوں کی طرح نہیں جھیلتے بلکہ عیش وراحت کی طرح ان سے لذت وسرور حاصل کرتے ہیں۔ انھیں کانٹوں کی چبھن میں بھی ویسی ہی راحت ملتی ہے جیسی راحت پھولوں کی سیج پر لوٹ کر مل سکتی ہے ـــــ پس یہ فرما کر کہ "وہ سب اللہ پاک سے خوش ہیں" اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ دین کی راہ میں انھیں جو پریشانیاں لاحق ہوتی ہیں انھیں نہ صرف جھیلتے ہیں بلکہ کمالِ محبتِ ایمانی سے اس میں خوش حال اور خوشنود رہتے ہیں اور ان کا یہی وہ مقام ہے جس نے ان کے درجے کو اس قدر اونچا اٹھایا ہے کہ اللہ پاک نے ان کے لئے سدا بہار باغ تیار فرمائے ہیں، جن میں وہ ہمیشہ بود وباش رکھیں گے، جو ان کے لئے عظیم الشان کامیابی ہے۔

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۣ لَا تَعْلَمُهُمْ ۭ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۭ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ﴿١٠١﴾

وَمِمَّنْ (۱) حَوْلَكُمْ	اور کچھ تمہارے آس پاس (بسنے) والے	مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ وَمِنْ	بدوی عربوں میں سے منافق (ہیں) اور کچھ	اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا (۲) عَلَى النِّفَاقِ	مدینہ کے باشندوں میں سے جو مشاق ہوگئے ہیں نفاق میں

(۱) ترکیب: وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِنَ الْاَعْرَابِ خبر مقدم ہے اور مُنٰفِقُوْنَ مبتداء مؤخر ہے۔ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ خبر مقدم پر معطوف ہے اور جملہ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ صفت ہے مُنٰفِقُوْنَ کی اور موصوف وصفت کے درمیان معطوف علی الخبر سے فصل واقع ہورہا ہے (کشاف) (۲) مَرَدَ على الشيئ: مَرَنَ وَاسْتَمَرَّ عليه، يقال مَرَدَ على الشَّرِّ والنفاق (المعجم الوسيط) مَرَدَ عَلَى النِّفَاقِ وَنَحْوِهٖ: نفاق وغیرہ برائیوں میں مشاق ہوجانا، مداومت کرنا، اڑ جانا باب نصر سے ہے مَرَدَ مُرُوْدًا.

لَا تَعْلَمُهُمْ	جنھیں آپ نہیں جانتے	سَنُعَذِّبُهُمْ	جلد ہم انہیں سزا دیں گے	يُرَدُّوْنَ	وہ لوٹائے جائیں گے
نَحْنُ	ہم	مَّرَّتَيْنِ	دو مرتبہ	اِلٰى عَذَابٍ	عذاب کی طرف
نَعْلَمُهُمْ	انھیں جانتے ہیں	ثُمَّ	پھر	عَظِيْمٍ	بڑے بھاری

بدوی منافقوں کا برا انجام

دیہات کے مخلص مسلمانوں کا حسن انجام جان لینے کے بعد اب منافقوں کا برا انجام بھی دیکھئے۔ پھر دونوں انجاموں میں موازنہ کیجئے۔ ارشاد فرماتے ہیں ـــــ تمہارے آس پاس بسنے والے بدوی عربوں میں، اور مدینہ کے باشندوں میں کچھ ایسے منافق ہیں جو نفاق میں مشاق ہو گئے ہیں ـــــ یعنی منافقانہ زندگی میں رہتے رہتے اس کی ایسی مشق ہو گئی ہے کہ نوآموزوں کی طرح پکڑے نہیں جا سکتے۔ کچے منافقوں کے لئے اپنی دلی حالت چھپائے رکھنا مشکل ہے۔ وہ ان کے چہروں پر ابھر آتی ہے۔ باتوں سے ٹپکنے لگتی ہے۔ اور اعمال واطوار سے ظاہر ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ لوگ ایسے طاق ہیں کہ ان کو تاڑنا ممکن نہیں ـــــ جنھیں آپ (ﷺ بھی) نہیں جانتے ـــــ یعنی رسول اللہ ﷺ بھی، اپنی کمال درجہ فراست کے باوجود انھیں نہیں پہچان سکتے، تا بہ دیگراں چہ رسد؟! ـــــ ہم ہی انھیں جانتے ہیں۔ جلدی ہم انھیں دو مرتبہ سزا دیں گے ـــــ انسان کی زندگی کے تین مختلف دور ہیں۔ ایک دنیا کی زندگی، دوسری قبر کی زندگی اور تیسری آخرت کی زندگی۔ منافقوں کو ان تینوں ادوار میں عذاب سے دوچار ہونا ہے۔ وہ سب سے پہلے تو دنیا ہی میں عذاب کا مزہ چکھیں گے اس طرح کہ وہ ہر وقت اپنے نفاق کو چھپانے کی فکر میں، اور ظاہر ہونے کے خوف میں مبتلا رہیں گے۔ پھر وہ دنیا جس کی محبت میں پھنس کر انھوں نے ایمان واخلاص کے بجائے منافقت اور غداری کا رویہ اختیار کیا ہے: دیکھتے ہی دیکھتے ان کے ہاتھوں سے نکل جائے گی اور وہ جاہ ومال، عزت وعظمت کے بجائے ذلت ورسوائی اور نامرادی کا منہ دیکھیں گے۔ اور جس دین کو وہ اپنی چال بازیوں کے ذریعہ ناکام کرنا چاہتے ہیں وہ ان کی خواہشوں اور کوششوں کے برخلاف ان کی آنکھوں کے سامنے فروغ پائے گا۔ اسلام اور مسلمانوں سے انتہائی بغض وعداوت کے باوجود ظاہر میں ان کی تعظیم وتکریم پر مجبور ہوں گے ـــــ پھر مرتے ہی قبر کے عذاب سے اور برزخ کی دردناک سزا سے دوچار ہوں گے ـــــ پھر وہ لوگ (آخرت میں) بڑے بھاری عذاب کی طرف بھیجے جائیں گے ـــــ جس سے نہ رستگاری نصیب ہوگی، نہ وہ کبھی ہلکا کیا جائے گا!

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۰۲ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا

وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّ صَلَوٰتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿١٠٣﴾ أَلَمْ يَعْلَمُوٓا أَنَّ اللَّهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِۦ وَيَأْخُذُ الصَّدَقَٰتِ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١٠٤﴾ وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُۥ وَالْمُؤْمِنُونَ ۖ وَسَتُرَدُّونَ إِلَىٰ عَٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَٰدَةِ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٠٥﴾ وَءَاخَرُونَ مُرْجَوْنَ لِأَمْرِ اللَّهِ إِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَإِمَّا يَتُوبُ عَلَيْهِمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿١٠٦﴾

وَاٰخَرُوْنَ(1)	اور کچھ اور لوگ (ہیں)	اَنْ یَّتُوْبَ	کہ مہربان ہو جائیں	بِهَا	اس کے ذریعہ
اعْتَرَفُوْا	جنھوں نے اعتراف	عَلَیْهِمْ	ان پر	وَصَلِّ	اور رحمت کی دعا فرمایئے
	کر لیا ہے	اِنَّ اللّٰهَ	بلاشبہ اللہ پاک	عَلَیْهِمْ	ان کے حق میں
بِذُنُوْبِهِمْ	اپنے گناہوں کا	غَفُوْرٌ	بہت درگذر فرمانے والے	اِنَّ صَلٰوتَكَ	بلاشبہ آپ کی دعا
خَلَطُوْا(2)	آمیز کر لئے ہیں انھوں نے	رَّحِیْمٌ	بے حد مہربان ہیں	سَكَنٌ(4)	سکون بخش (ہے)
عَمَلًا صَالِحًا	نیک عمل	خُذْ	آپ لے لیجئے	لَّهُمْ	ان کے لئے
وَّاٰخَرَ	اور دیگر	مِنْ اَمْوَالِهِمْ	ان کے مالوں میں سے	وَاللّٰهُ	اور اللہ پاک
سَیِّئًا	بدعمل (بھی آمیز کر لئے ہیں)	صَدَقَةً	صدقہ	سَمِیْعٌ	سب کچھ سنتے
عَسٰى(3)	امید ہے	تُطَهِّرُهُمْ	آپ پاک کریں گے ان کو	عَلِیْمٌ	جانتے ہیں
اللّٰهُ	اللہ پاک	وَتُزَكِّیْهِمْ	اور سنواریں گے ان کو	اَلَمْ یَعْلَمُوْٓا	کیا وہ جانتے نہیں

(۱) محققین کے نزدیک وَآخَرُوْنَ کا عطف مُنَافِقُوْنَ پر ہے (روح) لہٰذا تقدیرِ عبارت اس طرح ہوگی: وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِنَ الاَعْرَابِ، وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ أُنَاسٌ (التفسیر الواضح) اور جملہ اعْتَرَفُوْا صفت ہے آخَرُوْنَ کی (۲) قاعدے سے خَلَطَ (ض) خَلْطًا کے دو مفعول ہوتے ہیں، پہلا مخلوط کہلاتا ہے اور دوسرا مخلوط بہ، جس کے ساتھ "با" استعمال کی جاتی ہے۔ مثلاً: خَلَطَ الْمَاءَ بِاللَّبَنِ (دودھ میں پانی ملایا) اور سَيِّئًا بدل ہے اٰخَرَ سے اور آخَرَ کا عطف عَمَلاً صالِحًا پر ہے۔ تقدیرِ عبارت: وَخَلَطُوْا آخَرَ سَيِّئًا ہے اور دونوں جملوں میں مفعول ثانی یعنی مخلوط بہ محذوف ہے۔ پہلے میں بِالْمَعْصِيَةِ اور دوسرے میں بِالتَّوْبَةِ (۳) جملہ عَسَى اللّٰهُ کے قرینہ سے اس سے پہلے ایک جملہ وَقَدْ عَفَا عَنْهُمْ محذوف ہے (۴) السَّكَنُ: رحمت، برکت، ہر وہ چیز جس سے اُنس حاصل کیا جائے (ماتسكن اليه النفوس وتطمئن من اهل ومال ومتاع) (التفسیر الواضح)

اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ پاک	وَقُلِ	اور آپ (ان سے) فرما دیجئے	تَعۡمَلُوۡنَ	کرتے رہے ہو
هُوَ	ہی	اعۡمَلُوۡا	عمل کئے جاؤ	وَ اٰخَرُوۡنَ	اور کچھ اور لوگ (ایسے ہیں)
يَقۡبَلُ	قبول فرماتے ہیں	فَسَيَرَى	پھر آگے دیکھ لیں گے	مُرۡجَوۡنَ	جن کا معاملہ (ابھی)
التَّوۡبَةَ	توبہ	اللّٰهُ	اللہ پاک		ڈھیل میں ہے
عَنۡ عِبَادِهٖ	اپنے بندوں کی	عَمَلَكُمۡ	تمہارے طرز عمل کو	لِاَمۡرِ اللّٰهِ	اللہ پاک کے حکم آنے تک
وَيَاۡخُذُ	اور منظور فرماتے ہیں	وَرَسُوۡلُهٗ	اور اس کے رسول (ﷺ)	اِمَّا	یا تو
الصَّدَقٰتِ	خیراتیں	وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ	اور مؤمنین	يُعَذِّبُهُمۡ	وہ انھیں سزا دیں گے
وَاَنَّ	اور یہ کہ	وَسَتُرَدُّوۡنَ	اور عنقریب تم پلٹائے	وَاِمَّا	اور یا
اللّٰهَ	اللہ پاک		جاؤ گے	يَتُوۡبُ	مہربانی فرمائیں گے
هُوَ	ہی	اِلٰى عٰلِمِ الۡغَيۡبِ	اس اللہ کی طرف جو چھپے	عَلَيۡهِمۡ	ان پر
التَّوَّابُ	بہت زیادہ توبہ قبول	وَالشَّهَادَةِ	کھلے کو جاننے والے ہیں	وَ اللّٰهُ	اور اللہ پاک
	فرمانے والے	فَيُنَبِّئُكُمۡ	پھر وہ تمہیں بتادیں گے	عَلِيۡمٌ	سب کچھ جانتے ہیں
الرَّحِيۡمُ	مہربانی فرمانے والے ہیں	بِمَا كُنۡتُمۡ	وہ سب کچھ جو تم	حَكِيۡمٌ	بڑے دانا ہیں

وہ وفادار مسلمان جو کاہلی کی وجہ سے تبوک کے جہاد میں شرکت نہ کرسکے

غزوۂ تبوک کے موقع پر لوگوں کی پانچ قسمیں بن گئی تھیں:

① —— مخلص اور وفادار مسلمان، جو حکم سنتے ہی، بغیر کسی قسم کے تردد کے، جہاد کے لئے تیار ہوگئے۔

② —— وہ حضرات جو مخلص تو تھے، لیکن وقت کی نزاکت کے پیش نظر شروع شروع میں کچھ متردد رہے لیکن بالآخر اٹھ کھڑے ہوئے —— آیت ۱۱۷ میں ان دونوں قسم کے لوگوں کا ذکر آ رہا ہے۔

③ —— کچھ حضرات واقعی معذور تھے، بیمار تھے یا کوئی جسمانی عذر رکھتے تھے، آیت ۹۱و۹۲ میں ان کا ذکر آچکا ہے۔

④ —— منافقین —— جو اپنے نفاق کی وجہ سے جہاد سے کترا گئے تھے —— گذشتہ بہت سی آیتوں میں ان لوگوں کا ذکر آچکا ہے اور آگے بھی آ رہا ہے۔

⑤ —— کچھ حضرات تھے تو مخلص مومن اور وفادار مسلمان۔ لیکن سستی اور کاہلی کی بناء پر جہاد میں شرکت نہ کرسکے —— ایسے حضرات کل دس تھے۔ زیر تفسیر آیاتِ پاک میں انہی حضرات کا تذکرہ ہے۔

جب تبوک سے مسلمانوں کی واپسی شروع ہوئی اور ان حضرات کو علم ہوا کہ پیچھے رہنے والوں سے اللہ پاک کس قدر ناراض ہیں، اور کیسی کیسی وعیدیں نازل فرمائی ہیں تو ان میں سے حضرت ابو لُبَابَۃ بن عبدالمُنْذِر اور ان کے چھ ساتھیوں نے اپنے آپ کو مسجدِ نبوی کے ستونوں سے باندھ لیا اور عہد کیا کہ جب تک خود نبیٔ پاک ﷺ انھیں نہیں کھولیں گے وہ اسی طرح بندھے رہیں گے — رسول اللہ ﷺ حسبِ معمول، مدینہ شریف پہنچتے ہی مسجدِ نبوی میں تشریف لے گئے۔ وہاں آپ ﷺ نے دوگانۂ شکر ادا فرمایا، وہاں آپ ﷺ نے ان حضرات کو بندھا ہوا دیکھا تو حقیقتِ حال دریافت فرمائی لوگوں نے عرض کیا کہ ان حضرات نے عہد کیا ہے کہ جب تک نبیٔ پاک ﷺ بذاتِ خود انھیں نہیں کھولیں گے وہ برابر اسی طرح بندھے رہیں گے۔ نبیٔ پاک ﷺ نے بھی قسم کھالی کہ "میں بھی انھیں اس وقت تک نہیں کھولوں گا جب تک کہ اللہ پاک مجھے ان کے کھولنے کا حکم عنایت نہیں فرمائیں گے" — چنانچہ وہ حضرات کئی روز تک اسی طرح بے آب ودانہ اور بے خواب بندھے رہے، حتی کہ بے ہوش ہوکر گر پڑے — آخر کار یہ آیاتِ شریفہ نازل ہوئیں اور انھیں بتایا گیا کہ اللہ پاک نے اور رسول اللہ ﷺ نے تمھیں معاف کردیا ہے اور تمھیں کھولنے کا حکم دیا ہے — جب لوگوں نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو کھولنے کا ارادہ کیا تو انھوں نے کھلنے سے انکار کردیا۔ اور کہنے لگے کہ جب تک حضور پاک ﷺ خوش ہوکر اپنے دستِ مبارک سے نہیں کھولیں گے میں بندھا ہی رہوں گا — جب آپ ﷺ صبح کی نماز کے لئے تشریف لائے تو اپنے دستِ مبارک سے انھیں کھول دیا — قید سے رہا ہوتے ہی ان حضرات نے اپنا سارا مال خدمتِ نبویؐ میں پیش کیا اور عرض کیا کہ ہماری توبہ میں یہ بات بھی شامل ہے کہ جس مال کی محبت نے ہمیں جہاد سے غافل کیا ہے اسے اللہ پاک کی راہ میں خیرات کردیں — آپ ﷺ نے مال لینے سے انکار فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ "مجھے اللہ پاک نے مال لینے کا حکم نہیں دیا"، اس پر آیتِ پاک ﴿ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ ﴾ نازل ہوئی۔ چنانچہ آنحضور ﷺ نے پورا مال لینے کے بجائے ایک تہائی مال بطور صدقہ قبول فرمایا۔

باقی تین حضرات نے نہ تو اپنے آپ کو مسجدِ نبوی میں قید کیا، نہ جرم وکوتاہی کا برملا اعتراف کیا۔ ہاں بہانہ بازی سے بھی کام نہیں لیا بلکہ خدمتِ نبویؐ میں صاف صاف اپنے قصور کا اعتراف کیا کہ ہم بغیر عذر پیچھے رہے ہیں — ان حضرات کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے تمام صحابہؓ کو حکم دیا کہ ان کا بائیکاٹ کیا جائے۔ ان سے سلام وکلام موقوف کیا جائے۔ آخری آیت میں ان حضرات کا ذکر ہے — اس ضروری تفصیل کے بعد اب آیاتِ پاک ملاحظہ فرمائیں۔

ارشاد فرماتے ہیں — اور (تمہارے آس پاس بسنے والے دیہاتی عربوں میں اور مدینہ کے باشندوں میں) دوسرے لوگ (وہ ہیں) جنھوں نے اپنے قصوروں کا اعتراف کرلیا ہے — یعنی کوتاہی ان سے ضرور ہوئی ہے لیکن اس کا سبب

نفاق نہیں ہے بلکہ سستی اور کاہلی ہے —— اور اب ان میں سے ہر شخص سچائی کے ساتھ اپنے قصور پر نادم ہے۔ ہر ایک کا دل حسرت وندامت میں ڈوبا ہوا ہے۔ ان کی صحیح پوزیشن یہ ہے کہ —— انھوں نے نیک اعمال (ایک گناہ کے ساتھ) رَلا دیئے ہیں—— حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں ہیں جو ہجرت سے پہلے، بیعتِ عقبہ کے موقع پر مسلمان ہوئے ہیں۔ پھر غزوۂ بدر، احد وغیرہ معرکوں میں شریک رہے ہیں۔ ان کے دوسرے ساتھی بھی ایسے ہی مخلص اور وفادار مسلمان تھے۔ ان کی زندگی کے پچھلے کارنامے ان کے اخلاص پر روشن دلیل تھے۔ مگر غزوۂ تبوک کے موقع پر بغیر کسی شرعی عذر کے گھر بیٹھے رہے۔ اس طرح انھوں نے اپنے نیک اعمال ایک برے عمل کے ساتھ آمیز کر لئے —— اور (پھر) دوسرے بدعمل کو (بھی توبہ کے ساتھ آمیز کر لیا ہے۔ اس طرح پر کہ انھوں نے اپنے آپ کو مجرم گردان کر مسجدِ نبوی کے ستونوں سے باندھ لیا ہے)[1]—— خلاصہ یہ کہ ان حضرات کی پوری ایمانی زندگی صاف وشفاف آئینہ کی طرح ہے جس پر انھوں نے معصیت کا ایک ہلکا سا دھبہ لگا لیا ہے پھر اسے بھی عرق انفعال اور توبہ کے آنسوؤں سے دھوڈالا ہے، پس اللہ پاک نے ان کا قصور معاف کر دیا:

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لئے ❁ قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے

ارشاد فرماتے ہیں—— امید ہے کہ اللہ پاک ان پر مہربان ہو جائیں۔ بلاشبہ اللہ پاک بہت زیادہ درگزر فرمانے والے، بے حد مہربانی فرمانے والے ہیں—— حضرت ابوعثمان نَہدِی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس سے زیادہ پر امید کوئی دوسری آیت قرآنِ کریم میں نہیں ہے (درمنثور)—— معراج میں نبی پاک ﷺ نے کچھ ایسے لوگ دیکھے جن کے چہروں پر سیاہ دھبے تھے۔ وہ لوگ جنت کی ایک نہر میں داخل ہوئے، جب نہا کر نکلے تو ان کے چہرے خوبصورت ہو چکے تھے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نبی پاک ﷺ کو بتلایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے ملے جلے، اچھے برے،

(۱) یہاں ایک لمحہ کے لئے ٹھیریے۔ اور قرآن پاک کی بلاغت ملاحظہ فرمایئے کہ کس قدر عجیب وغریب انداز بیان اختیار فرمایا گیا ہے۔ اور ان سات صحابہ کی پوزیشن کی کیسی سچی تصویر کھینچی گئی ہے—— پہلے جملہ میں ارشاد فرمایا کہ ''انھوں نے نیک اعمال رلا دیئے'' اس جملہ میں لفظِ عمل (اسم جنس) استعمال کر کے اعمال صالحہ کی کثرت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ جس میں انھوں نے ایک گناہ کی آمیزش کر لی تھی جیسے آٹے میں نمک۔ اور مخلوط بہ کو حذف کر دیا کیونکہ وہ دوسرے جملہ سے سمجھا جا رہا ہے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ انھوں نے اس دوسرے بدعمل کو بھی پوری طرح بد باقی نہیں رکھا بلکہ اسے بھی توبہ سے ملا لیا ہے۔ اس جملہ میں پہلے لفظ آخَرَ استعمال کر کے اس برے عمل کے ایک ہونے کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ پھر اس سے سَيِّئًا بدل لائے ہیں۔ پہلے ہی سے عَمَلاً سَيِّئًا نہیں فرمایا کیونکہ اس صورت میں ان کی سچی تصویر نہ آتی اور یہاں بھی مخلوط بہ کو محذوف فرما دیا ہے کیونکہ وہ متعین ہے یعنی توبہ —— قربان جایئے قرآن پاک کی اس بلاغت کے کہ کس قدر مختصر ارشاد میں کتنی سچی تصویر کھینچ دی ہے!

ہر طرح کے عمل کئے تھے اور اپنے برے کاموں سے دنیا ہی میں توبہ کر لی تھی۔ اللہ پاک نے ان کی توبہ قبول فرمالی اور ان کے گناہ معاف کر دیئے (درمنثور)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ جس طرح آیتِ پاک ﴿ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ﴾ (توبہ ۱۰۰) کا تعلق تمام امت سے ہے اسی طرح یہ آیتِ پاک بھی عام ہے۔ ہر وہ مسلمان جس کے اعمال صالحہ میں کچھ گناہوں کی آمیزش ہو جائے اگر وہ توبہ کر لے تو امید ہے: اللہ پاک اس کی کوتاہیوں پر قلم عفو پھیر دیں گے۔

توبہ قبول ہونے پر ان صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنا کل اثاثہ بطورِ صدقہ پیش کیا:

ارشاد فرمایا جاتا ہے کہ —— آپؐ ان کے اموال میں سے بطور صدقہ کچھ لے لیجئے —— چنانچہ آپ ﷺ نے ایک تہائی مال قبول فرمایا کیونکہ آیت میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ پورا مال نہ لیا جائے بلکہ بعض لیا جائے۔ لفظِ مِنْ سے یہ بات واضح ہوتی ہے —— آپؐ اس (صدقہ) کے ذریعہ ان کو پاک صاف اور ان کی نشوونما کریں گے —— مال کی محبت اور دولت کی پوجا ایمان کُش اور نہایت مہلک روحانی بیماریاں ہیں۔ اور اللہ پاک کی راہ میں خرچ کرنے سے اس کے گندے اور زہریلے اثرات سے نفس پاک صاف ہو جاتا ہے نیز اس خرچ کرنے میں نفس کی پاکی کے ساتھ ساتھ اس کی تربیت کا سامان بھی ہے۔ زکات وصدقات سے نفس بخل وحرص اور خود غرضی جیسی مہلک بیماریوں سے پاک صاف ہو جاتا ہے اور سخاوت، ہمدردی، الفت ومحبت، بھائی چارگی اور غرباء پروری جیسی اچھی صفات سے آدمی آراستہ ہو جاتا ہے —— احادیثِ نبویہؐ میں خیرات وصدقات کی اور بھی خوبیاں بیان فرمائی گئی ہیں۔ ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ:

اِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ، وَتَدْفَعُ مِيْتَةَ السُّوْءِ (ترمذی شریف)	صدقہ اللہ پاک کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے اور بری موت کو دفع کرتا ہے۔

اس حدیث شریف میں صدقہ کے دو فائدے بیان فرمائے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ اگر بندے کی کسی لغزش اور معصیت کی وجہ سے اللہ پاک کا غضب اس کی طرف متوجہ ہو جائے تو صدقہ اس غضب کو ٹھنڈا کر دیتا ہے یعنی صدقہ کی وجہ سے بندہ بجائے اللہ پاک کے غضب وناراضگی کے اس کی رضا اور رحمت کا مستحق بن جاتا ہے۔ اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ صدقہ بری موت سے آدمی کو بچاتا ہے یعنی صدقہ کی برکت سے اس کا خاتمہ اچھا ہوتا ہے —— ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ: اِنَّ ظِلَّ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَدَقَتُهٗ (احمد) قیامت کے دن مؤمن کا سایہ اس کا صدقہ ہوگا۔

یعنی صدقہ خیرات سائبان بن کر قیامت کے دن کی تپش سے محفوظ رکھے گا —— اور آپؐ ان کے حق میں دعائے خیر فرماویں۔ بلاشبہ آپؐ کی دعاء ان کے لئے سامان تسکین ہے —— یعنی ان صحابہ رضی اللہ عنہم کے لئے جن کے دل حسرت

وندامت سے زخمی ہورہے ہیں، آپ ﷺ کی دعاء راحت وسکون کا مرہم ثابت ہوگی —— اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتے جانتے ہیں—— وہ آپ ﷺ کی سب دعائیں سن رہے ہیں اور خوب جانتے ہیں کہ کون ان دعاؤں کا سزاوار ہے۔ کس کے حق میں قبول کی جانی چاہئیں اور کس کے حق میں قبول نہ کی جانی چاہئیں۔

اسلامی حکومت کے فرائض میں زکات کا نظام بنانا ہے:

اس آیتِ پاک سے یہ مسئلہ بھی اخذ کیا گیا ہے کہ اسلامی حکومت کے فرائض میں یہ بات داخل ہے کہ وہ مسلمانوں کی زکات وصدقات وصول کرے اور اس کے مصارف پر خرچ کرنے کا انتظام کرے—— حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی زمانہ میں کچھ مسلمانوں نے یہ کہہ کر خلیفۃ المسلمین کو زکوٰۃ دینے سے انکار کردیا تھا کہ ہم سے زکوٰۃ وصدقات وصول کرنے کا حکم آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ تک تھا، ہم نے اس کی تعمیل کی، آپ ﷺ کی وفات کے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ کو کیا حق ہے کہ ہم سے زکات وصدقات طلب کریں؟—— حضرت صدیقِ اکبرؓ نے ان کے ساتھ جنگ کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ شروع شروع میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ جنگ کرنے میں تردد تھا کہ وہ مسلمان ہیں۔ وہ قرآنِ پاک کی اس آیت کی آڑ لے کر امام المسلمین کو زکوٰۃ ادا کرنے سے بچنا چاہتے تھے، اس لئے ان کے ساتھ وہ معاملہ نہیں کرنا چاہئے جو عام مرتدین کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ لیکن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پورے عزم کے ساتھ فرمایا کہ جو شخص نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا اس سے جہاد کیا جائے گا —— یعنی جو لوگ نماز میں تو اجتماعیت کے قائل ہیں، اُسے تو باجماعت ادا کرتے ہیں مگر زکات میں وہ یہ بات تسلیم نہیں کرتے، بلکہ اس کی اجتماعیت میں رخنہ اندازی کرتے ہیں ان سے ضرور جہاد کیا جائے گا۔

صحابہؓ کے عمل سے یہ بات بالکل صاف ہوگئی کہ جیسے نماز میں اصل اجتماعیت ہے کہ جہاں بھی چند مسلمان ہوں وہ باضابطہ جماعت کے ساتھ پانچوں نمازیں ادا کرنے کا اہتمام کریں۔ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ ”کسی بستی میں یا بادیہ (وہ جنگل جہاں کوئی مستقل بستی نہ ہو، بلکہ عارضی طور پر کوئی مقیم ہوگیا ہو) میں تین آدمی ہوں اور وہ نماز باجماعت نہ پڑھتے ہوں تو ان پر شیطان یقیناً قابو پالے گا۔ لہٰذا تم جماعت کی پابندی کو اپنے اوپر لازم کرلو، کیونکہ بھیڑیا اسی بکری کو اپنا لقمہ بناتا ہے جو گلہ سے دور رہتی ہے“—— یعنی اگر کسی جگہ صرف تین آدمی بھی ہوں تو ان کو بھی جماعت ہی سے نماز پڑھنا چاہئے۔ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو شیطان آسانی سے ان کو شکار کرلے گا —— کیونکہ جماعتی نظام کے طفیل بہت سے وہ لوگ بھی پانچوں وقت کی نماز پابندی سے ادا کرلیتے ہیں جو عزیمت کی کمی اور جذبے کی کمزوری کی وجہ سے انفرادی طور پر کبھی بھی ایسی پابندی نہیں کرسکتے —— ٹھیک اسی طرح زکوٰۃ میں بھی اصل اجتماعیت ہے کہ باقاعدہ ایک منظم پروگرام

کے تحت زکوٰۃ کی وصولی عمل میں آئے اور خرچ کی جائے تاکہ اس جماعتی نظام کی برکت سے بہت سے وہ لوگ بھی باقاعدہ پابندی سے زکوۃ ادا کرتے رہیں جو آج مال کی لالچ، دنیا کی محبت اور جذبے کی کمزوری کی وجہ سے انفرادی طور پر ادا نہیں کر پاتے ـــــ مگر اس کا یہ مطلب نہ سمجھ لیا جائے کہ انفرادی طور پر ادا کی ہوئی زکوۃ ادا نہیں ہوتی۔ بلکہ جس طرح انفرادی طور پر پڑھی ہوئی نماز ادا ہو جاتی ہے زکوۃ بھی ادا ہو جاتی ہے۔ مدعا صرف یہ ہے کہ جس طرح نماز میں اجتماعیت مطلوب ہے زکوۃ میں بھی مطلوب ہے۔

زکات ٹیکس نہیں، عبادت ہے:

اس آیتِ شریفہ سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ زکوۃ وصدقات حکومت کا کوئی ٹیکس نہیں، جو نظامِ حکومت چلانے کے لئے وصول کئے جاتے ہوں بلکہ اس کا اصلی مقصد خود مال داروں کو گناہوں اور روحانی بیماریوں سے پاک صاف کرنا ہے اس لئے اگر کسی جگہ یا کسی وقت کوئی بھی مستحق زکوۃ باقی نہ رہے تب بھی مال والوں پر زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے، زکوٰۃ کا حکم ساقط نہ ہوگا۔

غنیمت کی طرح زکات بھی اس امت کے لئے حلال کی گئی ہے:

پچھلی امتوں میں جو مال اللہ تعالیٰ کے لئے نکالا جاتا تھا اس کا استعمال کسی کے لئے جائز نہ تھا۔ بلکہ دستور یہ تھا کہ اس کو کسی علاحدہ جگہ پر رکھ دیا جاتا تھا اور آسمانی بجلی آکر اس کو جلا دیتی تھی اور یہی علامت اس کے مقبول عنداللہ ہونے کی تھی اور جہاں یہ آسمانی آگ نہ آتی تو اس صدقہ کو غیر مقبول سمجھا جاتا اور اس منحوس مال کو کوئی ہاتھ نہ لگاتا ـــــ اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ وصدقات کی اصل مشروعیت کسی کی حاجت روائی کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ وہ ایک مالی حق اور عبادت ہے جیسے نماز روزہ جسمانی عبادتیں ہیں ـــــ لیکن اللہ پاک جل شانہ وعم نوالہ نے اس امت مرحومہ پر خصوصی احسان یہ فرمایا کہ جو مال اللہ پاک کے لئے نکالا جاتا ہے اسے اس امت کے حاجت مندوں کے لئے جائز کر دیا جیسا کہ مسلم شریف کی حدیث میں اس کی صراحت موجود ہے۔

اس آیت سے ایک خاص نکتہ یہ بھی معلوم ہوا کہ گناہوں کی تلافی کے لئے توبہ کے ساتھ ساتھ اللہ کی راہ میں کچھ مال بھی خرچ کرنا چاہئے تاکہ جو ظلمت وکدورت نفس میں باقی رہ گئی ہو، جو آئندہ گناہ کے ارتکاب کا سبب بن سکتی ہو، وہ کدورت دور ہو کر کامل پاکی حاصل ہو جائے اور خیر کے کاموں کی استعداد بڑھے۔

صحابہ کے تعلقات اور ترک تعلقات کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی خوشنودی تھی:

جن لوگوں نے غزوۂ تبوک میں شرکت نہیں کی تھی مسلمان ان سے کھنچے کھنچے رہنے لگے تھے، اسی وجہ سے منافقین

بار بار جھوٹی قسمیں کھا کر مسلمانوں کو خوش کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ان ساتھیوں سے بھی جنھوں نے اپنے آپ کو مسجدِ نبوی میں قید کر دیا تھا مسلمان بے تعلق ہو گئے تھے۔ نہ کوئی ان کے ساتھ بولتا تھا نہ ان کے پاس بیٹھتا تھا۔ لیکن چند روز بعد جب ان کی توبہ قبول ہو گئی تو مسلمانوں کے دلوں سے بھی میل دور ہو گیا۔ وہ بدستور بھائی بھائی اور باہم شیر و شکر بن گئے۔

نیک لوگوں کے باہمی تعلقات سونے کے برتن کی طرح ہیں جو دیر سے ٹوٹتا ہے اور جلد جڑتا ہے۔
اور برے لوگوں کے تعلقات مٹی کے برتن کی طرح ہیں جو ہر وقت ٹوٹنے کے لئے تیار رہتا ہے
اور کبھی بھی جڑ نہیں سکتا!

صحابہ کے تعلقات اور ترکِ تعلقات کی بنیاد اللہ کی خوشنودی تھی چنانچہ جب تک اللہ پاک ناخوش رہے یہ بھی ناخوش رہے پھر جب اللہ پاک نے ان کی توبہ قبول فرمالی تو یہ بھی ان سے خوش ہو گئے ـــــ لیکن منافقوں نے کہنا شروع کیا کہ ارے یہ کیا ہو گیا؟ ان لوگوں کے ساتھ مسلمانوں کا رویہ کیوں بدل گیا؟ کل تک کوئی ان کی طرف التفات نہیں کرتا تھا اور آج سب ان کو گلے لگا رہے ہیں! آخر ایسا کیوں ہوا؟ اور ہم ہر طرح قسمیں کھاتے ہیں مگر کوئی اعتبار نہیں کرتا! آخر ماجرا کیا ہے؟[1] ـــــ اللہ رب العزت اس کی وجہ ارشاد فرماتے ہیں ـــــ کیا انھیں معلوم نہیں کہ اللہ پاک ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتے ہیں، اور خیراتیں لیتے ہیں؟ اور یہ کہ اللہ پاک ہی زیادہ سے زیادہ توبہ قبول فرمانے والے، بے حد مہربانی فرمانے والے ہیں ـــــ جن لوگوں نے اخلاص کے ساتھ توبہ کی ان کی توبہ قبول فرمالی، ان کی خیراتیں بھی لے لیں ـــــ اور تم نے چونکہ صرف زبانی جمع خرچ کیا ہے بلکہ دھوکہ بازی سے کام لیا ہے اس لئے نہ تو تمہاری توبہ کو شرفِ قبولیت ملا، نہ تمہاری خیراتیں قبول ہوئیں، بلکہ ہمیشہ کے لئے تمہاری خیراتیں قبول کرنے سے منع فرمادیا اور تمہارے صدقات کو مردود ٹھہرادیا اور تمہارے حق میں نبی کریم ﷺ کی دعاء خیر کو اور استغفار کو بے سود بتلایا۔

زکات خیرات پہلے اللہ کے ہاتھ میں پہنچتی ہے:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب بھی کوئی شخص خیرات کرتا ہے تو وہ فقیر کے ہاتھ میں جانے سے پہلے اللہ پاک کے ہاتھ میں پہنچتی ہے۔ پھر اللہ پاک اسے فقیر کے ہاتھ میں رکھتے ہیں۔ حضرتؓ نے یہ بات اسی

(۱) عن ابن زيدٍ قال: قال الآخرون: هؤلاءِ كانوا معنا بالأمس لايُكَلَّمُوْنَ ولايُجَالَسُوْنَ، فَمَالَهُمْ؟ فَأنزل الله: اَلَمْ يَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ الآية (درمنثور)

آیتِ پاک سے سمجھی ہے ـــــ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کا مبارک ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ ”بلاشبہ اللہ پاک خیرات قبول فرماتے ہیں۔ اللہ پاک اسے اپنے دائیں ہاتھ میں لیتے ہیں پھر تمہاری خاطر اسے بڑھاتے رہتے ہیں، جس طرح تم اپنی بچھڑی کی پرورش کرتے ہو، چنانچہ ایک کھجور اُحُد پہاڑ کے برابر ہو جائیگی“

آیتِ پاک کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ پاک سخت گیر یا خوردہ گیر نہیں ہیں، نہ روٹھ کر بیٹھ جانے والے ہیں، وہ تو زیادہ سے زیادہ توبہ قبول فرمانے والے اور نہایت مہربانی فرمانے والے ہیں۔ ہر اس بندے کی توبہ قبول فرمالیتے ہیں جو سچی توبہ کرے اور ہر اس شخص کی خیرات قبول فرمالیتے ہیں جو حلال و پاکیزہ کمائی سے اخلاص کے ساتھ پیش کرے۔ لہٰذا:

بازآ، بازآ، ہر آنچہ کردی بازآ ❁ گر کافر و گبر و بُت پرستی بازآ

(توبہ کرو! توبہ کرو! کیسا بھی گناہ ہو گیا ہو توبہ کرو! خواہ تم کافر ہو، آتش پرست ہو یا بت پرست ہو بہر صورت توبہ کرو!)

ایں درگہِ ما، درگہِ نومیدی نیست ❁ صد بار گر توبہ شکستی بازآ

(ہماری بارگاہ ناامیدی کی بارگاہ نہیں ہے۔ ❁ سو بار بھی اگر توبہ شکنی کر چکے ہو تو بھی توبہ کرو)

اور آپؐ (ان اعتراض کرنے والے منافقوں سے) فرما دیجئے کہ (یہ باتیں چھوڑو) عمل کئے جاؤ، آئندہ جلد اللہ پاک اور اس کے رسول (ﷺ) اور مؤمنین تمہارے (طرزِ) عمل کو دیکھ لیں گے ـــــ اور اسی سے اندازہ کرلیں گے کہ تم نے سچی توبہ کی ہے یا دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے۔ اگر سچی توبہ کی ہے تو خیر، ورنہ سنو! ـــــ اور جلد تمہیں اس اللہ پاک کی طرف پلٹایا جائے گا جو چھپے کھلے (سب) کے جاننے والے ہیں، پھر وہ تمہیں وہ سب کچھ بتا دیں گے جو تم کرتے رہے ہو! ـــــ منافقوں کو اسی قسم کا جواب ابھی آیت ۹۴ میں بھی دیا گیا ہے!

تین صحابہ کا معاملہ مؤخر کیا گیا:

اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں: ـــــ اور کچھ اور لوگ (ہیں جن کا معاملہ) اللہ پاک کا حکم آنے تک ڈھیل میں ہے وہ یا تو انھیں سزا دیں گے یا ان پر مہربان ہو جائیں گے، اور اللہ پاک سب کچھ جاننے والے، بڑے دانا ہیں ـــــ یہ کل تین آدمی تھے، جن کے نام مُرَارَہ بن الرَّبِیْع، کَعْب بن مالک اور ہلال بن اُمَیَّہ رضی اللہ عنہم تھے انھوں نے نبی کریم ﷺ کی واپسی پر کوئی معذرت نہیں کی۔ بلکہ کہا کہ سچی بات یہ ہے کہ ہمیں کوئی عذر نہ تھا۔ محض کاہلی اور سستی تھی جس نے نکلنے نہیں دیا۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمادیا کہ ”اللہ کے حکم کا انتظار کرو“ آگے آیت ۱۱۷ میں ان کا مفصل تذکرہ آ رہا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًاۢ بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ

حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾ ع

وَ الَّذِيْنَ (۱)	اور (مثال کے طور پر	وَ اِرْصَادًا (۳)	اور کمین گاہ بنانے کیلئے	اِلَّا الْحُسْنٰى (۵)	مگر بھلائی کا
	ان لوگوں کا تذکرہ کیجئے)	لِّمَنْ	ان لوگوں کے لئے جو	وَاللّٰهُ	اور اللہ پاک
	جنھوں نے	حَارَبَ	برسرِ پیکار رہ چکے ہیں	يَشْهَدُ	گواہی دیتے ہیں
اتَّخَذُوْا	بنا کھڑی کی	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ کے	اِنَّهُمْ	کہ بلاشبہ وہ لوگ
مَسْجِدًا	ایک مسجد	وَرَسُوْلَهٗ	اور اس کے رسول کے	لَكٰذِبُوْنَ	یقیناً جھوٹے ہیں
ضِرَارًا (۲)	نقصان پہنچانے کیلئے	مِنْ قَبْلُ (۴)	قبل ازیں	لَا تَقُمْ (۶)	نہ نماز پڑھئے آپ
وَّكُفْرًا	اور کفر کے لئے	وَلَيَحْلِفُنَّ	اور وہ ضرور قسمیں کھا کر	فِيْهِ	اس (عمارت) میں
وَّتَفْرِيْقًا	اور پھوٹ ڈالنے کیلئے		کہیں گے کہ	اَبَدًا	کبھی بھی
بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ	مسلمانوں میں	اِنْ اَرَدْنَآ	نہیں ارادہ کیا ہم نے	لَمَسْجِدٌ (۷)	وہی مسجد

(۱) اُذْكُرْ فعل مقدر کا مفعول ہے اور ضِرَارًا مع معطوفات مفعول لہ ہے (۲) ضَارَّ يُضَارُّ سے باب مفاعلہ کا مصدر ہے، جس کے معنی ہیں ''ضرر پہنچانا، گزند پہنچانا'' اس معنی میں ''ضَرَرٌ'' بھی آتا ہے۔ بعض لوگ ان دونوں میں فرق کرتے ہیں کہ ضرر وہ نقصان پہنچانا ہے جس میں نقصان پہنچانے والے کا فائدہ ہو اور ضرار وہ نقصان پہنچانا ہے جس میں نقصان پہنچانے والے کا اپنا کوئی فائدہ نہ ہو۔ (۳) باب افعال کا مصدر ہے جس کے معنی ہیں ''گھات لگانا'' اور باب نصر سے معنی ہیں ''گھات میں بیٹھنا'' (۴) أی: من قبل هذا الاتخاذ (روح) (۵) اَحْسَنُ کا مؤنث ہے اور خَصْلَةٌ کی صفت ہے (۶) نماز پڑھنا قِيَام کے مجازی معنی ہیں، کہا جاتا ہے ''فُلَانٌ يَقُوْمُ اللَّيْلَ'' اور حدیث شریف میں ہے [مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ] (۷) لام یا تو ابتدائیہ ہے یا قسمیہ اور مَسْجِدٌ مبتداء ہے، بعد والا جملہ اس کی صفت ہے اور مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ ←

اُسِّسَ	جس کی بنیاد رکھی گئی ہے	الْمُطَّهِّرِيْنَ	خوب پاک صاف	جُرُفٍ(۴)	کھوکھلے ساحل کے
عَلَى التَّقْوٰى	تقویٰ پر		رہنے والوں کو	هَارٍ(۵)	کو گرنے کو ہے
مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ	روز اول ہی سے	اَفَمَنْ(۱)	کیا تو وہ شخص جس نے	فَانْهَارَ(۶)	پھر وہ جا گرا
اَحَقُّ	(وہی) زیادہ مستحق ہے	اَسَّسَ	بنیاد رکھی	بِهٖ	اس کو لے کر
اَنْ تَقُوْمَ	کہ آپ نماز پڑھیں	بُنْيَانَهٗ(۲)	اپنی عمارت کی	فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ	جہنم کی آگ میں؟
فِيْهِ	اس میں	عَلٰى تَقْوٰى	خوف پر	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
فِيْهِ	اس (مسجد) میں	مِنَ اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کے	لَا يَهْدِي	سمجھ بوجھ نہیں دیتے
رِجَالٌ	ایسے لوگ (نماز پڑھتے	وَرِضْوَانٍ	اور رضا پر	الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ	ظالم لوگوں کو
	ہیں) جو	خَيْرٌ	اچھا ہے	لَا يَزَالُ	ہمیشہ بنی رہے گی
يُحِبُّوْنَ	پسند کرتے ہیں	اَمْ مَّنْ	یا وہ شخص	بُنْيَانُهُمُ	ان کی یہ عمارت
اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا	کہ خوب پاک صاف ہیں	اَسَّسَ	جس نے بنیاد رکھی	الَّذِيْ بَنَوْا	جو بنائی تھی انھوں نے
وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	بُنْيَانَهٗ(۲)	اپنی عمارت کی	رِيْبَةً(۷)	کانٹا
يُحِبُّ	محبوب رکھتے ہیں	عَلٰى شَفَا(۳)	کنارے پر	فِيْ قُلُوْبِهِمْ	ان کے دلوں میں

← متعلق ہے اَسَّسَ سے اور اَحَقُّ الخ خبر ہے۔

(۱) فا مقدر پر عطف کے لئے ہے ای: أَبَعْدَ ما عُلِمَ حالُهم فَمَنْ اَسَّسَ الخ (روح) (۲) بُنْيَان مصدر ہے غُفْرَان کے وزن پر لیکن مَفْعُوْلٌ کے معنی میں ہے یعنی عمارت (۳) الشَفَا: ہر چیز کا کنارہ، تثنیہ: شَفَوَان اور جمع اَشْفَاءٌ ہے — انسان کے لئے موت کے وقت، اور چاند کے لئے چھپنے کے وقت، اور آفتاب کے لئے غروب کے وقت کہا جاتا ہے: مَابَقِيَ مِنْهُ اِلَّا شَفَا یعنی صرف تھوڑا سا رہ گیا ہے۔ فعل شَفَا يَشْفُوْ شَفْوًا ہے۔ شَفَا الْهِلَالُ: چاند کا طلوع ہونا شفا الشخصُ: ظاہر ہونا شفا الشَّمْسُ: آفتاب کا غروب کے قریب ہونا (۴) جُرُفٌ کی جمع جِرْفَةٌ ہے: ندی یا دریا کا کنارہ جس کے نیچے کی مٹی کو پانی نے کاٹ کر بہا دیا ہو، اور اوپر کا حصہ بے سہارا کھڑا رہ گیا ہو، اور اسی سے محاورہ ہے کہ: فُلَانٌ يَبْنِيْ عَلٰى جُرُفٍ هَارٍ لَايَدْرِيْ مَالَيْلٌ مِّنْ نَهَارٍ (فلاں شخص دریا کے گرتے ہوئے کنارہ پر گھر بناتا ہے، اسے رات دن کی تمیز نہیں) جَرَفَ الشَّيْئَ: کل یا اکثر حصہ کو لے جانا۔ (۵) هَارٍ اسم فاعل ہے، مادہ هَوْرٌ معنی ہیں گرنے کے قریب۔ (۶) اِنْهَارَ (فعل ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب) اِنْهِيَارٌ سے ہے جس کے معنی ہیں ڈھ پڑنا (۷) رَيْب سے اسم ہے، جس کی جمع رِيَبٌ ہے بمعنی شبہ، شک۔

اِلَّآ	مگر	قُلُوْبُهُمْ	ان کے دل	عَلِيْمٌ	سب کچھ جاننے والے
اَنْ تَقَطَّعَ (۱)	یہ کہ پارہ پارہ ہوجائیں	وَاللّٰهُ	اور اللہ پاک	حَكِيْمٌ	بڑے دانا ہیں

قصہ مسجد ضرار کا: منافقین کی دسیسہ کاری کی ایک مثال

آیت نمبر چورانوے سے یہ بیان چل رہا ہے کہ منافقین جھوٹی قسمیں کھا کر اپنے آپ کو سچا مسلمان ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اور غزوۂ تبوک کی غیر حاضری کو معذوری اور مجبوری کا نتیجہ بتلاتے ہیں۔ نبی پاک ﷺ اور مسلمانوں کو خوش کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ جب حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی توبہ قبول ہوگئی اور ان کی جھوٹی قسموں کا اعتبار نہیں کیا گیا تو اس پر انھیں اچنبھا ہوا کہ آخر یہ ماجرا کیا ہے؟ ہمارا اور ان کا کیس ایک ہی نوعیت کا ہے جب انھیں معاف کردیا گیا تو ہمیں کیوں نہیں بخشا گیا؟ اس لئے اب اللہ پاک ان نام نہاد مسلمانوں (منافقوں) کے اعمال کی قلعی کھولتے ہیں اور ان کا کچا چٹھا منظر عام پر لاتے ہیں۔ بتلاتے ہیں کہ ان کے برے اعمال تو برے ہی ہیں، ان کے وہ اعمال بھی جو بظاہر بہت ہی خوش نما نظر آتے ہیں، اندر سے گندے ہیں، پھر انھیں کیونکر سچا مسلمان تسلیم کرلیا جائے؟ اور ان کی توبہ کی قبولیت کے لئے در اجابت کیسے وا ہو؟:

مسلماں تو وہ ہے، جو ہو مسلماں، علم باری میں ❁ کروڑوں یوں تو ہیں، لکھے ہوئے مردم شماری میں

یہاں مثال کے طور پر منافقوں کے ایک مسجد بنانے کا تذکرہ فرمایا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ مسجد بنانا کارِ ثواب ہے اور بڑا فضیلت والا عمل ہے۔ مسجد بنانا جنت میں اپنا محل تعمیر کرنا ہے۔ لیکن منافقوں نے جو مسجد بنائی تھی اس کی کہانی کچھ اور تھی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام سے پہلے مدینہ شریف میں مشرکوں کے دو قبیلے اَوس اور خَزْرَج آباد تھے۔ مسلمان ہونے کے بعد یہی حضرات ''انصار'' کے معزز لقب سے سرفراز کئے گئے یعنی وہ حضرات جنھوں نے اسلام کی بھرپور مدد کی اور اس کی راہ میں تن مَن دھن کی بازی لگادی ـــــ لیکن قدرت کی نیرنگی دیکھئے کہ انہی قبیلوں میں انتہا پسند منافق بھی تھے۔ ان کا سرغنہ عبداللہ بن ابی اسی قبیلہ خزرج کا ایک فرد تھا جس کی سیاہ تاریخ سے مسلمانوں کا بچہ بچہ واقف ہے۔ اسی قبیلہ کا ایک دوسرا شخص تھا۔ جس کا نام عمرو یا عبدِ عمرو تھا۔ جو اپنی کنیت ابوعامر سے پہچانا جاتا تھا۔ اسلام سے پہلے راہب (درویش) سے مشہور تھا۔ نبی پاک ﷺ نے اس کو بجائے راہب کے فاسق نام دیا تھا۔ یہ شخص مشہور صحابی حضرت حَنْظَلَه رضی للہ عنہ کا باپ تھا (حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کی لاشِ مبارک کو فرشتوں نے نہلایا تھا جس کی وجہ سے انہیں غَسِيْل

(۱) باب تَفَعُّلْ سے فعل مضارع کا واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے جس کی اصل تَتَقَطَّعُ ہے ایک تا حذف کی گئی ہے معنی ہیں پارہ پارہ ہوجانا۔ ٹکڑے ٹکڑے ہوجانا۔

الملائکۃ کہا جاتا ہے) مگر ان کے باپ کا حال کچھ اور ہی تھا۔ وہ زمانۂ جاہلیت (قبل از اسلام) میں عیسائی بن گیا تھا۔ اس کا شمار اہلِ کتاب کے علماء میں ہونے لگا تھا اور درویشی میں بھی اس کی شہرت تھی ـــ مگر جب اسلام کا نور چمکا تو اس کا یہ علم اور یہ درویشی اس کے لئے زبردست حجاب بن گئی۔ وہ نعمتِ ایمان سے محروم رہا۔ بلکہ نبی پاک ﷺ کو اپنی مشیخت، کاروبارِ درویشی اور چودھراہٹ کا حریف سمجھنے لگا اور مخالفت پر کمر بستہ ہو گیا ـــ شروع میں اس نے نبی پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام پر اعتراضات کئے۔ معقول جوابات پانے پر بھی اس بدنصیب کو اطمینان نہ ہوا، کہنے لگا کہ ہم دونوں میں جو جھوٹا ہے وہ مردود ہو اور احباب و اقارب سے دور مسافرت میں مرے،! نبی کریم ﷺ نے آمین کہی۔ وہ مجلس سے یہ کہہ کر اٹھا کہ آپؐ کے مقابل جو بھی دشمن آئے گا میں اس کا ساتھ دوں گا!"

دو سال تک تو اسے یہ امید رہی کہ کفار قریش کی طاقت ہی اسلام کو نیست و نابود کر کے رکھ دے گی۔ لیکن جب میدانِ بدر میں قریش کو شکستِ فاش ہوئی تو اب اس نے دوڑ دھوپ شروع کر دی۔ اور قریش اور دوسرے قبائل کی ایک بھاری جمعیت مدینہ شریف پر چڑھا لایا جن سے احد پہاڑ کے دامن میں مسلمانوں کا سخت مقابلہ ہوا۔ یہ شخص بذاتِ خود بھی اس معرکہ میں کافروں کے ساتھ شریکِ جنگ تھا۔ بلکہ احد کے میدان جنگ میں اسی ملعون نے وہ گڑھے کھدوائے تھے، جن میں سے کسی ایک میں نبی پاک ﷺ (اَرواحُنَا فِداہُ) گر کر زخمی ہوئے تھے ـــ جنگ احزاب میں جو لشکر ہر طرف سے مدینہ شریف پر چڑھ آیا تھا، اس کو چڑھا لانے میں بھی اس شخص کا نمایاں حصہ تھا ـــ خلاصہ یہ کہ جنگ حنین تک مشرکین عرب اور مسلمانوں کے درمیان جتنی لڑائیاں ہوئی ہیں ان سب میں یہ عیسائی فاسق اسلام کے خلاف شرک کا سرگرم حامی رہا ہے۔

جب نبی کریم ﷺ مکہ شریف سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو پہلے مدینہ سے باہر بنی عمرو بن عوف کے محلے قبا میں فروکش ہوئے تھے۔ یہاں کے قیام کے زمانہ میں آپ ﷺ جس جگہ نماز پڑھتے تھے وہاں لوگوں نے ایک مسجد تیار کر لی تھی۔ جو مسجدِ قبا کے نام سے مشہور ہے۔ چند روز بعد نبی کریم ﷺ شہر (مدینہ) میں تشریف لے آئے۔ اور شہر میں اپنی مسجد تعمیر فرمائی، جو مسجدِ نبوی کہلاتی ہے ـــ ابو عامر فاسق اور عبداللہ بن ابی قبیلہ خزرج کی اسی شاخ بنی عمرو بن عوف سے تعلق رکھتے ہیں ـــ جب اس فاسق درویش کو اس بات سے مایوسی ہو گئی کہ عرب کی کوئی طاقت اسلام کے سیل رواں کو روک سکے گی تو اس نے عرب کو چھوڑ کر روم کا رخ کیا، تا کہ قیصر روم کو اس خطرہ سے آگاہ کرے جو عرب میں سر ابھار رہا تھا۔ وہ غزوۂ حُنین کے بعد روم کے لئے روانہ ہو گیا وہاں اس نے اسلام کے خلاف اس زور سے آگ لگائی کہ مدینہ شریف میں اطلاعات پہنچنے لگیں کہ قیصرِ روم مدینہ شریف پر چڑھائی کی تیاریاں کر رہا ہے۔ اور نبی کریم ﷺ کو اس کی روک تھام کے لئے تبوک کی مہم پر جانا پڑا ـــ یہ فاسق تنہا سرگرم عمل نہیں تھا بلکہ مدینہ کے منافقوں کا ایک گروہ، خصوصاً بنی عمرو بن عوف

کے بارہ منافق اس کے ساتھ سازش میں برابر کے شریک تھے ــــ اس کی سازش کی ایک کڑی یہ بھی تھی کہ اس کے ہمنوا منافق اپنی ایک الگ مسجد بنالیں، جہاں منافق منظّم ہوسکیں۔اور آئندہ کارروائیوں کے لئے مشورے کرسکیں۔اور ابو عامر آئے تو ایک موزوں جگہ ٹھہرنے اور مشورے کرنے کے لئے موجود ہو۔اور اس تمام کارروائی پر مذہب کا خوشنما پردہ پڑا رہے۔اور آسانی سے ان پر کوئی شبہ نہ کیا جاسکے ــــ یہ تھی وہ ناپاک سازش جس کے تحت قبا میں وہ مسجد تیار کی گئی جو تاریخ میں ''مسجدِ ضرار'' کے نام سے پہچانی جاتی ہے۔

لیکن چونکہ قبا ایک مختصر سا محلّہ تھا اور وہاں پہلے سے ایک مسجد موجود تھی اس لئے یہ لوگ مجبور ہوئے کہ اپنی علاحدہ مسجد بنانے کی ضرورت ثابت کریں۔چنانچہ انھوں نے نبی پاک ﷺ کے سامنے یہ ضرورت پیش کی کہ بارش میں اور جاڑے کی راتوں میں عام لوگوں کو اور خصوصاً بچوں، بوڑھوں اور معذوروں کو جو پہلی مسجد سے دور رہتے ہیں پانچوں وقت حاضری دینی مشکل ہوتی ہے اس لئے ہم نے نمازیوں کی آسانی کے لئے ایک نئی مسجد تعمیر کی ہے۔آپؐ ایک مرتبہ خود نماز پڑھا کر ہماری مسجد کا افتتاح فرمادیں۔

نبی کریم ﷺ اس وقت تبوک کی مہم پر روانگی کی تیاریاں فرمارہے تھے۔اس لئے آپؐ نے وعدہ فرمایا کہ ''اس وقت تو ہمیں سفر درپیش ہے، واپسی پر میں اس مسجد میں نماز پڑھوں گا''

آپ ﷺ تبوک کی طرف روانہ ہوگئے، آپؐ کے بعد منافقین اس مسجد میں اپنی جتھ بندی اور سازش کرتے رہے، یہیں انھوں نے یہ طے کیا تھا کہ اُدھر کوئی سانحہ پیش آئے اور مسلمانوں کا قلع قمع ہوجائے، اِدھر ہم فوراً عبداللہ بن اُبی کے سر پر شاہی تاج رکھدیں۔

ان کی اس زبردست سازش کا انجام یہ ہوا کہ ابو عامر فاسق روم کی ایک بستی قِنَّسرِیْن میں وطن سے دور، یکہ وتنہا، غربت وبے کسی کی حالت میں موت کے منہ میں پہنچ گیا۔اور تبوک میں مسلمانوں کے ساتھ جو معاملہ پیش آیا اس نے منافقوں کی ساری امیدوں پر پانی پھیردیا۔

تبوک سے واپسی پر جب نبی اکرم ﷺ ذِیْ اَوَانْ مقام پر پہنچے، جو مدینہ شریف سے قریب ہی ہے، تو اللہ پاک نے یہ آیات مبارکہ نازل فرماکر ان کی سازش سے پردہ اٹھادیا۔آپ ﷺ نے وہیں سے چند آدمیوں کو روانہ فرمایا تاکہ وہ نبی اکرم ﷺ کے شہر میں داخل ہونے سے پہلے ہی مسجدِ ضرار کو مسمار کردیں ــــ اس ضروری تفصیل کے بعد اب آیاتِ پاک ملاحظہ فرمائیں۔ارشاد فرماتے ہیں ــــ اور (مثال کے طور پر آپ ان لوگوں کا تذکرہ فرمائیے) جنھوں نے ایک مسجد بنا کھڑی کی (اسلام کو) نقصان پہنچانے کے لئے اور کفر (کو تقویت پہنچانے) کے لئے، اور مسلمانوں میں

پھوٹ ڈالنے کے لئے، اور اس شخص کی کمین گاہ کے طور پر جو قبل ازیں اللہ پاک سے، اور اس کے رسول (ﷺ) کے خلاف برسر پیکار رہ چکا ہے ـــ یعنی انھوں نے یہ نام نہاد مسجد چار مذموم مقاصد کے لئے بنائی تھی:

① ـــ انھوں نے یہ مسجد نہیں بنائی تھی بلکہ اسلام کے خلاف سازشیں کرنے کا ایک اڈہ بنایا تھا اور یہاں سے ایسی کارروائیاں عمل میں لائی جاتی تھیں، جن سے اسلام کو دھکا پہنچے۔

② ـــ یہ کفر کی پناہ گاہ اور نفاق کی تربیت گاہ تھی۔

③ ـــ قُبا کی تمام آبادی جو ایک ہی مسجد میں نماز ادا کرتی تھی اس کو دو جماعتوں میں بانٹنا مقصود تھا، کیونکہ اب کچھ لوگ پہلی مسجد میں جائیں گے اور کچھ نئی میں۔ اس طرح اجتماعیت کو پارہ پارہ کر کے وہ لوگ افتراق کی راہیں ہموار کر رہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر ایک مسجد موجود ہو تو بلا ضرورت اس کے قریب دوسری مسجد تعمیر کرنا جائز نہیں ایسا کرنا بلا ضرورت مسلمانوں کی اجتماعیت کو پارہ پارہ کرنا ہے ـــ اسی وجہ سے تمام ائمہ کرامؒ کا اتفاق ہے کہ ہر شہر میں جمعہ کی جماعت ایک ہی جگہ ہونی چاہئے۔ جب آبادی اتنی بڑھ جائے کہ ایک جگہ ناکافی ثابت ہو تو پھر بقدرِ ضرورت ایک سے زیادہ مسجدوں میں جمعہ قائم کیا جائے۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہئے کہ بلا ضرورت ہر مسجد میں جمعہ شروع کر دیا جائے ـــ اور اسی اجتماعی فوائد کو حاصل کرنے کے لئے تمام مسلمان عیدین کی نمازوں کو شہر سے باہر نکل کر ایک ساتھ ادا کرتے ہیں۔ اور یہی نبی پاک ﷺ کی سنتِ مستمرہ ہے۔ لہٰذا بلا ضرورت عیدین کی نمازیں بھی شہر کی مسجدوں میں نہ پڑھی جائیں۔ ایسا کرنا عیدین کے اجتماع کے مقصد عظیم کو ضائع کرنا ہے۔

④ ـــ یہ عمارت اس شخص کے لئے کمین گاہ تھی جو اسلام کو بیخ و بن سے اُکھاڑ پھینکنا چاہتا تھا۔

لیکن سازشی اعترافِ جرم ہرگز نہیں کریں گے:

ارشاد فرماتے ہیں ـــ اور وہ لوگ ضرور قسمیں کھا کر کہیں گے کہ ہم نے بھلائی کے سوا اور کوئی ارادہ نہیں کیا ـــ ہم نے لوگوں کو فائدہ پہنچانے کے لئے ہی مسجد بنائی ہے اس کے علاوہ ہمارا کوئی اور ارادہ نہیں ہے ـــ اور اللہ پاک گواہی دیتے ہیں کہ وہ لوگ یقیناً جھوٹے ہیں ـــ ان کی بنائی ہوئی مسجد کا حکم یہ ہے کہ ـــ آپؐ اس (عمارت) میں (اس کا پس منظر معلوم ہو جانے کے بعد) کبھی نماز نہ پڑھئے ـــ کیونکہ وہ درحقیقت مسجد نہیں ہے اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے اس کو مسمار کرا دیا۔

مسجد کے قریب مسجد بنانے یا ریا و نمود کے لئے مسجد بنانے کا حکم:

یہ نام نہاد مسجد جسے قرآن کریم نے ''مسجد ضرار'' قرار دیا ہے اور جسے حضور ﷺ نے مسمار کرا دیا تھا وہ درحقیقت مسجد

نہیں تھی، کیونکہ وہ نماز پڑھنے کے مقصد کے لئے نہیں بنائی گئی تھی بلکہ کچھ اور مقاصد کے لئے بنائی گئی تھی۔لہٰذا آج اگر کسی مسجد کے مقابلہ میں اس کے قریب کوئی دوسری مسجد کچھ مسلمان بنادیں اور بنانے کا مقصد بھی مسلمانوں میں باہم تفرقہ پیدا کرنا ہو یا پہلی مسجد کی جماعت کو توڑنا ہو یا اسی قسم کی اور فاسد اغراض ہوں تو اگر چہ ایسی مسجد بنانا جائز نہیں، نہ بنانے والوں کو کوئی ثواب ملے گا، بلکہ الٹا تفریق پیدا کرنے کی وجہ سے گناہ لازم ہوگا لیکن بایں ہمہ اس جگہ کو شرعی حیثیت سے مسجد ہی کہا جائے گا اور مسجد کے تمام آداب واحکام اس پر جاری ہوں گے۔اس کو مسمار کر دینا، یا اس میں آگ لگا دینا جائز نہیں۔ اور جو لوگ اس میں نماز پڑھیں گے ان کی نماز بھی ادا ہو جائے گی۔

اس مسجد کو مسجدِ ضرار پر قیاس کرنا صحیح نہیں کیونکہ مسجد ضرار صرف نام کی مسجد تھی ورنہ بنانے والوں کا مقصد مسجد بنانا تھا ہی نہیں۔اور اس مسجد کو بنانے والوں نے مسجد ہی بنایا ہے اگر چہ اس کے ساتھ فاسد اغراض بھی شامل ہوگئی ہیں۔اس لئے دونوں کا حکم یکساں نہیں۔

اسی طرح اگر کوئی مسلمان ریاء ونمود کے لئے یا ضد اور عناد کی وجہ سے کوئی مسجد بنا ڈالے تو اگر چہ اس بنانے والے کو مسجد بنانے کا ثواب نہ ملے گا، بلکہ الٹا گناہ ہوگا، نہ اس مسجد میں نماز پڑھنا بہتر ہے، تاہم اس کو بھی مسجد ضرار نہیں کہا جائے گا بلکہ اسے مسجد ہی کہا جائے گا اور اس میں نماز بھی ہو جائے گی۔

ہاں ان دونوں قسم کی مسجدوں کو مسجد ضرار کے مشابہ کہہ سکتے ہیں اور اس کے بنانے والے کو روکا بھی جا سکتا ہے جس طرح کہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک فرمان جاری فرمایا تھا کہ: ”ایک مسجد کے قریب دوسری مسجد نہ بنائی جائے جس سے پہلی مسجد کی جماعت اور رونق متاثر ہو“

مسجد قبا کے فضائل اور اس میں نماز پڑھنے والوں کے محاسن:

ارشاد فرماتے ہیں کہ —— وہ مسجد جس کی بنیاد روز اول ہی سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے یقیناً اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ آپ (ﷺ) اس میں نماز ادا فرمائیں —— اس میں (نماز پڑھنے والے) ایسے لوگ ہیں جو خوب پاک صاف ہونا پسند کرتے ہیں —— اور اللہ پاک کو (بھی) خوب پاک صاف رہنے والے محبوب ہیں —— چنانچہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ گاہ بگاہ قُبا تشریف لے جاتے اور مسجد مذکور میں نماز ادا فرماتے۔آپؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ: ”قبا کی مسجد میں نماز پڑھنا عمرہ کے برابر ہے“—— ایک بار آپؐ قبا تشریف لے گئے اور لوگوں سے دریافت فرمایا کہ ”آپ لوگوں نے پاک صاف ہونے کا وہ کونسا طریقہ اپنا رکھا ہے جس کی وجہ سے اللہ پاک نے آپ لوگوں کی اس قدر تعریف فرمائی ہے؟“ ان حضرات نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہمارا کوئی خاص معمول تو نہیں ہے البتہ ہم ڈھیلے کے بعد پانی سے بھی استنجاء

کرتے ہیں۔اس پر نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ’’بس یہی بات ہے، پس تم اس کو اپنے اوپر لازم کرلو‘‘ —— عرب عام طور پر صرف ڈھیلوں سے بڑا استنجاء کیا کرتے تھے کیونکہ عرب میں پانی کی بہت زیادہ قلت تھی، نیز ان کی غذاء کھجور وغیرہ خشک چیزیں ہوتی تھیں اس لئے وہ قضائے حاجت بھی مینگنیوں کی شکل میں کرتے تھے لیکن صفائی کا تقاضہ یہ تھا کہ ڈھیلے کے بعد پانی بھی استعمال کیا جائے۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ کا ہمیشہ پانی استعمال فرمانے کا معمول رہا ہے جس کی وجہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی عام طور پر اس سنتِ نبوی پر عامل ہوگئے تھے۔ آپ ﷺ کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس سنت کی اشاعت کی طرف خصوصی توجہ مبذول فرمائی، وہ انصار کی عورتوں کو سمجھایا کرتی تھیں کہ اپنے شوہروں کو یہ سنتِ نبوی بتلاؤ، میں بتانے سے شرماتی ہوں!

دنیا کی ہر مسجد اس آیت کا مصداق ہے:

یہ آیتِ شریفہ مسجد قبا کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ لیکن چونکہ اس کے الفاظ عام ہیں اس لئے دنیا کی ہر وہ مسجد اس آیتِ پاک کا مصداق ہے جس کی خشتِ اول تقویٰ پر رکھی گئی ہو، جس کی بناء کا مقصد ہی اللہ پاک کی خوشنودی ہو —— نبی کریم ﷺ کے مبارک دور میں دو صحابیوں میں اس آیتِ شریفہ کے مصداق کے بارے میں تکرار ہوئی۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ آیت کے الفاظ کے عموم کے پیشِ نظر فرماتے تھے کہ اس کا مصداق نبی اکرم ﷺ کی مسجد ہے۔ اور قبیلہ بنی عمرو بن عوف کے صحابی فرماتے تھے کہ اس آیت کا مصداق مسجد قُبا ہے کیونکہ وہی شانِ نزول ہے۔ ان کا نزاع بڑھتا گیا۔ بالآخر دونوں بزرگوار خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے اور رائے عالی دریافت کی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ’’میری یہ مسجد مراد ہے‘‘ —— آپؐ کے ارشادِ مبارک سے واضح ہوا کہ آیت کے الفاظ کے عموم کا اعتبار ہے، شانِ نزول کی خصوصیت کا اعتبار نہیں۔

اس آیتِ شریفہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی مسجد کی فضیلت کا اصل مدار اس پر ہے کہ وہ اخلاص کے ساتھ، اللہ کے لئے بنائی گئی ہو، جس میں ریا اور نام ونمود یا کسی فاسد غرض کا کوئی دخل نہ ہو —— نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ نمازیوں کے نیک، صالح، عالم وعابد ہونے سے بھی مسجد کی فضیلت بڑھ جاتی ہے۔

منافقوں کی اور ان کی بنائی ہوئی مسجد کی مذمت:

ارشاد فرماتے ہیں —— بتلایئے: وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد خوف خدا اور رضائے الٰہی پر رکھی ہو: اچھا ہے یا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد کسی ایسے کھوکھلے ساحل کے کنارے پر رکھی ہو جو گرنے ہی والا ہے، پس وہ کنارہ اس (بانی) کو لے کر جہنم کی آگ میں جا گرا؟ —— یقیناً پہلا شخص بہتر ہے —— اور اللہ پاک ظالم لوگوں کو سمجھ بوجھ نہیں دیتے

—— چنانچہ اتنی موٹی بے غبار بات بھی ان کی سمجھ میں نہیں آئی، لیکن جن لوگوں کو اللہ پاک نے سمجھ بوجھ دی ہے اور نورِ ہدایت سے نوازا ہے وہ سمجھ سکتے ہیں کہ پہلا شخص ہی بہتر ہے۔

پہلا شخص مؤمن ہے اور دوسرا شخص کافر و منافق ہے اور ان کی جو مثال یہاں بیان فرمائی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ دنیا اور اس کی یہ زندگانی کسی ساحل سمندر کے کھوکھلے کنارے کی طرح ہے۔ اس میں کوئی پائیداری نہیں، یہ ختم ہو جانے والی زندگانی ہے۔ آج نہیں تو کل، بہر حال اسے ختم ہو کر رہنا ہے اس کے برخلاف اخروی زندگی ایک پائیدار زندگی ہے جو سدا باقی رہنے والی زندگی ہے —— پس جو شخص اپنے اعمال کی بنیاد اُخروی زندگی کو بناتا ہے، پرہیز گاری اور رضائے الٰہی کو پیشِ نظر رکھتا ہے، وہ اپنی عمارت ٹھوس چٹان پر اٹھا رہا ہے۔ اور جو شخص اپنے اعمال کی بنیاد دنیوی زندگانی کو بناتا ہے وہ نہ صرف یہ کہ خود ہلاک ہوگا، بلکہ اس ناپائیدار بنیاد پر تکیہ کر کے اپنا جو کچھ سرمایہ اس عمارت میں جمع کیا ہے وہ بھی برباد ہو جائے گا۔ اور اس کی یہ زندگی اور اس کے اعمال اسے لے کر جہنم میں جا گریں گے۔

بہترین لوگ وہ ہیں جو اپنے اعمال کی بنیاد خوفِ خداوندی اور رضائے الٰہی پر رکھتے ہیں!

منافقوں کی بنائی ہوئی مسجد کے مسمار کر دیئے جانے، اور ان کی سازش کا پردہ چاک ہو جانے کا نفسیاتی اثر:

اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں —— منافقوں نے جو یہ عمارت بنائی تھی وہ ہمیشہ ان کے دلوں میں کانٹا بنی رہے گی —— یعنی وہ ہمیشہ خوف و ہراس کی حالت میں رہیں گے کہ نہ معلوم اب ہمارے ساتھ کیا معاملہ ہونے والا ہے؟ —— اِلّا یہ کہ ان کے دل ہی پارہ پارہ ہو جائیں —— اور وہ موت کا لقمہ بن جائیں اور کھٹک کا محل ہی باقی نہ رہے —— اور اللہ پاک سب کچھ جاننے والے بڑے دانا ہیں —— وہ ان کی سازش کو روزِ اول سے جانتے ہیں، لیکن اپنی حکمتِ بالغہ سے اس کی پردہ دری کو مناسب وقت آنے تک موقوف رکھے ہوئے ہیں۔ پھر جب وہ وقت آ گیا تو ان کی سازش کا تمام بھانڈا پھوڑ کر رکھ دیا۔

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَ يُقْتَلُوْنَ ۫ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْإِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ أَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۱﴾ اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ

الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾

اِنَّ اللّٰهَ	بلاشبہ اللہ پاک نے	فِي التَّوْرٰىةِ [٣]	(مذکور ہے) تورات میں	الْعٰبِدُوْنَ	بندگی بجالانے والے
اشْتَرٰى	خرید لی ہیں	وَالْاِنْجِيْلِ	اور انجیل (میں)	الْحٰمِدُوْنَ	(اللہ کی) تعریف کرنے
مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ	مؤمنوں سے	وَالْقُرْاٰنِ	اور قرآن (میں)		والے
اَنْفُسَهُمْ	ان کی جانیں	وَمَنْ اَوْفٰى [٤]	اور کون ہے پورا کرنے والا	السّٰٓئِحُوْنَ	(اللہ کی راہ میں) سفر
وَاَمْوَالَهُمْ	اور ان کے اموال	بِعَهْدِهٖ	بڑھ کر اپنے عہد کا		کرنے والے
بِاَنَّ	اس قیمت پر کہ	مِنَ اللّٰهِ	اللہ سے؟	الرّٰكِعُوْنَ	رکوع کرنے والے
لَهُمُ [١]	ان کے لئے	فَاسْتَبْشِرُوْا [٥]	پس خوشیاں مناؤ	السّٰجِدُوْنَ	سجدہ کرنے والے
الْجَنَّةَ	جنت ہے	بِبَيْعِكُمُ	اپنے (اس) سودے پر	الْاٰمِرُوْنَ	حکم دینے والے
يُقَاتِلُوْنَ	جنگ کرتے ہیں وہ	الَّذِيْ	جو	بِالْمَعْرُوْفِ	نیکی کا
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	اللہ کی راہ میں	بَايَعْتُمْ بِهٖ	تم نے خدا سے کیا ہے	وَالنَّاهُوْنَ	اور روکنے والے
فَيَقْتُلُوْنَ	پس مارتے (بھی) ہیں	وَذٰلِكَ	اور یہ	عَنِ الْمُنْكَرِ	بدی سے
وَيُقْتَلُوْنَ	اور مرتے (بھی) ہیں	هُوَ	ہی	وَالْحٰفِظُوْنَ	اور حفاظت کرنے والے
وَعْدًا [٢]	وعدہ ہے	الْفَوْزُ	بڑی فیروزمندی ہے	لِحُدُوْدِ اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کی حدود کی
عَلَيْهِ	اللہ کے ذمے	الْعَظِيْمُ		وَبَشِّرِ	اور خوش خبری دیجئے
حَقًّا	پختہ	اَلتَّآئِبُوْنَ [٦]	(وہ لوگ) توبہ کرنے والے	الْمُؤْمِنِيْنَ	مؤمنوں کو

(۱) أي: بالجنة الثابتة لهم المختصة بهم (روح) (۲) مصدر ہے اور فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے۔ أي: وعدهم الله وعدًا — اور عَلَيْهِ حال ہے حَقًّا سے — حَقًّا صفت ہے وعدًا کی (۳) محذوف سے متعلق ہو کر وَعْدًا کی صفت ہے أي: وعدا مثبتا مذكورًا في التوراة الخ (۴) مَنْ: استفهامٌ بمعنى الإنكار و "أوفى" افعلُ تفضيلٍ، وقوله: من اللهِ صِلَتُهُ (روح البیان) (۵) فيه التفات الى خطابهم لزيادة التشريف — والاستبشار: اظهار السرور — والسين فيه ليس للطلب، كاستوقد واوقد — والفاء لترتيب الاستبشار على ما قبله (رُوحَيْن) (۶) اپنے معطوفات کے ساتھ هُمْ محذوف کی خبر ہے۔

سچے مؤمنوں کی زندگی کی سچی تصویر

منافقوں کے اچھے سے اچھے اعمال (مسجد) کی حقیقت جان لینے کے بعد اب سچے مسلمانوں اور پکے مؤمنوں کے اعمال واوصاف بھی ملاحظہ فرمائیں اور تفاوتِ راہ کا اندازہ لگائیں —— یہ آیت قرآنِ کریم کی بہت ہی اہم آیت ہے۔ اس میں سچے مؤمنوں کی زندگی کی تصویر کھینچی گئی ہے۔ اور چوں کہ ہم بفضل اللہ تعالیٰ ایمان دار ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ ہم اس تصویر کو بغور دیکھیں۔ نیز اپنا جائزہ لیں کہ ہم میں سچے ایمانداروں کی تمام صفات موجود ہیں یا نہیں؟ اگر موجود ہیں تو شکر الٰہی بجالائیں اور بصورتِ دیگر کوشش کریں کہ یہ تمام صفات ہمارے اندر جلوہ گر ہوں۔

ارشادِ عالی ہے:—— بلاشبہ اللہ پاک نے مؤمنوں سے ان کی جانیں اور ان کے اموال خرید لئے ہیں، اس قیمت پر کہ ان کے لئے جنت ہے! —— ایمان فی الواقع اس بات کے معاہدے کا نام ہے کہ مؤمن نے اپنا نفس اور اپنا مال اللہ پاک کے ہاتھ فروخت کر دیا ہے۔ اور اللہ پاک نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ مؤمن کو اس کے بدلے میں، مرنے کے بعد دوسری زندگی میں، جنت عطا فرمائیں گے۔

غرض ایمان کی پوری حقیقت: چند عقیدے اور دو بول نہیں ہیں۔ بلکہ ایمان نام ہے ایک شعوری معاہدے کا، جس میں مؤمن اپنا سب کچھ اللہ پاک کے ہاتھ بیچ ڈالتا ہے۔ جان بھی اور مال ومنال بھی۔ یہ چیزیں اب اس کی اپنی نہیں رہیں بلکہ اللہ پاک اور اس کے دین کے لئے وقف ہوگئیں۔ اور اللہ پاک کی طرف سے اس کے معاوضہ میں جنت کی سَرمدی نعمتیں عطا ہوں گی—— بندے اور خدا کے درمیان خرید وفروخت کے اس معاملے کے طے ہوجانے ہی کا نام ایمان ہے۔ جس میں نہ بیچنے والا اپنی متاع واپس لے سکتا ہے، نہ خریدنے والا قیمت لوٹا سکتا ہے—— مؤمن کے لئے اس سے زیادہ سودمند تجارت اور کیا ہوسکتی ہے کہ اس کی حقیر جان اور فانی مال کے خریدار خود اللہ پاک بنیں، حالانکہ اس کی جان اور اس کا مال اس کے تھے ہی کب؟ وہ اللہ پاک ہی کے مملوک ومخلوق تھے، پھر نوازش کی حد ہوگئی کہ اس ذرا سی چیز کے عوض میں جنت جیسی لازوال اور قیمتی چیز کو ہمارے لئے مخصوص فرما دیا۔ جیسا کہ ﴿ بِالْجَنَّةِ ﴾ کی جگہ ﴿ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ﴾ کہنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور لطف وکرم کے اظہار ہی کے لئے معاملے کو اپنی طرف سے شروع کیا، نہ کہ بیچنے والوں کی طرف سے یعنی یہ نہیں فرمایا کہ مؤمنوں نے بیچ ڈالی، بلکہ فرمایا کہ اللہ پاک نے مؤمنوں سے خرید لی۔ گویا معاملہ کے طالب وہ تھے۔ حالانکہ ہر طرح کی طلب واحتیاج سے وہ پاک ہیں اور جو متاع (جان ومال) انھوں نے قبول فرمائی وہ بھی انہی کی تھی۔ اور جو کچھ معاوضہ میں بخشا وہ بھی ان کے سوا اور کس کا ہوسکتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ مؤمن کی یہ عظیم الشان فیروزمندی ہے۔

امت کے وہ سابقین جنھوں نے شعوری طور پر یہ سودا کیا تھا:

بعثتِ نبوی کے تیرہویں سال منیٰ کی ایک گھاٹی میں مدینہ شریف کے ستر مرد اور دو عورتیں جمع ہیں۔ نبی اکرم ﷺ وہاں چھپ چھپا کر پہنچتے ہیں اور ان لوگوں کے سامنے دعوتِ اسلام پیش فرماتے ہیں۔ وہ حضرات ایمان لانے کے لئے آمادہ ہوجاتے ہیں اور بیعت کے لئے ہاتھ بڑھا دیتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن رَوَاحہ رضی اللہ عنہ عرض کرتے ہیں کہ یارسول اللہ! اس وقت معاہدہ ہورہا ہے۔ آپؐ اپنے رب کے متعلق اور اپنی ذات کے متعلق جو شرائط طے فرمانا چاہیں وہ واضح فرمادیں۔ نبی اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

اَشْتَرِطُ لِرَبِّیْ اَنْ تَعْبُدُوْہُ، وَلاَ تُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا، وَاَشْتَرِطُ لِنَفْسِیْ اَنْ تَمْنَعُوْنِیْ مِمَّا تَمْنَعُوْنَ مِنْہُ اَنْفُسَکُمْ وَاَمْوَالَکُمْ (درمنثور)

ترجمہ: میں اللہ پاک کے لئے تو یہ شرط رکھتا ہوں کہ آپ لوگ سب اس کی عبادت کریں اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ اور اپنے لئے یہ شرط رکھتا ہوں کہ میری حفاظت اسی طرح کریں جس طرح اپنی جانوں اور مالوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

وہ لوگ دریافت کرتے ہیں کہ اگر ہم نے یہ دونوں شرطیں پوری کردیں تو ہمیں اس کے بدلے میں کیا ملے گا؟ نبیٔ اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ "جنت ملے گی" ان لوگوں نے عرض کیا کہ ہم سب اس سودے پر راضی ہیں، نہ ہم خود اس معاملے کو فسخ کریں گے، نہ فسخ کرنے کی درخواست کریں گے —— یہ ہیں اس امت کے سابقین اولین جنھوں نے شعوری طور پر خرید وفروخت کا یہ سودا طے کیا تھا۔ ہر مؤمن اللہ پاک سے یہی سودا کرتا ہے۔ اس کے ایمان لاتے ہی اس کی جان اور مال رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کے لئے اور آپؐ کے دین کے لئے وقف ہوجاتے ہیں —— یہ نہیں ہوتا کہ ہماری جان و مال خرید لئے گئے تو فوراً ہمارے قبضہ سے نکال لئے جائیں۔ مطلوب صرف اتنی بات ہے کہ جب موقع پیش آئے جان و مال خدا کے راستہ میں پیش کرنے کے لئے تیار رہیں، دینے سے دریغ نہ کریں، خواہ وہ لیں یا نہ لیں۔ ارشاد فرماتے ہیں —— وہ راہِ خدا میں جنگ کرتے ہیں پھر مارتے (بھی) ہیں اور مرتے (بھی) ہیں —— یعنی مقصود اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان و مال حاضر کردینا ہے۔ پھر چاہے ماریں یا مارے جائیں۔ بہر صورت خرید وفروخت کا معاملہ پورا ہوگیا اور یقینی طور پر قیمت کے مستحق ہوگئے۔

سودے کی قیمت کا پکا وعدہ ہے:

ممکن ہے یہاں کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ معاملہ تو بیشک بہت سودمند اور فائدہ بخش ہے، لیکن قیمت نقد نہیں

ملتی۔ارشادفرماتے ہیں کہ قیمت یعنی جنت کا وعدہ ـــــ اللہ پاک کے ذمے پختہ وعدہ ہے (جس کا) تورات،انجیل اور قرآن میں (تذکرہ بھی کردیا گیا ہے)ـــــ یعنی قیمت کے مارے جانے کا کوئی خطرہ نہیں۔اللہ پاک جل شانہ نے بہت پکا وعدہ فرمایا ہے اور ہمیشہ آسمانی کتابوں میں اس کا اعلان فرماتے رہے ہیں۔اس لئے خلاف ورزی کا سوال نہیں ـــــ اورکون ہے جو اللہ پاک سے بڑھ کر اپنے عہد کا پورا کرنے والا ہو؟ـــــ یعنی کیا اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر بات کا سچا اور وعدے کا پکا کوئی دوسرا ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں ـــــ لہٰذا (اے مؤمنو!) اپنے اس سودے پر جو تم نے خدا تعالیٰ سے کیا ہے خوشیاں مناؤ!ـــــ کیونکہ مؤمنین کے لئے خوش ہونے کا اور اپنی قسمت پر نازاں ہونے کا اس سے بہتر کونسا موقع ہوسکتا ہے؟ مؤمنوں کو چاہئے کہ اس کی تعریف کے گن گائیں،اس کے حکموں کی تعمیل کریں،دین کی نصرت واشاعت کے لئے کمر ہمت کس لیں!ـــــ اور یہ (سودا) ہی عظیم الشان کامیابی ہے!ـــــ اس سے بڑھ کر کوئی فیروزمندی نہیں ہوسکتی کہ خود مالک ہی خریدار بن جائے اور پھر اس شان سے بن جائے کہ ہمارے جان ومال کے عوض،جو بہر حال جانے والی چیزیں ہیں،لازوال جنت بخش دے:

ع نیم جاں بستاند،وصد جاں دہد

(حقیر جان لے کر،سو جانیں مرحمت فرماتا ہے)

اوپر صرف تورات،انجیل اور قرآن کا ذکر ان کی اہمیت کے پیش نظر ہے ورنہ جنت دینے کا وعدہ وہ وعدہ ہے جس کا اعلان ہمیشہ آسمانی کتابوں میں ہوتا رہا ہے۔زبور میں بھی اس کا تذکرہ ہے۔ارشادفرماتے ہیں:

﴿ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ﴾(انبیاء۱۰۵)

ترجمہ:اور ہم نے زبور میں نصیحتوں کے بعد یہ بات لکھ دی ہے کہ (جنت کی) زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے!

اللہ تعالیٰ کے ساتھ خرید وفروخت کیونکر ہے؟

انسان کی جان ومال کے مالک اللہ پاک ہیں،کیونکہ انہی نے یہ سب چیزیں پیدا فرمائی ہیں اور انسان کو بخشی ہیں۔لہٰذا اس حیثیت سے تو خرید وفروخت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔نہ انسان کا اپنا کچھ ہے کہ وہ اسے بیچے،نہ کوئی چیز اللہ پاک کی ملکیت سے باہر ہے کہ وہ اسے خریدیں ـــــ لیکن ایک چیز انسان کے اندر ایسی بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بڑی حد تک وہ انسان کے حوالے کردی ہے۔اور وہ ہے اس کا "اختیار" یعنی وہ اپنے ارادے میں بڑی حد تک آزاد رکھا گیا ہے اور اسے ایک طرح کی خودمختاری عطا کردی گئی ہے۔اب وہ اللہ پاک کی طرف سے کسی جبر کے بغیر خود ہی اپنی ذات پر

اوراللہ پاک کی بخشی ہوئی ہر چیز پر،اللہ پاک کے حقوق مالکانہ کوتسلیم کرنا چاہےتو کرے ورنہ آپ ہی مالک بن بیٹھے۔یہی وہ مقام ہے جہاں سے خرید وفروخت کا سوال پیدا ہوتا ہے ـــــ یعنی جو چیزیں درحقیقت اللہ پاک کی ہیں اور امانت کے طور پر انسان کے حوالے کی گئی ہیں لیکن امین اور خائن بننے کا اختیار بھی اسے دیا گیا ہے۔ان چیزوں کے بارے میں انسان سے اللہ پاک مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اپنی رضامندی سے ان چیزوں کو اللہ پاک کی چیزیں تسلیم کرلے۔اور زندگی بھر اس میں خودمختار مالک کی حیثیت سے نہیں بلکہ امین ہونے کی حیثیت سے تصرف کرنا قبول کرلے۔اگر وہ ایسا کرنے کے لئے آمادہ ہوجائے تو موت کے بعد جاودانی زندگی میں جنت کی شکل میں اس کی قیمت پائے گا ـــــ جو انسان یہ معاملہ طے کرلیتا ہے وہ مؤمن ہے اور ایمان اسی سودے کا دوسرا نام ہے۔اور جو شخص یہ معاملہ کرنے سے انکار کردیتا ہے وہ کافر ہے اور اس سودے سے گریز ہی کا دوسرا نام کفر ہے۔اور جو بندہ معاملہ طے کرلینے کے بعد بھی ایسا رویہ اختیار کرتا ہے جو معاملہ نہ کرنے کی صورت ہی میں اختیار کیا جاسکتا ہے تو وہ فاسق اور گنہگار ہے۔

جب سودا ہوگیا تو اب مؤمن کا کیا طرز عمل ہو؟

مؤمن جب اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ معاملہ طے کرلیتا ہے تو اس کا رویہ اور کافر کا رویہ شروع سے آخر تک بالکل ایک دوسرے سے جدا ہوجاتا ہے۔مؤمن اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں اللہ پاک کی مرضی کا تابع بن کر کام کرتا ہے اور اس کے رویہ میں کسی جگہ بھی خودمختاری کا رنگ نہیں آنے پاتا ـــــ الاّیہ کہ عارضی طور پر کسی وقت اس پر غفلت طاری ہوجائے اور وہ اللہ پاک کے ساتھ کئے ہوئے اپنے معاہدے کو بھول جائے اور خودمختارانہ حرکت کر بیٹھے ـــــ اسی طرح جو قوم مومن ہے وہ اجتماعی طور پر بھی کوئی پالیسی،کوئی طرزِ تمدن،کوئی طریق معیشت ومعاشرت اور کوئی بھی سیاست اللہ پاک کی مرضی اور اس کے قانون کی پابندی سے آزاد ہوکر اختیار نہیں کرسکتی۔اور اگر کسی عارضی غفلت کی بناء پر اختیار کرلے تو جس وقت اسے متنبہ کیا جائے گا فوراً آزادی کا رویہ چھوڑ کر بندگی کے رویہ کی طرف پلٹ آئے گی۔

اب مؤمن کی مرضی اپنی مرضی نہیں:

اس معاہدے کی رو سے اللہ پاک کی جس مرضی کا اتباع انسان پر لازم آتا ہے وہ انسان کی اپنی تجویز کردہ مرضی نہیں ہے۔بلکہ وہ مرضی ہے جو اللہ پاک خود بتائیں۔اپنے آپ کسی چیز کو اللہ پاک کی مرضی ٹھہرالینا اور اس کا اتباع کرنا اللہ پاک کی مرضی کا نہیں بلکہ اپنی ہی مرضی کا اتباع کرنا ہے نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ هَوَاهُ تَبْعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ (شرح السنہ)

ترجمہ: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اُس کی ''ہوائے نفس'' میری لائی ہوئی

ہدایت کے تابع نہ ہو جائے۔

یعنی حقیقی ایمان جبھی حاصل ہو سکتا ہے کہ انسان کے نفسی میلانات اور اس کے جی کی چاہتیں کلی طور پر ہدایاتِ نبوی کے تابع ہو جائیں۔

اللہ پاک نے اپنی مرضی کی اطلاع دینے کے لئے پیغمبروں کو مبعوث فرمایا ہے اور اپنی کتابیں نازل فرمائیں ہیں تا کہ انسان اپنا پورا طرز زندگی اللہ پاک کی کتاب اور اس کے رسول کی ہدایت سے اخذ کرتا رہے۔

ثمن ادھار کیوں رکھا گیا ہے؟

اس تفصیل سے یہ بات خود بخود سمجھ میں آ گئی ہوگی کہ اس خرید وفروخت کے معاملے میں قیمت یعنی جنت کو موجودہ دنیوی زندگی کے خاتمہ پر کیوں رکھا گیا ہے۔ظاہر ہے کہ جنت صرف اس اقرار کا معاوضہ نہیں ہے کہ انسان نے اپنا نفس و مال اللہ کے ہاتھ بیچ دیا ہے، بلکہ وہ اس معاہدے پر عمل کا معاوضہ ہے یعنی انسان نے اپنی دنیوی زندگی میں بیچی ہوئی چیز پر خود مختارانہ تصرف چھوڑ کر،اور اللہ کا امین بن کر اس کی مرضی کے مطابق تصرف کیا ہے لہٰذا یہ خرید وفروخت مکمل ہی اس وقت ہوگی جبکہ انسان کی دنیوی زندگی ختم ہو جائے اور یہ ثابت ہو جائے کہ اس نے اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک معاہدے کے مطابق عمل کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے معاملہ کرنے والے مؤمنین کی صفات

دوسری آیت میں یہ بیان ہے کہ جس مؤمن نے اللہ پاک کے ساتھ مذکورہ معاہدہ کر لیا ہے اس کی زندگی کا نقشہ کیا ہوتا ہے؟ کیونکہ جب انسان کوئی معاہدہ کر لیتا ہے تو اس کے طور وطریق پر اس کا اثر پڑنا ناگزیر ہے۔ارشاد فرماتے ہیں——

(وہ لوگ) توبہ کرنے والے، بندگی بجالانے والے، اللہ پاک کی تعریف کرنے والے، (اللہ کی راہ) میں سفر کرنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، نیکی کا حکم دینے والے، اور بدی سے روکنے والے، اور اللہ پاک کی (مقرر کردہ) حدود کی حفاظت کرنے والے ہیں —— یہ ہے سچے مؤمنوں کی زندگی کی صحیح تصویر، جس کی مختصر تشریح عرض کی جاتی ہے:

① —— **اَلتَّآئِبُوْنَ** —— توبہ کرنے والے —— یہ لفظ **تَآئِبٌ** کی جمع ہے اور اسم فاعل ہے **تَابَ** (ن) **تَوْباً وتَوْبَةً وتَابَةً ومَتَاباً** کے معنی ہیں گناہ چھوڑ کر اللہ پاک کی طرف متوجہ ہونا اور اپنے گناہ پر نادم و پشیماں ہونا —— یعنی مؤمن جس نے اللہ پاک سے خرید وفروخت کا مذکورہ معاملہ کر رکھا ہے اگر کسی وقت معاہدے کو بھول جاتا ہے اور کوئی خود مختارانہ حرکت کر بیٹھتا ہے تو کرتا ہی نہیں چلا جاتا، بلکہ تنبُّہ ہونے پر اپنی حرکت پر نادم و پشیمان ہوتا ہے اور اللہ پاک کی طرف متوجہ

ہوجاتا ہے۔

اور مؤمن کے لئے یہی چیز قابل تعریف ہے۔ کیونکہ انسان جن بشری کمزوریوں کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے ان کی موجودگی میں یہ بات اس کے بس میں نہیں ہے کہ وہ ہمیشہ کامل شعوری حالت میں اللہ پاک کے ساتھ کئے ہوئے معاہدے کے تقاضوں کو پورا کرتا رہے اور کسی وقت بھی غفلت ونسیان اس پر طاری نہ ہونے پائے۔ بلکہ اس کی زندگی میں بار ہا ایسے مواقع آتے ہیں کہ وہ اپنے اس معاملہ کو بھول جاتا ہے یا غافل ہوکر معاہدے کی خلاف ورزی کرگزرتا ہے لیکن جو سچا مؤمن ہوتا ہے وہ یہ عارضی بھول دور ہوتے ہی، اور غفلت سے چوکنا ہوتے ہی ندامت سے پسینہ پسینہ ہوجاتا ہے اور اپنے خدا کی طرف پلٹتا ہے، روتا ہے، گڑگڑاتا ہے، منت وسماجت کرتا ہے اور کسی طرح اپنے گناہ بخشوالیتا ہے۔

ایمان لانے والوں میں سب سے پہلی صفت یہ ہوتی ہے کہ جب بھی ان کا قدم بندگی کی راہ سے پھسل جاتا ہے وہ فوراً اس کی طرف پلٹ آتے ہیں!

② —— **اَلْعٰبِدُوْنَ** —— بندگی بجالانے والے —— یعنی ایمان لانے والے اور اپنی جان ومال کو اللہ کے ہاتھ فروخت کرنے والے بندے عبادت میں سرگرم رہتے ہیں۔ ان کی ساری بندگیاں اور تمام نیاز مندیاں صرف اللہ پاک کے لئے ہوتی ہیں۔ وہ نہ صرف خاص وقتوں اور خاص شکلوں کی عبادتوں پر قناعت کرتے ہیں، بلکہ ان کا پورا وجود ہی عبادت گزار بن جاتا ہے۔

③ —— **اَلْحٰمِدُوْنَ** —— اللہ پاک کی تعریف کے گن گانے والے —— یعنی یہ لوگ ہمہ وقت اپنی فکری قوتوں سے اور زبان سے اللہ پاک کی تعریف میں مشغول رہتے ہیں اور اسی کے ذکر میں زمزمہ سنج اور نغمہ سرا رہتے ہیں —— ایک دیہاتی نے نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ بہترین عمل کونسا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **اَنْ تُفَارِقَ الدُّنْيَا وَلِسَانُکَ رَطْبٌ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ** (احمد، ترمذی) جب تو دنیا کو الوداع کہے تو تیری زبان اللہ پاک کے ذکر سے تر ہو!

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''قیامت کے دن جنت میں جانے کے لئے سب سے پہلے **حَمَّادُوْن** کو بلایا جائے گا، جو خوش حالی وبدحالی میں اللہ پاک کی تعریف کے گیت گاتے رہتے ہیں''

④ —— **اَلسَّآئِحُوْنَ** —— راہِ خدا میں سفر کرنے والے —— یہ ایک خاص صفت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بندے جنھوں نے اپنا سب کچھ اللہ کے ہاتھ جنت کے عوض فروخت کردیا ہے گھروں میں بیٹھے چین کی زندگی بسر نہیں کرتے بلکہ دین کی خاطر دور دراز سفروں کی زحمتیں برداشت کرتے ہیں۔ حج کے لئے خشکی وتری کی مسافتیں قطع کرتے

ہیں۔علم دین حاصل کرنے کے لئے ملک ملک کی خاک چھانتے ہیں اور راہِ حق میں جدوجہد کرتے ہوئے ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ تک نکل جاتے ہیں۔خلاصہ یہ ہے کہ ان کی زندگی دینی جدوجہد کے لئے چلت پھرت کا نام ہے —— یہ لفظ سَائِحٌ کی جمع ہے۔اور سَاحَ الْماءُ کے معنی ہیں پانی کا سطح زمین پر بہنا اور سَاحَ فُلانٌ فِی الْاَرْضِ کے معنی ہیں: زمین میں پانی کی طرح بہہ پڑنا۔چل کھڑا ہونا۔پس سَائِح وہ شخص ہے جو ہر وقت سفر میں رہے، کسی جگہ طویل قیام نہ کرے۔

لیکن ظاہر ہے کہ یہاں مطلق سیر وسیاحت یا تجارت کے اسفار مراد نہیں ہیں کیونکہ یہ صفت ان بندوں کی بیان فرمائی جارہی ہے جنھوں نے اپنی جان اور مال اپنے اللہ کے ہاتھ فروخت کردیئے ہیں پس وہ لوگ سفروں میں جو مال خرچ کریں گے اور اپنے آپ کو مشقتوں میں ڈالیں گے تو لامحالہ اللہ پاک کے دین ہی کے لئے وہ یہ کام کریں گے —— کسی صاحب نے نبی اکرم ﷺ سے سیر وسیاحت کی اجازت طلب کی، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: سِيَاحَةُ اُمَّتِیْ الْجِهَادُ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ: میری امت کی سیر وسیاحت راہ خدا کی جدوجہد ہے!

حدیث شریف میں علم دین حاصل کرنے کے لئے سفر کرنے کی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے۔ایک حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ: مَنْ سَلَکَ طَرِيْقًا يَلْتَمِسُ فِيْهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللّٰهُ لَهٗ بِهٖ طَرِيْقًا اِلَی الْجَنَّةِ (مسلم) ترجمہ: جس نے علم دین حاصل کرنے کے لئے کوئی راہ طے کی، تو اس کے بدلے اللہ پاک اس کے لئے جنت کی راہ آسان فرماویں گے۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث اس وقت سنائی تھی جب ایک صحابی مدینہ شریف سے چل کر ان کے پاس دمشق میں صرف ایک حدیث سننے کے لئے پہنچے تھے —— حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نبی پاک ﷺ کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ —— ’’کچھ لوگ تمہارے پاس دور دراز علاقوں سے سفر کرکے پہنچیں گے تاکہ علم دین حاصل کریں جب وہ تمہارے پاس پہنچیں تو ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا‘‘ —— ایک حدیث میں یہ پاک ارشاد مروی ہے کہ:

مَنْ خَرَجَ فِیْ طَلَبِ الْعِلْمِ فَهُوَ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ حَتّٰی يَرْجِعَ (ترمذی، دارمی)

ترجمہ: جو شخص علم دین حاصل کرنے کے لئے گھر سے نکلتا ہے وہ اللہ کے راستے میں ہوتا ہے، واپس لوٹنے تک!

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ علم دین حاصل کرنے کیلئے سفر کرنا بڑا فضیلت والا عمل ہے۔مسلمانوں نے بحمد اللہ کسی زمانہ میں بھی علم دین حاصل کرنے کے لئے بڑے سے بڑا سفر کرنے سے دریغ نہیں کیا بلکہ وہ ہر طرح کی مشقتیں برداشت کرکے ہمیشہ دین کا علم حاصل کرتے رہے ہیں۔

اسی طرح ہر مَقْدِرَت رکھنے والے مسلمان پر لازم کیا گیا ہے کہ وہ اپنی زندگی میں ایک بار حج کے لئے سفر کرے۔

حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ جو شخص بیت اللہ تک پہنچنے کے اسباب پاتا ہے اور حج نہیں کرتا تو اس کے مرنے میں اور یہودی ہوکر یا نصرانی ہوکر مرنے میں کوئی فرق نہیں۔

دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ''جو حج کا ارادہ رکھتا ہے وہ جلدی کرے'' کیونکہ موت وحیات انسان کے ساتھ لگی ہوئی چیزیں ہیں، کسی کو پل کی خبر نہیں اس لئے جلد اس فریضہ سے سبکدوش ہو جانا چاہئے —— مسلمان بحمد اللہ ذوق وشوق سے یہ فریضہ بھی ادا کرتے ہیں اور اس راہ میں پیش آنے والی بڑی سے بڑی پریشانی کو انگیز کرتے ہیں۔

راہِ حق میں جدوجہد کے لئے سفر کرنا تو مسلمانوں کا امتیازی وصف رہا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی دینی چلت پھرت نے ایک مختصر سے وقفہ میں دنیا کے دور دراز ملکوں میں اسلام کا ڈنکا بجا دیا اور کوئی کچا پکا گھر ایسا باقی نہیں رہا جہاں حضور پرنور ﷺ کی دعوتِ حق پہنچا نہ دی ہو —— خود نبی پاک ﷺ کے اسفار اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے اسفار خالص دینی مقاصد کے لئے ہوتے تھے۔ غزوات وسرایا کا اصل منشاء بھی دین پہنچانا ہی تھا۔ پہلے کافروں کے سامنے دین پیش کیا جاتا تھا۔ اس کی خوبیاں ان کے ذہن نشین کی جاتی تھیں۔ اگر وہ قبول کر لیتے تھے تو ان میں سے کچھ افراد چھانٹ کر مدینہ شریف روانہ کر دیئے جاتے تھے تاکہ وہاں وہ دین کا ضروری علم حاصل کریں۔ اور واپس آکر اپنی قوم پر محنت کریں۔ اور اگر قبیلہ بڑا ہوتا تو پورے علاقے میں کام کرنے کے لئے مدینہ شریف سے مُعَلّم بھیجے جاتے تھے —— لیکن جب ایسا ہوتا کہ لوگ داعیوں کے کام میں روڑا اٹکاتے، ان سے برسرِ پیکار ہوتے تو پھر ان سے جنگ ومقابلہ بھی کر لیا جاتا تھا، اور اس وقت جنگ وقتال ہی افضل ترین عمل ہوتا لیکن مسلمانوں کے لئے لڑنا نہ مطلوب تھا نہ مرغوب، ان داعیوں کو یہ ہدایت دی جاتی تھی کہ: جَاهِدُوا الْمُشْرِكِيْنَ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَاَلْسِنَتِكُمْ (ابوداؤد، نسائی، دارمی، مشکوٰۃ ۳۳۲) ترجمہ: مشرکوں کے ساتھ جان، مال اور زبان سے جہاد کرو۔

مدینہ شریف کے نو، دس سال کے مختصر وقفہ میں انیس غزوات (وہ نقل وحرکت جو خود نبی پاک ﷺ نے فرمائی ہے) ہوئے ہیں اور ساٹھ سے زیادہ سَرَایا (وہ نقل وحرکت جو کسی مسلمان نے کی ہے، خواہ ایک ہو یا ایک سے زائد) بھیجے گئے ہیں۔ خلفائے راشدین کے بابرکت زمانے میں تو یہ نقل وحرکت اور زیادہ سرگرمی سے ہونے لگی تھی۔ جس کے نتیجہ میں اللہ پاک نے بے شمار لوگوں کو نورِ ہدایت سے نوازا —— لیکن بعد کے زمانوں میں یہ جدوجہد کم ہوتی گئی۔ اور جو ہوتی رہی اس کا مقصد بھی صرف لڑنا رہا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام کی اشاعت رک گئی، بلکہ خود مسلمان بھی دین سے ناآشنا ہو گئے۔ پوری آدھی دنیا کے مسلمان صرف نام کے مسلمان ہوکر رہ گئے وہ اسلام سے بالکل ناآشنا ہو گئے —— اس لئے اب کام کا آغاز خود مسلمانوں سے کرنا ہوگا، ان کی زندگیوں کو بدلنا ہوگا، ان میں دعوت کی اسپرٹ پیدا کرنی ہوگی۔ پھر جب یہ امت

تیار ہو جائے گی تو دعوتِ دین کا کام اس کے اصل دائرے میں شروع ہو سکے گا۔ خود امت کو جہالت و بددینی میں غرق چھوڑ کر دعوت کے کام میں کامیابی ناممکن ہے لہٰذا اللہ پاک کے وہ بندے اٹھیں جنھوں نے اپنی جان و مال اللہ پاک کے ہاتھ فروخت کر دیئے ہیں اور عمومی محنتیں شروع کریں اور لوگوں کو دین سے آشنا کریں کہ زمانہ قیامت کی چال چل پڑا ہے!

یہ صحیح ہے کہ نجات پانے کے لئے جہاد و قتال کچھ ضروری نہیں۔ نجات اس کے بغیر بھی ممکن ہے۔ لیکن صرف نجات پر لوگوں کو قناعت نہیں کرنی چاہئے، جنت کے بلند درجات حاصل کرنے کے لئے بھی تو جدوجہد کرنی چاہئے۔ ایک بار نبی اکرم ﷺ نے مخصوص صحابہؓ سے خطاب فرمایا کہ ــــ ''جو شخص اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ پر ایمان رکھتا ہے، نماز کی پابندی کرتا ہے اور رمضان شریف کے روزے ادا کرتا ہے تو اللہ پاک اسے یقیناً جنت میں داخل فرمائیں گے، چاہے اس نے راہِ خداوندی میں جہاد کیا ہو یا اپنے وطن ہی میں بیٹھا رہا ہو'' ــــ حضرات صحابہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! کیا ہم عام لوگوں کو یہ خوش خبری سنادیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ــــ (نہیں! کیونکہ) جنت میں سو درجے ہیں، جو راہِ خدا میں جہاد کرنے والوں کے لئے تیار کئے گئے ہیں۔ ان میں سے ہر دو درجوں کے درمیان آسمان و زمین کے بقدر فاصلہ ہے۔ لہٰذا جب تم لوگ اللہ پاک سے درخواست کرو تو فردوس کی درخواست کرو، کیونکہ وہ جنت کا افضل ترین اور بلند ترین مرتبہ ہے، جس کے اوپر عرش الٰہی ہے، جہاں سے جنت کی نہریں پھوٹتی ہیں (بخاری شریف) ــــ اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نجات اگرچہ جہاد کے بغیر بھی ممکن ہے لیکن جنت کے سو مخصوص درجات صرف جہاد ہی سے ملیں گے۔ اس لئے عام لوگوں میں منادی کرنے کی ضرورت نہیں۔ ایسا کرنے سے ان کی طبیعتیں سہل انگاری کا شکار ہو جائیں گی۔ بلکہ تم لوگ اپنی جدوجہد تیز کر دو اور فردوسِ بریں کے طلب گار بن جاؤ۔

مؤمن کو جنتِ فردوس کا طلب گار رہنا چاہئے، جو جنت کا افضل ترین اور بلند ترین مرتبہ ہے اور وہ راہِ خدا میں جدوجہد کرنے ہی سے حاصل ہو سکتا ہے!

قرآنِ کریم میں عورتوں کی صفت بھی سَائِحَاتٌ (التحریم ۵) بیان فرمائی گئی ہے۔ کیونکہ راہِ خدا میں سفر کرنا عورتوں کے لئے بھی ضروری ہے۔ ان پر حج کے لئے سفر کرنا مردوں ہی کی طرح لازم کیا گیا ہے۔ وہ علمِ دین حاصل کرنے کے لئے بھی سفر کر سکتی ہیں، وہ جہاد و قتال میں بھی شرکت کر سکتی ہیں اور دعوتِ دین کے کام میں بھی مردوں کا ہاتھ بٹا سکتی ہیں لیکن ضروری ہے کہ وہ تنہا یا محرم کے بغیر سفر نہ کریں۔ اگر وہ ستتر (۷۷) کلومیٹر کا سفر کرنا چاہیں تو محرم کا یا شوہر کا ساتھ ہونا ضروری ہے۔ اس سے کم سفر کے متعلق ماحول کا لحاظ کیا جائے گا۔ یعنی اگر فتنہ کا اندیشہ نہیں ہے تو جائز ہے ورنہ محرم یا شوہر کا ساتھ ہونا ضروری ہے ــــ نبی پاک ﷺ کے مبارک دور میں، اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں عورتیں بھی مردوں

کے ساتھ جہاد میں شرکت کرتی تھیں اور علم دین میں ان کا مقام مردوں سے کسی طرح کم نہیں تھا لیکن رفتہ رفتہ یہ بات ختم ہوگئی آج ڈھونڈھے سے بھی ایسی عورت نہیں مل سکتی جو مردوں کی طرح علم دین کی ماہر ہو یا کم از کم زنانہ مسائل میں اتنی مہارت رکھتی ہو کہ مسلمان عورتیں اپنے مسائل میں اس کی طرف رجوع کر سکیں۔ یہی حال دعوتِ دین کی جدوجہد کا ہو کر رہ گیا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ نوے فی صد عورتیں دین سے بے گانہ ہوگئیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ ان میں بھی علم دین کا چرچہ پھیلے، دینی جدوجہد کا جذبہ ابھرے، اور وہ شریعت کی پوری پابندی کے ساتھ اپنے دائروں میں دین کو زندہ کرنے کی محنت کریں۔

السّائحون کی تفسیر میں روزوں کو تجویز کرنے کی وجہ:

بعض دینی کام ایسے ہوتے ہیں جو مطلوب تو سب سے ہوتے ہیں، لیکن چونکہ وہ کٹھن کام ہوتے ہیں اس لئے کمزوروں اور معذوروں کے لئے شریعت متبادل شکل تجویز فرماتی ہے۔ تاکہ وہ بھی کسی درجہ میں اس کام کے فضائل و مراتب حاصل کر سکیں۔ اور بالکلیہ محروم نہ رہ جائیں ـــــ مثلاً جنگ میں شرکت نہ کر سکنے والوں کے لئے ارشاد نبوی ہے کہ ـــــ ''جس نے کسی غازی کو جنگ کا ساز و سامان دیا تو (گویا) اس نے بھی غزوہ کیا اور جس نے کسی غازی کے اہل و عیال کی دیکھ بھال کی تو (گویا) اس نے بھی غزوہ کیا'' (مشکوٰۃ ص۳۲۹) ـــــ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نبی پاک ﷺ سے دریافت کیا کہ عورتوں پر جہاد ہے؟ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''جی ہاں ان پر ایسا جہاد ہے جس میں لڑنے کی نوبت نہیں آتی اور وہ ہے حج اور عمرہ کرنا'' (مشکوٰۃ ص۲۲۲) ـــــ ظاہر ہے کہ یہ کمزوروں اور معذوروں کے لئے متبادل شکلیں ہیں تاکہ یہ لوگ بھی جہاد فی سبیل اللہ کے فضائل کسی درجہ میں حاصل کر سکیں ـــــ اسی طرح جو لوگ دینی جد وجہد اور اللہ کے راستے کی چلت پھرت میں حصہ نہیں لے سکتے، ان کے لئے شریعت نے متبادل صورت ''روزہ'' تجویز فرمایا ہے تاکہ وہ اپنے گھر میں رہتے ہوئے بھی کسی درجہ میں سائحین کے فضائل و مراتب میں شرکت کر سکیں ـــــ چنانچہ بعض مرفوع حدیثوں میں اور بہت سے صحابہؓ اور تابعین سے اَلسَّائِحُوْن کی تفسیر الصَّآئِمُوْن (روزے دار) مروی ہے یہ سیاحت فی سبیل اللہ کی متبادل صورت ہے۔ لفظ کے لغوی یا مرادی معنی نہیں ہیں ـــــ یہ بات ایک حدیث شریف سے سمجھ میں آتی ہے جس میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ:

مَثَلُ الْمُجَاهِدِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ الصَّائِمِ الْقَائِمِ الْقَانِتِ بِآيَاتِ اللّٰهِ، لَايَفْتُرُ مِنْ صِيَامٍ وَّلَاصَلٰوةٍ حَتّٰى يَرْجِعَ الْمُجَاهِدُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (متفق علیہ)

ترجمہ: اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کے عمل کے ہم پلہ اس شخص کا عمل ہو سکتا ہے جو مجاہد کے روانہ ہونے کے بعد

اس کی واپسی تک برابر روزے رکھتا رہے، نماز میں مشغول رہے، ایک لمحہ کے لئے بھی سست نہ پڑے اور اللہ پاک کی آیتوں پر یقین کامل رکھے۔

یعنی تین کاموں کا مجموعہ (مسلسل روزے رکھنا، برابر نماز میں مشغول رہنا اور اللہ پاک کی آیتوں پر کامل یقین رکھنا) جہاد فی سبیل اللہ کے ہم پلہ ہوسکتا ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ روزے نماز سے بھی کسی درجہ میں جہاد فی سبیل اللہ کے مراتب حاصل ہوسکتے ہیں۔ اسی لئے السَّائِحون کی تفسیر میں معذوروں اور مجبوروں کے لئے روزے کو تجویز فرمایا گیا ہے، اور نماز کو تجویز اس لئے نہیں فرمایا کہ ہر وقت نماز میں مشغول رہنا نہایت ہی مشکل کام ہے۔

⑤ —— اَلرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ —— رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے —— یعنی اللہ کے یہ بندے جنھوں نے اپنے آپ کو اللہ پاک کے ہاتھ فروخت کردیا ہے اللہ کے آگے جھک جاتے ہیں، اور رکوع وسجود سے کبھی نہیں تھکتے۔ اور جسم ہی سے رکوع وسجود نہیں کرتے بلکہ ان کے دلوں اور زبانوں پر بھی یہ حالتیں طاری ہوتی ہیں —— سورۃ الفتح میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا حال یہ بیان کیا گیا ہے کہ: ﴿ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا ﴾: تم انہیں رکوع وسجود میں مشغول پاؤ گے!۔

اور سورۃ الحج میں مؤمنوں کو حکم دیا گیا ہے کہ: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا ﴾: اے ایمان والو! رکوع کرو اور سجدہ کرو۔

لیکن تنہا رکوع کرنا یا سجدہ کرنا مراد نہیں ہے، بلکہ نماز پڑھنا مراد ہے۔ اور نماز کے ارکان میں سے خصوصیت کے ساتھ ان دو کو اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ نماز میں ان ارکان کی بڑی اہمیت ہے —— نماز کیا ہے؟ —— اللہ پاک کے حضور میں جسم وجان سے اور قول وعمل سے ایک خاص طریقے پر اپنی بندگی اور نیازمندی کا اظہار کرنا۔ اور اس کی بے نہایت عظمت وجلالت کے سامنے اپنی انتہائی بے چارگی اور فروتنی کا مظاہرہ کرنا —— نماز کے تمام ارکان قیام وقعود قراءت اور رکوع وسجود سب کی روح یہی عبدیت کا اظہار ہے اور ظاہر ہے کہ اپنی بندگی اور بے چارگی کا سب سے بڑا مظہر نماز کے ارکان میں سے رکوع وسجود ہیں —— سر اونچا رکھنا، تکبر یعنی برتری وبالاتری کے احساس کی علامت ہے اور اس کے برعکس اس کو نیچا کرنا اور جھکانا تواضع اور خاکساری کی نشانی ہے اور اپنے کو کسی کے سامنے رکوع کی شکل میں جھکا دینا تواضع اور تعظیم کی غیر معمولی شکل ہے جو صرف خالق ومالک ہی کا حق ہے اور سجدہ اس کی بالکل ہی آخری اور انتہائی شکل ہے، اس میں بندہ اپنی پیشانی اور ناک کو جو انسانی اعضاء میں سب سے زیادہ محترم ہیں خاک پر رکھ دیتا ہے۔ اس لحاظ سے رکوع وسجود نماز کے ارکان میں سب سے زیادہ اہم ہیں کیونکہ نماز کا مقصود کامل طور پر انہی سے پورا ہوتا ہے (۱)

(۱) قيل: اول مراتب التواضع القيام، واوسطها الركوع، وغايتها السجود فَخُصًّا بالذكر تنبيهًا على ان المقصود من الصلاة نهاية الخضوع (غرائب للقمی)

اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے ان کو اچھی طرح اور صحیح طریقے پر ادا کرنے کی ہدایت اور سخت تاکید فرمائی ہے۔ اور بہترین کلمات کے ساتھ ان میں اللہ پاک کی تسبیح و تقدیس اور اس کے حضور میں دعا کرنے کی اپنے ارشاد اور عمل سے تلقین فرمائی ہے۔

⑥ —— **اَلْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ، وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ** —— نیکی کا حکم دینے والے اور بدی سے روکنے والے —— یعنی یہ بندے صرف اپنے نفس کی اصلاح پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ دوسروں کی اصلاح کی بھی فکر رکھتے ہیں —— احادیث میں کثرت سے بھلائی کا حکم کرنے اور برائیوں سے روکنے کی تاکید آئی ہے لہٰذا ہر مؤمن پر فرض ہے کہ اپنے دائرے اور حلقۂ اثر میں نیکیوں کو رواج دینے اور برائیوں سے باز رکھنے کی جدوجہد کرے۔

⑦ —— **اَلْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ** —— اللہ پاک کی مقرر کی ہوئی حدوں کی حفاظت کرنے والے —— یعنی اللہ پاک نے انسانوں کے لئے جو حدود ٹھہرا دی ہیں اللہ پاک کے یہ بندے ان کی پوری طرح حفاظت کرتے ہیں —— حدود سے مراد ہر قسم کے واجبات و حقوق ہیں، خواہ افراد کی زندگی سے ان کا تعلق ہو یا جماعت کی زندگی سے —— خلف بن ایوب رحمہ اللہ کے بچے کی دودھ پلانے کی مدت (دو سال) آدھی رات میں پوری ہو رہی تھی۔ لہٰذا انھوں نے آدھی رات کو اٹھ کر اہلیہ سے کہا کہ اب دو سال پورے ہو چکے ہیں، لہٰذا بچے کو دودھ نہ پلایا جائے، اہلیہ نے کہا کہ بچہ رو رہا ہے، باہر کا دودھ موجود نہیں ہے اس لئے آج کی رات پلا لینے دیجئے صبح ہوتے ہی دودھ پلانا موقوف کر دوں گی۔ اس پر خلف بن ایوبؒ نے فرمایا کہ پھر **اَلْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ** پر عمل کیسے ہو سکے گا؟! —— اللہ! اللہ! یہ ہیں وہ بندے جنھوں نے اللہ پاک سے سودا کیا ہے، انھوں نے اپنی تمام خواہشات کو رضائے خداوندی پر قربان کر دیا ہے —— اور ایسے مؤمنوں کو آپ خوش خبری دیجئے —— کہ تمہیں ضرور جنت مل کر رہے گی —— جو ایک قیمتی اور ابدی سامان عیش ہے!

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۳﴾ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۭ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًۢا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ

وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ﴿۱۱۶﴾

مَا كَانَ	نہیں تھا	اِلَّا	مگر	حَتّٰی	یہاں تک
لِلنَّبِیِّ	نبی کے لئے	عَنْ مَّوْعِدَةٍ (۱)	ایک وعدے کی وجہ سے	یُبَیِّنَ	(کہ) بیان فرمادیں
وَ الَّذِیْنَ	اور نہ ان لوگوں کے لئے جو	وَّعَدَهَآ	جو آپؑ نے کیا تھا	لَهُمْ	ان کے لئے
اٰمَنُوْٓا	ایمان لائے	اِیَّاهُ	اس سے	مَّا	وہ چیزیں
اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا	کہ مغفرت چاہیں	فَلَمَّا تَبَیَّنَ	پھر جب بات کھل گئی	یَتَّقُوْنَ	(جن سے) وہ بچیں
لِلْمُشْرِكِیْنَ	مشرکوں کے لئے	لَهٗٓ	ان کے لئے	اِنَّ اللّٰهَ	بلاشبہ اللہ تعالیٰ
وَلَوْ	اگرچہ	اَنَّهٗ	کہ وہ	بِكُلِّ شَیْءٍ	ہر چیز کو
كَانُوْٓا	ہوں	عَدُوٌّ	دشمن (ہے)	عَلِیْمٌ	خوب جاننے والے ہیں
اُولِیْ قُرْبٰی	رشتہ دار	لِّلّٰهِ	اللہ پاک کا	اِنَّ اللّٰهَ	بلاشبہ اللہ پاک
مِنْۢ بَعْدِ	بعد	تَبَرَّاَ	(تو) بیزار ہوگئے وہ	لَهٗ	ہی کے لئے
مَا	اس کے	مِنْهُ	اس سے	مُلْكُ	سلطنت (ہے)
تَبَیَّنَ	(کہ) واضح ہوگیا	اِنَّ	بلاشبہ	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں
لَهُمْ	ان کے لئے	اِبْرٰهِیْمَ	ابراہیم	وَالْاَرْضِ	اور زمین (کی)
اَنَّهُمْ	کہ وہ	لَاَوَّاهٌ (۲)	یقیناً رقیق القلب	یُحْیٖ	(وہی) جلاتے ہیں
اَصْحٰبُ	مستحق	حَلِیْمٌ	حلیم المزاج (تھے)	وَیُمِیْتُ	اور مارتے ہیں
الْجَحِیْمِ	جہنم (ہیں)	وَمَا كَانَ	اور نہیں تھا (طریقہ)	وَمَا	اور نہیں (ہے)
وَمَا كَانَ	اور نہیں تھا	اللّٰهُ	اللہ (کا)	لَكُمْ	تمہارے لئے
اسْتِغْفَارُ	دعائے مغفرت کرنا	لِیُضِلَّ (۳)	کہ گمراہ کریں	مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ پاک کے سوا
اِبْرٰهِیْمَ	ابراہیم کا	قَوْمًا	کسی کو	مِنْ وَّلِیٍّ	کوئی یار
لِاَبِیْهِ	اپنے باپ کے لئے	بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ	ہدایت دینے کے بعد	وَّلَا نَصِیْرٍ	اور نہ کوئی مددگار!

(۱) وَعَدَ (ض) کا مصدر ہے (۲) فَعَّالٌ کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اَوَّہَ سے بنا ہے جس کے معنی ہیں آہ آہ کرنا
(۳) باب افعال سے ہے اَضَلَّـهُ اللّٰهُ: اللہ کا کسی کو گمراہ کردینا۔

کفار کے حق میں اللہ تعالیٰ کو کلمۂ خیر سننا گوارہ نہیں

سچے ایمان والوں کا تذکرہ ہو چکا، جو اپنا نفس و مال اللہ پاک کے ہاتھ بیچ چکے ہیں۔اب ان لوگوں کا تذکرہ شروع ہورہا ہے جنھوں نے اللہ پاک کے ساتھ یہ معاہدہ کرنے سے انکار کر دیا ہے، جن کو عرفِ عام میں ''کافر'' کہا جاتا ہے—— ان باغیوں سے اللہ پاک اس قدر ناراض ہیں کہ سورۃ النساء (آیت ۱۱۶) میں صاف اعلان فرما دیا ہے کہ ہم ہر گناہ معاف کریں گے، جس کے لئے چاہیں گے، لیکن شرک کی معافی کا ہمارے یہاں کوئی سوال نہیں —— بلکہ ان آیاتِ پاک سے تو اندازہ ہوتا ہے کہ ان باغیوں کے حق میں کوئی بھی کلمۂ خیر سننا اللہ پاک کو گوارہ نہیں—— نیز مومنوں کے لئے، جبکہ وہ جان و مال اللہ کے ہاتھ فروخت کر چکے ہیں ضروری ہے کہ تنہا اسی کے ہو کر رہیں۔اللہ پاک کے دشمنوں سے، جن کا دشمنِ خدا ہونا اور جہنمی ہونا معلوم ہو چکا ہو، مہر و مہربانی کا تعلق نہ رکھیں۔خواہ یہ دشمنانِ خدا ان کے ماں باپ، چچا تایا اور خاص بھائی بند ہی کیوں نہ ہوں۔جو اللہ پاک کا باغی اور دشمن ہے وہ ان کا دوست کیسے ہو سکتا ہے؟

قرآن پاک میں جا بجا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تذکرہ آیا ہے۔ان کے باپ نے ان کے ساتھ جو نازیبا سلوک کیا تھا اس کا مفصل تذکرہ سورۂ مریم میں موجود ہے۔تھک کر حضرت والا نے اپنے مشرک باپ سے تعلقات منقطع کر لئے، اور جو آخری بات آپ نے اس سے فرمائی وہ یہ تھی کہ: ﴿ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ﴾: (سورۂ مریم آیت ۴۷) میں آپ کے لئے اپنے رب سے دعائے مغفرت کروں گا، بیشک وہ میرے اوپر نہایت مہربان ہے۔

یہ کہہ کر حضرت والا ہجرت کر کے بیت المقدس روانہ ہو گئے۔اور حسب وعدہ اس کے لئے دعائے مغفرت فرماتے رہے۔سورۂ ابراہیم میں آپؑ کی یہ دعا موجود ہے: ﴿ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ﴾: (سورۂ ابراہیم آیت ۴۱) اے ہمارے پروردگار! مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور سب ایمان والوں کو حساب جانچے جانے کے دن معاف فرما دیجئے۔

اور سورۃ الشعراء میں آپؑ کی یہ دعاء ہے: ﴿ وَاغْفِرْ لِاَبِيْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّاۗلِّيْنَ ﴾: اور میرے باپ کو معاف فرما دیجئے، بے شک وہ گمراہ لوگوں میں سے ہے۔

یہ سب باتیں قرآن پاک میں موجود تھیں اور مسلمانوں کو مشرکوں کے لئے دعائے مغفرت کرنے سے روکا بھی نہیں گیا تھا۔اس لئے نبی پاک ﷺ اور مسلمان اپنے مشرک رشتے داروں کے لئے دعائے مغفرت کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے—— غالباً سب سے پہلا واقعہ اس سلسلہ میں ابو طالب کا پیش آیا۔نبی پاک ﷺ کے ساتھ ان کا سلوک مثالی تھا۔جب ان کی موت کا وقت قریب آیا تو نبی اکرم ﷺ نے تشریف لے جا کر ان کے سامنے اسلام پیش کیا۔اور

بڑی ہی لجاجت سے عرض کیا کہ ''چچا جان! کلمۂ اسلام کہہ لیجئے تا کہ مجھے شفاعت کا بہانہ مل جائے!'' — لیکن بدقسمتی سے ابوجہل وہاں موجود تھا، اس نے اس موقع پر کچھ اس قسم کی باتیں کیں کہ ابوطالب نے اسلام قبول نہ کیا، اور وفات ہوگئی۔ نبی پاک ﷺ کی حساس طبیعت پر اس کا غیر معمولی اثر پڑا چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: **لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَکَ مَالَمْ اُنْہَ عَنْکَ**: مجھے جب تک اللہ پاک منع نہیں فرمائیں گے میں برابر آپ کے لئے دعائے مغفرت کرتا رہوں گا!

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک صحابیؓ کو اپنے والدین کے لئے، جو شرک کی حالت میں وفات پا چکے تھے، دعائے مغفرت کرتے ہوئے پایا۔ آپؓ نے اس پر حیرت کا اظہار فرمایا۔ وہ صحابی فرمانے لگے کہ کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کے لئے دعائے مغفرت نہیں فرمائی تھی؟ پھر میرے دعا کرنے پر آپ کو حیرت کیوں ہے؟ — خود نبی پاک ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت مانگی تھی، جو مل گئی۔ آپ ﷺ نے ان کے لئے دعائے مغفرت کرنے کی اجازت بھی مانگی لیکن وہ نہ ملی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تو حضرات صحابہؓ کا عمومی معمول یہ بتلاتے ہیں کہ وہ اپنے کافر اعزاء کے لئے دعائے مغفرت کیا کرتے تھے۔ لیکن جب یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی تو صحابہؓ ان رشتے داروں کے لئے جو کفر کی حالت میں مر چکے تھے، دعائے مغفرت کرنے سے رک گئے — حضرت قتادہ رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ چند صحابہ نے نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ ہمارے باپ پڑوسیوں کا خیال رکھتے تھے، رشتے داروں کے ساتھ حسن سلوک کرتے تھے، قیدیوں کو رہائی دلاتے تھے، اور عہد و پیمان کا پاس ولحاظ کرتے تھے تو کیا ہم ان کے لئے دعائے مغفرت کر سکتے ہیں؟ — نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''کیوں نہیں؟! قسم بخدا میں خود اپنے والد کے لئے دعائے مغفرت کرتا ہوں جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے والد کے لئے کیا کرتے تھے''[1]

مشرک اور کافر کے لئے بعد موت دعائے مغفرت کرنا جائز نہیں:

اب اس بارے میں واضح احکامات دیئے جا رہے ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں — نبی (پاک ﷺ) اور مؤمنوں کے لئے زیبا نہیں کہ مشرکوں کے لئے مغفرت کی دعا کریں، چاہے وہ ان کے رشتے دار ہی کیوں نہ ہوں، ان پر یہ بات کھل جانے کے بعد کہ وہ لوگ دوزخی ہیں — کسی شخص کے لئے دعائے مغفرت کرنا لازماً یہ معنی رکھتا ہے کہ ہمیں اس کے ساتھ ہمدردی اور محبت ہے۔ ہم اس کے قصور کو معافی کے قابل سمجھتے ہیں۔ یہ بات اس شخص کے معاملہ میں تو درست ہے جو وفاداروں کے زمرے میں شامل ہو اور صرف گناہ گار ہو۔ لیکن جو شخص کھلا ہوا باغی ہو اس کے ساتھ ہمدردی اور محبت رکھنا

(۱) یہ سب روایتیں تفسیر ابن کثیر سے لی گئی ہیں۔

اپنی وفاداری کو بھی مشتبہ بنا دیتا ہے۔اس سلسلہ میں رشتہ داری کا کوئی لحاظ نہ ہونا چاہئے۔جو اللہ پاک کا دوست ہے وہ ہمارا بھی دوست ہے اور جو اللہ پاک کا دشمن ہے وہ ہمارا بھی دشمن ہے

اور یہ بات واضح طرح ہوگی کہ فلاں شخص دوزخی ہے تا کہ اس کے لئے دعائے مغفرت کرنے سے بچا جائے؟اس کا مدار اس کے ان اعمال پر ہے جن پر اس کی زندگی کا خاتمہ ہوا ہے۔ظاہر ہے کہ جو شخص اپنی پوری زندگی کفر و بغاوت پر مُصر رہا پھر اس کی زندگی کا خاتمہ بھی اسی پر ہوا اس کے دوزخی ہونے کے لئے اس سے زیادہ روشن قرینہ اور کیا ہوسکتا ہے؟

یہاں یہ جان لینا بھی ضروری ہے کہ کافروں کے لئے،ان کے مرنے کے بعد،جس طرح دعائے مغفرت کرنا ممنوع ہے اسی طرح انکی زندگی میں بھی ان کے ساتھ وہ ہمدردیاں ممنوع ہیں جو دین کے معاملہ میں خلل انداز ہوتی ہوں۔رہا ان کی زندگیوں میں ان کی ہدایت کے لئے دعا کرنا یا انسانی ہمدردی یا دنیوی تعلقات میں صلۂ رحمی،غم خواری اور رحمت وشفقت کا برتاؤ کرنا تو یہ ممنوع نہیں، بلکہ پسندیدہ ہے،رشتہ دار خواہ کافر ہو یا مؤمن اس کے دنیوی حقوق ضرور ادا کئے جائیں۔مصیبت زدہ انسان کی بہرحال مدد کی جائے،حاجت مند آدمی کو بہر صورت سہارا دیا جائے۔بیمار اور زخمی کے ساتھ ہمدردی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی جائے۔یتیم کے سر پر یقیناً شفقت ومحبت کا ہاتھ پھیرا جائے۔ایسے معاملات میں کوئی امتیاز نہ برتا جائے کہ کون مسلمان ہے اور کون کافر۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے باپ کے لئے دعائے مغفرت:

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اپنے باپ کے لئے دعائے مغفرت کرنے کی حقیقت سمجھائی جاتی ہے—— اور ابراہیم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا اپنے باپ کے لئے دعائے مغفرت کرنا ایک وعدے کی وجہ ہی سے تھا جو آپ (علیہ السلام) نے اس سے کیا تھا۔پھر جب ان پر یہ بات کھل گئی کہ وہ اللہ پاک کا دشمن ہے تو وہ اس سے بیزار ہو گئے۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے باپ کے لئے جو مغفرت کی دعائیں کی تھیں وہ صرف اس وقت تک تھیں جب تک یقینی طور سے یہ واضح نہیں ہوا تھا کہ اسے کفر وشرک اور خدا کی دشمنی پر مرنا ہے۔کیونکہ جب تک آدمی زندہ رہتا ہے اس کی ہدایت واصلاح سے قطعی مایوسی نہیں ہوجاتی،اگر چہ وہ کتنا ہی گمراہی میں ڈوبا ہوا ہو کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ مرنے سے پہلے باز آجائے۔چنانچہ جب تک ان کا باپ زندہ رہا وہ مایوس نہ ہوئے اور دعائیں مانگتے رہے—— لیکن جب کفر وشرک پر خاتمہ ہونے سے صاف کھل گیا کہ وہ حق کی دشمنی سے باز آنے والا نہ تھا،تو حضرت علیہ السلام اس سے بالکلیہ بیزار ہو گئے اور دعائے مغفرت ترک فرمادی اور اس کی خیر خواہی سے ہاتھ اٹھالیا—— حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی ان آیتوں کے نزول کے بعد اپنے کافر رشتہ داروں سے بے تعلق اور بیزار ہو گئے تھے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

نے ایک بار حاضرین مجلس سے فرمایا کہ ''اللہ پاک اس شخص پر بارانِ رحمت برسائیں جو میرے اور میری والدہ کے لئے دعائے مغفرت کرے''! — کسی نے عرض کیا کہ آپ کے والد صاحب کے لئے بھی؟ حضرت نے فرمایا کہ ''اس کے لئے نہیں! کیونکہ اس نے مشرک ہونے کی حالت میں وفات پائی ہے''

آگے اس خلجان کا ازالہ کیا جاتا ہے کہ رقیق القلب آدمی کے لئے تو اپنے محسن رشتے داروں سے بیزار ہو جانا بہت ہی مشکل کام ہے۔ارشاد فرماتے ہیں کہ — واقعہ یہ ہے کہ ابراہیم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) بڑے ہی رقیق القلب حلیم المزاج تھے — پھر بھی وہ اپنے باپ سے بیزار ہو گئے تھے ان سے بڑھ کر رقیق القلب کون ہو سکتا ہے پھر یہ شبہ دامن گیر کیوں ہو؟

نزولِ ممانعت سے پہلے جو دعائے مغفرت کی اس سلسلہ میں قاعدہ:

ان آیتوں کے نزول کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اپنے کافر رشتہ داروں سے نہ صرف یہ کہ بیزار و بے تعلق ہو گئے، بلکہ اب یہ خیال انھیں ستانے لگا کہ اب تک ہم جو مغفرت کی دعائیں کرتے رہے، نہ معلوم ان کا انجام کیا ہوگا؟ کہیں ہم سے اس پر باز پرس تو نہیں ہوگی؟ — اللہ پاک ان کی تسلی فرماتے ہیں اور ایک قیمتی ضابطہ بیان فرماتے ہیں — اور اللہ پاک کسی کو ہدایت بخشنے کے بعد اس وقت تک گمراہ نہیں کرتے جب تک ان چیزوں کو صاف صاف نہ بتلا دیں جن سے وہ بچتے رہیں! — کیونکہ معصیت نام ہے اللہ پاک کے دیئے ہوئے احکام کی خلاف ورزی کرنے کا، پس جب مشرکوں کے لئے دعائے مغفرت کرنے کے سلسلہ میں اللہ پاک نے احکام نازل ہی نہیں فرمائے تھے تو جن لوگوں نے ان کے لئے دعائیں کیں انھوں نے کوئی گناہ کا ارتکاب نہیں کیا، نہ وہ گمراہ ہوئے بلکہ وہ راہِ مستقیم پر گامزن ہیں وہ مطمئن رہیں — بے شک اللہ پاک ہر چیز کو خوب جاننے والے ہیں — وہ خوب جانتے ہیں کہ بندوں کے کون سے کام معصیت، گناہ اور گمراہی ہیں اور کس قسم کے افعال قابل عفو ہیں — یہ ارشاد ایک قاعدہ کلیہ بیان کرتا ہے کہ اللہ پاک نے جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے ان کا کرنا ضروری ہے ان کا نہ کرنا گمراہی اور گناہ ہے اور جن کاموں کے کرنے سے روک دیا ہے ان سے رک جانا ضروری ہے ان کو کرنا گمراہی اور معصیت ہے اور جن کاموں کے بارے میں اللہ پاک نے احکام نازل نہیں فرمائے وہ سب مباح ہیں۔ان کا کرنا جائز ہے۔معصیت یا گمراہی نہیں — بہر حال اب جبکہ مشرکوں کے بارے میں واضح احکامات دیدیئے گئے تو اب ضروری ہے کہ سختی کے ساتھ ان کی پابندی کی جائے کیونکہ — واقعہ یہ ہے کہ اللہ پاک ہی کے لئے آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے — وہ جو احکام چاہیں نازل فرما سکتے ہیں، بندوں کے لئے ضروری ہے کہ ان کی پوری پیروی کریں — وہی جلاتے ہیں اور مارتے ہیں — ظاہری موت و حیات کا رشتہ بھی انہی کے ہاتھ میں ہے۔اور روحانی موت و حیات یعنی کفر و ایمان، ہدایت و گمراہی کا فیصلہ بھی وہی فرماتے ہیں — اور تمہارے

لئے اللہ پاک کے سوا نہ کوئی یار ہے اور نہ کوئی مددگار! — لہٰذا تم صرف اللہ پاک ہی کو یار و مددگار تصور کرو، اور مشرکوں کو، خواہ وہ کتنے ہی قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہوں، نہ یار سمجھو نہ مددگار۔

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾ وَّعَلَي الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ۭ حَتّٰٓي اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ۭ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

ع ۱۴ ۳

لَقَدْ تَّابَ (۱)	یقیناً متوجہ ہوئے	فِيْ سَاعَةِ	گھڑی میں	فَرِيْقٍ	کچھ لوگوں (کے)
اللّٰهُ	اللہ پاک	الْعُسْرَةِ (۳)	تنگی کے	مِّنْهُمْ	ان میں سے
عَلَى النَّبِيِّ	نبی (ﷺ) پر	مِنْۢ بَعْدِ	بعد	ثُمَّ	پھر
وَالْمُهٰجِرِيْنَ	اور ان مہاجرین	مَا	اس کے	تَابَ	(اللہ پاک) متوجہ ہوئے
وَالْاَنْصَارِ	وانصار (پر)	كَادَ (۴)	(کہ) نزدیک تھا	عَلَيْهِمْ	ان پر
الَّذِيْنَ	جنھوں نے	يَزِيْغُ	(کہ) ڈگمگا جائیں	اِنَّهٗ	واقعہ یہ ہے کہ وہ
اتَّبَعُوْهُ (۲)	نبی (ﷺ) کی پیروی کی	قُلُوْبُ	دل	بِهِمْ	ان لوگوں پر

(۱) تَابَ (نصر) تَوْبًا و تَوْبَةً: گناہ سے باز آنا، جب الی کے ذریعہ متعدی ہو تو معنی ہوتے ہیں اللہ پاک کی طرف توجہ کرنا۔ رجوع ہونا، پلٹنا۔ اور جب عَلٰی کے ذریعہ متعدی ہو مثلاً تَابَ اللّٰهُ عَلَى الْعَبْدِ تو معنی ہوتے ہیں اللہ نے بندے کی توبہ قبول کی اسے توبہ کی توفیق دی۔ اس پر مہربان ہوگیا (۲) اِتِّبَاعٌ سے فعل ماضی کا جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ ضمیر ہٗ مفعول بہ ہے (۳) سَاعَةٌ: گھڑی، وقت، اَلْعُسْرَةُ: تنگی، سختی (۴) كَادَ (سمع) كَوْدًا افعال مقاربہ میں سے ہے، فعل مضارع پر داخل ہوتا ہے — اور قاعدہ یہ ہے کہ اگر كَادَ کلام مثبت میں ہو تو یہ بتلائے گا کہ آنے والا کام واقع نہیں ہوا، ہاں قریب الوقوع ضرور ہوا تھا جیسے كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُهُمْ ان کے دل کجی کے قریب پہنچ گئے مگر کج نہیں ہوئے — اور جب کلام منفی میں واقع ہو تو یہ بتلائے گا کہ بعد میں آنے والا کام ہو گیا لیکن نہ واقع ہونے کے قریب تھا جیسے مَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ: وہ ایسے لگتے نہ تھے کہ گائے ذبح کریں۔

رَءُوۡفٌ[1]	شفقت فرمانے والے	بِمَا رَحُبَتۡ[4]	باوجود اپنی وسعت کے	لِيَتُوۡبُوۡا	تا کہ وہ (اس کی) طرف
رَّحِيۡمٌ	بے حد مہربانی فرمانے	وَضَاقَتۡ	اور بار ہونے لگیں		پلٹ آئیں
	والے (ہیں)	عَلَيۡهِمۡ	ان پر	اِنَّ اللّٰهَ	بلاشبہ اللہ پاک
وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ[2]	اور (اُن) تین (صحابہ)	اَنۡفُسُهُمۡ	ان کی (اپنی) جانیں	هُوَ	ہی
	پر (بھی)	وَظَنُّوۡۤا	اور سمجھ گئے وہ	التَّوَّابُ	زیادہ سے زیادہ توبہ
الَّذِيۡنَ	جو	اَنۡ لَّا	کہ نہیں (ہے)		قبول فرمانے والے
خُلِّفُوۡا[3]	(معلق حالت میں)	مَلۡجَاَ[5]	کوئی (بھی) پناہ گاہ	الرَّحِيۡمُ	نہایت مہربانی فرمانے
	چھوڑ دیئے گئے تھے	مِنَ اللّٰهِ	اللہ پاک سے (بھاگ کر)		والے ہیں
حَتّٰۤى	یہاں تک کہ	اِلَّاۤ	مگر	يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ	اے وہ لوگو جو!
اِذَا	جب	اِلَيۡهِ	اسی کے پاس	اٰمَنُوا	ایمان لائے ہو
ضَاقَتۡ	تنگ ہوگئی	ثُمَّ	پھر	اتَّقُوا اللّٰهَ	ڈرو اللہ پاک سے
عَلَيۡهِمُ	ان پر	تَابَ	مہربان ہوگئے (اللہ پاک)	وَكُوۡنُوۡا	اور بنو
الۡاَرۡضُ	زمین	عَلَيۡهِمۡ	ان پر	مَعَ الصّٰدِقِيۡنَ	سچوں کے ساتھی!

ربط: اب ان لوگوں کا تذکرہ شروع ہو رہا ہے جو اپنا نفس ومال اللہ پاک کے ہاتھ بیچ تو چکے ہیں مگر کسی وقت بھول سے یا سستی سے یا کسی اور نفسانی داعیہ سے ایسا رویہ اختیار کر جاتے ہیں جو خرید وفروخت نہ کرنے کی صورت ہی میں اختیار کیا جا سکتا ہے۔ جنھیں عرفِ عام میں عاصی، فاسق یا گناہ گار مؤمن کہا جاتا ہے، یہ لوگ اگر سچی توبہ کر لیتے ہیں تو اللہ پاک کی رحمت کا دریا جوش میں آ جاتا ہے اور اللہ پاک انھیں اپنا لیتے ہیں:

کہہ کے لبیک ، مغفرت دوڑے ❁ توبہ، عاصی اگر کرے دل سے

(۱) رَافَةٌ سے فَعُوۡلٌ کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ ہے معنی ہیں مہربان، شفقت کرنے والا — امام خطابی رحمہ اللہ نے رحمت ورافت کا فرق یہ بیان کیا ہے کہ ''رحمت تو کسی مصلحت سے کبھی ناپسندیدگی میں بھی ہوتی ہے، لیکن رافت ناپسندیدگی میں تقریبا نہیں ہوتی'' (۲) عَلَى النَّبِيِّ پر عطف ہے (۳) تَخۡلِيۡف سے ماضی مجہول کا جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے جس کے معنی پیچھے چھوڑنے کے ہیں (۴) رَحُبَتۡ ماضی کا واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے رَحِبَ (سمع وکرم) الۡمَكَانُ: جگہ کشادہ ہونا — اور ما مصدریہ ہے (۵) مَلۡجَأ ظرف مکان: پناہ کی جگہ لَجَأَ (فتح) اِلَى الۡحِصۡنِ: قلعہ کی پناہ لینا۔

ابھی کچھ پہلے آیات ۱۰۲ اور ۱۰۶ میں بیان کیا گیا تھا کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر اکثر صحابہ تو جہاد کا حکم پاتے ہی فوراً تیار ہو گئے تھے۔ البتہ کچھ حضرات شروع شروع میں مُتردد رہے، ان کے دل متزلزل ہو رہے تھے مگر پھر سنبھل گئے، اور جہاد کے لئے سب کے ساتھ شریک ہو گئے ـــــ اور دس حضرات ایسے تھے جو وقتی کاہلی اور سستی کی وجہ سے جہاد میں شرکت نہ کر سکے۔ ان میں سے سات نے تو باز پرس ہونے سے پہلے ہی اپنے آپ کو سزا دے لی۔ اس لئے آیت ۱۰۲ میں ان کی معافی کا اعلان کر دیا گیا، لیکن باقی تین حضرات کا معاملہ آیت ۱۰۶ میں ڈھیل میں چھوڑ دیا گیا تھا۔ اب ان کی توبہ بھی قبول کی جاتی ہے ـــــ جن حضرات کے دل شروع میں ڈگمگانے لگے تھے اور پھر وہ سنبھل گئے تھے ان کی توبہ کی قبولیت کا اعلان بھی انہی آیات میں ہے ـــــ اور ان حضرات کا دل خوش کرنے کے لئے شروع میں نبی پاک ﷺ اور عام مہاجرین وانصار کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔ جنھوں نے بغیر کسی تذبذب کے ساتھ دیا تھا۔ تا کہ وہ حضرات یہ خیال نہ کریں کہ ہم معاف بیشک کر دیئے گئے لیکن چونکہ ہمارا ریکارڈ خراب ہو گیا ہے اس لئے ہمارا مقام بھی فروتر ہو گیا ہوگا۔ ان کے اسی اندیشہ کو زائل کرنے کے لئے شروع میں نبی پاک ﷺ اور عام مہاجرین وانصار کا ذکر کیا گیا ہے کہ یہ سب ایک ہی لڑی کے موتی ہیں ـــــ قرآن کریم میں ایک جگہ اور بھی اس قسم کا انداز اختیار کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے: ﴿ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ ﴾: (سورۃ الانفال آیت ۴۱) ترجمہ: اور یہ بات جان لو کہ جو چیز تم کو غنیمت کے طور پر حاصل ہو، اس کا پانچواں حصہ اللہ کا اور اس کے رسول کا ہے الخ۔ ظاہر ہے کہ یہاں اللہ پاک کا ذکر یہ معنی نہیں رکھتا کہ ان کا بھی مال غنیمت میں کوئی بندھا ہوا حصہ ہے کیونکہ سارا ہی مال اللہ پاک کا ہے۔

نبی ﷺ اور مہاجرین وانصار کا ذکر (بطور تمہید)

ارشاد فرماتے ہیں: ـــــ یقیناً اللہ پاک مہربان ہو گئے نبی (ﷺ) پر، اور ان مہاجرین وانصار پر جنھوں نے تنگی کے وقت میں نبی (ﷺ) کی پیروی کی ـــــ جبکہ گرمی سخت تھی، قحط سالی کا زمانہ تھا۔ سواریوں کا انتظام تھا نہ رسد کا۔ ایک کھجور روزانہ دو کی شرکت میں تقسیم ہوتی تھی۔ جب وہ بھی نہ رہی تو کئی کئی آدمی کھجور کی ایک گٹھلی چوس کر، پانی پی کر گزارہ کر لیتے تھے، دس دس اشخاص باری باری ایک ہی اونٹ پر اترتے چڑھتے تھے۔ ایسے کٹھن وقت میں جن مہاجرین وانصار نے نبی پاک ﷺ کی پیروی کی ہے اور جہاد میں شرکت فرمائی، اللہ پاک ان پر مہربان ہو چکے ہیں ـــــ اور ان حضرات کا یہ پیروی کرنا ـــــ اس کے بعد (تھا) کہ ان میں سے کچھ لوگوں کے دل ڈگمگانے کے قریب ہو گئے تھے ـــــ پھر جب وہ سنبھل گئے، اور دنیا کی دلچسپیوں سے ہاتھ اٹھا کر شریکِ جہاد ہو گئے ـــــ تو اللہ پاک ان پر مہربان ہو گئے۔ واقعہ یہ ہے کہ اللہ پاک ان پر شفقت ومہربانی فرمانے والے ہیں ـــــ اس لئے اس بات پر ان سے مواخذہ نہیں فرمایا کہ ان کے

دلوں میں کجی کی طرف یہ میلان کیوں پیدا ہوا؟ اللہ پاک اس کمزوری پر کبھی گرفت نہیں فرماتے جس کی انسان نے خود اصلاح کرلی ہو ـــ ایک صاحب کا باغ لاکھ روپے سے بھی زیادہ قیمتی تھا، جوان کے دل کو مائل کررہا تھا۔ انھوں نے اس باغ سے خطاب کرکے کہا کہ ''او باغ! مجھے تیرے گھنے سائے نے گھر روکے رکھا ہے، تیرے پھلوں کے انتظار نے بٹھادیا ہے جا تو فی سبیل اللہ ہے!'' یہ کہہ کر چل دیئے اور مجاہدین کے لشکر سے جاملے ـــ ایک صاحب کا کچھ نہ تھا صرف اہل وعیال کی محبت دامن گیر ہوگئی تھی۔ انھوں نے ان سے کہہ دیا کہ ''اے گھر والو! سنو! میں تمہاری محبت میں پیچھے رہ گیا ہوں لیکن اب قسم بخدا ہر طرح کی دشواریاں سہتا ہوا رسول اللہ ﷺ سے جاملوں گا'' یہ کہہ کر اپنا زادِ راہ بغل میں دبایا اور چل دیئے ـــ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا اونٹ راستہ میں تھک گیا اور اس کی کوئی امید نہ رہی تو سامان خود ہی اٹھا کر روانہ ہوگئے جب لشکر کے قریب پہنچے اور لوگوں نے دور سے ان کی پرچھائیں دیکھیں تو قیاس آرائیاں شروع کیں کہ کون ہوسکتا ہے؟ نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''الٰہی ابوذر ہوں!'' جب قریب ہوئے تو لوگوں نے پہچانا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ابوذرؓ ہی ہیں! ـــ حضرت ابو خَیْثَمَہ رضی اللہ عنہ بھی پیچھے رہ گئے تھے لشکر کے روانہ ہوجانے کے بعد وہ اپنے باغ میں پہنچے۔ ان کی ایک رشکِ قمر بیوی تھی جس نے ان کے لئے خوب گدے تکئے لگا کر باغ کی جھونپڑی سجار کھی تھی، تازہ کھجوریں، اور ٹھنڈا پانی مہیا کر رکھا تھا۔ جب ابوخیثمہؓ نے یہ منظر دیکھا تو فرمایا کہ دل لبھانے والا سایہ! پکی ہوئی کھجوریں، ٹھنڈا پانی، رشکِ قمر بیوی اور رسول اللہ ﷺ لق ودق میدان میں! قسم بخدا یہ چیز کبھی خیر نہیں ہوسکتی، پھر اٹھے، اونٹنی کسی اور سیف وسناں لے کر ہوا کی طرح اڑتے ہوئے رسول اللہ ﷺ سے جاملے۔ جب لشکرِ اسلام سے قریب پہونچے تو سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ غبار اُڑاتا ہوا کوئی شخص آرہا ہے آپ ﷺ نے دعا فرمائی کہ ''الٰہی ابوخیثمہ ہوں!''[1] ـــ اس طرح جب ان حضرات نے اپنے عمل کی خود اصلاح کرلی تو اللہ پاک بھی ان پر مہربان ہوگئے۔

تین پیچھے رہنے والوں کی توبہ کی قبولیت:

اور ان تین (حضرات) پر بھی (اللہ پاک مہربان ہوگئے) جو (معلق حالت میں) چھوڑ دیئے گئے تھے ـــ جن سے کہہ دیا گیا تھا کہ اللہ پاک کے فیصلے کا انتظار کرو، اور عام مسلمانوں کو حکم دے دیا گیا تھا کہ جب تک اللہ پاک کا حکم نہ آئے، ان سے کسی قسم کا معاشرتی تعلق نہ رکھا جائے، ان کے ساتھ سلام وکلام تک نہ کیا جائے ـــ یہ تین بزرگ مندرجہ ذیل تھے:

(۱) یہ سب واقعات تفسیر ابوالسعود سے لئے گئے ہیں۔

① ــــ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ ــــ آپ قبیلہ خزرج کے بنوسلمہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ عقبہ ثانیہ کی بیعت میں آپ نے شرکت فرمائی ہے اور بدر اور تبوک کے علاوہ تمام اسلامی معرکوں میں جانبازی کے جوہر دکھا چکے ہیں۔ آپؓ نغز گو شاعر تھے اور رسول اللہ ﷺ کے تین شاعروں میں سے ایک تھے۔ دوسرے دو حضرات: حضرت حسان بن ثابتؓ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ تھے۔ آپ نے اپنے پیچھے رہ جانے کا قصہ بہت تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ جو بہت ہی سبق آموز ہے جسے ہم آگے بیان کریں گے۔

② ــــ حضرت ہلال بن اُمَیّہ رضی اللہ عنہ ــــ آپ کا تعلق انصار کے قبیلہ بنی واقف سے تھا، بدر اور بعد کے تمام معرکوں میں شریک رہے ہیں۔ صرف تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے۔ آپ ہی کے ایک واقعہ میں لِعان کی آیتیں نازل ہوئی ہیں۔

③ ــــ حضرت مُرَارَۃُ بن الرَّبیع رضی اللہ عنہ ــــ آپ کا تعلق انصار کے قبیلے اَوْس کے بنی عمرو بن عوف خاندان سے تھا۔ آپ بھی بدر اور بعد کے تمام معرکوں میں شریک رہے ہیں۔ صرف تبوک میں بدقسمتی سے پیچھے رہ گئے تھے۔

ان تینوں صاحبوں کا مفصل قصہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے۔ ہم اس کا ضروری حصہ یہاں درج کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ:

''میں غزوۂ تبوک کے علاوہ تمام غزوات میں شریک رہا ہوں، البتہ غزوۂ بدر کا واقعہ چوں کہ اچانک پیش آیا تھا، اور رسول اللہ ﷺ نے سب کو شرکت کا حکم بھی نہیں فرمایا تھا اس لئے میں اس میں شریک نہ ہوسکا تھا ــــ ہاں شبِ عَقَبہ کی بیعت میں شریک ہوا ہوں جس میں ہم نے اسلام کی حمایت و نصرت اور نبی پاک ﷺ کی حفاظت کا معاہدہ کیا تھا ــــ اور مجھے یہ عقبہ کی حاضری غزوۂ بدر کی حاضری سے زیادہ محبوب ہے۔ اگرچہ غزوۂ بدر کی لوگوں میں زیادہ شہرت ہے ــــ غزوۂ تبوک میں میری غیر حاضری کا واقعہ یہ ہے کہ جب بھی نبی پاک ﷺ نے مسلمانوں کو غزوہ کے لئے تیاری کا حکم دیا تو میں دل میں ارادہ کر لیتا تھا اور بے فکر تھا کہ جب چاہوں گا فوراً تیار ہو کر ساتھ چلا جاؤں گا، کیونکہ بحمداللہ اس وقت ہر طرح کا سامان مجھ کو میسر تھا۔ ایک چھوڑ دو سواریاں میرے پاس موجود تھیں ــــ اسی طرح بات ٹلتی رہی یہاں تک کہ لشکر کی روانگی کا وقت آ گیا اور میں تیار نہ تھا۔ میں نے دل میں کہا کہ لشکر کو چلنے دوں، دو ایک روز بعد میں راستہ ہی میں اس سے جاملوں گا۔ مگر پھر وہی سستی سدِّ راہ بنی رہی حتی کہ وقت نکل گیا۔ (کسی نے سچ کہا ہے:

وَلَمْ اَرَ فِیْ عُیُوْبِ النَّاسِ شَیْئًا ❁ کَنَقْصِ الْقَادِرِیْنَ عَلَی التَّمَامِ

میں نے لوگوں میں اس سے بڑا کوئی عیب نہیں پایا ❁ کہ قدرت کے باوجود کام ادھورا چھوڑ دیا جائے

رسول اللہ ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد میں یہ دیکھ کر بے حد کُڑھتا تھا کہ مدینہ میں پیچھے رہ جانے والے یا تو وہ لوگ ہیں جو نفاق میں ڈوبے ہوئے ہیں یا پھر ایسے بیمار معذور ہیں جو قطعاً سفر کے قابل نہیں ہیں ـــــ رسول اللہ ﷺ کو پورے راستہ میں میرا خیال کہیں نہیں آیا۔ تبوک پہنچ کر ایک مجلس میں آپؐ نے دریافت فرمایا کہ ''کعب بن مالک کو کیا ہوا؟'' میرے خاندان ہی کے ایک شخص نے کہا کہ یارسول اللہ! اس کو اس کی چادر نے اور چادر کے دونوں پلوں کے نظارے نے (عیش پسندی اور اعجاب وغرور نے) نکلنے کی اجازت نہ دی! ـــــ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے اس کی بات کاٹی اور کہا کہ تو نے بری بات کہی۔ خدا کی قسم ہم نے اس میں بھلائی کے سوا کچھ نہیں دیکھا! نبی کریم ﷺ نے بھی اس کی تائید فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ: مَا أَعْلَمُ اِلاَّ فَضْلاً وَّاِسْلامًا (ابوالسعود): میں بھی نیکی اور اسلام کے سوا اور کوئی بات نہیں جانتا ہوں۔

جب مجھے خبر ملی کہ رسول اللہ ﷺ واپس تشریف لا رہے ہیں تو مجھے بڑی فکر دامن گیر ہوئی۔ اور دل نے طرح طرح کے جھوٹے منصوبے گانٹھنے شروع کیے کہ آپؐ کی واپسی پر فلاں عذر کر کے جان بچالوں گا۔ مگر جب معلوم ہوا کہ حضور ﷺ خیر وعافیت سے واپس تشریف لے آئے ہیں تو دل سے سارے جھوٹ فریب محو ہو گئے۔ اور طے کر لیا کہ سچ کے سوا کوئی چیز اس بارگاہ میں نجات دلانے والی نہیں ـــــ حضور ﷺ مسجد میں رونق افروز تھے۔ منافقین جھوٹے حیلے بہانے بنا کر ظاہری گرفت سے چھوٹ رہے تھے۔ یہ اسّی سے زیادہ آدمی تھے پھر میری باری آئی میں نے آگے بڑھ کر سلام عرض کیا۔ آپؐ نے غضب آمیز تبسم کے ساتھ فرمایا کہ ''تشریف لائیے! آپ کو کس چیز نے روکا تھا؟'' ـــــ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! اگر اس وقت میں دنیا والوں میں سے کسی دوسرے کے سامنے ہوتا تو آپ دیکھتے کہ کس طرح زبان زوری اور چرب لسانی سے جھوٹے حیلے حوالے کر کے اپنے کو صاف بچالیتا۔ مگر یہاں تو معاملہ ایک ایسی مقدس ذات سے ہے کہ جسے جھوٹ بول کر اگر میں راضی بھی کرلوں تو تھوڑی دیر کے بعد اللہ پاک اس کو سچی بات پر مطلع کر کے مجھ سے ناراض کر دیں گے۔ البتہ اگر سچ کہوں تو گو تھوڑی دیر کے لئے آپ کی خفگی برداشت کرنی پڑے گی، لیکن میں امید کرتا ہوں کہ اس کا انجام بہتر ہوگا واقعہ یہ ہے کہ میرے پاس کوئی عذر نہیں ہے جسے پیش کرسکوں۔ میں جانے پر پوری طرح قادر تھا، میں مجرم ہوں۔ آپ کو اختیار ہے جو فیصلہ چاہیں میرے حق میں دیں۔

اس پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''یہ شخص ہے جس نے سچی بات کہی ہے۔ اچھا جاؤ اور انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ پاک تمہارے معاملہ میں کوئی فیصلہ کریں'' ـــــ میں اٹھا اور اپنے قبیلے کے لوگوں میں جا بیٹھا۔ یہاں سب کے سب میرے پیچھے پڑ گئے۔ اور مجھے بہت ملامت کی کہ تو نے کوئی عذر کیوں نہ کر دیا۔ یہ باتیں سن کر میرا نفس بھی کچھ آمادہ ہونے

لگا کہ پھر حاضر ہو کر کوئی بات بنادوں۔ مگر جب مجھے معلوم ہوا کہ دو اور نیک آدمیوں نے بھی وہی سچی بات کہی ہے جو میں نے کہی ہے تو مجھے تسکین ہوگئی اور میں اپنی سچائی پر جما رہا۔

نبی پاک ﷺ نے عام حکم دے دیا کہ ہم تینوں آدمیوں سے کوئی بات نہ کرے۔ سب لوگ علحدہ رہیں، چنانچہ کوئی مسلمان ہم سے بات نہ کرتا تھا، نہ سلام کا جواب دیتا تھا۔ میرے دونوں ساتھی تو خانہ نشین ہو گئے اور شب و روز گھر میں وقفِ گریہ و بکا رہنے لگے۔ مگر میں نکلتا تھا۔ جماعت کے ساتھ نماز پڑھتا تھا، بازاروں میں چلتا پھرتا تھا لیکن کوئی مجھ سے بات نہ کرتا تھا۔ مسجد میں نماز کے لئے جاتا تو حسبِ معمول نبی پاک ﷺ کو سلام کرتا اور دیکھتا کہ جواب میں لبِ مبارک کو حرکت ہوئی یا نہیں۔ نماز میں نظریں چرا کر حضور ﷺ کو دیکھتا کہ آپ میری طرف دیکھتے ہیں یا نہیں؟ وہاں حال یہ تھا کہ جب میں نماز میں مشغول ہو جاتا تو آپؐ میری طرف دیکھتے اور جب میں آپؐ کی طرف دیکھتا تو آپ ﷺ نظریں ہٹا لیتے:

یوں نظر مجھ پہ تو ڈالی جائے گی ❁ جب میں دیکھوں گا، ہٹالی جائے گی

جب لوگوں کی سرد مہری کا سلسلہ دراز ہو گیا تو ایک روز میں گھبرا کر اپنے چچازاد بھائی اور بچپن کے دوست ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے پاس گیا۔ اور ان کے باغ کی دیوار پر چڑھ کر انھیں سلام کیا، خدا کی قسم انھوں نے بھی میرے سلام کا جواب نہ دیا۔ میں نے پوچھا کہ اے ابو قتادہ! میں تم کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا میں اللہ پاک اور اس کے رسول ﷺ سے محبت نہیں رکھتا؟ وہ خاموش رہے۔ میں نے بار بار یہ سوال دہرایا تو انھوں نے تیسری یا چوتھی مرتبہ میں بس اتنا کہا کہ ''اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں!'' اس پر میں رو پڑا۔ اور اسی طرح دیوار پھاند کر باغ سے باہر آ گیا۔

انہی دنوں ایک دفعہ میں بازار سے گزر رہا تھا کہ اچانک ملکِ شام کا ایک نبطی شخص ملا جو غلہ فروخت کرنے کے لئے ملکِ شام سے مدینہ شریف آیا تھا۔ وہ لوگوں سے میرا پتہ معلوم کر رہا تھا۔ جب لوگوں نے مجھے دیکھا تو میری طرف اشارہ کیا۔ وہ شخص میرے پاس آیا اور شاہِ غسّان کا ایک خط دیا جو ایک ریشمی رومال میں تھا۔ جس میں لکھا تھا کہ —— ''ہم نے سنا ہے کہ تمہارے آقا نے تم پر ستم توڑ رکھا ہے، تم کوئی ذلیل آدمی نہیں ہو، نہ اس لائق ہو کہ تمہیں ضائع کیا جائے۔ تم ہمارے پاس چلے آؤ، ہم تمہاری قدر کریں گے'' —— میں نے جب یہ خط پڑھا تو دل میں کہا کہ ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے؟ میں نے یقین کر لیا کہ یہ میرا ایک اور امتحان ہے۔ میں نے اسی وقت اس خط کو ایک دوکان پر لگے ہوئے تنور میں جھونک دیا۔ اور کہا:

نہ چھیڑ اے نکہتِ بادِ بہاری، راہ لگ اپنی ❁ تجھے اٹھکھیلیاں سوجھی ہیں، ہم بیزار بیٹھے ہیں

جب چالیس دن اس حالت پر گزر گئے تو نبی پاک ﷺ کا قاصد آیا کہ اپنی بیوی سے بھی علحدہ ہو جاؤ۔ میں نے قاصد سے پوچھا کہ کیا طلاق دیدوں، جواب ملا نہیں، بس الگ رہو۔ چنانچہ میں نے اپنی بیوی سے کہہ دیا کہ تم اپنے میکے چلی جاؤ، اور وہیں رہو جب تک اللہ پاک کوئی فیصلہ فرمادیں۔ اسی حالت میں ہم نے دس راتیں اور گزاردیں۔ جب پچاس راتیں مکمل ہوگئیں تو ایک تہائی رات گزرنے پر ہماری توبہ نازل ہوئی۔ نبی اکرم ﷺ اس رات حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تھے وہ میرے حق میں خیر خواہ تھیں۔ انھوں نے عرض کیا کہ اجازت ہو تو اسی وقت کعب بن مالکؓ کو اطلاع کردی جائے آپؐ نے فرمایا کہ ایسا ہوا تو ابھی لوگوں کا ہجوم ہو جائے گا اور رات کی نیند سب کی حرام ہو جائے گی۔

پچاسویں دن صبح کی نماز کے بعد میں اپنے مکان کی چھت پر بیٹھا ہوا تھا اور اپنی جان سے بیزار ہو رہا تھا۔ میری حالت ٹھیک وہی تھی جس کا اللہ پاک نے ذکر فرمایا ہے —— یہاں تک کہ جب ان پر زمین باوجود اپنی ساری وسعت کے تنگ ہوگئی، اور ان پر ان کی اپنی جانیں بھی بار ہونے لگیں، اور وہ سمجھ گئے کہ اللہ پاک سے فرار ہو کر کوئی پناہ گاہ نہیں بجز اُن کے دامنِ رحمت کے (تو) پھر اللہ پاک ان پر مہربان ہوئے، تاکہ وہ اللہ پاک کی طرف پلٹ آئیں واقعہ یہ ہے کہ اللہ پاک ہی زیادہ سے زیادہ توبہ قبول کرنے والے، نہایت مہربانی فرمانے والے ہیں —— جب رسول اللہ ﷺ نے فجر کی نماز کے بعد لوگوں کو ان آیاتِ پاک کی خبر دی تو لوگ دوڑے کہ مجھے خوش خبری سنائیں۔ یکایک کسی نے پکار کر کہا: ''مبارک ہو، کعب بن مالک!'' میں یہ سنتے ہی سجدے میں گر گیا اور میں نے جان لیا کہ میری معافی کا حکم آ گیا ہے —— پھر تو فوج درفوج لوگ بھاگے چلے آتے تھے، ہر ایک دوسرے سے پہلے پہنچ کر مجھ کو مبارک باد دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں اٹھا اور سیدھا مسجدِ نبوی کی طرف چلا۔ وہاں حضور ﷺ مہاجرین کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ آپؐ کا چہرۂ مبارک دَمک رہا تھا حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر میری طرف لپکے، مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارک باد دی اور کوئی شخص نہیں اٹھا۔ طلحہؓ کا یہ احسان میں کبھی نہیں بھولتا[1] —— میں نے نبی اکرم ﷺ کو سلام کیا تو آپؐ نے جواب کے بعد ارشاد فرمایا: ''تمہیں مبارک ہو! یہ دن تمہاری زندگی میں سب سے بہتر دن ہے!'' —— میں نے عرض کیا کہ اس توبہ کا تتمہ یہ ہے کہ اپنا کُل مال وجائداد اللہ کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا کہ سب نہیں، کچھ رہنے دو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ میں نے حسبِ ارشاد اپنا خیبر کا حصہ رکھ لیا اور باقی سب صدقہ کردیا —— چونکہ محض سچ بولنے کی وجہ سے مجھے نجات ملی تھی، اس

(۱) ہجرت کے بعد مہاجرین وانصار میں جو بھائی چارہ کرایا گیا تھا اس میں حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بھائی بھائی قرار دیئے گئے تھے اس لئے وہ فرطِ محبت میں اٹھ کر ملے اور دوسرے صحابہ مجلس نبوی کے ادب کی وجہ سے نہیں اٹھے۔

لئے میں نے عہد کیا کہ خواہ کچھ بھی ہو آئندہ کبھی جھوٹ نہ بولوں گا۔ چنانچہ اس عہد کے بعد بڑے بڑے سخت امتحانات پیش آئے، مگر میں بحمد اللہ سچ بولنے سے کبھی نہیں ہٹا، اور نہ انشاء اللہ تازندگی ہٹوں گا''

آخر میں اللہ پاک نصیحت فرماتے ہیں کہ — اے ایمان والو! اللہ پاک سے ڈرتے رہو، اور سچوں کے ساتھی بنو! — یعنی سچوں کی صحبت رکھو، اور انہی جیسے کام کرو[1] دیکھ لو یہ تین شخص سچ ہی کی بدولت بخشے گئے ہیں اور مقبول ٹھہرے ہیں برخلاف منافقین کے کہ انھوں نے جھوٹ بولا، اللہ پاک کا ڈر دل سے نکال دیا تو وہ دوزخی ٹھہرے۔ اس آیت میں ان تین حضرات کو تنبیہ ہے کہ تم ایمان میں جھوٹوں (منافقوں) کے ساتھ کیوں رہے، ایمان میں سچوں (صحابہ) کے ساتھ غزوۂ تبوک میں کیوں نہیں نکلے؟

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَ مَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَئُوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

مَا كَانَ	نہیں تھا	حَوْلَهُمْ	مدینہ والوں کے گرد	عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ	اللہ کے رسول کو چھوڑ کر
لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ	مدینہ کے باشندوں کیلئے		ونواح میں ہیں	وَلَا[4]	اور نہ (یہ بات زیبا تھی)
وَ مَنْ[2]	اور (ان لوگوں کے	مِّنَ الْاَعْرَابِ	بدوی عربوں میں سے	يَرْغَبُوْا[5]	(کہ) فکر میں لگ جائیں
	لئے) جو	اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا[3]	کہ گھر بیٹھے رہیں	بِاَنْفُسِهِمْ	اپنی ہی جانوں کی

(۱) اس موضوع پر حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ نے ایک رسالہ ''فوائد الصحبة'' تصنیف فرمایا ہے جو قابل دید ہے (۲) اَهْل پر عطف ہے (۳) تَخَلُّف (تفعُّل) سے مضارع کا جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں پیچھے رہ جانا (۴) يَتَخَلَّفُوْا پر عطف ہے (۵) رَغِبَ (سمع) رَغَبًا و رُغْبًا و رَغْبَةً چاہنا۔ رَغِبَ عَنْهُ اعراض کرنا، منہ پھیر لینا، رَغِبَ بِهٖ پسند کرنا۔ رَغِبَ بِهٖ عَنْ غَيْرِهٖ: دوسرے پر فضیلت دینا۔

عَنْ نَّفْسِهٖ	رسول کی طرف سے	يَغِيْظُ (۷)	(جو) غصہ میں بھر دے	يُنْفِقُوْنَ	وہ خرچ کرتے ہیں
	بے پرواہ ہو کر	الْكُفَّارَ	کافروں کو	نَفَقَةً	کوئی رقم
ذٰلِكَ	یہ (باتیں نازیبا)	وَلَا	اور نہیں	صَغِيْرَةً	چھوٹی
بِاَنَّهُمْ	اس لئے (ہیں) کہ وہ لوگ	يَنَالُوْنَ (۸)	حاصل کرتے	وَّلَا	اور نہ
لَا يُصِيْبُهُمْ (۱)	نہیں لگتی انہیں	مِنْ عَدُوٍّ	کسی دشمن سے	كَبِيْرَةً	کوئی (رقم) بڑی
ظَمَاٌ (۲)	پیاس	نَّيْلًا	کوئی چیز	وَّلَا يَقْطَعُوْنَ (۹)	اور نہیں پار کرتے وہ
وَّلَا	اور نہیں (اٹھاتے)	اِلَّا كُتِبَ	مگر لکھ لیا جاتا ہے	وَادِيًا (۱۰)	کوئی میدان
نَصَبٌ (۳)	کوئی محنت	لَهُمْ	ان (مجاہدوں) کیلئے	اِلَّا كُتِبَ	مگر لکھ لیا جاتا ہے
وَّلَا	اور نہیں (سہتے)	بِهٖ	ان (سب کاموں) پر	لَهُمْ	ان کے لئے
مَخْمَصَةٌ (۴)	بھوک	عَمَلٌ صَالِحٌ	نیک عمل	لِيَجْزِيَهُمُ (۱۱)	تاکہ صلہ عطا فرمائیں ان کو
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	اللہ کی راہ میں	اِنَّ اللّٰهَ	یقیناً اللہ پاک	اللّٰهُ	اللہ پاک
وَلَا	اور نہیں	لَا يُضِيْعُ	مار نہیں لیتے	اَحْسَنَ	بہتر سے بہتر
يَطَـُٔوْنَ (۵)	چلتے ہیں	اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ	نیکیوں کاروں کا ثواب	مَا كَانُوْا	(ان کاموں کا) جو
مَوْطِئًا (۶)	کسی (ایسے) مقام (پر)	وَلَا	اور نہ	يَعْمَلُوْنَ	وہ کیا کرتے تھے!

غزوۂ تبوک سے پیچھے رہنے والے سوچیں کہ وہ کتنی بڑی خیر سے محروم رہ گئے

اب منافقوں اور کچے ایمان والوں کی رَوِش پر، جو انھوں نے غزوۂ تبوک کے موقعہ پر اختیار کی تھی، ایک عمومی تبصرہ کیا جاتا ہے اور انھیں سمجھایا جاتا ہے کہ تم لوگوں کی یہ روش کسی طرح مناسب نہ تھی۔ اس کی وجہ سے تم بڑی خیر سے محروم رہ

(۱) اِصَابَةٌ (پہنچنا) سے مضارع واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے (۲) ظَمَاٌ اسم ہے بمعنی پیاس ظَمِیءَ (سمع) ظَمْأً: سخت پیاسا ہونا (۳) نَصَبٌ اسم ہے بمعنی تھکان، مشقت، کوفت۔ اس فعل کا باب ضرب اور نصر ہے نَصَبَهُ الْمَرَضُ: تھکانا، تکلیف دینا (۴) اسم ہے، ایسی بھوک جس سے پیٹ لگ جائے۔ خَمَصَهُ (نصر) اَلْجُوْعُ بھوک نے اس کا پیٹ لگا دیا (۵) مضارع جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے وَطِئَ (سمع) وَطْأً: پیر سے روندنا، پامال کرنا (۶) وَطْأٌ سے اسم ظرف ہے، پاؤں رکھنے کی جگہ (۷) غَاظَ (ضرب) غَيْظًا: غضبناک بنانا، غصہ میں بھر جانا (۸) نَالَ (سمع) نَيْلًا: پانا۔ حاصل کرنا —— نَيْلًا مفعول مطلق ہے (۹) قطع (فتح) قَطْعًا: کاٹنا، طے کرنا (۱۰) وَادِیْ: دو پہاڑوں کے درمیان کا میدان جمع اَوْدِيَةٌ (۱۱) كُتِبَ سے متعلق ہے۔

گئے ، کیونکہ جہاد کے لئے جو بھی قدم اٹھتا ہے، جو بھی تکلیف سہنی پڑتی ہے اور جو بھی پیسہ خرچ ہوتا ہے وہ ”عملِ صالح“ بن جاتا ہے۔ مجاہد کا سونا بھی عبادت ہے اور جاگنا بھی۔ اس کے گھوڑے کا چارہ، پانی، لید اور پیشاب تک قیامت کے دن میزانِ عمل میں تولے جائیں گے۔ پس جہاد سے جی چرانے والے سوچیں کہ وہ کتنی بڑی خیر سے محروم رہ گئے؟ ارشاد فرماتے ہیں:— مدینہ کے باشندوں کے لئے، اور گرد ونواح کے بدوی عربوں کے لئے زیبا نہ تھا کہ اللہ پاک کے رسول (ﷺ) کو چھوڑ کر گھر بیٹھے رہیں— اور خوشگوار سایوں میں، ٹھنڈے پانی اور باغ و بہار کے مزے لوٹیں۔ اور رسول اللہ ﷺ سخت لو اور گرمی و تشنگی میں کوہ و بیابان طے کریں!— اور نہ یہ بات زیبا تھی کہ رسول اللہ (ﷺ) کی طرف سے بے پرواہو کر اپنی ہی جانوں کی فکر میں لگ جائیں۔ یہ (باتیں نازیبا) اس لئے ہیں کہ اللہ پاک کی راہ میں جب بھی مجاہدین کو پیاس لگتی ہے، محنت اٹھاتے ہیں، بھوک برداشت کرتے ہیں، کسی ایسے مقام کو طے کرتے ہیں جس سے کافر غصہ میں بھر جائیں، اور کسی دشمن سے کوئی چیز حاصل کرتے ہیں تو ان کاموں پر ان کے لئے نیک عمل لکھ لئے جاتے ہیں — حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ: **مَا اُغْبِرَتْ قَدَمَا عَبْدٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَتَمَسَّهُ النَّارُ** (بخاری شریف): ایسا نہیں ہوسکتا کہ اللہ پاک کے راستے میں کسی بندے کے قدم خاک آلود ہوں، پھر انھیں جہنم کی آگ چھولے!

حدیث شریف میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ”جس نے راہِ خدا میں جہاد کے لئے گھوڑا پالا، اور اس کا اللہ پر ایمان ہے اور اس کے وعدوں کو سچا سمجھتا ہے تو اس کا چارہ، پانی، لید اور پیشاب قیامت کے دن ترازو میں ہوگا“ (بخاری شریف)— واقعہ یہ ہے کہ اللہ پاک نیکوکاروں کے ثواب کو مارا نہیں کرتے— اور (جس طرح مجاہدین کو جسمانی تکلیفیں سہنے پر اجر ملتا ہے اسی طرح) جب بھی وہ کوئی چھوٹی رقم خرچ کرتے ہیں اور جب بھی وہ کوئی بڑی رقم خرچ کرتے ہیں، اور جب بھی وہ کوئی میدان پار کرتے ہیں، تو (وہ بھی) ان کے لئے لکھ لیا جاتا ہے، تاکہ اللہ پاک ان کو ان کے ان کاموں کا بہتر سے بہتر صلہ عطا فرمائیں جو وہ کیا کرتے تھے— ایک صحابیؓ نکیل کے ساتھ اونٹنی لے کر خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یہ راہِ خدا میں ہے۔ نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہیں قیامت کے دن اس ایک کے بدلے ایسی سات اونٹنیاں ملیں گی جن کے ساتھ نکیلیں بھی ہوں گی (مسلم شریف)— ایک حدیث شریف میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ”جس نے راہِ خدا میں کوئی پیسہ خرچ کیا تو اسے سات سو گنا بنا کر لکھ لیا جاتا ہے (ترمذی، نسائی)— نبی پاک ﷺ نے غزوۂ تبوک کے لئے لوگوں سے چندہ کی اپیل کی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سو اونٹ مع ساز و سامان لکھوائے۔ نبی پاک ﷺ نے دوبارہ اپیل کی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پھر سو اونٹ مع ساز و سامان لکھوائے۔ اس کے بعد نبی پاک

ﷺ منبر کا ایک پایہ نیچے اُتر آئے اور سہ بارہ چندے کی اپیل کی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سہ بارہ بھی سو اونٹ مع ساز و سامان لکھوائے۔ اس پر نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: مَاعَلیٰ عُثْمَانَ مَاعَمِلَ بَعْدَ هٰذَا (ترمذی) (اگر آج کے بعد عثمان کوئی چندہ نہ دیں تو بھی ان کا کوئی نقصان نہیں!) —— اب سوچیں وہ لوگ جو تن آسانی اور آرام طلبی کے خواہش مند ہیں، جنھیں راہِ خدا میں خرچ کرنا بھاری معلوم ہوتا ہے کیا دنیا کا یہ فانی مال اور معمولی راحتیں اچھی ہیں یا اللہ پاک کے یہاں ملنے والا بے حد و حساب اجر؟!

امت جب جہاد چھوڑ دے گی، ذلیل ہو کر رہ جائے گی اور غلامی کا طوق گلے میں پہن لے گی!

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ﴿۱۲۲﴾ ع ۱۵

وَمَا كَانَ	اور نہیں تھے	نَفَرَ	(کہ) نکل آئیں	وَلِيُنْذِرُوا (۵)	اور تا کہ خبر دار کریں
الْمُؤْمِنُونَ	مسلمان	مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ	ہر فرقے میں سے	قَوْمَهُمْ	اپنی قوم کو
لِيَنْفِرُوا (۱)	(کہ) ضرور نکل کھڑے ہوں	مِّنْهُمْ	مؤمنین کے	إِذَا رَجَعُوا	جب واپس لوٹیں
		طَائِفَةٌ	کچھ لوگ	إِلَيْهِمْ	ان کی طرف
كَافَّةً (۲)	سارے ہی	لِّيَتَفَقَّهُوا (۴)	تا کہ سمجھ پیدا کریں	لَعَلَّهُمْ	تا کہ
فَلَوْلَا (۳)	پس ایسا کیوں نہ ہو	فِي الدِّينِ	دین کی	يَحْذَرُونَ (۶)	وہ بچیں

(۱) لام نفی کی تاکید کے لئے ہے (روح البیان) نَفَرَ (نصر، ضرب) نَفَرًا اِلَی الشيئِ: دوڑنا (۲) كَافَّةً: جماعت، کہا جاتا ہے جَاءَ النَّاسُ كَافَّةً سب آئے۔ یہ ہمیشہ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہوتا ہے۔ یہاں لِيَنْفِرُوا کی ضمیر فاعل سے حال ہے (۳) لَوْلَا تحضیضیہ ہے۔ یہ جب مضارع پر داخل ہوتا ہے تو تحضیض و عرض کے لئے ہوتا ہے یعنی کسی کام پر سختی کے ساتھ ابھارنے کے لئے یا نرمی سے کسی کام کی طلب کرنے کیلئے۔ اول تحضیض ہے۔ دوسرا عرض اور جب یہ ماضی پر داخل ہوتا ہے تو ڈانٹنے اور توبیخ کرنے کے لئے ہوتا ہے مثلاً ﴿لَوْلَا جَاءُوْ عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ﴾ (اس پر چار گواہ کیوں نہ لائے؟) (۴) باب تَفَعُّلْ سے ہے جس کے معنی میں محنت و مشقت کا مفہوم شامل ہے یعنی دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرنے میں پوری محنت و مشقت برداشت کرنا (۵) اِنْذَارُ کے معنی ہیں نافرمانی کے برے نتائج سے خبردار کرنا، ڈرانا۔ (۶) حَذِرَ (سمع) حَذْرًا: بچنا، پرہیز کرنا۔

نبی ﷺ کے ساتھ جہاد کے لئے نکلنا ہم خرما ہم ثواب تھا

جہاد کے فضائل بھی حاصل ہوتے اور علم دین بھی

ربط: اس آیت میں بھی ان حضرات کو تنبیہ ہے جو غزوۂ تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے کہ تم نے اپنا دوہرا نقصان کرلیا، جہاد کے فضائل سے بھی محروم رہے اور تحصیلِ علم کی نعمت سے بھی، اس لئے کہ نبی ﷺ کی ذات ایک دار العلوم تھی، آپؐ کے ساتھ نکلتے تو آتے جاتے علم حاصل کرتے، اور لوٹ کر اپنی قوم کو سنبھالتے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس سورت میں غزوۂ تبوک میں پیچھے رہ جانے والوں پر لتاڑ پڑی ہے، اس لئے ممکن تھا کہ آئندہ جب کوئی جہاد کا موقع آئے تو سبھی نام لکھوائیں، یہ خیال کرکے کہ اگر پیچھے رہے تو پھر ڈانٹ پڑے گی، جبکہ جہاد فرض کفایہ ہے، سب کا نکلنا ضروری نہیں، خواہ مخواہ مصارف کا بار بڑھانے سے کیا فائدہ؟ اس لئے ایک آیت میں فرماتے ہیں کہ آئندہ کوئی جہاد کا موقع آئے تو سب نکل کھڑے نہ ہوں، بلکہ مطلوبہ تعداد تمام قبائل سے پوری کی جائے، تاکہ وہ علم حاصل کرکے لوٹیں تو سب لوگوں کو فائدہ پہنچے۔

جاننا چاہئے کہ نَفَرَ: باب ضرب سے ہے، اور نفرَ الناسُ إلى العدو کے معنی ہیں: لوگوں کا لڑنے کے لئے دشمن کی طرف تیزی سے بڑھنا، اسی سورت کی (آیت ۴۱) میں ہے: ﴿اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا﴾: جہاد کے لئے نکل کھڑے ہوؤ خواہ ہلکے ہو یا بھاری، اس آیت میں بھی یہی لفظ ہے۔

جہاد اور قرآن وسنت کا پورا علم حاصل کرنا فرض کفایہ ہے

پچھلی دو آیتوں میں جہاد اور اس کے لئے سفر کرنے اور مشقتیں جھیلنے کے فضائل بیان ہوئے تھے۔ جہاد عام حالات میں فرض کفایہ ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر دشمنوں سے دین کی حفاظت ناممکن ہے۔ اشاعتِ اسلام کی راہیں بھی اسی سے ہموار ہوتی ہیں۔ اس لئے قرآن وحدیث میں اس پر بے حد زور دیا گیا ہے اور جہاد فی سبیل اللہ کو ایمان کا اعلیٰ ترین شعبہ اور محبوب ترین عمل قرار دیا گیا ہے —— جہاد ہی کی طرح دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرنا بھی فرض کفایہ ہے۔ دشمن کے علمی حملوں سے اور قلمی چرکوں سے اسلام کی حفاظت دین کے علم کے بغیر ممکن نہیں۔ علم دین ہی پر اسلام کی اشاعت موقوف ہے، بلکہ خود مسلمانوں کی اصلاح کا سارا مدار بھی دین کی صحیح سمجھ بوجھ پر ہے۔ اس لئے جہاد کے بعد اب دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرنے کے لئے گھروں سے نکلنے اور سفر کرنے کا حکم دیا جاتا ہے

دین کا ضروری علم حاصل کرنا فرض عین ہے:

یہاں یہ جان لینا چاہئے کہ دین کا ضروری علم حاصل کرنا فرضِ کفایہ نہیں بلکہ فرضِ عین ہے۔ حدیث شریف میں ارشاد

فرمایا گیا ہے کہ: طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ: دین کا ضروری علم حاصل کرنا ہر ایک مسلمان پر فرض ہے۔

دین کے ضروری علم سے مراد دین کا وہ حصہ ہے جس کے بغیر آدمی کا نہ ایمان درست ہوسکتا ہے نہ عمل، نہ فرائض ادا کئے جاسکتے ہیں، نہ حرام چیزوں سے بچا جاسکتا ہے۔ یعنی ہر مسلمان پر ضروری ہے کہ اسلام کے صحیح عقائد کا علم حاصل کرے۔ پاکی ناپاکی کے احکام سیکھے۔ نماز روزہ اور تمام فرض و واجب عبادتوں کا علم حاصل کرے۔ جن چیزوں کو شریعت نے حرام یا مکروہ قرار دیا ہے ان کو جانے۔ نصاب کے بقدر مال ہو تو زکوٰۃ کے مسائل معلوم کرے۔ حج کی قدرت ہو تو حج کے احکام جانے۔ تجارت وصنعت کرتا ہو تو اس کے احکام سیکھے۔ غرض شریعت نے جو جو کام انسان کے ذمے فرض اور واجب کئے ہیں ان کے احکام ومسائل کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے۔

لیکن اس کے لئے سفر کرنا ضروری نہیں، نہ ہر مسلمان ایسی پوزیشن میں ہوتا ہے کہ اس کے لئے سفر کرے، بلکہ اس کے لئے ہر بستی میں دین کا ایک ایسا عالم موجود ہونا ضروری ہے جس سے ہر مسلمان دین کا ضروری علم سیکھ سکے اور اگر بستی میں ایسا عالم موجود نہیں ہے تو پھر تحصیل علم کے لئے سفر کرنا ضروری ہے۔ دور نبوی میں قبائل کے مسلمان دین کا ضروری علم حاصل کرنے کے لئے، سفر کرکے مدینہ شریف میں حاضر ہوتے تھے، اور آپ ﷺ سے اور دوسرے اکابر صحابہ سے علم حاصل کرتے تھے۔

مکمل دین وشریعت کا علم حاصل کرنا فرض کفایہ ہے:

اس آیت میں دین کے جس علم کے لئے گھروں سے نکلنے کا حکم دیا جارہا ہے اس سے مراد دین کا وہ علم ہے جس کا حاصل کرنا فرض عین نہیں، بلکہ فرض کفایہ ہے یعنی اگر ہر علاقہ میں ایک بھی ایسا عالم موجود ہو، جو دین کی سمجھ بوجھ رکھتا ہو، تو یہ فرض سب کی طرف سے ادا ہو جائے گا، ورنہ سب گناہ گار ہوں گے۔

دین کا یہ علم کونسا ہے؟— یہ علم ہے تمام قرآن پاک کے معانی ومسائل کو سمجھنا، تمام احادیث کو سمجھنا، ان میں معتبر اور غیر معتبر کی پہچان پیدا کرنا، صحابہؓ وتابعینؒ اور ائمہ مجتہدینؒ کے اقوال وآثار سے واقف ہونا، دین کی بنیادی تعلیمات کی حکمتوں کو جاننا، دین کے بنیادی عقائد کو دلائل سے ثابت کرنے کی اہلیت پیدا کرنا، گمراہ جماعتوں نے دین میں کیا کیا خربطے مچائے ہیں اور غت ربود کیا ہے، اس سے واقفیت پیدا کرنا وغیرہ — یہ چیزیں ایسی ہیں کہ زندگی کا ایک بڑا حصہ اس کے لئے خرچ کرنا پڑتا ہے۔ دور دراز کی مسافتیں طے کرنی پڑتی ہیں اور اس کے حاصل کرنے کے لئے بڑے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔ اس لئے شریعت نے اس علم کو فرض کفایہ قرار دیا ہے، فرض عین نہیں رکھا، یعنی اگر ہر علاقہ کے کچھ لوگ یہ علم حاصل کرلیں تو باقی ماندہ مسلمان اس سے سبک دوش ہو جائیں گے۔

احادیثِ نبویہ میں علم دین حاصل کرنے کی بے حد فضیلتیں آئی ہیں اور حاملین دین کے فضائل و مراتب بیان فرمائے گئے ہیں۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشادِ مبارک نقل فرماتے ہیں کہ ''جو شخص علم حاصل کرنے کے لئے کسی راستے پر چلتا ہے، اللہ پاک اس کے بدلے جنت کا کوئی راستہ اس کے لئے آسان فرما دیتے ہیں اور فرشتے طالبِ علم کے کام سے خوش ہو کر پَر بچھا دیتے ہیں (اور پرواز بند کر دیتے ہیں جس طرح کسی عالم کے احترام میں راستہ چلتے لوگ رک جاتے ہیں) اور عالمِ دین کے لئے آسمانوں کی اور زمین کی مخلوقات استغفار کرتی ہیں اور پانی میں مچھلیاں تک دعا کرتی ہیں۔ اور عالم دین کی فضیلت کثرت سے نفلی عبادت کرنے والے پر ایسی ہے جیسے چودہویں کے چاند کی فضیلت باقی ستاروں پر۔ اور دین کے علماء حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وارث ہیں اور یاد رہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے سونے چاندی کی میراث نہیں چھوڑی، بلکہ وراثت میں علم چھوڑا ہے۔ پس جس نے علم حاصل کر لیا اس نے بڑی دولت پائی''

نبی پاک ﷺ سے بنی اسرائیل کے دو شخصوں کے بارے میں دریافت کیا گیا، جن میں سے ایک دین کا عالم تھا جو فرائض و واجبات ادا کر کے لوگوں کو دین کی تعلیم دینے میں مشغول ہو جاتا تھا اور دوسرا دن بھر روزے رکھتا تھا اور رات بھر نمازیں پڑھتا تھا، پوچھا گیا کہ ان دونوں میں افضل کونسا ہے؟ حضور انور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''اس عالم کی اس عابد پر فضیلت ایسی ہے جیسی میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ آدمی پر!''—— نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''دین کی سمجھ بوجھ رکھنے والا ایک شخص شیطان پر ہزار عابدوں سے سخت تر ہے''—— نبی پاک ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ ''جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے سب اعمال بند ہو جاتے ہیں۔ البتہ تین عمل جاری رہتے ہیں۔ (۱) صدقۂ جاریہ (۲) علم، جس سے لوگ نفع اٹھاتے رہیں (۳) نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے (مشکوٰۃ ص ۳۲)

ایک حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ''اللہ پاک جس کے نصیب میں بھلائی مقدر فرماتے ہیں اسے دین کی سمجھ بوجھ عطا فرماتے ہیں۔ میں تو صرف علم کو بانٹنے والا ہوں سمجھ بوجھ دینا اللہ پاک کا کام ہے''—— حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم سے نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''لوگ تمہارے نقش قدم پر چلیں گے اور یقیناً بہت سے لوگ تمہارے پاس زمین کی دور دراز مسافتیں طے کر کے پہنچیں گے جو دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرنا چاہتے ہوں گے، جب وہ تمہارے پاس آئیں تو ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا''

اور حضور پرنور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''جو علم دین حاصل کرنے کیلئے سفر میں نکلتا ہے وہ واپس آنے تک راہِ خدا میں ہوتا ہے''—— آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ جو موت تک اس لئے علم حاصل کرتا رہے کہ اسلام کو زندہ

کرے تو جنت میں اس کے اور انبیاء کے درجات میں صرف ایک درجے کا فرق ہوگا[1]

ان احادیث سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرنا کس قدر اہم کام ہے۔اور یہ فریضہ گھروں میں رہ کر کبھی ادا نہیں ہوسکتا اس کے لئے سفر ناگزیر ہے اس لئے ارشاد فرماتے ہیں —— اور مسلمان ایسے تو نہیں ہیں کہ سارے ہی ضرور نکل کھڑے ہوں—— یعنی یہ تو ہو نہیں سکتا کہ تمام مسلمان گھر بار چھوڑ کر علم حاصل کرنے کے لئے نکل کھڑے ہوں۔نہ سب فارغ ہوتے ہیں نہ سب کی ذہنی صلاحیتیں یکساں ہوتی ہیں۔مرد اگر نکل بھی سکتے ہیں تو عورتیں نہیں نکل سکتیں۔پھر اگر سارے مسلمان دین کا اعلیٰ علم حاصل کرنے میں لگ جائیں گے تو دین کے دوسرے کام ٹھپ ہوجائیں گے اس لئے نہ یہ مناسب ہے اور نہ ممکن، کہ سارے ہی مسلمان نکل کھڑے ہوں —— پس ایسا کیوں نہ ہو کہ مسلمانوں کے ہر فرقے میں سے کچھ لوگ نکل کر آئیں تا کہ دین کی سمجھ پیدا کریں—— یعنی ضرور ایسا ہی ہونا چاہئے کہ ہر قوم میں سے کچھ لوگ اس کام کے لئے وقف ہوجائیں۔اور تعلیم و تربیت کے مرکز میں (نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں مدینہ شریف مرکز تھا) رہ کر دین میں بصیرت پیدا کریں —— اور جب وہ اپنی قوم کے پاس واپس جائیں تو انھیں (بدعملی کے نتائج سے) خبر دار کریں تا کہ وہ (خلافِ شریعت کاموں کے ارتکاب سے) پرہیز کریں!—— یعنی وہ لوگ دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرکے، اپنی آبادیوں میں واپس جا کر دوسروں کی تعلیم و تبلیغ کی فکر کریں۔تا کہ لوگ شریعت کے احکام پر عمل پیرا ہوں اور خلافِ شرع کاموں کے ارتکاب سے پرہیز کریں۔

مسلمانوں کے تمام طبقات میں دین کی مہارت رکھنے والے ہونے چاہئیں:

اور یہ جو فرمایا کہ "مسلمانوں کے ہر فرقے میں سے کچھ لوگ نکل کر آئیں" یہ ایک بہت اہم بات ہے جسے خوب اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے—— پڑھنے پڑھانے اور دین کی سمجھ بوجھ اور مہارت پیدا کرنے کی ذمہ داری مسلمانوں کے کسی مخصوص فرقے پر نہ ہونی چاہئے بلکہ مسلمانوں کے ہر فرقے میں دین کی مہارت رکھنے والے تیار ہونے چاہئیں، کیونکہ قوم کی اصلاح کا کام قوم کے افراد ہی اچھی طرح انجام دے سکتے ہیں۔وہ قوم کے مزاج شناس ہوتے ہیں۔اس کی ذہنیت سے پوری طرح باخبر ہوتے ہیں۔زبان اور نفسانی میلانات سے خوب واقف ہوتے ہیں اس لئے اصلاح کا کام جس قدر عمدگی اور خوبی سے وہ انجام دے سکتے ہیں دوسری قوم کا عالم کما حقہ انجام نہیں دے سکتا —— اسی لئے اللہ پاک نے لوگوں کی اصلاح کے لئے ہمیشہ انبیاء علیہم السلام کو قوم ہی میں سے مبعوث فرمایا ہے کیونکہ لوگ اپنے آدمی کی بات جس قدر اہمیت سے سنتے ہیں دوسرے کی کم سنتے ہیں—— افسوس ہے کہ آج مسلمانوں کی بہت سی قومیں اس بارے میں

(۱) یہ سب روایتیں مشکوۃ شریف کتاب العلم سے لی گئی ہیں۔

تغافل برت رہی ہیں انھوں نے سمجھ لیا ہے کہ پڑھنا پڑھانا ہمارا کام نہیں بلکہ اس کے لئے اللہ پاک نے کوئی مستقل مخلوق پیدا فرمائی ہے جو یہ کام کرتی رہے گی۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے، اللہ پاک نے یہ ذمہ داری سب مسلمانوں پر یکساں رکھی ہے پس ضرورت ہے کہ تمام قومیں اللہ پاک کے حکم کو سمجھیں اور اس کی تعمیل کریں۔

مدارسِ اسلامیہ عربیہ کا نصابِ تعلیم:

اور یہ جو فرمایا کہ ''وہ نکل کر دین کی سمجھ پیدا کریں'' اس سے ہمارے مدارس کا نصاب تعلیم مرتب کیا جاسکتا ہے۔ ہمارے نصابِ تعلیم کے بنیادی عناصر ایسے ہونے چاہئیں کہ فضلاء قوم کی اصلاح کا کام کرسکیں اور اسلام پر ہونے والے نت نئے حملوں کا دفاع کرسکیں اس کے لئے انھیں محنت ومشقت اٹھا کر دین میں مہارت پیدا کرنی ہوگی، یہ بھی ان کے ذہن نشین کرنا ہوگا کہ دین کی سمجھ بوجھ یہ ہے کہ آدمی یقین کرلے کہ اس کے ہر قول وفعل اور حرکت وسکون کا آخرت میں اس سے حساب لیا جائے گا۔ اسے یہ بھی بتلانا ہوگا کہ اسے اس دنیا میں کس طرح رہنا ہے۔ لوگوں کے ساتھ اس کے معاملات کس نوعیت کے ہونے چاہئیں، اسی کا نام ''دین کی سمجھ بوجھ'' ہے۔ امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فقہ کی تعریف یہ فرمائی ہے کہ ''انسان ان تمام کاموں کو سمجھ لے جن کا کرنا اس کے لئے ضروری ہے۔ نیز وہ تمام کام بھی اچھی طرح سمجھ لے جن سے بچنا اس کے لئے ضروری ہے'' —— آج کل جو علم فقہ مسائل کے مجموعے کو کہا جاتا ہے یہ بعد کی اصطلاح ہے، قرآن وحدیث میں فقہ کی حقیقت وہی ہے جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے بیان فرمائی ہے۔ پس جس شخص نے دین کی سب کتابیں پڑھ ڈالیں مگر یہ سمجھ بوجھ پیدا نہیں کی تو وہ قرآن وسنت کی اصطلاح میں عالم نہیں ہے۔

اسی لئے حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمہ اللہ نے تفسیر مظہری میں لکھا ہے کہ اعمالِ باطنہ صبر وشکر، توکل وقناعت وغیرہ اور محرماتِ باطنہ غرور وتکبر، حسد وبغض اور بخل وحرص وغیرہ کی حقیقتیں جاننا بھی ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر آدمی پوستِ بے مغز ہوتا ہے۔

علم دین حاصل کرنے کے بعد عالم کا فرض منصبی:

اور یہ جو فرمایا کہ جب وہ اپنی قوم کے پاس واپس جائیں تو انھیں بدعملی کے نتائج سے خبردار کریں، اس ارشادِ پاک میں علم دین حاصل کرنے کے بعد عالم کے فرائض کی نشان دہی فرمائی گئی ہے یعنی ان کا کام واپس جاکر نوکری کرنا، تجارت کرنا یا کھیتی باڑی میں باپ کا ہاتھ بٹانا نہیں ہے ان کا کام قوم کی اصلاح ہے۔ علم کی اشاعت ہے، عوام کی تعلیم وتربیت ہے تاکہ مسلمانوں کی پوری آبادی میں اسلامی شعور اور حدود اللہ کا علم پھیلے۔

افسوس ہے کہ علم دین حاصل کرنے والوں نے اس سلسلہ میں بھی تغافل برت رکھا ہے۔ وہ علم برائے علم حاصل

کرتے ہیں اور قوم کو جہالت اور بدعلمی میں ڈوبی ہوئی چھوڑ کر اپنے مشاغل میں لگ جاتے ہیں۔ یہ اللہ پاک کی نعمتِ علم کی بڑی ناقدر شناسی ہے۔ اللہ پاک کے یہاں ان سے اس نعمتِ علم کا حساب لیا جائے گا کہ انھوں نے اس سے دین کی کس قدر خدمت انجام دی ہے؟

عالمِ دین کا فریضہ ہے کہ قوم کی حالت سنوارنے کی بھرپور کوشش کرے، ورنہ قیامت کے دن نعمتِ علم کا حساب دینا بھاری ہو جائے گا!

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝۱۲۳

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	يَلُوْنَكُمْ (۱)	قریب ہیں تم سے	غِلْظَةً (۳)	سختی
اٰمَنُوْا	ایمان لائے ہو	مِّنَ الْكُفَّارِ	منکرین حق میں سے	وَاعْلَمُوْٓا	اور جان لو
قَاتِلُوا	جنگ کرو	وَلْيَجِدُوْا (۲)	اور چاہئے کہ پائیں وہ	اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ پاک
الَّذِيْنَ	ان لوگوں سے جو	فِيْكُمْ	تمہارے اندر	مَعَ الْمُتَّقِيْنَ	متقیوں کے ساتھ ہیں

جنگ کا آغاز اس دشمن سے کیا جائے جو قریب تر ہے (اہم جنگی اصول)

ربط: اس سورت کے بنیادی مضامین دو ہیں: (۱) سورت کے آغاز سے آیت ۲۸ تک کفارِ مکہ اور مشرکین عرب سے جنگ کرنے کا بیان ہے پھر آیت ۲۹ سے اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) کے ساتھ جنگ کے احکامات دیئے گئے ہیں۔ اور اسی سلسلۂ بیان میں آیت ۳۸ سے غزوۂ تبوک کا ذکر شروع ہوا ہے، جو اہلِ کتاب ہی کے ساتھ پیش آیا تھا۔ یہ دوسرا مضمون اب اس آیتِ پاک پر تمام ہوتا ہے اور خاتمۂ کلام کی اس آیت میں فنِ جنگ کے ایک قیمتی قاعدے کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔

ارشاد فرماتے ہیں: —— اے مؤمنو! ان منکرینِ حق سے جنگ کرو جو تم سے قریب ہیں —— یعنی روم کے عیسائیوں سے اور عرب کے عیسائی قبائل سے جنگ کے لئے تیار رہو جو تمہاری سرحد سے متصل ہیں —— جس وقت یہ آیتِ پاک

(۱) وَلِيَ يَلِيْ وَلْيًا (باب سمع) فُلانًا: قریب ہونا، متصل ہونا —— مضارع جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ (۲) امر غائب کا جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ وَجَدَ (سمع، ضرب) يَجِدُ وَجْدًا الْمَطْلُوْبَ: پانا (۳) اسم مصدر ہے بمعنی سختی، قوت —— دراصل یہ رِقَّتٌ (نرمی ملایمت، پتلا پن) کی ضد ہے۔

نازل ہوئی ہے،عرب کا بیشتر علاقہ اسلامی سلطنت کے حدود واقتدار میں آچکا تھا۔لیکن روم کی طرف سے اور سرحد کے عرب عیسائی قبائل کی طرف سے خطرے کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔اس لئے اس آیت میں اشارہ فرمایا گیا کہ گوتبوک میں رومیوں سے مقابلہ نہیں ہوالیکن وہ پھر تیاریاں کررہے ہیں۔پس ضروری ہے کہ مسلمان جنگ کے لئے مستعد رہیں[1]۔

اس آیتِ پاک میں ''دفاعی جہاد'' کے ایک اہم ضابطے کی طرف اشارہ ہے کہ جنگ کا آغاز پہلے اس دشمن سے کیا جائے جوقریب ہے۔پھر اس سے قریب رہنے والوں سے،اس طرح درجہ بدرجہ جہاد کا حلقہ وسیع کیا جائے۔نبی اکرم ﷺ نے ہمیشہ اس اصول پر عمل فرمایا ہے۔اسی غزوۂ تبوک میں،جب تبوک کے مقام پر پہنچ کر معلوم ہوا کہ قیصر نے مقابلہ پر آنے کے بجائے اپنی فوجیں سرحد سے ہٹالی ہیں اور اب کوئی دشمن موجود نہیں ہے تو نبی اکرم ﷺ تبوک سے آگے بڑھ کر سرحدِ شام میں داخل نہیں ہوئے بلکہ تبوک ہی میں بیس دن ٹھہر کر ان بہت سی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو جو سلطنتِ روم اور دارالاسلام کے درمیان واقع تھیں،اور اب تک رومیوں کے زیر اثر تھیں،ترکیب سے ان کو اسلامی سلطنت کا باج گذار اور تابع فرمان بنالیا۔جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی حدود واقتدار براہِ راست رومی سلطنت کی سرحد تک پہنچ گیا۔اور جن عرب قبائل کو روم کے قیاصرہ (قیصر کی جمع ہے اور قیصر روم کے بادشاہ کا لقب تھا) اب تک خود عربوں کے خلاف استعمال کرتے رہے تھے،اب ان کا بیشتر حصہ رومیوں کے مقابلہ پر مسلمانوں کا معاون بن گیا۔اگر اس حکمتِ عملی سے کام نہ لیا جاتا اور نبی اکرم ﷺ تبوک سے آگے بڑھ کر سرحد شام میں داخل ہوجاتے تو دوطرف سے دشمنوں کے نرغے میں پھنس جاتے —— خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے بھی ہمیشہ اسی ضابطہ پر عمل فرمایا ہے۔

جنگ میں نرم سلوک نہیں ہونا چاہئے:

آگے ارشاد پاک ہے:—— اور چاہئے کہ وہ تمہارے اندر سختی پائیں —— چونکہ رومیوں سے مقابلہ اس عہد کی سب سے طاقتور اور متمدن شاہنشاہی سے مقابلہ تھا اس لئے فرمایا کہ اس قوت سے لڑو کہ وہ تمہاری سختی محسوس کریں —— مسلمانوں نے اس حکم کی جس طرح تعمیل کی اس کا اندازہ صرف اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ معرکہ یرموک میں ہرقل کی فوج بالاتفاق دو لاکھ سے زیادہ تھی۔اور مسلمان زیادہ سے زیادہ چوبیس ہزار تھے لیکن جنگ کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہمیشہ کے لئے شام میں رومی حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔

(۱) تبوک سے واپسی میں نبی ﷺ نے فوج کو چوکنا کیا تھا کہ **رجعنا من الجهاد الأصغر إلى الجهاد الأكبر**: ہم چھوٹے مقابلہ سے بڑے مقابلہ کی طرف لوٹے ہیں،یعنی اس غزوہ میں تو رومی مقابلہ میں نہیں آئے،مگر آئندہ ان کے ساتھ بڑے بڑے مقابلے ہونگے،پس فوج لوٹ کر خواب خرگوش میں مبتلا نہ ہوجائے،بلکہ آئندہ کے لئے پوری تیاری کرتی رہے۔

جنگ میں کبھی نرم سلوک نہ ہونا چاہئے اور کفار کے ساتھ برتاؤ کی کوئی ایسی صورت کبھی بھی اختیار نہ کرنی چاہئے کہ وہ کسی حیثیت سے مسلمانوں کی کمزوری محسوس کریں۔ آل عمران میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ: ﴿ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾: ترجمہ: تم کم ہمت نہ بنو، اور غمگین نہ ہو، اور تم ہی برتر رہو گے اگر تم سچے مؤمن ہوئے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہ کی جنگوں کا جس نے مطالعہ کیا ہے وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ انھوں نے کبھی بھی اپنی کمزوری ظاہر نہیں ہونے دی۔ غزوۂ موتہ میں ایک اور ۳۳ کا مقابلہ تھا لیکن رومی کامیاب نہ ہوسکے۔

پھر آگے ارشاد پاک ہے: —— اور جان لو کہ اللہ پاک متقیوں کے ساتھ ہیں —— یعنی سختی کا جو حکم دیا گیا ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کے ساتھ سختی کرنے میں اخلاق وانسانیت کی ساری حدیں توڑ ڈالی جائیں۔ حدود اللہ کی نگہداشت تو بہر حال مسلمانوں کی ہر کارروائی میں ملحوظ رہنی چاہئے۔ اس کو اگر مسلمان چھوڑ دیں گے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ پاک مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ دیں!

وَاِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖۤ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَاِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ؕ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا ؕ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

وَاِذَا مَاۤ [1]	اور جب بھی	مَّنْ	(ایسے ہیں) جو	هٰذِهٖۤ	اس سورت نے		
اُنْزِلَتْ	نازل کی جاتی ہے	يَّقُوْلُ	پوچھتے ہیں	اِيْمَانًا	ایمان؟		
سُوْرَةٌ	کوئی سورت	اَيُّكُمْ	(کہ) تم میں سے کس کا	فَاَمَّا	سو رہے		
فَمِنْهُمْ	تو ان میں سے کچھ لوگ	زَادَتْهُ	زیادہ کردیا اس کا	الَّذِيْنَ	وہ لوگ جو		

(۱) مَا شرط وجزاء کے تعلق کو پختہ کرنے کے لئے لایا گیا ہے (روح البیان)

اٰمَنُوْا	ایمان لائے ہیں	وَھُمْ	اس حالت میں کہ وہ	اُنْزِلَتْ	نازل کی جاتی ہے
فَزَادَتْھُمْ	پس اس سورت نے	كٰفِرُوْنَ	کفر ہی میں مبتلا رہے	سُوْرَۃٌ	کوئی سورت
	زیادہ کردیا ہے ان کا	اَوَ(۲)	کیا (ٹھٹھا کرتے ہیں) اور	نَّظَرَ	(تو) دیکھتا ہے
اِیْمَانًا	ایمان	لَا یَرَوْنَ	وہ دیکھتے نہیں	بَعْضُھُمْ	ان کا ایک
وَّھُمْ	اور وہ	اَنَّھُمْ	کہ وہ	اِلٰی بَعْضٍ	دوسرے کو
یَسْتَبْشِرُوْنَ	خوشیاں منارہے ہیں	یُفْتَنُوْنَ	آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں	ھَلْ	کیا
وَ اَمَّا	اور رہے	فِیْ كُلِّ عَامٍ	ہر سال	یَرٰىكُمْ	دیکھ لیا ہے تمہیں
الَّذِیْنَ	وہ لوگ جن کے	مَّرَّۃً	ایک بار	مِّنْ اَحَدٍ	کسی نے؟
فِیْ قُلُوْبِھِمْ	دلوں میں	اَوْ مَرَّتَیْنِ	یا دو بار	ثُمَّ	پھر
مَّرَضٌ	روگ (نفاق) ہے	ثُمَّ	پھر (بھی)	انْصَرَفُوْا	منہ پھیر کر چل دیتے ہیں
فَزَادَتْھُمْ	پس اس سورت نے	لَا یَتُوْبُوْنَ	وہ نہ توبہ کرتے ہیں	صَرَفَ اللّٰہُ	پھیر دیئے ہیں اللہ نے
	زیادہ کردیا ہے ان کیلئے	وَلَا	اور نہ (ہی)	قُلُوْبَھُمْ	ان کے دل
رِجْسًا(۱)	گندگی کو	ھُمْ	وہ	بِاَنَّھُمْ	اس وجہ سے کہ وہ
اِلٰی رِجْسِھِمْ	انکی (سابقہ) گندگی پر	یَذَّكَّرُوْنَ	کوئی سبق لیتے ہیں!	قَوْمٌ	ایسے لوگ ہیں
وَمَاتُوْا	اور مرے وہ	وَاِذَا مَآ	اور جب	لَّا یَفْقَھُوْنَ	جو سمجھتے نہیں

ربط: سورۃ انفال کی دوسری آیت میں مؤمنوں کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں:

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا وَّعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ﴾

ترجمہ: سچے ایمان والے وہ لوگ ہیں جن کے دل اللہ پاک کا ذکر سن کر لرز جاتے ہیں۔ اور جب اللہ پاک کی آیتیں انکے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو انکا ایمان بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے رب پر اعتماد رکھتے ہیں۔

یعنی جب بھی اللہ پاک کا کوئی حکم مؤمن کے سامنے آتا ہے اور وہ سر اطاعت جھکا دیتا ہے تو اس کے ایمان میں اضافہ

---

(۱) اکثر رِجْسٌ کا استعمال عقلی گندگی میں ہوتا ہے اور نَجَسٌ کا استعمال طبعی گندگی میں (روح البیان) (۲) ہمزہ انکار و توبیخ کے لئے ہے اور واؤ عاطفہ ہے اور عطف فعل مقدر پر ہے۔

ہوتا ہے۔اسی طرح جب اس کی مرضی کے خلاف،اس کی مانوس عادتوں کے خلاف،اس کے مفادات اور لذت وآسائش کے خلاف اللہ پاک کی کتاب میں کوئی ہدایت ملتی ہے اور وہ اس کو مان کر اپنے آپ کو بدلنے کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے تو اس کے ایمان کو تازگی اور بالیدگی نصیب ہوتی ہے۔اور اگر ایسا کرنے میں مؤمن دریغ کرتا ہے تو اس کے ایمان کی روح مضمحل ہونی شروع ہو جاتی ہے —— اس آغاز کے ساتھ پہلے سورۂ انفال میں اور پھر سورۂ توبہ میں ایسے احکام دیئے گئے ہیں جو نفس پر بھاری ہو سکتے ہیں۔لیکن اگر دولتِ ایمان نصیب ہو تو پھر معاملہ نہ صرف آسان ہے بلکہ امید اور خوشیوں کا سبب بھی ہے۔کیونکہ انہی احکام کی بجا آوری کے نتیجہ میں مؤمنوں کو دنیا و آخرت میں عزتیں اور عظمتیں حاصل ہوتی ہیں۔

سورۂ انفال اور سورۂ توبہ کے مضامین اس قدر ملتے جلتے ہیں کہ انھیں ایک سورت بھی کہا جا سکتا ہے گویا مضامین کے لحاظ سے دو مختلف حصوں کے دو الگ الگ نام تجویز کئے گئے ہیں۔اسی وجہ سے ان دونوں سورتوں کے درمیان بسم اللہ شریف نہیں لکھی گئی —— اس لئے سورۂ انفال کے شروع میں جو بات بیان فرما کر احکام کا سلسلہ شروع کیا گیا اب اسی بات پر سورۂ توبہ کا اختتام فرمایا جاتا ہے۔

قرآنِ پاک سے مؤمنین کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے

قرآن پاک کی وہی تاثیر دوبارہ بیان فرمائی جاتی ہے کہ اس سے مؤمنوں کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی واضح کیا ہے کہ نام کے مسلمان (منافقین) قرآن پاک کے بارے میں کیا تصورات رکھتے ہیں؟ ارشاد فرماتے ہیں —— اور جب کوئی (نئی) سورت نازل کی جاتی ہے تو ان میں سے —— (یعنی کفار میں سے کیونکہ منافقین بھی حقیقت میں کافر ہیں بلکہ بدترین کافر!) —— کچھ لوگ پوچھتے ہیں کہ "تم میں سے کس کا ایمان اس نے زیادہ کر دیا؟" —— یعنی منافقین آپس میں ایک دوسرے سے یا بعض سادہ دل مسلمانوں سے ٹھٹھے اور مذاق کے طور پر کہتے ہیں کہ کیوں صاحب تم میں سے کس کا ایمان اس سورت نے بڑھا دیا؟ اب اس کا ایمان کے مَن کا ہو گیا ہے؟ مطلب یہ تھا کہ (نعوذ باللہ) قرآن میں رکھا ہی کیا ہے! اللہ پاک جواب ارشاد فرماتے ہیں —— سو جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کا ایمان تو اس نے زیادہ کر دیا، اور وہ خوشیاں منا رہے ہیں —— رہے وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ (نفاق) ہے تو اس نے ان کی ناپاکی پر مزید ناپاکی بڑھادی، اور وہ حالتِ کفر ہی میں مر گئے! —— یعنی بیشک کلامِ الٰہی سن کر مؤمنین کے ایمان میں تازگی اور ترقی ہوتی ہے اور قرآن پاک میں وہ اپنے فائدے کی باتیں سن کر خوش ہوتے ہیں۔ہاں جن کے دلوں میں کفر و نفاق کی بیماری اور گندگی ہے تو ان کی بیماری اور گندگی ہی میں اضافہ ہوتا رہتا ہے مگر اس میں قصور قرآن پاک کا کچھ بھی نہیں:

باراں کہ در لطافتِ طبعش خلاف نیست ❁ در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

(بارش کے پانی کی پاکیزگی میں کچھ شبہ نہیں ❁ (مگر) باغ میں لالہ اور زمین شور میں کوڑا اگتا ہے)

کیا (وہ لوگ ٹھٹھا کرتے ہیں) اور دیکھتے نہیں کہ وہ ہر سال ایک بار یا دوبار آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں، پھر (بھی) نہ تو وہ توبہ کرتے ہیں اور نہ کوئی سبق لیتے ہیں —— یعنی کوئی سال ایسا نہیں گزرتا کہ وہ مختلف قسم کی مصیبتوں میں مبتلا نہ ہوتے ہوں، کبھی ان کے دوست ہار گئے کبھی ان کی منافقانہ باتیں کھل گئیں، کبھی کوئی اور سزا مل گئی لیکن یہ ہیں کہ ٹس سے مس نہیں ہوتے، نہ نفاق سے توبہ کرتے ہیں، نہ سبق ہی لیتے ہیں۔

قرآنِ پاک کے ساتھ منافقین کا رویہ:

منافقین کا یہ رویہ تو قرآنِ پاک کی عام سورتوں کے ساتھ تھا لیکن خاص ان سورتوں کے ساتھ، جن میں ان کی خبر لی جاتی ہے یہ ہوتا ہے:—— اور جب نازل کی جاتی ہے کوئی (ایسی) سورت (جس میں منافقین کا ذکر ہوتا ہے) تو وہ لوگ آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہیں کہ ''تمہیں کسی نے دیکھ تو نہیں لیا؟'' —— یعنی اپنا ذکر سن کر جو تم چونک پڑے ہو، اس پر کسی کی نگاہ تو نہیں پڑی؟ کسی نے تمہیں بھانپ تو نہیں لیا؟ —— پھر منہ پھیر کر چل دیتے ہیں!

جب کوئی نئی سورت نازل ہوتی تو نبی اکرم ﷺ مسلمانوں کے اجتماع کا اعلان کراتے۔ اور مجمع میں اس سورت کو سناتے۔ اس محفل میں اہل ایمان تو ہمہ تن گوش ہو کر قرآن پاک سنتے، اور اس میں مستغرق ہو جاتے۔ لیکن منافقین کا رنگ ڈھنگ کچھ اور ہوتا، وہ حاضر ضرور ہوتے ورنہ ان کے نفاق کا راز فاش ہو جاتا، مگر قرآنِ پاک سے ان کو کوئی دلچسپی نہ ہوتی، نہایت بددلی کے ساتھ اکتائے ہوئے بیٹھے رہتے۔ اور مجلس ختم ہوتے ہی جلد سے جلد وہاں سے بھاگ نکلتے —— اللہ پاک نے ان کے دل پھیر دیئے ہیں کیونکہ وہ ناسمجھ لوگ ہیں! —— یعنی یہ بیوقوف خود اپنے فائدے کو بھی نہیں سمجھتے، ان کو احساس تک نہیں کہ وہ کتنی بڑی نعمت سے محروم ہیں۔ ان کی اس حماقت اور نادانی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ پاک نے انھیں قرآن پاک سے استفادہ کی توفیق سے محروم کر دیا۔

قرآن پاک سے مؤمن کو دو چیزیں حاصل ہوتی ہیں اور منافق کو بھی —— مؤمن کے ایمان میں تازگی اور دل میں خوشی ہوتی ہے —— اور منافق کی گندگی بالائے گندگی اور کفر پر موت ہوتی ہے!

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ

وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿۱۲۹﴾

لَقَدْ	البتہ تحقیق	بِالْمُؤْمِنِينَ	مسلمانوں پر	لَآ	نہیں ہے
جَآءَكُمْ	آئے تمہارے پاس	رَءُوفٌ	بے حد شفیق	إِلٰهَ	کوئی معبود
رَسُولٌ	عظیم المرتبت رسول	رَّحِيمٌ	نہایت مہربان (ہیں)	إِلَّا هُوَ	مگر وہی
مِّنْ أَنفُسِكُمْ	تم ہی میں سے	فَإِن	پس اگر	عَلَيْهِ	انھیں پر
عَزِيزٌ عَلَيْهِ (۱)	شاق گذرتا ہے ان پر	تَوَلَّوْا	لوگ منہ پھیریں	تَوَكَّلْتُ	بھروسہ کیا میں نے!
مَا عَنِتُّمْ (۲)	تمہارا دشواری میں پڑنا	فَقُلْ	تو فرما دیجئے	وَهُوَ رَبُّ	اور وہ مالک ہیں
حَرِيصٌ	بڑے خواہش مند ہیں	حَسْبِيَ	(کہ) کافی ہیں میرے لئے	الْعَرْشِ	عرش
عَلَيْكُم	تمہاری فلاح کے	اللّٰهُ	اللہ پاک (کا سہارا)	الْعَظِيمِ	عظیم (کے)

عظیم المرتبت رسول ﷺ کی صفات

ربط: یہ آیاتِ پاک سورۂ توبہ کی آخری آیات ہیں۔ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے ارشاد کے بموجب، نزول کے اعتبار سے، قرآن پاک کی آخری آیات ہیں ان میں ایک الوداعی پیغام ہے جو تمام انسانیت کو دیا گیا ہے اور اس عظیم المرتبت رسول (ﷺ) کی صفات بیان کی گئی ہیں جن کے ذریعہ انسانیت کو قرآن کریم جیسی لازوال دولت نصیب ہوئی ہے اور جن کے لائے ہوئے دین کے ساتھ ہمیشہ کے لئے انسانیت کی فلاح و بہبودی وابستہ کردی گئی ہے۔

اور چونکہ اس سورت میں امت کو ایسے اہم احکام دیئے گئے ہیں جو عام طبیعتوں کو ناگوار اور کچے مسلمانوں پر بھاری ہوسکتے ہیں اس لئے آخر سورت میں پہلے تو قرآن پاک کی یہ تاثیر دوبارہ بیان فرمائی گئی ہے کہ اس سے اہل ایمان کے ایمان کو بالیدگی اور تازگی نصیب ہوتی ہے اور اس کے بعد قرآن پاک لانے والے رسول اللہ ﷺ کی صفات بیان کی ہیں تا کہ امت قرآن پاک، رسول اکرم ﷺ اور احکامِ الٰہی کی قدر پہچانے۔ ارشاد فرماتے ہیں — بلاشبہ تمہارے پاس

(۱) عَزَّ (ضرب) عِزًّا وَعِزَّةً: قوی ہونا، اسی سے اللہ پاک کی صفت عَزِیز ہے لیکن جب اس کا صلہ علیٰ آتا ہے تو معنی شاق اور گراں گذرنے کے ہوتے ہیں۔ کہا جاتا ہے عَزَّ عَلَّی اَنْ تَفْعَلَ کَذَا: میرے اوپر سخت اور دشوار ہے کہ تم ایسا کرو — ترکیب: عَزِيزٌ، حَرِيصٌ اور رَءُوفٌ صفتیں ہیں رَسُولٌ کی۔ اور عَلَيْهِ متعلق ہے عَزِيزٌ سے اور مَا عَنِتُّمْ بتاویل مصدر ہوکر (ما مصدریہ ہے) عَزِيزٌ کا فاعل ہے۔ اور بِالْمُؤْمِنِينَ کا تعلق رَءُوفٌ رَّحِيمٌ سے ہے (۲) عَنِتَ (سمع) عَنَتًا: دشواری میں پڑنا، مصیبت سے ہلاک ہونا۔

تم ہی میں سے عظیم المرتبت رسول (ﷺ) تشریف لائے ہیں ــــ جن کے حسب ونسب، اخلاق وعادات اور دیانت وامانت سے تم خوب واقف ہو۔ وہ تم ہی میں پیدا ہوئے ہیں اس لئے اول سے لے کر آخر تک ان کی ساری باتیں تمہاری نگاہوں کے سامنے ہیں۔ ان کا لڑکپن بھی تم میں گزرا، ان کی جوانی کے دن بھی تم میں بسر ہوئے، پھر جب انھوں نے نبوت کا اعلان کیا تو تم سے چھپ کر زندگی بسر نہیں کی، بلکہ ان کی ساری باتیں تم اپنی کھلی آنکھوں دیکھتے رہے ہو۔ پھر جو حالات گزرنے تھے وہ بھی گزرے۔ ان کی مظلومی اور بے کسی کے دور بھی تم نے دیکھے اور فتح وکامرانی کا ان کے قدم چومتے بھی دیکھ لیا، غرض تم میں کوئی نہیں جو ان کی بے داغ زندگی کا شاہد نہ ہو، اور کوئی نہیں جس نے ان کی ایک ایک بات کی سچائی آزمانہ لی ہو۔

وہ صفات جو قیادت کے لئے ضروری ہیں:

بلاشبہ وہ عظیم المرتبت رسول ہیں۔ وہ حضرت آدم علیہ السلام کی تمام اولاد کے سردار ہیں، انھوں نے خود اپنا مقام اس طرح واضح فرمایا ہے۔

اَنَا قَائِدُ الْمُرْسَلِیْن، وَلاَفَخْرَ، وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیین وَلاَفَخْرَ، وَاَنَا اَوَّل شافع ومشفع ولافخر.

(دارمی عن جابر رضی اللہ عنہ)

ترجمہ: میں رسولوں کا پیشوا ہوں، میں نبیوں کا خاتم ہوں، میں سب سے پہلے سفارش کرنے والا ہوں اور میری سفارش پہلے قبول کی جائے گی۔ اور یہ باتیں فخریہ بیان نہیں کر رہا بلکہ بطور اظہار حقیقت کہہ رہا ہوں۔

ترجمان القرآن والسنۃ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ارشاد فرماتے ہیں کہ "اللہ پاک نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو تمام انبیاء علیہم السلام پر اور تمام آسمانوں کے رہنے والوں پر برتری اور فضیلت بخشی ہے" لوگوں نے دریافت کیا کہ آسمان والوں پر فضیلت کیسے معلوم ہوئی؟ حضرتؐ نے فرمایا کہ اللہ پاک نے آسمان والوں کے حق میں فرمایا ہے کہ:

﴿ وَ مَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴾

(سورۃ الانبیاء آیت ۲۹)

ترجمہ: اور فرشتوں میں سے جو شخص کہے کہ "میں خدا کے علاوہ معبود ہوں" تو ہم اس کو جہنم کی سزا دیں گے ظالموں کو ہم ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔

اور نبی پاک ﷺ کے حق میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

﴿ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۙ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ ﴾ (سورہ فتح ۱و۲)

ترجمہ: بے شک ہم نے آپ کو کھلی فتح بخشی، تا کہ اللہ پاک آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرمادیں!

لوگوں نے دریافت کیا کہ حضور ﷺ کی فضیلت انبیاء پر کیسے معلوم ہوئی؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ پاک نے دیگر انبیاء علیہم السلام کے بارے میں تو ارشاد فرمایا ہے کہ:

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ۭ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَاۗءُ ﴾ (ابراہیم ۴)

ترجمہ: اور ہم نے تمام (پہلے) پیغمبروں کو ان ہی کی قوم کی زبان میں پیغمبر بنا کر بھیجا، تاکہ وہ انہیں کھول کر سمجھا دیں، پھر جس کو اللہ پاک چاہیں گمراہ کرتے ہیں۔

اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شان میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَاۗفَّةً لِّلنَّاسِ ﴾ (سورۂ سبا آیت ۲۸) ترجمہ: اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے واسطے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔

اس طرح حضور ﷺ کی بعثت تمام انس و جن کے لئے ہے (لہٰذا عموم بعثت سے فضیلت ثابت ہوئی)

(مشکوٰۃ ص ۵۱۵)

اور اس عظیم المرتبت رسول ﷺ کی صفات مندرجہ ذیل ہیں:

① ـــــ جنھیں تمہارا دشواری میں پڑنا شاق گزرتا ہے ـــــ یعنی جس چیز سے تم کو تکلیف یا سختی پہنچے وہ ان پر بہت بھاری ہے وہ تمہارا دکھ برداشت نہیں کرسکتے۔ تمہاری ہر تکلیف ان کے دل کا غم بن جاتی ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ امت پر آسانی ہو وہ دنیا میں سرخرو ہو۔ اور آخرت میں عذاب سے محفوظ رہے۔

② ـــــ جو تمہاری فلاح کے بڑے خواہش مند ہیں ـــــ یعنی تمہاری خیر خواہی اور نفع رسانی کی خاص تڑپ ان کے دل میں ہے۔ تم دوزخ کی طرف دوڑے جا رہے ہو اور وہ تمہاری کمریں پکڑ کر روکتے ہیں۔ ان کی بڑی کوشش اور آرزو یہ ہے کہ اللہ کے بندے بھلائی اور کامیابی سے ہم کنار ہو جائیں۔ تمہاری ہدایت کے لئے ان کا دل ہمیشہ مضطرب رہتا ہے اگر ان کے بس میں ہوتا تو ہدایت و سعادت گھونٹ کر تمہیں پلا دیتے۔

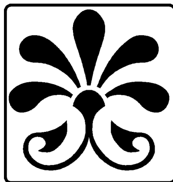
③ ـــــ جو مسلمانوں پر بے حد شفیق، نہایت مہربان ہیں ـــــ پس اے لوگو! ایمان لا کر ان کی شفقت و مہربانی کے سزاوار بنو!۔

قوم کی رہنمائی اور قیادت کے لئے تین وصف ضروری ہیں: سردار اپنی قوم کے لئے سراپا شفقت و رحمت ہو، ان کی فلاح و بہبود کی خواہش سے اس کا دل لبریز ہو، اور ان کی ہر تکلیف اس کے دل کا درد و غم بن جائے

پس اگر لوگ منہ موڑیں تو آپ ؐ(ان سے) فرمادیں کہ "میرے لئے اللہ پاک (کا سہارا) کافی ہے۔ ان کے سوا کوئی معبود نہیں، انھیں پر میں نے بھروسہ کیا، اور وہ عرش عظیم کے مالک ہیں" ـــ یعنی اگر لوگ آپ ؐ کی شفقت و مہربانی کی قدر نہ کریں تو آپ ؐ پروا نہ کریں، اگر ساری دنیا بھی آپ سے منہ پھیر لے تو تنہا اللہ تعالیٰ آپ کے لئے کافی ہیں جس کے سوا نہ کسی کی بندگی ہے، نہ کسی پر بھروسہ، زمین و آسمان کی سلطنت اور عرش عظیم کا مالک وہی ہے، سب نفع ونقصان، ہدایت وضلالت اسی کے ہاتھ میں ہے۔

"جو شخص صبح وشام سات مرتبہ حَسْبِیَ اللّٰہُ، لَآ اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ عَـلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ پڑھ لیا کرے گا، اللہ پاک اس کے تمام کام آسان فرمادیں گے

(حدیث شریف)



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورہ یونس (علیہ السلام)

نمبر شمار ۱۰ نزول کا نمبر ۵۱ نزول کی نوعیت مکی رکوع ۱۱ آیات ۱۰۹

آیت نمبر اٹھانوے میں حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام نامی آیا ہے۔اس وجہ سے اس سورت کا نام یونس (علیہ السلام) رکھا گیا ہے۔سورۃ کا موضوع حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ نہیں —— جمہور ائمہؒ کے نزدیک یہ پوری سورت مکہ شریف میں نازل ہوئی ہے۔اور نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر اکیاون ہے۔یعنی مکہ شریف کے آخری دور میں یہ سورت نازل ہوئی ہے۔

مکی سورتیں کل ۸۵ ہیں، مکی سورتوں کی طرح اس سورت کا موضوع بھی اسلام کے بنیادی عقائد ہیں۔اور گفتگو کا انداز دعوت، فہمائش اور تنبیہ والا ہے۔کیونکہ یہ ایسے وقت میں نازل ہوئی ہے جبکہ مخالفین اسلام کی طرف سے پوری شدت وقوت کے ساتھ مزاحمت شروع ہو چکی تھی۔

سورت کا آغاز قرآن ورسالت کے موضوع سے ہوا ہے، اور فوراً ہی توحید و معاد کا ذکر چھڑ گیا ہے۔ساتھ ساتھ اچھے اور برے اعمال اور ان کے اخروی انجام کی تفصیل بھی ہے۔پھر خدا بیزار بندوں کو فہمائش کی ہے اور ان کی دوغلی پالیسی کا تذکرہ کر کے اس کے انجام بد سے انہیں آگاہ کیا ہے—— پھر آیت ۱۵ سے دوبارہ قرآن ورسالت کے مسئلہ کو لیا ہے۔اور آیت ۲۱ سے اللہ پاک نے اپنی نعمتوں کا تذکرہ کر کے بندوں کو سمجھایا ہے کہ دیکھو ہمارا تمہارے ساتھ برتاؤ کیسا ہے اور تمہارا ہمارے ساتھ معاملہ کیسا ہے؟

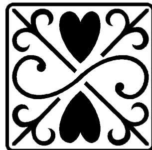
پھر دنیا کی بے ثباتی کا تذکرہ ہے اور ایک مثال سے سمجھایا ہے کہ دنیا ڈھلتی چھاؤں ہے۔کُل چار دن کی بہار ہے۔اور اللہ پاک جس گھر کی طرف بلا رہے ہیں وہ سلامتی کا گھر ہے—— اس کے بعد توحید کا تذکرہ ہے۔اور اللہ پاک کے جو بندے اس کی بے بس مخلوقات کو خدائی میں شریک ٹھہراتے ہیں ان کا دلائل کے ساتھ رد کیا ہے۔اس کے بعد قرآن پاک کی حقانیت بیان کر کے، نبی اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے یہ اعلان کیا ہے کہ اگر اب بھی تم نہیں سمجھتے تو پھر تمہیں

خدا سمجھے! لیکن یادرکھو یہ دنیا چار دن کی بہار ہے۔ پھر اپنے اعمال کی دردناک جزاء سے تمہیں دوچار ہونا ہے۔ اور کچھ بعید نہیں کہ اس دنیا میں بھی اپنی سزا کا کچھ مزہ چکھ لو! — اور اگر وہ اس بات کا مذاق اڑائیں تو اعلان فرمادیں کہ وقت آنے پر سب پتہ چل جائے گا اور اس وقت تمہاری کوئی تدبیر پیش نہیں جائے گی۔

اس کے بعد ایک عمومی خطاب فرماتے ہوئے واضح کیا گیا ہے کہ قرآن پاک بڑی نعمت ہے۔ جو لوگ اس کی بات پر کان دھرتے ہیں ان کی دنیا اور آخرت سنور جاتی ہیں، اور جو مرغ کی ایک ٹانگ گاتے رہتے ہیں وہ اپنے اعمال کا مزہ چکھیں گے، وہ چاہے دنیا کی کتنی ہی بہاریں لوٹ لیں لیکن انھیں آنا ہمارے پاس ہے — پھر نوح علیہ السلام کا قصہ مختصراً اور موسیٰ علیہ السلام کا قصہ ذرا تفصیل سے بیان کیا ہے اور سمجھایا ہے کہ ان کی قوموں نے دنیا سے خوب فائدہ اٹھایا لیکن ان کا آخری انجام کیا ہوا؟ رہنے دے جامِ جَم، مجھے انجامِ جَم سنا! خوش نصیب وہ لوگ ہیں جو وقت پر سنور جائیں، اللہ پاک ان کی خطاؤں سے درگزر فرمائیں گے۔ دیکھو حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کو، جب آخر وقت میں وہ راہِ راست پر آ گئی تو اللہ پاک نے اسے مہلت دے دی۔

اس تمام گفتگو کے بعد نبی اکرم ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ ہدایت کی رسی اللہ پاک کے ہاتھ میں ہے جو شخص سمجھ سے کام لیتا ہے اللہ پاک اسے ہدایت کی دولت سے نوازتے ہیں۔ لیکن بے عقلوں کی گندگی ہی میں اضافہ فرماتے ہیں — آخر میں پوری قوت اور وضاحت کے ساتھ اسلام کی بنیادی تعلیمات کو بیان کر کے مضمون کو تمام کر دیا ہے۔

پس بنیادی مسائل تو اس سورت میں کل چار ہیں۔ توحید، معاد، قرآن اور رسالت۔ اور ضمنی مباحث یہ ہیں — اچھے اور برے اعمال کا فرق اور ان کے انجام کا بیان۔ دنیا کی بے ثباتی اور دارِ آخرت کی سلامتی۔ شرک کا رد اور مشرکوں سے بیزاری۔ توبہ اور انابت الی اللہ کی دعوت و تلقین اور نبی پاک ﷺ کو تسلی۔



آیاتہا ۱۰۹ (۱۰) سُوْرَةُ يُوْنُسَ مَكِّيَّةٌ (۵۱) رکوعاتہا ۱۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ﴿۱﴾ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۗ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲﴾ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ۗ مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ۗ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۗ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳﴾ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ۗ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۗ اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ۗ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿۴﴾

الٓرٰ	الف۔لام۔را	عَجَبًا	عجیب بات	وَبَشِّرِ	اور خوشخبری دیدے
تِلْكَ	یہ	اَنْ اَوْحَيْنَآ	کہ وحی بھیج دی ہم نے	الَّذِيْنَ	ان لوگوں کو جو
اٰيٰتُ	آیتیں (ہیں)	اِلٰى رَجُلٍ	ایک آدمی کے پاس	اٰمَنُوْٓا	ایمان لائے
الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ	حکمت سے لبریز کتاب کی	مِّنْهُمْ	انہیں میں سے	اَنَّ لَهُمْ	کہ ان کے لئے
اَكَانَ	کیا ہوگئی	اَنْ اَنْذِرِ	کہ چونکا دے	قَدَمَ صِدْقٍ (۲)	سچا بلند مرتبہ (ہے)
لِلنَّاسِ (۱)	لوگوں کے لئے	النَّاسَ	لوگوں کو	عِنْدَ رَبِّهِمْ	ان کے رب کے پاس

(۱) محذوف سے متعلق ہوکر عَجَبًا سے حال ہے — اور عَجَبًا کان کی خبر مقدم ہے — اور اَنْ اَوْحَيْنَا اسم مؤخر ہے — اَنْ اَنْذِر میں اَنْ مفسرہ ہے، اِيْحَاءٌ کے مفعول کی تفسیر کرتا ہے (۲) موصوف کی صفت کی طرف اضافت ہے جیسے مَقْعَدَ صِدْقٍ، مُدْخَلَ صِدْقٍ اور مُخْرَجَ صِدْقٍ أی: محققة مقررۃ یعنی قدم کے اصلی معنی تو پاؤں کے ہیں لیکن سعی وعمل اور ترقی کا ذریعہ چونکہ قدم ہوتا ہے اس لئے مجازاً بلند مرتبہ کو قَدَم کہہ دیا جاتا ہے اور پھر اس کی اضافت صِدْق کی طرف کرکے بتلایا گیا ہے کہ یہ بلند مرتبہ جو انکو ملنے والا ہے وہ یقینی ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والا اور لازوال بھی ہے۔ دنیا کے منصبوں اور عہدوں کی طرح نہیں ہے۔

قَالَ	کہا	اِلَّا	مگر	ثُمَّ	پھر
الْكٰفِرُوْنَ	منکرین نے	مِنْۢ بَعْدِ	بعد	يُعِيْدُهٗ (۴)	وہی دوبارہ پیدا کریں
اِنَّ هٰذَا	بلاشبہ یہ شخص	اِذْنِهٖ	ان کی اجازت کے		گے ان کو
لَسٰحِرٌ	یقیناً جادوگر (ہے)	ذٰلِكُمُ	یہی	لِيَجْزِيَ	تا کہ جزاء دیں
مُّبِيْنٌ	کھلا	اللّٰهُ	اللہ پاک	الَّذِيْنَ	ان لوگوں کو جو
اِنَّ	تحقیق	رَبُّكُمْ	تمہارے پروردگار ہیں	اٰمَنُوْا	ایمان لائے ہیں
رَبَّكُمُ	تمہارے پروردگار	فَاعْبُدُوْهُ	پس تم انہی کی عبادت کرو	وَعَمِلُوا	اور کئے ہیں انھوں نے
اللّٰهُ	اللہ پاک (ہیں)	اَفَلَا	کیا پس نہیں	الصّٰلِحٰتِ	اچھے کام
الَّذِيْ خَلَقَ	جنھوں نے پیدا کئے	تَذَكَّرُوْنَ	نصیحت پذیر ہوتے تم؟	بِالْقِسْطِ (۵)	پورے انصاف کیساتھ
السَّمٰوٰتِ	آسمان	اِلَيْهِ	انہی کی طرف	وَالَّذِيْنَ	اور جنھوں نے
وَالْاَرْضَ	اور زمین	مَرْجِعُكُمْ	تم کو پلٹ کر جانا (ہے)	كَفَرُوْا	انکار کی روش اختیار کی
فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ	چھ دنوں میں	جَمِيْعًا	سب کو	لَهُمْ	ان کے لئے
ثُمَّ اسْتَوٰى (۱)	پھر جم کر بیٹھے	وَعْدَ	وعدہ کر رکھا ہے	شَرَابٌ مِّنْ	کھولتا ہوا پانی ہے
عَلَى الْعَرْشِ	تخت شاہی پر	اللّٰهِ	اللہ پاک (نے)	حَمِيْمٍ	
يُدَبِّرُ (۲)	تدبیر فرماتے ہیں	حَقًّا	سچا	وَّعَذَابٌ	اور عذاب
الْاَمْرَ	ہر کام کی	اِنَّهٗ	بے شک وہی	اَلِيْمٌۢ	دردناک
مَا مِنْ	نہیں کوئی	يَبْدَؤُا (۳)	ابتداء پیدا کرتے ہیں	بِمَا كَانُوْا	اس انکار کے بدلہ میں جو
شَفِيْعٍ	سفارش کرنے والا	الْخَلْقَ	مخلوقات کو	يَكْفُرُوْنَ	وہ کیا کرتے تھے

اللہ پاک کے نامِ نامی سے شروع کرتا ہوں، جو بے حد مہربان، نہایت رحم والے ہیں

ارتباط: سورۂ توبہ قرآنِ کریم کی تاثیر اور رسولِ اکرم ﷺ کے ذکرِ مبارک پر ختم ہوئی تھی۔ یہ سورت انہی دو باتوں

(۱) اِسْتَوٰى عَلَيْهِ: غالب ہونا۔ اِسْتَوٰى عَلَى ظَهْرِ الدَّابَّةِ: جم کر بیٹھنا اِسْتَوٰى عَلَى سَرِيْرِ الْمُلْكِ کنایہ ہے کامل قبضہ وتصرف سے (۲) دَبَّرَ الامْرَ: انتظام کرنا۔ (۳) بَدْءٌ سے مضارع کا واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے بَدَءَ (فتح) الشَّيْءَ: شروع کرنا۔ پیدا کرنا (۴) اِعَادَةٌ (افعال) سے مضارع واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے (۵) القِسْطُ: انصاف، قَسَطَ (نصر، ضرب) قِسْطًا الوالِيُّ: منصف ہونا۔

سے شروع ہوئی ہے۔اُس میں قرآنِ کریم کے مقابل منافقین کے موقف کا بیان تھا اور اِس میں کفار کے موقف کا بیان ہے۔اُس میں منافقین کے بارے میں کہا گیا تھا کہ وہ بار بار کی تنبیہات کے باوجود سنبھلتے نہیں،اس سورت کی آیت ۱۱ و ۱۲ اور ۲۲ و ۲۳ میں یہی بات کفار کے بارے میں کہی گئی ہے۔اُس میں کفار سے بیزاری اوران کوالٹی میٹم دیا تھا۔اس سورت کی آیت ۴۱ میں بھی کفار سے براءت اور علاحدگی کا اعلان ہے اُس میں توبہ کی ترغیب تھی،اِس میں بھی حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کے تذکرے کے ضمن میں توبہ کی دعوت ہے۔

حروفِ مقطعات:

ارشادفرماتے ہیں — اَلِف،لام،رَا — یہ حروف مقطعات ہیں یعنی ان کو ایک ساتھ ملا کر نہیں پڑھا جاتا، بلکہ حروفِ ہجاء کی طرح علحدہ علحدہ پڑھا جاتا ہے — یہ حروف خاص رموز ہیں،جس کے معنی غالبًا نبی پاک ﷺ کو بتلائے گئے تھے،مگر آپ ﷺ نے امت کو نہیں بتلائے۔کیونکہ آپ ﷺ نے امت کو صرف وہی باتیں بتلائی ہیں جو ان کے ذہن کی سمائی میں آسکتی تھیں،اور جن کے معلوم نہ ہونے سے امت کے کاموں میں کوئی حرج واقع ہوتا تھا،آپ ﷺ نے اپنے سارے علوم بیان نہیں فرمائے،نہ وہ بیان ہوسکتے ہیں،نہ وہ کسی دفتر میں سما سکتے ہیں — لہٰذا ہمیں بھی اس کی تفتیش میں نہیں پڑنا چاہئے۔کیونکہ یہ بات یقینی ہے کہ اگر ان کے معانی جاننے میں ہماری مصلحت ہوتی اور کچھ بھی فائدہ ہوتا تو رحمتِ عالم ﷺ اس کے بیان کرنے میں ہرگز تامل نہ فرماتے۔پس

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن ❁ کہ جاہا سپَر باید انداختن

(سب جگہ تحقیق کا گھوڑا نہیں دوڑانا چاہئے ❁ بہت سی جگہوں میں ڈھال ڈالدینا ہی مناسب ہوتا ہے)

البتہ ایک موٹی بات یہ ہے کہ حروفِ ہجاء سے کلمات بنتے ہیں،اور حروفِ ہجاء کے بھی معانی ہیں،جن کا کلمات کی ترکیب میں لحاظ کیا جاتا ہے،عام طور پر لوگ حروفِ ہجاء کے معانی نہیں جانتے،بس اتنا جانتے ہیں کہ اِن سے کلمات بنتے ہیں،البتہ خواص ان کے معانی جانتے ہیں،حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہٗ نے الفوز الکبیر کے آخر میں اوران کی کتاب الخیر الکثیر میں حروفِ مقطعات کے معانی بیان کئے ہیں۔

البتہ قرآنِ کریم میں غور کرنے سے دو باتیں واضح ہیں:

ایک: ہر جگہ حروفِ مقطعات کے بعد قرآنِ کریم کا تذکرہ آیا ہے۔اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ قرآنِ کریم بھی انہی حروفِ ہجا سے مرکب ہے،اس کے کلمات بھی حروفِ مقطعات سے مرکب ہیں،پھر وہ معجزہ کیوں ہے؟ تم ایسا کلام کیوں نہیں بنا سکتے؟ سوچو! اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے،کسی انسان کا کلام نہیں ہے۔

دوم: جن سورتوں کے شروع میں حروفِ مقطعات ہیں، ان سورتوں میں ایسے مضامین ہیں جن کی تمام حقیقت انسان نہیں سمجھ سکتا۔

اس لئے یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ قرآنِ کریم بے شک اللہ پاک کا کلام ہے، جو نبی ﷺ پر نازل ہوا ہے، لیکن کلام کی اور نزول کی پوری حقیقت سمجھنا مشکل ہے، اسی طرح اس سورت میں بعض ایسے مضامین آئیں گے جن کی پوری حقیقت نہیں سمجھی جاسکے گی، مثلاً: اسی سورت میں اللہ تعالیٰ کے عرش اعظم پر قائم ہونے کا ذکر آئے گا، مگر ہم اس کی پوری حقیقت نہیں سمجھ سکتے، ایسے مضامین میں عقل کا گھوڑا نہیں دوڑانا چاہئے، ان کو ایک حد تک سمجھنے پر ہی اکتفا کرنی چاہئے۔

قرآنِ کریم حکمت بھری کتاب ہے، جادوگری نہیں

ارشادِ پاک ہے:—— یہ حکمت سے لبریز کتاب کی آیتیں ہیں —— یعنی یہ آیتیں محض زبان کی جادوگری، شاعرانہ پروازِ تخیل اور کاہنوں کی طرح کی باتیں نہیں، بلکہ حکمت سے لبریز کتاب کی آیتیں ہیں۔ جس سے مؤمنین کے ایمان کو تازگی ملتی ہے۔ پس جو لوگ اس کی طرف توجہ نہیں کریں گے وہ حکمت سے محروم رہ جائیں گے —— کیا لوگوں کے لئے یہ بات عجیب ہوگئی کہ ہم نے انہیں میں سے ایک آدمی کے پاس یہ وحی بھیجی کہ انسانوں کو (غفلت سے) چونکا دیجئے، اور ایمان لانے والوں کو خوش خبری دیجئے کہ ان کے لئے ان کے پروردگار کے پاس سچا بلند مرتبہ ہے (کہ) منکرینِ حق نے کہہ دیا کہ "بلاشبہ یہ شخص کھلا جادوگر ہے" —— یعنی آخر اس میں تعجب کی بات کیا ہے؟ اور "جادوگر" کی پھبتی کسنے کی ضرورت کیا ہے؟ انسانوں کی ہدایت کے لئے انسان کو رسول نہ بنایا جاتا تو کیا فرشتے، جن یا جانور کو بنایا جاتا؟ اگر انسان حقیقتِ حال سے غافل ہو کر غلط طریقے سے زندگی بسر کررہے ہوں تو تعجب کی بات یہ ہے کہ ان کا پروردگار انھیں ان کے حال پر چھوڑ دے اور کوئی ہدایت نہ دے، نہ یہ بات کہ وہ ان کی ہدایت و رہنمائی کے لئے کوئی انتظام کرے۔ پس تعجب کرنے والوں کو سوچنا چاہئے کہ آخر وہ بات کیا ہے جس پر وہ تعجب کررہے ہیں؟

مؤمنین کو نہایت اونچے مرتبہ کی خوش خبری:

اور اس آیت میں مؤمنین کو جس اونچے مرتبے کی خوش خبری دی گئی ہے وہ حق اور یقینی بھی ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والا اور لازوال بھی۔ وہ دنیا کے مرتبوں کی طرح نہیں ہے جن کا حاصل ہونا اول تو یقینی نہیں اور اگر حاصل ہو بھی جاویں تو باقی رہنے والے نہیں۔ خواب کی خوشی سے زیادہ ان کی کوئی حقیقت نہیں۔

اور منکرینِ حق نے "جادوگر" کی جو پھبتی کسی ہے اس سے اتنی بات کا اندازہ بخوبی ہوجاتا ہے کہ قرآن پاک کی بے مثال

اور حیرت انگیز تاثیر کے وہ خود بھی قائل تھے، عِناد وجحود کے باوجود کسی طرح انکار نہیں کر سکتے تھے، اور جادوگری سے تعبیر کرنے پر مجبور تھے۔ اور یہ بات اسی وقت ہوسکتی ہے جبکہ قرآن پاک حکمت سے لبریز کتاب ہو۔ اس میں غایت درجے کا اعتدال ہو۔ حق وصداقت کا التزام ہو۔ لفظ لفظ جچا تلا ہو۔ اور بات کانٹے کے تول پوری ہو۔ یہ تاثیر اس کتاب میں کبھی نہیں ہوسکتی جو شاعرانہ تخیلات کا مجموعہ، کاہنوں کی ہانکی ہوئی باتوں کا دفتر بے معنی اور بے لگام مقرر کے غل غپاڑے ہوں۔

تخلیق وربوبیت سے توحید پر استدلال:

ارشادِ پاک ہے: ـــــ واقعہ یہ ہے کہ تمہارے پروردگار اللہ پاک ہیں، جنھوں نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا، پھر تختِ حکومت پر جم کر بیٹھے، ہر کام کا انتظام فرماتے ہیں۔ ان کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش کرنے والا نہیں! یہی اللہ پاک تمہارے پروردگار ہیں، لہٰذا تم انہی کی عبادت کرو۔ پھر کیا تم نصیحت پذیر نہیں ہوتے؟ ـــــ یعنی تمہارے پاس وحی تمہارے پروردگار نے بھیجی ہے، اسی نے کتاب نازل فرمائی ہے اور رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا ہے تا کہ تم صرف اپنے پرودگار کی عبادت کرو، دوسروں کی چوکھٹ پر جبہ سائی نہ کرو۔

آیتِ پاک میں توحید کو ایک نا قابل انکار حقیقت کے طور پر ثابت کیا گیا ہے کہ جب آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور پورے عالم کے کاموں کے انتظام کرنے میں کوئی اللہ پاک کا شریک اور ساجھی نہیں تو پھر عبادت واطاعت میں کوئی دوسرا کیسے شریک ہوسکتا ہے؟ اس سے بڑی ناانصافی کیا ہوگی کہ جو نہ خالق ہو نہ مالک، اسے معبود بنالیا جائے؟

اور یہ جو فرمایا کہ: ''چھ دنوں میں'' تو اس سے مراد ہمارا عرفی دن نہیں کیونکہ کائنات کی تخلیق کے وقت نہ سورج تھا نہ اس کا طلوع وغروب، پھر ''دن'' کہاں تھا؟ پھر کیا مراد ہے؟ اس سلسلہ میں بھی کوئی قطعی بات نہیں کہی جا سکتی، نہ ہمیں اس مسئلہ کی زیادہ ضرورت ہے! یہ معاملہ عالمِ غیب سے تعلق رکھتا ہے اس لئے اللہ پاک ہی اپنی مراد بہتر جانتے ہیں! ہم اپنے علم وادراک کے ذریعہ حقیقتِ حال معلوم نہیں کر سکتے۔ اور قرآن پاک کا مقصود تخلیقِ عالم کی شرح وتحقیق نہیں ہے بلکہ اللہ پاک کی قدرت وحکمت کی طرف انسان کو توجہ دلانا ہے۔

آیتِ پاک سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ پاک نے کائنات کو پیدا کر کے یوں ہی نہیں چھوڑ دیا کہ خود جس طرح چاہے چلتی رہے نہ دوسروں کے حوالے کر دیا ہے کہ وہ اس میں جیسا چاہیں تصرف کریں۔ بلکہ وہ خود اپنی پیدا کی ہوئی کائنات کے تختِ سلطنت پر جلوہ افروز ہیں اور سارے جہان کا انتظام انہی کے دستِ قدرت میں ہے۔ سارے اختیارات کے تنہا وہی مالک ہیں اور کائنات کے گوشے گوشے میں ہر وقت اور ہر آن جو کچھ ہو رہا ہے وہ انہی کے حکم واشارے سے ہو رہا ہے۔ نہ کائنات کے انتظام میں دوسرا کوئی دخیل ہے نہ یہ اختیار رکھتا ہے کہ سفارش کر کے اللہ پاک کا فیصلہ بدلوا دے۔

مخلوقات میں اتنا زوردار کوئی نہیں جس کی بات چل سکتی ہو اور اس کی سفارش ٹل نہ سکے۔ وہ عرش الٰہی کا پایہ پکڑ کر بیٹھ جائے اور بات منوا کر اٹھے، ایسا کوئی نہیں —— ہاں جن مقبول بندوں کو اجازت ملے گی اور اشارہ ہوگا کہ فلاں فلاں بندوں کے حق میں ہم سفارش کے روادار ہیں تو وہ مقبولانِ بارگاہ ان کے حق میں ضرور سفارش کریں گے، مگر اس کا قبول کرنا نہ کرنا اللہ پاک کی مرضی پر موقوف ہوگا۔ ان پر کسی کا دباؤ کچھ نہیں ہوگا—— جب انسانوں کے لئے یہ حقیقت کھول دی گئی تو اب انھیں آنکھیں کھولنی چاہئیں۔ اور سوچنا چاہئے کہ صحیح طرزِ عمل اور زندگی کا رویہ کیا ہو۔ کیا وہ اب بھی آنکھوں پر پٹیاں باندھے رہیں گے؟

بعث بعد الموت کی دو دلیلیں

ارشادِ پاک ہے:—— تم سب کو پلٹ کر انھیں کے پاس جانا ہے۔ اللہ پاک نے (یہ) سچا وعدہ فرما رکھا ہے—— وہاں تمہیں اپنے پروردگار کے سامنے جواب دہ ہونا ہوگا۔ پس جو وقت پر چوکنا ہو جائے اور حساب پیش کرنے کی تیاری شروع کر دے وہی "فرزانہ" ہے—— یقیناً وہی مخلوقات کو ابتداءً پیدا کرتے ہیں، پھر وہی ان کو دوبارہ پیدا فرمائیں گے، تاکہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں اور نیک کام کئے ہیں پورے انصاف کے ساتھ جزاء دیں۔ اور جن لوگوں نے انکارِ حق کی رَوِش اختیار کی ہے، ان کو پینے کے لئے سخت کھولتا پانی ملے گا اور دردناک عذاب سے سابقہ پڑے گا، اُس انکارِ حق کے بدلے میں جو وہ کیا کرتے تھے—— اس آیت میں بعث (دوسری زندگی) کی دو دلیلیں بیان فرمائی گئی ہیں۔ پہلی دلیل سے دوسری زندگی کا امکان ثابت کیا ہے اور دوسری دلیل سے اس کی ضرورت واضح کی ہے۔

پہلی دلیل:—— کائنات کو ابتداء اللہ پاک ہی نے پیدا فرمایا ہے۔ پس جو شخص یہ بات تسلیم کر لے —— اور اس سے بجز دہریوں کے کسی کو انکار نہیں —— وہ اس بات کو ناممکن کیسے قرار دے سکتا ہے کہ وہی اللہ پاک اس کائنات کو دوبارہ پیدا فرمائیں؟

دوسری دلیل:—— جو لوگ اللہ پاک کو اپنا واحد رب مان کر بندگی کرتے ہیں وہ اس کے مستحق ہیں کہ ان کو ان کے اعمال کی پوری جزاء ملے۔ اور جو لوگ حق کا انکار کر کے زندگی بسر کرتے ہیں وہ بھی اس کے مستحق ہیں کہ اپنے غلط طرزِ عمل کا برا نتیجہ بھگتیں۔ لیکن یہ نتائج موجودہ زندگی میں ظہور پذیر نہیں ہو رہے، پس اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے دوسری زندگی ضروری ہے۔

جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال کرتے ہیں انھیں انصاف کے ساتھ پوری جزاء ملے گی۔ اور جو لوگ حق کا انکار کرتے ہیں وہ بھی اپنے غلط طرزِ عمل کا نتیجہ ضرور بھگتیں گے!

هُوَالَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَ الْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۝ اِنَّ فِی اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَّقُوْنَ ۝

هُوَالَّذِیْ	وہی (ہیں) جنھوں نے	وَ الْحِسَابَ	اور حساب (روزمرہ کا)	فِی اخْتِلَافِ	الٹ پھیر میں
جَعَلَ	بنایا	مَا خَلَقَ	نہیں بنایا	الَّیْلِ	شب
الشَّمْسَ	سورج (کو)	اللّٰهُ	اللہ پاک (نے)	وَ النَّهَارِ	وروز (کے)
ضِیَآءً[1]	چمک دار	ذٰلِكَ	یہ (سب کچھ)	وَمَا	اور (ہراُس چیز میں) جو
وَّ الْقَمَرَ	اور چاند (کو)	اِلَّا	مگر	خَلَقَ	پیدا کی ہے
نُوْرًا	نورانی	بِالْحَقِّ[3]	بامقصد	اللّٰهُ	اللہ پاک (نے)
وَّ قَدَّرَهٗ	ٹھیک ٹھیک ٹھہرائیں اس کی	یُفَصِّلُ	وہ کھول کر پیش کرتے ہیں	فِی السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں
مَنَازِلَ[2]	منزلیں	الْاٰیٰتِ	نشانیاں	وَالْاَرْضِ	اور زمین میں
لِتَعْلَمُوْا	تا کہ تم جان لو	لِقَوْمٍ	ان لوگوں کے لئے	لَاٰیٰتٍ	البتہ نشانیاں (ہیں)
عَدَدَ	گنتی	یَّعْلَمُوْنَ	جو علم رکھتے ہیں	لِّقَوْمٍ	ان لوگوں کے لئے جو
السِّنِیْنَ	برسوں (کی)	اِنَّ	یقیناً	یَّتَّقُوْنَ	اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں

اللہ نے انسان کو بامقصد پیدا کیا ہے: سورج چاند اور رات دن کی گردش سے استدلال

ارشاد فرماتے ہیں —— وہی ہیں جنھوں نے سورج کو چمکدار، اور چاند کو نورانی بنایا، اور اس کی ٹھیک ٹھیک منزلیں ٹھہرادیں، تا کہ تم برسوں کی گنتی اور (روزمرہ کا) حساب جان لو، اللہ پاک نے یہ سب کچھ بامقصد ہی بنایا ہے —— یعنی

(۱) ضَوْءٌ کی جمع ہے جیسے سَوْطٌ کی جمع سِیَاطٌ اور حَوْضٌ کی حِیَاضٌ یا پھر ضَآءَ یَضُوْءُ کا مصدر ہے جیسے قَامَ قِیَامًا وَصَامَ صِیَامًا —— واصل الکلام: ذَاتَ ضِیَآءٍ وذَا نُوْرٍ (۲) مفعول سے محول کر کے تمیز بنالی گئی ہے والاصل: قَدَّرْنَا مَنَازِلَهٗ (۳) المراد بـ "الحق" هنا: خلاف الباطل والعبث (روح)

کائنات میں اللہ پاک کے جو کام تمہیں ہر طرف نظر آ رہے ہیں، جن کے بڑے بڑے نشانات سورج، چاند اور رات دن کی گردش کی صورت میں ہر شخص کے سامنے موجود ہیں وہ سب اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ یہ کائنات گہری حکمت سے رچی ہوئی ہے، سورج کو دیکھو، جب وہ نکلتا ہے تو اس کی چمک سے سارا جہان جگمگا اٹھتا ہے۔ چاند پر نظر ڈالو، اس کی نور کی چادر کتنی بھلی معلوم ہوتی ہے! اس کی گردش کی ۲۸ منزلیں مقرر کر دی گئی ہیں۔ جن سے لوگ مہینوں اور دنوں کا حساب کرتے ہیں، اور برسوں کی گنتی معلوم کرتے ہیں یہ سب کچھ شہادت دے رہا ہے کہ یہاں کوئی بات بغیر حکمت و مصلحت کے نہیں ہے، یہ عظیم الشان کارگاہِ ہستی کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے کہ محض کھیلنے کے لئے یہ گھروندا بنایا گیا ہو، جسے دل بھر لینے کے بعد توڑ پھوڑ کر برابر کر دیا جاتا ہے —— پھر جب یہ سب کچھ بغیر مصلحت کے نہیں ہے تو کیا یہ ممکن ہے کہ انسان کا وجود بغیر کسی غرض اور مصلحت کے ہو؟ وہ صرف اس لئے پیدا کیا گیا ہو کہ کھائے پیئے اور مر کر ہمیشہ کے لئے فنا ہو جائے؟ اس کا خالق حکیم ہے۔ اس نے انسان کو خاص مقصد کے لئے پیدا کیا ہے، اور یہ مقصد موت کے بعد دوسری زندگی ہی میں ظاہر ہوگا۔

منازلِ قمر کا بیان:

سورۂ یٰسٓ شریف کی آیت ۳۹ میں بھی چاند کی منزلوں کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

﴿وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ﴾

ترجمہ: اور چاند کی ہم نے ٹھیک ٹھیک منزلیں ٹھہرا دی ہیں یہاں تک کہ وہ ایسا رہ جاتا ہے جیسے کھجور کی پرانی ٹہنی!

چاند زمین کے گرد گردش میں رہتا ہے اور اپنی گردش کی مدار کو ۲۷ دن ۷ گھنٹے اور ۴۳ منٹ میں طے کرتا ہے، وہ اپنی گردش کی ہر رات میں کسی نہ کسی ستارے یا ستاروں کے جھرمٹ کے پاس دکھائی دیتا ہے، گویا وہ اس کی گردش کے لئے ہر روز کی منزلیں ہیں، اس طرح ۲۷ دن اور ۷ گھنٹے کی مدت سے ۲۸ منزلیں بن گئیں، جب ہم ۳۶۰ درجوں کو (جو کامل دورہ کی مقررہ مقدار ہے) ۲۸ راتوں پر تقسیم کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ چاند ہر روز تقریباً ۱۳ درجے مسافت طے کرتا ہے۔

انسان کی نگاہ کے لئے آسمان کی کوئی بھی چیز اس درجہ نمایاں اور پرکشش نہیں ہے جس قدر سورج اور چاند کا طلوع وغروب ہے، انہی دو ستاروں نے بغیر کسی کاوش اور پیچیدگی کے اُسے اوقات شماری کا راز بتلایا ہے۔ انسان نے دیکھا کہ سورج نکلتا ہے اور چھپ جاتا ہے، جس سے اسے یہ اندازہ مقرر کر لینے میں ذرا بھی دیر نہیں لگی کہ یہ ایک معین وقت ہے جس میں کبھی خلل واقع نہیں ہوتا، اس لئے اسے ایک دن ٹھہرا لینا چاہئے، پھر اس نے چاند کو دیکھا اور فوراً معلوم کر لیا کہ اس کے طلوع وغروب کا بھی ایک خاص اندازہ مقرر ہے، وہ ایک خاص زمانہ تک دکھائی دیتا ہے پھر غائب ہو جاتا ہے اور

پھر نمایاں ہو کر بڑھنے گھٹنے لگتا ہے، اس سے انسان کو اوقات شماری کا ایک دوسرا اندازہ بھی معلوم ہو گیا اور اس نے چاند کے چھپنے اور نکلنے کی مدت کو مہینہ ٹھہرالیا۔ یہی مطالعہ جب آگے بڑھا تو معلوم ہوا کہ ہر رات چاند آسمان کے کسی نہ کسی ستارے کے پاس دکھائی دیتا ہے اور اس میں کبھی فرق نہیں پڑتا تو انسان نے ان ستاروں کو چاند کی منزلیں قرار دے دیا، اور ہر منزل کے لئے ان ستاروں کے ناموں سے ۲۸ نام تجویز کر لئے ــــ لیکن قرآن کریم میں یہ اصطلاحی نام مراد نہیں ہیں بلکہ صرف وہ فاصلے مراد ہیں جو چاند روزانہ طے کرتا ہے ــــ اللہ تعالیٰ نشانیاں ان لوگوں کے لئے کھول کھول کر پیش کر رہے ہیں جو علم رکھتے ہیں ــــ یعنی بیان کی ہوئی دلیل کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو علم وبصیرت سے یکسر محروم نہیں ہیں۔

شب وروز کی تبدیلی دلیلِ بعثت ہے:

اس کے بعد بعث کی دلیل پیش فرماتے ہیں ــــ یقیناً شب وروز کے الٹ پھیر میں اور ہر اس چیز میں جو اللہ پاک نے آسمانوں اور زمین میں پیدا فرمائی ہے، عظیم الشان نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو (گناہوں سے) پرہیز کرنا چاہتے ہیں ــــ یعنی کیا تم اللہ پاک کی قدرت کا نظارہ روزانہ شب وروز کے الٹ پھیر میں نہیں کرتے؟ جب کائنات کے ذرے ذرے پر ''دن'' اپنا قبضہ جمالیتا ہے تو تم نہیں دیکھتے کہ چند ہی گھنٹوں کے بعد اللہ پاک اس کا راج ختم کر دیتے ہیں اور اس کی جگہ ''رات'' کو لے آتے ہیں؟ اسی طرح جب ''رات'' اپنی کالی کملی ہر چیز کو اوڑھا دیتی ہے تو چند ہی گھنٹوں کے بعد اسے بھی اپنی بساط لپیٹ لینی پڑتی ہے، اور اس کی جگہ ''دن'' آموجود ہوتا ہے روزانہ یہ الٹ پھیر اللہ پاک کر رہے ہیں، تو کیا پھر وہ اس دنیا کو الٹ کر دوسری دنیا برپا نہیں کر سکتے؟

زندگی کے مظاہر میں، اور آسمان وزمین کی مخلوقات میں غور کرو! تمہیں ہر طرف وہ آثار دکھائی دیں گے جو ان کی زوال کی غمازی کرتے ہیں اور اپنے پیچھے چھپی ہوئی حقیقتوں کی صاف نشان دہی کرتے ہیں، تمہیں یہ بھی نظر آجائے گا کہ کائنات کا ذرہ ذرہ تغیر پذیر اور بے قرار ہے اس لئے ضروری ہے کہ اس کی بے قراری کو کبھی قرار آئے اور وہ دوسری زندگی ہی میں آنے والا ہے۔

لیکن نفس کے غلاموں اور فسق وفجور کے متوالوں کے دماغوں میں یہ دلیلیں کبھی نہیں اتر سکیں گی، کیونکہ: ﴿ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ ﴾: (سورۃ القیامہ آیت ۵) منکرین قیامت چاہتے ہیں کہ اپنی آئندہ زندگی میں بھی فسق وفجور کرتے رہیں۔ اس لئے اگر وہ آخرت کو مان لیں تو انھیں اخلاق وشریعت کے ضابطوں میں جکڑ جانا پڑے گا اور بے راہ روی کا موقع ہاتھوں سے نکل جائے گا جس کے لئے وہ آمادہ نہیں۔

یہ دلائل اسی شخص کے لئے کارآمد ہیں جو گناہوں سے پرہیز کرنا چاہتا ہے ــــ اس کے لئے یہ دلیلیں بالکل کافی

ہیں، کیونکہ ان دلیلوں کے بعد اگر کسی چیز کی کسر باقی رہ جاتی ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ اس کو آنکھوں سے دکھا دیا جائے کہ جو چیز ممکن ہے، جس کے وجود میں آنے کی ضرورت بھی ہے، جس کو وجود میں لانا اللہ پاک کی حکمت کا تقاضا بھی ہے، اور جس کے وجود پذیر کرنے پر اللہ تعالیٰ ہر طرح قدرت بھی رکھتے ہیں دیکھ وہ یہ تیرے سامنے موجود ہے!— لیکن یہ کسر بہر حال موجودہ دنیوی زندگی میں پوری نہیں کی جائے گی کیونکہ دیکھ کر ایمان لانا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

اللہ پاک انسان کا جو امتحان کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ حس اور مشاہدہ سے بالاتر حقیقتوں کو وحی الٰہی اور استدلال صحیح سے بندہ مانتا ہے یا نہیں؟

إِنَّ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا وَرَضُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنُّوا بِهَا وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ آيَاتِنَا غَافِلُونَ ﴿٧﴾ أُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٨﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ يَهْدِيهِمْ رَبُّهُمْ بِإِيمَانِهِمْ ۖ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿٩﴾ دَعْوَاهُمْ فِيهَا سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ ۚ وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٠﴾

ع

إِنَّ الَّذِينَ (۱)	بلاشبہ جو لوگ	هُمْ	کہ وہ	إِنَّ الَّذِينَ (۲)	تحقیق جو لوگ
لَا يَرْجُونَ	توقع نہیں رکھتے	عَنْ آيَاتِنَا	ہماری آیتوں سے	آمَنُوا	ایمان لائے
لِقَاءَنَا	ہم سے ملنے کی	غَافِلُونَ	غافل ہیں	وَعَمِلُوا	اور کیے انھوں نے
وَرَضُوا	اور وہ مگن ہیں	أُولَٰئِكَ	یہ لوگ	الصَّالِحَاتِ	نیک کام
بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا	دنیا کی زندگی پر	مَأْوَاهُمُ	ان کا آخری ٹھکانہ	يَهْدِيهِمْ	سیدھی راہ چلائے گا ان کو
وَاطْمَأَنُّوا	اور مطمئن ہیں	النَّارُ	جہنم (ہے)	رَبُّهُمْ	ان کا پروردگار
بِهَا	اُس (زندگی) پر	بِمَا	ان برائیوں کی پاداش میں جو	بِإِيمَانِهِمْ	اُن کے ایمان کی وجہ سے
وَالَّذِينَ	اور وہ لوگ جو	كَانُوا يَكْسِبُونَ	وہ کمایا کرتے تھے	تَجْرِي	بہیں گی

(۱) ترکیب: اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے، اَلَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ مع اپنے معطوفات کے اسم ہے، اور اُولٰئِکَ مَأْوٰھُمُ الخ خبر ہے۔ (۲) ترکیب: اَلَّذِیْنَ آمَنُوْا الخ اِنَّ کا اسم ہے اور یَھْدِیْھِمْ اور تَجْرِیْ دو خبریں ہیں

مِنْ تَحْتِهِمُ	ان کے نیچے سے	سُبْحٰنَكَ(۳)	آپ تمام نقائص سے	وَاٰخِرُ(۴)	اور آخر
الْاَنْهٰرُ	نہریں		پاک ہیں	دَعْوٰىهُمْ	ان کی گفتگوؤں کا
فِيْ جَنّٰتِ(۱)	باغوں میں	اَللّٰهُمَّ	خدایا!	اَنِ الْحَمْدُ(۵)	بلاشبہ ساری خوبیاں
النَّعِيْمِ	نعمت کے	وَتَحِيَّتُهُمْ	اور ان کی ملاقات کی دعا	لِلّٰهِ	اللہ پاک کیلئے (ہیں)
دَعْوٰىهُمْ(۲)	ان کی صدا	فِيْهَا	اس (جنت) میں	رَبِّ	(جو) پروردگار (ہیں)
فِيْهَا	اس (جنت) میں	سَلٰمٌ	سلامتی ہو!	الْعٰلَمِيْنَ	سارے جہانوں (کے)

عقیدۂ آخرت کو ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کا اخروی انجام

عقیدۂ آخرت کو پیش کرنے کے بعد اب واضح فرماتے ہیں کہ جو لوگ اس عقیدے کو مان کر زندگی بسر کرتے ہیں ان کا دوسری زندگی میں کیا حال ہوگا؟ اور جو لوگ اس کا انکار کر کے زندگی بسر کرتے ہیں ان کا آخری انجام کیا ہوگا؟ ارشاد فرماتے ہیں —— جو لوگ ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے اور دنیا کی زندگی پر مگن ہیں، اور اسی میں جی لگائے بیٹھے ہیں، اور وہ لوگ جو ہماری آیتوں سے غافل ہیں، یقیناً ان کا آخری ٹھکانا دوزخ ہے ان برائیوں کی پاداش میں جو وہ کمایا کرتے تھے!

آیتِ پاک کا مدعا واضح ہے لیکن اس میں تین باتیں یاد رکھنے کی ہیں:

① —— اس آیت میں منکرینِ آخرت کی ذہنیت کی سچی تصویر کھینچی گئی ہے۔ فرمایا گیا ہے کہ ان کی چار حالتیں ہیں: (۱) انھیں اللہ پاک سے ملنے کی توقع نہیں ہے (۲) وہ دنیوی زندگی ہی پر خوش ہو رہے ہیں (۳) ان کے اندر اس حالت کے خلاف کوئی خلش پیدا نہیں ہوتی، بلکہ وہ اسی پر مطمئن ہیں۔ (۴) اور ان کا ذہن وادراک اس درجہ معطل ہو گیا ہے کہ اللہ پاک کی تمام آیتیں، قدرت کی تمام نشانیاں اور عقیدۂ آخرت کے تمام سچے پکے دلائل انھیں بیدار نہیں کر سکتے، وہ یک قلم غافل ہو گئے ہیں —— سبحان اللہ! ان کی کس قدر سچی اور کامل تصویر ہے!

② —— آیت کے آخری حصے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ عقیدۂ آخرت کے منکر یا اس سے خالی الذہن ہیں وہ برائیوں میں ہر وقت سرشار رہتے ہیں، کیونکہ جب آدمی اللہ پاک کے سامنے اپنے آپ کو ذمہ دار اور جواب دہ نہیں سمجھتا

(۱) تَجرِی سے متعلق ہے (۲) مبتداء ہے اور اسی کے ساتھ فیھا کا تعلق ہے اور سُبْحٰنَکَ اس کی خبر ہے اور دَعْوٰی باب نصر کا مصدر ہے دَعَا (نصر) دُعَاءً ودَعْوی: پکارنا جیسے شَکَا یَشْکُوْ شِکَایَةً وَشَکْوٰی (۳) مبتداء ہے اور فِیْھَا اسی سے متعلق ہے اور خبر سَلٰمٌ ہے (۴) مبتداء ہے اور اَنِ الْحَمْدُ الخ خبر ہے (۵) اَنَّ حرف مشبہ بالفعل سے ہلکا کرنے کے لئے نون کی تشدید ہٹادی گئی ہے۔ اس کا اسم ضمیر شان ہے جو محذوف ہے اور خبر جملہ اَلْحَمْدُ الخ ہے۔ پھر اَنْ جملہ اسمیہ ہو کر آخِرُ کی خبر ہے۔

اور حساب دینے کا اندیشہ نہیں رکھتا بلکہ زندگی بس اسی دنیا کی زندگی کو سمجھ لیتا ہے تو اس کی پوری زندگی غلط ہو کر رہ جاتی ہے اور وہ دنیا میں شتر بے مہار بن جاتا ہے، نہایت برے اخلاق و اوصاف والا ہو جاتا ہے اور اللہ پاک کی زمین کو ظلم و فساد اور فسق و فجور سے بھر دیتا ہے اور ایسے شخص کی سزا جہنم کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے؟!

(۳) —— آیت کے آخری حصے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح دنیا میں ہر چیز کے خواص اور ہر حادثہ کے نتائج ہیں ٹھیک اسی طرح انسانی اعمال کے بھی خواص و نتائج ہیں۔ پس اچھے عمل کا نتیجہ اچھائی ہے اور برے عمل کا نتیجہ برائی! —— اور یہ اچھے اور برے نتائج کس شکل میں سامنے آئیں گے؟ قرآن پاک بیان کرتا ہے کہ بدعمل لوگ دوزخ میں جائیں گے اور وہاں ان کے لئے بدحالیاں ہوں گی اور دیدارِ خداوندی کی نعمت سے محروم ہوں گے اور نیک عمل والے جنت میں جائیں گے اور وہاں ان کے لئے خوش حالیاں ہوں گی، اور لقاءِ الٰہی اور دیدار خداوندی کی نعمتوں سے سرفراز ہوں گے۔

آگے ارشاد فرماتے ہیں —— جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے، یقیناً ان کو ان کا پروردگار ان کے ایمان کی وجہ سے سیدھی راہ چلائے گا —— یعنی ہر ہر قدم پر، زندگی کے ہر موڑ اور ہر دوراہے پر ان کو صحیح اور غلط، حق اور باطل، راست اور ناراست کی تمیز بخشے گا، اور راست روی پر ثابت قدمی اور کج روی سے پرہیز کی انھیں طاقت عطا فرمائے گا، اور یہ ہدایت اور یہ توفیق اللہ پاک ان کو ان کے ایمان کی وجہ سے بخشے گا —— پھر جب یہ زندگی ختم ہو جائے گی اور دوسری زندگی شروع ہوگی تو اللہ پاک انھیں اسی ایمان کی بدولت جنت کی راہ بھی چلائیں گے اور سیدھے منزلِ مقصود تک پہنچا دیں گے —— اگر بندہ بالکل پاک صاف زندگی گزار کر وہاں پہنچا ہے تو جنت تک پہنچنے میں ایک لمحہ کی بھی دیر نہیں لگے گی، ورنہ اس کا ایمان دیر سویر ضرور اسے جنت تک پہنچا کر دم لے گا۔ اور وہاں —— نعمت بھرے باغوں میں، جن کے نیچے نہریں بہیں گی —— اور ہمہ قسم کی خوش حالیاں میسر آئیں گی —— وہاں ان کی صدا یہ ہوگی کہ ”خدایا! آپ تمام نقائص سے ہر طرح پاک وصاف ہیں!“ اور وہاں ان کی ملاقات کی دعا ہے ”سلامتی ہو!“ —— اور ان کی گفتگو کا آخر ہے ”ساری خوبیاں یقیناً اللہ پاک کے لئے ہیں، جو سارے جہانوں کے پروردگار ہیں!“ —— یعنی وہ نعمت بھری جنت میں پہنچ کر سامانِ عیش پر بھوکوں کی طرح ٹوٹ نہیں پڑیں گے بلکہ ان کے پاک جذبات، بلند افکار، برتر اخلاق اور پاکیزہ سیرت و کردار، جنت کے پاکیزہ ماحول میں اور زیادہ نکھر جائیں گے اور ان کے وہی اوصاف جو انھوں نے دنیا میں اپنے اندر پیدا کئے تھے وہاں اپنی پوری شان کے ساتھ جلوہ گر ہوں گے، وہاں ان کا محبوب ترین مشغلہ اللہ پاک کی حمد و تقدیس ہوگا، جس سے وہ دنیا میں مانوس رہے ہیں —— اور ان کے درمیان وہی ایک دوسرے کی سلامتی چاہنے کا جذبہ کارفرما ہوگا جسے دنیا میں انھوں نے اپنی اجتماعی اور معاشرتی زندگی کی روح بنالیا تھا، وہاں ان کے دلوں میں کوئی میل نہیں رہے گا اور ہر طرف سے سلام ہی سلام کی

صدائیں بلند ہوں گی، اور ان کی ہر گفتگو اللہ پاک کی حمد پر تمام ہوا کرے گی۔

اہلِ جنت کی زبانوں پر اللہ پاک کی طرف سے، اللہ پاک کی حمد و تقدیس اس طرح جاری ہوگی جس طرح سانس جاری رہتا ہے (حدیث شریف)

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ۭ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَاۗءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝۱۱ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَاۗىِٕمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ۭ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۲ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَجَاۗءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ۝۱۳ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰۗىِٕفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝۱۴

وَلَوْ يُعَجِّلُ[1]	اور اگر جلدی پہنچاتے	بِالْخَيْرِ	فائدہ (نعمت) کیلئے	لَا يَرْجُوْنَ	امید نہیں رکھتے
اللّٰهُ	اللہ پاک	لَقُضِيَ[3]	تو یقیناً پہنچادی جاتی	لِقَآءَنَا	ہم سے ملنے کی
لِلنَّاسِ	لوگوں کو	اِلَيْهِمْ	ان تک	فِيْ طُغْيَانِهِمْ[4]	ان کی بے راہی میں
الشَّرَّ	نقصان (سختی)	اَجَلُهُمْ	ان کی مدت (عمر)	يَعْمَهُوْنَ[5]	سرگرداں رہے ہیں
اسْتِعْجَالَهُمْ[2]	(جس طرح) وہ جلدی مچاتے ہیں	فَنَذَرُ	سو ہم چھوڑے رہتے ہیں	وَاِذَا	اور جب (کبھی)
		الَّذِيْنَ	ان لوگوں کو جو	مَسَّ	پہنچتی ہے

(۱) ترکیب: لَوْ حرف شرط، يُعَجِّلُ شرط، لَقُضِيَ جزاء، فَنَذَرُ کی ف عاطفہ ہے، معطوف علیہ محذوف ہے۔ أی: ولکن لا نُعَجِّلُ وَلا نَقْضِيْ بَلْ نَذَرُهُمْ اور فِيْ طُغْيَانِهِمْ کا تعلق نَذَرُ سے بھی ہوسکتا ہے اور يَعْمَهُوْنَ سے بھی، اور يَعْمَهُوْنَ حال ہے اَلذِيْنَ سے جو نَذَرُ کا مفعول ہے۔ (۲) کاف تشبیہ حذف کرنے کی وجہ سے منصوب ہوا ہے پورے جملے کی عبارت اس طرح ہے وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ (بِاسْتِعْجَالِهِمْ لَهٗ كَتَعْجِيْلِهِ الْخَيْرَ بِـ) اسْتِعْجَالِهِمْ لَهٗ بین القوسین والی عبارت حذف کردی گئی ہے، یعنی جملۂ مُشبہ کا آخیری حصہ حذف کیا گیا ہے اور جملہ مشبہ بہ کے آخیری حصہ کو اول کی جگہ پر رکھا گیا ہے (بیان القرآن) (۳) قَضى (ض) الامر الیه: پہنچانا (۴) الطغیان: مجاوزة الحد (حد سے نکل جانا) (۵) عَمَهَ ←

الْاِنْسَانَ	انسان (کو)	مَسَّهٗ	(جو) اُسے پہنچی تھی	رُسُلُهُمْ	ان کے پیغامبر
الضُّرُّ	تکلیف	كَذٰلِكَ	اس طرح	بِالْبَيِّنٰتِ (۵)	روشن دلیلیں
دَعَانَا	(تو) پکارنے لگتا ہے ہمیں	زُيِّنَ	خوشنما کردیئے گئے ہیں	وَمَا كَانُوْا	اور (آمادہ) نہ تھے وہ
لِجَنْۢبِهٖٓ (۱)	کروٹ پر	لِلْمُسْرِفِيْنَ	حد سے گذرنے والوں	لِيُؤْمِنُوْا (۶)	کہ ایمان لائیں وہ
اَوْ قَاعِدًا	یا بیٹھے		کے لئے	كَذٰلِكَ	اسی طرح
اَوْ قَآئِمًا	یا کھڑے	مَا	(وہ کام) جو	نَجْزِي	بدلہ دیتے ہیں ہم
فَلَمَّا	پھر جب	كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ	وہ کیا کرتے تھے	الْقَوْمَ	گنہ گاروں کو
كَشَفْنَا	ہم دور کردیتے ہیں	وَلَقَدْ	اور قسم بخدا! یقیناً	الْمُجْرِمِيْنَ	
عَنْهُ	اس سے	اَهْلَكْنَا	ہم نے ہلاک کردی ہیں	ثُمَّ	پھر
ضُرَّهٗ	اس کی تکلیف	الْقُرُوْنَ	(کتنی ہی) امتیں	جَعَلْنٰكُمْ	بنایا ہم نے تم کو
مَرَّ	(تو) چل دیتا ہے	مِنْ قَبْلِكُمْ (۴)	تم سے پہلے	خَلٰٓئِفَ (۷)	ان کا جانشین
كَاَنْ (۲)	گویا	لَمَّا	جب	فِي الْاَرْضِ	زمین میں
لَّمْ يَدْعُنَآ	اس نے کبھی ہمیں	ظَلَمُوْا	انھوں نے شرک وکفر	مِنْۢ بَعْدِهِمْ	ان کے بعد
	پکارا ہی نہیں		کی راہ اختیار کی	لِنَنْظُرَ	تاکہ دیکھیں ہم
اِلٰى ضُرٍّ (۳)	کسی تکلیف کے (ہٹا	وَجَآءَتْهُمْ	حالانکہ لائے تھے	كَيْفَ	(کہ) کیسے
	نے) کے لئے		ان کے پاس	تَعْمَلُوْنَ	کام کرتے ہو تم

دینِ حق کے انکار کی سزا مؤخر کیوں کی ہے؟

ساتویں اور آٹھویں آیت میں منکرین آخرت کی دوسری زندگی کا نقشہ پیش کیا گیا تھا کہ آخرت میں ان کا ٹھکانہ

← (ف،س) عَمَهًا متحیر ہونا، گمراہی میں بھٹکنا۔

(۱) في موضع الحال أي: مضطجعا او مُلْقىً لجنبه اور ذوالحال دعانا کی ضمیر فاعل ہے (۲) كَاَنْ کا اسم ضمیر شان محذوف ہے اور پورا جملہ مَرَّ کے فاعل سے حال ہے (۳) أي: الى كشف ضر (۴) من قبلكم متعلق ہے اهلكنا سے اور لَمَّا ظَلَمُوْا بھی اسی کا ظرف ہے اور جَاءَتْهُمْ ظَلَمُوْا کی ضمیر سے حال ہے اور قَدْ محذوف ہے (۵) باء تعدیہ کے لئے ہے (۶) لام نفی کی تاکید کے لئے ہے۔ (۷) جمع خليفة.

دوزخ ہے، جہاں ان کے لئے دائمی عذاب ہے، پھر نویں اور دسویں آیت میں مؤمنوں کا اخروی حال بیان ہوا تھا، جس کا مقصد مؤمنوں کی تسلی کے علاوہ منکرین آخرت کے انجام کو خوب اچھی طرح ذہن نشین کرنا تھا، اب ان آیات پاک میں انھیں منکرین آخرت کے ایک شبہ کا جواب ارشاد فرمایا جارہا ہے۔

قرآن پاک جب لوگوں کو دین حق کے انکار کی سزا سے ڈراتا ہے تو دنیا کی نعمتوں میں سرشار لوگ جواب میں کہا کرتے ہیں کہ تم جس عذاب کی دھمکیاں دے رہے ہو وہ آخر آ کیوں نہیں جاتا؟ اس کے آنے میں دیر کیوں لگ رہی ہے! خدا ہم کو ہمارے برے کاموں کی سزا ابھی کیوں نہیں دے دیتا؟ یہ سزا حشر کے لئے کیوں اٹھا رکھی ہے! اللہ پاک ان کی اس ہنسی کا جواب ارشاد فرماتے ہیں —— اور اگر اللہ پاک لوگوں کو (ان کے جلدی مچانے پر) نقصان پہنچانے میں اتنی ہی جلدی کرتے جتنی لوگ بھلائی مانگنے میں جلدی کرتے ہیں (جس پر دنیا ہی میں اللہ پاک ان کی حاجتیں پوری فرما دیتے ہیں) تو ان کا وقت کبھی کا پورا ہو چکا ہوتا! —— یعنی اللہ پاک لوگوں پر رحم وکرم فرمانے میں جتنی جلدی کرتے ہیں، ان کو سزا دینے میں اتنی جلدی نہیں کرتے، وہ لوگوں کی دعائیں سن کر تو جلدی دنیا ہی میں ان کی حاجتیں پوری فرمادیتے ہیں، لیکن ان کی سرکشیوں پر سزا دینے میں ڈھیل سے کام لیتے ہیں، لوگ تو چاہتے ہیں کہ جس طرح وہ ان کی دعائیں سن کر رحمتیں برسادیا کرتے ہیں اسی طرح ان کا مطالبہ سن کر اور سرکشیاں دیکھ کر عذاب بھی نازل فرمادیا کریں۔ حالانکہ:

﴿ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِم مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِن دَابَّةٍ ﴾ (سورۃ النحل آیت ۶۱)

ترجمہ: اگر ایسا ہوتا کہ اللہ پاک لوگوں کو انکے جرم پر (فوراً) پکڑ لیا کرتے تو ممکن نہ تھا کہ زمین کی سطح پر ایک بھی حرکت کرنے والی ہستی باقی رہتی!

سو (ہمارا یہ طریقہ نہیں ہے بلکہ) ہم ان لوگوں کو جو ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے ان کی سرکشیوں میں سرگرداں چھوڑے رہتے ہیں —— یعنی ہم دنیا میں مجرموں کی رسی ڈھیلی چھوڑے رکھتے ہیں، پاداش عمل کا قانون ہم نے دوسری زندگی کے لئے اٹھا رکھا ہے، دنیا ہی میں بدکاروں کو فوراً پکڑ نہیں لیتے تاکہ وہ غفلت کے نشہ میں پیمانۂ شرارت لبریز کرلیں اور دائمی عذاب کے مستحق بن جائیں۔

جس طرح منکرین آخرت اپنے پیغمبر کو تنگ کرنے کے لئے اور اس کو نیچا دکھانے کے لئے عذابِ الٰہی کو کھیل سمجھ کر دعوت دے رہے ہیں، اسی طرح بہت سے لوگ رنج وغم یا دل تنگی کی حالت میں اپنے لئے یا اپنی اولاد کے لئے یا اپنے مال ودولت کی تباہی کے لئے بددعائیں کرنے لگتے ہیں مصیبتیں چاہنے لگتے ہیں اور لعنت تک کے الفاظ کہہ ڈالتے ہیں۔ اب غور فرمائیں! اگر اللہ پاک بھی ان کی بددعاؤں کو اسی طرح جلد قبول فرمانے لگیں جس طرح ان کی اچھی دعاؤں کو قبول فرما

لیتے ہیں تو اس میں خسارہ کس کا ہوگا؟ اور انسان کے دن پنپ سکے گا؟ اس لئے اللہ پاک جو ارحم الراحمین ہیں اپنے فضل وکرم سے ایسی دعائیں قبول فرمانے میں جلدی نہیں کرتے، امام قرطبی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں اس جگہ ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "میں نے اللہ جل شانہ سے دعا کی ہے کہ وہ کسی دوست، عزیز کی بددعا اس کے دوست عزیز کے متعلق قبول نہ فرماویں" — کیونکہ بعض اوقات قبولیت کی گھڑی ہوتی ہے، اس گھڑی میں انسان کی زبان سے جو اچھی بری بات نکلتی ہے فوراً قبول ہو جاتی ہے، اس لئے نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ "تم کبھی اپنے حق میں یا اپنی اولاد یا مال وجائداد کے حق میں بددعا نہ کرو، مبادا وہ وقت دعا کی قبولیت کا ہو، اور تمہاری دعا قبول ہو جائے (اور تمہیں بعد میں پچھتانا پڑے)"[1]

عذاب سہارنے کا انسان میں دل گردہ کہاں؟

بے باک انسان اپنے منہ سے عذاب طلب کرتا ہے اور اپنی زبان سے برائی مانگتا ہے مگر وہ اس قدر کمزور اور بودا بھی ہے کہ جہاں ذرا سی تکلیف پہنچی اور اس نے بلبلانا اور گڑگڑانا شروع کر دیا، عذاب سہارنے کا اس میں دل گردہ کہاں؟ ارشاد فرماتے ہیں — اور جب کبھی انسان کو ذرا تکلیف چھو لیتی ہے تو لیٹے بیٹھے اور کھڑے ہمیں پکارنے لگتا ہے! — یعنی اس قدر گھبرا جاتا ہے کہ واویلا کرنے لگتا ہے — پھر جب ہم اس کی مصیبت ٹال دیتے ہیں تو وہ اس طرح چل دیتا ہے کہ گویا کسی تکلیف کے پہنچنے پر ہم سے اس کا سابقہ ہی نہیں پڑا! — یعنی رنج ومصیبت کے وقت خود انسان کے دل میں یہ ولولہ اٹھتا ہے کہ ایک بالاتر ہستی ہے جو دکھ درد، دور کر سکتی ہے، اس لئے اسی کو پکارنا چاہئے۔ چنانچہ وہ اللہ کے سامنے اپنا دکھڑا روتا ہے، لیکن جب اللہ تعالیٰ اس کی مصیبت ٹال دیتے ہیں تو عیش وراحت کی غفلتوں میں پڑ کر اللہ کو اس طرح بھول جاتا ہے، گویا کبھی اس نے اللہ کو پکارا ہی نہیں — اسی طرح حد سے گزر جانے والوں کے لئے ان کے (سارے) کرتوت خوشنما بنا دئے گئے ہیں — جس کی وجہ سے ان کے دل میں کبھی خلش پیدا نہیں ہوتی کہ ہم کس راہ پر چلے جا رہے ہیں!۔

انسان کی فطری حالت سے توحید پر استدلال:

آیت پاک میں انسان کی فطری حالت سے توحید پر دلیل قائم کی گئی ہے کہ مصیبت اور بے بسی کی حالت میں اللہ کا یاد آنا، اور آڑے وقت اس کو پکارنے کا ولولہ اٹھنا، اس بات کا بڑا ثبوت ہے کہ انسان کی فطرت میں خدا کی ہستی کا اعتقاد موجود ہے، چاہے وہ اعراض وغفلت کی حالت میں اسے بالکل ہی بھول جائے!۔

(۱) رواہ مسلم عن جابر رضی اللہ عنہ ص ۴۱۶ ج ۲۔

مؤمن کی شان یہ ہے کہ وہ کسی وقت اللہ تعالیٰ کو نہ بھولے:

نیز ایک خاص مضمون آیت پاک میں یہ بھی ہے کہ مصیبت پڑنے پر اللہ پاک کو یاد کرنا اور راحت کا دور آنے پر اسے بھول جانا خدا فراموش بندوں ہی کے لچھن ہیں، مؤمن کی شان تو یہ ہے کہ وہ کسی وقت اللہ پاک کو نہ بھولے، سختی پر صبر کرے اور راحت پر شکر بجالائے، مؤمن کے سوا اس چیز کی توفیق کسی کو نہیں ملتی، نبی پاک ﷺ نے بنی اسرائیل کے تین شخصوں کا واقعہ بیان فرمایا ہے، جن میں سے ایک کوڑھی، دوسرا گنجا اور تیسرا اندھا تھا، اللہ پاک نے ان تینوں کے امتحان کے لئے ان کے پاس ایک فرشتہ بھیجا، وہ سب سے پہلے کوڑھی کے پاس پہنچا اور اس سے پوچھا کہ تو کیا چاہتا ہے؟ اس نے کہا کہ میرا یہ کوڑھ جس سے لوگ گھن کرتے ہیں دور ہو جائے اور مجھے خوبصورت چمڑی اور گورا رنگ مل جائے، فرشتے نے اس کے بدن پر ہاتھ پھیرا اور فوراً ہی اس کی خواہش پوری ہو گئی، وہ نہایت خوبصورت ہو گیا، فرشتے نے اس سے پوچھا کہ تجھے کس قسم کا مال پسند ہے؟ اس نے اونٹ بتلائے، فرشتے نے اسے ایک حاملہ اونٹنی دی اور برکت کی دعا دے کر چل دیا۔

پھر وہ گنجے کے پاس گیا اور اس کی خواہش دریافت کی، اس نے کہا کہ میرا یہ گنج جس سے لوگ گھن کرتے ہیں، دور ہو جائے اور مجھے خوبصورت بال مل جائیں، فرشتے نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اس کی خواہش بر آئی، اسے نہایت خوبصورت بال مل گئے۔ فرشتے نے اس سے بھی دریافت کیا کہ تجھے کس قسم کا مال پسند ہے؟ اس نے گائیں بتلائیں، فرشتے نے اسے ایک حاملہ گائے دی اور برکت کی دعا دے کر چل دیا۔

پھر وہ فرشتہ اندھے کے پاس گیا، اس سے بھی اس کی خواہش پوچھی، اس نے چاہا کہ اللہ پاک اسے اس کی آنکھیں واپس فرما دیں تا کہ وہ لوگوں کو دیکھ سکے۔ فرشتے نے اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا تو وہ فوراً بینا ہو گیا، پھر فرشتے نے اس سے دریافت کیا کہ تجھے کونسا مال پسند ہے؟ اس نے بکریاں بتلائیں، فرشتے نے اسے ایک بچے دار بکری دی —— پھر تینوں کے مال میں برکت شروع ہوئی اور بڑھتے بڑھتے ان کے جانوروں سے میدان بھر گئے۔

اب وہی فرشتہ دوبارہ پہلے شخص کے پاس اسی جیسا کوڑھی بن کر پہنچا اور کہا کہ ''میں ایک بے کس مسافر ہوں، سامان راہ نہیں رکھتا، اللہ پاک کے سوا اور اس کے بعد تیرے سوا کوئی سہارا نہیں، میں تجھ سے اس اللہ کے واسطے سے سوال کرتا ہوں جس نے تجھے خوبصورت چمڑی، گورا رنگ اور بے شمار اونٹ دئے ہیں، مجھے میری منزل تک پہنچا دے!'' اس نے جواب دیا کہ ''ذمہ داریاں بہت ہیں!'' (تجھے کہاں سے دوں!) سائل نے کہا کہ میں تجھے کچھ کچھ پہچانتا ہوں، کیا تو کوڑھی محتاج نہیں تھا؟ اللہ پاک نے تجھے یہ سب کچھ عنایت نہیں فرمایا؟ وہ کہنے لگا کہ ''یہ سب کچھ تو میرے باپ دادا سے مجھے ملا ہے''! سائل نے کہا کہ اگر تو جھوٹ کہہ رہا ہے تو ویسا ہی ہو جا جیسا پہلے تھا! —— پھر وہ فرشتہ گنجا بن کر دوسرے شخص کے

پاس پہنچا۔ یہاں بھی وہ ویسا ہی جواب پاتا ہے اور اسے بھی وہی بددعا دے کر چل دیتا ہے — اب اندھا، مسکین، سائل بن کر تیسرے شخص کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ ”میں ایک بےکس مسافر ہوں، سامان راہ سے تہی دامن ہو چکا ہوں، اللہ پاک کے سوا اور اس کے بعد تیرے سوا کوئی سہارا نہیں رہا، میں تجھ سے اس اللہ پاک کے واسطے سے ایک بکری کا سوال کرتا ہوں جس نے تجھ کو بینائی عطا فرمائی ہے!“ — وہ بندۂ بینا اعتراف کرتا ہے کہ واقعۃً وہ اندھا تھا اللہ پاک نے اسے آنکھیں عنایت فرمائیں۔ وہ سائل سے کہتا ہے کہ ”تیرا جو جی چاہے لے لے اور جس قدر جی چاہے چھوڑ دے، میں تیرا ہاتھ نہیں پکڑوں گا“ — فرشتے نے جواب دیا کہ آپ کا مال آپ کو مبارک! اللہ پاک نے تم تینوں کو آزمایا، آپ سے وہ راضی ہوا اور آپ کے دونوں ساتھیوں سے وہ ناراض ہوا، چنانچہ وہ دونوں برباد ہو گئے اور بدستور کوڑھی، گنجے بن گئے[1]

مؤمن بندے کی شان یہی ہوتی ہے، جو اس تیسرے بندے کی آپ نے دیکھی جب اسکے حالات سازگار ہوتے ہیں، اس کی چاہتیں اس کو مل رہی ہوتی ہیں تو وہ اس کو اپنا کمال اور اپنی قوتِ بازو کا نتیجہ نہیں سمجھتا، بلکہ اس وقت اپنے دل میں وہ اس یقین کو تازہ کرتا ہے کہ یہ سب کچھ محض اللہ پاک کا فضل و کرم اور اس کی بخشش ہے، وہ جب چاہیں اپنی بخشی ہوئی ہر نعمت چھین سکتے ہیں، اس لئے ہر نعمت پر اللہ پاک کا شکر بجالانا چاہئے۔

منکرین آخرت کی ہنسی کا باقی جواب:

منکرین آخرت کی ہنسی کا جواب ابھی تمام نہیں ہوا، انھیں اب آگاہ کیا جا رہا ہے کہ دیر سویر ظالموں کو ہلاکت سے دو چار ہونا ہے، ارشاد فرماتے ہیں — اور قسم بخدا! واقعہ یہ ہے کہ ہم نے تم سے پہلے بہت سے گروہوں کو ہلاک کر دیا ہے، جب انھوں نے ظلم (کفر و شرک) کی روش اختیار کی، اور ان کے پاس پیغامبر روشن دلائل لے کر پہنچے مگر وہ کسی طرح آمادہ ہی نہ ہوئے کہ ایمان لائیں — پس اللہ پاک کے ڈھیل دینے سے کوئی یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ دنیا میں عذاب آئے گا ہی نہیں پچھلی قوموں پر ان کی سرکشی اور نافرمانی کی سزا میں مختلف قسم کے عذاب اسی دنیا میں آ چکے ہیں — اسی طرح ہم مجرم لوگوں کو سزا دیا کرتے ہیں — یعنی لوگوں کے جلدی مچانے پر تو عذاب نہیں بھیجا کرتے مگر ظلم و شرارت اور بے ایمانی کی سزا بہرحال دیتے ہیں۔

سنت اللہ یہی ہے کہ جب لوگ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کھلے نشان دیکھنے کے بعد بھی ظلم و تکذیب پر کمربستہ رہیں اور کسی طرح ایمان و تسلیم کی طرف نہ جھکیں تو آسمانی عذاب انھیں ہلاک کر ڈالتا ہے، مجرموں کو ہمیشہ کسی نہ کسی رنگ میں سزا ملتی رہتی ہے — پھر ہم نے تمہیں زمین میں ان کے بعد ان کا جانشین بنایا تا کہ دیکھیں کہ تم کیسے کام کرتے ہو!

(۱) رواہ مسلم عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ ج ۲ ص ۴۰۸

—— ہمارے پیغمبر کے ساتھ کیا معاملہ کرتے ہو، نیک وبد، جیسا برتاؤ کرو گے، تمہارے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کیا جائے گا —— گویا تم امتحان گاہ میں کھڑے ہو جس سے تمہارے پیش رونا کام ہو کر نکالے جا چکے ہیں، پس تمہیں چاہئے کہ جو موقع تمہیں دیا جارہا ہے اس سے فائدہ اٹھاؤ، اور پچھلی قوموں کی تاریخ سے سبق لو، اور ان غلطیوں کا اعادہ نہ کرو جو ان کی تباہی کا سبب بنی ہیں۔

وَإِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ۭ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّىْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ قُلْ لَّوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ڮ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰي عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝

وَإِذَا	اور جب	لِقَآءَنَا	ہم سے ملنے کی	مَا	(کہ) نہیں
تُتْلٰى[۱]	پڑھ کر سنائی جاتی ہیں	ائْتِ	لے آیئے	يَكُوْنُ[۴]	حق پہنچتا ہے
عَلَيْهِمْ	انہیں	بِقُرْاٰنٍ[۳]	کوئی اور قرآن	لِيْٓ	مجھے
اٰيَاتُنَا	ہماری آیتیں	غَيْرِ	بجائے	اَنْ اُبَدِّلَهٗ	کہ ترمیم کروں اس میں
بَيِّنٰتٍ[۲]	صاف صاف (واضح)	هٰذَآ	اس کے	مِنْ تِلْقَآئِ[۵]	جانب سے
قَالَ	کہتے ہیں	اَوْ	یا	نَفْسِيْ	اپنی
الَّذِيْنَ	جو لوگ	بَدِّلْهُ	اسی میں ترمیم کر دیجئے	اِنْ	نہیں
لَا يَرْجُوْنَ	نہیں توقع رکھتے	قُلْ	آپ فرما دیجئے	اَتَّبِعُ	اتباع کرتا ہوں میں

(۱) تَلَا (ن) تِلَاوَةً عَلَيْهِ: پڑھ کر سنانا —— تلاوت کے معنی ہیں واجب الاتباع کلام کو پڑھنا، چنانچہ یہ لفظ آسمانی کتابوں کے لئے خاص ہے، اور ''قراءت'' سے اخص ہے، پس ہر تلاوت قراءت ہے لیکن ہر قراءت تلاوت نہیں چنانچہ تَلَوْتُ رُقْعَتَکَ (میں نے آپ کی چھٹی کی تلاوت کی) نہیں کہا جائے گا (راغب) (۲) حال ہے آیات سے (۳) باصلہ کی ہے (۴) کان تامہ ہے اور جملہ مصدر یہ اس کا فاعل ہے (۵) التلقاء: لِقَاء کا اسم ہے: ملاقات کی جگہ، پھر طرف اور جہت کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے، فَعَلَ الاَمْرَ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِه، اس نے اس کام کو خود بخود بغیر کسی کے مجبور کئے ہوئے کیا۔

اِلَّا	مگر	مَا	(تو) نہ	تَعۡقِلُوۡنَ	سمجھے تم؟
مَا	(اسی کا) جو	تَلَوۡتُهٗ	پڑھ کر سناتا میں اس کو	فَمَنۡ	اب (بتلاؤ) کون
يُوۡحٰٓى	وحی کے ذریعہ پہنچا ہے	عَلَيۡكُمۡ (۲)	تمھیں	اَظۡلَمُ	بڑا ظالم ہے
اِلَىَّ	میرے پاس	وَلَاۤ	اور نہ	مِمَّنِ	اس شخص سے جو
اِنِّىۡۤ اَخَافُ	میں واقعۃً ڈرتا ہوں	اَدۡرٰٮكُمۡ (۳)	خبردار کرتے وہ تمھیں	افۡتَرٰى	گھڑ کر منسوب کرے
اِنۡ عَصَيۡتُ	اگر نافرمانی کروں میں	بِهٖ	اس سے	عَلَى اللّٰهِ	اللہ پاک کی طرف
رَبِّىۡ	اپنے پروردگار کی	فَقَدۡ	کیونکہ واقعہ یہ ہے	كَذِبًا	جھوٹ
عَذَابَ	عذاب سے	لَبِثۡتُ	(کہ) میں بسر کر چکا ہوں	اَوۡ كَذَّبَ	یا (جو) جھٹلائے
يَوۡمٍ عَظِيۡمٍ	ہولناک دن (کے)	فِيۡكُمۡ	تمہارے درمیان	بِاٰيٰتِهٖ	اس کی آیتوں کو
قُلْ (۱)	آپ فرما دیجئے	عُمُرًا (۴)	ایک عمر	اِنَّهٗ	یقیناً
لَّوۡ	(کہ) اگر	مِّنۡ قَبۡلِهٖ	اس سے پہلے	لَا يُفۡلِحُ (۵)	(کبھی) فلاح نہیں پاتے
شَآءَ اللّٰهُ	چاہتے اللہ پاک	اَفَلَا	کیا پس نہیں	الۡمُجۡرِمُوۡنَ	مجرم لوگ

کافروں کا قرآن بدلنے کا یا اس میں ترمیم کرنے کا مطالبہ

اب منکرین آخرت کے ایک نامعقول مطالبے اور بے جا فرمائش کا جواب ارشاد فرمایا جا رہا ہے ــــ اور جب انھیں ہماری صاف صاف آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو جو لوگ ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے، کہتے ہیں کہ "(یا تو) اس کے بجائے کوئی اور قرآن لائیے یا اسی میں ترمیم کر دیجئے" ــــ قرآن پاک نے جب لوگوں کو توحید اور آخرت کی دعوت دینی شروع کی تو چونکہ یہ باتیں لوگوں کے اعتقادات اور نظریات کے خلاف تھیں اس لئے انھیں شدت سے ناگوار ہوتی تھیں، وہ اور ان کے باپ دادا جن بتوں کی ہمیشہ سے تعظیم کرتے رہے تھے اور جنھیں حاجت روا مانتے رہے تھے قرآن پاک ان سب کو باطل اور لغو قرار دیتا تھا، قرآن پاک انہیں بتاتا تھا کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہے اور حساب دینا ہے، وہ

(۱) جملہ مستانفہ ہے (۲) عَلٰی حرف جار صلہ کا ہے (۳) اَدۡرٰی (باب افعال) الرجلَ بکذا: جتلانا، آگاہ کرنا فعل ماضی کا واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے، فاعل ضمیر غائب ہے جو اللہ پاک کی طرف راجع ہے اور کُمۡ ضمیر جمع مذکر حاضر ہے اور مفعول بہ ہے، اس کا مجرد ہے دَرَی (ض) دِرَايَةَ الشيئَ حیلہ اور تدبیر سے جاننا (۴) مفعول فیہ ہے۔ (۵) اِفۡلاح باب افعال سے ہے اور اس کا مجرد اس معنی میں مستعمل نہیں۔

انھیں اخلاقی ضابطوں میں جکڑ تا تھا اور جن کاموں کو وہ برابر کرتے آئے تھے قرآن کریم ان میں سے بہت سی باتوں کو حرام قرار دیتا تھا، اس لئے قرآن پاک کی تعلیمات ان کے گلے نہیں اترتی تھیں۔

مشرکین مکہ میں سے پانچ آدمیوں نے نبی پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر کہا کہ یہ توحید، آخرت اور اخلاقی پابندیوں اور حلال وحرام کی بحث تم نے کیا چھیڑ دی، اگر قوم کی رہنمائی کے لئے اٹھے ہو تو کوئی ایسی بات پیش کرو جسے قوم برضا ورغبت قبول کرے، تمہارا یہ قرآن تو اس مقصد سے ہم آہنگ نہیں، اس لئے تم کوئی اور قرآن لاؤ، اور اگر اس کے لئے تم آمادہ نہیں ہو تو کم از کم اسی میں کچھ لچک پیدا کرو، توحید میں کچھ شرک کے لئے، خدا پرستی میں کچھ نفس پرستی اور دنیا پرستی کے لئے اور عقیدۂ آخرت کے ساتھ قطعی نجات کے لئے — چاہے وہ جو کچھ بھی کرتے رہیں — جگہ نکالو تو ہم تمہاری بات سننے کے لئے تیار ہیں۔

ان لوگوں کا یہ نامعقول مطالبہ اس خیال پر مبنی تھا کہ قرآن کریم خود آپ ﷺ کا کلام اور آپ کی اپنی تصنیف ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ حضور پاک ﷺ جو کچھ پیش فرمارہے ہیں وہ اللہ پاک کی طرف سے نہیں ہے بلکہ آپ ﷺ کی اپنے دماغ کی اپج ہے اور اسے اللہ پاک کی طرف منسوب کرکے صرف اس لئے پیش کیا جارہا ہے کہ اس سے آپؐ کی بات کا وزن بڑھ جائے — اللہ پاک آپ ﷺ کی طرف سے جواب ارشاد فرماتے ہیں:— آپ فرمادیجئے کہ ''مجھے یہ حق نہیں پہنچتا کہ اپنی طرف سے اس میں ترمیم کردوں (دوسرا لانا تو درکنار!) میں تو بس اسی کا اتباع کرتا ہوں جو میرے پاس وحی کے ذریعے پہنچا ہے۔ میں تو واقعۃً ڈرتا ہوں، اگر اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں، ایک بڑے ہولناک دن کے عذاب سے — یعنی یہ قرآن اور اس کے مضامین کچھ میرے جی کی من گھڑت نہیں کہ تمہاری فرمائش کے مطابق بنادوں۔ اگر اس کے حکم کی نافرمانی کروں تو اس کی پکڑ سے مجھے بچانے والا کون ہے؟— آیت پاک کے آخری حصے میں ان بیہودہ فرمائش کرنے والوں پر چوٹ کی گئی ہے کہ ایسی سخت نافرمانی کرتے ہوئے تمہیں بڑے ہولناک دن کے عذاب سے ڈرنا چاہئے!

قرآن اللہ کی وحی ہے، آپؐ کی تصنیف نہیں:

آگے اس پر مزید روشنی ڈالی جارہی ہے کہ قرآن پاک کے مصنف حضور پاک ﷺ نہیں ہیں بلکہ یہ وحی کے ذریعہ آپؐ تک پہنچا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ — آپؐ (یہ بھی) فرمادیجئے کہ: ''اگر اللہ پاک چاہتے تو میں تمہیں قرآن پڑھ کر سناتا ہی نہیں اور نہ وہ تمہیں اس سے خبردار کرتے'' — یعنی اگر اللہ پاک چاہتے تو نہ میرے ذریعے یہ قرآن تمہارے پاس بھیجتے، نہ کسی اور ذریعے سے تمہیں اس سے آگاہ کرتے۔

نبی ﷺ کی پوری زندگی شہادت دیتی ہے کہ قرآن وحی ہے:

لیکن اللہ پاک نے انسانوں کی رہنمائی کے لئے ضروری سمجھا کہ ان کے پاس ہدایات بھیجی جائیں اور اس کا طریقہ یہ رکھا ہے کہ خود انسانوں ہی میں سے رسول چنے جائیں، اسی سنۃ اللہ کے مطابق انھوں نے میرا انتخاب فرمایا ہے اور میرے ذریعے یہ قرآن کریم تم تک بھیجا ہے —— کیونکہ واقعہ یہ ہے کہ میں اس سے پہلے ایک عمر تمہارے درمیان بسر کر چکا ہوں—— تم میں کوئی نیا آدمی نہیں ہوں، جس کے حالات کی تمہیں خبر نہ ہو، اعلان وحی سے پہلے ایک پوری عمر تم میں بسر کر چکا ہوں، اس تمام مدت میں میری زندگی تمہاری آنکھوں کے سامنے رہی ہے، بتلاؤ اس تمام عرصہ میں کوئی ایک بات بھی تم نے سچائی اور امانت کے خلاف مجھ میں دیکھی ہے؟ پھر اگر اس تمام مدت میں مجھ سے یہ نہ ہوسکا کہ کسی انسانی معاملہ میں جھوٹ بولوں، تو کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ اب خدا تعالیٰ پر بہتان باندھنے کے لئے تیار ہو جاؤں اور جھوٹ موٹ کہنے لگوں کہ مجھ پر اس کا کلام نازل ہوتا ہے؟—— پس کیا تم سمجھتے بوجھتے نہیں؟!—— کیا اتنی موٹی سی بات بھی تم نہیں پاسکتے؟

یہ ایک زبردست دلیل ہے اس بات کی کہ آپ ﷺ قرآن پاک کو خود اپنے دل سے گھڑ کر اللہ پاک کی طرف منسوب نہیں کر رہے ہیں بلکہ وہ اللہ پاک کی طرف سے بذریعہ وحی آپؐ پر نازل ہوا ہے، آپؐ نے نبوت سے پہلے پورے چالیس سال ان کے درمیان گزارے ہیں، ان کے شہر میں پیدا ہوئے، ان کی آنکھوں کے سامنے پلے بڑھے، آپؐ کا رہنا سہنا، ملنا جلنا، شادی بیاہ، لین دین، غرض ہر قسم کا معاشرتی تعلق انہی کے ساتھ رہا، اور آپؐ کی زندگی کا کوئی پہلو ان سے چھپا ہوا نہیں تھا، ایسی جانی بوجھی اور دیکھی بھالی چیز سے بڑھ کر کھلی شہادت اور کیا ہوسکتی ہے؟

آپؐ کی اس چالیس سالہ زندگی میں کئی چیزیں بالکل نمایاں تھیں۔ سب سے:

پہلی بات: تو یہ ہے کہ آپ ﷺ نے کوئی ایسی تعلیم و تربیت اور صحبت نہیں پائی تھی جس سے آپؐ کو وہ معلومات حاصل ہوتیں جو دعوئے نبوت کے ساتھ ہی آپؐ نے لوگوں کے سامنے پیش فرمانی شروع کی تھیں۔

دوسری بات: یہ ہے کہ اس سے پہلے کبھی آپ ﷺ ان مسائل سے دلچسپی لیتے ہوئے، ان مباحث پر گفتگو کرتے ہوئے اور ان خیالات کا اظہار کرتے ہوئے نہیں دیکھے گئے، جواب پے درپے قرآن کی صورت میں ان کے سامنے لا رہے ہیں۔ اور انسانی دماغ اپنی عمر کے کسی بھی مرحلے میں ایسی کوئی چیز پیش نہیں کر سکتا جس کے واضح نشانات اس سے پہلے کے مرحلوں میں نہ پائے جاتے ہوں۔

تیسری بات: یہ ہے کہ اس سے پہلے آپ کا پورا دور اخلاقی لحاظ سے اس قدر ممتاز تھا کہ لوگ آپ کو **اَلصَّادِقُ الْاَمِیْن** (سچا اور دیانت دار) کہہ کر پکارنے لگے تھے دعوئے نبوت سے پانچ سال پہلے کا واقعہ ہے کہ قریش نے کعبہ کی تعمیر

نو کا ارادہ کیا، جب نئی تعمیر میں حجر اسود کے نصب کا وقت آیا تو لوگوں میں شدید اختلاف ہوا، چار پانچ دن تک یہ اختلاف جاری رہا اور قریب تھا کہ تلواریں چل جائیں بالآخر طے یہ پایا کہ اس جھگڑے کا فیصلہ وہ شخص کرے گا جو کل صبح سب سے پہلے بیت اللہ میں داخل ہوگا۔ دوسرے دن لوگوں نے جب سب سے پہلے داخل ہونے والے انسان کو دیکھا تو پکار اٹھے هٰذَا الامینُ رَضِینا (یہ امانت دار ہیں ہم سب ان کے فیصلے پر رضامند ہیں)—— یہ آپؐ ہی تھے جن کے حکیمانہ فیصلہ پر سب بدل وجان راضی ہو گئے تھے—— نبوت ملنے کے بعد جب آپؐ نے پہلی بار صفا پہاڑ کے دامن میں لوگوں کو جمع کر کے اپنی دعوت پیش کی تھی اس وقت آپؐ نے بات پیش کرنے سے پہلے حاضرین سے سوال کیا تھا کہ تمہارا میرے متعلق کیا خیال ہے؟ جواب میں بالاتفاق یہ آواز آئی مَا جَرَّبْنَا عَلَیْکَ اِلَّا صِدْقاً! (آپؐ کے اندر ہم نے سچائی کے سوا کبھی کوئی اور بات نہیں دیکھی!)

آپ ﷺ نے پیغمبری کا اعلان کیا تو مکہ کے لوگ جو آپؐ کو اچھی طرح جانتے تھے ان کے لئے یہ سوال خارج از بحث تھا کہ آپؐ کو نعوذ باللہ جھوٹا یا جعل ساز سمجھیں، کیونکہ یہ آپؐ کی اب تک کی پوری زندگی کے بالکل خلاف تھا، اس لئے انھوں نے کبھی آپؐ پر اس قسم کا الزام نہیں لگایا بلکہ کہا تو یہ کہا کہ اس شخص کی عقل کھو گئی ہے! یہ شاعرانہ مبالغہ کر رہے ہیں! ان پر کسی کا جادو چل گیا ہے! ان پر جنات سوار ہیں! مخالفین نے یہ سب کچھ کہا مگر کسی کی جرأت یہ نہ ہوئی کہ وہ آپؐ کی صداقت اور دیانتداری پر شبہ ظاہر کرے۔

حیرت انگیز بات تو یہ ہے کہ ساری قوم آپؐ کی دشمن ہو چکی تھی، وطن میں آپؐ کا رہنا انھیں گوارا نہ تھا، لیکن مکہ میں جس کسی کے پاس کوئی ایسی چیز ہوتی جس کے بارے میں اسے کسی قسم کا اندیشہ ہوتا تو وہ اسے آپؐ کے پاس رکھ دیتا، کیونکہ ہر ایک کو آپؐ کی سچائی اور دیانتداری کا یقین تھا[1]—— روم کے بادشاہ ہرقل کو جب آپؐ کا دعوت نامہ پہنچا ہے تو اس نے حکم دیا کہ عرب کے لوگ اگر یہاں موجود ہوں تو حاضر کئے جائیں، اس زمانے میں قریش کے چند لوگ تجارت کی غرض سے شام گئے ہوئے تھے۔ جب وہ دربار میں پہنچے تو ہرقل نے پوچھا: ''تمہارے شہر میں جس شخص نے خدا کے رسول ہونے کا دعویٰ کیا ہے تم میں سے کوئی اس کا قریبی رشتہ دار ہے؟'' ابوسفیان نے جواب دیا: ''وہ میرے خاندان کا ہے!''۔ اس کے بعد ہرقل اور ابوسفیان کے درمیان جو گفتگو ہوئی ہے اسکے چند فقرے یہ ہیں—— ہرقل: اس دعوے سے پہلے کبھی تم نے اس کو جھوٹ بولتے ہوئے سنا ہے؟ ابوسفیان: کبھی نہیں! ہرقل: کیا وہ عہد و پیمان کی خلاف ورزی کرتا ہے؟ ابوسفیان! ابھی تک اس نے کسی عہد کی خلاف ورزی نہیں کی۔ ہرقل نے یہ سنکر کہا کہ: ''جب یہ تجربہ ہو چکا ہے کہ وہ آدمیوں کے معاملہ

(۱) سیرت ابن ہشام ص ۹۸ ج ۲۔

میں کبھی جھوٹ نہیں بولا تو یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ اس نے خدا کے معاملے میں اتنا بڑا جھوٹ گھڑ لیا ہے!''—— اب بتلاؤ کہ اس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو جھوٹی بات گھڑ کر اللہ پاک کی طرف منسوب کرے یا جو اسکی سچی آیتوں کو جھٹلائے؟ —— یعنی صورتِ حال نے اب دو فریق پیدا کر دیئے ہیں، ایک داعی قرآن ہے جو کہتا ہے کہ میں اللہ پاک کی طرف سے مامور ہوں، دوسرا فریق منکروں کا ہے جو اسے جھٹلاتا ہے اب فیصلہ سن لو: جو خدا تعالیٰ پر بہتان باندھے اس سے بڑھ کر کوئی گنہگار نہیں۔ اور جو سچے کو جھٹلائے اس کی بدبختی میں بھی کلام نہیں اور —— یقیناً مجرم کبھی فلاح نہیں پاتے —— اگر میں مفتری ہوں تو مجھے ناکام و نامراد ہونا پڑے گا اور اگر تم سچائی کے مکذب ہو تو تمہیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ آئندہ نتائج فیصلہ کریں گے کہ کون فریق مستحق عذاب ہے اور کون کامیابی اور ارجمندی کا حقدار! —— آج اللہ پاک کا فیصلہ صادر ہو چکا ہے جو مکذب تھے ان کا نام و نشان تک باقی نہیں رہا اور جو صادق تھا اسکی بات آج تک قائم و دائم ہے۔

دانا کے لئے کافی ہے صرف ایک اشارہ ❁ ناداں کو نہیں کافی دفتر نہ رسالہ

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۹﴾

وَيَعْبُدُوْنَ	اور پوجتے ہیں	وَلَا	اور نہ	عِنْدَ اللّٰهِ	اللہ پاک کے حضور میں
مِنْ دُوْنِ[1] اللّٰهِ	اللہ پاک سے نیچے	يَنْفَعُهُمْ	نفع پہنچائیں انھیں	قُلْ	آپ کہئے
مَا	(ایسی چیزوں کو) جو	وَيَقُوْلُوْنَ	اور کہتے ہیں	اَتُنَبِّـُٔوْنَ[3]	کیا تم بتاتے ہو
لَا	نہ	هٰٓؤُلَآءِ	یہ	اللّٰهَ	اللہ پاک کو
يَضُرُّهُمْ	نقصان پہنچائیں انہیں	شُفَعَآؤُنَا[2]	ہمارے سفارشی (ہیں)	بِمَا	(ایسی چیز) جسے

(۱) دُوْنَ ظرف ہو کر استعمال ہوتا ہے اور فَوْقَ کی نقیض ہے اور حالت کا فرق بتانے کے لئے بھی اس کا استعمال ہوتا ہے، جیسے زَيْدٌ دُوْنَ عَمْرٍو: زید عمرو سے نیچے ہے یعنی شرافت اور علم میں اس سے نیچے ہے (اتقان) (۲) شَفِيْعٌ کی جمع ہے: سفارش کرنے والا (۳) تُنَبِّـُٔوْنَ مضارع کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے نَبَّأَ تَنْبِئَةً وَتَنْبِيْئًا فُلَانًا الْخَبَرَ: خبر دینا۔

لَا يَعْلَمُ	نہیں جانتے وہ	وَمَا كَانَ النَّاسُ	اور نہیں تھے لوگ	سَبَقَتْ	پہلے سے طے شدہ
فِي السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں	اِلَّآ	مگر	مِنْ رَّبِّكَ	تیرے رب کی طرف سے
وَلَا فِي الْاَرْضِ	اور نہ زمین میں	اُمَّةً	امت	لَقُضِيَ	(تو یقیناً) فیصلہ کردیا جاتا
سُبْحٰنَهٗ	پاک ہے ان کی ذات	وَّاحِدَةً	ایک	بَيْنَهُمْ	ان کے درمیان
وَتَعٰلٰى	اور برتر ہے	فَاخْتَلَفُوْا	پھر وہ مختلف ہوگئے	فِيْمَا	ان باتوں میں
عَمَّا	اس سے جو	وَلَوْلَا	اور اگر نہ ہوتی	فِيْهِ	جن میں
يُشْرِكُوْنَ	وہ شریک کرتے ہیں	كَلِمَةٌ	ایک بات	يَخْتَلِفُوْنَ	وہ اختلاف کررہے ہیں

شرک کی تردید

اور (ان کا جرم یہ ہے کہ) وہ اللہ پاک سے نیچے ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہیں جو انہیں نہ نقصان پہنچاسکتی ہیں نہ نفع — کیونکہ ہر قسم کا نفع اور نقصان اللہ پاک کے ہاتھ میں ہے اور کسی کے ہاتھ میں نہیں، انسانوں کے خودتراشیدہ خدا نہ کسی کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں نہ بناسکتے ہیں، نہ برا کرسکتے ہیں نہ بھلا، ان کی عبادت بے سود محض ہے۔

شرک کا اصلی سبب یہی نفع کی امید، اور نقصان کا اندیشہ ہے، انسان دیکھتا ہے کہ چاند، سورج، آگ، ستارے، پانی، دریا اور پہاڑ ہر وقت اس کے کاموں میں مشغول ہیں، اس لئے وہ ان کی اس فیض رسانی پر ایسا ریجھتا ہے کہ ان میں سے ہر نعمت کو منعم کا درجہ دے کر اس کی عبادت شروع کردیتا ہے، اسی طرح مخلوقات میں جو چیزیں اسے خطرناک اور ہولناک نظر آتی ہیں ان کو بھی خدا کی خدائی میں شریک بنالیتا ہے۔ اس نے دیکھا کہ سانپ ڈستے ہیں، بچھوڈنک مارتے ہیں، شیر پھاڑ کھاتے ہیں، اس لئے اس نے ان کو جنگل کے دیوتا قرار دے کر ان کی پرستش شروع کردی تاکہ اس طرح ان کو راضی کرکے ان کے خطرات سے مامون رہ سکے۔

مقرب بندوں کو سفارشی ماننا بھی شرک ہے:

غضب کی بات تو یہ ہے کہ مشرکین جہاں مخلوقات کو خدائی کا مقام دیتے ہیں وہاں اللہ پاک کو مخلوقات کی سطح پر اتار لاتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ پاک ہمارے حالات نہیں جانتے، ہماری دعائیں اور التجائیں بھی ان تک نہیں پہنچتیں، وسیلہ کے بغیر ان تک رسائی ممکن نہیں۔ ان سے اپنی بات منوانے کے لئے سفارشی چاہئیں، اس لئے وہ اللہ پاک کے مقرب بندوں کو، فرشتوں اور بزرگوں کو اللہ پاک کی نزدیکی کا ذریعہ اور اپنا سفارشی قرار دے کر انھیں چڑھاووں اور پوجا پاٹ سے راضی کرنے کی کوشش کرتے ہیں — اور کہتے ہیں کہ "یہ اللہ پاک کے حضور ہمارے سفارشی ہیں" — اس لئے

مشرکین نے فرشتوں اور بزرگوں کو، جو اللہ پاک کے مقرب بندے ہیں، قربت ونزدیکی کا وہ مقام دیا ہے جو عبدیت اور بندگی کے مقام سے بالاتر اور الوہیت کے مقام سے قریب تر ہے — آپؐ کہئے: ''کیا تم اللہ پاک کو ایسی بات کی خبر دیتے ہو جسے وہ نہ آسمانوں میں جانتا ہے نہ زمین میں؟!'' — اور اللہ پاک کا نہ جاننا یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ سرے سے موجود ہی نہیں ہے کیونکہ وہ سب کچھ جو موجود ہے اللہ پاک کے علم میں ہے — یہ ایک لطیف انداز بیان ہے کہ سفارشیوں کا کوئی وجود نہیں — ان کی ذات پاک ہے اور وہ برتر ہیں اس سے جو یہ لوگ شریک کر رہے ہیں۔

کسی مخلوق کو حاجت روا، مشکل کشا اور فریادرس سمجھنا اور یہ خیال کرنا کہ زندگی، موت، نفع، نقصان، تندرستی، بیماری، رزق، اولاد، عزت، ذلت یا قسمت اس کے ہاتھ میں ہے، یا یہ عقیدہ رکھنا کہ اس کی سفارش اور مرضی کے بغیر اللہ پاک کچھ نہیں کرتے شرک ہے جو سب سے بڑا، نا قابل عفو گناہ ہے

شرک مسلک قدیم نہیں، توحید مسلک قدیم ہے

آگے مشرکین کے ایک خلجان کو دور کیا جاتا ہے — مشرکین سمجھتے ہیں کہ یہ دستور آج سے نہیں قدیم سے چلا آرہا ہے ہمیشہ سے لوگ فرشتوں، بزرگوں اور ان گنت چیزوں کو پوجتے رہے ہیں، انھوں نے کوئی نیا طریقہ ایجاد نہیں کیا، اس لئے ان کے باپ دادا کا جو مذہب ہے وہی صحیح ہے، اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں: — اور تمام لوگ ایک ہی امت تھے پھر وہ مختلف ہو گئے — یعنی ایک مدت دراز تک حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد راہِ راست پر قائم رہی اور ایک امت بنی رہی پھر لوگوں نے نئے نئے راستے نکالے اور مختلف طریقے ایجاد کر لئے — خود عرب حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد عرصۂ دراز تک راہ راست پر گامزن رہے اور صرف اللہ پاک کی عبادت کرتے رہے، پھر ایک شیطان عَمرو بن لُحَیّ پیدا ہوا اور اس نے مورتیاں درآمد کر کے بت پرستی اور شرک کی داغ بیل ڈالی — پس اصل مذہب شرک نہیں بلکہ توحید ہے، شرک تو بہت بعد کی پیداوار ہے۔ تم جن باپ دادا کا حوالہ دے رہے ہو، ان کے باپ دادا کا مذہب تو توحید ہی تھا؟

قانونِ امہال مشرکوں کو سزا دینے میں مانع ہے:

آگے مشرکوں کے ایک دوسرے شبہ کا جواب ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ اگر شرک غلط اور اس قدر بڑا گناہ ہے تو پھر مشرکوں کو سزا کیوں نہیں دی جاتی؟ — اور اگر ایک بات آپ کے پالنہار کی طرف سے پہلے سے طے شدہ نہ ہوتی تو یقیناً لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا ان باتوں میں جن میں وہ اختلاف کر رہے ہیں — یعنی دوٹوک عملی فیصلہ کر دیا جاتا اور لوگوں

کے باہمی اختلافات کو زبردستی مٹا دیا جاتا۔ مگر ایسا اس لئے نہیں کیا گیا کہ پہلے سے اللہ پاک کے علم میں یہ بات طے شدہ ہے کہ یہ دنیا دار عمل ہے، قطعی اور آخری فیصلہ کی جگہ نہیں ہے، یہاں انسانوں کو اختیار دے کر قدرے آزاد چھوڑا گیا ہے کہ وہ جو راہِ عمل چاہیں اختیار کریں اگر یہ بات پہلے سے طے شدہ نہ ہوتی تو سارے اختلافات کا فیصلہ ایک دم کر دیا جاتا اور جو سزا کے مستحق ہیں وہ کیفر کردار کو پہنچ جاتے!

وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿٢٠﴾ وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا ۭ قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ۭ اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ﴿٢١﴾

ع ۲

وَيَقُوْلُوْنَ	اور کہتے ہیں	اِنِّيْ	میں (بھی) بلاشبہ	مَّكْرٌ	چال بازیاں
لَوْلَآ	(کہ) کیوں نہیں	مَعَكُمْ	تمہارے ساتھ	فِيْٓ اٰيَاتِنَا	ہماری آیتوں میں!
اُنْزِلَ	اتاری گئی	مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ	راہ دیکھنے والوں میں ہوں	قُلِ	آپ فرما دیجئے
عَلَيْهِ	اس پر	وَاِذَآ اَذَقْنَا	اور جب چکھائی ہم نے	اللّٰهُ	(کہ) اللہ پاک
اٰيَةٌ	(فرمائشی) نشانی	النَّاسَ	لوگوں کو	اَسْرَعُ(۵)	تیز تر (ہیں)
مِّنْ رَّبِّهٖ	اس کے رب کی طرف سے	رَحْمَةً	رحمت	مَكْرًا	چال (میں)
فَقُلْ	سو آپ فرما دیجئے	مِّنْۢ بَعْدِ	بعد	اِنَّ	بالیقین
اِنَّمَا	(کہ) بس	ضَرَّآءَ	ایک تکلیف (کے)	رُسُلَنَا	ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے)
الْغَيْبُ	چھپی بات	مَسَّتْهُمْ(۲)	(جو) ان کو پہنچی	يَكْتُبُوْنَ	قلم بند کر رہے ہیں
لِلّٰهِ(۱)	اللہ پاک جانیں	اِذَا(۳)	(تو) فوراً ہی	مَا	جو کچھ
فَانْتَظِرُوْا	سو تم راہ دیکھو	لَهُمْ(۴)	ان کے لئے (ہیں)	تَمْكُرُوْنَ	چال بازیاں کرتے ہو تم

(۱) اللام للاختصاص العلمی دون التکوینی (روح البیان) (۲) مَسَّتْهُمْ جملہ صفت ہے ضَرَّآءَ کی۔

(۳) اِذَا جواب شرط بھی ہے اور اس میں مفاجات کے معنی بھی ہیں۔

(۴) لَهُمْ خبر مقدم ہے (۵) اَسْرَع اسم تفضیل ہے۔

مشرکوں کو ان کی فرمائشی نشانیاں کیوں نہیں دکھائی گئیں؟

اب ان آیاتِ پاک میں وہی "مرغ کی ایک ٹانگ" گانے والوں کا جواب ہے —— پہلے تو انھیں انسان کے رسول ہونے میں حیرت تھی، پھر انھوں نے قرآن پاک میں ترمیم کرانا چاہی تھی —— اور (اب) وہ کہتے ہیں کہ: "اس پر اس کے پالنہار کی طرف سے (فرمائشی) نشانی کیوں نہیں اتاری گئی" —— یعنی اس بات کی نشانی کے وہ واقعی نبی برحق ہے۔ اور جو کچھ پیش کررہا ہے وہ بالکل درست ہے —— اسکا یقین کرنے کیلئے جن نشانیوں کی وہ فرمائش کرتے تھے ان میں سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری گئی؟! —— انھوں نے فرمائش کیا کی تھی؟ —— یہ کی تھی کہ نبی پاک ﷺ ان کے لئے زمین پھاڑ کر ایک چشمہ جاری فرمادیں یا آپؐ کے لئے کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو، جس میں آپؐ نہریں رواں کردیں یا آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے ان پر گرادیں یا انکے سامنے رودررو اللہ پاک اور فرشتوں کو لے آویں یا آپؐ کے لئے سونے کا ایک گھر ہو یا نبی پاک ﷺ آسمان پر چڑھ کر وہاں سے ایک ایسی تحریر لے آویں جسے وہ لوگ پڑھیں[1]

اس قسم کی نشانیوں کا مطالبہ کچھ اس لئے نہیں تھا کہ وہ لوگ سچے دل سے ایمان لانا چاہتے تھے اور بس اس وجہ سے ہچکچا رہے تھے کہ ابھی تک انھوں نے نبی پاک ﷺ کی تائید میں کوئی ایسی نشانی نہیں دیکھی جس سے انھیں آپؐ کی نبوت کا یقین آجائے بلکہ نشانیوں کا یہ مطالبہ محض ایمان نہ لانے کے لئے ایک بہانے کے طور پر تھا، اس لئے اگر ان کو یہ نشانیاں دکھلا بھی دی جاتیں تو بھی وہ یہی کہتے کہ "ہم کو کوئی نشانی تو دکھائی ہی نہیں گئی!" —— آپ فرمادیجئے کہ "غیب کا حال اللہ پاک ہی کو معلوم ہے! سو تم انتظار کرو، میں بھی یقیناً تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں" —— یہ ایک ذومعنی جواب ہے، اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ تم لوگ میری سچائی کے نشان اب تک بہتیرے دیکھ چکے ہو، فرمائشی نشان دکھلانا کچھ ضروری نہیں، نہ چنداں مفید ہے، اب آئندہ جو اللہ پاک کی مصلحت ہوگی وہ نشان دکھلائیں گے، اور اس کا علم اللہ پاک ہی کو ہے، سو تم منتظر رہو ہم بھی انتظار کرتے ہیں —— دوسرا پہلو یہ ہے کہ نشانیاں دکھلانے میں تو اللہ پاک نے کوئی کسر نہیں چھوڑی مگر تم ہو کہ مرغ کی ایک ہی ٹانگ گائے جارہے ہو، پس اب پردۂ غیب سے کیا ظہور میں آنے والا ہے اس کا حال وہی جانیں، تم راہ دیکھو، ہم بھی راہ دیکھتے ہیں! —— مگر یہ تو بتاؤ کہ تم کس منہ سے نشانیوں کی فرمائش کرتے ہو؟ ماضی میں جب بھی تمہاری فرمائش پر نشانی دکھلائی گئی ہے تو فوراً ہی تمہاری شرارت کا پارہ چڑھ گیا ہے، دیکھو —— اور جب ہم نے (مکہ کے) لوگوں کو ان پر مصیبت پڑنے کے بعد رحمت کا مزا چکھایا تو فوراً ہی ہماری آیتوں میں ان کی چال بازیاں شروع ہوگئیں! —— ان پر اللہ پاک نے مسلسل سات سال قحط مسلط

(۱) سورۂ بنی اسرائیل آیات ۹۰-۹۳ میں کفار کے ان فرمائشی معجزات کا تذکرہ ہے۔

فرمایا، جب وہ ہلاکت کے منہ میں پہنچ گئے اور اپنے معبودوں سے مایوس ہو گئے جنہیں اللہ پاک کے حضور میں اپنا سفارشی ٹھہرا رکھا تھا تو گھبرا کران کا سردار ابوسفیان دربارِ نبوی ﷺ میں حاضر ہوا اور دعا کی درخواست کی اور وعدہ کیا کہ اگر یہ عذاب اٹھ جائے گا تو ہم ایمان لے آئیں گے —— نبی پاک ﷺ نے دعا فرمائی اور ان پر سے قحط کی بلا دور ہوئی، مگر ایمان کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوا بلکہ ان کی شرارتیں فزوں ہو گئیں، وہی اللہ پاک کی آیتوں کو جھٹلانا، اس کی قدرت ورحمت سے نظر پھیر لینا اور اللہ پاک کے انعامات کو ظاہری اسباب اور تدبیروں کی طرف منسوب کرنا ان کا وتیرہ رہا، قحط کی بلا دور ہونے کے متعلق ہزار قسم کی توجیہیں اور تاویلیں کرنی شروع کر دیں تا کہ اللہ پاک کی آیات کے ماننے سے بچ سکیں اور اپنے شرک پر جمے رہ سکیں —— جن لوگوں نے اپنے ضمیر کو اس درجہ خراب کر لیا ہو انہیں آخر کونسی نشانی دکھائی جائے اور اس کے دکھانے سے حاصل کیا؟ اور نشانیوں کی فرمائش کرنے کا ان کا منہ کہاں؟ —— خیر اب ——

آپ فرما دیجئے کہ ''اللہ پاک کا داؤ تیز تر ہے، ہمارے مقرر کردہ فرشتے بالیقین وہ سب چال بازیاں قلم بند کر رہے ہیں جو تم کر رہے ہو!'' —— یعنی تم جس قدر چاہو مکروفریب اور حیلے بازیاں کر لو مگر یہ یاد رہے کہ تمہاری حیلہ بازیاں ایک ایک کر کے لکھی جا رہی ہیں، ہمارے فرشتے خاموشی کے ساتھ بیٹھے لکھتے رہتے ہیں، وہ سارا دفتر قیامت کے دن تمہارے سامنے رکھ دیا جائے گا اور موت کا پیغام آتے ہی اپنے کرتوتوں کا حساب دینے کے لئے دھر لئے جاؤ گے —— اور یہ بھی یاد رکھو کہ تمہاری کوئی چال کارگر نہیں ہو سکتی اور اللہ پاک کے دین کا کچھ بگڑ نہیں سکتا، کیونکہ اللہ پاک کا جوابی داؤ تمہاری چالوں سے کہیں زیادہ تیز اور سریع الاثر ہے، وہ مجرم کی باگ چاہے کتنی ہی ڈھیلی چھوڑ دیں مگر پیمانۂ شرارت لبریز ہوتے ہی دفعۃً پکڑ کر گلا دبا دیتے ہیں۔

هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا كُنتُمْ فِي الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِم بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ وَفَرِحُوا بِهَا جَاءَتْهَا رِيحٌ عَاصِفٌ وَجَاءَهُمُ الْمَوْجُ مِن كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ لَئِنْ أَنجَيْتَنَا مِنْ هَٰذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ﴿٢٢﴾ فَلَمَّا أَنجَاهُمْ إِذَا هُمْ يَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلَىٰ أَنفُسِكُم ۖ مَّتَاعَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٢٣﴾

هُوَ الَّذِيْ	وہی (ہیں) جو	الْمَوْجُ	لہریں	فَلَمَّآ	پھر جب
يُسَيِّرُكُمْ(۱)	چلاتے ہیں تمہیں	مِنْ كُلِّ مَكَانٍ	ہر طرف سے	أَنْجٰىهُمْ	بچالیا ان کو (اللہ) نے
فِي الْبَرِّ	خشکی میں	وَظَنُّوْٓا	اور سمجھ لیا انھوں نے	إِذَا	(تو) فوراً ہی
وَالْبَحْرِ	اور دریا (میں)	أَنَّهُمْ	(کہ) یقیناً وہ	هُمْ	وہ
حَتّٰٓى إِذَا(۲)	پھر جب	أُحِيْطَ(۸)	گھیر لیا گیا	يَبْغُوْنَ(۱۳)	سرکشی کرنے لگے
كُنْتُمْ	ہوتے ہو تم	بِهِمْ	انہیں	فِي الْأَرْضِ	زمین میں
فِي الْفُلْكِ(۳)	کشتیوں میں	دَعَوُا(۹)	(تو) پکارنے لگے	بِغَيْرِ الْحَقِّ(۱۴)	ناحق
وَجَرَيْنَ	اور لے کر چلتی ہیں وہ	اللّٰهَ	اللہ پاک کو	يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ	اے لوگو!
بِهِمْ(۴)	انہیں	مُخْلِصِيْنَ(۱۰)	خالص کرتے ہوئے	إِنَّمَا	بس
بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ(۵)	بادموافق کے ذریعہ	لَهُ	اس کے لئے	بَغْيُكُمْ(۱۵)	تمہاری سرکشی
وَفَرِحُوْا	اور خوش ہوتے ہیں مسافر	الدِّيْنَ	بندگی کو	عَلٰٓى أَنْفُسِكُمْ(۱۶)	تمہارے ہی لئے وبال ہے
بِهَا	اس کی وجہ سے	لَئِنْ(۱۱)	قسم بخدا! اگر	مَتَاعَ(۱۷)	برت لو
جَآءَتْهَا(۶)	پہنچتی ہے اُسے	أَنْجَيْتَنَا	بچالیں آپ ہمیں	الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا	دنیاوی زندگانی (میں)
رِيْحٌ	ہوا	مِنْ هٰذِهٖ	اس (مصیبت) سے	ثُمَّ	پھر
عَاصِفٌ(۷)	تند	لَنَكُوْنَنَّ(۱۲)	تو ضرور ہوں گے ہم	إِلَيْنَا	ہماری طرف
وَجَآءَهُمُ	اور پہنچیں انھیں	مِنَ الشّٰكِرِيْنَ	حق شناس لوگوں میں سے	مَرْجِعُكُمْ	تمہیں لوٹنا ہے

(۱) چلانا یا چلانے کا سامان کرنا تَسْيِيْر ہے (۲) حَتّٰى ابتدائیہ ہے، جیسے حَتّٰى إِذَا فَشِلْتُمْ (آل عمران آیت ۱۵۲) میں ہے (۳) اَلْفُلْکُ میں مفرد اور جمع کا وزن ایک ہے اور یہاں جمع استعمال ہوا ہے (۴) جَرٰی بہ: لے چلنا (۵) یہ دونوں باسبیہ ہیں (۶) إِذَا کا جواب ہے اور ضمیر کا مرجع الفلک ہے (۷) عَاصِفٌ چور چور کر دینے والی ہوا (۸) فعل مجہول ہے اَحَاطَ بِہٖ گھیر لینا (۹) جَاءَ تْهَا سے بدل اشتمال ہے (۱۰) مُخْلِصٌ اسم فاعل ہے، اَخْلَصَ لَهُ القَوْلَ کھوٹ سے خالی کرنا یہ دَعَوُا کی ضمیر فاعل سے حال ہے۔ (۱۱) اللام موطئة لقسم مقدر (روح) (۱۲) جواب قسم ہے (۱۳) بَغْيٌ کے معنی سرکشی کے ہیں، جب فی الارض کے ساتھ کہا جائے تو اس سے مقصود وہ لوگ ہوتے ہیں جو دنیا کی دولت وطاقت کے گھمنڈ میں آکر ظلم وفساد کو اپنا شیوہ بنالیتے ہیں (۱۴) مضمون جملہ کی تاکید کے لئے لایا گیا ہے (۱۵) مبتداء ہے (۱۶) خبر ہے (۱۷) فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے أی: تَتَمَتَّعُوْنَ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الخ.

فَنُنَبِّئُكُمْ	سو ہم جتلائیں گے تمہیں	بِمَا	(وہ سب کچھ) جو	كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ	تم کیا کرتے تھے

توحید کی دلیل کے ساتھ مشرکین کا طرز عمل

پچھلی آیت میں آپ نے پڑھا کہ منکرین رسالت کے سامنے اللہ پاک وقتاً فوقتاً جو نشانیاں ظاہر فرماتے رہے، وہ اس کی ہزار تاویلیں کرتے رہے مگر کسی طرح ایمان نہ لائے —— اب یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ توحید کے دلائل کے ساتھ بھی ان کا یہی برتاؤ ہوتا ہے، وہ لوگ وقتی طور پر اگر چہ ان نشانیوں سے متأثر ہو جاتے ہیں مگر مستقل کوئی اثر قبول نہیں کرتے، جب تک پریشانیوں میں گھرے رہتے ہیں اللہ پاک یاد رہتے ہیں، مگر جوں ہی بلاؤں کے بادل چھٹتے ہیں کہ وہ اپنی پرانی چال چلنے لگتے ہیں۔ گویا کتے کی دم جب تک نلکی میں رہی سیدھی رہی لیکن جب نکلی تو ٹیڑھی نکلی! ارشاد فرماتے ہیں —— وہی (اللہ پاک) ہیں جنہوں نے تمہارے لئے خشکی اور دریا میں سفر کا سامان کیا ہے! —— طرح طرح کی سواریاں اور مختلف قسم کے اسباب سفر مہیا فرمائے ہیں —— پھر جب تم کشتیوں میں سوار ہوتے ہو اور وہ لوگوں کو بادِ موافق کے ذریعہ لے چلتی ہیں اور مسافر اس کی وجہ سے خوش ہوتے ہیں —— کہ کیا اچھی ہوا چل رہی ہے اور وہ ہنستے کھیلتے آرام سے چلے جاتے ہیں —— کہ (یکا یک) تند ہوا کے جھکڑ آنے لگتے ہیں —— یعنی وہ بادِ موافق ہی تیز ہو جاتی ہے یا بادِ مخالف چلنے لگتی ہے —— اور ہر طرف سے موجوں کے تھپیڑے لگنے شروع ہو جاتے ہیں، اور مسافر اچھی طرح سمجھ لیتے ہیں کہ طوفان میں گھر گئے، تو اللہ پاک کو خالص اعتقاد سے پکارنے لگتے ہیں: ''قسم بخدا! اگر آپ نے ہم کو اس بلا سے بچا لیا تو ہم ضرور شکر گزار بندے بن کر رہیں گے!'' —— یہ توحید کی وِجدانی دلیل ہے —— اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب تک اسباب سازگار رہتے ہیں انسان اللہ پاک کو بھولا اور دنیا کی زندگی پر پھولا رہتا ہے اور جب تک اسباب کا کوئی ادنیٰ سہارا بھی باقی رہتا ہے اس کا وجدان بیدار نہیں ہوتا اور ایک تنکے کا بھروسہ بھی اللہ پاک سے غافل کرنے کے لئے کافی ہو جاتا ہے، لیکن جہاں اسباب نے ساتھ چھوڑا اور وہ سب سہارے ایک ایک کر کے ختم ہوئے جن پر تکیہ تھا تو اچانک اسکا سویا ہوا وجدان بیدار ہو جاتا ہے اور خدا پرستی کا جوش پورے اخلاص کے ساتھ اسکے اندر ابھر آتا ہے اور وہ بے اختیار اللہ پاک کو پکار نے لگتا ہے اور اسکے دل سے یہ شہادت ابلنی شروع ہو جاتی ہے کہ اس سارے عالم اسباب پر اللہ پاک کی کارفرمائی ہے جو ہر طرح غالب و قادر ہیں اور ان کے سوا سارے رشتے، تمام بھروسے اور سب ہستیاں بے بس ہیں۔

قرآنِ پاک نے جا بجا توحید کی اس وجدانی دلیل کو بحری سفر کی مثال سے سمجھایا ہے، کیونکہ انسان کی بے بسی اور مایوسی کے لئے اس سے بہتر مثال نہیں ہو سکتی، لیکن اگر ہم غور کریں تو اس حالت کی مثالیں ہمیں خود اپنی زندگی میں ہر طرف مل جائیں گی —— کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ آپ بیمار ہوئے ہوں اور ڈاکٹروں نے جواب دے دیا ہو؟ یا کسی دوسری مصیبت

میں پھنسے ہوں اور دنیا کے سارے سہارے ہاتھ سے نکل گئے ہوں؟ اگر ایسا ہوا ہے تو یاد کرو اس وقت آپ کی خدا پرستی اور خدا پرستی میں اخلاص کا کیا حال ہوتا ہے؟ــــ لیکن پھر اس کے بعد کیا ہوتا ہے؟ کیا یہ حالت قائم رہتی ہے؟ نہیں! سنئے ــــ پھر جب اللہ پاک ان کو نجات دیدیتے ہیں تو وہ فوراً ہی زمین میں ناحق کی سرکشی کرنے لگتے ہیں ــــ یعنی جونہی ان کی ڈوبتی کشتی بھنور سے نکلی، اور ساحل مراد سے لگی کہ پھر وہی ان کی غفلتیں ہوتی ہیں، اور وہی سرکشیاں؟! ــــ اے لوگو! تمہاری یہ سرکشی تمہارے ہی لئے وبالِ جان ہے، دنیا کی زندگی کے چندروزہ مزے ہیں (جو تم لوٹ رہے ہو!) بالآخر تمہیں ہمارے پاس آنا ہے، پھر ہم تمہیں تمہارا کیا ہوا سب کچھ جتلا دیں گے! ــــ یعنی تمہیں اپنی شرارت کا خمیازہ خود بھگتنا پڑے گا، چندروز شرارتیں کر کے ــــ فرض کرو ــــ کچھ دنیا کا نفع حاصل کر بھی کرلیا تو کیا ہوا؟ آخر کار تمہیں اللہ پاک ہی کی طرف لوٹنا ہے، وہاں تمہارا سب کیا کرایا آگے آئے گا اور تمہیں وہاں جتلا دیا جائے گا کہ تمہارے کرتوت کیسے تھے؟

ملحوظہ: یہاں ایک خاص بات یہ یاد رکھنی چاہئے کہ توحید کی یہ وجدانی دلیل ان لوگوں کے لئے ہے جن کا وجدان غفلت کی نیند سویا ہوا ہے لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا وجدان مُردہ ہو چکا ہے، ان کے دلوں پر مُہر لگ چکی ہوتی ہے وہ جہاز کے طوفان میں گھر جانے کے وقت بھی خدائے واحد کو پکارنے کے بجائے غیر اللہ کو مدد کے لئے پکارتے ہیں کوئی یا غوث کی دہائی دیتا ہے، کوئی مولیٰ علیؓ کی صدا لگاتا ہے، کوئی شیخ سدو کو پکارتا ہے، کوئی کسی دیوی دیوتا کو یاد کرتا ہے ان لوگوں کی اس حالت سے آیت پاک کے مضمون پر کوئی حرف نہیں آتا، البتہ ان حضرات کی یہ زبوں حالی نوحہ کرنے کے قابل ہے۔

خاص خاص حالتوں میں جو خدا پرستی کا جذبہ ابھرتا ہے وہ ایمانی حالت نہیں، ایمانی حالت یہ ہے کہ مصیبت کی گھڑی ہو یا راحت وسرور کی، دل پر اللہ پاک کی یاد سے غفلت طاری نہ ہو!

إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ أَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْأَرْضِ مِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ وَالْأَنْعَامُ ۭ حَتّٰٓى إِذَآ أَخَذَتِ الْأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ أَهْلُهَآ أَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ ۙ أَتٰهَآ أَمْرُنَا لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَأَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْأَمْسِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝

إِنَّمَا مَثَلُ (۱)	بس حال	الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا	دنیا کی زندگانی (کا)	كَمَآءٍ	جیسے پانی

(۱) مَثَلُ مبتداء ہے اور كَمَآءٍ الخ خبر ہے۔

اَنْزَلْنٰهُ	اتارا ہم نے اس کو	اَخَذَتِ	لے لی	اَوْ نَهَارًا	یا دن (میں)
مِنَ السَّمَآءِ	آسمان سے	الْاَرْضُ	زمین (نے)	فَجَعَلْنٰهَا	پس کر ڈالا ہم نے اس کو
فَاخْتَلَطَ (۱)	پھر رَلا ملا نکلا	زُخْرُفَهَا (۵)	اپنی رونق	حَصِيْدًا (۸)	کٹی ہوئی کھیتی
بِهٖ (۲)	اس کی وجہ سے	وَازَّيَّنَتْ (۶)	اور بناؤ سنگھار کرلیا اس نے	كَاَنْ لَّمْ	گویا نہ
نَبَاتُ	سبزہ	وَظَنَّ	اور سمجھنے لگے	تَغْنَ (۹)	بستی تھی (وہاں)
الْاَرْضِ	زمین (کا)	اَهْلُهَآ	زمین والے	بِالْاَمْسِ (۱۰)	پہلے
مِمَّا (۳)	اس سے جو	اَنَّهُمْ	کہ وہ	كَذٰلِكَ	اسی طرح
يَاْكُلُ	کھاتے ہیں	قٰدِرُوْنَ	قابو پانے والے (ہیں)	نُفَصِّلُ	کھول کھول کر بیان
النَّاسُ	لوگ	عَلَيْهَآ	اس پر		کرتے ہیں ہم
وَالْاَنْعَامُ	اور جانور	اَتٰهَآ (۷)	(یکا یک) پہنچا اسے	الْاٰيٰتِ	نشانیاں
حَتّٰٓى (۴)	پھر	اَمْرُنَا	ہمارا حکم	لِقَوْمٍ	ان لوگوں کے لئے
اِذَآ	جب	لَيْلًا	رات (میں)	يَّتَفَكَّرُوْنَ	جو غور وفکر کرتے ہیں

دنیوی زندگی کی مثال جس کا انسان پرنشہ چڑھا ہوا ہے

پچھلی آیتِ شریفہ میں انسان کی جس سرکشی کا ذکر ہے اس کا اصلی سرچشمہ دنیوی زندگی کے سروسامان کا غرور ہے، اس لئے اب دنیا کی زندگی کی مثال بیان فرماتے ہیں کہ انسان پر جس دنیا کی زندگی کا نشہ چڑھا ہوا ہے اس —— دنیا کی زندگی کی مثال بس ایسی ہے جیسے ہم نے بادل سے پانی برسایا، پھر اس کی وجہ سے زمین کا وہ سبزہ رَلا ملا نکلا جسے آدمی اور جانور کھاتے ہیں—— یعنی ہر طرح کا سبزہ، اچھا برا، انسانوں کے کام کا یا جانوروں کے کھانے کا، ایک ساتھ ایک ہی جگہ

(۱) **الخلط هو الجمع بين اجزاء الشيئين فصاعدًا** (راغب) دو یا زیادہ چیزوں کو باہم رلا دینا خلط ہے۔ **اختلط بعضها ببعض فی تجاورها وتقاربها، علی کثرتها واختلاف انواعها** (المنار) (۲) باسببیہ ہے (۳) جملہ مِمَّا يَاْكُلُ حال ہے نبات سے (۴) حتّٰی ابتدائیہ ہے جیسے ابھی آیت ۲۲ میں گزرا (۵) **الزخرف: کمالُ حُسنِ الشيئِ، ومنه قيل للذهب زخرف** (التفسیر الواضح) (۶) اِزَّيَّنَتْ کی اصل تَزَيَّنَتْ ہے پہلے تاء کو زاء بنا کر زاء میں ادغام کیا، پھر سکون سے ابتداء محال ہونے کی وجہ سے ہمزۂ وصل بڑھایا۔ (۷) اَتٰهَا جواب ہے اِذَا کا (۸) **حَصِيْد بمعنی مَحْصُوْد ہے**، درانتی سے کٹی ہوئی کھیتی (۹) **غَنِيَ (س) غِنًى وَمَغْنًى بالمكان**: کسی جگہ قیام کرنا بسنا (۱۰) **الامس** کے معنی ہیں مطلق زمانۂ ماضی اور کل گذشتہ کے معنی میں اَمْسِ بغیر الف لام تعریف کے آتا ہے (المنار وحقانی)

اگ آیا اور باہم دگر مل کر بڑھنے لگا، اور ایک دوسرے کے ساتھ گتھ کر گنجان سبزہ زار تیار ہو گیا اور اس پر طرح طرح کے پھول کھل آئے —— پھر جب زمین نے اپنی رونق کا پورا حصہ لے لیا، اور اس نے خوب بناؤ سنگار کر لیا، اور اس کے مالک سمجھنے لگے کہ اب فصل ہمارے قابو میں ہے کہ یکا یک رات میں یا دن میں ہمارا حکم آ پہنچا اور ہم نے اسے اس طرح کاٹ کر ڈھیر کر دیا کہ گویا پہلے یہاں بستی ہی نہیں تھی —— کھیتی کھڑی ہی نہیں تھی، یعنی دنیا کی زندگی کی ساری کامرانیاں اور تمام دلفریبیاں بے ثبات اور ہنگامی ہیں، یہاں کی کسی چیز اور کسی حالت پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا کہ وہ ضرور ایسی ہی رہے گی۔

اول تو زندگی ہی چندروزہ ہے۔ پھر اس کا بھی ٹھکانا نہیں، صبح ہے تو شام نہیں، شام کو تھی تو صبح کو نہیں، پھر زندگی کے عیش وعشرت کی جتنی دلفریبیاں ہیں وہ بھی چار دن کی چاندنی ہیں، ایسی حالت میں اس سے بڑھ کر غفلت اور گمراہی کی اور کیا بات ہوسکتی ہے کہ انسان حق وراستی کی راہ چھوڑ کر سرکشی پر اتر آئے، اور کس چیز کے بھروسے پر؟ اس زندگی کے سروسامان اور اقتدار کے بھروسہ پر، جسے چند لمحوں کے لئے بھی قطعی اور برقرار نہیں کہا جاسکتا —— اس کی مثال تو بالکل ایسی ہے جیسے آسمان سے پانی برستا ہے، جس کی وجہ سے ہر قسم کا سبزہ رلا ملا اگ آتا ہے اور زمین لہلہانے لگتی ہے، طرح طرح کی پتیوں اور پھولوں سے پررونق اور مزین ہو جاتی ہے، دُلہن بن جاتی ہے، پیا سمجھتا ہے کہ اب سہاگن میرے بس میں ہے اور اس سے پورا فائدہ اٹھانے کا وقت آ گیا ہے کہ اچانک کوئی حادثہ پیش آ جاتا ہے، بگولا آ جاتا ہے، اولا پڑ جاتا ہے، ٹڈی دل پہنچ جاتا ہے، برف گر جاتا ہے، پالا مار جاتا ہے، یا سیل رواں بہالے جاتا ہے اور ساری فصل اس طرح تباہ ہو جاتی ہے کہ گویا کبھی یہاں ایک تنکا بھی نہ اگا تھا، نام ونشان مٹ جاتا ہے —— ٹھیک اسی طرح دنیا کی زندگی کی مثال سمجھ لو، وہ چاہے کتنی ہی حسین اور تروتازہ نظر آئے مگر اس کی رونق اور دل ربائی پر مفتون ہو کر اصل حقیقت کو فراموش نہ کرو، کیونکہ دنیا کی یہ شادابی اور زینت چندروزہ ہے جو بہت جلد فنا ہونے والی ہے۔

قرآن پاک انسان کی غفلت کو دور کرنا چاہتا ہے وہ دنیا اور اس کی کامرانیوں سے نہیں روکتا، مگر غرور باطل اور بے جا انہماک کی راہیں بند کر دینا چاہتا ہے، کیونکہ انفرادی اور اجتماعی زندگی کے سارے فتنوں کی جڑ اور اصل سرچشمہ یہی غرور باطل ہے اس لئے قرآن پاک طرح طرح سے دنیا کی اصل حقیقت انسان کو سمجھاتا ہے، فرماتے ہیں —— اس طرح ہم نشانیاں کھول کر بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو غور وفکر کرنے والے ہیں —— اور صحیح غور وفکر کے ذریعہ سراغ پالینے والے ہیں، کیونکہ انسانی غفلت کا عجیب حال ہے، کوئی نہیں جو دنیا کی حقیقت سے بے خبر ہو، مگر کوئی نہیں جو اس غرور باطل کی سرگرانیوں سے اپنی نگہداشت کر سکے! رات ہی رات طاری ہے انسان کے ادراک پر:

عقل کے میدان میں ظلمت کا ڈیرا ہی رہا ❁ دل میں تاریکی، دماغوں میں اندھیرا ہی رہا

رات غفلت کا وقت ہے اور دن میں لوگ عموماً بیدار ہوتے ہیں مگر جب خدائے پاک کا حکم آ پہنچتا ہے تو پھر چاہے سوتا ہو یا جاگتا، غافل ہو یا بیدار، کوئی شخص کسی حال میں ہو اس کو روک نہیں سکتا ـــــ اس لئے فرمایا: ''یکا یک رات میں یا دن میں''

غور فرمائیے! زمین اور کھیتی کا جو حال ہے ٹھیک وہی حال انسانوں کا بھی ہے۔ اللہ پاک روح اتارتے ہیں اور حیات بخشتے ہیں، پھر ہر طرح کے انسان، جنت کے مہمان اور جہنم کے ایندھن رلے ملے وجود میں آ جاتے ہیں اور اچھے برے ہر قسم کے لوگوں سے زمین خوب آباد ہو جاتی ہے، تمدنی ترقیاں اور دنیا کی دل فریبیاں بام عروج پر پہنچ جاتی ہیں اور دنیا کا بندہ سمجھنے لگتا ہے کہ بس یہ دنیا یوں ہی چلتی رہے گی اور ہم ہر طرح اس پر قابو پا چکے ہیں، اور اس کے غرور کا پارہ بے حد چڑھ جاتا ہے کہ اچانک حکم خداوندی آ پہنچتا ہے اور انسانوں کی آبادیاں کی آبادیاں اور پوری پوری امتیں اس طرح ملیا میٹ کر دی جاتی ہیں کہ کوئی نام لینے والا بھی باقی نہیں رہتا۔

وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ۭ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ۭ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَاۗءُ سَيِّئَةٍۢ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۭ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

وَاللّٰهُ (۱)	اور اللہ پاک	اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ	سلامتی کے گھر کی طرف	مَنْ	جس کی
يَدْعُوْٓا (۲)	بلاتے ہیں	وَيَهْدِيْ	اور راہنمائی کرتے ہیں	يَّشَاۗءُ	چاہتے ہیں

(۱) اَللّٰهُ مبتداء ہے، يَدْعُو خبر ہے، يَهْدِيْ معطوف ہے يدعوا پر اور مَن يشاء مفعول ہے يهدى کا (۲) يَدْعُوْا فعل مضارع واحد مذکر غائب ہے، اس کے آخر میں واوٴ جمع کا نہیں ہے بلکہ مادہ کا ہے، دَعَا يَدْعُوْ (ن) دُعَاءً: پکارنا ـــ لیکن چونکہ یہ واوٴ آخر کلمہ میں ہونے کی وجہ سے جمع کے واوٴ کے مشابہ ہے اس لئے قرآنی رسم الخط میں اس کے بعد الف لکھا جاتا ہے (نثر المرجان، ج۱ص۳۰۳)

اِلٰی صِرَاطٍ	طرف راہ	فِيْهَا	اس میں	مِنْ عَاصِمٍ (۹)	کوئی بچانے والا
مُّسْتَقِيْمٍ	راست (کے)	خٰلِدُوْنَ	ہمیشہ رہنے والے ہیں	كَاَنَّمَآ	گویا
لِلَّذِيْنَ (۱)	انہیں کے لئے جنھوں نے	وَالَّذِيْنَ (۶)	اوران لوگوں کے لئے	اُغْشِيَتْ	اوڑھا دیئے گئے ہیں
اَحْسَنُوا	نیکی کی		جنھوں نے	وُجُوْهُهُمْ	ان کے منہ
الْحُسْنٰى	بھلائی ہے	كَسَبُوا	کمائی	قِطَعًا (۱۰)	ٹکڑے
وَزِيَادَةٌ (۲)	اور بہت کچھ زائد	السَّيِّاٰتِ	برائیاں	مِّنَ الَّيْلِ (۱۱)	شب
وَلَا يَرْهَقُ (۳)	اور نہ ڈھانکے گی	جَزَآءُ	بدلا ہے	مُظْلِمًا (۱۲)	تار (کے)
وُجُوْهَهُمْ (۴)	ان کے چہروں کو	سَيِّئَةٍ	برائی (کا)	اُولٰٓئِكَ	یہی لوگ
قَتَرٌ (۵)	کسی قسم کی سیاہی	بِمِثْلِهَا	اسی کے مانند	اَصْحٰبُ النَّارِ	دوزخی (ہیں)
وَّلَا ذِلَّةٌ	اور نہ کسی قسم کی رسوائی	وَتَرْهَقُهُمْ	اور ڈھانکے گی ان کو	هُمْ	وہ
اُولٰٓئِكَ	یہی لوگ	ذِلَّةٌ (۷)	بڑی رسوائی	فِيْهَا	اس میں
اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ	جنتی (ہیں)	مَا لَهُمْ	نہیں ان کے واسطے	خٰلِدُوْنَ	ہمیشہ رہنے والے ہیں
هُمْ	وہ	مِّنَ اللّٰهِ (۸)	اللہ پاک کے سوا	❁	❁

آخرت کی زندگی کے احوال

پچھلی آیت میں دنیا کی زندگی اور اس کی ناپائیداری کی مثال بیان ہوئی ہے، اب ان آیاتِ پاک میں اس کے

(۱) للذین خبر مقدم ہے اور الحسنی مبتداء مؤخر ہے اور خبر کو حصر پیدا کرنے کے لئے مقدم کیا گیا ہے۔(۲) التنوین للتعظیم، والعطف علی الحسنی (۳) رَهِقَ (س) رَهَقًا السَّفَرُ: قریب ہونا، وقت آنا وَرَهِقَهُ الشیئُ: غشیه وغلب علیه حتی غطاه وحجبه (المنار) یعنی ڈھانک لینا، چھا جانا (۴) وجوههم مفعول مقدم ہے والتقدیم للاهتمام (روح) (۵) القتر: گردوغبار، سیاہ دھواں والتنوین للتقلیل. (۶) پہلے الذین پر عطف ہے اور خبر مقدم ہے اور جَزَاءُ مبتداء مؤخر ہے اور بِمِثْلِهَا متعلق ہے جزاء سے (۷) التنوین للتعظیم (۸) من الله متعلق ہے عاصم سے (۹) مِنْ زائدة لتعمیم النفی (روح) (۱۰) قِطَعًا جمع ہے قطعة کی اور اُغْشِيَتْ کا مفعول ثانی ہے، اس کا پہلا مفعول نائب فاعل بن گیا ہے (۱۱) لام تعریف کا حروف شمسی (جو چودہ ہیں اور جن میں خود لام بھی ہے) میں ادغام ہوتا ہے لیکن رسم الخط میں علحدہ باقی رہتا ہے مگر الذی اور التی اور ان کے مشتقات میں رسم الخط میں بھی مدغم ہوجاتا ہے۔ اَلیْلُ قرآنی رسم الخط میں الذی کے ساتھ ملحق ہے اس لئے لام مدغم ہوگیا ہے (۱۲) مظلمًا حال ہے اللیل سے اور اسم فاعل ہے باب افعال سے۔

بالمقابل آخرت کی زندگی اور اس کے احوال بیان کئے جاتے ہیں —— یاد کیجئے ایک شیطان ہے جو دنیا کی زندگی اور اس کی خواہشات کی طرف دعوت دیتا ہے، وہ دنیا کی بہاریں دکھلا کر خواہشاتِ نفسانی کے جال میں پھنساتا ہے —— اور اللہ پاک سلامتی کے گھر کی طرف بلاتے ہیں۔اور جو ہدایت یاب ہونا چاہتے ہیں انھیں سیدھی راہ پر لگاتے ہیں—— ''سلامتی کا گھر'' جنت ہے جہاں کے رہنے والے ہر قسم کے رنج وغم، پریشانی، تکلیف، نقصان، آفت اور فنا وزوال سے محفوظ رہیں گے، وہاں فرشتے ان کو سلام کریں گے اور خود اللہ پاک رب العزت کی طرف سے تحفۂ سلام پہنچے گا—— اللہ پاک جل شانہ اس گھر کیلئے دعوتِ عام دے رہے ہیں، پس خوش نصیب ہے وہ جو لبیک کہے اور اس کی تیاری میں مشغول ہو جائے، کیونکہ آج اس دعوت عام کو قبول کرنے کا وقت ہے، اس دنیا کی عمر کو ضائع کرنے کے بعد کل قبر میں پہنچ کر لبیک پکارنے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا!

نبی پاک ﷺ کی خدمتِ مبارکہ میں فرشتے حاضر ہوئے۔آپؐ سے کہا گیا کہ سو جائیں مگر کان متوجہ رہیں اور دل سمجھتا رہے! چنانچہ آپؐ سر کی آنکھوں سے تو سو گئے مگر کان برابر متوجہ رہے اور دل خوب سمجھتا رہا۔ان میں سے ایک فرشتہ نے کہا—— سردار نے ایک گھر بنایا پھر اس میں ایک دستر خوان لگایا اور ایک بلانے والا بھیجا، سو جس نے بلانے والے کی بات مان لی اور گھر میں آیا اس نے خوان نعمت سے کھایا اور سردار کی خوشنودی کا سزاوار بنا، لیکن جس نے بلانے والے کی بات نہ مانی اور گھر میں نہ آیا اسے نہ صرف یہ کہ کھانا نہ ملا بلکہ سردار کی طرف سے لتاڑ پڑی—— یہ سردار اللہ پاک جل شانہ ہیں بلانے والے نبی پاک ﷺ ہیں، وہ گھر دین اسلام ہے اور خوان نعمت جنت ہے[1]—— جن لوگوں نے نیک کام کئے ہیں انہیں کے لئے بھلائی ہے اور بہت کچھ زائد بھی—— اور جو لوگ خوابِ خرگوش میں مبتلا ہیں ان کے لئے وہاں حسرت کے سوا کچھ نہیں! سب سے بڑی نیکی ایمان پر، پھر عمل صالح پر جو لوگ قائم رہے ہیں ان کو ان کے عمل کا عمدہ اور بہتر بدلہ ملے گا، اور صرف بدلہ ہی نہیں بلکہ بدلہ سے کچھ زیادہ بھی—— وہاں نیکی کا بدلہ کم از کم دس گنا تو ملے ہی گا سات سو گنا بلکہ زائد بھی ملے گا—— وہاں حق تعالیٰ کی رضا اور ان کا دیدار بھی نصیب ہوگا اور یہ دیدار ''بہت کچھ زائد'' کا مصداق ہے۔حضرت صہیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے یہ آیتِ شریفہ پڑھی اور فرمایا کہ ''جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں داخل ہو چکیں گے تو ایک پکارنے والا پکارے گا: اے جنت والو! تمہارے لئے ایک وعدہ اللہ پاک کا باقی ہے جسے اب وہ پورا کرنا چاہتے ہیں''۔جنتی کہیں گے کہ وہ کیا ہے؟ کیا اللہ پاک نے اپنے فضل سے ہماری نیکیوں کا پلہ بھاری نہیں کر دیا؟! کیا انھوں نے ہمارے چہروں کو نوارنی نہیں بنا دیا؟ کیا دوزخ سے بچا کر جنت جیسے پر بہار

(۱) رواه الدارمی عن رَبِيعَة الجُرَشِي ورواه الإمام البخاری عن جابر رضی الله عنه بمعناه.

مقام میں نہیں پہنچادیا؟ (جب یہ سب کچھ ہو چکا تو اب آگے کون سی چیز باقی رہ گئی ہے؟) یکا یک حجاب (پردہ) اٹھادیا جائے گا اور جنتی اللہ پاک جل شانہ کا دیدار کریں گے۔ قسم بخدا! اب تک جو جو نعمتیں انہیں عطا ہوئی ہیں ان میں سے کوئی نعمت دیدار خداوندی کی نعمت سے زیادہ محبوب نہ ہوگی، نہ اس سے بڑھ کر کوئی چیز ان کی آنکھیں ٹھنڈی کر سکے گی[1] —— ان کے چہروں پر نہ کالک لگے گی نہ ذلت چھائے گی! —— وہاں سیاہی اور رسوائی کیسی؟ وہاں تو نور ہی نور اور رونق ہی رونق ہوگی، وہاں مؤمنوں کے لئے سرخ روئی اور شادمانی ہوگی —— یہی لوگ جنتی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں —— ان کے بالمقابل جہنم والوں کا حال سنئے —— اور جن لوگوں نے برائیاں کمائیں انہیں کے لئے ہے برائی کا بدلہ اسی کے مثل —— یعنی برائی کا بدلہ برا لیکن برابر سرابر ہوگا کیونکہ جو بیری بوئے وہ انگور کہاں سے کھائے؟ جن لوگوں نے اس دنیا میں برے کام کئے ہیں وہاں ان کو اس کا بدلہ بھی ویسا ہی ملے گا، البتہ اس میں کوئی زیادتی نہ ہوگی، ملنے والا بدلہ ان کی بدی سے زائد نہ ہوگا، البتہ کم سزا دیں یا بالکل معاف کردیں تو وہ اللہ پاک کا فضل ہے —— اور ان پر خواری چھا جائے گی —— اور ان کے چہرے سیاہ پڑ جائیں گے —— اللہ پاک کے عذاب سے انہیں کوئی بچانے والا نہیں، گویا ان کے چہروں پر اندھیری رات کے پرت لپیٹ دئے گئے ہیں! —— یعنی ان کے چہرے اس قدر سیاہ اور تاریک ہوں گے، گویا اندھیری رات کی تہیں ان پر جمادی گئی ہیں —— یہ وہ تاریکی ہے جو مجرموں کے چہروں پر پکڑے جانے اور بچاؤ سے مایوس ہوجانے کے بعد چھا جاتی ہے —— یہی لوگ دوزخی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ أَنْتُمْ وَشُرَكَاؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ ۖ وَقَالَ شُرَكَاؤُهُمْ مَا كُنْتُمْ إِيَّانَا تَعْبُدُونَ ﴿٢٨﴾ فَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ إِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغَافِلِينَ ﴿٢٩﴾ هُنَالِكَ تَبْلُو كُلُّ نَفْسٍ مَا أَسْلَفَتْ ۚ وَرُدُّوا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقِّ ۖ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٣٠﴾ ع

وَيَوْمَ[2]	اور (ہر شخص جانچ لے گا اس دن) جس دن	نَحْشُرُهُمْ[3] جَمِيعًا[4]	جمع کریں گے ہم ان کو سب کو اکٹھا	ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ	پھر کہیں گے ہم ان لوگوں سے جنھوں نے

(۱) أخرجه مسلم والترمذی وابن ماجه والامام احمد وغیرهم رحمهم الله تعالی. (۲) عامل تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ محذوف ہے جس کا قرینہ آئندہ آنے والا تَبْلُوْا ہے اور يَوْمَ مابعد کی طرف مضاف ہے (۳) ضمیر نَحْشُرُهُمْ لکلا الفریقین من الذین أحسنو الحسنی، والذین کسبوا السیئات (روح) (۴) حالٌ من ضمیر هم.

اَشْرَكُوْا	شریک کیا (اللہ پاک	اِيَّانَا[۵]	ہماری	كُلُّ نَفْسٍ	ہر نفس
	کے ساتھ)	تَعْبُدُوْنَ	عبادت کرتے	مَّآ	(اس کا) جو
مَكَانَكُمْ[۱]	لازم پکڑو اپنی جگہ	فَكَفٰى بِاللّٰهِ[۶]	سو کافی ہے اللہ پاک	اَسْلَفَتْ	آگے بھیجا اس نے
اَنْتُمْ[۲]	تم	شَهِيْدًاۢ[۷]	گواہ	وَرُدُّوْٓا	اور پھیرے جائیں گے وہ
وَشُرَكَآؤُكُمْ	اور تمہارے (خودساختہ)	بَيْنَنَا	ہمارے درمیان	اِلَى اللّٰهِ	اللہ پاک کی طرف
	شریک	وَبَيْنَكُمْ	اور تمہارے درمیان	مَوْلٰىهُمُ	(جو) انکے مالک ہیں
فَزَيَّلْنَا[۳]	پس ہم جدائی کردیں گے	اِنْ كُنَّا[۸]	یقیناً تھے ہم	الْحَقِّ	حقیقی (سچے)
بَيْنَهُمْ[۴]	ان کے درمیان	عَنْ عِبَادَتِكُمْ[۹]	تمہاری زندگی سے	وَضَلَّ	اور گم ہوجائے گا
وَقَالَ	اور کہیں گے	لَغٰفِلِيْنَ[۱۰]	بے خبر	عَنْهُمْ	ان سے
شُرَكَآؤُهُمْ	ان کے شریک	هُنَالِكَ[۱۱]	وہاں	مَّا	(وہ سب کچھ) جو
مَّا كُنْتُمْ	نہیں تھے تم	تَبْلُوْا	امتحان کرلے گا	كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ	وہ تراشا کرتے تھے

قیامت کے دن ہر شخص کے اعمال کی جانچ ہوگی

پچھلی آیتوں میں اچھے اور برے کام کرنے والوں کا اخروی انجام بیان ہوا ہے۔ لیکن کون ہے وہ جو اس دنیا میں تسلیم کرتا ہے کہ وہ برے کام کررہا ہے؟ ہر شخص اس خیال میں مگن ہے کہ وہی سب سے اچھے کام کررہا ہے، دوسرے کے بارے میں وہ چاہے جو کچھ بھی فیصلہ کرے مگر خود اپنے متعلق مشکل ہی سے کوئی فیصلہ کرے گا کہ وہ غلط کام کررہا ہے — پھر یہ مشکل اس وقت سوا ہوجاتی ہے جب فیصلہ دینی کاموں کے بارے میں کرنا ہو، جنھیں مذہب کا مطالبہ سمجھ کر کیا گیا ہو، ہر شخص اپنے ہی مذہب کو صحیح مانتا ہے اور اپنے ہی کاموں کو اللہ پاک کی مرضی کے مطابق جانتا ہے، اور دوسروں کے بارے میں دوٹوک فیصلہ کرتا ہے کہ وہ گمراہ ہے — اس لئے اب ان آیاتِ پاک میں بتلایا جاتا ہے کہ تم اپنے کاموں کے متعلق

---

(۱) درحقیقت فعل محذوف کا مفعول فیہ ہے أی: **الزموا مکانکم** اور اب اس فعل کے قائم مقام ہے (۲) **اَنْتُمْ** تاکید ہے ضمیر کم کی (۳) **زَيَّلَهُ تَزْيِيلاً**: متفرق کرنا، جدا کرنا، مجرد: **زَالَ يَزَالُ زَيْلاً**، ہٹانا علاحدہ کرنا (۴) ضمیر (**بَيْنَهُمْ**) **لكلا الفريقين كما تقدم**. (۵) **اِيَّانَا** مفعول مقدم ہے (۶) **الباء للصلة** (۷) **شهيدًا** تمیز ہے (۸) **اِنْ** مخففہ **من المثقلہ** ہے (۹) **غافلين** سے متعلق ہے (۱۰) لام فارقہ ہے، **اِنْ** مخففہ اور **اِنْ** نافیہ میں امتیاز کرنے کے لئے **اِنْ** مخففہ کے ساتھ لایا جاتا ہے (۱۱) **قوله هنالک تبلوا الخ اعتراض فی أثناءِ، المقررُ لمضمونها** (روح البیان)

یہاں جو چاہو خیال باندھے رہو مگر ایک وقت آ رہا ہے جب ان کی پوری جانچ ہو جائے گی، ارشاد فرماتے ہیں — اور (اس دن ہر شخص اپنے کیے ہوئے کام جانچ لے گا) جس دن ہم ان (نیک کام کرنے والوں اور برائیاں کمانے والوں) کو سب کو یک جا جمع کریں گے — یعنی میدان محشر میں جس طرح برائیاں کرنے والوں کو جمع کیا جائے گا، اچھے کام کرنے والوں کو بھی جمع کیا جائے گا، اللہ پاک کے مقبول ترین بندے، انبیاء اور اولیاء تک وہاں جمع کیے جائیں گے — اور وہ سب وہاں باہم رَلے مِلے ہوں گے جس طرح اس دنیا میں ملے جلے رہتے ہیں — پھر ہم ان لوگوں سے کہیں گے جنھوں نے (اللہ پاک کے ساتھ کسی کو) شریک کیا ہے کہ "تم اور تمہارے شریک (میدان محشر میں) اپنی اپنی جگہ سے بالکل نہ ہلو!" — ان سے کہا جائے گا ﴿ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴾ اے گناہ گارو! آج تم (مؤمنوں سے) الگ ہو جاؤ — سو ہم ان (نیک کام کرنے والوں اور برائیاں کمانے والوں) کے درمیان جدائی کر دیں گے [1] — یعنی میدانِ محشر میں مؤمنوں کو مشرکوں سے الگ کر دیا جائے گا اور اچھے کام کرنے والوں کو اور برے کام کرنے والوں کو الگ الگ چھانٹ دیا جائے گا۔

مقبول بندے جو معبود بنائے گئے ہیں وہ مشرکوں سے الگ ہو جائیں گے:

اللہ پاک کے حکم کے مطابق مشرکوں کے معبودوں کو اپنے پرستاروں کے حلقہ میں ہونا چاہئے لیکن اللہ پاک کے جو مقبول بندے معبود بنائے گئے ہیں مثلاً وہ فرشتے جن کو دنیا میں دیوی دیوتا قرار دے کر پوجا گیا ہے یا وہ انبیاء، اولیاء اور شہداء جن کو خدائی صفات میں شریک ٹھہرا کر ان کے ساتھ وہ معاملہ کیا گیا ہے جس کے درحقیقت اللہ پاک مستحق ہیں وہ سب حضرات مشرکوں کا ساتھی ہونا پسند نہیں کریں گے، چنانچہ وہ مشرکوں سے الگ ہو کر مؤمنوں کے گروہ میں جا شامل ہوں گے، مشرکین ان سے کہیں گے کہ ہم تو زندگی بھر تمہاری بندگی اس امید پر کرتے رہے کہ تم ہماری سفارش کرو گے، اب آڑے وقت تم ہمیں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو؟ اس وقت اللہ کے وہ مقبول بندے جو جواب دیں گے اس سے مشرکوں کی تمام امیدوں پر پانی پھر جائے گا۔ سنئے — اور ان کے شریک کہیں گے: تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے — یعنی ہمارا تم سے کوئی واسطہ نہیں، تم گو نام ہمارا لیتے تھے لیکن درحقیقت ہمیں نہیں پوجتے تھے بلکہ اپنی خواہش نفس کے پجاری تھے یا پھر شیطان کی بندگی کرتے تھے — سو ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ پاک کی گواہی کافی ہے — وہ جانتے ہیں کہ تم نے ہماری بندگی نہیں کی — اور آج فیصلہ فرمانے والے خود اللہ پاک ہیں، پھر جب وہ اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں تو ہمیں کوئی اور گواہ پیش کرنے کی حاجت کیا ہے؟ — ہم تمہاری بندگی سے یک قلم بے خبر تھے — اور اس کے شاہد

(۱)(فَزَيَّلْنَا) مَيَّزْنَا (بَيْنَهُمْ) وبين المؤمنين (جلالين شريف)

بھی اللہ پاک ہیں کہ ہمیں تو خبر تک نہ تھی کہ تم ہماری عبادت بجالا رہے ہو، تمہاری کوئی دعا کوئی پکار، کوئی نذر و نیاز، ہمارے نام کی کوئی تسبیح، سجدہ ریزی، آستانہ بوسی یا درگاہ گردی ہم تک نہیں پہنچی —— جب یہ منظر آنکھیں دیکھیں گی اور یہ جواب کان سنیں گے اور سارے نیک کام کرنے والے الگ ہو جائیں گے اور برے کام کرنے والے تنہا رہ جائیں گے اور جن کی سفارش کے بھروسے پر ان کو پوجتے تھے وہ ان سے بیزاری ظاہر کریں گے تو —— اس دن ہر آدمی اپنے کئے ہوئے کاموں کی جانچ کرلے گا —— اور خود ہی فیصلہ کرلے گا کہ کون تھا وہ جس نے نیک کام کئے ہیں، اور کس کے کام اللہ پاک کی مرضی کے مطابق ہیں —— اور وہ (مقبول بندے) اللہ پاک کی طرف لوٹائے جائیں گے جو ان کے حقیقی مالک ہیں —— یعنی وہ مقبول بندے نہ خدا ہیں نہ اللہ پاک کی خدائی میں شریک ہیں بلکہ وہ اللہ پاک کے نہایت فرمانبردار بندے ہیں اور اللہ پاک ہی انکے حقیقی مالک ہیں —— وہ مشرکوں سے الگ ہوکر مومنین سے جا ملیں گے —— اور ان (شرک کرنے والوں) سے وہ سب کچھ کھویا جائے گا جو وہ تراشا کرتے تھے —— ﴿وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ﴾ (اور اس وقت اہل باطل خسارہ میں رہ جاویں گے!) اور انھیں روز روشن کی طرح معلوم ہو جائے گا کہ زندگی کی شب دیجور (دنیا) میں عشق و عبادت کی پینگیں کس سے لڑا کیں؟

بوقت صبح شود، ہمچوروز معلومت ❁ کہ با کہ باختہ ای عشق در شبِ دَیجور [(۱)]

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ مَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۱﴾ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚۖ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿۳۲﴾ كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾

قُلْ مَنْ	آپ پوچھئے: کون	وَالْاَرْضِ	اور زمین سے؟	السَّمْعَ	سماعت کا
يَّرْزُقُكُمْ	تمہیں روزی دیتا ہے	اَمَّنْ [(۲)]	یا کون	وَ الْاَبْصَارَ	اور آنکھوں کا؟
مِّنَ السَّمَآءِ	آسمان سے	يَّمْلِكُ	مالک ہے	وَ مَنْ يُّخْرِجُ	اور کون نکالتا ہے

(۱) جب صبح ہوگی تو تجھے دن کی طرح معلوم ہو جائے گا ÷ کہ رات کی تاریکی میں تو نے کس کے ساتھ عشق بازی کی تھی؟ (۲) یہ دو لفظ ہیں اَمْ اور مَنْ —— وأم منقطعة بمعنى بل، والاضراب انتقالى لا ابطالى (روح

الْحَيَّ	زندہ (کو)	فَقُلْ	پس آپ فرمائیے	إِلَّا الضَّلٰلُ	بجز گمراہی کے؟
مِنَ الْمَيِّتِ	مردے سے؟	اَفَلَا	کیا پھر (بھی) نہیں	فَاَنّٰى	پھر کہاں
وَيُخْرِجُ	اور (کون) نکالتا ہے	تَتَّقُوْنَ (۲)	ڈرتے تم؟	تُصْرَفُوْنَ	پھیرے جاتے ہو تم؟
الْمَيِّتَ	مردے (کو)	فَذٰلِكُمُ (۳)	پس یہی	كَذٰلِكَ حَقَّتْ	اسی طرح صادق آ گیا
مِنَ الْحَيِّ	زندہ سے؟	اللّٰهُ	اللہ پاک	كَلِمَتُ	ارشاد
وَمَنْ	اور کون	رَبُّكُمُ	تمہارے پروردگار ہیں	رَبِّكَ	تیرے پالنہار کا
يُّدَبِّرُ	انتظام کرتا ہے	الْحَقُّ	حقیقی (سچے)	عَلَى الَّذِيْنَ	ان لوگوں پر جنھوں نے
الْاَمْرَ	تمام کاموں کا؟	فَمَاذَا	پھر کیا (رہا)	فَسَقُوْٓا	نافرمانی کی
فَسَيَقُوْلُوْنَ	سو بول اٹھیں گے وہ	بَعْدَ	بعد	اَنَّهُمْ (۴)	(کہ) وہ یقیناً
اللّٰهُ (۱)	اللہ پاک!	الْحَقِّ	حق (کے)	لَا يُؤْمِنُوْنَ	ایمان نہیں لائیں گے

توحید ربوبیت سے توحید الوہیت پر استدلال

خیر اس بات کا عملی اور مشاہداتی فیصلہ تو قیامت کے دن ہوگا کہ کون اچھے کام کرنے والا تھا اور کون غلط راہ چل رہا تھا جیسا کہ ابھی پچھلی آیتوں میں آپ نے پڑھا، البتہ علمی فیصلہ دلیلوں سے ابھی یہیں کئے دیتے ہیں —— ان سے پوچھو، وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے؟ —— آسمان کی طرف سے بارش کون برساتا ہے؟ چاند سورج اور ستاروں کی دھوپ اور روشنی زمین تک کون پہنچاتا ہے؟ زمین میں روئیدگی (اگانے) کی صلاحیت کس نے پیدا کی ہے؟ زمین کی بخشائشوں کے ذریعہ تمہیں روزی کون دیتا ہے؟ —— یا وہ کون ہے جس کے قبضہ میں تمہاری سماعت اور آنکھیں ہیں؟ —— کہ جب چاہتا ہے ان میں شنوائی اور بینائی پیدا کر دیتا ہے اور جب چاہتا ہے اسے چھین لیتا ہے —— اور وہ کون ہے جو زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے —— یعنی نیست سے ہست کرتا ہے اور عدم کا پردہ چیر کر صفحۂ وجود پر مخلوقات کو جلوہ گر کرتا ہے اور ایک چیز سے اس کی ضد پیدا کرتا ہے —— اور (وہ کون ہے جو) مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے؟ —— یعنی ہست کو نیست کرتا ہے، موجود چیز کا وجود چھین کر اسے پردۂ عدم میں چھپا دیتا ہے۔ یعنی وہ ضدین پر مساوی قدرت رکھتا ہے؟ —— اور وہ کون ہے جو تمام کارخانۂ ہستی کا انتظام کرتا ہے؟ —— اگر

(۱) اَللّٰهُ مبتداء، اور خبر محذوف ہے أی: اللّٰه یفعل ذلک (۲) تَتَّقُوْنَ کا مفعول محذوف ہے (۳) فَذٰلِكُم مبتداء ہے اور اللّٰهُ اس کی صفت (مشار الیہ) ہے اور رَبُّكُمْ خبر ہے اور اَلْحَقُّ خبر کی صفت ہے (۴) جملہ انھم الخ بدل ہے کلمت سے۔

آپ یہ باتیں ان لوگوں سے پوچھیں ــــ تو وہ بول اٹھیں گے کہ: ''اللہ پاک!'' ــــ یہ سب کام کرتے ہیں ــــ اب آپ فرمایئے کہ: ''کیا پھر بھی تم (شریک کرتے ہوئے) ڈرتے نہیں؟ ــــ کیونکہ جب یہ سارے کام اللہ پاک کے ہیں جیسا کہ تم خود مانتے ہو، تو تمہارے حقیقی پروردگار، مالک، آقا اور تمہاری بندگی اور عبادت کے حق دار وہی ہیں یہ دوسرے جن کا ان کاموں میں کوئی حصہ نہیں آخر خدائی میں کہاں سے شریک ہوگئے؟ ــــ تو (خلاصہ یہ کہ) یہی اللہ پاک تمہارے حقیقی پروردگار ہیں ــــ یہ ''توحیدِ ربوبیت'' سے ''توحید الوہیت'' پر استدلال ہے، مشرکوں سے پانچ ایسے سوالات کئے ہیں جن سے دوٹوک فیصلہ ہوجاتا ہے کہ صرف اللہ پاک ہی پروردگار ہیں، وہی جلاتے ہیں، وہی مارتے ہیں، وہی ساری قوتیں انسان کو بخشتے ہیں، وہی تمام عالم کا انتظام فرماتے ہیں، وہی انسان کے لئے روزی مہیا فرماتے ہیں اور کوئی نہیں جو یہ کام کرتا ہو یا ان کاموں کے کرنے میں کم از کم حصہ دار ہو، اور معبود صرف وہی ذات ہوسکتی ہے جو پروردگار، پالنہار اور رب ہو، اس لئے لازماً معبود بھی صرف انہی کی ذات ہے ــــ پھر حق کے بعد بجز گمراہی کے کیا رہ گیا؟ پھر تم کدھر پھرائے جارہے ہو؟ ــــ یعنی حق وہ ہے جو ہم نے واضح کیا، اس کے سوا دوسرا جو بھی راستہ ہے وہ گمراہی کا راستہ ہے، اور تمہارے یہ راہ نما تمہیں صحیح رخ سے ہٹا کر غلط رخ پر پھیر رہے ہیں پھر تم اندھے بن کر ان غلط راہ نمائی کرنے والوں کے پیچھے کیوں چلے جارہے ہو؟ اپنی گرہ کی عقل سے کام لے کر سوچتے کیوں نہیں کہ جب حقیقت وہ ہے جو ہم پیش کررہے ہیں تو آخر یہ تم کو کدھر چلایا جارہا ہے؟[1] ــــ اس طرح نافرمانی کرنے والوں پر آپ کے پروردگار کا ارشاد صادق آگیا کہ ''وہ یقیناً ایمان لانے والے نہیں!'' ــــ یعنی اللہ پاک نے جو جگہ جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ کچھ لوگوں کو ہدایت ملنے والی نہیں، ان کے دلوں پر مہر کردی گئی ہے وہ لوگ جہنم کا ایندھن بننے والے ہیں، تو ان لوگوں کا یہ ایمان نہ لانا کچھ اس وجہ سے نہیں ہے کہ قرآن پاک کے دلائل ناکافی ہیں یا وہ ان کی سمجھ میں نہیں آرہے۔ ابھی توحید کے برحق ہونے پر اور شرک کے باطل ہونے پر جو دلیل بیان فرمائی گئی ہے وہ کس قدر واضح، صاف، سچی اور دل کی آواز ہے مگر پھر بھی کچھ لوگ ایمان لانے والے نہیں جس کی وجہ درحقیقت یہ ہے کہ غلط راہنمائی کرنے والے اور گمراہ کرنے والے ان کو غلط رخ پر پھیر رہے ہیں اور یہ اندھے بن کر ان کے پیچھے چل رہے ہیں اور ایمان نہیں لاتے اور اس طرح اللہ پاک کا ارشاد پورا ہوتا ہے کہ کچھ لوگ بہر حال ایمان لانے

(۱) یہاں یاد رکھنے کے قابل ایک خاص بات یہ ہے کہ گمراہ کرنے والوں کا نام لینے کے بجائے اُن کو صیغہ مجہول کے پردے میں چھپادیا گیا ہے، تاکہ اُن کے معتقدین ٹھنڈے دل سے اپنے معاملہ پر غور کریں اور کسی کو یہ کہہ کر اشتعال دلانے کا موقع نہ ملے کہ دیکھو یہ تمہارے بزرگوں اور پیشواؤں پر چوٹیں کی جارہی ہیں۔

والے نہیں، وہ جہنم کا ایندھن بننے والے ہیں!

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ۭ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝۳۴

قُلْ هَلْ	آپ پوچھئے کیا	ثُمَّ	پھر	ثُمَّ	پھر
مِنْ شُرَكَآئِكُمْ	تمہارے شریکوں میں	يُعِيْدُهٗ	وہ اسے دوبارہ پیدا کرے	يُعِيْدُهٗ	وہ اسے دوبارہ پیدا کریں گے
	سے کوئی ہے	قُلِ اللّٰهُ	آپ فرمائیے اللہ پاک	فَاَنّٰى	پھر کہاں
مَّنْ يَّبْدَؤُا (۱)	جو ابتداء کرے	يَبْدَؤُا	ابتداء کرتے ہیں	تُؤْفَكُوْنَ (۲)	تم الٹی راہ پر چلائے
الْخَلْقَ	آفرینش کی	الْخَلْقَ	آفرینش (کی)		جارہے ہو؟

پہلی مرتبہ پیدا کرنے اور دوسری مرتبہ پیدا کرنے سے توحید پر استدلال

توحید کے برحق ہونے کی اور شرک کے باطل ہونے کی دوسری دلیل بیان فرماتے ہیں — ان سے پوچھو تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں میں سے کوئی ہے جو تخلیق کائنات کی ابتداء کرے پھر اسے دوہرائے؟ — آپ فرمائیے کہ: "اللہ پاک تخلیق کائنات کی ابتدا کرتے ہیں پھر وہ اسے دوہرائیں گے!— اور تمہارے معبودوں میں سے کوئی نہیں جو یہ کام کرتا ہو یا کرسکتا ہو— تخلیق کی ابتدا کے بارے میں مشرکین مانتے تھے کہ یہ صرف اللہ پاک کا کام ہے، ان کے شریکوں میں سے کسی کا اس کام میں کوئی حصہ نہیں۔ رہا کائنات کا دوہرانا تو ظاہر ہے کہ جو ابتداء پیدا کرنے والا ہے وہی دوہرا بھی سکتا ہے، اور جو ابتداء پیدا کرنے پر قادر نہیں وہ دوہرانے پر کس طرح قادر ہوسکتا ہے؟— یہ بات اگرچہ ایک معقول بات ہے اور خود مشرکین کے دل بھی اندر سے اس کی گواہی دیتے ہیں کہ بات بالکل ٹھکانے کی ہے لیکن انہیں اس کا اقرار کرنے میں اس بنا پر تأمل ہوگا کہ اسے مان لینے کے بعد آخرت کا انکار مشکل ہوجائے گا، اس لئے اوپر کے پانچ سوالات پر تو اللہ پاک نے ارشاد فرمایا کہ وہ خود بول اٹھیں گے کہ یہ کام اللہ پاک کے ہیں، مگر یہاں اس کے بجائے نبی پاک ﷺ سے

(۱) يَبْدَؤُا فعل مضارع کا واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے اور واؤ کے بعد الف اس قاعدہ سے لکھا گیا ہے جو آیت ۲۵ کے حاشیہ میں لکھا گیا ہے (۲) تُؤْفَكُوْنَ فعل مضارع مجہول کا جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے اِفْکٌ سے بنا ہے جس کے اصلی معنی ہیں: کسی چیز کو اُس کے اصلی رُخ سے پھیرنا اور "اعتقاد" میں حق سے باطل کی طرف اور "بات" میں سچ سے دروغ بیانی کی طرف اور "کام" میں نکوکاری سے بدکاری کی طرف پھیرا جانا مراد ہوتا ہے۔

ارشاد فرمایا کہ آپ فرمادیں کہ یہ تخلیق کائنات کی ابتداء اور پھر اس کا دوہرانا بھی اللہ پاک ہی کا کام ہے — پھر تم کدھر پھیرے جارہے ہو؟ — یعنی جب تمہاری ابتدا اللہ پاک کے ہاتھ میں ہے اور انتہاء بھی، تو ذرا سوچو کہ آخر تمہیں یہ کیا باور کرایا جارہا ہے کہ ان دونوں کے بیچ میں اللہ پاک کے سوا کسی اور کو تمہاری بندگیوں اور نیاز مندیوں کا حق پہنچتا ہے!

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ۭ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ۭ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۣ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ۭ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَـيْـــًٔـا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾

قُلْ هَلْ	آپ پوچھئے کیا	اَحَقُّ	زیادہ لائق ہے	يَتَّبِعُ	پیروی کرتے
مِنْ شُرَكَآئِكُمْ	تمہارے شریکوں میں	اَنْ يُّتَّبَعَ	کہ اسکی پیروی کیجائے	اَكْثَرُهُمْ	ان میں سے زیادہ تر
	میں سے کوئی ہے	اَمَّنْ لَّا (۲)	یا وہ جو نہیں	اِلَّا ظَنًّا	مگر اٹکل پچو (کی)
مَّنْ يَّهْدِيْٓ	جو راہ بتائے	يَهِدِّيْٓ (۳)	راہ پاتا	اِنَّ الظَّنَّ	بلاشبہ اٹکل کے تیر
اِلَى الْحَقِّ (۱)	دین حق کی؟	اِلَّآ اَنْ	مگر یہ کہ	لَا يُغْنِيْ	نہیں کام آتے
قُلِ اللّٰهُ	آپ فرمایئے اللہ پاک	يُّهْدٰى	راہ بتائی جائے اسے	مِنَ الْحَقِّ	دین کے معاملہ میں
يَهْدِيْ	راہ بتاتے ہیں	فَمَا	سو کیا (ہوگیا ہے)	شَيْـًٔا	کچھ بھی
لِلْحَقِّ (۱)	دین حق کی	لَكُمْ	تمہیں	اِنَّ اللّٰهَ	یقیناً اللہ پاک
اَفَمَنْ	کیا پس جو	كَيْفَ	کیسے	عَلِيْمٌۢ	خوب جانتے ہیں
يَّهْدِيْٓ	راہ بتاتا ہے	تَحْكُمُوْنَ	فیصلے کر رہے ہو تم؟	بِمَا	جو کچھ
اِلَى الْحَقِّ	دین حق کی	وَمَا	اور نہیں	يَفْعَلُوْنَ	وہ کر رہے ہیں

(۱) اِلٰی اور لامَ صلہ کا ہے (۲) اَمَّنْ دو لفظ ہیں، اَمْ حرف استفہام اور مَنْ موصولہ (۳) اس کی اصل یَھْتَدِیْ ہے کیونکہ یہ اِھْتَدَاءٌ (راہ پانا) سے مضارع کا واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے تاء اور دال کا مخرج ایک ہونے کی وجہ سے تاء کو دال بنا کر ادغام کیا ہے پھر دو ساکن اکٹھا نہ ہوں اس لئے ھاء کو کسرہ دیا ہے۔

معبود وہی ہوتا ہے جو دینی راہ نمائی کرے (توحید کی تیسری دلیل)

یہ توحید کی تیسری دلیل ہے، فرماتے ہیں — ان سے پوچھو، تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں میں کوئی ہے جو (دین) حق کی راہ بتائے؟ — دنیا میں انسان کی ضرورتوں کا دائرہ صرف کھانے پینے، پہننے اوڑھنے، زندگی بسر کرنے، آفات ومصائب اور نقصانات سے محفوظ رہنے تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ اس کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ اسے دنیا میں زندگی بسر کرنے کا صحیح طریقہ معلوم ہو یعنی اس کا بنیادی مسئلہ اس کا اخلاقی مسئلہ ہے، انسان کے لئے سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ انسان بنے اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو محسوس کرے اور احساس ذمہ داری کے تحت زندگی کے سارے کام انجام دے، ہر حال میں انصاف اور حق پر قائم رہے اور ہر حال میں حق اور انصاف ہی کا ساتھ دے، صرف جائز اور صحیح مقاصد کو اپنا مطمح نظر بنائے اور اس کے حصول کے لئے جائز ذرائع استعمال کرے، مختصر یہ کہ وہ اخلاق، کردار اور انسانیت کا پیکر بنے۔

انسان اپنے اس مقصد کی تکمیل کے لئے کسی ایسے راہنما کا محتاج ہے جو اسے دنیا میں زندگی بسر کرنے کے صحیح اصول بتائے اور وہ اس کے دیئے ہوئے قوانین کی پورے اعتماد اور اطمینان کے ساتھ پیروی کرے۔ اس لئے قرآن پاک مشرکین سے پوچھتا ہے کہ تم اللہ پاک کے سوا جن کی بندگی کرتے ہو ان میں کوئی ہے جو اس طرح کی راہنمائی کا فریضہ انجام دیتا ہو یا دے سکتا ہو؟ اگر وہ واقعی معبود ہیں تو کیا وہ اپنے بندوں کی یہ ضرورت پوری کرتے ہیں؟ — ظاہر ہے کہ اس کا جواب نفی کے سوا اور کچھ نہیں، تاہم اگر وہ یہ جواب دینے میں ہچکچائیں تو ڈنکے کی چوٹ — آپ فرمادیں کہ ''اللہ پاک (دین) حق کی راہ بتاتے ہیں!'' — یعنی تمہارے معبودوں میں ایسا کوئی نہیں، صرف اللہ پاک ہی اپنے بندوں کی اس طرح کی راہ نمائی فرماتے ہیں — اب بتاؤ جو (دین) حق کی راہ بتائے وہ اس کا زیادہ حقدار ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ جو (خود ہی) راہ نہ پائے جب تک کہ اسے راہ نہ دکھائی جائے؟ — مشرکین جن کی بندگی کرتے ہیں وہ دو طرح کے ہیں ایک بے جان مورتیں، دریا، پہاڑ، اور درخت یا پھر وہ بے سمجھ حیوانات ہیں۔ دوسرے دیوی، دیوتا، فرشتے، انبیاء یا اولیاء — اول کے راہ پانے کا تو کوئی سوال ہی نہیں، البتہ دوسری قسم کے معبود راہ یاب ہو سکتے ہیں اگر اللہ پاک ان کی راہ نمائی فرمائیں۔ سورۂ والضحیٰ میں پیغمبروں کے سردار، محبوب رب العالمین ﷺ کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا ہے: ﴿ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ﴾: اللہ پاک نے آپؐ کو (شریعت اور دین حق سے) بے خبر پایا سو آپؐ کو خبردار کیا۔

غرض کوئی ہو، چھوٹا ہو یا بڑا، سب اللہ پاک کی راہ نمائی کے محتاج ہیں پھر وہ معبود کیونکر ہو سکتے ہیں؟ — پھر تمہیں کیا ہوگیا؟ — کہ کسی طرح بات تمہارے دماغوں میں نہیں اترتی! — تم کیسے (الٹے) فیصلے کرتے ہو؟ — اور کسی طرح شرک سے توبہ کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے!

توحید کے برحق ہونے پر اور شرک کے باطل ہونے پر جو دلائل بیان کئے جارہے تھے وہ یہاں پر پورے ہوگئے، آگے اس کی وضاحت کی جارہی ہے کہ شرک کے غیر عقلی نظریہ ہونے کے باوجود انسانوں کی بہت بڑی اکثریت شرک میں مبتلا کیوں ہے؟ فرماتے ہیں ـــــ ان میں سے اکثر محض اٹکل پچو کی پیروی کرتے ہیں ـــــ اور یہی ان کی گمراہی کا اصل سبب ہے، وہ عقل سے اس قدر کورے ہیں کہ ہر بات بے سمجھے بوجھے مان لیتے ہیں۔ حالانکہ ـــــ اٹکل کے تیر حق وصداقت کے معاملہ میں کچھ کام نہیں دے سکتے ـــــ وہاں ٹھوس اور واقعی دلائل کی ضرورت ہوتی ہے ـــــ مگر انسان کی یہ خطرناک کمزوری ہے کہ وہ محض گمان پر بنیادی مسائل کی تعمیر کرتا چلا جاتا ہے، وہ محض اس گمان پر شرک میں مبتلا رہتا ہے کہ جب بڑے بڑے لوگ اس میں مبتلا ہیں، باپ دادا اس کو مانتے چلے آرہے ہیں اور ایک دنیا کی دنیا اس کو مذہب بنائے ہوئے ہے تو ضرور وہ ٹھیک ہی ہوگا ـــــ حالانکہ شرک کی بنیاد کسی عقلی استدلال، کسی منطقی برہان اور کسی سائنٹفک اکتشاف پر نہیں، اس کی بنیاد درحقیقت وہم، جہالت اور اعجوبہ پرستی پر ہے، اور ان تینوں کے اجتماع سے جو مشرکانہ میتھالوجی ترتیب پاتی ہے اسے کوئی صاحبِ عقل آدمی بسلامتی ہوش وحواس قبول نہیں کرسکتا مگر یہ کہ اس کے نزدیک مذہب کی حدود میں عقل وخرد کا داخلہ ہی ممنوع ہو ـــــ خیر انہیں جو کرنا ہے کریں ـــــ اللہ پاک اچھی طرح جانتے ہیں جو کچھ وہ کررہے ہیں ـــــ وقت آنے پر انہیں دیکھ لیں گے!

اور یہ جو فرمایا کہ ''ان میں سے اکثر لوگ ظن وتخمین کی پیروی کرتے ہیں'' اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ کچھ لوگ اس کمزوری سے پاک ہیں ان کے سامنے جب صحیح بات آتی ہے تو وہ سوچتے ہیں اور راہِ راست پر آجاتے ہیں۔ وہی ہر زمانہ میں قرآنِ پاک کی تعلیمات سے متأثر ہوتے ہیں اور شرک سے توبہ کرکے اسلام کا رخ کرتے ہیں، پس خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں عقل وبینش سے بیر نہیں اور وہ قرآن پاک کے دلائل پر ٹھنڈے دل سے غور کرتے ہیں اور وقت کے ہاتھ سے نکل جانے سے پہلے تلافی مافات کرلیتے ہیں۔

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۷﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ط قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ط كَذٰلِكَ كَذَّبَ

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۹﴾

وَمَا كَانَ(۱)	اور (ایسا تو) نہیں	مِنْ رَّبِّ(۷)	پروردگار کی طرف سے	اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہوتم
هٰذَا	یہ	الْعٰلَمِيْنَ	تمام جہانوں کے ہے	صٰدِقِيْنَ	سچے
الْقُرْاٰنُ	قرآن	اَمْ	کیا	بَلْ كَذَّبُوْا	بلکہ جھٹلایا انھوں نے
اَنْ يُّفْتَرٰى(۲)	کہ گڑھ لیا جائے	يَقُوْلُوْنَ	یہ لوگ کہتے ہیں	بِمَا لَمْ	اس چیز کو نہیں
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ پاک سے نیچے	افْتَرٰىهُ	کہ: اس نے اسے گڑھ	يُحِيْطُوْا(۱۱)	گھیرا انھوں نے
وَلٰكِنْ(۳)	بلکہ		کر اللہ کے نام لگا دیا ہے؟	بِعِلْمِهٖ(۱۲)	اس کے علم کو
تَصْدِيْقَ(۴)	تصدیق (ہے)	قُلْ	آپ فرمایئے	وَلَمَّا	اور اب تک نہیں
الَّذِيْ	ان (وحیوں) کی جو	فَاْتُوْا	تو لے آؤ	يَاْتِهِمْ	پہنچا انہیں
بَيْنَ يَدَيْهِ	اس سے پہلے ہیں	بِسُوْرَةٍ	ایک سورت	تَاْوِيْلُهٗ(۱۳)	اس کا آخری انجام
وَتَفْصِيْلَ(۵)	اور تفصیل (ہے)	مِّثْلِهٖ(۸)	اس کے مانند	كَذٰلِكَ كَذَّبَ	اسی طرح جھٹلایا
الْكِتٰبِ(۶)	کتاب الٰہی (کی)	وَادْعُوْا	اور بلا لو	الَّذِيْنَ	ان لوگوں نے جو
لَا رَيْبَ	نہیں کوئی شبہ والی بات	مَنِ اسْتَطَعْتُمْ(۹)	جسے (بلا) سکو تم	مِنْ قَبْلِهِمْ	ان سے پہلے ہوئے
فِيْهِ	اس میں	مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ(۱۰)	اللہ پاک کے سوا	فَانْظُرْ	سو دیکھئے

(۱) النفی هنا للشأن الذی هو أبلغ و آکد من نفی الشی مباشرة (المنار) (۲) أن یفتری الخ بتاویل مصدر ہو کر کَانَ کی خبر ہے (۳) لکن حرف ابتداء ہے اور استدراک کے لئے ہے (۴) تصدیق خبر ہے کَانَ محذوف کی اور اسم اسی کان کی ضمیر ہے جو قرآن پاک کی طرف لوٹتی ہے (۵) تَفْصِيْلَ کا تَصْدِيْقَ پر عطف ہے (۶) الکتاب بمعنی المکتوب اور المکتوب کے معنی یہاں مفروض کے ہیں (۷) خبر ہے مبتداء محذوف کی أی: نازلٌ من الخ (۸) مِثْلِهٖ کی ضمیر قرآن پاک کی طرف لوٹتی ہے (۹) اِسْتَطَعْتُمْ کا مفعول محذوف ہے أی: دعاءہ و الاستعانة به (۱۰) مِنْ دُوْنِ الخ ادْعُوْا سے متعلق ہے (۱۱) اَحَاطَ بِهٖ: گھیرنا، احاطہ کرنا (۱۲) بِعِلْمِهٖ کی ضمیر مَا کی طرف لوٹتی ہے جس سے مراد قرآن پاک ہے (۱۳) تاویل کی دو قسمیں ہیں ایک علمی اور ایک فعلی — تاویل علمی: بات کو اس کی اصل مراد کی طرف لوٹانا۔ علم تفسیر کو علم تاویل اسی معنی میں کہتے ہیں۔ تاویل رویا (تعبیر بتانا) میں بھی یہی معنی ہیں اور سورۂ آل عمران (آیت ۷) ﴿وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ﴾ میں بھی یہی معنی ہیں — اور تاویل فعلی نام ہے بات کے ٹھیک پڑنے اور اس کے آخری نتیجہ کا، یہاں اور سورۂ اعراف (آیت ۵۳) ﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ﴾ میں یہی تاویل فعلی مراد ہے اور قرینہ يَنْظُرُوْنَ اور يَاْتِهِمْ ہیں اور وہاں قرینہ يَعْلَمُ تھا۔

كَيْفَ كَانَ	کیسا ہوا	عَاقِبَةُ	انجام	الظّٰلِمِيْنَ	ظالموں کا؟

قرآنِ کریم نبی ﷺ کی صداقت کی دلیل ہے

پچھلی آیتوں میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اللہ پاک ہی اپنے بندوں کی دینی راہنمائی فرماتے ہیں اور بندے اللہ پاک کی راہ نمائی ہی سے راہ پاتے ہیں —— اب واضح فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ کو دین حق کی جو راہ ملی ہے، جس کی طرف آپ تمام لوگوں کو دعوت دے رہے ہیں وہ بھی اللہ پاک ہی کے راہ دکھانے سے ملی ہے۔ اس طور سے کہ اللہ پاک نے آپ پر اپنی کتابِ مقدس نازل فرمائی اور آپ ﷺ کو دین حق سے آگاہ فرمایا، کیونکہ قرآن پاک جیسی عظیم الشان کتاب اللہ پاک سے نیچے کوئی تصنیف نہیں کرسکتا، ارشاد فرماتے ہیں —— اور یہ قرآن پاک ایسا تو نہیں کہ اللہ پاک سے نیچے گڑھ لیا جائے! —— یعنی قرآنِ پاک جس قسم کی کتاب ہے ایسی کتاب اللہ پاک کے سوا کوئی بنا ہی نہیں سکتا، اگر تمام انسان اور جن اکٹھے ہو کر چاہیں کہ قرآن پاک کے مانند کوئی کلام پیش کر دیں تو کبھی پیش نہیں کر سکتے، اگر چہ ان میں سے ایک دوسرے کا مددگار ہی کیوں نہ ہو[1]

قرآنِ کریم کی چار خصوصیات جو اس کی صداقت کی دلیل ہیں:

قرآن پاک کی وہ کیا خصوصیات ہیں جو یہ ثابت کرتی ہیں کہ وہ اللہ پاک کی طرف سے اترا ہے اور وہ نبی پاک ﷺ کے رسول برحق ہونے کی دلیل ہے؟ —— وہ خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:

① —— وہ ان تمام وحیوں کی تصدیق ہے جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں —— یعنی قرآن پاک پچھلی تمام آسمانی کتابوں کے مطابق ہے اور ہر زمانہ میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام جو اصولی تعلیمات پیش کرتے رہے ہیں قرآن پاک نہ صرف ان کی تصدیق کرتا ہے بلکہ وہ بھی وہی تعلیمات پیش کرتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ ان تعلیمات کے اندر کوئی ایک ہی ثابت وقائم حقیقت کام کرتی ہے، کیونکہ اگر مختلف وقتوں، مختلف گوشوں، مختلف قوموں، مختلف ناموں، مختلف پیرایوں اور مختلف زبانوں سے کوئی بات کہی گئی ہو، اور باوجود ان تمام اختلافات کے بات ہمیشہ ایک ہی ہو اور ایک ہی مقصد پر زور دیتی ہو تو قدرتی طور پر ماننا پڑے گا کہ یہ باتیں ایک ہی سرچشمہ سے ظہور میں آئی ہیں —— اب اگر تمام کائنات مل کر چاہے کہ قرآنِ پاک جیسی کوئی کتاب بنا لائے تو وہ کیسے کامیاب ہو سکتی ہے؟ وہ اپنے کلام میں یہ بات کیسے پیدا کر سکتی ہے کہ وہ پچھلی تمام وحیوں کے مطابق ہو، اس سے سرمو مختلف نہ ہو؟ —— علاوہ ازیں پچھلی تمام وحیوں نے قرآن پاک کی پیشین

(۱) دیکھئے سورۂ بنی اسرائیل آیت ۸۸۔

گوئیاں کی ہیں۔تورات،انجیل اور زبور وغیرہ تمام آسمانی کتابوں نے قرآن پاک کے نزول کی خبر دی ہے،اب ان پیشین گوئیوں کے عین مطابق قرآنِ پاک نازل ہوا ہے،اور اس نے پچھلی تمام وحیوں اور انبیاء علیہم السلام کی پیش کردہ کتابوں پر مہر تصدیق ثبت کی ہے کیونکہ اگر ان پیشین گوئیوں کے مطابق قرآن پاک نازل نہ ہوتا تو نتیجہ یہ ہوتا کہ وہ تمام کتابیں جھوٹی ثابت ہوتیں ـــــ الحاصل قرآن پاک اپنی پشت پر ماضی کی بے شمار پیشین گوئیوں کی تائید رکھتا ہے یہ تائیدات کسی اور کے کلام کو کہاں سے حاصل ہوسکتی ہیں؟

④ ـــــ اور وہ کتاب الٰہی کی تفصیل ہے ـــــ یعنی ہر زمانے کے مناسب خاص خاص احکام ہوتے ہیں،اللہ پاک جس حکم کو چاہتے ہیں موقوف فرمادیتے ہیں اور جس حکم کو چاہتے ہیں برقرار رکھتے ہیں،اور اصل کتاب انہی کے پاس ہے[1] یہ قرآن پاک اس اصل کتاب کی تفصیل ہے،اس میں ہمارے زمانے کے مناسب احکام بیان فرمائے گئے ہیں ـــــ یہ احکامِ الٰہی جو ہدایت انسانی کیلئے قرآن پاک میں بیان فرمائے گئے ہیں وہ قرآن پاک کے منجانب اللہ ہونے کی بہت بڑی دلیل ہیں کیونکہ نفوس انسانی کو سنوارنے کے لئے جن جن تعلیمات کی ضرورت ہے وہ سب مکمل طور پر قرآن پاک میں موجود ہیں[2] ـــــ اب اگر سارے انسان مل کر چاہیں کہ کوئی ایسی کتاب پیش کریں جس میں اس قدر مکمل احکام موجود ہوں تو کیا یہ بات ممکن ہے؟ کسی طرح بھی ممکن نہیں کیونکہ ان میں سے کسی کا بھی علم ان تمام حقائق پر حاوی نہیں جن کا جاننا انسانی زندگی کے صحیح اصول وضع کرنے کیلئے ضروری ہے،نہ ان میں سے کسی کی نظر اس پورے دائرے پر محیط ہے جس میں انسانی زندگی سے تعلق رکھنے والے مسائل پھیلے ہوئے ہیں۔نہ وہ ان اغراض وخواہشات سے،اور ان رجحانات ومیلانات سے پاک وبالاتر ہیں جو انسانی معاشرے کیلئے منصفانہ قوانین بنانے میں مانع ہوسکتے ہیں،پھر وہ کیوں کر ایسی کتاب تصنیف کرسکتے ہیں؟

③ ـــــ اس میں کوئی شبہ والی بات نہیں ہے ـــــ اس کا حرف حرف کانٹے کے تول پورا ہے،کسی مضمون پر انگلی اٹھانے کی گنجائش نہیں ـــــ یہ ایک زبردست دلیل ہے کہ قرآن پاک اللہ پاک کا کلام ہے،کیونکہ قرآن پاک علمی ترقی سے بہت پہلے نازل ہوا ہے مگر اس کی کوئی بات آج تک غلط ثابت نہ ہوسکی۔اگر یہ انسانی کلام ہوتا تو ایسا ہونا ناممکن تھا۔

قرآن پاک ایک ایسے زمانہ میں اترا ہے جب انسان کائنات کے بارے میں بہت کم جانتا تھا،اس وقت بارش کے متعلق یہ تصور تھا کہ آسمان میں کوئی دریا ہے جس سے پانی بہہ کر زمین پر گرتا ہے اور اسی کا نام بارش ہے،زمین کے بارے میں سمجھا جاتا تھا کہ وہ چپٹی فرش کے مانند ہے اور آسمان اس کی چھت ہے جو پہاڑ کی چوٹیوں کے اوپر کھڑی کی گئی ہے،

(۱) دیکھئے سورۃ الرعد آیت ۳۸و۳۹ (۲) دیکھئے الفوز الکبیر مبحث اعجاز القرآن۔

ستاروں کے متعلق یہ خیال تھا کہ وہ چاندی کی چمکتی ہوئی کیلیں ہیں جو آسمان کے گنبد میں جڑی ہوئی ہیں، یا وہ چھوٹے چھوٹے چراغ ہیں جو رات کے وقت رسیوں کی مدد سے لٹکائے جاتے ہیں، پرانے ہندوستانی یہ سمجھتے تھے کہ زمین ایک گائے کے سینگ پر ہے اور جب گائے زمین کو ایک سینگ سے دوسرے سینگ پر منتقل کرتی ہے تو اس کے سر کی جنبش سے زلزلہ آتا ہے —— اس کے بعد علم کی ترقی ہوئی، انسان کے مشاہدے اور تجربے کی قوت بڑھ گئی، جس کی وجہ سے بے شمار نئی نئی معلومات حاصل ہوئیں، زندگی کا کوئی شعبہ اور علم کا کوئی گوشہ ایسا نہیں رہا جس میں پہلے کے مسلمات بعد کی تحقیق سے غلط ثابت نہ ہوگئے ہوں، اس کا مطلب یہ ہے کہ ڈیڑھ ہزار برس پہلے کا کوئی بھی انسانی کلام ایسا نہیں ہوسکتا جو آج بھی اپنی صحت کو پوری طرح باقی رکھے ہوئے ہو کیونکہ آدمی اپنے وقت کی معلومات کی روشنی ہی میں بولتا ہے وہ شعور کے تحت بولے یا بےشعور، بہرحال وہ وہی کچھ دوہرائے گا جو اس نے اپنے زمانہ میں پایا ہے۔ چنانچہ ڈیڑھ ہزار برس پہلے کی کوئی بھی انسانی کتاب آج ایسی موجود نہیں، جو غلطیوں سے پاک ہو، مگر قرآن پاک کا معاملہ اس سے مختلف ہے، وہ جس طرح ڈیڑھ ہزار برس پہلے برحق تھا، آج بھی وہ اسی طرح برحق ہے، زمانہ کے گزرنے سے اس کی صداقت میں کوئی فرق نہیں آیا، یہ واقعہ اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ یہ اللہ پاک کا کلام ہے جن کی نگاہ ازل سے ابد تک محیط ہے، جو سارے حقائق کو اس کی اصل شکل میں جانتے ہیں، جن کی واقفیت زمانے اور حالات کی پابند نہیں، اگر یہ محدود نظر رکھنے والے انسان کا کلام ہوتا تو بعد کا زمانہ اسی طرح اسکو غلط ثابت کردیتا جس طرح ہر انسانی کلام بعد کے زمانہ میں غلط ثابت ہو چکا ہے —— پس کیا تمام انسان اور جنات مل کر ایسا کوئی کلام پیش کرسکتے ہیں جس میں کبھی کوئی شبہ والی بات نہ ہو؟

④ —— تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے ہے —— جس کی وجہ سے قرآن پاک کی تعلیمات میں ساری کائنات کی رعایت ملحوظ ہے —— انسان کا تعلق جہاں اپنی ذات کے ساتھ، اپنی قوتوں اور قابلیتوں کے ساتھ ہے وہاں اس سروسامان کے ساتھ بھی ہے جو روئے زمین پر اس کے تصرف میں ہے، اسے سارے ہی نظام کائنات کے ساتھ سابقہ پڑتا ہے، جس کے ماتحت رہ کر ہی بہرحال اس کو کام کرنا ہے، اس لئے انسان کے لئے یہ جاننا بےحد ضروری ہے کہ وہ پوری کائنات کے ساتھ کس طرح کا معاملہ کرے، جس سے اس کی زندگی بحیثیت مجموعی کامیاب ہو اور اس کی کوششیں اور محنتیں غلط راہوں میں صرف ہوکر تباہی اور بربادی پر منتج نہ ہوں؟ —— اور اللہ پاک کے سوا وہ کون ہے جو اپنے کلام میں اور اپنے بیان کردہ احکامات میں ساری کائنات کی رعایت ملحوظ رکھ سکے؟

یہ ہیں قرآن پاک کی وہ خصوصیات اور وجوہِ اعجاز جن کی وجہ سے اللہ پاک کے سوا کوئی دوسرا شخص قرآن پاک جیسی کتاب بنا کر کبھی پیش نہیں کرسکتا —— اب بھی —— کیا یہ لوگ —— ایسی کتاب کے بارے میں —— کہتے ہیں کہ: ”اس

نے ـــــ یعنی محمد ﷺ نے ـــــ اسے خود گڑھ کر اللہ پاک کے نام لگا دیا ہے؟، آپ فرمایئے کہ: ''اگر تم سچے ہو تو اس (قرآن) کے مانند ایک سورت بنا کر پیش کر دو' اور اللہ پاک کے سوا جن کو تم اپنی مدد کے لئے بلا سکتے ہو بلا لو!ـــــ قرآن پاک کا یہ چیلنج چودہ سو برس سے دنیا کے سامنے ہے، مگر آج تک اس کا جواب نہیں دیا جاسکا ـــــ قرآن پاک میں بار بار یہ اعلان کیا گیا ہے کہ جو لوگ قرآن پاک کے کتابِ الٰہی ہونے کے بارے میں شک میں ہیں اور اس کو محض اپنے جیسے ایک انسان کی تصنیف سمجھتے ہیں وہ ایسی ایک کتاب بنا کر پیش کریں، بلکہ اس جیسی ایک سورت ہی بنا کر دکھا دیں۔

یہ ایک حیرت انگیز دعویٰ ہے جو ساری انسانی تاریخ میں کسی بھی مصنف نے نہیں کیا، اور نہ بقید ہوش وحواس کوئی مصنف ایسا دعویٰ کرنے کی جرأت کر سکتا ہے کیونکہ کسی بھی انسان کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ ایک ایسی کتاب لکھ دے جس کے ہم پایہ کتاب دوسرے انسان نہ لکھ سکیں، کیونکہ ہر انسانی تصنیف کے جواب میں اسی درجہ کی دوسری انسانی تصنیف تیار کی جاسکتی ہے۔

قرآن پاک کا یہ کہنا کہ وہ ایک ایسا کلام ہے جیسا کلام انسانی ذہن تخلیق نہیں کر سکتا اور ڈیڑھ ہزار برس تک کسی انسان کا اس پر قادر نہ ہونا قطعی طور پر ثابت کرتا ہے کہ یہ ایک غیر انسانی کلام ہے، یہ اللہ پاک کا کلام ہے، اور اللہ پاک کے کلام کا جواب کون دے سکتا ہے؟

تاریخ میں چند مثالیں ملتی ہیں جب کہ اس چیلنج کو قبول کیا گیا، سب سے پہلا واقعہ لبید بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کا ہے، جو عربوں میں اپنی قوت کلام اور تیزی طبع کے لئے مشہور تھے، انھوں نے اسلام لانے سے پہلے قرآن پاک کے جواب میں ایک نظم لکھی تھی جو کعبہ شریف کے پھاٹک پر آویزاں کی گئی تھی، مگر جلد ہی کسی مسلمان نے قرآن پاک کی ایک سورت لکھ کر اس کے قریب آویزاں کر دی لبید جب اگلے روز کعبہ کے دروازے پر آئے اور سورت کو پڑھا تو اس کے ابتدائی فقروں ہی سے وہ غیر معمولی طور پر متأثر ہوئے اور اعلان کیا کہ بلاشبہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں، اور میں اس پر ایمان لاتا ہوں۔

دوسرا اس سے بھی زیادہ عجیب واقعہ ابن المُقَفَّعْ (م ۷۲۷ء) کا ہے۔ منکرین اسلام کی ایک جماعت نے یہ دیکھ کر کہ قرآن پاک لوگوں کو بڑی شدت سے متأثر کر رہا ہے، یہ طے کیا کہ اس کے جواب میں ایک کتاب تیار کی جائے، انھوں نے اس مقصد کے لئے ابن المقفع سے رجوع کیا، جو اس زمانہ کا ایک زبردست ادیب اور غیر معمولی ذہین وطباع آدمی تھا، اسے بھی اپنے اوپر اتنا اعتماد تھا کہ وہ راضی ہوگیا، اس نے کہا کہ میں ایک سال میں یہ کام کر دوں گا، البتہ اس نے یہ شرط رکھی کہ اس پوری مدت میں اس کی تمام ضروریات کا مکمل انتظام ہونا چاہئے تا کہ وہ کامل یکسوئی کے ساتھ اپنے ذہن کو اپنے کام میں مرکوز رکھے۔

آدھی مدت گزر گئی تو اسکے ساتھیوں نے یہ جاننا چاہا کہ اب تک کیا کام ہوا ہے، وہ جب اسکے پاس گئے تو انھوں نے اس کو اس حال میں پایا کہ وہ بیٹھا ہوا ہے، قلم اس کے ہاتھ میں ہے، گہرے مطالعہ میں مستغرق ہے، اس کے سامنے ایک سادہ کاغذ پڑا ہوا ہے، اس کی نشست کے پاس لکھ لکھ کر پھاڑے ہوئے کاغذات کا ایک انبار ہے، ساتھیوں کے دریافت کرنے پر اس نے پریشانی کے عالم میں اعتراف کیا کہ صرف ایک فقرہ لکھنے کی جدوجہد میں اسکے چھ مہینے بیت گئے مگر وہ نہ لکھ سکا، چنانچہ ناامید اور شرمندہ ہو کر وہ اس خدمت سے دست بردار ہو گیا۔

قرآن پاک کا یہ چیلنج آج بھی بدستور قائم ہے، آج بھی صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لئے۔ لیکن اگر وہ ایسی ایک سورت بھی نہ بنا سکیں —— اور یہ بات یقینی ہے کہ ہرگز نہ بنا سکیں گے —— تو پھر ڈریں اور بچیں جہنم کی آگ سے جو سب آگوں سے تیز ہے، جس کا ایندھن کافر اور پتھر ہیں —— اور بچنے کی صورت صرف یہ ہے کہ کلامِ الٰہی پر ایمان لائیں!

کفار قرآن کو آپ ﷺ کی تصنیف کیوں بتلاتے تھے؟ (اصل وجہ):

آگے اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں کہ جو لوگ قرآن پاک کو حضور ﷺ کی تصنیف بتلاتے ہیں اس کی —— اصل حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے اس چیز کو جھٹلایا ہے، جس کے علوم پر وہ حاوی نہیں ہوئے —— یعنی اگر وہ پہلے قرآن پاک کے علوم کو، اس کی پیش کردہ باتوں کو اچھی طرح سمجھ لیتے، پھر کوئی فیصلہ کرتے تو ایک بات بھی تھی مگر یہ لوگ تو اس بات کے جھٹلانے پر تل بیٹھے ہیں جس کے تمام علوم کو، جس کی تعلیمات کو وہ ابھی تک سمجھے ہی نہیں —— اور یہ ان کی بڑی بھول ہے، نہ تو ظن وگمان کی بنا پر کوئی بات ماننی چاہئے اور نہ ظن وگمان کی بنا پر کسی بات کی تکذیب کرنی چاہئے، جو کچھ کرنا چاہئے وہ علم وبصیرت کی بنا پر ہونا چاہئے —— اگر یہ لوگ پہلے قرآن پاک کو اچھی طرح سمجھ لیں اور اس کے تمام علوم پر حاوی ہو جائیں تو پھر ناممکن ہے کہ وہ اس کو انسان کی تصنیف بتلائیں۔

لوگوں نے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی باتوں کو جھٹلایا ہے:

ارشادِ پاک ہے: —— اور انہیں اب تک اس کا آخر نتیجہ نہیں پہنچا —— یعنی وہ لوگ قرآن پاک کی تکذیب کے انجام بد سے ابھی تک دوچار نہیں ہوئے، اللہ پاک کے کلام کے انکار کے وبال کا انھوں نے ابھی تک مزہ نہیں چکھا، ورنہ ان کی تکذیب کا سارا نشہ ہرن ہو جاتا —— ٹھیک اسی طرح —— اللہ پاک کی وحیوں کو بغیر سمجھے —— ان لوگوں نے بھی جھٹلایا، جو ان سے پہلے گزر چکے —— پھر دیکھ لیجئے ان ظالموں کا انجام کیسا ہوا؟ —— پس یہ لوگ بھی اسی انجام کے منتظر رہیں —— کیونکہ اللہ پاک کا قانونِ جزا وسزا سب لوگوں کے لئے یکساں ہے، پچھلی قوموں کو تکذیب کی جو سزا مل چکی ہے وہی ان

لوگوں کے لئے بھی ہے۔

وَ مِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَ مِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَ رَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَ اِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَ لَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْٓـُٔوْنَ مِمَّاۤ اَعْمَلُ وَ اَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَ لَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَ لَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـًٔا وَّ لٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۴۴﴾

وَ مِنْهُمْ (۱)	اوران میں سے بعض	كَذَّبُوْكَ	وہ جھٹلاتے ہیں آپ کو	وَ مِنْهُمْ	اوران میں سے بعض
	(ایسے ہیں)	فَقُلْ	تو آپ فرمایئے		(ایسے ہیں)
مَّنْ يُّؤْمِنُ	جو (آئندہ) ایمان	لِّيْ	(کہ) میرے لئے	مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ (۲)	جو کان لگاتے ہیں
	لائیں گے	عَمَلِيْ	میرے کام (ہیں)	اِلَيْكَ	آپ کی طرف
بِهٖ	اس (قرآن) پر	وَ لَكُمْ	اور تمہارے لئے	اَفَاَنْتَ	کیا تو آپ
وَ مِنْهُمْ	اوران میں سے بعض	عَمَلُكُمْ	تمہارے کام (ہیں)	تُسْمِعُ	سنائیں گے
	(ایسے ہیں)	اَنْتُمْ	تم	الصُّمَّ	بہروں (کو)
مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ	جو نہیں ایمان لائیں گے	بَرِيْٓـُٔوْنَ	بری (ہو)	وَ لَوْ كَانُوْا	اگرچہ وہ
بِهٖ	اس (قرآن) پر	مِمَّاۤ	ان (کاموں) سے جو	لَا يَعْقِلُوْنَ	وہ نہ سمجھتے ہوں
وَ رَبُّكَ	اور آپ کے پروردگار	اَعْمَلُ	میں کرتا ہوں	وَ مِنْهُمْ	اوران میں سے کچھ (ایسے ہیں)
اَعْلَمُ	خوب جانتے ہیں	وَ اَنَا بَرِيْٓءٌ	اور میں بری (ہوں)	مَّنْ يَّنْظُرُ	جو دیکھتے ہیں
بِالْمُفْسِدِيْنَ	مفسد لوگوں کو	مِّمَّا	ان (کاموں) سے جو	اِلَيْكَ	آپ کی طرف
وَ اِنْ	اور اگر	تَعْمَلُوْنَ	تم کرتے ہو	اَفَاَنْتَ	کیا تو آپ

(۱) هُمْ ضمیر مکذبین کی طرف راجع ہے اور مِنْهُمْ خبر مقدم ہے اور مَنْ الخ مبتدا مؤخر ہے (۲) اِسْتَمَعَ له و اليه: کان لگانا۔

تَهۡدِي	راہ دکھائیں گے	إِنَّ ٱللَّهَ	بلاشبہ اللہ پاک	وَلَٰكِنَّ	بلکہ
ٱلۡعُمۡيَ	اندھوں کو	لَا يَظۡلِمُ	ظلم نہیں کرتے	ٱلنَّاسَ	لوگ
وَلَوۡ كَانُواْ	اگرچہ وہ	ٱلنَّاسَ	لوگوں (پر)	أَنفُسَهُمۡ	اپنے اوپر
لَا يُبۡصِرُونَ	نہ دیکھتے ہوں؟	شَيۡـٔٗا	ذرا بھی	يَظۡلِمُونَ	ظلم کرتے ہیں

قرآن پر ایمان نہ لانے والوں کی درگت بنے گی

پچھلی آیتوں میں فرمایا تھا کہ یہ لوگ اللہ پاک کی وحی کو بغیر سمجھے ٹھکرا رہے ہیں، لہٰذا اس کے انجام بد کا انتظار کریں، اب ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ سب جھٹلانے والے انجام بد سے دوچار نہیں ہوں گے بلکہ ان میں سے کچھ لوگ تو آئندہ ایمان لانے والے ہیں باقی لوگوں کی درگت بنے گی، ارشاد فرماتے ہیں —— اور ان میں سے کچھ تو ایسے ہیں جو (آئندہ) قرآن پاک پر ایمان لائیں گے اور ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو ایمان نہیں لائیں گے، اور آپ کے پروردگار مفسد لوگوں کو خوب جانتے ہیں —— یعنی ایمان نہ لانے والوں کو، وہی زمین میں بگاڑ پھیلانے والے ہیں، پس وہ زیادہ دنوں تک پنپ نہیں سکیں گے۔

ہر شخص اپنے کئے کا ذمہ دار ہے:

ارشاد فرماتے ہیں —— اور اگر یہ لوگ (اس قدر سمجھانے پر بھی) آپ کو جھٹلاتے ہیں تو آپؐ (ان سے) فرمادیجئے کہ: ”میرا عمل میرے ساتھ ہے اور تمہارا عمل تمہارے ساتھ! میں جو کچھ کرتا ہوں اس کی ذمہ داری سے تم بری ہو، اور تم جو کچھ کرتے ہو اس کی ذمہ داری سے میں بری ہوں!“ —— یعنی آپؐ فرمادیں کہ میں اپنا فرض ادا کر چکا، تم سمجھانے پر بھی نہیں مانتے تو اب میرا اور تمہارا راستہ الگ ہے، اگر میں افترا پردازی کر رہا ہوں تو اپنے عمل کا خود ذمہ دار ہوں تم پر اس کی کچھ ذمہ داری نہیں، اور اگر تم سچی بات کو جھٹلا رہے ہو تو میرا کچھ نہیں بگاڑتے، اپنا ہی بگاڑتے ہو۔

لوگ ہر چند سمجھانے پر بھی ایمان کیوں نہیں لاتے؟

کیا وہ نبی پاک ﷺ کی بات سنتے نہیں؟ یا آپؐ کی ذات شریفہ کو دیکھتے نہیں؟ یا پھر کیوں متأثر نہیں ہوتے؟ ارشاد فرماتے ہیں —— اور ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو (ظاہراً تو) آپؐ کی باتوں کی طرف کان لگاتے ہیں —— مگر ان کے دل کے کان بند ہیں —— پھر کیا آپؐ بہروں کو بات سنائیں گے گو ان کو سمجھ نہ ہو؟! —— یعنی ایک سننا تو اس

طرح کا ہوتا ہے جس طرح جانور بھی آواز سن لیتے ہیں، دوسرا سننا وہ ہوتا ہے جس میں معنی کی طرف توجہ ہو، اور دل میں یہ آمادگی ہو کہ اگر بات معقول ہوگی تو اسے مان لیا جائے گا، یہ لوگ پہلی قسم کا سننا تو سنتے ہیں لیکن اس سے فائدہ کچھ نہیں۔ مفید دوسری قسم کا سننا ہے لیکن وہ اس سے محروم ہیں ـــــ جو لوگ کسی تعصب میں مبتلا ہوں یا جنہوں نے ٹھان رکھی ہو کہ اپنے عقیدوں اور طریقوں کے خلاف، اپنے نفس کی رغبتوں اور دلچسپیوں کے خلاف کوئی بات، خواہ وہ کیسی ہی معقول ہو، مان کر نہیں دینا تو وہ سب کچھ سن کر بھی کچھ نہیں سنتے، ایسے لوگ کانوں کے تو بہرے نہیں ہوتے مگر دل کے بہرے ہوتے ہیں ـــــ اور ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو (ظاہراً تو) آپؐ کی طرف دیکھتے ہیں ـــــ مگر ان کے جیسے کی آنکھیں پھوٹی ہوئی ہیں ـــــ پھر کیا آپؐ اندھوں کو راہ دکھائیں گے، گو انہیں کچھ نہ دِکھتا ہو؟! ـــــ یعنی سر کی آنکھیں کھلی ہونے سے کچھ فائدہ نہیں، اس سے تو جانور بھی دیکھتا ہے، اصل چیز دل کی آنکھوں کا کھلا ہوا ہونا ہے، اگر یہ چیز کسی کو حاصل نہ ہو تو وہ سب کچھ دیکھ کر بھی کچھ نہیں دیکھتا۔

ان دونوں آیتوں میں گو خطاب نبی پاک ﷺ سے ہے مگر ملامت ان لوگوں کو کی جارہی ہے جن کی اصلاح کے درپے آپؐ تھے، اور ملامت اس لئے کی جارہی ہے کہ ان کا سویا ہوا ضمیر بیدار ہو اور ان کی آنکھوں، کانوں سے دل تک جانے والا راستہ کھلے، تاکہ دردمندانہ نصیحت اور خیر خواہانہ تعلیمات وہاں تک پہنچ سکیں ـــــ ان آیتوں کا منشا یہ نہیں ہے کہ نبی پاک ﷺ اپنی اصلاح کی سعی نہ فرمائیں۔

آگے فرماتے ہیں کہ اللہ پاک نے تو انہیں کان بھی دیئے ہیں اور آنکھیں بھی اور دل بھی، انھوں نے اپنی طرف سے کوئی ایسی چیز ان کو دینے میں بخل نہیں کیا جو حق وباطل کا فرق دیکھنے اور سمجھنے کے لئے ضروری ہو ـــــ یقیناً اللہ پاک انسانوں پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتے ـــــ مگر لوگوں نے خواہشات کی بندگی اور دنیا کے عشق میں مبتلا ہو کر آپ ہی اپنی آنکھیں پھوڑ لی ہیں، اپنے کان بہرے کر لئے ہیں اور اپنے دلوں کو اتنا مسخ کر لیا ہے کہ ان میں بھلے برے کی تمیز، صحیح اور غلط کا فہم، اور ضمیر کی زندگی کا کوئی اثر باقی نہیں رہا، ارشاد فرماتے ہیں ـــــ بلکہ لوگ خود ہی اپنے آپ کو تباہ کر رہے ہیں ـــــ یعنی یہ حالت اس لئے پیش نہیں آئی کہ اللہ پاک نے کسی کو اس پر مجبور کیا ہے، اگر ایسا ہوتا تو یہ ظلم ہوتا اور اللہ پاک کسی جان پر ظلم نہیں فرماتے، بلکہ خود انسان ہی اللہ پاک کی دی ہوئی روشنی ضائع کر کے اندھا بہرہ بن جاتا ہے۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ۭ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝

وَيَوْمَ(١)	اور (گھاٹے میں رہیں گے)	مِّنَ النَّهَارِ	دن کی	كَذَّبُوْا	جھٹلایا
	جس دن	يَتَعَارَفُوْنَ(٣)	پہنچان کرتے ہونگے وہ	بِلِقَآءِ اللّٰهِ	اللہ پاک سے ملنے کو
يَحْشُرُهُمْ	جمع فرمائیں گے ان کو	بَيْنَهُمْ	آپس میں	وَمَا	اور نہیں
كَاَنْ(٢)	گویا وہ	قَدْ	بلاشبہ	كَانُوْا	تھے وہ
لَّمْ يَلْبَثُوْٓا	نہیں ٹھہرے	خَسِرَ(٤)	گھاٹے میں رہے	مُهْتَدِيْنَ	کامیابی کی راہ پانے
اِلَّا سَاعَةً	مگر ایک گھڑی	الَّذِيْنَ	وہ لوگ جنھوں نے		والے

لوگ خود ہی اپنے آپ کو تباہ کیوں کر رہے ہیں؟ دنیا کی زندگی کے غرور میں!

لوگ اپنے نفس کی رغبتوں اور دلچسپیوں کے خلاف کوئی بات، خواہ وہ کیسی ہی معقول ہو، ماننا نہیں چاہتے، لیکن جب بدمستی کے یہ چند لمحے گزر جائیں گے اور آخرت کی بے پایاں زندگی سامنے آئے گی اور پلٹ کر وہ اپنی دنیا کی زندگی پر نظر ڈالیں گے تو انہیں اپنا ماضی نہایت حقیر محسوس ہوگا، اس وقت ان کو اندازہ ہوجائے گا کہ انہوں نے اپنی دنیا کی زندگی میں تھوڑی سی لذتوں اور فائدوں کی خاطر اپنے اس دائمی مستقبل کو خراب کر کے کتنی بڑی حماقت کا ارتکاب کیا ہے، ارشاد فرماتے ہیں — اور (اس دن بڑے گھاٹے میں رہیں گے) جس دن (اللہ پاک) انہیں (اپنے حضور میں) اس حال میں اکٹھا کریں گے کہ گویا وہ (دنیا میں) گھڑی بھر سے زیادہ نہیں ٹھہرے، درانحالیکہ وہ آپس میں جان پہچان کرتے ہوں! — یا مثلاً سایہ لینے کے لئے سفر میں کسی درخت کے نیچے کچھ دیر کیلئے ٹھہر گئے ہوں! — یعنی آخرت کی بے پایاں زندگی اور میدان محشر کے ہولناک مناظر دیکھ کر عمر بھر کا عیش و آرام اس قدر حقیر نظر آئے گا کہ گویا دنیا میں صرف ایک گھڑی آپس میں صاحب سلامت کرنے کیلئے ٹھہرے تھے، جس طرح چلتے چلتے کسی راہ رو سے جان پہچان کرنے کے لئے ذرا دیر کے لئے رک جایا کرتے ہیں — اس دن — بلاشبہ گھاٹے میں رہیں گے وہ لوگ جنھوں نے اللہ پاک کی ملاقات کو جھٹلایا — یعنی اس بات کو جھٹلایا کہ ایک دن اللہ پاک کے سامنے حاضر ہونا ہے — اور نہیں تھے وہ کامیابی کی

(۱) يَوْمَ فعل محذوف کا مفعول فیہ ہے أي: يَخْسَرُ يَوْمَ الخ (۲) كَأَنْ دراصل كَأَنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے ہلکا کرنے کے لئے نون کی تشدید ہٹادی گئی ہے، اس کا اسم ضمیر هُمْ محذوف ہے اور لَمْ يَلْبَثُوْا الخ خبر ہے اور پورا جملہ تشبیہ حال ہے يحشرهم کی ضمیر هم سے (۳) تعَارُف: ایک دوسرے سے جان پہچان کرنا آپس میں صاحب سلامت کرنا اور یہ جملہ اگلے جملۂ تشبیہ کا بیان ہے (روح البیان) (۴) خَسِرَ اور كَانُوْا فعل ماضی ہیں مگر مستقبل کے معنی میں ہیں۔ تحقق وقوع کے لئے ماضی لائے گئے ہیں۔

راہ پانے والے ـــ اس کا موقعہ تو ہاتھ سے چلا گیا، اب تو ہمیشہ کے لئے حسرت رہے گی کہ ہائے! ساری عمر کیسی فضول اور بے کارگزری! مگر اب پچھتائے کیا ہوتا ہے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت!

وَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا يَفْعَلُونَ ﴿٤٦﴾ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَسُولٌ ۖ فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٤٧﴾ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٤٨﴾ قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَلَا نَفْعًا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۗ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۚ إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً ۖ وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿٤٩﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُهُ بَيَاتًا أَوْ نَهَارًا مَاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُونَ ﴿٥٠﴾ أَثُمَّ إِذَا مَا وَقَعَ آمَنْتُمْ بِهِ ۚ آلْآنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهِ تَسْتَعْجِلُونَ ﴿٥١﴾ ثُمَّ قِيلَ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿٥٢﴾ وَيَسْتَنْبِئُونَكَ أَحَقٌّ هُوَ ۖ قُلْ إِي وَرَبِّي إِنَّهُ لَحَقٌّ ۖ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ ﴿٥٣﴾ وَلَوْ أَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْأَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهِ ۗ وَأَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَأَوُا الْعَذَابَ ۖ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۚ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٥٤﴾ أَلَا إِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ أَلَا إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٥٥﴾ هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٥٦﴾

وَإِمَّا [1]	اور اگر	الَّذِي	(ان باتوں میں سے) جن کا	فَإِلَيْنَا [3]	بہرصورت ہماری طرف
نُرِيَنَّكَ	دکھائیں ہم آپ کو	نَعِدُهُمْ	وعدہ کرتے ہیں ہم ان سے	مَرْجِعُهُمْ	انہیں لوٹنا (ہے)
بَعْضَ [2]	کچھ	أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ	یا وفات دیدیں ہم آپ کو	ثُمَّ اللَّهُ	پھر اللہ پاک

(۱) یہ دولفظ ہیں إِنْ شرطیہ اور مَا زائدہ جو شرط کی تاکید کرتا ہے چنانچہ نُرِيَنَّكَ میں نون تاکید ثقیلہ بغیر لام تاکید کے لائی گئی ہے (۲) بَعْضَ مفعول ثانی ہے نُرِيَنَّ کا، اور ما بعد کی طرف مضاف ہے (۳) فإلينا شرط کا جواب ہے اور إِلَيْنَا ظرف ہے مَرْجِعُهُمْ کا۔

شَهِيْدٌ	مطلع (ہیں)	لِنَفْسِیْ	اپنے لئے	مِنْهُ	اس میں سے
عَلٰى مَا (۱)	ان (کاموں) سے جو	ضَرًّا	کسی نقصان (کا)	الْمُجْرِمُوْنَ	گنہ گار؟
يَفْعَلُوْنَ	وہ کرتے ہیں	وَّلَا نَفْعًا	اور نہ کسی نفع (کا)	اَثُمَّ	کیا پھر
وَلِكُلِّ	اور واسطے ہر	اِلَّا مَا	مگر جو	اِذَا مَا	جب
اُمَّةٍ	امت (کے)	شَآءَ اللّٰهُ	چاہیں اللہ پاک	وَقَعَ	ہو پڑے گا وہ
رَّسُوْلٌ	ایک پیغمبر (ہے)	لِكُلِّ	واسطے ہر	اٰمَنْتُمْ	(تب) ایمان لاؤ گے تم
فَاِذَا	پھر جب	اُمَّةٍ	امت (کے)	بِهٖ	اس پر؟
جَآءَ	آجاتا ہے	اَجَلٌ	مقررہ وقت ہے	آٰلْئٰنَ	کیا اب؟
رَسُوْلُهُمْ	ان کا پیغمبر	اِذَا جَآءَ	جب آپہنچتا ہے	وَقَدْ	اور بالتحقیق
قُضِیَ	(تو) فیصلہ کر دیا جاتا ہے	اَجَلُهُمْ	ان کا مقررہ وقت	كُنْتُمْ	تھے تم
بَيْنَهُمْ	ان کے درمیان	فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ (۳)	تو نہ پیچھے رہتے ہیں وہ	بِهٖ	اسے
بِالْقِسْطِ	انصاف کے ساتھ	سَاعَةً	ایک گھڑی	تَسْتَعْجِلُوْنَ	جلدی مانگتے!
وَهُمْ	اور وہ	وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ (۴)	اور نہ آگے بڑھتے ہیں وہ	ثُمَّ قِيْلَ	پھر کہا جائے گا
لَا يُظْلَمُوْنَ	ظلم نہیں کئے جاتے	قُلْ	آپ فرمائیے:	لِلَّذِيْنَ	ان سے جنھوں نے
وَيَقُوْلُوْنَ	اور کہتے ہیں وہ	اَرَءَيْتُمْ	مجھے بتلاؤ	ظَلَمُوْا	ظلم کیا
مَتٰى (۲)	کب (ہوگا)	اِنْ اَتٰىكُمْ	اگر پہنچے تمہیں	ذُوْقُوْا	چکھو
هٰذَا الْوَعْدُ	یہ وعدہ	عَذَابُهٗ	ان کا عذاب	عَذَابَ	سزا
اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم	بَيَاتًا (۶)	رات میں	الْخُلْدِ	دائمی
صٰدِقِيْنَ	سچے؟	اَوْ نَهَارًا	یا دن میں	هَلْ	نہیں
قُلْ	آپ فرمائیے!	مَّاذَا	(تو) کیا چیز	تُجْزَوْنَ	بدلہ دیئے جاؤ گے تم
لَآ اَمْلِكُ	نہیں مالک ہوں میں	يَسْتَعْجِلُ	جلدی لیں گے	اِلَّا	مگر

(۱) علٰی ما الخ متعلق ہے شھید سے (۲) مَتٰی اسم ہے اور وقت دریافت کرنے کے لئے مستعمل ہوتا ہے (۳) اِسْتَاخَرَ بمعنی تَاَخَّر ہے یعنی پیچھے رہنا (۴) اِسْتَقْدَمَ آگے بڑھنا۔ (۵) بیاتًا اور نَهَارًا مفعول فیہ ہیں۔

بِمَا	انہیں (کاموں) کا جو	ظَلَمَتْ (۳)	جس نے ظلم کیا	اِنَّ	بلاشبہ
كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ	تم کمایا کرتے تھے	مَا (۴)	وہ (سب کچھ) جو	لِلّٰهِ	اللہ پاک ہی کیلئے (ہے)
وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ (۱)	اور پوچھتے ہیں وہ آپ سے	فِي الْاَرْضِ	زمین میں ہے	مَا	وہ (سب کچھ) جو
اَحَقٌّ	کیا سچ (ہے)	لَافْتَدَتْ (۵)	(تو) یقیناً جان چھڑانے	فِي السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں (ہے)
هُوَ	وہ؟		کے لئے دیدے وہ	وَالْاَرْضِ	اور (جو) زمین (میں ہے)
قُلْ	آپ فرمایئے	بِهٖ	اس کو	اَلَآ	سنو!
اِيْ	ہاں!	وَاَسَرُّوا	اور چھپائیں گے وہ	اِنَّ	بلاشبہ
وَ	قسم ہے	النَّدَامَةَ	پشیمانی (کو)	وَعْدَ اللّٰهِ	اللہ پاک کا وعدہ
رَبِّيْٓ	میرے پروردگار کی!	لَمَّا رَاَوُا	جب دیکھیں گے وہ	حَقٌّ	سچا (ہے)
اِنَّهٗ	بلاشبہ وہ	الْعَذَابَ	عذاب (کو)	وَّلٰكِنَّ	مگر
لَحَقٌّ	یقیناً سچ ہے	وَقُضِيَ	اور فیصلہ کردیا جائے گا	اَكْثَرَهُمْ	بہت لوگ
وَمَآ اَنْتُمْ	اور نہیں (ہو) تم	بَيْنَهُمْ	ان کے درمیان	لَا يَعْلَمُوْنَ	نہیں جانتے!
بِمُعْجِزِيْنَ	عاجز کرنے والے	بِالْقِسْطِ	انصاف کے ساتھ	هُوَ يُحْيٖ	وہی جلاتے ہیں
وَلَوْ اَنَّ	اور اگر ہو	وَهُمْ	اور وہ	وَيُمِيْتُ	اور مارتے ہیں
لِكُلِّ (۲)	واسطے ہر	لَا يُظْلَمُوْنَ	ظلم نہیں کئے جائیں گے	وَاِلَيْهِ	اور انہی کی طرف
نَفْسٍ	شخص (کے)	اَلَآ	سنو!	تُرْجَعُوْنَ	پھیرے جاؤ گے تم!

انکار قرآن کی سزا دنیا اور آخرت میں ضرور ملے گی

انتالیسویں آیت میں فرمایا گیا تھا کہ لوگ قرآن پاک کی تکذیب کے انجام بد سے ابھی تک دوچار نہیں ہوئے، اب اسی سلسلہ میں مزید وضاحت کی جارہی ہے کہ اس کے انکار کا وبال دنیا ہی میں دیر سویر ضرور آنے والا ہے اور پوری سزا آخرت میں اس کے وقت پر مل کر رہنے والی ہے، فرماتے ہیں — اور جن باتوں کا ہم ان سے وعدہ کررہے ہیں خواہ اس میں سے کچھ ہم آپ کو دکھلا دیں یا آپ کو وفات دیدیں بہرصورت انھیں آنا ہمارے پاس ہی ہے، پھر اللہ پاک ان

(۱) اِسْتِنْبَاءٌ: خبر پوچھنا۔ نَبَأٌ بمعنی خبر سے بنا ہے (۲) لِكُلِّ خبر مقدم ہے اَنَّ کی (۳) ظَلَمَتْ صفت ہے نفس کی (۴) مَافِي الخ اسم مؤخر ہے اَنَّ کا (۵) لَافْتَدَتْ جواب شرط ہے۔

سب کاموں کی اطلاع رکھتے ہیں جو وہ کررہے ہیں! — یعنی ہم نے کفار کو عذاب دینے اور اسلام کو غالب کرنے کے جو وعدے کئے ہیں خواہ ان میں سے بعض وعدے کسی حد تک آپ ﷺ کی زندگی میں پورے کر کے دکھلا دئے جائیں، جیسے ''بدر'' وغیرہ میں دکھلا دیا، یا آپؐ کی وفات ہوجائے اور آپؐ کے سامنے ان میں سے بعض کا ظہور نہ ہو، بہرصورت یہ یقینی بات ہے کہ وہ سب وعدے پورے ہوکر رہیں گے — یعنی یہ کچھ ضروری نہیں کہ دعوتِ حق کی فتح مندی اور منکروں کی نامرادی نبی پاک ﷺ کی زندگی ہی میں ہوجائے، پس منکروں کو یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اس معاملہ کا سارا دارومدار نبی پاک کی زندگی پر ہے، آپؐ نہ رہیں گے تو کچھ نہ ہوگا۔

اس آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ اسلام کا غلبہ کچھ تو نبی پاک ﷺ کے روبرو ہوگا، اور کچھ آپؐ کی وفات کے بعد آپؐ کے نامی گرامی خلفائے راشدینؓ کے ذریعہ ہوگا — بہرحال آپؐ حیات رہیں یا نہ رہیں اللہ پاک کے کئے ہوئے وعدے ضرور پورے ہوکر رہیں گے، اور منکرین دنیا ہی میں دیر سویر ضرور سزا پائیں گے پھر انہیں اللہ پاک ہی کی طرف لوٹنا ہے، وہ بچ کر کہاں بھاگ سکتے ہیں؟ پھر وہاں ان کے سب اعمال اللہ پاک کے روبرو ہوں گے، جن کا بھرپور بدلہ چکایا جائے گا — اور یہی اللہ پاک کا دائمی قانون ہے، فرماتے ہیں — اور ہر ایک امت کے لئے رسول ہے، پھر جب ان کا رسول آجاتا ہے، تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کردیا جاتا ہے اور ان پر ذرہ برابر ظلم نہیں کیا جاتا — یعنی جب کسی قوم کی ہدایت کے لئے رسول تشریف لاتے ہیں، اور لوگ ظلم وتشدد اور تکذیب وانکار کی راہ اختیار کرتے ہیں اور اس کی دعوت کو روک دیتے ہیں تو اللہ پاک دونوں فریقوں کے درمیان فیصلہ فرمادیتے ہیں، یعنی حق فتح مند اور باطل سرنگوں ہوجاتا ہے، اور یہ فیصلہ حق وانصاف کا فیصلہ ہوتا ہے کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں کیا جاتا — کیونکہ رسول کی دعوت کا کسی امتی تک پہنچنا اس پر اللہ پاک کی حجت کا پورا ہوجانا ہے، اس کے بعد صرف فیصلہ ہی باقی رہ جاتا ہے مزید کسی اتمام حجت کی ضرورت باقی نہیں رہتی، اس لئے یہ فیصلہ نہایت درجہ انصاف والا فیصلہ ہوتا ہے کہ جو لوگ رسول کی بات مان لیتے ہیں اور اپنا رویہ درست کرلیتے ہیں وہ اللہ پاک کی رحمت کے حقدار قرار پاتے ہیں، اور جو لوگ اس کی بات ٹھکرادیتے ہیں وہ عذاب کے مستحق بن جاتے ہیں — اور لوگ پوچھتے ہیں کہ: ''اگر تم سچے ہو تو (بتلاؤ) یہ بات کب ہوگی؟'' — یعنی عذاب آنے کی جو دھمکیاں تم دے رہے ہو اور اسلام کی فتح مندی کے جو خواب تم دیکھ رہے ہو یہ سب جھوٹ اور بے اصل خیالات ہیں، اگر واقعی تم سچے ہو تو لے کیوں نہیں آتے؟ بتلاؤ، آخر یہ وعدہ کب پورا ہوگا؟ — آپؐ فرمائیں کہ: ''میں تو خود اپنے لئے کسی نفع نقصان کا مالک نہیں! ہاں جو اللہ پاک چاہیں'' — یعنی وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے، میرے قبضہ اور اختیار میں کچھ نہیں، پس مجھ سے کیا پوچھتے ہو کہ فیصلہ کب ہوگا؟ تمہیں دھمکیاں اللہ پاک نے دی ہیں اور ہم سے

وعدے بھی اللہ پاک نے فرمائے ہیں۔ پس یہ بات انہی کے اختیار میں ہے کہ فیصلہ کب فرمائیں گے اور کس صورت میں اسے تمہارے سامنے لائیں گے!

اللہ پاک کا قانونِ امہال

اور اللہ پاک کا قانون اس سلسلہ میں یہ ہے کہ — ہر ایک امت کے لئے ایک وقت مقرر ہے۔ جب ان کا مقررہ وقت آ پہنچتا ہے تو پھر وہ نہ تو ایک گھڑی پیچھے رہ سکتے ہیں اور نہ ایک گھڑی پہلے پکڑے جاتے ہیں! — یعنی اللہ پاک جلد باز نہیں، ان کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ رسول کی دعوت پہنچنے پر جو فوراً ایمان لے آئیں وہ تو رحمت کے مستحق بنیں اور جو ماننے سے انکار کریں یا تأمل کریں ان پر فوراً عذاب کا فیصلہ نافذ فرما دیں بلکہ ان کا قاعدہ یہ ہے کہ اپنا پیغام پہنچانے کے بعد سوچنے سمجھنے اور سنبھلنے کے لئے کافی وقت دیتے ہیں، کبھی مہلت کا یہ زمانہ صدیوں تک دراز ہو جاتا ہے، کیونکہ اللہ پاک ہی یہ بات بہتر جانتے ہیں کہ کس امت کو اور کس شخص کو کتنی مہلت ملنی چاہئے، پھر جب وہ مہلت پوری ہو جاتی ہے جو سراسر انصاف کے ساتھ ان کے لئے رکھی گئی ہے، اور وہ امت اپنی باغیانہ روش سے باز نہیں آتی، تو اللہ پاک اس پر اپنا فیصلہ نافذ فرما دیتے ہیں اور یہ فیصلہ مقرر کی ہوئی مدت سے نہ ایک گھڑی پہلے آ سکتا ہے، اور نہ وقت آ جانے کے بعد ایک لمحہ کے لئے ٹل سکتا ہے، یہ تو اللہ پاک کا اس سلسلہ میں قانون ہے اور اسی کے مطابق عمل درآمد ہوگا مگر — آپؐ ان (جلدی مچانے والوں) سے پوچھیں کہ: ”مجھے یہ تو بتلاؤ، کہ اگر اس کا عذاب راتوں رات یا دن دہاڑے تم پر آ پڑے تو گنہگار لوگ اس میں سے کیا چیز جلدی لیں گے؟“ — کیا زمین میں دھنسنے کو پسند کریں گے یا پانی میں ڈوبنے کو؟ کیا زلزلہ کی خواہش کریں گے یا سنگ بار ہوا کو پسند کریں گے؟ — اس وقت تو وہ ہر چیز سے پناہ چاہیں گے، پھر آج ایسی کونسی خوشی اور مزے کی بات ہے کہ جس کی وجہ سے گنہگار لوگ جلدی مچا رہے ہیں؟ — کیا پھر جب وہ واقع ہو جائے گا تب تم اس کا یقین کرو گے؟ — لیکن اس وقت کا یقین کیا سودمند ہوگا؟ اس وقت تو تم سے کہا جائے گا کہ — ہاں، اب! — تمہاری عقل ٹھکانے آئی! — حالانکہ تم خود ہی اس کے جلدی آنے کا تقاضہ کر رہے تھے! — پس اب بتلاؤ ہمارے عذاب کا مزہ کیسا ہے؟ — پھر ظلم (شرک وکفر) کرنے والوں سے کہا جائے گا کہ: ”اب دائمی عذاب کا مزہ چکھو! تمہیں تمہارے ہی کئے کا بدلہ ملا ہے!“ — یعنی جونہی دنیا کے عذاب نے ان کی زندگی کا قصہ نمٹایا کہ فوراً ہی آخرت کا دائمی عذاب انہیں آ پکڑے گا! — اور وہ لوگ (چونک کر) آپؐ سے دریافت کرتے ہیں کہ: ”کیا وہ — یعنی دائمی عذاب، آخرت اور مر کر زندہ ہونے کی — بات سچ ہے؟“ — یعنی بات تو چل رہی تھی دنیاوی عذاب کی، اب جو تم آخرت اور اس کے عذاب کی خبریں دینے لگے تو کیا یہ مذاق کر رہے ہو یا سچ کہہ رہے

ہو؟ کیا یہ سچ ہے کہ ہم موت کے بعد زندہ کئے جائیں گے اور دائمی عذاب کا مزہ چکھیں گے؟ کیا واقعی ریزہ ریزہ ہونے اور خاک میں مل جانے کے بعد پھر ہمیں از سر نو زندہ کیا جائے گا؟ —— آپ فرمائیں کہ: ''ہاں، میرے رب کی قسم! وہ بات بالکل سچ ہے! اور تم کسی طرح (اللہ پاک کو) عاجز نہیں کر سکتے'' —— یعنی تعجب کی کیا بات ہے، یہ چیز تو یقیناً ہونے والی ہے، تمہارا مٹی میں مل جانا اور پارہ پارہ ہو جانا اللہ پاک کو اس سے عاجز نہیں کر سکتا کہ پہلے کی طرح تمہیں دوبارہ پیدا کر دیں اور شرارتوں کا مزہ چکھائیں، یہ ناممکن ہے کہ تم ان کے قبضہ سے بھاگ نکلو اور فرار ہو کر انہیں عاجز کر دو —— اور (آخرت کا عذاب اس قدر سخت ہے کہ) اگر ہر ایک ظلم (شرک وکفر) کرنے والے شخص کے پاس وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے تو وہ ضرور اسے اپنی جان چھڑانے کے لئے پیش کر دے —— یعنی اگر روئے زمین کے خزانے، فرض کرو، اس کے قبضہ میں ہوں تو کوشش کرے کہ یہ سب دے کر اللہ پاک کے عذاب سے اپنے کو بچالے —— اور جب وہ لوگ اس عذاب کو دیکھیں گے تو دل ہی دل میں پچھتائیں گے —— یعنی جس آخرت اور اس کے عذاب کو عمر بھر جھٹلاتے رہے، جسے جھوٹ سمجھ کر ساری زندگی غلط کاموں میں کھپا گئے، وہی چیز جب ان کی توقعات کے بالکل خلاف اچانک سامنے آ کھڑی ہوگی تو ان کے پاؤں تلے سے زمین نکل جائے گی، ندامت وحسرت سے دل اندر ہی اندر بیٹھے جا رہے ہوں گے، مگر جس نے خیر خواہ کی بات مان کر نہ دی ہو، وہ دیوالہ نکلنے کے بعد اپنے سوا اور کس کی شکایت کر سکتا ہے؟ —— اور ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا، اور ان پر ذرہ برابر ظلم نہیں کیا جائے گا —— اے لوگو! —— سنو! آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب بلاشبہ اللہ پاک ہی کا ہے —— اور اے لوگو! —— یاد رکھو! اللہ پاک کا وعدہ واقعی سچا ہے (وہ کبھی ٹل نہیں سکتا) لیکن بہت سے آدمی یقین ہی نہیں کرتے! —— وہی جلاتے ہیں اور مارتے ہیں، اور انہی کی طرف تم سب پھیرے جاؤ گے! —— یعنی سارے جہان میں حکومت صرف اللہ پاک کی ہے، انصاف ہو کر رہے گا، کوئی مجرم نہ کہیں بھاگ سکے گا، نہ رشوت دے کر چھوٹ سکے گا، مگر اکثر لوگ ان باتوں کا یقین ہی نہیں کرتے، اور جو زبان پر آئے بک دیتے ہیں اور جو جی میں آئے کرتے رہتے ہیں —— جلانا اور مارنا اللہ پاک ہی کا کام ہے پس ان کے لئے دوبارہ زندہ کرنا کیا مشکل ہے!

يَاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ۭ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ	اے لوگو!	فِي الصُّدُوْرِ[5]	دلوں میں (ہیں)	وَبِرَحْمَتِهٖ	اوراس کی مہربانی پر
قَدْ[1]	بلاشبہ	وَهُدًى	اور راہ نمائی	فَبِذٰلِكَ	تو اسی پر
جَآءَتْكُمْ	تمہارے پاس آگئی ہے	وَّرَحْمَةٌ	اور مہربانی	فَلْيَفْرَحُوْا	چاہئے کہ خوشی منائیں
مَّوْعِظَةٌ[2]	وعظ ونصیحت	لِّلْمُؤْمِنِيْنَ	یقین کرنے والوں کیلئے	هُوَ	وہ
مِّنْ رَّبِّكُمْ[3]	تمہارے رب کی طرف سے	قُلْ	آپ فرمائیے	خَيْرٌ	بہتر (ہے)
وَشِفَآءٌ[4]	اور دوا	بِفَضْلِ[6]	(خوشی مناؤ) انعام پر	مِّمَّا	ان (چیزوں) سے جو
لِّمَا	ان (بیماریوں) کی جو	اللّٰهِ	اللہ پاک کے	يَجْمَعُوْنَ	وہ اکٹھا کرتے ہیں

لوگو! قرآن پر خوشی مناؤ، ایمان لاؤ اور اس پر عمل کرو

انتالیسویں آیت میں یہ فرمایا تھا کہ لوگ اُس کتاب کو جھٹلانے پر تل بیٹھے ہیں، جسے وہ بخوبی سمجھے نہیں۔ اب ان دو آیتوں میں قرآن پاک کی خصوصیات بیان فرماتے ہیں کہ وہ کن اوصاف کی حامل کتاب ہے ارشاد فرماتے ہیں —— اے لوگو! بلاشبہ تمہارے پاس آپہنچی ہے تمہارے رب کی طرف سے:

① —— وعظ ونصیحت —— یہ قرآن پاک کا سب سے پہلا وصف ہے یعنی وہ دل میں اتر جانے والی دلیلوں دلنشیں اسلوبوں اور روح کو متأثر کرنے والے طریقوں سے اپنی بات پیش کرتا ہے، جن سے انسان کا دل نرم ہو جاتا ہے اور اللہ پاک کی طرف جھک جاتا ہے، غفلت کا پردہ چاک ہوتا ہے اور آخرت کی فکر پیدا ہوتی ہے۔

(۱) قَدْ یہاں شک کو دور کرنے اور مضمون کلام کو پختہ کرنے کے لئے آیا ہے (۲) الموعظة اسم ہے وَعَظَ (ض) وَعْظًا سے، جمع مَوَاعِظ ہے۔ موعظة: ایسی نصیحت کو کہتے ہیں جس میں ڈراوا شامل ہو، دلوں میں رقت پیدا کرے اور دماغوں میں بیٹھ جائے (۳) من ربکم جَاءَ سے بھی متعلق ہوسکتا ہے اور محذوف سے متعلق ہوکر موعظة کی صفت بھی بن سکتا ہے (۴) الشفاء: الدواء جمع اَشْفِيَةٌ اور جمع الجمع اَشَافِيُ (روح) (۵) صَدْرٌ کی جمع ہے، جس کے معنی سینہ کے ہیں مگر یہاں مراد دل ہے۔ (۱) بِفَضْلِ اللّٰهِ اور برحمته درحقیقت فعل محذوف سے متعلق ہیں أی: لِيَفْرَحُوْا بِفَضْلِ الخ پھر جار مجرور کو حصر کا مفہوم پیدا کرنے کے لئے فعل پر مقدم کیا گیا ہے، پھر ليفرحوا پر فاء سببیہ داخل کی گئی ہے پس تقدیر عبارت بفضل اللّٰه وبرحمته فليفرحوا ہوگئی، پھر تاکید کے لئے اسی کے ہم معنی دوسرا جملہ لایا گیا یعنی فبذلک فليفرحوا، پھر پہلے جملے میں سے فعل فليفرحوا کو حذف کر دیا گیا ہے —— پس اس ارشاد میں حصر بھی ہے اور مضمون مؤکد بھی ہے —— اور فضل خداوندی اور رحمت ربانی دونوں سے مراد قرآن پاک ہے اور اسی کی طرف ذٰلِکَ کا اشارہ ہے اور اسی کی طرف هُوَ خَيْرٌ کی ضمیر راجع ہے۔

⑵ —— اور دل کی بیماریوں کی دوا —— ایک نسخۂ شفا! —— جو بھی اس نسخۂ اکسیر پر عمل کرے گا اس کا دل ہر قسم کی گندگیوں اور خرابیوں سے پاک صاف ہو جائے گا —— دل کی بیماریاں کیا ہیں؟ شرک وکفر، شک ونفاق، کینہ وحسد، ظلم وعدوان سے محبت، شر وباطل کی طرف رغبت اور بھلائیوں سے نفرت انسان کی فکری اور اخلاقی بیماریاں ہیں، جن کے لئے قرآن پاک نسخۂ شفا ہے۔

⑶ —— اور راہ نمائی —— یعنی قرآن پاک لوگوں کو اللہ پاک تک پہنچنے کا اور اس کی خوشنودی اور رضامندی حاصل کرنے کا راستہ بتاتا ہے۔

⑷ —— اور مہربانی —— یعنی ایک پیامِ رحمت! —— یقین کرنے والوں کے لئے —— یعنی یہ چاروں فائدے یقین کرنے والوں کو حاصل ہوتے ہیں، منکرین نہ تو قرآن پاک کی نصیحتوں سے متأثر ہوتے ہیں، نہ اس سے ان کی دلوں کی بیماریوں کا علاج ہوتا ہے، نہ انہیں اس سے کوئی راہ ملتی ہے اور نہ ہی وہ ان کے لئے پیامِ رحمت ہے —— یہ فائدے صرف اس شخص کو حاصل ہوتے ہیں جو قرآن پاک کو اللہ کی کتاب مان کر پڑھتا ہے —— اور یہ قرآن پاک کے اوصاف کا محض مدعیانہ اعلان نہیں ہے بلکہ اس کی صداقت کی سب سے بڑی دلیل بھی خود قرآن ہے —— اگر ایک شخص دعویٰ کرے کہ وہ طبیب ہے تو اس کے دعوے کو جانچنے کا سہل ترین راستہ یہ ہے کہ دیکھا جائے کہ اس کے علاج سے بیماروں کو شفا ملتی ہے یا نہیں؟ —— اگر ہم دیکھیں کہ موت کی آغوش میں پہنچے ہوئے بیمار اس کے شفاخانہ میں داخل ہوئے اور تندرست ہو کر نکلے تو ہمیں تسلیم کرنا ہوگا کہ وہ اپنے دعوے میں سچا ہے —— اب اس کسوٹی پر قرآن پاک کے دعوے کو جانچئے، اس کے دارالشفاء میں مؤمنوں اور متقیوں کی جو جماعت تیار ہوئی ہے اور مسلسل ہوتی رہتی ہے اسے دیکھئے کہ وہ سب تندرست ہو گئے یا نہیں؟ عرب جاہلیت کے مریضانِ قلب وروح میں سے ابوبکر، عمر، عثمان، علی، خالد، سلمان، ابوذر، بلال، رضی اللہ عنہم وغیرہ لاکھوں روحیں تندرست ہو گئیں یا نہیں؟ پھر اب اس کے نسخۂ شفا ہونے میں کیا شک باقی رہ جاتا ہے؟ پس اب —— آپ فرمادیجئے کہ: ''لوگوں کو انعامِ الٰہی اور رحمت خداوندی پر ضرور خوشی منانی چاہئے —— کیونکہ —— وہ ان تمام چیزوں سے بہتر ہے جسے لوگ جمع کرتے ہیں —— یعنی قرآن پاک انعامِ الٰہی اور رحمتِ خداوندی ہے، لوگوں کو چاہئے کہ اس کی قدر کریں، دنیا کے چند روزہ مال ومنال کی خاطر اس سے صرفِ نظر نہ کریں، حیاتِ فانی کی دلچسپیوں اور خواہشوں کی وجہ سے قرآن پاک کو پس پشت نہ ڈالیں، بلکہ تا بحدِ امکان اس پر خوشیاں منائیں۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ

قُلْ اٰۤللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ۝٥٩ وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝٦٠ ع

قُلْ	آپ پوچھئے	قُلْ(۴)	پوچھو	يَفْتَرُوْنَ	باندھتے ہیں
اَرَءَيْتُمْ(۱)	تم (مجھے) بتلاؤ	اٰۤللّٰهُ(۵)	کیا اللہ پاک (نے)	عَلَى اللّٰهِ	اللہ پاک پر
مَّآ اَنْزَلَ(۲)	جو اتاری (ہے)	اَذِنَ	اجازت دی ہے	الْكَذِبَ	جھوٹ
اللّٰهُ	اللہ پاک (نے)	لَكُمْ	تمہیں	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	قیامت کے دن کو؟
لَكُمْ	تمہارے لئے	اَمْ	یا	اِنَّ اللّٰهَ	بلاشبہ اللہ پاک
مِّنْ رِّزْقٍ(۳)	روزی	عَلَى اللّٰهِ	اللہ پاک پر	لَذُوْ فَضْلٍ	بڑے انعام فرمانے والے ہیں
فَجَعَلْتُمْ	پھر ٹھیرا لیا ہے تم نے	تَفْتَرُوْنَ	تم جھوٹ باندھتے ہو؟	عَلَى النَّاسِ	لوگوں پر
مِّنْهُ	اس میں سے کچھ (کو)	وَمَا(۶)	اور کیا	وَلٰكِنَّ	مگر
حَرَامًا	حرام	ظَنُّ(۷)	سمجھ رکھا ہے	اَكْثَرَهُمْ	اکثر لوگ
وَّحَلٰلًا	اور (کچھ کو) حلال	الَّذِيْنَ	ان لوگوں نے جو	لَا يَشْكُرُوْنَ	شکر نہیں کرتے!

نص کے بغیر کسی چیز کو حرام ٹھہرالینا اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھنا ہے

(قرآنِ کریم کے انعام ورحمت ہونے کی مثال)

پچھلی آیت میں بیان فرمایا تھا کہ قرآن پاک اللہ جل شانہ کا بہت بڑا انعام اور اس کی رحمت ہے، اللہ پاک نے اس کے ذریعہ انسانیت پر فضل وکرم فرمایا ہے، اب ایک مثال سے اس کی وضاحت کی جاتی ہے۔

(۱) اَرَءَيْتُمْ فعل اور فاعل ہیں (۲) ما موصولہ ہے اور اَرَءَيْتُمْ کا پہلا مفعول ہے اور شرط کے معنی کو متضمن ہے اس لئے فَجَعَلْتُمْ پر فاء جزائیہ آئی ہے (۳) من بیانیہ ہے (۴) قُلْ تاکید کے لئے مکرر لایا گیا ہے (۵) جملہ آللّٰہُ الخ دوسرا مفعول ہے اَرَءَيْتُمْ کا۔ (۶) مَا استفہامیہ ہے اور مبتداء ہے۔ (۷) ظَنّ مصدر ہے اور خبر ہے اور اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے اور یوم القیامۃ اس کا مفعول ثانی ہے اور پہلا مفعول ما استفہامیہ ہے مگر چونکہ وہ صدارت کلام کو چاہتا ہے اس لئے شروع میں آکر مبتدا بن گیا ہے لہٰذا اب پہلا مفعول اس کے قرینہ سے یَوْمَ القیامۃ سے پہلے ما محذوف مان لیں گے۔

نزول قرآن سے پہلے اقوامِ عالم کی ایک عالم گیر گمراہی یہ تھی کہ وہ کھانے پینے کی چیزوں کے بارے میں طرح طرح کے فرضی اور وہمی قاعدے بنالیتے تھے، اس وقت حلت وحرمت کی بنیاد علم کی کسی روشنی پر نہیں تھی بلکہ محض اوہام وخرافات پر تھی، عرب کے مشرکوں نے اپنے اوہام وخرافات کی بناپر بہت سی چیزوں کا استعمال حرام ٹھہرالیا تھا۔ سورۃ المائدہ آیت ۱۰۳ اور سورۃ الانعام آیات (۱۳۶-۱۴۴) میں اس کا مفصل تذکرہ ہے، ہمارے اپنے ہندوستان کے لوگوں نے اہنسا کا نام لے کر کیا کیا کچھ حرام نہیں کرلیا تھا۔ سنت، سنیاسی اور جوگیوں نے تو حرام چیزوں کی فہرست کچھ اور بڑھادی تھی اور یہی حالت دنیا کی دوسری تمام اقوام کی بھی تھی۔

ایسے میں قرآن پاک نے نازل ہوکر نوع انسانی کو اس حالت سے نجات دلائی، اس نے اعلان کیا کہ زمین میں جتنی اچھی چیزیں اللہ پاک نے پیدا فرمائی ہیں، وہ سب اس لئے ہیں کہ انسان انہیں برتے، قرآن پاک نے واضح کیا کہ کھانے پینے کی تمام چیزوں میں اصل اباحت ہے نہ کہ حرمت یعنی جتنی چیزیں کھانے کے قابل ہیں سب حلال ہیں، الا یہ کہ وحی الٰہی نے کسی چیز کو حرام ٹھہرادیا ہو، اور اللہ پاک نے صرف انہی چیزوں سے روکا ہے جو خبائث یعنی مضر اور گندی ہیں باقی سب چیزیں طیبات یعنی پاکیزہ اور ستھری ہیں، اور اللہ پاک کے سوا اور کسی کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اس کی پیدا کی ہوئی کسی چیز کو حرام ٹھہرادے ـــــ پس یہ کس قدر عظیم انعام خداوندی اور رحمت ربانی ہے، جو قرآن پاک کی شکل میں لوگوں کو ملی ہے؟ ارشاد فرماتے ہیں ـــــ آپؐ ان لوگوں سے پوچھیں: ''بتلاؤ جو روزی اللہ پاک نے تمہارے لئے اتاری ہے، پھر تم نے اس میں سے کچھ کو حرام اور کچھ کو حلال ٹھہرالیا ہے، آپؐ پوچھیں: ـــــ کیا اللہ پاک نے تم کو (اس کی) اجازت دی ہے یا تم اللہ پاک کے نام پر جھوٹ باندھتے ہو؟'' ـــــ یعنی کیا اللہ پاک نے تم کو اپنی بخشی ہوئی روزی میں اس کے استعمال کی حدود وقوانین اور ضوابط بنالینے کا مجاز کردیا ہے، یا تم نے محض اپنے اوہام وخیالات سے کسی چیز کو حلال اور کسی چیز کو حرام ٹھہرا لیا ہے؟ اگر پہلی صورت ہے تو براہِ کرم اس کی سند دکھاؤ، ورنہ پھر تمہاری یہ حرکت بجز افترا پردازی کے اور کیا ہوسکتی ہے؟

شریعت سازی کرنے والے قیامت سے ڈریں

ارشاد فرماتے ہیں: ـــــ اور جو لوگ اللہ پاک کے پر نام جھوٹ باندھتے ہیں انھوں نے قیامت کے دن کو کیا سمجھ رکھا ہے؟ ـــــ کیا بچوں کا کھیل سمجھ رکھا ہے؟ انہیں کچھ معلوم بھی ہے کہ اس دن ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا؟ ـــــ انھیں کچھ احساس بھی ہے کہ یہ کتنا سخت جرم ہے، روزی اللہ پاک کی ہے وہ خود بھی اللہ پاک کے ہیں، پھر یہ حق آخر انھیں کہاں سے حاصل ہوگیا کہ اللہ پاک کی بخشی ہوئی روزی میں خود حد بندیاں شروع کردیں ـــــ کیا ان کی یہ آزادی اور خودمختاری قیامت کے دن بخش دی جائے گی؟ اور ان کی من مانی حرکتوں سے درگزر کردیا جائے گا؟ کیا ان کی سخت پکڑ نہیں کی جائے

گی؟— بلاشبہ اللہ پاک لوگوں پر بڑے انعام فرمانے والے ہیں— انہوں نے اپنے فضل وکرم ہی سے انسانوں کی راہنمائی کے لئے ہمیشہ وحی بھیجی ہے، اور اب قرآن پاک جیسی عظیم نعمت نازل فرمائی ہے اور اس کے ذریعہ لوگوں کی ہدایت کا سامان کیا ہے— مگر اکثر لوگ شکر نہیں کرتے— اللہ پاک کی وحی نے علم ویقین کی جو روشنی پیش کی ہے اسے اپنے سامنے نہیں رکھتے بلکہ ہدایت وبصیرت کی ایسی صاف روشنی کو چھوڑ کر اپنے اوہام وخیالات کے اندھیروں میں بھٹکتے پھرتے ہیں اور اللہ پاک کے فضل وانعام کی ناقدری کرتے ہیں!

وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُوا مِنْهُ مِنْ قُرْآنٍ وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ ۚ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذَٰلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ﴿٦١﴾

وَمَا	اور نہیں	مِنْ قُرْآنٍ (۵)	قرآن میں سے	شُهُودًا	معائنہ کرنے والے
تَكُونُ (۱)	ہوتے آپ	وَلَا	اور نہیں	إِذْ (۹)	جب
فِي شَأْنٍ (۲)	کسی بڑے کام میں	تَعْمَلُونَ (۶)	کرتے تم لوگ	تُفِيضُونَ	مصروف ہوتے ہو تم
وَمَا	اور نہیں	مِنْ عَمَلٍ	کوئی کام	فِيهِ	اس (کام) میں
تَتْلُوا (۳)	تلاوت فرماتے آپ	إِلَّا كُنَّا (۷)	مگر ہوتے ہیں ہم	وَمَا يَعْزُبُ (۱۰)	اور نہیں اوجھل ہوتی
مِنْهُ (۴)	اس (بڑے کام) کیلئے	عَلَيْكُمْ (۸)	تمہارا	عَنْ رَبِّكَ	آپ کے پروردگار سے

(۱) تَكُونُ کا اسم ضمیر ہے اور خبر فی شأن ہے (۲) شأن مصدر ہے باب فتح کا اور اسم مفعول کے معنی میں ہے، شَأَنَهُ يَشْأَنُه شَأْنًا: ارادہ کرنا (۳) تتلوا جمع کا صیغہ نہیں ہے بلکہ فعل مضارع کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے اور آخر میں الف اسی قاعدہ سے لکھا گیا ہے جس کا تذکرہ آیت ۲۵ کے حاشیہ میں کیا گیا ہے (۴) منه کی ضمیر شأن کی طرف راجع ہے اور من اجلیہ ہے (۵) من قرآن مفعول ہے تتلوا کا (۶) فعل مضارع کی نفی جب ما کے ذریعہ کی جاتی ہے تو وہ حال کے معنی کے ساتھ مخصوص ہو جاتا ہے اور جب لا کے ذریعہ کی جاتی ہے تو وہ استقبال کے معنی کے ساتھ مخصوص ہو جاتا ہے (روح) (۷) پچھلی تینوں نہیوں کے لئے یہ اثبات ہے جس کا مقصد حصر کا مفہوم پیدا کرنا ہے (۸) علیکم متعلق ہے شھودا سے (۹) إِذْ ظرف ہے شھودًا کا (۱۰) عَزَبَ (ن،ض) عُزُوْبًا: دور ہونا، غائب ہونا پوشیدہ ہونا۔

مِنْ مِّثْقَالِ[1]	کوئی ذرہ برابر چیز	فِي السَّمَآءِ	آسمان میں	اَكْبَرَ	بڑی (اس سے)
ذَرَّةٍ		وَلَآ اَصْغَرَ[2]	اور نہ کوئی چھوٹی چیز	اِلَّا[3]	مگر
فِي الْاَرْضِ	زمین میں	مِنْ ذٰلِكَ	اُس (ذرہ) سے	فِيْ كِتٰبٍ	روشن کتاب میں
وَلَا	اور نہ	وَلَآ	اور نہ	مُّبِيْنٍ	(لکھی ہوئی ہے)

لوگوں کی ہر بھلائی برائی اللہ پاک کے سامنے ہے،

پس نیکوکار خوشیاں منائیں اور بدکار اپنی خیر منائیں

پچھلی آیتوں میں آپ نے پڑھا کہ قرآن پاک کی صورت میں اللہ پاک نے لوگوں پر بہت بڑا کرم فرمایا ہے نیز اللہ پاک کا یہ ارشاد بھی آپ نے سنا کہ: ''اکثر لوگ شکر نہیں کرتے!'' اب ارشاد فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ اور آپؐ کے نقش قدم پر چلنے والے امتی قرآن پاک کے ذریعہ جو بھی دعوت وتبلیغ کا کام کرتے ہیں وہ سب اللہ پاک کے حضور میں ہے اور لوگ جو بھی اچھی یا بری روش اختیار کرتے ہیں وہ بھی اللہ پاک کی نظر میں ہے، اللہ پاک کائنات کے ذرے ذرے سے پوری طرح باخبر ہیں، پس کوئی یہ نہ سمجھے کہ ہماری محنتوں کو کوئی دیکھنے والا نہیں، اور کوئی اس زعم باطل میں مبتلا نہ رہے کہ ہم پر کوئی پاسبان نہیں ہم آزاد ہیں جو چاہیں کریں، ارشاد فرماتے ہیں — اور آپؐ جس بڑے کام میں بھی (مشغول) ہوتے ہیں، اور اس مقصد کی خاطر جب بھی قرآن پاک میں سے کچھ تلاوت فرماتے ہیں، اور (لوگو!) تم جو بھی کام کرتے ہو، تو ہم تمہیں دیکھتے رہتے ہیں جب تم ان کاموں میں مصروف ہوتے ہو! — یعنی ہمارے رسول اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے مؤمنین، قرآن پاک کی تبلیغ اور لوگوں کی اصلاح کے لئے جس تن دہی، جاں فشانی اور صبر وتحمل سے کام کرتے ہیں وہ سب ہماری نظر میں ہے، نیز لوگ داعیٔ حق اور خیر خواہ خلق کی اصلاحی کوششوں کے مقابلے میں جو بھی موقف اختیار کرتے ہیں وہ بھی ہماری نظر کے سامنے ہے، ہم سب کے احوال سے پوری طرح باخبر ہیں — اس میں نبی پاک ﷺ اور مؤمنوں کی تسکین کا سامان ہے اور مخالفوں کو دھمکی دی گئی ہے، یعنی ایسے پر خطر کام پر مأمور کر کے اللہ پاک نے نبی پاک ﷺ اور مؤمنوں کو تنہا نہیں چھوڑ دیا بلکہ وہ جو کچھ کررہے ہیں اللہ پاک اس سے باخبر ہیں، پس مخالفین یہ نہ سمجھ لیں کہ ان کی حرکتوں کو کوئی دیکھنے والا نہیں اور کبھی ان کے کرتوتوں پر باز پرس نہ ہوگی — اور آپ کے پروردگار سے کوئی

(۱) من زائدہ نفی کی تاکید کے لئے ہے اور يَعْزُبُ کا فاعل ہے (۲) لا نفی جنس کا ہے اَصْغَرَ اور اَكْبَرَ اس کے اسم ہیں، فِيْ كِتٰبٍ محذوف متعلق ہوکر اس کی خبر ہے (۳) اِلَّا نفی کے بعد اثبات ہے جو حصر کررہا ہے۔

ذرہ برابر چیز اوجھل نہیں، زمین میں نہ آسمان میں، اور اس سے چھوٹی یا بڑی جو بھی چیز ہے وہ روشن کتاب میں (لکھی ہوئی) ہے —— یعنی مؤمنوں کی ہر چھوٹی بڑی قربانی اور مخالفوں کی ہر حرکت اللہ پاک کے سامنے ہے، وہاں کوئی عمل ضائع نہیں جائے گا، ہر عمل کی جزاء وسزا مل کر رہے گی، پس اللہ پاک کے دوست خوش ہو جائیں! اور دشمن اپنی خیر منائیں!

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ لَهُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ ۚ لَا تَبْدِیْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۶۴﴾ وَلَا یَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا ۚ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۶۵﴾

اَلَآ اِنَّ	سنو! بلاشبہ	وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَ	اور پرہیزگار بنے رہے	الْعَظِیْمُ	بڑی
اَوْلِیَآءَ (۱)	دوست	لَهُمُ (۳)	ان کے لئے (ہے)	وَلَا یَحْزُنْكَ	اور نہ رنجیدہ کریں آپکو
اللّٰهِ	خداتعالیٰ کے	الْبُشْرٰی	خوشخبری	قَوْلُهُمْ	ان کی باتیں
لَا خَوْفٌ	نہیں خوف (ہے)	فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا	دنیا کی زندگی میں	اِنَّ الْعِزَّةَ	بلاشبہ عزتیں
عَلَیْهِمْ	ان پر	وَفِی الْاٰخِرَةِ	اور آخرت میں	لِلّٰهِ	اللہ پاک کے واسطے (ہیں)
وَلَا هُمْ	اور نہ وہ	لَا تَبْدِیْلَ (۴)	نہیں بدلنا ہے	جَمِیْعًا (۵)	ساری
یَحْزَنُوْنَ	غمگین ہوں گے	لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ	ارشادات خداوندی (کو)	هُوَ السَّمِیْعُ	وہ خوب سننے والے
الَّذِیْنَ (۲)	(یہ وہ لوگ ہیں) جو	ذٰلِكَ هُوَ	یہ (ہے) وہ	الْعَلِیْمُ	اچھی طرح جاننے
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	الْفَوْزُ	کامیابی		والے (ہیں)

قرآنِ کریم کے ذریعہ دین کی محنت کرنے والوں کا تذکرہ

پچھلی آیتوں میں دوطرح کے لوگوں کا اجمالی تذکرہ آیا ہے، ایک قرآن پاک کے ذریعہ دین کی محنت کرنے والوں کا، دوسرے قرآن پاک کے منکروں کا —— اب ان آیتوں میں پہلی قسم کے لوگوں کا مفصل حال بیان کیا جاتا ہے ——

(۱) وَلِیٌّ کی جمع ہے: دوست، مقرب، وَلِیَ (س) وَلْیًا: قریب ہونا، متصل ہونا (۲) الَّذِیْنَ مبتداء محذوف کی خبر ہے، أی هم الذین (۳) لَهُمْ خبر مقدم ہے (۴) تَبْدِیْل مصدر ہے اور لا کا اسم ہے (۵) جمیعًا حال ہے العزة سے۔

سنو! بلاشبہ مقربانِ الٰہی کے لئے نہ تو کسی قسم کا اندیشہ ہے اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے ـــ یعنی آخرت میں انہیں محشر کے ہولناک احوال کا کوئی خوف نہیں ہوگا، اور نہ موت کے وقت اور موت کے بعد دنیا کے چھوٹ جانے پر غمگین ہوں گے ـــ غور کیجئے! کیا ارشاد فرمایا؟ یہ فرمایا کہ: ''مقربانِ الٰہی کے لئے کسی قسم کا اندیشہ نہیں'' یہ نہیں فرمایا کہ وہ ڈریں گے نہیں، کیونکہ جب وہ خوفناک احوال سے دوچار ہوں گے تو قدرتی طور پر ڈریں گے، مگر چونکہ نفس الامر میں ان کے لئے کوئی اندیشہ والی بات نہیں، اس لئے اللہ پاک اپنے فرشتوں کے ذریعہ ان کی تسلی فرمائیں گے۔

موت کا منظر اتنا ڈراؤنا ہے کہ پِتّا پانی ہوجاتا ہے، قبر کی منزل اس سے بھی زیادہ سخت ہے، قیامت کی بڑی گھبراہٹ پھر میزان وحساب اور پل صراط کی منزل انسان کو وارفتہ بنادے گی، لیکن اللہ پاک کے مقرر کئے ہوئے فرشتے ان تمام مواقع میں مقربانِ الٰہی کو تسلی دیں گے کہ آپ لوگ مطمئن رہیں، آپ لوگوں کے لئے ڈر اور اندشیہ والی کوئی بات نہیں ـــ یہ لوگ دنیا کے چھوٹ جانے پر بالکل رنجیدہ نہیں ہوں گے، یعنی آزردگی کا سرے سے وجود ہی نہیں ہوگا۔

مقربانِ الٰہی کون لوگ ہیں؟

(یہ وہ لوگ ہیں) ـــ جو ایمان لائے اور پرہیزگار بنے رہے ـــ یعنی ہر متقی مؤمن اللہ پاک کا ولی ہے ـــ پرہیزگار بنے رہنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کبھی بھی ان سے کسی گناہ کا صدور نہ ہو، یہ شان تو معصوموں کی ہے، بلکہ گناہ ہوجانے پر اگر بندہ توبہ واستغفار کرے اور اس پر انابت وندامت طاری ہوجائے تو اس گناہ کا دھبہ دھل جاتا ہے، حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ: ''گناہ سے توبہ کرنے والا بندہ بالکل اس بندے کی طرح ہے جس نے گناہ کیا ہی نہیں'' (ابن ماجہ) بعض روایات میں ہے کہ: ''آدمی گناہوں سے توبہ کے بعد ایسا بے گناہ ہوجاتا ہے جیسا کہ وہ اپنی پیدائش کے وقت تھا''

بلکہ توبہ کا نتیجہ صرف اتنا ہی نہیں ہوتا کہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں اور گناہوں کی ظلمت اور سیاہی کے داغ دھل جاتے ہیں بلکہ توبہ کرنے والا بندہ اللہ پاک کا محبوب اور پیارا ہوجاتا ہے اور اس کی توبہ سے اللہ پاک کو بے خد خوشی ہوتی ہے ـــ

انہیں کے لئے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں خوشخبری ہے! ـــ دنیا میں تو انہیں سب سے بڑی خوش خبری یہ دی گئی ہے کہ آخرت میں ان کے لئے نہ تو کسی قسم کا اندیشہ ہے اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے، پھر موت کے قریب فرشتے ان کو جنت کی بشارت سناتے ہیں، نیز سچے اور مبارک خواب بھی انہیں نظر آتے ہیں یا ان کے لئے دوسرے بندگانِ خدا کو دکھائے جاتے ہیں، تائید ربانی اور امدادِ خداوندی سے ان کی بگڑی بنا کرے گی اور لوگوں میں ان کی نیک نامی کا شہرہ ہوگا ـــ اور آخرت میں ان کے لئے جنت کی خوش خبری ہے اور دیدارِ خداوندی کی بشارت۔

ایمان وتقویٰ کی راہ سعادت کی راہ ہے، جس کے قدم بھی اس راہ میں جم گئے اس کے لئے نہ تو کسی طرح کا اندیشہ ہے، نہ کسی طرح کی غمگینی!

اللہ پاک کے ارشادات اٹل ہیں — ان کی باتیں سچی، اور ان کے وعدے پکے ہیں، پس وہ جو بشارتیں اپنے دوستوں کو دیتے ہیں وہ ضرور پوری ہو کر رہیں گی — یہی بڑی کامیابی ہے! — اس سے بڑھ کر کوئی فیروزمندی نہیں، پس جو لوگ دوسروں پر بازی لے جانا چاہتے ہیں، وہ اس چیز کو حاصل کرنے میں بازی لے جانے کی کوشش کریں۔

لیکن اس ماحول میں جہاں لوگوں کی اکثریت اللہ پاک کی نعمتِ قرآن کی ناشکری کرنے والی ہو، کچھ لوگوں کا پرہیزگار بنے رہنا کس قدر مشکل کام ہے؟! ایسے ماحول میں دیندار بنے رہنا اپنے آپ کو لوگوں کے طعن وتشنیع اور تمسخر واستہزاء کا نشانہ بنالینا ہے، سارا ماحول ایسے لوگوں کو ذلیل وحقیر سمجھنے لگتا ہے، اس لئے آخر میں ارشاد فرماتے ہیں — اور آپ لوگوں کی باتوں سے آزردہ نہ ہوں — ان احمقوں اور شریروں کی حرکتوں سے رنجیدہ نہ ہوں — عزتیں ساری اللہ پاک ہی کے لئے ہیں — پس وہ جسے عزت بخشیں وہی معزز ہے اور جو ان کی نگاہ میں ذلیل ہے وہ کبھی عزت مآب نہیں ہوسکتا — عزت نام ہے مقبولیت عنداللہ کا، جو اللہ پاک کے یہاں مقبول ہے وہی معزز ہے، قبولیت عندالناس کا نام عزت نہیں کہ لوگ اچھا سمجھیں تو ہم اچھے ہو جائیں اور وہ برا سمجھنے لگیں تو ہم برے ہو جائیں، کیونکہ عزت ہماری اور تابع دوسروں کے، اور تابع بھی ان کے تخیل کے، ایسی عزت کیا خاک عزت ہے! یہ تو اپنے تخیل کا پیٹ بھرنا ہے — وہ خوب سننے والے اچھی طرح جاننے والے ہیں — پس وہ خود ہی مقربانِ الٰہی کے ساتھ نازیبا برتاؤ کرنے والوں سے وقت پر نمٹ لیں گے۔

أَلَآ إِنَّ لِلَّهِ مَن فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَمَن فِى ٱلْأَرْضِ ۗ وَمَا يَتَّبِعُ ٱلَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ شُرَكَآءَ ۚ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا ٱلظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ﴿٦٦﴾ هُوَ ٱلَّذِى جَعَلَ لَكُمُ ٱلَّيْلَ لِتَسْكُنُوا۟ فِيهِ وَٱلنَّهَارَ مُبْصِرًا ۚ إِنَّ فِى ذَٰلِكَ لَءَايَٰتٍ لِّقَوْمٍ يَسْمَعُونَ ﴿٦٧﴾ قَالُوا۟ ٱتَّخَذَ ٱللَّهُ وَلَدًا ۗ سُبْحَٰنَهُۥ ۖ هُوَ ٱلْغَنِىُّ ۖ لَهُۥ مَا فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَمَا فِى ٱلْأَرْضِ ۚ إِنْ عِندَكُم مِّن سُلْطَٰنٍۭ بِهَٰذَآ ۚ أَتَقُولُونَ عَلَى ٱللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦٨﴾ قُلْ إِنَّ ٱلَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى ٱللَّهِ ٱلْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ﴿٦٩﴾ مَتَٰعٌ فِى ٱلدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا

مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيدَ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ۝

ع ۱۲

اَلَآ اِنَّ	سنو! بلاشبہ	لَكُمُ	تمہارے لئے	مَا	جو
لِلّٰهِ (۱)	اللہ پاک کے لئے (ہیں)	الَّيْلَ	رات	فِي السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں ہے
مَنْ	جو	لِتَسْكُنُوْا	تا کہ چین پاؤتم	وَمَا	اور جو
فِي السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں ہے	فِيْهِ	اس میں	فِي الْاَرْضِ	زمین میں ہے
وَمَنْ (۲)	اور جو	وَالنَّهَارَ	اور دن	اِنْ	نہیں (ہے)
فِي الْاَرْضِ	زمین میں ہیں	مُبْصِرًا	دکھلانے والا (روشن)	عِنْدَكُمْ	تمہارے پاس
وَمَا يَتَّبِعُ (۳)	اور نہیں پیروی کرتے	اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ	بلاشبہ اس میں	مِّنْ سُلْطٰنٍ (۶)	کوئی دلیل
الَّذِيْنَ	(وہ لوگ) جو	لَاٰيٰتٍ	یقیناً نشانیاں (ہیں)	بِهٰذَا	اس (قول) کی
يَدْعُوْنَ	پکارتے ہیں	لِّقَوْمٍ	ان کے لئے جو	اَتَقُوْلُوْنَ	کیا کہتے ہوتم
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ پاک کے سوا	يَّسْمَعُوْنَ	سنتے ہیں	عَلَى اللّٰهِ	اللہ پاک کے متعلق
شُرَكَآءَ	شریکوں (کو)	قَالُوا	کہتے ہیں وہ	مَا	(وہ بات) جو
اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ	نہیں پیروی کرتے وہ	اتَّخَذَ	بنالی	لَا تَعْلَمُوْنَ	تم جانتے نہیں؟
اِلَّا الظَّنَّ	مگر گمان (کی)	اللّٰهُ	اللہ پاک (نے)	قُلْ	فرمایئے:
وَاِنْ هُمْ	اور نہیں (ہیں) وہ	وَلَدًا	اولاد	اِنَّ الَّذِيْنَ	بلاشبہ جولوگ
اِلَّا يَخْرُصُوْنَ	مگر اٹکلیں دوڑاتے	سُبْحٰنَهٗ (۴)	اللہ پاک ہیں	يَفْتَرُوْنَ	باندھتے ہیں
هُوَ الَّذِيْ	وہی جنھوں نے	هُوَ الْغَنِيُّ	وہ تو بے نیاز (ہیں)	عَلَى اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ پر
جَعَلَ	بنائی	لَهٗ (۵)	انہی کی ملک (ہے)	الْكَذِبَ	جھوٹ

(۱) لِلّٰهِ خبر مقدم ہے اِنَّ کی (۲) مَنْ مبتدا ہے اور فِي السَّمٰوٰتِ محذوف سے متعلق ہوکر خبر ہے، پھر پورا جملہ اِنَّ کا اسم مؤخر ہے (۳) مَا نفی ہے اور اِلَّا الظَّنَّ اثبات کے لئے ہے، دونوں سے حصر پیدا ہوا ہے، اور جملہ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ فاعل ہے يَتَّبِعُ کا اور شُرَكَآءَ مفعول ہے يَدْعُوْنَ کا اور اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ تکرار ہے مَا يَتَّبِعُ کی۔ (۴) سُبْحَان مصدر ہے اور لازم الاضافت ہے اور اس کے عامل کا محذوف رکھنا واجب ہے (۵) لَهٗ خبر مقدم ہے اور جملہ مَا فِي السَّمٰوٰتِ مبتداء مؤخر ہے (۶) مِن زائدہ ہے نفی کی تاکید کے لئے لایا گیا ہے اور مِنْ سُلْطٰنٍ مبتدا مؤخر ہے اور عِنْدَكُمْ خبر مقدم ہے اور بِهٰذَا متعلق ہے سُلْطٰنٍ سے۔

لَا يُفْلِحُوْنَ	کامیاب نہیں ہوں گے وہ	اِلَيْنَا	ہماری طرف (ہے)	اَلْعَذَابَ	سزا
مَتَاعٌ	چندروزہ مزے ہیں	مَرْجِعُهُمْ	انہیں پلٹنا	الشَّدِيْدَ	سخت
فِي الدُّنْيَا	دنیا میں	ثُمَّ	پھر	بِمَا	اس کفر کے بدلے میں جو
ثُمَّ	پھر	نُذِيْقُهُمُ	چکھائیں گے ہم انہیں	كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ	وہ کیا کرتے تھے!

جولوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ کبھی فلاح نہیں پائیں گے

جولوگ قرآن پاک کے ذریعہ دین کی محنت کرتے ہیں یعنی اسکے ذریعہ خود سنورتے ہیں اور دوسروں کو سنوارتے ہیں ان کا مفصل حال آپ نے پڑھ لیا، اب دوسرے لوگوں کا حال پڑھئے جو قرآن پاک کے مخالف اور منکر ہیں —— جس طرح اُنہیں دنیوی اور اخروی بشارتیں دی گئی تھیں، اسی طرح اِنہیں بھی مژدہ سنایا جاتا ہے کہ تم کبھی بھی فلاح نہیں پاؤ گے اور آخرت میں تمہیں سخت سزا ملنے والی ہے —— کس جرم میں؟ شرک وکفر کی پاداش میں! کیونکہ یہ ایک غیر علمی عقیدہ ہے، پھر اس میں شان ربانی میں گستاخی بھی ہے اس لئے وہ اسی سزا کے حقدار ہیں —— سنو! بلاشبہ آسمانوں میں اور زمین میں بسنے والے سبھی اللہ پاک کے مملوک ہیں اور جولوگ اللہ پاک کے علاوہ شریکوں کو پوجتے ہیں وہ نرے وہم وگمان کے پیرو ہیں، اور وہ اٹکلیں ہی دوڑاتے ہیں —— یعنی کل زمین وآسمان میں خدائے واحد کی سلطنت ہے، سب جن وانس اور فرشتے اسی کے مملوک اور مخلوق ہیں، مشرکین کا غیر اللہ کو پکارنا اور انہیں خدائی کا حصہ دار بنانا محض اٹکل کے تیر اور واہی تباہی خیالات ہیں، کیونکہ جو چیزیں مملوک ہیں، بندے ہیں، نوکر ہیں، اور زیردست ہیں وہ مالک، خدا، آقا اور زبردست کیسے بن سکتی ہیں؟ —— اور مشرکوں کی میتھالوجی (مذہبیات) میں شرک کے جواز پر جو دلائل دیئے گئے ہیں وہ دلائل نہیں ہیں، صرف قیاس آرائیاں ہیں، شرک یعنی یہ ماننا کہ کچھ قوتیں ایسی ہیں جو اگرچہ ہیں تو مخلوق مگر تخلیق وفرمانروائی، رزق رسانی وحاجت روائی میں خالق کائنات کے ساتھ شریک ہیں، اس کا کوئی عقلی ثبوت موجود نہیں، اس کی بنیاد در حقیقت وہم، جہالت اور اعجوبہ پرستی پر ہے، بھلا یہ بات کس طرح عقل میں آسکتی ہے کہ اللہ پاک کی پیدا کردہ اور پروردہ ہستیاں اس کے اقتدار وفرمانروائی میں شریک ہوجائیں؟ جب کہ وہ اس کے آگے دست نگر بھی ہوں! —— انہی نے تمہارے لئے رات بنائی ہے تاکہ تم اس میں چین پاؤ، اور روشن دن بنایا ہے، بلاشبہ ان میں یقیناً بڑی بڑی نشانیاں ہیں، ان لوگوں کیلئے جو سنتے ہیں! —— یعنی رات اور دن کا یہ انقلاب دراصل سورج اور زمین کی نسبتوں میں باضابطہ تغیر کی وجہ سے رونما ہوتا ہے اور اس میں بڑی حکمت ہے، زمینی مخلوقات کی بےشمار مصلحتیں اسی گردش لیل ونہار کے ساتھ وابستہ ہیں، اس میں ربوبیت، رحمت اور پروردگاری کی علامتیں بھی پائی جاتی ہیں، کیونکہ اس سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ جس

ہستی نے زمین پر یہ موجودات پیدا کی ہیں وہی خود ان کے وجود کی ضروریات بھی فراہم کرتی ہے، شب و روز کا یہ نظام ساری کائنات پر غالب اقتدار رکھنے والی ہستی کے وجود کی صریح علامت بھی ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ذات حکیم ہے اور بامقصد کام کرتی ہے، پس جب وہی محسن و مربی ہے تو عبادت کی مستحق ذات بھی وہی ہے —— اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ گردش لیل ونہار کے تحت جو کوئی بھی ہے، وہ پروردگار نہیں ہے بلکہ پروردہ ہے، آقا نہیں ہے بلکہ غلام ہے —— لیل ونہار کے اس نظام سے یہ بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ جس طرح کام کرنے کیلئے روشن دن بنایا ہے اور آرام کرنے کیلئے رات رکھی ہے، اسی طرح یہ دنیا جو کام کرنے کا وقت ہے اس کا مسلسل باقی رہنا کسی طرح حکمت کا تقاضا نہیں ہوسکتا بلکہ اس کے بعد سکون پانے کے لئے آخرت کی جاودانی زندگی ضروری ہے —— لیکن یہ بڑی بڑی نشانیاں اور پکے دلائل صرف انہی لوگوں کی سمجھ میں آسکتے ہیں جو قرآن پاک کی باتوں کو کھلے کانوں سنیں اور آنکھوں پر سے تعصب کی پٹیاں اتاریں!

لیکن مشرکوں کی حالت یہ ہے کہ وہ پہلے تو تلاش حقیقت کی بنیاد وہم وگمان پر رکھتے ہیں اور پھر تعصب کی وجہ سے کسی کی معقول بات سننے کیلئے بھی آمادہ نہیں ہوتے، جس کی وجہ سے خود ان کیلئے حقیقت کو پالینا تو ناممکن تھا ہی، نبی پاک ﷺ کی پیش کردہ باتوں کو جانچ کر صحیح رائے پر پہنچنا بھی ناممکن ہوگیا ہے! —— وہ کہتے ہیں کہ: ''اللہ پاک نے اولاد بنا رکھی ہے'' —— مکہ شریف کے مشرک کہتے تھے کہ اللہ پاک نے فرشتوں کو بیٹیاں بنا رکھا ہے، عیسائی کہتے ہیں کہ اللہ پاک نے حضرت مسیح علیہ السلام کو بیٹا بنالیا ہے، کچھ یہودی عُزیر علیہ السلام کو اللہ پاک کا بیٹا قرار دیتے ہیں —— سبحان اللہ! —— کیسی سخت بات کہی ہے؟ اللہ پاک تو ہر عیب سے منزہ ہیں! —— سبحان اللہ کلمہ تعجب کے طور پر بھی اظہار حیرت کے لئے بولا جاتا ہے اور کبھی اسکے لغوی معنی مراد ہوتے ہیں، یہاں یہ دونوں باتیں مراد ہیں، لوگوں کے قول پر حیرت کا اظہار بھی کرنا ہے اور انکی بات کا جواب بھی دینا ہے کہ اللہ پاک تو بے عیب ہیں، ان کی طرف اولاد کی نسبت کس طرح صحیح ہوسکتی ہے (روح)

جو لوگ اللہ پاک کے لئے اولاد تجویز کرتے ہیں وہ یا تو ان کے لئے صُلبی اولاد مانتے ہونگے یا گود لی ہوئی اولاد مانتے ہوں گے، پہلی صورت میں یہ ماننا پڑے گا کہ اللہ پاک بھی انسانوں کی طرح جنسی میلانات رکھتے ہیں، ان کا بھی کوئی جوڑا ہے، اور ان دونوں کے جنسی تعلق سے انکی اولاد ہوئی ہے، اور دوسری صورت میں یہ ماننا پڑے گا کہ اللہ پاک نے کسی کو گود دیا تو اس لئے لیا ہے کہ وہ ان کا وارث بنے، اور اس نقصان کی کچھ تلافی کردے جو انہیں بے اولاد رہنے کی وجہ سے پہنچ رہا ہے یا اس لئے گود لیا ہے کہ اللہ پاک بھی جذباتی میلانات رکھتے ہیں جس کی وجہ سے انہیں اپنے بے شمار بندوں میں سے بعض

کے ساتھ کچھ ایسی محبت ہوگئی ہے کہ انہیں اولاد بنالیا ہے۔

ظاہر ہے کہ اس عقیدے کی صورت میں اللہ پاک پر بہت سے عیوب، بہت سی کمزوریوں اور بہت سے احتیاجوں کی تہمت لگ جاتی ہے حالانکہ اللہ پاک تمام عیوب اور کمزوریوں سے پاک ہیں — وہ تو بے نیاز ہیں! — کسی کے محتاج نہیں ہیں بلکہ سب انہیں کے ہر وقت محتاج ہیں پھر انہیں اولاد کی کیا حاجت ہے؟ — آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب انہی کی ملک ہے! — پس مالک اور مملوک کے درمیان خالق اور مخلوق کے مابین ان نسبی رشتوں کی کہاں گنجائش ہے؟ — تمہارے پاس اس بات کی کوئی بھی دلیل نہیں — محض جہالت سے ایسی جھوٹی اور بے سند بات کہتے ہو — کیا تم اللہ پاک کے متعلق وہ بات کہتے ہو جس کے لئے تمہارے پاس کوئی علم نہیں ہے؟! — یعنی اول تو بات بے دلیل اور محض جھوٹی اور پھر وہ بھی اللہ پاک کی شان میں! سوچو، یہ کیسے روا ہے؟ — آپؐ (انہیں) مطلع کردیں کہ: ''جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ کبھی فلاح نہیں پائیں گے!'' — یعنی اللہ پاک پر جھوٹ باندھنے والے خواہ دنیا میں کیسی ہی طاقت رکھتے ہوں، اور اپنے سازوسامان پر مغرور ہوں لیکن انہیں حقیقی بھلائی اور سچی کامیابی ہرگز نصیب نہیں ہوسکتی — اور تم جو انہیں دنیا میں خوب کامیاب اور راحت و آرام میں دیکھتے ہو تو — (یہ) دنیا میں چند روزہ مزے کرنا ہے! — جو بہت جلد ختم ہوجائے گا — پھر انہیں ہماری ہی طرف پلٹنا ہے، پھر ہم انہیں اس کفر کے بدلے میں جو وہ کیا کرتے تھے سخت سزا چکھائیں گے! — پس یہ چند روزہ عیش کیا خاک کامیابی ہے؟ کیف و مستی کے یہ چند لمحے، جب طلسمِ خیال ٹوٹے گا، اور خود فریبی سے پیچھا چھوٹے گا تو یہ ایک خواب معلوم ہوں گے! اور اس کے بعد پھر وہی جہنم ہے، اسی میں سسکتے رہنا ہوگا!

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ۝ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰھُمْ خَلٰۗىِٕفَ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ۝

وَاتْلُ	اور پڑھ کر سنایئے	فَاَجْمِعُوْٓا (۵)	سو تم جمع کرلو	مِّنْ اَجْرٍ (۱۶)	کوئی اجرت!
عَلَيْهِمْ	انہیں	اَمْرَكُمْ (۶)	اپنی چالیں	اِنْ اَجْرِيَ	نہیں میرا حق محنت
نَبَاَ	اہم واقعہ	وَشُرَكَآءَكُمْ (۷)	تمہارے شریکوں کے	اِلَّا عَلَى اللّٰهِ	مگر اللہ پاک پر
نُوْحٍ	نوح (علیہ السلام) کا		ساتھ (مل کر)	وَاُمِرْتُ	اور مجھے حکم دیا گیا ہے
اِذْ قَالَ (۱)	جب (انھوں نے) کہا	ثُمَّ لَا يَكُنْ	پھر نہ رہے	اَنْ اَكُوْنَ	کہ رہوں میں
لِقَوْمِهٖ	اپنی برادری سے:	اَمْرُكُمْ (۸)	تمہارا منصوبہ	مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ	فرمانبرداروں میں
يٰقَوْمِ	اے برادرانِ قوم!	عَلَيْكُمْ (۹)	تم پر	فَكَذَّبُوْهُ	پھر ان لوگوں نے اس
اِنْ كَانَ	اگر ہوا (ہے)	غُمَّةً (۱۰)	ڈھکا چھپا		کو جھٹلایا
كَبُرَ (۲)	دشوار	ثُمَّ (۱۱) اقْضُوْٓا (۱۲)	پھر چکا دو تم	فَنَجَّيْنٰهُ	تو ہم نے نجات دی
عَلَيْكُمْ	تم پر	اِلَيَّ	مجھے		اس کو
مَّقَامِيْ (۳)	میرا قیام	وَلَا	اور نہ	وَمَنْ	اور (ان لوگوں کو) جو
وَتَذْكِيْرِيْ	اور میرا نصیحت کرنا	تُنْظِرُوْنِ (۱۳)	مہلت دو تم مجھے!	مَّعَهٗ (۱۷)	اس کے ساتھ (تھے)
بِاٰيٰتِ اللّٰهِ	اللہ پاک کی آیتوں کے	فَاِنْ (۱۴)	پھر اگر	فِي الْفُلْكِ	کشتی میں
	ذریعہ	تَوَلَّيْتُمْ	تم نے منہ موڑا	وَجَعَلْنٰهُمْ	اور بنایا ہم نے ان کو
فَعَلَى اللّٰهِ (۴)	تو اللہ تعالیٰ (ہی) پر	فَمَا (۱۵)	تو نہیں	خَلٰٓئِفَ	جانشیں
تَوَكَّلْتُ	بھروسا کیا میں نے	سَاَلْتُكُمْ	مانگی میں نے تم سے	وَاَغْرَقْنَا	اور ڈبو دیا ہم نے

(۱) اِذْ بدل اشتمال ہے نَبَاَ سے (۲) كَبُرَ خبر مقدم ہے کان کی اور مَقَامِيْ مع اپنے معطوف کے اسم مؤخر ہے (۳) مَقَام مصدر میمی ہے (۴) عَلَى اللّٰهِ متعلق ہے تَوَكَّلْتُ سے اور جملہ اِنْ كَانَ کی جزاء ہے (۵) أَجْمَعَ أَمْرَهُ: جعله مجموعا بعد ما كان متفرقا (روح) اور یہ معطوف ہے جزاء پر (۶) المراد بالامرهنا نحو المكر والكيد (روح) (۷) واو بمعنی مَعَ ہے اور یہ اجمعوا کا مفعول معہ ہے (۸) اَمرکم اسم ہے لایکن کا (۹) علیکم متعلق ہے غُمَّةً سے (۱۰) غُمَّة: تاریک، مشتبہ، پوشیدہ۔ غَمَّ الشيئَ: اس چیز کو چھپادیا — اور یہ خبر ہے لایکن کی (۱۱) ثُمَّ معطوف ہے سابق ثُمَّ پر (۱۲) من قضى دينه: اذا اَدَّاه (۱۳) یاء متکلم محذوف ہے جس کی علامت نون کا کسرہ ہے اصل لاتنظرونی تھا (۱۴) الفاء لترتب الشرط على الجزاء قبله (۱۵) فَمَا کی فاء جزائیہ ہے (۱۶) مِنْ زائدہ ہے نفی کی تاکید کے لئے آیا ہے (۱۷) مَعَهٗ اور فی الفلک محذوف سے متعلق ہیں أی استقر معه فی الفلک.

الَّذِیْنَ	(ان لوگوں کو) جنھوں نے	فَانْظُرْ	پس دیکھ لو	عَاقِبَةُ	انجام
كَذَّبُوْا	جھٹلایا	كَيْفَ	کیسا	الْمُنْذَرِيْنَ	متنبہ کئے ہوئے
بِاٰيٰتِنَا	ہماری آیتوں کو	كَانَ	ہوا		لوگوں کا؟

نوح علیہ السلام کی سرگذشت دلیل ہے کہ اللہ پر جھوٹ باندھنے والے فلاح نہیں پاتے

اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے والے فلاح نہیں پاسکتے، ان کی اچھل کود اور چمک دمک محض چندروزہ ہے جو انجام کار ہلاکتِ ابدی پر منتہی ہوتی ہے، دلیل میں انہیں نوح علیہ السلام کی سرگزشت سنائی جاتی ہے:

قرآن پاک کا عام اسلوبِ خطاب یہ ہے کہ وہ پہلے معقول دلائل اور دل کو لگنے والی نصائح سے بات سمجھاتا ہے، پھر واقعات وایام کے ذریعہ فہمائش کرتا ہے —— یہ سورت مکی دور کے آخر میں نازل ہوئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں دس گیارہ سال تک مسلسل سمجھایا گیا، مگر وہ بجائے اس کے کہ اپنی گمراہیوں پر نظر ثانی کرتے، الٹے نبی پاک ﷺ کے دشمن ہوگئے، حالانکہ آپ کسی ذاتی غرض کے لئے نہیں بلکہ انہیں کی بھلائی کے لئے جدوجہد فرمارہے تھے، مگر انھوں نے دلیلوں کا جواب پتھروں سے اور نصیحتوں کا جواب گالیوں سے دیا، انہیں مکہ شریف میں نبی پاک ﷺ کا وجود سخت ناگوار گزرنے لگا بلکہ ناقابلِ برداشت ہوگیا، ان کے اس طرزِ عمل کے جواب میں اللہ پاک اپنے رسول ﷺ کو حکم دیتے ہیں: —— اور آپ انہیں نوح (علیہ السلام) کا اہم واقعہ سنائیں! —— وہ اس سرگزشت میں اپنے اور تمہارے معاملہ کا جواب پالیں گے —— جب انھوں نے اپنی قوم سے کہا: "اے برادرانِ قوم! اگر تمہیں میرا قیام —— یعنی تمہارے درمیان میرا وجود —— اور اللہ پاک کی آیتوں سے پند ونصیحت کرنا شاق گزر رہا ہو تو میرا بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر ہے، تم اپنے شریکوں کے ساتھ مل کر ایک متفقہ فیصلہ کرلو، پھر تمہارا منصوبہ تمہارے لئے مبہم نہ رہے —— بلکہ خوب سوچ کر واضح پلان بنالو اور ایسی تدبیر اختیار کرو جس میں تمہیں ناکامی کا وہم بھی نہ ہو —— پھر مجھے وہ چکادو —— یعنی میرے ساتھ جو کچھ کرنا ہے کر گزرو، اپنا منصوبہ پوری طرح مجھ پر نافذ کردو —— اور مجھے ذرا بھی مہلت مت دو —— کسی طرح بھی سنبھلنے کا موقعہ مت دو پھر دیکھو کیا نتیجہ نکلتا ہے؟ —— نوح علیہ السلام نے قوم سے یہ فرمایا کہ لوگو! تمہاری خوشی وناخوشی اور مخالفت وموافقت کی مجھے ذرہ برابر پروا نہیں، تمام پیغمبروں کی طرح میرا بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر ہے، اگر تم میری نصیحت وفہمائش سے برا مانو تو مانا کرو، میں اپنے فرائضِ منصبی کے ادا کرنے میں کوتاہی نہیں کرسکتا تم برا مان کر مجھ سے دشمنی کرنے لگو، اور نقصان پہنچانا چاہو تو یہ چیز میرے ارادوں پر قطعاً اثر ڈالنے والی نہیں، جو کچھ تمہارے امکان میں ہو شوق سے کر گزرو، میرے خلاف باہم مشورے کرکے کوئی متفقہ فیصلہ کرلو، بلکہ اپنے فرضی معبودوں سے بھی مدد لے لو —— یہ ایک لطیف طنز ہے —— اور کوئی دھندلا

خاکہ نہیں بلکہ واضح پلان بنالو، پھر متفقہ طاقت سے اسے نافذ کرڈالو، اور مجھے ایک منٹ کی بھی مہلت مت دو، پھر نتیجہ دیکھو! اگر میں صادق ہوں تو تمہاری کوئی کوشش میرے خلاف کامیاب نہیں ہوسکے گی۔

یہ آیت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کی ایک بہت بڑی دلیل ہے یعنی ان کے اندر اپنے مُرسَل من اللہ اور صادق ہونے کا کامل یقین ہوتا ہے، حضرت نوحؑ کا ارشاد ایک بار پھر پڑھو، کیا یہ ممکن ہے کہ محض بناوٹ اور افتراپردازی کی زندگی سے ایسا یقین ابل سکے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک شخص پوری قوم کو اس طرح مقابلہ کی دعوت دے، درانحالیکہ اس کے دل میں ذرا بھی کھٹک موجود ہو؟ ــــ نوح علیہ السلام کا ارشاد ابھی اور سنئے! ــــ پھر اگر تم نے (میری نصیحت سے) منہ موڑا تو (میرا کیا نقصان کیا؟) میں تم سے کسی اجر کا طلب گار تو نہیں ہوں ــــ یعنی میں نے خدمتِ تبلیغ ودعوت کا کچھ معاوضہ تم سے کبھی طلب نہیں کیا، جو مجھے یہ اندیشہ ہو کہ تمہاری ناخوشی سے میری تنخواہ بند ہوجائے گی ــــ میرا اجر تو اللہ پاک ہی کے ذمہ ہے ــــ کیونکہ جب میں ان کا فرمانبردار ہوں اور مفوضہ خدمت بے خوف وخطر انجام دے رہا ہوں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ مجھے اپنے فضل وکرم سے محروم رکھیں! ــــ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ (خواہ کوئی مانے یا نہ مانے) میں خود فرمانبردار بندوں میں شامل رہوں ــــ اور میں اپنے اس عہد وپیمان پر مضبوطی سے قائم ہوں، اگر تم نہ مانوگے تو میرا کیا نقصان کروگے؟ ــــ بہرحال ان لوگوں نے اسے جھٹلایا تو ہم نے اسے اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ کشتی میں تھے (ڈوبنے سے) بچالیا اور ان کو (زمین میں غرق ہونے والی قوم کا) جانشین بنایا، اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ان (سب) کو ہم نے غرقاب کردیا، پس دیکھ لو کہ متنبہ کئے ہوئے لوگوں کا انجام کیا ہوا؟ ــــ کیا انھوں نے فلاح پائی؟ دیکھو! جو دیدۂ عبرت پذیر ہو!

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۷۴﴾

ثُمَّ بَعَثْنَا	پھر ہم نے بھیجے	فَجَآءُوْهُمْ	سو آئے وہ ان کے پاس	بِمَا كَذَّبُوْا (۲)	(وہ باتیں) جو جھٹلا چکے وہ		
مِنْۢ بَعْدِهٖ	اس کے بعد	بِالْبَيِّنٰتِ (۱)	کھلی نشانیوں کے ساتھ	بِهٖ (۳)	اس کو		
رُسُلًا	پیغامبر	فَمَا كَانُوْا	پھر نہ تھے وہ	مِنْ قَبْلُ	بیشتر		
اِلٰى قَوْمِهِمْ	ان کی قوموں کی طرف	لِيُؤْمِنُوْا	کہ مان لیں	كَذٰلِكَ	یوں		

(۱) باء صلہ کی ہے، جَاءَ بِہٖ: لانا۔ (۲) بَاء صلہ کی ہے آمَنَ بِہٖ: ماننا، تصدیق کرنا (۳) بَاء صلہ کی ہے، کذب بِہٖ: جھٹلانا، اور ضمیر موصول کی طرف عائد ہے۔

نَطۡبَعُ	مہر کر دیتے ہیں ہم	عَلٰی قُلُوۡبِ	دلوں پر	الۡمُعۡتَدِیۡنَ	حد سے نکلنے والوں (کے)

قومِ نوح کے بعد دیگر اقوام کی اجمالی سرگذشت

مکہ شریف کے مشرکین اپنی بات کی پچ، ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے کسی طرح حضور پاک ﷺ کی بات مان کر نہیں دیتے تھے، ایک دفعہ جس بات کو ماننے سے انکار کر چکے اب اسے معقول سے معقول دلیل سے بھی قبول کرنے کے لئے آمادہ نہیں تھے، اللہ پاک فرماتے ہیں کہ یہی نفسیات تمام اقوام کی ہیں — پھر ہم نے نوح (علیہ السلام) کے بعد بہت سے رسولوں کو ان کی قوموں کی طرف مبعوث کیا — حضرات ہود، صالح، لوط، ابراہیم، شعیب علیہم السلام کو اپنی اپنی قوموں کی طرف بھیجا — سو وہ ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے — اور معقول سے معقول دلائل کے ذریعہ انہیں سمجھایا — پھر جس چیز کو انہوں نے پیشتر جھٹلا دیا تھا اسے (کسی طرح) مان کر نہ دیا — یعنی شروع میں جن چیزوں کے بارے میں ان کے منہ سے 'نا' نکل گیا، پھر ان کی ہامی بھر کر نہ دی، یا یہ کہ انبیاء علیہم السلام کی تشریف آوری سے پہلے جن باتوں (توحید و رسالت اور اعمالِ صالحہ وغیرہا) کو جھٹلا چکے تھے یعنی ترک کر چکے تھے، ان کو انبیاء کے آنے اور سمجھانے پر بھی مان کر نہ دیا — یوں ہم حد سے بڑھنے والوں کے دلوں پر مہر کر دیا کرتے ہیں! — یعنی ایسے لوگوں پر آخر کار اللہ پاک کی ایسی پھٹکار پڑتی ہے کہ انہیں پھر کبھی راہِ راست پر آنے کی توفیق نہیں ملتی۔ کیونکہ ہدایت ایسی چیز نہیں ہے کہ زبردستی کسی کو پلا دی جائے، جو ماننے والے نہیں وہ کبھی نہیں مانیں گے خواہ کتنی ہی نشانیاں انہیں دکھلا دی جائیں، ایسا ہی ہمیشہ ہوتا رہا ہے اور اب بھی یہی ہو رہا ہے!

ثُمَّ بَعَثۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ مُّوۡسٰى وَهٰرُوۡنَ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ وَمَلَا۟ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسۡتَكۡبَرُوۡا وَكَانُوۡا قَوۡمًا مُّجۡرِمِيۡنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الۡحَـقُّ مِنۡ عِنۡدِنَا قَالُوۡۤا اِنَّ هٰذَا لَسِحۡرٌ مُّبِيۡنٌ ﴿۷۶﴾ قَالَ مُوۡسٰٓى اَتَقُوۡلُوۡنَ لِلۡحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمۡ‌ؕ اَسِحۡرٌ هٰذَا ؕ وَلَا يُفۡلِحُ السّٰحِرُوۡنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوۡۤا اَجِئۡتَـنَا لِتَلۡفِتَنَا عَمَّا وَجَدۡنَا عَلَيۡهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوۡنَ لَـكُمَا الۡكِبۡرِيَآءُ فِى الۡاَرۡضِؕ وَمَا نَحۡنُ لَـكُمَا بِمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۷۸﴾

ثُمَّ بَعَثۡنَا	پھر بھیجا ہم نے	مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ	ان پیغمبروں کے بعد	مُّوۡسٰى	موسیٰ

وَهٰرُوْنَ	اور ہارون کو	لَسِحْرٌ	یقیناً جادو (ہے)	اَجِئْتَنَا	کیا آئے ہو تم ہمارے پاس
اِلٰى فِرْعَوْنَ	فرعون کی طرف	مُّبِيْنٌ	کھلا!	لِتَلْفِتَنَا (۵)	تا کہ پھیر دو تم ہمیں
وَمَلَا۟ئِهٖ (۱)	اور سرداران قوم (کی	قَالَ	کہا	عَمَّا	اس طریقہ سے جو
	طرف)	مُوْسٰى	موسیٰ (علیہ السلام) نے	وَجَدْنَا	پایا ہم نے
بِاٰيٰتِنَا	اپنی نشانیوں کے ساتھ	اَتَقُوْلُوْنَ	کہتے ہو تم (یہ بات)	عَلَيْهِ (۶)	اس پر
فَاسْتَكْبَرُوْا (۲)	پس گھمنڈ کیا انھوں نے	لِلْحَقِّ	سچی باتوں کے بارے میں	اٰبَآءَنَا	اپنے بزرگوں (کو)
وَكَانُوْا قَوْمًا	اور تھے وہ لوگ	لَمَّا	جب	وَتَكُوْنَ	اور ہو جائے
مُّجْرِمِيْنَ	جرائم کے خوگر!	جَآءَكُمْ	پہنچی وہ تمہیں!	لَكُمَا (۷)	تم دونوں کے لئے
فَلَمَّا	پھر جب	اَسِحْرٌ (۳)	کیا جادو (ہے)	الْكِبْرِيَآءُ	بڑائی
جَآءَهُمُ	پہنچی انہیں	هٰذَا	یہ؟!	فِى الْاَرْضِ	سرزمین (مصر) میں؟
الْحَقُّ	سچی باتیں	وَلَا (۴)	اور نہیں	وَمَا	اور نہیں (ہیں)
مِنْ عِنْدِنَا	ہماری جانب سے	يُفْلِحُ	کامیاب ہوتے	نَحْنُ	ہم
قَالُوْٓا	(تو) کہنے لگے:	السّٰحِرُوْنَ	جادوگر	لَكُمَا (۸)	تم دونوں کی بات
اِنَّ هٰذَا	بلاشبہ یہ	قَالُوْٓا	انھوں نے کہا	بِمُؤْمِنِيْنَ	ماننے والے!

قوم فرعون کی مفصل سرگذشت بھی دلیل ہے کہ حق کو جھٹلانے والے کامیاب نہیں ہوتے

اس سورت کی دوسری آیت میں آپ نے پڑھا ہے کہ منکرین حق نے نبی پاک ﷺ کے متعلق کہا تھا کہ: ''یہ شخص کھلا جادوگر ہے!''ـــــ اب ان لوگوں کو موسیٰ علیہ السلام کی سرگزشت سنائی جاتی ہے، جن کے پیغام کے بارے میں بھی فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں نے یہی فیصلہ کیا تھا، الغرض گفتہ آید در حدیثِ دیگراں کے عنوان سے مکہ کے مشرکوں کو

(۱) اَلْمَلَاءُ: اسم جمع ہے اور الاَمْلَاءُ اس کی جمع: سرداروں اور بڑے لوگوں کی جماعت: الذين يملاؤن العُيونَ رُوَاءً ا والنفوس جلالةً وَبَهَاءً (روح) جو آنکھوں کو ظاہری حسن و جمال سے اور دلوں کو ہیبت وعظمت سے بھر دیں (۲) الاستكبار: ادعاء الكبر من غير استحقاق اور فَاءِ فصیحیہ ہے (۳) سِحْرٌ خبر مقدم ہے (۴) جملہ حالیہ ہے (۵) لَفَتَ (ض) فُلَانًا عن رايه: رائے سے پھیرنا (۶) ضمیر ۂ اسم موصول کی طرف راجع ہے (۷) لکما خبر مقدم ہے تکون کی اور الکبریاء اسم مؤخر ہے (۸) لکما کا لام صلہ کا ہے اور مؤمنین سے متعلق ہے۔ آمَنَ لَهُ: اس کی بات مان لی۔

وہ سب کچھ سنایا جارہا ہے جس کے حالات متقاضی تھے اور جس کا سورت کی موعظت سے تعلق ہے، فرماتے ہیں ـــــ پھر ہم نے ان پیغمبروں کے بعد موسیٰ اور ہارون (علیہما الصلوٰۃ والسلام) کو فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کی طرف اپنی نشانیوں کے ساتھ مبعوث فرمایا، مگر انہوں نے گھمنڈ کیا ـــــ اور اپنی دولت وحکومت اور شوکت وحشمت کے نشے میں چور ہوکر اپنے آپ کو بندگی کے مقام سے بالاتر سمجھا اور اطاعت میں سر جھکانے کے بجائے اکڑ دکھائی، ان کا تکبر مانع ہوا کہ اللہ پاک کی نشانیوں کو دیکھ کر اس کے رسولوں کے سامنے گردن جھکائیں بلکہ یہ کہہ کر اپنا تفوق جتلایا کہ ہم نے تجھے بچپن میں پرورش کیا، اور عرصہ تک تیری کفالت کی، پس تو ہمارا ممنون کرم کیوں نہیں ہوتا؟ تجھے ہماری بات ماننی چاہئے نہ کہ ہمیں تیری! ـــــ بلکہ تو ہمارا مجرم ہے، ہمارے ایک آدمی کو قتل کر کے بھاگا ہے، اور دیکھ مصر کی سلطنت میری ہے۔ یہ نہریں میرے محل کے پائین میں بہہ رہی ہیں۔ ارے تو، تو بے قدر ہے، تجھے بولنا تک نہیں آتا، اور دیکھو! میں شعلہ بیان مقرر ہوں، پس موسیٰ کو میری ماننی چاہئے، الٹی گنگا نہیں بہانی چاہئے ـــــ اس طرح کی باتیں کر کے انکار کرتا رہا مگر انکار کی حقیقی وجہ یہ نہیں تھی، بلکہ اللہ پاک اس کی اصلی وجہ بیان فرماتے ہیں ـــــ اور وہ لوگ جرائم کے خوگر تھے ـــــ یعنی ان لوگوں کے انکار کرنے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایسے ہیں اور ویسے ہیں، بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ پیغمبر کی دعوت قبول کرنے کے بعد ان پر کچھ اخلاقی پابندیاں عائد ہوجائیں گی، جو انہیں شدت سے ناگوار ہیں، کیونکہ وہ جرائم پیشہ لوگ ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ شتر بے مہار، اور بے نتھی کے بیل بنے رہیں، ظلم، بے ایمانیاں، فسق وفجور اور بدکرداریاں انہیں اس قدر محبوب ہیں کہ کسی طرح داعیٔ حق کی بات پر کان دھرنے کے لئے تیار نہیں! ـــــ پھر جب انہیں ہماری جانب سے سچی باتیں پہنچیں تو کہنے لگے کہ: ''بلاشبہ یہ کھلا جادو ہے!'' ـــــ اس میں واقعیت کا قطعاً کوئی شائبہ نہیں ـــــ موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا کہ: ''کیا سچی باتوں کی نسبت تم یہ رائے رکھتے ہو، جبکہ وہ تمہیں پہنچ گئیں؟ کیا جادو ہے یہ؟ حالانکہ جادوگر کامیاب نہیں ہوتے! ـــــ یعنی کیا تم حق کی نشانیوں کو جادو کہتے ہو؟ حالانکہ جو جادوگر ہو، وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا، کیونکہ جادو انسان کی بناوٹ اور شعبدہ طرازی ہے، اور بناوٹوں اور کرتبوں کا راز زیادہ دنوں تک چھپا نہیں رہ سکتا، پھر کیا جادو کرنے والا نبوت کا دعویٰ کر کے حق وباطل کی کشمکش سے کامیاب نکل سکتا ہے؟ ـــــ سچی چیزوں کو جبکہ وہ سامنے بھی ہوں، باطل سے تمیز نہ کرسکنا ان کوتاہ فہموں کا کام ہے جو سونے اور پیتل میں تمیز نہ کرسکتے ہوں، میری ان نشانیوں کو جادوگری اور شعبدہ بازی سے کوئی دور کا واسطہ بھی نہیں، پھر ان چیزوں کو جادو بتلانا کس قدر دیوانگی ہے؟! ـــــ ان لوگوں نے (جواب میں) کہا کہ: ''کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہمیں اس راہ سے پھیردو، جس پر ہم نے اپنے بزرگوں کو پایا ہے، اور تم دونوں کو سرزمین (مصر) میں بڑائی حاصل ہوجائے؟ ہم تم دونوں کی بات کبھی ماننے والے نہیں!'' ـــــ یعنی

خاکم بدہن! تم بدنیت ہو، سیاسی تحریک کو مذہبی رنگ میں پیش کرتے ہو، تمہاری غرض یہ معلوم ہوتی ہے کہ مذہبی انقلاب برپا کر کے اس ملک میں اپنی حکومت اور سرداری جماؤ، یاد رکھو! تمہاری یہ خواہش ہم کبھی پوری ہونے نہیں دیں گے، ہم ہرگز تمہاری بات نہ مانیں گے، نہ تمہاری بزرگی کبھی تسلیم کریں گے! — نبی پاک ﷺ نے بھی جب قوم کے سامنے اپنی بات پیش کی تھی تو سرداران قوم یہ کہتے ہوئے چل دیئے تھے کہ: ''یہ کوئی مطلب کی بات ہے!'' (اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ)

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِیْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِیْمٍ ﴿۷۹﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰۤی اَلْقُوْا مَاۤ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۸۰﴾ فَلَمَّاۤ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰی مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَیُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۸۱﴾ وَیُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۸۲﴾

ع ۱۲ / ۱۳

وَقَالَ	اور کہا	مَاۤ اَنْتُمْ	جو کچھ تم	اِنَّ اللّٰهَ	بلاشبہ اللہ پاک
فِرْعَوْنُ	فرعون (نے)	مُّلْقُوْنَ	ڈالنے والے ہو	لَا	نہیں
ائْتُوْنِیْ	میرے پاس حاضر کرو	فَلَمَّاۤ	پھر جب	یُصْلِحُ	سنورنے دیتے
بِكُلِّ(۱)	ہر	اَلْقَوْا	ڈال دیا انھوں نے	عَمَلَ	کام
سٰحِرٍ	جادوگر (کو)	قَالَ	کہا	الْمُفْسِدِیْنَ	فسادیوں (کے)
عَلِیْمٍ	ماہر فن	مُوْسٰی	موسیٰ (علیہ السلام نے)	وَیُحِقُّ	اور ثابت کردیتے ہیں
فَلَمَّا	پھر جب	مَا جِئْتُمْ(۲)	جو کچھ تم لائے ہو	اللّٰهُ	اللہ پاک
جَآءَ	آئے	بِهِ(۳)	اس کو	الْحَقَّ	سچی بات کو
السَّحَرَةُ	جادوگر	السِّحْرُ	وہ جادو ہے	بِكَلِمٰتِهٖ	اپنے وعدوں سے
قَالَ لَهُمْ	کہا ان سے	اِنَّ اللّٰهَ	بلاشبہ اللہ پاک	وَلَوْ	اگرچہ
مُّوْسٰۤی	موسیٰ (علیہ السلام) نے	سَیُبْطِلُهٗ	ابھی درہم برہم کئے	كَرِهَ	ناپسند کریں
اَلْقُوْا	ڈالو		دیتے ہیں اس کو	الْمُجْرِمُوْنَ	مجرم لوگ!

(۱) بَاء صلہ کی ہے۔ اَتٰی به: لانا۔ (۲) مَا موصولہ مبتدا ہے اور السحر خبر ہے والتعریف لافادة القصر إفرادًا: أی: الذی جئتم به هو السحر (روح) (۳) بِهٖ کی باء صلہ کی ہے جاء به: لانا اور ضمیر ما موصولہ کی طرف راجع ہے۔

فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کا مقابلہ جادو سے کیا

فرعون نے جو موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو جادو قرار دیا تھا، تو اسے ثابت کرنے کے لئے جادوگروں کی ایک کھیپ جمع کرلی، جنہوں نے مقابلہ میں حیرت انگیز کرتب دکھائے، مگر فرعون کا جادو ایسا جادو نہ تھا کہ سر پر چڑھ کر بولتا، باطل کے پیر کہاں ہوتے ہیں! چنانچہ اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور حق کا بول بالا رہا۔ سنئے! — اور فرعون نے حکم دیا — اور ملک کے چپے چپے میں ہرکارے دوڑائے — کہ: ''ہر ماہر فن جادوگر کو میرے حضور میں حاضر کرو!'' — میں ابھی فیصلہ کئے دیتا ہوں کہ موسیٰ (علیہ السلام) کے کرشمے معجزات نہیں ہیں (جیسا کہ اس کا دعویٰ ہے) بلکہ جادو ہیں، اور میں ابھی دنیا کو مشاہدہ کرادیتا ہوں کہ موسیٰ (علیہ السلام) پیغمبر نہیں، بلکہ جادوگر ہے — پھر جب جادوگر آموجود ہوئے — اور انھوں نے موسیٰ علیہ السلام سے دریافت کیا کہ کرتب دکھلانے میں، آپ پہل کرتے ہیں یا ہم پہل کریں؟ — تو ان سے موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا کہ ''پھینکو، جو کچھ تمہیں پھینکنا ہے!'' — تاکہ باطل کی پوری زور آزمائی اور نمائش کے بعد جب حق آئے اور باطل ملیامیٹ ہوجائے تو حق کا غلبہ خوب اچھی طرح واضح ہوجائے — پھر جب انھوں نے (جادو کی لاٹھیاں اور رسیاں) پھینکیں — اور نظر بندی سے دیکھنے والوں کو ایسا معلوم ہونے لگا کہ گویا تمام میدان زندہ سانپوں سے بھرا ہوا ہے — تو موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا کہ یہ جادو ہے جو تم لائے ہو! — وہ نہ تھا جادو جو میں نے دکھایا تھا — بالیقین ابھی اللہ پاک اسے درہم برہم کئے دیتے ہیں! — اور اپنی قدرت سے یہ سب بنا بنایا کھیل بگاڑ دیتے ہیں — بلاشبہ اللہ پاک سنور نے نہیں دیتے فسادیوں کے کاموں کو! — یعنی یہ اللہ پاک کی حکمت وعادت کے خلاف ہے کہ جب مصلحین اور فسادیوں کا مقابلہ ہو، تو وہ شریروں کی بات سنوار دیں اور سچی بات نیچی کردیں — اور اپنی بات کو اللہ پاک اپنے وعدوں کے موافق ثابت کردیتے ہیں، اگرچہ مجرم لوگ ناپسند کریں — ''حق'' سچی، ثابت، اٹل اور اَمِٹ بات کو کہتے ہیں۔ ''باطل'' اس کی نقیض ہے یعنی وہ بات جو مٹ جانے والی ہے، باقی رہنے والی نہیں — پس موسیٰ علیہ السلام کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اللہ پاک حق کو حق کریں گے اور باطل کو باطل، جو حق ہے وہ ثابت وقائم رہ کر اپنی حقانیت آشکارا کردے گا، اور باطل نابود ہوکر اپنے بطلان کا ثبوت دے دیگا — چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ سورۂ اعراف آیات ۱۱۷-۱۲۶ میں آپ پڑھ چکے ہیں۔

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ىِٕهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ؕ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِى الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَقَالَ مُوْسٰى

يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۷﴾

فَمَآ اٰمَنَ	پس نہیں ایمان لائی	لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ	حد سے باہر ہوجانے	تَوَكَّلْنَا	بھروسہ کرتے ہیں ہم
لِمُوْسٰٓى (۱)	موسیٰ (علیہ السلام) پر		والوں میں سے ہے	رَبَّنَا	اے ہمارے پالنہار!
اِلَّا ذُرِّيَّةٌ	مگر نئی پود	وَقَالَ	اور کہا	لَا تَجْعَلْنَا	ہمیں نہ بنایئے
مِّنْ قَوْمِهٖ (۲)	ان کی قوم کی	مُوْسٰى	موسیٰ (علیہ السلام) نے	فِتْنَةً	تختۂ مشق
عَلٰى خَوْفٍ (۳)	بے حد ڈرتے ہوئے	يٰقَوْمِ (۶)	اے میری قوم!	لِّلْقَوْمِ	لوگوں کے لئے
مِّنْ فِرْعَوْنَ	فرعون سے	اِنْ كُنْتُمْ	اگر تم	الظّٰلِمِيْنَ	ظالم
وَمَلَا۟ئِهِمْ (۴)	اور اپنے سرداروں سے	اٰمَنْتُمْ	ایمان لائے ہو	وَنَجِّنَا	اور ہمیں نجات بخشیے
اَنْ يَّفْتِنَهُمْ (۵)	اس بات سے کہ وہ آزمائش	بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ پر	بِرَحْمَتِكَ	اپنی رحمت سے
	میں ڈالیں گے انہیں	فَعَلَيْهِ	تو اسی پر	مِنَ الْقَوْمِ	جماعت سے
وَاِنَّ	اور بلاشبہ	تَوَكَّلُوْٓا	بھروسہ کرو	الْكٰفِرِيْنَ	کافروں کی
فِرْعَوْنَ	فرعون	اِنْ كُنْتُمْ	اگر تم	وَاَوْحَيْنَآ	اور وحی بھیجی ہم نے
لَعَالٍ	بڑا سرکش ہے	مُّسْلِمِيْنَ	فرمانبردار ہو!	اِلٰى مُوْسٰى	موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف
فِي الْاَرْضِ	ملک (مصر) میں	فَقَالُوْا	پس کہا انھوں نے!	وَاَخِيْهِ	اور ان کے بھائی (ہارون
وَاِنَّهٗ	اور بے شک وہ	عَلَى اللّٰهِ	اللہ پاک ہی پر		علیہ السلام) کی طرف

(۱) لام صلہ کا ہے، آمَنَ لَہٗ: تابع دار اور مطیع ہونا (۲) مِنْ اضافت کا ہے (۳) عَلٰی خَوْفٍ حال ہے ذُرِّيَّةٌ سے اور تنوین تعظیم کی ہے (۴) مَلَائِهِمْ کی ضمیر ذُرِّيَّةٌ کی طرف لوٹتی ہے اور ان کے سردار عام ہیں خواہ فرعونی ہوں یا اسرائیلی (۵) اَنْ مصدریہ ہے اور اس پر سے مِنْ حرف جار ہٹا دیا گیا ہے، اور جملہ من فرعون الخ سے بدل اشتمال ہے۔ (۶) یاء محذوف ہے، اصل يقَوْمِیْ ہے جس کی علامت میم کا کسرہ ہے۔

اَنْ (۱)	کہ	بُیُوْتًا	گھر	وَّاَقِیْمُوا	اور تم اہتمام رکھو
تَبَوَّاٰ (۲)	تم دونوں تیار کرو	وَّاجْعَلُوْا	اور تم بناؤ	الصَّلٰوۃَ	نماز (کا)
لِقَوْمِكُمَا (۳)	اپنی قوم کے لئے	بُیُوْتَكُمْ	اپنے گھروں کو	وَبَشِّرِ	اور آپ خوشخبری سنایئے
بِمِصْرَ	ملک مصر میں	قِبْلَةً (۴)	اجتماعی عبادت گاہ	الْمُؤْمِنِیْنَ	مؤمنوں کو

بنی اسرائیل اور مکی مسلمانوں کے احوال یکساں

اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سرگزشت کی یہ درمیانی پانچ آیتیں مسلمانوں کو سنائی جارہی ہیں، ان مسلمانوں کو جو مکی دور کے احوال سے دوچار تھے ــــ نبی پاک ﷺ نے جب اپنی قوم کو جو سالہا سال سے شرک وکفر اور طرح طرح کی اخلاقی بیماریوں میں مبتلا تھی، توحید کی دعوت دینی شروع کی تو اسے اول اول نوجوانوں نے قبول کیا، صدیق اکبر، علی مرتضیٰ اور جعفرِ طیّار رضی اللہ عنہم تو ایمان لائے، مگر ابوقُحافہ اور ابوطالب کتراتے رہے تھے، حضرات زبیر، طلحہ، سعد بن ابی وقاص، مصعب بن عمیر اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کی عمریں قبول اسلام کے وقت ۲۰ سال سے کم تھیں، سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف، بلال حبشی اور صہیب رومی رضی اللہ عنہم ۲۰ اور ۳۰ کے درمیان تھے اور حضرات ابوعبیدۃ بن الجراح، زید بن حارثہ، عثمان بن عفان اور فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہم ۳۵ کے لگ بھگ تھے ــــ یہ حضرات اپنے بڑوں سے ڈرتے، سہمتے ایمان لائے تھے، کیونکہ ان کے بڑے انہیں ستانے کے لئے نئے نئے انداز ایجاد کررہے تھے، کسی کو ٹھیک دوپہر کے وقت تپتے ہوئے سنگریزوں پر لٹا کر سینہ پر بھاری پتھر رکھدیتے تھے تاکہ غریب ہُمسنے نہ پائے، کسی کو دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹادیتے کسی کو پانی میں غوطہ دیتے اور کسی کو رسی میں باندھ کر گھسیٹتے۔ حضرات بلال، خباب، عمار اور صہیب رضی اللہ عنہ اس ستم رسیدہ جماعت کے سرگروہ تھے، مرد تو مرد مسلمان عورتیں بھی ان ظالموں کی چیرہ دستیوں سے محفوظ نہ تھیں، حضرات سُمَیَّہ، زِنِّیْرَہ رومیہ اور لَبِیْبَہ رضی اللہ عنہن بھی تختۂ مشق بنی ہوئی تھیں۔ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو تو کم بخت ابوجہل ملعون نے نیزے سے چھید کر ہلاک کردیا تھا ــــ الغرض صحابۂ کرام بڑے نازک دور سے گزر رہے تھے، کچھ تو تنگ آ کر حبشہ کی طرف

---

(۱) اَنْ مفسرہ ہے (۲) تَبَوَّآ مضارع کا صیغہ تثنیہ مذکر حاضر ہے۔ تَبَوُّءٌ سے، جس کے معنی ہیں تم دونوں ٹھیراؤ، تم دونوں اتارو، تم دونوں جگہ تیار کرو (۳) لام صلہ کا ہے بَوَّاَلَهٗ مَنْزِلًا کسی کے لئے جگہ تیار کرنا (۴) قِبْلَةٌ اسم نوع ہے، اس کے اصلی معنی ہیں: ''وہ جہت جس کی طرف رخ پھیرا جائے'' یہاں ''اجتماعی عبادت گاہ'' (نماز کا مقام) مراد ہے، کیونکہ اس کی طرف پنج وقتہ نمازوں میں رخ پھیرا جاتا ہے۔ فرعون نے چونکہ نماز پڑھنے کی ممانعت کردی تھی اس لئے بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا کہ اپنے گھروں کو ہی مقام نماز بنالو، اور چھپ کر گھروں میں ہی نماز پڑھا کرو (مفردات القرآن)

ہجرت کر گئے اور باقیوں کا سرداران قریش نے بائیکاٹ کر دیا، ان حالات میں یہ سورت نازل ہوئی، انہیں موسیٰ علیہ السلام کی سرگزشت سنائی جارہی ہے —— موسیٰ (علیہ السلام) کی بات ان کی قوم کی نئی پود ہی نے مانی، فرعون اور اپنے سرداروں سے بے حد ڈرتے ہوئے کہ کہیں وہ انہیں کسی مصیبت میں نہ ڈال دیں! —— کیونکہ جب کبھی مقاصد و عزائم کی راہ میں سخت حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، تو قوم کے بڑے بوڑھوں سے بہت کم امید کی جاتی ہے، زیادہ تر نئی نسل کے نوجوان آگے بڑھتے ہیں اور وہی حق کا ساتھ دیتے ہیں، کیونکہ بڑے بوڑھوں کی ساری زندگیاں ایک خاص نہج پر بسر ہونے کی وجہ سے اُس طریقۂ زندگی کی عادی ہو جاتی ہیں، اگر ان کی زندگیاں ظلم و فساد اور فسق و فجور میں بسر ہوئی ہے تو اب اس حالت کے خلاف ان کے دل میں کوئی خلش پیدا نہیں ہوتی، نہ ان میں توبہ کرنے کی ہمت باقی رہتی ہے، وہ یہ کہہ کر جان چھڑا لیتے ہیں کہ اب آخر وقت میں کیا خاک مسلماں ہوں گے! اور اگر محکومی اور غلامی میں ان کی زندگیاں بسر ہوئی ہیں تو اب عافیت کوشی، مصلحت پرستی اور اغراض دنیا کی بندگی کچھ اس طرح ان پر چھائی رہتی ہے کہ وہ کسی طرح حق کا ساتھ دینے کے لئے آمادہ نہیں ہوتے۔

البتہ نوجوانوں میں نیا دماغ ہوتا ہے، نیا خون ہوتا ہے، نئی امنگیں ہوتی ہیں، اس لئے انہیں شدائد و مصائب کا خوف مرعوب نہیں کرتا، وہی پہلے قدم اٹھاتے ہیں، پھر تمام قوم پیچھے چلنے لگتی ہے۔

مصر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایسی ہی صورتِ حال سے سابقہ پڑا تھا اور مکہ شریف میں نبی پاک ﷺ اور مسلمانوں کو بھی ایسے ہی حالات سے گزرنا پڑا تھا —— فرعون کے قہر و استبداد نے بنی اسرائیل کے بڑے بوڑھوں کی ہمتیں سلب کر لی تھیں، وہ شکر گزار ہونے کی جگہ الٹی شکایتیں کرتے تھے۔ ﴿اُوْذِیْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِیَنَا وَمِنْ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا﴾ (سورۂ اعراف آیت ۱۲۹) —— لیکن نوجوانوں کا یہ حال نہ تھا، ان میں ایک گروہ نکل آیا جو فوراً ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آیا۔

بنی اسرائیل اگر چہ کافر اور مشرک نہیں تھے، وہ نسلی اور مذہبی دونوں حیثیتوں سے سیدنا ابراہیم، اسحاق، یعقوب اور یوسف علیہم الصلوٰۃ والسلام کے امتی تھے، اور فرعونیوں کے ہاتھوں سخت مصیبت اور ذلت اٹھا رہے تھے، اور پرانی پیشین گوئیوں کے مطابق منتظر تھے کہ فرعون کے مظالم کا خاتمہ کرنے والا، اور اس کی سلطنت کا تختہ الٹنے والا اسرائیلی پیغمبر مبعوث ہو، جب موسیٰ علیہ السلام ٹھیک اسی شان سے تشریف لائے تو تمام بنی اسرائیل قدرتی طور پر انہیں بڑی نعمت سمجھتے تھے، وہ دل سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چاہتے تھے اور ان کی عزت کرتے تھے، مگر اکثر آدمی فرعون اور فرعونی سرداروں سے خوف زدہ تھے، اس لئے شروع شروع میں وہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہیں لائے، وقت کے منتظر رہے کہ جس وقت حق

کا غلبہ ہوگا موسیٰ علیہ السلام کو رسول تسلیم کرلیں گے ـــــ اس لئے اب یہ لوگ مومن نہیں رہے، کیونکہ شرعاً ایمان وہی معتبر ہے جس میں دوسری چیزوں کے ساتھ اپنے وقت کے رسول کو بھی مانا جائے، پس جب اکثر بنی اسرائیل نے شروع شروع میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رسول تسلیم نہ کیا، یا اس کا اعتراف اور اظہار واعلان نہ کیا تو اب وہ شرعاً مؤمن نہیں رہے، اگرچہ موسیٰ علیہ السلام کے مبعوث ہونے تک مؤمن تھے، شرعاً ایمان لانے والے تھوڑے سے نوجوان تھے، جنھوں نے فرعون اور اپنے سرداروں سے خائف ہونے کے باوجود اسلام کا اعلان واظہار کردیا تھا۔

''ان کے سرداروں'' سے یہاں مراد فرعون کے حکام وعمال ہیں، خواہ نسلاً اور مذہباً وہ قبطی ہوں یا اسرائیلی، کیونکہ حاکم قوم، محکوم اقوام پر عموماً براہِ راست حکومت نہیں کیا کرتی، بلکہ انہی کے بعض قوم فروشوں کی مدد سے حکومت جمایا کرتی ہے، محکوم قوم کے جو افراد حاکم قوم کی ہمنوائی ہی میں اپنی فلاح دیکھتے ہیں اور جو طرح طرح سے اپنے لوگوں کو حاکم قوم کے ساتھ توافق پیدا کرنے کی دعوت دیتے ہیں ان کو آلۂ کار بنایا جاتا ہے اور یہ ضمیر فروش خوف یا طمع وغیرہ کی وجہ سے اپنی پوری قوم کو حاکموں کے ابروؤں کے اشاروں پر چلاتے رہتے ہیں، اور وہ اپنی قوم کو حاکموں کی مخالفت سے ڈراتے دھمکاتے ہیں، بلکہ کبھی دشمن حاکم سے یہ ہم قوم حکام زیادہ ضرر رساں ثابت ہوتے ہیں، وہ چند کوڑیوں کی لالچ میں یا کرسیوں کی ہوس میں پوری قوم کی عظمت کا سودا اور رفعت کا نیلام کر بیٹھتے ہیں ـــــ یہ نوجوان اپنے اسی قسم کے سرداروں سے ڈرتے سہمتے ایمان لائے تھے! ـــــ اور بلاشبہ فرعون ملک مصر میں بڑا ہی سرکش بن رہا ہے! اور بیشک وہ حد سے باہر ہوجانے والوں میں ہے ـــــ یعنی ان نوجوانوں کا خوف کھانا کچھ بے جانہ تھا کیونکہ اس وقت ملک میں فرعون کا پورا تسلط تھا اور اس نے کمزوروں کو ستانے کے لئے بالکل ہاتھ چھوڑ رکھا تھا، وہ کسی برے سے برے طریقے کو اختیار کرنے میں بھی تأمل نہیں کرتا تھا، اپنے مطلب کے لئے وحشت وبربریت کے ارتکاب سے بھی نہیں چوکتا تھا، غرض اپنی خواہشات کے پیچھے وہ ہر انتہا تک جاسکتا تھا، اس کے لئے کوئی حد نہیں تھی، جس پر جاکر وہ رک جائے!

یہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے ابتدائی دور کے احوال تھے، اب درمیانی دور کے احوال سنئے ـــــ اور موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا: ''اے برادرانِ قوم! اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو اور واقعی اس کے فرمانبردار ہو (جیسا کہ تمہارا دعویٰ ہے) تو صرف اسی پر بھروسہ کرو!'' ـــــ فرعون سے گھبرانے اور خوف کھانے کی ضرورت نہیں، ایک فرمانبردار مؤمن کا کام اپنے مالک کی طاقت پر بھروسہ کرنا ہے، اور اس اعتماد کا اظہار جب ہی ہوسکتا ہے کہ بندہ اپنے کو بالکلیہ اللہ پاک کے سپرد کردے، اپنی عافیتوں اور مصلحتوں سے دست بردار ہوجائے صرف اللہ پاک کے حکم پر چلے اور تمام جدوجہد میں صرف اسی پر نظر رکھے ـــــ پس اگر تمہارا دعویٰ صحیح ہے کہ تم اللہ پاک پر ایمان رکھتے ہو اور اس کے فرمانبردار ہو تو اللہ تعالیٰ پر

بھروسہ کر کے مجھ پر ایمان لے آؤ، مجھے اللہ پاک کا رسول مان لو، اور میری ہدایات پر عمل پیرا ہو جاؤ! ــــ تو انھوں نے کہا: اللہ پاک ہی پر ہم بھروسہ کرتے ہیں اے ہمارے پروردگار! ہمیں ظالم جماعت کا تختۂ مشق نہ بنا! اور ہمیں اپنی رحمت کے صدقے کافر قوم سے نجات عطا فرما! ــــ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سمجھانے پر اب تمام بنی اسرائیل ایمان لے آئے، اور سب نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رسول مان لیا اور ان کی ہدایات پر عمل پیرا ہونے کا عہد و پیمان باندھا ــــ اور انھوں نے اخلاص کا اظہار کیا کہ بیشک ہمارا بھروسہ صرف اللہ پاک پر ہے، ہم اسی سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہم کو ظالموں کا تختۂ مشق بننے سے بچائے اور ان کی غلامی اور محکومی سے ہم کو نجات دے ــــ ہماری کسی جدوجہد کے بل پر نہیں بلکہ صرف اپنی رحمت کے صدقے اور اپنے فضل و کرم کے طفیل!

فائدہ: یہ دو آیتیں یعنی ﴿فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ﴾ اپنے اندر عجیب تاثیر رکھتی ہیں، اگر دشمن، دین کی وجہ سے ستا رہا ہو، ستم ڈھا رہا ہو اور مسلمان مقابلہ کرنے سے عاجز ہوں اور ان دو آیتوں کو بکثرت پڑھیں تو اللہ پاک غیب سے ان کی نجات کا سامان پیدا فرما دیتے ہیں۔

جب تمام بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے تو اس کے بعد کے احوال سنئے! ــــ اور ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی (ہارون) کی طرف وحی بھیجی کہ تم دونوں اپنی قوم کے لئے ملکِ مصر میں مکانات بناؤ! ــــ یعنی ابھی کہیں جانے کا وقت نہیں آیا، ابھی انہیں یہیں بساؤ، ابھی مصر ہی میں جم کر رہو! ــــ اس میں اشارہ ہے کہ فرعون سے نجات کا وقت ابھی جلدی نہیں آنے والا، ابھی اس میں کافی دیر ہے، لہٰذا ابھی یہاں مکانات بنا کر، پیر جما کر سکونت پذیر رہو، اور تم دونوں ان کا ہاتھ بٹاؤ، ان کی رہنمائی کرو تا کہ وہ اپنے رہنے بسنے کے مکانات بنا سکیں، کیونکہ رہنے سہنے کا مسئلہ انسان کا بنیادی مسئلہ ہے اس لئے دینی راہنمائی کرنے والوں کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں کے لئے اس سلسلہ میں بھی ممکن سہولتیں فراہم کریں ــــ اور (لوگو!) تم اپنے گھروں کو اجتماعی عبادت گاہ بناؤ! اور نماز کا اہتمام رکھو! ــــ یعنی عبادت گھر ہی میں کرتے رہو، تا آنکہ نجات کی گھڑی آ جائے۔

جب تمام بنی اسرائیل ایمان لے آئے تو فرعون کا غصہ بھڑکا اور اس نے تمام مسجدیں اور عبادت گاہیں ویران کر دیں، کوئی باہر نکل کر اللہ پاک کی عبادت نہ کر سکتا تھا، اس لئے حکم دیا گیا کہ اپنے مکانوں ہی میں عبادت کرو، نماز ترک نہ کرو کہ اسی کی برکت سے اللہ پاک کی مدد آتی ہے، صبر اور نماز ہی تو مؤمن کے وہ ہتھیار ہیں جن سے وہ سخت حالات میں سنبھل سکتا ہے۔

اور اپنے گھروں میں تنہا نماز نہ پڑھو، بلکہ نماز باجماعت کا نظام بناؤ اور اس مقصد کے لئے کچھ گھروں کو خاص کرو اور

ان کو قبلہ بناؤ یعنی تم سب نماز کے اوقات میں اس عبادت کی جگہ کی طرف رخ کرو، وہاں حاضری دو اور وہاں سب مل کر باجماعت نماز ادا کرو۔

جماعتی نظام کے طفیل بہت سے وہ لوگ بھی پانچوں وقت کی نماز پابندی سے ادا کر لیتے ہیں جو عزیمت کی کمی اور جذبہ کی کمزوری کی وجہ سے انفرادی طور پر کبھی بھی ایسی پابندی نہیں کر سکتے — نبی پاک ﷺ کا صحیح ارشاد ہے کہ اگر کسی بستی میں یا کسی اقامت گاہ میں تین آدمی ہوں اور وہ نماز باجماعت نہ پڑھتے ہوں تو ان پر شیطان یقیناً قابو پالے گا، لہٰذا تم جماعت کی پابندی کو اپنے اوپر لازم کرلو، کیونکہ بھیڑیا اسی بھیڑ کو لقمہ بناتا ہے جو گلّہ سے دور رہتی ہے (ابوداؤد شریف)

اور آپ ایمان لانے والوں کو خوش خبری دیجئے — حسن انجام کی! یعنی اہل ایمان پر مایوسی، مرعوبیت اور پژمردگی کی جو کیفیت اس وقت چھائی ہوئی ہے اسے دور کیجئے، ان کی ہمت بندھایئے، پرامید بنایئے اور ان کا حوصلہ بڑھایئے، دنیا میں نجات اور آخرت میں رضائے الٰہی کی خوش خبری سنایئے۔

مسئلہ: حکومت یا حالات مسجد بنانے کی اجازت نہ دیں تو کسی گھر کو مخصوص کر کے اس میں جماعت سے نماز ادا کرنا ضروری ہے۔

وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓي اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝۸۸ قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَلَا تَتَّبِعٰۗنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۸۹

وَقَالَ	اور دعا کی	فِرْعَوْنَ	فرعون (کو)	فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا	دنیا کی زندگی میں
مُوْسٰى	موسیٰ (علیہ السلام) نے	وَمَلَاَهٗ	اور اس (کی قوم) کے	رَبَّنَا	اے میرے پروردگار
رَبَّنَآ	اے ہمارے پروردگار		سرداروں کو	لِيُضِلُّوْا [1]	تاکہ گمراہ کریں وہ
اِنَّكَ	بے شک آپ نے	زِيْنَةً	ٹھاٹھ		(لوگوں کو)
اٰتَيْتَ	عنایت فرمایا	وَّاَمْوَالًا	اور دولتیں	عَنْ سَبِيْلِكَ	آپ کی راہ سے

(۱) ترکیب: لِيُضِلُّوْا کا لام، لام عاقبت ہے، جیسے لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا کا لام، لام عاقبت ہے۔

رَبَّنَا	اے ہمارے پروردگار	يَرَوُا	دیکھیں وہ	فَاسْتَقِيمَا	سو مستقیم رہو تم دونوں
اطْمِسْ (۱)	غارت کر دیجئے	الْعَذَابَ	عذاب	وَلَا	اور نہ
عَلَىٰ أَمْوَالِهِمْ (۲)	ان کے اموال کو	الْأَلِيمَ	دردناک!	تَتَّبِعَانِّ (۴)	چلو دونوں
وَاشْدُدْ	اور سخت کر دیجئے	قَالَ	(حق تعالیٰ نے) فرمایا	سَبِيلَ	راہ
عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ (۳)	ان کے دلوں کو	قَدْ	تحقیق	الَّذِينَ	(ان کی) جو
فَلَا يُؤْمِنُوا	پس نہ ایمان لائیں وہ	أُجِيبَت	قبول کرلی گئی	لَا	نہیں
حَتَّىٰ	یہاں تک کہ	دَّعْوَتُكُمَا	تم دونوں کی دعا	يَعْلَمُونَ	جانتے ہیں

موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی فرعون اور اس کی قوم کے لئے بددعا

قیام مصر کے تقریباً آخر زمانے میں موسیٰ علیہ السلام دعا فرماتے ہیں—— اور موسیٰ (علیہ السلام) نے دعا کی "اے ہمارے رب! بے شک آپ نے فرعون کو اور اس کے حکام کو دنیا کی زندگی میں ٹھاٹھ اور دولتیں عنایت فرمائی ہیں—— یعنی آپ نے ان کو شان وشوکت اور زینت وخوش نمائی بخشی ہے۔ جس کی وجہ سے دنیا ان پر اور ان کے طور طریقوں پر ریجھتی ہے، اور ہر شخص کا دل چاہتا ہے کہ ویسا ہی بن جائے جیسے وہ ہیں۔ اور آپ نے انھیں ذرائع اور وسائل کی فراوانی بھی عنایت فرمائی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ اپنی تدبیروں کو عمل میں لانے کے لئے ہر طرح کی آسانیاں رکھتے ہیں—— اے ہمارے رب! تاکہ وہ آپ کی راہ سے (لوگوں کو) گمراہ کرتے پھریں!—— یعنی آپ نے تو یہ سامان انھیں اس لئے دیا تھا کہ بھلائی کے کاموں میں خرچ کریں اور ان نعمتوں سے آپ کو یاد کریں اور آپ کے شکر گزار بندے بنیں مگر اس کے برخلاف انھوں نے اپنی بدبختی سے آپ کی نعمتوں کو لوگوں کے بہکانے اور گمراہ کرنے میں ایسا بے دریغ خرچ کیا کہ گویا وہ اسی کام کے لئے انھیں دی گئی تھیں!—— اے ہمارے رب! ان کے اموال غارت فرما دیجئے!—— آفتوں کے ذریعے نیست ونابود کر دیجئے!—— اور ان کے دل سخت کر دیجئے، تاکہ جب تک وہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں، ایمان نہ لاویں! —— یعنی ان کے دلوں پر مہر کر دیجئے، کہ اب وہ اسی کے حقدار ہیں!

(۱) طَمَسَ (ض) طَمْسًا الشيئَ، مٹانا، ہلاک کرنا۔ طَمَسُهَا: اتلافُهَا منهم على أتم وجه (روح) (۲) محذوف سے متعلق ہے ای: بارسال الآفات عليها اس لئے کہ طَمس بغیر صلہ کے متعدی ہے۔ (۳) عَلٰی صلہ ہے شَدَّدَ عَلَيْهِ: تنگی کرنا (۴) اِتِّبَاعٌ سے مضارع بانون تاکید ثقیلہ کا صیغۂ تثنیہ مذکر حاضر ہے اور چونکہ یہاں لائے نہی داخل ہوا ہے اس لئے فعل نہی ہے۔

یہ دعا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قیامِ مصر کے آخری زمانے میں کی تھی۔اور اس وقت کی تھی جب فرعون اور اس کے اعیان سلطنت پے در پے نشانات دیکھ لینے اور حجت تمام ہوجانے کے بعد بھی دین کی دشمنی پر انتہائی ہٹ دھرمی کے ساتھ جمے ہوئے تھے اور تجربہ اور طول صحبت سے یا وحی الٰہی سے پوری طرح ثابت ہوگیا تھا کہ یہ لوگ اب کبھی ایمان لانے والے نہیں۔تب ان کی ہلاکت کی دعا فرمائی تھی،تا کہ ان کی گندگی سے دنیا پاک ہو۔اور دوسروں کے لئے ان کی بدانجامی درس عبرت بنے۔

مشفق تیماردار،مریض کے لئے ہر طرح جان دیتا ہے،مگر جب اسے یقین ہوجاتا ہے کہ مریض کا یہ عضو اب کسی طرح صحت یاب ہونے والا نہیں۔بلکہ اس کا وجود سارے جسم کے لئے پیغامِ موت ثابت ہوگا۔تو وہ بڑی لجاجت سے ڈاکٹر سے درخواست کرتا ہے کہ آپ آپریشن کرکے اس عضو کو کاٹ دیں،تاکہ اس عضو کا فساد سارے جسم کے لئے پیغام موت نہ ثابت ہو۔

مقبولان بارگاہِ الٰہی،وحی کے ذریعے یا الہام سے یا قرائن سے،منشاء خداوندی کو پہچانتے ہیں اور وہی کہتے ہیں جو استاذِ ازل کہلانا چاہتا ہے۔عام لوگوں کو ایسے مواقع میں الجھن کا سامنا ہوتا ہے،ان کے خیال میں دعا یا بددعا،مناسب یا نامناسب ہوتی ہے مگر مقبولانِ بارگاہِ الٰہی کے یہاں معاملہ کچھ اور ہوتا ہے۔حضرت نوح علیہ السلام کی بددعا،حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بددعا،اور رحمۃ للعالمین ﷺ نے مسلسل سات سالہ قحط کے لئے جو بددعا فرمائی تھی[1]،وہ سب اسی شان کی دعائیں تھیں —— اسی لئے دراجابت فوراً وا ہوتا ہے —— فرمایا: بالتحقیق تم دونوں کی دعا قبول کرلی گئی —— روایات میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام دعا کرتے تھے اور حضرت ہارون علیہ السلام آمین کہتے تھے۔اس لحاظ سے ''تم دونوں کی دعا'' فرمایا —— سو تم دونوں مستقیم رہو —— یعنی اپنا کام استقلال اور ثابت قدمی سے انجام دیتے رہو۔اپنے کار منصبی (دعوت وتبلیغ) میں لگے رہو —— اور ان لوگوں کی راہ نہ چلو جو (سنت الٰہی) جانتے نہیں —— یعنی قبولیتِ دعا کا اثر دیر میں ظاہر ہو تو نادانوں کی طرح جلد بازی نہ کرو،فیصلہ وقت مقرر پر ہی ہوگا۔

حکیم ترمذی نے مجاہد رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ اس دعا کی قبولیت کے چالیس سال بعد فرعون کے غرق ہونے کا واقعہ پیش آیا (درمنثور) —— اللہ پاک کی سنت یہی ہے کہ کسی قوم کے سنبھلنے کے لئے علم الٰہی میں جو مدت درکار ہوتی ہے، اس کے گزرنے کے بعد ہی عذاب کا فیصلہ نافذ ہوتا ہے۔حضرت خباب رضی اللہ عنہ نبی پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپؐ چادر کا تکیہ بنائے کعبہ شریف کے سائے میں آرام فرمارہے تھے۔حضرت خباب رضی اللہ عنہ ان صحابہ

(۱) بخاری شریف ص۷۱۴ کتاب التفسیر،سورۂ دخان۔

میں سے ہیں جن کو مشرکین نے بے حد اذیتیں پہنچائی تھیں، انھوں نے کرتہ اٹھا کر اپنی پشت دکھائی جو زخموں اور چوٹوں سے چور تھی اور عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا اب بھی آپؐ ہمارے لئے دعا نہیں فرماتے؟ آپؐ بیٹھ گئے چہرہ سرخ ہو گیا اور ارشاد فرمایا: ''تم سے پہلے بعض مؤمنوں کا سارا گوشت لوہے کی کنگھیوں سے اتار لیا جاتا تھا، مگر یہ چیز ان کو ان کے دین سے برگشتہ نہیں کرتی تھی۔ قسم بخدا! اللہ پاک ضرور اسلام کو غالب فرمائیں گے، یہاں تک کہ صَنْعَاءِ یَمَن سے حضرموت تک مسافر اس حال میں سفر کرے گا کہ اسے بجز اللہ پاک کے کسی کا ڈر نہ ہوگا۔ مگر تم لوگ چاہتے ہو کہ آناً فاناً ایسا ہو جائے (ابوداؤد، نسائی)

اللہ پاک کے وعدے وقت پر ضرور پورے ہوتے ہیں، مگر نادان ہتھیلی پر سرسوں جمانا چاہتے ہیں

وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّعَدْوًا ۭ حَتّٰٓي اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿٩٠﴾ آٰلْئٰنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٩١﴾ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿٩٢﴾

وَجٰوَزْنَا	اور پار اتار دیا ہم نے	فِرْعَوْنُ	فرعون (نے)	الْغَرَقُ	ڈوبنے نے
بِبَنِيْٓ (۱)	اولاد	وَجُنُوْدُهٗ	اور اس کے لشکر (نے)	قَالَ	(تو) بولا
اِسْرَآءِيْلَ	اسرائیل (یعقوب علیہ السلام) کو	بَغْيًا (۲)	شرارت سے	اٰمَنْتُ	یقین کیا میں نے
		وَّعَدْوًا	اور زیادتی سے	اَنَّهٗ (۵)	کہ
الْبَحْرَ	دریا (سے)	حَتّٰٓي اِذَآ (۳)	یہاں تک کہ جب	لَآ اِلٰهَ	نہیں (ہے) کوئی معبود
فَاَتْبَعَهُمْ	پھر پیچھا کیا ان کا	اَدْرَكَهُ (۴)	پالیا اسے	اِلَّا	مگر وہ جو کہ

(۱) بَاءَ تعدیہ کی ہے، فعل جَاوَزَ پہلے مفعول کی طرف باء کے ذریعہ متعدی ہوتا ہے اور دوسرا مفعول اَلْبَحْرَ ہے (۲) بَغْيًا اور عَدْوًا مفعول لہ ہیں (۳) اِتْبَاعْ کی غایت ہے (۴) اَدْرَكَ الشَّيْءَ: لاحق ہونا، ملنا، پانا۔ (۵) اَنَّ پر حرف جار باء مقدر ہے کیونکہ فعل آمَنَ بذریعہ باء متعدی ہوتا ہے اور ضمیر شان کی ہے

الّٰذِیۡٓ	ایمان لائی ہے	وَقَدۡ (۳)	حالانکہ تحقیق	لِتَكُوۡنَ	تاکہ ہووے تو
اٰمَنَتۡ	اس پر	عَصَيۡتَ	تو نے نافرمانی کی	لِمَنۡ	ان لوگوں کے لئے جو
بِهٖ (۱)	اولاد	قَبۡلُ	پیشتر	خَلۡفَكَ	تیرے پیچھے ہیں
بَنُوۡۤا	اسرائیل (کی)	وَكُنۡتَ (۴)	اور تھا تو	اٰيَةً	نشانی!
اِسۡرَآءِيۡلَ	اور میں	مِنَ الۡمُفۡسِدِيۡنَ	فسادیوں میں سے	وَاِنَّ كَثِيۡرًا	اور بے شک بہت سے
وَاَنَا (۲)	فرمانبرداروں میں	فَالۡيَوۡمَ	پس آج	مِّنَ النَّاسِ (۶)	لوگوں میں سے
مِنَ الۡمُسۡلِمِيۡنَ	سے ہوں	نُنَجِّيۡكَ	بچائیں گے ہم تجھ کو	عَنۡ اٰيٰتِنَا	ہماری نشانیوں سے
آٰلۡـٰٔنَ	کیا اب؟	بِبَدَنِكَ (۵)	تیرے بدن سے	لَغٰفِلُوۡنَ	قطعی غافل ہیں

فرعون نے ڈوبتے وقت ایمان ایمان پکارا، مگر اب کیا ہوت ہے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت!

جب موسیٰ علیہ السلام کی دعا کے ظہور میں آنے کا وقت قریب آیا تو اللہ پاک نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ بنی اسرائیل کو مصر سے نکال کر اپنے باپ دادا کی سرزمین کی طرف لے جائیں۔

مصر سے ملک کنعان جانے کے دو راستے ہیں، ایک خشکی کا راستہ، جو نزدیک ہے، اور دوسرا بحر احمر (قلزم) کا راستہ یعنی اس کو عبور کر کے بیابان سَیْنَاء (تیہ) کی راہ لی جائے، اور یہ دور کی راہ ہے۔ اللہ پاک کی مصلحت کا تقاضا یہ ہوا کہ بنی اسرائیل خشکی کی راہ بھول کر دور کی راہ اختیار کریں، اور قلزم کو پار کر کے جائیں۔

ادھر پرچہ نویسوں نے فرعون کو اطلاع دی کہ بنی اسرائیل مصر سے فرار ہونے کے لئے شہروں سے نکل گئے ہیں۔ فرعون نے اسی وقت ایک زبردست فوج کو ساتھ لیا۔ اور رَعْمَسِیْس سے نکل کر ان کا تعاقب کیا، اور صبح ہونے سے پہلے ان کے سر پر جا پہنچا۔ پو پھٹنے کے وقت جب بنی اسرائیل نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو فرعون کو سر پر پایا، آگے پانی کا دریا ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ اور پیچھے فرعون کی فوج کا دریا جوش زن تھا۔ الامان والحفیظ! —— موسیٰ علیہ السلام پر وحی اتری کہ آپ اپنی لاٹھی پانی پر ماریں۔ تاکہ پانی پھٹ کر بیچ میں راستہ نکل آئے —— چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے ایسا ہی کیا۔ جب انھوں نے دریائے قلزم پر عصا مارا تو پانی پھٹ کر دونوں جانب دو پہاڑوں کی طرح کھڑا ہو گیا، اور بیچ میں راستہ نکل آیا —— اور ہم نے بنی

(۱) بِهٖ کی باء صلہ کی ہے اور ضمیر الَّذِیْ کی طرف لوٹتی ہے (۲) جملہ وَاَنَا الخ معطوف ہے جملہ آمَنْتُ پر (۳) جملہ وَقَدْ الخ حال ہے آٰلْآنَ میں عمل کرنے والے فعل محذوف کے فاعل سے (۴) كُنْتَ معطوف ہے عَصَيْتَ پر (۵) ای: مُلابسًا ببدنک عاریا عن الروح (۶) مِن اضافت کا ہے۔

اسرائیل کو دریا کے پار اتار دیا ـــــ لیکن راستے خشک باقی چھوڑ دیئے ـــــ پھر فرعون اور اس کے لشکر نے شرارت اور زیادتی کے ارادے سے ان کا پیچھا کیا ـــــ جب وہ بھی اسی راستے پر اتر لئے تو حکم الٰہی سے پانی پھر اپنی اصلی حالت پر آ گیا ـــــ تا آنکہ جب وہ ڈوبنے لگا ـــــ اور ملائکۂ عذاب نظر آنے لگے ـــــ تو بولا: ''میں یقین کرتا ہوں کہ اس ہستی کے سوا کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان رکھتے ہیں، اور میں فرمانبرداروں میں شامل ہوتا ہوں'' ـــــ فرعون کی یہ پکار ایمان لانے اور یقین حاصل کرنے کے لئے نہیں تھی، بلکہ عذاب الٰہی کا مشاہدہ کرنے کے بعد اضطراری اور بے اختیاری کی حالت میں نکلنے والی پکار تھی، اور نتیجہ تھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا ﴿حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ﴾ کی قبولیت کا، اللہ پاک نے اپنے رسول کی دعا کے لفظ لفظ کو واقعہ بنا دیا ـــــ اللہ پاک کی طرف سے ارشاد ہوا ـــــ کیا اب؟ ـــــ تیری عقل ٹھکانے آئی؟ ـــــ حالانکہ پیشتر تو نے برابر نافرمانی کی، اور قطعی فسادیوں میں سے تھا! ـــــ یعنی ساری عمر تو نافرمانیاں کرتا رہا، اور شرارتیں پھیلاتا رہا، اب عذاب دیکھ کر یقین کرتا ہے، اس وقت کے یقین کا کیا اعتبار؟

اس آیت سے سرسری طور پر نہ گزر جایئے۔ یاد کیجئے: فرعون کی کیا کیا نافرمانیاں اور شرارتیں تھیں؟ اس نے بنی اسرائیل کو ستانے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی تھی، موسیٰ علیہ السلام سے پہلے اس نے بنی اسرائیل کے ساتھ جو عداوت وشقاوت کا معاملہ کیا تھا اسے جانے دیجئے! خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے وقت اس نے اسرائیلی بچوں کو جس بے دردی سے بے دریغ قتل کیا تھا، اسے یاد کیجئے۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے بعد ستانے کا وہ کونسا طریقہ تھا جو فرعون نے بنی اسرائیل پر آزمانہیں لیا تھا؟ اس لئے بندوں کے دلوں میں ایسے شخص کے ساتھ انتہائی دشمنی کا جذبہ ابھر آنا ایک قدرتی بات تھی۔

غزوۂ بدر میں جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اپنے ظالم امیہ بن خلف کو دیکھا تو شور مچا دیا کہ: اے انصار! اے اللہ کے مددگارو! یہ کافروں کا سردار امیہ بن خلف ہے۔ اگر یہ بچ گیا تو سمجھو میں نہیں بچا، اور اسے قتل کروا کر ہی چھوڑا۔

اسی طرح اللہ پاک کے مقبول بندوں کے دلوں میں فرعون کی دشمنی اس قدر پیوست ہوگئی تھی کہ ترمذی شریف کی روایت کے مطابق حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نبی پاک ﷺ سے بر سبیل تذکرہ فرمایا کہ جب فرعون نے ایمان واسلام کی بات کرنی شروع کی تو میں نے دریا کی کیچ اس کے منہ میں بھر دی، تا کہ کم بخت کہیں بچ نہ جائے، جس طرح متعدد بار موسیٰ علیہ السلام سے دعائیں کرا کر بچتا رہا تھا۔

عین موت کے وقت کا ایمان شرعاً معتبر نہیں۔ نبی پاک ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ''اللہ پاک بندے کی توبہ قبول فرماتے رہتے ہیں، جب تک غرغرۂ موت کا وقت نہ آ جائے (ترمذی شریف) ـــــ غرغرۂ موت سے مراد وہ وقت ہے

جب نزع روح کے وقت فرشتے سامنے آ جاتے ہیں۔اس وقت دنیا کی زندگی ختم ہوکر آخرت کے احکام شروع ہوجاتے ہیں۔اس لئے اس وقت کا کوئی عمل قابل قبول نہیں ہوتا، نہ ایمان نہ کفر! ایسے وقت جو ایمان لاتا ہے اس کو مؤمن نہیں کہا جائے گا۔اور اس کے ساتھ کفن و دفن میں مسلمانوں کا سا معاملہ نہیں کیا جائے گا، اسی طرح اگر خدانخواستہ نزع کی حالت میں کسی شخص کی زبان سے کفر یہ بات نکل جائے تو اس کو بھی کافر نہیں کہا جائے گا بلکہ اس کے جنازہ کی نماز پڑھ کر مسلمانوں کی طرح دفن کیا جائے گا، مگر دیکھنے والوں کو اس میں بڑی احتیاط لازم ہے، کیونکہ اس کا صحیح اندازہ کرنے میں غلطی ہوسکتی ہے کہ یہ وقت نزع روح کا اور غرارۂ موت کا ہے یا اس سے پہلے کا۔

جس وقت روح نکل رہی ہو، اور نزع کا عالم طاری ہو، وہ وقت دنیا کی زندگی میں شمار نہیں، اس وقت کا کوئی بھی عمل شرعاً معتبر نہیں! اس سے پہلے پہلے ہر عمل معتبر ہے!

ماضی میں جب بھی اللہ پاک کی طرف سے فرعونیوں پر، تنبیہ کے لئے کوئی آفت آتی، تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دعا کراتے، اور اس آفت سے چھٹکارا حاصل کر لیتے۔سورۂ اعراف میں ہے کہ جب ان پر کوئی آفت پڑتی، تو کہتے: ''اے موسیٰ! اپنے رب سے ہمارے واسطے دعا کر، جیسا کہ اس نے تجھے (دعا کا طریقہ) بتلا رکھا ہے اگر تو نے ہم سے یہ آفت دور کردی تو ہم بے شک تجھ پر ایمان لے آئیں گے، اور تیرے ساتھ بنی اسرائیل کو جانے دیں گے!'' ــــ مگر جب موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے آفت ٹل جاتی تو کتے کی دم ٹیڑھی ہوجاتی ــــ آج بھی پرانی عادت کے مطابق فرعون ایمان واسلام کا لفظ زبان پر اس لئے لا رہا ہے کہ شاید بنی اسرائیل کا خدا ایمان واسلام کا لفظ سن کر دریا کی موجوں سے باہر نکال دے۔اس پر اللہ پاک کی طرف سے ارشاد ہوگا ــــ لے! آج ہم تیری لاش کو نجات دیں گے ــــ جیسا ایمان ویسا فائدہ! ــــ تاکہ تو اپنے پیچھے والوں کے لئے ــــ جو تجھے رب اعلیٰ مان کر پوجتے ہیں، عبرت کی ــــ نشانی بنے! ــــ یعنی تیری گلی سڑی اور بدبودار لاش ان کے لئے درس عبرت بنے! ــــ اور بیشک بہت سے لوگ ہماری نشانیوں سے قطعی غافل ہیں ــــ اس لئے یہ کچھ ضروری نہیں کہ انھیں دولت ایمان بھی نصیب ہوجائے اور وہ عبرت پذیر بھی ہوں ــــ اللہ پاک نے دریا کی ایک موج کے ذریعہ فرعون کی مردہ لاش کو ساحل پر ڈال دیا، اور اس کی یہ لاش سب کے لئے نمونۂ عبرت بن گئی۔پھر معلوم نہیں کہ اس لاش کا کیا انجام ہوا! نَجّار رحمہ اللہ نے قصص الانبیاء میں لکھا ہے کہ اسے عجلت کے ساتھ اَمَنتَحَب کے مقبرہ میں دفن کردیا گیا۔مصری دستور کے مطابق کارروائی نہیں کی گئی کہ اس کا مقبرہ جدا ہو اور اس کے تمام حالات اور شاہی اشیاء اور جواہرات اس کی قبر کے ساتھ ہی محفوظ کر کے رکھے جائیں۔اس سے معلوم ہوا کہ وہ بہت ناگفتہ

بہ حالت میں پائی گئی تھی اس لئے بعجلتِ ممکنہ اسے دفن کردیا گیا تھا۔

وَلَقَدۡ بَوَّاۡنَا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ مُبَوَّاَ صِدۡقٍ وَّرَزَقۡنٰهُمۡ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ۚ فَمَا اخۡتَلَفُوۡا حَتّٰی جَآءَهُمُ الۡعِلۡمُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ یَقۡضِیۡ بَیۡنَهُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ فِیۡمَا كَانُوۡا فِیۡهِ یَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۹۳﴾

وَلَقَدۡ	اور البتہ تحقیق	مِّنَ الطَّیِّبٰتِ	نفیس چیزیں	یَقۡضِیۡ	فیصلہ فرمائیں گے
بَوَّاۡنَا[1]	تیار کیا ہم نے	فَمَا	پھر نہیں	بَیۡنَهُمۡ	ان کے درمیان
بَنِیۡۤ	اولاد	اخۡتَلَفُوۡا	اختلاف کیا انھوں نے	یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ	قیامت کے روز
اِسۡرَآءِیۡلَ	اسرائیل (کے لئے)	حَتّٰی	یہاں تک کہ	فِیۡمَا	ان (اختلافات) میں
مُبَوَّاَ	ٹھکانا	جَآءَهُمُ	آگیا اُن کے پاس	كَانُوۡا فِیۡهِ	(کہ) تھے وہ اس میں
صِدۡقٍ[2]	بہت اچھا	الۡعِلۡمُ	(دین کا) علم	یَخۡتَلِفُوۡنَ	اختلاف کرتے
وَّرَزَقۡنٰهُمۡ	اور کھانے کو دی ہم نے انہیں	اِنَّ رَبَّكَ	بیشک آپ کے پروردگار	۞	۞

بنی اسرائیل فرقے ہو کر سب گمراہ ہوگئے

اب مسلمانوں کو فرعون کی غرقابی کے بعد بنی اسرائیل کا مستقبل سنایا جارہا ہے۔ کیونکہ نبی پاک ﷺ کی سچی پیشین گوئی ہے کہ: ''ضرور میری امت پر ویسا ہی دور آئے گا جیسا کہ بنی اسرائیل پر آچکا ہے۔ سرِمو فرق نہ ہوگا! ان میں سے کسی نے سرِعام اپنی ماں سے منہ کالا کیا ہوگا تو میری امت میں بھی ایسا کرنے والا ضرور پیدا ہوگا۔ اور بنی اسرائیل بہتر فرقے ہوگئے، میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے۔ اور بجز ایک کے سب جہنم رسید ہوں گے'' صحابہؓ نے پوچھا: وہ ایک کونسا فرقہ ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''جو میری اور میرے صحابہ کی روش پر گامزن ہو'' (مَا اَنَا عَلَیۡهِ وَاَصۡحَابِی)[3] —— اس لئے مسلمان بہت غور سے بنی اسرائیل کا حال سنیں۔

---

(۱) فعل بَوَّأَ پہلے مفعول کی طرف حرف جر کے ذریعہ بھی متعدی ہوتا ہے اور بلاواسطہ بھی بَوَّأَهُ وَبَوَّأَ لَهُ مَنۡزِلاً: کسی کے لئے جگہ تیار کرنا۔ یہاں بلاواسطہ متعدی ہے یعنی بَنِیۡ اِسۡرَائِیۡلَ مفعول اول ہے اور مُبَوَّأً صِدۡقٍ مفعول ثانی ہے اور مُبَوَّأ اسم مکان ہے (۲) دیکھو یونس آیت ۲ کا حاشیہ۔ (۳) رواہ الترمذی عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما۔

سَینا کے جس میدان میں فرعون کی غرقابی کے وقت بنی اسرائیل موجود تھے، یہ میدان سرزمین فلسطین سے قریب تھا اوران کے باپ دادا حضرت ابراہیم، اسحاق اور یعقوب علیہم الصلوٰۃ والسلام سے اللہ پاک کا وعدہ تھا کہ یہ ملک تمہاری اولاد کو ملے گا، اور وہ یہاں پھولے پھلے گی(۱) —— یہ وعدہ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما الصلوٰۃ والسلام کے بعد حضرت یوشع اور کالب کے زمانے میں پورا ہوا۔ اللہ پاک نے عَمَالِقَہ کو وہاں سے نکال کر یہ سرسبز وشاداب علاقہ بنی اسرائیل کو عنایت فرمایا جہاں ستھری اور لذید چیزوں کی بہتات تھی، ارشاد فرماتے ہیں —— واللہ! ہم نے بنی اسرائیل کو رہنے کے لئے بہت اچھا ٹھکانا دیا، اور کھانے کے لئے نفیس چیزیں دیں! —— انھیں حلال وطیب چیزوں سے مالا مال کردیا۔ شاداب علاقہ، لذید اشیاءِ خوردنی اور مہربان مولیٰ سبھی کچھ مل گیا —— پھر انھوں نے تفرقہ بازی نہیں کی یہانتک کہ ان کے پاس دین کا علم پہنچ گیا —— یعنی وہ لوگ مادی انعام واکرام کے ساتھ دینی اور روحانی نعمت سے بھی سرفراز کئے گئے، مگر پھر بعد میں ان میں پھوٹ پڑی، وہ فرقہ بندی کی نحوست میں گرفتار ہوئے، علم صحیح اور خبر صادق پہنچ جانے کے باوجود طرح طرح کے اختلاف پیدا کئے اور نئے نئے مذاہب نکالے —— اور یہ سب کچھ اس وجہ سے نہیں کیا کہ انھیں حقیقت کا علم نہیں تھا، ناواقفیت کی بنا پر مجبوراً انھوں نے ایسا کیا، بلکہ درحقیقت یہ سب کچھ ان کے اپنے نفس کی شرارتوں کا نتیجہ تھا۔ اللہ پاک کی طرف سے تو انھیں واضح طور پر بتادیا گیا تھا کہ دین حق یہ ہے، یہ اس کے اصول ہیں، یہ اس کے تقاضے اور مطالبے ہیں، یہ کفر واسلام کی امتیازی حدود ہیں، طاعت اس کو کہتے ہیں، معصیت اس کا نام ہے، اور ان چیزوں کی باز پرس اللہ پاک کے یہاں ہونی ہے۔ مگر ان صاف صاف ہدایتوں کے باوجود انھوں نے ایک دین کے بیسیوں دین بناڈالے۔ اور اللہ پاک کی بتلائی ہوئی بنیادوں کو چھوڑ کر کچھ دوسری ہی بنیادوں پر اپنے مذہبی فرقوں کی عمارتیں کھڑی کرلیں! —— بیشک آپ کے پروردگار قیامت کے روز ان کے درمیان ان مناقشات میں فیصلہ فرمائیں گے جن میں وہ اختلاف کرتے رہے ہیں! —— یعنی اب دنیا میں تو یہ اختلاف برابر چلے گا۔ آخری اور قطعی فیصلہ قیامت کے روز ہی ہوگا۔ کیونکہ اختلافات جہالت اور ناواقفی کی وجہ سے نہیں تھے، بلکہ ان کے پیچھے تَحَاسُدْ اور تَبَاغُض کام کررہا تھا۔ پس جب تک یہ جذبات کارفرما ہیں اختلاف ختم نہیں ہوسکتا!

ہفتاد ودو فریق حَسَدْ کے عدد سے ہیں ❁ اپنا ہے یہ طریق کہ باہر حسد سے ہیں(۲)

(۱) کتاب استثناء باب ۳۴ (۲) لفظ حسد کے عدد بہتّر (۷۲) ہیں۔ ح کے ۸، س کے ۶۰ اور د کے ۴ مجموعہ ۷۲ ہوا اور تہتّرواں عدد بہتّر سے آگے ہے یعنی بہتّر فرقے تو بربنائے تحاسد پیدا ہوتے ہیں اور اہل حق کی جماعت جو تہتّرواں فرقہ ہے اس کی بنیاد حسد پر نہیں، بلکہ وحی کی روشنی پر ہوتی ہے۔

فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْئَلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۹۷﴾

فَاِنْ كُنْتَ	پس اگر آپ ہیں	مِنْ رَّبِّكَ	تیرے پروردگار کی	عَلَيْهِمْ	ان پر
فِيْ شَكٍّ	شک میں		جانب سے	كَلِمَتُ	بات
مِّمَّآ	اس وحی کے متعلق جو	فَلَا تَكُوْنَنَّ	پس ہرگز نہ ہوتو	رَبِّكَ	تیرے رب کی
اَنْزَلْنَآ	اتاری ہم نے	مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ (۲)	شک کرنیوالوں میں سے	لَا (۳)	نہیں
اِلَيْكَ (۱)	آپ کی طرف	وَلَا تَكُوْنَنَّ	اور ہرگز نہ ہوتو	يُؤْمِنُوْنَ	ایمان لائیں گے
فَسْئَلِ	تو پوچھ لیں	مِنَ الَّذِيْنَ	ان لوگوں میں سے جنھوں نے	وَلَوْ	اگرچہ
الَّذِيْنَ	ان لوگوں سے جو	كَذَّبُوْا	جھٹلایا	جَآءَتْهُمْ	پہنچے انہیں
يَقْرَءُوْنَ	پڑھتے ہیں	بِاٰيٰتِ	آیتوں کو	كُلُّ	ہر
الْكِتٰبَ	آسمانی کتاب	اللّٰهِ	اللہ پاک کی	اٰيَةٍ	نشانی
مِنْ قَبْلِكَ	آپ سے پہلے	فَتَكُوْنَ	پس ہوجائے تو	حَتّٰى (۴)	یہانتک کہ
لَقَدْ	البتہ تحقیق	مِنَ الْخٰسِرِيْنَ	ٹوٹا پانے والوں میں سے	يَرَوُا	دیکھ لیں وہ
جَآءَكَ	پہنچا ہے تجھے	اِنَّ الَّذِيْنَ	بے شک وہ لوگ جو	الْعَذَابَ	سزا
الْحَقُّ	دین حق	حَقَّتْ	ثابت ہوگئی	الْاَلِيْمَ	دردناک!

(۱) اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ کا خطاب عام ہے۔ نبی پاک ﷺ کے ساتھ خاص نہیں کما فی قولہ تعالیٰ: ﴿لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ﴾ (النحل آیت ۴۴) (۲) اَلْمُمْتَرِىْ کی جمع ہے، جو اسم فاعل ہے اِمْتِرَاءٌ سے اِمْتَرىٰ فِي الشَّيْءِ: شک کرنا۔ (۳) لَا يُؤْمِنُوْنَ خبر ہے اِنَّ کی (۴) حَتّٰى غایت ہے لَا يُؤْمِنُوْنَ کی۔

جس کو دین کی کسی بات میں شک ہو وہ علماء سے تحقیق کرے، شک کی پرورش نہ کرے

اب سورتِ پاک پوری ہورہی ہے اور اس کی آخری موعظتیں شروع ہورہی ہیں —— عام انسانوں سے خطاب ہے:
—— اب اگر تجھے اس وحی میں، جو ہم نے تیری طرف بھیجی ہے، کچھ شک ہو تو ان لوگوں سے تحقیق کر جو تجھ سے پہلے آسمانی کتاب پڑھتے ہیں —— شک، شبہ، خلجان اور الجھن کا درجہ تکذیب وانکار سے نیچے ہے۔ پس ارشاد یہ فرمایا جارہا ہے کہ اگر تیری تکذیب وانکار میں کچھ کمی آئی ہے اور بات شک وشبہ تک اتر آئی ہے تو اب ہمارا خطاب تجھ ہی سے ہے کہ تو اپنا شک رفع کرلے، شبہ مٹالے۔ اور اہل کتاب کے علماء میں جو لوگ متدین اور منصف مزاج ہیں ان سے تحقیق کرلے، وہ تصدیق کریں گے کہ یہ قرآن برحق کتاب ہے، وہ جس چیز کی دعوت دے رہا ہے یہ وہی بات ہے جس کی دعوت تمام پچھلے انبیاء دیتے آئے ہیں۔ اہل کتاب علماء قرآن کے کتاب برحق ہونے کی تصدیق تو کریں گے، مگر قرآن پر ایمان نہیں لائیں گے، کیونکہ وہ آسمانی کتابیں پڑھتے ہیں، تلاوت نہیں کرتے۔ تلاوت اس وقت ہوتی جب وہ آسمانی کتابوں کو اس یقین کے ساتھ پڑھتے کہ ان میں جو کچھ فرمایا گیا ہے اس پر عمل پیرا ہونا واجب ہے۔ اہل کتاب علماء میں صرف قراءت کی رسم باقی رہ گئی تھی، جذبۂ عمل مفقود ہوگیا تھا، اس لئے وہ تصدیق تو کریں گے مگر خود ایمان نہیں لائیں گے —— اور اگر تجھے ہماری بات کا اعتبار آئے تو سن! —— واللہ! تجھے تیرے پروردگار کی جانب سے دینِ حق پہنچا ہے، پس ہرگز تو شک کرنے والوں میں سے نہ ہو، اور ہرگز تو ان لوگوں میں سے نہ ہو، جنھوں نے اللہ پاک کی آیتوں کو جھٹلایا۔ پس تو ٹوٹا پانے والوں میں سے ہوکر رہ جائے! —— کیونکہ تکذیب کے بعد جو درجہ ہے، وہاں پہنچ کر دل پر مہر لگ جاتی ہے۔ یعنی تکذیب کرتے کرتے قبول حق کی استعداد برباد ہوجاتی ہے —— بلاشبہ جن لوگوں پر تیرے رب کی بات درست ہوگئی، وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ بھلے پہنچ جائے انھیں ہر نشانی، جب تک کہ وہ دردناک سزا نہ دیکھ لیں! —— یعنی ایسا شخص اگر دنیا جہاں کے سارے نشانات بھی دیکھ لے تب بھی ایمان نہیں لائے گا، اسے عذاب الیم دیکھ کر ہی یقین آئے گا۔ جب کہ وہ یقین بے فائدہ ہوگا۔

''جن لوگوں پر تیرے رب کی بات ثابت ہوگئی'' یعنی وہ لوگ جن کے لئے بدبختی، سوءِ استعداد اور شامتِ اعمال کی وجہ سے جہنمی ہونے کا فیصلہ ہوگیا، جن پر ''بدبخت ازلی'' کا خطاب صادق آ گیا، اور جن کے دلوں پر تکذیب کرتے کرتے ''مہر ضلالت'' ثبت ہوگئی، اب وہ کسی طرح ایمان لانے والے نہیں، چاہے ان کے پیچھے سوجتن کرلئے جائیں!

ان آیتوں میں خطاب عام ہے یعنی ہر شخص سے خطاب ہے۔ پس جسے دین کے کسی معاملہ میں کوئی شبہ پیش آئے تو اس پر لازم ہے کہ علماء حق سے تحقیق کرے، ان سے پوچھ کر اپنے شبہات دور کرے، شبہات کی پرورش نہ کرے ——

اور جسے اللہ پاک، شک کی بیماری سے محفوظ رکھیں، وہ نبی پاک ﷺ کا جواب دوہرائے کہ: "نہ مجھے شک ہے، نہ مجھے تحقیق کی حاجت!" لاَ اَشُکُّ وَلاَ اَسْأَلُ! (۱)

وہ لوگ خسارے میں ہیں، جو قرآن پاک سمجھنے کے لئے علماءِ دین کی طرف رجوع نہیں کرتے، بلکہ شبہات کا شکار رہتے ہیں یا مظنونات پر مذاہب کی عمارتیں اٹھاتے ہیں!

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ۚ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۹۸﴾

فَلَوْلَا (۲)	سو نہ	اِلَّآ (۵)	بجز	عَنْهُمْ	ان سے
كَانَتْ	تھی	قَوْمَ	قوم	عَذَابَ	عذاب
قَرْيَةٌ (۳)	کوئی بستی	يُوْنُسَ	یونس (علیہ السلام) کے	الْخِزْيِ	رسوائی (کا)
اٰمَنَتْ	ایمان لاتی	لَمَّآ	جب	فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا	دنیا کی زندگی میں
فَنَفَعَهَآ (۴)	اور نافع ہوتا اسکے لئے	اٰمَنُوْا	ایمان لائی وہ	وَمَتَّعْنٰهُمْ	اور عیش دیا ہم نے انکو
اِيْمَانُهَآ	اس کا ایمان لانا	كَشَفْنَا (۶)	(تو) ہٹادیا ہم نے	اِلٰى حِيْنٍ	ایک مدت تک

تکذیب کرنے والی کوئی قوم ایمان نہیں لائی، سوائے قومِ یونس (علیہ السلام) کے

جن لوگوں پر پروردگار کی بات راست آجاتی ہے وہ کسی طرح ایمان نہیں لاتے البتہ دردناک عذاب دیکھنے کے بعد ضرور ایمان لاتے ہیں مگر وہ ایمان ثمر بار نہیں ہوتا۔ اس سلسلہ میں بطور مثال اور استدلال گزشتہ قوموں کا جائزہ لیا جاتا ہے

(۱) أخرجه عبد الرزاق وابن جرير عن قتادة مرسلا (درمنثور) (۲) لَوْلَا تحضیض وعرض کے لئے ہے یعنی کسی کام پر سختی سے یا نرمی سے ابھارنے کے لئے ہے اور نفی اس کے لئے لازم ہے۔ پس وہ هَلَّا کے معنی دیتا ہے مگر اس آیت میں اور سورۂ ہود آیت ۱۱۶ میں لَوْلَا نفی کے لئے استعمال ہوا ہے اور تحضیض ضمنی ہے۔ یہ بات مشہور مفسر ابو مالک سعد بن طارق کوفی رحمہ اللہ سے مروی ہے۔ درمنثور میں ان سے نقل کیا ہے کل مافی القرآن فلولا فهو فَهَلَّا اِلَّا فی حَرْفَيْنِ: فی یونس: فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ آمَنَتْ والآخر: فلولا كان من القرون من قبلكم اس روایت سے اور پر دوسری روایت انہی سے یہ ہے کہ یہاں فَلَوْلَا فَمَا کے معنی میں ہے (۳) كانت ناقصہ: قرية اسم اور آمَنَتْ خبر ہے (۴) فَا عاطفہ ہے اور جملہ نَفَعَها معطوف ہے آمَنَتْ پر (۵) قَرْيَةٌ سے استثناء متصل ہے (۶) كَشَفْنَا جواب شرط ہے۔

—— پھر یونس (علیہ السلام) کی قوم کو چھوڑ کر کوئی بستی نہ ہوئی کہ ایمان لاتی اور اس کا ایمان لانا اس کے لئے سود مند ہوتا! —— یعنی یونس علیہ السلام کی قوم کی منفرد مثال چھوڑ کر ساری قوموں کا ایک ہی حال رہا، ان پر تیرے رب کی بات راست آ گئی، چنانچہ ان میں سے کوئی بھی ایسے وقت ایمان نہ لایا کہ اس کا ایمان لانا سود مند ہوتا، ہاں عذاب کی لپیٹ میں آ جانے کے بعد، فرعون کی طرح، سب ہی ایمان لائے، مگر اس وقت کا ایمان بے فائدہ ہوتا ہے —— البتہ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم وقت پر سنبھل گئی اس لئے اللہ پاک نے اسے مہلت دیدی۔ پس خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو وقت پر سنور جائیں، اللہ پاک ایسے لوگوں کی پچھلی خطائیں معاف فرما دیتے ہیں۔

غرض آیت پاک میں ماضی کی ہلاک شدہ قوموں کی مثال پیش کر کے اس بات پر استدلال کیا گیا ہے کہ جن لوگوں پر تیرے رب کی بات صادق آ جاتی ہے، وہ ایمان نہیں لاتے، چاہے انھیں لاکھ نشانیاں دکھادی جائیں۔ اور ان کے بے فائدہ ایمان لانے پر حسرت ظاہر کی گئی ہے، نیز اس آیت پاک میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اہل مکہ جو انکار و سرکشی کر رہے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ماضی میں کتنے ہی رسول آئے لیکن یونس علیہ السلام کی قوم کے علاوہ کوئی قوم نہ نکلی جس نے رسولوں کی بات مان لی ہو۔ پھر اگر اکثر حالتوں میں ایسا ہی ہوا ہے تو موجودہ حالت پر تعجب اور مایوسی کیوں ہو!

اور اس آیت پاک میں مذبذب لوگوں کو ابھارنا ہے کہ وہ اپنا شک جلد دور کر کے وقت پر ایمان کا سامان کریں تا کہ وہ ایمان ان کے لئے سود مند ثابت ہو، جس طرح یونس علیہ السلام کی قوم کے لئے ان کا ایمان فائدہ بخش ہوا کیونکہ وہ وقت پر ایمان لے آئی تھی، دردناک عذاب کی لپیٹ میں آنے سے پہلے تائب ہو گئی تھی۔ اس لئے —— جب وہ ایمان لے آئی تو ہم نے دنیا کی زندگی میں ان پر سے رسوائی کا عذاب ہٹا دیا، اور ایک مدت تک ان کو سامانِ عیش دیا! —— یعنی اللہ پاک نے ایمان کی بدولت دنیوی زندگی میں بھی ان پر سے آنے والی بلا ٹال دی اور جس وقت تک انھیں دنیا میں رہنا تھا یہاں کے فوائد و برکات سے متمتع کیا۔

حضرت یونس علیہ السلام کا زمانہ ۸۶۰-۷۸۴ قبل مسیح بتایا جاتا ہے، آپ کو باشندگان نینویٰ کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا تھا، وہاں کے لوگ بت پرست تھے۔ یونس علیہ السلام ان کو لگاتار کئی سال تک پند و نصیحت کرتے رہے مگر انھوں نے ایک نہ سنی۔ روز بروز ان کی تکذیب اور انکار بڑھتا رہا۔ آخر آپ نے ان کو آگاہ کیا کہ تین دن کے اندر عذاب آنے والا ہے۔ تیسری شب یونس علیہ السلام آدھی رات گزرنے پر بستی سے نکل گئے۔ صبح ہوتے ہی عذاب کے آثار نظر آنے لگے۔ آسمان پر نہایت ہولناک سیاہ بادل چھا گیا۔ یہ آثار دیکھ کر لوگوں کو عذاب کا یقین آ گیا تو حضرت یونس علیہ السلام کو تلاش کیا۔ مگر وہ نہ ملے تو خود ہی اخلاص نیت کے ساتھ توبہ واستغفار میں لگ گئے، بستی سے ایک میدان میں نکل آئے، عورتیں

بچے اور جانور سب اس میدان میں جمع کر دیئے۔ٹاٹ کے کپڑے پہن کر عجز وزاری کے ساتھ توبہ کرنے اور عذاب سے پناہ مانگنے میں اس طرح مشغول ہوگئے کہ پورا میدان آہ وبکا سے گونجنے لگا۔اللہ پاک نے ان کی توبہ قبول فرمالی، اور عذاب ان سے ہٹادیا۔کیونکہ وہ عذاب کے آثار دیکھ کر عذاب میں مبتلا ہونے سے پہلے ہی ایمان لے آئے تھے۔اس لئے ان کا ایمان اور توبہ قبول کر لی گئی۔عین عذاب میں پھنس کر ایمان نہیں لائے تھے۔جیسے فرعون نے سمندر کی موجوں میں پھنس کر اقرار کیا تھا

یونس علیہ السلام کی قوم کی توبہ اتنی سچی تھی کہ انھوں نے باہمی حق تلفیوں کی تلافی بھی کر لی۔حتی کہ اگر دوسرے کا پتھر اپنے مکان کی نیو میں لگا دیا تھا،تو عمارت منہدم کر کے وہ مالک کو واپس کر دیا (حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ)

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِى الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ؕ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٩٩﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿١٠٠﴾ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا تُغْنِى الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٠١﴾ فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿١٠٢﴾ ثُمَّ نُنَجِّىْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٠٣﴾

ع ١١

وَلَوْ	اور اگر	فِى الْاَرْضِ	زمین میں (ہیں)	النَّاسَ	لوگوں (کو)
شَآءَ(۱)	چاہتے	كُلُّهُمْ	سارے کے	حَتّٰى	یہاں تک کہ
رَبُّكَ	آپ کے پروردگار	جَمِيْعًا	سارے	يَكُوْنُوْا	ہو جائیں وہ
لَاٰمَنَ(۲)	تو ایمان لاتے	اَفَاَنْتَ	کیا تو آپ	مُؤْمِنِيْنَ	ایمان لانے والے
مَنْ	وہ لوگ جو	تُكْرِهُ	مجبور کریں گے	وَمَا كَانَ	اور نہیں تھا

(۱) شآءَ کا مفعول محذوف ہے (۲) لَاٰمَنَ جواب شرط ہے۔

لِنَفْسٍ	کسی متنفس کے لئے	الْاٰیٰتُ	نشانیاں	اِنِّیْ	بے شک میں (بھی)
اَنْ تُؤْمِنَ	کہ ایمان لائے	وَالنُّذُرُ (۲)	اور تنبیہات (یا تنبیہ	مَعَکُمْ	تمہارے ساتھ
اِلَّا	بغیر		کرنے والے)	مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ	انتظار کرنے والوں
بِاِذْنِ اللّٰہِ	حکم خداوندی کے	عَنْ قَوْمٍ	ان کے لئے جو		میں سے ہوں
وَ یَجْعَلُ	اور ڈالتے ہیں	لَّا یُؤْمِنُوْنَ	یقین نہیں کرتے	ثُمَّ	پھر (جب ایسا وقت آتا
الرِّجْسَ	گندگی	فَهَلْ (۳)	سو نہیں		ہے تو)
عَلَی الَّذِیْنَ	ان پر جو	یَنْتَظِرُوْنَ	انتظار کرتے ہیں وہ	نُنَجِّیْ (۴)	بچالیا کرتے ہیں ہم
لَا یَعْقِلُوْنَ	نہیں سمجھتے ہیں	اِلَّا مِثْلَ	مگر مانند	رُسُلَنَا	اپنے رسولوں کو
قُلِ	آپ فرمائیں	اَیَّامِ الَّذِیْنَ	ان لوگوں کے (برے	وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	اور ان کو جو ایمان لائے
انْظُرُوْا	دیکھو		دنوں کے) جو	كَذٰلِكَ	اسی طرح
مَاذَا (۱)	جو کچھ	خَلَوْا	گذر چکے ہیں	حَقًّا	لازم ہے
فِي السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں (ہے)	مِنْ قَبْلِهِمْ	ان سے پہلے	عَلَيْنَا	ہم پر
وَالْاَرْضِ	اور زمین میں (ہے)	قُلْ	آپ فرمائیے	نُنْجِ (۵)	(کہ) بچائیں ہم
وَمَا تُغْنِي	اور نہیں کام آتی	فَانْتَظِرُوْٓا	پھر تم انتظار کرو	الْمُؤْمِنِيْنَ	ایمان لانے والوں کو

نبی ﷺ کو تسلی دیتے ہیں تا کہ آپؐ مکہ والوں کی تکذیب سے رنجیدہ نہ ہوں

اب نبی پاک ﷺ کو تسلی دی جاتی ہے کہ آپ مکہ والوں کی تکذیب وانکار سے رنجیدہ نہ ہوں، ہدایت اللہ پاک کے ہاتھ میں ہے، جو شخص سمجھ سے کام لیتا ہے اسی کو اللہ پاک ہدایت کی دولت سے نوازتے ہیں اور رہے عقل کے دشمن، تو ان کی گندگی ہی میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ارشاد فرماتے ہیں —— اور اگر آپ کے رب کی مشیت ہوتی تو جتنے لوگ روئے زمین پر ہیں سب کے سب ضرور ایمان لے آتے —— یعنی اگر اللہ پاک چاہتے تو تمام انسانوں کو ایک ہی طرح کی طبیعت، ایک ہی طرح کی استعداد، ایک ہی طرح کی فکری وعملی حالت پر مجبور کر دیتے اور زمین میں

(۱) مَاذَا اسم موصول ہے اور الَّذِیْ کا ہم معنی ہے (۲) النَّذِیْر کی جمع ہے۔ ڈرانے والے یعنی پیغمبر یا ڈرانے والی نشانیاں (۳) هَلْ استفہام انکاری ہے (۴) نُنَجِّیْ تَنْجِیَةً سے مضارع جمع متکلم ہے (۵) نُنْجِ جمع متکلم فعل مضارع ہے۔ باب اِنْجَاءٌ سے اس لفظ کی اصل نُنْجِیْ ہے ہلکا کرنے کے لئے آخر کی یاء حذف کر دی گئی ہے اور جیم کے کسرہ پر اکتفا کیا گیا ہے۔

صرف اطاعت گزار اور فرمانبردار ہی بستے، کفر و نافرمانی کا سرے سے کوئی وجود ہی نہ ہوتا مگر انھوں نے ایسا نہیں چاہا، ان کی حکمت کا یہی فیصلہ ہوا کہ انسان میں ہر طرح کی حالت پیدا کرنے کی استعداد ہو، اور ہر طرح کی راہ اس کے آگے کھلی رہے، اگر وہ اونچا ہونا چاہے، تو زیادہ سے زیادہ اونچا ہو سکے، اور پست ہونا چاہے تو زیادہ سے زیادہ پستی میں گر سکے، اس لئے اللہ پاک نے انھیں ایمان لانے یا نہ لانے اور اطاعت اختیار کرنے یا نہ کرنے میں آزاد رکھا ہے، مجبور نہیں کیا — تو کیا آپ لوگوں کو مجبور کریں گے کہ وہ مومن ہو جائیں؟ — یعنی آپ کو یہ قدرت نہیں کہ زبردستی کسی کے دل میں ایمان اتار دیں — ایمان کوئی ایسی چیز نہیں کہ زور زبردستی کسی کے اندر ٹھونس دی جائے، یہ تو اسی کے اندر پیدا ہوگا، جس میں سمجھنے اور قبول کرنے کی استعداد ہے — آیت پاک سے واضح ہوا کہ دین وایمان کا معاملہ ایک ایسا معاملہ ہے جس میں جبر واکراہ، زور زبردستی اور مجبور کرنے کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ ''اکراہ'' کا ذکر آیت پاک میں ان ہونی بات کی طرح کیا گیا ہے۔ اور سورۂ بقرہ کی آیت ۲۵۶ میں کلی ضابطہ بیان فرمایا گیا ہے:

﴿ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ﴾ دین قبول کرنے میں زور زبردستی نہیں — اور کسی متنفس کے لئے ممکن نہیں کہ بغیر حکم خداوندی کے ایمان لے آوے — اور اللہ پاک کا حکم ان ہی لوگوں کے حق میں صادر ہوتا ہے، اور انہی لوگوں کو ایمان کی توفیق نصیب ہوتی ہے جو اللہ پاک کی نشانیوں میں غور کرتے ہیں اور عقل وفہم سے کام لیتے ہیں۔ اور جو لوگ سوچنے سمجھنے کی تکلیف گوارا نہیں کرتے، اللہ پاک انھیں کفر وشرک کی گندگی میں پڑا رہنے دیتے ہیں، ارشاد فرماتے ہیں — اور اللہ پاک ان لوگوں پر گندگی ڈالتے ہیں، جو سمجھتے نہیں! — یعنی اللہ پاک کی توفیق اور ان کا حکم کوئی اندھی بانٹ نہیں کہ بے ضابطہ جسے چاہا ایمان کی توفیق ارزانی فرما دی اور جسے چاہا محروم کر دیا۔ بلکہ اس کے بارے میں ان کا نہایت حکیمانہ ضابطہ ہے اور وہ یہ ہے کہ جو لوگ حقیقت کی تلاش میں اپنی عقل کو ٹھیک ٹھیک استعمال کرتے ہیں ان کے لئے حقیقت رسی کے اسباب مہیا کر دئے جاتے ہیں اور جو حق کے طالب ہی نہیں ہوتے، یا اپنی عقل کو تعصبات کے پھندے میں پھانسے رکھتے ہیں یا سرے سے حقیقت کی تلاش میں اسے استعمال ہی نہیں کرتے تو ان کے لئے نجاستوں کے سوا اور کچھ نہیں — اور جب بات یہ ہے تو — آپ فرما دیں کہ زمین وآسمانوں میں جو کچھ ہے اسے غور سے دیکھو — کائنات کے ذرے ذرے اور پتے پتے سے تمہیں حقیقت کا سراغ مل جائے گا — اور یقین نہ کرنے والوں کے لئے نشانیاں اور تنبیہات کچھ بھی مفید نہیں! — ان کے لئے سب نشانیاں اور دلیلیں بیکار ہیں، قدرت کی تنبیہات اور پیغمبروں کا جھنجھوڑنا غیر مؤثر ہے تو کیا — اب یہ لوگ صرف ویسے ہی برے دنوں کے انتظار میں ہیں، جو ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگ دیکھ چکے ہیں! — ان کا حال تو یہی بتلا رہا ہے کہ اب انھیں آفات

وحوادث کے نزول ہی کا انتظار ہے،تو—— آپ فرمادیجئے کہ:''اچھاتو تم انتظار میں رہو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں''—— لیکن سنتِ الٰہی سن لو—— پھر(جب براوقت آتا ہے تو)ہم بچالیا کرتے ہیں اپنے رسولوں کواور ایمان لانے والوں کو،اسی طرح، ہمارے ذمے ہے کہ ہم مؤمنوں کو بچالیں!—— یعنی سنتِ الٰہی یہ ہے کہ حق وباطل کی کشمکش کے نتیجہ میں جو عذاب الٰہی نازل ہوتا ہے اس کا شکار صرف اہل باطل ہوتے ہیں۔ اہل حق کو اس عذاب سے محفوظ رکھا جاتا ہے۔خواہ وہ رسول ہوں یا مؤمنین یا دونوں،ان کو اس عذاب سے بچالیا جاتا ہے،اسی سنت کے مطابق یونس علیہ السلام کی قوم کو دنیا میں بھی رسوائی کے عذاب سے بچالیا گیا۔

اور جو عذاب انسانوں کے ظلم وطغیانی اور شرارت وفساد کے نتیجہ میں رونما ہوتا ہے اس کا شکار دنیا میں تو سب ہی ہوتے ہیں،اچھے بھی اور برے بھی،البتہ آخرت میں ہر ایک کے ساتھ اس کے اعمال کے مطابق معاملہ کیا جاتا ہے۔ سورۃ الانفال آیت ۲۵ میں فرمایا گیا ہے۔

﴿وَ اتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ﴾

ترجمہ:اور اس فتنہ سے ڈرو جس کی شامت مخصوص طور پر صرف انہی لوگوں تک محدود نہ رہے گی جنھوں نے تم میں سے گناہ کیا ہے۔بلکہ اچھے اور برے سب ہی اس فتنہ کی لپیٹ میں آئیں گے۔

مگر پہلی قسم کے عذاب سے اہل حق کو محفوظ رکھا جاتا ہے، کیونکہ وہ فیصلہ کن عذاب ہوتا ہے،اگر اہل حق بھی اس عذاب سے متأثر ہوں تو فیصلہ ہونے کے بجائے معاملہ اور الجھ جائے گا—— اس لئے کافر برے دنوں کا انتظار کریں مگر یاد رکھیں کہ جب وہ برے دن آئیں گے تو مؤمنوں کا اور اللہ پاک کے رسول کا کچھ نہیں بگڑے گا۔شامت انہیں کی آئے گی اور گت انہیں کی بنے گی!

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ فَلَاۤ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ ۚۖ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ

لِفَضْلِهٖ ؕ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۷﴾

قُلْ	آپ فرمادیں	وَاُمِرْتُ	اور مجھے حکم دیا گیا ہے	فَاِنَّكَ	تو بلاشبہ تو
يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ	اے لوگو!	اَنْ اَكُوْنَ (۳)	کہ رہوں میں	اِذًا (۵)	تب تو
اِنْ كُنْتُمْ (۱)	اگر تم ہو	مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ	ایمان لانیوالوں میں	مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ	ظالموں میں سے (ہے)
فِيْ شَكٍّ	کسی قسم کے شک میں	وَاَنْ اَقِمْ	اور یہ کہ تو سیدھا رکھ	وَاِنْ	اور اگر
مِّنْ دِيْنِيْ	میرے دین کے متعلق	وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ	اپنا رخ دین کی طرف	يَّمْسَسْكَ (۶)	چھوائیں تجھے
فَلَاۤ	تو (سنو) نہیں	حَنِيْفًا (۴)	یکسو ہوکر	اللّٰهُ	اللہ پاک
اَعْبُدُ	عبادت کرتا ہوں میں	وَلَا تَكُوْنَنَّ	اور ہرگز نہ ہو تو	بِضُرٍّ (۷)	کوئی تکلیف
الَّذِيْنَ	ان کی جن کی	مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ	مشرکوں میں سے	فَلَا	تو نہیں (ہے)
تَعْبُدُوْنَ	تم عبادت کرتے ہو	وَلَا تَدْعُ	اور تو نہ پکار	كَاشِفَ	کوئی کھولنے والا
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ پاک کے علاوہ	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ کے علاوہ	لَهٗۤ	اس (تکلیف) کو
وَلٰكِنْ	بلکہ	مَا لَا	ان کو جو نہ	اِلَّا هُوَ	مگر وہ
اَعْبُدُ	میں عبادت کرتا ہوں	يَنْفَعُكَ	فائدہ پہنچاتے ہیں تجھے	وَاِنْ	اور اگر
اللّٰهَ	(اس) اللہ (کی)	وَلَا يَضُرُّكَ	اور نہ نقصان پہنچاتے ہیں	يُّرِدْكَ	چاہیں تیرے حق میں
الَّذِيْ	جو	فَاِنْ	پھر اگر	بِخَيْرٍ	کوئی بھلائی
يَتَوَفّٰىكُمْ (۲)	تمہیں موت دیتے ہیں	فَعَلْتَ	تو نے کیا (یہ)	فَلَا	تو نہیں (ہے)

(۱) شرط کی جزاء مقدر ہے (۲) تَوَفّٰی تَوَفِّيًا: پورا لینا۔ کہا جاتا ہے تَوَفَّيْتُ مِنْ فُلَانٍ حَقِّيْ: جو کچھ میرا حق فلاں پر تھا، اس کو میں نے پورا لے لیا۔ تَوَفَّاهُ اللّٰهُ: موت دینا۔ کیونکہ مرنا فنا اور معدوم ہونا نہیں ہے۔ بلکہ مرنا نام ہے اس کا کہ اللہ پاک جاندار کی روح کو پورا وصول فرما لیتے ہیں۔ پس اللہ پاک مُتَوَفِّی (وصول کرنے والے) ہیں اور بندہ مُتَوَفّٰی (وصول شدہ) ہے (۳) ای: بان (۴) اَقِمْ کی ضمیر سے حَنِيْفًا حال ہے (۵) اِذًا شرطیہ ہے اور اس کے بعد کا جملہ شرطیہ جس کی طرف اذاً مضاف ہے حذف کیا گیا ہے اور اس کے عوض میں تنوین لائی گئی ہے (روح) (۶) يَمْسَسْ فعل مضارع مجزوم، صیغہ واحد مذکر غائب مَسَّ (س) مَسًّا چھونا (۷) بَا تعدیہ کے لئے ہے مَسَّ بِهٖ: پہنچانا۔ ﴿مَسَّنِيَ الشَّيْطَانُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ﴾ (ص ۴۱) شیطان نے مجھ کو رنج اور آزار پہنچایا ہے۔

رَآدَّ	کوئی پھیرنے والا	مَنۡ	جسے	الۡغَفُوۡرُ	بے حد درگذر فرمانے والے
لِفَضۡلِهٖ	اللہ پاک کے فضل کو	يَّشَآءُ	چاہتے ہیں	الرَّحِيۡمُ	نہایت مہربانی فرمانے
يُصِيۡبُ	نوازتے ہیں وہ	مِنۡ عِبَادِهٖ	اپنے بندوں میں سے		والے ہیں
بِهٖ	اپنے فضل سے	وَهُوَ	اور وہ	۞	۞

توحید دین اسلام کی بنیادی تعلیم ہے

اب آخر میں اسلام کی بنیادی تعلیمات کا واضح اعلان کیا جاتا ہے، جو اس سورت کا خاص موضوع ہے۔ارشاد فرماتے ہیں—— آپ فرما دیجئے کہ: لوگو! اگر تمہیں میرے دین کے بارے میں کسی قسم کا شک ہے—— میرا دینی مسلک تمہاری سمجھ میں نہیں آتا ہے، میں جس دین کی دعوت دے رہا ہوں اس کی حقیقت تم نے ٹھیک ٹھیک نہیں سمجھی—— تو (سنو!) میں ان چیزوں کی پرستش نہیں کرتا، جن کی تم اللہ پاک کے علاوہ پرستش کرتے ہو، بلکہ میں اس اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہیں موت دیتے ہیں—— یعنی میں تمہارے گھڑے ہوئے معبودوں کو نہیں مانتا۔صرف پروردگارِ عالم کی عبادت کرتا ہوں۔جن کے قبضے میں تمہاری سب کی جانیں ہیں کہ جب چاہتے ہیں تمہارا رشتہ حیات منقطع کر دیتے ہیں۔اور تم بے بس ہو کر اپنی جان اس جاں آفریں کے حوالے کر دیتے ہو۔

مشرکین مکہ یہ مانتے تھے، اور آج بھی ہر قسم کے مشرک یہ تسلیم کرتے ہیں کہ موت صرف اللہ پاک کے اختیار میں ہے، اس پر کسی دوسرے کا قابو نہیں، حتی کہ جن بزرگوں کو یہ مشرکین خدائی صفات واختیارات میں شریک ٹھہراتے ہیں، ان کے متعلق بھی وہ تسلیم کرتے ہیں کہ ان میں سے کوئی بھی خود اپنی موت کا وقت نہیں ٹال سکا ہے۔

اللہ پاک کی بے شمار صفات میں سے خاص اس صفت کا کہ ''وہ تمہیں موت دیتے ہیں'' اس صفت کا انتخاب دلیل مدعا کے طور پر کیا گیا ہے۔یعنی صرف اللہ پاک کی بندگی اس لئے کرنی چاہئے کہ ہمیں پلٹ کر انہی کے پاس جانا ہے، وہی ہمارا مرجع ہے، دنیا کی زندگی تمام ہونے پر وہی ہمیں وصول کر لیتے ہیں۔ہمیں کسی اور کے حضور میں حاضر نہیں ہونا ہے۔اب اگر ہم دنیا کی زندگی میں اوروں کی چوکھٹ پر ماتھا رگڑتے رہے تو وہ عبادت موت کے بعد ہمارے کس کام آئے گی؟ جن کی عبادت کی وہ تو ہمارا مرجع نہیں، اور جس کے حضور حاضری ہوئی اس کی ہمارے پاس کوئی عبادت نہیں!

اور یہ جو فرمایا کہ: ''تمہیں موت دیتے ہیں'' اس میں مقصد کی طرف دعوت ہے۔کیونکہ اگر یہ کہا جاتا کہ ''میں اس اللہ کی بندگی کرتا ہوں جو مجھے موت دیتے ہیں'' تو اس سے صرف یہ معنی نکلتے کہ ''مجھے ان کی بندگی کرنی ہی چاہئے'' اب جو فرمایا کہ ''میں اس اللہ کی بندگی کرتا ہوں جو تمہیں موت دیتے ہیں'' تو اس سے یہ معنی نکلے کہ نہ صرف مجھے بلکہ تمہیں بھی

صرف اسی کی بندگی کرنی چاہئے۔اور تم جو اس کے سوا دوسروں کی بندگی کئے جاتے ہو، تو یہ تم غلطی کر رہے ہو — پس آیتِ پاک میں مقصد (توحید) دلیل مقصد اور دعوت الی المقصد، تینوں فائدے جمع کر دئے گئے ہیں۔

اب اسی بات کو ایک دوسرے انداز سے پیش فرماتے ہیں :— اور (خواہ کوئی مانے یا نہ مانے!) مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ :

① — میں ایمان لانے والوں میں رہوں! — یعنی اہل ایمان کی راہ پر چلوں اور ان کا ساتھی بنوں!

② — اور یہ (بھی) کہ تو یکسو ہو کر اپنا رخ دین کی طرف بالکل سیدھا رکھ! — بالکل ناک کی سیدھ اسی راستے پر نظر جمائے ہوئے چلتا رہ جو تجھے دکھا دیا گیا ہے — اور سب طرف سے مڑ کر ایک طرف کا ہو رہ۔ یکسوئی کے ساتھ اللہ پاک کی عبادت کر۔ کسی دوسرے طریقے کی طرف ذرہ برابر میلان نہ رکھ! تیرے دل کی لو صرف اللہ پاک سے لگی رہے!

③ — اور ہرگز مشرکوں کے زمرے میں شامل نہ ہو! — یعنی تو ہرگز ان لوگوں میں سے نہ ہو جو اللہ پاک کا بھی نام لیتے ہیں، اور دوسروں سے بھی تعلق رکھتے ہیں۔ اللہ پاک پر ایمان کے دعویدار ہیں۔ مگر ان کے دلوں کی لو بزرگوں، شہیدوں، ولیوں اور نبیوں کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ وہ پریشانی کے وقت انہی کی دہائی دیتے ہیں، تو ان لوگوں سے الگ ہو جا، ان کے طریقوں سے اپنا طریقہ الگ کر لے۔

④ — اور اللہ پاک سے نیچے ان چیزوں کو نہ پکار، جو نہ تو تجھے نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ تجھے نقصان پہنچا سکتے ہیں — یعنی جس طرح عبادت صرف اسی کے لئے ہے، استعانت واستمداد کے لئے بھی اسی کو پکار، ہر قسم کا نفع، نقصان اور بھلائی برائی تنہا اسی کے قبضے میں ہے۔ ایسی چیزوں کو مدد کے لئے پکارنا جو کسی نفع نقصان کے مالک نہ ہوں ظلمِ عظیم اور شرک ہے!

— اور اگر تو نے ایسا کیا تو ضرور اس وقت تو اپنا ہی نقصان کرنے والوں میں سے ہو جائے گا! — ہمارا کچھ نہیں بگاڑے گا! — ''اگر تو نے یہ کیا'' یعنی ڈگمگاتا اور ہلتا ڈلتا رہا، غیر اللہ سے دل کی لو لگائے رہا اور ایسی مخلوقات کو پکارتا رہا جو نہ نفع کی مالک ہیں نہ نقصان کی تو تیرا اپنا ہی نقصان ہوگا۔ تو ظالموں میں سے یعنی مشرکوں میں سے ہو جائے گا۔ اور ہمیشہ کے لئے جہنم رسید ہو جائے گا۔ ہمارا کچھ نہیں بگڑے گا۔

قرآن پاک کا اسلوب بیان یہ ہے کہ مؤمنوں سے خطاب مقصود ہوتا ہے لیکن مخاطب نبی پاک ﷺ کو بنایا جاتا ہے۔ مثلاً: ﴿ يَآاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ ﴾ (سورۃ الطلاق آیت ۱) اے پیغمبر! جب تم لوگ طلاق دینے لگو الخ — پس ان آیات میں بھی اگرچہ خطاب نبی پاک ﷺ سے ہے، مگر مقصود مؤمنوں کی پوری جماعت ہے۔

ان آیتوں سے پیغمبرانہ دعوت الی الدین کا نہج بھی معلوم ہوا۔ یعنی اگرچہ وہ دین کی دعوت حکمت ودانشمندی اور پندو موعظت کے ذریعہ دیتے ہیں، مگر بات پہلے ہی دن سے صاف، واضح، غیر مبہم اور دوٹوک کہتے ہیں خواہ کوئی مانے یا نہ

مانے وہ اپنا مدعا کھول کر لوگوں کے سامنے رکھتے ہیں، وہ اپنی بات لگی لپٹی کبھی نہیں رکھتے۔

کچھ لوگ ایک عرصہ تک مبہم، غیر واضح، لگی لپٹی اور ناصاف باتیں کرتے رہتے ہیں۔ اور اسے دین کی طرف لوگوں کو بلانے کی ''حکمت'' سمجھتے ہیں۔ ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ وہ پیغمبرانہ حکمت نہیں ہے۔ چنانچہ ایسے لوگ بہت کم لوگوں کی اصلاح کر پاتے ہیں۔ عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ آخری مرحلہ تک پہنچانے سے پہلے ہی ان کی موت کا وقت آ جاتا ہے اور وہ اپنی امت کو ایک نئی ملت بنا کر چل دیتے ہیں اور آئندہ کام کرنے والوں کے لئے سنگِ راہ کھڑا کر جاتے ہیں۔

اس آیت پاک میں مؤمن کو ان چیزوں کے پکارنے سے منع کیا گیا ہے جن کے قبضہ میں نہ کسی کا بھلا کرنا ہے اور نہ برا کرنا۔ اب اس کے مقابل اللہ پاک کا ذکر کیا جاتا ہے جو تکلیف و راحت اور بھلائی برائی کے پورے سلسلہ پر کامل اختیار رکھتے ہیں۔ جن کی بھیجی ہوئی تکلیف کو کوئی ہٹا نہیں سکتا۔ اور جس پر فضل و رحمت فرمائیں، کوئی طاقت اس فضل خداوندی سے اسے محروم نہیں کر سکتی، فرماتے ہیں —— اور اگر اللہ پاک تجھے کسی قسم کی کوئی تکلیف پہنچائیں تو ان کے سوا کوئی اس تکلیف کو دور کرنے والا نہیں۔ اور اگر تیرے حق میں کوئی بھلائی چاہیں، تو اس کے فضل کو کوئی پھیرنے والا نہیں۔ وہ اپنے فضل سے اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں نوازتے ہیں۔ اور وہ بے حد درگزر فرمانے والے، نہایت مہربانی فرمانے والے ہیں! —— اس لئے بندوں کی خطاؤں کے باوجود اپنے فضل و کرم سے انھیں نوازتے رہتے ہیں۔ ان کی رحمت ان کے غضب پر غالب رہتی ہے! —— اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اللہ پاک کو چھوڑ کر جن معبودوں کو لوگ پکارتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ان کی توجہات اور دعاؤں سے مشکلیں حل ہوتی ہیں، وہ سن لیں کہ اللہ پاک نے جس مشکل سے تمہیں دوچار کیا ہے اس کا حل کرنے والا بھی وہی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی نہیں جو تمہاری پریشانیوں کا علاج کر سکے! —— پس لوگو! کمزور سہاروں کو چھوڑو اور حقیقی سہارا ڈھونڈھو!

انبیاء علیہم السلام کی دعوت، حکمت کے ساتھ، واضح اور صاف ہوتی ہے وہ کبھی لگی لپٹی باتیں اور آدھے پونے کا سودا نہیں کرتے!

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿١٠٨﴾ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚۖ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿١٠٩﴾

قُلْ	آپ فرمادیجئے	يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ	اے لوگو!	قَدْ	تحقیق

جَآءَكُمُ	پہنچ چکا تمہیں	ضَلَّ	بہکا پھرتا ہے	يُوْحٰٓى	بذریعہ وحی بھیجی گئی ہے
الْحَقُّ	دین حق	فَاِنَّمَا	تو بس	اِلَيْكَ	آپ کی طرف
مِنْ رَّبِّكُمْ	تمہارے رب کی طرف سے	يَضِلُّ	بہکا پھرتا ہے	وَاصْبِرْ	اور آپ صبر کیجئے
فَمَنِ	پس جس نے	عَلَيْهَا	اپنے برے کے لئے	حَتّٰى	یہاں تک کہ
اهْتَدٰى	راہ راست اختیار کی	وَمَآ	اور نہیں (ہوں)	يَحْكُمَ	فیصلہ فرمادیں
فَاِنَّمَا	تو بس	اَنَا عَلَيْكُمْ	میں تم پر	اللّٰهُ	اللہ پاک
يَهْتَدِيْ	وہ راست روی اختیار کرتا ہے	بِوَكِيْلٍ (۱)	مسلط کیا ہوا	وَهُوَ خَيْرُ	اور وہی بہترین
لِنَفْسِهٖ	اپنے بھلے کے لئے	وَاتَّبِعْ	اور آپ چلتے رہئے	الْحٰكِمِيْنَ	فیصلہ فرمانے والے
وَمَنْ	اور جو کوئی	مَا	اس (ہدایت پر) جو		ہیں

دین حق آچکا، اب ہر شخص اپنا نفع نقصان سوچ لے

یہ آیتیں اس سورت کا حسن اختتام ہیں اور سورت کا بلیغ خلاصہ بھی ہیں اور تمام پھیلی ہوئی گفتگو کو ایک نقطہ پر سمیٹتی ہیں —— آپ فرمادیجئے کہ: اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے دین حق آچکا —— تمہارے ہی ایک آدمی کے ذریعہ! —— اب جو کوئی راہِ راست اختیار کرے گا تو اس کی راست روی اسی کے لئے مفید ہوگی! اور جو کوئی بہکا پھرے گا تو اس کی گمراہی اسی کے لئے تباہ کن ہوگی! اور میں تم پر مسلط نہیں کیا گیا ہوں! —— مجھ پر تمہاری کچھ ذمہ داری عائد نہیں ہوتی تمہاری بے راہ روی کی باز پرس مجھ سے ہونے والی نہیں! میری حیثیت داعی اور مذکّر کی ہے، میرا کام یہ ہے کہ نصیحت کی بات سمجھادوں، مجھے تمہاری ہدایت کی ٹھیکداری نہیں مل گئی میں نگہبان بنا کر تم پر مسلط نہیں کیا گیا ہوں! —— اور آپ اس ہدایت پر چلتے رہیں جو وحی کے ذریعہ آپ کی طرف بھیجی گئی ہے —— لوگ بات قبول نہ کریں تو اپنے آپ کو ان کے غم میں نہ گھلائیں۔ آپ خود احکام الٰہی کی پیروی کرتے رہیں اور دعوت وتبلیغ کے کام میں لگے رہیں —— اور صبر کیجئے —— دعوت و تبلیغ کی راہ میں جو دشواریاں پیش آئیں انھیں گوارا کیجئے، مخالفین کی ایذاء رسانیوں کا تحمل فرماتے رہئے —— یہانتک کہ اللہ پاک فیصلہ فرمادیں، اور وہی بہترین فیصلہ فرمانے والے ہیں —— وہ حسب وعدہ آپ کو منصور وغالب کردیں گے!

﴿الحمدللہ! سورۂ یونس (علیہ السلام) پوری ہوئی، اور اسی پر جلد سوم بھی پوری ہوئی﴾

(۱) وَكِيْل کے معنی مختار اور کارندے کے ہیں مگر یہاں عَلٰى صلہ کے ساتھ آیا ہے اس لئے مسلط کیا ہوا، ذمہ دار ٹھہرایا ہوا اور مسئول قرار دیا ہوا معنی ہونگے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ ہود (علیہ السلام)

نمبر شمار ۱۱ نزول کا نمبر ۵۲ نزول کی نوعیت مکی رکوع ۱۰ آیات ۱۲۳

آگے (آیات ۵۰-۶۰ میں) حضرت ہود علیہ السلام کا واقعہ آیا ہے، اس سے سورت کا نام رکھا گیا ہے، اگر چہ دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے واقعات بھی اس سورت میں بیان ہوئے ہیں، مگر نام میں ہود علیہ السلام کی تخصیص اس لئے کی گئی ہے کہ ان کا واقعہ نبی ﷺ اور مشرکین مکہ کی ہو بہو تصویر تھی، اور مخالفین کو جو فہمائش نزولِ سورت کی تقریب سے کرنی تھی وہ بھی ان کی سرگذشت میں موجود ہے۔

ربط: سورۃ یونس (علیہ السلام) شرک کی تردید، توحید کے اثبات اور وحی کی پیروی کی تاکید پر ختم ہوئی تھی، یہ سورت بھی انہی باتوں سے شروع ہوئی ہے، سورۃ یونس کے شروع میں تھا: ﴿ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ﴾: یہ حکمت بھری کتاب کی آیتیں ہیں، اور یہاں فرمایا ہے: ﴿ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ﴾: یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں مضبوط کی گئی ہیں، پھر ان کو کھولا گیا ہے دانا باخبر کی طرف سے! پس یہ وہی بات ہے جو زیادہ وضاحت کے ساتھ کہی گئی ہے، اور دونوں سورتوں کی ترتیب نزولی بھی ایک ہے، اس لئے یہ سورت اس سورت سے متصلاً آئی ہے۔

زمانۂ نزول: یہ پوری سورت ہجرت سے پہلے مکہ شریف میں نازل ہوئی ہے، اس کا نزول کا نمبر ۵۲ ہے، یونس کا ۵۱ تھا، یعنی یہ سورت مکی دور کے آخر میں سورۃ یونس سے متصلاً نازل ہوئی ہے، اس لئے سورت کا انداز وہی ہے جو سورۃ یونس کا تھا، یعنی دین کی دعوت، فہمائش اور تنبیہ، مگر تنبیہ کا انداز زیادہ مفصل اور پُر زور ہے۔

سورت کی اہمیت: دو حدیثوں سے اس سورت کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے:

۱- نبی ﷺ نے جمعہ کے دن اس سورت کی تلاوت کا حکم دیا ہے[1]

۲- صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپؐ بوڑھے ہو چلے! آپؐ نے فرمایا: ''ہود، واقعہ، مرسلات، ﴿ عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ﴾ اور ﴿ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ﴾ نے مجھے بوڑھا کر دیا''[2] یعنی یہ سورتیں اس قدر پُر تاثیر ہیں کہ اگر

(۱) رواہ الدارمی فی سُنَنِہٖ ص۴۳۴ وأبو داود فی مراسیلہ والبیہقی فی شعب الإیمان عن کعب (الدر المنثور ج۳ ص۳۱۹) (۲) شمائل ترمذی ص۳۰ در منثور ج۳ ص۳۱۹ میں یہ مضمون بارہ صحابیوں سے مروی ہے۔

انسان ان کا صحیح اثر قبول کرے تو اس کی حالت دگرگوں ہو جائے۔

سورت کے مضامین: یہ سورت چار مضامین سے شروع ہوئی ہے:

۱-: اللہ پاک جل شانہ کے سوا اور کسی کی بندگی نہ کرو۔

۲-: حضور پاک ﷺ اللہ پاک کی طرف سے مأمور ہیں اور اس لئے مامور ہیں کہ انکار و سرکشی کے نتائج سے خبردار کریں، اور ایمان اور نیک اعمال پر کامرانیوں کی خوش خبری سنائیں۔

۳-: لوگوں کو چاہئے کہ سرکشی سے باز آ جائیں۔ اور توبہ واستغفار کریں۔ اگر انھوں نے ایسا کیا تو دونوں جہاں کی بھلائی کا وعدہ ہے، ورنہ اندیشہ ہے کہ عذاب الٰہی میں گرفتار ہو جائیں۔

۴-: سب لوگوں کو لوٹ کر اللہ پاک ہی کی طرف جانا ہے۔ پس ان سے ملاقات کے لئے سامان تیار کریں۔

پھر مخالفین اسلام کے ایک طرزِ عمل کا تذکرہ کرتے ہوئے واضح کیا گیا ہے کہ لوگوں کے اعمال کا ذرہ ذرہ اللہ پاک کے سامنے ہے۔ ان کے علم سے ایک چیونٹی کا سوراخ بھی پوشیدہ نہیں، پس انسان کے افکار و اعمال کیوں کر پوشیدہ رہ سکتے ہیں؟

پھر تخلیق کائنات کی غرض بیان کرتے ہوئے مسئلۂ معاد پر روشنی ڈالی ہے، اور اس سلسلہ میں پیدا ہونے والے شبہات کا جواب دیا ہے اور تنبیہ کی ہے کہ عذاب کے آنے میں جو تاخیر ہو رہی ہے، وہ دراصل ایک مہلتِ عمل ہے، جو اللہ پاک اپنے فضل سے تمہیں عطا کر رہے ہیں۔ اس مہلت کے اندر اگر تم نہ سنبھلے تو وہ عذاب آئے گا جو کسی کے ٹالے نہ ٹل سکے گا۔

پھر آیت (۹) سے کفار اور مؤمنوں کے مزاج کا فرق واضح کیا ہے۔ اور آیت (۱۲) سے مسئلہ رسالت وقرآن کو مفصل بیان کیا ہے۔ اور آیت (۱۵) سے آیت (۲۴) تک ایمان وکفر کا تفاوت اور مؤمن کی کامرانی اور کافر کی بدانجامی کا تفصیلی تذکرہ ہے۔

پھر پانچ پیغمبروں کی سرگزشتیں بیان ہوئی ہیں۔ ضمناً سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا ذکر بھی آیا ہے۔ اور آخر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کی طرف اور فرعون کی بدانجامی کی طرف اشارہ فرما کر سمجھایا ہے کہ لوگوں کو چاہئے کہ حیاتِ دنیا کے ظاہری پہلو پر اعتماد نہ کریں۔ کیونکہ جن امتوں نے ایسا کیا ہے اور پیغمبروں کی دعوت کو ٹھکرایا ہے وہ نہایت برا انجام دیکھ چکی ہیں۔ پس اب کیا ضروری ہے کہ تم بھی اسی راہ پر چلو جسے تاریخ کے مسلسل تجربات، قطعی طور پر تباہی کی راہ ثابت کر چکے ہیں، پھر معاد کا ذکر کرتے ہوئے مؤمن کے انجام کا فرق واضح کیا ہے۔ اور آخر میں جامع نصائح پر سورت کو تمام کیا ہے۔

پس بنیادی مسائل اس سورت میں یہ ہیں۔ توحید، رسالت، معاد، قرآن، اچھے اور برے اعمال کا فرق، اور ان کے انجام کا اختلاف اور ضمناً متعدد مسائل زیر بحث آئے ہیں۔ مثلاً مؤمن وکافر کے مزاج کا فرق، تخلیق کائنات کی غرض، علم الٰہی کی پہنائی، قرآن پاک میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے واقعات بیان کرنے کے فوائد اور مقاصد اور دین پر مضبوطی سے جمے رہنے کی تاکید وغیرہ۔

آیاتہا ۱۲۳ (۱۱) سُوْرَةُ هُوْدٍ مَّكِّيَّةٌ (۵۲) رکوعاتہا ۱۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ قف كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ﴿۱﴾ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ﴿۲﴾ وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ؕ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ﴿۳﴾ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴﴾

بِسْمِ	نام سے	اٰيٰتُهٗ	اس کی آیتیں	تَعْبُدُوْٓا	بندگی کرو تم
اللّٰهِ	اللہ پاک (کے)	ثُمَّ (۲)	پھر	اِلَّا	سوائے
الرَّحْمٰنِ	بے حد مہربان	فُصِّلَتْ (۳)	کھولی گئی ہیں	اللّٰهَ	اللہ پاک (کے)
الرَّحِيْمِ	نہایت رحم فرمانے والے	مِنْ لَّدُنْ (۴)	منجانب	اِنَّنِيْ	بلاشبہ میں
الٓرٰ	الف، لام، را	حَكِيْمٍ	دانا	لَكُمْ	تمہیں
كِتٰبٌ (۱)	(یہ) ایک کتاب (ہے)	خَبِيْرٍ	باخبر (کے)	مِّنْهُ	اس (کی طرف) سے
اُحْكِمَتْ	مضبوط کی گئی ہیں	اَلَّا (۵)	کہ نہ	نَذِيْرٌ	ڈرانے والا

(۱) ترکیب: كِتَابٌ خبر ہے مبتداء محذوف کی اور جملہ اُحْكِمَتْ اس کی صفت ہے اور جملہ مِنْ لَدُنْ صفت ثانی بھی ہوسکتا ہے اور اُحْكِمَتْ اور فُصِّلَتْ سے متعلق بھی ہوسکتا ہے (۲) ثُمَّ حرف عطف ہے اور ماقبل سے مابعد کے مؤخر ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ خواہ یہ مؤخر ہونا بالذات ہو، یا باعتبار مرتبہ کے یا باعتبار وَضعُ کے یہاں دونوں جگہوں میں تراخی حال ووضع کے لئے ہے (روح) (۳) فَصَّلَ الْكَلَامَ تفصیل کرنا فَصَّل الشيئ جدا جدا کرنا، متمیز کرنا، ٹکڑے ٹکڑے کرنا۔ فَصَّلَ العِقْدَ: ہار کے دومہروں کے درمیان دوسرے رنگ کا مہرہ ڈالنا (۴) لَدُنْ ظرف ہے اور مبنی ہے وَهِيَ لِاَوَّلِ غَايَةِ زَمَانٍ أَوْمَكَانٍ والمرادُ هُنا الْأَخِيْرُ مَجَازًا (روح) (۵) یہ دولفظ ہیں اَنْ مصدریہ اور لائے نہی نون اور لام میں ادغام ہوا ہے۔

وَّ بَشِيۡرٌ	اور خوش خبری دینے والا	حَسَنًا	عمدہ	اَخَافُ	اندیشہ کرتا ہوں
	(ہوں)	اِلٰٓى اَجَلٍ	ایک مقررہ وقت تک	عَلَيۡكُمۡ	تمہارے حق میں
وَّ اَنِ (۱)	اور یہ کہ	مُّسَمًّى		عَذَابَ	ایک بڑے دن کے
اسۡتَغۡفِرُوۡا	معافی طلب کرو تم	وَّيُؤۡتِ	اور عطا فرمائیں گے	يَوۡمٍ كَبِيۡرٍ	عذاب کا
رَبَّكُمۡ	اپنے پروردگار (سے)	كُلَّ ذِىۡ	ہر زیادہ (عمل کرنے	اِلَى اللّٰهِ (۳)	اللہ پاک کی طرف (ہے)
ثُمَّ	پھر	فَضۡلٍ	والے) کو	مَرۡجِعُكُمۡ	تمہارا پلٹنا
تُوۡبُوۡۤا (۲)	متوجہ ہو جاؤ	فَضۡلَهٗ	اس کی زیادتی	وَهُوَ	اور وہ
اِلَيۡهِ	اس کی طرف	وَاِنۡ	اور اگر	عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ	ہر چیز پر
يُمَتِّعۡكُمۡ	بہرہ مند کریں گے تمہیں	تَوَلَّوۡا	روگردانی کی تم نے	قَدِيۡرٌ	پوری قدرت رکھنے
مَّتَاعًا	فوائد زندگانی (سے)	فَاِنِّىۡۤ	تو یقیناً میں		والے ہیں

بنامِ خدا، بے حد مہربان، نہایت رحم والا!

توحید، رسالت، انابت اور آخرت

پہلے یہ بات جان لیں کہ بڑی سورتوں میں، جن میں متعدد مضامین ہوتے ہیں: شروع میں اہم مضمون ہوتا ہے، اور آخر میں جامع نصیحت ہوتی ہے، اور چھوٹی سورتوں کا ایک موضوع ہوتا ہے، وہ اسی پر مشتمل ہوتی ہے۔ سورۃ ہود بڑی سورت ہے، اس لئے اس کے شروع میں چار اہم باتیں بیان کی ہیں، جو اوپر عنوان میں مذکور ہیں۔

حروفِ مقطعات: یہ سورت انہی حروفِ ہجا سے شروع ہوئی ہے جن سے سورۃ یونس شروع ہوئی تھی، یعنی الف، لام، را، ان کا پورا مطلب تو اللہ پاک جانتے ہیں، مگر اس سے دونوں سورتوں کے مضامین کی ہم آہنگی کا اندازہ ہوتا ہے، اور سورتوں کے شروع میں حروفِ ہجاء کے استعمال میں ایک اشارہ ہے جو سورۃ یونس کے شروع میں بیان کیا ہے، اور ہم ''پورا مطلب'' اس لئے نہیں جانتے کہ ہم حروفِ ہجاء کے معانی نہیں جانتے، صرف اتنا جانتے ہیں کہ ان حروف سے الفاظ بنتے ہیں، اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ (محدث دہلوی) نے جو معانی بیان کئے ہیں وہ میرے پلّے نہیں پڑے۔

حروفِ مقطعات کے بعد قرآنِ کریم کا ذکر ہے، یہاں بھی اور وہاں بھی، اور نہج بدل کر ایک ہی بات بیان کی ہے،

---

(۱) اَنِ اسۡتَغۡفِرُوۡا کا عطف اَلَّا تَعۡبُدُوا پر ہے (۲) تَابَ (ن) تَوۡبًا وَتَوۡبَةً کا تعدیہ جب اِلٰی کے ذریعہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ اور انابت کے معنی ہوتے ہیں (لغات القرآن ج۲ ص۶۲) (۳) اِلَى اللّٰهِ خبر مقدم ہے۔

وہاں فرمایا تھا کہ قرآن میں حکمت کی باتیں ہیں، یہاں بھی یہی بات فرمائی ہے کہ قرآن کی آیتیں لفظی اور معنوی ہر حیثیت سے جچی تلی، باون تولہ پاؤرتی ہیں، اس کا کوئی مضمون حکمت یا واقع کے خلاف نہیں، عربی زبان خواہ کتنی ہی پلٹیاں کھائے قرآن کی فصاحت و بلاغت میں کسی تبدیلی کا کوئی امکان نہیں، جو مضمون جس عبارت سے ادا ہوا ہے محال ہے کہ اس سے بہتر تعبیر ہو سکے۔ نیز ہر بات واضح طور پر بیان کی گئی ہے، قرآن کا بیان نہ الجھا ہوا ہے نہ گنجلک، بلکہ غایت درجہ موزوں ہے، توحید کے دلائل اور مواعظ و قصص موقع بہ موقع سلیقہ سے سجائے گئے ہیں۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآنِ کریم حکیم مطلق اور خبیر برحق کی طرف سے اتارا گیا ہے، کسی انسان کی قوتِ فکریہ کا نتیجہ نہیں، اس لئے اس کو ایسا ہی ہونا چاہئے، پس فاصلہ (آیت کے آخر) میں دلیل ہے قرآن کے مضبوط کلام ہونے کی، اور حروفِ مقطعات کے بعد قرآن کی یہ خوبی بطور تمہید بیان ہوئی ہے، کیونکہ قرآن ہی مذکورہ چار بنیادی مضامین کی دلیل ہے:

۱- توحید: —— قرآن کی خوبی بیان کرنے بعد پہلا حکم یہ دیا ہے کہ بندے صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی کریں، یہی توحید ہے، اور یہی قرآن نازل کرنے کا بڑا مقصد ہے کہ دنیا جہاں کو صرف ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دی جائے، اور اس کا طریقہ سکھایا جائے۔

۲- رسالت: —— اور توحید کی تعلیم کے لئے ہمیشہ انبیاء مبعوث ہوتے رہے ہیں، اور اب آخری رسول تشریف لائے ہیں، اب جو ان کی دعوت قبول کرے گا اور ایک اللہ کی عبادت کرے گا اور غیر اللہ کو عبادت میں شریک نہیں کرے گا: وہ اس کو فلاح دارین کی خوش خبری سناتے ہیں، اور جو نہیں مانے گا اور کفر و شرک کی دلدل میں پھنسا رہے گا، اس کو اللہ کے عذاب سے ڈراتے ہیں۔

۳- استغفار و انابت: —— استغفار کے معنی ہیں: اللہ تعالیٰ سے مانگنا کہ وہ اپنی رحمت میں ڈھانک لیں، گناہ ہوں تو ان پر قلم عفو پھیر کر اور راضی ہو کر، ورنہ بدرجۂ اولیٰ، چنانچہ انبیاء بھی استغفار کرتے ہیں، حالانکہ وہ معصوم ہوتے ہیں، اس لئے کہ وہ اللہ کی رحمت کے سزاوار بھی ہوتے ہیں اور محتاج بھی —— اور انابت: کے معنی ہیں: اللہ تعالیٰ سے لَو لگانا، اس کا ہو رہنا، اسی کو نسبتِ حضور اور یادداشت کہتے ہیں، اور پاس انفاس یعنی ہر سانس کے ساتھ اللہ کو یاد کرنا اس کا طریقہ ہے۔

پھر استغفار و انابت کا فائدہ بیان کیا ہے کہ اس میں دارین کی بھلائی ہے، دنیا میں موت تک عمدہ فوائد زندگانی (خوش حال زندگی) حاصل ہونگے، اور آخرت میں نیک کام کرنے والوں کو زیادہ سے زیادہ اجر ملے گا، دس گنا ثواب تو ملے ہی گا، زیادہ کی کوئی حد نہیں۔

۴- آخرت: —— اور یہ اجر و ثواب آخرت میں ملے گا، اور جو لوگ اللہ تعالیٰ سے روگردانی کرتے ہیں وہ جان لیں

کہ دنیا ایک دن ختم ہونے والی ہے، قیامت (مقررہ وقت) آنے والی ہے، جو اس دنیا کا آخری دن ہوگا، اس کے بعد آخرت کی زندگی شروع ہوگی، اس دن نافرمان بندوں کو سخت عذاب سے دوچار ہونا ہوگا۔

اور وہ لوگ یہ بھی جان لیں کہ انسان مرکر ختم نہیں ہوجاتا، اس کی روح اللہ کے حضور میں پہنچ جاتی ہے، پس سب کو اللہ کی طرف پلٹنا ہے، اور وہ قادر کامل ہیں، ان کو سزا دینے سے کوئی چیز روک نہیں سکتی۔

آیاتِ پاک: الف، لام، را ـــــ یہ (قرآن) ایک کتاب ہے جس کی آیتیں مضبوط کی گئی ہیں، پھر وہ آیتیں جدا کی گئی ہیں، دانا باخبر ہستی کی طرف سے ـــــ یعنی نازل کی گئی ہیں[1] ـــــ کہ تم صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو ـــــ یہاں تک توحید کا مضمون ہے، پھر رسالت کا ذکر ہے ـــــ بلاشبہ میں تمہیں ان کی طرف سے ڈرانے والا اور خوش خبری سنانے والا ہوں ـــــ اس کے بعد استغفار وانابت کا مضمون ہے ـــــ اور یہ کہ معافی چاہو اپنے پروردگار سے، اور نیز متوجہ رہو اس کی طرف ـــــ (فائدہ) ـــــ بہرہ مند فرمائیں گے وہ تمہیں عمدہ فوائد زندگی سے ایک مقررہ وقت تک ـــــ یعنی موت تک ـــــ اور ہر زیادہ عمل کرنے والے کو اس کی زیادتی کا اجر عنایت فرمائیں گے ـــــ یعنی آخرت میں، اس میں زیادہ سے زیادہ عمل صالح کرنے کی ترغیب ہے، پھر آخرت کا مضمون ہے ـــــ اور اگر تم نے روگردانی کی تو یقیناً مجھے ڈر ہے تمہارے حق میں بڑے بھاری دن کے عذاب کا، تمہیں اللہ ہی کی طرف پلٹنا ہے اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں۔

استغفار وانابت کی تفصیل:

پھر جو بندے حدود بندگی میں واپس آجائیں، اور غیروں سے کنارہ کش ہوجائیں، ان سے قرآن پاک دو باتوں کا مطالبہ کرتا ہے۔

پہلا مطالبہ: ـــــ استغفار کا یعنی اللہ پاک سے اپنے گناہوں اور قصوروں کی معافی اور بخشش طلب کرے ـــــ یعنی جب کسی مؤمن بندے سے گناہ یا نافرمانی یا ناپسندیدہ عمل سرزد ہوجائے، تو چاہئے کہ وہ مؤمن بندہ سچے دل سے اللہ

---

(۱) یہ مطلب اس صورت میں ہے کہ مِنْ لَدُنْ، فُصِّلَتْ کا ظرف ہو، اور اگر جملہ مِنْ لَدُنْ: کِتَابٌ کی دوسری خبر ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ یہ کتاب ایک ایسی ہستی کی طرف سے نازل ہوئی ہے جو حکیم بھی ہے اور باخبر بھی، جس کے ہر فعل میں اتنی حکمتیں پوشیدہ ہیں کہ انسان ان کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ وہ کائنات کے ذرہ ذرہ سے پوری طرح باخبر ہیں۔ ان کے سب حالات کو بخوبی جانتے ہیں۔ اس لئے ان سب پر نظر کرکے اور عالم کے مزاج کی پوری تشخیص کرکے، اور قیامت تک پیش آنے والے تغیرات وحوادثات کو جانچ تول کرکے، اس حکمت بھری کتاب کو نازل فرمایا ہے

پاک سے معافی اور بخشش کی درخواست کرے، تا کہ ان برے کاموں کی سزا سے بچ جائے۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ انسان جن بشری کمزوریوں کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے، ان کی موجودگی میں، یہ بات اس کے بس میں نہیں ہے کہ وہ ہمیشہ کامل شعوری حالت میں ایمان کے تقاضوں کو پورا کرتا رہے۔ اور کسی وقت بھی غفلت اور بھول اس پر طاری نہ ہو، بلکہ اس کی زندگی میں بارہا ایسے مواقع آتے ہیں کہ وہ غفلت کی حالت میں یا اغوائے شیطانی سے یا خود اپنے نفس امارہ کے تقاضے سے گناہ کر بیٹھتا ہے۔

قرآن پاک اس مرحلہ میں اس بندۂ خدا کو دعوت دیتا ہے کہ تیرے مالک اور مولیٰ بڑے رحیم وکریم ہیں، معافی مانگنے پر بڑے سے بڑے گناہوں کو اور قصوروں کو وہ بڑی خوشی سے معاف فرما دیتے ہیں پس تجھے ان سے معافی اور بخشش کی درخواست کرنی چاہئے —— بلکہ استغفار ایک اعلیٰ درجہ کی عبادت اور قرب الٰہی کے مقامات میں سے بلند ترین مقام ہے کیونکہ استغفار کے وقت بندہ اپنی گنہگاری اور تقصیر کے احساس کی وجہ سے انتہائی ندامت اور احساس پستی کی حالت میں ہوتا ہے، اور گناہ کی گندگی کی وجہ سے اپنے آپ کو، مالک کو منہ دکھانے کے قابل نہیں سمجھتا۔ یہ بندگی اور تذلل، گنہگاری اور قصورواری کے احساس کی کیفیت ہی اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے، اسی وجہ سے اللہ پاک کے خاص مقرب بندے، یہاں تک کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام جو گناہوں سے محفوظ و معصوم ہوتے ہیں، ان کا حال بھی یہ ہے کہ سب کچھ کر لینے کے بعد بھی وہ محسوس کرتے ہیں کہ اللہ پاک کی بندگی کا حق ادا نہیں ہو سکا ہے اس وجہ سے وہ برابر توبہ واستغفار کرتے رہتے ہیں، بخاری شریف میں حضور اقدس ﷺ کا پاک ارشاد مروی ہے کہ:

وَاللّٰهِ اِنِّیْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَاَتُوْبُ اِلَیْهِ فِی الْیَوْمِ اَکْثَرَ مِنْ سَبْعِیْنَ مَرَّةً.

ترجمہ: خدا کی قسم! میں دن میں ستر بار سے زیادہ اللہ پاک کے حضور میں توبہ واستغفار کرتا ہوں۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور جلال و جبروت کے بارے میں جس بندے کو جس درجہ کا شعور واحساس ہوگا، وہ اسی درجہ میں اپنے آپ کو حقوق عبدیت کی ادائیگی میں قصوروار سمجھے گا۔ اور رسول اللہ ﷺ کو چونکہ یہ چیز بدرجۂ کمال حاصل تھی، اس لئے آپ ﷺ پر یہ احساس غالب رہتا تھا کہ عبودیت اور بندگی کا حق ادا نہ ہو سکا۔ اسی وجہ سے آپؐ بار بار اور مسلسل استغفار فرماتے تھے۔

دوسرا مطالبہ: —— توجہ الی اللہ اور انابت کا ہے —— یعنی اللہ پاک کی معرفت، اس کے جلال و جبروت اور اس کی رحمت کا دائمی استحضار اور ہمہ وقتی تعلق اور وابستگی —— اسی سے عبد و معبود کا رشتہ مستحکم ہوتا ہے، اور بندے کا اپنے مولیٰ سے ایک ایسا زندہ، محسوس اور جذباتی تعلق ہو جاتا ہے کہ وہ ان کو اپنا حقیقی کارساز، مشکل کشا، دست گیر اور فریادرس سمجھنے لگتا

ہے۔اوراس کوان کی قدرتِ کاملہ پر ایسا بھروسہ اوران کی محبت وشفقت پر ایسا ناز ہوتا ہے جیسا ایک بچہ کواپنی چاہنے والی ماں پر ہوتا ہے۔

لیکن اللہ پاک سے یہ ہمہ وقتی تعلق مشکل ہی سے پیدا ہوتا ہے۔کیونکہ انسان کے پیچھے شیطان لگا ہوا ہے،اس کا اپنا نفس الگ تنگ کرتا ہے اور دنیا کی چیزوں کی محبت کسی طرح اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی ،مسلم شریف میں سید العارفین ﷺ کا ارشاد مروی ہے کہ:

اِنَّهٗ لَيُغَانُ عَلٰى قَلْبِىْ وَاِنِّىْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ فِى الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ (مشکوٰۃ شریف ج اص ۲۰۳)

ترجمہ:واقعہ یہ ہے کہ میرے دل پر میل آجاتا ہے اور واللہ!میں ایک دن میں سو بار استغفار کرتا ہوں۔

جب سید العارفین اکمل الواصلین ﷺ اپنے بارے میں یہ ارشاد فرمائیں،تو دوسروں کا کیا حال ہوگا؟ ہماری زندگی کے بیشتر لمحات تو غفلت ہی میں گزر جاتے ہیں۔حضور اقدس ﷺ تو اپنے عارضی حال پر استغفار بھی فرماتے ہیں،مگر ہم تو غفلت میں مست ہیں۔

آیات پاک کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن پاک بندوں سے دو باتوں کا مطالبہ کرتا ہے۔پہلا یہ کہ صرف اللہ پاک کی عبادت کی جائے اور بشریت کے تقاضے سے کوئی خطا سرزد ہوجائے،تو عرق ندامت سے اس کی تلافی کردی جائے،اور دوسرا یہ کہ بندہ ہر وقت اللہ پاک کو یاد رکھے،کسی لمحہ اور کسی آن اپنے مولیٰ کو نہ بھولے۔

آگے ایمان،استغفار اور انابت پر وعدہ فرمایا گیا ہے کہ اللہ پاک تمہیں عمدہ فوائد زندگانی سے ایک مقرر وقت یعنی موت تک بہرہ مند فرمائیں گے۔اللہ پاک کا یہ وعدہ بالکل برحق اور سچا ہے۔قرآنِ پاک میں بار بار یہ وعدہ دہرایا گیا ہے۔سورۂ نوح (علیہ السلام) میں ہے:حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ:

”تم اپنے پروردگار سے گناہ بخشواؤ،بے شک وہ بڑے بخشنے والے ہیں،وہ کثرت سے تم پر بارش بھیجیں گے اور تمہیں اموال واولاد میں ترقی دیں گے،اور تمہارے لئے باغات لگائیں گے۔اور تمہارے لئے نہریں بہائیں گے“(آیات ۱۰-۱۲)

عمومی وعدہ اور خصوصی احوال میں تعارض:

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ یہ وعدہ ایک عمومی وعدہ ہے،اس لئے جب کبھی خصوصی احوال سے اس کا تعارض ہوگا،تو اس وقت خصوصی احوال عمل میں آئیں گے۔اور یہ عمومی وعدہ ضمنی ہوجائے گا۔اسی وجہ سے دیکھا جاتا ہے کہ بعض مقبول بندے بھی پریشانیوں کا شکار ہوتے ہیں۔یہ اللہ پاک جل شانہ کے خصوصی قوانین کی کارفرمائی ہے —— مثلاً کسی کو بچے سے بیحد محبت ہے اوراس نے محبت میں بچے سے متنوع وعدے بھی کر رکھے ہیں،لیکن اگر وہ بچہ کسی ایسے مرض کا شکار

ہوجائے کہ اس کی صحت کی خاطر کھانا بند کرنا پڑے یا اس کا کوئی عضو کاٹنا پڑے اور اتفاق سے باپ ڈاکٹر بھی ہو تو جس وقت وہ اس کا فاسد عضو کاٹے گا، اس وقت خصوصی حال کا اثر ہوگا۔ اور محبت کے وعدے ضمنی ہوجائیں گے۔

اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ۭ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ۙ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ وَمَا مِنْ دَاۗبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَي اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۭ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝

اَلَآ	سنو!	يَعْلَمُ	جانتے ہیں اللہ تعالیٰ	اِلَّا عَلَي اللّٰهِ	مگر اللہ پاک پر (ہے)
اِنَّهُمْ (۱)	بے شک وہ (لوگ)	مَا يُسِرُّوْنَ	جو کچھ وہ چھپاتے ہیں	رِزْقُهَا	اس کی روزی
يَثْنُوْنَ (۲)	دوہرے کرتے ہیں	وَمَا	اور جو کچھ	وَيَعْلَمُ	اور جانتے ہیں وہ
صُدُوْرَهُمْ	اپنے سینوں کو	يُعْلِنُوْنَ	وہ برملا کرتے ہیں	مُسْتَقَرَّهَا (۸)	اس کے ٹھہرنے کی جگہ کو
لِيَسْتَخْفُوْا (۳)	تاکہ چھپ جائیں وہ	اِنَّهٗ	بلاشبہ وہ	وَمُسْتَوْدَعَهَا (۹)	اور اس کے امانت
مِنْهُ (۴)	اللہ سے	عَلِيْمٌ	خوب جاننے والے ہیں		رکھے جانے کی جگہ کو
اَلَا حِيْنَ (۵)	سنو جب	بِذَاتِ الصُّدُوْرِ	دلوں کی باتوں کو	كُلٌّ	سب کچھ
يَسْتَغْشُوْنَ (۶)	وہ اوڑھتے ہیں	وَمَا مِنْ (۷) دَاۗبَّةٍ	اور نہیں کوئی جاندار	فِيْ كِتٰبٍ	صاف دفتر میں
ثِيَابَهُمْ	اپنے کپڑوں کو	فِي الْاَرْضِ	زمین میں	مُّبِيْنٍ	(ہے)

اللہ تعالیٰ کے وسعتِ علم کی دو مثالیں

تیسری آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اگر تم نے قرآنِ پاک کی دعوت سے روگردانی کی، تو مجھے تمہارے بارے میں

(۱) هُمْ ضمیر کفار کی طرف راجع ہے جن کا تذکرہ تَوَلَّوْا کے ضمن میں آیا ہے (۲) يَثْنُوْنَ کی اصل يَثْنِيُوْنَ تھی جس میں يَرْمُوْنَ والی تعلیل ہوئی ہے (روح) اور مضارع جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے ثَنٰی (ض) ثَنْيًا: لپیٹنا دوہرا کرنا (۳) اِسْتِخْفَاءٌ سے مضارع جمع مذکر غائب منصوب ہے جس کے معنی ہیں پردہ کرلینا، آڑ کرلینا (۴) مِنْهُ کی ضمیر اللہ پاک کی طرف راجع ہے۔ (۵) حِيْنَ ظرف ہے اور مابعد کی طرف مضاف ہے اور جملہ ظرفیہ يَعْلَمُ سے متعلق ہے (روح) (۶) اِسْتِغْشَاءٌ: اوڑھنا۔ (۷) مِنْ زائدہ ہے نفی کی تاکید کے لئے آیا ہے (۸) مُسْتَقَرٌّ ظرف مکان ہے، اسم مفعول کے وزن پر، قرارگاہ، زیادہ ٹھہرنے کی جگہ (۹) مُسْتَوْدَعٌ بھی ظرف مکان ہے۔ اسم مفعول کے وزن پر: امانت رکھنے کی جگہ، چند روزہ رہنے کی جگہ۔

''بڑے دن''یعنی قیامت کے ہولناک دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔اس دن اللہ پاک تم کو ضرور سزا دیں گے—— سزا دینے کے لئے تین چیزیں ضروری ہیں ا-: مجرم حاضر ہو۲-: حاکم سزا دینے کی پوری قدرت اور کامل اختیار رکھتا ہو۳-: مجرم کی ساری کارروائیاں اس کے علم میں ہوں—— چوتھی آیت میں پہلی دو باتوں کا تذکرہ تھا کہ اللہ پاک ہی کی طرف تمہیں پلٹنا ہے۔یعنی مجرم اور غیر مجرم سب کو اللہ پاک کے یہاں حاضر ہونا ہے۔نیز فرمایا تھا کہ وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں ان کی قدرت کامل اور اختیار عام ہے۔اب ان دو آیتوں میں تیسری بات کا تذکرہ ہے ان میں یہ بیان ہے کہ اللہ پاک کا علم محیط اور ہر چیز کو وسیع ہے وہ ہر کھلی چھپی چیز کو یکساں جانتے ہیں۔وہ دلوں کی تہ میں جو خیالات، ارادے اور نیتیں پوشیدہ ہیں، ان پر بھی مطلع ہیں۔پھر کوئی مجرم اپنے جرم کو کس طرح ان سے مخفی رکھ کر نجات پاسکتا ہے؟

مشرکانہ ذہنیت بھی عجیب چیز ہے۔جس رخ پر پڑ جاتی ہے، انتہا پر پہنچ کر دم لیتی ہے۔زُھد اور دنیا سے بے رغبتی پر آتی ہے تو سنیاس سے وَرے نہیں رکتی۔اور دنیا کی طرف مائل ہوتی ہے تو حرام کو بھی حلال بنالیتی ہے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ (کافر) ضروریات بشری کے وقت بھی کسی حصۂ بدن کو برہنہ کرنے سے شرماتے تھے کہ آسمان والا ہم کو دیکھتا ہے، برہنہ ہونا پڑتا تو غلبۂ حیا سے جھکے جاتے اور شرمگاہ کو چھپانے کے لئے سینہ کو دوہرا کئے لیتے تھے، اور اپنے طور پر سمجھتے تھے کہ ہم نے اللہ پاک سے پردہ کرلیا[1]۔اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں:—— سنو! وہ لوگ

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ بخاری شریف میں یہ ہیں ﴿أناس کانوا یستحیون ان یتخلّوا فَیُفْضُوْا الی السَّمَاءِ، وأن یجامعوا نساء هم فَیُفْضُوْا الی السَّماء فنزل ذلک فیهم﴾ دوسری روایت میں ہے ﴿قال: کان الرجل یجامع امرأته فیستحیي او یتخلّی فیستحی فنزلت﴾ (ص ۶۷۷ ج ۲ کتاب التفسیر، سورۂ ہود) تفسیر مظہری میں بطور تشریح من المسلمین بڑھایا ہے۔فوائد عثمانی میں بھی یہی مطلب بیان کیا ہے کہ یہ مسلمانوں کا حال تھا، مگر تفسیر حقانی میں ہے کہ ''مکہ کے کفار کو جیسا کہ صحیح بخاری میں ابن عباسؓ سے منقول ہے یہ گمان تھا کہ وہ بوقت قضائے حاجت اپنے اوپر کپڑا ڈال لینا خدا سے مخفی ہونا سمجھتے تھے'' بخاری شریف کے شارحین اس سلسلہ میں خاموش ہیں۔احقر کے ناقص خیال میں چند وجوہ سے حضرت ابن عباسؓ کے قول کا صحیح مطلب وہی ہے جو تفسیر حقانی میں ہے وہ وجوہ یہ ہیں:

۱-: حضرت ابن عباسؓ کے انداز بیان سے یہی بات مفہوم ہوتی ہے أناسٌ اور کان الرجل اور الٰی السماء کی تعبیریں اسی کی غمازی کرتی ہیں۔

۲-: اگر یہ فعل صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا ہوتا، تو چونکہ یہ فعل شرعاً ناپسندیدہ ہے اس لئے شارحین بخاری شریف ضرور اس سلسلہ میں گفتگو کرتے جس قسم کی گفتگو فوائد عثمانی میں ہے۔

۳-: سورت مکی ہے اور مکی دور میں اس قسم کی کسی انتہا پسندی کا رجحان صحابہ میں نہیں پایا جاتا۔مدنی دور میں حضرت عثمان بن مظعون اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی روایتوں میں اس قسم کے رجحان کا نشان ملتا ہے جس کی بروقت اصلاح ←

اپنے سینے خوب اہتمام[1] سے دوہرے کرتے ہیں تا کہ اس سے پردہ کرلیں — سنو! جب وہ لوگ اپنے کپڑے اوڑھے ہوتے ہیں اللہ پاک جانتے ہیں وہ سب کچھ، جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ برملا کرتے ہیں — بالیقین اللہ پاک دلوں کی باتوں کو (بھی) خوب جاننے والے ہیں — یعنی اللہ پاک کا علم سرسری اور صرف ظاہری پہلو پر منحصر نہیں کہ کچھ چیزیں تو وہ جانتے ہوں اور کچھ باتیں ان سے مخفی ہوں۔ بلکہ وہ کائنات کے ذرے ذرے سے پوری طرح باخبر ہیں۔لوگ کپڑے پہنے ہوئے اور پردوں کے پیچھے جو کچھ کرتے ہیں، وہ سب اللہ پاک پر روشن ہے۔وہ تو دلوں کے پوشیدہ اسرار کو بھی بخوبی جانتے ہیں۔ پھر کوئی مجرم کس طرح اپنے جرم کو ان سے مخفی رکھ کر نجات پاسکتا ہے؟

اس آیت پاک کے ذیل میں دو باتیں سمجھ لینی ضروری ہیں:

پہلی بات: — یہ ہے کہ آیت پاک میں غلو، تعمق اور انتہا پسندی پر زَجْر (ڈانٹ) ہے کہ اگر بوقت ضرورت بھی بدن کھولنے میں اللہ پاک سے حیا آتی ہے، اس لئے جھکے جاتے ہو تو غور کرو کہ کپڑے پہننے کی حالت میں تمہارا ظاہر و باطن کیا اللہ پاک کے سامنے نہیں ہوتا؟ جب انسان ان سے کسی وقت نہیں چھپ سکتا، تو پھر ضروریاتِ بشریہ کے وقت اس قدر غلو سے کام لینے کی ضرورت کیا ہے؟

دوسری بات: — یہ ہے کہ حیا اور شرم شرعاً مطلوب ہے۔حدیث شریف میں حیا کو ایمان کے درخت کی ایک ٹہنی کہا گیا ہے، مثلاً یہ بات نہایت ہی بے شرمی کی ہے کہ گھر میں محرم عورتیں یا اجنبی عورتیں موجود ہوں اور ریڈیو سے فحش گانے سنے جائیں مگر حیا اور شرم اتنی ہی جائز ہے جتنی شرعاً مطلوب ہے اس میں غلو کسی طرح روا نہیں۔مثلاً کوئی شخص سسرال جائے اور وہاں اتفاق سے نہانے کی حاجت پیش آجائے، تو یہ کسی طرح جائز نہیں کہ شرم میں غسل نہ کرے اور ویسے ہی نماز پڑھ لے۔

دوسری مثال: ارشاد فرماتے ہیں: — اور زمین میں جو بھی جاندار ہے، اس کی روزی اللہ پاک کے ذمے ہے۔اور وہ جانتے ہیں، اس کی (مستقل) قرارگاہ کو اور (عارضی) قیام گاہ کو سب کچھ صاف دفتر میں (درج) ہے — یعنی زمین پر چلنے والے ہر جاندار کی روزی اللہ پاک نے محض اپنے فضل سے اپنے ذمے لی ہے، جس قدر روزی جس کے لئے مقدر

← فرمادی گئی تھی۔

۴-: آیت پاک کا انداز بیان نہایت سخت ہے دو مرتبہ اَلاَ حرف تنبیہ لایا گیا ہے۔مغلوب الحال حضرات سے اس قسم کا شدید خطاب قرآن پاک کے اسلوب میں بالکل انوکھا ہے — ان وجوہ سے احقر کا ناقص ذہن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ارشاد کا وہی مطلب سمجھ رہا ہے جو تفسیر حقانی میں ہے۔ واللّٰہ أعلم بالصواب

(۱) ''خوب اہتمام سے'' اِنَّ حرف تاکید کا ترجمہ ہے۔

ہے یقیناً پہنچ کرر ہے گی—— اور جب تمام جانداروں کی غذا اور معاش مہیا کرنا اللہ پاک کا کام ہے تو ضروری ہے ان کا علم بندوں کے تمام احوال پر محیط ہو۔ ورنہ ان کی خبر گیری کیسے کی جاسکے گے؟ اس لئے فرمایا کہ اللہ پاک تمام جانداروں کی مستقل قرارگاہ کو بھی جانتے ہیں، جس کو وہ مستقل طور پر جائے قیام یا وطن بنائے ہوئے ہیں، اوران کی عارضی قیام گاہ کو بھی جانتے ہیں، جہاں وہ کسی ضرورت سے ٹھہرتے ہیں۔

دنیا میں کوئی شخص یا کوئی ادارہ آپ کے رزق کی ذمہ داری لے تو اتنا کام تو بہر حال آپ کو کرنا ہوگا کہ آپ اپنی مقررہ جگہ کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ جانا چاہیں تو اس فرد یا ادارہ کو اطلاع دینی ہوگی کہ میں فلاں تاریخ سے فلاں تاریخ تک فلاں مقام پر رہوں گا۔ مگر حق تعالیٰ کی رزق رسانی میں اس کی کوئی ضرورت نہیں، وہ مخلوقات کی ہر نقل وحرکت سے باخبر ہیں۔ ان کی مستقل جائے قیام کو بھی جانتے ہیں، اور عارضی اقامت کی جگہ سے بھی واقف ہیں۔ اس لئے ان کا رزق وہاں منتقل کردیتے ہیں اور نہ صرف یہ کہ اللہ پاک جانتے ہیں بلکہ یہ سب کچھ واضح کتاب میں لکھا ہوا ہے اس واضح کتاب سے مراد لوحِ محفوظ ہے، جس میں تمام کائنات کی تفصیلی روئداد لکھی ہوئی ہے۔

رزق اور اسبابِ رزق:

رزق: وہ چیز ہے جس سے جاندار اپنی غذا حاصل کرتا ہے اور جس کے ذریعہ روح کی بقا اور جسم کی نما یعنی فربہی اور بڑھوتری ہوتی ہے —— رزق کے لئے یہ ضروری نہیں کہ جس کا رزق ہے، وہ اس کا مالک بھی ہو۔ کیونکہ تمام جانداروں کو رزق دیا جاتا ہے مگر وہ اس کے مالک نہیں ہوتے، بلکہ ان میں مالکیت کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی۔ اسی طرح چھوٹے بچے اور مہمان اپنے رزق کے مالک نہیں ہوتے، مگر رزق ان کو ملتا ہے —— نیز علماء نے فرمایا ہے کہ رزق حلال بھی ہوتا ہے اور حرام بھی، کیونکہ جو شخص کسی دوسرے کا مال ناجائز طور پر لے کر کھالے تو یہ مال اس شخص کی غذا ضرور بنے گا۔ گو حرام طور پر بنا۔

اور رزق کی ذمہ داری اسی وقت تک ہے جب تک اس کی اَجَل مقدر یعنی عمر پوری نہیں ہوجاتی۔ کیونکہ جب اس کی عمر پوری ہوجاتی ہے تو اس کو بہر حال مرنا ہے۔ اور اس جہاں سے گزرنا ہے، جس کے مختلف اسباب ہوتے ہیں۔ عام سبب بیماری ہے۔ اس کے علاوہ جس طرح جلنا، ڈوبنا، چوٹ کھانا وغیرہ خصوصی اسباب ہیں اسی طرح بھوکوں مرجانا بھی ایک سبب ہے۔ چنانچہ جس کے لئے یہ سبب مقدر ہوتا ہے۔ اس کا رزق بروقت بند کردیا جاتا ہے، جس سے اس کی موت واقع ہوجاتی ہے۔

اور بندہ جو وسائل واسباب اختیار کرتا ہے وہ روزی پہنچنے کے دروازے ہیں، اور شریعت نے ان اسباب وتدابیر کے اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ لیکن اللہ پاک کی قدرت ان اسباب عادیہ میں محصور نہیں۔ وہ کبھی سلسلۂ اسباب توڑ کر بھی

روزی پہنچاتے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَلَىٕنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَیَقُوْلَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۝ وَلَىٕنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰۤى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّیَقُوْلُنَّ مَا یَحْبِسُهٗ ؕ اَلَا یَوْمَ یَاْتِیْهِمْ لَیْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ۝

وَهُوَ	اور وہی (ہیں)	اَیُّكُمْ (۳)	(کہ) کون تم میں (سے)	الَّذِیْنَ	(وہ لوگ) جنھوں نے
الَّذِیْ	جنھوں نے	اَحْسَنُ	بہتر (ہے)	كَفَرُوْۤا	انکار کی روش اختیار کی
خَلَقَ	پیدا کئے	عَمَلًا	عمل کے اعتبار سے	اِنْ	(کہ) نہیں (ہے)
السَّمٰوٰتِ	آسمان	وَلَىٕنْ (۴)	اور بخدا! اگر	هٰذَاۤ	یہ (بات)
وَالْاَرْضَ	اور زمین	قُلْتَ	آپ کہیں (اُن سے)	اِلَّا سِحْرٌ	مگر جادو
فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ	چھ دنوں میں	اِنَّكُمْ	(کہ) بے شک تم	مُّبِیْنٌ	کھلا
وَّكَانَ (۱)	درانحالیکہ تھا ان کا	مَّبْعُوْثُوْنَ	دوبارہ زندہ کئے جانے	وَلَىٕنْ	اور اگر
عَرْشُهٗ	تختِ شاہی		والے ہو	اَخَّرْنَا	مؤخر کریں ہم
عَلَى الْمَآءِ	پانی پر	مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ	مرنے کے بعد	عَنْهُمُ	ان سے
لِیَبْلُوَكُمْ (۲)	تاکہ وہ امتحان کریں تمہارا	لَیَقُوْلَنَّ (۵)	(تو) ضرور کہیں گے	الْعَذَابَ	عذاب

(۱) وَكَانَ جملہ حالیہ ہے خَلَقَ کی ضمیر فاعل سے اور قَدْ محذوف ہے (روح) (۲) لام تعلیل کا ہے اور یَبْلُوْ فعل مضارع کا صیغہ واحد مذکر غائب منصوب ہے، بَلاَ (ن) بَلاءً سے جس کے معنی ہیں آزمانا، امتحان لینا اور کُمْ مفعول ہے (۳) اَیُّ کلمۂ استفہام ہے جو کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر کی طرف مضاف ہے۔ پھر جملہ مبتداء ہے اور اَحْسَنُ عَمَلًا تمیز ہے (۴) لام قسمیہ ہے (روح ج ۱۲ ص ۱۶) (۵) لَیَقُوْلَنَّ لام کلمہ کے زبر کے ساتھ واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے اور پیش کے ساتھ جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ جہاں فاعل ضمیر ہوتی ہے وہاں فعل اس کے مطابق آتا ہے اور جہاں فاعل اسم ظاہر ہوتا ہے وہاں فعل ہمیشہ واحد آتا ہے۔

اِلٰٓى اُمَّةٍ(۱) مَّعْدُوْدَةٍ	تھوڑے دنوں تک	اَلَا يَوْمَ(۲)	سنو! جس روز	وَحَاقَ بِهِمْ	اور گھیرے گا ان کو
		يَأْتِيْهِمْ	وہ (عذاب) اُن پر آپڑیگا	مَّا	وہ (عذاب)
لَّيَقُوْلُنَّ	(تو) ضرور کہیں گے وہ	لَيْسَ	نہیں	كَانُوْا	کہ تھے وہ
مَا	کس چیز نے	مَصْرُوْفًا	پھیرا جائے گا	بِهٖ	اس کا
يَحْبِسُهٗ	اسے روک رکھا ہے؟	عَنْهُمْ	ان سے	يَسْتَهْزِءُوْنَ	مذاق اڑاتے

بعث بعد الموت اور مسئلہ معاد

گفتگو یہ چل رہی ہے کہ جو لوگ قرآن پاک کی دعوت سے روگردانی کرتے ہیں ان کے حق میں قیامت کے ہولناک دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔ اب ان دو آیتوں میں اسی مناسبت سے بعث، قیامت اور مسئلہ معاد کا مدلل تذکرہ فرمایا جاتا ہے۔ نیز پیغمبر ﷺ کی اس خبر پر جو لوگ پھبتیاں کستے ہیں ان کو ڈانٹا بھی جا رہا ہے ارشاد فرماتے ہیں:— اللہ پاک وہی ہیں جنھوں نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا(۳) درانحالیکہ ان کا تخت شاہی پانی پر تھا— یعنی آسمان وزمین کی پیدائش سے پہلے پانی مخلوق ہوا تھا، جو آئندہ اشیاء کا مادۂ حیات بننے والا تھا۔ سورۃ الانبیاء آیت ۳۰ میں ہے: ﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ﴾ (اور ہم نے پانی سے ہر جاندار چیز بنائی) اور سورۃ النور (آیت ۴۵) میں ہے: ﴿وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ﴾ (اور اللہ پاک نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا)— اس وقت اللہ پاک عزاسمہ کا تخت شاہی پانی کے اوپر تھا جس طرح اب سماوات کے اوپر ہے— اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ ساری کائنات رب العرش کے زیر انتظام وجود میں آئی ہے۔ اور کیوں آئی ہے؟— تاکہ وہ تمہارا امتحان کریں کہ کون تم میں سے بہتر عمل کرنے والا ہے؟— یعنی آسمان وزمین کا پیدا کرنا خود کوئی مقصد نہیں، بلکہ ان کو عمل کرنے والے انسانوں کے لئے بنایا ہے۔ انسان ہی اس کارگاہِ ہستی سے اصل مقصود ہے — اور انسان کے پیدا کرنے سے مقصود امتحان وآزمائش ہے۔ پیدا کر کے اسے شریعت کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ اور اس پر خلافت کا بار ڈالا گیا ہے۔ تاکہ دیکھا جائے

(۱) اُمَّةٌ کے معنی یہاں "مدت" کے ہیں اور جہاں یہ معنی ہوتے ہیں وہاں اس کا مضاف محذوف ہوتا ہے اور مضاف الیہ مضاف کے قائم مقام سمجھا جاتا ہے۔ تقدیر عبارت اِلٰی زَمَنِ اُمَّةٍ ہے زَمَنٌ کو حذف کر کے لفظ اُمَّةٌ کو اس کا قائم مقام سمجھا گیا ہے۔ مَعْدُوْدَةٌ اسم مفعول صیغہ واحد مؤنث ہے یعنی گنتی کے چند، تھوڑے عَدًّا (ن) عَدًّا شمار کرنا اور معدود ہونے سے کبھی کسی چیز کی قلت مراد ہوتی ہے۔ یہاں وہی مراد ہے (۲) يَوْمَ الخ لَيْسَ کی خبر اور مَصْرُوْفًا کا مفعول فیہ ہے۔ (۳) یہ مضمون پارہ نمبر گیارہ سورۂ یونس آیت ۳ میں گذرا ہے اور اس کی تفصیل سورۂ حٰم سجدہ آیت ۱۰ و ۱۱ میں آئے گی۔

کہ کون شریعت کی پابندی کرتا ہے، اور کون خلافت کی ذمہ داریوں سے باحسنِ وجوہ عہدہ برآ ہوتا ہے۔

اور یہ جو فرمایا کہ کون اچھا عمل کرنے والا ہے۔ اور یہ نہیں فرمایا کہ کون زیادہ عمل کرنے والا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نیک اعمال، نماز، روزہ، تلاوت اور ذکر کی عملی کثرت سے زیادہ اللہ پاک کی نظر حسن عمل پر ہے۔ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الاِحُسَانَ عَلیٰ كُلِّ شَیءٍ﴾[1] (اللہ پاک نے ہر چیز میں "عمدہ کرنے" کو لازم کیا ہے) اور حدیث میں عبادتوں کے عمدہ بنانے کا طریقہ یہ ارشاد ہوا ہے: ﴿اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ، فَاِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَرَاكَ﴾[2] (اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم ان کو دیکھ رہے رہو، پھر اگر تم انھیں نہیں دیکھ رہے تو اللہ پاک تو تمہیں دیکھ رہے ہیں) ظاہر ہے کہ بندہ جب اس تصور کے ساتھ عبادت کرے گا، تو وہ عبادت نہایت اعلیٰ درجہ کی عبادت ہوگی۔

الغرض جب یہ دنیا امتحان و آزمائش کی جگہ ہے تو ضرور ہے کہ اس کے بعد مجازات (انعام وانتقام) کا سلسلہ ہو، تا کہ شاکرین اور کافرین کو اپنے کئے کا پھل ملے، مگر منکرین کا عجیب حال ہے: — اور اگر آپ (ان سے) کہیں کہ: بالیقین تم مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے تو وہ لوگ جنھوں نے انکار کی روش اختیار کی ہے ضرور کہیں گے کہ: بس یہ تو کھلا ہوا جادو ہے! — یعنی منکرین کو یقین ہی نہیں آتا کہ وہ موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جائیں گے اور اپنے گناہوں کی سزا بھگتیں گے۔ جب وہ قرآن پاک میں یا حضور اکرم ﷺ کی زبانِ مبارک سے یہ تذکرہ سنتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ بیان کھلا ہوا جادو ہے! جس نے بہت سے لوگوں کو مرعوب و مسحور کر لیا ہے۔ مگر ہم پر یہ جادو چلنے والا نہیں! — یعنی یہ لوگ اپنی نادانی سے کائنات کو بس کسی کھلنڈرے کا گھروندا سمجھتے ہیں۔ اور جب انہیں کارگاہِ ہستی کی غرض وغایت سمجھائی جاتی ہے تو پھبتی کستے ہیں کہ یہ شخص تو جادوگر کی سی باتیں کرتا ہے — اور قسم بخدا! اگر ہم ملتوی رکھیں ان سے عذاب کو تھوڑے دنوں تک تو وہ ضرور کہنے لگیں گے: "اسے کس چیز نے روک رکھا ہے؟" — یعنی جب ان کو ان کی شرارتوں پر عذابِ الٰہی سے ڈرایا جاتا ہے۔ جسے اللہ پاک کی حکمت نے ایک معین مدت تک روکے رکھا ہے تو وہ لوگ قہقہہ لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ عذاب کہاں ہے؟ آخر آتا کیوں نہیں؟ کس چیز نے اسے پکڑ رکھا ہے؟ فرماتے ہیں — سنو! جس روز وہ عذاب ان پر آپڑے گا، تو کسی کے پھیرے نہ پھرے گا، اور ان کو وہ عذاب آگھیرے گا جس کا وہ مذاق اڑا رہے ہیں — یعنی عذاب میں تاخیر بعض حکمتوں سے ہے۔ اللہ پاک محض اپنے رحم وکرم سے سزا میں تاخیر کر رہے ہیں۔ تا کہ بندے کسی طرح سنبھل جائیں۔ لیکن اگر تم نہ سنبھلے تو جب وہ اپنے وقت پر آپڑے گا تو ساری کسر نکل جائے گی۔

(۱) رواه أبو داود عن شداد بن اوس رضی الله عنه ج۲ ص۳۳ فی باب الرفق بالذبيحة (۲) حديث متفق عليه.

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ ۝ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ؕ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ

وَلَئِنْ(۱)	اور بخدا! اگر	كَفُوْرٌ(۴)	ناشکری کرنے والا (ہے)	عَنِّيْ	میرے!
اَذَقْنَا	چکھائیں ہم	وَلَئِنْ	اور بخدا! اگر	اِنَّهٗ	واقعی وہ
الْاِنْسَانَ(۲)	انسان کو	اَذَقْنٰهُ	چکھائیں ہم اس کو	لَفَرِحٌ(۸)	یقیناً اترانے والا
مِنَّا	اپنی طرف سے	نَعْمَآءَ(۵)	رفاہیت	فَخُوْرٌ(۹)	شیخی بگھارنے والا ہے
رَحْمَةً	مہربانی	بَعْدَ	بعد	اِلَّا الَّذِيْنَ	مگر جو لوگ
ثُمَّ	پھر	ضَرَّآءَ	کسی تکلیف (کے)	صَبَرُوْا(۱۰)	صبر کرتے ہیں
نَزَعْنٰهَا	کھینچ لیں ہم اس کو	مَسَّتْهُ(۶)	جو پہنچی ہوا سے	وَعَمِلُوْا	اور کرتے ہیں
مِنْهُ	اس سے	لَيَقُوْلَنَّ	(تو) ضرور کہنے لگے گا وہ	الصّٰلِحٰتِ	نیکیاں
اِنَّهٗ	(تو) بالیقین وہ	ذَهَبَ	(کہ) گئے	اُولٰٓئِكَ	یہی لوگ
لَيَئُوْسٌ(۳)	قطعی مایوس	السَّيِّاٰتُ(۷)	سارے دکھ درد	لَهُمْ	ان کے واسطے

(۱) لام قسمیہ ہے (روح) (۲) الف لام جنس کا ہے (۳) یَئُوْسٌ صفت مشبّہ کا صیغہ ہے یَئِسَ (س وف) یَأْسًا: ناامید ہونا، مایوس ہونا (۴) كَفُوْرٌ بھی صفت مشبہ کا صیغہ ہے كَفَرَ (ن) كُفْرَانًا: ناشکری کرنا (۵) نَعْمَآءَ: وہ انعام جس کا اثر نعمت پانے والے پر ظاہر ہو (۶) مَسَّتْهُ صفت ہے ضَرَّآءَ کی (۷) سَيِّئَةٌ کی جمع ہے جو حَسَنَةٌ کی ضد ہے امام راغب نے لکھا ہے کہ حَسَنَۃٌ اور سَيِّئَۃٌ کی دو دو قسمیں ہیں ایک شرعاً اور عقلاً اچھی اور بری چیز دوسرے طبیعت کے اعتبار سے اچھی اور بری چیز یعنی وہ چیز جسے طبیعت پسند کرے یا گراں جانے — یہاں یہ دوسرے معنی مراد ہیں (۸) صفت مشبہ کا صیغہ ہے فَرِحَ (س) فَرِحًا: خوش ہونا، اترانا (۹) فَخُوْرٌ مبالغہ کا صیغہ ہے فَخَرَ (ف) فَخْرًا شیخی بگھارنا ظاہری چیزوں (مال، عزت، جاہ، حکومت وغیرہ) پر اترانا (۱۰) صبر عربی زبان میں اردو محاورہ سے بہت عام معنی میں استعمال ہوتا ہے صَبَرَ (ض) صَبْرًا ثابت قدم رہنا، سہنا، رکنا — شریعت کی اصطلاح میں نفس کو اس کی ناجائز خواہشات سے روکنے کا نام صبر ہے۔

مَّغۡفِرَةٌ	بخشش (ہے)	وَّ اَجۡرٌ	اور اجر (ہے)	كَبِيۡرٌ	بڑا

کمزور انسان میں عذاب سہارنے کا دل گردہ کہاں؟

پیغمبر ﷺ کی بات کا ٹھٹھا کرنے والوں نے کہا تھا کہ عذاب کہاں ہے؟ آتا کیوں نہیں؟ مگر وہ بودے اور بزدل اتنے ہیں کہ اگر اللہ پاک مدتِ دراز تک اپنی مہربانی سے عیش و آرام میں رکھنے کے بعد نعمتوں کا سلسلہ منقطع فرمادیں تو وہ پچھلی تمام مہربانیاں بھلا بیٹھیں۔اور ناامید ہوکر آئندہ کے لئے آس توڑ بیٹھیں۔گزشتہ پر ناشکری اور آئندہ سے مایوسی ہی ان کی زندگی کا حاصل ہے۔ایسے کمزور وجود میں عذاب سہارنے کا دل گردہ کہاں؟—— نیز اس کی سطح بینی، قلت تدبر، غیر مستقل مزاجی، عجلت پسندی اور حال میں کھو کر ماضی اور مستقبل کو بھلا دینے کا حال یہ ہے کہ آج خوش حال ہے تو کل اکڑ رہا ہے، شیخی بگھار رہا ہے۔اور کل کسی مصیبت کے پھیر میں آ گیا تو بلبلا اٹھتا ہے، حسرت و یاس کی تصویر بن جاتا ہے۔ارشاد فرماتے ہیں—— اور قسم بخدا! اگر ہم انسان کو اپنی جانب سے مہربانی کا مزا چکھائیں، پھر ہم وہ مہربانی اس سے کھینچ لیں تو بالیقین وہ قطعی مایوس، ناشکرا ہے—— یعنی بڑا کم ہمت ہے، رحمت سے ناامید ہوکر ناشکری کرنے لگتا ہے۔اور یہ خیال تک نہیں کرتا کہ جس ذاتِ حق نے پہلے نعمتیں دی تھیں وہ پھر بھی دے سکتی ہے —— اور قسم بخدا! اگر ہم اس کو رفاہیت (خوش حالی) کا مزا چکھائیں، کسی تکلیف کے بعد، جو اسے پہنچی ہو، تو وہ ضرور کہنے لگے کہ: ''مرے سب دکھ درد دور ہوئے!''—— اب ہمیشہ کے لئے مصائب و تکالیف کا خاتمہ ہوگیا۔اور سارے دِلدّر دور ہوگئے، اب پچھلے احوال کبھی لوٹ کر آنے والے نہیں—— بالیقین وہ ضرور اترانے والا، شیخی بگھارنے والا ہے!—— حالانکہ اس کو چاہیئے تھا کہ پچھلی حالت یاد کرکے اللہ پاک کا شکر ادا کرتا، اور ان کے احسانات کے سامنے جھک جاتا—— البتہ وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جو صبر کرتے ہیں، اور نیک کام کرتے ہیں—— یعنی جو حال اوپر عام انسانوں کا بیان ہوا ہے اس سے اللہ پاک کے وہ بندے مستثنیٰ ہیں، جن میں دو صفتیں پائی جاتی ہیں۔ایک صبر دوسرے عمل صالح—— صبر کے مفہوم میں تمام گناہوں اور خلاف شرع کاموں سے پرہیز کرنے کے علاوہ تکلیف و مصیبت میں ہمت سے کام لینا اور استقامت سے پیش آنے والے احوال کا مقابلہ کرنا بھی داخل ہے۔اور عمل صالح میں تمام شرعی مطالبات کی بجا آوری کے علاوہ بڑھ کر نیک کام کرنا بھی مراد ہے۔

پس آیت پاک کے معنی یہ ہوئے کہ مذکورہ بالا انسانی کمزوری سے وہ لوگ محفوظ ہیں، جو زمانہ کے بدلتے ہوئے حالات سے ذہنی توازن کھو نہیں بیٹھتے، بلکہ ہر حال میں صحیح رویہ پر قائم رہتے ہیں یعنی اگر حالات سازگار ہوتے ہیں، دولت مندی، اقتدار اور ناموری کے آسمانوں پر چڑھے جا رہے ہیں تو بڑائی کے نشے میں مست نہیں ہوجاتے۔ بلکہ عمل صالح

کرتے ہیں۔اور اگر کسی وقت مصائب ومشکلات سے دوچار ہوجاتے ہیں، تو صبر وہمت سے کام لیتے ہیں۔بلبلا نہیں اٹھتے، تلملا کر اللہ پاک کو گالیاں نہیں دینے لگتے، اور مایوس ہوکر خودکشی نہیں کرلیتے —— انہی لوگوں کے واسطے بخشش اور بڑا اجر ہے —— یعنی اگر صبر وہمت میں کچھ کمی رہ گئی ہوگی تو اللہ پاک درگزر فرمائیں گے۔اور جو عمل صالح کئے ہیں، ان کا بڑا بدلہ عنایت فرمائیں گے۔

خلاصہ یہ ہے کہ بجز مؤمنین کے، اکثر آدمی ایسے ہیں کہ ذرا سی دیر میں نڈر ہوجاتے ہیں۔اور ذرا سی دیر میں ناامید ہوجاتے ہیں۔اس لئے یہ منکرین، عذاب میں تاخیر ہونے کے سبب بے خوف ہوکر منکر ہوگئے ہیں۔اور انکار واستہزا پر اتر آئے ہیں۔آج اطمینان کے ماحول میں ہمارا پیغمبر انھیں خبردار کرتا ہے کہ اگر قرآن پاک کی دعوت پر کان نہیں دھروگے تو تم پر عذاب آئے گا۔وہ لوگ یہ بات سن کر ٹھٹھا مارتے ہیں، اور سوچتے نہیں کہ ان کی خوشحالیاں اور عذاب میں تاخیر اللہ پاک محض اپنے فضل وکرم سے اس لئے فرمارہے ہیں کہ وہ کسی طرح سنبھل جائیں۔

ان آیتوں میں قابل غور بات یہ ہے کہ دنیا کی نعمت اور کلفت دونوں چندروزہ اور آنی جانی ہیں۔قرآن کریم نے دونوں کے لئے اَذَقْنَا چکھانے کا لفظ استعمال کیا ہے، جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اصل نعمت اور کلفت آخرت کی ہے۔دنیا میں نہ تو راحت مکمل ہے نہ کلفت، بلکہ چکھنے اور نمونہ کے درجہ میں ہے تاکہ انسان کو آخرت کی نعمتوں اور تکلیفوں کا کچھ اندازہ ہوسکے۔یعنی یہ ساری دنیا آخرت کا ''شوروم'' ہے جس میں راحت وکلفت کے صرف نمونے رکھے گئے ہیں۔اس لئے نہ دنیا کی راحت زیادہ خوش ہونے کی چیز ہے، نہ اس کی مصیبت زیادہ غم کرنے کی چیز ہے۔

زرنج وراحت گیتی مرنجاں، دل مشوخرّم ❁ کہ آئین جہاں گاہے چناں، گاہے چنیں باشد

دنیا کے رنج وراحت کا نہ غم کھا نہ خوشیاں منا ❁ کیونکہ دستور زمانہ کبھی یوں ہے کبھی ووں!

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعۡضَ مَا يُوحٰٓى اِلَيۡكَ وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدۡرُكَ اَنۡ يَّقُوۡلُوۡا لَوۡلَاۤ اُنۡزِلَ عَلَيۡهِ كَنۡزٌ اَوۡ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ اِنَّمَاۤ اَنۡتَ نَذِيۡرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ وَّكِيۡلٌ ﴿۱۲﴾ اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰٮهُ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِعَشۡرِ سُوَرٍ مِّثۡلِهٖ مُفۡتَرَيٰتٍ وَّادۡعُوۡا مَنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۱۳﴾ فَاِلَّمۡ يَسۡتَجِيۡبُوۡا لَـكُمۡ فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَاۤ اُنۡزِلَ بِعِلۡمِ اللّٰهِ وَاَنۡ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلۡ اَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۴﴾

فَلَعَلَّكَ (1)	سوشاید آپؐ	مَعَهٗ	اس کے ساتھ	مِّثْلِهٖ (5)	اس کے مانند
تَارِكٌۢ	چھوڑ دینے والے ہیں	مَلَكٌ	کوئی فرشتہ	مُفْتَرَيٰتٍ (6)	گھڑی ہوئیں
بَعْضَ	کچھ	اِنَّمَآ اَنْتَ	بس آپ	وَّ ادْعُوْا	اور بلالو
مَا	(اس میں سے) جو	نَذِيْرٌ	خبردار کرنے والے ہیں	مَنِ اسْتَطَعْتُمْ	جسے (بلا) سکو تم
يُوْحٰٓى	وحی کے ذریعہ بھیجا گیا	وَاللّٰهُ	اور اللہ پاک	مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ پاک کے سوا
اِلَيْكَ	آپ کی طرف	عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز پر	اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم
وَضَآىِٕقٌۢ	اور تنگ ہونے والا ہے	وَّكِيْلٌ	پورا اختیار رکھنے والے ہیں	صٰدِقِيْنَ	سچے
بِهٖ	اس کی وجہ سے	اَمْ	کیا	فَاِلَّمْ (7)	پھر اگر نہ
صَدْرُكَ	آپ کا دل	يَقُوْلُوْنَ	یہ لوگ کہتے ہیں	يَسْتَجِيْبُوْا	جواب دیں وہ
اَنْ (2)	(اس وجہ سے) کہ	افْتَرٰىهُ	(کہ) اس نے اسے	لَكُمْ (8)	تمہیں
يَّقُوْلُوْا	وہ کہتے ہیں		خودگڑھ کر اللہ کے نام	فَاعْلَمُوْٓا	جو جان لو
لَوْلَآ اُنْزِلَ	کیوں نہیں اتارا گیا		لگا دیا ہے	اَنَّمَآ	(کہ) بس
عَلَيْهِ	اس (شخص) پر	قُلْ	آپؐ فرمائیے	اُنْزِلَ	وہ اتارا گیا ہے
كَنْزٌ	کوئی خزانہ؟	فَاْتُوْا	تو لے آؤ	بِعِلْمِ	علم سے
اَوْ جَآءَ (3)	یا (کیوں نہیں) آیا	بِعَشْرِ سُوَرٍ (4)	دس سورتیں	اللّٰهِ	اللہ پاک کے

(۱) ترکیب: لَعَلَّ حرف مشبہ بالفعل، کاف اس کا اسم اور تَارِکٌ خبر ہے بَعْضَ مفعول ہے تَارِکٌ اسم فاعل کا، کیونکہ وہ مستقبل کے معنی میں ہے۔ نیز بَعْضَ مضاف ہے مَاموصولہ کی طرف۔ اور اضافت بتوسط حرف مِنْ ہے اور جملہ یُوْحٰی صلہ ہے۔ اور ضَائِقٌ کا تَارِکٌ پر عطف ہے بِہٖ کی ضمیر بَعْضَ کی طرف لوٹتی ہے اور صَدْرُکَ فاعل ہے ضَائِقٌ کا ـــ لَعَلَّ تَرَجِّیْ (امید یا خوف) پر دلالت کرنے کیلئے موضوع ہے اور امید کا رجوع کبھی متکلم کی طرف ہوتا ہے جیسے ﴿لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ﴾ اور کبھی اس کا رجوع مخاطب کی طرف ہوتا ہے یعنی مخاطب کو امید دلانے کے لئے آتا ہے جیسے ﴿لَعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى﴾ اور کبھی اس کا تعلق نہ متکلم سے ہوتا ہے نہ مخاطب سے، بلکہ کسی تیسرے شخص سے ہوتا ہے جیسے ﴿فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ﴾ یعنی لوگ یہ امید رکھتے ہیں کہ آپ ﷺ وحی کا کوئی حصہ ترک کردیں گے (راغب) (۲) اَنْ سے پہلے لام اَجلیہ محذوف ہے (۳) جَآءَ کا اُنْزِلَ پر عطف ہے (۴) بَا صلہ کی ہے اَتٰی بہٖ: لانا (۵) مِثْلِہٖ صفت ہے سُوَرٍ کی (۶) مُفْتَرَیٰتٍ دوسری صفت ہے سُوَرٍ کی (۷) فَاِلَّمْ تین لفظ ہیں فاء، اِنْ شرطیہ اور لَمْ نافیہ، نون کا لام میں ادغام ہوا ہے (۸) لام صلہ کا ہے استجاب لہٗ: جواب دینا۔

وَاَنْ لَّآ	اور یہ (جان لو) کہ نہیں	اِلَّا هُوَ	مگر وہی	اَنْتُمْ	تم
اِلٰهَ	کوئی معبود	فَهَلْ	پھر کیا	مُّسْلِمُوْنَ	سر تسلیم خم کرنے والے ہو

رسالت اور دلیل رسالت (قرآنِ کریم) پر اعتراض

منکرین صرف مسئلہ معاد اور عذاب کی پیش خبری ہی کا مذاق نہیں اڑاتے تھے، بلکہ رسالت وقرآن کے ساتھ بھی ان کا یہی رویہ تھا۔ اس لئے اب ان تین آیتوں میں رسالت وقرآن کے موضوع پر گفتگو ہے۔

ان آیات پاک کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے ان حالات کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے، جن میں یہ نازل ہوئی ہیں۔ قرآن پاک میں شرک اور بت پرستی کی جگہ جگہ مذمت کی گئی ہے کیونکہ بری چیز کو اگر برا نہ کہا جائے تو ہدایت کیسے ہو؟ مگر مشرکین مکہ یہ مضامین سنکر سیخ پا ہوجاتے تھے۔ مشرکانہ خرافات پر جس قدر نقد کیا جاتا، اسی قدر ان کے غصے کی آگ بھڑکتی اور وہ مختلف طرح سے کوشش کرتے کہ آپ ﷺ کو اس معاملہ میں ذرا ڈھیلا کریں۔ اور اس بنیادی مسئلہ کی تبلیغ میں نرمی برتنے پر آمادہ کریں، چنانچہ وہ لوگ محض دق کرنے کے لئے نبی پاک ﷺ سے طرح طرح کی فرمائشیں کرتے تھے۔ مثلاً یہ کہتے کہ اگر آپ سچے ہیں اور منصب رسالت پر مامور ہوکر آئے ہیں، تو مکہ کی سنگلاخ زمین کو پھاڑ کر پانی کا ایک چشمہ جاری فرمادیں۔ کوئی کہتا کہ آپ کے لئے کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہونا چاہئے، جس میں آپؐ نہریں رواں کردیں، کوئی چاہتا کہ آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے ان پر گرادیں۔ کوئی گستاخ یہ کہتا کہ ہمارے سامنے اللہ پاک اور فرشتوں کو لے آئیں، کوئی مطالبہ کرتا کہ آپ کے لئے سونے کا ایک گھر ہونا چاہئے، کوئی کہتا آپؐ آسمان پر چڑھ کر وہاں سے ایک تحریر لے آئیں جسے ہم پڑھیں۔ کوئی فرمائش کرتا کہ آپ کے پاس خدا کے یہاں سے مال ودولت کا بڑا خزانہ آنا چاہئے اور کوئی کہتا کہ آسمان سے کوئی فرشتہ آنا چاہئے، جو ہر طرف پھر کر آپ کی تصدیق کرے۔

علاوہ ازیں وہ لوگ آپ ﷺ کی ہر بات کا مذاق اڑاتے، آوازے اور پھبتیاں کستے اور ٹھٹھے اڑاتے، اور اپنے طور پر سمجھتے کہ ہم نے ان صاحب کو زچ کردیا۔ اور امید باندھتے کہ اب آپؐ اپنی وحی کا وہ حصہ ترک کردیں گے جس میں ہمارے معتقدات کے خلاف باتیں کہی گئی ہیں۔ یا کم ازکم ان مضامین کی وجہ سے آپؐ تنگ دل، منقبض اور مکدر ہوجائیں گے۔ جس سے امید ہے کہ ہمارے معبودوں کے معاملہ میں قدرے نرمی اور رواداری کے ساتھ گفتگو کرنے لگیں گے۔ اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں ـــ سو (منکرین امید باندھتے ہیں کہ) شاید آپؐ کچھ ان چیزوں میں سے چھوڑ دیں گے، جو وحی کے ذریعہ آپؐ کی طرف بھیجی جارہی ہیں اور آپ کا دل اس کی وجہ سے تنگ ہوگا، اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ اس شخص پر کوئی خزانہ کیوں نہیں اتارا گیا؟ یا اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا؟ ـــ حالانکہ آپؐ نہ تو قرآن پاک کا کوئی حصہ ان کی

رعایت میں چھوڑ سکتے ہیں، اور نہ ان کی بیہودہ فرمائشوں سے پریشان ہو سکتے ہیں، جو تعلیمات بذریعہ وحی آپؐ پر منکشف ہوئی ہیں ان کے اظہار واعلان میں اور ان کی طرف دعوت دینے میں قطعاً آپؐ کو کوئی باک نہیں ہو سکتا۔ نہ آپ کے دل میں کبھی خیال گزر سکتا ہے کہ فلاں بات کیسے کہوں، جبکہ لوگ سنتے نہیں، یا سنتے ہی اس کا مذاق اڑانے لگتے ہیں۔ بلکہ کوئی مانے یا نہ مانے جو بھی باتیں آپؐ کی طرف وحی کی جاتی ہیں، آپؐ اسے بے کم وکاست اور بے خوف بیان فرمادیتے ہیں، کیونکہ —— آپؐ تو بس خبردار کرنے والے ہیں، اور ہر چیز پر پورا اختیار رکھنے والے اللہ پاک ہیں—— وہ چاہیں تو کچھ حصہ چھوڑ دیں یا نرمی اور رواداری برتیں۔ کیونکہ ہر معاملہ کا پورا اختیار انہی کا ہے—مگر جب وہ نہ چاہیں تو ان کا پیغام بر یہ کام کیسے کرسکتا ہے؟ اور منکرین اس سے ایسی فضول بات کی امید کیوں باندھتے ہیں؟

قرآن کے کلام الٰہی ہونے پر اعتراض ہے تو ہمیں میداں ہمیں چوگاں!

ارشادِ پاک ہے:— کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس نے—— یعنی محمد ﷺ نے—— اسے خود تصنیف کر کے اللہ پاک کے نام لگادیا ہے؟—— یعنی یہ اللہ پاک کا کلام نہیں ہے، ان صاحب نے اسے خود گڑھ کر اللہ پاک کے نام باندھ دیا ہے۔ تاکہ ان کے کلام کا وزن بڑھ جائے—— اس باطل خیال کی وجہ سے وہ امید باندھے بیٹھے ہیں کہ ہمارے دق کرنے سے آپؐ اپنے کلام کا کچھ حصہ القط کردیں گے یا کم از کم اس میں لچک پیدا کریں گے—— آپؐ فرمائیے کہ: اگر تم سچے ہو تو اس قرآن کے مانند گھڑی ہوئی دس سورتیں[1] لے آؤ۔ اور اللہ پاک کے سوا جن کو اپنی مدد کے لئے بلاسکتے ہو بلالو—— کیونکہ اگر تم اس خیال میں سچے ہو کہ میں نے اس قرآن کو خود تصنیف کیا ہے، تو چاہئے کہ تم بھی اس کو تصنیف کرسکو آخر تم بھی تو عرب ہو فصاحت وبلاغت کا دعویٰ رکھتے ہو۔ اور تمہیں یہ بھی اجازت ہے کہ سب ملکر ایسی دس ہی سورتیں گھڑ کر پیش کردو، اور اس کام میں مدد کے لئے تمام مخلوق کو، بلکہ اپنے معبودوں کو بھی بلالو—— پھر اگر وہ تمہیں جواب نہ دیں تو جان لو کہ وہ (قرآن پاک) اللہ تعالیٰ ہی کے علم سے اتارا گیا ہے۔ اور یہ کہ اللہ پاک کے سوا کوئی معبود نہیں ہے—— یعنی اس ایک ہی بات میں قرآن پاک کے کلام الٰہی ہونے کا ثبوت بھی ہے، اور توحید کا ثبوت بھی۔ استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ:

(۱) —— اگر تمہارے نزدیک یہ قرآن میرا کلام ہے، تو دوسرے انسانوں کو بھی ایسے کلام پر قادر ہونا چاہئے۔ لہٰذا تمہارا یہ خیال کہ میں نے خود اسے تصنیف کیا ہے صرف اسی صورت میں صحیح ہو سکتا ہے کہ تم بھی ایسی دس ہی سورتیں تصنیف کرکے دکھاؤ۔ لیکن اگر تم سب مل کر بھی اس کی نظیر نہیں پیش کرسکتے تو میرا یہ دعویٰ صحیح ہے کہ میں اس کتاب کا مصنف نہیں ہوں۔ بلکہ یہ کتاب اللہ پاک ہی کے علم سے نازل ہوئی ہے۔

(۱) گنتی کا پہلا عقد (دہائی) ہے جس کی دلالت اقل قلیل (کم از کم) پر ہے۔

④ —— پھر جب قرآن پاک میں تمہارے معبودوں کی کھلم کھلا برائی بیان کی گئی ہے۔اور صاف صاف کہا گیا ہے کہ ان کی عبادت چھوڑ دو، کیونکہ خدائی میں ان کا کوئی حصہ نہیں، تو ضرور ہے کہ تمہارے معبودوں کو بھی—— اگر فی الواقع ان میں کوئی طاقت ہے—— تاؤ آنا چاہئے۔اور میرے دعوے کو جھوٹا ثابت کرنے، اور قرآن پاک کی نظیر پیش کرنے میں تمہاری مدد کرنی چاہئے، بالخصوص جب کہ تم نے ان کی دہائی بھی دی ہو۔لیکن اگر وہ اس فیصلہ کی گھڑی میں بھی تمہاری مدد نہیں کرتے، اور تمہارے اندر کوئی ایسی طاقت نہیں پھونکتے کہ جس سے تم اس کتاب کی نظیر تیار کرسکو، تو اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ تم نے ان کو خواہ مخواہ معبود بنا رکھا ہے۔

پھر کیا تم سرِ تسلیم خم کرنے والے ہو؟—— یعنی واضح دلائل کے بعد بھی خدا کا فرمان بردار بننے میں کس چیز کا انتظار ہے؟

یہاں ایک خاص بات یہ سمجھ لینی چاہئے کہ یہاں دس سورتیں بنا کر لانے کا چیلنج دیا گیا ہے۔اور سورۂ یونس آیت ۳۸ اور سورۃ البقرہ آیت ۲۳ میں ایک سورت بنا کر لانے کا چیلنج ہے، اور سورۃ الاسراء آیت ۸۸ اور سورۃ الطّور آیت ۳۴ میں پورے قرآن پاک جیسی کتاب بنا کر لانے کا چیلنج ہے—— ان تینوں چیلنجوں میں طبعی اور عقلی ترتیب یہی ہوسکتی ہے کہ سب سے پہلے پورے قرآن پاک جیسی کتاب لانے کا چیلنج دیا جائے پھر نیچے اتر کر دس سورتوں سے چیلنج دیا جائے، اور جب وہ اس سے بھی عاجز ہوجائیں تو آخر میں ایک سورت سے چیلنج کیا جائے—— اس طبعی ترتیب پر یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ سورۂ ہود اور سورۂ یونس دونوں مکی ہیں اور ترتیب نزولی میں سورۂ یونس کا نمبر اکیاون ہے، اور سورۂ ہود کا باون۔یعنی سورۂ یونس پہلے نازل ہوئی ہے۔اور سورۂ ہود اس کے بعد۔اور سورۂ یونس میں ایک سورت سے چیلنج دیا گیا ہے۔اور یہاں دس سورتوں سے، جو طبعی ترتیب کے خلاف ہے، کیونکہ عقلاً یہ بات ناموزوں ہے کہ پہلے ایک سورت سے چیلنج دیا جائے، اور جب وہ اس سے عاجز ہوجائیں تو دس سورتوں سے چیلنج دیا جائے۔

اس اشکال کو حل کرنے کے لئے تفسیروں میں بڑی بحثیں ہیں، مگر احقر کے ناقص خیال میں ان بحثوں کی ضرورت نہیں۔کیونکہ قرآن کا نزول نجماً نجماً (قسط وار) ہوا ہے، اس لئے ضروری نہیں کہ ہر سورت پوری ایک ساتھ نازل ہوئی ہو، اور ترتیب نزولی سورت کی بیشتر آیتوں کے زمانۂ نزول کے اعتبار سے ہے۔پس یہ ممکن ہے کہ سورۂ یونس نزول میں مقدم ہو اور سورۂ ہود مؤخر۔مگر سورۂ یونس کی آیت ۳۸ کا نزول سورۂ ہود کی اس آیت کے بعد ہوا ہو۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ۝١٥ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ

مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑯

مَنْ⁽¹⁾ كَانَ يُرِيْدُ⁽²⁾	جو طالب ہوتا ہے	وَهُمْ فِيْهَا	اور وہ دنیا میں	اِلَّا النَّارُ	مگر آگ
الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا	دنیا کی زندگانی (کا)	لَا يُبْخَسُوْنَ	کمی نہیں کئے جاتے	وَحَبِطَ	اور برباد ہوا
وَ زِيْنَتَهَا	اور اس کی رونق (کا)	اُولٰٓئِكَ	یہ	مَا صَنَعُوْا	جو کچھ بنایا انھوں نے
نُوَفِّ⁽³⁾	(تو) پورا پہنچادیتے ہیں ہم	الَّذِيْنَ	وہ لوگ (ہیں)	فِيْهَا	دنیا میں
اِلَيْهِمْ	ان تک	لَيْسَ	(کہ) نہیں (ہے)	وَ بٰطِلٌ	اور ملیامیٹ ہوا
اَعْمَالَهُمْ⁽⁴⁾	ان کے کاموں (کا بدلہ)	لَهُمْ	ان کے لئے	مَّا كَانُوْا	جو کچھ وہ
فِيْهَا	دنیا میں	فِي الْاٰخِرَةِ	آخرت میں	يَعْمَلُوْنَ	کیا کرتے تھے

جن کے دل ودماغ پر دنیا چھائی ہے وہ قرآن کی بات کہاں قبول کریں گے؟

قرآن پاک سے جولوگ روگردانی کرتے ہیں اوراس کو ماننے سے انکار کرتے ہیں، وہ اس کو رد کرنے کے لئے بہانے تلاش کرتے ہیں۔ اور بیہودہ معجزات کی فرمائشیں کرتے ہیں، مگر یہ سب بعد کی چیزیں ہیں۔ پہلی چیز جو اس انکار کا اصل سبب ہے، وہ یہ ہے کہ ان کے دل ودماغ پر دنیا چھائی ہوئی ہے۔ وہ دنیا اور اس کے مادی فائدوں سے باہر سوچ ہی نہیں سکتے۔ وہ چاہتے ہیں کہ ان کو دنیا سے متمتع ہونے کی پوری آزادی حاصل رہے، اگر وہ دین وشریعت کے حلقہ بگوش ہوجاتے ہیں، تو ان کی اس نفسانی خواہش پر قدغن (روک) لگتا ہے۔ اس لئے وہ رسول اللہ ﷺ کی دعوت اور قرآن پاک کے پیغام کو رد کرنے کے لئے اعتراضات کرتے ہیں، اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں:— جولوگ دنیوی زندگانی اور اس کی رونق کے طلبگار ہیں: ہم دنیا میں ان تک ان کے کاموں کا پورا بدلہ پہنچادیتے ہیں۔ اور وہ دنیا میں کچھ کمی نہیں کئے جاتے — یعنی جولوگ دنیا کی چندروزہ زندگی اوراس کی فانی ٹیپ ٹاپ ہی کو مقصود زندگی بنائے ہوئے ہیں، اوراس کی وجہ سے قرآن پاک پر ایمان نہیں لاتے، اوراس کے بتلائے ہوئے راستہ پر چلنے کے لئے آمادہ نہیں: ان کی کوششوں کا پورا پھل دنیا ہی میں ان کو دے دیا جاتا ہے۔ دنیا میں ان کے لئے کچھ کمی نہیں ہوتی مگر — یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے

(۱) مَنْ موصولہ شرط کے معنی کو متضمن ہے۔ اور جواب نُوَفِّ ہے (۲) كَانَ يُرِيْدُ ماضی استمراری ہے (۳) وَفّٰی تَوْفِيَةً حرف جر کے بغیر متعدی ہوتا ہے اور یہاں اِلٰی کے ذریعہ تعدیہ اَوْصَلَ کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے ہے (روح) (۴) مضاف محذوف ہے ای أجود اعمالِهِمْ (روح)

آخرت میں بجز آگ کے کچھ نہیں — کیونکہ انھوں نے نہ تو آخرت کو مانا ہے، نہ اس کے لئے کوئی تیاری کی ہے۔ بلکہ دنیا پرستی میں اندھے بن کر نہ جائز دیکھا ہے نہ ناجائز۔

آدمی جب اپنے آپ کو اللہ پاک کے سامنے جواب دہ نہیں سمجھتا، اور حساب دینے کا اندیشہ نہیں رکھتا، بلکہ زندگی بس اسی دنیا کی زندگی کو سمجھ لیتا ہے۔ تو اس کی پوری زندگی غلط ہو کر رہ جاتی ہے اور وہ دنیا میں شتر بے مہار اور بے نتھی کا بیل بن جاتا ہے۔ ایسے شخص کی سزا جہنم کے سوا کیا ہو سکتی ہے؟ — اور جو کچھ انھوں نے دنیا میں بنایا تھا وہ سب برباد ہوا — ان کی زندگی بھر کی کوششیں اور جاہ و حشمت، مال و دولت اور کروفر موت کی آخری ہچکی کے ساتھ رخصت ہوا — اور وہ جو کچھ کیا کرتے ہیں وہ سب ملیا میٹ ہو گیا — یعنی دنیا پرستوں نے جو نیکیاں کی تھیں، وہ بھی آخرت میں خراب گئیں۔ کچھ کام نہ آئیں۔ کیونکہ اعمال کی روح ایمان ہے۔ ایمان کے بغیر اعمال بے حقیقت ہیں وہ وقت پر بھلا کیا کام آسکتے ہیں؟

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰی بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓی اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۗ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٧﴾

اَفَمَنْ (۱)	کیا پس جو شخص	شَاهِدٌ	ایک گواہ	اِمَامًا (۶)	پیشوا
كَانَ	ہے	مِّنْهُ (۴)	اس سے	وَّرَحْمَةً	اور مہربانی (کیا اس
عَلٰی بَيِّنَةٍ (۲)	قوی دلیل پر	وَمِنْ قَبْلِهٖ (۵)	اور اس کے پہلے ہے		کے برابر ہے جو ایسا
مِّنْ رَّبِّهٖ	اس کے رب کی طرف سے	كِتٰبُ	کتاب		نہیں؟
وَيَتْلُوْهُ (۳)	اور اس کے پیچھے ہے	مُوْسٰی	موسیٰ کی	اُولٰٓئِكَ (۷)	وہ لوگ

(۱) ہمزہ استفہام: استخبار کے لئے ہے، یعنی کسی چیز کے متعلق کوئی بات دریافت کرنے کے لئے ہے، پھر وہ تسویہ کے لئے ہے، یعنی دو چیزوں کے درمیان برابری ثابت کرنے کے لئے ہے، جب وہ اثبات میں ہوتا ہے تو نفی کرتا ہے، یعنی جواب منفی ہوتا ہے ...... اور فاء عاطفہ ہے، **من كان يريد الحيوة الدنيا** پر عطف ہے ...... اور مَن: موصولہ عام ہے، اس لئے آگے **أولئك** (اسم اشارہ جمع) آیا ہے، پس تقدیر عبارت ہے: **اَفَمَنْ كَانَ كَذٰلك كَمَنْ ليس كذلك**؟ اور جواب: **لا**: ہے، یعنی دونوں شخص برابر نہیں (۲) بَيِّنَةٍ کی تنوین تعظیم کی ہے اور اس سے مراد قرآن ہے (۳) تَلَا (ن) تِلْوًا: پیچھے چلنا، ساتھ ساتھ رہنا (۴) مِنْهُ: کائن محذوف سے متعلق ہو کر شَاهِدٌ کی صفت ہے، اور ضمیر کا مرجع قرآن ہے۔ (۵) مِنْ قَبْلِهٖ کی ضمیر کا مرجع بھی قرآن ہے (۶) اِمَامًا اور رَحْمَةً: کتاب کے احوال ہیں (۷) اُولٰٓئِكَ کا مشارٌ الیہ مَنْ ہے، وہ معنیً جمع ہے۔

یُؤْمِنُوْنَ	مانتے ہیں	مَوْعِدُهٗ (۲)	اس کے وعدے کی جگہ ہے	مِنْ رَّبِّكَ	تیرے پروردگار کی
بِهٖ	اس (بات) کو	فَلَا تَكُ (۳)	پس نہ ہوتو		طرف سے
وَمَنْ	اور جو	فِيْ مِرْيَةٍ	کسی شک میں	وَلٰكِنَّ	لیکن
يَّكْفُرْ	نہیں مانتا	مِّنْهُ	اس (قرآن) کے بارے	اَكْثَرَ	اکثر
بِهٖ	اس (قرآن) کو		میں	النَّاسِ	لوگ
مِنَ الْاَحْزَابِ (۱)	گروہوں میں سے	اِنَّهُ	بے شک وہ (قرآن)	لَا يُؤْمِنُوْنَ	ایمان نہیں لاتے
فَالنَّارُ	تو دوزخ	الْحَقُّ	برحق ہے	❁	❁

ایک جامع آیت، جس میں تین باتیں ہیں

یہ آیت اہم ہے اور گذشتہ آیت سے مربوط ہے، گذشتہ آیت میں ان لوگوں کا بیان تھا جو دنیوی زندگی اور اس کی رونق کے طلب گار ہیں، اور اس آیت میں تین باتیں ہیں:

۱- قرآن پر ایمان لانے والے اور نہ لانے والے یکساں نہیں، اور ضمناً قرآنِ کریم کی حقانیت کے داخلی اور خارجی شواہد ہیں۔

۲- مذاہبِ عالَم میں سے جو بھی قرآن پر ایمان نہیں لائے گا جہنمی ہوگا۔

۳- قرآنِ کریم اللہ کی برحق کتاب ہے، پس اس پر بے کھٹک ایمان لاؤ۔

پہلی بات: سوال کیا ہے جس کا جواب بالکل واضح ہے، بتاؤ، جو قرآن پر ایمان لایا ہے اور جو ایمان نہیں لایا، دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ جواب یہ ہے کہ نہیں ہو سکتے، کیونکہ دونوں کا انجام مختلف ہے۔

اور ضمناً یہ بات بیان کی ہے کہ جو ایمان لایا ہے: وہ کیوں لایا ہے؟ جواب یہ ہے کہ قرآن کی حقانیت کی داخلی اور خارجی دلیلیں موجود ہیں:

داخلی دلیل: قرآن کی فصاحت وبلاغت ہے، اس کے مانند کوئی نہیں بنا سکتا، اور اس میں انسانوں کے لئے ہمہ گیر احکام ہیں، جو خالق کائنات کے علاوہ کوئی نہیں دے سکتا۔

خارجی دلیل: تورات کی تصدیق ہے، تورات قرآنِ کریم کے بعد اللہ کی سب سے اہم کتاب ہے، وہ بنی اسرائیل کے لئے پیشوا اور رحمت تھی، اس نے قرآن کی خبر دی ہے، پس جو قرآن پر ایمان لایا ہے وہ پکی بات پر ایمان لایا ہے۔

(۱) الأحزاب سے تمام مذاہبِ عالَم مراد ہیں (۲) مَوْعِد: ظرف مکان ہے۔ (۳) فلا تک: دراصل فلاتکن تھا، تخفیفاً نون حذف ہوا ہے۔

دوسری بات: اور جب قرآن کی صداقت ثابت ہوگئی تو جو بھی مذاہب عالم میں سے اس پر ایمان نہیں لائے گا: جہنمی ہوگا، اور جنتی اور جہنمی برابر نہیں ہوسکتے، اس طرح پہلے سوال کا جواب دوسری بات سے نکل آیا۔

تیسری بات: جب قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کی برحق کتاب ہے تو لوگوں کو چاہئے کہ اس پر بے کھٹک ایمان لائیں اور جنت کے حقدار بنیں۔

آیتِ کریمہ: (پہلی بات:) کیا پس جو شخص قوی دلیل پر ہے اپنے پروردگار کی جانب سے — یعنی قرآنِ کریم پر ایمان لایا ہے، جو کہ قوی برہانِ رب ہے — اور اس کے ساتھ ہے ایک گواہ اسی سے — یعنی اس کی فصاحت اور اس کے احکام کی ہمہ گیری جو اس کی حقانیت کی داخلی دلیل ہے — اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب (تورات) ہے، جو پیشوا اور مہربانی ہے اور وہ لوگ (یہود) اس کو مانتے ہیں — یعنی یہود کو خواہی نخواہی اقرار کرنا پڑتا ہے کہ تورات نے قرآن کی خبر دی ہے، پس یہ خارجی دلیل ہے، یہاں سوال پورا ہوا کہ کیا ایسی پکی دلیل پر ایمان لانے والے اور ایمان نہ لانے والے برابر ہوسکتے ہیں؟

(دوسری بات:) اور گروہوں (مذاہبِ عالم) میں سے جو اس (قرآن) کو نہیں مانتا تو اس کے وعدے کی جگہ جہنم ہے — اس دوسری بات سے سوال کا باقی حصہ نکل آیا اور جواب بھی۔

(تیسری بات:) پس تو اس (قرآن) کے بارے میں کسی شک میں مت پڑ، بے شک وہ (قرآن) تیرے پروردگار کی طرف سے برحق ہے، لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے!

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰي رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰي رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۸﴾ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۭ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ اُولٰۗىِٕكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَاۗءَ ۘ يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ۭ مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ﴿۲۰﴾ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۱﴾ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴿۲۲﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

وَ اَخۡبَتُوۡۤا اِلٰی رَبِّہِمۡ ۙ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ ۚ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۲۳﴾ مَثَلُ الۡفَرِیۡقَیۡنِ کَالۡاَعۡمٰی وَ الۡاَصَمِّ وَ الۡبَصِیۡرِ وَ السَّمِیۡعِ ؕ ہَلۡ یَسۡتَوِیٰنِ مَثَلًا ؕ اَفَلَا تَذَکَّرُوۡنَ ﴿۲۴﴾ ع ۲

وَمَنۡ	اور کون ہے	اَلَا لَعۡنَۃُ	سنو! پھٹکار ہے	وَمَا کَانَ	اور نہیں تھا
اَظۡلَمُ (۱)	بڑا ظالم	اللّٰہِ	خدا (کی)	لَہُمۡ	ان کے لئے
مِمَّنِ	اس شخص سے جو	عَلَی الظّٰلِمِیۡنَ	ظالموں پر	مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ	اللہ پاک کے سوا
افۡتَرٰی	گھڑے	الَّذِیۡنَ	جو کہ	مِنۡ اَوۡلِیَآءَ (۳)	کوئی حامی
عَلَی اللّٰہِ	اللہ تعالیٰ پر	یَصُدُّوۡنَ	روکتے ہیں	یُضٰعَفُ	دوہرا کیا جائے گا
کَذِبًا	جھوٹ؟	عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ	خدا کی راہ سے	لَہُمُ	ان کے لئے
اُولٰٓئِکَ	یہ لوگ	وَیَبۡغُوۡنَہَا	اور چاہتے ہیں وہ اس کو	الۡعَذَابُ	عذاب
یُعۡرَضُوۡنَ	پیش کئے جائیں گے	عِوَجًا (۲)	ٹیڑھا کرنا	مَا	نہیں
عَلٰی رَبِّہِمۡ	اپنے رب کے سامنے	وَہُمۡ	اور وہ	کَانُوۡا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ	طاقت رکھتے وہ
وَیَقُوۡلُ	اور کہیں گے	بِالۡاٰخِرَۃِ	آخرت کے	السَّمۡعَ	سننے کی
الۡاَشۡہَادُ	گواہ	ہُمۡ کٰفِرُوۡنَ	بھی منکر (ہیں)	وَمَا	اور نہیں
ہٰۤؤُلَآءِ	یہ لوگ ہیں	اُولٰٓئِکَ	یہ لوگ	کَانُوۡا یُبۡصِرُوۡنَ	دیکھتے تھے وہ
الَّذِیۡنَ	جنھوں نے	لَمۡ یَکُوۡنُوۡا	نہیں تھے وہ	اُولٰٓئِکَ	یہ لوگ ہیں
کَذَبُوۡا	جھوٹ باندھا	مُعۡجِزِیۡنَ	عاجز کرنے والے	الَّذِیۡنَ	جنھوں نے
عَلٰی رَبِّہِمۡ	اپنے رب پر	فِی الۡاَرۡضِ	زمین میں	خَسِرُوۡۤا	گھاٹے میں ڈالا

(۱) اَظۡلَمُ اسم تفضیل ہے ظُلۡمٌ سے، ظلم کے معنی ہیں ناانصافی۔ امام راغب نے لکھا ہے کہ ظلم تین طرح کا ہوتا ہے ۱-: وہ ناانصافی جو انسان اللہ پاک کے حق میں کرتا ہے۔ اس قسم میں سب سے بڑی ناانصافی کفر وشرک اور نفاق ہے ۲-: وہ ناانصافی جو انسان آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ کرتے ہیں ۳-: وہ ناانصافی جو انسان اپنے نفس کے ساتھ کرتا ہے۔ یہاں پہلی قسم مراد ہے (۲) عَوِجَ (س) عَوَجًا اور عِوَجًا کج ہونا۔ ٹیڑھا ہونا —— جو کجی آنکھوں سے نظر آئے اس کے لئے عَوَج بالفتح آتا ہے اور جو عقل وشعور سے سمجھ میں آئے، آنکھ سے نظر نہ آئے اس کے لئے عِوَج بکسر العین آتا ہے۔ اور سبیل کا وصف، مصدر سے مبالغۃً لایا گیا ہے جیسے زَیۡدٌ عَدۡلٌ. (۳) مِنۡ زائدہ نفی کی تاکید کے لئے آیا ہے۔

اَنۡفُسَهُمۡ	اپنے آپ کو	اِنَّ الَّذِيۡنَ	بے شک جو لوگ	الۡفَرِيۡقَيۡنِ	دونوں فریقوں (کی)
وَضَلَّ	اور کھویا گیا	اٰمَنُوۡا	ایمان لائے	كَالۡاَعۡمٰى	جیسے اندھا
عَنۡهُمۡ	ان سے	وَعَمِلُوا	اور کئے انھوں نے	وَالۡاَصَمِّ	اور بہرہ
مَّا	(وہ سب کچھ) جو	الصّٰلِحٰتِ	نیک کام	وَالۡبَصِيۡرِ	اور بینا
كَانُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ	گھڑا کرتے تھے وہ	وَاَخۡبَتُوۡۤا (۱)	اور فروتنی کی انھوں نے	وَالسَّمِيۡعِ	اور شنوا
لَا جَرَمَ	اس میں شک نہیں	اِلٰى رَبِّهِمۡ	اپنے پروردگار کے سامنے	هَلۡ يَسۡتَوِيٰنِ	کیا یکساں ہوسکتے ہیں
اَنَّهُمۡ	کہ وہ	اُولٰۤئِكَ	یہ لوگ		دونوں
فِى الۡاٰخِرَةِ	آخرت میں	اَصۡحٰبُ الۡجَـنَّةِ	جنت والے ہیں	مَثَلًا	حالت میں
هُمُ	وہی	هُمۡ فِيۡهَا	وہ اس میں	اَفَلَا	کیا پس نہیں
الۡاَخۡسَرُوۡنَ	سب سے زیادہ گھاٹے	خٰلِدُوۡنَ	ہمیشہ رہنے والے (ہیں)	تَذَكَّرُوۡنَ	سبق لیتے تم؟
	میں رہنے والے ہیں	مَثَلُ	مثال	۞	۞

مؤمنین اور منکرینِ قرآن کے انجام کا اختلاف

پچھلی آیت میں یہ مضمون آیا ہے کہ قرآن پاک کی تصدیق کرنے والے اور تکذیب کرنے والے کبھی برابر نہیں ہوسکتے، کیونکہ دونوں کا انجام مختلف ہے۔ اب ان آیتوں میں اسی اختلافِ انجام کا بیان ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں —— اور اس شخص سے بڑا ناانصاف کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ گھڑے؟—— مثلاً یہ کہے کہ اللہ پاک کے ساتھ الوہیت میں دوسرے بھی شریک ہیں، یا یہ کہے کہ اللہ پاک نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے نہ تو کوئی کتاب بھیجی ہے اور نہ کوئی رسول، یا خود تراشیدہ باتوں کو مذہب بنالے یہ سب باتیں اللہ پاک کے حق میں بڑی ناانصافی ہیں پس سنو! اس ناانصافی کا انجام—— یہ لوگ اپنے رب کے حضور میں پیش کئے جائیں گے—— یعنی محشر میں یہ لوگ علی رؤس الاشہاد اللہ کے سامنے پیش کئے جائیں گے۔ اور ان کی شرارتوں کے دفتر کھولے جائیں گے —— اور گواہی دینے والے (فرشتے) کہیں گے: ”یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب کے نام پر جھوٹ باندھا ہے“—— اور گواہیاں گزر جانے پر اعلان ہوگا کہ —— سنو! اللہ پاک کی پھٹکار ہے ظالموں پر!—— اس اعلان ہی سے سمجھ میں آجائے گا کہ ان کا انجام کیا ہونے والا ہے؟

(۱) اَخۡبَتَ کے اصلی معنی ہیں کشادہ اور پست زمین میں آنا اور اَخۡبَتَ اِلَى اللّٰهِ کے معنی ہیں عاجزی، تواضع، خشوع وخضوع اور فروتنی کرنا۔

آ گے ان ظالموں کا تعارف ہے جن پر وہاں خدا کی لعنت کا اعلان ہوگا فرماتے ہیں — جو لوگ اللہ پاک کی راہ سے روکتے ہیں — دوسروں کو بھی خدا کی راہ پر چلنے نہیں دیتے — اور خواہشمند رہتے ہیں وہ اس کی کجی کے — یعنی جو سیدھی راہ ان کے سامنے پیش کی جارہی ہے اسے پسند نہیں کرتے، بلکہ چاہتے ہیں کہ یہ راہ بھی ان کی خواہشاتِ نفس اور اوہام وتخیلات کے مطابق ٹیڑھی ہوجائے تو وہ اسے قبول کرلیں۔ ان کا مزاج ہی یہ واقع ہوا ہے:

اِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لاَيَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلاً، وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلاً (الاعراف۱۴۶)

ترجمہ: اگر وہ ہدایت کا راستہ دیکھیں تو اس کو اپنا طریقہ نہ بنائیں، اور اگر گمراہی کا راستہ دیکھیں تو اس کو اپنا طریقہ بنالیں۔

اور وہ آخرت کے بھی منکر ہیں — اور جو آخرت کے منکر ہوتے ہیں، وہ ہر وقت برائیوں میں سرشار رہتے ہیں۔ کیونکہ جب آدمی اللہ پاک کے سامنے اپنے آپ کو جواب دہ نہیں سمجھتا اور حساب دینے کا اندیشہ نہیں رکھتا، بلکہ زندگی بس اسی دنیا کی زندگی کو سمجھ لیتا ہے تو اس کی پوری زندگی غلط ہوکر رہ جاتی ہے۔ وہ نہایت برے اخلاق واوصاف والا آدمی ہوجاتا ہے، اور اللہ پاک کی زمین کو ظلم وفساد اور فسق وفجور سے بھر دیتا ہے اور ایسے شخص کی سزا جہنم کے سوا اور کیا ہوسکتی ہے؟!

یہ لوگ زمین میں (بھاگ کر) اللہ تعالیٰ کو عاجز کرنے والے نہیں — یعنی وہ اللہ کی گرفت سے بچ کر کہاں جائیں گے؟ ان کو کہیں ٹھکانا نہیں ملے گا — اور نہ ان کے لئے اللہ پاک کے سوا کوئی حامی ہوگا — یعنی اللہ پاک کو چھوڑ کر وہ جن معبودوں کی عبادت کرتے تھے وہ سب غائب ہوجائیں گے وقت پر کوئی کام نہیں آئے گا — دوگنا کیا جائے گا ان کے لئے عذاب — ایک عذاب تو خود گمراہ ہونے کا دوسرا عذاب دوسروں کو گمراہ کرنے کا اور اللہ پاک کے راستہ سے روکنے کا — وہ نہ سن سکتے تھے اور نہ دیکھتے تھے — یعنی دنیا میں ایسے اندھے، بہرے بنے ہوئے تھے کہ نہ حق بات کو سن سکتے تھے اور نہ خدائی نشانیوں کو دیکھ پاتے تھے — یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے آپ کو گھاٹے میں رکھا — کسی نے ان کا نقصان نہیں کیا — اور ان سے وہ سب کچھ کھویا گیا جو وہ گھڑا کرتے تھے — یعنی ان کے وہ سب نظریات پادر ہوا ہوگئے جو انھوں نے خدا، کائنات اور اپنی ہستی کے متعلق گھڑ رکھے تھے، اور وہ سب بھروسے جھوٹے ثابت ہوئے جو انھوں نے اپنے معبودوں اور سفارشیوں پر کر رکھے تھے۔ اور وہ تمام قیاسات غلط نکلے جو انھوں نے زندگی بعد الموت کے بارے میں قائم کئے تھے۔ پس — اس میں کوئی شک نہیں کہ آخرت میں وہی سب سے زیادہ گھاٹے میں رہنے والے ہیں۔

اب مؤمنین کا انجام سنئے! — جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کئے اور اپنے پروردگار کے سامنے فروتنی

کی، بالیقین یہ لوگ جنت والے ہیں، وہ اس میں سدا رہنے والے ہیں۔

اس آیت میں ہمارے غور کرنے کی چیز یہ ہے کہ اس میں جنتیوں کی لازمی صفات کے طور پر تین چیزوں کا ذکر فرمایا ہے، جس سے ان تینوں چیزوں کی اہمیت آشکارا ہوتی ہے ایک ایمان، دوسری عمل صالح اور تیسری عاجزی، تواضع، خشوع وخضوع اور فروتنی جو تمام عبادتوں کی روح ہے ـــــ پس جو جنت کا متمنی ہے، اور کون اس کا متمنی نہیں! اس کو چاہئے کہ ان تینوں چیزوں پر خاص دھیان دے۔

الحاصل دونوں فریقوں کا حال آپ نے پڑھ لیا، اب غور فرمائیے کہ جب دونوں کا طرزِ عمل مختلف ہے تو دونوں کا انجام کیسے یکساں ہوسکتا ہے؟ ـــــ دونوں فریقوں کی مثال جیسے اندھا، بہرہ اور بینا شنوا ـــــ یعنی پہلا فریق اندھا ہے، اس لئے اسے راہ نہیں سوجھتی اور بہرہ بھی ہے اس لئے نہ کسی ایسے شخص کی بات سنتا ہے جو اسے سیدھا راستہ بتا رہا ہو۔ اور دوسرا فریق بینا ہے خود بھی راستہ دیکھ رہا ہے۔ اور شنوا بھی ہے اس لئے واقفِ راہ کی ہدایت سے بھی فائدہ اٹھاتا ہے ـــــ کیا یہ دونوں حالت میں یکساں ہوسکتے ہیں؟ ـــــ کبھی نہیں! پہلا شخص کبھی منزلِ مقصود تک نہیں پہونچ سکتا۔ منزل تک دوسرا فریق ہی پہنچے گا ـــــ کیا پس تم نصیحت پذیر نہیں ہوتے؟ ـــــ کارے نہ کنی کز اں پشیماں شوی! (کف افسوس ملنا پڑے وہ کام ہرگز نہ کرو)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ ۡ اِنِّیْ لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۲۵﴾ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ ﴿۲۶﴾ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ ۚ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِیْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَاٰتٰىنِیْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّیَتْ عَلَیْكُمْ ؕ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَیٰقَوْمِ لَآ اَسْــَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مَالًا ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّیْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَیٰقَوْمِ مَنْ یَّنْصُرُنِیْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳۰﴾

وَلَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَاۤ اَقُوْلُ اِنِّیْ مَلَكٌ وَّلَاۤ اَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ تَزْدَرِیْۤ اَعْیُنُكُمْ لَنْ یُّؤْتِیَهُمُ اللّٰهُ خَیْرًا ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ ۚۖ اِنِّیْۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۳۱﴾

وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	الْمَلَاُ	سرداران قوم (نے)	وَمَا نَرٰىكَ	اور نہیں دیکھتے ہم
اَرْسَلْنَا	بھیجا ہم نے	الَّذِیْنَ	جنھوں نے	لَكُمْ	تمہارے لئے
نُوْحًا	نوح (علیہ السلام) کو	كَفَرُوْا	ان کی بات نہیں مانی	عَلَیْنَا	اپنے اوپر
اِلٰی قَوْمِهٖۤ	ان کی قوم کی طرف	مِنْ قَوْمِهٖ	ان کی برادری میں سے	مِنْ فَضْلٍ	کوئی برتری
اِنِّیْ	بے شک میں	مَا نَرٰىكَ	نہیں دیکھتے ہم تم کو	بَلْ	بلکہ
لَكُمْ	تمہارے لئے	اِلَّا بَشَرًا	مگر ایک انسان	نَظُنُّكُمْ	سمجھتے ہیں ہم تمہیں
نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ	صاف صاف خبردار	مِّثْلَنَا	اپنے جیسا	كٰذِبِیْنَ	جھوٹے
	کرنے والا ہوں	وَمَا نَرٰىكَ	نہیں دیکھتے ہم تم کو	قَالَ	کہا (نوح نے)
اَنْ لَّا (۱)	کہ نہ	اتَّبَعَكَ	(کہ) پیروی کی ہو	یٰقَوْمِ	(کہ) اے میری قوم
تَعْبُدُوْۤا	بندگی کرو تم		تمہاری	اَرَءَیْتُمْ	بتلاؤ
اِلَّا اللّٰهَ	مگر اللہ پاک (کی)	اِلَّا	مگر	اِنْ كُنْتُ	اگر ہوں میں
اِنِّیْۤ	تحقیق میں	الَّذِیْنَ	(ان لوگوں نے) جو	عَلٰی بَیِّنَةٍ	حجت پر
اَخَافُ	ڈرتا ہوں		کہ (ہیں)	مِّنْ رَّبِّیْ	اپنے رب کی طرف سے
عَلَیْكُمْ	تمہارے حق میں	هُمْ	وہ	وَاٰتٰىنِیْ	اور بخشی ہے اس نے
عَذَابَ	عذاب سے	اَرَاذِلُنَا	ہم میں نیچ		مجھے
یَوْمٍ اَلِیْمٍ	دردناک دن (کے)	بَادِیَ (۲)	سرسری	رَحْمَةً	رحمت
فَقَالَ	پس کہا	الرَّاْیِ	رائے والے	مِّنْ عِنْدِهٖ	اپنے پاس سے

(۱) اَنْ سے پہلے باء محذوف ہے، اور جملہ اَرْسَلْنَا سے متعلق ہے (۲) نَصبُ بَادِیَ عَلَی الظَّرفِ ای: وقت حدوث أول رأيهم (جلالين)

فَعُمِّيَتْ(۱)	پھر نہ سوجھی ہو وہ	مُّلٰقُوْا	ملاقات کرنے والے ہیں	وَلَآ اَقُوْلُ	اور نہیں کہتا میں
عَلَيْكُمْ	تمہیں	رَبِّهِمْ	اپنے رب (سے)	اِنِّيْ	کہ میں
اَنُلْزِمُكُمُوْهَا(۲)	(تو) کیا ہم اس کو تمہارے	وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ	مگر میں دیکھتا ہوں تم کو	مَلَكٌ	فرشتہ (ہوں)
	سر منڈھ دیں	قَوْمًا	ایسے لوگ	وَّلَآ اَقُوْلُ	اور نہیں کہتا میں
وَاَنْتُمْ	درانحالیکہ تم	تَجْهَلُوْنَ	(جو) جہالت پر اترے	لِلَّذِيْنَ	ان لوگوں کے بارے
لَهَا	اس سے		ہوئے ہو		میں جن کو
كٰرِهُوْنَ	نفرت کرنے والے (ہو)	وَيٰقَوْمِ	اور اے میری قوم!	تَزْدَرِيْٓ(۳)	حقیر سمجھتی ہے
وَيٰقَوْمِ	اے میری قوم!	مَنْ يَّنْصُرُنِيْ	کون بچائے گا مجھ کو	اَعْيُنُكُمْ	تمہاری آنکھیں
لَآ اَسْــَٔلُكُمْ	نہیں مانگتا میں تم سے	مِنَ اللّٰهِ	اللہ پاک کے عذاب سے	لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ	(کہ) ہرگز نہیں دیں
عَلَيْهِ	اس پر	اِنْ طَرَدْتُّهُمْ	اگر ہانک دوں میں ان کو		گے ان کو
مَالًا	کچھ مال	اَفَلَا	کیا پس نہیں	اللّٰهُ	اللہ پاک
اِنْ	نہیں (ہے)	تَذَكَّرُوْنَ	نصیحت پذیر ہوتے تم	خَيْرًا	بھلائی (ثواب)
اَجْرِيَ	میرا معاوضہ	وَلَآ اَقُوْلُ	اور نہیں کہتا میں	اَللّٰهُ	اللہ پاک
اِلَّا عَلَى اللّٰهِ	مگر اللہ پاک پر	لَكُمْ	تم سے	اَعْلَمُ	خوب جانتے ہیں
وَمَآ اَنَا	اور نہیں (ہوں) میں	عِنْدِيْ	(کہ) میرے پاس	بِمَا	جو کچھ (ہے)
بِطَارِدِ	ہانک دینے والا	خَزَآئِنُ	خزانے (ہیں)	فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ	ان کے دلوں میں
الَّذِيْنَ	(ان لوگوں کو) جو	اللّٰهِ	اللہ پاک (کے)	اِنِّيْٓ اِذًا	بے شک میں تب تو
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	وَلَآ اَعْلَمُ	اور نہیں جانتا میں	لَّمِنَ	یقیناً ناانصافی کرنیوالوں
اِنَّهُمْ	تحقیق وہ	الْغَيْبَ	غیب (کو)	الظّٰلِمِيْنَ	میں سے (ہو جاؤں گا)

(۱) عُمِّيَتْ: ماضی مجہول کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے عَمّٰی تَعْمِيَةً: پوشیدہ رکھنا، چھپا دینا نظروں سے اوجھل کر دینا (۲) نُلْزِمُكُمُوْهَا فعل مضارع صیغہ جمع متکلم ہے اور كُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر پہلا مفعول ہے اور ھَا دوسرا مفعول ہے اَلْزَمَ، اِلْزَامًا: چمٹانا، سر منڈھ دینا (۳) تَزْدَرِيْ: فعل مضارع صیغہ واحد مؤنث غائب ہے۔ اِزْدَرٰی اِزْدِرَاءً: حقیر سمجھنا۔ باب افتعال سے ہے، جس کی تاء دال سے بدل گئی ہے۔

پانچ انبیائے کرام کے واقعات

ا-ابوالبشر ثانی حضرت نوح علیہ السلام کی سرگذشت

اب یہاں سے پانچ انبیاء کرام کی سرگزشتیں شروع ہورہی ہے۔اور ترتیبِ بیان غالباً تاریخی ہے،یعنی اس سورت میں جس پیغمبر کی سرگزشت جس جگہ بیان ہوئی ہے غالباوہی اس کا تاریخی مقام ہے۔چنانچہ سب سے پہلی سرگزشت سیدنا نوح علیہ السلام کی ہے—— حضرت آدم علیہ السلام کے بعد آپ پہلے نبی ہیں جن کو رسالت سے نوازا گیا[1]۔آپ ابوالبشر ثانی یا آدم ثانی (یعنی انسانوں کے دوسرے باپ) ہیں۔اور انسانی گمراہی کی تاریخ کا آغاز بھی آپ ہی کی قوم سے ہوا ہے۔حق وباطل کی کشمکش اور مجرمین کی سزایابی کا سلسلہ بھی آپ کے زمانہ سے شروع ہوا ہے۔اس لئے قدرتی طور پر یہ تذکرہ آپ ہی کی سرگزشت سے شروع ہونا چاہئے۔

قرآن پاک کا عام اسلوب خطاب یہ ہے کہ وہ پہلے معقول دلائل اور دل کو لگنے والی نصیحتوں سے سمجھا تا ہے۔پھر واقعات وایام کے ذریعہ فہمائش کرتا ہے—— یہ سورت مکی دور کے آخر میں نازل ہوئی ہے۔جسکا مطلب یہ ہے کہ منکرین کو دس،گیارہ سال تک مسلسل سمجھایا گیا۔مگر وہ بجائے اسکے کہ اپنی گمراہیوں پر نظر ثانی کرتے،الٹے نبی پاک ﷺ کے دشمن ہوگئے،حالانکہ آپ کسی ذاتی غرض کیلئے نہیں،بلکہ انہی کے فائدے کیلئے جدوجہد فرمارہے تھے۔اس سورت میں ان لوگوں کو پانچ نبیوں کی سرگزشتوں کے عنوان سے وہ سب کچھ سنایا جارہاہے،جس کے حالات متقاضی تھے اور جس کا سورت کی موعظت سے تعلق ہے۔

قرآن عزیز کا اسلوب یہ بھی ہے کہ جب وہ کوئی تاریخی واقعہ بیان کرتا ہے تو اپنے مقصدِ ''وعظ وتذکیر'' کے پیش نظر واقعہ کی ان ہی جزئیات کو نقل کرتا ہے جو مقصد کے لئے ضروری ہیں۔ارشاد فرماتے ہیں—— اور البتہ واقعہ یہ ہے کہ ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف بھیجا (ان لوگوں سے آپ نے کہا:) ''بالیقین میں تمہارے حق میں صاف صاف خبردار کرنے والا ہوں،کہ اللہ پاک کے سوا کسی کی بندگی مت کرو،بالیقین میں تمہارے حق میں دردناک دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں!''—— یہی بات نبی پاک ﷺ کے ذریعہ اس سورت کے شروع میں کہلوائی گئی ہے—— ''درد ناک دن'' سے مراد وہ دن ہے،جس میں المناک اور دردانگیز حوادث کا وقوع ہوگا،قیامت کا دن ہو یا وہ دن ہو جس میں عذاب آئے۔

(۱) جس انسان پر خدا کی وحی نازل ہوتی ہے وہ ''نبی'' ہے اور جس کو نئی شریعت بھی عطا کی گئی ہو وہ ''رسول'' ہے۔

قوم کا جواب: ـــــ ان کی برادری کے ان سرداروں نے، جنھوں نے ان کی بات نہیں مانی، جواب دیا کہ: ''ہم تمہیں اپنے جیسا ہی ایک انسان سمجھتے ہیں!ـــــ یعنی تم بھی ہماری طرح انسان ہو، کھاتے پیتے ہو، چلتے پھرتے ہو، سوتے جاگتے ہو اور بال بچے رکھتے ہو۔ پھر آخر ہم کیسے مان لیں کہ تم اللہ پاک کی طرف سے پیغمبر مقرر ہو کر آئے ہو۔ بعینہٖ یہی اعتراض مکہ کے لوگ بھی رسول پاک ﷺ پر کرتے تھے۔ جس کا تذکرہ سورۃ الفرقان (آیت ۷) وغیرہ میں آیا ہے۔

دوسرا اعتراض: ـــــ اور ہم نہیں دیکھتے کہ ہم میں سے نیچ قوم کے سوا کسی نے تمہاری پیروی کی ہو، اور وہ بھی سرسری رائے سے!ـــــ یعنی آپ کے ساتھ ہے کون؟ حقیر و ذلیل کمتر لوگ! اگر تمہاری بات صحیح ہوتی تو قوم کے بڑے لوگ اس کو قبول کرتے، ان رذیل لوگوں کا قبول کرنا تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی بات ہی قبول کرنے کے لائق نہیں۔ دانشمندوں کو آپ کی دعوت کوئی اپیل نہیں کرتی ـــــ رہی ان نیچ لوگوں کی پیروی تو وہ اندھی تقلید ہے۔ یہ سطحی لوگ بے سوچے سمجھے اور بدون غور و تأمل کے ظاہری اور سرسری طور پر ایمان لے آئے ہیں۔ ان کا مان لینا تمہاری صداقت کی دلیل نہیں بن سکتا یہ نہ ذی رائے ہیں کہ ہماری طرح اپنی گرہ کی عقل سے کام لیں اور نہ ذی شعور ہیں کہ حقیقتِ حال کو سمجھیں ـــــ بلکہ ہم کو تو ان لوگوں سے گھن آتی ہے۔ یہ اور ہم ایک جگہ نہیں بیٹھ سکتے۔ اگر تم ان کو اپنے پاس سے نکال دو تو ہم تمہاری بات سنیں ـــــ یہ بھی وہی بات ہے جو مکہ کے لوگ نبی پاک ﷺ کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ ان کے ساتھ ہے کون؟ چند سر پھرے لڑکے! جنھیں دنیا کا کچھ تجربہ نہیں، یا پھر کچھ غلام اور ادنی طبقہ کے عوام جو عقل کے کورے اور اعتقاد کے بودے ہیں۔

تیسرا اعتراض: ـــــ اور ہم تمہارے اندر اپنے اوپر کوئی فضیلت نہیں دیکھتے، بلکہ ہم تم کو جھوٹا سمجھتے ہیں!ـــــ یعنی رسول کو تمام قوم کے مقابلہ میں کوئی نمایاں امتیاز حاصل ہونا چاہئے، مگر ہم تم میں کوئی سرخاب کا پر لگا ہوا نہیں دیکھتے۔ پھر کیوں کر ہم تمہاری صداقت کے قائل ہو جائیں؟ تم آخر کس چیز میں بڑھے ہوئے ہو کہ ہم تمہیں ''اللہ کا رسول'' مان لیں؟ بلکہ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ تم اور تمہارے ساتھی جھوٹے ہو، تم نے ایک بات بنائی اور چند بے وقوفوں نے ہاں میں ہاں ملائی تا کہ اس ملی بھگت سے اپنا الو سیدھا کر لو۔

(نوح علیہ السلام نے) فرمایا کہ: ''اے میرے برادری کے لوگو! اگر میں اپنے رب کی جانب سے حجت پر ہوں اور اس نے مجھے اپنے پاس سے رحمت بخشی ہے، پھر وہ تمہیں نہ سوجھی، تو بتلاؤ کیا ہم اس کو تمہارے سر منڈھ دیں حالانکہ تم اس سے نفرت کرنے والے ہو؟ـــــ یہ پہلے تیسرے اعتراض کا جواب دیا ہے۔ یعنی یہ صحیح ہے کہ پیغمبر کو عام انسانوں سے ممتاز ہونا چاہئے۔ لیکن وہ امتیاز مال و دولت، ملک اور حکومت اور دنیا کی ٹیپ ٹاپ میں نہیں ہوتا، بلکہ صریح آیات

ونشانات پیش کرنے سے اس کو امتیاز حاصل ہوتا ہے وہ وحی الٰہی اور دلائل ربانی کی روشنی میں صاف راستہ پر چلتا ہے۔اور دن رات خدا کی خصوصی رحمتیں اس پر بارش کی طرح برستی ہیں۔حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: یہ سب چیزیں مجھ میں کھلے طور پر موجود ہیں لیکن جس طرح اندھے کو سورج کی روشنی نظر نہیں آتی،تمہاری آنکھیں بھی اس نور الٰہی کے دیکھنے سے قاصر ہیں،تو کیا میں زبردستی مجبور کر کے تم سے اس نور اور رحمت کا اقرار کراؤں!

دوسرے اعتراض کا جواب:— اور اے میری قوم! میں تم سے اس پر کچھ مال نہیں مانگتا،میرا معاوضہ تو بس اللہ پاک پر ہے— یعنی میں تبلیغ کے کام کی کوئی تنخواہ تم سے نہیں مانگتا۔میں ایک بےغرض ناصح ہوں،اپنے کسی فائدے کے لئے نہیں،بلکہ تمہاری بھلائی کے لئے کوشاں ہوں۔نہ مجھے تمہارے مال کی طلب ہے نہ ضرورت،میں اپنی مزدوری اپنے پروردگار سے لوں گا۔میری نظر میں مالدار اور غریب دونوں برابر ہیں— اور میں ان لوگوں کو ہانک دینے والا نہیں جو ایمان لائے ہیں— یعنی اگر تم ان کے افلاس یا پیشہ کے حقیر وذلیل ہونے کی وجہ سے میری پیروی سے ناک بھوں چڑھاتے ہو تو خوب سمجھ لو کہ میں وہ نہیں ہوں جو دولتِ ایمان کے سرمایہ داروں کو ان کی ظاہری خستہ حالی کی وجہ سے جانوروں کی طرح دھکے دیکر نکال دوں!— یقیناً وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں— وہیں پتہ چلے گا کہ ان کے دلوں کی حالت کیا تھی۔مگر یہاں میں ظاہر حال کے خلاف کیوں کر سمجھ لوں کہ ان کا ایمان محض دکھاوے کا اور سرسری ہے؟ دلوں کو چیر کر دیکھنا میرا کام نہیں— ان کی قدر وقیمت جو کچھ ہے وہ ان کے رب کو معلوم ہے،اور اسی کے حضور جا کر وہ کھلے گی۔اگر یہ قیمتی ہیرے ہیں تو تمہارے ان کو نظروں سے گرا دینے کی وجہ سے وہ پتھر نہیں بن جائیں گے— ہاں میں تم کو ایسے لوگ دیکھ رہا ہوں جو جہالت پر اترے ہوئے ہیں!— تم جہالت وحماقت سے ان کے انجام پر نظر نہیں کرتے۔صرف ان کی ظاہری شکستگی اور خستہ حالی کو دیکھ کر ان کو حقیر سمجھتے ہو،اور ایسی مہمل درخواست کرتے ہو کہ ان کو ہٹا دیا جائے تو ہم تمہارے قریب آئیں— اور اے میری برادری کے لوگو! اگر میں ان کو ہانک دوں تو مجھ کو اللہ پاک (کی خفگی) سے کون بچائیگا؟— یعنی اگر تمہاری رعایت سے میں نے خدا کے مخلص بندوں کو دھکے دیدیئے تو اللہ کی سزا اور گرفت سے مجھے کون بچا سکے گا؟— تو کیا تم اتنی (موٹی) بات بھی نہیں سمجھتے؟

پہلے دو اعتراضوں کا جواب: اور میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ پاک کے خزانے ہیں،اور نہ میں غیب جانتا ہوں،اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں،اور نہ میں ان لوگوں کے بارے میں جن کو تمہاری نگاہیں حقیر سمجھتی ہیں کہتا ہوں کہ ہرگز ان کو اللہ پاک بھلائی نہیں دیں گے! اللہ پاک خوب جانتے ہیں،جو کچھ ان کے دلوں میں ہے۔تب تو ضرور میں ناانصافی کرنے والوں میں سے ہو جاؤں گا!

یہ مخالفین کے دونوں اعتراضوں کا جواب ہے، ان کا پہلا اعتراض تھا کہ تم ہم جیسے ایک انسان ہو، ہم سے کوئی امتیاز نہیں رکھتے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے جواب دیا کہ واقعی میں ایک انسان ہوں، فرشتہ نہیں ہوں، نہ خدا نے اپنے خزانے میرے تصرف واختیار میں دیدئے ہیں۔ نہ میں تمام غیب کی باتوں پر مطلع کیا گیا ہوں۔ میں نے کبھی بھی اس قسم کا کوئی دعویٰ نہیں کیا۔ میرا دعویٰ تو صرف یہ ہے کہ میں اللہ پاک کا رسول ہوں۔ اللہ پاک نے مجھے علم وعمل کا سیدھا راستہ دکھایا ہے، اس کی آزمائش تم جس طرح چاہو کرلو۔

ان کا دوسرا اعتراض تھا کہ تم پر جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ سب حقیر وذلیل لوگ ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہاری نظریں جن غریب، بے سرمایہ لوگوں کو حقیر وذلیل دیکھتی ہیں میں تمہاری طرح یہ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ پاک ان کو کوئی خیر اور بھلائی نہ دیں گے، خیر اور بھلائی کا تعلق مال ودولت اور پیشہ سے نہیں ہے؛ بلکہ انسان کے دل سے ہے، اور دلوں کا حال اللہ پاک ہی جانتے ہیں—— اگر میں بھی تمہاری طرح ان کو حقیر وذلیل سمجھنے لگوں تو میں ظالم ٹھہروں گا۔

ایک تجربہ کی بات:

تجربہ شاہد ہے کہ جاہ ومال کا ایک نشہ ہوتا ہے، جو بہت سی معقول اور صحیح باتوں کو سمجھنے اور قبول کرنے سے روک دیتا ہے۔ مگر معمولی آدمی کی نظر کے سامنے یہ رکاوٹیں نہیں ہوتیں، اس لئے وہ حق اور صحیح بات قبول کرنے میں سبقت کرتا ہے، اسی وجہ سے پیغمبروں پر اول ایمان لانے والے ہمیشہ غرباء اور فقراء ہی رہے ہیں۔ ہرقل شاہِ روم کے پاس جب نبی پاک ﷺ کا دعوتی والا نامہ پہنچا تھا تو اس نے تحقیق حال کے لئے عربوں کے ایک تجارتی قافلہ سے چند سوالات کئے تھے اس نے یہ بھی پوچھا تھا کہ اس مدعیٔ نبوت کی اتباع کرنے والے قوم کے کمزور اور غریب لوگ ہیں، یا وہ ہیں جو قوم کے بڑے کہلاتے ہیں۔ ابوسفیان نے بتلایا تھا کہ کمزور اور غریب لوگ ہیں۔ اس پر ہرقل نے کہا تھا کہ یہ سچے نبی ہونے کی علامت ہے۔ کیونکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا اول اول اتباع کرنے والے یہی کمزور اور غریب لوگ ہوتے ہیں۔

قَالُوْا یٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ اِنَّمَا یَاْتِیْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَا یَنْفَعُكُمْ نُصْحِیْۤ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ یُرِیْدُ اَنْ یُّغْوِیَكُمْ ؕ هُوَ رَبُّكُمْ ۫ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۴﴾

قَالُوْا	ان لوگوں نے کہا	قَالَ	جواب دیا (نوح نے)	اِنْ اَرَدْتُّ	اگر چاہوں میں
یٰنُوْحُ	اے نوح	اِنَّمَا	اس کے سوا نہیں کہ	اَنْ اَنْصَحَ	کہ خیرخواہی کروں میں
قَدْ	تحقیق	یَاْتِیْکُمْ	لے آویں گے تمہارے پاس	لَکُمْ	تمہاری
جٰدَلْتَنَا	جھگڑا کیا تو نے ہم سے	بِهٖ [1]	اس کو	اِنْ کَانَ	اگر ہو
فَاَکْثَرْتَ	پھر بہت کیا تو نے	اللّٰهُ	اللہ پاک	اللّٰهُ	اللہ پاک
جِدَالَنَا	ہمارے ساتھ جھگڑا	اِنْ شَآءَ	اگر چاہیں گے وہ	یُرِیْدُ	ارادہ کرتے
فَاْتِنَا	اب لے آ	وَمَآ اَنْتُمْ	اور نہیں (ہو) تم	اَنْ یُّغْوِیَکُمْ [2]	کہ بہکا دیں تمہیں
بِمَا [1]	جو کچھ	بِمُعْجِزِیْنَ	عاجز کرنے والے	هُوَ	وہ
تَعِدُنَآ	وعدہ کرتا ہے تو ہم سے	وَلَا	اور نہیں	رَبُّکُمْ	تمہارے پروردگار ہیں
اِنْ کُنْتَ	اگر ہے تو	یَنْفَعُکُمْ	فائدہ دے گی تم کو	وَاِلَیْهِ	اور انہی کی طرف
مِنَ الصّٰدِقِیْنَ	سچوں میں سے	نُصْحِیْٓ	میری خیرخواہی	تُرْجَعُوْنَ	پھیرے جاؤ گے تم

قوم نے عذاب مانگا؟

حضرت نوح علیہ السلام نے انتہائی کوشش کی کہ قوم سمجھ جائے اور رحمت الٰہی کے آغوش میں آ جائے، ساڑھے نو سو برس شب و روز کھلے چھپے انھیں نصیحت کرتے رہے، تبلیغ و تفہیم اور بحث و مناظرہ میں صدیاں گزر گئیں مگر قوم نے نہ مانا اور جس قدر اس جانب سے تبلیغ حق میں محنت ہوتی اسی قدر قوم کی جانب سے عناد بڑھتا، آخر میں تنگ آ کر —— ان لوگوں نے کہا: اے نوح! واقعہ یہ ہے کہ تم نے ہم سے جھگڑا کیا، اور بہت کر چکے تم ہم سے جھگڑا، اب اگر تم سچے ہو تو وہ (عذاب) لے آؤ جس کی تم ہمیں دھمکی دیتے ہو —— تاکہ یہ روز روز کا جھگڑا ختم ہو!

حضرت نوح علیہ السلام نے —— جواب دیا: "اس کو تو اللہ پاک ہی لائیں گے، اگر چاہیں گے، اور تم ان کو تھکانے والے نہیں! —— یعنی عذاب میرے قبضہ میں نہیں۔ اللہ پاک جس وقت اپنی حکمت کے موافق چاہیں گے نازل فرمائیں گے۔ اور تم اتنا بل نہیں رکھتے کہ اسے روک دو۔

اور میری خیرخواہی تمہارے کام نہیں آ سکتی، گو میں کیسی ہی تمہاری خیرخواہی کروں، جب کہ اللہ پاک نے تمہارے

(۱) دونوں جگہ باء صلہ کی ہے أتی به: لانا (۲) اِغْوَاءٌ سے فعل مضارع منصوب صیغہ واحد مذکر غائب ہے جس کے معنی ہیں گمراہ کرنا کج راہ کرنا۔

بھٹکا دینے کا اردہ کرلیا ہو—— یعنی اگر اللہ پاک نے تماری ہٹ دھرمی اور خیر سے بے رغبتی دیکھ کر یہ فیصلہ کرلیا ہو کہ تمہیں راست روی کی توفیق نہ دیں، اور جن راہوں میں تم خود بھٹکنا چاہتے ہو انہی میں تمہیں بھٹکتا چھوڑ دیں تو اب تمہاری بھلائی کے لئے میری کوشش کارگر نہیں ہوسکتی:

تہی دستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل ❁ کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

(ترجمہ) قسمت کے بھٹکے ہوؤں کو رہبر کامل سے کیا حاصل؟ حضرت خضر کی رفاقت کے باوجود سکندر آب حیات سے محروم ہی لوٹا!

وہی تمہارے پروردگار ہیں۔ اور انہی کی طرف تم پھیرے جاؤ گے—— پھر وہ تمہارے سارے کفر وعناد کی کسر نکال دیں گے۔

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۖ قُلْ إِنِ افْتَرَيْتُهُ فَعَلَيَّ إِجْرَامِي وَأَنَا بَرِيءٌ مِّمَّا تُجْرِمُونَ ﴿٣٥﴾ ع

اَمْ يَقُوْلُوْنَ	کیا یہ لوگ کہتے ہیں	قُلْ اِنِ	آپ فرمائیے اگر	اِجْرَامِيْ (۱)	میرا جرم کرنا
افْتَرٰىهُ	کہ اس نے اسے خود	افْتَرَيْتُهٗ	خود گڑھ لیا ہے میں نے	وَاَنَا	اور میں
	گڑھ کر اللہ کے نام پر		اس کو	بَرِيْٓءٌ	بری ہوں
	لگا دیا ہے؟	فَعَلَیَّ	تو مجھ پر (ہے)	مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ (۲)	تمہارے جرائم سے

نوح علیہ السلام اور نبی ﷺ کا معاملہ یکساں

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے جو اعتراضات اوپر ذکر ہوئے ہیں وہ صرف اسی قوم کے اعتراضات نہیں تھے۔ بلکہ مکہ کے مشرکین بھی وہی اعتراضات نبی پاک ﷺ پر کرتے تھے، اس وجہ سے جب نبی پاک ﷺ کی زبان مبارک سے مشرکین مکہ نے حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ سنا، تو کہنے لگے کہ محمدؐ نے یہ قصے خود بنا کر اس لئے پیش کئے ہیں کہ ہم پر چسپاں کریں، یعنی جو چوٹیں وہ ہم پر براہِ راست نہیں کرسکتے تھے ان کے لئے ایک قصہ گڑھتے ہیں تاکہ گفتہ آید در حدیثِ دیگراں ہم پر چوٹ کریں۔ اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں:—— کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس نے—— یعنی محمد ﷺ نے—— اسے—— یعنی نوح علیہ السلام کے اس واقعہ کو—— گھڑ کر اللہ پاک کے نام لگا دیا ہے،؟ آپ فرمائیے کہ اگر اسے میں نے خود گڑھ لیا ہے تو مجھ پر میرے جرم کی ذمہ داری ہے۔ اور میں تمہارے جرم کی ذمہ داری سے بری ہوں

(۱) اِجْرَام مصدر ہے باب افعال کا اور مضاف ہے یاءِ متکلم کی طرف (۲) مَا مصدریہ ہے (روح)

—— یعنی اگر یہ داستان میں نے گڑھ کر اللہ پاک کی طرف منسوب کر دی ہے، تو اپنے جرم کا میں ذمہ دار ہوں۔ اور اس کی سزا مجھی کو بھگتی ہوگی لیکن اگر ایسا نہیں ہے، بلکہ اللہ پاک کی طرف سے یہ قصہ بیان ہو رہا ہے۔ تو پھر جس جرم کا تم ارتکاب کر رہے ہو اس کی ذمہ داری تم پر ہے، مجھ پر اس کی کچھ ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔

آیت پاک کا یہ مطلب شانِ نزول کے اعتبار سے ہے۔ اور یَقُوْلُوْنَ اور قُلْ کی دلالت اس مطلب پر نہایت صاف ہے۔ مگر اس آیت کو اس محل میں اس لئے بھی رکھا گیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے بھی یہی بدگمانی کی تھی۔ یعنی جب قوم نے عذاب کا مطالبہ کیا اور حضرت نوح علیہ السلام نے جواب دیا کہ اس کو تو اللہ پاک ہی لائیں گے، اگر چاہیں گے، تو قوم نے کہا: دیکھو نوح اب کنی کاٹ رہا ہے۔ جس سے یقین ہوتا ہے کہ وہ جن باتوں کو اللہ پاک کی طرف منسوب کرتا ہے وہ سب اس کی گھڑنت تھی ورنہ چاہئے تھا کہ عذاب لے آتا۔ اللہ پاک نے ان کو نوح علیہ السلام کی زبان سے یہ جواب دیا کہ ان سے کہو: ”اگر اسے میں نے خود گڑھ لیا ہے تو مجھ پر میرے جرم کی ذمہ داری ہے، پس مجھی کو اس کی سزا بھگتنی ہوگی، مگر بصورتِ دیگر تم اپنی خیر مناؤ، میں تمہارے جرم کی ذمہ داری سے بری ہوں“

خلاصہ یہ کہ آیتِ پاک کا تعلق نوح علیہ السلام کے واقعہ سے بھی ہے اور حضور اکرم ﷺ کے حالات سے بھی، اس لئے شانِ نزول کی رعایت سے یَقُوْلُوْنَ اور قُلْ فرمایا۔ قَالُوْا اور قَالَ نہیں فرمایا۔ اور نوح علیہ السلام کے قصہ میں ان کی قوم کے سوالات کی فہرست میں اس آیت کو جگہ دے کر دوسرا مطلب اخذ کیا گیا—— یہ بات میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تفسیر سے سمجھی ہے۔ اگر ان کی تفسیر نہ ہوتی تو ہم اس کا صاف مطلب یہی سمجھتے کہ اس کا تعلق صرف حضور اکرم ﷺ کے حالات سے ہے۔

وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ ۟ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ۭ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۳۹﴾

وَاُوْحِيَ	اور وحی کی گئی	اِلٰى نُوْحٍ	نوح (علیہ السلام) کی طرف	اَنَّهٗ [1]	(کہ) شان یہ ہے کہ

(۱) ہٗ ضمیر شان ہے جو اَنَّ کا اسم ہے اور جملہ لَنْ يُّؤْمِنَ اس کی خبر ہے۔

لَنۡ	ہرگز نہیں	ظَلَمُوۡا (۲)	ناانصافی کی	فَاِنَّا	تو البتہ ہم
یُّؤۡمِنَ	ایمان لائیں گے	اِنَّهُمۡ	تحقیق وہ لوگ	نَسۡخَرُ	ٹھٹھا کرتے ہیں
مِنۡ قَوۡمِكَ	آپ کی قوم میں سے	مُّغۡرَقُوۡنَ	ڈبو دیئے گئے (ہیں)	مِنۡكُمۡ	تمہارے ساتھ
اِلَّا مَنۡ	مگر جو	وَيَصۡنَعُ	اور بنانے لگے وہ	كَمَا	جیسا
قَدۡ اٰمَنَ	تحقیق ایمان لا چکے	الۡفُلۡكَ	کشتی	تَسۡخَرُوۡنَ	تم ٹھٹھا کرتے ہو
فَلَا تَبۡتَئِسۡ (۱)	پس نہ غم کھایئے	وَكُلَّمَا	اور جب کبھی	فَسَوۡفَ	پس عنقریب
بِمَا	(ان کاموں پر) جو	مَرَّ	گزرتا	تَعۡلَمُوۡنَ	جان لوگے تم
كَانُوۡا يَفۡعَلُوۡنَ	کیا کرتے تھے وہ	عَلَيۡهِ	ان پر	مَنۡ (۳)	اس شخص کو
وَاصۡنَعِ	اور بنایئے	مَلَاٌ	کوئی رئیس گروہ	يَّاۡتِيۡهِ	(کہ) آئے گا اس پر
الۡفُلۡكَ	کشتی	مِّنۡ قَوۡمِهٖ	ان کی قوم کا	عَذَابٌ	(ایسا) عذاب
بِاَعۡيُنِنَا	ہماری آنکھوں کے سامنے	سَخِرُوۡا	(تو) ہنسی کرتا ہے وہ	يُّخۡزِيۡهِ	(جو) رسوا کردے
وَوَحۡيِنَا	اور ہماری وحی (کے	مِنۡهُ	اس سے		گا اس کو
	مطابق)	قَالَ	کہا اس نے	وَيَحِلُّ	اور اتر پڑے گا
وَلَا تُخَاطِبۡنِىۡ	اور نہ گفتگو کیجئے مجھ سے	اِنۡ	اگر	عَلَيۡهِ	اس پر
فِى الَّذِيۡنَ	ان لوگوں کے بارے	تَسۡخَرُوۡا	تم ٹھٹھا کرتے ہو	عَذَابٌ	عذاب
	میں جنھوں نے	مِنَّا	ہمارے ساتھ	مُّقِيۡمٌ	اٹل

ظاہر بیں آدمی جس چیز کو دانشمندی سمجھتا ہے حقیقت شناس کی نظر میں وہ بے وقوفی ہوتی ہے

جب قوم کی ہدایت سے حضرت نوح علیہ السلام بالکل مایوس ہوگئے، اور قوم کی باطل کوشی، عناد اور ہٹ دھرمی آپ پر واضح ہوگئی، اور ساڑھے نو سو سال کی پیہم دعوت و تبلیغ کا لوگوں پر کوئی اثر نہ دیکھا تو آپ سخت ملول اور پریشان خاطر ہوئے، اللہ پاک نے آپ کی تسلی فرمائی:— اور نوح (علیہ السلام) پر وحی کی گئی کہ: ”آپ کی قوم میں سے ان لوگوں کے سوا جو واقعی

(۱) اِبۡتِئَاسٌ سے مضارع کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے، جس کے معنی ہیں غم کھانا، غمگین ہونا۔ اور اس پر لائے نہی داخل ہے اس لئے فعل نہی ہے (۲) آیت نمبر ۱۸ کے حاشیہ میں جو ظلم کی تین قسمیں بیان کی گئی ہیں ان میں سے یہاں پہلی قسم مراد ہے یعنی اللہ پاک کے حق میں کی جانے والی ناانصافی (۳) جملہ مَنۡ يَّاۡتِيۡهِ مفعول ہے تَعۡلَمُوۡنَ کا۔

ایمان لا چکے ہیں اور کوئی شخص ہر گز ایمان نہیں لائے گا پس جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں اس پر غم نہ کھایئے!—— جب حضرت نوح علیہ السلام کو یہ معلوم ہو گیا کہ ان کی دعوت و تبلیغ میں کچھ کوتاہی نہیں، بلکہ خود نہ ماننے والوں کی استعداد کا قصور ہے اور ان کی اپنی سرکشی کا نتیجہ ہے، تب آپ نے قوم کے لئے بددعا فرمائی۔ بارگاہِ خداوندی سے جواب آیا—— اور ہماری نگرانی میں، اور ہماری وحی کے مطابق کشتی بنایئے، اور کچھ گفتگو نہ کیجئے مجھ سے ان لوگوں کے بارے میں جنھوں نے ناانصافی کی، بالیقین وہ ڈبو دیئے گئے ہیں—— یعنی عنقریب پانی کا سخت طوفان آنے والا ہے، جس میں یہ سب ظالمین ومکذبین یقیناً ڈبو دیئے جائیں گے۔ ان کے حق میں اب فیصلہ نافذ ہو کر رہے گا۔ اس لئے آپ ایک کشتی تیار کریں تا کہ اس کے ذریعہ آپ اور مؤمنین اس عذاب سے محفوظ رہ سکیں—— اور چونکہ انسان کے ہاتھوں بننے والی یہ پہلی کشتی تھی اس لئے اس کی ہیئتِ ترکیبی وغیرہ کے بارے میں بذریعہ وحی ہدایت دی گئی اور نگرانی بھی رکھی گئی، تا کہ ٹھیک ٹھیک بنے—— اور حضرت نوحؑ کو خصوصی ہدایت یہ دی گئی کہ آپ کسی ظالم کی سفارش وغیرہ کے سلسلہ میں ہم سے کوئی بات نہ کریں، آنے والا عذاب بالکل اٹل ہے۔ اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔

① —— جب نبی کا پیغام کسی قوم کو پہنچ جاتا ہے تو اسے صرف اس وقت تک مہلت ملتی ہے جب تک اس میں کچھ بھلے آدمیوں کے نکل آنے کا امکان ہوتا ہے۔ مگر جب اس کے صالح اجزاء سب نکل آتے ہیں، اور وہ صرف فاسد عناصر ہی کا مجموعہ رہ جاتی ہے تو اللہ پاک پھر اس قوم کو کوئی مہلت نہیں دیتے اور ان کی رحمت کا تقاضا یہی ہوتا ہے کہ اس فاسد عضو کو کاٹ دیا جائے۔

② —— انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی امت کے حق میں شفیق باپ سے بھی زیادہ مہربان ہوتے ہیں۔ اس لئے امکان تھا کہ وہ وقت پر سفارش کرنے لگیں، اس لئے خصوصیت سے یہ ہدایت دی گئی کہ کسی ظالم کی سفارش نہ فرمائیں۔

اور وہ کشتی بنانے لگے—— کہتے ہیں کہ وہ سالہا سال میں تیار ہوئی تھی۔ کشتی کیا تھی ایک بڑا جہاز تھا، جس میں الگ الگ درجے تھے—— اور جب کبھی ان کے پاس سے ان کی قوم کا رئیس گروہ گزرتا تو وہ اس سے ہنسی کرتا—— وہ ہنس ہنس کر کہتے کہ بڑے میاں کی دیوانگی آخر کو یہاں تک پہنچی ہے کہ اب آپ خشکی میں جہاز چلائیں گے، اور آپس میں کہتے کہ اگر تمہیں پہلے اس شخص کے پاگل پن میں کچھ شبہ تھا تو لو اب اپنی آنکھوں سے دیکھ لو کہ یہ کیا حرکت کر رہا ہے! خشک زمین پر ڈوبنے کا بچاؤ کر رہا ہے—— اس کو سب جگہ عذاب ہی عذاب نظر آتا ہے! ان مذاق کرنے والوں سے—— آپؑ فرماتے: اگر تم ہم سے ٹھٹھا کرتے ہو تو واقعی ہم (بھی) تم سے ٹھٹھا کرتے ہیں ویسا ہی جیسا تم ٹھٹھا کرتے ہو—— یعنی ہمیں تمہاری جہالت اور بے خبری پر اور پھر تمہارے احمقانہ اطمینان پر الٹی ہنسی آتی ہے کہ شامت تمہارے سروں پر تلی کھڑی

ہے، میں تمہیں خبردار بھی کرچکا ہوں کہ وہ بس آیا ہی چاہتی ہے۔اور تمہاری آنکھوں کے سامنے اس سے بچنے کی تیاری بھی کررہا ہوں مگر تم مطمئن بیٹھے ہو، بلکہ الٹا مجھے دیوانہ سمجھ رہے ہو— یہ مطلب اس صورت میں ہے کہ نَسْخَرُ کا ترجمہ بصیغۂ حال کیا جائے۔اور اگر اس کو استقبال کے معنی میں لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ آج تم ہمیں احمق بتاتے ہو اور ہنستے ہو لیکن وہ زمانہ قریب ہے کہ اس کے جواب میں تمہاری حماقت اور سفاہت پر ہم کو ہنسنے کا موقع ملے گا جب تم اپنے جرائم کی پاداش میں سزایاب ہوؤگے— اور عنقریب تم اس شخص کو جان لوگے، جس پر ایسا عذاب آئے گا جو اس کو رسوا کر کے رکھ دے گا، اور جس پر اٹل عذاب اتر پڑے گا— یعنی اب زیادہ تاخیر نہیں، جلد آشکارا ہوجائے گا کہ دنیا کا رسوا کن عذاب اور آخرت کا دائمی عذاب کس پر نازل ہوتا ہے؟

> حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ۭ وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۴۰﴾ وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْــرٖ۪ىهَا وَمُرْسٰىهَا ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۱﴾

حَتّٰٓى (۱)	تا آنکہ	مِنْ كُلٍّ (۴)	ہر قسم میں سے	وَمَنْ	اور (ان لوگوں کو) جو
اِذَا جَآءَ	جب آگیا	زَوْجَيْنِ	جوڑا	اٰمَنَ	ایمان لائے
اَمْرُنَا	ہمارا حکم	اثْنَيْنِ	دو عدد	وَمَآ اٰمَنَ	اور نہیں ایمان لائے
وَفَارَ	اور ابل پڑا	وَاَهْلَكَ	اور اپنے گھر والوں کو	مَعَهٗٓ	اُن کے ساتھ
التَّنُّوْرُ (۲)	تندور	اِلَّا مَنْ	مگر جو	اِلَّا	مگر
قُلْنَا	(تو) کہا ہم نے	سَبَقَ	(کہ) پہلے ہوچکی	قَلِيْلٌ	تھوڑے
احْمِلْ	سوار کر لیجئے	عَلَيْهِ	اس پر	وَقَالَ	اور کہا نوح (علیہ السلام) نے
فِيْهَا (۳)	اس (کشتی) میں	الْقَوْلُ	بات		

(۱) حَتّٰی ابتدائیہ ہے۔یعنی ایسا حرف ہے جس کے بعد جملوں کی ابتدا ہوتی ہے چنانچہ جملہ جآء شرط ہے اور جملہ قُلْنَا جزاء ہے (۲) تنّور: تندور، روٹی پکانے کی بھٹی (۳) ھَا ضمیر الفلک کی طرف لوٹتی ہے اور ضمیر مؤنث اس وجہ سے لائی گئی ہے کہ فُلْکٌ بتاویل سَفِیْنَۃٌ ہے (۴) مِنْ تبعیضیہ ہے اور مضاف الیہ محذوف ہے أی: من کل صنف اور جار مجرور کا تعلق زَوْجَیْنِ سے ہے اور زَوْجَیْنِ مفعول ہے اِحْمِلْ کا اور اِثْنَیْنِ اس سے بدل ہے۔

اِرْكَبُوْا	کہ سوار ہو جاؤ تم	مَجْرٖىهَا(۲)	اس کا چلنا	رَبِّيْ	میرے پروردگار
فِيْهَا	اس (کشتی) میں	وَمُرْسٰىهَا(۳)	اور اس کا ٹھہرنا ہے	لَغَفُوْرٌ	البتہ بڑے بخشنے والے
بِسْمِ اللّٰهِ(۱)	نام سے اللہ (کے)	اِنَّ	تحقیق	رَّحِيْمٌ	بہت مہربان (ہیں)

جن کو بچانا تھا ان کو کشتی میں لے لیا

حضرت نوح علیہ السلام کشتی تیار کرتے رہے — یہاں تک کہ جب ہمارا حکم پہنچا — یعنی اللہ پاک کے وعدۂ عذاب کا وقت قریب آیا — اور تندور ابل پڑا — یعنی حضرت نوح علیہ السلام نے اس پہلی علامت کو دیکھ لیا، جس کا ذکر ان سے کیا گیا تھا(۴) یعنی ایک خاص تندور کے نیچے سے پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا — تو ہم نے فرمایا: "کشتی میں ہر قسم میں سے جوڑا یعنی دو عدد رکھ لیجئے" — یعنی جن جانوروں کی ضرورت ہے اور نسل باقی رہنی مقدر ہے ان میں سے ایک ایک جوڑا یعنی دو عدد (ایک نر ایک مادہ) کافی ہے۔ زیادہ رکھنے کی ضرورت نہیں — اور اپنے گھر والوں کو بھی بٹھا لیجئے۔ مگر وہ مستثنیٰ ہیں، جن کے بارے میں پہلے سے بات طے ہو چکی ہے — یعنی مقدر ہو چکا ہے کہ وہ ظالموں کے زمرہ میں داخل ہونے کی وجہ سے غرقاب کئے جائیں گے۔ جیسا کہ ابھی سینتیسویں آیت میں گزرا — اس سے نوح علیہ السلام کے بیٹے "یام" جس کا لقب "کنعان" تھا اور اس کی والدہ "واعلہ" کا استثنا کرنا مقصود ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے گھر والوں میں سے یہ دونوں علاحدہ رہے اور غرقاب ہوئے — اور ان لوگوں کو بھی بٹھا لیجئے جو ایمان لائے، اور نوح (علیہ السلام) کے ساتھ (اللہ تعالیٰ پر) بس تھوڑے ہی لوگ ایمان لائے تھے — جن کی صحیح تعداد قرآن پاک اور احادیث شریفہ میں مذکور نہیں، البتہ حضرت ابن عباسؓ نے ان کی تعداد اسّی (۸۰) بیان فرمائی ہے۔

اور کہا نوح نے: "سوار ہو جاؤ تم اس کشتی میں، اللہ پاک کے نام سے اس کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا ہے، بالتحقیق میرے رب واقعی بڑے بخشنے والے، بہت مہربانی فرمانے والے ہیں — حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: تم بنام خدا کشتی پر سوار ہو جاؤ، کچھ فکر مت کرو اس کا چلنا اور ٹھہرنا سب اللہ پاک کے اذن و حکم اور ان کے نام کی برکت سے

(۱) **بسم اللّٰہ** خبر مقدم ہے (۲) مَجْرٰی مصدر میمی ہے جَرَیٰ (ض) جَرْیًا سے اور ھَا کی طرف مضاف ہے حفص رحمہ اللہ کی قرأت میں یہاں امالہ ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ اگر راء کے بعد ایسا الف ہو جو یاء سے بدلا ہوا ہو، تو راء کی حرکت کو یاء کی طرف مائل کر کے پڑھتے ہیں۔ حضرت حفص رحمہ اللہ جن کی قرأت اس وقت تقریباً ساری دنیا میں پڑھی جاتی ہے۔ قرآن پاک میں صرف اس جگہ امالہ کرتے ہیں۔ باقی اور جگہ فَتح (امالہ کی ضد) کرتے ہیں (۳) مُرْسَا بھی مصدر میمی ہے اور ھَا کی طرف مضاف ہے (۴) دیکھئے سورۃ المؤمنون آیت ۲۷

ہے، غرقابی کا کوئی اندیشہ نہیں ہے، میرے پروردگار مومنین کی کوتاہیوں کو معاف فرمانے والے اور ان پر بیحد مہربانی فرمانے والے ہیں، وہ اپنے فضل وکرم سے صحیح سلامت رکھیں گے۔

مؤمن کی اصلی شان یہی ہوتی ہے۔ وہ عالم اسباب میں ساری تدبیریں اختیار کرتا ہے مگر اس کا بھروسہ ان تدبیروں پر نہیں ہوتا بلکہ اللہ پاک پر ہوتا ہے۔ وہ خوب سمجھتا ہے کہ اس کی کوئی تدبیر نہ تو ٹھیک شروع ہوسکتی ہے، نہ ٹھیک چل سکتی ہے اور نہ آخری مقصد تک پہنچ سکتی ہے جب تک اللہ پاک کا فضل اور ان کا رحم وکرم شامل حال نہ ہو۔

وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۣ وَنَادٰى نُوْحُ ابْنَهٗ وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۲﴾ قَالَ سَاٰوِيْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ ۭ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ﴿۴۳﴾

وَهِيَ	اور وہ (کشتی)	يٰبُنَيَّ (۳)	اے میرے پیارے بیٹے	مِنَ الْمَآءِ	پانی سے
تَجْرِيْ	بہہ رہی ہے	ارْكَبْ (۴)	سوار ہو جا	قَالَ	فرمایا (نوحؑ نے)
بِهِمْ	ان لوگوں کو لے کر	مَّعَنَا	ہمارے ساتھ	لَا عَاصِمَ	نہیں کوئی بچانے والا
فِيْ مَوْجٍ	لہروں میں	وَلَا تَكُنْ	اور نہ ہو تو	الْيَوْمَ	آج
كَالْجِبَالِ (۱)	پہاڑوں جیسی	مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ	کافروں کے ساتھ	مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ	اللہ پاک کے حکم سے
وَنَادٰى	اور آواز دی	قَالَ	جواب دیا (اس نے)	اِلَّا مَنْ (۷)	لیکن وہ شخص
نُوْحُ	نوح (علیہ السلام) نے	سَاٰوِيْٓ	ابھی پناہ لیتا ہوں میں	رَّحِمَ	(کہ) مہربانی فرمائی
ابْنَهٗ	اپنے بیٹے کو	اِلٰى جَبَلٍ (۵)	کسی (ایسے) پہاڑ کی		اس نے
وَكَانَ	درانحالیکہ وہ تھا		طرف	وَحَالَ	اور حائل ہو گئی
فِيْ مَعْزِلٍ (۲)	علاحدہ مقام میں	يَّعْصِمُنِيْ (۶)	(جو) بچالے گا مجھے	بَيْنَهُمَا (۸)	دونوں کے درمیان

(۱) کالجبال فی موضع الصفة لموج (روح) (۲) مَعْزِل ظرف مکان ہے: الگ جگہ (۳) التصغیر للشفقة (۴) با کا میم میں ادغام ہوا ہے اس لئے باء نہیں پڑھی جائے گی (۵) اِلٰی صلہ کا ہے اَوٰی (ض) اَوِيًّا واِوَاءً الی البیت ٹھکانا لینا، پناہ لینا (۶) جملہ يَعْصِمُنِیْ صفت ہے جَبَلٍ کی (۷) استثناء منقطع ہے أی: لکن مَن رحمهُ اللّٰه تعالیٰ ←

ڈوبے ہوؤں میں سے	مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ	پس تھا وہ	فَكَانَ	موج	الْمَوْجُ

نوح علیہ السلام کا ایک بیٹا ایمان نہیں لایا اور ڈوب مرا!

سب لوگ کشتی پر سوار ہو گئے اور اس اثنا میں پانی بڑھ گیا —— اور کشتی ان کو لئے ہوئے پہاڑوں جیسی لہروں میں بہہ رہی تھی —— یعنی کشتی پہاڑوں جیسی موجوں میں جھکولے کھاتی چلی جا رہی تھی کہ اچانک آپ کو اپنا لڑکا جس کا نام ''یام'' اور لقب '' کنعان'' تھا، کسی علحدہ مقام میں نظر آیا، جہاں وہ پناہ گزیں تھا —— اور نوح نے اپنے بیٹے کو، جو کسی علاحدہ مقام میں تھا، آواز دی: اے پیارے بیٹے! ہمارے ساتھ سوار ہو جا، اور کافروں کے ساتھ نہ رہ —— یعنی ان بد بخت کافروں کی معیت چھوڑ، ایمان لا، اور ہمارے ساتھ سوار ہو جا تا کہ طوفان سے نجات پا سکے —— کشتی میں سوار ہونے کے لئے چونکہ ایمان شرط تھا، پس یہ دعوت درحقیقت ایمان کی دعوت ہے کہ ایمان لا کر ہمارے ساتھ آ جا —— اس نے جواب دیا: ''میں ابھی کسی ایسے پہاڑ کی پناہ لیتا ہوں، جو مجھ کو پانی سے بچا لے گا'' —— یعنی میں پہاڑ پر چڑھ کر طوفان سے بچ جاؤں گا —— نوح نے فرمایا: ''آج اللہ کے حکم سے کوئی بچانے والا نہیں، ہاں جس پر وہی رحم فرمائیں!'' —— یعنی تو کس خبط میں پڑا ہے یہ معمولی سیلاب نہیں، عذابِ الٰہی کا طوفان ہے، پہاڑوں کی کیا حقیقت ہے، کوئی چیز آج عذاب سے نہیں بچا سکتی، ہاں اللہ پاک ہی کسی پر رحم فرمائیں تو وہ بچ سکتا ہے۔ اور اللہ پاک کی مہربانی آج صرف ایمانداروں کے لئے ہے۔ پس آج نجات کسی پہاڑ کی پناہ لینے سے ہرگز نہیں مل سکتی، بلکہ ایمان کی پناہ لینی ضروری ہے۔ پس اے پیارے بیٹے! ایمان لا اور آ جا —— باپ بیٹے کی یہ گفتگو ابھی پوری نہ ہونے پائی تھی کہ پانی کی ایک موج نے درمیان میں حائل ہو کر دونوں کو ہمیشہ کے لئے جدا کر دیا —— اور دونوں کے درمیان موج حائل ہو گئی، پس وہ ڈوبے ہوؤں میں شامل ہو گیا!

> وَقِيْلَ يٰۤاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾

اور اے آسمان	وَيٰسَمَآءُ	نگل جا	ابْلَعِيْ (۱)	اور کہا گیا	وَقِيْلَ
تھم جا	اَقْلِعِيْ (۲)	اپنا پانی	مَآءَكِ	اے زمین	يٰۤاَرْضُ

← فهو المرحوم (روح)(۸) ضمیر تثنیہ سے مراد باپ بیٹا ہیں۔

(۱) بَلَعَ (ف) بَلْعًا الشيئَ: نگلنا، فعل امر کا صیغہ واحد مؤنث حاضر ہے (۲) اَقْلِعِيْ بھی اِقْلَاع سے فعل امر صیغہ واحد مؤنث حاضر ہے اَقْلَعَ عن كذا: باز رہنا۔

وَغِيۡضَ (١)	اور کم کر دیا گیا	الۡاَمۡرُ	فیصلہ	وَقِيۡلَ	اور کہا گیا
الۡمَآءُ	پانی	وَاسۡتَوَتۡ (٢)	اور ٹھہر گئی کشتی	بُعۡدًا (٣)	لعنت ہو
وَقُضِىَ	اور چکا دیا گیا	عَلَى الۡجُوۡدِىِّ	جودی پر	لِّلۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ (٤)	ظالم لوگوں پر

جب طوفان تھم گیا تو کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہری

ایک مدت تک اس قدر پانی برسا گویا آسمان کے دہانے کھل گئے، اور زمین کے سُوتے ٹوٹ گئے، درخت اور پہاڑ تک پانی میں چھپ گئے اور کشتی ایک مدت تک اللہ پاک کی حفاظت میں پانی پر تیرتی رہی، اور تمام منکرین غرقاب ہو گئے اللہ پاک کے قانون جزاء کے مطابق سب اپنے کیفر کردار کو پہنچے —— اور حکم (خداوندی) آ گیا کہ: ”اے زمین اپنا پانی پی لے، اور اے آسمان تھم جا“ —— پھر کیا مجال تھی کہ دونوں تعمیل حکم میں لمحہ بھر کی تاخیر کرتے، چنانچہ پانی خشک ہونا شروع ہو گیا اور بادل تھم گئے —— اور پانی گھٹا دیا گیا اور فیصلہ چکا دیا گیا —— یعنی جو کام اللہ پاک نے چاہا تھا وہ پورا ہو چکا۔ اور کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی، اور اعلان کر دیا گیا کہ: ناانصافی کرنے والوں پر لعنت ہے!

اس آیت پاک کے ضمن میں چند باتیں سمجھ لینی چاہئیں:

(١) —— اس آیت میں اللہ پاک نے آسمان اور زمین کو خطاب کر کے حکم دیا ہے، اس پر شبہ ہوتا ہے کہ یہ تو ذی شعور مخلوق نہیں ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ:

خاک وباد وآب وآتش زندہ اند ❁ بامن وتو مردہ، باحق زندہ اند!

یعنی آگ پانی، ہوا، مٹی سب زندہ اور ذی شعور چیزیں ہیں، ہمارے حق میں، خواہ وہ مردہ اور غیر ذی شعور ہوں مگر اللہ پاک کی بہ نسبت وہ نہ صرف زندہ ہیں بلکہ ذی شعور بھی ہیں۔ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو اللہ پاک کی حمد وتسبیح نہ کرتی ہو، قرآن پاک میں اس کی صراحت ہے، اور ظاہر ہے کہ حمد وثنا اللہ پاک کی معرفت پر موقوف ہے۔ اور معرفت عقل وشعور پر۔ پس معلوم ہوا کہ ہر چیز میں اپنی استعداد کے مطابق عقل وشعور موجود ہے۔

---

(١) غِيۡضَ ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے غَاضَ (ض) المَاءَ پانی کم کرنا (٢) اِسۡتِوَاءٌ سے ماضی صیغہ واحد مؤنث غائب ہے اِسۡتَوَاءٌ کا استعمال جب علی کے ساتھ ہوتا ہے تو اس کے معنی استقرار (ٹھہرنا) اور ارتفاع (بلند ہونے اور چڑھنے) کے ہوتے ہیں۔ یہاں پہلے معنی مراد ہیں (٣) بُعۡدًا مفعول مطلق ہے فعل محذوف کا، جس کو محذوف رکھنا واجب ہے ای: بَعُدَ بُعۡدًا۔ اور بُعد ضد ہے قرب کی، موت، ہلاکت اور لعنت میں بھی چونکہ دوری ہوتی ہے اس لئے بُعۡد کے معنی ہلاکت، تباہی اور لعنت کے ہوتے ہیں (٤) لام صلہ کا ہے (روح)

(۲) —— جُودی پہاڑ کردستان میں واقع ہے۔اور آج بھی اسی نام سے مشہور ہے۔قدیم تاریخوں میں بھی کشتی کے ٹھہرنے کی یہی جگہ بتائی گئی ہے۔یہ پہاڑ حضرت نوح علیہ السلام کے وطن اصلی موصل (عراق) کے شمال میں جزیرہ ابن عمر کے قریب آرمینیہ کی سرحد پر واقع ہے۔

(۳) —— یہ طوفان عالمگیر طوفان تھا، یا اس خاص علاقہ میں آیا تھا جہاں حضرت نوح علیہ السلام کی قوم آباد تھی؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا فیصلہ آج تک نہیں ہوا۔ ہمیشہ اس سلسلہ میں دورائیں رہی ہیں۔محققین کی رائے یہ ہے کہ یہ طوفان تمام کرۂ ارضی پر نہیں آیا تھا، بلکہ صرف اس خطہ میں آیا تھا جہاں حضرت نوح علیہ السلام کی قوم آباد تھی ان کے نزدیک طوفان کے خاص ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اگر یہ طوفان عام ہوتا تو ضروری تھا کہ اس کے آثار کرۂ ارضی کے مختلف گوشوں میں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر پائے جاتے، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ نیز اس زمانہ میں انسانی آبادی بہت محدود تھی۔ ابھی حضرتِ آدم علیہ السلام کی اولاد کا سلسلہ زیادہ وسیع نہیں ہوا تھا۔ساری انسانی آبادی صرف ایک ہی خطہ میں بسی ہوئی تھی۔اس لئے اسی علاقہ میں عذاب کا طوفان آیا تھا، باقی کرۂ زمین کو اس سے کوئی علاقہ نہیں تھا۔

آج سے ہزاروں سال پہلے ایک قوم نے اللہ پاک کی نافرمانی کی، اور ان کے بھیجے ہوئے ہادی حضرت نوح علیہ السلام کے پیغام کو جھٹلایا، اور انکار پر اصرار کیا، تو اللہ پاک نے ان سرکشوں کو طوفان بادوباراں کی نذر کر دیا، اور حضرت نوح علیہ السلام اور مومنین کی مختصر جماعت کو محفوظ رکھ کر نجات دی۔﴿اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَعِبۡرَۃً لِّاُولِی الۡاَبۡصَارِ﴾

وَنَادٰی نُوۡحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابۡنِیۡ مِنۡ اَهۡلِیۡ وَاِنَّ وَعۡدَكَ الۡحَقُّ وَاَنۡتَ اَحۡكَمُ الۡحٰكِمِیۡنَ ﴿۴۵﴾ قَالَ یٰنُوۡحُ اِنَّهٗ لَیۡسَ مِنۡ اَهۡلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیۡرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسۡـَٔلۡنِ مَا لَیۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ ؕ اِنِّیۡۤ اَعِظُكَ اَنۡ تَكُوۡنَ مِنَ الۡجٰهِلِیۡنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیۡۤ اَعُوۡذُ بِكَ اَنۡ اَسۡـَٔلَكَ مَا لَیۡسَ لِیۡ بِهٖ عِلۡمٌ ؕ وَاِلَّا تَغۡفِرۡ لِیۡ وَتَرۡحَمۡنِیۡۤ اَكُنۡ مِّنَ الۡخٰسِرِیۡنَ ﴿۴۷﴾

وَنَادٰی	اور پکارا	نُوۡحٌ	نوح نے	رَّبَّهٗ	اپنے پروردگار کو

فَقَالَ	پس عرض کیا	مِنْ اَهْلِكَ	تیرے گھر والوں میں سے	بِكَ	آپ کی
رَبِّ (۱)	اے میرے رب!	اِنَّهٗ عَمَلٌ	بے شک وہ عمل	اَنْ (۴)	اس سے کہ
اِنَّ ابْنِیْ	بالتحقیق میرا بیٹا	غَیْرُ صَالِحٍ (۲)	غیر مفید (ہے)	اَسْئَلَكَ	درخواست کروں میں
مِنْ اَهْلِیْ	میرے گھر والوں میں	فَلَا	پس نہ		آپ سے
	سے ہے	تَسْئَلْنِ	درخواست کر تو مجھ سے	مَا لَیْسَ	اس بات کی (کہ) نہیں ہے
وَاِنَّ	اور بے شک	مَا	اس چیز کی	لِیْ	مجھے
وَعْدَكَ	آپ کا (کافروں کو	لَیْسَ	(کہ) نہیں (ہے)	بِهٖ	اس کے بارے میں
	ہلاک کرنے کا) وعدہ	لَكَ	تجھے	عِلْمٌ	کوئی علم
الْحَقُّ	بالکل سچا (ہے)	بِهٖ	اس کے بارے میں	وَاِلَّا (۵)	اور اگر نہ
وَاَنْتَ	اور آپ	عِلْمٌ	کوئی علم	تَغْفِرْ لِیْ	مغفرت فرمائیں گے آپ
اَحْكَمُ	بڑے حکم فرمانے والے	اِنِّیْۤ	بے شک میں		میری
	(ہیں)	اَعِظُكَ	نصیحت کرتا ہوں تجھے	وَتَرْحَمْنِیْۤ (۶)	اور (نہ) رحم فرمائیں
الْحٰكِمِیْنَ	سب حکم کرنے والوں	اَنْ تَكُوْنَ (۳)	کہیں ہو جائے تو		کے آپ مجھ پر
	(میں)	مِنَ الْجٰهِلِیْنَ	نادانوں میں سے	اَكُنْ	(تو) ہو جاؤں گا میں
قَالَ	ارشاد فرمایا	قَالَ	عرض کیا (اس نے)	مِّنَ	(ایسے لوگوں) میں سے جو
یٰنُوْحُ	اے نوح	رَبِّ	اے میرے پروردگار	الْخٰسِرِیْنَ	گھاٹے میں رہنے
اِنَّهٗ لَیْسَ	تحقیق وہ نہیں (ہے)	اِنِّیْۤ اَعُوْذُ	بیشک میں پناہ مانگتا ہوں		والے ہیں

نوح علیہ السلام کی بیٹے کے لئے دعا اور اس پر عتاب

بیالیسویں اور تینتالیسویں آیات میں آپ نے پڑھا کہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بیٹا ''یام'' جس کا لقب

(۱) رَبِّ کی اصل یَارَبِّیْ ہے (۲) عَمَلٌ مصدر ہے اور عَامِلٌ کے معنی میں ہیں، جیسے زَیْدٌ عَدْلٌ، مبالغہ کرنے کے لئے مصدر لایا گیا ہے اور وہ اِنَّ کی خبر ہے (مظہری) اور غَیْرُ صَالِحٍ جملہ اضافیہ عَمَلٌ کی صفت ہے (۳) اَنْ تَكُوْنَ سے پہلے بَا محذوف ہے (۴) اَنْ سے پہلے مِنْ محذوف ہے۔ (۵) اِلَّا دو لفظ ہیں اِنْ حرف شرط اور لا نافیہ، نون اور لام میں ادغام ہوا ہے (۶) تَرْحَمْنِیْ کا تَغْفِرْ پر عطف ہے۔

''کنعان'' تھا، آپ کی آنکھوں کے سامنے ڈوب گیا تھا، آپ نے اسے آخری بار ایمان کی دعوت دی مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا ــــ حضرت نوح علیہ السلام جب اس سے مایوس ہوگئے تو اللہ پاک کو پکارا، کیونکہ وہی آخری آسرا ہے ــــ اور نوح نے اپنے رب کو پکارا اور عرض کیا کہ اے میرے پالنہار! واقعہ یہ ہے کہ میرا بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے، اور بے شک (کافروں کو ہلاک کرنے کا) آپ کا وعدہ بالکل سچا ہے، اور آپ احکم الحاکمین ہیں ــــ نہ تو کسی فیصلہ کے آپ پابند ہیں اور نہ کسی فیصلہ پر مجبور ہیں، پس اگر آج کی گھڑی میں آپ اپنا فیصلہ بدل دیں اور میرے خاندان کی رعایت فرما کر میرے بیٹے کو دولتِ ایمان سے نواز دیں اور عذاب سے بچالیں تو یا ربّنا! آپ قادر مطلق ہیں، آپ کے فیصلہ پر کوئی نکتہ چینی نہیں کرسکتا ــــ لیکن بارگاہِ خداوندی میں حضرت نوح علیہ السلام کی اس دعا کو شرفِ باریابی حاصل نہیں ہوا ــــ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ــــ ''اے نوح! وہ قطعاً تمہارے گھر والوں میں سے نہیں ہے'' ــــ یعنی یہ بگڑا ہوا انسان تمہارے صالح خاندان کا فرد نہیں ہے۔ وہ تمہارے نسبی خاندان کا ایک رکن ہو تو ہوا کرے مگر تمہارے ایمانی خاندان سے اس کا کوئی رشتہ نہیں، اور آج جو فیصلہ کیا جارہا ہے وہ نسلی یا قومی نزاع کا نہیں ہے کہ ایک نسل والے بچائے جائیں، اور دوسری نسل والے غارت کردئے جائیں بلکہ یہ کفر و ایمان کے نزاع کا فیصلہ ہے، جس میں صرف صالح بچائے جائیں گے۔ اور فاسد مٹا دیے جائیں گے ــــ بالیقین وہ سرتاپا بدعمل ہے ــــ یعنی وہ اپنی ایمانی استعداد بالکل ضائع کرچکا ہے، اس کے دل پر مہر لگ چکی ہے، اس میں خیر و صلاح کا شائبہ تک نہیں رہا۔ اور ایسے شخص کو ایمان کی توفیق دینا گو اللہ پاک کی قدرت میں ہے، مگر ان کی سنت کے خلاف ہے ــــ پس تم مجھ سے ایسی چیز کی درخواست مت کرو جس کے بارے میں تمہیں کوئی علم نہیں ــــ کہ درخواست کرنا مناسب ہے یا نہیں ــــ اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ دعا کرنے لئے یہ ضروری ہے کہ دعا کرنے والا پہلے یہ معلوم کرلے کہ جس کام کی وہ دعا کرنے جارہا ہے وہ جائز و حلال ہے یا نہیں؟ کیونکہ مشتبہ حالت میں دعا کرنے سے منع فرمایا گیا ہے روح المعانی میں قاضی بیضاوی کے حوالہ سے بیان کیا گیا ہے کہ جب اس آیت سے مشتبہ حالت میں دعا کرنے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے تو جس معاملہ کا ناجائز اور حرام ہونا قطعی طور پر معلوم ہو اس کے لئے دعا کرنا بدرجۂ اولیٰ جائز نہ ہوگا۔

آگے ارشاد فرماتے ہیں: ــــ تحقیق میں تم کو نصیحت کرتا ہوں ایسا نہ ہو کہ تم نادانوں میں سے ہوجاؤ ــــ یہ دربارِ خداوندی سے اپنے جلیل القدر پیغمبر کو ڈانٹ پڑی ہے کہ جو دعا تم نے کی ہے وہ تمہاری شایان شان نہیں ہے۔ (۱)

(۱) حضرت نوح علیہ السلام اپنی اسی پیغمبرانہ لغزش کو اس وقت بھی یاد کریں گے جب محشر میں مخلوق آپ سے شفاعت کی درخواست کرے گی۔ متفق علیہ حدیث میں ہے کہ آپ فرمائیں گے: ﴿ لَسْتُ هُنَاكُمْ وَيَذْكُرُ خَطِيْئَتَهُ الَّتِيْ اَصَابَ سُؤَالَهُ ←

نوح نے عرض کیا: ''اے میرے پروردگار! بیشک میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ میں آپ سے ایسی بات کی درخواست کروں، جس کے بارے میں مجھے کوئی علم نہیں، اور اگر آپ میری مغفرت نہ فرمائیں، اور مجھ پر رحم نہ فرمائیں تو میں گھاٹے میں رہنے والوں میں شامل ہو جاؤں گا —— یعنی ڈانٹ سنتے ہی حضرت نوح علیہ السلام کانپ اٹھے اور فوراً توبہ کی —— یہی پیغمبرانہ شان ہے کہ جب ان سے کوئی لغزش ہو جاتی ہے تو جوں ہی ان کو اس کا احساس ہوتا ہے فوراً توبہ کرتے ہیں۔ اور اپنی غلطی کی اصلاح کرنے میں انھیں ایک لمحہ کے لئے بھی تامل نہیں ہوتا —— اور توبہ میں یہ نہیں کہا کہ الٰہی! میں پھر ایسا نہیں کروں گا کیونکہ اس میں سے دعویٰ نکلتا ہے اور بندہ کو کیا مقدور ہے؟ بلکہ چاہئے کہ اسی کی پناہ مانگے کہ مجھ سے پھر ایسا نہ ہو۔

نوح علیہ السلام کے لڑکے کا یہ قصہ بیان کر کے اللہ پاک نہایت مؤثر پیرایہ میں یہ بات سمجھاتے ہیں کہ اللہ پاک کا انصاف کس قدر بے لاگ اور ان کا فیصلہ کیسا دوٹوک ہوتا ہے۔ مکہ کے مشرکین یہ سمجھتے تھے کہ ہم خواہ کیسے ہی کام کریں مگر ہم پر خدا کا غضب نازل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں، یہودیوں اور عیسائیوں کے بھی ایسے ہی گمان تھے اور ہیں۔ اور بہت سے مسلمان بھی اسی قسم کے زعم باطل میں مبتلا ہیں کہ ہمارا فلاں بزرگ سے تعلق ہے، یا ہم فلاں بزرگ کے دامن گرفتہ ہیں۔ یہ سب لوگ خوب غور سے دیکھیں کہ ایک جلیل القدر پیغمبر اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے لختِ جگر کو ڈوبتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ اور تڑپ کر بیٹے کی معافی اور ایمان کے لئے درخواست کرتے ہیں۔ لیکن دربار خداوندی سے الٹی ان پر ڈانٹ پڑ جاتی ہے۔ اور باپ کی پیغمبری بھی ایک بدعمل بیٹے کو عذاب سے نہیں بچا سکتی:

پسرِ نوح بابداں بہ نشست ❁ خاندان نبوتش گم شد

(نوح علیہ السلام کا بیٹا جب بروں کی صحبت میں بیٹھا تو خاندان نبوت کی برکتوں سے محروم ہو گیا)

قِيلَ يٰنُوحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى أُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ۚ وَأُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٤٨﴾ تِلْكَ مِنْ أَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَآ إِلَيْكَ ۖ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ أَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛ فَاصْبِرْ ۛ

← رَبَّهُ بغیر علم ﴾ (مشکوۃ ج۲ ص ۴۸۸) ترجمہ: شفاعت میرے بس کا کام نہیں ہے اور آپ اپنی اس لغزش کو یاد کریں گے جو بغیر علم کے درخواست کرنے سے آپ سے سرزد ہو گئی تھی۔ یعنی آپ فرمائیں گے کہ میں نے بغیر علم کے ایک شفاعت کی تھی وہی نامناسب ثابت ہوئی اس لئے اب دوسری شفاعت کی میرے اندر ہمت نہیں۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ بھی نامناسب ثابت ہو، اور آج اللہ پاک اس قدر ناراض ہیں کہ نہ ایسے کبھی ناراض ہوئے، نہ آئندہ کبھی ہوں گے اس لئے مجھے تو معاف رکھو!

اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِیْنَ ﴿۴۹﴾ ع

قِيْلَ	کہا گیا:	وَاُمَمٌ (۲)	اور (تم میں سے ہوں	نُوْحِيْهَا	وحی کررہے ہیں ہم اس کو
يٰنُوْحُ	اے نوح		گی) ایسی جماعتیں	اِلَيْكَ	آپ کی طرف
اهْبِطْ	اترو	سَنُمَتِّعُهُمْ (۳)	کہ ان کو کچھ مدت ہم	مَا كُنْتَ	نہیں تھے
بِسَلٰمٍ	سلامتی کے ساتھ		سامان عیش دیں گے	تَعْلَمُهَا	جانتے اس کو
مِّنَّا	ہماری طرف سے	ثُمَّ يَمَسُّهُمْ	پھر پہنچے گا ان کو	اَنْتَ (۵)	آپ
وَبَرَكٰتٍ	اور برکتوں (کیساتھ)	مِّنَّا	ہماری طرف سے	وَلَا قَوْمُكَ	اور نہ آپ کی قوم
عَلَيْكَ	تم پر	عَذَابٌ اَلِيْمٌ	دردناک عذاب	مِنْ قَبْلِ هٰذَا	قبل ازیں
وَعَلٰٓى اُمَمٍ	اور جماعتوں پر	تِلْكَ	یہ (قصہ)	فَاصْبِرْ	سو صبر کیجئے
مِّمَّنْ (۱)	ان لوگوں میں سے جو	مِنْ اَنْۢبَآءِ (۴)	منجملۂ اخبار	اِنَّ الْعَاقِبَةَ	بالتحقیق نیک انجام
مَّعَكَ	آپ کے ساتھ (ہیں)	الْغَيْبِ	غیب (ہے)	لِلْمُتَّقِيْنَ	متقیوں کے لئے ہے

طوفان کے بعد کے حالات

طوفان تھم گیا، حادثہ ختم ہوا، مگر ایسے طوفان وسیلاب کے بعد ملک کی جو حالت ہوگئی ہوگی وہ محتاج بیان نہیں۔ وہ سرزمین زندگی اور زندگی کے تمام سامانوں سے خالی ہوگئی ہوگی۔ اس وحشت کدہ میں اب زندگی کیسے بسر ہوگی؟ وحی نازل ہوئی ـــ حکم آگیا کہ اے نوح ہماری طرف سے سلامتی اور برکتیں لے کر اترو، جو آپ پر نازل ہوں گی، اور ان جماعتوں پر جو آپ کے ساتھیوں سے وجود میں آئیں گی ـــ یعنی تمہارے لئے خوف کی کوئی بات نہیں، زندگی کی تمام برکتیں پھر ظہور میں آئیں گی، اجڑی ہوئی زمین کو اللہ پاک دوبارہ آباد کریں گے۔ اور اس کی رونق وبرکت پھر لوٹ آئے گی ـــ اور تم میں سے ایسی جماعتیں (بھی) وجود میں آئیں گی جن کو ہم کچھ مدت تک سامان عیش دیں گے، پھر ان کو ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا ـــ یعنی سلامتی اور برکتیں تمہاری نسل کے مؤمنوں کے لئے ہیں اور جو ان میں

(۱) مِنْ ابتدائیہ ہے یعنی جو آپ کے ساتھیوں کی نسل سے پیدا ہوں گی (۲) اُمَمٌ مبتداء ہے اور خبر محذوف ہے أی وَمِنْكُمْ اُمَمٌ (۳) اَمَمٌ کی صفت ہے (۴) مِنْ تبعیضیہ ہے اور جملہ پہلی خبر ہے تلک کی اور نوحیھا دوسری خبر ہے اور ماکنت الخ تیسری خبر ہے ـــ اور اَنْباء جمع ہے نَبَأٌ کی یعنی وہ خبر جس سے بڑا فائدہ اور یقین یا ظن غالب حاصل ہو (۵) اَنْتَ ضمیر متصل کی تاکید کے لئے لایا گیا ہے تاکہ اس پر وَلَا قَوْمُكَ کا عطف کیا جاسکے۔

سے کافر ہوں گے، ان کو ہم کچھ عرصہ تک سامان عیش دیں گے، مگر بالآخر وہ تباہی میں پڑیں گے۔

نوح علیہ السلام کا واقعہ تمام ہوا، اب آخری ارشاد سنئے:— یہ قصہ منجملہ اخبار غیب ہے، ہم آپ کی طرف اس کی وحی کررہے ہیں۔ قبل ازیں نہ آپ اس کو جانتے تھے، نہ آپ کی قوم، سو صبر کیجئے، بلاشبہ نیک انجامی متقیوں کے لئے ہے — یعنی جس طرح نوح علیہ السلام کا اور ان کے ساتھیوں کا بالآخر بول بالا ہوا، اسی طرح آپ کا اور آپ کے ساتھیوں کا بھی بول بالا ہوگا، اللہ پاک کا قانون یہی ہے کہ شروع میں چاہے دشمنانِ حق کامیاب ہوں مگر آخری کامیابی صرف ان لوگوں کا حصہ ہے جو متقی ہیں۔ پس آپ کفار کی ایذاؤں پر صبر کریں، جس طرح نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو برس تک صبر کیا تھا، کیونکہ صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے!

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۭ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ﴿٥٠﴾ يٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٥١﴾ وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاۗءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿٥٢﴾

وَاِلٰى عَادٍ[1]	اور (بھیجا ہم نے) عاد کی طرف	مَا لَكُمْ	نہیں تمہارے لئے	عَلَيْهِ	اس (تبلیغ) پر
		مِّنْ اِلٰهٍ[3]	کوئی خدا	اَجْرًا	کچھ مزدوری
اَخَاهُمْ	ان کے بھائی	غَيْرُهٗ[4]	اس کے سوا	اِنْ اَجْرِيَ	نہیں ہے میرا معاوضہ
هُوْدًا	ہود کو	اِنْ اَنْتُمْ	نہیں (ہو) تم	اِلَّا	مگر
قَالَ	کہا (اس نے)	اِلَّا مُفْتَرُوْنَ[5]	مگر جھوٹ باندھنے والے	عَلَي الَّذِيْ	اس (ہستی) پر جس نے
يٰقَوْمِ[2]	اے میری قوم	يٰقَوْمِ	اے میری برادری!	فَطَرَنِيْ	مجھ کو پیدا کیا
اعْبُدُوا اللّٰهَ	بندگی کرو اللہ (کی)	لَآ اَسْـَٔــلُكُمْ	نہیں مانگتا میں تم سے	اَفَلَا	کیا پس نہیں

(۱) نوح علیہ السلام کی سرگذشت کے شروع میں جو وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا آیا ہے اسکے قرینہ سے یہاں وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا محذوف ہے اِلٰى عَادٍ اسی سے متعلق ہے اور اَخَاهُمْ اس کا مفعول ہے اور هُوْدًا عطف بیان ہے اَخَاهُمْ کا (۲) يٰقَوْمِ کی اصل يَاقَوْمِيْ ہے۔ (۳) مِنْ نفی کی تاکید کے لئے ہے (۴) غَيْرُهٗ صفت ہے اِلٰهٍ کی اِلٰهٍ محل رفع میں ہے (۵) مُفْتَرُوْنَ اسم فاعل کا صیغہ جمع مذکر ہے اصل مُفْتَرِيُوْنَ تھا۔ مصدر افتراء (افتعال) ہے۔

تَعْقِلُوْنَ	سمجھتے تم	اِلَيْهِ	اس کی طرف	وَّيَزِدْكُمْ	اور بڑھائیں وہ تمہارے
وَ يٰقَوْمِ	اے میری قوم!	يُرْسِلِ	(تاکہ) چھوڑیں وہ	قُوَّةً	زور (کو)
اسْتَغْفِرُوْا	معافی چاہو	السَّمَآءَ	آسمان کو	اِلٰى قُوَّتِكُمْ	تمہارے زور پر
رَبَّكُمْ	اپنے پروردگار سے	عَلَيْكُمْ	تم پر	وَلَا تَتَوَلَّوْا	اور مت منہ موڑو تم
ثُمَّ تُوْبُوْٓا	پھر متوجہ رہو	مِّدْرَارًا(۱)	موسلا دھار برسنے والا	مُجْرِمِيْنَ	جرم کرتے ہوئے

دوسری سرگذشت

توبہ واستغفار سے رزق اور مال واولاد میں برکت ہوتی ہے

یہاں سے دوسری سرگذشت شروع ہوتی ہے۔ یہ حضرت ہود علیہ السلام کی اور ان کی قوم "عاد" کی سرگذشت ہے —— "عاد" عرب کا ایک قدیم قبیلہ تھا۔ جس کا زمانہ تقریباً دو ہزار سال قبل مسیح علیہ السلام بتلایا جاتا ہے۔ قرآن پاک میں اس کو ﴿ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ ﴾ (سورۃ الاعراف آیت ۶۹) کہہ کر قوم نوحؑ کے خلفاء میں شمار کیا ہے۔

عاد کا مرکزی مقام احقاف تھا، جو حضرموت کے شمال میں واقع ہے۔ یہ لوگ اپنے ڈیل ڈول اور قوت وشجاعت کے اعتبار سے پورے عالم میں ممتاز تھے اور منکر خدا نہیں تھے۔ بلکہ دوسری قوموں کی طرح ان کی گمراہی بھی شرک وصنم پرستی تھی۔ اللہ پاک نے ان کے پاس انہی میں سے ایک پیغمبر حضرت ہود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔

ارشاد فرماتے ہیں —— اور (ہم نے) عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو (بھیجا) —— حضرت ہود علیہ السلام عاد کی سب سے زیادہ معزز شاخ خلود کے ایک معزز فرد تھے، سرخ وسپید رنگ، وجیہ چہرہ اور داڑھی گھنی تھی(۲) —— انھوں نے کہا: "اے میری قوم! اللہ پاک کی بندگی کرو، تمہارے لئے ان کے سوا کوئی معبود نہیں، تم محض جھوٹ باندھنے والے ہو —— یعنی وہ تمام دوسرے معبود جن کی تم بندگی کر رہے ہو، حقیقت میں وہ کسی قسم کی خدائی صفات اور کوئی طاقت نہیں رکھتے، تم نے خواہ مخواہ ان کو معبود بنا رکھا ہے۔ بندگی اور پرستش کا استحقاق صرف اللہ پاک کو حاصل ہے، ان کے سوا کسی کو لائق عبادت سمجھنا محض جھوٹ اور افتراء ہے —— اے میری برادری کے لوگو! میں تم سے اس (تبلیغ کی محنت) پر کسی قسم کی مزدوری کا طلب گار نہیں ہوں، میرے کام کا معاوضہ بس اس ہستی پر ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے —— یعنی میرا پیدا کرنے والا ہی میری تمام دنیوی ضروریات کا کفیل ہے، تمہارے مال کی مجھے ضرورت نہیں —— پس کیا تم سمجھتے نہیں ہو؟ —— ایک شخص جو بے طمع اور بے غرض ہے، محض دردمندی اور خیر خواہی سے تمہاری صلاح وفلاح کی بات کہتا ہے کیا اس کی

(۱) مِدْرَارًا مبالغہ کا صیغہ ہے، دَرٌّ بمعنی دودھ ہے (۲) عینی شرح بخاری شریف جلد ہفتم کتاب الانبیاء۔

بات اتنی بے وزن ہے کہ اس پر سنجیدہ غور وفکر بھی نہ کیا جائے؟ —— اور اے میری قوم! اپنے پروردگار سے معافی مانگو، اور اس کی طرف متوجہ رہو وہ تم پر موسلا دھار برسنے والے بادل بھیجے گا، اور تمہارا زور بالائے زور کرے گا، اور تم مجرم بنتے ہوئے منہ نہ موڑو! —— شروع سورت میں یہی بات نبی پاک ﷺ کی زبانِ مبارک سے اس طرح کہلوائی تھی: ''اپنے پروردگار سے معافی چاہو، اور ان کی طرف متوجہ رہو، وہ تم کو اچھا سامان زندگی دے گا''

کہتے ہیں: وہ لوگ تین سال سے خشک سالی اور قحط کی مصیبت میں گرفتار تھے۔ حضرت ہود علیہ السلام نے ان کو سمجھایا کہ ایمان لاکر اللہ پاک سے لَو لگالو، یہ مصیبت دور ہوگی۔ اور اللہ پاک تمہاری مالی اور بدنی قوت بڑھائیں گے۔ اولاد میں برکت دیں گے۔ خوشحالی میں ترقی ہوگی۔ بشرطیکہ اللہ پاک کی طرف متوجہ رہو، ان کی اطاعت سے مجرموں کی طرح روگردانی نہ کرو۔

قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۳﴾ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ۭ قَالَ اِنِّىْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّىْ بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۵۵﴾ اِنِّىْ تَوَكَّلْتُ عَلَي اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ ۭ مَا مِنْ دَاۗبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ۭ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۶﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖٓ اِلَيْكُمْ ۭ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۚ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَـيْـــًٔا ۭ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ﴿۵۷﴾

قَالُوْا	جواب دیا ان لوگوں نے	وَّمَا نَحْنُ	اور نہیں ہیں ہم	لَكَ	تمہارا
يٰهُوْدُ	اے ہود	بِتَارِكِيْٓ (۲)	چھوڑنے والے	بِمُؤْمِنِيْنَ	یقین کرنے والے
مَا جِئْتَنَا	نہیں لائے تم ہمارے پاس	اٰلِهَتِنَا	اپنے معبودوں کو	اِنْ نَّقُوْلُ	نہیں کہتے ہیں ہم
		عَنْ قَوْلِكَ	تمہارے کہنے سے	اِلَّا	مگر
بِبَيِّنَةٍ (۱)	کوئی صریح دلیل	وَمَا نَحْنُ	اور نہیں ہیں ہم	اعْتَرٰىكَ (۳)	(یہ کہ) رخ کیا ہے تمہارا

(۱) باصلہ کی ہے جآء بہ: لانا اخذبہ پکڑنا (۲) جس طرح لَیسَ کی خبر پر با آتی ہے اسی طرح ما مشابہ بلیس کی خبر پر بھی باء آتی ہے اور یہ باء مااور لیس کے اسم وخبر میں تعلق کو پختہ کرتی ہے (۳) اِعْتَرَاهُ: قصد عَرَاهُ وَ الْعَرَاءُ؛ الناحية (راغب وروح)

بَعْضُ	کسی	ثُمَّ	اور	تَوَلَّوْا	منہ موڑا تم نے
اٰلِهَتِنَا	معبودوں نے ہمارے	لَا تُنْظِرُوْنِ	مہلت نہ دو مجھ کو	فَقَدْ	تو واقعۃً
بِسُوْٓءٍ	برائی کے ساتھ	اِنِّيْ	بالتحقیق میں نے	اَبْلَغْتُكُمْ	پہنچا چکا میں تم کو
قَالَ	کہا (آپؑ نے)	تَوَكَّلْتُ	بھروسہ کیا ہے	مَّآ	وہ چیز
اِنِّيْٓ اُشْهِدُ (۱)	بیشک میں گواہ بناتا ہوں	عَلَى اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ پر	اُرْسِلْتُ	(کہ) بھیجا گیا ہوں میں
اللّٰهَ	اللہ پاک کو	رَبِّيْ	(جو) میرے رب (ہیں)	بِهٖٓ	اس کے ساتھ
وَاشْهَدُوْٓا	اور گواہ رہو تم	وَرَبِّكُمْ	اور تمہارے رب (ہیں)	اِلَيْكُمْ	تمہاری طرف
اَنِّيْ	کہ میں	مَا	نہیں (ہے)	وَيَسْتَخْلِفُ	اور جانشین بنائیں گے
بَرِيْٓءٌ	بالکل بے تعلق ہوں	مِنْ دَآبَّةٍ	کوئی حرکت کرنے والا	رَبِّيْ	میرے پروردگار
مِّمَّا	ان (معبودوں) سے	اِلَّا هُوَ	مگر وہ	قَوْمًا غَيْرَكُمْ	تمہارے علاوہ لوگوں کو
	جن کو	اٰخِذٌ	پکڑنے والے ہیں	وَلَا	اور نہیں
تُشْرِكُوْنَ	تم شریک کرتے ہو	بِنَاصِيَتِهَا	اس کی چوٹی کو	تَضُرُّوْنَهٗ	نقصان پہنچا سکو گے
مِنْ دُوْنِهٖ	اللہ پاک سے نیچے رتبہ	اِنَّ	بالتحقیق		تم اس کو
	رکھنے والی چیزوں میں سے	رَبِّيْ	میرے پالنہار	شَيْـًٔا	کچھ بھی
فَكِيْدُوْنِيْ	پس داؤ گھات کرلو تم	عَلٰي صِرَاطٍ	راستے پر (ہیں)	اِنَّ رَبِّيْ	بالیقین میرے پروردگار
	میرے لئے	مُّسْتَقِيْمٍ	سیدھے	عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز پر
جَمِيْعًا	سب مل کر	فَاِنْ	اب اگر	حَفِيْظٌ	نگہبان (ہیں)

حضرت ہود اور قوم میں مکالمہ

حضرت ہود علیہ السلام کی دعوت کا قوم نے کیا جواب دیا؟ ارشاد فرماتے ہیں:— لوگوں نے جواب دیا: اے ہود! تم ہمارے پاس کوئی صریح دلیل نہیں لائے— یعنی تم نے کوئی ایسی کھلی علامت اور واضح نشانی پیش نہیں کی جس سے ہم غیر مشتبہ طور پر معلوم کرلیں کہ واقعی اللہ پاک نے تمہیں بھیجا ہے، اور جو بات تم پیش کررہے ہو وہ حق ہے— اور ہم تمہارے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں، اور نہ ہم تمہاری بات کا یقین کرنے والے ہیں— یہ ان لوگوں کی کھلی

(۱) اشهاد باب افعال سے گواہ بنانا۔

ہٹ دھرمی تھی۔ کیونکہ اللہ پاک جسے پیغمبری کے عہدہ پر فائز فرماتے ہیں، اسے ضرور کھلی دلیل، تقرری کی سند اور پیغمبری کا پروانہ عطا فرماتے ہیں، حدیث شریف میں ہے کہ: ''جو بھی نبی مبعوث ہوئے ان کے ساتھ ایسے واضح نشان بھیجے گئے ،جس پر لوگ ایمان لانا چاہیں تو لا سکتے تھے'' —— اس لئے بالیقین کہا جاسکتا ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام نے ضرور صریح دلیل پیش کی ہوگی، مگر لوگ ہٹ دھرمی سے یہی کہتے رہے کہ تم نے کوئی کھلی دلیل تو پیش نہیں کی، صرف زبانی بات ہے، پس محض تمہارے کہنے سے ہم اپنے معبودوں کو کیسے چھوڑ دیں؟ اور تمہاری رسالت پر کیسے ایمان لے آئیں؟ تمہارے بارے میں —— ہم صرف اتنی بات کہتے ہیں کہ: ''تم پر ہمارے کسی معبود کی مار پڑی ہے!'' —— جس کی وجہ سے تم بہکی بہکی باتیں کرنے لگے ہو۔

حضرت ہود علیہ السلام نے —— فرمایا: میں اللہ پاک کو گواہ بناتا ہوں —— یہ لوگوں کی پہلی بات کا جواب ہے کہ ہود علیہ السلام نے کوئی صریح دلیل پیش نہیں کی حضرت ہود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں اللہ پاک کی شہادت پیش کرتا ہوں کہ جو باتیں میں نے تم سے بیان کی ہیں، وہ سراسر حق ہیں۔ ان میں جھوٹ کا شائبہ تک نہیں —— اور تم گواہ رہو کہ میں ان معبودوں سے بالکل بے تعلق ہوں، جن کو تم اللہ پاک کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو، جو اللہ پاک سے نیچے ہیں —— یہ ان کی دوسری بات کا جواب ہے کہ ہم تیرے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں، حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا بھی یہ فیصلہ سن لو کہ میں تمہارے ان معبودوں سے قطعی بے زار ہوں —— پس تم سب مل کر میرے ساتھ داؤ گھات کرلو، اور مجھے ذرا بھی مہلت نہ دو —— یہ ان کی تیسری بات کا جواب ہے کہ ہمارے کسی معبود کی تجھ پر مار پڑی ہے، فرمایا کہ وہ بیچاری بے جان پتھر کی مورتیں مجھے کیا گزند پہنچا سکتی ہیں!، اب تم سب جو بڑے شہ زور، تنومند اور طاقت ور ہو، اپنے دیوتاؤں کے ساتھ مل کر مجھ یکہ و تنہا پر پوری قوت سے حملہ کر دیکھو، تم میرا بال بیکا نہیں کر سکتے۔ کیونکہ —— بالیقین میں نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا ہے، جو میرے بھی پروردگار ہیں اور تمہارے بھی پروردگار ہیں، وہ ہر متحرک کی چوٹی پکڑے ہوئے ہیں —— کسی کی مجال نہیں کہ ان کے قبضۂ اختیار سے نکل بھاگے یا ان کے منشا کے بغیر کسی کو کوئی تکلیف پہنچا سکے —— بالیقین میرے پروردگار سیدھے راستہ پر ہیں —— ان کا ہر کام عدل وانصاف پر مبنی ہے، پس یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ تم بدکار اور گمراہ ہو کر فلاح پاؤ۔ اور میں راست باز اور نیکوکار ہو کر تکلیف میں پڑوں —— اب بھی اگر تم نے منہ موڑا، تو میں واقعۃً وہ ساری باتیں تم کو پہنچا چکا ہوں جن کے ساتھ میں تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں —— یہ ان کی اس بات کا جواب ہے کہ ہم تم پر ایمان لانے والے نہیں۔ فرمایا کہ اگر تم نہ مانو گے تو میرا کیا نقصان کرو گے۔ میں فرضِ تبلیغ پوری طرح ادا کر چکا ہوں اب تم اپنی فکر کرو —— اور میرے پروردگار تمہارے علاوہ لوگوں کو تمہارا جانشیں بنائیں گے۔ اور تم ان کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے ——

یعنی اب ضروری ہے کہ تمہاری ہٹ دھرمی اور تعصب وعناد پر آسمان سے عذاب آئے۔ مگر اللہ پاک کی زمین تمہاری تباہی سے ویران نہ ہوگی۔ وہ دوسرے لوگوں کو تمہارا جانشیں بنادیں گے، ان کا ملک خراب نہ ہوگا — بالیقین میرے پروردگار ہر چیز پر نگہبان ہیں — پس وہ اپنے ملک اور ضروری چیزوں کی حفاظت اپنی قدرت کاملہ سے کریں گے!

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿٥٨﴾ وَتِلْكَ عَادٌ ۟ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿٥٩﴾ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اَلَآ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ۭ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ﴿٦٠﴾

ع ۵

الفاظ	ترجمہ	الفاظ	ترجمہ	الفاظ	ترجمہ
وَلَمَّا جَآءَ	اور جب آیا	وَتِلْكَ	اور یہ (ہیں)	فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا	اس دنیا میں
اَمْرُنَا	ہمارا حکم	عَادٌ	عاد		
نَجَّيْنَا	نجات دی ہم نے	جَحَدُوْا	انکار کیا انھوں نے	لَعْنَةً	پھٹکار
هُوْدًا	ہود کو	بِاٰيٰتِ	آیتوں کا	وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ	اور قیامت کے دن
وَّالَّذِيْنَ	اور (ان لوگوں کو) جو	رَبِّهِمْ	اپنے پروردگار کی	اَلَآ اِنَّ عَادًا	سنو بیشک عاد (نے)
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	وَعَصَوْا	اور نافرمانی کی انھوں نے	كَفَرُوْا	کفر کیا
مَعَهٗ	ان کے ساتھ	رُسُلَهٗ	اپنے رسولوں کی	رَبَّهُمْ	اپنے رب کا
بِرَحْمَةٍ (۱)	مہربانی سے	وَاتَّبَعُوْٓا (۳)	اور پیروی کی انھوں نے	اَلَا	سنو!
مِّنَّا	اپنی طرف سے	اَمْرَ	حکم (کی)	بُعْدًا	لعنت ہو
وَنَجَّيْنٰهُمْ	اور نجات دی ہم نے ان کو	كُلِّ جَبَّارٍ	ہر سرکش	لِّعَادٍ	عاد پر
مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ (۲)	سخت عذاب سے	عَنِيْدٍ	دشمن حق (کے)	قَوْمِ	یعنی قوم
		وَاُتْبِعُوْا	اور پیچھے لگادیئے گئے وہ	هُوْدٍ (۴)	ہود (پر)

(۱) بِرَحْمَةٍ کا تعلق نَجَّيْنَا سے ہے (۲) غَلِيْظ صفت مشبہ ہے بمعنی گاڑھا، شدید، سخت۔ (۳) اِتْبَاعٌ سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے یعنی اُن کے پیچھے لگادی گئی (۴) عادٍ کا عطف بیان ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کا آخری انجام

ارشاد فرماتے ہیں ـــــ اور جب ہمارا حکم پہنچا ـــــ یعنی آندھی کا طوفان آیا ـــــ تو ہم نے اپنی رحمت سے ہود (علیہ السلام) کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے نجات دی، اور ہم نے ان کو سخت عذاب سے بچا لیا ـــــ اور عاد کو ہولناک عذاب نے آگھیرا، آٹھ دن اور سات راتیں پیہم تیز و تند ہوا کے طوفان اٹھے اور ان لوگوں کو اور ان کی آبادی کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا۔ تنومند اور دیوہیکل انسان، جو اپنی قوتوں کے گھمنڈ میں سرمست تھے، اس طرح بے حس و حرکت پڑے نظر آرہے تھے، جس طرح آندھی سے تناور درخت جڑوں سے اکھڑ کر گر جاتا ہے۔

اور یہ ہیں عاد جنہوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں کا انکار کیا اور اپنے رسولوں کی نافرمانی کی، اور ہر سرکش دشمن حق کی پیروی کی ـــــ جس کا خمیازہ انھوں نے دنیا ہی میں بھگتا ـــــ اور ان کے پیچھے لگا دی گئی پھٹکار اس دنیا میں (بھی) اور قیامت کے دن (بھی) ـــــ کیونکہ وہ اسی کے مستحق تھے! ـــــ اللہ پاک کی لعنت دنیا میں ان کے پیچھے لگا دی گئی کہ جہاں جائیں ساتھ جائے، اور قیامت تک جہاں ان کا ذکر ہو لعنت کے ساتھ ہو۔ بلکہ قیامت کے بعد بھی وہ ان کا پیچھا نہ چھوڑے گی۔ ہمیشہ لعنت کا طوق ان کے گلے کا ہار بنا رہے گا۔

اور یہ جو فرمایا کہ "انھوں نے اپنے رسولوں کی نافرمانی کی" یعنی ان کے پاس حضرت ہود علیہ السلام سے پہلے اور بھی رسول تشریف لائے ہوں گے، یا ایک ہی رسول کی تکذیب کو تمام رسولوں کی تکذیب قرار دیا۔ کیونکہ ہود علیہ السلام نے جو دعوت ان کے سامنے پیش کی تھی، وہی ہمیشہ تمام انبیاء پیش کرتے رہے ہیں۔ اس لئے ایک رسول کی بات نہ ماننے کو سارے رسولوں کی بات نہ ماننا قرار دیا گیا۔

سنو! بے شک عاد نے اپنے رب کا انکار کیا۔ سنو! عاد یعنی ہود کی قوم پر لعنت ہو! ـــــ یہ ہے "عادِ اُولیٰ" یعنی حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کی داستان عبرت! جو اپنے اندر چشم عبرت پذیر کے لئے بے شمار پند و نصائح رکھتی ہے اور خدائے برتر کے احکام کی تعمیل کی جانب دعوت دیتی ہے۔ اور شرارت، سرکشی اور اللہ پاک کے احکام سے بغاوت کے انجام بد سے ڈراتی ہے ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَعِبْرَۃً لِّمَنْ یَّخْشٰی﴾ (بے شک اس (واقعہ) میں ایسے شخص کے لئے بڑی عبرت ہے جو اللہ پاک سے ڈرتا ہے!)

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ۭ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَ اسْتَعْمَرَكُمْ فِیْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَیْهِ ؕ

إِنَّ رَبِّي قَرِيبٌ مُّجِيبٌ ﴿٦١﴾ قَالُوا يَا صَالِحُ قَدْ كُنتَ فِينَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هَٰذَا ۖ أَتَنْهَانَا أَن نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا وَإِنَّنَا لَفِي شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ مُرِيبٍ ﴿٦٢﴾ قَالَ يَا قَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِن كُنتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي وَآتَانِي مِنْهُ رَحْمَةً فَمَن يَنصُرُنِي مِنَ اللَّهِ إِنْ عَصَيْتُهُ ۖ فَمَا تَزِيدُونَنِي غَيْرَ تَخْسِيرٍ ﴿٦٣﴾

وَإِلَىٰ ثَمُودَ(۱)	اور (بھیجا ہم نے) ثمود	فَاسْتَغْفِرُوهُ	پس معافی مانگو ان سے	مَا	(ان چیزوں کی) جن کی
	کی طرف	ثُمَّ تُوبُوا	پھر متوجہ رہو	يَعْبُدُ	پرستش کرتے تھے
أَخَاهُمْ	ان کے بھائی	إِلَيْهِ	ان کی طرف	آبَاؤُنَا	ہمارے اسلاف
صَالِحًا	صالح کو	إِنَّ رَبِّي	بے شک میرا پالنہار	وَإِنَّنَا	اور بے شک ہم
قَالَ	کہا (انھوں نے)	قَرِيبٌ	نزدیک ہے	لَفِي شَكٍّ	البتہ شک میں (ہیں)
يَا قَوْمِ	اے میری قوم!	مُّجِيبٌ	دعا قبول کرنے والا ہے	مِّمَّا	اُس (دین) کے بارے میں
اعْبُدُوا	بندگی کرو	قَالُوا	کہا انھوں نے	تَدْعُونَا	بلاتا ہے تو ہم کو
اللَّهَ	اللہ پاک (کی)	يَا صَالِحُ	اے صالح	إِلَيْهِ	اس کی طرف
مَا لَكُم	نہیں ہے تمہارے لئے	قَدْ كُنتَ	تحقیق تھا تو	مُرِيبٍ(۴)	خلجان میں ڈالنے والے
مِّنْ إِلَٰهٍ	کوئی معبود	فِينَا	ہم میں	قَالَ	کہا
غَيْرُهُ	اس کے سوا	مَرْجُوًّا(۲)	ہونہار	يَا قَوْمِ	اے میری قوم!
هُوَ أَنشَأَكُم	اسی نے پیدا کیا ہے تم کو	قَبْلَ هَٰذَا	قبل ازیں	أَرَأَيْتُمْ	بتاؤ
مِّنَ الْأَرْضِ	زمین سے	أَتَنْهَانَا	کیا روکتا ہے تو ہم کو	إِن كُنتُ	اگر ہوں میں
وَاسْتَعْمَرَكُمْ	اور بسایا ہے تم کو	أَن(۳)	اس سے کہ	عَلَىٰ بَيِّنَةٍ	حجت پر
فِيهَا	اس میں	نَّعْبُدَ	پرستش کریں ہم	مِّن رَّبِّي	میرے رب کی طرف سے

(۱) ترکیب آیت ۵۰ کے حاشیہ میں ملاحظہ فرمائیں (۲) مَرْجُوًّا اسم مفعول ہے رَجَاءٌ مصدر، امید گاہ جس سے امید لگی ہو (۳) اَنْ سے پہلے مِنْ محذوف ہے۔ (۴) مُرِيبٍ اسم فاعل واحد مذکر اِرَابَةٌ مصدر باب افعال سے رَيْبٌ مادہ یعنی متردد بنا دینے والا، بے چین کر دینے والا شَكٌّ کی صفت ہے۔

وَاٰتٰىنِيْ	اور بخشی اس نے مجھے	يَّنْصُرُنِيْ	بچائے گا مجھ کو	فَمَا	سو نہیں
مِنْهُ	اپنے پاس سے	مِنَ اللّٰهِ	اللہ پاک (کی خفگی) سے	تَزِيْدُوْنَنِيْ[1]	بڑھاؤ گے تم میرا
رَحْمَةً	رحمت	اِنْ	اگر	غَيْرَ	سوائے
فَمَنْ	پھر کون	عَصَيْتُهٗ	نافرمانی کروں میں ان کی؟	تَخْسِيْرٍ	خسارے (کے)

تیسری سرگذشت: صالح علیہ السلام اور ثمود کی

یہاں سے تیسری سرگذشت شروع ہوتی ہے۔ یہ حضرت صالح علیہ السلام اور ان کی قوم ''ثمود'' کی سرگذشت ہے — ثمود بھی سامی اقوام ہی کی ایک شاخ ہے۔ اور اس کا شمار عرب بائدہ (ہلاک شدہ عربی نسل) میں ہوتا ہے۔ اس کو ثمود اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کے نسب نامہ کے جداعلیٰ کا نام ثمود ہے۔ ''عاد اولیٰ'' یعنی ہود علیہ السلام کی قوم کے ہلاک ہونے کے بعد جو مؤمنین ہود علیہ السلام کے ساتھ ہلاکت سے بچ گئے تھے انہی کی یہ نسل ہیں۔ اور اسی وجہ سے ''عاد ثانیہ'' کہلاتے ہیں ثمود کی آبادیاں حِجْر میں تھیں حجاز اور شام کے درمیان وادئ قریٰ تک جو میدان نظر آتا ہے وہ سب ثمود کا مقامِ سکونت تھا — ثمود کے زمانہ کے بارے میں کوئی قطعی بات نہیں کہی جاسکتی۔ البتہ یہ یقینی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ ان کا زمانہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے تھا — ثمود بھی اپنے پیشرؤوں کی طرح بت پرست تھے، وہ خدائے واحد کے علاوہ بہت سے معبودان باطل کے پرستار تھے۔ اور شرک میں مبتلا تھے، ان کی اصلاح کے لئے انہی کے قبیلہ میں سے حضرت صالح علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا گیا۔ تاکہ وہ ان کو راہِ راست پر لائیں، ان کو خدا کی نعمتیں یاد دلائیں۔ جن سے وہ صبح وشام محظوظ ہوتے رہتے ہیں۔ اور ان پر واضح کریں کہ عبادت کی حقدار صرف ایک ذات ہے ارشاد فرماتے ہیں — اور (ہم نے) ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو (مبعوث فرمایا) انھوں نے کہا: — ''اے میری قوم! اللہ پاک کی بندگی کرو، تمہارے لئے ان کے سوا کوئی معبود نہیں۔ انہی نے تم کو زمین سے پیدا کیا۔ اور تم کو اس میں بسایا — حضرت صالح علیہ السلام نے یہ اپنے دعویٰ کی دلیل بیان فرمائی ہے کیونکہ مشرکین اس بات کو تسلیم کرتے تھے کہ ان کے خالق اللہ پاک ہی ہیں۔ حضرت صالح علیہ السلام اسی مسلمہ حقیقت پر بنائے استدلال قائم کر کے فرماتے ہیں کہ جب اللہ پاک ہی نے تم کو زمین کے بے جان مادوں کی ترکیب سے وجود بخشا ہے۔ اور اس کے بعد تمہاری بقا کا سامان کیا ہے، اور تمہیں زمین کو آباد کرنے کی ترکیبیں بتلائی ہیں، تو پھر اللہ پاک کے سوا خدائی اور کس کی ہوسکتی ہے؟ اور کسی دوسرے کو یہ حق کیسے حاصل ہوسکتا ہے کہ اس کی بندگی کی جائے؟ — پس تم اس سے معافی چاہو — یعنی ان کی شان میں اب تک جو

(۱) تَزِيْدُوْنَ فعل مضارع صیغہ جمع مذکر حاضر، نون وقایہ اور یاء ضمیر واحد متکلم ہے۔

کوتاہیاں کرتے رہے ہو، اس کی معافی چاہو —— اور ان کی طرف متوجہ رہو، بیشک میرے پروردگار نزدیک ہیں، دعا قبول فرمانے والے ہیں —— یعنی وہ تم سے بالکل نزدیک ہیں، ہر بات خود سنتے ہیں، پس اگر تم صدق دل سے توبہ واستغفار کروگے، تو وہ اس کو سن کر قبول فرمائیں گے۔

حضرت صالح علیہ السلام نے اپنے اس مختصر ارشاد میں مشرکین کی ایک بہت بڑی غلط فہمی دور کی ہے جو عموماً تمام مشرکین میں مشترک طور پر پائی جاتی ہے۔ مشرک اللہ پاک کو اپنے راجوں مہاراجوں اور بادشاہوں پر قیاس کرتے ہیں۔ جن کے دربار میں عام رعایا میں سے کسی کی رسائی نہیں ہوسکتی، جن کے حضور میں درخواست پہنچانے کے لئے مقربین بارگاہ میں سے کسی کا دامن تھامنا پڑتا ہے، اس غلط قیاس کی وجہ سے مشرکین سمجھتے ہیں کہ خداوند عالم کا آستانہ بھی عام انسانوں کی دست رس سے بالاتر ہے۔ ان کے دربار تک کوئی عام آدمی پہنچ ہی نہیں سکتا، جب تک پاک روحوں کا وسیلہ نہ ڈھونڈھا جائے ان تک رسائی ممکن نہیں۔

یہی وہ غلط فہمی ہے جس کی وجہ سے مشرکین نے اپنے اور اللہ پاک کے درمیان بہت سے چھوٹے بڑے معبودوں اور سفارشیوں کا ایک جم غفیر کھڑا کر دیا ہے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو سمجھایا کہ یہ خیال غلط ہے کہ وہ تم سے دور ہیں۔ اور یہ خیال بھی غلط ہے کہ تم براہِ راست ان کو پکار کر اپنی دعاؤں کا جواب حاصل نہیں کر سکتے۔ وہ اگرچہ بالا وبرتر ہیں مگر اس کے باوجود وہ تم سے بہت قریب ہیں، تم میں سے ہر شخص اپنے پاس ہی ان کو پا سکتا ہے، ان سے سرگوشی کر سکتا ہے، دعائیں مانگ سکتا ہے۔ اور وہ براہِ راست اپنے ہر بندے کی دعا کا جواب بھی دیتے ہیں۔ پس جب اللہ پاک کا دربارِ عام ہر وقت ہر شخص کے لئے کھلا ہے، تو یہ تم کس حماقت میں پڑے ہو کہ بتوں کا اور پاک روحوں کا واسطہ اور وسیلہ ڈھونڈتے ہو!

ان لوگوں نے کہا: ”اے صالح! اس سے پہلے تو تم واقعۃً ہم میں بڑے ہونہار تھے —— تمہاری ہوشمندی، ذکاوت، متانت، اور پُروقار شخصیت سے ہم بڑی امیدیں وابستہ کئے ہوئے تھے لیکن افسوس تم نے ایسی باتیں شروع کر دیں کہ ہماری ساری امیدوں پر پانی پھر گیا[1] —— کیا تم ہم کو اُن معبودوں کی پرستش سے روکتے ہو، جن کی پرستش ہمارے اسلاف کرتے آئے ہیں؟ —— یہ ان جاہلوں کی شرک کے جواز پر دلیل ہے کہ ان بتوں کی پوجا اس لئے ہوتی رہنی چاہئے کہ باپ دادا کے وقتوں سے ان کی عبادت ہوتی چلی آئی ہے۔ یعنی مکھی پر مکھی صرف اس لئے ماری جاتی رہنی چاہئے

(۱) جب کبھی غیر معمولی قابلیت کا آدمی قوم میں پیدا ہوتا ہے تو لوگ اس کی قابلیت سراہتے ہیں، اور اس سے بڑی امیدیں باندھتے ہیں۔ لیکن جب وہ کوئی ایسی بات کہہ دیتا ہے جو ان کے طور وطریق کے خلاف ہوتی ہے تو لوگ گردن موڑ لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو نکما نکلا، ہماری ساری امیدیں خاک میں ملا دیں۔

کہ ابتداء میں کسی بیوقوف نے اس جگہ مکھی ماردی تھی — اور بے شک ہم خلجان میں ڈالنے والے شک میں مبتلا ہیں، اس دین کے بارے میں جس کی طرف تم ہمیں بلارہے ہو — یعنی جو دین تم ہمارے سامنے پیش کررہے ہو، وہ کسی طرح ہمارے گلے نہیں اترتا۔

حضرت صالح نے جواب دیا کہ: اے میری قوم! اگر میں اپنے رب کی طرف سے حجت پر ہوں اور اس نے مجھے اپنے پاس سے رحمت بخشی ہے، پھر اگر میں اس کی نافرمانی کروں، تو بتلاؤ مجھے کون اللہ پاک کی پکڑ سے بچالے گا؟ — یعنی اگر میں ربانی حجت اور منصب نبوت کے خلاف کام کروں اور لوگ جس بات کو حق سمجھتے ہیں، اس کی پیروی کروں، اور اسی کی طرف لوگوں کو دعوت بھی دوں، اور جو بات مجھے برہان الٰہی اور رحمتِ ربانی سے حق معلوم ہوئی ہے، اس کی طرف لوگوں کو دعوت نہ دوں تو بتلاؤ اللہ پاک کی پکڑ سے مجھے کون بچائے گا؟ — سو تم تو خسارے کے سوا میرا کچھ بھی نہ بڑھاؤ گے! — یعنی تمہاری وجہ سے تو میرا جرم اور زیادہ سنگین ہوجائے گا۔ اللہ پاک مجھے اس بات کی مزید سزا دیں گے کہ میں نے تم کو سیدھا راستہ بتانے کے بجائے جان بوجھ کر الٹی راہ چلایا اور گمراہ کیا۔

وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ﴿۶۴﴾ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ﴿۶۵﴾ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿۶۶﴾ وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۶۷﴾ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَا۟ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ﴿۶۸﴾ ع

وَيٰقَوْمِ	اور اے میری برادری کے لوگو	لَكُمْ	تمہارے لئے	فِيْٓ اَرْضِ	زمین میں
		اٰيَةً (۱)	نشانی	اللّٰهِ	اللہ پاک (کی)
هٰذِهٖ نَاقَةُ	یہ اونٹنی ہے	فَذَرُوْهَا	پس چھوڑے رکھو اس کو	وَلَا	اور نہ
اللّٰهِ	اللہ پاک کی	تَاْكُلْ (۲)	(کہ) کھائے وہ	تَمَسُّوْهَا	ہاتھ لگاؤ اس کو

(۱) آيَةً حال ہے نَاقَةَ اللّٰهِ کا (۲) تَاكُلْ جواب امر ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے۔

بِسُوْٓءٍ	برائی کے ساتھ	نَجَّیْنَا	(تو) نجات دی ہم نے	ظَلَمُوا	ناانصافی کی
فَیَاْخُذَکُمْ	پس پکڑ لے تم کو	صٰلِحًا	صالح کو	الصَّیْحَۃُ	ہولناک آواز (نے)
عَذَابٌ	عذاب	وَّالَّذِیْنَ	اور (ان لوگوں کو) جو	فَاَصْبَحُوْا	پس رہ گئے وہ
قَرِیْبٌ	جلدی	اٰمَنُوْا	ایمان لائے	فِیْ دِیَارِھِمْ	اپنے گھروں میں
فَعَقَرُوْھَا(۱)	پس مار ڈالا انھوں نے اس کو	مَعَهٗ	ان کے ساتھ	جٰثِمِیْنَ(۳)	اوندھے پڑے ہوئے
فَقَالَ	پس فرمایا صالح نے	بِرَحْمَةٍ	رحمت سے	کَاَنْ لَّمْ	گویا نہیں
تَمَتَّعُوْا	فائدہ اٹھالو	مِّنَّا	ہماری	یَغْنَوْا	بسے تھے وہ
فِیْ دَارِکُمْ	اپنے گھروں میں	وَمِنْ خِزْیِ	اور (بچالیا) رسوائی سے	فِیْھَا	ان (گھروں) میں
ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ	تین دن	یَوْمِئِذٍ	اس دن کی	اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَا	سنو! بیشک ثمود (نے)
ذٰلِکَ وَعْدٌ	یہ وعدہ (ہے)	اِنَّ رَبَّكَ	بیشک آپ کے پروردگار	کَفَرُوْا	کفر کیا
غَیْرُ	نہیں	ھُوَ الْقَوِیُّ	وہی زور والے	رَبَّھُمْ	اپنے رب کا
مَکْذُوْبٍ(۲)	جھوٹا	الْعَزِیْزُ	زبردست (ہیں)	اَلَا	سنو!
فَلَمَّا جَآءَ	پھر جب آیا	وَاَخَذَ	اور پکڑ لیا	بُعْدًا	لعنت ہو
اَمْرُنَا	ہمارا حکم	الَّذِیْنَ	(ان لوگوں کو) جنھوں نے	لِّثَمُوْدَ	ثمود پر!

قوم صالح کا آخری انجام

حضرت صالح علیہ السلام کی مغرور اور سرکش قوم نے آپ کی پیغمبرانہ دعوت اور نصیحت قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور معجزہ کا مطالبہ کیا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں دعا کی، آپ کی دعا قبول ہوئی۔ آپؑ نے اپنی قوم سے پوچھا کہ تمہیں کس قسم کی نشانی مطلوب ہے؟ ان لوگوں نے کہا کہ سامنے والے پہاڑ میں سے یا بستی کے فلاں پتھر میں سے

(۱) عَقَرَ (ن) عَقْرًا کونچیں کاٹنا کونچیں پاؤں کے پٹھوں کو کہتے ہیں جو پیچھے کی طرف ایڑی کے پاس ہوتے ہیں۔ عرب میں دستور تھا کہ جب اونٹ کو ذبح کرنا ہوتا تو پہلے اس کی کونچیں کاٹتے تا کہ بھاگ نہ جائے پھر اس کو ذبح کرتے ــــ لفظ عُقْر کا استعمال عام طور پر صرف کونچیں کاٹنے کے لئے ہوتا ہے مگر کبھی کبھی نحر کے معنی میں بھی آتا ہے کیونکہ نحر کونچیں کاٹنے کے بعد ہی ہوا کرتا ہے یہاں عَقْر سے مار ڈالنا مراد ہے (۲) مَکْذُوْبٍ اسم مفعول بمعنی حاصل مصدر ہے (۳) جَثَمَ (ن ض) جَثْمًا وَ جُثُوْمًا سینہ کے بل اوندھے منہ زمین پر پڑنا۔

جو کنارہ پر نصب ہے، ایک ایسی اونٹنی برآمد کرو، جو گابھن ہو اور فوراً بچہ دے، حضرت صالح علیہ السلام نے دعا کی اور اسی وقت ان سب کے سامنے پہاڑ یا پتھر میں سے حاملہ اونٹنی ظاہر ہوئی اور اس نے بچہ دیا ـــــ یہ معجزہ دیکھ کر، ان کے سرداروں میں سے صرف ایک شخص مشرف باسلام ہوا۔ باقی سرداروں کو مہنتوں اور کاہنوں نے اسلام قبول کرنے سے باز رکھا اور عام لوگوں کو بھی مسلمان نہیں ہونے دیا۔

تب حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی تمام قوم سے بطور تنبیہ فرمایا ـــــ اور اے میری برادری کے لوگو! یہ اللہ پاک کی اونٹنی ہے، تمہارے لئے نشانی، پس اس کو آزاد چھوڑ دو تا کہ اللہ پاک کی زمین میں چرے۔ اور اذیت دینے کی نیت سے اسے ہاتھ نہ لگاؤ، ورنہ فوری عذاب تمہیں آ پکڑے گا ـــــ قوم اگر چہ اس حیرت زا معجزہ کو دیکھ کر ایمان نہیں لائی تھی مگر متأثر ہوئی تھی۔ چنانچہ ان میں یہ دستور جاری رہا کہ گھاس پانی کی باری جہاں ایک دن اونٹنی کی رہتی، تو ایک دن قوم کے تمام جانوروں کی۔ مگر آہستہ آہستہ یہ بات ان کو کھٹکنے لگی، اور آپس میں صلاح مشورے ہونے لگے کہ اونٹنی کا خاتمہ کر دیا جائے، تا کہ باری کے قصے سے نجات ملے۔

یہ باتیں ہوتی رہیں مگر کسی کو اس کے قتل کی ہمت نہ ہوئی تا آنکہ ایک خوب صورت عورت نے خود کو ایک شخص کے سامنے پیش کیا۔ اور ایک دوسری مالدار عورت نے اپنی خوب صورت لڑکی کو دوسرے شخص کے سامنے پیش کیا کہ وہ دونوں اونٹنی کو ہلاک کریں اور ان کے ساتھ عیش کریں ـــــ پس ان لوگوں نے اونٹنی کو مار ڈالا، پھر ـــــ جب حضرت صالح علیہ السلام کو اس کی خبر ہوئی تو قوم سے مخاطب ہو کر حسرت و یاس کے ساتھ ـــــ آپ نے فرمایا: ''تم اپنے گھروں میں تین دن رہ بس لو، یہ ایسا وعدہ ہے جس میں جھوٹ کا شائبہ تک نہیں'' ـــــ یعنی اب خدا کے عذاب کا انتظار کرو، تین دن کے بعد نہ ٹلنے والا عذاب آئے گا، جو تم سب کو تہس نہس کر ڈالے گا ـــــ روح المعانی میں لکھا ہے کہ عذاب آنے کی علامتیں اگلی صبح ہی سے شروع ہو گئی تھیں۔ پہلے دن سب کے چہرے زرد پڑ گئے، دوسرے دن سرخ ہو گئے۔ اور تیسرے دن سب کے چہرے سیاہ ہو گئے ـــــ پھر جب ہمارا حکم آیا، تو ہم نے اپنی مہربانی سے صالح کو، اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے نجات دی، اور اس دن کی رسوائی سے بچالیا، بالیقین آپ کے رب ہی زور والے، زبردست ہیں۔ اور ان لوگوں کو ہولناک آواز نے پکڑ لیا جنھوں نے ناانصافی کی تھی سو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے، گویا وہ کبھی ان میں بسے ہی نہ تھے۔ سنو! ثمود نے اپنے رب کا انکار کیا۔ سنو! ثمود پر لعنت ہو!

چو ز قومے یکے بے دانشی کرد ❁ نہ کہ را منزلت ماند نہ مہ را

(جب قوم کا کوئی فرد حماقت کرتا ہے تو پھر نہ بڑے کا رتبہ باقی رہتا ہے نہ چھوٹے کا)

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ﴿۶۹﴾ فَلَمَّا رَاٰۤ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ﴿۷۰﴾ وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ﴿۷۱﴾ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰۤى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَىْءٌ عَجِيْبٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوْۤا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴿۷۳﴾ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِىْ قَوْمِ لُوْطٍ ﴿۷۴﴾ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ﴿۷۵﴾ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ﴿۷۶﴾

وَلَقَدْ جَآءَتْ	اور البتہ تحقیق آئے ہمارے	سَلٰمٌ (۲)	(تم پر بھی) سلام (ہو)	لَا تَصِلُ	(کہ) نہیں پہنچتے
رُسُلُنَآ	بھیجے ہوئے (فرشتے)	فَمَا	پھر نہیں	اِلَيْهِ	اس (بچھڑے) تک
اِبْرٰهِيْمَ	ابراہیم (علیہ السلام)	لَبِثَ	دیر لگائی (انھوں نے)	نَكِرَهُمْ (۵)	(تو) اوپرا سمجھا ان کو
	کے پاس	اَنْ جَآءَ	کہ لائے (وہ)	وَاَوْجَسَ (۶)	اور محسوس کیا (آپ نے)
بِالْبُشْرٰى	خوش خبری لے کر	بِعِجْلٍ (۳)	بچھڑا	مِنْهُمْ	ان سے
قَالُوْا	کہا انھوں نے	حَنِيْذٍ (۴)	تلا ہوا	خِيْفَةً (۷)	خوف
سَلٰمًا (۱)	(آپ پر) سلام (ہو)	فَلَمَّا رَاٰ	پھر جب دیکھا (آپ نے)	قَالُوْا	انھوں نے کہا
قَالَ	(آپ نے) جواب دیا	اَيْدِيَهُمْ	ان کے ہاتھوں کو	لَا تَخَفْ	آپ نہ ڈریئے

(۱)منصوب بفعل محذوف ای:نسلم علیک سلاما والجملة مقول القول(روح)(۲)ای:علیکم سلام أوسلام علیکم (روح)(۳) با صلہ کی ہے(۴)حَنِیْذٍ بریاں، تلا ہوا، بھنا ہوا صفت مشبہ کا صیغہ مفعول کے معنی میں ہے(۵)نَکِرَ(س) نکرًا الرَّجُلَ: نہ پہچاننا(۶) اَوْجَسَ اِیْجَاسًا الرجلُ: محسوس کرنا، دل میں چھپانا(۷)خِیْفَةً مصدر ہے خَافَ یَخَافُ کا بمعنی خوف ڈر۔

إِنَّآ أُرْسِلْنَآ	تحقیق ہم بھیجے گئے ہیں	إِنَّ هٰذَا	بالیقین یہ	الْبُشْرٰى	خوش خبری
إِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ	لوط (علیہ السلام) کی	لَشَیْءٌ	ضروربات (ہے)	يُجَادِلُنَا	(تو) جھگڑنے لگے وہ ہم سے
	قوم کی طرف	عَجِيْبٌ	عجیب!	فِيْ قَوْمِ	لوط (علیہ السلام) کی
وَامْرَاَتُهٗ	اوران کی بیوی	قَالُوْٓا	کہا فرشتوں نے	لُوْطٍ	قوم کے بارے میں
قَآئِمَةٌ	کھڑی (تھی)	اَتَعْجَبِيْنَ(۲)	کیا تم تعجب کرتی ہو	اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ	بیشک ابراہیم (علیہ السلاؐ)
فَضَحِكَتْ	پس وہ ہنس پڑی	مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ	اللہ پاک کے حکم کے	لَحَلِيْمٌ	یقیناً بردبار
فَبَشَّرْنٰهَا	سوخوش خبری دی ہم		بارے میں؟	اَوَّاهٌ	نرم دل
	نے اس کو	رَحْمَتُ	رحمتیں (ہیں)	مُّنِيْبٌ	اللہ پاک کی طرف رجوع
بِاِسْحٰقَ	اسحاق کی	اللّٰهِ	اللہ پاک (کی)		ہوکر رہنے والے ہیں
وَمِنْ وَّرَآءِ	اور پیچھے	وَبَرَكٰتُهٗ	اوران کی برکتیں (ہیں)	يٰٓاِبْرٰهِيْمُ	اے ابراہیم
اِسْحٰقَ	اسحاق (کے)	عَلَيْكُمْ	تم پر	اَعْرِضْ	چھوڑیے
يَعْقُوْبَ	یعقوب (کی)	اَهْلَ الْبَيْتِ(۳)	اے (نبی کے) گھر والو!	عَنْ هٰذَا	اس (جھگڑے) کو
قَالَتْ	وہ بولیں	اِنَّهٗ	تحقیق وہ	اِنَّهٗ	بے شک شان یہ ہے
يٰوَيْلَتٰٓى	میں موئی!	حَمِيْدٌ	نہایت قابل تعریف	قَدْ جَآءَ	(کہ) تحقیق آگیا (ہے)
ءَاَلِدُ	کیا میں بچہ جنوں گی	مَّجِيْدٌ	بڑی شان والے (ہیں)	اَمْرُ	حکم
وَاَنَا	درانحالیکہ میں	فَلَمَّا	پس جب	رَبِّكَ	آپ کے رب کا
عَجُوْزٌ	بڑھیا (ہوں)	ذَهَبَ	دور ہوئی	وَاِنَّهُمْ	اور بے شک وہ لوگ
وَّهٰذَا	اور یہ	عَنْ اِبْرٰهِيْمَ	ابراہیم (علیہ السلاؐ) سے	اٰتِيْهِمْ	آنے والا ہے ان پر
بَعْلِيْ	میرے شوہر (ہیں)	الرَّوْعُ(۴)	گھبراہٹ	عَذَابٌ	عذاب
شَيْخًا(۱)	بوڑھے	وَجَآءَتْهُ	اور آئی ان کے پاس	غَيْرُ مَرْدُوْدٍ(۵)	نہ ٹالا جانے والا

(۱) نصبه على الحال (۲) تَعْجَبِيْنَ باب سمع سے فعل مضارع، صیغہ واحد مؤنث حاضر ہے (۳) نُصِبَ على المدح أو الاختصاص (روح) (۴) رَاعَ (ف) رَوْعًا: گھبرانا۔ (۵) مَرْدُوْدٍ اسم مفعول ہے رَدٌّ سے لوٹایا جانے والا، ٹالا جانے والا۔

چوتھی سرگذشت کی تمہید میں ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ

اب چوتھی سرگذشت شروع ہوتی ہے۔ یہ حضرت لوط علیہ السلام اوران کی قوم کی سرگزشت ہے مگراس کی تمہید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان کیا جاتا ہے۔ مقصدِاصلی حضرت لوط علیہ السلام کا واقعہ بیان کرنا ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ اوران کی نشوونما حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آغوش میں ہوئی تھی۔ اس وجہ سے سب سے پہلے آپ ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے تھے اور ہجرت میں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ رہے تھے۔

حضرت لوط علیہ السلام سَدُوم اور عَمُورہ کی طرف مبعوث کئے گئے تھے اُردُن کی وہ جانب جہاں آج بحرِمیّت یا بحیرۂ لوط (DEAD SEA) ہے، یہی وہ جگہ ہے جہاں یہ بستیاں آباد تھیں۔ پہلے یہ تمام حصہ جواب سمندر نظر آتا ہے خشک زمین تھی اوراس پر یہ شہر آباد تھے۔ جب ان لوگوں پر عذاب آیا۔ اوراس سرزمین کا تختہ الٹ دیا گیا تو یہ سرزمین تقریباً چارسو میٹر سطح سمندر سے نیچے چلی گئی اور پانی ابھر آیا جواب بحرِ میت کہلاتا ہے۔

یہاں کے باشندے اس قدر بدکاریوں میں مبتلا تھے کہ خدا کی پناہ! دنیا کی کوئی برائی ایسی نہیں تھی جوان میں نہ ہو۔ سرکشی، تمرد، بداخلاقی اور بداطواری کے علاوہ یہ قوم ایک خبیث فعل تَلَذُّذْ بالمِثل کی لعنت میں گرفتار تھی۔ دنیا کی کسی قوم میں اس وقت تک اس عمل کا قطعاً کوئی وجود نہ تھا، اسی بدبخت قوم نے یہ ناپاک عمل ایجاد کیا۔

حضرت لوط علیہ السلام نے ان کوان کی بے حیائی اور خباثت پر ملامت کی، اور شرافت وطہارت کی رغبت دلائی، مگر ان بدبختوں پر مطلق اثر نہ ہوا۔ بلکہ الٹا اثر ہوا انھوں نے لوط علیہ السلام کا ٹھٹھا اڑایا اور بستی بدر کرنے کی یا سنگسار کرنے کی دھمکیاں دیں۔ حضرت لوط علیہ السلام کی مشفقانہ نصیحتوں کو سن کر قوم غم وغصہ سے تلملا اٹھی اور کہنے لگی: ”لوط! بس یہ نصیحتیں ختم کر، اگر ہمارے اعمال سے تیرا خدا ناراض ہے تو وہ عذاب لا کر دکھا جس سے تو بار بار ہم کو ڈراتا ہے“

اِدھر یہ سب کچھ ہورہا تھا اور دوسری طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا کہ انکے پاس تین آدمی آئے، اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں —— اور سچا واقعہ یہ ہے کہ ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ابراہیم کے پاس خوش خبری لے کر پہنچے —— انھوں نے کہا: ”آپؑ پر سلام ہو!“ —— آپؑ نے جواب دیا: ”آپ لوگوں پر بھی سلام ہو!“ —— حضرت ابراہیمؑ نہایت متواضع اور مہمان نواز تھے۔ ہمیشہ آپ کا دسترخوان مہمانوں کے لئے بچھا رہتا تھا۔ اس لئے آپ مہمانوں کو دیکھ کر بے حد خوش ہوئے —— اور کچھ دیر نہ لگائی کہ آپ تلا ہوا بچھڑا لے آئے —— یعنی بچھڑا ذبح کر کے تکے بنائے اور بھون کر مہمانوں کے سامنے لے آئے —— پھر جب آپؑ نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ اس کی طرف نہیں بڑھتے تو آپ

نے ان کو بے گانہ سمجھا اور ان سے خطرہ محسوس کیا— کہ آخر یہ کون لوگ ہیں؟ کس غرض سے آئے ہیں؟ ہم کھانا پیش کرتے ہیں، یہ اسے ہاتھ نہیں لگاتے! ماجرا کیا ہے؟ دشمن تو نہیں ہیں؟ برے ارادے سے تو نہیں آئے؟ غرض طرح طرح کے اندیشے دل میں جنم لینے لگے— فرشتوں نے جب حضرت ابراہیمؑ کا اضطراب دیکھا تو— انھوں نے کہا کہ ”آپ نہ ڈریئے، ہم لوط کی قوم کی طرف بھیجے ہوئے فرشتے ہیں“— یعنی ہم خدا کے فرشتے ہیں اور قوم لوط کی تباہی کے لئے بھیجے گئے ہیں— اور آپؑ کی بیوی— حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہیں— کھڑی— سن رہی— تھیں، پس وہ ہنس دیں— کہ لو بھئی کھودا پہاڑ نکلی چوہیا! ہم نے تو مہمان جان کر کس قدر اہتمام کیا اور وہ نکلے فرشتے!— پس ہم نے ان کو اسحاق کی اور اسحاق کے بعد (ان کے بیٹے) یعقوب کی خوش خبری سنائی— یہ بشارت حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو اس لئے سنائی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پہلے ہی سے موجود تھے۔ البتہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا اس وقت تک لاولد تھیں۔ اور اس بنا پر ان کا دل غمگین تھا اور تمنا رکھتی تھیں کہ ان کو بھی بیٹا ملے، مگر بوڑھی ہو کر مایوس ہو چکی تھیں، اس لئے فرشتوں نے اللہ پاک کی طرف سے ان کو یہ خوش خبری سنائی— وہ بولیں: ”میں موئی! کیا میں بچہ جنوں گی، جبکہ میں بڑھیا ہو گئی اور یہ میرے میاں ہیں بالکل بوڑھے! یہ تو واقعی بڑی عجیب بات ہے“— اس آخری بات سے کہ: ”یہ تو واقعی بڑی عجیب بات ہے“ معلوم ہوا کہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو بشارت کی صداقت کا پورا یقین تھا— اور ”میں موئی“ یہ زنانہ اندازِ گفتگو ہے— فرشتوں نے کہا: ”تم اللہ پاک کے حکم پر تعجب کرتی ہو؟“— یعنی عادۃً اگرچہ اس عمر میں اولاد نہیں ہوتی، مگر اللہ پاک کی قدرت سے اولاد ہونا کچھ بعید نہیں، پس جب ہم اللہ پاک کی طرف سے تم کو خوش خبری دے رہے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ تمہیں حیرت ہو— اے نبیؑ کے گھر والو! تم پر تو اللہ پاک کی رحمتیں اور برکتیں ہوتی ہی رہتی ہیں— یعنی جس گھرانے پر اللہ پاک کی اس قدر رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی رہتی ہوں، اور جنھیں ہمیشہ معجزات و خوارق دیکھنے کا اتفاق ہوتا رہتا ہو، کیا ان کے لئے بھی یہ کوئی عجیب بات ہے؟ ان کا تعجب کرنا تو خود قابل تعجب ہے۔ انھیں تو یہ لائق تھا کہ خوش خبری سن کر تعجب کے بجائے اللہ پاک کی تحمید و تمجید کرتے، کیونکہ— بالیقین اللہ پاک نہایت قابل تعریف، بڑی شان والے ہیں۔

پھر جب ابراہیم کی گھبراہٹ دور ہوئی، اور ان کو خوش خبری مل گئی تو وہ ہم سے لوط کی قوم کے بارے میں جھگڑنے لگے — یعنی جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اِدھر سے اطمینان ہو گیا، تو آپ کی نرم دلی اور جذبۂ ہمدردی ابھر آیا، اور آپ نے قومِ لوط کے مسئلہ میں فرشتوں سے بحث شروع کی۔ فرمانے لگے: تم اس قوم کو کیسے برباد کرنے جا رہے ہو جس میں لوط جیسا برگزیدہ نبی موجود ہے؟— ابراہیم درحقیقت بردبار، نرم دل اور ہر حال میں اللہ پاک کی طرف رجوع کرنے والے

ہیں —— یہ اللہ پاک نے حضرت ابراہیمؑ کی اس سعی کی مدح فرمائی جو انہوں نے قومِ لوط کے سلسلہ میں کی کہ یہ ان کے حلم، رحم، شفقت اور تعلق مع اللہ کا نتیجہ ہے —— اے ابراہیم! اس بات کو جانے دیجئے، بالتحقیق آپ کے رب کا حکم ہو چکا ہے، اور ان پر ضرور وہ عذاب آنے والا ہے جو کسی کے پھیرے نہیں پھر سکتا —— یعنی اب بات ٹلنے والی نہیں، وقت آ پہنچا ہے، البتہ لوط علیہ السلام اور ان کے خاندان کو ہم عذاب سے بچالیں گے مگر لوط علیہ السلام کی بیوی قوم کی حمایت اور ان کی بداعمالیوں اور بدعقیدگیوں میں شرکت کی وجہ سے قومِ لوط ہی کے ساتھ عذاب میں مبتلا ہوگی۔

فائدہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ واقعہ، حضرت لوط علیہ السلام کی سرگذشت کی تمہید میں دو وجہ سے سنایا گیا ہے:

① —— فرشتوں نے دو باتوں کی خبر دی تھی ایک یہ کہ قومِ لوط کی ہلاکت کا وقت قریب آ گیا ہے۔ دوسری یہ کہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوں گے۔ اور ان سے حضرت یعقوب علیہ السلام پیدا ہوں گے فرشتوں نے ایک ہی وقت میں یہ دونوں باتیں بتلائیں ہیں، جن میں سے ایک سے ایمان اور نیک عملی کی کامرانی کا اظہار ہو رہا ہے اور دوسری سے انکار و بدعملی کی ہلاکت کا۔

جس دن یہ بات بتلائی گئی کہ سدوم اور عمورہ کا علاقہ بدعملیوں کی پاداش میں ہلاک ہونے والا ہے، اسی دن یہ بشارت بھی دی گئی کہ نیک عملی کے نتیجہ میں ایک نئی نسل تیار ہونے والی ہے جو عنقریب اس تمام ملک پر حکمرانی کرے گی۔

② —— نزولِ سورت کے وقت مخاطب قریش کے لوگ تھے۔ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہونے کی وجہ سے اس گھمنڈ میں مبتلا تھے کہ ہم کچھ بھی کریں ہمارے لئے نجات یقینی ہے، کیونکہ ابراہیم علیہ السلام اللہ کے دربار میں ہماری سفارش کرنے کو موجود ہیں —— ان کو پہلے تو حضرت نوح علیہ السلام کے لڑکے کا واقعہ سنایا، اس کے بعد اب یہ دوسرا واقعہ سنایا کہ ایک طرف تو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بے پایاں عنایات ہیں، مگر ابراہیمؑ خلیل اللہ جب قومِ لوط کے معاملہ میں جھگڑتے ہیں تو ان کے اصرار والحاح کے باوجود ان کی سفارش رد کر دی جاتی ہے۔

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا یَوْمٌ عَصِیْبٌ ۝ وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ یُهْرَعُوْنَ اِلَیْهِ ؕ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ ؕ قَالَ یٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِیْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِیْ ضَیْفِیْ ؕ

أَلَيْسَ مِنكُمْ رَجُلٌ رَّشِيدٌ ﴿٧٨﴾ قَالُوا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِي بَنَاتِكَ مِنْ حَقٍّ وَإِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيدُ ﴿٧٩﴾ قَالَ لَوْ أَنَّ لِي بِكُمْ قُوَّةً أَوْ آوِي إِلَىٰ رُكْنٍ شَدِيدٍ ﴿٨٠﴾ قَالُوا يَا لُوطُ إِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَن يَصِلُوا إِلَيْكَ فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ اللَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنكُمْ أَحَدٌ إِلَّا امْرَأَتَكَ إِنَّهُ مُصِيبُهَا مَا أَصَابَهُمْ إِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ أَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيبٍ ﴿٨١﴾ فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّن سِجِّيلٍ مَّنضُودٍ ﴿٨٢﴾ مُّسَوَّمَةً عِندَ رَبِّكَ وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍ ﴿٨٣﴾ ع

وَلَمَّا جَاءَتْ	اور جب آئے	عَصِيبٌ (٣)	سخت (ہے)	هٰؤُلَاءِ	یہ
رُسُلُنَا	ہمارے بھیجے ہوئے	وَجَاءَهُ	اور آئی ان کے پاس	بَنَاتِي	میری بیٹیاں (ہیں)
	(فرشتے)	قَوْمُهُ	ان کی قوم	هُنَّ أَطْهَرُ	وہ پاکیزہ (ہیں)
لُوطًا	لوط (کے پاس)	يُهْرَعُونَ	درانحالیکہ وہ دوڑ رہے تھے	لَكُمْ	تمہارے لئے
سِيءَ (١)	(تو) غمگین کئے گئے وہ	إِلَيْهِ	ان کی طرف	فَاتَّقُوا	پس ڈرو تم
بِهِمْ	ان کی وجہ سے	وَمِن قَبْلُ	اور پہلے سے	اللّٰهَ	اللہ پاک (سے)
وَضَاقَ	اور تنگ ہوئے وہ	كَانُوا	تھے وہ	وَلَا	اور نہ
بِهِمْ	ان کی وجہ سے	يَعْمَلُونَ	کیا کرتے	تُخْزُونِ	رسوا کرو مجھ کو
ذَرْعًا (٢)	دل میں	السَّيِّئَاتِ	بدکاریاں	فِي ضَيْفِي	میرے مہمانوں میں!
وَقَالَ	اور کہا (اس نے)	قَالَ	کہا اس نے	أَلَيْسَ	کیا نہیں ہے
هٰذَا يَوْمٌ	یہ دن	يَا قَوْمِ	اے میری قوم!	مِنكُمْ	تم میں

(۱) سَاءَ (ن) سَوْءً افلانًا: غمگین کرنا، سِيءَ فعل ماضی مجہول، صیغہ واحد مذکر غائب غمگین کیا گیا (۲) ذَرْعٌ مصدر ہے ہاتھ کا پھیلاؤ مجازاً طاقت، وسعت مراد ہوتی ہے اور ضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا کے معنی دل تنگ ہونے اور کڑھنے کے ہیں (۳) عَصِيبٌ صفت مشبہ کا صیغہ، عَصَبَ (ض) عَصْبًا: سخت کسنا، باندھنا۔

رَجُلٌ	کوئی آدمی	اِنَّا	بے شک ہم	مَوْعِدَهُمُ	ان کے وعدہ کا وقت
رَّشِيْدٌ	بھلا!	رُسُلُ	بھیجے ہوئے (ہیں)	الصُّبْحُ	صبح ہے
قَالُوْا	جواب دیا انھوں نے	رَبِّكَ	آپ کے رب کے	اَلَيْسَ	کیا نہیں ہے
لَقَدْ	البتہ تحقیق	لَنْ	ہرگز نہیں	الصُّبْحُ	صبح
عَلِمْتَ	جانتا ہے تو	يَّصِلُوْٓا	پہنچیں گے وہ	بِقَرِيْبٍ	نزدیک؟
مَا	(کہ) نہیں (ہے)	اِلَيْكَ	آپ تک	فَلَمَّا جَآءَ	پس جب آیا
لَنَا	ہمارے لئے	فَاَسْرِ	سو لے چلئے آپ	اَمْرُنَا	ہمارا حکم
فِيْ بَنٰتِكَ	تیری بیٹیوں میں	بِاَهْلِكَ	اپنے گھر والوں کو	جَعَلْنَا	(تو) کیا ہم نے
مِنْ حَقٍّ	کوئی حصہ	بِقِطْعٍ	کسی حصہ میں	عَالِيَهَا(۲)	ان بستیوں کے اوپر
وَاِنَّكَ	اور بالتحقیق تو	مِّنَ الَّيْلِ	رات کے		کے حصہ کو
لَتَعْلَمُ	البتہ جانتا ہے	وَلَا	اور نہ	سَافِلَهَا	ان بستیوں کا نیچے کا حصہ
مَا نُرِيْدُ	جو چاہتے ہیں ہم	يَلْتَفِتْ	مڑ کر دیکھے	وَاَمْطَرْنَا	اور برسائے ہم نے
قَالَ	کہا (لوط نے)	مِنْكُمْ	تم میں سے	عَلَيْهَا(۲)	ان بستیوں پر
لَوْ اَنَّ لِيْ(۱)	اگر ہوتی مجھ میں	اَحَدٌ	کوئی	حِجَارَةً	پتھر
بِكُمْ	تم سے (نمٹنے کی)	اِلَّا	مگر مستثنیٰ ہے	مِّنْ سِجِّيْلٍ(۳)	کھنگر کے
قُوَّةً	طاقت	امْرَاَتَكَ	آپ کی بیوی	مَّنْضُوْدٍ	لگاتار (تابڑتوڑ)
اَوْ اٰوِيْٓ	یا پناہ پکڑتا میں	اِنَّهٗ	بے شک شان یہ ہے	مُّسَوَّمَةً(۴)	نشانی کئے ہوئے
اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ	کسی مضبوط پایہ کی!	مُصِيْبُهَا	(کہ) اس کو پہنچنے والا	عِنْدَ رَبِّكَ	آپ کے رب کے پاس
			(ہے)	وَمَا هِيَ	اور نہیں ہیں وہ (بستیاں)
قَالُوْا	کہا (مہمانوں نے)	مَآ اَصَابَهُمْ	جو پہنچا ان کو	مِنَ الظّٰلِمِيْنَ	نا انصافوں سے
يٰلُوْطُ	اے لوط!	اِنَّ	بالیقین	بِبَعِيْدٍ	کچھ دور

(۱) لَوْ شرطیہ ہے اور اس کا جواب محذوف ہے اور بِكُمْ حال ہے قُوَّةً سے (روح) (۲) ضمیر ھا اور ھی کا مرجع قوم لوط کی بستیاں ہیں (۳) السِّجِّيْلُ: الطينُ الْمُتَحَجِّرُ (روح) (۴) مسوَّمۃ صفت ہے حجارۃ کی۔

چوتھا واقعہ: لوط علیہ السلام کی قوم کا

فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے روانہ ہوکر سَدُوم پہونچے۔ اور لوط علیہ السلام کے یہاں مہمان ہوئے۔ یہ اپنی شکل وصورت میں حسین وخوب صورت اور عمر میں لونڈے تھے[1] حضرت لوط علیہ السلام ان مہمانوں کو دیکھ کر گھبرائے، اور ڈرے کہ نہ معلوم بدبخت قوم ان معزز مہمانوں کے ساتھ کیا معاملہ کرے گی، اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں

—— اور جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے لوط کے پاس آئے، تو وہ ان کی وجہ سے غمگین اور تنگ دل ہوا اور کہنے لگا: ''یہ سخت دن ہے!'' —— یعنی آپؑ سخت فکر مند اور تنگ دل ہوئے کہ یہ بدمعاش ان مہمانوں کا پیچھا کریں گے، مہمانوں کو چھوڑنا بھی مشکل، اور ان خبیثوں کے ہاتھوں سے چھڑانا بھی مشکل!

ابھی حضرت لوط علیہ السلام اسی الجھن میں تھے کہ قوم کو خبر لگ گئی —— اور ان کی قوم ان کے پاس دوڑی آئی۔ اور پہلے سے وہ بدکاریاں کرتے تھے —— یعنی وہ اس خبیث عمل کی نحوست سے اس قدر بے حیا ہوچکے تھے کہ بَرمَلا حضرت لوط علیہ السلام کے مکان پر چڑھ آئے، اور مطالبہ کرنے لگے کہ مہمانوں کو ہمارے حوالہ کرو۔

لوط نے کہا: ''اے میری قوم! یہ میری بیٹیاں[2] ہیں۔ وہ تمہارے لئے پاکیزہ ہیں۔ پس اللہ کا خوف کرو، اور میرے مہمانوں میں مجھے رسوانہ کرو۔ کیا تم میں کوئی بھی بھلا آدمی نہیں؟!'' —— حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو سمجھایا کہ اپنی شہوت فطری اور جائز طریقوں سے پوری کرو، اور اس کے لئے عورتوں کی کمی نہیں، تمہارے گھروں میں میری بیٹیاں تمہاری رفیقۂ حیات موجود ہیں، جو تمہارے لئے حلال اور پاکیزہ ہیں۔ پس تم اللہ کا خوف کرو، اس ملعون اور خبیث کام پر اصرار نہ کرو یا کم از کم میری ہی رعایت کرو کہ میں ان مہمانوں کے سامنے شرمندہ نہ ہوؤں۔ کیا تم میں کوئی بھی بھلا مانس نہیں جسے میری بات اپیل کرے؟

ان لوگوں نے جواب دیا: ''تم جانتے ہو کہ ہمارا تمہاری بیٹیوں میں کوئی حصہ نہیں'' —— یعنی ہمیں اپنی بیویوں میں کوئی رغبت نہیں —— اور ''تمہاری بیٹیوں'' طنز ہے —— اور بالیقین تم وہ بات بھی جانتے ہو جو ہم چاہتے ہیں —— پھر اتنی حجت وتکرار کیوں کرتے ہو؟ ہم اپنا ناپاک ارادہ پورا کئے بغیر ہٹنے والے نہیں!

(۱) لونڈا وہ لڑکا جس کی ڈاڑھی مونچھ نہ نکلی ہو (۲) حضرت لوط علیہ السلام کا اشارہ قوم کی لڑکیوں کی طرف تھا، جو بیوی کی حیثیت سے ان کے گھروں میں موجود تھیں۔ اپنی صاحبزادیوں کی طرف اشارہ نہیں تھا، کیونکہ مشہور قول کے مطابق آپ کی صرف دو صاحبزادیاں تھیں (روح) اس لئے اگر اپنی صاحب زادیاں مراد ہوتیں تو آپ بَنَاتِیْ جمع کے بجائے بِنْتَایَ تثنیہ فرماتے —— قرآن کریم واقعہ نقل کرتا ہے جس میں حکایت کا محکی عنہ کے مطابق ہونا ضروری ہے۔

لوط نے کہا: ''کاش مجھ میں تم سے نمٹنے کا بَل ہوتا، یا میں کسی مضبوط پایہ کی پناہ پکڑے ہوئے ہوتا!—— حضرت لوط علیہ السلام کی زبان سے یہ بات انتہائی پریشانی کی حالت میں بے ساختہ نکلی ہے کہ اگر مجھ میں بذاتِ خود تم سے لڑنے اور مقابلہ کرنے کی طاقت ہوتی، یا کوئی طاقتور اور مضبوط پناہ دینے والا کنبہ اور جتھا ہوتا تو میں تم سب کو تمہاری شرارتوں کا مزہ چکھاتا۔

لوط علیہ السلام جلیل القدر پیغمبر ہیں، کنبہ، خاندان اور جتھے سے بھی زیادہ مضبوط پایے کی یعنی اللہ تعالیٰ کی پناہ پکڑے ہوئے ہیں حدیث شریف میں ہے کہ ﴿ يَرْحَمُ اللّٰهُ لُوْطاً لَقَدْ كَانَ يَاوِيْ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ﴾[1] اللہ لوط علیہ السلام پر رحم فرمائیں! قسم بخدا! وہ مضبوط و مستحکم پناہ حاصل کئے ہوئے تھے یعنی درحقیقت وہ بے سہارا نہیں تھے۔ مگر اس وقت سخت گھبراہٹ اور بے چینی کی وجہ سے اُدھر خیال نہ گیا، بے ساختہ ظاہری اسباب پر نظر گئی، اس سے لوط علیہ السلام کی دل تنگی اور پریشانی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس وقت آپ کس قدر پریشان ہوئے ہوں گے؟ ترمذی شریف میں یہ بھی ہے: ﴿فَمَا بَعَثَ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِهٖ نَبِيّاً اِلَّا فِيْ ذِرْوَةٍ مِّنْ قَوْمِهٖ ﴾[2] یعنی حضرت لوط علیہ السلام کے بعد اللہ پاک نے قبیلہ کی معزز شاخ ہی میں نبی بھیجے

غرض جب حضرت لوط علیہ السلام کے اضطراب اور بے چینی کی حد ہوگئی تو—— مہمانوں نے کہا: ''اے لوط! بیشک ہم آپ کے رب کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں''—— آپ مطلق پریشان نہ ہوں—— یہ لوگ ہرگز آپ تک نہیں پہونچ سکتے —— کہتے ہیں کہ وہ بدمعاش دروازہ توڑ کر دیوار پھاند کر اندر گھسے جاتے تھے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے باذن الٰہی اپنا ایک بازو ان ملعونوں کی طرف ہلایا تو سب کے سب اندھے ہوگئے۔ اور ایک دوسرے پر گرتے پڑتے بھاگے، اور کہنے لگے کہ بھاگو! بھاگو! لوط کے گھر میں جادوگر ہیں!

فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو ہدایت دی کہ—— اب آپ اپنے گھر والوں کو رات کے کسی حصہ میں لے چلئے —— یعنی آپ اپنے اہل وعیال کو لے کر چپکے سے یہاں سے نکل جائیے—— اور آپ لوگوں میں سے کوئی بھی مڑ کر نہ دیکھے—— یعنی آپ لوگوں کو بس یہ فکر ہونی چاہئے کہ کسی طرح جلد سے جلد اس علاقے سے نکل جائیں—— مگر آپ کی بیوی مستثنیٰ ہے، بالیقین اسے وہ عذاب پہنچ کر رہے گا جو اور لوگوں کو پہنچنے والا ہے—— یعنی آپ کی بیوی ان ہی بے حیاؤں کی رفاقت میں رہے گی اور آپ لوگوں کا ساتھ نہ دے گی—— چنانچہ رات کے وقت حضرت لوط علیہ السلام اپنے خاندان سمیت سَدُوم سے رخصت ہوگئے۔ اور ان کی بیوی نے ان کی رفاقت سے انکار کردیا یا وہ راستہ ہی سے لوٹ کر سدوم

(۱) بخاری شریف ص ۴۷۹ (۲) ج ۲ ص ۱۳۹ ابواب التفسیر۔

واپس گئی۔اور قوم کے ساتھ ہلاک ہوئی۔

فرشتوں نے یہ بھی بتلایا کہ — ان کی تباہی کے لئے صبح کا وقت مقرر ہے، صبح ہونے میں اب دیر ہی کیا ہے؟ — یعنی صبح ہوتے ہی سب کا صفایا ہو جائے گا۔

پھر جب ہمارا حکم آیا تو ہم نے ان بستیوں کے اوپر کے حصہ کو نیچے کا حصہ کر دیا — یعنی تل پٹ کر دیا — غالباً یہ عذاب سخت دھماکے، شدید زلزلے اور آتش فشانی انفجار کی شکل میں رونما ہوا ہوگا، زلزلے نے سب بستیوں کو تل پٹ کر دیا — اور ان بستیوں پر ہم نے کھنگر کے پتھر تابڑ توڑ برسائے، جو آپ کے رب کے پاس سے نشان زدہ تھے — یعنی پتھر اللہ پاک کی طرف سے نامزد کیا ہوا تھا کہ اسے کس مجرم پر پڑنا ہے — یہ زور کا پتھراؤ ان لوگوں پر آتش فشاں مادے کے پھٹنے سے ہوا تھا — کھنگر یعنی پکی ہوئی مٹی سے مراد وہ مُتَحَجّر مٹی ہے جو آتش فشاں علاقے میں زیر زمین حرارت اور لاوے کے اثر سے پتھر کی شکل اختیار کر لیتی ہے — اور وہ بستیاں ناانصافوں سے کچھ دور نہیں! — یعنی زمانے کے اعتبار سے بھی قریب ہیں کیونکہ عاد و ثمود کے بعد ہی ان کا وجود ہوا تھا اور جگہ کے اعتبار سے بھی قریب ہیں۔ کیونکہ وہ بستیاں مدینہ اور شام کے درمیان واقع تھیں اور مشرکین مکہ کے تجارتی قافلے ہر سال ان کھنڈرات کا مشاہدہ کرتے تھے۔

سَدُّوم اور عَمُوْرَہ کا علاقہ فلسطین کا سب سے زیادہ شاداب علاقہ تھا مگر لوگوں کی بدعملیوں کی پاداش میں ایسا اجڑا کہ پھر کبھی سرسبز و شاداب نہ ہو سکا!

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۗ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۗ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ﴿۸۴﴾ وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۸۵﴾ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿۸۶﴾

وَاِلٰى مَدْيَنَ	اور مدین کی طرف (بھیجا ہم نے)	اَخَاهُمْ شُعَيْبًا	ان کے بھائی شعیب کو	قَالَ يٰقَوْمِ	کہا انھوں نے اے میری قوم!

اعْبُدُوا	عبادت کروتم	اَخَافُ	اندیشہ محسوس کرتا ہوں	وَلَا تَعْثَوْا (۷)	اور نہ خرابی مچاؤتم
اللّٰهَ	اللہ پاک (کی)	عَلَيْكُمْ	تمہارے بارے میں	فِي الْاَرْضِ	زمین میں
مَا لَكُمْ	نہیں ہے تمہارے لئے	عَذَابَ	عذاب کا	مُفْسِدِيْنَ (۸)	بگاڑ پھیلاتے ہوئے
مِّنْ اِلٰهٍ	کوئی معبود	يَوْمٍ مُّحِيْطٍ (۴)	گھیرنے والے دن (کا)	بَقِيَّتُ اللّٰهِ (۹)	برکت اللہ کی
غَيْرُهٗ	ان کے سوا	وَيٰقَوْمِ	اور اے میری قوم!	خَيْرٌ	بہتر (ہے)
وَلَا تَنْقُصُوا	اور نہ گھٹاؤتم	اَوْفُوا (۵)	پورا کیا کروتم	لَّكُمْ	تمہارے لئے
الْمِكْيَالَ (۱)	ناپ	الْمِكْيَالَ	ناپ	اِنْ كُنْتُمْ	اگرتم ہو
وَالْمِيْزَانَ (۲)	اور تول	وَالْمِيْزَانَ	اور تول	مُّؤْمِنِيْنَ	یقین کرنے والے
اِنِّيْٓ	بالیقین میں	بِالْقِسْطِ	انصاف کے ساتھ	وَمَآ	اور نہیں (ہوں)
اَرٰىكُمْ	دیکھتا ہوں تم کو	وَلَا تَبْخَسُوا (۶)	اور نہ گھٹا دوتم	اَنَا	میں
بِخَيْرٍ (۳)	آسودہ حال	النَّاسَ	لوگوں (کو)	عَلَيْكُمْ	تم پر
وَّاِنِّيْٓ	اور یقیناً میں	اَشْيَآءَهُمْ	ان کی چیزوں (میں)	بِحَفِيْظٍ (۱۰)	نگہبان

پانچویں سرگذشت: شعیب علیہ السلام کی قوم مدین والوں کا واقعہ

یہاں سے پانچویں سرگذشت شروع ہوتی ہے۔ یہ حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کی قوم مدین کی سرگذشت ہے — ''مدین'' قبیلہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صاحبزادے مدین یا مدیان کی نسل سے تھا، جو آپ کی تیسری حرم حضرتِ قِطُورا کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ اسی وجہ سے بنی اسرائیل اس خاندان کو ''بنی قطورا'' کہتے تھے۔

حضرت مدین اپنے اہل وعیال کے ساتھ اپنے سوتیلے بھائی حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پہلو میں

(۱) اَلْمِكْيَال (اسم آلہ) ناپنے کا پیمانہ كَالَ (ض) كَيْلاً ناپنا (۲) اَلْمِيْزَان (اسم مصدر اور اسم آلہ) تول، ترازو (۳) بَخَيْرٍ محذوف سے متعلق ہے أی: متلبسين بثروة واسعة (روح) اور اَرٰی کا دوسرا مفعول ہے (۴) مُحِيْط باب افعال سے اسم فاعل ہے اَحَاطَ اِحَاطَةً: ہر طرف سے گھیر لینا (۵) اَوْفُوْا فعل امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے اَوْفٰى بِالْوَعْدِ: پورا کرنا (۶) بَخَسَ (ف) بَخْسًا: گھٹانا (۷) عَثَا يَعْثُوْا عُثُوًّا: فساد میں مبالغہ کرنا (۸) مُفْسِدِيْنَ حال ہے تَعْثَوْا کی ضمیر فاعل سے (۹) بقية الله، ای بقية من الله: تجارت میں ملنے والا نفع (۱۰) حَفِيْظ بروزن فَعِيْل: بمعنی فاعل: نگہبان، حفاظت کرنے والا۔

حجاز ہی میں آباد ہوگئے تھے۔آپ کا خاندان آگے چل کر ایک بڑا قبیلہ بن گیا اور آپ کے نام پر قبیلہ کی بستی کا نام بھی ''مدین'' مشہور ہوا ـــــ بحر قلزم کی جو شاخ عرب اور جزیرہ نمائے سَیناء کے درمیان گزری ہے جسے اب خلیج عقبہ کہتے ہیں، اسی کے کنارے مدین کا قبیلہ آباد تھا۔ یہ جگہ عرب کے مغرب شمال میں واقع ہے، ملکِ شام سے متصل ہے اور حجاز کا آخری حصہ کہی جا سکتی ہے، یہ جگہ تبوک کے بالمقابل واقع ہے ـــــ آب و ہوا کی لطافت اور نہروں اور آبشاروں کی کثرت نے اس مقام کو سرسبز و شاداب علاقہ بنادیا تھا۔ یہاں میووں، پھلوں اور خوشبودار پھولوں کی اس قدر بہتات تھی کہ سارا ملک گل وگلزار بن گیا تھا، ہر طرف باغات وچمن پھیلے ہوئے تھے، نہایت خوب صورت اور شاداب گھنے درختوں نے پورے علاقہ کو دلہن کی طرح سجا رکھا تھا، الغرض اللہ پاک کا فضل ہر چیز سے عیاں تھا ـــــ مگر لوگ اللہ پاک کے نافرمان بن چکے تھے۔حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پاکیزہ ملت کو خیر باد کہہ چکے تھے۔سچے مذہب کی قدروں کو بھلا چکے تھے اور ساری قوم گمراہی کے بھنور میں پھنس چکی تھی۔اپنی بداعمالیوں میں اس قدر سرمست، سرشار اور دیوانی ہو چکی تھی کہ لمحہ بھر کے لئے اسے احساس نہیں ہوتا تھا کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ معصیت اور اللہ پاک کی نعمتوں کی ناقدری ہے ـــــ خدا پرستی اور توحید کی جگہ بت پرستی اور مشرکانہ رسم ورواج نے لے لی تھی۔لین دین میں پورا لینا اور کم دینا ان کی فطرت بن گئی تھی، معاملات میں گھاٹا دینا اور لوگوں کی راہ مارنا ہنر بن گیا تھا ـــــ ایسے وقت میں سنت اللہ کے مطابق ان میں حضرت شعیب علیہ السلام کا ظہور ہوا۔ارشاد ہے ـــــ اور ہم نے مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا ـــــ تاکہ لوگ اوروں کی نہ سنیں تو اپنے بھائی کی تو سنیں ـــــ حضرت شعیب علیہ السلام مدین قبیلہ ہی کے ایک ہونہار فرد تھے، بڑے فصیح اور نہایت بلیغ مقرر تھے، شیریں کلامی، حسن خطابت، طرزِ بیان میں آپ کا جواب نہیں تھا۔ مفسرین کرام آپؑ کو خطیب الانبیاء (انبیاء کے مقرر) کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔آپ نے اپنی گمراہ قوم کو راہِ راست دکھانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔آپ نے سب سے پہلے ان کو تین باتوں کی دعوت دی:

(۱) ـــــ توحید ـــــ یعنی صرف اللہ پاک کی عبادت کی جائے۔

(۲) ـــــ معاملات میں دیانت داری ـــــ یعنی ناپ تول میں انصاف ملحوظ رکھا جائے۔

(۳) ـــــ اصلاح معاشرت ـــــ یعنی ملک میں فساد نہ مچایا جائے۔

اور سب سے زیادہ زور آپؑ نے دوسری بات پر دیا۔اسلوب بدل بدل کر ان کو سمجھایا۔کیونکہ معاملات میں بددیانتی مدین والوں کا ایسا روگ تھا جو صدیوں پرانا ہو چکا تھا۔

خلاصہ سمجھ لینے کے بعد اب تفصیل پڑھیں ـــــ انھوں نے کہا: ''اے میری قوم! اللہ پاک کی عبادت کرو، اس کے

سوا تمہارا کوئی معبود نہیں !''—— حضرت شعیب علیہ السلام نے سب سے پہلے قوم کو خدا پرستی اور توحید کی دعوت دی، کیونکہ کفر و شرک سب گناہوں کی جڑ ہے۔ جو لوگ اس مرض میں مبتلا ہوتے ہیں ان کو سب سے پہلے ایمان ہی کی دعوت دی جاتی ہے۔ نجات و عذاب کی بنیاد بھی ایمان و کفر ہے۔ اس وجہ سے سب نبیوں نے اپنی قوموں کو سب سے پہلے توحید ہی کی دعوت دی ہے۔

غور کیجئے! انسان کو اللہ پاک نے پیدا فرمایا، اسے زندگی دی اور زندگی کا تمام سامان دیا، اسے عقل و فہم سے بہرہ ور فرمایا۔ اب یہ عقل کا اندھا خالق و مالک کو چھوڑ کر دوسروں کو پوجنے لگا۔ بتلائیے اس سے بڑا کوئی ظلم ہوسکتا ہے؟ ناانصافی کی آخر کوئی تو حد ہو، ایسا تو نہ ہو کہ انسان اپنے خالق و مالک ہی کو بھول جائے اور جن چیزوں کی کوئی حیثیت نہیں، ان کو پروردگار کے مرتبہ میں تو نہ لا اتارے—— مگر ہائے انسان کی بدقسمتی! وہ برابر یہ غلطی کئے چلا جا رہا ہے۔ اللہ پاک کے مخلص بندوں نے پوری دل سوزی سے ہمیشہ اس کو اس حقیقت سے آگاہ کیا ہے کہ اللہ پاک کے سوا کوئی معبود نہیں—— مگر نہ معلوم نادان انسان کن چیزوں کے چکر میں پھنسا ہوا ہے اور اپنے سب سے قیمتی سرمایہ ''عبادت'' کو اس طرح برباد کر رہا ہے! اسے چاہئے تھا کہ صرف اللہ پاک کی عبادت کرتا، جو اس کے اور کائنات کے ذرے ذرے کے خالق و مالک اور سچے پروردگار ہیں۔

''اور تم ناپ تول نہ گھٹاؤ''—— یعنی ناپنے تولنے میں خیانت نہ کرو، نہ حق سے زیادہ لو، نہ حق سے کم دو—— مدین والوں میں شرک و صنم پرستی کے علاوہ متعدد اخلاقی بیماریاں جڑ پکڑے ہوئے تھیں۔ وہ لوگ کاروبار میں خیانت کرتے تھے۔ ناپ تول میں انصاف سے ناآشنا تھے۔ اس وجہ سے حضرت شعیب علیہ السلام نے خصوصیت کے ساتھ ان کو اس معصیت سے روکا۔ آپ نے ان کو سمجھایا کہ خرید و فروخت کے معاملہ میں ہمیشہ یہ بات پیش نظر رہنی چاہئے کہ جس کا جو حق ہے وہ اس کو پورا پورا ملے۔ کاروبار کی یہ ایک ایسی بنیاد ہے جس کے متزلزل ہو جانے سے ہر قسم کی زیادتی، فسق و فجور، مہلک خرابیاں اور اخلاقی بیماریاں جنم لیتی ہیں۔

آج بھی ہماری غلطیوں میں سب سے بڑی مہلک غلطی یہ ہے کہ ہم قرآنِ عزیز کی تعلیم سے یکسر غافل ہونے کی وجہ سے یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ اسلامی زندگی بس ''عبادات'' ہی کا نام ہے۔ معاملات میں درست کاری اور اصلاح معاشرہ کو اسلام میں کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں ہے۔ آپ کو اچھے خاصے پرہیزگار لوگ بھی حقوق العباد اور معاملات میں بے پروا نظر آئیں گے۔ حالانکہ حقوق العباد کی حفاظت، کاروبار میں امانت اور معاملات میں دیانت کو اسلام میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شاید ہی کبھی ایسا ہوا ہو کہ حضور رسالت مآب ﷺ نے وعظ فرمایا ہو اور یہ

ارشاد نہ فرمایا ہو کہ: ”جس میں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں“[۱] — حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”سچا اور امانت دار سوداگر، انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا“[۲] — حضرت رِفاعہ رضی اللہ عنہ حضور پاک ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں: ”تاجر قیامت کے دن فاجر (بدکار) اٹھائے جائیں گے۔ البتہ وہ تاجر اس سے مستثنیٰ ہیں جو کاروبار میں تقویٰ، نیکی، حسن سلوک اور سچائی کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے“[۳]

خود قرآن پاک میں پچھلی امتوں اور قوموں کے جو واقعات بیان کئے گئے ہیں وہ کہانیاں نہیں ہیں، بلکہ سرمایہ صد ہزار عبرت ہیں۔ غور فرمائیے اللہ پاک کے جلیل القدر پیغمبر حضرت شعیب علیہ السلام مدین والوں کو ایمان وتوحید کی دعوت کے بعد فوراً ہی کاروبار میں اصلاح کا مشورہ دے رہے ہیں۔

یہاں ایک خاص بات یہ بھی سمجھ لینی چاہئے کہ ناپ تول کی کمی سے اصل مراد یہ ہے کہ کسی کا جو حق اپنے ذمہ ہے اس کو پورا ادا نہ کیا جائے بلکہ اس میں کمی کی جائے۔ خواہ وہ ناپنے تولنے کی چیز ہو یا دوسری طرح کی۔ پس اگر کوئی ملازم اپنے فرضِ منصبی کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے یا کسی دفتر کا ملازم یا کوئی مزدور اپنے کام کے مقررہ وقت میں کمی کرتا ہے یا مقررہ کام کرنے میں کوتاہی کرتا ہے تو یہ بھی تَطْفِیف (ناپ تول میں کمی کرنے) کا مجرم ہے۔ حتیٰ کہ جو شخص نماز کے آداب وسنن پورے طور پر بجا نہیں لاتا وہ بھی تطفیف کا مجرم ہے۔ انسانی کردار کا یہ کمال ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اور ان کے بندوں کے تمام حقوق پوری طرح ادا کئے جائیں اور کسی موقع اور کسی حالت میں بھی انصاف کا دامن نہ چھوڑا جائے۔

”بالیقین میں تم کو آسودہ حال دیکھتا ہوں“ — مدین قبیلہ جہاں آباد تھا وہ جگہ شام، افریقہ اور عرب کے تجارتی قافلوں کا سنگم اور نقطۂ اتصال تھی، سورۃ الحجر میں ارشاد فرمایا ہے کہ وہ لوگ ”بڑی شاہراہ پر آباد تھے“ یعنی بڑی تجارتی سڑک ان کے علاقہ سے گزرتی تھی، اس وجہ سے مدین شہر تجارت کی بڑی منڈی بن گیا تھا اور لوگ خوش حال ہو گئے تھے۔ اسی خوش حالی کی نعمت کو حضرتِ شعیب علیہ السلام یاد دلا رہے ہیں کہ میں تم لوگوں کو آسودہ حال پاتا ہوں، تم کوئی مفلوک الحال، کنگال اور محتاج نہیں ہو، پھر کاروبار میں خیانت کیوں کرتے ہو؟ تمھیں تو یہ چاہئے کہ اللہ پاک کی نعمت کا شکر بجالاؤ۔ اپنی مالداری اور خوش حالی سے لوگوں کو فائدہ پہنچاؤ۔ آخر یہ تمہیں کیا ہو گیا کہ الٹے دوسروں کا حق مارتے ہو۔ تمہارا یہ طریقہ پوری نسل کے لئے شدید خطرہ ہے، اس سے ملک میں فسادِ عظیم پھیل جائے گا۔

”اور (سنو! اگر تم اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو) بالیقین مجھے دھڑکا لگا ہوا ہے تم پر چھا جانے والے دن کے عذاب

(۱) رواہ البیھقی فی شعب الإیمان (مشکوٰۃ ج۱ ص۱۵) (۲) رواہ الترمذی والدارمی والدار قطنی عن ابی سعید، وابن ماجه عن ابن عمر (مشکوٰۃ ص۲۴۳) (۳) رواہ الترمذی وابن ماجة والدارمی (مشکوٰۃ ص۲۴۴)

کا‘‘ —— حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ لوگو! تمہاری یہ حرکت ایسی ہے کہ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں تم پر ایسا کوئی عذاب نہ آ جائے جو پوری قوم کو گھیر لے اور تم میں سے کوئی نہ بچے۔

حقیقی عذاب آخرت کا عذاب ہے جس کا آغاز عام طور پر عالم قبر (برزخ) سے ہوتا ہے۔ مرتے ہی ہر مجرم کو عذاب پکڑ لیتا ہے۔ مگر کبھی یہ عذاب اسی دنیا سے شروع ہو جاتا ہے۔ اسی دنیا میں خاص بدکار لوگوں پر یا پوری قوم پر عذاب نازل ہو جاتا ہے۔ یہ دنیوی عذاب، اخروی عذاب ہی کا ایک معمولی حصہ ہوتا ہے۔

جب عذاب کا کوئی حصہ اس دنیا میں نمودار ہوتا ہے تو اس کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں۔ بادلوں سے آگ برسنا، زمین میں زلزلہ آ جانا، بارش کا نہ تھمنا، قحط سالی، گرانی اشیاء، باہمی افتراق اور گروہ بندیاں عذاب کی مختلف شکلیں ہیں۔

اور قانون فطرت میں کسی قسم کی بے ضابطگی نہیں، بلکہ عذاب نازل ہونے کے اصول مقرر ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے صاف آگاہ کیا ہے کہ فلاں فلاں گناہ ایسے ہیں کہ ان کی وجہ سے پوری قوم برباد ہو جاتی ہے اور فلاں فلاں گناہ ایسے ہیں کہ ان کی وجہ سے خاص گنہ گاروں اور مجرموں پر عذاب نازل ہوتا ہے مثلاً زنا کاری، تلذذ بالمثل، بھلائیوں کا حکم نہ دینے اور برائیوں سے نہ روکنے اور ناپ تول میں کمی کرنے کا وبال پوری قوم پر نازل ہوتا ہے۔ جو گناہوں میں ملوث نہیں وہ بھی عذاب سے نہیں بچتے اور سود خوری کا وبال خاص سود خوار ہی پر نازل ہوتا ہے۔

اسی طرح محسن انسانیت ﷺ نے اس بات سے بھی آگاہ کر دیا ہے کہ کونسا گناہ کرنے سے کونسا عذاب نازل ہوتا ہے۔ مثلاً خود قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے کہ سود خور خبطی ہو جاتا ہے اور حدیث شریف میں اللہ پاک کے سچے رسول ﷺ کا بالکل سچا ارشاد مروی ہے کہ: جس قوم میں خیانت کی وبا پھوٹ پڑتی ہے اس پر مرعوبیت چھا جاتی ہے اور جس قوم میں زنا عام ہو جاتا ہے ان میں مرنے والوں کی کثرت ہو جاتی ہے۔ اور جو قوم ناپ تول میں کمی کرنے لگتی ہے اس کی روزی اللہ پاک بند کر دیتے ہیں اور جو قوم ناحق فیصلے کرنے لگتی ہے اس میں خوں ریزی شروع ہو جاتی ہے اور جو قوم بے وفائی کرنے لگتی ہے اس پر دشمن مسلط ہو جاتا ہے [1]

’’اور اے میری برادری! تم انصاف سے ناپ اور تول پورا کیا کرو‘‘ —— یہ معاملات میں دیانتداری کی اہمیت کو ایک دوسرے انداز سے سمجھایا ہے کیونکہ ناپ تول میں کمی کرنے کی مخالفت میں پورا ناپنا تولنا خود ہی ضروری ہو جاتا ہے۔ مگر چونکہ خرید و فروخت میں حق تلفی مدین والوں کی ایک ایسی بیماری تھی جو صدیوں پرانی ہو چکی تھی اس لئے حضرت شعیب علیہ السلام نے مختلف انداز سے قوم کو سمجھایا تا کہ کسی طرح بات ان کی سمجھ میں آ جائے —— آپ نے فرمایا کہ لوگو! انصاف کا

(۱) رواہ مالک عن ابن عباس رضی اللہ عنہما (مشکوۃ ص ۴۵۹)

تقاضا ملحوظ رکھو، عدل کی ترازو کبھی ہاتھ سے نہ دو، خرید وفروخت میں ناپ تول پورا کیا کرو۔ ’’اور لوگوں کو ان کی چیزوں میں گھاٹا نہ دیا کرو‘‘ —— کیونکہ اس سے انسانی شرافت کا خون ہوتا ہے، اخوت اور مودت کا رشتہ منقطع ہوتا ہے۔ لالچ، حرص، خود غرضی، خسّت اور دنائت جیسے رذائل نفس میں جنم لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا ستیاناس ہو جو دوسروں سے لیتے ہیں تو پورے پیمانے سے لیتے ہیں مگر جب دینے کا وقت آتا ہے تو پیمانہ اوچھا بھرتے ہیں یا ترازو کی ڈنڈی مارتے ہیں۔

’’اور زمین میں فساد مت مچایا کرو‘‘ —— یعنی لوٹ مار نہ کرو۔ ملک میں شر وفساد نہ پھیلاؤ۔ راہزنی اور ڈاکہ زنی چھوڑو۔ کیونکہ اللہ پاک کی زمین میں فساد اور بگاڑ پیدا کرنے سے بڑھ کر کوئی جرم نہیں!

’’اللہ پاک کی عنایت فرمودہ بچت تمہارے لئے بہتر ہے، اگر تم یقین کرنے والے ہو‘‘ —— یعنی ایک ایماندار بندے کے لئے کاروبار میں ٹھیک ٹھیک حقوق ادا کرنے کے بعد جو اللہ پاک کا دیا ہوا نفع بچ رہتا ہے وہی بہتر ہے، چاہے وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو، اس میں برکت ہوگی۔ اور حرام طریقوں سے یا لوگوں کے حقوق مار کر جو بہت سارا مال اکٹھا کیا جاتا ہے وہ اگرچہ دیکھنے میں بہت نظر آتا ہے مگر اس میں کوئی بہتری نہیں ہوتی نہ اس میں برکت ہوتی ہے۔

’’اور —— آخری بات حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے یہ فرمائی کہ —— میں تم پر کوئی نگہبان نہیں ہوں‘‘ —— یعنی میرا تم پر کوئی زور نہیں۔ میں تو بس ایک خیر خواہ ہوں۔ دلسوزی سے سمجھا رہا ہوں، آگے تمہیں اختیار ہے، چاہو مانو، چاہو نہ مانو۔ میں اس بات کا ذمہ دار نہیں کہ تم سے زبردستی عمل کرا کے چھوڑوں، تمہارے معاملات پر نگہبان اللہ پاک ہیں۔ تمہیں ان کی باز پرس سے ڈرنا چاہئے اور شرک وکفر اور معاملات میں بددیانتی سے باز آ جانا چاہئے۔

قَالُوْا یٰشُعَیْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِیْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِیْمُ الرَّشِیْدُ ﴿۸۷﴾ قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَرَزَقَنِیْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَمَآ اُرِیْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰی مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ؕ اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَمَا تَوْفِیْقِیْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَیْهِ اُنِیْبُ ﴿۸۸﴾ وَیٰقَوْمِ لَا یَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِیْٓ اَنْ یُّصِیْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِیْدٍ ﴿۸۹﴾ وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَیْهِ ؕ اِنَّ رَبِّیْ رَحِیْمٌ وَّدُوْدٌ ﴿۹۰﴾

قَالُوْا	انھوں نے جواب دیا	الْحَلِيْمُ	بردبار	اِلٰى مَآ	ان کاموں کی طرف
يٰشُعَيْبُ	اے شعیبؑ	الرَّشِيْدُ	راستباز (ہے)	اَنْهٰكُمْ	روکتا ہوں میں تم کو
اَصَلٰوتُكَ	کیا تیری نماز	قَالَ	آپ نے کہا	عَنْهُ	ان سے
تَاْمُرُكَ	تجھے حکم دیتی ہے	يٰقَوْمِ	اے میری قوم!	اِنْ اُرِيْدُ	نہیں چاہتا میں
اَنْ(۱)	کہ (تو ہمیں حکم دے)	اَرَءَيْتُمْ	بتلاؤ	اِلَّا الْاِصْلَاحَ	مگر اصلاح
نَّتْرُكَ	(کہ) چھوڑ دیں ہم	اِنْ كُنْتُ(۳)	اگر ہوں میں	مَا اسْتَطَعْتُ	جہاں تک میرا بس چلے
مَا	وہ (چیزیں) جن کی	عَلٰى بَيِّنَةٍ	کھلی دلیل پر	وَمَا(۵)	اور نہیں (ہے)
يَعْبُدُ	پرستش کرتے تھے	مِّنْ رَّبِّيْ	اپنے رب کی طرف سے	تَوْفِيْقِيْٓ	میری توفیق
اٰبَآؤُنَآ	ہمارے باپ دادا	وَرَزَقَنِيْ	اور روزی عطا فرمائی	اِلَّا بِاللّٰهِ	مگر مدد خداوندی سے!
اَوْ اَنْ(۲)	یا یہ کہ		انھوں نے مجھے	عَلَيْهِ	انہی پر
نَّفْعَلَ	ہم کریں	مِنْهُ	اپنے ہاں سے	تَوَكَّلْتُ	بھروسہ کیا میں نے
فِيْٓ اَمْوَالِنَا	اپنے مالوں میں	رِزْقًا حَسَنًا	اچھی روزی	وَاِلَيْهِ	اور انہی کی طرف
مَا نَشٰٓؤُا	جو چاہیں؟	وَمَآ اُرِيْدُ	اور نہیں چاہتا میں	اُنِيْبُ	رجوع کرتا ہوں میں
اِنَّكَ	واقعی تو	اَنْ(۴) اُخَالِفَكُمْ	کہ تمہارے پیچھے آپ	وَيٰقَوْمِ	اور اے برادرانِ قوم!
لَاَنْتَ	تو البتہ		جاؤں	لَا يَجْرِمَنَّكُمْ(۶)	نہ کموائے تم سے

(۱) تقدیر عبارت اس طرح ہے تَاْمُرُكَ اَنْ تَاْمُرَنَا بِاَنْ نَتْرُكَ الخ درمیان سے تَاْمُرَنَا بِاَنْ کو حذف کیا گیا ہے (بیان القرآن) (۲) اَوْ عاطفہ ہے اور اَنْ نَفْعَلَ کا عطف مَايَعْبُدُ پر ہے (روح) (۳) جواب شرط محذوف ہے کیونکہ ابھی حضرت صالح علیہ السلام کی سرگذشت میں جواب مذکور ہو چکا ہے جو کافی قرینہ ہے یہاں کے جواب کے لئے۔ اور خود شرط سے بھی جواب مترشح ہو رہا ہے (روح البیان) (۴) ای: أقصده بعد ماولیتم عنه فاستبد به دونكم يقال: خالفني فلان إلى كذا: اذا قصده وانت مول عنه (روح) (۵) مَا مصدریہ زمانیہ (ظرفیہ) ہے جیسے مَادُمْتُ حَيًّا اپنی زندگی بھر فَاتَّقُوْا اللّٰهَ مَااسْتَطَعْتُمْ امکان بھر اللہ پاک سے ڈرتے رہو (۶) جَرَمَ (ض،ن) جَرْمًا متعدی بیک مفعول بھی ہوتا ہے اور متعدی بدو مفعول بھی پہلی صورت میں ترجمہ ہوگا کمانا جیسے جَرَمَ زَيْدٌ ذَنْبًا: زید نے گناہ کمایا، اور دوسری صورت میں ترجمہ ہوگا کموانا جیسے جَرَمْتُهُ ذَنْبًا میں نے اس سے گناہ کموایا۔ آیت پاک میں متعدی بدو مفعول ہے پہلا مفعول ضمیر كُمْ ہے اور دوسرا مفعول اَنْ يُصِيْبَكُمْ ہے اور شِقَاقِيْ فاعل ہے (روح البیان)

شِقَاقِیْٓ (۱)	میری ضد	صٰلِحٍ	صالح (پر)	ثُمَّ (۲)	اور نیز
اَنْ یُّصِیْبَکُمْ	(یہ بات) کہ پڑے تم پر	وَمَا قَوْمُ	اور نہیں (ہے) قوم	تُوْبُوْٓا	متوجہ رہو تم
مِّثْلُ	جیسا	لُوْطٍ	لوط کی	اِلَیْہِ	اس کی طرف
مَآ اَصَابَ	کچھ پڑا	مِّنْکُمْ	تم سے	اِنَّ رَبِّیْ	بیشک میرے پروردگار
قَوْمَ نُوْحٍ	قوم نوح (پر)	بِبَعِیْدٍ	کچھ دور	رَحِیْمٌ	بڑے مہربان
اَوْ قَوْمَ ھُوْدٍ	یا قوم ہود (پر)	وَاسْتَغْفِرُوْا	اور معافی طلب کرو تم	وَّدُوْدٌ (۳)	بڑی محبت فرمانے
اَوْ قَوْمَ	یا قوم	رَبَّکُمْ	اپنے پروردگار (سے)		والے (ہیں)

توحید اور معاملات میں دیانتداری کی دعوت کو قوم نے کیسے لیا؟

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو توحید اور معاملات میں دیانتداری کی دعوت اس خوبی سے دی کہ اس سے بہتر ممکن نہیں، آپؑ نے اپنے حسن بیان سے لوگوں کو سمجھانے اور راہِ راست پر لانے کی کوشش میں انتہاء کردی۔ مگر لوگوں نے سب کچھ سننے کے بعد کیا جواب دیا؟ انھوں نے حضرت شعیب علیہ السلام پر پھبتیاں کسیں، ٹھٹھا اڑایا، اور آپ کو کوسنا شروع کیا ـــــ انھوں نے کہا: ''اے شعیب! کیا تمہاری نماز تمہیں یہ سکھاتی ہے کہ ہم ان معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے باپ دادا پرستش کرتے آئے ہیں یا یہ کہ ہم اپنے اموال میں اپنے منشا کے مطابق تصرف کریں؟ بس تم ہی تو عالی ظرف راستباز ہو!'' ـــــ قوم نے حضرت شعیب علیہ السلام سے کہا کہ ہم نے تمہارا وعظ سن لیا۔ کیا ہم صرف تمہارے کہنے سے بتوں کو چھوڑ کر صرف ایک معبود کے ہو رہیں؟ کیا ہمارے سارے بزرگ جاہل اور احمق تھے، جو ہمیشہ ان کی عبادت کرتے رہے؟ اور کیا ہماری دولتوں میں ہمارا کوئی مالکانہ اختیار نہیں؟ مال ہم نے کمایا، محنت کر کے خون پسینہ ہم نے ایک کردیا پھر کیا اب ہمیں اس میں خودمختارانہ تصرف کرنے کا کوئی حق ہی نہیں رہا؟ تم یہ کیسی بہکی بہکی باتیں کررہے ہو؟ کیا ساری قوم میں بس تم ہی ایک عالی ظرف، باوقار، نیک چلن اور راستباز آدمی ہو؟ کیا اس قسم کی باتیں کرنے کی تعلیم تمہیں تمہاری نماز دیتی ہے؟

لیجئے بیچاری نماز کی شامت آئی، وہی کوسی جانے لگی:

قوم یہ کہہ رہی ہے کہ یہ ساری بلا اسی کی لائی ہوئی ہے ـــــ نماز، دینداری اور تقدس کو برا بھلا کہنے کا مرض آج بھی اس

(۱) شِقَاق باب مفاعلہ کا مصدر ہے جیسے خِلَافٌ خَالَفَ کا مصدر ہے اور ضِرَابٌ، ضَارَبَ کا مصدر ہے۔ شِقَاقٌ کے معنی ہیں ضد، مخالفت، مقابلہ، اپنے دوست کی شق (جانب) کو چھوڑ کر دوسری شق میں ہونا (۲) ثُمَّ تراخیٔ حال وضع کیلئے ہے (دیکھئے سورۂ ہود کی شروع کی آیتیں) (۳) وَدُوْد مبالغہ کا صیغہ ہے وَدَّ (س) وُدًّا و مَوَدَّۃً: دل سے چاہنا۔

سوسائٹی میں پوری طرح موجود ہے جو اللہ پاک سے غافل اور فسق وفجور میں ڈوبی ہوئی ہے۔فاسق لوگ دینداری کو سب سے بڑا خطرہ تصور کرتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ نمازی اپنے عمل پر قانع نہیں رہتا، دوسروں کو بھی درست کرنے کی فکر کرتا ہے۔ خود گناہوں سے بچتا ہے اور دوسروں کو بھی سمجھاتا ہے۔اس وجہ سے فاسقوں کو کھٹکا لگا رہتا ہے کہ اب یہ شخص دماغ کھائے گا۔ پھر اگر وہ نمازی دین سے غافل لوگوں کو انکے اندیشوں کے مطابق سمجھانے لگتا ہے تو وہ سیدھے نماز کو آ لیتے ہیں، اسی کو برا بھلا کہنے لگتے ہیں اور اسکو اس طرح کوسنے لگتے ہیں کہ گویا یہ ساری بلا اسی کی لائی ہوئی ہے۔

غور فرمایئے حضرت شعیب علیہ السلام نے لوگوں کے سامنے کتنی معقول بات رکھی تھی۔ آپؑ نے فرمایا تھا کہ اللہ پاک کی بندگی کے سوا جو بھی طریقہ ہے وہ غلط ہے۔اس کی ہرگز پیروی نہ کرنی چاہئے۔اور اللہ پاک کی بندگی صرف ''عبادات'' کے محدود دائرے میں نہیں ہونی چاہئے۔ بلکہ سیاست وتمدن، اخلاق ومعاملات اور معاشرت ومعیشت کے تمام شعبوں میں ہونی چاہئے اور انصاف کا دامن کبھی نہیں چھوڑنا چاہئے۔ کیونکہ انسان کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ اللہ پاک ہی کا ہے۔ انسان کسی چیز میں احکام خداوندی سے آزاد ہو کر تصرف کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتا۔

مگر لوگوں نے اس معقول بات کے جواب میں کیسی نامعقول بات کہی۔انھوں نے کہا کہ باپ دادا سے جو بھی طریقہ چلا آ رہا ہو، انسان کو اس کی پیروی کرنی چاہئے اور اس کے جواز کے لئے بس اس کے علاوہ کسی مزید دلیل کی ضرورت نہیں کہ وہ باپ دادا کا طریقہ ہے۔اور مذہب کا تعلق صرف ''عبادات'' سے ہے، دنیوی معاملات میں ہم پوری طرح آزاد ہیں، جس طرح چاہیں کریں۔

یہی بات آج بھی بہت سے ناسمجھ لوگ کہتے ہیں کہ دین کا دائرہ صرف ''عبادات'' تک محدود ہے۔معاملات میں اس کا کوئی دخل نہیں۔ ہر شخص اپنے مال میں جس طرح چاہے تصرف کر سکتا ہے اس پر کوئی پابندی لگانا دین کا کام نہیں —— اور اس طرزِ فکر کو یہ لوگ روشن خیالی سمجھتے ہیں۔مگر آپ نے دیکھا کہ انسانی زندگی کو مذہبی اور دنیوی دائروں میں تقسیم کرنے کا تخیل کوئی نیا تخیل نہیں ہے، بلکہ آج سے ہزاروں سال پہلے حضرت شعیبؑ کی کافر قوم بھی اس پر مصر تھی۔ پس یہ تقسیم کوئی ''روشن خیالی'' نہیں، بلکہ جاہلیت کا نظریہ ہے۔

قوم کی ان جاہلانہ باتوں کو سن کر —— آپؑ نے کہا: ''بھائیو! تم خود ہی سوچو! اگر میں اپنے رب کی طرف سے کھلی حجت پر ہوں، اور اللہ پاک نے اپنے پاس سے مجھے اچھی روزی عطا فرمائی ہے'' —— تو کیا پھر بھی میں ان کی نافرمانی کروں؟ اس صورت میں بتلاؤ مجھے اللہ پاک کی پکڑ سے کون بچالے گا؟ —— یعنی اگر میں ربانی حجت اور منصبِ نبوت کے خلاف کام کروں، اور میرے پروردگار نے جو علم حق مجھے عطا فرمایا ہے اور نعمت نبوت سے مجھے نوازا ہے اس کی ناشکری

کروں، اور لوگ جس بات کو حق سمجھتے ہیں اسی کی پیروی کروں، اور جان بوجھ کر گمراہیوں اور بداخلاقیوں میں ان کا ساتھ دوں، اور اس کی طرف لوگوں کو دعوت دوں، اور جو بات مجھے برہانِ الٰہی اور رحمتِ ربانی سے حق معلوم ہوئی ہے اس کی طرف لوگوں کو دعوت نہ دوں تو بتلاؤ مجھے اللہ پاک کی پکڑ سے کون بچالے گا؟

اور (میری سچائی کا تم اس بات سے اندازہ کر سکتے ہو کہ) میں نہیں چاہتا کہ تمہارے پیچھے خود ان کاموں کی طرف جاؤں جن سے میں تم کو روکتا ہوں — بلکہ جو کچھ میں تم سے کہتا ہوں اس پر خود عمل کرتا ہوں۔ اگر ایسا ہوتا کہ میں تمہیں تو غیر اللہ کے آستانوں سے روکتا اور خود کسی آستانہ پر جبہ سائی کرتا تو تمہارے لئے میری بات کی سچائی میں شبہ کی گنجائش تھی اسی طرح اگر میں تم کو ناپ تول میں کمی کرنے سے روکتا اور خود اپنے کاروبار میں بے ایمانیاں کرتا تو تمہارے لئے ضرور شبہ کی گنجائش تھی۔ مگر تم دیکھتے ہو کہ میں خود ان برائیوں سے بچتا ہوں جن سے تمہیں روکتا ہوں۔ میری اپنی زندگی ان دھبوں سے بالکل پاک ہے جن سے تمہیں پاک دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں نے اپنے لئے بھی اسی طریقہ کو پسند کیا ہے جس کی تمہیں دعوت دیتا ہوں۔ یہ چیز اس بات کی شہادت کے لئے کافی ہے کہ میں اپنی دعوت میں سچا ہوں۔ تم مجھ پر یہ الزام کسی طرح نہیں رکھ سکتے کہ میری نصیحت کسی خودغرضی پر مبنی ہے — پیغمبروں کی یہی شان ہوتی ہے ان کی کتابِ زندگی اور کتابِ دعوت میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ ان کی زندگی اور دعوت میں کمال مطابقت ان کی صداقت کی ایسی مضبوط دلیل ہے کہ کٹر سے کٹر دشمن بھی اس کو جھٹلانے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے یہ بھی فرمایا کہ — میں اس کے سوا کچھ نہیں چاہتا کہ جہاں تک میرا بس چلے اصلاح حال کی کوشش کروں — یعنی میری تمام تر کوشش یہ ہے کہ کسی طرح تمہاری حالت سنور جائے۔ اصلاح کے مقصد کے سوا میرا کوئی دوسرا مقصد نہیں، اسی مقصد کی خاطر ساری جدوجہد کر رہا ہوں، تمہیں بار بار سمجھا کر مقدور بھر اصلاح کی کوشش کر رہا ہوں — اور (یہ کوشش بھی درحقیقت میرے اپنے اختیار کی چیز نہیں ہے، بلکہ) مجھے جو کچھ بھی توفیق ہو جاتی ہے وہ صرف مددِ خداوندی سے ہوتی ہے — ورنہ میرے بس میں کچھ نہیں — اللہ پاک ہی پر میں بھروسہ کرتا ہوں، اور انہی کی طرف (ہر کام میں) رجوع کرتا ہوں۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی گفتگو کے آخر میں دو بہت ہی کام کی باتیں ارشاد فرمائی ہیں:

① — اگر کسی نیک بندے کو کسی دینی کام کی توفیق ہو جائے تو اسے سمجھنا چاہئے کہ اس میں اس کے کسی کمال کا کوئی دخل نہیں ہے، بلکہ وہ اچھا کام مددِ خداوندی سے ہوا ہے، لہٰذا اسے چاہئے کہ شکرِ خداوندی بجالائے اور یہ گھمنڈ کبھی نہ کرے کہ اس نے ایسے ایسے اچھے کام کئے ہیں۔

منت منہ کہ خدمت ِ سلطاں ہمی کنی ❁ منت شناس از وکہ بخدمت بداشتت

(یہ احسان نہ جتلاؤ کہ تم شاہ کی خدمت کرتے ہو÷ اس کے احسان مند رہو کہ اس نے تمہیں خدمت میں رکھا)

(۴) —— حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا بھروسہ اللہ تعالیٰ پر ہے اور ہر کام میں انہی کی طرف رجوع کرتا ہوں یعنی کوئی کام اپنے اعتماد پر یا کسی کے اعتماد پر کبھی نہیں کرتا، صرف اللہ پاک کے اعتماد پر کرتا ہوں۔ اور ہر کام میں اللہ پاک کی خوشنودی ملحوظ رکھتا ہوں کسی کام میں اسکے علاوہ میری کوئی نیت نہیں ہوتی۔

یہ کمالِ بندگی اور انتہائی اخلاص ہے۔ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام جہاں بہت بڑی ہستیاں ہیں، وہیں اللہ پاک کے کامل بندے اور مخلص عبادت گزار بھی ہیں اور یہ کمال عبدیت ہی ان کے کمالات کا سبب ہے، جو بندگی میں گوئے سبقت لے جاتا ہے وہی مراتب میں بھی آگے بڑھ جاتا ہے —— پس خوش نصیب ہیں وہ بندے جو اپنے اندر کمال بندگی اور انتہائی اخلاص کی شان پیدا کرتے ہیں۔ جو ہر کام میں اللہ پاک ہی پر اعتماد کرتے ہیں اور اپنے کاموں کا مقصد اللہ پاک کی رضا جوئی کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں رکھتے۔

اس پند ونصیحت کے بعد حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے، ایک چونکا دینے والی بات کہی، آپؑ نے فرمایا —— اور اے برادران قوم! میری ضد تم پر ویسا ہی عذاب نہ لا ڈالے جیسا قوم نوح، قوم ہود اور قوم صالح پر آیا تھا —— یعنی میری مخالفت، ضد اور عداوت کے جوش میں ایسی حرکتیں نہ کر بیٹھنا، جو تم کو گزشتہ اقوام کی طرح سخت تباہ کن عذاب کا مستحق بنا دیں۔ حضرت نوح، حضرت ہود اور حضرت صالح علیہم الصلوٰۃ والسلام کی امتوں پر تکذیب وعداوت کی وجہ سے جو عذاب آئے وہ تم سے پوشیدہ نہیں ہیں —— اور قومِ لوط تو تم سے کچھ دور نہیں! —— ان کا واقعہ تو ابھی تازہ ہی ہے۔ ان کی تباہی پر تو چھ سات سو برس ہی گزرے ہیں، اور تمہارے قریب ہی کے علاقے میں وہ واقعہ پیش آیا ہے، اس سے عبرت حاصل کرو اور اپنی ضد سے باز آجاؤ —— اور اپنے پروردگار سے معافی چاہو، نیز ان کی طرف متوجہ رہو۔ میرے پروردگار بیشک بڑے مہربان، بڑے ہی محبت فرمانے والے ہیں —— یعنی اللہ پاک بے رحم نہیں، ان کو اپنی مخلوق سے کوئی دشمنی بھی نہیں کہ وہ اپنے بندوں کو تباہ کر کے خوش ہوتے ہوں بلکہ اللہ پاک نہایت مہربان، بے پایاں محبت فرمانے والے ہیں۔ تم نے خواہ کتنے ہی قصور کئے ہوں لیکن اگر تم اپنے افعال پر نادم ہو کر ان سے معافی چاہو، اور ان کی طرف پلٹو، تو وہ تمہیں اپنے دامن رحمت میں چھپالیں گے تم ان کی رحمت کو بہت وسیع اور ان کو بے حد محبت کرنے والا پاؤ گے:

بازآ، بازآ، ہر آنچہ کردی بازآ ❁ گر کافر وگبر وبُت پرستی باز آ

کیں درگہ ما، درگہ نومیدی نیست ❁ صدبار گر تو بہ شکستی باز آ

(توبہ کر، توبہ کر، جو کچھ بھی کر چکا ہے توبہ کر، چاہے تو کافر رہا ہو، آتش پرست رہا ہو یا بت پرست رہا ہو، توبہ کر، کہ ہماری بارگاہ، ناامیدی کی بارگاہ نہیں، چاہے سو بار توبہ توڑی ہو پھر بھی توبہ کر!)

اللہ پاک کو اپنے بندوں سے کتنی محبت ہے، اور صبح کا بھولا شام کو واپس آ جائے تو اللہ پاک کو کتنی خوشی ہوتی ہے اس کا اندازہ اس حدیث سے لگائیے:۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول مقبول ﷺ نے مثال دے کر سمجھایا کہ تم میں سے کسی شخص کا اونٹ ایک بے آب وگیاہ صحرا میں کھو گیا ہو اور اس کے کھانے پینے کا سامان اسی اونٹ پر لدا ہوا ہو اور وہ شخص اس کو ڈھونڈھ کر مایوس ہو چکا ہو، یہاں تک کہ زندگی سے ناامید ہو کر ایک درخت کے نیچے پڑ گیا ہو اور عین اس حالت میں یکا یک وہ دیکھے کہ اس کا اونٹ سامنے کھڑا ہے، تو اس وقت جیسی کچھ خوشی اس کو ہوگی اس سے بہت زیادہ خوشی اللہ پاک کو اپنے بھٹکے ہوئے بندے کے پلٹ آنے سے ہوتی ہے[1]

ذرا تصور کیجئے اس مسافر کا جو کیلا اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر اور راستہ بھر کے لئے کھانے پینے کا سامان اسی پر لاد کر، دور دراز کے سفر پر، کسی ایسے راستہ سے چلا ہو جس میں کہیں دانہ پانی ملنے کی امید نہ ہو۔ دوران سفر وہ کسی دن دوپہر میں کہیں سایہ دیکھ کر اترا اور آرام کرنے کے ارادے سے لیٹ گیا، اس تھکے ماندے مسافر کی آنکھ لگ گئی، کچھ دیر کے بعد جب آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ اونٹنی اپنے سارے ساز وسامان کے ساتھ غائب ہے۔ وہ بے چارہ حیران وسراسیمہ ہو کر اس کی تلاش میں دوڑا بھاگا، یہاں تک کہ گرمی اور پیاس کی شدت نے اس کو لب دم کر دیا۔ اب اس نے سوچا کہ شاید میری موت اسی طرح اس جنگل میں لکھی ہے، اور اب بھوک پیاس میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر یہاں مرنا ہی میرے لئے مقدر ہے۔ اس لئے وہ اسی سایہ کی جگہ میں مرنے کے لئے آ کر پڑ گیا، اور موت کا انتظار کرنے لگا، اسی حالت میں اس کی آنکھ پھر جھپکی، اس کے بعد جب آنکھ کھلی تو دیکھا کہ اونٹنی اپنے پورے ساز وسامان کے ساتھ اپنی جگہ کھڑی ہے — ذرا اندازہ کیجئے کہ بھاگی ہوئی اور گم شدہ اونٹنی کو اس طرح اپنے پاس کھڑا دیکھ کر اس مسافر کو، جو مایوس ہو کر مرنے کے لئے پڑ گیا ہے کس قدر خوشی ہوگی!

حضور پاک ﷺ نے اس حدیث میں قسم کھا کر فرمایا کہ: "خدا کی قسم! بندہ جب جرم وگناہ کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے اور سچے دل سے توبہ کر کے ان کی طرف پلٹ آتا ہے تو رحیم وکریم پروردگار کو اس سے بھی زیادہ خوشی ہوتی ہے جتنی کہ اس مسافر کو اپنی بھاگی ہوئی اونٹنی کے ملنے سے ہوتی ہے"

دوسری مثال اس سے بھی زیادہ مؤثر ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں کچھ جنگی قیدی گرفتار ہو کر آئے۔ ان میں ایک عورت بھی تھی، جس کا شیر خوار بچہ چھوٹ گیا تھا، اور وہ مامتا کی ماری ایسی

(۱) متفق علیہ حدیث ہے (مشکوٰۃ ص ۲۰۳)

بے چین تھی کہ جس بچے کو پالیتی اسی کو چھاتی سے چمٹا کر دودھ پلانے لگتی۔ نبی پاک ﷺ نے اس کا حال دیکھ کر صحابہؓ سے پوچھا: ’’کیا تم لوگ یہ توقع کر سکتے ہو کہ یہ ماں اپنے بچے کو خود اپنے ہاتھوں آگ میں پھینک دے؟‘‘ صحابہؓ نے عرض کیا ہرگز نہیں، اگر اس کے بس کی بات ہو تو وہ کبھی نہیں ڈال سکتی، اس پر حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

لَلّٰهُ اَرْحَمُ بِعِبَادِهٖ مِنْ هٰذِهٖ بِوَلَدِهَا(۱) ترجمہ: اللہ پاک کا پیار اور رحم اپنے بندوں پر اس سے زیادہ ہے جتنا کہ اس ماں کو اپنے بچہ سے ہے!

یہاں اگر کسی کو خیال پیدا ہو کہ جب اللہ پاک ماں سے زیادہ مہربان ہیں تو پھر مجرموں کو سزا کیوں دیتے ہیں؟ اس کا جواب بھی حدیث شریف میں پڑھ لیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جلیل القدر صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ہم ایک جہاد میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپؐ کا گزر کچھ لوگوں پر ہوا آپؐ نے دریافت فرمایا کہ کون لوگ ہو؟ انھوں نے بتلایا کہ ہم مسلمان ہیں، ان میں ایک عورت کھانا پکارہی تھی، اس کے ساتھ اس کا ایک ننھا بچہ تھا، جب چولھے کی آگ تیز ہوتی تو وہ اپنے بچے کو لے کر دور ہٹ جاتی۔ وہ عورت دربار نبویؐ میں حاضر ہوئی۔ اس نے پوچھا: آپ اللہ کے رسول ہیں؟ آپ نے اثبات میں جواب دیا، اس نے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان! کیا اللہ پاک ارحم الرحمین نہیں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ کیوں نہیں! اس نے پوچھا کیا اللہ پاک کا پیار اپنے بندوں پر اس سے زیادہ نہیں جتنا ماں کو اپنے بچے سے ہوتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: کیوں نہیں! اس پر وہ کہنے لگی کہ ماں تو کبھی اپنے بچے کو آگ میں نہیں ڈال سکتی؟ حضور پاک ﷺ نے سر جھکا لیا اور آپؐ پر گریہ طاری ہو گیا پھر آپؐ نے سر مبارک اٹھایا اور اس عورت سے ارشاد فرمایا کہ: اللہ پاک اپنے بندوں میں سے صرف سرکش نافرمانوں ہی کو سزا دیں گے جو اللہ پاک کی نافرمانی کرتے ہیں، جو **لا إلٰه إلا الله** کہنے سے انکار کرتے ہیں(۲)

آپ نے اپنی زندگی میں بارہا یہ یا اس سے ملتی جلتی مثال دیکھی ہوگی کہ کسی گھر کا دروازہ کھلا اور ایک بچہ روتا چلاتا اس میں سے نکلا۔ اس کی ماں اس کو گھر سے دھکے دے دے کر نکال رہی ہے جب بچہ دروازہ سے باہر ہو گیا تو ماں نے اندر سے دروازہ بند کر دیا، بچہ اسی طرح روتا چلاتا، بلکتا، بڑبڑاتا کچھ دور تک گیا، پھر ایک جگہ پہنچ کر کھڑا ہو گیا، اور سوچنے لگا کہ میں اپنے ماں باپ کے گھر کے سوا کہاں جا سکتا ہوں، اور کون مجھے اپنے پاس رکھے گا؟ یہ سوچ کر ٹوٹے دل کے ساتھ بچہ اپنے گھر کی طرف لوٹ گیا، دروازہ پر پہنچ کر اس نے دیکھا کہ دروازہ اندر سے بند ہے، وہ بے چارہ وہیں چوکھٹ پر سر رکھ کر سو گیا، وہ سویا ہوا تھا کہ ماں آئی اس نے دروازہ کھولا اور اپنے بچے کو اس طرح چوکھٹ پر سر رکھ کر سویا ہوا دیکھ کر اس کا دل بھر

(۱) مسلم شریف ج۲ ص۳۵۶۔ (۲) رواہ ابن ماجہ (مشکوۃ ص۲۰۸)

آیا اور مامتا کا جذبہ ابھر آیا۔اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، بچے کو اٹھا کر سینے سے لگایا اور اس کو پیار کرنے لگی اور کہنے لگی "بیٹے! تو نے دیکھا تیرے لئے میرے سوا کون ہے۔تو نے نالائقی، نادانی اور نافرمانی کا راستہ اختیار کر کے اور میرا دل دکھا کے مجھے وہ غصہ دلایا جو تیرے لئے میری فطرت نہیں، میری فطرت اور مامتا کا تقاضا تو یہی ہے کہ میں تجھ سے پیار کروں اور تجھے راحت و آرام پہونچانے کی کوشش کروں، تیرے لئے ہر خیر اور بھلائی چاہوں، میرے پاس جو کچھ ہے تیرے ہی لئے ہے!"

اب سوچئے کیسے محروم قسمت ہیں وہ بندے جو نافرمانی کا راستہ اختیار کر کے رحیم و کریم پروردگار کی رحمت سے خود کو محروم کر لیتے ہیں اور ان کے قہر و غضب کو بھڑکاتے ہیں۔اگر وہ چاہیں تو اپنے پروردگار کی طرف قدم بڑھا کے وہ پیار حاصل کر سکتے ہیں جس کے سامنے ماں کا پیار کچھ بھی نہیں

ہم تو مائل بہ کرم ہیں، کوئی سائل ہی نہیں ❁ راہ دکھلائیں کسے، رہرو منزل ہی نہیں

جو بندہ استغفار کو لازم پکڑتا ہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ ہر مشکل سے نکلنے کا راستہ بنا دیتے ہیں، اس کی ہر پریشانی کو دور کر کے اطمینان عطا فرماتے ہیں اور اس کو ایسی صورتوں سے روزی عطا فرماتے ہیں کہ جن کا اسے سان گمان بھی نہیں ہوتا (حدیث شریف)

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۫ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ۝ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا ۭ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝ وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰي مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۭ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ۭ وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ۝

قَالُوْا	انھوں نے جواب دیا	مَا	نہیں	كَثِيْرًا	بہت (سی باتیں)
يٰشُعَيْبُ	اے شعیبؑ	نَفْقَهُ (۱)	سمجھے	مِّمَّا	ان (باتوں) میں سے جو

(۱) فَقِهَ (س) فَقْهًا وَتَفَقَّهَ الْكَلَامَ اَوِ الشَّيْئَ: سمجھنا۔

تَقُوْلُ	تم کہتے ہو	اَرَهْطِيْٓ	کیا میرا خاندان	عَامِلٌ	کام کرنے والا ہوں
وَاِنَّا	اور بے شک ہم	اَعَزُّ	زیادہ گرامی قدر (ہے)	سَوْفَ	جلد ہی
لَنَرٰىكَ	البتہ تحقیق دیکھتے ہیں	عَلَيْكُمْ	تمہاری نگاہ میں	تَعْلَمُوْنَ	تم جان لوگے
	تجھ کو	مِّنَ اللّٰهِ	اللہ پاک سے	مَنْ (۳)	اس (شخص) کو
فِيْنَا	اپنے درمیان	وَاتَّخَذْتُمُوْهُ	اور ڈال دیا تم نے ان کو	يَّاْتِيْهِ	(کہ) آئے گا اس پر
ضَعِيْفًا	کمزور	وَرَآءَكُمْ	پس پشت	عَذَابٌ	(ایسا) عذاب
وَلَوْلَا	اور اگر نہ ہوتا	ظِهْرِيًّا (۲)	بھلایا ہوا!	يُّخْزِيْهِ (۴)	(جو) رسوا کردیگا اس کو
رَهْطُكَ	تمہارا خاندان	اِنَّ رَبِّيْ	بیشک میرے پروردگار	وَمَنْ (۵)	اور اُس (شخص) کو
لَرَجَمْنٰكَ	(تو) البتہ سنگسار کر	بِمَا	ان (کاموں) کو جو		(بھی)
	دیتے ہم تمہیں	تَعْمَلُوْنَ	تم کرتے ہو	هُوَ	(کہ) وہ
وَمَآ اَنْتَ	اور نہیں (ہو) تم	مُحِيْطٌ	گھیرنے والے ہیں	كَاذِبٌ	جھوٹا (ہے)
عَلَيْنَا (۱)	ہماری نگاہ میں	وَيٰقَوْمِ	اور اے میری برداری	وَارْتَقِبُوْٓا	اور انتظار کرو تم
بِعَزِيْزٍ	گرامی قدر	اعْمَلُوْا	تم کام کئے جاؤ	اِنِّيْ	بے شک میں
قَالَ	آپ نے کہا	عَلٰى مَكَانَتِكُمْ	اپنے طریقہ پر	مَعَكُمْ	تمہارے ساتھ
يٰقَوْمِ	اے میری قوم!	اِنِّيْ	بے شک میں	رَقِيْبٌ (۶)	انتظار کرنے والا (ہوں)

شعیب علیہ السلام کو قوم کی دھمکی اور اس کا جواب

مدین والے جب حضرت شعیب علیہ السلام کے جواب سے لاجواب ہوگئے تو برسر پیکار ہوگئے اور — انھوں نے کہا: ”اے شعیب! تمہاری بہت سی باتیں ہماری سمجھ ہی میں نہیں آتیں — نہ معلوم تم کیا مجذوبوں کی بڑ ہانک رہے ہو

(۱) عَلَيْنَا متعلق ہے بِعَزِيْزٍ سے اور باء زائدہ ہے۔ (۲) ظِهْرِيًّا: بھولا بسرا، فراموش کردہ، پیٹھ پیچھے ڈالا ہوا، ظَهْر (پیٹھ) کی طرف منسوب ہے اور ظاء کا کسرہ نسبت کے تغیرات میں سے ہے جیسے اَمْسِ (گذشتہ روز) کی طرف نسبت کرتے ہوئے اِمْسِيٌّ کہتے ہیں — جو چیز پیٹھ پیچھے ڈال کر بھلادی جائے وہ ظِهْرِيٌّ کہلاتی ہے (۳) مَنْ موصولہ ہے اور جملہ يَاْتِيْهِ صلہ ہے، موصول صلہ مل کر تَعْلَمُوْنَ کا مفعول ہے (۴) جملہ يُخْزِيْهِ صفت ہے عذابٌ کی (۵) وَمَنْ الخ معطوف ہے پہلے وَمَنْ پر (۶) رَقِيْبٌ صفت مشبہ کا صیغہ ہے اور رَاقِبٌ کے معنی ہیں، منتظر، راہ دیکھنے والا۔

— اور بالیقین ہم تمہیں اپنے درمیان ایک کمزور آدمی دیکھتے ہیں— ہمارے سامنے تمہاری ہستی ہی کیا ہے! چہ پدّی اور چہ پدّی کا شوربا!— اور اگر تمہارے خاندان کا پاس ولحاظ نہ ہوتا تو ہم یقیناً تمہیں سنگسار کردیتے— یعنی ہمیں بس تمہارے کنبہ کا خیال آتا ہے، ورنہ تمہارا جرم تو ایسا ہے کہ ہم تمہیں سنگسار کردیں اور نہایت بری موت ماریں۔ کیونکہ تم بزرگوں کی رَوِش سے پھر گئے ہو— اور تم ہماری نگاہ میں کچھ گرامی قدر نہیں ہو'— چار پیسے کے آدمی ہو، اگر تمہارا وجود نہیں رہے گا تو ہمارا کیا نقصان ہوگا! خس کم جہاں پاک!

آپ نے قوم کا تیز وتند لہجہ دیکھ لیا جانتے ہوا تنا کڑوا جواب کس بات کا دیا جارہا ہے؟ اس بات کا کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے ان سے کہا تھا کہ بس ایک اللہ کی عبادت کرو اور بت پرستی چھوڑ دو۔ معاملات میں دیانتداری کو شعار بناؤ اور ناپ تول میں کمی نہ کرو— کتنی صاف باتیں تھیں، مگر قوم یہ کہہ رہی ہے کہ تمہاری بہت سی باتیں ہماری سمجھ ہی میں نہیں آتیں! کیوں؟ حضرت شعیب علیہ السلام کسی غیر زبان میں کلام کرتے تھے؟ یا ان کی باتیں کچھ پیچیدہ ہوتی تھیں؟ ہرگز نہیں! باتیں تو سب صاف اور سیدھی تھیں اور قوم ہی کی زبان میں کہی گئی تھیں مگر ان کے ذہن کا سانچا مذہبی تعصّبات کی وجہ سے اور حسد اور ذاتی خصومت کی وجہ سے اس قدر ٹیڑھا ہو چکا تھا کہ ایسی صاف اور سیدھی باتیں بھی کسی طرح اس میں اتر نہیں سکتی تھیں— جب انسان تعصّبات یا خواہش نفس کی وجہ سے کسی خاص طرزِ خیال پر جامد ہوجاتا ہے تو اول تو وہ کوئی ایسی بات سن ہی نہیں سکتا جو اس کے خیالات سے مختلف ہو، اور اگر سن بھی لے تو اس کی سمجھ ہی میں نہیں آئے گا کہ یہ کس دنیا کی باتیں کہی جارہی ہیں!

قوم نے دوسری بات یہ کہی کہ تمہاری ہمارے درمیان ہستی ہی کیا ہے۔ بس تمہارے خاندان کا پاس ہے، ورنہ تمہاری تو ہم تکا بوٹی کردیتے۔ ہماری نگاہ میں تمہارا ہونا نہ ہونا برابر ہے، ہمارے نزدیک تم مکرم ومعظم نہیں ہو!

باطل کی بڑی پہچان یہی ہے کہ اس کے پاس دلائل کی روشنی نہیں ہوتی، نہ وہ روشن دلائل کو برداشت کرسکتا ہے، بلکہ جب اس کے سامنے روشنی آتی ہے تو وہ منہ پھیر لیتا ہے، آنکھیں بند کرلیتا ہے، دلائل کا جواب غصہ، دھمکی اور قتل سے دینے لگتا ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے دھمکیاں سن کر نہایت دردمندی سے— فرمایا: ''بھائیو! کیا میرا خاندان تمہاری نگاہ میں اللہ پاک سے زیادہ گرامی قدر ہے کہ تم نے اللہ پاک کو تو فراموش کرکے پس پشت ڈال دیا ہے''— یعنی افسوس! تم انسانوں کا تو پاس کرتے ہو مگر سچائی کا کوئی پاس نہیں کرتے۔ میرے خاندان کی وجہ سے تو میری رعایت کرتے ہو مگر اس وجہ سے رعایت نہیں کرتے کہ میں اللہ پاک کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں۔ گویا تمہاری نگاہ میں میرے خاندان کی عزت اور اس کا

وقار اللہ پاک سے زیادہ ہے تمہیں میرے کنبہ کا تو پاس ہوا مگر خدا کا نہ ہوا، خدا کی بات تو تمہارے خیال میں کوئی بات نہیں انھیں تو تم نے بھلا کر پس پشت ڈال دیا۔ مگر سن لو!— میرے پروردگار یقیناً تمہارے سب کاموں کا احاطہ کئے ہوئے ہیں — تمہارا کوئی عمل ان سے پوشیدہ نہیں۔ تم کوئی کام کرو، اور کسی حالت میں کرو، ایک آن کے لئے بھی تم ان کے قابو سے باہر نہیں!

پھر جب حضرت شعیب علیہ السلام قوم کی ہدایت سے ناامید ہوگئے اور سمجھ گئے کہ ان لوگوں پر کوئی نصیحت کارگر نہیں تو بالآخر آپ نے فرمایا— اور اے میری قوم! تم اپنے طریقہ پر کام کئے جاؤ، میں بھی اپنا کام کرتا ہوں— تم اپنی راہ لو، میں اپنی راہ چل رہا ہوں، اور نتیجہ کا انتظار کرو — جلد ہی تم اس شخص کو جان لوگے جس پر رسوا کن عذاب آئے گا اور اس کو بھی جو جھوٹا ہے— یعنی مستحق عذاب کون ہے اور جھوٹا کون ہے یہ جلد ہی تمہیں معلوم ہو جائے گا— اور تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔

حضرت شعیب علیہ السلام اور مدین والوں کی سرگزشت پڑھتے ہوئے یہ بات پیش نظر رہنی چاہئے کہ بعینہ یہی صورتِ حال ان آیات کے نزول کے وقت مکہ شریف کی تھی۔ قریش کے لوگ بھی مدین والوں کی طرح حضور پاک ﷺ کے خون کے پیاسے تھے۔ چاہتے تھے کہ آپؐ کی زندگی کا خاتمہ کردیں۔ بس اس وجہ سے آپؐ پر ہاتھ نہیں ڈالتے تھے کہ بنی ہاشم آپؐ کی پشت پر تھے— حضرت شعیب علیہ السلام اور مدین والوں کی یہ سرگزشت باشندگان مکہ کو سنا کر اس طرف اشارہ کیا ہے کہ دانا کے لئے کافی ہے صرف ایک اشارہ!

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۗ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ﴿۹۵﴾ ع ۸

وَلَمَّا جَآءَ	اور جب آیا	شُعَيْبًا	شعیب (کو)	مَعَهٗ	ان کے ساتھ
اَمْرُنَا	ہمارا حکم	وَّ الَّذِيْنَ	اور ان (لوگوں) کو جو	بِرَحْمَةٍ[1]	مہربانی سے
نَجَّيْنَا	(تو) بچالیا ہم نے	اٰمَنُوْا	ایمان لائے تھے	مِّنَّا	اپنی

(۱) بِرَحْمَةٍ متعلق ہے نَجَّيْنَا سے اور آمَنُوْا سے بھی متعلق ہوسکتا ہے۔

وَاَخَذَتِ	اور پکڑ لیا	فِیْ دِیَارِهِمْ	اپنے گھروں میں	اَلَا	سنو
الَّذِیْنَ	(ان لوگوں کو) جنھوں نے	جٰثِمِیْنَ [۲]	اوندھے منہ پڑے ہوئے	بُعْدًا [۳]	لعنت ہو
ظَلَمُوا	ظلم کیا تھا	كَاَنْ لَّمْ	گویا نہیں	لِّمَدْيَنَ	مدین پر
الصَّيْحَةُ	سخت آواز (نے)	يَغْنَوْا	بسے تھے وہ	كَمَا بَعِدَتْ	جیسی لعنت ہوئی
فَاَصْبَحُوْا [۱]	پس صبح کی انھوں نے	فِيْهَا	ان (گھروں) میں!	ثَمُوْدُ	ثمود (پر)

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا آخری انجام

ارشاد فرماتے ہیں — اور جب ہمارا حکم پہنچا — تو زمین میں دل ہلا دینے والا زلزلہ آیا اور ایک نہایت خوفناک آواز پیدا ہوئی — تو ہم نے اپنی مہربانی سے شعیب کو اور ان لوگوں کو جوان کے ساتھ ایمان لائے تھے نجات دی — اور حسبِ دستور ان کو اس بستی سے نکال لیا — اور ان لوگوں کو جنھوں نے ظلم کیا (زلزلے کی) سخت آواز نے پکڑ لیا، سو انھوں نے اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے ہوئے صبح کی! گویا وہ ان گھروں میں بسے ہی نہیں تھے — جن گھروں میں وہ زندگی بھر دادِ عیش دیتے رہے وہاں آج نام کو بھی بستی نہ تھی اور جن تمدنی ترقیوں پر انھیں غرہ تھا وہ وقت پر کچھ کام نہ آئیں، سب ٹھاٹھ پڑا رہ گیا جب لاد چلا بنجارا! — سنو! مدین پر لعنت ہو جیسی ثمود پر ہوئی! — مدین اور ثمود کی بستیاں قریب قریب تھیں۔ دونوں قومیں کفر اور رہزنی میں ایک دوسرے کے مشابہ تھیں، دونوں عرب قومیں تھیں، اور عذاب میں بھی ایک دوسرے کے مشابہ تھیں۔ اس لئے فرمایا کہ مدین پر ثمود جیسی لعنت ہو۔ یعنی مدین کی ہلاکت بھی ویسی ہی ہوئی جیسی ثمود کی۔ دونوں قومیں صَیْحَۃ (زلزلہ کی سخت آواز) سے ہلاک ہوئیں۔

یہ ہے مدین والوں کی داستان عبرت! یہ سرگذشت اپنے اندر چشمِ عبرت پذیر کے لئے صدہا نصائح رکھتی ہے اور احکامِ خداوندی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کی دعوت دیتی ہے اور شرارت، سرکشی اور کفر و بغاوت کے انجام بد سے ڈراتی ہے۔ سو کیا کوئی عبرت پکڑنے والا ہے، یا کوئی ہے جس کی روح جاگ اٹھے کیونکہ غافل دل اگر بیدار ہو جائے تو منزل کا

(۱) اَصْبَحُوْا افعال ناقصہ میں سے ہے: وہ ہوگئے، انھوں نے صبح کی، مصدر اِصْبَاحٌ ہے (۲) جَثَمَ الطَّائِرُ: سینہ کو زمین سے لگانا جَاثِمٌ (اسم فاعل) اوندھے منہ پڑنے والا، سینہ کے بل اوندھے منہ زمین پر گرنے والا، پھر اس لفظ کے ثانوی معنی پیدا ہوئے ہیں ''ٹھہرا رہنے والا، پڑا رہنے والا'' پھر مجازاً مردے کو جَاثِمٌ کہنے لگے (روح) زانو کے بل گرنا اس لفظ کے معنی نہیں، یہ معنی جَثَا (ن) جُثُوًّا اور جُثِیٌّ (ض) جِثِیًّا کے ہیں جس سے قرآن پاک میں لفظ جَاثِیَۃ (سورۃ الجاثیہ پ ۲۵ آیت ۲۸) آیا ہے (۳) بَعُدَ (ک) بُعْدًا: ہلاک ہونا، مرنا اور بُعْدًا لَہٗ: بددعا ہے یعنی اللہ اس کو ہلاک کرے یا خیر سے محروم کرے۔

پانا کچھ مشکل نہیں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿٩٦﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ﴿٩٧﴾ يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۭ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ﴿٩٨﴾ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ﴿٩٩﴾

وَلَقَدْ (۱)	اور قسم بخدا! واقعہ یہ ہے	اَمْرَ	حکم	وَبِئْسَ	اور بری (ہے)
اَرْسَلْنَا	(کہ) بھیجا ہم نے	فِرْعَوْنَ	فرعون (کی)	الْوِرْدُ	گھاٹ
مُوْسٰى	موسیٰ (کو)	وَمَآ اَمْرُ	اور نہیں ہے حکم	الْمَوْرُوْدُ (۵)	اترنے کی جگہ
بِاٰيٰتِنَا	اپنی نشانیوں کے ساتھ	فِرْعَوْنَ	فرعون (کا)	وَاُتْبِعُوْا	اور پیچھے لگا دیئے گئے وہ
وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ	اور واضح حجت (کے ساتھ)	بِرَشِيْدٍ (۳)	کچھ راست	فِيْ هٰذِهٖ	اس دنیا میں
		يَقْدُمُ	پیشوائی کرے گا وہ	لَعْنَةً	پھٹکار
اِلٰى فِرْعَوْنَ	فرعون کے پاس	قَوْمَهٗ	اپنی قوم کی	وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ	اور قیامت کے دن
وَمَلَا۟ئِهٖ (۲)	اور اس کی حکومت کے	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	قیامت کے دن	بِئْسَ	برا (ہے)
	ارکان (کے پاس)	فَاَوْرَدَهُمُ (۴)	پس لا اُتارے گا ان کو	الرِّفْدُ (۶)	صلہ
فَاتَّبَعُوْٓا	پس پیروی کی انھوں نے	النَّارَ	آگ (میں)	الْمَرْفُوْدُ (۷)	انعام دیا ہوا

(۱) لام قسم محذوف کے جواب میں ہے اور قَدْ تحقیق کے لئے ہے، جس کا ترجمہ ہے: واقعہ یہ ہے یعنی یہ ہو چکا (۲) اَلْمَلَاءُ اسم جمع ہے اور اس کے معنی سورۂ یونس آیت ۷۵ کے حاشیہ میں دیئے گئے ہیں یہاں چونکہ اس کی اضافت ضمیر فرعون کی طرف ہوئی ہے اس لئے ترجمہ ''ارکان دولت'' اور ''کابینہ'' کیا گیا ہے (۳) رَشِيْدٍ کی تنوین تنکیر کے لئے ہے، جس کا ترجمہ ''کچھ'' کیا گیا ہے (۴) اَوْرَدَهٗ اِيْرَادًا: گھاٹ پر لانا۔ وَرَدَ يَرِدُ وُرُوْدًا الماءَ: پانی پر آنا، صفت وَارِدٌ — اَلْوِرْدُ (اسم) گھاٹ — اَلْمَوْرُوْد اسم مفعول بمعنی ظرف مکان (۵) مخصوص بالذم دونوں جگہ محذوف ہے (۶) اَلرِّفْد (اسم) صلہ، عطاء، انعام جمع اِرْفَادٌ اور رُفُوْدٌ (۷) اَلْمَرْفُوْدُ اسم مفعول: انعام دیا ہوا — رَفَدَ (ض) رَفْدًا: دینا۔

پانچ پیغمبروں کی سرگذشتوں کے بعد ایک اور سرگزشت کی جھلک

موسیٰ علیہ السلام اور فرعون ملعون کے اس واقعہ کو حضرت شعیب علیہ السلام کی سرگذشت کا تتمہ سمجھنا چاہئے جس طرح سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ لوط علیہ السلام کی سرگذشت کی تمہید تھا۔ کیونکہ یہ بات اختلافی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام کا زمانہ پایا ہے یا نہیں؟ مگر دونوں پیغمبروں کے زمانہ کے قریب قریب ہونے میں سب کا اتفاق ہے۔ اور اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام عمر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑے ہیں۔ بلکہ مفسرین نے تو ایک عجیب روایت لکھی ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام روتے بہت تھے، اتنا روتے تھے کہ بینائی جاتی رہی، حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: شعیب! اس قدر کیوں روتے ہو جنت کے شوق میں یا دوزخ کے ڈر سے؟ شعیب علیہ السلام نے عرض کیا کہ پروردگار! آپ کے دیدار کا خیال کر کے روتا ہوں۔ جب آپ کا دیدار ہوگا تو نہ معلوم آپ کیا معاملہ فرمائیں گے۔

زہاد خلد خواہند واوباش عیش نقد ❁ ماخود بدولت ِ غمت از ہر دورستہ ایم

(عابد بہشت، اور آوارہ مزیدار زندگی چاہتے ہیں ❁ ہم تیرے غم کی بدولت ہر دو سے آزاد ہیں)

حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: تمہیں ہمارا دیدار مبارک! اے شعیب! اسی وجہ سے میں نے اپنے کلیم موسیٰ بن عمران کو تمہاری خدمت کے لئے کھڑا کر دیا ہے ــــ لہٰذا مخدوم کی سرگذشت پڑھ لینے کے بعد اب خادم کی سرگذشت ملاحظہ فرمایئے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے ــــ اور قسم بخدا واقعہ یہ ہے کہ ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں اور واضح حجت کے ساتھ، فرعون اور اس کی کابینہ کی طرف بھیجا، سو انھوں نے فرعون کے حکم کی پیروی کی۔ اور فرعون کا حکم کچھ راست نہ تھا! ــــ اللہ پاک نے موسیٰ علیہ السلام کو نو نشانیاں سندِ نبوت کے طور پر عطا فرمائی تھیں، جو نویں پارے کے شروع میں سورۃ الاعراف (آیات ۱۳۰-۱۳۶) میں مذکور ہیں۔ ان میں سے عصائے موسیٰ اور ید بیضاء مشہور ہیں ــــ ان نو نشانیوں کے علاوہ اللہ پاک جل شانہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو واضح حجت بھی عنایت فرمائی تھی، جس کا ذکر سورۃ القصص (آیت ۳۵) میں ہے، یہ واضح حجت کیا تھی؟ ایک خاص شوکت تھی، موسیٰ علیہ السلام جب کسی بڑے سے بڑے آدمی سے گفتگو کرتے تو دبتے بالکل نہیں تھے بلکہ نہلے پر دہلہ رکھتے تھے جس کا اثر یہ ہوتا تھا کہ مخاطب چاہے بات نہ مانے لیکن لاجواب ضرور ہو جاتا تھا۔ قرآن پاک میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جو مکالمے فرعون کے ساتھ مذکور ہیں ان کے پڑھنے سے یہ بات بخوبی سمجھی جا سکتی ہے۔ مثال کے طور پر آپ وہ مکالمہ پڑھیں جس کا ذکر سورۃ الشعراء (آیات ۱۶-۳۳) میں ہے اور وہ بھی جو سورہ طٰہٰ (آیات ۴۹-۵۴) میں ہے ــــ مگر ان خدائی نشانات اور موسوی شوکت سے بھی نہ تو فرعون راہِ راست پر آیا، نہ اس کی کابینہ نے

بات پر کان دھرا، حالانکہ موسیٰ علیہ السلام کی ہر بات حق وصداقت کی ترازو میں تلی ہوئی تھی، مگر لوگ اسی دشمن خدا کے حکم پر چلتے رہے، جس کی کوئی بات ٹھکانے کی نہیں تھی۔ آخرکار وہ خود بھی ڈوبا اور دوسروں کو بھی لے ڈوبا! اب —— وہ اپنی قوم کی قیامت کے دن قیادت کرے گا، اور ان کو آگ میں لا اتارے گا، اور وہ اترنے کی بری گھاٹ ہے! —— جہاں ٹھنڈے پانی کی جگہ بھسم کردینے والی آگ ملے گی، جہاں نہ پیاس دور ہوگی نہ آرام وآسائش ملے گی، بلکہ ایسی آگ سے واسطہ پڑے گا جس سے کلیجہ کباب ہوجائے گا۔ وہاں جو پانی پینے کو ملے گا اس سے پیاس اور بڑھ جائے گی اور زبان چھاتی پر لٹک پڑے گی۔

اس آیت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جو لوگ دنیا میں کسی جماعت کے راہنما ہوتے ہیں وہی قیامت کے روز بھی اس کے راہنما ہوں گے۔ جو سچائی کے داعی ہیں، قیامت کے دن ان کے پیروکار ان کے جھنڈے تلے ہوں گے اور اپنے راہنماؤں کو دعائیں دیتے، مدح وتحسین کے پھول برساتے، جنتِ نعیم کا رخ کریں گے اور جو گمراہی کی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں، ان کی اتباع کرنے والے قیامت کے دن ان کے پیچھے ہوں گے۔ ان کو گالیاں دے رہے ہوں گے، لعنتوں کی بوچھار کر رہے ہوں گے اور اپنی ساری مصیبتوں کا ذمہ داران کو ٹھہرا رہے ہوں گے اور اس طرح شور وغل کرتا ہوا یہ جم گھٹا جہنم کا راستہ لے گا۔ حضور پاک ﷺ کے ایک ارشاد سے بھی یہی بات مفہوم ہوتی ہے کہ: ''قیامت کے دن جاہلیت کی شاعری کا جھنڈا امرؤالقیس کے ہاتھ میں ہوگا اور جاہلیت کے تمام شعراء اسی کی پیشوائی میں دوزخ کی راہ لیں گے''[1] ——

اور ان کے پیچھے اس دنیا میں پھٹکار لگادی گئی، اور قیامت کے دن بھی، اور وہ (پھٹکار) انعام میں ملا ہوا برا صلہ ہے —— یعنی اللہ پاک کی لعنت اس دنیا میں بھی ان کے پیچھے لگادی گئی کہ جو نام لے گا وہ علیہ اللعنۃ کہے گا اور قیامت تک جہاں بھی ان کا ذکر ہوگا لعنت کے ساتھ ہی ہوگا بلکہ قیامت کے دن بھی وہ لعنت ان کا پیچھا نہ چھوڑے گی، ہمیشہ ہی لعنت ان کے گلے کا ہار بنی رہے گی۔ کیسا برا صلہ ہے یہ جو فرعون اور اس کے لوگوں کو ملا۔

جو لوگ دنیا میں کسی جماعت کے راہنما ہوتے ہیں، وہی قیامت کے دن بھی اس کے راہنما ہوں گے

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الْقُرٰي نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَاۗىِٕمٌ وَّحَصِيْدٌ ۝۱۰۰ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَاۗءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ۝۱۰۱ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ

(۱) رواه الإمام أحمد رحمه الله (البداية والنهاية ج۲ ص۲۱۸)

اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴿۱۰۲﴾

ذٰلِكَ(۱)	یہ	اَنْفُسَهُمْ	اپنے اوپر	زَادُوْهُمْ	بڑھایا انھوں نے ان کا
مِنْ اَنْۢبَآءِ	کچھ حالات (ہیں)	فَمَآ	سو نہیں	غَيْرَ	سوائے
الْقُرٰى	بستیوں (کے)	اَغْنَتْ عَنْهُمْ(۴)	کام آئے ان کے	تَتْبِيْبٍ(۶)	ہلاکت (کے)
نَقُصُّهٗ	بیان کرتے ہیں ہم اس کو	اٰلِهَتُهُمُ	اُن کے (وہ) معبود	وَكَذٰلِكَ	اور ایسی (ہوتی ہے)
عَلَيْكَ	آپ کے سامنے	الَّتِيْ	جن کو	اَخْذُ	پکڑ
مِنْهَا	کچھ ان (بستیوں) میں سے	يَدْعُوْنَ	پوجتے تھے وہ	رَبِّكَ	آپ کے پروردگار (کی)
قَآئِمٌ(۲)	کھڑی (ہیں)	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ پاک سے نیچے	اِذَآ اَخَذَ	جب وہ پکڑتے ہیں
وَّحَصِيْدٌ(۳)	اور (کچھ) کٹ چکی	مِنْ شَيْءٍ	کچھ بھی	الْقُرٰى	بستیوں (کو)
	(ہیں)	لَّمَّا	جبکہ	وَهِيَ	دراں حالے کہ وہ
وَمَا	اور نہیں	جَآءَ اَمْرُ	آ پہنچا حکم	ظَالِمَةٌ	ظلم کر رہی ہوتی (ہیں)
ظَلَمْنٰهُمْ	ظلم کیا ہم نے ان پر	رَبِّكَ	آپ کے پروردگار (کا)	اِنَّ اَخْذَهٗٓ	بے شک ان کی پکڑ
وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا	بلکہ انھوں نے ظلم کیا	وَمَا(۵)	اور نہیں	اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ	دردناک سخت (ہے)

کفر وتکذیب کا دنیوی انجام

اب بیان شدہ سرگذشتوں سے نتائج اخذ کئے جارہے ہیں اوران عبرتوں کی طرف توجہ دلائی جارہی ہے جو اس سلسلۂ موعظت سے مقصود ہیں ـــــ ان آیات میں جن کی ہم تلاوت کررہے ہیں کفر وتکذیب کا دنیوی انجام ذکر فرمایا

(۱) ذٰلِکَ مبتدا ہے مِنْ اَنْبَاءِ الْقُرٰی پہلی خبر ہے مِنْ تبعیضیہ ہے، نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ دوسری خبر ہے (۲) قَائِمٌ مقابل ہے حَصِيْدٌ کا: کھڑی ہوئی کھیتی ـــــ حَصِيْدٌ بروزن فَعِيْلٌ بمعنی مَحْصُوْدٌ کٹی ہوئی کھیتی (۳) مبتدا محذوف ہے أی وَمِنْهَا حَصِيْدٌ اور جملہ کا جملہ پر عطف ہے (۴) عَنْ صلہ ہے اَغْنٰی عَنْهُ: کام آنا، کافی ہونا۔ هُمْ مفعول بہ ہے آلِهَتُهُمْ فاعل ہے اَلَّتِیْ اپنے صلہ کے ساتھ فاعل کی صفت ہے من دون الله حال ہے من شیئٍ مفعول مطلق ہے ای : شيئا من الإغناء، لَمَّا جَآءَ مفعول فیہ ہے، وقت بتلا رہا ہے ـــــ پس اس جملہ میں فعل فاعل تین مفعول، ایک حال اور اس کی صفت جمع ہیں (۵) نفی اثبات حصر کے لئے ہیں (۶) تَتْبِيْب مصدر ہے تَبَّ (ن) تَبًّا وتَبَابًا وَتَتْبِيْبًا: ہلاک کرنا کہا جاتا ہے تَبًّا له یعنی اللہ پاک اس کے لئے خسران وہلاکت لازم کریں تَبَّتْ يَدَاهُ: اس کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں۔

ہے اور ان کے بعد جو آیتیں آ رہی ہیں ان میں اخروی انجام مذکور ہوگا — ارشاد یہ فرمایا جا رہا ہے کہ کفر وتکذیب کا انجام دنیا کے اعتبار سے بھی برا ہے اور آخرت کے اعتبار سے بھی، جن لوگوں نے انبیاء علیہم السلام کا مقابلہ کیا وہ دنیا میں بھی ذلیل وخوار ہوئے، ان کی بستیاں تباہ وبرباد ہوئیں اور وہ داستان عبرت بن کر رہ گئے اور رہا آخرت کا معاملہ تو وہ بد سے بدتر ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے — یہ بستیوں کے کچھ حالات ہیں — ان کے حالات کا استقصا نہیں کیا(۱) — ہم آپ کو سنا رہے ہیں — تا کہ آپ ان کو سن کر عبرت پکڑیں — ان میں سے کچھ کھڑی ہیں اور کچھ کٹ چکی ہیں — یعنی کچھ اب تک آباد ہیں اور کچھ اجڑ گئی ہیں۔ مصر جو فرعون کا مقام تھا اب بھی آباد ہے، کچھ کے صرف کھنڈر باقی ہیں اور کچھ کا نام ونشان تک صفحۂ ہستی سے مٹ چکا ہے — اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا، بلکہ خود انھوں نے اپنے اوپر ستم ڈھایا — یعنی اللہ پاک نے ان پر کچھ ظلم نہیں کیا کہ بلا قصور ہلاک کر دیا ہو۔ بلکہ اللہ پاک نے پہلے ان کو نصیحت کی اور نافرمانی کے بعد بھی ان کو فوراً نہیں پکڑا، بلکہ ان کو مہلت دی۔ مگر جب ان لوگوں نے خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کیا اور پیغمبروں کے مقابلے پر مستعد ہو گئے اور کسی طرح کفر وعناد سے باز نہ آئے، تب اللہ پاک نے ان کو ہلاک کیا — سو جب آپ کے پروردگار کا حکم پہنچا تو ان کے کچھ کام نہ آئے ان کے وہ معبود جن کی وہ اللہ سے نیچے پرستش کرتے تھے — یعنی جن دیوتاؤں کا انھیں بڑا سہارا تھا اور جن سے بڑی بڑی توقعات قائم کر رکھی تھیں وہ ایسی سخت مصیبت کے وقت کچھ کام نہ آئے — اور انھوں نے ان کی بربادی ہی میں اضافہ کیا — یعنی وہ معبود کام تو کیا آتے، الٹے ہلاکت کا سبب بنے۔ یہ روزِ بد، ان کو نفع ونقصان کا مالک سمجھنے کی وجہ سے، ان سے امیدیں قائم کرنے کی وجہ سے، ان پر چڑھاوے چڑھانے کی وجہ سے اور ان کے سامنے ڈنڈوت کرنے کی وجہ سے دیکھنا پڑا، یہ باطل معبود ہی ان کی ہلاکت اور تباہی کا سبب بنے — اور ایسی ہوتی ہے آپ کے رب کی پکڑ، جب وہ پکڑتے ہیں بستیوں کو، جب کہ وہ ظلم کر رہی ہوتی ہیں — چنانچہ آج جن کی بڑی بڑی آبادیاں تھیں، جن کی قوتوں اور شوکتوں کے ڈنکے بج رہے تھے، جو سر بفلک عمارتوں میں دادِ عیش دیتے تھے، اور جن کی فکر وعمل کی سرگرمیاں تھیں، وہ آج بس ایک داستان عبرت ہیں۔ حضور پاک ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”اللہ پاک ظالم کو

(۱) قرآن پاک کا مقصود انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کی قوموں کی سرگذشتیں بیان کرنے سے واقعات کا استقصاء نہیں ہے جو تاریخ کا موضوع ہے، بلکہ قرآن پاک کا مقصود صرف تذکیر وموعظت اور پند ونصیحت ہے اور اس مقصد کے لئے قرآن کریم پوری سرگذشت میں سے صرف وہ حصے منتخب کرتا ہے جو اس مقصد کی تکمیل کرتے ہیں اور یہ انتخاب موقع ومحل کی رعایت سے مختلف ہوتا ہے۔ یہاں سورت کی موعظت کا جن اجزاء سے تعلق تھا وہی حصے بیان ہوئے ہیں

مہلت دیتے ہیں، پھر جب اس کو پکڑتے ہیں تو چھوڑتے نہیں"[۱] — بلاشبہ پروردگار کی پکڑ دردناک، سخت ہوتی ہے!

جب دنیوی کامرانیوں کے ساتھ ظلم، سرکشی اور غرور کسی کا شعار بن جائے تو سمجھ لو کہ اس کی تباہی کا وقت قریب آ گیا ہے

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ۭ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ﴿۱۰۳﴾ وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ﴿۱۰۴﴾ؕ يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ ﴿۱۰۵﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ ﴿۱۰۶﴾ۙ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَاۗءَ رَبُّكَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿۱۰۷﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَاۗءَ رَبُّكَ ۭ عَطَاۗءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ﴿۱۰۸﴾

اِنَّ	بلاشبہ	مَّجْمُوْعٌ	(کہ) جمع کیے جاوینگے	اِلَّا	مگر
فِيْ ذٰلِكَ	اُس (دردناک پکڑ) میں	لَّهُ	اس کے لئے	لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ	تھوڑی مدت کے لئے
لَاٰيَةً[۲]	بڑی ہی نشانی (ہے)	النَّاسُ[۳]	تمام لوگ	يَوْمَ يَاْتِ	جس وقت آئے گا وہ
لِّمَنْ خَافَ	اس کے لئے جو ڈرتا ہے	وَ ذٰلِكَ يَوْمٌ	اور وہ دن (ہے)		(دن)
عَذَابَ	عذاب سے	مَّشْهُوْدٌ[۴]	حاضری والا	لَا تَكَلَّمُ[۵]	نہ بات کرسکے گا
الْاٰخِرَةِ	آخرت کے	وَمَا	اور نہیں	نَفْسٌ	کوئی تنفس
ذٰلِكَ يَوْمٌ	وہ (ایسا) دن (ہے)	نُؤَخِّرُهٗٓ	ملتوی کئے ہوئے ہیں ہم اس کو	اِلَّا	مگر

(۱) حدیث متفق علیه عن ابی موسی الاشعری رضی الله عنه (۲) اٰيَةً کی تنوین تعظیم کی ہے جس کا ترجمہ "بڑی ہی" کیا گیا ہے (۳) اَلنَّاسُ نائب فاعل ہے مَجْمُوْعٌ کا اور مَجْمُوْعٌ صفت ہے يَوْمٌ کی اور يَوْمٌ خبر ہے ذٰلِكَ کی (۴) مَشْهُوْدٌ اسم مفعول: حاضر کئے گئے اصل مَشْهُوْدٌ فِيْهِ ہے۔ فِيْهِ حذف کر کے يَوْمٌ کی صفت بنائی گئی ہے: حاضری والا دن (۵) تَكَلَّمُ میں ایک تا تخفیفاً محذوف ہے اصل تَتَكَلَّمُ ہے

بِاِذْنِهٖ	اللہ پاک کی اجازت سے	فِيْهَا	اس میں	سُعِدُوْا(۷)	نیک بخت بنائے گئے
فَمِنْهُمْ	پھران میں سے کچھ	مَا دَامَتِ(۴)	جب تک ہیں	فَفِي الْجَنَّةِ	تو(وہ)جنت میں
شَقِيٌّ	بدبخت(ہیں)	السَّمٰوٰتُ	آسمان		جائیں گے
وَّسَعِيْدٌ	اور(کچھ)نیک بخت ہیں	وَالْاَرْضُ	اورزمین	خٰلِدِيْنَ	ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے
فَاَمَّا الَّذِيْنَ	سورہے وہ لوگ جو	اِلَّا(۵)	مگر		ہیں وہ
شَقُوْا(۱)	بدبخت ہیں	مَا شَآءَ	جوچاہیں	فِيْهَا	اس میں
فَفِي النَّارِ	تو(وہ)دوزخ میں	رَبُّكَ	آپ کے پروردگار	مَا دَامَتِ	جب تک ہیں
	جائیں گے	اِنَّ رَبَّكَ	بیشک آپ کے پروردگار	السَّمٰوٰتُ	آسمان
لَهُمْ فِيْهَا	ان کے لئے وہاں	فَعَّالٌ(۶)	پورااختیار رکھنے والے	وَالْاَرْضُ	اورزمین
زَفِيْرٌ(۲)	لمبی لمبی آہیں		ہیں	اِلَّا مَا شَآءَ	مگر جوچاہیں
وَّشَهِيْقٌ(۳)	اورسسکیاں(ہیں)	لِّمَا	ان کاموں کا جن کو	رَبُّكَ	آپ کے پروردگار
خٰلِدِيْنَ	ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے	يُرِيْدُ	چاہیں وہ	عَطَآءً(۸)	بخشش
	ہیں وہ	وَاَمَّا الَّذِيْنَ	اوررہے وہ لوگ جو	غَيْرَ مَجْذُوْذٍ(۹)	غیر منقطع

کفروتکذیب کا اخروی انجام

ربط: ابھی کفروتکذیب کا دنیوی انجام بیان ہوا تھا۔ اب کفروتکذیب کا اخروی انجام بیان فرماتے ہیں۔ عقلمند وہ ہے

(۱) شَقُوْا فعل ماضی معروف، صیغہ جمع مذکر غائب ہے شَقِيَ (س) شَقَاوَةً بدبخت ہونا اس لفظ میں تعلیل ہوئی ہے اصل شَقِيُوا ہے، ضمہ یا پر ثقیل تھا اس لئے ماقبل کو دیا اور دوساکنوں کے اجتماع کی وجہ سے یاء کو حذف کردیا (۲) زَفِيْرٌ مصدر ہے زَفَرَ (ض) زَفْرًا وَزَفِيْرًا الرجلُ: لمبی لمبی سانس لینا۔ زَفَرَ الْحِمَارُ: گدھے کا رینکنا شروع کرنا (۳) شَهِيْقٌ بھی مصدر ہے شَهِقَ (ف، ض، س) شَهِيْقًا الحمارُ: گدھے کا رینکنا۔ شَهِقَ الرجلُ: رونے میں سسکی لینا (۴) مَادَامَ فعل ناقص ہے جس میں ما مصدریہ زمانیہ (ظرفیہ) ہے۔ (۵) خُلُوْد سے استثناء ہے (۶) فَعَّالٌ مبالغہ کا صیغہ ہے زبردست کام کرنے والا خود مختاری سے کرنے والا (۷) سُعِدُوْا فعل ماضی مجہول، صیغہ جمع مذکر غائب باب فتح سے ہے اور مَسْعُوْدٌ اسم مفعول ہے باب سمع سے لازم آتا ہے سَعِدَ الرَّجُلُ: نیک بخت ہونا — علمائے لغت میں اختلاف ہے۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ سعادت، شقاوت کی ضد ہے اس لئے لازم ہی مستعمل ہے۔ دوسری جماعت کہتی ہے کہ باب فتح سے متعدی بھی آتا ہے (۸) عَطَاءً مفعول مطلق ہے فعل محذوف کا (۹) مَجْذُوْذٌ اسم مفعول ہے جَذَّهٗ (ن) جَذًّا: کاٹنا، توڑنا۔

جو وقت سے پہلے اپنا انجام سوچ لے تاکہ فیصلہ کے دن کفِ افسوس نہ ملنا پڑے۔

ارشاد فرماتے ہیں —— یقیناً اس (دردناک گرفت) میں بڑی ہی نشانی ہے اس کے لئے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہے —— یعنی ہر وہ انسان جو آخرت کے عذاب سے بے خوف نہیں، اس کے لئے مذکورہ سرگذشتوں میں اور تاریخ کے ہر اس واقعہ میں جس میں کسی بستی یا قوم کو ظلم و شرک اور شرارت و طغیانی کی وجہ سے سخت پکڑا گیا ہے: بڑی نشانی ہے۔ ان واقعات سے جہاں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ پاک کے رسولوں کا پیام جھوٹا نہیں، دنیا ہی میں شرک و کفر اور تکذیبِ انبیاء پر سزائیں ملتی ہیں اور نہایت دردناک ملتی ہیں، وہیں ان سرگذشتوں میں اس بات کی بھی بڑی نشانی ہے کہ عذابِ آخرت ضرور پیش آنے والا ہے اور اس کے متعلق پیغمبروں کی دی ہوئی خبریں بالکل سچی ہیں اور وہ عذاب بے حد سخت ہے، جس سے رستگاری کی کوئی صورت نہیں۔ پس دانائی یہ ہے کہ آدمی اپنا انجام پہلے سوچ لے۔ عقلمند کے لئے ان واقعات میں بڑی ہی عبرت و نصیحت ہے۔

غور فرمایئے جتنے رسول پیدا ہوئے وہ کیسے وقتوں میں پیدا ہوئے؟ اور ان کی پکار کیا تھی؟ ان کی دلیلیں کیا تھیں جن پر انھوں نے زور دیا؟ ان کا طریقۂ کار کیا تھا جس پر وہ برابر کاربند رہے؟ پھر ان میں اور ان کی قوموں میں جو معاملات پیش آئے وہ کس قسم کے تھے؟ اگر کوئی شخص ان تمام باتوں پر غور کرے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ ہر رسول دوسرے رسول کی تصویر تھا، اور ہر دعوت دوسری دعوت کا عکس تھی۔ سب کی زبانوں سے ایک ہی پکار نکلی کہ اللہ پاک کی بندگی کرو، ان کے سوا کوئی معبود نہیں! سب نے کہا کہ ظلم و بدعملی سے باز آجاؤ، اس کا نتیجہ ہلاکت ہے —— پھر نتیجہ بھی ہمیشہ یکساں رہا، ہمیشہ ہی فیصلہ یہ ہوا کہ مؤمنوں نے نجات پائی اور سرکش لوگ ہلاک ہوئے۔

یہ سب کچھ اس حقیقت کی طرف کھلا اشارہ ہے کہ انسان اس کائنات میں کسی منظّم قانون کی فرمان روائی میں ہے، اندھے طبیعاتی قوانین کا کھلونا نہیں —— نیز ان واقعات پر مزید غور کرنے سے یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ دنیا میں جو عذاب آیا وہ جرم کی پوری سزا نہیں تھی، نہ ہر مجرم کو اس کے جرم کی سزا ملی۔ کیونکہ دنیا میں جو عذاب آیا اس نے صرف اس نسل کو پکڑا جو عذاب کے وقت موجود تھی۔ مگر جو نسلیں شرارتوں کے بیج بو کر رخصت ہو چکی تھیں انھوں نے اپنے کرتوتوں کی ابھی تک کوئی سزا نہیں پائی۔ لہٰذا انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ایک دوسری دنیا ہو جہاں تمام ظالموں کو ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ ملے۔

اس دوسرے عالم کے پہلے دن کا نام آخرت ہے —— وہ ایسا دن ہے جس کے لئے تمام لوگ اکھٹا کئے جائیں گے —— یعنی وہ دن نہایت مہتم بالشان ہے، اس دن کی خاطر بڑا ہی اہتمام کیا جائے گا۔ تمام اولین و آخرین اس دن کے لئے

اکھٹا کئے جائیں گے ـــــ اور وہ حاضری کا دن ہے ـــــ یعنی اس دن کوئی شخص غیر حاضر نہ رہ سکے گا۔ وہ دن خدائی عدالت کا سب سے بڑا دن ہوگا، اس لئے ممکن نہ ہوگا کہ کوئی شخص غائب رہ جائے اور حاضر نہ ہو ـــــ اور ہم اس کو صرف گنی چنی مدت کے لئے ملتوی کئے ہوئے ہیں ـــــ یعنی اس دن کے آنے میں کچھ دیر نہیں ہے، وہ بس آیا ہی چاہتا ہے۔ اللہ پاک کے یہاں ہر بات کے لئے ایک حساب ہے اور ہر کام کے لئے ایک میعاد مقرر ہے، جونہی یہ میعاد پوری ہوگی کہ وہ آیا ـــــ جس وقت وہ دن آئے گا اللہ پاک کی اجازت کے بغیر کوئی متنفس بات نہ کر سکے گا ـــــ پس جو لوگ دوسروں کی سفارش کے بھروسے پر اپنے نامۂ اعمال سیاہ کر رہے ہیں انھیں اس دن سخت مایوسی ہوگی ـــــ آج بے وقوف اس بھروسے میں ہیں کہ یہ دیوی دیوتا، اور پیر داتا، ہماری سفارش کر کے ہمیں بچالیں گے اور اس وجہ سے ان کے استھانوں اور آستانوں پر نذریں اور نیازیں، بھینٹیں اور قربانیاں چڑھا رہے ہیں مگر وہ جان لیں اور خوب اچھی طرح سن لیں کہ اس دن کسی بڑے سے بڑے انسان اور کسی معزز سے معزز فرشتے کو مجال دم زدن نہ ہوگی اور اگر کوئی کچھ کہہ بھی سکے گا تو اس وقت جبکہ احکم الحاکمین کے دربار سے عرض کرنے کی اجازت ملے۔

قیامت کے دن کچھ لوگ بدبخت ہونگے کچھ لوگ نیک بخت

پھر ان (اہل محشر) میں سے کچھ لوگ بدبخت ہوں گے اور کچھ لوگ نیک بخت ـــــ سو رہے وہ لوگ جو بدبخت ہوئے تو وہ دوزخ میں جائیں گے، وہاں ان کی لمبی لمبی آہیں اور سسکیاں ہوں گی، وہ وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں، جب تک آسمان وزمین (برقرار) ہیں، مگر آپ کے پروردگار جو چاہیں، آپ کے پروردگار بالیقین ہر طرح کر سکتے ہیں جو چاہیں ـــــ اور رہے وہ لوگ جو نیک بخت بنائے گئے وہ بہشت میں جائیں گے، وہ وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں، جب تک آسمان وزمین (برقرار) ہیں، مگر آپ کے پروردگار جو چاہیں، بخشش ہے بے انتہا!

تصور کیجئے قیامت کے دن کیا حال ہوگا! میدانِ محشر تمام انسانوں، جنوں اور فرشتوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا ہوگا، دربارِ خداوندی اپنی پوری شان سے سجا ہوا ہوگا، ہر شخص کو اپنی اپنی پڑی ہوگی کہ فیصلے شروع ہوں گے اور کیا فیصلے ہوں گے؟ بس دو ہی فیصلے۔ کچھ لوگوں کو بدبختی اور حرمان نصیبی کا پروانہ ملے گا اور کچھ لوگوں کو نیک بختی اور خوش قسمتی کا اعزاز ملے گا۔ پھر جن کے حصے میں بدنصیبی آئے گی وہ دوزخ کی راہ لیں گے اور خوش قسمت جنت کو روانہ ہوں گے۔

دوزخی دوزخ میں اور جنتی جنت میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، نہ اُن کو کبھی عذاب سے نجات ملے گی اور نہ اِن کی کبھی راحت چھینی جائے گی، وہ ابدالآباد تک آہیں بھرتے رہیں گے اور سسکیاں لیتے رہیں گے۔ اور یہ ابدالآباد تک ناز ونعم میں پرورش پاتے رہیں گے۔ جب تک آسمان وزمین برقرار ہیں دونوں فریقوں کے ساتھ یہی معاملہ ہوتا رہے گا۔ دوزخیوں

کے لئے یہ ان کے کرتوتوں کی لامتناہی سزا ہے، اور جنتیوں کے لئے یہ ایک ایسی بخشش ہے، جس کی کوئی انتہا نہیں۔

اور اللہ پاک کا یہ ارشاد کہ ''جب تک آسمان وزمین برقرار ہیں جہنمیوں کو آگ کا عذاب ہوتا رہے گا اور جنتی جنت میں نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے رہیں گے'' یہ بات محاورہ کے طور پر فرمائی گئی ہے۔ جب ہم طویل سے طویل زمانہ کا تصور کرتے ہیں تو اپنے ماحول کے اعتبار سے بڑی سے بڑی مدت یہی خیال میں آتی ہے۔ عربوں کے محاورات میں بھی دوام وابدیت کا مفہوم ادا کرنے کے لئے یہ محاورہ مستعمل ہے۔ اور قرآن پاک چونکہ عربوں کے محاورات میں نازل ہوا ہے اس لئے اس محاورہ کی مدد سے عذابِ جہنم کی ابدیت اور نعمت ہائے بہشت کی ہمیشگی بیان فرمائی ہے۔ جس کی دلیل اللہ پاک کا یہ ارشاد ہے کہ ''بخشش ہے بے انتہا''

اور اللہ پاک کا یہ ارشاد: ''مگر آپ کے پروردگار جو چاہیں'' اس ارشاد میں توحید کی حفاظت کی گئی ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ﴿ فَاَمَّا الَّذِيۡنَ شَقُوۡا سے اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ﴾ تک آیتِ پاک تلاوت فرما کر ارشاد فرمایا کہ: ''اگر اللہ پاک بد بختوں کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل فرمانا چاہیں تو وہ ایسا کر سکتے ہیں''[1] یعنی بدنصیب کافر جہنم میں ہمیشہ رہیں گے، کوئی ان کو وہاں سے نکال نہیں سکتا۔ ہاں اللہ پاک چاہیں تو نکال سکتے ہیں اس لئے کہ ان کو ہر طرح قدرت ہے، پس اگر ان کو نکالنا منظور ہو تو دوسری بات ہے اور اس مطلب کی دلیل خود اللہ پاک کا یہ ارشاد ہے کہ: ''بالیقین ہر طرح سے جو چاہیں کر سکتے ہیں'' مگر باوجود قدرتِ کاملہ کے وہ ایسا نہیں کریں گے، نہ جہنمیوں کو کبھی جہنم سے نکالیں گے اور نہ اہل جنت کو کبھی جنت سے نکالیں گے۔

علمی زبان میں اس بات کو اس طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ جنتیوں اور جہنمیوں کا خلود واجب لذاتہ نہیں، بلکہ واجب لغیرہ ہے اور کفار کا چھٹکارا پانا گو ممکن بالذات ہے یعنی اللہ پاک کی قدرت میں ہے مگر ممتنع بالغیر ہے یعنی بارادۂ خداوندی ہمیشہ کے لئے منتفی ہے ــــ اسی طرح اہل جنت کا جنت میں ہمیشہ نہ رہنا گو ممکن بالذات ہے یعنی اللہ پاک کی قدرت میں ہے مگر ممتنع بالغیر ہے یعنی اللہ پاک کے ارادۂ خلود فرمالینے کی وجہ سے ہمیشہ ان کے لئے جنت سے نکلنا منتفی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ کوئی اور طاقت تو ایسی نہیں جو کفار کو دائمی عذاب سے بچا سکے، البتہ اگر اللہ پاک ہی کسی کے انجام کو بدلنا چاہیں تو انھیں ایسا کرنے کا پورا اختیار ہے کیونکہ ان پر کوئی بالاتر قانون ایسا نہیں جو ان کے اختیارات کو محدود کرتا ہو ــــ یہی حال جنتیوں کے جنت میں ٹھہرنے کا ہے اللہ پاک ان کو ہمیشہ کے لئے جنت میں رکھنے کے لئے مجبور نہیں، بلکہ یہ سراسر اللہ پاک کی عنایت ہے کہ وہ ان کو وہاں رکھیں گے اگر وہ ان کی بھی قسمت بدلنا چاہیں تو انھیں بدلنے کا پورا پورا اختیار ہے۔

ان آیتوں میں ایک خاص بات یہ یاد رکھنے کی ہے کہ کافروں کے بارے میں تو ارشاد فرمایا کہ: ''وہ لوگ جو بدبخت

---

(۱) أخرجه ابن مردُوَيه (درمنثور ص۳۵۰ ج۳)

ہوئے'' اور جنتیوں کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ: ''وہ لوگ جو نیک بخت بنائے گئے'' یعنی بدبختی، کفر و معصیت اور نالائقی انسان خود کرتا ہے اور بد بخت خود بنتا ہے، اپنی ناعاقبت اندیشی سے پیروں پر کلہاڑی مارتا ہے، مگر نیک بختی، ایمان و اعمالِ صالحہ اور لائق بننے میں مددِ خداوندی شامل رہتی ہے۔ اللہ پاک کا ایک ارشاد سورۃ النساء (آیت ۷۸) میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ: ''جو کچھ بھی تجھے اچھائی میسر آتی ہے وہ اللہ پاک کی طرف سے ہے اور جو کچھ تجھے برائی پیش آتی ہے وہ تیری ہی وجہ سے ہے''

آیت پاک میں جہنمیوں کے بارے میں فرمایا گیا کہ: ''وہاں ان کے لئے لمبی لمبی آہیں اور سسکیاں ہیں'' یعنی وہ وہاں چیخیں گے، چلائیں گے، روئیں گے، پیٹیں گے اور گدھوں کی طرح ڈھیچوں ڈھیچوں کریں گے اور رینکیں گے ـــ مگر جنتیوں کا جنت میں کیا حال ہوگا، یہ بات بیان نہیں فرمائی، کیونکہ جنت اور جہنم ایک دوسرے کی ضد ہیں اور ایک ضد سے دوسری ضد پہچانی جاسکتی ہے پس جہنمیوں کے حال سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ جنتی جنت میں خوش وخرم، مسہریوں پر آمنے سامنے بیٹھے، مزے لے لے کر آپس میں باتیں کریں گے اور شکرِ خداوندی بجالائیں گے، وہاں انھیں ہر طرف سے سلام پہنچے گا،

اسی طرح پہلی جگہ استثناء کے بعد فرمایا کہ: ''آپ کے پروردگار ہر طرح سے جو چاہیں کر سکتے ہیں'' مگر یہ بات دوسری جگہ استثناء کے بعد نہیں فرمائی کیونکہ ایک جگہ تذکرہ کافی ہے ـــ اور دوسری جگہ جو فرمایا کہ: ''بخشش ہے بے انتہا'' اس کا مقابل پہلی آیت میں محذوف ہے یعنی جہنمیوں کے لئے دوزخ سزا ہے بے انتہا، جو ابدالآباد تک ملتی رہے گی جو کبھی ختم نہ ہوگی!

فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ ۭ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ۭ وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ﴿١٠٩﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿١١٠﴾ وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ۭ اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿١١١﴾

ع ۹

فَلَا تَكُ (۱) فِيْ مِرْيَةٍ	سو نہ ہوں آپ کسی خلجان میں	مِّمَّا (۲)	ان چیزوں کے متعلق جن کو	يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ	پوجتے ہیں یہ لوگ

(۱) فَلَا تَكُ کی اصل فَلَا تَكُنْ ہے۔ کثرت استعمال کی وجہ سے نون حذف ہوگیا ہے۔ (۲) مِمَّا میں مِنْ ابتدائیہ ہے اور ما موصولہ ہے۔

مَا يَعْبُدُوْنَ	نہیں پوجتے وہ	فَاخْتُلِفَ	پس اختلاف کیا گیا	مُرِيْبٍ (۳)	اور خلجان میں ڈالنے
اِلَّا كَمَا	مگر جس طرح	فِيْهِ	اس میں		والے
يَعْبُدُ	پوجتے تھے	وَلَوْلَا	اور اگر نہ ہوتی	وَاِنَّ (۴)	اور بے شک
اٰبَآؤُهُمْ	ان کے باپ دادا	كَلِمَةٌ	ایک بات	كُلًّا	(اختلاف کرنے والوں
مِّنْ قَبْلُ	پہلے سے	سَبَقَتْ	طے شدہ		میں سے) ہر ایک (کو)
وَاِنَّا	اور بے شک ہم	مِنْ رَّبِّكَ	آپ کے پروردگار	لَّمَّا	قسم بخدا! البتہ جو
لَمُوَفُّوْهُمْ (۱)	ضرور بھرپور دیں گے		کی طرف سے	لَيُوَفِّيَنَّهُمْ	ضرور پورا پورا دیں
	انہیں	لَقُضِيَ	(تو) ضرور فیصلہ چکا		گے انہیں
نَصِيْبَهُمْ	ان کا حصہ		دیا گیا ہوتا	رَبُّكَ	آپ کے پروردگار
غَيْرَ مَنْقُوْصٍ (۲)	بغیر کمی (کے)	بَيْنَهُمْ	ان (اختلاف کرنے	اَعْمَالَهُمْ	ان کے اعمال
وَلَقَدْ	اور قسم بخدا! واقعہ یہ ہے		والوں) کے درمیان	اِنَّهٗ	یقیناً وہ
اٰتَيْنَا	(کہ) ہم نے عطا فرمائی	وَاِنَّهُمْ	اور یقیناً وہ	بِمَا	اس سے جو
مُوْسَى	موسیٰ (علیہ السلام کو)	لَفِيْ شَكٍّ	شک میں مبتلا ہیں	يَعْمَلُوْنَ	کرتے ہیں وہ
الْكِتٰبَ	کتاب	مِّنْهُ	اس (قرآن) کی طرف سے	خَبِيْرٌ	پوری طرح باخبر ہیں

اب ان دو تین آیتوں میں دو غلط فہمیاں دور کی جاتی ہیں، جو اس مقام میں پیدا ہو سکتی ہیں۔

(۱) مُوَفُّوْا اسم فاعل جمع مذکر ہے اصل میں مُوَفِّيُوْنَ تھا ضمہ یاء پر ثقیل تھا اس لئے ماقبل کو منتقل کر دیا پھر یاء دو ساکنوں کے اجتماع کی وجہ سے حذف ہوگئی اور آخر سے نون جمع هُمْ کی طرف اضافت کی وجہ سے حذف ہوگیا وَفّٰى تَوْفِيَةً: پورا پورا دینا (۲) مَنْقُوْص اسم مفعول ہے نَقَصَ (ن) نَقْصًا: کم کرنا غَيْرَ مَنْقُوْصٍ حال مؤکدہ ہے نَصِيْبَهُمْ کے لئے (۳) دیکھئے سورۂ ہود آیت ۶۲ کا حاشیہ (۴) یہ آیت ترکیب کے اعتبار سے اہم ہے اس لئے بغور پڑھیں اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، كُلًّا لَّمَّا اس کا اسم ہے اور جملہ لَيُوَفِّيَنَّهُمْ اس کی خبر ہے — كُلًّا کی تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے اِنَّ كُلَّ الْمُختَلِفِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْكَافِرِيْنَ — لَمَّا بدل ہے كُلًّا سے اور لَمَّا میں لام قسمیہ ہے اور مَّا کی اصل مِنْ مَا ہے اس میں مِنْ جارہ ہے اور مَا موصولہ ہے چونکہ نون ساکن میم کے ساتھ جمع ہوگیا ہے اس لئے ادغام واجب ہوا ہے پھر جب ادغام کرنے کے لئے نون کو میم سے بدلا تو تین میم جمع ہوگئے اس لئے درمیان والا میم حذف کر دیا تو مَّا ہوگیا۔ لَيُوَفِّيَنَّهُمْ کا لام جواب قسم کا لام ہے۔

۱-شرک وبت پرستی کی بنیاد علم وہدایت اور عقل وفہم پر نہیں، بلکہ باپ دادا کی اندھی تقلید پر ہے

پہلی غلط فہمی: کفر کے شیوع اور پھیلاؤ سے پیدا ہوسکتی ہے کہ اتنی بڑی مخلوق شرک وبت پرستی کے راستہ پر پڑی ہوئی ہے جس میں بڑے بڑے عقلمند، چوٹی کے دانشور اور اہل علم ومفکرین ہیں۔ یہ سب لوگ جوان معبودوں کی پرستش کرنے اور ان سے دعائیں اور مرادیں مانگنے میں لگے ہوئے ہیں: آخر کچھ تو انھوں نے دیکھا ہوگا، جس کی وجہ سے یہ ان سے نفع کی امیدیں رکھتے ہیں۔ یہ سب نہ تو بے وقوف ہیں نہ ناعاقبت اندیش، پھر کیوں کر مان لیں کہ شرک وکفر سراسر غلط چیز ہے؟ اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں — تو آپ ان چیزوں کے بارے میں جن کو یہ لوگ پوجتے ہیں کسی خلجان میں مبتلا نہ ہوں — یہ خطاب عامۃ الناس سے ہے کہ کسی بھی سمجھدار آدمی کو باطل معبودوں کے بارے میں کسی خلجان میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے کیونکہ — یہ لوگ تو بس (لکیر کے فقیر ہیں) اسی طرح پوجا پاٹ کیے جارہے ہیں جس طرح ان کے باپ دادا پہلے کرتے تھے — یعنی جھوٹے معبودوں کی یہ پرستش، نذریں اور نیازیں، التجائیں اور عبادتیں کسی علم، تجربے یا حقیقی مشاہدے کی بنا پر نہیں ہیں بلکہ یہ سب کچھ نری اندھی تقلید ہے۔ یہ لوگ اپنے باپ دادا کی کورانہ تقلید کررہے ہیں۔ انھیں بت پرستی اور گمراہی ان کے اسلاف سے ورثہ میں ملی ہے — اور ہم یقیناً انہیں ان کا بھرپور حصہ بے کم وکاست ضرور دیں گے — اور یہ جھوٹے معبود ان کے کچھ کام نہ آئیں گے — وہ دنیا ہی میں کیا کام آئے؟ آخر یہی آستانے پچھلی قوموں میں بھی موجود تھے اور ایسی ہی ان کی کرامتیں ان میں بھی مشہور تھیں، مگر جب اللہ کا عذاب آیا تو وہ تباہ ہوگئے اور یہ آستانے یوں ہی دھرے کے دھرے رہ گئے۔

۲-قرآن برحق ہے تو سب لوگ اس کو کیوں مان نہیں لیتے؟

دوسری غلط فہمی: یہ ہوسکتی ہے کہ جب قرآن پاک کی باتیں برحق ہیں تو کیوں سب لوگ اسے مان نہیں لیتے؟ یہ ایک ایسا خیال ہے جو اچھے اچھے لوگوں کا دامن پکڑ لیتا ہے۔ اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں — اور واللہ! یہ ہوچکا ہے کہ ہم نے موسیٰ کو کتاب (تورات) عطا فرمائی تھی، تو اس کے بارے میں بھی اختلاف کیا گیا — کسی نے مانا کسی نے نہیں مانا، پس یہ کوئی نئی بات نہیں کہ آج لوگ اس قرآن کے بارے میں مختلف کیوں ہورہے ہیں: کوئی مان رہا ہے اور کوئی منہ موڑ رہا ہے؟ کیونکہ پہلے سے یہی ہوتا آیا ہے پس تمہیں یہ دیکھ کر بالکل بددل نہیں ہونا چاہئے کہ ایسی سیدھی اور صاف باتیں قرآن کریم میں پیش کی جاتی ہیں اور پھر بھی لوگ ان کو قبول نہیں کرتے۔

اور تمام آسمانی کتابوں میں سے مثال کے لئے تورات کی تخصیص اس لئے فرمائی ہے کہ قرآن پاک کے بعد تورات

ہی کا مرتبہ ہے، عظمت واہمیت میں اور تفصیل وتبیین میں۔اس لئے اگر مثال بڑی نہیں دی جاسکتی تو چھوٹی مثالوں میں سے نسبۃً بڑی مثال دینی چاہئے۔قرآن پاک کے علاوہ تمام آسمانی کتابوں میں، سب سے بڑی کتاب تورات ہے اس لئے اس کی مثال دی ہے ورنہ تورات کی کوئی تخصیص نہیں، اللہ پاک کی ہر کتاب کے بارے میں اختلاف کیا جاچکا ہے، پس اگر آج قرآن پاک کے بارے میں لوگ مختلف ہورہے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں۔

اور کسی کو اس بات کے لئے بے چین نہیں ہونا چاہئے کہ جو لوگ قرآن پاک کے بارے میں اختلاف کررہے ہیں ان کا فیصلہ جلدی کیوں نہیں کردیا جاتا؟ انھیں مہلت کیوں مل رہی ہے؟ اللہ پاک اپنے کلام کی مخالفت کرنے والوں کو کیوں گوارا فرمارہے ہیں؟ ان کا پتہ صاف کیوں نہیں کردیتے؟ اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں — اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک بات طے شدہ نہ ہوتی تو ان اختلاف کرنے والوں کے درمیان ضرور فیصلہ چکادیا گیا ہوتا — مگر چونکہ اللہ پاک پہلے ہی سے یہ بات طے فرماچکے ہیں کہ فیصلہ وقت مقرر سے پہلے نہ کیا جائے گا اس لئے ان اختلاف کرنے والوں کو مہلت مل رہی ہے — اور وہ لوگ یقیناً اس قرآن کی طرف سے خلجان میں ڈالنے والے شک میں مبتلا ہیں — یعنی اللہ پاک کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ قرآن پاک کی باتیں کسی طرح ان کے گلے نہیں اترتیں تاہم قانون امہال کی وجہ سے انھیں مہلت مل رہی ہے۔مگر یہ مہلت چند روزہ ہے — اور قسم بخدا! آپ کے پروردگار یقیناً اختلاف کرنے والے فریقوں میں سے ہر ایک کو ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ ضرور دیں گے — یعنی ابھی تو وقت نہیں آیا کہ ہر ایک عمل کرنے والے کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ دیدیا جائے لیکن جب وقت آئے گا تو یقیناً ذرہ ذرہ کا حساب کردیا جائے گا — اختلاف کرنے والے فریقوں میں سے ہر فریق کو، ماننے والے مؤمنوں کو اور نہ ماننے والے کافروں کو، سب کو ان کے اعمال پورے پورے مل جائیں گے، کسی کے اعمال کا ایک حبہ ضائع نہ ہوگا — اور وہ لوگ جو کچھ کررہے ہیں اس سے اللہ پاک یقیناً پوری طرح باخبر ہیں — پس عذاب میں تاخیر سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ اللہ پاک کو اختلاف کرنے والوں کے اعمال کی خبر نہیں۔اللہ پاک پر ان لوگوں کا کوئی عمل مخفی نہیں۔اور جلدی ہی قرآن پاک کے منکروں کو بھرپور بدلہ ملنے والا ہے، اور جو لوگ قرآن پاک پر ایمان لائے ہیں ان کو بھی ان کے کاموں کا بھرپور صلہ ملا ہی چاہتا ہے۔

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ؕ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۲﴾ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ

يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

فَاسْتَقِمْ(۱)	پس آپ مستقیم رہیں	تَعْمَلُوْنَ	تم کررہے ہو	مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ پاک سے ورے
كَمَآ	جیسا	بَصِيْرٌ	خوب دیکھنے والے ہیں	مِنْ اَوْلِيَآءَ	کوئی مددگار
اُمِرْتَ	حکم دیئے گئے ہیں آپ	وَلَا تَرْكَنُوْٓا(۵)	اور نہ جھکو تم	ثُمَّ لَا(۷)	پھر نہ
وَمَنْ(۲)	اور (وہ لوگ بھی) جو	اِلَى	طرف	تُنْصَرُوْنَ	مدد پہنچے تمہیں (اللہ
تَابَ(۳)	لوٹ گئے ہیں	الَّذِيْنَ	ان کے جنھوں نے		کی طرف سے)
مَعَكَ	آپ کے ساتھ	ظَلَمُوْا	ناانصافی کی	وَاَقِمِ	اور اہتمام کرو
وَلَا	اور نہ	فَتَمَسَّكُمُ	کہیں چھولے تمہیں	الصَّلٰوةَ	نماز (کا)
تَطْغَوْا(۴)	حد سے تجاوز کرو تم	النَّارُ	آگ	طَرَفَيِ(۸)	دونوں سروں پر
اِنَّهٗ	بے شک اللہ پاک	وَمَا(۶)	درانحالیکہ نہ (ہو)	النَّهَارِ	دن (کے)
بِمَا	ان (کاموں) کو جو	لَكُمْ	تمہارے لئے	وَزُلَفًا(۹)	اور ابتدائی حصے (میں)

(۱) اِسْتَقِمْ امر حاضر ہے اِسْتَقَامَ اِسْتِقَامَةً: سیدھا ہونا، اس طرح سیدھا کھڑا ہونا کہ کسی طرف ذرا سا بھی جھکاؤ نہ رہے (۲) وَمَنْ کا عطف اِسْتَقِمْ کی پوشیدہ ضمیر فاعل پر ہے اور كَمَا اُمِرْتَ کے فصل کی وجہ سے ضمیر منفصل سے تاکید کی ضرورت باقی نہیں رہی (۳) تَابَ کا صلہ اِلٰى آتا ہے یہاں تقدیر عبارت اس طرح ہے وَمَنْ تَابَ اِلَى اللّٰهِ وَصَارَ مَعَكَ (۴) تَطْغَوْا باب سمع سے مضارع کا صیغہ جمع مذکر حاضر طَغِيَ طُغْيَانًا: حد سے بڑھ جانا (۵) رَكَنَ (ن س) اليه: مائل ہونا (۶) وَمَالَكُمْ جملہ حالیہ ہے فَتَمَسَّكُمْ میں مفعول كُمْ سے (۷) ثُمَّ حرف عطف ہے اور تراخی حال کے لئے آتا ہے دیکھئے سورۂ ہود کی پہلی آیت کا حاشیہ (۸) طَرَفَيِ کا نون تثنیہ اضافت کی وجہ سے حذف ہوگیا ہے اور جملہ ناقصہ مفعول فیہ ہے اَقِمْ کا (۹) زُلَفًا کا عطف طَرَفَيِ پر ہے اور یہ بھی مفعول فیہ ہے اس کا مفرد زُلْفَةٌ ہے: رات کا ابتدائی حصہ۔

مِّنَ الَّيۡلِ	رات کے	لَا يُضِيۡعُ	نہیں ضائع کرتے	اِلَّا قَلِيۡلًا	سوائے چند (نفوس) کے
اِنَّ	بے شک	اَجۡرَ	اجر (ثواب)	مِّمَّنۡ	ان میں سے جن کو
الۡحَسَنٰتِ	نیکیاں	الۡمُحۡسِنِيۡنَ	نیکوکاروں (کا)	اَنۡجَيۡنَا	بچالیا ہم نے
يُذۡهِبۡنَ	مٹا دیتی ہیں	فَلَوۡلَا(۳)	سو کیوں نہ	مِنۡهُمۡ	ان (قوموں) میں سے
السَّيِّاٰتِ	برائیاں	كَانَ(۴)	ہوئے	وَاتَّبَعَ(۶)	اور پیچھے پڑے رہے
ذٰلِكَ(۱)	یہ	مِنَ الۡقُرُوۡنِ	(ان) قوموں میں سے جو	الَّذِيۡنَ	وہ لوگ جنھوں نے
ذِكۡرٰى(۲)	بڑی یاد (ہے)	مِنۡ قَبۡلِكُمۡ	تم سے پہلے گذر چکے ہیں	ظَلَمُوۡا	ناانصافی کی
لِلذّٰكِرِيۡنَ	یاد کرنے والوں کے لئے	اُولُوۡا بَقِيَّةٍ(۵)	سمجھدار لوگ	مَاۤ	اس (عیش) کے
وَاصۡبِرۡ	اور صبر کرو	يَّنۡهَوۡنَ	(کہ) روکتے	اُتۡرِفُوۡا فِيۡهِ(۷)	جس میں وہ سرکش
فَاِنَّ	پس بے شک	عَنِ الۡفَسَادِ	فساد سے		بنادیئے گئے تھے
اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ	فِي الۡاَرۡضِ	زمین میں	وَكَانُوۡا	اور تھے وہ

(۱) ذٰلِکَ اسم اشارہ بعید بمعنی ھٰذَا (اسم اشارہ قریب) ہے جیسے ذٰلِکَ الْکِتَابُ لَارَیْبَ فِیْہِ مشارالیہ کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے اسم اشارہ بعید لایا گیا ہے (۲) ذِکْریٰ مصدر ہے ذَکَرَ یَذْکُرُ کا، جو ذکر سے زیادہ بلیغ ہے اور کثرت ذکر کے لئے بولا جاتا ہے (۳) لَوْلَا یہاں نفی کے لئے مستعمل ہے اور تحضیض ضمنی ہے تفصیل کے لئے سورۂ یونس آیت ۹۸ کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیں۔ (۴) کَانَ ناقصہ ہے اس کا اسم اُوْلُوْا بَقِیَّۃٍ ہے اور خبر جملہ یَنْھَوْنَ ہے — مِنْ قَبْلِکُمْ محذوف سے متعلق ہوکر الْقُرُوْنَ کی صفت ہے — مِنَ الْقُرُوْنِ میں مِنْ اضافت کا ہے اور اضافت بیانیہ ہے اصل عبارت اس طرح ہے اُوْلُوْا بَقِیَّۃٍ مِّنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِکُمْ — اِلَّا استثناء متصل ہے اُوْلُوْا بَقِیَّۃٍ سے — مِمَّنْ میں پہلا مِنْ بیانیہ ہے (۵) اُوْلُوْا (والے) جمع ہے اس کا واحد نہیں آتا بعض لوگ ذو کو اس کا واحد کہتے ہیں۔ حالت رفعی میں ہے۔ نصب وجر کی حالت میں اُوْلِیْ ہوگا — بَقِیَّۃ صفت مشبہ کا صیغہ ہے بَقَاءٌ سے بچی ہوئی چیز، باقی ماندہ — اور اُولُوا بَقِیَّۃٍ کے معنی ہیں سمجھ دار لوگ، اہل الرائے انسان کی یہ عادت ہے کہ جو چیز اُسے سب سے زیادہ عزیز ہوتی ہے اس کو ہر حال میں باقی رکھنے کا اہتمام کرتا ہے اور ضرورت پڑنے پر دوسری چیزوں کو اس پر قربان کردیتا ہے اور ''عقل وبصیرت'' انسان کی وہ متاع ہے جو اُسے سب سے زیادہ عزیز ہے اس وجہ سے ''عقل وبصیرت'' کو بَقِیَّۃٌ کہنے لگے پس اُولُوا بَقِیَّۃٍ کے معنی ہوئے عقل والے، اہل بصیرت، سمجھ دار لوگ (۶) جملہ اِتَّبَعَ مستقل جملہ ہے اور واؤ عاطفہ جملوں کو جوڑنے کے لئے ہے — اَلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فاعل ہے اِتَّبَعَ کا — اور مَا اُتْرِفُوْا فِیْہِ مفعول بہ ہے — مَا موصولہ ہے اور جملہ اُتْرِفُوْا فِیْہِ اس کا صلہ ہے (۷) اُتْرِفُوْا ماضی مجہول کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے اَتْرَفَہُ المال: سرکش بنادینا، خراب کردینا۔

مُجْرِمِيْنَ	مجرم	لِيُهْلِكَ[1]	کہ تباہ کریں	وَّ اَهْلُهَا	درانحالے کہ ان کے
وَمَا كَانَ	اور (ایسے تو) نہیں	الْقُرٰى	بستیوں (کو)		باشندے
رَبُّكَ	آپ کے پروردگار	بِظُلْمٍ[2]	ناحق	مُصْلِحُوْنَ	نیکوکار (ہوں)

سورت کے خاتمہ میں پانچ قیمتی باتیں

اب سورت کی آخری موعظتیں شروع ہوتی ہیں۔ اللہ پاک کے فضل وکرم سے ہم سورت کا بڑا حصہ تلاوت کر آئے۔ آیئے اب توفیق خداوندی سے یہ آخری باتیں بھی سمجھ لیں — سورت کے خاتمہ میں اللہ پاک جل شانہ اپنے بندوں کو پانچ نہایت قیمتی احکام عنایت فرماتے ہیں۔ جن کی پابندی بندوں کے لئے نہایت ضروری ہے اور ان کی پابندی ہی میں دنیا وآخرت کی کامیابی مضمر ہے۔ یہ پانچ احکام درج ذیل ہیں:

(۱) — استقامت — ٹھیک ٹھیک دین پر ثابت قدم رہنا۔ راہِ راست سے ذرا بھی اِدھر اُدھر نہ ہٹنا۔ شریعت پر استواری کے ساتھ گامزن ہونا اور عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق وغیرہ تمام دینی کاموں میں اللہ پاک کی مقرر کردہ حدود سے باہر نہ نکلنا۔

(۲) — ظالموں کی طرف نہ جھکنا — ناانصافی کرنے والوں سے کوئی تعلق نہ رکھنا۔ شکل وصورت، رہن سہن، رسم ورواج وغیرہ میں ان کی پیروی نہ کرنا۔

(۳) — نمازوں کا اہتمام کرنا — سبھی نمازوں کا اہتمام کرنا، خصوصاً دن کے دونوں سروں پر، اور رات کے ابتدائی حصے میں پڑھی جانے والی نمازوں کا اہتمام کرنا، کیونکہ نماز سے برائیاں مٹتی ہیں اور نماز اللہ پاک کو یاد رکھنے کا بڑا ذریعہ ہے۔

(۴) — صبر وہمت سے کام لینا — ثابت قدمی سے رہنا، ہر معاملہ میں مضبوطی کو شعار بنانا۔

(۵) — دعوت وارشاد — لوگوں کو بھلائیوں کی تعلیم دینا، برائیوں سے روکنا اور زمین میں فساد اور بگاڑ پیدا کرنے سے باز رکھنا۔

یہ پانچ احکام نہایت اہم ہیں۔ ان کی اہمیت کا تقاضا ہے کہ ہم انھیں تفصیل سے سمجھیں۔ اللہ پاک اپنے فضل وکرم سے ہمیں ان بیش قیمت احکام پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں (آمین)

(۱) لِيُهْلِكَ میں لام نفی کی تاکید کے لئے ہے اور اس کے بعد اَنْ محذوف ہے جس نے يُهْلِكَ کو نصب دیا ہے اور جملہ كَانَ کی خبر ہے (۲) بِظُلْمٍ حال ہے يُهْلِكَ کے فاعل سے۔

۱-ٹھیک ٹھیک دین پر ثابت قدم رہنا

اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں کہ جب قرآن پاک پر ایمان لانے والوں کا اور اس سے اختلاف کرنے والوں کا حال آپ جان چکے — تو (اب) آپؐ اور جو لوگ آپ کے ساتھ (اللہ کی طرف) پلٹ آئے ہیں ٹھیک ٹھیک راہِ راست پر ثابت قدم رہیں، جیسا کہ آپ حکم دیئے گئے ہیں — یعنی جو راہ آپ کو بتلائی گئی ہے اس پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہیں — افراط و تفریط سے کنارہ کش ہو کر، کجی اور انحراف سے منہ موڑ کر صراطِ مستقیم پر گامزن رہیں۔ ہمیشہ اس کی ٹھیک ٹھیک پیروی کریں۔ تمام اوامر و نواہی اور جملہ احکامِ خداوندی کا صحیح مکمل اور دائمی اتباع کریں۔ یہی ''استقامت'' ہے اور بندوں کے لئے اس سے آگے کوئی مقام نہیں۔ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ: ''استقامت ہزار کرامتوں سے بہتر ہے''

مسلم شریف کی حدیث ہے کہ حضرت سفیان ثقفی رضی اللہ عنہ نے حضور پاک ﷺ سے پوچھا: یا رسول اللہ! اسلام کے بارے میں مجھے کوئی شافی بات بتایئے کہ آپ کے بعد کسی سے اس بارے میں کچھ نہ پوچھوں، ؟ آپؐ نے شافی بات یہ ارشاد فرمائی: ''کہو میں اللہ پاک پر ایمان لایا، اور پھر ٹھیک ٹھیک اس پر قائم رہو'' یعنی ایمان کے تقاضوں کے مطابق ٹھیک ٹھیک چلنا زندگی کا دستور بنالو، بس یہی بات شافی کافی ہے۔

آیتِ پاک میں استقامت کا حکم رسول پاک ﷺ کو مخاطب کر کے دیا گیا ہے، جس سے مقصود حکم کی اہمیت ظاہر کرنا ہے کہ استقامت کا حکم ایک ایسا حکم ہے جس کے مخاطب سید الاولین والآخرین محبوب رب العالمین ﷺ بھی ہیں۔

استقامت کیا ہے؟

''استقامت'' لفظ تو چھوٹا سا ہے مگر اس کے مفہوم میں نہایت درجہ وسعت ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنے عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق، معاشرت، کسبِ معاش اور آمد و صرف کے تمام ابواب میں اللہ پاک کے بتلائے ہوئے راستہ پر سیدھا چلتا رہے۔ کسی عمل اور کسی حال میں باطل کی طرف جھکاؤ نہ ہو، دین میں کسی قسم کی کمی زیادتی اور افراط و تفریط نہ ہونے پائے ورنہ استقامت باقی نہیں رہے گی۔

انسانوں میں جو گمراہیاں اور عملی خرابیاں آتی ہیں ان کا سبب کیا ہے؟ آپ غور فرمائیں گے تو معلوم ہوگا کہ بس ایک ہی سبب ہے اور وہ استقامت سے ہٹ جانا ہے۔ جب عقائد میں استقامت باقی نہیں رہتی تو بدعات کا دور دورہ شروع ہو جاتا ہے، بلکہ کفر و شرک تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ توحید اور ذات و صفات کے مسائل میں جو معتدل راہ شریعت نے قائم فرمائی ہے اس میں افراط و تفریط یا کمی بیشی کرنا، خواہ کتنی ہی نیک نیتی سے ہو، گمراہی ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور

اولیاء رحمہم اللہ کی عظمت ومحبت کی حدود مقرر ہیں۔ان میں کمی کرنے والے اور زیادتی کرنے والے دونوں ہی گمراہ ہیں۔ عبادات اور تقرب الی اللہ کے طریقے قرآن پاک اور احادیث میں متعین فرما دیئے گئے ہیں ان میں ذراسی کمی اور کوتاہی انسان کو استقامت سے گرادیتی ہے اور ان میں اپنی طرف سے معمولی سی زیادتی بھی استقامت کو برباد کردیتی اور بدعات میں ملوث کردیتی ہے۔انسان بڑی نیک نیتی سے یہ سمجھتا رہتا ہے کہ وہ اللہ پاک کو خوش کررہا ہے مگر حقیقت میں اللہ پاک ان کاموں سے ناراض ہوتے ہیں —— اسی طرح معاملات، اخلاق اور معاشرت کا جو صحیح راستہ اللہ اور رسول ﷺ نے قائم کردیا ہے اور دوستی دشمنی، نرمی گرمی، غصہ، بردباری، سخاوت اور کنجوسی کا جو معیار شریعت نے قائم فرمادیا ہے اس پر ٹھیک ٹھیک چلنا ہی استقامت ہے، اسی سے انسان، انسان کامل بنتا ہے، اور منزل مقصود تک پہنچتا ہے۔

پس جو لوگ غلط زندگی کو خیرباد کہہ کر پلٹ آئے ہیں اور کفر وشرک سے توبہ کرکے حضور ﷺ کی معیت اختیار کرچکے ہیں اور اللہ پاک کی طرف متوجہ ہوگئے ہیں اور قرآن پاک پر ایمان لاچکے ہیں انھیں چاہئے کہ اب نہایت پامردی اور استقلال کے ساتھ احکاماتِ خداوندی پر جمے رہیں اور جادۂ استقامت پر قدم ایسا جمادیں کہ اس میں کبھی کسی قسم کا تزلزل نہ آنے پائے۔

استقامت منفی پہلو سے:

استقامت کا حکم مثبت انداز میں دینے کے بعد اب اس کا منفی پہلو سامنے لایا جاتا ہے۔ارشاد فرماتے ہیں —— اور تم حد سے تجاوز نہ کرو، یاد رکھو! اللہ پاک ان کاموں کو جو تم کررہے ہو خوب دیکھ رہے ہیں —— یعنی تم دین کے دائرے سے کبھی قدم باہر نہ نکالو اور یہ بات ہمیشہ یاد رکھو کہ تمہاری اطاعت وفرماں برداری اور معصیت ونافرمانی سب اللہ پاک کی نظروں کے سامنے ہے(۱)

لَا تَطْغَوْا کا مصدر **طُغْيَانٌ** ہے۔طغیانی نام ہے حد سے نکل جانے کا، دریا کے چڑھاؤ اور جوش کے لئے لفظِ ''طغیانی'' مستعمل ہے۔پس طغیان ضد ہے استقامت کی۔ آیت پاک میں پہلے استقامت کا حکم مثبت انداز میں دیا ہے۔ پھر اس

(۱) قرآن پاک کا یہ حسن بیان نہایت دلکش اور ادب آموز ہے کہ جس کام کا حکم مثبت انداز میں دیا اس میں تو رسول اللہ ﷺ کو مخاطب بنایا اور امت مرحومہ کو تبعاً شامل کیا جیسے، فَاسْتَقِمْ، اَقِمِ الصَّلٰوةَ اور اِصْبِرْ مگر نہی کا مخاطب صرف امت کو بنایا جس سے مقصود عظمت رسول کا اظہار ہے کہ جو کام قابل ترک ہیں ان سے تو رسول اللہ ﷺ خود ہی پرہیز کرتے ہیں اس لئے ان کو تو منع کرنے کی حاجت ہی نہیں صرف امت کو نہی کی حاجت ہے۔اس لئے ان کاموں سے بچنے کی ہدایت براہ راست امت کو دی۔قربان جایئے قرآن کی بلاغت اور حسن بیان پر۔

پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اس کا منفی پہلو صراحۃً ذکر فرمایا۔ اس سے استقامت کی اہمیت کا پورا پورا اندازہ ہو جاتا ہے۔ پس مؤمن کو چاہئے کہ عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق وغیرہ تمام اعمال میں اللہ پاک کی اور رسول اللہ ﷺ کی مقرر کردہ حدود سے باہر قدم نہ نکالے بلکہ ٹھیک ٹھیک دین پر چلتا رہے۔

۲- ظالموں کی طرف نہ جھکنا

اور تم ان لوگوں کی طرف نہ جھکو جنھوں نے ناانصافی کی، کبھی تمہیں دوزخ کی آگ چھولے، اور تمہارے لئے اللہ پاک سے نیچے کوئی مددگار نہ ہو، نیز تمہیں (اللہ پاک کی طرف سے بھی) مدد نہ پہنچے —— یہ حکم ایک اہم ہدایت نامہ ہے۔ ہماری ذلت اور بگاڑ کا بڑا سبب اس فرمانِ الٰہی پر عمل نہ کرنا ہے۔ اس لئے اس کو تفصیل سے پڑھیں:

ظلم کے معنی ہیں ناانصافی۔ اور ناانصافی تین طرح کی ہوتی ہے۔ ۱-: وہ ناانصافی جو انسان اللہ پاک کے حق میں کرتا ہے۔ اس قسم میں سب سے بڑی ناانصافی کفر وشرک اور نفاق ہے ۲-: وہ ناانصافی جو لوگ باہم دیگر کرتے ہیں۔ ۳-: وہ ناانصافی جو انسان اپنے نفس کے ساتھ کرتا ہے آیت پاک میں حکم یہ دیا گیا ہے کہ جو لوگ ناانصاف ہیں، شرک وکفر میں مبتلا ہیں، نفاق کے روگی ہیں، دوسروں پر ظلم وجور کرتے ہیں یا غلط زندگی اختیار کئے ہوئے ہیں، خواہشاتِ نفس، رسم ورواج اور فیشن کی پیروی کر کے اپنے آپ کو تباہ کر رہے ہیں، ان لوگوں کی طرف ذرا بھی میلان اور جھکاؤ نہ ہونا چاہئے۔ ان سے دوستی، رفاقت، ساتھ اٹھنا بیٹھنا، تعظیم وتکریم، مدح وثنا، ظاہری مشابہت، اشتراکِ عمل، غرض ہر بات میں حتی الامکان ان لوگوں سے بچے رہنا چاہئے۔ مبادا آتش دوزخ کی لپٹ نہ لگ جائے، ان کی گمراہی کی چھینٹ نہ پڑ جائے، جبکہ انسان کے لئے اللہ پاک کے سوا کوئی مددگار نہیں، اور نہ اللہ پاک ہی کی طرف سے اسے کوئی مدد پہنچے۔

''کبھی تمہیں دوزخ کی آگ چھولے'' اس اندازِ بیان سے گنہگار مؤمن کے جہنم میں جانے کا اور کافر کے جہنم میں جانے کا فرق واضح ہوتا ہے۔ گنہگار مؤمن کا دوزخ میں جانا بس ایسا ہے جیسے میلے کپڑوں کا دھوبی کی بھٹی میں جانا، جہاں کپڑے کو آگ کی گرمی پہنچتی ہے اور اس کا میل کچیل دور کرتی ہے پھر جب وہ صاف ستھرا ہو جاتا ہے تو اپنے گھر واپس آ جاتا ہے —— اور کافر کا دوزخ میں جانا ایسا ہے جیسا کسی چیز کا نمک کی کان میں جانا کہ ''ہر کہ درکانِ نمک رفت نمک شد!'' وہاں سے کبھی اس کی واپسی کا امکان نہیں رہتا اور کافر جہنم میں جا کر فنا نہیں ہو جائے گا بلکہ جب بھی اس کے جسم کا گوشت گل جائے گا، ہر بار نیا گوشت مل جائے گا تاکہ برابر دردناک عذاب کا مزہ چکھتا رہے۔

اور یہ جو فرمایا کہ ''تمہارے لئے اللہ پاک سے نیچے کوئی مددگار نہ ہو'' اس ارشاد سے اظہارِ واقعہ مقصود ہے کہ اگر تمہیں

دوزخ میں جانا پڑا تو اللہ پاک کے علاوہ کونسی طاقت ہے جو تمہاری مدد کر سکے؟ــــ ہاں مؤمن کو خیال آ سکتا ہے کہ اور تو کوئی طاقت نہیں، مگر اللہ پاک تو غفور رحیم ہیں، انہی کی مدد شامل حال ہو جائے گی اس شبہ کو دور کرنے کے لئے مزید فرمایا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اللہ پاک کی طرف سے بھی تمہیں مدد نہ پہنچے کیونکہ اللہ پاک جہاں بڑے بخشنے والے نہایت مہربان ہیں وہیں ان کی گرفت بھی نہایت سخت ہے۔ پس کسی کو غلط فہمی میں مبتلا نہیں رہنا چاہئے۔

آیت پاک میں جو حکم دیا گیا ہے اس پر ایک بار پھر غور فرمایئے، ظالموں کے ساتھ صرف دوستی اور گہرے تعلقات ہی سے نہیں روکا بلکہ ان کی طرف ادنی درجہ کے میلان اور جھکاؤ اور ان کے پاس اٹھنے بیٹھنے کی بھی ممانعت فرمادی گئی، پس مؤمن کو چاہئے کہ کافروں سے، گناہوں کے رسیا لوگوں سے اور بدعتیوں کی صحبت سے پرہیز کرے اگر کسی مجبوری سے ان سے ملنا پڑے تو قضائے حاجت کی حد تک ہو۔ کیونکہ یہ واقعہ ہے کہ انسان کی صلاح وفلاح میں اور بننے اور بگڑنے میں سب سے بڑا دخل صحبت اور ماحول کا ہوتا ہے:

صحبتِ صالح ترا صالح کند ❁ صحبت طالح ترا طالح کند
(نیک آدمی کی صحبت تجھے نیک بنائے گی ❁ اور بدکار کی صحبت تجھے بدکار بنائے گی)
باد چوں برفضائے بد گزرد ❁ بوئے بدگیرد از ہوائے خبیث
(ستھری ہوا جب گندی فضا سے گذرتی ہے ❁ تو گندی فضا سے بدبودار ہوجاتی ہے)

۳- نمازوں کا اہتمام کرنا

اور دن کے دونوں سروں پر اور رات کے ابتدائی حصہ میں نماز کا اہتمام کرو۔ یاد رکھو! نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں یہ بڑی یاد ہے یاد کرنے والوں کے لئے ــــ نہار (دن) سورج طلوع ہونے سے لے کر غروب ہونے تک کے وقت کا نام ہے۔ اس کے ابتدائی سرے پر فجر کی نماز ہے اور آخری سرے پر مغرب کی نماز ہے[۱] ــــ اور زَلَفَ کے مادہ میں قرب، نزدیکی اور آگے ہونے کا مفہوم ہے اس لئے زُلَفَۃ رات کے ابتدائی حصہ کو کہتے ہیں اس میں عشاء کی نماز ہے ــــ پس حکم یہ دیا گیا ہے کہ فجر، مغرب اور عشاء کا خصوصی اہتمام رکھو۔

فجر کی نماز کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا گیا ہے: فجر کے قرآن (نماز) کا اہتمام کرو، کیونکہ فجر میں قرآن کا پڑھنا فرشتوں کی حاضری کا وقت ہے آیت (۷۸) فجر کی نماز کی اہمیت کی وجہ سے حضور پاک ﷺ فجر کی نماز میں طویل قراءت کا اہتمام فرماتے تھے اور اسی کی پیروی حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہ نے کی، اور تمام ائمہ

(۱) طَرَفَيِ النَّهَارِ کی یہ تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

ؒ نے اسے مستحب قرار دیا۔

مغرب کی نماز وتر النہار ہے وہ دن کی تمام نمازوں کو طاق بناتی ہے اور اللہ پاک کو طاق پسند ہے ــــ عشاء کی نماز اس امت کے لئے خصوصی عطیہ ہے، پچھلی امتوں میں یہ نماز نہیں تھی ــــ اس لئے ان نمازوں کا خصوصی اہتمام ضروری ہے۔

نماز کی پابندی کے دو فائدے ہیں:

پہلا فائدہ:ــــ یہ ہے کہ نماز بہت بڑی نیکی ہے اور نیکیوں کی خاصیت یہ ہے کہ وہ برائیوں کو مٹادیتی ہیں۔ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ جو بھی مسلمان فرض نماز کا وقت آنے پر اس کے لئے اچھی طرح وضو کرے، پھر پورے خشوع کے ساتھ، رکوع سجدوں کو اچھی طرح ادا کرتے ہوئے نماز ادا کرے تو وہ نماز اس کے واسطے پچھلے گناہوں کا کفارہ بن جائے گی۔ جب تک کہ وہ کسی کبیرہ گناہ کا ارتکاب نہ کرے، اور نماز کی یہ برکت اس کو ہمیشہ حاصل ہوتی رہے گی[۱] ــــ ایک حدیث میں حضور پاک ﷺ نے یہ بات ایک دلچسپ مثال سے سمجھائی۔ فرمایا: ''بتلاؤ، اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر نہر جاری ہو، جس میں روزانہ پانچ دفعہ وہ شخص نہاتا ہو تو کیا اس کے جسم پر کچھ میل کچیل باقی رہے گا؟ صحابہ نے عرض کیا: کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ بالکل یہی مثال پانچ نمازوں کی ہے۔ اللہ پاک ان کے ذریعہ خطائیں مٹادیتے ہیں[۲]

اس سے بھی زیادہ دلچسپ مثال سنئے: ایک بار سردی کے زمانہ میں حضور پاک ﷺ شہر سے باہر تشریف لے گئے، خزاں کا موسم تھا، درختوں کے پتے جھڑ رہے تھے۔ آپؐ نے ایک درخت کی دو ٹہنیاں پکڑ کر ہلائیں تو ایک دم اس کے پتے جھڑنے لگے حضور پاک ﷺ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا: ''ابوذر!'' انھوں نے جواب دیا لبیک! آپؐ نے ارشاد فرمایا: جب مؤمن بندہ اخلاص کے ساتھ نماز پڑھتا ہے تو اس کے گناہ ان پتوں کی طرح جھڑ جاتے ہیں[۳]

دوسرا فائدہ:ــــ نماز میں اللہ پاک کو کثرت سے یاد کرنا ہے اور اللہ پاک کی یاد بہت بڑی چیز ہے۔ عاشق سے کوئی پوچھے تجھے محبوب کی یاد میں کیا ملتا ہے؟ وہ خود تو کچھ نہیں بتلا سکے گا مگر اس کی وارفتگی سب کچھ بتادے گی ــــ ذکر، اللہ والوں کے قلوب کی غذا اور آبِ حیات ہے۔ اللہ پاک کی یاد ہی سے ان کے دلوں کی دنیا آباد ہے۔ نمازیں اللہ پاک کو یاد رکھنے کا بڑا ذریعہ ہیں جو لوگ چاہتے ہیں کہ اپنے مولیٰ کو یاد رکھیں، اپنے پروردگار کو نہ بھولیں ان کے لئے نمازیں مشروع

(۱) رواه مسلم عن عثمان رضی الله عنه (۲) حديث متفق عليه عن ابی هريرة رضی الله عنه. (۳) رواه أحمد عن ابی ذر رضی الله عنه۔

کی گئی ہیں جس کے ذریعہ وہ اپنے محبوب کو بار بار یاد کرتے ہیں، جس کا صلہ انھیں ملاقات کے وقت مل جائے گا۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ قیامت کے روز جب اللہکے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا، سات قسم کے لوگوں کو اللہ پاک اپنا سایہ عنایت فرمائیں گے، جن میں وہ بندہ بھی شامل ہے کہ جب وہ مسجد سے نماز پڑھ کر نکلتا ہے تو اس کا دل مسجد میں اٹکا رہتا ہے، یہاں تک کہ دوسری نماز اسے لوٹا لاتی ہے۔

نمازوں کا اہتمام کرو، نمازیں برائیوں کو مٹاتی ہیں اور اللہ پاک کی بڑی یاد کا ذریعہ ہیں

۴- صبر و ہمت سے کام لینا

اور ہمت سے کام لو کیونکہ اللہ پاک نیکوکاروں کا اجر قطعاً ضائع نہیں فرماتے — سورۂ ہود مکی دور کے آخر میں نازل ہوئی ہے، اس وقت مسلمان نہایت کٹھن دور سے گزر رہے تھے اس لئے حضور پاک ﷺ اور مسلمانوں کو جو مظلومی کی حالت سے گزر رہے تھے ہمت سے کام لینے کا حکم دیا گیا، وعدہ کیا گیا کہ اللہ پاک کی مدد آ رہی ہے، کیونکہ اللہ پاک نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں فرماتے۔

اللہ پاک کے اس ارشاد سے اور دوسرے ارشادات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ امدادِ خداوندی حاصل کرنے میں دو چیزوں کا خاص دخل ہے۔ ایک نماز کا دوسرے صبر کا۔ سورۃ البقرۃ میں اللہ پاک جل شانہ نے انہی دو چیزوں سے مدد حاصل کرنے کا حکم دیا ہے اور یہاں بھی نماز کی تاکید کے بعد صبر ہی کی تلقین فرمائی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب مؤمن بندہ خدا کی عبادت اور فرمانبرداری میں ثابت قدم رہتا ہے، اور کسی دکھ درد کی پروا نہیں کرتا تو اسے مددِ خداوندی ضرور پہنچتی ہے۔ اللہ پاک کسی نیکوکار کا اجر ضائع نہیں فرماتے بلکہ اندازے سے زیادہ عنایت فرماتے ہیں۔

جو شخص آخرت کے کاموں میں مشغول ہوتا ہے اللہ پاک اس کے دنیا کے کام سنوار دیتے ہیں

۵- امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ضرورت

تو چند نفوس کو چھوڑ کر، یعنی ان لوگوں کو (مستثنیٰ کر کے) جن کو ہم نے ان میں سے بچا لیا تھا ان قوموں میں سے جو تم سے پہلے ہو چکیں، سمجھدار لوگ نہ ہوئے کہ وہ زمین میں فساد مچانے سے روکتے۔ اور ناانصاف لوگ اس عیش کے پیچھے پڑے رہے جس میں وہ سرکش بنا دئے گئے تھے اور وہ جرائم کے خوگر ہو گئے تھے — یعنی ماضی میں جتنی قومیں تباہ ہوئیں وہ اس وجہ سے تباہ ہوئیں کہ ان میں سمجھدار لوگ معدوم ہو گئے، کوئی نہیں رہا جو لوگوں کو شر و فساد سے روکتا۔ عام طور پر لوگ عیش

وعشرت کے نشے میں چور ہوکر جرائم کا ارتکاب کرنے لگے۔ ترفہاتِ زندگی کے دلدادہ بن گئے، جس نے ان کی حالت بگاڑ کر رکھ دی، وہ خوش حالی کے نشے میں بدمست ہوکر زمین میں فساد برپا کرنے لگے، اوران کو سنوارنے والا کوئی نہ رہا۔ ان کا اجتماعی ضمیر اس قدر بگڑ گیا کہ ان میں بھلائیوں کی تعلیم دینے والا اور برائیوں سے روکنے والا کوئی نہیں رہا، یہی چیز ہے جس کی بدولت وہ قومیں آخرکار اللہ کے غضب کی مستحق ہوئیں ـــ اور آپ کے پروردگار ایسے تو نہیں کہ ناحق بستیوں کو تباہ کریں، جبکہ ان کے باشندے نیکوکار ہوں ـــ یعنی اللہ پاک کو اپنے بندوں سے کوئی دشمنی نہیں کہ وہ تو بھلے کام کررہے ہوں اور اللہ پاک خواہ مخواہ ان کو تباہ کردیں۔

یہ پانچویں بات اللہ پاک نے عجیب انداز سے بیان فرمائی ہے۔ پچھلی تباہ شدہ قوموں کی تاریخ سے استدلال کرکے اسے نہایت وزنی بنایا ہے اوراس امت کو ابھارا ہے کہ وہ اسے ضرور اختیار کرے۔ کیونکہ یہ کوئی معمولی بات نہیں، بلکہ ایسی بات ہے جس پر پوری قوم کی صلاح وفلاح کا مدار ہے۔ پس ضرورت ہے کہ امت اس بات کو خوب اچھی طرح سمجھے اور وہ غلطی نہ دہرائے جو تمام تباہ شدہ قومیں کرتی رہی ہیں۔

اسلامی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں امتِ مسلمہ دعوت وارشاد کا کام کرتی رہی چنانچہ سو سال کے مختصر وقفہ میں اسلام یورپ، افریقہ اور اقصائے ایشیا تک پھیل گیا مگر بعد کی صدیوں میں یہ حالت باقی نہ رہی، جس کا نتیجہ ایک طرف تو یہ ہوا کہ اشاعتِ اسلام کی وہ پہلی والی برق رفتاری نہ رہی۔ دوسری طرف خود مسلمان رفتہ رفتہ دین سے ناآشنا ہوگئے اور ہزار سال کے بعد حالت یہ ہوگئی کہ اہل علم اور اہل دعوت وارشاد اِکا دُکا رہ گئے اور عام حالت یہ ہوگئی کہ دعوت وارشاد کی اہمیت ہی لوگوں کے ذہنوں سے غائب ہوگئی۔

حالانکہ ان پانچ باتوں کا تقاضا، جنھیں ہم اس وقت پڑھ رہے ہیں، یہ تھا کہ مسلمانوں کی محنت دو میدانوں میں ہوتی رہتی، ایک عمل کے میدان میں دوسرے دعوت وارشاد کے میدان میں۔ پہلی چار باتیں یعنی استقامت، ظالموں کی طرف نہ جھکنا، نمازوں کا اہتمام کرنا اور صبر شعار بننا، شخصی عمل کے میدان ہیں اور یہ آخری بات یعنی لوگوں کو بھلائیوں کی تعلیم دینا، برائیوں سے باز رکھنا اور زمین میں فساد برپا کرنے والوں کا ہاتھ پکڑنا: دعوت وارشاد کا میدان ہے۔

اور دونوں کام نہایت ضروری ہیں اور کوئی بھی ایک کام دوسرے کام سے مستغنی کرنے والا نہیں، جہاں خود دین پر عمل کرنا ضروری ہے وہاں دوسروں کی فکر کرنی بھی ضروری ہے اور جہاں دوسروں کو کہنا ضروری ہے وہاں خود بھی عمل کرنا ضروری ہے۔

نبی کریم ﷺ نے خبر دی ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص کو لاکر جہنم میں ڈال دیا جائے گا، وہاں اس کی آنتیں نکل کر ڈھیر ہوجائیں گی اور وہ اپنی انتڑیوں کے گرد چکی کے گدھے کی طرح گھومے گا، اس کے پاس جہنمیوں کا ٹھٹ لگ

جائے گا، وہ اس سے کہیں گے: ارے فلانے! تیرا یہ کیا حال ہے! کیا تو ہمیں بھلائیوں کی تعلیم نہیں دیتا تھا؟ اور کیا تو ہمیں برائیوں سے نہیں روکتا تھا؟ وہ جواب دے گا کہ میں ضرور تمہیں بھلائیوں کی تعلیم دیتا تھا مگر خود ان پر عمل نہیں کرتا تھا اور برائیوں سے تمہیں روکتا تھا مگر خود ان کا ارتکاب کرتا تھا[۱]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دوسروں کو دعوت دینا اور خود کو بھول جانا اور شخصی عمل کے میدان میں خالی ہاتھ رہ جانا کتنا بڑا وبال ہے!— دوسری طرف صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خطابِ عام میں ارشاد فرمایا کہ: ''لوگو! تم اللہ پاک کے ارشاد: ﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ﴾ ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی فکر کرو، کوئی گمراہ تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا، جب کہ تم سیدھی راہ پر ہو۔

کی تلاوت کرتے ہو اور (سمجھتے ہو کہ دعوت وارشاد کی کوئی اہمیت نہیں، نجات کے لئے بس اپنا کافی ہے، مگر یاد رکھو یہ خیال صحیح نہیں کیونکہ) میں نے نبی پاک ﷺ سے سنا ہے کہ: ''جب لوگ کوئی غیر شرعی بات دیکھیں، ظالم کو ظلم کرتا دیکھیں، لوگوں کو گناہوں میں مبتلا دیکھیں اور اصلاحِ حال کی فکر نہ کریں ظالم کا ہاتھ نہ پکڑیں، لوگوں کو گناہوں سے روک سکتے ہوں مگر نہ روکیں تو کچھ بعید نہیں کہ اللہ پاک اس جرم کی سزا سبھی کو دیدیں''[۲]

آیتِ پاک پر مکرر نظر ڈالیے، اس میں امتِ مرحومہ کو ابھارا گیا ہے کہ ان میں امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور دعوت وارشاد کا کام کرنے والے بکثرت موجود رہنے چاہئیں اور بکثرت احادیث میں آیا ہے کہ جب ظالم کا ہاتھ پکڑ کر اس کو ظلم سے نہ روکا جائے، لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ترک کر بیٹھیں تو قریب ہے کہ اللہ پاک ایسا عام عذاب بھیج دیں جو کسی کو نہ چھوڑے اور اچھے لوگ دعائیں کریں مگر وہ دعائیں ٹھکرا دی جائیں۔

دعوت وارشاد فرض ہے اور فرض کے تین درجے ہیں:

۱- فرضِ عین— وہ کام جو امت کے ہر ہر فرد پر فرض ہے جیسے نماز روزہ وغیرہ۔

۲- فرضِ خاص— وہ کام جو امت کے مخصوص افراد پر فرض عین ہے جیسے تاجروں پر تجارت کا علم، جائز وناجائز معاملات کا جاننا، مالدار پر زکوٰۃ کا علم، صاحبِ نصاب پر حج کا علم۔

۳- فرضِ کفایہ— یعنی فرض بقدر کفایہ— وہ کام جو لاعلی التعیین اتنے افراد پر فرض ہو جتنے افراد اس کام کے لئے ضروری ہیں اور باقی کے لئے مستحب ہو۔ مثلاً جنازے کی تجہیز وتکفین کے لئے جتنے آدمی ضروری ہیں ان پر تجہیز وتکفین

(۱) حديث متفق عليه عن أسامة بن زيد رضى الله عنهما (مشکوٰۃ ص۴۳۶) (۲) هذا ملتقط من روايات شتى (مشکوٰۃ ص۴۳۶)

فرض ہے اور باقی کے لئے مستحب —— اور اس میں چونکہ وہ افراد متعین نہیں ہوتے جن پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے اس لئے ہر شخص کو اپنے بارے میں یہ سمجھنا چاہئے کہ مجھ پر یہ کام فرض ہے۔

آیاتِ زیرِ نظر میں جو پانچ احکام دئے گئے ہیں ان میں سے پہلے چار کام فرض عین ہیں اور یہ آخری حکم فرض کفایہ ہے یعنی استقامت، ظالموں کی طرف میلان نہ رکھنا، نمازوں کا اہتمام کرنا اور صبر کو شعار بنانا فرضِ عین ہے، امت کے ہر ہر فرد پر فرض ہیں اور دعوت وارشاد کا کام فرض کفایہ ہے یعنی اس کے لئے جتنے آدمی ضروری ہیں اتنے اس میں مشغول رہنے چاہئیں۔ اگر گنتی کے چند افراد یہ کام کرتے رہے اور اکثر لوگ اس کام سے غافل رہے تو فرض ادا نہ ہوگا اور ساری امت ماخوذ ہوگی۔

چند سمجھ دار نفوس:

آیتِ پاک میں جن چند سمجھ دار نفوس کا استثناء فرمایا گیا ہے ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لائے، جن کو قوموں کی تباہی کے وقت اللہ پاک نے عذاب سے بچالیا، یہ چونکہ گنتی کے چند نفوس تھے اس لئے ان کی صدا نقار خانہ میں طوطی کی صدا ثابت ہوئی۔ انھوں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی پوری کوشش کی۔ مگر ان کی محنت قوم کو تباہی کے گڑھے میں جانے سے روک نہ سکی اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ وہ خود عذاب سے بچ گئے۔ اگر یہ سمجھ دار لوگ معتد بہ مقدار میں ہوتے اور قوم انکی باتوں پر کان دھرتی تو ہلاک نہ ہوتی۔

انتظار مت کرو، کام شروع کرو:

آیتِ پاک میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ سمجھدار لوگوں کو اس انتظار میں نہیں رہنا چاہئے کہ جب مصلحین ومرشدین کی معتد بہ مقدار فراہم ہوگی تب دعوت وارشاد کا کام شروع کریں گے۔ جب چند لوگوں کے کرنے سے قوم تباہی سے نہیں بچ سکتی تو فضول محنت کیوں کی جائے! —— اس سلسلہ میں جاننا چاہئے کہ قوم تباہی سے تو بیشک اسی وقت محفوظ رہ سکتی ہے جب کہ معتد بہ مقدار یہ فریضہ انجام دے لیکن اگر ایسا نہیں ہو رہا ہے تو جو چند سمجھدار لوگ موجود ہیں وہی کام کا آغاز کریں، ممکن ہے آگے چل کر انھیں ساتھی مل جائیں اور اگر ایسا نہ ہوسکا اور قوم تباہ ہوگئی تو کم از کم وہ تو تباہ ہونے سے بچ جائیں گے اور یہ کیا کم فائدہ ہے!

دعوت وارشاد فرض کفایہ ہے یعنی جتنے افراد قوم کی اصلاح کے لئے ضروری ہیں اتنے اس میں مشغول رہنے ہی چاہئیں

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ؕ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

وَلَوْ شَآءَ	اور اگر چاہتے	مُخْتَلِفِيْنَ (۳)	مختلف	كَلِمَةُ (۶)	بات (وعید)
رَبُّكَ	آپ کے رب	اِلَّا مَنْ (۴)	مگر جن پر	رَبِّكَ	آپ کے پروردگار (کی)
لَجَعَلَ	(تو) ضرور بنا دیتے	رَّحِمَ	مہربانی فرمائی	لَاَمْلَئَنَّ	البتہ ضرور بھروں گا میں
النَّاسَ (۱)	تمام لوگوں کو	رَبُّكَ	آپ کے پروردگار (نے)	جَهَنَّمَ	دوزخ (کو)
اُمَّةً	امت (ملت)	وَلِذٰلِكَ (۵)	اور اسی (مہربانی کے) واسطے	مِنَ الْجِنَّةِ (۷)	جنات سے
وَّاحِدَةً	ایک (متحد)	خَلَقَهُمْ	ان کو پیدا کیا ہے	وَالنَّاسِ	اور انسانوں (سے)
وَّلَا يَزَالُوْنَ (۲)	اور ہمیشہ رہیں گے وہ	وَتَمَّتْ	اور پوری ہوگئی	اَجْمَعِيْنَ	اکٹھے

تین الجھنیں: ۱- لوگ داعیوں کی بات کیوں قبول نہیں کرتے؟ ۲- کفر وشرک اور برائیاں کیوں ختم نہیں ہوتیں؟ ۳- یہ چیزیں اللہ کو ناپسند ہیں تو ان کو ہونے کیوں دیتے ہیں؟

① — داعی کو یہ الجھن پیش آتی ہے کہ آخر بات کیا ہے، ہم تو لوگوں کو دل سوزی سے سمجھاتے ہیں، ان کو ان کی بھلائی کی بات بتلاتے ہیں مگر لوگ کسی طرح مان کر نہیں دیتے — یہ احساس بعض مرتبہ اتنا بڑھتا ہے کہ داعی کبیدہ ہوجاتا ہے۔ اس پر آس وقنوط چھا جاتی ہے۔ وہ لمحہ بھر کے لئے یہ سوچنے پر مجبور ہوجاتا ہے کہ شاید میرے طریقۂ دعوت میں کچھ قصور ہے آخر لوگ میری دعوت قبول کیوں نہیں کرتے؟ جب میں ان کو راہِ راست دکھا رہا ہوں تو وہ اس کی طرف کیوں نہیں لپکتے؟

---

(۱) النَّاسُ کا الف لام استغراقی ہے (۲) لَایَزَالُوْنَ فعل ناقص، مضارع منفی، صیغہ جمع مذکر غائب: وہ برابر رہیں گے، ہمیشہ رہیں گے (۳) شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ نے اپنے ترجمہ کے حواشی میں لکھا ہے کہ عرف میں اختلاف کی نسبت اہل باطل کی طرف کی جاتی ہے، اہل حق کی طرف نہیں کی جاتی (۴) اِلَّا استثناء متصل ہے لَایَزَالُوْنَ کے فاعل سے (۵) اخرج ابن ابی حاتم عن ابن عباس: ولذلک خلقهم قال للرحمة (درمنثور ج ۳ ص ۳۵۶) واللام لام العاقبة والصیر ورة (روح) (۶) قد تفسر الکلمة بالوعید مجازا (روح) (۷) اَلْجِنَّةُ یا تو اَلْجِنُّ کے ہم معنی ہے اور تا مبالغہ کی ہے یا اس کی جمع ہے اور تا جمع کی ہے۔

(۲)—— اور ایک مفکر کے سامنے یہ الجھن آتی ہے کہ اللہ پاک نے پیغمبر بھیجے، کتابیں نازل فرمائیں، رسولوں، داعیوں اور مرشدوں نے محنتیں کیں مگر پھر بھی کفر وشرک اور برائیاں دنیا سے ختم نہ ہوئیں، آخر ماجرا کیا ہے؟ کیا لوگ بے عقل ہیں؟ کیا ان میں بھلے برے کی تمیز نہیں یا وجہ کیا ہے؟

(۳)—— اور متشککین کو یہ الجھن پیش آتی ہے کہ جب کفر وشرک اللہ پاک کو ناپسند ہیں اور اللہ پاک چاہتے ہیں کہ لوگ کفر وشرک اور برائیوں سے باز آجائیں تو پھر اللہ پاک لوگوں کو ایمان واطاعت پر مجبور کیوں نہیں کرتے؟ اللہ پاک کو تو ہر طرح قدرت حاصل ہے۔ انکے منشا کے خلاف کوئی دم نہیں مار سکتا! —— یہ خیال جب بڑھتا ہے تو کافرانہ خیال بن جاتا ہے۔ وہ سوچنے لگتا ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے ٹھیک ہی ہو رہا ہے چنانچہ مشرکین کہتے ہیں کہ ہم جو شرک کرتے ہیں وہ اللہ پاک کی مرضی سے کرتے ہیں۔ اگر اللہ پاک نہ چاہتے تو ہم ہرگز بتوں کو نہ پوجتے، اگر اللہ پاک کو ہمارا طریقہ پسند نہ ہوتا تو وہ ہمیں روک دیتے انھیں ہر طرح قدرت حاصل ہے۔

ان آیات سے ان الجھنوں کو دور کیا جاتا ہے مگر یہ خیال رہے کہ اصل مسئلہ دعوت وارشاد اور داعی کا چل رہا ہے۔ اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں —— اور اگر آپ کے پروردگار چاہتے تو ضرور تمام لوگوں کو ایک امت بنا دیتے —— یعنی اگر اللہ پاک چاہتے تو تمام انسانوں کو زبردستی قبول اسلام پر مجبور کر دیتے۔ سب کے سب مسلمان ہوتے، ان میں کوئی اختلاف نہ رہتا —— مگر اللہ پاک نے ایسا نہیں چاہا۔ وہ کسی کو کسی عمل پر مجبور نہیں کرتے بلکہ انھوں نے انسان کو ایک قسم کا اختیار دیا ہے، جس سے وہ اچھا یا برا، جو عمل چاہے کر سکتا ہے —— اور وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے بجز ان کے جن پر آپ کے پروردگار نے مہربانی فرمائی —— یعنی کچھ لوگ ہمیشہ دین حق سے اختلاف کرتے رہیں گے اس کو ماننے سے منہ موڑتے رہیں گے۔ بس وہی لوگ دین حق کی پیروی کریں گے جن پر اللہ پاک کی مہربانی ہوگی —— اور اسی (مہربانی) کے لئے (اللہ پاک نے) ان کو پیدا کیا ہے —— یعنی اللہ پاک نے تو انسانوں کو اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ ان کی مہربانی کے سزاوار بنیں۔ ان کی اطاعت وعبادت کر کے ان کی جنت کے حقدار بنیں۔ مگر لوگ ہیں کہ بھلا برا سوچے بغیر پروانوں کی طرح دوزخ پر گر رہے ہیں —— اور (اس طرح) آپ کے پروردگار کی وعید پوری ہوگئی کہ: ''میں ضرور ہی جنات اور انسانوں سے اکٹھے دوزخ کو بھروں گا!'' —— یعنی بظاہر تو اس فرمودۂ خداوندی کے پورا ہونے کا کوئی امکان نظر نہیں آتا تھا، بھلا کون دوزخ میں جانے کو پسند کرے گا؟ —— مگر بہت سے انسانوں اور جنّوں نے اپنے طرزِ عمل سے ثابت کر دیا کہ انھیں جہنم بہت پیاری ہے، وہ اسی میں جانا چاہتے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ دوڑ دوڑ کر جہنم والے کام کر رہے ہیں اور دوزخ کے کاموں پر ٹوٹے پڑتے ہیں اور اس طرح فرمودۂ خداوندی ایک حقیقت بن کر سامنے آ گیا۔ صدق اللہ العظیم!

ان آیتوں سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ اللہ پاک کی مشیت انسانوں اور جنّوں کے بارے میں یہ نہیں ہے کہ حیوانات ونباتات کی طرح ان کو بھی پیدائشی طور پر ایک لگے بندھے راستے کا پابند بنادیا جائے، جس سے ہٹ کر وہ چل ہی نہ سکیں اگر اللہ پاک کی ایسی مشیت ہوتی تو پھر انبیاءؑ کو بھیجنے کی، کتابیں نازل فرمانے کی اور ایمان کی دعوت دینے کی ضرورت کیا تھی؟ سارے انسان اور جنات مسلمان ہی پیدا ہوتے اور کفر وعصیان کا کوئی نام ہی نہ جانتا۔

بلکہ انسانوں اور جنوں کے بارے میں اللہ پاک کی مشیت یہ ہے کہ ان کو ایک قسم کا اختیار حاصل رہے اور ان کے سامنے جنت اور دوزخ دونوں کی راہیں کھول دی جائیں۔ پھر وہ اپنی پسند سے جس راہ کو چاہیں اختیار کریں تا کہ ہر ایک جو کچھ بھی پائے اپنی سعی وکسب کے نتیجہ میں پائے۔

پس داعی کے پیش نظر یہ بات رہنی چاہئے کہ دنیا میں فکر وعمل کا اختلاف ناگزیر ہے۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ سب لوگ ایک ہی راہ پر چلنے والے ہوجائیں اور حق وباطل کی کشمکش باقی نہ رہے۔ پس اسے اس بات سے مایوس نہ ہونا چاہئے کہ تمام لوگ کیوں دعوتِ حق قبول نہیں کرلیتے؟ نہ تو پہلے کبھی ایسا ہوا ہے نہ اب اس کی توقع رکھنی چاہئے۔ نیک بخت مانیں گے اور بدبخت نہیں مانیں گے، داعی کو اپنے کام میں سرگرم رہنا چاہئے۔

اور مفکر کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ چونکہ اللہ پاک نے انسانوں اور جنوں کو ایک قسم کا اختیار دیا ہے اس لئے جو انسان اپنی عقل کو صحیح استعمال کرتے ہیں وہ بھلے برے کی تمیز کرلیتے ہیں اور راہِ راست پر آجاتے ہیں اور جو عقل کے پیچھے لٹھ لیے پھرتے ہیں وہ بھٹکتے ہی جاتے ہیں — اور متشککین کو اور مشرکین کو سمجھ لینا چاہئے کہ دنیا میں جو کچھ ہورہا ہے وہ سب کچھ ٹھیک نہیں ہورہا۔ کچھ ٹھیک ہورہا ہے اور کچھ غلط ہورہا ہے پس انھیں سوچنا چاہئے کہ صحیح کیا ہے اور غلط کیا ہے؟

اللہ پاک نے انسانوں کو اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ اس کی مہربانی کے سزاوار بنیں!

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾

وَكُلًّا	اور ساری ہی	نَّقُصُّ (۱)	بیان کرتے ہیں ہم	عَلَيْكَ	آپ سے

(۱) ترکیب: نَقُصُّ کا پہلا مفعول عَلَیْکَ میں کاف ضمیر خطاب ہے اور عَلٰی صلہ ہے۔ قَصَّ عَلَیْهِ: بیان کرنا اور کُلًّا مِّنْ اَنْبَاءِ الرُّسُلِ دوسرا مفعول ہے مِنْ اضافت کا ہے اور اضافت بیانیہ ہے اور کُلًّا کی تقدیم حصر کے لئے ہے — مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَکَ بدل اشتمال ہے دوسرے مفعول کُلًّا الخ سے — مَا موصولہ ہے اور جملہ نُثَبِّتُ صلہ ہے۔

مِنْ اَنْۢبَاۗءِ	خبریں	بِهٖ	اس سے	الْحَقُّ	حق
الرُّسُلِ	رسولوں (کی)	فُؤَادَكَ	آپ کا دل	وَمَوْعِظَةٌ (۲)	اور (وہ) نصیحت (ہیں)
مَا	(وہ) جو (کہ)	وَجَاۗءَكَ	اور پہنچا آپ کو	وَّذِكْرٰى	اور یاددہانی (ہیں)
نُثَبِّتُ	ثابت رکھیں ہم	فِيْ هٰذِهِ (۱)	ان میں	لِلْمُؤْمِنِيْنَ	مؤمنوں کے لئے

داعی کی دل بستگی کا سامان انبیاء کے واقعات ہیں اور واقعات کے دوسرے تین فائدے

پچھلی آیتوں میں دعوت وارشاد کا کام کرنے والوں کو بتایا گیا تھا کہ سب لوگ ایک ہی راہ چلنے والے ہوجائیں ایسا نہیں ہوسکتا۔ پس داعی کو اس فکر میں پڑے بغیر کہ تمام آدمی کیوں دعوتِ حق قبول نہیں کر لیتے؟ اپنے کام میں سرگرم رہنا چاہئے۔ اب اس آیت میں بتلایا جاتا ہے کہ داعی کی دل بستگی کا سامان انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے واقعات ہیں۔ قرآن پاک میں انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وہی واقعات بیان فرمائے گئے ہیں جن میں دعوت وارشاد کا کام کرنے والوں کے لئے دل جمعی کا سامان ہے —— اس فائدے کے علاوہ انبیاء علیہم السلام کی سرگذشتوں میں تین اور فائدے بھی ہیں۔ پس یہ کل چار فائدے ہوئے۔ آئیے اب تفصیل پڑھیں۔

۱۔ اور ہم رسولوں کی ساری ہی خبریں آپ سے بیان کرتے ہیں ان سے ہم آپ کے دل کو مضبوط کرتے ہیں —— یعنی رسولوں کی تمام سرگذشتوں میں آپؐ کی اور دعوت وارشاد کا کام کرنے والے امتیوں کی دل جمعی کا سامان ہے انبیاء کرام کے جو بھی حالات قرآن پاک میں بیان ہوئے ہیں وہ داعی کی دل بستگی کا ذریعہ ہیں۔ اس کے دل کو یہ سن کر تقویت ملتی ہے اور سکون واطمینان حاصل ہوتا ہے کہ پچھلے انبیاء علیہم السلام کو دعوت وارشاد کی راہ میں کیا کیا مشکلات پیش آئیں مگر انھوں نے صبر وتحمل سے کام لیا اور جی نہیں چھوڑا۔ پس اگر آج بھی میرے ساتھ وہی تاریخ دہرائی جاتی ہے تو مجھے بھی گھبرانا نہیں چاہئے۔

۲۔ اور آپؐ کو ان (خبروں) میں تحقیقی بات ملی ہے —— اس ارشادِ پاک کے دو مطلب ہیں —— ایک مطلب یہ ہے کہ واقعات کے پیرایہ میں دین حق سمجھایا گیا ہے۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام نے اپنی قوموں سے جو جو باتیں کہی ہیں وہی دین حق ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی شریعتیں اگرچہ مختلف ہیں مگر دین سب کا ایک ہے۔ دین کی بنیادی باتیں توحید ورسالت جزاوسزا، اطاعت وعبادت اور آخرت پر ایمان سب میں مشترک باتیں ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کے قصوں کے ضمن میں

(۱) هٰذِهٖ کا مشارالیہ اَنْبَاءُ الرُّسُلِ ہے (۲) مَوْعِظَةٌ خبر ہے مبتدا محذوف کی اور وہ هٰذِهٖ ہے جس کا مشارالیہ اَنْبَاءُ الرُّسُلِ ہے اور ذِكْرٰی کا عطف مَوْعِظَةٌ پر ہے —— ذِكْرٰی کے معنی کے لئے سورۂ ہود آیت ۱۱۴ کا حاشیہ دیکھئے۔

یہی مضامین بہت عمدگی سے سمجھائے گئے ہیں۔

یاد رکھنا چاہئے کہ قرآن پاک کوئی تاریخ کی کتاب نہیں ہے۔ اس میں جو تاریخی واقعات بیان ہوئے ہیں وہ تاریخی واقعات کی حیثیت سے بیان نہیں ہوئے بلکہ قرآن پاک کتابِ ہدایت ہے۔ اس میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ رشد وہدایت کی غرض سے بیان ہوا ہے اسی وجہ سے قرآن پاک میں تاریخی واقعات کے صرف وہی اجزاء منتخب کئے گئے ہیں جو اس غرض کو پورا کرتے ہیں۔

دوسرا مطلب اس ارشاد کا یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی سرگذشتوں میں حقائق کے ساتھ جو غلط اور دور از کار باتیں لوگوں نے شامل کردی ہیں، قرآن پاک میں ان کی اصلاح کردی گئی ہے۔ مثلاً یہود حضرت داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کو صرف بادشاہ مانتے ہیں۔ قرآن پاک نے اس حقیقت سے پردہ اٹھایا کہ وہ اللہ پاک کے برگزیدہ پیغمبر بھی ہیں۔ یہود نے حضرت سلیمان علیہ السلام پر جادوگری کا الزام لگایا، قرآن پاک نے اس کی بھی صفائی کی۔ خود بائبل نے حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام پر وہ گھناؤنے الزام لگائے جن کے لکھنے سے قلم تھراتا ہے[1] قرآن پاک نے ان کی زندگیوں کو بے داغ بتایا — اسی طرح پچھلی امتوں کے حالات میں صحیح اور غلط واقعات کے خلط ملط ہونے سے جو پیچیدگیاں پیدا ہوچکی تھیں، قرآن پاک کے اندازِ بیان سے وہ سب دور ہوجاتی ہیں اور حقیقتِ حال روشن ہوجاتی ہے۔

۳- اور (یہ خبریں) نصیحت ہیں — ایسی نصیحت ہیں جس میں ڈراوا شامل ہے، جو دلوں میں رقت ونرمی پیدا کرنے والی ہیں — کس کے لئے نصیحت ہیں؟ ہر اس شخص کے لئے جو اللہ پاک سے غافل ہے، اپنے انجام سے غافل ہے، آخرت سے غافل ہے اور برے اعمال کے نتائج سے غافل ہے! — قرآن پاک انبیاء علیہم السلام اور ان کی قوموں کے واقعات کے ذریعہ نیک وبد اعمال اور ان کے ثمرات ونتائج یاد دلاتا ہے اور عبرت وبصیرت کا سامان مہیا کرتا ہے اور اسی وجہ سے وہ واقعات کو بار بار بیان کرتا ہے تاکہ وہ سامعین کے دلوں میں گھر کرسکیں — آدمی جب سنتا ہے کہ فلاں فلاں قومیں فلاں فلاں جرائم کی پاداش میں ہلاک ہوئیں تو وہ ان سے بچنے کی کوشش کرتا ہے اور جب وہ دیکھتا ہے کہ فلاں راستہ اختیار کرنے کی وجہ سے پچھلوں کو نجات ملی تو وہ طبعاً اس کی طرف دوڑتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جس کے دل میں ذرا سا بھی خوفِ خدا ہے وہ یہ سرگذشتیں سن کر متأثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا

۴- اور مؤمنین کے لئے یاددہانی ہیں — یعنی سچائی کی یاد دلاتی ہیں اور غفلت سے روکتی ہیں — زندگی اور زندگی

(۱) دیکھئے GENESIS 9:20--24 ----- 19:30--38

کے مشاغل کچھ ایسے واقع ہوئے ہیں کہ آدمی "حقیقت" کو ہمیشہ پیش نظر نہیں رکھ سکتا۔ کاروبار کے جھمیلوں میں پڑکر اور دنیا کے خرخشوں میں پھنس کر مؤمن بندہ بھی کبھی مقصدِ زندگی فراموش کر دیتا ہے۔ لیکن اگر وہ انبیاء علیہم السلام اور ان کی قوموں کی سرگذشتیں کبھی کبھی پڑھتا رہے تو اسے مقصدِ زندگی یاد رہے گا اور اس کی غفلت دور ہوگی۔

گاہے گاہے بازخواں ایں قصہ پارینہ را ❁ تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را

(کبھی کبھی یہ پرانے واقعات پڑھ لیا کرو ❁ سینے کے داغ اگر تازہ رکھنا چاہتے ہو)

انبیاءکرام کے واقعات میں دل جمعی کا سامان ہے، تحقیقی باتیں اور نصیحت ہیں

وَ قُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ؕ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ۝۱۲۱ وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ۝۱۲۲ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۲۳ ع

وَ قُلْ	اور کہہ دیجئے	مُنْتَظِرُوْنَ	منتظر (ہیں)	فَاعْبُدْهُ	سو عبادت کیجئے آپ انکی
لِّلَّذِيْنَ	ان (لوگوں) سے جو	وَلِلّٰهِ (۱)	اور اللہ ہی کیلئے (ہے)	وَتَوَكَّلْ	اور بھروسہ رکھئے آپ
لَا يُؤْمِنُوْنَ	نہیں ایمان لائے	غَيْبُ	پوشیدہ چیز	عَلَيْهِ	اُن پر
اعْمَلُوْا	تم کام کرو	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں (کی)	وَ	اور
عَلٰى مَكَانَتِكُمْ	اپنی جگہ	وَالْاَرْضِ	اور زمین (کی)	مَا	نہیں (ہیں)
اِنَّا	بے شک ہم	وَاِلَيْهِ	اور انہی کی طرف	رَبُّكَ	آپ کے پروردگار
عٰمِلُوْنَ	کام کررہے ہیں	يُرْجَعُ (۲)	پھیرے جائیں گے	بِغَافِلٍ (۳)	بے خبر
وَانْتَظِرُوْا	اور تم منتظر رہو	الْاَمْرُ	کام	عَمَّا	ان (کاموں) سے جو
اِنَّا	بے شک ہم	كُلُّهٗ	سارے	تَعْمَلُوْنَ	تم کررہے ہو

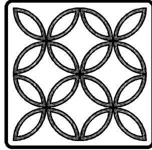
(۱) لِلّٰهِ خبر مقدم ہے، جو خود مفید حصر ہے پھر مزید اس پر لام اختصاص آیا ہے۔ (۲) يُرْجَعُ مضارع مجہول ہے — اَلْاَمْرُ نائب فاعل ہے — كُلُّهٗ صفت مؤکدہ ہے اَلْاَمْرُ کی — اور كُلُّ چونکہ لازم الاضافت ہے اس لئے اس کی اضافت ضمیر کی طرف کی گئی ہے (۳) باجارہ ماشابہ بلیس کی خبر پر نفی کی تاکید کے لئے آئی ہے۔

تم اپنی راہ لگو، ہم اپنی راہ چل رہے ہیں

اب اخیر میں فیصلہ کن بات کہہ کر سورت ختم کی جاتی ہے، ارشاد فرماتے ہیں — اور آپ ان لوگوں سے جو ایمان نہیں لاتے — دلائل و براہین سے متأثر نہیں ہوتے اور پچھلی امتوں پر جو عذاب نازل ہوئے ہیں ان کی بھی پرواہ نہیں کرتے، ان سے — فرمادیجئے کہ: ''تم اپنی جگہ (اپنے طریقہ پر) کام کئے جاؤ، بیشک ہم (بھی) اپنا کام کر رہے ہیں — یعنی تم اپنی راہ لگو ہم اپنی راہ چل رہے ہیں — اور تم (نتیجہ کے) منتظر رہو، بیشک ہم (بھی) منتظر ہیں'' — جلد ہی ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کر دیا جائے گا — اور آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتیں اللہ پاک ہی کے لئے ہیں — وہی جانتے ہیں کہ پردۂ غیب میں کیا چھپا ہے یعنی عذاب کب آنا ہے؟ — اور انہی کی طرف سارے کام پھیرے جائیں گے — تمہیں بھی اللہ پاک ہی کی طرف پلٹنا ہے اور ہمیں بھی۔ تمہارا معاملہ بھی اللہ پاک کے ہاتھ میں ہے اور ہمارا بھی، سارے ہی کام ان کے ہاتھ میں ہیں — سو آپ اس کی عبادت کیجئے — کیونکہ یہ آپ کا فریضہ زندگی ہے — اور اس پر بھروسہ رکھئے — وہ خود آپ کے سب کام درست فرمادے گا — اور آپ کے پروردگار ان کاموں سے جو تم کر رہے ہو، بے خبر نہیں — یعنی اللہ پاک تمہارے مخلصانہ اعمال سے بے خبر نہیں، ان کے مناسب تم سے معاملہ فرمائیں گے۔

سورت کی ابتدا بھی اسی اعلان سے ہوئی تھی۔ دیکھئے آیت ۳ و ۴ پھر واضح کیا گیا تھا کہ تمام پچھلی دعوتوں کا اعلان بھی یہی رہ چکا ہے۔ دیکھئے آیات انتالیس، ستاون اور ترانوے۔ اور اب اسی اعلان پر سورت ختم کی ہے۔

جو لوگ دعوت و ارشاد کا کام کر رہے ہیں وہ یقین رکھیں کہ ان کی محنتیں ضائع نہ ہوں گی۔ اور جو لوگ فساد برپا کرنے میں لگے ہوئے ہیں وہ بھی خبردار رہیں کہ ان کو ان کے اعمال کی پاداش ضرور بھگتنی پڑے گی اللہ پاک کی حکمت میں دیر ہے۔ اندھیر نہیں!



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ یوسف (علیہ السلام)

نمبر شمار ۱۲ نزول کا نمبر ۵۳ نزول کی نوعیت مکی رکوع ۱۲ آیات ۱۱۱

اس سورت میں اول سے آخر تک ایک ہی سرگذشت بیان ہوئی ہے۔ اور وہ حضرت یوسف علیہ السلام کی سرگذشت ہے۔ اس وجہ سے اس کا نام سورۂ یوسف (علیہ السلام) رکھا گیا ہے —— یہ پوری سورت ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے۔ نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر ترپن (۵۳) ہے یعنی مکی دور کے آخر میں، سورۂ ہود (علیہ السلام) کے بعد متصلاً نازل ہوئی ہے۔ یہ وقت خود حضور پاک ﷺ کے لئے اور مسلمانوں کے لئے بڑا نازک تھا۔ مکہ والے مکاری پر اترنا چاہ رہے تھے۔ وہ اس مسئلہ پر غور کر رہے تھے کہ خاکم بدہن یا تو حضورِ پاک ﷺ کو قتل کر دیں یا جلاوطن کر دیں یا قید کر دیں۔ مسلمان بڑی تعداد میں ہجرت کر کے حبشہ جا چکے تھے، جو باقی رہ گئے تھے وہ بالکل بے بس تھے۔ مخالفت زوروں پر تھی۔ دین کی دعوت دینا جوکھوں میں پڑنا تھا۔ اس وجہ سے اس نازک دور میں جو سورتیں نازل ہوئی ہیں ان میں زیادہ تر ایسے مضامین ہیں جن سے حضور پاک ﷺ کو اور مسلمانوں کو تقویت ملتی تھی۔ سورۂ ہود میں، جو اس سورت سے پہلے نازل ہو چکی ہے، اسی مقصد کیلئے پانچ پیغمبروں کی سرگذشتیں بیان ہوئی ہیں، پھر سورۂ ہود کی آیت ایک سو بیس (۱۲۰) میں اس بات کی صراحت بھی فرما دی گئی ہے کہ رسولوں کے واقعات میں آپؐ کی اور امت کی دل بستگی اور دل جمعی کا سامان ہے۔

سورۂ ہود (علیہ السلام) کے فوراً بعد یہ سورت نازل ہوئی ہے۔ اس میں حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام کا اسوہ پیش کیا گیا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام صبر و یقین کی مضبوط چٹان تھے۔ درد وغم کے طوفان اٹھتے تھے مگر صبر و یقین کی چٹان سے ٹکرا کر رہ جاتے تھے، اس پر غالب نہیں آ سکتے تھے۔ یہی صورتِ حال آپ کی سیرت مقدسہ کا اسوۂ حسنہ ہے —— حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ قدرتِ الٰہی کا عجیب وغریب نمونہ ہے آپؑ کے بھائیوں نے کیا چاہا تھا اور قدرتِ الٰہی نے کیا کیا! مشکلاتِ راہ کتنی تھیں مگر منزل کتنی سہانی تھی۔ قریش کے لئے پہلی بات میں بڑی نشانی تھی اور حضور پاک ﷺ کے لئے اور مسلمانوں کے لئے دوسری بات میں بڑی تسلی تھی۔

ایک طرف یہ حالات تھے جن میں یہ سورت نازل ہوئی ہے۔ دوسری طرف اس سورت کے نازل ہونے کا ایک سبب یہ بھی بنا کہ یہودیوں نے کفارِ مکہ کو کہلا بھیجا کہ محمد (فداہ روحی!) عاد وثمود کے حالات بیان کرتے ہیں۔ یہ بات ان

کیلئے کچھ مشکل نہیں۔کیونکہ عاد وثمود کے واقعات عرب کے مشہور واقعات ہیں ان سے عربوں کا بچہ بچہ واقف ہے۔اگر محمد (ﷺ) انہیں بیان کرتے ہیں تو اس میں معجزہ کیا ہے؟ ان سے پوچھو کہ بنی اسرائیل کے مصر جانے کا سبب کیا بنا؟ یوسف علیہ السلام اوران کے بھائیوں میں کیا معاملہ پیش آیا؟اور یوسف کیوں کر مصر پہنچے؟— چونکہ عرب اس قصہ سے ناواقف تھے،عربوں کی روایات میں اس قصہ کا نام ونشان نہیں تھا،اس وجہ سے یہود کو توقع نہ تھی کہ نبی پاک ﷺ اس سوال کا مفصل جواب دے سکیں گے۔

چنانچہ مکہ والوں نے نبی پاک ﷺ سے امتحان کے لئے یہی سوال کیا جس پر یہ سورت نازل ہوئی۔اورامتحان میں اہل مکہ اور یہود کو منہ کی کھانی پڑی۔ساتویں آیت میں اس شان نزول کی طرف اشارہ ہے۔

قرآن پاک عام طور پر واقعات کو تاریخی انداز سے بیان نہیں کرتا۔مگر اس واقعہ کو بڑی حد تک تاریخی انداز پر بیان کیا ہے۔کیونکہ یہ ایک امتحانی سوال تھا جس کیلئے ضروری تھا کہ پورا واقعہ سلیس انداز میں بیان کیا جائے۔لیکن چونکہ یہ بات قرآن کریم کے مقصد سے ہٹی ہوئی تھی اس لئے وہ قصہ کے درمیان میں موقع بموقع واقعات سے نتائج بھی اخذ کرتا جاتا ہے۔جس سے قرآن کا پڑھنے والا یہ محسوس کرتا ہے کہ یہ کوئی تاریخ کی کتاب نہیں۔

اہمیت:اس سورت کی اہمیت کا اس بات سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ خود اللہ پاک جل شانہ نے اس سورت میں بیان ہونے والے واقعہ کو اَحسَنَ الْقصص (بہترین واقعہ) فرمایا ہے۔اور جسے اللہ پاک بہترین فرمائیں وہ بہترین نہ ہوگا تو اور کونسا واقع ہوگا۔

مضامین: سورت کا آغاز قرآن کے وحی الٰہی ہونے کے مسئلہ سے ہوا ہے اوراس کے عربی زبان میں ہونے کی وجہ بیان فرمائی ہے۔پھر فوراً حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ شروع ہوا ہے جس کا سلسلہ آیت ۱۰۱ تک چلا گیا ہے۔اس کے بعد پھر قرآن پاک کے وحی الٰہی ہونے کی طرف توجہ دلائی ہے اور افسوس ظاہر کیا ہے کہ لوگ یہ اوراس جیسی کتنی ہی آفاقی نشانیاں دیکھتے ہیں مگر ایمان نہیں لاتے اور اکثر لوگ جو اللہ پاک کو مانتے بھی ہیں تو اس طرح کہ شرک بھی کرتے جاتے ہیں، یہاں پہنچ کر ہر شخص کو سوچنا چاہئے کہ کیا اس کی توحید شرک سے آلودہ تو نہیں۔اگر نہیں تو اسے شکر خداوندی بجالانا چاہئے۔اوراگراس کے عقیدۂ توحید میں کسی درجہ میں بھی شرک کا شائبہ پایا جاتا ہے تو اسے پہلی فرصت میں توبہ کرنی چاہئے کیونکہ کسے اطمینان ہے کہ عذاب کی کوئی ایسی آفت نہ آپڑے جو اسکو محیط ہوجائے؟ یا اسے اچانک موت آجائے اوراسے خبر بھی نہ ہو!اس لئے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر اپنے عقیدۂ توحید کی اصلاح کر لینی چاہئے۔

اس کے بعد ایک آیت میں توحید کی حقانیت بیان فرمائی گئی ہے اور یہ اعلان کیا گیا ہے کہ توحید کی طرف دعوت

بے دلیل نہیں دی جارہی بلکہ علیٰ وجہ البصیرت دی جارہی ہے۔

اس کے بعد کی تین آیتیں سورت کی آخری موعظتیں ہیں جن میں مؤمنین کو اطمینان دلایا ہے، انھیں مددِ خداوندی پہنچنے کا ضابطہ بتایا ہے۔ پچھلی امتوں کے حالات میں غور کرنے کی دعوت دی ہے اور قرآن کریم جو واقعات بیان فرماتا ہے ان کی اہمیت واضح کی ہے۔

درمیان کی تقریباً سو آیتوں میں حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ بیان ہوا ہے۔ قرآن کریم نے واقعہ کو تین بابوں میں تقسیم کیا ہے۔

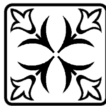
① —— حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب دیکھنے سے لے کر عزیزِ مصر کے گھر میں فروکش ہونے تک —— آیات چار تا اکیس۔

② —— جوانی سے لے کر سلطنتِ مصر کے تختِ شاہی پر متمکن ہونے تک —— آیات بائیس تا ستاون۔

③ —— بھائیوں کی دربار میں حاضری سے لے کر حضرت یعقوب علیہ السلام اور تمام خاندان کے داخلۂ مصر تک —— آیات اٹھاون تا ایک سو ایک۔

واقعہ کے ان تینوں حصوں کے آخر میں بیان شدہ حصہ سے نتائج اخذ کئے گئے ہیں اور آیت سینتیس سے آیت چالیس تک توحید پر حضرت یوسف علیہ السلام کی ایک گفتگو ہے۔ جو آپ نے قیدخانے کے دو ساتھیوں سے کی تھی۔

پس بنیادی مسئلہ اس سورت میں حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ ہے اور ضمناً متعدد مسائل زیر بحث آئے ہیں مثلاً توحید، رسالت، قرآن کا وحیِ الٰہی ہونا اور اس کا عربی زبان میں ہونا، (آیت ایک اور دو) قرآن پاک میں بیان ہونے والے واقعات کا بہترین واقعات ہونا (آیت تین) شیطان کا دشمنِ انسان ہونا (آیت پانچ) عفت وعصمت کا عیش وعشرت سے بدرجہا بہتر ہونا (آیت تینتیس) تہمت کی باتوں سے حتی الامکان بچنا، اور خدانخواستہ اگر کوئی غلط الزام سر پر آپڑے تو وقت آنے پر اس کی مکمل صفائی کر لینا (آیت باون) نفس امارہ کی چالوں سے ڈرتے رہنا (آیت ترپن) نیکی کا اجر دنیا میں بھی ملتا ہے مگر آخرت کا اجر کہیں بہتر ہے (آیت چھپن وستاون) نظر بد حق ہے اور اس سے بچنے کیلئے تدبیر کرنا توکل کے خلاف نہیں (آیت سڑسٹھ واڑسٹھ) مؤمن کی سب سے بڑی آرزو یہ ہوتی ہے کہ پروردگار! اسے فرماں برداری کی حالت میں دنیا سے اٹھائیں اور اپنے نیک بندوں میں شامل فرمائیں (آیت ایک سو ایک)



(۱۲) سُوۡرَةُ يُوۡسُفَ مَكِّيَّةٌ (۵۳)

اٰیاتُها ۱۱۱ — رُکوعاتُها ۱۲

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الٓرٰ ۚ تِلۡكَ اٰيٰتُ الۡكِتٰبِ الۡمُبِيۡنِ ۟ۚ ﴿۱﴾ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ قُرۡءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۲﴾ نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَيۡكَ اَحۡسَنَ الۡقَصَصِ بِمَاۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ ۖ وَاِنۡ كُنۡتَ مِنۡ قَبۡلِهٖ لَمِنَ الۡغٰفِلِيۡنَ ﴿۳﴾

بِسۡمِ	نام سے	اِنَّآ	بیشک ہم نے	الۡقَصَصِ	قصہ
اللّٰهِ	اللہ پاک (کے)	اَنۡزَلۡنٰهُ	اتارا ہے اس کو	بِمَآ اَوۡحَيۡنَآ (۵)	ہمارے وحی کرنے
الرَّحۡمٰنِ	(جو) نہایت مہربان	قُرۡءٰنًا (۳)	قرآن		کی تقریب سے
الرَّحِيۡمِ	بڑے رحم والے (ہیں)	عَرَبِيًّا	عربی زبان کا	اِلَيۡكَ	آپ کی طرف
الٓرٰ	الف۔لام۔را	لَعَلَّكُمۡ	تاکہ تم	هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ	یہ قرآن
تِلۡكَ (۱)	وہ (یعنی یہ)	تَعۡقِلُوۡنَ	سمجھو	وَاِنۡ كُنۡتَ (۶)	اگرچہ تھے آپ
اٰيٰتُ	آیتیں (ہیں)	نَحۡنُ نَقُصُّ	ہم بیان کرتے ہیں	مِنۡ قَبۡلِهٖ	اس (قرآن) سے پہلے
الۡكِتٰبِ	کتاب	عَلَيۡكَ	آپ کے سامنے	لَمِنَ (۷)	بالکل ہی بے خبر
الۡمُبِيۡنِ (۲)	واضح (کی)	اَحۡسَنَ (۴)	بہترین	الۡغٰفِلِيۡنَ	لوگوں میں سے

(۱) تِلۡکَ اسم اشارہ بعید، مشار الیہ کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہے (۲) اَلۡمُبِیۡنُ صفت ہے اَلۡکِتَاب کی (۳) قُرآنًا اور عَرَبِیًّا حال ہیں اَنۡزَلۡنَاہُ کی ضمیر مفعول سے (۴) اَحۡسَنُ اسم تفضیل ہے: بہترین اَلۡقَصَصُ مصدر اور اسم مصدر ہے: قصہ اور قصہ بیان کرنا۔ یہ قِصَّةٌ کی جمع نہیں، اس کی جمع قِصَصٌ قاف کے زیر کے ساتھ آتی ہے — اَحۡسَنَ الۡقَصَصِ مرکب اضافی ہے اور جملہ ناقصہ نَقُصُّ کا مفعول بہ بھی ہوسکتا ہے اور مفعول مطلق بھی پہلی صورت میں ترجمہ وہ ہوگا جو اوپر لکھا گیا اور مفعول مطلق ہونے کی صورت میں ترجمہ ہوگا: ''ہم آپ کے سامنے نہایت خوبی سے واقعہ بیان کرتے ہیں'' (۵) بِمَا میں باسببیہ ہے اور مَا مصدریہ ہے ای: بسبب ایحائنا (روح) (۶) اِنۡ مخففہ ہے، اس کا اسم ضمیر شان محذوف ہے اور جملہ کُنۡتَ الخ خبر ہے (۷) لام اِنۡ نافیہ اور اِنۡ مخففہ کے درمیان فارقہ ہے۔

اللہ کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جونہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

یوسف علیہ السلام کے واقعہ کی تمہید کہ یہ واقعہ قرآن کے کلام الٰہی ہونے کی دلیل ہے

اس سورت میں بیان ہونے والا واقعہ حضور ﷺ کی نبوت کا ایک بڑا ثبوت ہے، اور کیسا ثبوت؟ مخالفین کا منہ مانگا ثبوت! خود ان کے تجویز کردہ سوال کا جواب! اس وجہ سے اس سورت کا آغاز قرآن کریم کے کتابِ الٰہی ہونے کے تذکرے سے کیا گیا ہے۔ سورت کے شروع ہی میں یہ بات واضح کردی ہے کہ نبی کریم ﷺ سنی سنائی باتیں بیان نہیں کرتے، بلکہ آپ کو وحی کے ذریعہ علم حاصل ہوتا ہے۔

ارشاد فرماتے ہیں ـــ اَلِف، لام، رَا ـــ یہ تیسری سورت ہے جو ان حروف مقطعات سے شروع ہوئی ہے، اس سے پہلے سورۂ یونس اور سورۂ ہود انہی حروف سے شروع ہوئی ہیں اور ان کو حروف مقطعات اس لئے کہتے ہیں کہ ان کو کاٹ کر حروفِ ہجا کی طرح الگ الگ پڑھا جاتا ہے۔ ان حروف کی حقیقی مراد صرف اللہ پاک کو معلوم ہے لیکن ہم اتنی بات کا اندازہ بخوبی کرسکتے ہیں کہ یہ سورت بھی پچھلی دونوں سورتوں کے ساتھ مضامین میں بڑی حد تک ہم آہنگ ہے۔

یہ اُس کتاب کی آیتیں ہیں جو اپنی بات صاف صاف بیان کرتی ہے ـــ یعنی یہ قرآن پاک کی آیتیں ہیں۔ اور قرآن پاک اپنی بات کھول کر بیان کرتا ہے۔ اس کے بیان میں کوئی گنجلک نہیں ہوتی، ہر بات صاف سمجھا تا ہے۔

بے شک ہم نے اس کو ''پڑھنے کی کتاب'' بنا کر عربی زبان میں اتارا ہے، تا کہ تم سمجھو ـــ لفظ قرآن قَرَأَ یَقْرَأُ کا مصدر ہے، جس کے معنی ہیں ''پڑھنا'' اور ترکیب میں حال واقع ہے یعنی حالت بتا رہا ہے۔ قاعدہ سے قُرْآنٌ کے بجائے مَقْرُوْءٌ (پڑھی جانے والی کتاب) کہنا چاہئے مگر مشتق کے بجائے اسم کو حال بنا کر مبالغہ پیدا کیا گیا ہے یعنی یہ کتاب خاص و عام سب کے پڑھنے کے لئے ہے۔

قرآن پاک کا پڑھنا اللہ پاک کو اتنا محبوب ہے کہ کم کوئی عمل اللہ پاک کے نزدیک اتنا پسندیدہ ہوگا۔ حضور پاک ﷺ نے بتلایا ہے کہ اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں: ''جس شخص کو قرآن پاک کی مشغولی ذکر کرنے اور دعائیں مانگنے سے روک دے: میں اس کو سب دعائیں مانگنے والوں سے زیادہ عطا کرتا ہوں، اور اللہ پاک کے کلام کو سب کلاموں پر ایسی فضیلت حاصل ہے جیسی خود حق تعالیٰ شانہ کو تمام مخلوقات پر''[۱]

اللہ اکبر! اللہ کی فضیلت کا مخلوقات سے کیا موازنہ؟! کہاں خالق کائنات اور کہاں مخلوقات؟ چہ نسبت خاک را با عالمِ

(۱) رواہ الترمذی والدارمی عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ

پاک؟ پس اللہ پاک کے کلام کا بھی انسانوں کے کلام سے کوئی موازنہ نہیں ہوسکتا۔ اللہ پاک کا کلام اللہ پاک کا کلام ہے بادشاہوں کا کلام کلاموں کا بادشاہ ہوتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: ’’قرآن والو! قرآن پاک کو تکیہ نہ بناؤ، شب وروز اس کی تلاوت ایسی کرو جیسا اس کا حق ہے۔ کلامِ پاک کی اشاعت کرو۔ اس کو اچھی آواز سے پڑھو۔ اس کے معانی میں تدبر اور غور وفکر کرو، تاکہ تم کامیاب ہوؤ۔ اس کا بدلہ جلدی (دنیا میں) طلب نہ کرو، کیونکہ اس کے لئے (آخرت میں) بڑا اجر ہے‘‘(۱)

قرآن پاک کا پڑھنا، اشاعت کرنا، اس کے معانی میں غور کرنا بڑی نیکی ہے اور قرآن پاک کو تکیہ بنانا بڑی محرومی ہے، قیامت کے دن نبی اکرم ﷺ بارگاہِ خداوندی میں اپنی امت کی صرف ایک شکایت کریں گے، جانتے ہو وہ کیا شکایت کریں گے؟ وہ شکایت یہ کریں گے کہ: ’’اے میرے پروردگار! میری قوم نے اس قرآن کو بالکل نظر انداز کر رکھا تھا!‘‘(۲) —— یعنی وہ دنیا بھر کی کتابیں پڑھتی تھی اور نہیں پڑھتی تھی تو بس اس قرآن کو نہیں پڑھتی تھی، اللہ پاک ہم سب کو وہ دن نہ دکھائیں کہ حضور اکرم ﷺ اللہ پاک سے ہماری شکایت کریں۔

اللہ پاک نے یہ قرآن عربی زبان میں اتارا ہے تاکہ قرآن پاک کے پہلے مخاطب اس کو اچھی طرح سمجھ سکیں، کیونکہ ان کی زبان عربی تھی، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ قرآن پاک صرف عربوں کے لئے اتارا ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ عربوں سے کہا جا رہا ہے کہ تمہیں یہ باتیں ایرانی یا تورانی زبان میں نہیں سنائی جا رہیں! بلکہ تمہاری اپنی مادری زبان میں تم سے خطاب کیا جا رہا ہے تاکہ تم اس کو اچھی طرح سمجھ سکو۔ اب تمہارے لئے یہ عذر کرنے کا کوئی موقع نہیں ہے کہ قرآن پاک کی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں!

بعض لوگ حقیقت کو سمجھے بغیر اس قسم کی آیتوں کو دیکھ کر یہ اعتراض جڑ دیتے ہیں کہ قرآن پاک تو صرف عربوں کے لئے ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ سورۃ الجمعہ میں رسول اللہ ﷺ کی امت کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک حصہ وہ ہے جس کی طرف رسول اللہ ﷺ براہِ راست مبعوث فرمائے گئے ہیں اور جس کی اصلاح کی ذمہ داری آپ پر رکھی گئی ہے۔ یہ عرب کے لوگ ہیں اور دوسرا حصہ وہ ہے جس کی طرف آپؐ کی بعثت امت کے پہلے گروہ کے واسطے سے ہوئی ہے یہ عربوں کے علاوہ ساری دنیا کے انسان ہیں۔

اور انسانوں کی ہدایت کے لئے جب بھی وحی نازل کی جاتی ہے تو وہ انسانوں ہی کی کسی زبان میں نازل کی جاتی ہے، اب حضور ﷺ کی امت کے دو حصوں میں سے کسی ایک کا انتخاب ضروری ہوگا اور ظاہر ہے کہ وہ پہلا حصہ ہی ہوسکتا ہے اس وجہ سے قرآن پاک عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے اب قرآن پاک کی کوشش یہ ہے کہ وہ عربوں کو اپنی تعلیم سے پوری

(۱) رواه البيهقی فی شعب الإيمان عن عُبَيْدَةَ الْمُلَيْكِيِّ رضی الله تعالی عنه (۲) الفرقان آیت ۳۰

طرح متاثر کرے جن کی زبان میں وہ نازل ہوا ہے تاکہ وہ دوسری قوموں تک قرآن کریم کی تعلیم کے پہنچنے کا ذریعہ بنیں۔

ہم آپ ؐ سے، آپ کی طرف یہ قرآن وحی کرنے کی تقریب سے، بہترین قصہ بیان کرتے ہیں، گو کہ آپ اس سے پہلے بالکل ہی بے خبر تھے —— یعنی ہم آپ کو ایک بہترین قصہ سناتے ہیں، جو عبرتوں اور حکمتوں کا خزانہ ہے یا ہم نہایت خوبی سے ایک قصہ بیان کرتے ہیں، جس کا پیرایۂ بیان دلچسپ، واضح، سلیس اور بڑی حد تک تاریخی ہے آپ ؐ قرآن پاک کے بیان سے پہلے اس قصہ سے بالکل ہی بے خبر تھے۔ کیونکہ اس کا تذکرہ عربوں کی روایات میں نہیں۔

اور واقعہ کا یہ بیان نزولِ قرآن کی تقریب سے ہوا ہے یعنی فی الوقت قرآن پاک نازل ہو رہا ہے اور لوگوں نے یہ قصہ پوچھا ہے اس لئے اگرچہ دعوت و تبلیغ کے مقصد سے اس قصہ کا نازل کرنا کچھ ضروری نہیں تھا مگر اتمامِ حجت کی خاطر ہم یہ قصہ بیان کرتے ہیں۔

اس آیت پاک سے اور سورۃ المائدہ کی آیت ایک سو ایک سے معلوم ہوتا ہے کہ نزول قرآن کے زمانہ میں جو باتیں پوچھی جاتی ہیں ان کا جواب نازل کیا جاتا ہے۔ چاہے ان سوالوں کا جواب ضروری ہو یا نہ ہو اور چاہے ان کا جواب پوچھنے والوں کے لئے مفید ہو یا نہ ہو لوگوں نے چونکہ ایک بات پوچھی ہے اس لئے اللہ پاک اپنے فضل و کرم سے اس کا جواب نازل فرماتے ہیں۔

إِذْ قَالَ يُوسُفُ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ لِي سَاجِدِينَ ﴿۴﴾ قَالَ يَا بُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُؤْيَاكَ عَلَىٰ إِخْوَتِكَ فَيَكِيدُوا لَكَ كَيْدًا ۖ إِنَّ الشَّيْطَانَ لِلْإِنسَانِ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿۵﴾ وَكَذَٰلِكَ يَجْتَبِيكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِن تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ آلِ يَعْقُوبَ كَمَا أَتَمَّهَا عَلَىٰ أَبَوَيْكَ مِن قَبْلُ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۶﴾ ع

إِذْ قَالَ (۱) يُوسُفُ	(یاد کرو) جب کہا یوسف (نے)	لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ (۲)	اپنے والد سے ابا جی!	إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ (۳)	سچ سچ، میں نے دیکھے گیارہ

(۱) ذِكْرُ الْوَقْتِ كناية عن ذكر ما حدث فيه (روح) وقت کا تذکرہ واقعہ کا تذکرہ ہے (۲) اَبٌ میں نداء کے وقت تاء بڑھا دیتے ہیں (۳) اَحَدَ عَشَرَ مرکب بنائی ہے، جس میں دوسرا کلمہ حرف پر مشتمل ہوتا ہے

كَوْكَبًا	تارے	كَيْدًا	کوئی چال	عَلَيْكَ	تجھ پر
وَّالشَّمْسَ	اور سورج	اِنَّ الشَّيْطٰنَ	بلاشبہ شیطان	وَعَلٰٓى اٰلِ	اور خاندان پر
وَالْقَمَرَ	اور چاند کو	لِلْاِنْسَانِ	انسان کا	يَعْقُوْبَ	یعقوب (کے)
رَاَيْتُهُمْ (۱)	دیکھا میں نے ان کو	عَدُوٌّ	دشمن (ہے)	كَمَآ	جس طرح
لِيْ	اپنے لئے	مُّبِيْنٌ	کھلا	اَتَمَّهَا	پوری فرمائی وہ (نعمت)
سٰجِدِيْنَ (۲)	سجدہ کرتے ہوئے	وَكَذٰلِكَ	اور اسی طرح	عَلٰٓى اَبَوَيْكَ	تیرے بزرگوں پر
قَالَ	فرمایا (یعقوب نے)	يَجْتَبِيْكَ (۵)	منتخب فرمائیں گے تجھے	مِنْ قَبْلُ	قبل اس کے
يٰبُنَيَّ (۳)	مُنّے (ننھے)	رَبُّكَ	تیرے پروردگار	اِبْرٰهِيْمَ (۷)	(یعنی) ابراہیم
لَا تَقْصُصْ	نہ بیان کرنا	وَيُعَلِّمُكَ	اور سکھلائیں گے تجھے	وَاِسْحٰقَ	اور اسحاق پر
رُءْيَاكَ	اپنا خواب	مِنْ تَاْوِيْلِ (۶)	کچھ مطلب اخذ کرنا	اِنَّ	بے شک
عَلٰٓى اِخْوَتِكَ (۴)	اپنے بھائیوں سے	الْاَحَادِيْثِ	باتوں کا	رَبَّكَ	تیرے پروردگار
فَيَكِيْدُوْا	ورنہ چال چلیں گے وہ	وَيُتِمُّ	اور پوری فرمائیں گے	عَلِيْمٌ	سب کچھ جاننے والے
لَكَ	تیرے ساتھ	نِعْمَتَهٗ	اپنی نعمت	حَكِيْمٌ	بڑی حکمت والے (ہیں)

یوسف علیہ السلام کا خواب اور اس کا مطلب

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ صاحبزادے تھے جن میں حضرت یوسف علیہ السلام اور بن یامین حقیقی بھائی تھے اور سب سے چھوٹے تھے۔ باقی دس بھائی سوتیلے تھے۔ دستورِ زمانہ کے موافق ان کو حضرت یوسف علیہ السلام سے خلش تھی ـــــ حضرت یوسف علیہ السلام نے بچپن میں ایک خواب دیکھا اور بڑا ہی عجیب خواب دیکھا۔ قرآن کریم اس خواب کے ذکر سے واقعہ کا آغاز کرتا ہے ـــــ جس وقت یوسف نے اپنے والد سے کہا: ''ابا جی! سچ سچ، میں نے گیارہ تارے اور سورج اور چاند دیکھے، میں نے ان کو اپنے لئے سجدہ کرتے دیکھا!'' ـــــ ننھے یوسف کا خواب کتنا سہانا، کتنا پیارا اور کتنا

(۱) رَاَيْتُهُمْ تاكيد لما تقدم تَطْرِيَةً للعهد (روح) رَاَيْتُهُمْ سابق رَاَيْتُ کی یاد تازہ کرنے کے لئے ہے (۲) سٰجِدِيْنَ حال ہے ضمیر هُمْ سے (۳) بُنَيَّ تصغیر ہے اِبْنٌ کی اور پیار ومحبت کے لئے ہے (۴) عَلٰى صلہ ہے قَصَّ عليه: بیان کرنا (۵) اِجْتَبٰى اِجْتِبَاءً: پسند کرنا، چن لینا جَبٰى (ض) جِبَايَةَ الشيئَ جمع کرنا (۶) تَاْوِيْل کے معنی کے لئے دیکھئے سورۂ یونس آیت ۳۹ کا حاشیہ (۷) ابراهيم و اسحاق عطف بیان ہیں اَبَوَيْكَ کا۔

دلچسپ ہے! منے نے دیکھا کہ جگمگ جگمگ کرتے گیارہ تارے، ضوفشاں سورج اور موہنی چاندا سے سجدہ کر رہے ہیں۔ اسے یہ خواب بڑا ہی عجیب معلوم ہوا۔ وہ یہ دلرُبا منظر دیکھ کر پھولا نہیں سمایا۔ دوڑا ہوا ابا جان کے پاس گیا اور لاڈ سے کہنے لگا: ''ابا جی! آپ یقین کریں، میں نے چمکتے دمکتے گیارہ ستارے روشن سورج اور چاند کو اپنے سامنے سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے'' —— ابا جان خواب سنتے ہی سمجھ گئے کہ اس کا مطلب کیا ہے۔ خواب جس قدر دلچسپ تھا اسی قدر عظمت آفریں بھی تھا اور سپیدۂ صبح کی طرح واضح بھی تھا۔ مگر چونکہ بچے نے تعبیر لینے کے لئے خواب نہیں سنایا تھا اس لئے تعبیر دینے کی کوئی ضرورت نہیں تھی، البتہ اس کو صیغہ راز میں رکھنے کی ضرورت تھی۔ اس لئے حضرت یعقوب علیہ السلام نے —— فرمایا: ''منے! اپنا خواب اپنے بھائیوں سے نہ بیان کرنا، ورنہ وہ تیرے ساتھ کوئی چال چلیں گے۔ شیطان بیشک انسان کا کھلا دشمن ہے'' —— حضرت یعقوب علیہ السلام جانتے تھے کہ سوتیلے بھائی یوسف علیہ السلام سے حسد رکھتے ہیں، اس پر باپ کی مہربانیاں دیکھ کر جلتے ہیں، شفقتیں دیکھ کر بھنتے ہیں، اس وجہ سے آپ نے یوسف علیہ السلام کو نصیحت فرمائی کہ پیارے! ہوشیار رہنا، اپنا خواب اپنے بھائیوں سے نہ کہہ دینا، اندیشہ ہے کہ وہ تیرے درپے آزار ہو جائیں، شیطان سے کیا اطمینان ہے وہ انسان کا کھلا دشمن ہے۔ وہ تیری ایذا رسانی کے لئے ضرور ان سے کوئی ناروا حرکت کرادے گا۔ اس لئے میرے پیارے بیٹے! اپنا خواب چھپائے رکھنا، بھول کر بھی بھائیوں سے ظاہر نہ کرنا —— خواب سے اتنی بات ننھے یوسف بھی سمجھ رہے تھے کہ اس میں میری بلندی کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا —— اور اسی طرح تیرے پروردگار تجھے منتخب فرمائیں گے، اور تجھے سخن فہمی سے حصہ عطا فرمائیں گے، اور تجھ پر اور خاندانِ یعقوبؑ پر اپنی نعمت پوری فرمائیں گے، جس طرح ماضی میں تیرے بزرگوں ابراہیم اور اسحاق پر اپنی نعمت پوری فرما چکے ہیں، یقین جان تیرے پروردگار سب کچھ جاننے والے بڑی حکمت والے ہیں —— حضرت یعقوب علیہ السلام ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات دیکھ کر یا وحی الٰہی سے واقف ہو کر ننھے یوسف کو تین خوش خبریاں سناتے ہیں (یاد رہے کہ خواب کی تعبیر نہیں دے رہے)[1]

پہلی بشارت —— یہ دی ہے کہ اللہ پاک یوسف علیہ السلام کو برگزیدہ بنائیں گے یعنی نبوت عطا فرمائیں گے، عزتیں اور عظمتیں بخشیں گے اور بلند درجات و مراتب سے نوازیں گے، جن میں ان کی کوشش کا مطلق دخل نہ ہوگا —— جس طرح اللہ پاک نے ان کو ایسا اچھا خواب دکھلایا ہے اسی طرح اپنی رحمت سے اپنی بارگاہ میں بلند مقام عطا فرمائیں گے، ہر طرح کی ظاہری اور باطنی نوازشوں سے مالا مال فرمائیں گے۔

(۱) خواب تعبیر کا محتاج نہیں، وہ اپنی تعبیر آپ ہے بس مراد متعین ہونی باقی ہے جو وقت پر ہوگی، جس کا تذکرہ سوویں آیت میں آرہا ہے۔

دوسری بشارت —— یہ دی کہ اللہ پاک ان کو معاملہ فہمی اور حقیقت رسی کا جوہر عطا فرمائیں گے، خواب سن کر اس کے اجزا کو فراست سے ٹھکانے لگانے کا ملکہ عطا فرمائیں گے —— تَاوِیْل مصدر ہے اس کے معنی ہیں: ''بات کو اس کی اصل مراد کی طرف لوٹانا، اس کا موقع ومحل سمجھنا اور معاملات کے نتائج کو پرکھ لینا'' اور اَحَادِیْث جمع ہے حَدِیْثٌ کی جس کے معنی ہیں ''باتیں'' پس تَاوِیْلُ الاَحَادِیْث کا مطلب محض خواب کی تعبیر نہیں، بلکہ یہ ترکیب اس سے زیادہ وسیع مفہوم رکھتی ہے۔ اس بشارت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ پاک ان کو سخن فہمی اور حقیقت رسی کی تعلیم دیں گے، وہ بصیرت ان کو عطا فرمائیں گے جس سے وہ ہر معاملہ کی گہرائی میں اترنے اور اس کی تہ کو پالینے کے قابل ہوجائیں گے، کوئی بات کتنی ہی الجھی ہو اس کو اس طرح سلجھا لینے کی مہارت اللہ پاک ان کو عطا فرمائیں گے کہ جس سے ساری باتوں کی کل ٹھیک بیٹھ جائے —— البتہ خواب کی تعبیر کا علم تاویل الاحادیث کے مفہوم سے باہر نہیں، بلکہ وہ بھی اس بشارت میں داخل ہے۔

تیسری بشارت —— یہ دی کہ خاص طور پر یوسف پر اور عام طور پر پورے خاندان پر اللہ تعالیٰ انعامات فرمائیں گے۔ جس طرح ماضی میں ان کے بزرگوں پر انعامات کی بارش فرماتے رہے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام پر جو ان کے پردادا ہیں اور حضرت اسحاق علیہ السلام پر جو ان کے دادا ہیں اللہ پاک نے اپنی نعمتیں پوری فرمائی ہیں اسی طرح ان شاء اللہ یہ سلسلہ ابھی اور آگے چلے گا —— حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنا ذکر تواضعاً نہیں کیا اور اس لئے بھی نہیں کیا کہ ان کا معاملہ بیٹے کے سامنے ہے۔

عام طور پر دیکھا یہ جاتا ہے کہ خاندانی عظمتیں، دینی بزرگیاں اور عزتیں زیادہ سے زیادہ تین پشتوں تک چلتی ہیں۔ بیٹے کو تو عام طور پر پہنچتی ہیں اور پوتوں تک شاذ ونادر ہی جاتی ہیں۔ پس اگر کسی خاندان میں پروتوں تک یہ میراث پہنچے تو بڑا ہی شکر کا مقام ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام بیٹے کے سامنے یہ باتیں ذکر کر کے اللہ پاک کا شکر بجالا رہے ہیں اور بیٹے سے فرما رہے ہیں کہ یقین جان! تیرے پروردگار سب کچھ جاننے والے بڑی حکمت والے ہیں۔ جو جس کے قابل نظر آتا ہے اس کو وہ چیز دیتے ہیں۔ ان کو نہ پوتوں سے بیر ہے نہ پروتوں سے —— تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا!

اگر کوئی خاندان قابلیتیں پیدا کرتا رہے تو اللہ پاک پوتوں تک کیا سو پشتوں تک انعامات فرماتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی قابلیتوں سے تہی داماں ہوجائے تو بیٹا بھی محروم رہ جائے گا حدیثِ صحیح میں نبی اکرم ﷺ نے اس خاندان کی تعریف فرمائی ہے۔ ارشاد فرمایا: ﴿**الکریم بن الکریم بن الکریم بن الکریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراھیم**﴾ [1] یعنی ایں خانہ ہمہ آفتاب است!

(۱) رواہ البخاری عن ابن عمر رضی اللہ تعالی عنھما (مشکوۃ ص ۴۱۷)

حضرت یعقوب علیہ السلام کی آخری بشارت سے ایک خاص بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ اگر خاندان میں ایک فرد بھی معاملہ فہم ہو، سخن فہمی کا جوہر رکھتا ہو، عظمتوں کا مالک ہو اور فضل خداوندی کا مَورِدْ (اترنے کی جگہ) ہو تو اس سے پورے خاندان کو فائدہ پہنچتا ہے اور اس طرح اللہ پاک کا یہ عظیم الشان انعام ایک فرد سے بڑھ کر پورے خاندان کو شامل ہو جاتا ہے۔ بس شرط یہ ہے کہ خاندان اس فرد سے جڑا رہے، کٹ کر نہ رہ جائے!

حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب کی تعبیر چالیس سال بعد ظاہر ہوئی (حضرت شداد رحمہ اللہ)

معلوم ہوا کہ خواب کی تعبیر کا فوراً ظاہر ہونا ضروری نہیں

لَقَدْ كَانَ فِیْ یُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖۤ اٰیٰتٌ لِّلسَّآىِٕلِیْنَ ۝

لَقَدْ	بخدا! بالتحقیق	وَاِخْوَتِهٖۤ	کے قصہ) میں	اٰیٰتٌ	بڑی نشانیاں
كَانَ	تھیں		اوران کے بھائیوں	لِّلسَّآىِٕلِیْنَ	پوچھنے والوں کے لئے
فِیْ یُوْسُفَ (۱)	یوسف (علیہ السلام		(کے قصہ میں)	۞	۞

یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں قریش کے لئے سبق ہے

اب واقعہ یہ کہہ کر باقاعدہ شروع کیا جاتا ہے کہ — قسم بخدا! حقیقت یہ ہے کہ یوسف اور ان کے بھائیوں کی سرگذشت میں پوچھنے والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں — یعنی اے پوچھنے والو! یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے قصہ کو محض ایک قصہ نہ سمجھو، اس میں تمہارے لئے بڑی نشانیاں ہیں — سورت کے دیباچے میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ یوسف علیہ السلام کا قصہ پوچھنے والے کفارِ مکہ تھے۔ انھوں نے یہودیوں کے اشارے پر آپ ﷺ کا امتحان کرنے کے لئے یہ سوال کیا تھا کہ بنی اسرائیل کے مصر پہنچنے کا کیا سبب ہوا؟ قرآن کریم واقعہ بیان کرنے سے پہلے تنبیہ کرتا ہے کہ یہ واقعہ، واقعہ دریافت کرنے والوں کے لئے بڑا سبق آموز ہے، انھیں چاہئے کہ واقعہ سن کر ایک طرف نہ کردیں بلکہ اسے اچھی طرح بوجھیں۔

مگر افسوس مکہ والوں نے سُنی ان سنی کردی۔ انھوں نے یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کی سرگذشت سے کوئی سبق نہیں لیا بلکہ انھوں نے بھی اپنے بھائی کے ساتھ وہی سب کچھ کیا جو یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کیا تھا؟ بالآخر

(۱) فِیْ یُوْسُفَ مع معطوف خبر مقدم ہے كَانَ کی اور اٰیٰتٌ مع متعلق اسم مؤخر ہے اور كَانَ (ماضی) تحقیق کے لئے ہے۔

ان کے سامنے بھی وہی نتیجہ آیا جو یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے سامنے آیا تھا— انھوں نے بھی جل بھن کر اپنے بھائی محمد ﷺ کے قتل کے مشورے کئے۔ ناپاک منصوبے بنائے، طرح طرح سے تکلیفیں پہنچائیں، ذلیل کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا، عزت وآبرو پر حملے کئے، وطن سے بے وطن کیا، مگر جلد وہ دن آ گیا کہ وہ اسی بھائی کے قدموں میں گرے اور اس سے رحم وکرم کی بھیگ مانگنے لگے، فتح مکہ کے موقعہ پر ٹھیک وہی منظر تھا جو یوسف علیہ السلام کے دربار میں بھائیوں کی آخری حاضری کے موقع پر تھا۔ شکست خوردہ اہل مکہ حضور پاک ﷺ کے سامنے سرنگوں کھڑے تھے، آپؐ ان سے ان کے ایک ایک ظلم کا بدلہ لینے پر قادر تھے آپ نے پوچھا: ''تمہارا کیا خیال ہے میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کروں گا؟'' انھوں نے عرض کیا اَخٌ کَرِیْمٌ وَابْنُ اَخٍ کَرِیْمٍ: آپ ایک عالی ظرف بھائی ہیں اور ایک عالی ظرف بھائی کے بیٹے ہیں! اس پر حضور پاک ﷺ نے اعلان فرمایا کہ: میں تمہیں وہ جواب دیتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو دیا تھا کہ تم پر آج ملامت تک نہیں، جاؤ تمہیں معاف کیا!

اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا وَ نَحْنُ عُصْبَةٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِۚ ۝۸ اقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ۝۹ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝۱۰ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ۝۱۱ اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝۱۲ قَالَ اِنِّيْ لَيَحْزُنُنِيْٓ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ۝۱۳ قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝۱۴ فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْٓا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۱۵ وَجَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ۝۱۶ قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ۝۱۷ وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ؕ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ

وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ؕ قَالَ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ ؕ وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۭ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ ﴿۲۰﴾ ع وَقَالَ الَّذِي اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖۤ اَكْرِمِيْ مَثْوٰىهُ عَسٰۤى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ؕ

اِذْ	(یاد کرو) جب	مُّبِيْنِ	صریح (کھلی)	صٰلِحِيْنَ	نیک
قَالُوْا	کہا انھوں نے (آپس	اقْتُلُوْا	مارڈالو	قَالَ	کہا
	میں)	يُوْسُفَ	یوسف (کو)	قَآئِلٌ	ایک کہنے والے نے
لَيُوْسُفُ(۱)	یقیناً یوسف	اَوِ اطْرَحُوْهُ	یا پھینک دو اس کو	مِّنْهُمْ	ان میں سے
وَاَخُوْهُ	اور اس کا بھائی	اَرْضًا(۲)	کسی زمین میں	لَا تَقْتُلُوْا	مت مارڈالو
اَحَبُّ	زیادہ پیارے (ہیں)	يَخْلُ(۳)	فارغ ہوجائے گی	يُوْسُفَ	یوسف (کو)
اِلٰٓى اَبِيْنَا	ہمارے ابا کو	لَكُمْ	تمہارے لئے	وَاَلْقُوْهُ	اور ڈال دو اس کو
مِنَّا	ہم سے	وَجْهُ	توجہ	فِيْ غَيٰبَتِ(۵)	گہرائی میں
وَنَحْنُ	حالانکہ ہم	اَبِيْكُمْ	تمہارے ابا (کی)	الْجُبِّ	کچے کنویں (کی)
عُصْبَةٌ	جماعت (ہیں)	وَتَكُوْنُوْا(۴)	اور ہوجاؤ گے تم	يَلْتَقِطْهُ(۶)	(تاکہ) اٹھالے اس کو
اِنَّ اَبَانَا	بلاشبہ ہمارے ابا	مِنْۢ بَعْدِهٖ	اس کے بعد	بَعْضُ	کوئی
لَفِيْ ضَلٰلٍ	بھول (غلطی) میں ہیں	قَوْمًا	لوگ	السَّيَّارَةِ	راہ چلتا قافلہ

(۱) لام ابتدائیہ ہے، مضمون جملہ کی تاکید کے لئے آیا ہے (روح) — يُوْسُفُ مع معطوف مبتدا ہے اور اَحَبُّ مع متعلق خبر ہے (۲) اَرْضًا حرف جر فِيْ ہٹانے کی وجہ سے منصوب ہوا ہے (۳) يَخْلُ مجزوم ہے حرف علت حذف کیا گیا ہے اور جواب امر ہے (۴) وَتَكُوْنُوْا جزم کے ساتھ ہے اور جواب امر پر معطوف ہے (روح) (۵) الغيابة من الوادى او الجُب: وادی یا کنویں کی گہرائی — اَلْجُبُّ وہ گہرا کنواں جس کی کوٹھی تعمیر نہ کی گئی ہو اور مینڈ نہ بنی ہو — غَيٰبَتُ الْجُبِّ درحقیقت مرکب توصیفی ہے، الٹ کر مرکب اضافی بنایا ہے (۶) لَقَطَ (ن) اور اِلْتَقَطَ الشيئَ: زمین سے حفاظت کے لئے کوئی چیز اٹھانا۔

اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہوتم	وَاِنَّا لَهٗ	اور بلاشبہ ہم اس کی	وَنَحْنُ	دراں حالے کہ ہم
فٰعِلِيْنَ	کرنے والے	لَحٰفِظُوْنَ	حفاظت کرنے والے	عُصْبَةٌ	جماعت ہیں
قَالُوْا	کہاانھوں نے		(ہیں)	اِنَّآ اِذًا	(تو) بیشک ہم تب تو
يٰٓاَبَانَا	اے ہمارے ابا!	قَالَ اِنِّيْ	فرمایا بے شک مجھے	لَّخٰسِرُوْنَ	نقصان اٹھانے والے
مَالَكَ	آپ کا کیا حال ہے	لَيَحْزُنُنِيْٓ	غمگین کرے گی		ہوئے
لَا تَاْمَنَّا[1]	(کہ) نہیں اعتبار	اَنْ تَذْهَبُوْا	(یہ بات) کہ تم لے جاؤ	فَلَمَّا	پھر جب
	کرتے آپ ہمارا	بِهٖ[3]	اسے	ذَهَبُوْا	وہ لے گئے
عَلٰي يُوْسُفَ	یوسف کے معاملہ میں	وَاَخَافُ	اور ڈر رہے مجھے	بِهٖ	اس کو
وَاِنَّا	حالانکہ ہم بلاشبہ	اَنْ يَّاْكُلَهُ	کہ پھاڑ کھائے اسے	وَاَجْمَعُوْٓا	اور طے کرلیاانھوں
لَهٗ	اس کے لئے	الذِّئْبُ[4]	کوئی بھیڑیا		نے
لَنٰصِحُوْنَ	خیر خواہ (ہیں)	وَاَنْتُمْ	درانحالیکہ تم	اَنْ يَّجْعَلُوْهُ[5]	کہ کردیں وہ اس کو
اَرْسِلْهُ	بھیجئے اس کو	عَنْهُ	اس سے	فِيْ غَيٰبَتِ	گہرائی میں
مَعَنَا	ہمارے ساتھ	غٰفِلُوْنَ	بے خبر ہوؤ	الْجُبِّ	کچے کنویں (کی)
غَدًا	کل	قَالُوْا	کہاانھوں نے	وَاَوْحَيْنَآ	اور وحی کی ہم نے
يَّرْتَعْ[2]	(تاکہ) پھل پھلاری	لَئِنْ	قسم بخدا! اگر	اِلَيْهِ	اس کی طرف
	کھائے وہ	اَكَلَهُ	پھاڑ کھایا اس کو	لَتُنَبِّئَنَّهُمْ	(کہ) تم البتہ ضرور
وَيَلْعَبْ	اور کھیلے کودے وہ	الذِّئْبُ	کسی بھیڑیئے نے		جتلاؤ گے انھیں

(۱) تَاْمَنَّا اصل میں تَاْمَنُنَا تھا، نون کا نون میں ادغام کیا ہے اَمِنَ (س) اَمْنًا وَاَمَانَةً: اعتبار کرنا، امین بنانا — تَاْمَنُ فعل مضارع کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے اس کے ساتھ نَا ضمیر جمع متکلم کی لگی ہوئی ہے — یاد رہے کہ یہاں ادغام محض نہیں ہے بلکہ ادغام مع الاشمام ہے۔ اشمام کہتے ہیں ضم الشفتين من غير إحداث شيئ في النون (ہونٹوں کو ملالینا نون میں کوئی تغیر کئے بغیر) قاری سے اس کی مشق ضروری ہے اور یہاں اشمام پہلے نون کے حذف شدہ پیش کی طرف اشارہ کرنے کے لئے کیا جاتا ہے تاکہ کُنَّا عنَّا اور مِنَّا وغیرہ سے فرق ظاہر ہوجائے جن میں پہلا نون ساکن ہے (۲) أی: يتسع في اكل الفواكه ونحوها (روح) جواب امر ہے (۳) باصلہ کی ہے ذهب به: لے جانا (۴) الذئب کا الف لام جنسی ہے۔ (۵) اجمع القوم على كذا: اتفاق کرنا۔

بِاَمۡرِهِمۡ[۱]	ان کا ماجرا (معاملہ)	بِمُؤۡمِنٍ	یقین کرنے والے	عَلٰی مَا	اس (بات) پر جو
هٰذَا	یہ	لَّنَا[۳]	ہمارا	تَصِفُوۡنَ	تم بیان کرتے ہو
وَهُمۡ	دراں حالے کہ وہ	وَلَوۡ كُنَّا	اگرچہ ہوں ہم	وَجَآءَتۡ	اور آیا
لَا يَشۡعُرُوۡنَ	نہیں جانتے ہوں گے	صٰدِقِيۡنَ	سچے	سَيَّارَةٌ	ایک مسافر قافلہ
وَجَآءُوۡۤ	اور آئے وہ	وَجَآءُوۡ	اور لائے وہ	فَاَرۡسَلُوۡا	پس بھیجا انھوں نے
اَبَاهُمۡ	اپنے والد کے پاس	عَلٰى قَمِيۡصِهٖ	اس کے کرتے پر	وَارِدَهُمۡ	اپنا پنھیارا (سقا، پانی
عِشَآءً	عشاء کے وقت	بِدَمٍ	خون		بھرنے والا)
يَّبۡكُوۡنَ	روتے (ہوئے)	كَذِبٍ[۴]	جھوٹا	فَاَدۡلٰى	پس لٹکایا اس نے
قَالُوۡا	کہنے لگے	قَالَ	فرمایا	دَلۡوَهٗ	اپنا ڈول
يٰۤاَبَانَاۤ	اے ہمارے ابا!	بَلۡ	بلکہ	قَالَ	بولا
اِنَّا ذَهَبۡنَا	بے شک گئے ہم	سَوَّلَتۡ[۵]	مزین کی ہے	يٰبُشۡرٰى	او، خوش خبری!
نَسۡتَبِقُ[۲]	آپس میں دوڑ لگاتے	لَـكُمۡ	تمہارے لئے	هٰذَا غُلٰمٌ	یہ چھوکرا (لڑکا) ہے
وَتَرَكۡنَا	اور چھوڑ دیا ہم نے	اَنۡفُسُكُمۡ	تمہارے نفوس نے	وَاَسَرُّوۡهُ	اور چھپالیا انھوں نے
يُوۡسُفَ	یوسف (کو)	اَمۡرًا	ایک بات		اس کو
عِنۡدَ	پاس	فَصَبۡرٌ[۶]	پس صبر	بِضَاعَةً[۸]	سامان تجارت بنا کر
مَتَاعِنَا	اپنے سامان کے	جَمِيۡلٌ	عمدہ (بہتر ہے)	وَاللّٰهُ	اور اللہ پاک
فَاَكَلَهُ	پس پھاڑ کھایا اس کو	وَاللّٰهُ	اور اللہ پاک ہی	عَلِيۡمٌ	خوب واقف (ہیں)
الذِّئۡبُ	کسی بھیڑیئے نے	الۡمُسۡتَعَانُ[۷]	مددخواستہ (مدد چاہے	بِمَا	اس سے جو
وَمَاۤ اَنۡتَ	اور نہیں (ہیں) آپ		ہوئے) ہیں	يَعۡمَلُوۡنَ	وہ کررہے ہیں

(۱) باء صلہ کی ہے نَبَّأَ بِـهِ: خبر دینا (۲) تَسَابَقَ وَاسۡتَبَقَ الۡقَوۡمُ: ایک دوسرے سے آگے بڑھنے میں مقابلہ کرنا۔ دوڑنے کی ریس (۳) لام صلہ کا ہے (۴) وصف بالمصدر مبالغة (روح) (۵) سَوَّلَ تَسۡوِيۡلاً: مزین کرنا، روغن قاز ملنا (٦) صَبۡرٌ جَمِيۡلٌ مبتدا ہے اور خبر محذوف ہے اَی خَيۡرٌ (۷) اَلۡمُسۡتَعَانُ اسم مفعول ہے، استعانت سے۔ (۸) بِضَاعَـةً حال ہے۔

وَشَرَوْهُ[1]	اور لین دین کرلیا	فِيْهِ	اس میں	اَكْرِمِىْ	باعزت کرتو
	انھوں نے اس کا	مِنَ الزّٰهِدِيْنَ	بے رغبت	مَثْوٰىهُ	اس کی فرودگاہ
بِثَمَنٍ	قیمت پر	وَقَالَ	اور کہا	عَسٰٓى	شاید
بَخْسٍ	بہت ہی کم	الَّذِى	(اس شخص نے) جس نے	اَنْ يَّنْفَعَنَآ	کہ کام آئے وہ ہمارے
دَرَاهِمَ[2]	یعنی دراہم	اشْتَرٰىهُ	خریدا ان کو	اَوْ	یا
مَعْدُوْدَةٍ	گنتی کے	مِنْ مِّصْرَ[3]	مصر میں	نَتَّخِذَهٗ	بنالیں ہم اس کو
وَكَانُوْا	اور تھے وہ	لِامْرَاَتِهٖٓ	اپنی بیوی سے	وَلَدًا	لڑکا

یوسف علیہ السلام کنعان کے کنویں سے وزیر کے محل تک

حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام سے اور ان کے حقیقی بھائی بن یامین سے، دوسرے لڑکوں کی بہ نسبت زیادہ محبت تھی، جس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ بن یامین کی پیدائش کے وقت ان کی والدہ صاحبہ کا انتقال ہوگیا تھا، اس وجہ سے حضرت یعقوب علیہ السلام ان دونوں بے ماں کے بچوں کا زیادہ خیال رکھتے تھے، دوسری وجہ یہ تھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام میں رشد وسعادت کے آثار نمایاں تھے۔ ان کا مستقبل درخشاں اور تابناک دکھائی دے رہا تھا۔ اس وجہ سے وہ طبعی طور پر مرکز توجہ بن گئے تھے، تیسری وجہ یہ تھی کہ عمر میں یہ دونوں بھائی چھوٹے تھے اور چھوٹی اولاد سے طبعاً زیادہ محبت ہوتی ہے اور چوتھی وجہ یہ تھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن سیرت وصورت اور ہونہاری پدر بزرگوار کی خصوصی محبت کو اپنی طرف کھینچتی تھی۔ دوسرے بھائیوں کو یہ چیز ناگوار تھی۔ انھوں نے باہم مشورہ کیا۔ —— (یاد کرو) جب ان لوگوں نے (آپس میں) کہا: ''یوسف اور اس کے بھائی (بنیامین) ہمارے ابا کو یقیناً ہم سے زیادہ پیارے ہیں، حالانکہ ہم جماعت ہیں —— اور وہ صرف دو ہیں —— یعنی وقت پر کام آنے والے تو ہم ہیں کیونکہ ہم ایک طاقتور جماعت ہیں جو باپ کی ضعیفی میں کام آسکتے ہیں۔ ان چھوٹے لڑکوں سے کیا امید کی جاسکتی ہے؟ —— ہمارے ابا یقیناً صریح بھول میں ہیں —— کہ ہم جوان بیٹوں کو جو آڑے وقت ان کے کام آسکتے ہیں، اتنا عزیز نہیں رکھتے جتنا ان چھوٹے بچوں کو عزیز رکھتے ہیں جو اُن کے کسی کام نہیں آسکتے لہٰذا —— یوسف کو یا تو مار ڈالو یا انجانی سرزمین میں پھینک دو —— یعنی کسی دور دراز ملک میں پہنچادو جہاں سے وہ واپس نہ آسکے —— تاکہ (جب یہ کانٹا درمیان سے نکل جائے تو) تمہارے لئے تمہارے ابا کی توجہ

(۱) شَرَى يَشْرِىْ شِرَاءً: خرید وفروخت کرنا، اضداد میں سے ہے (۲) دراھم بدل ہے ثَمَنٌ سے (۳) مِنْ بیانیہ ہے اور جملہ بیانیہ یہ بتلانے کے لئے لایا گیا ہے کہ یوسف علیہ السلام کہاں پہنچ گئے؟

خالص ہوجائے ـــ یعنی جب وہ نہ رہے گا تو تم ہی منظورِ نظر بن جاؤ گے اور ابا کی ساری توجہات اور مہربانیوں کے تنہا تم ہی حقدار ہو جاؤ گے ـــ اور تم اس کے بعد نیک لوگ بن جاؤ گے ـــ یعنی ابا کی پیغمبرانہ توجہ کی برکت سے تم نیک اور صالح بن جاؤ گے۔

وہ لوگ حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ دو مقصدوں سے برا معاملہ کرنا چاہتے تھے۔ایک مقصد تھا والدِ بزرگوار کے منظورِ نظر بننے کی خواہش اور دوسرا مقصد تھا ایک پیغمبرؑ کی توجہ کا مرکز بننے کی آرزو، اور دونوں ہی مقصد نیک تھے بلکہ عبادت تھے ـــ مگر ان کے سوچنے کا طریقہ غلط تھا ـــ یہ کوشش کرنا کہ ابا ہم سے محبت کرنے لگیں یا ہم ابا کے منظورِ منظر بن جائیں بہت اچھی کوشش ہے۔حضور پرنور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: ''اللہ پاک کی خوشنودی باپ کی خوشنودی میں ہے اور خدا کی ناراضگی باپ کی ناراضگی میں ہے''[1] ـــ اسی طرح پیغمبر کی توجہ اپنی طرف کھینچنا بھی بڑی عبادت ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایک بار نبی اکرم ﷺ نے صحابہؓ سے سوال فرمایا کہ: ''بتلاؤ، وہ کون سا درخت ہے جس کے پتے نہیں جھڑتے، جو مؤمن کی مثال ہے؟'' صحابہ کرامؓ جنگل کے درختوں میں گم ہوگئے۔حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میرے ذہن میں آیا کہ وہ ''کھجور'' کا درخت ہے، مگر چونکہ میں سب میں چھوٹا تھا اس لئے شرم غالب آئی اور بول نہ سکا۔صحابۂ کرام جب جواب نہ پاسکے تو انھوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ وہ درخت بتلائیں؟ حضور پرنور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''وہ کھجور کا درخت ہے''۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں: میں نے بعد میں اپنے والد ماجد (حضرت عمرؓ) سے اس کا تذکرہ کیا کہ میرے دل میں آیا تھا مگر میں بول نہ سکا۔حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''اگر تم نے کہہ دیا ہوتا تو میرے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہوتا''[2] ـــ تمہارے جواب سے حضور پاک ﷺ خوش ہوتے، آپؐ کی نگاہ میں تمہاری وقعت بڑھتی اور یہ بات میرے لئے بھی باعث عزت ہوتی، میں بھی آپ ﷺ کی توجہ کا مرکز بن جاتا۔

الغرض یہ دونوں مقصد بہت ہی اچھے مقصد تھے، مگر ضروری ہے کہ ان کو جائز ذرائع سے حاصل کیا جائے، غلط طریقے سے یا ناجائز ذریعے سے حاصل کرنے کی کوشش نہ کی جائے والدین کے منظورِ نظر بننے کے لئے ان کی خدمت کرنا اور اطاعت وفرمانبرداری سے ان کا دل جیتنا تو درست ہے مگر اس مقصد کی خاطر دوسرے بھائیوں کی والدین سے غلط شکایتیں کرنا ہرگز جائز نہیں یوسف علیہ السلام کے بھائی ایک نیک بلکہ بہت ہی نیک مقصد کو غلط بلکہ بہت ہی غلط طریقے سے حاصل کرنا چاہ رہے تھے[1] وہ سوچ رہے تھے کہ یوسف علیہ السلام کو قتل کردیں یا باپ کی نظروں سے روپوش اوجھل

(۱) رواہ الترمذی عن عبد اللہ بن عمر (مشکوٰۃ ص۴۱۹) (۲) رواہ البخاری عن ابن عمر (ص۲۴ ج۱) (۳) اور ایسی حرکت زلت (لغزش) کہلاتی ہے۔معصیت (گناہ) نہیں ہوتی۔کیونکہ معصیت (گناہ) نام ہے برے مقصد سے برا کام کرنے کا اور زلت کہتے ہیں برا کام ہو جانے کا یا اچھے مقصد سے برا کام کرنے کا۔

کردیں مگر —— ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا: "تم یوسف کو مارنہ ڈالو، اسے کچے کنویں کی گہرائی میں ڈال دو"[1]،
تاکہ اسے کوئی راہ چلتا قافلہ اٹھالے جائے، اگر تم کچھ کرنا چاہتے ہو —— تو بس یہی کرو، مارڈالنا ہرگز مناسب نہیں، قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے، اس کی ہمت کبھی نہ کرو، البتہ روپوش کردینے میں کوئی حرج نہیں یہ زیادہ برا نہیں، اگر تمہیں یوسف کے معاملہ میں کچھ کرنا ہی ہے تو بس اتنا کرو کہ کسی کچے کنویں کی گہرائی میں اتاردو جہاں وہ مرے بھی نہیں اور نکل بھی نہ بھاگے، پھر جب کوئی راہ چلتا قافلہ وہاں سے گزرے گا تو اسے اٹھالے جائے گا اور تمہارا مقصد حاصل ہوجائے گا۔

آپس میں یہ باتیں ہوئیں مگر کوئی بات طے نہ پائی البتہ اتنی بات طے تھی کہ یوسف کا علاج کچھ کرنا ضروری ہے مگر مشکل یہ تھی کہ یوسف علیہ السلام کو حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے سے جدا نہیں کرتے تھے ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے تھے، کبھی بھائیوں کے ساتھ جنگل نہیں بھیجتے تھے اس لئے اب مرحلہ تھا ابا کو آمادہ کرنے کا، وہ لوگ اس مقصد کے لئے ابا جان کے پاس گئے اور —— انھوں نے کہا: "اے ہمارے ابا! کیا بات ہے کہ آپ یوسف کے معاملہ میں ہمارا اعتبار نہیں کرتے، حالانکہ ہم اس کے واقعی خیر خواہ ہیں؟ —— خدانخواستہ ہم کوئی اس کے بدخواہ نہیں —— کل اسے ہمارے ساتھ بھیجئے تاکہ وہ پھل پھلاری کھائے اور کھیلے کودے اور ہم یقیناً اس کی حفاظت کرنے والے ہیں —— آپ مطلق اندیشہ نہ کریں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے —— جواب دیا: "مجھے یہ بات یقیناً غمگین کرے گی کہ تم اسے لے جاؤ، اور مجھے خطرہ ہے کہ اسے کوئی بھیڑیا پھاڑ کھائے درانحالیکہ تم اس سے بےخبر ہو" —— یعنی یوسف کو تمہارے ساتھ جنگل بھیجنا دو وجہ سے پسند نہیں کرتا اول تو مجھے اس نورِ نظر کے بغیر چین نہیں آئے گا، دم بھر کے لئے اس کی جدائی مجھے گوارا نہیں، تمہارے ساتھ جانے کا تصور ہی مجھے غمگین بنائے دیتا ہے۔ دوسرے یہ خطرہ ہے کہ تمہاری غفلت میں اسے کوئی بھیڑیا پھاڑ کھائے۔

ان لوگوں نے کہا: "واللہ! اگر کسی بھیڑیئے نے اسے پھاڑ کھایا، درانحالیکہ ہم جماعت ہیں تب تو ہم یقیناً زیاں کار ہوئے! —— یعنی اگر ہماری جیسی طاقتور جماعت کی موجودگی میں چھوٹے بھائی کو کوئی بھیڑیا کھاجائے تو سمجھو کہ ہم تو بالکل ہی گئے گذرے ہوئے۔ اپنے بھائی سے ایک بھیڑیئے کو بھی دفع نہ کرسکے ہمارا تو وجود ہی بےکار ثابت ہوا۔ بھلا اس سے بڑھ کر کیا خسارہ ہوگا کہ دس تومند بھائیوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر ایک بھیڑیا کمزور بھائی کو لے جائے؟ ایسا

(۱) پہلے کنویں کچے ہوتے تھے، اینٹوں وغیرہ کی کوٹھی چُنی ہوئی نہیں ہوتی تھی، اس لئے چاروں طرف سے مٹی پانی میں گرتی رہتی تھی، پھر بارش کے بعد مٹی نکال دیتے تھے اور کنویں کا استعمال شروع کرتے تھے، اس طرح کنواں اوپر سے چوڑا ہوتا رہتا تھا، اور پانی بیچ میں رہتا تھا، اور ارد گرد خشک جگہ ہوتی تھی، لوگ اندر اتر کر پانی پیتے تھے، اور بھر کر باہر لاتے تھے، پانی کا حصہ الجُبّ ہے اور ارد گرد کا حصہ غیابۃ ہے، بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کو اس خشک حصہ میں اتار دیا تھا، بچہ وہاں سے باہر نہیں نکل سکتا، پانی میں نہیں ڈالا تھا، ورنہ وہ پانی میں ڈوب کر مرجاتے اور قتل کرنا لازم آتا۔

ہوجائے تو کہنا چاہئے کہ ہم نے اپنا سب کچھ گنوادیا — اور پہلی وجہ کا جواب لڑکوں نے نہیں دیا کیونکہ وہ ظاہر ہے۔ اولاد کی محبت ایک فطری جذبہ ہے، جس کو اولاد کی مصلحت کی خاطر کسی نہ کسی دن بالائے طاق رکھنا ہی پڑتا ہے، اور اولاد کو گود سے علاحدہ کرنا پڑتا ہے۔

القصہ جب یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کا اصرار دیکھا تو جنگل لے جانے کی اجازت دیدی — پھر جب وہ اسے لے گئے اور انھوں نے طے کیا کہ اسے کچے کنویں کی گہرائی میں اتار دیں — تو پھر کون چیز ان کے لئے مانع ہوتی؟

یوسف علیہ السلام کے بھائی حیلہ کر کے یوسف علیہ السلام کو باپ کے پاس سے جنگل لے گئے تھے، وہاں انھوں نے ایک بار پھر مشورہ کیا کہ اب بتاؤ یوسف کے ساتھ کیا کیا جائے؟ اب وہ پوری طرح ہمارے اختیار میں ہے۔ مشاورت کے بعد ان لوگوں نے یہی طے کیا کہ اسے قتل نہ کیا جائے بلکہ کسی کنویں میں ڈال دیا جائے، چنانچہ وہ لوگ یہ حرکت کر گزرے، وہاں کون تھا جو ان کا ہاتھ پکڑتا — اور ہم نے اس کی طرف وحی کی کہ تم ضرور ان لوگوں کو ان کا یہ معاملہ جتلاؤ گے اور وہ جانتے نہ ہوں گے — یعنی اُدھر بھائیوں نے قرار داد کے موافق انھیں کنویں میں اتارا، اِدھر وحی آئی: ''تم معاملہ کی مطلق پروانہ کرو، بالکل نہ گھبراؤ۔ ایک وقت ایسا آیا چاہتا ہے کہ تم یہ سب کارروائی ان لوگوں کو یاد دلاؤ گے، اور تم ایسے بلند مقام پر ہوؤ گے جہاں تمہارے ہونے کا انھیں سان گمان بھی نہ ہوگا۔ انھیں خبر بھی نہ ہوگی کہ تم وہی یوسف ہو جن کے ساتھ انھوں نے یہ برتاؤ کیا تھا — اس وحی نے حضرت یوسف علیہ السلام کی مشکل آسان کردی، شفقتِ پدری سے محروم ہوئے تو رحمتِ خداوندی نے دستگیری فرمائی اور کچے کنویں میں ان کے بچاؤ کا سامان کردیا، معصوم دل کو بھی تسلی دیدی اور پائے استقامت کو بھی مضبوط کردیا۔

اور وہ لوگ عشاء کے وقت اپنے والد کے پاس روتے ہوئے آئے — تاکہ رات کی سیاہی جھوٹی آہ وبکا کی کسی حد تک پردہ داری کرے — کہنے لگے: ''اے ہمارے ابا! سچ سچ، ہم آپس میں دوڑ لگانے لگے اور یوسف کو ہم نے اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا، پس اسے کسی بھیڑیئے نے کھالیا — یعنی ابا جان! بس اتنی غلطی ہم سے ہوئی کہ ہم نے آپس میں دوڑ لگائی اور یوسف کو اپنے کپڑوں لتوں کے پاس چھوڑ دیا، ہمارے وہاں سے ہٹتے ہی یوسف کو کسی بھیڑیئے نے پھاڑ کھایا — اور آپ تو ہمارا یقین کرنے والے نہیں، چاہے ہم سچے ہوں! — یعنی یوسف کے معاملہ میں پہلے ہی سے آپ کو ہماری طرف سے بدگمانی ہے۔ اس لئے چاہے ہم بات بالکل سچی کہہ رہے ہوں مگر آپ کو ہماری بات کا یقین ہی نہیں آئے گا۔ مگر دیکھئے یہ ہے اس کا خون لگا ہوا کرتا — اور وہ لوگ اس کے کرتے پر جھوٹا خون لگالائے — کوئی بکری وغیرہ ذبح کر کے اس کا لہو حضرت یوسف علیہ السلام کے کرتے پر لگالائے اور یہ جھوٹا لہو دکھا کر ابا کو یقین دلانے لگے کہ

بھیڑ یئے کے زخمی کرنے سے یہ کرتا خون آلود ہو گیا ہے—— ابا جان کو جو اندیشہ تھا اسی کو وہ لوگ واقعہ بنا لائے۔ کہتے ہیں کہ ابا نے دیکھا تو کرتا بالکل صحیح سالم تھا—— فرمایا—— بیٹو! یہ بھیڑیا کیسا حکیم تھا کہ یوسف کو تو کھا گیا مگر کرتے کو چھوا تک نہیں—— بلکہ تمہارے لئے تمہارے نفوس نے ایک بات مزین کی ہے——یعنی بھیڑ یئے نے تو کھایا نہیں، تمہارے ہی نفوس نے ایک بات بنائی ہے۔ سب تمہاری سازش اور من گھڑت باتیں ہیں—— پس (اب میرے لئے) عمدہ صبر بہتر ہے—— ''عمدہ صبر'' وہ ہے جس میں کسی غیر کے سامنے شکوہ شکایت نہ ہو اور نہ انتقام لینے کی کوشش کی جائے نہ جزع فزع اور گریہ وزاری کی جائے—— اور اللہ پاک ہی مدد خواستہ ہیں اس بات پر جو تم بیان کر رہے ہو—— یعنی اللہ پاک ہی سے مانگتا ہوں کہ وہ اس معاملہ میں میری مدد فرمائیں اور تم جو بات بیان کر رہے ہو اس میں خیر فرمائیں—— حضرت یعقوب علیہ السلام اپنی فراست سے معاملہ کی نوعیت سمجھ گئے تھے کہ یہ ایک بناوٹ ہے جو ان حاسد بیٹوں نے بنا کر پیش کی ہے مگر آپ اتنی بڑی غم انگیز خبر سن کر بردبار اور باوقار رہے، اور ایک عالی ظرف انسان کی طرف صبر کرتے رہے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے رہے اور پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے اس کے منتظر رہے۔

اور ایک قافلہ آیا، پس انھوں نے اپنا پنھیارا بھیجا، پس اس نے اپنا ڈول ڈالا، بولا: واہ! یہ چھوکرا ہے! اور ان لوگوں نے اسے سامانِ تجارت بنا کر چھپا لیا، اور اللہ پاک جو کچھ وہ کر رہے ہیں اس سے باخبر ہیں—— کہتے ہیں کہ تین دن تک یوسف علیہ السلام کنویں میں رہے پھر اتفاق سے وہاں ایک قافلہ آیا، جو مصر جا رہا تھا۔ ان لوگوں نے کنواں دیکھ کر اپنا بہشتی (سقّا) بھیجا، اس نے ڈول ڈالا، حضرت یوسف علیہ السلام سمجھے، شاید کوئی آدمی مجھے نکالنے آیا ہے، وہ ڈول میں بیٹھ گئے۔ اس طرح ان کی کنویں سے رہائی کا خود بخود سامان ہو گیا—— پنھیارا آپ کا مکھڑا دیکھ کر چلایا واہ واہ! واہ واہ! بڑی خوشی کی بات! یہ تو بڑا اچھا لڑکا نکل آیا—— اُس زمانہ میں غلامی کا رواج تھا، قافلہ والوں نے اس کم سن اور خوب صورت لڑکے کو سامان تجارت بنا کر چھپا لیا، یعنی ان لوگوں نے دل میں سوچ لیا کہ اس لڑکے کو بیچیں گے اور کہیں کوئی دعوے دار نہ نکل آئے اس خطرہ سے اس کو چھپا کر رکھا—— اور اللہ پاک سارے معاملہ سے خوب باخبر ہیں بھائی کیا کرنا چاہتے ہیں، قافلہ والے کیا سوچ رہے ہیں اور اللہ پاک کیا کرنے جا رہے ہیں، دیکھتے رہو!

اور ان لوگوں نے بہت ہی کم قیمت میں یعنی گنتی کے چند روپیوں میں اس کا لین دین کر لیا، اور وہ اس میں بے رغبت تھے —— قافلہ مصر پہنچا، وہاں انھوں نے اس گراں قدر ہستی کا چند ٹکوں میں لین دین کر لیا۔ کیونکہ مالِ مفت دلِ بے رحم! جو بھی ہاتھ لگا اس کو غنیمت جانا، گاڑھے پسینے کی کمائی تو تھی نہیں کہ نرخ بالا کرنے کی کوشش کرتے یا کم قیمت پر اٹھنے کا انھیں افسوس ہوتا۔

اور مصر میں جس شخص نے انھیں خریدا اس نے اپنی بیگم سے کہا: ''اس کی فرودگاہ باعزت رکھنا، شاید یہ ہمارے کام آئے

یا ہم اسے اولاد بنالیں'' ـــــ یہ خریدنے والا شخص مصر کا وزیر تھا۔ مشہور ہے: ''قدرِ جوہر شاہ بداند یا بداند جوہری'' (ہیرے کی قیمت شاہ جانتا ہے یا جوہری) عامی کے لئے تو وہ ایک معمولی پتھر ہوتا ہے قافلہ والوں کے لئے تو آپ ایک معمولی غلام تھے اور وہ بھی مفت ہاتھ لگے تھے مگر مصر کے وزیر نے اس جوہر کو پہچان لیا، اس نے چند روپیوں میں آپ کو مول لے لیا۔ گھر لے جا کر اپنی بیگم کو سونپا اور ہدایت کی کہ اسے چند ٹکوں کا غلام نہ سمجھا جائے بلکہ اس کو پوری عزت واحترام سے رکھا جائے، ہوسکتا ہے یہ بڑا ہوکر ہمارے کام آئے اور اگر ہماری اولاد نہ ہوئی تو ہم اسی کو اپنا بیٹا بنالیں ـــــ اللہ اکبر! اللہ پاک نے محض اپنی رحمت سے یوسف علیہ السلام کو کہاں سے کہاں پہنچادیا! زندان چاہ سے نکال کر قصر شاہی میں پہنچادیا، جہاں وہ شہزادوں کی طرح ناز ونعم سے پلے بڑھے۔

وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۡ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۭ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓي اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗٓ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۲﴾

وَكَذٰلِكَ	اور اس طرح	الْاَحَادِيْثِ	باتوں (کا)	وَلَمَّا بَلَغَ	اور جب پہنچا وہ
مَكَّنَّا	قدم جمائے ہم نے	وَاللّٰهُ	اور اللہ پاک	اَشُدَّهٗ (۱)	اپنی جوانی (کو)
لِيُوْسُفَ	یوسف کے	غَالِبٌ	غالب (ہیں)	اٰتَيْنٰهُ	عطا فرمایا ہم نے ان کو
فِي الْاَرْضِ	سرزمین (مصر) میں	عَلٰٓي اَمْرِهٖ	اپنے کام پر	حُكْمًا	حکم
وَلِنُعَلِّمَهٗ	اور تاکہ سکھلائیں ہم	وَلٰكِنَّ	لیکن	وَّعِلْمًا	اور علم
	انھیں	اَكْثَرَ	اکثر	وَكَذٰلِكَ	اور اسی طرح
مِنْ	کچھ	النَّاسِ	لوگ	نَجْزِي	بدلہ دیتے ہیں ہم
تَاْوِيْلِ	مطلب اخذ کرنا	لَا يَعْلَمُوْنَ	نہیں جانتے	الْمُحْسِنِيْنَ	نیکوکاروں (کو)

یوسف علیہ السلام کی زندگی کا پہلا انقلاب

حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی میں دو انقلاب آئے ہیں ایک غلامی سے باعزت زندگی کی طرف انقلاب اور

(۱) اَلْاَشُدُّ: طاقت وقوت کا زمانہ ـــــ یہ لفظ یا تو جمع کے وزن پر مفرد ہے یا ایسی جمع ہے جس کا کوئی مفرد نہیں۔

دوسرا قید خانہ کی تنگ و تاریک زندگی سے بادشاہ کی ندیمی اور ہم نشینی کی طرف انقلاب۔ قرآن پاک نے دونوں جگہ قدرتِ الٰہی کو یاد دلایا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں—— اور اس طرح ہم نے سرزمین (مصر) میں یوسف کے قدم جما دیئے—— یعنی اللہ پاک جل شانہ نے اپنی کامل قدرت سے اور لطیف تدبیر سے یوسف علیہ السلام کو کنویں کی قید سے نکال کر حکومتِ مصر کے وزیر کے گھر تک پہنچا دیا۔ پھر اس کے دل میں حضرت یوسف علیہ السلام کی قدر و منزلت بٹھا کر ترقی کا سامان کر دیا۔ اور عزیزِ مصر کی قدر شناسی یوسف علیہ السلام کی آئندہ سربلندیوں کا پیش خیمہ ثابت ہوئی، رفتہ رفتہ مصر میں یوسف علیہ السلام کے قدم جم گئے—— اور تاکہ ہم انھیں کچھ سخن فہمی کا سلیقہ سکھائیں—— یعنی اللہ پاک جل شانہ کو یہ بھی منظور تھا کہ وزیر کے گھر میں رہ کر بڑے سرداروں کی مجلسیں دیکھیں اور سلطنت کے رموز و اشارات سمجھیں، اور باتوں کو ان کے ٹھکانے پر بٹھانے کا کامل سلیقہ اور تجربہ حاصل کریں۔

صحرا کی نیم خانہ بدوشی اور گلّہ بانی کے ماحول میں یہ بات ممکن نہ تھی اور اللہ پاک جل شانہ وقت کی سب سے زیادہ متمدن اور ترقی یافتہ حکومت کی باگ ڈور آپ کو سونپنا چاہتے تھے اور اس کے لئے جس واقفیت، تجربے اور بصیرت کی ضرورت تھی اس کے نشو و نما کا کوئی موقع بدوی زندگی میں نہ تھا اس لئے اللہ پاک نے اپنی قدرتِ کاملہ سے آپ کو سلطنتِ مصر کے سب سے بڑے عہدہ دار کے ہاں پہنچا دیا۔ اور اس طرح یہ موقع پیدا ہو گیا کہ آپ کی تمام قابلیتیں پوری طرح نشو و نما پائیں—— اور اللہ پاک اپنے کام پر قابو یافتہ ہیں لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں—— دیکھئے! بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کو گرانا چاہا مگر اللہ پاک نے ان کو آسمان رفعت پر اٹھایا، سچ ہے اللہ پاک جو چاہتے ہیں کرتے ہیں۔ مگر کوتاہ نظر سمجھتے نہیں، ہمیشہ انسانی تدبیروں کے مقابلہ میں اللہ پاک کا چاہا ہوا غالب آتا ہے مگر اکثر لوگوں کو اس کا یقین نہیں ہے۔ اللہ پاک جب کسی کا کوئی دفن کردہ کمال ظاہر کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لئے حاسدوں کو ذریعہ بناتے ہیں۔

إذا أراد الله نَشْرَ فضيلةٍ ۞ طُوِيَتْ، اَتَاحَ لها لسانَ حسود

(جب اللہ تعالیٰ کوئی ایسی فضیلت پھیلانا چاہتے ہیں جو لپیٹ دی گئی ہے تو اس کے لئے حاسدوں کی زبانوں کو مقدر فرماتے ہیں)

اور جب وہ اپنی نوجوانی کو پہنچے تو ہم نے ان کو حکم و علم عطا فرمایا—— یعنی مادی نعمتوں کے ساتھ روحانی نعمتوں سے بھی نوازا، نبوت عطا فرمائی، اور ان پر حکم و علوم کا فیضان کیا۔

نبوت کی دولت، عمر کی پختگی کے زمانہ میں عطا ہوتی ہے چنانچہ عام طور پر چالیس سال کی عمر میں انبیاء کرام علیہم السلام کو نبوت ملتی ہے—— ''علم'' سے مراد وہ خاص علم ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام کو وحی کے ذریعہ براہِ راست عطا فرمایا

جاتا ہے —— اور ''حکم'' سے مراد احکام اور ذمہ داریاں ہیں جو علم نبوت کی ایک خاص قسم ہیں ''اقتدار'' مراد نہیں ہے۔ سورۃ الانبیاء آیت ۷۴ میں حضرت لوط علیہ السلام کو حکم و علم ملنے کا ذکر ہے، حالانکہ ان کو اقتدار نہیں ملا تھا۔ بلکہ ''حکم'' سے مراد احکامِ خداوندی اور ذمہ داریاں ہیں۔ سورۃ الرعد (آیت ۳۷) میں قرآن پاک کو ''حکم'' کہا گیا ہے کیونکہ قرآن پاک احکاماتِ خداوندی کا مجموعہ ہے —— اور ہم نیکوکاروں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں —— یعنی یہ حضرت یوسف علیہ السلام کی خصوصیت نہیں، بلکہ جو بھی نیکوکاری کو شعار بناتا ہے اس کو اللہ پاک دینی اور دنیوی نعمتوں سے بہرہ ور فرماتے ہیں۔

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهِ وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ۚ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ ۖ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ ۖ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ﴿٢٣﴾ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ ۖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا أَنْ رَّأَىٰ بُرْهَانَ رَبِّهِ ۚ كَذَٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوءَ وَالْفَحْشَاءَ ۚ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ ﴿٢٤﴾ وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيصَهُ مِنْ دُبُرٍ وَّأَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ۚ قَالَتْ مَا جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوءًا إِلَّا أَنْ يُّسْجَنَ أَوْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٢٥﴾ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِي عَنْ نَّفْسِي ۚ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا ۚ إِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿٢٦﴾ وَإِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٢٧﴾ فَلَمَّا رَأَىٰ قَمِيصَهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ إِنَّهُ مِنْ كَيْدِكُنَّ ۖ إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ ﴿٢٨﴾ يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هَٰذَا ۚ وَاسْتَغْفِرِي لِذَنْبِكِ ۖ إِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخَاطِئِينَ ﴿٢٩﴾

ع ۱۴

وَرَاوَدَتْهُ (۱) الَّتِي (۲) هُوَ	اور دوڑے ڈالے اس پر اس (عورت) نے جو (کہ) وہ	فِي بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهِ (۳)	اس کے گھر میں (تھے) ان کے نفس سے (فریب کرنے کے لئے)	وَغَلَّقَتِ (۴) الْأَبْوَابَ	اور اچھی طرح بھیڑ لئے اس نے دروازے

(۱) رَاوَدَ مُرَاوَدَةً: چاہنا، رَاوَدَ عَنْ نَفْسِهِ: فریب دینا، برائی کی ترغیب دینا، پھسلانا، ڈورے ڈالنا (۲) الَّتِي اپنے صلہ کے ساتھ فاعل ہے (۳) عَنْ نَفْسِهِ متعلق ہے رَاوَدَتْ سے بتضمین خَادَعَتْ (۴) تشدید الفعل للتکثیر فی المفعول (روح)

وَقَالَتْ	اور کہنے لگی	اَنْ رَّاٰ	دیکھتے وہ	سَيِّدَهَا	اس کے شوہر کو
هَيْتَ لَكَ(۱)	آجاؤ	بُرْهَانَ	دلیل	لَدَا	پاس
قَالَ	کہا اس نے	رَبِّهٖ	اپنے پروردگار (کی)	الْبَابِ	دروازے (کے)
مَعَاذَ	پناہ	كَذٰلِكَ	یوں ہی (ہوا)	قَالَتْ	کہنے لگی
اللهِ	خدا (کی)	لِنَصْرِفَ	تاکہ پھیر دیں ہم	مَا جَزَآءُ	نہیں (ہے) سزا
اِنَّهٗ(۲)	بلاشبہ وہ	عَنْهُ	ان سے	مَنْ اَرَادَ	(اس کی) جو نیت کرے
رَبِّيْٓ	میرے آقا (ہیں)	السُّوْٓءَ	برائی	بِاَهْلِكَ	آپ کی گھر والی پر
اَحْسَنَ	بہترین بنائی (انھوں نے)	وَالْفَحْشَآءَ	اور بے حیائی	سُوْٓءًا	بری
مَثْوَايَ	میری فرودگاہ	اِنَّهٗ	بلاشبہ وہ (تھے)	اِلَّآ اَنْ	مگر یہ کہ
اِنَّهٗ	یقیناً شان یہ ہے کہ	مِنْ عِبَادِنَا	ہمارے بندوں میں سے	يُّسْجَنَ	قید کردیا جائے
لَا يُفْلِحُ	نہیں کامیاب ہوتے	الْمُخْلَصِيْنَ	چنے ہوئے	اَوْ عَذَابٌ	یا کوئی سزا (دی جائے)
الظّٰلِمُوْنَ	ناانصاف لوگ	وَاسْتَبَقَا	اور آگے پیچھے دوڑے	اَلِيْمٌ	دردناک
وَلَقَدْ	اور قسم بخدا! واقعہ یہ ہے:		دونوں	قَالَ هِيَ	کہا (اس نے) وہی
هَمَّتْ	پختہ ارادہ کرلیا ہے اس نے	الْبَابَ	دروازے (کی طرف)	رَاوَدَتْنِيْ	ڈورے ڈالے اس نے
بِهٖ(۳)	ان کا	وَقَدَّتْ(۴)	اور چاک کردیا اس نے		مجھ پر
وَهَمَّ	اور پختہ ارادہ کرلیتے وہ	قَمِيْصَهٗ	ان کا کرتہ	عَنْ نَّفْسِيْ	میرے نفس سے (فریب
بِهَا(۳)	اس کا	مِنْ دُبُرٍ	پیچھے سے		کرنے کے لئے)
لَوْلَآ	اگر نہ	وَّاَلْفَيَا(۵)	اور پایا دونوں نے	وَشَهِدَ(۶)	اور گواہی دی

(۱) هَيْتَ لَكَ اسم فعل بمعنی امر ہے (۲) اِنَّــهٗ کی ضمیر عورت کے شوہر کی طرف راجع ہے، رَبِّیْ خبر ہے اور اَحْسَنَ الخ دوسری خبر ہے (۳) بہ اور بھا میں باصلہ کی ہے هَمَّ (ن) هَمًّا بالشيئ: پختہ ارادہ کرنا، چاہنا۔ (۴) قَدَّ (ن) قَدًّا الشيئَ لمبائی میں پھاڑنا یا کاٹنا (۵) اَلْفَاهُ اِلْفَاءً: پانا۔ (۶) فَسَّرَ مجاهد — فيما أخرجه عنه ابن جرير— الشهادة بالحكم أى: وحكم حاكم من أهلها (روح) شَهِدَ (س، ک) شُهُوْدًا وَشَهَادَةً کے معنی حاضر ہونے اور معائنہ کرنے کے ہیں۔ خواہ معائنہ بصر کے ساتھ ہو یا بصیرت (چشم باطن) کے ساتھ ہو اور شہادت (گواہی) وہ بیان ہے جو اس علم کی بناء پر ہو جو مشاہدۂ بصر یا مشاہدۂ بصیرت کے ذریعہ حاصل ہوا ہو (راغب)

شَاهِدٌ	ایک گواہی دینے والے	قُدَّ	چاک کیا ہوا	اِنَّ	بلاشبہ
	(نے)	مِنْ دُبُرٍ	پیچھے سے	كَيْدَكُنَّ	تمہاری چالیں
مِّنْ اَهْلِهَا	اس کے کنبہ میں سے	فَكَذَبَتْ	تو وہ جھوٹ کہتی ہے	عَظِيْمٌ	بڑی (ہوتی ہیں)
اِنْ كَانَ	اگر ہے	وَهُوَ	اور وہ	يُوْسُفُ	اے یوسف!
قَمِيْصُهٗ	اس کا کرتہ	مِنَ الصّٰدِقِيْنَ	سچوں میں سے (ہے)	اَعْرِضْ	جانے دیجئے
قُدَّ	چاک کیا ہوا	فَلَمَّا رَاٰ	پس جب دیکھا اس نے	عَنْ هٰذَا	اس (بات) کو
مِنْ قُبُلٍ	آگے سے	قَمِيْصَهٗ	ان کے کرتے کو	وَاسْتَغْفِرِيْ	اور معافی مانگ (اے
فَصَدَقَتْ	تو وہ سچ کہتی ہے	قُدَّ	چاک کیا ہوا		عورت)
وَهُوَ	اور وہ	مِنْ دُبُرٍ	پیچھے سے	لِذَنْۢبِكِ	اپنے قصور کی
مِنَ الْكٰذِبِيْنَ	جھوٹوں میں سے (ہے)	قَالَ	(تو) کہا اس نے	اِنَّكِ كُنْتِ	بلاشبہ تو ہے
وَاِنْ كَانَ	اور اگر ہے	اِنَّهٗ	بلاشبہ یہ	مِنَ الْخٰطِئِيْنَ	خطا کاروں میں سے
قَمِيْصُهٗ	اس کا کرتہ	مِنْ كَيْدِكُنَّ	تمہارے مکروں میں سے (ہے)	❁	❁

جن کا آسرا تھا وہی تنکے ہوا دینے لگے!

پچھلی آیتوں میں قدرتِ خداوندی یاد دلانے کے بعد اب پھر قصہ شروع ہوتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام مصر کے جس معزز گھر میں پہنچے تھے، اس گھر کی مالکہ آپ کے حسن و جمال پر مفتون ہوگئی، شوہر نے جسے حکم دیا تھا کہ یوسفؑ کو عزت سے رکھنا وہی ان کی عزت کی دھجیاں اڑنے کے لئے تیار ہوگئی، جس سے ماں بننے کو کہا تھا وہ ہوس کی دیوی بن گئی۔ فرماتے ہیں ـــــ اور وہ جس عورت کے گھر میں تھے، اس نے ان کے نفس پر ڈورے ڈالے ـــــ اپنی طرف مائل کرنے کی پوری کوشش کی، کیونکہ وہ آپ کے زلف وابرو پر فریفتہ ہو چکی تھی، اس لئے وہ آپ کو متوجہ کرنے کے لئے جتنی تدبیریں کام میں لاسکتی تھی لائی۔ مگر جب دیکھا کہ دوسری طرف سے جواب نہیں ملتا تو ایک دن عشق میں وہ بات کر بیٹھی جو اس معاملہ کی انتہا تھی ـــــ اور اس نے اچھی طرح دروازے بھیڑ لئے، اور کہنے لگی: ''لو آجاؤ!'' ـــــ یعنی دل کشی اور ہوش ربائی کے سارے سامان جمع کر کے چاہا کہ یوسف علیہ السلام کے دل کو ان کے قابو سے باہر کر دے۔ انسان کو ضبطِ نفس پر جو مواقع مجبور کر سکتے ہیں ان کو راہ سے دور کر کے کھلے لفظوں میں طالب ہوئی ـــــ آپؑ نے جواب دیا: ''پناہ بخدا! وہ یقیناً میرے آقا ہیں، انھوں نے مجھے اچھی منزلت دی ہے'' ـــــ پھر کیا اب میں ان کی چیز میں خیانت کروں؟ یہ بڑی ناانصافی

ہوگی — اورناانصافی کرنے والے کبھی کامیاب نہیں ہوتے — یعنی میں ایسی ناپاک حرکت کیسے کرسکتا ہوں؟ عزیزِ مصر میرے آقا ہیں، مربی ہیں انھوں نے مجھے عزت دی ہے[1] پس کیا اب میں اپنے محسن کے ناموس پر حملہ کروں؟ یہ نمک حرامی، محسن کشی اورناانصافی ہوگی اور مجھے خوب معلوم ہے کہ ناانصافی کرنے والے کبھی کامیابی کا منہ نہیں دیکھ سکتے۔

اور واللہ! صورتِ حال یہ تھی کہ وہ عورت ان کا پختہ ارادہ کرچکی تھی، اور وہ بھی اس کا پختہ ارادہ کرلیتے، اگر وہ اپنے پروردگار کی دلیل نہ دیکھتے — یعنی صورتِ حال یہ تھی: شاہی خاندان کی ایک نوجوان عورت محبوب نہیں، بلکہ عاشق، مکان کا دروازہ بند اور وہ اصرار کررہی ہے کہ مجھے شادکام کیجئے۔ ادھر حضرت یوسف علیہ السلام خود نوجوان حسین اور دروازے بند، رقیب کا خوف نہ محتسب کا ڈر، گھر کی مالکہ خود ذمہ دار، ایسے میں بے قابو ہوکر بڑے سے بڑا زاہد تقویٰ کا دامن چھوڑ بیٹھے، مگر یوسف علیہ السلام اس سخت آزمائش میں بال بال بچ گئے۔ انھوں نے اس عورت کی کوئی حوصلہ افزائی نہیں کی بلکہ اس پیکرِ عصمت نے اس عورت کو صاف جواب دیا کہ یہ بات ناممکن ہے۔

یہی ''پروردگار کی دلیل'' تھی جو وقت پر حضرت یوسف علیہ السلام کے ذہن میں آگئی کہ میرے لئے اس عورت کی دعوتِ عیش قبول کرنا کسی طرح زیبا نہیں۔ آیتِ پاک کا طرزِ بیان بالکل انوکھا ہے۔ قاعدہ سے لَوْلَآ شروع کلام میں آنا چاہئے مگر یہاں درمیان میں آیا ہے کیونکہ مقصود یہ بیان کرنا نہیں کہ: ''یوسف علیہ السلام اپنے پروردگار کی دلیل دیکھ کر اس عورت کا قصد کرنے سے بچ گئے'' بلکہ یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ ''صورتِ حال بڑی فتنہ خیز تھی اگر یوسف علیہ السلام اپنے پروردگار کی دلیل نہ دیکھتے تو ممکن نہ تھا کہ بچ جاتے''

بالکل یہی طرزِ بیان سورۃ القصص (آیت دس) میں بھی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ حکمِ خداوندی کے مطابق موسیٰ علیہ السلام کو دریا میں چھوڑ تو آئیں، مگر ان کا دل بے قرار ہوگیا، پھر کیا ہوا؟ اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں ﴿ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰي قَلْبِهَا ﴾ قریب تھا کہ وہ موسیٰ کا حال ظاہر کردیتیں اگر ہم ان کے دل کو صبر نہ دیتے یعنی راز فاش نہ کرنا محض اس وجہ سے ہوا کہ ہم نے ان کے دل کو صبر عطا فرمایا ورنہ صورتِ حال تو ایسی نازک تھی کہ وہ بے چین ہوکر راز فاش کردیتیں۔

یہاں بھی وہی اندازِ بیان ہے کہ یوسف علیہ السلام کا ارادہ نہ فرمانا محض اس وجہ سے تھا کہ وقت پر پروردگار کی دلیل ان

(۱) اس آیت میں ''رب'' بمعنی آقا ہے۔ آگے آیت اکتالیس اور بیالیس میں بھی حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ لفظ ''آقا'' ہی کے معنی میں استعمال کیا ہے اور لفظ ''رب'' کے یہ معنی دینے کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ اضافت کے ساتھ استعمال کیا جائے، بغیر اضافت کے ''رب'' اللہ پاک کے ساتھ خاص ہے۔

کے ذہن میں آ گئی ورنہ صورتِ حال کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ کسی طرح بچ نہ سکتے ـــــ یوں ہی (ہوا) تا کہ ہم ان سے برائی اور بے حیائی کو پھیر دیں، یقیناً وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے تھے ـــــ یعنی پیروں کی پھسلن میں یوسف علیہ السلام کی یہ ثابت قدمی اس وجہ سے تھی کہ وہ ہمارے برگزیدہ بندے تھے، اس لئے ہم نے کوئی چھوٹی بڑی برائی ان تک پہنچنے نہیں دی۔

اور یہی عصمتِ انبیاء کی حقیقت ہے، نبی کی معصومیت کے یہ معنی نہیں کہ ان سے گناہ کی قوت سلب کر لی جاتی ہے بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ گناہ کرنے کی قدرت اور بشریت کی تمام صفات کے ساتھ حفاظتِ خداوندی انبیاء کرام علیہم السلام کے شامل حال رہتی ہے۔ اللہ پاک جل شانہ ان کو کسی چھوٹی بڑی برائی میں مبتلا ہونے ہی نہیں دیتے انھیں اللہ پاک ایسی زبردست دلیلیں سوجھاتے ہیں جن کے مقابلہ میں خواہش نفس کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔

آیت کے اسلوب پر غور فرمائیے۔ یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے یوسف علیہ السلام کو برائی اور بے حیائی سے بچا دیا بلکہ یہ ارشاد فرمایا کہ: ''ہم نے ان سے برائی اور بے حیائی کو پھیر دیا''۔ کیونکہ یوسف علیہ السلام تو اپنی شان نبوت کی وجہ سے اس گناہ سے خود ہی بچے ہوئے تھے، مگر برائی اور بے حیائی نے ان کو گھیر لیا تھا، اللہ پاک نے اس جال کو توڑ دیا۔

اور (پھر ایسا ہوا کہ) دونوں آگے پیچھے دروازے کی طرف دوڑے ـــــ یوسف علیہ السلام آگے جا رہے تھے تا کہ جلدی سے دروازہ کھول کر نکل جائیں اور وہ عورت ان کا پیچھا کر رہی تھی اور چاہتی تھی کہ دروازے پر پہلے پہنچ کر کھولنے نہ دے، غرض ہر ایک پہلے دروازے پر پہنچنا چاہتا تھا ـــــ اور اس نے ان کا کرتہ پیچھے سے پھاڑ دیا ـــــ وہ کرتہ پکڑ کر کھینچ کر، یوسف علیہ السلام کو روکنا چاہتی تھی اور خود پہلے دروازے پر پہنچنا چاہتی تھی۔ اس کھینچا تانی میں پیچھے سے آپؑ کا کرتہ پھٹ گیا ـــــ اور دونوں نے اس کے شوہر کو دروازے پر پایا ـــــ اتفاق سے ناوقت اس کا شوہر گھر آ گیا۔ اِدھر یہ دونوں آگے پیچھے دروازے پر پہنچے۔ اُدھر وہ بھی پہنچ گیا اور دونوں کو رنگے ہاتھوں پکڑ لیا۔ عورت نے حقیقت کو چھپانے کے لئے، اور اپنے کو بے گناہ ثابت کرنے کے لئے جھٹ سے بات بنائی اور الزام یوسف علیہ السلام کے سر دھر دیا ـــــ وہ کہنے لگی کہ: ''جو شخص آپ کی گھر والی پر نیت خراب کرے اس کی سزا بس یہی ہے کہ قید کر دیا جائے یا (اور) کوئی دردناک سزا'' (دی جائے)

یوسف علیہ السلام سے پوچھا گیا تو آپ نے صحیح واقعہ بیان فرمایا ـــــ آپ نے کہا: ''اسی نے میرے نفس پر ڈورے ڈالے ہیں'' ـــــ اب معاملہ نہایت پیچیدہ ہو گیا۔ دونوں ایک دوسرے پر الزام لگا رہے ہیں اور موقع کا گواہ کوئی نہیں۔ بالآخر عورت کے عزیزوں میں سے ایک معاملہ فہم آدمی نے ایسا فیصلہ کیا کہ اس سے مجرم عورت ثابت ہوئی اور سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام بالکل بے گناہ چھوٹ گئے۔ اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں ـــــ اور عورت کے کنبہ والوں میں سے ایک

فیصلہ دینے والے نے فیصلہ دیا کہ اگر اس کا کرتہ آگے سے پھٹا ہوا ہے تو وہ سچ کہتی ہے اور وہ جھوٹوں میں سے ہے۔ اور اگر اس کا کرتہ پیچھے سے پھٹا ہوا ہے تو وہ جھوٹ کہتی ہے اور وہ سچوں میں سے ہے ـــــ یعنی دیکھو اگر یوسف علیہ السلام کا کرتہ سامنے سے پھٹا ہے تو یہ اس بات کی صریح علامت ہے کہ اقدام یوسف علیہ السلام کی جانب سے تھا اور عورت اپنے آپ کو بچانے کے لئے کش مکش کر رہی تھی اور اگر کرتہ پیچھے سے پھٹا ہوا ہے تو اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ عورت ان کے پیچھے پڑی تھی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ رہے تھے ـــــ پس جب شوہر نے ان کا کرتہ پیچھے سے پھٹا ہوا دیکھا تو اس نے کہا: ''بلاشبہ یہ تمہاری چالوں میں سے (ایک چال) ہے، واقعۃً تمہارے مکر غضب کے ہوتے ہیں! ـــــ یعنی شوہر نے عورت کی سرزنش کی اور کہا کہ یہ تیرا فریب ہے، اور تم عورتوں کی چالوں سے خدا کی پناہ! بڑی غضب کی ہوتی ہیں تمہاری چالیں۔

اس کے بعد شوہر نے معاملہ کو دبانے کے لئے یوسف علیہ السلام سے کہا ـــــ اے یوسف! اس بات کو جانے دیجئے! ـــــ آگے نہ بڑھایئے، کسی سے ذکر نہ کیجئے کہ سخت رسوائی اور بدنامی کا موجب ہے ـــــ اور (عورت سے کہا) تو اپنے قصور کی معافی مانگ، بلاشبہ تو ہی خطا کاروں میں سے ہے ـــــ اور اس طرح عورت سے معافی منگوا کر معاملہ رفع دفع کر دیا۔

اس وقت کی مصری معاشرت میں شوہر اتنا ہی کر سکتا تھا بلکہ یہ تو شوہر نے بہت کچھ کر لیا۔ ان کی معاشرتی اور ازدواجی زندگی بس ویسی ہی تھی جیسی آج یورپ کی یا یورپ زدہ سوسائٹیوں کی ہے جہاں عورتیں اپنے کاموں میں اور اپنے تصرفات میں بالکل آزاد ہوتی ہیں، مردوں کے دباؤ میں رہنا پسند نہیں کرتیں بلکہ ازدواجی زندگی میں انہی کا پلّہ بھاری رہتا ہے اور اس معاشرہ میں عصمت کا معاملہ عملاً غیر اہم ہوتا ہے۔ لوگ سب کچھ جانتے ہیں مگر اسے ناگزیر حالت سمجھ کر برداشت کر لیتے ہیں۔ چنانچہ جب معاملہ کھل گیا تو شوہر کی زبان پر بے اختیار آ گیا کہ: یہ تم عورتوں کے مکر ہیں۔ تم لوگوں کے فریب بڑے ہی غضب کے ہوتے ہیں، اس سے اس وقت کی عورتوں کی عام اخلاقی حالت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

یاد رکھنا چاہئے کہ ﴿ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴾ عزیز مصر کا قول ہے جو قرآن پاک نے نقل کیا ہے، خود قرآن پاک کا فیصلہ نہیں اور عزیز کی رائے بھی اپنے وقت کی اور اپنے شہر کی عورتوں کے بارے میں ہے، دنیا جہان کی تمام عورتوں کے بارے میں نہیں

وَ قَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ؕ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۳۰ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَ اَعْتَدَتْ لَهُنَّ

مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّ قَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ﴿۳۱﴾ قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ؕ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ؕ وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَاۤ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْۤ اِلَيْهِ ۚ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۳﴾ فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۴﴾ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۳۵﴾

وَقَالَ	اور کہنے لگیں	قَدْ	بالتحقیق	سَمِعَتْ	سنی اس نے
نِسْوَةٌ (۱)	بیگمات	شَغَفَهَا (۳)	اس کے دل کو گھائل	بِمَكْرِهِنَّ	ان کی مکارانہ باتیں
فِي الْمَدِيْنَةِ (۲)	شہر میں		کیا ہے	اَرْسَلَتْ	(تو) بھیج دیا اس نے
امْرَاَتُ	بیگم	حُبًّا (۴)	(اس کی) محبت (نے)		(بلانے والے کو)
الْعَزِيْزِ	عزیز (کی)	اِنَّا	بیشک ہم	اِلَيْهِنَّ	ان کی طرف
تُرَاوِدُ	پھسلاتی ہے	لَنَرٰىهَا	دیکھتے ہیں اس کو	وَاَعْتَدَتْ	اور تیار کئے اس نے
فَتٰىهَا	اپنے جوان غلام (کو)	فِيْ ضَلٰلٍ	غلطی میں	لَهُنَّ	ان کے لئے
عَنْ نَّفْسِهٖ	اس کے نفس سے (شاد	مُّبِيْنٍ	صریح	مُتَّكَاً (۵)	گاؤ تکیے
	کام ہونے کے لئے)	فَلَمَّا	پس جب	وَّاٰتَتْ	اور دیدی اس نے

(۱) **تأنيثه غير حقيقي، ولذا لم يلحق فعله تاء التأنيث (روح البيان)** نِسْوَةٌ مؤنث غیر حقیقی اس لئے ہے کہ یہ اسم جمع ہے اس کا کوئی مفرد نہیں ہے تفصیل کے لئے دیکھئے شرح شذور الذہب ص ۱۳۹ (۲) جار مجرور قَالَ سے متعلق ہیں (۳) شَغَفَهُ (ف) شَغْفًا: دل کے پردے کو زخمی کرنا (۴) حُبًّا تمیز مُحَوَّل عن الفاعل ہے (۵) مُتَّكَأً (اسم مکان) سہارا لگانے کی جگہ، وہ چیز جس پر ٹیک لگائی جائے، گاؤ تکیہ ـــــ مسند اور گاؤ تکیہ لگانے سے مراد میز لگانا، ضیافت کا سامان کرنا اور کھانا کھانے کے لئے بٹھانا ہے۔

كُلَّ وَاحِدَةٍ	ہر ایک (کو)	مَا هٰذَا	نہیں ہے یہ شخص	مَآ اٰمُرُهٗ	جو حکم دوں گی میں اس کو
مِّنْهُنَّ	ان میں سے	بَشَرًا	آدمی	لَيُسْجَنَنَّ(٦)	(تو) ضرور ہی قید کیا
سِكِّيْنًا	چھری	اِنْ هٰذَآ	نہیں (ہے) یہ شخص		جائے گا وہ
وَّ قَالَتِ	اور کہا اس نے	اِلَّا مَلَكٌ	مگر فرشتہ	وَلَيَكُوْنًا(٧)	اور ضرور ہی ہو جائیگا وہ
اخْرُجْ	نکل آ	كَرِيْمٌ	بزرگ	مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ	ذلیلوں میں سے
عَلَيْهِنَّ	ان کے سامنے	قَالَتْ	کہنے لگی وہ	قَالَ	کہا آپ نے
فَلَمَّا	پس جب	فَذٰلِكُنَّ(٣)	تو یہی (ہے)	رَبِّ	میرے پروردگار!
رَاَيْنَهٗٓ	دیکھا ان عورتوں نے	الَّذِيْ	(وہ) جو کہ	السِّجْنُ	قید خانہ
	اس کو	لُمْتُنَّنِيْ(٤)	برا بھلا کہتی تھیں تم مجھ کو	اَحَبُّ	زیادہ پسند (ہے) مجھے
اَكْبَرْنَهٗ(١)	(تو) بڑا سمجھا ان	فِيْهِ	اس کے بارے میں	اِلَيَّ مِمَّا	بہ نسبت اس چیز کے
	عورتوں نے اس کو	وَلَقَدْ	اور قسم بخدا! تحقیق	يَدْعُوْنَنِيْٓ	(کہ) بلا رہی ہیں وہ
وَقَطَّعْنَ(٢)	اور خون خون کر لئے	رَاوَدْتُّهٗ	پھسلایا میں نے اس کو		عورتیں مجھے
	انھوں نے	عَنْ نَّفْسِهٖ	اس کے نفس سے (شاد	اِلَيْهِ	اس کی طرف
اَيْدِيَهُنَّ	اپنے ہاتھ		کام ہونے کے لئے)	وَاِلَّا(٨)	اور اگر نہ
وَقُلْنَ	اور کہنے لگیں	فَاسْتَعْصَمَ(٥)	پس وہ باز رہا	تَصْرِفْ	پھیریں گے آپ
حَاشَ	پاکی ہے	وَلَئِنْ	اور واللہ اگر	عَنِّيْ	مجھ سے
لِلّٰهِ	اللہ کے لئے	لَّمْ يَفْعَلْ	نہ کرے گا وہ	كَيْدَهُنَّ	ان کی چالیں

(۱) اَكْبَرَ الامرَ: بڑا سمجھنا (۲) قَطَّعَ الشيئَ: ٹکڑے ٹکڑے کرنا (۳) ذٰلِكُنَّ میں ذَا اسم اشارہ ہے اور كُنَّ ضمیر مؤنث خطاب کے لئے ہے۔ مخاطب کے حالات کے اعتبار سے تذکیر، تانیث، تثنیہ اور جمع میں یہ ضمیر بدلتی رہتی ہے ذٰلِکَ (واحد مذکر کے لئے) تِلْکَ (واحد مؤنث کے لئے) ذٰلِکُمَا (تثنیہ کے لئے) ذٰلِکُمْ (جمع مذکر کے لئے) ذٰلِکُنَّ (جمع مؤنث کے لئے) (۴) لُمْتُنَّ بروزن قُلْتُنَّ ماضی معروف صیغہ جمع مؤنث حاضر نِیْ مفعول ہے لامَ (ن) لَوْمًا: ملامت کرنا (۵) اِسْتَعْصَمَ بِهٖ: مضبوط پکڑنا، پناہ لینا اور باز رہنا (۶) لَیُسْجَنَنَّ فعل مضارع مجہول، لام تاکید با نون تاکید ثقیلہ، صیغہ واحد مذکر غائب سَجَنَهٗ (ن) سَجْنًا قید کرنا (۷) لَیَکُوْنًا فعل مضارع معروف، لام تاکید با نون تاکید خفیفہ، صیغہ واحد مذکر غائب —— یہاں نون خفیفہ قرآنی رسم الخط میں بشکل الف لکھا گیا ہے (۸) اِلَّا مرکب ہے اِنْ شرطیہ اور لا نافیہ سے۔

اَصْبُ[1]	(تو) مائل ہو جاؤں گا میں	عَنْهُ	ان سے	لَهُمْ	ان کے لئے
اِلَيْهِنَّ	ان کی طرف	كَيْدَهُنَّ	ان (عورتوں) کی چالیں	مِّنْۢ بَعْدِ	بعد
وَاَكُنْ	اور ہو جاؤں گا میں	اِنَّهٗ	بلاشبہ وہ	مَا رَاَوُا	دیکھنے
مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ	نادانوں میں سے	هُوَ	ہی	الْاٰيٰتِ	نشانیوں (کے)
فَاسْتَجَابَ	سو دعا قبول فرمائی	السَّمِيْعُ	سب کچھ سننے والے	لَيَسْجُنُنَّهٗ[2]	(کہ) ضرور قید کر دیں
لَهٗ	ان کی	الْعَلِيْمُ	سب کچھ جاننے والے		وہ ان کو
رَبُّهٗ	ان کے پروردگار نے		(ہیں)	حَتّٰى حِيْنٍ[3]	ایک مدت تک
فَصَرَفَ	چنانچہ پھیر دی (اللہ نے)	ثُمَّ بَدَا	پھر ظاہر ہوا	۞	۞

شاہی بیگمات کا طعنہ اور عزیز کی بیوی کا جواب

عزیزِ مصر نے اگرچہ رسوائی سے بچنے کے لئے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہہ دیا تھا کہ جو ہوا سو ہوا، اب اس کا چرچا نہ کریں، اس میں میری بدنامی ہے اور اپنی قصوروار بیوی سے معافی منگوا کر بات کو دبا دیا تھا۔ مگر بات کسی طرح پوشیدہ نہ رہ سکی، شدہ شدہ سرکاری بیگمات تک پہنچ گئی ـــــ اور شہر میں بیگمات چرچا کرنے لگیں کہ: ''عزیز کی بیگم اپنے جوان غلام کو، اس کے نفس سے (شادکام ہونے کے لئے) پٹی پڑھاتی ہے، محبت نے اس کا دل گھائل کر رکھا ہے، ہمارے نزدیک تو وہ صریح غلطی میں ہے!'' ـــــ یعنی ان عورتوں میں یہ چرچے ہونے لگے کہ افسوس! وزیر[4] کی بیوی، اتنے بڑے مرتبے پر ہوتے ہوئے اپنے نوجوان غلام پر فریفتہ ہو گئی! کیسا کمینہ پن ہے کہ اپنے ہی غلام پر ریجھ گئی اور اس کے لئے بے تاب ہے اور ہر طرح اسے پھسلاتی ورغلاتی ہے، ہمارے خیال میں یہ کھلی نادانی ہے۔ ایسے معزز عہدے دار کی بیگم کے لئے یہ بڑی شرمناک بات ہے کہ وہ ایک غلام پر گرنے لگے ـــــ پس جب اس نے ان کی مکارانہ باتیں سنیں تو ان کو بلاوا بھیج دیا۔

(۱) اَصْبُ فعل مضارع صیغہ واحد متکلم ہے، اصل میں اَصْبُوْ تھا، جواب شرط ہونے کی وجہ سے حرف علت کے حذف کی شکل میں جزم آیا ہے۔ صَبَا (ن) صَبْوَةً الیہ: مائل ہونا مشتاق ہونا (۲) لَیَسْجُنُنَّهٗ فعل مضارع معروف، لام تاکید بانون تاکید ثقیلہ، صیغہ جمع مذکر غائب اور ہٗ ضمیر مفعول ہے (۳) حَتّٰی حرف جر ہے (۴) قرآن پاک میں اَلْعَزِیْزُ آیا ہے جس کے معنی ہیں شریف، قوی، معزز اور ایسا بااختیار حاکم جو کبھی مغلوب نہ ہو، جسے کوئی عاجز نہ کر سکے اور جس کی مانند کوئی نہ ہو۔ اور اصطلاح میں حکومتِ مصر کے ایک معزز عہدے کا نام تھا ـــــ یہ کیا عہدہ تھا؟ عام طور مفسرین کرام اس کو ''وزیر خزانہ'' کا ہم معنی سمجھتے ہیں۔ شاید انھوں نے یہ بات آیت پچپن کے ظاہر سے سمجھی ہے واللہ اعلم۔

یعنی عمائدین شہر کی عورتوں میں جو یہ چرچے چل رہے تھے وہ محض اظہارِ تأسف نہیں تھے بلکہ ان کی مکارانہ باتیں تھیں۔وہ بناوٹ اور ریا کاری سے طعن تشنیع کر رہی تھیں، بظاہر ان کی باتوں سے پارسائی ٹپکتی تھی مگر حقیقت میں وہ رال ٹپکا رہی تھیں، کیونکہ یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال کا شہرہ جو بھی سنتی تھی وہ مشتاق دید ہو جاتی تھی،شوق اس کے دل میں چٹکیاں لینے لگتا تھا۔شہر بھر کے امیر گھرانوں کی بیگمات یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال پر ریجھ رہی تھیں۔جو بھی سنتی کہ ایک عبرانی غلام ایسا طرح دار[1] ہے کہ عزیز کی بیوی اس پر جان دینے لگی ہے مگر وہ قابو میں نہیں آتا،تو بے اختیار اس سے ملنے کی مشتاق بن جاتی تھیں—— وزیر کی بیگم نے جب یہ مکارانہ باتیں سنیں تو ان عورتوں کو بلاوا بھیجا —— اور اس نے ان کے لئے گاؤ تکیے آراستہ کئے—— یعنی ان کے لئے میز لگائی،کھانے پینے کی ایک شان دار محفل جمائی—— اور اس نے ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک چھری دی—— تاکہ کاٹنے کی چیزیں کھانے کے لئے چھری سے کاٹیں—— اور اس نے حکم دیا:''ان کے سامنے نکل آ''—— یعنی جب سب عورتیں دستر خوان پر بیٹھ گئیں اور سب نے کھانا کھانے کے لئے چھریاں ہاتھ میں لے لیں،تب عزیز کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو حکم دیا کہ ان کے سامنے نکل آ!غلام بے چارہ مرتا کیا نہ کرتا، مالکہ کے حکم سے ان کے سامنے نکل آیا—— پس جب ان عورتوں نے ان کو دیکھا تو دنگ رہ گئیں—— تمام عورتیں جمال یوسفی کی ایک جھلک دیکھ کر ہوش و حواس کھو بیٹھیں—— اور اپنے ہاتھ خون خون کر لئے—— عشق نہاں طشت از بام ہو گیا—— اور کہنے لگیں:''سبحان اللہ! یہ انسان نہیں، یہ تو کوئی معزز فرشتہ ہے!''—— یعنی یہ نور کا پتلا کوئی بزرگ فرشتہ ہی ہو سکتا ہے اسے انسان کس نے کہا!؟—— عزیز کی بیگم بولی:''تو یہی ہے وہ جس کے معاملہ میں تم مجھے ملامت کرتی ہو!—— یعنی اب اس نے سینہ تان کر کہا:

این است کہ خوں خوردہ ودل بُردہ بسے را ❁ بسم اللہ اگر تاب نظر ہست کسے را

(یہی ہے جو کتنوں کا خون پی گیا اور دل لے گیا ❁ بسم اللہ! اگر کسی میں نظارے کی سکت ہے)

مجمع کا یہ رنگ دیکھ کر عزیز کی بیوی کھل پڑی اور بھرے مجمع میں اس نے کہا—— اور واللہ! میں نے اس کے نفس سے شادکام ہونے کے لئے اس پر ڈورے ڈالے مگر وہ باز رہا—— کسی طرح قابو میں نہ آیا، میں نے اس کا دل لینا چاہا مگر بندۂ خدا نے اسے ایسا مضبوط تھامے رکھا کہ کسی طرح نہ دیا—— اور قسم بخدا! اگر وہ میرا کہنا نہیں مانے گا تو ضرور ہی قید کیا جائے گا اور یقیناً ذلیلوں میں سے ہوگا—— یعنی یہ جتلائے دیتی ہوں کہ اگر اس نے میرا کہنا نہ مانا اور مجھے شادکام نہ کیا تو یہ ہو کر رہے گا کہ وہ قید کر دیا جائے اور بے عزتی میں پڑے—— یہ اس نے اپنی آمرانہ شان کا مظاہرہ کیا، وہ عاشق ہوئی تو کیا

(۱) طرح دار: وضعدار، خوش انداز۔

ہوا؟ آخر مالکہ بھی تو تھی؟ وزیر کی بیگم بھی تو تھی؟ مجمع میں اس کی کچھ تو شان ظاہر ہونی چاہئے؟

اس واقعہ کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت مصر کے اونچے طبقہ کی اخلاقی حالت ایسی ہی ہو رہی تھی جیسی آج یورپ اور امریکہ کی سوسائٹیوں کی اور مغرب زدہ معاشرے کی عورتوں کی آزادی کے نام پر ہوگئی ہے۔ وزیر کی بیوی بڑے عہدہ داروں کے گھر کی بیگمات کے سامنے اپنے محبوب نوجوان کو پیش کرتی ہے اور اس کی خوبصورت جوانی دکھا کر انھیں قائل کرتی ہے کہ ایسے جوان رَعْنَا[1] پر میں مرنہ مٹتی تو آخر اور کیا کرتی؟ پھر یہ عالی مرتبہ خواتین اپنے عمل سے اس بات کی تصدیق کرتی ہیں کہ واقعی ان میں سے ہر ایک ایسے حالات میں وہی کچھ کرتی جو وزیر کی بیگم نے کیا، پھر شریف خواتین کی اس بھری مجلس میں معزز میزبان کو اپنے اس عزم کا اظہار کرتے ہوئے کوئی شرم محسوس نہیں ہوئی کہ اگر اس کا خوب صورت غلام اس کی خواہش نفس کا کھلونا بننے پر راضی نہ ہوگا تو وہ اسے جیل بھجوادے گی۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے یہ وقت بڑا نازک تھا۔ گھر کی مالکہ تو ان کے پیچھے پڑی ہوئی تھی ہی، جس سے ان کا شب و روز کا سابقہ تھا، اب شہر بھر کے امیر گھرانوں کی عورتیں ان پر فریفتہ ہوگئی تھیں، اب ایک طرف آپ ہیں اور دوسری طرف سیکڑوں خوب صورت جال ہیں، جو ہر وقت، ہر جگہ آپ کو پھانسنے کے لئے پھیلے ہوئے ہیں۔ آپ اس کٹھن منزل میں پروردگار کے حضور میں دست بدعا ہوتے ہیں — آپؑ نے دعاء فرمائی: ''اے میرے پروردگار! قید خانہ ہی مجھ کو زیادہ پسند ہے بہ نسبت اس کام کے جس کی طرف یہ عورتیں مجھے بلا رہی ہیں۔ اور اگر آپ ان کے داؤ پیچ مجھ سے نہ پھیریں گے تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا، اور نادانوں میں شامل ہو جاؤں گا! — آپ حالات کی سنگینی کا خیال کر کے کانپ اٹھتے ہیں اور نہایت عاجزی کے ساتھ پروردگار سے مدد کی التجا کرتے ہیں، آپ عرض کرتے ہیں: ''میرے مولا! میں ایک کمزور انسان ہوں، میرا اتنا بل کہاں کہ ان بے پناہ مکاریوں کا مقابلہ کر سکوں، آپ مجھے سہارا دیجئے اور مجھے ان پُر فریب جالوں سے بچائیے، میں ڈرتا ہوں کہ کہیں میرے قدم پھسل نہ جائیں، خدایا میں اس برے عمل کے مقابلہ میں قید خانہ کو ترجیح دیتا ہوں، مجھے قید و بند منظور ہے مگر مولا! آپ کی نافرمانی منظور نہیں'' — پس ان کے پروردگار نے ان کی دعا قبول فرمالی، چنانچہ ان عورتوں کی چالیں ان سے پھیر دیں، یقیناً وہی سب کچھ سننے والے، سب کچھ جاننے والے ہیں۔

اللہ پاک نے یوسف علیہ السلام کی سیرت کو ایسی مضبوطی بخشی کہ تمام عورتوں کی تدبیریں ناکام ہو کر رہ گئیں پھر ان فتنہ گروں سے بچانے کے لئے اللہ پاک نے آپ کے لئے جیل خانہ کا دروازہ کھلوادیا۔ اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں — پھر ان لوگوں کو یہ مصلحت معلوم ہوئی، نشانیاں دیکھنے کے بعد، کہ انھیں ایک عرصہ تک قید کر دیں — یعنی جب بڑے

(۱) رَعْنَا: طرح دار، رنگیلا، وضع دار۔

گھرانوں کی اکثر و بیشتر خواتین حضرت یوسف علیہ السلام پر فریفتہ ہوگئیں تو مصر کے امراء و حکام کو آپ کے حسن خداداد سے اپنے گھر بگڑتے نظر آئے۔ اب مصر کے حکام نے اپنی خیریت اسی میں دیکھی کہ آپ کو ایک عرصہ تک قید کر دیں تاکہ فتنہ فرو ہو اور چرچے بند ہوں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو کسی جرم کی بناء پر جیل نہیں بھیجا گیا، بلکہ اس لئے بھیجا گیا کہ مصر کے امراء اپنی عورتوں کو قابو میں رکھنے کے بجائے اس بے گناہ کو جیل خانہ بھیجنا آسان سمجھتے تھے

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ؕ قَالَ اَحَدُهُمَاۤ اِنِّيْۤ اَرٰىنِيْۤ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَ قَالَ الْاٰخَرُ اِنِّيْۤ اَرٰىنِيْۤ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ؕ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۳۶ قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖۤ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ؕ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ ؕ اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝۳۷ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَاۤ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝۳۸ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ؕ ۝۳۹ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۴۰ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّاۤ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ؕ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ؕ ۝۴۱ وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ ۫ فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ۝۴۲

وَدَخَلَ	اور داخل ہوئے	مَعَهُ	ان کے ساتھ	السِّجْنَ	قید خانہ (میں)

فَتَيٰنِ(۱)	دو غلام	نَبِّئْنَا	بتائیے آپ ہم دونوں کو	عَلَّمَنِيْ	(جو) سکھلائی ہے مجھے
قَالَ	کہا	بِتَاْوِيْلِهٖ(۴)	اس کی تعبیر	رَبِّيْ	میرے پروردگار نے
اَحَدُهُمَآ	ان میں سے ایک (نے)	اِنَّا	بے شک ہم	اِنِّيْ	بے شک میں نے
اِنِّيْٓ	یقیناً میں	نَرٰىكَ	دیکھتے ہیں آپ کو	تَرَكْتُ	چھوڑ دیا ہے
اَرٰىنِيْٓ(۲)	اپنے آپ کو (خواب	مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ	نیکو کاروں میں سے	مِلَّةَ	دین
	میں) دیکھتا ہوں	قَالَ	فرمایا	قَوْمٍ	(ان) لوگوں (کا)
اَعْصِرُ	(کہ) کشید کر رہا ہوں	لَا	نہیں	لَّا يُؤْمِنُوْنَ	(جو) نہیں ایمان رکھتے
خَمْرًا	شراب	يَاْتِيْكُمَا	آئیگا تم دونوں کے پاس	بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ پر
وَقَالَ الْاٰخَرُ	اور کہا دوسرے (نے)	طَعَامٌ	(وہ) کھانا	وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ	اور وہ آخرت کے (بھی)
اِنِّيْٓ	یقیناً میں	تُرْزَقٰنِهٖٓ(۵)	(جو) تم دونوں کو روزی	هُمْ كٰفِرُوْنَ	وہ منکر (ہیں)
اَرٰىنِيْٓ	اپنے آپ کو (خواب		کے طور پر دیا جاتا ہے	وَاتَّبَعْتُ	اور پیروی کی ہے میں نے
	میں) دیکھتا ہوں	اِلَّا	مگر	مِلَّةَ اٰبَآءِيْٓ	اپنے بزرگوں کے
اَحْمِلُ	اٹھائے ہوئے ہوں	نَبَّاْتُكُمَا	بتادوں گا میں تم دونوں کو		دین (کی)
فَوْقَ رَاْسِيْ	اپنے سر پر	بِتَاْوِيْلِهٖ	اس کی تعبیر	اِبْرٰهِيْمَ(۸)	(یعنی) ابراہیم
خُبْزًا(۳)	روٹیاں	قَبْلَ اَنْ(۶)	اس سے پہلے کہ وہ تم	وَاِسْحٰقَ	اور اسحاق
تَاْكُلُ	کھا رہے ہیں	يَّاْتِيَكُمَا	دونوں کے پاس آئے	وَيَعْقُوْبَ	اور یعقوب (کے دین
الطَّيْرُ(۳)	پرندے	ذٰلِكُمَا(۷)	یہ (تعبیر)		کی)
مِنْهُ	اس میں سے	مِمَّا	اس میں سے (ہے)	مَا كَانَ(۹)	نہیں (زیبا) ہے

(۱) فَتَيَانِ تثنیہ ہے فَتیٰ کا جس کے لفظی معنی ہیں ''نوجوان'' اور اصطلاح میں ''غلام'' کو کہتے ہیں (۲) اَرىٰ مضارع واحد متکلم ہے اور نِی مفعول ہے (۳) اَلْخُبْزُ اور اَلطَّيْرُ اسم جنس ہیں — اور جملہ تَاْكُلُ صفت ہے خُبْزًا کی (۴) بِتَاْوِيْلِهٖ میں باصلہ کی ہے نَبَّاَ بِهٖ: بتلانا، خبر دینا (۵) تُرْزَقَانِ فعل مضارع مجہول، صیغہ تثنیہ مذکر حاضر ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب طَعَامٌ کی طرف راجع ہے اور جملہ طَعَامٌ کی صفت ہے (۶) قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا مفعول فیہ ہے نَبَّاْتُكُمَا کا — اور قَبْلَ مابعد کی طرف مضاف ہے اور اَنْ مصدریہ ہے (۷) ذٰلِكُمَا کے لئے آیت بتیس کا حاشیہ دیکھیں۔ (۸) ابراهيم الخ عطف بیان ہے آبَاءِ یْ کا (۹) النفی هنا للشأن الذی هو أبلغ وآكد من نفی الشی مباشرة .

لَنَآ	ہمارے لئے	الْقَهَّارُ	سب پر غالب؟	وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ	مگر اکثر
اَنْ نُّشْرِكَ	کہ شریک ٹھیرائیں ہم	مَا تَعْبُدُوْنَ	نہیں پوجتے تم	النَّاسِ	لوگ
بِاللّٰهِ	اللہ پاک کے ساتھ	مِنْ دُوْنِهٖٓ	ان سے نیچے	لَا يَعْلَمُوْنَ	نہیں جانتے ہیں
مِنْ شَيْءٍ	کسی چیز (کو)	اِلَّآ اَسْمَآءً	مگر ناموں (کو)	يٰصَاحِبَيِ	اے دوساتھیو
ذٰلِكَ مِنْ	یہ فضل سے (ہے)	سَمَّيْتُمُوْهَآ	رکھ لئے ہیں تم نے وہ نام	السِّجْنِ	قیدخانہ (کے)
فَضْلِ		اَنْتُمْ	تم نے	اَمَّآ (۲)	رہا
اللّٰهِ	اللہ پاک (کے)	وَاٰبَآؤُكُمْ	اور تمہارے بزرگوں	اَحَدُكُمَا	تم میں سے ایک
عَلَيْنَا	ہم پر		(نے)	فَيَسْقِيْ	تو پلائے گا وہ
وَعَلَى النَّاسِ	اور تمام انسانوں پر	مَّآ اَنْزَلَ	نہیں اتاری (ہے)	رَبَّهٗ (۳)	اپنے آقا (کو)
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ	لیکن اکثر	اللّٰهُ	اللہ پاک (نے)	خَمْرًا	شراب
النَّاسِ	لوگ	بِهَا	ان کے بارے میں	وَاَمَّا الْاٰخَرُ	اور رہا دوسرا
لَا يَشْكُرُوْنَ	نہیں شکر کرتے	مِنْ سُلْطٰنٍ	کوئی دلیل (سند)	فَيُصْلَبُ	تو سولی دیا جائے گا وہ
يٰصَاحِبَيِ (۱)	اے دوساتھیو	اِنِ الْحُكْمُ	نہیں (ہے) حکم	فَتَاْكُلُ	پس کھائیں گے
السِّجْنِ	جیل (کے)	اِلَّا لِلّٰهِ	مگر اللہ پاک کے لئے	الطَّيْرُ	پرندے
ءَاَرْبَابٌ	کیا معبود	اَمَرَ	حکم دیا ہے انھوں نے	مِنْ رَّاْسِهٖ	اس کے سر میں سے
مُّتَفَرِّقُوْنَ	جدا جدا	اَلَّا تَعْبُدُوْٓا	کہ نہ عبادت کرو تم	قُضِيَ (۴)	فیصل کردیا گیا
خَيْرٌ	بہتر (ہیں)	اِلَّآ اِيَّاهُ	مگر ان کی	الْاَمْرُ	معاملہ
اَمِ اللّٰهُ	یا اللہ پاک	ذٰلِكَ الدِّيْنُ	یہ دین (ہے)	الَّذِيْ (۵)	(وہ) جو
الْوَاحِدُ	ایک	الْقَيِّمُ	سیدھا	فِيْهِ	اس کے بارے میں

(۱) صَاحِبَيِ کے آخر سے نون تثنیہ اضافت کی وجہ سے حذف ہوگیا ہے (۲) اَمَّا حرف شرط ہے جس کے جواب میں فاء کا آنا ضروری ہے۔ اکثر حالات میں تفصیل کے لئے آتا ہے اور کبھی تاکید کے لئے (۳) رَبّ بمعنی ''آقا'' ہے۔ گذشتہ ملتوں میں اس لفظ کا استعمال جائز تھا، ہماری شریعت میں شرک کا چور دروازہ بند کرنے کے لئے یہ اطلاق ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ لایقل العبد ربی ولکن لیقل سیدی (کوئی غلام اپنے آقا کو رَبِّیْ نہ کہے بلکہ سَيِّدِیْ کہے) مشکوٰۃ ص ۴۰۷ (۴) قُضِيَ فعل ماضی مجہول ہے (۵) الذی الخ صفت ہے اَلْاَمْرُ کی۔

تَسۡتَفۡتِيٰنِ	تم دونوں مجھ سے پوچھ رہے ہو	نَاجٍ	رہا ہونے والا (ہے)	ذِكۡرَ	ذکر کرنا		
		مِّنۡهُمَا	ان دونوں میں سے	رَبِّهٖ	اپنے آقا (سے)		
وَقَالَ	اور کہا	اذۡكُرۡنِىۡ	ذکر کر میرا	فَلَبِثَ	سو ٹھیرے رہے وہ		
لِلَّذِىۡ	اس شخص سے	عِنۡدَ رَبِّكَ	اپنے آقا کے سامنے	فِى السِّجۡنِ	زندان میں		
ظَنَّ	سمجھتے تھے وہ	فَاَنۡسٰهُ [1]	پس بھلا دیا اس کو	بِضۡعَ [2]	کئی		
اَنَّهٗ	کہ وہ	الشَّيۡطٰنُ	شیطان (نے)	سِنِيۡنَ	سال		

دو قیدیوں کے خواب کی تعبیر اور یوسف علیہ السلام کا زنداں میں کئی سال ٹھہرنا

حضرت یوسف علیہ السلام کی بے گناہی واضح ہونے کے بعد بھی ان کو قید خانہ بھیج دیا گیا اور ایک بے خطا کو خطا کار اور معصوم کو مجرم بنادیا گیا، تاکہ حکام مصر کی اور امراء شہر کی بیگمات شوہروں کے قابو سے باہر نہ ہوجائیں۔ انھوں نے مناسب سمجھا کہ ایک مدت تک یوسف علیہ السلام کو اپنی عورتوں کی نظروں سے دور رکھیں تاکہ ان کی آتش عشق سرد پڑجائے، چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام پا بجولاں جیل پہنچے —— اور آپ کے ساتھ قید خانہ میں دو غلام (اور) داخل ہوئے —— ان میں سے ایک شاہی ساقی تھا اور دوسرا شاہی باورچی خانہ کا سپر وائزر۔ دونوں بادشاہ کو قتل کرنے کی سازش میں ماخوذ تھے۔ دونوں پر بادشاہ کے کھانے پانی میں زہر ملانے کا الزام تھا۔ تحقیقات مکمل ہونے تک دونوں کو جیل بھیج دیا گیا۔ ایک روز دونوں حضرت یوسف علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور —— ان میں سے ایک نے کہا: میں بالیقین خواب میں اپنے آپ کو دیکھتا ہوں کہ شراب کشید کررہا ہوں، اور دوسرے نے کہا: میں بالیقین خواب میں اپنے آپ کو دیکھتا ہوں کہ سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں، جس میں سے پرندے کھا رہے ہیں —— اپنا اپنا خواب بیان کرکے دونوں نے درخواست کی کہ —— آپ ہمیں اس کی تعبیر بتائیں، ہم آپ کو واقعۃً ایک نیک آدمی سمجھتے ہیں —— قیدیوں کا حضرت یوسف علیہ السلام کی خدمت میں یہ ''نذرانۂ عقیدت'' پیش کرنا واضح کرتا ہے کہ جیل کے اندر اور باہر سب لوگ جانتے تھے کہ آپ کوئی مجرم نہیں، بلکہ ایک نیک آدمی ہیں۔ تورات میں ہے کہ نہ صرف قیدی آپ کو عقیدت کی نگاہ سے دیکھتے تھے بلکہ قید خانہ کے حکام بھی آپ کے معتقد ہوگئے تھے، قید خانہ کے سپر وائزر نے سب قیدی آپ کو سونپ دیئے تھے اور وہ خود بھی جو کچھ کرتا تھا آپ کے حکم کے مطابق کرتا تھا —— قرآن پاک کا یہ ارشاد بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ قیدیوں کا اس طرح یوسف علیہ السلام کے پاس آنا، اور پھر ان کی عظمت و نیک نفسی کا اعتراف کرنا واضح کرتا ہے کہ یوسف

(۱) فَاَنۡسٰهُ کی ضمیر اَلَّذِىۡ کی طرف راجع ہے (۲) بِضۡعَ کا اطلاق تین سے نو تک ہوتا ہے۔

علیہ السلام کی نیکی کی قید خانہ میں شہرت تھی۔

الغرض خواب بیان کرنے والے دونوں قیدیوں سے —— آپ نے فرمایا: ''جو کھانا تمہیں بطور روزی دیا جاتا ہے وہ تمہارے پاس آنے نہیں پائے گا کہ میں تم کو اس کی تعبیر بتادوں گا'' —— بلکہ —— ''اس کے تمہارے پاس پہنچنے سے پہلے ہی'' —— بتلادوں گا۔ معلوم ہوا کہ کھانا تقسیم ہونے کا وقت قریب تھا۔ بس آیا ہی چاہتا تھا۔ حضرت فرمارہے ہیں کہ اس کے آنے سے پہلے ہی تعبیر بتادوں گا مگر پہلے یہ سن لو کہ اس علم کا مأخذ کیا ہے، جس کی بناء پر میں تمہیں تعبیر بتاؤں گا؟ —— یہ ان علوم میں سے ہے جو میرے پروردگار نے مجھے تعلیم فرمائے ہیں —— یعنی میرے علم کا سرچشمہ الہامِ ربانی ہے، میں کوئی پیشہ ور کاہن یا نجومی نہیں، اور اللہ پاک نے مجھے یہ دولت اس لئے بخشی ہے کہ —— میں قطعاً ان لوگوں کا دین چھوڑے ہوئے ہوں جو اللہ پاک پر یقین نہیں رکھتے، اور وہ آخرت کے بھی منکر ہیں —— یعنی میں مصریوں کے دین کی پیروی نہیں کرتا، میں نے ہمیشہ سے کافروں اور آخرت فراموشوں کے دین کو چھوڑے رکھا ہے —— اور میں نے اپنے بزرگوں کے دین کی پیروی کی ہے یعنی ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کے دین کی۔ ہمارے لئے یہ زیبا نہیں ہے کہ ہم اللہ پاک کے ساتھ کسی چیز کو شریک کریں، یہ اللہ کا فضل ہے، ہم پر اور تمام لوگوں پر لیکن اکثر لوگ احسان نہیں مانتے۔

یہاں غور کرنے کی سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے تبلیغ کا کتنا بہترین موقع نکالا ہے، ہمیں اس سے حکمتِ تبلیغ کا ایک اہم سبق ملتا ہے۔ دو شخص اپنے اپنے خواب کی تعبیر لینے آئے ہیں اور اپنی عقیدت مندی کا اظہار کررہے ہیں، آپ فرماتے ہیں کہ تعبیر تو میں تمہیں ضرور بتاؤں گا اور جلد ہی بتاؤں گا مگر پہلے یہ سن لو کہ اس علم کا ماخذ کیا ہے، جس کی بنا پر تمہیں تعبیر دوں گا، اس طرح ان کی بات میں سے اپنی بات کہنے کا موقع نکال لیا، آپ ان کے سامنے دین کی بات پیش کرنا شروع فرمادیتے ہیں —— اس سے یہ بھی سبق ملتا ہے کہ اگر کسی شخص میں تبلیغ کی تڑپ ہو، دین کا درد ہو اور وہ سمجھدار بھی ہو تو کیسی خوبصورتی کے ساتھ وہ گفتگو کا رخ اپنی دعوت کی طرف پھیر سکتا ہے۔

دوسرا سبق یہ ملتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام موقع پاتے ہی اپنا کام شروع فرمادیتے ہیں کیونکہ جس میں تبلیغ کی تڑپ ہوتی ہے وہ موقع کی تاک میں رہتا ہے اور جوں ہی اسے موقع ملتا ہے اپنا کام شروع کردیتا ہے اور جس میں دعوت کا درد نہیں ہوتا اس کے سامنے مواقع آتے رہتے ہیں اور وہ کبھی محسوس نہیں کرتا کہ یہ موقع ہے دین کی بات کہنے کا!

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی بات اس نقطہ سے شروع فرمائی ہے جہاں سے اہل حق کا راستہ اہل باطل کے راستے سے جدا ہوتا ہے یعنی توحید اور آخرت کا یقین۔ آپ نے فرمایا کہ اہل مصر جس روش پر ہیں میں اس سے کنارہ کش

ہوں۔ میں اپنے بزرگوں کی ملت کا پیرو ہوں ـــــ اس سے واضح ہوتا ہے کہ ابھی حضرت یوسف علیہ السلام کو نبوت نہیں ملی، کیونکہ اس وقت غالباً حضرت کی عمر شریف بیس اکیس سال سے زیادہ نہیں ہوگی۔ یہودی روایات میں ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام مصر کے فرماں روا ہوئے، اس وقت آپ کی عمر تیس سال تھی اور ابھی آیت بیالیس میں آرہا ہے کہ آپ قید خانے میں ﴿ بِضْعَ سِنِيْنَ ﴾ (کئی سال) رہے ہیں بِضْعٌ کا اطلاق عربی میں تین سے نو تک ہوتا ہے اس حساب سے آپ کی عمر پچیس سال کے اندر ہی رہی ہوگی اور یہ عمر نبوت ملنے کی نہیں، نبوت عام طور پر چالیس سال کی عمر میں ملتی ہے اس لئے آپ فرمارہے ہیں کہ میں اپنے بزرگوں کے دین کا متبع ہوں ـــــ آپ کے بزرگوں کا دین کیا تھا؟ توحید! فرماتے ہیں کہ ہم بندوں کے لئے کسی طرح زیبا نہیں کہ اللہ پاک کے ساتھ کسی چیز کو شریک کریں۔ اور یہ اللہ پاک کا کتنا بڑا فضل ہے کہ انھوں نے ہمیں اپنے سوا کسی کا بندہ نہیں بنایا مگر اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے اور خود گھڑ کر اپنے لئے رب بناتے ہیں اور ان کی بندگی کرتے ہیں ـــــ اے جیل کے دو ساتھیو! کیا جدا جدا معبود بہتر ہیں یا سب پر غالب ایک اللہ؟ ـــــ رفیقو! بتاؤ، تم نوکر پیشہ ہو، کیا ایک آقا کا غلام ہونا بہتر ہے یا بہت سے آقاؤں کا؟ اور کیا بے بس بندوں کی بندگی بہتر ہے یا سب پر غالب ایک آقا کی؟ ـــــ تم لوگ اللہ پاک سے وَرے ناموں کو پوجتے ہو، جو تم نے اور تمہارے بڑوں نے رکھ لئے ہیں، اللہ پاک نے ان کی کوئی سند نہیں اتاری ـــــ یعنی یہ معبود جن میں سے تم کسی کو اَن داتا، کسی کو مالکِ ہوا، کسی کو ربِّ دولت، کسی کو مختارِ صحت و مرض کہتے ہو یہ سب خالی ''نام'' ہیں، ان ناموں کے پیچھے کوئی حقیقت نہیں اور یہ نام تم نے اور تمہارے گمراہ اسلاف نے رکھ لئے ہیں اور ان ناموں میں تھوڑے تھوڑے عرصہ کے بعد اضافہ ہوتا رہتا ہے، نئے نئے دیوتا جنم لیتے ہیں اور پرانے خداؤں کو لوگ بھول جاتے ہیں۔ ان میں سے کسی کے لئے خداوندی نہیں، نہ ان میں سے کسی کی معبودیت کی کوئی سند اللہ پاک نے اتاری ہے اور جن مذہبی کتابوں میں ایک سے زائد خداؤں کا ذکر ہے وہ کتابیں یا تو اللہ پاک کی نازل فرمودہ نہیں، یا وہ محفوظ نہیں، اللہ پاک کی نازل فرمودہ محفوظ کتاب قرآن پاک میں جو حکم ہے وہی ناطق حکم ہے ـــــ حکم صرف اللہ پاک کا ہے، انھوں نے حکم دیا ہے کہ تم صرف انہی کی عبادت کرو یہی سیدھا دین ہے مگر اکثر لوگ جانتے نہیں! ـــــ سیدھی بات کو سمجھتے نہیں۔

اے جیل کے دو رفیقو! رہا تم میں سے ایک (جس نے شراب کشید کرنے کا خواب دیکھا ہے) تو وہ اپنے آقا کو شراب پلائے گا اور رہا دوسرا تو وہ سولی دیا جائے گا پس کھائیں گے اس کے سر میں سے پرندے ـــــ تعبیر سن کر دونوں شخصوں کا عجیب حال ہوا ہوگا۔ جسے رہائی کی خبر دی گئی تھی اسے تعبیر پر یقین ہی نہیں آرہا ہوگا وہ سوچتا ہوگا کہ اتنے سنگین جرم میں ماخوذ ہونے کے بعد رہائی! کیا اس کا کوئی امکان ہے؟ اور اگر رہا ہو بھی گیا تو پہلی پوسٹ پر بحالی تو ایک سہانے

خواب سے زیادہ نہیں، اتنے خطرناک الزام کے بعد بھلا بادشاہ مجھ پر کیسے اعتماد کرے گا؟!— اور جسے سولی کی خبر دی گئی تھی وہ اگر واقع میں مجرم تھا تو اس نے منت سماجت شروع کر دی ہو گی کہ حضرت میری رہائی کے لئے دعا فرما دیجئے، کوئی راہ بتا دیجئے۔ اور اگر وہ واقع میں مجرم نہیں تھا تو اس نے اپنی صفائی شروع کر دی ہو گی کہ میں نے تو کوئی جرم نہیں کیا، میں سولی پانے کا کسی طرح مستحق نہیں ہوں۔ غرض تعبیر پر دونوں کو یقین نہیں آ رہا ہو گا اس لئے حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا— چکا دیا گیا وہ معاملہ جس کے بارے میں تم دونوں مجھ سے پوچھ رہے ہو— یعنی قضاء وقدر کا فیصلہ یہی ہے جو کسی کے ٹالے ٹل نہیں سکتا، جو بات تم پوچھتے ہو وہ میں نے بتلا دی یہ بالکل طے شدہ امر ہے۔

اور آپ نے اس شخص سے کہا جس کو ان دونوں میں سے رہا ہونے والا خیال کیا کہ: ''اپنے آقا سے میرا ذکر کرنا''— آپ کو یہ تو یقین تھا کہ جس نے شراب کشید کرنے کا خواب دیکھا ہے وہ ضرور رہا ہو گا مگر جو شخص کہہ رہا ہے کہ میں نے یہ خواب دیکھا ہے اس کا یقین نہیں، کیونکہ امکان ہے غلط بیانی کر رہا ہو، اس لئے اللہ پاک نے فرمایا کہ: ''جسے رہا ہونے والا خیال کیا'' یعنی ان دونوں میں سے جو شخص کہہ رہا تھا کہ میں نے شراب کشید کرنے کا خواب دیکھا ہے اس سے آپ نے فرمایا کہ: ''اپنے آقا سے میرا ذکر کرنا''— کیا ذکر کرنا؟ یہی کہ جیل میں ایک آدمی ہے اس نے ہمارے خوابوں کی یہ تعبیر دی ہے اور وہ حرف بحرف پوری ہوئی، کیوں ذکر کرنا؟ تا کہ ممکن ہے بادشاہ کو اس آدمی سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہو اور اس طرح بادشاہ کے روبرو دعوت حق پیش کرنے کا یوسف علیہ السلام کو موقع مل جائے مگر برا ہو شیطان کا، وہ دین کے معاملہ میں رخنہ اندازی نہ کرے ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ اس ملعون نے رہا ہونے والے کے حافظہ سے یہ بات نکال دی۔ اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں— پھر شیطان نے اس کو بھلا دیا اپنے آقا سے ذکر کرنا۔ پس وہ زندان میں کئی برس رہے— اور بادشاہ سے بات کرنے کا کوئی موقع میسر نہ آیا۔

انبیاء کرام پر شیطان براہِ راست اثر انداز نہیں ہو سکتا مگر ان کی گاڑی میں روڑا اٹکا سکتا ہے۔

وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّيْٓ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۭ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِيْ فِيْ رُءْيَايَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ ﴿۴۳﴾ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَقَالَ الَّذِيْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِيْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ﴿۴۵﴾ يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ

أَفْتِنَا فِي سَبْعِ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعِ سُنْبُلَاتٍ خُضْرٍ وَأُخَرَ يَابِسَاتٍ لَعَلِّي أَرْجِعُ إِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٤٦﴾ قَالَ تَزْرَعُونَ سَبْعَ سِنِينَ دَأَبًا فَمَا حَصَدْتُمْ فَذَرُوهُ فِي سُنْبُلِهِ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّا تَأْكُلُونَ ﴿٤٧﴾ ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَأْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّا تُحْصِنُونَ ﴿٤٨﴾ ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ عَامٌ فِيهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيهِ يَعْصِرُونَ ﴿٤٩﴾

وَقَالَ الْمَلِكُ	اور کہا بادشاہ (نے)	خُضْرٍ	ہری	تَعْبُرُوْنَ	تعبیر بیان کرتے
اِنِّیْٓ اَرٰی	بیشک میں دیکھتا ہوں	وَّاُخَرَ	اور دوسری (سات)	قَالُوْٓا	کہا انھوں نے
سَبْعَ	سات	يٰبِسٰتٍ	سوکھی	اَضْغَاثُ(۶)	پولے (ہیں)
بَقَرٰتٍ(۱)	گائیں	يٰٓاَيُّهَا	اے	اَحْلَامٍ(۷)	پریشان خیالات کے
سِمَانٍ(۲)	فربہ	الْمَلَاُ(۵)	سرداران قوم	وَمَا	اور نہیں (ہیں)
يَّاْكُلُهُنَّ(۳)	کھا رہی ہیں ان کو	اَفْتُوْنِيْ	تم مجھے جواب دو	نَحْنُ	ہم
سَبْعٌ	سات (گائیں)	فِيْ رُءْيَايَ	میرے خواب کے	بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ	خوابوں کی تعبیر
عِجَافٌ(۴)	دبلی		بارے میں		
وَّسَبْعَ	اور سات	اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم	بِعٰلِمِيْنَ	جاننے والے
سُنْۢبُلٰتٍ	بالیں	لِلرُّءْيَا	خواب کی	وَقَالَ	اور کہا

(۱) بَقَرَۃٌ کی جمع ہے: گائے، بیل (۲) سَامِنٌ اور سَمِیْنٌ کی جمع ہے اور صفت ہے سَمِنَ (س) سِمَنًا: موٹا ہونا (۳) جملہ یَاْکُلُھُنَّ صفت اور حال دونوں ہوسکتا ہے بَقَرٰتٍ سے (۴) عَجِفَ (س) عُجُفَ (ک) عَجَفًا: کمزور ہونا، دبلا ہونا، چربی کا ختم ہوجانا، مذکر کی صفت عَجِفٌ اور اَعْجَفُ اور مؤنث کی عَجِفٌ اور عَجْفَاءُ آتی ہے اور دونوں کی جمع عِجَافٌ ہے — یہ سِمَان کی ضد ہے اور اس وجہ سے اسکے وزن پر جمع آئی ہے ورنہ قاعدے سے عُجُفٌ جمع آنی چاہئے جیسے حَمْرَاءُ کی جمع حُمْرٌ آتی ہے (۵) اَلْمَلَاُ کیلئے دیکھئے سورۂ یونس آیت ۷۵ کا حاشیہ (۶) ضِغْثٌ کی جمع ہے سینکوں کا مٹھا، ایسی گٹھڑی جس میں مختلف قسم کی گھاس پھونس جمع ہو (۷) حُلْمٌ کی جمع: خواب، یادرہے حِلْمٌ کی بھی یہی جمع آتی ہے اور اس وقت معنی ہوتے ہیں ''عقل''، کیونکہ بردباری عقل ہی سے ناشی ہے۔

الَّذِیْ	اس نے جو	عِجَافٌ	نہایت لاغر	فِیْ سُنْۢبُلِهٖٓ	ان کی بالوں میں
نَجَا	رہا ہوا تھا	وَّسَبْعِ	اور سات	اِلَّا قَلِیْلًا	مگر تھوڑا سا
مِنْهُمَا	ان دونوں میں سے	سُنْۢبُلٰتٍ	بالیں	مِّمَّا	اس میں سے جو
وَادَّكَرَ(۱)	اور یاد کیا	خُضْرٍ	ہری	تَاْكُلُوْنَ	کھاؤ تم
بَعْدَ	بعد	وَّاُخَرَ	اور دوسری (سات)	ثُمَّ يَاْتِيْ	پھر آئیں گے
اُمَّةٍ(۲)	مدت (کے)	يٰبِسٰتٍ	سوکھی	مِنْۢ بَعْدِ	پیچھے
اَنَا	میں	لَّعَلِّيْٓ	تاکہ میں	ذٰلِكَ	اس کے
اُنَبِّئُكُمْ	بتلاؤں گا تمہیں	اَرْجِعُ	واپس جاؤں	سَبْعٌ	سال (سال)
بِتَاْوِيْلِهٖ(۳)	اس کی تعبیر	اِلَى النَّاسِ	لوگوں کے پاس	شِدَادٌ(۸)	سخت
فَاَرْسِلُوْنِ(۴)	پس بھیج دیں مجھے	لَعَلَّهُمْ(۶)	تاکہ وہ	يَّاْكُلْنَ	کھا جائیں گے وہ
يُوْسُفُ	اے یوسف!	يَعْلَمُوْنَ	جانیں	مَا قَدَّمْتُمْ	جو پہلے رکھا ہے تم نے
اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ(۵)	اے سچائی کے پتلے	قَالَ	فرمایا	لَهُنَّ	ان کے لئے
اَفْتِنَا	آپ ہمیں جواب دیں	تَزْرَعُوْنَ	کاشت کروگے تم	اِلَّا قَلِيْلًا	مگر تھوڑا سا
فِيْ سَبْعِ	بیچ سات	سَبْعَ سِنِيْنَ	سات سال	مِّمَّا	اس میں سے جو
بَقَرٰتٍ	گئو	دَاَبًا(۷)	لگاتار	تُحْصِنُوْنَ	بچا رکھو تم
سِمَانٍ	فربہ (کے)	فَمَا	سو جو	ثُمَّ يَاْتِيْ	پھر آئے گا
يَّاْكُلُهُنَّ	کھا رہی ہیں ان کو	حَصَدْتُّمْ	فصلیں کاٹو تم	مِنْۢ بَعْدِ	بعد
سَبْعٌ	سات (گئو)	فَذَرُوْهُ	تو چھوڑ دو ان کو	ذٰلِكَ	اس کے

(۱) اِدَّکَرَ اصل میں اِذْتَكَرَ تھا، ادغام ہوا ہے اور اِذْتَكَرَ ایک لغت ہے اِذْتَکَرَ میں جو ذکر سے بنا ہے (۲) جب اُمَّةٌ کے معنی "مدت" کے ہوتے ہیں تو مضاف محذوف ہوتا ہے اور اُمَّةٌ مضاف کے قائم مقام ہوتا ہے ای زمن أمة او وقت أمة (۳) باصلہ کی ہے نَبَّأَبه: بتلانا (۴) فَاَرْسِلُوْنِ کے آخر سے یا متکلم محذوف ہے جسکی علامت نون کا کسرہ ہے (۵) الصدیق مبالغہ کا وزن ہے۔ صدق مجسم، سراپا سچا، نہایت سچا۔ (۶) دوسرا لَعَلَّ پہلے لَعَلَّ کی تکرار ہے کیونکہ تکرار کے بغیر عبارت صحیح نہیں ہوسکتی (۷) دَاَبَ (ف) دَاْبًا فی العمل: لگاتار جانفشانی سے کرنا — اسی سے ثانوی معنی "عادت" کے پیدا ہوئے ہیں (۸) شدید کی جمع ہے۔

عَامٌ	ایک سال	يُغَاثُ	بارش برسائے جائیں گے	وَفِيْهِ	اوراس میں
فِيْهِ	جس میں	النَّاسُ	لوگ	يَعْصِرُوْنَ	نچوڑیں گے

بادشاہ کا خواب اور یوسف علیہ السلام کی تعبیر

حضرت یوسف علیہ السلام کئی سال جیل میں رہے۔ پھر اللہ پاک نے ان کی رہائی کی ایک عجیب صورت ظاہر فرمائی۔ سچ ہے اللہ پاک جب کوئی بات چاہتے ہیں تو بالکل توقع کے خلاف اس کے اسباب کرتے ہیں۔ مصر کا بادشاہ ایک خواب دیکھتا ہے اور بہت ہی عجیب خواب دیکھتا ہے، وہ اپنا خواب ارکان دولت سے بیان کرتا ہے مگر ان میں سے کوئی اسے بوجھ نہیں سکتا۔ ارشاد فرماتے ہیں —— اور بادشاہ نے کہا: ''میں بالیقین سات فربہ گائیں دیکھ رہا ہوں، جن کو سات نہایت لاغر گائیں کھا رہی ہیں، اور سات ہری بالیں اور دوسری سوکھی —— یعنی سات موٹی تازی گئو ہیں اور سات دبلی، اور دبلی گئو موٹی گئو کو گھاس کی طرح کھا رہی ہیں اور سات سرسبز وشاداب گیہوں کی بالیں ہیں اور سات خشک —— اے قوم کے سردارو! مجھے اس خواب کی تعبیر دو اگر تم خواب بوجھتے ہو —— یعنی اگر تم تعبیر خواب کے فن میں کچھ مہارت رکھتے ہو تو میرے اس خواب کی تعبیر بتاؤ —— ان لوگوں نے کہا: پریشان خیالات کے پولے ہیں اور ہم خوابوں کی تعبیر جانتے (بھی) نہیں —— یعنی پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ خواب پریشان خیالات کے پولے ہیں، اس میں مختلف قسم کی ملی جلی باتیں ہیں اس لئے اس کا سمجھنا دشوار ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہم سیاستداں ہیں تعبیر خواب کے ماہر نہیں۔

مگر بادشاہ اس عجیب وغریب خواب کی وجہ سے حیران تھا، وہ سوچتا تھا کہ الٰہی میرے اس پراگندہ خواب کی تعبیر کیا ہے؟ —— اس اثناء میں بادشاہ کے ساقی کو یوسف علیہ السلام کی یاد آئی اور بڑی دیر سے یاد آئی —— اور ان دو (قیدیوں) میں سے جو رہا ہوا تھا اس نے کہا —— اور مدت کے بعد یاد آئی —— میں آپ کو اس کی تعبیر بتاؤں گا، سو آپ مجھے بھیج دیں —— یعنی مجھے قید خانہ میں جانے کی اجازت دیں، میں ابھی اس کی تعبیر لاتا ہوں —— بادشاہ کی اجازت سے وہ قید خانہ میں گیا اور حضرت یوسف علیہ السلام سے ملا۔ اس نے کہا —— اے یوسف! اے سچائی کے پتلے! آپ ہمیں اس کا جواب دیں کہ سات فربہ گائیں ہیں ان کو سات نہایت لاغر گائیں کھا رہی ہیں اور سات ہری بالیں ہیں اور دوسری (سات) سوکھی —— آپ مجھے اس کی تعبیر دیں —— تا کہ میں لوگوں کے پاس واپس جاؤں اور وہ لوگ جانیں —— یعنی میں خواب کی تعبیر جاننے کے لئے بیتاب نہیں ہوں بلکہ میرے پیچھے والے ہیں، آپ مجھے بتائیں تا کہ میں واپس جا کر انھیں بتاؤں اور وہ اپنے خواب کا مطلب جان لیں۔

ساقی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو ''صدیق'' کہہ کر خطاب کیا ہے، صدیقیت سچائی اور استبازی کے انتہائی

مرتبے کا نام ہے۔ساقی کے اس خطاب سے اندازہ ہوتا ہے کہ جیل کے زمانۂ قیام میں اس شخص نے حضرت یوسف علیہ السلام کی سیرت سے گہرا اثر لیا ہے، اور یہ اثر ایک مدت گزر جانے کے بعد بھی راسخ ہے، تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا یہی حال ہوتا ہے ان کے صدق و دیانت کا نقش عام وخاص ہر ایک کے دل پر بیٹھ جاتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی سیرتِ طیبہ کا یہ کمال ہے کہ آپ نے نہ تو ساقی کو ملامت کی نہ برسوں تک بھولے رہنے پر جھڑکا، نہ تعبیر بتلانے میں بخل کیا نہ یہ سوچا کہ جن ظالموں نے مجھ بے قصور کو جیل میں ڈالا ہے، اچھا ہے وہ قحط سے تباہ ہوجائیں ان کی یہی سزا ہے — نہیں ایسا کچھ بھی نہیں سوچا بلکہ اسی وقت خواب کی تعبیر بتائی آپ نے — فرمایا: ”تم سات سال لگاتار کاشت کروگے، سو تم جو فصلیں کاٹو ان کو ان کی بالیوں میں چھوڑ دو، بس تھوڑا سا غلہ نکالو جو تمہارے کھانے میں آوے۔ پھر اس کے بعد سات سخت سال آئیں گے، جو وہ غلہ کھاجائیں گے جو تم نے ان کے لئے پہلے سے رکھ چھوڑا ہے مگر تھوڑا سا جو تم بچا رکھو گے۔ پھر اس کے بعد ایک سال آئے گا جس میں لوگ باران رحمت دیئے جائیں گے اور اس میں وہ رس نچوڑیں گے — خواب کی تعبیر میں آپؑ نے تین چیزیں بتلائیں، قرآن پاک کے اندازِ بیان پر قربان جایئے کہ اس نے یہ تینوں چیزیں الگ الگ بیان کرنے کے بجائے سب کو ایک ساتھ بیان کردیا۔

پہلی بات یہ بتلائی کہ سات موٹی گایوں سے مراد زراعت کے سات سال ہیں، آئندہ سات برس تک بہت اچھی فصلیں ہوں گی، یہ گویا سات موٹی گئو ہوئیں پھر سات برس متواتر قحط رہے گا۔ یہ سات دبلی گئو ہیں اور یہ قحط کے سات سال پچھلا اندوختہ ختم کردیں گے یہ دبلی گئو کا موٹی گئو کو کھانا ہوا۔

دوسری بات یہ بتلائی کہ شروع کے سات سالوں میں جو پیداوار ہو اسے حفاظت سے رکھا جائے اور کفایت شعاری سے کام لیا جائے۔ کھانے کیلئے جس قدر غلہ کی ضرورت ہو اتنا ہی خوشوں (بالوں) سے الگ کیا جائے اور بہت احتیاط سے تھوڑا تھوڑا کھایا جائے۔ باقی غلہ بالوں ہی میں رہنے دیا جائے تاکہ گھن کیڑا نہ لگے۔ پھر جب قحط کے سال شروع ہوں تو اندوختہ سے کام لیا جائے مگر اندوختہ بالکل ختم نہ کردیا جائے بلکہ بیج کے بقدر بچالیا جائے یہ سات ہری اور سات سوکھی بالیں ہوئیں یعنی ہری بالوں کو خشک کرکے رکھ لیا جائے۔

اور تیسری بات یہ بتائی کہ قحط صرف سات سال رہے گا، اس کے بعد جو سال آئے گا اس میں خوب بارش ہوگی اور پھلوں، میووں کی بہتات ہوگی۔ لوگ پھلوں کا رس اور دانوں کا تیل بہتات سے نکالیں گے۔ یہ سات سات کے عدد کا فائدہ ہوا یعنی قحط صرف سات سال رہے گا اس کے بعد خوش حالی کا دور دورہ ہوگا۔

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ

النِّسۡوَةِ الّٰتِىۡ قَطَّعۡنَ اَيۡدِيَهُنَّ‌ؕ اِنَّ رَبِّىۡ بِكَيۡدِهِنَّ عَلِيۡمٌ ۝۵۰ قَالَ مَا خَطۡبُكُنَّ اِذۡ رَاوَدْتُّنَّ يُوۡسُفَ عَنۡ نَّفۡسِهٖ‌ؕ قُلۡنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمۡنَا عَلَيۡهِ مِنۡ سُوۡٓءٍ‌ؕ قَالَتِ امۡرَاَتُ الۡعَزِيۡزِ الۡـئٰنَ حَصۡحَصَ الۡحَـقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنۡ نَّفۡسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ۝۵۱ ذٰلِكَ لِيَـعۡلَمَ اَنِّىۡ لَمۡ اَخُنۡهُ بِالۡغَيۡبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِىۡ كَيۡدَ الۡخَـآئِنِيۡنَ ۝۵۲

وَقَالَ	اور کہا	اَيۡدِيَهُنَّ	اپنے ہاتھ	عَلَيۡهِ	ان میں
الۡمَلِكُ	بادشاہ (نے)	اِنَّ رَبِّىۡ	بالیقین میرے پروردگار	مِنۡ سُوۡٓءٍ	کوئی برائی
ائۡتُوۡنِىۡ	لاؤتم میرے پاس	بِكَيۡدِهِنَّ	ان کے فریب سے	قَالَتِ	کہا
بِهٖ (۱)	اس کو	عَلِيۡمٌ	خواب واقف ہیں	امۡرَاَتُ الۡعَزِيۡزِ	عزیز کی بیگم نے
فَلَمَّا	پس جب	قَالَ	کہا (بادشاہ نے)	الۡـئٰنَ	اب
جَآءَهُ	آیاان کے پاس	مَا	کیا	حَصۡحَصَ (۴)	کھل گئی
الرَّسُوۡلُ	پیامبر	خَطۡبُكُنَّ (۳)	معاملہ تھاتمہارا	الۡحَـقُّ	سچی بات
قَالَ	(تو) کہا	اِذۡ رَاوَدْتُّنَّ	جب ڈورے ڈالےتم نے	اَنَا رَاوَدْتُّهٗ	ڈورے ڈالے تھے
ارۡجِعۡ	لوٹ جا	يُوۡسُفَ	یوسف (پر)		میں نے ہی اس پر
اِلٰى رَبِّكَ	اپنی سرکار کی طرف	عَنۡ نَّفۡسِهٖ	اس کے نفس سے	عَنۡ نَّفۡسِهٖ	اس کے نفس سے
فَسۡـئَلۡهُ	پس پوچھ ان سے		(فریب کرنے کیلئے)		(فریب کرنے کیلئے)
مَا بَالُ (۲)	کیاحال (ہے)	قُلۡنَ	کہاان عورتوں نے	وَاِنَّهٗ	اور بلاشبہ وہ
النِّسۡوَةِ	(ان) عورتوں (کا)	حَاشَ لِلّٰهِ	اللہ پاک کے لئے پاکی	لَمِنَ الصّٰدِقِيۡنَ	سچوں میں سے ہے
الّٰتِىۡ	جنھوں نے		(ہے)	ذٰلِكَ	یہ (تحقیق حال اس
قَطَّعۡنَ	کاٹ لئے تھے	مَا عَلِمۡنَا	نہیں جانی ہم نے		لئے ہے)

(۱) با صلہ کی ہے أتٰی بِہٖ: لانا (۲) بَالٌ: وہ حال جس کی پرواہ کی جائے، کبھی جس حالت پر دل جمنے لگے اس کو بھی بال کہتے ہیں اور اسی سے مجازاً اس کے معنی دل، جی کے آتے ہیں (۳) خَطْبٌ: وہ اہم معاملہ جس کے متعلق لوگوں میں کثرت سے بات چیت ہو، کُنّ ضمیر مونث حاضر مضاف الیہ ہے (۴) حَصْحَصَ (رباعی مجرد) حَصْحَصَةً: ظاہر ہونا۔

لِيَعْلَمَ	کہ جان لے وہ (عزیز)	بِالْغَيْبِ	اس کی عدم موجودگی میں	لَا يَهْدِي	نہیں راہ دیتے
اَنِّيْ	(کہ) بیشک میں نے	وَاَنَّ	اور بے شک	كَيْدَ	خیانت کرنے والوں
لَمْ اَخُنْهُ	نہیں خیانت کی اس سے	اللّٰهَ	اللہ پاک	الْخَآئِنِيْنَ	کے فریب کو

بادشاہ کی طلبی اور یوسف علیہ السلام کا تحقیقات کا مطالبہ

ساقی نے واپس آ کر بادشاہ کو حضرت یوسف علیہ السلام کا جواب سنایا۔ تعبیر اس قدر چسپاں تھی کہ بادشاہ نے سنتے ہی اس کی تصدیق کی اور ان کی ملاقات کا مشتاق ہوا، چنانچہ ـــ بادشاہ نے حکم دیا: ''ان کو میرے پاس لاؤ'' ـــ یعنی فوراً ان کو قید خانے سے نکالو اور میرے پاس لاؤ ـــ پس جب ان کے پاس قاصد آیا تو انھوں نے کہا: ''تم اپنی سرکار کے پاس واپس جاؤ، اور ان سے پوچھو کہ ان عورتوں کا کیا معاملہ ہے جنھوں نے اپنے ہاتھ لہولہان کر لئے تھے؟ میرے پروردگار ان کے فریب سے خوب واقف ہیں'' ـــ یعنی جہاں تک میرے پروردگار کا معاملہ ہے ان کو تو پہلے ہی سے میری بے گناہی خوب معلوم ہے مگر تمہاری سرکار کو بھی میری رہائی سے پہلے اس معاملہ کی پوری تحقیق کر لینی چاہئے، جس کی بنا پر مجھے جیل میں ڈالا گیا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے تحقیقات کرانے کا مطالبہ جن الفاظ میں پیش کیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بادشاہ اس پورے واقعہ سے جو وزیر کی بیگم کی دعوت کے موقع پر پیش آیا تھا بخوبی واقف ہے، مطالبہ میں حضرت یوسف علیہ السلام نے صرف ہاتھ کاٹنے والی عورتوں کا ذکر کیا، وزیر کی بیگم کا تذکرہ دو وجہ سے چھوڑ دیا:

پہلی وجہ: یہ ہے کہ جب عزیز پر اپنی بیگم کا قصور واضح ہوا تھا تو اس نے یوسف علیہ السلام سے کہا تھا: ''یوسف! جو ہوا سو ہوا، اب اس کا چرچا نہ کرنا کہ اس میں میری بدنامی ہے'' بعد میں اگرچہ عزیز اپنی بات پر قائم نہ رہا اور حضرت کو قید میں ڈالدیا مگر حضرت کے اخلاق ایسے نہ تھے کہ وہ یہ بات بھول جاتے۔

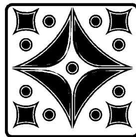
دوسری وجہ: یہ تھی کہ وزیر کی بیوی نے آپ کے ساتھ خواہ کتنی ہی برائی کی ہو، مگر تھی وہ پھر مالکہ، اس کا شوہر آپ کا محسن تھا، اس نے آپ کو غلام کی حیثیت سے خریدا تھا مگر عزیزوں کی طرح عزت و آرام سے پالا تھا، آپ اس کا یہ احسان کبھی نہیں بھول سکتے تھے۔ اس لئے آپ کی طبیعت نے گوارا نہ کیا کہ اس موقع پر اس کی بیوی کا ذکر کر کے اس کی رسوائی کریں، اس وجہ سے صرف ہاتھ کاٹنے والی عورتوں کا ذکر کیا، مگر مراد اس سے بھی تحقیقات کرنا تھا۔ چنانچہ بادشاہ نے دوسری عورتوں کے ساتھ اس سے بھی تحقیق کی ـــ بادشاہ نے دریافت کیا: ''تمہارا کیا معاملہ تھا جب تم نے یوسف کے نفس سے فریب کرنے کے لئے ان پر ڈورے ڈالے تھے؟ ـــ بادشاہ نے دریافت کرنے کا یہ عنوان یا تو اس لئے اختیار کیا تھا کہ

ان کو جھوٹ بولنے کی ہمت نہ ہوئی یوسف علیہ السلام کی پامردی دیکھ کر آپ کی پاکی اور عورتوں کی مکاری کا یقین آ گیا تھا۔
چنانچہ بادشاہ نے ان سے کہا کہ صحیح صحیح اور صاف صاف بتاؤ کہ اس معاملہ کی اصل حقیقت کیا ہے؟ — انھوں نے جواب دیا: اللہ پاک ہیں! ہم نے ان میں کوئی برائی نہیں دیکھی — سب عورتوں کی شہادت کے بعد — عزیز کی بیگم نے کہا: ''اب حق واضح ہوگیا — چھپائے چھپ نہ سکا، سچ یہی ہے کہ — میں نے ہی ان کے نفس سے فریب کرنے کے لئے ان پر ڈورے ڈالے تھے، اور وہ بلاشبہ سچوں میں سے ہیں'' — (کہنے لگی یوسف کا کوئی گناہ نہیں، میں ہی ان کے عشق میں گرفتار ہوگئی تھی)

پھر جب یوسف علیہ السلام کو جیل خانہ میں تحقیقات کے نتیجہ سے مطلع کیا گیا تو آپ نے فرمایا — یہ (اہتمام) اس وجہ سے تھا کہ وہ (عزیز) جان لے کہ میں نے اس کی عدم موجودگی میں کوئی خیانت نہیں کی، اور اللہ پاک خیانت کرنے والوں کی چال کو راہ نہیں دیتے — بہت جلد اس کی قلعی کھول دیتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے اس طرز عمل سے یہ سبق ملتا ہے کہ قوم کے مقتدا کو اس بات کی فکر رہنی چاہئے کہ اس کی طرف سے لوگوں میں کوئی بدگمانی پیدا نہ ہو، اگرچہ وہ بدگمانی سراسر غلط ہو، کیونکہ یہ چیز اس کی دینی راہنمائی میں خلل انداز ہوگی — اور اگر خدانخواستہ کوئی الزام سر پر آ پڑے تو وقت آنے پر اس کی مکمل صفائی کر لینی چاہئے جس طرح یوسف علیہ السلام نے جیل سے رہائی سے پہلے اس بات کی سعی کی کہ لوگوں کا شبہ دور ہو جائے۔

حضور پاک ﷺ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی پامردی کی یہ فرما کر داد دی ہے کہ ''اگر میں اتنی مدت قید میں رہتا، جتنا یوسف علیہ السلام رہے تو بلانے والے کے ساتھ فوراً ہو لیتا'' (متفق علیہ)



وَمَآ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ ۚ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوۡٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ ؕ اِنَّ رَبِّیۡ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۵۳﴾

وَمَآ	اور نہیں	لَاَمَّارَۃٌ (۳)	بہت اکسانے والا (ہے)	رَبِّیۡ	میرے پروردگار
اُبَرِّئُ (۱)	پاک کرتا میں	بِالسُّوۡٓءِ	برائی پر	اِنَّ رَبِّیۡ	بیشک میرے پروردگار
نَفۡسِیۡ	اپنے نفس کو	اِلَّا (۴)	مگر	غَفُوۡرٌ	بڑی مغفرت فرمانے والے
اِنَّ	بلاشبہ	مَا	جو	رَّحِیۡمٌ	نہایت مہربانی فرمانے
النَّفۡسَ (۲)	نفس	رَحِمَ	مہربانی فرمائیں		والے (ہیں)

نفس تو لات مارتا ہے

حضرت یوسف علیہ السلام نے قید سے رہائی سے پہلے، معاملہ کی تحقیق اور الزام کی صفائی اس لئے ضروری سمجھی تھی کہ عزیز کو یقین آ جائے کہ آپ نے اس کی چیز میں کوئی خیانت نہیں کی، الزام سراسر جھوٹا تھا — چونکہ اس بات سے ایک طرح کی پاکی ٹپکتی ہے، جو شان نبوت کے بھی خلاف ہے اور جو اللہ پاک کو بھی ناپسند ہے (۵)۔ اس لئے حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی براءت کے اظہار کے ساتھ اس حقیقت کا بھی اظہار کیا کہ تحقیقات کا یہ مطالبہ کچھ اپنی براءت کے لئے نہیں ہے بلکہ مقصد صرف بدگمانی ہٹانا ہے، جس کے لئے ناگزیر ضرورت کے طور پر اپنی پاکی کا اظہار کیا گیا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں — اور میں اپنے نفس کی پاکی کا دعویٰ نہیں کرتا، نفس تو بلاشبہ برائی پر بہت اکسانے والا ہے، مگر جب میرے پروردگار مہربانی فرمائیں، میرے پروردگار یقیناً بڑی مغفرت والے، نہایت مہربانی فرمانے والے ہیں — یعنی میں جو اپنی براءت پر اتنا زور دے رہا ہوں: اس سے کوئی آدمی یہ خیال نہ کرے کہ میں اعجاب (خود پسندی) سے اپنی نزاہت (پاکی) ثابت کرنا چاہتا ہوں اور گناہ سے پاک صاف رہنے کو اپنا کمال سمجھ رہا ہوں، ایسا ہرگز نہیں، بھلا میں اپنے نفس پر

(۱) اُبَرِّئُ فعل مضارع صیغہ واحد متکلم ہے بَرَّاَہٗ تَبۡرِئَۃً: پاک کرنا، بری کرنا (۲) اَلنَّفۡس پر الف لام جنس کا ہے (۳) اَمَّارَۃٌ مبالغہ کا صیغہ ہے اَمَرَ (ن) اَمۡرًا سے: بہت حکم دینے والا، برائی پر اُکسانے والا (۴) استثناء متصل ہے اور اعم اوقات سے استثناء ہے اور ما مصدریہ ظرفیہ زمانیہ ہے أی: ھی أمّارۃ بالسوء فی کل وقت الإفی وقت رحمۃ رَبی وعصمتہ (روح)
(۵) اللہ پاک کا ارشاد ہے ﴿ فَلَا تُزَکُّوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ ؕ هُوَ اَعۡلَمُ بِمَنِ اتَّقٰی ﴾ تم اپنے نفس کی پاکی نہ بیان کیا کرو، اللہ پاک ہی بہتر جانتے ہیں اس کو جو متقی (پرہیزگار) ہے۔

بھروسہ کیونکر کرسکتا ہوں، وہ تو اپنی فطرت سے ہر شخص کو برے کاموں کی طرف مائل کرتا رہتا ہے۔ اگر کوئی شخص نفس کے برے تقاضوں سے پاک صاف رہ سکتا ہے تو وہ اسی وقت رہ سکتا ہے جب پروردگار اس پر مہربانی فرمائیں اس کی حفاظت فرمائیں اور اس کو اس کے تقاضوں سے پاک فرمائیں۔ میرا دامن بھی جو اس معاملہ میں پاک صاف رہ سکا ہے تو وہ میرے غفور ورحیم پروردگار کی خصوصی رحمت کی وجہ ہی سے رہ سکا ہے اس میں میرے نفس کا کوئی کمال نہیں۔

عصمتِ انبیاء کی حقیقت:

انبیاء علیہم السلام گناہوں سے محفوظ (بچے ہوئے) اور معصوم (پاک) ہوتے ہیں۔ اس عصمت کی حقیقت پر یوسف علیہ السلام کے اس ارشاد سے بڑی روشنی پڑتی ہے۔ ان کے معصوم ہونے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ان سے گناہ کرنے کی طاقت چھین لی جاتی ہے، یا ان کا نفس انسانی نفوس سے کوئی چیز علاحدہ ہوتی ہے، نہیں بلکہ ان کا نفس بھی تمام انسانوں کے نفوس کی طرح ہی کا نفس ہوتا ہے۔ بس اتنا فرق ہوتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے نفوس پر اللہ پاک کی خصوصی رحمت ہوتی ہے جس کی وجہ سے ان کا نفس اپنے تقاضوں سے پاک ہوجاتا ہے اور جب نفس پاکیزہ ہوگیا تو اب گناہ کا صدور کیسے ہو؟

نفس کی تین حالتیں:

اس آیت میں انسانی نفس کو اپنی سَرشت سے ''بُرے کاموں کا بہت حکم دینے والا'' فرمایا گیا ہے، واقعی نفس ایسا ہی بُرا رفیق ہے اگر اس کا اعزاز و اکرام کیا جائے، اچھا کھانا کھلایا جائے اور دیدہ زیب کپڑا پہنایا جائے تو وہ مصیبت میں پہنچا دیتا ہے، لیکن اگر انسان ذرا ہمت سے کام لے، اللہ پاک کے ڈر اور آخرت کے خوف سے نفس کے تقاضے پورے نہ کرے تو آہستہ آہستہ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ وہی نفس امّارہ، نفسِ لوّامہ بن جاتا ہے یعنی بُرے کاموں پر ملامت کرنے والا اور ان سے توبہ کرانے والا بن جاتا ہے۔ پھر جب انسان اور ہمت سے کام لیتا ہے اور نفس کے خلاف مجاہدہ کرتا رہتا ہے تو اس پر خصوصی فضلِ خداوندی ہوتا ہے اور وہ نفسِ مُطْمَئِنَّۃ بن جاتا ہے یعنی اس کی یہ حالت ہوجاتی ہے کہ بُرے کاموں کا تقاضا ہی اس میں باقی نہیں رہتا۔

ملحوظہ: حضرت یوسف علیہ السلام کے اس ارشاد میں پرہیزگار بندوں کیلئے یہ ہدایت ہے کہ اگر انھیں کسی گناہ سے بچنے کی توفیق مل جائے تو اس پر ناز نہ کریں، دوسروں کو حقیر نہ سمجھیں بلکہ اپنے دل میں یہ بات جمائیں کہ اس میں ہمارا کوئی ذاتی کمال نہیں، یہ محض اللہ پاک کا فضل ہے کہ انھوں نے نفس امارہ کو ہم پر غالب نہیں آنے دیا۔

وَ قَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖۤ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِيْ ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ ﴿۵۴﴾ قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۵﴾

وَ قَالَ	اور کہا	كَلَّمَهٗ	بات چیت کی اس نے	اَمِيْنٌ	امانت دار (ہیں)
الْمَلِكُ	بادشاہ نے		ان سے	قَالَ	کہا اس نے
ائْتُوْنِيْ	تم میرے پاس لاؤ	قَالَ	(تو) کہا (بادشاہ نے)	اجْعَلْنِيْ	مقرر کیجئے مجھے
بِهٖ (۱)	اس کو	اِنَّكَ	یقیناً آپ	عَلٰى خَزَآئِنِ (۴)	پیداوار پر
اَسْتَخْلِصْهُ (۲)	مخصوص کرلوں میں ان کو	الْيَوْمَ	آج	الْاَرْضِ	زمین (کے)
لِنَفْسِيْ	اپنے لئے	لَدَيْنَا	ہمارے نزدیک	اِنِّيْ حَفِيْظٌ	یقیناً میں نگہبانی کرنے والا
فَلَمَّا	پھر جب	مَكِيْنٌ (۳)	صاحب قدر	عَلِيْمٌ	خوب جاننے والا (ہوں)

جن کے رتبے ہیں سوا ان کو مشکل سوا ہے!

یوسف علیہ السلام بادشاہ کے مشیر اور ملک کی پیداوار کے ذمہ دار بنے

مقدمہ کی تحقیق سے بادشاہ کے دل میں یوسف علیہ السلام کی وقعت اور بڑھ گئی، اس نے سوچا جس کی راستبازی، امانت داری اور حق شناسی کا یہ حال ہے اس سے بڑھ کر میرا مشیرِ کار اور کون ہوسکتا ہے؟ اس نے حکم دیا کہ اس کو میرے پاس لاؤ تاکہ میں اس کو مشیر خاص بنالوں۔ اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں — اور بادشاہ نے حکم دیا: "تم انھیں میرے پاس لاؤ، تاکہ میں ان کو اپنے لئے مخصوص کرلوں" — حضرت یوسف علیہ السلام دربارِ شاہی میں حاضر ہوئے — پھر جب اس نے آپ سے بات کی تو — پہلی ہی ملاقات میں اس قدر معتقد ہوگیا کہ — بول اٹھا: "آپ ہمارے نزدیک آج بلاشبہ صاحبِ قدر، امانت دار ہیں" — یعنی ہمیں آپ پر پورا بھروسہ ہے، ہماری نگاہ میں اب آپ کا بڑا رتبہ ہے۔ بتلائیے اُس آنے والی مصیبت سے، جس کی خواب میں خبر دی گئی ہے، مملکت کو کیوں کر بچایا جاسکتا ہے؟ — آپ

(۱) با صلہ کی ہے أتٰی بِہٖ: لانا (۲) اَسْتَخْلِصُ فعل مضارع کا صیغہ واحد متکلم ہے اور جواب امر ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے ہٗ ضمیر مفعول بہ ہے مصدر اِسْتِخْلَاصٌ ہے جس کے معنی پسند کرنے اور خالص کر رکھنے کے ہیں (۳) مَكِيْنٌ صفت مشبہ کا صیغہ ہے، عزت والا، مرتبہ والا، كَانَ (ن) كَوْنًا: ہونا (۴) خَزَائِنُ جمع ہے خِزَانَةٌ اور خَزِيْنَةٌ کی جس کے معنی ہیں ذخیرہ رکھنے کی جگہ، اسٹور روم، غلہ رکھنے کی جگہ۔

نے فرمایا: ''زمین کی پیداوار میری تحویل میں دیدو میں بلاشبہ نگہبانی کرنے والا، خوب جاننے والا ہوں'' — چنانچہ بادشاہ نے ایسا ہی کردیا — اللہ پاک جب کسی بندے کو اٹھاتے ہیں تو ہر چیز خود بخود اس کی طرف جھکتی چلی جاتی ہے! جب وہ دینے پر آتے ہیں تو انسان کے تصور سے بھی زیادہ دیتے ہیں۔ کہاں جیل کی تنگ وتاریک زندگی اور کہاں یہ شاہی اعزاز واکرام! سچ ہے مولا جب دیتے ہیں تو نہال کردیتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو بادشاہ نے وزارت کا منصب سپرد کیا۔ آگے آیت ۷۸ میں یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپ کو ﴿ يَاأَيُّهَا الْعَزِيزُ ﴾ کہہ کر خطاب کیا ہے مگر چونکہ آپ اپنی خداداد صلاحیت کی وجہ سے بادشاہ کے منظورِ نظر بن گئے تھے اس لئے عملاً آپ سلطنتِ مصر کے مختار بن گئے تھے، سلطنت کے تمام انتظامات آپ کے سپرد کر دیئے گئے تھے اور ملک کے تمام ذرائع آمدنی پر آپ متصرف ہوگئے تھے۔ تورات میں ہے کہ فرعون نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا: — ''دیکھ میں نے ساری زمین مصر پر تجھے حکومت بخشی، فقط ایک تخت نشینی ہی میں میں تجھ سے اوپر رہوں گا'' — پس نام کو تو بادشاہ فرعون تھا مگر عملاً فرمانروائی آپ ہی کی تھی۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ کافر حکومت کا کوئی ایسا عہدہ قبول کرنا جائز ہے جس میں کافرانہ اصول وقوانین کی پابندی لازم نہ ہو، بلکہ اسلامی اصولوں کے مطابق عمل کرنے کی پوری آزادی ہو۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے عمل سے ایک مسئلہ یہ بھی واضح ہوا کہ کوئی عہدہ اور منصب طلب کرنا بعض خاص صورتوں میں جائز ہے۔ علماء نے بیان فرمایا ہے کہ جب کسی خاص عہدہ کے متعلق معلوم ہو کہ کوئی دوسرا آدمی اس کا اچھا انتظام نہیں کرسکے گا اور اپنے بارے میں یہ اندازہ ہو کہ وہ اسے اچھی طرح انجام دے سکے گا تو ایسی حالت میں اس عہدہ کا خود طلب کرنا بھی جائز ہے اور اس کے لئے اپنے کسی کمال یا فضیلت کا تذکرہ کرنا پڑے تو وہ بھی جائز ہے تزکیۂ نفس اور پاکبازی جتلانے میں داخل نہیں۔

وَكَذَٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ يَتَبَوَّأُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ ۚ نُصِيبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَشَاءُ ۖ وَلَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٦﴾ وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿٥٧﴾

ع ۷

وَكَذَٰلِكَ	اور اس طرح	مَكَّنَّا	قدم جمائے ہم نے	لِيُوسُفَ	یوسف (کے)

فِي الْأَرْضِ	سرزمین (مصر) میں	بِرَحْمَتِنَا	اپنی رحمت سے	الْاٰخِرَةِ	آخرت (کا)
يَتَبَوَّاُ[1]	(تاکہ) رہیں سہیں وہ	مَنْ نَّشَآءُ	جسے چاہتے ہیں	خَيْرٌ	بہتر ہے
مِنْهَا	اس میں	وَلَا نُضِيْعُ	اور نہیں ضائع کرتے ہم	لِّلَّذِيْنَ	ان لوگوں کے لئے جو
حَيْثُ	جہاں	اَجْرَ	اجر	اٰمَنُوْا	ایمان لائے
يَشَآءُ	چاہیں	الْمُحْسِنِيْنَ	نیکوکاروں کا	وَكَانُوْا	اور وہ بچے رہتے تھے
نُصِيْبُ	نوازتے ہیں ہم	وَلَاَجْرُ	اور البتہ ثواب	يَتَّقُوْنَ	

آخرت کا اجر دنیا کے اجر سے بدر جہا بہتر ہے

حضرت یوسف علیہ السلام کی مصری زندگی میں دو انقلاب آئے ہیں: ایک جبکہ وہ غلام ہو کر بکے، پھر عزیز کی نظروں میں ایسے معزز ہوئے کہ اس کی ساری املاک کے مختار بن گئے۔ دوسرا: جبکہ قید خانہ سے رہا ہوئے اور نکلتے ہی حکمرانی کے اعلیٰ عہدے پر مقرر ہو گئے۔ قرآن پاک نے دونوں جگہ قدرتِ الٰہی یاد دلائی ہے۔ جب پہلے انقلاب تک سرگزشت پہنچی تھی تو اکیسویں آیت میں حکمتِ الٰہی کی کرشمہ سنجیوں پر توجہ دلائی تھی، اور اب جبکہ دوسرا انقلاب پیش آیا تو اسی طرح ارشاد فرماتے ہیں — اور اس طرح ہم نے سرزمین (مصر) میں یوسف علیہ السلام کے قدم جما دیئے تاکہ اس میں جہاں چاہیں رہیں — یعنی اب ساری سرزمین مصر یوسف علیہ السلام کی تھی، ملک کے ہر گوشہ کو وہ اپنی جگہ کہہ سکتے تھے۔ پورے ملکِ مصر پر آپ کو کامل اقتدار حاصل ہو چکا تھا — ہم جسے چاہتے ہیں اپنی رحمت سے نوازتے ہیں اور ہم نیکوکاروں کی مزدوری ضائع نہیں کرتے — یعنی نیک عملی کا بیج کبھی ضائع نہیں ہوتا، ضرور پھل لاتا ہے — مگر یہ ضروری نہیں کہ ہر نیکوکار کو اس کے نیک عمل کا پھل دنیا میں مل جائے۔ دنیا کے بارے میں قانون خداوندی یہ ہے کہ وہ اپنی حکمتِ بالغہ سے جسے مناسب سمجھتے ہیں اپنی رحمت سے نوازتے ہیں۔ پس نیکوکار حکومت واقتدار اور ثروت وعیش کو نیکی اور نیکوکاری کا اصلی اور حقیقی بدلہ نہ سمجھیں۔ بلکہ اصلی اجر، جو مؤمن کو مطلوب ہونا چاہئے، وہ وہ ہے جو اللہ پاک آخرت میں عطا فرمائیں گے پس ہر نیک عمل کرنے والا اس بات کا یقین رکھے کہ اللہ پاک کسی نیکوکار کا اجر ضائع نہیں فرماتے، اگر دنیا میں کسی حکمت سے نیک عملی کا پھل نہ ملے تو آخرت میں ضرور ملے گا — اور آخرت کا اجر یقیناً ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو ایمان لائے اور پرہیزگار بنے رہے — کیونکہ دنیا میں جو کچھ ملتا ہے وہ چند روزہ ہوتا ہے اور آخرت میں جو ملے گا وہ سدا رہے گا۔

(۱) جملہ يَتَبَوَّأُ حال ہے يُوْسُفَ سے۔ بَوَّأَ المكانَ: اترنا، نازل ہونا۔

دنیا کے بارے میں ہم سب کو یقین ہے کہ یہ اور اس کی ہر چیز فانی ہے برخلاف آخرت کے، وہ غیر فانی اور جاودانی ہے پس جس خوش نصیب کو وہاں نعمتیں عطا ہوں گی وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گی، کبھی ختم نہ ہوں گی۔ اور جن نیکو کاروں کو ان کی نیکی کا کچھ اجر اس دنیا میں ملتا ہے وہ خالص اجر نہیں ہوتا بلکہ اس میں امتحان کا پہلو بھی ہوتا ہے۔ دنیاوی لذتیں اور نعمتیں عطا فرما کر اللہ پاک اپنے نیک بندے کو جانچتے ہیں گویا نیک عملی کا جو اجر دنیا میں ملتا ہے اس کے دو رخ ہوتے ہیں ایک اجر ہونے کا اور ایک امتحان کا۔ اور آخرت میں جو کچھ ملے گا وہ اجر ہی اجر ہوگا، اس میں کوئی دوسرا پہلو نہ ہوگا۔ پس پرہیز گاروں کے لئے بہترین اجر آخرت کا اجر ہے۔

اسی طرح اللہ پاک کے پیغمبروں نے اور اللہ پاک کی کتابوں نے یہ حقیقت بھی واضح کی ہے کہ دنیا کی لذتوں اور نعمتوں کے مقابلہ میں آخرت کی نعمتیں اور لذتیں بے انتہا فائق ہیں بلکہ اصلی لذتیں اور نعمتیں آخرت ہی کی ہیں اور دنیا کی چیزوں کو ان سے کوئی نسبت نہیں، پس متقی مؤمن کو آخرت میں جو اجر ملے گا وہ دنیا میں ملنے والے پھل سے بدر جہا میٹھا اور بہتر ہوگا۔

قرآن کریم میں جگہ جگہ اس حقیقت پر زور دیا گیا ہے کہ انسان کی فکر وسعی بس آخرت ہی کے لئے ہونی چاہئے مگر انسانوں کا عام حال یہ ہے کہ دنیا چونکہ ہر وقت ان کے سامنے ہے اور آخرت سراسر غیب اور آنکھوں سے اوجھل ہے، اس لئے اکثر لوگوں پر دنیا ہی کی فکر غالب رہتی ہے ان کا حال اس معاملہ میں بالکل ان چھوٹے بچوں جیسا ہے جن کو بچپن میں اپنے کھیل کھلونوں ہی سے دلچسپی ہوتی ہے اور مستقبل کو شاندار بنانے والے تعلیمی مشاغل ان کے لئے غیر دلچسپ بلکہ انتہائی شاق ہوتے ہیں۔ قرآن پاک بار بار انسان کو یہ حقیقت سمجھاتا ہے کہ دنیا کے اجر کے مقابلہ میں آخرت کا اجر بدر جہا بہتر ہے، وہ کہتا ہے کہ دنیا کا سرمایہ تو بہت قلیل ہے۔ پرہیز گاروں کے لئے آخرت بہتر ہے۔ دنیا کی زندگی تو بس چند دنوں کی ہے اور آخرت اصل رہنے کی جگہ ہے ـــــ حضور پاک ﷺ نے ایک دن خطبہ دیا جس میں ارشاد فرمایا کہ: ''سن لو! دنیا ایک عارضی اور وقتی سودا ہے اس میں ہر نیک و بد کا حصہ ہے اور یاد رکھو! آخرت مقررہ وقت پر آنے والی ایک سچی، اٹل حقیقت ہے جس میں شہنشاہ قادر فیصلہ فرمائیں گے۔ اور سن لو! ساری خیر اور ہر طرح کی خوش گواری جنت میں ہے اور سارا شر اور دکھ درد دوزخ میں ہے۔ پس خبردار ہو جاؤ! اور جو بھی عمل کرو اللہ سے ڈرتے ہوئے کرو اور یقین رکھو کہ تمہارا کیا ہوا ہر عمل تمہارے سامنے آئے گا۔ جس شخص نے ذرہ برابر کوئی نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر کوئی برائی کی ہوگی وہ بھی اس کو پالے گا''(۱)

(۱) رواه الإمام الشافعي في مسنده عن عمرو بن العاص رضي الله عنه.

وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِيْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّيْٓ اُوْفِي الْكَيْلَ وَاَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۵۹﴾ فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِيْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۶۲﴾

وَجَآءَ	اور آئے	ائْتُوْنِيْ	لے آئیو تم میرے پاس	فَلَا كَيْلَ	تو نہ پیمانہ (ہے)
اِخْوَةُ	بھائی	بِاَخٍ (۲)	بھائی (کو)	لَكُمْ	تمہارے لئے
يُوْسُفَ	یوسف (علیہ السلام) کے	لَّكُمْ	تمہارے	عِنْدِيْ	میرے یہاں
فَدَخَلُوْا	پس پہنچے وہ	مِّنْ اَبِيْكُمْ	(جو) تمہارے باپ	وَلَا تَقْرَبُوْنِ (۳)	اور نہ پاس آئیو تم میرے
عَلَيْهِ (۱)	اس کے پاس		سے (ہے)	قَالُوْا	کہا انھوں نے
فَعَرَفَهُمْ	پس پہچان لیا آپ نے ان کو	اَلَا تَرَوْنَ	کیا نہیں دیکھتے تم	سَنُرَاوِدُ	عنقریب پھسلائیں گے ہم
وَهُمْ	اور وہ	اَنِّيْٓ اُوْفِي	کہ میں پورا دیتا ہوں	عَنْهُ (۴)	اس کے بارے میں
لَهٗ	آپ سے	الْكَيْلَ	پیمانہ	اَبَاهُ	اس کے والد کو
مُنْكِرُوْنَ	ناآشنا (ناواقف) تھے	وَاَنَا خَيْرُ	اور میں بہتر	وَاِنَّا	اور ہم
وَلَمَّا	اور جب	الْمُنْزِلِيْنَ	مہمانی کرنے والا	لَفٰعِلُوْنَ	ضرور (یہ کام) کرنے
جَهَّزَهُمْ	مہیا کر دیا آپ نے ان		(ہوں)		والے ہیں
	کے لئے	فَاِنْ لَّمْ	پھر اگر نہ	وَقَالَ	اور حکم دیا آپ نے
بِجَهَازِهِمْ	ان کا اسباب	تَاْتُوْنِيْ	لائے تم میرے پاس	لِفِتْيٰنِهِ	اپنے خدمت گاروں کو
قَالَ	(تو) فرمایا آپ نے	بِهٖ (۲)	اس کو	اجْعَلُوْا	رکھ دو

(۱) عَلٰی صلہ کا ہے دَخَلَ علیه: زیارت کرنا، ملاقات کرنا (۲) باصلہ کی ہے أتٰی بِہٖ لانا (۳) آخر سے یائے متکلم محذوف ہے جس کی علامت نون کا کسرہ ہے (۴) عَنْهُ متعلق ہے نُرَاوِدُ سے بتضمین نُعْرِضُ۔

بِضَاعَتَهُمْ	ان کی پونجی	يَعْرِفُوْنَهَا	اس (پونجی) کو پہچانیں	اِلٰٓى اَهْلِهِمْ	اپنے گھر
فِيْ رِحَالِهِمْ	ان کے کجاووں میں	اِذَا	جب	لَعَلَّهُمْ (۱)	تاکہ
لَعَلَّهُمْ	تاکہ	انْقَلَبُوْٓا	لوٹیں	يَرْجِعُوْنَ	وہ دوبارہ آئیں

کنعان سے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی غلّہ لینے مصر آئے

حضرت یوسف علیہ السلام نے حکومت کا انتظام سنبھالا، پہلے سات برس پیداوار میں زیادتی ہوئی، آپ نے قحط کے لئے وہ تمام پیش بندیاں کرلیں جن کا مشورہ بادشاہ کے خواب کی تعبیر بتاتے وقت آپ نے دیا تھا۔ پھر قحط کے سال شروع ہوئے۔ قحط صرف مصر ہی میں نہیں تھا، بلکہ آس پاس کے ممالک بھی اس کی لپیٹ میں آگئے تھے، مگر مصر میں قحط کے باوجود حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن انتظام سے غلہ کی افراط تھی، حکومت کی جانب سے غلہ تقسیم ہوتا تھا، ہمسایہ ممالک بھی غلہ حاصل کرنے کے لئے مصر کی طرف رجوع کرنے لگے۔ اسی زمانہ کی بات ہے کہ کنعان سے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی غلہ لینے مصر آئے۔ اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں ــــ اور یوسف کے بھائی آئے اور انھوں نے آپ سے ملاقات کی، تو آپ نے ان کو پہچان لیا اور وہ آپ سے ناآشنا تھے ــــ حضرت یوسف علیہ السلام دیکھتے ہی پہچان گئے مگر وہ لوگ آپ سے ناواقف رہے۔ وہ کیونکر پہچان سکتے تھے؟ ان لوگوں نے جب آپ کو کنویں میں ڈالا تھا تو آپ کمسن تھے، اب ماشاءاللہ چالیس برس کے لگ بھگ ہیں، پھر اس بات کا کیسے گمان ہوسکتا تھا کہ کل جس بھائی کو انھوں نے کنویں میں ڈالا تھا وہ آج مصر کا وزیر ہے۔

کہتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام غلہ کی تقسیم کی نگرانی خود فرماتے تھے تاکہ غلہ خورد برد نہ ہوجائے اور قحط کے سالوں کے لئے پورا ہوجائے، اس لئے جو کوئی غلہ لینے آتا اس کو آپ سے ملاقات ضرور کرنی پڑتی تھی۔ چنانچہ آپ کے بھائیوں کو بھی آپ سے ملاقات کرنی پڑی ــــ بھائیوں سے مل کر پُرانی یادیں تازہ ہوگئیں، اباجان کی اور اپنے حقیقی بھائی بن یامین کی صورتیں آنکھوں میں پھر گئیں۔ مگر ابھی اپنے آپ کو ظاہر کرنے کا وقت نہیں آیا تھا اللہ پاک کو ابھی اور قدرت کی نشانیاں دکھلانی منظور تھیں، چنانچہ آپ نے ان نو وارد پردیسیوں کو شاہی مہمان کی حیثیت سے رکھا اور باتوں باتوں میں گھر کے احوال سن لئے، جب ان لوگوں نے اپنے گھرانے کے حالات بتائے تو بن یامین کا تذکرہ بھی آیا، کہ ہمارا ایک علاتی بھائی بھی ہے، جسے والد صاحب نے اپنے پاس رکھا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام خاموشی سے سب کچھ سنتے گئے ــــ اور جب آپ نے ان کا سامان ان کو مہیا کردیا تو فرمایا: تم میرے پاس اپنے علاتی بھائی کو لانا ــــ اور مطلق اندیشہ نہ

(۱) دوسرا لَعَلَّ پہلے لَعَلَّ کی تکرار ہے۔ تکرار کے بغیر عبارت فصیح نہیں ہوسکتی تھی۔

کرنا— کیا تم دیکھتے نہیں کہ میں پورا پورا پیمانہ دیتا ہوں اور میں بہترین مہمان نواز ہوں؟!— یعنی میرے اخلاق اور برتاؤ کا تجربہ تم کر چکے ہو، میں کوئی ظالم و جابر بادشاہ نہیں کہ تم مجھ سے تکلیف پہنچنے کا اندیشہ رکھو— پھر اگر تم اس کو میرے پاس نہ لائے تو تمہارے لئے یہاں نہ پیمانہ ہے اور نہ تم میرے قریب آنا— یہ حاکمانہ دھمکی ہے کہ اگر تم اپنے سوتیلے بھائی کو نہ لائے تو پھر تم کو ہرگز غلہ نہیں ملے گا بلکہ باریابی بھی نصیب نہ ہوگی— ان لوگوں نے کہا: ”ہم (گھر پہنچ کر) جلد اس کے والد کو اس سے (دست بردار ہونے کی) ترغیب دیں گے اور ہم ضرور (یہ کام) کرنے والے ہیں“— یعنی ہم اپنے والد سے کہیں گے اور ہر طرح ترغیب دیں گے کہ وہ بن یامین کو ہمارے ساتھ یہاں بھیجنے پر راضی ہو جائیں

اور آپ نے اپنے نوکروں کو حکم دیا کہ: ”ان کی پونجی ان کے کجاووں میں رکھ دو، تا کہ جب وہ اپنے گھر واپس پہنچیں تو اس کو پہچانیں اور دوبارہ آئیں“— یعنی یوسف علیہ السلام نے اپنے نوکروں کو حکم دیا کہ چپکے سے ان کے کجاووں میں ان کی وہ پونجی رکھ دو جو ان سے غلہ کی قیمت کے نام پر وصول کی گئی ہے— یوسف علیہ السلام نے ایسا اس لئے کیا تا کہ گھر پہنچ کر جب وہ اسباب کھولیں اور دیکھیں کہ غلہ کے ساتھ قیمت بھی واپس دیدی گئی ہے تو ان کو دوبارہ آنے کی ترغیب ہو۔

جب کسی ملک کے اقتصادی حالات خراب ہو جائیں یا خراب ہونے کا قوی اندیشہ ہو تو حکومت کو
چاہئے کہ وہ وہ چیزیں اپنے کنٹرول میں لے لے جن کا تعلق عام ضروریاتِ زندگی سے ہے

فَلَمَّا رَجَعُوۡۤا اِلٰٓى اَبِيۡهِمۡ قَالُوۡا يٰۤاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الۡكَيۡلُ فَاَرۡسِلۡ مَعَنَاۤ اَخَانَا نَكۡتَلۡ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ ۝ قَالَ هَلۡ اٰمَنُكُمۡ عَلَيۡهِ اِلَّا كَمَاۤ اَمِنۡتُكُمۡ عَلٰٓى اَخِيۡهِ مِنۡ قَبۡلُ‌ؕ فَاللّٰهُ خَيۡرٌ حٰفِظًا‌ ۖ وَّهُوَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِيۡنَ ۝ وَلَمَّا فَتَحُوۡا مَتَاعَهُمۡ وَجَدُوۡا بِضَاعَتَهُمۡ رُدَّتۡ اِلَيۡهِمۡ‌ؕ قَالُوۡا يٰۤاَبَانَا مَا نَبۡغِىۡ‌ؕ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتۡ اِلَيۡنَا‌ ۚ وَنَمِيۡرُ اَهۡلَنَا وَنَحۡفَظُ اَخَانَا وَنَزۡدَادُ كَيۡلَ بَعِيۡرٍ‌ؕ ذٰ لِكَ كَيۡلٌ يَّسِيۡرٌ ۝ قَالَ لَنۡ اُرۡسِلَهٗ مَعَكُمۡ حَتّٰى تُؤۡتُوۡنِ مَوۡثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَـتَاۡتُنَّنِىۡ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنۡ يُّحَاطَ بِكُمۡ‌ ۚ فَلَمَّاۤ اٰتَوۡهُ مَوۡثِقَهُمۡ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوۡلُ وَكِيۡلٌ ۝

فَلَمَّا	پھر جب	اِلٰٓى اَبِيۡهِمۡ	اپنے والد کی طرف	يٰۤاَبَانَا	ابا جان!
رَجَعُوۡۤا	لوٹے وہ	قَالُوۡا	(تو) کہا انھوں نے	مُنِعَ	روک دیا گیا (ہے)

مِنَّا	ہم سے	حٰفِظًا (۳)	محافظ (ہیں)	وَ نَمِیْرُ (۴)	اور رسد لائیں گے ہم
الْكَيْلُ	پیمانہ (غلہ)	وَّهُوَ	اور وہ	اَهْلَنَا	اپنے گھر والوں کیلئے
فَاَرْسِلْ	لہٰذا بھیجئے	اَرْحَمُ	زیادہ مہربان ہیں	وَ نَحْفَظُ	اور حفاظت کریں گے ہم
مَعَنَآ	ہمارے ساتھ	الرّٰحِمِيْنَ	سب مہربانوں (سے)	اَخَانَا	اپنے بھائی کی
اَخَانَا	ہمارے بھائی کو	وَ لَمَّا	اور جب	وَنَزْدَادُ	اور مزید لائیں گے ہم
نَكْتَلْ (۱)	(تاکہ) ناپوا کر لائیں ہم	فَتَحُوْا	کھولا انھوں نے	كَيْلَ	پیمانہ
وَاِنَّا لَهٗ	اور بیشک ہم اس کی	مَتَاعَهُمْ	اپنا سامان	بَعِيْرٍ	اونٹ کا
لَحٰفِظُوْنَ	حفاظت کرنے والے	وَجَدُوْا	(تو) پائی انھوں نے	ذٰلِكَ كَيْلٌ	یہ پیمانہ ہے
	(ہیں)	بِضَاعَتَهُمْ	اپنی پونجی	يَّسِيْرٌ	تھوڑا
قَالَ	فرمایا	رُدَّتْ	واپس کردی گئی ہے	قَالَ لَنْ	فرمایا ہرگز نہیں
هَلْ (۲)	کیا	اِلَيْهِمْ	ان کی طرف	اُرْسِلَهٗ	بھیجوں گا میں اس کو
اٰمَنُكُمْ	اعتبار کروں میں تمہارا	قَالُوْا	(تو) کہا انھوں نے	مَعَكُمْ	تمہارے ساتھ
عَلَيْهِ	اس کے بارے میں	يٰٓاَبَانَا	ابا جان!	حَتّٰى	یہاں تک کہ
اِلَّا كَمَآ (۲)	مگر جیسا	مَا نَبْغِيْ	کیا چاہیے ہمیں!	تُؤْتُوْنِ (۵)	دو تم مجھے
اَمِنْتُكُمْ	اعتبار کیا میں نے تمہارا	هٰذِهٖ	یہ	مَوْثِقًا (۶)	پیمان
عَلٰٓى اَخِيْهِ	اس کے بھائی کے بارے میں	بِضَاعَتُنَا	ہماری پونجی (ہے)	مِّنَ اللّٰهِ	خداوندی
مِنْ قَبْلُ	اس سے پہلے	رُدَّتْ	واپس کردی گئی ہے	لَتَاْتُنَّنِيْ (۷)	(کہ) ضرور لاؤ گے
فَاللّٰهُ خَيْرٌ	سو اللہ پاک بہتر	اِلَيْنَا	ہماری طرف		تم میرے پاس

(۱) نَكْتَلْ فعل مضارع مجزوم صیغہ جمع متکلم ہے اِكْتَالَ اِكْتِيَالاً سے جس کے معنی ہیں اپنے لئے ناپنا (۲) هَلْ نفی (استفہام انکاری) ہے اور اِلَّا اثبات ہے اور نفی اثبات حصر کے لئے ہیں (۳) حٰفِظًا تمیز ہے (۴) نَمِيْرُ فعل مضارع جمع متکلم ہے مَارَيَمِيْرُ مَيْرًا عياله: اہل وعیال کیلئے نان ونفقہ لانا اَلْمِيْرَةُ: غلہ کی رسد (۵) تُؤْتُوْنِ میں نون وقایہ ہے اور یا ضمیر واحد متکلم محذوف ہے جس کی علامت نون کا کسرہ ہے تُؤْتُوا (تم دو) اِيْتَاءٌ سے فعل مضارع صیغہ جمع مذکر حاضر ہے (۶) اَلْمَوْثِقُ اور اَلْمِيْثَاقُ: عہد و پیمان (۷) لَتَاْتُنَّنِيْ فعل مضارع صیغہ جمع مذکر حاضر لام تاکید اور نون تاکید کے ساتھ ہے، دوسرا نون، نون وقایہ ہے اور یا ضمیر واحد متکلم ہے۔

بِهٖٓ	اس کو	فَلَمَّآ اٰتَوْهُ	پھر جب دیا انھوں نے ان کو	عَلٰى مَا	اس (بات) پر جو
اِلَّآ اَنْ يُّحَاطَ	مگر یہ کہ گھیر لیا جائے	مَوْثِقَهُمْ	اپنا پیمان	نَقُوْلُ	ہم کہہ رہے ہیں
بِكُمْ	تم کو	قَالَ اللّٰهُ	(تو) فرمایا: اللہ پاک	وَكِيْلٌ	نگہبان (ہیں)

یوسف علیہ السلام نے غلّہ کی قیمت بھائیوں کے بوروں میں رکھوادی

جب یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا قافلہ کنعان لوٹا تو لوٹتے ہی ابا جان سے ملاقات کی، اوران کو سفر کی سرگذشت سنائی کہ حکومتِ مصر نے غلّہ روک دیا ہے، اور کہا ہے کہ اپنے علاتی بھائی بن یامین کو لاؤ گے تو غلہ ملے گا، ورنہ قریب نہ آنا، پس آپ آئندہ ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیجیں، تاکہ ہم ایک بار شتر مزید لائیں، اور ہم بھائی کی پوری حفاظت کریں گے، آپ کوئی اندیشہ نہ کریں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام حکومت کے اس مطالبہ سے ڈر گئے، ان کے ذہن میں یہ اندیشہ آیا کہ کہیں ظالم فرعون میرے سب بیٹوں کو ایک ساتھ دھر لینا تو نہیں چاہتا، نیز بیٹوں سے بھی تلخ تجربہ ہو چکا تھا، اس لئے ردّا ان پر رکھ کر جواب دیا: ''مؤمن ایک سوراخ سے دومرتبہ نہیں ڈسا جاتا! پہلے یوسف کی حفاظت کا بھی تم نے وعدہ کیا تھا، مگر اس کا انجام کیا ہوا؟ اب بن یامین کے بارے میں تمہارا اعتبار کس طرح کرلوں؟''

اور چونکہ یوسف علیہ السلام کا ذکر بے ساختہ زبان پر آ گیا تھا جو ''صبر جمیل'' کے خلاف تھا، اس لئے بات ہلکی کرنے کے لئے فرمایا: ''اللہ پاک بہترین محافظ ہیں اور وہ مہربانوں میں سب سے زیادہ مہربان ہیں!'' یعنی مخلوق پر بھروسہ کرنا غلط ہے اور اس کا شکوہ بھی نامناسب ہے —— اس طرح دبے لفظوں میں ابا نے بن یامین کو بھیجنے سے انکار کر دیا۔

اب لڑکوں نے اٹھ کر سامان کھولنا شروع کیا، بوروں میں ان کی رقم —— جو غلہ کی قیمت میں دی تھی —— نکلی، اور انھوں نے قرائن سے سمجھا کہ یہ کام سہواً نہیں ہوا، بلکہ قصداً ان کو ان کی پونجی لوٹا دی ہے، انھوں نے ابا جان سے کہا: ''ہمیں اور کیا چاہئے؟ یہ ہماری پونجی ہے جو ہمیں واپس کر دی گئی ہے، لہٰذا بھائی کو بھیجئے، ہم اس کی حفاظت کریں گے! اور ایک بار شتر اور لائیں گے!''

یعقوب علیہ السلام یہ معاملہ دیکھ کر سمجھ گئے کہ مصر کی حکومت رحم دل ہے، غلہ بھی دیا اور قیمت بھی لوٹا دی، اس لئے ان کے ذہن سے اندیشہ نکل گیا، اور انھوں نے بن یامین کو لے جانے کی بخوشی اجازت دیدی، پونجی واپس کرنے سے یوسف علیہ السلام کا یہی مقصد تھا جو پورا ہوا: ﴿لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ﴾ الآیۃ کا یہی مطلب ہے۔

پھر انھوں نے بیٹوں سے عہد و پیمان لیا کہ وہ ضرور بن یامین کو واپس لائیں گے، البتہ اگر سبھی پکڑے جائیں، اور کوئی واپس نہ آئے تو دوسری بات ہے، اور عہد و پیمان پر اللہ تعالیٰ کو گواہ بنایا، اس سے بڑی کوئی گواہی نہیں۔

آیاتِ پاک: پھر جب وہ لوگ اپنے والد کی طرف لوٹے تو انھوں نے کہا: ''ابا جان! ہم سے غلّہ روک دیا گیا ہے، پس آپ ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو بھیجئے، تا کہ ہم نپوا کر غلہ لائیں، اور ہم یقیناً اس کی حفاظت کرنے والے ہیں'' ——

ابا نے کہا: میں اس کے بارے میں تمہارا بس ویسا ہی اعتبار کرسکتا ہوں، جیسا اس سے پہلے اس کے بھائی کے بارے میں تمہارا اعتبار کر چکا ہوں، پس اللہ تعالیٰ ہی بہتر محافظ ہیں اور وہ ارحم الراحمین ہیں!''

اور جب انھوں نے اپنا سامان کھولا تو دیکھا کہ ان کی پونجی ان کو واپس کردی گئی ہے، پس کہنے لگے: ''ابا ہمیں اور کیا چاہئے! یہ ہماری پونجی ہے جو ہمیں واپس کردی گئی ہے، اور ہم اپنے گھر والوں کے لئے رسد لائیں گے، اور ہم اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے، اور ایک اونٹ کا بوجھ اور لائیں گے''

ابا نے کہا: ''میں اس کو تمہارے ساتھ اس وقت تک ہرگز نہیں بھیجوں گا جب تک تم مجھے عہد خداوندی نہ دو کہ تم ضرور اسے میرے پاس لاؤ گے، مگر یہ کہ تم گھیر لئے جاؤ!''

پھر جب ان لوگوں نے ان کو اپنا عہد دیا تو ابا نے کہا: ''ہم جو باتیں کررہے ہیں ان کے اللہ تعالیٰ ذمہ دار ہیں!''

ان آیتوں سے تین مسئلے واضح ہوئے:

پہلا مسئلہ:—— اگر کسی کا مال یا کوئی چیز اپنے سامان میں نکلے اور قرائن سے معلوم ہو کہ اس نے قصداً ہمیں دینے کی نیت سے ہمارے سامان میں رکھا ہے تو اس کو رکھ لینا اور اس میں تصرف کرنا جائز ہے، لیکن جہاں معاملہ مشتبہ ہو کہ شاید بھولے سے ہمارے پاس آ گیا ہے تو مالک سے تحقیق کئے بغیر اس کا استعمال جائز نہیں۔

دوسرا مسئلہ:—— کسی شخص کو کوئی ایسی قسم نہ دینی چاہئے جس کا پورا کرنا اس کے بس میں نہ ہو۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے بن یامین کو صحیح سلامت واپس لانے کی قسم دی تو اس میں سے اس حالت کو مستثنیٰ کردیا کہ وہ بالکل عاجز و مجبور ہو جائیں اور خود بھی ہلاکت میں پڑ جائیں —— حضور پاک ﷺ بھی جب صحابہ رضی اللہ عنہم سے اطاعت (فرمانبرداری) کا عہد و پیمان لیتے تھے تو استطاعت کی قید لگاتے تھے یعنی جہاں تک تمہاری استطاعت میں ہو تم میری اطاعت کرنا۔

تیسرا مسئلہ:—— جس طرح مال کی ضمانت جائز ہے، ذات کی ضمانت بھی صحیح ہے یعنی کسی مقدمہ میں ماخوذ انسان کو مقدمہ کی تاریخ پر حاضر کرنے کی ضمانت لینا درست ہے جیسے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اپنے والد ماجد کو عہد و پیمان دیا کہ وہ بن یامین کو واپس لائیں گے۔

اللہ پاک کے نام پر اور اللہ پاک کو گواہ بنا کر جو عہد و پیمان کیا جائے اس کا بے حد خیال رکھنا ضروری ہے حتی الامکان اس کو پورا کرنا چاہئے

وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ۭ وَمَآ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝۶۷ وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ۭ مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ۭ وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۶۸ ع

ع ۸

وَقَالَ	اور کہا اس نے	اِنِ الْحُكْمُ	نہیں ہے حکم	مَا (۴)	نہیں
يٰبَنِيَّ (۱)	میرے بچو!	اِلَّا لِلّٰهِ	مگر اللہ پاک کے لئے	كَانَ يُغْنِيْ (۵)	ٹال رہے تھے وہ
لَا تَدْخُلُوْا	نہ داخل ہونا	عَلَيْهِ	انہی پر	عَنْهُمْ	ان سے
مِنْ بَابٍ وَّاحِدٍ	ایک دروازے سے	تَوَكَّلْتُ	بھروسہ کیا میں نے	مِّنَ اللّٰهِ	اللہ کی طرف سے
وَّادْخُلُوْا	اور داخل ہونا	وَعَلَيْهِ	اور انہی پر		(آنے والی)
مِنْ اَبْوَابٍ	دروازوں سے	فَلْيَتَوَكَّلِ	پس چاہئے کہ بھروسہ کریں	مِنْ شَيْءٍ	کوئی چیز
مُّتَفَرِّقَةٍ	جدا جدا	الْمُتَوَكِّلُوْنَ	بھروسہ کرنے والے	اِلَّا	مگر
وَمَآ	اور نہیں	وَلَمَّا (۳)	اور جب	حَاجَةً	ایک ارمان (تھا)
اُغْنِيْ (۲)	ٹال سکتا میں	دَخَلُوْا	داخل ہوئے وہ	فِيْ نَفْسِ	دل میں
عَنْكُمْ	تم سے	مِنْ حَيْثُ	جہاں سے	يَعْقُوْبَ	یعقوب کے
مِّنَ اللّٰهِ	اللہ پاک کی طرف سے	اَمَرَهُمْ	حکم دیا تھا ان کو	قَضٰىهَا (۶)	جسے انھوں نے پورا کرلیا
	(آنے والی)	اَبُوْهُمْ	ان کے والد نے (تو	وَاِنَّهٗ	اور بے شک وہ
مِنْ شَيْءٍ	کوئی چیز		باپ کا ارمان پورا ہوگیا)	لَذُوْ عِلْمٍ	البتہ علم والے (تھے)

(۱) اِبْنٌ کی جمع بحالت نصب بَنِیْنَ آتی ہے یا متکلم کی طرف اضافت کی وجہ سے نون جمع حذف ہوگیا ہے پھر یاء کا یاء میں ادغام کیا ہے (۲) اَغْنٰی عَنْهُ: دفع کرنا، ٹالنا، کفایت کرنا (۳) لَمَّا کا جواب محذوف ہے۔ مابعد کے قرینہ سے بین القوسین وہ جواب لکھا گیا ہے (۴) مَا نفی ہے اور اِلَّا اثبات ہے اور نفی اثبات حصر کے لئے ہیں (۵) کَانَ فعل مضارع پر داخل ہوکر اس کو ماضی استمراری بناتا ہے (۶) جملہ قَضٰىهَا صفت ہے حَاجَةً کی۔

لِمَا عَلَّمْنٰهُ[1]	ہمارے سکھلانے کی وجہ سے ان کو	وَلٰكِنَّ	مگر	النَّاسِ	لوگ
		اَكْثَرَ	اکثر	لَا يَعْلَمُوْنَ	نہیں جانتے

برادرانِ یوسف علیہ السلام دوبارہ مصر روانہ ہوئے تو ابا نے نصیحت فرمائی

عہد و پیمان کے بعد برادران یوسف علیہ السلام کا قافلہ دوبارہ کنعان سے مصر کو روانہ ہوا، اس مرتبہ بنیامین بھی ہمراہ ہیں، حضرت یعقوب علیہ السلام نے رخصت کرتے وقت نصیحت فرمائی —— اور کہا: ''میرے بچو! (شہر میں سب) ایک دروازے سے داخل مت ہونا بلکہ مختلف دروازوں سے داخل ہونا —— حضرت یعقوب علیہ السلام پہلے یوسف علیہ السلام کا صدمہ اٹھا چکے ہیں۔ اب خاندان کی ضرورت سے بنیامین کو مصر بھیج تو رہے ہیں مگر دل کانپ رہا ہے، طرح طرح کے اندیشے دل میں آرہے ہیں اور رہ رہ کر اس خیال سے کانپ اٹھتے ہیں کہ خدا جانے اب اس لڑکے کی صورت دیکھنی نصیب ہوگی یا نہیں۔ اس لئے آپ چاہتے ہیں کہ اپنی حد تک احتیاطی تدبیر کرلیں۔

یہ احتیاطی مشورہ کہ مصر کے دارالسلطنت میں سب بھائی ایک دروازے سے داخل نہ ہوں اس لئے تھا کہ یہ حضرات سلطنتِ مصر کی رعایا نہیں تھے بلکہ سرحد پر آزاد قبائلی علاقے کے رہنے والے تھے اس لئے حضرت یعقوب علیہ السلام کو اندیشہ ہوا کہ اگر یہ لوگ ایک جتھا بنا کر وہاں داخل ہوئے تو شاید انھیں مشتبہ سمجھا جائے اور نہ معلوم ان غیر ملکی لوگوں کے بارے میں دیکھنے والے کیا گمان کریں کہیں ایسا نہ ہو کہ شبہ کی نگاہ سے دیکھنے والے انھیں گھیر لیں اور گرفتار کرلیں اس لئے الگ الگ دروازوں سے داخل ہونے کا مشورہ دیا تاکہ وہ کسی کی آنکھ میں نہ کھٹکیں۔

اور یہ احتیاطی تدبیر پہلی بار اس لئے نہیں بتلائی تھی کہ اس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام کے دل میں کوئی اندیشہ نہیں آیا تھا مگر اب جبکہ باقاعدہ حکومتِ مصر کی طرف سے بن یامین کو طلب کیا گیا تو اندیشہ لاحق ہونا لازمی تھا کہ خدا جانے کیا معاملہ پیش آنے والا ہے —— اور (احتیاطی مشورہ کے ساتھ حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ) میں اللہ پاک کی طرف سے آنے والی کوئی آفت تم سے ٹال نہیں سکتا، حکم بس اللہ پاک ہی کا ہے، انہی پر میں نے بھروسہ کیا، اور بھروسہ کرنے والوں کو بھی چاہئے کہ انہی پر بھروسہ کریں —— یعنی میری نصیحت کا مقصد یہ نہیں ہے تم میری بتلائی ہوئی تدبیر پر مغرور ہو بیٹھو کیونکہ میں تمہیں کسی ایسی آفت سے ہرگز نہیں بچا سکتا جو اللہ پاک کی طرف سے آنے والی ہے، حکم صرف اللہ پاک کا ہے ان کے حکم کے سامنے کسی کی نہیں چلتی، جو کچھ انھوں نے تمہارے لئے مقدر کیا ہے وہ پہنچ کر رہے گا اور خود میرا اعتماد بھی اللہ پاک پر ہے، اس تدبیر پر نہیں، اور ہر مؤمن کو تدبیر کرنے کے بعد اللہ پاک ہی پر نظر رکھنی چاہئے۔

(۱) لِمَا کا لام تعلیلیہ ہے اور مَا مصدریہ ہے۔

اور جب وہ لوگ اپنے والد کی ہدایت کے مطابق داخل ہوئے (تو والد کا ارمان پورا ہوگیا) وہ (تدبیر بتلا کر) اللہ پاک کی طرف سے آنے والی کوئی آفت ان سے ٹال نہیں سکتے تھے بلکہ یعقوب کے دل میں ایک ارمان تھا جسے انھوں نے پورا کرلیا اور وہ ہماری تعلیم کی وجہ سے یقیناً صاحبِ علم تھے مگر اکثر لوگ جانتے نہیں —— یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام نے تدبیر بتلاتے ہوئے جس اندیشہ کا اظہار کیا تھا، اتفاقاً ہوا بھی کچھ ایسا ہی کہ بن یامین کو سفر سے بحفاظت واپس لانے کی ساری تدبیریں مکمل کرلینے کے باوجود سب چیزیں ناکام ہوگئیں۔ صاحبزادوں نے والد صاحب کے حکم کی تعمیل کی اور شہر کے متفرق دروازوں سے داخل ہوئے پھر بھی بتقدیرِ الٰہی جو حادثہ پیش آنے والا تھا وہ آ کر رہا اور بنیامین کو مصر میں روک لیا گیا۔

اسبابِ ظاہری کو اختیار کرنا شرعاً مطلوب ہے:

اور یعقوب علیہ السلام کی تدبیر، تقدیر کو ٹالنے کے لئے تھی بھی نہیں، وہ تو بس ایک دینی ضرورت اور مؤمن کا ارمان تھا جسے یعقوب علیہ السلام نے پورا کرلیا —— وہ دینی ضرورت کیا تھی؟ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور یقین کے ساتھ اسبابِ ظاہری کو احتیاطی تدبیر کے طور پر اختیار کرنا شرعاً مطلوب ہے۔ نبی پاک ﷺ سے ایک دیہاتی نے پوچھا تھا کہ میں اپنے اونٹ کا زانو باندھ کر اللہ پر بھروسہ کروں یا آزاد چھوڑ کر؟ حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا: ﴿اِعْقِلْهَا وَتَوَكَّلْ﴾ (زانو باندھ کر اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرو) خود حضور پاک ﷺ نے غزوۂ اُحد میں دوہری زرہیں پہن رکھی تھیں۔

انبیاء علیہم السلام جس بات کی امت کو تعلیم دیتے ہیں اس پر خود بھی عمل کرتے ہیں۔ ان کی کتابِ زندگی اور کتابِ دعوت میں پوری ہم آہنگی اور کمالِ مطابقت ہوتی ہے اس لئے حضرت یعقوب علیہ السلام نے اللہ پاک پر بھروسہ کے ساتھ ظاہری تدبیر ضروری سمجھی۔

اور تدبیر اور توکل کے درمیان ٹھیک ٹھیک توازن جو حضرت یعقوب علیہ السلام کی نصیحت میں پایا جاتا ہے وہ دراصل علم کے اس فیضان کا نتیجہ ہے جو اللہ پاک کی طرف سے ان پر ہوا تھا۔ چنانچہ وہ ایک طرف عالمِ اسباب کے قوانین کے مطابق وہ تمام تدبیریں کرتے ہیں جو بنیامین کی حفاظت کے لئے ضروری ہیں۔ لڑکوں کو سابق جرم یاد دلا کر تنبیہ کرتے ہیں کہ وہ دوبارہ ایسی حرکت نہ کریں، پھر ان سے خدا کے نام پر عہد و پیمان لیتے ہیں کہ وہ اپنے سوتیلے بھائی کی حفاظت کریں، اور غیر ملکی شہر میں داخلہ کے وقت جس احتیاطی تدبیر کی ضرورت محسوس کرتے ہیں اسے بھی استعمال کرنے کا حکم دیتے ہیں تاکہ وہ کسی ناگہانی آفت میں نہ گھر جائیں مگر دوسری طرف ہر آن یہ بات ان کے پیشِ نظر رہتی ہے اور بار بار اس کا اظہار فرماتے ہیں کہ کوئی انسانی تدبیر اللہ پاک کی مشیت کو نافذ ہونے سے روک نہیں سکتی اور اصل حفاظت اللہ پاک کی حفاظت

ہے اور مؤمن کا بھروسہ اپنی تدبیروں پر نہیں بلکہ اللہ پاک کے فضل پر ہونا چاہئے۔

اس لئے آخر میں اللہ پاک نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی مدح فرمائی ہے کہ تقدیر اور تدبیر میں یہ توازن جو حضرت یعقوب علیہ السلام کی باتوں میں اور کاموں میں پایا جاتا ہے وہ تعلیمِ خداوندی کا نتیجہ ہے مگر اکثر لوگ حقیقت کو جانتے نہیں۔ جن لوگوں کے ذہن پر ظاہر کا غلبہ ہوتا ہے وہ توکل سے غافل ہو کر تدبیر ہی کو سب کچھ سمجھ بیٹھتے ہیں اور جن کے تصورات پر باطن چھا جاتا ہے وہ تدبیر سے بے پرواہ ہو جاتے ہیں حالانکہ مؤمن کا صحیح مقام دونوں کے درمیان ہے۔

ظاہری اسباب صرف اسباب ہیں، مسبب الاسباب اللہ تعالیٰ ہیں:

ان آیتوں کا خاص سبق یہ ہے کہ اس کارخانۂ ہستی میں جو کچھ ہوتا ہے اور جس کو جو کچھ ملتا ہے یا نہیں ملتا: سب براہِ راست اللہ پاک کے حکم اور فیصلے سے ہوتا ہے اور ظاہری اسباب کی حیثیت اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ چیزوں کے ہم تک پہنچنے کے لئے اللہ پاک ہی کے مقرر کئے ہوئے ذریعے اور راستے ہیں، جس طرح گھروں میں پانی جن نلوں سے پہنچتا ہے وہ پانی پہنچانے کے صرف راستے ہیں۔ پانی کی تقسیم میں ان کا کوئی دخل نہیں، اسی طرح اس عالم وجود میں کارفرمائی اسباب کی بالکل نہیں ہے بلکہ کارفرما اور مؤثر صرف اللہ پاک کی ذاتِ والا صفات ہے — مگر ظاہری اسباب وتدابیر کا ترک کردینا بھی مؤمن کا صحیح مقام اور حقیقی معرفت نہیں، حضرات انبیاء علیہم السلام خاص کر سید الانبیاء ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام اور ہر دور کے عارفین کاملین اس کارخانۂ ہستی کے اسبابی سلسلہ کو اللہ پاک کے حکم کے ماتحت اور ان کی حکمت کا تقاضا جانتے ہوئے استعمال کرتے رہے ہیں اور اعتماد اور بھروسہ صرف اللہ پاک ہی پر رکھتے ہیں اور اسباب کو پانی کے نلوں کی طرح صرف ایک راستہ اور ذریعہ جانتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ اللہ پاک کی قدرت ان اسباب کی پابند نہیں، وہ اگر چاہیں تو ان کے بغیر بھی سب کچھ کر سکتے ہیں — پھر اسباب وتدابیر کر لینے کے بعد جو بھی اچھے یا بُرے احوال سامنے آتے ہیں ان پر راضی رہتے ہیں اور یہ یقین رکھتے ہیں کہ ہر حال کے بھیجنے والے ہمارے مالک ہی ہیں۔ بندوں کو لائق یہ ہے کہ ان کے حکم وفیصلہ پر راضی رہیں — سرور کونین ﷺ کا مبارک ارشاد ہے کہ قوی مؤمن، کمزور مؤمن سے بہتر ہے اور اللہ پاک کو زیادہ پسند ہے — گو ہر مؤمن میں بہتری ہے — لہٰذا نفع بخش چیزوں کی حرص کرو (مفید کاموں میں محنت کرو) اور اللہ پاک سے مدد طلب کرو۔ ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے نہ رہو پھر اگر (اسباب وتدابیر کر لینے کے بعد بھی) کوئی مصیبت پہنچے تو یہ نہ کہو کہ: ''اگر میں ایسا کرتا تو ایسا ہوتا'' کیونکہ ''اگر'' شیطان کی آنت ہے، بلکہ حال وقال سے کہو: ''اللہ پاک نے ایسا مقدر کیا تھا اور وہ جو چاہیں کرتے ہیں''(۱)

(۱) رواه الإمام مسلم رحمه الله عن أبی هريرة رضی الله عنه (مشکوٰۃ ص۴۵۲)

وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰی یُوْسُفَ اٰوٰۤی اِلَیْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّیْۤ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝۶۹ فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَایَةَ فِیْ رَحْلِ اَخِیْهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَیَّتُهَا الْعِیْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ۝۷۰ قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَیْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ۝۷۱ قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِیْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِیْمٌ ۝۷۲ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِی الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِیْنَ ۝۷۳ قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِیْنَ ۝۷۴ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِیْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ ۝۷۵ فَبَدَاَ بِاَوْعِیَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِیْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِیْهِ ؕ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِیُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِیَاْخُذَ اَخَاهُ فِیْ دِیْنِ الْمَلِكِ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ وَفَوْقَ كُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ ۝۷۶ قَالُوْۤا اِنْ یَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا یُوْسُفُ فِیْ نَفْسِهٖ وَلَمْ یُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ۝۷۷ قَالُوْا یٰۤاَیُّهَا الْعَزِیْزُ اِنَّ لَهٗۤ اَبًا شَیْخًا كَبِیْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ ۝۷۸ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗۤ ۙ
اِنَّاۤ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ۝۷۹

وَلَمَّا	اور جب	اٰوٰۤی(۲)	(تو) ٹھکانا دیا	قَالَ	کہا
دَخَلُوْا(۱)	داخل ہوئے وہ	اِلَیْهِ	اپنے پاس	اِنِّیْۤ اَنَا	بے شک میں ہی
عَلٰی یُوْسُفَ	یوسف پر	اَخَاهُ	اپنے بھائی کو	اَخُوْكَ	تیرا بھائی (ہوں)

(۱) دَخَلَ عَلَیْهِ: ملاقات کرنا، زیارت کرنا (۲) آوٰی اِلَی الْبَیْتِ: اتارنا۔ ٹھکانا دینا۔

فَلَا تَبْتَئِسْ[1]	پس نہ رنج کرتو	وَاَقْبَلُوْا[4]	اور متوجہ ہوئے وہ	لِنُفْسِدَ	تاکہ فساد کریں
بِمَا	ان (بدسلوکیوں) کا جو	عَلَيْهِمْ	ان کی طرف	فِي الْاَرْضِ	زمین میں
كَانُوْا	وہ تھے	مَّاذَا	کیا چیز	وَمَا كُنَّا	اور نہیں تھے ہم
يَعْمَلُوْنَ	کرتے رہے	تَفْقِدُوْنَ	گم کرتے ہو تم ؟	سٰرِقِيْنَ	چوریاں کرنے والے
فَلَمَّا	پھر جب	قَالُوْا	کہا انھوں نے	قَالُوْا	کہا انھوں نے
جَهَّزَهُمْ	تیار کردیا ان کے لئے	نَفْقِدُ	گم کرتے ہیں ہم	فَمَا	تو کیا (ہے)
بِجَهَازِهِمْ	ان کا سامان	صُوَاعَ	جام	جَزَآؤُهٗ	اس (چوری) کی سزا
جَعَلَ	(تو) رکھ دیا	الْمَلِكِ	بادشاہ (کا)	اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہوئے تم
السِّقَايَةَ[2]	جام (پانی پینے کا پیالہ)	وَلِمَنْ جَآءَ	اور اس کے لئے جو لائے	كٰذِبِيْنَ	جھوٹے ؟
فِيْ رَحْلِ	کجاوے (سامان) میں	بِهٖ	اس (جام) کو	قَالُوْا	کہا انھوں نے
اَخِيْهِ	اپنے بھائی کے	حِمْلُ	ایک بار	جَزَآؤُهٗ[6]	اس کی سزا
ثُمَّ اَذَّنَ	پھر پکارا	بَعِيْرٍ	شتر (ہے)	مَنْ	وہ شخص (ہے)
مُؤَذِّنٌ	ایک پکارنے والے	وَّاَنَا بِهٖ	اور میں اس (جام) کا	وُّجِدَ	(کہ) پایا جائے (جام)
	(نے)	زَعِيْمٌ[5]	ذمہ دار (ہوں)	فِيْ رَحْلِهٖ	اس کے کجاوے میں
اَيَّتُهَا	اُو	قَالُوْا	کہا انھوں نے	فَهُوَ	سو وہ
الْعِيْرُ[3]	کارواں!	تَاللّٰهِ	خدا کی قسم	جَزَآؤُهٗ	اس کی سزا (ہے)
اِنَّكُمْ	بے شک تم	لَقَدْ	البتہ تحقیق	كَذٰلِكَ	اسی طرح
لَسٰرِقُوْنَ	البتہ چور ہو	عَلِمْتُمْ	جانتے ہو تم	نَجْزِي	سزا دیتے ہیں ہم
قَالُوْا	کہا انھوں نے	مَّا جِئْنَا	(کہ) نہیں آئے ہیں ہم	الظّٰلِمِيْنَ	ناانصافوں (چوروں) کو

(۱) اِبْتَأَسَ اِبْتِآسًا: ناپسند کرنا، غمگین ہونا (۲) جام کے لئے دو لفظ استعمال ہوئے ہیں اَلسِّقَايَةُ اور صُوَاعٌ پہلے لفظ کے لحاظ سے آگے مؤنث ضمیریں آئیں گی اور دوسرے لفظ کے لحاظ سے مذکر۔ (۳) اَلْعِيْرُ دراصل قبیلہ حمیر کے قافلہ کے لئے تھا پھر سارے قافلوں پر بولا جانے لگا (۴) جملہ وَاَقْبَلُوْا حالیہ ہے (۵) زَعِيْمٌ: ذمہ دار سورۃ القلم آیت چالیس میں ہے ﴿ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيْمٌ ﴾ (ان میں کون اس کا ذمہ دار ہے) (۶) جَزَاؤُهٗ مبتدا ہے اور مَنْ اپنے صلہ کے ساتھ مل کر خبر ہے اور جملہ فَهُوَ جَزَاؤُهٗ تاکید ہے۔

فَبَدَاَ	پس شروع کیا اس نے	مَّنْ نَّشَآءُ	جس کے چاہتے ہیں	يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ	اے عزیز!
بِاَوْعِيَتِهِمْ	ان کی بوریوں سے	وَفَوْقَ	اور اوپر	اِنَّ لَهٗٓ (۳)	بیشک اس کے (ہیں)
قَبْلَ	پہلے	كُلِّ	ہر	اَبًا	باپ
وِعَآءِ	بوری (سے)	ذِیْ عِلْمٍ	صاحب علم (کے)	شَيْخًا	بوڑھے
اَخِيْهِ	اس کے بھائی کی	عَلِيْمٌ	بڑے علم والا ہے	كَبِيْرًا	بہت
ثُمَّ	پھر	قَالُوْٓا	کہا انھوں نے	فَخُذْ	پس رکھ لیجئے
اسْتَخْرَجَهَا	برآمد کرلیا اس (جام) کو	اِنْ يَّسْرِقْ	اگر چوری کی اس نے	اَحَدَنَا	ہم میں سے کسی کو
مِنْ وِّعَآءِ	بوری سے	فَقَدْ سَرَقَ	تو تحقیق چوری کرچکا ہے	مَكَانَهٗ	اس کی جگہ
اَخِيْهِ	اس کے بھائی کی	اَخٌ لَّهٗ	اس کا بھائی	اِنَّا	بے شک ہم
كَذٰلِكَ	اس طرح	مِنْ قَبْلُ	اس سے پہلے	نَرٰىكَ	پاتے ہیں آپ کو
كِدْنَا	تدبیر کی ہم نے	فَاَسَرَّهَا	پس چھپائی بات	مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ	نیک انسانوں میں سے
لِيُوْسُفَ (۱)	یوسف (کے فائدے	يُوْسُفُ	یوسف نے	قَالَ	فرمایا
	کے لئے)	فِیْ نَفْسِهٖ	اپنے دل میں	مَعَاذَ	پناہ
مَا كَانَ	نہیں تھے وہ	وَلَمْ يُبْدِهَا	اور نہ ظاہر کی وہ بات	اللّٰهِ	اللہ پاک (کی)
لِيَاْخُذَ	کہ لیتے	لَهُمْ	ان کے سامنے	اَنْ نَّاْخُذَ	کہ لیں ہم
اَخَاهُ	اپنے بھائی کو	قَالَ اَنْتُمْ	کہا تم	اِلَّا مَنْ	مگر اس کو
فِیْ دِيْنِ	قانون میں	شَرٌّ	برے (ہو)	وَّجَدْنَا	(کہ) پایا ہم نے
الْمَلِكِ	بادشاہ (کے)	مَّكَانًا (۲)	جگہ کے لحاظ سے	مَتَاعَنَا	اپنا سامان
اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ	مگر یہ کہ چاہیں	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	عِنْدَهٗٓ	اس کے پاس
اللّٰهُ	اللہ پاک	اَعْلَمُ	خوب جانتے ہیں	اِنَّآ اِذًا	بیشک ہم تب تو
نَرْفَعُ	بلند کرتے ہیں ہم	بِمَا تَصِفُوْنَ	جو کچھ تم الزام لگا رہے ہو	لَّظٰلِمُوْنَ	البتہ نا انصاف
دَرَجٰتٍ	درجات	قَالُوْا	کہا انھوں نے		(ٹھہریں گے)

(۱) اللام للنفع (روح) (۲) مکانًا تمیز ہے (۳) لهٗ خبر مقدم ہے۔

جب قافلہ بن یامین کے ساتھ مصر پہنچا تو یوسف علیہ السلام نے بن یامین کو اپنے پاس اتارا

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا قافلہ بنیامین کے ساتھ کنعان سے روانہ ہوکر دوبارہ مصر پہنچا اور والد ماجد کی ہدایت کے مطابق متفرق دروازوں سے شہر میں داخل ہوا — اور جب ان لوگوں نے یوسف سے ملاقات کی تو آپ نے اپنے بھائی کو اپنے پاس اتارا — یعنی یوسف علیہ السلام نے اپنے حقیقی بھائی بن یامین کو خاص اپنے پاس ٹھہرایا۔ اور خلوت میں اسے — بتایا کہ: ''بلاشبہ میں ہی تیرا بھائی ہوں، پس تم ان بدسلوکیوں کا کچھ رنج نہ کرو جو وہ کرتے رہے ہیں'' — اس آیتِ پاک میں دونوں بھائیوں کی گفتگو سمیٹ دی گئی ہے، بیس بائیس سال کے بعد جب دونوں بھائی ملے تو نہ معلوم کیا کیا باتیں ہوئی ہوں گی۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے بتایا ہوگا کہ وہ کن حالات سے گزرتے ہوئے اس مرتبہ پر پہنچے ہیں۔ بن یامین نے سنایا ہوگا کہ ان کے پیچھے سوتیلے بھائیوں نے ان کے ساتھ کیا کیا بدسلوکیاں کی ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائی کو تسلی دی کہ اب دن پھرنے والے ہیں، وقت آ گیا ہے کہ ہمارے سب غم غلط ہو جائیں اب گھبرانے کی کوئی بات نہیں، ان کی بدسلوکیوں کا دور ختم ہوا چاہتا ہے۔

بن یامین کے بورے میں شاہی جام بطور یادگار رکھ دیا جو چوری کا معاملہ بن گیا:

پھر جب ان کا سامان سفر ان کو تیار کر کے دیا تو ایک جام اپنے بھائی کے سامان میں رکھ دیا — یعنی جب قافلہ روانہ ہونے لگا تو کسی کو اطلاع کئے بغیر یادگار کے طور پر حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنا ایک جام (پیالہ) جو نہایت قیمتی تھا، بن یامین کے کجاوہ میں رکھ دیا، اور غمگین دل کے ساتھ قافلہ کو رخصت کر دیا، دل تو کسی طرح نہیں چاہتا تھا کہ اسے جدا ہونے دیں مگر مجبوری تھی۔ قافلہ ابھی تھوڑی ہی مسافت طے کرنے پایا تھا کہ شاہی مہمان خانہ کے کارندوں نے برتن سمیٹے، دیکھا کہ شاہی جام، جو نہایت قیمتی برتن تھا، ندارد ہے، ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے، ان کا جمع دار بہت گھبرایا اور ہر طرف جام کی تلاش شروع کر دی، انعام رکھا، مگر کہیں سے پتہ نہ چلا، آخر میں انھوں نے سوچا کہ شاہی مہمان خانہ میں کنعانیوں کے سوا دوسرا کوئی نہیں آیا، ہو نہ ہو انہی کی کارستانی ہو، جمعدار ساتھیوں کو لے کر فوراً قافلہ کے تعاقب میں نکلا۔ جب قافلہ دور سے نظر آیا تو ایک شخص نے آواز دے کر اس کو روکا۔ اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں — پھر ایک پکارنے والے نے پکارا: ''او کارواں! تم ضرور چور ہو!'' — کارواں رک گیا پھر باہم اس طرح گفتگو ہوئی:

برادرانِ یوسف نے ان لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا: ''تمہاری کیا چیز گم ہو گئی ہے؟'' — ان لوگوں نے جواب دیا: ''ہم شاہی جام گم پاتے ہیں — اور جو شخص اس کو لائے گا اس کے لئے ایک بارِ شتر انعام ہے — اور (جمعدار نے

کہا) میں اس (جام) کا ذمہ دار ہوں — برادران یوسف نے کہا: ”خدا کی قسم تمہیں خوب معلوم ہے کہ ہم ملکِ (مصر) میں فساد کرنے نہیں آئے اور نہ ہم چوریاں کرنے والے لوگ ہیں! — ان لوگوں نے کہا: ”اچھا، اگر تمہاری بات جھوٹی نکلی تو اس کی کیا سزا ہے؟“ — برادران یوسف نے کہا: ”اس کی سزا وہی شخص ہے جس کے سامان میں سے گم شدہ چیز نکلے، سو وہ خود ہی اس کی سزا ہے، ہم اس طرح چوروں کو سزا دیتے ہیں — پس اس (جمعدار) نے یوسف علیہ السلام کے بھائی کے بورے سے پہلے ان کے بوروں کی تلاشی لینی شروع کی، پھر آپ کے بھائی کے بورے سے گم شدہ چیز برآمد کرلی۔

برادران یوسف علیہ السلام نے کارندوں کی طرف متوجہ ہوکر کہا تمہاری کیا چیز گم ہوئی ہے، جس کو تم ڈھونڈ ھتے ہو؟ ہمیں خواہ مخواہ کیوں ملزم بناتے ہو! کارندے کہنے لگے کہ بادشاہ کا پانی پینے کا پیالہ گم ہوگیا ہے، اس کی تلاش ہے اور انعام بھی رکھا گیا ہے کہ جو شخص اس چوری کا پتہ لگائے گا اسے ایک اونٹ بھر غلہ انعام میں دیا جائے گا اور کارندوں کے سردار نے کہا میں اس جام کا ذمہ دار ہوں اس لئے میں اس کے لئے زیادہ فکر مند ہوں اور جو اس کا پتہ لگائے گا اس کو انعام میں دوں گا — برادران یوسف علیہ السلام نے کہا: قسم بخدا! نہ تو ہم مصر میں فساد اور شرارت کی غرض سے آئے ہیں، نہ ہم چوریاں کرنے والے لوگ ہیں، جام ہم نے بالکل نہیں چرایا، ہمارے حالات سے آپ لوگ بخوبی واقف ہیں۔ ہم اس سے پہلے بھی غلہ لینے آچکے ہیں، ہم میں چوری کی قطعاً عادت نہیں — کارندوں نے کہا: اچھا، اگر تمہاری بات جھوٹی نکلی تو جس شخص کے پاس سے یہ چوری نکلے اس کی کیا سزا ہونی چاہئے — برادران یوسف علیہ السلام نے جواب دیا کہ وہ خود آپ اپنی سزا ہے یعنی وہ تمہارے حوالے کردیا جائے گا تا کہ وہ اپنے جرم کی پاداش میں سال بھر غلامی کرے، ہم اپنے یہاں چوری کرنے والوں کو یہی سزا دیا کرتے ہیں — یہ بھائی خاندان ابراہیمی کے افراد تھے اور شریعتِ ابراہیمی کا قانون یہ تھا کہ چور کو سال بھر کے لئے اس شخص کی غلامی میں دے دیا جاتا تھا، جس کا مال اس نے چرایا ہے — کارندوں کے جمعدار نے پہلے دوسرے بھائیوں کے بوروں کی تلاشی لی کیونکہ یوسف علیہ السلام کی بارگاہ میں بن یامین کو جو تقرب حاصل تھا وہ ان سب کو معلوم تھا اس وجہ سے ان پر شبہ نہیں ہوا مگر جب دوسرے بھائیوں کے بوروں میں پیالہ نہ نکلا تو آخر میں بن یامین کے بورے کی تلاشی لی تو اس میں پیالہ موجود تھا، انھوں نے وہ پیالہ نکال لیا اور قافلہ کو واپس لوٹا کر عزیز مصر (حضرت یوسف علیہ السلام) کی خدمت میں معاملہ پیش کیا، حضرت یوسف علیہ السلام نے معاملہ کی نوعیت کو سنا تو دل میں بے حد مسرور ہوئے اور اللہ پاک کی کارسازی پر شکر ادا کیا کہ جس بات کے لئے دل بے قرار تھا کہ کسی طرح بن یامین میرے پاس ہی رہے، اس کے لئے قادرِ مطلق نے پردۂ غیب سے کیسا عجیب سامان کیا؟ اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں — اس طرح ہم نے خفیہ تدبیر کی یوسف کی خاطر، وہ اپنے بھائی کو شاہی قانون میں روک نہیں سکتے تھے مگر ہاں اگر اللہ پاک

چاہیں (تو سب کچھ ہوسکتا ہے) ہم جس کے چاہتے ہیں درجات (مراتب) بلند کرتے ہیں، اور ہر صاحبِ علم پر ایک بڑے جاننے والے ہیں—— یعنی یوسف علیہ السلام نے چارو ناچار بن یامین کو قافلہ کے ساتھ رخصت تو کردیا، مگران کا دل بہت چاہ رہا تھا کہ کسی طرح وہ ان کے پاس رہ رہتے، مگر مجبور تھے، شاہی قانون میں بلاوجہ کسی غیر ملکی کو روک لینا جائز نہ تھا اور دنیا کے کسی قانون میں بھی یہ بات روا نہیں مگر قدرت کے ہاتھ نے اس کی تدبیر یہ کی کہ یوسف علیہ السلام کے یادگار کے طور پر رکھے ہوئے پیالہ کو چوری کا معاملہ بنادیا—— پھر شاہی قانون کی رو سے چوری کی سزا میں چور کو روکا نہیں جاسکتا تھا بلکہ پیٹا جاتا تھا اور جرمانہ کیا جاتا تھا اس لئے اللہ پاک نے اپنی تدبیر سے یہ راہ نکال دی کہ اتفاقاً برادران یوسف علیہ السلام سے چور کی سزا پوچھ لی گئی اور انھوں نے اس کے لئے شریعتِ ابراہیمی کا قانون بتادیا اور چونکہ وہ لوگ مصری رعایا نہ تھے، ایک آزاد علاقے سے آئے ہوئے تھے اس لئے جب وہ خود اپنے ہاں کے دستور کے مطابق اپنے آدمی کو اس شخص کی غلامی میں دینے کے لئے تیار ہوگئے جس کا مال اس نے چرایا تھا تو پھر مصری قانون تعزیرات سے اس معاملہ میں مدد لینے کی کوئی ضرورت باقی نہ رہی—— اور اللہ پاک جل شانہ نے یوسف علیہ السلام کی خاطر یہ تدبیر کیوں فرمائی؟ اس وجہ سے فرمائی کہ وہ اللہ پاک کے مقرب بندے تھے، اللہ پاک نے ان کو بلند مقام اور عالی مرتبہ عنایت فرمایا تھا اور نبوت سے سرفراز فرمایا تھا اور اللہ پاک جسے چاہتے ہیں بلند درجہ بخش دیتے ہیں۔

اور اللہ پاک کا اپنے مقرب بندوں کے ساتھ خاص معاملہ ہوتا ہے وہ ان کی خواہشات تک کا لحاظ فرماتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ بہت سے پراگندہ بال والے، گردو غبار میں اَٹے پٹے، جن کو دروازوں سے دھکے دیئے جائیں (اللہ پاک کے نزدیک ان کا مقام یہ ہوتا ہے کہ) اگر وہ اللہ پاک پر قسم کھا بیٹھیں تو ان کی قسم کو اللہ پاک ضرور پورا کردیں[۱]'' —— چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام بن یامین کو رخصت کر کے دل مسوس کر رہ گئے تھے، اس لئے اللہ پاک نے چاہا کہ اپنے مقرب بندے کے دل کو خوش کریں، چنانچہ اللہ پاک نے عجیب وغریب صورتِ حال پیدا کردی اور یوسف علیہ السلام کے دل کی بے کلی دور ہوئی۔

اور مصری قانون تعزیرات اگرچہ ماہرین قانون نے بنایا تھا اور اس کی رو سے بھائی کو لینے کی کوئی صورت نہیں تھی مگر ہر صاحبِ علم پر ایک بڑے جاننے والے اللہ پاک جل شانہ موجود ہیں ان کے لئے یہ بات کچھ بھی مشکل نہیں کہ جو چیز دستورِ مملکت کی رُو سے ممکن نہ ہو اسے ممکن بنادیں چنانچہ مصری قانون دھرا کا دھرا رہ گیا اور اللہ پاک جل شانہ نے جو چاہا وہ پورا ہوا۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے معاملہ سنا تو سمجھ گئے کہ اس حادثہ میں قدرت کا ہاتھ ہے۔ اللہ پاک نے بن یامین

---

(۱) رواه مسلم عن ابی هريرة رضی الله عنه.

کوروک لینے کا خود بخود سامان پیدا کردیا ہے اس لئے وہ خاموش رہے اور —— ان لوگوں نے (اپنی خفت مٹانے کے لئے) کہا: ''اگر اس نے چوری کی تو (کچھ تعجب کی بات نہیں) اس کا ایک بھائی بھی اس سے پہلے چوری کر چکا ہے'' —— چونکہ وہ لوگ پہلے کہہ چکے تھے کہ ہم چور نہیں ہیں۔ اب جو دیکھا کہ مال ان کے بھائی کے بورے سے برآمد ہوا تو اپنے آپ کو اس بھائی سے الگ کرلیا اور بن یامین کے ساتھ ان کے بھائی حضرت یوسف علیہ السلام کو بھی لپیٹ لیا —— ان کی بات کا مطلب یہ تھا کہ یہ ہمارا حقیقی بھائی نہیں، علاتی ہے البتہ اس کا ایک حقیقی بھائی تھا اس نے بھی چوری کی تھی —— ان کا اشارہ ایک واقعہ کی طرف تھا جو حضرت یوسف علیہ السلام کے بچپن میں پیش آیا تھا۔ یوسف علیہ السلام کی ولادت کے تھوڑے عرصہ بعد بن یامین پیدا ہوئے اور ان کی ولادت والدہ کے لئے موت کا پیغام ثابت ہوئی۔ یوسفؑ اور بنیامین تربیت کے لئے پھوپھی کے حوالے کردیئے گئے پھوپھی کو یوسف علیہ السلام پر بہت پیار تھا، دوسری طرف والد بزرگوار حضرت یعقوب علیہ السلام کا بھی کچھ ایسا ہی حال تھا، جب آپ خود کفیل ہوگئے تو حضرت یعقوب علیہ السلام کا ارادہ ہوا کہ یوسف علیہ السلام کو بہن سے لے لیں، بہن نے انکار کردیا مگر بھائی نے اصرار کیا تو مجبور ہوکر انھوں نے یوسف علیہ السلام کو بھائی کے حوالے کردیا مگر بھتیجے کو واپس لینے کے لئے پھوپھی نے ایک تدبیر کی، پھوپھی کے پاس ایک قیمتی پٹکا (پٹی، کمر بند) تھا، انھوں نے یوسف علیہ السلام کی بے خبری میں وہ پٹکا ان کے کپڑوں کے نیچے کمر پر باندھ دیا اور شہرت دیدی کہ پٹکا چوری ہوگیا ہے، تلاش شروع ہوئی تو وہ یوسف علیہ السلام کے پاس نکلا —— شریعتِ ابراہیمی کے حکم کے مطابق اب پھوپھی کو یہ حق ہوگیا کہ یوسف علیہ السلام کو اپنے پاس رکھیں چنانچہ یوسف علیہ السلام ان کے حوالے کردیئے گئے اور جب تک وہ زندہ رہیں یوسف علیہ السلام انہی کی تربیت میں رہے —— یہ تھا وہ واقعہ جس کی طرف برادران یوسفؑ اشارہ کر رہے ہیں، ان سب کو اچھی طرح معلوم تھا کہ یوسف علیہ السلام اس الزام سے بالکل بری ہیں، انھوں نے چوری نہیں کی، بلکہ وہ ایک سازش تھی مگر اپنی خفت مٹانے کے لئے اس واقعہ کو بھی چوری کا واقعہ قرار دے کر اس کا الزام یوسف علیہ السلام پر لگادیا —— پس یوسف علیہ السلام نے بات اپنے دل میں رکھی، اور ان کے سامنے ظاہر نہیں فرمائی، آپ نے (دل میں) کہا: ''تمہارا مقام بدتر ہے! اور جو بات تم بیان کررہے ہو اس کی حقیقت اللہ پاک خوب جانتے ہیں'' —— یعنی یوسفؑ نے یہ دیکھ کر بھی کہ ان کے منہ پر جھوٹ بول رہے ہیں، ضبط سے کام لیا اور راز فاش نہیں کیا بس زیر لب اتنا کہہ کر رہ گئے کہ ''نالائق تو تم ہو! اور میرے متعلق جو بات تم بیان کررہے ہو اس کی حقیقت اللہ پاک خوب جانتے ہیں''

اب برادران یوسف بہت گھبرائے اور ان کو باپ کا عہد و پیمان یاد آیا، مگر کیا کرتے پہلے ہی بات ہار چکے تھے اب ان کے لئے صرف ایک ہی پہلو تھا کہ التجائیں کریں اور خوشامد کر کے بن یامین کو حاصل کریں چنانچہ —— ان لوگوں نے

التجا کی: ''اے عزیز! اس کا بہت بوڑھا باپ ہے، لہٰذا اس کی جگہ آپ ہم میں سے کسی کو رکھ لیجئے، بیشک ہم آپ کو نیک انسان پاتے ہیں'' — آپ نے جواب دیا: ''اللہ کی پناہ اس بات سے کہ ہم نے جس کے پاس اپنی چیز پائی ہے اس کے علاوہ کسی دوسرے شخص کو پکڑ کر رکھ لیں، تب تو ہم ضرور ناانصافی کرنے والے ٹھہریں گے!'' — یعنی اے عزیز مصر! اس کا باپ بہت بوڑھا ہے، اور اس کو اس سے بہت پیار ہے۔ خدارا اس پر رحم کیجئے اور اس کی جگہ ہم میں سے کسی ایک کو سزا میں روک لیجئے۔ آپ ہم پر مہربان رہے ہیں اور ان لوگوں میں سے ہیں جو احسان کرنے والے ہیں، لہٰذا ہم پر اتنا احسان اور کیجئے۔ عزیز مصر (یوسف علیہ السلام) نے کہا: ''پناہ بخدا! یہ کیسے ممکن ہے اگر ہم ایسا کریں تو ظالم ہوں گے!'' — احتیاط ملاحظہ فرمائیے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے ''چور'' نہیں کہا بلکہ صرف یہ کہا کہ: ''ہم نے جس کے پاس اپنی چیز پائی'' تا کہ بات بھی خلاف واقعہ نہ ہو اور مقصد بھی فوت نہ ہو۔

فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ؕ قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْٓ اَبِيْٓ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝ اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَآ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ۝ وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ؕ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝ وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰٓاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ۝ قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ۝ قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

فَلَمَّا	پھر جب	اسْتَيْـَٔسُوْا	وہ مایوس ہو گئے	مِنْهُ	اس سے

خَلَصُوْا [۱]	(تو) جدا ہوئے وہ	اَوْ يَحْكُمَ	یا حکم صادر فرمائیں	حٰفِظِيْنَ	خبر رکھنے والے
نَجِيًّا [۲]	سرگوشی کرتے ہوئے	اللّٰهُ	اللہ پاک	وَسْئَلِ	اور دریافت کر لیجئے
قَالَ	کہا	لِيْ	میرے لئے	الْقَرْيَةَ	(اس) بستی سے
كَبِيْرُهُمْ	ان کے بڑے (نے)	وَهُوَ خَيْرُ	اور وہ بہترین	الَّتِيْ كُنَّا	جو کہ تھے ہم
اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا	کیا نہیں جانتے تم	الْحٰكِمِيْنَ	حکم فرمانے والے (ہیں)	فِيْهَا	اس میں
اَنَّ اَبَاكُمْ	کہ تمہارے (ابا) نے	اِرْجِعُوْٓا	لوٹ جاؤ تم	وَالْعِيْرَ	اور (اس) کارواں سے
قَدْ اَخَذَ	تحقیق لیا ہے	اِلٰٓى اَبِيْكُمْ	اپنے ابا کے پاس	الَّتِيْٓ	جو کہ
عَلَيْكُمْ [۳]	تم سے	فَقُوْلُوْا	پس کہو	اَقْبَلْنَا	آئے ہیں ہم
مَّوْثِقًا	پیمان	يٰٓاَبَانَآ	ابا جان:	فِيْهَا	اس میں
مِّنَ اللّٰهِ [۴]	خداوندی؟	اِنَّ	بے شک	وَاِنَّا	اور بے شک ہم
وَمِنْ قَبْلُ [۵]	اور اس سے پہلے (ہے)	ابْنَكَ	آپ کے صاحبزادے	لَصٰدِقُوْنَ	بالکل سچے ہیں
مَا فَرَّطْتُّمْ	جو کوتاہی کر چکے ہو تم		(نے)	قَالَ	کہا اس نے
فِيْ يُوْسُفَ	یوسف (کے معاملہ) میں	سَرَقَ	چوری کی	بَلْ	بلکہ
فَلَنْ	پس ہرگز نہیں	وَمَا	اور نہیں	سَوَّلَتْ	مزین کی ہے
اَبْرَحَ [۶]	ٹلوں گا میں	شَهِدْنَآ	قسم کھائی تھی ہم نے	لَكُمْ	تمہارے لئے
الْاَرْضَ	زمین سے	اِلَّا	مگر	اَنْفُسُكُمْ	تمہارے دلوں نے
حَتّٰى	یہاں تک کہ	بِمَا عَلِمْنَا [۷]	اس کی جو جانتے تھے ہم	اَمْرًا	ایک بات
يَاْذَنَ لِيْٓ	پروانگی دیدیں مجھے	وَمَا كُنَّا	اور نہیں تھے ہم	فَصَبْرٌ [۸]	پس صبر
اَبِيْٓ	میرے ابا	لِلْغَيْبِ	غیب کی	جَمِيْلٌ	عمدہ (بہتر ہے)

(۱) خلَصَ (ن) خُلُوْصًا من القوم جدا ہونا (۲) نَجِيًّا صفت مشبہ ہے اور ترکیب میں خَلَصُوْا کی ضمیر فاعل سے حال ہے (۳) اَخَذَ کا تعدیہ عَلٰی سے بتضمین فعل اَلْزَمَ ہے (۴) مِنْ اضافت کا ہے (۵) مِنْ قَبْلُ خبر مقدم ہے اور ما موصولہ اپنے صلہ کے ساتھ مبتدا مؤخر ہے (۶) بَرِحَ (س) بَرَاحًا المكانَ ومنه: ہٹنا، جدا ہونا، زائل ہونا (۷) با صلہ کی ہے شَهِدَ بِكَذَا: قسم کھانا (۸) صَبْرٌ جَمِيْلٌ مبتدا ہے اور خبر محذوف ہے أی خير.

عَسَى اللّٰهُ(۱)	امید ہے اللہ پاک (سے)	عَلٰی یُوْسُفَ	یوسف پر!	حَرَضًا(۴)	نڈھال (لاغر)
اَنْ یَّاْتِیَنِیْ	کہ لے آئیں وہ میرے	وَابْیَضَّتْ	اور سفید پڑ گئیں	اَوْ تَکُوْنَ	یا ہو جائیں آپ
	پاس	عَیْنٰهُ	ان کی دونوں آنکھیں	مِنَ الْهٰلِکِیْنَ	ہلاک ہونے والے
بِهِمْ	ان کو	مِنَ الْحُزْنِ	غم سے	قَالَ اِنَّمَآ	کہا اس نے بس
جَمِیْعًا	سبھی کو	فَهُوَ کَظِیْمٌ(۲)	سو وہ گھٹنے والے (تھے)	اَشْکُوْا	فریاد کرتا ہوں میں
اِنَّهٗ هُوَ	بے شک وہی	قَالُوْا	کہا انھوں نے	بَثِّیْ(۵)	اپنی بے قراری
الْعَلِیْمُ	سب کچھ جاننے والے	تَاللّٰهِ	خدا کی قسم	وَحُزْنِیْٓ	اور اپنے غم (کی)
الْحَکِیْمُ	بڑی حکمت والے (ہیں)	تَفْتَؤُا(۳)	ہمیشہ رہیں گے آپ	اِلَی اللّٰهِ	اللہ پاک سے
وَتَوَلّٰی	اور منہ پھیرا	تَذْکُرُ	یاد کرتے	وَاَعْلَمُ	اور جانتا ہوں میں
عَنْهُمْ	ان سے	یُوْسُفَ	یوسف (کو)	مِنَ اللّٰهِ	اللہ پاک کی طرف سے
وَقَالَ	اور کہا	حَتّٰی	یہاں تک کہ	مَا لَا	وہ بات جو نہیں
یٰاَسَفٰی	ہائے افسوس	تَکُوْنَ	ہو جائیں آپ	تَعْلَمُوْنَ	جانتے ہو تم

مایوس ہو کر بھائیوں نے مشورہ کیا کہ اب کیا جائے؟

جب برادران یوسف، حضرت یوسف علیہ السلام کا جواب سن کر، بن یامین کے معاملہ میں مایوس ہو گئے تو الگ بیٹھ کر مشورہ کرنے لگے کہ اب کیا کیا جائے؟ اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں —— پھر جب وہ لوگ ان سے مایوس ہو گئے تو علاحدہ ہو کر سرگوشی کرنے لگے —— وہ چپکے چپکے باتیں کر رہے ہیں کہ اب کیا کیا جائے؟ —— ان کے بڑے نے کہا: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے ابا تم سے پیمان خداوندی لے چکے ہیں؟ اور اس سے پہلے وہ کوتاہی ہے جو تم یوسف کے معاملہ میں کر چکے ہو! سو میں تو یہاں سے ٹلنے والا نہیں، جب تک ابا مجھے پروانگی نہ دیدیں یا اللہ پاک میرے لئے کوئی حکم صادر نہ

(۱) عَسٰی افعال مقاربہ میں سے ہے اور جامد ہے، محبوب میں امید کے لئے اور مکروہ میں خوف کے لئے مستعمل ہے اللّٰہُ فاعل ہے اور جملہ اَنْ یَّاْتِیَنِیْ مفعول ہے (۲) کَظِیْمٌ صفت مشبہ ہے سخت غمگین، جو اپنے غم کو گھونٹ کر رکھے، ظاہر نہ کرے (۳) تَفْتَؤُا افعال ناقصہ میں سے ہے اور جواب قسم ہے اصل میں لا تَفْتَؤُ تھا حرف نفی حذف کیا ہے کیونکہ جب قسم کے ساتھ علامت اثبات (لام تاکید اور نون تاکید) نہیں ہوتی تو وہ نفی پر محمول ہوتی ہے (۴) حَرَضًا مصدر ہے جو صفت کے طور پر استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں، مضمحل، بیمار اور بیکار (۵) بَثٌّ: بے قراری، پراگندگی۔ بَثَّ (ن ض) بَثًّا: بکھیرنا، پراگندہ کرنا۔ ابھارنا۔ یاء ضمیر واحد متکلم مضاف الیہ ہے۔

فرمادیں،اوروہ بہترین حکم صادر فرمانے والے ہیں—— تم لوگ لوٹ کر اپنے ابا کے پاس جاؤ،اور کہو: ابا جان! بیشک آپ کے صاحب زادے نے چوری کی—— اور ہم نے صرف اسی بات کی قسم کھائی تھی جو ہم جانتے تھے اور ہمیں غیب کے احوال کی کچھ خبر نہ تھی—— اور آپ اس بستی سے تحقیق کرلیں جس میں ہم تھے،اور اس کارواں سے (بھی) جس میں ہم آئے ہیں اور ہم بلاشبہ بالکل سچے ہیں!—— مشورے میں اکثر کی رائے یہ ہوئی کہ وطن واپس جانا چاہئے۔اب یہاں پڑے رہنے سے کیا حاصل؟ مگران کے بڑے نے کہا: باپ کے سامنے ہم کیا منہ لے کر جائیں گے؟ جو عہد خداوندی وہ ہم سے لے چکے ہیں اس کا کیا جواب دیں گے! ایک تقصیر تو پہلے یوسف کے معاملہ میں ہو چکی ہے اس کا داغ اب تک باپ کے دل سے مٹا نہیں کہ یہ دوسرا معاملہ درپیش آگیا،سو بندہ تو کسی حال میں یہاں سے ٹلنے والا نہیں الا یہ کہ والد بزرگوار پروانگی دے دیں یعنی حاضر خدمت ہونے کی اجازت دے دیں یا اللہ پاک کوئی فیصلہ فرمادیں، بن یامین کی رہائی کی کوئی صورت نکال دیں یا والد ماجد کے پاس وحی سے میری براءت بھیج دیں—— البتہ آپ لوگ گھر لوٹ جائیں اور ابا جان کو حقیقت حال سے مطلع کریں کہ ایسا واقعہ پیش آیا ہے جس کی کوئی توقع نہ تھی،آپ کے صاحب زادے نے واقعی چوری کی جس کی پاداش میں وہ روک لئے گئے،اور ہم نے جو قول دیا تھا وہ اپنی دانست کے مطابق دیا تھا،ہمیں کیا خبر تھی کہ بن یامین چوری کرکے پکڑا جائے گا۔ہمیں غیب کے احوال کی کچھ خبر نہ تھی—— اور آپ کو یقین نہ آئے تو معتبر آدمی بھیج کر اس بستی والوں سے تحقیق کرلیں جہاں یہ واقعہ پیش آیا ہے نیز ان قافلہ والوں سے بھی دریافت کرلیں جن کے ہمراہ ہم واپس آئے ہیں۔

مشورہ کے مطابق بڑے بھائی مصر ہی میں رک گئے اور دوسرے بھائی کنعان واپس آئے اور حضرت یعقوب علیہ السلام سے سارا وقعہ بیان کیا،سن کر یعقوب علیہ السلام نے—— فرمایا: (جو بات تم بیان کررہے ہو صحیح نہیں، بن یامین کا چوری کرنا میری سمجھ سے بالاتر ہے) بلکہ تمہارے لئے تمہارے نفوس نے ایک بات مزین کی ہے—— یعنی بن یامین نے چوری ووری کچھ نہیں کی،تمہارے نفوس نے تمہارے لئے ایک بات مزین کی ہے جس کی وجہ سے تمہیں یقین آگیا ہے کہ بن یامین نے ضرور چوری کی ہے—— پس عمدہ صبر بہتر ہے—— یعنی میں اب بھی صبر ہی کروں گا،وہی میرے لئے بہتر ہے—— اللہ پاک کی ذات سے امید ہے کہ وہ ان سب کو میرے پاس لے آئیں گے،وہی بالیقین سب کچھ جاننے والے بڑی حکمت والے ہیں—— حضرت یعقوب علیہ السلان بن یامین کی گم شدگی میں یوسف علیہ السلام کی بازگشت کی جھلک دیکھ رہے تھے،وہ فراست نبوت سے سمجھ رہے تھے کہ اب جدائی کی گھڑیاں ختم ہونے والی ہیں اس لئے امید ظاہر فرمارہے ہیں کہ اب اللہ پاک میرے سب بیٹوں کو مجھ سے ملادیں گے—— اور قرب وصال کے تصور سے دردِ فراق کی

شدتیں بڑھ جاتی ہیں اور نیا زخم کھا کر پرانا زخم ہرا ہوجاتا ہے اس لئے سرد آہ نکلتی ہے:—— اور آپ نے ان سے منہ پھیرا —— بیٹوں سے گفتگو چھوڑی —— اور کہا: ''ہائے یوسف!'' —— اور غم (میں رونے) سے ان کی آنکھیں سپید پڑ گئی تھیں اور وہ (غم سے) گھٹ رہے تھے —— یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں شدت غم میں روتے روتے سپید پڑ گئی تھیں اور سینہ سوزش غم سے جل رہا تھا مگر وہ کسی مخلوق کے سامنے حرف شکایت زبان پر نہ لاتے تھے نہ کسی سے انتقام لیتے، نہ غصہ نکالتے، نہ غم کی بات کبھی منہ سے نکلتی، ہاں جب اپنے کو بہت گھونٹتے تو دل کا بخار آنکھوں کی راہ سے ٹپک پڑتا۔ بے تابی اور بے چینی کا طوفان اٹھتا تو دل پکڑ کر اور کلیجہ مسوس کر رہ جاتے مگر زبان سے اُف تک نہ کرتے، یہ تھا عمدہ صبر! سچ ہے ایسا درد اتنی مدت تک دبا کر رکھنا پیغمبر کے سوا کسی کا کام نہیں! —— باپ کا یہ حال دیکھ کر —— بیٹوں نے کہا: بخدا آپ ہمیشہ یوسف کو یاد کرتے رہتے ہیں، اتنا کہ آپ نڈھال ہوجائیں گے یا ہلاک ہوجائیں گے'' —— یعنی آخر یوسف کے صدمہ کی اور غم کی کوئی انتہا بھی ہونی چاہئے، زمانہ گذرنے سے ہر کسی کا غم غلط ہوجاتا ہے مگر آپ ہیں کہ اتنا طویل عرصہ گزرنے پر بھی یوسف کو نہیں بھولتے، کیا اس طرح یوسف کی یاد میں گھلتے ہی رہو گے اور جان کھولو گے؟! حضرت یعقوبؑ نے —— فرمایا: میں اپنی بے قراری اور اپنے غم کی فریاد صرف اللہ پاک سے کرتا ہوں —— تمہارا تو کچھ شکوہ نہیں کرتا، نہ تم کو کوستا ہوں، پھر مجھے نصیحت کیوں کرتے ہو؟ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو —— اور میں اللہ پاک کی طرف سے وہ بات جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے —— حضرت یعقوبؑ کو وحی سے اشارہ مل چکا تھا کہ یوسف ضرور ملیں گے اس لئے آپ نے فرمایا کہ میں بارگاہ خداوندی میں اپنا دکھڑا روتا ہوں جس نے درد دیا ہے اسی سے دوا مانگتا ہوں۔

يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۷﴾ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ﴿۸۸﴾ قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ﴿۸۹﴾ قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ؕ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ ز قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ؕ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ

اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ ۝ قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۭ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۡ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰي وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝

يٰبَنِيَّ	اے میرے بچو!	عَلَيْهِ	ان سے	الْمُتَصَدِّقِيْنَ	خیرات دینے والوں (کو)
اذْهَبُوْا	جاؤ	قَالُوْا	(تو) کہا انھوں نے	قَالَ	فرمایا
فَتَحَسَّسُوْا (۱)	اور ٹوہ لگاؤ	يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ	اے عزیز!	هَلْ عَلِمْتُمْ	کیا جانتے ہو تم
مِنْ يُّوْسُفَ	یوسف (کی)	مَسَّنَا	پہنچی ہے ہمیں	مَّا فَعَلْتُمْ (۴)	جو کیا تم نے
وَاَخِيْهِ	اور اسکے بھائی (کی)	وَاَهْلَنَا	اور ہمارے گھر والوں کو	بِيُوْسُفَ	یوسف کے ساتھ
وَلَا تَايْـَٔسُوْا	اور نہ مایوس ہوؤ	الضُّرُّ	سختی	وَاَخِيْهِ	اور اسکے بھائی (کیساتھ)
مِنْ رَّوْحِ (۲)	رحمت سے	وَجِئْنَا	اور لائے ہیں ہم	اِذْ اَنْتُمْ	جب تم
اللّٰهِ	اللہ پاک (کی)	بِبِضَاعَةٍ	پونجی	جٰهِلُوْنَ	نادان تھے؟
اِنَّهٗ	بیشک شان یہ ہے کہ	مُّزْجٰىةٍ (۳)	ردی	قَالُوْٓا	بولے وہ
لَا يَايْـَٔسُ	نہیں ناامید ہوتے	فَاَوْفِ	پس آپ پورا دیجئے	ءَاِنَّكَ	کیا بے شک آپ
مِنْ رَّوْحِ	رحمت سے	لَنَا	ہمیں	لَاَنْتَ	ہی
اللّٰهِ	خدا (کی)	الْكَيْلَ	پیمانہ (غلہ)	يُوْسُفُ	یوسف (ہیں)؟
اِلَّا	مگر	وَتَصَدَّقْ	اور خیرات دیجئے	قَالَ	فرمایا
الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ	منکرین	عَلَيْنَا	ہمیں	اَنَا يُوْسُفُ	میں یوسف (ہوں)
فَلَمَّا	پس جب	اِنَّ اللّٰهَ	بیشک اللہ پاک	وَهٰذَآ اَخِيْ	اور یہ میرا بھائی (ہے)
دَخَلُوْا	ملاقات کی انھوں نے	يَجْزِي	بدلہ دیتے ہیں	قَدْ مَنَّ	واقعۃً احسان فرمایا

(۱) تَحَسَّسَ مِنْهُ: حقیقت حال معلوم کرنا، ٹوہ لگانا۔ کھوج لگانا۔ پتہ لگانا (۲) رَوْحٌ: رحمت، مہربانی، فیض، مصدر ہے، یَوْمٌ رَوْحٌ: سہانا دن (۳) اَلْمُزْجٰی کا مؤنث ہے جس کے معنی ہیں تھوڑی چیز، ردی چیز، فعل اَزْجٰی اِزْجَاءً: ہانکنا پس مُزْجٰی وہ ردی چیز ہے جسے ہٹا دیا جائے (۴) ما موصولہ ہے اور صلہ کے ساتھ مل کر عَلِمَ کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے۔

اللّٰهُ	اللہ پاک (نے)	اٰثَرَكَ (1)	فضیلت بخشی آپ کو	الرّٰحِمِيْنَ	سب مہربانوں (سے)
عَلَيْنَا	ہم پر	اللّٰهُ	اللہ پاک (نے)	اِذْهَبُوْا	لے جاؤ
اِنَّهٗ	بیشک شان یہ ہے کہ	عَلَيْنَا	ہم پر	بِقَمِيْصِيْ	میرا کرتہ
مَنْ	جو شخص	وَاِنْ كُنَّا	اور بے شک تھے ہم	هٰذَا	یہ
يَّتَّقِ	پرہیزگاری اختیار کرتا ہے	لَخٰطِـِٕيْنَ	البتہ خطا کار	فَاَلْقُوْهُ	پس ڈال دو اس کو
وَيَصْبِرْ	اور صبر کرتا ہے	قَالَ	فرمایا	عَلٰى وَجْهِ	منہ پر
فَاِنَّ اللّٰهَ	تو یقیناً اللہ پاک	لَا تَثْرِيْبَ (2)	نہیں ملامت (ہے)	اَبِيْ	میرے ابا (کے)
لَا يُضِيْعُ	نہیں ضائع فرماتے	عَلَيْكُمُ	تم پر	يَاْتِ	تشریف لائیں وہ
اَجْرَ	ثواب	الْيَوْمَ	آج	بَصِيْرًا	بینا ہوکر
الْمُحْسِنِيْنَ	نیکوکاروں (کا)	يَغْفِرُ	معاف فرمائیں	وَاْتُوْنِيْ	اور لے آؤ تم میرے
قَالُوْا	بولے وہ	اللّٰهُ	اللہ پاک		پاس
تَاللّٰهِ	خدا کی قسم	لَكُمْ	تمہیں	بِاَهْلِكُمْ	اپنے گھر والوں کو
لَقَدْ	البتہ تحقیق	وَهُوَ اَرْحَمُ	اور وہ زیادہ مہربان (ہیں)	اَجْمَعِيْنَ	سب کو

آخر میں پردہ ہٹا اور یوسف علیہ السلام نمودار ہوئے

برادران یوسف علیہ السلام مصر سے جو غلہ لائے تھے وہ ختم ہونے والا ہے۔ اس لئے وہ پھر مصر جانے کے لئے پر تول رہے ہیں، والد ماجد حضرت یعقوب علیہ السلام سے اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا:— میرے بچو! جاؤ، اور یوسف اور اس کے بھائی کا پتہ لگاؤ، اور رحمت الٰہی سے مایوس نہ ہوؤ، فیض خداوندی سے منکر ہی مایوس ہوتے ہیں— یعنی ناامید ہو جانا صرف خدا پاک کے منکر بندوں کا کام ہے، مومن بندہ کبھی بھی فیض خداوندی سے مایوس نہیں ہوتا۔

کافر: حق تعالیٰ کے فیض اور مہربانی سے ناامید اس لئے ہوتا ہے کہ اُسے نہ تو اللہ پاک کی بے پایاں رحمت اور قدرت کاملہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے، نہ اسے اللہ پاک کی کریمی کا تصور ہوتا ہے اور نہ ہی اس کی خدا کی حکمت و مصلحت پر نظر ہوتی ہے— مگر مؤمن بندہ چونکہ یہ سب کچھ جانتا اور مانتا ہے اس لئے اگر اس پر پہاڑ کی چٹانوں اور سمندر کی موجوں کے برابر حوادث آئیں تو بھی وہ اللہ پاک کی رحمت سے ناامید نہیں ہوتا۔

(۱) آثَرَ اِيْثَارًا: ترجیح دینا، فضیلت دینا (۲) ثَرَبَ (ض) ثَرْبًا وَثَرَّبَهٗ وَثَرَّبَ عَلَيْهِ: ملامت کرنا، کام کی مذمت کرنا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کا اسوہ اس سلسلہ میں بہترین اسوہ ہے آپ پر پے در پے حوادث آتے رہے، پھر بھی آپ نے نہ تو صبر جمیل کا دامن چھوڑا، نہ رحمت خداوندی سے مایوس ہوئے، بلکہ صاحبزادوں سے فرمایا: جاؤ، اور یوسف کی کھوج لگاؤ اور بن یامین کے چھڑانے کی تدبیر کرو۔

برادران یوسف کنعان سے روانہ ہوئے اور تیسری بار مصر پہنچے —— پھر جب انھوں نے ان سے ملاقات کی تو کہا: ''اے عزیز! ہمیں اور ہمارے گھرانے کو سختی پہنچی ہے اور ہم ردی پونجی لے کر آئے ہیں، سو آپ ہمیں پورا غلہ عنایت فرمائیں اور ہمیں خیرات دیں، اللہ پاک خیرات دینے والوں کو یقیناً بدلہ عنایت فرماتے ہیں'' —— انھوں نے کہا اے عزیز! آج کل قحط کی وجہ سے ہم پر اور ہمارے گھر والوں پر سختی گذر رہی ہے۔ ہم کچھ حقیری پونجی لے کر حاضر خدمت ہوئے ہیں مگر آپ اپنے کریمانہ اخلاق سے ہماری ناقص پونجی کا خیال نہ فرمائیں، گذشتہ کی طرح غلہ کی مقدار پوری عنایت فرمائیں اور آپ کی یہ رعایت ہمارے حق میں ایک طرح کی خیرات ہوگی، خدا پاک آپ کا بھلا کریں!

حضرت یوسف علیہ السلام نے —— پوچھا ''تم جانتے ہو جو حرکتیں تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کی ہیں جبکہ تم نادان تھے؟'' —— بھائی یہ سوال سنتے ہی چونک پڑے۔ انھوں نے سوچا کہ عزیز مصر یوسف کا ذکر اس طرح کیوں کر رہا ہے؟ کہیں یہ یوسف تو نہیں! پھر جو آپ کی صورت اور آواز پر غور کیا تو انہیں صاف نظر آیا کہ صورت تو بالکل یوسف کی ہے۔ حیران ہو کر —— بولے ''کیا واقعی آپ یوسف ہیں؟'' —— حضرت یوسف علیہ السلام نے —— فرمایا: جی ہاں، میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ پاک نے ہم پر احسان فرمایا۔ بیشک جو شخص پرہیزگاری اختیار کرتا ہے: صبر کرتا ہے تو اللہ پاک ایسے نیکوکاروں کا حق نہیں مارتے —— یعنی جو مصائب پر صبر کرتا ہے اور ثابت قدم رہتا ہے: اللہ پاک ایسے نیک کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں فرماتے۔ اللہ پاک کا ارشاد ہے:

﴿ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ﴾ (سورۃ الطلاق ۲و۳)

ترجمہ: اور جو شخص اللہ پاک سے ڈرتا ہے: اللہ پاک اس کے لئے پریشانیوں سے نجات کی راہ نکال دیتے ہیں اور ایسی جگہ سے اس کو روزی پہنچاتے ہیں جہاں اس کا گمان بھی نہیں جاتا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے پاس اب شرمندگی اور اعتراف جرم کے سوا کیا تھا؟ انھوں نے یوسف علیہ السلام کی تباہی اور بربادی کے لئے جو بیہودگی کی تھی اس کا نقشہ ان کی آنکھوں کے سامنے پھر گیا اور وہ اپنی سر کی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ جسے کل کنعان کے کنویں میں پھینک کر آئے تھے وہ آج مملکت مصر کے تاج و تخت کا مالک ہے، پس سر جھکا کر —— بولے: ''بخدا! اللہ پاک نے آپ کو ہم پر فضیلت بخشی اور ہم یقیناً خطا کار تھے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے جب اپنے سوتیلے بھائیوں کی پشیمانی دیکھی تو آپ کی اخلاقی برتری اور پیغمبرانہ رحمت وشفقت جوش میں آئی، آپ نے فوراً عفو وکرم کا معاملہ فرمایا، ارشاد فرمایا—— ''آج تم پر کوئی ملامت نہیں، اللہ پاک تمہیں معاف کریں، اور وہ سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہیں''—— یعنی جو کچھ ہونا تھا سو ہو چکا، اب ہم کو یہ داستان فراموش کر دینی چاہئے۔ میں بارگاہ خداوندی میں دعا کرتا ہوں کہ وہ تمہاری غلطی معاف فرمائیں، وہ سب سے بڑھ کر رحیم ہیں ان کی ذات سے امید ہے کہ وہ تمہیں بخش دیں گے۔

اب تم کنعان واپس جاؤ، اور—— میرا یہ کرتا لے جاؤ، اور اس کو میرے ابا کے منہ پر ڈال دو، وہ بینا ہو کر تشریف لائیں اور تم بھی اپنے سب گھر والوں کو میرے پاس لے آؤ—— یعنی میرا یہ پیرہن والد صاحب کی آنکھوں پر ڈال دینا ان شاء اللہ ان کی آنکھیں روشن ہو جائیں گی، وہ میرے پاس تشریف لائیں، اور تم بھی تمام خاندان کو مصر لے آؤ۔

جب بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کی ہلاکت کی خبر ابا کو سنائی تھی تو خون آلود کرتا لے جا کر دکھایا تھا، اب وقت آیا ہے کہ وہ ابا کو یوسف علیہ السلام کی زندگی اور اقبال کی خوش خبری سنائیں تو اس کے لئے بھی کرتا ہی لے جائیں گویا وہی چیز جو کل فراق کا پیام لائی تھی وہ آج وصال کی خوش خبری لائی ہے۔

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿۹۴﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ﴿۹۵﴾ فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰي وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِــِٕيْنَ ﴿۹۷﴾ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۹۸﴾

وَلَمَّا	اور جب	اَبُوْهُمْ	ان کے ابا (نے)	لَوْلَآ (۲)	اگر نہ
فَصَلَتِ (۱)	جدا ہوا	اِنِّيْ لَاَجِدُ	بیشک میں البتہ پاتا ہوں	اَنْ تُفَنِّدُوْنِ (۳)	سٹھایا ہوا سمجھو تم مجھے
الْعِيْرُ	کارواں (قافلہ)	رِيْحَ	خوشبو	قَالُوْا	کہا انھوں نے
قَالَ	(تو) کہا	يُوْسُفَ	یوسف (کی)	تَاللّٰهِ	خدا کی قسم

(۱) فَصَلَ (ض) الرجلُ عن البلد: شہر سے نکل جانا (۲) دونوں جگہ اَنْ زائدہ ہے، نفی کی تاکید کے لئے آیا ہے ←

اِنَّكَ	بے شک آپ	اَلَمْ اَقُلْ	کیا نہ کہا تھا میں نے	كُنَّا	تھے ہم
لَفِيْ ضَلٰلِكَ	یقیناً اپنے غلط خیال	لَّكُمْ	تم سے	خٰطِـِٕيْنَ	خطاوار
	میں (ہیں)	اِنِّيْٓ	(کہ) بے شک میں	قَالَ	فرمایا
الْقَدِيْمِ	پرانے	اَعْلَمُ	جانتا ہوں	سَوْفَ	عنقریب
فَلَمَّآ	پس جب	مِنَ اللّٰهِ	اللہ پاک کی طرف سے	اَسْتَغْفِرُ	گناہ بخشواؤں گا
اَنْ جَآءَ (۲)	کہ آیا	مَا لَا	(وہ بات) جو نہیں	لَكُمْ	تمہارے لئے
الْبَشِيْرُ	خوشخبری دینے والا	تَعْلَمُوْنَ	جانتے تم ؟	رَبِّيْ	اپنے پروردگار (سے)
اَلْقٰىهُ	(تو) ڈال دیا اس نے	قَالُوْا	کہا انھوں نے	اِنَّهٗ	بے شک وہ
	اس (کرتے) کو	يٰٓاَبَانَا	اباجان!	هُوَ	ہی
عَلٰى وَجْهِهٖ	ان کے منہ پر	اسْتَغْفِرْ	بخشوائے	الْغَفُوْرُ	بڑے معاف فرمانے
فَارْتَدَّ (۱)	تو لوٹے وہ (ہوگئے وہ)	لَنَا	ہمارے لئے		والے
بَصِيْرًا	بینا	ذُنُوْبَنَآ	ہمارے گناہ	الرَّحِيْمُ	بے حد مہربانی فرمانے
قَالَ	فرمایا	اِنَّا	بے شک ہم		والے (ہیں)

مصر سے یوسف علیہ السلام کا کرتا چلا اور یعقوب علیہ السلام نے خوشبو پالی

برادران یوسف علیہ السلام کا قافلہ کنعان کی طرف پیرہن یوسف لے کر چلا — اور جب کارواں (مصر کے دارالسلطنت سے) باہر نکلا تو ان کے ابا نے کہا: ''مجھے یقیناً یوسف کی مہک آرہی ہے، اگر تم مجھے سٹھیایا ہوا نہ کہو'' — اُدھر کارواں نے کوچ کیا اور اِدھر کنعان میں سیکڑوں میل کے فاصلہ پر حضرت یعقوب علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام کی مہک آنے لگی۔ اس سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی غیر معمولی قوتوں کا اندازہ ہوتا ہے

معجزات اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتے ہیں:

مگر انبیاء علیہم السلام کی یہ کرامتیں ان کی ذاتی نہیں ہوتیں بخشش خداوندی ہوتی ہیں۔ اللہ پاک جب اور جس قدر

← (۳) فَنِدَ (س) فَنَدًا: کھوسٹ ہونا، بڑھاپے کی وجہ سے ضعیف العقل ہونا فَنَّدَهٗ: ضعیف العقل بتانا۔

(۱) اِرْتَدَّ عَلٰى اَثَرِهٖ: لوٹنا — بَصِيْرًا حال ہے — فَارْتَدَّ دوسری جزاء ہے لَمَّا کی۔

چاہتے ہیں عطا فرماتے ہیں، حضرت یوسف علیہ السلام برسوں مصر میں موجود رہے مگر کبھی حضرت یعقوب علیہ السلام کو ان کی خوشبو نہیں آئی، مگر جب اللہ پاک نے چاہا تو یکا یک ان کی قوت ادراک اتنی تیز ہوگئی کہ ابھی مصر سے ان کا کرتا چلا ہی تھا کہ کنعان میں آپ کو اس کی مہک آنی شروع ہوگئی۔

غزوۂ تبوک میں نبیٔ پاک ﷺ کی اونٹنی گم ہوگئی، چرتی ہوئی کہیں سے کہیں نکل گئی، مسلمان اس کو تلاش کررہے تھے ، منافقوں نے اپنی مجلس میں اس کا خوب مذاق اڑایا اور کہا کہ یہ آسمان کی خبریں تو خوب سناتے ہیں مگر ان کو اپنی اونٹنی کی کچھ خبر نہیں۔ آپؐ کو بذریعہ وحی اونٹنی کی اور ان کی کافرانہ باتوں کی اطلاع ہوگئی، آپ نے ارشاد فرمایا: ایک شخص میرے بارے میں یہ یہ کہہ رہا ہے، حالانکہ بخدا! مجھے صرف وہی باتیں معلوم ہوتی ہیں جو اللہ پاک مجھے بتلاتے ہیں۔ اب اللہ پاک نے مجھے اونٹنی کا پتہ بتا دیا ہے وہ فلاں میدان کی فلاں گھاٹی میں ہے۔ وہاں اس کی لگام ایک درخت سے اٹک گئی ہے اس لئے وہ وہیں کھڑی ہے (زادالمعاد)

غرض حضرت یعقوب علیہ السلام کے اس حال سے اور رسول اکرم ﷺ کے اس واقعہ سے یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے معجزات ان کا ذاتی کمال نہیں ہوتے۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام کنعان کے قریب کنویں میں پڑے تھے تو حضرت یعقوب علیہ السلام کو ان کی مہک نہیں آئی، مگر اب وحی الٰہی نے ان کو شمیم یوسف علیہ السلام سے مہکا دیا، انھوں نے اپنے خاندان سے کہا کہ اگر تم یہ نہ کہو کہ بڑھاپے میں اس کی عقل ماری گئی ہے تو میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ مجھے یوسف کی مہک آرہی ہے—— وہ کہنے لگے: بخدا! آپ اپنی پرانی بھول میں ہیں—— کہ یوسف زندہ ہیں اور وہ پھر ملیں گے۔ آپ کے یہی پرانے خیالات خوشبو بن کر آپ کے دماغ میں بس رہے ہیں ورنہ یوسف کہاں؟ ان کو تو مدت ہوئی بھیڑیا کھا گیا! کئی روز بعد قافلہ بخیریت کنعان پہنچا—— پھر جب خوش خبری دینے والا آیا تو اُس نے وہ کرتہ اُن کے منہ پر ڈالا اور ان کی بینائی لوٹ آئی—— یعنی پیراہن یوسفؑ کا حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھوں سے لگنا تھا کہ ان کی آنکھیں فوراً روشن ہوگئیں اور انھوں نے—— فرمایا: کیا میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ: ''میں اللہ پاک کی طرف سے یقیناً وہ بات جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے''—— جب ''ہائے یوسف!'' کہنے پر حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے ملامت کی تھی تو آپ نے فرمایا تھا: ''میں اپنی بے قراری اور اپنے غم کی فریاد صرف اللہ پاک سے کرتا ہوں اور میں اللہ پاک کی طرف سے یقیناً وہ بات جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے'' (آیت ۸۶) یعنی میں جانتا ہوں کہ یوسف زندہ ہیں اور ضرور ملیں گے اس لئے میں ان کو یاد کرتا تھا—— مگر بیٹوں نے آپ کی اس بات کو ایک نالۂ غم سے زیادہ حیثیت نہیں دی تھی اب آپ ان کو وہی بات یاد دلا رہے ہیں کہ میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ یوسف زندہ ہیں؟ دیکھ لو اللہ

پاک کی طرف سے جو بات میں جانتا تھا وہ آخر سچ ثابت ہوئی یا نہیں؟!

برادران یوسف علیہ السلام شرم وندامت سے سر جھکائے ہوئے ــــ بولے: ''ابا جان! ہمارے گناہوں کے لئے دعائے مغفرت کیجئے، ہم یقیناً خطاوار تھے'' ــــ یعنی ہم سے بڑی بھاری غلطی ہوگئی، آپ دعا کر کے اللہ پاک سے ہمارے گناہ معاف کرائیے ــــ ان کا مطلب یہ تھا کہ پہلے آپ معاف فرمائیں، پھر صاف دل ہوکر بارگاہ خداوندی میں ہماری مغفرت کے لئے دعا کریں ــــ آپ نے فرمایا: ''میں عنقریب تمہارے لئے اپنے پروردگار سے دعائے مغفرت کروں گا، وہی بالیقین بڑے معاف فرمانے والے، بے حد مہربانی فرمانے والے ہیں'' ــــ یعنی مناسب وقت آنے پر میں اپنے مہربان خدا کے آگے تمہارے لئے ہاتھ پھیلاؤں گا، حدیث شریف میں اس کی تفسیر یہ آئی ہے کہ آپ کو جمعہ کی شب کا انتظار تھا یعنی میں تمہارے لئے جمعہ کی شب میں نماز تہجد کے وقت دعائے مغفرت کروں گا۔

امام ترمذی اور حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک لمبی حدیث روایت کی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے قرآن پاک یاد نہ رہنے کی شکایت سرکار دو عالم ﷺ سے کی۔ آپؐ نے اس کے لئے ایک عمل بتایا کہ جب جمعہ کی شب آئے تو اگر یہ ہوسکتا ہو کہ رات کے آخر کے تہائی حصہ میں اٹھو تو یہ بہت اچھا ہے۔ کیونکہ یہ وقت فرشتوں کے نازل ہونے کا ہے اور دعا اس وقت میں خاص طور پر قبول ہوتی ہے۔ اسی وقت کے انتظار میں حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے کہا تھا ﴿سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ﴾ (عنقریب میں تمہارے لئے اپنے رب سے مغفرت طلب کروں گا)[1]

خیر الخطائیں التوابین:

ان آیتوں میں سمجھنے کی خاص بات یہ ہے کہ برادران یوسف علیہ السلام نے حقیقت واقعہ ظاہر ہونے کے بعد اپنے والد سے اور بھائی سے معافی مانگی، اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کے ہاتھ یا زبان سے کسی کو تکلیف پہنچی ہو، یا کسی کی حق تلفی ہوئی ہو اس پر لازم ہے کہ اس حق کو ادا کرے یا صاحب حق سے معافی چاہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ''جس شخص کے ذمہ کسی دوسرے کا کوئی مالی حق واجب ہو یا اس کو ہاتھ یا زبان سے کوئی ایذا پہنچائی ہو تو اس کو چاہئے کہ آج اس کو ادا کردے یا معافی مانگ کر اس سے سبکدوشی حاصل کرلے، قیامت کے دن چونکہ کسی کے پاس دوسرے کا حق ادا کرنے کے لئے کوئی پیسہ نہ ہوگا اس لئے اس کے نیک اعمال مظلوم کو دیئے جائیں گے

(۱) حدیث لمبی ہے اور اس میں قرآن پاک حفظ کرنے کا بہت ہی مجرب عمل بتایا ہے۔ ناظرین کرام چاہیں تو فضائل رمضان ص ۶۶-۶۸ (مؤلفہ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور) ملاحظہ فرمائیں۔

اور یہ خالی ہاتھ رہ جائے گا۔ اور اگر اس کے پاس نیک اعمال نہ ہونگے تو دوسرے کے گناہ اس پر لاد دیئے جائیں گے"(۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے سوال کیا: بتاؤ: ''نادار'' کون ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ ''نادار'' ہم اُسے سمجھتے ہیں جس کے پاس پیسہ نہ ہو اور نہ کوئی سامان ہو۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری امت کا نادار وہ ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ، زکوٰۃ سب کچھ لے کر آئے مگر ساتھ ہی کسی کو گالی دی ہے، کسی پر تہمت لگائی ہے، کسی کا مال کھایا ہے، کسی کا خون کیا ہے اور کسی کو مارا پیٹا ہے اس لئے اس کی نیکیاں مظلوموں میں بانٹ دی جائیں، اگر حساب بے باق نہ ہوا تو ان کے گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے۔ پھر جہنم رسید کر دیا جائے"(۲)

قیامت کے دن حقوق ضرور ادا کئے جائیں گے، یہاں تک کہ بے سینگ بکری کے لئے سینگ دار بکری سے بدلہ لیا جائے گا (حدیث شریف)

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى یُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَیْهِ اَبَوَیْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ ﴿۹۹﴾ وَرَفَعَ اَبَوَیْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ یٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِیْلُ رُءْیَایَ مِنْ قَبْلُ ۫ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّیْ حَقًّا ؕ وَقَدْ اَحْسَنَ بِیْۤ اِذْ اَخْرَجَنِیْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّیْطٰنُ بَیْنِیْ وَبَیْنَ اِخْوَتِیْ ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَطِیْفٌ لِّمَا یَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ﴿۱۰۰﴾ رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۫ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۰۱﴾

فَلَمَّا	پھر جب	اٰوٰۤى	(تو) اتارا	وَقَالَ	اور کہا
دَخَلُوْا	ملاقات کی انھوں نے	اِلَیْهِ	اپنے پاس	ادْخُلُوْا	چلئے
عَلٰى یُوْسُفَ	یوسف (علیہ السلام) سے	اَبَوَیْهِ	اپنے والدین کو	مِصْرَ	مصر

(۱) رواه البخاری عن أبی هريرة رضی الله عنه (مشکوٰۃ ص ۴۳۵) (۲) رواه مسلم عن ابی هريرة رضی الله عنه (حوالہ بالا)

اِنْ شَآءَ	اگر چاہا	اَحْسَنَ	نیک سلوک فرمایا (اس نے)	رَبِّ	اے میرے پروردگار!
اللّٰهُ	اللہ پاک نے	بِیْٓ	میرے ساتھ	قَدْ	واقعۃً
اٰمِنِيْنَ [1]	بے خوف ہوکر	اِذْ اَخْرَجَنِیْ	جب نکالا مجھے	اٰتَيْتَنِیْ	عطا فرمائی آپ نے مجھے
وَرَفَعَ	اور اٹھایا	مِنَ السِّجْنِ	قید خانہ سے	مِنَ الْمُلْكِ [6]	کچھ حکومت
اَبَوَيْهِ	اپنے والدین کو	وَجَآءَ بِكُمْ	اور لے آیا آپ لوگوں کو	وَعَلَّمْتَنِیْ	اور سکھایا آپ نے مجھے
عَلَى الْعَرْشِ	تخت پر	مِّنَ الْبَدْوِ [4]	صحرا سے	مِنْ تَاْوِيْلِ	تہ تک پہنچنا
وَخَرُّوْا [2]	اور گر پڑے وہ	مِنْۢ بَعْدِ	اس کے بعد	الْاَحَادِيْثِ	باتوں (کی)
لَهٗ	اس کے سامنے	اَنْ نَّزَغَ [5]	کہ فساد ڈال دیا	فَاطِرَ	اے پیدا فرمانے والے
سُجَّدًا	سجدے میں	الشَّيْطٰنُ	شیطان نے	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں
وَقَالَ	اور کہا	بَيْنِیْ	میرے درمیان	وَالْاَرْضِ	اور زمین کے
يٰٓاَبَتِ	ابا جان!	وَبَيْنَ	اور درمیان	اَنْتَ وَلِیّٖ	آپ میرے کارساز
هٰذَا	یہ	اِخْوَتِیْ	میرے بھائیوں کے		(سرپرست) ہیں
تَاْوِيْلُ	تعبیر (ہے)	اِنَّ رَبِّیْ	بیشک میرے رب	فِی الدُّنْيَا	دنیا میں
رُءْيَایَ	میرے خواب (کی)	لَطِيْفٌ	باریک تدبیر فرمانے	وَالْاٰخِرَةِ	اور آخرت (میں)
مِنْ قَبْلُ [3]	پہلے والے		والے (ہیں)	تَوَفَّنِیْ	میرا خاتمہ فرمایئے
قَدْ جَعَلَهَا	واقعۃً کر دیا اس کو	لِّمَا يَشَآءُ	اس کام کی جو چاہیں وہ	مُسْلِمًا	فرمانبرداری کی حالت
رَبِّیْ	میرے رب نے	اِنَّهٗ هُوَ	بے شک وہی		میں
حَقًّا	سچا	الْعَلِيْمُ	سب کچھ جاننے والے	وَّاَلْحِقْنِیْ	اور مجھے ملایئے
وَقَدْ	اور تحقیق	الْحَكِيْمُ	بڑی حکمت والے (ہیں)	بِالصّٰلِحِيْنَ	نیک بندوں کے ساتھ

(۱) آمِنِیْنَ حال ہے اُدْخُلُوْا کی ضمیر فاعل سے اور اسی کے ساتھ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ کا تعلق ہے (۲) خَرَّ (ن،ض) خَرًّا وَخُرُوْرًا اوپر سے نیچے گرنا، سناٹے سے گرنا (۳) ظرف رُؤْيَایَ سے متعلق ہے (۴) اَلْبَدْوُ اَلْبَادِيَةُ، اَلْبَدَاوَةُ: صحرا، جنگل (۵) نَزَغَ (ف،ض) نَزْغًا بين القوم: فساد ڈالنا، بہکانا، اصلی معنی ہیں جانور کے پہلو یا پچھلے حصے پر لکڑی وغیرہ چبھوکر اکسانا، بھڑکانا، برانگیختہ کرنا (۶) مِنْ تبعیضیہ ہے۔

یوسف علیہ السلام کا واقعہ پورا ہوا

کنعان سے حضرت یعقوب علیہ السلام کا گھرانہ مصر روانہ ہوا۔ جب قافلہ مصر کے قریب پہنچا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کا استقبال کیا۔ اس زمانہ میں مصر کا دارالحکومت رَعْمَسِیْس تھا، جسے ''جشن کا شہر'' کہتے تھے، کیونکہ سالانہ جشن وہیں ہوتا تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام ارکان دولت کو لے کر جشن کے شہر سے استقبال کے لئے نکلے — پھر جب ان لوگوں نے یوسف سے ملاقات کی تو آپ نے اپنے والدین کو اپنے پاس اتارا — یعنی خاص اپنے تنبو میں اتارا اور بھائیوں کو کیمپ میں اتارا — اور فرمایا: ''مصر چلئے — ان شاءاللہ — امن چین سے'' — یعنی کئی روز تک قیام شہر سے باہر رہا، پھر جب شہر چلنے کا ارادہ ہوا تو والدین سے اور تمام اعزاء سے کہا: اب عزت واحترام کے ساتھ اور ان شاءاللہ بالکل دلجمعی اور راحت کے ساتھ شہر میں تشریف لے چلیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام اپنے والدین اور خاندان کو شاہی سواریوں میں بٹھا کر شہر میں لائے اور شاہی محل میں اتارا — کہتے ہیں کہ وہ دن وہاں جشن کا دن تھا۔ اس لئے عورت، مرد اور بچے سب اس جلوس کو دیکھنے کے لئے اکٹھے ہوگئے اور سارے شہر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

جب یہ سب حضرات دارالحکومت میں پہنچ گئے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے دربار منعقد کیا، تمام درباری اپنی جگہ نشستوں پر بیٹھ گئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے حکم سے ان کے والدین کو تخت شاہی پر ہی جگہ دی گئی اور باقی تمام خاندان نے حسب مراتب نیچے جگہ پائی۔ جب دربار کے تمام انتظامات مکمل ہوگئے تو حضرت یوسف علیہ السلام شاہی محل سے نکل کر تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوئے اور تمام درباری حسب دستور تخت کے سامنے تعظیم کے لئے سجدے میں گر پڑے۔ یوسف علیہ السلام کے تمام خاندان اور والدین نے بھی یہی عمل کیا۔

اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں — اور انھوں نے اپنے والدین کو تخت شاہی پر بٹھایا، اور وہ سب ان کے سامنے سجدہ ریز ہوگئے — حضرت یوسف علیہ السلام کو بچپن کا خواب یاد آ گیا — اور فرمایا: ''ابا جان! یہ میرے پہلے خواب کی تعبیر ہے، جسے میرے پروردگار نے بالکل سچ کر دکھایا!'' — انھوں نے خواب میں دیکھا تھا کہ سورج اور چاند اور گیارہ ستارے ان کو سجدہ کر رہے ہیں تو سورج اور چاند تو والدین تھے اور گیارہ ستارے گیارہ بھائی تھے، آج یہ سب ان کی عظمت واقبال کے آگے جھکے ہوئے ہیں۔

اور (میرے رب نے) میرے ساتھ نیک سلوک کیا، جبکہ مجھے قید خانے سے نکالا — اور وہ آپ حضرات کو صحرا سے لے آیا، شیطان کے فساد ڈالنے کے بعد میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان — بیشک میرے پروردگار مخفی تدبیر

فرمانے والے ہیں اس کام کی جو وہ کرنا چاہتے ہیں —— بیشک وہی سب کچھ جاننے والے بڑی حکمت والے ہیں —— یہ والدین کے سامنے حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی سرگذشت بیان کی، اور کس قدر صبر وشکر کا مظاہرہ پایا جاتا ہے اس بیان میں! یہ ایک سچے مؤمن کی سیرت کا عجیب دل کش نقشہ ہے۔

غور فرمائیے اگر کسی عام انسان کو اتنے مصائب کا سامان کرنا پڑتا، جتنے مصائب سے حضرت یوسف علیہ السلام گزرے ہیں اور والدین سے اتنی طویل مفارقت کے بعد ملنے کا اتفاق ہوتا تو وہ اپنے والدین کے سامنے اپنی سرگذشت کس طرح بیان کرتا؟ کتنا روتا اور رُلاتا؟ اور کتنی راتیں مصائب کی داستان سنانے میں صرف کرتا؟ مگر یہاں طرفین اللہ پاک کے رسول ہیں ان کا طرز عمل کچھ اور ہے!

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی زندگی کے تین واقعے ذکر فرمائے ہیں:

① —— قید خانے کی تکلیف —— مگر قید خانہ میں داخل ہونے کا اور وہاں کی تکالیف کا نام تک نہیں لیا، بلکہ قید خانہ سے نکلنے کا ذکر اللہ پاک کے شکر کے ساتھ کیا۔ آپ نے فرمایا میرے پروردگار نے میرے ساتھ بہت ہی بہتر سلوک فرمایا جبکہ مجھے قید خانے سے نکالا، بادشاہ مصر کی نگاہ میں میری وقعت بڑھادی۔ مکار عورتوں کے الزام سے میری زندگی کو صاف کیا اور مملکت مصر کے درو بست کا مجھے مالک بنادیا —— اور ضمناً یہ بھی بتلادیا کہ میں کسی وقت قید خانہ میں بھی رہا ہوں اور قید خانہ کی صعوبتوں کو ہر کوئی جانتا ہے۔

② —— طویل مفارقت کے بعد والدین سے ملاقات —— یہاں بھی سب باتوں کو چھوڑ کر آخری انجام یعنی والدین سے ملاقات کا ذکر اللہ پاک کے شکر کے ساتھ کیا کہ میرے پروردگار آپ حضرات کو دیہات سے شہر میں لائے۔ دیہات میں معیشت کی آسانیاں کم ہوتی ہیں، اللہ پاک نے آپ حضرات کو شہر میں شاہی اعزازات کے ساتھ پہنچادیا۔

③ —— بھائیوں کا ظلم وستم —— مگر اس کو بھی شیطان کے حوالے کرکے اس طرح بیان فرمایا کہ میرے بھائی تو ایسے نہ تھے جو یہ حرکتیں کرتے مگر شیطان نے ان کو ورغلا کر ہم میں فساد ڈال دیا۔

اللہ اکبر! یہ اخلاق، پیغمبروں کے سوا کس میں ہو سکتے ہیں کہ مصائب وتکالیف پر صبر ہی نہیں بلکہ ہر جگہ شکر کا پہلو پیش نظر رہتا ہے، اور ہر حال میں شکر خداوندی بجالاتے ہے عام انسان کا حال تو یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ پاک کی ہزاروں قسم کی نعمتوں سے بہرہ ور ہوتا ہے مگر بھولے سے بھی کسی نعمت کا ذکر نہیں کرتا اور اگر کسی وقت کوئی مصیبت آپڑے تو عمر بھر اس کو گاتا پھرتا ہے۔ قرآن پاک میں عام انسان کا حال یہ ذکر کیا گیا ہے کہ: ﴿ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ﴾ بیشک آدمی اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے۔

اور مخصوص انسانوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ: ﴿ وَ قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ﴾ میرے بندوں میں سے شکر گذار بندے بہت ہی کم ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائیوں نے حسد کے مارے ہلاک کر دینا چاہا تھا۔ مگر آپ زمانہ کے نرم وگرم حالات سے گذرتے ہوئے دنیوی عروج کی انتہائی تک پہنچ جاتے ہیں۔ ان کے وہی بھائی آج ان کے سامنے سرنگوں ہیں، یہ موقع عام دستور کے مطابق فخر جتانے کا ہوتا ہے، مگر اللہ پاک کے پیغمبر اس نازک موقع پر کچھ دوسرے ہی اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہیں وہ اپنے عروج پر فخر کرنے کے بجائے اللہ پاک کا شکر بجالاتے ہیں۔ بھائیوں کو کوئی ملامت نہیں کرتے بلکہ خود ہی ان کی صفائی اس طرح پیش کرتے ہیں کہ شیطان نے میرے اور ان کے درمیان بگاڑ پیدا کر دیا، پھر اس بگاڑ کے بھی برے پہلو کو چھوڑ کر اس کا اچھا پہلو ذکر فرماتے ہیں کہ اللہ پاک نے مجھے جس مرتبہ پر پہنچانا چاہا تھا اس کے لئے یہ لطیف تدبیر فرمائی، یعنی شیطان نے بھائیوں سے جو کچھ کرایا اس میں حکمت الٰہی میں خیر تھی اور اللہ پاک سب کچھ جاننے والے اور بڑی حکمت والے ہیں۔

یہ کہنے کے بعد یوسف علیہ السلام بے اختیار اللہ پاک کے سامنے جھک پڑے، اور کہا:—— پروردگار! آپ نے مجھے کچھ حکومت عطا فرمائی اور سخن فہمی کی تعلیم دی، اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! دنیا وآخرت میں آپ میرے سرپرست ہیں، میرا فرمانبرداری کی حالت میں خاتمہ فرمائیں اور مجھے نیک بندوں میں شامل فرمائیں —— اس دعا میں حضرت یوسف علیہ السلام نے دو باتیں ذکر کی ہیں اور دو باتیں مانگی ہیں: انھوں نے اللہ پاک کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا: مولیٰ! آپ نے مجھے بادشاہی دی اور وہ قابلیت بخشی جس کی بدولت میں آج دنیا کی سب سے بڑی سلطنت کا فرماں روا ہوں، اور آخر میں اللہ پاک سے دو باتیں مانگی ہیں اور اللہ پاک سے اس لئے مانگی ہیں کہ دنیا میں اور آخرت میں ان کے علاوہ ولی اور سرپرست کوئی نہیں؟ غلام اور بچہ اپنے ولی اور سرپرست سے نہ مانگے تو کس سے مانگے؟ آپ نے پہلی چیز یہ طلب کی کہ مولیٰ جب تک میں دنیا میں زندہ رہوں آپ کی بندگی اور غلامی پر ثابت قدم رہوں اور دوسری چیز یہ مانگی کہ جب اس دنیا سے رختِ سفر باندھوں تو مجھے نیک بندوں میں شامل فرمالیجئے۔

اللہ پاک کے فضل وکرم سے ہم حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ کی تلاوت کر چکے۔ اب اس کے خاتمہ پر چند باتیں جان لینی ضروری ہیں:

یوسف علیہ السلام نے ابا کو اپنی اطلاع کیوں نہیں دی؟

حضرت یوسف علیہ السلام کے اس واقعہ میں ایک بات انتہائی حیرت انگیز یہ ہے کہ آپ کے والد ماجد کی آنکھیں ان

کی یاد میں روتے روتے سپید پڑ گئیں لیکن تقریباً چالیس سال کے طویل زمانۂ فراق میں ایک بار بھی حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ خیال نہ آیا کہ والد ماجد جدائی سے بے چین ہوں گے کم از کم اپنی خیریت کی خبر کسی ذریعے سے ان تک پہنچا دی جائے، خصوصاً اس وقت جب آپ مملکت مصر کے فرماں روا ہو گئے تھے، تو اس وقت تو خود چل کر والد ماجد کی خدمت میں حاضر ہونا سب سے پہلا کام ہونا چاہئے تھا اور اگر یہ کسی وجہ سے دشوار تھا تو کم از کم قاصد بھیج کر والد ماجد کو مطمئن کرنا تو معمولی بات تھی۔ مگر پورے واقعہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کا ارادہ بھی نہیں کیا، بلکہ جب بھائی غلہ لینے آئے تو ان کو بھی اصل واقعہ کے اظہار کے بغیر ہی رخصت کر دیا ـــــ اس حیرت انگیز خاموشی کی وجہ صرف یہ خیال میں آتی ہے کہ اللہ پاک جل شانہ نے اپنی حکمت بالغہ سے ایسا ہی چاہا تھا اور جب اللہ پاک کوئی بات چاہتے ہیں تو اسی کے مطابق اسباب بنتے چلے جاتے ہیں۔ پس یہ ایک خصوصی واقعہ ہے اس سے کسی کو یہ دلیل نہیں پکڑنی چاہئے کہ اگر کوئی گھر سے گم ہو جائے تو اُسے گھر اطلاع نہیں کرنی چاہئے۔

والدین سے کون مراد ہیں؟

اس واقعہ میں یہ ذکر آیا ہے کہ آپؑ نے اپنے والدین کو خاص اپنے پاس اتارا اور تخت شاہی پر بٹھایا۔ اور روایات میں یہ آیا ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہو چکا تھا اس لئے مفسرین کرام کی رائے عام طور پر یہ ہے کہ والدین سے مراد والد ماجد اور خالہ صاحبہ ہیں، جو حضرت یعقوب علیہ السلام کے نکاح میں تھیں۔ چونکہ خالہ کو ماں کا ہی درجہ حاصل ہوتا ہے پھر وہ والد ماجد کے نکاح میں بھی تھیں اس اعتبار سے دونوں کو ''والدین'' کہا گیا ہے ـــــ لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ یہ روایت صرف تاریخی ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہو چکا تھا، اس کا ثبوت کچھ نہیں اس لئے بعض مفسرین کا خیال ہے کہ آپ کی والدہ صاحبہ زندہ تھیں اور مشہور تاریخی روایت معتبر نہیں۔ اس صورت میں ''والدین'' سے مراد حقیقی والدین ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

سجدہ عبادت کی علامت ہے، اس لئے ہماری شریعت میں ہر قسم کا سجدہ غیر اللہ کے لئے حرام ہے:

حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں آیا ہے کہ آپ کے والدین اور بھائیوں نے درباریوں کے ساتھ آپ کو سجدہ کر کے تعظیم دی ـــــ اسی طرح کا سجدہ کرنے کا ذکر حضرت آدم علیہ السلام کے واقعہ میں بھی ہے کہ تمام ملائکہ نے آپ کو سجدہ کیا ـــــ علماء کرام کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ اس سے مراد متعارف سجدہ نہیں، بلکہ مُجْرَا (Bow) ہے یعنی جھکنا ـــــ وہ کہتے ہیں کہ قدیم تہذیبوں میں یہ عام طریقہ تھا کہ کسی کا شکریہ ادا کرنے کے لئے یا کسی کا استقبال کرنے کے لئے یا محض سلام کرنے کے لئے سینے پر ہاتھ رکھ کر کسی قدر آگے کی طرف جھکتے تھے۔ یہ مُجرا کرنا، بندگی، تسلیمات اور

کورنش بجالانا، عربی میں سجود کہلاتا ہے۔

اور جمہور علماء کی یعنی امت کے بیشتر علماء کی رائے یہ ہے کہ سجدہ سے متعارف سجدہ (نماز میں جس طرح سجدہ کیا جاتا ہے) مراد ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگلی شریعتوں میں صرف سجدۂ عبادت غیر اللہ کے لئے حرام تھا۔ رہا وہ سجدہ جو عبادت کے جذبہ سے خالی ہو، صرف تعظیم کے لئے یا سلامی کے لئے یا شکریہ ادا کرنے کے لئے کیا جائے وہ اگلی شریعتوں میں غیر اللہ کے لئے بھی جائز تھا، البتہ ہماری شریعت میں ہر قسم کا سجدہ غیر اللہ کے لئے حرام ہے۔

ان دونوں رایوں میں سے جمہور علماء کی رائے ہی صحیح ہے کیونکہ یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں ﴿وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا﴾ آیا ہے، اور محض جھکاؤ اور خمیدگی کو عربی لغت کے اعتبار سے ''سجدہ'' اگرچہ کہا جاسکتا ہے مگر اس کے لئے خُرُوْر کا استعمال صحیح نہیں خَرَّ خُرُوْرًا کے معنی ہیں سناٹے سے اوپر سے نیچے کو گر پڑنا۔ اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کے واقعہ میں سورۂ ص کے آخری رکوع میں ہے ﴿فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ﴾ (تو تم گر پڑو ان کے آگے سجدہ میں) آیا ہے قَعُوْا امر حاضر ہے وَقَعَ سے جس کے معنی ہیں گر پڑنا اور یہ بات متعارف سجدہ میں تو ہوتی ہے، محض جھکاؤ اور خمیدگی میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔ پس جب قرآن پاک کی آیت سے صاف سجدۂ متعارف سمجھ میں آرہا ہے تو خواہ مخواہ بائیل سے استدلال کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ بائبل اور تلمود کے اس حصہ کے محفوظ ہونے کی کیا ضمانت ہے؟

ہماری شریعت چونکہ آخری شریعت ہے اور اس کو قیامت تک باقی رکھنا اللہ پاک کو منظور ہے اس لئے ہماری شریعت میں شرک کے تمام چور دروازے بند کردیئے گئے ہیں چنانچہ:

(الف) سجدہ کرنا خاص عبادت کی علامت قرار دے کر ہر قسم کا سجدہ غیر اللہ کے لئے حرام قرار دیا گیا ہے۔

(ب) غیر اللہ سے حاجتیں مانگنا، شفا چاہنا، منتیں ماننا، مرادیں پوری ہونے کی امید رکھنا اور خیر و برکت کی امید سے ان کا نام لینا ناجائز قرار دیا گیا ہے۔

(ج) غیر اللہ کو اللہ پاک کا بیٹا بیٹی کہنے سے شریعت نے نہایت سختی سے منع کردیا ہے۔

(د) احبار و رہبان، علماء و مشائخ اور عباد و زہاد کو پروردگار اور حاکم بنانے سے منع گیا کیا ہے، یعنی ان لوگوں کے بارے میں یہ اعتقاد قائم کرلینا کہ جو چیز وہ حلال کہہ دیں وہ نفس الامر میں حلال ہوجاتی ہے اور جس چیز کو وہ حرام بتلادیں وہ نفس الامر میں بھی حرام ہوجاتی ہے، ایسا اعتقاد قائم کرلینا ان کو رب بنالینا ہے — البتہ شارع کی نص سے علماء جو تحلیل و تحریم مستنبط کرکے بتائیں اس کا ماننا ضروری ہے کیونکہ وہ ان کا حکم نہیں ہوتا، بلکہ اللہ پاک کا حکم ہوتا ہے، اور وہ صرف اس کے مستنبط کرنے والے ہوتے ہیں۔

(ہ) غیر اللہ کے نام پر تقرب حاصل کرنے کے لئے جانور ذبح کرنا یا ذبح کے وقت ان کا نام لینا یا مخصوص تھانوں اور مزاروں پر لے جا کر ذبح کرنا حرام قرار دیا ہے۔

(و) بکرا یا مرغا کسی بت پر یا بزرگ کے نام پر چھوڑنا اور اس ذریعہ سے ان کا تقرب حاصل کرنا بھی حرام گردانا گیا ہے۔

(ز) کسی انسان کے متعلق اس قسم کا اعتقاد رکھنا کہ اس کے نام کی جھوٹی قسم کھانے سے مال یا اولاد کو سخت ترین نقصان پہنچے گا، یہ اعتقاد بھی باطل ہے، اور ان کے نام کی سچی جھوٹی قسم کھانا بھی ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

(ح) غیر اللہ کا حج کرنا۔ یعنی بزرگوں کے مزارات اور متبرک مقامات پر جانا اور وہاں جانے اور ٹھیرنے کو تقرب کا ذریعہ سمجھنا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

(ط) اپنی اولاد کا عبدالعزی، عبدالشمس، بندۂ علی، بندۂ حسین وغیرہ نام رکھنا ممنوع ہے۔

(ی) اپنے آقا کو یا پیر کو ربّ کہہ کر پکارنا بھی ناجائز ہے۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ۝۱۰۲ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۰۳ وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝۱۰۴ۧ وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ۝۱۰۵ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ۝۱۰۶ اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۱۰۷

ذٰلِكَ (۱)	یہ	وَمَا كُنْتَ	اور نہ تھے آپ	وَهُمْ	دراں حالے کہ وہ
مِنْ اَنْۢبَآءِ	خبروں میں سے (ہے)	لَدَيْهِمْ	ان کے پاس	يَمْكُرُوْنَ	سازش کر رہے تھے
الْغَيْبِ	غیب (کی)	اِذْ	جب	وَمَآ (۲)	اور نہیں (ہیں)
نُوْحِيْهِ	وحی کر رہے ہیں ہم اس کی	اَجْمَعُوْٓا	بالاتفاق طے کی انھوں نے	اَكْثَرُ النَّاسِ	اکثر لوگ
اِلَيْكَ	آپ کی طرف	اَمْرَهُمْ	اپنی بات	وَلَوْ	اگرچہ

(۱) ذٰلِکَ مبتدا ہے من أنباء الغیب پہلی خبر ہے اور نُوحِیْهِ دوسری خبر ہے (۲) اکثر الناس اسم ہے ماکا اور ←

حَرَصْتَ	لالچ کریں آپ	فِي السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں	اَفَاَمِنُوْٓا	کیا پس نڈر (مطمئن)
بِمُؤْمِنِيْنَ	ایمان لانے والے	وَالْاَرْضِ	اور زمین (میں)		ہو گئے وہ
وَمَا	اور نہیں	يَمُرُّوْنَ	گذرتے ہیں وہ	اَنْ	اس سے کہ
تَسْئَلُهُمْ	مانگتے ہیں آپ ان سے	عَلَيْهَا	ان پر	تَاْتِيَهُمْ	آپڑے ان پر
عَلَيْهِ	اس پر	وَهُمْ عَنْهَا	دراں حالے کہ وہ اس سے	غَاشِيَةٌ	کوئی محیط آفت
مِنْ اَجْرٍ	کوئی اجرت	مُعْرِضُوْنَ	منہ پھیرنے والے ہیں	مِّنْ عَذَابِ	عذاب سے
اِنْ هُوَ	نہیں (ہے) وہ	وَمَا يُؤْمِنُ	اور نہیں ایمان لائے	اللّٰهِ	اللہ پاک (کے)
اِلَّا ذِكْرٌ	مگر نصیحت	اَكْثَرُهُمْ	ان کے اکثر	اَوْ تَاْتِيَهُمُ	یا آپہنچے ان کے پاس
لِّلْعٰلَمِيْنَ	سارے جہان والوں	بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ پر	السَّاعَةُ	قیامت
	کے لئے	اِلَّا وَهُمْ	مگر اس حال میں کہ وہ	بَغْتَةً	اچانک
وَكَاَيِّنْ (۱)	اور کتنی ہی	مُّشْرِكُوْنَ	شریک ٹھہرانے والے	وَّهُمْ	دراں حالے کہ وہ
مِّنْ اٰيَةٍ	نشانیاں (ہیں)		(ہیں)	لَا يَشْعُرُوْنَ	بے خبر ہوں

یوسف علیہ السلام کا واقعہ قرآن کی حقانیت اور رسول کی صداقت کی دلیل ہے

حضرت یوسف علیہ السلام کی سرگذشت پوری ہوئی، اس واقعہ سے مشرکین مکہ کے اس سوال کا جواب نکل آیا کہ بنی اسرائیل کے مصر جانے کا سبب کیا ہوا تھا؟ اور کنعان سے ان کے مصر وارد ہونے کا قصہ کیا ہے؟ اب مکمل اور صحیح جواب مل جانے کے بعد مشرکین کو چاہئے تھا کہ وہ قرآن پاک کی صداقت وحقانیت اور رسول اکرم ﷺ کی رسالت کو تسلیم کر لیتے مگر وہ اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہ آئے اور اپنے انکار پر جمے رہے اس لئے قرآن کریم آخر میں ان لوگوں کو فہمائش کرتا ہے، ارشاد فرماتے ہیں—— یہ (واقعہ) منجملہ اخبار غیب ہے —— یعنی یوسف علیہ السلام کا اور ان کے بھائیوں کا یہ واقعہ نبی کریم ﷺ کا ''بن دیکھا'' واقعہ ہے۔ کیونکہ یہ قصہ آپ ؐ کے زمانے سے دوہزار سال پہلے کا ہے—— جو ہم آپ ؐ پر وحی کررہے ہیں—— اگر وحی الٰہی کا یہ فیضان نہ ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ آپ ؐ اس واقعہ کی ایک ایک جزئی پر مطلع ہوتے اور دنیا کے آگے اس طرح پیش کردیتے—— کیونکہ دنیا میں گذشتہ واقعات کے علم کے جتنے وسائل ہوسکتے ہیں ان میں سے کوئی

← بمؤمنین خبر ہے جس پر با تاکید کے لئے آئی ہے اور وَلَوْ حَرَصْتَ جملہ معترضہ ہے جس کی جزاء محذوف ہے۔

(۱) كَاَيِّنْ مبتدا ہے مِنْ اٰيَةٍ تمیز ہے فی السموات والارض صفت ہے آیۃ کی اور یمرون خبر ہے۔

وسیلہ بھی حضور پاک ﷺ کے لئے موجود نہ تھا، نہ آپؐ وہاں موجود تھے کہ دیکھ کر بیان فرمادیتے، نہ آپؐ نے کسی سے تعلیم پائی تھی کہ تاریخ کی کتابیں دیکھ کر یا کسی سے سن کر بیان فرمادیتے۔ بجز وحی الٰہی کے اور کوئی وسیلہ اس واقعہ کے علم کا موجود نہ تھا اور اگر موجود ہوتا بھی تو واقعہ کے بعض اجزاء ایسے ہیں کہ بغیر اللہ پاک کے بتائے ہوئے ان کا علم ممکن ہی نہیں، مثلاً ارشاد فرماتے ہیں — اور آپ ان لوگوں کے پاس اس وقت موجود نہ تھے جب انھوں نے بالاتفاق ایک بات طے کی تھی دراں حالے کہ وہ سازش کررہے تھے — یعنی یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا باہم مشورہ کرکے ایک سازش پر متفق ہونا اوران کو کنویں میں ڈالنے کا منصوبہ بنانا اس واقعہ کا ایک ایسا جز ہے جس کو اس زمانہ میں بھی جبکہ وہ واقعہ پیش آیا تھا، سوائے ان بھائیوں کے اور کوئی نہیں جانتا تھا، اس وقت بھی اس منصوبہ کو وہی لوگ جانتے تھے جو منصوبہ بنانے میں شریک تھے۔ ان کے علاوہ کسی کے کان میں اس کی بھنک نہیں پڑی تھی، پس اولاً تو یہ واقعہ آپؐ کے زمانے سے دو ہزار سال پہلے کا ہے ثانیاً اگر آپؐ کے زمانہ کا بھی ہوتا تو آپؐ اس وقت ان لوگوں کے پاس موجود نہ تھے جب وہ منصوبہ بنارہے تھے پھر اس کو پوری تفصیل کے ساتھ بیان کرنا وحی کے بغیر کیونکر ممکن ہے؟ اس لئے یہ واقعہ حضور ﷺ کی نبوت کی اور قرآن پاک کے وحی ہونے کی واضح دلیل ہے — اور اکثر لوگ — خواہ آپ کا کتنا ہی جی چاہے — ایمان لانے والے نہیں! — یعنی لوگوں کی ہٹ دھرمی کا عجیب حال ہے، بہت سوچ کر اور مشورے کرکے انھوں نے نبوت کی آزمائش کی، اور بھری محفل میں نبی اکرم ﷺ نے ان کا مطالبہ پورا کیا، مگر وہ اب بھی ماننے کے لئے تیار نہیں — نبی کریم ﷺ سے فرمایا جارہا ہے کہ اگر آپ ان کا مطالبہ پورا کرکے توقع رکھتے ہیں کہ اب تو ان کو تسلیم کرلینے میں کوئی تامل نہ ہوگا تو آپ جان لیں کہ یہ اب بھی ماننے والے نہیں۔ اپنے انکار پر جمے رہنے کے لئے وہ کوئی دوسرا بہانہ ڈھونڈھ لیں گے۔

ہٹ دھرم لوگوں کا مزاج یہ ہوتا ہے کہ وہ صداقت کا اطمینان حاصل کرنے کے لئے کوئی معقول دلیل نہیں چاہتے بلکہ انہیں کسی ایسی دلیل کی تلاش ہوتی ہے جو نہ ماننے کے لئے بہانے کا کام دے سکے۔

آیت پاک میں خطاب اگرچہ نبی اکرم ﷺ سے ہے مگر بلیغ انداز میں مشرکین سے بھی کہا جارہا ہے کہ معقول انسان اگر کسی کا امتحان لیتے ہیں تو اس لئے لیتے ہیں کہ حق ثابت ہوجائے تو اسے مان لیں مگر تم لوگ اپنا منہ مانگا ثبوت مل جانے پر بھی مان کر نہیں دیتے آخر کیوں؟ — اور آپ ان لوگوں سے اس پر کوئی اجرت نہیں مانگتے، وہ تو بس ایک نصیحت ہے تمام جہاں والوں کے لئے — یعنی غور کرو تمہاری ہٹ دھرمی کس قدر بے جا ہے اگر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعوت وتبلیغ کا یہ کام اپنے کسی ذاتی مفاد کیلئے شروع کیا ہوتا تو تمہارے لئے یہ کہنے کا موقع تھا کہ ہم مطلبی آدمی کی بات کیوں مانیں؟ مگر تم دیکھ رہے ہو کہ ہمارے پیغمبر بے غرض ہیں وہ سارے جہان کی بھلائی کیلئے ایک نصیحت کررہے ہیں، ان کا اپنا

کوئی مفاد اس میں پوشیدہ نہیں، پھر تم کھلے دل سے ان کی بات کیوں نہیں سنتے ؟

اور آسمانوں اور زمین میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر وہ لوگ گذرتے ہیں، دراں حالے کہ وہ ان سے منہ پھیرنے والے ہیں ـــــ اللہ پاک کی پیدا کی ہوئی کائنات میں غور کرو وہ الوہیت کی دلیل ہے، اس کا ہر ذرہ اور ہر پتہ معرفت کردگار کا ایک دفتر ہے۔ آسمان و زمین کا کونسا گوشہ ایسا ہے جو اللہ پاک کی نشانیوں سے خالی ہے؟ مگر بندگان غفلت کا حال کیا ہے؟ وہ ان پر سے گزر جاتے ہیں اور نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔

قرآن پاک نے یہاں اور دوسرے مقامات میں آسمان و زمین کی نشانیوں پر توجہ دلائی ہے اور انسان کو دعوت فکر وعبرت دی ہے۔ کیونکہ جو لوگ کائنات کی چیزوں کو محض چیزیں ہونے کی حیثیت سے دیکھتے ہیں وہ دیکھنا نہیں، درخت کو درخت، پہاڑ کو پہاڑ اور پانی کو پانی تو جانور بھی دیکھتے ہیں اگر انسان بھی بس اسی نظر سے ان چیزوں کو دیکھے تو اس کا کیا کمال ہے؟ انسان کو اللہ پاک نے حواس کے ساتھ سوچنے والا دماغ بھی دیا ہے اس سے اس نے کیا کام لیا؟ انسان کو تو چاہئے کہ کائنات کو دیکھ کر حقیقت کی جستجو کرے اور ان نشانیوں کے ذریعہ خالق کائنات کا سراغ لگائے ـــــ مگر اکثر انسان اس معاملہ میں غفلت برتتے ہیں، وہ کائنات کی چیزوں کو دیکھتے ہیں۔ ان کا مصرف اور استعمال معلوم کرتے ہیں مگر اصل مقصد بھول جاتے ہیں اور منہ پھیرے ہوئے گذر جاتے ہیں ـــــ اور ان میں سے اکثر لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے مگر اس حال میں کہ وہ شریک بھی ٹھہراتے ہیں ـــــ یعنی اکثر لوگوں کا حال یہ ہے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی ہستی پر یقین بھی رکھتے ہیں تو اس کو شرک کی گندگی کے ساتھ ملوث کر لیتے ہیں۔ وہ خدا پر ایمان کے ساتھ ہی دوسروں کو ان کا شریک بھی ٹھہراتے ہیں ـــــ کوئی اللہ پاک کے لئے بیٹے بیٹیاں تجویز کرتا ہے، کوئی روح و مادہ کی بالا دستی کا قائل ہے۔ کوئی احبار ورہبان اور علماء ومشائخ کو خدائی اختیارات دیتا ہے، کوئی تعزیہ پرستی، قبر پرستی اور پیر پرستی میں مبتلا ہے اور کوئی بتوں کو خدائی کا حصہ دار بتاتا ہے، غرض اکثر لوگ توحید کے چشمۂ صافی کو شرک جلی یا خفی سے آلودہ کرتے ہیں۔

توحید صحیح کیا ہے؟

توحید صحیح اس وقت ہوتی ہے جب درج ذیل باتیں پائی جائیں:

۱- اللہ پاک ہی خالق ہیں ـــــ یہ کائنات جس کا ایک فرد ہم ہیں، ازلی اور ابدی نہیں، بلکہ پہلے نہیں تھی، بعد میں پیدا ہوئی ہے، اس کے پیدا کرنے والے تنہا اللہ پاک جل شانہ ہیں۔ انھوں نے بلا شرکت غیرے یہ ساری کائنات بنائی ہے۔ سورۃ الانعام (آیت ۱۰۱) میں اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ﴾ (اور اللہ پاک نے ہر چیز پیدا فرمائی)

۲- اللہ پاک ہی پروردگار ہیں ـــــ اللہ پاک نے تمام کائنات کو پیدا کیا ہے اور وہی ہر چیز کے پالنے والے ہیں، ان

کے سوا کوئی پالنے والا نہیں۔سورۃ الجاثیہ (آیت ۳۶) میں اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ ترجمہ: حمد اللہ پاک ہی کے لئے ہے جو آسمانوں کے پالنہار، زمین کے پالنہار اور تمام کائنات کے پروردگار ہیں۔

۳-اللہ پاک ہی مالک ہیں — تمام کائنات اللہ پاک نے پیدا فرمائی ہے، وہی اس کے پالنے والے ہیں اور وہی تمام چیزوں کے مالک بھی ہیں۔ان کے سوا کائنات کا یا اس کے کسی جزء کا کوئی مالک نہیں۔سورۃ البقرہ (آیت ۲۸۴) میں ارشاد پاک ہے کہ: ﴿ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ﴾ ترجمہ: اللہ پاک ہی مالک ہیں ہر اس چیز کے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔

۴-اللہ پاک ہی کا حکم چلتا ہے — کائنات کے خالق و مالک اللہ پاک قادر مطلق ہیں، وہ جو چاہیں کریں، وہ پوری قدرت رکھتے ہیں وہ اسباب کے سامنے عاجز نہیں، بلکہ وہی مسبب الاسباب ہیں، ظاہری اسباب انہی کے حکم کے مطابق کام کرتے ہیں۔سورۂ یوسف (آیت ۶۷) میں ہے: ﴿ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ﴾ حکم بس اللہ پاک ہی کا ہے۔

۵-اللہ ہی حاجت روا ہیں — اللہ پاک ہی خالق و مالک ہیں، وہی پالنہار ہیں اور انہی کا حکم چلتا ہے اور سب کچھ انہی کے پاس ہے اس لئے وہی حاجت روا اور مشکل کشا ہیں۔سب بندے اللہ پاک کے محتاج ہیں، وہ خود مخلوق ہیں اپنی زندگی تک میں اللہ پاک کے محتاج ہیں۔سورۃ النمل (آیت ۶۲) میں اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ ﴾ ترجمہ: وہ کون ہے جو مصیبت زدہ کی فریاد سنتا ہے اور اس کی مصیبت کو دور کرتا ہے؟

اللہ پاک کے سوا کوئی نہیں جو مصیبت زدہ کی فریاد سن کر اس کی مصیبت کو دور کرے، صرف اللہ پاک ہی ہر مشکل کو کھولنے والے ہیں۔

۶-اللہ تعالیٰ ہی معبود ہیں — یعنی پرستش اور بندگی کے حق دار اللہ تعالیٰ ہی ہیں، انسان کا سر انہی کے آگے جھکنا چاہئے، اسلام کا کلمہ ہی لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے یعنی معبود اللہ پاک ہی ہیں اور سورۃ الاسراء (آیت ۲۳) میں ہے: ﴿ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ﴾ ترجمہ: اور تمہارے پروردگار نے قطعی حکم دیا ہے کہ صرف انہی کی بندگی کرو۔

۷-زندگی اور موت اللہ پاک کے ہاتھ میں ہے — اللہ پاک ہی خالق و مالک اور معبود و پروردگار ہیں انہی کے ہاتھ میں زندگی اور موت کا رشتہ ہے اور کسی کے ہاتھ میں نہیں۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود سے کہا تھا: ﴿ رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ﴾ یعنی میرے رب وہ ہیں جو جلاتے ہیں اور مارتے ہیں۔

۸-نفع و نقصان اللہ پاک کے ہاتھ میں ہے، اور کسی کے ہاتھ میں نہیں، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام جو اللہ پاک کے

مقرب بندے ہیں، ان کے ہاتھ میں بھی نفع ونقصان نہیں، خود سردار انبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی زبانی کہلوایا گیا ہے: ﴿ قُلْ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ﴾ (سورۂ جن آیت ۲۱) ترجمہ: اے پیغمبر! کہہ دیں کہ میرے ہاتھ میں تمہارا نفع ونقصان نہیں ہے۔

اور حدیث شریف میں ہے: ''جب مانگو اللہ پاک سے مانگو، اور جب مدد چاہو اللہ پاک سے چاہو، اور یقین رکھو کہ اگر سب لوگ مل کر تمہیں کوئی فائدہ پہنچانا چاہیں تو ہرگز نہیں پہنچا سکتے۔ مگر جتنا اللہ پاک نے تمہارے حق میں مقدر فرما دیا ہے، اور اگر سارے لوگ اکٹھے ہو کر تمہیں کوئی نقصان پہنچانا چاہیں تو ہرگز نہیں پہنچا سکتے مگر جتنا اللہ پاک نے تمہارے نصیب میں لکھ دیا ہے''

۹- اللہ پاک ہر چیز کو جاننے والے ہیں — کائنات اللہ پاک نے پیدا فرمائی ہے اور وہی ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔ سورۃ الملک (آیت ۱۴) میں ہے: ﴿ اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ﴾ ترجمہ: بھلا جس نے پیدا کیا وہ نہیں جانتا جبکہ وہ باریک بیں اور باخبر بھی ہے۔

انسان کا علم بہت محدود ہے۔ کائنات کی بے شمار چیزیں اس کے دائرۂ علم سے باہر ہیں جنہیں صرف اللہ پاک جانتے ہیں، یہ سب چیزیں انسان کے حق میں ''غیب'' ہیں اور غیب کا علم انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی نہیں تھا، وہ غیب کی وہی باتیں جانتے تھے جو وحی کے ذریعہ اللہ پاک ان کو بتلاتے تھے۔

۱۰- اللہ پاک کا کوئی ہمسر نہیں — تمام کائنات مخلوق ہے اور اللہ پاک خالق ہیں، سب مملوک ہیں اور اللہ پاک مالک ہیں اس لئے کائنات کی کوئی چیز اللہ پاک کی ہمسر نہیں ہو سکتی۔ ارشاد باری ہے: ﴿ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ﴾ اور کوئی ان کا ہمسر نہیں ہے۔

۱۱- اللہ پاک کی بیوی نہیں — میاں بیوی کا تعلق وہاں ہوتا ہے جہاں کم از کم تین باتیں پائی جائیں: (الف) ایک ہستی دوسری ہستی کی محتاج ہو (ب) شہوانی جذبات موجود ہوں (ج) میاں بیوی دونوں ہم جنس ہوں — اور اللہ تعالیٰ ان تینوں باتوں سے پاک ہیں، وہ کسی کے محتاج نہیں، وہ شہوانی جذبات نہیں رکھتے، اور کوئی ان کا ہم جنس بھی نہیں، اس لئے اللہ پاک کی بیوی نہیں، سورۂ جن میں ہے: ﴿ وَّ اَنَّهٗ تَعٰلٰی جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ﴾ ترجمہ: اور یہ کہ ہمارے رب کی شان بہت بلند ہے، انھوں نے نہ تو کسی کو بیوی بنایا اور نہ کسی کو اولاد۔

۱۲- اللہ کا بیٹا بیٹی نہیں — بیٹا بیٹی کا تصور بیوی اور شہوانی تعلقات سے پیدا ہوتا ہے اور اللہ پاک جل شانہ نہ شہوانی جذبات رکھتے ہیں نہ ان کی بیوی ہے پھر ان کے لئے اولاد کیسے ہو سکتی ہے؟ یا اولاد کا خواہش مند وہ ہوتا ہے جو کمزور اور

محتاج ہوتا ہے کہ بڑھاپے میں اولاد سہارا بن سکے، اور اللہ پاک قادر مطلق، غنی مطلق اور ہر چیز کے مالک و مختار ہیں پھر ان کو اولاد کی کیا حاجت ہے؟ —— یا اولاد کا آرزومند وہ شخص ہوتا ہے جس کو چند روز کے بعد مرنا ہے تاکہ اولاد کے ذریعہ اس کا نام قائم رہے، جبکہ اللہ تعالیٰ سدا زندہ رہنے والے ہیں پس ان کو اولاد کی کیا حاجت ہے؟ سورۃ الانعام (آیت ۱۰۰) میں ارشاد فرمایا گیا ہے: ﴿ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَ بَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴾ ترجمہ: لوگوں نے بغیر دلیل کے خدا کے لئے بیٹے بیٹیاں گھڑ لیں، اللہ تعالیٰ پاک و برتر ہیں ان باتوں سے جو وہ لوگ بیان کرتے ہیں

۱۳- اللہ تعالیٰ اوتار نہیں لیتے —— کیا یہ بات اللہ پاک کے شایان شان ہے کہ وہ مخلوقات کی طرح ماں کے پیٹ میں رہیں، پیدا ہوں، پرورش کئے جائیں ان کا جسم ہو، وہ کھائیں پئیں، قضائے حاجت کریں، بیوی بچے رکھیں، دکھ درد سہیں اور مصیبتیں اٹھائیں، انسانی اور حیوانی جذبات ہوں، پھر وہ مر جائیں یا مار دیئے جائیں، یا خودکشی کرلیں؟ توبہ! توبہ! ان میں سے کوئی بات بھی خالق کائنات کے شایان شان نہیں ہے اس لئے وہ اوتار نہیں لیتے —— حقیقت یہ ہے کہ لوگ جب مذہبی پیشواؤں کی عقیدت میں حد سے بڑھ جاتے ہیں تو انھیں خدائی صفات کا حامل سمجھ بیٹھتے ہیں پھر انہیں بعینہٖ خدا قرار دے دیتے ہیں اور ان کے بارے میں یہ عقیدہ قائم کر لیتے ہیں کہ اللہ پاک نے انسان کی شکل میں اوتار لیا۔

۱۴- اللہ پاک ہی قانون دینے والے ہیں —— اللہ پاک انسان کے خالق اور مالک ہیں اس لئے انہی کو انسان کے لئے قانون بنانے کا حق ہے۔ ان کے سوا کسی کو یہ حق نہیں، علماء و مشائخ، عباد و زہاد یا سیاسی راہنماؤں کو قانون بنانے کا کوئی حق نہیں، حدیث شریف میں ہے کہ علماء و مشائخ جس چیز کو حلال قرار دیں اُسے حلال سمجھ لینا، اور جسے وہ حرام قرار دیدیں اُسے حرام مان لینا، ان کو رب بنانا ہے، جو شرک ہے۔

۱۵- اللہ پاک کے سامنے اجازت کے بغیر کوئی سفارش نہیں کرسکتا —— کسی کے بارے میں یہ خیال کر لینا کہ وہ اللہ پاک کے یہاں اُن کی سفارش کریں گے اور اللہ پاک کی گرفت سے بچا لیں گے۔ یہ شرک ہے کیونکہ اللہ پاک کے یہاں اس طرح کی کسی سفارش کا کوئی امکان نہیں، نہ وہ کسی کا دباؤ قبول کرتے ہیں نہ انھیں دھوکہ دے کر غلط فیصلہ کرایا جاسکتا ہے۔

یہ ہے اسلام کا تصور توحید اور قرآن پاک اسی توحید کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا ہے۔ اکثر لوگوں کا جو حال ہے کہ وہ خدا کی ہستی پر یقین بھی رکھتے ہیں اور ساتھ ہی دوسروں کو اسکا شریک بھی ٹھہراتے ہیں، یہ خدا کو ماننا نہ ماننے کے برابر ہے، سچی خداپرستی یہ ہے کہ دعاء و استعانت، رکوع و سجود عجز و نیاز، اعتماد و توکل، عبادت و نیازمندی، کارسازی و کبریائی صرف اللہ پاک ہی کے لئے مخصوص سمجھی جائے، منہ سے تو سبھی کہتے ہیں کہ خالق و مالک سب کے اللہ پاک ہیں مگر پھر اوروں کو بھی پکڑتے ہیں۔

سب کو یہ مسلم ہے کہ معبود وہی ہے ❁ کم ہیں، جو سمجھتے ہیں کہ مقصود وہی ہے

اس کے بعد مشرکین مکہ کو چونکایا جا رہا ہے ـــــ کیا تو وہ نڈر ہو گئے اس بات سے کہ ان پر عذاب خداوندی کی کوئی گھیرنے والی آفت آپڑے! یا اچانک ان کے پاس قیامت پہنچ جائے اور وہ بے خبر ہوں؟ ـــــ یعنی زندگی کو دراز سمجھ کر اور حال کے امن کو دائمی خیال کر کے فکر مآل کو کسی آنے والے وقت پر نہ ٹالو تمہارے پاس کیا ضمانت ہے کہ تم فلاں وقت تک یقیناً زندہ رہو گے؟ انسان کو کچھ معلوم نہیں کہ پردۂ غیب میں کیا چھپا ہوا ہے کب اُسے کوئی ناگہانی آفت آگھیرے، کب موت سر پر آ کھڑی ہو یا کب قیامت اچانک آپہنچے، پھر وہ کف افسوس ملتا رہ جائے۔ لہٰذا جو کچھ فکر کرنی ہے آج کر لو۔

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ۭ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ حَتّٰٓي اِذَا اسْتَيْــــَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَاۗءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَاۗءُ ۭ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ۭ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝

قُلْ هٰذِهٖ (۱)	کہیں: یہ	اَدْعُوْٓا (۲)	بلاتا ہوں میں	عَلٰي بَصِيْرَةٍ (۳)	بصیرت کے ساتھ
سَبِيْلِيْٓ	میرا راستہ (ہے)	اِلَى اللّٰهِ	اللہ پاک کی طرف	اَنَا	میں (بھی)

(۱) هٰذِهٖ کا مشار الیہ "ملت اسلام" ہے، هٰذِهٖ مبتدا اور سَبِيْلِيْ خبر ہے (۲) یہ مستقل دوسرا جملہ ہے اَدْعُوْ فعل بافاعل اِلَى اللّٰهِ متعلق اَدْعُوْا سے (۳) عَلٰى بَصِيْرَةٍ خبر مقدم ہے اور اَنَا مع اپنے معطوف کے مبتدا مؤخر ہے اور یہ تیسرا مستقل جملہ ہے
ایک ترکیب یہ بھی ہو سکتی ہے کہ عَلٰى بَصِيْرَةٍ متعلق ہو اَدْعُوْا سے اور اس کی ضمیر فاعل کی تاکید ضمیر فصل اَنَا سے لا کر اس پر وَمَنْ الخ کا عطف کیا جائے۔ مگر رسول پاک ﷺ نے اِلَى اللّٰهِ پر وقف فرما کر دو جملے علاحدہ علاحدہ کر دیئے ہیں اس لئے پہلی ہی ترکیب زیادہ مناسب ہے۔

وَمَنِ	اور جنھوں نے	فِي الْاَرْضِ	زمین میں	اسْتَيْئَسَ	ناامید ہوگئے
اتَّبَعَنِيْ	میری پیروی کی	فَيَنْظُرُوْا	کہ دیکھتے	الرُّسُلُ	رسول
وَسُبْحٰنَ	اور پاک ہیں	كَيْفَ كَانَ	کیسا ہوا	وَ ظَنُّوْٓا (۳)	اور خیال کیا انھوں نے
اللّٰهِ	اللہ پاک	عَاقِبَةُ	انجام	اَنَّهُمْ	کہ وہ
وَمَآ اَنَا	اور نہیں (ہوں) میں	الَّذِيْنَ	ان کا جو	قَدْ	واقعۃً
مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ	شرک کرنے والوں	مِنْ قَبْلِهِمْ	ان سے پہلے ہوئے	كُذِبُوْا (۴)	جھوٹی خبر دیئے گئے
	میں سے	وَلَدَارُ	اور البتہ گھر	جَآءَهُمْ	پس پہنچی ان کو
وَمَآ اَرْسَلْنَا	اور نہیں بھیجا ہم نے	الْاٰخِرَةِ	آخرت (کا)	نَصْرُنَا	ہماری مدد
مِنْ قَبْلِكَ	آپ سے پہلے	خَيْرٌ	بہتر (ہے)	فَنُجِّيَ (۵)	پس بچائے گئے (نجات
اِلَّا رِجَالًا (۱)	مگر مردوں (کو)	لِّلَّذِيْنَ	ان کے لئے جنھوں نے		دیئے گئے)
نُّوْحِيْٓ	وحی بھیجتے تھے ہم	اتَّقَوْا	پرہیز کیا	مَنْ	وہ جن کو
اِلَيْهِمْ	ان کی طرف	اَفَلَا	کیا پس نہیں	نَّشَآءُ	چاہا ہم نے
مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى	بستی کے رہنے والوں	تَعْقِلُوْنَ	سمجھتے ہو تم؟	وَلَا يُرَدُّ	اور نہیں پھیرا جاتا
	میں سے	حَتّٰىٓ (۲)	(پس ان کو مدد پہنچنے میں	بَاْسُنَا	ہمارا عذاب
اَفَلَمْ	کیا پس نہیں		دیر ہوئی) یہاں تک کہ	عَنِ الْقَوْمِ	لوگوں سے
يَسِيْرُوْا	چلے پھرے وہ	اِذَا	جب	الْمُجْرِمِيْنَ	مجرم

(۱) رِجَالًا مستثنیٰ ہے نُوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ صفت ہے رِجَالًا کی۔ موصوف صفت مل کر مضاف ہیں مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى کی طرف اور اضافت بواسطہ مِنْ ہے (۲) حَتّٰى غایت ہے فعل محذوف کی جو آیت وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ سے سمجھا جاتا ہے ای فَتَرَاخٰى نَصْرُهُمْ حَتّٰى اِذَا الخ (۳) ظَنُّوْا کی ضمیر فاعل الرُّسُلُ کی طرف راجع ہے، امت دعوت کی طرف راجع نہیں، کیونکہ اس صورت میں انتشار ضمائر لازم آئے گا (۴) كُذِبَ الرَّجُلُ: جھوٹی خبر دیا جانا وأخرج ابن جرير وابن المنذر والطبرانی وابو الشيخ وابن مَرْدَوَيْه عن عبد اللّٰهِ بن ابی مُلَيْكَةَ رضی الله عنه أن ابن عباس رضی الله عنهما قرأها وظنوا انهم قد كذبوا مخففة يقول: أُخْلِفُوْا وَقَالَ ابن عباس رضی الله عنهما، وكانوا بشرًا — وتلا: حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا مَعَهُ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ الخ (الدر المنثور ج ۴ ص ۴۰) (۵) نُجِّيَ فعل ماضی مجہول صیغہ واحد مذکر غائب مصدر تَنْجِيَةً: بچانا، نجات دینا — مَنْ نَّشَآءُ نائب فاعل ہے۔

لَقَدْ كَانَ	بخدا تحقیق ہے	يُفْتَرٰى	بناوٹی (گھڑی ہوئی)	وَ تَفْصِيْلَ	اور تفصیل (ہے)
فِیْ قَصَصِهِمْ (۱)	ان کے قصوں میں	وَلٰكِنْ	بلکہ	كُلِّ شَیْءٍ	ہر چیز (کی)
عِبْرَةٌ	عبرت ہے	تَصْدِيْقَ	تصدیق (ہے)	وَّهُدًى	اور راہ نمائی
لِّاُولِی الْاَلْبَابِ	عقل والوں کے لئے	الَّذِیْ	ان (وحیوں) کی جو	وَّ رَحْمَةً	اور مہربانی
مَا كَانَ	نہیں ہے (وہ)	بَيْنَ يَدَيْهِ	اس سے پہلے (نازل	لِّقَوْمٍ	یقین کرنے
حَدِيْثًا	بات		ہوچکی) ہیں	يُّؤْمِنُوْنَ	والوں کے لئے

آخری سات باتیں

اب سورت کا آخری مضمون شروع ہوتا ہے، اللہ پاک کا فضل وکرم ہے کہ ہم سورۂ یوسف کی تلاوت سے فارغ ہو رہے ہیں، اس لئے آیئے اب توفیق خداوندی سے یہ آخری مضمون بھی سمجھ لیں ــــ سورت کے خاتمہ میں اللہ پاک جل شانہ سات باتیں بیان فرماتے ہیں:

۱-توحید ــــ دین اسلام توحید کا یعنی سچی خدا پرستی کا نام ہے اور توحید کی دعوت بے دلیل نہیں دی جارہی بلکہ پوری بصیرت کے ساتھ دی جارہی ہے اور اللہ تعالیٰ شرک سے پاک ہیں، اس لئے توحید کے قائل بندے بھی مشرکوں سے کوسوں دور رہتے ہیں۔

۲-رسالت ــــ یعنی اللہ پاک نے ہمیشہ انسانی بستیوں کے رہنے والے مردوں ہی کو نبی بنا کر بھیجا ہے آسمان کے فرشتوں کو کبھی بھی مبعوث نہیں فرمایا۔

۳-رسولوں کی تکذیب کا انجام ــــ زمین میں چل پھر کر دیکھ لو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تکذیب کرنے والوں کا دنیا میں کیا حشر ہوا۔

۴-تقویٰ کا صلہ ــــ پرہیزگاری اور سلامت روی اختیار کرنے کا صلہ آخرت میں ملے گا دنیا میں اس کا صلہ ملا تو کیا اور نہ ملا تو کیا۔ یہ دنیا چار دن کی چاندنی ہے۔

۵-نصرت خداوندی ــــ مؤمنین کو دنیا میں بھی مدد خداوندی ضرور پہنچتی ہے اور ان کے ستانے والوں کو سزا ضرور ملتی ہے مگر یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ پاک کے قانون میں ڈھیل ہے، پہلی قوموں کو بھی لمبی مہلتیں دی گئی تھیں، اتنی لمبی کہ حالات وآثار پیغمبروں کے لئے یاس انگیز ہو گئے تھے مگر بالآخر مدد خداوندی آئی، لہٰذا تاخیر عذاب سے دھوکہ نہ کھانا چاہئے۔ نہ نصرت خداوندی کے لئے جلدی مچانی چاہئے۔

(۱) قَصَص کی تحقیق کے لئے دیکھئے سورۂ یوسف آیت نمبر تین کا حاشیہ۔

۶-انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سرگذشتوں سے عبرت پذیر ہونے کی تلقین —— انبیاء علیہم السلام اوران کی قوموں کی سرگذشتوں میں مؤمنین کے لئے بھی سبق ہے اور تکذیب کرنے والوں کے لئے بھی، پس عقل مندوں کو ان سے سبق لینا چاہئے۔

۷-قرآن پاک اللہ کا کلام ہے —— قرآن پاک کسی انسان کی بنائی ہوئی کتاب نہیں ہے بلکہ وحی الٰہی کی سچائی ہے کیونکہ اس کے چار اوصاف ہیں جو کبھی افتراء کے اوصاف نہیں ہو سکتے۔

اولاً: —— وہ پچھلی سچائیوں کی تصدیق کرتی ہے، اگر بناوٹ ہوتی تو وہ پچھلی کڑیوں کے ساتھ اس طرح نہ جڑ جاتی۔

ثانیاً: —— اس میں دین کی ساری باتوں کی تفصیل ہے، ہر ضروری بات کو اس میں کھول کر بیان کیا گیا ہے۔

ثالثاً: —— وہ لوگوں کو اللہ پاک تک پہنچنے کا اور ان کی خوشنودی اور رضا مندی حاصل کرنے کا راستہ بتاتا ہے اور انسانوں کو کامیابی کی منزل سے ہمکنار کرتا ہے۔

رابعاً: —— وہ مؤمنوں کے لئے پیام رحمت ہے۔ انہیں ہر طرح کی نامرادیوں سے نجات دیتا ہے اور کامیابیوں کا مژدہ سناتا ہے۔

آیئے اب آیات پاک کی تلاوت کریں اور ان سات باتوں کو ذرا تفصیل سے سمجھیں:

۱-دین اسلام توحید کا داعی ہے

آپ فرمادیجئے کہ یہ (دین اسلام) میرا راستہ ہے، میں (سب لوگوں کو) اللہ پاک کی طرف بلاتا ہوں، پوری روشنی میں ہوں، میں اور میری پیروی کرنے والے۔ اور اللہ تعالیٰ پاک ہیں۔ اور شرک کرنے والوں سے میرا کوئی واسطہ نہیں۔

یعنی آپ اعلان کردیجئے کہ میرا طریق دین اسلام ہے میں سب لوگوں کو خدا پرستی کی دعوت دیتا ہوں، اور میں نے اور مجھ پر ایمان لانے والوں نے اس راستہ کو علم ویقین کے ساتھ اختیار کیا ہے، ہم اس سیدھے راستہ پر دلیل وبرہان اور حجت وبصیرت کی روشنی میں چل رہے ہیں، یہاں کسی کی اندھی تقلید نہیں —— اور اللہ تعالیٰ شرک سے پاک ہیں اور ان کمزوریوں سے بھی پاک ہیں جو عقیدۂ شرک کی بنا پر لازماً ان کی طرف منسوب کی جاتی ہیں اور ان عیوب اور برائیوں سے بھی پاک ہیں جو شرک کا نتیجہ ہیں —— اور شرک کرنے والوں سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں، ہم ان سے بیزار ہیں کیونکہ وہ اللہ پاک کے منکر ہیں اور ان کے احکام کی پروا نہیں کرتے اس لئے ہم ان کے طریقہ کے منکر ہیں اور ذرہ برابر ان کی پروانہیں کرتے۔

اس آیت میں جو فرمایا گیا ہے کہ توحید کی راہ علم ویقین پر مبنی ہے، جہل وگمان پر اس کا مدار نہیں اس کی تفصیل آئندہ سورت میں آرہی ہے، اس میں توحید اور اس کے تقاضوں پر سیر حاصل گفتگو ہے، بلکہ قرآن پاک کا اکثر حصہ اس مضمون

کے لئے وقف ہے۔

۲-رسول ہمیشہ انسان آئے ہیں

اور آپ سے پہلے ہم نے آبادیوں کے رہنے والے مردوں ہی کو مبعوث فرمایا ہے، جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے—— یہ مسئلۂ رسالت پر ایک شبہ کا جواب ہے لوگ رسول اللہ ﷺ کی بات کی طرف اس لئے توجہ نہیں کرتے تھے کہ ان کے خیال میں اللہ پاک کا رسول اور پیغمبر فرشتہ ہونا چاہئے، انسان رسول نہیں ہوسکتا، بھلا جو شخص کل ان کے شہر میں پیدا ہوا اور انہی کے درمیان پلا بڑھا اور وہ ان میں بہت سوں سے عمر میں بھی چھوٹا ہے اس کے متعلق یہ کیسے مان لیا جائے کہ اللہ پاک نے اُسے اپنا رسول مقرر کر دیا ہے۔

اللہ پاک اس آیت پاک میں ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ کوئی انوکھی بات نہیں، انسانوں کے لئے اللہ کا رسول ہمیشہ انسان ہی ہوتا آیا ہے۔ آپؐ سے پہلے بھی اللہ پاک اپنے نبی بھیج چکے ہیں، جو سب انسان ہی تھے، فرشتوں کو نبی بنا کر اللہ پاک نے کبھی نہیں بھیجا۔

اور اشارۃً آیت پاک سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ نبی ہمیشہ مرد ہوئے ہیں، کوئی عورت کبھی نبی بنا کر نہیں بھیجی گئی اور دوسری یہ کہ اللہ پاک نے بستیوں کے رہنے والوں کو نبی بنا کر بھیجا ہے، جنگلی گنواروں میں کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا کیونکہ مرد ہی نبوت کا کام صحیح طور پر انجام دے سکتے ہیں اور آبادیوں کے باشندے ہی علم وفہم کے حامل ہوتے ہیں۔ اور نبوت کا مدار علم پر ہے۔

۳-تکذیب رسول کا انجام

تو کیا وہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے کہ ان لوگوں کا انجام کیا ہوا جو اُن سے پہلے ہو چکے ہیں؟—— یعنی دیکھ لو جن قوموں نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کو قبول نہیں کیا اور اپنے بے بنیاد تخیلات پر جمے رہے ان کا انجام کیا ہوا؟ کیا تم اپنے تجارتی سفروں میں عاد، ثمود، مدین اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی تباہ شدہ بستیوں سے نہیں گذرے؟ کیا تمہیں وہاں کوئی سبق نہیں ملا؟ یہ انجام جو انھوں نے دنیا میں دیکھا رسولوں کے انکار کا نتیجہ تھا۔ پس تمہیں ان کے مآل سے عبرت پکڑنی چاہئے۔

۴-ایمان وتقویٰ کا صلہ

اور یقیناً آخرت کا گھر بہتر ہے پرہیزگاروں کے لئے پس کیا تم سمجھتے نہیں؟—— آیت کا روئے سخن تکذیب کرنے

والوں کی طرف ہے، جو غریب مسلمانوں سے کہتے تھے کہ تمہارے خیال کے مطابق تمہارا دین ہی صحیح دین ہے اور ہمارا دھرم باطل ہے مگر تمہاری اور ہماری موجودہ حالت اور پوزیشن اس کی تائید نہیں کرتی، کیا ہمارے مکانات، فرنیچر، کاروبار اور بود و باش کا سامان تم سے بہتر نہیں؟ ہم جو تمہارے نزدیک باطل پر ہیں، تم سے زیادہ خوش حال ہیں! اگر تم حق پر ہوتے تو اللہ پاک نے تمہیں تمہاری نیکی کا صلہ کیوں نہیں عطا فرمایا؟ — قرآن پاک کفار کے اس مغالطہ کا جواب دیتا ہے کہ دنیا کی چندروزہ نعمت و دولت اللہ پاک کے نزدیک مقبول ہونے کی علامت نہیں، دنیا کی زندگانی اور اس کا ساز و سامان تو دغا کی پونجی اور دھوکے کی ٹٹی ہے، اس کی حقیقت کھیل تماشے سے زیادہ نہیں:

جو ہیں اہل بصیرت اس تماشہ گاہ ہستی میں ❁ طلسمی زندگی کو کھیل لڑکوں کا سمجھتے ہیں

بلکہ مؤمنوں کو ان کی نیکی کا صلہ آخرت میں ملے گا اور آخرت کا دائمی اور ابدی صلہ دنیا کے چندروزہ عیش سے کہیں بہتر ہے۔ پس کیا تم سمجھتے نہیں؟

سمجھنا چاہئے کہ دنیا کی ہر چیز فانی ہے اور آخرت جاودانی ہے اور وہاں پہنچنے کے بعد انسان بھی غیر فانی ہو جائے گا یعنی اس کو کبھی ختم نہ ہونے والی زندگی عطا فرمائی جائے گی، پس وہاں اللہ پاک کے خوش نصیب بندوں کو جو نعمتیں عطا ہوں گی ان کا سلسلہ بھی ہمیشہ ہمیشہ جاری رہے گا۔ نیز آخرت کی نعمتیں اور لذتیں دنیا کی نعمتوں اور لذتوں سے بے انتہا بہتر اور برتر ہیں بلکہ وہی اصلی نعمتیں اور لذتیں ہیں اور دنیا کی چیزوں کو اُن سے کوئی نسبت نہیں۔ پس انسان کی فکر و سعی بس آخرت ہی کے لئے ہونی چاہئے۔

۵- مؤمنین کو دنیا میں بھی مدد خداوندی ضرور پہنچتی ہے

(رسولوں کو مدد پہنچنے میں تاخیر ہوئی) یہاں تک کہ جب رسول ناامید ہو گئے اور انھیں خیال آنے لگا کہ واقعی وہ صحیح خبر نہیں دیئے گئے، تب اُن کو ہماری مدد پہنچی، پھر جن کو ہم نے چاہا بچالیا اور مجرم لوگوں سے ہمارا عذاب پھیرا نہیں جاتا — یعنی مدد خداوندی پہنچنے میں تاخیر ہونے سے اور تکذیب کرنے والوں کو سزا ملنے میں ڈھیل ہونے سے کوئی دھوکہ نہ کھائے۔ پہلی قوموں کو بھی لمبی لمبی مہلتیں دی گئی تھیں اور عذاب آنے میں اتنی دیر ہوتی تھی کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام تک کے لئے حالات یاس انگیز ہو جاتے تھے اور بمقتضائے بشریت انہیں خیال آنے لگتا تھا کہ ہماری بات سچی نہ نکلی! جب نوبت یہاں تک پہنچتی تب نصرت خداوندی متوجہ ہوتی اور تکذیب کرنے والوں پر عذاب نازل ہوتا، اور فرماں بردار مؤمنین عذاب سے بچ جاتے اور تکذیب کرنے والے ہلاک ہوتے، پس یقین کرنا چاہئے کہ اللہ پاک کا عذاب ضرور آئے گا، چاہے تاخیر سے کیوں نہ آئے۔

آیت پاک کا یہ مطلب ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے ایک ارشاد سے سمجھا گیا ہے آپؓ نے ﴿وَ ظَنُّوٓا اَنَّهُمۡ قَدۡ كُذِبُوۡا﴾ کی تفسیر میں اُخۡلِفُوۡا فرمایا ہے یعنی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو خیال آنے لگا کہ وہ وعدہ خلافی کئے گئے یعنی اللہ پاک نے ان سے جو نصرت کا وعدہ فرمایا تھا وہ سچا ثابت نہ ہوا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنی تفسیر کی تائید میں سورۂ بقرہ کی آیت (۲۱۴) تلاوت فرمائی ہے جس میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ: ''تم سے پہلے جو مؤمنین گزرے ہیں ان پر ایسی تنگیاں اور سختیاں آئیں، اور ان کو آزمائشوں سے یہاں تک جنبش دی گئی کہ پیغمبر اور ان کے ہمراہی بول اٹھے کہ: اللہ پاک کی مدد کب آئے گی؟ یادرکھو اللہ پاک کی مدد نزدیک ہے'' —— یعنی پچھلی امتوں کو اس قدر ایذائیں پہنچیں کہ مجبور اور عاجز ہوکر نبی اور ان کی امت بول اٹھی کہ دیکھئے اللہ پاک نے جس مدد اور اعانت کا وعدہ فرمایا تھا وہ کب آتی ہے؟ یعنی بمقتضائے بشریت پریشانی کی حالت میں زبان سے مایوسی کے کلمات نکل گئے، جب تشویش یہاں تک پہنچی تو رحمت الٰہی متوجہ ہوئی اور ارشاد ہوا کہ ہوشیار ہوجاؤ اللہ پاک کی مدد آیا ہی چاہتی ہے۔ دنیا کی تکلیفوں سے اور دشمنوں کی شرارتوں سے گھبراؤ نہیں، تحمل کرو اور ثابت قدم رہو۔

یہاں اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ پاک کی رحمت ومہربانی سے مایوس ہوجانا کفر ہے، اسی سورت کی آیت (۸۷) میں ہے کہ اللہ پاک کی مہربانی سے بس کافر ہی مایوس ہوتے ہیں لیکن ظاہری حالات واسباب کے اعتبار سے ناامیدی کفر نہیں، یعنی یوں کہہ سکتے ہیں کہ فلاں چیز کی طرف سے جہاں تک اسباب ظاہری کا تعلق ہے مایوسی ہے لیکن حق تعالیٰ کی رحمت کاملہ سے مایوسی نہیں، ﴿حَتّٰٓى اِذَا اسۡتَيۡـَٔسَ الرُّسُلُ﴾ میں یہی مایوسی مراد ہے جو ظاہری حالات کے اعتبار سے ہے، ورنہ پیغمبر اللہ پاک کی رحمت سے واقعۃً کب مایوس ہوسکتے ہیں؟ —— جیسے حضرت لوط علیہ السلام کی زبان مبارک سے انتہائی گھبراہٹ اور پریشانی کی حالت میں بے ساختہ نکل گیا کہ ''اگر میں کسی مضبوط پایہ کی پناہ پکڑے ہوتا'' حالانکہ وہ بے سہارا نہیں تھے۔ اللہ پاک کی مضبوط اور مستحکم پناہ میں تھے مگر اس وقت گھبراہٹ اور بے چینی کی وجہ سے اُدھر خیال نہ گیا، بے ساختہ ظاہری اسباب پر نظر گئی، جس میں ان پر کوئی الزام نہیں —— یا جیسے حدیث شریف میں واقعہ ہے کہ بعثت نبوی کے آغاز میں جب وحی کا سلسلہ کچھ عرصہ کے لئے منقطع ہوا تو نبی اکرم ﷺ پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا اور آپؐ اس قدر تنگ دل اور پریشان ہوئے کہ کئی صبح تشریف لے جاتے تاکہ اونچے پہاڑ کی چوٹی سے اپنے آپ کو گرادیں مگر جب بھی پہاڑ کی چوٹی پر پہنچتے تاکہ وہاں سے اپنے آپ کو گرادیں تو آپ کے سامنے حضرت جبرئیل علیہ السلام ظاہر ہوتے اور فرماتے: ''اے محمدؐ! آپ یقیناً اللہ پاک کے برحق رسول ہیں'' اس سے آپؐ کا جوش تھم جاتا اور دل مطمئن ہوجاتا[1]

(۱) رواہ البخاری عن عائشۃ رضی اللہ عنہا (مشکوٰۃ شریف ص۵۲۲) لیکن یہ روایت صحیح نہیں، امام زہریؒ کے بلاغات میں سے ہے، امام زہری کی مرسل روایتیں ضعیف ہوتی ہیں، تفصیل تحفۃ القاری جلد گیارہ صفحہ ۳۰ میں ہے۔

ظاہر ہے کہ خودکشی حرام ہے،لیکن اگر کسی کو نہایت پریشانی کی حالت میں خودکشی کا خیال آئے تو اس پر کچھ مواخذہ نہیں حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ پاک نے میری امت کی اُن باتوں سے درگذر فرمایا ہے جو وسوسہ کے درجہ میں دل میں آتی ہیں، جب تک کہ اُسے نہ کرے، یا نہ بولے (مؤاخذہ نہیں، ہاں جب کوئی برا کام کر گذرے یا بری بات کو بول دے تب مؤاخذہ ہوتا ہے)[۱]— بلکہ کفر کا وسوسہ بھی کفر نہیں نہ کسی درجہ میں ایمان کے منافی ہے۔حدیث شریف میں ہے کہ چند صحابہ رضی اللہ عنہم نے نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا: ''یارسول اللہ! ہم اپنے دلوں میں (بے اختیار) ایسی چیزیں پاتے ہیں کہ ہم میں سے کسی کی ہمت نہیں ہوتی کہ اسے زبان پر لاوے۔حضور ﷺ نے پوچھا: ''کیا تم ایسا پاتے ہو؟'' انھوں نے عرض کیا: ''ہاں'' اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ذَاکَ صَرِیْحُ الْاِیْمَانِ (یہ تو کھلا ایمان ہے)[۲]

خلاصہ یہ ہے کہ مدد خداوندی سے انبیاء علیہم السلام کی یہ ناامیدی حقیقی نہیں، بلکہ صرف اسباب ظاہری کے اعتبار سے ہے جو کسی درجہ میں ناجائز اور بری نہیں،اور یہ خیال ہونے لگنا کہ اللہ پاک نے اُن سے جو مدد کا وعدہ فرمایا تھا وہ سچا ثابت نہ ہوا۔یہ خیال وسوسہ کے درجہ میں تھا جو کسی درجہ میں بھی ایمان یا عصمت کے منافی نہیں۔[۳]

البتہ اس سے حالات کی سنگینی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے اور نصرت خداوندی کے پہنچنے کا ضابطہ معلوم کیا جاسکتا ہے۔ سنت الٰہی یہی ہے کہ وہ قوموں کو سنبھلنے کے لئے بڑی سے بڑی مہلتیں دیتے ہیں اور مؤمنوں کی کڑی سے کڑی آزمائشیں کرتے ہیں تب ان کے وعدے پورے ہوتے ہیں پس مدد خداوندی پہنچنے میں تاخیر سے مؤمنوں کو پریشان نہیں ہونا چاہئے نہ جی چھوڑنا چاہئے اور سزا ملنے میں ڈھیل سے تکذیب کرنے والوں کو دھوکہ نہیں کھانا چاہئے کیونکہ اللہ پاک کا عذاب مجرموں سے کبھی ٹل نہیں سکتا۔

۶-انبیاء کے واقعات میں عبرت کا پہلو

بخدا ان کے واقعات میں اہل دانش کے لئے یقیناً عبرت کا سامان ہے— یعنی گذشتہ انبیاء علیہم السلام کی اور ان کی قوموں کی سرگذشتوں میں عقل مندوں کیلئے عبرت کا بڑا سامان ہے۔وہ دنیا کے ساز وسامان میں اور شان ونمود میں تم سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھیں مگر جب انھوں نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مقابلہ میں سرکشی کی اور تکذیب کو اپنا شعار بنالیا تو اللہ پاک نے ان کی جڑ کاٹ دی اور دنیا کے نقشہ میں ان کا نشان تک باقی نہ رہا۔حضرت نوح علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام

(۱) حدیث متفق علیه عن ابی هریرة رضی الله عنه (مشکوٰۃ ص۱۸)(۲) رواه مسلم عن أبی هریرة رضی الله عنه (مشکوٰۃ ص۱۸)(۳) هدیة الشیعه (نانوتوی رحمہ اللہ) ص۳۳۲

کی قوموں کا جب پارہ چڑھ گیا تو ایسی ملیامیٹ ہوئیں کہ کوئی رونے والا بھی باقی نہ رہا۔ پس اے عقل مندو! عبرت پکڑو کہ عبرت کی جا ہے!

۷۔قرآن پاک اللہ کا سچا کلام ہے اس کی چار خصوصیات ہیں

وہ (قرآن پاک) کوئی بناوٹی بات نہیں ـــــ یعنی انبیاء علیہم السلام کی سرگذشتیں قرآن پاک نے بیان فرمائی ہیں۔ اور قرآن کریم کوئی افسانہ یا ناول نہیں ہے بلکہ اس نے جو کچھ بیان فرمایا ہے وہ تاریخی حقائق ہیں پس عقل مندوں کو ان واقعات سے سبق لینا چاہئے۔

قرآن پاک کی وہ کیا خصوصیات ہیں جو یہ ثابت کرتی ہیں کہ وہ بناوٹی نہیں، بلکہ اللہ پاک کی جانب سے نازل شدہ ہے؟ ـــــ وہ چار خصوصیات ہیں جو درج ذیل ہیں:

(الف) ـــــ بلکہ وہ ان تمام وحیوں کی تصدیق ہے جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں ـــــ یعنی قرآن پاک پچھلی تمام وحیوں کے مطابق ہے۔ ہر زمانہ میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام جو اصولی تعلیمات پیش کرتے رہے ہیں، قرآن پاک نہ صرف ان کی تصدیق کرتا ہے بلکہ وہ بھی وہی تعلیمات پیش کرتا ہے اگر قرآن پاک بناوٹی ہوتا تو پچھلی کڑیوں کے ساتھ اس طرح نہ جڑ جاتا ـــــ نیز پچھلی تمام وحیوں نے قرآن پاک کی پیشین گوئی کی ہے اب اُن پیشین گوئیوں کے مطابق قرآن پاک نازل نہ ہوتا تو نتیجہ یہ ہوتا کہ وہ تمام کتابیں جھوٹی ہو کر رہ جاتیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن پاک بناوٹی نہیں، بناوٹ کی پشت پر پیشین گوئیوں کی تائید کبھی نہیں ہوتی۔

(ب) ـــــ اور ہر چیز کی تفصیل ہے ـــــ یعنی قرآن پاک میں ہر اُس چیز کی تفصیل ہے جو ہدایت ورہنمائی کے لئے ضروری ہے اس میں دین کی تمام بنیادی باتوں کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، ہر بات اس طرح مکمل ومدلل ہے کہ کسی طرح کی تشنگی باقی نہیں رہتی۔

یاد رکھنا چاہئے کہ ''ہر چیز'' سے مراد دین اور ہدایت سے تعلق رکھنے والی ہر چیز ہے، دنیا بھر کی چیزیں مراد نہیں ہیں، جو لوگ اس خبط میں ہیں کہ قرآن پاک میں سب کچھ ہے اور ہر علم کے سوتے قرآن پاک سے نکلتے ہیں پھر جب قرآن پاک میں طب، ریاضی اور سائنس اور دوسرے علوم وفنون کی تفصیل نہیں پاتے تو سرگرداں رہتے ہیں، وہ غور کریں کہ اگر قرآن پاک میں ہر علم موجود ہوتا تو پھر یہ کیا بات ہے کہ جب انسان اپنی کاوش سے کوئی علم دریافت کرتا ہے تب لوگ قرآن پاک میں سے اُس کے اشارے ڈھونڈھ نکالتے ہیں؟ ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ قرآن پاک کی بنیاد پر کوئی نیا علم مدون کیا جائے؟ واقعہ رونما ہونے کے بعد قرآن پاک میں سے اشارے ڈھونڈھ نکالنے سے یہ کیسے ثابت ہوسکتا ہے کہ قرآن پاک میں

اُس فن کی جملہ تفصیلات موجود ہیں؟

بلکہ خود اللہ پاک جل شانہ نے سورۃ البقرہ (آیت ۱۸۵) میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

﴿ شَهۡرُ رَمَضَانَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ فِیۡهِ الۡقُرۡاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الۡهُدٰى وَ الۡفُرۡقَانِ ﴾

ترجمہ: ماہ رمضان میں قرآن پاک اتارا گیا ہے، جو تمام لوگوں کے لئے رہنمائی ہے، اور جس میں ہدایت کے واضح دلائل ہیں اور جو حق و باطل میں امتیاز کرنے والی کتاب ہے۔

اس آیت پاک سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ قرآن پاک میں ہدایت کے واضح دلائل ہیں اور انہی کی پوری تفصیل ہے۔

(ج) ـــ اور راہ نمائی ہے ـــ یعنی قرآن پاک پوری انسانیت کی راہ نمائی کا فریضہ انجام دیتا ہے۔ وہ تمام لوگوں کو اللہ پاک تک پہنچنے کا اور ان کی خوشنودی اور رضامندی حاصل کرنے کا راستہ بتاتا ہے۔

(د) ـــ اور ایمان لانے والوں کے لئے پیام رحمت ہے ـــ جو مکہ کے بوجہل اور تاریک ماحول میں نازل ہوکر رسول اللہ ﷺ کو اور ایمان لانے والوں کو عظیم، تابناک اور شاندار مستقبل کی بشارت سناتا ہے اور انہیں جنت کی جاودانی زندگی کی خوش خبری دیتا ہے۔

پس غور کرو جس کتاب میں ہر چیز کی تفصیل موجود ہو، عبادات و معاملات، اخلاق و معاشرت، حکومت و سیاست؛ غرض انسانی زندگی کے انفرادی اور اجتماعی معاملہ سے متعلق اس میں واضح احکامات وہدایات موجود ہوں، جو ساری کائنات کی راہ نمائی کا فریضہ انجام دیتی ہو اور جو ایمان لانے والوں کیلئے پیام رحمت ہو وہ کبھی بناوٹی اور گھڑی ہوئی کتاب نہیں ہوسکتی۔

اور یہ قرآن پاک کے اوصاف کا محض مدعیانہ اعلان نہیں ہے بلکہ اس کی صداقت کی سب سے بڑی دلیل بھی ہے۔ اگر ایک شخص دعوی کرے کہ وہ ماہر طبیب ہے تو اس کے دعوے کو جانچنے کا سہل ترین راستہ یہ ہے کہ دیکھا جائے کہ اس کے علاج سے بیماروں کو شفا ملتی ہے یا نہیں؟ اگر موت کے آغوش میں پہنچے ہوئے بیمار اس کے شفاخانہ سے تندرست ہوکر نکلیں تو تسلیم کرنا ہوگا کہ وہ اپنے دعوی میں سچا ہے ـــ اب اس کسوٹی پر قرآن پاک کے دعوے کو جانچئے، کیا مریضان قلب و روح مسلسل اس کی ہدایت سے شفایاب نہیں ہوتے رہتے؟ پھر اس کے راہ نما ہونے میں کیا شک باقی رہ جاتا ہے؟

پس ثابت ہوا کہ قرآن پاک بناوٹی اور گھڑی ہوئی کتاب نہیں، قرآن پاک جس قسم کی چیز ہے ایسی چیز اللہ پاک کے سوا کوئی بنا ہی نہیں سکتا۔ اگر تمام انسان اور جن اکٹھے ہوکر چاہیں کہ قرآن پاک کے مانند کوئی کلام پیش کردیں تو وہ کبھی پیش نہیں کرسکیں گے، اگرچہ اُن میں سے ایک دوسرے کا مددگار ہی کیوں نہ ہو[1]

(۱) دیکھئے سورۂ بنی اسرائیل آیت (۸۸) اس مضمون کی مزید وضاحت سورۂ یونس آیت نمبر ۳۷ و ۳۸ اور آیت ۵۷ و ۵۸ میں ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الرعد

نمبر شمار ۱۳ نزول کا نمبر ۹۶ نزول کی نوعیت مکی-مدنی رکوع ۶ آیات ۴۳

اس سورت کا کچھ حصہ ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں نازل ہوا ہے اور کچھ حصہ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں، اس وجہ سے بعض روایات میں اس سورت کو مکی کہا گیا ہے اور بعض میں مدنی۔ نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر چھیانوے ہے۔ یعنی مدنی دور کی ابتداء میں اس کے نزول کی تکمیل ہوئی ہے، یہ زمانہ مکی دور کے آخری زمانہ سے کچھ زیادہ مختلف نہیں تھا بلکہ مسلمانوں کے لئے پریشانیاں کچھ سوا ہوگئی تھیں۔ مسلمانوں کو اگرچہ ظالموں کے پنجہ سے رہائی حاصل ہوچکی تھی مگر اب وہی خونخوار ظالم ہر طرف سے کھانے کو دوڑ رہے تھے۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ان کی مہم تیز ہوگئی تھی۔ ایسے نازک دور میں یہ سورت نازل ہوئی ہے۔

اس سورت کی تیرھویں آیت میں رعد فرشتے کی تسبیح کا ذکر ہے اس وجہ سے اس کو سورت کا نام قرار دیا ہے، یہ نام صرف علامت کے طور پر ہے پوری سورت میں رعد فرشتے کی تسبیح سے بحث نہیں ہے۔

سورت کا مدعا پہلی ہی آیت میں پیش کیا گیا ہے کہ نبی پاک ﷺ جو کچھ پیش فرمارہے ہیں وہی حق ہے مگر لوگ اُسے نہیں مانتے پھر دین حق کے بنیادی عقائد بیان فرمائے ہیں، جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) ـــــ توحید ـــــ خدائی پوری کی پوری اللہ پاک کی ہے اس لئے ان کے سوا کوئی بندگی کا مستحق نہیں۔

(۲) ـــــ رسالت ـــــ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ پاک کے سچے رسول ہیں۔ وہ جو کچھ پیش فرمارہے ہیں اپنی طرف سے نہیں پیش کررہے بلکہ اللہ پاک کی طرف سے پیش فرمارہے ہیں۔

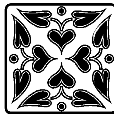
(۳) ـــــ معاد ـــــ اس زندگی کے بعد ایک دوسری زندگی آنے والی ہے جس میں سب کو اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی ہوگی۔

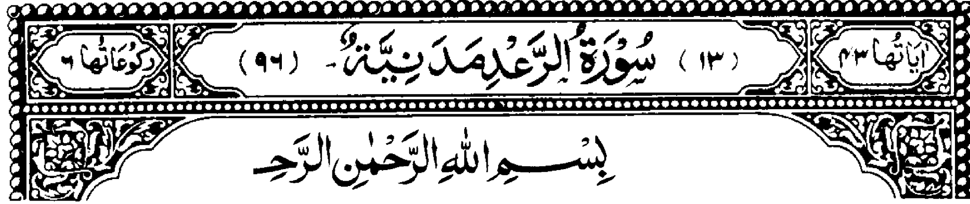
اہمیت: اس سورت کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ جاں کنی کے وقت اس سورت کا پڑھنا بزرگوں سے مروی ہے۔ درمنثور میں جابر بن زید رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ جان کنی کے وقت سورۃ الرعد پڑھنے سے میت کے لئے آسانی ہوتی ہے جیسے سورۂ یٰس پڑھنے سے مرنے والے کے دل کو تقویت ملتی ہے۔

مضامین: سورت کا آغاز بیان مدعا سے ہوا ہے کہ نبی اکرم ﷺ پر جو کچھ نازل کیا جارہا ہے وہی حق ہے پھر آیت نمبر ایک سے چار تک اللہ پاک کی ہستی اور ان کے کارناموں کا تذکرہ ہے پھر پانچویں آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان کے لئے معاد کو ماننا ضروری ہے، معاد کو مانے بغیر ایمان معتبر نہیں ہے، اس کے بعد کی دو آیتوں میں مخالفین کے اعتراضات کا جواب ہے، پھر آیت آٹھ سے آیت دس تک اللہ پاک کی صفت علم کا ذکر ہے۔ پھر تین آیتوں میں بتلایا گیا ہے کہ اللہ پاک ہی نفع ونقصان کے مالک ہیں۔ پھر بالترتیب بیان کیا گیا ہے کہ دعا صرف اللہ پاک سے کرنی چاہئے، سجدہ اور عبادت صرف انہی کی کی جانی چاہئے پروردگار وہی ہیں، ہر چیز کو پیدا فرمانے والے وہی ہیں —— پھر سترہویں آیت میں واضح کیا گیا ہے کہ حق باقی رہے گا اور فتح مند ہوگا اور باطل مٹ جائے گا اور ناکام ہوگا —— اس کے بعد آیت اٹھارہ سے آیت پچیس تک ایمان کے فوائد اور ایمان والے اعمال اور کفر کے نقصانات اور کافرانہ اعمال بیان کئے ہیں —— اس کے بعد آیت ۲۶ سے کفار کے ساتھ عام گفتگو شروع ہوئی ہے، ان کے اعتراضات ذکر کئے بغیر ان کے جوابات دیئے گئے ہیں اور ان شبہات کو رفع کیا گیا ہے جو دین حق کے بارے میں لوگوں کے دلوں میں پائے جاتے تھے —— اور درمیان میں رسالت اور معاد کے مسئلہ کو سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے اور انکے بارے میں لوگوں کے شبہات اور اعتراضات کو رفع کیا گیا ہے، اور چونکہ قرآن پاک کا مقصد دلوں کو مطمئن کرنا ہے اس لئے طرح طرح سے بات سمجھائی ہے، تاکہ نادان لوگ ہٹ دھرمی سے باز آجائیں۔

ربط: سورۂ یوسف کے آخر میں آیت (۱۰۸) میں فرمایا تھا کہ نبی پاک ﷺ جو دین پیش کررہے ہیں وہ علی وجہ البصیرت پیش کررہے ہیں اور مؤمنین جو رسول پاک ﷺ پر ایمان لائے ہیں وہ بھی اندھی تقلید نہیں کررہے، بلکہ دلیل وحجت سے مطمئن ہوچکے ہیں —— اب سورۂ یوسف کے بعد یہ سورت شروع ہوئی ہے، اس میں اسلام کی بنیادی باتوں کو مدلل کیا گیا ہے اور سب سے زیادہ زور توحید پر دیا گیا ہے اور توحید کے تقاضوں کو مفصل بیان کیا گیا ہے۔ گویا یہ سورت سورۂ یوسف کی آیت (۱۰۸) کی شرح ہے۔ اس وجہ سے اُس سورت کے بعد متصلاً اس سورت کو رکھا گیا ہے۔

سورۃ الرعد کو اچھی طرح سمجھو، بہت غور سے اس کی تلاوت کرو، دین حق کی بنیادی تعلیمات توحید، رسالت اور معاد میں بصیرت حاصل ہوجائے گی۔





الٓمّٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ۭ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ①

بِسْمِ	نام سے	تِلْكَ اٰيٰتُ	یہ آیتیں (ہیں)	مِنْ رَّبِّكَ	آپ کے رب کی طرف سے
اللهِ	اللہ پاک (کے)	الْكِتٰبِ (۱)	کتاب (الٰہی کی)	الْحَقُّ	بالکل سچ (ہے)
الرَّحْمٰنِ	(جو) نہایت مہربان	وَالَّذِيْٓ (۲)	اور جو	وَلٰكِنَّ	مگر
الرَّحِيْمِ	بڑے رحم والے (ہیں)	اُنْزِلَ	اتارا گیا ہے	اَكْثَرَ النَّاسِ	بہت سے آدمی
الٓمّٓرٰ	الف، لام، میم، را	اِلَيْكَ	آپ کی طرف	لَا يُؤْمِنُوْن	ایمان نہیں لاتے

اللہ پاک کے اسم گرامی سے (شروع ہے) جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

قرآنِ کریم دینِ حق (بالکل سچا دین) پیش کرتا ہے

الف، لام، میم، را — سورۂ یونس، ہود اور یوسف کے بعد یہ چوتھی سورت ہے جو ان حروف مقطعات سے شروع ہوئی ہے اس میں میم زیادہ ہے، سابقہ تین سورتیں الف، لام، را سے شروع ہوئی تھیں۔ ان حروف کی حقیقی مراد تو صرف اللہ پاک کو معلوم ہے، لیکن اتنی بات کا ہم بھی اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ سورت بھی پچھلی تین سورتوں کے ساتھ مضامین میں بڑی حد تک ہم آہنگ ہے۔

یہ کتاب الٰہی کی آیتیں ہیں — یعنی اس وقت آپ جن آیتوں کی تلاوت کر رہے ہیں وہ کوئی انسانی کلام نہیں، بلکہ قرآن پاک کی آیتیں ہیں۔ پس چاہئے کہ تلاوت کرنے والے اور سننے والے غور سے، عاجزی سے، فرمانبرداری کے

(۱) اَلْكِتَابُ پر الف لام عہد ذہنی ہے مطلق کوئی کتاب مراد نہیں، بلکہ خاص کتاب الٰہی مراد ہے (۲) ترکیب: اَلَّذِیْ مبتدا، جملہ اُنْزِلَ اس کا صلہ — اُنْزِلَ کا نائب فاعل ضمیر مستتر — اِلَیْکَ اور مِنْ رَّبِّکَ متعلق ہیں اُنْزِلَ سے اور اَلْحَقُّ خبر ہے — اور جملہ اسمیہ کے طرفین جب معرفہ ہوتے ہیں تو حصر پیدا ہوتا ہے۔

جذبہ سے اور پورے ادب واحترام سے پڑھیں اور سنیں ـــــ اور جو (دین) آپ کے رب کی طرف سے آپ کی طرف اتارا گیا ہے وہی حق (بالکل سچ) ہے ـــــ یعنی جو دین اللہ پاک نے حضور اقدس ﷺ پر نازل فرمایا ہے، وہی حق ہے اس کے علاوہ جتنے ادیان و مذاہب پائے جاتے ہیں وہ یا تو سرے سے باطل ہیں یا ان میں باطل کی آمیزش کردی گئی ہے۔ اس لئے ان میں سے کوئی بھی حق یعنی بالکل سچ نہیں ہے۔

بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ چونکہ ہر مذہب اپنی اصل کے اعتبار سے حق ہے، اس لئے کسی بھی مذہب کو مان لینے سے نجات ہوجائے گی۔ ان کا یہ خیال غلط اور لغو ہے۔ نجات حق یعنی بالکل سچے مذہب کو ماننے ہی سے ہوگی حتی کہ نبی کریم ﷺ کے لائے ہوئے دین کی جن لوگوں نے شکل بگاڑ لی ہے وہ بھی گمراہ ہیں۔ حدیث شریف میں ہے: ''میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے اور بجز ایک کے سب جہنم رسید ہوں گے'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: وہ ایک کونسا ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''جو میری اور میرے صحابہ کی روش پر ہوگا''(۱) ـــــ پس جو طریقہ حضور ﷺ کا اور صحابہ کرام کا ہے وہی حق ہے ـــــ مگر اکثر لوگ مانتے نہیں! ـــــ یعنی اکثر لوگ نبی پاک ﷺ کی تعلیم کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں مگر واقعہ یہ ہے کہ حق وہی ہے خواہ لوگ اُسے مانیں یا نہ مانیں۔

اَللّٰهُ الَّذِىْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِىْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ۝۲ وَهُوَ الَّذِىْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِىَ وَاَنْهٰرًا ؕ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِى الَّيْلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۳ وَفِى الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۣ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِى الْاُكُلِ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝۴

اَللّٰهُ (۱)	اللہ تعالیٰ	الَّذِىْ	جنھوں نے	رَفَعَ	بلند کیا

(۱) رواه الترمذی عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما (مشکوٰۃ شریف ص۳۰) (۲) اَللّٰهُ مبتدا ہے اور اَلَّذِیْ صلہ کے ساتھ خبر ہے۔ اور جملہ کے طرفین معرفہ ہیں اس وجہ سے حصر پیدا ہوا ہے۔

السَّمٰوٰتِ	آسمانوں (کو)	الْاٰيٰتِ	نشانیاں	اثْنَيْنِ	(یعنی) دو
بِغَيْرِ	بغیر	لَعَلَّكُمْ	تاکہ تم	يُغْشِي	ڈھانپتے ہیں وہ
عَمَدٍ[1]	ستونوں (کے)	بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ	اپنے پروردگار کی ملاقات کا	الَّيْلَ	رات (کو)
تَرَوْنَهَا[2]	دیکھتے ہو تم ان کو	تُوْقِنُوْنَ	یقین کرو	النَّهَارَ	دن (پر)
ثُمَّ اسْتَوٰى[3]	پھر جم کر بیٹھے	وَهُوَ	اور وہ	اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ	بلاشبہ اس میں
عَلَى الْعَرْشِ	تخت شاہی پر	الَّذِيْ	جنھوں نے	لَاٰيٰتٍ	یقیناً نشانیاں (ہیں)
وَسَخَّرَ[4]	اور بیگار میں لگادیا	مَدَّ	پھیلائی	لِّقَوْمٍ	(ان) لوگوں کے لئے
الشَّمْسَ	سورج	الْاَرْضَ	زمین	يَّتَفَكَّرُوْنَ	(جو) سوچتے ہیں
وَالْقَمَرَ	اور چاند (کو)	وَجَعَلَ فِيْهَا	اور بنائے اس میں	وَفِي الْاَرْضِ	اور زمین میں
كُلٌّ يَّجْرِيْ	ہر ایک چل رہا ہے	رَوَاسِيَ[5]	پہاڑ	قِطَعٌ[8]	خطے ہیں
لِاَجَلٍ مُّسَمًّى	مقررہ وقت کے لئے	وَاَنْهٰرًا	اور دریا (ندیاں)	مُّتَجٰوِرٰتٌ[9]	پاس پاس (برابر برابر)
يُدَبِّرُ	تدبیر فرمارہے ہیں وہ	وَمِنْ كُلِّ[6]	اور ہر طرح کے	وَّجَنّٰتٌ	اور باغات
الْاَمْرَ	ہر کام کی	الثَّمَرٰتِ	پھل	مِّنْ اَعْنَابٍ	انگور کے
يُفَصِّلُ	کھول کھول کر بیان	جَعَلَ فِيْهَا	بنایا اس میں	وَّزَرْعٌ	اور کھیت
	فرماتے ہیں وہ	زَوْجَيْنِ[7]	جوڑا	وَّنَخِيْلٌ	اور کھجور

(۱) عَمَدٌ اسم جمع ہے یا عِمَادٌ (سہارا) یا عَمُوْدٌ (ستون) کی جمع ہے — اور بِغَيْرِ عَمَدٍ محذوف سے متعلق ہوکر اَلسَّمٰوٰتِ کا حال ہے أی: رفعها خالية عن عمد.(۲) تَرَوْنَهَا جملہ مستانفہ ہے جیسے انا بلاسیف ولا رمح ترانی (میں بغیر تلوار اور بغیر نیزے کے ہوں، تم مجھے دیکھ رہے ہو) (۳) استوی کے لئے سورۂ یونس آیت تین کا حاشیہ دیکھیں (۴) سَخَرَهٗ (ن) اور سَخَّرَهٗ بیگار لینا (۵) رَوَاسِي اصل میں صفت ہے مگر اسم کی طرح مستعمل ہے جس کے معنی ہیں مضبوط پہاڑ رَسَا (ن) رَسْوًا وَرُسُوًّا: ٹھہرنا ثابت ہونا (۶) جار مجرور جعل سے متعلق ہیں جو بعد میں آرہا ہے (۷) زَوْجَيْنِ تثنیہ ہے زَوْجٌ کا اور تثنیہ کے معنی ہیں جوڑا، کہا جاتا ہے اِشْتَرَيْتُ زَوْجَيْ نِعَالٍ (میں نے ایک جوڑا جوتا خریدا) — اس وجہ سے اِثْنَيْنِ بدل لایا گیا ہے تاکہ کوئی دو جوڑے نہ سمجھ لے۔(۸) قِطْعَةٌ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں چیز کا حصہ (۹) مُتَجَاوِرَةٌ کی جمع ہے جو اسم فاعل جمع مؤنث کا صیغہ ہے، تَجَاوَرَ باب تفاعل سے ہے جس کے معنی ہیں برابر، برابر، باہم ملے ہوئے۔

صِنۡوَانٌ [1]	جڑ ملے ہوئے	وَنُفَضِّلُ	اور فوقیت (ترجیح)	اِنَّ	بلاشبہ
وَّغَيۡرُ	اور نہ		دیتے ہیں ہم	فِىۡ ذٰلِكَ	اس میں
صِنۡوَانٍ	جڑ ملے ہوئے	بَعۡضَهَا	ان کے ایک کو	لَاٰيٰتٍ	البتہ نشانیاں (ہیں)
يُّسۡقٰى	سیراب کئے جاتے ہیں	عَلٰى بَعۡضٍ	دوسرے پر	لِّقَوۡمٍ	(ان) لوگوں کے لئے
بِمَآءٍ وَّاحِدٍ	ایک پانی سے	فِى الۡاُكُلِ	پھل میں	يَّعۡقِلُوۡنَ	(جو) سمجھتے ہیں

آسمان وزمین کا کارخانہ نہ خود بخود وجود میں آیا ہے نہ بے مقصد بنایا گیا ہے

ان آیتوں میں اللہ پاک کی ہستی (وجود) اور آخرت کی زندگی کے دلائل ذکر فرمائے گئے ہیں، ان آیتوں میں کائنات کی جن چیزوں کو گواہی میں پیش کیا گیا ہے ان کی شہادت اللہ تعالیٰ کے وجود پر نہایت واضح ہے اور موت کے بعد دوسری زندگی پر ان کی شہادت ذرا خفی ہے غور کرنے سے سمجھ میں آئے گی۔ پہلے آسمان اور اس کے احوال پر غور کرو۔ ارشاد فرماتے ہیں ـــــ اللہ پاک وہی ہیں جنھوں نے آسمانوں کو سہاروں کے بغیر بلند کیا ہے جن کو تم دیکھ رہے ہو ـــــ یعنی یہ بلند آسمان تمہاری نظروں کے سامنے ہے اُسے بغور دیکھو کہ کس طرح اتنی بڑی چھت سہارے کے بغیر کھڑی ہے، جب تم کسی شاندار محل کا گنبد یا کسی وسیع مسجد یا ہال کی چھت دیکھتے ہو تو تمہیں کس قدر تعجب ہوتا ہے کہ اتنا بڑا قبہ اور لمبی چوڑی چھت کس طرح ستون اور کھمبے کے بغیر کھڑی ہے اور فوراً تمہارا ذہن قبہ بنانے والے کی فنی مہارت کی طرف دوڑتا ہے، پس کیا تمہیں کبھی آسمان کی اتنی بڑی چھت دیکھ کر بھی تعجب ہوا ہے؟ اور کیا دیکھنے والوں نے کبھی یہ بھی سوچا ہے کہ اس کو کس نے پیدا کیا ہے؟ اور کس نے اس کو سہاروں کے بغیر بلند کیا ہے؟ اور وہ اپنے فن کا کس قدر ماہر ہے؟ اور کتنی بڑی قدرت والا ہے؟ اگر تمہارے دل میں کبھی یہ سوالات پیدا ہوئے ہوں تو سمجھ لو کہ جس نے آسمانوں کو سہاروں کے بغیر اتنا بلند کیا ہے وہی اللہ پاک ہیں۔

آسمان اور اس کی بناوٹ میں انسانوں کے لئے پورا سامان موجود ہے، انسان چاہے کسی ملک کا رہنے والا ہو، کتنا ہی کم پڑھا لکھا ہو، کیا اس نے آسمان نہیں دیکھا؟ آسمان ہر وقت ہر جگہ ہر شخص کی نظروں کے سامنے موجود ہے، اس کو دیکھنے کے لئے کسی سند یا ڈگری کی ضرورت نہیں، جب بھی کوئی انسان اس پر نظر ڈالے گا، اُسے معلوم ہو جائے گا کہ اتنی بڑی چھت کو

(۱) صِنۡوَانٌ جمع ہے صِنۡوٌ کی اس شاخ کو کہتے ہیں جو درخت کی جڑ سے نکلی ہو، یہاں مراد وہ شاخ ہے کہ اس کو اور دوسری شاخ کو یا شاخوں کو ایک ہی جڑ گھیرے ہوئے ہو۔

بے سہارا تھامنے والی کوئی ہستی ضرور ہے، بس وہی ہستی اللہ پاک کی ہستی ہے، اللہ پاک ہی نے اُسے پیدا کیا ہے اور سہاروں کے بغیر فضا میں روک رکھا ہے —— پھر وہ تخت حکومت پر جم کے بیٹھے —— یعنی آسمان کی اتنی بڑی چھت اللہ پاک نے پیدا فرما کر یونہی نہیں چھوڑ دی، بلکہ اس کے قیام کا پورا پورا انتظام فرمایا ہے۔ وہ آسمانوں کو پیدا کر کے تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہیں اور تمام آسمانوں کا اور سارے جہان کا انتظام انہی کے دست قدرت میں ہے۔ تمام اختیارات کے تنہا وہی مالک ہیں، آسمانوں میں اور کائنات کے گوشے گوشے میں ہر وقت اور ہر آن جو کچھ ہو رہا ہے وہ انہی کے حکم واشارے سے ہو رہا ہے —— اور سورج اور چاند کو بے گار میں لگا دیا، ہر ایک مقررہ وقت کے لئے چل رہا ہے —— یعنی دونوں کو جس کام پر لگا دیا ہے برابر لگے ہوئے ہیں۔ ہزاروں سال گزر گئے، مگر نہ ان کی رفتار میں کمی بیشی ہوتی ہے، نہ وہ تھکتے ہیں، نہ کبھی اپنے مقررہ کام کے خلاف کسی دوسرے کام میں لگتے ہیں، دونوں اپنی ڈیوٹی بالکل صحیح صحیح انجام دے رہے ہیں —— اور قیامت تک دونوں اسی طرح چلتے رہیں گے۔ قیامت ان کی منزل ہے اس منزل پر پہنچ کر یہ سارا نظام ختم ہو جائے گا —— وہ ہر کام کا انتظام فرما رہے ہیں —— یعنی پورے عالم کے کاموں کے انتظامات میں کوئی اللہ پاک کا شریک اور ساجھی نہیں، وہ تنہا آسمانوں اور زمین کا انتظام فرما رہے ہیں —— وہ نشانیاں کھول کر بیان کرتے ہیں تا کہ تم اپنے پروردگار کی ملاقات کا یقین کرو —— یعنی آسمان اور اس کی عجیب وغریب بناوٹ میں اور چاند سورج اور ان کے حیرت انگیز نظام میں غور کرو تمہیں موت کے بعد کی دوسری زندگی کی شہادت مل جائے گی اور تمہیں آخرت اور قیامت کا یقین آ جائے گا۔

آیت پاک میں غور کرو، اس میں دو باتیں بیان فرمائی گئی ہیں:

پہلی بات: —— آسمانوں کی تخلیق میں اور ان کے فضا میں بے سہارا رُکے ہوئے ہونے میں اور چاند سورج کے نظام میں غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کا ایک مکمل نظام ہے اور وہ ایک قانون کے تحت چل رہے ہیں۔ یہ زبردست نظام دو باتوں پر دلالت کرتا ہے ایک یہ کہ اس نظام کا کوئی فرماں روا ہے کیونکہ نظم کا تصور ناظم کے بغیر نہیں ہو سکتا اور دوسری بات یہ ہے کہ اس نظام کے بہت سے ناظم نہیں ہیں ورنہ اس کی باقاعدگی کبھی باقی نہ رہ سکتی پس ثابت ہوا کہ تنہا اللہ پاک آسمانوں پر حکمراں ہیں۔ دوسرا کوئی اس نظام کائنات میں دخل دینے والا نہیں، جو معبود قرار دیئے جانے کا مستحق ہو۔

دوسری بات: —— چاند، سورج کا یہ نظام جو ہر شخص کے سامنے ہے اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ یہ کائنات گہری حکمت سے رچی گئی ہے، یہ عظیم الشان کارگاہ ہستی کوئی بچوں کا کھیل نہیں کہ محض کھیلنے کے لئے یہ گھروندا بنایا گیا ہو —— جب یہ سب کچھ بغیر مصلحت کے نہیں تو کیا یہ ممکن ہے کہ انسان کا وجود بغیر کسی غرض اور مصلحت کے ہو؟ وہ صرف اس لئے پیدا کیا گیا ہو کہ کھائے پیئے اور مر کر ہمیشہ کے لئے فنا ہو جائے؟ نہیں ایسا کبھی نہیں ہو سکتا، نظام فلکی سے ہم کو یہ بھی سبق ملتا

ہے کہ اس کے پیدا فرمانے والے بڑی حکمت والے ہیں پس ان کی حکمت سے یہ بات بعید ہے کہ وہ انسان سے اس کی زندگی کے کارناموں کا حساب نہ لیں، ظالموں سے باز پرس اور مظلوموں کی دادرسی نہ کریں، نیکوکاروں کو جزاء اور بدکاروں کو سزا نہ دیں۔

چاند، سورج کی تسخیر پر غور کرنے سے ہمارا دل یہ بھی گواہی دیتا ہے کہ جس خدا کی قدرت اتنے بڑے بڑے کروں کو فضا میں گردش دے رہی ہے اُن کیلئے انسان کو موت کے بعد دوبارہ پیدا کرنا کچھ بھی مشکل نہیں۔

آسمانوں کے نظام میں غور کرنے کے بعد زمین اور اس کی چیزوں کو بھی دیکھو، ارشاد فرماتے ہیں — اور وہی ہیں جنھوں نے زمین کو پھیلایا — یعنی زمین کو دیکھو، اس کی سطح ایک بچھے ہوئے فرش کی طرح معلوم ہوتی ہے — اور اس میں پہاڑ اور دریا بنائے — یعنی ساری مخلوق کو پانی پہنچانے کا انتظام فرمایا، پانی کا بہت بڑا ذخیرہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر برف کی شکل میں پایا جاتا ہے، جس کے لئے نہ حوض درکار ہے نہ ٹنکی، پھر وہاں سے ساری دنیا میں پانی پہنچایا جاتا ہے، برف پگھلتی ہے اور ندیاں بہتی ہیں، جن سے زمین سیراب ہوتی ہے، اس کے علاوہ سوتوں کے ذریعہ ساری زمین میں پانی پھیلا دیا ہے، ہر جگہ کنوؤں کے ذریعہ پانی حاصل کیا جاسکتا ہے — اور اس میں تمام قسموں کے پھلوں کے دو کے جوڑے بنائے — اللہ پاک نے کائنات کی ہر چیز جوڑے جوڑے بنائی ہے۔ سورہ یٰس آیت چھتیس میں ہے کہ اللہ پاک نے ہر قسم کے جوڑے پیدا کئے ہیں، زمین کی نباتات کے بھی، خود انسان کے بھی اور ان مخلوقات کے بھی جن کو انسان نہیں جانتا، اور سورۃ الذاریات (آیت ۴۸ و ۴۹) میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

﴿ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ۝ وَمِنْ كُلِّ شَیْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَیْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور زمین کو ہم نے بچھایا، سو ہم بہترین بچھانے والے ہیں اور ہر چیز کے ہم نے جوڑے بنائے تا کہ تم اس سے سبق لو۔

زَوْجَیْن (جوڑا) وہ دو چیزیں ہیں جو مل کر ایک مقصد کی تکمیل کریں، جیسے عورت اور مرد کا جوڑا انسان کی پیدائش کا سبب ہے۔ جانوروں کی نسلیں بھی نر و مادہ کے ملنے سے چلتی ہیں۔ نباتات یعنی زمین سے اگنے والی چیزوں میں بھی یہی اصول کام کر رہا ہے، پپیتا اور کھجور میں نر اور مادہ کے درخت الگ الگ پائے جاتے ہیں اور اکثر درختوں میں ایک ہی ساتھ نر و مادہ کی قوتیں جمع رہتی ہیں، بے جان مادوں میں بھی مختلف چیزیں جب ایک دوسرے سے جوڑ کھاتی ہیں تب مرکبات وجود میں آتے ہیں، خود مادہ منفی اور مثبت برقی توانائی سے مرکب ہے جیسے بجلی منفی اور مثبت توانائیوں کے ملنے سے وجود میں آتی ہے اسی طرح کائنات کی ہر چیز جوڑا جوڑا بنائی گئی ہے مثلاً رات دن کے معاملہ کو لو، دونوں مل کر ایک مقصد کی تکمیل

کرتے ہیں ـــــ وہ رات کو دن پر ڈھانپتے ہیں ـــــ یعنی اللہ پاک بارہ گھنٹے کے بعد رات لے آتے ہیں۔ غور کرو، یہ اللہ پاک کی کتنی بڑی نعمت ہے اگر یہاں ہمیشہ دن رہتا تو زمین پر کسی چیز کا وجود باقی نہ رہتا، ہر چیز جل کر خاک ہو جاتی۔ اسی طرح پھر بارہ گھنٹوں کے بعد دن لے آتے ہیں اور یہ بھی اتنی ہی بڑی نعمت ہے جتنی پہلی تھی، اگر یہاں ہمیشہ رات رہتی تو زمین کی ہر چیز جم کر برف بن جاتی، خود انسان بھی برف کا ایک ٹکڑا بن کر رہ جاتا، پس اللہ پاک کی حکمت کا یہ کرشمہ دیکھو کہ رات دن کا انقلاب ہوتا رہتا ہے اور اس سے ہر چیز کی بقا کا سامان ہوتا رہتا ہے۔ دن کی تپش جب زمین کی چیزوں کو گرم کر دیتی ہے تو اللہ پاک رات لے آتے ہیں تاکہ ہر چیز خنکی (ٹھنڈی) کی مطلوبہ مقدار حاصل کر سکے ـــــ اس میں یقیناً ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو سوچتے ہیں ـــــ سوچو جب دنیا کی ہر چیز کا ایک جوڑا ہے اور کوئی چیز اپنے جوڑے سے ملے بغیر نتیجہ خیز نہیں ہوتی تو دنیا کی یہ زندگی کیسے بے جوڑ ہو سکتی ہے؟ اس کا جوڑا آخرت ہے۔ آخرت نہ ہو تو یہ دنیا بے نتیجہ رہ جائے گی، اللہ پاک کی حکمت میں ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔

زمین کے احوال میں ابھی اور غور کرو، ارشاد فرماتے ہیں ـــــ اور زمین میں خطے ہیں پاس پاس، اور انگور کے باغات، اور کھیت اور کھجور کے درخت، جڑ ملے ہوئے اور بغیر جڑیں ملے ہوئے، ایک ہی پانی سے سیراب کئے جاتے ہیں اور ہم بعض کو بعض پر پھل میں ترجیح دیتے ہیں، اس میں یقیناً ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو سمجھتے ہیں ـــــ یعنی اللہ پاک نے ساری زمین کو یکساں نہیں بنایا۔ اس میں بے شمار خطے ہیں، جو پاس پاس اور برابر برابر ہوتے ہوئے بھی رنگ میں، خاصیتوں اور صلاحیتوں میں، روئیدگی اور پیداوار میں بالکل مختلف ہیں، کہیں انگور کے باغ ہیں، کہیں کھیت ہیں اور کہیں نخلسان، پھر نخلستانی خطے بھی قوت میں مختلف ہیں، کہیں زمین میں اتنی قوت ہوتی ہے کہ ایک ہی جڑ سے دو یا زیادہ تنے نکلتے ہیں اور کہیں کم ہوتی ہے، وہاں ایک جڑ سے ایک ہی تنا نکلتا ہے۔ پھر زمین اگرچہ ایک ہے اور ایک ہی پانی سے ہر قطعہ سیراب ہوتا ہے مگر ہر درخت کا پھل یکساں نہیں، کسی جگہ اعلیٰ درجہ کا پھل پیدا ہوتا ہے اور کسی جگہ ادنیٰ درجہ کا، کسی کا مزہ کچھ ہوتا ہے اور کسی کا کچھ۔ اس صورت حال میں سمجھ داروں کے لئے یقیناً نشانیاں ہیں۔

تاروں بھرے آسمان میں غور کرنے کے بعد اب زمین کی ساخت میں غور کرو، کتنا بڑا عظیم الشان کُرہ ہے یہ جو اپنے پھیلاؤ کی وجہ سے انسان کے حق میں فرش کی مانند ہے۔ کوئی چلنے والا اگر زندگی بھر چلتا رہے تو وہ ایک ہموار فرش ہی پر چلتا رہے گا، پھر اس کی سطح پر اتنے بڑے بڑے پہاڑوں کا ابھر آنا، اس کے سینے پر ایسے ایسے زبردست دریاؤں کا جاری ہونا، اس کی گود میں پھلوں کی ہر قسم کے جوڑوں کا پایا جانا، پھر رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات کا باقاعدگی کے ساتھ آنا جانا، اس کے بے شمار خطے اس میں طرح طرح کے اختلافات پکار پکار کر گواہی دے رہے ہیں کہ یہ سب کچھ اتفاقی طور پر

وجود میں نہیں آیا نہ کسی اندھے بہرے گونگے مادے کی کرشمہ سازی ہے بلکہ یہ کسی حکیم ودانا، علیم وخبیر کی کارفرمائی ہے۔ بس وہی ہستی اللہ پاک جل شانہ کی بابرکت ہستی ہے۔

وَإِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَإِذَا كُنَّا تُرَابًا ءَإِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ۗ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ الْأَغْلَالُ فِي أَعْنَاقِهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٥﴾ وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلَاتُ ۗ وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ لِلنَّاسِ عَلَىٰ ظُلْمِهِمْ ۖ وَإِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٦﴾ وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ ۗ إِنَّمَا أَنْتَ مُنْذِرٌ ۖ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ﴿٧﴾

وَاِنْ تَعْجَبْ	اور اگر تعجب کرے تو	الَّذِيْنَ	جنھوں نے	خٰلِدُوْنَ	ہمیشہ رہنے والے (ہیں)
فَعَجَبٌ(۱)	تو عجیب (ہے)	كَفَرُوْا	انکار کیا	وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ	اور جلدی لانے کا مطالبہ
قَوْلُهُمْ	ان کی بات:	بِرَبِّهِمْ	اپنے رب کا		کرتے وہ آپ سے
ءَاِذَا	کیا جب	وَاُولٰٓئِكَ	اور یہی لوگ	بِالسَّيِّئَةِ	برائی کو
كُنَّا	ہو جائیں گے ہم	الْاَغْلٰلُ(۲)	طوق	قَبْلَ الْحَسَنَةِ	بھلائی سے پہلے
تُرٰبًا	مٹی	فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ	ان کی گردنوں میں	وَقَدْ خَلَتْ	حالانکہ تحقیق گزر چکی ہیں
ءَاِنَّا	کیا واقعی ہم		(ہوں گے)	مِنْ قَبْلِهِمُ	ان سے پہلے
لَفِيْ خَلْقٍ	پیدائش میں ہوں گے	وَاُولٰٓئِكَ	اور یہی لوگ	الْمَثُلٰتُ(۳)	عبرت ناک سزائیں
جَدِيْدٍ	نئی	اَصْحٰبُ النَّارِ	دوزخ والے (ہیں)	وَاِنَّ رَبَّكَ	اور بلاشبہ آپ کے پروردگار
اُولٰٓئِكَ	یہی لوگ (ہیں)	هُمْ فِيْهَا	وہ اس میں	لَذُوْ مَغْفِرَةٍ	البتہ بخشش والے (ہیں)

(۱) فاء جزائیہ ہے عَجَبٌ خبر مقدم ہے قَوْلُهُمْ مبتدا موخر ہے، مقولہ ءَ اِذَا الخ ہے اور خبر کی تقدیم نے حصر کا فائدہ دیا ہے۔

(۲) الغُلّ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں طوق، الْاَغْلَالُ مبتدا ہے اور فِيْ اَعْنَاقِهِمْ خبر ہے اور جملہ اُولٰئِكَ کی خبر ہے

(۳) اَلْمَثُلَةُ (میم کے زبر کے ساتھ) کی جمع ہے جس کے معنی ہیں گذشتہ امتوں کی عبرت ناک سزائیں اور المُثْلَة ←

لِلنَّاسِ	لوگوں کی	الَّذِيْنَ	وہ لوگ جنھوں نے	اِنَّمَآ اَنْتَ	بس آپ
عَلٰى ظُلْمِهِمْ (۱)	ان کی زیادتیوں پر	كَفَرُوْا	انکار کیا	مُنْذِرٌ	خبردار کرنے والے
وَاِنَّ رَبَّكَ	اور بلاشبہ آپ کے پروردگار	لَوْلَآ اُنْزِلَ	کیوں نہیں اتاری گئی		(ہیں)
لَشَدِيْدُ	البتہ سخت	عَلَيْهِ	اس پر	وَلِكُلِّ	اور ہر ایک
الْعِقَابِ	سزا والے (ہیں)	اٰيَةٌ	کوئی نشانی	قَوْمٍ	قوم کے لئے (ہے)
وَيَقُوْلُ	اور کہتے ہیں	مِّنْ رَّبِّهٖ	اس کے رب کی طرف سے	هَادٍ (۲)	کوئی راہ نما

منکرین اسلام کی تین باتوں کا جواب

۱- گل سڑ کر مٹی ہو جانے کے بعد کیا نیا جامہ پہنایا جائے گا؟

گذشتہ تین آیتوں میں ہم نے پڑھا کہ کائنات کی ہر چیز یقین دلا رہی ہے کہ یہ کارخانہ بغیر حکمت و مصلحت اور بغیر نتیجہ کے نہیں ہوسکتا، ضروری ہے کہ انسان کی زندگی بس اتنی ہی نہ ہو کہ پیدا ہوا کھایا پیا اور مر کر برابر ہو گیا بلکہ اس کے بعد بھی کچھ ہونے والا ہے۔ لیکن لوگوں کی غفلت کا عجیب حال ہے موت کے بعد دوسری زندگی کی بات ان کی سمجھ ہی میں نہیں آتی بتلاؤ، اس سے زیادہ کونسی بات عجیب ہوسکتی ہے؟ ان سے کہا جا رہا ہے کہ زندگی بس اتنی ہی نہیں ہے جو تمہیں حاصل ہے، اس پر لوگ حیران ہو کر کہتے ہیں: جب ہم مر گئے اور گل سڑ کر مٹی ہو گئے تو کیا پھر ہمیں زندگی کا ایک نیا جامہ پہنایا جائے گا، اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں — اور اگر آپ تعجب کریں تو ان کی یہ بات عجیب ہی ہے کہ: ''جب ہم مٹی ہو جائیں گے تو کیا واقعی ہم نئی زندگی میں ہوں گے'' — یعنی اگر آپ کو منکرین کی اس بات سے تعجب ہوتا ہو تو ان کی یہ بات واقعی تعجب کی بات ہے۔ عجیب بات یہ نہیں ہے کہ مرنے کے بعد دوسری زندگی ہو، کیونکہ اس کی تو گواہی دنیا کی ہر چیز دے رہی ہے، عجیب بات یہ ہے کہ جس قادر مطلق ہستی نے پہلی بار انہیں بنایا وہ ان کو دوبارہ بنانے پر قادر نہ ہو

حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے اللہ پاک کو مانا ہی نہیں اس وجہ سے وہ یہ بیہودہ بات کہہ رہے ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں — یہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب کا انکار کیا — یعنی موت کے بعد دوسری زندگی کا ماننا شرط ایمان ہے، جو شخص

← (میم کے پیش کے ساتھ) کے معنی ہیں ناک کان کاٹنا اس کی جمع بھی یہی آتی ہے۔

(۱) عَلٰى ظُلْمِهِمْ حال ہے اَلنَّاسُ سے أي مع كونهم ظالمين (روح) (۲) هَادٍ مبتدا مؤخر ہے اصل میں ھادی تھا، دال کا کسرہ یا محذوف کی علامت ہے۔

یہ نہیں مانتا وہ اللہ پاک کو بھی نہیں مانتا، چاہے وہ اللہ پاک کو ماننے کا دعوی کرے کیونکہ آخرت کا انکار درحقیقت اللہ پاک کی قدرت وحکمت کا انکار ہے جو لوگ مٹی میں مل جانے کے بعد دوبارہ پیدا ہونے کو ناممکن کہتے ہیں وہ در پردہ یہ کہتے ہیں کہ معاذ اللہ! وہ اللہ پاک جس نے ان کو پیدا کیا ہے وہ عاجز وناتواں ہو گیا ہے!ـــ اور انہی لوگوں کی گردن میں طوق ہوں گے ـــ ان مجرموں کے گلے میں لوہے کا بھاری حلقہ پڑے گا اور وہ قیدی بن کر جہنم رسید ہوں گے ـــ اور یہی لوگ جہنمی ہیں، وہ دوزخ میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ـــ ابدتک اس میں سڑیں گے، وہاں سے نکلنے کا کبھی خواب بھی نہیں دیکھیں گے۔

۲- جس عذاب کی دھمکی دیتے ہو اسے لے کیوں نہیں آتے؟

کفار مکہ نبی اکرم ﷺ سے کہتے تھے کہ اگر تم واقعی نبی ہو، اور تم دیکھ رہے ہو کہ ہم نے تم کو جھٹلایا ہے تو اب تم وہ عذاب ہم پر کیوں نہیں لے آتے جس کی تم ہمیں دھمکیاں دیتے ہو؟ اس کے لانے میں دیر کیوں کر رہے ہو؟ اللہ پاک جواب ارشاد فرماتے ہیں ـــ اور وہ لوگ بھلائی سے پہلے برائی کے لئے جلدی مچا رہے ہیں ـــ یعنی یہ نادان خیر سے پہلے شر مانگتے ہیں، حق کی دعوت قبول نہیں کرتے جس سے دنیا وآخرت کی بھلائی ملے بلکہ کہتے ہیں کہ انکار وتکذیب کا برا نتیجہ کہاں ہے؟ کیوں پیش نہیں آجاتا ـــ حالانکہ ان سے پہلے عبرت ناک سزائیں گذر چکی ہیں ـــ یعنی تم سے پہلے بُہتیری قوموں پر عذاب آچکا ہے، اور وہ تکذیب کا خمیازہ بھگت چکی ہیں پھر تم پر عذاب لے آنا کیا مشکل ہے؟ مگر بات صرف اتنی ہے کہ اللہ پاک نے تمہیں سنبھلنے کیلئے مہلت دی ہے اس وجہ سے وہ اپنی شان حلم وعفو سے تمہارے جرائم پر فوراً گرفت نہیں فرما رہے۔ ارشاد فرماتے ہیں ـــ اور آپ کے پروردگار یقیناً درگذر کرنے والے ہیں، لوگوں سے، ان کی زیادتیوں کے باوجود ـــ اس وجہ سے لوگوں کی تکذیب کا برا نتیجہ فوراً سامنے نہیں آتا، بلکہ مہلت پر مہلت دی جاتی ہیں، مگر جب وقت آئے گا تو وہ سخت سزا دینے والے ہیں۔ ارشاد ہے ـــ اور آپ کے پروردگار یقیناً سخت سزا دینے والے ہیں ـــ یعنی تمہارے برے عملوں کی سزا کبھی ٹلنے والی نہیں اور جب وقت پر ملے گی تو پھر کسی طرح کی نرمی ہونے والی نہیں نہ تمہارے پاس اس تباہ کن عذاب سے بچنے کی کوئی صورت ہو گی۔

۳- رسول مطلوبہ معجزات کیوں نہیں دکھاتے؟

اور جن لوگوں نے انکار کیا وہ کہہ رہے ہیں کہ: "اُس پر کیوں اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی نہیں اُتاری گئی؟" ـــ یعنی رسول پاک ﷺ کی دعوت حق کے منکرین آپؐ سے کہتے ہیں کہ اگر تم سچے نبی ہو اور اللہ پاک نے واقعی تمہیں

اپنا سفیر اور پیغامبر مقرر کیا ہے تو ہم جن کرشموں کا تم سے مطالبہ کرتے ہیں وہ دکھا کیوں نہیں دیتے؟ تمہارے پروردگار تمہارے ہاتھ سے کوئی ایسی نشانی ظاہر کیوں نہیں فرماتے جسے دیکھ کر ہم کو یقین آجائے کہ تم واقعی اللہ پاک کے رسول ہو؟

انسان کی یہ عام گمراہی ہے کہ وہ سچائی کے دلائل سچائی میں نہیں ڈھونڈھتا بلکہ دوسری چیزوں میں تلاش کرتا ہے، وہ عجائب اور کرشموں کو دیکھنے کا خواہش مند رہتا ہے اور جس کے ہاتھ سے بھی کوئی عجیب وغریب بات ظاہر ہوتی دیکھ لیتا ہے اُسی کو سچا تسلیم کرلیتا ہے چاہے وہ جو بات پیش کرتا ہے، کتنی ہی نامعقول ہو۔ مکہ والے بھی حضور پاک ﷺ سے اسی قسم کی نشانیوں کی فرمائش کرتے تھے وہ کبھی کہتے کہ زمین پھاڑ کر ہمارے لئے پانی کا ایک چشمہ جاری کردو یا مکہ کی سنگلاخ زمین میں ہمارے لئے نہریں رواں کردو کوئی کہتا آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے ہم پر گرادو اور کوئی بے شرم یہاں تک کہہ بیٹھتا کہ اللہ پاک اور فرشتوں کو ہمارے سامنے رُوبرو لے آؤ —— قرآن پاک ان کے مطالبہ کا نہایت مختصر جواب دیتا ہے —— آپ صرف خبردار کرنے والے ہیں، اور ہر قوم کے لئے کوئی راہنما ہے —— یعنی اے پیغمبر! آپ اس فکر میں نہ پڑیں کہ ان لوگوں کو مطمئن کرنے کے لئے آخر کونسا معجزہ دکھایا جائے، آپ کا کام ہر ایک کو مطمئن کرنا نہیں آپ کا کام صرف یہ ہے کہ بے خبر اور غفلت میں پڑے ہوئے لوگوں کو چوکنا کردیں اور ان کو غلط راہ پر چلنے کے برے انجام سے خبردار کردیں۔

اور یہ کام ہم نے ہر زمانے میں ہر قوم میں کوئی نہ کوئی ہادی مقرر کرکے لیا ہے اب یہ خدمت آپ سے لی جارہی ہے پس جس کا جی چاہے آنکھیں کھولے اور آپ کی بات مانے، دعوت حق کی پہچان خود دعوت حق ہے۔ مشک وہ ہے جو خود مہکے، نہ وہ جسے کرشمہ دکھا کر منوایا جائے۔

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور انکے متبعین کا کام کرشمے دکھانا اور لوگ جو بھی معجزہ طلب کریں اُسے دکھانا نہیں ہے بلکہ ان کا کام لوگوں کے سامنے ہدایت کی بات رکھ دینا ہے۔ اب طالب حق کا کام ہے کہ وہ دعوت میں غور کرے اور یہ دیکھے کہ داعی کی زندگی دعوت کے مطابق ہے یا نہیں اور دعوت واقعی ہدایت کی دعوت ہے یا گمراہی کی اگر واقعی ہدایت کی دعوت ہے تو اُسے قبول کرلے۔ آگے آیت اٹھائیس میں اس بات کی مزید وضاحت آرہی ہے۔

ہر قوم کے لئے کوئی ہادی ہے:

اس آیت میں جو ارشاد فرمایا ہے کہ: ''ہر ایک قوم کے لئے کوئی ہادی (راہنما) ہے'' اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کوئی قوم اور زمین کا کوئی خطہ ایسا نہیں کہ وہاں اللہ پاک کی طرف سے کوئی ہدایت پہنچانے والا اور دعوت دینے والا نہ آیا ہو، خواہ وہ ہادی کوئی نبی ہو، خواہ اس کا قائم مقام کوئی امتی ہو، لیکن ہم کسی کو متعین نہیں کرسکتے کہ فلاں ملک میں یا فلاں خطے میں

فلاں شخص ہادی تھا کیونکہ ہمارے پاس اس کی کوئی قطعی دلیل نہیں، قرآن پاک میں جن ہادیوں کا اور پیغمبروں کا ذکر آیا ہے صرف انہی کے بارے میں ہم قعطیت سیبات کہہ سکتے ہیں، ان کے علاوہ کسی کے بارے میں قطعیت کے ساتھ کوئی بات نہیں کہی جاسکتی۔ کیونکہ جن تاریخی شخصیتوں کو لوگ جانتے ہیں ان میں راہ حق کے راہنما ہونے اور گمراہی کے بانی ہونے کے مساوی امکانات ہیں۔ پھر کسی کے بارے میں کیونکر قطعیت سے کوئی ایک پہلو متعین کرلیا جائے۔ اس لئے اس سوال کے بارے میں کہ ہندوستان میں کوئی نبی آئے یا نہیں؟ اور آئے تو وہ کون تھے؟ قطعیت اور یقین سے کوئی بات نہیں کہی جاسکتی۔

کسی شخص کو دلیل کے بغیر نبی مان لینا ویسا ہی ہے جیسا کسی سچے نبی کو جھٹلا دینا

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ؕ وَكُلُّ شَیْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ۝۸ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ۝۹ سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۭ بِالَّيْلِ وَ سَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ۝۱۰

اَللّٰهُ يَعْلَمُ	اللہ پاک جانتے ہیں	بِمِقْدَارٍ	خاص اندازے سے (ہے)	الْقَوْلَ	بات
مَا تَحْمِلُ	جو کچھ پیٹ میں رکھتی ہے	عٰلِمُ	جاننے والے (ہیں)	وَمَنْ جَهَرَ	اور جو زور سے کہے
كُلُّ اُنْثٰى	ہر مادہ	الْغَيْبِ	پوشیدہ	بِهٖ	اس کو
وَمَا تَغِيْضُ	اور جو کچھ گھٹتی ہیں	وَ الشَّهَادَةِ	اور ظاہر (کے)	وَمَنْ هُوَ	اور جو کہ وہ
الْاَرْحَامُ	بچہ دانیاں	الْكَبِيْرُ	بڑے	مُسْتَخْفٍ	چھپنے والا ہے
وَمَا تَزْدَادُ	اور جو کچھ بڑھتی ہیں	الْمُتَعَالِ (۱)	بہت برتر (ہیں)	بِالَّيْلِ	رات میں
وَكُلُّ شَیْءٍ	اور ہر چیز	سَوَآءٌ مِّنْكُمْ	برابر (ہے) تم میں سے	وَ سَارِبٌ (۲)	اور کھلا ہے
عِنْدَهٗ	ان کے پاس	مَّنْ اَسَرَّ	جو چھپا کر کہے	بِالنَّهَارِ	دن میں

(۱) اَلْمُتَعَالِ اسم فاعل واحد مذکر حالت رفع میں ہے اصل میں اَلْمُتَعَالِیُ تھا یا کو حذف کیا گیا ہے اور لام کا زیر یا محذوف کی علامت کے طور پر باقی رکھا ہے تَعَالِی مصدر باب تفاعل مادہ عُلُوٌّ امام راغب نے لکھا ہے کہ مُتَعَالِیْ عَالِیْ سے زیادہ مبالغہ پر دلالت کرتا ہے عَالِی کے معنی ہیں بزرگ، برتر، عالی مرتبہ اور متعالی کے معنی ہیں بہت بزرگ، بہت غالب بہت ←

معبود وہی ذات ہو سکتی ہے جس کا علم کائنات کے ذرے ذرے ک محیط ہو

دوسری آیت سے چوتھی آیت تک توحید کا بیان تھا۔ضمناً موت کے بعد کی دوسری زندگی کا تذکرہ بھی آ گیا تھا،اس کے بعد کی تین آیتوں میں منکرین اسلام کی تین باتوں کا جواب تھا،اب تین آیتوں میں اللہ پاک کی صفت علم کا بیان ہے،اس لئے کہ عذاب کب آنا ہے؟اور فرمائشی معجزہ اتارنا ہے یا نہیں؟اس کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں،اس تقریب سے صفتِ علم کا تذکرہ شروع کیا ہے،مگر عجیب نرالا انداز ہے،ساتھ ساتھ منکرین کو تنبیہ بھی کی ہے کہ تمہاری کوئی بات اور تمہاری کوئی حالت اللہ پاک سے پوشیدہ نہیں،تم میں سے ایک ایک کو اللہ پاک اس وقت سے جانتے ہیں جب کہ تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں تھے تمہاری نیتوں اور خیالوں سے بھی وہ باخبر ہیں پس وہ تمہیں تمہارے اعمال کی پوری پوری سزا دیں گے۔ارشاد فرماتے ہیں——اللہ پاک کے علم میں ہے جو کچھ ہر مادہ پیٹ میں اٹھاتی ہے،اور جو کچھ رحم میں کمی بیشی ہوتی ہے اور ہر چیز ان کے یہاں خاص اندازے سے ہے—— جب کسی مادہ کو حمل رہتا ہے تو شروع میں کوئی نہیں جانتا کہ وہ حمل کیا بننے والا ہے،خود حاملہ کو بھی کوئی علم نہیں ہوتا کہ جو حمل ٹھہرا ہے وہ لڑکا ہے یا لڑکی؟اسی کی جنس کا بچہ بنے گا یا کسی اور جنس کا؟ پھر اس بچہ کی مقدار کیا ہوگی،وصف کیا ہوگا،احوال کیا ہوں گے؟کسی کو ان باتوں میں سے کسی بات کا کوئی علم نہیں ہوتا،مگر اللہ پاک کو ان تمام باتوں کا پورا پورا علم ہے۔وہ الف سے یاء تک بچے کے تمام احوال سے بخوبی واقف ہوتے ہیں۔

حمل قرار پانے کے بعد رحم (بچہ دانی) کا عمل شروع ہوتا ہے۔اس کے عمل کے دوران بچہ کے اعضاء میں،قوتوں اور قابلیتوں میں،صلاحیتوں اور استعدادوں میں جو کچھ کمی بیشی ہوتی ہے اُسے بھی کوئی نہیں جانتا۔خود حاملہ کو بھی اس کا کوئی اندازہ نہیں ہوتا مگر اللہ پاک کو ہر کمی بیشی کا علم ہوتا ہے۔ہر کمی بیشی براہ راست اللہ پاک کی نگرانی میں ہوتی ہے۔

حدیث شریف میں اللہ پاک کے سچے رسول ﷺ کا ارشاد ہے کہ:''انسان کا مادۂ تخلیق رحم مادر میں ایک چلہ تک نطفہ کی شکل میں جمع رہتا ہے (یعنی پہلے چلہ میں نطفہ میں کوئی غیر معمولی تغیر نہیں ہوتا صرف خون میں کچھ گاڑھا پن آ جاتا ہے) پھر دوسرے چلہ میں وہ نطفہ منجمد خون بن جاتا ہے پھر تیسرے چلہ میں وہ گوشت کی بوٹی بن جاتا ہے (اسی زمانہ میں اعضاء کی تشکیل اور ہڈیوں کی بناوٹ شروع ہوتی ہے) پھر اللہ پاک اس حمل کے پاس ایک فرشتہ بھیجتے ہیں جو چار باتیں لکھتا ہے (۱) وہ کیا کام کرے گا (۲) اس کی مدت عمر کیا ہوگی (۳) اس کی روزی کیا ہوگی (۴) وہ نیک بخت ہوگا یا بد بخت۔

← برتر (۲) سَارِبٌ اسم فاعل: کھلم کھلا،ظاہر سَرَبَ (ن) الماءُ: پانی کا جاری ہونا ظَبْیَۃٌ سَارِبَۃٌ: چراہ گاہ میں جانے والی ہرنی السَّرَب: راستہ۔

پھر اس بچہ میں روح پھونکی جاتی ہے“[۱]

غرض اللہ پاک کے نزدیک ہر چیز کا ایک خاص اندازہ مقرر ہے، وہ نہ اس سے کم ہوسکتی ہے نہ زیادہ چنانچہ بچے کے تمام حالات بھی اللہ پاک کے نزدیک متعین ہیں کہ کتنے دن وہ حمل میں رہے گا پھر کتنے زمانے تک دنیا میں زندہ رہے گا، کتنا رزق اس کو حاصل ہوگا —— بیشک خدا اور معبود ایسی ہی ذات ہوسکتی ہے جس کا علم ہر چیز پر حاوی ہو جو ذرے ذرے سے باخبر ہو —— وہ غیب وشہادت کے جاننے والے ہیں، بڑے ہیں، بہت برتر وبالا ہیں —— وہ تمام چیزیں جو انسان کے دائرہ علم میں ہیں یعنی جن چیزوں کو انسان اپنے ظاہری اور باطنی حواس سے جان سکتا ہے وہ سب انسان کے لئے شہادت (ظاہر) ہیں اور جو چیزیں اس کے دائرہ علم سے باہر ہیں وہ اس کے حق میں غیب (پوشیدہ) ہیں مگر اللہ پاک کے حق میں کوئی بھی چیز غیب (پوشیدہ) نہیں ہے وہ ہر چیز کو یکساں طور پر جانتے ہیں اور وہ بہت بڑی اور سب سے برتر وبالا ہستی ہیں، ان کی عظمتوں اور بلندیوں کا انسان تصور بھی نہیں کرسکتا —— ان کے لئے سب یکساں ہیں، جو تم میں سے چپکے سے بات کہتے ہیں اور جو پکار کر کہتے ہیں اور جو رات میں چھپنے والے ہیں اور جو دن میں کھلے ظاہر پھرنے والے ہیں —— یعنی اللہ پاک کے علم محیط میں خفیہ بات کرنے والے اور بلند آواز سے بات کرنے والے برابر ہیں وہ دونوں کے کلام کو یکساں طور پر سنتے اور جانتے ہیں۔ اسی طرح جو شخص رات کی اندھیری میں کہیں چھپا ہوا ہے اور جو دن کے اجالے میں کھلے راستے پر چل رہا ہے، یہ دونوں بھی اللہ پاک کے علم میں برابر ہیں وہ دونوں کے حالات کو یکساں طور پر جانتے ہیں۔

یہاں یہ بات خاص طور پر منکرین کو اس لئے سنائی جارہی ہے کہ وہ رسول پاک ﷺ کے خلاف چپکے چپکے منصوبے گانٹھتے تھے اور سمجھتے تھے کہ ہم اپنی پوشیدہ چالوں سے اسلام کی دعوت روک دیں گے، مگر وہ نادان سمجھتے نہیں تھے کہ اللہ پاک تو اندھیری رات میں چیونٹی کے چلنے کی آواز بھی سنتے ہیں اور اندھیری رات میں سیاہ چیونٹی کو بھی دیکھتے ہیں۔ ان کے علم سے تکذیب کرنے والوں کے مشورے کیوں کر پوشیدہ رہ سکتے ہیں۔

ان آیتوں میں غور کرنے کی اصل چیز یہ ہے کہ معبود وہی ذات ہوسکتی ہے جس کا علم ہر چیز کو وسیع ہو، جو کائنات کے ذرے ذرے سے باخبر ہو اور مخلوقات کو وجود بخشنے سے پہلے بھی اس کے تمام احوال سے واقف ہو، پھر مخلوق کے پیدا ہونے کے بعد اس کی کوئی نقل وحرکت اور اس کی کوئی حالت اس سے پوشیدہ نہ ہو۔

لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ

(۱) حدیث متفق علیه عن ابن مسعود رضی الله عنه (مشکوٰۃ شریف ص ۲۰)

لَهٗ ؕ وَمَا لَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖ مِنۡ وَّالٍ ۝۱۱

لَهٗ (۱)	اس کے لئے ہیں	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ پاک	اللّٰهُ	اللہ پاک
مُعَقِّبٰتٌ (۲)	باری باری آنے والے	لَا يُغَيِّرُ	نہیں بدلتے	بِقَوۡمٍ	کسی قوم کے ساتھ
	فرشتے	مَا	جو (حالت)	سُوۡٓءًا	برائی
مِّنۡۢ بَيۡنِ يَدَيۡهِ	انسان کے آگے سے	بِقَوۡمٍ	کسی قوم کی ہوتی (ہے)	فَلَا مَرَدَّ (۳)	تو نہیں پھیرنا (ہے)
وَمِنۡ خَلۡفِهٖ	اور اس کے پیچھے سے	حَتّٰى	یہاں تک کہ	لَهٗ	اس کے لئے
يَحۡفَظُوۡنَهٗ	دیکھ بھال کرتے ہیں	يُغَيِّرُوۡا	وہ بدل دیں	وَمَا	اور نہیں (ہے)
	وہ اس کی	مَا	جو (حالت)	لَهُمۡ	ان لوگوں کے لئے
مِنۡ اَمۡرِ	حکم سے	بِاَنۡفُسِهِمۡ	ان کی اپنی (ہے)	مِّنۡ دُوۡنِهٖ	اللہ سے نیچے
اللّٰهِ	اللہ پاک (کے)	وَاِذَاۤ اَرَادَ	اور جب چاہتے ہیں	مِنۡ وَّالٍ (۴)	کوئی کارساز

اللہ تعالیٰ فرشتوں کے ذریعہ بندوں کی حفاظت کرتے ہیں

اس آیت پاک میں اللہ پاک جل شانہ کی ایک اور صفت کا بیان ہے اور وہ صفت ہے مخلوقات کی حفاظت اور نگہبانی کرنا، معبود ہونے کے لئے علم محیط کے علاوہ یہ صفت بھی ضروری ہے، اور اسماء حسنیٰ میں اللہ پاک کا ایک نام ہے اَلۡمُهَيۡمِنُ (محافظ) دوسرا نام ہے اَلۡحَفِيۡظُ (نگہبان) اور تیسرا نام ہے الرَّقِيۡبُ (نگراں) یہ سب نام ایک ہی صفت کی ترجمانی کرتے ہیں اور اس آیت پاک میں اسی صفت کا بیان ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں —— اللہ پاک ہی کی ملک ہیں وہ فرشتے جو انسان کے آگے پیچھے باری باری آنے والے ہیں جو امر الٰہی سے اس کی حفاظت کرتے ہیں —— یعنی تمام کائنات کو اللہ پاک ہی نے پیدا فرمایا ہے، اور وہ اپنی مخلوقات کے ہر کھلے چھپے سے باخبر ہیں، اور وہی اپنی مخلوقات کی حفاظت فرماتے ہیں خود انسان کو دیکھئے: اللہ پاک کے فرشتے ہر طرف سے اس کو گھیرے رہتے ہیں۔ آگے پیچھے، دائیں بائیں، اوپر نیچے ہر

(۱) لَهٗ خبر مقدم ہے اور ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے، خبر کی تقدیم سے حصر کا مفہوم پیدا ہوا ہے اور لام تملیک کا ہے جیسے وَلِلّٰهِ مَافِيۡ السَّمٰوٰتِ الخ میں (۲) جمع ہے مُعَقِّبَةٌ کی جس کے معنی ہیں وہ جماعت جو دوسری جماعت کے پیچھے متصلاً آئے، یہاں مراد فرشتوں کی جماعتیں ہیں (۳) مَرَدٌّ مصدر میمی ہے رَدَّهٗ (ن) رَدًّا و مَرَدًّا عن كذا: پھیرنا، واپس کرنا، لوٹانا (۴) وَالٍ اصل میں وَالِیٌ تھا۔ یاء حذف کی گئی ہے، لام کا زیر اسکی علامت کے طور پر ہے۔

طرف سے اس کی حفاظت کرتے ہیں، انسان کے ان باڈی گارڈوں کی صبح وشام ڈیوٹی بدلتی ہے، یہ فرشتے انسان کی ہر مکروہ امر سے حفاظت کرتے ہیں اوراس کے تمام اچھے برے کاموں کی نگرانی کرتے ہیں اور ریکارڈ تیار کرتے رہتے ہیں۔

حدیث شریف میں اس کی تفصیل اس طرح آئی ہے: ''انسانوں کی نگرانی اور نگہبانی کے لئے فرشتوں کی دو جماعتیں مقرر ہیں۔ ایک رات کے لئے، دوسری دن کے لئے اور یہ دونوں جماعتیں صبح اور عصر کی نمازوں میں اکٹھی ہوتی ہیں''(۱) —— صبح کی نماز کے بعد رات کے محافظ فرشتے رخصت ہوجاتے ہیں اور دن کے محافظ فرشتے کام سنبھال لیتے ہیں اور عصر کی نماز کے بعد یہ رخصت ہوجاتے ہیں اور رات کے فرشتے ڈیوٹی پر آجاتے ہیں۔

سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ہر انسان کے ساتھ کچھ حفاظت کرنے والے فرشتے مقرر ہیں جو اس کی دیکھ بھال کرتے ہیں کہ اس پر کوئی دیوار نہ گر پڑے یا وہ کسی گڑھے یا غار میں نہ گر جائے یا کوئی جانور اس کو گزند نہ پہنچائے لیکن جب نوشتۂ تقدیر پورا ہونے کا وقت آتا ہے تو محافظ فرشتے اس کے پاس سے ہٹ جاتے ہیں اور اللہ پاک نے جو مقدر فرمایا ہے وہ ہوکر رہتا ہے (روح المعانی)

حقیقت یہ ہے کہ اگر اللہ پاک کی حفاظت شامل حال نہ ہو تو انسان چند لمحے بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ موت ہر طرف سے انسان کو گھیرے ہوئے ہے عالم کا ذرہ ذرہ اس کے لئے سامان موت ہے، ہم جن تیز رفتار سواریوں پر سوار ہوکر دوڑے پھرتے ہیں کیا یہ موت کے گھوڑے نہیں ہیں؟ یہ ہوائی جہاز، یہ ریلیں، یہ کاریں اگر ذرا گر بڑ ہوجائیں تو انسان کا نام باقی نہ رہے، ہمارے چاروں طرف کس قدر جانور پھیلے ہوئے ہیں جو ہماری زندگی کا خاتمہ کرنے کے لئے کافی ہیں، ہم بے فکر ہر جگہ سو جاتے ہیں اگر چیونٹی یا مکھی یا مچھر ہمارے دماغ میں یا کان میں گھس جائے تو ہمارا کیا حال ہوگا؟ اللہ پاک کا یہ کتنا بڑا احسان ہے کہ انھوں نے فرشتوں کی فوج کی فوج ہماری حفاظت کے لئے متعین فرمادی ہے جو ہر آن اور ہر گھڑی ہمیں تکلیف دہ چیزوں سے محفوظ رکھتی ہے۔

انہی فرشتوں میں دو فرشتے وہ بھی ہیں جو ہمارے اچھے برے کاموں کا ریکاڑ تیار کرتے ہیں، قیامت کے دن یہ نامۂ اعمال ہر انسان کے روبرو کھول دیا جائے گا اور اسی کے مطابق فیصلہ ہوگا۔

اور یہ جو فرمایا کہ: ''امر الٰہی سے اس کی دیکھ بھال کرتے ہیں'' اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے لئے جو چیزیں نقصان رساں ہیں وہ بھی اللہ پاک ہی کی مخلوقات ہیں اور اللہ پاک ہی کی طرف سے آتی ہیں، اللہ پاک کے علاوہ کسی اور کی طرف سے کوئی چیز آنے والی نہیں، انسان کو سانپ ڈس لیتا ہے، بچھو کاٹتا ہے، اس کے جسم میں زہر پیدا ہوجاتا ہے، نبض

(۱) حديث متفق عليه عن أبي هريرة رضي الله عنه (مشکوٰۃ ص۶۲)

ڈوبنے لگتی ہے یہ سب چیزیں اللہ پاک ہی کی پیدا کردہ ہیں اور امر الٰہی (معاملات خداوندی) ہیں، اللہ پاک کے مقرر کردہ فرشتے ان آفات سے انسان کی حفاظت کرتے ہیں۔ بارہا ایسا ہوتا ہے کہ کار اُلٹ گئی اور مسافر بال بال بچ گئے، مکان ڈھیر ہوگیا اور لوگ حیرت انگیز طور پر باہر نکل آئے، کشتی ڈوب جاتی ہے اور مسافر کسی طرح بچ جاتے ہیں، بیماری خطرناک ہوجاتی ہے ڈاکٹر مایوس ہوکر جواب دیدیتے ہیں اور مریض صحت یاب ہوجاتا ہے۔ لوگ یہ واقعات دیکھ کر یاسن کر حیرت زدہ ضرور ہوجاتے ہیں مگر بہت کم ہیں جو حقیقت حال سے واقف ہوتے ہیں — اس آیت پاک میں سمجھایا گیا ہے کہ یہ سب حفاظت خداوندی کی کرشمہ سازی ہے، اللہ پاک اپنے فرشتوں کے ذریعہ ان آفات سے بچالیتے ہیں۔

حفاظت خداوندی پر اشکال کے جواب میں دو ضابطے

یہاں پہنچ کر یہ خیال پیدا ہوسکتا ہے کہ جب اللہ پاک فرشتوں کے ذریعہ انسان کی حفاظت فرماتے ہیں تو چاہئے کہ انسان کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ حالانکہ انسان بیمار بھی پڑتا ہے اُسے آفتیں، تکلیفیں اور اذیتیں بھی پہنچتی ہیں، یہ کیا بات ہے؟ اللہ پاک اس سلسلہ میں دو ضابطے ارشاد فرماتے ہیں:

پہلا ضابطہ: — اللہ پاک اس وقت تک کسی قوم کی حالت نہیں بدلتے جب تک وہ اپنی حالت بدل نہ دے — یعنی اللہ پاک کی سنت یہ ہے کہ جب کوئی قوم یا کوئی شخص اپنی حالت بدل لیتا ہے تو پھر اللہ پاک بھی اس کی حالت بدلنے کا فیصلہ فرمادیتے ہیں اور اس سے فرشتوں کی حفاظت اٹھالیتے ہیں، مثلاً کوئی شخص معمولاً مکان میں سوتا ہے اب اگر کسی دن وہ اپنی عادت کے خلاف کھلی فضاء میں سوجائے تو نزلہ زکام یا کسی اور تکلیف کا امکان پیدا ہوجاتا ہے۔ اسی طرح کھانے پینے میں بے احتیاطی، سردی گرمی سے بچنے میں لاپرواہی اور اپنے آپ کو خطرات میں ڈالنا تکلیفوں اور اذیتوں کا سبب بن جاتا ہے اسی وجہ سے سورۃ البقرہ (آیت ۱۹۵) میں حکم دیا گیا ہے کہ: ''اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں تباہی میں مت ڈالو''

اور اللہ پاک کا یہ ضابطہ افراد سے لے کر قوموں تک برابر اپنا کام کرتا ہے۔ سورۃ الانفال (آیت ۵۳) میں ارشاد فرمایا ہے کہ: ''اللہ پاک جو بھی نعمت کسی قوم کو عطا فرماتے ہیں، اس نعمت کو اس وقت تک نہیں بدلتے جب تک وہ قوم خود کو نہ بدل ڈالے'' یعنی اللہ پاک کا یہ دستور نہیں کہ کسی قوم کو کسی نعمت سے نوازیں اور پھر بلاوجہ چھین لیں بلکہ نعمت اس وقت تک قوم پر سایہ فگن رہتی ہے جب تک وہ قوم خود کو اس کا اہل ثابت کرتی رہتی ہے، اور جب قوم اس نعمت کی پامالی پر اتر آتی ہے تو وہ نعمت باقی نہیں رکھی جاتی۔

دوسرا ضابطہ: — اور جب اللہ پاک کسی قوم کے ساتھ برائی چاہتے ہیں تو — وہ برائی پہنچ کر رہتی ہے — اس

کے لئے پھیرنا نہیں، اور نہ ان لوگوں کے لئے اللہ پاک سے نیچے کوئی کارساز ہے ___ یعنی جب اللہ پاک کسی قوم پر شامت ڈالنے کا فیصلہ فرما لیتے ہیں یا کسی شخص کو کوئی تکلیف پہنچانا طے فرما لیتے ہیں تو پھر وہ کسی کے ٹالے نہیں ٹل سکتی۔ نہ اللہ پاک کے مقابلے میں ایسی قوم کا کوئی حامی اور مددگار ہوسکتا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ابھی بیان ہو چکا ہے کہ جب نوشتہ تقدیر کے پورا ہونے کا وقت آتا ہے تو محافظ فرشتے اس کے پاس سے ہٹ جاتے ہیں اور اللہ پاک نے جو مقدر فرمایا ہے وہ پورا ہو کر رہتا ہے۔

آیت پاک کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ پاک اپنے فرشتوں کے ذریعے ہر آفت سے انسان کی حفاظت فرماتے ہیں مگر جب انسان اللہ پاک کی نعمت کی پامالی پر اتر آتا ہے یا اللہ پاک اپنے علم و حکمت میں کوئی تکلیف ڈالنے کا فیصلہ فرماتے ہیں تو فرشتوں کی حفاظت ہٹ جاتی ہے اور انسان کو تکلیف پہنچ کر رہتی ہے ___ اس آیت کا عام طور پر جو مفہوم بیان کیا جاتا ہے کہ کسی قوم میں اچھا انقلاب اس وقت تک نہیں آسکتا جب تک وہ خود اس اچھے انقلاب کے لئے اپنے حالات کو درست نہ کرے۔ یہ آیت پاک کا مفہوم مخالف ہے اور حنفیہ کے نزدیک قرآن پاک اور احادیث شریفہ میں مفہوم مخالف معتبر نہیں۔

هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ﴿۱۲﴾ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ﴿۱۳﴾

هُوَ الَّذِيْ	وہی (ہیں) جو	السَّحَابَ	بادل	مِنْ خِيْفَتِهٖ	اُس کے ڈر سے
يُرِيْكُمُ	دکھاتے ہیں تمہیں	الثِّقَالَ	بھاری	وَيُرْسِلُ	اور بھیجتے ہیں وہ
الْبَرْقَ	بجلی	وَيُسَبِّحُ	اور پاکی بیان کرتا ہے	الصَّوَاعِقَ (۳)	کڑاکے
خَوْفًا (۱)	ڈرانے کے لئے	الرَّعْدُ	گرج فرشتہ	فَيُصِيْبُ	پس پہنچاتے ہیں وہ
وَّطَمَعًا (۱)	اور امید دلانے کیلئے	بِحَمْدِهٖ	ان کی حمد کے ساتھ	بِهَا	ان کو
وَّيُنْشِئُ (۲)	اور اٹھاتے ہیں	وَالْمَلٰٓئِكَةُ	اور فرشتے	مَنْ يَّشَآءُ	جیسے چاہتے ہیں

(۱) خَوْفًا اور طَمَعًا مفعول لہ ہیں (۲) یُنْشِئُ باب افعال سے ہے اَنْشَاءً: پرورش کرنا اَنْشَأَ اللّٰهُ السَّحَابَةَ: گھٹا اٹھانا اَنْشَأَ الشیئَ: نو پید کرنا مجرد نَشَأَ (ف) الشَّئُ: نو پید ہونا (۳) صَاعِقَةٌ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں کڑک، زمین پر گرنے والی بجلی

وَهُمْ	اور وہ لوگ	فِي اللّٰهِ	اللہ کے بارے میں	الْمِحَالِ(۱)	تدبیر سے پکڑ کرنے
يُجَادِلُوْنَ	جھگڑ رہے ہوتے ہیں	وَهُوَ شَدِيْدُ	اور وہ سخت		والے (ہیں)

نفع نقصان اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہی بادلوں سے بارش برساتے ہیں اور وہی کڑا کے گراتے ہیں

پچھلی آیت میں بندوں کی حفاظت کا ذکر تھا۔ اب ان دو آیتوں میں اللہ پاک جل شانہ کی ایک تیسری صفت کا ذکر ہے اور وہ یہ ہے کہ نفع اور نقصان اللہ پاک کے ہاتھ میں ہے۔ اور کسی کے ہاتھ میں نہیں، اور اس مضمون کو ایک ایسی مثال سے سمجھایا ہے جس میں دونوں باتیں ایک ساتھ جمع ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں —— وہی تمہارے سامنے ڈرانے اور امید دلانے کے لئے بجلیاں چمکاتے ہیں —— کون ہے جس نے بجلی کوندتے نہیں دیکھی، جب وہ چمکتی ہے تو لوگ اس سے بارش کی امید باندھتے ہیں اور جب وہ تیزی سے بار بار ہوتی ہے تو اندیشہ بھی لاحق ہوتا ہے —— اور (وہی) بھاری بادل اٹھاتے ہیں —— ہزاروں ٹن پانی سے لدے ہوئے بھاری بادل وہی سطح زمین سے اٹھا کر فضا میں بلند کرتے ہیں۔ پھر جہاں چاہتے ہیں انہیں برساتے ہیں —— اگر اللہ پاک بارش کا یہ انتظام نہ فرمائیں تو کون طاقت ہے جو آب رسانی کا یہ انتظام کر سکے، چند دنوں میں کنوؤں کے پانی خشک ہو جائیں اور انسان پانی کے قطرے قطرے کے لئے ترس جائے۔ اللہ پاک کا کتنا بڑا کرم ہے کہ دریاؤں سے بادلوں کو اٹھا کر ساری زمین کو سیراب کرتے ہیں حقیقی نفع رسانی یہی ہے، نادان انسان کسی کو چار پیسے دے کر سمجھتا ہے کہ میں نے نفع پہنچایا، حالانکہ وہ نہ دیتا تب بھی دوسرے کا کام کسی طرح چل ہی جاتا حقیقی نفع وہ ہے جس کے بغیر زندگی کی گاڑی ایک قدم نہ چل سکے اور ایسی نفع رسانی صرف اللہ پاک کے ہاتھ میں ہے۔

پانی سے لدے ہوئے بادل فضا میں بلند ہوتے ہیں مگر ان کی مجال نہیں کہ اللہ پاک کے حکم کے بغیر کسی جگہ برس پڑیں، نہ کسی میں اتنی طاقت ہے کہ ان سے پانی کا ایک قطرہ چھین لے بلکہ جس طرح اللہ پاک نے انسان کے لئے محافظ اور نگراں فرشتے مقرر کئے ہیں اسی طرح بادلوں پر بھی نگراں فرشتے مقرر ہیں وہ اللہ پاک کے حکم کے مطابق بادلوں کو ہانک کر لے چلتے ہیں اور جہاں جس قدر پانی برسانا اللہ پاک کو منظور ہوتا ہے برساتے ہیں، ان فرشتوں کا جو امیر ہے اس کو الرَّعْد (گرج) کہا ہے جیسے موت کے فرشتے کو ملک الموت (موت کا فرشتہ) کہا جاتا ہے ارشاد فرماتے ہیں —— اور اللہ پاک کی ہیبت سے گرج فرشتہ اور دوسرے فرشتے اس کی حمد کے ساتھ پاکی بیان کرتے ہیں —— یعنی بادلوں پر مقرر تمام فرشتے، انکے امیر فرشتے تک، سب ہی جلال خداوندی سے لرزتے رہتے ہیں اور اللہ پاک کی حمد و تسبیح میں لگے رہتے ہیں مشرکین اُن فرشتوں کو خداوند بارش خیال کرتے ہیں اور ان کی عبادت کرتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ فرشتے خادم ہیں

(۱) اَلْمِحَال کے دو معنی ہیں سخت سزا میں پکڑنا اور تدبیر اور داؤ سے کام کرنا۔

اور اپنے پروردگار کے جلال سے کانپتے ہوئے ان کی حمد وثنا اور تسبیح کرتے رہتے ہیں۔

گرج فرشتے کی آواز ہے:

الرَّعْد کی یہ تفسیر صحیح حدیث میں وارد ہوئی ہے۔ ترمذی شریف، نسائی شریف اور مسند امام احمد بن حنبل وغیرہ میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہود نے نبی کریم ﷺ سے (امتحاناً) **اَلرَّعْد** (گرج) کی حقیقت پوچھی، آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ: ''وہ اللہ پاک کے ایک فرشتے ہیں جو بادلوں پر مقرر ہیں، انکے ہاتھ میں آگ کا کوڑا ہے، جس سے بادلوں کو ڈانٹتے ہیں اور جہاں اللہ پاک کا حکم ہوتا ہے ہانک کر لے جاتے ہیں'' ان لوگوں نے پوچھا کہ جو آواز ہم سنتے ہیں اس کی حقیقت کیا ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ وہ اس فرشتے کی آواز ہے، وہ کہنے لگے کہ آپ نے صحیح جواب دیا (ان کی تصدیق سے معلوم ہوا کہ پہلی آسمانی کتابوں میں بھی یہی بیان تھا)

اور سائنس بجلی اور گرج کی جو حقیقت بیان کرتی ہے وہ اس کا ظاہری پہلو ہے شریعت نے اس کے باطنی پہلو کی طرف توجہ دلائی ہے مثلاً کوئی شخص راستے پر چلا جارہا ہو اور اچانک دور سے اُسے راستے پر پڑا ہوا سانپ نظر آئے اور وہ اُسے ماردے یا راستہ بدل دے تو ظاہر بیں آدمی یہ سمجھے گا کہ چونکہ اس نے سانپ کو دیکھ لیا اس لئے بچ گیا مگر پچھلی آیت میں اس کی وجہ یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ اللہ پاک نے انسان کی حفاظت کیلئے جو فرشتے مقرر کئے ہیں ان فرشتوں نے دور سے وہ سانپ اسے دکھادیا اس وجہ سے وہ بچ گیا اور ان دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں۔ ایک ظاہری پہلو ہے اور ایک باطنی اسی طرح بادل کی گرج کے معاملہ کو سمجھنا چاہئے۔

اور وہ کڑاکے بھیجتے ہیں پس انہیں جن پر چاہتے ہیں گرادیتے ہیں، جبکہ وہ اللہ پاک کے بارے میں جھگڑ رہے ہوتے ہیں اور اللہ پاک تدبیر سے سخت سزا میں پکڑنے والے ہیں — یعنی وہی بادل کی گرج اور بجلیاں جو بارانِ رحمت لاتی ہیں جب کڑاکا بن کر زمین پر گرتی ہیں تو بلائے ناگہانی ثابت ہوتی ہیں اور جن کے حق میں فیصلہ خداوندی صادر ہوتا ہے ان کو جلا کر خاکستر کردیتی ہیں اور لوگ ہوتے ہیں کہ اللہ پاک ہی کے بارے میں جھگڑ رہے ہوتے ہیں۔

حدیث شریف میں اس سلسلہ میں چند واقعات آئے ہیں۔ ایک بار حضور اکرم ﷺ نے عرب کے ایک متکبر چودھری کے پاس آدمی بھیجا کہ اُسے بلالاؤ۔ قاصد نے جاکر اس سے کہا کہ: ''تمہیں اللہ کے رسول یاد فرماتے ہیں'' وہ کہنے لگا کہ رسول کون ہوتا ہے؟ اور اللہ کیا چیز ہے؟ سونے کا ہے یا چاندی کا یا تانبے کا؟ العیاذ باللہ! وہ یہی گستاخانہ کلمات بار بار بک رہا تھا تیسری مرتبہ جب یہ کلمات اس کی زبان سے نکلے تو ایک بادل اٹھا، بجلی گری اور اس کی کھوپڑی سر سے جدا ہوگئی۔

روایات میں ایک دوسرا واقعہ اس طرح آیا ہے کہ عامر بن طفیل اور اَربد بن ربیعہ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور

کہنے لگے کہ ہم اسلام لاتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ آپ کے بعد خلافت ہم کو ملے۔ آپؐ نے انکار فرمادیا تو دونوں یہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے کہ ہم مدینہ کی وادی کو پیدل اور سواروں سے بھر دیں گے، آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ پاک ان کو روک دیں گے اور انصار مدینہ روکیں گے۔ وہ دونوں واپس ہوئے، تو راستہ میں اَرْبَد پر بجلی گری اور وہ جہنم رسید ہو گیا اور عامر طاعون کی گلٹی سے ہلاک ہوا ـــــ اس لئے حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بادلوں کی گرج اور بجلیوں کی کڑک سنتے تھے تو اللہ پاک سے یہ دعا کرتے تھے: ﴿اَللّٰهُمَّ لاَ تَقْتُلْنَا بِغَضَبِکَ، وَلاَ تُهْلِکْنَا بِعَذَابِکَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذٰلِکَ﴾ (اے اللہ! ہمیں اپنے غضب سے ختم نہ کردیں، اور اپنے عذاب سے ہلاک نہ کردیں اور ہمیں اس سے پہلے عافیت دیں) ـــــ ہمیں بھی بادلوں کی گرج اور بجلیوں کی کڑک کے وقت یہی دعا پڑھنی چاہئے۔

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا یَسْتَجِیْبُوْنَ لَهُمْ بِشَیْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّیْهِ اِلَى الْمَآءِ لِیَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ؕ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ ﴿۱۴﴾

لَهٗ (۱)	انہی کے لئے (ہے)	یَسْتَجِیْبُوْنَ (۲)	جواب دے سکتے ہیں وہ	فَاهُ	اس کے منہ تک
دَعْوَةُ	پکارنا	لَهُمْ	ان کو	وَمَا هُوَ	اور نہیں (ہے) وہ
الْحَقِّ	سچا	بِشَیْءٍ	کچھ بھی	بِبَالِغِهٖ	اس کے منہ کو پہنچنے والا
وَالَّذِیْنَ	اور جو لوگ	اِلَّا	مگر	وَمَا	اور نہیں (ہے)
یَدْعُوْنَ	پکارتے ہیں	كَبَاسِطِ	پھیلانے والے کی طرح	دُعَآءُ	پکارنا
مِنْ دُوْنِهٖ	ان کے سوا (دوسری	كَفَّیْهِ	اپنی ہتھیلیوں کو	الْكٰفِرِیْنَ	کافروں (کا)
	ہستیوں) کو	اِلَى الْمَآءِ	پانی کی طرف	اِلَّا	مگر
لَا	نہیں	لِیَبْلُغَ	تا کہ پہنچ جائے وہ	فِیْ ضَلٰلٍ	گمراہی میں

اللہ پاک ہی حاجت روا اور مشکل کشا ہیں، پس انہی سے مانگو

پچھلی آیت میں یہ بیان تھا کہ ہر قسم کے نفع ونقصان کے مالک اللہ پاک ہیں اب اس آیت میں ایک اور صفت کا بیان ہے اور وہ یہ ہے کہ حاجت روائی اور مشکل کشائی کے سارے اختیارات اللہ پاک ہی کے ہاتھ میں ہیں اس لئے صرف

(۱) لَهٗ خبر مقدم ہے دَعْوَةُ الْحَقِّ مبتدا مؤخر ہے ـــــ دَعْوَةٌ مصدر ہے دَعَا یَدْعُوْ کا اور حالت بتانے کے لئے آتا ہے ـــــ یہاں مصدر کی اضافت کی گئی ہے (۲) اِسْتَجَابَهٗ اور اِسْتَجَابَ لَهٗ کے معنی ہیں جواب دینا، دعا قبول کرنا۔

انہی سے دعائیں مانگنی چاہئیں، وہی مجیب الدعوات ہیں اور کوئی نہیں ہے جو دعائیں قبول کرے ارشاد فرماتے ہیں—— برحق دعا انہی کے لئے ہے—— برحق دعا وہ ہے جو رائیگاں نہ جائے ضائع جانے والی اور بے فائدہ دعا باطل دعا ہے، آیت پاک کا مطلب یہ ہے کہ جو دعا اللہ پاک ہی سے کی جاتی ہے، وہی دعا نتیجہ خیز ثابت ہوتی ہے اور جو دعائیں اللہ پاک کے علاوہ دوسروں سے کی جاتی ہیں وہ بے فائدہ ہوتی ہیں اور ضائع جاتی ہیں ارشاد فرماتے ہیں—— اور جو لوگ اللہ پاک کو چھوڑ کر دوسری ہستیوں سے دعائیں مانگتے ہیں، وہ انکی درخواستوں کا کچھ بھی جواب نہیں دے سکتے، ہاں (وہ ایسا جواب دے سکتے ہیں) جیسا پانی کی طرف ہتھیلیاں پھیلانے والا کہ وہ اسکے منہ میں پہنچ جائے حالانکہ وہ اسکے منہ تک آنے والا نہیں، اور کافروں کی دعائیں محض بے فائدہ ہیں—— یعنی غیر اللہ سے دعائیں کرنا ایسا ہے جیسے کوئی پیاسا کنویں کی مَن پر کھڑا ہو کر پانی کی طرف ہاتھ پھیلائے اور خوشامد کرے کہ میرے منہ میں آجا، ظاہر ہے کہ قیامت تک پانی اس کی فریاد کو پہنچنے والا نہیں، ٹھیک یہی حال ہے اللہ پاک کو چھوڑ کر دوسری ہستیوں سے دعائیں مانگنے کا۔ وہ ساری دعائیں محض بے فائدہ ہیں کیونکہ کافر اور جاہل مسلمان جن کو پکارتے ہیں ان میں سے کچھ تو محض اوہام وخیالات ہیں لوگوں نے خالی نام رکھ لئے ہیں، ان ناموں کے پیچھے کوئی حقیقت نہیں اور کچھ جن اور شیاطین ہیں اور بعض اللہ پاک کے مقبول بندے ہیں لیکن خدائی میں ان کا کچھ حصہ نہیں اور کچھ چیزیں وہ ہیں جن میں کچھ خواص ہیں جیسے آگ پانی اور ستارے لیکن وہ اپنے خواص کے مالک نہیں پھر ان کو پکارنے سے کیا حاصل؟ انسان کے لئے لائق یہ ہے کہ وہ اپنے خالق ومالک کو پکارے جو اس سے بہت قریب ہیں۔ سورۃ البقرۃ (آیت ۱۸۶) میں ارشاد فرمایا ہے کہ ''جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں پوچھیں تو (آپ انہیں بتلادیں) کہ میں قریب ہوں۔ جب دعا کرنے والا مجھ سے دعا کرتا ہے تو میں قبول کرلیتا ہوں پس ان کو چاہئے کہ اپنی دعاؤں کی قبولیت مجھ سے چاہیں اور ان کو چاہئے کہ مجھ پر ایمان لائیں، امید ہے کہ ان کو راہ مل جائے گی'' یعنی اللہ کے بندوں کو چاہئے کہ اپنی ضرورتوں اور حاجتوں کے لئے انہی کے سامنے ہاتھ پھیلائیں دوسرا نہ کوئی ان کا خالق ہے نہ مالک، نہ نفع ونقصان کا اختیار رکھتا ہے، اس لئے دوسرے کے سامنے ہاتھ پھیلانا جہالت اور کفر ہے۔

دعا صرف اس کا نام نہیں کہ بندہ جس طرح اپنی ضرورتوں اور حاجتوں کے لئے دوسری محنتیں اور کوششیں کرتا ہے اُسی طرح کی ایک کوشش دعا بھی ہے اگر قبول ہوگئی تو بندہ کامیاب ہوگیا اور اس کی کوشش کا پھل مل گیا اور اگر قبول نہ ہوئی تو اس کی کوشش رائیگاں گئی، بلکہ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ دعا عین عبادت ہے یعنی وہ حصول مقصد کا وسیلہ ہونے کے علاوہ بذات خود عبادت ہے۔ سورۃ المؤمن (آیت ۶۰) میں ارشاد فرمایا ہے: ''تمہارے رب کا فرمان ہے کہ مجھ سے دعا

کرو، میں تمہاری درخواست قبول کروں گا، جولوگ میری عبادت سے روگردانی کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل وخوار ہوکر جہنم میں داخل ہوں گے''—اس آیت پاک سے معلوم ہوا کہ دعا خود عبادت ہے اور عبادت غیر اللہ کی جائز نہیں پس دعا بھی غیر اللہ سے جائز نہیں۔

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ ۩ ﴿۱۵﴾ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ۚ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۱۶﴾

السجدۃ ۳

وَلِلّٰهِ	اور اللہ پاک کے لئے	قُلْ	پوچھیے	يَمْلِكُوْنَ	اختیار رکھتے
يَسْجُدُ (۱)	سجدہ کرتے ہیں	مَنْ رَّبُّ	کون (ہے) پروردگار	لِاَنْفُسِهِمْ	اپنے لئے
مَنْ	جو	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں	نَفْعًا	کسی نفع (کا)
فِي السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں	وَالْاَرْضِ	اور زمین (کا)؟	وَّلَا ضَرًّا	اور نہ کسی نقصان (کا)
وَالْاَرْضِ	اور زمین (میں ہیں)	قُلِ اللّٰهُ	جواب دیجئے: اللہ پاک	قُلْ	پوچھیے
طَوْعًا (۲)	خوشی سے	قُلْ	کہیے	هَلْ يَسْتَوِي	کیا برابر ہوسکتا ہے
وَّ كَرْهًا	اور ناخوشی سے	اَفَاتَّخَذْتُمْ	کیا تو بنالیا ہے تم نے	الْاَعْمٰى	اندھا
وَّظِلٰلُهُمْ	اور ان کے سائے	مِّنْ دُوْنِهٖۤ	ان سے وَرے	وَالْبَصِيْرُ	اور بینا؟
بِالْغُدُوِّ (۳)	صبح	اَوْلِيَآءَ	(ایسے) کارساز	اَمْ هَلْ	اور کیا
وَ الْاٰصَالِ	اور شام	لَا (۴)	(جو) نہیں	تَسْتَوِي	برابر ہوسکتی ہیں

(۱) سَجَدَ (ن) سُجُوْدًا: فروتنی سے جھکنا، عاجزی اور فرمانبرداری سے سرخم کرنا، عبادت کے لئے زمین پر پیشانی رکھنا (۲) طَوْعًا اور كَرْهًا حال ہیں (۳) اَلْغُدُوُّ: دن کا ابتدائی حصہ اَلْاَصِيْلُ: عصر اور مغرب کے درمیان کا وقت (۴) جملہ لَا يَمْلِكُوْنَ صفت ہے اَوْلِيَآءَ کی۔

الظُّلُمٰتُ	تاریکیاں	خَلَقُوْا[1]	(جنھوں نے) پیدا کیا ہے	قُلِ اللّٰهُ	فرمادیجئے اللہ پاک
وَالنُّوْرُ	اور روشنی؟	كَخَلْقِهٖ	اللہ پاک کے پیدا	خَالِقُ	پیدا فرمانے والے (ہیں)
اَمْ	کیا		کرنے کی طرح	كُلِّ شَیْءٍ	ہر چیز (کے)
جَعَلُوْا	ٹھہرالئے ہیں انھوں نے	فَتَشَابَهَ	پس مشتبہ ہوگیا ہے	وَّهُوَ الْوَاحِدُ	اور وہ یکتا
لِلّٰهِ	اللہ پاک کے لئے	الْخَلْقُ[2]	پیدا کرنا	الْقَهَّارُ[3]	سب کو مغلوب رکھنے
شُرَكَآءَ	(ایسے) شریک	عَلَيْهِمْ	ان پر؟		والے (ہیں)

اللہ تعالیٰ یکتا، یگانہ، زبردست اور سب کو مغلوب رکھنے والے ہیں

ربط: اب تک ہم نے جن آیتوں کی تلاوت کی ہے، ان سے معلوم ہوا کہ آسمانوں کا اور چاند سورج کا مطالعہ اور زمین اور زمین میں پائی جانے والی کائناتی چیزوں کا نظارہ ہمیں توحید کی دعوت دیتا ہے اور موت کے بعد دوسری زندگی کا یقین دلاتا ہے جو لوگ موت کے بعد دوسری زندگی کے قائل نہیں ہیں وہ درحقیقت اپنے رب ہی کے قائل نہیں ہیں اور اللہ پاک کی ہستی ایک بے مثال ہستی ہے وہ ہر چھپے کھلے کو جانتے ہیں، وہ ہر آن اپنی مخلوقات کی حفاظت اور نگرانی فرما رہے ہیں وہی نفع پہنچانے والے ہیں اور وہی نقصان پہنچانے کا اختیار رکھتے ہیں اور ان سے جو دعائیں کی جاتی ہیں وہی قبول ہوتی ہیں۔

اب ان دو آیتوں میں اللہ پاک کی دو صفتیں اور بیان کی جاتی ہیں: ایک ہے اللہ پاک کا قہار ہونا، یعنی اللہ پاک زبردست ہیں انکے نفوذ واقتدار کے سامنے سب منقاد اور سربسجود ہیں اور دوسری ہے اللہ پاک کا واحد ہونا یعنی وہ یکتا ہیں ان کا کوئی ہمسر (برابر) نہیں، ارشاد فرماتے ہیں ـــــ اور اللہ پاک ہی کے سامنے، چار و ناچار، عاجزی سے سرخم کئے ہوئے ہیں، جتنے آسمانوں میں ہیں اور جتنے زمین میں ہیں اور انکے سائے (بھی) صبح وشام ـــــ یعنی زمین وآسمان کی ہر مخلوق اللہ پاک کے قانون کی مطیع ہے اللہ پاک کی مشیت سے بال برابر بھی کوئی مخلوق سرتابی نہیں کرسکتی۔ مؤمن ان کے آگے خوشی سے جھکتا ہے اور کافر کو مجبوراً جھکنا پڑتا ہے۔

سجدے سے مراد اطاعت میں جھکنا، حکم بجالانا اور سر تسلیم خم کرنا ہے، آسمانوں کو، چاند سورج کو اور بے شمار تاروں کو اللہ پاک نے جس کام کے لئے پیدا فرمایا ہے وہ بڑی خوشی سے اس کام میں لگے ہوئے ہیں، دریاؤں کو، درختوں کو اور حیوانات

(۱) جملہ خَلَقُوْا صفت ہے شُرَكَآءَ کی (۲) اَلْخَلْقُ مصدر ہے باب نصر کا، جو اسم کی طرح بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ پہلی صورت میں معنی ہیں پیدا کرنا، عدم سے وجود میں لانا اور دوسری صورت میں معنی ہیں مخلوقات، کائنات (۳) اَلْقَهَّارُ مبالغہ کا وزن ہے قَهَرَهٗ (ف) قَهْرًا: غالب ہونا۔

کو جس غرض سے پیدا فرمایا ہے ہر وقت وہ اس مقصد کی تکمیل میں سرگرم ہیں۔ سایوں کو دیکھو ان کے گھٹنے بڑھنے کا جو قانون اللہ پاک نے بنا دیا ہے کتنی سختی سے وہ اس کی پابندی کرتے ہیں صبح کے وقت اور شام کے وقت دیکھو تو معلوم ہوگا کہ ہر چیز کا سایہ کئی گنا بڑھ جاتا ہے۔ پھر جب اللہ پاک کا قانون اسے گھٹاتا ہے تو گھٹ جاتا ہے۔

غرض انسان غور کرے تو اسے اچھی طرح معلوم ہو جائے گا کہ ساری کائنات چار و ناچار حکم خداوندی بجالانے پر مجبور ہے کون انسان ہے جو مرنا چاہتا ہے یا بیمار پڑنا چاہتا ہے یا تنگ دست رہنا چاہتا ہے؟ مگر چار و ناچار سب کو ان حالات سے گزرنا پڑتا ہے جو اللہ پاک کو مانتے ہیں وہ اُسے اللہ پاک کا حکم جان کر سر تسلیم خم کرتے ہیں اور جو منکر ہیں وہ خاک میں ناک رگڑ کر ان حالات سے گذرتے ہیں۔

جب اللہ پاک کا حکم مانے بغیر چارہ ہی نہیں تو کس قدر بے عقل ہیں وہ لوگ جو رضا اور رغبت سے حکم نہیں مانتے، جو ہر طرح قانون خداوندی میں جکڑے ہوئے ہیں پھر بھی اطاعت کا دم نہیں بھرتے ـــــ اُن سے پوچھئے: آسمانوں اور زمین کا پروردگار کون ہے؟ ـــــ اگر وہ اس سوال کے جواب میں چپ سادھ لیں تو آپ خود ـــــ جواب دیجئے: کہ ''اللہ پاک ہیں'' ـــــ مشرکین خود اس بات کے قائل تھے کہ آسمان و زمین کے رب اللہ پاک ہیں اس لئے وہ اس سوال کا جواب انکار کی صورت میں دے ہی نہیں سکتے، مگر اقرار کی صورت میں بھی جواب دینے سے کترائیں گے، کیونکہ اس اقرار کے بعد توحید کا ماننا لازم آئے گا اور شرک کے لئے کوئی بنیاد باقی نہیں رہے گی، اس لئے اگر وہ اپنے موقف کی کمزوری محسوس کر کے اس سوال کے جواب میں چپ رہیں، تو آپ خود جواب دیں کہ آسمانوں اور زمین کے رب اللہ پاک ہیں پھر ـــــ آپ پوچھیں ـــــ کہ جب آسمان اور زمین کے خالق و مالک اور پروردگار اللہ پاک ہیں ـــــ تو کیا تم نے انکو چھوڑ کر ایسے کارساز بنا لئے ہیں جو خود اپنے لئے کسی نفع اور نقصان کے مختار نہیں ـــــ یعنی جب آسمانوں اور زمین کے پروردگار اللہ پاک ہیں تو آخر یہ دوسرے کون ہیں جن کی تم بندگی کر رہے ہو؟ وہ تو خود اپنے لئے کسی نفع اور نقصان کے مالک نہیں، پھر تم کن امیدوں پر ان کی عبادت کرتے ہو؟ ـــــ آپ پوچھیں: کیا اندھا اور بینا برابر ہو سکتے ہیں؟ یا کیا تاریکیاں اور روشنی برابر ہو سکتی ہے؟ ـــــ اندھے سے مراد مشرک و کافر ہے جو کائنات میں ہر طرف پھیلے ہوئے توحید کے آثار و دلائل دیکھ نہیں سکتا اور بینا سے مراد مؤمن ہے جو کائنات کے ذرے ذرے اور پتے پتے سے اللہ پاک کو پہچان رہا ہے اور تاریکیوں سے مراد کفر و جہالت اور گمراہی کی تاریکیاں ہیں جن میں منکر بھٹک رہا ہے اور روشنی سے مراد علم و ایمان کی روشنی ہے ـــــ پس غور کرو اندھا اور آنکھ والا برابر ہو سکتے ہیں؟ یعنی مومن اور کافر کا انجام یکساں ہو سکتا ہے؟ اور تاریکیاں اور روشنی برابر ہو سکتی ہے؟ یعنی ایمان اور کفر کا معاملہ یکساں ہو سکتا ہے؟ کبھی نہیں ہو سکتا۔ تفصیل ابھی آیت نمبر سترہ و اٹھارہ اور انیس میں آرہی

ہے یا— انھوں نے اللہ پاک کے لئے ایسے شرکاء ٹھہرائے ہیں جنھوں نے اللہ پاک کے پیدا کرنے کی طرح کوئی چیز پیدا کی ہے، جس سے ان کے لئے پیدا کرنا مشتبہ ہوگیا ہے؟ آپ فرمایئے کہ ہر چیز کے پیدا کرنے والے اللہ پاک ہیں، اور وہ یکتا زبردست ہیں— یعنی اگر ایسا ہوتا کہ دنیا میں کچھ چیزیں اللہ پاک نے پیدا کی ہوتیں اور کچھ دوسروں نے، تب تو واقعی شرک کے لئے معقول بنیاد تھی اور دوسری ہستیوں کی پیدا کردہ چیزوں کو دیکھ کر اشتباہ ہوسکتا تھا اور ان کی خدائی کا شبہ ہوسکتا تھا لیکن جب ان کے معبودوں میں سے کسی نے ایک تنکا اور ایک پتہ بھی پیدا نہیں کیا تو پھر یہ معبود اللہ پاک کے اختیارات اور ان کے حقوق میں آخر کس بناء پر شریک ٹھہرا لئے گئے ہیں؟

''اللہ پاک کے پیدا کرنے کی طرح'' کا مطلب واقعی پیدا کرنا ہے محض نام کرنا مراد نہیں، انسان رات دن جو حیرت انگیز چیزیں بناتا رہتا ہے وہ انکا حقیقی پیدا کرنا نہیں ہے کیونکہ وہ قدرتی اجزاء کا محتاج ہے۔ اللہ پاک کی پیدا کی ہوئی کسی چیز کو استعمال کئے بغیر انسان ایک ذرہ بھی نہیں بنا سکتا۔

آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ آسمان اور زمین کے رب اللہ پاک ہیں، وہی ان کے خالق و مالک ہیں، اور کائنات کی ہر چیز اللہ پاک نے پیدا فرمائی ہے، اس لئے ساری کائنات اللہ پاک کے حکم کے آگے سرافگندہ ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ پاک یکتا و یگانہ زبردست اور سب کو مغلوب رکھنے والے ہیں۔ پس کتنی بڑی بھول میں ہیں وہ لوگ جو اس یکتا اور زبردست ہستی کو چھوڑ کر ان ہستیوں کی غلامی اور بندگی کا دم بھرتے ہیں جو خود اپنے لئے کسی نفع اور نقصان کے مالک نہیں:

خرد دیکھے اگر دل کی نگہ سے ❁ جہاں روشن ہو نور لاَ اِلٰہ سے

أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ۚ وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهُ ۚ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۚ فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً ۖ وَأَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ ۚ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ ﴿١٧﴾ لِلَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنَىٰ ۚ وَالَّذِينَ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُ لَوْ أَنَّ لَهُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَافْتَدَوْا بِهِ ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ سُوءُ الْحِسَابِ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٨﴾

ع

أَنْزَلَ	اتارا (برسایا)	مِّثْلُهٗ	اسی طرح	اللّٰهُ	اللہ پاک
مِنَ السَّمَآءِ	آسمان (بادل) سے	كَذٰلِكَ	یوں	الْاَمْثَالَ	مثالیں (مضامین)
مَآءً	پانی	يَضْرِبُ	واضح فرماتے ہیں	لِلَّذِيْنَ(۷)	ان کے لئے جنھوں نے
فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌ(۱)	پس بہہ پڑے نالے	اللّٰهُ	اللہ پاک	اسْتَجَابُوْا(۸)	(بات) قبول کی
بِقَدَرِهَا(۲)	اپنے ظرف کے مطابق	الْحَقَّ	حق	لِرَبِّهِمُ	اپنے رب کی
فَاحْتَمَلَ(۳)	پس اوپر لے آیا	وَالْبَاطِلَ	اور باطل (کو)	الْحُسْنٰى	بھلی
السَّيْلُ	سیلاب	فَاَمَّا	پس رہا	وَالَّذِيْنَ	اور جن لوگوں نے
زَبَدًا	جھاگ کو	الزَّبَدُ	جھاگ	لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا	نہ قبول کی
رَّابِيًا(۴)	پھولا ہوا	فَيَذْهَبُ	سو جاتا ہے	لَهٗ	ان کی (بات)
وَمِمَّا(۵)	اور اس چیز سے	جُفَآءً(۶)	رائیگاں (بے فائدہ)	لَوْ اَنَّ	اگر بے شک
يُوْقِدُوْنَ	دھونکتے ہیں وہ	وَاَمَّا	اور رہی	لَهُمْ	ان کے پاس (ہو)
عَلَيْهِ	اس پر	مَا يَنْفَعُ	وہ چیز جو نفع پہنچاتی ہے	مَّا	جو کچھ
فِي النَّارِ	آگ میں	النَّاسَ	لوگوں کو	فِي الْاَرْضِ	زمین میں ہے
ابْتِغَآءَ	چاہنے کے لئے	فَيَمْكُثُ	تو ٹھہر جاتی ہے	جَمِيْعًا	سارا
حِلْيَةٍ	زیور	فِي الْاَرْضِ	زمین میں	وَّمِثْلَهٗ	اور اس کے مانند
اَوْ مَتَاعٍ	یا اسباب	كَذٰلِكَ	اسی طرح	مَعَهٗ	اس کے ساتھ
زَبَدٌ	جھاگ (آتا ہے)	يَضْرِبُ	بیان فرماتے ہیں	لَافْتَدَوْا	ضرور فدیہ میں دے دیں

(۱) الوادی کی جمع ہے جس کے معنی ہیں ندی، نالا، اس کے ایک معنی دو پہاڑوں کے درمیان ہموار زمین کے بھی ہیں، مگر وہ یہاں مراد نہیں (۲) بقدرھا ای بمقدارھا (روح) (۳) اِحْتَمَلَ (افتعال) حَمَلَ کے معنی میں ہے (۴) رَابِيًا صفت ہے زَبَدًا کی (۵) مِمَّا يُوْقِدُوْنَ الخ خبر مقدم ہے اور زَبَدٌ مِّثْلُهٗ مبتدا مؤخر ہے مِنْ ابتدائیہ ہے ما موصولہ ہے جملہ يُوْقِدُوْنَ صلہ ہے عَلَيْهِ اور فِي النَّارِ متعلق ہیں يُوْقِدُوْنَ سے اِبْتِغَآءَ الخ مرکب اضافی مفعول لہ ہے يُوْقِدُوْنَ کا (۶) اَلْجُفَآء: سیلاب کا خس وخاشاک مجازی معنی ہیں بے کار، بے فائدہ (۷) للذين الخ خبر مقدم ہے اور الحُسْنٰى مبتدا مؤخر ہے (۸) اِسْتَجَابَهٗ اور اِسْتَجَابَ لَهٗ کے معنی ہیں، جواب دینا، قبول کرنا۔

بِهٖ	اس کو	سُوْٓءُ	سخت	جَهَنَّمُ	دوزخ (ہے)
اُولٰٓئِكَ	یہی لوگ	الْحِسَابِ	حساب	وَبِئْسَ	اور برا (ہے وہ)
لَهُمْ	ان کے لئے (ہے)	وَمَاْوٰىهُمْ	اوران کا ٹھکانہ	الْمِهَادُ	ٹھکانا

نہ حق اور باطل یکساں ہیں نہ مؤمن اور کافر (مثال سے وضاحت)

پچھلی آیت میں ارشادفرمایا تھا کہ اندھا اور بینا یعنی کافر اور مؤمن برابر نہیں ہوسکتے، نہ تاریکیاں اور روشنی یعنی باطل اور حق برابر ہوسکتے ہیں۔اب ان دوآیتوں میں اس کی تفصیل ہے: پہلے دوسری بات بیان کی ہے کہ حق وباطل کا معاملہ یکساں نہیں، پھر دوسری آیت میں پہلی بات بیان کی ہے کہ مؤمن اور کافر بھی برابر نہیں ہوسکتے، ارشادفرماتے ہیں — اللہ پاک نے آسمان سے پانی برسایا پس ندی نالے اپنے اپنے ظرف کے مطابق بہہ چلے، اور رَو پھولا ہوا جھاگ سطح پر لے آئی، اور جن چیزوں کو زیور یا اسباب بنانے کی غرض سے آگ میں پگھلاتے ہیں اس میں بھی ویسا ہی میل اوپر آجاتا ہے — یوں اللہ پاک حق وباطل کو واضح فرماتے ہیں — سو رہا جھاگ تو وہ رائگاں جاتا ہے اور جو چیز لوگوں کے لئے کارآمد ہے وہ زمین میں باقی رہ جاتی ہے — یوں اللہ پاک مثالوں سے وضاحت فرماتے ہیں۔

پہلی مثال :— ساری زمین کوڑے کرکٹ اور میل کچیل سے اٹی پٹی ہوتی ہے کہ موسم باراں آیا، اللہ پاک نے آسمان کی طرف سے پانی برسایا اور ندی نالے اپنے اپنے ظرف کے مطابق بہہ چلے، چھوٹے نالے میں کم اور بڑے نالے میں زیادہ پانی کی سمائی ہوتی ہے، سیل جب رواں ہوا تو مٹی اور کوڑا کرکٹ ملنے سے پانی گدلا ہوگیا، پھر میل کچیل پھول کر جھاگ بن کر اوپر آگیا اور پانی کی پوری سطح پر چھا گیا مگر تھوڑی دیر کے بعد پانی کی روانی اس کو اس طرح بہالے جاتی ہے کہ ندی نالے کا ایک ایک گوشہ دیکھ جاؤ کہیں کوڑے کرکٹ کا نام ونشان نہیں ملے گا، ہر طرف صاف وشفاف پانی ہی رواں دواں نظر آئے گا۔

دوسری مثال:— چاندی، تانبا، لوہا، پیتل وغیرہ معدنیات زیور، برتن اور ہتھیار وغیرہ بنانے کے لئے تیز آگ میں تپائی جاتی ہیں یا پگھلائی جاتی ہیں، ان میں بھی اسی طرح جھاگ اٹھتا ہے اور دھات کی پوری سطح پر چھا جاتا ہے مگر جب اس پر ہتھوڑا یا گھن بجتا ہے تو سارا میل کچیل چشم زدن میں اڑ جاتا ہے یا پگھلانے والا کسی آلہ سے دھات پر سے اس کو اٹھا کر پھینک دیتا ہے اور جو اصلی کارآمد چیز ہے وہی باقی رہ جاتی ہے۔

تطبیق:— حق وباطل کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ تاریکیاں اور روشنی کبھی برابر نہیں ہوسکتیں جیسے پانی اور جھاگ کبھی ہم رتبہ نہیں ہوسکتے یا جیسے دھات اور میل کبھی ہم قیمت نہیں ہوسکتے۔ مگر جب شروع میں حق کا نزول ہوتا ہے تو باطل اُچھل

کود کرتا ہے اور اس شان سے چرخ کھاتا ہے کہ کچھ دیر تک بس اُسی کی دھوم مچتی نظر آتی ہے، لیکن چونکہ اس کا یہ اُبال عارضی اور بے بنیاد ہوتا ہے اس لئے تھوڑی دیر کے بعد اُس کے جوش و خروش کا پتہ نہیں رہتا۔ بس حق ہی حق باقی رہ جاتا ہے۔

نصیحت:— مؤمن کو باطل کی عارضی نمائش سے دھوکا نہ کھانا چاہئے، نہ باطل کی فتنہ پردازی سے ہراساں ہونا چاہئے اور داعی اسلام کو کبھی باطل کے شور و غوغا سے گھبرانا نہیں چاہئے۔ تھوڑی دیر میں یہ اُبال بیٹھ جائے گا اور جو حق ہے اُسی کا بول بالا ہوگا۔ ثابت رہنا، ٹکنا اور جمنا حق ہی کا خاصہ ہے، باطل کی قسمت میں مٹ جانا اور ٹل جانا ہی ہے ﴿اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا﴾ (باطل یقیناً نکل بھاگنے والا ہے)

اور اہل باطل کو اپنی خوش حالیوں پر، اپنی فتنہ سامانیوں پر اور اہل حق کی بے بسی پر غرانا نہیں چاہئے۔ انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ باطل کا حال پانی کے بلبلوں کی طرح ہے ان کو باطل کی عارضی بہار سے دھوکہ نہ کھانا چاہئے۔

مسلمان اور غیر مسلم بھی یکساں نہیں

ارشاد فرماتے ہیں:— جن لوگوں نے اپنے رب کی بات قبول کی ان کے لئے بھلائی ہے اور جنھوں نے ان کی بات قبول نہ کی ان کے پاس اگر زمین کی ساری دولت ہو اور اتنی ہی اور اس کے ساتھ ہو تو وہ اس سب کو عذاب خداوندی سے بچنے کے لئے فدیہ میں دے ڈالیں انہی لوگوں کا سخت حساب لیا جائے گا اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے— یعنی مؤمن اور کافر برابر نہیں ہو سکتے۔ مؤمن کے لئے دنیا و آخرت کی خوبی اور بھلائی ہے جس نے اللہ پاک کے احکام قبول کئے، جس نے اسلام کی دعوت قبول کی اُس کے لئے حقیقی خوشی اور قلبی اطمینان ہے۔ سورۃ النحل (آیت ۹۷) میں ارشاد فرمایا ہے کہ: ''جو شخص نیک عمل کرے، خواہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ وہ مؤمن ہو، تو ہم اسے دنیا میں اچھی زندگی دیں گے'' وہ بوریا نشین ہو کر بھی اطمینان کی دولت سے مالا مال رہے گا۔ اور حدیث شریف میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ مالداری دنیا کے سامان کی بہتات کا نام نہیں، بلکہ دل کی بے نیازی کا نام ہے۔

اور جن لوگوں نے اپنے رب کی بات قبول نہیں کی وہ اگر زمین کی ساری دولت کے مالک بھی ہو جائیں بلکہ اتنی ہی اور بھی فراہم کر لیں تو بھی ان کے لئے محرومی ہے۔ کیونکہ دنیا کی زندگی چار دن کی بہار ہے۔ اس کے ختم ہوتے ہی ان پر ایسی مصیبت آپڑے گی کہ وہ اپنی جان چھڑانے کے لئے ساری دنیا کی دولت دے ڈالنے میں بھی تامل نہیں کریں گے۔ ان کے ساتھ حساب میں کسی قسم کی رعایت نہیں ہوگی، ایک ایک بات پر پوری طرح پکڑے جائیں گے، پھر انھیں جہنم رسید کر دیا جائے گا اور دوزخ دوزخیوں کا برا ٹھکانا ہے۔

کیا نپٹ اندھا جسے کچھ نظر نہ آئے اُس شخص کی برابری کر سکتا ہے جس کی دل کی آنکھیں کھلی ہیں اور جو پوری بصیرت کے ساتھ حق کی روشنی سے مستفید ہو رہا ہے؟

اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ۭ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ۝ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْۗءَ الْحِسَابِ ۝ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَاۗءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۝ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَاۗىِٕهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۝ وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْۗءُ الدَّارِ ۝

اَفَمَنْ (۱)	کیا پس جو شخص	مِنْ رَّبِّكَ	آپ کے رب کی طرف سے	اَعْمٰى	اندھا ہے؟
يَّعْلَمُ	جانتا ہے	الْحَقُّ	حق (بالکل سچ) ہے	اِنَّمَا	بس
اَنَّمَآ	کہ جو کچھ	كَمَنْ	(کیا وہ) اس شخص کی	يَتَذَكَّرُ	نصیحت قبول کرتے ہیں
اُنْزِلَ	اتارا گیا ہے		مانند (ہے)	اُولُوا الْاَلْبَابِ (۲)	سمجھ دار لوگ
اِلَيْكَ	آپ کی جانب	هُوَ	(جو کہ) وہ	الَّذِيْنَ	جو لوگ

(۱) ترکیب: ہمزہ استفہام انکاری۔ فاء عاطفہ انکار کو موجہ کرنے کے لئے لایا گیا ہے ای اَبَعْدَ مَا بَيَّنَ حَالَ كُلٍّ مِنَ الْفَرِيْقَيْنِ تَتَوَهَّمُ المما ثلة بينهما؟ —— مَنْ موصولہ اور جملہ يَعْلَمُ اس کا صلہ ہے، جملہ اَنَّمَا اُنْزِلَ مفعول ہے يَعْلَمُ کا —— اِلَيْكَ: اور مِنْ رَّبِّكَ متعلق ہیں اُنْزِلَ سے —— اَلْحَقُّ خبر ہے اَنَّ کی —— اور جملہ موصولہ مشبہ ہے، کاف حرف تشبیہ ہے اور جملہ مَنْ هُوَ اَعْمٰى مشبہ بہ ہے (۲) اَلْاَلْبَابُ جمع ہے لُبٌّ کی جس کے معنی اُس عقل کے ہیں جو ہر طرح کی آمیزش سے پاک ہو ←

یُوْفُوْنَ	پورا کرتے ہیں	رَبَّهُمْ	اپنے پروردگار سے	رَزَقْنٰهُمْ	روزی دی ہم نے ان کو
بِعَهْدِ	عہد (پیمان)	وَيَخَافُوْنَ	اور اندیشہ رکھتے ہیں	سِرًّا	چھپے (پوشیدہ)
اللّٰهِ	اللہ پاک (کا)	سُوْٓءَ	برے (سخت)	وَّعَلَانِيَةً	اور کھلے (ظاہر)
وَلَا يَنْقُضُوْنَ	اور نہیں توڑتے وہ	الْحِسَابِ	حساب (کا)	وَّيَدْرَءُوْنَ (۵)	اور ہٹاتے ہیں وہ
الْمِيْثَاقَ	قرار (پختہ وعدہ)	وَالَّذِيْنَ	اور جو لوگ	بِالْحَسَنَةِ	بھلائی کے ذریعہ
وَالَّذِيْنَ	اور جو لوگ	صَبَرُوا	ثابت قدم رہے	السَّيِّئَةَ	برائی کو
يَصِلُوْنَ (۱)	جوڑتے ہیں	ابْتِغَآءَ (۴)	چاہنے کے لئے	أُولٰٓئِكَ لَهُمْ	وہی لوگ ان کے لئے
مَآ	اس کو	وَجْهِ	چہرہ (خوشنودی)	عُقْبَى (۶)	اچھا بدلہ (ہے)
اَمَرَ (۲)	(کہ) حکم دیا ہے	رَبِّهِمْ	اپنے رب (کا)	الدَّارِ	اس گھر کا
اللّٰهُ	اللہ پاک (نے)	وَاَقَامُوا	اور اہتمام کیا انھوں نے	جَنّٰتُ (۷)	(یعنی) باغات
بِهٖٓ	اس کے متعلق	الصَّلٰوةَ	نماز (کا)	عَدْنٍ (۸)	ہمیشہ رہنے کے
اَنْ يُّوْصَلَ (۳)	کہ جوڑا جائے وہ	وَاَنْفَقُوْا	اور خرچ کیا انھوں نے	يَّدْخُلُوْنَهَا	داخل ہوں گے وہ ان
وَيَخْشَوْنَ	اور ڈرتے ہیں وہ	مِمَّا	اس میں سے جو		میں

فاللبُّ اَخصُّ من العقل اسی وجہ سے قرآن کریم میں ان تمام احکام کو جن کا ادراک صرف پاکیزہ عقلیں کرسکتی ہیں **اولو الالباب** سے متعلق رکھا گیا ہے۔

(۱) **وَصَلَ** (ض) **وَصْلاً الشيئَ وبالشيئ**: جوڑنا، جمع کرنا (۲) **اَمَرَ** کا پہلا مفعول محذوف ہے ای **اَمَرَهُمُ اللّٰهُ** (۳) **اَنْ يُّوْصَلَ** بدل ہے **بِهٖ** کی ضمیر سے ای **بِوَصْلِه** (۴) **اِبْتِغَاءَ** مفعول لہ ہے (۵) **دَرَأَهٗ** (ف) **دَرْءًا**: زور سے دھکا دینا۔ دفع کرنا (۶) **عُقْبٰى** بدلہ، جزاء، انجام **اَعْقَبَهٗ**: بدلہ دینا — **عُقْبٰى** یا تو مصدر ہے یا اسم ہے۔ امام راغب نے لکھا ہے کہ **عُقْبٰى**، **عُقْب** اور **عَاقِبَةٌ** اچھے انجام کے لئے استعمال ہوتے ہیں اور **عُقُوْبَةٌ**، **مُعَاقَبَةٌ** اور **عِقَابٌ** برے انجام کے لئے استعمال ہوتے ہیں مگر یاد رکھنا چاہئے کہ **عُقْبٰى** کے بارے میں یہ قاعدہ اکثری ہے کیونکہ **تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَعُقْبَى الْكَافِرِيْنَ النَّارُ** میں **عُقْبٰى** دونوں طرح کے انجاموں کے لئے استعمال ہوا ہے۔ اور **اَلدَّارُ** پر الف لام عہدی ہے، مراد "دنیا" ہے **في الروح: أي عاقبة الدنيا وما ينبغي أن يكون مآل أمرأهلها وهي الجنة، فتعريف الدار للعهد الخ** (۷) **جَنّٰتُ** بدل ہے **عُقْبَى الدَّارِ** سے۔ (۸) **عَدَنَ** (ن ض) **عَدْنًا بالمكان**: اقامت کرنا **عَدَنَ البلد**: وطن بنالینا اسی سے ہے **جَنّٰتُ عَدْنٍ** (دائمی رہنے کی بہشتیں)

وَمَنْ صَلَحَ (۱)	اور جولوگ نیک ہوئے	فَنِعْمَ	سوخوب ہے	اللّٰهُ	اللہ پاک (نے)
مِنْ اٰبَآئِهِمْ	انکے آباؤواجداد میں سے	عُقْبَى	بدلہ	بِهٖٓ	اس کے متعلق
وَاَزْوَاجِهِمْ	اوران کی بیویوں	الدَّارِ	اس گھر کا	اَنْ يُّوْصَلَ	کہ جوڑا جائے وہ
وَذُرِّيّٰتِهِمْ	اوران کی اولاد (میں سے)	وَالَّذِيْنَ	اور جولوگ	وَيُفْسِدُوْنَ	اور بگاڑ پیدا کرتے ہیں وہ
وَالْمَلٰٓئِكَةُ	اور فرشتے	يَنْقُضُوْنَ	توڑتے ہیں	فِي الْاَرْضِ	زمین میں
يَدْخُلُوْنَ (۲)	آئیں گے	عَهْدَ	عہد (پیمان)	اُولٰٓئِكَ	وہی لوگ
عَلَيْهِمْ	ان کے پاس	اللّٰهِ	خداتعالیٰ (کا)	لَهُمُ	ان کے لئے (ہے)
مِّنْ كُلِّ بَابٍ	ہر دروازے سے	مِنْۢ بَعْدِ	بعد	اللَّعْنَةُ	پھٹکار
سَلٰمٌ	(کہیں گے:) سلامتی ہو	مِيْثَاقِهٖ	اس کو مضبوط کرنے کے	وَلَهُمْ	اوران کے لئے (ہے)
عَلَيْكُمْ	تمہارے لئے	وَيَقْطَعُوْنَ	اور کاٹتے ہیں	سُوْٓءُ	برائی
بِمَا صَبَرْتُمْ (۳)	تمہارے صبر کرنے کی وجہ سے	مَآ اَمَرَ	اس کو (کہ) حکم دیا ہے	الدَّارِ	اِس گھر کی

مؤمن اور کافر اس لئے برابر نہیں ہوسکتے کہ مؤمن احکام کی پیروی کرتا ہے اور کافر خلاف روزی

سولہویں آیت میں ارشاد فرمایا گیا تھا کہ اندھا (کافر) اور بینا (مؤمن) کبھی برابر نہیں ہوسکتے۔ پھر سترہویں اور اٹھارہویں آیات میں اس کی کچھ تفصیل بیان فرمائی تھی کہ یہ دونوں برابر اس لئے نہیں ہوسکتے کہ مؤمن کے لئے آخرت میں بھلائی ہے اور کافر کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ اب ان آیات میں اُس کی مزید تفصیل ہے—— آیت چوبیس تک مؤمن کے احوال کا ذکر ہے اور پچیسویں آیت میں کافر کا تذکرہ ہے۔ اور تفصیل کا آغاز پھر اُسی سوال کو دُہرا کر کیا گیا ہے جو پہلے سولہویں آیت میں آچکا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں—— تو بتاؤ، جو شخص یقین رکھتا ہے کہ جو دین آپ (ﷺ) پر، آپ کے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے وہ برحق ہے: کیا وہ اس شخص کے برابر ہے جو (اس حقیقت سے) اندھا ہے؟ ——ہرگز نہیں! بھلا جو مؤمن کائنات کے ذرے ذرے اور پتے پتے سے اللہ پاک کو پہچان رہا ہے، جو یقین رکھتا ہے کہ برحق دین بس وہی ہے جو اللہ پاک کی جانب سے سرور کائنات ﷺ پر نازل ہوا ہے، اور وہ اُس سچے دین کی تعلیمات کے مطابق زندگی بھی بسر کرتا ہے، وہ مؤمن کہیں اس کافر کی طرح ہوسکتا ہے جو کائنات میں ہر طرف پھیلے ہوئے توحید کے

(۱) مَنْ کا عطف یَدْخُلُوْنَھَا کے فاعل پر ہے اور مفعول کے ذریعہ فصل ہونے کی وجہ سے تاکید کے بغیر عطف کرنا جائز ہوا ہے
(۲) دَخَلَ عَلَيْهِ: زیارت کرنا (۳) بِمَا میں باسببیہ ہے اور ما مصدریہ ہے۔

آثار ودلائل سے یکسر غافل ہے اور جو دین حق سے بھی نا آشنا ہے؟ ان دونوں کی زندگیاں اور زندگی کی سرگرمیاں کبھی یکساں نہیں ہوسکتیں نہ آخرت میں ان دونوں کا انجام یکساں ہوسکتا ہے، اور یہ بات اتنی واضح ہے کہ معمولی عقل رکھنے والا شخص بھی اس کو بخوبی سمجھ سکتا ہے مگر —— نصیحت بس عقل سلیم والے ہی قبول کرتے ہیں —— یعنی جن لوگوں کی عقلیں غفلت ومعصیت نے بیکار نہیں کر رکھیں، اور جن کے دل غلط ماحول اور شیطانی تعلیم وتربیت سے پراگندہ نہیں، وہی پاکیزہ عقل والے نصیحت قبول کرتے ہیں، وہ اللہ پاک کی باتوں کو سن کر بینا بننے کا فیصلہ کرتے ہیں، اپنی زندگیوں کو سنوار لیتے ہیں اور دین حق کی پیروی کرتے ہیں وہ اندھے بہرے بن کر اور اپنی زندگیوں کو بگاڑ کر آخرت برباد نہیں کرتے۔

مؤمن کی زندگی میں نو باتیں خاص طور پر نظر آتی ہیں

ان عقل سلیم رکھنے والے لوگوں کی زندگیوں میں جن کی دل کی آنکھیں روشن ہیں اور جو اللہ پاک کے بھیجے ہوئے دین کو بسروچشم قبول کرتے ہیں، نو باتیں خاص طور پر نظر آتی ہیں اور ان کو ان نو باتوں کے صلے میں آخرت میں تین انعامات ملیں گے —— پہلے وہ نو باتیں اچھی طرح سمجھ لیں، اور اُن کو اپنی زندگیوں میں پیدا کرنے کی کوشش کریں، تاکہ ہم آخرت میں وہ تین عظیم انعامات پاسکیں۔

وہ نو باتیں یہ ہیں:

① —— جو پیمانِ خداوندی کو پورا کرتے ہیں —— یعنی جن لوگوں کو یقین ہے کہ آنحضور ﷺ پر جو دین نازل ہوا ہے وہ برحق دین ہے ان کی زندگیوں میں سب سے نمایاں چیز جو نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ اللہ پاک کے ساتھ کئے ہوئے عہد وپیمان کو پورا کرتے ہیں۔

انسان نے اللہ پاک سے کیا عہد وپیمان کیا ہے؟ یہ عہد وپیمان کیا ہے کہ الٰہی! آپ ہمارے خالق ومالک اور پروردگار ہیں، ہم آپ کے بندے ہیں۔ سورۃ الاعراف کی ایک سو چوہترویں (۱۷۴) آیت میں اس عہد وپیمان کا ذکر ہے کہ ”جب آپ کے رب نے اولاد آدم کی پشت سے اُنکی اولاد کو نکالا، اور اُن سے انہی کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا: کیوں نہیں! “ضرور آپ ہی ہمارے رب ہیں —— جب انسان نے اپنے بندے ہونے کا اور اللہ پاک کے پروردگار ہونے کا اقرار کیا اور پھر وہ اللہ پاک کے پیدا کرنے سے وجود میں آیا اور اُن کی بخشی ہوئی نعمتوں سے متمتع ہونے لگا تو اب اُس پر اپنے سابقہ عہد وپیمان کی وجہ سے کچھ ذمہ داریاں عائد ہونگی، انہی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کا نام پیمانِ خداوندی کو پورا کرنا ہے —— اللہ پاک کے یہ بندے چونکہ اپنی عبودیت میں سچے اور کامل ہوتے ہیں۔ اس لئے میثاقِ بندگی توڑنے کی جرات کبھی نہیں کرتے۔ الا یہ کہ نادانستہ کبھی ان سے کوئی لغزش ہوجائے تو

اُسے بھی وہ ندامت کے آنسوؤں سے دھوڈالتے ہیں۔

(۲)—— اور وہ اپنا اقرار نہیں توڑتے —— یعنی عقل سلیم رکھنے والے یہ بندے، لوگوں کے ساتھ کسی معاملہ میں جو عہد و پیمان باندھتے ہیں اور جو قول و قرار کرتے ہیں اس کی خلاف ورزی نہیں کرتے، جہاں تک بس میں ہوتا ہے اس کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں بشرطیکہ وہ کوئی گناہ کا کام نہ ہو—— حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے سامنے خطبہ دیں اور یہ ارشاد نہ فرمائیں: ”جس شخص میں امانت داری نہیں اس میں ایمان نہیں، اور جس میں عہد و پیمان کی پابندی نہیں اس میں دین نہیں“[۱] یعنی امانت اور عہد کی پابندی سے کسی آدمی کا خالی ہونا دین اور ایمان سے اس کی محرومی کی دلیل ہے، امانت داری اور ایفاء عہد ایمان واسلام کے لوازم سے ہیں—— حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما آنحضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ: ﴿ اَلْعِدَةُ دَيْنٌ ﴾[۲] (وعدہ قرض ہے) یعنی وعدہ بھی ایک طرح کا قرض ہے۔ لہٰذا اس کو ادا کرنا چاہئے۔ اور اس کا ادا کرنا اس کا پورا کرنا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کو کچھ دینے کا یا اس کے ساتھ کوئی سلوک کرنے کا وعدہ کیا گیا ہے تو وعدہ کرنے والے کو چاہئے کہ وہ اس کو اپنے اوپر قرض سمجھے اور اس کو پورا کرنے کی فکر کرے—— لیکن اگر کسی برے کام میں ساتھ دینے کا یا کسی ایسے کام کے کرنے کا وعدہ کیا گیا ہے جو شرعاً جائز نہیں تو اس وعدہ کا پورا کرنا جائز نہیں، بلکہ اس کے خلاف ہی کرنا ضروری ہے اور اس وعدہ خلافی میں کوئی گناہ نہیں بلکہ اتباع شریعت کا ثواب ملے گا۔

(۳)—— اور جو ان تعلقات کو جوڑتے ہیں، جن کو وابستہ رکھنے کا اللہ پاک نے حکم دیا ہے—— یعنی اللہ پاک نے جن روابط کو جوڑنے کا حکم دیا ہے انہیں ظلم و ناانصافی سے توڑتے نہیں، بلکہ ہر تعلق کا پاس ولحاظ کرتے ہیں اور ہر تعلق کا حق ادا کرتے ہیں۔

اللہ پاک نے جن تعلقات کو وابستہ رکھنے کا حکم دیا ہے وہ یہ ہیں:

الف:—— اپنے عزیز و اقارب اور رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک کرنا خاندان میں محبت، مال میں برکت اور موت میں ڈھیل کا سبب ہے“ ایک دوسری حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں: ”جو شخص رزق میں کشادگی اور اجل میں ڈھیل چاہتا ہے اُسے چاہئے کہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک کرے“—— حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ”اس قوم پر خدا تعالیٰ کی رحمت نازل نہیں ہوتی جس میں کوئی قطع رحمی کرنے والا ہوتا ہے“ یعنی جو قوم رشتوں پر چھری چلانے والے کی مدد کرتی ہے

(۱) رواه البيهقي في شُعَبِ الإيمَان (۲) رواه الطبراني في الاوسط۔

اس قوم پر خدا تعالیٰ کی رحمت نازل نہیں ہوتی، اس بدبخت کی نحوست پوری قوم پر مسلط ہو جاتی ہے۔

ان حدیثوں سے ''رشتہ'' کی اہمیت بخوبی سمجھی جاسکتی ہے ایک حدیث میں ہے کہ اللہ پاک نے مخلوقات پیدا کیں، جب وہ مخلوقات پیدا کر چکے تو رَحم (رشتہ) کھڑا ہوا اور اس نے رحمٰن کی کمر میں کولی بھری، رحمٰن نے پوچھا: ''کیا بات ہے؟'' رشتے نے کہا: ''میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ کوئی مجھ پر چھری چلائے!'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''کیا تو اس پر راضی نہیں کہ میں اس شخص پر احسان کروں جو تجھ پر احسان کرے اور میں اس شخص پر احسان نہ کروں جو تجھ پر احسان نہ کرے؟'' رشتہ نے کہا: ''کیوں نہیں! اے پروردگار! میں اس بات پر راضی ہوں'' اللہ پاک نے ارشاد فرمایا ''تو یہ تیرے لئے وعدہ ہے''

یہاں ایک بات یہ بھی سمجھ لینی چاہئے کہ صلہ رحمی کے جواب میں صلہ رحمی کرنا حقیقی اور کامل صلہ رحمی نہیں، بلکہ وہ تو ''بدلہ'' ہے حقیقی صلہ رحمی یہ ہے کہ قطع رحمی کرنے والے کے ساتھ صلہ رحمی کی جائے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: وہ (کامل) صلہ رحمی کرنے والا نہیں جو احسان کے بدلہ میں احسان کرتا ہے بلکہ (کامل) صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ جب اس کی رشتہ داری کا پاس نہ کیا جائے تب بھی وہ صلہ رحمی کرے۔[1]

جوانمرد وہ ہے جو اپنا حق طلب نہ کرے، اور دوسروں کا حق ادا کرے

ب:۔۔۔ اپنے پڑوسیوں کے ساتھ، ساتھیوں کے ساتھ اور ماتحتوں کے ساتھ حسن سلوک اور شریفانہ برتاؤ کرنا، ابوشریح خزاعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قسم اللہ پاک کی وہ مؤمن نہیں! قسم اللہ پاک کی وہ مؤمن نہیں!! قسم اللہ پاک کی وہ مؤمن نہیں!!!'' پوچھا گیا: یارسول اللہ! کون مؤمن نہیں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''وہ آدمی جس کے پڑوسی اس کی شرارتوں اور آفتوں سے خائف رہتے ہوں''[2] ایک دوسری حدیث شریف میں ہے: ﴿وَاَحْسِنْ اِلٰی جَارِکَ تَكُنْ مُؤْمِنًا﴾[3] (اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرو، ایمان والے ہو جاؤ گے) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ: ''وہ شخص مؤمن نہیں جو پیٹ بھر کھائے اور اس کے برابر میں اس کا پڑوسی فاقے سے رہے''[4] یعنی سنگدلی اور خودغرضی کی یہ کیفیت شان ایمان کے بالکل منافی ہے، اپنے پڑوسی کی بھوک سے بے نیاز اور لاپرواہ ہو کر اپنا پیٹ بھرنے والا، اگرچہ وہ ستر پشتوں کا مسلمان ہو، حقیقت ایمان سے بے نصیب ہے۔۔۔ ہم مسلمانوں کا اپنے پڑوسیوں کے ساتھ اور عام بندگان خدا کے ساتھ جو معاملہ اور برتاؤ ہوتا ہے اس کو سامنے رکھ کر، رسول اللہ ﷺ کے ان ارشادات کی روشنی میں ذرا ہم اپنے ایمانوں کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ ان احادیث کی رو سے ہمارا مقام کیا ہے اور ہم کہاں ہیں!

ج:۔۔۔ دینی اخوت اور اسلامی قرابت کا پاس ولحاظ کرنا، حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ مسلمان کے مسلمان پر

(۱) رواه الامام البخاری (۲) رواه البخاری (۳) رواه الترمذی والامام احمد (۴) رواه البیهقی فی شعب الایمان

چھ حق ہیں: (۱) جب بیمار ہو اس کی عیادت کرنا (۲) جب انتقال ہو جائے کفن و دفن کے لئے حاضر ہونا (۳) جب دعوت کرے قبول کرنا (۴) جب ملاقات ہو سلام کرنا (۵) جب اس کو چھینک آئے (اور الحمد للہ کہے) تو یَرْحَمُکَ اللّٰہُ کہہ کر دعا دینا (۶) اور اس کی خیر خواہی کرنا خواہ وہ غائب ہو یا حاضر۔[۱]

یاد رکھنا چاہئے کہ امت مسلمہ دینی رشتہ کے لحاظ سے ایک برادری بنادی گئی ہے، اور جس طرح نسلی برادری کے افراد میں جب تک اخوت، محبت اور تعاون نہ ہو، برادری کے فوائد حاصل نہیں ہو سکتے، اسی طرح امت کے مختلف افراد میں بھی جب تک دینی اخوت، لوجہ اللہ محبت، مخلصانہ ہمدردی، باہمی خیر خواہی اور بے غرضانہ تعاون نہ ہوا نکے دل آپس میں پوری طرح جڑ نہیں سکتے۔

(۴) —— اور وہ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں —— یعنی اللہ تعالیٰ کے یہ اطاعت شعار بندے نماز، روزہ اور صدقہ خیرات جیسے نیک کام کرتے ہیں، اور اس کے باوجود اُن کے دلوں میں اس کا خوف اور اندیشہ رہتا ہے کہ معلوم نہیں ہمارے یہ اعمال بارگاہ خداوندی میں قبول بھی ہوتے ہیں یا نہیں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے آیت پاک ﴿ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ ﴾ (جو لوگ دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں، اور ان کے دل ترساں ہوتے ہیں) کے بارے میں دریافت کیا کہ کیا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے ہیں اور چوری کرتے ہیں؟ —— آپؐ نے ارشاد فرمایا: ”اے صدیق کی بیٹی! نہیں، بلکہ وہ خدا ترس بندے مراد ہیں جو روزے رکھتے ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں اور صدقہ خیرات کرتے ہیں اور اس کے باوجود وہ اس سے ڈرتے ہیں کہ کہیں ان کی یہ عبادتیں مردود نہ ہو جائیں، یہی لوگ بھلائیوں کی طرف تیزی سے دوڑتے ہیں“[۲] —— اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی شان بے نیاز اس قدر ڈرنے کے لائق ہے کہ بندہ بڑی سے بڑی نیکی اور عبادت کرنے کے باوجود ہرگز مطمئن نہ ہو، اور برابر ڈرتا رہے کہ کہیں میرا یہ عمل کسی کھوٹ کی وجہ سے میرے منہ پر نہ مار دیا جائے۔ دل میں جس قدر خوف ہوگا، اسی قدر بندہ خیر و فلاح کی راہ میں آگے بڑھتا رہے گا۔

دلوں کا خوف ہی بھلائی اور خوش انجامی سے ہمکنار کرنے والی چیز ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: ”اللہ تعالیٰ قیامت کے دن (فرشتوں کو) حکم دیں گے کہ جس شخص نے کبھی مجھے یاد کیا ہے، یا کسی موقعہ پر مجھ سے ڈرا ہے اُس کو دوزخ سے نکال لیا جائے“[۳] حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان فرماتے ہیں

(۱) رواه النسائی عن ابی هريرة (مشکوٰۃ باب السلام) (۲) رواه الترمذی و ابن ماجه. (۳) رواه الترمذی والبیهقی فی کتاب البعث والنشور

کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے خوف اور ہیبت سے جس بندۂ مؤمن کی آنکھوں سے کچھ آنسو نکلیں —— اگر چہ وہ مقدار میں بہت ہی کم، مکھی کے سر کی برابر ہوں —— پھر وہ آنسو بہہ کر اُس کے چہرے پر پہنچ جائیں، تو اللہ تعالیٰ اُس چہرے کو آتش دوزخ کے لئے حرام کردیں گے''(۱)

⑤ —— اور وہ سخت حساب کا اندیشہ رکھتے ہیں —— یعنی اللہ پاک کے ان بندوں میں پانچواں نمایاں وصفت یہ نظر آئے گا کہ وہ حق تعالیٰ کی عظمت وجلال کا تصور کر کے لرزاں ترساں رہتے ہیں، ان کو یہ اندیشہ لگا رہتا ہے کہ دیکھئے قیامت کو جب ذرہ ذرہ کا حساب ہوگا تو کیا صورت پیش آئے گی؟

مؤمن کبھی بھی آخرت سے بے پرواہ نہیں ہوتا۔ وہ جو کچھ کرتا ہے اس میں خوف آخرت کی کھٹک ہوتی ہے، وہ یقین رکھتا ہے کہ ایک دن حساب دینا ہے اور حساب کی سختی ضرور پیش آنے والی ہے۔

⑥ —— اور جو مضبوط رہتے ہیں اپنے رب کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے —— یعنی ایمان اُن بندوں میں ایک ایسی حرارت پیدا کردیتا ہے، جس کی وجہ سے وہ سست نہیں پڑتے اور کمزوری نہیں دکھاتے، کیونکہ ایمان کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرنا اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرتا ہے وہ بڑی طاقت کا مالک ہوجاتا ہے۔ اس کے لئے کسی مرحلہ پر بے صبری کا کوئی سوال نہیں!

اس دنیا میں دُکھ اور رنج بھی ہے اور آرام اور خوشی بھی، خوشگواری بھی ہے اور ناخوشگواری بھی، اور سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور انہی کے حکم سے ہوتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والے بندوں کا حال یہ ہونا چاہئے کہ جب کوئی دکھ اور مصیبت پیش آئے تو وہ مایوسی اور سراسیمگی کا شکار نہ ہوں بلکہ ایمانی صبر وثبات کے ساتھ اس کا استقبال کریں اور دل میں اس یقین کو تازہ کریں کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جو حکیم اور کریم ہیں اور وہی ہم کو اُس دکھ اور مصیبت سے نجات دینے والے ہیں۔

اور یہ صبر واستقلال محض خدا تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہونا چاہئے، اس لئے نہیں کہ دنیا اس کو صابر اور مستقل مزاج کہے اور نہ اس لئے کہ بجز صبر کے چارہ نہیں رہا، مجبور ہوگئے تو صبر کر بیٹھے! —— صبر کا فائدہ یہ ہے کہ صبر شعار بندہ کبھی مصیبتوں اور ناکامیوں سے شکست نہیں کھاتا اور رنج وغم کے تسلسل سے بھی اس کی جان نہیں گھلتی اور مایوسی اور دل شکستگی اس کی عملی قوتوں کو ختم نہیں کرتی۔

⑦ —— اور وہ نماز کا اہتمام کرتے ہیں —— نماز کا بڑا مقصد اللہ پاک کی ''یاد'' ہے سورۃ العنکبوت میں پابندئ نماز

(۱) رواہ ابن ماجہ.

کے دوفائدے ذکر فرمائے ہیں: (۱) نماز بے حیائی کی باتوں سے، ناشائستہ کاموں سے اور ممنوعات شرعیہ کے ارتکاب سے روکتی ہے (۲) نماز اللہ پاک کی یاد کا ذریعہ ہے —— اور یہ دوسرا فائدہ پہلے فائدہ سے بڑا ہے ﴿ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ﴾ (اور اللہ کی یاد نماز کا بڑا فائدہ ہے) اور سورۂ طہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے ﴿ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِىْ ﴾ (میری یاد کے لئے نماز پڑھا کرو)

اللہ پاک چاہتے ہیں کہ ان کے بندے اُن کو یاد رکھیں اس لئے معراج میں پچاس نمازیں فرض کی تھیں، شب وروز میں پچاس نمازوں کی ادائیگی کا مطلب یہ ہے کہ تقریباً سارا ہی وقت اس میں صرف ہو جائے۔ پھر رحمۃ للعالمین، سید الکونین ﷺ کی درخواست پر تخفیف کی اور پانچ نمازوں کا حکم ہوا۔ گویا اصل مطلوب تو پچاس وقت کی نماز ہے مگر اس کو کم کر کے پانچ کر دیا ہے —— لہٰذا اب پانچ نمازوں کو اس طرح پڑھنا چاہئے کہ وہ اللہ پاک کی یاد کا ذریعہ بن جائیں، حتی کہ اس وقت بھی جب آدمی بظاہر خالص دنیوی کاروبار میں مشغول ہوتا ہے، اللہ کو نہ بھولے، سورۃ النور میں ارشاد ہے:

﴿ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ﴾

ترجمہ: ایسے لوگ جن کو خرید وفروخت خدا تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔

اور حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن جبکہ اللہ پاک کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا اللہ پاک سات قسم کے لوگوں کو سایہ عنایت فرمائیں گے ان سات میں وہ شخص بھی ہے جس کا دل مسجد سے نکل کر بھی مسجد سے لگا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ مسجد میں لوٹ آتا ہے [۱] —— اور یہ بات یعنی پانچ وقت کی نماز ہر وقت یادِ الٰہی کا ذریعہ اس وقت بن سکتی ہے جب اس کو نہایت اہتمام کے ساتھ ادا کیا جائے وقت کا پورا خیال رکھا جائے کبھی کوئی نماز قضا نہ ہو، مسجد میں جا کر باجماعت نماز ادا کی جائے۔ اور اس کی ساری شرطوں کا اور آداب ومستحبات کا خیال رکھا جائے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ طمانیت اور خشوع وخضوع کے ساتھ نماز ادا کی جائے۔

⑧ —— اور ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں —— یعنی وہ جو کچھ کماتے ہیں، اُسے صرف اپنے نفس پر ہی خرچ نہیں کرتے بلکہ دوسروں پر بھی خرچ کرتے ہیں۔ اور ہر حال میں خرچ کرتے ہیں، پوشیدہ بھی اور کھلے بھی۔

زمین وآسمان میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ پاک کا ہے، جو کچھ کسی کو ملا ہے وہ پروردگار کا عطیہ ہے۔ ایسی حالت میں اگر

(۱) متفق علیہ (مشکوۃ باب المساجد)

اللہ پاک سارے مال ومتاع کو خرچ کرنے کا حکم دیتے تو بھی انھیں ایسا کرنے کا حق تھا مگر انھوں نے صرف ایک جز کو خرچ کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور باقی کو ہمارے حوالے کیا ہے اب اللہ تعالیٰ کے سمجھ دار بندے، جن کو یقین ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ جس دین کو لے کر تشریف لائے ہیں وہ برحق دین ہے، وہ اللہ پاک کی راہ میں دل کھول کر خرچ کرتے ہیں، کنجوسی نہیں کرتے۔ وہ لوگ دوسروں کو فائدہ پہنچانے کے مواقع تلاش کرتے ہیں اور جب اُن کے سامنے کوئی خرچ کرنے کا موقع آتا ہے تو پوشیدہ اور علانیہ ہر طرح خرچ کرتے ہیں۔

آیت پاک میں ''پوشیدہ'' کو اس لئے مقدم رکھا گیا ہے کہ پوشیدہ خرچ کرنا افضل ہے، سورۃ البقرہ (آیت ۲۷۱) میں فرمایا گیا ہے کہ صدقات کو چھپا کر دینا زیادہ بہتر ہے چنانچہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اپنے صدقات کو مخفی رکھنے کا خصوصی اہتمام کرتے تھے، حضرت عبدالرحمٰن بن سابط جُمَحِیُ رضی اللہ عنہ کو جب وظیفہ ملتا تو اپنے گھر والوں کے لئے ضروری خوراک خریدتے اور بقیہ رقم کو صدقہ کر دیتے، بیوی پوچھتی کہ آپ کا بقیہ وظیفہ کیا ہوا؟ تو وہ جواب دیتے قَدْ اَقْرَضْتُهٗ (میں نے اُسے قرض دے دیا ہے)

لیکن اگر کسی جگہ شرعی مصلحت علانیہ دینے میں ہو تو پھر علانیہ خرچ کرنا افضل ہے مثلاً اس لئے لوگوں کے روبرو خرچ کرنا کہ اوروں کو بھی شوق اور رغبت ہو تو یہ افضل ہے۔

اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کی اہمیت حضرت ابوذر غفاریؓ نے بڑے حکیمانہ انداز میں بیان فرمائی ہے وہ ارشاد فرماتے ہیں: ''مال میں تین شریک ہیں ایک تقدیر، جو اچھا یا برا مال ختم کرنے میں تم سے مشورہ نہ کرے گی، وہ یا تو مال کو ہلاک کردے گی یا تم کو موت دے دیگی۔ دوسرا وارث جو اس انتظار میں ہے کہ تم قبر میں سر رکھو کہ وہ مال لے اڑے اور تم اس کی نظروں میں برے بھی ہو جاؤ گے۔ تیسرے تم خود اپنے مال میں شریک ہو، اس کے بعد حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر تم سے ہو سکے کہ تم تینوں شریکوں میں سب سے زیادہ عاجز نہ ٹھہرو تو تم ایسا ضرور کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ''تم نیکی کو نہیں پاسکتے جب تک اس میں سے خرچ نہ کرو جو تمہیں محبوب ہے''۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے مکان میں تھیں کہ انھیں شور سنائی دیا۔ پوچھنے پر لوگوں نے بتایا کہ یہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا تجارتی قافلہ ہے جو ملک شام سے آیا ہے، اس میں سات سو اونٹ سامانوں سے لدے ہوئے ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''میں نے عبدالرحمٰن بن عوف کو دیکھا کہ وہ جنت میں گھسٹتے ہوئے داخل ہو رہے ہیں'' یہ بات حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو انھوں نے کہا: ''اگر مجھ سے ہو سکا تو میں جنت میں کھڑے ہو کر داخل ہوں گا'' اس

کے بعد انھوں نے ان تمام اونٹوں کو ان کے پالان اور لدے ہوئے سامان کے ساتھ اللہ پاک کی راہ میں دے دیا[1]

⑨ ــــ اور وہ برائی (بدسلوکی) کو بھلائی (حسن سلوک) سے دفع کرتے ہیں ــــ یعنی وہ لوگ بدسلوکی کے جواب میں بدسلوکی نہیں کرتے، بلکہ نیک سلوک کرتے ہیں۔کوئی ان پر ظلم کرے تو وہ جواب میں ظلم نہیں کرتے، بلکہ درگذر کرتے ہیں، بدی کے بدلے میں بدی کرنا ان کا شیوہ نہیں، کوئی ان کے ساتھ کتنی ہی برائی کرے، وہ بھلائی ہی سے پیش آتے ہیں۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”تم اپنے طرز عمل کو لوگوں کے طرز عمل کا تابع نہ بناؤ کہ کہنے لگو: اگر لوگ بھلائی کریں گے تو ہم بھی بھلائی کریں گے۔اور اگر لوگ ظلم کریں گے تو ہم بھی ظلم کریں گے بلکہ تم اپنے دلوں کو اس کا خوگر بناؤ کہ اگر لوگ احسان کریں تب بھی تم احسان کرو، اور اگر لوگ برا سلوک کریں تب بھی تم ظلم اور برائی کا رویہ اختیار نہ کرو“[2] (بلکہ احسان کرو) ــــ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے میرے پروردگار نے نو باتوں کا (خاص طور سے) حکم فرمایا ہے۔ان میں سے چار باتیں یہ ہیں:

(۱) ــــ میں خواہ کسی سے خوش ہوں یا ناراض ہر حالت میں انصاف کی بات کہوں۔

(۲) ــــ جو میرا حق مارے، میں اس کا بھی حق ادا کروں۔

(۳) ــــ جو مجھ کو محروم کرے، میں اس کو بھی عطا کروں۔

(۴) ــــ جو مجھ پر ظلم کرے، میں اس کو بھی معاف کردوں[3]

اللہ پاک کا ارشاد ہے کہ: ”نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتیں، تو نیک برتاؤ سے (برے برتاؤ کو) ہٹاؤ، پھر یکایک تجھ میں اور جس شخص میں عداوت تھی وہ ایسا ہو جائے گا جیسا کوئی دلی دوست ہوتا ہے، اور یہ بات انہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو مستقل مزاج ہوتے ہیں اور یہ بات اسی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑا صاحب نصیب ہوتا ہے“ (حم السجدہ آیت ۳۴و۳۵)

جن لوگوں کی زندگی میں یہ نو باتیں ہوتی ہیں یعنی وہ پیمان خداوندی کو پورا کرتے ہیں، اور اپنا قول وقرار نہیں توڑتے، اور ان تعلقات کو جوڑتے ہیں جن کو وابستہ رکھنے کا اللہ پاک نے حکم دیا ہے، اور وہ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اور سخت حساب کا اندیشہ رکھتے ہیں اور اپنے رب کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے دین پر مضبوط جمے رہتے ہیں، اور نماز کا اہتمام کرتے ہیں اور اللہ پاک کے دیئے ہوئے مال میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں اور برائی کو بھلائی سے ہٹاتے ہیں ــــ انہی لوگوں کے لئے اِس دنیا کا اچھا بدلہ ہے ــــ ان لوگوں نے اس دنیا میں جو کام کئے ہیں وہ ان کے لئے نافع

(۱) حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ عشرۂ مبشرہ میں ہیں۔یعنی ان دس صحابہ میں سے ایک ہیں جن کو حضور اقدس ﷺ نے دنیا ہی میں جنت کی خوش خبری سنائی ہے۔(۲) رواہ الترمذی (۳) رواہ رَزِیْنٌ

ہونگے، یہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے، انھوں نے جو بویا ہے اس کا اچھا پھل پائیں گے۔

جن کی زندگی میں مذکور نو (۹) باتیں ہوں ان کے لئے تین انعامات

انھیں آخرت میں اس دنیا کی محنتوں کے صلے میں تین عظیم انعامات سے نوازا جائے گا، وہ انعامات یہ ہیں:

(۱)—— باغات: ابدی قیام گاہ —— جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے اِن بندوں کے لئے وہ چیزیں تیار کی ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے، نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی انسان کے دل میں ان کا خیال گذرا ہے، جس کی تھوڑی جگہ بھی دنیا ومافیہا سے بہتر ہے —— حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک پکارنے والا جنت میں جنتیوں کو پکارے گا کہ یہاں تندرستی ہی تمہارا حق ہے اس لئے اب تم کبھی بیمار نہ پڑوگے یہاں تمہارے لئے زندگی ہی ہے پس اب تمہیں کبھی موت نہ آئیگی، یہاں تمہارے واسطے جوانی ہی ہے، اس لئے اب کبھی تمہیں بڑھاپا نہیں آئے گا اور تمہارے واسطے چین وعیش ہی ہے اس لئے اب کبھی تمہیں کوئی تنگی اور تکلیف نہ ہوگی“

(۲)—— جن میں وہ خود بھی داخل ہوں گے، اور ان کے آباؤ اجداد اور ان کی بیویاں اور اُن کی اولاد میں سے جو صالح ہیں وہ بھی داخل ہوں گے —— یعنی ان بندوں کو جنت میں ایک نعمت ومسرت یہ بھی حاصل ہوگی کہ وہ اور اُن کے ماں باپ، اولاد، بیویاں جو اپنی نیکی کی بدولت جنت کے لائق ہیں، وہ سب اکٹھے رہیں گے۔ اگر ان متعلقین میں سے کوئی کم رتبہ ہوگا تو حق تعالیٰ اپنی نوازش سے اس کا درجہ بڑھا کر ان بندگان کامل سے نزدیک کردیں گے، اللہ پاک کا ارشاد ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ اتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَاۤ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ﴾ (سورۂ طور آیت ۲۱)

ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد ان کے نقش قدم پر چلی، ایمان کے ساتھ، ہم ان کی اولاد کو ان کے ساتھ ملادیں گے، اور ان کے عمل میں سے کچھ کم نہیں لیں گے۔

یعنی ایسا نہیں کریں گے کہ بلند درجے والوں کے بعض اعمال لے کر ان کی ذریت کو دے کر دونوں کو برابر کردیا جائے، بلکہ بلند درجے والے بدستور اپنے بلند درجوں میں رہیں گے، اور ان کی ذریت کو اللہ پاک محض اپنی نوازش سے بڑھا کر وہاں پہنچادیں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایمان وعمل صالح کے بغیر محض کاملین کی قرابت کافی نہیں، بلکہ ایمان وعمل صالح کی موجودگی ہی میں قرابت داری کی وجہ سے ترقی درجات ہوگی۔

(۳) ـــــ اور فرشتے ہر دروازے سے ان کے پاس آئیں گے (اور کہیں گے) تمہارے لئے سلامتی ہو تمہارے (دین پر) مضبوط رہنے کی وجہ سے ـــــ یعنی فرشتے ہر طرف سے آ کر ان کو سلام کریں گے۔ اور خوشخبری دیں گے کہ اب آپ لوگ ایسی جگہ آ گئے ہیں، جہاں آپ لوگوں کے لئے سلامتی ہی سلامتی ہے۔ ہر آفت سے، ہر تکلیف و مشقت سے اور ہر خطرے اور اندیشے سے آپ حضرات محفوظ ہیں۔

فرشتوں کا زیارت کے لئے آنا اُن بندگان خدا کی تعظیم و تکریم کے لئے ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مخلوقات میں سے اول وہ فقرائے مہاجرین جنت میں داخل ہوں گے جو سرحدوں کا پہرہ دیتے ہیں، جو سختیوں میں سینہ سپر رہتے ہیں اور دل کے ارمان دل ہی میں لے کر اس دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں، قیامت کے دن حق تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیں گے۔ میرے ان بندوں کے پاس جا کر سلام کرو۔ وہ عرض کریں گے۔ خداوندا! ہم آسمان کے باشندے اور آپ کی بہترین مخلوق ہیں۔ کیا آپ ہمیں حکم دیتے ہیں کہ ان زمینی باشندوں کے پاس جا کر سلام کریں؟ ارشاد ہوگا، ہاں! یہ میرے وہ بندے ہیں جنھوں نے توحید پر جان دی، سرحدوں کا پہرہ دیا، سختیوں میں سینہ سپر رہے اور دنیا کے سب ارمان اپنے سینوں میں لے کر چلے آئے! یہ سن کر فرشتے ہر طرف سے ان کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ اور انہیں خوشخبری سنائیں گے کہ تمہارے لئے سلامتی ہی سلامتی ہے۔ تمہارے مضبوط رہنے کی وجہ سے [1] ـــــ پس کیا ہی خوب ہے اس دنیا کا نیک بدلہ!

عقل کے دشمنوں کی زندگی کا نقشہ اور ان کا انجام

عقل سلیم رکھنے والے بندوں کا حال پڑھ چکے، اب ذرا عقل کے اندھوں کا حال ملاحظہ کر لیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ـــــ اور جو لوگ پیمان خداوندی توڑتے ہیں، مضبوط باندھنے کے بعد، اور ان روابط کو کاٹتے ہیں، جن کو وابستہ رکھنے کا اللہ پاک نے حکم دیا ہے، اور وہ زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، انہی لوگوں پر پھٹکار ہے اور انہی کے لئے اس دنیا کی برائی (برا انجام) ہے ـــــ یعنی نادان اور عقل کے کورے یہ لوگ حق تعالیٰ سے بدعہدی کرتے ہیں، قول و قرار کر کے مکر جاتے ہیں، معاشرتی روابط پر چھری چلاتے ہیں، لوگوں میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکاتے ہیں دوسروں پر اور خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں، یہ لوگ خدا تعالیٰ کی رحمت سے دور ہیں، انھوں نے اس جہاں میں جو برے کرتوت کئے ہیں ان کا خمیازہ انھیں ضرور بھگتنا پڑے گا، وہ سب سے زیادہ برے مقام پر پہنچنے والے ہیں جہاں انہیں نہ موت آئے گی نہ چین نصیب ہوگا۔

(۱) رواه الإمام أحمد، والبزار والحاكم وصححه والبيهقي في شعب الإيمان (الدر المنثور ص ۵۷ ج ۴)

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ﴿۲۶﴾

اَللّٰهُ يَبْسُطُ	اللہ تعالیٰ کشادہ فرماتے	وَفَرِحُوْا (۲)	اور مگن ہوگئے وہ	الدُّنْيَا	دنیا کی
الرِّزْقَ	ہیں روزی	بِالْحَيٰوةِ	دنیوی	فِي الْاٰخِرَةِ (۳)	آخرت کے مقابلہ میں
لِمَنْ يَّشَآءُ	جس کیلئے چاہتے ہیں	الدُّنْيَا	زندگی پر	اِلَّا	مگر
وَيَقْدِرُ (۱)	اور تنگ فرماتے ہیں	وَمَا	اور نہیں ہے	مَتَاعٌ (۴)	چندروز برتنے کا سامان
	(جس کیلئے چاہتے ہیں)	الْحَيٰوةُ	زندگی	۞	۞

رزق کی کمی بیشی اللہ کے ہاتھ میں ہے

یہ آیت پاک اس جگہ متعدد وجوہ سے آئی ہے۔اور بڑی برمحل آئی ہے پہلے آیت پاک کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں، پھر اس کا مطلب سمجھیں۔ارشاد ہے — اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہتے ہیں روزی کشادہ فرماتے ہیں اور (جس کے لئے چاہتے ہیں) تنگ فرماتے ہیں اور لوگ دنیوی زندگی پر مگن ہو گئے ہیں، اور دنیوی زندگی آخرت کے مقابلے میں صرف چندروزہ برتنے کا سامان ہے — آیت پاک کا مطلب چند نمبروں میں عرض کیا جاتا ہے:

① — پچھلی آیت میں جن لوگوں کا حال بیان ہوا ہے، اس پر کم عقلوں کو، جو امیری اور غریبی کے لحاظ سے انسانی اقدار اور انسانوں کی قیمتیں متعین کرتے ہیں، یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ یہ پیمان خداوندی توڑنے والے، معاشرتی روابط پر چھری چلانے والے، زمین میں فتنہ وفساد کی آگ بھڑکانے والے اور اللہ پاک کے احکام کی تعمیل سے منہ موڑنے والے، دنیا میں گل چھرے اڑا رہے ہیں، خوب دادِ عیش دے رہے ہیں، اور مزے لوٹ رہے ہیں۔اگر یہ لوگ رحمت خداوندی سے دور

(۱) قَدَرَ (ض،ن) قَدْرًا عَلٰى عَيَالِهٖ: اہل وعیال پر نان ونفقہ میں تنگی کرنا تقدیر عبارت يَقْدِرُ عَلٰى مَنْ يَّشَاءُ ہے (۲) وَفَرِحُوْا جملہ مستانفہ ہے (۳) فِيْ الآخِرَةِ محل حال میں ہے ای كَائِنَةً فِيْ جَنْبِ نَعِيْمِهَا — کلمہ فِيْ باہم اندازہ کرنے، مقابلہ، اور موازنہ کرنے کے لئے ہے کما یقال: ذُنُوْبُ العَبْدِ فِيْ رَحمةِ اللّٰه كقطرة فی بحر یہاں فی مفضول اور فاضل کے درمیان واقع ہوا ہے — اور مجازاً فی ظرفیت کے لئے بھی ہوسکتا ہے لان ما یقاس بشیئ یوضع بجنبه (۴) مَتَاعٌ ہر وہ چیز جس سے تھوڑا سا فائدہ اٹھایا جائے پھر فنا ہو جائے جیسے پوچھن (وہ کپڑا جس سے نجاست صاف کرتے ہیں) صافی (وہ کپڑا جس سے باورچی دیگ وغیرہ پکڑ کر اتارتے ہیں اور وہ کپڑا جس کو بھگو کر برتن صاف کرتے ہیں) دست مال، جھاڑن اور ڈسٹر وغیرہ۔

پھینک دئے گئے ہوتے تو ان کا ایسا اچھا حال کیوں ہوتا؟

اس آیت پاک میں اس شبہ کا جواب دیا گیا ہے کہ رزق کی کمی بیشی کا معاملہ، اللہ پاک کے ایک دوسرے قانون سے تعلق رکھتا ہے، جس میں بے شمار مصلحتوں کی وجہ سے کسی کو زیادہ دیا جاتا ہے اور کسی کو کم، رزق کی تنگی اور فراخی مقبول و مردد ہونے کی علامتیں نہیں، لیکن اکثر لوگ سمجھتے نہیں، وہ لوگ دنیوی زندگی میں مگن ہیں حالانکہ دنیا اور اس کی تمام تازگیوں کی حقیقت، آخرت کی زندگی اور اس کی سدا بہار نعمتوں کے مقابلے میں جھاڑن اور پوچھن سے زیادہ نہیں، پس کس قدر بھولے ہیں وہ لوگ جو ایسی حقیر چیز پر مرے جارہے ہیں!

(۴) —— اللہ تعالیٰ کے احکامات کی نافرمانی عموماً وہ لوگ کرتے ہیں جو کھاتے پیتے اور آسودہ حال ہوتے ہیں وہ دولت کے نشے میں مست ہوتے ہیں، کسی کو خاطر میں نہیں لاتے اور نفس کے غلام بن کر جو جی چاہتا ہے کرتے ہیں، اس آیت پاک میں ان لوگوں کو تنبیہ کی ہے کہ نادانو! دولت کی فراوانی پر نہ ریجھو کیونکہ رزق کا بست وکشاد اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے، انھوں نے آج اگر تمہارے لئے رزق کے دروازے کھول رکھے ہیں تو ضروری نہیں کہ کل بھی وہ کھلے رہیں وہ ان کو بند بھی کر سکتے ہیں۔ اور اگر بند نہ بھی کریں تو بھی دنیا کی دولت اترانے کی چیز نہیں ہے۔ یہ تو بس چند روزہ برتنے کا سامان ہے، بہت جلد یہ اپنی قیمت کھو دینے والا ہے۔

جو شخص دنیا کی دولت اور اس کی زندگی میں مگن ہے اس کی مثال اس بندر کی سی ہے جسے ادرک کی ایک گرہ مل گئی تھی اور وہ پنساری بن بیٹھا تھا۔ حدیث شریف میں ہے کہ: ''اگر اللہ پاک کے نزدیک دنیا کی قیمت مچھر کے پر کے برابر ہوتی تو وہ کسی کافر کو پانی کا ایک گھونٹ نہ دیتے''[۱] حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ کا گذر بکری کے ایک مردہ بوچے[۲] بچہ پر ہوا، جو راستے میں مرا پڑا تھا، آپ نے اس کو دیکھ کر ہمراہیوں سے پوچھا: تم میں سے کون پسند کرتا ہے کہ اس کو یہ مرا ہوا بچہ صرف ایک روپے میں مل جائے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا: ہم تو اس کو کسی بھی قیمت پر خریدنا پسند نہیں کرتے آپ نے ارشاد فرمایا: خدا پاک کی قسم! دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ ذلیل اور بے قیمت ہے جتنا ذلیل اور بے قیمت تمہارے نزدیک یہ مردہ بچہ ہے[۳]'' رسول اللہ ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی مثال بس ایسی ہے جیسے تم میں سے کوئی اپنی ایک انگلی دریا میں ڈال کر نکالے اور پھر دیکھے کہ پانی کی کتنی مقدار اس میں لگ کر آئی ہے[۴] —— غور فرمایئے جو لوگ اتنی حقیر چیز میں مگن ہیں جو اس کی محبت میں اللہ پاک کے احکام کو پس

(۱) رواه أحمد والترمذی وابن ماجه عن سهل بن سعد رضی الله تعالى عنه (۲) بوچا یعنی بن کانوں کا۔
(۳) رواه مسلم (۴) رواه مسلم عن مستورد بن شداد رضی الله عنه۔

پشت ڈال رہے ہیں، ان کے حق میں کیا رائے قائم کی جائے! خدا تعالیٰ ہم سب کو سمجھ عطا فرمائیں۔ اور دنیا کی حقیقت سمجھنے کی توفیق بخشیں۔

(۳) ـــــ لوگ عام طور پر دولت کے چکر میں اور مال کمانے کی فکر میں احکام خداوندی کا پاس ولحاظ نہیں کرتے مال کی یہی بڑھی ہوئی محبت معاشرتی اور خاندانی حق تلفیوں کا سبب بنتی ہے۔ لوگوں میں جھگڑے دعوے اور فتنے فساد مال ہی کی وجہ سے ہوتے ہیں، کاروبار احکام خداوندی سے اہم بن جاتے ہیں اس آیت پاک میں یہ حقیقت سمجھائی گئی ہے کہ جس رزق کے لئے تم یہ سب کچھ کر رہے ہو اس کا بست وکشاد اللہ پاک کے ہاتھ میں ہے وہ جس کے لئے چاہتے ہیں روزی کشادہ فرماتے ہیں، اور جس کے لئے چاہتے ہیں تنگ کرتے ہیں، جب حقیقت یہ ہے تو انسان کو چاہئے کہ وہ اللہ پاک کے حکموں کے ماتحت رہ کر روزی طلب کرے جو روزی اس کے لئے مقدر ہے وہ ضرور ملے گی۔ اور جو مقدر نہیں وہ کبھی بھی نہیں مل سکتی، چاہے اس کے لئے ہزار جتن کر لئے جائیں، اور چاہے اس کے لئے جائز وناجائز سبھی ذرائع استعمال کر لئے جائیں۔

خرابی کی اصل جڑ ''دولت ملنے پر خوشی'' ہے دنیا ملنے پر خوشی جتنی بڑھتی جائے گی اتنی احکام خداوندی سے بے التفاتی ہوتی جائے گی۔ یہاں تک کہ ایک دوکاندار کے لئے گاہک آنے کا امکان بھی جماعت بلکہ نماز سے غافل کرنے کیلئے کافی ہوجائے گا پس عقل مند وہ ہے جو دنیا کی چیزوں کے ملنے پر زیادہ خوش نہ ہو اور اسکی تدبیر یہ ہے کہ وہ ہمیشہ دنیا کی اس حقیقت کو پیش نظر رکھے کہ وہ فقط چند روزہ برتنے کا سامان ہے اور آخرت کی زندگی دائم وقائم رہنے والی زندگی ہے جب دنیا کی یہ حقیقت اور آخرت کے مقابلے میں اس کی یہ قیمت پیش نظر رہے گی تو ان شاء اللہ ایک سمجھ دار آدمی کبھی بھی احکام خداوندی کو دوسرے درجہ میں نہیں رکھے گا۔ کیونکہ مقصد زندگی طاعت حق ہے فکر جہاں میں پڑنا نہیں۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۗ قُلْ إِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ أَنَابَ ﴿٢٧﴾ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُم بِذِكْرِ اللَّهِ ۗ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ﴿٢٨﴾ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ طُوبَىٰ لَهُمْ وَحُسْنُ مَآبٍ ﴿٢٩﴾ كَذَٰلِكَ أَرْسَلْنَاكَ فِي أُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهَا أُمَمٌ لِّتَتْلُوَ عَلَيْهِمُ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُونَ بِالرَّحْمَٰنِ ۚ قُلْ هُوَ رَبِّي لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ

تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ ﴿۳۰﴾

وَيَقُوْلُ	اور کہتے ہیں	مَنْ اَنَابَ (۲)	اس کو جو متوجہ ہوا	الصّٰلِحٰتِ	نیک کام
الَّذِيْنَ	وہ لوگ جنھوں نے	اَلَّذِيْنَ (۳)	(وہ لوگ) جو	طُوْبٰى (۵)	خوشحالی (ہے)
كَفَرُوْا	انکار کیا	اٰمَنُوْا	ایمان لائے	لَهُمْ	ان کے لئے
لَوْلَآ	کیوں نہیں	وَتَطْمَئِنُّ	اور مطمئن ہوئے	وَحُسْنُ	اور بہترین
اُنْزِلَ عَلَيْهِ	اتاری گئی اس پر	قُلُوْبُهُمْ	ان کے دل	مَاٰبٍ (۶)	لوٹنے کی جگہ ہے
اٰيَةٌ	کوئی نشانی	بِذِكْرِ اللّٰهِ (۴)	اللہ پاک کے ذکر	كَذٰلِكَ	اسی طرح
مِّنْ رَّبِّهٖ	اس کے رب کی طرف سے؟		(قرآن) سے	اَرْسَلْنٰكَ	بھیجا ہم نے آپ کو
قُلْ	(آپ) جواب دیں	اَلَا	خوب سمجھ لو	فِيْٓ اُمَّةٍ	(ایسی) قوم میں
اِنَّ اللّٰهَ	یقیناً اللہ تعالیٰ	بِذِكْرِ اللّٰهِ	اللہ پاک کے ذکر سے	قَدْ	(کہ) تحقیق
يُضِلُّ	گمراہ کرتے ہیں	تَطْمَئِنُّ	مطمئن ہوتے ہیں	خَلَتْ (۷)	گذر چکی ہیں
مَنْ يَّشَآءُ (۱)	جس کو چاہتے ہیں	الْقُلُوْبُ	دل	مِنْ قَبْلِهَآ	اس سے پہلے
وَيَهْدِيْٓ	اور راہ دکھاتے ہیں	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	جو لوگ ایمان لائے	اُمَمٌ	قومیں
اِلَيْهِ	اپنی طرف	وَعَمِلُوا	اور کئے انھوں نے	لِّتَتْلُوَا۠ (۸)	تاکہ پڑھ کر سنائیں آپ

(۱) مَنْ يَّشَآءُ مفعول ہے يُضِلُّ کا — مَنْ موصولہ ہے اور جملہ يَشَآءُ اس کا صلہ ہے يَشَآءُ کی ضمیر فاعل اللہ پاک کی طرف راجع ہے، اور مَنْ کی طرف لوٹنے والی ضمیر مفعول کے ساتھ محذوف ہے تقدیر عبارت ہے: يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ هُوَ اِضَلاً لَهٗ (۲) اَنَابَ اِنَابَةً اِلَى اللّٰهِ: متوجہ ہونا (۳) مبتدا محذوف ہے ای: هُمُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا الخ (۴) قرآن پاک کا وصفی نام اَلذِّكْر بھی ہے سورۃ الحجر آیت ۶ اور ۹ میں یہ نام آیا ہے اس وصفی نام میں الف لام مضاف الیہ کا بدل ہے پس الذکر کا مطلب ذکر اللہ ہے (۵) طُوْبٰى مؤنث ہے اَلْاَطْيَبُ کا اور محذوف کی صفت ہے ای عِيْشَةً طُوْبٰى (خوشحالی) لیکن استعمال میں یہ موصوف کے قائم مقام ہے اس لئے بغیر موصوف کے استعمال ہوا ہے (۶) مَآب لوٹنے کی جگہ جمع مَآوب ظرف مکان ہے (۷) خَلاَ خُلُوًّا وَخَلاءً الشيئُ: گذرنا (۸) تَتْلُوْا جمع کا صیغہ نہیں بلکہ مضارع کا واحد مذکر حاضر کا صیغہ ہے اور حالت نصبی میں ہے اور اس کے آخر میں واو جمع کا نہیں بلکہ مادہ کا ہے لیکن چونکہ یہ واو آخر کلمہ میں ہونے کی وجہ سے جمع کے واو کے مشابہ ہے اس لئے قرآنی رسم الخط میں اس کے بعد الف لکھا جاتا ہے مگر پڑھا نہیں جاتا۔

عَلَيۡهِمُ	ان کو	يَكۡفُرُوۡنَ	انکار کررہے ہیں	اِلَّا هُوَ	مگر وہی
الَّذِىۡۤ	وہ (کتاب) جو	بِالرَّحۡمٰنِ	نہایت مہربان ذات کا	عَلَيۡهِ	انہی پر
اَوۡحَيۡنَاۤ	وحی کی ہے ہم نے	قُلۡ	آپ فرمادیں	تَوَكَّلۡتُ	بھروسہ کیا میں نے
اِلَيۡكَ	آپ کی طرف	هُوَ رَبِّىۡ	وہی میرے رب ہیں	وَاِلَيۡهِ	اور انہی کی طرف
وَهُمۡ (۱)	درانحالیکہ وہ	لَاۤ اِلٰهَ	نہیں ہے کوئی معبود	مَتَابِ (۲)	میرا متوجہ ہونا ہے

قرآنِ کریم رسول اللہ ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ ہے

اس سورت کی ساتویں آیت میں دعوت حق کے منکرین کا ایک سوال اور اس کا جواب گذر چکا ہے۔ اب دوبارہ اسی اعتراض کو نقل کر کے ایک دوسرے طریقے سے جواب دیتے ہیں، ارشاد فرماتے ہیں — اور جن لوگوں نے اسلام کا انکار کیا وہ کہہ رہے ہیں کہ: ''اُس پر اُس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری گئی؟'' — یعنی اگر محمدؐ سچے نبی ہیں اور اللہ پاک نے ان کو اپنا پیغامبر مقرر کیا ہے تو منکرین جن کرشموں کا مطالبہ کرتے ہیں وہ دکھاتے کیوں نہیں؟ — آپ جواب دیں: اللہ پاک گمراہ کرتے ہیں جس کو چاہتے ہیں، اور اپنی راہ دکھاتے ہیں ان کو جو ان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں — یعنی جس میں خود ہدایت کی طلب نہیں ہوتی، جو جان بوجھ کر سرکشی کرتا ہے اور اللہ پاک کی ہر طرف پھیلی ہوئی نشانیوں سے آنکھیں بند کر لیتا ہے: اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ وہ اس کی ہدایت یاب ہونے کی استعداد کھودیتے ہیں، اُسے زبردستی راہ راست دکھانے کا طریقہ نہیں، اللہ پاک کا ارشاد ہے: ''میں اپنی آیتوں سے ایسے لوگوں کو پھیر دوں گا جو ناحق زمین میں سرکشی کرتے ہیں''(۳) — اور جن لوگوں میں ہدایت طلبی ہوتی ہے، جو ہر طرف بے حساب پھیلی ہوئی نشانیوں کو اندھے بن کر نہیں دیکھے۔ جو اللہ پاک کی آیتوں پر کان دھرتے ہیں اور وہ اللہ پاک کی طرف لو بھی لگاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو ضرور ہدایت یاب فرماتے ہیں، وہ کبھی خدا تعالیٰ کی بخشش سے محروم نہیں رہتے (۴)

غور کیجئے منکرین دعوت کے اعتراض کا کس خوبی سے جواب دیا ہے، اور کتنا مبنی بر حقیقت جواب دیا ہے کہ تمہیں راہ راست نہ ملنے کا اصل سبب تمہاری مطلوبہ نشانیوں کا نہ ملنا نہیں، بلکہ تم میں ہدایت کی طلب ہی نہیں۔ پیغمبر ﷺ کی صداقت کا یقین دلانے کے لئے تو بے شمار نشانیاں موجود ہیں لیکن وہ تمہارے لئے نشان راہ نہیں بنتی کیونکہ تم خدا پاک کے

(۱) جملہ وَهُمۡ حال ہے اَرۡسَلۡنٰكَ کی ضمیر سے (۲) مَتَابِ مصدر ہے اور آخر سے اضافت کی یا محذوف ہے با کا زیر اسی کی علامت کے طور پر ہے۔ (۳) سورۃ الاعراف آیت ۱۴۶ (۴) ومشیة العبد تتوقف علی مشیة اللّٰہ تعالی کما فی سورۃ الدھر (رقم الآیة ۳۰) والتکویر (رقم الآیۃ ۲۹)

راستے پر جانے کے خواہش مند ہی نہیں ہو۔ جن لوگوں میں اللہ پاک سے تعلق قائم کرنے کا جذبہ ہوتا ہے جو ان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، ان کو اللہ پاک ضرور راہ دکھاتے ہیں، اور وہ لوگ یہ ہیں — جو ایمان لائے، اور جن کے دلوں کو اللہ پاک کے ذکر (قرآن) سے اطمینان نصیب ہوتا ہے — یعنی تمہارے سامنے مؤمنین کی یہ جماعت موجود ہے، تم غور کرو ان اللہ والوں میں اور تم میں انسان ہونے کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں، اُن کی کچھ اللہ پاک سے رشتہ داری یا دوستی نہیں، اور تم سے ناچاقی یا دشمنی نہیں، پھر کیا وجہ ہے کہ مطلوبہ نشانیاں ظاہر نہ ہونے کے باوجود ان کو دولت ایمان نصیب ہوگئی اور تم محروم رہ گئے؟! غور کرو گے تو تمہیں یہ حقیقت روز روشن کی طرح نظر آئے گی کہ ان میں ہدایت کی طلب تھی اور تم میں اس کا فقدان ہے۔ وہ اللہ پاک کی طرف متوجہ ہو چکے ہیں، اور تم ان سے برگشتہ ہو، ان کے دلوں کو اُس نشانی سے جو اللہ پاک نے از خود عنایت فرمائی ہے، دولت اطمینان نصیب ہو رہی ہے اور تم مرغ کی ایک ٹانگ گائے جا رہے ہو — خوب سمجھ لو! اللہ پاک کے ذکر سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے — کرشموں سے یہ بات کبھی پیدا نہیں ہو سکتی۔ صالح علیہ السلام کی قوم کو اللہ پاک نے ان کا فرمائشی معجزہ دکھایا مگر ان کو ایمان نصیب نہ ہوا۔ فرعون کو لگاتار نو معجزے دکھائے، مگر اس کی غفلت دور نہ ہوئی۔ دلوں کو اطمینان صرف ''اللہ کے ذکر'' سے حاصل ہوتا ہے اور یہ معجزہ اللہ پاک نے اپنے پیغمبر کو از خود عنایت فرمایا ہے، جو ہر وقت تمہارے سامنے ہے اگر تم میں ہدایت کی سچی طلب ہو تو اس میں تدبر کرو، اس سے تمہارے دلوں کو اطمینان نصیب ہوگا اور اس سے تمہارے لئے ہدایت کی راہیں کھلیں گی۔

ہر پیغمبر کو اللہ پاک نے زمانہ کے تقاضے کے مطابق، کوئی نہ کوئی معجزہ ضرور دیا ہے۔ ہمارے سردار، آقائے دو جہاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو قرآن عظیم بطور معجزہ دیا ہے، یعنی قرآن پاک کتاب ہدایت بھی ہے اور اس میں معجزۂ نبوی ہونے کی شان بھی ہے، سابقہ کتابوں میں یہ شان نہیں تھی۔ یہ وہ معجزہ ہے جو اللہ پاک نے از خود اپنے پیغمبر کو عطا فرمایا ہے لیکن دعوت حق کے منکر مطالبہ کرتے ہیں کہ ہمارے لئے زمین پھاڑ کر ایک چشمہ جاری کر دیجئے، آسمان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہم پر گرا دیجئے۔ اللہ پاک اور فرشتوں کو ہمارے روبرو لے آئیے اور آسمان پر چڑھ کر وہاں سے ایک ایسی تحریر لے آئیے جسے ہم پڑھ لیں(۱)

یہ فرمائشی معجزات دکھانا پیغمبر ﷺ کے اختیار میں نہیں، ان کے اختیار میں صرف وہی معجزہ ہے جو اللہ پاک نے ان کو عنایت فرمایا ہے یعنی قرآن کریم۔ فرمائشی معجزات دکھانے نہ دکھانے کا اختیار اللہ پاک کا ہے۔ ان کی مصلحت ہوگی تو وہ اُسے بھی دکھائیں گے اور نہیں ہوگی تو نہیں دکھائیں گے۔

(۱) دیکھئے سورۂ بنی اسرائیل آیات ۹۰-۹۳۔

اس آیت میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ تمہارے مطلوبہ کرشموں کو اس لئے نہیں دکھایا جارہا کہ ان سے دلوں کو اطمینان نصیب نہیں ہوتا، دلوں کو چین صرف قرآن پاک سے حاصل ہوتا ہے، جولوگ اس میں تدبر کرتے ہیں اور ان میں ہدایت کی سچی طلب بھی ہوتی ہے تو ان کے تمام شبہات اس سے دور ہوجاتے ہیں۔ اور انہیں قرآن پاک کی دعوت پر یقین آجاتا ہے اور وہ ایمان لے آتے ہیں۔

اور یہ ایمان لانا چونکہ عقل وفہم کی بنیاد پر ہوتا ہے اس لئے وقت کے گذرنے سے وہ مضمحل نہیں ہوتا بلکہ اور پختہ ہوتا ہے اور کرشمے چونکہ عقل وفہم کو اپیل نہیں کرتے بلکہ صرف قوت واہمہ پر اثر انداز ہوتے ہیں، اس وجہ سے جن لوگوں کی عقلیں قوی ہوتی ہیں وہ اس کرشمہ کی کوئی نہ کوئی تاویل کرلیتے ہیں، اور جن کا واہمہ قوی ہوتا ہے وہ اگر ایمان لے بھی آئیں تو جوں جوں وقت گذرتا ہے ان کا تأثر کم ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ وقت بھی آجاتا ہے کہ وہ اپنی سابقہ حالت کی طرف پلٹ جاتے ہیں اس کے برخلاف قرآن کریم انسانوں کی عقلوں کو مطمئن کرتا ہے، دلوں کو اطمینان بخشتا ہے اس لئے جو شخص قرآن پاک کی دعوت مطمئن ہوکر قبول کرتا ہے اس کا ایمان بڑھتا جاتا ہے وہ کبھی ایڑیوں پر نہیں پلٹتا۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''دل میلے ہوجاتے ہیں جس طرح پانی لگنے سے لوہا زنگ آلود ہوجاتا ہے'' لوگوں نے پوچھا یارسول اللہ! ان کی صفائی کس طرح ہوسکتی ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''موت کو کثرت سے یاد کرنے سے اور قرآن پاک کی تلاوت کرنے سے''[1]

پھر قرآن پاک کی دعوت پر ایمان لانے والوں کو خوشخبری سنائی جاتی ہے ارشاد فرماتے ہیں —— جولوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کئے، انہی کے لئے خوشحالی[2] اور لوٹنے کی بہترین جگہ ہے —— یعنی جنت الفردوس۔

ایسے ہی —— یعنی ذکر اللہ (قرآن) کا معجزہ دیکر —— ہم نے آپ کو ایک ایسی قوم میں مبعوث فرمایا ہے جس سے پہلے یقیناً بہت سی قومیں گذر چکی ہیں، تاکہ آپ ان کو وہ کتاب پڑھ کر سنائیں جو وحی کے ذریعے ہم نے آپ کے پاس بھیجی ہے، درانحالیکہ وہ لوگ نہایت مہربان ہستی کے منکر ہورہے ہیں —— نہ صرف عرب بلکہ روئے زمین پر بسنے والے سارے انسان اپنے نہایت شفیق ومہربان خدا کو بھول چکے تھے، نہ صرف بھول چکے تھے بلکہ منکر ہوچکے تھے ایسی صورت حال میں سنہ ۶۱۰ عیسوی مطابق سنہ ۶۶۸ بکرمی میں رحمت عالم ﷺ قرآن پاک کے ساتھ مبعوث ہوئے:

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا ❁ اور نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

اور آپ ﷺ کی یہ بعثت کوئی انوکھی بات نہیں تھی، آپ سے پہلے سینکڑوں ہزاروں پیغامبر مبعوث ہوچکے ہیں،

(۱) رواہ البیھقی فی شعب الإیمان (مشکوٰۃ ص ۱۸۹) (۲) جنت کی سدابہار نعمتوں میں ایک بڑی نعمت شجرۂ طوبیٰ بھی ہے جس کا ذکر بکثرت احادیث میں آیا ہے۔ خوشحالی کے عموم میں وہ بھی داخل ہے۔

بہت سی قومیں گذر چکی ہیں جن کو اللہ پاک کے فرستادے پیغام حق سنا چکے ہیں اسی سنت اللہ کے مطابق آپ ﷺ کی بعثت ہوئی ہے تا کہ آپ لوگوں کے روبرو اس کتاب مقدس کی تلاوت کریں جو وحی کے ذریعے آپ کے پاس بھیجی گئی ہے۔

تلاوت کے معنی ہیں: ''کسی کے کلام کو ذہن نشیں کرنا اور لازماً اس کی پیروی کرنا'' اسی وجہ سے تَلَوْتُ رُقْعَتَکَ (میں نے آپ کے خط کی تلاوت کی) کہنا صحیح نہیں، کیونکہ کسی بھی خط کی لازماً پیروی ضروری نہیں، صرف اللہ پاک کے کلام کی اتباع واجب ہے اس وجہ سے تلاوت کا لفظ صرف آسمانی کتابوں کے لئے استعمال ہوتا ہے اور تَلٰی عَلَیْہِ کے معنی ہیں: ''خود اس نے اللہ پاک کے کلام کو ذہن نشیں کیا، پھر اوروں کو وہ کلام پڑھ کر سنایا اور اُس کے موجبات پر عمل کر کے دکھایا'' یعنی رسولوں کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اللہ پاک کا کلام لوگوں تک پہنچائیں اور عملی نمونہ بھی پیش فرمائیں پس——

آپ اعلان فرمادیں: وہی میرے رب ہیں ان کے سوا کوئی معبود نہیں، انہی پر بھروسہ کیا میں نے، اور انہی کی طرف مجھے لوٹنا ہے—— یعنی جس مہربان ہستی کے تم منکر ہو، وہی میرے رب ہیں، وہی میرے معبود ہیں ان کا کوئی شریک وسہیم نہیں، میرا آغاز اور انجام سب انہی کے ہاتھ میں ہے، میں انہیں پر بھروسہ کرتا ہوں، مجھے کسی کے انکار وتکذیب کی پرواہ نہیں، کسی کی امداد واعانت کی حاجت نہیں، انہی کا سہارا میرے لئے کافی ہے اور مجھے انہی کی طرف پلٹنا ہے۔

اس اعلان واجب الاذعان میں توحید، رسالت اور معاد تینوں باتوں کا ذکر آ گیا، اس میں لوگوں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ معبود اور سہارا صرف اللہ پاک کا ہے، ان کے سوا کوئی نہیں جو پروردگاری کرتا ہو، جو عبادت کا حق دار ہو جو سہارا بن سکتا ہو اور سب کو لوٹ کر انہی کے پاس جانا ہے یعنی انسان مر کر ختم نہیں ہو جاتا۔ بلکہ اللہ پاک کے پاس پہنچ جاتا ہے جہاں یا تو دائمی جنت ہے یا دائمی جہنم۔ یہ ایک انتہائی سنگین صورت حال ہے کیونکہ اگر کوئی شخص موجودہ زندگی میں اللہ پاک کی مرضی سے بے خبر رہا اور اسی حال میں مرا تو وہ مرنے کے بعد ایک لامحدود عذاب میں پھنس جائے گا جس سے رستگاری کی کوئی صورت نہ ہوگی۔ انسان کے نزدیک خواہ جس چیز کی بھی اہمیت ہو مگر اللہ پاک کے نزدیک سب سے زیادہ اہم بات یہی ہے، جس سے انسان کو باخبر ہونا چاہئے۔

موت وہ فیصلہ کن لحہ ہے جب عمل کی مہلت چھین لی جاتی ہے اور انسان اچانک ایک ایسی دنیا میں پہنچ جاتا ہے جہاں صرف دو ہی چیزیں ہیں جنت یا جہنم!

وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ؕ

بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ؕ اَفَلَمْ يَايْئَسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى
النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ
قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۳۱﴾

وَلَوْ اَنَّ	اور اگر (ہوتا) بیشک	لِلّٰهِ	اللہ کے لئے (ہے)	كَفَرُوْا	کفر کا رویہ اختیار کیا
قُرْاٰنًا (۱)	کوئی قرآن	الْاَمْرُ	اختیار	تُصِيْبُهُمْ	پہنچتا رہے گا ان کو
سُيِّرَتْ	چلائے جاتے (ہٹائے	جَمِيْعًا	سارا	بِمَا صَنَعُوْا (۶)	ان کے کرتوتوں کی
	جاتے)	اَفَلَمْ	کیا تو نہیں		وجہ سے
بِهٖ (۲)	اس کے ذریعہ	يَايْئَسِ (۴)	ناامید ہوئے	قَارِعَةٌ (۷)	کوئی حادثہ
الْجِبَالُ	پہاڑ	الَّذِيْنَ	وہ لوگ جو	اَوْ تَحُلُّ (۸)	یا اترے گا وہ (حادثہ)
اَوْ قُطِّعَتْ	یا طے کی جاتی	اٰمَنُوْٓا	ایمان لائے	قَرِيْبًا	نزدیک
بِهٖ (۲)	اس کے ذریعہ	اَنْ لَّوْ (۵)	کہ اگر	مِّنْ دَارِهِمْ	ان کے گھروں کے
الْاَرْضُ	زمین	يَشَآءُ اللّٰهُ	چاہتے اللہ پاک	حَتّٰى يَاْتِيَ	یہاں تک کہ آپہنچے
اَوْ كُلِّمَ	یا بات چیت کی جاتی	لَهَدَى	تو ہدایت فرمادیتے	وَعْدُ	وعدہ
بِهٖ (۲)	اس کے ذریعہ	النَّاسَ	لوگوں کو	اللّٰهِ	اللہ پاک کا
الْمَوْتٰى	مردوں سے (تب بھی	جَمِيْعًا	سب کو؟	اِنَّ اللّٰهَ	بلاشبہ اللہ تعالیٰ
	یہ ایمان نہ لاتے) (۳)	وَلَا يَزَالُ	اور برابر	لَا يُخْلِفُ	نہیں خلاف ورزی کرتے
بَلْ	بلکہ	الَّذِيْنَ	جن لوگوں نے	الْمِيْعَادَ (۹)	وعدے (کی)

(۱) قُرْاٰنًا اسم ہے اَنَّ کا اور سُیِّرَتْ اپنے معطوفات کے ساتھ خبر ہے — سَیَّرَ الرجلَ: چلانا — قَطَّعَ الشَّیْءَ: ٹکڑے ٹکڑے کرنا، قَطَّعَ الاَرْضَ تیزی سے راستہ طے کرنا — کَلَّمَهٗ: بات چیت کرنا (۲) بَا تینوں جگہ سببیہ ہے (۳) بین القوسین کی عبارت لَوْ کا جواب ہے جو محذوف ہے، دوسری جگہ اسی مضمون کا یہ جواب مذکور ہے دیکھئے آٹھویں پارے کی پہلی آیت۔ (۴) یَئِسَ یَیْأَسُ وَیَیْئِسُ یَاْسًا: ناامید ہونا (۵) اَنْ سے پہلے با سببیہ محذوف ہے۔ ضمیر شان اس کا اسم ہے اور جملہ لَوْ یَشَآءُ خبر ہے اور بِاَنْ متعلق ہے یَایْئَسُ سے (۶) بِمَا میں ما مصدریہ ہے (۷) قَارِعَةٌ: ہلاک کرنے والی مصیبت جمع قَوَارِع (۸) حَلَّ (ن) حُلُوْلاً المکانَ وبالمکان: نازل ہونا (۹) المِیْعَاد، اسم مصدر ہے۔

مسلمانوں کی یہ خواہش پوری نہ ہوگی کہ اگر منکرین کو مطلوبہ نشانیاں دکھادی جائیں تو وہ ایمان لے آئیں

اس آیت پاک میں روئے سخن مسلمانوں کی طرف ہے، مسلمان جب بار بار کافروں کی طرف سے نشانی کا مطالبہ سنتے تو ان کی دلی خواہش ہوتی کہ کاش ان لوگوں کو کوئی ایسی نشانی دکھادی جائے جس سے وہ لوگ قائل ہو جائیں اس پر مسلمانوں سے ارشاد فرمایا جا رہا ہے — اور اگر کوئی قرآن ایسا ہوتا کہ اس کے زور سے پہاڑ چلنے لگتے، یا مسافت تیزی سے طے ہو جایا کرتی یا مردوں سے بات چیت کی جاسکتی (تو بھی یہ لوگ ایمان نہ لاتے) — یعنی قرآن کی جو موجودہ حالت ہے کہ اس کا معجزہ ہونا غور و فکر اور تدبر پر موقوف ہے، بجائے اس کے اس میں یہ تاثیر رکھ دی جاتی کہ اس سے یہ اور یہ معجزات ظہور پذیر ہوتے تب بھی یہ لوگ ایمان نہ لاتے، جن لوگوں کو قرآن کی اعلیٰ تعلیم میں، نبی کریم ﷺ کی پاکیزہ زندگی میں اور مؤمنین کی سلامت روی میں نور حق نظر نہیں آتا انہیں پہاڑوں کے ہٹ جانے سے، مسافتیں تیزی سے طے ہو جانے سے اور مردوں کے قبروں سے نکل آنے سے کیا روشنی ملے گی؟

اور ان تین عجائبات کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ مشرکین مکہ نے انہی کا مطالبہ کیا تھا۔ شان نزول کی روایتوں میں ہے کہ مشرکین مکہ جن میں ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ قابل ذکر ہیں، ایک روز بیت اللہ شریف کے پیچھے جا کر بیٹھ گئے اور عبداللہ بن امیہ کو نبی اکرم ﷺ کے پاس بھیجا۔ اس نے آ کر آپؐ سے کہا کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ قوم آپ کو رسول تسلیم کر لے تو آپ اپنے قرآن کے ذریعہ ہمارے چند مطالبات پورے کر دیں، ہم سب اسلام قبول کر لیتے ہیں۔ مطالبات یہ ہیں:

(۱) — مکہ شریف کی زمین بڑی تنگ ہے۔ سب طرف سے پہاڑوں سے گھری ہوئی ہے، جس میں نہ کاشت ہو سکتی ہے نہ باغات لگ سکتے ہیں نہ دوسری ضروریات پوری ہو سکتی ہیں۔ آپ ان پہاڑوں کو دور ہٹا دیں تاکہ مکہ کی زمین فراخ ہو جائے۔ آپ ہمیں بتاتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام کے لئے پہاڑ مسخر کر دیئے گئے تھے آپ بھی اگر اللہ کے رسول ہیں تو یہ کام کر دکھائیں۔

(۲) — آپ بتاتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام کے لئے ہوا مسخر کر دی گئی تھی جس کے ذریعہ وہ زمین کے بڑے بڑے فاصلے نہایت مختصر وقت میں طے کر لیتے تھے آپ بھی ہمارے لئے ایسا کر دیں، تاکہ ہمارے لئے شام و یمن کے سفر آسان ہو جائیں۔

(۳) — آپ کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کرتے تھے آپ بھی ہمارے لئے ہمارے دادا قُصی کو زندہ

کردیں تا کہ ہم ان سے دریافت کرسکیں کہ آپ کا دین سچا ہے یا نہیں؟

یہ گفتگو سن کر مسلمانوں کی دلی خواہش ہوئی کہ کاش یہ نشانیاں دکھادی جائیں تا کہ یہ سب مسلمان ہوجائیں اور اللہ کا دین سر بلند ہوجائے۔ اللہ پاک مسلمانوں سے ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ تمام مطالبات پورے کرنا اللہ پاک کی قدرت میں ہے مگر اس کا فائدہ کیا؟ اگر یہ سب مطالبے پورے بھی کردیئے جائیں تب بھی یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں —— بلکہ سارا اختیار اللہ پاک کا ہے —— وہ جسے چاہیں ایمان نصیب فرمائیں، اور جسے چاہیں کفر کی اندھیریوں میں بھٹکنے دیں، ایک ہی چیز کو ایک شخص کے حق میں رحمت اور ایمان کا سبب بنادیں اور دوسرے کے لئے گمراہی کا باعث بنادیں۔ سب کچھ اُن کے قبضہ میں ہے۔

اور وہ کسی معجزہ کو ایمان کا سبب اس وقت بناتے ہیں جب انسان میں ہدایت کی طلب ہوتی ہے اور جب انسان میں ہدایت کی طلب نہ ہو تو وہ اسی معجزہ کو اس کے حق میں مزید گمراہی کا باعث بنادیتے ہیں۔ غرض عجائبات سے ایمان کی دولت میسر نہیں آتی، یہ گنج گرانمایہ تو سچی طلب ہی سے حاصل ہوسکتا ہے۔

جب کسی شخص میں ہدایت کی طلب پیدا ہوجاتی ہے تو ایک معمولی واقعہ بھی زندگی میں انقلاب لانے کے لئے کافی ہوجاتا ہے

پس کیا اہل ایمان ناامید نہیں ہوئے یہ سمجھ کر کہ اگر اللہ پاک چاہتے تو سارے انسانوں کو ہدایت مآب بنادیتے؟ یعنی جب مؤمنین یہ جانتے ہیں کہ اگر اللہ پاک چاہیں تو سبھی انسانوں کو ہدایت دیدیں، ان کے لئے یہ بات کچھ مشکل نہیں، پھر جب اللہ پاک نے ان لوگوں کو ہدایت نہیں دی تو وہ ان کے ایمان کی فکر میں کیوں پڑے ہیں؟ اہل ایمان کو چاہئے کہ وہ ان ضدی لوگوں کی ہدایت سے آس توڑ لیں، ان کے پیچھے جان نہ کھوئیں۔

اور جب محقق ہوگیا کہ وہ لوگ ایمان لانے والے نہیں تو کسی کو یہ خیال آسکتا ہے کہ پھر ان کو سزا کیوں نہیں دی جاتی؟ ارشاد فرماتے ہیں —— اور جن لوگوں نے کفر کا رویہ اختیار کیا ہے اُن پر ان کے اعمال کی وجہ سے کوئی نہ کوئی حادثہ پڑتا رہے گا، یا ان کی بستی کے قریب نازل ہوگا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ آپہنچے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتے —— یعنی برابر کوئی نہ کوئی آفت اُن پر یا اُن کے آس پاس پڑتی رہے گی، یہاں تک کہ خدا تعالیٰ کا وعدہ پورا ہوجائے، خدا کا وعدہ اٹل ہے وہ پورا ہوکر رہے گا۔

نزول آیت کے وقت یہ ایک پیشین گوئی تھی جو بعد میں حرف بحرف پوری ہوئی۔ مسلمانوں نے مکہ چھوڑ کر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ ہجرت کے بعد مکہ والوں سے جنگیں شروع ہوئیں، کافر مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے، قید

ہوئے اور یہ سلسلہ چلتا رہا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو گیا، مکہ فتح ہو گیا اور پورا جزیرۃ العرب شرک وکفر کی گندگی سے پاک ہو گیا۔

پاس پڑوس میں آنے والی آفتوں میں بھی عبرت کا سامان ہوتا ہے

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿۳۲﴾

وَلَقَدِ	اور قسم بخدا! واقعی	مِّنْ قَبْلِكَ	آپ سے پہلے	كَفَرُوْا	کفر کیا
اسْتُهْزِئَ	ٹھٹھا کیا گیا (مذاق اڑایا گیا)	فَاَمْلَيْتُ[1]	پس مہلت (ڈھیل) دی میں نے	ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ	پھر پکڑ لیا میں نے ان کو
				فَكَيْفَ	سو کیسی تھی
بِرُسُلٍ	پیغمبروں کے ساتھ	لِلَّذِيْنَ	(ان کو) جنھوں نے	كَانَ عِقَابِ[2]	میری سزا؟

نبی ﷺ کو تسلی کہ کفار کا یہ برتاؤ ہمیشہ ہی رہا ہے، مگر سزا کا وقت آ رہا ہے

پچھلی آیات میں روئے سخن مومنین کی طرف تھا، اب اس آیت میں پیغمبر ﷺ کی طرف ہے، مشرکین کی ہٹ دھرمی، تمسخر اور طرح طرح کے سوالات سے رسول کریم ﷺ کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ تھا اس لئے آپ کی تسلی فرماتے ہیں:—— اور بخدا! آپ سے پہلے پیغمبروں کا مذاق اڑایا گیا—— یعنی یہ حالات جو آپؐ کو درپیش ہیں کچھ آپ ہی کو پیش نہیں آ رہے، آپ سے پہلے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی اسی طرح کے حالات سے سابقہ پڑا ہے—— پس میں نے ان لوگوں کو جنھوں نے کفر کی روش اختیار کی، زمانہ دراز تک گمراہی میں چھوڑے رکھا—— یعنی منکروں کو ان کے جرم پر فوراً نہیں پکڑا، وہ انبیاء کرام کے ساتھ ٹھٹھا اور تمسخر کرتے رہے اور اللہ پاک ان کو مہلتوں پر مہلتیں دیتے رہے تاکہ وہ انبیاء کرام کی دعوت سے کسی طرح سنبھل جائیں کیونکہ اللہ پاک انسانوں کو سنبھلنے کے لئے ہر ممکن مہلت دیتے ہیں۔ مگر جب وہ کسی طرح باز نہ آئے اور ان کی گمراہی اپنی آخری حد کو پہنچ گئی تو پھر ان کو عذاب الٰہی نے پکڑ لیا ارشاد ہے—— پھر میں نے

(۱) اَمْلٰى اِمْلَاءً اللّٰهُ فُلَانًا عُمُرَهٗ: عمر طویل کرنا، اور دیر تک نفع اٹھانے دینا اَمْلَى اللّٰهُ الظَّالِمَ وَلَهٗ: مہلت دینا اَمْلٰى لَهٗ فِيْ غَيِّهٖ: گمراہی میں زمانۂ دراز تک چھوڑنا۔ یہاں یہ آخری محاورہ استعمال ہوا ہے (۲) اصل عِقَابِیْ تھا یا حذف کر دی گئی ہے با کا زیر اس کی علامت ہے۔

ان کی دارو گیر کی، پس کیسی رہی میری سزا؟!ــــ الامان والحفیظ! اللہ پاک کی دارو گیر اتنی سخت تھی کہ کسی میں مقابلہ کی تاب نہ رہی، سب یک لخت تباہ وبرباد ہوگئے اور آج تک اُن کی تباہی کی داستانیں زبانوں پر ہیں! بلاشبہ پروردگار کی پکڑ دردناک اور سخت ہوتی ہے۔

اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ۚ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ قُلْ سَمُّوْهُمْ ؕ اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِى الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ؕ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾ لَهُمْ عَذَابٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۳۴﴾ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِىْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا ؕ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۖ وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ﴿۳۵﴾

اَفَمَنْ (۱)	کیا پس جو	وَجَعَلُوْا (۴)	اور ٹھہرائے انھوں نے	بِمَا (۵)	اس چیز کی
هُوَ	(کہ) وہ	لِلّٰهِ	اللہ پاک کے لئے	لَا يَعْلَمُ	(کہ) نہیں جانتے وہ
قَآئِمٌ	نگہبانی کرنے والا (ہے)	شُرَكَآءَ	شریک	فِى الْاَرْضِ	زمین میں (اس کو) (۶)
عَلٰى كُلِّ نَفْسٍ (۲)	ہر نفس کی	قُلْ	کہو	اَمْ بِظَاهِرٍ (۷)	یا (کہتے ہو تم) سرسری
بِمَا كَسَبَتْ	جو کمایا اس نے (اس کو	سَمُّوْهُمْ	نام لو اُن کے؟	مِّنَ الْقَوْلِ (۸)	بات
	سزا نہیں دے سکتا) (۳)	اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ	کیا خبر دیتے ہو تم ان کو	بَلْ زُيِّنَ	بلکہ خوشنما بنادی گئی

(۱) ترکیب: ہمزہ استفہام انکاری ہے ــ مَنْ موصولہ مبتدا ہے ــ جملہ اسمیہ هو قائم الخ صلہ ہے ــ ضمیر ھو راجع ہے مَنْ کی طرف (۲) عَلٰى اور با دونوں صلہ کے ہیں جس کی نگہبانی کی جاتی ہے اس پر عَلٰى داخل ہوتا ہے اور جس چیز کی نگہبانی کی جاتی ہے اس پر بَا داخل ہوتی ہے مثلاً قَامَ عَلٰى اَوْلَادِهٖ بِالتَّعْلِيْمِ: اولاد کی تعلیم کی نگرانی کی ــ بِمَا میں مَا مصدریہ ہے (۳) خبر محذوف کا ترجمہ ہے عربی میں لَا يَأْخُذُهُمْ عبارت بنے گی اور اس کا قرینہ گذشتہ آیت ہے پس یہاں قرینہ پہلے آیا ہے اور خبر کی یہ تقدیر شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے نکالی ہے (۴) وَجَعَلُوْا نیا جملہ ہے (۵) بَا صلہ کی ہے نَبَّأَ بالخبر: خبر دینا (۶) ضمیر محذوف کا ترجمہ ہے جو لَا يَعْلَمُ کا مفعول ہے اور ما موصولہ کی طرف راجع ہے (۷) بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ متعلق ہے محذوف سے ای تقولون (۸) مِنَ الْقَوْلِ میں مِنْ بیانیہ ہے۔

لِلَّذِيْنَ	ان کے لئے جنھوں نے	وَلَعَذَابُ	اور البتہ عذاب	مِنْ تَحْتِهَا	ان کے نیچے
كَفَرُوْا	انکار کی راہ اپنائی	الْاٰخِرَةِ	آخرت کا	الْاَنْهٰرُ	نہریں
مَكْرُهُمْ	ان کی چالیں	اَشَقُّ	زیادہ سخت (ہے)	اُكُلُهَا	اس کے پھل
وَصُدُّوْا	اور روک دیئے گئے وہ	وَمَا لَهُمْ	اور نہیں (ہے) ان کے لئے	دَآئِمٌ	دائمی (ہیں)
عَنِ السَّبِيْلِ (۱)	راہ راست سے	مِّنَ اللّٰهِ	اللہ پاک سے	وَّظِلُّهَا (۳)	اور اس کا سایہ (بھی)
وَمَنْ يُّضْلِلِ	اور جسے گمراہ کردیں	مِنْ وَّاقٍ (۲)	کوئی بچانے والا	تِلْكَ عُقْبَى	یہ (جنت) بدلہ (ہے)
اللّٰهُ	اللہ پاک	مَثَلُ	حالت (شان)	الَّذِيْنَ	ان لوگوں کا جو
فَمَا لَهٗ	تو نہیں اس کے لئے	الْجَنَّةِ	(اس) جنت (کی)	اتَّقَوْا	پرہیزگار ہوئے
مِنْ هَادٍ	کوئی راہ دکھانے والا	الَّتِيْ وُعِدَ	جس کا وعدہ کئے گئے ہیں	وَّعُقْبَى	اور بدلہ
لَهُمْ عَذَابٌ	ان کے لئے عذاب ہے	الْمُتَّقُوْنَ	خداترس بندے	الْكٰفِرِيْنَ	کافروں (کا)
فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا	دنیوی زندگی میں	تَجْرِيْ	بہتی ہیں	النَّارُ	آگ (دوزخ) ہے

غافل انسان خیال کرتا ہے کہ اللہ پاک کو اس کی حرکتوں کی کیا خبر اور وہ اللہ کے قابو میں کہاں آنے والا ہے!

ان آیات میں منکرین سے خطاب ہے۔ پچھلی آیت میں اُن کو در حدیث دیگراں سنایا تھا کہ جتنا چاہو ہمارے پیغمبر کا ٹھٹھا کرلو، مگر یاد رکھو کہ جب وقت آئے گا تو اللہ پاک ایسی سخت دارو گیر فرمائیں گے کہ چھٹی کا دودھ یاد آجائے گا۔ یہ بات سن کر بعض منکرین کے دل میں، جن کو اللہ پاک کی صفات کا صحیح ادراک نہیں، خیال پیدا ہوا کہ ہماری شرارتوں کا اللہ پاک کو کیا پتہ؟ اور اُن میں جو ڈھیٹ تھے وہ سمجھتے تھے کہ خاکم بدہن! اللہ پاک اُن کا کیا بگاڑ سکتے ہیں؟ وہ لوگ اللہ پاک کے قابو میں آنے والے کہاں؟ اللہ پاک ان سے ارشاد فرماتے ہیں — بھلا وہ خدا جو ہر نفس کے کاموں کی نگہبانی کرنے والا ہے (ان کو سزا نہیں دے سکتا؟) — یعنی وہ اللہ پاک جو ایک ایک متنفس کے حال سے فرداً فرداً واقف ہے، جن کی نگاہ سے کسی کا کوئی ادنیٰ عمل چھپا ہوا نہیں، جو ہر شخص کے کاموں کی ہر وقت نگرانی کرتے ہیں، ایک لمحہ کسی سے غافل نہیں

(۱) السَّبِيْلُ میں الف لام مضاف الیہ کے عوض میں ہے ای سبیل اللّٰہِ (۲) وَاقٍ اسم فاعل ہے اصل میں وَاقِيٌ تھا وَقٰى يَقِيْ وِقَايَةً حفاظت کرنا، بچانا (۳) ظِلُّهَا کا عطف اُكُلُهَا پر ہے۔

ہوتے، اُن کے بارے میں تمہارے یہ خیالات ہیں کہ ان کو تمہاری شرارتوں کا کیا پتہ؟ تم ان کے قابو میں آنے والے کہاں؟! یاد رکھو! مجرم ان سے چھوٹ کر کہیں بھاگ نہیں سکتے نہ اُنکا کوئی کام ان سے پوشیدہ رہ سکتا ہے۔ وقت آنے پر وہ ہر سرکش کو اس کی ہر شرارت کا مزہ چکھائیں گے۔

انسان کا یہ گمان کہ ''اللہ پاک کو ہمارے بہت سے کاموں کی خبر نہیں'' اس کی بربادی اور ہلاکت کا سبب ہے، قیامت کے روز جب انسان کے خلاف خود اس کے کان، آنکھیں اور کھالیں گواہی دیں گی تو انسان اپنے اعضاء کو لتاڑے گا کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی؟ وہ جواب دیں گے ہمیں اللہ پاک نے گویائی دی اس لئے ہم مجبور تھے بولنے پر، اور دربار خداوندی میں چونکہ کوئی جھوٹ نہیں چل سکتا اس لئے ہم نے سچ سچ بتا دیا، قیامت کا یہ منظر بیان فرما کر اللہ پاک سورۂ حم السجدۃ میں ارشاد فرماتے ہیں:

''اور تم دنیا میں اپنے آپ کو اس سے چھپا نہیں سکتے تھے کہ تمہارے کان، آنکھیں اور کھالیں تمہارے خلاف گواہی دیں (یعنی تم کوئی کام اپنے اعضاء سے چھپ کر نہیں کر سکتے تھے) لیکن تم اس گمان میں تھے کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے بہت سے کاموں کی خبر نہیں، اور تمہارے اس گمان نے، جو تم نے اپنے رب کے بارے میں قائم کیا تھا، تم کو برباد کیا، پس تم خسارے میں پڑ گئے'' (آیت ۲۲ اور ۲۳)

معبودانِ باطل اللہ کے عذاب سے بچا نہ سکیں گے

گفتگو کے اس مرحلہ میں مشرکین کے دلوں میں خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ چلو سب کچھ صحیح مگر ہم جن بتوں کی ڈنڈوت کرتے ہیں وہ ہماری مدد کریں گے وہ ہمیں اللہ پاک کی گرفت سے بچا لیں گے۔ اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں—— اور ان لوگوں نے اللہ پاک کے لئے شریک ٹھہرائے ہیں!—— یعنی تُف ہے ان کی اس جسارت پر کہ انھوں نے اللہ پاک کے ہمسر اور مدمقابل تجویز کئے ہیں! اُن سے—— کہو، نام تو لو اُن کا؟—— وہ کون کون ہیں؟ اور ان کے خدا تعالیٰ کے ہمسر ہونے کی دلیل کیا ہے؟—— یا تم اللہ تعالیٰ کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جسے وہ زمین میں نہیں جانتے—— یعنی خدا تعالیٰ کو تو تمام روئے زمین میں اپنی خدائی کا کوئی شریک (حصہ دار) معلوم نہیں، کیونکہ کوئی ہے ہی نہیں، پھر تم انہیں یہ کیا چیز بتلا رہے ہو جسے وہ جانتے نہیں؟—— یا تم بس یونہی سرسری بات کہتے ہو؟—— یعنی ایک چلتی ہوئی بات کہتے ہو؟ کچھ تو بولو تا کہ ہم سمجھیں کہ تمہارے شرک کی اور تمہارے ٹھہرائے ہوئے شرکاء کی حقیقت کیا ہے؟

سبحان اللہ! کس قدر معقول سوالات ہیں مگر مشرکین ان کے جوابات دیں تو کیا دیں؟ نام لیں تو کس کا لیں، اور پھر اس کے شریک خدا ہونے کی دلیل لائیں تو کہاں سے لائیں! اور صفائی سے اپنی پوزیشن کا اقرار کریں تو کیوں کر کریں؟

پس کیا اب امید رکھتے ہو کہ وہ قائل ہو جائیں گے اور شرارتوں سے باز آ جائیں گے، اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مسلمانوں کے خلاف چالیں چلنا بند کر دیں گے؟ ہرگز نہیں! — بلکہ منکرین کے لئے ان کی چالیں خوشنما بنادی گئی ہیں، اور وہ راہ راست سے روک دیئے گئے ہیں، اور جن لوگوں کو اللہ پاک بچلا دیں ان کو کوئی راہ دکھانے والا نہیں — یعنی وہ ہرگز اپنی شرارتوں سے باز آنے والے نہیں، شیطان نے ان کی چالیں ان کے لئے خوشنما بنادی ہیں اس لئے وہ اپنے موقف پر نظر ثانی کرنے کے لئے تیار نہیں، وہ اب بھی اپنی روش کو بجا سمجھتے ہیں، اور ان کے انہی کرتوتوں کی وجہ سے اللہ پاک نے اُن سے ان کی راہ راست پر آنے کی توفیق چھین لی ہے اور جس کی توفیق ہدایت چھن جائے اُسے راہ دکھانا کسی کے بس کی بات نہیں۔

اس آیت پاک سے یہ بات واضح ہوئی کہ جس طرح نیکی، نیکی کا سبب بنتی ہے اسی طرح برائی، برائی کا سبب بنتی ہے جن لوگوں نے سرکار دو عالم ﷺ کے خلاف محاذ آرائی کی، ان کی توفیق ہدایت چھین لی گئی۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص سچ بولنے کی کوشش کرتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ پاک کے نزدیک صدیق (نہایت سچا) لکھ دیا جاتا ہے، اسی طرح ایک شخص جھوٹ بولنے کی کوشش کرتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ پاک کے نزدیک مہا جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے[1] لہٰذا ہمیں چاہئے کہ ہمیشہ اچھے کام کرنے کی کوشش کریں اور برے کاموں سے، چاہے وہ کتنے ہی معمولی ہوں اپنے آپ کو محفوظ رکھیں۔ اللہ پاک ہمیں بات سمجھے کی توفیق عطا فرمائیں (آمین)

سرکش لوگوں کا انجام:

اب دیکھئے ان سرکشوں کا انجام — ان کے لئے دنیوی زندگی میں عذاب ہے اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی سخت ہے اور ان کو اللہ پاک کی گرفت (سے) کوئی بچانے والا نہیں — یعنی ان سرکشوں کو دنیا میں بھی سزا ملے گی چنانچہ ان آیتوں کے نزول کے چند سالوں کے بعد ایک ایک شیطان کی اچھی طرح مرمت ہوئی۔ ابو جہل جو ان کا سرغنہ تھا میدان بدر میں مارا گیا، ابولہب کتے کی موت مرا۔ غرض کوئی نہیں بچا جسے دنیا میں سزا نہ ملی ہو اور آخرت میں جو عذاب ان کے لئے تیار ہے اس کی ہولناکی اور سختی کا تو پوچھنا ہی کیا! اللہ پاک کی گرفت سے ان کو نہ کوئی دنیا میں بچا سکا اور نہ آخرت میں بچا سکے گا۔

اور آخرت کی سزا دوہری سزا ہے ایک دوزخ کی سزا اور دوسری جنت سے محرومی کی سزا۔ حدیث صحیح میں ہے کہ ہر جنتی کو جہنم کی وہ جگہ ضرور دکھائی جائے گی جہاں وہ برے کام کرنے کی صورت میں پہنچتا، تاکہ اس کی خوشی فزوں ہو جائے۔ اسی طرح ہر جہنمی کو جنت کی وہ جگہ ضرور دکھائی جائے گی جہاں وہ اچھے کام کرنے کی صورت میں پہنچتا، تاکہ اس کی حسرت

(۱) ملخصُ حدیثٍ متفقٍ علیه عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنه۔

بڑھ جائے —— حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ میت سے قبر میں سوالات کے بعد اگر میت مسلمان ہے تو اس کے لئے جنت کا ایک دروازہ کھولا جاتا ہے، اور اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ تیرا ٹھکانا ہے اور یہ وہ نعمتیں ہیں جو اللہ پاک نے تیرے لئے تیار کر رکھی ہیں جسے دیکھ کر مؤمن بہت خوش ہوگا، پھر اس مؤمن کے لئے جہنم کا ایک دروازہ کھولا جائے گا اور اُسے بتایا جائے گا کہ اگر تو نافرمانی کرتا تو یہ تیرا ٹھکانا ہوتا اور یہ سزائیں تجھے ملتیں (پھر وہ دروازہ بند کر دیا جائے گا) مؤمن یہ جان کر خوشی سے پھولا نہیں سمائے گا، ٹھیک اسی طرح کافر میت کے لئے جہنم کا دوازہ کھولا جاتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ تیرا ٹھکانا ہے اور یہ سزائیں تیرا انتظار کر رہی ہیں کافر کا رنج وغم اس سے بہت بڑھ جاتا ہے، پھر اس کیلئے جنت کا ایک دروازہ کھولا جاتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ اگر تو فرمانبرداری کرتا تو یہ تیرا ٹھکانا ہوتا اور یہ نعمتیں تجھے ملتیں (پھر وہ دروازہ بند کر دیا جاتا ہے) اس وقت کافر کی حسرت کا ٹھکانا نہیں رہتا[1]

خداترس بندوں کا انجام:

پھر ان کافروں کو سنانے کے لئے جنت کا کچھ حال بیان کیا جاتا ہے، تا کہ انہیں احساس ہو کہ وہ حضور پاک ﷺ کی مخالفت کر کے کیسی نعمت سے محروم رہ گئے، ارشاد فرماتے ہیں —— اس جنت کا حال جس کا خداترس بندوں سے وعدہ کیا گیا ہے یہ ہے کہ اس کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں اس کے پھل دائمی ہیں اور اس کا سایہ لازوال ہے۔

درختوں کی آبپاشی کے دو طریقے ہیں: ایک متعارف طریقہ جس میں نہر یا کنویں کے پانی سے درختوں کی جڑوں میں پانی بھر دیا جاتا ہے۔ دوسرا: غیر متعارف طریقہ جس میں زیر زمین قناتیں بنا کر پورے باغ میں نہریں جاری کر دی جاتی ہیں باغوں کی سینچائی کا یہ دوسرا طریقہ ملک شام میں رائج تھا اور عرب اپنے تجارتی اسفار کی وجہ سے اس سے اچھی طرح واقف تھے —— پہلے طریقے سے سینچائی کرنے سے زمین میں نمی صرف چند روز رہتی ہے، دھوپ اور ہو کی وجہ سے پانی جلد خشک ہو جاتا ہے اور دوسرے طریقے میں نمی دیر تک رہتی ہے، جس کی وجہ سے باغ نہایت سرسبز وشاداب رہتے ہیں مگر پہلے طریقے میں محنت کم ہے اور دوسرے طریقے میں زیر زمیں قناتیں بنانے کی محنت زیادہ ہے اس وجہ سے لوگ عام طور پر پہلے طریقے سے سینچائی کرتے ہیں مگر جنت کے باغات کی آبپاشی دوسرے طریقے پر ہوتی ہے جس کی وجہ سے جنت کے باغات ہمیشہ سرسبز وشاداب اور ہرے بھرے رہتے ہیں۔ اس کے پھل دائمی اور سایہ لازوال ہے، وہاں خزاں کا نام نہیں، وہاں سدا بہار ہے —— جنت کا سایہ دنیا کے سایہ کی طرح نہیں، کیونکہ وہاں چاند سورج نہیں، وہاں نور پھیلا ہوا ہے۔ سورج نکلنے سے ذرا دیر پہلے جو کیفیت ہوتی ہے اس طرح کا وہاں سماں ہوگا، اس لئے وہاں کے سایے کی کیفیت بھی بیان نہیں کی

(۱) رواه الطبرانی فی الاوسط وابن حبان فی صحیحه فی حدیث طویل (الترغیب والترہیب ص۳۷۲ ج۴)

جاسکتی، بس وہیں جاکر پتہ چلے گا کہ وہ کیسا ہے! دعا فرمائیں اللہ پاک ہم سب کو ان خوش نصیب انسانوں میں شامل فرمائیں جن کو جنت کے میوے اور سایے نصیب ہوں (آمین یارب العالمین) ـــــ یہ بدلہ ہے پرہیزگاروں کا اور کافروں کا بدلہ آگ ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ۭ قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ۭ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ۝ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ۭ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاۗءَهُمْ بَعْدَ مَا جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ۝ۧ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ۭ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ۝ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ وَيُثْبِتُ ښ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ۝

ع ۱۱

وَالَّذِيْنَ	اور وہ لوگ	بَعْضَهٗ	اس کی بعض باتیں	اَدْعُوْا (۲)	بلاتا ہوں میں
اٰتَيْنٰهُمُ	جن کو دی ہم نے	قُلْ	کہہ دیں	وَاِلَيْهِ	اور انہی کی طرف
الْكِتٰبَ	کتاب	اِنَّمَآ اُمِرْتُ	یہی حکم دیا گیا ہوں میں	مَاٰبِ (۳)	(میرا) لوٹنا (ہے)
يَفْرَحُوْنَ	خوش ہوتے ہیں	اَنْ اَعْبُدَ	کہ بندگی کروں	وَكَذٰلِكَ	اور ایسے ہی
بِمَآ اُنْزِلَ	اس سے جو نازل کیا گیا ہے	اللّٰهَ	اللہ پاک (کی)	اَنْزَلْنٰهُ	نازل کیا ہم نے اس کو
اِلَيْكَ	آپ کی طرف	وَلَآ اُشْرِكَ	اور نہ شریک ٹھہراؤں	حُكْمًا (۴)	فرمان
وَمِنَ الْاَحْزَابِ (۱)	اور فرقوں میں سے	بِهٖ	ان کے ساتھ	عَرَبِيًّا	عربی زبان کا
مَنْ يُّنْكِرُ	جو نہیں مانتے	اِلَيْهِ	انہی کی طرف	وَلَىِٕنِ	اور بخدا اگر

(۱) الاَحزَاب جمع حِزْبٌ کی: پارٹی: لوگوں کی جماعت، ہر وہ قوم جس کے خیالات وافکار ایک ہوں، اگرچہ آپس میں ملاقات نہ ہو (۲) اَدْعُوْا فعل مضارع کا صیغہ واحد متکلم ہے اور آخر میں الف اس قاعدے سے لکھا گیا جو آیت ۳۰ کے حاشیہ میں بیان کیا گیا ہے (۳) مَآبٌ مصدر ہے آب (ن) اَوْبًا و مَآبًا من السفر: لوٹنا، واپس ہونا۔ آخر سے اضافت کی یا محذوف ہے یا کا زیر اس کی علامت ہے (۴) حُكْمًا اور عَرَبِيًّا حال ہیں۔

اتَّبَعْتَ	پیروی کریں آپ	اَرْسَلْنَا	بھیجا ہم نے	اِلَّا بِاِذْنِ	مگر اجازت سے
اَهْوَآءَهُمْ	ان کی خواہشات کی	رُسُلًا	پیغامبروں کو	اللّٰهِ	اللہ پاک (کی)
بَعْدَ	بعد	مِّنْ قَبْلِكَ	آپ سے پہلے	لِكُلِّ اَجَلٍ	ہر مدت کے لئے
مَا	(اس کے) جو	وَجَعَلْنَا	اور بنائی ہم نے	كِتَابٌ	نوشتہ (ہے)
جَآءَكَ	آچکا آپ کے پاس	لَهُمْ	ان کے لئے	يَمْحُوا(۲)	مٹاتے ہیں
مِنَ الْعِلْمِ	یعنی علم سے	اَزْوَاجًا	بیویاں	اللّٰهُ	اللہ پاک
مَا لَكَ	نہیں ہے آپ کے لئے	وَّذُرِّيَّةً	اور بچے	مَا يَشَآءُ	جو چاہتے ہیں
مِنَ اللّٰهِ	اللہ پاک سے وَرے	وَمَا كَانَ	اور نہیں تھا	وَيُثْبِتُ	اور باقی رکھتے ہیں (جو
مِنْ وَّلِيٍّ	کوئی مددگار	لِرَسُوْلٍ	کسی رسول کے لئے		چاہتے ہیں)
وَّلَا وَاقٍ(۱)	اور نہ کوئی بچانے والا	اَنْ يَّاْتِيَ	کہ لے آئے	وَعِنْدَهٗ	اور انہی کے پاس (ہے)
وَلَقَدْ	اور بخدا! تحقیق	بِاٰيَةٍ	کوئی نشانی	اُمُّ الْكِتٰبِ(۳)	اصل کتاب

رسالت پر اہل کتاب کے تین اعتراضات کے جواب

گذشتہ آیتوں میں ان اعتراضات کے جوابات تھے جو مشرکین کی جانب سے نبی کریم ﷺ کی رسالت پر کئے گئے تھے، اب اِن آیتوں میں ان اعتراضات کے جوابات ہیں جو اہل کتاب یہود و نصاری کی جانب سے رسول اللہ ﷺ کی پیغمبری پر کئے گئے تھے۔ ان آیتوں میں ان کے تین اہم اعتراضوں کے جوابات نہایت دلنشین انداز میں دئے گئے ہیں، یہ جوابات ایک تمہید سے شروع ہوئے ہیں، جو بجائے خود تمام اعتراضوں کا جواب ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں:— اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب الٰہی دی ہے وہ اس کتاب سے خوش ہوتے ہیں جو ہم نے آپ پر نازل کی ہے— یعنی تورات و انجیل کے سچے حاملین، قرآن پاک سن کر نہایت خوش ہوتے ہیں، نجاشیؓ جو پہلے عیسائی تھے اور ملک حبشہ کے بادشاہ تھے جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے ان کے سامنے سورۂ مریم کی چند آیات پڑھیں تو وہ بے حد متاثر ہوئے اور آبدیدہ ہوگئے، اور حضرت جعفرؓ کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے اور فرمایا: ”خدا کی قسم یہ کلام اور انجیل دونوں ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں“—

(۱) وَاقٍ اسم فاعل ہے اصل میں وَاقِيٌ تھا (۲) يَمْحُوا فعل مضارع کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے آخر میں الف اسی قاعدے سے لکھا گیا ہے، جس کا تذکرہ آیت ۳۰ کے حاشیہ میں کیا گیا ہے۔ مَحَا يَمْحُوْ مَحْوًا الشيئَ: مٹانا (۳) خلیل نے تصریح کی ہے کہ ہر وہ چیز اُمٌّ سے موسوم کی جاتی ہے جس کی طرف اس کی تمام متعلق چیزیں ملادی جائیں۔

ہجرت کے کئی سال بعد ایک وفد جوستر عیسائیوں پر مشتمل تھا، نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپؐ نے اُن کو قرآن سنایا وہ کلام الٰہی سن کر وقف گریہ وبکا ہوگئے۔ آنکھوں سے آنسو اور زبان پر رَبَّنَا آمَنَّا کے کلمات جاری تھے۔

اسلام اور قرآن کے ساتھ اِن اہل کتاب کا یہ عمل شاہد ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی رسالت سچی ہے، مگر یہ حال تمام اہل کتاب کا نہیں، صرف تورات وانجیل کے سچے حاملین کا ہے مگر وہ آٹے میں نمک کے برابر ہیں، اکثر یہود ونصاری گمراہ ہو چکے تھے، تورات وانجیل کی تعلیمات سے برگشتہ ہو چکے تھے اور سینکڑوں فرقے وجود میں آگئے تھے ظاہر ہے کہ قرآن کریم کی تعلیمات ان گمراہ فرقوں کے عقائد پر منطبق نہیں ہوسکتی تھیں۔ اس لئے قرآن کریم کی وہ تعلیمات جو انکے مزعومہ عقائد کے خلاف تھیں اُن کے گلے نہیں اترتی تھیں، وہ اس کا انکار کرتے تھے۔ اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں —— اور فرقوں میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو اس (قرآن) کی بعض باتیں نہیں مانتے —— گمراہ عیسائیوں کا پہلا اور بنیادی عقیدہ یہ تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بعینہٖ خدا یا خدا کے بیٹے یا تین خداؤں میں سے ایک ہیں نجران کے ساٹھ عیسائیوں کا جو وفد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا: اس نے آپ سے بہت جھگڑا کیا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بندے ہیں، سورۂ آل عمران کی شروع کی نوے آیتیں انہی کو سمجھانے کے لئے نازل کی گئی ہیں، مگر اس وفد نے مان کر نہیں دیا —— قرآن پاک خالص توحید کی تعلیم دیتا ہے اور اس کا بیشتر حصہ اس کے لئے وقف ہے، یہ فرقے قرآن پاک کی خالص توحید کی تعلیم نہیں مانتے، اللہ پاک اپنے رسول کو حکم دیتے ہیں —— آپ کہہ دیں: مجھے یہی حکم ملا ہے کہ میں اللہ پاک کی بندگی کروں اور (کسی کو) ان کے ساتھ شریک نہ کروں، میں انہی کی طرف دعوت دیتا ہوں اور مجھے ان ہی کی طرف لوٹنا ہے —— یعنی اے پیغمبر! آپ صاف کہہ دیں کہ چاہے کوئی خوش ہو یا ناراض، مجھے تو اللہ پاک کی طرف سے یہی حکم ملا ہے کہ اُسی خدائے وحدہ لاشریک لہ کی بندگی کروں لہٰذا میں ساری دنیا کو اس کی دعوت دیتا ہوں اور خوب جانتا ہوں کہ مجھے انہی کی طرف لوٹنا ہے —— اور ایسا ہی (یعنی خاص توحید کی تعلیم پر مشتمل) ہم نے اس قرآن کو نازل کیا ہے اس حال میں کہ وہ عربی فرمان ہے —— یعنی جس طرح ہر پیغمبر کو اسی زبان میں کتاب الٰہی دی جاتی ہے جو اس کی قومی زبان ہوتی ہے، ایسے ہی آپؐ کو عربی قرآن دیا گیا ہے اور یہ قرآن حَکَم ہے یعنی لوگوں کے اختلافی مسائل میں فیصلہ کن ہے اور اس کا فیصلہ ناطق ہے، اور وہ فرمان خداوندی ہے، پس اس کا ماننا ضروری ہے —— اور بخدا! اگر آپ اس علم کے بعد جو آپ کے پاس آچکا ہے، ان کی خواہشات کی پیروی کریں تو اللہ پاک سے وَرے نہ کوئی آپ کا مددگار ہوگا نہ کوئی بچانے والا —— یعنی کوئی مانے نہ مانے آپ لوگوں کی خوشی اور ناخوشی کی پروا کئے بغیر قرآن پاک کی پیروی کریں، اور خالص توحید پر گامزن رہیں اگر بالفرض آپ ان لوگوں کی خواہشات کی طرف جھک گئے اور توحید میں شرک کی آمیزش کرلی تو آپ کو اُس کے وبال سے

کوئی نہیں بچا سکتا۔

ان آیتوں میں خطاب اگر چہ نبی کریم ﷺ سے ہے مگر مقصود امت کو سنانا ہے کہ قرآن کریم کی دعوت خالص توحید کی دعوت ہے، پس کسی مسلمان کے لئے اس بات کی گنجائش نہیں کہ وہ توحید میں شرک کی آمیزش کرلے، اگر کسی نے ایسا کیا تو اسے یاد رکھنا چاہئے کہ اسے اللہ پاک کی سزا سے کوئی بچا نہیں سکتا۔

اس تمہید کے بعد اب اہل کتاب کے اعتراضات کے جوابات ہیں:

پہلا اعتراض:—— یہود کہتے تھے کہ ان صاحب پر تو نکاح اور عورتوں کی فکر ہی سوار رہتی ہے، ان کی ساری تگ ودو اسی کے لئے ہے، بھلا پیغمبروں کا خواہشات نفسانی سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔

جواب:—— اور ہم نے یقیناً آپ سے پہلے بہت سے رسول بھیجے ہیں اور ہم نے ان کو بیویاں اور بچے بھی دیئے ہیں —— یعنی تم بیوی بچوں کو کس دلیل سے نبوت ورسالت کے منافی سمجھتے ہو، اللہ پاک کی تو یہ سنت رہی ہے کہ وہ اپنے پیغمبروں کو اہل وعیال والے بناتے ہیں۔ ماضی میں بہت سے انبیاء کرام گذرے ہیں جن کی نبوت کے تم بھی قائل ہو، وہ سب بیویوں والے اور اولاد والے تھے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی تین سو بیویاں اور سات سو باندیاں تھیں؟ کیا تم بھول گئے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی سو بیویاں تھیں پھر تم کس منہ سے یہ بات کہتے ہو؟

دوسرا اعتراض:—— وہ کہتے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام ید بیضاء اور عصاء کا معجزہ لائے تھے۔ حضرت مسیح علیہ السلام اندھوں کو بینا اور کوڑھیوں کو تندرست کرتے تھے۔ صالح علیہ السلام نے اونٹنی کا معجزہ دکھایا، تم کیا نشانی لے کر آئے ہو؟ تم کیسے رسول ہو جو کوئی معجزہ نہیں دکھاتے؟

جواب:—— اور کسی پیغمبر کے اختیار میں نہیں کہ وہ کوئی نشانی اللہ پاک کی اجازت کے بغیر دکھائے —— یعنی جس پیغمبر نے جو نشانی دکھائی وہ اپنے اختیار سے نہیں دکھائی اللہ پاک نے جس وقت جس پیغمبر کے ذریعے جو معجزہ ظاہر کرنا مناسب سمجھا وہ ظاہر کیا، اب اگر اللہ پاک کی مصلحت ہوگی تو وہ جو کچھ چاہیں گے دکھائیں گے میرے اختیار میں کوئی معجزہ دکھانا نہیں، جو تم مجھ سے مطالبہ کرتے ہو۔

تیسرا اعتراض:—— اہل کتاب کہتے تھے کہ جب پہلے آئی ہوئی کتابیں موجود ہیں تو اس نئی کتاب کی کیا ضرورت ہے؟ آپ کہتے ہیں کہ اب وہ منسوخ ہیں اور اس نئی کتاب کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے مگر کوئی کتاب الٰہی منسوخ کیسے ہو سکتی ہے؟ احکام خداوندی کبھی منسوخ نہ ہونے چاہئیں کیونکہ کوئی حکم جاری کرنے کے بعد منسوخ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ حکم جاری کرنے والے کو حالات کا اندازہ نہیں تھا اس لئے حالات بدلنے کے بعد اس کو منسوخ کرنا پڑا اور ظاہر ہے کہ حق

تعالیٰ کی شان اس سے بلند وبالا ہے کہ کوئی چیز ان کے علم سے باہر ہو۔

جواب:—— ہر زمانے کے لئے ایک کتاب ہے اللہ پاک جو کچھ چاہتے ہیں مٹا دیتے ہیں۔ اور جس چیز کو چاہتے ہیں باقی رکھتے ہیں۔ اور اصل کتاب انہی کے پاس ہے—— یعنی احکام ہر زمانے اور قوم کے مناسب حال آتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے مختلف رسولوں کے ذریعہ اپنی کتابیں بھیجی ہیں۔ اور یہ ضروری نہیں کہ سب احکام دائمی ہوں، بلکہ قوموں کے حالات اور زمانے کے تغیرات کے اعتبار سے اپنی حکمت بالغہ سے جس حکم کو چاہتے ہیں مٹا دیتے ہیں اور جس حکم کو چاہتے ہیں باقی رکھتے ہیں اور اصل کتاب انہی کے پاس ہے—— جس میں پہلے ہی سے یہ لکھا ہوا ہے کہ فلاں حکم جو فلاں قوم کے لئے نازل کیا گیا ہے، ایک خاص میعاد کے لئے یا خاص حالات کے لئے ہے۔ جب وہ میعاد گذر جائے گی یا وہ حالات بدل جائیں گے، تو وہ حکم بھی بدل جائے گا۔

الحاصل جس حکم کو منسوخ کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے سے ہوتا ہے کہ یہ حکم صرف اتنی مدت کے لئے ہے، اس کے بعد بدلا جائے گا جیسے مریض کو دیکھ کر حکیم یا ڈاکٹر ایک دوا اس کے مناسب حال تجویز کرتا ہے مگر وہ جانتا ہے کہ اس دوا کا یہ اثر ہوگا اور اتنے دنوں کے بعد اس دوا کو بدل کر دوسری دوا دی جائے گی۔

یہاں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ گذشتہ تمام آسمانی کتابیں خاص زمانے اور خاص حالات کے لئے تھیں اور اللہ تعالیٰ ہر مابعد کتاب میں ماسبق کتاب کے ثابت احکام نقل فرما دیتے ہیں اور زمانے کے بدلنے سے بدل جانے والے احکام موقوف کر دیتے ہیں، اسی طرح سلسلہ چلتا رہا تا آنکہ قرآن پاک کا نمبر آیا۔ اب قرآن پاک کو گذشتہ تمام کتابوں کے لئے مُهَيۡمِنُ (نگہبان) بنایا ہے، ان کتابوں کے تمام ثابت احکام قرآن پاک میں نقل کر دیئے ہیں اور جن احکام کا دور ختم ہوگیا ان کو اللہ پاک نے موقوف کر دیا ہے ان کو قرآن پاک میں بیان نہیں کیا، اور نئے زمانے کے تقاضوں کے مطابق نئے احکام نازل فرمائے ہیں۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوسکتا ہے کہ نزول قرآن کے بعد بھی تو حالات بدلیں گے پس تغیر پذیر دنیا کے لئے نئے احکامات آنے چاہئیں۔ قرآن کریم قیامت تک کے احکام کے لئے کیونکر کافی ہوسکتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ پچھلی کتابوں میں اور قرآن کریم میں کئی وجوہ سے فرق ہے:

پہلا فرق:—— گذشتہ کتابیں تحریف اور ضائع ہونے سے محفوظ نہیں تھیں اور قرآن پاک کی حفاظت کا اللہ پاک نے ذمہ لیا ہے اس میں نہ کوئی تحریف ہوسکتی ہے نہ وہ ضائع ہوسکتی ہے اس وجہ سے پہلے جب لوگ اللہ پاک کی کتاب میں تحریف کر ڈالتے تھے تو اللہ پاک دوسری کتاب نازل فرماتے تھے اور اب چونکہ قرآن پاک ہمیشہ کے لئے محفوظ ہے

اس وجہ سے دوسری کتاب کی ضرورت نہیں۔

دوسرا فرق:— گذشتہ کتابیں معجزہ نہیں تھیں اور قرآن کریم معجزہ ہے یعنی گذشتہ کتابیں انسان کا کلام تھیں، اس لئے ان میں جامعیت اور ہمہ گیری کی شان نہیں تھی اور قرآن کریم معجزہ ہے، وہ اللہ کا کلام ہے، اس لئے اس میں محیر العقول جامعیت اور ہمہ گیری کی شان ہے، اور وہ قیامت تک کے مسائل کو اپنے جلو میں لئے ہوئے ہے۔

تیسرا فرق:— گذشتہ کتابیں جزئیات پر مشتمل تھیں اور جزئیات میں زمانے کے بدلنے سے تغیر ہوتا ہے اور قرآن کریم میں اصول بیان کئے گئے ہیں اور جزئیات کو اصول کے دامن میں سمیٹ لیا گیا ہے۔ قرآن کریم میں اگر کوئی جزوی حکم بیان ہوا بھی ہے تو وہ جزئی ہونے کی حیثیت سے نہیں بیان ہوا بلکہ وہ اپنے جلو میں کوئی کلی اصول لئے ہوئے ہے، جن سے جزئیات کا استنباط ہوتا رہتا ہے۔

غرض: پس جب قرآن پاک قیامت تک محفوظ ہے اور اس میں تمام جامع اصول موجود ہیں تو اب جو نئے مسائل پیش آئیں گے مجتہدین ان کے احکام انہی اصولوں سے مستنبط کرلیں گے۔ اب کسی نئی کتاب کی ضرورت نہیں۔

قرآن پاک آفاقی اور ابدی کتاب ہے، اس میں ساری دنیا کے لئے اور قیامت تک کے لئے ہدایت کا سامان موجود ہے۔

وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴿۴۰﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ؕ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۴۱﴾ وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ؕ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ؕ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۴۲﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ؕ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۢ بَيْنِیْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴿۴۳﴾

وَاِنْ مَّا (۱)	اور اگر	نُرِيَنَّكَ	دکھادیں ہم آپ کو	بَعْضَ (۲)	کوئی حصہ

(۱) مَا فقط شرط کے معنی کی تاکید کے لئے ہے اس لئے اس کا ترجمہ نہیں کیا (۲) جملہ ناقصہ بَعْضَ الَّذِیْ الخ مفعول ثانی ہے نُرِيَنَّ کا۔

الَّذِیْ	اس (عذاب) کا جس کا	لَا	نہیں	الْكُفّٰرُ	کافر
نَعِدُهُمْ	وعدہ کر رہے ہیں ہم ان سے	مُعَقِّبَ (۳)	کوئی فیصلہ کرنے والا	لِمَنْ	(کہ) کس کیلئے (ہے)
اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ	یا اٹھالیں ہم آپ کو	لِحُكْمِهٖ	ان کے فیصلے کے خلاف	عُقْبَى (۴)	اچھا بدلہ
فَاِنَّمَا (۱)	بہرصورت بس	وَهُوَ	اور وہ	الدَّارِ	اس گھر کا
عَلَيْكَ	آپ کے ذمہ (ہے)	سَرِيْعُ	بڑی جلدی لینے والے	وَيَقُوْلُ	اور کہہ رہے ہیں
الْبَلٰغُ	پیغام پہنچادینا		(ہیں)	الَّذِيْنَ	وہ لوگ جنھوں نے
وَعَلَيْنَا	اور ہمارے ذمے (ہے)	الْحِسَابِ	حساب	كَفَرُوْا	اسلام کا انکار کیا
الْحِسَابُ	حساب لینا	وَقَدْ مَكَرَ	اور تحقیق داؤ کیا	لَسْتَ	نہیں ہو تم
اَوَلَمْ	کیا اور نہیں	الَّذِيْنَ	ان لوگوں نے جو	مُرْسَلًا	خدا کے بھیجے ہوئے
يَرَوْا	دیکھ رہے وہ	مِنْ قَبْلِهِمْ	ان سے پہلے ہوئے	قُلْ كَفٰى	آپ کہیں کافی ہیں
اَنَّا نَاْتِي	کہ ہم چلے آتے ہیں	فَلِلّٰهِ	سو اللہ پاک ہی کے	بِاللّٰهِ (۵)	اللہ پاک
الْاَرْضَ	ان کی زمین (پر)		لئے ہیں	شَهِيْدًا	گواہ
نَنْقُصُهَا (۲)	درانحالیکہ گھٹا رہے	الْمَكْرُ جَمِيْعًا	ساری تدبیریں	بَيْنِيْ	میرے درمیان
	ہیں ہم اس کو	يَعْلَمُ	جانتے ہیں وہ	وَبَيْنَكُمْ	اور تمہارے درمیان
مِنْ اَطْرَافِهَا	اس کے کناروں سے؟	مَا تَكْسِبُ	(اس کو) جو کماتا ہے	وَمَنْ (۶)	اور وہ شخص
وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	كُلُّ نَفْسٍ	ہر شخص	عِنْدَهٗ	جس کے پاس
يَحْكُمُ	فیصلہ فرماتے ہیں	وَسَيَعْلَمُ	اور ابھی جان لیں گے	عِلْمُ الْكِتٰبِ	آسمانی کتاب کا علم ہے

اسلام اپنی خاموش تبلیغ کے ذریعہ پھیلتا رہا اور مخالفین اسلام کے پیروں تلے سے زمین نکلتی رہی!

چونتیسویں آیت میں اللہ پاک نے رسول اللہ ﷺ کے مخالفین کو دھمکی دی تھی کہ ان کے لئے دنیوی زندگی میں

(۱) فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الخ شرط کی جزاء ہے دوسری ترکیب یہ بھی ہوسکتی ہے کہ جزا محذوف ہو اور فَاِنَّما اس کا قرینہ ہو وتقدیرہ فَاِنَّا قَادِرُوْنَ (ہم ہرصورت میں قادر ہیں) (۲) جملہ نَنْقُصُهَا حال ہے نَاْتِيْ کے فاعل سے یا اس کے مفعول سے (۳) عَقَّبَ الْحَاكِمُ عَلٰى حكم سَلَفِهٖ: حاکم کا اپنے سلف کے فیصلے کے خلاف فیصلہ کرنا (۴) عقبیٰ کے لئے دیکھئے آیت ۲۲ کا حاشیہ (۵) کفیٰ کے فاعل پر باکی زیادتی ہوتی ہے پس کلمہ اللہ محلاً مرفوع ہے اور شھیدا تمیز ہے۔ (۶) وَمَنْ عِنْدَهٗ الخ معطوف ہے اَللّٰهُ پر جو كَفٰى کا فاعل ہے۔

عذاب ہے، وہ یہ سن کر کہا کرتے تھے کہ تم جس عذاب کی دھمکیاں دے رہے ہو وہ آخر آ کیوں نہیں جاتا؟ اُس کے آنے میں دیر کیوں لگ رہی ہے؟ ہماری روش غلط ہے اور تم خدا کا کام کر رہے ہو تو خدا ہمیں ہمارے برے کاموں کی سزا کیوں نہیں دیتا؟ اللہ پاک اپنے برگزیدہ رسول سے ارشاد فرماتے ہیں —— اور خواہ ہم آپ کو کوئی حصہ اس عذاب کا دکھا دیں جس کا ہم اُن سے وعدہ کر رہے ہیں یا آپ کو اٹھا لیں بہر صورت آپ کے ذمے صرف پیغام حق پہنچا دینا ہے اور حساب لینا ہمارا کام ہے —— یعنی ہو سکتا ہے جس عذاب کی دھمکی مخالفین کو دی جارہی ہے اس کا کچھ حصہ رسول اکرم ﷺ کی زندگی ہی میں ظاہر ہو جائے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پورا عذاب آپؐ کے بعد ظاہر ہو۔ بہر حال جو کچھ ہونے والا ہے ہو کر رہے گا خواہ جلد ظہور میں آئے یا دیر سے، مخالفین ڈھیل ہوتی دیکھ کر بے فکر نہ ہو جائیں، بلکہ —— کیا وہ لوگ دیکھ نہیں رہے کہ ہم ان کی عملداری کو اس کے کناروں سے گھٹاتے چلے جارہے ہیں؟ —— یعنی کیا مخالفین کو نظر نہیں آرہا کہ اسلام کا اثر اُن کی قلمرو میں پھیلتا جارہا ہے۔ اور کفر کی عملداری گھٹتی جارہی ہے۔ انکی سرزمین اسلامی جہاد کے نتیجہ میں آہستہ آہستہ رسول اللہ ﷺ کی عملداری میں چلی آرہی ہے اور چاروں طرف سے اُن پر دائرہ تنگ ہوتا جارہا ہے۔ کیا اس میں اُن کو اپنی شامت نظر نہیں آرہی؟ کیا اب بھی وہ اس خام خیالی میں مبتلا ہیں کہ ''ہم ہی غالب رہیں گے''(۱)

اسلام اپنی خاموش تبلیغ کے ذریعے مسلسل پھیل رہا تھا، مکہ کی بہت سی اہم شخصیتیں مسلمان ہو چکی تھیں، اطراف مکہ کے قبائل اسلام کے دائرے میں چلے آرہے تھے، مدینہ شریف جو اہل مکہ کی تجارتی شاہراہ پر واقع تھا، اس کے دونوں قبیلے اَوس وخزرج مسلمان ہو چکے تھے اور اسلامی جہاد شروع ہونے سے دوسرے عرب قبائل کا تعلق بھی اہل مکہ سے کٹ کر رسول اللہ ﷺ سے جڑتا جارہا تھا، اس طرح مخالفین اسلام کی زمین دن بدن سکڑتی جارہی تھی کیا اس صورت حال میں دیدۂ انجام بیں کے لئے کوئی سبق نہیں؟ یاد رکھو، عنقریب وہ وقت آنے والا ہے کہ اہل مکہ کیلئے انکے اپنے گھر بھی تنگ ہو جائیں گے۔ یہ اللہ پاک کا اٹل فیصلہ ہے —— اور اللہ پاک فیصلہ فرماتے ہیں، ان کے فیصلے کے خلاف کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں اور وہ بڑی جلدی داروگیر فرمانے والے ہیں۔

اور مخالفین رسول اللہ ﷺ کی دعوت کو شکست دینے کے لئے جو ہتھیار استعمال کر رہے ہیں، اور جو چالیں چل رہے ہیں اس سے دین حق کو کوئی نقصان پہنچنے والا نہیں، ماضی میں بارہا ایسی کوششیں کی جاچکی ہیں مگر اللہ پاک نے وہ سب تدبیریں انہی پر الٹ دی ہیں، ارشاد فرماتے ہیں —— اور یقیناً ان لوگوں نے (بھی) مخالفانہ تدبیریں کیں جو ان سے پہلے ہو چکے ہیں سو اللہ پاک ہی کے لئے ہیں ساری تدبیریں —— وہ جانتے ہیں جو ہر شخص کرتا ہے —— یعنی کسی کا

(۱) دیکھئے سورۃ الانبیاء آیت ۴۴۔

کوئی کھلا چھپا کام اُن سے پوشیدہ نہیں وہ ان مکاروں کو ان کی چالوں کا خوب مزہ چکھائیں گے —— اور ابھی جان لیں گے کافر کہ اچھا بدلہ کس کے لئے ہے؟ —— یعنی دنیا کی زندگی تمام ہوتے ہی ان کو پتہ چل جائے گا کہ نیک انجامی کس کے لئے مقدر ہے؟

پھر آخری آیت میں واضح کیا ہے کہ حق وباطل کی موجودہ آویزش کا سبب کیا ہے؟ ارشاد فرماتے ہیں —— اور منکرین کہہ رہے ہیں کہ: ''تم خدا کے بھیجے ہوئے نہیں ہو'' آپ کہہ دیں ''میرے اور تمہارے درمیان اللہ پاک کی گواہی کافی ہے اور ان لوگوں کی گواہی جو آسمانی کتابوں کا علم رکھتے ہیں'' —— یعنی اصل نزاع آپ کو رسول ماننے نہ ماننے کا ہے، آپ کا دعوی ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں، مجھے اللہ کا رسول مانو، لوگ اس کے لئے تیار نہیں، وہ کہتے ہیں: تم اللہ کے بھیجے ہوئے نہیں ہو! وہ ہر طرح سمجھانے پر بھی ماننے کے لئے تیار نہیں، پس آپ ان سے یہ بات کہہ کر گفتگو ختم کردیں کہ اس معاملہ میں اللہ پاک کی گواہی کافی ہے اور جن لوگوں کو آسمانی کتابوں کا علم ہے ان کی گواہی کافی ہے، یعنی یہ دونوں گواہیاں میرے حق میں موجود ہیں اور تمہارا انکار محض اپنی بات کی پچ ہے۔

اہل کتاب کی چند گواہیاں:

رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے حق میں اللہ پاک کی گواہیاں تو ہم برابر تلاوت کرتے آرہے ہیں اور آئندہ بھی تلاوت کریں گے، البتہ اہل کتاب کی چند گواہیاں پڑھ لیں تاکہ ایمان تازہ ہوجائے۔

پہلی گواہی: —— رجب سنہ ۵ نبوی میں مشرکین مکہ کے ظلم وستم سے تنگ آکر تقریباً ایک سو مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی، قریش نے وہاں بھی ان کو چین کا سانس نہیں لینے دیا، انھوں نے فوراً ایک وفد روانہ کیا اور شاہ حبش سے ان کا مطالبہ کیا، شاہ حبشہ نے مسلمانوں کو اپنے دربار میں بلایا، اور ان سے حقیقت حال دریافت کی، حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے بے کم وکاست تمام صورت حال بیان کی، نجاشی رحمہ اللہ نے پوچھا تمہیں قرآن کا کوئی حصہ یاد ہے۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے سورۂ مریم کا ابتدائی حصہ تلاوت کیا، بادشاہ اور تمام درباری سن کر رو پڑے، اور نجاشی نے کہا: یہ کلام اور وہ کلام جو عیسیٰ علیہ السلام لے کر آئے ہیں: دونوں ایک ہی شمع کے پرتو ہیں۔ اور حضرت جعفرؓ سے درخواست کی کہ اس پاکیزہ کلام میں سے کچھ اور سناؤ۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے ایک دوسری سورت پڑھ کر سنائی، نجاشی رحمہ اللہ نے سن کر کہا: بے شک حق ہے تم نے سچ کہا اور تمہارے نبی ﷺ نے بھی سچ کہا اور خدا کی قسم تم سب راست باز ہو۔ اللہ کے نام پر یہاں امن وامان سے رہو۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ بادشاہ نے کہا: میں تمہیں خوش آمدید کہتا ہوں اور انہیں بھی جن

کے پاس سے تم آئے ہو میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں اور یقیناً وہی پیغمبر ہیں جن کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خبر دی ہے، اگر سلطنت کا کام نہ ہوتا تو میں ضرور آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور آپ کی جوتیوں کو چومتا

فرضی اللّٰہ تعالی عنہ رضاً لایسخط بعدَہُ ابدًا۔

دوسری گواہی:۔۔۔۔حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ تورات کے بڑے عالم تھے، حضرت یوسف علیہ السلام کی نسل سے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ کو آقائے نامدار ﷺ کی تشریف آوری کی خبر ایسے وقت پہنچی کہ آپ کھجور کے درخت پر چڑھے ہوئے تھے، آپ نے خوشی میں وہیں سے اللّٰہ اکبر کا نعرہ لگایا، ان کی پھوپھی نے کہا: اگر تو موسیٰ علیہ السلام کی آمد کی خبر سنتا تب بھی اس سے زیادہ خوش نہ ہوتا۔ آپ نے جواب دیا: جی ہاں! خدا کی قسم یہ بھی موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہیں، وہی دین دے کر بھیجے گئے ہیں جو موسیٰ علیہ السلام دے کر بھیجے گئے تھے، ان کی پھوپھی نے کہا: بھتیجے! کیا یہ وہی نبی ہیں جن کی خبریں ہم سنتے آئے ہیں کہ وہ قیامت کے سانس کے ساتھ مبعوث ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: جی ہاں یہ وہی نبی ہیں۔

اس کے بعد آپ زیارت نبوی کے لئے حاضر ہوئے، فرماتے ہیں: میں نے چہرۂ انور کو دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ چہرہ جھوٹے آدمی کا چہرہ نہیں ہوسکتا۔

تیسری گواہی:۔۔۔۔حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ جن کی عمر ڈھائی سو سال سے زیادہ بتلائی جاتی ہے، ان کو عیسائی پادریوں سے نبی آخرالزماں ﷺ کی تین علامتیں پہنچی تھیں، ایک یہ کہ وہ صدقہ کا مال نہیں کھائیں گے، دوسری یہ کہ وہ ہدیہ کی چیز کھائیں گے اور تیسری یہ کہ آپ کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی۔

جب رسول اللہ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں وارد ہوئے تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کچھ کھجوریں لے کر حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ آپ سب حضرات ضرورت مند ہیں اس لئے میں آپ کے لئے اور آپ کے ساتھیوں کے لئے یہ صدقہ پیش کرتا ہوں۔ آپؐ نے اپنی ذات کے لئے صدقہ قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا: میں صدقہ نہیں کھاتا اور صحابۂ کرام کو اجازت دی کہ وہ کھائیں۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دل میں سوچا کہ ایک علامت صحیح نکلی، پھر چند روز کے بعد دوبارہ کھجوریں لے کر حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ آپ کی خدمت میں کچھ ہدیہ پیش کروں، آپ صدقہ تو قبول نہیں فرماتے۔ اس لئے یہ ہدیہ لے کر حاضر ہوا ہوں۔

آپ ﷺ نے وہ ہدیہ قبول فرمایا اور خود بھی تناول فرمایا اور صحابہ کرام کو بھی کھلایا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

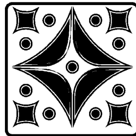
نے دل میں سوچا کہ دو علامتیں تو صحیح ثابت ہوئیں۔اب تیسری کا مسئلہ تھا، مہر نبوت پیٹھ پر تھی۔اور پیٹھ مبارک کپڑوں سے ڈھکی رہتی تھی۔حضرت سلمان فرماتے ہیں کہ ایک روز جبکہ آپؐ ایک جنازے کی تدفین کے لئے بقیع میں تشریف فرما تھے۔میں حاضر ہوا میں نے سلام کیا اور پشت مبارک کی طرف گھومنے لگا آپ سمجھ گئے اور اپنی چادر مبارک کمر سے ہٹادی حضرت سلمان نے مہر نبوت کو دیکھا تو جوش میں اس پر جھک گئے، اور چومنا اور رونا شروع کردیا، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: سامنے آؤ، کیا بات ہے؟ وہ سامنے آئے اور سارا قصہ سنایا اور مشرف باسلام ہوئے اللہ پاک اُن کو اپنی خوشنودی کی دولت سے مالا مال فرمائیں۔آمین۔

چوتھی گواہی: ـــــ جب حضور اقدس ﷺ نے شاہان عجم کے نام دعوتی والا نامے ارسال فرمائے تو حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ قیصر روم کو بھی والا نامہ بھیجا، جب حضرت دحیہ والا نامہ لے کر قیصر کے پاس پہنچے اور وہ قیصر کے سامنے پڑھا گیا تو اس کا بھتیجا نہایت غصہ میں بھر گیا۔اس نے کہا: یہ خط مجھے دید یجئے، قیصر نے کہا تو کیا کرے گا؟ اس نے کہا: یہ پڑھنے کے قابل نہیں، کیونکہ اس کی ابتداء آپ کے نام سے نہیں ہے بلکہ بھیجنے والے نے اپنے نام سے ابتداء کی ہے۔پھر آپ کو بادشاہ کے بجائے روم کا بڑا آدمی لکھا ہے قیصر نے کہا: تو بے وقوف ہے کیا تو یہ چاہتا ہے کہ میں ایسے شخص کا خط پھینک دوں جس کے پاس ناموس اکبر (حضرت جبرئیل علیہ السلام) آتے ہیں اگر وہ نبی ہیں تو ان کو اسی طرح لکھنا چاہئے۔

بعض روایات میں ہے کہ اس نے خط کو پڑھ کر چوما اور سر پر رکھا پھر ریشمی کپڑے میں لپیٹ کر اپنے پاس رکھ لیا اور پوپ کو طلب کیا اور اس سے مشورہ کیا۔پوپ نے کہا: بیشک یہ نبی آخر الزماں ہیں، جن کی بشارتیں ہماری کتاب میں ہیں۔قیصر نے کہا: مجھے بھی اس کا یقین ہے مگر مشکل یہ ہے کہ اگر میں مسلمان ہو جاتا ہوں تو یہ لوگ مجھے قتل کر دیں گے۔اور سلطنت جاتی رہے گی۔افسوس! اس نے دنیا کی لالچ میں دین برباد کر لیا، سب کچھ جانتے ہوئے بھی فیض محمدی سے محروم رہا، سچ کہا ہے کسی نے:

تہی دستان قسمت راچہ سود از رہبر کامل ❁ کہ خضر ز آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

تباہی ان لوگوں کے لئے مقدر ہے جو دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ ابراہیم

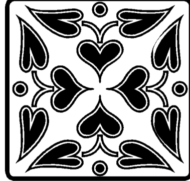
نمبر شمار ۱۴ نزول کا نمبر ۷۲ نزول کی نوعیت مکی رکوع ۷ آیات ۵۲

یہ پوری سورت مکہ شریف میں نازل ہوئی ہے۔نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر بہتر ہے یعنی مکی دور کے آخر میں نازل ہوئی ہے، یہ زمانہ مسلمانوں کے لئے نہایت پریشان کن تھا، حق و باطل کی آویزش زوروں پر تھی۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مشرکین کی شرارتیں ناقابل برداشت تھیں، ایسے پرآشوب دور میں یہ سورت نازل ہوئی ہے —— اس سورت کی پینتیسویں آیت سے اکتالیسویں آیت تک سیدنا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی چند دعائیں آئی ہیں۔ جو سورت کی موعظت کا نقطۂ عروج ہیں۔ اس وجہ سے اس سورت کا نام ابراہیم رکھا گیا ہے اس نام کا یہ مطلب نہیں کہ اس سورت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سوانح عمری بیان ہوئی ہے، بلکہ اس نام کا مطلب یہ ہے کہ یہ وہ سورت ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعائیں ہیں۔

مضامین:

مکی سورتوں کی طرح اس سورت کے بنیادی مضامین بھی تین ہیں: توحید، رسالت اور آخرت، سورت کا آغاز بیان مدعا سے ہوا ہے۔ مدعا یہ ہے کہ قرآن کریم کلام خداوندی ہے۔ حضور اقدس ﷺ نبی برحق ہیں، لوگوں کو خدائے وحدہ لاشریک لہ کی راہ پر گامزن ہونا چاہئے اور منکرین دعوت کے لئے بڑی تباہی ہے، ساتھ ہی منکرین کی نفسیات بھی بیان فرمائی ہیں —— اس کے بعد چوتھی آیت میں رسالت اور قرآن پاک کے کلام الٰہی ہونے پر وارد ہونے والے ایک شبہ کا جواب ہے —— پھر آیت پانچ سے آٹھ تک سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سرگذشت ہے، جس کے مخاطب مسلمان بھی ہیں اور اہل مکہ (کفار) بھی —— پھر آیت نو سے تمام انبیاء کرام کی مجموعی سرگذشت ہے اور اس کے مخاطب بھی اہل ایمان اور اہل کفر دونوں ہیں۔ یہ سلسلہ آیت سترہ تک چلا گیا ہے —— پھر آیت اٹھارہ سے بائیس تک منکرین کے تین باطل گمانوں کی حقیقت کھولی گئی ہے۔ پھر آیت تیئیس میں بطور مقابلہ مؤمنین کا انجام بیان ہوا ہے، اس کے بعد آیت

چوبیس سے توحید کی دعوت شروع کی ہے، پہلے مثالوں سے کلمہ ایمان اور کلمۂ کفر کا فرق سمجھایا ہے پھر آیت اٹھائیس میں بیان کیا ہے کہ ان لوگوں کا معاملہ عجیب ہے، جنھوں نے نعمت خداوندی کو کفر سے بدل ڈالا، پروردگار کے مقابل ہمسر تجویز کر لئے ، حالانکہ ان کے جد امجد سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی تو ان کے حق میں تمنائیں اور دعائیں یہ تھیں کہ وہ شرک کی آلودگی سے کوسوں دور رہیں۔ بیت الحرام کا حق ادا کریں اور نمازیں قائم کریں مگر وہ ہیں کہ پروردگار کی نعمتوں کو کفران سے بدل رہے ہیں —— پھر آیت بیالیس سے آخر سورت تک سورت کی آخری موعظتیں ہیں جن میں دھمکی کا رنگ غالب ہے اللہ پاک ہم سب کو اس سورت پاک کی بغور تلاوت کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)



آیاتہا ۵۲ | سورۃ ابراہیم مکیۃ (۱۴) (۷۲) | رکوعاتہا ۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ قف كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ﴿۱﴾ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدِ ۙ﴿۲﴾ الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۳﴾

بِسْمِ اللّٰهِ	نام سے اللہ پاک (کے)	اِلَى النُّوْرِ	روشنی کی طرف	وَمَا فِي الْاَرْضِ	اور زمین میں (ہیں)
الرَّحْمٰنِ	نہایت مہربان	بِاِذْنِ (۲)	اجازت (توفیق) سے	وَوَيْلٌ	اور بڑی تباہی (ہے)
الرَّحِيْمِ	بڑے رحم والے	رَبِّهِمْ	ان کے رب (کی)	لِّلْكٰفِرِيْنَ	منکرین کے لئے
الٓرٰ	الف، لام، را	اِلٰى صِرَاطِ (۳)	راہ کی طرف	مِنْ عَذَابٍ	عذاب کی وجہ سے
كِتٰبٌ (۱)	(یہ) ایک کتاب (ہے)	الْعَزِيْزِ	زبردست	شَدِيْدِ	سخت
اَنْزَلْنٰهُ	جسے نازل کیا ہے ہم نے	الْحَمِيْدِ (۴)	بڑی خوبیوں والے	الَّذِيْنَ (۶)	جو
اِلَيْكَ	آپ کی طرف	اللّٰهِ (۵)	اللہ تعالیٰ (کی)	يَسْتَحِبُّوْنَ	ترجیح دیتے ہیں
لِتُخْرِجَ	تاکہ نکالیں آپ	الَّذِيْ لَهٗ	جو (کہ) ان کی ہیں	الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا	دنیا کی زندگی کو
النَّاسَ	لوگوں کو	مَا	(وہ چیزیں) جو	عَلَى الْاٰخِرَةِ	آخرت پر
مِنَ الظُّلُمٰتِ	تاریکیوں سے	فِي السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں (ہیں)	وَيَصُدُّوْنَ	اور روکتے ہیں

(۱) مبتدا محذوف کی خبر ہے تقدیرہ: هذا كتابٌ — جملہ اَنْزَلْنٰهُ صفت ہے کتاب کی (۲) بِاِذْنِ متعلق ہے تُخْرِجُ سے (۳) اِلٰى صِرَاطِ الخ بدل ہے اِلَى النُّوْرِ سے (۴) حَمِيْدٌ بروزن فَعِيْلٌ صفت مشبہ کا صیغہ بمعنی مفعول ہے یعنی مَحْمُوْدٌ مگر دونوں لفظوں میں لطیف فرق ہے مَحْمُوْدٌ اس وقت کہیں گے جب کسی شخص کی تعریف کی گئی ہو یا کی جاتی ہو اور حَمِيْدٌ خوبیوں والی ذات کو کہیں گے خواہ کوئی اس کی تعریف کرے یا نہ کرے (۵) اللّٰهِ بدل ہے العزیز الحمید سے اور جملہ الذی له الخ صفت ہے۔ (۶) الذین موصول اپنے صلات کے ساتھ بدل ہے کَافِرِیْنَ سے۔

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کی راہ سے	عِوَجًا [2]	ٹیڑھا کرنا	فِيْ ضَلٰلٍ	گمراہی میں (ہیں)
وَيَبْغُوْنَهَا [1]	اور چاہتے ہیں اس کو	اُولٰٓئِكَ	یہ لوگ	بَعِيْدٍ	دور کی

اللہ پاک کے نام نامی سے شروع ہے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

سورت کی ابتدا چھ باتوں سے ہوئی ہے

یہ اس سورہ شریف کی ابتدائی آیتیں ہیں جو پوری صراحت کے ساتھ مدعا بیان کر رہی ہیں، مدعا یہ ہے:

(۱) ـــ قرآن کریم اللہ پاک کی نازل کی ہوئی کتاب ہے، کسی انسان کی تصنیف نہیں۔

(۲) ـــ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں، قرآن کریم آپؐ کے پاس اس لئے بھیجا گیا ہے کہ آپ لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لائیں۔

(۳) ـــ لوگوں کو زبردست خوبیوں والی ہستی کی راہ اپنانی چاہئے، اس وحدہ لاشریک لہ کی راہ جس کی ملکیت میں کائنات کا ذرہ ذرہ ہے۔

(۴) ـــ جو لوگ قرآن کریم کی دعوت قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں ان کے لئے بڑی تباہی اور سخت عذاب ہے۔

(۵) ـــ منکرین کی نفسیات یہ ہیں: دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دینا، اللہ پاک کی راہ پر پڑنے سے باز رہنا اور دوسروں کو روکنا اور اس بات کا خواہش مند رہنا کہ دین ان کی چاہتوں کے تابع ہو جائے اور ان کے غلط نظریات کی ہم نوائی کرے۔

(۶) ـــ جن منکرین میں مذکورہ بالا نفسیات ہوتی ہیں وہ گہری گمراہی میں پھنس جاتے ہیں اور بظاہر امید نظر نہیں آتی کہ وہ اس گمراہی سے نکل سکیں۔

یہ ہے اس سورت کا مدعا، جسے تین آیتوں میں پوری وضاحت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

الف، لام، را ـــ یہ حروف مقطعات ہیں، جن کو الگ الگ کر کے پڑھا جاتا ہے اور یہ پانچویں سورت ہے جو ان

---

(۱) يَبْغُوْنَهَا کی ضمیر سَبِيْل کی طرف راجع ہے اور سبیل کا لفظ مذکر بھی مستعمل ہوتا ہے اور مؤنث بھی ابن الاثیر نے کہا ہے کہ اس کی تانیث زیادہ غالب ہے سورۃ الاعراف آیت ۱۴۶ میں مذکر استعمال ہوا ہے اور یہاں اور سورۂ یوسف آیت ۱۰۸ میں مؤنث استعمال ہوا ہے (۲) عِوَجًا تمیز ہے عَوِجَ يَعْوَجُ عَوَجًا (باب سمع) ٹیڑھا اور کج ہونا ابوزید کہتے ہیں: جو کجی آنکھوں سے نظر آئے اس کے لئے عَوَجٌ (عین کے زبر کے ساتھ) ہے اور جو آنکھ سے نہیں بلکہ عقل وشعور سے سمجھ میں آئے اس کے لئے عِوَجٌ (عین کے زیر کے ساتھ) ہے۔

حروف سے شروع ہوئی ہے، البتہ سورۃ الرعد میں میم کی زیادتی تھی، اِن حروف کی واقعی مراد اللہ پاک ہی جانتے ہیں، مگر اتنی بات کا اندازہ ہم بھی کر سکتے ہیں کہ یہ سورت بھی پچھلی چار سورتوں کے ساتھ مضامین میں بڑی حد تک ہم آہنگ ہے۔

یہ ایک کتاب ہے، جس کو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے — یعنی قرآنِ کریم کوئی معمولی کتاب نہیں، نہایت عظیم المرتبت کتاب ہے، خود ذاتِ حق نے اس کو نازل فرمایا ہے۔ اور سید الاولین والآخرین پر نازل فرمایا ہے پس اُس کتاب کی عظمت شان کا کیا پوچھنا جس کے نازل فرمانے والے رب العزت ہوں، اور جس کو اٹھانے والی آپ ﷺ کی رفیع الشان شخصیت ہو؟ پھر اس کے نزول کا مقصد بھی اس قدر بلند ہو جس سے بلند تر کوئی مقصد نہیں ہو سکتا۔

وہ مقصد یہ ہے — تا کہ آپ لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لائیں — یعنی تمام دنیا کے لوگوں کو، خواہ عرب ہوں یا عجم، کالے ہوں یا گورے، سب کو کفر و جہالت کی اندھیریوں سے نکال کر ایمان و معرفت کی روشنی میں لائیں تمام لوگوں کو شیطانی راستوں سے ہٹا کر اللہ تعالیٰ کے راستے پر ڈالیں۔

جو شخص اللہ کی راہ پر نہیں، وہ حقیقت میں جہالت کی اندھیریوں میں بھٹک رہا ہے۔ خواہ وہ اپنے آپ کو کتنا ہی روشن خیال سمجھ رہا ہو اور اپنے زعم میں نورِ علم سے منور ہو اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ کا راستہ پالیا، وہ علم کی روشنی میں آ گیا، چاہے وہ اَن پڑھ دیہاتی ہو۔

سنتِ الٰہی یہ ہے کہ جب دنیا میں کفر و ضلالت کی تاریکیاں پھیل جاتی ہیں تو اللہ تعالیٰ وحی اور انبیاء کے ذریعے انسانوں کو تاریکیوں سے نکال کر ہدایت کی روشنی میں لاتے ہیں۔ قرآن کریم کا نزول اسی مقصد سے ہوا ہے — مگر کوئی مبلغ، خواہ وہ نبی ہی کیوں نہ ہو، راہِ راست پیش کر دینے سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا، سید المرسلین ﷺ کے حق میں ارشاد پاک ہے: ﴿ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ (آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے، اللہ تعالیٰ ہی جسے چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں) یعنی کسی کو راہِ راست پر لانا کسی کے بس کی بات نہیں، اس کا مدار سراسر اللہ تعالیٰ کی توفیق پر ہے، اس لئے ارشاد فرماتے ہیں — ان کے رب کی توفیق سے — یعنی اللہ پاک جن کو توفیق دیں انہی کو ہدایت کی روشنی میں لایا جا سکتا ہے، حضور اکرم ﷺ بھی صرف انہی لوگوں کو ایمان کی روشنی سے بہرہ ور فرمائیں گے جن کے شاملِ حال توفیقِ خداوندی ہو جائے، اور جن کے حق میں فیصلۂ خداوندی یہ ہو کہ انھیں کفر و ضلالت کی اندھیریوں میں بھٹکتا چھوڑ دیا جائے انہیں قرآن کریم جیسی عظیم کتاب اور سید المرسلین جیسی عالی شان ذات بھی کوئی فیض نہیں پہنچا سکتی۔

اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہدایت کی توفیق اُسی کو ملتی ہے جو خود ہدایت کا طالب ہوتا ہے اور جو جان بوجھ کر سرکشی کرتا

ہے، اللہ پاک اس کی ہدایت کا سامان نہیں کرتے — توفیق خداوندی کی شرط کے ساتھ لوگوں کو اندھیریوں سے نکال کر روشنی میں لانا رسول اللہ ﷺ کا فریضہ ہے، اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ ہدایت بخشنا اگرچہ حق تعالیٰ کا فعل ہے مگر یہ دنیا چونکہ "عالم اسباب" ہے اس لئے رسول اللہ ﷺ کے واسطہ کے بغیر اس کو حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ اور حضور اقدس ﷺ کے بعد یہ فریضہ امت پر عائد ہوتا ہے آج امت کی محنت ہی توفیق خداوندی کی شرط کے ساتھ لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر ہدایت کی روشنی میں لاتی ہے۔

آیت پاک کا اصل زور اس بات پر ہے کہ انسانوں کو اندھیریوں سے نکال کر روشنی میں لانے کا واحد ذریعہ اور دونوں جہاں کی بربادی اور ہلاکت سے نجات کا واحد راستہ قرآن کریم ہے۔ لوگ جتنا قرآن کریم سے قریب آئیں گے اتنا ہی انہیں امن وامان اور عافیت واطمینان نصیب ہوگا۔ اور آخرت میں فلاح وکامیابی پائیں گے، اور جتنا اُس سے دور ہوں گے اتنا ہی دونوں جہاں کی خرابیوں، بربادیوں، مصیبتوں اور پریشانیوں سے دوچار ہوں گے — اور قرآن کریم کے ذریعے لوگوں کو اندھیریوں سے نکال کر روشنی میں لانے کی صرف یہ صورت ہے کہ قرآن کریم کی تعلیمات وہدایات کو لوگوں میں پھیلایا جائے اور لوگوں کو اس کا پابند کیا جائے۔

قرآن کریم کے ذریعے لوگوں کو جس روشنی کی طرف لایا جاتا ہے وہ روشنی وہ نہیں، جو عام آنکھوں سے نظر آتی ہے بلکہ — زبردست، بڑی خوبیوں والی ہستی کی راہ — پر لانا مراد ہے جس پر گامزن ہونے والا نہ اندھیریوں میں چلنے والے کی طرح بھٹکتا ہے نہ لغزش کھاتا ہے وہ کبھی مقصد تک پہنچنے میں ناکام نہیں ہوتا کیونکہ وہ — اس اللہ پاک کی — راہ ہے جس کا راہرو اس ذات اقدس کی طرف جانے والا ہے، جو زبردست، قوی، غالب اور بے حد وحساب خوبیوں والی ذات ہے اس لئے اس پر چلنے والا نہ کہیں ٹھوکر کھاتا ہے نہ اس کی کوشش رائیگاں جاتی ہے، بلکہ اس کا منزل مقصود تک پہنچنا یقینی ہے۔

اور اللہ پاک کی ذات وہ ہے — جس کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے — پس انہی کی ذات عبادت کی مستحق ہے۔ انہی کی راہ کامیابی کی راہ ہے۔ لوگوں کو چاہئے کہ وہ اپنے بہترین جذبات (عبادات) معبودان باطل کی چوکھٹوں پر ضائع نہ کریں۔ اپنی قوتوں اور صلاحیتوں کو غیر محل میں خرچ نہ کریں اور اپنی کوششوں کو برباد نہ کریں، اوہام وخرافات سے نکل کر معرفت الٰہی کی روشنی میں آئیں اور زبردست، خوبیوں والے، مالک الملک خدا کے بتائے ہوئے راستہ پر گامزن ہوں۔

اور بڑی تباہی ہے سخت عذاب کی وجہ سے، اُن منکرین کے لئے جو دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس کو ٹیڑھی کرنا چاہتے ہیں یہ لوگ گہری گمراہی میں ہیں — یعنی جو لوگ ایسی کتاب نازل

ہونے کے بعد اور ایسے پیغمبر کی تشریف آوری کے بعد بھی کفر وشرک اور جہالت وضلالت کی اندھیریوں سے نہ نکلیں ان کے لئے سخت عذاب کی وجہ سے ہلاکت خیز مصیبت ہے۔ دنیا میں بھی ان کے لئے رسوائی ہے اور آخرت میں بھی بربادی!

اور یہ انجام ان منکرین کا ہے جن میں تین باتیں پائی جاتی ہیں:

پہلی بات:— جن کا اوڑھنا، بچھونا یہی دنیا ہے جنھیں ساری فکر بس دنیا کی ہے آخرت کی بالکل پروانہیں، آخرت کے مقابلے میں وہ دنیا کو ترجیح دیتے ہیں۔ جو دنیاوی فائدوں کے لئے آخرت کا نقصان تو مول لے سکتے ہیں مگر آخرت کی کامیابیوں کے لئے دنیا کا کوئی نقصان برداشت نہیں کرسکتے— ایسے لوگوں کو دنیا کی محبت نے آخرت کے معاملات سے اندھا کر رکھا ہے وہ اندھیریوں ہی کو پسند کرتے ہیں، روشنی کی طرف آنے کی ان میں کوئی رغبت نہیں۔

دوسری بات:— جو خود تو اندھیریوں میں رہنے کو پسند کرتے ہی ہیں مگر ستم یہ ہے کہ وہ دوسروں کو بھی روشنی میں آنے سے روکتے ہیں یعنی وہ صرف گمراہ نہیں، بلکہ گمراہی کے داعی بھی ہیں، جس طرح وہ خود ڈوبے ہیں، دوسروں کو بھی لے ڈوبنا چاہتے ہیں— ایسے لوگ جو گمراہی کے داعی ہوتے ہیں اُن کے راہ راست پر آنے کی امید بہت ہی کم ہوتی ہے۔ صحیح بات اگرچہ ان کی سمجھ میں آجاتی ہے، مگر وہ اسے قبول نہیں کرسکتے۔ کچھ تو اپنی غلطی پر پردہ ڈالنے کے لئے، کچھ دنیاوی مفادات کی حفاظت کے لئے اور کچھ اپنی بات کی پچ کرتے ہوئے۔

تیسری بات:— وہ لوگ اس فکر میں لگے رہتے ہیں کہ دین ان کے خیالات اور خواہشات کے تابع ہوجائے، وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تابع ہوکر نہیں رہنا چاہتے بلکہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا دین اُن کی مرضی کے موافق ہوجائے۔ اُن کے خیالات ونظریات کو اپنی تعلیمات میں داخل کریں، ان کے طور طریقوں کو سند جواز دیں، اور وہ دین نہ تو ان کو ٹوکے نہ کسی مقام پر اُن کو اپنے راستہ کی طرف موڑے، وہ اللہ کے دین کو موجودہ صورت میں قبول کرنے کے لئے تیار نہیں، البتہ اگر وہ ان کی خواہشات کے مطابق ٹیڑھا ہوجائے تو وہ اسے مان سکتے ہیں— ایسے لوگوں کو بھی ہدایت کی روشنی کم ہی نصیب ہوتی ہے کیونکہ اللہ کا دین تو ان کی خواہشات کے مطابق ٹیڑھا ہونے سے رہا اور وہ اس کے بغیر قبول کرنے کے لئے تیار نہیں، پھر بات کیسے بنے؟ اس لئے اللہ پاک نے ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ گہری گمراہی میں ہیں، ان کا راست پر آنا مشکل ہے!

مؤمن کا موقف یہ ہے کہ وہ اپنے خیالات وخواہشات سے خالی ہوکر کتاب وسنت کو دیکھتا ہے
پھر جو کچھ ان سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے اس کی پیروی کرتا ہے

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ۭ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ④

وَمَآ اَرْسَلْنَا	اور نہیں بھیجا ہم نے	لَهُمْ	ان کو	مَنْ	جس کو
مِنْ رَّسُوْلٍ(۱)	کوئی پیغمبر	فَيُضِلُّ	پھر بھٹکا دیتے ہیں	يَّشَاۗءُ	چاہتے ہیں
اِلَّا بِلِسَانِ(۲)	مگر ہم زباں	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	وَهُوَ	اور وہ
قَوْمِهٖ	اس کی قوم (کا)	مَنْ يَّشَاۗءُ(۴)	جس کو چاہتے ہیں	الْعَزِيْزُ	زبردست
لِيُبَيِّنَ(۳)	تاکہ کھول کر سمجھائے وہ	وَيَهْدِيْ	اور ہدایت آب فرماتے ہیں	الْحَكِيْمُ	حکمت والے (ہیں)

رسول امت کا ہم زباں ہوتا ہے

پہلی آیت میں ارشاد فرمایا تھا کہ قرآن کریم اللہ پاک کی نازل کی ہوئی کتاب ہے، کسی انسان کی تصنیف نہیں، اس پر کفار یہ کہتے تھے کہ یہ قرآن تو آپ ﷺ کی زبان میں ہے، ہم کیوں کر یقین کریں کہ یہ آپ کی تصنیف نہیں، بلکہ اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب ہے؟ اگر یہ کسی اور زبان میں ہوتی جسے آپؐ نہ جانتے ہوتے تو ہم یقین کرتے کہ یہ منزل من اللہ ہے، اللہ پاک اس شبہ کا جواب دیتے ہیں — اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی قوم کا ہم زبان، تاکہ وہ ان کو کھول کر سمجھائے — یعنی اللہ تعالیٰ نے جب بھی کوئی رسول کسی قوم کی طرف بھیجا ہے تو اس قوم کا ہم زبان بھیجا ہے تاکہ وہ خدا تعالیٰ کے احکام انہی کی زبان اور انہی کے محاورات میں سمجھائے جس سے ان کے لئے راہ پانا آسان ہو جائے، کیونکہ اگر رسول کی زبان امت کی زبان سے مختلف ہوگی تو احکام سمجھنے کے لئے امت کو ترجمہ کرانے کی مشقت برداشت کرنی پڑے گی اور پھر بھی احکام کو صحیح طور پر سمجھنا مشکل ہوگا نیز قوم یہ عذر بھی کر سکے گی کہ آپ کی باتیں ہماری سمجھ ہی میں نہیں آتیں پھر ہم آپ پر ایمان کیسے لائیں!

یہاں ایک بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ رسول کریم ﷺ کی بعثت آفاقی، عمومی اور ابدی ہے یعنی جگہ کے اعتبار سے پوری دنیا کے لئے، مخاطبین کے اعتبار سے تمام جن وانس کے لئے اور زمانے کے اعتبار سے قیامت تک کے لئے ہے۔ مگر سورۃ الجمعہ میں آپؐ کی امت کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے: ایک حصہ وہ ہے جس میں آپؐ براہ راست مبعوث

(۱) مِنْ نفی کی تاکید کے لئے ہے (۲) ای متلبّسًا بلسان الخ۔ (۳) بَيَّن تَبْيِيْنًا: کھول کر بیان کرنا، واضح کرنا، تشریح کرنا (۴) مَنْ يَّشَآءُ کی ترکیب کے لئے سورۃ الرعد آیت ۲۷ کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیں۔

ہوئے ہیں اور دوسرا حصہ وہ ہے جس کی طرف آپ کی بعثت امت کے پہلے گروہ کے واسطہ سے ہوئی ہے پہلا حصہ عرب ہیں ان کی طرف آپ کی بعثت بلاواسطہ ہوئی ہے اور باقی تمام انسانوں کی طرف آپ کی بعثت عربوں کے واسطہ سے ہوئی ہے[۱] — پس جس قوم کے لئے آپ اصالۃً اٹھائے گئے ہیں، ان کی زبان عربی تھی اس لئے قرآن کریم عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے۔ آپ کے بعد آپ کے نائبین یعنی علمائے امت ہر قوم اور ہر ملک میں قرآن کریم کی ہدایات کو اس قوم اور اس ملک کی زبان میں سمجھائیں گے اور پھیلائیں گے۔

پھر اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں بھٹکا دیتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں ہدایت پر لے آتے ہیں اور وہ زبردست حکمت والے ہیں — یعنی ہدایت کا سامان مکمل کر دیا ہے، اب جو اس سے فائدہ اٹھائے گا اس کی دستگیری فرمائیں گے راہ راست پر لگا دیں گے اور جس نے روگردانی کی اُسے گمراہی میں چھوڑ دیں گے، وہ زبردست ہیں، چاہیں تو سب کو زبردستی ہدایت کے راستے پر لگا دیں مگر ان کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ انسانوں کو ایک حد تک آزادی دیکر رحمت وغضب کا حق دار بنائیں۔[۲]

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْۗءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَاۗءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَاۗءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝ۧ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَىِٕنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَىِٕنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۝ وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝

وَلَقَدْ	اور البتہ واقعہ یہ ہے	مُوْسٰى	موسیٰ (کو)	اَنْ اَخْرِجْ[۴]	کہ نکالئے
اَرْسَلْنَا	بھیجا ہم نے	بِاٰيٰتِنَآ[۳]	اپنی نشانیوں کے ساتھ	قَوْمَكَ	اپنی قوم (کو)

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے مفسر کی کتاب ''اسلام تغیر پذیر دنیا میں'' ص ۲۶-۳۰ (۲) فوائد شبیریہ بتغییر یسیر فی اللفظ (۳) ای متلبساً بِاٰيٰتِنَا (۴) اَنْ مُفَسِّرَہ ہے جو ہمیشہ اس فعل کے بعد آتا ہے جس میں قول (کہنے) کے معنی ہوتے ہیں، چاہے قول کے معنی پر اس فعل کی دلالت لفظی ہو جیسے ﴿ فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ ﴾ (پس ہم نے ان کو ←

مِنَ الظُّلُمٰتِ	تاریکیوں سے	اِذْ	جب	وَاِذْ تَاَذَّنَ(٦)	اور جب خبردار کیا
اِلَی النُّوْرِ	روشنی کی طرف	اَنْجٰىكُمْ	نجات دی انھوں نے تم کو	رَبُّكُمْ	تمہارے رب (نے)
وَذَكِّرْهُمْ(١)	اور نصیحت کیجئے ان کو	مِّنْ اٰلِ	لوگوں سے	لَئِنْ شَكَرْتُمْ	بخدا! اگر شکر کروگے تم
بِاَيّٰىمِ(٢)	واقعات سے	فِرْعَوْنَ	فرعون (کے)	لَاَزِيْدَنَّكُمْ	تو ضرور زیادہ دوں گا
اللّٰهِ	اللہ پاک (کے)	يَسُوْمُوْنَكُمْ(٤)	تکلیفیں پہنچاتے ہیں		میں تمہیں
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ	یقیناً اس میں		وہ تمہیں	وَلَئِنْ	اور بخدا! اگر
لَاٰيٰتٍ	یقیناً نشانیاں (ہیں)	سُوْٓءَ	سخت	كَفَرْتُمْ	ناشکری کی تم نے
لِّكُلِّ	واسطے ہر	الْعَذَابِ	تکلیف	اِنَّ عَذَابِيْ	(تو) بیشک میری سزا
صَبَّارٍ	صبر شعار	وَيُذَبِّحُوْنَ	اور ذبح کرتے ہیں وہ	لَشَدِيْدٌ	البتہ سخت (ہے)
شَكُوْرٍ	شکرگزار (کے)	اَبْنَآءَكُمْ	تمہارے لڑکوں کو	وَقَالَ	اور کہا
وَاِذْ قَالَ	اور جب کہا	وَيَسْتَحْيُوْنَ	اور زندہ رکھتے ہیں وہ	مُوْسٰى	موسیٰ (نے)
مُوْسٰى	موسیٰ (نے)	نِسَآءَكُمْ	تمہاری عورتوں کو	اِنْ تَكْفُرُوْٓا	اگر ناشکری کروگے
لِقَوْمِهٖ	اپنی قوم سے	وَفِيْ ذٰلِكُمْ	اور اس میں	اَنْتُمْ	تم
اذْكُرُوْا	یاد کرو	بَلَآءٌ(٥)	آزمائش ہے	وَمَنْ	اور جو لوگ
نِعْمَةَ(٣)	احسان	مِّنْ رَّبِّكُمْ	تمہارے پروردگار کی	فِي الْاَرْضِ	زمین میں (ہیں)
اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ (کا)		جانب سے	جَمِيْعًا	سارے ہی
عَلَيْكُمْ	اپنے اوپر	عَظِيْمٌ	بڑی	فَاِنَّ	تو بے شک

← حکم دیا کہ کشتی بنائیے) یا دلالت معنوی ہو جیسے ﴿ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا ﴾ (اور چل کھڑی ہوئی ان میں کی ایک جماعت کہ چلو) یعنی ان کے اٹھ کر چلنے کا مطلب گویا یہ کہنا ہے کہ تم بھی چلو۔

(١) ذَكَّرَ القوم، وعظ ونصیحت کرنا (٢) اَيَّام جمع ہے يَوْمٌ کی جس کے معنی دن کے ہیں۔ اور ایام کا لفظ عربی زبان میں یادگار تاریخی واقعات کے لئے بھی بولا جاتا ہے اور اَيَّامُ اللّٰهِ سے مراد وہ دن ہیں جن میں اللہ پاک نے سرکشوں کو ان کی بدکرداری کی سزا دی ہے یا فرمانبردار بندوں کو خصوصی فضل سے نوازا ہے۔ (٣) نِعْمَةٌ اسم جنس ہے جس کا اطلاق ایک پر بھی ہوتا ہے اور متعدد پر بھی اور جمع نِعَمٌ آتی ہے (٤) سَامَهُ الامْرُ تکلیف دینا ــــ كُمْ مفعول اول ہے اور سوء العذاب مفعول ثانی ہے (٥) بَلاَ (ن) بَلْوًا وَبَلاَءً الرجلَ: آزمانا امتحان لینا (٦) تَاَذَّنَ الامْرَ: آگاہ کرنا، جتلانا۔

بڑی خوبیوں والے ہیں	حَمِيْدٌ	یقیناً بے نیاز	لَغَنِيٌّ	اللہ تعالیٰ	اللّٰهَ

بنی اسرائیل کی سرگذشت میں قریش کے لئے عبرت اور مسلمانوں کے لئے تسلی ہے

سورت کی پہلی آیت میں بیان فرمایا تھا کہ قرآن کریم کا نزول اور حضور اقدس ﷺ کی بعثت اس غرض سے ہوئی ہے کہ آپؐ قرآن کریم کے ذریعہ لوگوں کو کفر وضلالت کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان وعرفان کی روشنی میں لائیں پھر چوتھی آیت میں بیان فرمایا تھا کہ جب حضور اکرم ﷺ نے اپنا کام شروع کیا تو لوگوں نے روشنی میں آنے کے بجائے تاریکیوں میں رہنے کو پسند کیا، انھوں نے اعتراضات شروع کئے، قرآن کو منزل من اللہ اور حضور ﷺ کو اللہ کا رسول ماننے سے انکار کر دیا، اب اللہ پاک ان کو دو سرگذشتیں سناتے ہیں: پہلی سرگذشت سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہے جو ان آیتوں میں بیان ہوئی ہے، ارشاد پاک ہے:—— اور البتہ واقعہ یہ ہے کہ ہم موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیج چکے ہیں کہ اپنی قوم کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لائیں—— یعنی موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کا مقصد بھی یہی تھا کہ وہ اپنی قوم کو اندھیریوں سے نکال کر روشنی میں لائیں اور ان کو آخرت کا بھولا ہوا سبق یاد دلائیں۔ اور اس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں کہ انسان تاریکی سے نکل کر روشنی میں آجائے اور اس کو اللہ پاک کا راستہ نظر آنے لگے—— اور ان کو اللہ کے واقعات کے ذریعے نصیحت کریں، ان واقعات میں ہر صبر شعار، شکر گزار بندے کے لئے بڑی نشانیاں ہیں—— یعنی اللہ کے بھٹکے ہوئے بندوں کو راہ راست پر لانے کی صورت یہ ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کے نافرمان بندوں کا انجام اور ان پر آنے والے ہولناک عذاب یاد دلائیں تا کہ وہ عبرت حاصل کریں اور اللہ پاک کے اطاعت شعار بندوں پر ہونے والی نعمتیں یاد دلائیں تا کہ ان میں اطاعت کی رغبت پیدا ہو۔

اہم معاملات خداوندی سن کر صابر وشاکر بندوں کو ان گنت عبرتیں حاصل ہوتی ہیں کہ دنیا کے ساز وسامان اور شان ونمود پر اترانا اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مقابلے میں سرکشی اور تکذیب کو اپنا شعار بنانا، دنیا وآخرت کے خسارہ کا باعث ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر کرنا، انبیاء کرام کی دعوت کو قبول کرنا اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری والی زندگی بسر کرنا نہ صرف آخرت کی کامیابی کی ضامن ہے بلکہ دنیا میں بھی سرخروئی انہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے۔

یہ نشانیاں تمام معاملات خداوندی میں ہوتی ہیں مگر ان سے فائدہ اٹھانا صرف انہی لوگوں کا کام ہے جو آزمائشوں سے گھبراتے نہیں، مصیبتوں کو صبر اور پامردی کے ساتھ جھیلتے ہیں، جو راحتوں میں اتراتے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ”مؤمن بندے کا بھی عجیب معاملہ ہے، اس کا ہر حال اس کے لئے بہتر ہے اور یہ بات صرف مؤمن ہی کو میسر ہے، جب وہ خوشگوار حالات سے گذرتا ہے تو اپنے رب کا شکر ادا

کرتا ہے جواس کے لئے بہتر ہے اور جب وہ پریشانیوں سے دوچار ہوتا ہے تو وہ اس پر صبر کرتا ہے اور یہ بھی اس کے لئے بہتر ہے"۔(۱)

بے صبرے، تُھڑ دلے، ناشکرے اور احسان فراموش لوگوں کے لئے ان اہم معاملات خداوندی میں کوئی سبق نہیں ہوتا ان کو اگر یہ واقعات سنائے بھی جائیں اور وہ ان کا ادراک بھی کرلیں تو بھی ان کی یہ اخلاقی کمزوریاں انھیں اس ادراک سے فائدہ اٹھانے نہیں دیتیں۔

سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حسب حکم اپنی قوم کو نصیحت کی، اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں:— اور وہ وقت یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ تم اس احسان کو یاد کرو جو اللہ تعالیٰ نے تم پر اس وقت کیا تھا جبکہ تمہیں فرعون والوں سے نجات دی تھی جو تمہیں بری طرح ستاتے تھے— طرح طرح سے تکلیفیں پہنچاتے تھے، غلام بنا کر سخت بیگاریں لیتے تھے — اور تمہارے لڑکوں کو ذبح کر ڈالتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے، اور اس میں تمہارے رب کی جانب سے بڑی آزمائش تھی— کہ تم صبر و تحمل کرتے ہو یا نہیں، اور نجات پانے پر شکر خداوندی بجالاتے ہو یا نہیں؟

موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو جو احسان خداوندی یاد دلایا ہے اس کا واقعہ یہ ہے کہ فرعون نے ایک خواب دیکھا تھا جس کی تعبیر نجومیوں نے یہ دی تھی کہ بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہوگا جو تیرے دین اور حکومت دونوں کو ختم کرے گا اس پر فرعون نے حکم دیا کہ بنی اسرائیل میں جو بھی لڑکا پیدا ہو اس کو مار ڈالو اور جو لڑکی پیدا ہو اس کو خدمت کے لئے زندہ رہنے دو، اس واقعہ میں بنی اسرائیل کے لئے سخت امتحان تھا۔

موسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا:— اور وہ وقت (بھی) یاد کرو جب تمہارے رب نے تمہیں خبردار کیا تھا: "اگر تم شکر بجالاؤ گے تو بخدا! میں تم کو زیادہ دوں گا اور اگر تم ناشکری کروگے تو بخدا! میری سزا یقیناً سخت ہے"— یعنی موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو یہ بھی یاد دلایا تھا کہ اللہ پاک تمہیں خبردار کرچکے ہیں کہ اگر تم اللہ پاک کی نعمتوں کا حق پہچان کر ان کا صحیح استعمال کروگے، نافرمانیوں اور ناجائز کاموں سے بچوگے، اور ان کے احکام کے مقابلے میں سرکشی نہ کروگے تو اللہ پاک ضرور تمہیں زیادہ نعمتیں دیں گے، نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس شخص کو شکر ادا کرنے کی توفیق مل گئی وہ کبھی نعمتوں میں زیادتی سے محروم نہ ہوگا۔ کیونکہ اللہ پاک کا ارشاد ہے: "اگر تم شکر گزار رہوگے تو بخدا میں ضرور تم کو زیادہ دوں گا"(۲)

حضور اقدس ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ جس شخص کو چار باتیں حاصل ہو جائیں، وہ چار چیزوں سے کبھی محروم نہیں رہتا:

(۱) رواہ مسلم عن صھیب رضی اللہ تعالی عنہ (۲) اخرج ابن مردویہ عن ابن مسعود (درمنثور ج۴ص۷۱)

(۱) جسے شکر گزاری کی توفیق مل جائے وہ نعمتوں میں زیادتی سے محروم نہیں رہتا، کیونکہ اللہ پاک کا ارشاد ہے: ''اگر تم شکر بجالاؤ گے تو بخدا! میں ضرور تم کو زیادہ دوں گا''

(۲) جسے دعا کرنے کی توفیق مل جائے وہ قبولیت دعا سے محروم نہیں رہتا کیونکہ اللہ پاک کا ارشاد ہے: ''مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا''

(۳) جسے استغفار کرنے کی توفیق مل جائے وہ مغفرت سے محروم نہیں رہتا کیونکہ اللہ پاک کا ارشاد ہے: ''تم اپنے پروردگار سے گناہ بخشواؤ، وہ یقیناً بڑے بخشنے والے ہیں''

(۴) اور جسے توبہ کی توفیق مل جائے وہ قبولیت سے محروم نہیں رہتا کیونکہ اللہ پاک کا ارشاد ہے: ''اللہ پاک ہی ہیں جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتے ہیں۔[۱]

حدیث شریف میں ایک واقعہ آیا ہے جس سے اندازہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر بجالانے کا کیا صلہ ملتا ہے اور ناشکری کا کیا انجام ہوتا ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں ایک سائل آیا آپ نے اس کو ایک کھجور عنایت فرمائی اس نے یہ کہہ کر پھینک دی کہ عجیب! پیغمبر ہو کر ایک کھجور دیتے ہو؟ اور چلدیا تھوڑی دیر بعد دوسرا سائل آیا آپ نے اس کو بھی ایک کھجور عنایت فرمائی اس نے یہ کہہ کر لے لی کہ: ''سبحان اللہ! حضور کی عطا فرمائی ہوئی ایک کھجور ملی، میں تا حیات اس کو اپنے سے علاحدہ نہیں کروں گا'' یعنی یہ رسول اللہ ﷺ کا تبرک ہے میں اس کو برکت کے لئے اپنے پاس محفوظ رکھوں گا۔ آپؐ نے باندی کو حکم دیا کہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس جو چالیس درہم رکھے ہیں وہ اس سائل کو دیدیئے جائیں۔ دیکھئے رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک سے ملنے والی ایک کھجور اللہ پاک کی بڑی نعمت تھی، پہلے سائل نے اس کی ناشکری کی تو وہ حضور اقدس ﷺ کے تبرک سے محروم رہ گیا اور دوسرے سائل نے اس کی قدر کی تو اسے مزید چالیس درہم مل گئے بلکہ روایت میں یہ بھی ہے کہ وہ چند ہی دنوں میں مالدار ہو گیا[۲]

اور فرمایا کہ اگر تم نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو یاد رکھو اللہ تعالیٰ کی سزا سخت ہے، ناشکری یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی نعمتوں کو ان کی نافرمانی اور ناجائز کاموں میں خرچ کرے اور فرائض وواجبات کی ادائیگی میں سستی کرے ــــــ ناشکری کی سزا دنیا میں بھی مل سکتی ہے کہ نعمت سلب ہو جائے یا ایسی مصیبت میں پھنس جائے کہ نعمت سے فائدہ نہ اٹھا سکے اور آخرت میں تو ضرور ملے گی نعمت خداوندی کی ناشکری کرنے والا عذاب میں گرفتار ہوگا۔

---

(۱) اخرجه البیهقی فی شعب الایمان عن عطارد بن مصعب (۲) اخرجه احمد والبیهقی عن انس (درمنثور ج۴ص۱۷)

یہاں ایک بات یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ شکر گزاروں کے لئے تو اجر وثواب اور نعمت کی زیادتی کا پختہ وعدہ فرمایا ہے، لیکن ناشکری کرنے والوں کے لئے یہ نہیں فرمایا کہ: ''میں ضرور تمہیں سزا دوں گا'' بلکہ صرف اتنا فرما کر ڈرایا کہ: ''بخدا! میری سزا نہایت سخت ہے'' یعنی میرا عذاب جس کو بھی پہنچے، وہ بڑا سخت ہوتا ہے لیکن ہر ناشکرے کا گرفتار عذاب ہونا کچھ ضروری نہیں، معافی کا بھی امکان ہے۔

اور موسیٰ نے (یہ بھی) کہا کہ اگر تم اور زمین کے سارے بندے ناشکری کرو گے تو اللہ پاک یقیناً بے نیاز، بڑی خوبیوں والے ہیں —— یعنی جتنے آدمی زمین پر آباد ہیں، سب کے سب اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کرنے لگیں تو اس میں اللہ تعالیٰ کا ذرہ بھر نقصان نہیں۔ وہ لوگوں کے شکر اور ناشکری سے بے نیاز، بڑی خوبیوں والے ہیں۔ انھیں لوگوں کے شکر کی کیا حاجت ہے، کوئی شکر ادا کرے یا نہ کرے، حمد وثنا کرے یا نہ کرے ان کے حمید ہونے میں کیا کلام ہے! حضور اقدس ﷺ نے بیان فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے پچھلے، جن وانس، سب کے سب ایک اعلیٰ درجہ کے متقی جیسے ہو جائیں تو اس سے میرے ملک میں کچھ بڑھ نہیں جاتا، اور اگر سب اگلے پچھلے جن وانس بفرض محال ایک بدترین انسان جیسے ہو جائیں تو اس سے میرے ملک میں ذرہ برابر کمی نہیں ہوتی'' —— شکر کا فائدہ جو کچھ ہے وہ شکر گزاروں ہی کے لئے ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے شکر گزار ہونے کی تاکید کچھ اپنے فائدے کے لئے نہیں، بلکہ شکر گزاروں ہی کو فائدہ پہنچانے کے لئے ہے۔

یہاں یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس مختصر سرگذشت کے دو مقصد ہیں:

پہلا مقصد: —— مکی دور کے آخر میں مسلمان سخت آزمائش سے گذر رہے تھے ان کو قوم موسیٰ علیہ السلام کی سرگذشت سنائی جا رہی ہے جو فرعون کے ظلم واستبداد کی وجہ سے ایسے ہی حالات سے گذر چکی تھی اور ان کے صبر وتحمل کی وجہ سے ان کے حق میں پروردگار کا بہترین وعدہ پورا ہو چکا تھا۔ پریشان حال، ستم زدہ مسلمانوں کو یہ سرگذشت سنا کر بتایا جا رہا ہے کہ صبر وتحمل کا صلہ کامیابی ہے ایک ایسی کامیابی جو واقعی کامیابی ہے۔

دوسرا مقصد: —— مکہ والوں کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی قوم پر احسان کرتے ہیں اور جواب میں وہ قوم سرکشی کرتی ہے تو پھر ایسی قوم کو وہ عبرتناک انجام دیکھنا پڑتا ہے جو فرعون والوں کو دیکھنا پڑا، تو کیا تم بھی خدا تعالیٰ کی نعمت اور ان کے احسان کا جواب ناشکری سے دے کر وہی انجام دیکھنا چاہتے ہو؟ —— اللہ تعالیٰ کی نعمت اور احسان سے مراد یہاں آقائے دوجہاں، فخر المرسلین، سید الاولین والآخرین حضرت محمد ﷺ کی ذات شریفہ ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے مکہ والوں کے درمیان پیدا کیا، اور جن کے ذریعہ ان کے پاس قرآن پاک جیسی عظیم دولت بھیجی۔

انبیاء کرام کی بعثت انسانیت کے لئے اللہ کا احسان ہے، اور خاتم النّبیین ﷺ کی بعثت احسان عظیم ہے لوگو! اللہ تعالیٰ کے اس احسان کی قدر کرو!

اَلَمْ یَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ﵛ وَ الَّذِیْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ﵛ لَا یَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ؕ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَرَدُّوْۤا اَیْدِیَهُمْ فِیْۤ اَفْوَاهِهِمْ وَ قَالُوْۤا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَ اِنَّا لَفِیْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَاۤ اِلَیْهِ مُرِیْبٍ ۝ قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِی اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ یَدْعُوْكُمْ لِیَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَ یُؤَخِّرَكُمْ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ قَالُوْۤا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ؕ تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ۝ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ یَمُنُّ عَلٰى مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَ مَا كَانَ لَنَاۤ اَنْ نَّاْتِیَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ وَ مَا لَنَاۤ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَ قَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ؕ وَ لَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَاۤ اٰذَیْتُمُوْنَا ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝

اَلَمْ	کیا نہیں	مِنْ قَبْلِكُمْ	تم سے پہلے ہوئے	وَّ ثَمُوْدَ	اور ثمود
یَاْتِكُمْ	آئی تمہارے پاس	قَوْمِ (۲)	(یعنی) قوم	وَ الَّذِیْنَ (۳)	اور ان کی جو
نَبَؤُا (۱)	خبر	نُوْحٍ	نوح	مِنْۢ بَعْدِهِمْ	ان کے بعد ہوئے
الَّذِیْنَ	ان کی جو	وَّ عَادٍ	اور عاد	لَا یَعْلَمُهُمْ	نہیں جانتے ان کو

(۱) اَلنَّبَأُ: خبر، قرآن پاک کے رسم الخط میں آخر میں واؤ اور اس پر ہمزہ لکھا جاتا ہے پھر چونکہ یہ واو مشابہ ہوجاتا ہے واو جمع کے اس لئے اس کے بعد الف بھی لکھا جاتا ہے (۲) قَوْمِ نُوْحٍ الخ عطف بیان ہے الذین کا (۳) والذین من بعدھم پہلے الذین پر بھی معطوف ہوسکتا ہے اور قَوْمِ نُوْحٍ پر بھی، اسی وجہ سے یہاں معانقہ ہے پہلی ترکیب میں لایعلمھم الا اللّٰہ کا ←

اِلَّا اللّٰهُ	مگر اللہ تعالیٰ	رُسُلُهُمْ	ان کے رسولوں نے	اَنْ تَصُدُّوْنَا	کہ روک دو ہم کو
جَآءَتْهُمْ	آئے ان کے پاس	اَفِي اللّٰهِ	کیا اللہ کے بارے میں	عَمَّا	ان سے جن کی
رُسُلُهُمْ	ان کے رسول	شَكٌّ	شک ہے	كَانَ يَعْبُدُ	بندگی کرتے تھے
بِالْبَيِّنٰتِ(۱)	واضح دلیلوں کے ساتھ	فَاطِرِ	(جو) پیدا فرمانے	اٰبَآؤُنَا	ہمارے باپ دادا
فَرَدُّوْٓا	سو لوٹائے انھوں نے		والے ہیں	فَاْتُوْنَا	سو لاؤ تم ہمارے پاس
اَيْدِيَهُمْ	اپنے ہاتھ	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں (کے)	بِسُلْطٰنٍ(۴)	دلیل
فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ	اپنے مونہوں میں	وَالْاَرْضِ	اور زمین (کے)	مُّبِيْنٍ	کھلی (صریح)
وَقَالُوْٓا	اور کہا انھوں نے	يَدْعُوْكُمْ	بلاتے ہیں وہ تمہیں	قَالَتْ	جواب دیا
اِنَّا كَفَرْنَا	یقیناً ہم انکار کرتے ہیں	لِيَغْفِرَ	تاکہ بخشیں وہ	لَهُمْ	ان کو
بِمَآ	اس بات کا جو	لَكُمْ	تمہارے لئے	رُسُلُهُمْ	ان کے رسولوں نے
اُرْسِلْتُمْ	بھیجے گئے ہو تم	مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ	تمہارے گناہ	اِنْ نَّحْنُ	نہیں (ہیں) ہم
بِهٖ	اس کے ساتھ	وَيُؤَخِّرَكُمْ	اور مہلت دیں وہ تمہیں	اِلَّا بَشَرٌ	مگر انسان
وَاِنَّا	اور یقیناً ہم	اِلٰٓى اَجَلٍ	مدت مقررہ تک	مِّثْلُكُمْ	تم جیسے
لَفِيْ شَكٍّ	البتہ شک میں ہیں	مُّسَمًّى		وَلٰكِنَّ اللّٰهَ	لیکن اللہ تعالیٰ
مِّمَّا	اس بات سے جو	قَالُوْٓا	کہا انھوں نے	يَمُنُّ	احسان فرماتے ہیں
تَدْعُوْنَنَآ	بلاتے ہو تم ہم کو	اِنْ اَنْتُمْ	نہیں (ہو) تم	عَلٰى مَنْ	جس پر
اِلَيْهِ	اس کی جانب	اِلَّا بَشَرٌ	مگر انسان	يَّشَآءُ	چاہتے ہیں
مُرِيْبٍ(۲)	خلجان میں ڈالنے والے	مِّثْلُنَا(۳)	ہم جیسے	مِنْ عِبَادِهٖ	اپنے بندوں میں سے
قَالَتْ	جواب دیا	تُرِيْدُوْنَ	چاہتے ہو تم	وَمَا كَانَ	اور نہیں (اختیار) ہے

تعلق صرف والذین من بعدهم سے ہوگا اور دوسری ترکیب میں قَوْمَ نُوْحٍ سے والذین من بعدهم تک سب سے ہوگا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا رجحان دوسری ترکیب کی طرف ہے۔

(۱) ای ملتبسًا بالبینٰت (۲) مُرِيْب اسم فاعل، اِرَابَةٌ سے، ریب مادہ: متردد بنا دینے والا، بے چین کر دینے والا (۳) مِثْلُنَا پہلی صفت ہے بَشَرٌ کی اور جملہ تُرِيْدُوْنَ دوسری صفت ہے (۴) باصلہ کی ہے أتی به: لانا۔

لَنَآ	ہمیں	الْمُؤْمِنُوْنَ	مؤمنین	سُبُلَنَا	ہماری راہیں
اَنْ نَّاْتِيَكُمْ	کہ لے آئیں ہم	وَمَا	اور کیا (مانع ہے)	وَلَنَصْبِرَنَّ	اور ضرور صبر کریں گے ہم
	تمہارے پاس	لَنَآ	ہمارے لئے	عَلٰى مَآ (۲)	تمہارے اذیتیں دینے
بِسُلْطٰنٍ	دلیل	اَلَّا	کہ نہ	اٰذَيْتُمُوْنَا	(پر) ہمیں
اِلَّا بِاِذْنِ	مگر اجازت سے	نَتَوَكَّلَ	بھروسہ کریں ہم	وَعَلَى اللّٰهِ	اور اللہ تعالیٰ پر
اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ (کی)	عَلَى اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ پر	فَلْيَتَوَكَّلِ	پس چاہئے کہ بھروسہ
وَعَلَى اللّٰهِ	اور اللہ تعالیٰ پر	وَقَدْ هَدٰىنَا (۱)	درانحالیکہ دکھائی ہے		کریں
فَلْيَتَوَكَّلِ	پس چاہئے کہ بھروسہ کریں		انھوں نے ہمیں	الْمُتَوَكِّلُوْنَ	بھروسہ کرنے والے

تمام انبیاء کے ساتھ ان کی قوموں نے ایک ہی طرح کا سلوک کیا ہے

یہ دوسری سرگذشت ہے جو مؤمنین اور کفار مکہ دونوں کو سنائی ہے مگر یہ کوئی جزئی واقعہ نہیں، بلکہ جزئیات کو ایک کلی صورت میں پیش کیا ہے یعنی تمام انبیاء کرام کا ظہور ایک ہی طرح ہوا ہے سب کے ساتھ ان کی قوموں نے ایک ہی طرح کا سلوک کیا ہے، سب کی دعوت ایک تھی، سب کو مخالفین نے ایک ہی طرح کے جوابات دیئے، پھر نتیجہ بھی سب کا ایک ہی طرح کا نکلا: انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کے متبعین کامیاب ہوئے اور سرکش ومخالف نامراد ہوئے، ارشاد فرماتے ہیں —— کیا تمہیں ان قوموں کے حالات نہیں پہونچے جو تم سے پہلے ہو چکی ہیں یعنی قوم نوح، عاد، ثمود اور ان کے بعد آنے والی قومیں، جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا —— یعنی بے شمار قومیں گذر چکی ہیں، جن کے حالات بجز حق تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں۔ بعض کے صرف نام معلوم ہیں اور اکثر کے نام بھی معلوم نہیں، مگر اللہ تعالیٰ ان کے احوال سے بخوبی واقف ہیں وہ ارشاد فرماتے ہیں، ان کا ارشاد بغور سنو! —— اُن کے پاس اُن کے رسول واضح دلیلیں لے کر آئے تو انھوں نے اپنے ہاتھ اپنے مونہوں میں دے لئے، اور کہنے لگے: "تمہیں جو پیغام دے کر بھیجا گیا ہے ہم اُسے قطعاً نہیں مانتے، اور جس بات کی تم ہمیں دعوت دیتے ہو، اس کے بارے میں ہم بے چین کرنے والے شک میں ہیں —— یعنی سب قوموں کے پاس اُن کے رسول اپنی رسالت کے کھلے ثبوت لے کر پہنچے، اور انہیں ہر طرح سمجھانے کی کوشش کی، مگر ان لوگوں نے مان کر نہیں دیا، اور نہ صرف یہ کہ مانا نہیں بلکہ غصہ کی وجہ سے انگلیاں چبانے لگے اور اپنے ہاتھ کاٹنے لگے[۳] اور

(۱) وَقَدْ هَدٰىنَا جملہ حالیہ ہے (۲) ما مصدریہ ہے ای علی إذائکم إیانا۔ (۳) فَرَدُّوا اَيْدِيَهُمْ فِيْ اَفْوَاهِهِمْ (تو انھوں نے اپنے ہاتھ اپنے مونہوں میں لوٹائے) کے مفہوم میں مفسرین کے بہت سے اقوال ہیں، ہم نے صحابی جلیل سیدنا ابن ←

انھوں نے صاف کہہ دیا کہ ہم تمہاری دعوت کو قطعاً نہیں مانتے، ہمیں تمہاری دعوت کی سچائی میں شک ہے۔

اوران کے رسولوں نے جواب دیا: ''کیا اللہ تعالیٰ کے بارے میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کے خالق ہیں جو تمہیں دعوت دے رہے ہیں تا کہ تمہارے کچھ قصور معاف فرمائیں اور تمہیں مقررہ مدت تک مہلت دیں؟ — پیغمبروں نے جواب دیا کس بارے میں تمہیں شک ہو رہا ہے؟ اللہ پاک کے بارے میں جو آسمانوں اور زمین کے بنانے والے ہیں؟ ہم جس چیز کی تمہیں دعوت دے رہے ہیں وہ اس کے سوا اور کیا ہے کہ بندگی کے حقیقی مستحق آسمانوں اور زمین کے پیدا فرمانے والے اللہ تعالیٰ ہیں؟ پھر کیا اللہ تعالیٰ کے بارے میں تم کو شک ہے؟ — پھر تمہیں دعوت بھی ہم نہیں دے رہے، بلکہ اللہ پاک ہی دے رہے ہیں، ہم تو صرف واسطہ ہیں اور وہ تمہیں دعوت بھی کچھ اپنے فائدے کے لئے نہیں دے رہے بلکہ تمہارے ہی بھلے کے لئے سمجھا رہے ہیں وہ اپنی کمال رحمت سے چاہتے ہیں کہ تم توحید وایمان کا راستہ اپناؤ تا کہ وہ تمہارے کچھ قصور معاف فرمائیں اور تمہیں تمہاری مقررہ مدت تک مہلت دیں۔

اُن لوگوں نے کہا: ''تم نہیں ہو مگر ہم جیسے انسان! تم چاہتے ہو کہ ہمیں اُن معبودوں کی بندگی سے روک دو، جن کی بندگی ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں؛ اچھا تو لاؤ کوئی صریح دلیل'' — یعنی تم ہم جیسے انسان ہی تو ہو، کھاتے ہو، پیتے ہو، سوتے ہو، جاگتے ہو، بیوی بچے رکھتے ہو۔ تمہارے اندر کوئی غیر معمولی بات ہمیں نظر نہیں آتی، پھر ہم کیوں کر یقین کرلیں کہ تم اللہ تعالیٰ کے رسول ہو اور اللہ کے فرشتے تمہارے پاس وحی لے کر آتے ہیں — اور تم چاہتے یہ ہو کہ ہم ان معبودوں کی عبادت ترک کردیں جن کی عبادت باپ داداوں سے چلی آئی ہے یعنی اپنا آبائی طریقہ چھوڑ کر تمہاری اتباع کرلیں، یہ کوئی معمولی بات نہیں، پس کوئی صریح دلیل لاؤ تم جو معجزات دکھلا رہے ہو ان سے ہمیں اطمینان حاصل نہیں ہوتا ہم جو معجزات طلب کرتے ہیں وہ دکھاؤ تو ہم مانیں۔

ان کے رسولوں نے انہیں جواب دیا: ''واقعی ہم کچھ نہیں مگر تمہیں جیسے انسان لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں نوازتے ہیں اور یہ بات ہمارے قبضے میں نہیں کہ ہم تمہیں کوئی معجزہ دکھائیں، بغیر حکم خداوندی کے، اور اللہ تعالیٰ ہی پر مؤمنین کو بھروسہ کرنا چاہئے؛ اور ہم کیوں نہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو ہماری راہیں سمجھائی ہیں؟ اور ہم ضرور تمہاری ایذاؤں پر صبر کریں گے اور اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرنے والوں کو بھروسہ کرنا چاہئے۔

← مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان فرمایا ہوا مطلب لیا ہے **اخرج عبد الرزاق، والفریابی وابو عبید وابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم والطبرانی والحاکم وصححه عن ابن مسعود رضی الله عنه، فردوا أیدهم فی أفواهِهِمْ قال : عضوا علیها ، وفی لفظ: عضوا علی انامله‍م غیظًا علی رسله‍م** (درمنثور ج۴ ص۷۲)

رسولوں نے اپنے جواب میں تین باتیں فرمائی ہیں:

پہلی بات:— یہ کہی ہے کہ بلاشبہ ہم انسان ہی ہیں، مگر اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان ہم کو رسالت کے لئے منتخب کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو پورا اختیار ہے کہ وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہیں خصوصی احسان فرمائیں۔

تمام انسان فضائل و کمالات میں یکساں نہیں ہوتے، کوئی عقل مند ہے تو کوئی بے عقل، کوئی عالم و فاضل ہوتا ہے تو کوئی جاہل، کوئی مالدار بلکہ بہت بڑا مالدار ہوتا ہے تو کوئی فقیر بلکہ نان شبینہ کا محتاج۔ غرض انسانوں کے افراد میں جسمانی، دماغی، معاشی اور اخلاقی حالات کے اعتبار سے زمین و آسمان کا تفاوت ہوتا ہے پس اگر اللہ پاک نے اپنے بعض بندوں کو ان کی فطری قابلیت کی وجہ سے روحانی کمالات کے اس بلند مقام پر پہنچادیا جسے مرتبۂ ''رسالت'' کہتے ہیں تو اس میں کیا اشکال ہے؟

دوسری بات:— انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے یہ کہی کہ تمہاری فرمائشیں پوری کرنا ہمارے اختیار میں نہیں، ہم اپنی نبوت کی سند (روشن نشانی) پہلے ہی دکھلا چکے ہیں وہ اطمینان کے لئے کافی ہے۔

تمام انبیاء کرام رسالت کی سند اور واضح معجزات کے ساتھ مبعوث ہوتے ہیں، جن میں اطمینان کا پورا سامان موجود ہوتا ہے مگر ضدی لوگ ان سے تو کوئی اطمینان حاصل نہیں کرتے دوسرے دوسرے معجزات طلب کرتے ہیں، جن کا دکھانا انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اختیار میں نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر وہ ایسی کوئی فرمائش پوری نہیں کر سکتے۔

تیسری بات:— انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے یہ ارشاد فرمائی کہ لوگو! سن لو، ہم تمہارے ڈرانے دھمکانے سے خائف نہیں، تم ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، ہمارا بھروسہ اللہ تعالیٰ پر ہے اور ہر ایک ایماندار کو انہی پر بھروسہ کرنا چاہئے— اور ہم تمہارے ظلم و تشدد سے کیوں ہراساں ہوں؟ کیوں اللہ پاک کی تائید و نصرت پر بھروسہ نہ کریں؟ جس ہستی نے زندگی کی تمام راہوں میں ہماری رہنمائی کی ہے کیا وہ حق و باطل کی اس آویزش میں ہم پر راہ نجات نہ کھولے گا؟ دیر چاہے ہو مگر وہ ہستی ضرور ہماری دستگیری فرمائے گی پس ہم ضرور صبر کریں گے۔ اور ان شاء اللہ صبر کا میٹھا پھل ہمارے حصہ میں آئے گا۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۳ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ ۝۱۴ وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۝۱۵ مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ۝۱۶ يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ

الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ﴿۱۷﴾

وَقَالَ الَّذِيْنَ	اور کہا جنھوں نے	مِنْۢ بَعْدِهِمْ	اُن کے بعد	صَدِيْدٍ (۴)	پیپ کے
كَفَرُوْا	انکار کیا	ذٰلِكَ	یہ (وعدہ)	يَّتَجَرَّعُهٗ	وہ اس کو گھونٹ گھونٹ
لِرُسُلِهِمْ	اپنے رسولوں سے	لِمَنْ	اس کے لئے (ہے) جو		پیئے گا
لَنُخْرِجَنَّكُمْ	ہم ضرور ہی تم کو نکال	خَافَ	ڈرتا ہے	وَلَا يَكَادُ (۵)	اور قریب نہیں
	دیں گے	مَقَامِيْ (۱)	میرے حضور پیشی سے	يُسِيْغُهٗ	(کہ) وہ اس کو آسانی
مِّنْ اَرْضِنَآ	اپنے ملک سے	وَخَافَ	اور ڈرتا ہے		سے گلے سے اتار سکے
اَوْ	یا	وَعِيْدِ	(میری) دھمکی (سے)	وَيَاْتِيْهِ	اور پہونچے گی اُسے
لَتَعُوْدُنَّ	تم ضرور ہی واپس آجاؤ	وَاسْتَفْتَحُوْا	اور انھوں نے فیصلہ چاہا	الْمَوْتُ	موت
فِيْ مِلَّتِنَا	ہمارے مذہب میں	وَخَابَ	اور نامراد ہوا	مِنْ كُلِّ	ہر
فَاَوْحٰٓى	تب وحی بھیجی	كُلُّ	ہر	مَكَانٍ	جانب سے
اِلَيْهِمْ	اُن کی طرف	جَبَّارٍ (۲)	مغرور	وَّمَا	اور نہیں (ہے)
رَبُّهُمْ	ان کے رب نے	عَنِيْدٍ (۳)	دشمن حق	هُوَ	وہ
لَنُهْلِكَنَّ	ہم ضرور ہلاک کریں گے	مِّنْ وَّرَآئِهٖ	اس کے آگے (ہے)	بِمَيِّتٍ	مرنے والا
الظّٰلِمِيْنَ	ظالموں کو	جَهَنَّمُ	دوزخ	وَمِنْ وَّرَآئِهٖ	اور اسکے آگے (ہے)
وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ	اور ہم ضرور تم کو بسائیں گے	وَيُسْقٰى	اور پلایا جائے گا	عَذَابٌ	عذاب
الْاَرْضَ	ملک (میں)	مِنْ مَّآءٍ	پانی سے	غَلِيْظٌ	گاڑھا (سخت)

منکرین نے رسولوں کو دھمکی دی، اللہ پاک نے ان کو تسلی دی

ہر طرح سمجھانے پر بھی منکرین نرم نہ ہوئے، بلکہ اور گرم ہوئے —— اور منکرین نے اپنے رسولوں سے کہا: "ہم ضرور

(۱) مَقَامُ مصدر مضاف ہے ی کی طرف (۲) انسانوں میں جَبَّار وہ شخص ہے جو اپنی کمی کو بلند بانگ دعووں سے پورا کرنا چاہے (۳) عَنِيْدٌ عِنَادٌ سے ہے، دین سے دشمنی رکھنے والا (۴) مَآءٌ صَدِيْدٌ کی ترکیب ایسی ہے جیسے خَاتَمُ فِضَّةٍ، جُبَّةُ صُوْفٍ کی (۵) فعل کاد جب منفی ہوتا ہے تو وہ اثباتِ فعل کے لئے ہوتا ہے اور جب مثبت ہوتا ہے تو فعل کی نفی کرتا ہے۔

تم کو اپنے ملک سے نکال دیں گے یا ضرور تم کو ہمارے مذہب میں واپس آنا ہوگا'' ـــــ یعنی اب دو باتوں میں سے ایک بات ہو کر رہے گی یا تو تم چپ چاپ ہمارے دین میں واپس آجاؤ، ورنہ ہم تم سب کو جلاوطن کردیں گے۔

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام منصب نبوت پر فائز ہونے سے پہلے بھی اپنی گمراہ قوموں کی ملت میں شامل نہیں تھے مگر چونکہ نبوت سے پہلے وہ ایک طرح کی خاموش زندگی بسر کرتے تھے، شرک وکفر کی تردید نہیں کرتے تھے اس لئے ان کی قوم یہ سمجھتی تھی کہ یہ بھی ہماری ہی ملت میں ہیں اور بعثت کے بعد جب انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی قوم کو احکام خداوندی سنانا شروع کرتے ہیں تو وہ لوگ سمجھتے ہیں کہ اب یہ ہمارے دین سے پھر گئے، حالانکہ وہ نبوت سے پہلے بھی کبھی مشرکین کی ملت میں شامل نہیں تھے۔

اس تکبر کی کیا انتہا ہے کہ خدائے پاک کے برگزیدہ پیغمبروں کو دھمکیاں دی جارہی ہیں کہ ہمارے دھرم میں پلٹ آؤ ورنہ ہم تمہیں اپنے علاقہ سے نکال دیں گے طاقت کا غرور، دولت کا نشہ، اور اکثریت کا گھمنڈ کس طرح انسانوں کو اندھا کردیتا ہے اس کو ہر شخص دیکھ سکتا ہے انبیاء کرام کے لئے یہ وقت کس قدر پریشانی کا ہوگا، اس کا ہر شخص اندازہ کرسکتا ہے ـــــ تب اُن پر اُن کے رب نے وحی بھیجی کہ ہم یقیناً ظالموں کو ہلاک کریں گے، اور ان کے بعد ہم یقیناً تم کو ملک میں بسائیں گے ـــــ یعنی گھبراؤ نہیں، یہ تم کو کیا نکالیں گے، ہم ہی ان ظالموں کو تباہ وبرباد کریں گے اور ہمیشہ کے لئے ان کو ملک سے نکال دیں گے اور ان کی جگہ تم کو آباد کریں گے، آگے فرماتے ہیں ہماری طرف سے ـــــ یہ وعدہ ہر اس شخص کے لئے ہے جو میرے حضور میں پیش ہونے سے ڈرتا ہے اور میری دھمکی سے ڈرتا ہے ـــــ یہ وعدہ یعنی دشمنان دین کی بربادی کا اور مؤمنین کی کامیابی کا وعدہ ان لوگوں سے ہے جو خدائے پاک سے ڈرتے ہیں یہ خیال کرکے کہ وہ ہماری تمام حرکتوں کو برابر دیکھ رہے ہیں اور ہمیں ایک دن حساب دینے کے لئے ان کے سامنے کھڑا ہونا ہے اور اس وقت ان کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں ہوگا۔

اور ان لوگوں نے فیصلہ چاہا ـــــ یعنی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے خدائے پاک سے فیصلہ چاہا کہ الٰہی! اب آپ کھول دیں کہ باطل کدھر ہے اور حق کدھر ہے، آپ کس سے خوش ہیں اور کس سے ناراض ہیں، آپ کی زمین پر باقی رہنے کا حق دار کون ہے اور زمین سے ہٹادیئے جانے کے لائق کون ہے ـــــ اور منکرین نے بھی فیصلہ چاہا کیونکہ وہ بزعم خویش انبیاء کرام اور اہل ایمان کو گمراہ اور خود کو برحق سمجھتے تھے۔ غرض دونوں طرف سے فیصلہ چاہا گیا تو اللہ پاک نے فیصلہ کن عذاب نازل فرمایا ـــــ اور ہر مغرور دشمن حق ناکام ہوا ـــــ ان کی تمام چالیں فیل ہوگئیں، سب خیالات کافور ہوگئے نہ وہ رہے نہ اُن کی توقعات رہیں، ایک لمحہ میں سب کا خاتمہ ہوگیا اور یہ ناکامی تو یہاں کا عذاب تھا ـــــ اس کے بعد دوزخ ہے ـــــ اس کی ہولناکی کا کیا ٹھکانا! وہاں ان کے لئے طرح طرح کے عذاب ہیں ـــــ اور اُسے پیپ کا پانی پلایا جائے

گا، جسے وہ گھونٹ گھونٹ پیئے گا اور جسے آسانی کے ساتھ گلے سے اتارنے کی کوئی صورت نہ ہوگی —— یعنی دوزخ میں شدت تشنگی کے وقت ان کو پیپ پلائی جائے گی۔ وہی پیپ جس کی سڑاند سے انسان کی جان نکل جاتی ہے، جو دوزخیوں کے زخموں سے بہہ کر کھڈوں میں اکٹھا ہوئی ہوگی۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب کافر پیاس سے بے تاب ہوگا تو یہی پیپ اس کو پینے کے لئے دی جائے گی، وہ اُسے خوشی سے کہاں پی سکے گا، فرشتے لوہے کے گرز سر پر مار مار کر زبردستی اُس کے منہ میں ڈالیں گے، جس وقت پیپ اس کے منہ سے قریب ہوگی تو اس کا چہرہ جھلس جائے گا اور سر کی کھال گر پڑے گی اور منہ میں پہنچ کر گلے میں پھنس جائے گی، بڑی مصیبت اور تکلیف کے ساتھ گھونٹ گھونٹ کر کے حلق سے نیچے اتارے گا، اور جب پی لے گا تو اس کی آنتیں کٹ کر استنجاء کی راہ سے باہر آجائیں گی [1] —— اور ہر طرف سے اُس کو موت کا سامنا ہوگا۔ مگر وہ مرنے والا نہیں —— یعنی اس پیپ کا پینا کیا ہوگا ہر طرف سے موت کا سامنا ہوگا۔ سر سے پاؤں تک ہر عضو پر موت کی سکرات طاری ہوجائے گی لیکن موت بھی نہیں آئے گی، جو سب تکلیفوں کا خاتمہ کردے —— اور اس کے بعد اور سخت عذاب ہے —— یعنی یہ پیپ تو دوزخ کا معمولی عذاب ہے اس کے علاوہ وہاں طرح طرح کے نہایت سخت اور زہرہ گداز عذاب اور بھی ہیں، جن کا منکرین حق تا ابد مزہ چکھیں گے۔ اللہ پاک تمام انسانوں کو سمجھ عطا فرمائیں کہ وہ اس بھیانک عذاب سے بچنے کی صورت آج اختیار کرلیں، ورنہ موت وہ لمحہ ہے جس پر عمل کی گھڑیاں ختم ہوجاتی ہیں۔

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ پہلی سرگذشت کی طرح اس تاریخی بیان میں بھی کفار مکہ کو اُن باتوں کا جواب دیا جارہا ہے جو وہ نبی پاک ﷺ سے کہا کرتے تھے۔ پچھلے انبیاء اور ان کی قوموں کے واقعات ذکر کرکے مشرکین مکہ کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ تمہارا مستقبل بھی تمہارے رویے پر منحصر ہے اگر تم رسول اللہ ﷺ کی دعوت قبول کرلوگے، تو عرب کی سرزمین تمہارے لئے ہے اور اگر اُسے رد کردوگے تو یہاں سے تمہارا نام ونشان مٹ جائے گا۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ۨاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۸﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۹﴾ وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿۲۰﴾ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قَالُوْا لَوْ

(۱) اخرجه احمد والترمذی والنسائی وغیرهم عن ابی امامة رضی الله عنه۔

ع ۱۵

هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿۲۱﴾ وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ؕ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۲﴾

مَثَلُ	حال	عَلٰی شَیْءٍ	کسی چیز پر	جَدِیْدٍ	نئی
الَّذِیْنَ	ان کا جنھوں نے	ذٰلِکَ هُوَ	یہی وہ	وَّمَا ذٰلِکَ	اور نہیں ہے یہ
کَفَرُوْا	انکار کیا	الضَّلٰلُ	گمراہی ہے	عَلَی اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ پر
بِرَبِّهِمْ	اپنے رب (کا)	الْبَعِیْدُ	دور (کی)	بِعَزِیْزٍ (۳)	کچھ دشوار
اَعْمَالُهُمْ (۱)	ان کے اعمال	اَلَمْ تَرَ	کیا آپ نے نہیں دیکھا	وَبَرَزُوْا	اور ظاہر ہوئے وہ
کَرَمَادِ	جیسے راکھ	اَنَّ اللّٰهَ	کہ خدائے پاک (نے)	لِلّٰهِ	اللہ پاک کے لئے
اشْتَدَّتْ	لے اڑی	خَلَقَ	پیدا کئے	جَمِیْعًا	سارے ہی
بِهِ (۲)	اُسے	السَّمٰوٰتِ	آسمان	فَقَالَ	پس کہا
الرِّیْحُ	ہوا	وَالْاَرْضَ	اور زمین	الضُّعَفٰٓؤُا	کمزوروں (نے)
فِیْ یَوْمٍ	دن میں	بِالْحَقِّ	بامقصد	لِلَّذِیْنَ	ان سے جو
عَاصِفٍ	طوفانی آندھی کے	اِنْ یَّشَاْ	اگر وہ چاہیں	اسْتَکْبَرُوْٓا	بڑے بنے ہوئے تھے
لَا یَقْدِرُوْنَ	قدرت نہیں رکھتے وہ	یُذْهِبْکُمْ	فنا کردیں تمہیں	اِنَّا کُنَّا	بے شک ہم تھے
مِمَّا	اس میں سے جو	وَیَاْتِ	اور لے آئیں	لَکُمْ	تمہاری
کَسَبُوْا	کمایا انھوں نے	بِخَلْقٍ	مخلوق	تَبَعًا (۴)	تقلید کرنے والے

(۱) اَعْمَالُهُمْ بدل ہے مَثَلُ سے (۲) الباء للتعدية أى اسرَعَتِ الذهاب به (روح) (۳) باء خبر پر نفی کی تاکید کے لئے آئی ہے۔ (۴) تَبَعًا جمع ہے تابع کی۔

فَهَلْ اَنْتُمْ	پس کیا تم	الشَّيْطٰنُ	شیطان (نے)	فَلَا	پس نہ
مُّغْنُوْنَ (۱)	دور کرنے والے (ہو)	لَمَّا	جب	تَلُوْمُوْنِيْ	ملامت کرو تم مجھے
عَنَّا	ہم سے	قُضِيَ	فیصل ہو چکا	وَلُوْمُوْٓا	اور ملامت کرو تم
مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ	عذاب خداوندی میں سے	الْاَمْرُ	معاملہ	اَنْفُسَكُمْ	اپنے آپ کو
مِنْ شَيْءٍ	کچھ بھی	اِنَّ اللّٰهَ	بیشک اللہ تعالیٰ (نے)	مَآ اَنَا	نہیں (ہوں) میں
قَالُوْا	جواب دیا انھوں نے	وَعَدَكُمْ	وعدہ کیا تم سے	بِمُصْرِخِكُمْ (۴)	تمہاری فریاد کو پہنچنے والا
لَوْ هَدٰىنَا	اگر راہ دکھائی ہوتی ہمیں	وَعْدَ الْحَقِّ	سچا وعدہ	وَمَآ اَنْتُمْ	اور نہیں (ہو) تم
اللّٰهُ	اللہ پاک (نے)	وَوَعَدْتُّكُمْ	اور وعدہ کیا میں نے تم سے	بِمُصْرِخِيَّ	میری فریاد کو پہنچنے والے
لَهَدَيْنٰكُمْ	تو ہم ضرور راہ دکھاتے	فَاَخْلَفْتُكُمْ (۳)	سو پورا نہ کیا میں نے تم سے	اِنِّيْ كَفَرْتُ	بیشک انکار کیا میں نے
	تمہیں	وَمَا كَانَ	اور نہیں تھا	بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ (۵)	تمہارے شریک ٹھہرانے
سَوَآءٌ	یکساں (ہے)	لِيَ	میرے لئے		کا مجھ کو
عَلَيْنَآ	ہمارے حق میں	عَلَيْكُمْ	تم پر	مِنْ قَبْلُ	قبل ازیں (دنیا میں)
اَجَزِعْنَآ	خواہ روئیں پیٹیں ہم	مِّنْ سُلْطٰنٍ	کچھ زور	اِنَّ	تحقیق
اَمْ صَبَرْنَا	یا صبر کریں ہم	اِلَّآ اَنْ	مگر یہ کہ	الظّٰلِمِيْنَ	ظالمین
مَا لَنَا	نہیں (ہے) ہمارے لئے	دَعَوْتُكُمْ	میں نے بلایا تم کو	لَهُمْ	ان کے لئے (ہے)
مِنْ مَّحِيْصٍ (۲)	کوئی بھاگنے کی جگہ	فَاسْتَجَبْتُمْ	پس لبیک کہا تم نے	عَذَابٌ	عذاب
وَقَالَ	اور کہا	لِيْ	میری بات پر	اَلِيْمٌ	دردناک

کفار کے تین باطل گمانوں کی تردید

۱- کفار کے نیک اعمال آخرت میں راکھ کا ڈھیر ثابت ہونگے

ان آیتوں میں منکرین کے تین گمانوں کی حقیقت واضح کی گئی ہے، پچھلی آیتوں میں ان کا جو انجام بیان ہوا ہے اسے

---

(۱) اغنی عنه كذا: دور کر دینا (۲) مَحِيْصٍ ظرف ہے حَاصَ (ض) حَيْصًا ومَحِيْصًا عن كذا: الگ ہونا، ہٹ جانا (۳) اَخْلَفَ وعده: پورا نہ کرنا (۴) مُصْرِخٌ اسم فاعل از اِصْرَاخٌ: فریادرس، صَرَخَ (ن) صُرَاخًا وصَرِيْخًا: سخت چیخنا، فریاد کرنا صَرَخَ الْقَوْمَ: فریادرسی کرنا، مدد کرنا (۵) ما مصدریہ ہے۔

سن کر شاید ان کے ذہنوں میں یہ خیالات پیدا ہوں اس لئے یہاں ان کی حقیقت اچھی طرح واضح کی جارہی ہے۔

پہلا خیال:— منکرین کو یہ خیال ہو سکتا ہے کہ آخر ہم نے دنیا میں بہت سے اچھے کام کئے ہیں، بڑے بڑے خیراتی اور رفاہی کام انجام دیئے ہیں۔ بہت سوں کی مصیبتوں میں کام آئے ہیں اور کسی نہ کسی عنوان سے خدا کی پوجا بھی کی ہے تو کیا یہ سب کیا کرایا اور دیا دلایا اُس وقت کچھ کام نہ آئے گا؟

جواب:— جن لوگوں نے اپنے رب کا انکار کیا، اُن کے اعمال کا حال اُس راکھ جیسا ہے جسے کسی طوفانی دن میں آندھی لے اڑی ہو— یعنی جن لوگوں نے اپنے رب کے ساتھ بے وفائی، نافرمانی اور سرکشی کی روش اختیار کی ہے اور اطاعت وبندگی کا وہ طریقہ اختیار کرنے سے انکار کردیا، جس کی دعوت انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے دی، جنھیں خدائے پاک کی صحیح معرفت حاصل نہیں، محض فرضی اور وہمی خداؤں کو پوجتے رہے ہیں، ان کے تمام اعمال محض بے روح اور بے وزن ہونگے، وہ محشر میں اسی طرح برباد ہوجائیں گے، جیسے راکھ کا ڈھیر اکٹھا ہو کر مدت دراز میں ٹیلہ بن گیا ہو مگر جب طوفانی دن میں زور کی آندھی چلتی ہے تو اس راکھ کے تمام ذرات منتشر ہوجاتے ہیں۔ منکرین کے تمام کارنامے آخر کار راکھ کا ڈھیر ثابت ہوں گے جسے قیامت کے دن کی آندھی بالکل صاف کردے گی۔ اور عالم آخرت میں— جو کچھ انھوں نے کمایا ہے اس میں سے کسی چیز پر بھی قادر نہ ہوں گے— خالی ہاتھ رہ جائیں گے۔ حالانکہ وہی موقع ہوگا جہاں نیک کاموں کی سب سے زیادہ ضرورت ہوگی۔ اللہ اکبر! کیسی حسرت کا وقت ہوگا جن اعمال کو ذریعۂ نجات سمجھے ہوئے تھے وہ راکھ کا ڈھیر ثابت ہوئے— یہی پرلے درجہ کی گمراہی ہے۔

آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ منکرین کے اعمال نہ صرف آخرت میں راکھ کا ڈھیر ثابت ہوں گے بلکہ اس دنیا میں بھی ان کے کارنامے اور ان کا وجود برباد کردیئے جانے کا مستحق ہے۔ کیونکہ وہ انسانوں کے مقصد تخلیق کو پورا نہیں کررہے، ارشاد فرماتے ہیں— کیا تمہیں یہ بات معلوم نہیں کہ خدائے پاک نے آسمانوں اور زمین کو با مقصد پیدا کیا ہے؟— یعنی کیا تم غور نہیں کرتے کہ کائنات کی ہر چیز کسی خاص مصلحت اور مقصد کے لئے بنائی گئی ہے پھر کیوں کر ممکن ہے کہ تمہارا وجود اور تمہارے اعمال بے مقصد ہوں، ان میں کوئی خاص مصلحت پوشیدہ نہ ہو، بھلا یہ کیسے مانا جاسکتا ہے کہ ہر ذرے اور ہر پتے کے وجود کی تو کوئی نہ کوئی مصلحت ہو اور اشرف المخلوقات انسان محض بے مقصد پیدا کیا گیا ہو؟!— نہیں بلکہ اشرف المخلوقات انسان عظیم الشان مقصد کے لئے پیدا کیا گیا ہے، پس اگر وہ مقصد تخلیق پورا نہیں کرتا تو اُسے چھانٹ دیا جائے گا اور اگر اس کے کارنامے مقصد حق کے مطابق نہیں ہیں تو انہیں ردی کی نذر کردیا جائے گا ارشاد فرمایا جاتا ہے— اگر وہ چاہیں تو تمہیں فنا کردیں اور کوئی دوسری مخلوق (تمہاری جگہ) لے آئیں، اور ایسا کرنا اللہ پاک کے لئے کچھ دشوار نہیں

—— یعنی وہ انسان جو مقصد تخلیق پورا نہیں کر رہے، وہ ہر وقت اس خطرے میں ہیں کہ انھیں فنا کر دیا جائے اور کسی دوسری قوم کو ان کی جگہ کام کرنے کا موقع دیا جائے۔ اس خطرے کے عملاً رونما ہونے میں اگر دیر لگ رہی ہے تو اُس سے یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہئے کہ خطرہ سرے سے موجود ہی نہیں۔ مہلت کے ایک ایک لمحے کو غنیمت جاننا چاہئے اور اپنی غلط روش کو جلدی سے بدل کر مقصد تخلیق کے مطابق زندگی بسر کرنی چاہئے۔

اللہ تعالیٰ کے یہاں قدر دھان کی ہے اور پیا[1] کو کسان خود ہی پھٹک کر علاحدہ کر دیتا ہے

۲- کافروں کے اکابر ان کی کوئی مدد نہیں کر سکیں گے

دوسرا خیال:—— منکرین حق کو یہ خیال بھی آسکتا ہے کہ ان کے وہ اکابر، لیڈر، پیشوا اور مذہبی رہنما جن کے پیچھے وہ آنکھیں بند کر کے چلتے رہے ہیں وہ ان کو قیامت کے دن عذاب خداوندی سے بچالیں گے، اس خیال کی حقیقت بھی واضح کی جاتی ہے۔

جواب:—— اور برآمد ہوئے سارے ہی اللہ تعالیٰ کے روبرو پیش ہونے کے لئے، پھر کمزوروں نے اُن لوگوں سے کہا جو بڑے بنے ہوئے تھے: ''ہم یقیناً تمہاری پیروی کرنے والے تھے تو کیا اب تم عذاب خداوندی کا کوئی حصہ ہم سے ہٹاؤ گے؟''—— انھوں نے جواب دیا: ''اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں نجات کی کوئی راہ دکھائی ہوتی تو ہم بھی تمہیں دکھا دیتے! اب تو ہمارے لئے یکساں ہے خواہ ہم روئیں پیٹیں یا صبر کریں، ہمارے بچنے کی کوئی صورت نہیں!''——

قیامت کے دن کافروں کی اس گفتگو سے صاف ہوتا ہے کہ منکرین حق کے پیشوا اور مذہبی رہنما اپنے متبعین کے کچھ کام نہ آئیں گے، پس آج جو لوگ آنکھیں بند کر کے ان کے پیچھے چلتے ہیں انہیں جان لینا چاہئے کہ کل اِن میں سے کوئی بھی انہیں عذاب خداوندی سے ذرہ برابر نہ بچا سکے گا، لہٰذا آج ہی سوچ لو کہ تم کس کے پیچھے چل رہے ہو اور وہ تمہیں کہاں لے جا رہے ہیں۔

آیت پاک میں قریش مکہ کی طرف اشارہ ہے جو تمام عرب کے سردار اور پیشوا بنے ہوئے تھے، تمام باشندگان عرب اُن کے طریقہ کی پیروی کرتے تھے۔ چنانچہ جب انھوں نے دعوت اسلام کی مخالفت میں قدم اٹھایا تو تمام قبائل عرب نے ان کی پیروی کی، اس آیت میں تمام قبائل عرب کو یہ سمجھایا گیا ہے کہ تمہارے یہ پیشوا تمہیں نتائج اعمال کی گرفت سے نہیں بچا سکتے پس ان کی اندھی تقلید اور اطاعت نہ کرو۔

(۱) پیا: دھان کا وہ بیج جس میں چاول نہیں ہوتا، محض چھلکا ہوتا ہے۔ بعض علاقوں میں اُسے ''پوچ'' بھی کہتے ہیں ۱۲

۳- کافروں کے معبود اور شیطان بھی کوئی مدد نہیں کریں گے

تیسرا خیال:— مشرکین کو یہ خیال بھی آ سکتا ہے کہ وہ خدائے پاک کو چھوڑ کر جن ہستیوں کو پوجتے ہیں وہ قیامت کے دن ان کے کام آئیں گی تو اس کی حقیقت بھی جان لیں:

جواب:— اور جب تمام مقدمات فیصل ہو چکے— اور جنتی جنت میں پہنچ گئے اور دوزخی دوزخ میں ڈال دئے گئے تو وہاں دوزخیوں نے مل کر ابلیس لعین پر لعن طعن اور ملامت شروع کی کہ مردود تو نے ہماری راہ ماری اور اس مصیبت میں گرفتار کرایا، اب کوئی تدبیر بتا جس سے عذاب الٰہی سے رہائی ملے— تو شیطان نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ نے یقیناً تم سے سچے وعدے کئے تھے— جن کی سچائی آج تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو— اور میں نے بھی تم سے وعدے کئے تھے— کہ آخرت واخرت کچھ نہیں، سب ڈھکوسلا ہے— سو میں نے وہ وعدے پورے نہ کئے— یعنی میرے وعدے جھوٹے تھے، جن کا جھوٹ ہونا بھی تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو، غرض تمہارے تمام گلے شکوے اِس حد تک بالکل صحیح ہیں، مجھے اس سے ہرگز انکار نہیں مگر آگے سنو— اور میرا تم پر کچھ زور نہ تھا بجز اس کے کہ میں نے تم کو بلایا تو تم نے میری دعوت پر لبیک کہا— یعنی میں نے زبردستی آپ لوگوں کا ہاتھ پکڑ کر غلط راستے پر نہیں کھینچ لیا، میں نے تو اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا کہ اللہ پاک کی سچی دعوت کے مقابلے میں اپنی جھوٹی دعوت آپ لوگوں کے سامنے رکھی، سچائی کے مقابلے میں جھوٹ کی طرف آپ کو بلایا، نیکی کے مقابلے میں برائی کی طرف آپ کو پکارا۔ اُس سے آگے میرا کچھ زور نہیں تھا، ماننے نہ ماننے کے سارے اختیارات آپ ہی حضرات کو حاصل تھے۔ میرے پاس آپ لوگوں کو مجبور کرنے کی کوئی طاقت نہیں تھی آپ لوگوں نے خود برضا و رغبت میری دعوت پر لبیک کہا۔ میں اپنی باطل دعوت کا ذمہ دار ضرور ہوں اور اس کی سزا بھی پا رہا ہوں مگر آپ لوگوں نے جو لبیک کہا تھا اس کی ذمہ داری آخر مجھ پر کیوں ڈالتے ہو، اس کے ذمہ دار تو تم خود ہو— پس اب مجھے ملامت مت کرو اور اپنے آپ کو ملامت کرو— آج کے دن— نہ میں تمہاری فریادرسی کر سکتا ہوں نہ تم میری فریادرسی کر سکتے ہو— میں قطعاً بری الذمہ ہوں تمہارے قبل ازیں مجھ کو شریک ٹھہرانے سے— یعنی تم نے دنیا میں اپنی حماقت سے مجھ کو خدائی کا شریک ٹھہرایا تھا، آج میں اس سے منکر اور بیزار ہوں پس مجھ سے تمہارا کوئی تعلق نہیں تم خود ہی ظالم ہو، اپنے پیروں پر تم نے خود ہی کلہاڑی ماری ہے — اور ظالموں کے لئے یقیناً دردناک عذاب ہے — پس اپنے کئے کی سزا بھگتو، شور مچانے اور الزام دینے سے کچھ حاصل نہیں۔ ابلیس لعین کے اس جواب سے کفار کی کمر ٹوٹ جائے گی۔ دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے اور وہ کلیجہ تھام کر رہ جائیں گے— ابلیس کے اس جواب سے جھوٹے معبودوں کا بھروسہ بھی ختم ہوا کیونکہ جھوٹے معبودوں کی عبادت کا اصل بانی اور محرک ابلیس ہی ہے اور وہی غیر اللہ کی

عبادت سے بہت زیادہ خوش ہوتا ہے اسی وجہ سے قیامت کے دن دوزخی اسی سے کہیں گے، سنیں گے، اور جب اسی نے صاف جواب دے دیا تو اوروں سے کیا امید ہوسکتی ہے۔ غرض منکرین حق کے تمام خیالات باطل ثابت ہوئے اور ان کی نجات کے سب راستے مسدود ہو گئے۔

وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۭ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۝۲۳

وَاُدْخِلَ	اور داخل کئے جائیں گے	تَجْرِيْ	(کہ) رواں ہیں	بِاِذْنِ (۳)	اجازت سے
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	وہ لوگ جو ایمان لائے	مِنْ تَحْتِهَا	ان کے نیچے	رَبِّهِمْ	ان کے رب (کی)
وَعَمِلُوا	اور کئے انھوں نے	الْاَنْهٰرُ	نہریں	تَحِيَّتُهُمْ (۴)	ان کی ملاقات کی دعا
الصّٰلِحٰتِ	نیک کام	خٰلِدِيْنَ (۲)	سدا رہنے والے ہیں وہ	فِيْهَا	اس (جنت) میں
جَنّٰتٍ (۱)	(ایسے) باغوں (میں)	فِيْهَا	ان میں	سَلٰمٌ	سلامتی (ہے)

مقابلۃً مؤمنین کی خوش انجامی کا بیان

کفار کی سزا بیان کرنے کے بعد اب بطور مقابلہ مؤمنین کا انجام بیان فرماتے ہیں، ارشاد ہے: —— اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کئے، وہ ایسے باغوں میں داخل کئے جائیں گے جن کے نیچے نہریں رواں ہیں —— جس کی وجہ سے ان کی سرسبزی اور شادابی جوبن نکال رہی ہے —— وہ لوگ وہاں اُن کے رب کی اجازت سے ہمیشہ رہیں گے —— یعنی اگر پروردگار چاہیں تو وہ جنت سے نکال سکتے ہیں کیونکہ ان کو ہر طرح قدرت ہے۔ خلود جنت کی ذاتی خاصیت نہیں، وہاں اہل جنت کو جو ہمیشہ رہنا نصیب ہوگا وہ ان کے پروردگار کی اجازت سے ہوگا —— وہاں ان کی باہم ملاقات کی دعا ''سلام'' ہے —— یعنی وہ ایک دوسرے کا استقبال لفظ سلام سے کریں گے اور فرشتے بھی ملاقات کے وقت اُن کو ''سلام'' کریں گے، لفظ ''سلام'' دنیا میں سلامتی کی دعا ہے اور جنت میں سلامتی ملنے پر مبارک باد ہے۔

(۱) جَنّٰتٍ مفعول فیہ ہے (۲) خٰلِدِيْنَ حال ہے اُدْخِلَ کے نائب فاعل سے (۳) بِاِذْنِ جار مجرور خٰلِدِيْنَ سے بھی متعلق ہوسکتے ہیں اور ادخل سے بھی (۴) تحیۃ کے لغوی معنی ہیں درازی عمر کی دعا دینا مگر اصطلاحاً یہ لفظ خیر مقدم اور خوش آمدید کہنے کے لئے بولا جاتا ہے جو آمنا سامنا ہونے پر لوگ سب سے پہلے ایک دوسرے سے کہتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَاۗءِ ﴿٢٤﴾ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ۭ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٢٥﴾ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِۨ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿٢٦﴾ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ڐ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ ﴿٢٧﴾ ع

لفظ	معنی	لفظ	معنی	لفظ	معنی
اَلَمْ تَرَ	کیا آپ نے دیکھا نہیں	اُكُلَهَا (٣)	اپنا پھل	كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ	جیسے بیکار درخت
كَيْفَ	کیسی	كُلَّ حِيْنٍ	ہر وقت		
ضَرَبَ	بیان فرمائی	بِاِذْنِ	اجازت سے	اجْتُثَّتْ (۴)	جڑ سے اکھیڑ دیا گیا
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ (نے)	رَبِّهَا	اپنے رب (کی)	مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ	زمین کے اوپر سے
مَثَلًا	مثال	وَيَضْرِبُ	اور بیان فرماتے ہیں		
كَلِمَةً طَيِّبَةً (١)	ستھری بات کی	اللّٰهُ	اللہ پاک	مَا لَهَا	نہیں اس کے لئے
كَشَجَرَةٍ	جیسے درخت	الْاَمْثَالَ	مثالیں	مِنْ قَرَارٍ	کوئی استحکام
طَيِّبَةٍ	اچھی ذات کا	لِلنَّاسِ	لوگوں کے لئے	يُثَبِّتُ	مضبوط رکھتے ہیں
اَصْلُهَا	اس کی جڑ	لَعَلَّهُمْ	تاکہ وہ	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
ثَابِتٌ	جمی ہوئی ہے	يَتَذَكَّرُوْنَ	نصیحت پذیر ہوں	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	ان کو جو ایمان لائے
وَّفَرْعُهَا (٢)	اور اس کی شاخیں	وَمَثَلُ	اور مثال	بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ (۵)	پکی بات کے ذریعے
فِي السَّمَاۗءِ	آسمان میں (ہیں)	كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ	گندی بات (کی)	فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا	دنیا کی زندگی میں
تُؤْتِيْٓ	دیتا ہے وہ			وَفِي الْاٰخِرَةِ	اور آخرت میں

(١) كَلِمَةً طَيِّبَةً کی کئی ترکیبیں ہوسکتی ہیں اور سب کا حاصل ایک ہے: (١) فعل مضمر سے منصوب ہو ای جعل کلمة الخ اور یہ جملہ سابق جملہ کیف ضرب الخ کی تفسیر ہو (٢) مثلاً سے بدل ہو (٣) مضاف حذف کرنے کی وجہ سے منصوب ہو ای مثل کلمة الخ (٢) اَلْفَرْعُ (مصدر) من کل شی: اوپر کا حصہ جو اصل سے نکلا ہو (٣) الاُکُلُ والاُکْلُ: پھل (۴) اُجْتُثَّتْ اِجْتِثَاثٌ سے ماضی مجہول کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے جَثَّهُ (ن) جَثًّا و اِجْتَثَّهُ: جڑ سے اکھیڑنا۔ (۵) بائے سببیت ہے۔

وَيُضِلُّ	اور بھٹکا دیتے ہیں	الظّٰلِمِيْنَ	ظالموں (کو)	اللّٰهُ مَا	اللہ تعالیٰ جو
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	وَيَفْعَلُ	اور کرتے ہیں	يَشَآءُ	چاہتے ہیں

کلمہ طیبہ اور کلمہ خبیثہ کی مثال

منکرین کی آخرت میں جو دُرگت بنے گی، وہ آپ نے دیکھ لی، اور مؤمنین کا حسن انجام بھی دیکھ لیا، اب ان آیتوں میں کلمۂ ایمان اور کلمۂ کفر کی حالت بیان کرتے ہیں، کیونکہ مثال سے بات اچھی طرح سمجھ میں آتی ہے، نیز دنیا و آخرت میں دونوں کلموں کے اثرات وثمرات بھی بیان فرمائے ہیں، ارشاد فرماتے ہیں—کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیسی (اچھی) مثال بیان فرمائی ہے—یعنی کیسی باموقع اور پر معنی مثال ہے:— پاکیزہ بات جیسے ایک اچھی ذات کا درخت، جس کی جڑیں زمین میں جمی ہوئی ہوں اور شاخیں آسمان سے باتیں کر رہی ہوں جو اپنے رب کے حکم سے ہر آن اپنے پھل دے رہا ہو— پاکیزہ بات یعنی کلمہ طیبہ اور ایمان کی باتیں ایک نہایت پاکیزہ درخت کے مشابہ ہیں جس کی جڑیں زمین کی گہرائی میں گئی ہوئی ہیں، زور کا جھکڑ بھی اُسے جڑ سے اکھیڑ نہیں سکتا اور اس کی شاخیں آسمان سے باتیں کرتی ہیں، اس کی بلندی اور مضبوطی کا کون اندازہ کر سکتا ہے، اس کی نفع بخشی کا یہ حال ہے کہ بارہ مہینے اس پر تازہ پھل لگے رہتے ہیں جب جی چاہا پھل توڑ لئے اور اُن سے لطف اندوز ہو لئے۔

ٹھیک یہی حال کلمۂ طیبہ کا ہے، ایمان کی جڑیں بندۂ مؤمن کے قلب میں نہایت مستحکم اور مضبوط ہوتی ہیں حوادث کے جھکڑ اس کو ہلا نہیں سکتے، ہر زمانے کے پکے مسلمانوں کی ایسی مثالیں کچھ کم نہیں، جنہوں نے ایمان کے مقابلے میں نہ جان کی پرواہ کی، نہ مال کی، نہ کسی دوسری چیز کی—حدیث شریف میں ہے کہ ایمان کی ستر سے کچھ زیادہ شاخیں ہیں جن میں سب سے اعلیٰ اور افضل کلمہ طیبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے، اور معمولی شاخ راستے سے تکلیف دِہ چیز کو ہٹانا ہے اور حیاء (شرم) ایمان کی ایک اہم شاخ ہے[۱]—ایمان کی شاخوں سے مراد وہ اعمال واخلاق اور ظاہری وباطنی احوال ہیں جو کسی دل میں ایمان کے آجانے کے بعد پیدا ہوتے ہیں، جس طرح سرسبز وشاداب درخت میں برگ وبار نکل آتے ہیں۔

اور یہ ایمانی برگ وبار فرش سے لے کر عرش تک ساری کائنات کو اپنے انوار سے بھر دیتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب بندہ دل کے اخلاص کے ساتھ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہتا ہے تو اس کے لئے لازماً آسمانوں کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں، یہاں تک کہ وہ کلمہ عرش الٰہی تک پہنچ جاتا ہے، بشرطیکہ وہ شخص کبیرہ گناہوں سے بچا ہوا ہو[۲] حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے

(۱) حدیث متفق علیه عن ابی هریرة رضی الله عنه. (۲) رواه الترمذی.

ارشادفرمایا: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ آسمان اور زمین کی درمیانی فضاء کو بھر دیتے ہیں[1] اور اللہ پاک کا ارشاد ہے:

﴿ إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ ﴾ (سورۂ فاطر آیت ۱۰)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی جانب پاکیزہ باتیں اور نیک عمل چڑھتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو اٹھاتے ہیں۔

پاکیزہ باتوں اور نیک کاموں کی اللہ تعالیٰ کے یہاں اتنی وقعت ہے کہ اللہ تعالیٰ خود ان کو اپنی طرف اٹھاتے ہیں، قبول فرماتے ہیں اور صلہ عطا فرماتے ہیں!

اہل ایمان کو پاکیزہ باتوں کی برکتیں ہر وقت حاصل ہوتی رہتی ہیں بلکہ کلمہ طیبہ ایسا بار آور درخت ہے کہ جو شخص اسے بنیاد بنا کر اپنی زندگی کا نظام اس پر تعمیر کرے، اُس کو ہر آن اس کے مفید نتائج حاصل ہوتے رہتے ہیں، کلمہ طیبہ سے فکر میں سلجھاؤ، مزاج میں اعتدال، طبیعت میں سلامت روی، اخلاق میں پاکیزگی، برتاؤ میں خوشگواری، معاملات میں راست بازی، جسم میں نظافت اور کلام میں صداقت پیدا ہوتی ہے وہ ایک ایسا پارس ہے جس کی تاثیر اگر کوئی ٹھیک ٹھیک قبول کرے تو کندن بن جائے ـــــ اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے مثالیں بیان فرماتے ہیں تاکہ لوگ نصیحت قبول کریں ـــــ یعنی پہلے مثال کے ذریعے لوگ بات کو اچھی طرح سمجھ لیں کیونکہ مثال مقصود کو محسوس بنا کر پیش کرتی ہے اور صورت کے آئینہ میں معنی کا سمجھنا نہایت آسان ہو جاتا ہے پھر بات سمجھ کر اُس سے نصیحت قبول کریں اور سبق لیں کیونکہ مقصود کلام یہی ہے۔

اور گندی بات کی مثال ایک بیکار درخت کی سی ہے، جسے زمین کے اوپر ہی سے جڑ سے اکھاڑ پھینکا جاتا ہے، جس کے لئے کچھ جماؤ نہیں ـــــ گندی بات یعنی کلمہ کفر اور باطل عقیدہ کا حال اس بیکار خودرو درخت کا سا ہے، جو کھیت میں اگتا ہے جس کی جڑیں زمین کے اندر زیادہ نہیں جاتیں، بس اوپر ہی اوپر ہوتی ہیں، ذرا سے جھٹکے سے اکھڑ جاتا ہے، جونہی اس بیکار پودے نے زمین سے سر نکالا اور وہاں سے کسان کا گذر ہوا اور اس کی نگاہ اس خودرو پودے پر پڑی کہ اس نے اُسے پکڑ کر جڑ موڑ سے اکھاڑ پھینکا۔ اُس پودے کو نہ تو کھیت میں پھلنے پھولنے کا موقع ملتا ہے نہ اس کے لئے کچھ ثبات ہے، یہی حال باطل عقیدے کا ہے اس کی جڑ بنیاد کچھ نہیں ہوتی، ہوا کے ایک جھٹکے میں اکھڑ جاتا ہے۔

کلمہ طیبہ اور کلمہ خبیثہ کا یہ فرق ہر وہ شخص محسوس کر سکتا ہے جو انسانوں کی مذہبی اور فکری تاریخ کا مطالعہ کئے ہوئے ہے، وہ دیکھے گا کہ آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک کلمۂ طیبہ ایک رہا ہے اور کلماتِ خبیثہ خودرو پودوں کی طرح بے شمار پیدا ہو چکے ہیں، کلمہ طیبہ کو آج تک کوئی طاقت جڑ سے نہیں اکھاڑ سکی اور ہزاروں کلمات خبیثہ، باطل عقائد اور غلط افکار آج مردہ ہو چکے ہیں، اپنے زمانے میں جن نظریات کا بڑا زور شور رہا ہے، آج ان کا ذکر کیا جائے، تو لوگ حیران ہوں گے کہ انسان

(۱) رواہ مسلم۔

کبھی ایسی حماقتوں کا بھی قائل رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو پکی بات کے ذریعے، دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں مضبوط رکھتے ہیں —— یعنی اللہ تعالیٰ ایمان کی برکت سے مؤمنین کو دنیا وآخرت میں مضبوط وثابت قدم رکھتے ہیں دنیا میں کیسی ہی آفات وحوادث آئیں کتنا ہی سخت امتحان ہو مؤمن کلمہ طیبہ کی بدولت ثابت قدم رہتا ہے۔ قبر میں منکر نکیر کے سوالوں کے صحیح جواب دیتا ہے، اور جب محشر کا ہولناک ہوش اڑا دینے والا منظر سامنے آئے گا تو مؤمن اس کلمہ کی بدولت نہایت مطمئن ہوگا، اُسے ادنی گھبراہٹ نہ ہوگی —— اور ظالموں کو اللہ تعالیٰ بھٹکا دیتے ہیں —— دنیا وآخرت میں کسی جگہ انہیں استقامت نصیب نہیں ہوتی۔

یہاں ہم تینوں زندگیوں کی مثالیں پیش کرتے ہیں۔

پہلی مثال: —— مدینہ شریف میں خبر پہنچی کہ ایک شخص دعثور نامی چار سو پچاس آدمیوں کو لے کر بے خبری میں لوٹ مار کرنے کے لئے مدینہ پر چڑھ آیا، نبی کریم ﷺ نے کچھ ساتھیوں کو تیاری کا حکم دیا، جب دعثور کو تیاری کی خبر ہوئی تو اس پر ایسا رعب چھایا کہ وہ میدان چھوڑ کر پہاڑوں میں جا چھپا۔ حضور اقدس ﷺ اپنے ساتھیوں کو لے کر میدان میں پہنچے، وہاں کوئی نہیں تھا۔ اِدھر اُدھر تلاش کیا مگر کوئی نہ ملا، دوپہر کا وقت ہو گیا۔ شاہ دو جہاں ﷺ ایک درخت کے نیچے آرام فرمانے لگے، تلوار درخت میں لٹکا دی دوسرے ساتھی آس پاس کے درختوں کے نیچے، ہتھیار کھول کر آرام کرنے لگے، جب سب غافل ہو گئے تو دعثور پہاڑیوں سے نکل کر ایک دم حضور اقدس ﷺ کے سر پر آ کھڑا ہوا، آپ کی تلوار پر قبضہ کیا آپ کی بھی آنکھ کھل گئی، مگر آپ لیٹے رہے، وہ نہایت تکبر سے بولا: ''بتا، اب تجھے کون بچا سکتا ہے؟'' حضور اقدس ﷺ نے نہایت اطمینان سے جواب دیا: اللہ! —— خدائے پاک کا نام سچے رسول کی زبان پر کچھ اس شان سے آیا کہ دعثور ہیبت کے مارے تھر تھر کانپنے لگا، تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اب حضور اٹھے اور تلوار پر قبضہ کیا اور ارشاد فرمایا: ''بتا، اب تجھے کون بچائے گا؟'' —— دعثور چونکہ کافر تھا خدا پر اس کا بھروسہ نہیں تھا، ظاہری ساز وسامان پر اس کا تکیہ تھا اس لئے اب وہ مجبور اور لاچار تھا، اُسے اپنی موت کا یقین ہو گیا وہ گھبرا کر بولا: ''حضور کے رحم وکرم کے سوا کوئی نہیں بچا سکتا!'' رحمۃ للعالمین ﷺ کا جذبۂ رحمت جوش میں آیا، آپؐ نے اس کو معاف فرما دیا، دعثور آپؐ کا رحم وکرم دیکھ کر مسلمان ہو گیا، کفر کی حمایت میں آیا تھا مگر وہ خود اسلام پر مر مٹا![1]

دوسری مثال: —— حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مؤمن بندہ جب قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے (یعنی اس دنیا سے منتقل ہو کر عالم برزخ میں پہنچ جاتا ہے) تو اس کے پاس اللہ

(۱) یہ واقعہ اصابہ میں واقدی کے حوالہ سے مروی ہے۔

تعالیٰ کے دوفرشتے[۱] آتے ہیں، وہ اس کو بٹھاتے ہیں، پھر اس سے پوچھتے ہیں کہ بتا، تیرا رب کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ میرے پروردگار اللہ تعالیٰ ہیں، وہ فرشتے دوسرا سوال کرتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ میرا دین اسلام ہے، پھر وہ پوچھتے ہیں کہ یہ ہستی جو تمہارے اندر مبعوث کی گئی تھی اس کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے؟ وہ کہتا ہے کہ وہ اللہ کے سچے رسول ہیں، اب فرشتے پوچھتے ہیں کہ یہ باتیں تمہیں کس نے بتلائیں؟ وہ جواب دیتا ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب پڑھی، میں اس پر ایمان لایا اور میں نے اس کی تصدیق کی —— رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ مؤمن بندے کا یہی جواب ہے جس کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

﴿ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو پکی بات کے ذریعے، دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں مضبوط رکھتے ہیں۔

اِس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک ندا دینے والا آسمان سے ندا دیتا ہے کہ ”میرے بندے نے ٹھیک بات کہی اور صحیح جوابات دیئے، لہٰذا اس کے لئے جنت کا فرش کرو، اور جنت کا اس کو لباس پہناؤ اور جنت کی طرف اس کے لئے ایک دروازہ کھول دو“ —— چنانچہ وہ دروازہ کھول دیا جاتا ہے، جس سے جنت کی خوشگوار ہوائیں اور بھینی بھینی خوشبوئیں آنے لگتی ہیں اور منتہائے نظر تک اس کے لئے جنت کشادہ کردی جاتی ہے۔

اور کافر جب مرتا ہے اور عالم برزخ میں پہنچتا ہے تو اس کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے اور اس کے پاس بھی دو فرشتے[۲] آتے ہیں، وہ اُس کو بٹھاتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے ہا! ہا!! میں کچھ نہیں جانتا پھر فرشتے اس سے دوسرا سوال پوچھتے ہیں کہ تیرا دین کیا تھا؟ وہ کہتا ہے: ہا! ہا!! میں کچھ نہیں جانتا پھر فرشتے پوچھتے ہیں کہ یہ ہستی جو تمہارے درمیان مبعوث کی گئی تھی اس کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے؟ اس کا جواب بھی وہ یہی دیتا ہے کہ ہا! ہا!! میں کچھ نہیں جانتا —— پھر آسمان سے ایک ندا دینے والا اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکارتا ہے کہ اس نے جھوٹ کہا (یعنی یہ جانتا سب کچھ ہے مگر چونکہ زندگی بھر منکر رہا ہے۔ اس لئے اب اقرار کس منہ سے کرے!) اس کیلئے دوزخ کا فرش کرو اور دوزخ کا اس کو لباس پہناؤ، اور اس کیلئے دوزخ کا ایک دروازہ کھول دو —— رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ اس کو برابر دوزخ کی گرمی اور آگ کی لپٹیں اور جھلسا دینے والی ہوائیں پہنچتی رہیں گی اور اس کی قبر اس پر نہایت تنگ کردی جائے گی جس کی وجہ سے اس کے سینے کی پسلیاں اِدھر سے اُدھر ہوجائیں گی پھر اس کو عذاب دینے کیلئے ایک ایسا فرشتہ اس پر مسلط کیا جائے گا جو نہ کچھ دیکھے گا اور نہ کچھ سنے گا۔ اس کے پاس لوہے کی ایک ایسی مونگری ہوگی، کہ

(۱) جن کے نام مبشر اور بشیر ہیں (۲) جن کے نام منکر اور نکیر ہیں۔

اگر اس کی ایک چوٹ کسی پہاڑ پر ماری جائے تو وہ بھی مٹی کا ڈھیر ہو جائے وہ فرشتہ اس مونگری سے اس پر چوٹ مارے گا جس سے وہ اس طرح چیخے گا کہ اس کی چیخ کو، جن وانس کے علاوہ مشرق ومغرب کے درمیان موجود ہر مخلوق سنے گی وہ کافر اس چوٹ سے خاک ہو جائے گا، مگر فوراً ہی اس میں پھر روح ڈال دی جائے گی[۱]

تیسری مثال:۔۔۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ: مجھے بتایئے کہ قیامت کے دن ۔۔۔ جس کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ: ''اُس دن لوگ رب العالمین کے حضور میں کھڑے ہوں گے'' تو اس دن ۔۔۔ کس کو کھڑے رہنے کی طاقت ہوگی؟ (یعنی کون اُس پورے دن میں کھڑا رہ سکے گا، جو پچاس ہزار سال کی برابر ہوگا؟) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایمان والوں کے حق میں یہ کھڑا ہونا بہت ہلکا کر دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ ان کے لئے بس ایک فرض نماز کی طرح ہو جائے گا[۲] ۔۔۔ قرآن پاک میں بھی یہی ارشاد فرمایا گیا ہے: ﴿فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ ۝ فَذَٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ ۝ عَلَى الْكَافِرِينَ غَيْرُ يَسِيرٍ﴾ (سورۂ مدثر آیت ۸-۱۰) ترجمہ: جب صور پھونکا جائے گا تو وہ دن نہایت سخت ہوگا، کافروں کے لئے آسان نہ ہوگا۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ سخت اور بھاری دن ایمان والوں کے حق میں سخت اور بھاری نہ ہوگا بلکہ ہلکا اور آسان کر دیا جائے گا اور یہ سب برکت ہوگی کلمہ طیبہ کی ۔۔۔ اور اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں ۔۔۔ یعنی اپنی حکمت کے موافق جیسا معاملہ جس کلمے کے ساتھ مناسب ہوتا ہے کرتے ہیں، کوئی طاقت نہیں جو ان کی مشیت کو روک سکے۔ حضرت ابی بن کعب عبداللہ بن مسعود، حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہم کا ارشاد ہے کہ مؤمن کو اس بات کا اعتقاد لازم ہے کہ اس کو جو بھی چیز حاصل ہوئی ہے وہ اللہ پاک کی مشیت اور ارادہ ہی سے حاصل ہوئی ہے اس کا نہ ملنا ناممکن تھا۔ اسی طرح جو چیز حاصل نہیں ہوئی اس کا حاصل ہونا ممکن نہ تھا اور ان حضرات صحابہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر تمہیں اس پر یقین واعتماد نہ ہو تو تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے۔

کلمۂ طیبہ: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ایسی لازوال دولت ہے، جس کی برکت سے دنیا وآخرت میں تائید ایزدی شامل حال رہتی ہے!

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَتَ اللَّهِ كُفْرًا وَأَحَلُّوا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ﴿٢٨﴾ جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا ۖ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿٢٩﴾ وَجَعَلُوا لِلَّهِ أَندَادًا لِّيُضِلُّوا عَن سَبِيلِهِ ۗ قُلْ تَمَتَّعُوا

(۱) رواہ احمد وابو داؤد رحمہما اللہ تعالی (۲) رواہ البیہقی فی البعث والنشور۔

فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ﴿۳۰﴾ قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ يُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ﴿۳۱﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ﴿۳۲﴾ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ﴿۳۳﴾ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ۭ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴿۳۴﴾ ع

اَلَمْ تَرَ	کیا نہیں دیکھا آپ نے	وَجَعَلُوْا	اور تجویز کئے انھوں نے	لِّعِبَادِيَ	میرے (ان) بندوں سے
اِلَى الَّذِيْنَ	ان لوگوں کو جنھوں نے	لِلّٰهِ	خدائے پاک کے لئے	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	جو ایمان لائے
بَدَّلُوْا	بدل دیا	اَنْدَادًا (۵)	ہمسر	يُقِيْمُوا	(کہ) اہتمام کریں وہ
نِعْمَتَ اللّٰهِ (۱)	اللہ کی نعمتوں (کو)	لِّيُضِلُّوْا	تاکہ وہ (لوگوں کو)	الصَّلٰوةَ	نماز (کا)
كُفْرًا	کفران (سے)		بہکادیں	وَ يُنْفِقُوْا	اور خرچ کریں وہ
وَّاَحَلُّوْا (۲)	اور اتارا انھوں نے	عَنْ سَبِيْلِهٖ	اللہ کی راہ سے	مِمَّا	اس میں سے جو
قَوْمَهُمْ	اپنی قوم (کو)	قُلْ	(اُن سے) کہو:	رَزَقْنٰهُمْ	روزی دی ہم نے ان کو
دَارَ الْبَوَارِ (۳)	ہلاکت کے گھر	تَمَتَّعُوْا	چند روز فائدہ اٹھالو	سِرًّا	چھپے (پوشیدہ)
جَهَنَّمَ	جہنم (میں)	فَاِنَّ	کیونکہ یقیناً	وَّعَلَانِيَةً	اور کھلے (ظاہر)
يَصْلَوْنَهَا (۴)	وہ اس میں جلیں گے	مَصِيْرَكُمْ	تمہارا لوٹنا	مِّنْ قَبْلِ	اس سے پہلے
وَبِئْسَ	اور بری	اِلَى النَّارِ	آگ کی طرف (ہے)	اَنْ يَّاْتِيَ	کہ آئے
الْقَرَارُ	جائے قرار (ہے وہ)	قُلْ	آپ فرمائیں	يَوْمٌ	(وہ) دن

(۱) نعمة اللہ پہلا مفعول ہے بدلوا کا اور کُفْرًا دوسرا مفعول ہے (۲) اَحَلَّ المکان وبالمکان: اتارنا (۳) بَارَ (ن) بَوْرًا وَبَوَارًا ہلاک ہونا (۴) صَلِيَ (س) النار وبہا: آگ کی گرمی برداشت کرنا، آگ میں جلنا ای يُقَاسُوْنَ حَرَّهَا (روح) (۵) نِدٌّ کی جمع ہے، مقابل، برابر ہمسر، ہمتا (جو کسی شے کی ذات اور جوہر میں شریک ہو)

لَا بَيْعٌ	نہیں خرید وفروخت ہے	مِنَ الثَّمَرٰتِ	پھلوں کی	دَآئِبَيْنِ [۳]	(جو) لگا تار چلنے والے ہیں
فِيْهِ	اس میں	رِزْقًا [۲]	روزی	وَسَخَّرَ لَكُمُ	اور تمہارے کام میں لگادیا
وَلَا خِلٰلٌ [۱]	اور نہ دوستیاں	لَّكُمْ	تمہارے لئے	الَّيْلَ وَالنَّهَارَ	رات اور دن (کو)
اَللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	وَسَخَّرَ	اور بیگار میں لگادیا	وَاٰتٰىكُمْ	اور تمہیں دیا
الَّذِىْ	(وہ ہیں) جنھوں نے	لَكُمُ	تمہارے لئے	مِّنْ كُلِّ مَا	ہر اُس چیز میں سے جو
خَلَقَ	پیدا کئے	الْفُلْكَ	کشتی (کو)	سَاَلْتُمُوْهُ	تم نے ان سے مانگی
السَّمٰوٰتِ	آسمان	لِتَجْرِىَ	تا کہ وہ چلے	وَاِنْ تَعُدُّوْا	اور اگر تم شمار کرو
وَالْاَرْضَ	اور زمین	فِى الْبَحْرِ	سمندر میں	نِعْمَتَ اللّٰهِ	اللہ پاک کی نعمتیں
وَاَنْزَلَ	اور اتارا	بِاَمْرِهٖ	اللہ کے حکم سے	لَا	(تو) نہ
مِنَ السَّمَآءِ	آسمان سے	وَسَخَّرَ لَكُمُ	اور تمہارے کام میں لگادیا	تُحْصُوْهَا	شمار کرسکو گے ان کو
مَآءً	پانی	الْاَنْهٰرَ	نہروں (کو)	اِنَّ الْاِنْسَانَ	بلاشبہ انسان
فَاَخْرَجَ	پھر نکالی	وَسَخَّرَ لَكُمُ	اور تمہارے کام میں لگادیا	لَظَلُوْمٌ	بڑا ہی ناانصاف
بِهٖ	اُس کے ذریعے	الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ	سورج اور چاند (کو)	كَفَّارٌ	بڑا ناشکرا (ہے)

انسان کا بھی عجیب حال ہے، نعمتیں کھاتا ہے اللہ کی اور عبادت کرتا ہے شیطان کی!

ان آیتوں میں بھی روئے سخن اہل مکہ (قریش) کی طرف ہے جن کے ہاتھ میں ملک عرب کی پیشوائی اور مذہبی رہنمائی تھی، سارا عرب انہی کے نقش قدم پر چلتا تھا۔ ارشاد فرمایا جاتا ہے —— کیا آپؐ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھوں نے نعمت خداوندی کو کفران سے بدل ڈالا؟—— یعنی ان کی محرومی دیکھو، حق تعالیٰ نے ان پر کیسے کیسے احسان کئے اور وہ کس طرح نعمت خداوندی کی ناشکری کررہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لئے فخر دوعالم ﷺ کو بھیجا، قرآن پاک نازل فرمایا، حرم پاک اور بیت اللہ کی تولیت کا شرف بخشا اور تمام عرب کی پیشوائی عنایت فرمائی جس کا حق یہ

(۱) خُلَّةٌ کی جمع ہے جس کے معنی دوستی کے ہیں (۲) رزقًا مفعول ہے اَخْرَجَ کا اور من الثمرات مضاف الیہ تھا رزقًا کا اس سے علاحدہ کرکے مستقل کردیا گیا ہے تقدیر عبارت یوں ہوگی فاخرج به رزقًا من الثمرات لکم یہ عبارت چونکہ غیر فصیح تھی اس لئے من الثمرات کو الگ کرکے حال بنایا گیا ہے ای کائنة من الثمرات (۳) دأَبَ (ف) دَابًا و دَأَبًا و دُؤُوبًا فی العمل: لگاتار جانفشانی کرنا دَائِبٌ صفت کا صیغہ ہے اور حال ہے۔

تھا کہ وہ دعوت حق قبول کرنے میں سب سے آگے ہوتے اور قوم کی سچی رہنمائی کرتے مگر وہ ناشکری پر کمر بستہ ہو گئے، دعوت حق کو جھٹلایا، رسول پاک ﷺ سے لڑائی مول لی، اور کلمہ طیبہ کی جگہ کلمہ خبیثہ کو اپنا شعار بنالیا جس کی وجہ سے خود بھی گمراہ ہوئے ـــــ اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر جہنم میں پہنچا دیا۔ وہ اس میں پھکیں گے۔ اور وہ بدترین جائے قرار ہے ـــــ یعنی جہنم جو نہایت ہولناک، بے حد خطرناک اور بدترین جگہ ہے وہی ان کی جائے قرار ہے، ان کو وہیں جم کر رہنا ہے، وہاں سے اُن کو کبھی نجات نصیب نہ ہوگی کیونکہ ان کا جرم نہایت سنگین ہے وہ ناقابل عفو گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ـــــ اور ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے لئے ہمسر تجویز کئے تا کہ وہ خدائے پاک کی راہ سے بھٹکا دیں ـــــ یہ ہے ان کا جرم، سوچو کتنا بڑا جرم ہے! چاہئے تو یہ تھا کہ خدائے پاک کے احسانات کی شکر گذاری میں لگ جاتے مگر یہ تو نہ ہوا، اُلٹے بغاوت پر تل بیٹھے، مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے اور خدائے پاک وحدہ لاشریک لہ کے مقابل دوسری سینکڑوں چیزیں کھڑی کر دیں اُن کے لئے خدائی اختیارات ثابت کئے اور عبادت جیسی گرانمایہ چیز ان کی نذر کر دی ـــــ اور یہ سب کچھ اس لئے کیا کہ دوسروں کی راہ ماریں انھیں بہلا کر اپنے دام میں پھانسیں، اور دنیا کی دولت بٹوریں، اہل مکہ (قریش) اپنی اس حرکت کی نتیجہ میں روز بروز مالدار ہوتے جا رہے تھے اور ان کی ریاست کا سکہ جم رہا تھا مگر کیا یہ مالداری اور یہ ریاست اُن کے لئے سود مند ثابت ہوگی؟ نہیں ـــــ ان سے کہئے: ”خیر، چند روز فائدہ اٹھالو، آخر پلٹ کر تمہیں آنا دوزخ ہی میں ہے! ـــــ یعنی بے وقوفو! لوگوں کو اپنے جال میں پھنسا کر چند روز جی خوش کرلو اور دنیا کے مزے اڑالو، مگر آخر آؤ گے تو تم دوزخ ہی میں؟ وہاں تمہیں اپنی حرکتوں کا خمیازہ اچھی طرح بھگتنا ہوگا اور وہاں ہم تمہیں جتلا دیں گے کہ حرام لقموں کا انجام کیا ہوتا ہے۔

پھر درمیان میں ایک آیت میں روئے سخن مؤمنین کی طرف ہے، اس میں بتلایا ہے کہ اہل ایمان کی روش کفار کی روش سے مختلف ہونی چاہئے۔ وہ تو احسان فراموش ناشکرے ہیں، مومنین کو تو شکر گزار ہونا چاہئے ارشاد فرماتے ہیں ـــــ میرے جو بندے ایمان لائے ہیں، اُن سے فرما دیجئے کہ نماز کا اہتمام کریں اور ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کریں، اس سے پہلے کہ وہ دن آجائے جس میں نہ خرید وفروخت ہے نہ دوستی ـــــ اہل ایمان سے کہا جا رہا ہے کہ تمہیں چاہئے کہ نعمت الٰہی کی قدر پہچانو اور ناشکری سے بچو اور شکر گزاری کی عملی صورت یہ ہے کہ نماز کا اہتمام کرو اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے جو کچھ دیا ہے، اس میں سے ان کی راہ میں خرچ کرو ایسا نہ ہو کہ بعد میں پچھتانا پڑے کیونکہ ایک دن ایسا ضرور آنے والا ہے جس میں نہ دنیا کی طرح لین دین ہو سکے گا، اور نہ دوستی کا تعلق باقی رہے گا، وہ دن بڑا ہولناک اور فیصلہ کن ہوگا اس دن کے لئے سامان کرو کیونکہ آج فرصت عمل ہے، کل یہ مہلت چھین لی جائے گی پس جو کچھ

کرنا ہے آج کرلو۔

اہل ایمان سے ضمنی خطاب کے بعد اب پھر روئے سخن مشرکین کی طرف ہے ارشاد ہے—— اللہ تعالیٰ وہی ہیں جنھوں نے آسمان اور زمین پیدا کئے، اور آسمان سے پانی برسایا، پھر اس کے ذریعے تمہارے لئے پھلوں کی روزی پیدا کی، اور کشتی کو تمہاری بیگار میں لگا دیا، تا کہ وہ بحکم خداوندی سمندر میں چلے، اور نہروں کو تمہارے کام میں لگا دیا، اور لگاتار چلنے والے سورج اور چاند کو تمہارے کام میں لگا دیا، اور رات اور دن کو تمہارے کام میں لگا دیا، اور تمہیں ہر اس چیز میں سے دیا جو تم نے اُن سے مانگی اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتیں شمار کرنے لگو تو ان کو شمار نہیں کر سکتے، انسان بلاشبہ بڑا ہی ناانصاف بڑا ہی ناشکرا ہے—— یعنی اپنی زندگی کی احتیاجوں کو دیکھو اور پھر خدائے پاک کی بخششوں پر نظر ڈالو، تمہیں صاف نظر آئے گا کہ تمہاری زندگی کی کوئی ضرورت اور احتیاج ایسی نہیں، جس کا پروردگار عالم نے انتظام نہ کردیا ہو۔ انھوں نے تمہاری فطرت کی ہر مانگ پوری فرمائی ہے، تمہاری زندگی اور تمہاری بقاء کے لئے جن وسائل کی ضرورت تھی وہ سب مہیا فرما دیئے ہیں پس وہی ذات تمہاری ہر طرح کی عبادتوں کی مستحق ہے پھر تم یہ کیا غضب کررہے ہو کہ اُس ذات پاک کے مقابل ہمسر تجویز کر رہے ہو یہ یقیناً بہت ہی بڑی ناانصافی اور بہت ہی بڑی ناسپاسی ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۝۳۵ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳۶ رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ۝۳۷ رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ ۭ وَمَا يَخْفٰى عَلَي اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ ۝۳۸ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَي الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَاۗءِ ۝۳۹ رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ڰ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاۗءِ ۝۴۰ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ۝۴۱

ع ۶ ۱۸

وَاِذْ قَالَ	اور جب دعا فرمائی	عَصَانِیْ	میرا کہنا نہ مانا	تَهْوِیْٓ (۵)	(کہ) مشتاق ہوویں
اِبْرٰهِیْمُ	ابراہیم (علیہ السلام نے)	فَاِنَّكَ	تو آپ یقیناً	اِلَیْهِمْ	ان کی جانب
رَبِّ (۱)	(اے میرے) پروردگار	غَفُوْرٌ	بے حد گزر فرمانے والے	وَارْزُقْهُمْ	اور روزی عنایت فرمائیے
اجْعَلْ	بنا دیجئے	رَّحِیْمٌ	نہایت مہربانی فرمانے		ان کو
هٰذَا الْبَلَدَ	اس شہر کو		والے (ہیں)	مِّنَ الثَّمَرٰتِ	پھلوں کی
اٰمِنًا	امن والا	رَبَّنَآ	(اے میرے) پروردگار	لَعَلَّهُمْ	تا کہ وہ
وَّاجْنُبْنِیْ (۲)	اور بچائے رکھئے مجھے	اِنِّیْٓ	بے شک میں نے	یَشْكُرُوْنَ	شکر گزار بنیں
وَبَنِیَّ (۳)	اور میرے لڑکوں کو	اَسْكَنْتُ	لا بسایا ہے (آباد کیا ہے)	رَبَّنَآ	(اے میرے) پروردگار
اَنْ نَّعْبُدَ (۴)	عبادت کرنے (سے)	مِنْ ذُرِّیَّتِیْ	میری کچھ اولاد کو	اِنَّكَ تَعْلَمُ	آپ یقیناً جانتے ہیں
الْاَصْنَامَ	بتوں (کی)	بِوَادٍ	میدان میں	مَا نُخْفِیْ	جو کچھ ہم چھپاتے ہیں
رَبِّ	(اے میرے) پروردگار	غَیْرِ	بن	وَمَا نُعْلِنُ	اور جو کچھ ہم ظاہر کرتے
اِنَّهُنَّ	بلاشبہ ان بتوں نے	ذِیْ زَرْعٍ	کھیتی والے		ہیں
اَضْلَلْنَ	گمراہ کیا	عِنْدَ	نزدیک	وَمَا یَخْفٰی	اور نہیں پوشیدہ ہے
كَثِیْرًا	بہت سے	بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ	آپ کے محترم گھر کے	عَلَی اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ پر
مِّنَ النَّاسِ	لوگوں کو	رَبَّنَا	(اے میرے) پروردگار	مِنْ شَیْءٍ	کوئی چیز
فَمَنْ	سو جو شخص	لِیُقِیْمُوا	تا کہ اہتمام کریں وہ	فِی الْاَرْضِ	زمین میں
تَبِعَنِیْ	میرے طریقہ پر چلا	الصَّلٰوةَ	نماز (کا)	وَلَا	اور نہ (کوئی چیز)
فَاِنَّهٗ	تو وہ یقیناً	فَاجْعَلْ	لہٰذا بنا دیجئے	فِی السَّمَآءِ	آسمان میں
مِنِّیْ	میرا (ہے)	اَفْئِدَةً	دلوں کو	اَلْحَمْدُ	سب تعریف
وَمَنْ	اور جس شخص نے	مِّنَ النَّاسِ	کچھ لوگوں کے	لِلّٰهِ	اللہ تعالیٰ کے لئے ہے

(۱) رَبِّ کی اصل یَارَبِّیْ ہے (۲) اُجْنُبْ، جَنَبٌ (نصر) سے امر کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے ن وقایہ ی ضمیر واحد متکلم ہے (۳) بَنِیْنَ کی یائے متکلم کی طرف اضافت کی گئی ہے جس کی وجہ سے نون جمع حذف ہوگیا ہے (۴) اَنْ مصدریہ ہے اور اس پر سے حرف جر عَنْ محذوف ہے۔ (۵) جملہ تَهْوِیْ دوسرا مفعول ہے اِجْعَلْ کا۔

الَّذِیْ	جنھوں نے	الدُّعَآءِ	دعا (کو)	دُعَآءِ[۲]	(میری) دعا
وَھَبَ لِیْ	بخشے مجھے	رَبِّ	(اے میرے) پروردگار	رَبَّنَا	(اے میرے) پروردگار
عَلَی الْکِبَرِ	بڑھاپے میں	اجْعَلْنِیْ	بنادیجئے مجھے	اغْفِرْ لِیْ	بخشش فرمایئے میری
اِسْمٰعِیْلَ	اسماعیل	مُقِیْمَ	اہتمام کرنے والا	وَ لِوَالِدَیَّ	اور میرے والدین کی
وَاِسْحٰقَ	اور اسحاق	الصَّلٰوۃِ	نماز (کا)	وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ	اور مؤمنین کی
اِنَّ رَبِّیْ	یقیناً میرے پروردگار	وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ[۱]	اور میری کچھ اولاد کو	یَوْمَ	(جس) دن
لَسَمِیْعُ	البتہ خوب سننے والے	رَبَّنَا	(اے میرے) پروردگار	یَقُوْمُ	برپا ہو
	(ہیں)	وَتَقَبَّلْ	اور قبول فرمایئے	الْحِسَابُ	حساب

قریش کے حق میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تمنائیں اور دعائیں

یہ بابرکت آیتیں سورت کی نصیحت کا نقطۂ عروج ہیں، جو بات شروع سورت سے اہل مکہ کو سمجھائی جارہی ہے، اب وہی بات ایک ایسے پیرائے میں سمجھائی جاتی ہے جس سے پیارا کوئی پیرایہ نہیں ہوسکتا، قریش مکہ کو یاددلایا جاتا ہے کہ تمہارے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تمہارے حق میں تمنائیں اور دعائیں کیا تھیں، انھوں نے تمھیں کن تمناؤں کے ساتھ یہاں لاکر بسایا ہے، پھر ان کی دعاؤں کے طفیل میں اللہ پاک نے تم پر کیسے کیسے احسانات کئے ہیں، مگر افسوس تم ہو کہ اپنے باپ کی تمناؤں اور اپنے پروردگار کے احسانات کا جواب گمراہیوں اور بداعمالیوں سے دے رہے ہو۔

اللہ تعالیٰ اس رکوع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مختلف زمانوں کی چھ دعائیں ذکر فرماتے ہیں: ارشاد فرماتے ہیں:

اور وہ وقت یاد کرو جب ابراہیم نے دعا کی:

① —— پروردگار اس شہر کو امن والا شہر بنادیجئے —— یعنی مکہ مکرمہ کو پرامن شہر بنادیجئے، یہاں کے لوگوں کو ہر قسم کے اندیشوں سے محفوظ رکھئے —— یہ دعا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ شریف کی بستی بس جانے کے بعد فرمائی ہے اور سورۃ البقرہ کی آیت ۱۲۶ میں جو دعا مذکور ہے وہ آپ نے اس وقت کی تھی جب مکہ محض ایک اجاڑ میدان تھا وہاں بستی نہ بسی تھی۔

② —— اور مجھے اور میرے لڑکوں کو بت پرستی سے محفوظ رکھئے —— انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام معصوم ہوتے ہیں، شرک وبت پرستی بلکہ ہر گناہ سے اللہ پاک ان کی حفاظت فرماتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقصود اپنی اولاد کو شرک وبت

(۱) وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ کا عطف اِجْعَلْ کے پہلے مفعول یائے متکلم پر ہے (۲) آخر سے یائے متکلم حذف کی گئی ہے، ہمزہ کا کسرہ اس کی علامت ہے۔

پرستی سے بچانے کی دعا کرنا ہے اور اولاد کو اس کی اہمیت سمجھانے کے لئے دعا میں اپنے آپ کو بھی شامل کیا ہے بلکہ حضرت خلیل اللہؑ نے یہ بھی عرض کیا کہ ——پروردگار! ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا ہے——یعنی یہ بت بہت ہی خطرناک چیزیں ہیں، یہ پتھر کی مورتیاں بہت سے آدمیوں کی گمراہی کا سبب بنی ہیں، انھوں نے لوگوں کو خدا سے پھیر کر اپنا گرویدہ بنالیا ہے، اس لئے انسان کو ہمیشہ دعا کرنی چاہئے کہ الٰہی! ہمیں ان کی جال میں پھنسنے سے محفوظ رکھئے——

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اس دعا میں یہ بھی عرض کیا:——پھر وہ شخص جو میرے طریقے پر چلا وہ یقیناً میرا ہے، اور جس نے میرا کہنا نہ مانا تو آپ یقیناً بے حد درگزر فرمانے والے، نہایت مہربانی فرمانے والے ہیں—— یعنی میری اولاد میں سے جو شخص میری اتباع کرے، ایمان اور عمل صالح کا پابند رہے۔ بس وہی میرا ہے اور جو شخص میری نافرمانی کرے اور میرے طریقہ پر نہ چلے، وہ میرا نہیں، البتہ آپ بے حد درگذر فرمانے والے نہایت مہربانی فرمانے والے ہیں، آپ اپنی رحمت سے اس کو توبہ اور دین حق کی طرف رجوع کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور اس کے پچھلے گناہ معاف فرمادیں تو وہ پھر میرا ہو جائے گا۔

قریش مکہ کو جو حضرت خلیل اللہ کی اولاد میں ہونے کی وجہ سے حرم شریف کے مجاور بنے ہوئے تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا یاد دلا کر سمجھایا ہے کہ انھوں نے کعبہ شریف کی بنیاد خالص توحید پر رکھی تھی، وہ دنیا سے یہی دعا اور وصیت کرتے ہوئے رخصت ہوئے کہ ان کی اولاد شرک کا طریقہ اختیار نہ کرے۔ پس قریش مکہ کو سوچنا چاہئے کہ انھوں نے کہاں تک اُن کی وصیت کا پاس کیا ہے، اور کس حد تک وہ خدائے پاک کے احسانات کے شکر گزار ہوئے ہیں۔

(۳)——ہمارے پروردگار! میں نے اپنی کچھ اولاد کو، بن کھیتی والے میدان میں، آپ کے محترم گھر کے پاس آباد کیا ہے، اے ہمارے پروردگار! تا کہ وہ نماز کا اہتمام کریں، لہٰذا آپ کچھ لوگوں کے دلوں کو ان کی جانب مائل کر دیجئے اور ان کو پھلوں کی روزی عنایت فرمایئے، تا کہ وہ شکر گزار بنیں—— ''کچھ اولاد'' سے مراد سیدنا اسماعیل علیہ السلام اور ان کی نسل ہے کیونکہ حضرت خلیل اللہ کی دوسری اولاد حضرت اسحاق علیہ السلام وغیرہ ملک شام میں آباد تھی—— بن کھیتی والے میدان میں یعنی بنجر اور چٹیل میدان میں جس میں زراعت (کھیتی) کی صلاحیت بالکل نہیں، مگر وہاں آپ کا محترم گھر کعبہ شریف ہے اسی کے زیر سایہ میں نے اپنی اولاد کو آباد کیا ہے تا کہ وہ آپ کی عبادت کریں خاص طور پر نماز کا اہتمام کریں لہٰذا خداوند! آپ اپنے فضل و کرم سے کچھ لوگوں کے دل اُن کی طرف مائل فرمادیجئے کہ وہ یہاں آئیں اور یہاں بسیں، اور آپ ان کو پھلوں کی روزی عنایت فرمایئے یعنی ان کی دلجمعی کے لئے غیب سے سامان فرمایئے تا کہ یہ لوگ اطمینان کے ساتھ آپ کی عبادت اور شکر گزاری میں لگیں۔

حق تعالیٰ نے اپنے خلیل کی یہ دعا قبول فرمائی، جرہم قبیلہ وہاں آ کر آباد ہوا اور ہر طرح کے پھل، غلے اور دوسرے سامان رزق وہاں پہنچنے لگے، یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی زبانی مفصل واقعہ سن لیں۔

بخاری شریف میں روایت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کے شیر خوار بچے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لے کر شام سے چلے اور جہاں آج کعبہ شریف ہے وہاں ایک بڑے درخت کے نیچے زمزم کے موجودہ مقام سے بالائی حصہ میں ان کو چھوڑ دیا، یہ جگہ ویران اور غیر آباد تھی اور پانی کا بھی نام ونشان نہیں تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام ماں بیٹے کو وہاں چھوڑ کر اور ان کے پاس پانی کا ایک مشکیزہ اور کھجوروں کی ایک تھیلی رکھ کر روانہ ہونے لگے، حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کے پیچھے چلیں، انھوں نے آپ سے پوچھا: ''ابراہیم! آپ ہمیں ایسے میدان میں چھوڑ کر کہاں چل دئے جہاں نہ کوئی آدمی ہے نہ کوئی مونس وغم خوار؟'' وہ بار بار یہ کہتی جاتی تھیں مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام خاموش چلے جارہے تھے، آخر حضرت ہاجرہ نے پوچھا ''کیا اللہ پاک نے آپ کو یہ حکم دیا ہے؟'' تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا کہ جی ہاں! میں تم کو یہاں خدائے پاک کے حکم سے چھوڑ کر جارہا ہوں۔ حضرت ہاجرہ کہنے لگیں: ''اگر یہ خدائے پاک کا حکم ہے تو وہ یقیناً ہم کو ضائع اور برباد نہیں کریں گے'' — وہ یہ کہہ کر واپس لوٹ گئیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام چلتے رہے، چلتے ہوئے جب وہ ایک ٹیلے پر ایسی جگہ پہنچے کہ اہل وعیال نگاہ سے اوجھل ہو گئے تو آپ رُکے اور کعبہ شریف کی طرف رخ کیا اور ہاتھ اٹھا کر دعا کی: — ''ہمارے پروردگار! میں نے اپنی کچھ اولاد کو بن کھیتی والے میدان میں آپ کے محترم گھر کے پاس آباد کیا ہے، اے ہمارے پالنہار! تاکہ وہ نماز کا اہتمام کریں، لہٰذا آپ کچھ لوگوں کے دلوں کو ان کی جانب مائل کردیں اور ان کو پھلوں کی روزی عنایت فرمائیں تاکہ وہ شکر گزار رہوں''

حضرت ہاجرہ مشکیزہ سے پانی اور تھیلے سے کھجوریں کھاتی رہیں اور اسماعیل علیہ السلام کو دودھ پلاتی رہیں یہاں تک کہ وہ وقت آ گیا کہ نہ پانی رہا نہ کھجوریں، خود بھی بھوکی پیاسی تھیں اور بچہ بھی بھوکا پیاسا تھا، بچہ شدت پیاس سے بلک رہا تھا اور بیتابی سے پیر رگڑ رہا تھا، جب ماں میں بچے کی یہ حالت دیکھنے کی سکت نہ رہی تو وہ اس کو چھوڑ کر چل دیں، قریب ہی صفا نامی پہاڑی تھی وہ اس پر اس خیال سے چڑھیں کہ شاید کوئی اللہ کا بندہ نظر آ جائے مگر کچھ نظر نہ آیا، وہ بیتابی کی حالت میں وہاں سے اتریں، جب ہموار میدان میں پہنچیں تو کرتے کا پلہ اٹھا کر پوری قوت سے دوڑتی ہوئی میدان کی دوسری جانب تک چلی گئیں اس طرف مروہ نامی پہاڑی تھی، وہ اس پر چڑھ گئیں مگر جب وہاں بھی کچھ نظر نہ آیا تو بیتابی کی حالت میں وہاں سے اتر کر دوڑتی ہوئی پھر صفا پہاڑی پر چڑھ گئیں اور اس طرح سات مرتبہ کیا — نبی پاک ﷺ نے اس مقام پر

پہنچ کر فرمایا کہ یہی وہ صفا مروہ کے درمیان سعی ہے جو حج میں لوگ کرتے ہیں — آخر میں جب وہ مروہ پر تھیں تو کانوں میں ایک آواز آئی۔ وہ اپنے آپ سے کہنے لگیں، خاموش! اور کان لگا کر سننے لگیں، آواز دوبارہ آئی، کہنے لگیں: تمہاری آواز سن لی گئی اگر تم کچھ مدد کر سکتے ہو تو سامنے آؤ اچانک انھیں ایک فرشتہ (حضرت جبرئیل علیہ السلام) زمزم کے کنویں کی جگہ نظر آیا، فرشتے نے اس جگہ پر اپنا پَر یا پیر رگڑا یہاں تک کہ اس جگہ سے پانی ابلنے لگا(۱) — حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وہاں پہنچ کر پانی کے چاروں طرف باڑ بنانے لگیں اور اس میں سے پانی اپنے مشکیزہ میں بھی بھر لیا مگر پانی برابر ابلتا رہا۔

اس جگہ پہنچ کر نبیٔ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اسماعیلؑ کی ماں پر رحم فرمائیں، اگر وہ زمزم کو اس طرح نہ روکتیں اور اُس کی چاروں طرف باڑھ نہ بناتیں تو آج زمزم چشمۂ رُواں ہوتا۔

اب حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پانی پیا اور بچے کو دودھ پلایا، فرشتے نے ان سے یہ بھی کہا کہ ضائع ہونے کا اندیشہ نہ کرو یہ مقام ''بیت اللہ'' ہے، اس کی تعمیر یہ بچہ اور اس کے والد کریں گے، اللہ تعالیٰ اپنے لوگوں کو ضائع نہیں ہونے دیتے — بیت اللہ شریف کی جگہ ٹیلے کی طرح بلند تھی، موسم باراں میں پانی کے سیل آتے تو ٹیلے کے دائیں بائیں ہو جاتے اور بیت اللہ شریف ٹیلے کے نیچے محفوظ رہتا۔

دن گزرتے رہے یہاں تک کہ بنی جرہم کا ایک قافلہ اس وادی کے قریب آ کر ٹھہرا انھوں نے دیکھا کہ قریب ہی پرند اُڑ رہے ہیں جرہم نے کہا یہ پانی کی علامت ہے، تحقیق حال کے لئے آدمی بھیجا تو واقعی پانی تھا، قافلے نے حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے وہاں قیام کی اجازت مانگی۔ حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس شرط پر اجازت دی کہ پانی کی ملکیت میں وہ حصہ دار نہیں ہوں گے، جرہم نے یہ شرط منظور کر لی اور وہیں مقیم ہو گئے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت ہاجرہ خود بھی اُنس چاہتی تھیں کہ کوئی یہاں آ کر آباد ہو، اس لئے انھوں نے مسرت کے ساتھ بنی جرہم کو قیام کی اجازت دیدی، جرہم نے آدمی بھیج کر اپنے باقی خاندان کو بلا لیا اور یہاں مکانات بنا کر رہنے لگے — یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا پہلا اثر تھا کہ کچھ لوگوں کے دل اُن کی جانب مائل ہو گئے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام پرورش پاتے رہے، آپ نے بنی جرہم سے عربی زبان سیکھی جب آپ جوان ہوئے تو آپ کی رعنائی اور خوبصورتی بنی جرہم کو بہت بھائی، ان لوگوں نے اپنے خاندان کی ایک لڑکی سے آپ کی شادی کر دی، کچھ عرصہ بعد حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال ہو گیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام برابر اپنے اہل وعیال کو دیکھنے

(۱) اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ لوگوں میں جو مشہور ہے کہ آبِ زمزم حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ایڑیاں رگڑنے سے ظاہر ہوا ہے یہ غلط ہے، بلکہ فرشتے کے پَر یا پیر رگڑنے سے ظاہر ہوا ہے۔

کے لئے آتے رہتے تھے۔ایک مرتبہ تشریف لائے تو اسماعیل علیہ السلام گھر پر نہ تھے، آپ نے اہلیہ [1] سے دریافت کیا تو انھوں نے بتلایا کہ روزی کی تلاش میں باہر گئے ہوئے ہیں۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے گذران کی حالت دریافت کی، کہنے لگی۔سخت مصیبت اور پریشانی ہے دکھ اور تکلیف سے دن گزرتے ہیں۔آپ نے فرمایا: اسماعیل سے میرا اسلام کہنا اور کہنا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل دیں——اسماعیل علیہ السلام جب گھر واپس آئے تو آپ نے گھر میں انوار محسوس کئے، پوچھا کوئی شخص یہاں آیا تھا؟ بیوی نے سارا قصہ اور پیغام سنایا اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ میرے ابا تھے، وہ مجھے یہ مشورہ دے گئے ہیں کہ میں تمہیں طلاق دیدوں لہٰذا میں تم کو جدا کرتا ہوں۔

اسماعیل علیہ السلام نے اس کے بعد دوسری شادی کر لی، ابراہیم علیہ السلام پھر ایک بار ایسے وقت تشریف لائے کہ اسماعیل علیہ السلام گھر پر موجود نہیں تھے۔آپ نے بی بی صاحبہ سے حسب سابق سوالات کئے، بی بی نے کہا خدا کا شکر ہے اچھی طرح دن گذر رہے ہیں۔آپ نے دریافت فرمایا کہ کھانے کو کیا ملتا ہے؟ بی بی نے جواب دیا: گوشت، آپ نے پوچھا اور پینے کو؟ انھوں نے جواب دیا: پانی۔آپ نے دعا فرمائی: الٰہی! ان کے گوشت اور پانی میں برکت فرما اور چلتے ہوئے پیغام دے گئے کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ برقرار رکھنا۔حضرت اسماعیل علیہ السلام تشریف لائے تو حسب سابق انوار کا احساس ہوا، بیوی سے دریافت کیا تو بیوی نے تمام واقعہ دہرایا اور پیغام بھی سنایا۔آپ نے فرمایا کہ وہ میرے ابا جان تھے، مجھے یہ مشورہ دے گئے ہیں کہ تمہیں زندگی بھر رفیقہ حیات رکھوں۔

عرصہ کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام پھر تشریف لائے۔اسماعیل علیہ السلام زمزم کے پاس جو بڑا درخت تھا اس کے نیچے تیروں کی تراش خراش میں مشغول تھے ابا جان کو دیکھتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے اور دونوں اس طرح ملے کہ باپ نے باپ ہونے کا حق ادا کیا اور بیٹے نے بیٹا ہونے کا۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے خدائے پاک نے ایک کام کرنے کا حکم فرمایا ہے۔اسماعیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ پروردگار کا جو حکم ہوا سے ضرور پورا کرنا چاہئے آپ نے پوچھا تم میری مدد کرو گے۔فرمانبردار فرزند نے جواب دیا کہ سر تسلیم خم ہے۔آپ نے فرمایا کہ خدائے پاک نے مجھے حکم دیا ہے کہ یہاں بیت اللہ شریف کی تعمیر کروں اور آپ نے ایک ٹیلے کی طرف اشارہ فرمایا۔حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پھر باپ بیٹے نے بیت اللہ شریف کی بنیادیں اٹھائیں اسماعیل علیہ السلام چن چن کر پہاڑیوں سے پتھر لاتے تھے۔اور ابراہیم علیہ السلام تعمیر فرماتے تھے۔یہاں تک کہ جب دیواریں بلند ہوگئیں۔اور پیڑ باندھنے کا وقت آیا تو حضرت اسماعیل علیہ السلام وہ پتھر لائے جو اب مقام ابراہیم میں رکھا ہوا ہے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام اس پر کھڑے ہو کر تعمیر

(۱) اہلیہ آپ کو نہیں پہچانتی تھیں، کیونکہ آپ شادی کے بعد پہلی مرتبہ آئے تھے۔

فرماتے رہے اور اسماعیل علیہ السلام پتھر دیتے رہے اور دونوں بزرگ یہ دعا فرماتے رہے کہ اے پروردگار ہمارا یہ عمل قبول فرما بلاشبہ آپ خوب سننے والے سب کچھ جاننے والے ہیں[1] ـــ انھیں ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی نسل سے قریش مکہ ہیں۔ اور انھیں کی دعاؤں کی برکت سے خوش و خرم زندگی بسر کررہے ہیں۔ لیکن انھوں نے اس نعمت خداوندی کا حق کس طرح ادا کیا؟ یوں ادا کیا کہ ملت ابراہیمی سے منحرف ہوگئے۔ ظلم و گمراہی کو اپنا شیوہ بنالیا، وہ دین حق جس کے قیام کے لئے یہ عبادت گاہ بنائی گئی تھی اس کو اصنام سے بھر دیا، اور اب اپنی تمام طاقتیں اس اسلام کی مخالفت میں خرچ کررہے ہیں جو اسی ملت ابراہیمی کی تجدید ہے۔

کیا یہ طُرفہ تماشا نہیں کہ توحید کے سب سے بڑے علم بردار نے اللہ پاک کے لئے جو گھر تعمیر کیا تھا، اسی میں ان کی اولاد نے تین سو ساٹھ بت بٹھا دیئے؟!

(۴) ـــ اے ہمارے پروردگار! آپ یقیناً جانتے ہیں جو کچھ ہم چھپاتے ہیں اور جو کچھ ہم ظاہر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز نہ زمین میں پوشیدہ ہے نہ آسمان میں، شکر ہے اللہ پاک کا جنھوں نے بڑھاپے میں مجھے اسماعیل اور اسحاق عنایت فرمائے، بلاشبہ میرے پروردگار خوب دعا سننے والے ہیں ـــ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کے ذکر کرنے کا مقصد اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر بجالانے کا طریقہ سکھلانا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے اللہ تعالیٰ نے ایک بہت بڑی نعمت سے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو سرفراز فرمایا ہے یعنی اولاد عنایت فرمائی ہے اور اولاد بھی لڑکے، اور لڑکے بھی سیدنا اسماعیل اور سیدنا اسحاق علیہما السلام جیسے نامی گرامی پیغمبر اور پھر وہ بھی بڑھاپے میں جبکہ اولاد کی امید نہ رہی تھی ـــ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس نعمت کے ملنے پر شکر کا پتلا بن جاتے ہیں ان کے جسم کا رواں رواں زبان حال سے خدائے پاک کی تسبیح کرنے لگتا ہے اور وہ دل کی گہرائی سے اور زبان سے شکر الٰہی بجالاتے ہیں عرض کرتے ہیں الٰہی ہمارا ظاہر و باطن آپ کیلئے یکساں ہے بلکہ آپ کیلئے تو کائنات کی ہر شی ظاہر ہے آپ جانتے ہیں کہ میری زبان شکر گزاری میں زمزمہ سنج ہے تو میرا دل جذبات تشکر سے لبریز ہے، میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے میری دعا قبول فرمائی، اور بڑھاپے میں مجھے اسماعیل اور اسحاق جیسی اولاد عنایت فرمائی آپ یقیناً خوب دعا سننے والے ہیں۔

(۵) ـــ پروردگار! مجھے اور میری کچھ اولاد کو نماز کا اہتمام کرنے والا بنایئے، ہمارے پروردگار! اور میری دعا قبول

(۱) یہ طویل حدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں دو جگہ ذکر فرمائی ہے ایک کتاب الرؤیا میں اور دوسرے کتاب الانبیاء میں۔

فرمایئے—— آپ کی یہ دعا دنیوی زندگی کے حق میں ہے کہ الٰہی جب تک ہم زندہ رہیں نماز کا اہتمام کرنے والے رہیں، ہماری زندگی کا کوئی سانس آپ کی یاد سے خالی نہ رہے ہماری پوری زندگی آپ کی اطاعت کی حالت میں بسر ہو کیونکہ ایک مؤمن کی سب سے بڑی آرزو یہی ہے جنازہ کی نماز میں ہم یہ دعا کرتے ہیں کہ اَللّٰهُمَّ مَنْ اَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَاَحْيِهِ عَلَى الاِسْلاَمِ (الٰہی! ہم میں سے جن کو آپ بقید حیات رکھیں ان کو اطاعت کاملہ کی حالت میں زندہ رکھیں) اور حضور اقدس ﷺ کی دعاؤں میں یہ دعا ہے کہ: اَللّٰهُمَّ اَعِنَّا عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ: الٰہی! اپنے ذکر میں، اپنے شکر میں اور اپنی بہترین عبادت کرنے میں ہماری مدد فرما۔

(٦)—— ہمارے پروردگار میری، میرے والدین [1] کی اور مؤمنین کی جس دن حساب برپا ہو مغفرت فرما—— آپ کی یہ دعا اخروی زندگی کے حق میں ہے، مؤمن کی ہمیشہ یہی دعا رہنی چاہئے کہ قیامت کے دن اللہ پاک مغفرت سے نوازیں کیونکہ جو شخص دوزخ سے بچالیا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا وہ پورا کامیاب ہو گیا۔

اے ہمارے کریم پروردگار! اس تفسیر کے لکھنے والے کی، اس کی تلاوت کرنے والوں کی اور تمام مؤمنین کی قیامت کے دن بخشش فرما، اور روز جزاء کی رسوائی سے بچا (آمین یارب العالمین)

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۬ۥ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ﴿۴۲﴾ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَ اَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ﴿۴۳﴾ وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ﴿۴۴﴾ وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ﴿۴۵﴾ وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ؕ

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو دعائے مغفرت میں اُس وعدے کی بناء پر شریک کیا تھا جو انھوں نے وطن سے نکلتے وقت کیا تھا مگر بعد میں جب انھیں معلوم ہو گیا کہ اس کی موت کفر کی حالت میں ہوئی تو آپ نے اس سے بیزاری ظاہر فرمادی دیکھئے سورۃ التوبہ آیت ۱۱۴۔

وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿۴۶﴾ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۴۷﴾ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا
لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۴۸﴾ وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿۴۹﴾ سَرَابِيْلُهُمْ
مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ﴿۵۰﴾ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۵۱﴾ هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا
هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۵۲﴾

ع ۱۹

وَلَا تَحْسَبَنَّ	اور ہرگز نہ سمجھیں آپ	تَشْخَصُ (۱)	(کہ) پھٹی رہ جاویں گی	هَوَآءٌ (۴)	باختہ (صلاحیتیں ہارے
اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ کو	فِيْهِ	اس میں		ہوئے) ہیں
غَافِلًا	بے خبر	الْاَبْصَارُ	آنکھیں	وَاَنْذِرِ	اور آپ خبردار کریں
عَمَّا	ان کاموں سے جو	مُهْطِعِيْنَ (۲)	ذلت سے ٹکٹکی باندھے	النَّاسَ	لوگوں کو
يَعْمَلُ	کرتے ہیں	مُقْنِعِيْ (۳)	رسوائی سے اوپر اٹھائے	يَوْمَ	(اس) دن (سے)
الظّٰلِمُوْنَ	ظالم	رُءُوْسِهِمْ	اپنے سروں کو	يَاْتِيْهِمُ	(کہ) آپڑے گا ان پر
اِنَّمَا	اس کے سوانہیں کہ	لَا يَرْتَدُّ	لوٹ کر نہ آئیں گی	الْعَذَابُ	عذاب
يُؤَخِّرُهُمْ	مہلت دے رہے ہیں	اِلَيْهِمْ	ان کی طرف	فَيَقُوْلُ	پھر کہیں گے
	وہ ان کو	طَرْفُهُمْ	ان کی آنکھیں	الَّذِيْنَ	وہ لوگ جنھوں نے
لِيَوْمٍ	(اس) دن تک	وَاَفْـِٕدَتُهُمْ	اور ان کے دل	ظَلَمُوْا	ظلم کیا

(۱) شَخَصَ (ف) شُخُوْصًا بَصَرُهٗ: ٹکٹکی باندھنا (۲) مُهْطِعِيْنَ اور مُقْنِعِيْ حال ہیں مضاف محذوف سے ای اصحابُ الأبصار (روح) اَلْمُهْطِعُ اسم فاعل ہے حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے معنی ٹکٹکی باندھنے کے کئے ہیں یعنی وہ ذلت اور عاجزی سے ایک ہی طرف نظر جمانے والے ہوں گے۔ اور حضرت ابن جبیر نے ''ڈر سے جلدی چلنا'' ترجمہ کیا ہے اس صورت میں یہ اَهْطَعَ في السير سے ماخوذ ہوگا (۳) اَلْمُقْنِعُ کی جمع ہے اضافت کی وجہ سے آخر سے نون جمع حذف ہوگیا ہے اَقْنَعَ رَأْسَهٗ: سر بلند کرنا اَلْمُقْنِعُ: ذلت کے ساتھ سر کو اوپر اٹھانے والا (۴) اَلْهَوَاءُ: خالی ای قلوبهم خالية مِنَ العقل والفهم لِفَرْط الحيرة والدهشة (روح) فضا کو اسی وجہ سے هَوَاء کہتے ہیں کہ وہ خالی نظر آتی ہے۔

رَبَّنَآ	(اے) ہمارے پروردگار	لَكُمْ	تمہیں	وَعْدِهٖ	اپنے وعدے کا
اَخِّرْنَآ	مہلت دیجئے ہمیں	كَيْفَ	(کہ) کیسا	رُسُلَهٗ	اپنے رسولوں سے
اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ	تھوڑی مدت	فَعَلْنَا	(سلوک) کیا ہم نے	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
نُّجِبْ (۱)	تاکہ لبیک کہیں ہم	بِهِمْ	ان کے ساتھ	عَزِيْزٌ	زبردست
دَعْوَتَكَ	آپ کی دعوت پر	وَضَرَبْنَا	اور بتلائے تھے ہم نے	ذُو انْتِقَامٍ	پورا بدلہ لینے والے ہیں
وَنَتَّبِعِ	اور پیروی کریں ہم	لَكُمُ	تمہیں	يَوْمَ	جس دن
الرُّسُلَ	پیغامبروں کی	الْاَمْثَالَ	سب واقعات	تُبَدَّلُ	بدل دی جائے گی
اَوَلَمْ	کیا اور نہیں	وَقَدْ	اور تحقیق	الْاَرْضُ	زمین
تَكُوْنُوْٓا	تھے تم	مَكَرُوْا	چلے تھے وہ	غَيْرَ الْاَرْضِ	علاوہ زمین سے
اَقْسَمْتُمْ	قسمیں کھاتے	مَكْرَهُمْ	اپنی چالیں	وَالسَّمٰوٰتُ	اور آسمان
مِّنْ قَبْلُ	قبل ازیں	وَعِنْدَ اللّٰهِ	اور اللہ کے پاس ہیں	وَبَرَزُوْا	اور ظاہر ہوئے وہ
مَا	(کہ) نہیں ہے	مَكْرُهُمْ	ان کی چالیں	لِلّٰهِ	اللہ تعالیٰ کے سامنے
لَكُمْ	تمہارے لئے	وَاِنْ كَانَ	اگرچہ تھیں	الْوَاحِدِ	ایک
مِّنْ زَوَالٍ	کسی طرح ٹلنا	مَكْرُهُمْ	ان کی چالیں	الْقَهَّارِ	زبردست
وَّسَكَنْتُمْ	درانحالیکہ بسے ہوئے	لِتَزُوْلَ	کہ ٹل جائیں	وَتَرَى	اور دیکھیں گے آپ
	تھے تم	مِنْهُ	اُن سے	الْمُجْرِمِيْنَ	مجرموں کو
فِيْ مَسٰكِنِ	گھروں میں	الْجِبَالُ	پہاڑ	يَوْمَئِذٍ	اس دن
الَّذِيْنَ	ان لوگوں کے جنھوں نے	فَلَا	پس ہرگز نہ	مُّقَرَّنِيْنَ (۲)	جکڑے ہوئے
ظَلَمُوْٓا	ظلم کیا	تَحْسَبَنَّ	خیال کریں آپ	فِي الْاَصْفَادِ (۳)	زنجیروں میں
اَنْفُسَهُمْ	اپنے اوپر	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ کو	سَرَابِيْلُهُمْ (۴)	اُن کے کُرتے
وَتَبَيَّنَ	اور معلوم ہو گیا تھا	مُخْلِفَ	خلاف کرنے والا	مِّنْ قَطِرَانٍ (۵)	روغن چیڑ کے (ہوں گے)

(۱) نُجِبْ جواب امر ہے (۲) مُقَرَّنٌ (اسم مفعول) کی جمع ہے مصدر تَقْرِيْنٌ ہے ترجمہ جکڑے ہوئے کس کر باندھے ہوئے
(۳) صَفَدٌ اور صَفَادٌ کی جمع ہے جس کے معنی بیڑی اور زنجیر کے ہیں (۴) سِرْبَالٌ کی جمع ہے کرتا، قمیص خواہ کسی قسم کا ←

وَّتَغْشٰى	اور چھائے گی	سَرِيْعُ	بہت جلد لینے والے	وَلِيَعْلَمُوْٓا	اور تاکہ جان لیں وہ
وُجُوْهَهُمُ	ان کے چہروں پر		ہیں	اَنَّمَا	کہ اس کے سوانہیں کہ
النَّارُ	آگ	الْحِسَابِ	حساب	هُوَ	وہ (اللہ پاک)
لِيَجْزِيَ	تاکہ بدلہ دیں	هٰذَا	یہ (سورت)	اِلٰهٌ وَّاحِدٌ	ایک معبود (ہیں)
اللّٰهُ	اللہ پاک	بَلٰغٌ	ایک پیغام (ہے)	وَّلِيَذَّكَّرَ	اور تاکہ نصیحت حاصل
كُلَّ	ہر	لِّلنَّاسِ	لوگوں کے لئے		کریں
نَفْسٍ	متنفس کو	وَلِيُنْذَرُوْا	اور تاکہ خبردار کئے	اُولُوا	خالص عقل رکھنے
مَّا كَسَبَتْ	اس کی کمائی کا		جائیں وہ	الْاَلْبَابِ	والے
اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	بِهٖ	اُس کے ذریعہ	۞	۞

یہ آیتیں اس سورت کی آخری نصیحتیں ہیں

ہم اللہ پاک کے فضل وکرم سے سورت کا بڑا حصہ تلاوت کر چکے، آیئے اب یہ آخیری باتیں بھی بغور پڑھ لیں۔

ان آیتوں میں اللہ پاک تمام انسانوں کو متنبہ فرماتے ہیں کہ اگر ظالموں کو، مجرموں کو، اللہ پاک کے نافرمان بندوں کو اور رسول پاک ﷺ کے مخالفین کو سزا ملنے میں دیر ہو رہی ہے تو اس سے یہ نہ سمجھو کہ اللہ پاک ان کے کرتوتوں سے بے خبر ہیں۔ اللہ پاک سے تو ان کا چھوٹا بڑا کوئی عمل پوشیدہ نہیں، البتہ اللہ پاک کی سنت یہ ہے کہ وہ مجرموں کو فوراً نہیں پکڑتے۔ بڑے سے بڑے مجرم کو بھی طویل سے طویل مہلت دیتے ہیں تاکہ وہ اپنی حرکتوں سے باز آجائے یا پھر گناہ کرتا کرتا اُس حد تک پہنچ جائے، جس کے بعد بس دوزخ ہی ہے، ارشاد فرماتے ہیں — اور جو کچھ یہ ظالم کر رہے ہیں، اس سے تم خدائے پاک کو ہرگز بے خبر نہ سمجھو — یعنی یہ خیال نہ کرو کہ اللہ پاک نے جو ان ظالموں کو ڈھیل دے رکھی ہے، تو وہ اس وجہ سے ہے کہ خاکم بدہن اللہ پاک کو ان کے کرتوتوں کی کچھ خبر نہیں، بلکہ ان کو جو مہلت مل رہی ہے اس کی حقیقت یہ ہے: — اللہ پاک ان کو صرف اُس دن تک مہلت دے رہے ہیں جس دن میں ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جاویں گی، وہ ذلت سے ٹکٹکی باندھے، رسوائی سے سر اُوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے، وہ اپنی پلکیں نہ جھپک سکیں گے اور ان کے دل باختہ (صلاحتیں کھوئے ہوئے) ہوں گے — یہ قیامت کا دن ہے جس کی شدت اور ہولناکی دیکھ کر مجرموں کی آنکھیں کھلی کی ← ہو (۵) قَطِرَان تیل کی طرح کا ایک سیال مادہ جو چیڑ یا صنوبر وغیرہ کے درختوں سے نکلتا ہے اور خارشتی اونٹ کے لگایا جاتا ہے، وہ تیزی سے آگ پکڑنے میں پٹرول کی طرح ہوتا ہے۔

کھلی رہ جائیں گی۔ وہ ذلت سے ٹکٹکی باندھے، رسوائی سے سر اٹھائے قیامت کا دہشت ناک نظارہ دیکھیں گے، اس سے نہ اُن کی نظر ہٹ سکے گی نہ پلک جھپک سکے گی اور دلوں کا حال یہ ہوگا کہ سمجھ بوجھ سے یکسر خالی ہو چکے ہوں گے، نہ حواس ٹھکانے ہوں گے نہ عقل قابو میں ہوگی، جب یہ دن آئے گا تو ظالموں کو پل بھر کی مہلت نہ ملے گی، اس دن مجرموں کو انکی حرکتوں کا پورا پورا بدلہ دے دیا جائے گا۔

ایک بار حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن لوگ میدان حشر میں ننگے پیر ننگے بدن جمع کئے جائیں گے، مستورات کے مجمع سے ایک صاحبہ نے پوچھا کہ یارسول اللہ! پھر تو لوگ ایک دوسرے کو دیکھیں گے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ نگاہیں اٹھی ہوئی ہوں گی اور آپؐ نے اپنی نگاہ آسمان کی طرف اٹھا کر منظر کشی کی![1] یعنی سب لوگوں کی نگاہیں قیامت کے ہولناک منظر سے اٹھی ہوئی ہوں گی، اس دن کسی کو ہوش نہیں ہوگا کہ کسی کو ننگا دیکھے — حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ حضور پاک ﷺ کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اگلے پچھلے تمام لوگوں کو قیامت کے دن میں جمع فرمائیں گے جہاں لوگ چالیس سال تک اس حال میں کھڑے رہیں گے کہ ان کی نگاہیں کھلی کی کھلی ہوں گی اور وہ فیصلہ خداوندی کا انتظار کر رہے ہوں گے[2]

اور آپؐ لوگوں کو اس دن سے خبردار کریں جس میں اُن پر عذاب واقع ہوگا، پھر ظالم کہیں گے: "اے ہمارے پروردگار! ہمیں تھوڑی مہلت دیجئے تاکہ ہم آپ کی دعوت پر لبیک کہیں اور پیغمبروں کی پیروی کریں" — حضور پاک ﷺ سے فرمایا گیا ہے کہ آپ لوگوں کو بتلائیں کہ آج تو تمہارے لئے مہلت عمل ہے لیکن جلد ایک دن آنے والا ہے جس میں یہ مہلت چھین لی جائے گی، آج جس کو تیاری کرنی ہے کرلے جب وہ دن آئے گا اور عذاب سر پے آپڑے گا تب ہر ظالم مہلت طلب کرے گا، وہ درخواست کرے گا کہ الٰہی! ہمیں دوبارہ تھوڑی مدت کے لئے دنیا میں بھیج دیں تاکہ ہم توحید کی دعوت قبول کریں اور پیغمبروں کی پیروی کریں، مگر اُس دن ان کی درخواست قبول نہیں ہوگی، ان کو یہ جواب دیا جائے گا کہ — کیا تم اس سے پہلے قسمیں کھا کر نہیں کہا کرتے تھے کہ تمہارے لئے دنیا سے کبھی ٹلنا نہیں! — یعنی تم وہی تو ہو جو دنیا میں قسمیں کھاتے تھے کہ ہماری شان و شوکت کو کبھی زوال نہ ہوگا، نہ ہمیں مرکر کبھی خدائے پاک کے پاس جانا ہے، ہم سدا دنیا ہی میں رہیں گے — حالانکہ تم اُن لوگوں کی بستیوں میں رہ رہے تھے جنھوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا تھا، اور تمہیں (یہ بھی) معلوم ہو گیا تھا کہ ہم نے ان کی ساتھ کیسا برتاؤ کیا؟ اور ہم نے تمہیں (ان کے) سب قصے بتلا

(۱) رواہ الطبرانی عن الحسن بن علی رضی اللہ تعالی عنہما (ترغیب ص ۳۸۶ ج ۴) (۲) رواہ ابن ابی الدنیا والطبرانی والحاکم فی حدیث طویل (ترغیب ص ۳۹۱ ج ۴)

(بھی) دیئے تھے، اور وہ لوگ واقعی اپنی ساری چالیں چل چکے تھے۔۔۔ اور ان کی وہ چالیں خدائے پاک کے پاس ہیں ۔۔۔ گو کہ ان کی چالیں ایسی تھیں کہ اُن سے پہاڑ ٹل سکتے ہیں!۔۔۔ مگر وہ سب چالیں اور تدبیریں دھری کی دھری رہ گئیں، جب اللہ پاک کا حکم پہنچا تو سب کو دنیا چھوڑ کر چل دینا پڑا۔

جواب کا حاصل یہ ہے کہ اب تم مہلت مانگ رہے ہو حالانکہ پچھلی زندگی میں تم ہی لوگ تو قسمیں کھا کر کہا کرتے تھے کہ آخرت واخرت کچھ نہیں، زندگی بس یہی دنیا کی زندگی ہے۔ اسی باطل گمان نے تمہاری راہ ماردی اور تمہیں قیامت کے لئے تیاری کرنے سے غفلت میں ڈالے رکھا حالانکہ تم پچھلی تباہ شدہ قوموں کی بستیوں میں بود و باش رکھتے تھے اور تمہیں خوب معلوم تھا کہ ان کا انجام کیا ہوا اور اللہ پاک نے بھی رسولوں کی معرفت تمہیں ان ظالم قوموں کے حالات سے باخبر کر دیا تھا مگر تم نے ان سے کوئی سبق نہ لیا، پس اب کیا امید کی جاسکتی ہے کہ تم جو مہلت عمل مانگ رہے ہو تو واقعی تم عمل کرو گے؟

سورۃ المومنین میں فرمایا گیا ہے کہ اگر ان لوگوں کی درخواست قبول کر لی جائے اور عمل کی مہلت دیدی جائے تو وہ ہرگز عمل نہیں کریں گے ان کی یہ درخواست محض ایک بات ہے جس کو وہ کہہ رہے ہیں (آیت ۱۰۰)

آخری آیت میں ارشاد فرماتے ہیں کہ پچھلی تباہ شدہ قوموں کا بھی یہی گمان تھا جو تمہارا ہے کہ ان کے لئے کبھی دنیا سے ٹلنا نہیں اور انھوں نے دنیا میں رہنے کی ساری ہی تدبیریں کر لی تھیں، ایسی مضبوط تدبیریں کہ ان سے پہاڑ بھی اپنی جگہ سے سرک جائیں، دریاؤں کی روانی رک جائے، ہواؤں کے لئے چلنا مشکل ہو جائے مگر چونکہ وہ سب تدبیریں اللہ پاک کے قبضہ قدرت میں تھیں اس لئے وہ سب گاؤ خورد ہو گئیں جو اللہ پاک نے چاہا وہ پورا ہوا، اور جب ان کی تباہی کا وقت آیا تو وہ اس طرح فنا کی گھاٹ اتار دئے گئے کہ اُن کے پیچھے کوئی رونے والا بھی باقی نہ رہا۔

اور تم یہ ہرگز گمان نہ کرو کہ اللہ پاک اپنے رسولوں سے کئے ہوئے وعدوں کی خلاف ورزی کریں گے۔۔۔ یعنی کوئی یہ نہ سمجھے کہ خدائے پاک نے اپنے رسولوں سے جو فتح و نصرت اور کامیابی کے وعدے کئے ہیں، وہ اُن کے خلاف کریں گے ۔۔۔ اللہ پاک یقیناً زبردست، پورا پورا بدلہ لینے والے ہیں۔۔۔ وہ ضرور اپنے پیغمبروں کے دشمنوں سے انتقام لیں گے، اور پیغمبروں سے جو وعدے کئے ہیں ان کو پورا کریں گے۔

اس آیت میں مخالفین اسلام کو سنایا گیا ہے کہ اللہ پاک نے پہلے بھی اپنے رسولوں سے جو وعدے کئے تھے وہ پورے ہوئے، ہمیشہ پیغمبروں کے مخالفین کو نیچا دکھایا، اور اب بھی جو وعدے اللہ پاک اپنے حبیب ﷺ سے کر رہے ہیں ان کو پورا کریں گے اور ان لوگوں کو برباد کریں گے جو ان کی مخالفت کر رہے ہیں، اللہ پاک یقیناً زبردست پورا پورا بدلہ لینے

والے ہیں، ان کو بدلہ لینے سے کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔

مخالفین اسلام سے بدلہ کب لیا جائے گا؟ ــــ جس دن یہ زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی، اور لوگ ایک زبردست خدائے پاک کے سامنے پیشی کے لئے (قبروں سے) رونما ہوں گے اور اس دن تم مجرموں کو زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھو گے، ان کے کرتے روغن چیڑ کے ہوں گے، اور ان کے چہروں پر آگ چھائی ہوئی ہوگی ــــ تاکہ اللہ پاک ہر متنفس کو اس کے کئے کا بدلہ دیں، اللہ پاک یقیناً بہت جلد حساب لینے والے ہیں ــــ یعنی مخالفین اسلام سے پورا پورا بدلہ اللہ پاک قیامت کے دن لیں گے، جس دن یہ زمین جو ہمارے پیروں تلے ہے، دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی دوسرے آسمانوں سے بدل دئے جائیں گے۔ اور سب لوگ زبردست خدائے واحد کے روبرو پیش ہونے کے لئے قبروں سے نمودار ہوں گے تاکہ اللہ پاک تمام مخلوقات کا حساب کریں اور ہر متنفس کو اس کے کئے کا پورا پورا بدلہ دیں اس دن مخالفین اسلام کی ایک ایک حرکت کا ان کو بدلہ دیا جائے گا۔

قیامت کے دن مجرموں کا حال یہ ہوگا کہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہوں گے۔ پیروں میں بیڑیاں اور گردنوں میں طوق ہوں گے اور ان کے کپڑے روغن چیڑ کے ہوں گے، جو نہایت بدبودار، سیاہ، تیزی سے آگ پکڑنے والا مادہ ہے اور آگ کی لپٹیں ان کے چہروں پر چھا رہی ہوں گی اس دن اللہ پاک نے اپنے رسولوں سے جو وعدے فرمائے ہیں، وہ مکمل شکل میں پورے ہو جائیں گے۔

قیامت کے دن جو یہ زمین دوسری زمین سے اور یہ آسمان دوسرے آسمانوں سے بدل دئے جائیں گے تو اس کی کیفیت کیا ہوگی؟ وہ اللہ پاک ہی بہتر جانتے ہیں البتہ احادیث میں اس کے متعلق جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اُسے ضرور پڑھ لیا جائے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس آیت پاک کی تفسیر میں نبئ پاک ﷺ کا یہ مبارک ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ محشر میں زمین چاندی کی طرح سفید ہوگی، جس پر کسی نے کوئی گناہ نہیں کیا ہوگا، نہ اس پر کسی کا ناحق خون کیا گیا ہوگا[۱]

صحیحین میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن لوگ ایک ایسی زمین پر جمع کئے جائیں گے جو میدے کی روٹی کی طرح صاف اور سفید ہوگی، اس میں کسی کی کوئی علامت (باغ، درخت، مکان وغیرہ) نہ ہوگی[۲]

ابو عبداللہ حاکم نیشاپوری رحمہ اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نبی پاک ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ قیامت

(۱) اخرجه البزار وابن المنذر والطبرانی وابن مردویه والبیهقی عنه (درمنثور ص۹۰ ج۴) (۲) ترغیب ص ۳۸۶ ج۴

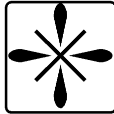
کے دن یہ زمین اس طرح کھینچی جائے گی جس طرح چمڑے کو کھینچا جاتا ہے، جس سے اس کی سلوٹیں اور شکن نکل جائیں گے، پھر تمام اولاد آدم اسی زمین پر جمع ہوگی، اس دن ہجوم کی وجہ سے ایک انسان کے حصہ میں صرف اتنی زمین آئے گی جس پر وہ کھڑا ہو سکے گا۔ حضور پاک ﷺ نے اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ پھر محشر میں سب سے پہلے مجھے بلایا جائے گا۔ میں رب العزت کے سامنے سجدے میں گر پڑوں گا۔ پھر مجھے شفاعت کی اجازت دی جائے گی تو میں تمام مخلوق کے لئے شفاعت کروں گا کہ ان کا حساب کتاب جلد ہو جائے۔

صحیح مسلم میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ کے پاس ایک یہودی عالم آیا، اس نے پوچھا: جس دن یہ زمین دوسری زمین سے بدلی جائے گی اُس دن لوگ کہاں ہوں گے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا: پل صراط کے پاس ایک اندھیری میں ہوں گے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس آیت پاک کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں کہ زمین چاندی کی ہوگی اور آسمان سونے کا[1]

اب سورت کی آخری آیت تلاوت فرمائیں، ارشاد فرماتے ہیں:— یہ (سورت) تمام لوگوں کے لئے ایک پیغام ہے— تاکہ لوگ نیکی اور بدی کو پہچانیں، اور اندھریوں سے نکل کر روشنی میں آئیں— اور اس لئے ہے کہ لوگ اس کے ذریعے خبردار کئے جائیں— کہ دنیا کی یہ زندگی صرف چندروزہ ہے، اس کے بعد ہر شخص کا ٹھکانا یا تو جنت ہے یا جہنم ہر دن لاکھوں انسان زمین پر مر رہے ہیں مگر ان کو نہیں معلوم کہ وہ مر کر کہاں جا رہے ہیں، پیغمبروں کے ذریعے اور رسولوں کے ذریعے اللہ پاک نے اس راز کو کھولا ہے کہ زندگی صرف اس دنیا کی زندگی نہیں ہے اور مر کر آدمی فنا نہیں ہو جاتا۔ قرآن پاک اس لئے نازل ہوا ہے کہ وہ تمام لوگوں کو اس حقیقت سے باخبر کرے تاکہ لوگ زندگی کے اگلے مرحلے میں داخل ہونے سے پہلے اس کی تیاری کر لیں— اور یہ بات جان لیں کہ صرف اللہ پاک ہی ایک معبود ہیں— یعنی لوگوں نے جو کروڑوں معبود گھڑ رکھے ہیں ان کی حقیقت کچھ نہیں، معبود برحق صرف اللہ تعالیٰ ہیں— اور اس لئے ہے کہ عقل رکھنے والے نصیحت حاصل کریں— یعنی جن میں کچھ بھی عقل و ہوش ہے وہ شرک سے باز آجائیں۔

عقل اللہ پاک کی بہت بڑی نعمت ہے اور عقل مند وہ ہے جو عقل سے کام لے



(۱) اخرجه ابن ابی الدنیا و ابن جریر و ابن المنذر و ابن ابی حاتم (درمنثور ص۹۱ ج۴)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الحجر

نمبر شمار ۱۵ نزول کا نمبر ۵۴ نزول کی نوعیت مکی رکوع ۶ آیات ۹۹

یہ سورت مکہ شریف میں نازل ہوئی ہے، نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر چون (۵۴) ہے، یعنی مکی دور کے درمیانی زمانے میں نازل ہوئی ہے، اس سے پہلے سورۂ یوسف (نزول کا نمبر ۵۳) ہود (۵۲) بنی اسرائیل (۵۰) القصص (۴۹) اور النمل (۴۸) نازل ہو چکی ہیں۔

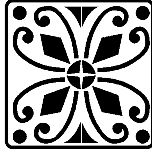
نام: آیت اسّی سے چوراسی تک حِجر والوں کا تذکرہ ہے، حجر قوم ثمود کے مرکزی شہر کا نام ہے، مدینہ شریف سے تبوک جاتے ہوئے یہ مقام شاہراہ پر ملتا ہے، اور قافلے اس وادی سے ہو کر گذرتے ہیں۔ حجر والوں کی طرف حضرت صالح علیہ السلام مبعوث فرمائے گئے تھے، آپ نے حق تبلیغ ادا فرمایا، مگر قوم کے لیڈروں نے آپ کے خلاف پلان بنایا، انھوں نے چاہا کہ آپ کا قصہ ختم کر دیں، مگر قدرت کہاں غافل تھی، وہ اندر ہی اندر اُن کی تباہی کا سامان کر رہی تھی، چنانچہ جب حجر والوں کی شرارت کا پارہ چڑھ گیا تو اچانک ان کو ایک سخت آواز نے پکڑ لیا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے رہ گئے۔

حجر والوں کی یہ داستان قرآنِ کریم کے پہلے مخاطبین، اہل مکہ کے احوال سے بہت مشابہ تھی، اس لئے خصوصیت کے ساتھ اہل مکہ کو چوکنا کرنے کے لئے یہ سورت نازل کی گئی ہے۔

موضوع: یہ سورت جس دور میں نازل ہوئی ہے، وہ وہ وقت تھا کہ مکہ والوں کو دین اسلام کی دعوت دیتے ہوئے ایک مدت گذر چکی تھی، عام لوگ تو کچھ نہ کچھ اسلام کی طرف مائل ہوئے تھے، مگر قوم کے لیڈر پوری طرح بر سرِ پیکار تھے، ان کی مسلسل ہٹ دھرمی، استہزاء اور مسلمانوں پر ان کے ظلم و ستم کی حد ہو گئی تھی، قوم کی مسلسل مزاحمت سے خود نبی پاک ﷺ پر اور مسلمانوں پر دل شکستگی کی کیفیت طاری تھی، اس وجہ سے اس سورت میں ان لوگوں کو تنبیہ کی گئی ہے جو نبی کریم ﷺ کی دعوت کا انکار کر رہے تھے۔ آپ کا مذاق اڑا رہے تھے اور آپ کے کام میں مزاحمتیں کھڑی کر رہے تھے، ساتھ ہی اللہ پاک آپ کو اور مؤمنین کی مختصر جماعت کو تسلی بھی دے رہے ہیں اور ہمت بندھا رہے ہیں۔

سورت کا آغاز ایک تمہید سے ہوا ہے، جس میں قرآنِ پاک کا کتابِ الٰہی ہونا بیان کیا ہے، پھر منکرین دعوت کو تنبیہ کی

ہے اور آپؐ کی ذات والاصفات کی شان میں جو لوگ گستاخیاں کرتے تھے ان کو جواب دیا ہے، اسی ضمن میں اللہ پاک نے قرآن کی حفاظت کا اعلان فرمایا ہے، اس کے بعد حضور ﷺ اور مؤمنوں کو تسلی دی ہے، اور اس پر پہلا رکوع پورا ہوا ہے۔ اس کے بعد آفاقی اور انفسی دلائل سے دوسری زندگی کا امکان اور اس کی ضرورت ثابت کی ہے۔ پھر انسانی زندگی کے ابتدائی احوال، شیطان کی انسانی دشمنی، شیطان کے پیروکاروں کا انجام اور پرہیزگاروں کی جزا بیان کی ہے، اسی ضمن میں یہ مضمون آیا ہے کہ اللہ پاک جہاں بے حد درگذر کرنے والے اور نہایت مہربان ہیں وہیں ان کی سزا بھی بے حد دردناک ہے، پھر رحمتِ خداوندی کی ایک مثال اور عذابِ الٰہی کے تین نمونے پیش کئے ہیں، اور پھر خلاصۂ گفتگو بیان فرما کر سورت کی آخری نصیحتیں شروع ہوگئی ہیں، اور اسی ضمن میں مکہ کے لیڈروں کو آگاہ کیا ہے کہ اگر تمہاری یہی روش رہی تو وہ دن دور نہیں جب تمہیں بھی حجر والوں کی طرح عذاب چکھنا پڑے گا، قرآن پاک نے اس سلسلہ میں مقتسمین (باہم قسمیں کھانے والے) کا لفظ استعمال کر کے اعمال اور جزائے اعمال کی مناسبت کے اصول سے، گویا پیشین گوئی فرمائی ہے کہ مکہ والے حضور ﷺ کے ساتھ ٹھیک حجر والوں کا عمل دہرا رہے ہیں، اس لئے ان کا انجام بھی انہی جیسا ہوگا، بعد کے واقعات نے اس پیشین گوئی کی حرف بہ حرف تصدیق کی۔



آیاتہا ۹۹ (۱۵) سُوْرَةُ الْحِجْرِ مَكِّيَّةٌ (۵۴) رکوعاتہا ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ قف تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝۱ رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ۝ ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝۳ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ ۝۴ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ۝۵

بِسْمِ	نام سے	الْكِتٰبِ (۲)	کتاب الٰہی	لَوْ	(کہ) کاش
اللّٰهِ	اللہ کے	وَقُرْاٰنٍ	اور قرآن	كَانُوْا	ہوتے وہ
الرَّحْمٰنِ	بے حد مہربان	مُّبِيْنٍ	واضح (کی)	مُسْلِمِيْنَ	دین اسلام اختیار کرنے والے
الرَّحِيْمِ	نہایت رحم والے	رُبَمَا (۳)	کبھی		
الٓرٰ	الف، لام، را	يَوَدُّ	تمنا کریں گے	ذَرْهُمْ	چھوڑیں انہیں
تِلْكَ (۱)	وہ (یعنی یہ)	الَّذِيْنَ	وہ لوگ جنھوں نے	يَاْكُلُوْا	کھائیں وہ
اٰيٰتُ	آیتیں (ہیں)	كَفَرُوْا	انکار کیا	وَيَتَمَتَّعُوْا	اور مزے اڑائیں

(۱) اسم اشارہ بعید تعظیم کے لئے ہے (۲) الکتاب میں الف لام عہدی ہے، مراد کتاب الٰہی ہے (۳) رُبَّ: حرف جر ہے، اس میں کئی لغتیں ہیں، ایک باء کی تخفیف کی بھی ہے، وہی یہاں استعمال ہوئی ہے۔ یہ کلمہ قرآن پاک میں بس اسی جگہ استعمال ہوا ہے، یہ نکرہ موصوفہ پر داخل ہوتا ہے اور اس کو جر دیتا ہے مگر جب اس کے ساتھ ما کافہ آئے تو عمل نہیں کرتا اور فعل پر بھی داخل ہوتا ہے، اس کے وضعی معنی تقلیل کے ہیں اور جب وہ کَمْ کے معنی میں ہوتا ہے تو تکثیر کے معنی دیتا ہے، علامہ زوزنی سبعہ معلقہ کی شرح میں اَلَا رُبَّ یومٍ إلخ کی شرح میں لکھتے ہیں: ورب موضوع فی کلام العرب للتقلیل، وکم موضوع للتکثیر ثم ربما حملت رب علی کم فی المعنی فیراد بها الکثیر (ص:۱۱) قرآن کریم کے اولین مترجم حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی رحمہ اللہ نے تقلیل کا ترجمہ کیا ہے اور حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے بھی اس کو باقی رکھا ہے، احقر کے ناقص خیال میں یہی ترجمہ راجح ہے۔

وَيُلۡهِهِمُ	اور غفلت میں ڈالے	اَهۡلَكۡنَا	بربادی ہم نے	مَا	نہیں
	رہیں انھیں	مِنۡ قَرۡيَةٍ(۱)	کوئی بستی	تَسۡبِقُ	بڑھتی
الۡاَمَلُ	امیدیں	اِلَّا	مگر	مِنۡ اُمَّةٍ	کوئی امت
فَسَوۡفَ	پس عنقریب	وَلَهَا(۲)	درانحالیکہ اس کے لئے	اَجَلَهَا	اپنے مقررہ وقت (سے)
يَعۡلَمُوۡنَ	جان لیں گے وہ		(تھا)	وَمَا	اور نہ
	(انجام کار)	كِتَابٌ	نوشتہ	يَسۡتَاۡخِرُوۡنَ	پیچھے رہتی ہے
وَمَآ	اور نہیں	مَّعۡلُوۡمٌ	جانا ہوا	❁	❁

اللہ پاک کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو بے حد مہربان، نہایت رحم والے ہیں!

الف، لام، را —— یہ چھٹی سورت ہے جو ان حروف سے شروع ہوئی ہے، البتہ سورۃ الرعد میں میم کی زیادتی تھی، ان کلمات کی واقعی مراد اللہ پاک ہی کو معلوم ہے، البتہ اتنی موٹی بات ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس سورت کے مضامین بھی پچھلی سورتوں کے ساتھ ہم آہنگ ہیں۔

قرآن کا نزول پڑھنے اور عمل کرنے کے لئے ہوا ہے

سورت کا آغاز ایک پُرزور تمہید سے ہو رہا ہے، ارشاد ہے: —— یہ کتابِ الٰہی اور قرآنِ مبین کی آیتیں ہیں —— یعنی یہ آیتیں جو آپ تلاوت فرما رہے ہیں، کوئی معمولی کلام نہیں، بلکہ کتابِ الٰہی کی آیتیں ہیں، لہٰذا پڑھنے والوں کو اور سننے والوں کو ان سے سرسری نہیں گذر جانا چاہئے، بلکہ پوری توجہ سے تلاوت کرنی چاہئے اور غور سے سننا چاہئے اور جو کچھ ان میں ارشاد فرمایا گیا ہے اس پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرنی چاہئے۔

ساتھ ہی ''اللہ کی کتاب'' کا یہ کہہ کر تعارف کرایا ہے کہ وہ ایک واضح پڑھنے کی کتاب ہے، قرآن مصدر ہے جس کے معنی ہیں: پڑھنا، قرآن کو قرآن اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کا نزول پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کے لئے ہوا ہے، خوبصورت غلاف میں لپیٹ کر طاق میں حفاظت سے رکھنے کے لئے نہیں ہوا۔ پھر یہاں اس کی صفت مُبین لائی گئی ہے، جس کے معنی ہیں: واضح، یعنی قرآنِ کریم اپنی دعوت، اپنے دلائل اور اپنا مطالبہ صاف ظاہر کرتا ہے، اس کی کوئی بات الجھی

(۱) دونوں جگہ مِنْ استغراقیہ ہے (۲) واو حالیہ ہے، لھا خبر مقدم ہے، اور کتابٌ معلومٌ مبتدا مؤخر ہے اور جملہ وَلَهَا إلخ قریةٌ کا حال ہے، جس کا استثناء کیا گیا ہے۔

ہوئی نہیں، اس کا کوئی مضمون مشکل نہیں، اور اس کا کوئی مطالبہ نا قابل فہم نہیں، ہر ذہن اُسے بوجھ سکتا ہے، ہر دل اُسے قبول کرسکتا ہے، ہر روح اس سے مطمئن ہوسکتی ہے، کیونکہ وہ مبین ہے یعنی اپنی بات کھول کر بیان کرنے والی کتاب ہے، وہ ایک روشن صحیفہ ہے جسے ہر پڑھا لکھا پڑھ سکتا ہے۔ اور ہر کان والا دوسرے سے پڑھوا کر سن سکتا ہے۔ قرآنِ پاک کے سلسلہ میں کسی کے لئے یہ کہنے کا موقع نہیں کہ وہ پڑھا لکھا انسان نہیں، کیونکہ اگر وہ خود پڑھا لکھا نہیں، تو کسی سے پڑھوا کر سن سکتا ہے، نہ کسی کے لئے اس بہانے کی گنجائش ہے کہ قرآن کریم اس کی سمجھ سے بالاتر ہے، کیونکہ اللہ پاک نے قرآنِ کریم کو اتنا واضح نازل فرمایا ہے کہ ہر پڑھا لکھا اور ان پڑھ، چھوٹا اور بڑا، مرد اور عورت، جوان اور بوڑھا اس کی بات بخوبی سمجھ سکتا ہے، اس لئے آگے جو ارشاد فرمایا جارہا ہے لوگوں کو چاہئے کہ پوری توجہ سے پڑھیں اور سنیں:

قوموں کی موت وحیات کے لئے ایک میعاد مقرر ہے جس سے وہ ایک سکنڈ آگے پیچھے نہیں ہوسکتیں

اس تمہید کے بعد اگلی آیتوں میں جن کو ہم اس وقت پڑھ رہے ہیں دو باتیں بیان فرمائی گئی ہیں:

پہلی بات: ان لوگوں کو تنبیہ کی ہے جو نبی کریم ﷺ کی دعوت کا انکار کرتے ہیں، آپؐ کا مذاق اڑاتے ہیں، اور اسلام کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرتے ہیں، ان سے کہا جارہا ہے کہ آج تم جتنا چاہو دل سے پھپھولے پھوڑ لو، مگر یاد رکھو ایک وقت آرہا ہے جب تم اپنی محرومی پر ماتم کروگے اور کفِ افسوس ملتے ہوئے کہوگے: کاش ہم نے دین اسلام قبول کرلیا ہوتا! مگر اس وقت کی تمہاری آرزو بیکار ثابت ہوگی، کیونکہ وہ وقت اعمال کا نہیں ہوگا، نتائج اعمال کا ہوگا۔ ارشاد فرماتے ہیں: ــــ کسی وقت منکرینِ اسلام تمنا کریں گے: "کیا اچھا ہوتا جو وہ دین اسلام قبول کرلیتے!" ــــ یعنی دنیا وآخرت میں جب بھی کوئی موقعہ کافروں کی نامرادی اور مسلمانوں کی کامیابی کا پیش آئے گا، ہر موقع پر کفار کو رہ رہ کر اپنے مسلمان ہونے کی تمنا اور نعمتِ اسلام سے محرومی پر حسرت ہوگی، اس سلسلہ کا پہلا اتفاق بدر کی لڑائی کے بعد پیش آیا، جب کفار مکہ نے مسلمانوں کی جانب کھلی فتح اور تائید غیبی دیکھی تو انھوں نے محسوس کیا کہ اسلام ہی نے فقراء مہاجرین کو اور اَوس وخزرج کے کاشتکاروں کو اونچی ناک والے قریشی سرداروں پر غالب کیا ہے، اس وقت انھیں افسوس ہوا کہ ہائے! وہ اس دولت سے محروم رہ گئے۔

پھر اسلامی فتوحات وترقیات کی ہر منزل پر کفار کو اپنی حرماں نصیبی پر کف افسوس ملنا پڑا، اور حسرت کے آنسو بہانے پڑے ــــ اور اس سلسلہ کا انتہائی افسوس کا مقام وہ ہوگا جب فرشتے جان نکالنے کے لئے سامنے آکھڑے ہوں گے، اور ان کے منہ پر اور پیٹھوں پر مار رہے ہوں گے، اُس وقت وہ ہاتھ کاٹیں گے اور آرزو کریں گے کہ کاش انھوں نے اسلام قبول کرلیا ہوتا تاکہ اس دن کے ہولناک عذاب سے محفوظ رہ سکتے۔

پھر یہ سلسلہ یہیں ختم نہیں ہوجائے گا بلکہ عالم آخرت میں جہنم رسید ہونے کے بعد بھی جاری رہے گا، طبرانی کی حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ میری امت کے بہت سے آدمی، اپنے گناہوں کی پاداش میں جہنم میں جائیں گے اور جب تک اللہ پاک چاہیں گے، وہاں رہیں گے، وہاں مشرکین ان پر طعن کریں گے کہ بتاؤ تمہارے ایمان نے تمہیں کیا فائدہ پہنچایا؟ تم بھی آج ہماری طرح دوزخ میں ہو! اس پر اللہ تعالیٰ تمام مؤمنین کو جہنم سے باہر نکال لیں گے، اس وقت مشرکین تمنا کریں گے کہ: ''کیا اچھا ہوتا جو انھوں نے بھی دین اسلام قبول کرلیا ہوتا''

غرض: منکرینِ اسلام پر ایسا وقت ضرور آنے والا ہے، آج وہ لوگ نہیں مانتے تو —— چھوڑو انھیں، کھائیں اور مزے کرلیں، اور غفلت میں ڈالے رہیں انھیں امیدیں، سو عنقریب انھیں پتہ چل جائے گا —— یہ داعیٔ اسلام کو تسلی دی ہے کہ جب کوئی نصیحت کارگر نہیں ہوتی تو وہ ان کا غم نہ کھائیں، بلکہ انھیں چند دن جانوروں کی طرح کھانے پینے دیں، اور وہ لوگ خوب دل کھول کر دنیا کے مزے اڑالیں اور مستقبل کے متعلق لمبی چوڑی امیدیں باندھے رہیں، عنقریب وقت آیا چاہتا ہے جب حقیقت حال کھل جائے گی اور اگلا پچھلا کھایا پیا سب نکل جائے گا۔

اس آیت پاک سے یہ سبق ملتا ہے کہ کھانے پینے کو اصلی مقصد بنالینا اور موت سے بےفکر ہوکر دنیاوی عیش وعشرت کے لئے لمبے چوڑے منصوبوں میں لگا رہنا کافروں ہی کا کام ہے، جن کا آخرت اور جزاء وسزا پر ایمان نہیں۔

مؤمن کھاتا پیتا ضرور ہے، گذران کے بقدر سامان بھی کرتا ہے اور اپنے کاروبار کے منصوبے بھی بناتا ہے، مگر موت اور فکر آخرت سے غافل ہوکر یہ کام نہیں کرتا، اسی لئے ہر کام میں اُسے حلال وحرام کی فکر رہتی ہے —— حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے دمشق کی جامع مسجد کے منبر پر کھڑے ہوکر وعظ فرمایا کہ: اے دمشق والو! کیا تم اپنے ایک ہمدرد، خیر خواہ بھائی کی بات سنوگے؟ سن لو! تم سے پہلے بڑی بڑی قومیں گذر چکی ہیں، جنھوں نے بےشمار مال ومتاع جمع کیا تھا، بڑے بڑے شاندار محلات تعمیر کئے تھے۔ اور دور دراز کے لمبے چوڑے منصوبے باندھ رکھے تھے، لیکن آج وہ سب ہلاک ہوچکے ہیں، ان کے مکانات ان کی قبریں بن چکے ہیں، ان کی طویل امیدیں دھوکہ ثابت ہوئی ہیں۔ قوم عاد تمہارے قریب تھی، جن کا طنطنہ تمہیں معلوم ہے، آج کوئی ہے جو ان کی میراث مجھ سے دو روپیوں میں خرد ینے کے لئے تیار ہوجائے؟

دوسری بات: منکرینِ اسلام کو جو مہلت دی جارہی ہے اور فوراً ان کو ہلاک نہیں کیا جارہا ہے، تو یہ سنتِ الٰہی کے مطابق ہورہا ہے۔ اس سے نادان لوگ کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں، ارشاد فرماتے ہیں: —— اور ہم نے ہر بستی کو اس کے نوشتۂ مقرر پر ہی ہلاک کیا ہے، کوئی امت نہ اپنے مقررہ وقت سے پہلے ہلاک ہوتی ہے، نہ اس کے بعد بچی رہتی ہے —— یعنی کفر ومعصیت میں مبتلا ہوتے ہی اللہ پاک کبھی کسی قوم کی گرفت نہیں فرماتے۔ پھر یہ نادان لوگ کیوں اس غلط فہمی کا شکار ہیں

کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ تکذیب واستہزاء کی جو روش انھوں نے اختیار کی ہے، چونکہ اس پر ابھی تک انہیں سزا نہیں ملی، اس لئے آپ ﷺ سرے سے نبی نہیں۔

سنتِ الٰہی یہ ہے کہ ہر قوم کے لئے پہلے سے مہلت عمل مقرر کی جا چکی ہے، جس قدر بستیاں اور قومیں پہلے ہلاک ہو چکی ہیں، ہر ایک کے لئے ہلاکت کا ایک وقت معین تھا، یہ مہلت جب تک باقی رہی، اللہ پاک ان کی رسّی ڈھیلی فرماتے رہے، پھر جب ان کی معیاد پوری ہوگئی اور ہلاکت کی گھڑی سر پر آ کھڑی ہوئی، تو ایک دم غارت کردی گئیں —— منکرین اسلام بھی عذاب کی تاخیر اور امہالِ خداوندی پر مغرور نہ ہوں، جب ان کا وقت آئے گا، خدائی سزا سے بچ نہ سکیں گے۔

وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۝ لَوْمَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ۝ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝

وَقَالُوْا	اور ان لوگوں نے کہا	لَمَجْنُوْنٌ	مجنون ہو	نُنَزِّلُ	اتارتے ہم
يٰٓاَيُّهَا (۱)	اے	لَوْمَا (۲)	کیوں نہیں	الْمَلٰٓئِكَةَ	فرشتوں کو
الَّذِيْ	وہ شخص	تَاْتِيْنَا	لے آتے ہمارے پاس	اِلَّا	مگر
نُزِّلَ	اتارا گیا ہے	بِالْمَلٰٓئِكَةِ	فرشتوں کو	بِالْحَقِّ (۳)	فیصلۂ عذاب کے ساتھ
عَلَيْهِ	اس پر	اِنْ كُنْتَ	اگر ہو تم	وَمَا كَانُوْٓا (۴)	اور نہیں ہونگے وہ
الذِّكْرُ	قرآن	مِنَ الصّٰدِقِيْنَ	سچوں میں سے؟	اِذًا	اس وقت
اِنَّكَ	واقعی تم	مَا	نہیں	مُّنْظَرِيْنَ	مہلت دئے ہوئے

(۱) یا حرف ندا ہے اور الذی نزل إلخ منادی ہے اور جب منادی پر الف لام داخل ہوتا ہے تو مذکر میں أیُّ اور مؤنث میں اَيَةُ معروف باللام کو حرف ندا سے ملانے کے لئے لایا جاتا ہے اور ھا حرف تنبیہ ہے جو اَیُّ اور اسم معرف باللام کے درمیان فصل کے لئے بڑھایا گیا ہے۔(۲) لَوْمَا شرطیہ ہے اور حرف تحضیض ہے، کیونکہ اس سے متصل فعل ظاہر آیا ہے اور جب وہ امتناعیہ ہوتا ہے تو اس سے متصل اسم ظاہر آتا ہے (۳) باء ملابست کی ہے اور جار مجرور مصدر محذوف کی صفت ہیں جو مستثنٰی ہیں۔ تقدیر عبارت یہ ہے: إلا نز ولاً بالحق (۴) کانوا: کا ترجمہ مقامِ شرط میں استقبال کے ساتھ کیا جاتا ہے یہاں تقدیر عبارت اس طرح ہے: وما کانوا إذا أنز لناھم منظرین۔

اِنَّا نَحۡنُ[1]	بے شک ہم نے ہی	الذِّكۡرَ	قرآن	لَهٗ	اس کے
نَزَّلۡنَا	نازل کیا ہے	وَاِنَّا	اور یقیناً ہم	لَحٰفِظُوۡنَ	محافظ (نگہبان) ہیں

ان آیتوں میں تین باتیں بیان ہوئی ہیں:

(۱) منکرینِ اسلام کی نبی کریم ﷺ کی ذات والاصفات کی شان میں گستاخی، تمسخر اور استہزاء کا بیان، وہ لوگ خاکم بدہن آپ ﷺ کو دیوانہ کہتے تھے، اور کہتے تھے کہ اگر یہ سچا نبی ہے تو ہمارے پاس فرشتوں کو کیوں نہیں لاتا؟ سب سے پہلے معاندینِ اسلام کا یہ تمسخر ذکر کیا ہے۔

(۲) آپ ﷺ دیوانے ہیں یا فرزانے، اس سے تعرض کئے بغیر[2] فرشتوں کے اترنے کے سلسلہ میں سنتِ الٰہی بیان کی ہے کہ فرشتے رسول کے سامنے پرا باندھے کھڑے نہیں رہتے، نہ وہ اس کے جلو میں چلتے ہیں، فرشتے تو رسول کی دعوت قبول نہ کرنے کی صورت میں عذابِ الٰہی لے کر نازل ہوتے ہیں۔

(۳) کفار کے تمسخر کے جواب میں اللہ پاک اپنی حفاظت کا اعلان فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ پر ہم نے قرآن نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں، مخالفین کی تمام ریشہ دوانیاں خاک میں مل جائیں گی، اور قرآن پاک کے کسی حرف کا بھی نقصان نہ ہوگا۔

اندھوں کو اندھیرے میں دور کی سوجھی! کہا: رسول پاگل ہے اور قرآن دیوانے کی بڑ ہے!

خلاصہ سمجھ لینے کے بعد اب تفصیل پڑھئے:

پہلی بات: —— اور ان لوگوں نے کہا: ”اے وہ شخص جس پر قرآن اتارا گیا ہے، یقیناً تو دیوانہ ہے، تو ہمارے پاس فرشتوں کو کیوں نہیں لاتا، اگر سچا ہے؟“ —— معاندین اسلام یہ بات استہزاء اور ٹھٹھے کے طور پر کہتے تھے۔ ان کو تسلیم ہی نہیں تھا کہ قرآن نبی کریم ﷺ پر نازل ہوا ہے، یہ بات تسلیم کر لینے کے بعد وہ لوگ آپ کو دیوانہ نہیں کہہ سکتے تھے، درحقیقت ان کی بات کا مطلب یہ تھا کہ: ”اے وہ شخص جس کا دعوی یہ ہے کہ مجھ پر قرآن نازل ہوا ہے:“ یہ اُسی طرح کی بات ہے جیسی فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت سننے کے بعد اپنے درباریوں سے کہی تھی کہ: ﴿اِنَّ رَسُوۡلَكُمُ الَّذِىۡۤ اُرۡسِلَ اِلَيۡكُمۡ لَمَجۡنُوۡنٌ﴾ (الشعراء ۲۷): ”یہ تمہارے پیغمبر صاحب، جو تم لوگوں کی طرف بھیجے گئے ہیں، یقیناً

(۱) نحن: فصل کے لئے نہیں ہے، کیونکہ وہ دو اسموں کے درمیان نہیں ہے، بلکہ اِنَّ کے اسم کی تاکید ہے یا مبتداء ہے اور دونوں صورتوں میں اسناد کی تاکید حاصل ہوگی، اس وجہ سے حصر کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ (۲) قرآنِ پاک میں دوسری متعدد جگہوں میں آپ ﷺ کے دیوانے ہونے کی تردید کی گئی ہے، مثلاً دیکھئے سورۃ القلم آیت ۲، سورۃ التکویر آیت ۲۲۔

دیوانے ہیں؟

منکرین اسلام کے نزدیک آپ ﷺ کا دعوئے نبوت ہی سب سے بڑی دیوانگی تھا، وہ کہتے تھے: یہ خوب رہی کہ مکہ کا ایک معمولی آدمی سب سے آگے بڑھ کر خدا کے یہاں سے قرآن لے آیا، اور پھر یکہ وتنہا ساری دنیا کو چیلنج کر دیا کہ ایک وقت آئے گا جب منکرین حسرت سے کہیں گے کہ کاش ہم مسلمان ہوتے۔ یہ کونسی عقل وہوش کی باتیں ہیں؟ کھلی ہوئی دیوانگی ہے! اور وہ جو قرآن پڑھ کر سناتا ہے وہ دیوانے کی بڑ ہے، اور دیوانوں کی باتوں کو بھلا کون یاد رکھتا ہے؟

اگر آپ واقعی نبی ہوتے تو فرشتے آپؐ کے ساتھ کیوں نہ کر دیئے گئے جو ہر وقت کوڑا ہاتھ میں لئے رہتے اور لوگوں سے کہتے کہ مانو ان کی بات ورنہ ابھی خدا کا عذاب برسا دیتے ہیں، کیونکہ دنیا کا معمولی بادشاہ بھی جب اپنا کوئی نمائندہ بھیجتا ہے تو اس کے ساتھ پولیس کی فورس ضرور بھیجتا ہے، یہ تو بڑی ہی عجیب بات ہے کہ کائنات کے مالک ایک شخص کو نبوت کا جلیل القدر منصب عطا فرمائیں اور پھر یونہی اکیلا چھوڑ دیں کہ لوگوں کی گالیاں اور پتھر کھاتا پھرے۔ سورۃ الفرقان کی ساتویں آیت میں ان کا قول ہے: ﴿ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ﴾ (کیوں نہ اُن کے پاس کوئی فرشتہ بھیجا گیا جو ان کے ساتھ رہ کر (نہ ماننے والوں کو) دھمکاتا؟)

فرشتے عذاب کا کوڑا لے کر آتے ہیں، رسولوں کے ساتھ نہیں رہتے

دوسری بات: —— ہم فرشتوں کو نہیں اتارتے مگر فیصلۂ عذاب کے ساتھ اور اس وقت اُن کو مہلت نہ دی جائے گی —— یعنی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ کبھی بھی خدائی فوج نہیں بھیجی گئی، کیونکہ یہ تو جبر واکراہ کی ایک صورت ہے، انبیاء ہمیشہ ہی تنہا مبعوث ہوئے ہیں، خدائی فوج (فرشتوں) کو بھیجنے کا وقت تو آخری وقت ہوتا ہے جب کسی قوم کا فیصلہ چکا دینے کا ارادہ کر لیا جاتا ہے، اس وقت بس فیصلہ چکایا جاتا ہے، یہ نہیں کہا جاتا کہ اب ایمان لاؤ تو چھوڑ دیتے ہیں، ہمیشہ سنتِ الٰہی یہی رہی ہے کہ جب کسی قوم کی سرکشی انتہا کو پہنچ جاتی ہے، اور تفہیم وہدایت کے سارے مراحل طے ہو جاتے ہیں، تب فرشتوں کی فوج اُس قوم کو ہلاک کرنے کے لئے بھیجی جاتی ہے، پھر اُس کو قطعاً مہلت نہیں دی جاتی۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کی ذمہ داری لی

تیسری بات: —— یقیناً ہم ہی نے قرآن اتارا ہے اور بے شک ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں —— یعنی یہ قرآن جس کے لانے والے کو تم دیوانہ بتا رہے ہو، یہ ہمارا نازل کیا ہوا ہے، کوئی دیوانے کی بڑ نہیں، جسے تھوڑی دیر کے بعد لوگ بھول جاتے ہیں، نیز یہ براہِ راست ہماری حفاظت میں ہے، نہ تمہارے مٹائے مٹ سکے گا، نہ تمہارے دبائے دب

سکے گا، نہ تمہارے اعتراضوں سے اس کی قدر گھٹ سکے گی، نہ تمہارے روکے اس کی دعوت رُک سکے گی، نہ اس میں تحریف کا کبھی کسی کو موقع مل سکے گا۔

یہ قرآنِ کریم کا ایسا کھلا معجزہ ہے جس کو ہر خاص و عام سمجھ سکتا ہے، قرآنِ کریم کا اعجاز یعنی اس کی فصاحت و بلاغت اور جامعیت جس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا، یہ تو اہل علم کے سمجھنے کی چیز ہے، مگر کمی بیشی نہ ہونے کو تو ایک اَن پڑھ بھی دیکھ سکتا ہے، بلکہ غیر مسلم بھی اس کا تجربہ کر سکتا ہے، عباسی خلیفہ مامون کے دربار کا واقعہ ہے کہ ان کے یہاں ایک علمی مباحثہ میں شرکت کے لئے ایک یہودی آیا، جو شکل و صورت سے ایک ممتاز آدمی معلوم ہوتا تھا، گفتگو بھی فصیح و بلیغ اور عاقلانہ تھی، جب مجلس ختم ہوئی تو مامون نے اُسے بلا کر پوچھا کہ تم اسرائیلی ہو؟ اس سے اقرار کیا، مامون نے کہا اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو ہم تمہارے ساتھ بہت اچھا سلوک کریں گے۔ اس نے جواب دیا: میں اپنے آباؤ اجداد کے دین کو نہیں چھوڑتا۔ بات ختم ہوگئی اور وہ شخص چلا گیا، ایک سال بعد یہی شخص مسلمان ہو کر دربار میں حاضر ہوا، اور مجلس مذاکرہ میں فقہ اسلامی کے موضوع پر بہترین تقریر کی، مجلس ختم ہونے پر مامون نے اس سے پوچھا کہ تم وہی شخص ہو جو گذشتہ سال آئے تھے؟ اس نے جواب دیا: جی ہاں! میں وہی شخص ہوں، مامون نے کہا کہ اس وقت تو تم نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا، پھر اب مسلمان ہونے کا کیا سبب ہوا؟

اس نے بتایا کہ جب میں دبار سے لوٹا تو میں نے موجودہ مذاہب کی جانچ کرنے کا ارادہ کیا، چونکہ میں ایک خوشنویس آدمی ہوں، اس لئے میں نے امتحان کرنے کے لئے تورات کے تین نسخے کتابت کئے اور ان میں کئی جگہ اپنی طرف سے کمی بیشی کر دی، پھر وہ نسخے لے کر میں کنیسہ پہنچا، یہودیوں نے بڑی رغبت سے اُن کو خرید لیا —— پھر اسی طرح انجیل کے تین نسخے کمی بیشی کے ساتھ کتابت کر کے نصاریٰ کے گرجا گھر میں لے گیا، انھوں نے بھی بڑی قدر و منزلت کے ساتھ وہ نسخے مجھ سے خرید لئے —— پھر یہی حرکت میں نے قرآن کے ساتھ کی، اس کے بھی تین نسخے نہایت عمدہ کتابت کئے، جن میں اپنی طرف سے کمی بیشی کر دی، جب ان کو لے کر میں فروخت کرنے نکلا تو جس مسلمان کے پاس بھی لے گیا پہلے اس نے دیکھا کہ صحیح بھی ہے یا نہیں؟ اور جب اس میں کمی بیشی نظر آئی تو مجھے واپس کر دیا، کسی نے بھی اس کو نہ خریدا —— اس تجربہ سے میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ یہی کتاب محفوظ ہے اور اللہ تعالیٰ ہی اس کی حفاظت فرما رہے ہیں، اس لئے میں مسلمان ہو گیا۔

قرآنِ کریم اور دیگر کتبِ سماوی میں فرق:

قرآنِ کریم کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ پاک جل شانہ نے لی ہے، اور دیگر کتب سماوی کی حفاظت کی ذمہ داری

حاملین کتاب کو سونپی گئی تھی۔سورۃ المائدۃ (آیت ۴۴) میں ہے: ﴿ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ﴾ (بوجہ اس کے کہ ان کو کتاب اللہ (تورات) کی نگہداشت کا حکم دیا گیا تھا اور وہ اس کی خبر گیری پر مقرر تھے) یعنی تورات کی حفاظت کا ان کو ذمہ دار بنایا گیا تھا۔قرآنِ کریم کی طرح ﴿ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴾ کا وعدہ نہیں تھا، اس لئے جب تک علماء واحبار نے اپنی ذمہ داری کا احساس کیا تورات محفوظ رہی، اور جب دنیا پرست علماء کے ہاتھوں میں پہنچ گئی تو تحریف ہو کر ضائع ہوگئی —— اور قرآنِ کریم کی حفاظت خود حق تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی ہے، اس لئے دشمنوں کی ہزار کوششوں کے باوجود اس کے ایک نقطے اور زبر زیر میں فرق نہ آسکا۔

قرآنِ کریم کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے کیوں لیا؟

قرآنِ کریم کسی گروہ یا قوم کے لئے مخصوص نہیں، اور نہ کسی خاص دور کے لئیے ہے، بلکہ یہ قیامت تک تمام عالم انسانیت کی رہنمائی اور ہدایت کے لئے خدا کا آخری پیغام ہے، قرآنِ کریم کے پیغام کی اس ابدیت اور آفاقیت کا تقاضا تھا کہ اس کا ایک ایک حرف محفوظ رہے، تاکہ قیامت تک آنے والے اس آفتابِ عالم تاب سے روشنی حاصل کرتے رہیں، اور کسی دور میں یہ خلا محسوس نہ کیا جائے کہ انسانیت کے لئے ہدایت خداوندی کیا ہے؟ اگر انسانیت کی نجات کا یہ آخری سفینہ بھی تحریف کے بھنور میں پھنس جاتا تو پھر وہ کونسا سفینہ ہوتا جو انسانیت کو ساحل مراد تک پہنچاتا؟

حفاظت قرآن ختم نبوت کی دلیل:

حفاظت قرآن کی یہ ذمہ داری جو اللہ تعالیٰ نے لی ہے ''ختم نبوت'' کی بڑی دلیل ہے، جب تک سلسلۂ نبوت جاری رہا، اللہ تعالیٰ نے کسی کتاب کی حفاظت کی ذمہ داری نہیں لی، بلکہ حاملین کتاب کو یہ فریضہ سپرد کیا، پھر جب حاملین کتاب کی کوتاہیوں سے کتابِ الٰہی ضائع ہوگئی یا مسخ ہوگئی تو اللہ پاک نے دوسرا پیغمبر مبعوث فرمایا اور اس کے ذریعہ انسانیت کو دوسرا ہدایت نامہ دیا، اس طرح ایک سو سے زیادہ ہدایت نامے مختلف زمانوں میں انسانوں کے پاس بھیجے گئے، مگر اب جبکہ سلسلۂ نبوت ختم کر دیا گیا تو ضروری تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاتم النّبیین ﷺ کی ہدایات وتعلیمات اور کتاب وسنت کی حفاظت کا پورا پورا انتظام ہو، کیونکہ جب آپ ﷺ کے بعد قیامت تک کوئی نیا پیغمبر آنے والا نہیں، اور آپ ہی اس دنیا کے آخر تک کے لئے نبی ہیں تو ضروری ہے کہ آپ کی کتاب ہدایت (قرآنِ کریم) دنیا کے آخری دن تک محفوظ رہے، تاکہ ہر زمانہ کے طالبان رشد وہدایت اُس سے روشنی حاصل کرسکیں۔

آج کوئی مخالف بھی اس سے انکار نہیں کرسکتا کہ پچھلی چودہ صدیوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلسل یہ انتظام رہا

ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ آئندہ بھی یہ خداوندی انتظام یوں ہی رہے گا، اور قرآن پاک رہتی دنیا تک حرف بہ حرف محفوظ رہے گا، اور جب عالم کی بساط لپیٹ لینے کا وقت آئے گا جیسا کہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے، قرآنِ کریم اٹھالیا جائے گا، ضائع یا اس میں تحریف ہرگز نہ ہوسکے گی۔

حفظِ قرآن:

کسی کتاب کی حفاظت دو ہی طریقوں سے ممکن ہے: ایک یہ کہ اُسے لکھ لیا جائے تا کہ اس میں کوئی ردوبدل نہ کیا جاسکے، دوسرے: یہ کہ انسانی حافظہ میں محفوظ کردیا جائے، اس صورت میں جب تک اس کا ایک بھی یادرکھنے والا موجود رہے گا، وہ کتاب محفوظ رہے گی۔

قرآنِ کریم کی یہ خصوصیت ہے کہ دونوں ہی طریقوں سے اس کا تحفظ کیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نزولِ وحی کے ساتھ ہی کاتبانِ وحی میں سے کسی کو بلا کر نازل شدہ آیات لکھوالیا کرتے تھے، اور قرآن کی یہ کتابت ایسی عام اور کھلی ہوئی بات تھی کہ کفارِ عرب بھی اُسے جانتے تھے، ایک موقعہ پر انھوں نے کہا تھا: ﴿ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلَىٰ عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّ أَصِيلًا ﴾ (الفرقان آیت ۵) جن (صحیفوں) کو اس (پیغمبر) نے لکھوالیا ہے، پھر وہی صبح وشام اس کو پڑھ کر سنائے جاتے ہیں۔

حفظ (زبانی یادداشت) کے ذریعے قرآن کی حفاظت کی طرف بھی رسول اللہ ﷺ نے پوری توجہ فرمائی، آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حفظِ قرآن کی بکثرت تلقین فرماتے، صحیح مسلم کی روایت ہے کہ جس شخص کو کچھ بھی قرآن یاد نہیں وہ ایک اجاڑ گھر کی مانند ہے، صحابۂ کرام کی جماعت سے بڑھ کر تعمیل ارشاد کرنے والی بھلا کونسی جماعت ہوسکتی ہے؟ چنانچہ ان کا معمول تھا کہ مسجدِ نبوی میں حلقے بنا کر قرآن یاد کیا کرتے تھے۔ اور یاد کرنے کے بعد قرآن کی تلاوت سے کبھی غافل نہیں ہوتے تھے۔

غرض حفاظتِ قرآن سے متعلق یہ عظیم الشان وعدۂ الٰہی ایسے حیرت انگیز طریقہ پر پورا ہوکر رہا ہے جسے دیکھ کر بڑے بڑے متعصب مخالفوں کے سر نیچے ہوگئے۔ اور یہ واقعہ ہے کہ ہر زمانہ میں ایک جم غفیر علماء کا ایسا رہا ہے، جس نے قرآن کے علوم ومطالب کی حفاظت کی، کاتبوں نے رسم الخط کی، قاریوں نے طرز ادا کی، اور حافظوں نے الفاظ وعبارت کی وہ حفاظت کی کہ نزول کے وقت سے آج تک ایک زیر وزبر تبدیل نہ ہوسکا، کسی نے قرآن کے رکوع گن لئے، کسی نے آیتیں شمار کرڈالیں، کسی نے حروف کی تعداد بتلائی، حتیٰ کہ بعض نے ایک ایک اعراب اور ایک ایک نقطہ شمار کرڈالا، آنحضرت ﷺ کے مبارک عہد سے آج تک کوئی لمحہ اور کوئی گھڑی ایسی نہیں بتلائی جاسکتی جس میں ہزاروں لاکھوں

حفاظ قرآن موجود نہ رہے ہوں، خیال کرو آٹھ دس سال کا ہندوستانی بچہ جسے اپنی مادری زبان میں دو تین جزء کا رسالہ یاد کرانا مشکل ہے، وہ ایک اجنبی زبان کی اتنی بڑی کتاب، جو متشابہات سے پُر ہے، کس آسانی سے یاد کر لیتا ہے اور کس طرح فر فر سنا دیتا ہے۔ پھر یہ بھی غور کرو کہ کسی مجلس میں کسی بڑے باوجاہت عالم یا حافظ سے پڑھتے ہوئے کوئی حرف چھوٹ جائے یا اعراب کی فروگذاشت ہو جائے تو ایک بچہ اس کو ٹوک دیتا ہے، چاروں طرف سے تصحیح کرنے والے للکارتے ہیں، ممکن نہیں کہ پڑھنے والا غلطی پر قائم رہ سکے:

یہ وہ کتاب ہے جس کی کوئی مثال نہیں ❁ یہی کلام ہے، جس کو کبھی زوال نہیں

حافظِ قرآن کو حافظ کیوں کہا جاتا ہے؟

حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں اور آپؐ کے بعد عرصہ تک حافظِ قرآن کو ''قاری'' کہا جاتا تھا، جس کی جمع قُرَّاء ہے، یہ اصطلاح قرآنِ کریم کی سب سے پہلی نازل ہونے والی آیت ﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ﴾ سے ماخوذ تھی، لیکن بعد میں جب قرآن کو زبانی حفظ کرنا اور اس کو تجوید کے ساتھ عمدگی سے پڑھنا الگ الگ ہو گیا اور دونوں کی جامع شخصیتیں باقی نہ رہیں تو ''قاری'' وہ لوگ کہلانے لگے جو قرآن پاک کو نہایت عمدگی سے پڑھتے ہیں، اور جن کو سارا قرآنِ کریم زبانی یاد ہوتا ہے، ان کو ''حافظ'' کہا جانے لگا۔ یہ نئی اصطلاح اسی آیت پاک سے ماخوذ ہے، کیونکہ اس میں اللہ پاک نے وعدۂ حفاظت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے: ﴿ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴾ حافظون جمع ہے حافظ کی۔

یہ اصطلاح اس لئے مقرر کی گئی کہ عالم اسباب میں اللہ پاک قرآن کی حفاظت حافظوں (قرآن یاد کرنے والوں) کے ذریعہ فرماتے ہیں۔ یہ بات حافظوں کے لئے کتنی بڑی فضیلت ہے کہ وہ ایک وعدۂ الٰہی کی تکمیل کا ذریعہ بن رہے ہیں، اسی وجہ سے احادیث میں حفاظ کی بڑی فضیلتیں وارد ہوئی ہیں، اور شریعت میں قرآن کا حفظ کرنا فرض کفایہ قرار دیا گیا ہے یعنی ہر زمانے میں اتنے مسلمانوں پر قرآنِ پاک حفظ کرنا فرض ہے جس سے قرآن کی مکمل حفاظت ہو سکے۔ حافظون کو جمع لانے میں اسی طرف اشارہ ہے کہ ایک دو حافظ کافی نہیں، پوری جماعت حافظوں کی ضروری ہے۔

قرآنِ پاک کا صرف ترجمہ شائع کرنا:

تمام اہل علم اس پر متفق ہیں کہ قرآن نہ صرف الفاظ کا نام ہے اور نہ صرف معانی کا، بلکہ دونوں کے مجموعے کو قرآن کہا جاتا ہے، اسی وجہ سے کسی بھی زبان (اردو، انگریزی وغیرہ) میں قرآن پاک کا صرف ترجمہ شائع کرنا جائز نہیں، نہ اس کو قرآن نام دینا جائز ہے۔ قرآن کی حفاظت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ صرف ترجمہ ہرگز شائع نہ کیا جائے۔

قرآنِ کریم اپنے اس دعوے میں بالکل منفرد ہے کہ یہ لفظ بہ لفظ کلامِ الٰہی ہے، آج روئے زمین پر کوئی بھی دوسری کتاب یہ دعویٰ نہیں کر سکتی

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِیْ شِیَعِ الْاَوَّلِیْنَ ۝۱۰ وَمَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۱۱ كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِیْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِیْنَ ۝۱۲ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِیْنَ ۝۱۳ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِیْهِ یَعْرُجُوْنَ ۝۱۴ لَقَالُوْۤا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ۝۱۵

وَلَقَدْ	اور بخدا! واقعہ یہ ہے:	مِّنْ رَّسُوْلٍ	کوئی پیغمبر	فِیْ قُلُوْبِ	دلوں میں
اَرْسَلْنَا	بھیجا ہم نے (پیغمبروں کو)	اِلَّا كَانُوْا	مگر تھے وہ	الْمُجْرِمِیْنَ (۴)	مجرموں کے
مِنْ قَبْلِكَ (۱)	آپ سے پہلے	بِهٖ	اس کا	لَا یُؤْمِنُوْنَ	(پس) نہیں ایمان
فِیْ شِیَعِ (۲)	گروہوں میں	یَسْتَهْزِءُوْنَ	مذاق اڑاتے		لائے گا وہ
الْاَوَّلِیْنَ	اگلے لوگوں کے	كَذٰلِكَ	اسی طرح	بِهٖ	اس (قرآن) پر
وَمَا	اور نہیں	نَسْلُكُهٗ (۳)	داخل کر رہے ہیں ہم	وَقَدْ	اور تحقیق
یَاْتِیْهِمْ	آیا ان کے پاس		اُس (انکار واستہزاء) کو	خَلَتْ	گذر چکا

(۱) من قبلک: متعلق ہے أرسلنا سے (۲) شِیَعٌ: اور اَشْیَاعٌ جمع ہیں شِیْعَةٌ کی، جس کے معنی ہیں: فرقہ، گروہ الجماعة المتفقة علی طریقة و مذهب (روح) اس کے ثانوی معنی ہیں: اتباع و انصار اور الاولین کی طرف اس کی اضافت ہے، فرّاء کے نزدیک: موصوف کی صفت کی طرف اضافت ہے اور بصری نحویوں کے نزدیک: موصوف محذوف ہے، تقدیر عبارت فی شیع الأمم الأولین ہے جار مجرور أرسلنا سے متعلق ہیں (۳) سلک (ن) لازم و متعدی، معنی: چلایا، داخل کیا، یقال سلکت الخیط فی الإبرة، والسنان فی المطعون أی: أدخلت (روح) ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب مفعول ہے، مرجع انکار واستہزاء ہے، الذکر (قرآن) کو مرجع قرار دینا صحیح نہیں، ورنہ کذلک کی تشبیہ کا کوئی مطلب نہیں رہے گا۔ حضرت انسؓ اور حسن بصریؒ نے شرک کو مرجع کہا ہے، اس سے بھی انکار واستہزاء کے مرجع ہونے کی تائید ہوتی ہے، وتفریق الضمائر المتعاقبة علی الأشیاء المختلفة إذا دَلَّ الدلیل علیه لیس ببدع فی القرآن (روح) (۴) المجرمین کا الف لام عہدی ہے، مراد مکہ شریف کے مجرمین ہیں جو اولین مخاطب ہیں۔

سُنَّةُ[1]	(اللہ تعالیٰ کا) دستور	مِّنَ السَّمَآءِ	آسمان کا	اِنَّمَا	(کہ) بس
الْاَوَّلِيْنَ	پہلوں کے ساتھ	فَظَلُّوْا[2]	پس ہوویں وہ (فرشتے)	سُكِّرَتْ[3]	بند کردی گئی ہیں
وَلَوْ	اور اگر	فِيْهِ	اس میں	اَبْصَارُنَا	ہماری آنکھیں
فَتَحْنَا	کھول دیں ہم	يَعْرُجُوْنَ	چڑھ رہے ہیں	بَلْ نَحْنُ	بلکہ ہم
عَلَيْهِمْ	ان پر	لَقَالُوْٓا	(تو بھی) ضرور کہیں	قَوْمٌ	لوگ ہیں
بَابًا	کوئی دروازہ		گے وہ	مَّسْحُوْرُوْنَ	جادو کئے ہوئے

یہ آیتیں پچھلے سلسلۂ کلام کے ساتھ جڑی ہوئی ہیں، اور ان میں دو باتیں بیان ہوئی ہیں: ایک حضور ﷺ کی تسلی اور دوسری مؤمنین کی تشفی۔

۱- تاریخی نظیروں سے نبی ﷺ کی تسکین وتسلی

پہلی بات: ایک مخلص اور قوم کی بھلائی کا خواہش مند مصلح، جب اُسی قوم کی طرف سے جس کی بہبودی میں وہ گھلا جاتا ہے، شدید مخالفت ومزاحمت دیکھتا ہے تو طبعاً اُسے سخت صدمہ پہنچتا ہے، چہ جائیکہ وہ مصلح اعظم جو دنیا کے سارے مصلحوں سے بڑھ کر مخلص اور پیکر شفقت ہو! غور کرو! جب حضور اقدس ﷺ اپنی ہی قوم کی طرف سے تکذیب واستہزاء سنتے ہوں گے تو آپ کے دل پر کیا گذرتی ہوگی، اس لئے قرآنِ کریم بار بار آپ کی تسکین وتسلی کے لئے تاریخی نظیروں پر توجہ دلاتا ہے۔ ارشاد فرماتا ہے: —— اور البتہ واقعہ یہ ہے کہ آپ سے پہلے گذری ہوئی مختلف قوموں میں بھی ہم پیغامبر بھیج چکے ہیں، اور کوئی بھی رسول اُن کے پاس ایسا نہیں آیا جس کا انھوں نے مذاق نہ اڑایا ہو —— یعنی آپ مکہ والوں کی تکذیب واستہزاء سے دلگیر نہ ہوں، کیونکہ آپ کی تکذیب پیمبروں کی تاریخ میں کوئی نئی بات نہیں، ہمیشہ منکرین، پیغامبروں کی تکذیب کرتے آئے ہیں، اور ان کا مذاق اڑاتے رہے ہیں —— ٹھیک اسی طرح ان مجرموں کے دلوں میں بھی ہم اس کا جذبہ ڈال رہے ہیں —— یعنی جس طرح گذشتہ قوموں کے دلوں میں ہم نے تکذیب واستہزاء ڈالی تھی اسی طرح آپ کے مخالفوں کے دلوں میں بھی ہم وہی جذبہ ڈال رہے ہیں، جس کی وجہ سے وہ آپ کے ساتھ ٹھٹھا کرتے ہیں

(۱) المراد عادة الله فيهم على أن الإضافة لأدنى ملابسة (روح) (۲) ظَلَّ: کے معنی ہیں: کسی کام کو روز روشن میں کرنا، لاتقول العرب ظل يظل إلا لكل عمل عمل بالنهار (کبیر) يعبر به عما يفعل بالنهار (راغب) ظلوا کی ضمیر فاعل کا مرجع ملائکہ ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ اور قتادہؒ نے یہی مرجع بیان فرمایا ہے: أي فظل الملائكة الذين اقترحوا إتيانهم يعرجون في ذلك الباب وهم يرونهُ على أتم وجه (روح) (۳) سكَّر الباب: بند کرنا۔

ان مجرموں کے دلوں میں تکذیب واستہزاء کا یہ القاء بالکل اسی طرح ہے جیسے ہر معصیت، ہر فسق، ہر کفر کا القاء نظام تکوینی کے تحت مسبب الاسباب کی طرف سے ہوتا رہتا ہے، نعوذ باللہ یہ مراد نہیں کہ یہ استہزاء کسی درجہ میں بھی مطلوب ومقصود ہے۔

اور جب اِن مجرموں کے دلوں میں گذشتہ اقوام کی طرح، تکذیب واستہزاء کی عادت جاگزیں ہوگئی تو —— یہ لوگ قرآن پر ایمان نہیں لائیں گے —— پس آپ اُن کے ایمان نہ لانے کا افسوس نہ کریں اور مخالفانہ چالوں سے پریشان نہ ہوں، کیونکہ ان کا انجام بھی وہی ہونا ہے جو ہمیشہ سے ایسے لوگوں کا ہوتا رہا ہے —— اور بالتحقیق گذر چکی ہے اگلے لوگوں کے ساتھ سنتِ الٰہی! —— یعنی ہمیشہ سنت الٰہی یہی رہی ہے کہ سرکش ہلاک اور رسوا ہوئے ہیں اور انجام کار حق کا بول بالا ہوا ہے۔

۲- اگر کافروں کو ان کی مطلوبہ نشانی دکھائی جائے گی تو وہ اس کو نظر بندی یا جادو قرار دیں گے

دوسری بات: مسلمانوں نے جب کافروں کی طرف سے وہ مطالبہ سنا جس کا تذکرہ ساتویں آیت میں آیا ہے، تو ان کی دلی خواہش ہوئی کہ اگر ان کی یہ ضد پوری کردی جائے اور اُن کے سامنے فرشتوں کو لے آیا جائے تو کیا بعید ہے کہ وہ لوگ ایمان لے آئیں[1] اس سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ اگر ان کا یہ مطالبہ پورا کردیا جائے تب بھی وہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ ارشاد ہے: —— اور اگر اُن پر ہم آسمان کا کوئی دروازہ کھول دیں، پھر فرشتے اس میں دن دہاڑے چڑھنے لگیں، تو بھی وہ لوگ یہی کہیں گے یہ صرف ہماری نظر بندی کی گئی ہے، بلکہ ہم پر جادو کردیا گیا ہے —— یعنی اگر ان لوگوں کا یہ مطالبہ پورا کردیا جائے، اس طرح پر کہ ان پر آسمان کا کوئی دروازہ کھول دیا جائے جس میں دن میں فرشتے اتریں چڑھیں، اور وہ لوگ ہوش وبیداری کے عالم میں، پوری روشنی کی حالت میں، یہ نظارہ دیکھیں تو بھی ان معاندین کی زبانیں خاموش نہیں ہوسکتیں، یہ اس میں بھی اپنی کٹ حجتی سے کوئی نہ کوئی انکار کا پہلو نکال لیں گے، مثلاً: کہیں گے کہ یہ فرشتوں کا آسمان میں چڑھنا اترنا جو ہمیں دکھائی دے رہا ہے، واقعہ ایسا نہیں ہے، بلکہ ان صاحب نے ہماری نظر بندی کردی ہے، اس لئے ہمیں ایسا دکھائی دے رہا ہے۔ اور اگر کوئی ان سے کہے کہ نظر بندی تو تھوڑی دیر کے لئے ہوتی ہے وہ کوئی مستمر حالت نہیں ہوتی، اور تم تو فرشتوں کا اترنا چڑھنا برابر دیکھ رہے ہو تو وہ کہیں گے: ہم پر جادو کردیا گیا ہے، غرض رہے گی مرغ کی ایک ہی ٹانگ[2]

---

(۱) قال ابن جريج في قوله: ولو فتحنا عليهم بابا من السماء فظلّوا فيه يعرجون، قال: رجع إلى قوله: لوماتأتينا بالملائكة (الدرالمنثور) (۲) أخرج عبد الرزاق وابن جرير وابن المنذر وابن ابی حاتم عن ←

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِينَ ﴿١٦﴾ وَ حَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيمٍ ﴿١٧﴾ إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَأَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِينٌ ﴿١٨﴾ وَ الْأَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُونٍ ﴿١٩﴾ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِينَ ﴿٢٠﴾ وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ ﴿٢١﴾ وَأَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَأَسْقَيْنٰكُمُوهُ وَمَآ أَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِينَ ﴿٢٢﴾ وَإِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَ نُمِيتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُونَ ﴿٢٣﴾ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِينَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَأْخِرِينَ ﴿٢٤﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ۚ إِنَّهٗ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿٢٥﴾

وَلَقَدْ	اور البتہ واقعہ یہ ہے:	بُرُوجًا(۱)	روشن ستارے	وَ حَفِظْنٰهَا(۲)	اور محفوظ رکھا ہم نے اس کو
جَعَلْنَا	بنائے ہم نے	وَّزَيَّنّٰهَا(۲)	اور خوشنما بنایا ہم نے اس کو	مِنْ كُلِّ	ہر مردود (پھٹکارے
فِي السَّمَآءِ	آسمان میں	لِلنّٰظِرِينَ	دیکھنے والوں کے لئے	شَيْطٰنٍ رَّجِيمٍ	ہوئے) شیطان سے

← ابن عباس فی قوله: ولو فتحنا عليهم بَابًا من السمآء فظلّوا فيه يعرجون يقول: ولو فتحنا عليهم باباً من السّماء فظلت الملائكة تعرج فيه يختلفون فيه ذاهبين وجائئين لقال أهل الشرک: إنما اخذت أبصَارنا وشبه علينا، وسحرنا (الدرالمنثور)

(۱) بُروجٌ، بُرجٌ کی جمع ہے، اس مادہ میں ظہور کے معنی ہیں، تَبَرَّجَتِ الْمَرْأَةُ: اجنبیوں کے سامنے آراستہ ہوکر نکلنا، اَلْبَارِجَةُ: بڑی جنگی کشتی، بَرَجَ الشيئ: ظاہر ہونا، بلند ہونا۔ بَرِجَتْ عَيْنُهٗ آنکھ کا سیاہ اور کشادہ ہونا، خوبصورت ہونا — ستون، قلعہ، محل، منارہ اور گنبد چونکہ ظاہر ہوتے ہیں، دور سے نظر آتے ہیں اس لئے ان میں سے ہر ایک کو اَلْبُرج کہا جانے لگا۔ سورۃ النساء (آیت ۷۸) میں محل اور قلعہ کے معنی ہیں: ﴿وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ﴾ — آسمانی برجوں کا قرآنِ کریم میں تین جگہ ذکر آیا ہے: ایک یہاں، دوسرے سورۃ الفرقان (آیت ۶۱) میں اور تیسرے سورۃ البروج (آیت ۱) میں، ان آسمانی برجوں سے کیا مراد ہے؟ ایک مفسر کہتے ہیں کہ اس سے مراد فضائے بسیط کے وہ غیر مرئی خطے ہیں، جو مستحکم سرحدوں سے گھرے ہوئے ہیں، جنھیں پار کر کے ایک خطے سے دوسرے خطہ میں جانا سخت مشکل ہے۔ غالبًا ان صاحب نے سورۃ النساء کی (آیت ۷۸) کے قرینے سے یہ معنی سمجھے ہیں، یعنی اُس آیت میں بُرُجٌ کے معنی یقیناً قلعہ کے ہیں اور چونکہ آسمان میں قلعے نہیں، ←

اِلَّا	مگر	فِيۡهَا	اس میں	اِلَّا	مگر
مَنِ	جو	مِنۡ كُلِّ شَىۡءٍ	ہر مناسب چیز	عِنۡدَنَا	ہمارے پاس (ہیں)
اسۡتَرَقَ(۱)	چوری چھپے	مَّوۡزُوۡنٍ	میں سے	خَزَآٮِٕنُهٗ	اس کے خزانے
السَّمۡعَ	سن لے	وَجَعَلۡنَا	اور بنائی ہم نے	وَمَا	اور نہیں
فَاَتۡبَعَهٗ	تو پیچھا کرتا ہے اس کا	لَـكُمۡ	تمہارے لئے	نُنَزِّلُهٗۤ	اتارتے ہیں ہم اس کو
شِهَابٌ	شعلہ	فِيۡهَا	اس میں	اِلَّا	مگر
مُّبِيۡنٌ	روشن	مَعَايِشَ(۳)	معیشت	بِقَدَرٍ	باندازہ
وَالۡاَرۡضَ	اور زمین (کو)	وَمَنۡ(۴)	اور (اُن کے لئے) جن کو	مَّعۡلُوۡمٍ	مقرر
مَدَدۡنٰهَا	پھیلایا ہم نے	لَّسۡتُمۡ	نہیں ہو تم	وَاَرۡسَلۡنَا	اور چلائیں ہم نے
وَاَلۡقَيۡنَا	اور ڈالے ہم نے	لَهٗ	ان کو	الرِّيٰحَ	ہوائیں
فِيۡهَا	اُس میں	بِرٰزِقِيۡنَ	روزی پہنچانے والے	لَوَاقِحَ(۵)	باردار کرنے والی
رَوَاسِىَ(۲)	مضبوط پہاڑ	وَاِنۡ	اور نہیں ہے	فَاَنۡزَلۡنَا	پس برسایا ہم نے
وَاَنۡۢبَتۡنَا	اور اگائی ہم نے	مِنۡ شَىۡءٍ	کوئی بھی چیز	مِنَ السَّمَآءِ	آسمان سے

← لہٰذا ثانوی معنی ''محفوظ خطے'' بنالئے، حالانکہ قلعہ اور محل خود اس لفظ کے ثانوی معنی ہیں، اس سے تیسرے معنی پیدا نہیں ہوسکتے، ثانوی درجے کے تمام معانی اصلی معنی سے ماخوذ ہوا کرتے ہیں — بلکہ آسمانی بروج سے مراد بڑے بڑے روشن ستارے ہیں، جو زینت سماء ہیں اور بحر و بر کی ظلمتوں میں انسانوں کی راہ نمائی کرتے ہیں، حضرت مجاہد، قتادہ اور ابوصالح رحمہم اللہ سے یہی معنی مروی ہیں (درمنثور) علاوہ ازیں سورۃ الفرقان (آیت ۶۱) میں بُرُوج کے معنی ''روشن ستارے'' متعین ہیں، دوسرے معنی ممکن نہیں، کیونکہ ان کے بعد چراغ (آفتاب) اور نورانی چاند کا ذکر ہے، لہٰذا معنی کی تعیین کے لئے اسی کو قرینہ بنانا چاہئے — روشن ستاروں کو بُرُوج اسی مناسبت سے کہا جاتا ہے، جس مناسبت سے ستون، قلعہ، محل، مینارہ اور گنبد کو بُرُوج کہا جاتا ہے۔(۲) ضمیر ھا راجع ہے السَّمَاء کی طرف۔

(۱) اِسۡتَرَقَ السَّمۡعَ: چھپ کر سننا، سن گن لینا (۲) رَوَاسِيَ جمع ہے رَاسِيَةٌ کی، مضبوط پہاڑ، مادہ رَسَا يَرۡسُوۡ رَسۡوًا: ٹھہرنا، ثابت ہونا (۳) مَعَايِشَ جمع ہے مَعَاش اور مَعِيۡشَةٌ کی، اور معنی ہیں کھانے پینے کی وہ چیزیں جن پر زندگی بسر ہوسکے (۴) مَنۡ کا عطف لَكُمۡ کی ضمیر مجرور كُمۡ پر ہے، حرف جر کا اعادہ کئے بغیر یونس، اخفش وغیرہ کوفی نحات کے نزدیک عطف جائز ہے (۵) لَوَاقِح جمع ہے لَاقِحٌ کی جس کے معنی ہیں: بادلوں کو باردار کرنے والی ہوا، رِيۡحٌ لَاقِحٌ وہ ہوا ہے، جس سے درخت باردار ہو جائیں۔

مَآءً	پانی	لَنَحْنُ	البتہ ہم ہی	وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق
فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ (۱)	پس پلایا ہم نے تمہیں	نُحْيٖ	جلاتے ہیں	عَلِمْنَا	جانتے ہیں ہم
	اس کو	وَنُمِيْتُ	اور مارتے ہیں	الْمُسْتَاْخِرِيْنَ (۳)	پیچھے رہنے والوں کو
وَمَآ	اور نہیں (تھے)	وَنَحْنُ	اور ہم	وَاِنَّ رَبَّكَ	اور بیشک آپ کے رب
اَنْتُمْ	تم	الْوٰرِثُوْنَ	وارث (ہیں)	هُوَ	وہ
لَهٗ	اس کا	وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	يَحْشُرُهُمْ	اکٹھا کریں گے ان کو
بِخٰزِنِيْنَ	ذخیرہ (اسٹاک)	عَلِمْنَا	جانتے ہیں ہم	اِنَّهٗ	یقیناً وہ
	کرنے والے	الْمُسْتَقْدِمِيْنَ (۲)	آگے ہونے والوں کو	حَكِيْمٌ	حکمت والے
وَاِنَّا	اور بے شک ہم	مِنْكُمْ	تم میں سے	عَلِيْمٌ	خوب جاننے والے ہیں

تین آفاقی نشانیاں فرشتوں کو لے آنے سے بھی اہم ہیں

تیسری آیت میں باری تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ منکرین کو چھوڑو (کھائیں پئیں) اور مزے اڑائیں اور امیدیں انھیں غفلت میں ڈالے رہیں، عنقریب ان کو پتہ چل جائے گا! — کب پتہ چلے گا؟ اس وقت جبکہ پروردگار عالم اُن سب کو میدانِ حشر میں جمع کریں گے۔ موجودہ پورے رکوع کی گفتگو کا حاصل اور نچوڑ یہی ہے — علاوہ ازیں ساتویں آیت میں منکرین کا یہ مطالبہ بھی آیا ہے کہ اگر تم سچے ہو تو فرشتوں کو کیوں نہیں لے آتے؟ اس رکوع میں انہیں بتایا جارہا ہے کہ تمہارے گردوپیش پھیلی ہوئی کائنات میں غور کرو، فرشتوں سے بھی اہم دلائل اور روشن نشانیاں ان میں موجود ہیں، قرآن پاک تین بہت ہی اہم نشانیاں پیش کرتا ہے:

پہلی نشانی: جگمگاتی، بے حد خوشنما فضائی کائنات۔ ارشاد ہے: — اور یہ یقیناً ایک حقیقت ہے کہ ہم نے آسمان میں روشن ستارے بنائے ہیں — آسمان میں یعنی آسمان سے نیچے فضائے بسیط میں، جسے خلا کہا جاتا ہے، سماء کا اطلاق دونوں معنی میں مشہور ہے، جِرمِ آسمان کو بھی سماء کہا جاتا ہے اور آسمان سے نیچے جو فضا ہے اس کو بھی سماء سے تعبیر کیا جاتا ہے — اور اس کو دیکھنے والوں کے لئے خوشنما بنایا ہے — یعنی دیکھو، روشن ستاروں کی وجہ سے آسمان کتنا خوشنما نظر آتا

(۱) اَسْقٰی اِسْقَاءً: سیراب کرنا، پلانا، اَسْقَيْنٰكُمُوْهُ میں تین ضمیریں ہیں: ایک نا ضمیر جمع متکلم جو فاعل ہے، دوسری کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر جو مفعول اول ہے، اور تیسری ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب جو مفعول ثانی ہے (۲) اِسْتَقْدَمَ القَوْمَ: آگے کو بڑھ جانا الْمُسْتَقْدِمُ اسم فاعل ہے (۳) اسْتَاخَرَ الرَّجُلُ: پیچھے رہنا، اَلْمُسْتَاخِر: اسم فاعل ہے۔

ہے، رات کے وقت پوری کائنات کس طرح جگمگاتی ہے —— آسمان گرد و غبار سے صاف ہو تو پانچ ہزار ستارے خالی آنکھ سے دیکھے جاسکتے ہیں، اور معمولی دوربینوں سے دیکھا جائے تو یہ تعداد بیس لاکھ سے زیادہ ہے۔ اور وقت کی سب سے بڑی دوربین جو ماؤنٹ پیلومر پر لگی ہوئی ہے، اس سے اربوں ستارے نظر آتے ہیں، مگر یہ تعداد بھی اصل تعداد کے مقابلے میں بہت کم ہے —— رات کے وقت ان بے شمار ستاروں سے آسمان دیکھنے والوں کو کس قدر خوبصورت اور پر عظمت معلوم ہوتا ہے! اور غور کرنے والوں کے لئے اس میں کتنی نشانیاں پائی جاتی ہیں؟ آسمان سے فرشتے اُتارنے یا ان کو آسمان پر چڑھانے کی ضرورت نہیں، اگر انسان ماننا چاہے تو یہ کائنات خود خدا کی گواہی دیتی ہے۔

یہ روشن ستارے اور چمکدار تارے، نہ دیوی دیوتا ہیں، نہ خود آفریدہ، بلکہ مخلوق خداوندی اور زینت سماوی ہیں اور انسانوں کے لئے سامانِ عبرت

اور اس کو تمام مردود شیاطین سے محفوظ رکھا ہے —— یعنی آسمانوں تک شیاطین کی پہنچ نہیں، وہاں پر ان کا کوئی عمل دخل نہیں —— جس طرح دوسری زمینی مخلوقات زمین کے علاقے میں مقید ہیں، اس کی حدود سے باہر نہیں جاسکتیں، اسی طرح شیاطین بھی اِسے خطے میں مقید ہیں، اور اس کی سرحدوں سے باہر قدم نہیں رکھ سکتے —— رہا تخلیقِ آدم کے وقت ابلیس کا آسمانوں میں ہونا، اور حضرت آدم وحوا علیہما السلام کو دھوکہ دینا، تو یہ سب آدم علیہ السلام کے زمین پر نزول سے پہلے کے واقعات ہیں، اس وقت تک جنات وشیاطین کا داخلہ آسمانوں میں ممنوع نہیں تھا، بلکہ خود انسان بھی جنت میں تھا۔ یہ پابندی نزول آدم علیہ السلام اور اخراج شیطان کے بعد لگی ہے —— اب شیاطین کی انتہائی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ ایک سلسلہ قائم کرکے فضا میں پہنچتے ہیں، وہاں آسمانوں سے نیچے جہاں بادل ہیں، فرشتے آسمانی خبروں کا باہم تذکرہ کرتے ہیں، شیاطین چھپ کر یہ خبریں سنتے ہیں، ارشاد ہے: —— مگر یہ کہ کوئی چوری چھپے سن لے، تو ایک روشن شعلہ اس کا پیچھا کرتا ہے —— اور وہ اس کو زخمی یا ہلاک کر دیتا ہے —— شیاطین اپنے دوستوں کو، کاہنوں، جوگیوں اور فقیر نما عاملوں کو غیب کی خبریں لاکر دینے کی کوشش کرتے ہیں، اور اس کے لئے ایک سلسلہ قائم کرکے فضاء میں دور تک جاتے ہیں، وہاں بادلوں میں فرشتے تکوینی امور کا مذاکرہ کرتے ہیں، شیاطین یہ کوشش کرتے ہیں کہ ان تکوینی انتظامات کے متعلق کچھ معلومات حاصل کریں، مگر جونہی کوئی بات ان کے پلے پڑتی ہے کہ ایک روشن شعلہ ان کا تعاقب کرتا ہے اور بات چرانے والے کو زخمی یا ہلاک کرکے رکھ دیتا ہے، مگر شیاطین کی کوشش ہوتی ہے کہ ایک آدھ بات جو ان کے ہاتھ لگی ہے، وہ ہلاک ہونے سے پہلے، عجلت کے ساتھ، دوسرے شیاطین کو، اور وہ ان سے نیچے والے شیاطین کو پہنچادیں —— اس ہنگامۂ دار و گیر میں

اگر کوئی بات شیاطین کے پلے پڑ جاتی ہے تو وہ اسے اپنے دستوں کو پہنچاتے ہیں، جو اس میں سینکڑوں جھوٹ ملا کر چلتی کرتے ہیں اور عوام میں اپنی غیب دانی کا ڈھونگ رچاتے ہیں، پھر جب وہ ایک آدھ بات سچی نکلتی ہے تو اس کے معتقدین اُسے اُن کی سچائی کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں اور جو سینکڑوں باتیں جھوٹی ثابت ہوتی ہیں، ان کا کوئی تذکرہ نہیں کرتا۔

''روشن شعلے'' سے مراد یہی ''شہاب ثاقب'' ہیں جو ہماری اصطلاح میں ''ٹوٹنے والے تارے'' کہے جاتے ہیں۔ مسلم شریف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایک مجمع میں تشریف فرماتے تھے کہ ایک ستارہ ٹوٹا، آپؐ نے پوچھا: زمانۂ جاہلیت میں تم اِسے کیا سمجھتے تھے؟ صحابہ کرام نے کہا: ہم یہ سمجھتے تھے کہ یا تو دنیا میں کوئی بڑا حادثہ ہونے والا ہے، یا کوئی بڑا آدمی مرے گا یا پیدا ہوگا۔ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ لغو خیال ہے، اِس کا کسی کے مرنے جینے سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ یہ شیاطین کو ہٹانے کے لئے ہیں —— اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رات کے وقت آنکھوں سے نظر آنے والے ''ٹوٹتے تارے'' وہ ''روشن شعلے'' ہیں جن کا اس آیت پاک میں ذکر ہے۔

دوسری نشانی: زمین کا پھیلانا، اُس پر پہاڑوں کا قائم کرنا اور زمین سے تمام مناسب چیزیں اگانا ہے۔ ارشاد ہے:

—— اور ہم نے زمین کو پھیلایا —— زمین گیند کی طرح گول ہے، مگر خدا کی حکمت کے قربان جایئے کہ انھوں نے اس کو اس طرح پھیلایا ہے کہ کوئی آنکھ اس کی گولائی محسوس نہیں کرتی، ہر شخص آخری نظر تک اس کو پھیلا ہوا پاتا ہے، وہ ہر طرف ایک بچھے ہوئے فرش کی طرح نظر آتی ہے، اگر اس کے پھیلاؤ کی یہ حالت نہ ہوتی تو وہ تمام زمینی خصوصیات ظہور میں نہ آتیں، جو انسان کی زندگی کے لئے ضروری ہیں، اگر اس کا حجم کم یا زیادہ ہوتا تو اس پر زندگی محال ہوتی، مثلاً کرۂ زمین، اگر چاند جتنا چھوٹا ہوتا یعنی اس کا قطر موجودہ قطر کی بہ نسبت چوتھائی ہوتا، تو اس کی کشش موجودہ کشش کا چھٹا حصہ رہ جاتی، اور کشش کی اس کمی کا نتیجہ یہ ہوتا کہ زمین اپنے اوپر پانی اور ہوا کو روک نہ سکتی، جیسا کہ حجم کی اسی کمی کی وجہ سے چاند کی صورتِ حال ہے، چاند پر اس وقت نہ پانی ہے اور نہ کوئی ہوائی کرہ، ہوا کا غلاف نہ ہونے کی وجہ سے، رات کے وقت وہ بے حد سرد ہو جاتا ہے اور دن کے وقت تنور کی طرح جلنے لگتا ہے، یہی حال زمین کا بھی ہو کر رہ جاتا جب اس کا درجۂ حرارت چڑھتا تو انتہائی حد تک چڑھ جاتا، اور گرتا تو انتہائی حد تک گر جاتا —— اسی طرح اگر زمین موجودہ مقدار سے دوگنی ہوتی تو اس کی کشش بھی دوگنی ہو جاتی، جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ ہوا کا کرہ جو اس وقت زمین کے اوپر پانچ سو میل کی بلندی تک پایا جاتا ہے وہ بہت نیچے تک سمٹ جاتا اور اس کے دباؤ میں فی مربع انچ پندرہ تا تیس پونڈ کا اضافہ ہو جاتا، جس کا ردعمل مختلف صورتوں میں زندگی کے لئے نہایت مہلک ثابت ہوتا —— اور اگر زمین سورج کے بقدر بڑی ہوتی[1] تو اس کی

(۱) سورج کا قطر آٹھ لاکھ ۶۵ ہزار میل ہے اور وہ زمین سے بارہ لاکھ گنا بڑا ہے ۱۲

کشش ڈیڑھ سو گنا بڑھ جاتی اور ہوا کا کرہ پانچ سو میل سے گھٹ کر صرف چار میل رہ جاتا، جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ ہوا کا دباؤ ایک ٹن فی مربع انچ تک جا پہنچتا۔ اس غیر معمولی دباؤ کی وجہ سے زندہ اجسام کا نشوونما ممکن نہ رہتا، ایک پونڈ وزنی جانور کا وزن ایک سو پچاس پونڈ ہو جاتا اور انسان کا جسم گھٹ کر گلہری کے برابر ہو جاتا —— اے اللہ آپ کی حکمتوں اور مصلحتوں کو کون پا سکتا ہے، آپ نے جو چیز بنائی ہے خوب بنائی ہے، اور آپ کا ارشاد کس قدر سچا ہے کہ: ﴿ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ﴾ (الذاریات ۴۸) ''اور ہم نے زمین کو فرش کے طور پر بچھایا، سو ہم کیسے اچھے بچھانے والے ہیں!'' یعنی اس میں کیسے کیسے منافع رکھے ہیں!

اور اس میں مضبوط پہاڑ ڈالے —— تا کہ زمین ڈانواں ڈول نہ ہو، سورۂ لقمان کی دسویں آیت میں پہاڑوں کی یہی حکمت بیان ہوئی ہے —— یعنی پہاڑ، حکمت تکوینی میں زمین کا توازن برقرار رکھنے کے لئے ہیں، گویا زمین سمندری گہرائیوں اور پہاڑی بلندیوں کے ذریعے اپنے توازن کو برقرار رکھتی ہے —— پہاڑوں کی اس حیثیت کے بارے میں انسانی علم ماضی قریب تک نہ کے برابر تھا، مگر اب جغرافیہ والے اس سے آشنا ہو چکے ہیں، اگر چہ اس سلسلہ میں ابھی انسان کا علم ابتدائی منزل میں ہے۔

اور اس میں تمام مناسب چیزیں اگائیں —— مَوْزُوْنٌ کے معنی ہیں: وزن کی ہوئی، نپی تلی، مقدار متعین، نحوی ترکیب میں یہ شییء کی صفت ہو سکتا ہے اور کُلّ کی بھی۔ پہلی صورت میں آیت پاک کا مطلب یہ ہوگا کہ زمینی پیداوار حیرت انگریز طور پر موزوں اور مناسب ہے، جو چیز جتنی مقدار میں مطلوب اور مفید ہے اور جس علاقے میں جو چیز مناسب ہے بس اللہ پاک نے اتنی ہی مقدار اور وہاں وہی چیز اگائی ہے، حالانکہ نباتات کی ہر نوح میں بڑھنے کی اس قدر زبردست طاقت ہے کہ اگر اس کے صرف ایک پودے کو بڑھنے کا موقع دیا جائے تو چند سال میں روئے زمین پر بس وہی وہ نظر آئے، مگر یہ صانع حکیم کی کاریگری ہے کہ ہر نوع کی پیداوار ایک حد پر پہنچ کر رک جاتی ہے اور جس ملک کے لئے جو چیز مناسب ہوتی ہے وہاں وہی چیز پیدا ہوتی ہے۔

اور اگر موزون کو کُلّ کی صفت بنایا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ تمام نباتات کو صانع حکیم نے ایک خاص تناسب سے پیدا کیا ہے، ہر چیز اپنی نوعیت، کمیت اور کیفیت میں جچی تلی ہے، جس سے کبھی باہر نہیں جا سکتی، گیہوں کا ایک دانہ لے لو، پھول کی کوئی پنکھڑی توڑ لو، گھاس کی کوئی پتی سامنے رکھ لو اور خدا کی دقیقہ سنجی دیکھو، ہر چیز کی ضخامت کا ایک اندازہ ہے، شکل وصورت، رنگت، خوشبو اور مزے کا ایک معیار ہے اور وہ قطعی ہے، دائمی اور اٹل ہے، گویا مٹی کے ایک ایک ذرے میں ترازو رکھ دیا گیا ہے کہ جو پتی اور جو پھول اگتا ہے، نہایت موزوں اور جچا تلا ہوتا ہے۔

اوراس میں تمہارے لئے اور اُن (جانداروں) کے لئے جن کو تم روزی پہنچانے والے نہیں: ہم نے سامانِ معیشت بنایا —— زمین پر پھیلے ہوئے دوارب سے زیادہ انسانوں کا تناسب، دوسرے جانداروں سے، جو اسی زمین پر بودوباش رکھتے ہیں، آٹے میں نمک کے تناسب سے بھی کم ہے، اللہ کی اس مخلوق کا شمار وحساب بس وہی جانتے ہیں، کوئی نہیں ہے جو ان کو حد شمار میں لا سکے، ان سب کی روزی کی ذمہ داری ان کے خالق ومالک پر ہے، انھوں نے سب کی معیشت کا سامان اسی زمین میں رکھ دیا ہے اور کوئی نہیں جسے ایک وقت کا بھی فاقہ کرنا پڑتا ہو، پرندے صبح جب اپنے گھونسلوں سے روزی کی تلاش میں اڑتے ہیں تو کبھی انہیں ناکامی کا منہ نہیں دیکھنا پڑتا، وہ ہمیشہ شام کے وقت اپنے گھونسلوں کی طرف شاد کام لوٹتے ہیں، فاقہ مستی سے صرف انسانوں کو دوچار ہونا پڑتا ہے یا ان جانداروں کو اس کا مزہ چکھنا پڑتا ہے جن کی رزق رسانی میں انسان کا اختیار اور عمل دخل ہے، اور اس میں اللہ پاک کی حکمتیں ہیں اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اللہ پاک کے خزانوں میں کچھ کمی ہے، ارشاد فرماتے ہیں: —— اور ہر چیز کے ہمارے پاس بے شمار خزانے ہیں، مگر ہم ان کو مقررہ اندازے ہی سے اُتارتے ہیں —— سبحان اللہ! خدا کے یہاں کمی کس چیز کی ہوسکتی ہے؟ مگر یاد رکھنا چاہئے، وہ حکیم بھی ہیں، ہر چیز حکمت کے موافق ایک معین مقدار سے عطا فرماتے ہیں، وہ پروردگار اور پالنہار بھی ہیں، اور جس طرح بچے کے بگڑنے کا اندیشہ ہو تو پیسے ہوتے ہوئے بھی اس کو نہیں دیتے، اسی طرح اللہ پاک کچھ بندوں کی روزی تنگ فرمادیتے ہیں جو بندوں کے حق میں سراسر خیر ہوتی ہے، اسی طرح وہ بندوں کی نامناسب حرکتوں پر تنبیہ کرنے کے لئے بھی ان کی روزی تنگ کرتے ہیں، اور اس کے علاوہ نہ معلوم کتنی حکمتیں ہیں جن کا انسان احاطہ نہیں کرسکتا۔

تیسری نشانی: قدرت کا نظام آب رسانی ہے، جس کے ذریعے روئے زمین پر بسنے والے تمام انسانوں جانوروں، چرندوں، پرندوں اور درندوں کو ہر جگہ اور ہر حال میں اپنی ضرورت کے مطابق پینے، نہانے، دھونے اور کھیتوں اور باغوں کو سیراب کرنے کے لئے بلا کسی قیمت کے پانی مل جاتا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں: —— ہم نے باردار کرنے والی ہوائیں چلائیں، پھر آسمانوں سے ہم نے پانی برسایا، پھر وہ تمہیں پلایا، اور تم اُسے اسٹاک کر کے رکھنے والے نہیں ہو —— اللہ تعالیٰ کا نظام آبِ رسانی دیکھئے، پہلے سمندر سے بھاپ اٹھتی ہے، وہ پانی کے ذروں سے باردار ہوکر یعنی اپنے اندر پانی کے ذرے لے کر بلندی کی طرف چڑھتی ہے، وہاں بلندی پر ابر کی چادریں بنتی ہیں اور فضا میں پھیلتی رہتی ہیں، پھر ہوائیں انہیں ہانک کر حکم خداوندی کے مطابق لے چلتی ہیں، پھر وہ وہ چادریں بارش کے قطرے بن کر گرنے لگتی ہیں اور زمین کے ایک ایک ذرے کو، زمین پر بسنے والے ہر متنفس کو شاداب وسیراب کردیتی ہے، اس طرح ہر کسی کو پانی گھر بیٹھے مل جاتا ہے۔

پھر جو پانی برسایا جاتا ہے اس کا کچھ حصہ تو فوری طور پر انسانوں، جانوروں، درختوں اور کھیتوں کو سیراب کرنے میں

کام آجاتا ہے، باقی پانی کا کچھ حصہ کھلے تالابوں اور جھیلوں میں محفوظ ہوجاتا ہے، جس سے چرند وپرند اور انسان فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اور زیادہ حصہ بچے ہوئے پانی کا زمین کے مسامات میں اتر جاتا ہے اور زیر زمین پائپ لائنوں کے ذریعے ہر طرف رواں دواں رہتا ہے اور کنواں کھودنے سے برآمد ہونے لگتا ہے —— اس کے علاوہ رحمت خداوندی کی کرشمہ سازی دیکھئے کہ بارش صرف ہموار زمین اور آباد علاقوں ہی میں نہیں ہوتی، بلکہ وہ بڑی مقدار میں پہاڑوں کی چوٹیوں پر بھی برستی ہے، جہاں سے ندی نالے اور بڑی بڑی آبشاریں اور دریا پھوٹ نکلتے ہیں، جن سے تمام زمینی مخلوقات فیض یاب ہوتی ہے —— اس کے علاوہ اللہ پاک ارحم الراحمین پانی کا بہت بڑا حصہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر برف کی شکل میں لاد دیتے ہیں، جہاں نہ گرد وغبار کی رسائی ہے نہ کسی غلاظت کی، پھر وہ برف تھوڑا تھوڑا رِس کر پہاڑوں کی رگوں میں پیوست ہوجاتا ہے اور کہیں چشموں کی صورت میں، کہیں آبشاروں کے روپ میں اور کہیں دریاؤں کی شکل میں نمودار ہوتا ہے اور زیادہ حصہ زمین کی تہہ میں انسانی رگوں کی طرح بہتا رہتا ہے، جسے لوگ حسب ضرورت کنویں کھود کر کام میں لاتے ہیں۔

پروردگار عالم کے نظام آب رسانی میں ایک عجیب وغریب بات یہ بھی ہے کہ وہ سمندری پانی کے ذائقے میں تبدیلی کردیتے ہیں، سمندر کا پانی حکمت خداوندی نے انتہائی کھارا اور ایسا نمکین بنایا ہے کہ اربوں کھربوں ٹن نمک اس سے نکالا جاتا ہے، اس میں حکمت یہ ہے کہ سمندری جانور جو اسی میں مرتے اور سڑتے ہیں، اور زمین کی گندگی جو بارش کے پانی سے ڈھل کر اسی میں پہنچتی ہے وہ سمندر کی تیزابی شوریت میں بھسم ہوجاتی ہے، اگر سمندر کا پانی میٹھا ہوتا تو ایک دن میں سڑ جاتا اور اس کی بدبو اتنی تیز ہوتی کہ خشکی میں رہنے والے جانداروں کی زندگی دوبھر ہوجاتی، اس حکمت کی بناء پر پروردگار عالم نے سمندر کا پانی کھارا بلکہ تلخ بنایا ہے، جو نہ پیا جاسکتا ہے نہ اس سے پیاس بجھ سکتی ہے، مگر نظام قدرت نے بارش کے پانی میں ایسا انقلاب رونما کردیا کہ اس سے نمک علاحدہ ہوکر وہ نہایت شریں پانی ہوگیا، قربان جائیے خدا کی رحمتوں کے، ان کی حکمتوں کے، ان کی کرشمہ سازیوں کے اور ان کی مخلوق پروری کے، سچ ہے اگر وہ آب رسانی کا یہ نظام نہ بناتے تو انسان اپنی ضرورت کا پانی ذخیرہ کرکے نہیں رکھ سکتا تھا۔ وہ کہاں سے اتنی ٹنکیاں لاتا، اور کہاں اتنے برتن رکھتا اور کس طرح وہ اتنا پانی اسٹاک کرتا کہ اس کی تمام ضرورتوں کے لئے کافی ہوجائے، اور اگر وہ کسی طرح ایسا کر بھی لیتا تو چند روز کے بعد وہ پانی سڑ جاتا اور پینے کے قابل نہ رہتا۔

خلاصۂ گفتگو:

حاصل بحث ارشاد فرماتے ہیں: —— اور یقیناً ہم ہی پیدا کرتے ہیں اور مارتے ہیں اور ہم ہی باقی رہنے والے ہیں اور یہ یقیناً ایک حقیقت ہے کہ ہم تم میں سے آگے ہونے والوں کو جانتے ہیں اور یہ بھی واقعہ ہے کہ ہم پیچھے رہنے والوں کو

بھی جانتے ہیں، اور آپ کے پروردگار سبھی کو یقیناً اکٹھا کریں گے وہ بالیقین بڑی حکمت والے، خوب علم رکھنے والے ہیں۔

یعنی جس طرح ہم نے ہر چیز کا اندازہ ٹھہرایا ہے اسی طرح لوگوں کی زندگی اور موت کے لئے اور قوموں کے تقدم وتاخر کے لئے بھی اندازہ مقرر کیا ہے، ہر وہ انسان جو پیدا ہوتا ہے اپنے مقررہ اندازے کے مطابق پیدا ہوتا ہے اور ہر وہ انسان جو مرتا ہے وہ مقررہ اندازے کے مطابق مرتا ہے، سب کو اللہ پاک ہی جلاتے ہیں اور وہی موت دیتے ہیں، اور بالآخر سب کو ختم ہو جانا ہے اور باقی رہنے والی ذات صرف اللہ وحدہٗ لاشریک لہ کی ذات ہے۔ اور وہ اس کا پورا علم رکھتے ہیں کہ کون پہلے ہونے والوں میں سے ہے اور کون پیچھے آنے والوں میں سے ہے، اور ایسا ضرور ہونے والا ہے کہ پروردگار عالم اگلے پچھلے تمام انسانوں کو جزائے عمل کے لئے اپنے حضور جمع فرمائیں گے، کوئی متنفس ان سے چھوٹ نہیں سکتا، اور اگلے پچھلے انسانوں کی خاک کا کوئی ذرہ ان سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا، وہ حکیم وعلیم ہیں، ممکن نہیں کہ انھوں نے انسان کے اعمال کے لئے کوئی بدلہ نہ ٹھہرایا ہو، یا انسان کا کوئی عمل ان سے پوشیدہ رہ جائے۔

جو شخص حیاتِ اخروی کو مستبعد سمجھتا ہے وہ اللہ پاک کی صفتِ حکمت سے بے خبر ہے، اور جو شخص حیران ہو کر پوچھتا ہے کہ: "جب ہماری خاک کا ذرّہ ذرّہ منتشر ہو جائے گا تو ہم کیسے دوبارہ پیدا کئے جائیں گے؟" وہ اللہ کی صفتِ علم سے ناواقف ہے

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۶﴾ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۸﴾ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ﴿۲۹﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰۤی اَنْ یَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ یٰۤاِبْلِیْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۳۳﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِیْمٌ ﴿۳۴﴾ وَّاِنَّ عَلَیْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ﴿۳۵﴾ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْۤ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۳۶﴾ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ﴿۳۷﴾ اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ بِمَاۤ

أَغْوَيْتَنِي لَأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَلَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۝٣٩ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ۝٤٠ قَالَ هَٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ ۝٤١ إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ إِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَاوِينَ ۝٤٢ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ أَجْمَعِينَ ۝٤٣ لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِنْهُمْ جُزْءٌ مَقْسُومٌ ۝٤٤

وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	رَبُّكَ	تیرے پروردگار نے	مِنْ رُّوْحِيْ	میری روح میں سے
خَلَقْنَا	پیدا کیا ہم نے	لِلْمَلٰٓئِكَةِ	فرشتوں سے	فَقَعُوْا (٦)	تو گر پڑو تم
الْاِنْسَانَ	انسان (آدم) کو	اِنِّيْ	بے شک میں	لَهٗ	اس کے سامنے
مِنْ صَلْصَالٍ (١)	کھنکھناتی مٹی سے	خَالِقٌۢ	پیدا کرنے والا ہوں	سٰجِدِيْنَ	سجدہ کرتے ہوئے
مِّنْ حَمَاٍ (٢)	سیاہ کیچڑ (گارے) کے	بَشَرًا	آدمی کو	فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ	سو سجدہ کیا فرشتوں نے
مَّسْنُوْنٍ (٣)	سنے ہوئے (بدبودار) سے	مِنْ صَلْصَالٍ	کھنکھناتی مٹی سے	كُلُّهُمْ	سب نے
وَالْجَآنَّ (٤)	اور جنوں کو	مِّنْ حَمَاٍ	سنے ہوئے	اَجْمَعُوْنَ	ایک ساتھ
خَلَقْنٰهُ	پیدا کیا ہم نے ان کو	مَّسْنُوْنٍ	گارے سے	اِلَّآ اِبْلِيْسَ	سوائے ابلیس کے
مِنْ قَبْلُ	پہلے (انسان) سے	فَاِذَا	تو جب	اَبٰٓى	انکار کیا اس نے
مِنْ نَّارِ	آگ سے	سَوَّيْتُهٗ	اچھی طرح بنالوں میں	اَنْ يَّكُوْنَ	کہ ہو وہ
السَّمُوْمِ (٥)	لُو (کی)		اسے	مَعَ السّٰجِدِيْنَ	سجدہ کرنے والوں کے
وَاِذْ	اور (وہ وقت یاد کرو) جب	وَنَفَخْتُ	اور پھونک دوں میں		ساتھ
قَالَ	فرمایا	فِيْهِ	اس میں	قَالَ	فرمایا

(١) الصَّلْصَال: کھنکھانے والی خشک مٹی صَلْصَلَ الْحُلِيُّ: زیور سے آواز نکلنا (٢) الحَمَأ و الحَمأةُ: کیچڑ، حَمَأَ (ف) البئر: کنویں سے کیچڑ نکالنا (٣) مَسْنُوْنٌ: اسم مفعول ہے سَنَّ (ن) السُّنَّةَ: طریقہ مقرر کرنا، حَمَأٌ مَسْنُوْنٌ: راستے کا کیچڑ، وہ گارا جس پر لوگ عرصہ تک چلتے رہے ہوں، ایسا گارا بدبودار ہوجاتا ہے اور سڑ جاتا ہے (٤) اَلْجَانَّ: اسم جمع ہے جن کی (٥) السَّمُوْم: گرم ہوا، لو (٦) قعُوا: امر معروف صیغہ جمع مذکر حاضر، وقوع سے جس کے معنی ہیں گر پڑنا، قَعُوْا کی اصل اِوْقَعُوْا ہے۔

يٰٓاِبْلِيْسُ	اے ابلیس	قَالَ رَبِّ	بولا پروردگار!	مِنْهُمُ	ان میں سے
مَا لَكَ	کیا سبب بنا تیرے لئے	فَاَنْظِرْنِيْٓ	آپ مہلت دیں مجھے	الْمُخْلَصِيْنَ	چنے ہوئے
اَلَّا (۱)	کہ نہ	اِلٰى يَوْمِ	اس دن تک (کہ)	قَالَ	فرمایا
تَكُوْنَ	ہوا تو	يُبْعَثُوْنَ	زندہ کئے جائیں گے وہ	هٰذَا	یہ
مَعَ السّٰجِدِيْنَ	سجدہ کرنے والوں کے	قَالَ	فرمایا	صِرَاطٌ	راستہ (ہے)
	ساتھ	فَاِنَّكَ	پس بے شک تو	عَلَيَّ	میرا
قَالَ	بولا	مِنَ	مہلت دیئے ہوؤں	مُسْتَقِيْمٌ	سیدھا
لَمْ اَكُنْ	نہیں تھا میں	الْمُنْظَرِيْنَ	میں سے (ہے)	اِنَّ عِبَادِيْ	بیشک میرے بندے
لِّاَسْجُدَ (۲)	کہ سجدہ کرتا	اِلٰى يَوْمِ	اس دن تک	لَيْسَ لَكَ	نہیں ہے تیرے لئے
لِبَشَرٍ	کسی آدمی کو	الْوَقْتِ	(جس کا) وقت	عَلَيْهِمْ	اُن پر
خَلَقْتَهٗ	جسے آپ نے پیدا کیا ہے	الْمَعْلُوْمِ	معلوم ہے	سُلْطٰنٌ	کچھ زور
مِنْ صَلْصَالٍ	کھنکھناتی مٹی سے	قَالَ رَبِّ	بولا پروردگار	اِلَّا	مگر
مِّنْ حَمَاٍ	سنے ہوئے	بِمَآ (۳)	آپ کے بدراہ کرنے	مَنِ	جو
مَّسْنُوْنٍ	گارے سے	اَغْوَيْتَنِيْ	کی وجہ سے مجھ کو	اتَّبَعَكَ	پیروی کرے تیری
قَالَ	فرمایا	لَاُزَيِّنَنَّ	ضرور مزین کرونگا میں	مِنَ الْغٰوِيْنَ	گمراہ ہونے والوں میں سے
فَاخْرُجْ	پس نکل تو	لَهُمْ	ان کے لئے	وَاِنَّ	اور یقیناً
مِنْهَا	اس سے	فِي الْاَرْضِ	زمین میں	جَهَنَّمَ	جہنم
فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ	یقیناً تو مردود ہے	وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ	اور ضرور بہکاؤں گا	لَمَوْعِدُهُمْ (۴)	ان کی وعدہ کی (مقررہ
وَّاِنَّ عَلَيْكَ	اور بے شک تجھ پر		میں ان کو		جگہ) ہے
اللَّعْنَةَ	لعنت (ہے)	اَجْمَعِيْنَ	سب کو	اَجْمَعِيْنَ	سب کی
اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ	جزاء کے دن تک	اِلَّا عِبَادَكَ	مگر آپ کے بندے	لَهَا	اس کے لئے

(۱) اصل میں دو لفظ ہیں: أنْ اور لا باہم ادغام ہوا ہے (۲) لام نفی کی تاکید کے لئے ہے۔ (۳) با سببیہ ہے اور مَا مصدر یہ ہے
(۴) مَوْعِدٌ: ظرف مکان ہے وعدے کی جگہ، ٹھکانہ۔

سَبۡعَةُ	سات	لِكُلِّ بَابٍ	ہر دروازے کے لئے	جُزۡءٌ	حصہ (ہے)
اَبۡوَابٍ	دروازے (ہیں)	مِّنۡهُمۡ	ان میں سے	مَّقۡسُوۡمٌ	تقسیم کیا ہوا

آفاقی نشانیوں کے بعد انفسی نشانیوں کا تذکرہ

پچھلے رکوع میں آفاقی دلائل یعنی انسان کی باہر کی دنیا میں پائے جانے والے دلائل اور نشانیوں کا تفصیلی بیان تھا، اب اس رکوع میں انفسی دلائل ہیں، یعنی اپنے اندر کی دنیا میں غور کرو، خود اپنی پیدائش، اپنی اصل، اپنا مقام و مرتبہ، اور اپنے دشمن کو اچھی طرح پہچانو۔ موجودہ آیات میں انسانی زندگی کی بالکل ابتدائی حالت کی طرف کچھ اس انداز سے اشارہ فرمایا ہے، جسے سن لینے کے بعد یہ بات اچھی طرح ذہن نشیں ہوجاتی ہے کہ حیات اُخروی ذرا بھی مستبعد نہیں، ساتھ ہی یہ بھی بتلایا ہے کہ تمہارے پیچھے ایک ایسا دشمن لگا ہوا ہے جو کبھی تم سے غافل نہیں ہوتا، لہٰذا تم بھی اس سے غافل نہ رہو، ارشاد ہوتا ہے:

—— اور یہ یقیناً ایک حقیقت ہے کہ ہم نے انسان کو سڑے ہوئے گارے کی کھنکھناتی مٹی سے بنایا —— یہ انسانی زندگی کے آغاز کی طرف ہلکا سا اشارہ ہے۔ قرآنِ کریم میں دو اور جگہ بھی ایسے اشارے کئے گئے ہیں، سورۃ الصّٰفّٰت میں ارشاد ہے: ﴿ اِنَّا خَلَقۡنٰهُمۡ مِّنۡ طِيۡنٍ لَّازِبٍ ﴾ (ہم نے انسانوں کو چپکتی مٹی سے پیدا کیا) اور سورۃ الرحمٰن میں فرمایا ہے: ﴿ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ صَلۡصَالٍ كَالۡفَخَّارِ ﴾ (اللہ نے انسان کو ٹھیکری کی طرح بجتی مٹی سے پیدا کیا) ان اشاروں سے انسانی زندگی کے آغاز کا کوئی تفصیلی حال معلوم نہیں کیا جاسکتا۔ صحیح احادیث میں بھی اس کی تفصیل نہیں آئی، مفسرین کرام بھی مختلف باتیں کہتے ہیں، درحقیقت عام لوگوں کے لئے اس کی تفصیلات نہ ضروری ہیں، نہ قابل فہم، دور کیوں جایئے موجودہ انسانوں کے متعلق قرآنِ پاک صراحت کے ساتھ بیان کرتا ہے کہ ہم نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا ہے، بتلایئے عام لوگوں میں سے کتنے مٹی سے پیدا ہونے کی حقیقت بوجھ سکتے ہیں؟

البتہ کام کی بات جو اس مختصر اشارے سے سمجھانی ہے وہ یہ ہے کہ جو لوگ دوسری زندگی کو نہیں مانتے، وہ انسانی زندگی کے آغاز میں غور کریں، وہ پہلی بار اسی مٹی سے بنے ہیں، جو دن رات ان کے پیروں تلے روندی جاتی ہے، جب اس پائمال مٹی سے پہلی زندگی ابھر سکتی ہے تو دوسری زندگی وجود میں کیوں نہیں آسکتی؟ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ دوسری زندگی کا انکار کرتے ہیں یا اُسے مستبعد سمجھتے ہیں، انھوں نے اللہ پاک کا مرتبہ ہی نہیں پہچانا، اللہ پاک کی صفات کا صحیح اندازہ نہیں کیا، ان کی حکمت وقدرت، حلم وعدل اور رحمت ورافت کا اگر وہ صحیح ادراک کرتے تو وہ کبھی اس حماقت میں مبتلا نہ ہوتے۔ اللہ پاک کی ذات ہر چیز پر قادر ہے، وہ جس طرح اور جس چیز سے زندگی کو وجود میں لانا چاہے ان کے لئے وہ نہایت آسان ہے، انھوں نے انسان کو مٹی سے بنایا، مٹی پھر بھی ایک ٹھوس مادہ ہے، جس سے سینکڑوں بے جان چیزیں انسان بھی

بناتا ہے، اللہ پاک تو وہ ہستی ہیں جنھوں نے لُو کی گرمی سے ایک بہت بڑی مخلوق پیدا فرمائی ہے، ارشاد ہے: —— اور اس سے پہلے جنّوں کو ہم نے لُو کی گرمی سے پیدا کیا —— انسانوں سے پہلے بہت پہلے اللہ پاک نے ایک بہت بڑی مخلوق کو جسے جنّ کہا جاتا ہے، نہایت درجہ گرم ہوا یعنی لُو کی حرارت سے پیدا فرمایا ہے، یہی لُو جو جون، جولائی کے مہینوں میں چلتی ہے، جس کے گرم گرم تھپیڑوں سے ہمارا جسم جھلس جاتا ہے، اس کی گرمی اور حرارت سے اللہ پاک نے جنوں کی زندگی پیدا فرمائی ہے، ایسی قادر ذات کے لئے نہ پہلی زندگی کو وجود میں لانا مشکل ہے نہ دوسری زندگی کو۔

انسانی زندگی کے ابتدائی حالات:

ان دو آیتوں میں وہ استدلال مکمل ہو گیا جس کا تعلق گذشتہ آیات سے تھا، لیکن چونکہ انسانی زندگی کے آغاز کا تذکرہ آ گیا اس لئے آئندہ آیات میں اس وقت کے دوسرے احوال ذکر فرمائے جاتے ہیں، اس طرح مضمون میں سے مضمون نکل آیا، جس کا سلسلہ دور تک چلا گیا، ارشاد ہے: —— اور وہ وقت یاد کرو جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا: ''میں سڑے ہوئے گارے کی کھنکھناتی مٹی سے ایک آدمی پیدا کر رہا ہوں، سو جب میں اُسے اچھی طرح بنالوں اور اس میں اپنی کچھ روح پھونک دوں تو تم سب اس کے آگے سجدے میں گر پڑنا'' —— آدم علیہ السلام انسانی برادری کے جدامجد ہیں، اس لئے ان کی فضیلت وعزت سب کی فضیلت وعزت ہے، کیا ہم نے کبھی سوچا کہ آدم کون تھے، ان سے ہمارا کیا رشتہ ہے، قدرت کی جانب سے ان کی کس قدر تکریم ہوئی اور ہم اس تکریم کا جواب کیا دے رہے ہیں؟ —— حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے تمام سمجھ دار مخلوقات سے کہہ دیا تھا کہ میں زمین میں اپنا ایک نائب پیدا کر رہا ہوں، جس کی تخلیق نہایت معمولی اور بے قدر مادے سے ہوگی یعنی سڑے ہوئے لسدار گارے سے اس کا پتلا بنے گا، پھر وہ خشک ہو کر اور گرمی میں پک کر ٹھیکری کی طرح کھنکھنانے لگے گا، پھر اس میں نہایت معظم ومحترم روح پھونکی جائے گی، جس سے وہ کالبد خاکی قابل تعظیم ہو جائے گا، تم سب کو یہ حکم دیتا ہوں کہ جب مختلف مراحل سے گذر کر وہ آدمی تیار ہو جائے اور اچھی طرح بن جائے تو تم سب اس کے سامنے منقاد ہو جانا اور اس کے سامنے سجدہ کر کے اس کی برتری کا اقرار کرنا —— چنانچہ سب فرشتوں نے ایک ساتھ سجدہ کیا، سوائے ابلیس کے، اس نے سجدہ کرنے والوں کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا —— تمام فرشتوں نے اپنے پروردگار کے حکم کی تعمیل کی، سب نے ایک ساتھ مل کر حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا، البتہ ایک ناہنجار ایسا بھی نکل آیا جس نے محض تکبر کی وجہ سے حکم خداوندی کو نظر انداز کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے پوچھا: ''اے ابلیس! تجھے کیا ہوا کہ تو نے سجدہ کرنے والوں کا ساتھ نہیں دیا؟'' اس نے جواب دیا: ''میں

ایسے آدمی کو سجدہ کر ہی نہیں سکتا، جسے آپ نے سڑے ہوئے گارے کی کھنکھناتی مٹی سے بنایا ہے'' ــــ یعنی کہاں میں اور کہاں آدم؟ میرا خمیر آگ سے بنا ہے اور آگ نہ صرف یہ کہ روشن ہے، بلکہ بلندی کی طرف بڑھتی ہے اور آدم کا خمیر مٹی سے بنا ہے اور مٹی نہ صرف یہ کہ تاریک ہے بلکہ وہ ہمیشہ پائمال رہتی ہے، اس لئے میری پیشانی آدم کے سامنے کبھی جھک نہیں سکتی! میں اس سے بدرجہا بہتر ہوں، کوئی بلند ہستی، کبھی کسی پست ہستی کو سجدہ نہیں کرسکتی۔ غور کیجئے ابلیس کس ڈھٹائی سے حکم خداوندی پر اعتراض کررہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا (جب تو بغاوت اور سرکشی پر اتر آیا اور اطاعت سے منہ موڑا) تو نکل جا اس (جنت) سے کیونکہ تو مردود ہے اور روز جزا تک تجھ پر پھٹکار ہے! ــــ یہ ہوا تکبر اور حکم نہ ماننے کا انجام! اور بغاوت اور سرکشی کا اس کے علاوہ انجام ہو بھی کیا جاسکتا ہے؟ اچھی طرح سمجھ لیجئے خود کو بڑا سمجھنا اور حکم خداوندی نہ ماننا خوش نصیب انسانوں کی صفت نہیں، جنہیں اہل جنت کہا جاتا ہے بڑائی اور کبریائی صرف خدائے پاک کو سزاوار ہے ــــ تکبر و حکم عدولی کا یہ انجام سامنے آنے پر بھی ابلیس نہ سنبھلا بلکہ مزید سرکشی پر اتر آیا۔

اس نے عرض کیا: ''پروردگار! پھر مجھے اُس دن تک کے لئے مہلت دیدیجئے جبکہ وہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے'' ــــ تاکہ میں آپ کی اس نئی مخلوق کا دم خم دیکھوں جس کی آپ نے اس قدر تکریم فرمائی ہے اور جس کی وجہ سے مجھے مردود ہونا پڑا ہے ــــ وہ لعین کہہ یہ رہا ہے کہ معاذ اللہ! آپ نے اس نئی مخلوق سے جو توقعات وابستہ کی ہیں وہ کبھی پوری نہ ہوں گی، مجھے ذرا مہلت تو دیجئے پھر میں آپ کو دکھادوں گا کہ آدم اور اس کی ذریت کیا کرتی ہے، وہ آپ کا حکم مانتے ہیں یا میرا؟

اللہ نے فرمایا: ''تو تجھے اُس دن تک مہلت ہے، جس کا وقت معلوم ہے'' ــــ یعنی انسانوں کے دوبارہ زندہ ہونے تک تو مہلت نہیں، البتہ اس سے پہلے ایک وقت تک تجھے مہلت ہے، جس کا وقت معلوم ہے۔ مفسرین کرام نے بیان فرمایا ہے کہ اس کو مہلت پہلی بار صور پھونکے جانے تک دی گئی ہے یعنی جب تمام کائنات فنا ہوگی اس وقت یہ لعین بھی مرے گا۔

جب مہلت مل گئی تو ــــ وہ بولا: ''پروردگار! چونکہ آپ نے مجھے گمراہ کیا ہے، میں ضرور ان کے لئے زمین میں دل فریبیاں پیدا کروں گا اور ضرور ہی اِن سب کو بہکا کر رہوں گا، سوائے آپ کے اُن بندوں کے جنھیں آپ نے اِن میں سے چُن لیا ہے'' ــــ کم بخت کی بے حیائی دیکھئے اللہ سے کہہ رہا ہے: ''چونکہ آپ نے مجھے گمراہ کیا ہے'' حالانکہ گمراہ تو وہ مردود خود ہوا ہے، سجدے کا حکم ملا تو سجدہ نہ کیا، وجہ پوچھی تو حکم ہی پر اعتراض کردیا، خود کو آدم سے بہتر ٹھہرا کر تکبر کا اظہار کیا،

اب کہہ رہا ہے کہ آپ نے مجھے گمراہ کیا، سبحان اللہ! اسی کو کہتے ہیں چوری اور سینہ زوری!

اس نے یہ بھی بتلایا کہ اب وہ یہ سارا وقت کس مشغلہ میں گزارے گا، وہ کہتا ہے کہ جس مخلوق کی وجہ سے مجھے یہ برے دن دیکھنے پڑے ہیں، اب میں ان انسانوں کے لئے دنیا کو ایسا دلفریب بناؤں گا کہ یہ سب اُس سے دھوکہ کھا کر تیرے نافرمان بندے بن جائیں گے، تیری خلافت اور اس کی ذمہ داریوں کو بھول جائیں گے، بلکہ تجھی کو بھول جائیں گے، بجز اُن چند نفوس کے، جو انسانی برادری کا خلاصہ ہوں گے وہ ضرور تجھے یاد رکھیں گے اور تیرے احکام کی بجا آوری میں لگے رہیں گے۔

اللہ نے فرمایا: (مجھ تک پہنچنے کا) یہ راستہ ہے (جس کا دکھلانا) میرا کام (ہے جو) سیدھا (مجھ تک پہنچتا ہے)[1] —— اللہ پاک نے اس لعین کو متنبہ کیا کہ مجھ تک پہنچنے کا راستہ بند نہیں، مسدود نہیں اور انسانوں کو اس راہ سے واقف کرنا میرا کام ہے، نیز وہ راستہ نہایت سیدھا ہے، لہٰذا جو مجھ تک پہنچنا چاہے گا اس کے لئے کسی قسم کی پریشانی نہیں ہوگی۔

اور یہ بھی یاد رکھ: —— یقیناً میرے بندوں پر تیرا کچھ زور نہیں، ہاں جو بہکے ہوئے لوگوں میں سے تیری پیروی کریں (وہ تیرے جال میں آجائیں گے) اور جہنم اُن سب کا یقینی ٹھکانہ ہے، جس کے سات دروازے ہیں، ہر دروازے کے لئے ان کے الگ الگ حصے ہیں —— جس طرح جنت کے آٹھ دروازے ہیں اسی طرح جہنم کے سات دروازے ہیں، ہر دروازہ مخصوص اعمال والوں کے لئے ہے۔ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جہنم کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ان مسلمانوں کے لئے ہے جو امت محمدیہ پر تلوار اٹھاتے ہیں —— اور جنت کا ایک دروازہ زائد اس لئے ہے کہ بعض بندے اپنے اعمال کی وجہ سے نہیں بلکہ محض فضل خداوندی کی وجہ سے جنت میں داخل ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کی راہ کھلی ہے، انبیاءِ کرام کے ذریعے وہ راہ لوگوں کو سمجھا دی گئی ہے، جو نہایت سیدھی راہ ہے، خوش نصیب ہیں وہ بندے جو اُس راہ پر چل رہے ہیں، ان کے لئے دونوں جہانوں کی کامرانی ہے!

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿٤٥﴾ ادْخُلُوهَا بِسَلَامٍ آمِنِينَ ﴿٤٦﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلَىٰ سُرُرٍ مُتَقَابِلِينَ ﴿٤٧﴾ لَا يَمَسُّهُمْ فِيهَا نَصَبٌ وَمَا هُمْ مِنْهَا

(۱) عن مجاهد في قوله: هذا صراط عليَّ مستقيم قال: الحق يرجع إلى الله، وعليه طريقه، لايعرج على شيئ (الدر المنثور ج:۲، ص:۹۹)

بِمُخْرَجِيْنَ ﴿۴۸﴾ نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۴۹﴾ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ﴿۵۰﴾

اِنَّ	یقیناً	مِّنْ غِلٍّ(۴)	(کچھ) کدورت	عِبَادِیْٓ	میرے بندوں کو
الْمُتَّقِیْنَ	پرہیزگار	اِخْوَانًا(۵)	بھائی بھائی بنے ہوئے	اَنِّیْٓ	کہ میں
فِیْ جَنّٰتٍ(۱)	باغوں میں	عَلٰی سُرُرٍ	تختوں پر (بیٹھے ہوئے)	اَنَا	ہی
وَّعُیُوْنٍ	اور چشموں (میں ہوں گے)	مُّتَقٰبِلِیْنَ	آمنے سامنے ہوں گے	الْغَفُوْرُ	بہت درگذر کرنے والا
اُدْخُلُوْهَا(۲)	(ان سے کہا جائے گا)	لَا یَمَسُّهُمْ	نہ پہنچے گی ان کو	الرَّحِیْمُ	بے حد مہربانی کرنے
	جاؤ اُن میں	فِیْهَا	جنت میں		والا (ہوں)
بِسَلٰمٍ(۳)	سلامتی کے ساتھ	نَصَبٌ	کچھ مشقت	وَاَنَّ	اور (یہ) کہ
اٰمِنِیْنَ	مطمئن ہوکر	وَّمَا هُمْ	اور نہ وہ	عَذَابِیْ	میرا عذاب
وَنَزَعْنَا	اور نکال دی ہم نے	مِّنْهَا	وہاں سے	هُوَ	ہی
مَا	جو	بِمُخْرَجِیْنَ(۶)	نکالے جائیں گے	الْعَذَابُ	عذاب (ہے)
فِیْ صُدُوْرِهِمْ	ان کے سینوں میں (تھی)	نَبِّئْ	خبر دیجئے	الْاَلِیْمُ	نہایت دردناک

اللہ کے مخلص بندوں کا بہترین انجام

گذشتہ رکوع میں ہم نے دیکھ لیا کہ اللہ پاک نے کس طرح ایک حقیر ترین چیز سے، جو ہمیشہ ہمارے قدموں میں پامال رہتی ہے، ہماری ہستی پیدا کی، اور اُسے اس درجہ تک بلند کیا کہ وہ مسجود ملائکہ بن گئی اور دنیا کی تمام قوتیں اس کے اختیار وتصرف میں دے دی گئیں، البتہ ایک قوت ہمارے آگے نہیں جھکی وہ ابلیس کی قوت تھی، یہ ہمارے آگے نہیں جھکتی، بلکہ ہمیں اپنے آگے جھکانا چاہتی ہے، پس جو انسان اس سے مغلوب ہوگیا، اس نے راہ راست گم کردی، اور جو مغلوب نہیں ہوا وہ اللہ کا سچا بندہ رہا۔ اس نے انسانیت کا وہ بلند ترین مقام پالیا جو حکمت خداوندی نے اسے عطا فرمایا ہے ——

(۱) فی جنّٰت محذوف سے متعلق ہے أی مستقرون أو خٰلدون (۲) جملہ ادخلوا بتقدیر قول ہے أی وقد قیل لھم (۳) بِسَلٰمٍ محذوف سے متعلق ہوکر حال ہے أی ملتبسین بہ أی سالمین (۴) مِنْ بیانیہ یا تبعیضیہ ہے (۵) اِخوانًا، جالسین علی سرر اور متقبلین احوال ہیں جنت کے (۶) مُخْرَج اسم مفعول ہے۔

پھر شیطان کے متبعین کا انجام بتلایا تھا کہ انہیں یقیناً دوزخ میں پہنچنا ہے، اب ان آیات میں مخلص بندوں کا انجام بیان فرمایا جاتا ہے۔

ارشاد ہے: ـــــ پرہیز گار لوگ یقیناً باغوں اور چشموں میں ہوں گے ـــــ یعنی وہ لوگ جو شیطان کی پیروی سے بچے رہے، جنھوں نے اللہ سے ڈرتے ہوئے زندگی گذاری، وہ بہشت کے باغوں میں رہیں گے، جہاں قرینے سے نہریں اور چشمے بہتے ہوں گے۔ ان سے کہا جائے گا: ـــــ ان میں داخل ہو جاؤ سلامتی کے ساتھ، بے خوف وخطر ـــــ نہ داخل ہوتے وقت تمہیں کسی پریشانی سے دوچار ہونا پڑے گا نہ داخل ہونے کے بعد کسی فکر اور خوف وہراس سے پالا پڑے گا ـــــ کتنی شاندار جزا ہے پرہیز گاروں کی! حقیقت یہ ہے کہ جسے جنت میں داخلہ مل گیا اس کے وارے نیارے! لیکن یہ صلہ مفت میں نہیں مل جائے گا، اس کے لئے کچھ کرنا پڑے گا، یاد رکھو یہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے، یہاں جو بوؤ گے وہی وہاں کاٹو گے۔ حدیث شریف میں جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہونے کے لئے کچھ کاموں کی نشاندہی کی گئی ہے، مناسب ہے کہ ہم ان کو ذہن نشین کرلیں: مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سرکارِ دوعالم ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ میں جلوہ افروز ہوئے تو لوگ تیزی سے آپ کی طرف دوڑ پڑے، میں بھی حاضر خدمت ہوا (حضرت ابن اسلام ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) میں نے جب آپ کا چہرہ دیکھا تو بول اٹھا: یہ چہرہ جھوٹے آدمی کا نہیں ہوسکتا، میں نے اس موقع پر، سب سے پہلا جو ارشاد سنا وہ یہ تھا: ”لوگو! حاجت مندوں کو کھانا کھلاؤ، آپس میں سلام کو رواج دو، اقرباء کے ساتھ صلہ رحمی کرو اور راتوں میں نمازیں پڑھو جب لوگ سوئے ہوں، جنت میں جاؤ گے سلامتی کے ساتھ!“[1]

یہ تو جنت میں داخلے کے وقت کے حالات تھے۔ اب داخلہ کے بعد کے احوال سنئے ـــــ اور ان کے دلوں میں جو باہم کدورت ہوگی وہ ہم نکال دیں گے، وہ بھائی بھائی بنے، تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے ـــــ یعنی دنیا میں ان پرہیز گاروں کے درمیان جو کچھ کینہ، خفگی، کدورت، کھوٹ، کپٹ، طبعی اسباب کی وجہ سے ہوگی، وہ جنت میں ایک قلم محو کردی جائے گی، سب جنتی ایک دوسرے کی طرف سے صاف دل ہوکر، بھائی بھائی بن کر انتہائی محبت والفت سے رہیں گے، اور ایک دوسرے کو دیکھ کر مسرور ہوں گے، عزت وکرامت کے تختوں پر آمنے سامنے بیٹھ کر باتیں کریں گے، وہاں ایسی نشست گاہ نہ ہوگی جس میں کوئی آگے اور کوئی پیچھے ہو ـــــ انھیں وہاں کسی طرف کی کلفت نہ پہنچے گی اور نہ وہ وہاں سے نکالے جائیں گے ـــــ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ جنتی جنت میں کھائیں گے پئیں گے مگر نہ تو انہیں تھوکنے

(۱) أخرج الترمذی وابن ماجه والحاکم وصححه عن عبد الله بن سلام رضی الله عنه.

کی ضرورت پیش آئے گی، نہ بول وبراز کی اور نہ رینٹ صاف کرنے کی، لوگوں نے پوچھا: ''کھانا کیا ہوگا؟'' حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ڈکار سے ہضم ہوجائے گا اور مشک جیسے پسینے کے ذریعہ خارج ہوجائے گا''(۱)۔ دوسری حدیث میں ہے کہ جو جنت میں پہنچ گیا وہ وہاں چین سے رہے گا محتاج نہ ہوگا، نہ اس کے کپڑے پرانے ہوں گے، نہ اس کی جوانی ڈھلے گی(۲)۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جنت میں یہ منادی کردی جائے گی کہ اب تم ہمیشہ تندرست رہوگے، کبھی بیمار نہ پڑوگے اور اب تم ہمیشہ زندہ رہوگے کبھی موت نہ آئے گی اور اب تم ہمیشہ جوان رہوگے کبھی بڑھاپا تم پر نہ آئے گا، اور اب تم ہمیشہ نعمتوں میں رہوگے، کبھی تم محتاجگی سے دوچار نہ ہوؤگے۔(۳)

شیطان کے متبعین کا انجام بھی آپ دیکھ چکے اور پرہیزگاروں کی جزاء سے بھی آپ واقف ہوچکے، اب رب ذوالجلال کا اعلان سنئے: اے ہمارے حبیبؐ! —— میرے بندوں کو آگاہ کردیجئے کہ میں ہی بہت درگذر کرنے والا، بے حد مہربانی کرنے والا ہوں اور یہ (بھی) کہ میرا ہی عذاب نہایت دردناک عذاب ہے —— اے بیحد عظمتوں کے مالک پروردگار! سچ فرمایا آپ نے اور بالکل سچ فرمایا، بخشش اور مہربانی آپ ہی کی ہے، دنیا کی تمام مہربانیاں اور بخششیں آپ ہی کی مہربانی اور بخشش کا پرَتو ہیں۔ آپ کے حبیب ﷺ نے ہمیں بتلایا ہے کہ: ''اللہ نے اپنی مہربانی کو سو حصوں میں تقسیم فرمایا ہے، پھر ان میں سے ننانوے حصے اپنے پاس رکھے ہیں اور صرف ایک حصہ زمین میں اُتارا ہے، اسی ایک حصے کی برکت سے مخلوقات آپس میں ایک دوسرے پر رحم کرتی ہیں، یہاں تک کہ اگر کوئی جانور اپنے بچے پر سے اپنا کُھر اٹھائے رکھتا ہے، تا کہ اُسے ضرر نہ پہنچ جائے، تو یہ بھی دراصل اُسی حصۂ رحمت کا اثر ہے'' (بخاری ومسلم)

اور یہ بھی بالکل سچ ہے کہ آپ ہی کا عذاب نہایت دردناک عذاب ہے، دنیا کی کوئی تکلیف، کوئی پریشانی آپ کے عذاب کے لاکھویں حصے کے برابر بھی نہیں، لہٰذا بندوں کو چاہئے کہ عذابِ خداوندی سے بچنے کے لئے دنیا کی ہر تکلیف خوشی خوشی برداشت کریں۔

مؤمن کی شان احادیث میں یہ بتائی گئی ہے کہ اس کا دل ہمیشہ بیم ورجا اور خوف وامید کے درمیان رہتا ہے، اس کی بنیاد خدا کی یہی صفات ہیں، بندہ جب خدائے آمرزگار کی رحمتِ بیکراں اور مغفرت بے پایاں پر نظر کرتا ہے تو اُسے ہر طرح امید ہی امید نظر آتی ہے، لیکن جب اس کی نظر اپنی کوتاہیوں، لغزشوں اور خطاؤں کی طرف جاتی ہے تو وہ تھرا جاتا ہے۔

---

(۱) رواہ مسلم عن جابر رضی اللہ عنہ (۲) رواہ مسلم عن أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ (۳) رواہ مسلم عن أبی سعید و أبی ھریرۃ رضی اللہ عنھما، مشکوٰۃ ص:۴۹۶۔

وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ﴿۵۱﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ۭ قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿۵۳﴾ قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰٓي اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ﴿۵۴﴾ قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ﴿۵۶﴾

وَنَبِّئْهُمْ	اور آگاہ کردیجیے انھیں	اِنَّا	بے شک ہم	بَشَّرْنٰكَ	ہم نے بشارت دی
عَنْ ضَيْفِ	ابراہیم کے مہمانوں	نُبَشِّرُكَ	بشارت دیتے ہیں		ہے آپ کو
اِبْرٰهِيْمَ	کے بارے میں		آپ کو	بِالْحَقِّ	برحق
اِذْ	جب	بِغُلٰمٍ	ایک لڑکے کی	فَلَا تَكُنْ	پس نہ ہوں آپ
دَخَلُوْا (۱)	ملاقات کی انھوں نے	عَلِيْمٍ	بڑا علم والا	مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ (۴)	مایوس ہونے والوں
عَلَيْهِ	آپ سے	قَالَ	کہا آپ نے		میں سے
فَقَالُوْا	تو کہا انھوں نے	اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ	کیا خوشخبری دیتے ہو	قَالَ	کہا آپ نے
سَلٰمًا	سلام!		تم مجھے	وَمَنْ	اور کون
قَالَ	کہا آپ نے	عَلٰٓي اَنْ مَّسَّنِيَ (۳)	پہنچنے کے باوجود مجھے	يَّقْنَطُ	ناامید ہوگا
اِنَّا مِنْكُمْ	واقعی ہم تم سے	الْكِبَرُ	بڑھاپا	مِنْ رَّحْمَةِ	مہربانی سے
وَجِلُوْنَ (۲)	ڈرنے والے ہیں	فَبِمَ	پس کس چیز کی	رَبِّهٖٓ	اپنے رب کی
قَالُوْا	کہا انھوں نے	تُبَشِّرُوْنَ	خوشخبری سناتے ہو تم؟	اِلَّا	بجز
لَا تَوْجَلْ	نہ ڈریے آپ	قَالُوْا	کہا انھوں نے	الضَّآلُّوْنَ	گمراہ لوگوں کے؟

اللہ کی مہربانی اور نوازش کی ایک مثال

گذشتہ آیات میں اللہ پاک نے آگاہ فرمایا تھا کہ وہی بے حد مہربان ہیں اور انہی کا عذاب دردناک ہے، اب چار

(۱) دَخَلَ کا صلہ علیٰ ہو تو معنی ہوتے ہیں: ملاقات کرنا، زیارت کرنا (۲) وَجَلَ يَوْجَلُ وَجَلاً: ڈرنا، خوف محسوس کرنا الوَجِل: صفت مشبہ کا صیغہ ہے، خوف زدہ، ڈرنے والا (۳) علیٰ بمعنی مع ہے اور أنْ مصدریہ ہے (۴) قَنِطَ (س) قنطًا: مایوس ہونا القانِطُ (اسم فاعل) خیر سے ناامید ہونے والا۔

مثالیں پیش فرماتے ہیں: ایک مثال خدائے مہربان کی بے پایاں رحمت کی ہے، اور تین مثالیں رب ذوالجلال کے قہر وغضب اور عذاب ونقمت کی ہیں۔

پہلی مہربانی کی مثال: سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ ہے: —— اور آپ ان لوگوں کو ابراہیم کے مہمانوں کا واقعہ بتلایئے —— تین آدمی مہمان بن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دولت کدے پر پہنچے —— جب انھوں نے آپ سے ملاقات کی تو سلام کیا —— سلام ملاقات کے آداب میں سے ہے، اسلام میں اس کی بڑی تاکید ہے، ایک صاحب نے حضور اقدس ﷺ سے پوچھا کہ کونسا مسلمان بہتر ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ جو محتاجوں کو کھانا کھلائے اور ہر مسلمان کو سلام کرے، خواہ اس سے جان پہچان ہو یا نہ ہو[1]۔

سلام حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے مشروع ہوا ہے، حدیث میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور ان میں روح پھونکی تو انھیں چھینک آئی، آپؑ نے الحمد للہ کہا، اللہ تعالیٰ نے یَرْحَمُکَ اللّٰہ کہہ کر جواب دیا اور فرمایا: ''اے آدم! ان فرشتوں کے پاس جاؤ جو بیٹھے ہیں اور ان سے **السلام علیکم** کہو'' چنانچہ آدم علیہ السلام گئے اور سلام کیا: فرشتوں نے جواب دیا: **علیک السلام ورحمة اللہ** آدم علیہ السلام جواب سن کر لوٹ آئے، اللہ پاک نے فرمایا کہ تمہارا اور تمہاری اولاد کا باہم دُعا سلام کا یہی طریقہ رہے گا[2]۔ حدیث میں یہ بھی ہے کہ گفتگو سے پہلے سلام ہونا چاہئے[3] چنانچہ مہمانوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتے ہی سلام کیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام بڑے مہمان نواز تھے، آپ کا دسترخوان ہمیشہ مہمانوں کے لئے بچھا رہتا تھا، آپ مہمانوں کو دیکھ کر بے حد خوش ہوئے، گھر میں گئے، بچھڑا ذبح کیا، اس کے تکّے بنائے اور بھون کر مہمانوں کے سامنے لائے، مگر جب آپ نے دیکھا کہ مہمانوں کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں بڑھ رہے —— تو آپ نے کہا: ''ہمیں تم سے ڈر لگتا ہے!'' —— کیونکہ عراق وشام کی قدیم تہذیب میں دستور یہ تھا کہ ڈاکو، چور اور غارتگر جب کسی کی مہمانی قبول کر لیتے تو پھر اُس کے بعد اُسے نقصان نہیں پہنچاتے تھے، اس لئے جب ان نوواردوں نے مہمانی قبول کرنے میں تامل کیا، تو قدرتاً آپؑ کا ذہن اِس طرف منتقل ہوا، کہ یہ کہیں کوئی جرائم پیشہ لوگ تو نہیں ہیں؟ آپ نے بے تکلف اپنا یہ احساس اُن کے سامنے ظاہر کر دیا کہ ہمیں تم سے ڈر محسوس ہو رہا ہے —— انھوں نے کہا: ''آپ ڈریئے نہیں، ہم آپ کو ایک بڑے ذی علم لڑکے (اسحاق) کی بشارت دیتے ہیں۔

(۱) رواہ البخاری ومسلم بمعناہ (۲) رواہ الترمذی عن أبی ہریرة رضی اللہ عنہ (۳) رواہ الترمذی عن جابر رضی اللہ عنہ وقال ہذا حدیث منکر۔

اب یہ بات کھلی کہ یہ انسان نہیں ہیں، بلکہ فرشتے ہیں، چنانچہ اب گفتگو کا ماحول بدل گیا —— آپ نے کہا: ''اِس بڑھاپے میں تم مجھے بشارت دے رہو؟ سوچو کس چیز کی بشارت دے رہے ہو —— موجودہ بائبل میں ہے کہ اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر سو سال کی تھی، اہلیہ محترمہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نوے سال کی تھیں(۱)۔ اِس عمر میں آدمی اولاد کا خیال ہی ذہن سے نکال دیتا ہے، اس وجہ سے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے غیر متوقع طور پر خوش خبری سنی تو انہیں یہ بات کچھ عجیب سی معلوم ہوئی، آپ نے تعجب کے لہجہ میں فرمایا: ''خدا کی قدرت اب بڑھاپے میں مجھے اولاد ملے گی! سبحان اللہ! کیسی بشارت ملی ہے!'' —— انھوں نے کہا: ''ہم آپ کو برحق بشارت دے رہے ہیں، آپ مایوس نہ ہوں'' —— چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لب ولہجہ سے ناامیدی کا وہم ہوتا تھا اس لئے فرشتوں نے اپنی بشارت کو مؤکد کیا اور یہ بھی بتلایا کہ ناامیدی کی کوئی بات نہیں، اللہ پاک کی قدرت میں سب کچھ ہے —— آپ نے کہا: پروردگار کی مہربانی سے گمراہ لوگوں کے سوا، بھلا کون مایوس ہوسکتا ہے؟!'' —— حضرت ابراہیم نے بات صاف کردی کہ انھوں نے جو کچھ کہا تھا محض اپنی موجودہ حالت میں اولاد ہونے پر استعجاب کا اظہار تھا، معاذ اللہ! رحمتِ خداوندی سے ناامیدی کا اظہار نہیں تھا، اللہ کی مہربانی سے ناامید عام مسلمان بھی نہیں ہوسکتا، چہ جائیکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے اولوالعزم پیغمبر۔

قرآن مجید کی تعلیم رجائیت سے بھری پڑی ہے، سورۂ یوسف (آیت ۸۷) میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ: ''فیضِ خداوندی سے صرف منکر مایوس ہوتے ہیں'' مؤمن بندہ کبھی بھی مایوس نہیں ہوتا۔ اسلام کی اس بنیادی حقیقت کا راز داں ابراہیم خلیل علیہ السلام سے بڑھ کر اور کون ہوسکتا ہے، چنانچہ آپ نے اُسی کا یہاں اظہار کیا ہے —— یہ واقعہ رحمت خداوندی کا ادنیٰ کرشمہ ہے، وہ جب مہربان ہوجائیں تو بوڑھا صاحب اولاد ہوجاتا ہے، بانجھ عورت صاحب نصیب ہوجاتی ہے، سوکھے درخت لہلہانے لگتے ہیں، اور خشک زمین گل وگلزار بن جاتی ہے۔

وگر در دہد یک صلائے کرم ❁ عزازیل گوید نصیبے برم

اگر ارحم الراحمین ایک کرم کی صدا لگادیں ❁ تو ابلیس بھی حصہ ملنے کی امید باندھ لے

کافر، حق تعالیٰ کی مہربانی سے ناامید اس لئے ہوتا ہے کہ اس کا اللہ پاک کی بے پایاں رحمتوں پر ایمان نہیں

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۷﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۵۸﴾

(۱) پیدائش ۱۷:۱۷

إِلَّآ ءَالَ لُوطٍ إِنَّا لَمُنَجُّوهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٥٩﴾ إِلَّا ٱمْرَأَتَهُۥ قَدَّرْنَآ ۙ إِنَّهَا لَمِنَ ٱلْغَٰبِرِينَ ﴿٦٠﴾ فَلَمَّا جَآءَ ءَالَ لُوطٍ ٱلْمُرْسَلُونَ ﴿٦١﴾ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنكَرُونَ ﴿٦٢﴾ قَالُوا۟ بَلْ جِئْنَٰكَ بِمَا كَانُوا۟ فِيهِ يَمْتَرُونَ ﴿٦٣﴾ وَأَتَيْنَٰكَ بِٱلْحَقِّ وَإِنَّا لَصَٰدِقُونَ ﴿٦٤﴾ فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ ٱلَّيْلِ وَٱتَّبِعْ أَدْبَٰرَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنكُمْ أَحَدٌ وَٱمْضُوا۟ حَيْثُ تُؤْمَرُونَ ﴿٦٥﴾ وَقَضَيْنَآ إِلَيْهِ ذَٰلِكَ ٱلْأَمْرَ أَنَّ دَابِرَ هَٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوعٌ مُّصْبِحِينَ ﴿٦٦﴾ وَجَآءَ أَهْلُ ٱلْمَدِينَةِ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿٦٧﴾ قَالَ إِنَّ هَٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِى فَلَا تَفْضَحُونِ ﴿٦٨﴾ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ وَلَا تُخْزُونِ ﴿٦٩﴾ قَالُوٓا۟ أَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿٧٠﴾ قَالَ هَٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِىٓ إِن كُنتُمْ فَٰعِلِينَ ﴿٧١﴾ لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِى سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿٧٢﴾ فَأَخَذَتْهُمُ ٱلصَّيْحَةُ مُشْرِقِينَ ﴿٧٣﴾ فَجَعَلْنَا عَٰلِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّن سِجِّيلٍ ﴿٧٤﴾ إِنَّ فِى ذَٰلِكَ لَءَايَٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِينَ ﴿٧٥﴾ وَإِنَّهَا لَبِسَبِيلٍ مُّقِيمٍ ﴿٧٦﴾ إِنَّ فِى ذَٰلِكَ لَءَايَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿٧٧﴾

قَالَ	آپ نے پوچھا	أُرْسِلْنَا	بھیجے گئے ہیں	أَجْمَعِينَ	سب کو
فَمَا	تو کیا	إِلَىٰ قَوْمٍ مُّجْرِمِينَ	ایک مجرم قوم کی طرف	إِلَّا	مگر
خَطْبُكُمْ(۱)	مہم ہے تمہاری			ٱمْرَأَتَهُۥ	ان کی بیوی
أَيُّهَا	اے	إِلَّآ	مگر	قَدَّرْنَآ	ہم نے تجویز کیا ہے
ٱلْمُرْسَلُونَ	بھیجے ہوؤ؟	ءَالَ لُوطٍ	خاندانِ لوط	إِنَّهَا	کہ وہ
قَالُوٓا۟	انھوں نے جواب دیا	إِنَّا	یقیناً ہم	لَمِنَ ٱلْغَٰبِرِينَ(۲)	ضرور پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہے
إِنَّآ	بے شک ہم	لَمُنَجُّوهُمْ	انہیں ضرور بچالیں گے		

(۱) خطب کہتے ہیں: اہم مقصد اور مشن کو الخطب: الأمر العظیم الذی یکثر فیه التخاطب (راغب) (۲) الغابِر (اسم فاعل) اصل چیز کے گذر جانے کے بعد جو چیز باقی رہ جائے، غبار: وہ خاک جو قافلے کے چلنے سے اڑ کر پیچھے رہ جائے۔

فَلَمَّا جَآءَ	پھر جب آئے	بِقِطْعٍ مِّنَ	رات کی تاریکی کے	يَسْتَبْشِرُوْنَ	خوشیاں مناتے ہوئے
اٰلَ لُوْطِ	خاندانِ لوط کے پاس	الَّيْلِ (۲)	آخری حصہ میں	قَالَ	کہا آپ نے
الْمُرْسَلُوْنَ	بھیجے ہوئے	وَاتَّبِعْ (۳)	اور چلیں آپ	اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ	بے شک یہ لوگ
قَالَ	کہا انھوں نے	اَدْبَارَهُمْ	ان کے پیچھے	ضَيْفِىْ	میرے مہمان (ہیں)
اِنَّكُمْ	یقیناً تم	وَلَا يَلْتَفِتْ	اور مڑ کر نہ دیکھے	فَلَا تَفْضَحُوْنِ (۶)	پس نہ رسوا کرو مجھے
قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ (۱)	اجنبی لوگ ہو	مِنْكُمْ	تم میں سے	وَاتَّقُوا اللّٰهَ	اور ڈرو اللہ سے
قَالُوْا	انھوں نے جواب دیا	اَحَدٌ	کوئی	وَلَا تُخْزُوْنِ (۶)	اور مجھے شرمندہ مت کرو
بَلْ جِئْنٰكَ	بلکہ ہم لے کر آئے ہیں	وَّامْضُوْا	اور چلتے رہو تم	قَالُوْٓا	وہ کہنے لگے
	آپ کے پاس	حَيْثُ	جہاں	اَوَلَمْ	کیا اور نہیں
بِمَا	وہ چیز	تُؤْمَرُوْنَ	حکم دیئے گئے ہو تم	نَنْهَكَ	منع کر چکے ہم تجھے
كَانُوْا فِيْهِ	جس میں وہ لوگ	وَقَضَيْنَآ (۴)	اور پہنچادی ہم نے	عَنِ الْعٰلَمِيْنَ	دنیا بھر کے لوگوں سے
يَمْتَرُوْنَ	شک کرتے ہیں	اِلَيْهِ	ان تک	قَالَ	کہا آپ نے
وَاَتَيْنٰكَ	اور ہم لے کر آئے ہیں	ذٰلِكَ الْاَمْرَ	یہ بات	هٰٓؤُلَآءِ	یہ
	آپ کے پاس	اَنَّ دَابِرَ (۵)	کہ جڑ	بَنٰتِىْٓ	میری بیٹیاں (ہیں)
بِالْحَقِّ	قطعی فیصلہ	هٰٓؤُلَآءِ	ان لوگوں (کی)	اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم
وَاِنَّا	اور یقیناً ہم	مَقْطُوْعٌ	کٹی ہوئی ہوگی	فٰعِلِيْنَ	کرنے والے
لَصٰدِقُوْنَ	البتہ سچے ہیں	مُّصْبِحِيْنَ	صبح کے وقت	لَعَمْرُكَ (۷)	آپ کی زندگی کی قسم!
فَاَسْرِ	پس رات کو چلیں آپ	وَجَآءَ	اور آئے	اِنَّهُمْ	یقیناً وہ لوگ
بِاَهْلِكَ	اپنے گھر والوں کو لے کر	اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ	شہر والے	لَفِىْ سَكْرَتِهِمْ (۸)	البتہ اپنی مستی میں

(۱) مُنْكَرٌ (اسم مفعول) ناآشنا، شناخت میں نہ آیا ہوا (۲) قِطْعٌ: مفرد ہے، جمع: اَقْطَعٌ، اَقْطَاعٌ اور قِطَاعٌ معنی: آخر رات کی تاریکی یا آخر رات کی تاریکی کا ایک حصہ (۳) تَبِعَهُ واتَّبَعَهُ: پیچھے چلنا۔ (۴) قَضَى الْأَمْرَ إليه: پہنچانا (۵) الدابر (اسم فاعل) ہر چیز کا آخر، جڑ (۶) فَضَحَهُ (ف) فَضْحًا: رسوا کرنا، برائیاں ظاہر کرنا۔ اَخْزَاهُ اِخْزَاءً: شرمندگی میں ڈالنا، ذلیل کرنا، اہانت کرنا (۷) عَمْر اور عُمر ہم معنی ہیں، لیکن قسم کھانے کے موقع پر عَمر ہی آتا ہے العَمر والعُمر واحد لكن خُص القسم بالعَمر دون العُمر (راغب) العمر بالضم والفتح البقاء إلَّا أن الفتح غلب فی القسم ولایجوز ←

يَعْمَهُوْنَ (۱)	بھٹک رہے ہیں	وَاَمْطَرْنَا	اور برسائے ہم نے	لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ (۲)	فراست والوں کے لئے
فَاَخَذَتْهُمُ	چنانچہ آ پکڑا ان کو	عَلَيْهِمْ	ان پر	وَاِنَّهَا	اور یقیناً وہ بستیاں
الصَّيْحَةُ	سخت آواز نے	حِجَارَةً	پتھر	لَبِسَبِيْلٍ	البتہ عام گزرگاہ پر
مُشْرِقِيْنَ	سورج نکلتے وقت	مِّنْ سِجِّيْلٍ	کھنگر (پکی ہوئی مٹی)	مُّقِيْمٍ (۳)	(واقع) ہیں
فَجَعَلْنَا	پس کر دیا ہم نے		کے	اِنَّ	بے شک
عَالِيَهَا	اُن (بستیوں) کا	اِنَّ	یقیناً	فِيْ ذٰلِكَ	اس میں
	اوپر کا حصہ	فِيْ ذٰلِكَ	اس میں	لَاٰيَةً	البتہ نشانی (ہے)
سَافِلَهَا	ان کے نیچے کا حصہ	لَاٰيٰتٍ	البتہ نشانیاں (ہیں)	لِّلْمُؤْمِنِيْنَ	مؤمنین کے لئے

اللہ کی سخت گرفت کی پہلی مثال

رب رحیم کی مہربانی کا نمونہ دیکھ لیا۔ اب ان کی سخت گرفت اور دردناک عذاب کا نمونہ بھی دیکھئے، اور عبرت پکڑیے۔

پہلا نمونہ: حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا دردناک انجام ہے۔ فرشتے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بشارت سنا کر چلنے لگے تو؟ ۔۔۔ آپ نے پوچھا: "اے بھیجے ہوئے فرشتو! اب آپ حضرات کو کیا مہم درپیش ہے؟" ۔۔۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام قرائن سے سمجھ رہے تھے کہ اصل مقصد اِن حضرات کی تشریف آوری کا کچھ اور ہے اس لئے آپ نے دریافت فرمایا کہ اب آپ حضرات کس مشن پر تشریف لے جا رہے ہیں؟ ۔۔۔ انھوں نے جواب دیا: "ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں، جس سے خاندانِ لوط مستثنیٰ ہیں، ہم ضرور ان سب کو بچا لیں گے، سوائے ان کی بیوی کے، ہم نے تجویز کیا ہے کہ وہ ضرور پیچھے رہ جانے والوں میں ہوگی" ۔۔۔ فرشتوں نے اپنی مہم بتائی کہ ہم ایک مجرم قوم کو ہلاک کرنے جا رہے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی طبعی بردباری اور نرم دلی کی وجہ سے فرشتوں کے ساتھ تکرار شروع کی کہ تم اس

← فیه الضم (ابوالبقاء) (۸) سَكِرَ من الشراب: مست ہونا، مدہوش ہونا، سَكْرَةٌ: مستی، مدہوشی، نشہ اس کا استعمال اکثر شراب کے لئے ہوتا ہے، اور کبھی غضب وعشق کی بناء پر بھی یہ حالت طاری ہو جاتی ہے (راغب) نزع کی سختی کے باعث عقل کے گڑبڑ ہو جانے کا نام سَكَرات الموت ہے (تاج العروس)

(۱) عَمِهَ (س) الرجل: سرگردان پھرنا، گمراہی میں بھٹکنا۔ (۲) اَلْمُتَوَسِّم (اسم فاعل) مصدر تَوَسُّم (باب تفعل) فراست والا، بصیرت رکھنے والا، علامات دیکھ کر شناخت کرنے والا (۳) مُقِيْم (اسم فاعل) مصدر اِقَامَةٌ: دائمی، لازوال، ہمیشہ سے جس پر چلتے آئے ہوں لبسبیل میں لام تاکید، باحرف جار ظرفیہ مکانیہ ہے سبیل: راستہ یا واضح راستہ۔

قوم کو کیسے برباد کرنے جا رہے ہو، جس میں لوط علیہ السلام جیسے برگزیدہ نبی موجود ہیں، فرشتوں نے کہا: ہم لوگ لوط علیہ السلام کو اور ان کے پورے خاندان کو عذابِ الٰہی سے بچالیں گے، البتہ ان کی بیوی کے بارے میں تجویز خداوندی یہ ہے کہ وہ مجرموں کے ساتھ رہے گی، لوط علیہ السلام کے ساتھ نہ جائے گی، تا کہ بستی والوں کے ساتھ عذابِ الٰہی سے تباہ ہو۔

پھر جب بھیجے ہوئے فرشتے لوط کے گھر پہنچے تو لوط علیہ السلام نے کہا: ''آپ لوگ اجنبی معلوم ہوتے ہیں!'' —— اور ہمارے شہر کے لوگ پردیسیوں کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں، معلوم نہیں آپ حضرات کے ساتھ کیا معاملہ کریں —— انھوں نے جواب دیا: ''نہیں بلکہ ہم آپ کی خدمت میں وہ چیز لے کر آئے ہیں جس میں یہ لوگ شک کیا کرتے تھے'' —— یعنی ہم پردیسی نہیں ہیں، ہم خداوند قدوس کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں، آپ کی قوم کے لئے عذاب وہلاکت لے کر آئے ہیں —— اور ہم آپ کی خدمت میں اٹل فیصلہ لے کر حاضر ہوئے ہیں اور ہم بالکل سچے ہیں، لہٰذا آپ کچھ رات رہے اپنے گھر والوں کو لے کر نکل جائیں، اور آپ ان کے پیچھے رہیں، اور تم میں سے کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے اور جہاں جانے کا تمھیں حکم دیا جاتا ہے اسی طرف چلتے رہیں —— چنانچہ رات کے وقت حضرت لوط علیہ السلام اپنے اہل وعیال کو لے کر چپکے سے سدُوم سے رخصت ہو گئے، ان کی بیوی نے اُن کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا، جس طرح حضرت نوح علیہ السلام کے لڑکے نے کشتی میں سوار ہونے سے انکار کر دیا تھا۔

اور ہم نے لوط کو یہ فیصلہ پہنچا دیا کہ اِن لوگوں کی جڑ پو پھٹتے ہی کٹ جائے گی —— یعنی حضرت لوط علیہ السلام کے لئے معاملہ کو مبہم نہیں رکھا گیا، انھیں صاف بتا دیا کہ قوم کی تباہی کے لئے صبح کا وقت معین ہے، پس پو پھٹتے ہی ان کا صفایا ہو جائے گا۔

اب قوم کا حال سنئے: جب وہ فرشتے حسین وجمیل لڑکوں کی صورت میں حضرت لوط علیہ السلام کے گھر جا رہے تھے تو شہر والے ان کو دیکھ رہے تھے، ابھی مہمان حضرت کے گھر پہنچے ہی تھے کہ شہر والے آپ کے مکان پر چڑھ آئے —— اور شہر کے لوگ خوشیاں مناتے ہوئے آپہنچے —— اور حضرت لوط علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ مہمان ہمارے حوالے کرو —— آپؑ نے کہا: ''یہ لوگ میرے مہمان ہیں، لہٰذا مجھے رسوا نہ کرو، اللہ سے ڈرو اور مجھے شرمندہ نہ کرو!'' —— یہ واقعہ کا ابتدائی حصہ ہے، ابھی حضرت لوط علیہ السلام کو آنے والے مہمانوں کے فرشتہ ہونے کا علم نہیں، آپ انھیں مہمان سمجھ رہے ہیں اور قوم کو سمجھا رہے ہیں کہ خدا کے بندو کم از کم میری ہی رعایت کرو، مجھے ان مہمانوں کے سامنے رسوا نہ کرو، اگر تم نے میرے مہمانوں کی بے عزتی کی تو پہلے میری عزت اتار لی، اپنے دل میں خدا کا خوف لاؤ، اور اپنی ناشائستہ حرکتوں پر شرماؤ —— وہ بولے! ''کیا ہم تمھیں منع نہیں کر چکے کہ تم ساری دنیا کے ٹھیکیدار مت بنو؟'' —— یعنی ہم تمھیں آگاہ کر چکے ہیں

کہ ہم پردیسیوں کے ٹھہرانے کے روادار نہیں، پھر تم کیوں ان کو اپنے یہاں ٹھہراتے ہو؟ ہماری بات کی پروانہ کر کے اور مہمانوں کو ٹھہرا کر تم نے خود اپنے ہاتھوں اپنی رسوائی کی ہے! —— آپؑ نے کہا: ''یہ میری بیٹیاں ہیں اگر تمہیں کچھ کرنا ہے'' —— یعنی اپنی شہوتِ نفس اُس فطری اور جائز طریقے سے پورا کرو جو اللہ نے مقرر کیا ہے اور اس کے لئے عورتوں کی کمی نہیں، تمہارے گھروں میں یہ سب میری بیٹیاں ہیں، جو تمہارے لئے حلال و پاکیزہ ہیں —— مگر ان کم بدبختوں نے یہ جواب دیا کہ ہمیں اپنی بیویوں سے کوئی سروکار نہیں، ہمارا مقصد تمہیں معلوم ہے —— یعنی بات صرف اس حد تک نہیں رہی کہ وہ لوگ فطرت اور پاکیزگی کی راہ سے ہٹ کر ایک گندی اور خلاف فطرت راہ پر چل پڑے تھے، بلکہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ اب ان کی ساری رغبت اور عام دلچسپی اسی گندے عمل میں تھی، اور اب اس کی بالکل امید نہیں رہی تھی کہ وہ کسی طرح اپنی حرکتوں سے باز آجائیں گے۔

آپؐ کی زندگی کی قسم! وہ لوگ اپنی مدہوشی میں بالکل بہکے ہوئے ہیں —— یہ حضور ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کی قسم کھائی ہے، قرآنی قسمیں شواہد و دلائل ہوتے ہیں گویا یہ کہا جا رہا ہے کہ آپ کی طویل زندگی کے تمام تجربات اس بات کے شاہد ہیں کہ جس طرح آپ کی حکمت ریز نصیحتوں کو مشرکین مکہ گوش ہوش سے نہیں سنتے، اپنی قوت کے نشے میں برابر آپ کی تکذیب کئے جا رہے ہیں، اور اپنے غرور و گمراہی کے نشے میں بہکے ہوئے ہیں۔ اسی طرح حضرت لوط علیہ السلام کی قوم بھی اپنی مدہوشی میں بہک رہی تھی، غفلت اور مستی کے نشے میں اندھی ہو رہی تھی، وہ بڑی لاپرواہی سے حضرت لوط علیہ السلام کی نصیحت بلکہ لجاجت کو ٹھکرا رہی تھی، اُن کو اپنی قوت کا نشہ تھا، شہوت پرستی نے اُن کے دماغ مسخ کر دیئے تھے، وہ بڑے اطمینان کے ساتھ پیغمبر خدا سے جھگڑ رہے تھے۔ اور نہیں جانتے تھے کہ صبح ان کا کیا حشر ہونے والا ہے، تباہی اور ہلاکت ان کے سروں پر منڈلا رہی ہے، موت انہیں دیکھ کر ہنس رہی ہے اور وہ حضرت لوط علیہ السلام کی باتوں کی ہنسی اڑا رہے تھے۔

چنانچہ سورج کے چمکتے ہی ان کو ایک سخت آواز نے آپکڑا —— ان بدبختوں پر جو عذاب صبح تڑکے شروع ہوا تھا وہ سورج چمکنے تک پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا، سورج طلوع ہو ہی رہا تھا کہ انہیں ایک سخت چنگھاڑ سے سابقہ پڑا، جس سے ان کے کلیجے پھٹ گئے اور وہ سب لقمۂ اجل بن گئے —— اور ہم نے اُن بستیوں کو تل پٹ کر دیا اور ان پر پکی ہوئی مٹی کے پتھروں کی بارش کر دی —— تاریخ آج تک اُن کی ہلاکت و بربادی پر گواہ ہے، آج بھی یہ مقام سطح سمندر سے چار سو میٹر گہرائی میں ایک صحراء کی صورت میں موجود ہے، اس کے ایک بہت بڑے رقبے پر ایک خاص قسم کا پانی دریا کی صورت اختیار کئے ہوئے ہے، اس پانی میں مچھلی مینڈک کوئی بھی سمندری جانور زندہ نہیں رہ سکتا، اس لئے اس دریا کو بحرمیت کے

نام سے موسوم کیا جاتا ہے ــــ اس واقعے میں یقیناً کئی ایک نشانیاں ہیں بصیرت والوں کے لئے ــــ متوسم وہ شخص ہے جو علامات وقرائن دیکھ کر اپنی فراست وذکاوت سے پوشیدہ بات کا پتہ لگالے، ارشاد یہ فرمایا گیا ہے کہ دھیان کرنے والوں کے لئے اور پتہ لگانے والوں کے لئے قوم لوط علیہ السلام کی ہلاکت کے اس واقعے میں عبرت کی بہت سی نشانیاں ہیں، انسان سمجھنا چاہے تو سمجھ سکتا ہے کہ بدی اور سرکشی کا انجام کیا ہوتا ہے؟ اگر کچھ دن ڈھیل مل جائے تو اس سے دھوکہ نہ کھائے، پیغمبروں کے ساتھ عداوت کا حشر ہمیشہ یہی ہوتا ہے، کوئی قوم کتنی ہی طاقتور کیوں نہ ہو، مگر خدا کی قدرت کے سامنے ساری طاقتیں ہیچ ہیں ــــ وہ بستیاں ٹھیک عام گذرگاہ پر واقع ہیں ــــ حجاز سے شام جاتے ہوئے، سدوم اور عمورہ کے برباد شدہ شہر راستہ میں پڑتے تھے، اور مکہ والے تباہی کے اُن آثار کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے ــــ اُن (آثار) میں یقیناً مؤمنین کے لئے عبرت کی نشانیاں ہیں ــــ یعنی مؤمنین ان بستیوں کو سیرگاہ یا تماشا نہیں بناتے، بلکہ اس سے سبق لیتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ جب رسولِ اکرم ﷺ تبوک جاتے ہوئے ان علاقوں سے گذرے تو آپ ؐ نے سرمبارک جھکالیا اور سواری کو تیز کردیا اور لوگوں سے فرمایا کہ ان علاقوں سے روتے ہوئے گزرو یا کم ازکم رونے کی صورت بنالو، کہیں ایسا نہ ہو تم پر بھی وہی عذاب آپڑے جو اُن ہلاک شدہ قوموں پر آیا تھا۔

جو علاقے عذابِ الٰہی سے ویران ہوتے ہیں وہ عام طور پر دوبارہ آباد نہیں ہوتے، تاکہ آنے والی نسلوں کے لئے سامانِ عبرت بنے رہیں

وَإِنْ كَانَ أَصْحٰبُ الْأَيْكَةِ لَظٰلِمِينَ ﴿۷۸﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَإِنَّهُمَا لَبِإِمَامٍ مُّبِينٍ ﴿۷۹﴾ ع۵

وَإِنْ كَانَ	اور یقیناً تھے	فَانْتَقَمْنَا	سو بدلہ لیا ہم نے	لَبِإِمَامٍ (۲)	البتہ کھلے راستے پر
أَصْحٰبُ الْأَيْكَةِ (۱)	بَن (جنگل) والے	مِنْهُمْ	اُن سے	مُّبِينٍ	ہیں
لَظٰلِمِينَ	البتہ ناانصاف	وَإِنَّهُمَا	اور یقیناً دونوں (قومیں)	❁	❁

اللہ کی سخت گرفت کی دوسری مثال

یہ دوسری سرگذشت ہے جو بطور نمونہ پیش کی جارہی ہے، ارشاد ہے: ــــ اور اَیکہ والے یقیناً ظالم تھے ــــ اَیکۃ

(۱) اَیکۃ: بن، گھنا جنگل، درختوں کا جھنڈ (۲) امام: وہ چیز جس کا قصد کیا جائے، مبین کے معنی واضح اور کھلے کے ہیں، چونکہ راستہ کا قصد کیا جاتا ہے اس لئے اس کو امام کہا جاتا ہے۔

والے یعنی حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم، جو مدین سے متصل رہتی تھی، شرک و بت پرستی میں مبتلا تھی، اُن میں ڈنڈی مارنے، کم تولنے کا بھی رواج تھا، ان کی اصلاح کے لئے حضرت شعیب علیہ السلام بھیجے گئے، لیکن انھوں نے ایک نہ سنی اور بالآخر عذابِ الٰہی سے ہلاک ہوئے، ارشاد ہے: —— پس ہم نے اُن سے انتقام لیا —— اُن کے دماغ درست کردیئے، اللہ تعالیٰ نے ان پر سخت گرمی مسلط کردی اور عذاب بادل کی شکل میں آیا، بدلی جونہی ان کے قریب آئی وہ لوگ اس کی طرف دوڑ پڑے کہ شاید کچھ ٹھنڈک ملے، جب اس کے نیچے پہنچے تو اس میں سے آگ برسنے لگی اور سب کے سب لقمۂ اجل بن گئے۔

اور یہ دونوں قومیں شاہراہ پر بسی ہوئی تھیں —— یعنی قوم لوط اور ایکہ والوں کی بستیاں اس قدیم شاہراہ پر واقع تھیں جو عرب کے جغرافیہ میں یمن سے بحر احمر کے کنارے کنارے حجاز و مدین سے گذرتی ہوئی، خلیج عقبہ کے کنارے سے نکل کر، تیماء وغیرہ کو قطع کرتی ہوئی شام کو چلی گئی ہے، تمام قدیم جغرافیوں میں اس شاہراہ کا تذکرہ ملتا ہے۔ قوم لوط اور ایکہ والوں کی بستیاں اسی شاہراہ پر حجاز و شام کے درمیان واقع تھیں، یہی وہ شاہراہ ہے جو اگلے زمانے میں ہندوستان، یمن و مصر اور شام کے سفر کا تنہا راستہ تھا، قریش کے تجارتی قافلے گرما اور سرما دونوں زمانوں میں اسی شاہراہ سے گذرتے تھے اور یہ تمام علاقے قریش نے اپنی آنکھوں سے دیکھ رکھے تھے۔ اس لئے نہایت اختصار کے ساتھ صرف اشارہ کیا ہے کہ دیکھ لو ایکہ والوں کا انجام! ظلم و سرکشی، شرک و بت پرستی کا انجام ہمیشہ یہی ہوتا ہے، وہ ایکہ والے جن کی قوتوں اور شوکتوں کے ڈنکے بجتے تھے، آج بس ایک داستان عبرت بنے ہوئے ہیں۔

وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٨٠﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿٨١﴾ وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ﴿٨٢﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ﴿٨٣﴾ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٨٤﴾

وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	وَاٰتَيْنٰهُمْ	اور دی ہم نے انھیں	مُعْرِضِيْنَ	روگردانی کرنے والے
كَذَّبَ	جھٹلایا	اٰيٰتِنَا	اپنی نشانیاں	وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ	اور تراش کر بناتے تھے وہ
اَصْحٰبُ الْحِجْرِ	حجر والوں نے	فَكَانُوْا	پس تھے وہ		
الْمُرْسَلِيْنَ	پیغامبروں کو	عَنْهَا	اُن سے	مِنَ الْجِبَالِ	پہاڑوں میں

بُيُوْتًا	گھر	الصَّيْحَةُ	سخت آواز نے	عَنْهُمْ	اُن کے
اٰمِنِيْنَ	بے خوف	مُصْبِحِيْنَ	پو پھٹتے ہی	مَّا كَانُوْا	(وہ) جو
فَاَخَذَتْهُمُ	پس آ پکڑا ان کو	فَمَآ اَغْنٰى	پس نہ کام آیا	يَكْسِبُوْنَ	کمایا کرتے تھے وہ

اللہ کی سخت گرفت کی تیسری مثال

عذابِ الٰہی میں گرفتار ہونے والی قوموں کی یہ تیسری اور آخری سرگذشت ہے، یہ حجر والوں کی داستان ہے اور قرآن کے اولین مخاطب اہل مکہ کے احوال سے بہت زیادہ مشابہ ہے، اس لئے خصوصیت کے ساتھ ذہنوں کو اس کی طرف متوجہ کرنے کے لئے اس سورت کا نام ہی سورۃ الحجر رکھا گیا ہے —— حِجْر، قوم ثمود کے مرکزی شہر کا نام ہے۔ مدینہ سے تبوک جاتے ہوئے یہ مقام شاہراہِ عام پر ملتا ہے اور قافلے اس وادی میں سے ہو کر گذرتے ہیں، اگر کوئی شام سے مدینہ شریف آئے تو سب سے پہلے قوم لوط کا علاقہ پڑے گا، پھر سرزمین شعیبؑ (مدین وایکہ) ملے گی اور سب سے آخر میں حجر کا علاقہ (قوم ثمود کا مسکن) پڑے گا۔ تینوں عبرت انگیز خطے باہم متصل ہیں اور اسی مناسبت سے یہاں تینوں کا انجام بطور مثال پیش کیا گیا ہے، ارشاد ہے: —— اور یہ ایک حقیقت ہے کہ حجر والوں نے پیغمبروں کی تکذیب کی —— ان کی طرف حضرت صالح علیہ السلام بھیجے گئے، مگر مغرور اور سرکش قوم نے آپ کی پیغمبرانہ دعوت ونصیحت قبول کرنے سے انکار کر دیا اور معجزہ کا مطالبہ کیا، حضرت صالح علیہ السلام نے اُن کا مطلوبہ معجزہ (اونٹنی) بھی دکھایا، مگر انہیں ماننا تھوڑے ئے تھا، ارشاد ہے —— اور ہم نے انہیں اپنی نشانیاں دکھائیں مگر وہ ان سے گریز کرتے رہے —— ایک اونٹنی ہی نہیں اور بھی متعدد نشانیاں ان کو دکھائی گئیں اور سب سے بڑی نشانی حضرت صالح علیہ السلام کی پر عظمت شخصیت تھی، ان کی دل نشیں موعظتیں، ان کی پیار بھری بشارتیں ان کی حکمت ریز باتیں یقین کرنے والوں کے لئے سب سے بڑی نشانی تھی، مگر وہ سب کو نظر انداز کرتے رہے وہ اپنی دنیوی زندگی پر مگن تھے، انھیں اپنے تمدن ومعیشت پر، اپنی صناعی اور فنی مہارت پر، اپنی سنگ تراشی اور ہندسہ دانی پر ناز تھا —— اور وہ لوگ پہاڑوں کو تراش کر ان میں گھر بناتے تھے، تاکہ امن سے رہیں —— اُن کے خیال میں ایسی مضبوط اور مستحکم عمارتوں میں کوئی آفت نہیں آسکتی تھی —— پس ان کو پو پھٹتے ہی ایک سخت آواز نے پکڑ لیا اور جو کچھ انھوں نے حاصل کر رکھا تھا وہ ان کے کچھ کام نہ آیا —— یعنی ان کے دنیوی علوم وفنون ان کی ہنرمندی اور صناعیاں، ان کی ہندسہ دانی اور انجینئری، اُن کے سنگین مکانات جو انھوں نے پہاڑوں کو تراش کر بنائے تھے، ان میں سے کوئی چیز بھی انہیں خدائی گرفت سے بچانہ سکی، انھیں ایک ہولناک آواز نے پکڑ لیا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے، گویا وہ کبھی ان میں بسے ہی نہ تھے۔

مؤمن معذب قوموں کی بستیوں میں سے گزرے تو عبرت حاصل کرے اور خدا کے خوف سے لرزاں ترساں رونے والوں کی صورت بنا کر گزرے

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴿٨٥﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿٨٦﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿٨٧﴾ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٨٨﴾ وَقُلْ اِنِّىْٓ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ ﴿٨٩﴾ كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَي الْمُقْتَسِمِيْنَ ﴿٩٠﴾ الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ﴿٩١﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَسْــَٔـلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٩٢﴾ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩٣﴾ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿٩٤﴾ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿٩٥﴾ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿٩٦﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿٩٧﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿٩٨﴾ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿٩٩﴾ ع

وَمَا	اور نہیں	بِالْحَقِّ(۱)	با مقصد	اِنَّ رَبَّكَ	بیشک آپ کے پروردگار
خَلَقْنَا	پیدا کئے ہم نے	وَاِنَّ	اور یقیناً	هُوَ	وہ
السَّمٰوٰتِ	آسمان	السَّاعَةَ	قیامت	الْخَلّٰقُ(۳)	بار بار بکثرت پیدا
وَالْاَرْضَ	اور زمین	لَاٰتِيَةٌ	البتہ آنے والی ہے		کرنے والے
وَمَا	اور جو	فَاصْفَحِ(۲)	پس درگذر کیجئے	الْعَلِيْمُ	ہر چیز کے جاننے والے
بَيْنَهُمَآ	دونوں کے درمیان ہے	الصَّفْحَ	درگذر کرنا		ہیں
اِلَّا	مگر	الْجَمِيْلَ	خوبصورت	وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق

(۱) إلا خلقا متلبساً بالحق والحكمة (روح) (۲) صَفَحَ عنه (ف) صَفْحًا: روگردانی کرنا، اعراض کرنا (۳) خَلَّاق: مبالغہ کا صیغہ ہے خَلْق سے، اس کے معنی میں تکرار کا مفہوم ہے۔

اٰتَيْنٰكَ	عطا فرمائی ہم نے آپ کو	عَلَيْهِمْ	ان پر	جَعَلُوا	کیا
سَبْعًا (۱)	سات (آیتیں)	وَاخْفِضْ	اور جھکائیے	الْقُرْاٰنَ	قرآن کو
مِّنَ الْمَثَانِيْ (۲)	بار بار دہرائی جانے	جَنَاحَكَ	اپنا بازو	عِضِيْنَ (۸)	ٹکڑے
	والی کتاب کی	لِلْمُؤْمِنِيْنَ	مؤمنین کے لئے	فَوَرَبِّكَ	تیرے رب کی قسم!
وَالْقُرْاٰنَ (۳)	اور قرآن (پڑھنے کی	وَقُلْ	اور کہہ دیجئے	لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ	البتہ ضرور باز پرس کریں
	کتاب)	اِنِّيْٓ	بے شک میں		گے ہم ان سے
الْعَظِيْمَ	عظیم (بڑے رتبے کی)	اَنَا	میں	اَجْمَعِيْنَ	سب سے
لَا تَمُدَّنَّ	نہ پساریئے آپ	النَّذِيْرُ	ڈرانے والا (ہوں)	عَمَّا	ان حرکتوں کے متعلق جو
عَيْنَيْكَ	اپنی آنکھیں	الْمُبِيْنُ	صاف صاف	كَانُوْا	وہ
اِلٰى مَا	ان چیزوں کی طرف جو	كَمَآ (۵)	(ایسے عذاب سے) جیسا	يَعْمَلُوْنَ	کیا کرتے تھے
مَتَّعْنَا بِهٖٓ (۴)	برتنے کو دی ہیں ہم نے	اَنْزَلْنَا	اتارا ہم نے	فَاصْدَعْ (۹)	لہٰذا صاف صاف سنا
اَزْوَاجًا	کئی قسم کے لوگوں کو	عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ (۶)	باہم قسمیں کھانے		دیجئے
مِّنْهُمْ	ان میں سے		والوں پر	بِمَا	وہ بات جس کا
وَلَا تَحْزَنْ	اور نہ غمگین ہوں	الَّذِيْنَ (۷)	جن لوگوں نے	تُؤْمَرُ	حکم دیئے گئے ہیں آپ

(۱) أی سبع آیات وهی الفاتحة (روح) (۲) المثانی: الآيات تُتْلٰى وتُكَرَّرُ (المعجم الوسيط) جمع ہے مَثْنٰی کی، مصدر ثِنْیٌ جس کے معنی ہیں دوہرا کرنا، تکرار کرنا، اعادہ کرنا۔ (۳) سَبْعًا پر عطف ہے (۴) مَتَّعَهُ اللّٰهُ بكذا مدت تک نفع اٹھانے دینا (۵) فی الكلام حذف أی هو نذير من العذاب كما أنزلنا الآية يدل عليه قوله تعالیٰ أنذرتكم صاعقة مثل صاعقةِ عاد وثمود (فصلت ۱۳) (۶) اَلْمُقْتَسِمُ (اسم فاعل) اِقْتَسَمَ الْقَوْمُ: تَحَالَفُوْا (المعجم الوسيط) والمراد قوم صالح، تقاسموا على قتله فَسُمُّوْا مقتسمين كما قال تعالیٰ: تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَأَهْلَهٗ (النمل ۴۹) (قرطبی) (۷) الذين: اسم موصول مبتدا ہے اور شرط کے معنی کو متضمن ہے اور فوربک خبر ہے (۸) عِضِيْن جمع ہے اَلْعِضَةُ کی جس کے معنی ہیں جھوٹ اور جادو، مادہ ہے عَضه (باب فتح، سمع) جس کے معنی ہیں: جھوٹ بولنا، جادو کرنا، یاد رکھنا چاہئے عَضَا يَعْضُوْ عَضْوًا الشيئ: متفرق کرنا، جدا جدا کرنا، اس مادے سے بھی اَلْعِضَةُ آتا ہے اور اس کے معنی ہیں: فرقہ، ٹکڑا، جھوٹ اس کی جمع بھی عِضُوْن ہے، اگر اس مادے سے لیا جائے تو جھوٹ کے علاوہ فرقہ اور ٹکڑے کے معنی بھی ہوں گے۔ (۹) صَدَعَ (ف) صَدْعًا بالحق: حق بات کو علم کھلا بیان کرنا۔

وَاَعۡرِضۡ	اور منہ پھیر لیجئے	فَسَوۡفَ	سو عنقریب	بِحَمۡدِ	تعریف کے ساتھ
عَنِ الۡمُشۡرِكِيۡنَ	مشرکوں سے	يَعۡلَمُوۡنَ	جان لیں گے وہ	رَبِّكَ	اپنے پروردگار کی
اِنَّا	یقیناً ہم	وَلَقَدۡ	اور البتہ تحقیق	وَكُنۡ	اور ہو جائیے
كَفَيۡنٰكَ (۱)	بچادیں گے آپ کو	نَعۡلَمُ	جانتے ہیں ہم	مِّنَ السّٰجِدِيۡنَ	سجدہ کرنے والوں
الۡمُسۡتَهۡزِءِيۡنَ	ٹھٹھا کرنے والوں سے	اَنَّكَ	کہ آپ		میں سے
الَّذِيۡنَ (۲)	جو لوگ	يَضِيۡقُ	تنگ ہوتا ہے	وَاعۡبُدۡ	اور عبادت کیجئے
يَجۡعَلُوۡنَ	ٹھیراتے ہیں	صَدۡرُكَ	آپ کا سینہ	رَبَّكَ	اپنے رب کی
مَعَ اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کے ساتھ	بِمَا	ان باتوں سے جو	حَتّٰى	یہاں تک کہ
اِلٰهًا	معبود	يَقُوۡلُوۡنَ	وہ کہتے ہیں	يَاۡتِيَكَ	آجائے آپ کو
اٰخَرَ	دوسرے	فَسَبِّحۡ	سو پاکی بیان کیجئے	الۡيَقِيۡنُ (۳)	یقینی بات (موت)

رحمت خداوندی کی مثال اور عذابِ الٰہی کے نمونے پیش کرنے کے بعد اب کلام کا رخ اصل موضوع کی طرف پھر گیا ہے، اور اس کے معاً بعد سورت کی آخری موعظتیں شروع ہوگئی ہیں۔

ربط: آیت ۲۵ میں فرمایا تھا کہ آپ کے پروردگار سب کو میدانِ حشر میں اکٹھا کریں گے، پھر اس کے بعد کی دو آیتوں میں اس پر استدلال قائم کیا تھا، پھر انسانی زندگی کے ابتدائی احوال، شیطان کی دشمنی، شیطان کے متبعین کا انجام اور شیطان کے ہتھکنڈوں سے بچے رہنے والوں کی جزا بیان فرمائی تھی، پھر آیت ۴۹ و ۵۰ میں اللہ تعالیٰ کی دو صفتوں کا تذکرہ تھا کہ وہ بہت زیادہ درگذر کرنے والے اور نہایت مہربان ہیں۔ نیز ان کی سزا دردناک سزا ہے، پھر اس کی مثالیں پیش کی تھیں، اب وہی مضمون جو آیت ۲۵ میں گذرا ہے بطور خلاصۂ بحث پیش کیا جارہا ہے۔

یہ جہاں بامقصد پیدا کیا ہے

ارشاد ہے: —— اور ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بے مقصد پیدا نہیں کیا —— یعنی عقلوں کو دنگ کردینے والا اور دماغوں کو چکر میں ڈال دینے والا یہ عظیم الشان نظام کائنات، آسمان، زمین، سورج اور چاند بس

(۱) كَفٰى فُلَاناً مؤونته کارگذاری کردینا، کارگذاری سے مستغنی کردینا كَفَيْتُهٗ شَرَّ عَدُوِّهٖ اس کو دشمن کے شر سے بچادینا (۲) الذين: اسم موصول مبتداء ہے اور شرط کے معنی کو متضمن ہے اور فسوف يعلمون خبر ہے (۳) موت یقینی امر ہے، اس وجہ سے اس کو ''یقین'' کہا جاتا ہے، ارشاد ہے: ﴿ حَتّٰى اَتٰىنَا الۡيَقِيۡنُ ۝ فَمَا تَنۡفَعُهُمۡ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيۡنَ ﴾ (المدثر)

یونہی بے مقصد پیدا نہیں کئے گئے، بلکہ ایک خاص مقصد کے لئے پیدا کئے گئے ہیں اور وہ مقصد یہ ہے کہ برے کام کرنے والوں کو ان کے برے کاموں کی سزا ملے اور نیک کام کرنے والوں کو ان کے نیک کاموں کی جزا ملے(۱)۔ یہ تمام کائنات اور اس کا یہ حکیمانہ نظام اسی مقصد کے لئے ہے اور وہ آخرت کی منزل ہے، ارشاد ہے: —— اور قیامت یقیناً آنے والی ہے، لہٰذا آپ خوبی کے ساتھ درگذر کریں، آپ کے پروردگار ہی یقیناً بار بار کثرت سے پیدا کرنے والے ہیں، ہر چیز کے جاننے والے ہیں —— یعنی جو لوگ اب بھی قیامت کا آنا تسلیم نہیں کرتے اُن کے پیچھے کب تک دماغ کھپایا جائے گا؟ اور ان سے کیا امید رکھی جائے گی؟ بہتر یہ ہے کہ اب ان کا نام چھوڑئے، غور کرنے والے کے لئے تو اتنی بات کافی ہے کہ جو ذات بار بار کثرت سے پیدا کرنے والی ہے اور ہر چیز کو جاننے والی ہے، جس کو مُردوں کے ہر ہر جزء کی خبر ہے اس کے لئے دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے؟(۲)

کسی سے درگذر کرنے کی ایک صورت تو یہ ہوتی ہے کہ آدمی بے بس ہو جائے اس لئے مجبور ہو کر بدلہ نہیں لیتا، درگذر کر دیتا ہے، لیکن دل نفرت وانتقام سے لبریز رہتا ہے، یہ بھی ''درگذر کرنا'' ہے، مگر ''خوبی کے ساتھ درگذر کرنا'' نہیں، صَفْحٌ جَمیلٌ یہ ہے کہ مجبور ہو کر نہیں بلکہ انتقام کی قدرت کے باوجود اپنی مرضی اور خواہش سے درگذر کیا جائے اور نفرت وانتقام کا کوئی جذبہ دل میں نہ رکھا جائے اور اگر کوئی وسوسہ آجائے تو اُسے جھٹک دیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو سورۂ فاتحہ عطا فرمایا ہے جو تمام بیماریوں کا علاج ہے اور قرآنِ عظیم عطا فرمایا ہے

اب سورت کی آخری نصیحتیں شروع ہوتی ہیں، یہاں ضروری ہے کہ نزول سورت کے وقت مسلمانوں کے جو حالات تھے وہ پڑھ لئے جائیں، وقت وہ تھا جب رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انتہائی خستہ حالی میں تھے، نبوت کی ذمہ داریاں سنبھالتے ہی حضور اقدس ﷺ کی تجارت ختم ہو گئی تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا سرمایہ بھی خرچ ہو چکا تھا، بہت سے مسلمان گھروں سے نکال دیئے گئے تھے، کئی ایک غلام یا موالی تھے جن کی کوئی معاشی حیثیت نہیں تھی، غرض حضور اقدس ﷺ سمیت تمام مسلمان انتہائی مظلومی کی زندگی بسر کر رہے تھے، ہر طرف سے مطعون تھے، ہر جگہ تذلیل وتحقیر اور تضحیک کا نشانہ بنے ہوئے تھے، دوسری طرف سردارانِ قریش دنیا کی نعمتوں سے مالا مال تھے اور خوشحالیوں میں مگن تھے، ان حالات میں فرمایا جا رہا ہے —— اور یہ ایک حقیقت ہے کہ ہم نے آپ کو بار بار دہرائی جانے والی کتاب کی آیتوں میں سے سات آیتیں اور قرآن عظیم عطا فرمایا ہے —— یعنی تم کو ہم نے وہ دولت عطا فرمائی ہے جس کے سامنے دنیا کی ساری نعمتیں ہیچ ہیں، لہٰذا —— آپ اپنی نگاہیں ان چیزوں کی طرف نہ پساریں، جو ہم نے اُن میں سے کئی قسم کے

(۱) دیکھئے سورۃ النجم آیت ۳۱ (۲) یہ بات تفصیل سے یٰسٓ شریف آیت ۸۱ میں بیان فرمائی گئی ہے۔

لوگوں کو برتنے کے لئے دے رکھی ہیں، اور نہ اُن کے حال پر کُڑھیں اور اپنا بازو مؤمنین کے لئے پھیلا دیں ـــــ یعنی کوئی وجہ نہیں کہ تم مخالفوں کی موجودہ خوشحالیوں پر رشک کی نگاہ ڈالو، تمہیں جو ایک نعمت ہم نے دی ہے وہی تم کو دین و دنیا کی تمام نعمتوں سے سرفراز کر دینے والی ہے۔

یہ عظیم نعمت قرآنِ کریم ہے، اور خاص طور پر اس کی سات آیتیں جو سورۃ الفاتحہ کی شکل میں دی گئی ہیں

قرآن عظیم وہ نسخۂ کیمیا ہے جس کے استعمال سے قزاق و رہزن اسرارِ دین کے امین اور راز داں بن جاتے ہیں، یہی وہ گنج گرانمایہ ہے جس کو پاکر بادیہ نشینوں کی نگاہوں میں لعل و گوہر خزف ریزوں سے زیادہ قیمت نہیں رکھتے، علم و حکمت کا یہ وہ بیش بہا خزانہ ہے کہ بڑے بڑے عقلاء اسی کی رہنمائی میں اپنی زندگی کی منزلوں کو طے کرتے ہیں۔ حارث اعور رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں مسجد میں سے ہوکر گذرا، میں نے دیکھا کہ وہاں لوگ اِدھر اُدھر کی باتوں میں منہمک ہیں، میں نے جا کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بتایا، آپ نے پوچھا کیا واقعی وہ لوگ باتیں کر رہے ہیں؟ میں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا سن: میں نے خود حضور اقدس ﷺ سے یہ ارشاد سنا ہے کہ: ''لوگو! آگاہ ہو جاؤ، عنقریب خرابی اور بگاڑ رونما ہوگا'' حضرت علیؓ نے دریافت کیا: یارسول اللہ! اس سے بچنے کی کیا صورت ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی کتاب اس بگاڑ سے محفوظ رہنے کا ذریعہ ہے، جس میں گذشتہ قوموں کے حالات، مستقبل کی اطلاعات اور حال کے احکامات ہیں، جو حق و باطل میں امتیاز کرتی ہے۔ اس میں کوئی غیر حقیقی بات نہیں، جو سرکش اُسے چھوڑے گا، چور چور کر دیا جائے گا، اور جو اس کے علاوہ کسی اور کتاب سے راہ نمائی کا طالب ہوگا، اس کو اللہ پاک گمراہ کر دیں گے، قرآن اللہ پاک کی مضبوط رسّی ہے، وہ پُر حکمت نصیحت ہے، وہ سیدھا راستہ بتاتی ہے، علماء کو اس سے سیری نہیں ہوتی، وہ بہت زیادہ پڑھنے سے پرانا نہیں ہوتا، اس کی حیرت انگیز باتیں تمام نہیں ہوتیں، جنات جسے سن کر یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ: ہم نے ایک عجیب کتاب سنی جو بھلائی کی طرف رہ نمائی کرتی ہے، چنانچہ ہم اس پر ایمان لے آئے'' (ترمذی و دارمی)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دن حضور اقدس ﷺ ہم اصحابِ صفہ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: ''کون یہ پسند کرتا ہے کہ ہر روز بُطحان یا عقیق جائے اور بڑی کوہانوں والی دو اونٹنیاں چوری اور غصب کئے بغیر اور کسی کا حق مارے بغیر لے آئے؟'' مسجدِ نبوی کے چبوترے پر بسیرا کرنے والے طلباء نے جواب دیا: یارسول اللہ! ہم سب کو یہ بات پسند ہے، حضور ﷺ نے فرمایا: ''پھر ہر صبح تم مسجد میں کیوں نہیں جاتے، وہاں جا کر جو قرآن کی دو آیتیں سیکھے گا یا پڑھے گا وہ اس کے لئے دو اونٹنیوں سے بہتر ہوں گی، تین آیتیں تین اونٹنیوں سے اور چار آیتیں چار اونٹنیوں سے بہتر ہوں گی، اور چار سے اوپر بھی اسی طرح بہتری ہے'' (مسلم شریف)

غرض: قرآنِ کریم بڑی دولت ہے، رشک کے لائق وہی ہے، نہ ان لوگوں کی دولت جو حرام طریقوں سے کمار ہے ہیں اور حرام راستوں میں اڑا رہے ہیں، حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے: ''رشک وحسد بس دو آدمیوں پر جائز ہے: ایک وہ جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کی دولت عطا فرمائی، اور وہ اسے رات کی گھڑیوں میں اور دن کے اوقات میں نمازوں میں پڑھتا ہے۔ اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرمایا اور وہ اُسے راہِ خدا میں رات دن لٹاتا ہو''[۱]

مگر اس عظیم دولت قرآن کریم سے بعض حضرات کے لئے استفادہ مشکل ہوتا ہے، وہ بڑی عمر میں مسلمان ہوتے ہیں، یا عمر ڈھلنے کے بعد انہیں ہوش آتا ہے، اور اب حافظہ ایسا نہیں رہتا کہ وہ پورا قرآن کریم یاد کرسکیں، ایسے حضرات کو بھی مایوس ہونے کی ضرورت نہیں، ان کے لئے اللہ پاک نے کچھ جامع سورتیں، مقدار میں بہت چھوٹی، نازل فرمائی ہیں، تاکہ وہ انہیں یاد کر کے ان کا ورد کرسکیں۔ ایسے ہی ایک صحابی خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے اور انھوں نے درخواست کی یارسول اللہ! مجھے قرآنِ کریم یاد کرائیے، آپ نے انہیں راء والی تین سورتیں یاد کرنے کا حکم دیا (یعنی وہ سورتیں جن کے شروع میں حروف مقطعات میں راء ہے، سورۂ یونس سے سورۃ الحجر تک تمام سورتیں راء والی ہیں) ان صحابی نے عرض کیا: میں بوڑھا ہو چکا ہوں، دل ودماغ سخت ہوگئے ہیں، اور زبان موٹی ہوگئی ہے (یعنی اتنی بڑی سورتیں یاد کرنا میرے بس میں نہیں) آپ نے فرمایا: جن سورتوں کے شروع میں حٰمٓ ہے، ان میں سے تین سورتیں یاد کرلو، انھوں نے پھر وہی بات دہرائی کہ ان کو یاد کرنا بھی میرے بس میں نہیں، مجھے تو یارسول اللہ! کوئی جامع سورت یاد کرادیجئے، حضور اقدس ﷺ نے انہیں سورہ ﴿ اِذَا زُلْزِلَتِ ﴾ یاد کرائی، جب وہ صاحب اسے یاد کر چکے تو کہنے لگے: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو دین حق کے ساتھ بھیجا ہے، اس سورت میں ایک لفظ بھی بڑھنے نہیں دوں گا یعنی بالکل ٹھیک ٹھیک پڑھتا رہوں گا، یہ کہہ کر وہ رخصت ہوئے تو آپ ﷺ نے دو مرتبہ ارشاد فرمایا: ''یہ معمولی آدمی کامیاب ہوگیا''[۲]

ایسی ہی ایک جامع، بلکہ بے حد جامع، پورے قرآن کریم کا خلاصہ اللہ پاک نے سورۃ الفاتحہ کی شکل میں عنایت فرمایا ہے، جس کی کل سات آیتیں ہیں، جس کا یاد کرنا ہر شخص کے لئے نہایت آسان ہے، اس کی عظمت حضور اقدس ﷺ نے ایک موقعہ پر یہ ارشاد فرما کر بیان فرمائی کہ: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! تورات، انجیل، زبور اور قرآن کسی بھی آسمانی کتاب میں سورۃ الفاتحہ جیسی کوئی سورت نازل نہیں کی گئی، یہی بار بار دہرائی جانے والی کتاب کی سات آیتیں ہیں اور قرآن عظیم وہ کتاب ہے جو مجھے دی گئی ہے''[۳] —— اس حدیث سے آیت پاک کے

(۱) رواہ البخاری ومسلم عن ابن عمر رضی اللہ عنہما۔ (۲) رواہ أحمد وأبو داؤد عن عبد اللہ بن عمر وابن العاص رضی اللہ عنہما (۳) رواہ الترمذی عن أبی ہریرۃ رضی اللہ عنہ حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں: وإنہا سبع من المثانی والقرآن العظیمُ الذی أوتیتہٗ۔

دونوں ٹکڑوں کی نہایت واضح تفسیر سامنے آجاتی ہے۔

سورۃ فاتحہ ہر بیماری کی شفا ہے:

غرض سورۃ الفاتحہ وہ بیش بہا دولت ہے جو اس امت کے علاوہ کسی امت کو نہیں ملی، مسلمان اس کی جتنی بھی قدر کریں کم ہے، اس میں صرف دینی فائدے ہی نہیں، دنیوی پریشانیوں، بیماریوں اور بلاؤں کا علاج بھی ہے، حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ''سورۃ الفاتحہ میں ہر بیماری کی شفا ہے''(۱) اس مبارک سورت کا جس قدر وِرد رکھا جائے باعث خیر وبرکت ہے اور اسی مقصد سے عطا فرمائی گئی ہے، چنانچہ نماز کی ہر رکعت میں اس کا پڑھنا لازمی قرار دیا گیا ہے اور یہاں اس حقیقت کی طرف یہ فرما کر اشارہ کیا گیا ہے کہ یہ سات آیتیں اس کتاب کی چیدہ آیتیں ہیں جو بار بار دہرائی جانے والی کتاب ہے۔ جب قرآن کریم بار بار دہرانے اور پڑھنے کی کتاب ہے تو اس کے اس خلاصے اور نچوڑ کو تو اور بھی زیادہ پڑھنا چاہئے اور دہراتے رہنا چاہئے، چلتے پھرتے، دعاؤں اور مناجاتوں میں، اوراد واذکار میں بار بار اس مبارک سورت کا وِرد رہنا چاہئے۔

قرآن کریم بار بار دوہرائی جانے والی کتاب ہے:

اس آیت میں ضمناً اور سورۃ الزمر کی تیسویں آیت میں صراحۃً یہ بات آئی ہے کہ قرآنِ کریم بار بار دہرائی جانے والی کتاب ہے، ابھی حدیث گزری ہے کہ علماء کو قرآنِ کریم سے سیری نہیں ہوتی، یعنی وہ ہمیشہ اس کی تلاوت کرتے رہتے ہیں اور پھر بھی ان کی پیاس نہیں بجھتی، بلکہ ایک حدیث قدسی میں خود اللہ پاک جل شانہ کا یہ ارشاد آیا ہے کہ: ''جو شخص قرآن کے شغل کی وجہ سے دوسرے اذکار نہ کر سکے، دعائیں نہ مانگ سکے تو میں اس کو تمام دعائیں کرنے والوں سے بہتر صلہ عطا کرتا ہوں، اور اللہ تعالیٰ کے کلام کی فضیلت دوسروں کے کلام پر ایسی ہے جیسی اللہ پاک کی فضیلت مخلوقات پر''(۲)

قرآنِ کریم سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے:

الحمدللہ! آج بلا مبالغہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ جس قدر قرآن کریم پڑھا گیا ہے دنیا کی تمام کتابیں مجموعی طور پر بھی اتنی نہیں پڑھی گئیں، امت میں ہمیشہ قرآن پاک زیادہ سے زیادہ پڑھنے کا جذبہ رہا ہے، لاکھوں کی تعداد میں ایسے باہمت لوگ ہوئے ہیں جو روزانہ ایک قرآن ختم کرتے تھے اور ایک دو دن نہیں بلکہ پوری زندگی ان کا یہ معمول رہا ہے اور ایسے لوگ بھی کچھ کم نہیں ہوئے جو منزل ''فیل'' کا وِرد رکھتے تھے یعنی تین دن میں قرآن ختم کیا کرتے تھے، پہلی منزل سورۃ الفاتحہ سے دوسری سورۂ یونس سے اور تیسری سورۂ لقمان سے۔ اور ایسے لوگوں کی تعداد تو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا جو

(۱) رواه الدارمي والبيهقي مُرسلا (۲) رواه الترمذي والدارمي والبيهقي عن أبي سعيد رضي الله عنه۔

سات دن میں قرآن پاک ختم کیا کرتے تھے، یہ حضرات فَمِیْ بِشَوْقٍ کاورد رکھتے تھے،یعنی پہلی منزل سورۃ الفاتحہ سے دوسری سورۃ المائدۃ ہے، تیسری سورۂ یونس سے، چوتھی سورۂ بنی اسرائیل سے، پانچویں سورۃ الشعراء سے، چھٹی والصفت سے اور آخری منزل سورۂ ق سے آخر قرآن تک اور قرآن پاک کا کچھ نہ کچھ حصہ تو روزانہ ہر مسلمان تلاوت کرتا ہے۔ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ ''جس پیٹ میں کچھ بھی قرآن نہیں اس کی مثال اجاڑ گھر کی ہے'' حضوراقدس ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ ''جو شخص ہر رات میں دس آیتیں پڑھتا ہے وہ ''غافل'' نہیں لکھا جاتا'' ایک اور حدیث میں حضور ﷺ نے مثالیں دیکر بات ذہن نشین کرائی ہے کہ وہ مؤمن جو قرآن پڑھتا ہے اس کی مثال لیموں کی سی ہے، جس کی بو بھی شاندار اور مزہ بھی عمدہ اور وہ مؤمن جو قرآن پاک نہیں پڑھتا اس کی مثال کھجور کی ہے کہ اس میں بو کچھ نہیں، البتہ مزہ عمدہ ہے اور وہ بدکار جو قرآن پاک پڑھتا ہے اس کی مثال پھول کی سی ہے کہ اس کی بو تو شاندار ہے مگر مزہ کڑوا ہے اور وہ بدکار جو قرآن نہیں پڑھتا اس کی مثال اندرائن کی ہے، جس کا مزہ نہایت کڑوا اور بو ندارد!

حدیث الحَالُّ الْمُرْتَحِل کا مطلب:

ایک اور حدیث میں ایک صحابی نے آنحضور ﷺ سے دریافت کیا: ''اللہ کو سب سے زیادہ پسند کونسا عمل ہے؟'' آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اَلْحَالُ الْمُرْتَحِلُ (وہ مسافر جو منزل پر اترتے ہی سفر شروع کردے) علمائے کرام نے بیان کیا ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو قرآن ختم کرتے ہی فوراً دوسرا قرآن شروع کردے ایک دن کا بھی وقفہ نہ کرے[1]

(۱) حدیث شریف کا دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ مجاہد ہے جو ایک جہاد سے گھر لوٹتے ہی دوسرے جہاد کے لئے سفر شروع کردے۔ تیسرا مطلب حضرت مولانا معراج الحق صاحب رحمہ اللہ نے یہ بیان فرمایا تھا کہ حدیث شریف میں ضابطہ کلیہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ کام کرنے والا سب سے بہتر اور اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے جو ایک کام ختم کرتے ہی پھر دوسرا کام شروع کردے — اس دوسرے اور تیسرے مطلب کی صورت میں اَلْحال سے مراد منزل مقصود پر فروکش ہونے والا ہے — احقر کے ناقص خیال میں بھی یہ ضابطہ کلیہ ہے، مگر الحال سے مراد منزل مقصود پر اترنے والا نہیں ہے، بلکہ وہ مسافر ہے جو دورانِ سفر کسی منزل پر آرام کے لئے اترتا ہے، اب حدیث شریف کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ کام کرنے والا سب سے بہتر اور اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے جو اپنے کام کو کسی مرحلہ پر پہنچا کر موقوف نہ کردے، بلکہ اُسے آگے بڑھائے — اس مطلب کی تائید اس حدیث شریف سے ہوتی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ خَیْرُ الْعَمَلِ مادِیْمَ عَلَیْهِ (بہترین کام وہ ہے جس پر مداومت کی جائے) تلاوت ایک مسلسل عمل ہے اس کی کوئی آخری منزل نہیں، لہٰذا ایک قرآن ختم کرکے دوسرا شروع کرنا بھی کام کو آگے بڑھانا ہے

یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ سوال عمل کے بارے میں تھا، مگر آنحضور ﷺ نے جواب عامل (کام کرنے والے) کے بارے میں ارشاد فرمایا۔ یہ اسلوب حکیم ہے کہ قابل دریافت عمل کا حال نہیں، بلکہ عامل کے بارے میں پوچھنا چاہئے۔

رمضان میں تراویح کی آخری رکعت میں جو دوسرا قرآن شروع کرکے **المُفلحون** تک پڑھنے کا رواج ہے وہ درحقیقت اسی حدیث کی وجہ سے ہے، مگر وہ حافظ بڑا ہی کم نصیب ہے جو **المفلحون** پر پہنچ کر گیارہ مہینوں کے لئے قرآن چھوڑ دیتا ہے، اور وہاں سے آگے دوسرے رمضان ہی میں پڑھتا ہے، یہ بڑی حرماں نصیبی ہے۔

قرآن کا پڑھنا اور سننا برابر نہیں:

اسی طرح ناس ہو ریڈیو کا کہ جب سے اس کا رواج ہوا ہے دیندار لوگ بھی صبح ریڈیو کھول کر قراءت سن لیتے ہیں اور خود تلاوت سے محروم رہتے ہیں، بلاشبہ قرآن پاک کا سننا بھی کارِثواب ہے، لیکن اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ وہ تلاوت کا بدل ہرگز نہیں، جو لوگ خود تلاوت کر سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے نصیب میں یہ سعادت رکھی ہے کہ وہ قرآن پاک پڑھے ہوئے ہیں، انھیں اس نعمت کی قدر کرنی چاہئے، اور خود تلاوت کرنی چاہئے، اپنے پڑھنے میں جو انوار و برکات اور فوائد ہیں وہ سننے سے بہت زیادہ ہیں، البتہ خود تلاوت کرکے ریڈیو کی قراءت بھی سنے تو یہ بات باعث اجر وثواب ہے۔

سورۃ الفاتحہ کو 'سات آیتیں' کیوں کہا؟

اور یہ جو فرمایا کہ: ''ہم نے آپ کو بار بار دہرائی جانے والی کتاب کی سات آیتیں عطا فرمائی ہیں'' اور صاف یوں نہیں فرمایا کہ ہم نے آپ کو سورۃ الفاتحہ عطا فرمائی ہے، اس میں دو حکمتیں ہیں: ایک وہ جو پہلے بیان کی جاچکی ہے کہ سات آیتیں کہہ کر اس طرف اشارہ کیا ہے کہ ان کا یاد کرنا کچھ مشکل نہیں، سات ہی تو آیتیں ہیں، جن کا حافظہ کام نہ کرتا ہو وہ بھی ہمت نہ ہاریں مایوس نہ ہوں۔

دوسری حکمت یہ ہے کہ نماز میں اس سورت کو سات وقفوں میں پڑھنا چاہئے، حضور اقدس ﷺ بھی سورۂ فاتحہ کو سات وقفوں میں پڑھا کرتے تھے، ایسا نہیں کرتے تھے کہ صرف دو وقفوں میں یا تین وقفوں میں پوری سورت ختم کردی یعنی **الحمد** سے لے کر **نستعین** تک ایک سانس میں اور **اهدنا** سے آخر تک دوسرے سانس میں، یا **الحمد** سے لے کر **یوم الدین** تک ایک سانس میں اور **ایاک نعبد وایاک نستعین** دوسرے سانس میں اور **اهدنا** سے لے کر **والضالین** تک، تیسرے سانس میں جیسا کہ آج کل قراء کا عام طریقہ چل پڑا ہے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آیتیں الگ الگ پڑھ کر لوگوں کو بتلایا کہ اس طرح حضور ہر آیت الگ الگ کرکے پڑھتے تھے[1]۔

سورۃ الفاتحہ کو پڑھنے کا قدرتی طریقہ:

غور کیا جائے سورۂ فاتحہ کے پڑھنے کا قدرتی طریقہ یہی ہے، سورۃ فاتحہ ایک دُعا ہے اور اس کی ہر آیت سائل کی زبان

(۱) ترمذی شریف باب کیف کانت قراء ۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ؟ ص:۱۱۶، ج:۲

سے نکلی ہوئی ایک صدا ہے، جب ایک سائل کسی کے آگے کھڑا ہوتا ہے اور اس کی مدح وثنا کر کے مطلب عرض کرتا ہے تو وہ ایسا بالکل نہیں کرتا کہ ایک مقرر کی طرح مسلسل تقریر کرنا شروع کر دے اور ایک ہی سانس میں سب کچھ کہہ جائے، بلکہ طلب و نیاز کے لہجے میں ٹھہر ٹھہر کر ایک ایک بات کہتا ہے، مثلاً کہے گا: ''آپ فیاض ہیں! آپ کریم ہیں! آپ کی سخاوت کی دھوم ہے! اگر آپ سے نہ مانگوں تو کس سے مانگوں؟ سائل ان میں سے ہر بول دوسرے بول سے الگ الگ کر کے اور ٹھہر ٹھہر کر کہے گا، بلاشبہ ان میں سے ہر جملہ بہ اعتبار مطلب کے دوسرے سے ملا ہوا ہے اور بات ایک ہی جملے میں پوری نہیں ہو جاتی، لیکن وقف و اتصال کے لئے صرف اتنی ہی بات کافی نہیں ہے، طرز خطاب کا اداشناس جانتا ہے کہ زور کلام اور حسن تخاطب کے لئے کہاں وقفہ کرنا چاہئے کہاں نہیں کرنا چاہئے۔

آیت کا ماسبق سے ربط:

الغرض مسلمانوں کو اُن سنگین حالات میں بتایا ہے کہ ہم نے تمہیں ایک ایسی نعمت دے رکھی ہے جس کے سامنے دنیا کی تمام دولتیں ہیچ ہیں، لہٰذا تم دنیا داروں کے ٹھاٹھ اور ان کی شان وشوکت کی طرف رشک بھری نگاہیں مت ڈالو—— دراصل یہ بات کہنی ہے مسلمانوں سے، لیکن اللہ پاک نے اپنے پیارے رسول کو مخاطب بنا کر کہی ہے، اگر مسلمانوں کو مخاطب بنا کر کہی جاتی تو ممکن تھا کہ اُن کے دلوں کو دھکا لگتا، قربان جایئے پروردگار عالم کی مہربانوں کے، اپنے پیارے بندوں کی کس طرح دل داری فرماتے ہیں، اپنے رسول کو مخاطب بناتے ہیں، جن کے بارے میں اس بات کا شبہ تک نہیں کیا جا سکتا کہ وہ رشک بھری نگال ڈال سکتے ہیں، اور اس طرح بالواسطہ اللہ پاک اپنے محبوب بندوں کو یہ ہدایت دیتے ہیں۔

دوسرا حکم یہ دیا ہے کہ آپ ان تکذیب کرنے والوں کے حال پر نہ کڑھیں کہ یہ مسلمان کیوں نہیں ہوتے، اپنے خیر خواہ کو اپنا دشمن کیوں سمجھ رہے ہیں، اپنی گمراہیوں کو اپنی خوبیاں کیوں سمجھ رہے ہیں، وہ جس راستے پر جا رہے ہیں اور اپنی ساری قوم کو ساتھ لئے جا رہے ہیں اس کا یقینی انجام ہلاکت ہے، پھر جو شخص انہیں سلامتی کی راہ دکھا رہا ہے ان کی اصلاح پر محنت کر رہا ہے اس کی مخالفت میں وہ ایڑی چوٹی کا زور کیوں لگا رہے ہیں؟ آپ ان تمام فکروں میں نہ پڑیں، تبلیغ کا فریضہ ادا کرتے رہیں، معاندین کے غم میں اپنے آپ کو نہ گھلائیں، آپ کی شفقت وہمدردی کے مستحق مؤمنین ہیں، آپ اپنا بازو ان کے لئے پھیلا دیں، ان کے ساتھ ملاطفت، محبت اور شفقت کا برتاؤ کریں، پرندہ جس طرح اپنے بچوں کو اپنے پروں میں چھپا لیتا ہے آپ مؤمنین کو اپنی شفقتوں اور رحمتوں میں ڈھانک لیں، آپ کی توجہات کے واقعی حقدار یہی نیک مسلمان ہیں، رہے وہ جو دین سے بے پرواہی برتتے ہیں آپ ان کی فکر میں نہ پڑیں —— اور آپ اعلان کر دیں: ''میں تو

بس صاف خبردار کرنے والا ہوں" —— یعنی میں تبلیغ کا فریضہ ادا کر چکا اور پوری دلسوزی کے ساتھ ادا کر چکا، اور اب تمہیں صاف آگاہی دے رہا ہوں، کان کھول کر سن لو، اگر تمہاری یہی روش رہی تو وہ دن دور نہیں جب تمہیں اپنی تکذیب وشرارت کے عواقب سے دوچار ہونا پڑے۔

ثمود اور قریش ایک تھیلے کے چٹّے بٹّے!

اس کے بعد اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہمارے حبیبؐ نے مخالفین کو جو آگاہی دی ہے وہ ویسے عذاب کی ہے —— جیسا ہم نے باہم قسمیں کھانے والوں پر نازل کیا تھا —— یعنی حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ثمود پر —— اس قوم کے مرکزی شہر حجر میں نو لیڈر رہتے تھے، جن کا کام ملک میں فساد پھیلانے اور خرابی ڈالنے کے سوا کچھ نہ تھا، جس طرح مکہ میں بھی کافروں کے نو سردار تھے جو ہمہ وقت اسلام کی بیخ کنی اور پیغمبر دشمنی میں منہمک رہتے تھے، قوم ثمود کے اُن نو لیڈروں نے آپس میں قسمیں کھائی تھیں کہ ہم سب مل کر رات کو صالح علیہ السلام کے گھر پر ٹوٹ پڑیں اور کسی کو زندہ نہ چھوڑیں گے، پھر جب کوئی اُن کے خون کا دعوی کرنے والا کھڑا ہو تو کہہ دیں کہ ہمیں کچھ خبر نہیں، ہم سچ کہتے ہیں کہ اس کے گھر کی تباہی ہماری آنکھوں نے نہیں دیکھی، اس طرح پلان بنا کر وہ سمجھ رہے تھے کہ وہ حضرت صالح علیہ السلام کا قصہ ختم کر دیں گے، مگر ان کو خبر نہیں تھی کہ اندر اندر ان ہی کی جڑ کٹ رہی ہے، اور ان کا قصہ ختم ہوا جا رہا ہے[1] —— مکہ کے لیڈروں کو بھی اسی انجام کی آگاہی دی گئی ہے، جو حجر کے باشندوں کا ہوا تھا اور عجیب بات یہ ہے کہ مکہ والوں نے بھی اپنے اس شفیق ومہربان رسول کے ساتھ دار الندوہ میں مشورہ کر کے وہی پلان بنایا تھا جو حجر والوں نے حضرت صالح علیہ السلام کے لئے بنایا تھا اور ان کا پلان بھی اسی طرح گاؤ خرد ہو گیا تھا جس طرح حجر والوں کا ہو گیا تھا[2]

سارے قرآن کو یا اس کے بعض حصہ کو جھٹلانے والوں کا انجام:

اور یہ تو دنیا کا انجام تھا، اب آخرت کا حال سنئے۔ ارشاد ہے: —— جن لوگوں نے قرآن کو جھوٹا ٹھہرایا ہے (ٹکڑے ٹکڑے کیا ہے) تیرے رب کی قسم! ہم اُن سے ضرور باز پرس کریں گے، اُن کے اُن اعمال کی جو وہ کرتے رہے ہیں —— یعنی قرآن کو جھوٹا ٹھیرایا ہے یا اس کے بعض حصہ کو مانا اور بعض کا انکار کیا ہے، وہ جو بھی حرکتیں کرتے رہے ہیں، مثلاً حضور پاک ﷺ کو ستانا، مؤمنوں کو آزار پہنچانا اور عقائد کفریہ اور اعمالِ فسقیہ میں مبتلا رہنا، ان سب ہی اعمال کی باز پرس ہوگی —— جن لوگوں نے سارے ہی قرآن کو جھوٹ کا پلندا قرار دے رکھا ہے یا اس کے جن حصوں کو اپنے لئے

(۱) دیکھئے سورۃ النمل آیات ۴۸-۵۲ (۲) تفصیل کے لئے دیکھئے ہدایت القرآن پارہ ۹ سورۃ الانفال کی آیت ۳۰ کی تفسیر۔

ناخوشگوار پاتے ہیں ان کو جھوٹا ٹھہرایا ہے، بخدا! آخرت میں اُن سے ضرور باز پرس ہوگی۔اس جواب طلبی کی تفصیل سورۃ النمل کی آیات ۸۳تا۸۵ میں ہے، ارشاد ہے: ''اور جس دن ہم ہر امت سے ایک ایک گروہ ان لوگوں کا جمع کریں گے جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے، سو وہ صف بستہ کھڑے کردیئے جائیں گے، یہاں تک کہ جب سب حاضر ہو جائیں گے تو اللہ پاک جل جلالہ اُن سے پوچھیں گے کہ تم نے میری آیتوں کو جھٹلایا تھا، جب کہ تم ان کو اپنے احاطۂ علمی میں نہیں لائے تھے یا کیا کرتے رہے تھے؟ اور ان کی زیادتیوں کے باعث ان پر وعدہ پورا ہو جائے گا سو وہ لوگ بات بھی نہ کرسکیں گے، یعنی ثبوت جرم اتنا قطعی ہوگا کہ وہ جواب دہی کرنا بھی چاہیں تو بن نہ پڑے گی۔

مشرکین کو ان کے انجام سے باخبر کردیں پھر ان سے رخ پھیر لیں:

پس آپ وہ باتیں کھلم کھلا بیان کردیں جن کا آپ کو حکم دیا گیا ہے اور شرک کرنے والوں سے رُخ پھیر لیں، ہم آپ کی طرف سے اِن ہنسی اڑانے والوں کے لئے کافی ہیں ـــــ یعنی آگاہی اور اعلان، یہی تنبیہات اور تہدیدات، یہی دھمکیاں اور جھڑکیاں جو اس سورت کے خاتمہ میں بیان ہو رہی ہیں، آپ مشرکوں کو کھلم کھلا سنادیں اور سنا کر ان سے رخ پھیر لیں، آپ یہ اندیشہ بالکل دل میں نہ لائیں کہ ایسی ایسی دھمکیاں سن کر کہیں وہ لوگ بپھر نہ جائیں، جھلا نہ اٹھیں اور معاملہ قابو سے باہر نہ ہو جائے، ہم آپ کی طرف سے سب ٹھٹھا کرنے والوں سے نبٹ لیں گے، آپ بے وف وخطر ہماری بات انہیں سنادیں آپ کا کوئی بال بیکا نہ کرسکے گا۔

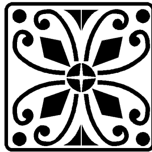
جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو بھی معبود ٹھہراتے ہیں، انہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا ـــــ کہ شرک کا انجام کیسا ہوتا ہے؟

داعی کی دل تنگی کا علاج ذکر اور عبادت ہے:

اور ہمیں یقیناً معلوم ہے کہ آپ کو سخت کوفت ہوتی ہے اُن باتوں سے جو وہ کہتے ہیں، سو ـــــ اس کا علاج یہ ہے کہ ـــــ آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ پاکی بیان کیجئے اور سجدہ کرنے والوں میں شامل ہو جایئے، یہاں تک کہ آپ کے پاس یقینی بات (موت) آپہنچے ـــــ یعنی داعی کی دل تنگی، کوفت اور تکان کا علاج تسبیح وتحمید، ذکر، نماز، سجدہ اور عبادتِ الٰہی ہے، یہ وہ چیزیں ہیں جن کی تاثیر سے دل مطمئن اور قلب منشرح ہوتا ہے اور فکر وغم دور ہوتا ہے، ان چیزوں سے داعی کا حوصلہ بڑھتا ہے وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ مزاحمتوں کی پروا کئے بغیر اُس خدمت میں ڈٹا رہے، جس میں رب العالمین کی رضا ہے۔

یہ اعتقاد الحاد محض ہے کہ سلوک میں ایک مرتبہ ایسا آتا ہے کہ جس میں تکلیفاتِ شرعیہ ساقط ہوجاتی ہیں:

یہاں یہ خیال پیدا ہوسکتا ہے کہ جب یہ تدبیریں بطور علاج ہیں تو جس طرح مرض دور ہوجانے کے بعد علاج موقوف کردیا جاتا ہے، داعی بھی سو فیصد کامیابی کے بعد یہ عبادتیں موقوف کردے، چنانچہ بعض متصوفین کو یہ وسوسہ لاحق ہوا ہے، وہ کہتے ہیں کہ سلوک میں ایک منزل ایسی آتی ہے کہ اُس کے بعد تکلیفات شرعیہ ساقط ہوجاتی ہیں۔ آیت پاک کے آخری حصے نے ان خیالات کا قلع قمع کردیا، ارشاد ہے کہ یہ عبادتیں اس وقت تک کرتے رہئے کہ آپ کو یقینی بات یعنی موت آپہنچے، معلوم ہوا کہ موت سے پہلے قطعاً ایسی کوئی حالت پیش نہیں آتی جس میں تکلیفاتِ شرعیہ ساقط ہوجائیں، تکلیفاتِ شرعیہ موت ہی پر ساقط ہوتی ہیں —— یقین کے معنی یہاں موت کے ہے۔ قرآنِ کریم میں ایک جگہ اور بھی یقین موت ہی کے معنی میں آیا ہے، سورۃ المدثر کے دوسرے رکوع میں یہ آیت آئی ہے: ﴿ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝ حَتّٰۤى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ﴾ اس آیت میں تصوف کا وہ حال جسے ''یقین'' کہا جاتا ہے ہرگز مراد نہیں لیا جاسکتا۔



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ النحل

نمبر شمار ۱۶ نزول کا نمبر ۷۰ نزول کی نوعیت مکی رکوع ۱۶ آیات ۱۲۸

یہ سورت ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے۔ نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر ستّر ہے، یعنی یہ سورت مکی دور کے بالکل آخر میں نازل ہوئی ہے، مکی سورتیں کل چھیاسی ہیں اور سورۃ النحل کا نمبر ستّر ہے، اس اعتبار سے اس سورت کے بعد مکہ شریف میں سولہ سورتیں اور نازل ہوئی ہیں، اس سے ایک تقریبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ سورت ہجرت سے سال ڈیڑھ سال پہلے نازل ہوئی ہوگی۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس سورت کی تمام آیتیں اسی زمانے میں نازل ہوئی ہیں، کیونکہ آیت نوے ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ ﴾ اسلام کے بالکل ابتدائی دور میں نازل ہوئی ہے، روایات میں اس کی صراحت ہے، نزول کے اعتبار سے سورتوں کے جو نمبر مقرر کئے گئے ہیں وہ اکثر آیتوں کے نزول کے اعتبار سے ہیں۔

یہ سورت جس زمانے میں نازل ہوئی ہے، وہ مسلمانوں کے لئے سخت پریشانی کا زمانہ تھا، مشرکین مکہ کے ظلم وستم کی انتہا نہ رہی تھی، بہت سے مسلمان تنگ آکر حبشہ ہجرت کر گئے تھے اور جو مکہ میں رہ گئے تھے وہ بری طرح پس رہے تھے، غرض حق وباطل کی آویزش اپنے عروج کو پہنچی ہوئی تھی اور اہل مکہ کی شرارتیں اپنی حدود سے تجاوز کر چکی تھیں۔ انھیں اپنی طاقت کا نشہ تھا، اپنے اقتدار پر غرہ تھا، اور اُن کے غرور کا پارہ حد سے بڑھا ہوا تھا، اس وجہ سے اس سورت میں نہایت حکیمانہ انداز اختیار کیا گیا ہے اور ان سے جو کچھ کہنا تھا، نہایت خوش اسلوبی سے کہا گیا ہے، اس طرح یہ سورت حکمت وموعظت حسنہ کا اعلیٰ نمونہ بن گئی ہے، چنانچہ سورت کی اختتامی نصیحتوں میں دعوت الی اللہ کے لئے حکمت وموعظت اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

نام: اس سورت کے دو نام ہیں: مشہور نام النحل (شہد کی مکھی) ہے۔ اور دوسرا نام: النِّعَمُ (نعمتیں) ہے، پہلا نام (آیت ۶۸) ﴿ وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ ﴾ سے ماخوذ ہے، اور دوسرا نام اس وجہ سے رکھا گیا ہے کہ آیت ۴ تا ۱۹ میں پھر آیت ۷۷ تا ۸۲ میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور بخششوں کا ذکر ہے —— پہلے نام کو زیادہ اہمیت اس لئے دی گئی ہے کہ

آیت ۶۸ میں شہد کی مکھیوں کا تذکرہ ایک خاص مقصد سے کیا گیا ہے، اُس مضمون کے ذریعے بے سہارا مسلمانوں کو سمجھایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے یہ کچھ مشکل نہیں کہ جانی دشمنوں میں سے، ازلی نیش زنوں میں سے رسولِ اکرم ﷺ کے جاں نثار، اسلام کے فداکار اور مسلمانوں کے غمگسار دوست پیدا فرمادیں، شہد کی مکھی کی نیش زنی اور ضرر رسانی سے کون ناواقف ہے، اللہ تعالیٰ اسی سے نہایت لذیذ اور مفید شہد تیار فرماتے ہیں۔

مرکزی مضامین: اس سورت میں اس قدر ہمہ جہتی مضامین ہیں کہ ان کا سمیٹنا مشکل ہے، تاہم اس سورت کے بنیادی مضامین یہ ہیں: توحید کا اثبات اور شرک کی تردید، نبوت ورسالت کی اہمیت، ضرورت اور فوائد، معاندین کو انذار وتنبیہ، عام لوگوں کو مؤثر فہمائشیں اور عمدہ نصیحتیں، اہل حق اور اہل باطل کی زندگیوں کا تفاوت اور ان کا دنیوی اور اخروی انجام، قیامت کے دن پیغمبر کا اپنی اپنی امتوں کے خلاف گواہیاں دینا وغیرہ وغیرہ۔

عام مضامین: سورت کا آغاز بغیر کسی خاص تمہید کے ایک شدید وعید اور ہیبت ناک عنوان سے ہوا ہے کہ تم جس عذاب کے لئے جلدی مچا رہے ہو وہ بس آیا ہی چاہتا ہے۔ اس کے آنے سے پہلے تمہارے لئے جو سنبھلنے کا موقع ہے اس سے فائدہ اٹھالو، پھر شرک کی تردید فرمائی ہے اور اس کی جو دو بنیادیں ہو سکتی ہیں ان کو باطل کیا ہے، پھر نبوت کی ضرورت اور اس پر اعتراض کا جواب دیا ہے، ساتھ ہی توحید کا روایتی ثبوت بھی پیش کیا ہے، اس کے بعد توحید کی عقلی دلیل پیش کی ہے، یہ سب مضامین تین آیتوں میں آگئے ہیں —— پھر آیت چار سے آیت انیس تک برہان ربوبیت ہے، اور اس سے توحید الوہیت پر استدلال کیا گیا ہے۔ درمیان میں آیت نو میں نبوت کی ضرورت بیان کی گئی ہے، آیت بیس اور اکیس میں برہانِ تخلیق کا ذکر ہے، پھر آیت بائیس تا انتیس میں منکرین توحید کی نفسیات ذکر کی گئی ہیں اور ان کا دنیوی اور اخروی انجام بیان کیا گیا ہے، آیت تیس تا بتیس میں مقابلۃً متقیوں کا شاندار انجام اور ان کے بہترین حالات ذکر کئے ہیں، پھر آیت تینتیس سے آیت چالیس تک معاندین کو انذار وتنبیہ ہے اور آیت اکتالیس میں ان مسلمانوں کا تذکرہ ہے جو دشمنوں کے مظالم سے تنگ آکر ملک حبشہ ہجرت کر گئے تھے، پھر آیت بیالیس سے چوالیس تک نبوت اور اس کے متعلقات کا تذکرہ ہے اور آیت پینتالیس تا سینتالیس میں منکرین کو عذابِ الٰہی کی دھمکی دی گئی ہے، پھر آیت اڑتالیس تا ترپن میں برہانِ اطاعت بیان کی گئی ہے کہ کائنات کی ہر چیز حکم الٰہی کے سامنے منقاد ہے، پس تمہیں بھی لازماً اور دائماً اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت کرنی چاہئے، پھر آیت چون تا باسٹھ میں بتایا ہے کہ جو اور جس قسم کی بھی نعمت کسی انسان کو حاصل ہے وہ اللہ پاک ہی کی طرف سے ہے اور اس کا تقاضا شکر گذاری ہے، مگر مشرکین کا جہل دیکھو کہ جو خالص اللہ پاک کا حق ہے اُسے تو غیر اللہ کے لئے تجویز کرتے ہیں اور جو کسی طرح بھی اللہ تعالیٰ کی شایانِ شان نہیں اُسے اللہ پاک کے سر لگاتے ہیں۔ پھر آیت

ترسٹھ سے یہ مضمون شروع ہوا ہے کہ شیطان انسان کو سنبھلنے کا موقع نہیں دیتا، ساتھ ہی آنحضور ﷺ کو تسلی دی ہے کہ آپ لوگوں کی ہٹ دھرمی سے رنجیدہ نہ ہوں، نزول قرآن کا مقصد بس خدا کے بندوں پر حجت تمام کردینا ہے۔ پھر آیت ۶۵ میں اس خلجان کو دور کیا ہے کہ کفر کی تاریکی میں قرآن پاک کو ماننے والے کہاں سے آئیں گے؟ یہ حقیقت سمجھائی ہے کہ بروں میں سے بھلے اور سنگ دلوں میں سے نرم دل کس طرح نکلیں گے۔ پھر آیت ۶۸ میں دشمنوں میں سے دوست پیدا ہونے کی مثال پیش کی ہے اور دوست بھی کیسے؟ آیت ستر میں بتایا ہے کہ نہایت مخلص اور سچے پکے! —— پھر آیت ۷۱ تا ۷۴ میں مشرکوں کے استدلال کی قلعی کھولی گئی ہے اور آیت ۷۵ میں مثال سے معبود حقیقی اور معبودانِ باطل کا تفاوت سمجھایا ہے، اس کے بعد کی مثال میں مؤمن اور کافر کا فرق واضح کیا ہے —— پھر آیت ۷۷ تا ۸۲ تک برہان ربوبیت کا ذکر ہے اور آیت ۸۳ میں انسان کی ناہنجاری دکھائی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احسانات کو دیکھتا ہے، مگر شکر گزاری کا وقت آتا ہے تو کان بہرے کر لیتا ہے، بلکہ دھڑلے سے انکار کر بیٹھتا ہے —— پھر آیت ۹۸ میں یہ مضمون آیا ہے کہ قیامت کے روز انبیاء کرام اپنی اپنی امتوں کے خلاف گواہیاں دیں گے، اور آنحضور ﷺ کی امت دعوت کے خلاف خود رحمۃ للعالمین ﷺ کی گواہی گذرے گی، کیونکہ آپ اپنی امت کو اللہ تعالیٰ کی وہ عظیم الشان کتاب پہنچا چکے ہیں جس میں ہدایت وضلالت کے سلسلہ کی ہر چیز کی پوری وضاحت موجود ہے —— پھر آیت ۹۰ میں قرآنِ کریم کے ﴿ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ﴾ ہونے کا نمونہ پیش کیا گیا ہے اور آیت ۹۱ تا ۹۷ میں عہد ومیثاق کا ذکر کر کے ان اصول کلیہ کی خوبی سمجھائی گئی ہے جن کا آیت ۹۰ میں ذکر آیا ہے۔ اور آیت ۹۸ تا ۱۰۰ میں قرآن پاک سے اخذ ہدایت کے سلسلہ میں جس احتیاط کی ضرورت ہے اس کو بیان کیا گیا ہے، پھر آیت ۱۰۱ تا ۱۰۵ میں دو نمونے پیش کر کے سمجھایا ہے کہ شیطان کس طرح قرآن پاک سے ہدایت اخذ کرنے میں مانع بنتا ہے؟ پھر آیت ۱۰۶ میں ان کم نصیب انسانوں کی سزا بیان کی گئی ہے جو شیطانی رخنہ اندازیوں سے متاثر ہو کر ایمان لانے کے بعد منکر بن جاتے ہیں —— پھر آیت ۱۱۰ سے ۱۱۳ تک دونوں جماعتوں کا انجام دکھایا ہے، ان کا بھی جنھوں نے مخالفین کے زُہرہ گداز مصائب جھیلے اور ان کا بھی جنھوں نے بےبس مسلمانوں پر ظلم وستم توڑے، مگر ان کی تباہی کی بنیاد بجائے ظلم وستم کے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کو قرار دیا ہے، پھر آیت ۱۱۴ سے ۱۱۹ تک ناشکری کا مطلب سمجھایا ہے، اور آیت ۱۲۰ تا ۱۲۴ میں سب سے بڑے شکر گزار بندے کی مثال دی ہے جو خود مخاطب قوم کے جد امجد تھے۔ اس مثال کے پردے میں اُن سے کہا گیا ہے کہ کہاں تو وہ اتنے شکر گزار بندے تھے اور کہاں تم ایسے ناشکرے نکلے، آیت آیت ۱۲۵ سے سورت کی آخری نصیحتیں شروع ہوئی ہیں اور مسلمانوں کو دعوت الی اللہ کے اصول وآداب سمجھائے گئے ہیں۔

آیاتہا ۱۲۸ (۱۶) سُوْرَةُ النَّحْلِ مَكِّيَّةٌ (۷۰) رکوعاتہا ۱۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ① يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ اَنْ اَنْذِرُوْۤا اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ② خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ③

بِسْمِ	نام سے	فَلَا	پس نہ	الْمَلٰٓئِكَةَ	فرشتوں کو
اللّٰهِ	اللہ (کے)	تَسْتَعْجِلُوْهُ (۲)	جلدی مچاؤ اس کے لئے	بِالرُّوْحِ (۳)	جان کے ساتھ
الرَّحْمٰنِ	بے حد مہربان	سُبْحٰنَهٗ	پاک ہے اس کی ذات	مِنْ اَمْرِهٖ	اپنے معاملات کی
الرَّحِيْمِ	نہایت رحم والے	وَ تَعٰلٰى	اور برتر ہے	عَلٰى مَنْ	جس پر
اَتٰۤى	آپہنچا	عَمَّا	ان سے جن کو	يَّشَآءُ	چاہتے ہیں وہ
اَمْرُ (۱)	حکم	يُشْرِكُوْنَ	شریک کرتے ہیں وہ	مِنْ عِبَادِهٖۤ	اپنے بندوں میں سے
اللّٰهِ	اللہ (کا)	يُنَزِّلُ	اتارتے ہیں وہ	اَنْ (۴)	کہ

(۱) لفظ امر حقیقت میں تمام اقوال وافعال کے لئے عام ہے (۲) اِسْتِعْجَالٌ سے فعل مضارع صیغہ جمع مذکر حاضر ہے، ہٗ ضمیر اَمْر کی طرف راجع ہے، استعجال میں سین اور تا طلب کے لئے ہیں، یعنی جلدی مانگنا (۳) رُوْح: کے معنی ہیں جان اور مِنْ اَمْرِهٖ میں مِنْ بیانیہ ہے یعنی دین خداوندی کی جان اور مراد اس سے ہدایت اور وحی ہے، اس کو روح اس لئے کہا گیا ہے کہ جسم میں روح کا جو مقام ہے وہی مرتبہ تمام معاملات خداوندی میں ہدایت اور رہنمائی کا ہے، کیونکہ وہ ذریعہ ہے عبادت کا اور عبادت تخلیق عالم کا بنیادی مقصد ہے۔ قرآن پاک میں ایک دوجگہ اور بھی یہ مضمون آیا ہے، ارشاد ہے: ﴿ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ﴾ (المؤمن آیت ۱۵) ﴿ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ﴾ (الشوری ۵۲) (۴) اَنْ مفسرہ ہے، ہمیشہ قول کے بعد آتا ہے۔ خواہ ''کہنے'' کے معنی پر اس فعل کی دلالت لفظی ہو یا معنوی، معنوی کی مثال ﴿ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا ﴾ (ص ۶) ہے (اور رئیس اُن میں سے چل پڑے کہ چلو!) یعنی اُن کے اٹھ کر چل دینے کا مطلب ہی یہ کہنا ہے کہ تم بھی چلو، اسی طرح یہاں انبیاء پر ہدایت نازل کرنے کا مطلب ہی یہ کہنا ہے کہ لوگوں کو خبردار کردو۔

اَنۡذِرُوۡۤا	آگاہ کردو (لوگوں کو)	فَاتَّقُوۡنِ[2]	سو مجھ سے ڈرو!	بِالۡحَقِّ[3]	ٹھیک ٹھیک
اَنَّهٗ[1]	کہ	خَلَقَ	پیدا کئے	تَعٰلٰى	وہ برتر ہیں
لَاۤ اِلٰهَ	نہیں کوئی معبود	السَّمٰوٰتِ	آسمان	عَمَّا	ان سے جن کو شریک
اِلَّاۤ اَنَا	مگر میں	وَالۡاَرۡضَ	اور زمین	يُشۡرِكُوۡنَ	کرتے ہیں وہ

اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا ہی چاہتا ہے اور شرک کی تردید

اس سورت کو بغیر کسی خاص تمہید کے، ایک شدید وعید اور ہیبت ناک عنوان سے شروع کیا گیا ہے۔ منکرین از راہ تکذیب وشرارت بار بار کہا کرتے تھے کہ اگر فی الواقع تمہارا دین سچا ہے تو جس عذاب کے آنے کی تم دھمکی دیتے ہو وہ آ کیوں نہیں جاتا؟ اس میں آخر اتنی دیر کیوں لگ رہی ہے؟ گذشتہ سورت کے آخر میں جب مکہ والوں کو، حجر والوں کے انجام سے آگاہ کیا گیا تو ان کی چھیڑ اور بھی بڑھ گئی، اس لئے ارشاد ہوتا ہے —— آ پہنچا اللہ تعالیٰ کا حکم، پس اس کے لئے جلدی مت مچاؤ! —— یعنی وہ بس آیا ہی چاہتا ہے، جس چیز کا آنا یقینی ہو اُسے آیا ہی سمجھنا چاہئے، اور جو کچھ تھوڑی بہت مہلت دی جارہی ہے وہ سنبھلنے کا نادر موقعہ ہے، ان قیمتی لمحات کو یونہی فضول چھیڑ خانی میں ضائع مت کرو، تم اپنی مشرکانہ روش پر غور کرو، تم جو اللہ پاک کے ساتھ دوسری چیزوں کو خدائی میں شریک کرتے ہو، وہ تمہاری کتنی بڑی غلطی ہے؟ —— اُن کی ذات پاک ہے اور برتر ہے اُن سے جن کو وہ لوگ شریک کررہے ہیں —— ساجھے کی دو وجہیں ہوتی ہیں: ایک یہ کہ ایک شخص خود اپنے طور پر کام انجام نہیں دے سکتا، اس لئے اپنی مدد کے لئے شرکاء بناتا ہے، دوسری وجہ یہ ہوتی ہے کہ مددگاروں کی تو ضرورت نہیں، مگر دوسرے زبردست ہیں، ان کا مطالبہ ہے کہ انھیں بھی کاروبار میں شریک کیا جائے، اس لئے مجبوراً ان کو پاٹنر بنانا پڑتا ہے، اب غور کرو، اللہ پاک جل شانہ کی شان عالی میں ان دونوں میں سے کسی کا بھی گذر نہیں، اُن کی ذات بے عیب ہے اور کسی کام کو خود نہ کرسکنا ایک بہت بڑا عیب ہے۔ کیا یہ عیب خدائے پاک میں ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں! پھر شرکت اور ساجھے کا کیا سوال؟

نیز مشرکین، جن مخلوقات کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرتے ہیں، اللہ پاک ان سے بے حد وحساب برتر وبالا ہیں، پھر کیا اس بات کا بھی کوئی امکان ہے کہ ان شرکاء نے زور وجبر سے اللہ پاک کو شرکت پر مجبور کیا ہو؟ جب یہ دونوں وجہیں ممکن

(۱) أَنَّ حرف مشبہ بالفعل، ہٗ ضمیر شان ہے أَنَّ اپنے مابعد کے ساتھ اَنْذِرُوْا کا مفعول ثانی ہے اور مفعول اول محذوف ہے (۲) فَاتَّقُوْن کے آخر سے یائے متکلم محذوف ہے اور نون کا کسرہ اس کی علامت ہے (۳) أی: ملتبسًا بما يَحُقُّ لَهٗ بمقتضى الحكمة (روح)

نہیں تو پھر سوچو، شرک کے لئے کیا گنجائش رہتی ہے؟

نبوت ورسالت کی ضرورت

منکرین کے لئے نبوت ورسالت کا مسئلہ بھی ناقابل تسلیم تھا، اُن کا یہ اعتراض تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ کو نبی ہی بھیجنا تھا تو کیا بس محمد بن عبداللہ ہی اس کام کے لئے رہ گئے تھے، مکے اور طائف کے سارے بڑے بڑے سردار مر گئے تھے کہ ان میں سے کسی پر بھی نگاہ نہ پڑی؟ —— قرآنِ پاک یہاں توحید کے بیان کے ضمن میں نبوت ورسالت کی ضرورت کی طرف اشارہ کر رہا ہے، تفصیل آگے نویں آیت میں آرہی ہے، ارشاد ہے: —— وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتے ہیں، فرشتوں کے ذریعے، اپنے معاملات کی جان (ہدایت) بھیجتے ہیں (اس حکم کے ساتھ) کہ لوگوں کو اس بات سے آگاہ کردو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، لہٰذا تم مجھ سے ڈرو! —— اس آیت پاک میں نہایت جامعیت کے ساتھ چار باتیں بیان فرمائی ہیں:

پہلی بات: حضور اقدس ﷺ کے نبی ہونے پر منکرین کے اعتراض کا جواب دیا گیا ہے کہ اللہ پاک اپنے کام کو خوب جانتے ہیں، تم سے مشورہ لینے کی حاجت نہیں، وہ اپنے بندوں میں جس کو مناسب سمجھتے ہیں، اپنے کام کے لئے منتخب کرتے ہیں۔

دوسری بات: نبوت کی ضرورت کی طرف اشارہ کیا ہے —— منکرین نبوت کا استدلال یہ تھا کہ خدا نے ہمیں عقل دی ہے، جس سے ہم اپنی تمام ضرورتیں پوری کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہماری معاشی ضرورتوں کی تعلیم کے لئے نہ کسی فرشتے کو بھیجا نہ کسی انسان کو، کیونکہ ہم خود ہی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی فہم ودانش سے اس کا انتظام کرسکتے ہیں، اسی طرح ہم اپنی دینی ضرورتوں کو بھی اپنی سمجھ بوجھ سے معلوم کرسکتے ہیں، ہمیں اس سلسلہ میں بھی کسی راہ نمائی کی ضرورت نہیں۔

اللہ تعالیٰ جواب ارشاد فرماتے ہیں کہ اپنی دینی ضرورتوں کو دنیوی ضرورتوں پر قیاس کرنا صحیح نہیں، تمہاری دینی ضرورت یعنی ہدایت تمام معاملات میں سب سے اہم معاملہ ہے، کیونکہ تمہاری تخلیق کا بنیادی مقصد ہماری عبادت ہے۔ ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ (میں نے جنّوں اور انسانوں کو اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں) یعنی ہدایت مقصد ہے اور باقی تمام چیزیں وسائل ہیں، وسائل میں اگر کوئی خلل رہ جائے تو غیر مقصود چیزوں کا خلل ہے، لیکن اگر بنیادی مقصد میں خلل رہ جائے تو مقصد ہی فوت ہوجائے گا، اس لئے انسان کی دنیوی حاجتوں اور معاشی ضرورتوں کے بیان کے لئے اللہ پاک نے کوئی نبی نہیں بھیجا، بلکہ انسان کو بخشی ہوئی عقل وفہم پر اکتفا کیا گیا ہے، لیکن بنیادی مقصد یعنی ہدایت کے معاملہ میں اللہ پاک نے عقل کو کافی نہیں سمجھا، بلکہ بندوں کی اس ضرورت کے

لئے نبوت ورسالت کا سلسلہ قائم فرمایا ہے تاکہ مقصد زندگی میں کوئی خلل نہ رہ جائے اور کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ خدایا! میری عقل نے میری رہنمائی نہیں کی تھی۔

تیسری بات: توحید کا نقلی ثبوت پیش کیا ہے کہ توحید ہمیشہ سے تمام انبیاء علیہم السلام کا مشترکہ نصب العین (مشن) رہا ہے، تمام پیغمبروں نے سب سے پہلی بات جو اپنی قوموں سے کہی ہے وہ یہی ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں'' یعنی آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم الانبیاء ﷺ تک دنیا کے مختلف خطوں، مختلف زمانوں میں جو بھی رسول آئے انھوں نے توحید ہی کی دعوت دی ہے، حالانکہ ایک کو دوسرے کے حال اور تعلیم کی بظاہر کوئی اطلاع نہ تھی، غور کرو، کم از کم ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کا مختلف اوقات میں مختلف ملکوں میں اور مختلف خطوں میں ایک ہی بات کی دعوت دینا انسان کو یہ سمجھنے پر مجبور نہیں کرتا کہ یہ بات غلط نہیں ہوسکتی؟ ایمان لانے کے لئے تنہا یہی دلیل کافی ہے!

چوتھی بات: اللہ تعالیٰ کو معبود برحق تسلیم کرنے کے بعد لازمی نتیجہ کے طور پر ''تقویٰ'' ضروری ہوجاتا ہے، تقویٰ کا مفہوم ہے: اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنا، اس لئے آخر میں ارشاد فرمایا کہ جب میں ہی معبود ہوں تو تم میرے احکام کی خلاف ورزی کرنے سے ڈرو!

توحید کی عقلی دلیل:

توحید کی نقلی دلیل کے بعد اب عقلی دلیل پیش کی جاتی ہے۔ ارشاد ہے: —— **انھوں نے آسمان اور زمین ٹھیک ٹھیک بنائے** —— یعنی زمین وآسمان کو پیدا کرنے میں اللہ پاک کے ساتھ کوئی شریک نہیں، پھر ان کا نظام ایسا درست بنایا ہے جسے دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے اور ان کے انتظام میں بھی اللہ کا کوئی ساجھی نہیں[1]۔ وہ قادر مطلق ہیں، اپنا ہر کام خود ہی حکمت کے ساتھ انجام دیتے ہیں، پھر انھیں شرکاء اور مددگاروں کی کیا حاجت ہے؟

رہی شرک کی دوسری وجہ کہ اللہ تعالیٰ کو تو مددگاروں کی ضرورت نہیں، مگر مشرکین کے ٹھہرائے ہوئے شرکاء ایسے زبردست ہیں کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کو ساجھا کرنے پر مجبور کرلیا ہے تو سن لو —— **وہ برتر ہیں، اُن (مخلوقات) سے جن کو یہ لوگ شریک کررہے ہیں** —— اور اللہ تعالیٰ کی برتری اتنی واضح ہے کہ اس کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔

ہر طرح کا نفع، نقصان اللہ پاک کے ہاتھ میں ہے، انسانوں کے گھڑے ہوئے خدا نہ کسی کا کچھ

بنا سکتے ہیں نہ بگاڑ سکتے ہیں!

(۱) یہ تمام باتیں مشرکین مکہ تسلیم کرتے تھے ۱۲

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ؕ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ؕ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ ؕ وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝

ع ۹

خَلَقَ	بنایا	وَالْاَنْعَامَ(۲)	اور مویشی (کو)	تَاْكُلُوْنَ	کھاتے ہو تم
الْاِنْسَانَ	انسان کو	خَلَقَهَا	بنایا اُن کو	وَلَكُمْ	اور تمہارے لئے
مِنْ نُّطْفَةٍ	نطفے سے	لَكُمْ	تمہارے لئے	فِيْهَا	ان میں (ہے)
فَاِذَا	پھر یکایک	فِيْهَا	اُن میں (ہے)	جَمَالٌ	رونق
هُوَ	وہ	دِفْءٌ(۳)	سرمائی پوشش	حِيْنَ	جب
خَصِيْمٌ(۱)	مباحثہ کرنے والا	وَّمَنَافِعُ	اور فوائد	تُرِيْحُوْنَ(۴)	شام کو لاتے ہو
مُّبِيْنٌ	زور بیان دکھانے والا ہے	وَمِنْهَا	اور ان کو	وَحِيْنَ	اور جب

(۱) مبالغہ کا صیغہ ہے۔ مُخَاصِمٌ کے معنی میں ہے، خُصْم کے معنی ہیں: جانب، کنارہ اور مخاصمہ نام ہے جو شخصوں کا کسی مسئلہ کی دو مخالف جانبوں کو پکڑ لینا أصل المخاصمة: أن يتعلق كل واحد بُخصم الآخر أى جانبه (راغب) پھر کسی مسئلہ پر دلائل وبراہین کے ساتھ گفتگو کرنے کے معنی میں بھی استعمال ہونے لگا، حدیث میں ہے: ''بِكَ خَاصَمْتُ'' أى بما آتيتَ من البراهين والحجج (مجمع بحار الانوار) مُبین اسم فاعل ہے، کھول کر بیان کرنے والا۔ ابان إبانةً (افعال) (۲) منصوب بفعل مضمر، يفسره ما بعده —— انعام (مویشی) بھیڑ، بکری، گائے، بھینس اور اونٹ —— مویشی کو اَنْعَامُ اس وقت کہا جاتا ہے جب ان میں اونٹ شامل ہوں (راغب) انعام جمع ہے نَعَمٌ کی، جس کے اصلی معنی صرف اونٹ کے ہیں، کیونکہ اونٹ عرب کے نزدیک بہت بڑی نعمت تھی، پھر بھیڑ، بکری اور گائے بھینس پر بھی اس کا اطلاق ہونے لگا۔ (۳) مبتداء مؤخر ہے دَفِئَ (س) من البرد: گرم ہونا، اَدْفَاهُ: گرم کپڑا پہنانا، گرم کرنا، تَدَفَّأَ، اِسْتَدْفَأَ گرم کپڑا پہننا، الدِفْءُ: سخت گرمی، گرم کپڑے، گرمی حاصل کرنے کا سامان، سرمائی پوشش، الدفء: غلاف البرد (راغب) (۴) اَرَاحَ الماشية: إذا ردها الى المُراح وقتئذٍ (روح)

تَسْرَحُوْنَ	صبح چرنے کے لئے	اِنَّ رَبَّكُمْ	یقیناً تمہارے رب	لَا تَعْلَمُوْنَ	نہیں جانتے تم
	چھوڑتے ہو	لَرَءُوْفٌ	البتہ بڑی شفقت والے	وَعَلَى اللّٰهِ	اور اللہ ہی کا کام ہے
وَتَحْمِلُ	اور ڈھوتے ہیں وہ	رَّحِيْمٌ	بے حد رحم والے ہیں	قَصْدُ (۳)	سیدھا راستہ (بتانا)
اَثْقَالَكُمْ	تمہارے بوجھ	وَّالْخَيْلَ	اور (بنایا) گھوڑوں	السَّبِيْلِ	
اِلٰى بَلَدٍ	ایسے شہروں تک	وَالْبِغَالَ	اور خچروں	وَمِنْهَا	اور بعض ان میں سے
لَّمْ تَكُوْنُوْا	کہ نہیں ہو تم	وَالْحَمِيْرَ	اور گدھوں (کو)	جَآئِرٌ	ٹیڑھے ہیں
بٰلِغِيْهِ	پہنچنے والے اُن تک	لِتَرْكَبُوْهَا	تا کہ سواری کرو تم ان پر	وَلَوْ شَآءَ	اور اگر چاہتے
اِلَّا	مگر	وَزِيْنَةً (۲)	اور رونق (بنیں وہ)	لَهَدٰىكُمْ	تو منزل مقصود تک پہنچا
بِشِقِّ (۱)	مشقت میں ڈال کر	وَيَخْلُقُ	اور پیدا کرتے ہیں		دیتے تم کو
الْاَنْفُسِ	جانوں (کو)	مَا	وہ (چیزیں) جو	اَجْمَعِيْنَ	سب کو

برہانِ ربوبیت سے توحید الوہیت پر استدلال

ان آیتوں میں توحید کی دوسری دلیل ہے، اور یہ دلیل زیرِ نظر آیتوں میں مکمل نہیں ہوئی، بلکہ آئندہ رکوع میں جا کر مکمل ہوگی، اس دلیل کا نام برہانِ ربوبیت ہے، یعنی اپنی زندگی کی احتیاجوں کو دیکھو اور پھر ربوبیتِ الٰہی کی بخششوں اور کرشمہ سازیوں پر نظر ڈالو، زندگی کی کوئی احتیاج ایسی نہیں جس کا انتظام نہ کر دیا ہو۔ کارخانۂ عالم کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جو انسانوں کے لئے کوئی فیضان نہ رکھتا ہو، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی ہر چیز صرف اس لئے بنی ہے کہ انسان کی ضرورت پوری کرے، لہٰذا انسان کو سوچنا چاہئے کہ اس کی عبادتوں کا حقدار کون ہے؟ وہ رب رحیم جس نے انسانوں کی حاجتوں کا یہ سب انتظام کیا ہے یا وہ جو اپنی احتیاجوں میں خود کسی پروردگار کے محتاج ہیں۔

اس وقت جو آیتیں ہم تلاوت کر رہے ہیں ان میں دو باتیں بیان فرمائی ہیں: سب سے پہلے خود انسان کی ہستی کو، اس کی تخلیق کو اور اس کی محیر العقول صلاحیتوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں میں شمار کیا ہے، پھر انسانوں کی گونا گوں ضرورتوں کے لئے جانوروں کی نعمت کا تذکرہ فرمایا ہے؟

---

(۱) شِق کو بعض نے شَقَّ يَشُقُّ کا مصدر کہا ہے اور بعض نے اسم قرار دیا ہے، اس وقت ترجمہ مشقت اور جانکاہی ہوگا (۲) زينةً کا عطف لِتَرْكَبُوْهَا کے محل پر ہے، پس یہ بھی لتركبوها کی طرف مفعول لہ ہے (۳) القصد: مصدر بمعنى الفاعل يقال: سبيل قصد وقاصد أى مستقيم (روح)

خود انسان کی ہستی بڑی نعمت ہے:

ارشاد ہے: —— اللہ نے انسان کو نطفے سے بنایا —— وہی ایک قطرۂ بے جان جس میں نہ حس وحرکت تھی، نہ شعور وارادہ، نہ وہ بات کرنے کے قابل تھا نہ اس لائق تھا کہ کسی معاملہ میں بحث ومباحثہ کرے —— پھر دیکھتے دیکھتے وہ زور بیان رکھنے والا، تکراری بن گیا —— یعنی دیکھو: اللہ تعالیٰ نے اُس قطرۂ ناچیز کیا سے کیا بنادیا، کیسی اعلیٰ قوتیں اور کمالات اس پر فائض کئے جو ایک حرف بولنے پر قادر نہ تھا، وہ کیسے لکچر دینے لگا، جس میں ادنیٰ حس وحرکت نہ تھی اب کس طرح بال کی کھال نکالنے لگا[1] —— آدمی کو اللہ نے بہترین صورت دی، گویائی دی، تدبیر وعقل دی اور حواس دئے تا کہ وہ دینی اور دنیوی فوائد اور نقصانات سمجھ سکے اور اچھے برے میں تفریق کر سکے، مگر کتنے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی اِن نعمتوں کی قدر کرتے ہیں؟ حق وباطل میں امتیاز کرتے ہیں اور اپنے خالق ومالک کو پہچانتے ہیں؟

جانور بھی اللہ کی بڑی نعمت ہیں:

یہ تو اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا بیان تھا جو انسانی وجود کی شکل میں انسان کو حاصل ہے، اب جانوروں کی نعمت کا بیان سنئے، ارشاد ہے: —— اور اللہ نے مویشی بنائے جن میں تمہارے لئے سرمائی پوشش اور دیگر فوائد ہیں اور ان کو تم کھاتے بھی ہو، اور ان میں تمہارے لئے رونق ہے جب شام کو واپس لاتے ہو اور جب صبح چرنے کے لئے چھوڑتے ہو۔ اور وہ تمہارے بوجھ ڈھو کر ایسے مقامات تک لے جاتے ہیں جہاں تم سخت جانکاہی کے بغیر نہیں پہنچ سکتے، حقیقت یہ ہے کہ تمہارے رب بڑے ہی شفیق، بے حد مہربان ہیں، اور گھوڑے اور خچر اور گدھے پیدا کئے، تا کہ تم ان پر سواری کرو! اور وہ رونق بنیں اور اللہ وہ چیزیں پیدا کریں گے جن کا تمہیں علم نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے جو جانور پیدا کئے ہیں اور جن کو عام طور پر انسان استعمال کرتے ہیں، قرآن پاک یہاں ان کو دو قسموں میں تقسیم کر کے بیان کرتا ہے:

پہلی قسم: مویشی، ڈھور، ڈنگر یعنی اونٹ، گائے، بھینس، بھیڑ اور بکری۔

دوسری قسم: گھوڑے، خچر اور گدھے —— پہلی قسم کے پانچ فائدے بیان فرمائے ہیں:

پہلا فائدہ: ان مویشی سے انسان کو گرمی حاصل کرنے کا سامان حاصل ہوتا ہے، دوشالے، شال، پوستین، کمل، دھسّے

(۱) اس تفسیر کے متعلق صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ: **أنسب بمقام الامتنان بإعطاء القدرة على الاستدلال بذلك على قدرته جل جلاله ووحدته۔**

خیمے، ڈیرے اور سردی سے بچنے کے مختلف قسم کے لباس اور سامان بنائے جاتے ہیں۔

دوسرے فوائد: کوئی چوپایہ ہل چلانے کے کام آتا ہے، کوئی سواری کے، کوئی باربرداری کے، کسی کی کھال سے جوتے، بکس اور دوسری قسم کے چرمی سامان بنتے ہیں، نیز گھی مکھن، دودھ، دہی وغیرہ کی ساری افراط ان ہی جانوروں کی بدولت ہے، غرض انسان کے لئے بے شمار منافع اور فوائد اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں میں رکھ دئے ہیں اور ان سب کی طرف ﴿وَّ مَنَافِعُ﴾ کہہ کر اشارہ فرمایا ہے۔

تیسرا فائدہ: یہ مویشی انسان کی خوراک بھی ہیں، اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات انسان کو اجازت دی ہے کہ وہ ان جانوروں کو ذبح کر کے استعمال میں لائے اور ان کو اپنا معبود نہ بنائے، یہ تو ان کے خادم اور ان کی خوراک ہیں۔ ﴿وَمِنْهَا تَأْكُلُوْنَ﴾ میں مِنْ ابتدائیہ ہو تو ترجمہ وہ ہوگا جو ہم نے اوپر کیا ہے، اور اگر تبعیضیہ ہو تو ترجمہ یہ ہوگا: ''اور ان میں سے تم کھاتے بھی ہو'' یعنی ان جانوروں کے اکثر حصے کھاتے ہو، کیونکہ حلال جانور کے بھی سات اعضاء ممنوع ہیں۔ حدیث شریف میں ان کے کھانے کی ممانعت آئی ہے، وہ سات اعضاء یہ ہیں:

(۱) پتّہ (۲) مثانہ (۳) ذکر (نر جانور کے پیشاب کا عضو) (۴) خصیتین (۵) فَرج (مادہ کے پیشاب کا عضو جو کھال میں ہوتا ہے۔ کھال اترنے کے بعد باقی نہیں رہتا) (۶) غدود (گلٹی) (۷) بہنے والا خون (کنز العمال ص:۶۱ ج:۴)

ضمنی بات: جانوروں کے کھانے پر بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ ظلم ہے، اپنا دل خوش کرنے کے لئے اور اپنا پیٹ بھرنے کے لئے ہزاروں جانوروں کے گلے پر چھری پھیر دینا بہت بڑا پاپ ہے، لیکن کوئی ان اعتراض کرنے والوں سے پوچھے کہ ان کو ذبح کر کے کھانا تو ظلم ہے مگر یہ بتاؤ ان پر سواری کرنا، بوجھ لادنا اور اپنے گھر باندھ رکھنا کونسا حسنِ سلوک ہے؟ ان کی کھالوں کی جوتیاں پہننا کونسا اعزاز ہے؟ اپنے معبودوں کے لئے بکروں کا جھٹکا کر کے نذر گزارنا کیوں عبادت ہے؟ برہمن زادہ علم حاصل کر کے گھر لوٹے تو گئو کی قربانی کرنا شکر کیوں ہے؟[۱]

اصل بات یہ ہے کہ یہ اعتراض کرنے والے ظلم کی حقیقت نہیں سمجھتے، ان کے ذہن میں ظلم کے معنی ایذاء رسانی کے ہیں، حالانکہ اگر ظلم کی حقیقت اتنی ہی ہے تو پھر سانپ، بچھو، موذی جانوروں، کیڑوں اور جراثیم کو مارنا بھی ظلم ہے، حالانکہ بالاتفاق یہ جائز ہے، سب ہی موذی جانوروں کو مارتے ہیں، بلکہ ظلم کے معنی ہیں: ''غیر کی چیز کو اس کی اجازت کے بغیر اپنے تصرف میں لانا'' اور جب اللہ تعالیٰ نے جو ہر چیز کے مالک اور مختار ہیں، اپنے بندوں کو اجازت دی کہ ان جانوروں کو ذبح کر کے کھا سکتے ہو تو اب خود ان کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ان کو استعمال کرنا ظلم کیوں کر ہو سکتا ہے؟

(۱) بید اور پُران میں اس رسم کا ذکر ہے ۱۲

البتہ کوئی منہ پھٹ یہ کہہ سکتا ہے کہ خدا کو تو اختیار ہے، مگر انسانوں کے واسطے ان کا حلال ہونا مناسب نہ تھا تو اس کا یہ اعتراض ہم پر نہیں خداوند حکیم وعلیم کی حکمت پر ہے، اور جو خدا کو نہ بخشے اُسے بات کون سمجھاوے؟ بہتر یہ ہے کہ ایسے شخص سے گفتگو نہ کی جائے۔

لیکن یہ سمجھنا چاہئے کہ ''مناسب'' کے دو معنی ہیں: ایک اپنے استحقاق کے موافق کام کرنا، اب سوچئے! ایسی کونسی چیز ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اُس پر استحقاق حاصل نہیں؟ اور ایسا کونسا استحقاق ہے جو خدا کو اپنی مخلوقات پر حاصل نہیں؟ پھر نامناسب کیوں ہوا؟

''مناسب'' کے دوسرے معنی ہیں: ''حسب قابلیت دینا'' جیسے آئینہ اور پتھر میں قابلیت کا فرق ہے، اس لئے آئینہ کو آفتاب زیادہ نور عطا کرتا ہے اور پتھر کو کم، غرض اگر ''مناسب'' کے یہ معنی ہیں تو انسان اس بات کا مستحق ہے کہ اس کے لئے یہ جانور حلال ہوں، کیونکہ فطری قاعدہ یہ ہے کہ افضل کے لئے ادنی کی توڑ پھوڑ نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ ضروری ہے، پرانے مکان کو نیا بنانے کے لئے توڑنا ہرگز نامناسب نہیں، چنائی کے لئے اینٹوں کی توڑ پھوڑ کوئی برا کام نہیں، ایسے ہی جانوروں کو ذبح کر کے ان کے گوشت سے بدن انسانی کا نشو ونما عین صواب اور نہایت مناسب ہے، انسانوں کے لئے تو اس لئے مناسب ہے کہ اور غذاؤں کی بہ نسبت گوشت بہتر غذا ہے، اور جانوروں کے حق میں یوں مناسب ہے کہ اب اُن کے گوشت سے انسانی جسم بنے گا اور جب تک انسان زندہ ہے ان کا گوشت روح حیوانی کے بجائے روح انسانی کا مرکب (سواری) بنا رہے گا، اور ہر کوئی جانتا ہے کہ ترقی مدارج ہرگز قابل گرفت نہیں (ضمنی بات پوری ہوئی)

چوتھا فائدہ: یہ مویشی زینت وجمال اور رونق وبہجت کا ذریعہ ہیں، جب شام کو جنگل سے شکم سیر ہو کر گھر کی طرف لوٹتے ہیں اور جب صبح چرنے کے لئے گھر سے نکلتے ہیں تو کیسی رونق اور چہل پہل ہوتی ہے، مالک خود بھی دیکھ کر خوش ہوتا ہے اور دوسروں کی نگاہوں میں بھی اس کی شان وشوکت کا سکہ جمتا ہے۔

اس آیت سے جمال وزینت کا جواز معلوم ہوتا ہے، لیکن یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ فخر وتکبر حرام ہے، دونوں میں فرق یہ ہے کہ جمال وزینت کا حاصل اپنے دل کی خوشی یا اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اظہار ہوتا ہے، نہ دل میں اپنے کو اس نعمت کا مستحق سمجھتا ہے اور نہ دوسروں کو حقیر جانتا ہے، بلکہ حق تعالیٰ کے عطیہ اور انعام ہونے کا تصور رہتا ہے اور تکبر وتفاخر میں اپنے آپ کو اس نعمت کا مستحق جانتا ہے اور دوسروں کو حقیر سمجھنا پایا جاتا ہے جو حرام ہے (بیان القرآن)

پانچواں فائدہ: یہ جانور سواری اور بار برداری کے کام آتے ہیں، خود انسانوں کا بوجھ اور اُن کا بوجھل سامان ڈھو کر دور دراز شہروں تک پہنچاتے ہیں، جہاں تک رسائی جان جوکھوں میں ڈالے بغیر ممکن نہیں، اونٹ اور بیل خاص طور سے انسان

کی یہ خدمت بڑے پیمانے پر انجام دیتے ہیں۔آج ریل گاڑیوں، ٹرکوں اور ہوائی جہازوں کے زمانے میں بھی انسان ان جانوروں سے مستغنی نہیں، کتنے مقامات ایسے ہیں جہاں یہ نو ایجاد سواریاں بار برداری اور سواری کا کام انجام نہیں دے سکتیں، وہاں ان جانوروں کی خدمات حاصل کرنے پر انسان مجبور ہے۔

دوسری قسم: یعنی گھوڑے، خچر اور گدھوں کے دو فائدے بیان فرمائے ہیں:

پہلی فائدہ: سواری کرنا —— گھوڑے کی سواری تو ہر کسی کے نزدیک قابل فخر ہے، خچر کی سواری بھی سنت ہے، آنحضور ﷺ نے اس پر سواری فرمائی ہے اور جب آپ کی خدمت مبارکہ میں خچر کا ہدیہ پیش کیا گیا تو آپ نے قبول فرمایا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جس حدیث میں آپ نے خچر پیدا کرنے کی ممانعت فرمائی ہے اس کی وجہ خود آپؐ نے یہ بیان فرمائی ہے: اِنَّمَا یَفْعَلُ ذٰلِکَ الَّذِیْنَ لاَ یَعْلَمُوْنَ (یہ عمل وہی لوگ کرتے ہیں جو ناواقف ہیں) اس ارشاد میں ایک عظیم صنعتی ضابطہ ہے کہ بہتر اسباب کو بہتر سامان پیدا کرنے کے لئے استعمال کرنا چاہئے۔بہتر آلات سے معمولی سامان وہی لوگ بناتے ہیں جو نفع نقصان نہیں سمجھتے، خچر ہی کی مثال لیجئے، خچر پیدا ہوتا ہے گھوڑی اور گدھے سے، گھوڑی بہتر ذریعہ ہے، اس سے لوگ چاہیں تو گھوڑا حاصل کرسکتے ہیں، خچر پر قناعت کر لینا بہتر ذریعہ سے کمتر درجہ کا سامان پیدا کرنا ہے۔

اسی طرح گدھے کی سواری بھی سنت ہے، سید الکونین ﷺ نے گدھے پر بھی سواری فرمائی ہے، ہندوستانیوں کو یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے، وہ کہتے ہیں کہ بھلا گدھے کی سواری کیا اور اس میں زینت وخوشنمائی کیا، وہ تو گدھا ہے، تو سمجھ لینا چاہئے کہ ہمارے یہاں گدھا واقعی گدھا ہے، اس وجہ سے اس کی سواری پسند نہیں کی جاتی۔مگر عرب میں گدھے کی سواری معیوب نہیں، وہاں کے گدھے نہایت قیمتی، خوبصورت، تیز رفتار اور قدم باز ہوتے ہیں، بعض گدھوں کے سامنے گھوڑے کی کچھ حقیقت نہیں، ایک زندہ دل ہندی نے عرب کے گدھے دیکھ کر کہا تھا کہ: حجاز میں ''گدھا'' نہیں ''حمار'' ہوتا ہے!

دوسرا فائدہ: زینت وخوشنمائی —— جمال وزینت میں باریک فرق ہے، جمال کہتے ہیں: خوبصورتی کو، یعنی کسی چیز کا عمدہ ہونا۔ارشاد ہے: ﴿ وَلَکُمْ فِیْھَا جَمَالٌ ﴾ (مویشی میں تمہارے لئے خوبصورتی ہے) یعنی تم مویشی کے ذریعے کتنے خوبصورت اور بارونق نظر آتے ہو اور زینت کے معنی ہیں: آرائش وخوشنمائی، عورت موزوں زیورات کے ذریعے اپنی جو آرائش کرتی ہے وہ زینت کہلاتی ہے۔فرماتے ہیں کہ گھوڑے وغیرہ تمہارے لئے آرائش وزینت بھی ہیں، کیونکہ عرب یہ جانور فخریہ اور شوقیہ پالتے تھے اور اپنے لئے ان کو زینت سمجھتے تھے، جس طرح اب لوگ اسکوٹر اور کاریں اسی مقصد کے

لئے رکھتے ہیں۔

ضمنی بات: اس دوسری قسم کے جانوروں کے فوائد میں گوشت کھانے کا ذکر نہیں کیا، حالانکہ اللہ پاک اپنے احسانات بیان فرمارہے ہیں اور ایسے موقع پر اہم فائدہ کو نہیں چھوڑا جاتا، معلوم ہوا کہ گھوڑے خچر اور گدھے کے اہم فوائد وہی ہیں جو اوپر بیان ہوئے، ان کا کھانا —— اگرچہ نزولِ آیات کے وقت ان کو کھایا جاتا تھا —— ان کا کوئی اہم مقصد اور دائمی فائدہ نہیں، اس لئے اس کو چھوڑ دیا گیا۔ چنانچہ خچر اور گدھے کے کھانے کی تو بعد میں حرمت آگئی۔ احادیث میں ان کی حرمت کی صراحت ہے اور جمہور فقہاء بھی ان کی حرمت پر متفق ہیں، البتہ گھوڑے کے معاملے میں روایات متعارض آئی ہیں، کسی سے حلال ہونا معلوم ہوتا ہے، اور کسی سے حرام ہونا، اسی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی اختلاف رہا، اور مجتہدین میں بھی اختلاف ہے۔ امام شافعی، امام احمد، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کے نزدیک بلا کراہت گھوڑے کا گوشت حلال ہے، اور امام مالک اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمہما اللہ کے نزدیک مکروہ ہے، بلکہ مالکی امام فاکہی تو فرماتے ہیں کہ اگرچہ مالکیہ کے نزدیک مشہور کراہت ہے مگر محققین کے نزدیک صحیح حرام ہونا ہے —— امام اعظم کے نزدیک جو کراہت ہے اس کو بعض فقہاء تحریمی اور بعض تنزیہی کہتے ہیں۔ محققین کا مختار قول کراہت تنزیہی کا ہے[1]

آخر میں فرمایا کہ: "ان کے علاوہ اللہ تعالیٰ وہ چیزیں پیدا کریں گے جن کا تمہیں علم نہیں" یعنی تمہاری بھلائی کے لئے اور تمہاری حاجتوں اور ضرورتوں کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ بکثرت ایسی چیزیں پیدا کرتے رہیں گے جن کی تم کو ابھی خبر نہیں، سچ ہے! پروردگار عالم بڑے ہی شفیق اور بے حد مہربان ہیں، وہ انسان کی پرورش کرنا چاہتے ہیں، فائدہ پہنچانا چاہتے ہیں، اس کی تمام احتیاجوں اور ضرورتوں کا سامان کرنا چاہتے ہیں، وہ نت نئی چیزیں پیدا فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس طرح انسانوں کی جسمانی ضرورتوں کا انتظام فرماتے ہیں، اسی طرح ان کی روحانی سعادتوں کا بھی سامان کرتے ہیں۔

نبوت کی ضرورت کا بیان:

ارشاد ہے: —— اور اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے سیدھا راستہ دکھانا، جبکہ بعضے راستے ٹیڑھے بھی ہیں —— یہ نبوت کی ضرورت کا بیان ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ دنیا میں انسان کے لئے فکر وعمل کے بہت سے مختلف راستے ممکن ہیں، بلکہ عملاً موجود ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ سارے راستے بیک وقت حق نہیں ہوسکتے، سیدھا راستہ تو ایک ہی ہے اور اس سے واقف ہونا انسان کی سب سے بڑی ضرورت ہے، اب غور کرو! جس خدا نے انسان کی حیوانی اور دنیوی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے

(۱) صاحب درمختار نے امام اعظم رحمہ اللہ کا وفات سے تین روز پہلے کراہت کے قول سے رجوع نقل کیا ہے، مگر متون میں اس کا تذکرہ نہیں، اس وجہ سے اصحاب فتوی نے درمختار کی اس بات کو اہمیت نہیں دی۔

اتنے بڑے پیمانے پر انتظام کیا ہو، جس کی کچھ تفصیل ہم نے بیان کی، اس نے انسان کی دینی زندگی کے لئے جو اس کی سب سے بڑی ضرورت ہے، کوئی انتظام نہ کیا ہو یہ کیسے ممکن ہے؟

اور اسی بندوبست کا نام نبوت ہے، اگر تم اس کو نہیں مانتے تو بتاؤ، تمہارے خیال میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہدایت کے لئے اور کونسا انتظام کیا ہے؟ اگر کوئی کہے کہ راہِ راست تلاش کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں عقل دے رکھی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ انسانی عقل پہلے ہی بے شمار مختلف راستے ایجاد کر چکی ہے جو راہ راست کی دریافت میں اس کی ناکامی کا کھلا ثبوت ہے۔ اور اگر کوئی کہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری راہ نمائی کا کوئی انتظام نہیں فرمایا تو خدا کے ساتھ اس سے بڑھ کر بدگمانی کیا ہو سکتی ہے؟ وہ جاندار ہونے کی حیثیت سے ہماری پرورش کا مکمل انتظام کریں، مگر انسان ہونے کی حیثیت سے ہماری دینی زندگیوں کا انتظام نہ کریں اور ہمیں یونہی تاریکیوں میں بھٹکتا اور ٹھوکریں کھاتا چھوڑ دیں، ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا!

البتہ اس مرحلے میں ایک شبہ ہو سکتا ہے کہ انسانوں کو بھی پیدائشی طور پر دوسری تمام بے اختیار مخلوقات کی طرح برسرِ ہدایت بنا دیا جاتا تو راہنمائی کی ذمہ داری سے سبکدوشی حاصل ہو جاتی اور نبوت کے سلسلہ کو قائم کرنے کی ضرورت واقع نہ ہوتی، اس لئے ارشاد ہے: —— اور اگر وہ چاہتے تو تم سبھی کو ہدایت دے دیتے —— یعنی یہ ممکن تھا، اللہ تعالیٰ کے لئے ایسا کرنا کچھ مشکل نہیں، مگر ان کی مشیت یہ ہوئی کہ انسان کو ایک ایسی ذی اختیار مخلوق بنایا جائے جو اپنی پسند سے صحیح یا غلط راستے کا انتخاب کرے اس لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے جبری ہدایت کا طریقہ چھوڑ کر نبوت و رسالت کا طریقہ اختیار فرمایا ہے، تاکہ انسان کی آزادی بھی برقرار رہے اور اس کا امتحان بھی ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ تک رسائی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اتباع کے بغیر ممکن نہیں، اور جو لوگ توحید کے تو قائل ہیں مگر نبوت کے منکر ہیں وہ منزل کو تو تسلیم کرتے ہیں، مگر منزل تک پہنچنے کے خواہش مند نہیں

هُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ﴿۱۰﴾ يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾

وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿١٤﴾ وَأَلْقَىٰ فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِكُمْ وَأَنْهَارًا وَسُبُلًا لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٥﴾ وَعَلَامَاتٍ ۚ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ ﴿١٦﴾ أَفَمَنْ يَخْلُقُ كَمَنْ لَا يَخْلُقُ ۗ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿١٧﴾ وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا ۗ إِنَّ اللَّهَ لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٨﴾ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّونَ وَمَا تُعْلِنُونَ ﴿١٩﴾ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ﴿٢٠﴾ أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ ۖ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ﴿٢١﴾ ع

هُوَ الَّذِیٓ	وہ جنھوں نے	يُنۢبِتُ	اُگاتے ہیں وہ	لِّقَوْمٍ	(ان) لوگوں کے لئے
اَنْزَلَ	اتارا	لَكُمْ	تمہارے لئے	يَّتَفَكَّرُوْنَ	(جو) غور کرتے ہیں
مِنَ السَّمَآءِ	آسمان سے	بِهِ	اس سے	وَسَخَّرَ	اور کام میں لگادیا
مَآءً	پانی	الزَّرْعَ	کھیتی	لَكُمُ	تمہارے لئے
لَّكُمْ (۱)	تمہارے (فائدے کیلئے)	وَالزَّيْتُوْنَ	اور زیتون	الَّيْلَ	رات
مِّنْهُ	اس میں سے (ہے)	وَالنَّخِيْلَ	اور کھجور	وَالنَّهَارَ	اور دن (کو)
شَرَابٌ	پینے کی چیز	وَالْاَعْنَابَ	اور انگور	وَالشَّمْسَ	اور سورج
وَّمِنْهُ	اور اس میں سے ہے	وَمِنْ كُلِّ (۳)	اور ہر قسم کے	وَالْقَمَرَ	اور چاند (کو)
شَجَرٌ	درخت	الثَّمَرٰتِ	پھلوں میں سے	وَالنُّجُوْمُ	اور ستارے
فِيْهِ	اس میں	اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ	یقیناً اس میں	مُسَخَّرٰتٌۢ	کام میں لگے ہوئے ہیں
تُسِيْمُوْنَ (۲)	چراتے ہو تم	لَاٰيَةً	البتہ بڑی نشانی ہے	بِاَمْرِهٖ	ان کے حکم سے

(۱) لَكُمْ أَنْزَلَ سے متعلق ہے، مِنْهُ خبر مقدم ہے اور شَرَابٌ مبتداء مؤخر ہے، الشَّرَابُ: مَا يُشْرَبُ (۲) أَسَامَ إِسَامَةَ الماشيةَ چرانا، جانور کا چراگاہ کی طرف روانہ کرنا۔ (۳) من كُلِّ إلخ يُنبت سے متعلق ہے۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ	یقیناً اس میں	وَهُوَ	اور وہ	فِيهِ	اس میں
لَآيَاتٍ	البتہ نشانیاں (ہیں)	الَّذِي	جنھوں نے	وَلِتَبْتَغُوا	اور تا کہ تلاش کرو تم
لِّقَوْمٍ	(اُن) لوگوں کے لئے	سَخَّرَ	کام میں لگایا	مِن فَضْلِهِ	اُس کے فضل سے
يَعْقِلُونَ	جو سمجھ بوجھ رکھتے ہیں	الْبَحْرَ	دریا (کو)	وَلَعَلَّكُمْ	اور تا کہ تم
وَمَا	اور جو کچھ	لِتَأْكُلُوا (۳)	تا کہ کھاؤ تم	تَشْكُرُونَ	شکر بجالاؤ
ذَرَأَ (۱)	پھیلایا	مِنْهُ	اس میں سے	وَأَلْقَىٰ	اور ڈالے
لَكُمْ	تمہارے لئے	لَحْمًا	گوشت	فِي الْأَرْضِ	زمین میں
فِي الْأَرْضِ	زمین میں	طَرِيًّا (۴)	تازہ	رَوَاسِيَ	بوجھل پہاڑ
مُخْتَلِفًا (۲)	(درانحالیکہ) مختلف ہیں	وَتَسْتَخْرِجُوا	اور نکالتے ہو تم	أَن (۶)	نہ
أَلْوَانُهُ	ان کے رنگ (اقسام)	مِنْهُ	اس میں سے	تَمِيدَ	ڈگمگائے (زمین)
إِنَّ فِي ذَٰلِكَ	یقیناً اس میں	حِلْيَةً	(وہ) زیور	بِكُمْ	تم کو لے کر
لَآيَةً	البتہ بڑی نشانی (ہے)	تَلْبَسُونَهَا	جسے پہنتے ہو تم	وَأَنْهَارًا	اور نہریں (ندیاں)
لِّقَوْمٍ	(اُن) لوگوں کے لئے	وَتَرَى	اور دیکھتا ہے تو	وَسُبُلًا	اور راہیں
يَذَّكَّرُونَ	(جو) نصیحت قبول کرتے ہیں	الْفُلْكَ	کشتیوں کو	لَّعَلَّكُمْ	شاید تم
		مَوَاخِرَ (۵)	چیرنے والی	تَهْتَدُونَ	راہ پاؤ

(۱) ذرأ الله الْخلق: پیدا کرنا، ذَرأً فی الأرض: پیدا کر کے پھیلا دینا، وَمَا ذَرَأَ فعل محذوف کا مفعول ہے أی سَخَّرَ ما الخ (۲) مختلفًا حال ہے (۳) تاکلوا اور تستخرجوا مضارع، جمع مذکر حاضر کے صیغے ہیں، نون اعرابی لام جازم کی وجہ سے حذف ہوگیا ہے (لام جازم امر حاضر پر نہیں آتا، اس لئے اس کو مضارع حاضر پر لا کر امر حاضر کا مفہوم پیدا کر لیا جاتا ہے) —— نون اعرابی کے حذف ہونے کے بعد چونکہ واو آخر کلمہ میں واقع ہونے کی وجہ سے واو جمع کے مشابہ ہوگیا، اس لئے قرآنی رسم الخط میں اس کے بعد الف لکھا جاتا ہے، استخراج: نکالنا۔ (۴) طَرِیٌّ صفت کا صیغہ ہے، مصدر طَرُوَ یَطْرُوُ (ک) طَرَاوَۃً ہے جس کے معنی ہیں تر و تازہ ہونا (۵) مَوَاخِرَ جمع ہے مَاخِرٌ کی صفت کا صیغہ ہے باب فتح، مصدر مَخْرٌ وَمَخُوْرٌ معنی ہیں: چیرنا، مَوَاخِرَ پانی کو پھاڑنے والی کشتی، ایک جھونکے میں آگے بڑھنے والی کشتی (۶) کوفیوں کے نزدیک تقدیر عبارت لئلا تمید ہے اور بصریوں کے نزدیک کراھیة أن تمید —— مَادَ یَمِیْدُ مَیْدًا وَمَیَدَانًا، ہلنا، جھکنا، ڈگمگانا، لرزنا، المَیْد: الاضطراب یمیناً وشمالاً مادَ الشیئُ یمید میدًا: إذا تحرک، ومادت الأغصان: تمایلت، وماد الرجل: تبختر (قرطبی)

وَعَلٰمٰتٍ	اور نشانات	لَا	(تو) نہ	وَالَّذِيْنَ	اور جن کو
وَبِالنَّجْمِ	اور ستاروں سے	تُحْصُوْهَا	شمار کر سکو ان کو	يَدْعُوْنَ	پکارتے ہیں وہ
هُمْ	وہ	اِنَّ اللّٰهَ	یقیناً اللہ تعالیٰ	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ سے نیچے
يَهْتَدُوْنَ	راہ پاتے ہیں	لَغَفُوْرٌ	البتہ بہت درگذر	لَا يَخْلُقُوْنَ	نہیں پیدا کرتے وہ
اَفَمَنْ	تو کیا جو		کرنے والے	شَيْئًا	کچھ بھی
يَّخْلُقُ	پیدا کرتا ہے	رَّحِيْمٌ	نہایت رحم فرمانے	وَّهُمْ	اور وہ
كَمَنْ	مانند اس کے (ہے) جو		والے (ہیں)	يُخْلَقُوْنَ	پیدا کئے جاتے ہیں
لَّا يَخْلُقُ	نہیں پیدا کرتا؟	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	اَمْوَاتٌ(۱)	مردے (ہیں)
اَفَلَا	پس کیا نہیں	يَعْلَمُ	جانتے ہیں	غَيْرُ اَحْيَآءٍ	نہیں زندہ
تَذَكَّرُوْنَ	غور وفکر کرتے تم؟	مَا	جو	وَمَا	اور نہیں
وَاِنْ	اور اگر	تُسِرُّوْنَ	چھپاتے ہو تم	يَشْعُرُوْنَ	جانتے وہ
تَعُدُّوْا	شمار کرو تم	وَمَا	اور جو	اَيَّانَ	(کہ) کب
نِعْمَةَ اللّٰهِ	اللہ کی نعمتیں	تُعْلِنُوْنَ	ظاہر کرتے ہو تم	يُبْعَثُوْنَ	دوبارہ زندہ کئے جائیں گے

ربط: اِن آیتوں میں توحید کی وہی دلیل ہے جس کا سلسلہ گذشتہ آیات سے شروع ہوا ہے، ان آیات میں انسانوں کو بتایا ہے کہ اللہ کون ہستی ہیں؟ اُن کے کیا کیا کارنامے ہیں؟ اور انسان کی ضرورتوں سے اُن کا کتنا گہرا تعلق ہے؟ ان آیتوں میں اللہ پاک کی چھ نہایت اہم نعمتوں کا تذکرہ ہے: (۱) پانی (۲) چاند، سورج اور ستارے (آسمانی چیزیں) (۳) زمین (خشکی) میں پھیلی ہوئی تمام چیزیں (۴) سمندر اور اس سے حاصل ہونے والی منفعتیں (۵) بھاری پہاڑ (سامان حفاظت) (۶) منزل مقصود کی رہنمائی کرنے والی چیزیں۔

۱- پانی اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہے

پہلی نعمت: انسان غور کرے تو اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت پانی ہے، ارشاد ہے: —— اللہ وہی ہیں جنھوں نے تمہارے لئے آسمان سے پانی برسایا، جس سے تمہاری پینے کی ضرورت پوری ہوتی ہے، اور اسی سے درخت پیدا ہوتے

(۱) خبر ثانی ہے الذین کی۔

ہیں، جن میں تم جانور چراتے ہو، وہ اُسی پانی کے ذریعے تمہارے لئے کھیتیاں، زیتون، کھجوریں، انگور اور طرح طرح کے دوسرے پھل اُگاتے ہیں، اس میں یقیناً بڑی نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرتے ہیں ـــــ یعنی غور کرو: یہ کتنا بڑا انعام ہے، اگر اللہ تعالیٰ بارش نہ برسائیں تو انسان کیا پیئے؟ وہ سمندروں سے اتنا پانی کیسے لائے جس سے جنگل کے بے شمار درختوں، کھیتوں، باغوں اور چمن زاروں کی آبیاری ہو سکے، حقیقت یہ ہے کہ اگر انسان غور کرے تو یہ ربوبیت و پروردگاری کی بہت بڑی نعمت ہے۔

۲- آسمانی نعمتیں:

دوسری نعمت: اور اللہ نے رات، دن، سورج اور چاند کو تمہارے کام میں لگا دیا، اور دوسرے ستارے بھی ان کے حکم سے کام میں لگے ہوئے ہیں، اس میں یقیناً بڑی بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو سمجھ بوجھ رکھتے ہیں ـــــ یہ رات اور دن جو برابر ایک دوسرے کے پیچھے لگے چلے آتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت ہیں! لوگ رات کی تاریکی اور خنکی سے راحت و سکون حاصل کرتے ہیں، اور دن کے اجالے میں کاروبار کرتے ہیں۔ اگر یہ شب و روز کا الٹ پھیر نہ ہو تو ہر چیز فنا کی گھاٹ اتر جائے۔ یہاں اگر رات ہی رات رہے تو ہر چیز برف بن جائے اور دن ہی دن رہے تو گرمی سے ہر چیز جھلس جائے۔

یہ حقیقت ہے کہ رات اور دن سورج کے طلوع و غروب سے بنتے ہیں، مگر اس کا صرف اتنا ہی فائدہ نہیں، سورج اور چاند اور ان کے طلوع و غروب سے بے شمار فوائد وابستہ ہیں، بلکہ اُن کے علاوہ دوسرے اَن گنت تارے بھی کسی نہ کسی طرح انسان کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں، سمجھ بوجھ رکھنے والوں کے لئے اس میں یقیناً رحمت و ربوبیت کی بے شمار نشانیاں ہیں۔

۳- زمینی مختلف مخلوقات بھی نعمت ہیں:

تیسری نعمت: اور جو رنگ برنگ کی چیزیں تمہارے لئے زمین میں پھیلا دیں، اِن میں یقیناً بڑی نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو نصیحت قبول کرتے ہیں ـــــ یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے آسمانی چیزوں کو تمہارے کام میں لگا دیا ہے، اسی طرح انھوں نے زمین میں مختلف قسم کی مخلوقات تمہارے فائدے کے لئے پیدا فرمائی ہیں، رنگ برنگ کی، طرح طرح کی، مختلف شکل و صورت کی بالکل ایک دوسرے سے ممتاز، حیوانات، نباتات، جمادات وغیرہ، ان گنت چیزیں ہیں جو زمین کے اوپر اور زمین کے اندر معدنیات کی شکل میں بکھری پڑی ہیں، یہ سب اشرف المخلوقات انسان کے فائدے کے

لئے ہیں، اللہ اکبر! یہ اعزاز انسان کا! قربان جایئے ان کی رحمت وربوبیت کی کرشمہ سازیوں کے کہ نوع بشری کی پرورش کے لئے انھوں نے کیا کیا انتظامات فرما رکھے ہیں۔

۴-سمندر کی نعمت میں پانچ فائدے:

چوتھی نعمت: اور اللہ وہی ہیں جنھوں نے دریا کو کام میں لگا دیا، تاکہ تم اس سے تروتازہ گوشت نکال کر کھاؤ، اور اس میں سے وہ زیور نکالو جو تم پہنتے ہو، اور تم دیکھتے ہو کہ کشتیاں سمندر کا سینہ چیرتی ہوئی چلی جارہی ہیں، نیز اس لئے کہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو، اور اس کے لئے تم شکرگزار بنو —— یعنی دیکھو اس ٹھاٹھیں مارنے والے خوفناک سمندر کو جس کے سامنے انسان ضعیف البنیان کی کچھ بساط نہیں، کس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کو تمہارے کام میں لگا دیا ہے! تمہارے لئے اس میں پانچ فائدے ہیں:

(۱) تم اس میں سے مچھلی کا شکار کرکے نہایت لذیذ اور تروتازہ گوشت حاصل کرتے ہو، غور کرو، اللہ تعالیٰ نے دریا میں تمہاری خوراک کا کیسا اچھا انتظام کیا ہے —— مچھلی کو گوشت کہنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ دوسرے جانوروں کی طرح اس میں ذبح کرنے کی شرط نہیں، وہ گویا بنا بنایا گوشت ہے، مچھلی زندہ پکڑی جائے اور پھر مرجائے یا مری ہوئی ہاتھ میں آئے دونوں صورتوں میں حلال ہے —— اور تروتازہ کہنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگر مچھلی پانی میں خود بخود مرجائے اور پھول کر الٹی ہوکر پانی کی سطح پر تیرنے لگے تو اس کا کھانا جائز نہیں، کیونکہ اب وہ تروتازہ نہیں رہی، ایسی مچھلی سمک طافی کہلاتی ہے (درمختار کتاب الذبائح)

(۲) دریا میں غوطہ لگا کر تم اپنے لئے زینت کا سامان نکالتے ہو، موتی، مونگے اور جواہرات نکال کر ان سے زیور بناتے ہو، جن کو عورتیں ہار کی شکل میں اور مرد انگوٹھیوں کی صورت میں استعمال کرتے ہیں۔

(۳) دریا میں تم قدرت کے عجائبات کا مشاہدہ بھی کرتے ہو، سمندر کی موجوں کو دیکھو، ان کے سامنے بڑے بڑے جہازوں کی حقیقت ایک تنکہ کے برابر بھی نہیں، مگر ایک چھوٹی سی کشتی کس طرح ان موجوں کو چیرتی پھاڑتی چلی جاتی ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کی قدرت کا ایک نمونہ ہے، غور کرو، اللہ تعالیٰ کیسی قدرت رکھنے والے ہیں، جنھوں نے انسان کو اتنی عقل دی اور ایسی چیزیں تیار کرلینے کی ترکیب سمجھائی، جن کے ذریعہ گویا سمندر پایاب ہوگیا۔

(۴) دریا کو اللہ تعالیٰ نے دور دراز شہروں کے سفر کا راستہ بنایا ہے، جہازوں اور کشتیوں پر مال لاد کر انسان ایک ملک سے دوسرے ملک اور ایک براعظم سے دوسرے براعظم پہنچتا ہے، اور خدا کے فضل سے بڑی فراخ روزی حاصل کرتا ہے۔

(۵) دریا تمہیں شکر خداوندی بجالانے کی دعوت دیتا ہے، بحری سفر تمہارے لئے شکر کے مواقع فراہم کرتا ہے،

جب طوفان اٹھ رہے ہوں، جہاز موجوں میں گھرا ہوا ہو، اور موت وحیات کی کشمکش ہو تو کٹر سے کٹر منکر خدا کو بھی خدا یاد آجاتا ہے۔

۵- پہاڑ زمین کی میخیں ہیں:

پانچویں نعمت: ـــــ اور انھوں نے زمین میں بھاری پہاڑ رکھ دیئے، تاکہ زمین تم کو لے کر ڈگمگانے نہ لگے ـــــ یعنی تمہاری زندگی اور بقاء کے لئے دیکھو یہ کتنا بڑا انتظام کیا ہے، پروردگار عالم کس طرح تمہاری حفاظت کا سامان کئے ہوئے ہیں، یہ اونچے اونچے پہاڑ جو زمین کی چھاتی پر کھڑے ہیں، جن کی چوٹیاں آسمان سے باتیں کرتی ہیں، یہ اس لئے بنائے گئے ہیں کہ زمین کا توازن برقرار رہے، وہ اپنی اضطرابی حرکت سے تم کو لے کر بیٹھ نہ جائے۔

۶- منزل مقصود پانے کی راہیں:

چھٹی نعمت: اور ندیاں اور راہیں (بنائیں) تاکہ تم منزل مقصود تک راہ پاؤ، اور نشانیاں (رکھیں) اور ستاروں سے بھی لوگ راہ پاتے ہیں ـــــ یعنی غور کرو، اگر زمین سپاٹ ہوتی، اس میں نشانات نہ ہوتے، جیسا کہ ریگستانی علاقوں میں ہوتا ہے، تو ہر وقت بھٹک جانے کا خطرہ رہتا، اسی طرح اگر پہاڑی علاقوں میں راہیں نہ بنائی جاتیں تو یہ پہاڑ سد سکندری بن جاتے، ان کو عبور کرنا محال ہو جاتا۔ اور ایک جگہ کے لوگوں کا دوسری جگہ کے لوگوں سے رابطہ کٹ جاتا، اسی طرح بحری سفر میں، جہاں نشانات راہ بالکل ہی مفقود ہوتے ہیں یا رات کی تاریکیوں میں جبکہ نشانات راہ بے کار ہوتے ہیں، اگر پروردگار عالم رہنمائی کا انتظام نہ فرماتے تو کیا یہ سفر ممکن رہتے؟ مگر رب کریم کی پروردگاری ملاحظہ کیجئے کہ انھوں نے پہاڑوں میں سے ندیاں نکالیں جن کے ساتھ ساتھ راہیں بنتی چلی گئیں، اور پانی کے رک جانے کے بعد یہی ندی نالے، راستے بن گئے، جن کے ذریعہ پہاڑوں کو عبور کرنا آسان ہو گیا اور ہموار علاقوں میں امتیازی علامات رکھ دیں، پہاڑ، چشمے، درخت، ٹیلے وغیرہ مختلف قسم کی علامتیں قائم کر دیں، جن سے آدمی اپنی منزل مقصود کی آسانی کے ساتھ تعیین کرنے لگا اور صحراؤں، سمندروں اور تاریکیوں میں راہ نمائی کے لئے ستارے بنائے، جنہیں دیکھ کر انسان قدیم ترین زمانے سے آج تک اپنا راستہ معلوم کر رہا ہے، اب تو اس دور ترقی میں ستاروں کے ذریعے سے راہ پانے کے لئے قطب نما ایجاد کر لیا گیا ہے، قطب نما وہ آلہ ہے جو قطب ستارے کی سمت متعین کرتا ہے۔

توحید پر استدلال:

متعدد نشانیاں اور نعمتیں بیان فرما کر ارشاد ہوتا ہے: ـــــ تو کیا وہ ہستی جو پیدا کرتی ہے اور وہ جو کچھ بھی پیدا نہیں کرتی

دونوں یکساں ہیں؟ —— یعنی پروردگار وہ ہیں جنھوں نے تمہاری پرورش کے لئے یہ تمام کارخانہ پیدا کیا، پھر کیا کوئی دوسری ہستی ہے جو اُن کا مقابلہ کر سکے؟ کیا وہ ہستی جو سب کچھ پیدا کر رہی ہے اور مشرکوں کے ٹھہرائے ہوئے وہ شرکاء جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے، مکھی کا ایک پَر، مچھر کی ایک ٹانگ، بلکہ جَو کا ایک دانہ یا ریت کا ایک ذرہ بھی نہیں بنا سکتے، کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ اگر نہیں ہو سکتے اور ہرگز نہیں ہو سکتے تو —— پھر کیا تم غور نہیں کرتے؟ —— اس سے بڑھ کر سمجھ بوجھ کی حرماں نصیبی کیا ہو سکتی ہے کہ تم دوسری ہستیوں کو، جو کسی چیز کی خالق نہیں، پروردگار عالم کے ساتھ معبودیت میں شریک کر رہے ہو؟

اللہ کی بے شمار نعمتیں:

اور ان چند چیزوں ہی پر موقوف نہیں، اُن کی نعمتیں تو اتنی ہیں کہ اگر گننا چاہو تو گن نہیں سکتے۔ ارشاد ہے: —— اور اگر تم اللہ پاک کی نعمتیں شمار کرو تو ان کو شمار میں نہیں لا سکتے، حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑے ہی درگذر فرمانے والے، نہایت مہربانی فرمانے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اس کو بھی جو تم چھپاتے ہو اور اس کو بھی جو تم ظاہر کرتے ہو —— ہماری زندگی کا ہر سانس اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں کا رہین منت ہے، کارخانۂ ہستی کا ہر ذرہ اللہ تعالیٰ کی پروردگاری کی نشانی ہے، درختوں کے پھول، دھوپ کی کرنیں، ہوا کے جھونکے، بارش کے قطرے، چاند کی چاندنی، ستاروں کی جگمگاہٹ اور پرندوں کی چہچہاہٹ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی چارہ سازی اور ان کی پروردگاری کی کرشمہ سازی ہے، اگر کوئی درختوں کے سبز پتے، پھولوں کی پنکھڑیاں اور سورج کی سنہری کرنیں گن سکتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں گن سکتا ہے، جس نے یہ سب کچھ بنایا ہے وہ بڑا ہی بخشنے والا، بڑا ہی رحمت والا ہے، وہ برابر لوگوں کی نمک حرامیوں اور سرکشیوں کو دیکھ رہا ہے، جس طرح وہ مجرموں کے ظاہری احوال سے واقف ہے اسی طرح وہ ان کے پوشیدہ اسرار بلکہ دل کی چھپی ہوئی نیتوں سے واقف ہے، اس پر سب کچھ عیاں ہے، مگر وہ غفور و رحیم ہے۔ ان ساری حرکتوں کے باوجود نعمتوں سے نوازتا چلا جا رہا ہے، جو علانیہ خالق کی ہستی ہی کے منکر ہیں وہ بھی نعمتوں سے مالا مال ہوئے جا رہے ہیں جو خالق کی ذات وصفات اور اختیارات وحقوق میں دوسری ہستیوں کو اس کا شریک ٹھہرا رہے ہیں اور منعم کی نعمتوں کا شکریہ غیر منعم کو ادا کر رہے ہیں، نعمت دینے والا ان کو بھی نعمتیں دینے سے اپنا ہاتھ نہیں روکتا، اور جو اللہ تعالیٰ کو ماننے کے باوجود سرکشی اور نافرمانی کو اپنا شیوہ بنائے ہوئے ہیں، مدت العمر بے حساب احسانات کا سلسلہ اُن پر بھی جاری ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی فیاضی اور مہربانی ہے اور اتنی بڑی ہے جس کا انسان اندازہ نہیں کر سکتا۔

ردِّ اشراک:

اور اللہ تعالیٰ سے ادنی درجے کی جن دوسری ہستیوں کو لوگ پکارتے ہیں، وہ کسی چیز کے بھی خالق نہیں، بلکہ وہ خود مخلوق ہیں، مردہ ہیں، نہ کہ زندہ، اور انہیں کچھ معلوم نہیں کہ کب وہ دوبارہ زندہ کئے جائیں گے —— یعنی لوگ جن چیزوں کو خدا کے سوا پوجتے ہیں وہ گھاس کے تنکے تک کی تخلیق پر قادر نہیں، بلکہ خود اپنے وجود کے لئے خالق کائنات کے محتاج ہیں، اللہ تعالیٰ کے موجود کرنے ہی سے زندہ ہوئے ہیں اور اپنی مدت العمر پوری کر کے مر گئے ہیں، اب وہ مردہ ہیں، زندہ ہرگز نہیں[1] اور ان کے علم کا حال یہ ہے کہ انھیں خود اپنے بارے میں کچھ خبر نہیں کہ وہ کب دوبارہ زندہ کئے جائیں گے، سوچو! ایسی مجبور اور بے علم مخلوقات بھلا کبھی معبود ہوسکتی ہے؟ —— ہر ملک میں مشرکوں کے جو معبود ہیں، وہ انبیاء، اولیاء، شہداء، صالحین اور دوسرے غیر معمولی انسان ہیں، بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ: وَدّ، سُوَاع، یغوث، یَعُوق اور نَسر، یہ سب صالحین کے نام ہیں جنھیں بعد کے لوگ معبود بنا بیٹھے، اور نوح علیہ السلام کی قوم کے انہی دیوی دیوتاؤں کو عرب کے مختلف قبائل نے، کسی نے کسی کو اور کسی نے کسی کو معبود بنالیا (بخاری شریف ص:۷۳۲) اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ اِساف اور نائلہ دونوں انسان تھے، لات، منات اور عزی کا بھی یہی حال تھا، لات وعزی کے متعلق تو مشرکین عرب کا یہ بھی خیال تھا کہ یہ دونوں اللہ کے ایسے پیارے بندے تھے کہ اللہ تعالیٰ جاڑ الات کے ہاں اور گرمی عزی کے ہاں بسر کرتے تھے۔ ﴿ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴾

ہمارے ہندوستان کے معبود رام، لچھمن اور ہنومان بھی انسان ہی تھے۔ اسی طرح جتنے اَن داتا، مشکل کشا، غریب نواز، گنج بخش اور غوث ہیں وہ سب اپنے اپنے زمانے کے اولیاء تھے، مگر بعد میں ان کے غالی معتقدین نے ان کو نہ معلوم کیا کیا قرار دے کر، اپنی حاجت روائی کے لئے ان کو پکارنا شروع کر دیا، ان میں سے کسی ہستی نے کائنات کا کوئی ذرہ نہیں پیدا کیا بلکہ وہ خود اللہ کے وجود دینے سے موجود ہوئے تھے، اور اب وہ سب حضرات وفات پاچکے ہیں، ان میں سے کوئی بھی زندہ نہیں، نہ انہیں دنیا کے احوال کا علم ہے، ان کے مزاروں پر، استھانوں پر اور مندروں پر جو لوگ اپنی ضرورتوں کے لئے جبہ سائی کرتے ہیں، اُن کو اِن کا کوئی علم نہیں، انہیں تو خود اپنے بارے میں خبر نہیں کہ وہ کب دوبارہ زندہ کئے جائیں گے۔

(۱) ﴿ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ﴾ میں ان جاہلوں کا رد ہے جو بزرگوں کے بارے میں عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ مرکر بھی زندہ ہیں، اور ان کی موت بس ظاہری اور مجازی ہے، ان سے کہا جارہا ہے کہ یہ خیال محض باطل ہے۔

جو لوگ اولیاء کرام کو اپنی حاجت روائی کے لئے پکارتے ہیں، وہ اچھی طرح جان لیں کہ وہ اولیاء وفات پا چکے ہیں، انھیں خود اپنے بارے میں معلوم نہیں کہ وہ کب دوبارہ زندہ کئے جائیں گے، انھیں دوسروں کی حاجتوں کی کیا خبر ہوسکتی ہے؟

اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۲۲﴾ لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾ لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۲۵﴾

اِلٰـهُكُمْ	تمہارا معبود	لَا جَرَمَ (۲)	لامحالہ	وَاِذَا	اور جب
اِلٰهٌ	معبود (ہے)	اَنَّ اللّٰهَ	یقیناً اللہ تعالیٰ	قِيْلَ	پوچھا گیا
وَّاحِدٌ	اکیلا	يَعْلَمُ	جانتے ہیں	لَهُمْ	اُن سے
فَالَّذِيْنَ (۱)	اب بھی جو لوگ	مَا	جو کچھ	مَّاذَآ	کیا چیز
لَا يُؤْمِنُوْنَ	نہیں مانتے	يُسِرُّوْنَ	چھپاتے ہیں وہ	اَنْزَلَ	نازل کی ہے
بِالْاٰخِرَةِ	آخرت کو	وَمَا	اور جو کچھ	رَبُّكُمْ	تمہارے پروردگار نے
قُلُوْبُهُمْ	اُن کے دل	يُعْلِنُوْنَ	ظاہر کرتے ہیں وہ	قَالُوْٓا	بولے وہ
مُّنْكِرَةٌ	انکار کرنے والے ہیں	اِنَّهٗ	بلاشبہ وہ	اَسَاطِيْرُ (۳)	من گھڑت قصے
وَّهُمْ	اور وہ	لَا يُحِبُّ	نہیں پسند کرتے	الْاَوَّلِيْنَ	اگلوں کے
مُّسْتَكْبِرُوْنَ	تکبر کرنے والے (ہیں)	الْمُسْتَكْبِرِيْنَ	تکبر کرنے والوں (کو)	لِيَحْمِلُوْٓا (۴)	نتیجۂ اٹھائیں گے وہ

(۱) الفاء للإيذان بأن اِصرارهم على الإنكار، واستمرارهم على الاستكبار وقع موقع النتيجة للدلائل الظاهرة والبراهين القطعية (روح) (۲) لَاجَرَمَ: ہم معنی ہے حقًّا اور یقینًا کا (۳) اُسْطُوْرَةٌ: کی جمع ہے، کہانیاں، بے سند قصے اور من گھڑت باتیں (۴) لام، لام عاقبت ہے۔

أَوْزَارَهُمْ	اپنے بوجھ	أَوْزَارِ	بوجھ	أَلَا	سنو!
كَامِلَةً	پورے پورے	الَّذِيْنَ	اُن کے جن کو	سَاءَ	برا ہے جو
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	قیامت کے دن	يُضِلُّوْنَهُمْ	بہکاتے ہیں وہ	مَا يَزِرُوْنَ (۲)	(اپنے اوپر) لاد
وَمِنْ (۱)	اور کچھ	بِغَيْرِ عِلْمٍ	بغیر جانے		رہے ہیں وہ

انکارِ توحید کی وجوہ

توحید باری تعالیٰ کے دلائل تفصیل سے بیان فرما کر، اب منکرین توحید کی نفسیات اور ان کا اخروی انجام ذکر فرماتے ہیں، ارشاد ہوتا ہے —— تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے، اب بھی اُن لوگوں کے دل، جو آخرت کو نہیں مانتے منکر ہیں، اور وہ گھمنڈ میں مبتلا ہیں —— یعنی پیچھے جو دلائل بیان ہوئے ہیں وہ ایسے صاف اور واضح ہیں کہ معمولی غور کرنے سے آدمی توحید کا یقین کر سکتا ہے، مگر آخرت فراموش لوگوں کا اب بھی حال یہ ہے کہ وہ ماننے کے لئے تیار نہیں، آخرت کے انکار نے اُن کو دنیا کی زندگی میں مست بنا دیا ہے اور وہ غرور نفس میں مبتلا ہیں، بات اُن کی سمجھ میں آرہی ہے، اور خوب آرہی ہے، ادنی درجہ کا شبہ باقی نہیں رہا، مگر اب بھی اُن کی زبانیں گنگ ہیں، قرآنِ کریم کی صداقت کا اعتراف کرنے کے لئے اُن کے منہ میں تھوک خشک ہو گیا ہے۔

آیت پاک کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کی دعوت لوگوں کی سمجھ میں اچھی طرح آگئی ہے، مگر اس کی صداقت کا اعتراف کرنے سے اُن کو دو باتیں روک رہی ہیں: ایک آخرت کا انکار، اور دوسری: تکبر، آخرت پر ایمان نہ ہونے کی وجہ سے انہیں عاقبت کی فکر اور انجام کا ڈر نہیں، انھیں حق کی طلب اور صداقت کی تلاش نہیں، اور گھمنڈ میں مبتلا ہونے کی وجہ سے انہیں سبکی محسوس ہو رہی ہے، ناک کٹی جا رہی ہے اور ان کی ہیٹی ہوتی ہے، اگر وہ قرآن کریم کا یا حضور اقدس ﷺ کی یا مسلمانوں کی بات مان لیں۔

اُن کے انکار کا حقیقی سبب یہی ہے، جو ان کے دلوں کا ایک راز ہے، جسے وہ اپنے لوگوں کے سامنے بھی ظاہر نہیں کرتے، مگر بھلا اللہ تعالیٰ سے کونسی بات چھپی رہ سکتی ہے —— یقیناً اللہ تعالیٰ جانتے ہیں، اس کو بھی جو وہ چھپاتے ہیں اور اس کو بھی جو وہ ظاہر کرتے ہیں —— یعنی اللہ تعالیٰ کو سب باتوں کی خبر ہے، انکار کی جو وجہ وہ منہ سے ظاہر کرتے ہیں اس کی بھی خبر ہے اور جو وجہ اُن کے دلوں میں چھپی ہوئی ہے اس کی بھی خبر ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے طشت ازبام کر دیا کہ آخرت

(۱) وَمِنْ معطوف ہے أَوْزَارَهُمْ پر اور مِنْ تبعیضیہ ہے (۲) وَزَرَ يَزِرُ وَزْرًا وَوِزْرًا الشيئَ: اٹھانا، وَزَرَ الرجلُ: بوجھل چیز کو پیٹھ پر اٹھانا، اَلْوِزْرُ: گناہ، بھاری بوجھ، جمع: أَوْزَار۔

فراموشی اور غرور نفس نے اُن کو اس سعادت سے محروم رکھا ہے اور آخرت فراموشی کا سبب بھی یہی غرور نفس ہے، گھمنڈی شخص کو کسی حقیقت کا انکار کردینے میں باک نہیں ہوتا، کسی صداقت کی اس کے دل میں قدر باقی نہیں رہتی، کسی اخلاقی ضابطے کو برداشت کرنے کے لئے وہ تیار نہیں ہوتا اور اُسے اس کی بالکل پرواہ نہیں رہتی کہ اس کی حرکتوں کا دنیا میں یا آخرت میں انجام کیا ہوگا، وہ بالکل انجام فراموش بن جاتا ہے، اس لئے ارشاد ہے —— اللہ تعالیٰ غرور میں مبتلا لوگوں کو ہرگز پسند نہیں کرتے —— یعنی غرور اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی پسندیدہ چیز نہیں، مغرور آدمی دنیا میں بھی ذلیل وخوار ہوتا ہے اور آخرت میں بھی اس کی بری گت بنے گی، حدیث شریف میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے دن متکبر کا حشر چیونٹیوں کی طرح ہوگا، انھیں لوگ اپنے پیروں میں روندیں گے اور یہ برا انجام ان کے تکبر کا نتیجہ ہوگا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ میدانِ حشر میں متکبروں کے جسم اتنے چھوٹے کردئے جائیں گے کہ وہ پیروں میں پس جائیں گے، اور جہنم رسید ہونے کے بعد اُن کے جسم بڑے سے بڑے کردئے جائیں گے، تاکہ وہ عذاب کا مزہ زیادہ سے زیادہ چکھیں۔

منکرین انکار کی جو وجہ دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں وہ تو وہ ہے جو اوپر بیان ہوئی، اب دیکھئے وہ لوگوں کے سامنے کیا وجہ بیان کرتے ہیں، ارشاد ہے: —— اور جب اُن سے پوچھا جاتا ہے کہ: ''تمہارے پروردگار نے کیا چیز نازل کی ہے؟'' تو وہ جواب دیتے ہیں کہ: ''اگلوں کے من گھڑت قصے!'' —— جب نبی کریم ﷺ کی دعوت کا چرچا اطراف واکناف میں پھیلا تو مکہ شریف کے لوگ جہاں جاتے، اُن سے پوچھا جاتا کہ تمہارے ہاں جن صاحب نے نبوت کا دعوی کیا ہے، اُن کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ وہ کیا تعلیم دیتے ہیں، اُن پر جو قرآن نازل ہوا ہے وہ کس قسم کی کتاب ہے؟ —— اسی طرح مکہ شریف کے عام لوگ جب اپنے رؤسا سے پوچھتے کہ قرآنِ کریم کے بارے میں کیا خیال ہے؟ اور اس کے مضامین کیسے ہیں؟ تو وہ سردار جواب دیتے کہ قرآن میں رکھا ہی کیا ہے؟ اگلے لوگوں کے چند بے سند قصے ہیں! اور بھلا من گھڑت باتیں بھی کوئی ایسی چیز ہیں جن کا یقین کیا جائے!

منکرین توحید کا انجام:

کفار مکہ ہمیشہ اس طرح کی باتیں کرکے اپنے متبعین کے دلوں میں قرآن کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کیا کرتے تھے اور انہیں حضور پاک ﷺ سے متنفر کیا کرتے تھے اور وہ اپنی اِن حرکتوں کے انجام سے بالکل ہی بے خبر تھے۔ اب انہیں اُن کے کرتوتوں کا انجام سنایا جارہا ہے۔ ارشاد ہے: —— نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ قیامت کے دن اپنے گناہوں کا پورا بوجھ اٹھائیں گے اور کچھ بوجھ ان لوگوں کا بھی (اٹھائیں گے) جن کو یہ نادانی سے گمراہ کررہے ہیں، سن لو! برا ہے وہ بوجھ جسے وہ اپنے اوپر لادرہے ہیں —— یعنی ان کو اپنے گناہوں کا بوجھ تو پورا پورا اٹھانا ہی ہوگا، جن کو وہ اپنی نادانی سے

گمراہ کررہے ہیں ان کے گناہوں کا بھی کچھ بوجھ ان کے حصے میں آئے گا۔

کسی کی ہدایت کا سبب بننا یا کسی کی گمراہی کا سبب بننا بھی ایک عمل ہے جس کی جزاو سزا ضرور ملے گی!

قَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَأَتَى اللَّهُ بُنْيَانَهُمْ مِنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَأَتَاهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٢٦﴾ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُخْزِيهِمْ وَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تُشَاقُّونَ فِيهِمْ ۚ قَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ إِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوءَ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿٢٧﴾ الَّذِينَ تَتَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ ۖ فَأَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوءٍ ۚ بَلَىٰ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٢٨﴾ فَادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ ﴿٢٩﴾

قَدْ	تحقیق	فَخَرَّ	پس گر پڑی	يَوْمَ الْقِيَامَةِ	قیامت کے روز
مَكَرَ	چالیں چلے	عَلَيْهِمُ	اُن پر	يُخْزِيهِمْ	رسوا کریں گے انھیں
الَّذِينَ	وہ لوگ جو	السَّقْفُ	چھت	وَيَقُولُ	اور پوچھیں گے
مِنْ قَبْلِهِمْ	اِن (مکہ والوں) سے	مِنْ فَوْقِهِمْ	اُن کے اوپر سے	أَيْنَ	کہاں ہیں
	پہلے ہوئے	وَأَتَاهُمُ	اور پہنچا انھیں	شُرَكَائِيَ	میرے شرکاء
فَأَتَى	سو پہنچے	الْعَذَابُ	عذاب	الَّذِينَ	وہ جو
اللَّهُ	اللہ تعالیٰ	مِنْ حَيْثُ	جہاں سے	كُنْتُمْ	تھے تم
بُنْيَانَهُمْ	ان کی عمارتوں کو	لَا يَشْعُرُونَ	گمان نہیں کرتے تھے وہ	تُشَاقُّونَ (۲)	جھگڑا کرتے تھے
مِنَ الْقَوَاعِدِ (۱)	بنیادوں سے	ثُمَّ	پھر	فِيهِمْ	اُن کے بارے میں؟

(۱) مِنْ ابتدائیہ ہے، اَلْقَوَاعِد جمع ہے اَلْقَاعِدَةُ کی، جس کے معنی ہیں: بنیاد (۲) شَاقَّهُ شِقَاقًا وَمُشَاقَّةً: مخالفت کرنا، دشمنی کرنا، جھگڑا اور ضد کرنا شَقٌّ (پھٹنا) یا شِقٌّ (جانب، کنارہ) سے ماخوذ ہے۔

قَالَ	بولے	الْمَلٰٓئِكَةُ	فرشتوں نے	عَلِيْمٌ	خوب جانتے ہیں
الَّذِيْنَ	وہ جو	ظَالِمِىْٓ (۱)	درانحالیکہ وہ ظلم کر	بِمَا	وہ جو
اُوْتُوا	دیئے گئے		رہے تھے	كُنْتُمْ	تھے تم
الْعِلْمَ	علم	اَنْفُسِهِمْ	اپنی جانوں پر	تَعْمَلُوْنَ	کرتے
اِنَّ	یقیناً	فَاَلْقَوُا	پس انھوں نے ڈالی	فَادْخُلُوْٓا	لہٰذا گھس جاؤ
الْخِزْيَ	رسوائی	السَّلَمَ (۲)	اطاعت	اَبْوَابَ جَهَنَّمَ	جہنم کے دروازوں میں
الْيَوْمَ	آج	مَا	نہیں	خٰلِدِيْنَ	سدا رہا کرو
وَالسُّوْٓءَ	اور برائی	كُنَّا نَعْمَلُ	کرتے تھے ہم	فِيْهَا	اُس میں
عَلَى الْكٰفِرِيْنَ	(ان) کافروں کیلئے ہے	مِنْ سُوْٓءٍ	کوئی برائی!	فَلَبِئْسَ	سو کیا ہی برا
الَّذِيْنَ	جن کی	بَلٰٓى	کیوں نہیں!	مَثْوَى	ٹھکانا (ہے)
تَتَوَفّٰىهُمُ	جان نکالی	اِنَّ اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ یقیناً	الْمُتَكَبِّرِيْنَ	متکبروں کا!

متکبروں کا دنیوی اور اخروی انجام

انہیں متکبروں کا، جن کا ذکر گذشتہ آیات میں آیا ہے، دنیوی اور اخروی انجام سنئے۔ارشاد ہے —— اِن سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں، وہ بھی چالیں چلے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ ان کی بنائی ہوئی عمارت کی بنیاد پر پہنچے، چنانچہ اُن پر چھت اُوپر سے آپڑی، اور عذاب اُن پر ایسے رُخ سے آیا جدھر سے آنے کا ان کو گمان بھی نہیں تھا —— یعنی لوگوں کو گمراہ کرنے اور پیغامِ حق کو دبانے کے لئے جو چالیں آج چلی جارہی ہیں، اِن سے پہلے دوسری قومیں بھی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مقابلے میں ایسی چالیں چلتی رہی ہیں، مگر ان کی چالیں خود ان پر الٹ دی گئیں، قرآنِ کریم اُن تمام تاریخی سرگذشتوں کو تمثیلی رنگ میں پیش کررہا ہے کہ انھوں نے مکر کے بڑے اونچے محل تعمیر کئے تھے، مگر دیکھ لو، انجام کیا ہوا؟ اللہ تعالیٰ نے ان کے مکر کے محل جڑ سے اُکھاڑ پھینکے، جو منصوبے انھوں نے گانٹھے تھے تار تار کردیئے اور وہ اس طرح برباد ہوگئے جیسے چھت کے نیچے آدمی دب کر مرجاتا ہے، اُن کا جمع کردہ سامان اُن کی ہلاکت کا سبب بن گیا، اور عذاب اُن پر ایسے

(۱) اصل ظالمین ہے، اضافت کی وجہ سے نون جمع حذف ہوا ہے۔(۲) السَّلَمْ: صلح وانقیاد، فرمانبرداری، اطاعت وعاجزی، تَسْلِيْمٌ (سپرد کرنا) کا اسم ہے وأصله الإلقاء فی الأجسام فاستعمل فی إظهارهم الانقیاد، اشعارًا بغاية خضوعهم وانقيادهم، وجعل ذلک کالشیئ الملقیٰ بین یدی القاهر الغالب (روح)

راستوں سے آیا جدھر اُن کا خیال بھی نہیں جاتا تھا۔

یہ انجام تو ان کا دنیا ہی میں ہوا —— پھر قیامت کے روز اللہ تعالیٰ انہیں ذلیل وخوار کریں گے اور اُن سے پوچھیں گے: ''بتاؤ کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کے بارے میں تم جھگڑا کرتے تھے؟'' —— یعنی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ اور مؤمنوں کے ساتھ، اپنے زعم وپندار کے مطابق میرے جن شرکاء کی حمایت میں تم ہمیشہ لڑتے جھگڑتے رہتے تھے وہ آج کہاں ہیں؟ انھیں ہمارے سامنے لاؤ! ذرا اُن کا دم خم دیکھیں! —— احکم الحاکمین غضبناک ہوکر جب یہ مطالبہ فرمائیں گے تو بڑا ہی خوفناک منظر ہوگا، مشرکوں پر سناٹا چھا جائے گا، پورا میدان محشر دم بخود ہوجائے گا، مشرکین کی زبانیں گنگ ہوجائیں گی، اُن کے پاس اللہ تعالیٰ کے سوال کا کوئی جواب نہ ہوگا، وہ وقت اُن کی بڑی رسوائی کا ہوگا۔ اُس وقت —— اہل علم کہیں گے: ''آج یقیناً رسوائی اور بدبختی کافروں کے لئے ہے!'' —— یعنی اہل علم آپس میں یہ باتیں کریں گے، وہ سوال کے تیور سمجھ لیں گے۔ انھیں یقین آجائے گا کہ اب مشرکوں کے لئے رسوائی اور بدبختی ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ رسوائی اور بدبختی اُن کافروں کے لئے ہے —— جن کی جانیں فرشتوں نے اس حال میں قبض کی تھیں کہ وہ اپنے ظلم کررہے تھے —— یعنی جن کا خاتمہ کفر وشرک پر ہوا تھا، انہیں کا یہ انجام ہوگا، اور جو نصیحت پذیر ہوکر موت سے پہلے سنور گئے اور کفر وشرک سے توبہ کرلی، انھیں یہ برا دن ہرگز نہیں دیکھنا پڑے گا۔

جب مشرکین اپنے شرکاء کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش نہیں کرسکیں گے نہ وہ شرکاء کسی قسم کی مدد کرسکیں گے —— تب وہ اطاعت رکھ دیں گے (اور کہیں گے) ہم تو کوئی بھی برائی نہیں کرتے تھے! —— کہاں تو دنیا میں اتنا اکڑتے تھے اور کہاں اب اطاعت ووفاداری کا اظہار شروع کردیں گے، وہ بارگاہ خداوندی میں عرض کریں گے کہ ہم شرک تو کیا کرتے، ہم نے تو کبھی کوئی بری حرکت بھی نہیں کی، ہمیشہ نیک چلن رہے، اس پر ارشاد ہوگا —— کیوں نہیں؟ یقیناً اللہ تعالیٰ کو اچھی طرح معلوم ہے جو کچھ تم کرتے رہے ہو —— یعنی کیا جھوٹ بول کر خدا کو فریب دینا چاہتے ہو؟ کیا خدا کے علم میں تمہاری ساری حرکتیں نہیں ہیں؟ آج تمہارا جھوٹ تمہیں خدائی سزا سے بچا نہیں سکتا، وقت آگیا ہے کہ تم اپنے کرتوتوں کا مزہ چکھو، لہٰذا —— اب جاؤ، جہنم کے دروازوں میں گھس جاؤ، تمہیں ہمیشہ کے لئے اس میں رہنا ہے، دیکھ لو! جہنم گھمنڈ کرنے والوں کا کیسا برا ٹھکانا ہے! —— یعنی جاؤ اپنے اپنے اعمال کے مطابق جہنم کے مختلف دروازوں سے اُس کے مختلف درجوں میں گھس جاؤ، اور یہ بھی سنتے جاؤ کہ تمہیں ہمیشہ کے لئے اس میں رہنا ہے، اب کبھی وہاں سے نکلنا نصیب نہ ہوگا۔

وَقِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا مَاذَا أَنزَلَ رَبُّكُمْ ۚ قَالُوا خَيْرًا ۗ لِّلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَٰذِهِ

الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ۭ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ۝ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَاۗءُوْنَ ۭ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

وَقِيْلَ	اور پوچھا گیا	خَيْرٌ	بہت بہتر (ہے)	يَجْزِي اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ جزا دیتے ہیں
لِلَّذِيْنَ	اُن سے جو	وَلَنِعْمَ	اور واقعی اچھا ہے	الْمُتَّقِيْنَ	پرہیزگاروں کو
اتَّقَوْا	شرک وگناہ سے بچے	دَارُ	گھر	الَّذِيْنَ	جن کی
مَاذَآ	کیا چیز	الْمُتَّقِيْنَ	پرہیزگاروں کا	تَتَوَفّٰىهُمُ	جانیں نکالتے ہیں
اَنْزَلَ	نازل کی (ہے)	جَنّٰتُ(۲)	یعنی باغات	الْمَلٰۗىِٕكَةُ	فرشتے
رَبُّكُمْ	تمہارے پروردگار نے؟	عَدْنٍ	ہمیشہ رہنے کے	طَيِّبِيْنَ(۴)	پاکیزگی کی حالت میں
قَالُوْا	جواب دیا انھوں نے	يَّدْخُلُوْنَهَا	داخل ہوں گے وہ ان میں	يَقُوْلُوْنَ	کہیں گے وہ
خَيْرًا(۱)	بہترین چیز!	تَجْرِيْ	بہتی ہیں	سَلٰمٌ	سلامتی ہو
لِلَّذِيْنَ	ان لوگوں کے لئے جو	مِنْ تَحْتِهَا	ان کے نیچے	عَلَيْكُمُ	تم پر
اَحْسَنُوْا	نیکوکار ہوئے	الْاَنْهٰرُ	نہریں	ادْخُلُوا	جاؤ
فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا	اس دنیا میں	لَهُمْ(۳)	ان کے لئے (ہے)	الْجَنَّةَ	جنت میں
حَسَنَةٌ	بھلائی (ہے)	فِيْهَا	ان میں	بِمَا	اُن کاموں کے بدلے جو
وَلَدَارُ	اور یقیناً گھر	مَا يَشَاۗءُوْنَ	جو چاہیں گے وہ	كُنْتُمْ	تم تھے
الْاٰخِرَةِ	آخرت کا	كَذٰلِكَ	اسی طرح	تَعْمَلُوْنَ	کرتے

برے لوگوں کے انجام کے بعد اچھے لوگوں کے انجام کے تین فائدے

متکبروں کے احوال اور اہل باطل کا انجام بیان فرما کر متقیوں کے حالات اور ان کا شاندار انجام بیان فرماتے ہیں،

(۱) خَيْرًا مفعول ہے فعل محذوف کا أی أَنْزَلَ خَيْرًا (۲) جَنّٰتُ بدل ہے دَارُ کا (۳) لَهُمْ خبر مقدم ہے، مَا يَشَاءُوْنَ مبتداء مؤخر کی، اور فِيْهَا حال ہے، تقدیر عبارت: حاصل فيها ہوگی (۴) طَيِّبِيْنَ حال ہے هُمْ سے۔

قرآنِ کریم ہمیشہ ہی برے لوگوں کے برے انجام کے بعد اچھے لوگوں کا اچھا انجام بیان کرتا ہے [1] جن کے کئی مقصد ہیں، مثلاً:

(۱) اہل باطل کے اعمال کی برائی واضح کرنا اوران کے انجام کی خرابی ذہن نشین کرنا —— برائیاں ہمیشہ اچھائیوں سے پہچانی جاتی ہیں، اگر کسی جگہ تمام لوگ برائیوں کے گرویدہ ہوجائیں تو برائی کا تصور ختم ہوجائے گا، بلکہ برائی کو فیشن کا رتبہ حاصل ہوجائے گا، اس لئے قرآنِ کریم اہل باطل کی برائیوں کے ساتھ پرہیزگاروں کے احوال ضرور بیان کرتا ہے تاکہ اگر برائی میں مبتلا لوگوں کو غور وفکر کرنے کی توفیق ہو تو وہ تقابلی مطالعہ کرکے اور باہم موازنہ کرکے برائیوں کی برائی سمجھ سکیں۔

اسی طرح کلفتیں اور اذیتیں، راحتوں اور نعمتوں کے مقابلے میں شدید معلوم ہوتی ہیں، وہی درد آشنا ہوتا ہے جو راحتوں کا لطف جانتا ہے اور وہی اذیتوں پر کڑھتا ہے جو نعمتوں سے لطف اندوز ہوچکا ہوتا ہے، چنانچہ قرآنِ کریم اہل باطل کے انجام کو بھیانک بنانے کے لئے اوراس کی شدت کو دوآتشہ کرنے کے لئے، ساتھ ہی متقیوں کا انجام بھی بیان کرتا ہے۔ اب بات صرف اتنی نہیں رہتی کہ اہل باطل کا یہ اور یہ انجام ہوگا بلکہ پوری بات یہ بنتی ہے کہ اس شاندار انجام سے محروم ہوکر اُن کا یہ اور یہ انجام ہوگا۔

(۲) اہل باطل کو رحمت خداوندی کا امیدوار بنانا اورانھیں یاس وقنوطیت سے محفوظ رکھنا —— اس مقصد کی طرف قرآنِ کریم اس طرح اشارہ کرتا ہے کہ اہل باطل کا یہ انجام اُسی صورت میں ہے کہ موت سے پہلے انہیں ہوش نہ آئے، ظلم وسرکشی کی حالت میں ان کی روح قبض ہوجائے، لیکن اگر وہ موت سے پہلے اپنے آپ کو سنوار لیں، شرک وکفر سے توبہ کرلیں، معصیت ونافرمانی سے کنارہ کش ہوجائیں اوراللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرنے لگیں تو پھر اُن کا وہ انجام ہرگز نہ ہوگا، بلکہ اب اُن کا انجام دوسرا ہوگا اور نہایت شاندار ہوگا۔ اسی وجہ سے گذشتہ آیات میں جب اہل علم کا یہ مقولہ ذکر کیا کہ: ’’آج رسوائی اور بدبختی کافروں کے لئے ہے!‘‘ تو چونکہ اہل علم نے یہ بات مطلق کہی تھی، اس لئے اللہ پاک نے قید بڑھائی کہ: ’’اُن کافروں کے لئے جن کی جانیں فرشتوں نے اس حال میں قبض کیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کررہے تھے‘‘ یعنی جو لوگ فرشتوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہونے سے پہلے ظلم وعناد سے باز آجائیں اُن کے لئے آخرت میں رسوائی اور بدبختی نہیں ہوگی، بلکہ اعزاز واکرام اور نیک بختیاں ہوں گی۔

---

(۱) اسی طرح اچھے لوگوں کے انجام کے بعد، قرآنِ کریم ہمیشہ برے لوگوں کا انجام بیان کرتا ہے، اس میں بعض مصلحتیں تو وہی ہیں جو یہاں بیان کی گئی ہیں اور بعض مصلحتیں اُن کے علاوہ ہیں جو اپنے موقع پر بیان کی جائیں گی۔

(۳) اہل باطل کو سنورنے کی ترغیب دینا —— گویا اُن سے کہا جارہا ہے کہ خدا کے بندو! دونوں زندگیوں کا موازنہ کرو اور دونوں انجاموں کا فرق سمجھو! اپنے ہاتھوں اپنا نقصان نہ کرو، بہتر زندگی اختیار کرو اور اچھے انجام کے حقدار بنو۔

متقیوں کے حالات اوران کا شاندار انجام

مذکورہ بالا مقاصد کے پیش نظر متکبروں کے احوال کے بعد اب متقیوں کے احوال پڑھئے۔ ارشاد ہوتا ہے: —— اور پرہیز گاروں سے پوچھا گیا: ''تمہارے پروردگار نے کیا چیز نازل کی ہے؟'' تو انھوں نے جواب دیا: ''بہترین چیز!'' (نازل فرمائی ہے!) —— مکہ شریف سے باہر کے لوگ جب اسلام کا شہرہ سن کر، تحقیق حال کے لئے مکہ آتے اور مشرکین سے اُن کی ملاقات ہوتی تو وہ ان سے قرآنِ کریم کے بارے میں تحقیق کرتے، مشرکین قرآن کے بارے میں ایسی ایسی باتیں بناتے کہ اُن آنے والوں کے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا ہوجاتے، وہ بددیانتی سے غلط پروپیگنڈا کرکے ان کو بہکانے اور غلط فہمیوں میں ڈالنے کی کوشش کرتے۔ چنانچہ باہر سے آنے والے اکثر تو حضور اقدس ﷺ سے ملاقات کئے بغیر ہی واپس لوٹ جاتے، لیکن اگر اتفاق سے کسی کی مسلمان سے ملاقات ہوجاتی اور ان پرہیز گاروں سے آپ ﷺ کی لائی ہوئی تعلیمات کے بارے میں اور قرآنِ کریم کے بارے میں سوال کرتے تو وہ اُن کو صحیح صورتِ حال سے آگاہ کرتے، وہ قرآنِ کریم کی تعریفیں کرتے، جس کی وہ حقدار تھی، وہ انھیں بتاتے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کلام اُتارا ہے جو سرتا سر خیر وبرکت ہے۔

پرہیز گار یعنی بچنے والے، شرک وکفر، فسق وفجور اور تمام معصیتوں سے بچنے والے، ارشاد یہ فرمایا جارہا ہے کہ جو لوگ شرک وکفر سے کنارہ کش ہوگئے ہیں، اُن کا تأثر دیکھو، قرآن پاک کے بارے میں اُسی سوال کا، جس کا جواب تم نے ''اگلوں کے بے سند قصے'' کہہ کر دیا تھا، وہ کیا جواب دیتے ہیں، دیکھو ان کا جواب کس قدر عقیدت وادب میں ڈوبا ہوا ہے، انہی —— نیکوکاروں کے لئے اِس دنیا میں بھلائی ہے، اور آخرت کا گھر تو یقیناً بہت بہتر ہے، اور واقعی (آخرت) بڑا اچھا گھر ہے متقیوں کا۔ دائمی قیام کے باغات جن میں وہ داخل ہوں گے، اُن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی وہاں اُن کا جس چیز کو جی چاہے گا مل جائے گی، اسی طرح اللہ تعالیٰ اُن متقیوں کو جزا دیتے ہیں جن کی جانیں پاکیزگی کی حالت میں فرشتوں نے یہ کہتے ہوئے، قبض کی تھیں کہ: ''تم پر سلامتی ہو!'' —— اور قیامت کے دن ان سے کہا جائے گا —— جاؤ جنت میں ان کاموں کے بدلے میں جو تم کرتے رہے ہو۔

اب آیتوں کی تفصیل نمبروار پڑھئے:

(۱) آپ پڑھ چکے ہیں کہ مشرکوں کی دنیا بھی برباد اور آخرت بھی برباد، لیکن نیکوکاروں کے لئے اِس دنیا میں بھی

بھلائی ہے اور آخرت میں بھی خوشحالی، جن لوگوں نے بھلائی کی ہے اس دنیا میں بھی انہیں بھلائی کا خوشگوار پھل ضرور مل کر رہے گا، خدا کے یہاں کسی کی محنت ضائع نہیں جاتی اور آخرت کی بھلائیوں اور نعمتوں کا تو پوچھنا ہی کیا وہ سب نیکوکاروں کے لئے مخصوص ہیں۔

(۲) پہلا انجام ان لوگوں کا تھا جو موت تک برائیوں میں سرگرم رہے ہیں اور یہ انجام ان لوگوں کا ہے جو کفر وشرک، فسق وفجور اور خدا کی نافرمانیوں سے پرہیز کرتے رہے ہیں، جب ان کی موت آتی ہے تو ان کی روح ایمان وعمل کی برکت سے نہایت پاکیزہ بن جاتی ہے۔

(۳) پہلے گروہ کے لئے ذلت وخواری اور عذاب تھا اور ان لوگوں کو موت کے ساتھ ہی سلامتی کا پیام مل جاتا ہے۔

(۴) پہلے گروہ سے کہا گیا تھا کہ جاؤ گھس جاؤ جہنم کے دروازوں میں اور نیکوکاروں سے کہا جائے گا کہ ''جاؤ جنت میں اپنے اعمال کے بدلے میں'' اور یہ کہہ کر ان کے دلوں کو اور زیادہ مسرور کیا جائے گا یعنی جنت میں تمہاری یہ باریابی کسی کے طفیل میں یا کسی کے احسان میں نہیں، بلکہ تمہارے حسن عمل اور شیوۂ اطاعت کا ثمرہ ہے۔

(۵) پہلے گروہ کی سزا بھی دائمی ہے اور نیکوکاروں کی جزا بھی ابدی ہے، مگر انداز بیان کی خوبی دیکھئے کہ ان کے لئے ﴿خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا﴾ فرمایا یعنی انھیں ہمیشہ کے لئے اس میں رہنا ہے، جس طرح مجرم قید خانہ میں رہتا ہے اور متقیوں کے لئے ﴿جَنّٰتُ عَدۡنٍ﴾ فرمایا یعنی بہشت دائمی قیام کے باغات ہیں، جنتی تا ابد اس میں خوش وخرم رہیں گے، نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے رہیں گے۔

(۶) گھمنڈ کرنے والوں کے انجام کے متعلق فرمایا تھا کہ وہ کیا ہی برا ٹھکانا ہے اور تقوی کی راہ چلنے والوں کے لئے ارشاد ہے کہ جنت ان کا کیا ہی اچھا ٹھکانا ہے۔

(۷) متقیوں کے انجام یعنی جنت کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ جنتی وہاں جو کچھ چاہیں گے وہ انھیں مل جائے گا، ان کی مرضی اور پسند کی ہر چیز انہیں میسر آئے گی، وہاں ان کا ہر ارمان نکلنے گا۔ ان کی ہر آرزو پوری ہوگی، اور ان کی ہر چاہت حاصل ہو کر رہے گی۔ حدیث شریف میں ہے کہ اگر کوئی جنتی گھوڑے کی سواری کرنا چاہے گا تو اُسے اُڑن گھوڑا مہیا کر دیا جائے گا اور کھیتی کرنا چاہے گا تو پل بھر میں فصل تیار ہو جائے گی، مختصر یہ کہ جو کچھ بھی جس کسی کا جی چاہے گا، سب پورا ہو کر رہے گا۔

(۸) جنت کی دوسری خوبی یہ ہے کہ اس کے باغات ہمیشہ سرسبز وشاداب اور ہرے بھرے رہیں گے، ان کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی[1] وہاں خزاں کا نام نہیں، وہاں سدا بہار ہے۔

(۱) نیچے نہریں بہنے کے لئے دیکھئے ہدایت القرآن پارہ ۱۳ سورالرعد آیت ۳۵ کی تفسیر۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝٣٣ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝٣٤ وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَاۗؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ۭ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَي الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝٣٥ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ۭ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝٣٦ اِنْ تَحْرِصْ عَلٰي هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝٣٧ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ۭ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝٣٨ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ۝٣٩ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝٤٠

هَلْ	کیا	رَبِّكَ	تیرے پروردگار کا؟	وَ لٰكِنْ	بلکہ
يَنْظُرُوْنَ	انتظار کررہے ہیں وہ	كَذٰلِكَ	ایسا ہی	كَانُوْٓا	تھے وہ
اِلَّآ	سوائے	فَعَلَ	کیا	اَنْفُسَهُمْ	اپنے اوپر
اَنْ	(اس کے) کہ	الَّذِيْنَ	ان لوگوں نے جو	يَظْلِمُوْنَ	ظلم کرتے
تَاْتِيَهُمُ	آپہنچیں ان کے پاس	مِنْ قَبْلِهِمْ	اِن سے پہلے (گزرے)	فَاَصَابَهُمْ	چنانچہ پہنچیں انھیں
الْمَلٰٓئِكَةُ	فرشتے	وَمَا	اور نہیں	سَيِّاٰتُ	برائیاں
اَوْ يَاْتِيَ	یا آجائے	ظَلَمَهُمُ	ظلم کیا اُن پر	مَا	ان کاموں کی جو
اَمْرُ	حکم	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ نے	عَمِلُوْا	کئے انھوں نے

وَحَاقَ بِهِمْ	اور گھیر لیا ان کو	كَذٰلِكَ	ایسا ہی	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ (نے)
مَّا	اس عذاب نے	فَعَلَ	کیا	وَمِنْهُمْ	اور ان میں سے کچھ (ہیں)
كَانُوْا	(کہ) تھے وہ	الَّذِيْنَ	ان لوگوں نے جو	مَّنْ	جو
بِهٖ	جس کا	مِنْ قَبْلِهِمْ	ان سے پہلے (گزرے)	حَقَّتْ	ثابت ہوگئی
يَسْتَهْزِءُوْنَ	مذاق اڑاتے	فَهَلْ	تو نہیں ہے	عَلَيْهِ	اس پر
وَقَالَ	اور کہا	عَلَى الرُّسُلِ	رسولوں کے ذمے	الضَّلٰلَةُ	گمراہی
الَّذِيْنَ	جنھوں نے	اِلَّا	مگر	فَسِيْرُوْا	سو چلو پھرو
اَشْرَكُوْا	شریک کیا	الْبَلٰغُ	پہنچانا	فِي الْاَرْضِ	زمین میں
لَوْ شَآءَ	اگر چاہتے	الْمُبِيْنُ	صاف صاف	فَانْظُرُوْا	پس دیکھو
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	كَيْفَ	کیسا
مَا	(تو) نہ	بَعَثْنَا	بھیجے ہم نے	كَانَ	ہوا
عَبَدْنَا	عبادت کرتے ہم	فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ	ہر امت میں	عَاقِبَةُ	انجام
مِنْ دُوْنِهٖ	اُن کے سوا	رَّسُوْلًا	رسول	الْمُكَذِّبِيْنَ	جھٹلانے والوں (کا)
مِنْ شَيْءٍ	کسی چیز کی	اَنِ اعْبُدُوا	کہ عبادت کرو تم	اِنْ	اگر
نَحْنُ[1]	ہم	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ (کی)	تَحْرِصْ	لالچ کریں آپ
وَلَآ	اور نہ	وَاجْتَنِبُوا	اور بچو تم	عَلٰى هُدٰىهُمْ	ان کی ہدایت کی
اٰبَآؤُنَا	ہمارے باپ دادا	الطَّاغُوْتَ[2]	سرغنوں (سے)	فَاِنَّ اللّٰهَ	تو اللہ تعالیٰ یقیناً
وَلَا	اور نہ	فَمِنْهُمْ	پھر ان میں سے کچھ	لَا يَهْدِيْ	نہیں ہدایت دیتے
حَرَّمْنَا	حرام ٹھیراتے ہم		(ہیں)	مَنْ	جسے
مِنْ دُوْنِهٖ	اُن کے بغیر	مَّنْ	جنھیں	يُّضِلُّ	گمراہ کردیتے ہیں
مِنْ شَيْءٍ	کسی چیز کو	هَدَى	ہدایت بخشی	وَمَا لَهُمْ	اور ان کے لئے نہیں

(۱) نَحْنُ تاکید ہے عَبَدْنَا کی ضمیر کی (۲) الطَّاغُوْت: بدی وشرارت کا سرغنہ، ہر حد سے تجاوز کرنے والا، طَغَا يَطْغُوْ (حد سے بڑھ جانا) سے ماخوذ ہے اور مفرد، جمع، مذکر اور مؤنث سب کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

مِّنْ نّٰصِرِيْنَ	کوئی مددگار	حَقًّا	پکا	كَفَرُوْٓا	انکار کیا
وَاَقْسَمُوْا	اور قسمیں کھائی انھوں نے	وَّلٰكِنَّ	مگر	اَنَّهُمْ	کہ وہ
بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ (کی)	اَكْثَرَ	اکثر	كَانُوْا كٰذِبِيْنَ	جھوٹے تھے
جَهْدَ(۱)	کڑی (پختہ)	النَّاسِ	لوگ	اِنَّمَا	صرف
اَيْمَانِهِمْ	اپنی قسمیں	لَا يَعْلَمُوْنَ	جانتے نہیں	قَوْلُنَا	ہمارا کہنا
لَا يَبْعَثُ	دوبارہ زندہ نہیں کرے گا	لِيُبَيِّنَ	تاکہ کھول دیں	لِشَيْءٍ	کسی چیز سے
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	لَهُمُ	ان کے لئے	اِذَآ	جب
مَنْ	(اُن کو) جو	الَّذِيْ	(اس کو) جو	اَرَدْنٰهُ	ارادہ کریں ہم اس کا
يَّمُوْتُ	مر گئے	يَخْتَلِفُوْنَ	اختلاف کرتے تھے وہ	اَنْ نَّقُوْلَ	کہ کہیں ہم
بَلٰى	کیوں نہیں؟	فِيْهِ	اس میں	لَهٗ	اس سے
وَعْدًا(۲)	وعدہ ہے	وَلِيَعْلَمَ	اور تاکہ جان لیں	كُنْ	ہوجا
عَلَيْهِ	ان کے ذمے	الَّذِيْنَ	(وہ) جنھوں نے	فَيَكُوْنُ	پس ہوجاتی ہے وہ

ان معاندین کو تنبیہ جو حق واضح ہونے کے بعد بھی اپنی ضد پر اڑے ہوئے ہیں

گفتگو توحید کے سلسلہ میں چلی تھی، اور چلتی چلتی مشرکین کی تفہیم تک پہنچ گئی تھی، پھر مقابلۃً متقیوں کا ذکر کیا تھا۔ اب ان آیتوں میں اُن معاندین کو انذار و تنبیہ ہے جو حق واضح ہونے کے بعد بھی اپنی ضد اور ہٹ پر قائم رہتے ہیں، ارشاد ہے:

—— کیا یہ لوگ اسی بات کے منتظر ہیں کہ اُن کے پاس فرشتے آپہنچیں، یا آپ کے پروردگار کا فیصلہ آجائے ؟! —— یعنی جہاں تک سمجھانے کا تعلق ہے ہم نے توحید کی بات پوری طرح کھول کر سمجھا دی، دلائل سے اس کا ثبوت دیدیا، کائنات کے پورے نظام سے اس کی شہادتیں فراہم کردیں اور کسی بھی سمجھ دار آدمی کے لئے شرک پر جمے رہنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں چھوڑی، مگر اب بھی ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہ لوگ اپنے کفر و عناد پر اصرار کر رہے ہیں تو کیا وہ اس بات کے منتظر ہیں کہ موت کا فرشتہ سامنے آکھڑا ہو تو زندگی کے آخری لحات میں صداقت کا اقرار کریں یا خدا کا عذاب سر پر آجائے تو اس کا مشاہدہ کرنے کے بعد ایمان لائیں؟ —— ایسی ہی ڈھٹائی اُن لوگوں نے بھی کی تھی جو ان سے پہلے گذر چکے

(۱) جَهْدَ مصدر ہے، حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے أی جاهدين فی أيمانهم (۲) وَعْدًا مفعول مطلق ہے، فعل محذوف کا أی وعد البعث وعدًا حقًّا۔

—— یعنی اگلے معاندین بھی اس طرح غرور وغفلت میں پڑے رہے، حق واضح ہونے کے بعد بھی ضد سے باز نہ آئے باطل پرستی میں بڑھتے چلے گئے، توبہ کے وقت توبہ نہ کی، آخری وقت تک انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تکذیب ومخالفت کرتے رہے، اوران کی باتوں کی ہنسی اڑاتے رہے، آخر جو کیا تھا سامنے آیا اوران کے کرتوتوں کی اُن کو سزا مل کر رہی —— اور اللہ تعالیٰ نے اُن پر ظلم نہیں کیا، بلکہ وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے تھے —— یعنی خدا کو کسی سے کوئی بیر نہیں، نہ اُن کے یہاں ظلم وتعدی کا کوئی امکان ہے، اُن لوگوں نے خود ہی اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری، پھر دیکھو کسی کا کیا بگڑا، خود انہی کا نقصان ہوا —— چنانچہ انھیں ان کے اعمال کی سزائیں ملیں، اوران پر وہی چیز مسلط ہوکر رہی جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے —— یعنی جو بویا سو کاٹا، اپنی شرارتوں کا خمیازہ بھگتا اور عذابِ الٰہی کی جن خبروں سے وہ ٹھٹھا کیا کرتے تھے، وہی عذاب اُن پر آ کر رہا۔

اب حق واضح ہونے کے بعد منکرین کے عناد، ضد اور ہٹ کی مثال دیکھئے، ارشاد ہے: —— اور مشرکین کہتے ہیں: ''اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو ہم اور ہمارے باپ دادا اُن کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرتے، اور نہ اُن کے حکم کے بغیر ہم کسی چیز کو حرام ٹھیراتے'' —— یعنی حق واضح ہونے کے بعد بھی انھیں ماننا نہیں، اور الزام بھی اپنے سر لینا نہیں، چنانچہ کہتے ہیں کہ اگر شرک برائی ہے تو خدا کیوں ہمیں برائی کرنے دیتا ہے؟ اگر وہ چاہتا کہ اس کے سوا کسی کی بندگی نہ ہو تو کبھی ایسا نہ ہوتا، اگر اسے ہمارے طریقے ناپسند ہیں تو وہ ہمیں روک کیوں نہیں دیتا، بَحِیْرَۃ، سَائِبَہ وغیرہ جن جانوروں کو ہم حرام ٹھہراتے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں تو وہ ہمیں زبردستی کیوں اس سے روک نہیں دیتا؟ —— اسی کو کہتے ہیں چوری اور سینہ زوری! اپنے قصور پر نادم ہونے کے بجائے الٹا اللہ پاک کو قصوروار ٹھیرا رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہمارے بڑوں نے جو کچھ کیا اوران کی تقلید میں ہم جو کچھ کررہے ہیں، اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر کیسے ہوسکتا ہے؟ —— ایسی ہی باتیں وہ لوگ بھی کرتے رہے جو ان سے پہلے گذرے —— یعنی جس طرح یہ مشرکین اپنی گمراہی کو خدا کی مرضی بتلاتے ہیں، اسی طرح ان سے پہلے جو بدبخت گزرے ہیں انھوں نے بھی الزام اپنے سر نہیں رکھا، بلکہ اللہ کے سر ڈالا، مگر ان کا انجام کیا ہوا؟ اگر وہ برحق تھے تو اللہ کے عذاب کا شکار کیوں بنے؟

دوسرا جواب: تحقیقی —— تو کیا رسولوں کے ذمے صاف صاف پیغام پہنچادینے کے علاوہ بھی کچھ ذمہ داری ہے؟ —— یعنی اللہ کے رسول اس لئے نہیں آتے کہ لوگوں سے برائی کرنے کی طاقت سلب کرلیں اورانہیں ایسا بنادیں کہ برائی کرہی نہ سکیں، وہ تو پیامِ حق پہنچانے والے ہیں، اور پیام پہنچانے والے کا کام صرف یہ ہے کہ صاف صاف پیام پہنچادے، پھر اسے ماننا نہ ماننا سننے والوں کا کام ہے، پیام پہنچانے والا اس کے لئے ذمہ دار نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس عالم کا نظام اسی بنیاد پر قائم فرمایا ہے کہ انسان کو کسی ایک حالت پر مجبور نہ کیا جائے، بلکہ ایک گونہ اختیار دیا جائے، پھر اگر وہ اپنے اختیار کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں استعمال نہ کرے تو عذاب کا مزہ چکھایا جائے اور اسی کے لئے قیامت، حشر ونشر اور جنت و دوزخ کے سارے ہنگامے ہیں اور اسی کے لئے دنیا کے ہر خطے میں پیغمبروں کو بھیجا گیا ہے۔ارشاد ہے: —— اور یہ واقعہ ہے کہ ہم نے ہر امت میں کوئی نہ کوئی رسول بھیجا ہے (اور اس کے ذریعے سب کو خبر دار کیا ہے) کہ: ''اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو اور بدی اور شرارت کے سرغنوں سے بچو!'' پھر اُن میں سے کسی کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت بخشی اور کسی پر گمراہی ثابت ہوگئی، اب تم زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا —— یعنی دنیا کی کوئی امت نہیں جس میں اللہ تعالیٰ کا رسول نہ آیا ہو اور اس نے توحید و خدا پرستی کی تعلیم نہ دی ہو، پھر کسی نے مانا اور فلاح وسعادت پائی اور کسی نے نہ مانا اور گمراہی کی بات اس پر ثابت ہوگئی، اور گمراہی کا نتیجہ پیش آگیا، یہ کبھی نہیں ہوا کہ لوگوں کو جبراً ہدایت یافتہ بنادیا گیا ہو، لہٰذا —— اگر آپ کو اِن لوگوں کی ہدایت کی لالچ ہے تو (سمجھ لیجئے کہ) اللہ تعالیٰ جنھیں بھٹکادیتے ہیں انھیں ہدایت نہیں دیا کرتے اور —— (جب عذاب آتا ہے تو) —— ایسے لوگوں کے لئے کوئی مددگار نہیں ہوتا —— آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت امت پر مہربان باپ کی شفقت سے بھی بڑھی ہوئی تھی، اسی شفقت کی بناء پر آپ بے حد حریص تھے، امت کی بھلائی کے، اور ایمان وہدایت سے بڑھ کر کوئی بھلائی نہیں ہوسکتی، اس لئے آپ بے حد خواہش مند تھے کہ کسی طرح لوگ آپ کی بات مان لیں، یہاں آپ کو اس حقیقت پر توجہ دلائی جارہی ہے کہ جو لوگ اپنی ہدایت کی پرواہ نہیں کرتے، ان کے لئے قانون تکوینی بدلا نہیں جائے گا، جس کو سوءِ اختیار کی بنا پر اللہ تعالیٰ گمراہ کردیتے ہیں، اس کو پیغمبر کی خواہش کی بناء پر ہدایت نہیں دیا کرتے، نہ اُسے خدائی سزا سے کوئی بچاسکتا ہے۔ پھر آپ ان کے غم میں اپنے کو اس قدر کیوں گھلاتے ہیں!

ہندوستان میں کوئی نبی یا رسول آئے؟

آیات کی تفسیر پڑھنے کے بعد اب دو فائدے پڑھئے:

پہلا فائدہ: یہ سوال ایک مدت سے چھڑا ہوا ہے کہ ہندوستان میں کوئی پیمبر آیا یا نہیں؟ اور آئے تو وہ کون ہیں؟ ہنود کے یہاں جو قابل احترام شخصیتیں ہیں، اُن میں سے کسی کے پیغمبر ہونے کا امکان ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں جان لینا چاہئے کہ یہاں پیمبر کی بعثت کا امکان تو بہر حال ہے اس آیت سے اور ﴿ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ﴾ سے ظاہراً یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں بھی اللہ کے پیغمبر ضرور آئے ہوں گے، خواہ وہ یہیں کے باشندے ہوں یا کسی دوسرے ملک میں رہتے ہوں ان کے نائب اور مبلغ جنہیں ''ہادی'' اور ''نذیر'' کہا جاتا ہے، یہاں پہنچے ہوں، لیکن جزم

ویقین کے ساتھ کسی کو پیغمبر قرار دینا جب تک اُن کی پیغمبری پر کوئی مستقل دلیل نہ ہو، ہرگز جائز نہیں، کیونکہ جس طرح ہادیوں اور پیغمبروں سے کوئی خطہ خالی نہیں رہا، اسی طرح بدی اور شرارت کے سرغنوں سے بھی کوئی خطہ خالی نہیں رہا، پھر کس طرح کسی کے ہادی ہونے کا یقین کر لیا جائے؟

طاغوت کے معنی:

دوسرا فائدہ: طَاغُوت کے لفظی معنی ہیں: ''بدی اور شرارت کا سرغنہ'' اس کے مفہوم میں بت، شیطان، نفس سرکش، جن، جادوگر اور ہر وہ ہستی داخل ہے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں حد سے نکل گئی ہو، اور اللہ تعالیٰ کی باتوں کو چھوڑ کر اس کی بات مانی جاتی ہو، تمام انبیاء کرام کے ذریعے انسانیت کو یہ پیغام دیا گیا ہے کہ ایسے تمام لوگوں سے بچو، ان کی کوئی بات نہ سنو، وہ خود تو گمراہ ہیں، چاہتے ہیں کہ تمہیں بھی اپنا شریک بنالیں:

بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد ❁ بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد (رومی)

(بدکار اپنے آپ ہی کو بدکار نہیں رکھتا ❁ بلکہ سارے جہاں میں بدی کی آگ لگادیتا ہے!)

اور —— (جب یہ ذکر آیا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مجبور نہیں کیا، بلکہ فی الجملہ اختیار دیا ہے، تا کہ جزاؤسزا کا استحقاق پیدا ہو اور اسی کے لئے قیامت، حشر ونشر اور جنت ودوزخ پیدا کئے ہیں تو) —— انھوں نے بہت زور لگا کر قسم کھائی کہ اللہ تعالیٰ مرنے والوں کو پھر سے زندہ کر کے نہیں اٹھائیں گے —— یعنی یہ حشر ونشر اور جزاؤسزا سب ڈھکوسلے ہیں، موت کے بعد دوسری زندگی نہیں ہے، پھر کیسا حشر ونشر! یہ محض خوش اعتقادیاں ہیں —— یہ عقیدہ کہ انسان کی زندگی بس اتنی ہی نہیں جتنی دنیا میں بسر کرتا ہے، بلکہ اس کے بعد بھی ایک زندگی ہے اور اس زندگی میں جزاء کا عمل پیش آنے والا ہے، یہ اعتقاد تمام مذاہب عالم کا عالمگیر اعتقاد ہے۔ لیکن مشرکین عرب اُس سے بے خبر تھے، وہ کہتے تھے کہ جب آدمی مر گیا تو مر گیا، مرنے کے بعد پھر زندگی کیسی؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں —— کیوں نہیں؟ وعدہ ہے اللہ تعالیٰ کا پکا، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں —— یعنی کیوں نہیں ہوسکتی؟ ضرور ہوسکتی ہے اور ہوگی، یہ اللہ تعالیٰ کا پکا وعدہ ہے یعنی ان کی ٹھہرائی ہوئی بات ہے۔ اور ضروری ہے کہ وہ پوری ہو کر رہے۔

یہ اُن کا وعدہ کیوں ہے؟ —— تا کہ اللہ تعالیٰ ان کے لئے اُن چیزوں کی حقیقت کھول دیں جن کے بارے میں وہ اختلاف کرتے رہے ہیں اور منکرین کو معلوم ہو جائے کہ وہ جھوٹے تھے —— یعنی دوسری زندگی کا وعدہ اس لئے ہے کہ ان کافروں پر پوری طرح ظاہر ہو جائے کہ اس دنیا میں جن مسائل کے باب میں وہ اہل حق سے لڑتے جھگڑتے رہے تھے، اُن میں وہ کس قدر ناحق پر تھے اور وہیں اُن پر عیاناً یہ روشن ہو کر رہے گا کہ وہ خود سرتاسر باطل پر اور انبیاء کرام علیہم

الصلوٰۃ والسلام اور مؤمنین حق پر تھے۔ نیز انہیں یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ ان کا کڑی قسمیں کھا کر یہ دعوی کرنا کہ مرے ہوئے ہرگز دوبارہ زندہ نہ ہوں گے محض باطل تھا، اور وہ اس دعوی میں سراسر جھوٹے تھے۔

یہاں کے جھگڑوں کا علمی فیصلہ تو یہیں کر دیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کی کتابیں ہر زمانہ میں فرقان (حق و باطل میں فیصلہ کرنے والی) بن کر نازل ہوتی رہی ہیں، اور آج یہ قرآنِ کریم، فرقانِ حمید بنا ہوا پکار پکار کر فیصلے سنا رہا ہے، مگر کتنے ہیں جو علمی فیصلہ سننے یا سمجھنے کے لئے تیار ہیں؟ ناعاقبت اندیش لوگ اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونسے ہوئے ہیں! اس لئے ضروری ہے کہ دوسری زندگی ہو جہاں دوٹوک فیصلہ کر دیا جائے اور حقیقت حال سب کے سامنے آجائے اور گمراہ لوگ اپنی گمراہی اور بدعملی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔

آگے ارشاد ہے کہ تمہیں انسان کے دوبارہ زندہ ہونے پر اس لئے تعجب ہو رہا ہے کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا صحیح اندازہ نہیں، تم اسی ترازو سے اُن کاموں کو تول رہے ہو جس سے اپنے کام تولا کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ کسی چیز کو ظہور میں لانے کے لئے کسی سامان کے محتاج نہیں، ان کا ارادہ ہی ہر طرح کی علت ہے، ہر طرح کا سامان ہے۔ ہر طرح کا مواد ہے، وہ جب چاہتے ہیں کہ کوئی چیز وجود میں آئے تو بس اُن کا چاہنا ہی سب کچھ ہے، جونہی مشیت کا فیصلہ ہوا، ہر چیز ظہور میں آگئی، ارشاد ہوتا ہے: —— جب ہم کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو ہمیں بس اتنا ہی کہنا پڑتا ہے کہ ''ہوجا'' اور وہ ہو جاتی ہے —— یاد رکھنا چاہئے کہ آیت پاک کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو عربی لفظ ''کُنْ'' یا اردو کا لفظ ''ہوجا'' کہنا پڑتا ہے یا کسی بھی کلمۂ خطاب کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ چیز وجود میں آجاتی ہے، بلکہ آیت پاک کا مطلب یہ ہے کہ صرف اُن کا ارادہ تخلیق کے لئے کافی ہے، ان کی قدرت کا حال یہ ہے کہ جس بات کا ارادہ فرماتے ہیں وہ صرف ارادہ سے ظہور میں آجاتی ہے، اِدھر ارادۂ الٰہی اس سے متعلق ہوا، اُدھر فی الفور وہ چیز عدم سے وجود میں آگئی۔ وہ اپنے ارادے کے نفاذ میں کسی بھی دوسری چیز کے محتاج نہیں —— ایسے قادرِ مطلق کو مردہ اجسام میں دوبارہ جان ڈال دینا کیا مشکل ہے؟

اِس وقت جو دنیا موجود ہے یہ بھی محض ارادۂ خداوندی سے وجود میں آئی ہے اور جب چاہیں گے

قیامت اور حشر و نشر کا ہنگامہ آناً فاناً ارادۂ الٰہی سے ظہور میں آجائے گا

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۴۲﴾

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْــَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ۭ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝

وَ الَّذِيْنَ	اور جن لوگوں نے	الَّذِيْنَ (۴)	جو	لَا تَعْلَمُوْنَ	نہیں جانتے
هَاجَرُوْا	وطن چھوڑا	صَبَرُوْا	ثابت قدم رہے	بِالْبَيِّنٰتِ (۵)	واضح دلائل (صدق
فِي اللّٰهِ	اللہ کے واسطے	وَعَلٰى رَبِّهِمْ	اور اپنے رب (ہی) پر		پیمبر کے)
مِنْۢ بَعْدِ (۱)	بعد	يَتَوَكَّلُوْنَ	اعتماد کرتے رہے	وَالزُّبُرِ	اور نوشتے
مَا ظُلِمُوْا	ظلم اٹھانے (کے)	وَمَآ	اور نہیں	وَاَنْزَلْنَآ	اور اتارا ہم نے
لَنُبَوِّئَنَّهُمْ (۲)	البتہ ضرور انھیں ٹھکانا	اَرْسَلْنَا	بھیجا ہم نے	اِلَيْكَ	آپ پر
	دیں گے ہم	مِنْ قَبْلِكَ	آپ سے پہلے	الذِّكْرَ	نصیحت نامہ
فِي الدُّنْيَا	دنیا میں	اِلَّا	مگر	لِتُبَيِّنَ	تاکہ کھول دیں آپ
حَسَنَةً (۳)	اچھا (ٹھکانا)	رِجَالًا	مردوں (کو)	لِلنَّاسِ	لوگوں کے لئے
وَلَاَجْرُ	اور یقیناً ثواب (بدلہ)	نُّوْحِيْٓ	وحی بھیجتے ہیں ہم	مَا	جو
الْاٰخِرَةِ	آخرت (کا)	اِلَيْهِمْ	ان کی طرف	نُزِّلَ	اتارا گیا
اَكْبَرُ	بہت ہی بڑا (ہے)	فَسْــَٔلُوْٓا	سو پوچھو	اِلَيْهِمْ	ان کی طرف
لَوْ	کاش	اَهْلَ الذِّكْرِ	حاملین ذکر (سے)	وَلَعَلَّهُمْ	اور شاید وہ
كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ	جانتے وہ لوگ	اِنْ كُنْتُمْ	اگر تم ہو	يَتَفَكَّرُوْنَ	غور وفکر کریں

(۱) مِنْ ابتدائیہ ہے یعنی ہجرت کی ابتداء ظلم سہنے کے بعد ہوئی اور مَا مصدریہ ہے (۲) لَنُبَوِّئَنَّهُمْ: فعل مضارع، صیغہ جمع متکلم ہے، اس میں لام تاکید اور نون تاکید ثقیلہ ہیں۔ هُمْ مفعول ہے، مصدر تَبْوِئَةٌ (تفعیل) مادہ بَوْءٌ اور معنی: ہم ضرور اُن کو جگہ دیں گے، ہم یقیناً ان کو ٹھیرائیں گے، ہم ضرور ان کو اتاریں گے (۳) حَسَنَةً موصوف محذوف کی صفت ہے أی مَبَاءً حَسَنَةً (اچھی منزل) اور موصوف وصفت مل کر مفعول فیہ یا مفعول ثانی ہیں۔ (۴) اگر تقدیر عبارت أعني الذين ہے تو محل نصب میں ہے اور اگر هم الذين ہے تو محل رفع میں ہے (۵) لاتَعْلَمُوْن سے متعلق ہے اور اَرْسَلْنَا سے بھی متعلق ہوسکتا ہے

ربط: اِن آیتوں میں دو مضمون بیان ہوئے ہیں: مکہ شریف کے مشرکین کی ایذا رسانیوں سے تنگ آ کر، ستم رسیدہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا ملک حبشہ کی طرف ہجرت کرنا اور اللہ پاک کا یہ دستور کہ ہمیشہ مرد ہی رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں، ملائکہ پیامبر بنا کر نازل نہیں کئے گئے۔

یہ مضمون یہاں تین مقاصد سے بیان کئے گئے ہیں:

پہلا مقصد: گذشتہ آیات میں آپ نے پڑھا کہ دوسری زندگی اس لئے ضروری ہے کہ منکرین کے لئے وہ حقائق کھول دیئے جائیں جن کے بارے میں وہ نبی کریم ﷺ اور مؤمنین سے اختلاف کرتے رہے ہیں اور انہیں عیاناً معلوم ہوجائے کہ وہ سچے نہیں تھے، بلکہ سچے وہ لوگ تھے جن کی وہ ہمیشہ مخالفت کرتے رہے، اب دو مثالوں کے ذریعہ اختلاف کی نوعیت اور اس کی شدت وسنگینی واضح کی جاتی ہے:

انسانوں میں اختلاف ہمیشہ رہتے ہیں، رائے کا اختلاف، خواہشات کا اختلاف، پسند کا اختلاف، اور کاموں کا اختلاف ایک فطری امر ہے، لیکن یہ اختلافات کبھی اس درجہ تک نہیں پہنچتے کہ لوگ آپس میں دست وگریبان ہونے لگیں یا ایک دوسرے کی تکذیب کرنے لگیں، مگر دین کا اختلاف دوسری نوعیت کا اختلاف ہے، دین کے معاملے میں لوگ وفور جذبات سے انتہا پسندی کا مظاہرہ کرنے لگتے ہیں۔ جب اہل باطل اہل حق سے اختلاف کرتے ہیں تو وہ زبانی اختلاف سے گذر کر سب وشتم، ظلم وستم اور ایذا رسانیوں تک پہنچ جاتے ہیں۔

مکہ والوں کا جو اختلاف رسولِ اکرم ﷺ کے ساتھ تھا وہ اتنا بڑھا کہ وہ حضور اقدس ﷺ کی تکذیب سے گزر کر سارے ہی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تکذیب تک پہنچ گئے، وہ یہ دعوی کرنے لگے کہ کوئی انسان رسول نہیں ہوسکتا، جو کھائے پیئے، چلے پھرے اور لوگوں کے ظلم وستم کا تختۂ مشق بنے! وہ رسول کیسا؟ پھر اللہ تعالیٰ کے یہاں فرشتوں کی کمی کہاں جو انسان سے یہ خدمت لی جائے؟

دوسرا اختلاف ان کا مؤمنین کے ساتھ تھا، اس کی تفصیلات اتنی جگر خراش، شرمناک اور دلسوز ہیں کہ روح کانپ جاتی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جب وہ مصائب برداشت نہ ہوسکے اور ان کی ہمتیں جواب دے گئیں تو انھیں اجازت دی گئی کہ وہ ہجرت کر جائیں، چنانچہ وہ گھر بار، خویش واقارب اور مال وسامان چھوڑ کر حبشہ کی طرف چل پڑے —— ان اختلافات کی حقیقت کھولنے کے لئے دوسری زندگی ضروری ہے۔

دوسرا مقصد: آخرت کا فائدہ منکرین کی بہ نسبت گذشتہ آیات میں بیان کیا جاچکا ہے، اب اس کی ضرورت مؤمنین کی بہ نسبت بیان کی جاتی ہے کہ جو لوگ ایک خدا کے پرستار رہے، ہمیشہ اس کے احکام کی تعمیل میں سرگرم رہے، مخالفین کے

ہاتھوں نا قابل برداشت مظالم سہتے رہے، حتی کہ وطن، عزیز واقارب، دوست احباب اور مال ودولت چھوڑنے پر مجبور ہوگئے، کیا وفادار بندوں کی قربانیاں ضائع ہونگی؟ ان کی محنت ووفاداری کا صلہ انہیں کچھ نہ ملے گا؟ انھوں نے جو مصائب وشدائد جھیلے ہیں اس کا کچھ اجر نہ پائیں گے؟ اس دنیا میں تو وہ تاحیات مصائب سے دوچار رہے، مزاحمتوں کا شکار رہے اور بہت سے اسی حال میں دنیا سے چل بسے اور اپنی اطاعت شعاری کا کوئی پھل نہ چکھا، اگر دوسری زندگی اور اس کی ابدی نعمتیں نہ ہوں تو سوچو ان مقبولانِ بارگاہ خداوندی کا کتنا بڑا نقصان ہوگا اور کون ہمت کرے گا راہِ خدا کے مصائب جھیلنے کی؟

تیسرا مقصد: گذشتہ آیت میں خداوند قدوس کی قدرت کاملہ کا ذکر تھا کہ وہ کسی چیز کو ظہور میں لانے کے لئے کسی سروسامان کے محتاج نہیں، وہ مخالف حالات کو بھی جب چاہتے ہیں موافق بنادیتے ہیں، جہاں ان کا ارادہ ہوا آناً فاناً احوال بدل جاتے ہیں، اللہ کی اس قدرت کاملہ کا مشاہدہ مہاجرین کو خوب ہوتا ہے، اس آیت میں اور سورۃ النساء کی آیت ننانوے میں ہجرت کرنے والوں سے وعدہ کیا گیا ہے کہ وہ زمین میں بہت جگہ اور آسانی پائیں گے۔ یہ وعدۂ خداوندی، قدرت کن فیکونی سے جس حیرت زا طریقے پر پورا ہوتا ہے اس کا مشاہدہ ہر مہاجر اپنی آنکھوں سے کرتا ہے۔

اِن تین مقاصد میں سے پہلا مقصد دونوں مضمونوں میں مشترک ہے اور دوسرا اور تیسرا صرف پہلے مضمون سے متعلق ہے، اس وجہ سے پہلا مضمون مقدم لایا گیا ہے۔

ستم رسیدہ مہاجرین کے لئے دارین کی بشارت:

پہلا مضمون: —— اور جن لوگوں نے مظالم سہنے کے بعد اللہ کے واسطے اپنا وطن چھوڑا ہم ضرور انہیں دنیا میں اچھا ٹھکانا دیں گے، اور آخرت کا بدلہ تو کہیں بڑھ کر ہے، کاش وہ لوگ جان لیتے جو ثابت قدم رہے اور اپنے پروردگار ہی پر بھروسہ کئے ہوئے ہیں —— جب مکہ والوں کا ظلم وتشدد اس درجہ تک پہنچ گیا کہ مسلمانوں کے لئے زندہ رہنا دشوار ہوگیا تو حضور اقدس ﷺ نے مسلمانوں کو اجازت دی کہ وہ حبشہ (ابی سینا) کی طرف ہجرت کرجائیں، چنانچہ پہلی مرتبہ بارہ مردوں اور چار عورتوں کا قافلہ مکہ سے نکلا، جس کے رئیس حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے، اس کے بعد اور لوگ نکلے، جن کی تعداد تہتر مرد اور اٹھارہ عورتیں تھیں، یہ تاریخ اسلام کی سب سے پہلی ہجرت ہے۔

جب ان لوگوں نے اللہ کی راہ میں گھر بار چھوڑا اور ہجرت کی مصیبتیں برداشت کیں تو ضروری تھا کہ اللہ پاک ان کے لئے دنیا میں اچھا ٹھکانا پیدا فرماتے، چنانچہ حبشہ کا دار غربت ان کے لئے امن وعزت کا مہمان سرا بن گیا، حبشہ کے بادشاہ کا دل قبولیت اسلام کے لئے کھل گیا اور وہ ایمان لے آیا —— اور آخرت میں جو بلند مقامات، عظیم الشان مدارج، اور بے حساب اجر وثواب ملے گا اس کا تو اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔

ہجرت جوراہِ خدا میں کی جائے اسلام میں بڑی طاعت وعبادت ہے۔ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ ہجرت ان تمام گناہوں کو ختم کر دیتی ہے جو ہجرت سے پہلے کئے ہیں۔ اس آیت میں مہاجرین کے چار اوصاف ذکر فرمائے ہیں، اور دو عظیم الشان وعدے کئے ہیں، پس ان وعدوں کے مستحق وہی مہاجرین ہوں گے جو ان اوصاف کے حامل ہوں گے۔

مہاجرین کے چار اوصاف:

۱- ہجرت کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہو، دنیاوی مقاصد، تمدنی فوائد، تجارت، ملازمت وغیرہ پیش نظر نہ ہوں۔ حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ: ”تمام انسانی اعمال کا مدار نیت پر ہے، آدمی کو اس کی نیت ہی کے مطابق پھل ملتا ہے، مثلاً جس نے اللہ ورسول کے لئے ہجرت کی (یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور رسول کی اطاعت کے سوا اس کی ہجرت کا کوئی مقصد نہ ہو) تو اس کی ہجرت اللہ ورسول کی طرف ہے (یعنی اس کی ہجرت مقبول ہے) اور جس نے کسی دنیاوی غرض کے لئے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لئے ہجرت کی تو اس کی ہجرت بس اُسی غرض کے لئے ہے جس کے لئے اس نے ہجرت کی ہے (یعنی اس کی ہجرت کا ثواب کچھ نہیں ﴿ فِي اللهِ ﴾ میں اس مقصد کا بیان ہے۔

۲- مہاجر کا مظلوم ہونا اور اس کی مظلومیت کا دین کی وجہ سے ہونا یعنی اپنے وطن میں رہ کر دین کا تحفظ اور اس پر عمل دشوار ہو گیا ہو، دین پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے نا قابل برداشت مظالم کا سامنا کرنا پڑ رہا ہو، اس وجہ سے تنگ آکر اس نے وطن چھوڑا ہو۔ ﴿ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ﴾

۳- ہجرت کرنے کے بعد پیش آنے والی تکالیف پر صبر وہمت سے کام لیا ہو اور ثابت قدم رہا ہو ﴿الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ﴾

۴- دنیوی تدبیروں اور مادی وسائل کا اہتمام کرتے ہوئے بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر ہو کہ کامیابی ان کے ہاتھ میں ہے ﴿ وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴾

مذکورہ بالا شرائط پوری ہو جائیں تو مہاجر کے لئے دو عظیم الشان وعدے ہیں:

پہلا وعدہ: دنیا میں اچھا ٹھکانا —— یہ ایک جامع وعدہ ہے، اس میں یہ بھی داخل ہے کہ مہاجر کو سکونت کے لئے اچھا مکان اور اچھے پڑوسی ملیں، اچھا رزق ملے، دشمنوں پر فتح وغلبہ نصیب ہو، لوگوں کی زبانوں پر اس کی تعریف ہو اور ایسی عزت وشرف ملے جو اس کی نسل میں بھی چلے۔

دوسرا وعدہ: آخرت میں بے حساب اجر —— دنیا میں ملنے والا صلہ، آخرت میں ملنے والے اجر کے مقابلہ میں لاشیٔ ہے، آج اس کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا کہ آخرت میں ملنے والا اجر کیسا ہوگا؟ بس اتنا ہی سمجھنا چاہئے کہ وہ بہت ہی بڑا ہوگا، انسان کے تصور سے بے حد وحساب بہتر!

فائدہ: اس آیت پاک میں ذکر اگر چہ پہلی ہجرتِ اسلام کا ہے، مگر اس کا حکم عام ہے، دنیا کے کسی بھی خطے کے اور کسی بھی زمانے کے مہاجر ہوں یہ وعدے سب کے لئے ہیں۔

ہمیشہ مرد ہی رسول/ نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں:

دوسرا مضمون: سنت الٰہی یہ ہے کہ ہمیشہ مرد رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں ملائکہ کبھی بھی رسول بنا کر نازل نہیں کئے گئے۔ ارشاد ہے: ـــــ اور آپ سے پہلے بھی ہم نے صرف مردوں کو رسول بنا کر بھیجا ہے، جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے، پس حاملین ذکر سے تحقیق کرلو اگر تم نہیں جانتے، روشن شواہد اور آسمانی کتابیں۔

مشرکین مکہ کی آنحضور ﷺ کے ساتھ مخالفت اس درجہ تک پہنچ گئی تھی کہ وہ صرف آپ کی نبوت کے منکر نہیں تھے، بلکہ پورے سلسلۂ نبوت کے منکر ہو گئے تھے۔ بشر کا پیمبر ہونا اُن کی سمجھ سے باہر تھا اس لئے اب وہ بار بار الجھتے تھے اور اپنے خیال میں بڑا اصولی اور گہرا اعتراض کرتے تھے کہ یہ کھاتے پیتے، چلتے پھرتے، بشر ہو کر پیمبر کیسے ہو گئے؟

انھیں جواب دیا جا رہا ہے کہ سلسلۂ نبوت تو آدم علیہ السلام سے برابر بشر ہی کے ذریعے قائم ہے، ہمیشہ مردوں ہی پر اللہ تعالیٰ وحی بھیجتے رہے ہیں، اگر تمہیں آسمانی کتابوں کا اور شواہد صدقِ پیمبر کا علم نہیں تو اہل کتاب یہود و نصاریٰ سے اس مسئلہ کی تحقیق کرلو، یہ ترجمہ اور مطلب اس صورت میں ہے جب ﴿ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ﴾ ﴿ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ سے متعلق ہوں، لیکن اگر ان کو اَرسلنا سے متعلق کیا جائے تو ترجمہ ہوگا: ''روشن شواہد اور آسمانی نوشتوں کے ساتھ'' ہم نے ان پیغمبروں کو بھیجا ہے، اور اسی سنتِ الٰہی کے مطابق اب آنحضور ﷺ کو مبعوث فرمایا ہے۔ ارشاد ہے: ـــــ اور ہم نے آپ پر ذکر (قرآن) اتارا ہے تا کہ آپ لوگوں کو وہ کتاب واضح کر کے سمجھا دیں، جو ان کے پاس بھیجی گئی ہے۔ اور تا کہ وہ بھی غور و فکر کریں۔

اس آیت میں درج ذیل چار باتیں بیان فرمائی گئی ہیں:

پہلی بات: اس آیت میں اللہ پاک نے انسان کو رسول بنا کر بھیجنے کی حکمت بیان فرمائی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نصیحت نامۂ خداوندی (قرآنِ کریم) فرشتوں کے ذریعے بھی بھیجا جاسکتا تھا، چھپا چھپایا اور لکھا لکھایا ایک ایک انسان تک بھی پہنچایا جاسکتا تھا، مگر اس سے وہ مقصد پورا نہیں ہوسکتا تھا جو حکمت خداوندی کا تقاضا ہے، اللہ پاک کی حکمت اس کی مقتضی تھی کہ انسانوں ہی میں سے کسی قابل ترین انسان کے ذریعے کتاب الٰہی بھیجی جائے تا کہ جن کی سمجھ میں کوئی بات نہ آئے وہ اسے سمجھا سکے، جنھیں کچھ شک ہو ان کا شک رفع کر سکے اور جنہیں کوئی اعتراض ہو ان کے اعتراض کا

جواب دے سکے۔

دوسری بات: بلاشبہ قرآن پاک دین وشریعت کی اصل واساس ہے اور ادلۂ شرع میں وہی سب سے مقدم اور سب سے اہم ہے، مگر اس کا کام صرف اصول بتانا ہے، کیونکہ جزئیات کا دائرہ اتنا پھیلا ہوا ہے کہ اُسے کسی ایک کتاب میں سمیٹ لینا تقریباً ناممکن ہے، جزئیات کو اگر سمیٹا جاسکتا ہے تو صرف اصول کے تحت سمیٹا جاسکتا ہے۔

جب قرآن پاک اصول پر مشتمل ہے تو ان کی تفریع وتفصیل اور توضیح وتشریح ضروری ہوگی، اللہ تعالیٰ نے یہ ذمہ داری سب سے پہلے اُس ذات اقدس پر ڈالی جس پر یہ عظیم المرتبت کتاب نازل ہوئی، اور ثانیاً یہ ذمہ داری مجتہدین امت کو تفویض ہوئی، اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ: ''وہ خود بھی غور وفکر کریں''اسی حقیقت کا بیان ہے، کیونکہ علمائے کرام اور مجتہدین عظام کے غور وفکر کی راہ تشریح نبوی اور تبیینِ مصطفوی سے ہموار ہوتی ہے۔

تیسری بات: اِس آیت کریمہ میں رسول اکرم ﷺ کو مامور فرمایا ہے کہ وہ قرآن کریم کی آیات کی وضاحت لوگوں کے سامنے کردیں، زبان ہی سے نہیں اپنے عمل سے بھی، اپنی رہنمائی سے بھی۔ اس ذمہ داری کے سپرد کرنے میں اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ قرآنِ کریم کے حقائق ومعارف اور احکام ومسائل کا صحیح صحیح سمجھنا رسولِ اکرم ﷺ کے بیان پر موقوف ہے، پس وہ منکرین حدیث جو تشریح وتوضیح نبوی کے بغیر قرآن پاک کو لینا چاہتے ہیں وہ درحقیقت قرآن پاک کے بھی منکر ہیں۔

حجیتِ حدیث:

چوتھی بات: حدیث شریف کا یہ عظیم الشان ذخیرہ جسے صحابہ کرام، تابعین عظام اور محدثین نیک نام نے اپنی جانوں سے زیادہ حفاظت کرکے امت تک پہنچایا ہے، وہ دو طرح کے مضامین پر مشتمل ہے: ایک حصہ وہ ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے قرآنِ کریم کی قولی یا عملی تشریح وتوضیح فرمائی ہے، یعنی لسانِ نبوت نے آیاتِ قرآنی کا مفہوم سمجھایا ہے اور جو حکم نازل ہوا ہے اس پر عمل کرکے لوگوں کو دکھایا ہے، مثلاً قرآن پاک میں اقامت صلوٰۃ کا حکم نازل ہوا اور اس کے ارکان اور اجزائے ترکیبی: قیام، رکوع، سجود اور قراءت کا ذکر بھی قرآنِ پاک میں کیا گیا، مگر ان اجزاء کو کسی خاص ترکیب کے ساتھ ادا کرنے کا بیان اور نماز کی پوری ترکیب قرآن میں کہیں مذکور نہیں، اُن اجزاء کو خاص ترکیب کے ساتھ باہم مربوط کرکے نماز کی شکل آنحضرت ﷺ کے عمل سے متعین ہوئی ہے اور آپ نے امت کو حکم دیا ہے کہ صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ (جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے تم نے دیکھا اسی طرح نماز پڑھو) اور یہی حال حج کا، روزے کا اور زکوٰۃ وغیرہ اعمالِ اسلامی کا ہے۔

اور قولی تشریح کی بھی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ آنحضور ﷺ نے قرآن پاک کی کسی آیت کا ذکر کر کے یا اس کی طرف اشارہ کر کے اس کی تفسیر یا اس سے جو حکم مستنبط ہوتا ہے اس کو بیان فرمایا ہو، اور دوسری صورت یہ ہے کہ اپنے وہبی علم اور مخصوص فہم سے جو استنباط و استفادہ قرآنِ کریم سے کیا ہے، آیت کا حوالہ دئے بغیر اور اس کی طرف اشارہ کئے بغیر بیان فرمایا ہو۔

احادیث شریفہ کا دوسرا حصہ وہ ہے جو وحی غیر مَتلُوّ کے ذریعہ قلب نبوت پر وارد ہوا ہے، یہ حصہ بھی احکام و مسائل، حِکم و عِلل، مواعظ و عبر، قصص و اخبار، اور وعدہ و وعید پر مشتمل ہے اور مقدار میں قرآن پاک کے برابر یا اس سے بھی زیادہ ہے۔ حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''سن لو! مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے بقدر اور بھی اس کے ساتھ دیا گیا ہے اور یہ بھی سن لو کہ وہ زمانہ قریب ہے جب ایک شکم سیر آدمی اپنے پلنگ پر پڑا کہے گا: تم اس قرآن کو لازم پکڑو، جو اس میں حلال ہے اس کو حلال سمجھو اور جو اس میں حرام ہے اس کو حرام جانو، حالانکہ اللہ کے رسول نے جو چیزیں حرام کی ہیں وہ بھی ویسی ہی حرام ہیں جیسی اللہ تعالیٰ نے حرام کی ہیں'' —— اس کے بعد حضور اقدس ﷺ نے متعدد احکام ذکر فرمائے، جن کا ذکر قرآن پاک میں نہیں، مثلاً گدھا حرام ہے، تمام کُچلی دار درندے حرام ہیں۔

حضرت عِرْ باض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ آنحضور ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان تقریر فرمائی: اور ارشاد فرمایا کہ کیا کوئی شخص اپنے پلنگ پر پڑا ہوا یہ گمان کرے گا کہ اللہ تعالیٰ نے بس وہی چیزیں حرام کی ہیں جن کا تذکرہ قرآنِ کریم میں ہے؟ سنو! بخدا! میں نے بھی حکم دیئے ہیں، نصیحتیں کی ہیں اور بہت سے کاموں سے روکا ہے اور وہ قرآن کی مانند ہیں یا اس سے بھی زیادہ ہیں —— اس کے بعد حضور ﷺ نے چند احکام ذکر فرمائے، مثلاً اہل کتاب (ذمیوں) کے گھروں میں بغیر اجازت داخل نہ ہو وغیرہ۔ اس آیت کریمہ سے احادیث شریف کے پہلے حصہ کا مستند ہونا ثابت ہوتا ہے اور دوسرے حصے کی حجیت ﴿ مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ﴾ (الحشر آیت ۷) سے ثابت ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ رسول تمہیں جو کچھ دیں اسے لے لو اور تمہیں جس چیز سے روک دیں اس سے رک جاؤ۔

تقلید اور تقلید شخصی کا وجوب:

فائدہ: ارشادِ خداوندی: ﴿ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ یہاں اگرچہ ایک خاص سلسلہ بیان میں آیا ہے، مگر الفاظ عام ہیں، اس لئے قرآنی اسلوب کے لحاظ سے یہ ایک عام ضابطہ ہے، یعنی جو لوگ احکام کو نہیں

جانتے وہ جاننے والوں سے پوچھ کر عمل کریں، عرف میں اس کا نام تقلید ہے، عہد صحابہ سے آج تک بلا اختلاف اِس قرآنی ضابطہ پر عمل ہوتا آرہا ہے، منکرین تقلید بھی اس کا انکار نہیں کرتے، وہ بھی کہتے ہیں کہ جو لوگ عالم نہیں وہ علماء سے فتوی لے کر عمل کریں۔

پھر جب متعدد اجتہادات وجود میں آئے اور علماء نے دیکھا کہ اگر لوگوں کو آزادی دی جائے کہ وہ ایک مسئلہ میں ایک امام کا اور دوسرے مسئلے میں دوسرے امام کا قول لے سکتے ہیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ اتباعِ شریعت کا نام لے کر اتباعِ ہوی میں مبتلا ہو جائیں گے، جس امام کے قول میں اپنی نفسانی غرض پوری ہوتی ہوئی نظر آئے گی اس کو اختیار کریں گے، اس لئے متاخرین فقہاء نے ضروری سمجھا کہ عمل کرنے والوں کو کسی ایک ہی امام کی تقلید کا پابند کیا جائے، تاکہ دین کا انتظام قائم رہے اور لوگ دین کی آڑ میں اتباعِ ہوی کے شکار نہ ہوں۔ غرض اس مصلحت سے متاخرین فقہاء کا اجماع ہوگیا تقلید شخصی کے وجوب پر، جو درحقیقت ایک انتظامی حکم ہے اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ بیمار شخص، شہر کے حکیموں اور ڈاکٹروں میں سے کسی ایک ہی کو اپنے علاج کے لئے متعین کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ کبھی کسی ڈاکٹر سے پوچھ کر اور کبھی کسی سے پوچھ کر دوا استعمال کرنا ہلاکت کا سبب بن سکتا ہے، پھر جب وہ کسی ایک ڈاکٹر کا انتخاب اپنے علاج کے لئے کرتا ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ دوسرے ڈاکٹر ماہر نہیں، یا ان میں علاج کی صلاحیت نہیں۔

جس طرح جسمانی مضرتوں سے بچنے کے لئے ایک وقت میں ایک ہی ڈاکٹر کا علاج ضروری ہے

اسی طرح دینی مضرتوں سے بچنے کے لئے ایک ہی امام کی تقلید ضروری ہے

أَفَأَمِنَ الَّذِينَ مَكَرُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ يَخْسِفَ اللَّهُ بِهِمُ الْأَرْضَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٤٥﴾ أَوْ يَأْخُذَهُمْ فِي تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِينَ ﴿٤٦﴾ أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَىٰ تَخَوُّفٍ فَإِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿٤٧﴾

اَفَاَمِنَ	تو کیا نڈر ہو گئے	السَّيِّاٰتِ[1]	بُری	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
الَّذِيْنَ	وہ لوگ جو	اَنْ	(اس بات سے) کہ	بِهِمُ	ان کو
مَكَرُوا	تدبیریں کرتے ہیں	يَّخْسِفَ	دھنسا دیں	الْاَرْضَ	زمین میں

(۱) مفعول مطلق اور محذوف کی صفت ہے، أی مَکَرُوا الْمَکَرَاتِ السَّيِّئَاتِ اور اَنْ سے پہلے مِنْ محذوف ہے۔

اَوْ	یا	یَاْخُذَهُمْ	پکڑ لیں اُن کو	یَاْخُذَهُمْ	پکڑ لیں اُن کو
یَاْتِیَهُمُ	آ پہنچے ان کے پاس	فِیْ تَقَلُّبِهِمْ(۱)	چلتے پھرتے	عَلٰی تَخَوُّفٍ(۲)	دہشت زدگی میں
الْعَذَابُ	عذاب	فَمَا	سو نہیں	فَاِنَّ(۳)	سو یقیناً
مِنْ حَیْثُ	جہاں سے	هُمْ	وہ	رَبَّكُمْ	تمہارے پروردگار
لَا یَشْعُرُوْنَ	گمان نہ رکھتے ہوں وہ	بِمُعْجِزِیْنَ	عاجز کرنے والے	لَرَءُوْفٌ	البتہ نہایت شفیق
اَوْ	یا	اَوْ	یا	رَّحِیْمٌ	بے حد مہربان ہیں

مخالفین اسلام اللہ کی پکڑ سے مأمون نہیں

آیت ۴۸ سے ضمنی باتیں بیان ہورہی تھیں، اب پھر اصل مضمون شروع ہورہا ہے، گفتگو منکرینِ دعوت سے ہے، جو لوگ اسلام اور رسول اسلام کے خلاف سازشیں کرتے ہیں، حق کے مقابلہ میں اپنی چالوں سے باز نہیں آتے، اُن کے بارے میں فرمایا جارہا ہے —— تو کیا وہ لوگ جو بری چالیں چل رہے ہیں، اس بات سے مطمئن ہوگئے کہ اللہ تعالیٰ اُن کو زمین میں دھنسادیں؟ —— کیا ان کے سامنے قارون کا انجام نہیں؟ قارون کی، اس کے ٹھاٹھ کی اور اس کے مال ودولت کی کیسی بری گت بنی؟ —— یا ایسی جگہوں سے اُن پر عذاب آپڑے جدھر سے آنے کا ان کو گمان بھی نہ ہو؟ —— خود ان کا سامان حفاظت ان کی ہلاکت کا سبب بن جائے، حجر والوں کا انجام بھول گئے، جن کے سنگین مکانات اللہ تعالیٰ کی گرفت سے ان کو بچانہ سکے؟ —— یا چلتے پھرتے ان کو پکڑ لیں —— وہ اپنے مشاغل میں تگ ودو کررہے ہوں کہ لقمۂ اجل بن جائیں —— بہرصورت یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کرسکتے! —— اپنی پوری کوشش اور ساری قوتیں صرف کرکے اور ایڑی چوٹی کا زور لگا کر بھی وہ اللہ تعالیٰ کو ہرا نہیں سکتے! —— یا دہشت زدگی کی حالت میں اُن کو پکڑ لیں؟ کیونکہ تمہارے پروردگار بے حد شفیق، نہایت مہربان ہیں —— یعنی وہ اپنی مہربانی سے ان کو فوراً عذاب کی گرفت میں لیں، بلکہ

(۱) تَقَلُّب مصدر ہے آلِ عمران آیت ۱۹۶ میں بھی یہ لفظ آیا ہے (۲) تَخَوُّف مصدر ہے اور قرآن پاک میں صرف اسی جگہ یہ لفظ آیا ہے، خَافَ وَتَخَوَّفَ کے معنی ہیں: گھبرانا، ڈرنا۔ امام راغب فرماتے ہیں: والتخوف: ظهور الخوف على الإنسان (ڈر اور گھبراہٹ کا انسان پر ظاہر ہونا) عَلٰی بمعنی مَعَ ہے کما فی قوله تعالیٰ: ﴿وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ﴾ (بقرہ) قال الآلوسي: لما كان التخوف نفسه نوعا من العذاب لما فيه من تألم القلب، ومشغولية الذهن، وكان الأخذ مشيرًا إلى نوع آخر من العذاب أيضًا جيئ بعلى التى بمعنى مع ليكون المعنى: يعذبهم مع عذابهم (روح) (۳) فَاِنَّ میں فاء تعلیلیہ ہے اور یہ صرف یأخذهم على تخوف کی تعلیل ہے (کیونکہ عذاب کی سابقہ تین صورتوں پر تبصرہ ﴿فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِیْنَ﴾ میں آگیا ہے)

آگاہ کرنے کے لئے اور سنبھلنے کا موقع دینے کے لئے پہلے دہشت زدہ کریں اور پھر بھی نہ سنبھلیں تو عذاب میں پکڑ لیں۔

ان آیتوں میں چار قسم کے مؤاخذوں کا ذکر ہے، زمین میں دھنسا دیا جائے یا دن دہاڑے تگ و پو کرتے ہوئے ہلاک ہوجائیں، یا جدھر گمان بھی نہ جاتا ہو اُدھر سے عذاب آپڑے یا دہشت زدگی کی حالت میں گرفتارِ بلا ہوجائیں، اللہ تعالیٰ بہرصورت ان پر قدرت رکھتے ہیں، پھر وہ بے خوف وخطر ہوکر اسلام کے خلاف بری بری چالیں کیوں چل رہے ہیں؟

ان آیتوں میں تین وعیدوں کے ساتھ اللہ پاک کا یہ ارشاد ہے کہ: ''بہرحال یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کرسکتے'' اور آخری وعید کے ساتھ یہ ارشاد ہے: ''کیونکہ تمہارے پروردگار بے حد شفیق، نہایت مہربان ہیں'' اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ پاک اپنی شفقت ومہربانی سے مکہ والوں کو اس چوتھے طریقے سے سزا دیں گے، چنانچہ اس کا ظہور اس طرح ہوا کہ نزول آیت کے سال دو سال بعد ہجرت مدینہ منورہ واقع ہوئی اور جنگوں کا سلسلہ شروع ہوا اور دس سال میں مکہ والوں کا یہ حال ہوگیا کہ فتح مکہ کے دن پر ان میں سے کسی میں تاب سخن نہ تھی، ان دس سالوں کی جنگوں میں مشرکوں کے سات سو ساٹھ آدمی مارے گئے[1] اور باقی تمام جزیرۃ العرب کو اللہ تعالیٰ نے دولت ایمان سے مالا مال فرمادیا۔

رحمۃ للعالمین ﷺ کے تمام غزوات وسرایا میں مقتولین ہر دو جانب کی تعداد ایک ہزار اٹھارہ ہے

اور ہدایت پانے والوں کی تعداد ریت کے ذروں اور آسمان کے تاروں کے بقدر ہے

أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا خَلَقَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ يَتَفَيَّأُ ظِلَالُهُ عَنِ الْيَمِينِ وَالشَّمَائِلِ سُجَّدًا لِّلَّهِ وَهُمْ دَاخِرُونَ ﴿٤٨﴾ وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مِن دَابَّةٍ وَالْمَلَائِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ﴿٤٩﴾ يَخَافُونَ رَبَّهُم مِّن فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ۩ ﴿٥٠﴾ وَقَالَ اللَّهُ لَا تَتَّخِذُوا إِلَٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۖ إِنَّمَا هُوَ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ فَإِيَّايَ فَارْهَبُونِ ﴿٥١﴾ وَلَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَهُ الدِّينُ وَاصِبًا ۚ أَفَغَيْرَ اللَّهِ تَتَّقُونَ ﴿٥٢﴾ وَمَا بِكُم مِّن نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللَّهِ ۖ ثُمَّ إِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَإِلَيْهِ تَجْأَرُونَ ﴿٥٣﴾ ثُمَّ إِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنكُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِّنكُم بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُونَ ﴿٥٤﴾ لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ ۚ فَتَمَتَّعُوا ۖ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿٥٥﴾

(۱) مقتولوں کی یہ تعداد صرف مکہ والوں کی نہیں تھی، بلکہ حضور اقدس ﷺ کے تمام غزوات وسرایا میں مخالفین کے مقتولوں کی کل اتنی ہی تعداد تھی، تفصیل کے لئے دیکھئے رحمۃ للعالمین ج ۲، ص: ۲۲۷

اَوَلَمْ	کیا اور نہیں	دٰخِرُوْنَ (۵)	عاجز ہیں	وَيَفْعَلُوْنَ	اور کرتے ہیں وہ
يَرَوْا (۱)	دیکھا ان لوگوں نے	وَلِلّٰهِ	اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے	مَا يُؤْمَرُوْنَ	جو حکم دیئے جاتے ہیں وہ
اِلٰى	طرف	يَسْجُدُ	سجدہ کرتے ہیں	وَقَالَ	اور فرمایا
مَا (۲)	(اُس کے) جو	مَا	جو	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ (نے)
خَلَقَ	پیدا کیا	فِى السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں ہیں	لَا تَتَّخِذُوْٓا	نہ بناؤ تم
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ (نے)	وَمَا	اور جو	اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ	دو خدا
مِنْ شَىْءٍ	چیزوں میں سے	فِى الْاَرْضِ	زمین میں ہیں	اِنَّمَا هُوَ	بس وہ
يَّتَفَيَّؤُا	(کہ) ہٹ جاتے ہیں	مِنْ دَآبَّةٍ (۶)	یعنی جاندار	اِلٰهٌ	معبود (ہیں)
ظِلٰلُهٗ	اُن کے سائے	وَّالْمَلٰٓئِكَةُ	اور فرشتے	وَّاحِدٌ	ایک
عَنِ الْيَمِيْنِ (۳)	دائیں سے	وَهُمْ	اور وہ	فَاِيَّاىَ	سو مجھ سے
وَالشَّمَآئِلِ	اور بائیں (سے)	لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ	سرکشی نہیں کرتے	فَارْهَبُوْنِ	پس ڈرو تم
سُجَّدًا (۴)	سجدہ کرتے ہوئے	يَخَافُوْنَ	ڈرتے ہیں وہ	وَلَهٗ	اور انہی کے لئے (ہے)
لِّلّٰهِ	اللہ تعالیٰ کے لئے	رَبَّهُمْ	اپنے رب سے	مَا	جو کچھ
وَهُمْ	درانحالیکہ وہ	مِّنْ فَوْقِهِمْ	جو اُن کے اوپر ہیں	فِى السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں ہے

(۱) الضمير للذين مكروا السيئات (۲) مَا موصولہ مبہمہ ہے اس کا بیان **من شیئ** ہے اور جملہ يَتَفَيَّؤُا صفت ہے شیئ کی يَتَفَيَّؤُ (باب تفعُّل) فعل مضارع، صیغہ واحد مذکر غائب ہے، واؤ آخر کلمہ میں واقع ہونے کی وجہ سے واو جمع کے مشابہ ہوگیا ہے اس وجہ سے قرآنی رسم الخط میں آخر میں الف لکھا گیا ہے فَاءَ يَفِيْءُ فَيْئًا: لوٹنا ﴿حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ﴾ فَآءَ الظِّلُّ: سایہ کا ہٹ جانا، **أي: ترجع شيئا فشيئا من جانب إلى جانب وتدور من موضع إلى موضع** (روح البیان) **(۳) المراد باليمين والشمائل على ما قيل: جانبا الشيئ، استعارة عن يمين الإنسان وشماله** (روح) (۴) سُجَّدًا لِلّٰهِ اور وَهُمْ دَاخِرُوْنَ، ظِلَال کے حال ہیں (۵) دَخَرَ (ف) وَدَخِرَ (س) دَخْرًا وَدُخُوْرًا: ذلیل ہونا، حقیر ہونا (۶) مِنْ دَآبَّةٍ: مَا کا بیان ہے **الدابة**: ہر زندہ، حساس اور متحرک چیز، دَبَّ (ض) دَبًّا وَدَبِيْبًا: رینگنا، ہاتھوں یا پیروں کے بل چلنا، کہا جاتا ہے: هُوَ اَكْذَبُ مِنْ دَبَّ وَدَرَجَ (وہ زندوں اور مردوں سے زیادہ جھوٹا ہے) **والملائکۃ** کا عطف دَآبَّةٍ کے محل پر ہے، **من فوقهم** محذوف سے متعلق ہوکر **من ربهم** کا حال ہے **أي كائنا من فوقهم، ومعنى كونه سبحانه فوقهم: قهره وغلبته، لأن الفوقية المكانية مستحيلة بالنسبة إليه تعالىٰ**۔

وَالْاَرْضِ	اور زمین (میں ہے)	فَمِنَ اللّٰهِ	سو اللہ کی طرف سے ہے	اِذَا فَرِيْقٌ	(تو) یکایک ایک جماعت
وَلَهُ	اور انہی کے لئے (ہے)	ثُمَّ اِذَا	پھر جب	مِّنْكُمْ	تم میں سے
الدِّيْنُ[1]	اطاعت	مَسَّكُمُ	پہنچتی ہے تم کو	بِرَبِّهِمْ	اپنے رب کے ساتھ
وَاصِبًا	دائمی	الضُّرُّ	تکلیف	يُشْرِكُوْنَ	شریک کرنے لگتی ہے
اَفَغَيْرَ	کیا پس سوائے	فَاِلَيْهِ	تو اُنہی سے	لِيَكْفُرُوْا	تاکہ ناشکری کریں وہ
اللّٰهِ	خدا کے	تَجْـَٔرُوْنَ[2]	فریاد کرتے ہو تم	بِمَآ	اس نعمت کی جو
تَتَّقُوْنَ	ڈرتے ہو تم؟	ثُمَّ اِذَا	پھر جب	اٰتَيْنٰهُمْ	عطا فرمائی ہم نے ان کو
وَمَا	اور جو	كَشَفَ	ہٹا دیتے ہیں وہ	فَتَمَتَّعُوْا	سو مزے اڑا لو تم
بِكُمْ	تمہارے پاس ہے	الضُّرَّ	تکلیف	فَسَوْفَ	اب عنقریب
مِّنْ نِّعْمَةٍ	کوئی نعمت	عَنْكُمْ	تم سے	تَعْلَمُوْنَ	جان لوگے تم

توحید کی دلیل: کائنات کی ایک ایک چیز منقاد و مطیع ہے

ربط: ان آیتوں میں توحید کی دلیل بیان ہوئی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ تکوینی طور پر کائنات کی ایک ایک چیز حکم الٰہی کی مطیع ومنقاد ہے، حتی کہ سایہ دار چیزوں کا سایہ بھی خدا کے حکم اور قانون قدرت کے سامنے عاجز و بے بس ہے، وہ ایک ہمہ گیر قانون کی گرفت میں جکڑا ہوا ہے، وہ اِدھر اُدھر ڈھلتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں وہ ایسا کرتا ہے، وہ ہر طرح مطیع وفرمانبردار ہے۔ سایے ہی کی طرح کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے احکام کے آگے سربسجود ہے، اللہ تعالیٰ نے جس چیز کے لئے جو حکم نافذ کردیا ہے، ممکن نہیں کہ اس کی تعمیل سے بال برابر بھی انحراف ہو!

کائنات کی اس اطاعت شعاری، فرمانبرداری میں انسان کے لئے بہت بڑا سبق ہے، کائنات کی پوری صورت حال پکارپکار کر کہہ رہی ہے کہ یہاں دوسرے معبود کی کوئی گنجائش نہیں، ایک ہی معبود کی عبادت واطاعت لازماً اور دائماً ضروری ہے، ارشاد ہے: —— اور کیا اُن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی وہ چیزیں نہیں دیکھیں، جن کے سایے اللہ تعالیٰ کے

(۱) الدين يقال للطاعة والجزاء واستعير للشريعة والدين كالملة، لكنه يقال: اعتبارًا بالطاعة والانقياد للشريعة (راغب) ويكون الدين ههنا للطاعة ومعنى الواصب: الدائم أى: حقُّ الإنسان أن يُطيعه دائمًا فى جميع أحواله كما وصف به الملائكة (راغب) (۲) جَارَ (ف) جَارًا إلى الله: گڑگڑانا، دعا کرنے میں آواز بلند کرنا۔

حضور میں سجدہ کرتے ہوئے ایک جانب سے دوسری جانب ڈھل جاتے ہیں، اظہار عجز کرتے ہوئے؟ —— صبح جب سورج چمکتا ہے تو تمام اجسام کے لمبے لمبے سایے پڑتے ہیں، پھر جوں جوں خورشید ابھرتا ہے، سایے گھٹتے جاتے ہیں، یہاں تک کہ جڑ میں لگتے ہیں، پھر زوال کے بعد دوسری طرف سایہ لمبا ہونے لگتا ہے، حتی کہ دن کے آخر میں اتنا ہی لمبا ہو جاتا ہے جتنا دن کے شروع میں تھا، سایہ کی ان حالتوں کا قانون اس درجہ قطعی، اس درجہ یکساں، اس درجہ منظّم ہے کہ اس میں فتور پڑنے کا ہمیں وہم وگمان بھی نہیں ہوتا، سایہ کی یہی فرمانبرداری اور اطاعت شعاری اس کا سجدہ اور اظہار عجز ہے۔

اور آسمانوں میں اور زمین میں جس قدر رینگنے والی مخلوقات ہیں، سب اللہ تعالیٰ کے سامنے سربسجود ہیں —— یعنی ایک سایہ ہی کی خصوصیت نہیں، تمام زمینی اور سماوی مخلوقات، چھوٹی اور بڑی سب قانونِ خداوندی کے تابع اور حکم الٰہی کی منقاد ہیں اور فرشتے بھی، وہ سرکشی نہیں کرتے اپنے رب سے — جو اُن پر بالا دست ہیں — ڈرتے ہیں، اور انھیں جو حکم دیا جاتا ہے اس کی تعمیل کرتے ہیں —— یعنی فرشتے جو پاک مخلوق ہیں اور جنھیں مشرکوں نے دیوی دیوتا بنا رکھا ہے اور خدا کا مدمقابل ٹھیرا رکھا ہے، وہ خاص طور پر مطیع ومنقاد ہیں۔ اُن کے دلوں میں اپنی بڑائی کی طلب تک نہیں، عظمت الٰہی اور جلال خداوندی سے ڈرتے رہتے ہیں اور جو حکم پاتے ہیں فوراً بجالاتے ہیں، وہ اپنے دل میں یقین رکھتے ہیں کہ اُن کے اوپر اللہ پاک ہیں، اس لئے وہ حق تعالیٰ کی ہیبت وجلال سے سہمے رہتے ہیں۔

بے مروت انسان کا حال:

یہ تو کائنات کی اطاعت وفرمانبرداری کا حال تھا، اب بے مروت انسان کا حال دیکھئے —— اور اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ: ''دو معبود مت بناؤ، معبود ایک ہی ہے، لہٰذا مجھی سے ڈرو! —— یعنی اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیمبروں کے ذریعے یہ حکم دیا کہ جس طرح آسمانی اور زمینی مخلوق کے لئے ایک ہی معبود ہے، تمہارا بھی بس ایک ہی معبود ہے، لہٰذا تم دو معبود نہ بنالو اور جس طرح تمام کائنات سربسجود اور عاجز ہے، تم بھی ایک معبود سے ڈرو! —— اور یہ جو فرمایا کہ: ''دو معبود نہ بناؤ'' اس کا مطلب یہ ہے کہ معبود میں دوئی نہیں، برحق معبود بس ایک ہی ہے، اگر معبود میں دوئی (کثرت) پیدا ہوگی تو وہ معبود ہی نہیں (۱)

اور انہی کا ہے وہ سب کچھ جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے، اور اطاعت دائمی طور پر انہی کا حق ہے، پھر کیا تم اللہ پاک کے سوا دوسروں سے ڈرتے ہو؟ —— یعنی وہی ہر چیز کے مالک ہیں، انہی کی اطاعت سب پر لازم ہے اور وہی اس

(۱) ولما كان الإله الحق لايتعدد وأن كل من يتعدد فليس بإله، اقتصر على ذكر الاثنين، لأنه قصد نفي التعديد (قرطبی)

بات کے مستحق ہیں کہ سب ان کی اطاعت بجالاویں، پھر تم اوروں سے کیوں ڈرتے ہو؟ اور ڈر کران کو کیوں پوجتے ہو؟

شرک کی ایک بنیاد غیر اللہ کا خوف ہے، مشرک انسان سمجھتا ہے کہ فلاں فلاں طاقتیں ایسی ہیں جو مجھے نقصان پہنچا سکتی ہیں، اس لئے ان کو راضی رکھنے کے لئے ان کی نذر مانتا ہے، بھینٹ چڑھاتا ہے اور ان کی چوکھٹ پر جبہ سائی کرتا ہے۔ قرآن پاک یہاں کھول کر سمجھاتا ہے کہ آسمان وزمین کی تمام چیزیں اللہ کی ملک ہیں، اور ان کا حکم مان رہی ہیں۔ سب لازماً اور دائماً انہی کی مطیع وفرمانبردار ہیں، ان کے اشارے کے بغیر کائنات کی کوئی طاقت نہ نفع پہنچا سکتی ہے نہ نقصان، پھر کسی طاقت سے کیوں ڈرا جائے؟ اور ڈرا بھی جائے تو اس کا کیا حاصل ہوگا؟

اور تمہیں جو بھی نعمت حاصل ہے وہ اللہ پاک ہی کی طرف سے ہے، پھر جب تمہیں کوئی ضرر پہنچتا ہے —— تو انہی سے فریاد کرتے ہو، مگر جب اللہ تعالیٰ وہ ضرر ہٹا دیتے ہیں تو یکا یک ایک گروہ تم میں سے، اپنے رب کے ساتھ دوسروں کو شریک کرنے لگتا ہے، تاکہ ہماری بخشی ہوئی نعمت کی ناشکری کرے —— اچھا چند روز مزے اڑالو، جلد ہی تمہیں معلوم ہو جائے گا —— یہاں انسان کو یہ حقیقت یاد دلائی گئی ہے کہ جو اور جس قسم کی نعمت کسی انسان کو حاصل ہے، وہ اللہ پاک ہی کی طرف سے ہے، اگر کوئی نفع کا مالک یا نقصان رساں نظر آتا ہے، کوئی عظمت و بڑائی کا حامل ہے، کوئی شرف و بزرگی رکھتا ہے، کوئی طاقت وقوت والا ہے تو ان تمام نعمتوں کا سر چشمہ ذات خداوندی ہے، انہی کے قبضۂ قدرت میں نفع ونقصان ہے، اور اس کی شہادت تمہارے اپنے نفس میں موجود ہے، جب تم پر کوئی مصیبت آپڑتی ہے تو تم بے ساختہ خدا ہی کو پکارنے لگتے ہو، ان کے سامنے گڑگڑانے لگتے ہو، آہ وزاری کرتے ہو اور دُہائی دیتے ہو، مصیبت کی اس گھڑی میں تمہارے من گھڑت تصورات تھوڑی دیر کے لئے غائب ہو جاتے ہیں، گویا تمہاری فطرت شہادت دیتی ہے کہ مصائب اور سختیوں سے بچانا خدائے وحدہ لاشریک لہ کے سوا کسی کا کام نہیں۔

مگر جب اللہ پاک تمہاری آہ وزاری سن کر مصیبت ٹال دیتے ہیں تو تم اپنے منعم حقیقی کو بھلا بیٹھتے ہو، اللہ تعالیٰ کے شکریہ کے بجائے دیوی دیوتاؤں اور بزرگوں کے شکریے کی نذریں اور نیازیں چڑھانی شروع کر دیتے ہو۔

مشرک کی یہ حرکت ظاہر کرتی ہے کہ گویا اس کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی اس مہربانی میں اُن کی مہربانی کا بھی دخل ہے، بلکہ بعض ناہنجار تو یہ تک سمجھنے لگتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہرگز مہربانی نہ کرتے اگر یہ حضرات مہربان ہو کر اللہ تعالیٰ کو مہربانی پر آمادہ نہ کرتے (العیاذ باللہ) —— اس طرح مشرک انسان خدائے وحدہ لاشریک لہ کے انعام واحسان کے انکار وناشکری پر تُل بیٹھتا ہے بہتر ہے، چند روز دنیا میں عیش کرلے جلد ہی اُسے معلوم ہو جائے گا اس کفرانِ نعمت کا انجام کیا ہوتا ہے؟

وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ۭ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۶﴾ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۵۸﴾ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْۗءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ۭ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰي هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۵۹﴾ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶۰﴾ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَاۗبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَاۗءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ۭ لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ﴿۶۲﴾

ع ۱۴

وَيَجْعَلُوْنَ	اور بناتے ہیں وہ	عَمَّا كُنْتُمْ (۲)	تمہاری افتراء پردازیوں	بُشِّرَ	خوش خبری دی جاتی ہے
لِمَا (۱)	ان کے لئے جس کے متعلق	تَفْتَرُوْنَ	کے بارے میں	اَحَدُهُمْ	ان میں سے کسی کو
لَا يَعْلَمُوْنَ	نہیں جانتے وہ (کہ	وَيَجْعَلُوْنَ	اور تجویز کرتے ہیں وہ	بِالْاُنْثٰى	لڑکی کی
	نافع وضار ہیں)	لِلّٰهِ	اللہ پاک کے لئے	ظَلَّ	(تو) ہوجاتا ہے
نَصِيْبًا	ایک حصہ	الْبَنٰتِ	بیٹیاں	وَجْهُهٗ	اس کا چہرہ
مِّمَّا	اس میں سے جو	سُبْحٰنَهٗ	پاک ہے ان کی ذات	مُسْوَدًّا	سیاہ
رَزَقْنٰهُمْ	روزی دی ہم نے ان کو	وَلَهُمْ (۳)	اور اپنے لئے	وَّهُوَ	اور وہ
تَاللّٰهِ	قسم اللہ پاک کی	مَّا يَشْتَهُوْنَ	جو چاہتے ہیں وہ	كَظِيْمٌ (۴)	گھٹنے والا (ہے)
لَتُسْـَٔلُنَّ	ضرور تم سے پوچھا جائیگا	وَاِذَا	اور جب	يَتَوَارٰى	چھپ رہا ہے وہ

(۱) مَا موصولہ ہے، صلہ میں لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے، لَا يَعْلَمُوْنَ کا فاعل کفار ہیں اور مفعول محذوف ہے أی: لا يعلمونه أنه يضر وينفع (۲) مَا مصدریہ ہے (۳) لَهُمْ خبر مقدم، اور مَا يَشْتَهُوْنَ مبتدا مؤخر ہے اور جملہ حال ہے يَجْعَلُوْنَ کے فاعل سے۔ (۴) دیکھئے سورۂ یوسف آیت ۸۴

مِنَ الْقَوْمِ	لوگوں سے	الْحَكِيْمُ	بڑے حکمت والے	سَاعَةً	ایک گھڑی
مِنْ سُوْٓءِ [1]	بسبب عار		(ہیں)	وَّلَا	اور نہیں
مَا	اُس (لڑکی) کے جسکی	وَلَوْ	اور اگر	يَسْتَقْدِمُوْنَ	آگے بڑھیں گے
بُشِّرَ بِهٖ	خوشخبری دیا گیا ہے وہ	يُؤَاخِذُ	پکڑیں	وَيَجْعَلُوْنَ	اور تجویز کرتے ہیں
اَيُمْسِكُهٗ	کیا لئے رہے وہ اسے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	لِلّٰهِ	اللہ تعالیٰ کے لئے
عَلٰى هُوْنٍ [2]	ذلت کے ساتھ	النَّاسَ	لوگوں کو	مَا	وہ جسے
اَمْ يَدُسُّهٗ [3]	یا دبا دے اس کو	بِظُلْمِهِمْ	ان کی زیادتی کی سبب سے	يَكْرَهُوْنَ	ناپسند کرتے ہیں وہ
فِي التُّرَابِ	مٹی میں!	مَّا تَرَكَ	(تو) نہ چھوڑیں	وَتَصِفُ	اور بیان کرتی ہیں
اَلَا سَآءَ	سن لو! برا ہے	عَلَيْهَا	زمین پر	اَلْسِنَتُهُمُ	ان کی زبانیں
مَا	جو	مِنْ دَآبَّةٍ	کوئی بھی جاندار	الْكَذِبَ [6]	جھوٹ
يَحْكُمُوْنَ	فیصلہ کرتے ہیں وہ	وَّلٰكِنْ	لیکن	اَنَّ	کہ
لِلَّذِيْنَ	ان کے لئے جو	يُّؤَخِّرُهُمْ	مہلت دیتے ہیں اللہ	لَهُمُ	ان کے لئے
لَا يُؤْمِنُوْنَ	نہیں ایمان رکھتے		تعالیٰ ان کو	الْحُسْنٰى	بھلائی ہے
بِالْاٰخِرَةِ	آخرت پر	اِلٰٓى اَجَلٍ	ایک معین میعاد	لَا جَرَمَ	لامحالہ
مَثَلُ السَّوْءِ [4]	بری حالت ہے	مُّسَمًّى	تک	اَنَّ	(یہ بات ہے) کہ
وَلِلّٰهِ	اور اللہ تعالیٰ کیلئے (ہے)	فَاِذَا	پھر جب	لَهُمُ	ان کے لئے
الْمَثَلُ	حالت	جَآءَ	آ پہنچے گی	النَّارَ	آگ (ہے)
الْاَعْلٰى	برتر	اَجَلُهُمْ	ان کی میعاد	وَاَنَّهُمْ	اور یقیناً وہ
وَهُوَ	اور وہ	لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ [5]	(تو) نہیں پیچھے رہیں	مُّفْرَطُوْنَ [7]	پہلے پہنچائے ہوئے
الْعَزِيْزُ	سب پر غالب		گے وہ		ہوں گے

(۱) مِنْ تعلیلیہ ہے۔ (۲) عَلٰی هَوْنٍ حال ہے فاعل سے (۳) دَسَّ (ن) دَسًّا الشیئ: دھنسانا، گاڑنا، چھپانا (۴) السوء کے لئے دیکھئے التوبہ آیت ۹۸ (۵) دیکھئے یونس آیت ۴۹ (۶) الکذب مفعول ہے اور أن لهم اس کا بدل ہے (۷) مُفْرَطُوْن: اسم مفعول، جمع مذکر ہے، آگے روانہ کئے ہوئے، إفراطٌ مصدر اَفْرَطَ رَسُوْلاً: قاصد بھیجنا۔

جو خالص اللہ پاک کا حق ہے اس کو غیر اللہ کے لئے تجویز کرنا حماقت ہے

اِن آیتوں میں مشرکین کی حماقت کا ایک نمونہ پیش کیا جا رہا ہے، یہ مشرکانہ ذہنیت کی کمزوری ہے کہ جو خالص اللہ پاک کا حق ہے، اُسے تو غیر اللہ کے لئے تجویز کرتے ہیں، اور جو کسی طرح بھی اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان نہیں، اُسے اللہ پاک کے لئے تجویز کرتے ہیں —— ہر قسم کی عبادت اور پرستش صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے اُن کے سوا کوئی عبادت اور پوجا کے لائق نہیں، مگر مشرکین اپنی آمدنیوں اور اپنی آراضی کی پیداوار میں سے ایک مقررہ حصہ غیر اللہ کی نذر و نیاز اور بھینٹ چڑھانے کے لئے الگ نکال رکھتے ہیں۔ ارشاد ہے: — اور یہ لوگ ہمارے دئے ہوئے رزق میں سے ان (معبودوں) کا ایک حصہ مقرر کرتے ہیں جن (کے نافع ضار ہونے) کی انھیں کچھ خبر نہیں —— یعنی مشرکین ہماری ان نعمتوں میں سے جو ہم نے انہیں دے رکھی ہیں ان معبودوں کا بھی حصہ لگاتے ہیں جن کے معبود ہونے کی یا بنانے بگاڑنے پر قادر ہونے کی انھیں کچھ تحقیق نہیں۔ اُن کے پاس نہ کوئی علم ہے، نہ ثبوت ہے، نہ تحقیق ہے۔ بس اندھا دھند، بلا دلیل وحجت ان کو قادر مان کر اپنی آمدنیوں کا ایک حصہ ان کی نذر کرتے ہیں —— غور کرو، کس قدر نمک حرام ہیں وہ لوگ جو اللہ پاک کی دی ہوئی روزی اور اللہ پاک کی بخشی ہوئی دولت، اللہ پاک کی بارگاہ کو چھوڑ کر، اُن بارگاہوں پر چڑھاتے ہیں، جن کا کوئی حق نہیں، جنہیں کچھ خبر نہیں، اور جو نہ کسی کا کچھ بنا سکتے ہیں، اور نہ بگاڑ سکتے ہیں —— قسم اللہ پاک کی! تم سے تمہاری ان افتراء پردازیوں کی ضرور باز پرس ہوگی —— کہ تمہیں کیا حق پہنچتا تھا جو خدا کے دئے ہوئے مال میں غیر اللہ کو شریک و سہیم بنا لیا!

مشرکین کا عقیدہ ہے کہ زمین وآسمان اور تمام کائنات کے خالق، پروردگار اور مالک ومختار بس اللہ پاک ہی ہیں، ہمارے معبود اور دیوتا بھی انہی کی مخلوق اور انہی کے بندے ہیں، مگر انھوں نے اللہ تعالیٰ کی بہت ریاضت وعبادت کی اس لئے وہ اللہ کے پیارے اور چہیتے ہو گئے، اللہ نے اُن کو مقام الوہیت عطا فرما دیا اور ایک محدود دائرے میں تصرف کا ان کو اختیار بخش دیا اور اُن کو ایسا کر دیا کہ وہ ہم کو دیکھتے ہیں، ہماری التجائیں سنتے، اور ہمارے احوال جانتے ہیں، اور ہماری مدد کرتے ہیں، ان کی پوجا اور نذر و نیاز سے خدا تک پہنچا جا سکتا ہے، وہ اپنے اس عقیدے کی بناء پر ان کی نذریں اور منتیں مانتے اور چڑھاوے چڑھاتے ہیں اور مشکل کشائی اور حاجت روائی کے لئے ان کو پکارتے اور اُن سے التجائیں کرتے ہیں —— اِس آیت پاک میں ان لوگوں کو سمجھایا ہے کہ خدا کے بندو! سوچو، روزی دی ہوئی اللہ پاک کی اور تم نے اس میں شریک بنا لیا دوسروں کو؟ اگر تم اپنی ان افترا پردازیوں سے باز نہیں آئے تو بہت جلد وہ دن آ رہا ہے جب تم سے اس کا سوال ہوگا اور تمہارے پاس کف افسوس ملنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہوگا!

جو بات اللہ پاک کے لائق نہیں، اس کو اللہ پاک کی طرف منسوب کرنا بھی حماقت ہے

مشرکین کی دوسری حماقت یہ ہے کہ جو بات کسی طرح بھی اللہ پاک کے لئے سزاوار نہیں اُسے پوری ڈھٹائی سے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں، ارشاد ہے: —— اور یہ لوگ اللہ پاک کے لئے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں —— ان کی ذات (اولاد) سے پاک ہے! —— جبکہ اپنے لئے وہ (تجویز کرتے ہیں) جوان کا دل چاہتا ہے —— یعنی نرینہ اولاد —— مطلب یہ ہے کہ ایک تو حق تعالیٰ کی جانب اولاد کا انتساب بجائے خود جہالت وسفاہت ہے، اور پھر اولاد میں بھی حق تعالیٰ کے لئے وہ صنف، جسے اپنے لئے ہرگز پسند نہیں کرتے —— اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کے پیدا ہونے کی خوش خبری دی جاتی ہے تو اس کا منہ کالا پڑ جاتا ہے —— اس کا چہرہ اتر جاتا ہے اور ہوائیاں اڑنے لگتی ہیں —— اور وہ خون کا گھونٹ پی کی رہ جاتا ہے —— کہ کیسی عار کی چیز میرے اور میرے خاندان کے پلّے پڑی! —— وہ لوگوں سے چھپا پھرتا ہے اس لڑکی کے عار سے جس کی اُسے خوشخبری دی گئی ہے [1] —— اب نہ وہ دوستوں کو منہ دکھا سکتا ہے نہ خاندان کے بزرگوں کے سامنے آسکتا ہے (سوچتا ہے کہ) آیا ذلت کے ساتھ اسے لئے رہوں یا مٹی میں گاڑ دوں —— شب وروز اسی ادھیڑ بُن میں لگا رہتا ہے کہ دنیا کی عار قبول کر کے لڑکی کو زندہ رہنے دوں یا زمین میں گاڑ کر فخر کے ساتھ سر بلند کروں؟ —— ہائے! کیسا برا فیصلہ کرتے ہیں یہ لوگ! —— کہ اپنے لئے جس بیٹی کو اس قدر موجب عار سمجھتے ہیں، اُسی کو خدائے پاک کے لئے بلا تأمل تجویز کرتے ہیں۔

اب دو باتیں سمجھ لیجئے:

۱-مشرکین کے معبودوں میں جتنی دیویاں ہیں ان کے متعلق ان کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ خدا کی بیٹیاں ہیں، اسی طرح فرشتوں کو بھی وہ خدا کی بیٹیاں قرار دیتے ہیں، مشرکین عرب میں خاص طور پر قریش کے قبائل بنوخزاعہ اور بنو کنانہ میں یہ بلا زائد تھی، جب اُن سے پوچھا جاتا کہ ان کی مائیں کون ہیں؟ تو بڑے بڑے جنوں کی لڑکیوں کو بتلاتے، اس طرح ان

(۱) اس آیت میں دو مرتبہ لڑکی کی ولادت کی خبر کو ''خوشخبری'' کہا گیا ہے۔غور کیجئے قرآن پاک کس طرح اشاروں اشاروں میں ذہنوں کو بدل رہا ہے۔وہ بتا رہا ہے کہ جس خبر سے عرب جاہلیت میں لڑکی کا باپ، اس قدر پریشان ہوتا تھا وہ کوئی بری خبر نہیں تھی، بلکہ وہ ایک خوشخبری تھی، ویسی ہی خوشخبری جیسی لڑکے کی ولادت کی ہوتی ہے، اور یہ اس کی کوتاہ فہمی ہے کہ وہ اُسے بری خبر سمجھ رہا ہے —— یہیں سے علمائے کرام نے یہ مسئلہ بیان فرمایا ہے کہ گھر میں لڑکی پیدا ہونے کو مصیبت وذلت سمجھنا جائز نہیں، یہ کفار کا فعل ہے، بلکہ مسلمان کو چاہئے کہ لڑکی پیدا ہونے پر زیادہ خوشی ظاہر کرے اس کی اچھی تعلیم وتربیت کرے، اور اس کے ساتھ احسان کا برتاؤ کرے، وہ لڑکی اس کے لئے جہنم سے آڑ بن جائے گی۔

کم بختوں نے خدا کا ناتا جنّوں اور فرشتوں دونوں سے جوڑ رکھا تھا۔ یہاں ان کی اس حماقت کو اُن کی ناانصافی کے نمونہ کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کے متعلق اُن کے تصور کی پستی واضح ہوتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو بھی ایک عام انسان کی طرح اولاد کا محتاج سمجھتے ہیں، ساتھ ہی یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ مشرکانہ ذہنیت اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کس قدر پست اور گستاخ ہے اور کس قدر بے حس واقع ہوئی ہے کہ جس چیز کو اپنے لئے موجب عار سمجھتے ہیں، اللہ کی طرف منسوب کرنے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کرتے۔

۲- اس آیت پاک سے عورتوں کی جنس کے بارے میں عرب جاہلیت کے تصور کا پورا پورا اندازہ ہوتا ہے، عورت اُن کے یہاں زیادہ سے زیادہ ذلیل اور حقیر مخلوق تھی، بعض قبائل جنہیں اپنے نسلی شرف کا گھمنڈ تھا۔ لڑکی کے باپ ہونے کو اپنے لئے ذلت سمجھتے تھے، اُسے یا تو مار ڈالتے تھے یا اپنے ہاتھ سے زندہ گاڑ دیتے تھے، اس آیت پاک میں اس گمراہی کا بھی ابطال کیا گیا ہے، اسلام نے نہ صرف دختر کُشی کی رسم مٹادی، بلکہ وہ ذہنیت بھی مٹادی جو ان وحشیانہ مظالم کے اندر کام کر رہی تھی۔ اس نے اعلان کیا کہ مرد اور عورت کا جنسی اختلاف کسی فضیلت اور محرومی کی بنیاد نہیں، دونوں کو اللہ تعالیٰ نے بہ حیثیت انسان ایک درجہ میں رکھا ہے۔ اور دونوں کے لئے ہر طرح کی فضیلتوں کی راہ کھلی ہوئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کرنا بھی حماقت ہے

ایک کلی ضابطہ بیان فرما کر یہ سمجھایا جاتا ہے کہ خدائے پاک کے لئے اولاد تجویز کرنا بجائے خود غلط ہے، ارشاد ہے —— بری حالت انہی لوگوں کے لئے ہے جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور برتر حالت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور وہ زبردست، بڑے حکمت والے ہیں —— یعنی مشرکین جنہیں آخرت پر یقین نہیں، بری حالت انہی کی ہے، وہی اولاد کے محتاج ہیں، دُکھ اور ضعیفی وغیرہ میں کام آنے کے لئے انہی کو لڑکوں کا سہارا چاہئے، نقص وعیب کی نسبت اُن ہی کی طرف مناسب ہے، حق تعالیٰ کی طرف اُن صفات کی نسبت کرنا، جو مخلوق کا خاصہ ہیں، ان کی شان رفیع کے منافی ہے، اُن کے لئے تو وہی صفات ثابت کی جاسکتی ہیں جو اعلیٰ سے اعلیٰ اور بلند سے بلند ہوں۔

آیت پاک کا خلاصہ سمجھ لینے کے بعد اب چار باتیں سمجھ لیجئے:

۱- بری حالت انہی لوگوں کی ہے جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، اس دنیا کی زندگی میں سرشار رہتے ہیں، کیونکہ جب آدمی اللہ پاک کے سامنے خود کو جواب دہ نہیں سمجھتا اور حساب دینے کا اندیشہ نہیں رکھتا تو اس کی پوری زندگی غلط ہو کر رہ جاتی ہے، وہ دنیا میں شتر بے مہار بن جاتا ہے، نہایت برے اخلاق واوصاف والا ہو جاتا ہے اور اللہ پاک کی زمین کو ظلم وفساد اور

فسق و فجور سے بھر دیتا ہے، اس لئے جب وہ مرتا ہے تو آخرت میں ہر طرح کی عقوبت وذلت کا شکار ہوتا ہے، غرض اس دنیا میں بھی اور دوسری زندگی میں بھی بری حالت انہی کی ہے اور ہوگی۔

۲- جو انسان پروردگار عالم سے بغاوت کرتے ہیں، وہ جانوروں سے بدتر ہیں، ان کے پاس دل ہوتے ہیں، مگر وہ اُن سے سوچنے کا کام نہیں لیتے، اُن کے پاس آنکھیں ہوتی ہیں مگر وہ اُن سے دیکھنے کا کام نہیں لیتے، اُن کے پاس کان ہوتے ہیں، مگر وہ اُن سے سننے کا کام نہیں لیتے، وہ لوگ غفلت میں ڈنگروں کی طرح ہیں، بلکہ اُن سے بھی گئے گذرے ہیں۔

رہے اللہ تعالیٰ کے وفادار بندے تو اُن کا حال اِن کے برعکس ہے، اُن کی اس دنیا میں بھی اچھی حالت ہوتی ہے اور آخرت میں بھی بہتر حالت ہوگی، جب تک وہ زندہ ہیں، پاکبازانہ زندگی بسر کرتے ہیں، بلند اخلاق اور برتر اوصاف کے حامل ہوتے ہیں، دوسروں کے حقوق کا خیال رکھتے ہیں اور رحم ومہربانی کا معاملہ کرتے ہیں، وہ لوگ اللہ پاک کی زمین کو عدل وانصاف اور عبادت وانقیاد سے بھر دیتے ہیں، رہی آخرت کی بھلائیاں اور خوبیاں تو وہ صرف انہی کے لئے ہیں۔

ملحوظہ: یہ نمبر دو والا مضمون آیت پاک کے پہلے جملے میں جو حصر ہے اس سے نکلتا ہے۔

۳- اللہ تعالیٰ کی حالت اعلیٰ سے اعلیٰ اور ہر بلند چیز سے بلند ہے، جس طرح اُن کی ذات بے ہمہ اور باہمہ ہے ان کی صفات بھی بے چوں اور بے چگوں ہیں، نہ ان کا ذات میں کوئی ہمسر ہے نہ صفات میں کوئی شریک، وہ ذات وصفات میں بے مثال اور بے شریک ہیں۔

صفات توقیفی ہیں:

جب ایک انسان تصور کرتا ہے کہ ایک خالق وپروردگار ہستی موجود ہے تو فوراً یہ تصور ابھرتا ہے کہ وہ ہستی کیسی ہے، اس کی صفات کیا کیا ہیں اور کس نوعیت کی ہیں؟ یہاں سے انسانی عقل کی درماندگیاں شروع ہوتی ہیں اور پھر کوئی گمراہی ایسی نہیں رہتی جس میں وہ گم نہ ہو جائے، حتیٰ کہ بعض اوقات بھٹکتے بھٹکتے اتنا دور چلا جاتا ہے کہ جس درجہ پر خود کھڑا ہے اس سے بھی خدا کا تصور نیچے گرا دیتا ہے، اس لئے وہی نام اور صفات، مناسب اور لائق ہیں جن کے معانی اچھے اور مفہوم بلند ہو، جو صفات وکمالات واقعی طور پر اللہ تعالیٰ میں موجود ہیں — اور تمام کمالات کا وہی منبع ہیں — انہی کے ساتھ اللہ پاک کو متصف کیا جاسکتا ہے اور انسان کے فرضی اور وہمی تصورات وخیالات اور صفات وکمالات کے ساتھ اللہ پاک کو ہرگز متصف نہیں کیا جاسکتا۔

جب صورت حال یہ ہے تو ضروری ہے کہ اللہ پاک اپنی صفات وکمالات، خود ہی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے لوگوں کو تعلیم فرماویں، کیونکہ انسان کی عقل نارسا خدائے پاک کے واقعی کمالات وصفات تک پہنچ ہی نہیں سکتی، اس

لئے صفات کا مسئلہ توقیفی ہے کہ قرآنِ کریم اور احادیثِ نبویہ میں جن صفات و کمالات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو متصف کیا گیا ہے بس انہی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو متصف کرنا جائز ہے، اور جن صفات و کمالات سے قرآن و حدیث خاموش ہیں، وہ اگرچہ کتنے ہی عمدہ نظر آئیں، ان کے ساتھ اللہ پاک کو متصف کرنا جائز نہیں، بلکہ قرآن پاک اور احادیث شریفہ میں جو صفات وارد ہوئی ہیں ان کے ہم معنی الفاظ بھی استعمال نہیں کئے جا سکتے، مثلاً: صفت جَمِيْلٌ حدیث شریف میں وارد ہوئی ہے (إِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ) مگر حَسِيْن نہیں آئی، لہٰذا اللہ تعالیٰ کو "جمیل" تو کہا جا سکتا ہے مگر "حسین" نہیں کہا جا سکتا۔

۴- اعلیٰ، بلند اور برتر حالت اللہ پاک ہی کی ہے، ان کی مخلوقات میں کوئی ایسا نہیں جو صفات و کمالات میں اللہ پاک کے ہم پلہ ہو، جو لوگ اس حقیقت کو نہیں سمجھتے وہ شرک کی دلدل میں پھنس جاتے ہیں، اس لئے مناسب ہے کہ اس بات کی کچھ تفصیل کی جائے۔

شرک فی الصفات اور شرک فی العبادت:

یاد رکھنا چاہئے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کو اُن صفات کے ساتھ متصف کرنا جائز نہیں، جو مخلوقات کی صفاتِ خاصہ ہیں، اُسی طرح جو صفات اللہ تعالیٰ کی صفاتِ خاصہ ہیں، ان کے ساتھ بھی کسی مخلوق کو متصف کرنا جائز نہیں، اگر خدائی صفات کسی بندے میں مان لی گئیں تو یہ شرک فی الصفات ہے، پھر جب اس بندے کی پوجا کی گئی، جس میں خدائی صفات ثابت کی گئی ہیں، ان کی نذر و نیاز مانی گئی یا چڑھاوے چڑھائے گئے تو یہ شرک فی العبادت ہے، ذیل میں اس کی چند مثالیں دی جاتی ہیں:

(الف) علم غیب یعنی وہ علم جو کسی کے بتلائے بغیر، کسی ہستی کو خود بخود اپنے اختیار سے حاصل ہو جائے، ایسا علم بے شک اللہ تعالیٰ ہی کی صفت ہے، جس میں اُن کا کوئی شریک نہیں، سورۃ النمل میں ہے: ﴿ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ﴾: (سورۃ النمل آیت ۶۵) ترجمہ: اعلان فرما دیجئے کہ جتنی مخلوقات آسمانوں اور زمین میں ہیں، ان میں سے کوئی بھی غیب کی بات نہیں جانتا سوائے اللہ پاک کے۔

شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے بہت سادہ انداز میں یہ بات اس طرح سمجھائی ہے:

علم غیبے کس نمی داند، بجز پروردگار ❁ ہر کسے گوید کہ میدانم، از وباور مدار
مصطفیٰ ہرگز نہ گفتے تانہ گفتے جبرئیل ❁ جبرئیلش ہم نہ گفتے تا نہ گفتے کردگار

ترجمہ: غیب کا علم کسی کو حاصل نہیں، سوائے پروردگار کے، لہٰذا جو کہے "میں جانتا ہوں" اس کی بات کا یقین مت کرو، حضور ﷺ غیب کی باتیں ہرگز نہیں بتا سکتے تھے، جب تک جبرئیل علیہ السلام نہ بتاتے۔ اور جبرئیل ہرگز نہیں بتا سکتے تھے

جب تک پروردگار نہ بتائیں۔

لہٰذا اگر کوئی شخص یہ عقیدہ رکھے کہ رسول اللہ ﷺ یا فلاں ولی علم غیب جانتے ہیں تو بلاشبہ یہ اللہ پاک کی ایک صفت خاصہ کو بندہ کے لئے ثابت کرنا ہے اور یہ عقیدہ ایسا ہی مشرکانہ عقیدہ ہے جیسا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو یا فلاں ولی کو الوہیت (خدائی) کا درجہ دے دیا ہے یا ربوبیت اور خالقیت ورزاقیت کی صفت عطا فرمادی ہے۔

البتہ یہ عقیدہ بالکل برحق اور قرآن وحدیث کے عین مطابق ہے کہ علم غیب تو صرف اللہ پاک ہی کو حاصل ہے۔اس میں ان کا کوئی شریک نہیں، اور کل غیب کا علم بھی صرف انہی کو ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پاک ﷺ اور دوسرے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو وحی کے ذریعے غیب کی ہزاروں باتیں بتائی ہیں، اور اولیاء اللہ کو بھی کشف والہام کے ذریعے بہت سی باتوں کی خبر ہوجاتی ہے، مگر یہ نہ علم غیب ہے اور نہ اس کی وجہ سے کسی کو عالم الغیب کہا جاسکتا ہے۔

(ب) آیت چالیس میں اللہ پاک کے كُنْ فَيَكُوْنُ تصرف کا ذکر آیا ہے، یعنی بغیر اسباب وآلات کے، اور بغیر کسی فن اور عمل کے، صرف اپنی قدرت، مشیت، ارادہ اور حکم سے کائنات میں تصرف کرنا اللہ تعالیٰ ہی کی شان اور صفت ہے، اللہ تعالیٰ نے کسی نبی یا ولی اور کسی مخلوق کو اس تصرف کی قدرت عطا نہیں فرمائی، پس جو مشرکین اپنے معبودوں اور دیوتاؤں کے بارے میں اس قسم کے تصرف کا عقیدہ رکھتے ہیں یا جو جاہل قبر پرست اور تعزیہ پرست، نام کے مسلمان، اماموں، پیروں اور شہیدوں کے بارے میں اس طرح کے تصرف کا عقیدہ رکھتے ہیں اور حاجتی بن کر ان کے مزاروں پر جاتے ہیں، اور ان سے حاجتیں اور مرادیں مانگتے ہیں، اور ان کے نام کی نذریں چڑھاتے ہیں وہ شرک فی الصفات اور شرک فی العبادۃ دونوں کے مرتکب ہوتے ہیں۔

اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ کسی نبی یا ولی یا پیر یا شہید یا اللہ پاک کے سوا کسی بھی واقعی یا فرضی ہستی کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ اللہ پاک کے ایسے پیارے چہیتے اور مقرب ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک درجہ اور ایک دائرہ میں کن فیکونی تصرف کی قدرت دے دی ہے، اور اب وہ صرف اپنے ارادے اور حکم سے تصرف کرسکتے ہیں، کسی کا کام بنا اور بگاڑ سکتے ہیں، حاجتیں پوری کرسکتے ہیں، تو یہ بعینہٖ وہی عقیدہ ہے جو مشرکین عرب اپنے معبودوں اور دیوتاؤں کے بارے میں رکھتے تھے۔اللہ پاک تمام انسانوں کو ایسے ناپاک عقیدوں سے محفوظ رکھیں (آمین)

(ج) یہ شان بھی صرف اللہ پاک کی ہے کہ جو شخص اس کو جب اور جہاں سے یاد کرتا ہے اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہوجاتا ہے، پس وہی عَلِيْم (سب کچھ جاننے والے) ہیں، کسی بھی مخلوق کو یہ صفت حاصل نہیں۔لہٰذا جو کفار اپنے معبودوں اور دیوتاؤں کے لئے اور جو مسلمان پیروں، ولیوں یا نبیوں کے لئے یہ صفت ثابت کرتے ہیں اور اپنی حاجتوں کے وقت اِسی

اعتقاد کی بناء پر ان سے مدد چاہتے ہیں اور مدد کے لئے ان کو پکارتے ہیں، بلاشبہ یہ شرک جلی ہے۔

یاد رکھنا چاہئے استعانت کے معاملہ میں اِس امت میں بہت غلو اور افراط پیدا ہوگیا ہے، جو لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی دہائی دیتے ہیں: **يَا عَلِيُّ اَلْمَدَدْ!** یا حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی صدا لگاتے ہیں: **يَا شَيخ عَبْد الْقَادِرْ شَيْئًا لِلّٰهِ** یہ سب دہائیاں اور صدائیں شرک کے دائرہ میں آتی ہیں۔

جاہلوں کو ان کی گستاخیوں کی سزا کیوں نہیں دی جاتی؟

یہ چار باتیں اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد اللہ پاک ہم کو ان پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔اس کے بعد آیت کے آخر میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ زبردست، بڑے حکمت والے ہیں، اس ارشاد میں اس خلجان کا جواب ہے کہ اللہ پاک ایسی ایسی گستاخیوں پر اور ایسی ایسی نازیبا باتیں منسوب کرنے پر سزا کیوں نہیں دیتے؟ فرماتے ہیں کہ اللہ پاک ایسے زبردست ہیں کہ لوگوں کو ان کی گستاخیوں کی سزا ہاتھوں ہاتھ دے سکتے ہیں، مگر فوراً سزا دینا اُن کی حکمت کے خلاف ہے، اس لئے ڈھیل دے رہے ہیں تا کہ جو لوگ سنبھلنا چاہیں سنبھل جائیں اور اپنا رویہ درست کرلیں۔ارشاد ہے —— اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کی ان کی ناانصافی کے سبب (فورا) دار وگیر فرماتے تو روئے زمین پر کسی متنفس کو نہ چھوڑتے —— یعنی اگر اللہ پاک لوگوں کی گستاخی اور ناانصافی پر فوراً پکڑنا اور سزا دینا شروع فرمادیں تو اس دنیا کا سارا قصہ منٹوں میں نمٹ جائے اور زمین کی یہ آبادی چند گھنٹے بھی باقی نہ رہ سکے، مگر وہ اپنے علم وحکمت سے ایسا نہیں کرتے، بلکہ مجرموں کو توبہ واصلاح کا موقع عنایت فرماتے ہیں، اور ایک وقت معین تک ان کو ڈھیل دیتے ہیں، ارشاد ہے: —— لیکن وہ ایک وقت مقررہ تک انھیں ڈھیل دے رہے ہیں، پھر جب اُن کا مقررہ وقت آپہنچے گا تو وہ نہ ایک گھڑی پیچھے رہ سکیں گے اور نہ ایک گھڑی آگے بڑھ سکیں گے —— یعنی جب وقت موعود آپہنچے گا تو پھر ایک سکنڈ اِدھر اُدھر نہیں ہوسکیں گے۔

مگر آج مشرکین اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں اور اپنی زبانوں سے جھوٹے دعوے بھی کرتے ہیں کہ اگر آخرت آئی تو وہاں کی تمام بھلائیاں بھی انہی کے لئے ہوں گی۔ وہاں بھی خوب چین سے رہیں گے، ان احمقوں کو بتایا جارہا ہے کہ آخرت میں تمہارے لئے خوبی اور بھلائی تو کیا ہوتی، آتش دوزخ تیار ہے۔ارشاد ہے —— اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے لئے وہ چیزیں تجویز کرتے ہیں جن کو خود ناپسند کرتے ہیں اور اس پر اپنی زبان سے یہ جھوٹے دعوے کرتے ہیں کہ (آخرت کی) بھلائی انہی کے لئے ہے —— یعنی ایک طرف یہ گستاخیاں اور ناانصافیاں، دوسری طرف یہ خوش فہمیاں اور جھوٹے دعوے کہ آخرت کی بھلائی ان ہی کے لئے ہیں —— بے شک آگ انہی کے لئے ہے اور یقیناً وہ اس میں سب سے پہلے پہنچائے جائیں گے —— یعنی یہ لوگ دوسرے جہنمیوں کا مقدمۃ الجیش اور ہراول دستہ ہوں گے، کیونکہ گمراہی اور

ضلالت میں یہ اُن کے پیش رو رہے ہیں۔

تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۵﴾ ع

تَاللّٰهِ	اللہ کی قسم!	اَلِيْمٌ	دردناک	يُّؤْمِنُوْنَ	(جو) مان لیں
لَقَدْ	البتہ یقیناً	وَمَآ	اور نہیں	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ نے
اَرْسَلْنَآ	بھیجے ہم نے	اَنْزَلْنَا	اتاری ہم نے	اَنْزَلَ	اتارا
اِلٰٓى اُمَمٍ	قوموں کے پاس	عَلَيْكَ	آپ پر	مِنَ السَّمَآءِ	آسمان سے
مِّنْ قَبْلِكَ[1]	آپ سے پہلے	الْكِتٰبَ	کتابِ الٰہی	مَآءً	پانی
فَزَيَّنَ	پس خوشنما بنائے	اِلَّا	مگر	فَاَحْيَا	پھر زندہ کیا
لَهُمُ	اُن کے لئے	لِتُبَيِّنَ	تاکہ کھول دیں آپ	بِهِ	اس کے ذریعہ
الشَّيْطٰنُ	شیطان نے	لَهُمُ	ان کے لئے	الْاَرْضَ	زمین کو
اَعْمَالَهُمْ	اُن کے کام	الَّذِى	وہ جو	بَعْدَ مَوْتِهَا	اُس کے مرجانے کے بعد
فَهُوَ	سو وہ	اخْتَلَفُوْا	اختلاف کرتے ہیں وہ	اِنَّ	یقیناً
وَلِيُّهُمُ	اُن کا سرپرست (ہے)	فِيْهِ	اس میں	فِىْ ذٰلِكَ	اس میں
الْيَوْمَ	آج	وَهُدًى	اور راہ نمائی	لَاٰيَةً	البتہ بڑی نشانی (ہے)
وَلَهُمْ	اور اُن کے لئے	وَّرَحْمَةً[2]	اور مہربانی	لِّقَوْمٍ	(اُن) لوگوں کے لئے
عَذَابٌ	عذاب (ہے)	لِّقَوْمٍ	(ان) لوگوں کے لئے	يَّسْمَعُوْنَ	(جو) بات سنتے ہیں

(۱) جارمجرور اَرْسَلْنَا سے متعلق ہیں۔ (۲) فی موضع نصب، علی أنهما مفعول من أجله، والناصب أنزلنا (روح)

رسول اللہ ﷺ کو تسلی کہ آپؐ پریشان نہ ہوں

ان آیتوں میں یہ سمجھایا جارہا ہے کہ شیطان، انسان کو سنبھلنے کا موقع نہیں دیتا، وہ اس کی بداعمالیاں، بدعقیدگیاں اور شان باری میں اس کی گستاخیاں اسے خوشنما بنا کر دکھاتا ہے، اس وجہ سے چیزوں کا اصلی حسن وقبح اس کے سامنے ظاہر نہیں ہوتا اور اپنی غلط زندگی کے خلاف اس کے دل میں کوئی خلش پیدا نہیں ہوتی —— ساتھ ہی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تسلی دی جارہی ہے کہ آپ لوگوں کی ہٹ دھرمی سے رنجیدہ نہ ہوں، ہمیشہ یہی ہوتا رہا ہے اور آج بھی ہورہا ہے، آپ ﷺ کی بعثت کا اور آپ پر اس کتاب کے نازل فرمانے کا یہ مقصد نہیں ہے کہ آپ کسی بھی طرح انہیں سمجھا دیں، ورنہ آپ رسالت کی ذمہ داری سے عہدہ برآنہ ہوسکیں گے۔ بلکہ یہ قرآن آپ پر صرف اس لئے اتارا جارہا ہے کہ جن سچے اصولوں میں یہ اختلاف کررہے ہیں اور جھگڑے ڈال رہے ہیں آپ ان سب کو وضاحت اور تحقیق کے ساتھ بیان فرمادیں اور بندوں پر خدا کی حجت تمام کردیں، آگے ماننا نہ ماننا خود مخاطبین کا کام ہے، جسے توفیق ہوگی قبول کرے گا۔ آپ ﷺ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ارشاد ہے قسم اللہ پاک کی! یقیناً یہ ایک حقیقت ہے کہ ہم نے بہت سی قوموں کے پاس آپ سے پہلے رسول بھیجے ہیں، پھر (ایسا ہوا کہ) شیطان نے اُن کے اعمال انہیں خوشنما کردکھائے —— اس لئے وہ لوگ پیغمبروں کی تعلیمات سے متاثر نہ ہوئے، بلکہ اپنی کفریات ہی کو پسند کرتے رہے —— سو وہی شیطان آج اِن لوگوں کا بھی سرپرست بنا ہوا ہے —— اور انھیں بھی طرح طرح کی پٹیاں پڑھا رہا ہے، اس لئے یہ پچھلے بھی انہی اگلوں کی طرح اپنی کفریات کو پسند کررہے —— اور اِن کے لئے دردناک عذاب ہے —— یعنی یہ بھی لامحالہ ویسی ہی دردناک سزا پائیں گے جیسی ان اگلوں نے پائی تھی۔

نزولِ قرآن کے دومقصد:

ارشاد فرماتے ہیں: —— اور ہم نے آپ پر یہ کتاب صرف اس لئے نازل کی ہے کہ جس امر میں یہ لوگ اختلاف کررہے ہیں، آپ اس کو اُن پر واضح کردیں —— یعنی جن باتوں کو انسان اپنی عقل وادراک سے نہیں پاسکتا اور اسی لئے طرح طرح کے اختلافات کھڑے کررہا ہے، کوئی کچھ سمجھنے لگتا ہے کوئی کچھ، وحی الٰہی نازل ہوتی ہے تاکہ ان اختلافات کو دور کردے اور بتلادے کہ اصل حقیقت کیا ہے۔

یہ باتیں کونسی ہیں جن میں لوگ اختلاف کرتے ہیں اور جن کا اختلاف بغیر اس کے دور نہیں ہوسکتا کہ کتاب الٰہی آئے اور پردہ اٹھائے؟ —— وہ تمام باتیں جو انسانی عقل وادراک کی سرحد سے ماوری ہیں، اللہ تعالیٰ کی صفات، مرنے کے بعد

کی زندگی، عالم معاد کے احوال، جزائے عمل کا قانون، عالم غیب کے حقائق یعنی وہ ساری باتیں جن کی درستگی سے روحانی سعادت پیدا ہوتی ہے۔

انسان جب کبھی اس راہ میں وحی الٰہی کی روشنی سے الگ ہو کر قدم اٹھاتا ہے، اختلافات کی تاریکیوں میں گم ہو جاتا ہے اور جونہی ہدایت ربانی کی روشنی ظاہر ہوتی ہے حقیقت حال واضح ہو جاتی ہے، پھر ہر شخص کو اختیار ہے کہ وہ اپنے لئے تباہی اور ہلاکت کا رستہ اختیار کرے یا وہ زندگی اپنائے جس پر قدرت کو پیار آئے!

اور رہنمائی اور رحمت ان لوگوں کے لئے جو اسے مان لیں —— یہ نزول قرآن کا دوسرا مقصد ہے، قرآن پاک مؤمنین کے لئے سراسر ہدایت و رحمت ہے، وہ انھیں اللہ پاک کے تک پہنچنے کا اور ان کی خوشنودی اور رضامندی حاصل کرنے کا راستہ بتاتا ہے یقین کرنے والوں کے لئے یہ پیام رحمت ہے، پس لوگوں کو چاہئے کہ اس کی قدر کریں، ایمان لائیں اور اس پر عمل کریں۔

اللہ تعالیٰ مردہ دلوں کو حیات نو بخشیں گے

آگے ایک سوال کا جواب ہے کہ کفر کی تاریکیاں تو گھٹاٹوپ ہیں، دلوں کی زمین سنگلاخ ہے، ہر سو کفر و ضلالت ڈیرہ جمائے ہوئے ہے، قرآن کو ماننے والے اور اس کی باتوں پر یقین کرنے والے مفقود ہیں، پھر قرآن کس کی راہ نمائی کرے گا اور کسے پیام رحمت سنائے گا؟ جواب ارشاد فرمایا جاتا ہے: —— اور اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس نے زمین کو مردہ ہونے کے بعد زندہ کیا، یقیناً اس میں بڑی نشانی ہے سننے والوں کے لئے —— یعنی نزول ہدایت و رحمت کا معاملہ ایسا ہی ہے جیسے باران رحمت کا نزول، وہ مردہ زمین کو زندہ کر دیتی ہے، یہ مردہ دلوں کو زندہ کر دے گا۔

اگر توجہ قلبی سے قرآن پاک پڑھا جائے تو جاہل، عالم اور مردہ دل زندہ دل ہو جائیں

وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۖ نُّسْقِيكُم مِّمَّا فِي بُطُونِهِ مِن بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِّلشَّارِبِينَ ﴿٦٦﴾ وَمِن ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ وَالْأَعْنَابِ تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا وَرِزْقًا حَسَنًا ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿٦٧﴾

وَإِنَّ	اور یقیناً	لَكُمْ	تمہارے لئے ہے	فِي الْأَنْعَامِ	مویشی میں

لَعِبْرَةً (۱)	البتہ سبق	سَآئِغًا (۴)	خوشگوار	سَكَرًا	نشہ آور
نُسْقِيْكُمْ	پلاتے ہیں ہم تم کو	لِّلشّٰرِبِيْنَ	پینے والوں کے لئے	وَّ رِزْقًا	اور روزی
مِّمَّا	اُن چیزوں میں سے جو	وَمِنْ (۵)	اور پلاتے ہیں ہم	حَسَنًا	عمدہ
فِيْ بُطُوْنِهٖ (۲)	اُن کے پیٹ میں ہیں	ثَمَرٰتِ	پھلوں سے	اِنَّ	یقیناً
مِنْۢ بَيْنِ	درمیان سے	النَّخِيْلِ	کھجور	فِيْ ذٰلِكَ	اس میں (ہے)
فَرْثٍ (۳)	گوبر	وَالْاَعْنَابِ	اور انگور (کے)	لَاٰيَةً	البتہ بڑی نشانی
وَّ دَمٍ	اور خون (کے)	تَتَّخِذُوْنَ	بناتے ہو تم	لِّقَوْمٍ	(ان) لوگوں کے لئے
لَّبَنًا خَالِصًا	دودھ صاف	مِنْهُ	اس سے	يَّعْقِلُوْنَ	(جو) سمجھتے ہیں

برے لوگوں سے بھلے لوگ اور سنگ دلوں سے نرم دل کیسے نکلتے ہیں؟

پچھلی آیت میں آپ نے پڑھا کہ جس طرح بارانِ رحمت مردہ زمین کو حیات بخشتی ہے، یہ قرآن پاک مردہ دلوں کو زندگی بخشتا ہے، اب یہ بیان ہے کہ برے لوگوں میں سے بھلے لوگ اور سنگ دلوں میں سے نرم دل کس طرح نکل آتے ہیں، ارشاد ہے کہ یہ بات اللہ پاک کے لئے کچھ مشکل نہیں، اللہ پاک کی قدرت میں سب کچھ ہے، اور تمہارے سامنے اس کے نمونے موجود ہیں۔

پہلا نمونہ: دیکھو بری چیزوں میں سے نہ صرف اچھی چیز بلکہ بہت اچھی چیز کس طرح نکلتی ہے۔ ارشاد ہے —— اور تمہارے لئے مویشی میں یقیناً بڑا سبق ہے، ہم تمہیں پلاتے ہیں، ان کے پیٹ میں جو گوبر اور خون ہے اُن کے بیچ میں سے، خالص دودھ، جو پینے والوں کے لئے نہایت خوشگوار ہے —— یعنی کیا تم اس میں غور نہیں کرتے کہ دودھ جیسی پاکیزہ اور نفیس چیز تمہیں کہاں سے ملتی ہے، یہ اسی جسم میں بنتا ہے جس میں غلاظت اور خون ہوتا ہے، جو طرح طرح کی آلائشوں

(۱) عِبْرَةٌ بروزن فِعْلَةٌ، یہ وزن بیانِ حالت ونوع کے لئے ہے، یعنی عِبْرَةٌ، عُبُوْرٌ کی ایک خاص حالت ونوع کا نام ہے، عَبْرٌ اور عُبُوْرٌ کے معنی ہیں: ایک حال سے دوسرے حال میں گزرنا، اور اِعْتِبَارٌ اور عِبْرَةٌ اس حالت کے ساتھ مخصوص ہے، جس کے ذریعے معلوم سے مجہول اور مشاہد سے غیر مشاہد تک پہنچا جائے (راغب) (۲) ضمیر انعام کی طرف لوٹ رہی ہے، وهو اسم جمع، واسم الجمع يجوز تذكيره وإفرادهٗ باعتبار لفظهٖ وتأنيثه وجمعهٗ باعتبار معناه، ولذا جاءَ بالوجهين في القرآن وكلام العرب (روح) (۳) فَرْثٌ: وہ گوبر جو جانور کی آنتوں کے اندر ہو، جمع فُرُوْثٌ (۴) سَائِغًا (اسم فاعل، صیغہ واحد مذکر) خوش گوار، رچتا پچتا، سَاغَ يَسِيْغُ وَيَسُوْغُ الشراب: آسانی کے ساتھ مشروب کا حلق سے نیچے اتر جانا (۵) من ثَمرات کا عطف مِمَّا فِيْ بُطُوْنِه پر ہے۔

سے بھرا ہوا ہوتا ہے، قدرت کی کاریگری دیکھو کہ اُسی گندگی میں دودھ بھی بنتا ہے، جو تمہاری سب سے زیادہ دل پسند غذا ہے، اس میں نہ گوبر کی بو ہوتی ہے نہ مزہ، نہ خون کی مضرت ہوتی ہے نہ رنگ، خالص، صاف ستھرا، رنگ و بو اور خاصیت ومقصد میں دونوں سے بالکل مختلف، دل پسند، اور خوش گوار ایسا کہ تم دیکھتے ہی اٹھالو اور بے غل وغش ایک ایک قطرہ پی جاؤ!

اگر تم اس پیش پا افتادہ حقیقت میں غور کرو تو تم آسانی سے خدائے پاک کی قدرت لایزال کا اندازہ کر سکتے ہو، ایسی قادر ذات کے لئے برے اور گندے لوگوں کی سوسائٹی میں سے بھلے اور نیک دل انسانوں کو وجود میں لانا کیا مشکل ہے! ماحول پر محنت کرو، اللہ پاک کے لئے یہ کچھ مشکل نہیں کہ بُروں میں سے بھلے لوگ پیدا فرمادیں۔

دوسرا نمونہ: سنگ دلوں میں سے نرم دل کس طرح نکل آتے ہیں اس کا نمونہ دیکھئے: —— اور کھجور اور انگور کے پھلوں سے بھی (ہم تمہیں) پلاتے ہیں، جن سے تم نشہ آور اور عمدہ رزق بناتے ہو، اس میں یقیناً بڑی نشانی ہے عقل سے کام لینے والوں کے لئے! —— یعنی غور کرو، کھجور، انگور، گنا، سنترہ اور طرح طرح کے پھل کیسے ٹھوس اور سخت ہوتے ہیں، جس نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ نہ کیا ہو اُسے کبھی یقین نہیں آئے گا کہ اِن میں سے ایک سیال مشروب بھی نکل سکتا ہے، مگر یہ خدائے پاک کی قدرت ہے کہ اِن ٹھوس پھلوں میں سے خوش ذائقہ شیرہ، رس اور عرق نکل آتا ہے، جنھیں مختلف طریقوں سے لوگ کام میں لاتے ہیں، کوئی شربت بناتا ہے، کوئی سرکہ، کوئی پکا کر قوام بناتا ہے، کوئی شکر، اور ایسے بھی لوگ ہیں جو ان رسوں سے شراب بناتے ہیں اور نشہ آور چیزیں تیار کرتے ہیں —— اگر لوگ عقل سے کام لیں تو سمجھ سکتے ہیں کہ خدائے پاک ہر طرح قدرت رکھنے والے ہیں، ان کے لئے یہ کام نہایت ہی آسان ہے کہ انہی سنگ دل انسانوں میں سے جن کے دلوں میں کوئی نصیحت کی بات اثر نہیں کرتی، ایسے نرم دل انسان پیدا کردیں کہ جب ان کے سامنے خدا کی آیتیں پڑھی جائیں تو ان کے رونگٹے کھڑے ہوجائیں اور وہ اطاعت وفرمانبرداری کی تصویر بن جائیں۔

اللہ تعالیٰ کے لئے ولید بن مغیرہ، ایسے سنگ دل انسان کے پیٹ سے سیف اللہ خالد بن ولید

(رضی اللہ عنہ) کو پیدا کرنا کچھ مشکل نہیں!

وَ اَوۡحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحۡلِ اَنِ اتَّخِذِیۡ مِنَ الۡجِبَالِ بُیُوۡتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَ مِمَّا یَعۡرِشُوۡنَ ﴿۶۸﴾ ثُمَّ کُلِیۡ مِنۡ کُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسۡلُکِیۡ سُبُلَ رَبِّکِ ذُلُلًا ؕ یَخۡرُجُ مِنۡۢ بُطُوۡنِہَا شَرَابٌ مُّخۡتَلِفٌ اَلۡوَانُہٗ فِیۡہِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ

لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿٦٩﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿٧٠﴾

وَاَوْحٰى[1]	اوروحی کی	ذُلُلًا[3]	مسخر کردہ	ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ	پھر موت دیتے ہیں تم کو
رَبُّكَ	آپ کے پروردگار نے	يَخْرُجُ	نکلتا ہے	وَمِنْكُمْ	اور تم میں سے
اِلَى النَّحْلِ	شہد کی مکھی کی طرف	مِنْۢ بُطُوْنِهَا	ان کے پیٹ سے	مَّنْ	وہ (بھی) ہیں جو
اَنِ اتَّخِذِيْ	کہ بناتو	شَرَابٌ	شربت	يُّرَدُّ	لوٹادئے جاتے ہیں
مِنَ الْجِبَالِ	پہاڑوں میں	مُّخْتَلِفٌ	طرح طرح کے (ہیں)	اِلٰٓى اَرْذَلِ	نکمی
بُيُوْتًا	گھر (چھتے)	اَلْوَانُهٗ	اس کے رنگ	الْعُمُرِ	عمر کی طرف
وَّمِنَ الشَّجَرِ	اور درختوں میں	فِيْهِ	اس میں (ہے)	لِكَيْ	تاکہ
وَمِمَّا	اور اُن میں جو	شِفَاۗءٌ	شفا	لَا يَعْلَمَ	نہ جانیں وہ
يَعْرِشُوْنَ[2]	چھتریاں بناتے ہیں وہ	لِّلنَّاسِ	لوگوں کے لئے	بَعْدَ	بعد
ثُمَّ كُلِيْ	پھر کھاتو	اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ	یقیناً اس میں (ہے)	عِلْمٍ	جاننے (کے)
مِنْ كُلِّ	ہر قسم کے	لَاٰيَةً	البتہ بڑی نشانی	شَيْـًٔا	کوئی چیز
الثَّمَرٰتِ	میوں میں سے	لِّقَوْمٍ	(ان) لوگوں کے لئے	اِنَّ اللّٰهَ	یقیناً اللہ تعالیٰ
فَاسْلُكِيْ	پھر چل تو	يَّتَفَكَّرُوْنَ	(جو) غور وفکر کرتے ہیں	عَلِيْمٌ	سب کچھ جاننے والے
سُبُلَ	راہوں (پر)	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ (نے)	قَدِيْرٌ	بڑی قدرت والے
رَبِّكِ	تیرے پروردگار (کی)	خَلَقَكُمْ	پیدا فرمایا تم کو		(ہیں)

نیش زنوں میں سے غم گسار دوست کس طرح نکلتے ہیں؟

برے لوگوں میں سے بھلے لوگ کس طرح نکلتے ہیں، اور سنگ دلوں میں سے رقیق القلب کس طرح نکلتے ہیں، یہ اہم

(۱) وحی کے لغوی معنی ہیں: لطیف اشارہ کرنا، جسے اشارہ کرنے والے اور اشارہ پانے والے کے سوا کوئی نہ سمجھ سکے، یہاں اور قرآن پاک میں متعدد جگہ یہی لغوی معنی مراد ہیں، اور یہ معنی اپنے عموم سے القاء (دل میں بات ڈالنا) اور الْهام (مخفی تعلیم) کو بھی شامل ہیں (۲) عَرَشَ (ن،ض) عَرشًا: عمارت کو اونچا بنانا، مکان کی چھت بنانا، انگور کی بیلوں کے لئے ٹٹیاں باندھ کر چھتریاں بنانا (۳) ذُلُلاً جمع ہے ذَلُوْلٌ کی: مسخر، مطیع، منقاد۔

دیکھ چکے، آیئے اب اس سے بڑی ایک حقیقت سمجھیں کہ جانی دشمنوں میں سے اور نیش زنوں میں سے غمگسار دوست کس طرح پیدا ہوتے ہیں، اللہ پاک اس سلسلہ میں شہد کی مکھی کی مثال بیان فرماتے ہیں، اس کی نیش زنی سے کون ناواقف ہے۔ مگر اسی سے اللہ پاک انسان کے لئے نہایت مفید اور لذیذ غذا پیدا فرماتے ہیں۔ جو بہت سی بیماریوں کا علاج بھی ہے، ارشاد ہے: —— اور آپ کے پروردگار نے شہد کی مکھی کو یہ وحی کی کہ پہاڑوں میں، درختوں میں اور چھتوں میں اپنے چھتّے بنا، پھر ہر طرح کے پھلوں کا رس چوس، پھر اپنے پروردگار کی مسخر کردہ راہوں پر چل؛ اُس کے پیٹ سے رنگ برنگ کا ایک شربت نکلتا ہے جس میں لوگوں کے لئے بڑی شفا ہے، یقیناً اس میں بڑی نشانی ہے اُن لوگوں کے لئے جو غور وفکر کرتے ہیں۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈالی، اس کی فطرت ایسی بنائی کہ وہ نہایت ہوشیاری اور کاریگری سے اپنا چھتہ پہاڑوں میں، درختوں میں اور مکان کی چھتوں میں تیار کرتی ہے، پھر وہ ہر قسم کے پھلوں اور میووں کا رس چوستی ہے، اپنے چھتہ سے نکل کر دور تک چلی جاتی ہے، پھر میلوں کا سفر طے کر کے، بغیر راستہ بھولے اپنے چھتے کی طرف اس طرح واپس آجاتی ہیں جیسے راستے خاص اس کے لئے مسخر ومنقاد کئے گئے ہوں۔ اس نے جو رس چوسا ہے وہ اس کے پیٹ میں شہد بن جاتا ہے، پھر اس کے پیٹ سے رنگ برنگ کے شربت نکلتے ہیں، جن میں انسانوں کے لئے بڑی شفا ہے [1] غور کرو ایک موذی اور زہریلے جانور کے پیٹ سے کیسا منفعت بخش اور لذیذ مشروب نکلتا ہے، زہر میں یہ تریاق واقعی اللہ پاک کی قدرت کاملہ کی عجیب مثال ہے۔

اس مثال سے اہل مکہ کو اور مسلمانوں کو یہ سمجھایا گیا ہے کہ یہ بات خدائے پاک کی قدرت میں ہے کہ وہ جان کے دشمن اور خون کے پیاسے لوگوں میں سے ایسے مختلف صلاحیتوں کے افراد نکالیں، جو نبی پاک ﷺ اور مسلمانوں کے دلی دوست اور غمگسار رفیق ثابت ہوں، جس وقت یہ بات کہی گئی تھی شاید اس سے زیادہ عجیب کوئی بات نہ ہو، مگر بعد کے حالات نے حرف بہ حرف اس کی تصدیق کی، تمام بڑے صحابہ، جنھوں نے اسلام کا بول بالا کیا، پہلے حضور پاک ﷺ کے جانی دشمن تھے، فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ سے کون ناواقف ہے، وہ شمشیر برہنہ حضور پاک ﷺ کا قصہ نمٹانے چلے تھے، مگر قدرت خداوندی نے ان کو ایسا آب آب کر دیا کہ وہ ہمیشہ کے لئے رام ہو گئے۔

دشمنوں میں سے جو دوست نکلیں گے وہ سچے پکے اور مخلص ہونگے

آگے اس سے بھی زیادہ ایک گہری بات سمجھائی جاتی ہے کہ یہ جو لوگ دشمنوں میں سے دوست بنیں گے وہ نہایت

(۱) شفاءٌ نکرہ تحت الاثبات ہے۔ اس لئے شہد کا ہر مرض کے لئے شفا ہونا ثابت نہیں ہوتا، البتہ تنوین تعظیم اس پر ضرور دلالت کرتی ہے کہ شہد کی شفا عظیم اور ممتاز نوعیت کی ہے ۱۲

سچے، پکے اور مخلص دوست ہوں گے، پرانی مخالفتیں، عداوتیں اور نفرتیں ان کے دلوں سے یک قلم محو ہو جائیں گی، اللہ پاک کی قدرت میں سب کچھ ہے، وہ جب کوئی چیز بھلا دینا چاہتے تو اس طرح بھلا دیتے ہیں کہ جیسے کبھی جانی ہی نہیں گئی، ارشاد ہے:

اور اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا فرمایا، پھر وہ تم کو موت دیتے ہیں، اور بعضے تم میں سے وہ بھی ہیں جو ناکارہ عمر تک پہنچ جاتے ہیں، تا کہ سب کچھ جاننے کے بعد کچھ نہ جانیں، بے شک اللہ پاک سب کچھ جاننے والے، بڑی قدرت والے ہیں —— یعنی تم اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھتے ہو کہ جب کسی انسان کو اللہ تعالیٰ لمبی عمر دیتے ہیں تو وہی شخص جو کبھی جوانی میں معلومات کا ایک پورا کتب خانہ اپنے ذہن میں رکھتا تھا، کس طرح ہر چیز سے بے خبر ہو جاتا ہے، وہ تمام معلومات بھول کر کل کے بچے کی طرح ہو جاتا ہے، حالانکہ وہ اب بھی وہی پانچ فٹ کا انسان ہے، دماغ رتی بھر کم نہیں ہوا، معلوم ہوا کہ علم دراصل مالک کے خزانے میں ہے، جب اور جس قدر چاہیں دیں اور جب چاہیں واپس لے لیں۔

جس طرح نکمی عمر میں پہنچنے کے بعد اللہ تعالیٰ علم واپس لے لیتے ہیں اور وہ چیزیں بھلا دیتے ہیں جو نوک زباں ہوتی ہیں، اُسی طرح اگر اللہ تعالیٰ چاہیں تو زندگی کے ہر مرحلے میں جو بھلا دینا چاہیں، بھلا دیں، دل سے باتوں کو اس طرح محو کر دیں کہ گویا وہ دل میں کبھی آئی ہی نہیں تھیں، اور انھیں صاف دل اور مخلص دوست بنا دیں۔

اللہ تعالیٰ دلوں کی کایا کتنی جلدی پلٹ دیتے ہیں اس کا نمونہ دیکھنا چاہیں تو حضرت ثمامہ بن اُثال رضی اللہ عنہ کا واقعہ پڑھیں۔ حضرت ثمامہ یمامہ والوں کے سردار تھے، حضور اقدس ﷺ سے نفرت اور دشمنی کا حال یہ تھا کہ وہ آقائے دو جہاں ﷺ کے قتل کے درپے تھے، حضور پاک ﷺ نے دعا فرمائی کہ الٰہی! ثمامہ پر مجھے قابو عنایت فرما، چنانچہ حضور کے گھوڑ سواروں کے ایک دستے نے ثمامہ کو عمرہ کے لئے جاتے ہوئے وطن سے بہت دور گرفتار کر لیا اور خدمت نبوی میں لے آئے اور مسجد نبوی کے ایک ستون سے باندھ دیا، حضور پاک ﷺ صبح ان کے پاس سے گزرے، آپ نے پوچھا: ”ثمامہ! تمہارا کیا خیال ہے؟“ انھوں نے کہا: ”اگر آپ قتل کریں تو ایک خونی مجرم کو قتل کریں گے اور احسان فرمائیں تو شکر گزار پر احسان فرمائیں گے اور فدیہ چاہیں تو ارشاد فرمائیں، حاضر خدمت کر دیا جائے گا؟“ آپ ﷺ نے کچھ جواب نہ دیا، اور یہ فرماتے ہوئے چل دیئے کہ: ”الٰہی! اونٹ کے گوشت کی ایک بوٹی، ثمامہ کے خون سے مجھے زیادہ پیاری ہے!“

دوسرے روز بھی یہی گفتگو ہوئی، تیسرے روز حضور پاک ﷺ نے انھیں آزاد فرما دیا، انھیں ستون سے کھول دیا، وہ ایک باغ میں گئے اور نہا دھو کر خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور کلمۂ شہادت **لاَ اِلٰہ اِلاَّ اللّٰہُ، مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ** پڑھ کر دولتِ اسلام سے مشرف ہوئے —— مسلمان ہونے کے بعد انھوں نے کہا: یا رسول اللہ! قسم اللہ پاک کی! جب میں

آپ کے پاس آیا تھا تو میرے لئے روئے زمین پر کوئی چہرہ آپ کے چہرے سے زیادہ مبغوض نہیں تھا، نہ کوئی دین آپ کے دین سے زیادہ قابل نفرت تھا اور نہ کوئی شہر آپ کے شہر سے زیادہ ناپسند تھا۔ اور اب حال یہ ہے کہ روئے زمین پر کوئی چہرہ آپ کے چہرے سے زیادہ محبوب نہیں، کوئی دین آپ کے دین سے زیادہ محبوب نہیں، اور کوئی شہر آپ کے شہر سے زیادہ پیارا نہیں!

حضور پاک ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ”تمام انسانوں کے دل اللہ پاک کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں، وہ جس طرف چاہیں پھیرتے ہیں

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِى الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّىْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ؕ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿٧١﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ﴿٧٢﴾ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿٧٣﴾ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٧٤﴾

وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ نے	الَّذِيْنَ	وہ لوگ جو	اَيْمَانُهُمْ	اُن کے دائیں ہاتھ
فَضَّلَ	برتری بخشی	فُضِّلُوْا	برتری دیئے گئے	فَهُمْ	پس
بَعْضَكُمْ	تمہارے بعض کو	بِرَآدِّىْ (۱)	پھیرنے والے	فِيْهِ	اس (روزی) میں
عَلٰى بَعْضٍ	بعض پر	رِزْقِهِمْ	اپنی روزی	سَوَآءٌ	برابر (ہوجائیں)
فِى الرِّزْقِ	روزی میں	عَلٰى مَا	اُن پر جن کے	اَفَبِنِعْمَةِ	کیا تو نعمتوں سے
فَمَا	اب نہیں ہیں	مَلَكَتْ	مالک ہیں	اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ (کی)

(۱) رَادِّیْ کی اصل رَآدِّیْنَ ہے، اضافت کی وجہ سے نون ساقط ہوا ہے۔

يَجْحَدُوْنَ(۱)	مکر جائیں گے وہ؟	اَفَبِالْبَاطِلِ	کیا تو بے بنیاد چیزوں کا	وَالْاَرْضِ	اورزمین (سے)
وَاللهُ	اوراللہ تعالیٰ نے	يُؤْمِنُوْنَ	یقین رکھتے وہ	شَيْئًا	ذرا بھی
جَعَلَ	بنائیں	وَبِنِعْمَتِ	اور نعمتوں کا	وَّلَا	اور نہ
لَكُمْ	تمہارے لئے	اللهِ	اللہ (کی)	يَسْتَطِيْعُوْنَ	استطاعت رکھتے ہیں
مِّنْ اَنْفُسِكُمْ	تمہاری ذاتوں سے	هُمْ	وہ		وہ؟
اَزْوَاجًا	بیویاں	يَكْفُرُوْنَ	انکار کرتے ہیں؟	فَلَا	پس نہ
وَّجَعَلَ	اور بنائے	وَيَعْبُدُوْنَ	اور پوجتے ہیں وہ	تَضْرِبُوْا	بیان کرو
لَكُمْ	تمہارے لئے	مِنْ دُوْنِ(۳) اللهِ	اللہ تعالیٰ سے کمتر	لِلّٰهِ	اللہ تعالیٰ کے لئے
مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ	تمہاری بیویوں سے	مَا	(اُن) چیزوں کو	الْاَمْثَالَ	مثالیں
بَنِيْنَ	بیٹے	لَا يَمْلِكُ	(جو) نہیں مالک	اِنَّ اللهَ	اللہ تعالیٰ یقیناً
وَحَفَدَةً(۲)	اور پوتے	لَهُمْ	ان کے لئے	يَعْلَمُ	جانتے ہیں
وَّرَزَقَكُمْ	اور روزی دی تمہیں	رِزْقًا	روزی کے	وَاَنْتُمْ	اور تم
مِّنَ الطَّيِّبٰتِ	ستھری چیزوں میں سے	مِّنَ السَّمٰوٰتِ	آسمانوں سے	لَا تَعْلَمُوْنَ	نہیں جانتے!

شراکت کی تین بنیادیں جو مفقود ہیں

اِن آیتوں میں مشرکوں کے ایک استدلال کا جواب ہے، جسے وہ شرک کے جواز میں پیش کرتے تھے، وہ کہا کرتے تھے کہ ایک معمولی ادارہ اور مختصر کارخانہ ایک شخص بغیر مددگاروں کے نہیں چلاسکتا، پھر دنیا کا اتنا بڑا کارخانہ ''شرکاء'' کی مدد کے بغیر کیسے چل سکتا ہے؟ —— وہ یہ مثال بھی دیا کرتے تھے کہ جس طرح سلاطین دنیا حکومت کے صیغوں کی ذمہ داریاں، ماتحت حکام کو سپرد کردیتے ہیں، اوران کوان کے دائرے میں بااختیار بنادیتے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بھی فرشتوں کو، دیوی دیوتاؤں کو، چاندتاروں کو، اوراولیاء کرام کو ذیلی اختیارات دیئے ہیں۔اس لئے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے

(۱) جَحَدَهٗ(ف) جھٹلانا، جَحَدَ حَقَّهٗ: جانتے ہوئے مکر جانا (۲) حَفَدَةٌ: حَافِدٌ کی جمع ہے، حَفَدَهٗ(ض) حَفْدًا: خدمت کرنا، حَافِدٌ: خادم، تابع، مددگار اور پوتا پوتی کو حَافِدٌ اس لئے کہا جاتا ہے کہ عموماً دادادادی کے وہی خادم اور مددگار ہوتے ہیں، پوتے کو حَفِيْدٌ بھی کہتے ہیں، جس کی جمع حُفَدَاء ہے۔(۳) دُوْنَ: نیچے، کہا جاتا ہے هُوَ دُوْنَهٗ: اس سے مرتبہ میں کم ہے۔

ساتھ ان کی عبادت اور نذر و نیاز ضروری ہے، تا کہ ان کے اختیارات سے نفع اٹھایا جا سکے —— ان آیات میں اس لچر استدلال کی حقیقت کھولی گئی ہے کہ باہمی مشارکت و معاونت کی بنیادیں تین ہو سکتی ہیں اور اللہ پاک اور شرکاء کے مابین ان میں سے کوئی نہیں پائی جاتی، پھر مشارکت کیسے ہو سکتی ہے؟

وہ تین بنیادیں یہ ہیں:

۱- خوشی سے شریک کر لینا —— یعنی شرکاء بے اختیار تھے، مگر اللہ پاک نے بغیر اپنی کسی ضرورت کے، اپنی مرضی سے، اُن کا رتبہ بلند فرما کر، اُن کو اپنا ہمسر بنا لیا —— یہ بات اس لئے ممکن نہیں کہ کوئی آقا کبھی اپنے غلاموں اور چاکروں کو اتنا نہیں دیا کرتا کہ وہ اس کے برابر ہو جائیں۔

۲- زبردستی شریک بن جانا —— یعنی شرکاء بہ اختیار خود خدائے برتر کے ہمسر بن جائیں —— یہ اس لئے ممکن نہیں کہ سب کو پیدا کرنے والے اور روزی پہنچانے والے اللہ پاک ہیں، خود انسان کی بقا کا انتظام انھوں نے کیا ہے، شرکاء میں سے نہ رزق رسانی کا کوئی مالک ہے نہ رزق رسانی اس کی استطاعت میں ہے، پھر وہ بذاتِ خود با اختیار کہاں ہوئے؟

۳- ضرورت کی وجہ سے شریک کرنا —— یعنی خاکم بدہن! اللہ پاک کو انتظام عالم کے لئے مددگاروں کی ضرورت ہو، وہ شرکاء کے بغیر اپنی کائنات کا انتظام نہ سنبھال سکتے ہوں، اس لئے شرکاء کو اختیارات تفویض فرمائے —— اِس بنیاد کی بیہودگی بالکل ظاہر ہے، پروردگار کا علم غیر محدود ہے۔ ان کی قدرت بے نہایت ہے، اس علیم وقدیر خدا کو مددگاروں کی کیا ضرورت ہے؟

آیت پاک کا خلاصہ سمجھ لینے کے بعد اب تفصیل پڑھئے، دیکھئے مشارت کی پہلی بنیاد کو کس طرح رد فرماتے ہیں:

—— اور اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر روزی میں برتری بخشی ہے، اب جن لوگوں کو برتری دی گئی ہے، وہ اپنی روزی اپنے غلاموں کو اس طرح کبھی دینے والے نہیں کہ وہ سب اس میں برابر ہو جائیں —— یعنی تم اپنے احوال میں غور کرو، قدرت کی بخشی ہوئی روزی سب کے پاس یکساں نہیں، اللہ پاک نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، خود تم میں ایسے با اقتدار اور مالدار افراد موجود ہیں جن کے ہاتھ تلے بہت سے غلام اور نوکر چاکر ہیں، بتاؤ تم میں سے کوئی آقا اپنے غلاموں اور چاکروں کو اپنی دولت میں برابر کا حصہ دار بنانا گوارا کرتا ہے؟ جب تم خود اپنے غلاموں اور چاکروں کو، اپنے مال میں —— جو اللہ کا دیا ہوا ہے —— برابر کا درجہ نہیں دیتے اور مالک ومملوک کی مساوات برداشت نہیں کرتے تو آخر کس دلیل سے تم یہ مانتے ہو کہ اللہ پاک نے اپنی بعض مخلوقات کو اپنا شریک بنا لیا ہے؟

تو کیا یہ لوگ اللہ کی نعمتوں ہی سے مکر جائیں گے؟ —— یعنی کس کے منہ میں زبان ہے، جو اللہ کی نعمتوں کا انکار

کر سکے؟ —— پھر جب اللہ پاک ہی تمام نعمتوں کے مالک ومختار ہیں، اور دوسرے سب اُن کے پیدا کئے ہوئے بندے ہیں، تو اب یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ پاک نے اپنے کسی بندے کو اتنی نعمتیں دیدی ہوں کہ جس سے وہ اُن کا ہمسر ہو گیا ہو؟ سوچو اور ڈرو! جو چیز تم اپنے لئے گوارا نہیں کرتے، اُسے اللہ پاک کی شان رفیع کی طرف کیسے منسوب کرتے ہو؟

مشارکت کی دوسری بنیاد کی تردید میں فرماتے ہیں: —— اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تمہاری جنس سے بیویاں بنائیں —— یعنی نوع انسان ہی سے تمہارا جوڑا بنایا، تا کہ الفت وموانست پیدا ہو اور تخلیق کی غرض پوری ہو(۱) —— اور تمہارے لئے تمہاری بیویوں سے بیٹے اور پوتے پیدا کئے —— تا کہ تم پھلو پھولو! جوڑے بنانا بقائے نوع کا سامان کرنا

(۱) مِنْ اَنْفُسِكُمْ کا مطلب یہ ہے کہ عورت مرد کی ہم جنس ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ عورتیں مردوں کی پسلی سے پیدا کی گئی ہیں۔ اور نہ یہ مطلب ہے کہ حضرت حواء رضی اللہ عنہا، جد امجد حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا کی گئی تھیں، سورۃ التوبہ آیت ۱۲۸ میں یہ محاورہ سید المرسلین ﷺ کے لئے استعمال ہوا ہے۔ ارشاد ہے: ﴿ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ﴾ (بلاشبہ تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک عظیم المرتبت رسول آئے ہیں) یعنی حضور ﷺ نوع انسانی ہی کے ایک عظیم المرتبت فرد ہیں، کوئی جن، فرشتے نہیں —— قرآنِ پاک میں کہیں اور بھی یہ مضمون نہیں آیا کہ عورت مرد کی پسلی سے پیدا ہوئی ہے، نہ صحیح حدیث میں یہ مضمون ہے، اور بخاری شریف اور مسلم شریف کی جس حدیث سے یہ بات جوڑی گئی ہے وہ حدیث یہ ہے: اِسْتَوْصُوْ بالنساء خيرًا، فإنَّهن خُلِقْنَ من ضِلَعٍ، وإن أعوج شيئ في الضَّلَع أعلاه، فإن ذهبتَ تقيمُهُ كسرتَهُ (وفي رواية: وَكَسْرُها طلاقُها) وإن تركته لم يَزَلْ اَعْوَجَ، فَاسْتَوْصوا بالنساء خَيْرًا: ترجمہ: رحمت عالم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ: ''تم عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی میری وصیت قبول کرو، کیونکہ عورتیں پسلی سے پیدا کی گئی ہیں۔ اور پسلیوں میں سب سے زیادہ ٹیڑھی پسلی اوپر کی پسلی ہے، پس اگر تم اس کو سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو توڑ بیٹھو گے (اور اس کا توڑ دینا طلاق دیدینا ہے) اور اگر اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو گے تو وہ ٹیڑھی ہی رہے گی، لہٰذا عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی میری وصیت قبول کرو —— اس حدیث شریف میں عورت کی تخلیق کا بیان نہیں ہے ''پسلی'' کا لفظ نسوانی فطرت کو سمجھانے کے لئے بطور تمثیل استعمال کیا گیا ہے۔

دراصل یہ نظریہ بائبل سے اسرائیلیات کے ذریعے اسلامی لٹریچر میں آیا ہے، کتاب پیدائش باب ۲ آیت ۲۱-۲۵ میں ہے: ''اور خداوند خدا نے آدم پر گہری نیند بھیجی اور وہ سو گیا اور اس نے اس کی پسلیوں میں سے ایک کو نکال لیا اور اس کی جگہ گوشت بھر دیا اور خداوند خدا اس پسلی سے جو اس نے آدم میں سے نکالی تھی ایک عورت بنا کر اُسے آدم کے پاس لایا اور آدم نے کہا کہ یہ تو اب میری ہڈیوں میں سے ہڈی اور میرے گوشت میں سے گوشت ہے، اس لئے وہ ''ناری'' کہلائے گی کیونکہ وہ ''نر'' سے نکالی گئی۔ اس واسطے مرد اپنے ماں باپ کو چھوڑے گا اور اپنی بیوی سے ملا رہے گا اور وہ ایک تن ہوں گے''

ہے تا کہ اولاد پھر اولاد کی اولاد ہوتی رہے —— اور تمہیں نفیس چیزیں کھانے کو دیں —— تا کہ تم پلو بڑھو! —— پیدائش کے بعد بقائے شخصی کے لئے غذا کی ضرورت تھی، سو اس کا بھی حق تعالیٰ نے انتظام فرما دیا —— تو کیا (اب بھی) یہ لوگ بے بنیاد چیزوں پر ایمان رکھیں گے اور خدائے پاک کی نعمتوں کا انکار کریں گے؟ اور اللہ تعالیٰ سے کمتر ایسی چیزوں کو پوجیں گے جو اُن کو نہ آسمان سے کچھ روزی پہنچانے کا اختیار رکھتی ہیں اور نہ زمین سے، اور نہ یہ بات اُن کے بس میں ہے؟

یعنی کیا اب بھی وہ بے بنیاد اور بے حقیقت ''شرکاء'' کو مانتے رہیں گے، جو نہ آسمان سے مینہ برسانے کا اختیار رکھتے ہیں، نہ مین سے غلہ اُگانے کا اور نہ ہی رزق رسانی کی ان میں استطاعت ہے؟ اب بھی اگر وہ لوگ ''شرکاء'' کو مانتے رہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کرتے رہے تو اس سے بڑھ کر خدائے پاک کی ناشکری اور کیا ہوسکتی ہے؟

یہ بات اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکریہ غیر اللہ کو ادا کرنا، اللہ کی نعمتوں کا انکار ہے، دیوی دیوتاؤں، جنوں بھوتوں اور فرشتوں اور بزرگوں کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ قسمتیں بنانا اور بگاڑنا، دعائیں سننا اور مرادیں برلانا، اولاد دینا اور روزگار دلوانا، مقدمے جتوانا اور بیماریوں سے شفا دینا اُن کے اختیار میں ہے اور ان کی نذو نیاز کرنا، آب خورے بھرنا اور چڑھاوے چڑھانا، اللہ پاک کی نعمتوں کا شکریہ دوسروں کو ادا کرنا ہے، اور محسن کے احسان کا شکریہ غیر محسن کو ادا کرنا دراصل محسن کے احسان کا انکار ہے۔

مشارکت کی تیسری بنیاد کو اس طرح رد کیا جاتا ہے: —— لہٰذا تم خدائے پاک کے لئے مثالیں نہ گھڑو، اللہ تعالیٰ یقیناً جانتے ہیں اور تم نہیں جانتے —— یعنی ادارہ اور کارخانہ، تو تم تنہا اس لئے نہیں چلا سکتے کہ تمہارا علم محدود ہے، تم نہ ہر شعبے کی معلومات رکھ سکتے ہو نہ نگرانی کر سکتے ہو، بڑے سے بڑا بادشاہ بھی آخر انسان ہی ہوتا ہے، بشر جو نقص قوی رکھتا ہے اس پر مجبور ہے کہ دوسروں سے مدد لے، مگر پروردگار عالم کا علم محیط ہے، وہ کائنات کی ہر چھپی کھلی بات جانتے ہیں، اُن کا علم ہر قید سے ماوراء، ہر اعتبار سے غیر محدود اور ہر حد و نہایت سے برتر ہے، انہیں مددگاروں کی کیا ضرورت ہوسکتی ہے؟ اُن کو انسانوں پر کس طرح قیاس کیا جاسکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ ہر کام آپ کر رہے ہیں۔ خواہ بلا واسطہ ہو یا بالواسطہ، کوئی کام کسی کو اس طرح سپرد نہیں کیا جس طرح سلاطین دنیا اپنے ماتحت حکام کو سپرد کیا کرتے ہیں، یعنی وہ تفویض تو ارادہ واختیار سے کرتے ہیں لیکن تفویض کے بعد اُن اختیارات کے استعمال میں وہ ماتحت آزاد ہوتے ہیں، کسی مجسٹریٹ کے فیصلے کے وقت بادشاہ کو اس فیصلہ کی مطلق خبر نہیں ہوتی، نہ اُس وقت جزئی طور پر بادشاہ کی مشیت وارادہ کو فیصلہ صادر کرنے میں کچھ دخل ہوتا ہے، یہ صورت حق تعالیٰ کے یہاں نہیں، بلکہ ہر چھوٹا بڑا کام، خواہ بواسطۂ اسباب ہو یا بلا واسطہ، اُن کے علم محیط اور مشیت وارادہ سے وقوع پذیر ہوتا ہے۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبۡدًا مَّمۡلُوۡكًا لَّا يَقۡدِرُ عَلٰى شَىۡءٍ وَّمَنۡ رَّزَقۡنٰهُ مِنَّا رِزۡقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنۡفِقُ مِنۡهُ سِرًّا وَّجَهۡرًا ؕ هَلۡ يَسۡتَوٗنَ ؕ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ ؕ بَلۡ اَكۡثَرُهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۷۵﴾ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيۡنِ اَحَدُهُمَاۤ اَبۡكَمُ لَا يَقۡدِرُ عَلٰى شَىۡءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوۡلٰٮهُ ۙ اَيۡنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاۡتِ بِخَيۡرٍ ؕ هَلۡ يَسۡتَوِىۡ هُوَ ۙ وَمَنۡ يَّاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿۷۶﴾

ضَرَبَ	بیان فرمائی	يُنۡفِقُ	خرچ کرتا ہے	مَثَلًا	ایک مثال
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ (نے)	مِنۡهُ	اُس سے	رَّجُلَيۡنِ	دو آدمی
مَثَلًا	ایک مثال	سِرًّا	چھپے	اَحَدُهُمَا	ایک اُن میں سے
عَبۡدًا	ایک غلام	وَّجَهۡرًا	اور کھلے	اَبۡكَمُ	گونگا
مَّمۡلُوۡكًا	مملوک	هَلۡ	کیا	لَا يَقۡدِرُ	نہیں قدرت رکھتا
لَّا يَقۡدِرُ	نہیں قدرت رکھتا	يَسۡتَوٗنَ	برابر ہو سکتے ہیں وہ؟	عَلٰى شَىۡءٍ	کسی چیز پر
عَلٰى شَىۡءٍ	کسی چیز پر	اَلۡحَمۡدُ (۱)	تمام تعریفیں	وَّهُوَ	اور وہ
وَّمَنۡ	اور (دوسرا وہ) جس کو	لِلّٰهِ	اللہ پاک کے لئے (ہیں)	كَلٌّ (۲)	بوجھ (ہے)
رَّزَقۡنٰهُ	عطا فرمائی ہم نے	بَلۡ	مگر	عَلٰى مَوۡلٰٮهُ	اپنے آقا پر
مِنَّا	اپنی طرف سے	اَكۡثَرُهُمۡ	ان میں سے اکثر	اَيۡنَمَا	جدھر
رِزۡقًا	روزی	لَا يَعۡلَمُوۡنَ	نہیں جانتے!	يُوَجِّهْهُّ	بھیجے وہ اس کو
حَسَنًا	خوب	وَضَرَبَ	اور بیان فرمائی	لَا يَاۡتِ بِخَيۡرٍ	نہ کرلائے کوئی بھلائی
فَهُوَ	پس وہ	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ (نے)	هَلۡ يَسۡتَوِىۡ	کیا برابر ہے

(۱) اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ سے هَلۡ يَسۡتَوٗنَ کے جواب کی طرف دلالت مقصود ہے، اقرار کرنے والوں کے اقرار پر یا خاموش رہ جانے والوں کی خاموشی پر یہ الحمد للہ نہیں کہا گیا، وہ الحمدُ للّٰہ وہ ہوتا ہے جس سے پہلے قُلۡ ہوتا ہے۔ پس سوال اور الحمد للہ کے درمیان کوئی خلا نہیں، بلکہ دونوں باہم مربوط ہیں (۲) اَلۡكَلُّ (مصدر) بے کار، بے فیض، بوجھ، كَلَّ (ض) كَلًّا وَ كَلالا: تھکنا، بے والد و بے اولاد ہونا۔

هُوَ وَمَنْ	وہ اور جو	بِالْعَدْلِ	انصاف کا	عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ	راہِ راست پر
يَّأْمُرُ	حکم دیتا ہے	وَهُوَ	اور وہ		ہے؟

خلاصہ: اِن آیات کریمہ میں دو مثالوں کے ذریعے دو حقیقتیں سمجھائی ہیں، یہ اللہ پاک کا بہت بڑا کرم ہے کہ وہ کبھی دلائل سے سمجھاتے ہیں، کبھی مثالوں سے، پہلی مثال میں بااختیار اور بے اختیار بندوں کا فرق واضح کر کے سمجھایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو بہمہ وجوہ بااختیار ہیں اور معبودانِ باطل جو بالکل ہی بے بس ہیں، یکساں کیسے ہو سکتے ہیں؟ اور دوسری مثال میں ناکارہ اور کارآمد بندوں کا فرق واضح کر کے سمجھایا ہے کہ کافر جو ہر طرح سے ناکارہ ہے اور خدا کی زمین پر ایک بوجھ ہے وہ اس مؤمن کے برابر کیسے ہو سکتا ہے جو خود بھی راہ راست پر ہے اور دوسروں کا بھی خیر خواہ ہے؟

بااختیار اور بے اختیار برابر نہیں ہو سکتے

پہلی مثال: ــــ اللہ تعالیٰ ایک مثال دیتے ہیں: ایک وہ غلام ہے جو دوسرے کا مملوک ہے، جسے کسی چیز کا اختیار نہیں، اور دوسرا وہ شخص ہے جسے ہم نے اپنی طرف سے خوب روزی دی ہے، اس لئے وہ اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتا ہے۔ بتاؤ، کیا (اللہ پاک اور شرکاء) برابر ہو سکتے ہیں؟ ــــ (کبھی نہیں!) ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں!

یعنی ایک شخص وہ ہے جو آزاد نہیں، دوسرے کا غلام ہے، کسی طرح کی قدرت واختیار نہیں رکھتا، آقا کی طرف سے تصرف پر پابندی ہے، ہر ایک تصرف میں مالک کی اجازت کا محتاج ہے، دوسرا شخص آزاد اور بااختیار ہے، خدا نے اپنے فضل سے اسے بہت کچھ روزی عنایت فرمائی ہے، جس میں سے وہ دن رات بے دریغ خرچ کرتا ہے، کوئی اس کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں، کیا یہ دونوں شخص برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں! اسی طرح حق تعالیٰ ہر چیز کے مالک ہیں! ہر قسم کی نعمتیں اُن کے خزانے میں ہیں اور وہ بے دریغ بندوں پر نعمتوں کی بارش فرماتے ہیں، وہی تمام تعریفوں کے حقدار ہیں، پس یہ کس قدر ظلم عظیم ہے کہ ان بندوں کو ان کی برابر کر دیا جائے جو کسی چیز کے مالک نہیں، بلکہ خود پرایا مال ہیں۔ اگر مالک مجازی اور مملوک مجازی برابر نہیں ہو سکتے تو مالک حقیقی اور مملوک محض برابر کس طرح ہو سکتے ہیں؟

لوگ باوجودیکہ انسانوں کے درمیان صریح طور پر بااختیار اور بے اختیار کا فرق کرتے ہیں۔ اور اس فرق کو ملحوظ رکھ کر دونوں کے ساتھ الگ الگ طرز عمل اختیار کرتے ہیں، مگر خالق ومخلوق کے معاملے میں یہ فرق ان کی سمجھ میں نہیں آتا۔ وہ خالق کی ذات وصفات اور حقوق واختیارات میں مخلوق کو شریک کر کے، ان کے ساتھ وہ طرز عمل اختیار کرتے ہیں جو صرف

خالق کے ساتھ ہی اختیار کیا جاسکتا ہے، عالم اسباب میں کوئی چیز مانگنی ہو تو گھر کے مالک سے مانگیں گے نہ کہ گھر کے نوکر سے، مگر حاجتیں طلب کرنی ہوں تو کائنات کے مالک کو چھوڑ کر اس کے بندوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہیں!

مؤمن اور کافر بھی برابر نہیں ہو سکتے

دوسری مثال: —— اور اللہ تعالیٰ ایک مثال دیتے ہیں، دو آدمی ہیں: ایک گونگا (بہرہ) ہے، کوئی کام نہیں کر سکتا، اپنے آقا پر بوجھ ہے وہ اسے جہاں بھی بھیجتا ہے کوئی بھلا کام کر کے نہیں آتا، بتاؤ یہ شخص اور وہ شخص جو انصاف کا حکم دیتا ہے اور خود بھی راہ راست پر گامزن ہے: دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ —— یعنی دو آدمی ہیں: ایک گونگا بہرہ کوئی کام بھی اس سے بن نہیں پڑتا، اپنے آقا کے لئے بوجھ ہے، تعلیم سے بھی کوئی کام درست نہیں کرتا۔ اور دوسرا وہ ہے جو عدل وانصاف اور اچھی باتیں لوگوں کو سکھاتا ہے اور خود بھی معتدل اور سیدھے راستے پر ہے، کیا ان دونوں کا حکم یکساں ہو سکتا ہے؟ کہاں ایک گونگا بہرہ اور کہاں ایک گویا کارفرما؟ پھر تمہیں کیا ہو گیا کہ ایمان کی زندگی پر کفر کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو؟

مؤمن کی زندگی عقل وبصیرت کی زندگی ہے، وہ خدائے پاک کی بخشی ہوئی قوتوں سے کام لیتا ہے، خود سیدھی راہ پر چلتا ہے اور دوسروں کی بھی راہ نمائی کرتا ہے اور کافر کی زندگی بہری گونگی زندگی، عقل وحواس کو تاراج کر دینے والی زندگی ہے کہ جس راہ میں بھی قدم اٹھائے کوئی خوبی کی بات حاصل نہ کر سکے، یہ دونوں برابر نہیں! پھر تم بہرے گونگے کیوں بنتے ہو؟

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَـيْـــًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـــِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَاۗءِ ۭ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ۝ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ

تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۸۲﴾ يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۳﴾ ع

وَ لِلّٰهِ	اور اللہ کے لئے (ہیں)	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ (نے)	اَلَمْ	کیا نہیں
غَيْبُ(۱)	پوشیدہ باتیں	اَخْرَجَكُمْ	نکالا تم کو	يَرَوْا	دیکھا انھوں نے
السَّمٰوٰتِ	آسمانوں	مِّنْ بُطُوْنِ	پیٹوں سے	اِلَى الطَّيْرِ	پرندوں کو
وَ الْاَرْضِ	اور زمین (کی)	اُمَّهٰتِكُمْ	تمہاری ماؤں کے	مُسَخَّرٰتٍ(۳)	(جو) مسخر ہیں
وَمَآ اَمْرُ	اور نہیں معاملہ	لَا تَعْلَمُوْنَ	(اس حال میں کہ) نہ	فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ	فضا میں؟
السَّاعَةِ	قیامت (کا)		جاتے تھے تم	مَا	نہیں
اِلَّا	مگر	شَيْئًا	کچھ	يُمْسِكُهُنَّ	روکے ہوئے ہیں ان کو
كَلَمْحِ(۲)	جیسے اٹھنا	وَّجَعَلَ	اور بنائی	اِلَّا اللّٰهُ	مگر اللہ تعالیٰ
الْبَصَرِ	نگاہ (کا)	لَكُمُ	تمہارے لئے	اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ	یقیناً اس میں (ہیں)
اَوْ هُوَ اَقْرَبُ	یا وہ (اس سے بھی) جلدتر	السَّمْعَ	سماعت (کان)	لَاٰيٰتٍ	البتہ نشانیاں
اِنَّ اللّٰهَ	یقیناً اللہ تعالیٰ	وَ الْاَبْصَارَ	اور آنکھیں	لِّقَوْمٍ	(ان) لوگوں کے لئے
عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز پر	وَ الْاَفْـِٕدَةَ	اور دل	يُّؤْمِنُوْنَ	(جو) ایمان لاتے ہیں
قَدِيْرٌ	پوری قدرت رکھنے	لَعَلَّكُمْ	شاید تم	وَ اللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ (نے)
	والے (ہیں)	تَشْكُرُوْنَ	شکر گزار بنو	جَعَلَ لَكُمْ	بنایا تمہارے لئے

(۱) غَیب مصدر ہے غَابَ یَغِیبُ کا، جس کے معنی ہیں: غائب ہونا، دور ہونا، جدا ہونا، آیت میں آسمان وزمین کی وہ چیزیں مراد ہیں جو مخلوق کی حسی اور عقلی رسائی سے خارج ہیں، الأمور الغائبة عن علوم المخلوقين، بحيث لاسبيل لهم إلى إدراكها حسًّا ولا إلى فهمها عقلاً (روح) (۲) لَمَحَ (ف) لَمَحًا البصرُ: نگاہ اٹھانا یعنی آنکھ کھلنا، پلک کھولنا، لَمْحٌ: پلک، عربی کا محاورہ لمح البصر مفہوم کے اعتبار سے فارسی محاورہ: چشم زدن اور اردو محاورہ: آنکھ جھپکنا کے ساتھ متحد (ہم معنی) ہے (۳) مُسَخَّرَاتٍ: الطَّیرِ سے بدل اشتمال ہے۔ مُسَخَّرَاتٍ کا لفظ قرآن کریم نے کائنات کی اُن چیزوں کے لئے استعمال کیا ہے جو انسانوں کے لئے مفید اور کارآمد ہیں۔

مِّنۡ بُيُوۡتِكُمۡ	تمہارے گھروں کو	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ (نے)	نِعۡمَتَهٗ	اپنی نعمتیں
سَكَنًا(۱)	سکون	جَعَلَ لَكُمۡ	بنائے تمہارے لئے	عَلَيۡكُمۡ	تم پر
وَّجَعَلَ لَكُمۡ	اور بنائے تمہارے لئے	مِّمَّا خَلَقَ	بعض مخلوقات کے	لَعَلَّكُمۡ	شاید تم
مِّنۡ جُلُوۡدِ	جانوروں کی	ظِلٰلًا	سایے	تُسۡلِمُوۡنَ(۸)	فرمانبردار بنو
الۡاَنۡعَامِ	کھال سے	وَّجَعَلَ لَكُمۡ	اور بنائیں تمہارے لئے	فَاِنۡ	اب بھی اگر
بُيُوۡتًا	گھر	مِّنَ الۡجِبَالِ	پہاڑوں کو	تَوَلَّوۡا	روگردانی کریں وہ
تَسۡتَخِفُّوۡنَهَا	ہلکا پاتے ہو تم ان کو	اَكۡنَانًا(۴)	پناہ گاہیں	فَاِنَّمَا	تو بس
يَوۡمَ ظَعۡنِكُمۡ	اپنے کوچ کے دن	وَّجَعَلَ	اور بنایا	عَلَيۡكَ	آپ کے ذمے (ہے)
وَيَوۡمَ اِقَامَتِكُمۡ	اور اپنے پڑاؤ کے دن	لَكُمۡ	تمہارے لئے	الۡبَلٰغُ	پہنچانا
وَمِنۡ	اوران (جانوروں)	سَرَابِيۡلَ(۵)	(وہ) لباس	الۡمُبِيۡنُ	صاف صاف
اَصۡوَافِهَا(۲)	کی اون سے	تَقِيۡكُمُ(۶)	(جو) بچاتے ہیں تم کو	يَعۡرِفُوۡنَ	پہچانتے ہیں وہ
وَاَوۡبَارِهَا	اوران کے روؤں سے	الۡحَرَّ	گرمی (لُو) سے	نِعۡمَتَ اللّٰهِ	نعمتیں اللہ کی
وَاَشۡعَارِهَاۤ	اوران کے بالوں سے	وَسَرَابِيۡلَ	اور (دوسرے وہ) لباس	ثُمَّ	پھر
اَثَاثًا(۳)	گھریلو ساز وسامان	تَقِيۡكُمۡ	(جو) بچاتے ہیں تم کو	يُنۡكِرُوۡنَهَا	انکار کرتے وہ ان کا
وَّمَتَاعًا	اور (دیگر) استعمال	بَاۡسَكُمۡ(۷)	تمہاری لڑائیوں میں	وَاَكۡثَرُهُمُ	اوران میں سے بیشتر
	کی چیزیں	كَذٰلِكَ	اسی طرح	الۡكٰفِرُوۡنَ	ناشکری کرنے والے
اِلٰى حِيۡنٍ	ایک وقت تک	يُتِمُّ	پوری کرتے ہیں		ہیں

(۱) **اَلسَّكَن،** سُكُوْنٌ سے اسم ہے، جس کے معنی ہیں: ہر وہ چیز جس سے انس وراحت حاصل کی جائے (۲) **الصُّوف:** مینڈھے، دُنبے کی اون —— **اَلْوَبْر** اونٹ اور خرگوش وغیرہ کے بال **اهلُ الوبر**، دیہاتی لوگ —— **الشَّعْر**: بکری وغیرہ کے بال (۳) **اَلْاَثَاث**: سامان خانہ داری، اَثَّ (س، ن، ض) **اَثَاثًا النباتُ**: گنجان ہونا، صفت اَثٌّ وَاَثِيثٌ جمع اَثَاثٌ (۴) **اَلْكِنُّ**: منزل، گھر، پناہ وحفاظت کی جگہ، كَنَّ (ن) **كَنًّا الشيئَ**: گھر میں چھپانا اور دھوپ سے بچانا (۵) **السِرْبَال** ہر وہ لباس جو پہنا جائے **وهو كل ما يلبس أى: جعل لكم لباسا من القطن والكتان والصوف وغيرها** (روح) کرتے کو بھی سربال کہا جاتا ہے، مگر یہاں عام معنی مراد ہیں (۶) **وَقىٰ يَقِىْ وِقَايَةً**: حفاظت کرنا، تکلیف سے بچانا (۷) **اَلْبَأْس**: سختی، جنگ، خوف، عذاب (۸) **تُسْلِمُوْنَ**: اِسْلَامٌ: (فرمان بردار ہونا) سے مضارع کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے۔

ربوبیت سے الوہیت پر استدلال

خلاصہ: ان آیتوں میں ربوبیت کا ذکر ہے، پروردگاری سے توحید پر استدلال کیا ہے۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی دو صفتوں — علم وقدرت — کا بیان ہے، کیونکہ تمام نعمتیں انہی دو صفتوں کا فیضان ہیں۔ پھر خاص انسان پر قدرت کے پانچ احسانات بیان کئے ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے انسان کے دماغ میں عقل کا چراغ روشن کیا ہے — جب انسان پیدا ہوا تھا، اس کی تمام حسی اور باطنی قوتیں معدوم تھیں، پھر جوں جوں بڑھتا گیا، حواس کی قوتیں ابھرتی گئیں، ادراک کا جوہر نکھرتا گیا، اور عقل کا چراغ روشن ہوتا گیا، جس نے انسان کو معراج کمال پر پہنچادیا۔ اب وہ اپنی صلاحیتوں کی بدولت موجوداتِ ارضی پر حکمرانی کر رہا ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے انسان کی روزی کا سامان کیا جو ہر وقت اس کے سر پر منڈلا رہی ہے — دیکھو پرندے جو انسان کی بہت ہی مرغوب غذا ہیں، کس طرح اس کے لئے مسخر کردئے گئے ہیں؟ وہ ہر وقت انسان کی دسترس میں ہیں، انہیں اللہ تعالیٰ ہی روکے ہوئے ہیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے مکان کا انتظام کیا، اور حضر ہی کے لئے نہیں، سفر کے لئے بھی ایسے مکانات — خیمے اور ڈیرے — بنادئے، جن کا لادنا، اکھاڑنا اور نصب کرنا نہایت آسان ہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے انسان کی آسائش کے لئے جزوی ضرورتوں تک کا لحاظ کرکے، بے حد وحساب ساز وسامان پیدا کیا۔

(۵) اللہ تعالیٰ نے انسان کے جسم کو خارجی اثرات سے محفوظ رکھنے کے لئے بہت کچھ سروسامان پیدا کیا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ زندگی کے ہر شعبے میں انسان کی ضروریات کا انتظام فرماتے ہیں، اگر انسانی زندگی کے ایک ایک گوشے کا جائزہ لے کر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہر گوشے میں اللہ تعالیٰ نے انسان پر اپنی نعمتوں کی بارش کر رکھی ہے، یہ سب عنایتیں اس لئے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے احسانات کے آگے گردنیں جھکادیں اور مطیع ومنقاد ہوکر زندگی بسر کریں۔

آیات پاک کا خلاصہ جان لینے کے بعد اب تفصیل ملاحظہ فرمایئے۔

اللہ کی صفت علم وقدرت کا بیان

ارشاد ہے: — اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتیں ہیں — یعنی وہی کائنات کے رازداں ہیں — اس ارشاد گرامی میں حق تعالیٰ کے کمالِ علم کا بیان ہے کہ وہ کائنات کے صرف ظاہری احوال ہی نہیں جانتے، بلکہ تمام سربستہ راز اور مخفی حالات بھی خوب جانتے ہیں، اور کیوں نہ جانیں، وہی سب کے پیدا کرنے والے اور

پرورش کرنے والے ہیں؟ ـــــ :لله کو مقدم کر کے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ علم غیب صرف حق تعالیٰ کا خاصہ ہے، جس میں کوئی دوسرا ان کا شریک نہیں، اس کی کچھ تفصیل آیت ۶۰ کی تفسیر میں بیان کی گئی ہے ـــــ اور قیامت کا معاملہ بس ایسا ہے جیسے آنکھ جھپکنا، بلکہ اس سے بھی جلدتر، یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں ـــــ اس ارشاد میں حق تعالیٰ کی قدرت کا بیان ہے، ان کی قدرت کا حال یہ ہے کہ قیامت جیسا عظیم معاملہ، جس میں تمام اگلے پچھلے زندہ کئے جائیں گے اور اس دنیا کی بساط لپیٹ دی جائے گی، یہ سب معاملات چشم زدن میں بلکہ اس سے بھی کم وقت میں ہو جائیں گے۔ ان کی قدرت کے لئے یہ کچھ مشکل نہیں۔

انسان پر اللہ تعالیٰ کے پانچ احسانات

اب دیکھو اُنہی اللہ پاک نے جن کے علم محیط کا حال یہ ہے کہ وہ آسمان اور زمین کے سارے بھید جانتے ہیں، اور جن کی قدرت کاملہ کا حال یہ ہے کہ بڑے سے بڑا معاملہ، ان کا ارادہ ہوتے ہی چشم زدن میں ہو جاتا ہے، دیکھو اسی علیم وقدیر خدا نے انسان پر کیا کیا احسانات فرمائے ہیں:

پہلا احسان: ـــــ اور اللہ تعالیٰ ہی نے تم کو تمہاری ماں کے پیٹ سے اس حال میں پیدا کیا کہ تم کچھ بھی نہ جانتے تھے اور تمہارے لئے کان، آنکھیں اور دل بنائے، تا کہ تم شکر گزار بنو! ـــــ یعنی پیدائش کے وقت تم کچھ جانتے اور سمجھتے نہیں تھے، اللہ تعالیٰ نے تمہیں علم کے ذرائع اور سمجھنے والے دل عطا فرمائے جن سے تمہیں دنیا میں ہر طرح کی واقفیت حاصل ہوئی اور تم اس لائق ہوئے کہ ترقی کر کے تمام موجودات ارضی میں تصرف کر سکو۔

یہ بے بہا نعمتیں اس لئے عطا کی گئی ہیں کہ تم خدا کے شکر گزار بنو، سماعت اس لئے دی ہے کہ حق تعالیٰ کے احکامات سنو، آنکھیں اس لئے دی ہیں کہ قدرت وحکمت کے نمونے دیکھو اور دل اس لئے دیئے کہ حق تعالیٰ کی عظمت سمجھو اور حق شناس بنو۔

اب اگر آدمی ان کانوں سے سب کچھ سنے، مگر ایک خدا ہی کی بات نہ سنے، ان آنکھوں سے سب کچھ دیکھے، مگر ایک خدا ہی کی آیات نہ دیکھے اور اس دل سے سب کچھ سمجھے، مگر ایک خدا ہی کو نہ سمجھے اور اپنے اس محسن ہی کو نہ پہچانے جس نے یہ تمام انعامات اس پر کئے ہیں تو بتاؤ اس سے بڑھ کر اللہ کی نعمتوں کی ناشکری اور کیا ہوگی؟

دوسرا احسان: ـــــ کیا لوگوں نے وہ پرندے نہیں دیکھے جو فضائے آسمانی میں مسخر ہیں؟ اللہ تعالیٰ ہی انہیں تھامے ہوئے ہیں، اس میں یقیناً ایمان والوں کے لئے نشانیاں ہیں ـــــ انسان کو پیدا ہونے کے بعد سب سے پہلے غذا کی ضرورت پیش آتی ہے، چنانچہ قدرت نے اس کا بھی سامان کر دیا۔ اور اس طرح کر دیا کہ انسان دیکھ کر دنگ رہ جاتا ہے۔

پرندے جوفضائے آسمانی میں اڑتے پھرتے ہیں، جن میں سے کوئی پاؤ بھر کا ہے کوئی آدھ سیر کا اور کوئی کلودو کلو کا، یہ سب انسان کے فائدے کے لئے پیدا کئے ہیں، قدرت نے ان کو انسان کا مسخر بنایا ہے۔

ان پرندوں کے حالات میں غور کرو: تمہیں قدرت خداوندی کا بڑا نمونہ نظر آئے گا، دیکھو، صانع حکیم نے ان کا جسم کیسا سبک بنایا ہے کہ باوجود ثقل کے ہوائے لطیف میں اڑتے پھرتے ہیں، بتاؤ، وہ کون ہاتھ ہے جو ان کو فضائے آسمانی میں روکے ہوئے ہے؟ وہ قدرت کا ہاتھ ہے جو ان کو تھامے ہوئے ہے، اس نے اُن کے پر اور بازو اور دم کی ساخت ایسی بنائی ہے کہ نہایت آسانی سے وہ فضا میں اڑتے ہیں۔

ان پرندوں میں مؤمنین کے لئے کئی نشانیاں ہیں:

پہلی نشانی: حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایسا توکل کرو جیسا توکل کا حق ہے تو تمہیں بھی اللہ تعالیٰ اسی طرح روزی پہنچائیں جس طرح پرندوں کو پہنچاتے ہیں، صبح وہ خالی پیٹ چلتے ہیں اور شام پیٹ بھر کر لوٹتے ہیں[1] —— انسان کا حال یہ ہے کہ وہ محنت تو پرندوں سے زیادہ کرتا ہے مگر اس کے توکل میں کمی ہے اس کا بھروسہ اپنی محنت اور اسباب پر ہوتا ہے، اس وجہ سے اسباب موافق ہوتے ہیں تو رزق ملتا ہے، اور اگر اسباب ناموافق ہوتے ہیں تو رزق سے محروم رہ جاتا ہے۔

دوسری نشانی: مؤمن سمجھتا ہے کہ رزق انسان کا طالب ہے، وہ اس کے سر پر منڈلا رہا ہے —— مگر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اللہ پاک کسی حکمت ومصلحت سے کسی بندے کا رزق چندے روک لیتے ہیں، اس وقت مؤمن کا امتحان ہوتا ہے، دیکھا جاتا ہے کہ وہ ان نازک حالات میں کیا کرتا ہے، صبر واستقامت اور توکل وقناعت سے کام لیتا ہے یا جائز ناجائز کا امتیاز کئے بغیر ہر طرف منہ مارنا شروع کر دیتا ہے۔

تیسری نشانی: اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے انسان پر اتنے احسانات کئے ہیں، جو حد وشمار سے باہر ہیں، فضاء کے پرندے، دریا کی مچھلیاں، جنگل کے جانور، آگ، پانی، ہوا، زمین، چاند، سورج اور ستارے سبھی اس کی بیگار میں لگے ہوئے ہیں، گویا ساری کائنات اس کے لئے مسخر ہے اور ہر چیز اس کے کام میں لگی ہوئی ہے، اس سے مؤمن اپنا مقام پہچانتا ہے، اس میں احساس ابھرتا ہے کہ میری تخلیق کی غرض کوئی بہت ہی اہم ہے، میرا وجود مہمل ہرگز نہیں، میرا کام یہی ہوسکتا ہے کہ میں اپنے منعم کی معرفت حاصل کروں، اس کی عبادت واطاعت کروں، اور ہمیشہ اس کی فرماں برداری میں لگا رہا ہوں۔

---

(۱) رواہ الترمذی عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

تیسرا احسان: ـــــ اورالله تعالیٰ ہی نے تمہارے لئے تمہارے گھروں میں سکون رکھا، اور تمہارے لئے جانوروں کی کھال کے گھر بنائے، جنہیں تم اپنے کوچ کے دن اور پڑاؤ کے دن ہلکا پاتے ہو ـــــ غذا کے بعد انسان کی بڑی ضرورت مکان کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی یہ ضرورت بھی پوری فرمائی اور بہت عمدگی سے پوری فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے گھروں میں سکون رکھا، دن بھر کا تھکا ہوا انسان جب گھر لوٹتا ہے تو قلب و دماغ کو کتنی راحت ملتی ہے، یہ گھر سکونِ خاطر کا کتنا بڑا ذریعہ ہیں، ان کی قدر کوئی اس غریب سے پوچھے، جو بیچارہ بے گھر ہو، اپنا چھوٹا بڑا کوئی مکان نہ رکھتا ہو۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لئے جس طرح حضر میں مکان کا انتظام فرمایا، سفر کے لئے بھی چمڑے کے خیمے بنائے، جنہیں وہ کوچ کے دن نہایت آسانی سے تہ کر کے اٹھالے چلتے ہیں اور پڑاؤ کے دن آسانی سے ان کو کھول کر ڈیرہ جمالیتے ہیں۔

چوتھا احسان: ـــــ اور جانوروں کی اون، روؤں اور بالوں سے گھریلو سامان بنایا اور ایک مدت تک استعمال کی چیزیں بنائیں ـــــ یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کی بنیادی ضرورتیں ہی پوری نہیں فرمائیں، بلکہ آرائش وآسائش اور زینت وجمال کے لئے بھی ہر طرح کا سامان پیدا فرمایا، کمل (دھسّے) شال دوشالے، رومال، موزے، لحاف، گدے، قالین، تھیلے اور نہ معلوم کیا کیا اور کتنے کتنے سامان پیدا کئے جن میں سے کچھ چیزیں سال دوسال چلتی ہیں اور قالین، فرش وغیرہ مدت تک کام دیتے ہیں۔

پانچواں احسان: ـــــ اور اللہ تعالیٰ ہی نے تمہارے لئے اپنی بعض مخلوقات کے سایے بنائے، اور تمہارے لئے پہاڑوں میں پناہ گاہیں بنائیں، اور تمہارے لئے وہ پوشاک بنائی جو گرمی سے تمہاری حفاظت کرتی ہے اور وہ پوشاک بھی بنائی جو جنگ میں تمہاری حفاظت کرتی ہے ـــــ یعنی انسان کے جسم کو خارجی اثرات سے محفوظ رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے طرح طرح کا سامان پیدا فرمایا، مادی مخلوقات، مثلاً بادل، درخت، مکانات، ٹیلے اور پہاڑوں وغیرہ کا سایہ بنایا، جس میں انسان آرام پاتا ہے اور گرمی سے محفوظ رہتا ہے۔

اس کے علاوہ پہاڑوں میں ایسے غار بنائے جو سردی گرمی سے، بارش ہوا سے، دشمن اور جنگلی جانوروں سے پناہ کا کام دیتے ہیں، نیز وہ پوشاک بنائی جو بادِ سموم (لُو) کی لپٹ، اور سورج کی کڑی کرنوں سے بچاتی ہے، اور ایسی پوشاک بھی بنائی جو لڑائی میں زخمی ہونے سے بچاتی ہے۔

ملک عرب میں سردی زیادہ نہیں ہوتی اس وجہ سے سردی سے بچاؤ کے سامان کا ذکر نہیں فرمایا، وہاں نہایت مہلک قسم کی بادِ سموم چلتی ہے اس وجہ سے وہاں سردی کے لباس سے بڑھ کر گرمی کا لباس اہمیت رکھتا ہے، وہاں اگر آدمی سر، گردن،

کان اور سارا جسم اچھی طرح ڈھانک کر نہ نکلے تو گرم ہوا اُسے جھلس کر رکھ دیتی ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ تم پر اپنی نعمتوں کی تکمیل فرماتے ہیں، تا کہ تم فرمانبردار بنو —— یعنی مذکورہ احسانات کی طرح اللہ تعالیٰ زندگی کے ہر شعبے میں انسان کی ضروریات کا انتظام فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہر پہلو سے انسان پر اپنی نعمتوں کا اتمام، اور اپنے احسانات کی تکمیل فرما رکھی ہے تا کہ سب لوگ ممنونِ احسان ہو کر گردنیں جھکا دیں، اور اپنے محسن اعظم کے مطیع وفرمانبردار ہو کر رہیں، لیکن —— اب بھی اگر یہ لوگ منہ موڑیں تو آپ پر صاف پیغام پہنچا دینے کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں! —— اور آپ ﷺ اپنی اس ذمہ داری سے سبکدوش ہو چکے ہیں، اپنا فرض ادا کر چکے ہیں اور کھول کھول کر تمام باتیں سنا چکے ہیں۔ اب ماننا ان کی ذمہ داری ہے، خدا کے احسانات کے سامنے جھکنا ان کا فریضہ ہے، اگر وہ اپنی ذمہ داری کا احساس نہیں کرتے تو یہ ان کا قصور ہے، جس کا مزہ انہیں چکھنا ہوگا، آپ ان کے لئے غم میں ہرگز نہ پڑیں۔

یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو پہچانتے ہیں، پھر اس کا انکار کرتے ہیں، اور ان میں سے اکثر لوگ ناشکری کرنے والے ہیں —— یعنی اکثر بندے اللہ تعالیٰ کے انعامات کو دیکھتے ہیں اور ان کے احسانات کو سمجھتے ہیں، مگر جب شکر گزاری اور اطاعت وفرانبرداری کا وقت آتا ہے تو سب بھول جاتے ہیں۔ اور اپنی عملی زندگی میں انجان بن کر غیر اللہ کے ساتھ معاملہ، اللہ کا سا کرنے لگتے ہیں، جو اللہ کی نعمتوں کا انکار اور ان کے احسانات کا کفران ہے۔

اے پروردگار ہمیں اپنی نعمتوں کی قدر عطا فرما، ہمیں ایسے نالائق بندوں میں شامل نہ فرما جو آپ کی نعمتیں پہچانتے ہیں، مگر ناشکری کرتے ہیں (آمین)

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿٨٤﴾ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿٨٥﴾ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ أَشْرَكُوا شُرَكَاءَهُمْ قَالُوا رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ شُرَكَاؤُنَا الَّذِينَ كُنَّا نَدْعُو مِنْ دُونِكَ ۖ فَأَلْقَوْا إِلَيْهِمُ الْقَوْلَ إِنَّكُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿٨٦﴾ وَأَلْقَوْا إِلَى اللَّهِ يَوْمَئِذٍ السَّلَمَ ۖ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٨٧﴾ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ زِدْنَاهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوا يُفْسِدُونَ ﴿٨٨﴾

آیت	ترجمہ	آیت	ترجمہ	آیت	ترجمہ
وَ يَوْمَ	اور (یاد کرو) جس دن	وَاِذَا رَاَ	اور جب دیکھیں گے	يَوْمَئِذِ	اُس دن
نَبْعَثُ	اٹھائیں گے ہم	الَّذِيْنَ	وہ لوگ جنھوں نے	السَّلَمَ (۳)	اطاعت
مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ	ہر جماعت میں سے	اَشْرَكُوْا	شریک ٹھہرایا	وَ ضَلَّ	اور غائب ہوجائیں گے
شَهِيْدًا	ایک گواہ	شُرَكَآءَهُمْ	اپنے شریکوں (کو)	عَنْهُمْ مَّا	ان سے وہ جو
ثُمَّ	پھر	قَالُوْا	(تو) کہیں گے وہ	كَانُوْا	افترا پردازیاں کرتے
لَا يُؤْذَنُ	(عذر و معذرت کی)	رَبَّنَا	اے ہمارے پروردگار!	يَفْتَرُوْنَ	تھے وہ
	اجازت نہ دی جائیگی	هٰٓؤُلَآءِ	یہ	الَّذِيْنَ	جن لوگوں نے
لِلَّذِيْنَ	ان لوگوں کو جنھوں نے	شُرَكَآؤُنَا	ہمارے (وہ) شریک	كَفَرُوْا	انکار کیا
كَفَرُوْا	انکار کیا		(ہیں)	وَصَدُّوْا	اور روکا (دوسروں) کو
وَلَا هُمْ	اور نہ وہ	الَّذِيْنَ	جن کو	عَنْ سَبِيْلِ	راستے سے
يُسْتَعْتَبُوْنَ (۱)	معافی منگوائے جائیں گے	كُنَّا نَدْعُوْا	پکارتے رہے ہیں ہم	اللّٰهِ	اللہ کے
وَاِذَا رَاَ	اور جب دیکھیں گے	مِنْ دُوْنِكَ	آپ سے نیچے	زِدْنٰهُمْ	بڑھائیں گے ہم
الَّذِيْنَ	وہ لوگ جنھوں نے	فَاَلْقَوْا	تب ڈالیں گے وہ		ان کے لئے
ظَلَمُوا	ناانصافی کی	اِلَيْهِمُ	ان کی طرف	عَذَابًا	عذاب
الْعَذَابَ	عذاب (کو)	الْقَوْلَ	بات	فَوْقَ	اوپر
فَلَا يُخَفَّفُ	تو نہ ہلکا کیا جائے گا	اِنَّكُمْ	کہ تم	الْعَذَابِ	عذاب (کے)
عَنْهُمْ	ان سے	لَكٰذِبُوْنَ	قطعاً جھوٹے ہو	بِمَا كَانُوْا	بدلے اس کے جو
وَلَا هُمْ	اور نہ وہ	وَ اَلْقَوْا (۲)	اور ڈالیں گے وہ	يُفْسِدُوْنَ	فساد برپا کرتے تھے وہ
يُنْظَرُوْنَ	مہلت دیئے جائیں گے	اِلَى اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کی طرف	۞	۞

(۱) اِسْتِعْتَابٌ سے فعل مجہول جمع مذکر غائب ہے، جس کے معنی ہیں: ناراضگی کو دور کرنے کی طلب کرنا یعنی کسی سے یہ خواہش کرنا کہ وہ آپ کی ناراضگی کو دور کردے اور آپ کو رضامند کرلے —— قاعدہ یہ ہے کہ باب استفعال ثلاثی مجرد سے بنایا جاتا ہے، مگر یہ باب خلافِ قیاس اِعْتَابٌ سے بنایا گیا ہے۔ اعتاب کے معنی ہیں: ازالۂ ناراضگی، اس میں سین، تاءِ طلبی بڑھانے سے معنی ہوگئے ناراضگی کو دور کرنے کی طلب کرنا (کرمانی) (۲) اَلْقٰى إليه القَوْلَ: پہنچانا (۳) السلم کے لئے آیت ۲۸ کا حاشیہ دیکھئے۔

ربط: پچھلی آیتوں میں ان ناشکرے بندوں کا ذکر تھا، جو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں پہچانتے ہیں، مگر انکار کرتے ہیں، بظاہر یہ بات عجیب ہے، ہر ذی شعور سوچنے پر مجبور ہوتا ہے کہ کیا ایسا ممکن ہے کہ ایک شخص ایک بات جانتا ہو اور پھر اس کا انکار کرے؟ اپنی آنکھوں سے سورج دیکھ رہا ہو، پھر دن کو نہ مانے؟ —— اللہ پاک اس استعجاب کو دور کرنے کے لئے دو مثالیں بیان فرماتے ہیں:

جانتے بوجھتے جھوٹ کی دو مثالیں

۱- قیامت کے دن امتیں اس کا انکار کریں گی کہ ان کے پاس رسول پہنچے تھے

پہلی مثال: قیامت کے روز جب تمام اگلے پچھلے اللہ تعالیٰ کے روبرو پیش کئے جائیں گے، تو اللہ تعالیٰ ہر امت سے پوچھیں گے کہ کیا میرا حکم تم کو نہیں پہنچا تھا۔ کیا انبیاء کرام نے تم کو نہیں سمجھایا تھا کہ ایمان لانے کا نتیجہ کیا ہوگا اور کفر کا انجام کیا ہوگا؟ اس پر تمام امتیں انکار کر دیں گی کہ ہمارے پاس کوئی نبی نہیں آیا، نہ ہمارے پاس آپ کا حکم پہنچا، نہ ہم کو ایمان وکفر کا انجام بتلایا گیا۔

یہ ہے کافروں کا جھوٹ! روز روشن کی طرح ایک بات جانتے ہوئے بھی اس کا صاف انکار کر دیں گے۔ اس وقت ان بے شرموں کے منہ میں لگام دینے کے لئے اللہ تعالیٰ گواہ کھڑے کریں گے، انبیاء کرام اور وہ حضرات جنھوں نے انبیاء کے بعد امت کو توحید اور خدا پرستی کی دعوت دی ہے اور شرک وسرکشی کے وبال سے آگاہ کیا ہے، سامنے آئیں گے اور شہادت دیں گے کہ اے پروردگار! ہم نے ان لوگوں کو آپ کا پیغام پہنچا دیا تھا، انہیں ہر بات سے آگاہ کر دیا تھا، مگر وہ تکذیب ہی کرتے رہے، آج یہ جھوٹ بول رہے ہیں کہ ہمارے پاس کوئی پیغام سنانے والا نہیں آیا —— ارشاد ہے: —— اور (وہ دن یاد کرو) جس دن ہم ہر امت میں سے ایک گواہ اٹھائیں گے —— جو ان کے خلاف گواہی دے گا —— پھر کافروں کو نہ (عذر ومعذرت کا) موقع دیا جائے گا اور نہ اُن سے معافی منگوائی جائے گی —— یعنی ان کے لئے نہ تو صفائی پیش کرنے کی کوئی گنجائش ہوگی نہ اُن سے یہ مطالبہ کیا جائے گا کہ چلو، اپنے رب سے اپنے قصوروں کی معافی مانگ لو، وہ وقت تو صرف فیصلے کا ہوگا، معافی چاہنے کا وقت گزر چکا، ارشاد ہے —— اور جب ظالم لوگ عذاب کو دیکھ لیں گے تو پھر نہ اُن کے عذاب میں کوئی تخفیف کی جائے گی، اور نہ انھیں مہلت دی جائے گی —— یعنی حقیقت واشگاف ہونے کے بعد ایمان لانا بے سود ہوگا، اس سے عذاب میں کسی قسم کی کوئی تخفیف نہ کی جائے گی، نہ عذاب سامنے آجانے کے بعد کسی کو مہلت دی جائے گی۔

۲-مشرکین قیامت کے دن شرک کا انکار کریں گے

دوسری مثال: قیامت کے روز حق تعالیٰ کا اہل محشر کو حکم ہوگا کہ جو جس کو پوجتا تھا اس کے ساتھ ہولے، چنانچہ مشرکین اپنے معبودوں کو تلاش کریں گے، جب ان کو پائیں گے تو عرض کریں گے: پروردگار! یہ ہمارے وہ شریک ہیں، جن کو ہم آپ کے سوا پکارا کرتے تھے، مگر ان کے وہ معبود صاف انکار کردیں گے، وہ انہیں جھٹلائیں گے اور کہیں گے کہ ہمیں تمہاری پوجا کی کچھ خبر نہیں تھی۔ یہ ایک جھوٹی بات ہے جو تم نے گھڑلی ہے۔

جب مشرکین اپنے معبودوں سے مایوس ہوجائیں گے اور انہیں یقین آجائے گا کہ اس آڑے وقت میں ان کا کوئی سہارا نہیں تو وہ شرک کا انکار کر بیٹھیں گے، وہ خدائے پاک کے سامنے اطاعت وانقیاد کا اظہار شروع کردیں گے، وہ عرض کریں گے: خدایا! ہم نے تو کبھی کسی کو آپ کے ساتھ شریک نہیں کیا، ہم تو ہمیشہ آپ ہی کو مانتے رہے اور آپ ہی کے فرمانبردار رہے۔

یہ ہے مشرکوں کا جھوٹ! ابھی تو خدائے پاک سے عرض کر رہے تھے کہ یہ ہمارے شرکاء ہیں اور اب منکر ہوگئے۔ کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی چالبازیاں ان کے کچھ کام آئیں گی۔ اور ان کی مکاریاں ان کو عذاب سے بچالیں گی؟ ہرگز نہیں! انھیں عذاب بالائے عذاب ہوگا، ارشاد ہے: —— اور جب مشرکین اپنے شریکوں کو دیکھیں گے تو کہیں گے: ''اے ہمارے پروردگار! یہ ہیں ہمارے وہ شریک جن کو ہم آپ کے سوا پکارا کرتے تھے'' —— اس پر وہ معبود انھیں یہ بات پہنچائیں گے کہ: ''تم قطعاً جھوٹے ہو!'' —— اور وہ لوگ اس دن اللہ تعالیٰ کے سامنے اطاعت رکھ دیں گے اور ان کی وہ ساری افتراء پردازیاں غائب ہوجائیں گی جو وہ کرتے رہے تھے۔

تفسیر: یہ جو ارشاد فرمایا کہ: ''وہ معبود انہیں یہ بات پہنچائیں گے'' اس کا مطلب یہ ہے کہ مشرکین کی اور ان کے معبودوں کی یہ گفتگو آمنے سامنے نہ ہوگی، بلکہ وہ دور سے جواب بھیجیں گے، کیونکہ مشرکوں کے یہ معبود مقبولانِ بارگاہِ الٰہی ہیں، وہ زمرۂ مؤمنین میں ہوں گے۔ وہاں سے جواب روانہ کریں گے کہ تم قطعاً جھوٹے ہو، ہم نے کب تم سے اپنی پوجا کروائی تھی؟ ہمارے لئے ایسی نازیبا حرکت روا ہی نہ تھی، ہم تو خود خدائے پاک کے ایماندار اور فرماں بردار بندے تھے، پھر تمہارے لئے یہ کیسے پسند کرتے کہ تم ہمیں پوجو۔

فائدہ: مشرکوں کے معبود دو طرح کے ہیں: ایک مقبولان بارگاہِ خداوندی، جنھوں نے خلق خدا کو خداپرستی کی تعلیم دی ہے، مگر لوگ انہی کو معبود قرار دے بیٹھے، یا جو اس بات سے بالکل ہی بے خبر ہیں کہ دنیا میں ان کی بندگی کی جارہی ہے، ان کے مشرکوں کے ساتھ ہونے کا یا جہنم میں جانے کا کوئی امکان نہیں، کیونکہ وہ اس شرک کے ذمہ دار نہیں ہیں۔

دوسرے وہ لوگ ہیں جنھوں نے خود معبود بننے کی کوششیں کی اور جن کا خلق خدا کے شرک میں واقعی عمل دخل ہے وہ سب اپنے عابدوں کے ساتھ جہنم میں جائیں گے۔اسی طرح وہ لوگ بھی جہنم میں جائیں گے، جنھوں نے اپنی اغراض کے لئے غیر اللہ کو معبود بنوایا، کیونکہ اس صورت میں مشرکین کے اصلی معبود وہی قرار پائیں گے، نہ کہ وہ جن کو ان اشرار نے بظاہر معبود بنوایا تھا۔شیطان بھی اسی ذیل میں آتا ہے کیونکہ اس کی تحریک پر جن ہستیوں کو معبود بنایا گیا ہے، اصلی معبود وہ نہیں، بلکہ شیطان ہے، اس کی فرمانبرداری میں یہ فعل کیا گیا ہے۔

اور جہنم میں ان معبودوں کو دوہری سزا ہوگی، ایک خود ان کے مبتلائے کفر ہونے کی اور دوسری خلق خدا کو برگشتہ کرنے کی، ارشاد فرماتے ہیں: —— اور جن لوگوں نے (خود بھی) کفر کی راہ اختیار کی، اور (دوسروں کو بھی) اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکا، ان کے لئے ہم ایک سزا پر دوسری سزا بڑھائیں گے، اُس فساد کے عوض جو وہ دنیا میں کرتے رہے!

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِم مِّنْ أَنفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ ۚ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ﴿٨٩﴾

ع ۱۲ / ۱۸

وَيَوْمَ	اور (یاد کرو) جس دن	وَجِئْنَا بِكَ(۱)	اور لائیں گے ہم آپ کو	تِبْيَانًا(۲)	خوب وضاحت کرنے والی
نَبْعَثُ	اٹھائیں گے ہم	شَهِيدًا	گواہ بنا کر	لِّكُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز کی
فِي كُلِّ أُمَّةٍ	ہر جماعت میں	عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ	ان لوگوں کے خلاف	وَهُدًى	اور عظیم راہ نمائی
شَهِيدًا	ایک گواہ	وَنَزَّلْنَا	اور اتاری ہم نے	وَرَحْمَةً	اور بڑی مہربانی
عَلَيْهِم	ان کے خلاف	عَلَيْكَ	آپ پر	وَبُشْرَىٰ	اور خوش خبری
مِّنْ أَنفُسِهِمْ	انہی میں سے	الْكِتَابَ	کتابِ الٰہی	لِلْمُسْلِمِينَ	فرمانبرداروں کے لئے

قیامت کے دن ہر نبی اپنی امتِ دعوت کے خلاف گواہی دے گا

ربط: آیت چوراسی میں بطور مثال قیامت کے روز گواہوں کو کھڑا کرنے کا ذکر آیا ہے وہاں پیش نظر صرف مثال دینا تھا، اس لئے نہایت اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا تھا، اب تفصیل سے اس کا ذکر کیا جاتا ہے۔سورۃ النساء کی آیت چالیس

(۱) وَجِئْنَا الخ جملہ مستانفہ ہے، شَهِيدًا حال ہے (۲) تبیانًا، هدىً، رَحْمَةً اور بشری مفعول لہ ہیں، اور تبیانٌ مصدر ہے بَانَ (ض) بَيَانًا وَتِبْيَانًا: ظاہر ہونا، واضح ہونا

میں بھی یہ مضمون آیا ہے[1] مگر وہاں صرف منظر کشی مقصود تھی، اور یہاں اس کو مدلل کرنا ہے۔

امتِ دعوت اور امت اجابت:

امت کی دو قسمیں ہیں: ایک امت دعوت، اور دوسری امت اجابت، جن لوگوں نے نبی کی دعوت پر لبیک کہا وہ امت اجابت ہیں، اور جنہیں نبی دعوت دیتے رہے اور آخر تک انھوں نے مان کر نہ دیا، وہ امت دعوت ہیں، قیامت کے دن ہر پیغمبر کی امت دعوت سے پوچھا جائے گا کہ میرا حکم تم تک نہیں پہنچا تھا، جو تم شرک وکفر اور بدعملی میں مبتلا رہے؟ اس پر سارے امتی کہیں گے کہ ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا، تب انبیاء کرام علیہم والصلوٰۃ والسلام کو طلب کیا جائے گا۔ ان سے پوچھا جائے گا کہ آپ حضرات نے میرے احکامات اپنی امتوں کو نہیں پہنچائے؟ وہ عرض کریں گے کہ بارِ الٰہا! ہم نے آپ کے تمام احکامات خوب کھول کر پہنچا دیئے تھے، مگر ان ناہنجاروں نے ہماری ایک سن کر نہیں دی۔ ارشاد ہے:

—— اور وہ (دن یاد کرو) جس دن ہم ہر امت میں سے خود انہی میں سے ان کے خلاف ایک گواہ کھڑا کریں گے، اور ان لوگوں کے خلاف آپ کو ہم گواہ بنا کر لائیں گے —— کیونکہ آپؐ بھی اللہ تعالیٰ کے تمام احکامات اپنی امت کو خوب کھول کر پہنچا چکے ہیں، ان کے سامنے کتابِ الٰہی پیش کر چکے ہیں، جس میں ہر چیز کی وضاحت ہے، جس پر ہدایت وضلالت، اور فلاح وخسران کا مدار ہے، جس کا جاننا راست روی کے لئے ضروری ہے، جس سے حق وباطل کا فرق نمایاں ہوتا ہے۔

(۱) تین مضمون ملتے جلتے ہیں اس لئے ان کو الگ الگ کر لینا چاہئے اور اُن سے متعلق آیتوں کو ذہن نشین کر لینا چاہئے۔ عام طور پر اُن میں اشتباہ واقع ہوا ہے:

پہلا مضمون: قیامت کے دن تمام انبیاء اپنی اپنی امتوں کے خلاف گواہیاں دیں گے اور حضور اقدس ﷺ اپنی امت دعوت کے خلاف گواہی دیں گے، یہ مضمون صرف دو جگہ آیا ہے، سورۃ النساء آیت ۴۰ میں اور یہاں۔ سورۃ النساء میں مقصود منظر کشی ہے اور یہاں مقصود اس مضمون کو مدلل کرنا ہے۔

دوسرا مضمون: قیامت کے دن امت محمدیہ، پچھلی تمام امتوں کے خلاف، انبیاء کرام کی حمایت میں گواہی دے گی اور جب ان امتوں کی طرف سے اعتراض ہوگا کہ یہ امت سب سے آخری امت ہے، انھوں نے ہمارا زمانہ کہاں پایا ہے؟ پھر یہ کیونکر گواہی دے رہے ہے؟ تب آنحضور ﷺ تشریف لا کر گواہی دیں گے کہ بلاشبہ میری امت جو کچھ کہہ رہی ہے سچ کہہ رہی ہے، ان کو مجھ سے اور قرآن سے ایسا ہی معلوم ہوا ہے —— یہ مضمون صرف سورۃ البقرۃ آیت ۱۴۳ میں آیا ہے۔

تیسرا مضمون: آنحضور ﷺ اپنے زمانے کے لوگوں کے خلاف گواہی دیں گے اور آپ کی امت اپنے اپنے زمانے کے لوگوں کے خلاف گواہی دے گی۔ یہ مضمون صرف سورۃ الحج آیت ۷۸ میں آیا ہے۔

ارشاد ہے: —— اور ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل کی ہے، جو ہر چیز کی صاف وضاحت کرنے والی ہے اور ہدایت ورحمت اور بشارت ہے، سراطاعت خم کرنے والوں کے لئے —— یعنی یہ کتاب، اطاعت کی راہ اختیار کرنے والوں کی زندگی کے ہر معاملہ میں صحیح رہنمائی کرتی ہے اور جو اس کی پیروی کرتے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں، اور یہ کتاب انہیں دنیا وآخرت کی بھلائیوں کی خوشخبری سناتی ہے —— اور جو لوگ اس کتاب کو نہیں مانتے وہ نہ صرف یہ کہ ہدایت ورحمت سے محروم رہتے ہیں، بلکہ قیامت کے روز رحمۃ للعالمین ﷺ ان کے خلاف برملا شہادت دیں گے، اور یہ کتاب اُن کے خلاف ایک زبردست حجت ہوگی۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿٩٠﴾

إِنَّ	بے شک	وَالْإِحْسَانِ (۲)	اور (کام اور معاملہ)	وَيَنْهَىٰ	اور روکتے ہیں
اللَّهَ	اللہ تعالیٰ		اچھا کرنے (کا)	عَنِ الْفَحْشَاءِ (۴)	نہایت برے کاموں سے
يَأْمُرُ	حکم دیتے ہیں	وَإِيتَاءِ	اور دینے (کا)	وَالْمُنكَرِ (۵)	اور ناجائز کاموں (سے)
بِالْعَدْلِ (۱)	انصاف کرنے کا	ذِي الْقُرْبَىٰ (۳)	اہل قرابت (کو)	وَالْبَغْيِ (۶)	اور ظلم سے

(۱) اَلْعَدْلُ (مصدر) داد وانصاف عَدَلَ (ض) عَدَلاً السهمَ کے معنی ہیں: تیر کو سیدھا کرنا، لہٰذا عَدْل کے معنی ہوئے عقائد، اعمال، اخلاق اور معاملات کو بالکل سیدھا کرنا اور صحیح کرنا، ان میں افراط وتفریط نہ ہونے دینا اور عَدْل سے ہٹ جانے کا نام جَوْرٌ ہے، جَارَ (ن) جَوْرًا عَنِ الشیئ: ہٹ جانا (۲) اِحْسَانٌ مصدر ہے اس کے لغوی معنی ہیں: اچھا کرنا (نکوکردن) اس کی دو قسمیں ہیں: ایک یہ کہ آدمی اپنے کام یا اخلاق وعادات کو اپنی ذات میں اچھا اور مکمل کرے، دوسرے یہ کہ کسی دوسرے شخص کے ساتھ اچھا سلوک اور عمدہ معاملہ کرے (دوسرے معنی کے لئے احسان کا صلہ إلیٰ آتا ہے) آیت میں اِحْسان عام مفہوم میں استعمال ہوا ہے (قرطبی) (۳) اَلْقُرْبیٰ اسم مصدر ہے۔ رشتہ اور قرابت، قرب (ن) قَرَابَةً، قَرُبَ (ک) قُربا وقربانا اور قَرِبَ (س) قُرْبًا وَقُرْبَانًا کے معنی ہیں: نزدیک ہونا (۴) اَلْفَحْشَاءُ اسم تفضیل واحد مؤنث ہے وہ قول وعمل جس کی برائی کھلی ہو، جسے سننا یا کرنا ہر کوئی برا جانتا ہو، جیسے: زنا، بے حیائی، بدکلامی، گالی گلوچ، بداخلاقی، بخیلی وغیرہ، اس کا مذکر اَفْحَش ہے مادہ ہے فَحْشٌ برا کام فَحُشَ (ک) الأمرُ برا ہونا، اَلْمُتَفَحِّشُ: بدزبان، بے حیاء (۵) المنکر اسم مفعول واحد مذکر ہے، مصدر اِنْکَارٌ ہے، جس کے معنی ہیں: کسی چیز کو اجنبی سمجھنا، ناموزوں جاننا اس کی ضد اَلْعِرْفان ہے یعنی کسی چیز کو پہچاننا، موزوں سمجھنا، لہٰذا المنکر کے معنی ہیں: وہ قول وفعل جس کو عقل سلیم برا جانتی ہو اور شریعت مطہرہ نے اس کو ناجائز قرار دیا ہو (۶) اَلْبَغْيُ مصدر ہے بَغیٰ علیه کا، جس کے معنی ہیں: دراز دستی کرنا، ظلم کرنا۔

يَعِظُكُمْ	وہ تمہیں نصیحت فرماتے ہیں	لَعَلَّكُمْ	تاکہ تم	تَذَكَّرُوْنَ	نصیحت قبول کرو

ربط: ابھی کتاب اللہ کا ایک وصف ﴿ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ﴾ بیان ہوا ہے، یعنی قرآن پاک ایک ایسی جامع کتاب ہے جس میں عقائد سے لے کر اعمال تک، اور اخلاق سے لے کر معاملات تک، تمام بنیادی اور ضروری احکام پوری وضاحت کے ساتھ بیان کر دیئے گئے ہیں۔ اور دوسرا وصف قرآنِ کریم کا یہ ہے کہ وہ زندگی کے ہر معاملے میں صحیح راہنمائی کرتا ہے، قرآنِ پاک کی ان خصوصیات کی بہترین مثال یہ آیت پاک ہے۔ علماء کرام کا ارشاد ہے کہ اگر قرآن میں کوئی دوسری آیت نہ ہوتی یہی آیت ہوتی تو ﴿ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ﴾ کا ثبوت دینے کے لئے اور ہدایت و رہنمائی کے لئے کافی ہوتی (روح المعانی)

اور حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت اس جگہ خاص حکم خداوندی سے رکھی گئی ہے۔ حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں بارگاہِ رسالت میں حاضر تھا، یکا یک آپ ﷺ نے نگاہ اوپر کو اٹھائی (نزولِ وحی کے آثار شروع ہوئے) پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور حکم دیا کہ اس آیت کو، اس سورت میں، اس جگہ رکھوں [1]

جامع ترین آیت:

یہ آیت کریمہ قرآن کریم کی جامع ترین آیت ہے۔ اسلامی تعلیمات کا جامع و مکمل خاکہ اس آیت میں آ گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

(۱) قرآن پاک کی عظیم ترین آیت —— آیت الکرسی ہے۔

(۲) خیر و شر کی جامع ترین آیت —— ﴿ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ ﴾ الخ ہے۔

(۳) تفویض (سپردگی) کا مضمون سب سے زیادہ اپنے اندر رکھنے والی آیت: ﴿ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۝ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۚ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ ۚ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ﴾ ہے، ترجمہ: اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے نجات کی راہ نکال دیتے ہیں، اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتے ہیں، جہاں اس کا گمان بھی نہیں جاتا۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہیں، اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کر کے رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے (سورۃ الطلاق آیت ۲و۳)

---

(۱) رواہ الإمام أحمد رحمہ اللہ۔

(۴) اور سب سے زیادہ پر امید بنانے والی آیت: ﴿ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِہِمْ لَاتَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ؕ اِنَّہٗ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴾ ہے[1] ترجمہ: اے میرے وہ بندو جنھوں نے اپنے اوپر زیادتیاں کی ہیں! اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو؛ اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو بالیقین معاف فرمادیں گے، واقعی وہ بڑے بخشنے والے، بے حد مہربانی فرمانے والے ہیں (سورۃ الزمر)

آیت کی خطبہ میں شمولیت اور اس کی تاثیر کے دو واقعے

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کو اس کی جامعت ہی کی وجہ سے جمعہ وعیدین کے خطبات کے آخر میں پڑھتے تھے، تاکہ ہر ہفتہ متواتر، امت کے کان اس دستور حیات سے آشنا ہوتے رہیں، الحمد للہ! اُس وقت سے آج تک یہ آیت امت کے خطبات کا جزو بنی ہوئی ہے اور بہت سے حضرات کو متاثر کرچکی ہے، اس سلسلے کے دو ایمان افروز واقعات سنئے:

پہلا واقعہ: حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے اسلام کا سبب یہی آیت بنی ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بہت قدیم الاسلام ہیں، چودھویں نمبر پر مسلمان ہوئے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کے اسلام کا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ آنحضور ﷺ اپنے گھر کے آنگن میں تشریف فرما تھے، وہاں سے عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ گزرے، انھوں نے آنحضور ﷺ کو دیکھ کر دانت نکالے[2] حضور ﷺ نے فرمایا: ''کیا آپ ہمارے پاس نہیں بیٹھیں گے؟'' انھوں نے کہا: جی بیٹھوں گا — وہ اور حضور اقدس ﷺ آمنے سامنے بیٹھ گئے، دونوں میں باتیں ہو رہی تھیں کہ یکا یک حضور ﷺ نے نگاہِ مبارک آسمان کی طرف اٹھائی، کچھ دیر آپ آسمان کی طرف دیکھتے رہے، پھر آہستہ آہستہ نگاہ نیچے آنے لگی، یہاں تک کہ آپ کی نگاہ آپ کی دائیں جانب زمین پر آکر ٹھہر گئی اور آپ اپنے ساتھی عثمان بن مظعون سے منہ پھیر کر دائیں جانب متوجہ ہوگئے اور اس طرح سر ہلانے لگے جیسے کسی سے کوئی بات سمجھ رہے ہوں — عثمان بن مظعون یہ سارا ماجرا دیکھتے رہے، جب حضور ﷺ بات سمجھ چکے تو پہلے کی طرح پھر آسمان کی طرف نگاہ اٹھنے لگی اور بالکل آسمان تک پہنچ گئی — اس کے بعد آپ اپنی اصلی حالت کی طرف لوٹ آئے اور اپنے ساتھی کی طرف متوجہ ہوکر بیٹھ گئے۔ عثمان بن مظعون نے پوچھا کہ محمد! میں بارہا آپ کے پاس بیٹھا ہوں، مگر آج جیسی صورت کبھی پیش نہیں آئی۔ حضور ﷺ نے پوچھا: ''تم نے مجھے کیا کرتے دیکھا؟'' انھوں نے پہلی بار آسمان کی طرف نگاہ اٹھنے سے لے کر آخر تک کی پوری صورتِ حال بیان کردی، حضور ﷺ نے فرمایا: ''تمھیں اس سب کا احساس ہوگیا؟'' عثمان نے کہا: ''جی ہاں! میں

(۱) رواہ البیہقی فی شعب الإیمان (درمنثور) (۲) دانت نکالنا: بے موقع ہنسنا، بے ہودہ طریق سے ہنسنا ۱۲

نے سب کچھ دیکھ لیا۔ آپ ؐ نے ارشاد فرمایا: ''ابھی ابھی جب میں تمہارے ساتھ بیٹھا ہوا تھا میرے پاس اللہ کا فرشتہ آیا'' انھوں نے پوچھا: اللہ کا فرشتہ؟ آپ نے فرمایا: ''جی ہاں! اللہ کا فرشتہ!'' عثمان نے پوچھا: ''فرشتے نے آپ سے کیا کہا؟'' حضور ﷺ نے فرمایا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ ﴾ (آخر آیت تک) حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کو دیکھ کر اور اس آیت کو سن کر میرے دل میں ایمان جم گیا اور مجھے آنحضور ﷺ سے محبت ہوگئی[۱] —— یہ محبت دن بدن بڑھتی گئی، آنحضور ﷺ کو بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے غایت درجہ تعلق ہوگیا۔ ہجرت مدینہ کے بعد مہاجرین میں سب سے پہلے آپ ہی کی وفات ہوئی ہے، آنحضور ﷺ کو جب اطلاع ہوئی تو تشریف لائے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پیشانی کو چوما اور دفن کرنے کے بعد ارشاد فرمایا کہ ''عثمان ہمارے بڑے اچھے پیش رو ہیں!''

دوسرا واقعہ: اَكْثَمُ بن صَيْفِىْ کا ہے۔ اکثم اپنی قوم کے سردار تھے، انھیں جب حضور اکرم ﷺ کی ہجرت کی اطلاع ملی تو حاضر خدمت ہونے کا ارادہ کیا، مگر ان کے قبیلے کی رائے یہ ہوئی کہ آپ کا جانا مناسب نہیں، سفیر بھیجے جائیں، چنانچہ دو آدمی منتخب کئے گئے، تاکہ مدینہ جا کر حالات کا جائزہ لے آئیں۔ وہ دونوں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم اکثم کے سفیر ہیں۔ آپ ہمیں دو باتوں کا جواب دیں: پہلی بات یہ ہے کہ آپ کون ہیں؟ دوسری بات یہ کہ آپ کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پہلے سوال کا جواب تو یہ ہے کہ میرا نام محمد ہے اور میرے والد کا نام عبداللہ ہے اور دوسرے کا جواب یہ ہے کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، پھر حضور اقدس ﷺ نے سورۂ نحل کی یہ آیت ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ ﴾ تلاوت فرمائی، اُن قاصدوں نے درخواست کی یہ آیت ہمیں مکرر سنائیے۔ آنحضور ﷺ نے آیت کی بار بار تلاوت فرمائی، یہاں تک کہ ان قاصدوں کو آیت یاد ہوگئی —— قاصدوں نے لوٹ کر اکثم کو بتلایا کہ ہم نے پہلے سوال میں یہ چاہا تھا کہ آپ اپنا نسب بیان کریں، مگر آپ ﷺ نے اس پر زیادہ توجہ نہ دی، صرف اپنا اور باپ کا نام بتایا، مگر ہم نے دوسرے لوگوں سے آپ کے نسب کی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ آپ بڑا ستھرا نسب رکھتے ہیں، خاندان مضر میں بڑے عالی نسب ہیں۔ آپ ﷺ نے ہمیں کچھ کلمات بھی سنائے ہیں، جو ہم آپ کو سناتے ہیں۔

قاصدوں نے جب اکثم کو یہ آیت کریمہ سنائی تو وہ اس سے بے حد متاثر ہوئے، اپنی ساری قوم کو جمع کیا اور اُن سے کہا: میں دیکھتا ہوں کہ یہ پیغمبر تمام عمدہ اور اعلی اخلاق کا حکم دیتے ہیں اور تمام برے اور رذیل اخلاق اور اعمال سے روکتے

(۱) رواه الإمام أحمد رحمه الله وقال ابن كثير: إسناده جيد متصل، حسن قد بُيِّنَ فيه السَّمَاعُ المتَّصِلُ۔

ہیں، لہٰذا تم ان کا دین قبول کرنے میں جلدی کرو، تم سر بنو، دم نہ بنو![1]

تین خوبیوں کا حکم اور تین برائیوں کی ممانعت

آیت کریمہ کی اہمیت سمجھ لینے کے بعد اب تفسیر پڑھئے اور عہد کیجئے کہ آیت کریمہ میں جو کچھ ارشاد فرمایا جا رہا ہے اس پر عمل کرنے کی امکانی کوشش کریں گے ارشاد ہے: —— اللہ تعالیٰ حکم دیتے ہیں انصاف کرنے کا، اور (ہر کام اور ہر معاملے کو) اچھا کرنے کا، اور اہل قرابت کو دینے کا اور روکتے ہیں نہایت برے کاموں سے، اور ناجائز کاموں سے، اور ظلم کرنے سے، اللہ تعالیٰ تمہیں اس لئے نصیحت فرما رہے ہیں تاکہ تم قبول کرو —— یعنی یہ باتیں بس یونہی سرسری نہیں کہی جا رہی ہیں، اس پند و نصیحت کا مقصود یہ ہے کہ تم اپنا نفع و نقصان سوچو اور اللہ کی نصیحت قبول کرو، عمل کا تہیہ کرو اور آج ہی سے اللہ تعالیٰ کے ارشادات پر عمل شروع کرو۔

اس مختصر مگر جامع ارشاد میں اللہ تعالیٰ نے تین ایسی چیزوں کا حکم دیا ہے جن پر پورے معاشرے کی درستی کا انحصار ہے، اور ایسی ہی تین برائیوں سے روکا ہے۔ جن باتوں کا حکم دیا ہے وہ یہ ہیں:

① —— عدل و انصاف کرنا: یعنی ہر کام، ہر بات اور ہر معاملے کو نہایت صحیح اور درست کرنا اس میں کسی قسم کی افراط و تفریط کو راہ نہ دینا، تمام عقائد، اعمال، اخلاق، معاملات اور جذبات میں اعتدال و توازن رکھنا، اور ہر حقدار کو اس کا حق بے لاگ طریقے سے دینا۔

مفسر قرآن ابوبکر ابن العربی مالکیؒ نے عدل کی تین صورتیں بیان فرمائی ہیں: وہ فرماتے ہیں کہ عدل کے اصلی معنی تو برابری کرنے کے ہیں، مگر نسبتوں کے اختلاف سے اس کا مفہوم مختلف ہو جاتا ہے۔ مثلاً:

(۱) اپنے اور خدا کے درمیان عدل کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حق کو اپنے نفس کے حظ پر، اور ان کی رضا جوئی کو اپنی خواہشات پر مقدم رکھے، ان کے احکامات کی تعمیل کرے اور ممنوعات شرعیہ سے مکمل اجتناب کرے۔

(۲) خود اپنے نفس کے ساتھ عدل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے نفس کو تمام ایسی چیزوں سے بچائے، جن میں نفس کی ہلاکت مضمر ہے، اس کی ایسی خواہشات کو پورا نہ کرے جو انجام کار اس کے لئے مضر ہوں اور صبر و استقامت سے کام لے۔

(۳) اپنے اور مخلوقات خداوندی کے درمیان عدل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تمام مخلوقات کے ساتھ خیر خواہی اور ہمدردی کا معاملہ کرے اور کسی ادنیٰ معاملہ میں بھی کسی سے خیانت نہ کرے اور کسی کو اپنے قول و عمل سے بلاوجہ تکلیف نہ پہنچائے۔

(۱) رواه أبو يعلى في كتاب معرفة الصحابة۔

④ —— احسان: یعنی تمام معاملات اور تمام کاموں کو، عقائد و اعمال کو اور اخلاق و عبادات کو، بہتر سے بہتر کرنا اور عمدہ سے عمدہ بنانا، حدیث شریف میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ:

إِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الإِحْسَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ فَإِذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُوْا الْقِتْلَةَ وَإِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوْا الذِّبْحَ، وَلْيُحِدَّ أَحَدُكُمْ شَفْرَتَهُ، وَلْيُرِحْ ذَبِيْحَتَهُ (أبو داؤد باب فی الرفق بالذبیحة کتاب الضحایا)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو بہتر اور عمدہ کرنا فرض کیا ہے، لہٰذا جب تم (جہاد میں) دشمن کو قتل کرو، تو عمدہ طریقے پر قتل کرو اور جب جانور کو ذبح کرو تو اچھے انداز سے ذبح کرو، چاہئے کہ تم اپنی چھری اچھی طرح تیز کرلو اور ذبیحہ کو آرام پہنچاؤ۔

عقائد و اعمال کو اچھا بنانے کا طریقہ حدیث شریف میں یہ بیان فرمایا گیا ہے:

أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ (متفق علیہ)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو، اور اگر تم ان کو نہیں دیکھ رہے تو وہ تمہیں دیکھ رہے ہیں۔

اس ارشاد گرامی میں مدارج کا لحاظ فرماتے ہوئے، عبادت کو عمدہ بنانے کے، دو طریقے بیان فرمائے ہیں، اعلیٰ اور اونچا طریقہ تو یہ ہے کہ آدمی عبادت اس تصور سے کرے کہ گویا خدائے پاک کو دیکھ رہا ہے، اس صورت میں کیف و وجد ہزار گنا بڑھ جائے گا اور عبادت ہر طرح کامل و مکمل ہوگی۔ لیکن اگر معرفت الٰہی کا یہ مقام کسی کو میسر نہ ہو تو اس کے لئے دوسرا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے اس عقیدے کا استحضار کرے کہ اللہ پاک اسے دیکھ رہے ہیں۔ جب اس عقیدے کے استحضار کے ساتھ عبادت کرے گا تو حتی الامکان عبادت کو کامل و مکمل کرنے کی کوشش کرے گا، اور اس میں کسی طرح کی فروگذاشت نہیں ہونے دے گا۔

دوسروں کے ساتھ اچھا سلوک اور عمدہ معاملہ کرنے کا حکم اللہ پاک نے سورۃ القصص میں بھی دیا ہے، ارشاد ہے:

﴿ اَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ﴾ جس طرح اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی (دوسروں کے ساتھ) احسان کر۔

عدل کے بعد احسان و مروت کا حکم دینے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی انصاف کے ساتھ احسان و مروت کو جمع کرے کیونکہ عدل اگر معاشرے کی اساس ہے تو احسان اس کا جمال اور اس کا کمال ہے۔ عدل اگر معاشرے کو ناگواریوں اور تلخیوں سے بچاتا ہے تو احسان اس میں خوش گواریاں پیدا کرتا ہے۔ لہٰذا آدمی مقام عدل سے ذرا اور بلند ہو کر فیاضانہ معاملہ، ہمدردانہ رویہ، نیک برتاؤ، رواداری، خوش خلقی، درگزر، فضل و عفو، تلطف و ترحم، باہمی مراعات، ایک دوسرے کا پاس

ولحاظ، دوسرے کو اس کے حق سے کچھ زیادہ دینا اور خود اپنے حق سے کچھ کم پر راضی ہو جانا شیوہ بنالے، اس سے زندگی میں لطف وحلاوت پیدا ہوگی اور معاشرے میں محبت واخلاص، ایثار وخیر خواہی، عالی ظرفی اور شکر گزاری کو نشو نما پانے کا موقع ملے گا۔

③ ـــــ صلہ رحمی: یہ احسان کی ایک خاص صورت کا بیان ہے، رشتہ داروں کا حق عام لوگوں سے کچھ زائد ہے۔ قدرت نے جو باہم قرابت کے تعلقات رکھے ہیں انہیں نظر انداز کرنا قرابت کے مقصد ہی کو فوت کر دینا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ حکم دیتے ہیں کہ اقارب کی ہمدردی اور ان کے ساتھ مروت واحسان عام لوگوں سے کچھ بڑھ کر ہونا چاہئے۔ ہر صاحب استطاعت پر لازم ہے کہ وہ اپنے خاندان کے لوگوں کو بھوکا ننگا نہ چھوڑے، اس کے مال میں اس کے غریب رشتہ داروں کا بھی حق ہے۔

اسلام کی نگاہ میں خاندان کی اس سے بدتر کوئی حالت نہیں کہ ایک شخص تو عیش کر رہا ہو اور اس کے خاندان میں اس کے اپنے بھائی بند روٹی کپڑے تک کے محتاج ہوں۔ اسلام صرف شخصی خوش حالی کا قائل نہیں ہے، بلکہ خاندانی خوش حالی کا داعی ہے، اس نے خاندان کی خوش حالی کے لئے خوش حال افراد پر پہلا حق اس کے اپنے غریب رشتہ داروں کا رکھا ہے۔ متعدد احادیث میں اس کی تصریح آئی ہے کہ آدمی کے مال کا اولین حقدار اس کا اپنا نفس ہے، پھر اہل وعیال اور والدین، پھر بھائی بہن پھر وہ جو ان کے بعد قریب تر ہوں، اور پھر وہ جو ان کے بعد قریب تر ہوں۔

خاندان کی خوش حالی معاشرے کی خوش حالی کا سبب ہے، کیونکہ معاشرہ خاندانوں کے مجموعے کا نام ہے، پس جب معاشرے کے اجزائے ترکیبی، معاشی حیثیت سے خوش حال ہوں گے تو سارا معاشرہ خوش حال نظر آئے۔

اوپر کی تین خوبیوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ تین برائیوں سے روکتے ہیں۔ یہ تین برائیاں انفرادی حیثیت سے افراد کو اور اجتماعی حیثیت سے پورے معاشرے کو خراب کرنے والی ہیں۔

① ـــــ فَحْشَاءُ: ہر وہ کام اور ہر وہ بات جو بیہودہ شرمناک اور قبیح ہے، اور اس کی برائی ایسی کھلی ہوئی ہے کہ ہر سمجھ دار اس کو برا جانتا ہے۔ جیسے زنا، برہنگی وعریانی، عمل قوم لوط، بے حیائی، بدکلامی، بداخلاقی، بخیلی، گالیاں بکنا وغیرہ تمام وہ کام جو شہوت ونفسانیت کے غلبے سے کئے جاتے ہیں، جیسے بدکاریوں پر ابھارنے والے افسانے اور ڈرامے، عریاں تصاویر اور فلم، عورتوں کا بن سنور کر منظر عام پر آنا، اسٹیج پر عورتوں کا ناچنا، تھرکنا اور ناز وادا کی نمائش کرنا، مردوں اور عورتوں کا باہم اختلاط اور بے حیائی اور دل لگی کی باتیں کرنا سب فحش ہے۔

② ـــــ مُنْكَر: ہر وہ بات اور ہر وہ کام جو شرعاً ناجائز ہے اور فطرت صحیحہ اور عقل سلیم کے نزدیک نامعقول ہے،

جیسے کبر وغرور، حسد وکینہ، سودخوری اور قمار بازی وغیرہ تمام ظاہری اور باطنی، عملی اور اخلاقی گناہ جن سے شریعت نے انسانوں کو روکا ہے۔

(۳) —— بَغْيٌ: یعنی حد سے تجاوز کرنا، دوسرے کے حقوق پر دست درازی کرنا، سرکشی، ظلم وتعدی اور اللہ کی زمین کو فساد اور بگاڑ سے بھر دینا۔

یہ تین برائیاں اُن تین خوبیوں کے مقابل ہیں، خوبیوں میں سب سے اہم عدل وانصاف ہے، اس لئے اس کو سب سے پہلے بیان کیا ہے اور برائیوں میں سب سے زیادہ قابل ترک شرمناک کام ہیں، اس لئے ان کو پہلے لایا گیا ہے۔
غور کیجئے کونسی فطری خوبی، بھلائی اور نیکی دنیا میں ایسی رہ گئی ہے جو اس جامع آیت میں نہیں آئی اور کونسی برائی ایسی رہ گئی ہے جس سے اس آیت کے ذریعے روک نہیں دیا گیا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس آیت پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ۭ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ۭ اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ۭ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَلَتُسْـَٔــلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْۗءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۹۴﴾ وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۵﴾ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۭ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۷﴾

وَاَوْفُوْا	اور پورا کرو	يَعْلَمُ	جانتے ہیں	اَنْ تَكُوْنَ(10)	اس لئے کہ ہو
بِعَهْدِ اللّٰهِ	اللہ کا پیمان	مَا تَفْعَلُوْنَ	جو کرتے ہوتم	اُمَّةٌ	ایک قوم
اِذَا عٰهَدْتُّمْ(1)	جب قول وقرار کیا ہے	وَلَا تَكُوْنُوْا	اور نہ ہوؤتم	هِيَ اَرْبٰى(11)	وہ بڑھی ہوئی
	تم نے (اللہ کے ساتھ)	كَالَّتِيْ	اس عورت جیسے جس نے	مِنْ اُمَّةٍ	دوسری قوم سے
وَلَا تَنْقُضُوا	اور مت توڑو	نَقَضَتْ(5)	ادھیڑ دیا	اِنَّمَا	اس کے سوا نہیں کہ
الْاَيْمَانَ	قسمیں	غَزْلَهَا	اپنا سوت	يَبْلُوْكُمُ	آزمائش کرتے ہیں
بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا(2)	ان کو پکا کرنے کے بعد	مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ(6)	مضبوط کاتنے کے بعد		تمہاری
وَقَدْ جَعَلْتُمُ(3)	درانحالیکہ بنا چکے ہوتم	اَنْكَاثًا(7)	تارتار (رواں رواں)	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
اللّٰهَ	اللہ (کو)	تَتَّخِذُوْنَ(8)	بناتے ہوتم	بِهٖ(12)	اُس (ترقی) سے
عَلَيْكُمْ	اپنے اوپر	اَيْمَانَكُمْ	اپنی قسموں کو	وَلَيُبَيِّنَنَّ	اور ضرور کھول دیں گے
كَفِيْلًا(4)	ذمہ دار	دَخَلًا(9)	فساد کا ذریعہ	لَكُمْ	تمہارے لئے
اِنَّ اللّٰهَ	یقیناً اللہ تعالیٰ	بَيْنَكُمْ	اپنے درمیان	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	قیامت کے روز

(۱)عَاهَدَ مُعَاهَدَةً: باہم عہد و پیمان اور قول وقرار کرنا۔(۲)تَوْكِيْد (مصدر): استوار کرنا، پختہ کرنا، ضمیر کی طرف مضاف ہے (۳) جملہ وَقَدْ جَعَلْتُمُ حال ہے لا تَنْقُضُوْا کی ضمیر فاعل سے (۴) كَفِيْلٌ: ضامن، ذمہ دار، فَعِيْلٌ بمعنی فَاعِلٌ ہے، كَفَلَ (ن) فُلَانًا: نان ونفقہ کا ذمہ دار ہونا، ضامن ہونا (۵) نَقَضَ الْحَبْلَ کھول دینا، ادھیڑ دینا غَزْلٌ: کتا ہوا سُوت، مصدر بمعنی مفعول ہے۔(۶) مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ظرف ہے، نَقَضَتْ کا اور مِنْ زائدہ ہے (۷) اَنْكَاثًا جمع ہے نِكْثٌ کی، دوبارہ کاتنے کے لئے ادھیڑا ہوا، نَكَثَ الْحَبْلَ: رسی کو اُدھیڑنا اَنْكَاثًا: ترکیب میں نَقَضَتْ کا مفعول ثانی ہے، کیونکہ نَقَضَتْ، جَعَلَ کے معنی پر مشتمل ہے۔(۸) تَتَّخِذُوْنَ جملہ حالیہ ہے لاتَكُوْنُوْا کی ضمیر سے یا كَالَّتِيْ سے جو خبر کی جگہ میں ہے۔(۹) دَخَلًا مفعول ثانی ہے تَتَّخِذُوْن کا، اور مصدر ہے دَخِلَ يَدْخَلُ کا، جس کے معنی ہیں: عقل یا جسم میں خرابی لاحق ہونا۔ امام بخاریؒ نے یہی معنی کئے ہیں: كُلّ شيئ لَمْ يَصِحَّ فهو دخلٌ، جو چیز درست نہ ہو وہ دَخل ہے، آلوسی فرماتے ہیں الدخل فی الأصل ما يدخل الشيئ، ولم يكن منه (وہ اجنبی چیز جو کسی چیز میں گھس جائے) راغب لکھتے ہیں: الدخل كناية عن الفساد والعداوة المستَبْطَنَة كالدَّغَلِ (کنایۃً دَخل سے مراد فساد اور چھپی ہوئی عداوت ہوتی ہے، دَغَل کے بھی یہی معنی ہیں (۱۰) تَكُوْنُ: کان ناقصہ ہے، اُمَّةٌ اسم ہے اور جملہ هِيَ اَرْبٰى خبر ہے اور اَنْ سے پہلے باسببیہ محذوف ہے (۱۱) اَرْبٰى (اسم تفضیل) رَبَا يَرْبُوْ رِبَاءً وَرُبُوًّا المالُ أو العددُ: زیادہ ہونا، بڑھنا (۱۲) بِهٖ کی ضمیر الرُّبُوُّ کی طرف راجع ہے جو اَرْبٰى سے مفہوم ہے۔

مَا	وہ بات	دَخَلًا	فساد کا ذریعہ	تَعۡلَمُوۡنَ	جانتے
كُنۡتُمۡ	تھے تم	بَيۡنَكُمۡ	اپنے درمیان	مَا	جو کچھ
فِيۡهِ	اس میں	فَتَزِلَّ (۲)	پس پھسل جائے	عِنۡدَكُمۡ	تمہارے پاس (ہے)
تَخۡتَلِفُوۡنَ	اختلاف کرتے	قَدَمٌۢ	قدم	يَنۡفَدُ	ختم ہو جائے گا
وَلَوۡ شَآءَ	اور اگر چاہتے	بَعۡدَ ثُبُوۡتِهَا	جمنے کے بعد	وَمَا	اور جو کچھ
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	وَتَذُوۡقُوا	اور چکھو تم	عِنۡدَ اللّٰهِ	اللہ کے پاس (ہے)
لَجَعَلَكُمۡ	تو ضرور بناتے تم کو	السُّوۡٓءَ	تکلیف	بَاقٍ	باقی رہنے والا ہے
اُمَّةً وَّاحِدَةً	ایک امت	بِمَا صَدَدۡتُّمۡ (۳)	تمہارے روکنے کی وجہ سے	وَلَنَجۡزِيَنَّ	اور بخدا ضرور بدلہ دیں
وَلٰكِنۡ	مگر	عَنۡ سَبِيۡلِ	راہ سے		گے ہم
يُّضِلُّ	گم راہ کرتے ہیں	اللّٰهِ	اللہ کی	الَّذِيۡنَ	ان لوگوں کو جو
مَنۡ يَّشَآءُ (۱)	جسے چاہتے ہیں	وَلَكُمۡ	اور تمہارے لئے	صَبَرُوۡٓا	ثابت قدم رہے
وَيَهۡدِىۡ	اور راہ یاب کرتے ہیں	عَذَابٌ عَظِيۡمٌ	بڑا عذاب (ہے)	اَجۡرَهُمۡ	اُن کا بدلہ
مَنۡ يَّشَآءُ	جسے چاہتے ہیں	وَلَا تَشۡتَرُوۡا	اور نہ خریدو تم	بِاَحۡسَنِ (۴)	اچھے کاموں کا
وَلَتُسۡـَٔلُنَّ	اور بخدا! ضرور باز پرس	بِعَهۡدِ اللّٰهِ	عہد خداوندی کے عوض	مَا كَانُوۡا	جو تھے وہ
	ہوگی تم سے	ثَمَنًا	قیمت	يَعۡمَلُوۡنَ	کرتے
عَمَّا	ان باتوں کی جو	قَلِيۡلًا	معمولی	مَنۡ عَمِلَ	جس نے کیا
كُنۡتُمۡ	تھے تم	اِنَّمَا	یقیناً جو کچھ	صَالِحًا	نیک کام
تَعۡمَلُوۡنَ	کرتے	عِنۡدَ اللّٰهِ	اللہ کے یہاں (ہے)	مِّنۡ ذَكَرٍ	مردوں میں سے
وَلَا تَتَّخِذُوۡٓا	اور نہ بناؤ تم	هُوَ خَيۡرٌ لَّكُمۡ	وہ بہتر ہے	اَوۡ اُنۡثٰى	یا عورتوں (میں سے)
اَيۡمَانَكُمۡ	اپنی قسموں کو	اِنۡ كُنۡتُمۡ	اگر ہو تم	وَهُوَ	درانحالیکہ وہ

(۱) مَنۡ يَّشَاءُ کی ترکیب کے لئے دیکھئے سورۃ الرعد آیت ۲۷ کا حاشیہ (۲) هذه استعارة للمستقيم الحال يقع في شر عظيم ويسقط فيه، لأن القدم إذا زلّت نقلت الإنسان من حال خير إلى حالِ شر (قرطبی) (۳) بما میں با سببیہ ہے اور ما مصدریہ ہے۔ (۴) اَحۡسَنَ مَا كانوا يعملون دراصل ترکیب توصیفی ہے مقلوب کرکے ترکیب اضافی بنائی ہے

مُؤْمِنٌ	ایمان دار (ہو)	حَيٰوةً طَيِّبَةً	اچھی زندگی	بِاَحْسَنِ	(ان) اچھے کاموں کا
فَلَنُحْيِيَنَّهٗ[1]	تو ضرور زندگی بسر کرائیں گے ہم اس کو	وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ	اور ضرور بدلہ دیں گے ہم انکو	مَا كَانُوْا	جو تھے وہ
		اَجْرَهُمْ	ان کا بدلہ	يَعْمَلُوْنَ	کرتے

اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور لوگوں کے ساتھ کیا ہوا قول وقرار پورا کرو

ربط: گذشتہ آیت میں جو اصولی احکام بیان کئے ہیں ان میں پہلا حکم عدل وانصاف کا ہے، اللہ کے ساتھ معاملہ میں اور لوگوں کے ساتھ معاملات میں اگر اس کا لحاظ کیا جائے تو ان میں خوبی پیدا ہوتی ہے، اور لحاظ نہ کیا جائے تو آدمی/قوم کی بھونڈی تصویر بنتی ہے۔ اب اس کو سمجھانے کے لئے ایک معاملہ کا تذکرہ کرتے ہیں، وہ معاملہ ہے عہد وپیمان اور قول وقرار کا، اس معاملہ میں عدل وانصاف کا پورا خیال رکھنا چاہئے۔

عہد ومیثاق کی دو قسمیں:

پہلی قسم: وہ قول وقرار ہے جو انسان نے اللہ تعالیٰ سے باندھا ہے، جب کوئی شخص کلمہ پڑھ کر ایمان لاتا ہے تو وہ عہد کرتا ہے کہ وہ صرف اللہ کی بندگی کرے گا، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے ذریعہ جو احکام بھیجے ہیں ان کی تعمیل کرے گا —— یہ عہد جو اللہ تعالیٰ سے کرتا ہے، اس کی اہمیت سب سے زیادہ ہے، اس لئے آیت کریمہ کی ابتدا اسی عہد کی تاکید سے ہوئی ہے۔

دوسری قسم: وہ عہد وپیمان ہے جو ایک انسان دوسرے انسان سے یا ایک قوم دوسری قوم سے یا ایک ملک دوسرے ملک سے باندھتا ہے، اور عہد کے مفہوم میں قسم کے معنی ہوتے ہیں، کیونکہ کسی بھی طریقہ سے اللہ کا نام لے کر عہد کو پختہ کیا جاتا ہے یہی قسم کا مفہوم ہے —— آیت کریمہ میں دوسرے نمبر پر اس عہد کا ذکر ہے، فرماتے ہیں کہ قسموں (قول وقرار) کو پختہ کرنے کے بعد مت توڑو، جبکہ تم نے اللہ تعالیٰ کو قول وقرار پورا کرنے کا وکیل (ذمہ دار) بھی بنایا ہے، اگر توڑو گے تو اللہ کے نام کی بے حرمتی ہوگی، اور یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ بالیقین وہ کام جانتے ہیں جو تم کرتے ہو، اگر تم اللہ کے ساتھ یا لوگوں کے ساتھ بدعہدی کرو گے تو تمہاری دغا بازی اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں رہے گی، اور حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن عہد شکنی کرنے والوں کی سرین میں ایک جھنڈا گاڑا جائے گا، جو اس کی بدعہدی کے بقدر اونچا ہوگا (جو میدانِ محشر میں اس کی رسوائی کا سبب بنے گا)[2]

(۱) نُحْيِيَنَّهٗ فعل مضارع، جمع متکلم بانون تاکید ثقیلہ ہ ضمیر مفعول ہے۔ اِحْيَاءٌ مصدر ہے، بمعنی زندہ رکھنا۔

(۲) رواہ مسلم عن أبی سعید رضی اللہ عنہ (مشکوٰۃ ص:۳۲۲)

﴿ وَ اَوۡفُوۡا بِعَهۡدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدۡتُّمۡ وَلَا تَنۡقُضُوا الۡاَيۡمَانَ بَعۡدَ تَوۡكِيۡدِهَا وَ قَدۡ جَعَلۡتُمُ اللّٰهَ عَلَيۡكُمۡ كَفِيۡلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ مَا تَفۡعَلُوۡنَ ﴿۹۱﴾ ﴾

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے عہد و پیمان کو پورا کرو جب تم قول و قرار کرو —— یعنی کلمہ طیبہ پڑھ کر ایمان لاؤ —— اور قسموں کو پختہ کرنے کے بعد ان کو مت توڑو، جبکہ تم نے اللہ تعالیٰ کو کفیل (ذمہ دار) بھی بنایا ہے —— یعنی اللہ کا نام لے کر تم نے وہ عہد و پیمان کیا ہے —— اللہ تعالیٰ بالیقین جانتے ہیں جو تم کرتے ہو!

مثال سے نقضِ عہد کی قباحت

روایتوں میں آیا ہے کہ مکہ میں ایک مالدار عورت تھی، جو نیم پاگل تھی، دن بھر سوت کاتتی اور شام کو اس کی تکا بوٹی کر دیتی، قرآن کے پہلے مخاطب اس سے واقف تھے، اس لئے فرماتے ہیں کہ معاہدوں کو توڑو گے تو تمہارا حال اس پاگل عورت جیسا ہو جائے گا۔

﴿ وَلَا تَكُوۡنُوۡا كَالَّتِىۡ نَقَضَتۡ غَزۡلَهَا مِنۡۢ بَعۡدِ قُوَّةٍ اَنۡكَاثًا ﴾

ترجمہ: اور تمہاری حالت اس عورت جیسی نہ ہو جائے جس نے اپنا سوت مضبوط کاتنے کے بعد ادھیڑ کر بوٹی بوٹی کر دیا!

ترقی پذیر[1] قوم سے کیا ہوا عہد و پیمان توڑنا

قومیں / ملک دو قسم کے ہیں: ترقی یافتہ اور ترقی پذیر، مسلمانوں نے ایک جماعت کو طاقتور دیکھ کر معاہدہ کر لیا، پھر دوسری جماعت اس سے طاقتور سامنے آئی تو پہلی جماعت سے معاہدہ توڑ کر دوسری جماعت سے عہد و پیمان باندھ لیا، ایسا کرنا درست نہیں۔

پھر آیت میں آگے نصیحت ہے کہ دوسری جماعت کی ترقی بس ایک آزمائش ہے، ہمیشہ وہ ترقی یافتہ رہے یہ ضروری نہیں، پس اس سے دوستی کر کے پہلی جماعت کو نظر انداز کرنا درست نہیں، رہی یہ بات کہ حق کون ہے اور باطل کون؟ اس کا پردہ آخرت میں اٹھے گا، اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوتی تو پردہ یہاں بھی اٹھ سکتا تھا، اللہ تعالیٰ چاہتے تو دیگر مخلوقات کی طرح سب انسانوں کو ایک راہ پر ڈال دیتے، مگر اللہ کی حکمت کا فیصلہ یہ ہے کہ اس عالم میں پردہ پڑا رہے، اللہ تعالیٰ اس دنیا میں انسانوں کا امتحان کرنا چاہتے ہیں کہ کون ضد پر اڑا رہتا ہے اور کون اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے؟ جو عقل سے کام لے گا وہ ہدایت پائے گا اور جو عقل سے پیدل ہو جائے گا وہ کھڈے میں گرے گا، پھر آخرت میں دونوں فریقوں کا

(۱) ترقی پذیر: زیرِ ترقی، ترقی کی خواہاں، ترقی کی راہ پر گامزن، کمزور ممالک۔

حساب ہوگا۔

﴿ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ۭ اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ۭ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَلَتُسْـَٔــلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: تم اپنی قسموں کوفساد کا ذریعہ بناتے ہو، اس وجہ سے کہ ایک قوم بڑھی ہوئی ہے (ترقی یافتہ ہے) دوسری قوم سے اللہ تعالیٰ اُس (ترقی) سے بس تمہاری آزمائش کررہے ہیں، اوروہ قیامت کے دن بالیقین تمہارے ان کاموں کی حقیقت کھولیں گے جن میں تم اختلاف کرتے تھے، اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو وہ ضرورتم کو ایک امت بنادیتے، مگروہ جسے چاہیں گمراہ کرتے ہیں، اور جسے چاہیں راہ دکھاتے ہیں، اوروہ ضرورتم سے ان کاموں کی باز پرس کریں گے جو تم کیا کرتے تھے۔

عہدو پیمان توڑنے کے نقصانات

نقضِ عہد میں تین قباحتیں ہیں:

۱- عہدو پیمان توڑوگے تو تمہاری ہوا خیزی ہوگی، غیروں کی نظر میں تمہارا اعتبار گھٹ جائے گا، پس تمہارے پیر جمنے کے بعد اکھڑ جائیں گے، یعنی آئندہ تمہارے ساتھ کوئی عہدو پیمان نہیں کرے گا، اوراس کا تمہیں بھاری نقصان پہنچے گا۔

۲- اورتمہاری یہ حرکت اسلام کی بدنامی کا سبب بنے گی، جیسے آج کل مسلمانوں کی بدعملی اسلام کی بدنامی کا سبب ہے، اسلام قبول کرنے والے تمہاری بدمعاملگی دیکھ کر اسلام کے بارے میں شک میں پڑجائیں گے، اور غیر مسلم قومیں اسلام میں داخل ہونے سے رک جائیں گی۔

۳- اورتم پر اللہ کی راہ سے روکنے کا گناہ پڑے گا، جس کی سزا بہت سخت ہے!

﴿ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْۗءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ ﴾

ترجمہ: اورتم اپنی قسموں کو باہم فساد کا ذریعہ مت بناؤ —— نقض عہد کرکے —— پس پیر جمنے کے بعد پھسل جائیں گے، اور تمہیں برائی چکھنی پڑے گی اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکنے کی وجہ سے اور تمہارے لئے بڑا عذاب ہوگا۔

مفادات پیش نظر رکھ کر نقضِ عہد کرنا

اس کے بعد ایک خلجان کا جواب ہے، کوئی خیال کرسکتا ہے کہ ترقی پذیر قوم/ ملک سے عہدو پیمان توڑنے میں اور ترقی

یافتہ قوم/ ملک سے تعلقات جوڑنے میں مسلمانوں کا فائدہ ہے، پھر اس کو کیوں اختیار نہ کیا جائے؟

اس کا جواب دیتے ہیں کہ دنیوی فوائد کی خاطر عہد توڑنا جائز نہیں، اس لئے کہ دنیا کے فوائد چندروزہ ہیں، اور وفائے عہد کے ثمرات دنیوی فوائد سے بدرجہا بہتر ہیں، اگر تم یہ بات سمجھو کہ عہد و پیمان پر قائم رہنے سے تمہاری قدر ومنزلت بڑھے گی تو تم کبھی عہد شکنی نہ کرو، اور آخرت میں جو تمہیں قول وقرار پر برقرار رہنے کا ثواب ملے گا اس کا تم اندازہ ہی نہیں کر سکتے۔

﴿ وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کے عہد و پیمان کے بدلے میں تھوڑی پونجی مت خریدو —— یعنی دنیوی فوائد کے پیش نظر نقض عہد مت کرو —— جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہی تمہارے لئے بہتر ہے، اگر تم سمجھو!

دنیا چندروزہ ہے اور آخرت کا اجر دائمی ہے

پھر ایک نصیحت کی ہے کہ دنیوی فوائد تو ایک دن ختم ہو جائیں گے، اور قول وقرار پر برقرار رہنے سے آخرت میں جو ثواب ملے گا وہ ہمیشہ باقی رہے گا —— اور یہ جان لو کہ آخرت میں ثواب عمل کے برابر نہیں ملے گا، بلکہ عمل سے کئی گنا بڑھ کر ملے گا، دس گنا تو ملے گا ہی، زائد جتنا اللہ پاک عنایت فرمائیں۔

﴿ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۭ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا، اور جو (ثواب) اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے، اور ہم ضرور ان لوگوں کو جو ثابت قدم رہے ان کا ثواب عنایت فرمائیں گے ان کے کئے ہوئے کاموں کا اچھے سے اچھا!

نیک عمل کا بدلہ دنیا میں بھی ملتا ہے

مذکورہ ارشاد سے کوئی یہ خیال کر سکتا ہے کہ نیک عمل کا بدلہ آخرت میں ملے گا، دنیا میں اس کا کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا، اس لئے اب آخر میں ایک آیت میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے، نیک عمل کا ثواب ہر کسی کو —— خواہ مرد ہو یا عورت —— بشرطے کہ مؤمن ہو: دنیا میں بھی پہنچتا ہے، دنیا میں وہ خوشگوار زندگی جیتا ہے، غریب بھی آرام سے سوتا ہے اور مالدار کو خواب آور گولی نہیں کھانی پڑتی، اور آخرت میں تو اس کا بدلہ ہے ہی۔

﴿ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ

اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۷﴾

ترجمہ: جس نے ایمان کی حالت میں نیک کام کیا، خواہ مرد ہو یا عورت، ہم اسے بالیقین اچھی زندگی بسر کرائیں گے، اور ہم ضرور ان کو ثواب دیں گے ان کے کئے ہوئے کاموں کا اچھے سے اچھا!

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۹۸﴾ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۹۹﴾ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

فَاِذَا	پس جب	اِنَّهٗ	یقیناً وہ	اِنَّمَا	بس
قَرَاْتَ	پڑھیں آپ	لَيْسَ لَهٗ	نہیں اس کا	سُلْطٰنُهٗ	اس کا زور
الْقُرْاٰنَ	قرآن	سُلْطٰنٌ	کچھ زور (قابو)	عَلَى الَّذِيْنَ	ان لوگوں پر (ہے) جو
فَاسْتَعِذْ	تو پناہ مانگ لیں	عَلَى الَّذِيْنَ	ان لوگوں پر جو	يَتَوَلَّوْنَهٗ (۱)	اسکو سرپرست بناتے ہیں
بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کی	اٰمَنُوْا	ایمان لائے	وَالَّذِيْنَ	اور (اُن پر) جو
مِنَ الشَّيْطٰنِ	شیطان سے	وَعَلٰى رَبِّهِمْ	اور اپنے پروردگار ہی پر	هُمْ بِهٖ (۲)	(کہ) وہ اس کے سبب سے
الرَّجِيْمِ	مردود	يَتَوَكَّلُوْنَ	بھروسہ رکھتے ہیں	مُشْرِكُوْنَ	شریک کرتے ہیں

قرآنِ کریم سے استفادہ کے لئے تعوذ کی حکمت

ربط: آیت نواسی میں اللہ پاک کا یہ ارشاد آیا ہے کہ ہم نے آنحضور ﷺ پر ایک ایسی کتاب نازل فرمائی ہے، جس میں ہدایت وضلالت سے متعلق ہر چیز کی پوری تفصیل ہے، جو بھٹکی ہوئی انسانیت کو سیدھا راستہ دکھاتی ہے۔ اب لوگوں کو قرآن پاک سے ہدایت اخذ کرنے کا طریقہ بتایا جاتا ہے۔(۳)

جب کوئی شخص قرآنِ کریم کی طرف رجوع کرتا ہے، اس کی تلاوت کرتا ہے یا تفسیر کا مطالعہ کرتا ہے تو شیطان اس کو بہکانے کے لئے اور اس کی فکر وفہم کو غلط راہوں پر ڈالنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتا ہے۔ اس لئے آدمی کو قرآن پاک کی تلاوت کرتے وقت انتہائی چوکنا رہنا چاہئے اس کے دل میں یہ خواہش ہونی چاہئے اور زبان سے یہ دعا کرنی چاہئے

(۱) تَوَلّٰی فلانا: ولی مقرر کرنا (۲) باسببیہ ہے۔ (۳) اور گذشتہ آیت میں جو پانچ باتیں تھیں: ان کا بیان قرآنِ کریم میں دوسری جگہ ہے ۱۲

کہ الٰہی! مجھے شیطان کے وسوسوں سے محفوظ رکھ! اُسے یہ موقع نہ دے کہ میرے دل میں بے جا شکوک وشبہات ڈالے اور میری مدد فرما تاکہ شیطان کا مکروفریب مجھے اس سرچشمۂ ہدایت کے فیض سے محروم نہ کردے۔

اس طرح جو شخص شیطان کے شر سے محفوظ رہنے کی دعا کرکے قرآن پاک کی تلاوت کرے گا، امید ہے کہ وہ قرآن کی ہر بات کو اس کی صحیح روشنی میں سمجھے گا، اپنے خودساختہ نظریات اور باہر سے حاصل کئے ہوئے تخیلات کی وجہ سے قرآن پاک کے الفاظ کو وہ معانی پہنانے کی کوشش نہیں کرے گا جو قرآن کے منشا کے خلاف ہیں اور وہ ہر قسم کے بے جا شکوک وشبہات سے بھی محفوظ رہے گا۔ لیکن اگر ایک عام کتاب کی طرح اس نے قرآن پاک کا مطالعہ شروع کیا تو وہ شیطان مردود کی دسیسہ کاریوں سے محفوظ نہیں رہ سکے گا، وہ اسے گمراہ کرکے چھوڑے گا۔ اور جو اس سرچشمۂ ہدایت سے محروم رہ گیا، اُسے پھر کہیں سے ہدایت نہیں مل سکتی۔ ارشاد فرماتے ہیں: —— پھر جب آپ قرآن پاک پڑھیں تو شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ لیا کریں۔ یقیناً اس کا اُن لوگوں پر کچھ زور نہیں چلتا، جو ایمان لے آئے ہیں، اور اپنے رب ہی پر بھروسہ کرتے ہیں، اس کا تسلط تو بس انہی لوگوں پر ہے جو اس کو اپنا سرپرست بناتے ہیں اور اس کے بہکانے سے شرک میں مبتلا ہیں —— یعنی جو لوگ ایمان لائے ہیں اور اللہ ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں، اُن پر شیطان قابو نہیں پا سکتا، سورۃ الحجر میں اللہ پاک کا یہ ارشاد آیا ہے کہ: ''میرے بندوں پر یقیناً تیرا ذرا بھی بس نہیں چلے گا'' اللہ کے نیک بندے اگر کسی وقت تھوڑی دیر کے لئے بمقتضائے بشریت شیطان کے چکمہ میں آجاتے ہیں تو یہ حالت دیر تک باقی نہیں رہتی، بہت جلد ان کی آنکھ کھل جاتی ہے۔

سورۃ الاعراف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''جو لوگ خداترس ہیں جب انھیں کوئی خطرۂ شیطان لاحق ہوتا ہے تو وہ یاد الٰہی میں لگ جاتے ہیں، جس سے یکایک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور جو شیطان کے بھائی بند ہیں، انہیں شیطان گمراہی میں کھینچتا رہتا ہے سو وہ باز نہیں آتے۔

یعنی جو لوگ از خود شیطان کو اپنا رفیق، دوست یا سرپرست بناتے ہیں اور بجائے خدائے واحد پر بھروسہ کرنے کے اس پر بھروسہ کرتے ہیں اور اس کے اغوا سے دوسری چیزوں کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ انہی پر شیطان کا پورا قبضہ اور تسلط ہوتا ہے۔ پھر وہ جس طرح چاہتا ہے ان کو انگلیوں پر نچاتا ہے۔

لہٰذا قرآنِ کریم سے استفادے کے لئے پہلی اور بنیادی شرط یہ ہے کہ شیطان سے رشتہ توڑ لیا جائے اور اللہ پاک کی پناہ حاصل کرلی جائے، جو بھی اس طرح قرآن پاک کی تلاوت کرے گا اور تفسیر کا مطالعہ کرے گا، ان شاء اللہ محروم نہ ہوگا۔

مسئلہ: چونکہ تھوڑی دیر کے لئے مؤمن بھی شیطان سے متاثر ہوسکتا ہے، اس لئے تلاوت قرآن سے پہلے أَعُوذُ

بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ پڑھنا سنت ہے۔

مسئلہ: نماز میں تعوذ (اعوذ باللہ الخ) صرف پہلی رکعت کے شروع میں پڑھا جائے گا۔

مسئلہ: اگر تلاوت کو درمیان میں چھوڑ کر کسی دنیوی کام یا بات میں مشغول ہوگیا تو جب دوبارہ تلاوت شروع کرے تو دوبارہ تعوذ پڑھے۔

مسئلہ: تعوذ صرف تلاوت قرآن کے وقت مسنون ہے، قرآن کے علاوہ دوسری کتاب پڑھنے سے پہلے اعوذ باللہ پڑھنا سنت نہیں، صرف بسم اللہ پڑھنی چاہئے۔

مسئلہ: جب کسی کو زیادہ غصہ آئے تو اعوذ باللہ پڑھے، حدیث شریف میں ہے کہ اس سے غصہ کی شدت فرو ہوجاتی ہے۔

مسئلہ: بیت الخلاء میں جانے سے پہلے اعوذ باللہ نہیں پڑھنا چاہئے، بلکہ اس وقت کے لئے حدیث شریف میں یہ دعا آئی ہے: اَللّٰھُمَّ إِنِّیْ أَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ۔

جولوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں، اور اپنے کاموں میں اسی پر بھروسہ کرتے ہیں ان پر شیطان کا زور نہیں چلتا

وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٠١﴾ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿١٠٢﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ۭ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿١٠٣﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۙ لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١٠٤﴾ اِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿١٠٥﴾

وَاِذَا	اور جب	بَدَّلْنَآ(۱)	بدل دیتے ہیں ہم	اٰيَةً	ایک آیت کو

(۱) بَدَّلَ الشیئَ تبدیلاً: بدل ڈالنا، ایک چیز کو ہٹا دینا اور اس کی جگہ دوسری چیز لے آنا، التبدیل: رفع الشیئ مع وضع غیرہ مکانہ (کبیر) بَدَّلُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ كُفْرًا: نعمت خداوندی کو کفران سے بدل ڈالا

مَّكَانَ	جگہ میں	بِالْحَقِّ	دینِ حق کی تعلیمات	اِلَيْهِ	اس کی طرف
اٰيَةٍ	دوسری آیت (کے)		پر مشتمل	اَعْجَمِيٌّ(۵)	غیر فصیح (ہے)
وَّاللّٰهُ(۱)	اور اللہ تعالیٰ	لِيُثَبِّتَ	تاکہ ثابت قدم رکھیں	وَّهٰذَا	اور یہ
اَعْلَمُ	بخوبی جانتے ہیں	الَّذِيْنَ	ان کو جو	لِسَانٌ	زبان (ہے)
بِمَا	اس کو جو	اٰمَنُوْا	ایمان لائے	عَرَبِيٌّ	عربی
يُنَزِّلُ	نازل فرماتے ہیں وہ	وَهُدًى(۳)	اور راہ نمائی ہے	مُّبِيْنٌ	فصیح
قَالُوْٓا	(تو) کہتے ہیں وہ	وَّبُشْرٰى	اور خوش خبری ہے	اِنَّ الَّذِيْنَ	بلاشبہ جو لوگ
اِنَّمَآ	بس	لِلْمُسْلِمِيْنَ	مسلمانوں کے لئے	لَا يُؤْمِنُوْنَ	نہیں مانتے
اَنْتَ	آپ	وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	بِاٰيٰتِ اللّٰهِ	اللہ کی آیتوں کو
مُفْتَرٍ(۲)	گھڑنے والے (ہیں)	نَعْلَمُ	جانتے ہیں ہم	لَا يَهْدِيْهِمُ	نہیں راہ دکھاتے ان کو
بَلْ	بلکہ	اَنَّهُمْ	کہ وہ	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
اَكْثَرُهُمْ	ان میں سے اکثر	يَقُوْلُوْنَ	کہتے ہیں	وَلَهُمْ	اور ان کے لئے
لَا يَعْلَمُوْنَ	(تبدیلی کی حکمت)	اِنَّمَا	اس کے سوا نہیں کہ	عَذَابٌ	عذاب ہے
	نہیں جانتے	يُعَلِّمُهٗ	سکھاتا ہے اس کو	اَلِيْمٌ	دردناک
قُلْ	فرمادیجئے	بَشَرٌ	ایک شخص	اِنَّمَا	اس کے سوا نہیں کہ
نَزَّلَهٗ	بتدریج اتارا ہے اس کو	لِسَانُ	زبان	يَفْتَرِي	گھڑتے ہیں
رُوْحُ الْقُدُسِ	پاک روح نے	الَّذِيْ	اس کی جو	الْكَذِبَ	جھوٹ
مِنْ رَّبِّكَ	تیرے رب کی طرف سے	يُلْحِدُوْنَ(۴)	غلط نسبت کرتے ہیں وہ	الَّذِيْنَ	وہ جو

(۱) واللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ: جملہ معترضہ ہے (۲) مُفْتَرٍ کے آخر سے یا محذوف ہے اصل مفتری ہے اور بَلْ اِضراب وتدارک کے لئے ہے یعنی ماقبل سے اعراض اور مابعد کے حکم کی تصحیح سے ماقبل کا ابطال مقصود ہوتا ہے۔ (۳) هُدًى کا عطف لیثبت کے محل پر ہے۔ (۴) يُلْحِدُوْن: فعل مضارع، صیغہ جمع مذکر غائب، اِلْحاد مصدر، ترجمہ: وہ غلط نسبت کرتے ہیں، وہ کج راہی کرتے ہیں (۵) اَعْجَمِيٌّ وہ ہے جو صاف گفتگو کرنے پر اور اظہار مافی الضمیر پر قادر نہ ہو، خواہ نسلاً عرب ہو، قال أبو الفتح الموصلی: ترکیب ع، ج، م، وضع فی کلام العرب للإبهام والإخفاء وضد البیان والإیضاح (کبیر) قال الفراء: الأعجم: الذی فی لسانه عجمة وإن کان من العرب (کبیر)

بِاٰیٰتِ	آیتوں کو	وَ اُولٰٓئِکَ	اور وہ لوگ	الْکٰذِبُوْنَ	جھوٹے (ہیں)
لَا یُؤْمِنُوْنَ	نہیں مانتے	اللہِ	اللہ کی	ھُمُ	ہی

ربط: گذشتہ آیتوں میں بتایا تھا کہ تلاوت قرآن کے دوران شیطان انسان کے دل میں وسوسے ڈالتا ہے اور بیجا شبہات پیدا کرتا ہے۔ اب ان آیتوں میں اس کی مثال پیش کی جاتی ہے: مشرکین کے دو شبہات ذکر کئے جاتے ہیں کہ دیکھئے: شیطان کس طرح بیہودہ خیالات اور مہمل اعتراضات ابھارتا ہے؟

احکام میں تبدیلی مصلحت کی وجہ سے ہوتی ہے

پہلا شبہ: واقعہ یہ ہے کہ پورا قرآن ایک مرتبہ نازل نہیں ہوا، موقع بموقع آیات نازل ہوتی تھیں، ان میں بعض وقتی احکام بھی آتے تھے، پھر دوسرے وقت حالات کے تبدیل ہونے سے دوسرا حکم آتا تھا، مثلاً تہجد کے معاملہ میں ایک سال تک ریاضت شاقہ کرائی گئی، آدھی رات یا آدھی رات سے کچھ کم یا آدھی رات سے کچھ زیادہ تہجد پڑھنے کا حکم دیا۔ پھر ﴿عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ﴾ (المزمل) نازل ہوئی جس سے تہجد کا وجوب ولزوم ختم ہوگیا، کفار ایسی چیزوں کو سن کر اعتراض کرتے تھے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک بات کہیں پھر اُسے واپس لے لیں۔ کیا خدا تعالیٰ نے، خاکم بدہن! پہلے بے خبری سے ایک بات کا حکم دیا تھا پھر خبر ہوئی تو دوسرا حکم دیا؟ —— وہ کہتے تھے کہ احکام کی یہ تبدیلی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں، آپ خود گھڑتے ہیں اور اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ آج بھی شیطان اس قسم کے وساوس لوگوں کے دلوں میں ڈالتا ہے، اس لئے اس کا جواب ارشاد فرمایا جاتا ہے: —— اور جب ہم ایک آیت کو دوسری آیت سے بدل دیتے ہیں —— یعنی ایک حکم منسوخ کرکے اس کی جگہ دوسرا حکم بھیج دیتے ہیں [1] —— اور اللہ تعالیٰ جو کچھ نازل فرماتے ہیں اُسے بخوبی جانتے ہیں —— یعنی پہلے اور بعد میں، اللہ تعالیٰ نے جو بھی حکم نازل فرمایا ہے اس کی مصلحتوں اور اس کے مواقع کو بخوبی جانتے ہیں، اللہ تعالیٰ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ بندوں کے لئے کونسا حکم کس وقت مناسب ہے۔

(۱) ایک مفسر کو یہ معنی لینے میں تأمل ہے، انھوں نے تامل کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ مکی دور میں اُن کے علم کی حد تک تدریج فی الاحکام کی کوئی مثال پیش نہیں آئی تھی۔ حالانکہ تہجد کے معاملے میں احکام کی تدریج قرآن پاک کا ہر طالب علم جانتا ہے۔ اور تہجد کا معاملہ بالکل شروع اسلام کا ہے —— ہمارے خیال میں تامل کا اصل سبب یہ ہے کہ مفسر کے ذہن میں اُردو لفظ ''تبدیلی'' ہے، عربی لفظ ''تبدیل'' (تفعیل) وہ سمجھے ہی نہیں اور مسلسل کئی آیتوں کا مطلب غلط بیان کرتے چلے گئے ہیں، اللہ پاک ہمیں ایسی لغزشوں سے محفوظ رکھیں۔

مگر جب بھی ایسی صورت پیش آتی ہے —— تو یہ لوگ کہتے ہیں: ''بس جی، تم تو خود گھڑتے ہو'' —— مصلحتِ وقت دیکھ کر احکام میں تبدیلی کرتے ہو —— نہیں، بلکہ ان میں سے اکثر (تبدیلی احکام کی حکمت سے) ناواقف ہیں —— اس وجہ سے وہ اس تبدیلی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ماننے کے لئے تیار نہیں، ان کے نزدیک تبدیلی کا انتساب اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں ہوسکتا، کیونکہ ترمیم جہل وناعاقبت اندیشی کی وجہ سے ہوتی ہے اور یہ بڑا نقص ہے جو اللہ تعالیٰ کی جناب میں ممکن نہیں۔

لیکن اگر کوئی شخص ''نسخ'' کی حقیقت جان لے اور تبدیل احکام کی مصلحت سمجھ لے تو اسے اندازہ ہو جائے گا کہ نسخ کا مدار جہالت پر نہیں، بلکہ مصلحت اندیشی پر ہے۔ بعض اوقات حالات کا علم ہوتے ہوئے بھی پہلی حالت پیش آنے پر پہلا حکم دیا جاتا ہے، اور دوسری حالت پیش آنے کا، اگرچہ اس وقت بھی علم ہوتا ہے، مگر بتقاضائے مصلحت اس دوسری حالت کا حکم اُس وقت بیان نہیں کیا جاتا، بلکہ جب وہ حالت پیش آتی ہے تب اس کا حکم بیان کیا جاتا ہے، جیسے ڈاکٹر ایک دوا تجویز کرتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ اس کے استعمال سے حالت بدلے گی، پھر دوسری دوا دی جائے گی، مگر مریض کو ابتداء میں سب تفصیل نہیں بتلائی جاتی۔

یہی حقیقت نسخ احکام کی ہے جو لوگ اس کی حقیقت نہیں جانتے وہ باغواء شیطانی شبہات کی دلدل میں پھنس جاتے ہیں، جاہلین قدیم کی طرح جاہلین جدید بھی ان ترمیمات کے وقوع سے یہ نتیجہ نکال رہے ہیں کہ قرآن خدا کا کلام نہیں، انسان کا کلام ہے —— آپ جواب دیجئے کہ اسے مقدس روح نے آپ کے رب کی طرف سے حکمت کے موافق بتدریج نازل کیا ہے تا کہ ایمان والوں کو ثابت قدم رکھیں اور مسلمانوں کے لئے راہ نمائی اور خوش خبری ثابت ہو —— یعنی یہ کسی انسان کا کلام نہیں، حق تعالیٰ کا کلام ہے، جسے مقرب فرشتہ جبرئیل امین، حکمت الٰہی کے مطابق بتدریج رسول اللہ ﷺ کے پاس لا رہے ہیں تا کہ موقع بہ موقع اور ترتیب وتدریج کے ساتھ احکام وآیات کا نزول دیکھ کر ایمان والوں کے دل قوی اور اعتقاد پختہ ہو کہ ہمارے رب ہمارے ہر حال اور ہماری زندگی کے ہر دور سے پوری طرح باخبر ہیں اور نہایت حکمت سے ہماری تربیت کر رہے ہیں جیسے حالات پیش آتے ہیں اُن کے موافق ہدایت اور راہ نمائی اتارتے ہیں اور خوش خبریاں سناتے ہیں۔

فائدہ: روح القدس (پاکیزہ روح) حضرت جبرئیل علیہ السلام کا لقب ہے، یہاں وحی لانے والے فرشتے کا نام لینے کے بجائے اس کا لقب ذکر کر کے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ وہ فرشتہ تمام کمزوریوں اور نقائص سے پاک ہے، وہ نہ خائن ہے کہ اللہ تعالیٰ کچھ بھیجیں اور وہ اپنی طرف سے کمی بیشی کر کے کچھ اور بنا دے، نہ کذاب ومفتری ہے کہ خود کوئی بات گھڑ کر

اللہ تعالیٰ کے نام سے بیان کردے، نہ بدنیت ہے کہ دھوکے اور فریب سے کام لے، وہ سراسر ایک مقدس اور پاکیزہ روح ہے جو اللہ تعالیٰ کا کلام پوری امانت کے ساتھ لاکر پہنچاتا ہے۔

قرآن فصیح و بلیغ کلام ہے، کسی عجمی کا یہ کلام نہیں ہوسکتا

دوسرا شبہ: واقعہ یہ ہے کہ آنحضور ﷺ امی (ناخواندہ) تھے اور آپ کا امی ہونا سب کو معلوم تھا، ایک امی جس نے نہ کبھی کوئی کتاب چھوئی ہو نہ قلم ہاتھ میں پکڑا ہو، جب دفعۃً ایسی کتاب پیش کرنے لگے جو عجیب و غریب علوم و حکم، مؤثر ہدایات اور کایا پلٹ دینے والے قوانین واحکام پر مشتمل ہو تو منکروں کے ذہنوں میں کھلبلی مچ جائے گی، ان کے نزدیک قرآنی علوم و معارف آنحضور ﷺ کی امیت سے قطعاً جوڑ نہیں کھاتے، اور یہ عدم تطبیق ایک زبردست دلیل تھی کہ قرآن پاک آنحضور ﷺ کا کلام نہیں، بلکہ اللہ پاک کا کلام ہے، مگر شیطان نے عام لوگوں کے ذہنوں کو اس رخ پر ڈال دیا کہ کوئی انسان انہیں سکھاتا ہے، پھر کسی کا ذہن عامر بن الحضرمی کے رومی غلام جَبْر کی طرف گیا، کسی کا حُوَیْطِب بن عبدالعزی کے غلام عائش یا یَعِیْش کی طرف، کسی کا ابوفکیہہ کی طرف اور کسی کا بلعان یا بلعام نامی رومی غلام کی طرف ــــ ٹھیک وہی بھول بھلیاں جس میں آج بڑے بڑے ''روشن خیال'' بھٹکتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ــــ اور ہمیں یقیناً معلوم ہے کہ یہ لوگ کہتے ہیں: ''انہیں تو بس ایک آدمی سکھلاتا ہے''

جواب دیجئے: ــــ جس شخص کی طرف وہ لوگ غلط نسبت کررہے ہیں اس کی زبان تو غیر فصیح ہے اور یہ قرآن فصیح عربی زبان میں ہے ــــ اس جواب میں بحث میں الجھے بغیر متشککین کے ذہنوں کو ایک ایسی حقیقت کی طرف متوجہ کیا ہے جس میں چوں و چراں کی گنجائش نہیں، ارشاد ہے ــــ چھوڑو، قرآنِ کریم کی معنوی بلندیوں کو، اس کی محیر العقول تعلیمات کو اور اس کے حکمت ریز مضامین کو، تم اس کی معجزانہ فصاحت اور حسن ادا پر غور کرو، کیا یہ صاف، سلیس اور فصیح و بلیغ عبارت اس شخص کی ہوسکتی ہے جس کی طرف تم غلط انتساب کررہے ہو؟ وہ تو بے زبان عجمی ہے، سرے سے اہل زبان ہی نہیں، کیا یہ نہایت بلیغ کلام اس کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے؟ ہرگز نہیں! پھر بتاؤ یہ کس کی عبارت ہے؟ تم قرآن کی دوسری وجوہ اعجاز کو نہیں سمجھ سکتے تو اس کی معجزانہ فصاحت وبلاغت کا ادراک تو کرسکتے ہو؟ جس کے متعلق بار بار چیلنج دیا جاچکا ہے اور یہ اعلان کیا جاچکا ہے کہ تمام جن وانس مل کر بھی اس کی مثل ایک معمولی ٹکڑا بھی پیش نہیں کرسکتے۔

بات درحقیقت یہ ہے کہ ــــ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات کو نہیں مانتے، اللہ تعالیٰ ان کو قطعاً راہ نہیں دیتے، اور دردناک عذاب انہیں کے لئے ہے ــــ یعنی کھلے دلائل کے باوجود جو شخص دل میں یہ ٹھان لے کہ مجھے یقین نہیں کرنا، خدا تعالیٰ بھی اس کو مقصد تک پہنچنے کی راہ نہیں دیتے، جو لوگ محض ضد اور عناد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر ایمان نہیں لانا

چاہتے، اللہ تعالیٰ بھی ایسے لوگوں کے سر توفیق ہدایت زبردستی نہیں تھوپ دیتے، بلکہ ان کو ان کی گمراہیوں میں غلطاں پیچاں چھوڑے رکھتے ہیں تاکہ آخرت میں سخت عذاب کا مزہ چکھیں۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو نہیں مانتے بس وہی لوگ جھوٹی باتیں گھڑتے ہیں، اور وہی جھوٹے لوگ ہیں —— یعنی یہ ظالم، پیغمبر پر افتراء کا بہتان لگاتے ہیں، حالانکہ مفتری وہ خود ہیں، وہ پکے جھوٹے اور اول نمبر کے لپاڑیے ہیں، کیونکہ افتراء وہ شخص کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتا، دروغ گوئی، افتراء پردازی اور مکروفریب اسی کا شیوہ ہے، پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امانت راست بازی اور صدق وصفا پہلے سے مسلم ہے، انہی لوگوں نے آپ کو الصادق الامین کا خطاب دیا تھا، بھلا ایسا شخص کبھی مفتری اور کذاب ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں! جھوٹ بنانا تو اُن ہی کا شیوہ ہے جو خدا کی باتیں سن کر اور اُن کے نشانات دیکھ کر بھی یقین نہیں کرتے۔

مؤمن بزدل اور بخیل تو ہوسکتا ہے مگر جھوٹا نہیں ہوسکتا، یعنی ایمان کے ساتھ جھوٹ بولنے کی عادت جمع نہیں ہوسکتی (حدیث شریف)

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَ لٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ سَمْعِهِمْ وَ اَبْصَارِهِمْ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۰۹﴾

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ[1] اِيْمَانِهٖٓ	جس نے انکار کیا اللہ تعالیٰ کا اپنے ایمان کے بعد	اِلَّا[2] مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ	مستثنیٰ ہے وہ جو مجبور کیا گیا جبکہ اس کا دل مطمئن ہو	بِالْاِيْمَانِ وَ لٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ	ایمان پر مگر جس نے کھول دیا کفر کے ساتھ

(۱) مِنْ زائدہ ہے اِيْمَانِهٖ کی ضمیر مَنْ موصولہ کی طرف راجع ہے۔ (۲) ترکیب: من کفر باللہ جملہ شرطیہ ہے اِلَّا مَنْ ←

صَدْرًا	سینہ (دل) کو	وَ اَنَّ	اور اس وجہ سے ہے کہ	وَ اَبْصَارِهِمْ	اور ان کی آنکھوں پر
فَعَلَيْهِمْ	تو ان ہی پر (ہے)	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ	وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ	اور وہ لوگ ہی
غَضَبٌ	غضب	لَا يَهْدِي	راہ نہیں دکھاتے	الْغٰفِلُوْنَ	غفلت میں پڑے
مِّنَ اللّٰهِ	اللہ کا	الْقَوْمَ	(ان) لوگوں کو		ہوئے ہیں
وَ لَهُمْ	اور انہی کے لئے (ہے)	الْكٰفِرِيْنَ	(جو) انکار کرنے	لَا جَرَمَ	لامحالہ
عَذَابٌ عَظِيْمٌ	بڑا عذاب		والے ہیں	اَنَّهُمْ	وہ لوگ
ذٰلِكَ	یہ بات	اُولٰٓئِكَ	وہ لوگ	فِي الْاٰخِرَةِ	آخرت میں
بِاَنَّهُمُ	باایں وجہ ہے کہ انھوں نے	الَّذِيْنَ	وہ (ہیں) جو	هُمُ	وہی
اسْتَحَبُّوا	پسند کرلیا	طَبَعَ اللّٰهُ	مہر کردی اللہ نے	الْخٰسِرُوْنَ	خسارے میں رہنے
الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا	دنیا کی زندگی (کو)	عَلٰى قُلُوْبِهِمْ	ان کے دلوں پر		والے ہیں
عَلَى الْاٰخِرَةِ	آخرت کے مقابلے میں	وَ سَمْعِهِمْ	اور ان کی سماعت پر	۞	۞

شیطانی وساوس سے متأثر ہو کر ایڑیوں پر پلٹنے والوں کے لئے وعید

قرآن مجید کی آیات سے ایمان والوں کا ایمان تازہ ہوجاتا ہے، ان کے تمام شبہات دور ہوجاتے ہیں، اور انہیں ثبات واستقامت کی دولت نصیب ہوتی ہے، البتہ شیطان کچھ لوگوں کے ذہنوں میں شبہات پیدا کرتا ہے، اس لئے وہ شیطانی شبہات سے متأثر ہو کر ایمان لانے کے بعد منکر ہوجاتے ہیں۔ ان آیتوں میں اب اُنہی کم نصیب انسانوں کا ذکر ہے، ارشاد فرماتے ہیں: —— جس نے ایمان لانے کے بعد اللہ کا انکار کیا —— اور وہ مرتد ہوگیا تو اس پر اللہ کا غضب ہے اور وہ شدید ترین عذاب میں مبتلا ہوگا —— مگر وہ مستثنیٰ ہے جس پر زبردستی کی گئی، جبکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو —— یعنی جس نے ظلم سے مجبور ہو کر محض جان بچانے کے لئے کلمۂ کفر زبان سے ادا کیا اور دل ایمان پر مطمئن تھا تو وہ کافر ومرتد نہیں ہوا۔ اور اس سے کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا —— البتہ جس نے جی کھول کر کفر کیا تو اس پر اللہ کا غضب ہے اور ان

← اُكْرِهَ، مَنْ كَفَرَ سے استثناء ہے اور جملہ وَقَلْبُهٗ حالیہ ہے اُكْرِهَ کے نائب فاعل سے، وَلٰكِنْ مَنْ شَرَحَ استدراک ہے جملہ استثنائیہ سے، لٰكِنْ عاطفہ ہے اور چونکہ پہلے جملے پر عطف ہے اس لئے واو بھی لایا گیا ہے، من شرح جملہ شرطیہ ہے صدرًا شرح کا مفعول بہ ہے اور فعليهم غَضَبٌ جزاء ہے مَنْ شَرَحَ کی اور چونکہ مَنْ شَرَحَ کا مفہوم اور مَنْ كَفَرَ کا مفہوم ایک ہے اس لئے یہی فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ، مَنْ كَفَرَ کی بھی جزاء ہے۔

ہی لوگوں کے لئے بڑا عذاب ہے ـــــ یعنی جو کفر ہی کو صحیح اور مستحسن سمجھنے لگا اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے اور اس کے لئے شدید ترین عذاب ہے ـــــ یہ (سزا) اس سبب سے ہے کہ انھوں نے آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو پسند کیا اور اس وجہ سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ انکار کرنے والوں کو راہ یاب نہیں فرماتے ـــــ یعنی ارتداد اگر دنیوی فوائد کے پیش نظر ہے تو اس کی سزا ایسی سخت ہونی ہی چاہئے۔ وفاداری کے عہد و پیمان مؤکد کرنے کے بعد محض دنیا کی چند کوڑیوں کی خاطر بغاوت کر دینا جس درجہ کا جرم ہے اُسے ہر کوئی جانتا ہے اور اگر ضد و عناد کی وجہ سے منکر ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ کا ضابطہ یہ ہے کہ وہ کفر اختیار کرنے والوں پر زبردستی ہدایت نہیں تھوپتے، وہ ایسے لوگوں کی توفیق سلب فرمالیا کرتے ہیں، ارشاد ہے: ـــــ یہی لوگ ہیں جن کے دلوں پر، جن کی بینائی پر اور جن کی آنکھوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی ہے ـــــ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو سوچنے کے لئے جو دل دئے تھے، سننے کے لئے جو کان دئے تھے اور دیکھنے کے لئے جو آنکھیں دی تھیں، جب انھوں نے ان سے کام نہ لیا اور ضد پر اڑ گئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ صلاحیتیں ناکارہ کر دیں، اب آنکھوں سے سب کچھ دیکھتے ہیں مگر اللہ کی نشانیاں نہیں دیکھتے، کانوں سے سب کچھ سنتے ہیں مگر خدا کی باتیں نہیں سنتے، اور دلوں سے سب کچھ سوچتے ہیں مگر حق کو نہیں پہچانتے ـــــ اور یہ ہی لوگ غفلت میں ڈوبے ہوئے ہیں ـــــ یعنی ان کا سب کچھ تباہ ہو گیا، مگر انھیں زیاں کا احساس نہیں ـــــ لازمی بات ہے کہ یہ ہی لوگ آخرت میں خسارہ پانے والے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں ارتداد (دین سے پھر جانے) پر سخت وعید ہے، مرتد پر اللہ تعالیٰ کا غضب بھڑک جاتا ہے [1] اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے، کیونکہ ارتداد بغاوت ہے اور بغاوت بھی رب العالمین کی، ایسے منحوس آدمی پر جس قدر بھی خدائے پاک کا غضب ٹوٹے کم ہے۔ اسے جہنم کی جس بھٹی میں بھی جھونک دیا جائے برحق ہے۔ اس لئے مؤمن کو ہمیشہ ارتداد سے پناہ مانگنی چاہئے، ایمان کی حلاوت آدمی کو اس کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی کہ اس کو ایمان کے بعد کفر کی طرف پلٹنے سے اتنی نفرت ہو جیسی آگ میں ڈالے جانے سے ہوتی ہے [2] آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جو دس وصیتیں فرمائی ہیں: ان میں سب سے پہلی وصیت یہ ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اگرچہ تمہیں قتل کر دیا جائے اور جلا دیا جائے'' [3]

یہی مقام عزیمت ہے، خواہ آدمی کے جسم کی بوٹی بوٹی کر دی جائے، ہر حال میں اس کو دین حق پر جما رہنا چاہئے،

(۱) اسی وجہ سے شریعت میں ارتداد کی سزا سخت ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهُ فَاقْتُلُوْهُ (بخاری شریف) یعنی جو مرتد ہو جائے اور دین اسلام کو چھوڑ کر کوئی اور دین اختیار کر لے اس کو قتل کر دو ـــــ قتل کرنے کا یہ حکم اسلامی حکومت کے لئے ہے، عام مسلمانوں کے لئے نہیں، نہ ان کے لئے کسی مرتد کو قتل کرنا جائز ہے (۲) **كما روى البخارى ومسلم عن أنس رضى الله عنه مرفوعاً** (۳) **رواه أحمد** (مشکوٰۃ ص:۱۸)

حبیب بن زید بن عاصم الانصاری رضی اللہ عنہ کا اسوہ ایک مسلمان کے لئے بہترین اُسوہ ہے، وہ گرفتار ہو کر مسیلمہ کذاب کے سامنے پیش کئے گئے اس نے پوچھا: کیا تو یہ مانتا ہے کہ محمد اللہ کے رسول ہیں؟ حضرت حبیبؓ نے جواب دیا: جی ہاں! اس نے پوچھا: کیا تو یہ مانتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ حضرت حبیبؓ نے فرمایا: میں بہرہ ہوں! پھر مسیلمہ کذاب کے حکم سے ان کے جسم کا ایک ایک عضو کاٹا جاتا اور مطالبہ کیا جاتا کہ وہ مسیلمہ کو نبی مان لیں مگر وہ ہر مرتبہ یہی کہتے رہے کہ میں بہرہ ہوں، یہاں تک کہ اسی حالت میں کٹ کٹ کر انھوں نے جان دیدی —— اللہ تعالیٰ ان کی روح کو عظمتوں اور رفعتوں کا بلند ترین مقام عنایت فرمائیں! (آمین)

یہی حال سید المسلمین حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کا تھا، اُن کا آقا امیہ بن خلف ٹھیک دو پہر کے وقت جبکہ دھوپ نہایت تیز ہوتی ہے اور پتھر آگ کی طرح تپنے لگتے ہیں۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو گرم پتھر پر لٹا کر سینۂ مبارک پر ایک بھاری پتھر رکھ دیتا تھا، تا کہ ہل نہ سکیں اور پھر کہتا کہ تو اسی طرح مر جائے گا اگر تو نجات چاہتا ہے تو محمد کا انکار کر اور لات وعزی کی پرستش کر، کبھی گائے کی کھال میں لپیٹتا، کبھی زرہ پہنا کر تیز دھوپ میں بٹھلاتا اور کبھی گلے میں رسّی ڈال کر لونڈوں کے حوالے کرتا، وہ تمام شہر میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو گھسیٹتے پھرتے، مگر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے پائے استقامت میں جنبش نہ آتی، وہ أَحَدٌ أَحَدٌ (ایک اللہ! ایک اللہ!!) ہی کہتے رہتے۔

یہی حال حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کا، بلکہ ان کے پورے خاندان کا تھا، مکہ میں ان کا کوئی قبیلہ اور کنبہ نہ تھا جو ان کا حامی اور مددگار ہوتا، قریش نے اس خاندان کے ساتھ جو ظلم و بربریت کا مظاہرہ کیا ہے اسے لکھتے ہوئے قلم تھراتا ہے، آنکھیں پرنم ہیں، دل پھٹا جا رہا ہے، ان کم بختوں نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی ناتواں اور پاک باز والدہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا تک کو اپنے جور و ستم کا تختۂ مشق بنایا۔ عین دو پہر کے وقت ان کو لوہے کی زرہ پہنا کر چلچلاتی دھوپ میں کھڑا کر دیتے، ایک روز سامنے سے ابو جہل آ گیا، اس نے حضرت سمیہؓ کی جائے ستر میں ایک برچھی ماری اور شہید کر دیا، مگر خدا کی اُس بندی کے قدم دین اسلام سے ذرا نہ ڈگمگائے، اس نے جان جاں آفریں کے حوالے کر دی مگر متاعِ دین وایمان پر آنچ نہ آنے دی، اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند سے بلند فرمائیں اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کو ان کی زندگی کا نمونہ بننے کی سعادت نصیب فرمائیں (آمین)

جب آنحضرت ﷺ حضرت عمارؓ، اُن کے والد حضرت یاسرؓ اور ان کی والدہ حضرت سمیہؓ کو مبتلائے مصیبت دیکھتے تو فرماتے: اے آلِ یاسر! صبر کرو، کبھی یہ فرماتے: اے اللہ! تو آلِ یاسر کی مغفرت فرما اور کبھی یہ فرماتے: تم کو بشارت ہو، جنت تمہاری مشتاق ہے۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو قریش دوپہر کے وقت تپتی ہوئی زمین پر لٹاتے اور اس قدر مارتے کہ بیہوش ہو جاتے، کبھی پانی میں غوطہ دیتے اور کبھی انگاروں پر لٹاتے۔ اس حالت میں جب آنحضرت ﷺ ان کے پاس سے گزرتے تو سر پر ہاتھ پھیرتے اور فرماتے: ﴿يَا نَارُ كُونِيْ بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلٰى عَمَّارٍ كَمَا كُنْتِ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ (اے آگ! تو عمار کے حق میں بردوسلام بن جا، جس طرح تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے بردوسلام بن گئی تھی)

یہ صرف نمونے کے طور پر اسلامی تاریخ کے چند واقعات ہیں ورنہ اسلامی تاریخ میں استقامت اور صبر وتحمل کے اتنے واقعات ہیں جن کو لکھنے کے لئے دریاؤں کی روشنائی بھی کافی نہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین پر جمائے اور ہمیں وہ حوصلہ اور جذبہ عطا فرمائے کہ ہم دنیا کی بڑی سے بڑی مصیبت کو جو راہِ خدا میں پیش آئے خندہ پیشانی سے برداشت کرلیں (آمین یا ارحم الراحمین)

اصل حکم یہی ہے۔ ایمان ہے ہی ایسی قیمتی متاع کہ اس پر صد ہزار جانیں قربان کی جاسکتی ہیں، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت بندہ پروری سے اور اپنی رحمت وعنایت سے اُس وقت جبکہ کسی پر سخت مظالم توڑے جارہے ہوں اور ناقابل برداشت اذیتیں دے کر کلمۂ کفر بولنے پر مجبور کیا جارہا ہو، اس وقت اللہ پاک نے جان بچانے کے لئے کلمہ کفر زبان سے ادا کرنے کی اجازت دی ہے، بشرطیکہ دل عقیدۂ کفر سے محفوظ اور ایمان پر جما ہوا ہو۔

اکراہ کے لفظی معنی ہیں: کسی شخص کو ایسے قول وفعل پر مجبور کرنا جس کے کہنے یا کرنے پر وہ راضی نہیں، پھر اُس کے دو درجے ہیں: پہلا درجہ یہ ہے کہ وہ دل سے تو اس پر آمادہ نہیں، مگر ایسا بے اختیار اور بے قابو بھی نہیں کہ انکار نہ کرسکے۔ فقہ کی اصطلاح میں یہ اکراہ غیر ملجی کہلاتا ہے، ایسے اکراہ سے کوئی کلمۂ کفر کہنا یا کسی حرام فعل کا ارتکاب کرنا جائز نہیں۔ دوسرا: درجہ یہ ہے کہ وہ مسلوب الاختیار ہو جائے یعنی اگر وہ زبردستی کرنے والے کے کہنے پر عمل نہیں کرے گا تو اس کو قتل کردیا جائے گا، یا اس کا کوئی عضو کاٹ دیا جائے گا اور یہ بھی بظن غالب معلوم ہو کہ زبردستی کرنے والے کو اس پر پوری قدرت حاصل ہے۔ فقہ کی اصطلاح میں یہ اکراہِ ملجی کہلاتا ہے، ایسے اکراہ کی حالت میں اگر کلمۂ کفر زبان سے کہہ دے بشرطیکہ اس کلمہ کو باطل اور برا جانتا ہو اور دل ایمان پر مطمئن ہو تو اُس پر کوئی گناہ نہیں اور نہ اس کی بیوی اس پر حرام ہوگی[1] حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ، جن کے متعلق نبی پاک ﷺ کا ارشاد ہے کہ: عمار سر سے پیر تک ایمان سے بھرے ہوئے ہیں[2] ان عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں کے سامنے ان کے والد اور ان کی والدہ کو سخت عذاب دے کر شہید کردیا گیا اور خود ان کو بھی

---

(۱) یعنی وہ مرتد نہ ہوگا، کیونکہ إلا من أکرہ کا استثناء مَنْ کفر سے ہے (۲) رواہ الترمذی وابن ماجہ عن علی کرم اللہ وجہ.

نا قابل برداشت اذیت دی گئی، انھوں نے جان کے خوف سے بتوں کی کچھ تعریف کردی اور آنحضور ﷺ کی شان میں کچھ نازیبا کلمات کہہ ڈالے، پھر دشمنوں سے رہائی پا کر روتے ہوئے آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے اس وقت تک نہ چھوڑا گیا جب تک میں نے آپ کو برا اور ان کے معبودوں کو اچھا نہ کہہ دیا۔ آپ نے پوچھا کہ جب تم یہ کلمہ بول رہے تھے تو تمہارے دل کا کیا حال تھا؟ انھوں نے عرض کیا: ایمان پر پوری طرح مطمئن تھا، آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر وہ پھر اس طرح کا ظلم کریں تو تم پھر یہی بات کہہ دینا۔[1]

یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی دَین ہے کہ نبیٔ رحمت ﷺ کی امت سے ہونے والی بھول چوک گناہ نہیں شمار کی گئی، نہ وہ کام گناہ شمار کئے گئے ہیں جن کے کرنے پر امت مجبور کردی گئی ہو[2]

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾ يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَىِٕنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلَقَدْ جَاۗءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ ع

ثُمَّ[1]	پھر	مِنْۢ بَعْدِ[2] مَا فُتِنُوْا	آزمائش میں مبتلا کئے جانے کے بعد	وَصَبَرُوْٓا	اور وہ ثابت قدم رہے
اِنَّ رَبَّكَ	یقیناً آپ کے پروردگار	ثُمَّ	پھر	اِنَّ رَبَّكَ	یقیناً آپ کے پروردگار
لِلَّذِيْنَ	ان لوگوں کے لئے جنھوں نے	جٰهَدُوْا	انھوں نے دین کے لئے جان توڑ محنت کی	مِنْۢ بَعْدِهَا	اِن (کاموں) کے بعد
هَاجَرُوْا	ہجرت کی			لَغَفُوْرٌ	البتہ بڑی مغفرت فرمانے والے ہیں

(۱) رواہ البیہقی (۲) رواہ الطبرانی۔ (۳) ثُمَّ تراخیٔ ذکری کے لئے ہے کما فی قولہ تعالیٰ: ثم کان من الذین آمنوا (البلد) (۴) مِنْ زائدہ ہے اور مَا مصدریہ ہے۔

رَّحِيۡمٌ	بے حد مہربانی فرمانے	قَرۡيَةً (۴)	ایک بستی	وَالۡخَوۡفِ	اور خوف (کا)
	والے ہیں	كَانَتۡ	تھی وہ	بِمَا	ان کرتوتوں کی وجہ سے جو
يَوۡمَ (۱) تَاۡتِىۡ	جس دن آئے گا	اٰمِنَةً	امن والی	كَانُوۡا	وہ
كُلُّ نَفۡسٍ	ہر شخص	مُّطۡمَئِنَّةً	اطمینان والی	يَصۡنَعُوۡنَ	کرتے تھے
تُجَادِلُ	درانحالیکہ جھگڑ رہا ہوگا	يَاۡتِيۡهَا	پہنچتا تھا اس کو	وَلَقَدۡ	اور البتہ تحقیق
عَنۡ نَّفۡسِهَا (۲)	اپنی طرف سے	رِزۡقُهَا	اس کا رزق	جَآءَهُمۡ	آیا اُن کے پاس
وَتُوَفّٰى (۳)	اور پورے دیئے جائیں گے	رَغَدًا (۵)	بڑی فراغت سے	رَسُوۡلٌ	ایک رسول
كُلُّ نَفۡسٍ	ہر شخص (کو)	مِّنۡ كُلِّ مَكَانٍ	ہر طرف سے	مِّنۡهُمۡ	ان میں سے
مَّا عَمِلَتۡ	وہ کام جو اس نے کئے	فَكَفَرَتۡ	پھر ناشکری کی اس نے	فَكَذَّبُوۡهُ	سو جھٹلایا انھوں نے
وَهُمۡ	اور وہ	بِاَنۡعُمِ اللّٰهِ	اللہ کی نعمتوں کی		اس کو
لَا يُظۡلَمُوۡنَ	ظلم نہیں کئے جائیں گے	فَاَذَاقَهَا	پس چکھایا اس کو	فَاَخَذَهُمُ	پس پکڑ لیا ان کو
وَضَرَبَ	اور بیان فرمائی	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ (نے)	الۡعَذَابُ	عذاب (نے)
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ (نے)	لِبَاسَ (۵)	لباس	وَهُمۡ	درانحالیکہ وہ
مَثَلًا	ایک مثال	الۡجُوۡعِ	بھوک	ظٰلِمُوۡنَ	ظلم کرنے والے تھے

دونوں فریقوں کا انجام: جنھوں نے مظالم سہے اور جنھوں نے مسلمانوں پر مظالم توڑے

اب ان آیتوں میں دونوں فریقوں کا انجام بیان کیا جا رہا ہے، ان کا بھی جنھوں نے دشمنانِ اسلام کے مظالم سہے، اور ان کا بھی جنھوں نے بے بس مسلمانوں پر سخت مظالم توڑے، ارشاد ہے: —— پھر آپ کے پروردگار یقیناً ان لوگوں کے حق میں جنھوں نے آزمائش میں پڑنے کے بعد ہجرت کی، پھر دین کے لئے جان توڑ محنت کی اور ثابت قدم رہے، بے

(۱) یَوۡمَ ظرف ہے غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ کا (۲) نفسها کی ضمیر سابقہ نفس کی طرف راجع ہے، پہلے نفس سے مراد ''شخص'' ہے اور دوسرے نفس سے مراد ''ذات'' ہے جَادَلَ عن نفسه: اپنی طرف داری میں گفتگو کرنا (۳) تُوَفّٰى فعل مضارع مجہول، صیغہ واحد مؤنث غائب ہے مصدر تَوۡفِيَة پورا پورا دینا، كُلُّ نفسٍ نائب فاعل ہے اور عملت مفعول ثانی ہے۔ (۴) قرية: مثلاً سے بدل ہے۔ (۵) رَغِدَ رَغَدًا عيشه: آسودہ و خوش حال ہونا، عیش کی زندگی گزارنا (۶) محیط قحط اور سخت خوف کو لباس کہا گیا ہے، کیونکہ وہ بھی لباس کی طرح تمام جسم پر چھا جاتا ہے۔

شک آپ کے پروردگار ان کاموں کے بعد بڑی مغفرت فرمانے والے اور بے حد مہربانی فرمانے والے ہیں (اس دن) ہر شخص اپنے ہی بچاؤ کی فکر میں لگا ہوا ہوگا اور (جس دن) ہر ایک کو اس کے کیے کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، اور ان پر (ذرا بھی) ظلم نہیں کیا جائے گا ـــــ یعنی جن لوگوں نے دین کی خاطر تکلیفیں اٹھائیں اور وطن سے بے وطن ہوئے پھر انھوں نے دین کے لئے جہاد کیا اور آزمائشوں میں ثابت قدم رہے، اللہ تعالیٰ ان کے حق میں اُس دن بڑے ہی مہربان اور درگزر فرمانے والے ہونگے، جس دن ہر شخص اپنی ہی نجات کے لئے کوشش کر رہا ہوگا اور نفسی نفسی کا عالم ہوگا، جس دن ہر ایک کو اس کے کیے کی پوری جزا دی جائے گی اور کسی پر ذرہ بھر ظلم نہ ہوگا۔ اُس دن اللہ تعالیٰ ان مہاجرین ومجاہدین پر نہایت مہربان ہوں گے۔

اس آیت میں تین باتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

پہلی بات: یہ ہے کہ اگر کسی کو اپنے وطن میں دین کی وجہ سے ناقابل برداشت اذیتوں کا سامنا ہو تو اُسے چاہئے کہ اپنا وطن چھوڑ دے اور راہِ خدا میں نکل کھڑا ہو۔ اللہ پاک کا ارشاد ہے کہ جو بھی اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں بہت جگہ اور آسانی پائے گا[1] صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب مکہ والوں کے مظالم سے تنگ آ گئے تو پہلے حبشہ کی طرف اور پھر مدینہ شریف کی طرف ہجرت کی۔

دوسری بات: یہ ہے کہ ہجرت کے بعد دوسری طرح کی آزمائشیں پیش آسکتی ہیں ضروری ہے کہ مہاجران آزمائشوں میں بھی ثابت قدم رہے۔

تیسری بات: یہ ہے کہ دین کے لئے پوری جدوجہد اور جان توڑ محنت بہر حال ضروری ہے، جگہ حالات اور زمانے کا جو بھی تقاضا ہو اس کے مطابق دین کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دینا ضروری ہے، ان کاموں کے بعد ہی رحمت ومغفرت کا وعدہ ہے۔

اب اُن دشمنانِ اسلام کا انجام بیان کیا جاتا ہے جو بے بس مسلمانوں کو مظالم کا تختۂ مشق بنائے ہوئے تھے، مگر بات صاف کہنے کے بجائے تمثیلی رنگ میں کہی گئی ہے، کیونکہ مخالف ماحول میں کنایہ، صراحت سے ابلغ ہوتا ہے، مکہ شریف کا حال یہ تھا کہ ہر طرف سے رزق کھنچا چلا آ رہا تھا، اُس بات کو صاف کہنا ان کے لئے مزید چھیڑ خانی کا موقع فراہم کرنا تھا، اس لئے ایک بستی فرض کر کے کفار مکہ کو آگاہ کیا گیا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں: ـــــ اور اللہ تعالیٰ ایک مثال دیتے ہیں، ایک بستی تھی جو امن واطمینان کی زندگی بسر کر رہی تھی، جسے ہر طرف سے بفراغت روزی پہنچ رہی تھی، اس نے اللہ تعالیٰ کی

(۱) سورۃ النساء رکوع گیارہ۔

نعمتوں کی ناشکری کی، پس اللہ تعالیٰ نے ان کو لوگوں کے کرتوتوں کی وجہ سے جو وہ کرتے رہے تھے نہایت سخت قحط اور محیط خوف کا مزا چکھایا اور یہ واقعہ ہے کہ ان کے پاس اُن ہی میں سے ایک رسول آئے، مگر انھوں نے اس کو جھٹلایا آخر کار عذاب نے ان کو آلیا، جبکہ وہ بالکل ہی ظلم پر کمر باندھے ہوئے تھے۔

اس ارشاد کے شروع حصہ میں مکہ شریف کی ہو بہو تصویر کھینچی گئی ہے، مکہ شریف حرم خداوندی ہونے کی وجہ سے ہر طرح کی جنگوں سے، قبائلی خرخشوں سے اور کشت وخون سے محفوظ ومطمئن تھا، اس ویران سرزمین میں ہر قسم کے رزق کی افراط تھی، مگر اس کے باشندے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری پر تل گئے، اللہ کا جو پیغمبر ان کے پاس پیغام حق لے کر پہنچا اس کی تکذیب کردی، تو اللہ تعالیٰ نے ہجرت مدینہ کے بعد ان پر قحط مسلط کیا، جو سات برس رہا اور ان کا حال یہ ہوگیا کہ انھیں کتے، مردار اور گوبر تک کھانا پڑا اور ہجرت مدینہ کے ساتھ ہی مسلمانوں کا خوف اُن پر مسلط ہوگیا، جو دن بدن بڑھتا ہی گیا تا آنکہ اُن کا خاتمہ ہوگیا۔

فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۖ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۹﴾

فَكُلُوْا	سو کھاؤ تم	رَزَقَكُمُ	روزی دی تم کو	حَلٰلًا (۱)	حلال
مِمَّا	ان چیزوں میں سے جو	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ (نے)	طَيِّبًا	پاکیزہ

(۱) حلالًا اور طیّبًا، رزق کے احوال ہیں، جس پر رَزَقَكُمُ دلالت کرتا ہے۔

وَ اشْكُرُوْا	اور شکر ادا کرو	فَاِنَّ اللّٰهَ	تو یقیناً اللہ تعالیٰ	لَا يُفْلِحُوْنَ	وہ کامیاب نہیں ہوتے
نِعْمَتَ اللّٰهِ	اللہ کی نعمت (کا)	غَفُوْرٌ	بڑے بخشنے والے	مَتَاعٌ[3]	(یہ) سامان (ہے)
اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم	رَّحِيْمٌ	بے حد رحم فرمانے	قَلِيْلٌ	تھوڑا
اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ	ان کی پرستش کرتے		والے (ہیں)	وَّ لَهُمْ	اور ان کے لئے (ہے)
اِنَّمَا حَرَّمَ	بس حرام کیا (ہے)	وَلَا تَقُوْلُوْا	اور نہ کہو تم	عَذَابٌ اَلِيْمٌ	دردناک عذاب
عَلَيْكُمُ	تم پر	لِمَا[1]	جن چیزوں کے بارے	وَعَلَى الَّذِيْنَ	اور ان پر جو
الْمَيْتَةَ	مردار		میں	هَادُوْا	یہودی ہوئے
وَالدَّمَ	اور خون	تَصِفُ	بیان کرتی ہیں	حَرَّمْنَا	حرام کی ہم نے
وَلَحْمَ	اور گوشت	اَلْسِنَتُكُمُ	تمہاری زبانیں	مَا	(وہ چیزیں) جو
الْخِنْزِيْرِ	سور (کا)	الْكَذِبَ	جھوٹ	قَصَصْنَا	بیان کی ہم نے
وَمَا	اور جو (جانور)	هٰذَا حَلٰلٌ	(کہ) یہ حلال (ہے)	عَلَيْكَ	آپ سے
اُهِلَّ	پکارا گیا	وَّ هٰذَا	اور یہ	مِنْ قَبْلُ	اس سے پہلے
لِغَيْرِ اللّٰهِ	اللہ کے علاوہ کو	حَرَامٌ	حرام (ہے)	وَمَا	اور نہیں
بِهٖ	اس کے ذریعہ	لِّتَفْتَرُوْا[2]	تاکہ گھڑو تم	ظَلَمْنٰهُمْ	ظلم کیا ہم نے اُن پر
فَمَنِ	البتہ جو شخص	عَلَى اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ پر	وَ لٰكِنْ	بلکہ
اضْطُرَّ	بے بس کر دیا گیا	الْكَذِبَ	جھوٹ	كَانُوْٓا	تھے وہ
غَيْرَ	نہ	اِنَّ الَّذِيْنَ	یقیناً جو لوگ	اَنْفُسَهُمْ	اپنے اوپر
بَاغٍ	خواہش کرنے والا	يَفْتَرُوْنَ	گھڑتے ہیں	يَظْلِمُوْنَ	ظلم کرتے
وَّلَا	اور نہ	عَلَى اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ پر	ثُمَّ	پھر
عَادٍ	حد سے تجاوز کرنے والا	الْكَذِبَ	جھوٹ	اِنَّ رَبَّكَ	یقیناً آپ کے پروردگار

(۱) لام جارہ قول کا صلہ ہے، ما موصولہ ہے اور صلہ میں ضمیر عائد محذوف ہے، وَصَفَ الشیئَ: بیان کرنا، تعریف کرنا، وصف الکذب: جھوٹ بیان کرنا هذَا حَلاَلٌ الخ مقولہ ہے، أی: لاتقولوا فی شأن الذی تَصِفه ألسنتكم كذبا: هذا حلال وهذا حرام۔ (۲) لِتَفْتَرُوْا میں لام عاقبت ہے (۳) مَتَاعٌ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔

لِلَّذِيْنَ	ان کے لئے جنھوں نے	تَابُوْا	توبہ کی انھوں نے	رَبَّكَ	آپ کے پروردگار
عَمِلُوا	کئے	مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ	اس کے بعد	مِنْۢ بَعْدِهَا	اِن (کاموں) کے بعد
السُّوْٓءَ	برے کام			لَغَفُوْرٌ	البتہ بڑے بخشنے والے
بِجَهَالَةٍ	نادانی سے	وَاَصْلَحُوْٓا	اور حالت درست کرلی	رَّحِيْمٌ	بے حد رحم فرمانے
ثُمَّ	پھر	اِنَّ	یقیناً		والے

اللہ کی نعمتوں کی شکر گزاری اور ناشکری

پچھلی آیت میں اللہ جل شانہ کی نعمتوں پر کفار کی ناشکری اور اس کے وبال کا ذکر تھا۔اب ان آیتوں میں ناشکری کا مطلب سمجھایا جاتا ہے۔اللہ کی نعمتوں کی ناشکری بس یہی نہیں ہے کہ آدمی زبان سے نعمتوں کے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہونے کا انکار کردے، بلکہ ناشکری عملی بھی ہوتی ہے اور زیادہ تر لوگ عملی ہی ناشکری کرتے ہیں —— عملی ناشکری یہ ہے کہ آدمی اللہ کی نعمتوں کا شکریہ دیوی دیوتاؤں کو ادا کرنے لگے،ان کی نیازیں اور نذریں بھرنے لگے، اور معبودان باطل کی اور احبار ورہبان کی تحریمات کو خدائی تحریمات کا درجہ دیدے۔اور عملی شکر یہ ہے کہ آدمی صرف اللہ تعالیٰ کو پکارے، صرف انہی کی نذریں مانے، اور ان کی بخشی ہوئی حلال اور پاکیزہ چیزیں کھائے اور اپنی طرف سے کسی چیز کو حرام نہ ٹھہرائے۔

ارشاد ہے: —— پس وہ حلال اور پاکیزہ چیزیں کھاؤ، جو اللہ تعالیٰ نے تم کو بخشی ہیں، اور خدا کی نعمتوں کا شکر بجالاؤ، اگر واقعی تم ان ہی کی بندگی کرتے ہو —— یعنی اگر واقعی تم اللہ تعالیٰ کی بندگی کے قائل ہو، جیسا کہ تمہارا دعوی ہے، تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی حلال وطیب روزی کھاؤ اور حرام وحلال کے خود مختار نہ بنو۔

مشرکین نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کی ایک صورت یہ اختیار کر رکھی تھی کہ بہت سی چیزیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے، اُن کو اپنی طرف سے حرام کہنے لگے تھے اور جو اللہ تعالیٰ نے حرام کی تھیں ان کو حلال سمجھنے لگے تھے، مثلاً بحیرہ، سائبہ، حامی وغیرہ کو تو حرام سمجھتے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام نہیں کیا، اور مردار، دم مسفوح (ذبح کے وقت بہنے والا خون) خنزیر اور غیر اللہ کے نام کئے ہوئے جانوروں کو حلال سمجھتے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے قطعی حرام کیا ہے۔اس سلسلہ میں ارشاد ہے کہ —— اللہ تعالیٰ نے تو تم پر صرف مردار، خون، سور کا گوشت اور وہ جانور حرام کئے ہیں جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو پکارا گیا ہو[1] —— یعنی اللہ تعالیٰ نے تو صرف یہ چیزیں حرام کی ہیں، ان کو تم نے حلال قرار دے دیا ہے اور بحیرہ، سائبہ وغیرہ جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام نہیں کیا، ان کو حرام سمجھ بیٹھے ہو[2] یہ تو خدائی اختیارات میں دخل دینا، اللہ تعالیٰ

(۱) اِن چاروں محرمات کی تفصیل پارۂ سیقول آیت ۱۷۳ کی تفسیر میں دیکھیں (۲) آیت کریمہ میں حصر اضافی ہے، حقیقی نہیں۔

پر افتراء کرنا اور اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی نعمتوں کی ناشکری ہے، یہ چاروں چیزیں اللہ تعالیٰ نے حرام کردی ہیں ان کو حلال نہ ٹھہراؤ ــــ البتہ اگر کوئی شخص مجبور کردیا گیا ہو، خواہش مند اور حد سے تجاوز کرنے والا نہ ہو، تو اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے، بے حد مہربانی فرمانے والے ہیں ــــ یعنی مذکورہ چاروں چیزیں ہیں تو حرام، مگر شدید ضرورت کے وقت ان حرام چیزوں کو بھی بہ قدر کفایت کھایا جاسکتا ہے[۳]

اور جن چیزوں کے بارے میں تمہاری زبانیں کذب بیانی کرتی ہیں، اُن کے بارے میں یہ نہ کہو کہ یہ چیز حلال ہے اور یہ چیز حرام ہے، اس طرح کہہ کر تم اللہ تعالیٰ پر افتراء کروگے، یاد رکھو، جو لوگ اللہ تعالیٰ پر افتراء کرتے ہیں وہ کبھی کامیاب نہیں ہوں گے (دنیا کا یہ) عیش چند روزہ ہے، آخر کار ان کے لئے دردناک عذاب ہے ــــ یعنی بغیر کسی شرعی دلیل کے کسی چیز کے متعلق منہ اٹھا کر کہہ دینا کہ حلال ہے یا حرام، کذب وافتراء ہے اور اللہ تعالیٰ پر افتراء کرنے والے کبھی فلاح نہیں پائیں گے، آخرت میں انھیں دردناک عذاب ہوگا، یہ عیش جو انھیں بظاہر نصیب ہے، تمام تر عارضی اور فانی ہے، پلک جھپکتے آنکھ کھل جائے گی، اس وقت حقیقت معلوم ہوگی۔

اس جگہ ایک شبہ پیش کیا جاسکتا ہے کہ بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام سب اونٹ کی قسمیں ہیں، اگر یہ چیزیں حلال ہیں تو پھر یہودیوں پر کیوں حرام کی گئیں؟ یہود پر اونٹ کا گوشت حرام کیوں تھا؟ اس کا جواب دیا جاتا ہے ــــ اور جن لوگوں نے یہودیت اختیار کی، اُن پر ہم نے وہ چیزیں حرام کیں، جن کا ذکر ہم اس سے پہلے آپ سے کرچکے ہیں۔ اور ہم نے اُن پر ذرہ برابر ظلم نہیں کیا، بلکہ وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے رہے ــــ یعنی وہ چیزیں جن کا ذکر ﴿ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ﴾ (الانعام[۲] رکوع ۱۸) میں آیا ہے، جن میں اونٹ بھی شامل ہے، یہ سب چیزیں دراصل حلال تھیں، مگر یہود پر ان کی سرکشی کی وجہ سے حرام کی گئی تھیں اور یہ حلال چیزیں ان پر حرام کرکے اللہ تعالیٰ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا، بلکہ بغاوت وسرکشی کرکے انھوں نے خود اپنا نقصان کیا۔

یہود پر اُن کی شرارتوں کی وجہ سے ہر ناخن (کھر) والا جانور، جس کی انگلیاں پھٹی نہ ہوں جیسے اونٹ، شتر مرغ، بطخ وغیرہ حرام کئے گئے تھے۔ نیز گائے، بکری کی جو چربی پشت یا انتڑیوں پر نہ لگی ہو یا ہڈی کے ساتھ نہ ملی ہو، اُن پر حرام کی گئی تھی، یہ سب چیزیں دراصل حلال تھیں، مگر یہودیوں پر اُن کی نافرمانیوں اور شرارتوں کی وجہ سے حرام کی گئی تھیں۔

پھر آپ کے پروردگار ان لوگوں کے لئے جنھوں نے نادانی کی بناء پر برے کام کئے، اور پھر توبہ کرلی اور اپنی حالت

(۱) ضرورت اور مجبوری کی تفصیل بھی پارہ سیقول میں دی گئی ہے۔ (۲) سورۃ الانعام وَضعُ (ترتیب کتابی) میں بھی مقدم ہے اور نزول میں بھی مقدم ہے، سورۃ الانعام کے نزول کا نمبر پچپن ہے جبکہ اس سورت کا نمبر ستر ہے۔

درست کر لی تو یقیناً آپ کے پروردگار ان (برے کاموں) کے بعد (بھی) بڑی مغفرت فرمانے والے، نہایت مہربانی فرمانے والے ہیں —— یعنی مشرکین کے لئے اب بھی سوچنے، سمجھنے اور عبرت پکڑنے کا موقع ہے، اللہ تعالیٰ نے توبہ کا دروازہ ابھی بند نہیں کیا، جو لوگ اپنی نادانی اور بے سمجھی سے کفر و شرک کرتے رہے، اگر اب بھی صدق دل سے توبہ کر لیں اور کفر و شرک سے باز آجائیں اور اپنی حالت درست کر لیں تو اللہ تعالیٰ ایسے مجرموں کو بھی معاف کرنے کے لئے تیار ہیں۔ وہ بڑے مہربان، بڑی مغفرت فرمانے والے ہیں۔

إِنَّ إِبْرٰهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلّٰهِ حَنِيفًا وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٢٠﴾ شَاكِرًا لِأَنْعُمِهِ اجْتَبٰهُ وَهَدٰهُ إِلٰى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿١٢١﴾ وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَإِنَّهُ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِينَ ﴿١٢٢﴾ ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرٰهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٢٣﴾ إِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿١٢٤﴾

إِنَّ إِبْرٰهِيمَ	یقیناً ابراہیمؑ	لِأَنْعُمِهِ	اللہ کی نعمتوں کے	حَسَنَةً	خوبی (بھلائی)
كَانَ أُمَّةً	ایک جماعت تھے	اجْتَبٰهُ (۲)	چن لیا اللہ نے ان کو	وَإِنَّهُ	اور یقیناً
قَانِتًا (۱)	فرماں بردار	وَهَدٰهُ	اور راہ نمائی کی ان کی	فِي الْاٰخِرَةِ	آخرت میں
لِلّٰهِ	اللہ تعالیٰ کے	إِلٰى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ	سیدھے راستے کی طرف	لَمِنَ الصّٰلِحِينَ	البتہ نیکوکاروں میں سے (ہیں)
حَنِيفًا	ایک رُخ ہونے والے				
وَلَمْ يَكُ	اور نہیں تھے وہ	وَاٰتَيْنٰهُ	اور عطا فرمائی ہم نے ان کو	ثُمَّ	پھر
مِنَ الْمُشْرِكِينَ	مشرکوں میں سے			أَوْحَيْنَا	وحی بھیجی ہم نے
شَاكِرًا	شکر کرنے والے	فِي الدُّنْيَا	دنیا میں	إِلَيْكَ	آپ کی طرف

(۱) قانِتًا پہلی صفت ہے اُمّۃً کی، دوسری حنیفًا ہے اور تیسری شَاکِرًا ہے۔ (۲) اجتبیٰ، اجتباءً ا (باب افتعال) برگزیدہ کرنا، چن لینا، باب افتعال کا ہمزہ وصلی ہے؛ لہٰذا جب ماقبل سے وصل کر کے پڑھیں گے تو ہمزہ گر جائے گا، اور اس طرح پڑھیں گے: لِأَنْعُمِهِ اجْتَبٰهُ

اَنِ	کہ	جُعِلَ	بنایا گیا	لَیَحْکُمُ	البتہ فیصلہ فرمائیں گے
اتَّبِعْ	پیروی کیجئے	السَّبْتُ	ہفتہ کا دن (سنیچر)	بَیْنَھُمْ	ان کے درمیان
مِلَّۃَ اِبْرٰھِیْمَ	ابراہیم کے طریقے کی	عَلَی الَّذِیْنَ	ان لوگوں کے لئے جنھوں نے	یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ	قیامت کے دن
حَنِیْفًا (۱)	ایک رُخ ہوکر	اخْتَلَفُوْا	اختلاف کیا	فِیْمَا	اس معاملہ میں
وَمَا کَانَ	اورنہیں تھے وہ	فِیْہِ	اس میں	کَانُوْا	(کہ) تھے وہ
مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ	مشرکوں میں سے	وَاِنَّ	اور یقیناً	فِیْہِ	اس میں
اِنَّمَا	صرف	رَبَّکَ	آپ کے پروردگار	یَخْتَلِفُوْنَ	اختلاف کرتے

ایک شکر گزار بندے کا تذکرہ

گذشتہ آیات میں عملی ناشکری کا مطلب سمجھایا تھا، اب ان آیتوں میں ایک شکر گزار بندے کی مثال دی ہے، یہ مثال مخاطب قوم کے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہے، اس مثال کے پردے میں ان سے یہ کہا جارہا ہے کہ کہاں تو وہ اتنے شکر گزار بندے تھے اور کہاں تم ایسے ناشکرے نکلے! ارشاد ہے: —— ابراہیم یقیناً ایک پوری امت تھے —— یعنی وہ تنہا ایک فرد: ایک امت اور ایک قوم کے فضائل وکمالات کے جامع تھے، ان کی ذات واحد میں حق تعالیٰ نے وہ سب خوبیاں اور کمالات جمع کردیئے تھے جو کسی بڑے مجمع میں متفرق طور پر پائے جاتے ہیں، مگر بایں ہمہ عظمت وبزرگی وہ —— اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار، ایک رُخ پر رہنے والے بندے تھے —— وہ پوری طرح خدائے پاک کے سامنے سرافگندہ تھے، ان کا کوئی عقیدہ یا عمل اپنی خواہش نفسانی سے نہ تھا وہ ہر مذہب باطل سے ہٹ کر دین حق کی طرف جھکے ہوئے اور اس پر ثابت وقائم تھے —— اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے —— وہ خود تو معاذ اللہ! شرک کا کیا ارتکاب کرتے، انہیں مشرکین کی جماعت اور بستی میں رہنا بھی گوارا نہ تھا، وہ —— اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والے تھے —— تمہاری طرح ناسپاس اور کفرانِ نعمت کرنے والے نہ تھے، وہ حکم الٰہی کے بغیر کسی چیز کو حلال یا حرام نہیں ٹھہراتے تھے، ان کی اسی اطاعت شعاری اور فرماں برداری کی وجہ سے —— اللہ تعالیٰ نے ان کو برگزیدہ فرمایا تھا اور انہیں سیدھی راہ پر ڈال دیا تھا —— لہٰذا فلاح ونجات انہی لوگوں کے لئے ہے جو اُن کے نقش قدم پر چلیں اور ان کی ملت کو اختیار کریں —— اور دنیا میں (بھی) ہم نے ان کو بڑی خوبی عطا فرمائی تھی اور آخرت میں (بھی) وہ یقیناً اچھے لوگوں میں سے ہیں —— اس لئے تم سب کو بھی انہی کا طریقہ اختیار کرنا چاہئے، انہی کی پیروی میں دنیا کی خوبی اور آخرت کی بھلائی مضمر ہے —— پھر ہم نے آپ کی

(۱) حَنِیْفًا حال ہے اِتَّبِعْ کی ضمیر فاعل سے۔

طرف وحی کی کہ آپؐ ایک رُخ ہوکر ابراہیم کے طریقے پر چلئے اور (یاد رکھئے) وہ مشرکوں میں سے نہ تھے —— پس اب طریقۂ ابراہیمی وہی ہے جو طریقۂ محمدی ہے، اس لئے مسلمانوں کو بھی ہر مذہب باطل سے ہٹ کر اور غیر اللہ سے رشتہ توڑ کر توحید کامل اور دین حنیف کا پیرو کار ہونا چاہئے۔

یہاں یہ ارشاد کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مشرکوں میں سے نہ تھے اُن کے اس رُخ کو متعین کرنے کے لئے ہے جس پر وہ پوری زندگی مستقیم رہے اور دوبارہ اس کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ مشرکین مکہ بھی اپنے کو طریق ابراہیمی کا پیرو کہتے تھے۔ اس ارشاد میں ان پر رد ہے کہ تم کس منہ سے اپنے کو ملت ابراہیمی کا پیرو کہتے ہو، وہ تو شرک سے بالکلیہ بیزار تھے اور تم شرک کے ہر طرح دل دادہ ہو؟

مشرکین کے علاوہ یہودی بھی اس بات کے دعوے دار تھے کہ ہم ملتِ ابراہیمی پر ہیں، ابراہیم علیہ السلام ہمارے جد امجد ہیں، اور ہم ان کی ذریت ہیں اور ان کی ملت پر ہیں، آگے ان پر ردّ ہے کہ تم ملت ابراہیمی پر کیسے ہو؟ ابراہیم علیہ السلام تو جمعہ کی تعظیم کرتے تھے اور تم سبت (سنیچر) کو مانتے ہو؟ ارشاد ہے —— بار کا دن تو انہی لوگوں پر مقرر کیا گیا، جنھوں نے اس کے باب میں اختلاف کیا —— یعنی ملت ابراہیمی میں سبت کی حرمت اور اس کی پابندیوں اور سختیوں کا وجود نہ تھا، یہ تو ابراہیم علیہ السلام کے بہت بعد یہود بے بہبود نے اپنے نبی کی مخالفت کر کے مقرر کیا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام سبت کی نہیں جمعہ کی تعظیم کیا کرتے تھے اور موسیٰ علیہ السلام کو بھی جمعہ کی اہمیت کا اشارہ کیا گیا تھا، مگر یہود نے ان کے اشارے کے خلاف کیا اور انھوں نے کہا: ہم جمعہ کی نہیں، بار کی تعظیم کیا کریں گے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ہفتہ کی تعظیم فرض کردی اور چونکہ یہ انتخاب منشاء خداوندی کے خلاف ہوا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے سبت کے احکامات سخت کردئے —— اور آپ کے پروردگار یقیناً ان کے درمیان قیامت کے دن اُس بات کا فیصلہ فرمائیں گے جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں —— یعنی کونسا دن اللہ کو پسند؟ اور کونسا ناپسند ہے اس کا فیصلہ قیامت کے دن ہوگا۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِىْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ

مُّحۡسِنُوۡنَ ﴿۱۲۸﴾ ع

اُدۡعُ	بلایئے آپ	وَهُوَ	اور وہ	وَمَا	اور نہیں (ہے)
اِلٰى سَبِيۡلِ	راستے کی طرف	اَعۡلَمُ	خوب جانتے ہیں	صَبۡرُكَ	آپ کا صبر کرنا
رَبِّكَ	اپنے پروردگار کے	بِالۡمُهۡتَدِيۡنَ	راہ راست پر چلنے والوں کو	اِلَّا بِاللّٰهِ	مگر اللہ کی (توفیق سے)
بِالۡحِكۡمَةِ	حکمت سے	وَاِنۡ	اور اگر	وَلَا تَحۡزَنۡ	اور نہ غمگین ہوں
وَالۡمَوۡعِظَةِ	اور دل میں اترنے	عَاقَبۡتُمۡ	سزا دو تم	عَلَيۡهِمۡ	ان لوگوں پر
	والی بات سے	فَعَاقِبُوۡا	تو سزا دو	وَلَا تَكُ[1]	اور نہ ہوں آپ
الۡحَسَنَةِ	اچھی طرح	بِمِثۡلِ	بقدر	فِىۡ ضَيۡقٍ	تنگی میں
وَجَادِلۡهُمۡ	اور اُن سے بحث کیجئے	مَا	(اس کے) جو	مِّمَّا	اس سے جو
بِالَّتِىۡ	اُس (طریقے) سے جو	عُوۡقِبۡتُمۡ	سزا دیئے گئے تم	يَمۡكُرُوۡنَ	چالیں چلتے ہیں وہ
هِىَ	(کہ) وہ	بِهٖ	اس کے ذریعہ	اِنَّ اللّٰهَ	یقیناً اللہ تعالیٰ
اَحۡسَنُ	بہتر (ہے)	وَلَئِنۡ	اور بخدا اگر	مَعَ	ساتھ ہیں
اِنَّ رَبَّكَ	یقیناً آپ کے پروردگار	صَبَرۡتُمۡ	صبر کرو تم	الَّذِيۡنَ	ان لوگوں کے جو
هُوَ اَعۡلَمُ	وہ خوب جانتے ہیں	لَهُوَ	تو وہ	اتَّقَوْا	پرہیزگار رہوئے
بِمَنۡ	اس کو جو	خَيۡرٌ	بہتر (ہے)	وَّالَّذِيۡنَ	اور (اُن کے) جو
ضَلَّ	گم ہوا (بھٹکا)	لِّلصّٰبِرِيۡنَ	صبر کرنے والوں کے لئے	هُمۡ	(کہ) وہ
عَنۡ سَبِيۡلِهٖ	اللہ کی راہ سے	وَاصۡبِرۡ	اور صبر کیجئے آپ	مُّحۡسِنُوۡنَ	نیکوکار رہوئے

دعوت الی اللہ کے اصول وآداب

یہ آیتیں سورت کی اختتامی نصیحتیں ہیں، ان میں دعوت الی اللہ کے اصول وآداب بیان فرمائے ہیں، اور اس سورت کے آخر میں یہ مضمون اس لئے آیا ہے کہ یہ پوری سورت انہی اصول وآداب کا نمونہ ہے، آپ دیکھتے آرہے ہیں کہ کس

(۱) لاتَکُ: فعل نہی، صیغہ واحد مذکر حاضر ہے۔ مصدر کَوۡنٌ —— تَکُ کی اصل تَکُوۡنُ ہے لائے نہی کی وجہ سے نون ساکن ہوا تو اجتماع ساکنین کی وجہ سے واو کو حذف کردیا۔ پھر نون کو تخفیف کے لئے حذف کردیا۔

خوبی سے، دل نشین پیرایوں میں اور تمثیلات و براہین سے باتیں پیش کی گئی ہیں، اس لئے دعوت کے اصول و آداب بیان کرنے کے لئے بھی سب سے زیادہ موزوں جگہ اسی سورت کا آخر تھا۔

ارشاد ہے: ـــــ آپ لوگوں کو اپنے پروردگار کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعے بلایئے اور اُن کے ساتھ ایسے طریقے سے بحث کیجئے جو بہتر ہو، آپ کے پروردگار ہی اس شخص کو بہتر جانتے ہیں جو ان کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور وہ راہ راست پر چلنے والوں کو بھی خوب جانتے ہیں ـــــ اس آیت میں دعوت و تبلیغ کا مکمل نصاب اور اس کے اصول و آداب کی تفصیل چند کلمات میں سمودی گئی ہے ـــــ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا فرض منصبی لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانا ہے۔ قرآن پاک میں رسول اللہ ﷺ کی خاص صفت داعی الی اللہ بیان کی گئی ہے، اور امت پر بھی دعوت الی اللہ کو فرض کیا گیا ہے، سورۂ آلِ عمران میں ارشاد ہے: ﴿ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾ ترجمہ: تم میں ایک ایسی جماعت ہونی چاہئے جو لوگوں کو خیر کی طرف بلائے، اور نیک کاموں کا حکم دے اور برے کاموں سے روکے۔

رہی یہ بات کہ لوگوں کو اللہ کے راستے کی طرف کس طرح بلانا چاہئے؟ تو اس آیت میں اس کا طریقہ یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعے اللہ کی طرف بلانا چاہئے، حکمت کا مطلب یہ ہے کہ مخاطب کی ذہنیت، استعداد اور حالات کو سمجھ کر، نیز موقع محل کو دیکھ کر بات کرنی چاہئے، جہاں یہ خیال ہو کہ صراحۃً بات کہنے میں مخاطب کو شرمندگی ہوگی تو وہاں ایسا عنوان اختیار کیا جائے کہ مخاطب کو شرمندگی نہ ہو، دلائل پختہ، مضامین عمدہ اور انداز حکیمانہ ہو، تا کہ بات دل و دماغ کی گہرائیوں میں اتر جائے۔

اور نصیحت کا مطلب یہ ہے کہ بات مؤثر ہو، مخاطب کو صرف دلائل سے مطمئن کرنے پر اکتفا نہ کیا جائے، بلکہ اُس کے جذبات کو بھی چھیڑا جائے، برائیوں اور گمراہیوں سے انسان کی فطرت میں جو پیدائشی نفرت پائی جاتی ہے اسے بھی ابھارا جائے، نیکیوں کا ثواب حسن عمل کے فوائد بیان کئے جائیں اور برے اعمال کے برے نتائج کا خوف دلایا جائے، ہدایت کی طرف رغبت اور عمل صالح کا شوق بھی پیدا کیا جائے۔

اور ''اچھی'' نصیحت کا مطلب یہ ہے کہ نصیحت ایسے طریقے سے کی جائے جس سے دلسوزی اور خیر خواہی ٹپکتی ہو، مخاطب یہ نہ سمجھے کہ اس میں آپ کی کوئی غرض پوشیدہ ہے یا آپ اسے حقیر سمجھ رہے ہیں، بلکہ اسے یہ محسوس ہو کہ آپ کے دل میں اس کی اصلاح کے لئے ایک تڑپ ہے اور آپ درحقیقت اس کی خیر خواہی چاہتے ہیں۔

اصول دعوت یہی دو چیزیں ہیں یعنی حکمت اور موعظت حسنہ، کوئی دعوت ان دو سے خالی نہ ہونی چاہئے، البتہ دعوت

میں کسی وقت ایسے لوگوں سے بھی سابقہ پڑجاتا ہے جو داعی کے ساتھ بحث ومباحثہ شروع کردیتے ہیں۔ ایسی حالت میں مجادلۂ حسنہ کی تعلیم دی گئی ہے، مجادلۂ حسنہ یہ ہے کہ گفتگو میں نرمی اختیار کی جائے، دلائل ایسے پیش کئے جائیں جو مخاطب آسانی سے سمجھ سکے، دلیل میں ایسی باتیں ذکر کی جائیں جو مشہور ومسلم ہوں، تاکہ مخاطب کے شکوک وشبہات دور ہوں، اور ہٹ دھرمی کے راستے پر نہ پڑجائے، بحث کے دوران تہذیب، شائستگی، حق شناسی اور انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے۔ بحث میں الزام تراشیاں، چوٹیں، اور پھبتیاں نہ کسی جائیں، بلکہ شیریں کلامی، معقول اور دل لگتے دلائل سے گفتگو کی جائے، تاکہ مخاطب میں ضد، بات کی پچ اور ہٹ دھرمی پیدا نہ ہو۔

داعی کی ذمہ داری بس یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقے سے اس کو بات سمجھانے کی کوشش کی جائے، اُسے اس فکر میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ کس نے مانا اور کس نے نہیں مانا۔ یہ بات خدائے پاک کے سپرد کرنی چاہئے، وہی راہ پر آنے والوں کو اور نہ آنے والوں کو بہتر جانتے ہیں، اور وہی جیسا مناسب ہوگا ان سے معاملہ فرمائیں گے۔

اس ارشاد میں داعی کی تسلی کا بڑا سامان ہے، داعی جب دیکھتا ہے کہ اس کی پوری دلسوزی کے باوجود مخاطب حق بات کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تو طبعی طور پر اُسے سخت صدمہ پہنچتا ہے، بلکہ بعض اوقات اس پر مایوسی چھاجاتی ہے اور وہ کام ہی چھوڑ بیٹھتا ہے، اس لئے اس آخری ارشاد میں اُسے بتایا گیا ہے کہ داعی کا کام صرف دعوت کو اصول دعوت کے مطابق ادا کردینا ہے، آگے اس کو قبول کرنا نہ کرنا اس میں داعی کا کوئی دخل نہیں، نہ اس کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ضرور ہی لوگوں سے بات منوالے۔ یہ کام صرف اللہ تعالیٰ کا ہے وہی جانتے ہیں کہ کون گمراہ رہے گا اور کون ہدایت پائے گا۔

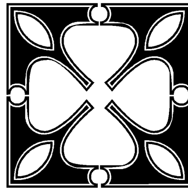
داعیان حق کو بعض اوقات ایسے سخت نادانوں سے سابقہ پڑتا ہے کہ ان کو کتنی ہی نرمی اور خیر خواہی سے بات سمجھائی جائے مگر وہ پھر بھی مشتعل ہوجاتے ہیں، زباں درازی پر اتر آتے ہیں، بلکہ بعض اوقات اس سے بھی تجاوز کرکے جسمانی تکلیف پہنچانے اور قتل تک سے گریز نہیں کرتے، ایسے حالات میں دعوت دینے والے کو کیا کرنا چاہئے؟ اس کے لئے ارشاد ہے: —— اور اگر تم بدلہ لو تو بس اُسی قدر بدلہ لو، جس قدر تم پر زیادتی کی گئی ہے —— یعنی داعی کو قانونی حق دیا جاتا ہے کہ اگر اس پر کوئی ظلم کرے تو وہ اس سے اپنا بدلہ لے، مگر اس شرط کے ساتھ کے بدلہ لینے میں مقدار ظلم سے تجاوز نہ ہو، جتنا ظلم اس پر کیا گیا ہے اتنا ہی بدلہ لے، ذرہ بھر زیادتی نہ ہو —— اور اگر تم صبر کرو تو یہ بات یقیناً صبر کرنے والوں کے حق میں بہتر ہے —— یعنی صبر کا مرتبہ بدلہ لینے سے بلند تر ہے، داعی کو انتقام لینے کا حق ضرور ہے، لیکن اگر وہ صبر کرے اور انتقام نہ لے تو یہی بہتر ہے، اس کا نتیجہ خود داعی کے حق میں اور دیکھنے والوں کے حق میں بلکہ خود زیادتی کرنے والوں کے حق میں بہتر ہی ہوتا ہے، اس لئے صبر کی مزید اہمیت ظاہر کرنے کے لئے بصورت امر ارشاد ہے: —— اور آپ صبر کیجئے

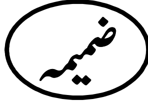
اور آپ کا صبر کرنا بس اللہ ہی کی توفیق سے ہے —— یعنی مظالم وشدائد پر صبر کرنا سہل کام نہیں۔لیکن خدائے پاک کی توفیق اور مدد شامل ہو جائے تو مشکل بھی نہیں۔لہٰذا تم صبر کی ہمت کرو، اللہ تعالیٰ توفیق سے تمہاری مدد فرمائیں گے ——

اور آپ لوگوں کا کچھ غم نہ کھائیں اور نہ ان کی چال بازیوں پر تنگ دل ہوں، اللہ تعالیٰ یقیناً ان لوگوں کے ساتھ ہیں جو تقوی اختیار کرتے ہیں اور جو نیکوکار ہیں —— یعنی داعی کو لوگوں کے ضد اور عناد پر ڈٹے رہنے سے غمگین اور دل برداشتہ نہیں ہونا چاہئے اور نہ ان کے مکر وفریب سے پریشان ہونا چاہئے، اللہ تعالیٰ کی مدد ہمیشہ ان لوگوں کے ساتھ ہوتی ہے جو پرہیز گاری اور نیکوکاری کے جوہر سے آراستہ ہوتے ہیں۔

﴿الحمد لله علی فضله و كرمه، وبنعمته تتم الصالحات﴾

﴿یہاں جلد چہارم مکمل ہوگئی، آگے جلد پنجم سورۃ بنی اسرائیل سے شروع ہوگی، اس پر میں نے نظر ثانی کر رکھی ہے، اس میں اگرچہ عناوین نہیں ہیں، مگر ربط اور تفسیر واضح ہے، اس لئے قلم کی لگام کھینچ رہا ہوں﴾





بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوال: آپ نے تفسیر کیوں لکھی ہے؟ اس میں کن باتوں کی رعایت ملحوظ رکھی ہے؟

جواب: طلبہ بار بار مذکورہ سوال کرتے ہیں، میں ان کو جواب دیتا ہوں، میں نے صرف ایک بات پیش نظر رکھی ہے، وہ یہ کہ اللہ پاک کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ اپنے ناقص فہم کے مطابق اسی کو میں نے سمجھایا ہے، بے ضرورت تفسیروں کو میں نے سامنے نہیں رکھا، البتہ بیان القرآن، ترجمہ شیخ الہند اور فوائد شبیری کو سامنے رکھا ہے، اس اندیشہ سے کہ میں بہک نہ جاؤں، اور بوقت ضرورت روح المعانی سے استفادہ کیا ہے، پہلے اور تفسیریں بھی دیکھتا تھا، شروع کی جلدوں میں ان کے حوالے ہیں، اور مفردات کے ترجمہ میں ترجمہ شاہ عبد القادر صاحب (قرآن کے پہلے بامحاورہ ترجمہ کرنے والے) کو پیش نظر رکھا ہے، اس کو الہامی ترجمہ کہا گیا ہے، بس اتنا ہی جواب دیا کرتا ہوں، میاں مٹھو نہیں بنتا، اس سے زیادہ تبصرہ تفسیر کے قارئین کر سکتے ہیں۔ میرے پاس ایک خط جناب قاری محمد طارق انور صاحب استاذ جامعہ اسلامیہ فیروزیہ اکبر پور پٹنہ (بہار) کا آیا ہے، میں قاری صاحب سے بالکل واقف نہیں، ان کا جو خط آیا ہے وہ درج ذیل ہے:

''الحمد للہ! تفسیر ہدایت القرآن کی دوسری جلد بھی دستیاب ہوگئی، میری مشتاق نگاہیں دیر تک وارفتگی کے ساتھ ان سے سعادت اندوز ہوتی رہیں۔ بڑے اہتمام سے مطالعہ کیا اور خوب مستفید ہوا، ماشاء اللہ! یہ جلد بھی دوسری جلدوں کی طرح ظاہری و معنوی خوبیوں سے مالا مال ہے۔

جناب عالی! اللہ تعالیٰ نے آپ کو تحریر و تقریر کا منفرد اسلوب عطا کیا ہے، قرآنی معارف اور مشکل مسائل کو زمانۂ حال کی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے جس خوبی، خوشنمائی کے ساتھ زبان کی سلاست اور شگفتگی کی رعایت کے ساتھ عام فہم دلنشیں اور سادہ زبان میں اس طرح پیش کیا کرتے ہیں کہ دقیق سے دقیق مسئلہ بھی عام فہم ہو جاتا ہے، کسی مقام کو لاینحل اور تشنۂ تحقیق نہیں چھوڑتے، استواء علی العرش جیسے نازک مسئلہ کو بھی بڑی احتیاط سے مثال دے کر ذہن نشیں کرنے کی کامیاب سعی کی گئی ہے۔

یہ وہ کمال ہے جس میں آپ منفرد ہیں اور یکتائے روزگار! آپ نے ترجمہ وتفسیر سے پہلے آیات کے مفہوم ومطالب کو دورحاضر کی نفسیات اور اصطلاحات ومحاورات کی رعایت رکھتے ہوئے اپنے البیلے اور دلکش انداز میں نمبروار ایسا کھول کھول کر بیان کیا ہے کہ اس سے آیت کا پورا مفہوم نکھر کر سامنے آجاتا ہے، اور دل ودماغ پر ثبت ہوتا چلا جاتا ہے، جس سے طبیعت ایک دم مچل جاتی ہے اور عش عش کرنے لگتی ہے، پھر ترجمہ وتفسیر کا الہامی تفسیر بیان القرآن کے طرز پر ہونا جس کی افادیت ومعنویت سبھی کو مسلم ہے، سونے پر سہاگے کا کام کردیا ہے۔ ماشاء اللہ!

ترجمہ بھی سلیس، مطلب خیز، بامحاورہ اور شگفتہ ہے، اور تفسیر بین القوسین جامع ومانع ہے۔ اور رطب ویابس اور حشو وزوائد سے پاک دل کو موہ لینے والی اور دل ودماغ کو اپیل کرنے والی ہے، اور کوتاہ فہموں کے بے شمار شکوک وشبہات کا قلع قمع کرنے والی بھی ہے۔ پس اس ترجمہ وتفسیر کی حقیقت مروجہ تراجم وتفاسیر کے مقابلہ میں ستاروں میں درخشاں چاند جیسی ہے۔ ایک طرف جہاں آپ نے بلاغت قرآن کے دریا بہادیئے، دوسری طرف معارف فرقان کے انمول موتی اوراق پر بکھیر دیئے ہیں اور شروع سے اخیر تک آیتوں اور سورتوں کے باہمی ربط کے اہتمام نے تو اور چار چاند لگادیئے ہیں۔

ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ مفسرین کرام کے مختلف اقوال وآراء میں سے جو قول دلائل کی روشنی میں آیت سے ہم آہنگ اور مطابقت رکھتا ہے اسی کو آپ نے اپنے پاکیزہ ذوق کے مطابق پورے اعتماد کے ساتھ اختیار کیا ہے۔ جیسے صفحہ ۵۷۵ سطر ۵ میں مفسر قرطبیؒ نے اعراف کے بارے میں جو ۱۲/اقوال لکھے ہیں، آپ نے اس کے متعلق سچ فرمایا کہ اتنے اقوال سے کیا حاصل ہوگا؟ اور اگر کسی ترجمے وتفسیر میں کوئی بات خلاف تحقیق نظر آئی تو اِحقاقِ حق کا فریضہ انجام دیتے ہوئے مترجم ومفسر کا پورا ادب واحترام ملحوظ رکھ کر کسی سے متأثر ہوئے بغیر اس پر دوٹوک انداز میں بے لاگ تبصرہ کیا ہے۔ اور پھر جچے تلے انداز میں اپنا موقف بھی بیان کردیا ہے۔ ہم طالب علموں کے لئے اس میں بڑا سبق ہے۔

الغرض آپ نے عصر حاضر کے تقاضے کے مطابق شائقین اور تشنگان علم کے لئے مضامین قرآنی کا ایک بہترین نچوڑ چھان پھٹک کر پیش کرکے عظیم الشان کارنامہ انجام دیا ہے۔ جو بلاشبہ ہم لوگوں کے لئے تحفۂ بے نظیر ہے، اور جدید خیالات والوں کے حق میں اکسیر ہے۔

معنوی خوبیوں کے علاوہ ظاہری خوبیوں میں بھی یہ تفسیر بے نظیر ہے، کتابت پاکیزہ، دیدہ زیب طباعت، کاغذ بیش قیمت دلکش جلد مضبوط، خوبصورت اور قیمت کم بلکہ بہت کم! اس میں بھی دیگر مکتبہ والوں کے لئے درس عبرت ہے بلامبالغہ

یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اب تک جتنی بھی تفسیریں منظر عام پر آئی ہیں سب کی افادیت اپنی جگہ مسلم! اور سب سے لوگ مستفید بھی ہورہے ہیں، مگر یہ تفسیر ''ہدایت القرآن'' انہی ظاہری خوبیوں کی بناء پر آپ کے معاصرین کی تفسیروں میں منفرد وممتاز ہے۔ اور قرآن فہمی میں لاجواب اور خاص بات یہ ہے کہ نبی رحمت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی جانب سے اس تفسیر کے لکھتے رہنے اور پڑھانے کی بشارت نے اس کی قدر وقیمت اور عظمت کو اور دوبالا کردیا ہے (جیسا کہ وہ خواب جلد نمبر ایک کے مقدمہ میں مذکور ہے) **ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔**

اللہ تعالیٰ آپ کی عمر میں برکت عطا فرمائے، تاکہ آپ کا قلم چلتا رہے اور فرزندانِ اسلام دیر تک مستفید ہوتے رہیں۔ تاکہ یہ آخرت میں آپ کے لئے نجات کا اور ہم سب کے لئے ہدایت کا ذریعہ ہوجائے۔ آمین یا رب العالمین! **وما ذالک علی اللہ بعزیز** خدا آپ کی دیگر علمی خدمات کے ساتھ اس مبارک فرقانی خدمت کو بھی قبولیت سے نوازے۔ آمین''

اس کے بعد قاری صاحب نے اصلاحات اور تصویبات لکھی ہیں، اصطلاحات یعنی کتابت کی غلطیوں کی نشاندہی کی ہے اور تصویبات یعنی مضمون کی اصلاح یا اس میں اضافہ کیا ہے، میرے نزدیک کتابت کی جس غلطی کو قاری سمجھ لے وہ غلطی نہیں اور کمپیوٹر کی کتابت میں ایسی غلطیاں ہو ہی جاتی ہیں، اور قاری صاحب نے جو تصویبات تحریر فرمائی ہیں ان کا یہاں موقع نہیں اور کتابیمیں تصحیح کے لئے نگیٹو بدلنا پڑے گا، یہ بھی مشکل ہے، بہرحال میں قاری صاحب کا بہت ممنون ہوں کہ انھوں نے یہ اصلاحات بھیجیں۔

علاوہ ازیں: حضرت مولانا اشتیاق احمد صاحب قاسمی زید مجدہم (استاذ دارالعلوم دیوبند) نے ماہنامہ دارالعلوم اکتوبر ۲۰۱۷ء میں مکمل ہدایت القرآن پر دقیع تبصرہ شائع کیا ہے جو اس قابل ہے کہ اس کو یہاں جگہ دی جائے، مگر مشکل یہ ہے کہ اب اس صفحات میں گنجائش نہیں رہی، نیز وہ طبع شدہ بھی ہے، چار صفحات میں آیا ہے، اس لئے باوجود خواہش کے اس کو یہاں نہیں دیا جارہا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۂ بنی اسرائیل

نمبر شمار ۱۷ نوعیتِ نزول مکی نمبر نزول ۵۰

آیات: ۱۱۱ رکوع: ۱۲ کلمات: ۱۵۸۲ حروف: ۶۷۱۰

یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی ہے۔نزول کے اعتبار سے یہ پچاسویں سورت ہے۔مُصحف میں اس کا نمبر سترہواں ہے۔زمانۂ نزول مکی دور کا وسط ہے۔مکی سورتیں کل چھیاسی ہیں۔پس اس صورت کے بعد مکہ میں ۳۶ سورتیں اور نازل ہوئی ہیں۔زمانۂ نزول کے قرائن یہ ہیں:

پہلا قرینہ — حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: هُنَّ من العِتَاقِ الْأُوَل، وَهُنَّ من تِلادی: یہ سورت اور کہف و مریم: پرانی سورتیں ہیں، اور وہ میرا پرانا سرمایہ ہیں۔یا یہ سورتیں نہایت عمدہ (فصیح و بلیغ) ہیں، اور مجھے بہت قدیم زمانہ سے یاد ہیں (بخاری حدیث ۴۷۰۸)

دوسرا قرینہ — معراج کی تاریخ میں اختلاف ہے۔سہیلی نے الروض الاُنف میں لکھا ہے کہ اسراء کا واقعہ ۵ ہجری میں پیش آیا ہے۔اگر یہ قول صحیح ہے تو اس سے بھی اس سورت کی قدامت کا پتہ چلتا ہے۔

تیسرا قرینہ — سورت کے مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سورت پُر آشوب دور میں نازل ہوئی ہے۔جب مشرکین نے مکہ میں مسلمانوں کے لئے عرصۂ حیات تنگ کر رکھا تھا۔اور وہ مکہ چھوڑ کر ہجرتِ حبشہ پر مجبور ہوگئے تھے۔پہلی ہجرتِ حبشہ ۵ نبوی میں ہوئی (طبقات ابن سعد ۱:۲۰۴)

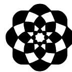
سورت کا نام — اس سورت کے مشہور نام دو ہیں: بنی اسرائیل اور اسراء۔چونکہ اس سورت کے پہلے رکوع میں بنی اسرائیل کا تذکرہ آیا ہے، اور سب سے پہلی آیت میں واقعۂ اسراء کا ذکر ہے، اس لئے اس سورت کے یہ دو نام ہیں۔اور اس کو سورہ سبحان بھی کہتے ہیں۔یہ سورت کا پہلا کلمہ ہے۔

سورت کا پس منظر — جس زمانہ میں یہ سورت نازل ہوئی ہے: وہ زمانہ آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کے لئے

سخت آزمائش کا زمانہ تھا۔ مشرکین کی ایذارسانیاں اپنی انتہاء کو پہنچی ہوئی تھیں۔ صورتِ حال یہ ہوکر رہ گئی تھی کہ مسلمان نہ تو علانیہ وطن سے نکل سکتے تھے، نہ اپنے گھروں میں اطمینان کا سانس لے سکتے تھے۔ چھپ چھپ کر حبشہ کی طرف ہجرت کر رہے تھے، مگر سب کے لئے ہجرت بھی آسان نہیں تھی۔ جو مکہ میں رہ گئے تھے ظلم وستم کی چکی میں پس رہے تھے۔ اور مشرکین دندناتے پھر رہے تھے۔ ان کو ناز تھا کہ ہم کعبہ کے پاسبان ہیں۔ اللہ کے گھر کے ہم ذمہ دار ہیں، یہ ہمارے برحق ہونے کی دلیل ہے۔ چنانچہ ان کو سورت کے شروع میں بنی اسرائیل کے احوال سنائے گئے ہیں کہ وہ بھی بیت المقدس کے پاسبان تھے۔ مگر جب ان کی شرارتوں کا پارہ چڑھ گیا تو ان کا حشر کیا ہوا؟! اور اس سورت میں ایمان لانے والوں کو بار بار تسلی دی گئی ہے کہ ہمت رکھو، صبر کرو، گھبراؤ نہیں، دن پھرنے والے ہیں، حق کا بول بالا ہونے والا ہے، اور باطل سرنگوں ہونے والا ہے۔ باطل کو تو سرنگوں ہونا ہی ہے! (آیت ۸۱)

سورت کے عمودی مضامین ـــ تمام مکی سورتوں کی طرح اس سورت کے بھی بنیادی مضامین تین ہیں: توحید، رسالت اور معاد۔ بار بار وحدانیت ثابت کی گئی ہے اور شرک کی برائی بیان کی گئی ہے۔ توحید کو تعلیماتِ انبیاء میں بنیادی اہمیت حاصل ہے (الانبیاء آیت ۲۵) اور رسالت: بندوں اور اللہ کے درمیان وساطت کا نام ہے۔ رسول ہی لوگوں کو اللہ کا پیغام پہنچاتے ہیں۔ اور آخرت کی زندگی ہی اصل زندگی ہے۔ دنیا کی زندگی اس کی تمہید ہے۔ یہاں کمانا ہے، وہاں کھانا ہے۔ یہاں بونا ہے، وہاں کاٹنا ہے۔ یہ زندگی چندروزہ ہے، وہ دائمی۔ اس زندگی میں جو بھلا برا عمل کیا ہے، اُس زندگی میں اس کا بدلہ ملنے والا ہے۔ انہی عقائد ثلاثہ پر کامیابی کا مدار ہے۔ اس لئے یہ مضامین بار بار بیان کئے گئے ہیں تاکہ انسان ہوش میں آئے، اور کامیابی سے ہمکنار ہو۔

سورت کے تفصیلی مضامین ـــ اس سورت میں اس قدر گوناگوں مضامین ہیں: جن کا احاطہ دشوار ہے۔ فہرستِ مضامین سے اس کا کچھ اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ البتہ تین مضامین خصوصی اہمیت کے حامل ہیں: ایک: اسراء ومعراج کا واقعہ جو سورت کی پہلی آیت میں مذکور ہے۔ دوم: وہ بارہ احکام جو آیات ۲۲-۳۹ میں دیئے گئے ہیں۔ سوم: وہ پانچ اہم باتیں جو آیات ۷۸-۸۲ میں بیان کی گئی ہیں۔ یہ باتیں امید اور صبر وہمت پیدا کرنی والی ہیں۔ اور ایسے نازک دور میں نازل کی گئی ہیں جب مکہ کی سرزمین اہلِ حق کے لئے تنگ ہوگئی تھی۔ مخالفتیں اور سازشیں دن بدن بڑھتی جارہی تھیں۔ ایسے جانگداز حالات میں یہ احکام دیئے گئے ہیں، تاکہ مسلمان صبر وہمت سے کام لیں، اور اللہ کی فتح کا انتظار کریں۔



آیاتہا ۱۱۱ (۱۷) سُوْرَةُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مَكِّيَّةٌ (۵۰) رکوعاتہا ۱۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ①

بِسْمِ	نام سے	بِعَبْدِهٖ	اپنے بندے کو	بٰرَكْنَا	برکتیں کر رکھی ہیں ہم نے
اللّٰهِ	اللہ کے	لَيْلًا (۳)	رات میں	حَوْلَهٗ	اس کے گرداگرد
الرَّحْمٰنِ	(جو) بے حد مہربان	مِّنَ الْمَسْجِدِ	مسجد حرام سے	لِنُرِيَهٗ	تاکہ دکھلائیں ہم اس کو
الرَّحِيْمِ	نہایت رحم والے (ہیں)	الْحَرَامِ (۴)		مِنْ اٰيٰتِنَا	اپنی کچھ نشانیاں
سُبْحٰنَ (۱)	پاک ہے	اِلَى الْمَسْجِدِ	مسجد اقصی تک	اِنَّهٗ هُوَ	بے شک وہی
الَّذِيْٓ	وہ ذات جو	الْاَقْصَا (۵)		السَّمِيْعُ	بہت سننے والا
اَسْرٰى (۲)	لے گئی	الَّذِيْ	وہ (مسجد اقصیٰ) جو کہ	الْبَصِيْرُ	بہت دیکھنے والا (ہے)

(۱) سُبْحَانَ (مصدر) بمعنی تسبیح (پاکی بیان کرنا) اس کے لئے نصب اور مفرد کی طرف اضافت لازم ہے۔ مفرد خواہ اسم ظاہر ہو جیسے: سبحان اللہ یا ضمیر ہو جیسے سبحانہ ـــ ترکیب میں سبحان مفعول مطلق ہے اور اس کا فعل وجوباً محذوف رہتا ہے تقدیر عبارت: اُسَبِّحُ اللّٰہَ سُبْحَانَہٗ ہے۔ سُبْحَانَ کا استعمال غایتِ تنزیہ کے لئے بھی ہوتا ہے اور امور عظام سامنے آنے کی صورت میں بھی ـــ اَسْرٰی جملہ فعلیہ صلہ ہے لَیْلًا اس کا مفعول فیہ ہے۔ الذی بارکنا اِلخ مسجد اقصی کی صفت مادحہ ہے اور لِنُرِیَہٗ، اَسْرٰی سے متعلق ہے (۲) اَسْرٰی از باب افعال بمعنی مجرد ہے ہمزہ تعدیہ کے لئے نہیں ہے سَرٰی (ض) سُریً وَسَرْیَۃً ومَسْریً وَاَسْرٰی کے معنی ہیں رات میں چلنا اور سَرٰی بہ اور اَسْرٰی بہ کے معنی ہیں رات میں لے چلنا، سفر کرانا (۳) لَیْلًا تاکید کے لئے ہے جیسے: لَاتَتَّخِذُوْا اِلٰھَیْنِ اثْنَیْنِ (دو معبود نہ بناؤ) اس میں اِثْنَیْنِ تاکید کے لئے ہے اور لَیْلًا کی تنکیر کا مقصد یہ بتانا ہے کہ یہ لے جانا صرف ایک رات میں ہوا تھا۔ متعدد راتیں اس میں صرف نہیں ہوئی تھیں۔ کیونکہ تنکیر سے جو تبعیض حاصل ہوتی ہے وہ افراد کی تبعیض ہوتی ہے برخلاف من جارہ کے، اس سے اجزاء کی تبعیض حاصل ہوتی ہے (روح) (۴) اَلْحَرَامُ (مصدر) حلال کی ضد ہے اور جمع حُرُمٌ ہے کعبہ شریف اور اس کے اردگرد کو مسجد حرام کہتے ہیں کیونکہ وہ جگہ محترم ہے۔ وہاں گناہوں کی اور نامناسب کاموں کی سخت ممانعت ہے (۵) اقصیٰ (اسم تفضیل) بہت دور جمع اَقَاصٍ مؤنث قُصْوٰی بیت المقدس کو مسجد اقصی اس لئے کہتے ہیں کہ وہ خانۂ کعبہ سے بہت فاصلہ پر ہے اور اس سے پرے اور کوئی مسجد نہیں تھی (تفسیر حقانی) اور المقدس مشدد و مخفف دونوں طرح ←

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں، جو بے حد مہربان بڑے رحم والے ہیں

اس سورت کا آغاز اسراء کے واقعہ سے کیا گیا ہے۔ جس کے بعد معراج یعنی آسمانوں پر چڑھنا ہوا ہے۔ پھر بنی اسرائیل کی بدکرداری کا تذکرہ ہے۔ اس میں دو باتوں کی طرف اشارہ ہے:

ایک: اس طرف اشارہ ہے کہ اس دین کو عروج حاصل ہونے والا ہے، مخالفوں کی سازشوں کے ختم ہونے کا وقت قریب آ گیا ہے۔ مسلمان صبر وہمت سے کام لیں۔ یہی بات گذشتہ سورت کے آخر میں تلقین کی گئی تھی۔ فرمایا تھا: ''آپؐ صبر کریں، اللہ ہی صبر کی توفیق دینے والے ہیں۔ اور مخالفین کی ریشہ دوانیوں کا غم نہ کریں، نہ تنگ دل ہوں، اللہ تعالیٰ کی نصرت و مدد ان لوگوں کے شامل حال رہتی ہے جو نیکوکار ہیں''

دوم: اس طرف اشارہ ہے کہ اب انبیاء علیہم السلام کے دونوں قبلے خاتم النّبیین ﷺ کے ماتحت کئے جا رہے ہیں۔ اور بنی اسرائیل کو دینی قیادت سے ہٹایا جا رہا ہے، اور ان کی جگہ امتِ محمدیہ کو کھڑا کیا جا رہا ہے۔

ارشاد پاک ہے: —— اس اللہ کے لئے پاکی ہے جو اپنے خاص بندے (محمد ﷺ) کو ایک ہی رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصی تک لے گئے، جس کے ارد گرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں، تاکہ ہم اس بندے کو اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں۔ بیشک وہ بندہ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے —— یعنی کامل فہم وبصیرت والا ہے۔

تفسیر: ہجرت سے کچھ پہلے اسراء ومعراج کا واقعہ پیش آیا۔ مسجد حرام سے مسجد اقصی تک کا سفر اسراء کہلاتا ہے۔ اور مسجد اقصی سے آسمانوں کے اوپر تک کی سیر معراج کہلاتی ہے۔ اسراء کے معنی ہیں: رات میں چلنا، اور اَسریٰ بہ کے معنی ہیں: رات میں لے چلنا۔ چونکہ یہ سفر رات میں کرایا گیا تھا، اس لئے وہ اسراء کہلاتا ہے۔ اور معراج کے معنی ہیں: سیڑھی۔ چونکہ آسمانوں پر چڑھنے کے لئے سیڑھی لگائی گئی تھی، اس لئے اس سفر کو معراج کہتے ہیں۔ مگر عرف عام میں دونوں کے مجموعہ کو معراج کہتے ہیں۔

اسراء ومعراج میں بہت سی حکمتیں تھیں۔ دو کی طرف قرآن کریم نے اشارہ کیا ہے:

ضمنی حکمت: یہ تھی کہ یہ واقعہ لوگوں کے لئے ابتلا اور آزمائش بنے۔ ارشاد پاک ہے: ﴿وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْ يَا الَّتِىْ

→ صحیح ہے۔ اَلْمَقْدِسْ: مکان مقدس، پاک جگہ اور اَلْمُقَدَّسْ (اسم مفعول) پاک کیا ہوا اور جب اس پر لفظ بیت داخل ہو تو پہلی صورت میں مضاف ہوگا اور بَیْتُ الْمَقْدِسْ کہا جائے گا اور دوسری صورت میں موصوف ہوگا اور البیت الْمُقَدَّسْ کہا جائے گا مگر اردو میں اس کا خیال نہیں رکھا جاتا بیت الْمقدّس بھی کہہ دیتے ہیں البتہ الْمُقَدِّسْ (دال کے زیر کے ساتھ یعنی اسم فاعل) غلط ہے اور اَلْاَرْضُ الْمُقَدَّسَة: فلسطین (یروشلم) کے کہتے ہیں۔

أَرَيْنٰكَ إِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ﴾ ترجمہ: اور ہم نے آپؐ کو (شب معراج میں) جو مشاہدہ کرایا تھا: اس کو ہم نے لوگوں کے لئے آزمائش ہی بنایا تھا (بنی اسرائیل آیت ۶۰) یہ واقعہ اس زمانہ میں پیش آیا تھا جبکہ دعوت وتبلیغ کے کام میں کامیابی کے آثار نمودار ہو چکے تھے۔ اس واقعہ سے کچے پیچھے چلے گئے، اور پکے مضبوط ہو گئے۔ اسی واقعہ کی تصدیق کی وجہ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو صدیق کا خطاب ملا ہے۔

اور اصل حکمت: کی طرف: ﴿لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا﴾ کہہ کر اشارہ کیا ہے یعنی ہم (اللہ تعالیٰ) آپ ﷺ کو اپنی کچھ نشانیاں دکھلانا چاہتے ہیں۔ یہ نشانیاں بہت ہیں۔ اسراء سے یعنی بیت المقدس لے جانے سے مقصود تو آپؐ کا امام الانبیاء ہونا واضح کرنا تھا۔ چنانچہ ایک ہی آیت میں اسراء کا تذکرہ کر کے کلام کا رخ بنی اسرائیل کی سیاہ کاریوں کی طرف پھیر دیا ہے۔ اور آخر میں انہیں آگاہ کیا ہے کہ یہ قرآن وہ راہ دکھلاتا ہے جو بالکل سیدھی اور صحیح ہے۔ اس انداز کلام میں اشارہ ہے کہ اب بنی اسرائیل کو نوعِ انسانی کی قیادت سے معزول کیا جارہا ہے۔ اور اب یہ منصب آپ ﷺ کو اور آپؐ کی امت کو سونپا جارہا ہے۔ چنانچہ اس سفر کے آخر میں آپؐ نے جو تمام انبیاء ورسل کی امامت فرمائی ہے، اس سے اسی حقیقت کا اظہار مقصود تھا۔

پھر آپ ﷺ کو عالم بالا کی سیر کرائی گئی، آسمانوں کے احوال سے واقف کیا گیا، جنت وجہنم کا مشاہدہ کرایا گیا، اور ان گنت عجائباتِ قدرت دکھلائے گئے، تا کہ آپؐ اپنی امت کو دوسری دنیا کا آنکھوں دیکھا حال بتلائیں، اور آپؐ کا بیان صرف شنیدہ نہ ہو، بلکہ دیدہ ہو۔ اور اس مقصد کے لئے آپؐ کا انتخاب اس لئے کیا گیا کہ آپؐ ہی خوب سننے والے، خوب دیکھنے والے یعنی کامل فہم وبصیرت رکھنے والے ہیں [1]

اس کی تفصیل یہ ہے کہ آخرت کے احوال اور جنت وجہنم کے کوائف تمام انبیاء علیہم السلام نے اپنی امتوں کے سامنے بیان کئے ہیں، مگر وہ سب شنیدہ تھے یعنی وحی کے ذریعہ جن احوال کی ان کو اطلاع دی گئی تھی، وہی احوال انھوں نے اپنی امتوں سے بیان کئے تھے۔ اور ہمارے نبی ﷺ کو دوسری دنیا کے احوال صرف وحی سے نہیں بتلائے گئے، بلکہ معراج میں موقع پر لے جا کر تفصیلی مشاہدہ کرایا۔ چنانچہ آپؐ نے جنت وجہنم وغیرہ کے احوال اتنی تفصیل سے امت کو

۱؎ اس جگہ سمیع وبصیر اللہ تعالیٰ کی صفتیں نہیں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی ہیں۔ انسانوں کے لئے یہ دونوں صفتیں سورۃ الدہر آیت ۲ میں ثابت کی گئی ہیں۔ اور آیت کے آخری حصہ میں تعلیل ہے کہ عجائباتِ قدرت اور دوسری دنیا کے احوال دکھانے کے لئے تمام انبیاء علیہم السلام میں سے آپ ﷺ کا انتخاب اس لئے کیا گیا ہے کہ آپؐ ہی کامل فہم وبصیرت والے ہیں۔ اور ایسے ہی بندے کو نشانیاں دکھانا مفید ہے ۱۲

سنائے ہیں کہ گذشتہ کسی نبی نے اتنی تفصیل بیان نہیں کی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جب کوئی شخص حج کر کے لوٹتا ہے تو ہفتوں مہینوں حرمین کے احوال لوگوں کو سناتا ہے، اور چھوٹی چھوٹی باتیں بھی بیان کرتا ہے، اور مزے لے لے کر بیان کرتا ہے، تھکتا نہیں۔ آپ معراج کی احادیث پڑھیں۔ اتنی تفصیل سے نبی ﷺ نے عجائبات قدرت بیان کئے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے، اور صاف محسوس ہوتا ہے کہ یہ سب باتیں آپؐ کی چشم دید ہیں۔

تسبیح سے آغاز ـــــ واقعۂ اسراء کا آغاز اللہ تعالیٰ کی پاکی سے کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہر عیب، ہر کمی، ہر عاجزی اور ہر کمزوری سے پاکی بیان کی گئی ہے۔ اس میں اللہ کی قدرتِ کاملہ کی طرف اشارہ ہے۔ جو ہستی ہر طرح کی کمزوری، عجز ودرماندگی سے مبرّا ہو، وہ بااقتدار ہوتی ہے۔ اور اللہ کی قدرتِ کاملہ سے واقعہ کی ابتداء اس لئے کی گئی ہے کہ معراج کے سلسلہ میں ممکن اور ناممکن کا سوال نہ پیدا ہو۔ یہ سوال اس صورت میں پیدا ہوتا ہے جب معاملہ بندے کے کام کرنے کا ہو، کیونکہ بندوں کی طاقت وقدرت محدود ہے۔ لیکن جب معاملہ قدرتِ خداوندی کا ہو، تو امکان اور عدم امکان کی بحث وہی چھیڑ سکتا ہے جو اللہ کے قادر مطلق ہونے کا یقین نہ رکھتا ہو۔ پھر یہ کوئی انوکھا واقعہ نہیں، اس سے پہلے دو واقعے جسد عنصری کے ساتھ آسمانوں پر اٹھائے جانے کے پیش آچکے ہیں۔ ایک حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ ہے۔ آپ کی تخلیق اسی زمین پر ہوئی تھی۔ پھر آپ کو اور دادی حواء رضی اللہ عنہا کو آسمانوں میں لے جا کر جنت میں بسایا گیا۔ پھر وہاں سے زمین پر اتارا گیا۔ دوسرا واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پیش آچکا ہے۔ آپ کو بھی جسد عنصری کے ساتھ آسمانوں میں اٹھایا گیا ہے۔ اور قیامت سے پہلے اسی جسم کے ساتھ اتارا جائے گا۔ یہ واقعات اللہ تعالیٰ نے رونما کئے ہیں، جو قادر مطلق ہیں، اور ہر ضعف وکمزوری سے پاک ہیں۔ معراج کا محیر العقول واقعہ بھی ان کی قدرت کاملہ کا ادنی کرشمہ ہے۔ اسی طرح اُس زمانہ میں مسجد حرام سے مسجد اقصی تک کا سفر مہینہ سوا مہینہ میں طے ہوتا تھا، مگر قادر مطلق نے ایک ہی رات میں طے کرا دیا۔ سفر رات کے ابتدائی حصہ میں شروع ہوا، اور صبح سویرے غَلَس میں آپؐ مکہ لوٹ آئے۔ غَلَس: صبح صادق کے بعد کی تاریکی جو صبح کی روشنی کے ساتھ ملی ہوتی ہے)

بندگی طرۂ امتیاز ـــــ عبده میں اضافت تشریف کے لئے ہے۔ مراد اللہ کے خاص بندے حضرت محبوبِ خدا، محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ اور نام نامی یا صفتِ حبیب اللہ کے بجائے وصفِ عبدیت دو وجہ سے اختیار کیا گیا ہے: ایک: بندوں کے لئے اشرف وصف عبدیت (بندہ ہونا) ہے۔ دوم: کچے عقیدہ والے اور جاہل مسلمان آپؐ کی شان میں غلو نہ کریں۔ جیسے عیسائیوں میں عیسیٰ علیہ السلام کے رفع (آسمان پر اٹھائے جانے) سے الوہیتِ مسیح اور ابنیتِ مسیح کا عقیدہ پیدا ہوا، معراج کا واقعہ بھی چونکہ رفع شان کا غیر معمولی واقعہ تھا، اس لئے اندیشہ تھا کہ کہیں یہ بات امت کی

گمراہی کا سبب نہ بن جائے۔اس لئے وصفِ عبدیت کے ذریعہ اشارہ کیا کہ آپ ﷺ بایں عظمت ورفعت رہے اللہ کے بندے ہی! کچھ خدائی شان ان میں پیدا نہیں ہوگئی۔بندگی ہی آپؐ کے لئے طرۂ امتیاز ہے۔

مسجد حرام سے مراد: وہ مسجد ہے جس کے بیچ میں کعبہ شریف قائم ہے۔نزولِ قرآن کے وقت وہاں کوئی باقاعدہ مسجد نہیں تھی (جامع الاصول حدیث ۶۸۹۴) کعبہ شریف کھڑا تھا،اوراس کے گرد مطاف کی جگہ کھلی پڑی تھی، پھر مکانات شروع ہوجاتے تھے۔اس زمانہ میں لوگ کعبہ کے اندر جاکر بھی نماز پڑھتے تھے، پھر قریش نے دروازہ اونچا کر کے روک لگادی۔آیت پاک میں مسجد حرام سے کعبہ شریف مراد ہے۔﴿فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ میں بھی یہی مراد ہے۔یعنی آپ اپنا چہرہ (نماز میں) کعبہ کی طرف کیا کریں (البقرۃ آیت ۱۴۴)

مسجد اقصی کا دوسرا نام بیت المقدس ہے۔اللہ کا یہ گھر بھی عرصہ تک انبیاء بنی اسرائیل کا قبلہ رہا ہے،اور ہجرت کے بعد امت مسلمہ نے بھی سولہ سترہ مہینے تک اس گھر کی طرف نماز پڑھی ہے۔

بیت المقدس کے اردگرد برکتیں ـــــ ظاہری برکتیں یہ ہیں کہ وہاں کی آب وہوا عمدہ، زمین زرخیز، باغات اور نہریں عجیب شان رکھتی ہیں۔اور روحانی برکتیں: یہ ہیں کہ یہ گھر بھی انبیاء اور ملائکہ کی توجہات کا مرکز رہا ہے۔اور عنایاتِ ربانی کی جلوہ گاہ ہے۔اس لئے وہ ملکوت کی طرف ایک دروازہ ہے۔

معراج کی روایات ـــــ متعدد مفسرین کرام نے فرمایا ہے کہ اسراء ومعراج کی روایتیں متواتر ہیں۔علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ۲۵ صحابۂ کرام کے نام لکھے ہیں، جن سے معراج کی حدیثیں مروی ہیں۔اور آخر میں لکھا ہے: ''معراج کی حدیثوں پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے،اور ملحدوں اور زندیقوں نے ان سے اعراض کیا ہے'' سیوطی رحمہ اللہ نے درمنثور میں،اور ابن کثیر نے تفسیر میں ان سب روایات کو ذکر کیا ہے۔ہم ذیل میں ایک حدیث ذکر کرتے ہیں جو متفق علیہ ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''میرے پاس براق لایا گیا''۔ بُراق: بَرْق سے ہے جس کے معنی ہیں بجلی۔اوراس سواری کو بُراق اس کی برق رفتاری کی وجہ سے کہا گیا ہے۔یہ سواری جنت سے لائی گئی تھی ـــــ ''وہ سفید لانبے قد کا ایک چوپایہ تھا۔گدھے سے کچھ بڑا اور خچر سے کچھ چھوٹا'' ـــــ اور یہ جومشہور ہے کہ اس کا چہرہ عورت جیسا اور جسم گھوڑے جیسا تھا وہ محض بے اصل بات ہے ـــــ اس سواری کی تیز رفتاری کا حال یہ تھا کہ وہ اپنا پیر منتہائے نظر پر رکھتی تھی آپؐ اس پر سوار ہوکر بیت المقدس پہنچے اور اس کُنڈے سے اس کو باندھ دیا جس سے انبیا اپنی سواریاں باندھا کرتے تھے۔پھر آپ مسجد میں تشریف لے گئے ـــــ

اُس وقت مسجد اقصیٰ منہدم کردی گئی تھی مگر پوری ختم نہیں ہوئی تھی محراب باقی تھی، صخرہ اپنی جگہ پر تھا، اور باقی مسجد کو کوڑی بنادیا گیا تھا۔ تاریخ طبری وقائع سن ۱۵ ہجری میں اس کی صراحت ہے —— پھر آپؐ نے فرمایا: میں نے وہاں (محراب میں تحیۃ المسجد کی) دو رکعتیں پڑھیں پھر باہر نکلا تو جبرئیل علیہ السلام نے میرے سامنے شراب کا جام اور دودھ کا پیالہ پیش کیا۔ میں نے دودھ کا پیالہ پسند کیا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا: ''آپ نے فطرت کو اختیار کیا'' پھر حضرت جبرئیل ہم کو لے کر آسمان کی طرف چڑھے اور دروازہ کھلوایا اندر سے پوچھا گیا: کون ہے؟ جبرئیل نے جواب دیا: میں جبرئیل ہوں پوچھا گیا: آپ کے ساتھ کون ہے؟ جواب دیا حضرت محمد ﷺ ہیں۔ دریافت کیا گیا: کیا ان کو بلایا گیا ہے؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جواب دیا: ہاں، ان کو بلایا گیا ہے۔ اس کے بعد ہمارے لئے دروازہ کھول دیا گیا تو اچانک میں آدم علیہ السلام کے پاس تھا۔ انہوں نے مجھے خوش آمدید کہا اور دعائیں دیں''
—— اسی طرح آپ دوسرے پھر تیسرے یہاں تک کہ ساتویں آسمان پر پہنچے اور ہر آسمان میں اسی طرح سوال وجواب کے بعد دروازہ کھولا گیا۔ آپؐ نے دوسرے آسمان میں دو خالہ زاد بھائیوں یعنی حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام سے ملاقات کی — حضرت یحییٰ کی والدہ اور حضرت عیسیٰؑ کی نانی حقیقی بہنیں تھیں، اس لئے حضرت یحییٰ اور حضرت مریم رضی اللہ عنہا خالہ زاد بھائی بہن ہیں اور حضرت مریمؑ کے صاحب زادے حضرت عیسیٰ بھی حضرت یحییٰؑ کے خالہ زاد بھائی ہیں، یہی شرعی اصول ہے ہمارے عرف کے اعتبار سے حضرت یحییٰ وعیسیٰ علیہما السلام ماموں بھانجے ہوتے ہیں یہ ہندوانہ ریت ہے۔ غیر مسلم اسی طرح رشتہ داریاں قائم کرتے ہیں۔ اصول شرع کی رو سے باپ کی بہن پھوپی ہے تو دادا کی بہن بھی پھوپی ہے اسی طرح پردادا کی بہن بھی۔ بلکہ آدم علیہ السلام تک ہر دادا کی بہن پھوپی ہے اور اس کی اولاد پھوپی زاد ہے۔ اور ہر پھوپی سے نکاح حرام ہے اور پھوپی زاد سے جائز ہے۔ اسی طرح چچا، ماموں، خالہ وغیرہ رشتوں کو سمجھنا چاہئے — اور تیسرے آسمان میں آپ کی ملاقات یوسف علیہ السلام سے ہوئی آپ نے فرمایا: میں نے اچانک دیکھا کہ وہ آدھی خوبصورتی دیئے گئے ہیں —— چوتھے آسمان میں حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ ادریس علیہ السلام کے بارے میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا﴾ یعنی ہم نے ان کو بلند مرتبہ تک پہنچایا— اور یہ جو مشہور ہے کہ ادریس علیہ السلام کی ایک فرشتہ سے دوستی تھی۔ وہ اپنے پروں میں چھپا کر آپؑ کو عالم بالا میں لے گیا، پھر وہ وہیں رہ پڑے۔ یہ اسرائیلی روایت ہے آیت میں اس کی طرف کوئی اشارہ نہیں —— اور پانچویں آسمان میں حضرت ہارون علیہ السلام سے اور چھٹے آسمان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اور ساتویں آسمان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ تمام انبیا نے آپؐ کو خوش آمدید کہا

اور دعائیں دیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت معمور سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے اللہ کے اس گھر میں روزانہ ستر ہزار فرشتے عبادت کے لئے داخل ہوتے ہیں پھر دوبارہ ان کا نمبر نہیں آتا ـــ پھر حضرت جبرئیلؑ مجھے سدرۃ المنتہی (باڈر کی بیری) تک لے گئے۔ وہاں اچانک میں نے دیکھا کہ اس بیری کے پتے ہاتھی کے کان کے برابر ہیں اور اس کے پھل مٹکوں جیسے ہیں۔ پھر جب اس بیری کے درخت پر بحکم خداوندی وہ انوار چھا گئے جو چھا گئے تو اس کا حسن اس قدر دوبالا ہو گیا کہ اللہ کی مخلوق میں سے کوئی اس کی خوبصورتی بیان کر ہی نہیں سکتا۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''پھر اللہ تعالیٰ نے اس موقعہ پر جو وحی فرمانی منظور تھی میری طرف وحی فرمائی۔ پھر مجھ پر شب وروز میں پچاس نمازیں فرض کیں۔ پھر جب میں موسیٰ علیہ السلام کی طرف اترا تو انھوں نے پوچھا کہ پروردگار نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا؟ میں نے کہا: پچاس نمازیں! انھوں نے کہا کہ آپ بارگاہ خداوندی میں واپس جائیں اور تخفیف کی درخواست کریں۔ آپ کی امت پچاس نمازیں نہیں پڑھ سکے گی۔ میں بنی اسرائیل کو آزما چکا ہوں اور ان کا خوب تجربہ کر چکا ہوں۔ چنانچہ میں بارگاہِ خداوندی میں واپس گیا اور تخفیف کی درخواست کی۔ اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں کم کر دیں جب واپس لوٹا موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ آپ کی امت پینتالیس نمازیں بھی نہیں پڑھ سکے گی۔ پھر جایئے اور تخفیف کی درخواست کیجئے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں برابر بارگاہ خداوندی میں اور موسیٰ علیہ السلام کے پاس آتا جاتا رہا یہاں تک کہ آخر میں جب پانچ نمازیں رہ گئیں تو اللہ پاک نے ارشاد فرمایا: ''اے محمد! یہ شب وروز میں پانچ نمازیں ہیں اور ہر نماز کا دس گنا بدلہ ہے لہٰذا مجموعہ پچاس ہو گیا، اور جو شخص کسی نیکی کا ارادہ کرے پھر اس کو نہ کر سکے تو اس کے لئے ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے اور اگر کر لے تو دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور جو شخص کسی برائی کا ارادہ کرے پھر اس کو نہ کرے تو اس لئے کوئی گناہ نہیں لکھا جاتا اور اگر کر لے تو صرف ایک گناہ لکھا جاتا ہے''

آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''پھر میں اتر آیا یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچا اور ان کو پوری صورت حال بتلائی۔ انھوں نے اب بھی یہی مشورہ دیا کہ میں بارگاہِ خداوندی میں واپس جاؤں اور مزید تخفیف کی درخواست کروں۔ میں نے جواب دیا کہ: ''میں اتنی بار آیا گیا کہ اب شرم محسوس ہوتی ہے'' (مسلم شریف مصری ۲:۲۰۹ کتاب الایمان)

روایاتِ معراج کا خلاصہ: اب آپ معراج کے سلسلہ کی تمام روایات کا وہ خلاصہ پڑھیں جو علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے نکالا ہے وہ تفسیر میں تمام روایات درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''حق بات یہ ہے کہ آپ کو یہ سفر بیداری میں پیش آیا تھا، خواب میں نہیں۔ مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تک یہ سفر

بُراق پر ہوا تھا۔ جب آپؐ بیت المقدس کے دروازے پر پہنچے تو براق کو دروازے کے قریب باندھ دیا اور آپؐ اندر تشریف لے گئے اور اس کی محراب میں تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں ادا فرمائیں، پھر ایک زینہ لایا گیا۔ جس میں درجے بنے ہوئے تھے۔ اس کے ذریعہ آپؐ پہلے آسمان پر تشریف لے گئے۔ اس کے بعد باقی آسمانوں پر چڑھے۔ ہر آسمان پر وہاں کے فرشتوں نے آپؐ کا استقبال کیا اور آپؐ ان انبیاء کی خدمت میں تشریف لے گئے جو حسب درجات و مراتب آسمانوں میں قیام پذیر تھے۔ یہاں تک کہ چھٹے آسمان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اور ساتویں آسمان میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے ملاقات ہوئی۔ پھر آپؐ ان تمام انبیائے کرام کے مقامات سے بھی آگے تشریف لے گئے اور ایسے مقام میں پہنچے جہاں کلکِ کروبیاں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اور آپؐ نے سدرۃ المنتہی کو دیکھا جس پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے سونے کے پتنگے اور مختلف رنگوں کے پروانے گر رہے تھے، اور جس کو اللہ کے فرشتوں نے گھیر رکھا تھا۔ وہاں آپؐ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصلی شکل میں دیکھا۔ ان کے چھ سو بازو تھے اور وہیں پر آپ نے ایک سبز رنگ کا رَفرَف دیکھا جس نے افق کو گھیر رکھا تھا —— رفرف کے معنی ہیں سبز مسند یعنی ہرے رنگ کی پالکی —— اور آپ نے بیت معمور کو دیکھا جس کے پاس زمینی کعبہ کے بانی حضرت ابراہیم علیہ السلام دیوار سے کمر لگائے بیٹھے تھے، کیونکہ وہ آسمانی کعبہ ہے۔ اس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے عبادت کے لئے داخل ہوتے ہیں جن کی دوبارہ قیامت تک باری نہیں آتی۔ اور آپؐ نے جنت و دوزخ کا معائنہ کیا اور وہیں آپؐ کی امت پر اولاً پچاس نمازیں فرض کی گئیں۔ پھر تخفیف کر کے پانچ کر دی گئیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور بندوں پر ان کی نرمی تھی۔ اس سے تمام عبادات میں نماز کی خاص اہمیت اور فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

پھر آپ بیت المقدس کی طرف واپس تشریف لائے اور انبیائے کرام بھی آپ کے ساتھ اترے اور جب نماز کا وقت ہوا تو آپؐ نے امام بن کر سب کو نماز پڑھائی، اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ نماز اس دن کی صبح کی نماز ہو اور بعض کا خیال یہ ہے کہ یہ امامت آسمانوں میں فرمائی ہے۔ حالانکہ بہت سی روایات میں صراحت ہے کہ بیت المقدس میں امامت فرمائی ہے۔ ہاں بعض روایات میں یہ ہے کہ امامت انبیاء کا واقعہ آسمانوں پر چڑھنے سے پہلے پیش آیا تھا۔ مگر ظاہر یہ ہے کہ یہ امامت واپسی پر فرمائی ہے کیونکہ آسمانوں پر انبیائے کرام سے ملاقات کے وقت سب انبیاء سے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپؐ کا تعارف کرایا ہے اگر واقعۂ امامت پہلے پیش آچکا ہوتا تو تعارف کی کیا ضرورت تھی؟ —— اور واقعات کی فطری ترتیب بھی یہی مناسب معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس سفر کا اصل مقصد بارگاہ خداوندی میں حاضری تھی۔ تاکہ آپؐ پر اور آپؐ کی امت پر جو احکام فرض کئے جانے ہیں وہ فرض کئے جائیں۔ پھر جب آپ

اصل کام سے فارغ ہوگئے تو انبیائے کرام مُشایعت کے لئے بیت المقدس تک آئے اور آپؐ کو جبرئیل امین کے اشارے سے سب کا امام بنا کر آپ کی سیادت وفضیلت کا عملی ثبوت دیا گیا —— پھر آپؐ بیت المقدس سے رخصت ہوئے اور براق پر سوار ہوکر غلس میں مکہ معظمہ پہنچ گئے، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (۲۲:۳)

اب ذیل میں چند فوائد ذکر کئے جاتے ہیں:

پہلا فائدہ: بعض حضرات کا خیال ہے کہ اسرا اور معراج کے دونوں واقعے ایک ساتھ پیش نہیں آئے ہیں اور ان کی دلیل یہ ہے کہ اس آیت میں صرف اسراء کا بیان ہے اگر دونوں واقعے ایک ساتھ پیش آئے ہوتے تو قرآن ایک کے ذکر پر اکتفا نہ کرتا — مگر یہ خیال احادیث شریفہ کی روشنی میں غلط ہے۔ احادیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دونوں واقعے ایک ساتھ پیش آئے ہیں اور یہاں صرف اسرا کو ذکر کرنے کی وجہ وہ ہے جو پہلے ذکر کی جاچکی ہے کہ یہاں مقصود آپؐ کی سیادت کا بیان ہے اور اس کا تعلق واقعہ کے صرف اسی قدر حصہ سے ہے —— رہا یہ سوال کہ اس آیت میں تو امامت انبیاء کا تذکرہ نہیں، نہ اس کی طرف کوئی اشارہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ''آیات اللہ'' میں یہ بات بھی داخل ہے اور احادیث میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

دوسرا فائدہ: اسرا اور معراج بیداری میں پیش آئے ہیں یا خواب میں؟ حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی طرف یہ بات منسوب کی گئی ہے کہ آپؐ نے یہ واقعات بحالت خواب دیکھے ہیں ان حضرات کا استدلال اسی سورت کی آیت ۶۰ سے ہے جس میں معراج کے واقعہ کو رؤیا (خواب) کہا گیا ہے۔

اور جمہور امت کی رائے یہ ہے کہ دونوں واقعے بیداری کی حالت میں پیش آئے ہیں۔ اور روح اور جسم کے ساتھ معراج ہوئی ہے۔ ان حضرات کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱ —— اس آیت میں واقعہ کی ابتدا تسبیح سے کی گئی ہے اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ کوئی بہت بڑا خارق عادت واقعہ تھا جو اللہ تعالیٰ کی غیر محدود قدرت سے رونما ہوا ہے۔ اور خواب میں اس قسم کے احوال کا دیکھنا ایک عام بات ہے اس کو بیان کرنے کے لئے اتنی زوردار تمہید کی ضرورت نہیں تھی۔

۲ —— یہ الفاظ کہ ''ایک رات میں اپنے خاص بندے کو لے گئے'' جسمانی سفر پر صراحۃً دلالت کرتے ہیں۔ عالم خواب کے سفر کے لئے یہ الفاظ کسی طرح موزوں نہیں۔

۳ —— لفظ عبد کے اشارے سے بھی یہی بات سمجھ میں آتی ہے۔ کیونکہ صرف روح کا نام عبد نہیں بلکہ جسم و روح کے مجموعہ کا نام عبد ہے۔

۴ — جب آپؐ نے معراج کا واقعہ اپنی چچازاد بہن حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کو سنایا تو انھوں نے مشورہ دیا کہ آپؐ اس کا تذکرہ کسی سے نہ کریں ورنہ لوگ اور زیادہ تکذیب کریں گے۔ اگر معاملہ خواب کا ہوتا تو اس میں تکذیب کی کیا بات تھی؟ اس قسم کے خواب تو دیکھے جاتے ہیں۔

۵ — جب آپؐ نے لوگوں کے سامنے واقعہ کا اظہار کیا تو کفار نے تکذیب کی اور خوب مذاق اڑایا۔ اگر معاملہ صرف خواب کا ہوتا تو تکذیب بے معنی تھی!

۶ — علاوہ ازیں مشرکین نے آپؐ سے بیت المقدس کا نقشہ معلوم کیا۔ آپؐ سے قافلوں کے احوال دریافت کئے، جو سب آنحضرت ﷺ نے بتلا دیئے اور ان لوگوں نے تصدیق بھی کی کہ آپ نے بیت المقدس کا نقشہ تو بالکل صحیح بتایا ہے پس اگر یہ معاملہ محض خواب کا ہوتا تو وہ کوئی انوکھی بات نہیں تھی، پھر یہ سب امتحان کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

اور آیت ۶۰ میں جو اس واقعہ کو رؤیا کہا گیا ہے تو ترجمان القرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ وہ ''رؤیا'' آنکھ کا دیکھنا تھا جو شب معراج میں آپ کو دکھایا گیا تھا۔ تفصیل کے لئے اسی آیت کی تفسیر دیکھیں۔

تیسرا فائدہ معراج کا واقعہ کب پیش آیا؟ اس سلسلہ میں سن، ماہ، تاریخ اور دن سب میں اختلاف ہے۔ سن میں چار قول ہیں ۵ نبوی، ۶ نبوی، ۱۱ نبوی اور ۱۲ نبوی اور مہینہ کے بارے میں پانچ قول ہیں ماہ ربیع الاول، ربیع الآخر، رجب، رمضان اور شوال۔ اور تاریخ کے بارے میں دو قول ہیں ۱۷ اور ۲۷۔ اور دن کے بارے میں تین قول ہیں بار کی رات، جمعہ کی رات اور پیر کی رات اور لوگوں میں مشہور یہ ہے کہ معراج کا واقعہ ہجرت سے ایک سال پہلے ۲۷ رجب کی شب میں پیش آیا ہے واللہ اعلم۔

چوتھا فائدہ: اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں تو اطلاقی شان رکھتے ہیں مگر مخلوق کے ساتھ معاملہ کرنے میں —— اپنی کسی کمزوری کی بنا پر نہیں بلکہ مخلوق کی کمزوریوں کی بنا پر —— محدود وسائط اختیار فرماتے ہیں مثلاً جب کسی مخلوق سے کلام فرماتے ہیں —— جیسے کوہ طور پر موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا —— تو کلام کا ایک محدود طریقہ اختیار فرماتے ہیں تاکہ انسان اللہ کا کلام سن سکے اور سمجھ سکے۔ اسی طرح جب وہ اپنے کسی بندے کو عجائبات قدرت دکھانا چاہتے ہیں تو اسے لے جاتے ہیں اور جہاں جو چیز دکھائی ہوتی ہے اسی جگہ دکھاتے ہیں۔ یہی معاملہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں باریابی کا بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ بذاتِ خود کسی مکان میں محدود نہیں، مگر بندہ ان کی ملاقات کے لئے بہرحال کسی جگہ کا محتاج ہے جہاں اس کے لئے تجلیات کو مرکوز کیا جاتا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کی اطلاقی شان کے ساتھ بندہ کے لئے ملاقات ممکن نہیں۔

پانچواں فائدہ: اور یہ جو بعض روایات میں آیا ہے کہ معراج سے واپسی پر ہنوز بستر گرم تھا یا دروازے کا کنڈا ہل رہا تھا، یا راستہ میں درخت کی ایک ٹہنی سے آپؐ کا عمامہ چھو گیا تھا جس کی وجہ سے وہ ہلنے لگی تھی جب واپسی ہوئی تو دیکھا کہ وہ ہنوز ہل رہی ہے —— یہ سب روایات اللہ جانیں کیسی ہیں، مجھے ان کی سندوں کا حال معلوم نہیں بلکہ کسی معتبر کتاب میں ان کا ہونا بھی معلوم نہیں۔ اور ابن کثیر رحمہ اللہ نے احادیث کا جو خلاصہ لکھا ہے اس کی روشنی میں تو یہ سب روایات بے اصل معلوم ہوتی ہیں۔

شب معراج میں عبادت کرنا مشروع نہیں (روح المعانی) پس دوسری رسومات کیسے جائز ہوسکتی ہیں؟! معراج کی سب سے بڑی یادگار پانچ نمازیں ہیں

وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ۝ ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ۝

وَاٰتَيْنَا	اور دی ہم نے	اَلَّا[2]	کہ نہ	حَمَلْنَا	سوار کیا ہم نے
مُوْسَى	موسیٰ کو	تَتَّخِذُوْا	بناؤ تم	مَعَ نُوْحٍ	نوح کے ساتھ
الْكِتٰبَ	کتاب (تورات)	مِنْ دُوْنِيْ	میرے سوا	اِنَّهٗ	بلاشبہ
وَجَعَلْنٰهُ	اور بنایا ہم نے اس کو	وَكِيْلًا[3]	کوئی کارساز	كَانَ	تھے وہ
هُدًى[1]	راہ نما	ذُرِّيَّةَ[4]	اے نسل	عَبْدًا	بندے
لِّبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ	بنی اسرائیل کے لئے	مَنْ	ان لوگوں کی جن کو	شَكُوْرًا	شکر گزار

گذشتہ آیت میں اسراء کا تذکرہ تھا۔ اب بنی اسرائیل کی بدکرداریوں کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ ان کو پہلے ان کا ماضی یاد دلایا جاتا ہے کہ ہم نے تم کو تین نعمتوں سے سرفراز کیا تھا۔ ارشاد ہے —— ہم نے موسیٰ کو کتاب دی، اور اس کو بنی اسرائیل کے لئے راہ نما بنایا (اور حکم دیا) کہ میرے سوا کسی کو کارساز نہ بناؤ، اے نسل ان لوگوں کی جن کو ہم

(۱) هُدًى مفعول ثانی ہے جعل کا، اور لبنی اسرائیل متعلق ہے هُدًى (مصدر) سے (۲) اَلَّا دو حرف ہیں اَنْ تفسیریہ اور لَا نامیہ، اور نون کا لام میں ادغام کیا گیا ہے اور یہ تورات کے ہدایت ہونے کے مختلف پہلوؤں میں سے ایک پہلو کا بیان ہے (۳) وَكِيْلًا (صفت مشبہ) مفعول بہ ہے۔ لَاتَتَّخِذُوْا کا، اور من دونی ظرف مستقر ہو کر وَكِيْلًا کی صفت ہے۔ رعایت فاصلہ کی وجہ سے مقدم کی گئی ہے۔ أی وکیلاً کائناً من دونی. (۴) ذریة منصوب علی النداء ہے اور منصوب علی الاختصاص بھی ہوسکتا ہے۔

نے نوحؑ کے ساتھ کشتی میں سوار کیا تھا! نوح بلاشبہ شکر گزار بندے تھے ـــــ ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی تین عظیم نعمتوں کا بیان ہے۔اور بنی اسرائیل کو نصیحت بھی کی گئی ہے کہ خدائے واحد کے علاوہ کسی کو کارساز نہ بنائیں۔

وکیل: اس شخص کو کہتے ہیں جس کو اپنے معاملات سپرد کئے جائیں۔اوراس پر مکمل اعتماد کیا جائے۔تمام انبیا کی شریعتوں میں بنیادی حکم یہ رہا ہے کہ اللہ جل شانہ کے علاوہ کسی کو وکیل مطلق نہ بنایا جائے۔کیونکہ کارساز اللہ تعالیٰ ہی ہیں۔وہی بندوں کے سب کام بناتے ہیں دوسرا کوئی ایسا نہیں ہے جو کسی کا کام بنا سکے۔پس اللہ تعالیٰ کی حق شناسی اور شکر گزاری کا مقام یہ ہے کہ انہی کے در سے وابستہ رہا جائے۔حضرت نوح علیہ السلام کو دیکھو وہ اللہ کے بڑے شکر گذار بندے تھے، پس ان کی اولاد میں ان کی خو بو ہونی چاہئے۔

تین نعمتیں: ان آیتوں میں بنی اسرائیل کو جو تین نعمتیں یاد دلائی گئیں ہیں، وہ یہ ہیں:

پہلی نعمت ـــــ تورات شریف ـــــ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طور پر بلا کر پہلے ہم کلامی کا شرف بخشا، پھر اپنی عظیم کتاب تورات عنایت فرمائی۔جو عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ تک بلکہ حضرت خاتم النّبیین ﷺ کے دور تک بنی اسرائیل کے لئے سامانِ ہدایت بنی رہی، کیونکہ تورات کے بعد نازل ہونے والی تمام کتابیں زبور وانجیل وغیرہ مستقل کتابیں نہیں تھیں۔بلکہ وہ تورات کے ضمائم تھے۔

دوسری نعمت ـــــ شکر گذار جد امجد ـــــ انسانوں کے دوسرے دادا حضرت نوح علیہ السلام ہیں۔آج روئے زمین پر جس قدر انسان موجود ہیں سب آپ ہی کی نسل سے ہیں۔سورۃ الصافات میں ہے: ﴿وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ﴾ ترجمہ: ہم نے انہی کی نسل کو باقی رہنے والا بنایا۔طوفان نوح کے بعد کسی اور کی نسل نہیں چلی، آہستہ آہستہ سب کی نسلیں منقطع ہوگئیں، صرف آپؑ کے صاحب زادوں کی اولاد باقی رہی۔نوح علیہ السلام کو سب سے پہلا رسول ہونے کا شرف حاصل ہے، آپ سے پہلے صرف انبیاء مبعوث ہوتے تھے۔آپؑ ہی پہلے رسول ہیں جو مؤمنین وکفار سب کی طرف مبعوث کئے گئے ہیں۔آپ بڑے شکر گذار بندے تھے۔ساڑھے نوسو سال دشمنوں کے نرغے میں پھنسے رہے، مگر کبھی حرف شکایت زبان پر نہ لائے۔صبر وشکر ان کا شیوہ تھا، لہٰذا ان کی اولاد کو بھی ان کے نقش قدم پر چلنا چاہئے۔

تیسری نعمت ـــــ عام ہلاکت سے نجات ـــــ نوح علیہ السلام کے زمانہ میں پانی کا جو طوفان آیا تھا اور جس میں تمام انسان ہلاک ہوگئے تھے، وہ اس معنی کر کے عام طوفان تھا کہ جہاں تک انسانی آبادی پھیلی ہوئی تھی، اس سب جگہ کو طوفان نے گھیر لیا تھا۔وہ سیلاب روئے زمین پر ہر جگہ نہیں پھیلا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس طوفان سے نوح علیہ السلام کو اور مؤمنین کو کشتی کے ذریعہ بچا لیا۔اس آیت میں خاص طور پر بنی اسرائیل کو اور عام طور پر تمام انسانوں کو سمجھایا جا رہا ہے کہ

تم انہی لوگوں کی اولاد ہو جن کو ہم نے عام ہلاکت سے بچالیا تھا، تم اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو اور اس کا حق بجالاؤ۔ اپنے اسلاف کے نیک طریقہ پر چلو، تاکہ تم بھی عذاب سے بچ جاؤ اور خدا تعالیٰ کی نعمتوں سے سرفراز کئے جاؤ۔

صبر وشکر کامیابی کی کلید ہیں

وَقَضَيْنَآ إِلَىٰ بَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ فِى ٱلْكِتَٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِى ٱلْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا ۝ فَإِذَا جَآءَ وَعْدُ أُولَىٰهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ أُو۟لِى بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا۟ خِلَٰلَ ٱلدِّيَارِ ۚ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُولًا ۝ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ ٱلْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَأَمْدَدْنَٰكُم بِأَمْوَٰلٍ وَبَنِينَ وَجَعَلْنَٰكُمْ أَكْثَرَ نَفِيرًا ۝ إِنْ أَحْسَنتُمْ أَحْسَنتُمْ لِأَنفُسِكُمْ ۖ وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا ۚ فَإِذَا جَآءَ وَعْدُ ٱلْءَاخِرَةِ لِيَسُۥٓـُٔوا۟ وُجُوهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا۟ ٱلْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَلِيُتَبِّرُوا۟ مَا عَلَوْا۟ تَتْبِيرًا ۝ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يَرْحَمَكُمْ ۚ وَإِنْ عُدتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَٰفِرِينَ حَصِيرًا ۝

وَقَضَيْنَآ (۱)	اور ہم نے بتادیا	مَرَّتَيْنِ	دومرتبہ	بَعَثْنَا	(تو) ہم بھیجیں گے
إِلَىٰ بَنِىٓ	اولاد کو	وَلَتَعْلُنَّ (۳)	اور تم ضرور سرکشی کروگے	عَلَيْكُمْ	تم پر
إِسْرَٰٓءِيلَ	اسرائیل (یعقوب) کی	عُلُوًّا كَبِيرًا	بڑی سرکشی	عِبَادًا لَّنَآ	اپنے بندے
فِى ٱلْكِتَٰبِ	کتاب (توارت) میں	فَإِذَا جَآءَ	پھر جب آئے گا	أُو۟لِى بَأْسٍ (۴)	جنگ جو
لَتُفْسِدُنَّ (۲)	کہ تم ضرور خرابی پھیلاؤگے	وَعْدُ	وعدہ	شَدِيدٍ	سخت
فِى ٱلْأَرْضِ	زمین میں	أُولَىٰهُمَا	دو میں کا پہلا	فَجَاسُوا۟ (۵)	پس وہ گھس جائیں گے

(۱) قَضٰی (ض) قَضَاءً الشیءَ: مضبوطی سے بنانا، پورا کرنا اور جب اِلٰی کے ذریعہ متعدی ہو تو معنی ہوتے ہیں طے کرکے پہنچانا، بتادینا اس صورت میں قَضٰی: اِیْحَاء کے معنی کو متضمن ہوتا ہے (۲) لَتُفْسِدُنَّ از باب افعال، فعل مضارع لام تاکید بانون تاکید ثقیلہ صیغہ جمع مذکر حاضر: قَضَيْنَا کا جواب ہے۔ کیونکہ قَضٰی قسم کے قائم مقام بھی ہے۔ کہا جاتا ہے قَضَاءُ اللّٰہِ لَاَفْعَلَنَّ كَذَا (۳) لَتَعْلُنَّ (فعل مضارع لام تاکید بانون تاکید ثقیلہ، صیغہ جمع مذکر حاضر) از عَلَا (ن) عُلُوًّا الشَیْءُ: بلند ہونا۔ یہ لتفسدن پر معطوف ہے اور عُلُوًّا كَبِيْرًا مرکب توصیفی مفعول مطلق برائے تاکید ہے اور عُلُوٌّ کے مجازی معنی ہیں سرکشی کرنا (۴) بَاسٌ: ←

لفظ	معنی	لفظ	معنی	لفظ	معنی
خِلٰلَ الدِّيَارِ(1)	گھروں کے بیچ میں	نَفِيْرًا(5)	جماعت	الْمَسْجِدَ	مسجد میں
وَكَانَ(2)	اور ہے وہ	اِنْ اَحْسَنْتُمْ	اگر اچھے کام کروگے	كَمَا	جس طرح
وَعْدًا	وعدہ	اَحْسَنْتُمْ	اچھے کام کروگے	دَخَلُوْهُ	گھس گئے وہ اس میں
مَّفْعُوْلًا	پورا ہو کر رہنے والا	لِاَنْفُسِكُمْ	اپنے لئے	اَوَّلَ مَرَّةٍ	پہلی بار
ثُمَّ رَدَدْنَا	پھر لوٹائیں گے ہم	وَاِنْ اَسَاْتُمْ	اور اگر برے کام کروگے	وَّلِيُتَبِّرُوْا(8)	اور تاکہ وہ برباد کرڈالیں
لَكُمُ	تمہارے لئے	فَلَهَا(6)	تو (بھی) اپنے لئے ہے	مَا	اس چیز کو
الْكَرَّةَ(3)	باری	فَاِذَا جَآءَ	پھر جب آئے گا	عَلَوْا	(جس پر) وہ بلند ہوں
عَلَيْهِمْ	ان پر	وَعْدُ الْاٰخِرَةِ	پچھلا وعدہ تو	تَتْبِيْرًا	برباد کرڈالنا
وَاَمْدَدْنٰكُمْ(4)	اور ہم مدد پہنچائیں گے تمکو		(ہم مسلط کریں گے تم	عَسٰى	ہوسکتا ہے
بِاَمْوَالٍ	اموال سے		پر سخت جنگ جو بندے)	رَبُّكُمْ	تمہارا رب
وَّبَنِيْنَ	اور بیٹوں (سے)	لِيَسُوْءٗا(7)	تاکہ وہ بگاڑ دیں	اَنْ يَّرْحَمَكُمْ	تم پر مہربانی فرمائے
وَجَعَلْنٰكُمْ	اور بنائیں گے ہم تم کو	وُجُوْهَكُمْ	تمہارے چہروں کو	وَاِنْ عُدْتُّمْ	اور اگر تم لوٹے
اَكْثَرَ	بڑی	وَلِيَدْخُلُوْا	اور تاکہ وہ گھس جائیں	عُدْنَا	(تو) ہم لوٹیں گے

← لڑائی سختی، جنگ کی شدت۔ شَدِيْدٌ صفت کاشفہ ہے (۵) جَاسَ (ن) جَوْسًا الشيءَ: بہت انہماک سے تلاش کرنا۔ جَاسَ القومُ بين البيوت و الدُّوْرِ: گھروں کے درمیان فساد مچادینا اوران کے اندر مال ومتاع کو ڈھونڈھنا۔

(۱) خِلَالٌ جمع خَلَلٌ کی جیسے جِبَالٌ جمع جَبَلٌ کی جس کے معنی ہیں درمیان، بیچ، دو چیزوں کے درمیان کشادگی اور دیار، دار کی جمع ہے بمعنی گھر (۲) كَان کا اسم ضمیر مستتر ہے جو وَعْدُ أولهما کی طرف راجع ہے (۳) كَرَّة (اسم) لڑائی میں حملہ، باری ت وحدت کی ہے یعنی ایک بار لوٹنا (۴) اَمَدَّ الْجيش: فوج کی مدد کرنا، کمک پہنچانا (۵) نَفِيْر (صفت مشبہ) خاندان، کنبہ، جہادی دستہ۔ نفیر بمعنی نافر ہے یعنی وہ لوگ جو بوقت ضرورت ساتھ نکل کر جائیں نَفِيْرًا تمیز ہے (۶) فَلَهَا میں ف جزائیہ ہے اور لَهَا کا مبتدا محذوف ہے أي فَإِسَاءَ تُكُمْ لَهَا، هَا کا مرجع نفس ہے اور على کے بجائے لام مشاکلۃً لایا گیا ہے (۷) إذَا جَاءَ وَعْدُ الآخِرَةِ کی جزا محذوف ہے اور وہ ہے بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَنَا أُولِيْ بَأْسٍ شَدِيْدٍ — اور لِيَسُوْؤُا، بَعَثْنَا محذوف سے متعلق ہے اور لِيَدْخُلُوْا اور لِيُتَبِّرُوْا معطوف ہیں لِيَسُوْؤُا پر — لِيَسُوْؤُا وغیرہ میں لام بمعنی کَی ہے يَسُوْءُ (مضارع منصوب) سَاءَ (ن) سَوْءًا فلانًا: ناپسندیدہ سلوک کرنا غمگین کرنا (۸) تَبَّرَهُ (تفعیل) ہلاک کرنا۔ مجرد: تَبَرَ (س) تَبْرًا: ہلاک ہونا — مآ موصولہ جملہ علوا صلہ، عائد محذوف أي عَلَوْا عليه پھر موصول صلہ مل کر ليتبروا کا مفعول بہ — تَتْبِيْرًا مفعول مطلق برائے تاکید۔

قید خانہ	حَصِيْرًا (۱)	دوزخ کو کافروں کیلئے	جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ	اور بنایا ہم نے	وَجَعَلْنَا

بنی اسرائیل کو ان کا ماضی یاد دلانے کے بعد، اب ان کو ان کی بدکرداریاں یاد دلائی جاتی ہیں۔ بنی اسرائیل وہ قوم ہے جس کو کسی وقت اللہ تعالیٰ نے سارے جہاں پر فضیلت بخشی تھی، مگر جب وہ قوم ایمان وتقوی سے ہٹی، شرک وکفر اور فسق وفجور کے دلدل میں پھنسی، تو عذابِ الٰہی نے ان کو آگھیرا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کسی قوم سے کوئی رشتہ ناتا نہیں کہ وہ جو کچھ بھی کرتی رہے: مقبول بارگاہ بنی رہے۔

بنی اسرائیل نے ماضی میں دو مرتبہ سرکشی کی ہے، اور دونوں ہی مرتبہ سزا پائی ہے۔ اب ان کے لئے سنبھلنے کا ایک تیسرا موقعہ آیا ہے، مگر وہ نا ہنجار قوم یہ سنہری موقعہ بھی کھودے گی:

بنی اسرائیل کی بدکرداری اور سزایابی کا پہلا واقعہ —— اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب (توارت) میں یہ بات جتادی تھی کہ تم ضرور زمین میں دوبار فساد پھیلاؤ گے، اور یہ وعدہ پورا ہوکر رہنے والا ہے —— چنانچہ ۶۸۶ قبل مسیح میں جب بنی اسرائیل کی سرکشی کا پارہ چڑھ گیا، تو بابل ونینوی کے تاجدار بخت نصّر نے ان پر حملہ کیا، خون کی ندیاں بہادیں، اور سب کو تاخت وتاراج کردیا۔

پہلے واقعہ کے بعد کے احوال —— پھر ہم ان پر تمہیں غلبہ دیں گے —— چنانچہ دارائے اول (سارس یا مورس) شاہِ ایران نے جو بنی اسرائیل کا ہمدرد اور بہی خواہ تھا، بابل پر حملہ کیا، کلدانیوں کو شکست دی، اور ان کے ملک پر قبضہ کرلیا۔ اور ۵۵۹ قبل مسیح میں جب یہودیوں کو جلاوطنی سے نجات دی، اور وطن لوٹ کر بیت المقدس دوبارہ آباد کرنے کی اجازت دی، تب بنی اسرائیل کے دن پھرے —— اور ہم تمہاری دولت اور بیٹوں کے ذریعہ مدد کریں گے اور تمہاری تعداد بڑھادیں گے —— یعنی تمہاری جو دولتیں اور جائدادیں چھین لی گئی تھیں، وہ تمہیں واپس مل جائیں گی اور مزید دولتیں بھی برسیں گی اور تمہیں خوب اولاد دی جائے گی تاکہ تمہاری نفری بڑھے، مگر قاعدہ سن لو —— اگر تم اچھے کام کروگے تو اپنے ہی نفع کے لئے کروگے، اور اگر برے کام کروگے تو خود ہی بھگتوگے —— یہ قانون قدرت ہے اور سب کے لئے عام ہے۔

دوسرا وقعہ —— پھر جب آخری موقعہ آئے گا (تو ہم دوبارہ اپنے سخت جنگ جو بندے بھیجیں گے) تاکہ وہ تمہارے چہرے بگاڑدیں، اور مسجد (بیت المقدس) میں اسی طرح گھس جائیں، جس طرح پہلی بار گھس گئے تھے، اور

(۱) حَصِيْر: تنگ جگہ، جیل خانہ۔ حَصَرَ (ن) حَصْرًا تنگی میں ڈالنا، گھیرنا، حَصِير بمعنی اسم مفعول ہے اور یہ جعلنا کا مفعول ثانی ہے ۱۲

جس چیز پر ان کا ہاتھ پڑے اس کو تباہ و برباد کر دیں ـــــ یہ واقعہ ۷۰عیسوی میں پیش آیا جب بنی اسرائیل برائیوں میں بے قابو ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے رومی شہنشاہ ٹیطس (Titus) کو بنی اسرائیل پر مسلط کیا، جس نے یہودیوں کا مار مار کر بُھرکس نکال دیا۔ اور مسجد بیت المقدس کے بڑے حصہ کو اجاڑ دیا۔

تیسرا موقعہ ـــــ ہوسکتا ہے کہ تمہارا پروردگار تم پر مہربانی کرے اور اگر تم نے اپنی سابقہ روش کا اعادہ کیا تو ہم بھی اپنی سنت قدیمہ کا اعادہ کریں گے، اور ہم نے منکرین کے لئے جہنم کا جیل خانہ تیار کر رکھا ہے ـــــ افسوس! اس آخری موقعہ سے بھی انھوں نے فائدہ نہ اٹھایا، وہ ناہنجار قوم آخری پیغمبر محمد ﷺ پر بھی ایمان نہ لائی، الٹی برسر پیکار ہو گئی تو غزوۂ بنوقریظہ، غزوۂ بنونضیر، غزوۂ خیبر اور فتح بیت المقدس کے مواقع پر رسوائیوں سے دوچار ہوئی اور یہ آخری موقعہ کھودینے کے بعد ہمیشہ کے لئے ان پر ذلت و مسکنت کا ٹھپّہ لگ گیا۔

آیات پاک کی مذکورہ تفسیر ایک حدیث شریف کی روشنی میں کی گئی ہے جو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے یہاں اس لمبی حدیث کا وہ حصہ پیش کیا جاتا ہے جو ان آیات کی تفسیر سے متعلق ہے:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ بیت المقدس اللہ تعالیٰ کے نزدیک معظم و محترم، بلند مرتبہ اور عظیم القدر مسجد ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جی ہاں! دنیا کے سب گھروں میں وہ ایک ممتاز عظمت والا گھر ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کے لئے سونے چاندی، جواہرات و یاقوت اور زمرد سے بنایا تھا اور اس کی صورت یہ ہوئی تھی کہ جب سلیمان علیہ السلام نے اس کی تعمیر شروع کی تو اللہ تعالیٰ نے جنّات کو آپؑ کے تابع کر دیا۔ جنات کھانوں سے سونا چاندی لائے۔ اور وہ جواہرات، یاقوت اور زمرد بھی لائے، اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کے لئے جنات کو مسخر کر دیا تھا۔ چنانچہ انھوں نے اس جمع کئے ہوئے مواد سے مسجد بنائی۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! پھر بیت المقدس سے یہ چیزیں کیسے چھین لی گئیں؟ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ: ''جب بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی شروع کی اور انبیاء کو قتل کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر بخت نصر بادشاہ کو مسلط کر دیا، جو مجوسی تھا اس کے خاندان نے سات سو سال تک حکومت کی تھی۔ ارشاد باری: ''پھر جب ان دو میں سے پہلا موقعہ آئے گا تو ہم اپنے سخت جنگ جو بندے بھیجیں گے جو گھروں میں گھس پڑیں گے اور یہ پہلا وعدہ پورا ہو کر رہنے والا ہے'' اس میں اس طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ اس نے حملہ کیا اور اس کا لشکر بیت المقدس میں گھس گیا اور مردوں کو تہ تیغ کیا اور عورتوں اور بچوں کو قید کیا اور بیت المقدس کے تمام اموال اور سونے چاندی اور جوہرات کو لوٹ کر لے گیا۔ اور سو سال تک بنی اسرائیل سے بیگار لیتا رہا ان کو اپنا غلام بنا کر طرح طرح

سے رسوا کرتا رہا اور سزا دیتا رہا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم کھایا اور فارس کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کو اشارہ کیا کہ مجوسیوں کے دارالسلطنت بابل پر حملہ کرے اور جو بنی اسرائیل مجوسیوں کے ہاتھ میں قید ہیں ان کو چھڑائے، چنانچہ اس بادشاہ نے حملہ کر کے بابل کو فتح کرلیا اور باقی ماندہ بنی اسرائیل کو مجوسیوں کی قید سے آزاد کیا۔ اور جو زیورات وہ بیت المقدس سے لائے تھے ان کو بھی چھڑایا یوں اللہ تعالیٰ نے سب سامان حسب سابق بیت المقدس کو پھیر دیا اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ اگر تم نافرمانی اور گناہ کرو گے تو ہم پھر تم کو قتل وقید کی سزا دیں گے۔

پھر جب بنی اسرائیل بیت المقدس لوٹ آئے تو پھر معاصی اور بداعمالیوں میں مبتلا ہو گئے۔ اس بار اللہ تعالیٰ نے ان پر روم کے بادشاہ قیصر [1] کو مسلط کیا اس نے بنی اسرائیل پر برّی اور بحری دونوں راستوں سے حملہ کیا اور ان کو قید کیا، قتل کیا اور اموال اور عورتوں کو لوٹا اور بیت المقدس کے تمام ساز وسامان کو لے گیا۔ (تفسیر قرطبی ۱۰:۲۲۲ التذکرہ ۲۶:۲ ۷ درمنثور)

الحاصل: اللہ تعالیٰ نے آسمانی کتابوں میں بنی اسرائیل کے متعلق یہ فیصلہ فرمادیا تھا کہ وہ جب تک اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں گے دارین میں کامیاب رہیں گے اور جب کبھی دین سے انحراف کریں گے، ذلیل وخوار ہوں گے اور دشمنوں کے ہاتھوں ان پر مار پڑے گی اور صرف وہی برباد نہیں ہوں گے بلکہ ان کا قبلہ بیت المقدس بھی دشمن کی زد میں آجائے۔ دشمن اس میں گھس کر اس کی بے حرمتی کریں گے اور توڑ پھوڑ اور لوٹ کھسوٹ مچائیں گے۔ اور یہ بنی اسرائیل کی سزا کا ایک باب ہوگا —— پہلا واقعہ شریعت موسویہ کی خلاف ورزی کرنے کی وجہ سے پیش آیا تھا اور اس کی اطلاع تورات میں دیدی گئی تھی آج بھی احبار باب ۲۶ اور استثنا باب ۲۸ میں یہ تنبیہ موجود ہے اور دوسرا واقعہ شریعت عیسوی کو قبول نہ کرنے کی وجہ سے پیش آیا تھا اور اس کی اطلاع انجیل میں دیدی گئی تھی، اور آج بھی متی باب ۲۳ اور لوقا باب ۲۳ میں اشارے موجود ہیں۔ اور دیگر بہت سے صُحُفِ انبیائے بنی اسرائیل میں تفصیلات ہیں۔ اب تیسرا دور شریعت محمدیہ کا ہے جو قیامت تک چلے گا اس کی مخالفت کرنے کا بھی وہی انجام ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جن لوگوں نے شریعت محمدیہ اور اسلام کی مخالفت کی وہ مسلمانوں کے ہاتھوں جلاوطن اور ذلیل وخوار ہوئے اور ان کے قبلہ بیت المقدس پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ فرق یہ رہا کہ پچھلے کافر بادشاہوں نے یہود کو بھی ذلیل وخوار کیا تھا اور ان کے قبلہ بیت المقدس

(۱) کہتے ہیں کہ روم کا یہ بادشاہ نہ عیسائی تھا اور نہ مجوسی، روم کے بادشاہوں میں عیسائیت سب سے پہلے قسطنطین اول نے قبول کی ہے۔ ''قیصر'' روم کے تمام بادشاہوں کا لقب تھا ۱۲

کی بھی بے حرمتی کی تھی، اور مسلمانوں نے جب بیت المقدس فتح کیا تو مسجد بیت المقدس جو صدیوں سے منہدم اور غیر آباد پڑی تھی اس کو از سر نو تعمیر کیا اور اس قبلہ انبیاء کے احترام کو بحال کیا۔

ایک عجیب فرق: اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر عبادت کرنے والوں کے لئے دو مسجدوں کو قبلہ بنایا ہے مگر قانون قدرت دونوں کے لئے الگ ہے، مسجد حرام کی حفاظت خود اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے لی ہے۔ جب ہاتھی والوں نے کعبہ شریف کو ڈھانا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے ابابیل کو بھیج کر سارے لشکر کا بھوسا بنا دیا۔ لیکن بیت المقدس کے متعلق یہ قانون نہیں۔ جب مسلمان گمراہی اور معاصی میں مبتلا ہوں گے: ان کی سزا کے طور پر ان سے یہ قبلہ چھین لیا جائے گا اور کفار اس پر غالب آجائیں گے (ماخوذ از معارف القرآن)

عِبَادَنَا اور عِبَادًا لَّنَا کا فرق ـــــ عِبَادَنَا کا ترجمہ ہے: ہمارے بندے۔ اس میں عباد کی ضمیر جمع متکلم کی طرف اضافت ہے اور یہ اضافت تشریف (مرتبہ بڑھانے) کے لئے ہے یعنی ہمارے مخصوص، محبوب اور پیارے بندے ـــــ اور عِبَادًا لَّنَا میں اضافت نہیں ہے بلکہ لام تملیک لایا گیا ہے یعنی ہمارے مملوک بندے، جن کے لئے محبوب ہونا تو درکنار، مسلمان ہونا بھی ضروری نہیں کیونکہ تکوینی طور پر سارے ہی انسان اللہ کے بندے ہیں خواہ وہ مسلمان ہوں یا کافر اب یہ بات آسانی سے سمجھ میں آئے گی کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر جن دشمنوں کو مسلط کیا تھا ان کے لئے عبادًا لّنا کیوں فرمایا عِبَادَنَا کیوں نہیں فرمایا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ مسلمان نہیں تھے کافر تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے عِبَادَنَا کے بجائے عبادًا لّنا کی تعبیر اختیار فرمائی۔

بیت المقدس کے موجودہ حادثۂ جافعہ میں مسلمانوں کے لئے عبرت ـــــ بنی اسرائیل کے یہ واقعات قرآن کریم میں بیان کرنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ مسلمان سمجھیں کہ وہ بھی اس قانون خداوندی سے مستثنیٰ نہیں۔ دنیا میں ان کی عزت وشوکت اطاعت خداوندی کے ساتھ وابستہ ہے جب وہ اللہ ورسول کی اطاعت سے انحراف کریں گے تو ان کے دشمنوں کو ان پر مسلط کر دیا جائے گا جن کے ہاتھوں ان کی مساجد کی بے حرمتی ہوگی۔

آج جو حادثۂ جافعہ بیت المقدس پر یہودیوں کے قبضہ کا اور اس کو آگ لگانے کا سارے عالم میں اسلام کو پریشان کئے ہوئے ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ خدا اور رسول کو بھلا دینے اور ان کے احکام سے غافل ہونے کا نتیجہ ہے جب مسلمان قرآن وسنت سے بیگانہ ہو گئے اور دنیا کی شان وشوکت اور عیش وعشرت میں لگ گئے تو وہی قانون قدرت جو ان آیات میں بیان کیا گیا ہے سامنے آیا اور کروڑوں عربوں پر چند لاکھ یہودی غالب آ گئے، انھوں نے ان کی جان ومال کو بھی نقصان پہنچایا اور ان کا قبلۂ اول بھی چھین لیا اور ایک ایسی قوم غالب آ گئی جو دنیا میں سب سے زیادہ ذلیل وخوار سمجھی جاتی

ہے اس پر مزید یہ کہ وہ قوم نہ تعداد میں مسلمانوں کے مقابلہ میں کوئی حیثیت رکھتی ہے اور نہ مسلمانوں کے مجموعی سامان حرب کے مقابلہ میں اس کی کوئی حیثیت ہے اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ واقعہ یہود کو کوئی عزت کا مقام نہیں دیتا، البتہ اس سے مسلمانوں کی سزا سوا ہو گئی! اور اس کا علاج بجز اس کے کچھ نہیں کہ مسلمان اپنی بداعمالیوں پر نادم ہوں اور سچی توبہ کریں، احکام خداوندی کی اطاعت میں لگ جائیں، سچے مسلمان بنیں غیروں کی نقالی چھوڑیں اور پرایوں پر اعتماد کے گناہ عظیم سے باز آئیں۔ اور جان لیں کہ وہ اسلحہ اور ساز و سامان جس سے بیت المقدس اور فلسطین پھر مسلمانوں کو واپس مل سکتے ہیں وہ انابت الی اللہ، آخرت پر یقین، اللہ تعالیٰ پر بھروسہ، نکوکاری اور خالص اسلامی جہاد ہے، اللہ تعالیٰ ہمارے حکمرانوں کو اور تمام مسلمانوں کو اس بات کے سمجھنے کی توفیق عطا فرماویں (آمین) (ماخوذ از معارف القرآن)

رذیلوں کا غلبہ ان کی رذالت کو زائل نہیں کرتا، البتہ اس سے شریفوں کی شرافت کا جنازہ نکل جاتا ہے!

إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا ﴿٩﴾ وَأَنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٠﴾ ع

إِنَّ(۱)	بلاشبہ	لِلَّتِي	وہ (راستہ) جو	وَيُبَشِّرُ	اور خوشخبری دیتا ہے وہ
هَٰذَا الْقُرْآنَ	یہ قرآن	هِيَ	(کہ) وہ	الْمُؤْمِنِينَ	(اُن) مؤمنین کو
يَهْدِي	بتلاتا ہے (لوگوں کو)	أَقْوَمُ(۲)	بالکل سیدھا (ہے)	الَّذِينَ(۳)	جو

(۱) اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، ھذا القرآن اسم اشارہ مُشَارٌ الیہ مل کر اِنَّ کا اسم، یَھْدِیْ جملہ فعلیہ خبر ہے — لِلَّتِیْ میں لام حرف جر التی اسم موصول، ھِیَ مبتدا، اقوم خبر۔ پھر جملہ اسمیہ خبریہ صلہ، پھر موصول صلہ مل کر الطریقۃ (راستہ) موصوف محذوف کی صفت۔ پھر موصوف صفت مل کر مجرور اور جار مجرور یھدی سے متعلق — اور یھدی کا مفعول بہ محذوف ہے أی یھدی الناس (۲) اَقْوَمُ اسم تفضیل ہے مگر اسم فاعل کے معنی میں ہے (کبیر) یعنی دوسری چیز کی بہ نسبت مصدری معنی کی زیادتی بیان نہیں کرتا بلکہ فی نفسہ مصدری معنی کے ساتھ اتصاف بیان کرتا ہے پس قرآن کریم کے بتائے ہوئے راستہ کی اقومیت (نہایت سیدھا ہونے) کو کسی دوسری کتاب کے بتائے ہوئے راستہ کی اقومیت سے موازنہ نہیں کیا جائے گا (۳) الذین موصول صلہ مل کر المؤمنین کی صفت ہے۔

یَعۡمَلُوۡنَ	کرتے ہیں	کَبِیۡرًا	بڑا	بِالۡاٰخِرَةِ	آخرت پر
الصّٰلِحٰتِ	نیک کام	وَّاَنَّ (۲)	اور یہ کہ	اَعۡتَدۡنَا (۳)	تیار کر رکھی ہے ہم نے
اَنَّ لَهُمۡ (۱)	کہ ان کے لئے	الَّذِیۡنَ	جو	لَهُمۡ	ان کے لئے
اَجۡرًا	ثواب (ہے)	لَا یُؤۡمِنُوۡنَ	نہیں ایمان رکھتے	عَذَابًا اَلِیۡمًا	دردناک سزا

بنی اسرائیل کو دومرتبہ کے بعد جو آخری مرتبہ موقع دیا جائے گا: وہ اس کو بھی گنوادیں گے۔ ارشاد پاک: ﴿وَاِنۡ عُدۡتُّمۡ عُدۡنَا﴾ میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگر تم پھر شرارت پر اترو گے تو ہم بھی اپنی سنتِ قدیمہ کے مطابق معاملہ کریں گے، اور اس کے بعد ان کے لئے کوئی موقع نہیں ہوگا۔ اس کے بعد ان کی جگہ دوسری امت کو کھڑا کیا جائے گا، اور دینی قیادت ان کو منتقل کردی جائے گی۔ یہ نئی امت حاملِ قرآن بن کر دنیا کے اسٹیج پر جلوہ گر ہوگی، اور قرآن کی ہدایت کے مطابق دنیا کی راہ نمائی کا فریضہ انجام دے گی۔ یہ قرآن کیسی کتاب ہے؟ —— بیشک یہ قرآن وہ راستہ بتاتا ہے جو نہایت سیدھا ہے —— یعنی منزل مقصود تک پہنچنے میں قریب بھی ہے آسان بھی ہے اور خطرات سے پاک بھی ہے —— البتہ بعض انسان اپنی کوتاہ فہمی سے قرآن کریم کے بتلائے ہوئے راستہ کو دشوار سمجھتے ہیں، انھیں اس راستہ پر چلنے میں موت نظر آتی ہے۔ مگر انسان کا نفع اسی راستہ پر چلنے میں ہے جو قرآن کریم بتاتا ہے —— اور قرآن کریم ان مؤمنین کو جو نیک کام کرتے ہیں خوش خبری سناتا ہے کہ ان کو بڑا ثواب ملنے والا ہے —— لہٰذا جو لوگ کامیابی اور نجات کے خواہش مند ہیں وہ اس سیدھی راہ پر چلیں جو قرآن کریم دکھاتا ہے، اگر وہ لوگ ایمان و عمل صالح اختیار کریں گے اور قرآن کریم کے بتائے ہوئے صاف اور کشادہ راستہ پر چلیں گے تو ان کو دنیا میں حیات طیبہ نصیب ہوگی اور آخرت میں جنت کی ابدی نعمتیں میسر آئیں گی —— اور ان لوگوں پر جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے خوش خبری سناتا ہے کہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے دردناک سزا تیار رکھی ہے —— یعنی جو لوگ انجام سے بے خبر ہوکر، دنیا کی لذتوں اور شہوتوں میں غرق رہیں گے، اور آخرت کی فکر نہیں کریں گے، ان کو دنیا میں مکدّر زندگی نصیب ہوگی، اور آخرت میں وہ دردناک عذاب سے دوچار ہوں گے۔

(۱) اَنَّ حرف مشبہ بالفعل۔ لھم خبر مقدم اور أجرًا کبیرًا مرکب توصیفی اسم مؤخر۔ پھر جملہ یُبَشِّرُ کا مفعول ثانی (۲) جملہ اَنَّ معطوف ہے سابق جملہ اَنَّ پر اور عذاب کے لئے فعل بشارت یا تو مشاکلۃً استعمال کیا گیا ہے یا تَھَکُّمْ (ٹھٹھا کرنے کے طور پر) مُشاکلہ کے معنی ہیں مشابہت، یکسانیت اور فن بدیع میں مشاکلت یہ ہے کہ کسی معنی کو ایسے لفظ کے ذریعہ ادا کیا جائے جو اس کے لئے وضع نہیں کیا گیا ہے، لیکن اس سے ملا ہوا ہے جیسے: ﴿وَمَکَرُوۡا وَمَکَرَ اللّٰهُ﴾ اس میں مَکَرِ ثانی بمعنی مکر نہیں، بلکہ بمعنی تدبیر ہے، کیونکہ مکر کی نسبت اللہ کی طرف نہیں ہوسکتی۔ (۳) جملہ اعتدنا خبر ہے اَنَّ کی ۱۲

فضائل قرآن

① — مفسر قرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''جو شخص قرآن پاک سیکھے، پھر قرآنی ہدایات کی پیروی کرے تو اللہ پاک اس کو دنیا میں گمراہی سے بچاتے ہیں اور قیامت کے دن سخت دار و گیر سے اس کی حفاظت فرمائیں گے (مشکوٰۃ حدیث ۱۹۰ باب الاعتصام الخ)

② — حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مثال بیان فرمائی: ایک سیدھا راستہ ہے، جن پر دورویہ دیواریں ہیں، دیواروں میں کھلے ہوئے دروازے ہیں، جن پر منقش پردے پڑے ہوئے ہیں اور راستہ کے آخری کنارہ پر ایک پکارنے والا پکار رہا ہے کہ سیدھا چلا آ، دائیں بائیں مت مڑ، اور اس پکارنے والے سے اوپر ایک پکارنے والا ہے، جب بھی کوئی شخص ان پردوں میں سے کوئی پردہ کھولنا چاہتا ہے تو وہ پکارنے والا کہتا ہے: ''تیرا ناس ہو! اس کو مت کھول، اگر تو اس کو کھولے گا تو اس میں گھس جائے گا'' (ان پردوں کے پیچھے ایسی خوبصورت دنیا ہے کہ آدمی اس سے صرفِ نظر کر ہی نہیں سکتا)

پھر آنحضرت ﷺ نے مثال کی وضاحت فرمائی: ''وہ راستہ دین اسلام کا راستہ ہے اور کھلے ہوئے دروازے حرام کام ہیں اور ان پر لٹکائے ہوئے پردے اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدیں ہیں (اور ان کے پیچھے خواہشات ہیں) اور راستہ کے منتہی پر پکارنے والا قرآن کریم ہے اور اس سے اوپر پکارنے والا مؤمن کا ضمیر ہے (مشکوٰۃ حدیث ۱۹۱و۱۹۲)

③ — حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ ''ایک بڑا فتنہ آنے والا ہے'' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس سے بچنے کی کیا سبیل ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''اللہ کی کتاب (اس فتنہ سے بچا سکتی ہے) اس میں گذشتہ امتوں کے (سبق آموز) واقعات ہیں۔ اور آئندہ کی اطلاعات ہیں۔ اور حال کے لئے فیصلے ہیں۔ قرآن کریم کے ارشادات فیصلہ کن ہیں، وہ دل لگی کی باتیں نہیں ہیں۔ جو بھی سرکش اس کو چھوڑے گا اللہ تعالیٰ اس کو توڑ دے گا اور جو قرآن سے ہٹ کر ہدایت تلاش کرے گا، اللہ اس کو گمراہ کر دے گا۔ قرآن کریم اللہ کی مضبوط رسّی ہے وہ پُر حکمت و نصیحت نامہ اور سیدھا راستہ ہے۔ قرآن کریم ہی ایک ایسی کتاب ہے جس سے خیالات میں کجی نہیں آتی زبانیں اس میں گڑبڑ نہیں کرتیں (یعنی تحریف نہیں کر سکتیں) اہل علم کبھی اس سے سیر نہیں ہوتے، وہ کثرت مزاولت سے پُرانا نہیں ہوتا (یعنی طبیعت اس سے کبھی نہیں اکتاتی) اس کے حیرت انگیز مضامین کبھی ختم نہیں ہوتے۔ قرآن کریم کی شان یہ ہے کہ جب اس کو جنات نے سنا تو بے اختیار پکار اٹھے: ''ہم نے ایک عجیب قرآن سنا،

جو بھلائی کی طرف راہ نمائی کرتا ہے، سو ہم اس پر ایمان لے آئے'' (سورۃ الجن آیت ۱و۲) جس نے قرآن کریم کے موافق بات کہی اس نے سچی بات کہی، اور جس نے قرآن کریم پر عمل کیا تو وہ اجر وثواب کا حقدار بنا، اور جس نے قرآن کے موافق فیصلہ کیا اس نے عدل وانصاف والا فیصلہ کیا اور جس نے قرآن کی طرف دعوت دی اس نے سیدھا راستہ پایا (مشکوٰۃ حدیث ۲۱۳۸ فضائل القرآن)

قرآن پاک کی بے انتہا عظمت کا راز یہ ہے کہ وہ اللہ کا کلام ہے

وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ⑪ وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ۭ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ⑫

وَيَدْعُ (1)	اور مانگتا ہے	عَجُوْلًا (3)	بڑا جلد باز	وَجَعَلْنَآ	اور بنایا ہم نے
الْاِنْسَانُ	انسان	وَجَعَلْنَا	اور بنایا ہم نے	اٰيَةَ النَّهَارِ	دن کی نشانی کو
بِالشَّرِّ	برائی	الَّيْلَ	رات کو	مُبْصِرَةً (7)	روشن
دُعَآءَهٗ (2)	جیسے مانگتا ہے	وَالنَّهَارَ	اور دن کو	لِّتَبْتَغُوْا	تا کہ تم تلاش کرو
بِالْخَيْرِ	بھلائی	اٰيَتَيْنِ (4)	دو نشانیاں	فَضْلًا	روزی
وَكَانَ	اور ہے	فَمَحَوْنَآ (5)	پس دھندلا کیا ہم نے	مِّنْ رَّبِّكُمْ	اپنے پروردگار سے
الْاِنْسَانُ	انسان	اٰيَةَ الَّيْلِ (6)	رات کی نشانی کو	وَلِتَعْلَمُوْا (8)	اور تا کہ تم جان لو

(۱) دَعَا (ن) دُعَاءً: پکارنا، بلانا دَعَابِہٖ: مانگنا، درخواست کرنا۔ یَدْعُ کی اصل یَدْعُوْ ہے اور فعل مضارع مرفوع ناقص ہے، لام کلمہ حرف علت ہے اور آگے لام ساکن آرہا ہے اس لئے جب عین کو لام سے ملایا جائے گا تو واو نہیں پڑھا جائے گا اس لئے رسم الخط سے بھی اس کو حذف کردیا، قرآن میں اس کی متعدد مثالیں ہیں جیسے: سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ اور يُنَادِ الْمُنَادِ وغیرہ (۲) دُعَاءَهٗ منصوب بنزع خافض ہے کاف حرف تشبیہ محذوف ہے اور دُعَاءَهٗ میں مصدر کی اضافت فاعل کی طرف ہے (۳) عجول مبالغہ کا وزن ہے، عَجَلٌ سے (۴) آیتین جعل کا مفعول ثانی ہے اور جَعَلَ بمعنی صَيَّرَ ہے (۵) فَمَحَوْنَا میں ف تفسیریہ ہے۔ مَحَا (ن) مَحْوًا: مٹانا، اثر زائل کرنا (۶) آیۃ اللیل اور آیۃ النہار میں اضافت بیانیہ ہے یعنی شب وروز خود نشانیاں ہیں (۷) مبصرۃ: دکھانے والا، دن حقیقت میں دکھانے والا نہیں بلکہ دن میں اللہ تعالیٰ دکھاتے ہیں پس آیت میں مجاز عقلی ہے (۸) لتعلموا کا لتبتغوا پر عطف ہے اور دونوں جعلنا سے متعلق ہیں۔

عَدَدَ	گنتی	وَالْحِسَابَ(۱)	اور حساب	فَصَّلْنٰهُ	ہم نے کھول کر بیان کیا
السِّنِيْنَ	برسوں (کی)	وَكُلَّ شَيْءٍ(۲)	اور ہر چیز کو	تَفْصِيْلًا	تفصیل سے

قرآن کریم ان لوگوں کو جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے: دردناک عذاب کی خوش خبری سناتا ہے، جیسا کہ گذشتہ آیت میں سنائی ہے۔ مگر منکر آخرت جب عذاب، آخرت اور قیامت کا تذکرہ سنتے ہیں تو کہتے ہیں: اگر دردناک عذاب کی یہ خبر صحیح ہے تو اللہ تعالیٰ ہم پر آسمان سے پتھر کیوں نہیں برساتے، یا کوئی اور دردناک عذاب کیوں نہیں بھیجتے! (الانفال آیت ۳۲) اور قیامت ہی میں یہ سزا ملنی ہے تو قیامت آ کیوں نہیں جاتی؟ اس کے آنے میں دیر کیوں لگ رہی ہے؟ (العنکبوت آیت ۵۴)

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں —— اور انسان برائی بھی اُسی طرح مانگتا ہے، جس طرح وہ بھلائی مانگتا ہے، اور انسان بڑا جلد باز ہے —— یعنی انسان کا حال عجیب ہے، وہ برائی بھی اسی اشتیاق سے مانگتا ہے، جس اشتیاق سے بھلائی مانگتا ہے۔

بات دراصل یہ ہے کہ اسے موت کے بعد کی زندگی کا یقین ہی نہیں۔ حالانکہ وہ زندگی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا وآخرت کا جوڑ بنایا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے رات دن کا جوڑ بنایا ہے۔ دونوں سے مل کر انسان کی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں اسی طرح دنیا وآخرت بھی جوڑا ہے اور ایک کے مقصد کی تکمیل دوسرے کے ذریعہ ہوتی ہے ارشاد ہے —— اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنایا۔ سو ہم نے رات کی نشانی کو تو دھندلا بنایا اور دن کی نشانی کو روشن بنایا تا کہ تم اپنے پروردگار کی روزی تلاش کرو اور تا کہ تم سالوں کی گنتی اور حساب جانو اور ہم نے ہر چیز کو خوب کھول کر بیان کیا ہے —— اللہ تعالیٰ نے رات دن کا جو جوڑا بنایا ہے اس میں انسان کی بے شمار مصلحتیں ہیں، انسانی ضروریات کی تکمیل دونوں سے مل کر ہوتی ہے۔ اگر صرف رات ہوتی دن نہ ہوتا تو زندگی گذارنے میں طرح طرح کی مشکلات پیش آتیں۔ لوگ ہمہ وقت اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں مارتے رہتے اور اگر صرف دن ہوتا، رات نہ ہوتی تو سکون نام کو بھی نصیب نہ ہوتا۔ انسان کماتے کماتے براحال ہو جاتا —— اسی طرح اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت کا جوڑا بنایا ہے۔ ایک کے مقاصد کی تکمیل دوسرے کے ذریعہ ہوتی ہے اگر صرف دنیا ہوتی، آخرت نہ ہوتی تو نیکی اور بدی کا فرق کبھی ظاہر نہ ہوتا، نیکوکار اور بدکار یکساں ہو کر رہ جاتے اور اگر صرف آخرت ہوتی دنیا نہ ہوتی تو جزاؤسزا کی بنیاد کیا ہوتی؟ جنت وجہنم کی زندگی کن اعمال کا بدلہ ہوتی؟ غرض جس طرح صرف دن سے یا صرف رات سے انسان کی مصلحتیں پوری نہیں ہوتیں اسی طرح صرف دنیا سے یا صرف آخرت سے مقصد حیات کی تکمیل نہیں ہوتی۔ بامقصد زندگی کے لئے دنیا کے ساتھ آخرت کا جوڑا ضروری ہے۔

(۱) الحساب کا عَدَدَ پر عطف ہے (۲) كُلَّ شَيْءٍ منصوب بر بنائے اشتغال ہے۔ فعل محذوف کی تفسیر بعد والا فعل کرتا ہے ۱۲

آیت کریمہ میں غور کرنے کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ لوگ کیلنڈر بنا کر جو وقت شماری کرتے ہیں وہ آخر کس چیز کا انتظار کرتے ہیں؟ اور کس منزل کی طرف بڑھ رہے ہیں؟ مثلاً ایک ملازم دن گنتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ تنخواہ کا انتظار کر رہا ہے۔ ایک راہ رو راستہ کی منزلیں اور کلومیٹر گنتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کسی جگہ پہنچنا چاہتا ہے۔ انسان اپنی زندگی کے ماہ وسال گنتا ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ موت کی طرف بڑھ رہا ہے پس لوگ جو کیلنڈر بنا کر دنیا کی عمر گنتے ہیں کیا وہ دنیا کی موت کا انتظار نہیں کر رہے؟ اگر دنیا کی زندگی دائمی ہوتی تو نہ کیلنڈر بنانے کی ضرورت تھی نہ سالوں کی گنتی کرنے کی، آخرت میں یہ سب چیزیں نہیں ہونگی کیونکہ وہ ابدی زندگی ہے۔

فائدہ: سورۂ یونس آیت ۵ میں نظام قمری کا بیان آیا ہے اور اس آیت میں نظام شمسی کا بیان ہے اور دونوں ہی سے کیلنڈر بنتے ہیں۔ بیشتر احکام شرعیہ میں مثلاً ماہ وسال کی تعیین، حج اور رمضان کے اوقات کی تعیین میں قمری کیلنڈر کا اعتبار ہے کیونکہ یہ حساب بہت آسان ہے اس کا مدار چاند کی رویت پر ہے جسے ہر شخص بسہولت ضبط کرسکتا ہے اور ہر موسم میں حج اور رمضان آسکتے ہیں اور بعض معمولی حسابات مثلاً روزں کی ابتدا اور انتہا (صبح صادق اور غرب آفتاب) اور نمازوں کے اوقات سورج کی روشنی سے متعلق ہیں۔ کیونکہ سورج کے طلوع وغروب اور رفتار کا اندازہ ہر شخص آسانی سے کرسکتا ہے۔ مگر شمسی کیلنڈر کا احکام شرعیہ میں اعتبار نہیں۔ کیونکہ وہ دقیق حساب پر مبنی ہے۔

قمری حساب یاد رکھنا اور اس کی حفاظت کرنا فرض کفایہ ہے کیونکہ بیشتر احکام شرعیہ کا اسی سے تعلق ہے

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓىِٕرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ ؕ وَنُخْرِجُ لَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ كِتٰبًا یَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ﴿۱۳﴾ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْیَوْمَ عَلَیْكَ حَسِیْبًا ﴿۱۴﴾ؕ مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا ؕ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾

وَكُلَّ اِنْسَانٍ (۱)	اور ہر انسان پر	اَلْزَمْنٰهُ	چپکایا ہم نے اس پر	طٰٓىِٕرَهٗ (۲)	اس کا پرندہ (نامۂ اعمال)

(۱) كُلَّ انسانٍ منصوب علی الاشتغال ہے أی ألزمنا كلَّ انسانٍ ــــ ألزم إلزامًا: لازم کرنا لگا دینا۔ لَزِمَ (س) لُزُوْمًا الشیءُ: لازم ہونا۔ (۲) الطائر (اسم فاعل) پرندہ، اڑنے والا۔ جمع طَيْرٌ اور طُيُوْرٌ آیت پاک میں نامۂ اعمال مراد ہے کیونکہ وہ قیامت کے دن اڑ کر ہاتھ میں آئیں گے۔

فِيْ عُنُقِهٖ	اس کی گردن میں	اَلْيَوْمَ	آج	فَاِنَّمَا	تو بس
وَنُخْرِجُ	اور نکالیں گے ہم	عَلَيْكَ	اپنے خلاف	يَضِلُّ	بے راہی اختیار کریگا
لَهٗ	اس کے لئے	حَسِيْبًا	حساب لینے کے لئے	عَلَيْهَا	اپنے نقصان کے لئے
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	قیامت کے دن	مَنِ	جو شخص	وَلَا تَزِرُ	اور نہیں بوجھ اٹھاتا
كِتٰبًا (۱)	نوشتہ	اهْتَدٰى	سیدھے راستے پر چلے گا	وَازِرَةٌ (۵)	کوئی بوجھ اٹھانے والا
يَّلْقٰىهُ	جس سے وہ ملاقات کریگا	فَاِنَّمَا (۴)	تو بس	وِّزْرَ اُخْرٰى	دوسرے کا بوجھ
مَنْشُوْرًا (۲)	کھلا	يَهْتَدِيْ	سیدھے راستے پر چلے گا	وَمَا كُنَّا	اور ہم نہیں ہیں
اِقْرَاْ	پڑھ تو			مُعَذِّبِيْنَ	سزا دینے والے
كِتٰبَكَ	اپنا نامۂ اعمال	لِنَفْسِهٖ	اپنے نفع کے لئے	حَتّٰى	یہاں تک کہ
كَفٰى (۳)	کافی ہے	وَمَنْ	اور جو	نَبْعَثَ	بھیجیں ہم
بِنَفْسِكَ	تو بذاتِ خود	ضَلَّ	بے راہی اختیار کریگا	رَسُوْلًا	رسول

انسانوں کے لئے موت کے بعد بھی زندگی ہے، اور ابدی زندگی ہے۔ اس کی دوسری دلیل یہ ہے کہ انسان اور دیگر مخلوقات میں ایک فرق ہے۔ انسان جب اپنے اختیار سے کوئی کام کرتا ہے تو وہ عمل وجود میں آ کر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ اس کے نفس کے ساتھ وابستہ ہو جاتا ہے۔ دل میں اس کا اثر باقی رہتا ہے اور دیگر مخلوقات کے اعمال وجود پذیر ہو کر ختم ہو جاتے ہیں۔ ان کے دلوں میں اس کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا نہ ان کے نفوس ان اعمال سے متأثر ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک جانور بھاگتا ہے اور اپنی جولان گاہ میں کسی کو زخمی کرتا ہے یا جان سے مار ڈالتا ہے تو اس کے دل کو کوئی احساس نہیں ہوتا کہ اس نے کوئی برا کام کیا۔ وہ بار بار نقصان پہنچاتا ہے اور اس کے نفس کا حال یکساں رہتا ہے۔ مگر انسان کی صورت حال جانوروں سے مختلف ہے جب اس سے کوئی زیادتی ہو جاتی ہے تو اول وہلہ میں وہ اپنے عمل سے متأثر ہوتا

(۱) كتابًا مفعول بہ۔ نخرج کا اور وہ موصوف ہے اور صفت جملہ يَلْقٰهُ ہے (۲) مَنْشُوْرًا حال ہے مفعول کی ضمیر سے (۳) كفى فعل ماضی، بنفسك اس کا فاعل اور باء زائد۔ اليوم مفعول فیہ۔ حسيبًا تمیز اور عليك متعلق حسيبًا سے، رعایت فاصلہ کی وجہ سے مقدم کیا ہے۔ حسيبٌ فعيل کا وزن بمعنی فاعل ہے یعنی حساب لینے والا چونکہ یہ عَدَّ کے معنی کو متضمن ہے اس لئے اس کا صلہ علىٰ آیا ہے (۴) اِنَّمَا کلمۂ حصر ہے (۵) وَازِرَةٌ صفت ہے نَفْسٌ کی اور اُخرى بھی ہے نفس کی اور یہ دونوں صفتیں موصوف کے قائم مقام ہیں۔ وَزَرَ يَزِرُ وِزْرًا الشئَ: اٹھانا۔ وَزَرَ الرَّجُلُ: بوجھل چیزوں کو پیٹھ پر اٹھانا۔ الوِزْرُ: گناہ، بھاری بوجھ، گٹھڑی۔ الوزير: امور سلطنت میں بادشاہ کا معین ومددگار، حکومت کا بوجھ اٹھانے والا ۱۲

ہے۔ وہ نادم ہوتا ہے اپنے آپ کو ملامت کرتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ پھر وہ یہ غلطی نہ دُہرائے یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس کا کیا ہوا کام اس کے نفس کے ساتھ چپک گیا ہے ـــــ اعمال صالحہ کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے جانور اگر کوئی اچھا کام کرتا ہے تو اسے کوئی خوشی نہیں ہوتی۔ اور انسان کا دل خوشی سے لبریز ہو جاتا ہے وہ پھولا نہیں سماتا اس کے تن بدن میں شادمانی کی لہر دوڑ جاتی ہے اور وہ تمنا کرتا ہے کہ آئندہ بھی وہ ایسے اچھے کام کرتا رہے ـــــ انسان اور غیر انسان کے اعمال میں یہ فرق اس بات کی واضح دلیل ہے کہ انسان کے لئے اس زندگی کے بعد دوسری زندگی آنے والی ہے اگر دوسری زندگی نہ ہوتی اور جزاؤسزا کا معاملہ پیش آنا نہ ہوتا تو انسان کا حال دیگر مخلوقات سے مختلف نہ ہوتا۔ اس کے اعمال اس کے گلے کا ہار بنا کر نہ رکھے جاتے ان آیات میں یہی دلیل بیان کی جارہی ہے ـــــ اور ہم نے ہر انسان کا عمل اس کے گلے کا ہار بنا رکھا ہے ـــــ یعنی ہر شخص کا عمل وجود پذیر ہو کر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ نفس کے دامن کے ساتھ وابستہ ہو جاتا ہے ـــــ اور قیامت کے دن ہم اس کا نامہ اعمال اس کے سامنے کردیں گے جسے وہ کھلی کتاب کی طرح پائے گا ـــــ یعنی انسان کے اعمال اس کے نفس کے ساتھ وابستہ ہی نہیں، بلکہ وہ باقاعدہ ریکارڈ بھی کر لیے گئے ہیں اور یہ سارا ریکارڈ کل قیامت کے دن اس کے سامنے آجائے گا اور وہ ایک کھلی کتاب ہوگی اور اس سے کہا جائے گا ـــــ اپنا نامۂ اعمال پڑھ آج تو خود اپنا حساب جانچنے کے لئے کافی ہے ـــــ تو خود فیصلہ کرلے، تیرے ساتھ کیا معاملہ کیا جانا چاہئے۔

اور جب یہ بات واضح ہوگئی کہ قیامت کا آنا اور آخرت میں پہنچنا ضروری ہے، تو اب یہ قاعدہ سن لیں ـــــ جو شخص راہِ راست اختیار کرتا ہے وہ اپنے ہی نفع کے لئے راست روی اختیار کرتا ہے اور جو بے راہی اختیار کرتا ہے اس کی گمراہی کا وبال بھی اسی پر پڑنے والا ہے اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا ـــــ نہ کسی کے گناہوں کی گٹھڑی کسی پر لادی جائے گی نہ کوئی رضا کار نہ کسی کا بوجھ اٹھانے کے لئے تیار ہوگا۔ رشتہ دار بھی بھاگیں گے۔ ماں بیٹا ملیں گے، ماں کہے گی: میرے لاڈلے! کیا میری گود تیری خوابگاہ نہیں تھی؟ کیا میری چھاتی تیری غذا نہیں تھی؟ کیا میرا پیٹ تیرا برتن نہیں تھا؟ بیٹا کہے گا: کیوں نہیں! اے میری پیاری امی! اب ماں التجا کرے گی کہ میرے لخت جگر! میں آج گناہوں کے بوجھ میں دبی ہوئی ہوں۔ مہربانی کر، اور میرا ایک گناہ لے لے۔ بیٹا جواب دے گا: اماں پرے ہٹ! میں خود ہی آج اپنے گناہوں میں پھنسا ہوا ہوں۔ اپنا بوجھ ہی مجھ سے نہیں اٹھتا، تیرا بوجھ کیسے اٹھاؤں!

اس کے بعد منکرین کو سزا دہی کا قانون بتایا ہے ـــــ اور ہم سزا نہیں دیتے جب تک کوئی رسول نہیں بھیج دیتے ـــــ یعنی جب تک اتمام حجت نہیں کیا جاتا حق وباطل کی آویزش کا عملی فیصلہ نہیں کیا جاتا ـــــ اور یہ کام کیا جاچکا،

ہمارا رسول پہنچ چکا، اس نے دلسوزی سے سمجھا دیا، اور حجت تام کردی، اب بھی اگر باز نہیں آ ؤ گے تو سنت الٰہی پوری ہوکر رہے گی۔

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ﴿۱۶﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ﴿۱۷﴾

وَاِذَآ	اور جب	فِيْهَا	اس (بستی) میں	مِنَ الْقُرُوْنِ	امتیں		
اَرَدْنَآ	ہم چاہتے ہیں	فَحَقَّ (۴)	پس ثابت ہوجاتی ہے				
اَنْ نُّهْلِكَ	کہ ہلاک کریں	عَلَيْهَا	اس (بستی) پر	مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ	نوحؑ کے بعد		
قَرْيَةً	کسی بستی کو	الْقَوْلُ	(اللہ کی) بات	وَكَفٰى	اور کافی ہے		
اَمَرْنَا (۱)	(تو) ہم حکم دیتے ہیں	فَدَمَّرْنٰهَا (۵)	پس غارت کردیتے	بِرَبِّكَ	آپ کا رب		
	(ایمان واطاعت کا)		ہیں ہم اس بستی کو	بِذُنُوْبِ	اپنے بندوں کے		
مُتْرَفِيْهَا (۲)	اسکے خوش عیش لوگوں کو	تَدْمِيْرًا	پوری طرح غارت کرنا	عِبَادِهٖ (۷)	گناہوں کو		
فَفَسَقُوْا (۳)	پس وہ حد سے تجاوز	وَكَمْ (۶)	اور بہت سی	خَبِيْرًۢا	جاننے		
	کرتے ہیں	اَهْلَكْنَا	ہلاک کیں ہم نے	بَصِيْرًا	دیکھنے کے اعتبار سے		

(۱) أَمَرْنَا جملہ جزائیہ ہے۔ اَمَرْنَا فعل بافاعل۔ مُتْرَفِيْهَا (مرکب اضافی) مفعول بہ بطاعة الله ظروف محذوف کما قاله ابن عباسؓ وسعيد بن جبير (الدرالمنثور) (۲) مُتْرَفِيْ اصل میں مُتْرَفِيْنَ (اسم مفعول جمع مذکر) ہے اضافت کی وجہ سے نون جمع گر گیا ہے اِتْرَاف (افعال) عیش دینا، خوش حالی دینا۔ مُتْرَف: خوش حال، فارغ البال اور عیش پرست آدمی (۳) فَسَقَ (ن،ض) فِسْقًا: حق وصلاح کے راستہ سے ہٹ جانا، بدکار رہونا اس مادہ میں خروج کے معنی ہیں کہا جاتا ہے فَسَقَ الرُّطَبُ عَنْ قِشْرِهٖ: کھجور اس کے چھلکے سے نکل آئی۔ پس شریعت کے مقررہ دائرہ سے باہر نکل جانا فسق ہے (۴) حَقَّ (ن،ض) حقًّا وحَقَّةً الأمرُ: ثابت وواجب ہونا (۵) دَمَّرَ تدميرًا: خراب کرنا، ہلاک کرنا، اکھیڑ مارنا۔ دَمَرَ (ن) دُمُوْرًا: ہلاک ہونا اور مفعول مطلق تاکید ومبالغہ کے لئے ہے (۶) كَمْ خبریہ ہے مِنَ الْقُرُوْنِ اس کی تمیز ہے اور من تبیین کے لئے ہے اور من بعد میں مِنْ ابتدائے غایت کے لئے ہے (۷) بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ متعلق ہے خَبِيْرًا اور بَصِيْرًا سے علی سبیل التنازع اور ظرف کو رعایت فاصلہ کی وجہ سے مقدم کیا گیا ہے اور بربك فاعل ہے كفى کا اور باء زائد ہے اور خَبِيْرًا بَصِيْرًا نسبت سے تمیز ہے ۱۲

سنتِ الٰہی یہ ہے کہ دنیوی عذاب بعثتِ انبیاء سے پہلے تو نازل نہیں کیا جاتا، مگر انبیائے کرام کو بھیج کر حجت تام کردی جاتی ہے، تو عذاب آنے میں دیر بھی نہیں لگتی۔ ارشاد ہے: —— اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں —— یعنی اللہ کے علم میں جب کسی قوم کی، شامت اعمال کی وجہ سے، ہلاکت کا وقت قریب آجاتا ہے —— تو ہم (پہلے) اس بستی کے خوش حال لوگوں کو (رسولوں کے ذریعہ ایمان واطاعت) کا حکم دیتے ہیں —— یعنی اللہ تعالیٰ دفعۃً کسی بستی والوں کو نہیں پکڑتے، پہلے اتمام حجت کرتے ہیں، پھر سزا دیتے ہیں اور اتمام حجت کے لئے رسولوں کے ذریعہ ایمان واطاعت کا حکم دیا جاتا تھا —— پھر وہ اس میں نافرمانیاں کرنے لگتے ہیں —— پیغام خداوندی ٹھکرادیتے ہیں اور کھلے بندوں حکم عدولیاں کرتے ہیں —— اور اس بستی پر اللہ کی بات چسپاں ہوجاتی ہے —— یعنی بستی والے علانیہ جرم کرکے عذاب کے مستحق ہوجاتے ہیں —— تو ہم اس بستی کو غارت کردیتے ہیں —— یعنی اس کو صفحۂ ہستی سے مٹادیتے ہیں۔

مثالیں —— اور ہم نے نوح کے بعد کتنی ہی نسلیں تباہ وبرباد کردیں —— قوم نوح کی تباہی سے تو تم واقف ہی ہو اس کے بعد بھی ہم نے بہت سی قوموں کو تباہ کرڈالا، جیسے عاد وثمود، جن کا کرّوفر مثالی تھا۔ جب ان کا شر وفساد حد سے تجاوز کرگیا تو ان کو شجر ممنوعہ کی طرف جڑ مول سے اکھاڑ پھینکا —— اور آپ کے رب اپنے بندوں کے گناہوں سے پوری طرح باخبر ہیں اور سب کچھ دیکھ رہے ہیں۔

آیت پاک میں خوش عیش مالداروں کا خصوصیت سے ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ عام لوگ حاکموں اور مالداروں کے اخلاق واعمال سے متأثر ہوتے ہیں اور جب بڑے لوگ بدعمل ہوجاتے ہیں تو پوری قوم بدعمل ہوجاتی ہے اور بڑے لوگ سنور جاتے ہیں تو چھوٹے خواہی نخواہی سنورنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ مشہور کہاوت ہے **النَّاسُ عَلَی دِیْنِ مُلُوْکِهِمْ** (لوگ اپنے بادشاہوں کے طور طریق اپناتے ہیں) چنانچہ جب سے برے لوگ برسر اقتدار آئے ہیں ساری دنیا بگاڑ سے بھر گئی ہے اور جب سے ناک والوں نے ریت رواج کی پابندی شروع کی ہے سارا معاشرہ رسوم میں پھنس گیا ہے۔ لہٰذا جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے مال ودولت دی ہے ان کو اپنے اعمال واخلاق کی اصلاح کی سب سے پہلے اور سب سے زیادہ فکر کرنی چاہئے۔ اصلاح معاشرہ کی محنت بھی اسی وقت کامیاب ہوسکتی ہے جب پہلے بڑے سنور جائیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص اچھی راہ نکالتا ہے اس کو اس راہ پر چلنے کا ثواب بھی ملتا ہے اور جس قدر لوگ اس اچھی راہ پر چلیں گے ان کے اجر میں سے بھی اس اچھی راہ نکالنے والے کو حصہ ملے گا۔ یہی حال بری راہ چلانے والوں کا ہے۔ پس اگر آج بھی خوش عیش مسلمان عیش پرستی میں پڑ کر دین سے غافل ہوجائیں گے تو پوری قوم ان کی

راہ پر چل پڑے گی اور ساری قوم کے اعمال بد کا وبال ان بڑوں کو بھگتنا پڑے گا۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿١٨﴾ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَ سَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿١٩﴾ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ﴿٢٠﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّ اَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ﴿٢١﴾

مَنْ	جو شخص	جَعَلْنَا	تجویز کی ہے ہم نے	لَهَا	اس کے لئے
كَانَ يُرِيْدُ	چاہتا ہے	لَهٗ	اس کے لئے	سَعْيَهَا (٥)	آخرت والی کوشش
الْعَاجِلَةَ (١)	دنیا	جَهَنَّمَ	دوزخ	وَهُوَ	درانحالیکہ وہ
عَجَّلْنَا	جلدی دیتے ہیں ہم	يَصْلٰهَا (٢)	جلے گا وہ اس میں	مُؤْمِنٌ	مؤمن ہے
لَهٗ	اس کو	مَذْمُوْمًا (٣)	ملامت خوردہ	فَاُولٰٓئِكَ	تو یہ لوگ
فِيْهَا	دنیا میں	مَّدْحُوْرًا (٤)	دھتکارا ہوا	كَانَ	ہے
مَا نَشَآءُ	جتنا چاہتے ہیں ہم	وَمَنْ	اور جو شخص	سَعْيُهُمْ	ان کی کوشش
لِمَنْ	جس کے لئے	اَرَادَ	چاہتا ہے	مَّشْكُوْرًا (٦)	مقبول
نُّرِيْدُ	چاہتے ہیں ہم	الْاٰخِرَةَ	آخرت کو	كُلًّا (٧)	ہر ایک کو
ثُمَّ	پھر	وَسَعٰى	اور کوشش کی ہے اس نے	نُّمِدُّ	کمک پہنچاتے ہیں ہم

(۱) عَاجِلَةٌ (اسم فاعل) جلدی آنے والی۔ مراد دنیا ہے اس کا موصوف محذوف ہے أی الدار العاجلة (جلدی والا گھر) پھر موصوف کو حذف کر کے صفت کو اس کے قائم مقام کر دیا ہے یہی تقدیر عبارت الدنیا اور الآخرۃ کی ہے (۲) يَصْلَاهَا جملہ مستانفہ ہے یا لَهٗ کی ضمیر سے حال ہے صَلِيَ (س) صَلًى و صِلِيًّا: آگ کی گرمی برداشت کرنا۔ آگ میں جلنا (۳) مَذْمُوْم (اسم مفعول) ذَمَّهٗ (ن) ذَمًّا وَمَذَمَّةً: برائی بیان کرنا (۴) مدحور (اسم مفعول) دَحَرَهٗ (ف) دَحْرًا وَدُحُوْرًا: دھتکارنا، دور کرنا، دفع کرنا مَذْمُوْمًا اور مَدْحُوْرًا یصلی کی ضمیر فاعل سے حال ہیں (۵) سَعْيَهَا مفعول بہ اور مفعول مطلق دونوں ہو سکتے ہیں (۶) مشکور (اسم مفعول) شکریہ ادا کیا ہوا۔ بہتر سلوک پر تعریف کیا ہوا مجازی معنی ہیں بدلہ دیا ہوا۔ کہا جاتا ہے: شَكَرَ اللّٰهُ سَعْيَكَ یعنی ←

هٰٓؤُلَآءِ	اِن کو	عَطَآءُ رَبِّكَ	تیرے رب کی بخشش	عَلٰى بَعْضٍ	بعض پر
وَهٰٓؤُلَآءِ	اور اُن کو	مَحْظُوْرًا[۱]	بند (روکی ہوئی)	وَلَلْاٰخِرَةُ[۲]	اور یقیناً آخرت
مِنْ عَطَآءِ	تیرے رب کی	اُنْظُرْ	دیکھ	اَكْبَرُ	بہت بڑی ہے
رَبِّكَ	بخشش سے	كَيْفَ	کس طرح	دَرَجٰتٍ	درجات کے اعتبار سے
وَمَا	اور نہیں	فَضَّلْنَا	برتری بخشی ہم نے	وَّاَكْبَرُ	اور بہت بڑی ہے
كَانَ	ہے	بَعْضَهُمْ	ان میں بعض کو	تَفْضِيْلًا	فضیلت کے اعتبار سے

اب آخرت پر ایمان لانے والوں کا اور ایمان نہ لانے والوں کا دنیوی اور اخروی انجام بیان کیا جاتا ہے۔

منکر آخرت ـــــ جو شخص دنیا کا خواہش مند ہے ہم اس کو دنیا میں جتنا چاہتے ہیں، اور جس کے لئے چاہتے ہیں: جلدی دیدیتے ہیں ـــــ چونکہ دنیا کی حیثیت اللہ کے نزدیک مچھر کے پَر کے برابر بھی نہیں، اس لئے جس کو جس قدر دینا مصلحت ہوتا ہے عیش وآرام اور مال ومنال دیتے ہیں ـــــ پھر ہم نے اس کے لئے (آخرت میں) جہنم تجویز کر رکھی ہے، جس میں وہ ملامت خوردہ پھٹکارا ہوا بھنے گا ـــــ یعنی اُخروی سعادت اس کے لئے مقدر نہیں۔ جب دنیا کی چندروزہ عیش نمٹ جائے گی تو وہ جہنم کے ابدی جیل خانہ میں دھکیل دیا جائے گا، اور وہاں بریاں سوزاں پڑا رہے گا۔

مومن کا حال ـــــ اور جو شخص آخرت کا خواہش مند ہے، اور اس کے لئے جیسی کوشش کرنی چاہئے، ایمان کی حالت میں اس نے ویسی کوشش کی ہوگی، تو ایسے لوگوں کی سعی مشکور ہوگی ـــــ ان کی محنت رائگاں نہیں جائے گی۔ ان کے اعمال حسنِ قبول سے نوازے جائیں گے۔ اور ان کو ابدی نعمتوں سے ہمکنار کیا جائے گا۔

دنیا میں دونوں کے ساتھ معاملہ ـــــ ہم دونوں ہی کی، اِن کی بھی اور اُن کی بھی، تیرے رب کی بخشائشوں میں مدد کرتے ہیں۔ اور آپ کے رب کی بخشش سیل بند نہیں ـــــ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت ومصلحت کے موافق

← اللہ تمہاری کوشش کی جزادیں اور جزاوثواب مقبول عمل پر ملتا ہے اس لئے مقبول ترجمہ کیا گیا ہے (۷) كُلًّا کی تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے أی کل الفریقین اور یہ نُمِدُّ کا مفعول بہ ہے جو مقدم کیا گیا ہے اور ھٰؤلاء وھؤلاء بدل کل ہیں كُلًّا سے ۱۲

(۱) مَحْظُوْر (اسم مفعول) روکا ہوا، منع کیا ہوا حَظَرَهُ (ض) حَظْرًا: روکنا منع کرنا (۲) لَلْاٰخِرَةُ کا پہلا لام، لام ابتدا ہے جو مضمون جملہ کی تاکید کے لئے ہے اور الآخرةُ مبتدا ہے اور أكبر إلخ خبر ہے اور درجاتٍ اور تَفْضِيْلًا، أَكْبَرُ کی تمیزیں ہیں اور مفضل علیہ عام محذوف ہے أی أكبر من كل شيئ۔

مسلمانوں کو بھی جو آخرت پر یقین رکھتے ہیں، اور اس کے لئے واجبی تیاری کرتے ہیں، اور کافروں کو بھی جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے، اور دنیا کے پیچھے اپنی محنتیں ضائع کررہے ہیں: دنیا کا مال ومتاع، عیش وآرام اور خوش حالی عطا فرماتے ہیں۔ دنیوی نعمتوں کے دروازے کسی پر بند نہیں۔ مگر یہ بات بھی ہے کہ دنیا سب کو یکساں نہیں ملتی۔ ارشاد ہے: —— غور کرو! ہم نے کس طرح بعض کو بعض پر ترجیح دی ہے؟ —— اللہ نے اس دنیا میں نہ سب کافروں کو یکساں رکھا ہے، نہ سب مؤمنوں کو۔ مال ومنال، عزوجاہ، آل اولاد، اور راحت وآرام میں بعض کو بعض پر فوقیت دی ہے۔ جہاں منکرین آخرت صاحبِ اقتدار اور دولت وثروت والے ہیں، وہیں خاک نشیں، ذلیل وخوار، بے آل واولاد اور نانِ شبینہ کے محتاج بھی ہیں۔ اور یہی حال مسلمانوں کا بھی ہے۔ اور اس میں حکمت یہ ہے کہ لوگ دنیا کی خوشحالی اور فراغبالی کو مذہب کی حقانیت کی دلیل نہ سمجھ لیں۔ البتہ آخرت کا حال دنیا سے مختلف ہوگا۔ ارشاد ہے —— اور آخرت بالیقین درجات اور فضیلت کے اعتبار سے بہت بڑی ہے —— جو صرف مؤمنین کے لئے ہے، کافروں کا اس میں کوئی حصہ نہیں!

فائدہ: آخرت میں عمل کی قبولیت کے لئے تین شرطیں ہیں: ۱- عمل صحیح عقیدہ سے ہو ﴿وَهُوَ مُؤْمِنٌ﴾ کا یہی مطلب ہے ۲- صحیح نیت سے ہو، یعنی اللہ کی خوشنودی کے لئے کیا گیا ہو، کوئی دنیوی غرض اس میں شامل نہ ہو ۳- عمل: شریعت کی تعلیم کے مطابق ہو، اس میں خود رائی شامل نہ ہو، نہ من گھڑت طریقوں پر انجام دیا گیا ہو۔ پس بدعات ورسوم آخرت میں کچھ بھی مفید نہیں، بلکہ بہت سخت ضرر رساں ثابت ہونگی۔

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ﴿۲۲﴾ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿۲۳﴾ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴿۲۴﴾ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ﴿۲۵﴾

لَا تَجْعَلْ	مت تجویز کر	مَعَ اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کے ساتھ	اِلٰهًا اٰخَرَ	کوئی اور معبود

فَتَقْعُدَ(۱)	پس بیٹھ رہے گا تو	يَبْلُغَنَّ	پہنچے	قَوْلًا	بات
مَذْمُوْمًا	ملامت خوردہ	عِنْدَكَ	تیرے پاس	كَرِيْمًا(۱۰)	باادب
مَّخْذُوْلًا(۲)	بے یارومددگار	الْكِبَرَ(۷)	بڑھاپے کو	وَاخْفِضْ(۱۱)	اور جھکا
وَقَضٰى(۳)	اور حکم دیا	اَحَدُهُمَآ	ان میں سے ایک	لَهُمَا	دونوں کے لئے
رَبُّكَ	تیرے رب نے	اَوْ كِلٰهُمَا	یا دونوں	جَنَاحَ	بازو
اَلَّا(۴)	کہ نہ	فَلَا تَقُلْ	پس مت کہہ تو	الذُّلِّ(۱۲)	انکساری کا
تَعْبُدُوْٓا	عبادت کرو تم	لَّهُمَآ	ان دونوں سے	مِنَ الرَّحْمَةِ(۱۳)	مہربانی سے
اِلَّآ اِيَّاهُ	مگر اس کی	اُفٍّ(۸)	اُف	وَقُلْ	اور کہہ تو
وَبِالْوَالِدَيْنِ(۵)	اور والدین کے ساتھ	وَّلَا تَنْهَرْهُمَا(۹)	اور نہ جھڑک تو ان کو	رَّبِّ	اے پروردگار
اِحْسَانًا	حسن سلوک کرو	وَقُلْ	اور کہہ تو	ارْحَمْهُمَا	مہربانی فرما دونوں پر
اِمَّا(۶)	اگر	لَّهُمَا	ان سے	كَمَا(۱۴)	جس طرح

(۱)تَقْعُدَ (فعل مضارع منصوب) فَا جواب نہی میں آئی ہے اس لئے اس کے بعد اَنْ ناصبہ مقدر ہے قَعَدَ(ن) قُعُوْدًا کے اصل معنی ہیں بیٹھنا اور بہ معنی تَصِیْر بھی ہوسکتا ہے اس وقت فعل ناقص ہوگا اور پہلی صورت میں مَذْمُوْمًا اور مَخْذُوْلًا احوال مترادفہ ہیں اور دوسری صورت میں خبریں ہیں (۲)مَخْذُوْل (اسم مفعول) خَذَلَهٗ(ن) خَذْلًا: بے مدد چھوڑ دینا (۳) یہاں قَضٰى يَقْضِىْ قَضَاءً کے معنی ہیں فیصلہ کرنا، طے کرنا یا حکم دینا (۴) اَلَّا میں اَنْ مصدریہ ہے اور لا نافیہ ہے اور جملہ بہ تاویل مصدر ہوکر قضی کا مفعول ہے (۵) بالوالدین کا متعلق محذوف ہے أی تُحْسِنُوْا اور اِحْسَانًا فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے اور فعل محذوف جملہ ہوکر لَاتَعْبدوا پر معطوف ہے ۱۲(۶) اِمَّا میں اِنْ شرطیہ ہے اور ما زائد برائے تاکید ہے اسی وجہ سے فعل مضارع پر نون مشدد برائے تاکید آیا ہے (۷) اَلْكِبَرَ (اسم مصدر) پیرانہ سالی، بڑھاپا، یہ يَبْلُغَنَّ کا مفعول بہ ہے اور اَحَدُهُمَا اور كِلَاهُمَا فاعل ہیں۔ اور عِنْدَكَ ظرف ہے (۸) اُف یا تو اسم فعل ہے یا اسم صوت جو تنگ دلی اور گرانی کو ظاہر کرنے کے لئے ہے (۹) نَهَرَ (ف) نَهْرًا السائل: سائل کو ڈانٹنا (۱۰) کریم کے بہت سے معانی ہیں مگر جب وہ کسی چیز کی صفت ہو تو اس سے مراد اس چیز کا اچھی صفات کے ساتھ متصف ہونا ہوتا ہے جیسے زَوْج کریم (عمدہ قسم) مقام کریم (عمدہ جگہ) قول کریم (اچھی بات) (۱۱) اِخْفِضْ (فعل امر) خَفَضَهٗ(ض) خَفْضًا: پست کرنا (۱۲) الذل (مصدر) تابعداری، ذلت، انکساری، تواضع، نرمی (۱۳) من الرحمة میں من یا تعلیلہ ہے یعنی شفقت و مہربانی کی وجہ سے، لوگوں کے عار دلانے کی وجہ سے نہیں یا ابتدائیہ ہے یعنی قلبی مہربانی کی وجہ سے یہ عمل ہونا چاہئے (۱۴) كما میں کاف حرف تشبیہ ہے اور جار مجرور مصدر مقدر کی صفت ہیں أی رب ارْحَمْهُمَا رَحْمَةً مِثْلَ رَحْمَتِهِمَا لِیْ۔

رَبَّيٰنِيۡ (۱)	پرورش کی انھوں نے میری	بِمَا	اس چیز کو جو	فَاِنَّهٗ	تو بے شک اللہ تعالیٰ
صَغِيۡرًا	بچپن میں	فِىۡ نُفُوۡسِكُمۡ	تمہارے دلوں میں ہے	كَانَ	ہیں
رَبُّكُمۡ	تمہارے پروردگار	اِنۡ تَكُوۡنُوۡا	اگر ہوئے تم	لِلۡاَوَّابِيۡنَ (۲)	توبہ کرنے والوں کیلئے
اَعۡلَمُ	خوب جانتے ہیں	صٰلِحِيۡنَ	نیک	غَفُوۡرًا	بڑے بخشش فرمانے والے

آخرت میں کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ صحیح عقیدہ کے ساتھ اور صحیح نیت کے ساتھ شریعت کے مطابق عمل کیا جائے۔آخرت کی نعمتیں انہی لوگوں کے لئے ہیں جو آخرت کے لئے واجبی کوشش کرتے ہیں۔اب یہاں سے دور تک وہ احکام ذکر کئے گئے ہیں جن پر عمل کرنے سے آخرت کے بلند درجات حاصل ہوتے ہیں اور نہ صرف آخرت خوشگوار ہوتی ہے بلکہ دنیا بھی سنورتی ہے:

پہلا حکم ـــــ توحید ـــــ توحید کے لغوی معنی ہیں ایک بنانا اور شریعت کی اصطلاح میں توحید کے معنی ہیں ایک خدا پر ایمان لانا۔پھر توحید کی تین قسمیں ہیں۔

① ـــ توحید الوہیت: صرف ایک ذات کو معبود ماننا، کسی دوسری ہستی کو اس جیسا نہ ماننا، توحید الوہیت کو توحید ذات بھی کہتے ہیں۔

② ـــ توحید ربوبیت: صرف ایک ذات کو پروردگار اور پالنہار ماننا، کسی دوسری ذات کو ربوبیت میں شریک نہ گردانا۔توحید ربوبیت کو توحید صفات بھی کہتے ہیں۔

③ ـــ توحید عبادت: صرف اللہ کی پرستش کرنا، کسی دوسرے کی پوجا نہ کرنا۔

توحید یہ تینوں قسمیں مامور بہ ہیں جو شخص اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی دوسرے کو بھی معبود مانتا ہے وہ مشرک ہے اسی طرح جو غیر اللہ کو خالق و مالک مانتا ہے یا غیر اللہ کی پوجا کرتا ہے وہ بھی مشرک ہے۔ارشاد ہے ـــــ اللہ کے ساتھ دوسرا معبود تجویز مت کر، ورنہ بدحال بے یار و مددگار ہو کر بیٹھ رہے گا! ـــــ یعنی اگر تیرا دامن شرک سے آلودہ ہو گیا تو آخرت میں تیرا کوئی پرسان حال نہ ہوگا۔تجھ پر اللہ کی اس کے فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی پھٹکار برسے گی ـــــ اور آپ کے رب نے حکم دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت مت کرو ـــــ یعنی ایک خدا کو ماننا کافی

(۱۰) رَبَّيَانِيْ تَرْبِيَةٌ سے فعل ماضی، صیغہ تثنیہ مذکر غائب، تثنیہ کا نون الف کے بعد محذوف ہے ن وقایہ کا اوری ضمیر واحد متکلم ہے
(۱۱) اَوَّابِيْنَ جمع ہے اَوَّابٌ کی جو مبالغہ کا صیغہ ہے اور اس کے معنی ہیں بہت رجوع ہونے والا۔بہت توبہ کرنے والا۔حدیث میں ہے کہ اَوَّابٌ وہ شخص ہے جو تنہائی میں اپنے گناہوں کو یاد کر کے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کا خواستگار ہو (رواہ الدیلمی عن ابن عمرؓ)

نہیں، توحید الوہیت کے ساتھ توحید عبادت بھی ضروری ہے۔ایک خدا کا عقیدہ تو تمام مشرک اقوام میں موجود ہے مگر وہ صنم پرستی کے ساتھ کچھ مفید نہیں۔توحید ذات اسی وقت معتبر ہے جب بندہ اسی کی عبادت کرے، کسی دوسرے کی چوکھٹ پر جبّہ سائی نہ کرے۔

دوسرا حکم ـــــ والدین کے ساتھ نیک سلوک ـــــ انسان کو وجود حقیقۃً اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے مگر والدین سبب ظاہری ہیں۔اس لئے متعدد آیات میں والدین کے حقوق کو اللہ تعالیٰ کے حقوق کے ساتھ ملا کر بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے ـــــ اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو ـــــ یعنی:

ا ـــ ان کی زندگی میں جان و مال سے ان کی خدمت کرو اور ہمیشہ ان کو خوش رکھو۔

۲ ـــ دل سے والدین کی تعظیم کرو اور ان سے محبت رکھو۔

۳ ـــ والدین کی وفات کے بعد ان کے لئے دعائے مغفرت کرتے رہو۔

۴ ـــ والدین کے کئے ہوئے عہد و پیمان جہاں تک ممکن ہو پورے کرو۔

۵ ـــ والدین کے دوستوں کے ساتھ حسن سلوک کرو، اور ان کے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔

روایات ـــــ صحیحین میں مروی ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا: ''اللہ کے نزدیک سب سے محبوب عمل کونسا ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''وقت پر نماز پڑھنا'' سائل نے پوچھا ''پھر؟'' آپؐ نے فرمایا: ''والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنا'' (مشکوٰۃ حدیث ۵۶۸)

ایک دوسری روایت میں ہے: ''باپ جنت کا درمیانی (بہترین) دروازہ ہے، اب اولاد کو اختیار ہے اس کی حفاظت کرے یا اس کو ضائع کرے'' (مشکوٰۃ حدیث ۴۹۲۸)

آپؐ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ کی خوشنودی باپ کی خوشنودی میں ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی باپ کی ناراضگی میں ہے'' (مشکوٰۃ حدیث ۴۹۲۷)

حدیث ـــــ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے آنحضور ﷺ سے دریافت کیا: اولاد پر ماں باپ کا کیا حق ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''وہ دونوں تیری جنت ہیں یا دوزخ'' یعنی والدین کی اطاعت و خدمت کر کے آدمی جنت حاصل کر سکتا ہے اور ان کی بے ادبی، ایذا رسانی اور ناراضگی مول لے کر جہنم رسید بھی ہو سکتا ہے۔

حدیث ـــــ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: میں خواب میں جنت میں گیا۔ وہاں میں نے قراءت کی آواز سنی، میں نے پوچھا: یہ کون پڑھ رہا ہے؟ فرشتوں نے بتایا: حارث بن نعمان

آنحضور ﷺ نے فرمایا: ''یہ حسن سلوک کا نتیجہ ہے، یہ حسن سلوک کا نتیجہ ہے وہ اپنی والدہ کے ساتھ بہت زیادہ حسن سلوک کیا کرتے تھے (مشکوۃ حدیث ۴۹۲۶) ـــــ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ماں کے ساتھ حسن سلوک خاص طور پر موجب جنت ہے۔

اب ذیل میں چند ضروری مسائل ذکر کئے جاتے ہیں:

مسئلہ (۱) ماں حسن سلوک کی باپ سے زیادہ حقدار ہے۔ ایک شخص نے آنحضور ﷺ سے دریافت کیا کہ میری بہترین رفاقت (حسن سلوک) کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے؟ آپؐ نے جواب دیا: ''تیری ماں'' سائل نے پوچھا پھر؟ آپؐ نے فرمایا: ''تیری ماں'' سائل نے پوچھا: پھر؟ آپؐ نے فرمایا: ''تیری ماں'' سائل نے چوتھی بار دریافت کیا: پھر؟ آپؐ نے جواب دیا تیرا باپ (متفق علیہ، مشکوۃ حدیث ۴۹۱۱) ـــــ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حسن سلوک میں ماں کا حق باپ سے زیادہ ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ایک صحابی نے دریافت کیا: میں کس کے ساتھ حسن سلوک کروں؟ آپؐ نے فرمایا: ''اپنی ماں کے ساتھ'' انھوں نے پوچھا: پھر کس کے ساتھ؟ آپؐ نے فرمایا: ''اپنی ماں کے ساتھ'' انھوں نے سہ بارہ پوچھا: پھر کس کے ساتھ؟ آپؐ نے فرمایا ''اپنی ماں کے ساتھ'' انھوں نے چوتھی بار دریافت کیا: پھر کس کے ساتھ؟ آپؐ نے فرمایا: ''اپنے باپ کے ساتھ پھر درجہ بدرجہ دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ (مشکوۃ حدیث ۴۹۲۹)

مسئلہ (۲) ماں باپ کافر ہوں تب بھی ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحب زادی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ صلح حدیبیہ کے بعد مصالحت کے زمانہ میں میری ماں میرے یہاں آئیں اور وہ غیر مسلم تھیں۔ میں نے آنحضور ﷺ سے دریافت کیا کہ میری ماں میرے یہاں آئی ہے اور وہ امید لے کر آئی ہے تو کیا میں ان کے ساتھ صلہ رحمی کروں؟ آپؐ نے فرمایا: ''ہاں! تم ان کے ساتھ صلہ رحمی کرو'' (متفق علیہ، مشکوۃ حدیث ۴۹۱۳)

اور سورۂ لقمان آیت ۱۵ میں ہے: ''شرک وکفر میں تو والدین کی بات ماننا جائز نہیں مگر دنیا میں ان کے ساتھ خوبی سے بسر کرنا چاہئے'' اس لئے اگر والدین غیر مسلم بھی ہوں مگر غربت کی وجہ سے مالی تعاون کے محتاج ہوں یا بڑھاپے کی وجہ سے خدمت کے محتاج ہوں تو مسلمان اولاد پر لازم ہے کہ ان کے ساتھ حسن سلوک کرے، اور ان کے ساتھ خوبی سے بسر کرے۔

مسئلہ (۳) ماں باپ کے مرنے کے بعد ان کے دوستوں اور متعلقین کے ساتھ حسن سلوک کرنا بھی والدین کے

ساتھ سلوک کرنا ہے۔حدیث شریف میں ہے کہ:''سب سے بڑا احسن سلوک یہ ہے کہ آدمی باپ کے مرنے کے بعد اس کے دوستوں کا خیال رکھے'' (مشکوٰۃ حدیث ۴۹۱۷)

حدیث ـــ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ایک مرتبہ مکہ شریف جارہے تھے۔راستہ میں ایک آدمی ملا،ابن عمرؓ نے اس کو سلام کیا اور اس کو اپنے ساتھ گدھے پر بٹھالیا،اور اپنے سر سے پگڑی اتار کر اس کو عنایت فرمائی۔ان کے شاگرد ابن دینار نے عرض کیا کہ یہ لوگ تو دیہاتی ہیں،کوئی معمولی چیز دی جائے تو بھی خوش ہوجاتے ہیں یعنی آپ نے اس کا اتنا اکرام کیوں کیا؟ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ اس کا باپ مرے والد حضرت عمرؓ کا دوست تھا اور میں نے آنحضور ﷺ سے یہ ارشاد سنا ہے کہ:''اولاد کا سب سے بڑا احسن سلوک باپ کے دوستوں کے ساتھ حسن سلوک ہے'' (رواہ مسلم،روح المعانی ۱۵:۵۸)

حدیث ـــ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے ابوبُردہ رحمہ اللہ ایک بار مدینہ منورہ آئے۔ حضرت ابن عمرؓ ان سے ملنے گئے۔دوران ملاقات پوچھا کہ جانتے ہو میں آپ سے ملنے کیوں آیا ہوں؟ انھوں نے عرض کیا:نہیں!ابن عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے آنحضور ﷺ سے سنا ہے کہ''جو شخص مرنے کے بعد اپنے والد کے ساتھ صلہ رحمی کرنا چاہتا ہے اس کو چاہئے کہ وہ والد کے دوستوں سے صلہ رحمی کرے''اور میرے ابا اور آپ کے ابا کے درمیان محبت اور بھائی چارہ تھا اس لئے میں اس تعلق کی خاطر آپ سے ملنے آیا ہوں (روح المعانی ۱۵:۵۹)

مسئلہ(۴) والدین کے ساتھ حسن سلوک ان کی حیات کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ مرنے کے بعد بھی ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا ضروری ہے۔حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص دربار نبوی میں حاضر ہوا اور اس نے دریافت کیا: یارسول اللہ! والدین کے ساتھ حسن سلوک میں سے کیا کوئی ایسی چیز بھی باقی رہ جاتی ہے جو ان کے مرنے کے بعد کی جائے؟ آنحضور ﷺ نے جواب دیا:''جی ہاں!(۱) ان کے لئے دعائیں کرنا(۲) ان کے لئے استغفار کرنا(۳) ان کے جو عہد و پیمان باقی رہ گئے ہوں ان کو پورا کرنا(۴) اس ناتے کو جوڑنا جس کا تعلق ان دونوں ہی کے ساتھ ہو(۵) اور ان کے دوستوں کا اکرام کرنا'' (مشکوٰۃ حدیث ۴۹۳۶) یعنی یہ پانچ کام بھی والدین کے ساتھ حسن سلوک میں شامل ہیں اور یہ کام والدین کی حیات میں نہیں بلکہ ان کی وفات کے بعد کئے جاتے ہیں۔

مسئلہ(۵) ماں باپ کے ساتھ بدسلوکی کرنا کبیرہ گناہوں میں سے بھی بڑا گناہ ہے۔حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''بڑے گناہ یہ ہیں(۱) اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا (۲) والدین کے ساتھ بدسلوکی کرنا(۳) کسی کو ناحق قتل کرنا(۴) جھوٹی قسم کھانا'' (مشکوٰۃ حدیث ۵۰)

اور حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے تم پر ماں کے ساتھ بدسلوکی کرنا، لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا، اور دینا نہیں اور مانگنا (یعنی اپنے مال میں بخیلی کرنا، اور لوگوں سے مانگنا) حرام کیا ہے اور ردّ وکدّ، سوالات کی بہتات اور مال برباد کرنے کو ناپسند کیا ہے'' (مشکوٰۃ حدیث ۴۹۱۵)

اور حدیث شریف میں ہے کہ والدین کے ساتھ بدسلوکی کرنے کی سزا دنیا ہی میں ملتی ہے۔ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''گناہوں میں سے اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں بخش دیتے ہیں مگر والدین کے ساتھ بدسلوکی مستثنیٰ ہے اس گناہ کی سزا مرنے سے پہلے ہی دنیا میں دی جاتی ہے (مشکوٰۃ حدیث ۴۹۴۵)

مسئلہ (۶) اگر کوئی شخص زندگی میں والدین کے ساتھ بدسلوکی کرتا رہا تو اب اس کا کفارہ یہ ہے کہ والدین کے لئے دعائیں کرے، ایصال ثواب کرے، ان کی قبروں پر جائے، اور ان کے لئے استغفار کرے۔ حدیث شریف میں ہے کہ: ''جس شخص کے ماں باپ کا: دونوں کا یا ان میں سے کسی ایک کا انتقال ہو جائے اور وہ زندگی میں ان کے ساتھ بدسلوکی کرتا رہا ہو مگر وفات کے بعد برابر ان کے لئے دعائیں کرتا رہے اور استغفار کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ اس کو حسن سلوک کرنے والا قرار دیتے ہیں'' (مشکوٰۃ حدیث ۴۹۴۲) — ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جو شخص ہر جمعہ کو والدین کی یا ان میں سے کسی ایک کی قبر پر جائے تو اس کی بخشش کر دی جاتی ہے اور وہ حسن سلوک کرنے والا قرار دیا جاتا ہے۔ (روح المعانی ۱۵:۵۸)

عجیب بات — والدین کے ساتھ زندگی بھر حسن سلوک کرنے والا ان کے مرنے کے بعد بدسلوکی کرنے والا قرار دیا جاتا ہے اور زندگی بھر بدسلوکی کرنے والا ان کے مرنے کے بعد حسن سلوک کرنے والا بن جاتا ہے۔ امام اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ جس شخص نے زندگی میں والدین کے ساتھ بدسلوکی کی ہو پھر وفات کے بعد ان کا قرضہ ادا کرے ان کے لئے استغفار کرے اور ان کو گالیاں نہ دلوائے تو وہ حسن سلوک کرنے والا قرار دیا جاتا ہے۔ اور جو زندگی میں تو حسن سلوک کرتا رہا مگر ان کی وفات کے بعد ان کا قرضہ ادا نہ کیا، نہ ان کے لئے استغفار کیا اور دوسروں سے ان کو گالیاں دلوائیں تو وہ بدسلوکی کرنے والا لکھ دیا جاتا ہے (روح المعانی ۱۵:۵۸) — اس میں خوش خبری ہے بدسلوکی کرنے والوں کے لئے اور ڈرنے کا مقام ہے حسن سلوک کرنے والوں کے لئے۔

مسئلہ (۷) ماں باپ کو گالی دینا یا برا کہنا یا دوسروں سے گالی دلوانا یا برا کہلوانا بھی کبیرہ گناہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ: ''کبیرہ گناہوں میں سے یہ بات بھی ہے کہ کوئی شخص اپنے والدین کو گالی دے'' صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! اپنے ماں باپ کو بھی کوئی شخص گالی دے سکتا ہے؟! آپؐ نے فرمایا: ہاں! (مثلاً) ایک شخص دوسرے کے باپ کو

گالی دیتا ہے، جواباًوہ اس کے باپ کو گالی دیتا ہے یا ایک شخص دوسرے کی ماں کو گالی دیتا ہے، جواباًوہ اس کی ماں کو گالی دیتا ہے'' (تو یہ خود اپنے ماں باپ کو گالی دینا اور دلوانا ہے) (اخرجہ البیہی، روح المعانی ۱۵:۵۸)

مسئلہ (۸) والدین کی فرمانبرداری بعض صورتوں میں واجب ہے بعض صورتوں میں مستحب اور بعض صورتوں میں ناجائز ـــ ناجائز اور گناہ کے کاموں میں والدین کی بلکہ کسی کی بھی اطاعت جائز نہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ: ''خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں'' (مشکوٰۃ حدیث ۴۹۱۶) ـــ صرف جائز کاموں میں والدین کی اطاعت واجب یا مستحب ہے حدیث شریف میں ہے کہ:

اَطِعْ رَبَّكَ وَوَالِدَيْكَ وَاِنْ اَمَرَاكَ اَنْ تَخْرُجَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ (بیہقی عن ام ایمن درمنثور ۴:۱۷۳) اپنے پروردگار کی اور اپنے والدین کی اطاعت کرو، اگرچہ وہ تجھے ہر چیز سے بے دخل ہوجانے کا حکم دیں۔

حدیث ـــ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میری ایک بیوی تھی، مجھے اس سے محبت تھی اور میرے ابا حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کو ناپسند کرتے تھے۔ انھوں نے مجھ سے کہا: ''اس بیوی کو طلاق دیدو'' میں نے انکار کیا حضرت عمرؓ نے آنحضرت ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا۔ حضور اکرم ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ ''اس کو طلاق دیدو'' (مشکوۃ حدیث ۴۹۴۰)

حدیث ـــ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ میرے ابا نے اصرار کر کے میرا ایک عورت سے نکاح کرایا اور اب وہ مجھے حکم دیتے ہیں کہ میں اس کو جدا کردوں؟ حضرت ابوالدرداءؓ نے جواب دیا کہ میں نہ تو تجھے والد کی نافرمانی کا حکم دیتا ہوں، نہ بیوی کو طلاق دینے کا۔ البتہ ایک حدیث سناتا ہوں جو میں نے خود آنحضرت ﷺ سے سنی ہے۔ فرمایا: ''باپ جنت کا درمیانی (بہترین) دروازہ ہے اب تیری مرضی ہے کہ خواہ اس کی حفاظت کر یا اس سے ہاتھ دھو بیٹھ!'' (ابن حبان، روح المعانی ۱۵:۶۰)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ والدین کا ہر حکم واجب الطاعہ نہیں۔ بعض واجب ہیں، بعض مستحب، تفصیل آگے آرہی ہے۔

مسئلہ (۹) والدین کے ساتھ بدسلوکی کیا ہے؟ روح المعانی میں بعض محققین کا قول لکھا ہے کہ: ''عقوق والدین کے ساتھ یا ان میں سے کسی ایک کے ساتھ ایسے برتاؤ کا نام ہے جس سے ان کو لوگوں کے عرف کے اعتبار سے غیر معمولی اذیت پہنچے۔ لیکن اگر باپ انتہائی احمق اور کم عقل ہو اور وہ کوئی ایسا حکم دے کہ یا کسی ایسی بات سے روکے جس کی مخالفت لوگوں کے عرف میں نافرمانی نہ سمجھی جاتی ہو تو ایسے امر و نہی کی مخالفت کرنے والا لڑکا فاسق نہ ہوگا۔ بناء علیہ اگر

کسی کو بیوی سے محبت ہے اور باپ بیوی کو طلاق دینے کا حکم دے ـــ اگر چہ وہ حکم عورت کی بدچلنی کی وجہ سے ہو ـــــ اورلڑکا اس حکم کی تعمیل نہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔البتہ افضل یہ ہے کہ باپ کی فرمانبرداری کرتے ہوئے اس عورت کوطلاق دیدے''

مختلف احوال:

(۱)علم دین کے دو درجے ہیں۔فرض عین اور فرض کفایہ ـفرض عین وہ علم ہےجس کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہےاور یہ دین کا وہ ضروری حصہ ہے جو اسلامی زندگی گذارنے کے لئے ضروری ہےاور دین کا مکمل علم حاصل کرنا فرض کفایہ ہے۔یعنی سب مسلمانوں پر فرض نہیں، بلکہ بقدر کفایہ (بقدر ضرورت) لوگوں پر فرض ہے۔یعنی اتنے لوگوں پر اس کی تحصیل فرض ہےجس کے ذریعہ مسلمانوں کی دینی ضرورت پوری ہو سکےاور اسلام کی حفاظت ہو سکے ـــــ یہی حال تبلیغ وجہاد کا بھی ہے کہ وہ عام حالات میں فرض کفایہ ہیں مگر خاص حالات میں فرض عین ہوجاتے ہیں۔پس دونوں درجوں کے احکام مختلف ہوں گے۔

(۲)صحت، طاقت اور قوت کے اعتبار سے بھی والدین کی دو حالتیں ہیں: ایک وہ زمانہ ہے جس میں والدین جسمانی خدمت کے محتاج نہیں ہوتے اور دوسری بڑھاپے اور بیماری کی حالت ہے جس میں وہ اولاد کی خدمت کے محتاج ہوجاتے ہیں اس لئے دونوں حالتوں کے احکام مختلف ہیں۔

(۳)معاشی لحاظ سے بھی والدین کی دو حالتیں ہیں: ایک خود کفیل ہونے کی حالت دوسری محتاجگی کی حالت۔یعنی کبھی والدین کے پاس گذارے کے لئے اندوختہ ہوتا ہے یا وہ کما سکتے ہیں اور کبھی تہی دست ہوتے ہیں اور کمانے کی قابلیت نہیں رکھتے پس دونوں حالتوں کے احکام جدا جدا ہیں۔

(۴)سفر کی اجازت نہ دینا بھی مختلف وجوہ سے ہوتا ہےایک محبت کی وجہ سے والدین نہیں چاہتے کہ اولاد ان کی نظروں سے دور ہو،دوسرے اولاد کی دینی مصلحت کی وجہ سے مثلاً لڑکا امرد خوبصورت ہےاس کو دوسری جگہ بھیجنا مناسب نہیں،یا وہ لڑکی ہوجس کا تحصیل علم کے لئے سفر کرنا مصلحت نہیں۔تیسرے دنیا طلبی کی وجہ سے۔ماں باپ چاہتے ہیں کہ لڑکا گھر رہےاور کاروبار میں ان کا ہاتھ بٹائے یا کاروبار سنبھالے۔چوتھے بے دینی کی وجہ سے۔پانچویں علم دین کی قدر نہ جاننے کی وجہ سے ـــ غرض سفر سے روکنے کی بھی مختلف وجوہ ہیں اس لئے ان کے احکام بھی مختلف ہیں۔

احکام:

(۱)اگر والدین غریب اور خدمت کے محتاج ہوں اور کوئی دوسرا خدمت گار نہ ہو یا وہ اولاد کی دینی مصلحت کی وجہ

سے سفر کرنے سے منع کریں تو ان کی اطاعت واجب ہے۔ان کی اجازت کے بغیر نہ فرض عین علم دین حاصل کرنے کے لئے سفر کرنا جائز ہے نہ فرض کفایہ۔اس کو چاہئے کہ علم دین کا جو درجہ فرض عین ہے وہ مقامی لوگوں سے حاصل کرے۔ اور تبلیغ کے لئے نکلنا بھی فرض کفایہ ہے، فرض عین نہیں۔البتہ جہاد کے لئے جب کہ وہ فرض عین ہو جائے یعنی نفیر عام کی صورت میں والدین کی اجازت ضروری نہیں۔

حدیث شریف: میں ہے ایک صاحب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور انھوں نے جہاد میں شرکت کی اجازت چاہی آپؐ نے دریافت فرمایا: کیا تمہارے والدین زندہ ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: جی ہاں! آنحضرت ﷺ نے فرمایا:''ان دونوں میں جہاد کر'' مطلب یہ ہے کہ اُن کی خدمت کر اسی سے جہاد کا ثواب مل جائے گا۔

حدیث —— ایک شخص دربار نبوی میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے: میں آپ سے ہجرت (اور جہاد) کی بیعت کرنے آیا ہوں اور اپنے والدین کو روتا ہوا چھوڑ کر آیا ہوں۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ:''واپس جاؤ اور ان کو ہنساؤ جیسا کہ ان کو رُلایا ہے'' —— اس حدیث کی شرح میں بذل المجہود میں ہے:''یہ ارشاد اس صورت میں ہے جب جہاد فرض عین نہ ہو اور جب جہاد فرض عین ہو جائے تو پھر کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں''

اور پہلی حدیث کی شرح میں علامہ بغوی کی شرح السنۃ سے نقل کیا ہے کہ:''یہ ارشاد نفل جہاد کے لئے ہے اس کے لئے مسلمان ماں باپ کی اجازت کے بغیر نہ نکلے، اور اگر جہاد فرض عین ہو جائے تو پھر والدین کی اجازت ضروری نہیں اور اگر والدین منع کریں تو ان کی نافرمانی کرے اور جہاد کے لئے نکل پڑے......اور یہی حکم ہر نفل عبادت کا ہے۔جیسے نفل حج، عمرہ اور زیارت (قبر اطہر) اور نفل روزہ، اگر مسلمان والدین یا ان میں سے ایک اجازت نہ دے تو نہ رکھے۔علامہ ابن الہمام نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ والدین کی اطاعت فرض ہے اور جہاد فرض عین نہیں (بذل ۱۲: ۱۸ مصری)

(۲) اگر والدین خدمت کے محتاج ہیں مگر خود کفیل ہیں یعنی ان کے پاس گذارہ کا سامان ہے تو فرض عین علم دین حاصل کرنے کے لئے —— اگر وہ مقامی طور پر حاصل نہ ہو سکتا ہو —— بلا اجازت سفر کرنا جائز ہے اور والدین کو چاہئے کہ وہ کسی کو اجرت پر رکھ کر خدمت لیں، البتہ فرض کفایہ علم دین حاصل کرنے کے لئے اور تبلیغ کے لئے بغیر اجازت سفر کرنا جائز نہیں۔

(۳) اور اگر والدین طاقت وقوت رکھتے ہوں، خدمت کے محتاج نہ ہوں تو خواہ وہ خود کفیل ہوں یا غریب، فرض عین اور فرض کفایہ دونوں درجوں کا علم دین حاصل کرنے کے لئے اجازت کی ضرورت نہیں۔بلا اجازت بھی سفر کرنا اور علم دین حاصل کرنا جائز ہے۔کیونکہ اس صورت میں والدین کا نفقہ (خرچ) اولاد کے ذمہ واجب نہیں۔والدین کا

نفقہ حیثیت رکھنے والی اولاد پر اس وقت واجب ہوتا ہے جب والدین غریب ہوں اور بڑھاپے کی وجہ سے یا بیماری کی وجہ سے کمانے کے قابل نہ ہوں۔ نیز باپ اگر مالدار ہے یا کما سکتا ہے تو ماں کا خرچ اولاد پر واجب نہیں، باپ پر واجب ہے۔ کیونکہ بیوی کا نفقہ شوہر پر واجب ہوتا ہے۔

(۴) اور اگر والدین علم دین حاصل کرنے کے لئے سفر کرنے سے، یا تبلیغ کے لئے نکلنے سے، یا جہاد کے لئے نکلنے سے بر بنائے محبت منع کریں یا دنیا طلبی کی وجہ سے یا بے دینی کی وجہ سے یا اعمال دینیہ کی قدر نہ جاننے کی وجہ سے۔ تو اس صورتوں میں ان کی اجازت ضروری نہیں۔ دونوں درجوں کا علم دین حاصل کرنے کے لئے اور دوسرے اعمال دینیہ کے لئے بلا اجازت سفر کرنا جائز ہے۔

نوٹ: یہ تو مسائل احکام ہیں مگر سب صورتوں میں افضل یہ ہے کہ والدین کو کسی بھی طرح راضی کر کے ان کی اجازت لے کر علم دین حاصل کرنے کے لئے یا تبلیغ کے لئے نکلے۔ ان کی دعائیں شامل حال ہونگی تو علم میں اور کام میں برکت ہوگی۔

روح المعانی میں علامہ عمر بن رَسْلان بُلقینی مصری شافعی رحمہ اللہ (ولادت ۷۲۴ھ وفات ۸۰۵ھ) کے فتاوی سے نقل کیا ہے کہ: ''فرض عین علم دین حاصل کرنے کے لئے یا فرض کفایہ کے لئے سفر کرنا ممنوع نہیں اگرچہ مقامی طور پر اس کی تحصیل ممکن ہو ـــــ کچھ لوگ اس میں اختلاف کرتے ہیں ان کے نزدیک اجازت ضروری ہے ـــــ کیونکہ باہر نکل کر علم حاصل کرنے میں فراغ بالی ہوتی ہے اور استاذ کے نصائح سے بھی متمتع ہوتا ہے اور اس قسم کے دیگر فوائد حاصل ہوتے ہیں اور اگر اس قسم کے فوائد کی امید نہ ہو و پھر اجازت کی ضرورت ہوگی۔

اور جن صورتوں میں باپ کا خرچ اولاد پر واجب ہے اور علم دین حاصل کرنے کے لئے سفر کرنے میں یہ واجب فوت ہوتا ہو یعنی وہ والدین کا خرچ نہ دے سکتا ہو تو باپ کو منع کرنے کا حق ہے اور اگر سفر کرنے میں بچے کی آبرو پر حرف آ سکتا ہو مثلاً وہ امرد ہے اور باہر جانے میں تہمت کا اندیشہ ہے تو باپ سفر کرنے سے منع کر سکتا ہے اور لڑکی کو بدرجۂ اولی روک سکتا ہے۔

رہا ایسی صورت میں باپ کے امر و نہی کی مخالفت کرنا جب کہ سفر میں بچہ کا قطعاً کچھ ضرر نہ ہو باپ محض ارشاد و راہ نمائی کرتا ہو تو یہ سفر باپ کی نافرمانی نہیں۔ اور باپ کے حکم کی مخالفت نہ کرنا بہرحال بہتر ہے'' (روح المعانی ۱۵: ۶۰)

بُڑھاپے میں والدین کے ساتھ حسن سلوک: بڑھاپے کا زمانہ بچپن کی طرح ناتواں اور کمزوری کا زمانہ ہے جس طرح بچہ والدین کی ہر قسم کی خدمات کا محتاج ہوتا ہے، ماں باپ بھی پیری میں اولاد کی خدمت کے محتاج ہو جاتے ہیں،

اور جس طرح بچے کے مزاج میں ضد اور لا اُبالی پن ہوتا ہے بڑھاپے میں بھی مزاج نازک ہو جاتا ہے اور یہ نظام قدرت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَنْ نُعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ﴾ ترجمہ: اور ہم جس کی عمر زیادہ کرتے ہیں اس کو طبعی حالت میں اُلٹا کر دیتے ہیں (یٰس آیت ۶۸) یعنی بچپن میں جیسا کمزور و ناتواں اور دوسروں کے سہارے کا محتاج ہوتا ہے بڑھاپے میں پھر اسی حالت کی طرف پلٹا دیا جاتا ہے۔ اس لئے اگرچہ والدین کی خدمت واطاعت کسی زمانہ اور کسی عمر کے ساتھ مقید نہیں، ہر حال میں اور ہر عمر میں والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنا واجب ہے۔ مگر مخصوص حالات کے لئے کچھ تاکیدی احکام ہیں، والدین کے ساتھ بڑھاپے میں کیسا برتاؤ کیا جائے؟ اس سلسلہ میں ارشاد ہے ـــــ اگر ان میں سے ایک یا دونوں تیرے پاس بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اُف مت کہہ اور نہ ان کو جھڑک۔ اور ان سے با ادب گفتگو کر، اور ان کے سامنے مہربانی سے انکساری کا بازو جھکا دے اور دعا کر: ''پروردگار! ان پر مہربانی فرما جس طرح انھوں نے مجھے بچپن میں پالا ہے ـــــ جب ماں یا باپ دونوں بوڑھے ہو جاتے ہیں اور وہ اولاد کی خدمت کے محتاج ہو جاتے ہیں اور ان کی زندگی اولاد کے رحم وکرم پر رہ جاتی ہے اس وقت اگر اولاد کی طرف سے ذرا سی بھی بے رخی محسوس ہو تو وہ ان کے دل کا زخم بن جاتی ہے۔ نیز بڑھاپے میں انسان طبعی طور پر چڑ چڑا ہو جاتا ہے۔ عقل وفہم بھی جواب دینے لگتے ہیں اور خواہشات ومطالبات بھی کچھ ایسے ہو جاتے ہیں کہ ان کا پورا کرنا مشکل ہو جاتا ہے اس لئے اللہ پاک نے ان حالات میں والدین کی دل جوئی اور راحت رسانی کے احکام دینے کے ساتھ انسان کو اس کا بچپن یاد دلایا کہ کسی وقت تم بھی والدین کے اس سے زیادہ محتاج تھے جس قدر آج وہ تمہارے محتاج ہیں۔ پس جس طرح انھوں نے اپنی راحت وخواہشات کو تم پر قربان کیا تھا اور تمہاری بے عقلی کی باتوں کو پیار کے ساتھ برداشت کیا تھا اب جبکہ ان پر محتاجی کا وقت آیا ہے: عقل وشرافت کا تقاضا یہ ہے کہ اُن کے سابق احسان کا بدلہ ادا کرو۔ اور درج ذیل احکام کی پابندی کرو۔

پہلا حکم ـــــ ان کو اُف تک مت کہو۔ یعنی ان کی بات رد نہ کرو، نہ ٹال مٹول کرو، نہ ناگواری ظاہر کرو، عربی کے لفظ اُف سے مراد ہر ایسا کلمہ ہے جس سے آدمی اپنی ناگواری کا اظہار کرتا ہے اردو میں اس مفہوم کے لئے لفظ ''تُف'' اور ''ہوں''، وغیرہ مستعمل ہیں اسی طرح ان کی بات سن کر لمبا سانس لینا جس سے ناگواری ٹپکتی ہو وہ بھی اُف میں داخل ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''اگر ایذا رسانی کے لئے ''ہوں'' سے بھی کوئی کم درجہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ یقیناً اس کو ذکر فرماتے۔ پس حسن سلوک کرنے والا بولنے میں محتاط رہے تاکہ وہ جہنم میں نہ پہنچ جائے اور بدسلوکی کرنے والا جو چاہے کرے کیونکہ وہ جنت میں ہرگز نہیں جائے گا'' (قرطبی ۱۰: ۲۴۳)

دوسرا حکم ـــــ ماں باپ کو ڈانٹنا، جھڑکنا، گھرکنا اور بُرا بھلا کہنا ممنوع ہے کیونکہ یہ سخت ایذا رسانی ہے۔

تیسرا حکم ـــــ والدین کے ساتھ باادب گفتگو کی جائے، ان سے محبت وشفقت کے نرم لہجہ میں مخاطب ہوا جائے جس طرح کوئی غلام اپنے سخت مزاج آقا سے بات کرتا ہے وہی انداز اپنایا جائے۔ اور ان سے احترام کے ساتھ بات چیت کی جائے۔

چوتھا حکم ـــــ ماں باپ کے سامنے نیاز مندی، تحمل مزاجی، فروتنی اور انکساری سے کام لیا جائے خودسری سخت مزاجی، کھرّاپن، بدمزاجی اور بڑائی کا مظاہرہ نہ کیا جائے۔ لفظ **جناح** کے معنی ہیں بازو اور **الذل** کے معنی ہیں تواضع اور انکساری کا بازو جھکانے کا مطلب یہ ہے کہ والدین کے سامنے اپنے آپ کو عاجز وذلیل آدمی کی صورت میں پیش کرے جیسے غلام آقا کے سامنے اپنے آپ کو پیش کرتا ہے ـــ اور **من الرحمۃ** (مہربانی سے) کا مطلب یہ ہے کہ والدین کے ساتھ یہ معاملہ محض دکھاوے کا نہ ہو بلکہ قلبی رحمت ومہربانی کی وجہ سے ہو۔

پانچواں حکم ـــــ والدین کی پوری راحت رسانی انسان کے بس کی بات نہیں۔ پس مقدور بھر راحت رسانی کی فکر کرے اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہے کہ: ''الٰہی اپنی رحمت سے ان کی سب مشکلات کو آسان فرما! اور تمام تکلیفوں کو دور فرما کیونکہ جب میں بالکل کمزور اور ناتواں تھا، انھوں نے میری تربیت میں خون پسینہ ایک کیا تھا۔ میرے لئے ہر راحت وخوبی کی فکر کی تھی آفات وحوادث سے بچانے کے لئے کوشش کی تھی۔ بارہا میری خاطر اپنی جان جوکھوں میں ڈالی تھی آج ان کی ضعیفی کا وقت ہے جو کچھ میری قدرت میں ہے ان کی خدمت وتعظیم کرتا ہوں، لیکن پورا حق ادا نہیں کرسکتا۔ اس لئے بارآلٰہا! آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ اس بڑھاپے میں بھی اور وفات کے بعد بھی ان پر نظر کرم فرما۔

فائدہ(۱): والدین میں سے کوئی ایک یا دونوں کا مطلب یہ ہے کہ بعض مرتبہ والدین دونوں ہی بڑھاپے کی حد تک پہنچنے سے پہلے اللہ کو پیارے ہوجاتے ہیں اور اولاد بڑھاپے کے زمانہ میں خدمت سے محروم رہ جاتی ہے اور کبھی کوئی ایک فوت ہوجاتا ہے اور ایک بڑھاپے کے زمانہ تک زندہ رہتا ہے یا ایک جوان یا طاقت وقوت رکھنے والا ہوتا ہے اور ایک بیمار، ناتواں اور ضعیف ہوتا ہے تو اس صورت میں اولاد کو بوڑھے بیمار اور کمزور کی چاکری کی طرف زیادہ توجہ دینی چاہئے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ والدین دونوں ہی زندہ رہتے ہیں اور بڑھاپے کی حدود کو چھو لیتے ہیں تو اولاد کو ان کی خدمت کے لئے کمر ہمت کس لینی چاہئے، کیونکہ بوڑھے ماں باپ کی خدمت دخول جنت کا ذریعہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اس کی ناک خاک آلود ہو! اس کی ناک خاک آلود ہو!! اس کی ناک خاک آلود ہو!!! صحابہ نے پوچھا: کس کی یارسول اللہ؟ آپؐ نے فرمایا: ''اس کی جس نے اپنے والدین کے بڑھاپے کا زمانہ پایا، ان میں سے ایک کا یا دونوں کا، پھر اس نے (ان کی خدمت کرکے) جنت حاصل نہ کرلی'' (مشکوۃ حدیث ۴۹۱۲)

فائدہ(۲): بڑھاپے میں والدین کی خدمت کرنے سے آفتیں اور بلائیں بھی ٹلتی ہیں ایک لمبی حدیث میں قصہ ہے کہ تین شخص بارش سے بچنے کے لئے ایک غار میں پناہ گزیں ہوگئے۔ایک چٹان لڑھکی اور غار کے منہ پر آپڑی اور دہانہ بند ہوگیا۔ان لوگوں نے آپس میں طے کیا کہ اب اعمال صالحہ کو وسیلہ بنا کر دعا کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔ آؤ ہر شخص اپنا کوئی نیک عمل یاد کرے اور اس کا واسطہ دے کر دعا کرے تا کہ اللہ تعالیٰ اس مصیبت سے رستگاری عطا فرماویں۔ چنانچہ ان میں سے ایک نے دعا شروع کی: خدایا! میرے بوڑھے ماں باپ تھے، اور میرے ننھے ننھے بچے بھی تھے میں جب شام کو بکریاں چرا کر گھر لوٹتا اور بکریوں کو دوھتا تو پہلے والدین کو دودھ پلاتا پھر بچوں کو۔ایک دن ایسا ہوا کہ میں بکریوں کو چراتا ہوا دور نکل گیا اور شام لوٹنے میں دیر ہوگئی جب میں لوٹا تو دیکھا کہ والدین سو چکے ہیں۔ میں نے حسب معمول بکریوں کو دوھا اور دودھ لیکر آیا اور ان کے سر کے پاس کھڑا ہوگیا۔ میں نے ان کو بیدار کرنا مناسب نہ سمجھا اور پہلے بچوں کو دودھ پلانا بھی مجھے گوارہ نہ ہوا بچے بھوک سے میرے قدموں میں بلکتے رہے اور میں اسی طرح کھڑا رہا۔ یہاں تک کہ صبح ہوگئی، الٰہی! اگر میرا یہ عمل آپ کی خوشنودی کے لئے تھا تو چٹان ہٹا تا کہ ہم آسمان دیکھ سکیں، چنانچہ چٹان اتنی ہٹ گئی کہ ان لوگوں کو آسمان نظر آنے لگا۔ پھر دوسرے دو شخصوں نے اپنے اپنے اعمال صالحہ کا واسطہ دیکر دعا کی تو چٹان اتنی ہٹ گئی کہ وہ نکل کر چل دیئے (متفق علیہ، مشکوٰۃ حدیث ۴۹۳۸)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بڑھاپے میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا اور اخلاص سے خدمت کرنا آفتوں اور بلاؤں کو ٹالتا ہے۔

اس کے بعد ایک خلجان دور کیا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ بعض مرتبہ بوڑھے ماں باپ کے ساتھ عرصۂ دراز گذارنا پڑتا ہے اور شب و روز ہمیشہ یکساں نہیں ہوتے آدمی کی طبیعت بھی ہمیشہ قابو میں نہیں رہتی اس لئے ایسا ہوسکتا ہے کہ بوڑھے والدین کے ساتھ برتاؤ میں احکام خداوندی کی خلاف ورزی یا کوتاہی ہوجائے۔اس نازک صورت حال کے بارے میں ارشاد ہے —— تمہارے پروردگار تمہارے دلوں کی باتوں کو خوب جانتے ہیں اگر تم نیک (سعادت مند) ہوئے تو اللہ تعالیٰ یقیناً توبہ کرنے والوں کے حق میں بڑی بخشش فرمانے والے ہیں —— یعنی اگر واقعۃً تم نیک دل اور سعادت مند ہوئے اور اخلاص و حق شناسی کے ساتھ والدین کی خدمت کی وہ تمہاری کوتاہیوں اور خطاؤں کو معاف فرمادیں گے۔

> والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے سے آخرت کے درجات میں ترقی کے علاوہ عمر میں برکت ہوتی ہے (حدیث شریف)

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ﴿٢٦﴾ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿٢٧﴾ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَاۗءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ﴿٢٨﴾ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ﴿٢٩﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ﴿٣٠﴾

وَاٰتِ (1)	اور دے تو	وَكَانَ	اور ہے	لَهُمْ	ان سے
ذَا الْقُرْبٰى	رشتہ دار کو	الشَّيْطٰنُ	شیطان	قَوْلًا	بات
حَقَّهٗ	اس کا حق	لِرَبِّهٖ	اپنے رب کا	مَّيْسُوْرًا	نرم (آسان)
وَالْمِسْكِيْنَ	اور محتاج کو	كَفُوْرًا (3)	بڑا ناشکرا	وَلَا تَجْعَلْ	اور نہ کر تو
وَابْنَ السَّبِيْلِ	اور مسافر کو	وَاِمَّا	اور اگر	يَدَكَ	اپنا ہاتھ
وَلَا تُبَذِّرْ (2)	اور بے موقع نہ اڑا تو	تُعْرِضَنَّ (4)	پہلو تہی کرے تو	مَغْلُوْلَةً (5)	بندھا ہوا
تَبْذِيْرًا	جی کھول کر	عَنْهُمُ	ان سے	اِلٰى عُنُقِكَ	اپنی گردن سے
اِنَّ	بیشک	ابْتِغَاۗءَ	چاہتے ہوئے	وَلَا تَبْسُطْهَا	اور نہ کھول دے اس کو
الْمُبَذِّرِيْنَ	فضول خرچی کرنے والے	رَحْمَةٍ	مہربانی (روزی)	كُلَّ الْبَسْطِ	پوری طرح کھول دینا
كَانُوْٓا	ہیں وہ	مِّنْ رَّبِّكَ	اپنے رب کی	فَتَقْعُدَ	پس بیٹھ رہے تو
اِخْوَانَ	بھائی بند	تَرْجُوْهَا	جس کی امید رکھتا ہے تو	مَلُوْمًا	الزام خوردہ (ملامت
الشَّيٰطِيْنِ	شیطانوں کے	فَقُلْ	تو کہہ		کیا ہوا)

(۱) آتِ (فعل امر) ضمیر مستتر فاعل ذا القربیٰ مفعول اول حقَّهٗ، مفعول ثانی اور المسکین معطوف مفعول اول پر (۲) تَبْذِیْر کے معنی ہیں تفریق اور پراگندہ کرنا۔ تبذیر اصل میں زمین میں بَذْر (بیج) ڈالنے اور پھینکنے کا نام ہے اور بیج ڈالنا اس شخص کی نظر میں جو مآل کار سے واقف نہ ہو غلہ ضائع کرنا ہے اس لئے بطور استعارہ انجام سوچے بغیر مال فضول ضائع کرنے کے لئے تبذیر کا لفظ مستعمل ہونے لگا (۳) کفور (صفت مشبہ) ناشکرا (۴) تعرضن از اعراض: منہ پھیر لینا، تغافل برتنا (۵) مَغْلُوْلَة (اسم مفعول) بالکل بندھا ہوا غَلَّ (ن) غلاًّ: ہاتھ میں ہتھکڑیاں یا گلے میں طوق ڈالنا

مَحۡسُوۡرًا [1]	تہی دست (درماندہ)	الرِّزۡقَ	روزی	اِنَّهٗ كَانَ	بیشک وہ ہیں
اِنَّ	بیشک	لِمَنۡ	جس کے لئے	بِعِبَادِهٖ [2]	اپنے بندوں کو
رَبَّكَ	آپ کے رب	يَّشَآءُ	چاہتے ہیں	خَبِيۡرًاۢ	خوب جاننے والے
يَبۡسُطُ	کشادہ کرتے ہیں	وَيَقۡدِرُ	اور تنگ کرتے ہیں	بَصِيۡرًا	خوب دیکھنے والے

تیسرا حکم ـــــ رشتہ داروں کو ان کا حق دینا ـــ والدین کے حقوق بیان کرنے کے بعد، اب دوسرے رشتہ داروں کے حقوق بیان فرمارہے ہیں ـــــ اور رشتہ دار کو اس کا حق دے ـــــ رشتہ دار خواہ نزدیک کا ہو یا دور کا اس کا یہ حق تو ہے ہی کہ اس کے ساتھ اچھا معاملہ کیا جائے۔ اور اگر وہ محتاج بھی ہو تو مقدور بھر اس کا مالی تعاون بھی ضروری ہے ـــــ اور حق کہہ کر اس طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ دینا کوئی احسان نہیں، وہ اس کا حق ہے، اور دینے والا اپنا فرض ادا کر رہا ہے۔

چوتھا حکم ـــــ اور محتاج ومسافر کو بھی ـــــ ان کا حق دے یعنی ان کے ساتھ بھی حسن سلوک کر، خواہ وہ رشتہ دار ہوں یا نہ ہوں یعنی پردیسیوں اور مسافروں کا بھی خیال رکھ۔

رشتہ دار اور محتاج ومسافر پر خرچ کرنے میں تفاوت: جب اللہ تعالیٰ نے رشتہ داروں پر خرچ کرنے کا حکم دیا تو آتِ کا مفعول ثانی حَقَّه کو ظاہر فرمایا، اور جب محتاجوں اور مسافروں پر خرچ کرنے کا حکم دیا تو اس کو حذف کر دیا۔ اس انداز تعبیر میں دونوں حقوق میں تفاوت کی طرف اشارہ ہے وہ تفاوت درج ذیل ہے:

غریبوں محتاجوں اور مسافروں پر خرچ کرنا شرعاً واجب نہیں، محض کار خیر ہے اور ذی رحم محرم اگر عورت یا بچہ ہو، اور ان کے پاس گذارے کا سامان نہ ہو، نہ کمانے پر وہ قادر ہوں، یا اپاہج یا اندھے ہوں یا کسی اور طرح سے معذور ہوں اور ان کی ملک میں اتنا مال بھی نہ ہو، جس سے ان کا گذارا چل سکے، تو ایسے لوگوں کا نفقہ (خرچ) رشتہ داروں میں سے اس شخص پر واجب ہے جو مالی وسعت رکھتا ہو یعنی وہ اُس نصاب کا مالک ہو جس کی وجہ سے صدقۂ فطر اور قربانی وغیرہ واجب ہوتے ہیں اور اگر ایک ہی درجہ کے کئی رشتہ دار ایسی مالی وسعت رکھتے ہوں تو سب پر حصہ رسد نفقہ واجب ہوگا۔

مسئلہ: ایسے رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینا بھی جائز ہے بلکہ اس میں دُوہرا اجر ہے ایک صدقے کا دوسرا صلہ رحمی کا۔ زکوٰۃ صرف میاں بیوی ایک دوسرے کو نہیں دے سکتے اسی طرح اصول وفروع کو بھی زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ اصول وہ

(۱) محسور (اسم مفعول) تھکا ہوا حَسَرَ (ن) البعیر اونٹ کو تھکا دینا (۲) بِعِبَادِہٖ: خَبِيْرًا اور بَصِيْرًا سے علی سبیل التنازع متعلق ہے ۱۲

ہیں جن سے آدمی پیدا ہوتا ہے یعنی ماں باپ، دادا دادی اور نانا نانی اوپر تک۔ اور فروع وہ ہیں جو آدمی سے پیدا ہوتے ہیں یعنی بیٹا بیٹی، پوتا پوتی، نواسا نواسی نیچے تک ان کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں، باقی رشتہ داروں کو جیسے بھائی، بہن، چچا، پھوپی، خالہ، ماموں وغیرہ کو اگر وہ غریب ہوں تو زکوٰۃ دینا درست ہے۔

مسئلہ: جو زکوٰۃ کا حکم ہے وہی تمام صدقات واجبہ کا ہے، یعنی صدقۂ فطر، منت کی چیزیں اور تمام کفارے بحکم زکوٰۃ ہیں۔

مسئلہ: صدقۂ نافلہ ہر غریب کو دیا جا سکتا ہے اگر چہ وہ ایسا قریبی رشتہ دار ہو جس کو زکوٰۃ دینا درست نہیں۔ صحیحین میں روایت ہے کہ ایک بار آنحضرت ﷺ نے عورتوں کو صدقہ کرنے کی ترغیب دی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اہلیہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا وعظ سن کر گھر لوٹیں۔ انھوں نے اپنے شوہر سے کہا: ''آپ نادار ہیں اور آنحضرت ﷺ نے ہمیں خیرات کرنے کا حکم دیا ہے۔ لہٰذا آپ جا کر حضور سے مسئلہ دریافت کریں اگر بیوی شوہر کو خیرات دے سکتی ہے تو میں آپ کو دوں ورنہ غریبوں پر خرچ کروں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیوی سے کہا: آپ ہی دریافت کرآئیں یعنی مجھے شرم آتی ہے کہ اپنے بارے میں ایسا مسئلہ دریافت کروں، حضرت زینب نے جا کر مسئلہ دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا: ''جائز ہے بلکہ شوہر کو خیرات دینے میں دُوہرا اجر ملے گا: ایک رشتہ داری کا، دوسرا خیرات کا'' (مشکوٰۃ حدیث ۱۹۳۳)

فضول خرچی کی ممانعت —— خرچ کرنے کے مواقع بتلانے کے ساتھ یہ بھی حکم دیا —— اور خوب ہاتھ کھول کر فضول خرچی مت کرو —— یعنی خدا کا دیا ہوا مال موقع محل میں خرچ کرو، فضول ضائع مت کرو، مال اللہ کی بڑی نعمت ہے، اس کی قدر کرو۔ مال کا حال یہ ہے کہ جب وہ کسی کے پاس وافر مقدار میں جمع ہو جاتا ہے تو مالدار آپے سے باہر ہو جاتا ہے، رسم ورواج میں، انیٹ گارے میں، عیش وعشرت میں اور رنگ رلیوں میں بے تحاشا خرچ کرنے لگتا ہے یہ شرعاً ممنوع ہے اور خوب ہاتھ کھول کر خرچ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ معمولی اسراف سے بچنا تو مشکل ہے، بلکہ بعض مرتبہ احساس تک نہیں ہوتا کہ فضول خرچ ہو گیا۔ ایسی صورت میں ان شاء اللہ کچھ دار وگیر نہ ہوگی، لیکن اندھا دھند اڑانا اور بے تحاشہ خرچ کرنا، جس کو ہر کوئی کہے کہ یہ فضول خرچی ہے یہ قابل عفو نہیں اس لئے اس سے بچنے کی پوری کوشش کرنی چاہئے۔

تبذیر کے معنی — فضول خرچی کرنا ہیں یعنی مال کو بے موقع اور بے ضرورت خرچ کرنا اور اس کی دو قسمیں ہیں:

۱ — معصیت بالذات میں خرچ کرنا، جیسے زنا، شراب، جوا وغیرہ میں خرچ کرنا۔ چونکہ یہ کام حرام ہیں اس لئے

ان کاموں میں کچھ بھی صرف کرنا حرام ہے۔

۲۔ معصیت بالغیر میں خرچ کرنا۔ یعنی ایسے کاموں میں خرچ کرنا جو بجائے خود جائز ہیں مگر ان میں خرچ کرنے سے مقصود شہرت، تفاخر، ناموری اور ریت رواج کی پابندی ہو، تو یہ خرچ کرنا بھی شرعاً ممنوع ہے اور فضول خرچی کے دائرہ میں آتا ہے۔

اسراف کا حکم ـــــ اور مباح کاموں میں ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا اسراف کہلاتا ہے اور وہ بھی ممنوع ہے۔ سورۃ الاعراف آیت ۳۱ میں ہے: ﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا، وَلَاتُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَايُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ﴾ ترجمہ: کھاؤ، پیو اور حد سے مت نکلو، بیشک اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے۔

فضول خرچی کس درجہ بری چیز ہے اور فضول خرچی کون لوگ کرتے ہیں، اس بارے میں ارشاد ہے کہ ـــــ فضول خرچی کرنے والے یقیناً شیطانوں کے بھائی ہیں ـــــ غور کیجئے! انسان کی اس سے زیادہ کیا مذہب ہو سکتی ہے کہ اس کو شیطان کی برادری کا ایک فرد قرار دیا جائے وہ شیاطین جو تمام برائیوں کا سرچشمہ ہیں ارشاد ہے ـــــ اور شیطان اپنے پروردگار کا ناشکرا بندہ ہے ـــــ پس جو اس کی پارٹی میں شامل ہوگا وہ بھی اللہ تعالیٰ کا ناشکرا بندہ ہو کر رہ جائے گا۔

آگے مزید تین باتیں بیان کی ہیں:

پہلی بات: اگر کسی کے پاس رشتہ داروں کو اور حاجت مندوں کو دینے کا انتظام نہ ہو یعنی وہ نادار ہو تو کیا کرے؟ ارشاد ہے ـــــ اور اگر تو ان لوگوں سے پہلو تہی کرے ـــــ یعنی حاجت مندوں، غریبوں اور رشتہ داروں کو مانگنے پر فوراً نہ دے سکے ـــــ اللہ کے اُس رزق کے انتظار میں جس کی تجھے امید ہے ـــــ یعنی بخیلی کی وجہ سے نہیں بلکہ ناداری کی وجہ سے نہ دے سکے ـــــ تو ان سے نرم بات کہہ ـــــ کوئی کڑوا اور دل شکن جواب مت دے، بلکہ یہ کہہ کہ ابھی انتظام نہیں جب اللہ تعالیٰ ہم کو دیں گے ہم تمہاری ضرور خدمت کریں گے۔

اور نرم بات کہنے کا حکم اس لئے ہے کہ حاجت مندوں اور مجبور انسانوں کا دل ویسے ہی ٹوٹا ہوا ہوتا ہے اگر ان سے دل خراش بات کہی جائے تو زخم پر نمک پاشی ہوگی اور میٹھے لہجے میں معذرت کی جائے تو وہ دل پر زیادہ بوجھ محسوس نہیں کریں گے۔

دوسری بات ـــــ صحیح مواقع میں اور برمحل خرچ کرنے کے لئے بھی ایک ضابطہ ہے جس کو ہمیشہ ملحوظ رکھنا ضروری ہے ارشاد ہے ـــــ اور تو اپنا ہاتھ گردن سے باندھ نہ لے ـــــ یعنی انتہائی کنجوس مت بن جا ـــــ اور

نہ اس کو بالکل ہی کھول دے ــــــ یعنی ایسا بھی مت کر کہ جو آیا سودے ڈالا ــــــ ورنہ (پہلی حالت میں) ملامت کیا ہوا (اور دوسری حالت میں) تہی دست ہو کر رہ جائے گا ــــــ پہلی صورت میں سب لوگ کوسیں گے کہ کمبخت کنجوس مکھی چوس ہے اور دوسری صورت میں تہی دستی وبال جان بن جائے گی اور تو ہار کر رہ جائے گا۔

الغرض موقع اور محل میں بھی اعتدال سے خرچ کرنا چاہئے بالکل ہاتھ روک لینا مؤمن کے شان نہیں اور جو آیا سب کچھ لٹا دینا بھی مصلحت کے خلاف ہے۔ عام مسلمانوں کے لئے ضابطہ یہ ہے کہ میانہ روی اور اعتدال سے خرچ کیا جائے۔ حدیث شریف میں ہے کہ: خَيْرُ الصَّدَقَةِ مَا كَانَ عَنْ ظَهْرِ غِنًى بہترین خیرات وہ ہے جو مالداری کی پیٹھ سے ہو یعنی صدقہ کرنے کے بعد بھی آدمی کے پاس بقدر ضرورت باقی رہے (متفق علیہ مشکوٰۃ حدیث ۱۹۲۹)

تیسری بات ــــــ اہل حقوق پر خرچ کرنے کے لئے ذہن سازی کی گئی تا کہ انسان دل کی رغبت سے خرچ کرے ارشاد ہے ــــــ بیشک اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہتے ہیں روزی کشادہ کرتے ہیں اور (جس کے لئے چاہتے ہیں) تنگ کرتے ہیں یقیناً وہ اپنے بندوں کے احوال سے پوری طرح باخبر ہیں اور انہیں دیکھ رہے ہیں ــــــ یعنی اللہ تعالیٰ نے دولت کی تقسیم حکمت ومصلحت سے کی ہے جس کسی کے مناسب وسعتِ رزق تھی اس کے ذرائع رزق وسیع کر دیئے اور جس کے لئے اس کے برعکس مصلحت تھی اس کے لئے ذرائع رزق تنگ کئے۔ پس جو کچھ ہو رہا ہے اندھا دھند بغیر کسی حکمت ومصلحت کے نہیں ہو رہا ہے، بلکہ آئین حکمت کے مطابق ہو رہا ہے۔

اس آیت میں خرچ کرنے کا ذہن بنایا گیا ہے لوگوں سے کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے تمہیں رزق دیا ہے، تمہارے پاس چار پیسے جمع ہیں اور تم کھاتے پیتے ہو اور تمہارے اعزاء، اور دیگر اہل حاجات تمہارے دست نگر ہیں سوچو! یہ نقشہ الٹا بھی ہو سکتا تھا تم نادار ہوتے اور وہ مالدار ہوتے پھر تم کیسی للچائی نظروں سے ان کی خوشحالی دیکھتے اور یہ بات بھی نہ بھولو کہ آئندہ بھی احوال بدل سکتے ہیں وہ مالدار اور تم فلاکت زدہ ہو سکتے ہو پس آج اللہ تعالیٰ نے تم پر جو نعمت کی ہے اس کی قدر کرو اور اس میں سے حقداروں کے حقوق ادا کرو۔ اس سے پہلے کہ پانسا پلٹ جائے، تم پر روزی تنگ ہو جائے اور ان پر کشادہ ہو جائے۔

دولت ڈھلتی چھاؤں ہے، آج اِدھر تو کل اُدھر ہے۔ خوش نصیب وہ ہے جو اس نعمت سے بر وقت فائدہ اٹھالے

وَلَا تَقْتُلُوٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْـاً كَبِيْرًا ﴿۳۱﴾

وَلَا تَقْتُلُوْٓا	اور تم قتل مت کرو	نَحْنُ	ہم	قَتْلَهُمْ	ان کا قتل
اَوْلَادَكُمْ	اپنی اولاد کو	نَرْزُقُهُمْ	روزی دیں گے ان کو	كَانَ	ہے
خَشْيَةَ (۱)	اندیشہ سے	وَاِيَّاكُمْ	اور تم کو	خِطْاً (۳)	گناہ
اِمْلَاقٍ (۲)	ناداری (افلاس) کے	اِنَّ	بے شک	كَبِيْرًا	بڑا (بھاری)

گذشتہ آیات میں وہ چار احکام دیئے ہیں جو مأمورات کے قبیل سے ہیں۔اب وہ احکام دیئے جارہے ہیں جو منہیات کے قبیل سے ہیں۔مأ مورات وہ کام ہیں جن کا کرنا ضروری ہے اور منہیات وہ کام ہیں جن سے بچنا ضروری ہے اور منہیات کی اہمیت مامورات سے زیادہ ہے جیسا کہ بارہ احکام کے آخیر میں یہ بات آئے گی۔

پانچواں حکم —— محتاجگی کے ڈر سے اولاد کو قتل کرنے کی ممانعت —— اور افلاس کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل مت کرو، ان کو بھی ہم روزی دیں گے اور تم کو بھی، یقیناً ان کا قتل بڑا بھاری گناہ ہے —— اولاد کا قتل کبھی تو مفلسی کی وجہ سے کیا جاتا ہے اور کبھی مفلسی کے ڈر سے یعنی قتل اولاد کی ایک صورت تو یہ ہے کہ سردست غربت ہے اس لئے سوچتا ہے کہ خود ہی کھانے کو نہیں، اولاد ہوگی تو کہاں سے کھلاؤں گا۔دوسری صورت یہ ہے کہ فی الحال تو فلاکت زدہ نہیں، مگر اندیشہ ہے کہ اگر اولاد شروع ہوئی تو موجودہ آمدنی کافی نہیں ہوگی۔اس لئے اولاد کو قتل کرتا ہے یا ان کے ہونے کو روکتا ہے —— قتل اولاد کی دونوں صورتیں حرام ہیں۔پہلی صورت کا حکم سورۃ الانعام کی آیت ۱۵۱ میں گذر چکا ہے اور دوسری صورت کا حکم اس آیت میں ہے۔وہاں مِنْ اِمْلَاقٍ (مفلسی کی وجہ سے) فرمایا تھا اور یہاں خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ (مفلسی کے ڈر سے) فرمایا ہے اور وہاں نَرْزُقُكُمْ مقدم تھا اور یہاں اِيَّاكُمْ مؤخر ہے، کیونکہ پہلی صورت میں اپنا فکر سردست ہے اور اولاد کا بعد میں۔اور یہاں اپنا کوئی اندیشہ نہیں، بلکہ اولاد ہی کے رزق کا فکر ہے۔

انسان خود کو اولاد کی روزی کا ذمہ دار تصور کرتا ہے، حالانکہ رزق انسان کے ہاتھ میں نہیں۔اس اللہ کے ہاتھ میں ہے جس نے انسان کو وجود بخشا ہے۔وہ جس طرح ماں باپ کو روزی پہنچا رہے ہیں، آنے والی اولاد کی بھی کفالت کریں گے، تجربہ یہ ہے کہ جوں جوں اولاد بڑھتی ہے تنگی دور ہوتی ہے۔معاشی ذرائع دن بدن وسیع ہوتے ہیں اس لئے نظام باری میں دخل اندازی حماقت کے سوا کچھ نہیں!

مگر افسوس کہ قدیم زمانہ سے برابر ضبط ولادت، فیملی پلاننگ اور منع حمل کی تحریکات اٹھتی رہتی ہیں جس طرح دور

(۱) خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ (مرکب اضافی) مفعول لہ ہے لَاتَقْتُلُوْا کا (۲) اِمْلَاق (مصدر) مفلسی تنگ دستی، أَمْلَقَ الرجلُ: محتاج ہونا۔ أَمْلَقَ الدَّهْرُ مَالَهُ: ضائع کردینا (۳) خِطْأً مصدر خَطِئَ يَخْطِئُ: گناہ کرنا ۱۲

قدیم میں افلاس کا خوف قتل اولاد کا یا اسقاط حمل کا محرک ہوا کرتا تھا آج کا پڑھا لکھا انسان بھی محتاجگی کے ڈر سے اولاد کا گلا گھونٹ رہا ہے جو لوگ اللہ پر ایمان نہیں رکھتے وہ جو چاہیں کریں مگر اس مسلمان کو جو اللہ کی رزّاقیت پر ایمان رکھتا ہے یہ بات کسی طرح زیب نہیں دیتی کہ افلاس کے موہوم ڈر سے نسل کُشی کرے۔

روزی کے طالبو! اولاد بھی روزی ہے اور ایک روزی سے دوسری روزی کا دروازہ کھلتا ہے!

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ۝ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ۝

وَلَا تَقْرَبُوا	اور نزدیک مت جاؤ	النَّفْسَ	اس شخص کو	فَقَدْ جَعَلْنَا	پس تحقیق رکھا ہم نے
الزِّنٰٓى	زنا کے	الَّتِيْ	جس کو	لِوَلِيِّهٖ	اس کے وارث کے لئے
اِنَّهٗ كَانَ	بے شک وہ ہے	حَرَّمَ اللّٰهُ	حرام کیا ہے اللہ نے	سُلْطٰنًا	اختیار
فَاحِشَةً	بے حیائی	اِلَّا بِالْحَقِّ	مگر حق کی وجہ سے	فَلَا يُسْرِفْ	پس حد سے تجاوز نہ کرے وہ
وَسَاۗءَ	اور بُری	وَمَنْ	اور جو شخص	فِّي الْقَتْلِ	قتل کرنے میں
سَبِيْلًا	راہ	قُتِلَ	قتل کیا گیا	اِنَّهٗ كَانَ	بیشک وہ (مظلوم) ہے
وَلَا تَقْتُلُوا	اور قتل مت کرو	مَظْلُوْمًا	ناحق	مَنْصُوْرًا	مدد کیا ہوا

چھٹا حکم ـــــ زنا کی ممانعت ـــــ اور زنا کے قریب مت جاؤ، وہ یقیناً بے حیائی اور بری راہ ہے ـــــ یعنی زنا بھی حرام ہے اور زنا کی طرف دعوت دینے والی چیزیں بھی حرام ہیں مثلاً غیر محرم کو بری نظر سے دیکھنا، چھونا، بات چیت کرنا، اور دلچسپی سے غیر محرم کی باتیں سننا ـــــ اور زنا کی حرمت کی بڑی وجہ اس کا بے حیائی ہونا ہے۔ بے حیائی کا عام مفہوم یہ ہے کہ انسان انسانیت کی چادر اتار دے، چاہے کھلے بندوں اتار دے، چاہے چھپ کر اتار دے۔ اور جب حیا گئی تو انسان میں اور جانور میں کیا فرق رہ گیا؟!

حدیث میں ہے: ''جب تیری حیا جاتی رہے تو جو چاہے کر'' (مشکوٰۃ حدیث ۵۰۷۲) حیا ہی گناہوں سے انسان کی حفاظت کرتی ہے۔ جب تک حیا کا ساتھ ہے شیطان ناکام رہتا ہے۔ جب حیا اٹھ جاتی ہے شیطان کامیاب ہوجاتا

ہے۔اسی وجہ سے حیا کو ایمان کی اہم ٹہنی قرار دیا گیا ہے (مشکوٰۃ حدیث ۵)

اور بے حیائی نگاہ سے لے کر قدم تک ہر چیز سے سرزد ہوسکتی ہے۔احساسات بھی بے حیا ہوسکتے ہیں اور دست وبازو بھی۔اور بے حیائی بالآخر انسان کو وہاں لے جا کر پھینکتی ہے جہاں سے اٹھا نصیب نہیں ہوتا۔حدیث میں ہے: ''انسان کے نصیب میں زنا کا جو حصہ لکھ دیا گیا ہے، وہ اُسے پہنچ کر رہتا ہے: آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے، کانوں کا زنا سننا ہے، زبان کا زنا بات چیت کرنا ہے، ہاتھ کا زنا پکڑنا ہے، پاؤں کا زنا چلنا ہے اور دل خواہش کرتا ہے اور شرمگاہ اس کی تکمیل کرتی ہے یا باز رہتی ہے'' (رواہ ابوداؤد)

زنا کی حرمت کی دوسری وجہ —— یہ ہے کہ وہ بدراہی ہے۔اس کی وجہ سے معاشرتی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اور فساد برپا ہوتا ہے اور اتنا پھیلتا ہے کہ اس کی کوئی حد نہیں رہتی۔آج دنیا فساد اور بگاڑ سے بھری ہوئی ہے اگر حالات کی چھان بین کی جائے تو آدھے سے زیادہ واقعات کا سبب زنا نکلے گا۔اسی وجہ سے اس جرم کو تمام جرائم سے سخت قرار دیا گیا ہے اور اس کی سزا بھی دیگر جرائم سے سخت رکھی گئی ہے۔کیونکہ یہ ایک جرم ہی سینکڑوں جرائم پیدا کرتا ہے۔ احادیث میں زنا پر سخت وعیدیں آئی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تین شخصوں سے بات نہیں کریں گے، نہ ان کو گناہوں سے پاک کریں گے، نہ ان کی طرف نظر رحمت فرمائیں گے بلکہ ان کو دردناک سزا دیں گے۔ایک بوڑھا زنا کار۔دوسرا جھوٹا حاکم۔تیسرا نادار گھمنڈی (مشکوٰۃ حدیث ۵۱۰۹)

دوسری حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ زنا کرنے والا زنا کرتے وقت مؤمن نہیں رہتا، چوری کرنے والا چوری کرتے وقت مؤمن نہیں رہتا۔شراب پینے والا شراب پیتے وقت مؤمن نہیں رہتا، اور لوٹ مچانے والا جب کوئی ایسی لوٹ مچاتا ہے کہ لوگ حیرت سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس کو دیکھتے ہیں تو وہ مؤمن نہیں رہتا اور قومی مال میں خیانت کرنے والا جب خیانت کرتا ہے تو وہ مؤمن نہیں رہتا۔پس ان گناہوں سے بچو ان گناہوں سے بچو! (مشکوٰۃ حدیث ۵۳)

اس حدیث کی شرح ایک دوسری حدیث میں آئی ہے کہ ان جرائم کے مرتکب جب مبتلائے جرم ہوتے ہیں تو ایمان ان کے قلب سے نکل کر باہر آجاتا ہے۔پھر جب وہ اس جرم سے فارغ ہوتے ہیں تو ایمان واپس لوٹ جاتا ہے۔

مسند احمد میں یہ واقعہ ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے زنا کی اجازت چاہی۔حاضرین نے اُسے ڈانٹ پلائی خبردار! چپ رہو۔حضور نے اس سے فرمایا: ''میرے قریب آؤ'' وہ قریب آکر بیٹھ گیا آپؐ نے ارشاد فرمایا: کیا تو یہ

حرکت اپنی ماں، بیٹی، بہن، پھوپی، خالہ کے ساتھ پسند کرتا ہے؟ اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! خدا مجھ کو آپ پر قربان کرے، ہرگز نہیں! آپؐ نے فرمایا: پس سوچ، دوسرے لوگ بھی اپنی ماؤں، بیٹیوں، بہنوں، پھوپیوں اور خالاؤں کے ساتھ یہ فعل گوارا نہیں کرتے۔ پھر آپ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ! اس کے گناہ کو معاف فرما اور اس کے دل کو پاک کر اور شرمگاہ کو محفوظ فرما۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس دعا کے بعد اس شخص کی یہ حالت ہوگئی کہ کسی عورت وغیرہ کی طرف نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھتا تھا۔

شراب، ناچ گانا، ٹی وی، وی سی آر، تصاویر اور بے پردگی زنا کے چور دروازے ہیں ان سے کلی اجتناب کرو

ساتواں حکم ــــ قتل ناحق کی ممانعت ــــ اور جس جان کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے اس کو قتل مت کرو مگر حق کی وجہ سے ــــ یعنی شرعاً جن صورتوں میں قتل کرنا جائز یا واجب ہے وہ مستثنیٰ ہیں۔ اور وہ پانچ قتل ہیں (۱) کسی قاتل کو قصاص میں قتل کرنا (۲) باغیوں کو یعنی اسلامی نظام حکومت کو الٹنے کی سعی کرنے والوں کو قتل کرنا (۳) مُحْصِنْ (شادی شدہ مرد) اور مُحْصَنَہْ (شادی شدہ عورت) کو ارتکاب زنا کی سزا میں سنگسار کرنا (۴) ارتداد کی سزا میں قتل کرنا (۵) دین سے مزاحمت کرنے والوں کو جہاد میں قتل کرنا۔

یہی پانچ صورتیں ہیں جن میں انسانی جان کی حرمت مرتفع ہوجاتی ہے اور اسے قتل کرنا جائز ہوجاتا ہے اس کے علاوہ کسی صورت میں قتل کرنا جائز نہیں۔ وہ قتل ناحق ہے مگر آج انسان بہت بڑے پیمانہ پر قتل ناحق کر رہا ہے۔ نتیجہ ہمارے سامنے ہے کہ عداوت اور جنگ اس دنیا کی تقدیر بن گئی ہے۔

اور قتل نفس سے صرف دوسرے انسان کا قتل ہی مراد نہیں بلکہ اپنے آپ کو قتل کرنا بھی اس میں داخل ہے۔ اپنا نفس بھی ایک محترم نفس ہے پس جتنا جرم اور گناہ دوسرے انسان کو قتل کرنے کا ہے اتنا ہی بڑا جرم اور گناہ خودکشی کا بھی ہے، اور یہ سمجھنا بڑی غلط فہمی ہے کہ ہم اپنی جان کے مالک ہیں اور اس کو تلف کرنے کے مجاز ہیں۔ ہماری جان ہماری ملک نہیں اللہ تعالیٰ کی ملک ہے ہم نہ اس کے اتلاف کے مالک ہیں نہ بے جا استعمال کرنے کے۔ جو لوگ دنیا کی معمولی تکلیفوں سے گھبرا کر خودکشی کر لیتے ہیں وہ بہت بڑی تکلیف میں مبتلا کر دیئے جاتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ جس شخص نے پہاڑ (بلندی) سے گر کر خودکشی کی وہ دوزخ میں پہاڑ سے گرنے کی سزا دیا جائے گا اور وہ اس میں ہمیشہ رہے گا اور جس نے زہر پی کر خودکشی کی اس کا زہر اس کے ہاتھ میں ہوگا وہ دوزخ میں اسی کو پیتا رہے گا، اور وہ اس میں تا ابد مبتلا

رہے گا۔اور جس نے کسی دھاردار ہتھیار سے خودکشی کی اس کا ہتھیار اس کے ہاتھ میں ہوگا، اور وہ جہنم میں اس کو اپنے پیٹ میں گھونٹتا رہے گا اور وہ اس میں ہمیشہ رہے گا (متفق علیہ، مشکوٰۃ حدیث ۳۴۵۳)

اور یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ قتل یہاں عرفی معنی میں نہیں ہے یعنی کسی کو دھاردار ہتھیار سے ختم کرنا ہی قتل نہیں ہے بلکہ یہ لفظ عام استعمال کیا گیا ہے یعنی کسی بھی طرح سے کسی کو ہلاک کرنا، زہر دینا، غلط دوا دینا جھوٹے مقدمے میں پھانس کر پھانسی دلوانا، کسی کو پیسے دیکر قتل کرانا، جادو کرکے یا کراکے کسی کو ہلاک کرنا: سب صورتیں قتل ناحق میں داخل ہیں اور سورۃ النساء کی آیت ۹۳ میں اس پر سخت وعید آئی ہے۔

اور ''جس کو اللہ نے حرام کیا ہے'' کہہ کر قتل ناحق کی شناعت بڑھائی گئی ہے یعنی اس نفس کو محترم کسی ایسے ویسے نے نہیں بنایا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام کیا ہے پس اس کی حرمت کا پاس ولحاظ کرو اور خواہ مخواہ کسی کی جان کے پیچھے مت پڑو۔ اللہ نے سب کو جینے کا حق دیا ہے اس کا یہ حق تسلیم کرو۔

آگے قتلِ ناحق پر ایک اور طرح سے روک لگائی گئی ہے، ارشاد ہے —— اور جو شخص ناحق قتل کیا گیا اس کے وارث کو ہم نے (قصاص لینے کا) اختیار دیا ہے پس وہ (وارث) قتل کرنے میں حد سے نہ بڑھے، یقیناً وہ مدد کیا ہوا ہے —— یعنی جو شخص کسی کو ناحق قتل کرنا چاہتا ہے وہ پہلے اپنا انجام سوچ لے، قتل کرنے کے بعد وہ بھی قصاص میں قتل کیا جائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مقتول کے وارث کو قصاص لینے کا حق دیا ہے پس اگر تم نے کسی کو ناحق قتل کیا تو تم بھی چند ہی روز زندہ رہ سکو گے۔ دیر سویر قصاصاً قتل کئے جاؤ گے —— اور مقتول کے وارث کو اللہ تعالیٰ نے جو اختیار دیا ہے وہ مطلق اختیار نہیں بلکہ محدود ہے وہ صرف قاتل ہی کو قصاصاً قتل کرسکتا ہے کسی دوسرے کو قتل نہیں کرسکتا۔ نیز قصاص لینے کا جو شرعی طریقہ ہے اسی طرح قتل کرسکتا ہے۔ جس طرح چاہے قتل نہیں کرسکتا۔ پس وارث کو بھی چاہئے کہ وہ مقررہ حدود سے تجاوز نہ کرے، ورنہ بجائے مظلوم کے وہ ظالم ٹھہرے گا۔

اور آیت کے آخری حصہ میں ناحق قتل کرنے والوں کی ایک خاص ذہنیت کا علاج کیا گیا ہے۔ قاتل سوچتا ہے کہ مقتول کا وارث اور اس کا خاندان میرا کیا بگاڑ لے گا؟ میں زبردست ہوں، جتھے قبیلے والا ہوں مال دولت کی میرے پاس کمی نہیں، میرے تعلقات چاروں طرف ہیں۔ میں قتل کروں گا تو مجھ سے کون قصاص لینے کی ہمت کرے گا؟ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تو یہ نہ سمجھ کہ مقتول کا وارث تنہا اور بے سہارا ہے وہ مدد کیا ہوا ہے پوری نیک سوسائٹی اس کی مددگار ہے اور سب سے بڑی مددگار اسلامی حکومت ہے۔ وہ جب تک کمزور کے لئے زبردست ہے بدلہ نہیں لے گی چین سے نہیں بیٹھے گی۔ پس قتل کرنے کے بعد تیرا صفایا ضرور ہوکر رہے گا۔

آج کل جو دھڑ ادھڑ ناحق قتل ہو رہے ہیں وہ انہی دو سہاروں کے نہ رہنے کی وجہ سے ہو رہے ہیں آج کے بگڑے ہوئے ماحول میں لوگ مظلوم کی مدد کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے، اور وہ معذور بھی ہیں مظلوم کی مدد کرنے جاتے ہیں تو خود پھنس جاتے ہیں۔ چنانچہ قتل کے چشم دید گواہ بھی کورٹ میں گواہی دینے کی ہمت نہیں کرتے اس ڈر سے کہ کہیں انہیں بھی جان سے ہاتھ نہ دھو لینے پڑیں۔ اور جب گواہ پیش نہیں ہوتے تو مجرم بری ہو جاتا ہے۔

اور حکومت کا حال یہ ہے کہ آج سارے جرائم پولیس کے تغافل سے بلکہ تعاون سے ہوتے ہیں۔ جرم پیشہ آدمی پولیس سے ملی بھگت کر کے چشم زدن میں جس کو چاہتا ہے اڑا دیتا ہے اور کوئی اس کا بال بیکا نہیں کر سکتا، واقعہ یہ ہے کہ آج بھی پولیس مظلوم کا بے لاگ تعاون کرے تو کوئی کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۠ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۴﴾ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۳۵﴾

وَلَا تَقْرَبُوْا	اور نزدیک نہ جاؤ	اَشُدَّهٗ	اپنے سن بلوغ کو	اِذَا	جب
مَالَ الْيَتِيْمِ	یتیم کے مال کے	وَاَوْفُوْا	اور پورا کرو	كِلْتُمْ	ناپو
اِلَّا	مگر	بِالْعَهْدِ	عہد و پیمان کو	وَزِنُوْا	اور تولو
بِالَّتِيْ	اس (طریقہ) سے جو	اِنَّ الْعَهْدَ	بے شک عہد	بِالْقِسْطَاسِ	ترازو سے
هِيَ	(کہ) وہ	كَانَ	ہے وہ	الْمُسْتَقِيْمِ	سیدھی
اَحْسَنُ	اچھا ہے	مَسْـُٔوْلًا	باز پرس کیا ہوا	ذٰلِكَ خَيْرٌ	یہ بہتر
حَتّٰى	یہاں تک کہ	وَاَوْفُوا	اور پورا کرو	وَّاَحْسَنُ	اور اچھا (ہے)
يَبْلُغَ	پہنچ جائے وہ	الْكَيْلَ	ناپ کو	تَاْوِيْلًا	انجام کے اعتبار سے

آٹھواں حکم ـــــ یتیموں کے مال کو خرد برد کرنے کی ممانعت ـــــ اور یتیم کے مال کے پاس بھی مت جاؤ، مگر ایسے طریقہ سے جو کہ وہ اچھا ہے تا آنکہ وہ اپنے شباب کو پہنچ جائے ـــــ اور اپنے نفع نقصان کو سمجھنے لگے۔ اس وقت اس کا مال اس کے حوالہ کر دو۔

یتیم بچہ انسانیت کے باغ کا وہ نرم و نازک اور بے زبان پودا ہے جس کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرنا، بڑی سے

بڑی سنگدلی کا کامیاب علاج ہے۔اس کے ساتھ،اس کے مال کے ساتھ وہ برتاؤ کرنا چاہئے جو ہم اپنے بچوں کے بارے میں چاہتے ہیں۔یتیم کی کفالت بڑا اجر وثواب کا کام ہے۔احادیث میں اس کی بہت فضیلتیں آئی ہیں مگر اس میں خطرہ بھی ہے کیونکہ یتیم بے شعور ہوتا ہے اور اس کی طرف سے ولی سے باز پرس کرنے والا کوئی نہیں ہوتا اس لئے عام طور پر لوگ یتیموں کے اموال میں بے احتیاطی برتتے ہیں۔چنانچہ سورۃ النساء آیت ۱۰ میں یتامی کے اموال کھانے پر سخت وعید آئی ہے،ارشاد ہے:''جو لوگ بلا استحقاق یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ ہی بھر رہے ہیں اور عنقریب وہ جلتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے''

اور عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ جب کسی کا انتقال ہونے لگتا ہے تو وہ اپنے بچوں کی ذمہ داری خاندان کے کسی فرد کو یا کسی دوست کو سونپتا ہے اور اس سے عہد لیتا ہے کہ وہ اس کے بچوں کی پوری خبر گیری کرے گا۔ایسے موقعہ پر لوگ وقتی طور پر وعدہ کر لیتے ہیں مگر بعد میں جب مرنے والے کی یاد دُھندلی پڑ جاتی ہے تو وعدہ کا ایفا نہیں کرتے۔اس لئے آگے نواں حکم دیا:

نواں حکم ـــــ قول وقرار کا پاس کرنا ـــــ اور عہد و پیمان پورا کرو،عہد کے بارے میں یقیناً باز پرس ہونے والی ہے ـــــ یعنی قیامت کے دن جیسے اور فرائض وواجبات اور احکام الٰہیہ کے بارے میں سوال ہوگا کہ ان کو پورا کیا یا نہیں؟ اسی طرح باہمی عہد و پیمان کے متعلق بھی سوال ہوگا۔روز محشر آپ کا رشتہ دار یا دوست حبیب ہوگا اور پوچھا جائے گا کہ آپ نے آخری دم میں جو عہد و پیمان کیا تھا کہ آپ اس کے بچوں کی پوری نگہداشت کریں گے اور ان کو اپنے بچوں کی طرح پالیں گے۔یہ عہد و پیمان آپ نے کہاں تک پورا کیا؟ اگر کما حقہ پورا کیا ہوگا تو وہ دن اپنے عزیز قریب اور دوست حبیب کے سامنے سرخروئی کا دن ہوگا ورنہ کچھ ایسی پشیمانی ہوگی کہ بات بنائے نہ بنے گی۔

ملحوظہ:قول وقرار اور معاہدوں کے بارے میں تفصیلی کلام سورۃ الحجر آیت ۹۱ کی تفسیر میں گذر چکا ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

دسواں حکم ـــــ ناپ تول میں کمی کرنے کی ممانعت ـــــ اور جب پیمانے سے ناپو تو پورا ناپو ـــــ جھوک مت مارو ـــــ اور (جب ترازو سے تولو تو) صحیح ترازو سے تولو،یہ اچھی بات ہے،اور اس کا انجام بھی اچھا ہے ـــــ اس سے اعتماد قائم ہوتا ہے اور تجارت کو فروغ ملتا ہے۔دغا بازی چند دن چلتی ہے پھر جب لوگ باخبر ہو جاتے ہیں تو اس تاجر سے معاملہ چھوڑ دیتے ہیں اور صحیح معاملہ کرنے والا سب کو بھلا لگتا ہے اس لئے اس کی تجارت خوب چمکتی ہے اور آخرت میں اس کا مقام اتنا بلند ہے کہ تصور نہیں کیا جاسکتا۔حدیث شریف میں ہے کہ:''سچا امانت دار تاجر

انبیاء، صدیقین اور شہدا کے ساتھ ہوگا (رواہ الترمذی)

حلال وحرام یکساں نہیں، اگرچہ حرام کی کثرت لوگوں کو بھلی معلوم ہوتی ہے

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ﴿۳۶﴾ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ﴿۳۷﴾ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۳۹﴾

وَلَا تَقْفُ(۱)	اور پیروی مت کر	عَنْهُ	اُن کے بارے میں	كُلُّ ذٰلِكَ	ہر ایک اُن (کاموں) سے
مَا لَيْسَ لَكَ	اس کی کہ نہیں ہے تجھے	مَسْئُوْلًا	باز پرس کیا ہوا	كَانَ	ہے
بِهٖ	اس کے بارے میں	وَلَا تَمْشِ	اور مت چل	سَيِّئُهٗ(۵)	اس کا بُرا
عِلْمٌ	کچھ علم	فِي الْاَرْضِ	زمین میں	عِنْدَ رَبِّكَ	تیرے رب کے نزدیک
اِنَّ	بے شک	مَرَحًا(۳)	اترا کر	مَكْرُوْهًا	ناپسندیدہ
السَّمْعَ	کان	اِنَّكَ	بے شک تو	ذٰلِكَ	یہ (احکام)
وَالْبَصَرَ	اور آنکھ	لَنْ تَخْرِقَ	ہرگز نہیں پھاڑ سکتا	مِمَّآ	اس میں سے ہیں جو
وَالْفُؤَادَ	اور دل	الْاَرْضَ	زمین کو	اَوْحٰى	وحی کی ہے تیری طرف
كُلُّ(۲)	سب	وَلَنْ تَبْلُغَ	اور ہرگز نہیں پہنچ سکتا	رَبُّكَ	تیرے رب نے
اُولٰٓئِكَ	ان (اعضاء) کا	الْجِبَالَ	پہاڑوں کو	مِنَ الْحِكْمَةِ(۶)	حکمت کی باتوں سے
كَانَ	ہے وہ (شخص)	طُوْلًا(۴)	لمبا ہو کر	وَلَا تَجْعَلْ	اور مت تجویز کر

(۱) لَاتَقْفُ (فعل نہی، صیغہ واحد مذکر حاضر) قَفَا (ن) قُفُوًّا: کسی کے پیچھے چلنا، پیروی کرنا (۲) كُلُّ اولئك (مرکب اضافی) مبتدا ہے اور جملہ فعلیہ كَانَ عَنْهُ خبر ہے اور عَنْهُ کے بارے میں زمخشری نے فرمایا ہے کہ یہ مسئولاً کا نائب فاعل ہے جو مقدم آیا ہے (۳) مَرَحًا (اسم فعل) اترانا، غرور آمیز اکڑنا (۴) طُوْلًا تمیز محوّل عن المفعول ہے (۵) سَيِّئٌ (صفت مشبہ) بد، برا از سُوْءٌ خیال رہے کہ سَيِّئٌ صفت مشبہ ہے اس کا ترجمہ بدی اور برائی نہیں بلکہ اس کا ترجمہ بد اور برا ہے (۶) مِنَ الْحِكْمَةِ میں مِنْ بیانیہ ہے اور یہ مِمَّا میں جو مَا موصولہ ہے اس کا بیان ہے ۱۲

مَعَ اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کے ساتھ	فَتُلْقٰى	پس ڈالا جائے تو	مَلُوْمًا	اور ملامت کیا ہوا
اِلٰهًا اٰخَرَ	کوئی اور معبود	فِيْ جَهَنَّمَ	دوزخ میں	مَّدْحُوْرًا	دُھتکارا ہوا

گیارہواں حکم ـــــ تحقیق کے بغیر کسی بات پر عمل کرو نہ بدگمانی کرو ـــــ معاملات میں بہت جلد آدمی بدگمان ہوجاتا ہے، بے تحقیق دل میں خیال جمالیتا ہے کہ فلاں دکاندار بے ایمان ہے، جھوک مارتا ہے۔ دغابازی کرتا ہے، نفع زیادہ لیتا ہے یا سامان خراب دیتا ہے۔ اسی طرح قول وقرار کے معاملہ میں معمولی معمولی باتوں سے بدگمانی ہوجاتی ہے اور آدمی عہد و پیمان سے پھر جاتا ہے اس لئے حکم دیا ـــــ اور ایسی چیز کے پیچھے مت پڑو جس کے بارے میں تمہیں خبر نہیں ـــــ یعنی بے تحقیق زبان سے بات مت نکالو۔ اندھادھند کسی چیز کی پیروی نہ کرو، سنی سنائی باتوں پر بے سوچے سمجھے حکم لگادینا یا اس پر عمل درآمد شروع کردینا پشیمانی کا باعث ہوتا ہے۔ آگے مذکورہ حکم کی وجہ بیان کی ہے ـــــ یقیناً کان، آنکھ اور دل، ان میں سے ہر ایک کے بارے میں باز پرس ہونی ہے ـــــ یعنی قیامت کے دن سوال ہوگا کہ کان سے کیا سنا تھا؟ آنکھ سے کیا دیکھا تھا؟ دل کے بارے میں دریافت کیا جائے گا کہ کیسے کیسے خیالات دل میں پکائے تھے؟ اور کن کن باتوں پر یقین کیا تھا؟

اس میں جھوٹی گواہی دینا، غلط تہمتیں لگانا، بے تحقیق باتیں سن کر کسی کے درپئے آزار ہونا یا بغض وعداوت قائم کرلینا، باپ دادا کی تقلید یا رسم ورواج کی پابندی میں خلافِ شرع اور ناحق باتوں کی حمایت کرنا، اَن دیکھی یا اَن سنی چیزوں کو دیکھی یا سنی ہوئی بتلانا، نامعلوم چیزوں کی نسبت دعوی کرنا کہ میں جانتا ہوں، فال نکال کر چور کا نام بتلانا، قیافہ سے مستقبل کے حالات بتلانا، یہ سب صورتیں اس آیت میں داخل ہیں۔

احساس کرنے والی قوتیں کان اور آنکھ کے علاوہ اور بھی ہیں۔ ناک سے سونگھ کر احساس کیا جاتا ہے۔ زبان سے چکھ کر علم حاصل کیا جاتا ہے اور کسی چیز کو چھوکر اور ٹٹول کر بھی جانا جاتا ہے۔ قیامت کے دن تمام قُویٰ کی نسبت سوال ہوگا کہ ان کو کہاں استعمال کیا تھا؟ مگر چونکہ انسان زیادہ تر کان اور آنکھ سے علم حاصل کرتا ہے اس لئے انہی دو کا ذکر کیا ہے پھر ان میں بھی زیادہ تر معلومات کان سے حاصل ہوتی ہیں اس لئے اس کو مقدم کیا ہے۔

بارہواں حکم ـــــ فخر وغرور کی ممانعت ـــــ تکبر: عزت کو خاک میں ملادیتا ہے جس کو یہ روگ لگ جاتا ہے وہ ذلیل وخوار ہوتا ہے۔ اور یہ حکم سب سے آخر میں اس لئے دیا ہے کہ تکبر: حق کے راستہ کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ شیطان کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ گھمنڈ ہی نے اس کو حق کی پیروی سے روکا تھا۔

متکبر آدمی اللہ کا صحیح بندہ بننے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ ماں باپ کی خدمت میں اسے عار محسوس ہوتی ہے، رشتہ

داروں اور محتاجوں کے حقوق ادا کرتے ہوئے اس کی جان نکلتی ہے۔ قتل اولاد، بدکاری اور ناحق قتل سے وہ چوکتا نہیں۔ یتیموں کے اموال کو اپنی دولت سمجھتا ہے اور کسی بات پر یقین کرنے کے لئے اس کو کسی تحقیق کی ضرورت نہیں۔ غرض ساری ہی خرابیاں فخر وغرور سے پیدا ہوتی ہیں۔ کیونکہ جو شخص حق بات قبول کرنے ہی کے لئے تیار نہ ہو وہ حق بات پر عمل کیا کرے گا؟ اس لئے آخر میں بارھواں حکم دیا جاتا ہے —— اور زمین میں اکڑ کر مت چلو —— یعنی ایسی چال مت چلو جس سے تکبر اور فخر وغرور ٹپکتا ہو —— تو نہ تو زمین پھاڑ سکتا ہے اور نہ ہی پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ سکتا ہے —— یعنی زور سے پاؤں مار کر زمین کو پھاڑ نہیں سکتا۔ گردن ابھار کر اور سینہ تان کر پہاڑوں کے برابر نہیں ہو سکتا۔ پس کس برتے پر اپنے کو اس قدر لمبا کھینچتا ہے! —— تکبر بہت بڑا گناہ ہے۔ چال ڈھال میں جو چیزیں تکبر پر دلالت کرتی ہیں وہ بھی ناجائز ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ وہ آدمی جنت میں داخل نہ ہوگا جس کے دل میں ذرہ بھر تکبر ہوگا (مشکوٰۃ حدیث ۵۱۰۷) ایک دوسری حدیث میں ہے کہ گھمنڈی لوگ قیامت کے دن مقدار میں چھوٹی چیونٹیوں جیسے، اور صورت میں انسانوں جیسے اٹھائے جائیں گے۔ جن پر ہر طرف سے ذلت وخواری برستی ہوگی ان کو جہنم کے ایک جیل خانہ کی طرف ہانکا جائے گا جس کا نام بولس ہے جس پر سب سے زیادہ تیز آگ چڑھی ہوئی ہے اور پینے کے لئے ان کو جہنمیوں کے بدن سے نکلا ہوا پیپ دیا جائے گا (مشکوٰۃ حدیث ۵۱۱۲)

ایک اور حدیث میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے میرے پاس وحی بھیجی ہے کہ تواضع اختیار کرو: کوئی کسی پر نہ تو فخر کرے اور نہ ظلم کرے'' (مشکوٰۃ حدیث ۴۸۹۸)

اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ ارشاد سنا ہے کہ: ''جو شخص تواضع اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو سر بلند کرتے ہیں وہ اپنی نظر میں چھوٹا ہوتا ہے مگر دوسروں کی نظر میں بڑا ہوتا ہے اور جو تکبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل کرتے ہیں وہ اپنی نظر میں بڑا ہوتا ہے مگر دوسروں کی نظر میں کتے اور خنزیر سے بھی بدتر ہوتا ہے'' (مشکوٰۃ حدیث ۵۱۱۹)

تکبر: حق کو قبول نہ کرنا اور دوسروں کو حقیر جاننا ہے (حدیث)

اب مذکورہ منہیات (حکم ۵ تا ۱۲) کی تاکید، اور ان سے اجتناب کا ذہن بنانے کے لئے دو باتیں بیان کی جاتی ہیں:

پہلی بات —— یہ سارے کام: ان میں سے جو برے ہیں: تیرے رب کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں —— لہٰذا اللہ کے مخلص بندوں کو ان کاموں سے کوسوں دور رہنا چاہئے —— ماموات کی خوبی انسان بخوبی سمجھ سکتا ہے۔

توحید کی خوبی اظہر من الشمس ہے، ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک اور دیگر رشتہ داروں، محتاجوں اور مسافروں کے حقوق کی ادائیگی: اچھی بات ہے۔ ان کاموں کی خوبی ہی انسان کی طبیعت میں تعمیل کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔ مگر منہیات کی صورتِ حال مختلف ہے۔ انسان فطری طور پر برائیوں کی طرف رغبت رکھتا ہے۔ حدیث میں یہ بات اس طرح بیان کی گئی ہے کہ جہنم کے چاروں طرف مرغوبات کی باڑھ باندھ دی گئی ہے یعنی جہنم میں لے جانے والے کام انسان کو مرغوب ہیں، اس لئے تاکیداً فرمایا کہ یہ سب کام اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہیں۔ پس مؤمن بندے کو ان کے قریب بھی نہیں جانا چاہئے، چاہے اس کا دل کتنا ہی تلملائے!

دوسری بات —— یہ وہ حکمت کی باتیں ہیں جو آپؐ کے پروردگار نے آپؐ پر وحی کے ذریعہ بھیجی ہیں —— یعنی مذکورہ احکام حکمت پر مبنی ہیں، انسانوں کو چاہئے کہ وہ ان کی قدر کریں، اور تعمیل کے لئے کمر ہمت کس لیں۔

آخر میں سب سے پہلا حکم جو اصل الاصول ہے: مکرر بیان کیا جاتا ہے: تاکہ اس کی اہمیت واضح ہو، اور سلسلہ کلام آگے چلے۔ ارشاد ہے —— اور تو اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود تجویز مت کر، ورنہ جہنم میں ملامت خوردہ دُھتکارا ہوا ڈال دیا جائے گا —— شرک ناقابل معافی جرم ہے، اور آخرت میں اس کی سزا ابدی جہنم ہے۔ لہٰذا صرف ایک خدا کو اپناؤ، کسی کو اس کا شریک و سہیم مت بناؤ۔

کائنات اکیلے اللہ تعالیٰ نے بنائی ہے۔ پس اس کا ساجھی تجویز کرنا ناقابل معافی جرم ہے

اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ۭ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ۭ وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴿۴۱﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِي الْعَرْشِ سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ﴿۴۳﴾ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۴﴾

اَفَاَصْفٰىكُمْ (۱)	کیا خاص کیا ہے تم کو	رَبُّكُمْ	تمہارے رب نے	بِالْبَنِيْنَ	بیٹوں کے ساتھ

(۱) ہمزۂ استفہام انکاری ہے — فا عاطفہ اور معطوف علیہ مقدر ہے — اَصْفٰكُمْ (فعل ماضی صیغہ واحد مذکر غائب کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر مفعول بہ) اَصْفٰى اِصْفَاءً: خالص کرنا۔ اَصْفَاهُ بِكَذَا: مخصوص کرنا مجرد۔ صَفَا يَصْفُوْ صَفْوًا: صاف ہونا۔

وَاتَّخَذَ(۱)	اور اپنایا ہے انھوں نے	نُفُوْرًا(۵)	نفرت میں	تُسَبِّحُ	پاکی بیان کرتے ہیں
مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ	فرشتوں میں سے	قُلْ	آپ کہیے	لَهُ	اس کی
اِنَاثًا	بیٹیوں کو؟	لَّوْ كَانَ	اگر ہوتے	السَّمٰوٰتُ	آسمان
اِنَّكُمْ	بیشک تم	مَعَهٗٓ	اللہ کے ساتھ	السَّبْعُ	ساتوں
لَتَقُوْلُوْنَ	یقیناً کہتے ہو	اٰلِهَةٌ	اور معبود	وَالْاَرْضُ	اور زمین
قَوْلًا	بات	كَمَا	جیسا کہ	وَمَنْ فِيْهِنَّ	اور جو مخلوق ان میں ہے
عَظِيْمًا	بڑی سخت!	يَقُوْلُوْنَ	وہ کہتے ہیں	وَاِنْ	اور نہیں
وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	اِذًا	تب تو	مِّنْ شَيْءٍ	کوئی چیز
صَرَّفْنَا(۲)	پھر پھیر کر بیان کیا ہے ہم	لَّابْتَغَوْا	ضرور ڈھونڈ نکالتے وہ	اِلَّا	مگر
	نے (توحید کے مضمون کو)	اِلٰى ذِي	عرش والے کی طرف	يُسَبِّحُ	وہ پاکی بیان کرتی ہے
فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ	اس قرآن میں	الْعَرْشِ		بِحَمْدِهٖ	اسکی تعریف کے ساتھ
		سَبِيْلًا	راستہ	وَلٰكِنْ	مگر
لِيَذَّكَّرُوْا(۳)	تاکہ وہ اچھی طرح سمجھ لیں	سُبْحٰنَهٗ	وہ پاک ہے	لَّا تَفْقَهُوْنَ	نہیں سمجھتے ہو تم
وَمَا	اور نہیں	وَتَعٰلٰى	اور برتر ہے	تَسْبِيْحَهُمْ	انکے پاکی بیان کرنے کو
يَزِيْدُهُمْ(۴)	بڑھایا (پھیر پھیر کر	عَمَّا	ان باتوں سے جو	اِنَّهٗ كَانَ	بے شک وہ ہیں
	بیان کرنے نے) ان کو	يَقُوْلُوْنَ	وہ کہتے ہیں	حَلِيْمًا	بڑے بردبار
اِلَّا	مگر	عُلُوًّا كَبِيْرًا	بہت زیادہ برتر	غَفُوْرًا	بڑے بخشنے والے

پچھلی آیت میں شرکت کی ممانعت تھی۔اب اِن آیتوں میں مشرکین کی حماقت و جہالت کا نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔

(۱)اِتَّخَذَ متعدی بدو مفعول ہے اِنَاثًا مفعول اول ہے اور (كَائِنًا)مِن الملائكة مفعول ثانی ہے(۲)صَرَّفَ تَصْرِيْفًا: پھیر پھیر کر بیان کرنا، طرح طرح سے سمجھانا۔زیادہ تر یہ لفظ کسی چیز کو ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف اور ایک امر سے دوسرے امر کی طرف پلٹنے اور تبدیل کرنے کے لئے بولا جاتا ہے۔تصريف الرياح ہواؤں کا الٹنا پلٹنا، مختلف جہات سے چلنا تصريف الكلام: بات کو پھیر پھیر کر بیان کرنا آیت میں صَرَّفْنَا کا مفعول محذوف ہے(۳)لِيَذَّكَّرُوْا باب تفعل سے ہے اس کی اصل لِيَتَذَكَّرُوْا ہے تَذَكُّرٌ: نصیحت پکڑنا(۴)يَزِيْدُهُمْ کا فاعل محذوف ہے أى ذلك التصريف والتبيين (۵)نُفُوْرًا (مصدر)نَفَرَ (ن)نُفُوْرًا: بھاگنا، دور ہونا۱۲

مشرکانہ ذہنیت کی یہ کتنی بڑی کمزوری ہے کہ جو بات کسی بھی طرح اللہ تعالیٰ کے شایان شان نہیں، اُسے اللہ پاک کے لئے تجویز کرتے ہیں۔ وہ اللہ پاک کے لئے اولاد مانتے ہیں اور اولاد بھی کیسی؟ جسے وہ اپنے لئے پسند نہیں کرتے یعنی لڑکیاں۔ ارشاد ہے ـــــ کیسی عجیب بات ہے: تمہارے رب نے تمہیں تو بیٹوں سے نوازا اور خود اپنے لئے فرشتوں کو بیٹیاں بنالیا ـــــ یعنی اول تو اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کا انتساب ہی جہالت وسفاہت ہے، پھر اولاد میں سے بھی اللہ تعالیٰ کے لئے وہ صنف تجویز کی جسے خود پسند نہیں کرتے ـــــ یقیناً تم بڑی بھاری بات کہتے ہو ـــــ یعنی بڑی بھاری گستاخی کرتے ہو ـــ مشرکین کے معبودوں میں جتنی دیویاں ہیں ان کے متعلق ان کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ خدا کی بیٹیاں ہیں۔ مشرکین عرب بھی فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں مانتے تھے۔ یہاں ان کے اس عقیدہ کو ان کی ناانصافی کے نمونہ کے طور پر پیش کیا گیا ہے ـــــ اور ہم نے اس قرآن میں (توحید کے مضمون کو) طرح طرح سے بیان کیا ہے تاکہ لوگ اچھی طرح سمجھ لیں ـــــ قرآن کریم میں مختلف عنوانوں سے اور نہج بدل بدل کر توحید کا مضمون بیان کیا گیا ہے کیونکہ یہ ادیان سماوی کا بنیادی مسئلہ ہے، اسی پر خدا پرستی کی عمارت کھڑی ہوتی ہے ـــــ اور (یہ بات) ان کی نفرت ہی کو بڑھا رہی ہے ـــــ یعنی بجائے نصیحت پذیر ہونے کے یہ بندگان خدا اور زیادہ بدکتے ہیں اور وحشت کھا کر بھاگتے ہیں۔

شرک کے بطلان کی دلیل ـــــ آپ کہئے: اگر اللہ کے ساتھ اور معبود ہوتے، جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں، تو ضرور عرش والے خدا تک انھوں نے راہ ڈھونڈھ لی ہوتی ـــــ یعنی اگر کائنات میں اللہ تعالیٰ کیساتھ اور خدا بھی ہوتے تو اُن سب نے مل کر اللہ کے تخت سلطنت کو الٹ دیا ہوتا۔ کیونکہ اگر وہ واقعی خدا ہوتے تو عرش والے خدا پر چڑھائی کر دیتے، وہ دب کر رہنے والے کہاں تھے اور جب خداؤں میں جنگ چھڑ جاتی تو دنیا کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔ حالانکہ نظام عالم کا صحیح طور پر چلنا معلوم ہے، شب و روز ایک ہی انداز پر آ جا رہے ہیں اور زمین و آسمان برقرار ہیں جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ایک خدا کے سواء کوئی دوسرا اس کا شریک و سہیم نہیں (۱) ـــــ اللہ تعالیٰ پاک ہیں اور اُن باتوں سے بہت ہی برتر ہیں جو یہ لوگ کہہ رہے ہیں ـــــ یعنی ان کا کوئی شریک و سہیم نہیں، نہ برابر کا نہ کمتر درجہ کا اور ان کی کوئی اولاد بھی نہیں، نہ لڑکے اور نہ لڑکیاں!

توحید کا اثبات: ـــــ اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں ساتوں آسمان اور زمین اور جو مخلوقات ان میں ہیں کوئی چیز ایسی نہیں جو تعریف کے ساتھ ان کی پاکی بیان نہ کرتی ہو، مگر تم ان کا پاکی بیان کرنا سمجھتے نہیں، حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑے

(۱) یہ برہانِ تمانع ہے، اور اس کی تقریر سورۃ المؤمنون (آیت ۹۱) کی تفسیر میں کی گئی ہے ۱۲

ہی بردبار بڑے ہی درگذر فرمانے والے ہیں ـــــ یعنی خواہ کوئی مخلوق ہو، آسمان ہوں، یا زمین ہوں۔ آسمانی اور زمینی مخلوقات سب زبان حال سے بھی اور زبان قال سے بھی اللہ تعالیٰ کی پاکی اور خوبیاں بیان کرتے ہیں مگر انسان اسے سمجھتا نہیں، کیونکہ ان کی زبان اور ہے اور انسان کی زبان اور۔ مشرکین ایسی عظیم ہستی کے لئے شرکاء تجویز کرتے ہیں اور اس پر عاجزی اور محتاجگی کا دھبہ لگاتے ہیں یہ اتنی بڑی گستاخی ہے کہ اُن کو فوراً ہلاک کر دینا چاہئے مگر اللہ تعالیٰ بڑے بردبار ہیں۔ بندوں کو سنبھلنے کا موقعہ دیتے ہیں اگر وہ سنبھل جائیں اور شرک وکفر سے توبہ کرلیں تو وہ بڑے درگزر کرنے والے ہیں۔ سب گناہ معاف کردیں گے۔

زبان حال سے تسبیح: کا مطلب یہ ہے کہ کائنات کی تمام چیزیں یہاں تک کہ کافر بھی اپنے پورے وجود سے اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ جس ذات نے ان کو پیدا کیا ہے اور جو ان کا پروردگار ہے وہ ہر عیب اور ہر کمزوری سے پاک ہے اور ہر خوبی اور ہر کمال کے ساتھ متصف ہے اس نے ہر چیز کو جیسا اسے ہونا چاہئے ویسا ہی بنایا ہے۔ ہر مخلوق کی ضروریات وہی پوری کرتا ہے لہٰذا سب کی نیاز مندیوں کے حقدار بھی وہی تنہا ہیں ان کی معبودیت اور خدائی میں کوئی حصہ دار نہیں۔

زبان قال سے تسبیح: کا مطلب یہ ہے کہ ہر مخلوق اپنے شعور کے مطابق اور اپنی عقل وفہم کے لحاظ سے اور اپنے انداز میں زبان سے بھی تسبیح خواں اور حمد گُناں ہے۔ احادیث میں یہ مضمون بکثرت وارد ہوا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے دست مبارک میں کنکریاں تسبیح پڑھتی تھیں۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کو اپنے کانوں سے سنا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے بروایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے کہ ہم کھانے کی تسبیح کی آواز سنا کرتے تھے جبکہ وہ کھایا جارہا ہوتا تھا اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کھانا کھاتے تو کھانے کی تسبیح کی آواز سنا کرتے تھے۔ اور صحیح مسلم میں بروایت حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں مکہ مکرمہ کے اس پتھر کو جانتا ہوں جو بعثت سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا (معارف القرآن)

اور قرآن کریم میں سورۃ ص آیت ۱۸ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ صبح وشام تسبیح کیا کریں اسی طرح پرندے بھی آپ کے پاس جمع ہوکر اللہ کی تسبیح کیا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو شعور بخشا ہے اور ہر چیز شعوری طور پر اپنے خالق و مالک کی تسبیح کرتی ہے

وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُورًا ﴿٤٥﴾ وَّ

جَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۚ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿۴۶﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖۤ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ وَاِذْ هُمْ نَجْوٰۤى اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۴۷﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۴۸﴾

وَاِذَا	اور جب	اَنْ(۳)	(اس سے) کہ	اَعْلَمُ	خوب جانتے ہیں
قَرَاْتَ	پڑھتے ہیں آپ	يَّفْقَهُوْهُ	سمجھیں وہ اُسے	بِمَا(۷)	اس (غرض) کو جو
الْقُرْاٰنَ	قرآن	وَفِيْۤ اٰذَانِهِمْ	اور ان کے کانوں میں	يَسْتَمِعُوْنَ	سنتے ہیں وہ
جَعَلْنَا	(تو) کردیتے ہیں ہم	وَقْرًا(۴)	بوجھ	بِهٖۤ	اس کی وجہ سے
بَيْنَكَ	آپ کے درمیان	وَاِذَا	اور جب	اِذْ(۸)	جب
وَبَيْنَ الَّذِيْنَ	اور ان لوگوں کے	ذَكَرْتَ	ذکر کرتے ہیں آپ	يَسْتَمِعُوْنَ	کان لگاتے ہیں وہ
	درمیان جو	رَبَّكَ	اپنے رب کا	اِلَيْكَ	آپ کی طرف
لَا يُؤْمِنُوْنَ	ایمان نہیں رکھتے	فِي الْقُرْاٰنِ	قرآن میں	وَاِذْ هُمْ(۹)	اور جب وہ
بِالْاٰخِرَةِ	آخرت پر	وَحْدَهٗ(۵)	تنہا (صرف)	نَجْوٰۤى(۱۰)	سرگوشیاں کرتے ہیں
حِجَابًا مَّسْتُوْرًا(۱)	مخفی پردہ	وَلَّوْا	(تو) پھر جاتے ہیں وہ	اِذْ(۱۱)	جب
وَّجَعَلْنَا	اور کردیتے ہیں ہم	عَلٰۤى اَدْبَارِهِمْ	اپنی پشتوں پر	يَقُوْلُ	کہتے ہیں
عَلٰى قُلُوْبِهِمْ	ان کے دلوں پر	نُفُوْرًا(۶)	نفرت کرتے ہوئے	الظّٰلِمُوْنَ	ظالم لوگ
اَكِنَّةً(۲)	پردے	نَحْنُ	ہم	اِنْ	نہیں

(۱)مَسْتُوْرًا اسم مفعول ہے جس کے معنی ہیں پوشیدہ، مخفی از سَتَرَ (ن) سَتْرًا الشیءَ: چھپانا، مستور: چھپایا ہوا، نظر نہ آنے والا (۲)اَكِنَّةً: جمع ہے اس کا مفرد کِنَانٌ یا کِنٌّ ہے دیکھئے النحل ۸۱ (۳)أَنْ مصدر یہ ہے اور اس سے پہلے مِنْ جارہ محذوف ہے (۴)اَلْوَقْرُ (اسم مصدر) بوجھ، گرانی (۵)وَحْدٌ مصدر ہے اور وَحْدَهٗ (مرکب اضافی) حال ہے لأنه فی قوة النکرة إذ هو فی معنی منفردًا (۶)نُفُوْرًا حال ہے (۷)بِمَا میں باصلہ کی ہے عَلِمَ بِه: جاننا اور مَا موصولہ ہے اور بِهٖ میں باسببیہ ہے اور ضمیر مَا کی طرف لوٹتی ہے (۸)إِذْ إلخ مفعول فیہ ہے أَعْلَمُ کا (۹) پہلے إِذْ پر معطوف ہے (۱۰)نَجْوٰی مصدر ہے اور هُمْ کی خبر ہے اور زید عدل کی طرح مبالغہ ہے (۱۱)دوسرے إِذْ سے بدل ہے ۱۲

تَتَّبِعُوْنَ	پیروی کرتے ہو تم	كَيْفَ	کیسی	فَضَلُّوْا	سو گمراہ ہوئے وہ
اِلَّا	مگر	ضَرَبُوْا	کسیں انھوں نے	فَلَا	پس نہیں
رَجُلًا مَّسْحُوْرًا	سحر زدہ (پاگل آدمی) کی	لَكَ	آپ پر	يَسْتَطِيْعُوْنَ	طاقت رکھتے وہ
اُنْظُرْ	دیکھئے	الْاَمْثَالَ	پھبتیاں	سَبِيْلًا	راہ (پانے) کی

گذشتہ آیات میں توحید کا تذکرہ تھا۔ ان آیات میں رسالت کا تذکرہ ہے۔ اور مشرکینِ مکہ کے انکارِ رسالت کی تین وجوہ بیان کی گئی ہیں:

پہلی وجہ ــــــ قرآن کریم کی نصیحت سے اثر پذیر نہ ہونا ــــــ اور جب آپ قرآن کریم سناتے ہیں تو ہم آپ کے اور آخرت پر ایمان نہ لانے والوں کے درمیان ایک مخفی پردہ حائل کردیتے ہیں ــــــ جو نظر تو کسی کو آتا نہیں، مگر کام گہرے بادل کا کرتا ہے ــــــ اور ہم ان کے دلوں پر قرآن کے فہم کے تعلق سے پردے ڈال دیتے ہیں، اور کانوں پر ڈاٹ لگادیتے ہیں ــــــ پس ان کے دل اوندھے ہوجاتے ہیں، کان بہرے ہوجاتے ہیں، اور آنکھیں کور ہوجاتی ہیں ــــــ قرآن کریم بڑا ہی پُرتاثیر کلام ہے، مگر جو اس سے اوٹ میں ہوجائے، اس کو کیا فیض پہنچ سکتا ہے؟ آفتاب سارے جہاں کو روشن کرتا ہے، مگر جو تہ خانہ میں تمام دروازے اور تابدان بند کرکے بیٹھ جائے: اس کو روشنی کیسے پہنچ سکتی ہے؟ بات خواہ کتنی ہی پُرکشش ہو، مگر جو سمجھنے کی کوشش ہی نہ کرے اس کو کیا حاصل ہوسکتا ہے؟

دوسری وجہ ــــــ توحید سے نفرت ــــــ اور جب آپ قرآن میں فقط اپنے رب کا تذکرہ کرتے ہیں، تو وہ لوگ نفرت سے پیٹھ پھیر کر چل دیتے ہیں ــــــ ایک اللہ کا تذکرہ ان کو ایک آن نہیں بھاتا۔ ان کی لو بتوں سے لگی ہوئی ہے، اس لئے وہ رسول اللہ ﷺ کی باتوں پر کان نہیں دھرتے!

تیسری وجہ ــــــ رسول کی ذات سے عداوت ونفرت ــــــ ہم خوب جانتے ہیں جس غرض سے وہ لوگ قرآن سنتے ہیں، جس وقت وہ آپ کی بات کان لگا کر سنتے ہیں، اور جس وقت وہ باہم سرگوشیاں کرتے ہیں، جس وقت ظالم کہتے ہیں: ''تم ایک سحر زدہ شخص ہی کی پیروی کرتے ہو!'' ــــــ اس آیت میں کافروں کی چار حالتیں بیان کی گئی ہیں: ایک: وہ فاسد غرض سے قرآن سنتے ہیں۔ وہ قرآن میں کوئی اعتراض کی بات ڈھونڈھتے ہیں، تاکہ دوسروں کو گمراہ کرسکیں۔ دوم: وہ صرف سر کے کانوں سے سنتے ہیں، گوشِ حق نیوش سے نہیں سنتے۔ سوم: باہم سرگوشیاں کرتے ہیں کہ قرآن کی بات کیسے ٹالی جائے؟ تاکہ کوئی اس کا اثر قبول نہ کرلے۔ چہارم: آپ ﷺ پر پھبتی کستے ہیں۔ ظالم کہتے ہیں: ''یہ شخص سحر زدہ پاگل ہے!'' اس کی باتیں دیوانے کی بڑ ہیں ــــــ دیکھئے! ان لوگوں نے آپ

پر کیسی پھبتیاں کسیں! ـــــ بھلا کوئی جوڑ ہے دیوانے کی بڑ میں اور اس فصیح و بلیغ کلام میں! ـــــ سو وہ گمراہ ہوئے، پس وہ اب راہ یاب نہیں ہوسکتے! ـــــ کیونکہ جب وہ رسول کی ذات سے عداوت ونفرت میں اتنی دور چلے گئے تو اب ان کو راہِ راست کہاں نصیب ہوسکتی ہے!

بات اسی وقت اثر انداز ہوتی ہے، جب کہنے والے سے عقیدت ہو، اور گوشِ حق نیوش سے سنی جائے

وَ قَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَ اِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۴۹﴾ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ﴿۵۰﴾ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ۭ قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ۭ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ﴿۵۱﴾ يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَ تَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۵۲﴾ ع

وَ قَالُوْٓا	اور انہوں نے کہا	كُوْنُوْا	ہو جاؤ تم	فَسَيَقُوْلُوْنَ	پس پوچھیں گے وہ
ءَاِذَا(۱)	کیا جب	حِجَارَةً	پتھر	مَنْ	کون
كُنَّا	ہو جائیں گے ہم	اَوْ حَدِيْدًا	یا لوہا	يُّعِيْدُنَا	لوٹائے گا ہمیں
عِظَامًا	ہڈیاں	اَوْ خَلْقًا	یا کوئی مخلوق	قُلِ	آپ کہئے:
وَّرُفَاتًا(۲)	اور چورا	مِّمَّا(۴)	ان میں سے جو	الَّذِيْ(۷)	وہ جس نے
ءَ اِنَّا	کیا بے شک ہم	يَكْبُرُ(۵)	بھاری ہو	فَطَرَكُمْ	تم کو پیدا کیا
لَمَبْعُوْثُوْنَ	البتہ اٹھائے جائیں گے	فِيْ صُدُوْرِكُمْ	تمہارے سینوں میں	اَوَّلَ مَرَّةٍ	پہلی مرتبہ
خَلْقًا جَدِيْدًا(۳)	از سر نو پیدا کر کے؟		(پھر بھی تم ضرور دوبارہ	فَسَيُنْغِضُوْنَ(۸)	پس مٹکائیں گے وہ
قُلْ	آپ کہئے		زندہ کئے جاؤ گے)(۶)	اِلَيْكَ	آپ کے سامنے

(۱) استفہام انکار واستبعاد کے لئے ہے (۲) رُفَات: بوسیدہ، گلا ہوا، چورا، وہ چیز جو خشک گھاس کی طرح بوسیدہ ہوکر چورا چورا ہو جائے (۳) خَلْقًا جَدِيْدًا حال ہے اور خَلْق بمعنی مخلوق ہے (۴) مِمَّا میں مِنْ جارّہ ہے اور مَا موصولہ ہے اور کائن سے متعلق ہو کر خَلْقًا کی صفت ہے (۵) كَبُرَ (ک) كِبَرًا وَ كُبْرًا: بڑا ہونا، دشوار ہونا۔ سخت ہونا، بھاری ہونا (۶) یہ كُوْنُوْا فعل امر کا جواب ہے جو محذوف ہے (۷) جملہ الذی فعل محذوف کا فاعل ہے اور اَوَّلَ مَرَّةٍ مفعول فیہ ہے فَطَرَ کا (۸) يُنْغِضُوْنَ از باب افعال اَنْغَضَ رَاْسَهٗ: سر کو تعجب یا استہزاء سے ہلانا۔ نَغَضَ (ن ض) کپکپی سے ساتھ ہلنا اور بے قرار ہونا۔

رُءُوۡسَهُمۡ	اپنے سر	اَنۡ يَّكُوۡنَ	کہ ہووہ	بِحَمۡدِهٖ (۴)	انکی تعریف کرتے ہوئے
وَيَقُوۡلُوۡنَ	اور کہیں گے	قَرِيۡبًا	قریب!	وَتَظُنُّوۡنَ	اورخیال کروگےتم
مَتٰى هُوَ	کب (ہوگا) وہ	يَوۡمَ (۲)	جس دن	اِنۡ لَّبِثۡتُمۡ	(کہ) نہیں ٹھیرے تم
قُلۡ	آپ کہئے:	يَدۡعُوۡكُمۡ	بلائیں گے وہ تم کو	اِلَّا	مگر
عَسٰۤى (۱)	ہوسکتا ہے	فَتَسۡتَجِيۡبُوۡنَ (۳)	پس تم تعمیل حکم کروگے	قَلِيۡلًا	تھوڑا

توحید ورسالت کے بعد اب آخرت کا ذکر ہے۔ مرکر زندہ ہونا برحق ہے۔ قرآن کریم نے یہ بات بھی طرح طرح سے سمجھائی ہے، مگر کافروں کے گلے نہیں اترتی ـــــ اور وہ کہتے ہیں: ''جب ہم ہڈیاں اور چورا ہوجائیں گے، تو کیا واقعی ہم ازسرِنو زندہ کئے جائیں گے؟!'' ـــــ یعنی سچ سچ بتاؤ! یہ بات صحیح ہے! جب ہماری لاشیں گل سڑ کر ہڈیاں ہوجائیں گی، پھر وہ چورا چورا ہوجائیں گی، تو کیا وہ ذرّات دوبارہ جی اٹھیں گے؟! ہمیں یہ بات قطعاً ناممکن معلوم ہوتی ہے ـــــ آپؐ جواب دیں: ''تم خواہ پتھر ہوجاؤ خواہ لوہا یا اس سے بھی زیادہ کوئی سخت چیز جس کا تم تصور کرسکتے ہو (پھر بھی تم ضرور زندہ کئے جاؤگے) ـــــ یعنی بات ہڈیوں اور چورے پر نہ روکو، اگر تم اس سے بھی سخت کسی دھات کا تصور کرسکتے ہو تو کرو، تمہیں بہرحال زندہ ہونا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اٹل فیصلہ ہے۔ وہ قادر مطلق ہیں۔ ان کے لئے یہ بات نہایت آسان ہے ـــــ پس اب وہ پوچھیں گے: ''کون ہمیں دوبارہ زندہ کرے گا؟!

ـــــ یعنی ایسی کامل قدرت والا کون ہے جو بے جان چیزوں میں جان ڈال دے؟ ـــــ آپؐ جواب دیں: ''جس نے پہلی بار تمہیں پیدا کیا ہے!'' ـــــ وہی دوبارہ زندہ کرے گا۔ اس نے پہلے بھی تمہیں مٹی اور نطفہ سے بنایا ہے جو بے جان چیزیں تھیں، وہی دوبارہ خاک کے ان ذرّات میں حیاتِ نو پیدا کردے گا۔ کیونکہ زندگی کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں: مادّہ میں قابلیت اور فاعل میں قدرت۔ اور یہ دونوں باتیں موجود ہیں۔ مٹی میں حیات کی وافر صلاحیت موجود ہے، اور اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہیں۔ پس جب وہ لاش کے ذرّات پر وجود کا فیضان کریں گے تو وہ جی اٹھیں گے۔

جب یہ بات مدلل ہوگئی، اور منکرین لاجواب ہوگئے ـــــ تو اب وہ آپ کے سامنے سر مٹکائیں گے ـــــ یعنی تمسخر آمیز حرکتیں کریں گے ـــــ اور کہیں گے: کب ہوگا وہ (زندہ ہونا؟) ـــــ تاکہ ہم بھی وہ دلچسپ تماشا

(۱) عَسٰى تامہ ہے اور جملہ یَکُوْنُ بتاویل مصدر ہوکر اس کا فاعل ہے۔ (۲) یَوْمَ فعل اُذْکُرْ محذوف کی وجہ سے منصوب ہے (۳) اِسْتِجَابَةٌ: جواب دینا (۴) بحمدہ حال ہے ضمیر فاعل سے ۱۲

دیکھیں! —— آپؐ جواب دیں: ''کیا عجب ہے کہ وہ وقت قریب ہو!'' —— مگر وہ وقت نظارہ بازی کا نہیں ہوگا —— یاد کرو وہ دن جب اللہ تعالیٰ تم کو بلائیں گے، پس ان کی تعریف کرتے ہوئے تعمیل حکم کرو گے —— یعنی مطیع ومنقاد ہوکر خدا کی حمد وثنا کرتے ہوئے میدانِ محشر میں جمع ہو جاؤ گے —— اور تم خیال کرو گے کہ بس ذرا سا ہی ٹھہرے ہو! —— یعنی دنیا کی اور قبر کی زندگی تمہیں بس لحہ بھر معلوم ہوگی۔ کیونکہ وقت ربڑ کی مثال ہے۔ آگے بہت دراز ہے، اور گذرا ہوا زمانہ چند لمحات سے زیادہ نہیں!

وَقُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿٥٣﴾ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ۭ اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ يَّشَاْ يُعَذِّبْكُمْ ۭ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿٥٤﴾ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰي بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿٥٥﴾

وَقُلْ	اور آپؐ کہئے	كَانَ (۴)	وہ ہے	اَوْاِنْ يَّشَاْ	یا اگر وہ چاہیں
لِّعِبَادِيْ (۱)	میرے بندوں سے	لِلْاِنْسَانِ	انسان کا	يُعَذِّبْكُمْ	(تو) سزا دیں تم کو
يَقُوْلُوا	(کہ) کہیں	عَدُوًّا	دشمن	وَمَآ	اور نہیں
الَّتِيْ هِيَ (۲)	جو (کہ) وہ	مُّبِيْنًا	کھلا	اَرْسَلْنٰكَ	بھیجا ہم نے آپ کو
اَحْسَنُ	بہتر ہو	رَبُّكُمْ	تمہارے رب	عَلَيْهِمْ	ان پر
اِنَّ الشَّيْطٰنَ	بے شک شیطان	اَعْلَمُ	خوب جانتے ہیں	وَكِيْلًا (۵)	ذمہ دار بنا کر
يَنْزَغُ (۳)	فساد ڈالتا ہے	بِكُمْ	تم کو	وَرَبُّكَ	اور آپ کے رب
بَيْنَهُمْ	ان کے درمیان	اِنْ يَّشَاْ	اگر وہ چاہیں	اَعْلَمُ	خوب جانتے ہیں
اِنَّ الشَّيْطٰنَ	یقیناً شیطان	يَرْحَمْكُمْ	(تو) مہربانی فرمائیں تم پر	بِمَنْ	ان کو جو

(۱) عِبَادِيْ میں اضافت تشریف کے لئے ہے یعنی اللہ کے محبوب بندے مؤمنین (۲) الَّتِيْ مع صلہ صفت ہے الكلمة محذوف کی اور الكلمة مفعول بہ ہے يقولوا کا (۳) نَزَغَ (ف ض) نَزْغًا بَيْنَ الْقَوْمِ: فساد ڈالنا۔ نَزَغَ الشيطانُ بينهم: شیطان نے بعض کو بعض پر ورغلا دیا۔ اصل معنی نَزَغَ (ف) نَزْغًا کے انگلی چبھونا یا نیزہ مارنا ہیں (۴) كَانَ کا اسم ضمیر مستتر ہے اور عَدُوًّا مُبِيْنًا خبر ہے اور لِلْإِنْسَانِ، مُبِيْنًا سے متعلق ہے پھر جملہ كَانَ اِنَّ کی خبر ہے (۵) وَكِيْلًا ضمیر مفعول کاف سے حال ہے ۱۲

فِي السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں	فَضَّلْنَا	برتری بخشی ہم نے	وَّاٰتَيْنَا	اور دی ہم نے
وَالْاَرْضِ	اور زمین (میں ہیں)	بَعْضَ النَّبِيّٖنَ	بعض نبیوں کو	دَاوٗدَ	داؤدؑ کو
وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	عَلٰي بَعْضٍ	بعض پر	زَبُوْرًا	زبور

تینوں بنیادی مسائل: توحید ورسالت اور آخرت کے بیان کے بعد، اب یہ بات بیان کی جارہی ہے کہ ان منکروں اور کٹر مخالفوں کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا جائے۔ ابھی انھوں نے رسول اللہ ﷺ پر جو پھبتی کسی تھی، اور آپؐ کو پاگل قرار دیا تھا، اور جس طرح انھوں نے آخرت کی بات کا مذاق اڑایا تھا، اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ ان کو ترکی بہ ترکی جواب دیا جائے۔ مگر اس کا کچھ فائدہ نہیں۔ بلکہ کبھی اس سے دعوت کا سارا کھیل بگڑ جاتا ہے۔ اس لئے ارشاد ہے:

—— اور آپؐ میرے بندوں سے (مسلمانوں سے) کہہ دیں کہ وہ ایسی بات کہیں جو بہترین ہو —— یعنی ان کی نامعقول باتوں کے جواب میں بھی سنجیدہ اور معقول بات کہیں۔ ان کی باتوں سے طیش میں آکر اشتعال انگیز کلمات استعمال نہ کریں۔ کیونکہ جو بات بہترین انداز سے کہی جاتی ہے وہی لمحۂ فکریہ پیدا کرتی ہے۔ کڑوی بات کا جواب میٹھی بات سے دیا جائے تو ضد میں کمی آتی ہے۔ اور یہ جان لیں کہ —— شیطان یقیناً لوگوں میں جھڑپ کروادیتا ہے —— وہ مخالف کو ہُشکار دیتا ہے، اور وہ مدّمقابل آجاتا ہے —— بیشک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے —— پس اس کے پلان کو خاک میں ملادو!

پھر اگر داعی سوچے کہ میں تو ان کی بھلائی کے لئے کوشاں ہوں، عداوت پر وہ اترے ہوئے ہیں، پھر میں نرمی کیوں برتوں؟ تو دونوں کو مخاطب بنا کر دو باتیں ارشاد فرماتے ہیں:

پہلی بات —— تمہارے پروردگار تمہارے احوال سے بخوبی واقف ہیں۔ اگر وہ چاہیں گے تو تم پر مہربانی فرمائیں، یا اگر چاہیں تو تم کو سزا دیں —— یہ بات مدعو قوم سے کہی گئی ہے کہ تمہارے سب احوال اللہ پاک کو معلوم ہیں۔ اگر تم کسی قابل نظر آئے تو تمہیں ایمان کی توفیق دیں گے۔ اور اگر تمہاری شامتِ اعمال رنگ لائی، اور تم دولتِ ایمان سے محروم رہ گئے تو تمہارے لئے سزا تیار رکھی ہے —— اور ہم نے آپ کو ان کا ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا —— یہ بات داعی کو بتائی کہ راہِ راست پر لانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ داعی کا کام بس بھلے انداز پر دعوت دینا ہے۔

دوسری بات —— اور آپ کے پروردگار ان سب کو جو آسمانوں اور زمین میں ہیں بخوبی جانتے ہیں —— یہ بات داعی کو سمجھائی کہ ایمان کی دولت کس کو دینی چاہئے کس کو نہیں، یہ بات اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے۔ داعی کو اس سلسلہ میں حد سے زیادہ حریص نہیں ہونا چاہئے —— اور واقعہ یہ ہے کہ ہم نے بعض انبیاء کو بعض پر برتری بخشی اور

داؤد (علیہ السلام) کو ہم نے زبور دی —— یہ بات مدعو قوم کو سنائی کہ اللہ کی سنت انبیاء علیہم السلام کے حق میں یہ ہے کہ بعض کو بعض پر برتری بخشی گئی ہے۔ جیسے انبیاء بنی اسرائیل میں داؤد علیہ السلام کو برتری عطا فرمائی ہے، اور ان پر زبور نازل فرمائی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو کفار پر برتری بخشی ہے۔ پس جو فضل خداوندی کا خواہش مند ہے وہ زمرۂ مؤمنین میں شامل ہو جائے۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا ﴿٥٦﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ ۚ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا ﴿٥٧﴾ وَإِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ إِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ أَوْ مُعَذِّبُوهَا عَذَابًا شَدِيدًا ۚ كَانَ ذَٰلِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُورًا ﴿٥٨﴾

قُلْ	آپ کہئے	يَدْعُونَ (۴)	پکارتے ہیں وہ	رَبِّكَ	آپ کے رب کی
ادْعُوا	پکارو تم	يَبْتَغُونَ	چاہتے ہیں	كَانَ	ہے وہ
الَّذِينَ	جن کو	إِلَىٰ رَبِّهِمُ	اپنے رب کی طرف	مَحْذُورًا	ڈرنے کی چیز
زَعَمْتُمْ (۱)	(معبود) خیال کرتے ہو تم	الْوَسِيلَةَ	ذریعۂ تقرب	وَإِنْ	اور نہیں
مِّنْ دُونِهِ (۲)	اللہ کے سوا	أَيُّهُمْ (۵)	کون ان میں سے	مِّنْ قَرْيَةٍ (۷)	کوئی بستی
فَلَا يَمْلِكُونَ	سو نہیں مالک وہ	أَقْرَبُ	زیادہ نزدیک ہو؟	إِلَّا نَحْنُ	مگر ہم
كَشْفَ الضُّرِّ	تکلیف ہٹانے کے	وَيَرْجُونَ (۶)	اور امید رکھتے ہیں وہ	مُهْلِكُوهَا	اس کو ہلاک کرنے
عَنْكُمْ	تم سے	رَحْمَتَهُ	اس کی مہربانی کی		والے ہیں
وَلَا تَحْوِيلًا	اور نہ بدلنے کے	وَيَخَافُونَ	اور ڈرتے ہیں وہ	قَبْلَ يَوْمِ	قیامت کے دن سے
أُولَٰئِكَ (۳)	یہ لوگ	عَذَابَهُ	اس کے عذاب سے	الْقِيَامَةِ	پہلے
الَّذِينَ	جن کو	إِنَّ عَذَابَ	بے شک سزا	أَوْ مُعَذِّبُوهَا (۸)	یا اسکو سزا دینے والے ہیں

(۱) زَعَمَ کے دونوں مفعول محذوف ہیں أی زعمتموهم آلهةً (۲) مِنْ دُوْنِه: اَلَّذِیْنَ کا حال ہے (۳) أُوْلٰئِكَ مبتدا، یَبْتَغُوْنَ مع معطوفات خبر ہے (۴) یَدْعُوْنَ کا مفعول محذوف ہے أی یَدْعُوْنَهُمْ (۵) أَیُّهُمْ (مرکب اضافی) مبتدا۔ أَقْرَبُ خبر۔ پھر جملہ یَبْتَغُوْنَ کا مفعول بہ ہے (۶) یَرْجُوْنَ اور یَخَافُوْنَ کا عطف یَبْتَغُوْنَ پر ہے (۷) مِنْ زائدہ جنس کے استغراق کے لئے ہے ←

عَذَابًا شَدِيْدًا	سخت سزا	ذٰلِكَ	یہ بات	مَسْطُوْرًا	لکھی ہوئی
كَانَ	ہے	فِي الْكِتٰبِ	کتاب (لوح محفوظ) میں	۞	

ابھی فرمایا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہیں تو تم کو سزا دیں۔اس موقع پر اگر منکرین یہ سوچیں کہ اگر اللہ تعالیٰ سزا دینے پر آئیں گے تو ہمارے دوسرے خدا ہماری مدد کریں گے۔تو یہ ان کی خام خیالی ہے —— آپ کہیں: تم ان معبودوں کو پکار دیکھو جن کو تم نے اللہ تعالیٰ کے وَرے (معبود) بنا رکھا ہے: وہ نہ تو کسی تکلیف کو تم سے ہٹا سکتے ہیں، نہ ہی اس کو بدل سکتے ہیں —— یعنی کسی بھی تکلیف میں ان کا تجربہ کرلو: وہ تمہاری کچھ مدد نہیں کر سکتے، نہ کوئی تکلیف دور کر سکتے ہیں نہ ہلکی کر سکتے ہیں۔پھر وہ اللہ کے عذاب الیم سے تم کو کیا بچالیں گے!

بلکہ تمہارے وہ معبود تو اللہ تعالیٰ کے عاجز بندے ہیں —— یہ لوگ جن کو مشرکین پکارتے ہیں: وہ خود اپنے رب کی طرف رسائی کا ذریعہ تلاش کرتے ہیں۔چاہتے ہیں: کون ان میں سے اللہ سے قریب تر ہوجائے۔اور وہ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں۔اور اس کے عذاب سے خائف ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ آپ کے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے! —— مشرکین نے اللہ کے نیک بندوں کو: فرشتوں، پیغمبروں، اور ولیوں کو معبود سمجھ لیا ہے، حالانکہ یہ حضرات اللہ تعالیٰ کا بیش از بیش قرب ڈھونڈھتے ہیں۔ان کی ساری محنت اللہ کا مقرب بندہ بننے کے لئے ہے۔وہ امید وبیم کی حالت میں ہیں۔اللہ کی رحمت کے امیدوار بھی ہیں، اور اس کے عذاب سے خائف بھی ہیں۔اور اللہ کا عذاب واقعی ایسی ہولناک چیز ہے کہ اس سے کبھی مطمئن نہیں ہونا چاہئے۔

وسیلہ: تقرب حاصل کرنے کا ذریعہ یعنی ہر وہ چیز جس کو کسی چیز تک پہنچنے کا ذریعہ بنایا جائے۔جیسے رسّی وسیلہ ہے۔کیونکہ اس کے ذریعہ کنویں کے پانی تک پہنچا جاتا ہے۔اور اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا وسیلہ: ایمان اور اعمال صالحہ ہیں۔مذکورہ صالحین ایسے اعمال میں لگے ہوئے ہیں جو ان کو اللہ تعالیٰ سے قریب سے قریب تر کردیں، جو ہر وقت اللہ کی مرضی پیش نظر رکھتے ہیں، اور احکام شرعیہ کی پابندی کرتے ہیں۔پس جب خود ان بندوں کا یہ حال ہے تو ان کے عقیدتمندوں کے لئے تو اور بھی ضروری ہے کہ وہ رب حقیقی کو خوش کرنے کی فکر کریں۔

یہاں کفار یہ خیال کر سکتے ہیں کہ اللہ کا وہ عذاب آ کیوں نہیں جاتا؟ اگلی آیت میں ان سے کہا جارہا ہے کہ جلدی نہ مچاؤ، یہ بھی اپنے وقت پر ہوکر رہے گا۔ارشاد ہے —— اور کوئی بھی بستی ایسی نہیں جس کو ہم قیامت سے پہلے ہلاک نہیں کریں گے، یا سخت سزا نہیں دیں گے۔یہ بات نوشتہ (لوح محفوظ) میں لکھی ہوئی ہے —— اور اٹل ہے۔

← (۸) مُهْلِكُوْا اور مُعَذِّبُوْا اصل میں مُهْلِكُوْنَ اور مُعَذِّبُوْنَ تھا اضافت کی وجہ سے نون گرا ہے ۱۲

یعنی اللہ کے عذاب کے لئے، اللہ کے علم میں وقت طے ہے، جب وہ آ پہنچے گا تو ٹلائے نہیں ٹلے گا۔ وہ وقت بدر کا دن تھا۔ اس دن ان کے سورما جنگ کا ایندھن بن گئے!

اللہ کے دشمن اس خوش فہمی میں ہرگز نہ رہیں کہ وہ ہمیشہ مزے اڑاتے رہیں گے۔ ایک وقت کے بعد ان کا انجام برا ہونے والا ہے

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ۭ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ۭ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ؀ وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ۭ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ۭ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ؀ۧ

رکوع ۶

وَمَا	اور نہیں	الْاَوَّلُوْنَ	پہلے لوگوں نے	بِالْاٰيٰتِ	معجزات کو
مَنَعَنَآ (۱)	روکا ہم کو	وَاٰتَيْنَا	اور دی ہم نے	اِلَّا	مگر
اَنْ	(اس سے) کہ	ثَمُوْدَ	ثمود کو	تَخْوِيْفًا	ڈرانے کے لئے
نُّرْسِلَ	بھیجیں ہم	النَّاقَةَ	اونٹنی	وَاِذْ	اور (یاد کرو) جب
بِالْاٰيٰتِ	(فرمائشی) معجزات	مُبْصِرَةً (۲)	آنکھیں کھولنے والی	قُلْنَا	کہا ہم نے
اِلَّآ	مگر	فَظَلَمُوْا	پس ناانصافی کی انہوں نے	لَكَ	آپ سے
اَنْ	اس بات نے کہ	بِهَا	اس کے ساتھ	اِنَّ رَبَّكَ	بیشک آپ کے رب نے
كَذَّبَ	جھٹلایا	وَمَا	اور نہیں	اَحَاطَ	گھیر رکھا ہے
بِهَا	ان کو	نُرْسِلُ	بھیجتے ہم	بِالنَّاسِ	لوگوں کو

(۱) مَنَعَ فعل ماضی، ضمیر جمع متکلم مفعول بہ۔ اَنْ مصدریہ سے پہلے مِنْ محذوف اور وہ مَنَعَ کا ظرف، اِلَّا استثنائے مُفرَّغ، اَنْ كَذَّبَ إلخ بتاویل مصدر ہو کر مَنَعَ کا فاعل (۲) مُبْصِرَةً اسم فاعل واحد مؤنث از اِبْصَار: دکھلانا مُبْصِرَةً: (روشن، واضح، واضح کرنے والی، دکھانے والی) الناقة کا حال ہے۔

وَمَا جَعَلْنَا	اور نہیں بنایا ہم نے	فِتْنَةً (۲)	آزمائش	وَ نُخَوِّفُهُمْ	اور ڈراتے ہیں ہم انکو
الرُّءْيَا (۱)	اُس مشاہدہ کو	لِّلنَّاسِ	لوگوں کے لئے	فَمَا	پس نہیں
الَّتِيْٓ	جو	وَالشَّجَرَةَ (۳)	اور اس درخت کو	يَزِيْدُهُمْ (۴)	بڑھاتا (ڈرانا) ان کو
اَرَيْنٰكَ	کرایا ہم نے آپ کو	الْمَلْعُوْنَةَ	جس کی مذمت کی گئی ہے	اِلَّا	مگر
اِلَّا	مگر	فِي الْقُرْاٰنِ	قرآن میں	طُغْيَانًا كَبِيْرًا	بڑی سرکشی میں

اس جگہ پہنچ کر کسی کے دل میں خیال پیدا ہوسکتا ہے کہ منکرین سے یہ بات منوانے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ ان کے مطالبات پورے کردیئے جائیں۔ اوران کو ان کے فرمائشی معجزات دکھادیئے جائیں۔ تو وہ حسب وعدہ ایمان لے آئیں گے ـــــ کفار کے مطالبات کیا تھے؟ یہی تو تھے کہ صفا پہاڑی سونے کی بنادی جائے۔ مکہ کے آس پاس سے پہاڑ ہٹا کر قابل کاشت زمین بنادی جائے۔ جیسا کہ آیت ۹۰-۹۳ میں آرہا ہے۔ اور یہ مطالبات پورے کرنا اللہ تعالیٰ کے لئے کچھ بھی مشکل نہیں۔ پھر یہ آسان راستہ کیوں اختیار نہیں کیا گیا، جواباً ارشاد ہے ـــــ اور ہم نے (فرمائشی) نشانیاں بھیجنا اسی لئے بند کیا ہے کہ اگلوں نے ان کو جھٹلایا ـــــ یعنی گذشتہ اقوام کو ان کے فرمائشی معجزات دکھائے گئے، مگر وہ ایمان نہ لائے ـــــ اور ثمود کو ہم نے آنکھیں کھولنے والی اونٹنی دی تھی، مگر اس کے ذریعہ انھوں نے اپنا نقصان کیا! ـــــ ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام سے یہ معجزہ طلب کیا تھا کہ فلاں پہاڑ کی چٹان سے اونٹنی نکالیے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے نکال دی۔ جو ان کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی تھی۔ مگر وہ ایمان نہ لائے۔ الٹے ظلم پر کمر بستہ ہوگئے۔ اور اونٹنی کی کوچیں کاٹ دیں تو اللہ نے سب کو ہلاک کردیا۔ اس مثال سے اور دیگر بہت سی مثالوں سے یہ بات ثابت ہے کہ فرمائشی معجزات دکھانے کا حاصل کچھ نہیں۔ پس اگر مکہ والوں کے مطالبات پورے کردیئے جائیں، تب بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

(۱) رُءْ یَا قرآن میں بغیر واو کے صرف ہمزہ کے ساتھ بغیر مرکز ہمزہ کے لکھا جاتا ہے۔ یہ رَاٰیَ یَرَی کا مصدر ہے جس کے معنی بصارت یا بصیرت سے دیکھنے کے ہیں۔ نیز فُعْلٰی کے وزن پر اسم بھی ہے اس وقت ''خواب'' کے معنی ہوتے ہیں۔ اس آیت میں آنکھ سے دیکھنے کے معنی ہیں جیسا کہ ترجمان القرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے۔ معراج میں جو نشانیاں دکھلائی گئی تھیں وہ امور غیب سے تھیں اور رویتِ شہادت سے مختلف تھیں اس لئے ان کو عالم خواب کے مشابہ قرار دیکر رؤیا سے تعبیر کیا ہے (قاله إبن حجر فی الفتح ۱۲:۳۰۹ أميريه) (۲) فِتْنَةً مفعول ثانی ہے جَعَلْنَا کا (۳) الشَّجَرَةَ کا عطف الرؤیا پر ہے اور مَلْعُوْنَة (اسم مفعول) از لَعَنَ (ف) لَعْنًا: لعنت کرنا، رسوا کرنا، خیر سے بعید کرنا، دھتکارنا، سخت مذمت کرنا (۴) یَزِیْدُ کا فاعل ضمیر مستتر ہے اور طُغْیَانًا کَبِیْرًا مفعول ثانی ہے ۱۲

پھر سوال پیدا ہوگا کہ اگر بات ایسی ہے تو گذشتہ اقوام کی فرمائشیں کیوں پوری کی گئیں؟ جواب یہ ہے کہ ان کو معجزات تخویف وانذار کے لئے دکھائے گئے تھے۔ارشاد ہے —— اور ہم آیتیں (نشانیاں) صرف ڈرانے کے لئے بھیجتے ہیں —— یعنی فرمائشی معجزات دکھانے کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ قاہرہ سے ڈریں، اور اللہ کی طرف جھکیں —— اور (ایسی آیتیں اللہ تعالیٰ نازل فرما چکے ہیں) یاد کرو جب ہم نے آپؐ سے کہا تھا کہ آپؐ کے رب نے یقیناً لوگوں کو گھیر رکھا ہے —— علم سے بھی اور قدرت سے بھی۔سورۃ البروج میں ہے: ﴿بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ، وَاللّٰهُ مِنْ وَّرَائِهِمْ مُحِيْطٌ﴾ کافر جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ہر طرف سے گھیر رکھا ہے۔کیا یہ ارشاد انذار وتخویف کے لئے کافی نہیں؟!

اور اگر فرمائشی نشانیاں دکھانے ہی پر اصرار ہے، تو کفار مکہ کو دو فرمائشی معجزے ان کی فرمائش سے پہلے ہی دکھائے جاچکے ہیں۔ارشاد ہے —— اور ہم نے آپؐ کو (شب معراج میں) جو مشاہدہ کرایا تھا وہ لوگوں کی آزمائش ہی کے لئے تھا۔اور وہ درخت بھی جس کی قرآن میں مذمت کی گئی ہے —— ان دونوں معجزات کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱ —— کفار یہ مطالبہ کرتے تھے کہ آپؐ آسمان میں چڑھ کر دکھائیں: ﴿أَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَاءِ﴾ مگر وہ نہیں جانتے کہ یہ معجزہ ان کو ان کی فرمائش سے پہلے ہی دکھایا جاچکا ہے۔شب معراج میں آپ ﷺ کو ساتوں آسمانوں کی سیر کرائی گئی ہے، اور عجائباتِ قدرت کا مشاہدہ کرایا گیا۔مگر اس مشاہدہ سے منکرین کو کیا حاصل ہوا؟ انھوں نے اس مشاہدہ کو مذاق کا موضوع بنالیا۔اور نبی پر جھوٹے اور جنونی ہونے کے الزامات لگانے لگے۔

۲ —— مشرکین کا ایک مطالبہ یہ تھا کہ آپؐ آسمان میں سے لکھی ہوئی کتاب لے آئیں، جسے ہم خود پڑھیں: ﴿حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَّقْرَؤُهٗ﴾ اور ظاہر ہے کہ نبی آسمان سے جو کتاب لائے گا، اس میں آسمانی خبریں ہونگی، تو کیا یہ لوگ اس کو مان لیں گے؟ دیکھئے اس قرآن میں ایک نہایت ناپسندیدہ درخت زقّوم کی خبر دی گئی، جو دوزخ کی تِہ میں پیدا ہوتا ہے، اور دوزخی اس کو کھائیں گے۔اس خبر کو مکہ والوں نے کس طرح لیا؟ ابوجہل نے کہا: ''لو بھئی! بھڑکتی آگ میں ہرا درخت!'' دوسرا بولا: ''زقّوم: یمنی زبان میں کھجور اور مکھن کو کہتے ہیں!'' تیسرے نے دعا کی: ''الٰہی! ہمارے گھروں کو زقّوم سے بھر دے!''

غرض: کس امید پر مشرکین کے مطالبات پورے کئے جائیں؟ اور جہاں تک تخویف وانذار کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ حسب مصلحت مسلسل آیات ونشانات دکھاتے رہتے ہیں۔ارشاد ہے —— اور ہم ان کو ڈراتے رہتے ہیں، مگر ہر ڈراوا ان کی سرکشی میں اضافہ ہی کرتا ہے! —— یعنی نہ کوئی نصیحت کارگر ہوتی ہے نہ نشانی! دن بدن ان کی سرکشی کا

پارہ چڑھتا جاتا ہے!

جب دل اندھے ہوجاتے ہیں تو نصیحت سر پر سے گذر جاتی ہے، اور جب آنکھ اندھی ہوجاتی ہے تو نشانی بے فائدہ ہوجاتی ہے

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ﴿۶۱﴾ قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ ۫ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۶۲﴾ قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ﴿۶۳﴾ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۶۴﴾ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ﴿۶۵﴾

وَاِذْ	اور (یاد کرو) جب	اِبْلِيْسَ	ابلیس نے	اَرَءَيْتَكَ[2]	بتلایئے آپ
قُلْنَا	کہا ہم نے	قَالَ	کہا اس نے	هٰذَا[3]	یہ ہے
لِلْمَلٰٓئِكَةِ	فرشتوں سے	ءَاَسْجُدُ	کیا سجدہ کروں میں	الَّذِيْ	وہ جس کو
اسْجُدُوْا	سجدہ کرو	لِمَنْ	اس کو جسے	كَرَّمْتَ	آپ نے عزت بخشی
لِاٰدَمَ	آدم کو	خَلَقْتَ	بنایا آپ نے	عَلَيَّ	مجھ پر؟
فَسَجَدُوْٓا	پس سجدہ کیا انھوں نے	طِيْنًا[1]	مٹی سے؟	لَئِنْ[4]	بخدا اگر
اِلَّآ	مگر	قَالَ	(نیز) اس نے کہا	اَخَّرْتَنِ[5]	مہلت دی آپ نے مجھے

(۱) طیناً منصوب بنزع خافض ہے أی من طِیْنٍ (۲) أَرَأَیْتَك میں ہمزۂ استفہام ہے رَأَیْتَ فعل بافاعل: کاف فاعل کی تاکید ہے لیکن محاورہ میں یہ بمعنی أَخْبِرْنِیْ (بتلائیے) ہے۔ هٰذَا مبتدا اور الذی صلہ کے ساتھ خبر ہے اور هٰذَا سے پہلے ہمزۂ استفہام انکاری محذوف ہے (۴) لَئِنْ سے جملہ مستانفہ ہے (۵) أَخَّرْتَنِ تَأْخِیْرٌ سے ہے أَخَّرْتَ فعل ماضی، صیغہ واحد مذکر حاضر ن وقایہ اور ی ضمیر واحد متکلم محذوف ہے اور نون کا کسرہ اس کی علامت ہے۔

اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ	قیامت کے دن تک	مَّوْفُوْرًا	پوری	وَمَا	اور نہیں
لَاَحْتَنِكَنَّ (۱)	تو ضرور اپنے بس میں	وَاسْتَفْزِزْ (۳)	اور پیر اکھاڑ دے تو	يَعِدُهُمُ	وعدہ کرتا ان سے
	کرلوں گا	مَنِ	جس کے	الشَّيْطٰنُ	شیطان
ذُرِّيَّتَهٗٓ	اس کی اولاد کو	اسْتَطَعْتَ	(اکھاڑ) سکے	اِلَّا	مگر
اِلَّا قَلِيْلًا	تھوڑے لوگوں کے علاوہ	مِنْهُمْ (۴)	ان میں سے	غُرُوْرًا (۸)	دغابازی والا
قَالَ	فرمایا	بِصَوْتِكَ	اپنی آواز سے	اِنَّ	بے شک
اذْهَبْ	جا	وَاَجْلِبْ (۵)	اور چڑھالا	عِبَادِيْ	میرے بندے
فَمَنْ	پھر جو شخص	عَلَيْهِمْ	ان پر	لَيْسَ	نہیں ہے
تَبِعَكَ	تیری پیروی کرے گا	بِخَيْلِكَ (۶)	اپنے سوار	لَكَ	تیرے لئے
مِنْهُمْ	ان میں سے	وَرَجِلِكَ (۷)	اور اپنے پیادے	عَلَيْهِمْ	ان پر
فَاِنَّ	تو بے شک	وَشَارِكْهُمْ	اور ساجھی بن جا ان کا	سُلْطٰنٌ	کچھ قابو
جَهَنَّمَ	دوزخ	فِي الْاَمْوَالِ	اموال میں	وَكَفٰى	اور کافی ہیں
جَزَآؤُكُمْ	تمہاری سزا ہے	وَالْاَوْلَادِ	اور اولاد میں	بِرَبِّكَ (۹)	آپ کے رب
جَزَآءً (۲)	سزا	وَعِدْهُمْ	اور وعدہ کر ان سے	وَكِيْلًا (۱۰)	کارسازی کے لئے

پیچھے مؤمنین سے یہ بات کہی گئی ہے کہ شیطان تمہارا صریح دشمن ہے، اور ابھی کفار کے بارے میں یہ بات واضح

(۱) لَاَحْتَنِكَنَّ، اِحْتِنَاكَ سے فعل مضارع، صیغہ واحد متکلم لام تاکید نون تاکید ثقیلہ اِحْتَنَكَ الفرسَ کے لغوی معنی ہیں گھوڑے کے منہ میں لگام دینا، اور مجازی معنی ہیں قابو میں کرنا (۲) جَزَاءً مَوْفُوْرًا مفعول مطلق ہے جَزَاؤُكُمْ (مصدر) کا (۳) اِسْتَفْزِزْ (فعل امر) اس کا مجرد فَزَّ (ن) فَزًّا ہے جس کے معنی ہیں گھبرا دینا۔ برانگیختہ کرنا، حواس باختہ بنا دینا۔ لسان العرب میں ہے فَزَّهٗ فَزًّا وَاَفَزَّهٗ اَفْزَعَهٗ وأزعجهٗ وطَيَّر فؤاده۔ اور باب استفعال میں آ کر معنی میں مبالغہ پیدا ہو گیا ہے پس اِسْتَفَزَّهٗ من الشیئ کے معنی ہیں قدم اکھاڑ دینا، گھبرا دینا۔ آگے آیت ۷۶ میں بھی یہ لفظ آ رہا ہے (۴) مِنْهُمْ علٰی سبیل التنازع اِسْتَفْزِزْ اور اِسْتَطَعْتَ دونوں سے متعلق ہے اور استطعت کا مفعول بہ محذوف ہے أی من استطعت أَنْ تَسْتَفِزَّهٗ منهم (۵) اَجْلَبَ القومَ: جمع کرنا۔ اَجْلَبَ الجیش: چڑھا لانا۔ جَلَبَهٗ (ن، ض) جَلْبًا: ہانک کر لانا اور بِخَيْلِكَ میں باز ائدہ ہے (۶) خَيْل کے اصلی معنی گھوڑے کے ہیں مگر مجازاً سواروں کے لئے استعمال کرتے ہیں (۷) رَجِلٌ جمع ہے رَاجِلٌ کی جس کے معنی ہیں پیادہ (۸) غُرور مصدر یہ یا تو مبالغۃً محمول ہے یا اسم فاعل کے معنی میں ہے أی وعدًا ذا غُرور (۹) بِرَبِّكَ میں کفی کے فاعل پر باز ائدہ آئی ہے (۱۰) وَكِيْلًا نسبت سے تمیز ہے ۱۲

کی گئی ہے کہ انذار کے لئے ان کو جو بھی نشانی دکھائی جاتی ہے، وہ ان کی سرکشی ہی بڑھاتی ہے۔ اب اس کی مثال میں شیطان کا حال پیش کیا جارہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی نشانی دکھائی۔ اشرفِ مخلوقات انسان کو وجود بخشا۔ اس کو زیورِ علم سے آراستہ کیا۔ اور عملی طور پر اس کی مزیّت واضح کرنے کے لئے مخلوقات کو حکم دیا کہ وہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں۔ چنانچہ فرشتوں جیسی برتر مخلوق نے سجدہ کیا۔ مگر ان کے شاگرد معلّم الملکوت شیطان نے انکار کیا، بلکہ وہ خدائی فیصلہ پر حرف گیر ہوا۔ اور اس نے اپنی برتری ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ یہ انسان تو میری مٹھی میں ہیں۔ میں ان سب کو معدودے چند کے علاوہ اپنی راہ پر ڈال لونگا۔ یہی اس کی صریح دشمنی ہے۔ یہی حال مشرکین مکہ کا ہے کہ ان کو جو بھی نشانی دکھائی جاتی ہے، وہ ان کی سرکشی ہی میں اضافہ کرتی ہے۔ فرماتے ہیں: ـــــ اور یاد کرو جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہ کیا ـــــ اس نے صاف انکار کر دیا اور غرور میں آ گیا ـــــ وہ بولا: کیا میں اس کو سجدہ کروں جس کو آپ نے مٹی سے بنایا ہے؟ ـــــ یعنی اس نے اللہ سے مناظرہ شروع کر دیا۔ کہنے لگا: میں آدم سے بہتر ہوں۔ مجھے آپ نے آگ سے بنایا ہے اور اسے مٹی سے اور افضل مفضول کو سجدہ کرتا ہے؟! آدم کو حکم دیجئے کہ مجھے سجدہ کرے۔ اسی طرح ـــــ اس نے کہا: ''بتلایئے یہ ہے وہ جسے آپ نے مجھ پر عزت بخشی ہے؟'' ـــــ یعنی کیا یہ خاک کا پتلا اس قابل ہے کہ میں اس کو سجدہ کروں؟ میرا اس کا کیا مقابلہ؟ ـــــ بخدا! اگر آپ نے مجھے قیامت کے دن تک مہلت دی تو معدودے چند کے علاوہ اس کی ساری اولاد کو اپنے قابو میں کرلوں گا ـــــ یعنی میں ایسا زبردست ہوں، پھر مجھی کو حکم دیا جاتا ہے اس کو سجدہ! ـــــ ارشاد فرمایا: ''دور ہو! جو بھی ان میں سے تیری پیروی کرے گا تو دوزخ تم سب کی بھرپور سزا ہے! ـــــ یعنی دفع ہو یہاں سے! تجھے قیامت تک مہلت ہے، جا نکال اپنے ارمان! اور کر اس کی ذریت کو گمراہ، اور سن لے تیرا بھی اور ان میں سے جو تیرے پیچھے چلے گا ان سب کا ٹھکانہ جہنم ہے، وہی تمہاری بھرپور سزا ہے ـــــ اور اپنی صدا سے ان میں سے جن کے پیر اکھاڑ سکے اکھاڑ دے ـــــ یعنی وسوسہ اندازی کر کے، لہو ولعب کے ذریعہ، ڈھول تماشے سے، ریڈیو، ٹی وی سے اور مزامیر و بانسری کی آواز سے جس کے پیر راہِ حق سے ہٹا سکے ہٹا دے، اور گمراہ اور بے دین بنا سکے بنالے ـــــ اور ان پر اپنے سوار اور پیادے چڑھالا ـــــ یعنی اپنی ساری طاقت جھونک دے، پوری قوت سے لشکر کشی کر اور ان کو جتنا تباہ کرسکتا ہو کر ڈال ـــــ اور ان کے اموال و اولاد میں اپنا ساجھا کرلے ـــــ مال میں شیطان کی شرکت کئی طرح سے ہوتی ہے (۱) حرام طریقہ پر مال کمانا (۲) شیطان کے اشاروں پر حرام جگہ میں خرچ کرنا (۳) فضول خرچی کرنا (۴) اللہ کا نام لئے بغیر کھانا وغیرہ ـــــ اسی طرح اولاد میں بھی شیطان کی شرکت کئی طرح سے ہوتی ہے (۱) دعا پڑھے بغیر بیوی

سے صحبت کرنا (۲) اولاد کے مشرکانہ نام رکھنا (۳) ان کی حفاظت کے لئے ٹونے ٹوٹکے کرنا (۴) حرام آمدنی سے ان کی پرورش کرنا (۵) بداخلاقی اور گمراہی کی تعلیم دینا وغیرہ ـــــ اور ان سے وعدے کر ـــــ یعنی ان کو سبز باغ دکھا، جھوٹی آرزوؤں میں پھنسا ـــــ اور شیطان کے وعدے تو دھوکے کی ٹٹی ہی ہوتے ہیں ـــــ ''ٹٹی'' بانس یا سرکنڈوں کا بنا ہوا چھپّر، جو دروازوں یا کھڑکیوں پر لگاتے ہیں یا جن پر بیلیں چڑھاتے ہیں اور ''دھوکے کی ٹٹی'' فریب میں لانے والی یا مغالطہ دینے والی چیزوں کو کہتے ہیں۔ یعنی شیطان کے وعدوں سے فریب کھانا احمقوں کا کام ہے، اس کے سب وعدے دغابازی اور فریب ہی ہوتے ہیں ـــــ یقیناً میرے خاص بندوں پر تیرا کچھ زور نہیں چلے گا ـــــ شیطان مؤمن بندوں کو زبردستی اپنی راہ پر نہیں کھینچ سکتا۔ اس کا کام صرف بہلانا، پھسلانا اور جھوٹے وعدے کرنا ہے۔ شیطان کو انسان پر ایسا اختیار نہیں دیا گیا کہ وہ زبردستی ہاتھ پکڑ کر ان کو گھسیٹ لے ـــــ اور کارسازی کے لئے تیرا پروردگار کافی ہے ـــــ یعنی اللہ تعالیٰ شیطان کے مکروفریب سے مؤمن بندوں کو بچانے والے ہیں اور جن کے محافظ اللہ تعالیٰ ہوں ان کا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے، اللہ تعالیٰ کی کارسازی کے سامنے شیطان کا مکروفسوں بے اثر ہوتا ہے۔

وساوس پریشان کریں تو دایاں ہاتھ دل پر رکھ کر سات بار کہیں سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْخَلَّاقِ الْفَعَّال پھر ایک بار پڑھیں: اِنْ يَّشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ان شاء اللہ وساوس رک جائیں گے

رَبُّكُمُ الَّذِيْ يُزْجِيْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿۶۶﴾ وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ﴿۶۷﴾ اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِيْلًا ﴿۶۸﴾ اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ يُّعِيْدَكُمْ فِيْهِ تَارَةً اُخْرٰى فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيْحِ فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ۙ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا ﴿۶۹﴾ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ﴿۷۰﴾ ع

رَبُّكُمُ (۱)	تمہارے پروردگار	تَدْعُوْنَ (۳)	پکارتے ہو تم	حَاصِبًا (۶)	سنگبار ہوا
الَّذِيْ	وہ ہیں جو	اِلَّآ (۴)	سوائے	ثُمَّ	پھر
يُزْجِيْ (۲)	لے چلتے ہیں	اِيَّاهُ	اللہ کے	لَا تَجِدُوْا	نہ پاؤ تم
لَكُمُ	تمہارے لئے	فَلَمَّا	پھر جب	لَكُمْ	اپنے لئے
الْفُلْكَ	کشتی کو	نَجّٰىكُمْ	بچالاتے ہیں وہ تم کو	وَكِيْلًا	کوئی کارساز
فِي الْبَحْرِ	دریا میں	اِلَى الْبَرِّ (۵)	خشکی کی طرف	اَمْ اَمِنْتُمْ	یا بےفکر ہوگئے تم
لِتَبْتَغُوْا	تاکہ تلاش کرو تم	اَعْرَضْتُمْ	(تو) پھر جاتے ہو تم	اَنْ	(اس سے) کہ
مِنْ فَضْلِهٖ	اس کے رزق میں سے	وَكَانَ	اور ہے	يُّعِيْدَكُمْ	لوٹائیں وہ تم کو
اِنَّهٗ كَانَ	بیشک وہ ہیں	الْاِنْسَانُ	انسان	فِيْهِ	دریا میں
بِكُمْ	تم پر	كَفُوْرًا	بڑا ناشکرا	تَارَةً اُخْرٰى (۷)	دوبارہ
رَحِيْمًا	بے حد مہربان	اَفَاَمِنْتُمْ	کیا تو بےفکر ہوگئے تم	فَيُرْسِلَ	پھر بھیجیں وہ
وَاِذَا	اور جب	اَنْ	(اس سے) کہ	عَلَيْكُمْ	تم پر
مَسَّكُمُ	پہنچتی ہے تم کو	يَّخْسِفَ	دھنسادیں وہ	قَاصِفًا (۸)	سخت طوفان
الضُّرُّ	کوئی تکلیف	بِكُمْ	تمہارے ساتھ	مِّنَ الرِّيْحِ	ہوا کا
فِي الْبَحْرِ	دریا میں	جَانِبَ الْبَرِّ	خشکی کی جانب کو	فَيُغْرِقَكُمْ	پس ڈبودیں وہ تم کو
ضَلَّ	(تو) غائب ہوجاتے ہیں	اَوْ يُرْسِلَ	بھیج دیں	بِمَا كَفَرْتُمْ (۹)	تمہارے کفر کی وجہ سے
مَنْ	وہ جن کو	عَلَيْكُمْ	تم پر	ثُمَّ	پھر

(۱) رَبُّكُمْ مبتدا الَّذِيْ مع صلہ خبر (۲) يُزْجِيْ، اِزْجَاء سے ہے زَجَا (ن) زَجْوًا وَزَجّٰى تَزْجِيَةً وَاَزْجٰى اِزْجَاءً: ہانکنا، چلانا، کہا جاتا ہے كَيْفَ تُزْجِيْ اَيَّامَكَ؟ تم اپنا زمانہ کس طرح بسر کرتے ہو؟ (۳) تَدْعُوْنَ کا مفعول محذوف ہے أی تدعونہٗ اور وہی ضمیر عائد ہے (۴) اگر مَنْ سے تمام آلھۃ مراد لئے جائیں تو استثناء متصل ہے اور اللہ کے سوا معبود مراد لئے جائیں تو استثناء منقطع ہے اور اِيَّاهُ واحد مذکر غائب کی ضمیر منصوب منفصل ہے (۵) اِلَى الْبَرِّ نَجّٰكُمْ سے متعلق ہے وهو متضمن لمعنى الإيصال (۶) حَاصِبًا حَصْبَاء سے اسم فاعل ہے حَصْبَاء کنکریوں کو کہتے ہیں۔ حَاصِبٌ: پتھر برسانے والی ہوا، پتھروں کا مینہ (۷) تَارَةً أخرى مفعول فیہ ہے (۸) قَاصِفٌ (اسم فاعل) ایسی تیز آندھی کہ جو چیز اس کی زد میں آجائے اس کو توڑ دے قَصَفَ (ض) قَصْفًا: توڑ دینا۔ اور باب سمع سے لازم ہے (۹) مَا مصدریہ ہے اور باسببیہ ہے ۱۲

لَا تَجِدُوْا	نہ پاؤ تم	كَرَّمْنَا	عزت بخشی ہم نے	مِّنَ الطَّيِّبٰتِ	نفیس چیزوں میں سے
لَكُمْ	اپنے لئے	بَنِيْٓ اٰدَمَ	اولاد آدم کو	وَفَضَّلْنٰهُمْ	اور فوقیت دی ہم نے انکو
عَلَيْنَا	ہم پر	وَحَمَلْنٰهُمْ	اور سوار کیا ہم نے ان کو	عَلٰي كَثِيْرٍ	بہت سوں پر
بِهٖ	اُس بارے میں	فِي الْبَرِّ	خشکی میں	مِّمَّنْ (۲)	ان میں سے جن کو
تَبِيْعًا (۱)	کوئی پیچھا کرنے والا	وَالْبَحْرِ	اور دریا (میں)	خَلَقْنَا	پیدا کیا ہم نے
وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	وَرَزَقْنٰهُمْ	اور روزی دی ہم نے انکو	تَفْضِيْلًا (۳)	فوقیت دینا

اب پھر توحید کا بیان شروع ہوتا ہے ان آیات میں توحید کی تین دلیلیں بیان کی گئی ہیں:

پہلی دلیل: —— برہان ربوبیت —— پروردگار عالم نے انسان کو پیدا کر کے اس کی تمام ضرورتوں کا انتظام فرمایا۔ پانی کی لطافت اور ہوا کی نزاکت اس کے لئے مسخر کی۔ کشتیاں سمندر میں رواں دواں ہیں، اور ہوائی جہاز فضا میں اڑتے پھرتے ہیں۔ تاکہ انسان ہر طرف سے فضل خداوندی سمیٹ کر لائے۔ ارشاد ہے —— تمہارے پروردگار وہ ہیں جو تمہارے لئے سمندر میں کشتی چلاتے ہیں تاکہ تم اللہ کا فضل تلاش کرو، بلاشبہ وہ تمہارے حال پر نہایت مہربان ہیں —— یعنی رب کریم کی عنایتیں دیکھو، انھوں نے صرف خشکی میں تمہارے لئے ذرائع معاش پیدا نہیں فرمائے بلکہ تمہاری رزق رسانی کے لئے سمندر کو بھی مسخر کر دیا۔ بڑے بڑے دُخانی جہاز سمندر کا سینہ چیرتے ہوئے ایک براعظم سے دوسرے براعظم تک پہنچ رہے ہیں تاکہ تم ان میں تجارتی سامان وغیرہ بھر کر لے جاؤ اور لے آؤ —— اور اب تو خدائے قدیر نے فضائے سماوی کو بھی انسان کیلئے مسخر کر دیا ہے۔ بڑے بڑے ہوائی جہاز فضا میں اڑتے پھرتے ہیں اور شہر شہر، ملک ملک پہنچ رہے ہیں تاکہ انسان خدا کے فضل کو حاصل کرے اور خدا کی مہربانیوں سے بہرہ ور ہو —— پروردگار عالم بلاشبہ انسان کے حال پر نہایت مہربان ہیں۔ وہ طرح طرح سے اس کی ضروریات کی کفالت فرماتے ہیں تاکہ انسان خدا کا شکر بجالائے، اور کسی اور کی چوکھٹ پر جبہ سائی نہ کرے۔

دوسری دلیل: —— برہانِ وجدان —— انسان کی فطرت ایک خدا کے سوا کسی رب کو نہیں جانتی، اس کے دل کی گہرائیوں میں یہ شعور موجود ہے کہ نفع ونقصان کا مالک بس ایک اللہ ہی ہے۔ چنانچہ بے بسی کی حالت میں وہ اسی کو

(۱) تَبِيْع: پیچھا کرنے والا، دعوے دار تبِعَ سے بروزن فعیل بمعنی فاعل چونکہ مدعی دعوی کے درپے ہوتا ہے اس لئے مجازاً مدعی کے معنی ہیں (۲) مِمَّنْ خَلَقْنَا میں عائد محذوف ہے اور مِنْ جارہ محذوف سے متعلق ہو کر کثیر کی صفت ہے (۳) تَفْضِيْلًا مفعول مطلق ہے فَضَّلْنَاهُمْ کا۔

پکارتا ہے ارشاد ہے ـــــ اور جب تم کو سمندر میں کوئی تکلیف پہنچتی ہے ـــــ تیز وتند ہوا کے جھونکے چلتے ہیں، اور ہر طرف سے موجیں اٹھتی ہیں ـــــ تو بجز اللہ کے جن کو تم پکارتے ہو سب غائب ہو جاتے ہیں ـــــ اس وقت تم صرف ایک اللہ سے التجا کرنے لگتے ہو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہی تمہارا دستگیر ہے اور آڑے وقت میں وہی تمہاری مدد کرسکتا ہے ـــــ پھر جب وہ تم کو خشکی کی طرف بچالاتا ہے تو تم رخ پھیر لیتے ہو ـــــ مصیبت سے نکلتے ہی فطرت کی آواز کو بھول جاتے ہو۔ جونہی کشتی بھنور سے نکلتی ہے اور ساحل مراد سے لگتی ہے پھر وہی تمہاری غفلتیں ہوتی ہیں اور وہی تمہاری سرکشیاں! ـــــ اور انسان بڑا ہی ناشکرا ہے ـــــ اس سے بڑھ کر کیا ناشکری ہوسکتی ہے کہ دریا کی موجوں میں جو خدا یاد آیا تھا، کنارہ پر قدم رکھتے ہی اس کو فراموش کردیا ـــــ کیا تم اس بات سے مطمئن ہو گئے کہ وہ خشکی کے کسی حصہ میں تم کو دھنسادیں ـــــ قارون کا انجام تمہیں معلوم ہے اس کو زمین ہی میں دھنسایا گیا؟! ـــــ یا تم پر پتھراؤ کرنے والی آندھی بھیج دیں ـــــ جس طرح عاد کو تیز وتند ہوا کے ذریعہ ہلاک کیا تھا ـــــ پھر تم اپنے لئے کوئی کارساز نہ پاؤ ـــــ جو تمہیں زمین میں دھنسنے سے اور پتھروں کے مینہ سے بچالے ـــــ یا تم اس بات سے مطمئن ہو گئے کہ وہ تمہیں دوبارہ سمندر میں لے جائیں ـــــ یعنی کوئی ایسی ضرورت پیش آجائے کہ دوبارہ سمندر میں سفر ناگزیر ہو جائے ـــــ پھر تم پر ہوا کے جھکڑ بھیج دیں اور تم کو تمہارے کفر کے سبب سے ڈبودیں، پھر اس سزا دینے پر تمہیں ہمارے خلاف کوئی دعوی کرنے والا نہ ملے ـــــ یعنی کون ہے جو اللہ تعالیٰ سے باز پرس کرے کہ ان نالائقوں کو ہلاک کیوں کیا؟ وہ قادر مطلق ہیں جس کو چاہیں سزا دیں، کوئی ان کے خلاف دعوی نہیں کرسکتا۔

اس وجدانی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ جب تک اسباب سازگار رہتے ہیں انسان خدا کو بھولا رہتا ہے۔ مگر جب اسباب کا ساتھ چھوٹتا ہے تو وجدان بیدار ہوتا ہے۔ اور خدا پرستی کا جذبہ ابھرتا ہے انسان بے اختیار اللہ پاک کو پکارنے لگتا ہے اور اس کا دل گواہی دینے لگتا ہے کہ حقیقی آسرا صرف اللہ تعالیٰ کا ہے باقی سب رشتے بیکار، سب بھروسے دھوکا اور سب ہستیاں فریب ہیں ـــــ مگر یہ احساس وشعور دیر تک باقی نہیں رہتا، جہاں مصیبت ہٹی کہ دل پر غفلتوں کے پردے پڑ جاتے ہیں۔ تو کیا غافل انسان یہ گمان کرتا ہے کہ اب دوبارہ وہ کسی مصیبت میں نہیں پھنسے گا؟ اس کا یہ خیال غلط ہے اللہ تعالیٰ جب چاہیں ایک جھٹکے میں اس کا کام تمام کرسکتے ہیں۔

تیسری دلیل: ـــــ برہانِ نعمت ـــــ اللہ تعالیٰ انسان کی صرف چارہ سازی نہیں کرتے، بلکہ اس کو بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے۔ ارشاد ہے ـــــ اور البتہ واقعہ یہ ہے کہ ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی، اور خشکی اور تری میں اس

کے لئے سواریاں مہیا کیں، اور نفیس چیزوں میں سے اس کو روزی دی، اور اپنی بہت سی مخلوقات پر اس کو نمایاں برتری بخشی ـــــ اس آیت میں چار نعمتوں کا بیان ہے:

پہلی نعمت: انسان کو شرف و بزرگی عطا فرمائی، اور اس کو قابل احترام مخلوق بنایا انسان کی تعظیم و تکریم یہاں سے شروع ہوتی ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے زمین میں اپنا نائب اور خلیفہ بنایا، یہ انسان کے لئے سب سے بڑی عزت ہے، جس پر فرشتوں کو بھی رشک آیا تھا۔ پھر اس کو مسجود ملائکہ بنایا۔ یہ بھی اتنا بڑا شرف و امتیاز تھا کہ شیطان لعین کی آنکھ کا کانٹا بن گیا۔ پھر انسانوں میں نبوت و رسالت کا سلسلہ قائم فرمایا، ان پر اپنی کتابیں نازل فرمائیں۔ اور انہیں بہترین صورت، وافر عقل، اعلی فہم اور معتدل مزاج دیا اور اس کے وجود میں کچھ ایسی قوتیں اور ظاہری اور باطنی خوبیاں جمع کردیں کہ وہ ساری کائنات پر راج کرنے لگا۔

دوسری نعمت: اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے سواریاں مہیا فرمائیں، تاکہ وہ بسہولت ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوسکے۔ اگر سواریاں نہ ہوتیں تو کتنی دقّت پیش آتی۔ اللہ تعالیٰ نے اونٹ، گھوڑے اور ہاتھی جیسی طاقت ور مخلوقات اس کے لئے مسخر کردیں۔ جن پر وہ سواری کرنے لگا ورنہ کیا مجال تھی انسان کی کہ وہ ان جانوروں کو اپنے قابو میں کرتا! بے شک یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ انھوں نے سمندر میں سفر کرنے کے لئے انسان کو جہاز رانی کا فن سکھایا۔ اس نے موٹر گاڑیاں اور ریلیں بنائیں، ہوا میں پرواز کے لئے ہوائی جہاز بنائے اور یہ کمزور انسان سالوں کی راہ گھنٹوں میں طے کرنے لگا یہ سب اس رب کریم کی بخشی ہوئی نعمت ہے۔

تیسری نعمت: قسم قسم کے عمدہ، حلال، طیب اور لذیذ کھانے، کپڑے لتّے رہائشی مکانات اور دنیوی آسائش کا سامان فراہم کیا۔ جانوروں میں کوئی کچا گوشت کھاتا ہے، کوئی گھاس، کوئی پھل کھاتا ہے۔ اور انسان اپنی غذا کے لئے ان سب چیزوں کے مرکبات تیار کرتا ہے اور نفاست پیدا کر کے لطف و اندوز ہوتا ہے۔

چوتھی نعمت: انسان کو اشرف المخلوقات بنایا۔ اس کو فضیلت کلی کا سہرا پہنایا۔ جو انسان کے لئے سب سے بڑا امتیاز ہے۔

انسان کو اللہ تعالیٰ نے جو ان نعمتوں سے نوازا ہے تو اس کی شکر گزاری یہ ہے کہ وہ صرف اسی کی بندگی کرے۔ اس کو چھوڑ کر اوروں کی چوکھٹوں پر جبہ سائی نہ کرے۔

فائدہ: انسان تمام مخلوقاتِ ارضی و سماوی سے افضل ہے، اور یہ نوعی فضیلت ہے۔ اور افراد کے اعتبار سے: عام مؤمنین صالحین جیسے اولیاء کرام: عام فرشتوں سے افضل ہیں۔ اور خواص مؤمنین جیسے انبیاء خواص ملائکہ سے افضل ہیں۔ اور خواص ملائکہ جیسے جبرئیل علیہ السلام عام صالحین سے افضل ہیں۔ رہے کفار تو وہ بدترین خلائق ہیں، اور چوپایوں

سے بھی گئے گذرے ہیں۔

يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ ۖ فَمَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَأُولَٰئِكَ يَقْرَءُونَ كِتَابَهُمْ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا ﴿٧١﴾ وَمَنْ كَانَ فِي هَٰذِهِ أَعْمَىٰ فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَىٰ وَأَضَلُّ سَبِيلًا ﴿٧٢﴾

يَوْمَ	جس دن	بِيَمِينِهِ	اس کے داہنے ہاتھ میں	فِي هَٰذِهِ	اس (دنیا) میں
نَدْعُوا (۱)	بلائیں گے ہم	فَأُولَٰئِكَ	پس وہ لوگ	أَعْمَىٰ	اندھا
كُلَّ أُنَاسٍ	سب لوگوں کو	يَقْرَءُونَ	پڑھیں گے	فَهُوَ	تو وہ
بِإِمَامِهِمْ (۲)	انکے پیشواؤں کے ساتھ	كِتَابَهُمْ	اپنا نامۂ اعمال	فِي الْآخِرَةِ	آخرت میں (بھی)
فَمَنْ	پس جو شخص	وَلَا يُظْلَمُونَ	اور نہیں ظلم کئے جائیں گے وہ	أَعْمَىٰ	اندھا (ہوگا)
أُوتِيَ	دیا گیا	فَتِيلًا (۴)	تاگے کے برابر	وَأَضَلُّ	(بلکہ) زیادہ گم کردۂ
كِتَابَهُ (۳)	اس کا نامۂ اعمال	وَمَنْ كَانَ	اور جو شخص تھا	سَبِيلًا	راہ

دلائل توحید کے بعد ان آیات میں آخرت کا بیان ہے۔ اس کے بعد رسالت کا بیان آئے گا۔ اور آخرت کا بیان مقدم اس لئے کیا ہے کہ یہ مسئلہ مختصر ہے اور مسئلہ رسالت کے متعلقات ہیں، جن کا بیان دور تک چلے گا۔ نیز اس مسئلہ کا تعلق پچھلی پانچ آیتوں سے بھی ہے۔ حضرت عکرمہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس یمن کے کچھ لوگ آئے۔ ان میں سے ایک نے حضرت ابن عباسؓ پر چوٹ کی۔ اور یہ آیت پڑھی ﴿مَنْ كَانَ فِي هَٰذِهِ أَعْمَىٰ فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَىٰ﴾ یعنی جو دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا۔ ابن عباسؓ آخر زمانہ

(۱) نَدْعُوا فعل مضارع صیغہ جمع متکلم ہے اور واو جمع کا نہیں بلکہ لام کلمہ ہے از دَعَا يَدْعُوْا دُعَاءً: بلانا مگر قرآنی رسم الخط میں جو واو جمع کے واو کے مشابہ ہوتا ہے اس کے بعد الف لکھا جاتا ہے (۲) إمام: پیشوا، مقتداء، راہ نما فِعَالٌ کے وزن پر اسم ہے اور اس کے اصل معنی ہیں: مَنْ يُؤْتَمُّ بِهٖ یعنی وہ جس کا قصد کیا جائے، چونکہ مقتدا اور راہ نما کا قصد کیا جاتا ہے اس لئے اس کو امام کہتے ہیں الغرض جس کی پیروی کی جائے وہ امام ہے خواہ حق میں پیروی کی جائے یا باطل میں اور خواہ وہ انسان ہو یا غیر انسان۔ روح المعانی میں ہے والإمامُ: المُقْتدىٰ به والْمُتَّبَعُ، عاقلا كان أو غيره — مذکورہ مؤنث کے لئے یکساں ہے اور جمع کے موقع پر بلفظ مفرد بھی مستعمل ہے حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی رحمہ اللہ نے جمع کا ترجمہ کیا ہے (۳) كِتَابَهٗ مفعول ثانی ہے أُوْتِيَ کا (۴) کھجور کی گٹھلی کے شگاف میں جو ڈورا ہوتا ہے اس کو فَتِيْل کہتے ہیں اور باریک تاگے کو بھی جو دو انگلیوں میں پکڑ کر بٹا جا سکے فتیل کہتے ہیں اور محاورہ میں نہایت حقیر اور معمولی چیز کے معنی ہیں ۱۲

میں نابینا ہوگئے تھے۔ ابن عباسؓ نے فرمایا: تم آیت کا مطلب نہیں سمجھے یعنی آیت میں ظاہری اندھا ہونا مراد نہیں اور فرمایا ﴿رَبُّكُمُ الَّذِيْ يُزْجِيْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ﴾ سے ﴿تَفْضِيْلًا﴾ تک پڑھو، پھر فرمایا: ''ان آیتوں میں جو نعمتیں بیان کی گئی ہیں اور جن قدرتی نشانیوں کا تذکرہ ہے: جو شخص ان سے سبق نہیں لیتا اور اندھا رہتا ہے وہ آخرت کو نہیں سمجھ سکتا، نہ وہ اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے (درمنثور ۴: ۱۹۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ ان آیتوں کا ربط گذشتہ پانچ آیتوں سے ہے یعنی جو لوگ اس دنیا میں دل کی آنکھیں کھولتے ہیں اور ہوش کے کانوں سے بات سنتے ہیں وہی توحید کو تسلیم کرتے ہیں اور شرک سے بچتے ہیں اور جو دنیا میں اندھے بنے رہتے ہیں اور کان بہرے کر لیتے ہیں وہ نہ توحید کے قائل ہوتے ہیں، نہ وہ آخرت کی تیاری کرتے ہیں۔ اس لئے وہ آخرت میں اندھے ہونگے۔ ارشاد ہے ـــــ اس دن کو یاد کرو جب ہم تمام انسانوں کو ان کے پیشواؤں کے ساتھ بلائیں گے ـــــ قیامت کے دن ہر فرقہ اس کے سردار کے ساتھ بلایا جائے گا۔ کہا جائے گا: اے امت نوح اپنے نبی کے ساتھ آجاؤ، اے امت ابراہیم اپنے پیغمبر کے ساتھ آجاؤ، اسی طرح پکارا جائے گا: اے شیطان کے بچاریو! اپنے راہ نما شیطان کے ساتھ آجاؤ، اے بتوں کے بچاریو! اپنے اپنے معبودوں کے ساتھ آجاؤ، پھر جب سب لوگ اپنے رب کے سامنے کھڑے ہوجائیں گے تو نامۂ اعمال اڑائے جائیں گے ـــــ پھر جن لوگوں کو نامۂ اعمال ان کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا وہ اپنا نامۂ اعمال پڑھیں گے ـــــ یعنی وہ خوشی سے پھولے نہ سمائیں گے، خود بھی اپنا نامۂ اعمال پڑھیں گے اور دوسروں سے بھی پڑھوائیں گے ـــــ اور ان پر ذرہ برابر ظلم نہ کیا جائے گا ـــــ یعنی ہر ایک کو اس کی محنت کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا بلکہ پورے سے بھی زیادہ دیا جائے گا کیونکہ نیک عمل کا بدلہ اگر عمل سے کم دیا جائے تو یہ ظلم ہے اور ظلم کا بارگاہ خداوندی میں گذر نہیں لیکن اگر زیادہ ثواب دیا جائے تو یہ فضل ہے اور اللہ تعالیٰ بے پایاں فضل والے ہیں ـــــ اور جو شخص اس دنیا میں اندھا ہے ـــــ ہدایت کی راہ اس کو نظر نہیں آتی اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں سے اس نے آنکھیں موند لی ہیں تو ـــــ وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا ـــــ وہ ابتدائے حشر میں بالکل اندھا اٹھایا جائے گا اس وقت وہ کہے گا کہ میرے رب آپ نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا میں تو دنیا میں آنکھوں والا تھا؟ جواب ملے گا: یونہی تیرے پاس ہماری نشانیاں پہنچی تھیں مگر تو انہیں بھولے رہا۔ لہٰذا آج تیرا کچھ خیال نہ کیا جائے گا (طٰہٰ ۱۲۵و۱۲۶) ـــــ پھر وہ بینا کر دیا جائے گا اور اس کی نگاہ بہت زیادہ تیز ہوجائے گی (ق ۲۲) ـــــ مگر وہ دل کا اب بھی اندھا ہی رہے گا جیسا کہ دنیا میں تھا ـــــ بلکہ اور بھی گم کردۂ راہ ہوگا ـــــ کیونکہ دنیا میں گمراہوں کے لئے سنبھلنے کا موقع ہے مگر آخرت میں کف افسوس ملنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔

وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ۝ وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ۝ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ۝ وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ۝ ع

وَاِنْ (۱)	اور بیشک	عَلَيْنَا	ہماری طرف	كِدْتَّ	قریب تھے آپ
كَادُوْا (۲)	قریب تھے وہ	غَيْرَهٗ	اُس وحی کے سوا	تَرْكَنُ	(کہ) جھک جاتے
لَيَفْتِنُوْنَكَ (۳)	کہ بچلادیں (پھیر	وَاِذًا	اور تب تو	اِلَيْهِمْ	ان کی طرف
	دیں) آپ کو	لَّاتَّخَذُوْكَ	ضرور بنالیتے وہ آپ کو	شَيْـًٔا قَلِيْلًا	کچھ کچھ
عَنِ الَّذِيْٓ	اس چیز سے	خَلِيْلًا	ولی دوست	اِذًا	تب تو
اَوْحَيْنَآ	جو وحی کی ہم نے	وَلَوْلَآ (۵)	اور اگر نہ ہوتی	لَّاَذَقْنٰكَ	ضرور چکھاتے ہم آپکو
اِلَيْكَ	آپ کی طرف	اَنْ	یہ بات کہ	ضِعْفَ الْحَيٰوةِ (۶)	زندگی میں دوہرا عذاب
لِتَفْتَرِيَ (۴)	تا کہ غلط بات منسوب	ثَبَّتْنٰكَ	ثابت قدم رکھا ہم نے آپکو	وَضِعْفَ	اور دوہرا عذاب
	کریں آپ	لَقَدْ	تو یقیناً	الْمَمَاتِ	موت (کے بعد)

(۱) اِنْ مخففہ من المثقلہ ہے اصل میں اِنَّ تھا اس کا اسم ضمیر شان ہے اور فعل مضارع پر آنے والا لام لام فارقہ ہے جو نافیہ اور مخففہ کے درمیان امتیاز کے لئے آتا ہے (۲) كَادَ افعال مقاربہ میں سے ہے اور فعل مضارع پر داخل ہوتا ہے اگر یہ کلام مثبت میں ہو تو فعل کی نفی کرتا ہے یعنی یہ بتلاتا ہے کہ بعد میں آنے والا فعل واقع نہیں ہوا البتہ قرب الوقوع تھا جیسے: كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُهُمْ اور كَادَ اَنْ يَّزِلَّ اور اگر یہ کلام منفی میں ہو تو فعل کا اثبات کرتا ہے یعنی یہ بتلاتا ہے کہ بعد میں آنے والا فعل واقع ہوا، اگرچہ وقوع کی امید نہ تھی جیسے وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ اور لَمْ يَكَدْ اَنْ يَّزِلَّ (۳) فَتَنَ (ض) فِتْنَةً: گمراہ کرنا، آزمائش میں ڈالنا ۱۲ (۴) اِفْتَرٰى اِفْتِرَاءً ا: جھوٹ باندھنا (۵) لَوْلَآ امتناعیہ ہے جو لو شرطیہ اور لا نافیہ سے مرکب ہے اور اَنْ مصدریہ ہے ثَبَّتْنَاكَ بتاویل مصدر ہو کر مبتدا ہے اور خبر موجودٌ محذوف ہے اور لَقَد كدت إلخ لولا کا جواب ہے والمعنى ولولا تَثْبِيْتُنَا اِيَّاكَ موجودٌ لَقَارَبْتَ الرُّكُوْنَ اِلَيْهِمْ (جمل) یعنی ہمارے جمانے کی وجہ سے آپ ان کی طرف جھکاؤ کے قریب بھی نہیں ہوئے۔ اور شَيْـًٔا قَلِيْلًا مفعول مطلق ہے ترکن کا من غیر لفظہ (۶) مضاف پوشیدہ ہے اور اضافت بتقدیر فی ہے أی ضعفُ عذاب فی الحیاة.

ثُمَّ لَا تَجِدُ	پھر نہ پاتے آپ	لِيُخْرِجُوْكَ	تاکہ نکال دیں وہ آپ کو	مَنْ	(ان کا) جن کو
لَكَ	اپنے لئے	مِنْهَا	سرزمین (مکہ) سے	قَدْ اَرْسَلْنَا	بھیجا ہم نے
عَلَيْنَا	ہمارے مقابل	وَاِذًا	اور تب تو	قَبْلَكَ	آپ سے پہلے
نَصِيْرًا	کوئی مددگار	لَّا يَلْبَثُوْنَ	نہ ٹھہرنے پاتے وہ	مِنْ رُّسُلِنَا	ہمارے رسولوں میں سے
وَاِنْ كَادُوْا	اور بیشک قریب تھے وہ	خِلٰفَكَ	آپ کے بعد	وَلَا تَجِدُ	اور نہیں پائیں گے آپ
لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ (۱)	کہ اکھاڑ دیں آپ کو	اِلَّا قَلِيْلًا	مگر تھوڑا	لِسُنَّتِنَا	ہمارے طریقہ کو
مِنَ الْاَرْضِ	زمین سے	سُنَّةَ (۲)	(جیسے) طریقہ	تَحْوِيْلًا	بدلتا ہوا

اب رسالت کا بیان شروع ہوتا ہے۔اور تین باتیں بیان کی جاتی ہیں:

پہلی بات: کفار پلان بنا رہے ہیں کہ آپ کو اللہ کی وحی سے ہٹا دیں —— اور کفار بلاشبہ تُلے ہوئے ہیں کہ آپؐ کو اس وحی سے ہٹا دیں، جو ہم نے آپؐ کی طرف بھیجی ہے، تا کہ آپؐ ہمارے نام کوئی اور بات گھڑ دیں۔اور ایسا کرنے کی صورت میں وہ آپؐ کو دلی دوست بنالیں گے —— روایات میں اس سلسلہ کے متعدد واقعات آئے ہیں۔

پہلا واقعہ: قبیلۂ ثقیف خدمت نبوی میں آیا اور کہنے لگا کہ ہم مسلمان ہونا چاہتے ہیں مگر ہمیں چند امتیازات چاہئیں تا کہ ہم عربوں پر فخر کرسکیں۔انھوں نے چار امتیازات مانگے: (۱) مسلمان ہو کر ہم نماز نہیں پڑھیں گے۔ (۲) ہمارے وَج نامی میدان کو حرم مکہ کی طرح محترم قرار دیا جائے (۳) ہمارا جو سود دوسروں پر نکلتا ہے وہ باقی رکھا جائے اور دوسروں کا جو ہم پر نکلتا ہے اسے ختم کر دیا جائے (۴) اور ہم اپنے سب بتوں کو خود توڑیں گے مگر لات نامی بت کو ایک سال تک باقی رہنے دیا جائے —— اور انھوں نے یہ بھی کہا کہ اگر عرب ہمارے امتیازات پر حرف گیری کریں تو آپ ان سے کہہ دیں کہ مجھے میرے رب نے یہ احکام دیئے ہیں۔

دوسرا واقعہ: قریش کے چند سرغنے جیسے امیہ بن خلف اور ابوجہل وغیرہ بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے اور باہمی اختلاف کی خلیج کو پاٹنے کے لئے ایک فارمولہ پیش کیا کہ آیئے آپ ہمارے بتوں کی تھوڑی عبادت کر لیجئے ہم مسلمان ہو جاتے ہیں۔

تیسرا واقعہ: کفار مکہ آنحضرت ﷺ سے کہتے ہیں کہ آپ قرآن میں سے صرف وہ حصہ نکال دیجئے جو شرک اور بت پرستی کی برائی میں ہے ہم آپ کا دین قبول کر لیتے ہیں۔

(۱) دیکھئے آیت ۶۴ (۲) منصوب بنزع خافض ہے أی کسنةً مَنْ إلخ اور مابعد کی طرف مضاف ہے ۱۲

ان واقعات کی روشنی میں آیت کریمہ کے اشاروں کو بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔ ارشاد یہ فرمایا گیا ہے کہ یہ کفار تُلے بیٹھے ہیں، طرح طرح کی پلان بنارہے ہیں۔ اور آپ ﷺ پر زور ڈال رہے ہیں کہ آپؐ مصالحت کرلیں، اور وہ راہ اپنالیں جو اللہ کی بتلائی ہوئی نہیں ہے۔ بالفرض آپؐ ایسا کریں تو وہ آپؐ کے جگری دوست بن جائیں گے، مگر وہ دوستی کس کام کی جو برحق نہ ہو!

دوسری بات: کفار کی چالوں کی سنگینی: —— اور اگر ہم آپؐ کو نہ جماتے تو آپؐ کچھ کچھ ان کی طرف جھکنے کو ہوجاتے —— یعنی ان کی چالیں ایسی خطرناک تھیں، اور ان کا گھیرا ایسا مضبوط تھا کہ اگر آپؐ معصوم نہ ہوتے تو کچھ کچھ آپؐ کا ان کی طرف میلان ہوجاتا —— یعنی پوری طرح ہمنوائی کا تو سوال ہی نہیں، البتہ کچھ میلان کا امکان تھا۔ مگر اللہ کی حفاظت کی وجہ سے آپؐ بال بال بچ گئے، اور ان کی طرف ادنیٰ میلان بھی نہ ہوا —— مگر اس سے کفار کی چالوں کی سنگینی واضح ہوگئی۔ وہ بے حد خطرناک چالیں چلتے تھے۔ ایسا وار کرتے تھے کہ کوئی بچ ہی نہ سکے۔ مگر اللہ کی مدد اور توفیق نے آپ ﷺ کو اپنے موقف پر جمائے رکھا — اس کے بعد کفار کو مایوس کرنے کے لئے ارشاد ہے: —— اور اس صورت میں ہم آپؐ کو دنیا میں بھی دُوہرے عذاب کا مزہ چکھاتے، اور موت کے بعد بھی، پھر آپؐ ہمارے مقابلہ میں کوئی مددگار نہ پاتے —— یہ بات نبی کو مخاطب بنا کر دوسروں کو سنائی گئی ہے یعنی جو تمہاری موافقت کرے گا وہ دارین میں دردناک سزا پائے گا۔ پس ہمارے نبی سے تم ایسی آس کیوں لگائے بیٹھے ہو۔

تیسری بات: مخالفین کو وارننگ: —— اور بلاشبہ کفار تُلے ہوئے ہیں کہ سرزمین مکہ سے آپؐ کے پیر اکھاڑ دیں، تاکہ وہ آپؐ کو یہاں سے باہر نکال دیں —— یعنی آپؐ اور مسلمان ان کی ایذا رسانیوں اور چالوں سے تنگ آکر مکہ چھوڑ دیں —— اور اس صورت میں وہ خود بھی آپ کے بعد یہاں زیادہ دیر نہ ٹھہر سکیں گے —— یعنی یاد رکھیں اگر انھوں نے نبی کو شہر چھوڑنے پر مجبور کیا اور وہ یہاں سے نکل گئے تو مشرکین بھی زیادہ دنوں تک یہاں پنپ نہ سکیں گے —— یہی سنت الٰہی ہے ان لوگوں کے حق میں جن کو ہم نے آپ سے پہلے رسول بنا کر بھیجا ہے —— یعنی اللہ تعالیٰ کا ہمیشہ سے یہی دستور رہا ہے، پچھلی امتوں کے ساتھ اور ان کے انبیا کے ساتھ۔ جب بھی کسی بستی والوں نے پیغمبر خدا کو ستایا ہے اور اس کو شہر بدر کیا ہے تو بستی والے خود بھی اس بستی میں پنپ نہیں سکے۔ وہ عذاب الٰہی سے تباہ ہوئے —— اور آپ ہماری سنت میں کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے —— یعنی اللہ تعالیٰ کا تمام قوموں کے ساتھ معاملہ یکساں ہے پس اگر مکہ والے آپ کو وطن چھوڑنے پر مجبور کریں گے تو بعد میں ان کا حشر بھی اچھا نہیں ہوگا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا: کفار مکہ کا ظلم وستم آنحضرت ﷺ کی اور مسلمانوں کی ہجرت کا سبب بنا آپؐ کا مکہ مکرمہ سے

نکلنا تھا کہ تقریباً ڈیڑھ سال بعد مکہ کے بڑے بڑے نامور سردار گھروں سے نکل کر بدر کے میدان میں نہایت ذلت کے ساتھ ہلاک ہوئے اور اس کے پانچ چھ سال بعد مکہ پر اسلام کا جھنڈا لہرانے لگا اور کفار کی حکومت وشوکت ختم ہوگئی۔

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ﴿۷۸﴾ وَمِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰۤی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ﴿۸۰﴾ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۱﴾ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۙ وَلَا یَزِیْدُ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾

اَقِمِ (۱)	پورا اہتمام کر	الَّیْلِ	رات کا	مَشْهُوْدًا (۵)	حاضری کا وقت
الصَّلٰوةَ	نماز کا	وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ (۴)	اور صبح کے پڑھنے کا	وَمِنَ الَّیْلِ (۶)	اور رات میں
لِدُلُوْكِ (۲)	ڈھلنے سے	اِنَّ	بے شک	فَتَهَجَّدْ (۷)	پس تہجد پڑھ
الشَّمْسِ	سورج کے	قُرْاٰنَ الْفَجْرِ	صبح کا پڑھنا	بِهٖ	قرآن کے ذریعہ
اِلٰی غَسَقِ (۳)	اندھیرا چھانے تک	كَانَ	ہے وہ	نَافِلَةً (۸)	مزید

(۱) اَقِمْ (امر) راست کر، سیدھا کر از اِقَامَةٌ (۲) دَلَكَ (ن) دُلُوْكًا الشمسُ: سورج کا ڈھلنا اور سورج کا ڈوبنے کے قریب ہونا، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم نے پہلے معنی کئے ہیں اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے دوسرے، اور لفظ دونوں معنی کو جامع ہے کیونکہ مادہ کے اصل معنی ہیں ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہونا اور یہ بات زوال میں بھی پائی جاتی ہے اور غروب کے وقت بھی مگر زوال کے معنی زیادہ بہتر ہیں کیونکہ اس کے قائلین زیادہ ہیں — لدلوك اور إلى غسق الليل، أقم سے متعلق ہیں (۳) غَسَقَ (ن) غَسْقًا وَغَسَقًا الليلُ: رات کا تاریک ہونا الغاسق (اسم فاعل) رات جبکہ تاریکی بڑھ جائے (۴) قُرْآنَ الْفَجْرِ کا عطف أقم کے مفعول بہ الصلوٰة پر ہے — قرآن مصدر ہے جس کے معنی ہیں پڑھنا اور اللہ کی کتاب کو قرآن قرأت وتلاوت کی وجہ سے کہا جاتا ہے کیونکہ قرآن عموماً جہر کے ساتھ نماز میں، دینی محافل میں، مدارس میں اور دیگر تقریبات میں پڑھا جاتا ہے (۵) مَشْهُوْد (اسم مفعول) حاضر کیا ہوا۔ چونکہ نماز فجر کی قراءت میں رات اور دن کے ملائکہ حاضر ہوتے ہیں اس لئے اس کو مشہود کہا گیا ہے۔ قیامت کا دن بھی مشہود ہے (ہود آیت ۱۰۳) کیونکہ اس دن سب لوگ اللہ کے روبرو حاضر کئے جائیں گے اسی طرح عرفہ کا دن بھی مشہود ہے (بروج آیت ۳) کیونکہ اس دن سب لوگ میدان عرفہ میں حاضر ہوتے ہیں (۶) من الليل فعل محذوف سے متعلق ہے أی قُمْ قومةً من الليل يا اِسهَرْ من الليل — اور ←

لَكَ	اور آپ کے لئے	مُخْرَجَ (۲)	نکالنا	الْبَاطِلَ	باطل
عَسٰۤى	ہوسکتا ہے	صِدْقٍ	سچا (بہترین)	كَانَ	ہے (وہ)
اَنْ	کہ	وَّاجْعَلْ (۳)	اور بنایئے آپ	زَهُوْقًا	تباہ شدہ
يَّبْعَثَكَ	اٹھائیں آپ کو	لِّيْ	میرے لئے	وَنُنَزِّلُ	اور بتدریج اتارتے ہیں ہم
رَبُّكَ	آپ کے رب	مِنْ لَّدُنْكَ	اپنے پاس سے	مِنَ الْقُرْاٰنِ (۵)	قرآن سے
مَقَامًا (۱)	مقام	سُلْطٰنًا	غلبہ	مَا هُوَ	جو (کہ) وہ
مَّحْمُوْدًا	ستودہ میں	نَّصِيْرًا (۴)	مدد کیا ہوا	شِفَآءٌ	شفا
وَقُلْ	اور کہئے	وَقُلْ	اور کہئے	وَّرَحْمَةٌ	اور مہربانی (ہے)
رَّبِّ	(اے) میرے پروردگار!	جَآءَ	آگیا	لِّلْمُؤْمِنِيْنَ	ایمان والوں کے لئے
اَدْخِلْنِيْ	داخل کیجئے آپ مجھے	الْحَقُّ	حق	وَلَا يَزِيْدُ	اور نہیں بڑھاتا قرآن
مُدْخَلَ (۲)	داخل کرنا	وَزَهَقَ (۴)	اور گیا	الظّٰلِمِيْنَ	ناانصافوں کے لئے
صِدْقٍ	سچا (بہترین)	الْبَاطِلُ	باطل	اِلَّا	مگر
وَّاَخْرِجْنِيْ	اور نکالیے آپ مجھے	اِنَّ	بے شک	خَسَارًا	کھاٹا (نقصان)

مکہ مکرمہ میں سرزمین باوجود اپنی پہنائی کے اہل حق کے لئے تنگ ہوتی جارہی تھی، مخالفین طرح طرح کی ریشہ

← تَهَجَّدْ کاقُمْ محذوف پر عطف ہے — اور بِهٖ کی ضمیر مضاف الیہ کے بغیر صرف قرآن کی طرف راجع ہے اور جار مجرور تَهَجَّدْ سے متعلق ہیں۔(۷) تَهَجَّدْ (فعل امر) از باب تفعُّل، یہ فعل اضداد میں سے ہے هَجَدَ(ن) هُجُوْدًا: رات میں سونا اور بیدار ہونا — شریعت کی اصطلاح میں تہجد کے معنی ہیں رات کو سونے کے بعد اٹھ کر نفلیں پڑھنا (۸) نَافِلَةً مصدر ہے جیسے عَافِيَةً قَاقِبَةً وغیرہ فرائض وواجبات سے زائد کام نفل اور نافلہ کہلاتے ہیں — نافلةً لك فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے اور اس فعل کا حذف واجب ہے

(۱) مَقَامًا مَحْمُوْدًا مفعول فیہ ہے (۲) مُدْخَلْ اور مُخْرَجْ (میم کے پیش کے ساتھ) باب افعال کے مصادر ہیں اَدْخَلَهٗ اِدْخَالاً وَمُدْخَلاً: داخل کرنا اَخْرَجَ اِخْرَاجًا وَمُخْرَجًا: نکالنا (۳) اِجْعَلْ کا مفعول اول سُلْطَانًا نَصِيْرًا ہے اور مفعول ثانی لِيْ ہے اور مِنْ لَدُنْكَ محذوف سے متعلق ہوکر سُلْطَان کی صفت ہے أي سلطانا كائنا من عندك (۴) نَصِيْرًا فعیل کا وزن بمعنی مفعول ہے أي منصوراً به (۴) زَهَقَ (ف) زُهُوْقًا الباطلُ: نیست ونابود ہونا، کمزور ہونا۔ زَهَقَ الشيُ: تباہ ہونا، ہلاک ہونا۔ زَهَقَتِ الرُّوْح: روح کا جسم سے نکلنا (۵) مِنَ الْقُرْآن میں مِنْ بیانیہ ہے ۱۲

دوانیاں اور سازشیں کررہے تھے اور ہر ممکن طریقہ سے مسلمانوں کے پیر اکھاڑنے کی کوشش کررہے تھے، ان جانگداز حالات میں مسلمانوں میں صبر وہمت پیدا کرنے کے لئے درج ذیل پانچ احکامات دیئے گئے:

① ۔مسلمان پانچ فرض نمازوں کا اہتمام کریں اور بطور خاص فجر کی نماز کا اور اس میں طویل قراءت کا اہتمام کریں۔

② ۔۔۔ تہجد کی نماز کا اہتمام کریں اور اس میں زیادہ سے زیادہ قرآن کریم کی تلاوت کریں۔

③ ۔۔۔ دعا کا بطور خاص اہتمام کریں ۔۔۔ اور دعا کے کے جو الفاظ تلقین فرمائے گئے ہیں، ان میں اشارہ ہے کہ اب مکہ چھوڑنے کا وقت قریب آ گیا ہے مگر یہ مفارقت عارضی ہوگی۔

④ ۔۔۔ اللہ کی ذات سے پر امید رہا جائے اور ببانگ دُہل اعلان کیا جائے کہ غلبہ بہر حال حق کا ہوگا اور باطل دم توڑ دے گا۔

⑤ ۔۔۔ قرآن کریم سے زیادہ سے زیادہ تعلق استوار کیا جائے کیونکہ وہ ظاہری اور باطنی پریشانیوں کا علاج بھی ہے اور نزول رحمت کا سبب بھی۔

آیتوں کا خلاصہ پڑھنے کے بعد اب تفصیل سے پانچوں احکام پڑھئے۔

پہلا حکم: ۔۔۔۔ نماز کا اہتمام کیجئے، زوال آفتاب سے لے کر رات کا اندھیرا چھانے تک اور فجر کی قراءت کا بھی۔ بیشک فجر کی قراءت حاضری کا وقت ہے ۔۔۔۔ یعنی مسلمان کفار کی منصوبہ بندیوں کی کچھ فکر نہ کریں، اپنے مالک کی طرف متوجہ رہیں۔ پانچ فرض نمازوں کو ٹھیک ٹھیک قائم کریں اور خاص طور پر فجر کی نماز میں خوب دل لگا کر قرآن کریم کی تلاوت کریں اور جان لیں کہ تعلق مع اللہ ہی وہ چیز ہے جو انسان کو تمام مشکلات سے نجات دلاتی ہے۔

آیت کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے درج ذیل باتیں یاد رکھیں:

پہلی بات: اس آیت میں اقامتِ صلوٰۃ یعنی نماز کے اہتمام کا حکم دیا گیا ہے اور کسی چیز کی اقامت کے معنی ہیں: اس کو درست رکھنا، قائم کرنا اور اس کے حقوق بجالانا۔ قرآن کریم میں جہاں بھی نماز کا حکم دیا گیا ہے اِقَامَةٌ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے پس نماز کے تمام ارکان، شرائط، سنن وآداب کی رعایت کرنا، مکروہات سے بچنا، مسجد، جماعت اور اذان واقامت کا نظام بنا کر اجتماعی طور پر نماز ادا کرنا یہ سبھی باتیں اس حکم میں شامل ہیں۔

دوسری بات: زوال آفتاب سے لے کر رات کا اندھیرا چھانے تک چار نمازیں ہیں (۱) ظہر: جس کا وقت زوال سے شروع ہوتا ہے (۲) عصر: جس کا وقت دوسرے یا تیسرے مثل سے شروع ہوتا ہے (۳) مغرب: جس کا وقت سورج کے ڈوبتے ہی شروع ہوتا ہے (۴) عشا: جس کا وقت رات کی تاریکی مکمل ہوجانے پر یعنی شفق غروب ہوجانے پر شروع

ہوتا ہے۔

تیسری بات: فجر کی قراءت سے مراد فجر کی نماز ہے۔ قرآن کریم میں نماز کے لئے اکثر لفظ صلوٰۃ استعمال کیا گیا ہے مگر کہیں اس کے اجزاء (ارکان) میں سے کسی جز کا نام لے کر پوری نماز مراد لی گئی ہے۔ مثلاً قیام، قراءت، رکوع، سجدہ، ذکر، تسبیح، حمد وغیرہ۔ اور جہاں جس جز سے نماز مراد لی گئی ہے وہاں اس جز کی خصوصی اہمیت ہے۔ یہاں فجر کی قراءت کہہ کر فجر کی نماز مراد لی ہے۔ فجر کے وقت صرف قرآن کریم کی تلاوت مراد نہیں بلکہ نماز میں قرآن پڑھنا مراد ہے۔

چوتھی بات: فجر کی قراءت حاضری کا وقت ہے۔ اس کی تفصیل احادیث شریفہ میں یہ آئی ہے کہ فجر اور عصر کے وقت دن اور رات کے فرشتوں کی ڈیوٹیاں بدلتی ہیں اور فجر میں چونکہ جہری قراءت ہے اس لئے آنے جانے والے فرشتے نماز فجر میں اللہ کا کلام سننے کے لئے شریک جماعت ہوتے ہیں کیونکہ ذکر اللہ ہی ان کی غذا ہے اس وجہ سے فجر کی نماز میں لمبی قراءت مطلوب ہے۔ نیز انسانوں کے لئے بھی یہ وقت سکون اور دلجمعی کا ہے۔ طبیعت خوب حاضر ہوتی ہے اور بات دل میں اترتی ہے اس وجہ سے بھی فجر کی نماز میں لمبی قراءت مسنون ہے۔

پانچویں بات: فجر کی نماز کے لئے قراءت قرآن کی تعبیر اس لئے بھی اختیار کی گئی ہے کہ قرآن کریم کی اہمیت ظاہر ہو اور نماز کے اجزاء میں سے قراءت کا مقام متعین ہو، چنانچہ قراءت ہی کو نماز کا اصلی رکن قرار دیا گیا ہے باقی ارکان حضوری دربار خداوندی کے آداب ہیں [(۱)]

دوسرا حکم: —— اور رات میں: پس قرآن سے تہجد کی نماز پڑھئے، زائد ہے آپ کے لئے۔ بعید نہیں کہ آپ کے پروردگار آپ کو مقام محمود (ستودہ مرتبے) میں فائز کردیں —— یعنی رات میں اٹھ کر تہجد کی نماز پڑھئے اور اس میں قرآن کریم کی خوب تلاوت کیجئے یہ مزید نماز ہے۔ اس سے بہت بڑا مرتبہ ملتا ہے۔

اس حکم کو بھی اچھی طرح سمجھنے کے لئے درج ذیل باتیں جان لیں:

پہلی بات: نفل عبادت خواہ نماز ہو، خیرات ہو، روزہ ہو، یا حج سب مطلوب شرعی ہیں۔ نفل عبادتیں بندے کو اللہ تعالیٰ سے قریب کرتی ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ: ''بندہ فرائض کے ذریعہ جس قدر میرا قرب حاصل کرتا ہے اتنا کسی اور عبادت کے ذریعہ حاصل نہیں کرتا۔ اور بندہ نوافل کے ذریعہ برابر میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ اگر وہ مجھ سے کچھ مانگتا ہے تو دیتا ہوں اور کوئی دعا کرتا ہے تو قبول کرتا ہوں'' (مسند احمد ۶: ۲۵۶)

(۱) تفصیل کے لئے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ کی کتاب ''توثیق الکلام فی الانصات خلف الامام'' اور اس کی میری لکھی ہوئی شرح: ''کیا مقتدی پر فاتحہ واجب ہے؟'' مطالعہ فرمائیں ۱۲

دوسری بات: عبادات میں سب سے افضل فرائض ہیں، پھر واجبات کا درجہ ہے۔ کیونکہ وہ عملاً فرض ہیں پھر سنن مؤکدہ کا درجہ ہے، ان کے بعد تہجد کی نماز ہے، آخر میں رات دن کے دوسرے نوافل کا درجہ ہے۔ حدیث میں ہے: ''فرض نمازوں کے بعد بہترین نماز رات کے بیچ کی نماز (تہجد) ہے'' (مشکوٰۃ حدیث ۱۲۳۶) اور واجب نماز اور سنن مؤکدہ فرض نمازوں کے ساتھ ملحق ہیں اس لئے ان کا مرتبہ تہجد کی نماز سے بلند ہے۔

تیسری بات: دن میں چونکہ آدمی طرح طرح کے مشاغل میں گھرا رہتا ہے اس لئے اس آیت میں رات کی تخصیص کے ساتھ نفلیں پڑھنے کا حکم دیا، ورنہ دن رات میں آدمی جس قدر نوافل پڑھ سکے بہتر ہے۔

چوتھی بات: رات کی نفلیں خاص طور پر سوکر اٹھنے کے بعد، جن کو اصطلاح میں تہجد کہا جاتا ہے، ان کی شان ہی نرالی ہے۔ وہ فائدہ میں دیگر نوافل سے بہت زیادہ بڑھی ہوئی ہیں۔ اس وجہ سے خصوصیت کے ساتھ ان کی ادائیگی کا حکم دیا۔ حدیث میں ہے: ''ہر رات پروردگار عالم پہلے آسمان پر جب رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہتا ہے، نزول فرماتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں: ہے کوئی دعا کرنے والا جس کی دعا میں قبول کروں؟ ہے کوئی مانگنے والا جس کو میں عطا کروں؟ ہے کوئی بخشش چاہنے والا جس کی میں مغفرت کروں؟'' اور مسلم شریف کی روایت میں یہ بھی ہے کہ: ''پھر اللہ تعالیٰ اپنے دونوں ہاتھ پھیلاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ہے کوئی جو ایسے شخص کو قرض دے جو نہ غریب ہے نہ نادہند؟ یہاں تک کہ پو پھٹتی ہے'' (مشکوٰۃ حدیث ۱۲۲۳)

ایک اور حدیث میں ہے: ''رات میں ایک گھڑی ایسی ہے جس میں اگر کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ سے دارین کی کوئی بھلائی مانگے تو اللہ تعالیٰ ضرور عنایت فرماتے ہیں۔ اور یہ گھڑی ہر رات میں ہے'' (مشکوٰۃ حدیث ۱۲۲۴)

نیز حدیث میں ہے: ''رات کی نماز لازم پکڑو، وہ پچھلے نیک لوگوں کا طریقہ تھا اور وہ تم کو تمہارے رب سے قریب کرنے والی چیز ہے اور گناہوں کو مٹانے والی اور برائیوں سے روکنے والی عبادت ہے'' (مشکوٰۃ حدیث ۱۲۲۷)

پانچویں بات: اور قرآن سے تہجد پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ تہجد کی نماز میں زیادہ سے زیادہ قرآن پڑھا جائے۔ جلدی جلدی چند رکعتیں پڑھ لینے سے تہجد کا حق ادا نہیں ہوتا بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ تلاوتِ قرآن ہی کے لئے نماز تہجد مشروع کی گئی ہے۔ حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ تہجد کی چار رکعتوں میں سورۃ البقرہ، آل عمران، نساء اور مائدہ یا انعام پڑھتے تھے (مشکوٰۃ حدیث ۱۲۰۰) اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ جس نے دس آیتوں سے تہجد پڑھا وہ غافلوں میں شمار نہ ہوگا اور جس نے سو آیتوں سے پڑھا وہ قانتین (فرماں برداروں) میں شمار ہوگا اور جس نے ایک ہزار آیتوں سے تہجد پڑھا وہ دولت مندوں میں شمار ہوگا (مشکوٰۃ حدیث ۱۲۰۱)

چھٹی بات: تہجد کی نماز ابتدائے اسلام میں فرض تھی۔ سورۃ المزمل کے شروع میں اس کا تذکرہ ہے۔ پھر یہ فرضیت ختم کردی گئی۔ اب صرف مستحب ہے اور اس بات پر امت کا اجماع ہے اور آنحضرت ﷺ کے بارے میں راجح قول یہ ہے کہ آپؐ پر بھی فرض نہ تھی کیونکہ آپ اگرچہ پابندی سے تہجد پڑھتے تھے مگر گاہے چھوٹ بھی جاتی تھی اور آپؐ اس کی تلافی سورج نکلنے کے بعد بارہ رکعتیں ادا فرما کر کرتے تھے۔ مسلم شریف میں ایک طویل حدیث ہے جس میں سعد بن ہشام نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے چند سوالات کئے ہیں۔ ایک سوال تہجد کے بارے میں بھی کیا ہے، حضرت عائشہؓ نے پوچھا کیا تم نے سورۃ المزمل نہیں پڑھی؟ سعد نے جواب دیا: کیوں نہیں! حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے شروع میں تہجد کی نماز فرض کی تھی۔ حضور اور صحابہ ایک سال تک تہجد پڑھتے رہے اُس سورت کی آخری آیتیں ایک سال تک اللہ تعالیٰ نے روکے رکھیں پھر اس سورت کے آخر میں سہولت نازل فرمائی تو تہجد کی نماز نفل رہ گئی —— اور آنحضرت ﷺ کا طریقہ تھا کہ جب کوئی نماز شروع کرتے تو اس کی پابندی کرتے اور جب نیند کے غلبہ کی وجہ سے یا کسی تکلیف کی وجہ سے آپ تہجد ادا نہ کرسکتے تو دن میں بارہ رکعتیں پڑھ لیتے (مسلم شریف ۶:۲۶ مصری)

ساتویں بات: مقام محمود کا لفظی ترجمہ ہے: تعریف کیا ہوا مرتبہ۔ اور آیت پاک میں آنحضرت ﷺ کے تعلق سے اس کا مطلب ہے شفاعت کبریٰ کا مقام۔ قیامت کے دن جب اولین و آخرین میدان حشر میں اکٹھا ہوں گے اور حساب کتاب شروع نہ ہوگا تو ساری خلقت پریشان ہوگی اور چاہے گی کہ کوئی بندۂ خدا سفارش کرے کہ حساب شروع ہوجائے مگر وہ دن اس قدر ہولناک ہوگا کہ کوئی پیغمبر شفاعت کی ہمت نہ کرے گا۔ اس وقت آنحضرت ﷺ شفاعت کریں گے۔ اس وقت ہر شخص کی زبان پر آپؐ کی تعریف ہوگی۔ گویا اس روز عظمت محمدی پوری شان کے ساتھ جلوہ گر ہوگی۔

اور امت کے تعلق سے مقام محمود کا مطلب یہ ہے کہ جو مسلمان نماز تہجد کی پابندی کرے گا اس کو لوگ قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے رات کی عبادت کے انوار دن میں چہرے پر عیاں ہوتے ہیں اور آخرت میں ایسے بندوں کا مرتبہ بلند ہوگا۔ حدیث میں ہے: ''جنت میں کچھ کمرے ایسے ہیں جن کا اندر باہر سے دکھتا ہے اور جن کا باہر اندر سے نظر آتا ہے یہ کمرے اللہ تعالیٰ نے ان بندوں کے لئے تیار کئے ہیں جو نرم گفتگو کرتے ہیں، غریبوں کو کھانا کھلاتے ہیں، مسلسل روزے رکھتے ہیں اور رات میں جب لوگ سوتے ہیں وہ نماز پڑھتے ہیں''[1]

(۱) فَتَهَجَّدْ کا خطاب اولین تو رسول اللہ ﷺ سے ہے۔ مگر آپ کے واسطہ سے یہ خطاب امت سے بھی ہے کیونکہ خصوصیت کی کوئی دلیل نہیں۔ بلکہ عمومیت کی دلیل موجود ہے، اور وہ یہ ہے کہ تہجد کی نماز امت کے لئے بھی مشروع ہے اور یہ نماز امت سے بھی مطلوب ہے اور ہمیشہ امت کے صالح افراد یہ نماز پڑھتے رہے ہیں ۱۲

آٹھویں بات: حقیقت یہ ہے کہ امت کا جب تک قرآن سے تعلق مستحکم رہا وہ دنیا میں سرخرو رہی اور جب اس کا قرآن سے تعلق کمزور پڑ گیا تو وہ ذلیل وخوار ہوئی۔ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم کے ذریعہ ایک قوم کو بلند کرتے ہیں اور دوسری قوم کو پست کرتے ہیں (مشکوۃ حدیث ۱۲۱۵) یعنی جب تک امت حاملِ قرآن رہے گی دنیا وآخرت میں سرخ رو رہی اور جب وہ تارک قرآن ہو جائے گی ذلیل وخوار ہوئی۔ اور آخرت میں اللہ کے رسول بارگاہ خداوندی میں شکایت کریں گے کہ: ''میرے پروردگار! میری قوم نے اس قرآن کو بالکل ہی نظرانداز کر دیا تھا'' (سورۃ الفرقان آیت ۳۰)

تیسرا حکم: ـــــ اور دعا کیجئے: ''میرے پروردگار! مجھے بہترین طریقہ پر داخل فرما اور بہترین طریقہ پر نکال اور مجھے اپنی طرف سے مدد کیا ہوا غلبہ عطا فرما'' ـــــ یعنی خدایا! آپ ہمیں جہاں بھی رکھیں ہر حال میں ہماری مدد فرمائیں۔ مکہ سے نکال کر کسی اور جگہ پہنچائیں تو بہترین انداز سے نکالیں، دشمنوں کی تمام اسکیموں کو خاک میں ملائیں اور جہاں پہنچائیں وہاں بھی عزت کا مقام عطا فرمائیں آج ہم کس مپرسی کی حالت میں ہیں مگر خدایا آپ کی قدرت کامل ہے آپ ہمیں غلبہ، قوت اور حکومت بخشیں جس کے ساتھ آپ کی مدد بھی شامل ہو۔

اس دعا میں اس طرف اشارہ ہے کہ اب مکہ مکرمہ چھوڑنے کا وقت قریب آ گیا ہے نیز یہ بھی اشارہ ہے کہ یہ چھوڑنا ہمیشہ کے لئے نہیں ہوگا، دوبارہ مکہ مکرمہ میں واپسی ہوگی اور یہ بھی صاف اشارہ ہے کہ قوت وغلبہ ملنے کا وقت بھی قریب آ پہنچا ہے۔ چنانچہ بعد کے حالات نے اس دعا کی حرف بہ حرف تصدیق کی۔ آنحضرت ﷺ بہ حفاظت خداوندی دشمنوں کے نرغے سے نکل کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے وہاں پورے اعزاز کے ساتھ آپ کا استقبال کیا گیا اور آٹھ ہی سال میں مکہ مکرمہ میں فاتحانہ داخلہ ہوا۔ اور دس سال کے قلیل عرصہ میں وہ حکومت وغلبہ نصیب ہوا کہ جزیرۃ العرب میں مسلمانوں سے کوئی آنکھ ملانے والا باقی نہ رہا۔

چوتھا حکم: ـــــ اور اعلان کیجئے کہ حق آ گیا اور باطل گیا۔ باطل بلاشبہ مٹنے ہی والا ہے! ـــــ یعنی مسلمان مایوس نہ ہوں۔ رحمت خداوندی سے پُر امید رہیں۔ حق کا غلبہ ہونے والا ہے اور باطل کے دن آ گئے ہیں اور اس بات کو خوب مشتہر کر دیں اور لوگوں میں اعلان کر دیں تاکہ آئندہ جب یہ پیشین گوئی پوری ہو تو صداقت اسلام اور حقانیت قرآن کی ایک دلیل بن جائے۔

فائدہ: مذکورہ بالا دونوں آیتوں کے الفاظ عام ہیں، مگر بعد کے حالات نے واضح کیا کہ دونوں آیتوں کا تعلق درحقیقت مکہ مکرمہ سے ہے۔ داخل کرنے سے بھی مکہ میں داخل کرنا مراد ہے اور نکالنے سے بھی مکہ سے نکالنا مراد ہے اور داخل کرنے کو تفاؤلاً (نیک فالی کے طور پر) مقدم کیا گیا ہے اور اس داخل کرنے اور نکالنے کے درمیان اسلامی

حکومت قائم ہوگی جس کے شامل حال اللہ تعالیٰ کی مدد ہوگی۔ رہا یہ سوال کہ مکہ میں جس پر دشمنوں کا قبضہ ہے واپسی کیسے ہوگی؟ اس کا جواب دوسری آیت میں دیا گیا ہے کہ مکہ میں حق کا غلبہ ہوگا اور باطل مٹ جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ فتح مکہ کے دن کعبہ میں جو تین سو ساٹھ بت تھے آنحضرت ﷺ کے اشارے سے سب اوندھے منہ گر پڑے اس وقت آپ کی زبان مبارک پر تھا: ﴿جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ، إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا﴾

پانچواں حکم: ـــــ اور ہم قرآن میں بتدریج اس چیز کو نازل کرتے ہیں جو ایمان والوں کے لئے شفا اور مہربانی ہے اور ظالموں کے لئے وہ گھاٹا ہی بڑھاتی ہے ـــــ یعنی قرآن کی آیات سے جو بتدریج اترتی رہتی ہیں روحانی بیماریاں دور ہوتی ہیں۔ دلوں سے عقائد باطلہ، اخلاق ذمیمہ اور شکوک وشبہات کافور ہوتے ہیں اور صحت باطنی حاصل ہوتی ہے بلکہ بسا اوقات اس کی مبارک تاثیر سے بدنی صحت بھی حاصل ہوتی ہے۔

بہر حال ایمان لانے والے یعنی اس نسخہ شفا کو استعمال کرنے والے تمام قلبی وروحانی امراض سے نجات پاکر اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت اور باطنی نعمت سے سرفراز ہوں گے۔ ہاں جو مریض اپنی جان کا دشمن ہو اور وہ دوا دارو سے دور بھاگے وہ نقصان ہی اٹھائے گا۔

پانچویں احکام کا خلاصہ: یہ ہے کہ مکہ کے جاں گسل حالات میں مسلمانوں کو نماز پنجگانہ کے اہتمام کی تلقین کی گئی، تہجد کا حکم دیا گیا، قرآن کریم سے زیادہ سے زیادہ تعلق استوار رکھنے کی ہدایت فرمائی گئی اور بشارت سنائی گئی کہ حالات بدلنے والے ہیں حق کا غلبہ ہوگا اور باطل رفو چکر ہوگا پس مسلمان کو کیسے ہی جانگداز حالات پیش آئیں اللہ کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہئے اللہ کی رحمت سے مایوسی کفر ہے۔

چھ آیاتِ شفا ﴿وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ ﴿شِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ﴾ ﴿فِيْهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ﴾ ﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَاهُوَ شِفَاءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنِ﴾ ﴿وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ﴾ ﴿قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ آمَنُوْا هُدًى وَشِفَاءٌ﴾ کو عرق گلاب میں زعفران بھو کر چینی کی پلیٹ پر لکھیں اور چالیس دن تک مریض کو نہار منہ پلائیں ان شاء اللہ شفا نصیب ہوگی اور مرض کی پیچیدگی دور ہوگی۔

وَإِذَآ أَنْعَمْنَا عَلَى الْإِنسَانِ أَعْرَضَ وَنَا بِجَانِبِهِ ۖ وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَـُٔوسًا ﴿٨٣﴾ قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلَىٰ شَاكِلَتِهِ فَرَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ أَهْدَىٰ سَبِيلًا ﴿٨٤﴾

وَاِذَآ	اور جب	مَسَّهُ	چھوتی ہے اس کو	عَلٰى شَاكِلَتِهٖ (۲)	اپنے ڈھنگ سے
اَنْعَمْنَا	انعام فرماتے ہیں ہم	الشَّرُّ	تکلیف	فَرَبُّكُمْ	سو تمہارے پروردگار
عَلَى الْاِنْسَانِ	آدمی پر	كَانَ	تو جاتا ہے	اَعْلَمُ	بخوبی جانتے ہیں
اَعْرَضَ	(تو) وہ روگردانی کرتا ہے	يَئُوْسًا	مایوس	بِمَنْ	اس کو جو
وَنَا (۱)	اور بچاتا ہے	قُلْ	آپ کہیں	هُوَ	وہ
بِجَانِبِهٖ	اپنا پہلو	كُلٌّ	ہر شخص	اَهْدٰى	سب سے زیادہ راہ
وَاِذَا	اور جب	يَّعْمَلُ	کام کرتا ہے	سَبِيْلًا	یاب ہے

مسلمانوں کو مذکورہ احکام دینے کے بعد، اب کفار سے خطاب ہے: —— اور جب ہم انسان کو نعمتیں عطا کرتے ہیں تو وہ روگردانی اور پہلو تہی کرتا ہے —— یعنی خدا فراموش انسان کا عجیب حال ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے نعمتوں سے نوازتے ہیں تو احسان مند نہیں ہوتا جتنا عیش آرام ملتا ہے اتنا ہی منعم حقیقی کی طرف سے اعراض کرتا ہے اور پہلو بچاتا ہے —— اور جب وہ مصیبت سے دوچار ہوتا ہے تو مایوس ہوجاتا ہے —— یعنی جب سخت وقت آتا ہے تو ایک دم آس توڑ کر ناامید ہوجاتا ہے یعنی دونوں حالتوں میں خدا سے بے تعلق رہتا ہے، پہلے غفلت کی بنا پر اور اب مایوسی کی وجہ سے۔ سچ ہے: انسان اللہ کی طرف متوجہ نہ ہونا چاہے تو ہر حال اس کو اللہ سے غافل کرنے کے لئے کافی ہے —— کہئے: ''ہر شخص اپنے ڈھنگ پر کام کر رہا ہے اور تمہارے پروردگار اس شخص کو بخوبی جانتے ہیں جو سب سے زیادہ راہ یاب ہے —— یعنی کفار اپنی فطرت کی روش پر رواں دواں ہیں۔ اور نبی اور ان کے اصحاب اپنی راہ پر گامزن ہیں۔ کس کی راہ راہِ راست ہے، وہ اللہ بخوبی جانتے ہیں، تم نہیں جانتے۔ اور اللہ تعالیٰ یہ بات ابھی علمی طور پر واضح کر رہے ہیں، کل عملی طور پر بھی اس کا فیصلہ فرمادیں گے۔ انتظار کرو۔

وضاحت: انسان کی ماحول، عادت اور رسم ورواج کے مطابق ایک طبیعت بن جاتی ہے، اُسی ڈھب پر وہ کام کرتا ہے اور اسی کو مناسب اور حق سمجھتا ہے۔ چنانچہ کفار اپنی روش پر خوش ہیں اور اپنی حالت پر مگن ہیں۔ قرآن کریم

(۱) نأی (فعل ماضی، صیغہ واحد مذکر غائب) مصدر نَأْیٌ باب فتح نَأیٰ نَأْيًا فلانا وعن فلان: دور ہونا۔ صفت نَاءٍ مؤنث نَائِيَةٌ آیت میں باء سے متعدی ہے اس لئے ترجمہ ہے بچانا، دور کرنا، پھیر لینا۔ (۲) شَاكِلَةٌ (اسم فاعل صیغہ واحد مؤنث) فطری طریقہ اور روش شَكْلٌ سے جس کے معنی ہیں مانند، نظیر، کہا جاتا ہے لَسْتَ مِنْ شَكْلِيْ وَلَا شَاكِلَتِيْ (تو نہ میری طرح ہے نہ میری روش پر) اس مفہوم کے لئے دوسرا مترادف لفظ سَجِيَّةٌ ہے جس کے معنی ہیں فطری عادت ۱۲

ان کو جو باتیں سمجھاتا ہے وہ اس کو سمجھنے کے لئے تیار نہیں، بلکہ اس کو گمراہی سمجھتے ہیں اور اپنے غلط طریقہ کو سب سے زیادہ سیدھا راستہ تصور کرتے ہیں جبکہ مسلمان قرآن کی دعوت سمجھ چکے ہیں وہ اس کے بتائے ہوئے راستہ پر چل رہے ہیں اور مشرکین کے طریقہ کو نہایت خطرناک گمراہی تصور کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا علم دونوں جماعتوں کے احوال کو محیط ہے وہ سب کے طور وطریق کو برابر دیکھ رہے ہیں اور بخوبی جانتے ہیں کہ کون سیدھے راستہ پر ہے اور کون کجروی اختیار کئے ہوئے ہے اور وہ وقت جلد آرہا ہے جب اس کا عملی فیصلہ کردیا جائے گا۔

وَيَسۡـَٔلُونَكَ عَنِ الرُّوۡحِ ؕ قُلِ الرُّوۡحُ مِنۡ اَمۡرِ رَبِّىۡ وَمَاۤ اُوۡتِيۡتُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ اِلَّا قَلِيۡلًا ﴿۸۵﴾ وَلَئِنۡ شِئۡنَا لَنَذۡهَبَنَّ بِالَّذِىۡۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيۡنَا وَكِيۡلًا ۙ﴿۸۶﴾ اِلَّا رَحۡمَةً مِّنۡ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ فَضۡلَهٗ كَانَ عَلَيۡكَ كَبِيۡرًا ﴿۸۷﴾ قُلْ لَّئِنِ اجۡتَمَعَتِ الۡاِنۡسُ وَالۡجِنُّ عَلٰٓى اَنۡ يَّاۡتُوۡا بِمِثۡلِ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لَا يَاۡتُوۡنَ بِمِثۡلِهٖ وَلَوۡ كَانَ بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٍ ظَهِيۡرًا ﴿۸۸﴾ وَلَقَدۡ صَرَّفۡنَا لِلنَّاسِ فِىۡ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ مِنۡ كُلِّ مَثَلٍ فَاَبٰٓى اَكۡثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوۡرًا ﴿۸۹﴾

وَيَسۡـَٔلُونَكَ	اور پوچھتے ہیں وہ آپ سے	وَلَئِنۡ	اور البتہ اگر	عَلَيۡنَا	ہمارے مقابلہ میں
عَنِ الرُّوۡحِ	روح کے بارے میں	شِئۡنَا	چاہیں ہم	وَكِيۡلًا	کوئی کارساز
قُلِ	آپ کہئے	لَنَذۡهَبَنَّ	(تو) ضرور لے جائیں ہم	اِلَّا	مگر
الرُّوۡحُ	روح	بِالَّذِىۡۤ	اس کو جو	رَحۡمَةً	مہربانی (ہے)
مِنۡ اَمۡرِ رَبِّىۡ	میرے رب کے حکم	اَوۡحَيۡنَاۤ	وحی کی ہے ہم نے	مِّنۡ رَّبِّكَ	آپ کے رب کی
	سے (ایک چیز ہے)	اِلَيۡكَ	آپ کی طرف	اِنَّ فَضۡلَهٗ	بے شک اس کا فضل
وَمَاۤ	اور نہیں	ثُمَّ	پھر	كَانَ	ہے (وہ)
اُوۡتِيۡتُمۡ	دیئے گئے ہو تم	لَا تَجِدُ	نہ پائیں آپ	عَلَيۡكَ	آپ پر
مِّنَ الۡعِلۡمِ	علم میں سے	لَكَ	اپنے لئے	كَبِيۡرًا	بڑا
اِلَّا قَلِيۡلًا	مگر تھوڑا	بِهٖ	اس سلسلہ میں	قُلۡ	آپ کہئے

لَئِنِ	اور البتہ اگر	بِمِثْلِهٖ	اس کے مانند	فِيْ هٰذَا	اس قرآن میں
اجْتَمَعَتِ	اکٹھا ہو جائیں	وَلَوْ كَانَ	اگرچہ ہو	الْقُرْاٰنِ	
الْاِنْسُ	انسان	بَعْضُهُمْ	ان کا بعض	مِنْ كُلِّ	ہر قسم کے
وَالْجِنُّ	اور جنات	لِبَعْضٍ	بعض کا	مَثَلٍ	عمدہ مضامین
عَلٰٓى اَنْ	اس کام کے لئے کہ	ظَهِيْرًا	مددگار	فَاَبٰٓى	سو انکار کیا
يَّاْتُوْا	لائیں وہ	وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	اَكْثَرُ	بیشتر
بِمِثْلِ	مانند	صَرَّفْنَا	پھیر پھیر کر بیان کئے	النَّاسِ	لوگوں نے
هٰذَا الْقُرْاٰنِ	اس قرآن (کے)		ہیں ہم نے	اِلَّا	بجز
لَا يَاْتُوْنَ	(تو) نہ لاسکیں وہ	لِلنَّاسِ	لوگوں کے لئے	كُفُوْرًا	کفر (کے)

مسئلہ رسالت چل رہا ہے۔ مشرکین نے رسول کی صداقت جانچنے کے لئے مشاورت کی۔ رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ تو انہیں بے داغ نظر آئی۔ آپؐ ان کے درمیان جوان ہوئے تھے۔ آپؐ کی امانت و دیانت اور سچائی میں کبھی کسی کو شبہ نہیں ہوا تھا۔ اس لئے انھوں نے سوچا کہ وہ جو کلام پیش کرتے ہیں، اور اس کو اللہ کا کلام بتلاتے ہیں: اس کو جانچا جائے۔ خود تو علوم انبیاء سے واقف نہیں تھے، اس لئے ایک وفد مدینہ بھیجا۔ علماء یہود نے ان کو تین سوالات بتلائے اور یہ بھی بتلایا کہ اگر وہ سچے نبی ہیں تو دو کا جواب دیں گے، ایک کا نہیں دیں گے۔ اور اگر وہ جھوٹا شخص ہے تو تینوں کا جواب دے گا، یا کسی کا بھی جواب نہیں دے گا۔

وہ تین سوالات یہ تھے:

۱ــــ ان لوگوں کا حال بتاؤ جو قدیم زمانہ میں بادشاہ سے ڈر کر کسی غار میں چلے گئے تھے۔

۲ــــ اس بادشاہ کا حال سناؤ جس نے مشرق و مغرب کا سفر کیا تھا۔

۳ــــ روح کی حقیقت کیا ہے؟

وفد نے واپس آکر رسول اللہ ﷺ سے یہی سوالات کئے۔ قرآن کریم میں جوابات نازل ہوئے۔ پہلے دو سوالوں کے جوابات سورۂ کہف میں ہیں۔ اور روح کے متعلق ارشاد فرمایا: ــــــ اور لوگ آپؐ سے روح کے متعلق پوچھتے ہیں۔ آپؐ جواب دیں کہ روح میرے رب کے حکم سے ایک چیز ہے ــــ یعنی اس کی حقیقت نہیں کھولی، اور اس کی وجہ بتلائی ــــــ اور تم لوگ بس تھوڑا سا علم دیئے گئے ہو! ــــــ یعنی کسی مسئلہ کو سمجھنے کے لئے

علم کی ایک مقدار ضروری ہے۔ کندۂ ناتراش کو آسمان کی حقیقت نہیں سمجھائی جا سکتی۔ جنت وجہنم کے احوال سے پوری طرح واقف نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ ماوراء طبیعیات کو جھانکنے کی سب میں صلاحیت نہیں ہوتی۔ اسی طرح روح بھی دوسری دنیا کی چیز ہے اور غیر محسوس ہے۔ اس کے بارے میں صرف اتنی بات بتلائی جو عام لوگوں کی سمجھ میں آسکتی ہے کہ وہ ایک وجودی چیز ہے، جو حکم خداوندی سے حیوان میں آموجود ہوتی ہے۔ اور جاندار جی اٹھتا ہے، اور جب وہ چیز بدن سے نکل جاتی ہے تو جاندار مر جاتا ہے۔

مشرکین کو قرآن کریم پسند نہیں تھا۔ کیونکہ وہ بتوں کو مسترد کرتا تھا۔ اور توحید کی تلقین کرتا تھا۔ آخرت یاد دلاتا تھا، اور اخلاقی ضابطوں میں جکڑتا تھا۔ اس لئے ان کا مطالبہ تھا کہ یہ قرآن بدل کر دوسرا لائیے، جس میں بتوں کی برائی نہ ہو، یا اسی میں کچھ تبدیلی کر دیجئے (سورۂ یونس آیت ۱۵) ان کو جواب دیا جارہا ہے: ــــ اور بخدا! اگر ہم چاہیں تو جو وحی ہم نے آپؐ کی طرف بھیجی ہے اس کو واپس لے لیں ــــ یعنی قرآن میں تبدیلی یا ترمیم کی بات کیا کرتے ہو، اللہ تعالیٰ تو اس پر بھی قادر ہیں کہ قرآن کو اٹھالیں، قیامت کے قریب اللہ پاک ایسا کریں گے بھی ــــ پھر آپ کو اس سلسلہ میں ہمارے مقابلہ میں کوئی کارساز نہ ملے ــــ یعنی اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر کرم فرمایا۔ ان کو قرآن جیسی بے بہا نعمت عطا فرمائی۔ کیونکہ وہ اپنے بندوں پر بے پایاں مہربان ہیں۔ پس اس نعمت کی قدر کرو، ٹھکراؤ نہیں۔

ملحوظہ: یہ ارشاد: ''جو وحی ہم نے آپؐ کی طرف بھیجی ہے'' اس کی مخاطب امتِ دعوت ہے، جو ابھی ایمان نہیں لائی۔ اور یہ قرآن کا اسلوب ہے کہ وہ مخاطب رسول اللہ ﷺ کو بناتا ہے، اور خطاب امت سے کرتا ہے۔

مشرکین کا مذکورہ مطالبہ اس خیال پر مبنی تھا کہ قرآن خود نبی ﷺ کا کلام ہے۔ حالانکہ ایسا کلام کسی بھی انسان کے بس کا نہیں۔ چنانچہ مشرکین کو چیلنج دیا ــــ آپؐ کہیں: بخدا! اگر جنّ وانسان اکٹھا ہو کر اس قرآن جیسا کلام بنانا چاہیں تو ہرگز نہیں بنا سکتے، گو وہ ایک دوسرے کے مددگار ہو جائیں ــــ یعنی آؤ بازو آزمالو! اور سب مل کر قرآن جیسا کلام بنا لاؤ! ــــ اور واقعہ یہ ہے کہ ہم نے لوگوں کے نفع کے لئے اس قرآن میں ہر قسم کے عمدہ مضامین طرح طرح سے بیان کئے ہیں، پھر بھی اکثر لوگ انکار ہی پر جمے ہوئے ہیں! ــــ یعنی اللہ تعالیٰ انسانوں کی خیر خواہی کے لئے نہج بدل بدل کر بات سمجھاتے ہیں، مگر اکثر لوگ ناقدرے ہیں، اور وہ انکار ہی کو شیوہ بنائے ہوئے ہیں۔

> لوگو! قرآن کی قدر کرو۔ قرآن وہ نعمت ہے جو اپنے ماننے والوں کو دنیا کی بالانشیں اور آخرت میں خلد آشیاں بناتا ہے!

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ﴿۹۰﴾ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ﴿۹۱﴾ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ﴿۹۲﴾ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۳﴾ ع

ع ۱۰

وَقَالُوْا	اور کہا انہوں نے	جَنَّةٌ	کوئی باغ	عَلَيْنَا	ہم پر
لَنْ نُّؤْمِنَ	ہم ہرگز ایمان نہیں	مِّنْ نَّخِيْلٍ	کھجور کا	كِسَفًا (۳)	پارہ پارہ کر کے
	لائیں گے	وَّعِنَبٍ	اور انگور (کا)	اَوْ تَاْتِيَ	یا لے آئیں آپؐ
لَكَ	آپ پر	فَتُفَجِّرَ	پس جاری کر دیں آپؐ	بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کو
حَتّٰى	یہاں تک کہ	الْاَنْهٰرَ	نہروں کو	وَالْمَلٰٓئِكَةِ	اور فرشتوں کو
تَفْجُرَ (۱)	بہا دیں آپ	خِلٰلَهَا	اس کے بیچ میں	قَبِيْلًا (۴)	روبرو
لَنَا	ہمارے لئے	تَفْجِيْرًا	جاری کرنا	اَوْ يَكُوْنَ	یا ہو
مِنَ الْاَرْضِ	زمین سے	اَوْ تُسْقِطَ	یا گرا دیں آپؐ	لَكَ	آپ کے لئے
يَنْۢبُوْعًا (۲)	کوئی چشمہ	السَّمَآءَ	آسمان کو	بَيْتٌ	کوئی گھر
اَوْ تَكُوْنَ	یا ہو	كَمَا	جیسا کہ	مِّنْ زُخْرُفٍ (۵)	سونے کا
لَكَ	آپؐ کے لئے	زَعَمْتَ	گمان کرتے ہیں آپ	اَوْ تَرْقٰى	یا چڑھیں آپ

(۱) فَجَرَ (ن) فَجْرًا الماءَ: پانی بہانا، جاری کرنا۔ فَجَّرَ تَفْجِيْرًا (تفعیل) الماءَ: پانی بہانا، جاری کرنا۔ یہ باب مبالغہ کے لئے ہے (۲) يَنْبُوْع کی جمع يَنَابِيْع ہے، چشمہ یعنی وہ سوت جس میں سے پانی پھوٹ کر نکلتا ہے۔ نَبَعَ (ف ض) الماءُ: کنویں یا چشمہ سے پانی کا پھوٹ کر نکلنا (۳) كِسَفٌ جمع ہے كِسْفَةٌ کی جیسے: قِطَعٌ جمع ہے قِطْعَةٌ کی جس کے معنی ہیں پارہ، ٹکڑا اور یہ اَلسَّمَاءَ کا حال ہے (۴) قَبِيْلٌ کے دو معنی ہیں: ۱- سامنے اور ظاہر، کہا جاتا ہے رَأَيْتُهٗ قَبِيْلًا: میں نے اس کو سامنے سے ظاہر طور پر دیکھا ۲- گروہ گروہ اس صورت میں یہ قَبِيْلَةٌ کی جمع ہوگی اور پہلی صورت میں قَبِيْلًا اللہ کا حال ہے اور ملائکہ کا حال محذوف ہے اور دوسری صورت میں قَبِيْلًا ملائکۃ کا حال ہے (۵) زُخْرُفٌ کے اصل معنی ہیں زینت، چونکہ سونا بھی زینت ہے اس لئے سونے کو بھی زخرف کہتے ہیں اور جب قول کے لئے استعمال کیا جاتا ہے تو ملمع سازی کے معنی ہوتے ہیں جیسے زُخْرُفُ الْقَوْلِ: فریب کی باتیں۔

فِي السَّمَآءِ	آسمان میں	عَلَيْنَا	ہم پر	هَلْ (۳)	نہیں
وَلَنْ نُّؤْمِنَ	اور ہرگز یقین نہیں	كِتٰبًا	کوئی ایسا نوشتہ	كُنْتُ	ہوں میں
	کریں گے ہم	نَّقْرَؤُهٗ (۲)	جس کو پڑھیں ہم	اِلَّا	مگر
لِرُقِيِّكَ (۱)	آپ کے چڑھنے کا	قُلْ	جواب دیجئے:	بَشَرًا	آدمی
حَتّٰى	یہاں تک کہ	سُبْحَانَ	پاک ہے	رَّسُوْلًا	پیغامبر
تُنَزِّلَ	اتاریں آپ	رَبِّيْ	میرا پروردگار	۞	۞

رسالت کا مسئلہ چل رہا ہے۔ جب مشرکین سے قرآن کا چیلنج نہ اٹھ سکا، اور وہ قرآن کریم کا مثل پیش کرنے سے عاجز رہ گئے، تو انھوں نے معجزات کے مطالبے شروع کردیئے ـــــ اور ان لوگوں نے کہا: (۱) ہم آپ کی بات ہرگز نہ مانیں گے تاآنکہ آپ ہمارے لئے سرزمین مکہ کو پھاڑ کر ایک چشمہ جاری کردیں ـــــ اور اس بنجر اور بے آب وگیاہ سرزمین کو سرسبز وشاداب کردیں ـــــ (۲) یا آپ کے لئے کھجور اور انگور کا ایک باغ ہو، پھر آپ اس کے بیچ میں نہریں رواں دواں کردیں ـــــ تاکہ لوگ آپ کی ریاست وسیادت تسلیم کرلیں، اور آپ کا ٹھاٹھ دیکھ کر لوگ آپ کے گرویدہ ہوجائیں ـــــ (۳) یا آسمان کو اپنے قول کے مطابق پارہ پارہ کرکے ہم پر گرادیں ـــــ ''اپنے قول کے مطابق'' جیسا کہ سورۃ السبا آیت ۹ میں ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہیں تو کفار کو زمین میں دھنسادیں، یا ان پر آسمان کے ٹکڑے گرادیں۔ کفار یہ مطالبہ کررہے ہیں کہ یہ کرکے دکھاؤ، تاکہ آپؐ کی صداقت اور اللہ کی انتہائی قدرت ظاہر ہو ـــــ (۴) یا آپؐ اللہ تعالیٰ کو اور فرشتوں کو ہمارے روبرو لے آئیں ـــــ یعنی خدا خود جلوہ گر ہوکر کہیں، اور فرشتے آکر گواہی دیں کہ آپؐ سچے نبی ہیں تو ہم مانیں ـــــ (۵) یا آپ کے لئے سونے کا کوئی گھر ہو ـــــ جسے دیکھ کر لوگ مرعوب ہوجائیں اور آپؐ کی بڑائی تسلیم کرلیں ـــــ (۶) یا آپ آسمان پر چڑھیں ـــــ تاکہ پتہ چلے کہ آپؐ کا بالائی طاقت سے قوی رابطہ ہے، اور آپؐ اس حکومت کے نمائندے ہیں ـــــ اور آپ کا چڑھنا ہرگز تسلیم نہیں کریں گے یہاں تک کہ آپؐ اتار لائیں ہم پر کوئی ایسا نوشتہ جسے ہم خود پڑھیں! ـــــ اور اس میں آپؐ کے آسمان پر چڑھنے کی رسید بطور تصدیق لکھی ہو۔

جواب: ـــــ آپؐ کہیں: سبحان اللہ! ـــــ والعظمۃ للہ! ـــــ نہیں ہوں میں مگر ایک انسان رسول!

(۱) رُقِيٌّ: رَقِيَ (س) کا مصدر ہے جس کے معنی ہیں اوپر چڑھنا (۲) نَقْرَؤُهٗ جملہ فعلیہ كِتَابًا کی صفت ہے (۳) استفہام انکاری بمعنی نفی ہے ۱۲

—— یعنی کیا میں نے خدا ہونے کا کبھی دعویٰ کیا ہے جو تم یہ مطالبات مجھ سے کرنے لگے ہو؟ میرا دعویٰ تو اول روز سے یہی ہے کہ خدا کی طرف سے پیغام لانے والا ایک انسان ہوں۔ تمہیں اگر جانچنا ہے تو میرے پیغام کو جانچو، میرا اطمینان کرو، ایمان لانا ہے تو میرے پیغام کی صداقت کو دیکھ کر ایمان لاؤ انکار کرنا ہے تو اس میں کوئی نقص نکال کر دکھاؤ۔ یا اس کا مقابلہ کرو، میری صداقت کا اطمینان کرنا ہے تو میری زندگی کو، میرے اخلاق کو اور میرے کام کو دیکھو، یہ سب کچھ چھوڑ کر تم مجھ سے جو فرمائشیں کر رہے ہو یہ تو اللہ تعالیٰ کی قدرت والے کام ہیں، میرے بس کی یہ باتیں کب ہیں؟ میرا کام جو اُدھر سے ملے اس کو بے کم وکاست اِدھر پہنچا دینا ہے۔ میں اپنا فرض ادا کر رہا ہوں فرمائشی نشانات دکھلانا یا نہ دکھلانا اللہ تعالیٰ کی مشیت اور حکمت بالغہ پر موقوف ہے۔

یہ خیال غلط ہے کہ رسول خدائی اختیارات کا مالک ہوتا ہے اس کا کام صرف پیغام حق پہنچانا ہے

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴿۹۵﴾ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ﴿۹۶﴾

وَمَا	اور نہیں	الْهُدٰى	ہدایت	رَّسُوْلًا	رسول بنا کر
مَنَعَ (۱)	روکا	اِلَّآ	مگر	قُلْ	آپ کہئے
النَّاسَ	لوگوں کو	اَنْ	(اس بات نے) کہ	لَّوْ كَانَ	اگر ہوتے
اَنْ	(اس بات سے) کہ	قَالُوْٓا	کہا انھوں نے	فِي الْاَرْضِ	زمین میں
يُّؤْمِنُوْٓا	ایمان لائیں وہ	اَبَعَثَ	کیا بھیجا	مَلٰٓئِكَةٌ	فرشتے
اِذْ	جبکہ	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ نے	يَّمْشُوْنَ (۲)	چلتے
جَآءَهُمُ	پہنچی ان کو	بَشَرًا	انسان کو	مُطْمَئِنِّيْنَ	باطمینان

(۱) مَنَعَ کا مفعول اول الناس ہے اور جملہ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بتاویل مصدر ہو کر مفعول ثانی ہے اور اَنْ مصدر یہ سے پہلے مِنْ محذوف ہے اِذْ جَآءَهُمْ مفعول فیہ ہے يُؤْمِنُوْا کا —— اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِلخ بتاویل مصدر ہو کر منع کا فاعل ہے اور بَشَرًا مفعول بہ ہے بَعَثَ کا اور رَسُوْلًا اس کا حال ہے (۲) جملہ يَمْشُوْنَ صفت ہے مَلٰٓئِكَةٌ کی اور مُطْمَئِنِّيْنَ حال ہے يَمْشُوْنَ کے فاعل سے مَلَكًا مفعول بہ ہے نَزَّلْنَا کا اور رَسُوْلًا اس کا حال ہے۔

لَنَزَّلْنَا	(تو) البتہ اتارتے ہم	قُلْ	آپ کہئے	وَ بَيْنَكُمْ	اور تمہارے درمیان
عَلَيْهِمْ	ان پر	كَفٰى	کافی ہیں	اِنَّهٗ كَانَ	بیشک وہ ہیں
مِّنَ السَّمَآءِ	آسمان سے	بِاللّٰهِ [1]	اللہ تعالیٰ	بِعِبَادِهٖ [2]	اپنے بندوں کو
مَلَكًا	فرشتے کو	شَهِيْدًا	بطور گواہ	خَبِيْرًا	خوب جاننے والے
رَّسُوْلًا	رسول بنا کر	بَيْنِيْ	میرے درمیان	بَصِيْرًا	خوب دیکھنے والے

مذکورہ جواب پر مشرکین یہ اعتراض کرتے ہیں کہ بشر پیغمبر نہیں ہوسکتا۔ بھلا جو کھاتا پیتا ہو، بیوی بچے رکھتا ہو، بازار میں چلتا پھرتا ہو، وہ رسول کیسے ہوسکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کو اگر رسول بھیجنا تھا تو کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتے۔ فرشتے پاکیزہ مخلوق ہیں۔ نبوت و رسالت ان کو زیب دیتی ہے۔ انسان کا رسول ہونا ہماری سمجھ سے بالاتر ہے ـــــ اِن آیتوں میں اس شبہ کا جواب دیا گیا ہے کہ یہ شبہ ہمیشہ لوگوں کو پیش آتا رہا ہے۔ اور فرشتوں کو رسول بنا کر نہ بھیجنے کی وجہ بیان فرمائی ہے: ارشاد ہے ـــــ اور جب بھی لوگوں کے پاس ہدایت پہنچی تو ان کو ایمان لانے سے صرف اس بات نے روکا کہ کہنے لگے: ''کیا اللہ نے بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟!'' ـــــ یعنی بشریت اور رسالت کا ایک ذات میں جمع ہونا جاہلوں کی سمجھ میں کبھی نہیں آیا۔ ہمیشہ ان کو اس پر اشکال رہا کہ آدمی رسول کیسے ہوسکتا ہے ـــــ آپ کہئے: اگر زمین میں فرشتے باطمینان چلتے پھرتے ہوتے تو ہم ضرور ان پر آسمان سے کوئی فرشتہ رسول بنا کر بھیجتے ـــــ یعنی اگر یہ زمین آدمیوں کے بجائے فرشتوں کی بستی ہوتی تو بیشک موزون تھا کہ ہم فرشتہ کو رسول بنا کر اتارتے، مگر جب یہاں فرشتوں کی بود و باش نہیں، بلکہ یہ زمین انسانوں کا مستقر ہے تو کسی فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجنے کا آخر فائدہ کیا ہوگا؟ لوگ فرشتے سے استفادہ کیسے کریں گے؟ اور فرشتہ لوگوں کی دینی ضروریات کیسے پوری کرے گا؟ یہ کام تو انسان ہی کے ذریعہ انجام پاسکتا ہے اس لئے انسانوں کے لئے انسان ہی کا رسول ہونا نہ صرف یہ کہ موزوں ہے بلکہ ضروری ہے۔

پیغمبر کا کام صرف اتنا ہی نہیں ہوتا کہ وہ پیغام سنادے بلکہ اس کی یہ بھی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو اپنے پیغام کا نمونہ بنا کر پیش کرے تاکہ عوام اس عملی نمونہ سے استفادہ کریں۔ نیز ان لوگوں کے ذہن کی گتھیاں سلجھائے اور اس سلسلہ میں ضروری راہ نمائی کرے۔ ظاہر ہے فرشتہ یہ سب کام نہیں کرسکتا نہ وہ حاجات رکھتا ہے نہ ضروریات اور نہ وہ مشکلات سے دوچار ہوتا ہے پھر وہ انسانوں کی راہ نمائی کیسے کرسکتا ہے؟ نیز استفادہ کے لئے طبعی مناسبت ضروری

(۱) بِاللّٰهِ: كَفٰى کا فاعل ہے اور ب كفى کے فاعل پر زائد ہے اور شَهِيْدًا تمیز ہے نسبت کے ابہام کو دور کرنے کے لئے آئی ہے (۲) بِعِبَادِهٖ مابعد سے متعلق ہے عَلٰى سَبِيْلِ التَّنَازُع۔

ہے جو ہم جنس میں ہوتی ہے اس لئے انسانوں کی طرف انسان ہی کو رسول بنا کر بھیجنا قرین مصلحت ہے ـــــ اب بھی منکرین نہ مانیں تو ـــــ آپ کہہ دیں: میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے۔ وہ اپنے بندوں کو خوب جانتے اور خوب دیکھتے ہیں ـــــ یعنی دلائل واضحہ سے آپؐ کی نبوت ورسالت ثابت ہو جانے کے بعد اور تمام شکوک وشبہات دور کر دینے کے بعد بھی لوگ نہ مانیں تو آپ کہئے کہ میرا حال اور تمہارا حال اللہ تعالیٰ بخوبی جانتے ہیں وہ کافی گواہ ہیں کہ میں سچا رسول ہوں اور جو کچھ تم میری مخالفت میں کر رہے ہو اس کو بھی وہ بخوبی جانتے ہیں اور فیصلہ آخر کار انہی کو کرنا ہے جو دیر سویر تمہارے سامنے آکر رہے گا۔

یہ دنیا عمل کی جگہ ہے، فیصلہ کی جگہ نہیں، فیصلہ کا دن یوم جزا ہے جو جلد آرہا ہے

وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰي وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ۭ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ﴿۹۷﴾ ذٰلِكَ جَزَاۗؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۹۸﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓي اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۹۹﴾ قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَاۗىِٕنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ﴿۱۰۰﴾ ع ۱۱

وَمَنْ	اور جس کو	وَمَنْ يُّضْلِلْ	اور جس کو گمراہ کریں	مِنْ دُوْنِهٖ	اللہ تعالیٰ کے سوا
يَّهْدِ اللّٰهُ (۱)	راہ دکھائیں اللہ تعالیٰ	فَلَنْ تَجِدَ	پس ہرگز نہیں پائے گا تو	وَنَحْشُرُهُمْ	اور اکٹھا کریں گے ہم انکو
فَهُوَ (۲)	پس وہ	لَهُمْ (۴)	ان کے لئے	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	قیامت کے دن
الْمُهْتَدِ (۳)	راہ پر آجانے والا ہے	اَوْلِيَآءَ	دوست	عَلٰي وُجُوْهِهِمْ (۵)	منہ کے بل

(۱) يَهْدِ (مضارع مجزوم) اصل میں يَهْدِىْ تھا ی جزم کی وجہ سے گر گئی ہے (۲) هُوَ کا مرجع مَنْ ہے جو لفظوں میں مفرد ہے۔ (۳) اَلْمُهْتَدِ (اسم فاعل) اصل میں اَلْمُهْتَدِىْ تھا ی کو ساقط کر دیا ہے۔ مصدر اِهْتِدَاءٌ: راہ پانا (۴) لَهُمْ کی ضمیر مَنْ کی طرف لوٹتی ہے مَنْ معنیً جمع ہے (۵) عَلٰى وُجُوْهِهِمْ، مَاشِيْنَ سے متعلق ہو کر نَحْشُرُهُمْ کی ضمیر مفعول سے حال ہے اسی طرح عُمْيًا وغیرہ بھی احوال مترادفہ ہیں۔

عربی	ترجمہ	عربی	ترجمہ	عربی	ترجمہ
عُمۡيًا	اندھے	وَّرُفَاتًا	اور چورا	فِيۡهِ	اس میں
وَّبُكۡمًا	گونگے	ءَاِنَّا	کیا یقیناً ہم	فَاَبٰى	پس انکار کیا
وَّصُمًّا	اور بہرے	لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ	البتہ اٹھائے جائیں گے	الظّٰلِمُوۡنَ	ظالموں نے
مَاۡوٰٮهُمۡ	ان کا ٹھکانہ	خَلۡقًا جَدِيۡدًا (۳)	از سرِ نو؟	اِلَّا	بجز
جَهَنَّمُ	دوزخ (ہے)	اَوَلَمۡ يَرَوۡا	کیا اور نہیں دیکھا انھوں نے	كُفُوۡرًا	کفر (کے)
كُلَّمَا	جب بھی	اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ تعالیٰ	قُلۡ	کہیے
خَبَتۡ (۱)	دھیمی پڑے گی	الَّذِىۡ	جنھوں نے	لَّوۡ	اگر
زِدۡنٰهُمۡ	(تو) زیادہ کر دیں گے انکو	خَلَقَ	پیدا کیا	اَنۡتُمۡ (۶)	تم
سَعِيۡرًا	بطور سلگنے کے	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں کو	تَمۡلِكُوۡنَ	مالک ہوتے
ذٰلِكَ	یہ	وَالۡاَرۡضَ	اور زمین کو	خَزَآٮِٕنَ	خزانوں کے
جَزَآؤُهُمۡ	ان کی سزا (ہے)	قَادِرٌ	قادر ہیں	رَحۡمَةِ رَبِّىۡۤ	میرے رب کی رحمت کے
بِاَنَّهُمۡ (۲)	اس وجہ سے کہ انھوں نے	عَلٰٓى اَنۡ	اس بات پر کہ	اِذًا	تب تو
كَفَرُوۡا	انکار کیا	يَّخۡلُقَ	پیدا کریں وہ	لَّاَمۡسَكۡتُمۡ	ضرور ہاتھ روک لیتے تم
بِاٰيٰتِنَا	ہماری آیتوں کا	مِثۡلَهُمۡ	ان جیسوں کو	خَشۡيَةَ	اندیشہ سے
وَقَالُوۡۤا	اور انھوں نے کہا	وَجَعَلَ (۴)	اور مقرر کی ہے (اللہ نے)	الۡاِنۡفَاقِ (۷)	خرچ ہو جانے کے
ءَاِذَا	کیا جب	لَهُمۡ	ان کے لئے	وَكَانَ	اور ہے
كُنَّا	ہو جائیں گے ہم	اَجَلًا	ایک مدت	الۡاِنۡسَانُ	انسان
عِظَامًا	ہڈیاں	لَّا رَيۡبَ (۵)	کوئی شک نہیں	قَتُوۡرًا (۸)	بڑا تنگ دل

(۱) خَبَا (ن) خَبۡوًا وَ خُبُوًّا: بجھنا، دھیما پڑنا۔ سَعِيۡرًا (فَعِيۡلٌ بمعنی مفعول) تمیز ہے، نسبت کے ابہام کو دور کرتی ہے (۲) بِأَنَّهُمۡ إلخ مصدر جَزَاءٌ سے متعلق ہے (۳) خَلۡقًا جَدِيۡدًا مفعول مطلق ہے من غير لفظ المصدر اور تاکید کے لئے ہے أی بعثًا جديدًا (۴) جملہ جَعَلَ معطوف ہے أَوَلَمۡ يَرَوۡا پر اور چونکہ جملہ أَوَلَمۡ يَرَوۡا، قَدَرَ کے معنی دیتا ہے اس لئے انشائیہ ہو کر بھی اس پر جملہ خبریہ کا عطف درست ہے (۵) لاريب فيه صفت ہے أَجَلًا کی (۶) أَنۡتُمۡ باب اشتغال (مَا أُضمر عامله على شريطة التفسير) سے ہے کیونکہ لَوۡ کے بعد فعل کا آنا ضروری ہے یا أنتم کی تقدیر كُنۡتُمۡ ہے (۷) إِنۡفَاق (افعال) یہاں لازم ہے یعنی خرچ ہو جانا (۸) قَتُوۡرٌ صفت مشبہ ہے یعنی کنجوس طبیعت آدمی قَتَرَ (ن،ض) قَتۡرًا وَ قُتُوۡرًا: بہت ہی کم خرچ کرنا، کنجوسی کرنا ۱۲

اب سورت کے آخر میں منکرین رسالت وآخرت کوان کا انجام سنایا جارہا ہے کہ اگر تم نے قرآن کی دعوت قبول نہ کی تو دنیا میں بھی تمہارا بُرا حال ہوگا اور آخرت میں بھی تمہارا بُرا حشر ہوگا: ـــــ اور اللہ تعالیٰ جس کو راہ پر لا دیں وہی راہ یاب ہے اور جن کو گمراہ کر دیں: آپ ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مددگار نہ پائیں گے ـــــ یعنی جولوگ ہدایت پانے کے خواہش مند ہیں اللہ تعالیٰ ان کو راہ پر لے آتے ہیں یہی لوگ اللہ تعالیٰ کے محبوب ومقبول بندے ہیں ـــــ اور جولوگ ہدایت کے خواہش مند ہی نہیں گمراہی ان کو پسند ہے اللہ تعالیٰ ان کو ان کی پسندیدہ راہوں پر ڈال دیتے ہیں اور حق کے راستہ سے بچلا دیتے ہیں۔ یہی لوگ اللہ تعالیٰ کے نافرمان بندے ہیں ان کا دنیا میں کوئی حامی اور کارساز نہیں ـــــ اور ہم قیامت کے دن منہ کے بل چلا کر، اور اندھا، بہرا اور گونگا بنا کر ان کو میدان حشر میں اکٹھا کریں گے ـــــ کفار کو قیامت کے دن سر کے بل چلایا جائے گا۔ بخاری ومسلم میں حدیث ہے کہ ایک شخص نے دریافت کیا: یارسول اللہ! کفار کو منہ کے بل چلا کر کس طرح اکٹھا کیا جائے گا؟ یعنی آدمی چلتا تو پیروں سے ہے سر کے بل کیسے چلایا جائے گا؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''جو اللہ پیروں سے چلاتا ہے کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ سر کے بل چلائے؟!'' (مشکوۃ حدیث ۵۵۳۷) حضرت قتادہ رحمہ اللہ کو جب یہ حدیث پہنچی تو انھوں نے جواب دیا: کیوں نہیں! وہ ضرور اس پر قادر ہے۔ قسم ہے ہمارے رب کی عزت کی! (قرطبی) اور ترمذی شریف کی روایت میں یہ مضمون زائد ہے کہ: ''سنو! وہ منہ کے بل چلیں گے اور ہر ٹیلے اور کانٹے سے بچتے ہوئے چلیں گے'' (مشکوۃ حدیث ۵۵۴۶) ـ یعنی سر کے بل چلنے کی کیفیت تو ہم نہیں جانتے مگر اس بات پر ہمارا ایمان ہے کہ ایسا اللہ تعالیٰ کر سکتے ہیں ـــــ ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ جب بھی اس کی آگ دھیمی پڑے گی ہم ان کی آگ کی دَہک بڑھا دیں گے ـــــ یعنی مقررہ اندازے سے عذاب کم نہیں ہونے دیا جائے گا جب بھی آگ کی لپٹیں ہلکی ہونگی دوزخ کو اور دہکایا جائے گا اور جب بھی ان کی کھالیں جل جائیں گی دوسری کھالیں بدل دی جائیں گی تاکہ وہ بار بار عذاب کا مزہ چکھیں ـــــ یہ ان کی سزا ہے بایں وجہ کہ انھوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا اور کہا: کیا جب ہم ہڈیاں اور چورا ہو جائیں گے تو کیا واقعی ہم ازسرنو پیدا کر کے اٹھائے جائیں گے؟ ـــــ یعنی یہ بات بعید از عقل ہے! جواب سنئے! ـــــ کیا انھوں نے یہ بات نہیں جانی کہ جس خدا نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے وہ ان جیسوں کو پیدا کرنے پر پوری طرح قدرت رکھتا ہے ـــــ یعنی سوچو، آسمان وزمین کا پیدا کرنا بھاری ہے یا انسانوں کا؟ جس خدا نے اتنے بڑے اجسام پیدا کئے ہیں اس کے لئے انسان جیسی چھوٹی سی مخلوق کا پیدا کرنا کیا مشکل ہے؟ کچھ بھی مشکل نہیں! ـــــ مگر قبروں سے اٹھنے اور دوبارہ زندہ ہونے کا ایک وقت مقرر ہے ـــــ اور اس نے ان کے لئے ایک وقت مقرر رکھا ہے

جس میں ذرہ برابر شک نہیں، پھر بھی اکثر لوگ انکار ہی پر جمے ہوئے ہیں ــــــ اور اگر کوئی سوچے کہ ٹھیک ہے دوبارہ زندہ ہونے کا تو وقت مقرر ہے مگر دنیا میں عذاب سے کیا مانع ہے؟ تو ــــــ آپ کہیے: اگر تم میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے تو ضرور خرچ ہوجانے کے اندیشہ سے ہاتھ روک لیتے اور انسان بڑا ہی تنگ دل ہے ــــــ مگر اللہ تعالیٰ ایسے نہیں، ان کو نہ خرچ ہوجانے کا اندیشہ ہے نہ وہ تنگ دل یا تنگ دست ہیں یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ومہربانی ہے کہ وہ ایسے نالائقوں پر بھی دنیا میں کرم کی بارش برسا رہے ہیں۔ منکرین مزے اڑا رہے ہیں۔ عیش سے دن کاٹ رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو مہلت دیئے ہوئے ہیں تاکہ دیر سویر وہ سنبھلنا چاہیں تو سنبھل جائیں۔

اللہ تعالیٰ کا بے پایاں کرم ہے، وہ اپنے دشمن کو بھی بڑا عیش دیتے ہیں۔ یہ ان کا قانونِ امہال ہے، اس سے کوئی دھوکہ نہ کھائے

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی تِسْعَ اٰیٰتٍۢ بَیِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰمُوْسٰی مَسْحُوْرًا ﴿۱۰۱﴾ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ ۚ وَاِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ﴿۱۰۲﴾ فَاَرَادَ اَنْ یَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِیْعًا ﴿۱۰۳﴾ وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِیْفًا ﴿۱۰۴﴾

وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	بَیِّنٰتٍ (۱)	کھلی	جَآءَهُمْ	پہنچے موسیٰ ان کے پاس
اٰتَیْنَا	ہم نے دیں	فَسْـَٔلْ (۲)	پس پوچھ	فَقَالَ لَهٗ	پس کہا اُن سے
مُوْسٰی	موسیٰ کو	بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ	بنی اسرائیل سے (اگر	فِرْعَوْنُ	فرعون نے
تِسْعَ	نو		یقین نہ ہو)	اِنِّیْ	بیشک میں
اٰیٰتٍ	نشانیاں (معجزے)	اِذْ (۳)	(یاد کرو) جب	لَاَظُنُّكَ	یقیناً گمان کرتا ہوں تجھ کو

(۱) بینات صفت ہے آیات کی (۲) فَا جزائیہ ہے اور شرط محذوف ہے أي إن كنت في ريب۔ (۳) إِذْ ظرف ہے اُذْكُرْ محذوف کا اور فقال میں فا عاطفہ ہے اور معطوف علیہ مقدر ہے أي إذا جاء هم فبلّغهم الرسالة فقال له فرعون إلخ (جمل)

يٰمُوْسٰى	اے موسیٰ	وَاِنِّىْ	اور بیشک میں	وَّقُلْنَا	اور کہا ہم نے
مَسْحُوْرًا	سحر زدہ (عقل کا مارا)	لَاَظُنُّكَ	البتہ گمان کرتا ہوں تجھ کو	مِنْۢ بَعْدِهٖ	فرعون کے (ڈوبنے
قَالَ	کہا موسیٰ نے	يٰفِرْعَوْنُ	اے فرعون		کے) بعد
لَقَدْ	البتہ تحقیق	مَثْبُوْرًا (۳)	شامت زدہ!	لِبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ	بنی اسرائیل سے
عَلِمْتَ	جانتا ہے تو	فَاَرَادَ	پس چاہا اس نے	اسْكُنُوا	رہو سہو
مَآ (۱)	(کہ) نہیں	اَنْ	کہ	الْاَرْضَ	زمین میں
اَنْزَلَ	اتارا ہے	يَّسْتَفِزَّهُمْ (۴)	پیرا کھاڑ دے ان کے	فَاِذَا	پھر جب
هٰٓؤُلَآءِ	ان (نشانیوں) کو	مِّنَ الْاَرْضِ	سرزمین (مصر) سے	جَآءَ	آئے گا
اِلَّا	مگر	فَاَغْرَقْنٰهُ	سوڑ بو دیا ہم نے اسکو	وَعْدُ الْاٰخِرَةِ	آخرت کا وعدہ
رَبُّ السَّمٰوٰتِ	آسمانوں اور زمین	وَمَنْ	اور ان کو جو	جِئْنَا	(تو) لائیں گے ہم
وَالْاَرْضِ	کے رب نے	مَّعَهٗ	اس کے ساتھ تھے	بِكُمْ	تم کو
بَصَآئِرَ (۲)	بصیرت افروز بنا کر	جَمِيْعًا	سبھی کو	لَفِيْفًا (۵)	اکٹھا

پچھلی آیت میں مشرکین مکہ کو ان کا دنیوی اور اُخروی انجام سنایا گیا تھا اب ان کو فرعون اور فرعونیوں کا حال سنایا جاتا ہے جن کا دبدبہ مکہ والوں سے کہیں زیادہ تھا، وہ صدیوں پُرانی حکومت کے مالک تھے مگر جب انھوں نے پیغام حق قبول کرنے سے انکار کیا اور اپنے پیغمبر کو خبطی تک کہہ ڈالا تو اللہ تعالیٰ نے دنیا ہی میں ان کو پکڑ لیا اور سب کو غرقاب کر دیا اور آخرت کا سخت معاملہ تو ابھی باقی ہے۔ (۶)

(۱) مَا أَنْزَلَ إلخ عَلِمْتَ کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے (۲) بَصَائِرْ حال ہے هؤلاء سے اور یہ بَصِيْرَةٌ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں دل کی بینائی، سمجھ بوجھ اور حال ہونے کی صورت میں ترجمہ ہے کھلی، واضح، روشن، بصیرت افروز، دل کی بینائی بڑھانے والی (۳) مَثْبُوْرًا مفعول ثانی ہے اَظُنُّ کا اور اسم مفعول ہے جس کے معنی ہیں خیر سے محروم، شامت زدہ، تباہ حال، کم بختی کا مارا، ثَبَرَهٗ (ن) ثَبْرًا: لعنت کرنا، دھتکارنا، محروم کرنا، ہلاک کرنا (۴) يَسْتَفِزُّ کے لئے دیکھئے آیت ۶۴ کا حاشیہ (۵) لَفِيْفًا حال ہے كُمْ سے اور لفیف صفت مشبہ ہے جس کے معنی ہیں آدمیوں کا بڑا گروہ جس میں مختلف قبائل کے آدمی ہوں۔ لَفَّ (ن) الثوبَ: کپڑا لپیٹنا (۶) یہاں یاد رکھنے کا نکتہ یہ ہے کہ مشرکین کو جب ان کا دنیوی انجام سنایا تو بات مختصر کی اور جب ان کو اخروی انجام سنایا تو تفصیل کی اور مثال میں اس کے برعکس ہے۔ فرعونیوں کا دنیوی انجام مفصل بیان کیا گیا ہے اور اُخروی انجام کی طرف صرف اشارہ کیا گیا ہے تاکہ ایک کا اجمال دوسرے کی تفصیل سے مل کر مضمون تام ہو جائے ۱۲

اور واقعہ یہ ہے کہ ہم نے موسیٰ کو نو نہایت واضح نشانیاں عطا کیں ـــــ یعنی مکہ والے جو بار بار معجزات کی فرمائش کر رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر ہماری مطلوبہ نشانیاں دکھادی جائیں تو ہم ایمان لے آئیں گے وہ سن لیں کہ فرعونیوں کے سامنے پیش کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو نو کھلی نشانیاں دی تھیں مگر ان کا انجام کیا ہوا؟ کیا فرعون اور اس کی قوم معجزات دیکھ کر ایمان لے آئی؟ نہیں بلکہ ان کی سرکشی اور بڑھ گئی ـــــ وہ نو معجزات یہ تھے (۱) عصائے موسیٰ جو زمین میں پڑ ڈالنے سے اژدہا بن جاتا تھا (۲) ید بیضاء جو بغل میں دبا کر نکالنے سے سورج کی طرح چمکنے لگتا تھا (۳) پانی کا سیلاب (۴) ٹڈی دَل (۵) جوئیں یا چیچڑی یا سُرسُری (۶) مینڈک (۷) خون (۸) قحط سالیاں (۹) پھلوں کی کمی ـــــ پہلی دو نشانیاں قرآن پاک میں متعدد جگہ مذکور ہیں اس کے بعد کی چار نشانیاں سورۃ الاعراف آیت ۱۳۳ میں مذکور ہیں اور آخری دو نشانیاں سورۃ الاعراف آیت ۱۳۰ میں مذکور ہیں۔

یہ سب موسیٰ علیہ السلام کے واضح معجزات تھے جو فرعونیوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی تھے مگر انھوں نے ایمان لانے کا بار بار عہد کر کے بھی خلاف ورزی کی اور بالآخر تباہ ہوئے۔ آج یہ مکہ والے جو معجزات کی فرمائش کر رہے ہیں تو کیا وہ مان جائیں گے؟ اور نہیں مانیں گے تو ان کا حشر ان کے برادروں سے کچھ مختلف ہوگا؟

اور معجزات موسوی کے بارے میں اگر تمہیں کچھ شک ہو ـــــ تو بنی اسرائیل سے تحقیق کرلو ـــــ ان کے باخبر اور منصف مزاج علماء قرآن پاک کے بیان کی حرف بہ حرف تصدیق کریں گے۔

اور یاد کرو ـــــ جب موسیٰ ان کے پاس پہنچے ـــــ اور ان کو اللہ تعالیٰ کا پیغام سنایا ـــــ تو فرعون نے ان سے کہا: اے موسیٰ! میرے خیال میں تو تو سحر زدہ ہے! ـــــ رسول وسول کچھ نہیں بلکہ کسی نے تجھ پر جادو کر دیا ہے جس سے تیری عقل ماری گئی ہے اور بہکی بہکی باتیں کرنے لگا ہے ـــــ موسیٰ نے جواب دیا: تو بخوبی جانتا ہے کہ یہ بصیرت افروز نشانیاں آسمانوں اور زمین کے پروردگار نے نازل فرمائی ہیں ـــــ یعنی زبان سے تو انکار کرتا ہے مگر تیرا دل خوب جانتا ہے کہ یہ عظیم الشان نشانیاں تیری اور تیری قوم کی آنکھیں کھولنے کے لئے رب کائنات نے دکھلائی ہیں اور دل میں تو میری صداقت کو سمجھ گیا ہے مگر تیری زبان اقرار کرنے کے لئے تیار نہیں ـــــ اور اے فرعون! میرے خیال میں تو تو تباہ حال آدمی ہے ـــــ یہ جواب ترکی بہ ترکی ہے یعنی تباہی کی گھڑی تیرے سر پر کھڑی ہے مگر تو غافل ہے!

پس فرعون نے چاہا کہ سرزمین مصر سے ان کے پیر اکھاڑ دے ـــــ چنانچہ ستم کے پہاڑ توڑنے شروع کئے۔ اور طرح طرح کے ظلم کا ان کو تختہ مشق بنایا تا کہ ان کو گھبرادے اور سرزمین مصر چھوڑنے پر مجبور کر دے ـــــ پس ہم نے اس کو اور جو لوگ اس کے ساتھ تھے سب کو غرقاب کر دیا ـــــ یعنی اس سے پہلے کہ وہ اللہ کے بندوں کو مٹائے

وہ خود ہی ملیا میٹ ہو گیا ـــــ اور ہم نے اس کے بعد ـــــ یعنی فرعون کی ہلاکت کے بعد ـــــ بنی اسرائیل سے کہہ دیا کہ تم زمین میں رہو سہو ـــــ اب تم فرعون کی محکومی اور غلامی سے آزاد ہو، چین سے زندگی بسر کرو ـــــ پھر جب آخرت کا وعدہ آئے گا تو ہم تم سب کو اکٹھا کر کے حاضر کریں گے ـــــ یعنی قیامت کے دن ہم تم کو اور فرعونیوں کو ایک مرتبہ پھر اکٹھا کریں گے اور شقی وسعید اور جنتی اور جہنمی ہونے کا دائمی فیصلہ کر دیں گے۔

فرعون کی تباہی کا حال مشرکین مکہ کو اس لئے سنایا گیا ہے کہ وہ بھی اس فکر میں تھے کہ مسلمانوں کو اور آنحضرت ﷺ کو سرزمین مکہ سے گھبرا دیں، چنانچہ وہ طرح طرح سے مسلمانوں کو ستاتے تھے اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ نازیبا برتاؤ کرتے تھے اس پر انہیں سنایا گیا کہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے ساتھ یہی کچھ کرنا چاہا تھا مگر ہوا کیا؟ فرعون اور اس کے ساتھی ناپید کر دیئے گئے اور زمین پر موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو بسایا گیا۔ پس آج اگر تم ان کی روش پر چل رہے ہو تو سن لو تمہارا انجام بھی ان سے کچھ مختلف نہ ہوگا۔

ملحوظہ: إِذْ جَاءَ هُمْ میں ضمیر جمع بنی اسرائیل کی طرف لوٹتی ہے اور وہی موسیٰ علیہ السلام کی حقیقی امت ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کی بعثت درحقیقت بنی اسرائیل کی طرف ہے اور فرعون اور اس کی قوم موسیٰ علیہ السلام کی ضمناً امت ہیں جیسا کہ رسول انسانوں کی طرف مبعوث کئے جاتے ہیں اور جنات ضمناً ان کی امت ہوتے ہیں۔ یہی تفاوت ظاہر کرنے کے لئے إِذْ جَاءَ هُمْ کو فَقَالَ لَهُ فِرْعَوْنُ سے پہلے لایا گیا ہے اگر بعد میں لایا جاتا تو ضمیر فرعون کی طرف بھی لوٹتی اور اس کا موسیٰ علیہ السلام کی اصلی امت ہونا لازم آتا جو خلاف واقعہ تھا۔ واللہ اعلم۔

جوابِ عُزر کی بہ عُزر کی جبکہ تسامح اور رعایت میں کوئی مصلحت نہ ہو: کرم اور کمالِ اخلاق کے منافی نہیں

وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ؕ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝۱۰۵ وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ۝۱۰۶ قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۝۱۰۷ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ۝۱۰۸ وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ۩ ۝۱۰۹ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝۱۱۰ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ

السجدۃ ۳

يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِى الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِىٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ﴿۱۱۱﴾

۱۱-۱۲
۱۲

وَبِالْحَقِّ (۱)	اور حق کے ساتھ	عَلٰى مُكْثٍ (۵)	ٹھیر ٹھیر کر	عَلَيْهِمْ	ان کے سامنے
اَنْزَلْنٰهُ	اتارا ہم نے قرآن کو	وَّنَزَّلْنٰهُ	اور بتدریج اتارا ہم نے اسکو	يَخِرُّوْنَ (۷)	(تو) گرتے ہیں وہ
وَبِالْحَقِّ (۱)	اور حق کے ساتھ	تَنْزِيْلًا	آہستہ آہستہ اتارنا	لِلْاَذْقَانِ (۸)	ٹھوڑیوں کے بل
نَزَلَ	اُترا وہ	قُلْ	آپ کہئے	سُجَّدًا	سجدہ کرتے ہوئے
وَمَآ	اور نہیں	اٰمِنُوْا (۶)	ایمان لاؤتم	وَّيَقُوْلُوْنَ	اور کہتے ہیں وہ
اَرْسَلْنٰكَ	بھیجا ہم نے آپ کو	بِهٖٓ	اس قرآن پر	سُبْحٰنَ	پاک ہے
اِلَّا	مگر	اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا	یا ایمان نہ لاؤتم	رَبِّنَآ	ہمارا پروردگار
مُبَشِّرًا (۲)	خوشخبری سنانے والا	اِنَّ الَّذِيْنَ	بیشک جولوگ	اِنْ كَانَ (۹)	بیشک ہے
وَّنَذِيْرًا	اور ڈرانے والا	اُوْتُوا	دیئے گئے ہیں	وَعْدُ رَبِّنَا	ہمارے رب کا وعدہ
وَقُرْاٰنًا (۳)	اور قرآن کو	الْعِلْمَ	علم	لَمَفْعُوْلًا	پورا ہوکر رہنے والا
فَرَقْنٰهُ	جدا جدا کیا ہم نے اس کو	مِنْ قَبْلِهٖٓ	قرآن سے پہلے	وَيَخِرُّوْنَ	اور گرتے ہیں وہ
لِتَقْرَاَهٗ	تاکہ پڑھیں آپ اس کو	اِذَا يُتْلٰى	جب تلاوت کیا جاتا	لِلْاَذْقَانِ	ٹھوڑیوں کے بل
عَلَى النَّاسِ (۴)	لوگوں کے سامنے		ہے (قرآن)	يَبْكُوْنَ (۱۰)	روتے ہوئے

(۱) دونوں جار مجرور بعد میں آنے والے فعل سے متعلق ہیں اور ب ملابست کی ہے (۲) مُبَشِّرًا اور نَذِيْرًا حال ہیں مفعول کی ضمیر سے (۳) قُرْآنًا باب اشتغال سے ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یعنی ما أضمر عامله علي شريطة التفسير ہے (۴) علی الناس اور عَلٰی مُكْثٍ دونوں لِتَقْرَأَهٗ سے متعلق ہیں اور ایک جنس کے دوحرف جر ایک فعل سے متعلق اس لئے ہوئے ہیں کہ دونوں کے معنی الگ الگ ہیں پہلے جار مجرور مفعول بہ کی جگہ میں ہیں اور دوسرے حال کی جگہ میں ہیں أی مُتَمَهِّلاً و مُتَرَسِّلاً (۵) مُكْث مصدر ہے اس کا باب نصر اور کرم ہے جس کے معنی ہیں انتظار کرتے ہوئے توقف کرنا یعنی اس کے مفہوم میں انتظار داخل ہے (۶) اٰمِنُوْا فعل امر ہے اور جواب امر محذوف ہے (۷) يَخِرُّوْنَ، خَرٌّ سے ہے جس کے معنی ہیں کسی چیز کا اوپر سے اس طرح گرنا کہ اس کے گرنے سے خَرِيْر کی آواز پیدا ہو۔ خریر: پانی کی روانی کی آواز یا ہوا کا سناٹا (۸) ذَقَنٌ کی جمع ہے جس کے اصلی معنی ہیں ٹھوڑی اور مجازی معنی ہیں چہرہ یہاں مجازی معنی مراد ہیں (۹) إِنْ مخففه من المثقله ہے اور اس کا اسم ضمیر شان ہے اور جملہ کان خبر ہے اور لمفعولاً پر لام فارقہ ہے (۱۰) يَبْكُوْنَ جملہ فعلیہ حال ہے فاعل کی ضمیر سے أي باكين من خشية الله۔

وَيَزِيدُهُمْ	اور بڑھاتا قرآن ان کا	بِصَلَاتِكَ	اپنی نماز	وَلَدًا	کسی اولاد کو
خُشُوعًا	خشوع	وَلَا تُخَافِتْ	اور نہ چپکے چپکے پڑھو	وَّلَمْ يَكُنْ	اور نہیں ہے
قُلِ	آپ کہئے	بِهَا	اپنی نماز	لَّهٗ	اس کے لئے
ادْعُوا اللّٰهَ	پکارو تم اللہ کو	وَابْتَغِ	اور تلاش کرو	شَرِيكٌ	کوئی ساجھی
اَوِ ادْعُوا	یا پکارو تم	بَيْنَ ذٰلِكَ	ان دونوں کے درمیان	فِي الْمُلْكِ	سلطنت میں
الرَّحْمٰنَ	رحمٰن کو	سَبِيلًا	کوئی راہ	وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ	اور نہیں ہے اس کیلئے
اَيًّا مَّا(۱)	جس کو بھی	وَقُلِ	اور آپ کہئے	وَلِيٌّ	کوئی مددگار
تَدْعُوا	پکاروگے تم	الْحَمْدُ	تمام تعریفیں	مِّنَ الذُّلِّ(۲)	کمزوری کی وجہ سے
فَلَهُ الْاَسْمَاءُ	پس اس کیلئے نام ہیں	لِلّٰهِ	اس اللہ کے لئے ہیں	وَكَبِّرْهُ	اور بڑائی بیان کیجئے
الْحُسْنٰى	اچھے اچھے	الَّذِي	جس نے		آپ ان کی
وَلَا تَجْهَرْ	اور نہ پکار کر پڑھو	لَمْ يَتَّخِذْ	نہیں بنایا	تَكْبِيرًا	خوب بڑائی بیان کرنا

اور ضمناً معاد کا مسئلہ آ گیا۔ اب رسالت اور آخر میں توحید کا ذکر کر کے سورت ختم کی جاتی ہے۔ ارشاد ہے ——
اور ہم نے حق کے ساتھ قرآن کو نازل کیا ہے اور حق ہی کے ساتھ وہ نازل ہوا ہے —— یعنی قرآن دینِ برحق لے کر آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اسی لئے نازل کیا ہے کہ لوگ سچا دین سیکھیں اور وہ ٹھیک اس سچائی کے ساتھ لوگوں کے پاس پہنچ بھی گیا ہے۔ اب اس سے فائدہ اٹھانا لوگوں کا کام ہے —— اور آپؐ کو ہم نے صرف خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے —— یعنی آپؐ کا کام صرف یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے یہ قرآن پیش کر دیں اور حق بات ان کو پہنچا دیں اور بتا دیں کہ جو سچی بات مان لے گا اس کا دنیا و آخرت میں بھلا ہوگا اور جو نہیں مانے گا وہ اپنے نقصان کا ذمہ دار ہوگا۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کوئی ذمہ داری نہیں۔

قرآن کریم تھوڑا تھوڑا نازل کیا جاتا تھا۔ منکرین کو اس پر اشکال تھا کہ دفعۃً واحدۃً کیوں نازل نہیں کیا گیا؟ کیا اللہ تعالیٰ کو بھی سوچنے کی ضرورت ہے جو تھوڑا تھوڑا بنا کر بھیج رہے ہیں؟ سورۃ الفرقان آیت ۳۲ میں یہ اعتراض مذکور ہے،

(۱) أَيٌّ کلمہ شرط ہے اور ما زائدہ ہے اور اَيًّا مَّا مفعول بہ ہے تَدْعُوْا کا اور تَدْعُوْا کا جازم بھی یہی ہے پس یہ عامل بھی ہے اور معمول بھی، اور جزا محذوف ہے أی فھو حَسَنٌ (۲) اَلذُّلُّ مصدر ہے ذَلَّ يَذِلُّ کا۔ دوسرے کے دباؤ اور قہر کی بنا پر جو ذلت ہو اس کو ذُلّ کہتے ہیں اور بغیر قہر و دباؤ کے خود اپنی سرکشی اور سخت گیری کے بعد جو ذلت حاصل ہو وہ ذِلّ کہلاتی ہے ۱۲

اور وہاں اس کا جواب بھی ہے۔ یہاں بھی اس کی حکمت بیان کی جاتی ہے: ارشاد ہے ــــ اور قرآن کو ہم نے جدا جدا کیا تاکہ آپؐ اس کو ٹھیر ٹھیر کر لوگوں کے سامنے پڑھیں، اور ہم نے اس کو بتدریج تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا ہے ــــ اس آیت میں دو باتوں کی ایک ہی حکمت بیان کی گئی ہے: ایک: قرآن کریم کی عبارت دوسری کتابوں کی طرح مسلسل کیوں نہیں؟ دوم: پورا قرآن ایک ساتھ کیوں نہیں اتارا گیا؟ جواب یہ ہے کہ ایسا سہولتِ تعلیم کے لئے کیا گیا ہے۔

پہلی بات کی تفصیل یہ ہے کہ قرآن کریم کا انداز بیان دوسری کتابوں سے مختلف ہے۔ اس کو چھوٹی بڑی ایک سو چودہ سورتوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پھر ہر سورت کو آیتوں میں بانٹ کر جدا جدا کیا ہے۔ اور لمبی آیتوں کے درمیان بھی وقفے رکھے گئے ہیں، تاکہ لوگوں کے لئے پڑھنے میں، یاد کرنے میں اور سمجھنے میں سہولت ہو۔ اگر عبارت مسلسل ہوتی تو بات سمجھنے میں دقت ہوتی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: ''قرآن کریم پانچ پانچ آیتیں کر کے سیکھو، کیونکہ جبرئیل علیہ السلام پانچ پانچ آیتیں اتارا کرتے تھے'' (رواہ البیہقی فی شعب الایمان) اور ابونضرہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہمیں صبح پانچ آیتیں پڑھاتے تھے، اور شام پانچ آیتیں۔ اور فرماتے تھے کہ جبرئیل علیہ السلام بھی پانچ پانچ آیتیں لاتے تھے (حوالہ بالا)

اور دوسری بات کی تفصیل یہ ہے کہ نزولِ قرآن کے وقت قرآن کو بچوں نے نہیں، بلکہ بڑوں نے حفظ کیا تھا، اور ہر عمر کے بڑوں نے حفظ کیا تھا۔ اور جب ۲۳ سال میں قرآن کا نزول مکمل ہوا تو ہزاروں مرد وزن پورے قرآن کے یا اس کے کچھ حصہ کے حافظ موجود تھے۔ یہ تدریجی نزول کی برکت تھی۔

آیت پاک کا اچھی طرح مطلب سمجھنے کے لئے یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ آج تو ہمیں چھپے ہوئے قرآن میسر ہیں ہم اس میں سے ایک مقدار متعین کر کے کسی بچہ کو یا بڑے کو دیدیتے ہیں اور وہ اپنے طور پر یاد کر لاتا ہے مگر آنحضرت ﷺ کے مبارک دور میں مطبوعہ قرآن تو کیا، ہاتھ سے لکھے ہوئے قرآن بھی عام طور پر لوگوں کو میسر نہیں تھے، اس زمانہ میں قرآن تلقین کے ذریعہ یاد کرایا جاتا تھا یعنی استاذ ایک آیت پڑھتا طالب علم اس کو دُوہراتا۔ استاذ پھر پڑھتا طالب علم پھر دوہراتا۔ یہاں تک کہ وہ آیت یاد ہو جاتی۔ اب سوچئے اگر قرآن کریم مسلسل لمبی عبارت ہوتی تو اس کو کس طرح یاد کرایا جاتا؟ الگ الگ آیتیں ہونے کی وجہ سے ایک ایک آیت کر کے یاد کرانا آسان ہو گیا۔ لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے کا یہی مطلب ہے مسلسل ایک لمبی عبارت پڑھ کر سنا دی جائے تو اس کو یاد نہیں کیا جا سکتا اور ہر ہر آیت پر رُک رُک کر پڑھا جائے تو آسانی سے یاد بھی کیا جا سکتا ہے اور سمجھا بھی جا سکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جو سورتیں ابتدا میں نازل ہوئی ہیں ان کی آیتیں چھوٹی ہیں سورۃ المدثر پڑھ کر دیکھئے کتنی چھوٹی

آیتیں ہیں اور عبارت کی بندش کتنی مضبوط ہے ایک دو بار پڑھتے ہی یاد ہو جاتی ہیں بشرطیکہ عربی جانتا ہو پھر جب حفظ کرنے کی مشق ہوگئی تو بڑی آیتوں والی سورتیں نازل کی گئیں۔

فائدہ: سورتوں اور آیتوں میں قرآن کی تقسیم توقیفی ہے یعنی نزول قرآن کے ساتھ آسمان سے یہ تفصیلات بھی نازل ہوئی ہیں اور علمائے امت نے اس کے علاوہ اور بھی مختلف طرح سے قرآن کریم کو مفصل یعنی جدا جدا کیا ہے مثلاً:

① — حجاج بن یوسف کے زمانہ میں قرآن کریم کو تیس پاروں (ٹکڑوں) میں تقسیم کیا گیا۔ سورۃ الفاتحہ کے علاوہ باقی قرآن کو مساوی یا قریب بہ مساوی تیس حصوں میں بانٹ کر پہلے لفظ سے پارہ کا نام رکھا گیا پھر ہر پارہ کے چار مساوی حصے کئے گئے یعنی الرُّبع (چوتھائی) النِّصْفُ (آدھا) الثَّلٰثَةُ (تین چوتھائی) کی اصطلاح مقرر کی گئی اور سورۃ الفاتحہ کو کسی پارہ میں شامل نہیں کیا گیا کیونکہ وہ سہارے قرآن کا فاتحہ یعنی دیباچہ ہے۔

② — اہل مصر و مغاربہ نے قرآن کو ساٹھ حصوں میں تقسیم کیا اور ہر حصہ کو حِزْب کے نام سے موسوم کیا جو تقریباً نصب پارہ ہوتا ہے پھر ہر حزب کے چار حصے کئے جن میں سے ہر ایک کو رُبْعِ حِزْب کہتے ہیں۔ عرب ممالک میں جو مصاحف رائج ہیں ان میں یہی تقسیم ہے۔

③ — تخمیس و تعشیر یعنی پانچ پانچ اور دس دس آیتوں پر نشانات بھی صحابہؓ اور تابعینؒ کے زمانہ سے لوگ لگاتے چلے آرہے ہیں۔ علامہ دانی فرماتے ہیں کہ اُمَّھاتِ مصاحف ہوں یا ان کے بعد کے قرآن، سب میں سورتوں اور سورتوں کی آیات کے شمار، اسی طرح خموس اور اعشار کی نشانی بنانے میں کوئی حرج نہیں، یہ کام بھی اولاً نصر بن عاصم لیثی بصری تابعی رحمہ اللہ کا ہے (قرآنی املا اور رسم الخط ص ۳۶) مگر اب مصاحف میں یہ علامات باقی نہیں ہیں صرف آیتوں کا شمار لکھا جاتا ہے۔

④ — آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پورے قرآن کو سات منزلوں میں تقسیم کیا تھا اور وہ اسی کے مطابق وِرد کرتے تھے وہ ایک ہفتہ میں قرآن کریم ختم کرتے تھے۔ یہ منازل فَمِیْ بِشَوْقٍ کے نام سے مشہور ہیں ف سے مراد الفاتحہ م سے مراد المائدہ ی سے یونس ب سے بنی اسرائیل ش الشعراء، و سے والصافات اور ق سے سورۂ قاف مراد ہے۔ ابوداؤد شریف میں روایت ہے کہ حضرت اَوس بن حذیفہ رضی اللہ عنہ قبیلۂ ثقیف کے وفد کے ساتھ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے۔ آنحضرت ﷺ روزانہ اس وفد کے پاس عشا کی نماز کے بعد تشریف لے جاتے اور دین کی تعلیم دیتے ایک رات آپؐ دیر سے تشریف لے گئے تو اُن حضرات نے وجہ دریافت کی، آپؐ نے فرمایا کہ میرا قرآن کا وِرد باقی رہ گیا تھا اس کو پورا کرنے سے پہلے آنا مجھے پسند نہ آیا۔ اوس کہتے ہیں کہ میں نے صحابہ کرام سے دریافت کیا کہ آپ حضرات کس طرح قرآن کا وِرد کرتے ہیں؟ صحابہ نے بتایا کہ تین سورتیں (بقرہ، آل عمران اور نساء)

پانچ سورتیں (مائدہ، انعام، اعراف، انفال اور توبہ) سات سورتیں (یونس سے النحل تک) نو سورتیں (بنی اسرائیل سے الفرقان کے ختم تک) گیارہ سورتیں (الشعراء سے یٰس تک) تیرہ سورتیں (والصافات سے الحجرات تک) اور مفصلات تمام ایک ساتھ (ق سے ختم قرآن تک) (بذل المجہود ۷:۱۸۴، مصری)

⑤ — بعض حضرات نے قرآن کے عاشقوں کے لئے پورے قرآن کی تین منزلیں بنائی ہیں۔ یہ حضرات تین دن میں قرآن ختم کرتے ہیں۔ یہ منازل فِیل کے نام سے مشہور ہیں۔ لفظ فیل کے معنی ہیں ہاتھی، یہ منزلیں چونکہ ہاتھی کی طرح بڑی ہیں اس لئے اس کو یہ نام دیا گیا ہے اس میں ف سے الفاتحہ ی سے یونس اور ل سے لقمان مراد ہے۔

⑥ — تقریباً ۳۰۰ھ کے آغاز میں علمائے ماوراء النہر نے تمام بڑی سورتوں کو رکوع میں تقسیم کیا اور ان میں اس بات کا لحاظ رکھا کہ ہر رکوع ایک مکمل مضمون ہو تا کہ نماز میں قراءت کرنے میں آسانی ہو اب ہر رکوع بمنزلہ ایک سورت کے ہے پس جس طرح سورت کا بعض حصہ پڑھنا مکروہ ہے رکوع کا بعض حصہ پڑھنا بھی مکروہ ہے۔ ہاں دو رکعتوں میں رکوع پورا کرلے تو حرج نہیں۔

اب خواہ کوئی ایمان لائے یا نہ لائے قرآن کی شان رفیع میں کچھ کمی نہیں آتی۔ کیونکہ اس پر ایمان لانے والے اور اس سے کماحقہ استفادہ کرنے والے بہت ہیں جو ایمان نہیں لائے گا وہ اپنا نقصان کرے گا ارشاد ہے —— آپ کہہ دیجئے کہ تم خواہ اس قرآن پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ —— قرآن کا کچھ نقصان نہیں! —— بیشک جن لوگوں کو قرآن سے پہلے علم دیا گیا ہے، جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدہ کرتے ہوئے گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں: ہمارے پروردگار پاک ہیں۔ ہمارے پروردگار کا وعدہ ضرور تکمیل پذیر ہونے والا ہے اور وہ ٹھوڑیوں کے بل روتے ہوئے گر پڑتے ہیں اور قرآن ان کا خشوع اور بڑھا دیتا ہے —— یعنی جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے پہلے سے علم وفہم دیا ہے جب وہ قرآن پاک سنتے ہیں تو فوراً ایمان لے آتے ہیں اور جب ان کے سامنے قرآن پاک پڑھا جاتا ہے تو ان کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، بدن سہم جاتا ہے اور ان پر لرزہ طاری ہوجاتا ہے اور صرف چہروں کے بل نہیں بلکہ ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور اقرار کرتے ہیں کہ ہمارے پروردگار ہر برائی سے پاک ہیں وہ جھوٹا وعدہ کرہی نہیں سکتے نہ وعدہ خلافی ان کے شان ہے انھوں نے غلبۂ اسلام کے جو وعدے فرمائے ہیں وہ ضرور پورے ہونگے۔ اور ان پر گریہ طاری ہوجاتا ہے اور قرآن کریم سن کران کا انقیاد اور بڑھ جاتا ہے —— اور ٹھوڑیوں کے بل گرنا مبالغہ ہے یعنی گویا ٹھوڑیاں بھی زمین سے ملا دیتے ہیں یا ٹھوڑیوں سے مراد چہرے ہیں۔

فائدہ: تلاوت قرآن کے وقت رونا مستحب ہے حضرت عبداللہ بن الشِّخِّیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں

خدمت نبوی میں حاضر ہوا آپ نماز پڑھ رہے تھے اور سینۂ مبارک سے ہانڈی کی سنسناہٹ سی محسوس ہو رہی تھی یعنی آپ نماز میں رو رہے تھے (رواہ ابوداؤد واحمد والنسائی ۳:۱۳مصری) ـــــ نیز دوسرے کی تلاوت سن کر رونا بھی سنت ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے مجھ سے فرمایا: مجھے قرآن سناؤ، آپ ممبر پر تشریف فرما تھے میں نے عرض کیا: میں آپ کو سناؤں حالانکہ آپ پر قرآن نازل ہوا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: میرا جی چاہتا ہے کہ میں دوسرے سے سنوں۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سورۃ النساء پڑھنی شروع کی۔ جب میں ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰؤُلَاءِ شَهِيْدًا﴾ پر پہنچا آپؐ نے فرمایا کہ: ''بس کرو'' ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے جو نظر اٹھا کر دیکھا تو آپ کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری ہیں (مشکوٰۃ حدیث ۲۱۹۵)

اس کے بعد توحید کا بیان شروع ہوتا ہے:

توحید کا مطلب یہ ہے کہ معبود برحق صرف ایک ذات ہے جو بے نظیر ہے، تمام خوبیاں اس میں جمع ہیں اور وہ ہر قسم کے عیوب ونقائص سے پاک ہے۔ کیونکہ جس ذات میں کسی خوبی کی کمی ہو وہ خدا نہیں ہوسکتی۔ نہ وہ ہستی خدا ہوسکتی ہے جس میں کوئی عیب پایا جائے۔ خدا کے لئے بے ہمہ (یکتا) اور باہمہ (بے نیاز) ہونا ضروری ہے۔ احتیاج، کمزوری اور مجبوری ان کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتی۔

کمالات خداوندی پر جو الفاظ دلالت کرتے ہیں وہ صفات ثبوتیہ اور صفات کمالیہ کہلاتی ہیں اور جن کے ذریعہ عیوب ونقائص سے اللہ کی پاکی بیان کی جاتی ہے وہ صفات سلبیہ اور تنزیہات کہلاتی ہیں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی صفات ثبوتیہ بیان کی جاتی ہیں ـــــ اور آیت پاک کا شان نزول یہ ہے کہ عربوں میں باری تعالیٰ کے لئے لفظ اللہ کا استعمال تو خوب ہوتا تھا وہ اس نام سے بخوبی واقف تھے مگر الرحمن سے زیادہ واقف نہیں تھے اس لئے جب قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی یہ صفت استعمال کی گئی تو وہ بدکنے لگے اور وحشت کھانے لگے۔ وہ جب آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے الرحمٰن کا تذکرہ سنتے تو کہتے کہ محمدؐ ہم کو تو دو خداؤں کو پکارنے سے روکتے ہیں اور خود اللہ کے سوا دوسرے خدا رحمان کو بھی پکارتے ہیں ان کو جواب دیا جاتا ہے ـــــ آپ کہہ دیجئے کہ تم خواہ اللہ کو پکارو یا رحمٰن کو ـــــ دونوں ایک ہی ذات کے نام ہیں، کسی بھی نام سے دعا کرسکتے ہو ـــــ جس نام سے بھی پکاروگے تو ان کے لئے اچھے نام ہیں ـــــ یعنی صرف الرحمٰن ہی اللہ تعالیٰ کی صفت نہیں ان کی تو بے شمار صفات ہیں اور کسی بھی صفت کے ذریعہ دعا مانگی جاسکتی ہے۔ صفات کے تعدد سے ذات کا تعدد لازم نہیں آتا۔

فائدہ: اسمائے حسنیٰ کا مفصل بیان سورۃ الاعراف آیت ۱۸۰ کی تفسیر میں گذر چکا ہے۔ وہاں یہ بات بھی بتلائی

جا چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صرف ننانوے صفات نہیں ہیں بلکہ ان کے اسمائے حسنیٰ غیر متناہی (بے شمار) ہیں اور ترمذی شریف اور بیہقی کی جو روایت وہاں بیان کی گئی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ذکر کر کے ارشاد فرمایا ہے کہ: ''جو ان ناموں کا احاطہ کرلے گا وہ جنت میں جائے گا'' اُس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی صرف اُن صفات کو لیا گیا ہے جو انسانوں کی ہدایت اور ان کی تربیت سے تعلق رکھتی ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کی بے شمار صفات ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ہر صفتی نام کوئی نہ کوئی خوبی بیان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات میں کمالات اور خوبیاں اَن گنت ہیں اس لئے ضروری ہے کہ ان کے مبارک نام بھی ان گنت ہوں۔

اس کی مزید تفصیل یہ ہے کہ جب کسی ذات میں گونا گوں خوبیاں ہوتی ہیں اور زبان میں کوئی ایسا لفظ موجود نہیں ہوتا جس میں سب خوبیوں کی سمائی ہو تو ایسی مجبوری کی صورت میں متعدد الفاظ کے ذریعہ وہ خوبیاں ظاہر کی جاتی ہیں مثلاً ایک شخص مکمل دین پڑھا ہوا ہے تو اس کی اس خوبی کو ظاہر کرنے کے لئے اس کو ''مولوی'' کہیں گے۔ پھر اگر اس کو علم دین میں رسوخ حاصل ہے تو اس خوبی کو ظاہر کرنے کے لئے ''مولوی'' کا لفظ کافی نہیں بلکہ اب اس کو ''مولانا'' کہا جائے گا پھر اگر وہ دینی مسائل میں مہارت بھی رکھتا ہو تو ''مفتی'' کہلائے گا اور فن تجوید سے پوری طرح واقف ہو تو ''قاری'' اور لوگوں کے نزاعات بھی نمٹاتا ہو تو ''قاضی'' بھی کہا جائے گا اسی طرح خوبیاں بڑھیں گی تو القاب بھی بڑھیں گے۔

اب سمجھئے کہ اللہ پاک کی ذات والا صفات میں بے شمار اور گونا گوں خوبیاں اور کمالات ہیں اور عربی زبان بلکہ کسی بھی زبان میں ایسا کوئی لفظ موجود نہیں جو سب خوبیوں کو ایک ساتھ واضح کر سکے، اس مجبوری میں اللہ تعالیٰ پر متعدد صفات کا اطلاق کیا جاتا ہے اور چونکہ خوبیاں غیر متناہی ہیں اس لئے ان پر دلالت کرنے والے الفاظ بھی غیر متناہی ہیں۔

اگر صفات باری کے تعدد کی یہ وجہ آپ سمجھ گئے ہوں تو یہ بات اب بہت آسانی سے سمجھ میں آجائے گی کہ اس آیت میں اللہ کی صفات کمالیہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس آیت میں یہ سمجھایا گیا ہے کہ وہ جامع الکمالات ہستی ہے، کوئی کمال ان کے لئے منتظر نہیں، ہر کمال ان کو حاصل ہے اور وہ غیر متناہی کمالات کے مالک ہیں اس لئے ان کے لئے اچھے اچھے اور مبارک نام بھی بہت ہیں (فائدہ تمام ہوا)

اور چونکہ مشرکین اللہ کی صفت الرحمٰن کے قائل نہیں تھے اس لئے وہ اس صفت کا مذاق اڑاتے تھے اور بدزبانی کرتے تھے۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے نماز آہستہ پڑھنی شروع کر دی تھی مگر اس میں خود اپنا نقصان تھا اس لئے مسلمانوں کو ہدایت دی ——— اور آپ اپنی نماز نہ بہت زیادہ بلند آواز سے پڑھیں اور نہ بالکل ہی پست آواز سے اور ان دونوں میں درمیانی راہ اختیار کریں ——— یعنی ٹھیک ہے آپ بہت زور سے نہ پڑھیں مگر بہت آہستہ بھی نہ

پڑھیں۔نماز اس طرح ادا کریں کہ نہ اپنا نقصان ہو نہ کفار کو ٹھٹھا کرنے کا موقع ملے۔نہ اس قدر زور سے پڑھا جائے کہ دشمنان اسلام اپنی مجالس میں ہنسیں اور نہ اتنا آہستہ پڑھا جائے کہ مقتدی بھی نہ سن سکیں۔بلکہ افراط وتفریط چھوڑ کر میانہ روی اختیار کریں تا کہ دل اثر پذیر بھی ہو اور کسی کو بدزبانی کا موقع بھی نہ ملے۔

یاد رہے کہ یہ حکم جہری نمازوں کے لئے ہے،ظہر اور عصر میں تو بالکل اخفا سنت متواترہ سے ثابت ہے اور جہری نمازوں میں مغرب،عشاء اور فجر تو داخل ہی ہیں،تہجد کی نماز بھی اس حکم میں داخل ہے۔حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نماز تہجد کے وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس سے گذرے۔دیکھا کہ وہ آہستہ تلاوت کر رہے ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس سے گذرے تو دیکھا کہ وہ خوب بلند آواز سے تلاوت کر رہے ہیں۔پھر جب دونوں حضرات آپ کے پاس اکٹھا ہوئے تو آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ سے دریافت کیا کہ میں آپ کے پاس سے گذرا تھا تو آپ آہستہ پڑھ رہے تھے،کیوں؟ حضرت صدیقؓ نے جواب دیا کہ یارسول اللہ! مجھے جس کو سنانا تھا اس کو سنا رہا تھا یعنی تلاوت اللہ تعالیٰ کے ساتھ باتیں کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ خفی سے خفی آواز بھی سنتے ہیں پھر بلند آواز سے پڑھنے کی کیا ضرورت ہے؟ جواب نہایت معقول اور تشفی بخش تھا پھر آپؐ نے حضرت عمرؓ سے دریافت کیا کہ تم زور زور سے کیوں پڑھ رہے تھے؟ انھوں نے عرض کیا کہ سوتوں کو جگا رہا تھا اور شیطان کو بھگا رہا تھا۔یعنی اللہ تعالیٰ ہر طرح کی تلاوت سنتے ہیں مگر زور سے پڑھنے میں دو اور فائدے ہیں ان کو حاصل کرنے کے لئے زور سے پڑھ رہا تھا۔ایک گھر میں جو لوگ سوئے پڑے ہیں وہ بھی بیدار ہو جائیں اور نماز میں مشغول ہو جائیں۔دوسرے جس گھر میں قرآن کریم زور سے پڑھا جاتا ہے شیطان وہاں سے بھاگتا ہے۔حضرت عمرؓ کا جواب بھی نہایت معقول تھا مگر پھر بھی آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا: آپ ذرا زور سے پڑھا کریں۔کیونکہ بہت آہستہ پڑھنے سے طبیعت اکتا جاتی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: آپ ذرا آہستہ پڑھیں کیونکہ جہر مُفرط تھکا دیتا ہے (مشکوۃ حدیث ۱۲۰۴) ـــــــ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ آیت میں جو حکم دیا گیا ہے وہ کفار کے درمیان ہی عمل کرنے کے لئے نہیں بلکہ عام ہے۔

اس کے بعد سورت کی آخری آیت میں اللہ پاک کی صفاتِ ثبوتیہ اور صفاتِ سلبیہ کا بیان ہے یعنی اللہ کی خوبیوں کا بیان ہے اور جو باتیں اللہ کے شایان شان نہیں ان سے اللہ پاک کی تنزیہ اور پاکی بیان کی جاتی ہے۔ارشاد ہے ـــــــ اور آپ کہہ دیجئے کہ تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے کوئی اولاد اختیار نہیں کی،اور نہ سلطنت میں اس کا کوئی ساجھی ہے اور نہ کمزوری کی وجہ سے اس کا کوئی مددگار ہے اور آپ اللہ کی خوب بڑائی بیان کیا کریں ـــــــ یعنی ساری خوبیاں اور تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں،وہ اپنے ہر کمال میں یگانہ ہیں اور ہر قسم کے عیب وقصور اور نقص

وفتور سے پاک ہیں۔ان کی ذات میں کسی طرح کی کمزوری نہیں جس کی تلافی کے لئے دوسرے کی حاجت پڑے، نہ چھوٹے سے مدد لینے کی جیسے باپ اولاد سے مدد لیتا ہے نہ برابر سے جیسے ایک شریک دوسرے شریک سے مدد لیتا ہے اور نہ بڑے سے جیسے کمزور آدمی ذلت ومصیبت کے وقت بڑے آدمیوں سے مدد لیتا ہے۔لہٰذا انسان کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت وکبریائی کی طرف متوجہ ہواور دل سے ان کی بڑائی کا اقرار کرے اوران کو ہر طرح کی کمزوریوں سے برتر سمجھےاورزبان سے اس کا خوب ورد کرے اوراعلان کرے اور یہ بات پہنچائے جہاں تک پہنچے۔

فائدہ: یہ آخری آیت آیَۃُ الْعِزِّ (عزت بخشنے والی آیت) ہے اس کا بہ کثرت ورد کرنے سے دنیا میں بھی عزت ملتی ہے اور آخرت میں بھی۔حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے خاندان میں جب کوئی بچہ بولنا شروع کرتا تو آپؐ اس کو یہ آیت سکھا دیتے تھے (درمنثور ۴: ۲۰۸)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک روز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ باہر نکلا۔میرا ہاتھ آپؐ کے ہاتھ میں تھا آپ کا گذر ایک شکستہ حال پریشان بال آدمی پر ہوا۔آپؐ نے اس سے حال پوچھا تو اس نے بیماری اور تنگدستی کا گلہ کیا۔آپؐ نے فرمایا میں تمہیں چند کلمات بتلاتا ہوں وہ پڑھو گے تو تمہاری بیماری اور تنگ دستی جاتی رہے گی وہ کلمات یہ ہیں:تَوَكَّلْتُ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَايَمُوْتُ. اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ آخر آیت تک۔حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ کچھ عرصہ کے بعد پھر آپؐ اس طرف تشریف لے گئے تو اس کو اچھے حال میں پایا۔آپؐ خوش ہوئے اس شخص نے عرض کیا یارسول اللہ! جب سے آپ نے مجھے یہ کلمات بتلائے ہیں میں برابر پابندی سے اس کو پڑھتا ہوں (درمنثور ۴: ۲۰۸)

فائدہ(۱): ﴿لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے کوئی اولاد نہیں اپنائی۔اس میں متبنّی بنانے کی نفی کی ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صلبی اولاد کا تو سوال ہی نہیں۔مخلوق میں سے بھی کسی کو بیٹا بیٹی نہیں بنایا۔

فائدہ(۲): آیت کی ابتداء اور انتہا میں صفات ثبوتیہ کا بیان ہے۔الحمد للہ اور کبرہ تکبیرًا میں خوبیوں کی طرف اشارہ ہے۔اور درمیان میں تین صفاتِ سلبیہ کا بیان ہے۔اور لطف یہ ہے کہ ﴿لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا﴾ میں نصاریٰ کا رد ہے، اور ﴿لَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ﴾ میں مشرکین کے شرک کا ابطال ہے، اور ﴿لَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ﴾ میں ان یہود پر رد ہے جن کے یہاں کُشتی میں خدا تعالیٰ یعقوب علیہ السلام کے مقابلہ میں تاب نہیں لاسکا تھا۔ (العیاذ باللہ!)

﴿بحمدہ تعالیٰ سورہ بنی اسرائیل کی تفسیر مکمل ہوئی﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الکھف

نمبر شمار ۱۸ نوعیتِ نزول مکی نمبر نزول ۶۹

آیات: ۱۱۰ رکوع: ۱۲ کلمات: ۱۲۰۱ حروف: ۶۶۲۰

یہ سورت ہجرت سے پہلے مکی دور میں نازل ہوئی ہے اور بڑی بابرکت سورت ہے حدیثوں میں اس کے بہت فضائل آئے ہیں۔ یہاں چند حدیثیں ذکر کی جاتی ہیں:

حدیث(۱) ــــ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ یہ پوری سورت یکبارگی نازل ہوئی ہے اور ستر ہزار فرشتے اس کے جلو میں آئے تھے (رواہ الدیلمی فی سند الفردوس) ملائکہ کی یہ ہمرکابی اس سورت کی عظمت شان ظاہر کرنے کے لئے تھی، تاکہ لوگ اس کی قدر کریں اور اس سے خوب استفادہ کریں۔

حدیث(۲) ــــ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص جمعہ کے دن سورۃ الکہف پڑھے گا وہ آٹھ روز تک ہر فتنہ سے محفوظ رہے گا اور اگر اس ہفتہ میں دجال نکل آئے گا تو وہ اس کے فتنہ سے بھی محفوظ رہے گا'' (اخرجہ الضیاء المقدسی فی المختارۃ وابن مردویہ) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس سورت کو تمام فتنوں سے خاص طور پر دجال اکبر کے فتنہ سے بچانے میں خاص دخل ہے۔ آج کل فتنوں کا دور ہے۔ دجالی فتنے روز نئے نئے پیدا ہوتے رہتے ہیں پس لوگوں کو چاہئے کہ ان حالات میں اس سورت کا خاص طور پر ورد رکھیں تاکہ اللہ تعالیٰ فتنوں سے حفاظت فرمائیں۔

حدیث(۳) ــــ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص سورۃ الکہف کی ابتدائی دس آیتیں یاد کرلے وہ دجال کے فتنہ سے محفوظ رہے گا۔ ایک دوسری روایت میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے یہی مضمون سورۂ کہف کی آخری دس آیتوں کے بارے میں بھی منقول ہے (اخرجہ مسلم والنسائی واحمد وغیرہم) یہی مضمون حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے (اخرجہ النسائی وابویعلی) لہٰذا اس سورت کا پہلا رکوع اور آخری

رکوع ہر شخص کو یاد کر لینا چاہئے۔ اور روزانہ نماز میں ایک بار اس کو پڑھ لینا چاہئے، نماز میں موقعہ نہ ملے تو سوتے وقت یا کسی دوسرے وقت یاک بار ضرور پڑھ لینا چاہئے۔

حدیث(۴)۔۔۔ مسند احمد میں حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص سورۂ کہف کی ابتدائی اور آخری آیتیں پڑھ لے اس کے لئے سر سے قدم تک ایک نور ہوگا۔ اور جو پوری سورت پڑھے اس کے لئے زمین سے آسمان تک نور ہوگا (ابن کثیر) اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جو شخص جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھ لے اس کے لئے آئندہ جمعہ تک نور ہوگا (اخرجہ الحاکم والبیہقی)

حدیث(۵) ۔۔۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن سورۂ کہف کی تلاوت کرے اس کے لئے قدم سے آسمان کی بلندی تک نور ہوگا، جو قیامت کے دن کام آئے گا اور پچھلے جمعہ سے اس جمعہ تک کے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے (اخرجہ ابن مردویہ عن عمرؓ)

حدیث(۶) ۔۔۔ حضرت اُسید بن حُضیر رضی اللہ عنہ ایک بار سورۂ کہف پڑھ رہے تھے۔ مکان میں گھوڑا بندھا ہوا تھا۔ اچانک گھوڑا ابدکنے لگا۔ انھوں نے دیکھا کہ ایک بادل چھایا ہوا ہے (انھوں نے پڑھنا موقوف کر دیا) اور آنحضرت ﷺ سے اس واقعہ کا تذکرہ کیا تو آپؐ نے فرمایا: پڑھتے رہتے، وہ تو سکینت تھی جو قرآن کی وجہ سے نازل ہوئی تھی (متفق علیہ)

حدیث(۷) ۔۔۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص سورۂ کہف کی ابتدائی دس آیتیں سوتے وقت پڑھے وہ دجال کے فتنہ سے محفوظ رہے گا اور جو شخص آخری دس آیتیں سوتے وقت پڑھے گا، تو اس کے لئے سر سے قدم تک قیامت کے دن نور ہوگا (ابن مردویہ)

حدیث(۶) ۔۔۔ حضرت عبداللہ مغفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جس گھر میں سورۂ کہف پڑھی جاتی ہے اس میں اس رات شیطان داخل نہیں ہوسکتا (اخرجہ ابن مردویہ)

حدیث(۹) ۔۔۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا میں آپ لوگوں کو ایک ایسی سورت نہ بتلاؤں جس کی عظمت نے آسمان و زمین کے مابین کو بھر دیا ہے اور جو شخص اس کو جمعہ کے دن پڑھے گا اس کے گذشتہ جمعہ سے اس جمعہ تک کے، اور مزید تین دن کے، کل دس دن کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور جو اس کی آخری آیتیں سوتے وقت پڑھے گا وہ رات میں جس وقت بیدار ہونا چاہے گا اس کی آنکھ کھل جائے گی؟ صحابہ کرام نے عرض کیا کیوں نہیں! ضرور بتائیں یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ سورۂ کہف ہے۔

یہ نو احادیث ہیں، جو درمنثور سے لی گئی ہیں، یہ حدیثیں اس سورت کی اہمیت اور فضیلت پر روشنی ڈالنے کے لئے کافی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سورت کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائیں (آمین)

سورت کا نام اور زمانۂ نزول: ـــ اس سورت کی ابتدا میں کہف یعنی غار والوں کا واقعہ بیان کیا گیا ہے اس لئے اس سورت کا نام سورۃ الکہف ہے۔ یہ سورت ہجرت سے دوڈھائی سال پہلے نازل ہوئی ہے۔ یہ وہ دور تھا جبکہ مکہ والوں نے ظلم وستم، قید وبند اور زدوکوب کے تمام حربے پوری سختی کے ساتھ استعمال کرنے شروع کردیئے تھے اور مسلمانوں پر مکہ مکرمہ کی زمین تنگ ہوگئی تھی، ان حالات میں مسلمانوں کو اصحاب کہف کا قصہ سنایا گیا ہے تاکہ ان کی ہمت بندھے اور انہیں معلوم ہو کہ گذشتہ زمانہ میں بھی اہل ایمان اپنا ایمان بچانے کے لئے کیا کچھ کر چکے ہیں۔

آج بھی کسی ملک میں یا کسی بستی میں کفار کا بے پناہ غلبہ ہو اور مسلمانوں کو سانس لینے کی بھی گنجائش نہ دی جارہی ہو تو ان کو باطل کے سامنے سر نہیں جھکانا چاہئے اگر وطن میں قیام اور مقابلہ ممکن نہ ہو تو تن بہ تقدیر نکل کھڑا ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کی زمین تنگ نہیں جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں وطن چھوڑتا ہے اس کو روئے زمین پر بہت جگہ ملے گی (النساء آیت ۱۰۰)

شانِ نزول ـــ روایات میں آیا ہے کہ جب مکہ مکرمہ میں اسلام پھیلنا شروع ہوا تو قریش پریشان ہوئے۔ انھوں نے نضر بن الحارث اور عقبۃ بن ابی مُعیط وغیرہ چند آدمیوں کا ایک وفد مدینہ منورہ علمائے یہود کے پاس بھیجا اور ان سے صورت حال کے بارے میں مشورہ طلب کیا کہ تم خود کو اہل کتاب کہتے ہو اور تمہارا دعویٰ ہے کہ تمہارے پاس زمانۂ سابق کے پیغمبروں کا وہ علم ہے جو ہمارے پاس نہیں۔ لہٰذا محمد (ﷺ) کے بارے میں ہمیں بتلاؤ کہ وہ دعویٰ نبوت میں کہاں تک سچے ہیں؟ اور تمہاری الہامی کتابوں میں اس سلسلہ میں کیا لکھا ہے؟ وفد نے یثرب پہنچ کر علمائے یہود سے اپنی آمد کا مقصد بیان کیا۔ علمائے یہود نے ان کو بتایا کہ ہماری کتابوں میں نبی آخر الزماں کی جو صفات درج ہیں ان کی رو سے وہ سچے نبی ہیں۔ تاہم تم لوگ ان سے تین سوالات کرو۔ اگر انھوں نے ان کے صحیح جوابات دیدئے تو سمجھ لو کہ وہ سچے نبی ہیں ورنہ باتیں بگھارنے والے ہیں۔ ایک ان سے اُن نوجوانوں کا حال دریافت کرو جو قدیم زمانہ میں اپنا دین بچانے کے لئے شہر سے نکل کر پہاڑ کی کھوہ میں جا چھپے تھے۔ کیونکہ ان کا واقعہ بڑا ہی عجیب ہے دوسرے اس بادشاہ کا حال دریافت کرو جس نے مشرق ومغرب کا دورہ کیا تھا۔ تیسرے ان سے روح کے بارے میں پوچھو کہ وہ کیا چیز ہے؟ ـــــ وفد واپس آیا اور لوگوں سے کہا کہ ہم ایک فیصلہ کن تجویز لے کر آئے ہیں اور سارا قصہ سنایا۔ پھر وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سوالات پیش کئے آپؐ نے فرمایا: میں کل ان کے جوابات دونگا مگر آپؐ ان شاء اللہ کہنا بھول گئے۔ وہ لوگ لوٹ گئے اور رسول اللہ ﷺ وحی کے انتظار میں رہے مگر وعدہ

کے مطابق اگلے دن تک کوئی وحی نہ آئی۔ بلکہ پندرہ دن انتظار کرتے کرتے گذر گئے۔ قریش نے مذاق اڑانا شروع کیا جس سے رسول اللہ ﷺ کو سخت رنج پہنچا۔

پندرہ دن کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام سورۂ کہف لے کر آئے اور اس میں یہ آیت بھی نازل ہوئی کہ جب کسی کام کے کرنے کا وعدہ کیا جائے تو ان شاء اللہ کہہ کر معاملہ اللہ کے حوالے کیا جائے اپنے اوپر اعتماد نہ کیا جائے۔ اس سورت میں ان نوجوانوں کا پورا واقعہ بیان کیا گیا ہے، جن کو اصحاب کہف کہا جاتا ہے اور مشرق ومغرب کا سفر کرنے والے بادشاہ ذوالقرنین کا حال بھی سنایا گیا ہے اور روح کے بارے میں مختصر جواب دیا گیا ہے جو ترتیبِ قرآنی میں سورۃ الاسراء میں گذر چکا ہے۔

سورت کا مرکزی مضمون —— مکی سورتوں کی طرح اس سورت کے بھی بنیادی مضامین یہ ہیں (۱) شرک کا بطلان (۲) توحید کا اثبات (۳) رسول کی صداقت (۴) قرآن کی حقانیت (۵) آخرت کی ضرورت (۶) دنیا کی بے ثباتی (۷) دین کے لئے قربانی دینے کی اہمیت (۸) کفار کا انجام بد (۹) مؤمنین کی فلاح وکامیابی —— اور اس سورت میں چار واقعات ذکر کئے گئے ہیں۔

غار والوں کا قصہ —— یہ چند نوجوانوں کا قصہ ہے جو توحید کے قائل تھے ان کا حال مکہ کے مٹھی بھر مظلوم مسلمانوں کے حال سے مشابہ تھا اور ان کی قوم کا رویہ کفار قریش کے رویہ سے مختلف نہ تھا۔ اس قصہ کے ذریعہ جہاں توحید وشرک اور معاد کے مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے وہاں اہل ایمان کو یہ سمجھایا گیا ہے کہ کفار کے بے پناہ غلبہ ان کے پائے استقامت میں تزلزل پیدا نہ کرے۔ اگر ان کے لئے مکہ کی سرزمین تنگ ہوگئی ہے تو ان کو اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر تن بہ تقدیر مکہ سے نکل جانا چاہئے۔

دو باغ والے کا واقعہ —— یہ شخص بے ایمان تھا اور اس کا ساتھی غریب تھا مگر ایمان دار تھا۔ اس واقعہ سے بھی توحید وشرک کے مسئلہ پر روشنی ڈالی گئی ہے اور دنیا کی بے ثباتی ذہن نشین کی گئی ہے۔

حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کا واقعہ —— اس واقعہ کے ذریعہ یہ سمجھایا گیا ہے کہ اللہ کی مشیت کا کارخانہ جن مصلحتوں پر چل رہا ہے ان تک انسان کی کوتاہ نظر نہیں پہنچ سکتی، اور اسی وجہ سے انسان بہت سی مرتبہ حیران ہوتا ہے کہ یہ کیوں ہوا؟ یا کیا ہوا؟ یہ تو غضب ہوگیا؟ حالانکہ اگر حقیقت حال سے پردہ اٹھا دیا جائے تو ہر انسان خود فیصلہ کرلے گا کہ جو کچھ ہو رہا ہے ٹھیک ہی ہو رہا ہے اور بظاہر جس چیز میں برائی نظر آتی ہے، وہ بھی کسی اچھے نتیجہ ہی کے لئے ہوتی ہے:

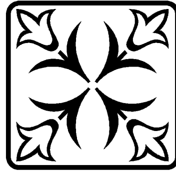
نہیں ہے چیز نکمّی کوئی زمانہ میں ❁ کوئی برائی نہیں قدرت کے کارخانے میں

ذوالقرنین کا قصہ ـــــ اس واقعہ کے ذریعہ بھی شرک وکفر کی برائی اور توحید وایمان کی اہمیت واضح کی گئی ہے اور دنیا کی بے ثباتی کا سبق دیا گیا ہے کہ ذوالقرنین مستحکم دیوار بنا کر بھی اللہ پر بھروسہ رکھتے تھے انھوں نے اس بات کا صاف اعلان کردیا تھا کہ جب تک اللہ کی مرضی ہوگی یہ دیوار دشمنوں کو روکتی رہے گی اور جب ان کی مرضی بدلے گی دیوار میں رخنوں اور شگافوں کے علاوہ کچھ نہ رہے گا۔

پھر آخر میں قیامت تذکرہ ہے اور کفار کو ان کا انجام بد سنایا گیا ہے اور مؤمنین کو ان کے بہترین انجام سے مطلع کیا گیا ہے اور بالکل آخر میں دونہایت اہم اعلان کر کے سورت ختم کی گئی ہے۔

پہلا اعلان: اللہ تعالیٰ کے علوم بے پایاں ہیں۔ ان کی کوئی حد ونہایت نہیں اور انبیا کے ذریعہ جو علوم انسانوں کے پاس بھیجے گئے ہیں وہ ان کے ظرف کا لحاظ کر کے نازل کئے گئے ہیں۔

دوسرا اعلان: آنحضرت ﷺ بھی دوسرے انسانوں کی طرح انسان ہیں البتہ وہ عظیم الشان رسول بھی ہیں، وہ جو کچھ بتاتے ہیں وحی کے ذریعہ بتاتے ہیں۔ ان کے پاس اپنا ذاتی علم کوئی نہیں لہٰذا لوگوں کو یہ بات ذہن سے نکال دینی چاہئے کہ اگر یہ سچے ہیں تو ہمارے ہر سوال کا جواب کیوں نہیں دیتے؟ اور پھٹ سے کیوں نہیں دیتے؟



(۱۸) سُوْرَةُ الْكَهْفِ مَكِّيَّةٌ (۶۹)

آیاتہا ۱۱۰ — رکوعاتہا ۱۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۜ ﴿۱﴾ قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ﴿۲﴾ مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ﴿۳﴾ وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ﴿۴﴾ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ ۭ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۭ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ﴿۵﴾ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ﴿۶﴾ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ﴿۷﴾ وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ﴿۸﴾

بِسْمِ	بنام	لِلّٰهِ (۱)	اس اللہ کے لئے ہیں	وَلَمْ يَجْعَلْ	اور نہیں بنائی
اللّٰهِ	خدا	الَّذِيْٓ	جس نے	لَّهٗ	اس کے لئے
الرَّحْمٰنِ	بے حد مہربان	اَنْزَلَ	نازل فرمائی	عِوَجًا	ذرا کجی
الرَّحِيْمِ	نہایت رحم والے	عَلٰى عَبْدِهِ	اپنے بندے پر	قَيِّمًا (۲)	بالکل سیدھی
اَلْحَمْدُ	تمام تعریفیں	الْكِتٰبَ	(آسمانی) کتاب	لِّيُنْذِرَ (۳)	تاکہ ڈرائے وہ

(۱) لِلّٰه ثابتٌ سے متعلق ہوکر خبر، الذی صلہ کے ساتھ اللہ کی صفت، جملہ وَلَمْ يَجْعَلْ حال الکتاب سے — عِوَجٌ (اسم) کجی، ٹیڑھا پن، ابوزید لغوی کہتے ہیں کہ جو کجی آنکھوں سے نظر آئے وہ عَوَجْ بالفتح ہے اور جو عقل وشعور سے سمجھ میں آئے وہ عِوَجْ بکسر العین ہے مگر اس پر لَاتَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَلَآ اَمْتًا (طٰہٰ آیت ۱۰۷) سے اعتراض ہوتا ہے اس لئے ابن السکیت کہتے ہیں کہ کسرہ کے ساتھ عام ہے (۲) قَيِّمًا (صیغہ صفت) کے دو معنی ہیں (۱) درست، ٹھیک بمعنی مستقیم جیسے ذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ یہی طریقہ درست مضامین کا بتلایا ہوا ہے (البینہ آیت ۵) (۲) درست کرنے والی یعنی ایسی کتاب جو معاش اور دنیا وآخرت دونوں کو درست کرنے والی ہے اس صورت میں بمعنی مُقَوِّمْ ہوگا — قَيِّمَا حال ہے الکتاب سے یا فعل محذوف کا مفعول ثانی ہے أی جَعَلَهٗ قَيِّمًا — امام حفص رحمہ اللہ نے عِوَجًا پر سکتہ کیا ہے یعنی سانس توڑے بغیر وقف کیا ہے تاکہ یہ واضح ہوجائے کہ قیما کا تعلق عِوَجًا سے نہیں ہے بلکہ الکتاب سے ←

بَأْسًا شَدِيْدًا	سخت عذاب سے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ نے	بَاخِعٌ (٦)	غم میں گھونٹ دیں
مِّنْ لَّدُنْهُ	جو منجانب اللہ ہوگا	وَلَدًا	اولاد کو	نَّفْسَكَ	اپنے آپ کو
وَيُبَشِّرَ	اور خوشی سنائے	مَا (٤)	نہیں	عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ	ان کے پیچھے
الْمُؤْمِنِيْنَ	اُن مؤمنین کو	لَهُمْ	ان کے لئے	اِنْ	اگر
الَّذِيْنَ	جو	بِهٖ	اس بارے میں	لَّمْ يُؤْمِنُوْا	وہ نہ ایمان لائیں
يَعْمَلُوْنَ	کرتے ہیں	مِنْ عِلْمٍ	کچھ علم	بِهٰذَا الْحَدِيْثِ	اس بات پر
الصّٰلِحٰتِ	نیک کام	وَّلَا	اور نہ	اَسَفًا	افسوس کرتے ہوئے
اَنَّ لَهُمْ (١)	کہ ان کے لئے	لِاٰبَآئِهِمْ	ان کے باپ داداوں کو	اِنَّا جَعَلْنَا	بیشک ہم نے بنایا
اَجْرًا حَسَنًا	اچھا اجر (ہے)	كَبُرَتْ (٥)	بھاری ہے	مَا	اس کو جو
مَّاكِثِيْنَ (٢)	ٹھہرنے والے ہیں وہ	كَلِمَةً	بات	عَلَى الْاَرْضِ	زمین پر ہے
فِيْهِ	اس میں	تَخْرُجُ	(جو) نکلتی ہے	زِيْنَةً (٧)	رونق
اَبَدًا	ہمیشہ	مِنْ اَفْوَاهِهِمْ	ان کے منہ سے	لَّهَا	اس کے لئے
وَّيُنْذِرَ (٣)	اور ڈرائے وہ	اِنْ يَّقُوْلُوْنَ	نہیں کہتے ہیں وہ	لِنَبْلُوَهُمْ	تا کہ جانچیں ہم ان کو
الَّذِيْنَ	ان کو جنھوں نے	اِلَّا	مگر	اَيُّهُمْ (٨)	کون ان میں سے
قَالُوا	کہا:	كَذِبًا	جھوٹ	اَحْسَنُ	زیادہ اچھا ہے
اتَّخَذَ	اختیار کیا	فَلَعَلَّكَ	پس شاید آپ	عَمَلًا	عمل کے اعتبار سے

← ہے یا یہ نیا جملہ ہے (۳) لِيُنْذِرَ میں لام تعلیل یا لام عاقبت ہے اور جار مجرور أَنْزَلَ سے متعلق ہیں اور يُنْذِر کا مفعول اول الکافرین محذوف ہے اور بَاسًا شَدِيْدًا مفعول ثانی ہے اور مِنْ لَدُنْهُ محذوف سے متعلق ہوکر بَأْسًا کی صفت ثانی ہے۔

(۱) أَنَّ سے پہلے باجارہ محذوف ہے بَشَّرَ بِه: خوش خبری دینا (۲) مَاكِثِيْنَ حال ہے لَهُمْ کی ضمیر سے اور فِيْهِ کی ضمیر کا مرجع اجر ہے (۳) دوسرے يُنْذِر کا پہلے يُنْذِرُ پر عطف ہے یہ خاص عطف عام پر ہے اور مفعول ثانی محذوف ہے أی بأسًا شَدِيْدًا (۴) مَالَهُمْ إلخ جملہ مستانفہ ہے اور لَهُمْ خبر مقدم ہے اور من علم مبتدا موخر ہے اور مبتدا پر من زائدہ ہے (جمل) اور وَلَالِآبَائِهِمْ کا خبر پر عطف ہے اور بِهٖ کی ضمیر کا مرجع قول ہے (۵) كَبُرَتْ کا فاعل محذوف ہے أی كَبُرَتْ مَقَالَتُهُمْ اور كَلِمَةً تمیز ہے اور جملہ تَخْرُجُ صفت ہے كَلِمَةً کی (٦) بَاخِعٌ (اسم فاعل) بَخعٌ مصدر، غم میں گھونٹ ڈالنے والا فَلَعَلَّكَ میں فا جزائیہ ہے اور یہ شرط کا جواب مقدم ہے اور أَسَفًا مفعول لہ ہے یا حال ہے بَاخِعٌ کے فاعل سے (۷) زِيْنَةً مفعول لہ بھی ہوسکتا ہے اگر جَعَلَ بمعنی خَلَقَ ہو اور مفعول ثانی بھی ہوسکتا ہے اگر جَعَلَ بمعنی صَيَّرَ ہو (۸) أَيُّهُمْ (مرکب اضافی) مبتدا، أَحْسَن خبر، عَمَلًا تمیز پھر جملہ نبلو کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے ۱۲

وَاِنَّا	اور بیشک ہم	مَا (۱)	اس کو جو	صَعِیۡدًا	میدان
لَجٰعِلُوۡنَ	ضرور بنانے والے ہیں	عَلَیۡہَا	اس (زمین) پر ہے	جُرُزًا	چٹیل (بنجر)

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بے مہربان، نہایت رحم والے ہیں

سورۂ بنی اسرائیل رسالت وتوحید کے بیان پر ختم ہوئی تھی، یہ سورت انہی دو مضامین سے شروع ہورہی ہے۔ سب سے پہلے عظمتِ قرآن کا بیان ہے، پھر توحید کا۔ ان آیتوں میں درج ذیل چار باتیں بیان کی گئی ہیں:

۱ــ حمد باری اور قرآن کریم کی عظمت شان۔

۲ــ نزول قرآن کے تین مقاصد اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ قرآن کوئی تاریخی کتاب نہیں۔

۳ــ حامل قرآن کی ذمہ داری۔ اس میں نبی کریم ﷺ کے لئے تسلی کا سامان بھی ہے۔

۴ــ اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات کس مقصد سے پیدا کی ہے؟ اور اس کائنات کا آخری انجام کیا ہونے والا ہے؟

پہلی بات ـــــ تمام تعریفیں اُس اللہ کے لئے ہیں جس نے اپنے خاص بندے پر یہ کتاب نازل فرمائی ـــــ یعنی سب خوبیوں کے مالک، تمام تعریفوں کے سزاوار اور بہتر سے بہتر شکر کے مستحق وہی اللہ پاک ہیں جنھوں نے اپنے مخصوص اور محبوب بندے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر یہ عظیم الشان کتاب اتاری ـــــ اور اس میں ذرا کجی نہیں رکھی ـــــ اس کی عبارت انتہائی سلیس وفصیح، اسلوب بیان نہایت مؤثر اور شگفتہ اور تعلیم نہایت متوسط ومعتدل ہے۔ جو ہر زمانہ اور ہر مزاج کے مناسب اور عقل سلیم کے مطابق ہے، وہ ـــــ بالکل سیدھی ـــــ ہے، کوئی کتنا ہی غور کرے بال برابر کجی نہیں پائے گا اور یہ کتاب لوگوں کو راہ راست پر لانے والی ہے، وہ بندوں کی تمام ضروریات اور معاد ومعاش کے مصالح کی ضامن ہے اور مخلوق خدا کو کامل ومکمل بنانے والی ہے۔

دوسری بات: قرآن کتاب ہدایت ہے اور اس کے نزول کے تین مقاصد ہیں:

پہلا مقصد: ـــــ تاکہ وہ (مکہ والوں کو) ایک سخت عذاب سے ڈرائے جو منجانب اللہ ہوگا ـــــ اُس عذاب کی سختی کا اندازہ کون کرسکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے والا ہے۔ یہ عذاب مشرکین پر دنیا میں بھی آسکتا ہے اور آخرت میں بھی۔

(۱) مَا عَلَیۡہَا موصول صلہ مل کر مفعول اول اور صَعِیۡدًا جُرُزًا موصوف صفت مل کر مفعول ثانی ـــ جُرُز: بنجر، چٹیل جَرْزٌ سے جس کے معنی کاٹ دینے اور کھا کر صاف کردینے کے ہیں اور بنجر زمین چونکہ درختوں اور گھاس سے خالی ہوتی ہے اس لئے وہ جُرُز کہلاتی ہے۔ اسی طرح جس زمین میں سے گھاس اور درختوں کو کاٹ پھاٹ کر صاف میدان کردیا جائے وہ بھی جُرُز ہے ۱۲

دوسرا مقصد: ـــــ اور اُن مؤمنین کو جو نیک کام کرتے ہیں خوش خبری سنائے کہ ان کو اچھا اجر ملنے والا ہے ـــــ یعنی جو لوگ قرآن کی دعوت قبول کر کے اس کی بتلائی ہوئی راہ پر چل رہے ہیں اور نیک اعمال کر رہے ہیں ان کو قرآن جنت کی خوش خبری سناتا ہے ـــــ جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے ـــــ وہاں ان کو دائمی خوشی اور ابدی راحت ملے گی، پس وہ دنیا کی چند روزہ پریشانیوں کا غم نہ کھائیں۔

تیسرا مقصد: ـــــ اور اُن لوگوں کو (بھی) ڈرائے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اولاد رکھتا ہے ـــــ یعنی یہ قرآن خاص طور پر ان لوگوں کو متنبہ کرنے کے لئے نازل کیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد منسوب کرتے ہیں جیسے نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مانتے ہیں۔ مشرکین مکہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے ہیں۔ کچھ یہودی بھی اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کرتے ہیں، اور ہندو بھی دیوی دیوتاؤں کے بارے میں کچھ ایسی قسم کا عقیدہ رکھتے ہیں ان سب اقوام کو قرآن کریم چوکنا کر رہا ہے کہ ایسے فاسد سراسر باطل اور لغو عقیدے سے باز آجاؤ۔ یہ محض بے اصل عقیدہ ہے ـــــ نہ تو ان کے پاس اس کی کوئی دلیل ہے نہ ان کے اسلاف کے پاس تھی ـــــ یعنی محض عقیدت مندی کے غلو میں انھوں نے یہ بات گھڑ لی ہے ـــــ بڑی سنگین بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے ـــــ ان کو کچھ احساس نہیں کہ وہ کیسی سخت گمراہی کی بات کہہ رہے ہیں اور رب العالمین کی شان میں کتنی بڑی گستاخی کر رہے ہیں ـــــ وہ لوگ محض جھوٹ بکتے ہیں ـــــ بے دلیل محض ایک جھوٹی بات بکے چلے جا رہے ہیں۔

تیسری بات: حامل قرآن کی ذمہ داری کیا ہے؟ ارشاد ہے ـــــ پس ہوسکتا ہے اگر وہ لوگ اس بات پر ایمان نہ لائیں تو آپؐ ان کے پیچھے پچھتا کر اپنی جان کھو دیں! ـــــ یعنی اگر آپؐ دعوت وتبلیغ کا فرض ادا کرتے رہیں۔ دل میں گھٹنے کی اور غمگین ہونے کی ضرورت نہیں۔ نہ اس بات پر پچھتائیں کہ میری کوشش کامیاب کیوں نہیں ہوتی؟ ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ داعی کا کام صرف دعوت دینا ہے۔ آپ اپنی محنت میں کامیاب ہیں، کم نصیب اگر قبول نہ کریں تو انہیں کا نقصان ہے۔

چوتھی بات: جو سب سے زیادہ اہم ہے: وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ خوشنما کائنات، دنیا کی یہ دلفریب زندگی اور یہ بارونق زمین اس لئے نہیں پیدا کی کہ انسان اس پر مگن ہوجائے یہ زرق برق جہاں محض امتحان کے لئے پیدا کیا گیا ہے اس کے باغ وبہار چند روزہ ہیں پھر اس کو کاٹ چھانٹ کر چٹیل میدان بنا دیا جائے گا۔ ارشاد ہے ـــــ بیشک ہم نے جو کچھ زمین پر ہے اس کو زمین کے لئے رونق بنایا ہے ـــــ یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین کی یہ زندگی بے کیف نہیں بنائی کہ نہ یہاں سامان راحت ہو نہ عیش کے اسباب۔ نہ آرزوئیں ہوں نہ اُمنگیں۔ بلکہ دل اکتا دینے والی

گھڑیاں ہوں جو کاٹے نہ کٹیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی یہ زندگی پُر کیف اور رزق برق بنائی ہے ہر طرح کی راحتوں کے اسباب پیدا کئے ہیں اور اتنی خوشنما بنائی ہے کہ انسان کا دل کبھی نہیں اکتا تا مگر یہ رونق اس لئے بھی نہیں ہے کہ انسان اس کی زینت پر فریفتہ ہو کر رہ جائے۔ اور اپنی تخلیق کا مقصد فراموش کر دے۔ بلکہ یہ امتحان گاہ ہے ـــــ تا کہ ہم لوگوں کو آزمائیں کہ ان میں سب سے زیادہ اچھا عمل کرنے والا کون ہے؟ ـــــ تا کہ وہ جنت کے اونچے درجوں کا حقدار بنے۔ یہ مضمون سورۃ الملک کی دوسری آیت میں بھی آیا ہے ارشاد ہے: ﴿الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیَاةَ لِیَبْلُوَکُمْ أَیُّکُمْ أَحْسَنُ عَمَلاً وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ﴾ ترجمہ: جس نے مرنا اور جینا بنایا تا کہ تم کو جانچے کہ کون تم میں سے سب سے زیادہ اچھے کام کرنے والا ہے اور وہ زبردست بڑا بخشنے والا ہے۔

مرنا جینا بنایا یعنی دنیا کی یہ زندگی بنائی۔ کیونکہ اسی زندگی میں یہ دونوں باتیں پائی جاتی ہیں اس سے پہلی زندگی میں عدم تھا اور آخرت میں زندگی ہوگی مرنا نہیں ہوگا۔ جینا پھر مرنا اسی دنیا میں ہے اور یہ سلسلہ اس لئے قائم کیا گیا ہے کہ لوگوں کے اعمال کی جانچ کی جائے کہ کون برے کام کرتا ہے کون اچھے، اور کون اچھے سے اچھے، تا کہ آئندہ زندگی میں اس کا انجام سامنے آئے۔ کیونکہ اگر دنیا کی یہ زندگی نہ ہوتی اور عمل نہ ہوتا تو جزا کس بات کی ہوتی؟ اور یہاں موت نہ آتی تو انسان کب تک عمل کرتا؟ اور نتیجۂ عمل سے ایک شادکام ہوتا؟ اور اگر دوسری زندگی نہ ہوتی تو بھلے بُرے کی تمیز کیسے ہوتی؟ اور کب ہوتی؟ غرض انہی مصلحتوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے دنیا کی یہ چند روزہ زندگی پیدا کی ہے تا کہ انسان اس میں عمل کرے اور آنے والی زندگی میں اس کا پھل کھائے۔

فائدہ: ان آیتوں میں غور کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دنیا کی یہ زندگی یہ دیکھنے کے لئے نہیں ہے کہ کون برے کام کرتا ہے یا کون بُرے سے بُرے کام کرتا ہے؟ اگرچہ یہ بات بھی ضمناً سامنے آ ہی جائے گی مثلاً تعلیم گاہ اس لئے قائم کی جاتی ہے کہ دیکھا جائے کہ کون اعلیٰ نمبرات حاصل کرتا ہے، اور کس کو طلائی یا نُقرئی تمغہ ملتا ہے۔ اگرچہ امتحان کے نتیجہ میں بعض بدشوق طلبہ فیل بھی ہو جاتے ہیں اور وہ سرزنش کے مستحق بھی ہوتے ہیں مگر تعلیم گاہ کے قیام کی غرض وہ طلبہ نہیں ہوتے۔ اسی طرح یہ عالم رنگ و بو بہتر سے بہتر کام کرنے والوں کو چھانٹنے کے لئے ہے تا کہ ان کو جنت کے بلند سے بلند درجے عطا فرمائے جائیں ـــــ یہ حضرات سابقین اولین ہیں اور نسبۃً کچھ کم نمبرات حاصل کرنے والے اصحاب الیمین ہیں جو جنت کے فروتر درجات حاصل کریں گے اور بُرے کام کرنے والے بھی چھوٹ جائیں گے جو جہنم رسید ہوں گے بلکہ بد سے بدتر اعمال کرنے والے بھی ہونگے جن کو جہنم میں سخت سے سخت سزا دی جائے گی مگر مقصد حیات صرف قسم اول کو چھانٹنا ہے تا کہ ان کا پوری طرح اعزاز کیا جا سکے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بہتر

سے بہتر اعمال کی توفیق عطا فرمائیں اور جنت کے بلند سے بلند درجات سے سرفراز فرمائیں (آمین)

اس کے بعد اس زمینی زندگی کا انجام سنئے ـــــ اور ہم یقیناً زمین کی تمام چیزوں کو ایک چٹیل میدان بنا دینے والے ہیں ـــــ یعنی جس روز یہ امتحان نمٹ جائے گا اسی روز یہ بساط عیش لپیٹ دی جائے گی اور یہ زمین ایک چٹیل میدان کے سوا کچھ نہ رہے گی۔ جو لوگ اس کے بناؤ سنگار پر ریجھ رہے ہیں وہ خوب سمجھ لیں کہ یہ رزق برق دنیا کوئی باقی رہنے والی چیز نہیں۔ دنیا کا ٹھاٹھ خواہ کتنا ہی جمع کر لو اور مادی ترقیات سے زمین کو گل وگلزار بنا لو جب تک آسمانی ہدایت سے تہی دست رہو گے حقیقی سرور وطمانینت اور ابدی نجات وفلاح سے ہم کنار نہیں ہوؤ گے۔ حقیقی کامیابی وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جو اللہ کی خوشی پر دنیا کی ہر ایک خوشی قربان کر دیتے ہیں اور راہ حق کی جادہ پیمائی میں کسی صعوبت سے نہیں گھبراتے، نہ دنیا کے بڑے بڑے طاقت ور جبّاروں کی تخویف وترہیب سے ان کا قدم ڈگمگاتا ہے۔

دنیا کا عیش چند روزہ ہے، یہاں جو کرنا ہے کر لے، انجام اِس کا فنا ہے

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ ۙ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ۝۹ اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ۝۱۰ فَضَرَبْنَا عَلٰٓي اٰذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ۝۱۱ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَيُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ۝۱۲ ع ۱۳/۱۲

اَمْ حَسِبْتَ (۱)	کیا تو خیال کرتا ہے	اَصْحٰبَ الْكَهْفِ (۲)	غار (کھوہ) والے	كَانُوْا	تھے وہ
اَنَّ	کہ	وَالرَّقِيْمِ (۳)	اور نوشتہ ناموں والے	مِنْ اٰيٰتِنَا	ہماری نشانیوں میں سے

(۱) أَمْ منقطعہ بمعنی استفہام انکاری ہے، جملہ أَنَّ أَصْحَابَ إلخ حَسِبْتَ کا مفعول بہ ہے، جملہ كَانُوْا إلخ أَنَّ کی خبر ہے اور عَجَبًا، كَانُوْا کی خبر ہے اور مصدر کا حمل یا تو مبالغۃً یا مضاف محذوف ہے أی ذاتَ عَجَبٍ اور مِنْ آيَاتِنَا محذوف سے متعلق ہو کر عَجَبًا کا حال ہے أی حَالَ كَوْنِهِمْ مِنْ جُمْلَةِ آيَاتِنَا (۲) اَلْكَهْفُ: کھوہ، غار۔ اور کہف میں فرق یہ ہے کہ غار چھوٹا ہوتا ہے اور کہف وسیع۔ اور اردو میں چھوٹا غار اور بڑا غار کہہ کر فرق کرتے ہیں جمع كُهُوْفٌ (۳) رَقِيْمٌ بروزن فَعِيْلٌ بمعنی مَرْقُوْمٌ: لکھا ہوا، نوشتہ، الرَّقِيْمُ کے بارے میں مفسرین کے چھ سے زیادہ اقوال ہیں (۱) اس بستی کا نام ہے جہاں سے اصحاب کہف نکلے تھے، اس کی اسناد ضعیف ہے قالہ ابن الحجر فی الفتح (۲) اس پہاڑی کا نام ہے جس میں وہ غار ہے (۳) کتے کا نام ہے (۴) وادی (میدان) کا نام ہے جو اس کوہ کے دامن میں ہے جس میں وہ غار ہے من رَقْمَةِ الْوَادِيْ یعنی وادی کا کنارہ (۵) وہ تختی جس ←

عَجَبًا	عجیب چیز!	رَحْمَةً	مہربانی	ثُمَّ	پھر
اِذْ	جب	وَّهَيِّئْ (۳)	اور مہیا کر	بَعَثْنٰهُمْ	اٹھایا ہم نے ان کو
اَوَى	پناہ لی	لَنَا	ہمارے لئے	لِنَعْلَمَ	تا کہ جانیں ہم
الْفِتْيَةُ (۱)	چند نوجوانوں نے	مِنْ اَمْرِنَا	ہمارے معاملہ میں	اَيُّ (۶)	کس نے
اِلَى الْكَهْفِ	ایک غار میں	رَشَدًا (۴)	راہ یابی	الْحِزْبَيْنِ	دو گروہوں میں سے
فَقَالُوْا	تو دعا کی انھوں نے	فَضَرَبْنَا	پس تھپک دیا ہم نے	اَحْصٰى (۷)	ضبط کیا ہے
رَبَّنَآ	اے ہمارے پروردگار	عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ	ان کے کانوں پر	لِمَا	اس کو جو
اٰتِنَا	عطا فرما ہم کو	فِى الْكَهْفِ	غار میں	لَبِثُوْٓا	ٹھہرے وہ
مِنْ لَّدُنْكَ (۲)	خاص اپنے پاس سے	سِنِيْنَ (۵) عَدَدًا	سالہا سال تک	اَمَدًا	مدت کے اعتبار سے

یہ خوشنما دنیا اور یہ دل پسند جہاں ایک امتحان گاہ ہے اس کارخانہ کو دیکھنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے کہ کون بہتر عمل کرتا ہے۔ اس لئے جب تک مقصد کی راہ میں یہ دنیا رکاوٹ نہ بنے اس میں دل لگایا جاسکتا ہے مگر جب دنیا کی عیش کا

← میں اصحاب کہف کے نام اور حالات لکھے گئے تھے اور جو کہف کے دہانے پر نصب کی گئی تھی (رَقِيْمٌ بمعنی مَرْقُوْم)
(۲) سیسہ کی تختی جس پر اصحاب کہف کے نام وغیرہ لکھ کر شاہی خزانہ میں رکھی گئی تھی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس قول کو اپنی صحیح میں تعلیقاً ذکر کیا ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی اسناد کو بخاری کی شرط پر صحیح بتایا ہے (فتح الباری ۸: ۴۰۶ کتاب التفسیر تفسیر سورۃ الکہف) اس لئے ہم نے یہی قول اختیار کیا ہے واللہ اعلم بالصواب

---

(۱) فِتْيَةٌ جمع قلت کا وزن ہے جس کا اطلاق تین تا دس پر ہوتا ہے (۲) مِنْ لَدُنْكَ محذوف سے متعلق ہو کر رَحْمَةً کا حال بھی ہوسکتا ہے اور آتِنَا سے متعلق بھی ہوسکتا ہے (۳) هَيِّءْ (فعل امر) هَيَّأَهُ تَهْيِئَةً (تفعیل): درست کرنا، تیار کرنا، مہیا کرنا۔ (۴) رَشَدٌ باب نصر کا مصدر ہے جس کے معنی ہیں راہ راست پانا۔ امام راغب نے لکھا ہے کہ رَشَدٌ، رُشْدٌ سے اخص ہے کیونکہ رُشْد امور دنیویہ اور اخرویہ دونوں میں مستعمل ہے اور رَشَدٌ صرف امور اخرویہ میں اور مِنْ أَمْرِنَا محذوف سے متعلق ہو کر رُشْد کا حال بھی ہوسکتا ہے اور هَيِّءْ سے متعلق بھی ہوسکتا ہے (۵) سِنِيْنَ مفعول فیہ ہے اور عَدَدًا صفت ہے سِنِيْنَ کی اور مضاف محذوف ہے أي ذَوَاتَ عَدَدٍ (۶) أَيُّ الْحِزْبَيْنِ (مرکب اضافی) مبتدا جملہ اَحْصٰى خبر۔ أَحْصٰى فعل ماضی فاعل ضمیر مستتر، مرجع كُلُّ وَاحِدٍ مِّنَ الْحِزْبَيْنِ؛ لِمَا لَبِثُوْا، أَحْصٰى کا مفعول بہ بواسطہ حرف جر اور اَمَدًا تمیز ہے (۷) اَحْصٰى کو تمام اکابر مفسرین نے فعل ماضی قرار دیا ہے اور احصاء کا مفہوم صرف یاد کرنے اور حفظ کرنا نہیں بلکہ اس کے مفہوم میں اِتِّعاظ کا مفہوم بھی شامل ہے اور کچھ مفسرین نے اس کو اسم تفضیل قرار دیا ہے اس صورت میں ترجمہ ہوگا: ''دو گروہوں میں سے کونسا ان کے ٹھیرنے کی مدت سے زیادہ واقف ہے''

مقصد حیات سے ٹکراؤ ہوجائے اور دین ودنیا کی ایک ساتھ تحصیل ممکن نہ رہے تو دنیا سے کنارہ کشی ضروری ہے اس وقت مؤمن دنیا کی رعنائیوں سے دل ہٹالیتا ہے بلکہ اگر زندگی سے ہاتھ دھولینے پڑیں تو وہ اس سے بھی دریغ نہیں کرتا۔اس سلسلہ میں غار والے بزرگوں کی داستانِ حیات بہترین نمونۂ عمل ہے۔وہ کھوہ میں کچھ اس لئے نہیں جا بیٹھے تھے کہ دنیا سے ان کا دل بھر گیا تھا وہ بوڑھے کھوسٹ بھی نہیں ہوگئے تھے۔بلکہ وہ سب جوان رعنا تھے۔ان کی امیدوں کی کلیاں ابھی کھلنی باقی تھیں،ان کا دنیا کی بہاروں سے لطف اندوز ہونے کا زمانہ تھا، وہ معمولی گھرانوں کے افراد بھی نہیں تھے،اونچے خاندانوں کے چشم وچراغ تھے جن کو آسائش کا ہر سامان میسر تھا مگر جب انھوں نے دیکھا کہ دین ودنیا کو ساتھ لے کر چلنا ممکن نہیں،تو اُن بندگان خدا نے جو فیصلہ کیا وہ رہتی دنیا تک مسلمانوں کے لئے مشعل راہ ہے۔وہ دنیا کی آسائشوں سے منہ موڑ کر اور زندگی کی لذتوں پر لات مار کر شہر سے چل دیئے اور سنسان جنگل میں ایک گہرے غار میں پناہ لی تا کہ دنیا ہاتھ سے چھوٹے تو چھوٹے،دین نہ چھوٹے۔ان آیات پاک میں انہی نوجوانوں کی سبق آموز اور عبرت بھری داستان ہے۔

ان چار آیتوں میں پورے واقعہ کا خلاصہ کیا گیا ہے اس سے تاریخ نگاری اور مضمون نویسی کا سلیقہ سیکھا جاسکتا ہے یعنی اگر کوئی لمبا مضمون یا طویل داستان بیان کرنی ہو تو گفتگو کے آغاز ہی میں ساری بات کا نچوڑ پیش کردینا چاہئے تا کہ مخاطب کو انتظار کی تکلیف سے نجات ملے،اور اجمال کے بعد تفصیل جاننے کا شوق پیدا ہو ارشاد ہے —— کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ غار والے اور نوشتہ ناموں والے ہماری (قدرت کی) نشانیوں میں سے کچھ عجیب چیز تھے؟!

—— یعنی اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہر سو پھیلی ہوئی ہیں۔یہ بے ستونوں والا آسمان یہ چوڑی چکلی زمین، یہ بڑے بڑے دیو ہیکل پہاڑ اور یہ ٹھاٹھیں مارتے دریا اور سمندر کیا کم عجائباتِ قدرت ہیں، جو تم غار والوں اور نوشتہ ناموں والے بزرگوں کی داستان پوچھتے ہو۔ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ تمہارے نزدیک اس واقعہ سے بڑی کوئی حیرت کی بات نہیں۔حالانکہ یہ واقعہ عجائباتِ قدرت میں ایک معمولی واقعہ ہے،تم نظر ڈالو گے تمہیں چاروں طرف نشانیاں ہی نشانیاں نظر آئیں گی۔

اس آیت میں انکار واستعجاب غار والوں کا واقعہ دریافت کرنے پر نہیں بلکہ اس کو ایک عجوبہ سمجھ کر سوال کرنے پر ہے، اگر لوگ یہ داستان نصیحت پذیری اور سبق حاصل کرنے کے لئے پوچھتے تو انکار کی کوئی بات نہیں تھی، بلکہ اس وقت سوال قابل ستائش ہوتا۔

اور اصحاب الکہف کے بعد اصحاب الرقیم اس لئے بڑھایا کہ اصحاب الکہف متعدد ہیں۔مفسرین کرام نے پانچ سے

زیادہ اصحاب الکہف کا تذکرہ کیا ہے۔

۱ ـــ ضحاک کہتے ہیں کہ روم کے ایک شہر میں ایک غار ہے جس میں اکیس آدمی لیٹے ہوئے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سو رہے ہیں۔

۲ ـــ ابن عطیہ ملک شام کے ایک غار کا تذکرہ کرتے ہیں جس میں کچھ مردہ لاشیں ہیں اور اس غار کے پاس ایک مکان اور مسجد کی تعمیر بھی ہے۔

۳ ـــ ابن عطیہ نے دوسرا واقعہ اندلس کے شہر غرناطہ کا بیان کیا ہے وہاں ایک بستی کو شہ میں ایک غار ہے جس میں کچھ مردہ لاشیں ہیں۔ ان کے قریب ایک مسجد بھی ہے۔

۴ ـــ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ساحل عقبہ کے پاس فلسطین سے نیچے اَیلہ کے قریب یہ غار ہے۔

۵ ـــ ایک واقعہ ''افسوس'' شہر کا بیان کیا گیا ہے جس کا اسلامی نام طرسوس ہے۔ یہ شہر ایشائے کوچک کے مغربی ساحل پر ہے۔

غرض دین کو بچانے کے لئے پہاڑ کی کھوہ میں پناہ لینے کے متعدد واقعات پیش آئے ہیں۔ قرآن کریم نے ان میں سے اُن اصحاب کہف کا واقعہ بیان کیا ہے جن کے نام اور حالات ایک سیسے کی تختی پر لکھ کر شاہی خزانہ میں رکھ لئے گئے تھے۔ کیونکہ یہ اونچے خاندان کے نوجوان تھے۔ ان کی اچانک گمشدگی ان کے خاندانوں کے لئے، عام لوگوں کے لئے اور حکومت وقت کے لئے تشویش کا باعث بن گئی تھی۔ لوگوں نے ان نوجوانوں کو ڈھونڈھنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی تھی مگر ناکام رہے تھے اس لئے ان کے نام، حلیے اور حالات وغیرہ لکھ کر شاہی خزانہ میں رکھ لئے تھے۔

ارشاد ہے: وہ وقت یاد کرو ـــــ جب چند نوجوان غار میں پناہ گزیں ہوئے، انھوں نے دعا کی: اے ہمارے پروردگار! ہم کو اپنی رحمت خاص سے نواز دے اور ہمارے لئے دینی معاملہ میں راہ یابی کی شکل پیدا فرما! ـــــ یعنی ہم آپ کی مدد کے بغیر راہ راست پر استوار نہیں رہ سکتے۔ دشمن ہاتھ دھوکر ہمارے پیچھے پڑا ہوا ہے اور قتل کرنے کے درپے ہے ـــ اللہ تعالیٰ نے اُن شکستہ حال بندوں کی دعا قبول فرمائی اور ان کی حفاظت کا بہترین انتظام فرمایا، ارشاد ہے ـــــ پس ہم نے اس غار میں ان کے کانوں کو سالہا سال تک تھپک دیا ـــــ اور ان گہری کو نیند سلا دیا ـــــ پھر ہم نے ان کو اٹھایا ـــــ یعنی بیدار کیا ـــــ تا کہ ہم دیکھیں کہ دو جماعتوں میں سے کس نے اُس مدت کو زیادہ یاد رکھا ہے جو وہ لوگ ٹھہرے ـــــ جس وقت اصحاب کہف بیدار ہوئے ہیں، شہر میں ایک اہم مسئلہ میں نزاع چل رہا تھا اور لوگ دو جماعتوں میں بٹ گئے تھے۔ یہ مسئلہ بعث بعد الموت کا مسئلہ تھا ایک جماعت کہتی تھی

کہ مرنے کے بعد حیات جسمانی نہیں، دوسری جماعت معاد جسمانی اور روحانی دونوں کی قائل تھی، آیت پاک میں دو جماعتوں سے یہی دو جماعتیں مراد ہیں جیسا کہ آگے تفصیل سے آرہا ہے۔ ایسے اختلاف کے وقت میں اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کو بیدار کیا تاکہ لوگ مدت دراز کے بعد ان کے سوکر بیدار ہونے سے بعث بعد الموت پر استدلال کریں اور جان لیں کہ نیند موت کی بہن ہے جب اتنی لمبی مدت کے بعد بیداری ہوسکتی ہے تو زندگی کیوں ممکن نہیں؟

اللہ کی قدرت دیکھو! اصحاب کہف کو سلا کر ان کے دین کی حفاظت کی اور جگا کر لوگوں کے دین کی حفاظت کی

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَ زِدْنٰهُمْ هُدًى ۞ وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا ۞ هٰۤؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۭ بَيِّنٍ ؕ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۞ وَ اِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗۤا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ۞

نَحْنُ	ہم	اٰمَنُوْا (۲)	ایمان لائے وہ	فَقَالُوْا	پس کہا انھوں نے
نَقُصُّ	بیان کرتے ہیں	بِرَبِّهِمْ	اپنے رب پر	رَبُّنَا	ہمارے رب
عَلَيْكَ	آپ کے سامنے	وَزِدْنٰهُمْ	اور زیادہ کی ہم نے انکی	رَبُّ السَّمٰوٰتِ	آسمان اور زمین
نَبَاَهُمْ	ان کا واقعہ	هُدًى	ہدایت	وَالْاَرْضِ	کے رب ہیں
بِالْحَقِّ (۱)	ٹھیک ٹھیک	وَّرَبَطْنَا	اور گرہ دی ہم نے	لَنْ نَّدْعُوَا (۴)	ہرگز نہ پکاریں گے ہم
اِنَّهُمْ	بے شک وہ لوگ	عَلٰى قُلُوْبِهِمْ	ان کے دلوں پر	مِنْ دُوْنِهٖۤ	ان کے سوا
فِتْيَةٌ	چند نوجوان تھے	اِذْ قَامُوْا (۳)	جب کھڑے ہوئے وہ	اِلٰهًا	کسی معبود کو

(۱) بِالْحَقِّ محذوف سے متعلق ہو کر نبأ کا حال ہے أی مُتَلَبِّسًا بالحق (۲) جملہ آمَنُوْا صفت ہے فِتْيَةٌ کی۔ (۳) إِذْ قَامُوْا إلخ ظرف ہے رَبَطْنَا کا (۴) لَنْ نَدْعُوَا (فعل مضارع منصوب بلن، صیغہ جمع متکلم) آخر کا واو جمع کا واو نہیں ہے بلکہ لام کلمہ ہے مگر چونکہ واو جمع کے مشابہ ہے اس لئے قرآنی رسم الخط میں اس کے بعد الف لکھا جاتا ہے جو پڑھا نہیں جاتا اور اس پر چھوٹا سا ←

لَقَدْ قُلْنَآ	البتہ تحقیق کہی ہم نے	بَيِّنٍ	کھلی؟	اِلَّا	سوائے
اِذًا	تب تو	فَمَنْ	پس کون	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ کے
شَطَطًا (۱)	بڑی بے جا بات	اَظْلَمُ	بڑا نا انصاف ہے	فَاْوٗٓا (۳)	تو پناہ لو تم
هٰٓؤُلَآءِ	یہ	مِمَّنِ	اس شخص سے جو	اِلَى الْكَهْفِ	کسی غار میں
قَوْمُنَا	ہماری قوم ہے	افْتَرٰى	باندھتا ہے	يَنْشُرْ	پھلائیں گے
اتَّخَذُوْا	ٹھہرالئے ہیں انھوں نے	عَلَى اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ پر	لَكُمْ	تم پر
مِنْ دُوْنِهٖٓ	اللہ تعالیٰ کے سوا	كَذِبًا	جھوٹ!	رَبُّكُمْ	تمہارے رب
اٰلِهَةً	معبود	وَ اِذِ	اور جب	مِّنْ رَّحْمَتِهٖ	اپنی مہربانی میں سے
لَوْلَا	کیوں نہیں	اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ	کنارہ کش ہو گئے تم	وَيُهَيِّئْ	اور مہیا کریں گے
يَاْتُوْنَ	لاتے وہ		ان سے	لَكُمْ	تمہارے لئے
عَلَيْهِمْ	ان پر	وَمَا (۲)	اور جن کو	مِّنْ اَمْرِكُمْ	تمہارے معاملہ میں سے
بِسُلْطٰنٍ	کوئی دلیل	يَعْبُدُوْنَ	پوجتے ہیں وہ	مِّرْفَقًا (۴)	اسباب راحت

اصحاب کہف کا مفصل قصہ: —— ہم آپ سے ٹھیک ٹھیک ان کا واقعہ بیان کرتے ہیں —— یعنی قرآن کے بیان میں کوئی بات خلاف واقعہ نہیں اور ہو بھی نہیں سکتی کیونکہ قرآن کلام ہے خالق کائنات کا، جو غیب وشہادت کے

← گول دائرہ اس کے نہ پڑھے جانے کی علامت ہے

(۱) شَطَطٌ نصر اور ضرب کا مصدر ہے اس کے اصلی معنی ہیں حد سے زیادہ دور ہونا اور جو بات حق سے بہت دور ہو اس کو بھی شَطَطٌ کہتے ہیں (۲) وَمَا يَعْبُدُوْنَ کا عطف هُمْ پر ہے (۳) فَاْوٗا میں فا جزائیہ ہے اس کے بعد اِوٗا فعل امر، صیغہ جمع مذکر حاضر ہے اَوىٰ يَاْوِىْ (ض) اُوِيًّا وَاِوَاءً ا اِلَى الْبَيْتِ: ٹھکانہ لینا، اترنا، اور اِوٗا کی اصل اِءْ وِيُوْا ہے آخر کی ی امر کی وجہ سے گر گئی پھر پہلے واو کو دوسرے واو کی مناسبت سے ضمہ دیدیا اور شروع میں ہمزۂ ساکنہ، ہمزۂ متحرکہ کے بعد آیا ہے اس لئے اس کو ماقبل کی حرکت کے موافق ی سے بدل دیا تو اِيْوُوْا ہوا۔ اور آیت پاک میں چونکہ اس پر فا داخل ہوئی ہے اس لئے امر کا ہمزہ ساکن ہو گیا کیونکہ وہ ہمزہ وصلی ہے اور ہمزہ اور ی دو ساکن اکٹھا ہونے کی وجہ سے ی گر گئی تو فَاْوُوْا ہوا۔ پھر دوسرے واو کو قرآنی رسم الخط میں الٹے پیش کی شکل میں لکھا گیا تو فَاْوٗا ہوا (۲) اَلْمِرْفَقُ (اسم آلہ) وہ چیز جس کے ذریعہ نفع حاصل کیا جائے۔ کہنی کو بھی مرفق اسی لئے کہتے ہیں کہ اس کے سہارے آدمی آرام پاتا ہے۔ جمع مَرَافِقُ، مِرْفَقَةٌ: تکیہ، مَرَافِقُ الدَّار: مکان سے فائدہ حاصل کرنے کی جگہیں، جیسے پرنالہ، بیت الخلاء، دروازہ راستہ وغیرہ اسباب راحت مِنْ اَمْرِكُمْ، مِرْفَقًا کا حال بھی ہو سکتا ہے اور فعل يُهَيِّءُ سے متعلق بھی ۱۲

جاننے والے ہیں کائنات کا کوئی ذرّہ ان کے علم سے پوشیدہ نہیں ــــ وہ چند نوجوان تھے جو اپنے پروردگار پر ایمان لائے تھے اور ہم نے ہدایت میں ان کو ترقی بخشی تھی ــــ یہ چند نوجوان کسی ظالم بادشاہ کے عہد میں تھے۔ بادشاہ غالی بت پرست تھا اور جبر و اکراہ سے بت پرستی کی اشاعت کرتا تھا یہ نوجوان سچے دین پر ایمان لے آئے تھے ان کا تعلق عمائدین سلطنت سے تھا، ان کے دل نور تقوی سے لبریز تھے۔ حق تعالیٰ نے ان کو ایمان میں پختگی کی دولت سے مالا مال کیا تھا ــــ یہ نوجوان کس مذہب پر تھے؟ اس میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ نصرانی یعنی اصل دین مسیحی کے پیروکار تھے۔ لیکن علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے مختلف قرائن سے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ اصحاب کہف کا قصہ مسیح علیہ السلام سے پہلے کا ہے ــــ یہ نوجوان شاہی دربار میں طلب کئے گئے یا از خود دین کی دعوت لیکر وہاں پہنچے اور بادشاہ کے روبرو اپنی ایمانی جرأت اور استقلال کا وہ مظاہرہ کیا کہ دیکھنے والے دنگ رہ گئے۔ ارشاد ہے ــــ اور ہم نے ان کے دل اس وقت مضبوط کر دیئے جب وہ (دربار میں جوابدہی کے لئے یا دعوت دینے کے لئے) کھڑے ہوئے۔ پس انھوں نے کہا ہمارے پروردگار وہی ہیں جو آسمانوں اور زمین کے پروردگار ہیں، ہم ان کو چھوڑ کر کسی دوسرے معبود کی ہرگز عبادت نہ کریں گے ــــ اگر ہم ایسا کریں ــــ تو اس صورت میں ہم یقیناً بہت بے جابات کہیں گے ــــ یعنی جب وہ نوجوان بت برست ظالم بادشاہ کے روبرو دین کی دعوت دینے کے لئے پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل مضبوط کر دیئے یا بادشاہ نے ان نوجوانوں کو اپنے دربار میں حاضر کر کے سوالات کئے تو قتل کے خوف کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اپنی محبت اور عظمت ایسی مسلط کر دی کہ وہ ذرہ برابر نہیں گھبرائے اور اپنے عقیدے کا صاف صاف اظہار کر دیا کہ ہم بتوں کو خدا نہیں مانتے، ہم خالق ارض وسماء ہی کو خدا مانتے ہیں۔ اور اس کے سوا کسی معبود کی عبادت نہیں کرتے اور آئندہ بھی ہم سے یہ امید نہ رکھی جائے کہ ہم اس حقیقی معبود کو چھوڑ کر دوسرے فرضی معبودوں کو اختیار کر لیں گے۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو یہ ایک نہایت نامعقول بات ہوگی۔ جس کی ہم سے امید نہ رکھی جائے ــــ یہ ہماری قوم ہے جو خدا کو چھوڑ کر دوسرے معبود ٹھہرائے ہوئے ہے وہ ان کے معبود ہونے پر کوئی واضح دلیل کیوں نہیں لاتی؟ ــــ یعنی شرک تو محض بے اصل عقیدہ ہے اس پر کوئی ٹھوس دلیل نہیں۔ کچھ ڈھکوسلے ہیں جن سے لوگ استدلال کرتے ہیں، حالانکہ عقیدے کے لئے نہایت واضح اور مضبوط دلیل درکار ہوتی ہے جو ہماری قوم میں سے کسی کے پاس نہیں ــــ پس اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے! ــــ یعنی جب شرک کی معقولیت کی کوئی دلیل نہیں تو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرانا کتنا بڑا غضب ڈھانا ہے!

نوجوانوں کی یہ باتیں سن کر کچھ تو بادشاہ کو ان کی جوانی پر رحم آیا اور کچھ دوسرے مشاغل مانع ہوئے نیز وہ عمائدین

شہر کے متعلقین تھے اس لئے ایک دم ان پر ہاتھ ڈالنا مصلحت معلوم نہ ہوا اس لئے ان کو چند یوم کی مہلت دی تا کہ وہ اپنے معاملہ میں غور وفکر اور نظر ثانی کر لیں۔ وہ حضرات دربار سے نکلے اور باہم مشورہ کے لئے بیٹھے اور یہ طے کیا کہ اب شہر میں قیام خطرہ سے خالی نہیں۔ مناسب یہ ہے کہ شہر کے قریب کسی کھوہ میں روپوش ہو جائیں اور واپسی کے لئے کسی مناسب موقع کا انتظار کریں ـــــ اور جب تم ان لوگوں سے اور ان کے اُن معبودوں سے جو اللہ کے سوا ہیں، بے تعلق ہو گئے تو اب کسی غار میں چل کر پناہ لو، تمہارا پروردگار تم پر اپنی خاص مہربانی پھیلا دے گا اور تمہارے لئے تمہارے معاملہ میں آسانی مہیا فرمائے گا ـــــ یعنی جب مشرکین کے دین سے ہم علیحدہ ہیں تو ظاہری طور پر بھی ہمیں ان سے علیحدہ رہنا چاہئے اور دنیا چھٹنے کا غم نہیں کھانا چاہئے اللہ تعالیٰ کی مہربانی کا امیدوار رہنا چاہئے وہ ہمارے معاملات میں آسانی پیدا فرمائیں گے اور ہر قسم کی سہولتیں فراہم کریں گے اس لئے بے فکر ہو کر شہر سے چل دو اور کسی کھوہ میں جا بیٹھو۔ کیونکہ مؤمن کا اعتماد اسباب پر نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ پر ہوتا ہے اور دین کی رسّی مضبوط پکڑنے کے لئے اگرچہ ماحول سازگار نہیں، مگر اللہ کے بھروسہ پر راہ حق میں قدم اٹھا دینا چاہئے۔

وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَإِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ۚ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ۗ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴿١٧﴾ وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ ۖۗ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖۗ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ۚ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿١٨﴾

ع ۲ ۱۴

وَتَرَى	اور تو دیکھے گا	طَلَعَتْ	نکلتا ہے وہ	ذَاتَ الْيَمِيْنِ(۲)	داہنی جانب
الشَّمْسَ	سورج کو	تَّزٰوَرُ(۱)	کترا جاتا ہے	وَإِذَا	اور جب
إِذَا	جب	عَنْ كَهْفِهِمْ	ان کی کھوہ سے	غَرَبَتْ	ڈوبتا ہے

(۱) تَزٰوَرُ اصل میں تَتَزَاوَرُ تھا ایک تا حذف کی گئی ہے (فعل مضارع، صیغہ واحد مؤنث غائب) تَزَاوَرَ الْقَوْمُ: ایک دوسرے کی زیارت کرنا اور جب اس کے صلہ میں عَنْ آئے تو معنی ہوتے ہیں انحراف کرنا، رخ بچانا، سینہ موڑنا، بچ کر نکل جانا، کترا جانا تَقْرِضُهُمْ (مضارع، واحد مؤنث غائب) قَرَضَ قَرْضًا: کترا جانا، کترنا (۲) ذَاتَ، ذُوْ کا مؤنث ہے اور یہ سب ظرف مکان مفعول فیہ واقع ہوئے ہیں اور ذات کا لفظ مُقْحَمْ (زائد) ہے، زینت کلام کے لئے لایا گیا ہے ۱۲

تَّقۡرِضُهُمۡ	کترا جاتا ہے ان سے	فَلَنۡ تَجِدَ	تو ہرگز نہیں پائے گا تو	بَاسِطٌ	پھیلائے ہوئے ہے
ذَاتَ الشِّمَالِ	بائیں جانب	لَهٗ	اس کے لئے	ذِرَاعَيۡهِ	اپنے دونوں بازو
وَهُمۡ	اور وہ	وَلِيًّا	کوئی سرپرست	بِالۡوَصِيۡدِ(۴)	دہلیز پر
فِىۡ فَجۡوَةٍ(۱)	ایک فراخ جگہ میں ہیں	مُّرۡشِدًا	راہ بتلانے والا	لَوِ	اگر
مِّنۡهُ	غار کے	وَتَحۡسَبُهُمۡ	اور خیال کرتا ہے تو انکو	لَوِاطَّلَعۡتَ	جھانک لے تو
ذٰلِكَ	یہ	اَيۡقَاظًا(۳)	جاگتا ہوا	عَلَيۡهِمۡ	ان کو
مِنۡ اٰيٰتِ اللّٰهِ	اللہ کی نشانیوں میں سے ہے	وَّهُمۡ	حالانکہ وہ	لَوَلَّيۡتَ	(تو) ضرور پیٹھ پھیرے تو
مَنۡ	جس کو	رُقُوۡدٌ	سوئے ہوئے ہیں	مِنۡهُمۡ	ان سے
يَّهۡدِ اللّٰهُ	ہدایت دیں اللہ تعالیٰ	وَّنُقَلِّبُهُمۡ	اور کروٹ بدلتے ہیں	فِرَارًا(۵)	بھاگتے ہوئے
فَهُوَ	پس وہ		ہم ان کی	وَّلَمُلِئۡتَ	اور ضرور بھر جائے تو
الۡمُهۡتَدِ(۲)	راہ یاب ہے	ذَاتَ الۡيَمِيۡنِ	دائیں	مِنۡهُمۡ	ان کی طرف سے
وَمَنۡ	اور جس کو	وَ ذَاتَ الشِّمَالِ	اور بائیں	رُعۡبًا(۶)	دہشت سے
يُّضۡلِلۡ	بے راہ کریں	وَكَلۡبُهُمۡ	اور ان کا کتا	۞	۞

اصحاب کہف آپس میں صلاح ومشورہ کر کے کسی پہاڑ کی کھوہ میں جا بیٹھے اور وہاں پہنچتے ہی تھکے ماندے سو گئے، اب ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ اس غار کے اور اس میں اصحاب کہف کے احوال بیان فرماتے ہیں۔ ان آیتوں میں ان کے تین احوال بیان کئے گئے ہیں اور تینوں ہی عجیب وغریب ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت اور ان حضرات کی کرامت سے بطور خرق عادت ظاہر ہوئے تھے۔

پہلا حال: اس غار کی صورت حال یہ تھی کہ صبح وشام دھوپ اصحاب کہف کے قریب سے گذرتی مگر ان کے

(۱) فَجۡوَةٌ (اسم) وسیع میدان، کشادہ زمین، دو پہاڑوں کے درمیان شگاف اور وسیع زمین فَجَّ (ن) فَجًّا مَابَيۡنَ رِجۡلَيۡهِ: دونوں پیروں کو کشادہ اور بعید کرنا فَجَّ (س) فَجَجًا: چلنے میں ٹانگوں کے درمیان کشادگی ہونا۔ اَلۡفَجّ: درہ، جمع فِجَاجٌ (۲) اصل اَلۡمُهۡتَدِىۡ تھا آخر سے یا حذف کردی گئی ہے اور دال کا کسرہ اس کی علامت ہے (۳) جمع يَقِظٌ کی اور رُقُوۡدٌ جمع راقِدٌ کی (۴) اَلۡوَصِيۡد (اسم) گھر کی دہلیز، گھر کا صحن بِالۡوَصِيۡدِ جار مجرور بَاسِطٌ اسم فاعل سے متعلق ہیں اور ذِرَاعَيۡهِ مفعول بہ ہے بَاسِطٌ کا (۵) فِرَارًا، وَلَّيۡتَ کا مفعول مطلق ہے مِنۡ غَيۡرِ لَفۡظِ الۡمَصۡدَرِ یا حال یا مفعول لہ ہے (۶) رُعۡبًا، مُلِئۡتَ (فعل مجہول) کا مفعول ثانی ہے یا تمیز ہے۔

جسموں پر نہیں پڑتی تھی۔ارشاد ہے ــــــ اور جب سورج نکلتا تو آپ دیکھیں گے وہ ان کے غار کی داہنی جانب کترا جاتا ہےاور جب ڈوبتا ہےتو بھی ان سے بائیں جانب کترا جاتا ہےاور وہ لوگ غار کے ایک کشادہ حصہ میں ہیں۔یہ بات اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے ــــــ دھوپ انسان کی ایک ناگزیر ضرورت ہےمگراس کی تمازت تکلیف دہ ہے۔دھوپ سے انسان کو بہت سےفوائد حاصل ہوتے ہیں بدن میں زندگی کے آثار پیدا ہوتے ہیں، سردی گرمی میں اعتدلال قائم ہوتا ہے اندھیرے کی خوفنا کی دور ہوتی ہےاور روشنی حاصل ہوتی ہےاور دھوپ سے نقصان بھی پہنچتا ہے بدن کالا پڑ جاتا ہے،لباس متاثر ہوتا ہےاور گرمی ستاتی ہے۔اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کے لئے ایسا انتظام فرمایا کہ وہ دھوپ کےفوائد سے متمع بھی ہوں اوراس کی مضرتوں سے محفوظ بھی رہیں۔دھوپ ان کےقریب تک آتی مگر ان پر نہ پڑتی۔اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ نے ان کی ایسے ٹھکانے کی طرف راہ نمائی کی جہاں مامون ومطمئن ہوکر وہ لوگ آرام کرتے رہے۔نہ جگہ کی تنگی تھی کہ جی گھٹے، نہ کسی وقت دھوپ ستاتی تھی۔غاراندر سے کشادہ اور ہوادار تھا جس میں وہ مزے کی نیند لے رہے تھے۔

دھوپ کاان کےقریب سے گذرنااوران کےجسموں پر نہ پڑنا غار کی کسی خاص وضع کی بناپر بھی ہوسکتا ہے۔مثلاً: اس کا دروازہ جنوب یا شمال کی جانب ایسی وضع پر ہوکہ دھوپ اس کے اندر نہ پہنچے،بعض مفسرین نے اس کی خاص وضع متعین کرنے کے لئے یہ تکلف کیا ہے کہ ریاضی کے اصول وقواعد کی روسے اس جگہ کا طول بلداور عرض بلد بیان کیا ہے اور غار کارخ متعین کیا ہےمگر زُجاج فرماتے ہیں کہ دھوپ کاان سے الگ رہنا کسی خاص وضع اور ہیئت کی بناپر نہیں تھا بلکہ بطور خرق عادت تھااوراللہ پاک کا یہ ارشاد کہ:''یہ بات اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے'' بظاہراسی پر دلالت کرتا ہے کہ دھوپ سے حفاظت کا یہ سامان غار کی کسی خاص وضع اور ہیئت کا نتیجہ نہ تھا بلکہ یہ بات اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی ایک نشانی تھی (قرطبی)

ایسے عمدہ اور آرام دہ غار تک ان حضرات کی رسائی کیسے ہوئی؟ ارشاد ہے ــــــ اللہ تعالیٰ جسے ہدایت بخشیں وہی راہ یاب ہےاور جسے بے راہ کردیں اس کے لئے آپ ہرگز راہ بتلانے والا سرپرست نہیں پائیں گے ــــــ یعنی اللہ تعالیٰ ہی کی ہدایت ہدایت ہے،اسی سے انسان راہ یاب ہوتا ہے۔اگر وہ ہاتھ نہ پکڑیں تو انسان کبھی بھی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔خواہ کوئی سا معاملہ ہو،دین کا ہو یا دنیا کا،چھوٹا ہو یا بڑا،انہی کی دستگیری سے کامیابی ملتی ہےان کے علاوہ نہ کوئی داتا ہے نہ دستگیر تمام حاجات کا مرجع انہی کی ذات ہے۔ظاہری اور باطنی رہنمائی اسب انہی کے قبضے میں ہے۔دیکھ لوکس طرح اصحاب کہف کوراہ ہدایت پر ثابت قدم رکھااور ظاہری طور پر بھی کیسے عجیب غار کی طرف راہ

نمائی فرمائی!

دوسرا حال: اصحاب کہف کی سونے کی حالت بھی عجیب تھی۔ ارشاد ہے —— اور آپ ان کو جاگتا ہوا خیال کریں گے حالانکہ وہ سو رہے ہیں اور ہم دائیں بائیں ان کی کروٹ بدلتے رہتے ہیں اور ان کا کتا غار کے دہانے پر ہاتھ پھیلائے بیٹھا ہے —— یعنی اصحاب کہف پر زمانۂ دراز تک نیند مسلط کر دینے کے باوجود ان کے اجسام پر نیند کے آثار نہیں تھے، بلکہ ایسی حالت تھی کہ ان کو دیکھنے والا یہ محسوس کرتا تھا کہ وہ جاگ رہے ہیں آنکھیں کھلی ہوئی ہیں، بدن میں ڈھیلا پن، جو نیند کی حالت میں ہوتا ہے، نہیں تھا۔ سانس میں کوئی تبدیلی نہیں تھی۔ کتا بھی چاق و چوبند دہلی پر براجمان تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ حالت بھی غیر معمولی اور ایک قسم کی کرامت تھی۔ اس میں بظاہر حکمت یہ تھی کہ کوئی ان کو سوتا ہوا سمجھ کر ان پر حملہ نہ کر دے یا جو سامان ان کے ساتھ تھا وہ چرا نہ لے جائے اور کروٹیں بدلنے سے بھی دیکھنے والے کو بیداری کا گمان ہوتا تھا اور کروٹیں بدلنے میں مصلحت یہ تھی کہ مٹی ایک کروٹ کو کھا نہ لے۔

تیسرا حال: غار والوں کی حفاظت کے لئے غیبی سامان۔ ارشاد ہے —— اگر تم ان کو جھانک کر دیکھو تو وہاں سے الٹے پاؤں بھاگ کھڑے ہو اور تم ان کی دہشت سے بھر جاؤ —— یہ رعب و ہیبت کس بنا پر، اور کن اسباب سے تھا؟ اس میں بحث فضول ہے، سچی اور صاف بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت کے لئے ان پر یہ کیفیت طاری کی تھی تاکہ دیکھنے والوں پر ان کی ہیبت طاری ہو جائے اور وہ پوری طرح ان کو دیکھ نہ سکیں اور اس جگہ میں بھی دہشت رکھی تھی تاکہ لوگ ان کو تماشہ نہ بنائیں اور وہ بے آرام نہ ہوں۔

وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ۭ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ۭ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۭ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ۭ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ۝۱۹ اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا ۝۲۰

وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ	اور اسی طرح ہم نے ان کو جگایا	لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ	تاکہ پوچھیں آپس میں	قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ	کہا کہنے والے نے ان میں سے

كَمْ (۱)	کتنی دیر	بِوَرِقِكُمْ (۲)	تمہارے ان روپیوں	اَحَدًا	کسی کو
لَبِثْتُمْ	ٹھیرے ہو تم؟	هٰذِهٖٓ	کے ساتھ	اِنَّهُمْ	بے شک وہ
قَالُوْا	جواب دیا دوسروں نے	اِلَى الْمَدِيْنَةِ	شہر کی طرف	اِنْ	اگر
لَبِثْنَا	ہم ٹھیرے ہیں	فَلْيَنْظُرْ	پھر دیکھے وہ	يَّظْهَرُوْا	واقف ہوگئے
يَوْمًا	ایک دن	اَيُّهَآ (۳)	ان میں سے کونسا	عَلَيْكُمْ	تم پر
اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ	یا دن کا بھی کچھ حصہ	اَزْكٰى طَعَامًا	ستھرا کھانا ہے	يَرْجُمُوْكُمْ	تو سنگسار کریں گے تمکو
قَالُوْا	انھوں نے کہا	فَلْيَاْتِكُمْ	پس لائے وہ تمہارے پاس	اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ	یا لوٹا دیں گے تم کو
رَبُّكُمْ	تمہارا رب	بِرِزْقٍ	کچھ کھانا	فِيْ مِلَّتِهِمْ	اپنے مذہب میں
اَعْلَمُ	بخوبی جانتا ہے	مِّنْهُ	اس میں سے	وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا	اور ہرگز کامیاب نہ
بِمَا لَبِثْتُمْ	تمہارے ٹھیرنے کو	وَلْيَتَلَطَّفْ (۴)	اور چاہئے کہ نرمی برتے		ہوؤ گے تم
فَابْعَثُوْٓا	پس بھیجو تم	وَلَا يُشْعِرَنَّ (۵)	اور ہرگز خبر نہ ہونے دے	اِذًا	تب
اَحَدَكُمْ	اپنے میں سے کسی کو	بِكُمْ	تمہاری	اَبَدًا (۶)	کبھی بھی

اصحاب کہف جس طرح عجیب طریقے پر سُلائے گئے، ایک طویل مدت کے بعد حیرت انگیز طور پر اٹھائے گئے۔ ان کی بیداری بھی کرشمۂ قدرت تھی، زمانۂ دراز کی نیند کے بعد بھی وہ صحیح سالم اور غذا نہ ملنے کے باوجود قوی وتندرست اٹھے، ارشاد ہے ـــــ اور اُسی طرح ـــــ یعنی جس طرح حیرت انگیز طریقہ سے سلایا تھا ـــــ ہم نے ان کو جگایا تا کہ وہ آپس میں پوچھ پاچھ کریں ـــــ یہ بیدار کرنے کی علت نہیں بلکہ عام طور پر پیش آنے والی صورت کا

(۱) كَمْ کی تمیز محذوف ہے أي كم مدةً (۲) اَلْوَرَقُ (اسم جنس) چاندی کا سکہ یا مطلق چاندی اور رِقَةٌ: مطلق چاندی (۳) أَيُّهَا (مرکب اضافی) مبتدا، أَزْكىٰ خبر، طَعَامًا تمیز مُحَوَّلٌ عن المضاف إليه (جمل) پھر جملہ يَنْظُرْ کا مفعول بہ اور أَيُّهَا کی ضمیر کا مرجع الأطعمة ہے جو باہمی گفتگو کے وقت معہود ذہنی ہے (۴) لِيَتَلَطَّفْ (فعل امر غائب صیغہ واحد مذکر غائب) مصدر تَلَطُّفٌ (تَفَعُّلٌ) حسن تدبیر سے کام کرنا، نرمی برتنا ـــ وَلْيَتَلَطَّفْ کی تَ پر قرآن کا نصف اول تعداد حروف کے اعتبار سے پورا ہوتا ہے اور درمیانی لام سے نصف ثانی شروع ہوتا ہے اس وجہ سے مصاحف میں عام طور پر اس کلمہ کو قدرے جلی لکھا جاتا ہے (۵) لَايُشْعِرَنَّ (فعل نہی با نون تاکید ثقیلہ، صیغہ واحد مذکر غائب) مصدر اِشْعَارٌ (افعال) جتلانا، خبر دینا، بتلا دینا (۶) أَبَدًا کا ترجمہ کلام مثبت میں ''ہمیشہ'' ہوتا ہے جیسے مَاكِثِيْنَ فِيْهِ أَبَدًا (وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے) اور کلام منفی میں ''کبھی بھی'' ''قطعاً'' ''ہرگز'' ہوتا ہے جیسے وَاللّٰهِ لَا اُكَلِّمُكَ اَبَدًا (بخدا میں آپ سے کبھی نہ بولونگا یا ہرگز نہ بولوں گا)

بیان ہے ـــــ ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا: تم کتنی دیر ٹھیرے ہو؟ دوسروں نے جواب دیا: دن بھر یا اس سے بھی کچھ کم ٹھہرے ہوں گے ـــــ یعنی نیند اتنی گہری تھی کہ ان لوگوں کو اس طویل مدت کا مطلق احساس نہ ہوا، کہنے لگے ابھی تو ہم سوئے ہیں! دیر ہی کتنی ہوئی ہے! دن بھر سوئے ہوں گے یا ابھی دن بھی پورا نہیں ہوا! پھر انھیں کچھ احساس ہوا کہ شاید یہ وہ دن نہیں جس میں ہم غار میں داخل ہوئے تھے، چنانچہ ـــــ وہ کہنے لگے کہ تمہارے پروردگار ہی تمہارے ٹھہرنے کی مدت کو بہتر جانتے ہیں ـــــ یعنی تعیین وقت کی بحث اللہ کے حوالہ کرو، اب کام کی بات کرو، دیکھو بھوک لگ رہی ہے ـــــ اب اپنے میں سے کسی کو یہ روپیہ دے کر شہر کی طرف بھیجو ـــــ وہ حضرات اپنے ساتھ کچھ رقم بھی لے گئے تھے تاکہ بوقت ضرورت کام آئے اس سے معلوم ہوا کہ ضروری خرچ کا اہتمام کرنا زہد وتوکل کے منافی نہیں ـــــ پھر وہ تحقیق کرے کہ کونسا کھانا سب سے زیادہ ستھرا ہے ـــــ یعنی حلال ہے، کیونکہ حلال کھانا ہی سب سے زیادہ ستھرا ہے اور اس کے حلال ہونے کی بنیاد بھی یہی ہے ـــــ یہیں سے یہ ہدایت ملتی ہے کہ مسلمانوں کو ہمیشہ کھانے پینے کی چیزوں میں حلال وحرام کا خیال رکھنا چاہئے اور جس شہر میں یا جس بازار میں یا جس ہوٹل میں زیادہ تر حرام کھانے ہوں وہاں تحقیق کے بغیر کھانا جائز نہیں۔ اسی طرح جو اقوام پاکی ناپاکی کی تمیز نہیں رکھتیں بلکہ بعض جانوروں کے پیشاب کو تبرک سمجھتی ہیں ان کے کھانوں سے احتراز اولی ہے ـــــ پھر وہ اس میں سے تمہارے لئے کچھ کھانا لے آئے ـــــ علماء نے اس سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ کئی آدمی اپنے مشترک سرمایہ سے کھانا خریدیں اور سب مل کر کھائیں، تو یہ جائز ہے اگرچہ بعض کم کھائیں اور بعض زیادہ ـــــ اور چاہئے کہ وہ جوش تدبیری سے کام لے ـــــ یعنی اس کو نہایت ہوشیاری سے آجانا چاہئے اور نرمی وتدبیر سے معاملہ کرنا چاہئے تاکہ کسی کو پتہ نہ لگے ـــــ اور وہ ہرگز کسی کو تمہاری بھنک نہ پڑنے دے ـــــ یعنی کسی کو تمہارے بارے میں احساس تک نہ ہونے دے اور اگر کسی وجہ سے پھنس جائے تو تمہارا اتا پتا ہرگز نہ بتائے ـــــ اگر وہ لوگ تمہاری خبر پالیں گے تو یقیناً تم کو سنگسار کردیں گے یا اپنے دھرم میں لوٹالیں گے اور اس صورت میں تم ہرگز کامیاب نہ ہوسکو گے ـــــ یعنی اگر دین کی خاطر قتل کردیئے گئے تو کوئی پریشانی کی بات نہیں لیکن اگر جبر واکراہ سے تمہیں مرتد بنالیا گیا تو اس صورت میں تم کو کبھی کامیابی حاصل نہ ہوسکے گی، نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔ دنیا میں تو اس لئے نہیں کہ یہ چندروزہ زندگی ہے اس کی کامیابی کیا خاک کامیابی ہے اور آخرت میں اس لئے نہیں کہ وہاں کی کامیابی کے لئے ایمان شرط ہے۔

دنیا کی فانی زندگی بنانے کی فکر نہ کرو آخرت کی دائمی زندگی کی فکر کرو۔ اس کی کامیابی اصل کامیابی ہے!

وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ۚ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ۭ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓي اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ﴿٢١﴾ سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًۢا بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۭ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ ڬ فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَاۗءً ظَاهِرًا ۠ وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا ﴿٢٢﴾ وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّىْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿٢٣﴾ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ ۡ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ وَقُلْ عَسٰٓي اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ﴿٢٤﴾ وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ﴿٢٥﴾ قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ۭ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ ۡ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ﴿٢٦﴾

وَكَذٰلِكَ	اور اسی طرح	وَعْدَ اللّٰهِ	اللہ کا وعدہ	يَتَنَازَعُوْنَ	کھینچا تانی کر رہے تھے وہ
اَعْثَرْنَا (۱)	واقف کیا ہم نے	حَقٌّ	سچا ہے	بَيْنَهُمْ	آپس میں
	(لوگوں کو)	وَّاَنَّ (۲)	اور یہ کہ	اَمْرَهُمْ	ان کے معاملہ میں
عَلَيْهِمْ	ان کے (حال) پر	السَّاعَةَ	قیامت	فَقَالُوا	پس کہا انھوں نے
لِيَعْلَمُوْٓا	تا کہ جان لیں وہ	لَا رَيْبَ فِيْهَا	کوئی شک نہیں اس میں	ابْنُوْا	بناؤ تم
اَنَّ	کہ	اِذْ (۳)	(یاد کرو) جب	عَلَيْهِمْ	ان پر

(۱) أَعْثَرَهُ (افعال) عَلَى السِّرِّ: بھید پر مطلع کرنا، بتادینا۔ عَثَرَ (ن،ض،س،ک) عُثُوْرًا وَعِثَارًا کے اصل معنی ہیں منہ کے بل گرنا۔ کہا جاتا ہے اَلْجَوَادُ لَايَكَادُ يَعْثُر: عمدہ گھوڑا شاید ہی اوندھا گرے۔ مَنْ سَلَكَ الْجَدَدَ أَمِنَ الْعِثَار: جو ہموار سخت زمین پر چلتا ہے وہ لغزش سے محفوظ رہتا ہے، پھر مجازاً بے طلب کسی بات سے واقف ہوجانے کے لئے استعمال ہونے لگا اور أَعْثَرْنَا کا مفعول محذوف ہے اور لِيَعْلَمُوْا أَعْثَرْنَا سے متعلق ہے (۲) أَنَّ السَّاعَةَ کا عطف أَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ پر ہے (۳) إِذْ فعل محذوف أُذْكُرْ کا ظرف ہے

بُنْيَانًا[1]	کوئی عمارت	وَيَقُوْلُوْنَ	اور کہیں گے وہ	لِشَایْءٍ	کسی چیز کے بارے میں
رَبُّهُمْ	ان کے رب	سَبْعَةٌ	سات تھے	اِنِّیْ	بے شک میں
اَعْلَمُ	خوب جانتے ہیں	وَّثَامِنُهُمْ	اور ان کا آٹھواں	فَاعِلٌ	کرنے والا ہوں
بِهِمْ	ان کو	كَلْبُهُمْ	ان کا کتا تھا	ذٰلِكَ	وہ (کام)
قَالَ	کہا	قُلْ	کہئے	غَدًا	آئندہ کل
الَّذِيْنَ	ان لوگوں نے جو	رَّبِّيْٓ	میرے رب	اِلَّآ	مگر
غَلَبُوْا	غالب تھے	اَعْلَمُ	خوب جانتے ہیں	اَنْ يَّشَآءَ	یہ کہ چاہیں
عَلٰٓى اَمْرِهِمْ	اپنے معاملہ پر	بِعِدَّتِهِمْ	ان کی گنتی کو	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
لَنَتَّخِذَنَّ	ضرور بنائیں گے ہم	مَّا	نہیں	وَاذْكُرْ	اور یاد کیجئے آپ
عَلَيْهِمْ	ان پر	يَعْلَمُهُمْ	جانتے ان کو	رَّبَّكَ	اپنے رب کو
مَّسْجِدًا	مسجد	اِلَّا قَلِيْلٌ	مگر تھوڑے لوگ	اِذَا	جب
سَيَقُوْلُوْنَ	آپ کہیں گے	فَلَا تُمَارِ[2]	پس نہ بحث کیجئے آپ	نَسِيْتَ	بھول جائیں آپ
ثَلٰثَةٌ	تین تھے	فِيْهِمْ	ان کے بارے میں	وَقُلْ	اور کہئے
رَّابِعُهُمْ	ان کا چوتھا	اِلَّا	مگر	عَسٰٓى	امید ہے
كَلْبُهُمْ	ان کا کتا تھا	مِرَآءً	بحث کرنا	اَنْ	کہ
وَيَقُوْلُوْنَ	اور کہیں گے وہ	ظَاهِرًا	سرسری	يَّهْدِيَنِ[3]	راہ دکھاوے مجھ کو
خَمْسَةٌ	پانچ تھے	وَّلَا تَسْتَفْتِ	اور نہ پوچھئے آپ	رَبِّيْ	میرا رب
سَادِسُهُمْ	اور ان کا چھٹا	فِيْهِمْ	ان کے بارے میں	لِاَقْرَبَ	نزدیک تر بات کی
كَلْبُهُمْ	ان کا کتا تھا	مِّنْهُمْ	ان میں سے	مِنْ هٰذَا	اس سے (بھی)
رَجْمًا	پتھر پھینکنا ہے	اَحَدًا	کسی سے	رَشَدًا[4]	راستی کے اعتبار سے
بِالْغَيْبِ	نشانہ دیکھے بغیر	وَلَا تَقُوْلَنَّ	اور ہرگز نہ کہیں آپ	وَّلَبِثُوْا	اور ٹھہرے وہ لوگ

(۱) اَلْبُنْيَان: عمارت۔ کہا جاتا ہے كَاَنَّهُمْ اَلْبُنْيَانُ الْمَرْصُوْص: وہ لوگ گویا مضبوط عمارت کی طرح ہیں (۲) لَا تُمَارِ (فعل نہی) مَارٰى مِرَآءً وَمُمَارَاةً: جھگڑا کرنا، کسی ایسی بات میں گفتگو کرنا جس میں شبہ اور تردد ہو (۳) يَهْدِيَنِ کے آخر میں ن وقایہ ہے اور ی متکلم کی ضمیر محذوف ہے جسکی علامت نون کا کسرہ ہے يَهْدِيْ فعل مضارع صیغہ واحد مذکر غائب (۴) رَشَدًا یا تو يَهْدِيْ کا مفعول مطلق ہے یا تمیز ہے

فِیْ كَهْفِهِمْ	اپنی کھوہ میں	بِمَا	اس (مدت) کو جو	وَاَسْمِعْ	اور کیسے سننے والے ہیں!
ثَلٰثَ	تین	لَبِثُوْا	ٹھہرے وہ	مَا لَهُمْ	نہیں ہے ان کے لئے
مِائَةٍ سِنِیْنَ [۱]	سو سال	لَهٗ	انہی کے لئے	مِّنْ دُوْنِهٖ	اللہ کے سوا
وَازْدَادُوْا [۲]	اور بڑھے وہ	غَیْبُ	بھید (ہے)	مِنْ وَّلِیٍّ	کوئی مددگار
تِسْعًا	نو	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں	وَّلَا یُشْرِكُ	اور نہیں شریک کرتے وہ
قُلِ اللّٰهُ	آپ کہئے اللہ تعالیٰ	وَالْاَرْضِ	اور زمین (کا)	فِیْ حُكْمِهٖۤ	اپنے حکم میں
اَعْلَمُ	خوب جانتے ہیں	اَبْصِرْ بِهٖ [۳]	اور کیسے دیکھنے والے ہیں!	اَحَدًا	کسی کو

ان آیتوں پر اصحاب کہف کا قصہ ختم ہو رہا ہے۔ ان آیتوں میں پانچ باتیں بیان فرمائی گئی ہیں:

۱ــــ عرصۂ دراز کے بعد اصحاب کہف کے بیدار ہونے میں کیا حکمت تھی؟

۲ــــ لوگوں میں اصحاب کہف کے معاملہ میں نزاع ہوا، کچھ لوگ غار پر یادگار بنانا چاہتے تھے، مگر ارباب حکومت نے مسجد بنانے کا فیصلہ کیا۔

۳ــــ اصحاب کہف کی تعداد کیا تھی؟ اس سلسلہ میں مختلف اقوال ذکر کر کے صحیح تعداد کی طرف اشارہ کیا گیا۔

۴ــــ اصحاب کہف کا جس قدر واقعہ قرآن کریم نے بیان کیا ہے اسی پر اکتفا کی جائے، مزید بحث نہ کی جائے۔ نیز اس سلسلہ میں دوسروں سے قطعاً معلومات حاصل نہ کی جائیں اور سرسری بحث کے دوران کوئی بات آئندہ بتانے کا وعدہ کیا جائے تو اس کو ان شاء اللہ کے ساتھ مقید کیا جائے۔ کیونکہ ممکن ہے ان مزید باتوں کا بیان کرنا اللہ کی مصلحت نہ ہو۔

۵ــــ اصحاب کہف کتنی مدت سوئے؟

اب یہ باتیں تفصیل سے ملاحظہ فرمائیے:

پہلی بات: اصحاب کہف کی بیداری میں اور لوگوں کے ان کے حال سے واقف ہونے میں حکمت کیا تھی؟ــــــ اصحاب کہف معاملہ اہل شہر پر اس لئے منکشف کیا گیا کہ ان کا عقیدۂ آخرت مضبوط ہو اور ان کو یقین آئے کہ قیامت کے دن سب مُردے زندہ ہوں گے۔ تفسیر قرطبی میں ہے کہ جس بادشاہ کے عہد میں اصحاب کہف شہر سے نکلے تھے وہ

(۱) مِائَةً تمیز ہے ثَلٰثَ کی اور سِنِیْنَ عطف بیان ہے (۲) اِزْدَادَ اِزْدِیَادًا: زیادہ ہونا، بڑھنا اور تِسْعًا مفعول بہ ہے اور اِزْدِیَادٌ باب افتعال سے ہے اس کی ت دال سے بدل گئی ہے (۳) اَفْعِلْ بِهٖ فعل تعجب کا وزن ہے اور اَسْمِعْ کے بعد بِهٖ محذوف ہے اور بِهٖ میں فاعل پر با زائد ہے ۱۲

مر چکا تھا اور اس پر صدیاں گذر گئی تھیں اور جس زمانہ میں اصحاب کہف بیدار ہوئے تھے شہر پر اہل حق کا قبضہ تھا اور ان کا بادشاہ ایک نیک آدمی تھا مگر شہر میں قیامت کے بارے میں اور مردوں کے زندہ ہونے کے بارے میں شدید اختلاف چل رہا تھا۔ایک فرقہ اس بات کا قطعاً منکر تھا کہ بدن گلنے سڑنے کے بعد اور ریزہ ریزہ ہو جانے کے بعد پھر دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ بادشاہ ان گمراہ لوگوں کے بارے میں بہت فکر مند تھا کہ کس طرح ان کو قائل کیا جائے؟ جب کوئی تدبیر نہ سوجھی تو اس نے ٹاٹ کے کپڑے پہن کر اور راکھ کے ڈھیر پر بیٹھ کر اللہ تعالیٰ سے التجا کی کہ خدایا! آپ ہی کوئی ایسی صورت پیدا فرما دیں کہ ان لوگوں کا عقیدہ صحیح ہو جائے اور یہ راہ راست پر آجائیں۔

بادشاہ کی دعا قبول ہوئی۔اللہ تعالیٰ نے اس کی آرزو اس طرح پوری کی کہ اصحاب کہف بیدار ہوئے اور انھوں نے اپنا ایک آدمی بازار بھیجا، وہ کھانا خریدنے کے لئے دوکان پر پہنچا اور تین سو برس پہلے کا روپیہ پیش کیا، دوکاندار حیران رہ گیا کہ یہ سکہ کہاں سے آیا؟ اس نے بازار کے دوسرے دوکانداروں کو دکھلایا۔سب نے کہا اس شخص کو کہیں سے پرانا خزانہ مل گیا ہے خریدار نے انکار کیا کہ مجھے نہ کوئی خزانہ ملا ہے نہ کہیں سے لایا ہوں، یہ میرا اپنا روپیہ ہے۔

بازار والوں نے اس کو بادشاہ کے سامنے پیش کیا۔بادشاہ نیک اللہ والا آدمی تھا، اس نے سلطنت کے خزانے میں وہ تختی دیکھی تھی جس میں اصحاب کہف کے نام، حالات اور ان کے غائب ہونے کا واقعہ لکھا ہوا تھا۔بادشاہ نے اس تختی کی روشنی میں حالات کی تحقیق کی تو اس کو اطمینان ہو گیا کہ یہ شخص انہی لوگوں میں سے ہے۔بادشاہ بہت مسرور ہوا اور اس شخص سے کہا کہ ہمیں اس غار پر لے چلو جہاں سے تم آئے ہو۔

بادشاہ اہل شہر کے ایک بڑے مجمع کے ساتھ غار پر پہنچا جب غار قریب آیا تو اصحاب کہف کے ساتھی نے کہا کہ ذرا آپ حضرات ٹھہریں۔میں جا کر اپنے ساتھیوں کو صورت حال سے باخبر کرتا ہوں تا کہ وہ گھبرا نہ جائیں۔اس کے بعد روایات میں اختلاف ہے۔ایک روایت یہ ہے کہ اس ساتھی نے جا کر باقی ساتھیوں کو تمام حالات سنائے کہ اب بادشاہ مسلمان ہے اور قوم بھی مسلمان ہے وہ سب ملنے کے لئے آئے ہیں۔اصحاب کہف اس خبر سے خوش ہوئے اور بادشاہ کا انھوں نے استقبال کیا پھر وہ اپنی غار کی طرف لوٹ گئے اور اکثر روایات میں یہ ہے کہ جس وقت اس ساتھی نے پہنچ کر باقی حضرات کو یہ سارا ماجرا سنایا اسی وقت سب کی وفات ہوگئی بادشاہ سے ملاقات نہ ہو سکی۔ایک روایت میں یہ ہے کہ ملاقات کے بعد اصحاب کہف نے بادشاہ اور اہل شہر سے کہا کہ اب ہم آپ سے رخصت چاہتے ہیں۔اور غار کے اندر چلے گئے اسی وقت اللہ تعالیٰ نے ان سب کو وفات دیدی (ماخوذ از معارف القرآن)

بہر حال جب اہل شہر کے سامنے قدرت الٰہی کا یہ عجیب واقعہ آیا تو سب کو یقین آ گیا کہ جس ذات کی قدرت میں

یہ بات ہے کہ وہ تین سو برس تک انسانوں کو بغیر کسی غذا اور سامان زندگی کے زندہ رکھے اور اس طویل عرصہ تک ان کو نیند میں رکھنے کے بعد پھر صحیح سالم، چاق و چوبند اور توانا تندرست اٹھاوے اس کے لئے کیا مشکل ہے کہ مرنے کے بعد پھر زندہ کردے۔ اس واقعہ سے ان کا بعث بعد الموت کا استبعاد دور ہوگیا اور وہ خوب سمجھ گئے کہ مالک الملک کی قدرت کو انسانی قدرت پر قیاس کرنا حماقت و جہالت کے سوا کچھ نہیں۔ ارشاد ہے —— اور اسی طرح ہم نے لوگوں کو ان کے حال پر مطلع کیا —— یعنی جس طرح ہم نے اپنی خاص قدرت وحکمت سے اصحاب کہف کو سلایا اور جگایا اسی طرح اپنی خصوصی حکمت وقدرت سے عام خلقت کو بھی ان کے حال پر مطلع کیا —— تاکہ لوگ جانیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور یہ کہ قیامت میں کوئی شک نہیں —— وہ ضرور برپا ہوگی۔

شہر کے جو لوگ پہلے سے اللہ کے وعدے کو سچا مانتے تھے اور قیامت پر یقین رکھتے تھے ان کا ایمان اصحاب کہف کے واقعہ سے یقیناً بڑھ گیا ہوگا اور جو لوگ شک میں مبتلا تھے یا منکر تھے ان میں سے بہت سے لوگ اس مشاہدہ کے بعد ایمان لے آئے ہوں گے، وہی ﴿لِنَعْلَمَ أَيُّ الْحِزْبَيْنِ أَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْا اَمَدًا﴾ کا مصداق ہیں کیونکہ احصاء کا مفہوم کسی بات کی حقیقت کا پوری طرح ادراک کرنا ہے اور یہی وہ لوگ ہیں، جنھوں نے اصحابِ کہف کے قیام کی طویل مدت کا پوری طرح ادراک کرلیا تھا یعنی اس سے جو نتیجہ اخذ کرنا چاہئے تھا وہ کرلیا تھا اور جو لوگ ایسے واضح مشاہدہ کے بعد بھی شک وشبہ میں مبتلا رہے یا انکار پر مصر رہے، حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے اصحاب کہف کے معاملہ سے کچھ بھی سبق نہ لیا۔

دوسری بات: تمام شہر والے اصحاب کہف کی بزرگی اور تقدس کے قائل ہو چکے تھے اب ان میں اختلاف ہوا کہ ان کی غار پر کیا بنایا جائے؟ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ غار کے پاس کوئی عمارت یادگار کے طور پر بنائی جائے۔ یاد کرو —— جب لوگ آپس میں ان کے معاملہ میں جھگڑ رہے تھے پس کچھ لوگوں نے کہا کہ ان کے پاس کوئی عمارت بنادو —— یعنی انھوں نے فرط عقیدت میں چاہا کہ اس غار کے پاس کوئی مکان بطور یادگار تعمیر کردیں۔ اللہ تعالیٰ اس تجویز کی بے ہودگی کی طرف اشارہ فرماتے ہیں —— ان کے پروردگار ان کو خوب جانتے ہیں —— لوگ جانیں یا نہ جانیں: اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ نیز بندوں کا کمال یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو یاد رکھیں۔ اور لوگوں میں جو یادگاریں قائم کرنے کا جذبہ پایا جاتا ہے وہ اس وقت قابل ستائش ہے جب کوئی رفاہی کام کیا جائے۔ مسجد، مدرسہ، پل، سڑک وغیرہ بنائی جائے۔ کیونکہ یہ ایصالِ ثواب کی ایک صورت ہے۔ اشوک کی لاٹ یا تاج محل جیسی عمارتیں بنانا شرعاً کوئی پسندیدہ عمل نہیں۔ چنانچہ —— ان لوگوں نے جو ان کے معاملات پر غالب تھے کہا کہ ہم ضرور ان کے پاس ایک مسجد بنائیں گے —— یعنی حکام وقت کی رائے یہ ہوئی کہ یہاں مسجد بنائی جائے تاکہ زائرین کو سہولت ہو

اور مسجد کے اعمال سے ان اہل اللہ کو فیض پہنچے۔

مسئلہ: اگر کسی نیک آدمی کی قبر پر زائرین بکثرت آتے ہوں تو ان کے قیام، نماز اور دیگر سہولتوں کے لئے قریب میں مسجد بنانا جائز ہے اس میں کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ وقف قبرستان میں نہ بنائی جائے۔ اور جن احادیث میں انبیاء کی قبروں کو مسجد بنانے پر لعنت آئی ہے اس سے مراد خود قبور کو سجدہ گاہ بنانا ہے جو بالاتفاق شرک اور حرام ہے (معارف القرآن)

مسئلہ: کسی مسجد کے پاس یا کسی مکان میں کسی عام میت کی یا کسی نیک آدمی کی تدفین جائز نہیں اموات کی تدفین عام قبرستان میں ہونی چاہئے۔ حدیث میں ہے: صَلُّوْا فِیْ بُیُوْتِکُمْ، وَلَاتَتَّخِذُوْھَا قُبُوْرًا (ترمذی ۱:۶۰) یعنی اپنے گھروں میں نماز پڑھو اور ان کو قبریں مت بناؤ — اور آنحضرت ﷺ کی تدفین جو مکان میں اور مسجد کے پاس ہوئی تھی وہ آپ کی خصوصیت تھی۔

مسئلہ: کسی بزرگ کی قبر کے پاس تبرک کے لئے مسجد بنانا بعض علماء کے نزدیک جائز ہے۔ بشرطیکہ مسجد بنانے سے مقصود اس بزرگ کی تعظیم یا اس کی روحانیت کی طرف متوجہ ہونا نہ ہو۔ اور علامہ تورپشتی حنفی (شارح مصابیح) ناجائز کہتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر مسجد بنانے کا مقصد اس بزرگ کی تعظیم ہے تو یہ شرک جلی ہے اور اگر ان کی روحانیت سے استفادہ ہے تو یہ شرک خفی ہے اور اگر یہ دونوں باتیں نہیں ہیں تو بھی قبوریوں کے ساتھ اور یہود و نصاری کے ساتھ مشابہت ہے اس لئے جائز نہیں (معارف السنن ۳:۳۰۵)

تیسری بات: اصحاب کہف کی تعداد کیا تھی؟ نزول قرآن کے وقت اس سلسلہ میں مختلف رائیں تھیں۔ ارشاد ہے — اب لوگ کہیں گے: وہ تین ہیں اور چوتھا ان کا کتا ہے۔ اور کہیں گے: وہ پانچ ہیں چھٹا ان کا کتا ہے۔ یہ اٹکل پچو تیر چلانا ہے — یعنی یہ دونوں قول ایسے ہیں جیسے کوئی بے نشانہ دیکھے تیر چلائے! — اور کہیں گے: وہ سات ہیں اور آٹھواں ان کا کتا ہے۔ آپ کہیں: میرے پروردگار ہی ان کی تعداد کو بہتر جانتے ہیں۔ ان کی تعداد کو کم ہی لوگ جانتے ہیں — حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں ان کم لوگوں میں سے ہوں: اصحاب کہف سات تھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے دونوں قولوں کو اٹکل پچو کے تیر قرار دیا ہے اور تیسرے قول کی تردید نہیں کی — نیز اسلوب بیان بھی بدلا ہوا ہے۔ پہلے دونوں جملوں کے درمیان واو عطف نہیں لایا گیا جبکہ تیسرے جملہ میں وَثَامِنُھُمْ عطف کے ساتھ لایا گیا ہے گویا اس قول کا قائل بصیرت کے ساتھ گفتگو کر رہا ہے۔ واللہ اعلم

چوتھی بات: جس طرح اصحاب کہف کی تعداد میں اختلاف تھا، دیگر جزئیات میں بھی اختلاف ہوسکتا تھا مثلاً اصحاب کہف کے نام کیا تھے؟ ان کا کتا کس رنگ کا تھا؟ اس لئے اس سلسلہ میں ایک اصولی ہدایت دی جاتی ہے

—— پس آپ ان لوگوں کے بارے میں سرسری بحث سے زیادہ بحث نہ کیجئے —— یعنی واقعہ کی جو تفصیلات اللہ تعالیٰ نے بیان فرمادی ہیں، ان کے علاوہ دیگر باتیں اگر زیر بحث آئیں تو آپ ان میں بس سرسری گفتگو کریں۔ کیونکہ نص کے بغیر آدمی کوئی بات قطعیت سے نہیں کہہ سکتا۔ اس لئے اپنے دعوی کے اثبات میں کاوش کرنا اور دوسرے کی تردید میں زور صرف کرنا بیکار ہے اس کا کوئی خاص فائدہ نہیں —— اور ان کے بارے میں ان لوگوں میں سے کسی سے کچھ نہ پوچھئے —— یعنی وحی کے ذریعہ اصحاب کہف کے بارے میں جو معلومات آپ کو دیدی گئی ہیں ان پر قناعت کیجئے۔ یہود و نصاری سے اس بارے میں کچھ نہ پوچھئے کہ ان کی معلومات مستند نہیں نہ ان کی کتابیں محفوظ ہیں۔ اسی طرح اثریات کے ماہرین کی باتوں پر بھی کان نہ دھریئے، وہ ہوا پر محل تعمیر کرتے ہیں۔

اور اگر کوئی شخص اصحاب کہف کے بارے میں یا کسی دوسرے معاملہ میں آپ سے کوئی بات دریافت کرے تو آپ یہ وعدہ نہ فرمائیں کہ میں کل اس کا جواب دوں گا کیونکہ یہ بات اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے۔ کیا معلوم اس کا جواب دینا مصلحت ہے یا نہیں؟ ارشاد ہے —— اور کسی چیز کے بارے میں کبھی یہ نہ کہا کریں کہ میں کل یہ کام کروں گا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہیں —— اور وحی نازل فرمائیں تو میں تمہارے سوال کا جواب دوں گا —— اور جب آپ بھول جائیں تو اپنے پروردگار کو یاد کریں —— یعنی کسی وقت مذکورہ ہدایت ذہن سے نکل جائے، اور آپ مشیت خداوندی پر تعلیق کئے بغیر کوئی وعدہ فرمالیں، تو یاد آنے پر ان شاءاللہ کہہ لیں۔

مسئلہ: جب مستقبل میں کسی کام کا ارادہ ہو تو قطعیت کے ساتھ نہیں کہنا چاہئے کہ میں اس کو ضرور کروں گا اس لئے کہ آدمی نہیں جانتا کہ کل کیا ہوگا؟ اور کہنے والا اس کائنات میں موجود بھی ہوگا یا نہیں؟ لہٰذا اس معاملہ کو خدا کے سپرد کرتے ہوئے ان شاءاللہ ضرور کہنا چاہئے۔

درمیان میں ایک پیشین گوئی سنیں: —— اور آپؐ کہیں کہ مجھے امید ہے میرا پروردگار اس سے بھی زیادہ بہتری کی بات کی طرف میری رہنمائی کرے گا —— یعنی عنقریب اصحاب کہف جیسا معاملہ آپ ﷺ کو بھی پیش آنے والا ہے بلکہ اس سے بھی عجیب! آپ اپنا آبائی وطن چھوڑ کر ہجرت فرمائیں گے، راستہ میں کئی دن تک غار ثور میں پوشیدہ رہیں گے، دشمن غار کے منہ تک پہنچ جائیں گے مگر آپؐ کو نہ پاسکیں گے، آپ بخیریت مدینہ پہنچ جائیں گے اور وہاں آپ پر فتح و کامرانی کی راہیں کھلیں گی۔

پانچویں بات: اصحاب کہف غار میں کتنی مدت ٹھہرے؟ پورے تین سو سال یا نو سال زائد؟ —— اور وہ لوگ اپنے غار میں تین سو برس ٹھہرے اور وہ نو سال اور بڑھے —— یعنی کل تین سو نو سال تک وہ خوابیدہ رہے اور جو قدیم مسیحی

روایتوں اور نوشتوں میں لکھا ہے کہ وہ تین سو سات سال سوئے اور بعض نسخوں میں تین سو ترپن سال ہے (تفسیر ماجدی) وہ صحیح نہیں ارشاد ہے ـــــ آپ کہئے: اللہ تعالیٰ ہی ان کے قیام کی مدت کو بخوبی جانتے ہیں ـــــ لوگ صحیح نہیں جانتے ـــــ انہی کو ـــــ یعنی اللہ ہی کو ـــــ آسمانوں اور زمین کے سب پوشیدہ احوال معلوم ہیں، وہ کیسے اچھے دیکھنے والے ہیں! اور کیسے اچھے سننے والے ہیں!! ـــــ یعنی جتنی مدت وہ سوتے رہے: تاریخ والے کئی طرح بتاتے ہیں۔ ٹھیک وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کیونکہ آسمان وزمین کے سب پوشیدہ راز انہی کو معلوم ہیں۔ ان کا سننا اور ان کا دیکھنا کیسا کچھ ہے اس کا تم اندازہ نہیں کر سکتے ـــــ لوگوں کے لئے ان کے سوا کوئی مددگار نہیں اور نہ وہ اپنے فیصلہ میں کسی کو شریک کرتے ہیں ـــــ یعنی جس طرح ان کا علم محیط ہے ان کی قدرت واختیار بھی کامل ہے اور جس طرح آسمان وزمین کی پوشیدہ باتیں جاننے میں ان کا کوئی شریک نہیں اختیارات قدرت میں بھی کوئی شریک وسہیم نہیں۔ اصحاب کہف کے معاملہ میں غور کرو، یہ بات بخوبی سمجھ میں آجائے گی کہ اللہ تعالیٰ ان کے ناصر ومددگار تھے اس لئے بہترین سامان فرمایا اور ان کے سونے اور جاگنے کے بارے میں جو فیصلہ فرمایا وہ انہی نے فرمایا، کسی کو اس فیصلہ میں شریک نہیں کیا۔

قرآن کریم نے اصحاب کہف کی تعداد کے سلسلہ میں اختلاف ذکر کر کے صحیح تعداد کی طرف صرف اشارہ فرمایا ہے اور سونے کی مدت کو صاف صراحۃً بیان کیا ہے اور اختلاف کرنے والوں کے اقوال کی طرف اشارہ کر کے ان کی تردید کی ہے اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ تعداد کی بحث فضول ہے۔ البتہ مدت دراز تک خلافِ عادت سوتے رہنا اور بغیر غذا کے صحیح تندرست رہنا پھر اتنے عرصہ کے بعد صحت مند توانا اور تندرست بیدار ہونا حشر ونشر کی دلیل ہے اس سے مسئلۂ قیامت وآخرت پر استدلال کیا جاسکتا ہے اس لئے اس کو صراحۃً بیان فرمایا۔

اور سیدھی تعبیر ''تین سو نو سال'' اختیار کرنے کے بجائے یہ تعبیر کہ ''وہ اپنے غار میں تین سو برس ٹھیرے اور وہ نو سال اور بڑھے'' اس لئے اختیار فرمائی ہے کہ اس عدد کی اہمیت واضح ہو۔ قاری توجہ سے ان کی مدت قیام پر غور کرے۔ وہ عدد سے سرسری نہ گزر جائے۔ اور اس کی نظیر سورۃ العنکبوت کی آیت ۱۴ ہے: ﴿فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا﴾ یعنی نوح علیہ السلام اپنی قوم میں ایک ہزار برس (دعوت کا کام کرنے کے لئے) ٹھہرے، مگر پچاس سال کم۔ اس میں ساڑھے نو سو سال کے بجائے جو تعبیر اختیار کی گئی ہے وہ مدتِ قیام کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے ہے۔

اور یہ خیال قرین صواب نہیں کہ تین سو سال شمسی حساب سے ہیں اور تین سو نو سال قمری حساب سے۔ کیونکہ حساب سے تفاوت ٹھیک نو سال کا نہیں ہوتا۔ اسی طرح یہ خیال بھی درست نہیں کہ سونے کی مدت تین سو سال تھی مگر لوگوں نے اس میں نو سال کا اضافہ کیا۔ کیونکہ اس صورت میں انتشار ضمائر لازم آئے گا، جو فصاحت کلام کے خلاف

ہے نیز تین سو نو سال کا کوئی قول موجود نہیں۔

وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿٢٧﴾ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿٢٨﴾ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۙ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۭ وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ ۭ بِئْسَ الشَّرَابُ ۭ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿٢٩﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ﴿٣٠﴾ ۚ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـــِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ۭ نِعْمَ الثَّوَابُ ۭ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ﴿٣١﴾ ع

ع ۱۶

وَاتْلُ	اور پڑھیں آپ	وَلَنْ تَجِدَ	اور ہرگز نہیں پائے گا تو	بِالْغَدٰوةِ	صبح میں
مَآ اُوْحِيَ	اس کو جو وحی کی گئی	مِنْ دُوْنِهٖ	ان کے سوا	وَالْعَشِيِّ	اور شام میں
اِلَيْكَ	آپ کی طرف	مُلْتَحَدًا [2]	کوئی جائے پناہ	يُرِيْدُوْنَ	چاہتے ہیں وہ
مِنْ كِتَابِ	آپ کے رب کی	وَاصْبِرْ [3]	اور روکے رکھیں آپ	وَجْهَهٗ	ان کا چہرہ (خوشنودی)
رَبِّكَ [1]	کتاب سے	نَفْسَكَ	خود کو	وَلَا تَعْدُ [4]	اور نہ ہٹیں
لَا مُبَدِّلَ	کوئی بدلنے والا نہیں	مَعَ الَّذِيْنَ	ان لوگوں کے ساتھ جو	عَيْنٰكَ	آپ کی آنکھیں
لِكَلِمٰتِهٖ	ان کے ارشادات	يَدْعُوْنَ	پکارتے (عبادت کرتے) ہیں	عَنْهُمْ	ان سے
	(وعدوں) کو	رَبَّهُمْ	اپنے رب کو	تُرِيْدُ	چاہتے ہوئے

(۱) مِنْ بیانیہ مَا موصولہ کا بیان ہے (۲) مُلْتَحَدٌ (اسم ظرف بروزن اسم مفعول یا مصدر میمی) پناہ کی جگہ یا پناہ۔ مصدر اِلْتِحَاد (افتعال) مجرد۔ لَحَدَ (ف) لَحْدًا: بغلی قبر کھودنا (۳) صَبَرَ (ض) صَبْرًا: روکنا، استقلال سے رہنا، صبر کے اصلی معنی ہیں: نفس کو عقل وشرح کے مطابق رکھنا (۴) لَا تَعْدُ (فعل نہی صیغہ واحد مؤنث غائب، آخر سے واو حرف علت فعل نہی ہونے کی وجہ سے گر گیا ←

زِيْنَةَ	رونق	مِنْ رَّبِّكُمْ	تمہارے رب کی	يَّسْتَغِيْثُوْا (۶)	فریاد کریں وہ
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا	دنیوی زندگانی کی		طرف سے (آ گیا)	يُغَاثُوْا (۷)	(تو) فریاد رسی کئے
وَلَا تُطِعْ	اور نہ کہنا مانیں آپ	فَمَنْ شَآءَ	پس جو چاہے		جائیں گے وہ
مَنْ	اس کا	فَلْيُؤْمِنْ	سو ایمان لائے	بِمَآءٍ	ایسے پانی سے
اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ	جسکے دل کو غافل کیا ہم نے	وَّ مَنْ شَآءَ	اور جو چاہے	كَالْمُهْلِ (۸)	جو تلچھٹ کی طرح (ہے)
عَنْ ذِكْرِنَا	اپنی یاد سے	فَلْيَكْفُرْ	سو انکار کرے	يَشْوِي (۹)	بھون ڈالے گا وہ
وَاتَّبَعَ	اور پیروی کی اس نے	اِنَّآ (۳)	بے شک ہم نے	الْوُجُوْهَ	چہروں کو
هَوٰىهُ	اپنی خواہش کی	اَعْتَدْنَا	تیار رکھی ہے	بِئْسَ (۱۰)	برا ہے
وَكَانَ	اور ہے	لِلظّٰلِمِيْنَ	ناانصافوں کے لئے	الشَّرَابُ	مشروب
اَمْرُهٗ	اس کا معاملہ	نَارًا	آگ	وَسَآءَتْ (۱۱)	اور بری ہے (وہ آگ)
فُرُطًا (۱)	حد سے گذرا ہوا	اَحَاطَ بِهِمْ (۴)	گھیر رکھا ہے ان کو	مُرْتَفَقًا (۱۲)	آرام کی جگہ کے اعتبار سے
وَقُلِ	اور کہیں آپ	سُرَادِقُهَا (۵)	اس کی قنات نے	اِنَّ الَّذِيْنَ	بے شک جو لوگ
الْحَقُّ (۲)	دین حق	وَاِنْ	اور اگر	اٰمَنُوْا	ایمان لائے

← ہے) از عَدَا (ن) عَدْوًا: کسی چیز سے تجاوز کرنا، دوڑنا — عَيْنَاكَ فاعل ہے — جملہ تَرِيْدُ إلخ حال ہے عَيْنَاكَ کے کاف سے۔

(۱) اَلْفُرُط (وصف یا مصدر) حد سے گذرا ہوا، چھوڑا ہوا کام۔ فَرَطَ (ن) فِي الأمر: کوتاہی کرنا (۲) اَلْحَقُّ فعل محذوف کا فاعل ہے أی جاءَ الحق (۳) یہ لف ونشر مشوش ہے إِنَّا أَعْتَدْنَا کا تعلق وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ سے ہے اور إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا إلخ کا تعلق فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ سے ہے (۴) جملہ أَحَاطَ بِهِمْ إلخ نَارًا کی صفت ہے (۵) سُرَادِقٌ مفرد اس کی جمع سُرَادِقَات ہے یہ فارسی کلمہ ''سرادر'' یا ''سراپردہ'' کا معرب ہے سُرَادِقٌ: ہر وہ چیز جو کسی چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہو، خواہ چار دیواری ہو یا شامیانہ یا خیمہ (۶) يَسْتَغِيْثُوْا (مضارع مجزوم، صیغہ جمع مذکر غائب) مصدر اِسْتِغَاثَةٌ: مدد طلب کرنا، مادہ، اَلْغَوْثُ: مدد۔ يَسْتَغِيْثُوْا کی اصل يَسْتَغْوِثُوْا ہے واو کا کسرہ ماقبل کو دیا پھر واو کو ی سے بدل دیا، خیال رہے کہ اس کا مادہ غَيْثٌ (بارش) نہیں ہے (۷) يُغَاثُوْا (مضارع مجہول، صیغہ جمع مذکر غائب) اَغَاثَةٌ: مدد کرنا، اعانت کرنا مادّہ الغوث. (۸) اَلْمُهْل (اسم) تیل کی تلچھٹ، ہر معدنی چیز جبکہ پگھلی ہوئی ہو، زرد پیپ، زخم کا پانی (۹) جملہ يَشْوِي إلخ مَاءٌ کی صفت بھی ہوسکتا ہے اور اَلْمُهْل کا حال بھی (۱۰) الشَّرَابُ فاعل ہے اور مخصوص بالذم محذوف ہے أی ذلك الماء السمتغاث به (۱۱) سَآءَتْ کا فاعل هِيَ ضمیر مستتر ہے جو نَار کی طرف لوٹتی ہے اور مُرْتَفَقًا تمیز ہے (۱۲) اَلْمُرْتَفَقُ (ظرف مکان) آرام کی جگہ اِرْتِفَاقٌ کے اصلی معنی ہیں کہنی کھڑی کر کے اس کا پر گال رکھ کر آرام کرنا۔ جہنم کے لئے اس لفظ کا استعمال استہزاءً یا مشاکلۃً کیا گیا ہے۔

وَعَمِلُوا	اور کیے انھوں نے	عَدْنٍ	ہیشگی کے	خُضْرًا	سبز رنگ کے
الصّٰلِحٰتِ	نیک کام	تَجْرِیْ	بہتی ہیں	مِّنْ سُنْدُسٍ (۵)	باریک ریشم کے
اِنَّا (۱)	بے شک ہم	مِنْ تَحْتِهِمُ (۳)	ان کے نیچے سے	وَّاِسْتَبْرَقٍ	اور دبیز ریشم سے
لَا نُضِيْعُ	نہیں ضائع کرتے	الْاَنْهٰرُ	نہریں	مُّتَّكِـِٕيْنَ (۶)	ٹیک لگائے ہوئے ہونگے
اَجْرَ	بدلہ	يُحَلَّوْنَ	زیور پہنائے جائیں گے وہ	فِيْهَا	جنتوں میں
مَنْ	ان کا جنھوں نے	فِيْهَا	ان باغوں میں	عَلَى الْاَرَآئِكِ	چھپر کھٹوں پر
اَحْسَنَ عَمَلًا	اچھا کیا کام	مِنْ اَسَاوِرَ (۴)	کنگنوں سے	نِعْمَ	اچھا ہے
اُولٰٓئِكَ	یہ لوگ	مِنْ ذَهَبٍ	سونے کے	الثَّوَابُ	صلہ (بدلہ)
لَهُمْ (۲)	ان کے لئے (ہیں)	وَّيَلْبَسُوْنَ	اور پہنیں گے	وَحَسُنَتْ	اور اچھی ہے (وہ جنت)
جَنّٰتُ	باغات	ثِيَابًا	کپڑے	مُرْتَفَقًا	آرام کی جگہ کے اعتبار سے

ابھی ضمناً یہ پیشین گوئی آئی تھی کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ اصحاب کہف سے بھی زیادہ عجیب معاملہ پیش آنے والا ہے اور وہ معاملہ رُشد وہدایت، صلاح وفلاح اور خوبی اور بہتری کے اعتبار سے اصحاب کہف کے واقعہ سے بھی بہتر ہوگا۔ اب اس پیشین گوئی کے تعلق سے کچھ احکام دیئے جاتے ہیں۔ ان آیتوں میں تین باتیں بیان کی گئی ہیں:

۱ ـــ پیشین گوئی ضرور پوری ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نہ تو وعدہ خلافی کرنے والے ہیں نہ کوئی دوسرا ان کے وعدوں کو

---

(۱) جملہ إِنَّا لَا نُضِيْعُ إلخ خبر ہے اِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا کی اور جملہ لَا نُضِيْعُ خبر ہے دوسرے إِنَّ کی۔ اَجْرَ مفعول بہ ہے اور مابعد کی طرف مضاف ہے مَنْ أَحْسَنَ إلخ موصول صلہ مل کر مضاف الیہ ہیں (۲) لَهُمْ خبر مقدم ہے اور جَنّٰتُ إلخ مبتدا مؤخر۔ پھر جملہ أُوْلٰئِكَ کی خبر ہے (۳) مِنْ تَحْتِهِمْ میں مجاز بالحذف ہے أي من تحت مساكنهم (۴) مِنْ أَسَاوِرَ میں من ابتدائیہ یا مفعول بہ پر من زائدہ ہے اور من ذهب میں من بیانیہ ہے اور جار مجرور محذوف سے متعلق ہو کر أَسَاوِرَ کی صفت ہیں ـــ اَسَاوِرُ کا مفرد سِوَارٌ ہے جس کے معنی ہیں کنگن، پہنچی، دستینہ، کلائی کا ایک زیور (۵) سُنْدُسٌ: باریک ریشم، یہ کلمہ معرب ہے اکثر علمائے لغت کے نزدیک اس کی اصل فارسی ہے اور شَيْذَلَه جو فقہائے شافعیہ میں سے ہیں اور مفسر بھی ہیں، مشکلات القرآن میں ان کی تصنیف بھی ہے وہ اس لفظ کو ہندی بتاتے ہیں اور روح المعانی میں ہے کہ بھروچ کے لوگوں نے یہ کپڑا اسکندر ثانی کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ اس نے دریافت کیا کہ یہ کیا کپڑا ہے؟ وفد نے جو سنکرت میں گفتگو کر رہا تھا جواب دیا کہ اس کا نام سُندون ہے۔ رومیوں نے اس کو سُندوس کر دیا پھر عربوں نے اس کو سُنْدُسْ کر دیا۔ اگر یہ قصہ صحیح تو سنکرت کے ماہرین ہیں اس لفظ کی اصل بتا سکتے ہیں (۶) متکئین حال ہے یلبسون کی ضمیر فاعل سے حال ہے۔

بدل سکتا ہے لہٰذا آپؐ اپنا کام کرتے رہیں اور آپؐ اور سب مسلمان اللہ تعالیٰ سے معاملہ استوار رکھیں۔

۲ــــ آپؐ مخلص مؤمنین کی طرف متوجہ رہیں گو وہ فقراء ہوں آپؐ کی نگاہیں ان سے بڑھ کر خوش عیش لوگوں پر نہ پڑیں اور آپؐ ہوا پرستوں کی بات پر کان نہ دھریں۔

۳ــــ اعلان کردیں کہ حق آ گیا ہے۔ پس جس کا جی چاہے مان لے اور جس کا جی چاہے انکار کردے۔ اللہ تعالیٰ کا اس میں نہ نفع ہے نہ نقصان، پھر انکار کرنے والوں کو ان کا انجام سنادیں اور ایمان لانے والوں کو حسن انجام کی خوش خبری دیدیں۔

اب تفصیل کے ساتھ یہ مضامین پڑھیں:

پہلی بات: ـــــ اور آپ اپنے پروردگار کی کتاب کو جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے پڑھیں ـــــ یعنی آپ اپنے مرض منصبی کی انجام دہی میں مشغول رہیں اور جو کافی شافی کتاب آپ کے پروردگار نے عنایت فرمائی ہے اُسے پڑھ کر سناتے رہیں ـــــ اللہ کے فرمودات کو کوئی بدلنے والا نہیں ـــــ یعنی جو وعدے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں کئے ہیں ان کو کوئی طاقت بدل نہیں سکتی۔ پیشین گوئی حرف بہ حرف پوری ہوگی، اور حالات خواہ کیسے ہی ناسازگار ہوں ـــــ اور اللہ تعالیٰ کے سوا آپ ہرگز کوئی جائے پناہ نہیں پائیں گے ـــــ یہ بات کفار کو سنائی گئی ہے کہ جب وعدہ پورا ہوگا تو کفار کو کوئی جائے پناہ نہیں ملے گی۔

دوسری بات: آپؐ ہمیشہ مخلص مؤمنین پر اپنی توجہات مبذول رکھیں، کیونکہ وہی اسلام کا اصل سرمایہ ہیں اور ان کے فقر وفاقہ پر نظر نہ ڈالیں کہ وہ آنکھ جھپکتے بدل جانے والے احوال ہیں اور خدا فراموشوں کی ایک نہ سنیں ان کی ہر بات راہ راست سے ہٹا دینے والی ہے۔ ارشاد ہے ـــــ اور آپؐ خود کو ان لوگوں کے ساتھ روکے رکھیں جو صبح وشام ـــــ یعنی مدام ـــــ اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں: وہ ان کی خوشنودی چاہتے ہیں ـــــ یعنی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے، نہایت اخلاص کے ساتھ، ہمیشہ عبادت میں مشغول رہتے ہیں: ذکر کرتے ہیں، قرآن کریم پڑھتے ہیں، نماوں کی پابندی کرتے ہیں، حلال وحرام میں تمیز کرتے ہیں اور اللہ کے حقوق کو پہچانتے ہیں۔ اگرچہ دنیوی حیثیت سے وہ معزز اور مالدار نہیں، جیسے حضرت عمار، حضرت صہیب، حضرت بلال اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم: ایسے مخلصین کو اپنی صحبت سے مستفید کرتے رہیں۔ اور لوگوں کے کہنے پر ان کو اپنی مجلس سے دور نہ کریں ـــــ اور آپؐ کی نگاہیں ـــــ توجہات ـــــ اُن سے نہ ہٹیں، دنیوی زندگانی کی رونق چاہتے ہوئے ـــــ یعنی ان غریب، شکستہ حال مخلصین کو چھوڑ کر دنیاداروں کی طرف اس غرض سے نظر نہ اٹھائیں کہ ان کے مسلمان ہونے سے اسلام کو بڑی

تقویت ملے گی ـــــ اور آپ ایسے شخص کا کہنا نہ مانیں جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور وہ اپنی خواہش پر چلتا ہے اور اس کا معاملہ حد سے گذرا ہوا ہے ـــــ یعنی جن کے دل دنیا کے نشہ میں مست ہو کر خدا کی یاد سے غافل ہو گئے ہیں، جو ہر وقت نفس کی خوشی اور خواہش کی پیروی میں مشغول رہتے ہیں اور جن کی خدا بیزاری حدود سے تجاوز کر گئی ہے، ایسے بدمست غافلوں کی بات پر آپ کان نہ دھریں، خواہ وہ کیسے ہی دولت منداور جاہ وثروت والے ہوں۔

روایات میں متعدد ایسے واقعات آئے ہیں جن سے اس مضمون پر روشنی پڑتی ہے:

پہلا واقعہ: عُیینۃُ بن حِصْن فَزَاریٰ خدمت نبوی میں حاضر ہوا۔ آپ کے پاس حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے، ان کا لباس خستہ اور ہیئت فقیرانہ تھی۔ عیینہ نے کہا: ہمیں آپ کے پاس آنے اور آپ کی بات سننے سے یہی لوگ مانع ہیں، ایسے خستہ حال لوگوں کے پاس ہم نہیں بیٹھ سکتے، آپ ان کو اپنی مجلس سے ہٹا دیں یا کم از کم ہمارے لئے علیحدہ مجلس منعقد کریں تو ہم حاضر ہو کر آپ سے استفادہ کریں۔

دوسرا واقعہ: امیۃ بن خلف جُمَحی نے آنحضرت ﷺ کو مشورہ دیا کہ شکستہ حال مسلمانوں کو آپ اپنے قریب نہ رکھیں، بلکہ قریش کے سرداروں کو ساتھ لگائیں یہ لوگ آپ کا دین قبول کرلیں گے تو اسلام کو ترقی ہوگی۔

تیسرا واقعہ: عیینہ بن بدر اور اَقرع بن حابس تمیمی نے آنحضرت ﷺ سے کہا: اگر آپ مجلس میں صدر نشیں ہوں اور ان رذیلوں کو اپنے پاس سے ہٹا دیں اور ان کے جُبّوں کی بدبو سے ہمیں نجات دیدیں ــــ ان کی مراد حضرت سلمان فارسی، حضرت ابوذر غفاری اور فقرائے مؤمنین تھے جو اس زمانہ میں اُون کے جُبّے پہنتے تھے ــــ تو ہم آپ کی مجلس میں بیٹھیں، آپ سے باتیں کریں اور آپ کی تعلیمات سے استفادہ کریں۔

یہ سب واقعات درمنثور میں ہیں جب اس قسم کے بے ہودہ مشورے بار بار سامنے آئے تو یہ آیت کریمہ اور اسی مضمون کی دوسری آیتیں نازل ہوئی۔ سورۃ الانعام آیت ۵۲ میں بھی یہ مضمون ہے۔ ان آیتوں میں نبی کریم ﷺ سے کہا گیا ہے کہ جو لوگ رضائے الٰہی کی خاطر شب وروز اپنے رب کو یاد کرتے ہیں: ان کی تربیت کی طرف توجہ فرمائیں۔ نگاہ ان سے ہرگز نہ ہٹائیں۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ ان مخلص لوگوں کو چھوڑ کر دنیوی ٹھاٹھ رکھنے والے لوگوں سے راہ ورسم پیدا کریں اور وہ آپ کے ہم نشیں بنیں؟ یہ بات اگرچہ آنحضرت ﷺ کو مخاطب بنا کر کہی گئی ہے مگر درحقیقت سردارانِ قریش کو سنائی گئی ہے کہ تمہاری یہ دکھاوے کی شان وشوکت جس پر تم آپے سے باہر ہو رہے ہو، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نگاہ میں کچھ وقعت نہیں رکھتی۔ تم سے وہ غریب لوگ زیادہ قیمتی ہیں جن کے دل میں اخلاص ہے اور جو اپنے رب کی یاد سے کبھی غافل نہیں ہوتے۔ تمہیں بات سنی ہو سنو، نہ سنی ہو نہ سنو، مگر یہ سودا دماغ

سے نکال دو کہ تمہاری خاطر ان مخلصین کو دھکا دیدیا جائے گا۔

تیسری بات: عام اعلان کیا جائے کہ حق لوگوں تک پہنچ چکا ہے اور اللہ کی حجت تام ہو چکی ہے۔ اب لوگوں کی مرضی ہے: مانیں یا نہ مانیں۔ اللہ تعالیٰ کو کسی کے ماننے نہ ماننے کی پرواہ نہیں جو کچھ نفع نقصان ہوگا انہیں کا ہوگا۔ پس ماننے والے اور نہ ماننے والے دونوں ہی اپنا انجام سن لیں۔ ارشاد ہے ـــــ اور آپؐ کہہ دیں کہ دین حق تمہارے پروردگار کی طرف سے آ گیا ـــــ یعنی دین حق اپنی پوری تابانی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جلوہ گر ہو چکا ہے اور راہ ہدایت خوب واضح ہو چکی ہے ـــــ اب جس کا جی چاہے مان لے اور جس کا جی چاہے انکار کرے ـــــ یہ تخییر نہیں، بلکہ تہدید ہے، پس جو نہیں مانے گا وہ سن لے ـــــ ہم نے ظالموں کے لئے آتش دوزخ تیار کر رکھی ہے ـــــ اس کی ہولنا کی خدا کی پناہ! ـــــ اُس آگ کی قناتیں اس کو گھیرے ہوئے ہیں ـــــ اور وہ سراپردے بھی آگ ہی کے ہیں، اُن کے گھیرے سے جہنمی کبھی نہ نکل سکیں گے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ان قناتوں کی موٹائی چالیس سالہ مسافت ہے ـــــ اور اگر لوگ فریاد کریں گے تو ایسے پانی سے ان کی دادرسی کی جائے گی جو تیل کی تلچھٹ کی طرح ہے جو ان کا منہ بھون ڈالے گی ـــــ یعنی جہنم میں جب گرمی کی شدت سے جہنمیوں کو پیاس لگے گی اور وہ فریاد کریں گے اور پانی پانی چلائیں گے، تو تیل کی تلچھٹ یا پگھلی ہوئی دھات یا پیپ کی طرح کا پانی دیا جائے گا، جو گرم اس قدر ہوگا کہ منہ کو بھون ڈالے گا ـــــ کیسا برا مشروب ہے اور کیسی بری آرام گاہ ہے ـــــ اے اللہ ہم سب کو اُس بری جگہ سے بچا (آمین)

اور قرآن کریم کی دعوت قبول کرنے والوں کا بہترین انجام بھی سنئے: ـــــ بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے ہم ان لوگوں کا اجر ضائع نہیں کریں گے جو اچھی طرح کام کرتے ہیں ـــــ یعنی ان کی ادنی سے ادنی نیکی بھی ضائع نہ ہوگی اور ہر نیکی کا ان کو پورا پورا بدلہ ملے گا ـــــ ایسے ہی لوگوں کے لئے سدا بسنے کے باغات ہیں ـــــ یہ دوزخیوں کی سختیوں اور ہولنا کیوں کے مقابلہ میں اہل جنت کے عیش کا بیان ہے ان کو بسنے کے لئے ایسے باغات دیئے جائیں گے جو کبھی ان سے چھینے نہیں جائیں گے۔ جنتی سدا ان میں رہیں گے ـــــ ان کے نیچے نہریں بہتی ہونگی ـــــ جس سے منظر بھی خوشنما ہوگا اور باغات بھی سدا بہار ہونگے ـــــ ان کو وہاں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے ـــــ قدیم زمانہ میں بادشاہ سونے کے کنگن پہنتے تھے، اہل جنت کو بھی یہ شاہانہ زیور پہنایا جائے گا ـــــ اور وہ باریک اور دبیز ریشم کے سبز کپڑے پہنیں گے ـــــ جنت میں مردوں کے لئے بھی زیور اور ریشمی کپڑے جائز ہیں یہ چیزیں وہاں مردوں کو بھی خوب زیب دیں گی اور دنیا میں مردوں کے لئے سونے کا کوئی بھی زیور

یہاں تک کہ انگوٹھی اور گھڑی کی چین بھی جائز نہیں۔ اسی طرح ریشمی کپڑے مردوں کے لئے جائز نہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص دنیا میں یہ دونوں چیزیں پہنے گا آخرت میں وہ ان سے محروم رہے گا البتہ ساڑھے چار گرام تک چاندی کی انگوٹھی جائز ہے۔ اور چار انگشت تک ریشم کی چوڑی پٹی جائز ہے، لمبی خواہ کتنی بھی ہو —— اور یہ جو تعبیر میں فرق ہوا ہے کہ زیور تو پہنائے جائیں گے اور لباس پہنیں گے یعنی ایک فعل مجہول ہے اور دوسرا معروف تو اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کی عادت یہی ہے کہ زیور دوسرا پہناتا ہے اور لباس آدمی خود پہنتا ہے —— وہ وہاں مسہریوں پر تکیے لگائے ہوئے بیٹھے ہوں گے —— یعنی نہایت عزت و آرام کے ساتھ چھپر کھٹوں پر گاؤ تکیے لگائے ہوئے آپس میں باتیں کرتے ہوں گے —— کیسا اچھا صلہ ہے اور کیسی اچھی آرام گاہ ہے! —— اللہ تعالیٰ ہر مؤمن کو یہ نعمتیں عطا فرمائے، ان کے ایمان کی حفاظت فرمائے اور ان کو جنت والے کاموں کی توفیق بخشے (آمین)

کلمہ طیبہ جنت کی چابی ہے اور نیک اعمال اس کے دندانے۔ اور چابی کام اسی وقت کرتی ہے جب اس میں دندانے درست ہوں

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّ جَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ۝ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـًٔا ۙ وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ۝ وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ۝ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ۝ وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ۝ قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ۝ لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ۝ وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ۝ فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ۝

اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ۝۴۱ وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ۝۴۲ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ۝۴۳ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ؕ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ۝۴۴

وَاضْرِبْ(1)	اور بیان کیجئے	زَرْعًا	کھیتی	فَقَالَ	پس کہا اس نے
لَهُمْ	ان کے لئے	كِلْتَا(3)	دونوں	لِصَاحِبِهٖ	اپنے ساتھی سے
مَّثَلًا	مضمون	الْجَنَّتَيْنِ	باغ	وَهُوَ	اور وہ
رَّجُلَيْنِ	دو شخصوں کا	اٰتَتْ	دیا انھوں نے	يُحَاوِرُهٗٓ(6)	اس سے باتیں کر رہا تھا
جَعَلْنَا	بنائے ہم نے	اُكُلَهَا	اپنا پھل	اَنَا	میں
لِاَحَدِهِمَا	ان میں سے ایک کیلئے	وَلَمْ تَظْلِمْ(4)	اور نہیں گھٹایا باغ نے	اَكْثَرُ	زیادہ ہوں
جَنَّتَيْنِ	دو باغ	مِّنْهُ شَيْـًٔا	پھل میں سے ذرا بھی	مِنْكَ	تجھ سے
مِنْ اَعْنَابٍ	انگور کے	وَّفَجَّرْنَا	اور بہائی ہم نے	مَالًا	مال میں
وَّحَفَفْنٰهُمَا(2)	اور گھیرا ہم نے دونوں کو	خِلٰلَهُمَا(5)	دونوں کے درمیان	وَّاَعَزُّ(7)	اور گرامی قدر ہوں
بِنَخْلٍ	کھجور کے درختوں سے	نَهَرًا	نہر	نَفَرًا	جماعت میں
وَّجَعَلْنَا	اور بنائی ہم نے	وَّكَانَ لَهٗ	اور تھا اس کے لئے	وَدَخَلَ	اور داخل ہوا
بَيْنَهُمَا	دونوں کے درمیان	ثَمَرٌ	پھل	جَنَّتَهٗ	اپنے باغ میں

(۱)ضَرْب کا استعمال جب مَثَلْ کے ساتھ ہوتو اس کے دومفعول ہوتے ہیں یہاں ایک مفعول مَثَلاً ہے اور دوسرا رَجُلَیْنِ اور دونوں درحقیقت ایک ہی چیز ہوتے ہیں۔ نیز رَجُلَیْنِ کو مَثَلاً سے بدل بھی بنا سکتے ہیں (۲)حَفَفْنَا (ماضی، جمع متکلم) حَفَّ (ن) حَفًّا: گھیرنا۔ حَفَّهٗ بِكَذَا: احاطہ کرلینا (۳) كِلْتَا لفظ کے اعتبار سے تثنیہ اور معنی کے اعتبار سے مفرد ہے چنانچہ آتَتْ خبر مفرد آئی ہے۔اور خِلاَلَهُمَا میں تثنیہ کی ضمیر آئی ہے — كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ (مرکب اضافی) مبتدا اور جملہ آتَتْ خبر ہے — آتَتْ (ماضی واحد مؤنث غائب) آتٰی اِیْتَاءً الشیئَ: دینا (۴)ظَلَمَهٗ (ض) حَقَّه: گھٹانا (۵) دیکھئے بنی اسرائیل آیت نمبر ۵ (۶)یُحَاوِرُ از باب مفاعلہ۔ حَاوَرَهٗ مُحَاوَرَةً وَحِوَارًا: گفتگو کرنا، جواب دینا (۷)أَعَزُّ کا مُفَضَّلْ منه محذوف ہے أی منك اور مَالاً اور نَفَرًا تمیز ہیں۔

وَهُوَ	اور وہ	خَیْرًا	بہتر	رَجُلًا	آدمی
ظَالِمٌ	ظلم کرنے والا تھا	مِّنْهَا	اس باغ سے	لٰكِنَّا (۸)	لیکن میں
لِّنَفْسِهٖ (۱)	اپنی ذات پر	مُنْقَلَبًا (۴)	پلٹنے کی جگہ	هُوَ	شان یہ ہے
قَالَ	کہا اس نے	قَالَ لَهٗ	کہا اس سے	اللّٰهُ	(کہ) اللہ تعالیٰ
مَآ اَظُنُّ	نہیں خیال کرتا ہوں میں	صَاحِبُهٗ	اس کے ساتھی نے	رَبِّیْ	میرے رب ہیں
اَنْ تَبِیْدَ (۲)	کہ برباد ہو	وَهُوَ	اور وہ	وَلَآ اُشْرِكُ	اور نہیں شریک ٹھہراتا میں
هٰذِهٖٓ	یہ باغ	یُحَاوِرُهٗٓ	اس سے باتیں کر رہا ہے	بِرَبِّیْٓ	میرے رب کے ساتھ
اَبَدًا	کبھی بھی	اَكَفَرْتَ (۵)	کیا انکار کیا تو نے	اَحَدًا	کسی کو
وَّمَآ اَظُنُّ	اور نہیں خیال کرتا میں	بِالَّذِیْ	اس کا جس نے	وَلَوْلَآ	اور کیوں نہ
السَّاعَةَ	قیامت کو	خَلَقَكَ	پیدا کیا تجھ کو	اِذْ دَخَلْتَ (۹)	جب داخل ہوا تو
قَآئِمَةً	برپا ہونے والی	مِنْ تُرَابٍ	خاک سے	جَنَّتَكَ	اپنے باغ میں
وَّلَئِنْ	اور بخدا اگر	ثُمَّ	پھر	قُلْتَ	کہا تو نے
رُّدِدْتُّ (۳)	پھیرا گیا میں	مِنْ نُّطْفَةٍ (۶)	قطرہ سے	مَا شَآءَ (۱۰)	جو کچھ چاہتے ہیں
اِلٰى رَبِّیْ	میرے رب کی طرف	ثُمَّ	پھر	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ (وہی ہوتا ہے)
لَاَجِدَنَّ	(تو) ضرور پاؤں گا میں	سَوّٰىكَ (۷)	ٹھیک بنایا تجھ کو	لَا قُوَّةَ	نہیں کچھ طاقت

(۱) لِنَفْسِهٖ: ظَالِمٌ (اسم فاعل) کا مفعول بہ ہے اور لام زائد ہے (۲) جملہ تَبِیْدَ بتاویل مصدر ہو کر أَظُنُّ کا مفعول ہے — تَبِیْدُ (مضارع واحد مؤنث غائب) بَادَ (ض) بَیْدًا وَبَیَادًا: ہلاک ہونا بیابان میں کسی چیز کا متفرق اور پراگندہ ہونا، مکمل برباد ہونا۔ (۳) رُدِدْتُ (ماضی مجہول واحد متکلم) رَدَّ (ن) رَدًّا: لوٹانا، واپس کرنا۔ پھیرنا (۴) مُنْقَلَبًا تمیز ہے۔ مُنْقَلَبٌ (اسم ظرف) لوٹنے کی جگہ (مصدر میمی) لوٹنا (۵) استفہام توبیخ (ملامت کرنے) اور تقریع (جھڑکنے) کے لئے ہے (۶) نَطَفَ (ن، ض) نَطْفًا الماءُ: تھوڑا تھوڑا پانی بہنا۔ نَطَفَتِ الْقِرْبَةُ مشک کا ٹپکنا النُّطفة: (۱) صاف پانی تھوڑا ہو یا زیادہ (۲) مرد یا عورت کا مادہ۔ جمع نُطَفٌ وَنِطَافٌ (۷) سَوّٰی تَسْوِیَةً: پورا پورا بنانا، برابر کرنا۔ یہ فعل بمعنی صَیَّرَ اور جَعَلَ ہے اور رَجُلًا اس کا مفعول ثانی ہے (۸) لٰكِنَّا دو لفظ ہیں لٰكِنْ (حرف استدراک) اور اَنَا (ضمیر واحد متکلم) خلاف قیاس ہمزہ کو اس کی حرکت کے ساتھ حذف کردیا پھر نون کا نون میں ادغام کیا۔ أَنَا کے آخر کا الف حالت وقف میں تو پڑھا جاتا ہے مگر حالت وصل میں نہیں پڑھا جاتا اس لئے اس پر گول دائرہ بنایا گیا جو الف کے نہ پڑھے جانے کی نشانی ہے۔ لٰكِنَّا میں جو لٰكِنْ ہے وہ بے عمل ہے اور اس میں جو أَنَا ہے وہ مبتدا اول ہے هُوَ (ضمیر شان) مبتدا ثانی۔ اَللّٰهُ مبتدا ثالث، رَبِّیْ خبر (۹) اِذْ دَخَلْتَ قُلْتَ کا ظرف مقدم ہے (۱۰) مَا موصولہ جملہ شَاءَ اللّٰهُ صلہ ←

اِلَّا بِاللّٰهِ	مگر اللہ کی مدد سے	حُسْبَانًا (۳)	کوئی آفت	يُقَلِّبُ	الٹنے پلٹنے
اِنْ تَرَنِ (۱)	اگر دیکھتا ہے تو مجھ کو	مِّنَ السَّمَآءِ	آسمان سے	كَفَّيْهِ	اپنی ہتھیلیوں کو
اَنَا	(کہ) میں	فَتُصْبِحَ (۴)	پس ہو جائے وہ	عَلٰى (۸)	اس پر جو
اَقَلَّ	کم ہوں	صَعِيْدًا	زمین	مَآ اَنْفَقَ	خرچ کیا اس نے
مِنْكَ	تجھ سے	زَلَقًا (۵)	میدان	فِيْهَا	اس باغ میں
مَالًا	مال میں	اَوْ يُصْبِحَ	یا ہو جائے	وَهِيَ	اور وہ
وَّوَلَدًا	اور اولاد میں	مَآؤُهَا	اس کا پانی	خَاوِيَةٌ (۹)	گرا پڑا ہے
فَعَسٰى	تو ہو سکتا ہے	غَوْرًا (۶)	زمین میں اترا ہوا	عَلٰى عُرُوْشِهَا	اپنی چھتریوں پر
رَبِّيْٓ	میرا رب	فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ	پس نہ طاقت رکھتے تو	وَيَقُوْلُ	اور کہہ رہا ہے وہ
اَنْ يُّؤْتِيَنِ (۲)	کہ دے مجھے	لَهٗ	اس کو	يٰلَيْتَنِيْ	کیا خوب
خَيْرًا	بہتر	طَلَبًا	تلاش کرنے کی	لَمْ اُشْرِكْ	نہ شریک ٹھہراتا میں
مِّنْ جَنَّتِكَ	تیرے باغ سے	وَاُحِيْطَ	اور گھیرا گیا	بِرَبِّيْٓ	میرے رب کے ساتھ
وَيُرْسِلَ	اور بھیج دے	بِثَمَرِهٖ	اس کے پھل کو	اَحَدًا	کسی کو
عَلَيْهَا	اس باغ پر	فَاَصْبَحَ (۷)	پس لگا وہ	وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ	اور نہیں تھی اس کے لئے

← پھر موصول صلہ مل کر یا تو خبر ہیں اور مبتدا الْاَمْر محذوف ہے یا مبتدا ہیں اور خبر كَائِنٌ محذوف ہے اور بِاللّٰه محذوف سے متعلق ہو کر لائے نفی جنس کی خبر ہے۔

(۱) تَرَنِ (مضارع مجزوم واحد مذکر حاضر) نون سے پہلے ی (لام کلمہ) محذوف ہے، ن وقایہ کا ی ضمیر متکلم مفعول اول محذوف ہے اور نون کا کسرہ اس کی علامت ہے رَاى يَرىٰ رُؤْيَةً: دیکھنا، آنکھ سے یا دل سے۔ اَنَا دو مفعولوں کے درمیان ضمیر فصل ہے اَقَلَّ مفعول ثانی ہے اور مَالاً وَوَلَدًا تمیز ہیں اور فَعَسٰى جزاء ہے (۲) يُّؤْتِيَنِ کے آخر میں بھی نون وقایہ ہے اور ی ضمیر متکلم محذوف ہے، فعل مضارع منصوب واحد مذکر غائب ہے آتي يؤتي ايتاءً: دینا (۳) حُسْبَان کے دو معنی ہیں (۱) بھبو کا یعنی لو کا بگولہ، گرم ہوا کا جھکڑ (۲) عذاب، آفت ــ لفظ کے اصل معنی ہیں حساب کے مطابق سزا۔ اور یہ لفظ باب نصر کا مصدر ہے جس کے معنی ہیں شمار کرنا (۴) تُصْبِحُ فعل ناقص ہے ضمیر هِيَ مستتر اس کا اسم اور صَعِيْدًا زَلَقًا (مرکب توصیفی) خبر (۵) الزَّلَقُ: پھلسن کی جگہ، چکنی سپاٹ زمین جس میں کچھ نہ ہو، پٹپڑا یعنی ایسی صاف زمین جس پر پیر پھسلنے لگیں۔ زَلِقَ (س، ن) زَلَقًا: پھلسنا (۶) غَارَ غَوْرًا: پانی کا زمین کے اندر اتر جانا کسی بھی چیز کا اندر کی طرف چلا جانا جیسے غَارَتْ عَيْنُهٗ: اس کی آنکھ اندر کو دھنس گئی (۷) اَصْبَحَ کا يُقَلِّبُ کے ساتھ ملا کر ترجمہ کیا گیا ہے "لگا" اسی کا ترجمہ ہے (۸) عَلٰى مَا إلخ يُقَلِّبُ سے متعلق ہے (۹) خَاوِيَةٌ (اسم فاعل) افتادہ، گری ہوئی، خَوَى خَوَاءً البيتُ: گرنا، خالی ہونا۔

فِئَةٌ	کوئی جماعت	مُنْتَصِرًا	بدلہ لینے والا	هُوَ	وہ
يَّنْصُرُوْنَهٗ (۱)	(جو) مدد کرتی اس کی	هُنَالِكَ (۲)	اس وقت	خَيْرٌ	بہتر ہیں
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کے سوا	الْوَلَايَةُ	کارسازی	ثَوَابًا	بدلہ کے اعتبار سے
وَمَا	اور نہیں	لِلّٰهِ	اللہ کے لئے (ہے)	وَّخَيْرٌ	اور بہتر ہیں
كَانَ	تھا وہ	الْحَقِّ	جو برحق ہیں	عُقْبًا (۳)	اچھے انجام کے اعتبار سے

مکہ مکرمہ کے متکبر سردار غریب مسلمانوں کے ساتھ بیٹھنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ان کا مطالبہ تھا کہ ان پھٹے حالوں کو ہٹا دیا جائے تو ہم آکر سنیں، ان میں یہ غرور و پندار کیوں تھا؟ دنیا کی چند کوڑیوں کی وجہ سے۔اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں خوشحال بنایا تھا اس لئے وہ آپے سے باہر ہو گئے تھے اور اپنے ہی بھائیوں کو کوڑی کے آدمی سمجھنے لگے تھے۔اب ان فریب خوردہ سرداروں کو ایک مثال سنائی جاتی ہے۔یہ مثال ایک کافر مالدار اور ایک غریب ایماندار کی ہے۔اس واقعہ سے دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی پائیداری، کفر و غرور کی بدانجامی اور ایمان و تقویٰ کی نیک فرجامی ظاہر ہوگی۔ یہ بڑی عبرت انگیز داستان ہے۔ارشاد ہے ـــــ اور آپ لوگوں کے (فائدے کے) لئے دو شخصوں کی مثال بیان کیجئے ـــــ ان میں سے ایک ملحد مالدار شیخی بگھارنے والا تھا اور دوسرا موحّد، دیندار غریب آدمی تھا ـــــ ان میں سے ایک کو ہم نے انگور کے دو باغ دیئے تھے اور اُن کے گرد ہم نے کھجور کے درختوں کی باڑ لگائی تھی اور اُن دونوں کے درمیان ہم نے کاشت کی زمین رکھی تھی ـــــ انگور کا باغ بجائے خود قیمتی ہوتا ہے پھر ایک چھوڑ دو باغ اللہ تعالیٰ نے اس کو دیئے تھے پھر ان کے گرداگرد خرموں کی باڑ لگی ہوئی تھی۔اس پر مستزاد یہ کہ باغوں کے درمیان کی جگہ بھی بے کار نہیں تھی بلکہ سرسبز و شاداب کھیتی سے لہلہا رہی تھی اور وہ کافر آسودگی اور مالداری کا کامل نمونہ بنا ہوا تھا ـــــ دونوں ہی باغ خوب پھلے، اور بارآور ہونے میں انھوں نے ذرا کمی نہ کی ـــــ یعنی ایسا نہیں ہوا کہ ایک باغ پھلا ہو اور دوسرا نہ پھلا ہو یا ایک درخت زیادہ آیا ہو اور دوسرا کم، بلکہ دونوں ہی باغ خوب آئے کسی میں کوئی نقصان اور کمی نہیں تھی ـــــ اور اُن باغوں کے درمیان ہم نے نہر جاری کی تھی ـــــ جس سے منظر بڑا فرحت بخش بنا ہوا تھا اور

(۱) جملہ يَنْصُرُوْنَهٗ پہلی صفت ہے فِئَةٌ کی اور مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ: كَائِنَةً سے متعلق ہو کر دوسری صفت ہے (۲) هُنَالِكَ خبر اول مقدم، اَلْوِلَايَة مبتدا مؤخر۔لِلّٰهِ خبر ثانی۔اَلْحَقُّ اللہ کی صفت۔اَلْوِلَايَةُ (مصدر) وَلِيَ يَلِي وِلَايَةً وَوَلَايَةً الشيئَ وَعَلَى الشَّيْءِ: والی ہونا، متصرف ہونا، کارساز ہونا (۳) عُقْبًا تمیز ہے، عُقْبٌ: بدلہ، جزا، ثواب؛ امام راغب نے لکھا ہے کہ عقب اور عُقْبٰی دونوں کا استعمال ثواب کے ساتھ مخصوص ہے ۱۲

باغ بھی سر سبز وشاداب رہتا تھا ـــــــ اور اس شخص کے پاس اور بھی دولت تھی ـــــــ یعنی باغوں کی شادابی اور کھیتی کی سرسبزی کے علاوہ اور بھی بے حساب دولت اس کے پاس جمع تھی۔ ثمر کے معنی پھل کے علاوہ دولت کے بھی آتے ہیں اور وہی یہاں مراد ہیں۔ غرض اس شخص کو ہر طرح کی خوشحالی اور دولت وثروت حاصل تھی، کمی کسی چیز کی نہیں تھی ـــــــ پس وہ اپنے ساتھی سے باتیں کرتے ہوئے کہنے لگا: ''میں تجھ سے بڑا مالدار ہوں اور تجھ سے زیادہ گرامی قدر جماعت والا ہوں ـــــــ یہ بات محض شیخی بھی ہوسکتی ہے اور حقیقی بھی ہوسکتی ہے یعنی دیکھ مال ودولت اور جتھا میرے پاس تجھ سے کہیں زیادہ ہے۔ اب بتا اگر میرا طریقہ خلاف حق ہوتا اور میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ ہوتا تو اس مرفہ حالی میں کیوں ہوتا؟ ـــــــ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا غریب ساتھی، جو پکا موحد اور دیندار تھا، اس کو نصیحت کیا کرتا ہوگا، وہ اس کو کفر وشرک کی برائی سمجھاتا ہوگا اور توبہ وانابت کی تلقین کرتا ہوگا اس کے جواب میں وہ کافر کہہ رہا ہے کہ میں مال میں جتھے میں بلکہ ہر چیز میں تجھ سے بڑھا ہوا ہوں پھر کس طرح یقین کروں کہ میں باطل پر ہوں اور تجھ جیسا مفلس حق پر ہے۔ میری اور تیری صورت حال سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ میرا مسلک صحیح اور تیرا مذہب غلط ہے ـــــــ اور وہ اپنے باغ میں داخل ہوا ـــــــ مع اپنے اُس مسلمان دیندار ساتھی کے ـــــــ اپنی جان پر ظلم کرتا ہوا ـــــــ یعنی وہ شرک میں مبتلا تھا۔ کبر وغرور کا نشہ دماغ میں بھرا ہوا تھا ـــــــ کہنے لگا: ''میں نہیں سمجھتا کہ یہ باغ کبھی بھی برباد ہوگا، اور مجھے توقع نہیں کہ قیامت برپا ہوگی اور بخدا! اگر میں اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا گیا تو ضرور اس سے بھی زیادہ شاندار جگہ پاؤں گا ـــــــ یعنی میری اس جائداد کے اجڑنے اور ویران ہونے کے قطعاً کوئی آثار نہیں، میں سمجھتا ہوں کہ میرا یہ باغ سدا آباد رہے گا۔ رہی قیامت کی بات تو اول تو میں اس کا قائل ہی نہیں، یہ سب ڈھکوسلے ہیں۔ لیکن اگر تیرے عقیدے کے مطابق حشر ونشر ہوگا تو میں جس طرح عیش وعشرت کی زندگی یہاں بسر کر رہا ہوں، وہاں بھی اس سے زیادہ چین وآرام سے رہوں گا۔ کیونکہ تیرے قول کے مطابق جنت اللہ کے مقبول بندوں کے لئے ہے اور میری مقبولیت کے آثار تو دیکھ ہی رہا ہے اگر میں اللہ کے نزدیک مقبول نہ ہوتا تو یہ سب اسباب راحت مجھے کیوں ملتے؟ اس لئے تیرے قول کے مطابق بھی مجھے وہاں اچھے اچھے باغات اور اسباب راحت ملیں گے۔

مؤمن بندے کا جواب: مؤمن آدمی نے اس سے چار باتیں کہیں:

پہلی بات: ـــــــ اس سے اس کے ساتھی نے باتیں کرتے ہوئے کہا: ''کیا تو اُس ذات کا انکار کرتا ہے جس نے تجھے مٹی سے، پھر ایک قطرہ سے پیدا کیا پھر تجھے پورا آدمی بنا دیا؟'' ـــــــ یعنی تیری باتوں سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ تو خدا کا اور اس کی قدرت کا منکر ہے مگر تو اس پر غور نہیں کرتا کہ جس ہستی نے تجھ کو مٹی سے، پھر منی کے

قطرے سے پیدا کیا پھر تیرے سب اعضا اور قوی درست کئے اور تجھے توانا تندرست مرد بنادیا، وہ ہستی مٹی میں رَل مل جانے کے بعد دوبارہ تجھ کو پیدا نہیں کرسکتی؟ کرسکتی ہے اور یہ کام ان کے لئے نہایت آسان ہے۔

ہر انسان مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اس طرح کہ مادۂ منویہ خون سے بنتا ہے اور خون غذا سے اور غذا زمین سے پیدا ہوتی ہے۔ غذا میں مٹی کا نچوڑ آجاتا ہے۔ سورۃ المؤمنون آیت ۱۲ میں ہے ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ﴾ اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے بنایا۔ چنانچہ آدم اور حوا علیہما السلام جب تک جنت میں رہے ان کی اولاد نہیں ہوئی۔ کیونکہ انسان کی تخلیق مٹی سے مقدر تھی۔ جب دونوں زمین پر اتارے گئے اور انھوں نے زمین سے پیدا ہونے والی غذا کھانی شروع کی تب اس سے خون بن کر مادہ تیار ہوا اور اولاد کا سلسلہ شروع ہوا۔

غرض مٹی ہر انسان کا اولین مادۂ تخلیق ہے اور اس کا آخری مرحلہ نطفہ ہے جو شکم مادر میں پہنچ کر جسم کی تخلیق کا ذریعہ بنتا ہے۔ پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے اور انسان زندہ ہوجاتا ہے پھر پیدا ہونے کے بعد جب اس پر ایک معتد بہ وقت گذر جاتا ہے تو وہ ہٹا کٹا مرد بن جاتا ہے۔ پس انسان اگر اپنی تخلیق اور اس کے مواد اور مراحل پر غور کرے تو اس کا بعث بعد الموت کا استبعاد آسانی سے دور ہوسکتا ہے۔

دوسری بات: ـــــ رہا میں تو میرے پروردگار وہی اللہ تعالیٰ ہیں اور ان کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہیں کرتا ـــــ یعنی میرا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی تنہا میرے پروردگار ہیں، خدائی میں ان کا کوئی حصہ دار نہیں، نہ ان کے حکم واختیار کے سامنے کوئی دم مار سکتا ہے۔

تیسری بات: ـــــ اور جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تو اس وقت تو نے یہ کیوں نہ کہا کہ: ''جو اللہ کو منظور ہوتا ہے وہی ہوتا ہے بغیر اللہ کی مدد کے کوئی طاقت نہیں'' ـــــ یعنی مال اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ شکر گذاری سے اس کو پائیداری حاصل ہوتی ہے اور اِترانے اور کفر بکنے سے آفت آتی ہے، تجھے چاہئے تھا کہ باغ میں داخل ہوتے وقت کہتا کہ خدا جو چاہے سو عطا کرے، تیرے یا میرے یا کسی کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے؟ ہم میں جو کچھ زور وقوت ہے اللہ ہی کی امداد واعانت سے ہے۔ اللہ تعالیٰ جب تک چاہیں گے تیرا یہ باغ قائم رہے گا اور جب وہ چاہیں گے ویران ہوجائے گا۔

فائدہ: مَاشَآءَ اللّٰهُ، لَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ بڑا بابرکت جملہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص اپنا کوئی مال دیکھے اور وہ اس کو پسند آئے اور وہ مَاشَآءَ اللّٰهُ لَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کہے تو اس مال کو کبھی کوئی آفت نہ پہنچے گی۔ دوسری روایت میں ہے کہ جب بھی اللہ تعالیٰ کسی کو مال وعیال میں کوئی نعمت عطا فرمائیں اور وہ مَاشَآءَ اللّٰهُ لَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ

کہے تو تا حیات اللہ تعالیٰ اس نعمت سے ہر آفت دور فرما دیتے ہیں (یہ دونوں روایتیں امام بیہقی رحمہ اللہ کی شعب الایمان میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں)

اور امام مالک رحمہ اللہ تو جب بھی اپنے مکان میں داخل ہوتے مَاشَآءَ اللّٰه کہہ کر داخل ہوتے، کسی نے وجہ دریافت کی تو آپ نے یہ آیت کریمہ پڑھی یعنی امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک گھر میں داخل ہونے والے کو بھی یہ ذکر کرنا چاہئے۔

روایات میں آیا ہے کہ اگر کوئی شخص پسندیدہ چیز کو دیکھ کر مَاشَآءَ اللّٰهُ کہہ لے تو اس کو نظر نہیں لگتی

چوتھی بات: —— اگر تو مجھے مال اور اولاد میں اپنے سے کم پاتا ہے تو کچھ بعید نہیں میرا پروردگار مجھے تیرے باغ سے بہتر (کوئی نعمت) عطا فرما دیں اور تیرے باغ پر آسمان سے کوئی آفت بھیج دیں جس سے وہ صاف میدان بن کر رہ جائے —— یعنی کوئی گرم بگولہ اٹھے یا کوئی آسمانی آفت آئے جو باغ کو تہس نہس کر کے چٹیل میدان بنا دے —— یا اس کا پانی زمین میں اتر جائے پھر تو اسے کسی طرح بھی نہ نکال سکے —— یعنی نہر کا پانی خشک ہوئے پھر باوجود کوشش کے جاری نہ ہو سکے اور باغ و کاشت کا ستیاناس ہو جائے۔

انجام: اس مؤمن بندے کی فہمائش کا کوئی اثر اس مغرور کافر نے قبول نہ کیا۔ وہ برابر اپنی روش پر قائم رہا اور خدا بیزاری اس کا شیوہ بنا رہا تو اس کے باغ کا اور دوسری دولتوں کا انجام کیا ہوا: —— اور اس کا سارا پھل مارا گیا —— سب سامانِ عیش تباہ ہو گیا —— پھر وہ باغ میں اپنی لگائی ہوئی لاگت پر کف افسوس ملتا رہ گیا اور باغ اپنی ٹٹیوں پر گرا پڑا تھا —— یعنی اس کے باغ کا آخری انجام وہی ہوا جو اس مردِ مؤمن کی زبان سے نکلا تھا۔ رات کو آگ کا بھبوکا آیا اور سب باغ جل کر خاکستر ہو گیا اور وہ اپنی اصل پونجی بھی کھو بیٹھا —— اور وہ کہہ رہا ہے: ''کیا خوب ہوتا کہ میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا'' —— مگر اب پچھتائے کیا ہوت ہے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت! —— اور اس کے لئے خدا کے سوا کوئی ایسا جتھا نہ تھا جو اس کی مدد کرتا اور نہ وہ خود بدلہ لے سکا —— یعنی جب آفت نازل ہوئی تو نہ جتھا کام آیا نہ اولاد۔ نہ فرضی معبودوں نے کوئی تعاون کیا جن کو خدائی میں شریک ٹھہرا رکھا تھا۔ اور نہ خود اس کی ذات میں اتنی طاقت تھی کہ خدائی آفت کا مقابلہ کرتا —— ایسے مواقع پر مدد کرنا بس اللہ کا برحق کا کام ہے —— اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی نصرت پر قادر نہیں، ایسی خطرناک گھڑیوں میں صرف اللہ ہی کی مدد کشتی بھنور سے نکال سکتی ہے اور وہی نقصان کا نعم البدل عطا فرماتے ہیں —— انہی کا انعام بہتر ہے اور انہی کا ظاہر کیا ہوا انجام بخیر ہے —— یعنی وہ جو بدلہ اور انعام دیں، دنیا و آخرت میں وہی بہتر صلہ ہے اور جو مآل کار

ظاہر فرمائیں وہی بندے کے حق میں بہتر ہے۔ انہی کا عطا کیا ہوا ثواب دنیا وعقبیٰ میں کام آتا ہے اور وہی انسان کا انجام بخیر کرنے والے ہیں۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿۴۵﴾ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ﴿۴۶﴾

وَاضْرِبْ	اور بیان کیجئے	الْاَرْضِ	زمین (کا)	وَالْبَنُوْنَ	اور بیٹے
لَهُمْ	ان کے لئے	فَاَصْبَحَ	پھر ہوگیا وہ سبزہ	زِيْنَةُ (۴)	رونق (ہیں)
مَّثَلَ	مثال	هَشِيْمًا (۲)	چورا	الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا	دنیوی زندگی (کی)
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا	دنیوی زندگی (کی)	تَذْرُوْهُ	جسکو اڑائے پھرتی ہیں	وَالْبٰقِيٰتُ (۵)	اور باقی رہنے والے
كَمَآءٍ (۱)	جیسے پانی	الرِّيٰحُ	ہوائیں	الصّٰلِحٰتُ	نیک اعمال
اَنْزَلْنٰهُ	برسایا ہم نے اس کو	وَكَانَ	اور ہیں	خَيْرٌ (۶)	بہتر (ہیں)
مِنَ السَّمَآءِ	آسمان سے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	عِنْدَ رَبِّكَ	آپکے رب کے نزدیک
فَاخْتَلَطَ	پس رل مل گیا	عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز پر	ثَوَابًا	ثواب کے اعتبار سے
بِهٖ	پانی کی وجہ سے	مُّقْتَدِرًا (۳)	پوری قدرت رکھنے والے	وَّخَيْرٌ	اور بہتر (ہیں)
نَبَاتُ	سبزہ	اَلْمَالُ	مال	اَمَلًا	امید کے اعتبار سے

دنیا کی ریبائش چند روزہ ہے ایک مثال سے یہ حقیقت سمجھائی جاتی ہے ارشاد ہے: —— اور آپ لوگوں کے

(۱) كَمَاءٍ، اِضْرِبْ کا مفعول ثانی ہے اور هِيَ مقدر کی خبر بھی ہوسکتا ہے اور جملہ أَنْزَلْنَاهُ، مَآءٍ کی صفت ہے (۲) هَشِيْمٌ صفت مشبہ، فعیل بمعنی مفعول، شکستہ، ریزہ ریزہ، بھوسہ۔ هَشَمَ (ض) هَشْمًا: ہر خشک چیز کو ریزہ ریزہ کرنا (۳) مُقْتَدِرٌ (اسم فاعل) پوری قدرت رکھنے والا، قابو یافتہ، مصدر۔ اِقْتِدَارٌ (۴) زِيْنَةٌ مصدر ہے جس میں واحد تثنیہ جمع برابر ہیں اس وجہ سے زِيْنَةٌ مفرد دو چیزوں کی خبر آیا ہے (۵) اَلْبَاقِيَاتُ کا موصوف مقدر ہے أی الكلمات یا الأعمال (۶) خَيْرٌ اسم تفضیل ہے اور تفاضل کفار کے خیال کے اعتبار سے ہے ورنہ حقیقت میں دنیا کی چیزوں میں کوئی خیریت نہیں ۱۲

لئے دنیوی زندگی کی مثال بیان کیجئے ــــ دنیا کا حال بس ایسا سمجھو ــــ جیسے ہم نے بادلوں سے پانی برسایا، پس اس کی وجہ سے زمین کا سبزہ رل مل گیا ــــ یعنی ہر طرح کا سبزہ، اچھا بُرا، انسانوں کے کام کا اور جانوروں کے کھانے کا ایک ساتھ ایک جگہ اگ آیا، اور ایک دوسرے کے ساتھ مل کر بڑھنے لگا اور سبزہ زار تیار ہو گیا ــــ پھر وہ ایسا چورا ہو گیا جس کو ہوا اڑائے پھرتی ہے ــــ یعنی چند ہی روز بعد زمین کی تر وتازگی پر زوال آ گیا۔ اس کی بہار خزاں سے بدل گئی۔ ایک ہوا چلی اور سبزہ پیلا پڑنے لگا، پھر خشک ہو گیا اور ٹوٹ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو گیا اور ہوائیں اس کو اِدھر اُدھر اڑانے لگیں۔ یہی انجام دنیا کا ہونے والا ہے۔ آج دنیا آباد ہے اچھے اور برے سبھی لوگ زمین میں رلے ملے زندگی کا سانس لے رہے ہیں مگر کل قیامت کو جب اس دنیا پر زوال آئے گا تو اس کے پہاڑ دُھنی ہوئی روئی کے گالوں کی طرح اڑنے لگیں گے، اور یہ زمین سپاٹ میدان بنادی جائے گی ــــ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں ــــ بہار بھی انہی کے حکم سے آئی تھی اور اب خزاں بھی انہی کے حکم سے آ گئی۔ انہی کے اشارہ سے زمین آباد ہوئی تھی اب انہی کے حکم سے اجڑ گئی۔ پس خوش حال اس دھوکہ میں نہ رہیں کہ ان کی نعمتیں لازوال ہیں، جس خدا کے حکم سے یہ سب کچھ ملا ہے اسی خدا کے حکم سے یہ سب چھن بھی سکتا ہے۔ دنیا اِترانے کی چیز نہیں اس کی بہار محض عارضی ہے۔ سدا باقی رہنے والی زندگی آخرت کی ہے اس کے لئے جو بھی سامان فراہم کیا جائے، کام آنے والا ہے ــــ مال اور بیٹے دنیوی زندگانی کی آرائش ہیں ــــ یعنی یہ چیزیں صرف دنیا کی ساتھی ہیں ان کی وجہ سے جو شان وشوکت اور عزت ونا موری حاصل ہوتی ہے وہ صرف دنیا تک باقی رہتی ہے یہ چیزیں فی نفسہٖ آخرت میں کام آنے والی نہیں۔ آخرت میں کام آنے والی چیزیں اعمال صحالہ ہیں ــــ اور باقی رہنے والے نیک اعمال آپ کے پروردگار کے پاس ثواب کے اعتبار سے بہتر ہیں اور امید کے اعتبار سے بھی بہتر ہیں ــــ یعنی آخرت میں اعمال صالحہ سے جو امیدیں وابستہ کی جائیں گی وہی پوری ہونگی، رہا دنیا کا مال ومنال اور آل اولاد تو ان سے کبھی دنیا کی امیدیں بھی پوری نہیں ہوتیں، آخرت میں ان سے نفع کی کیا توقع کی جاسکتی ہے۔

باقیات صالحات سے مراد تمام اعمال صالحہ ہیں۔ پانچوں نمازیں، تمام اذکار، سب مالی عبادتیں اور دوسرے نیک اعمال اس لفظ کا مصداق ہیں مگر احادیث میں ایک خاص ذکر کو باقیات صالحات کا مصداق بتایا گیا ہے تا کہ انسان ہر حال میں، چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے ان کا ورد کرے۔ اور آخرت کے لئے ان کا ذخیرہ کرے۔

حدیث ــــ مسند احمد وغیرہ میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: باقیات صالحات کو زیادہ سے زیادہ جمع کرو، عرض کیا گیا: وہ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا سُبْحَانَ اللّٰہِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ،

وَلَآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ اَكْبَرُ، وَلَاقَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ.

حدیث — عقیلی نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سُبْحَانَ اللّٰهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلَآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ اَكْبَرُ یہی باقیات صالحات ہیں۔ یہی بات طبرانی نے بروایت حضرت سعد بن عبادۃ رضی اللہ عنہ بھی بیان کی ہے

حدیث — مسلم اور ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلَآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ اَكْبَرُ میرے نزدیک ان تمام چیزوں سے محبوب ہیں جن پر سورج کی روشنی پڑتی ہے یعنی سارے جہاں سے بہتر ہیں۔

حدیث — طبرانی نے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سُبْحَانَ اللّٰهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلَآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ اَكْبَرُ، وَلَاقَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ باقیات صالحات ہیں اور یہ کلمات گناہوں کو اس طرح جھاڑ دیتے ہیں جس طرح (پت جھڑ کے موسم میں) درخت پتوں کو جھاڑتا ہے اور یہ کلمات جنت کے خزانوں میں سے ہیں۔

فائدہ: اس آیت میں مال اور اولاد کو حیات دنیا کی زینت کہا گیا ہے۔ یہ حکم فی نفسہٖ ہے۔ لیکن اگر انہی کو خدا پرستی اور دین طلبی کا ذریعہ بنالیا جائے اور ان سے طاعت الٰہی اور خدمت دین کا کام لیا جائے تو یہی مال واولاد مقصود ومطلوب بن جاتے ہیں اور ان کا شمار باقیات صالحات میں ہونے لگتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے: جب انسان وفات پاجاتا ہے تو اس کے اعمال موقوف ہوجاتے ہیں مگر تین عمل جاری رہتے ہیں (۱) صدقۂ جاریہ (۲) وہ علم جس سے فائدہ اٹھایا جارہا ہو (۳) نیک اولاد، جو مرنے والے کے لئے دعا کرے (رواہ مسلم) اور تفسیر قرطبی میں عبید بن عُمیر کا قول نقل کیا گیا ہے کہ باقیات صالحات نیک لڑکیاں ہیں، وہ اپنے والدین کے لئے سب سے بڑا ذخیرہ ہیں اور دلیل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت پیش کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے اپنی امت کے ایک آدمی کو دیکھا جس کو جہنم میں لے جانے کا حکم دیا گیا۔ اس کی نیک لڑکیاں اس کو چمٹ گئیں اور رونے لگیں اور اللہ تعالیٰ سے فریاد کرنے لگیں: یا اللہ! انھوں نے دنیا میں ہم پر بڑا احسان کیا ہے اور ہماری پرورش میں بڑی محنت اٹھائی ہے! اللہ تعالیٰ نے اس پر رحم فرما کر بخش دیا۔

وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ۚ﴿۴۷﴾

وَ عُرِضُوْا عَلٰی رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍۢ ؗ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ۝۴۸ وَ وُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَ يَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّ لَا كَبِيْرَةً اِلَّاۤ اَحْصٰىهَا ۚ وَ وَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ وَ لَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ۝۴۹ ع ۵ / ۱۸

وَيَوْمَ	اور جس دن	صَفًّا	قطار میں	وَوُضِعَ	اور رکھ دی جائے گی
نُسَيِّرُ	ہم چلائیں گے	لَقَدْ	البتہ تحقیق	الْكِتٰبُ	کتاب (نامۂ اعمال)
الْجِبَالَ	پہاڑوں کو	جِئْتُمُوْنَا	آ پہنچے تم ہمارے پاس	فَتَرَى	پس دیکھیں گے آپ
وَتَرَى	اور دیکھیں گے آپ	كَمَا [3]	جیسا	الْمُجْرِمِيْنَ	مجرموں کو
الْاَرْضَ	زمین کو	خَلَقْنٰكُمْ	پیدا کیا ہم نے تم کو	مُشْفِقِيْنَ	ڈرنے والا
بَارِزَةً	کھلی	اَوَّلَ مَرَّةٍ	پہلی بار	مِمَّا	اس سے جو
وَّحَشَرْنٰهُمْ [1]	اور جمع کریں گے ہم ان کو	بَلْ	بلکہ	فِيْهِ	اس میں ہے
فَلَمْ نُغَادِرْ [2]	پس نہ چھوڑیں گے ہم	زَعَمْتُمْ	سمجھتے تھے تم	وَيَقُوْلُوْنَ	اور وہ کہیں گے
مِنْهُمْ	ان میں سے	اَلَّنْ [4]	کہ ہرگز نہیں	يٰوَيْلَتَنَا	ہائے ہماری کم بختی!
اَحَدًا	کسی کو	نَّجْعَلَ	مقرر کریں گے ہم	مَا [5]	کیا (ہوا)
وَعُرِضُوْا	اور پیش کئے گئے وہ	لَكُمْ	تمہارے لئے	لِ هٰذَا	اس نامۂ اعمال کو
عَلٰی رَبِّكَ	آپ کے رب کے روبرو	مَّوْعِدًا	کوئی معیاد	الْكِتٰبِ	

(۱) حَشَرْنَاهُمْ، عُرِضُوْا اور وُضِعَ تینوں فعل ماضی بمعنی مستقبل ہیں، تحقُّقِ وقوع کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ماضی لائے گئے ہیں (۲) لَمْ نُغَادِرْ کا عطف حَشَرْنَاهُمْ پر ہے کیونکہ نُغَادِرُ (مضارع) بھی لَمْ کی وجہ سے ماضی منفی ہوگیا ہے (۳) كَمَا إلخ یا تو مفعول مطلق ہے یا ضمیر مرفوع سے حال ہے پہلی صورت میں كَمَا إلخ مصدر محذوف کی صفت ہے أی مَجِيْئًا كَائِنًا كَمَا إلخ (۴) أَلَّنْ دو لفظ ہیں أَنْ مُخَفَّفه من الْمُثَقَّله، اور اس کا اسم ضمیر شان محذوف ہے أی أَنَّهٗ اور جملہ لَنْ نَجْعَلَ خبر ہے دوسرا کلمہ لَنْ (حرف نصب) ہے پھر نون کا لام میں ادغام کیا گیا ہے اور قرآنی رسم الخط میں ن کو رسماً حذف کیا ہے — اور لَكُمْ مفعول ثانی ہے نَجْعَلُ کا اور مَوْعِدًا مفعول اول ہے۔ (۵) مَا استفہامیہ مبتدا ہے اور استفہام تعجب کے لئے ہے۔ لام جارہ ہے هٰذَا الْكِتَاب اسم اشارہ اور مشار الیہ مل کر مجرور، جار مجرور محذوف سے متعلق ہوکر خبر اور جملہ لَايُغَادِرُ یا تو حالیہ ہے یا مستانفہ، تقدیر عبارت ←

لَا يُغَادِرُ	نہیں چھوڑی اس نے	اَحْصٰىهَا	احاطہ کرلیا اس نے اسکا	حَاضِرًا	موجود
صَغِيْرَةً (۱)	کوئی چھوٹی بات	وَ وَجَدُوْا	اور پایا انھوں نے	وَلَا يَظْلِمُ	اور نہیں ظلم کرتے
وَّلَا كَبِيْرَةً	اور نہ کوئی بڑی بات	مَا	جو کچھ	رَبُّكَ	آپ کے رب
اِلَّآ	مگر	عَمِلُوْا	کیا تھا انھوں نے	اَحَدًا	کسی پر

یہ باغ و بہار زندگی اور سرسبز وشاداب زمیں کس طرح اُجڑ جائے گی اور آخرت کس طرح قائم ہوگی اور آخرت کی گھڑی کفار کے لئے کس قدر حسرت بھری ہوگی۔ سنئے: ـــــ اور (یاد کرو) جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے ـــــ اور وہ بادلوں کی طرح چل پڑیں گے، سورۃ النباء آیت ۲۰ میں ہے: پہاڑ ریت کی طرح ہوجائیں گے، اور سورۃ الواقعہ میں ہے: پہاڑ بالکل ریزہ ریزہ ہوجائیں گے پھر وہ پراگندہ غبار ہوجائیں گے ـــــ اور آپ زمین کو کھلا میدان دیکھیں گے ـــــ اس دن پہاڑ، دریا، ٹیلے، عمارتیں، درخت سب ناپید ہوچکے ہوں گے اور زمین کے سب ابھار مٹ چکے ہونگے۔ سورۂ طٰہ میں ہے: لوگ آپ سے پہاڑوں کی نسبت پوچھتے ہیں؟ آپ بتایئے کہ میرا پروردگار ان کو بالکل اڑادے گا پھر زمین کو ایک ہموار میدان بنادے گا جس میں آپ نہ تو ناہمواری دیکھیں گے اور نہ کوئی بلندی (آیات ۱۰۵-۱۰۷) ـــ اور حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن تمام لوگوں کو سفید بھوری زمین پر جمع کیا جائے گا جو میدے کی روٹی کی طرح ہوگی اس میں کسی بھی انسان کی کوئی علامت باقی نہ رہے گی (مشکوۃ حدیث ۵۵۳۳)

اور ہم انسانوں کو جمع کریں گے اور ان میں سے کسی کو بھی نہیں چھوڑیں گے ـــــ یعنی اُس روز ایک شخص بھی خدائی عدالت سے غیر حاضر نہ رہ سکے گا۔ آدم علیہ السلام سے قیامت تک جو بھی انسان پیدا ہوچکا ہے، دوبارہ پیدا کردیا جائے گا اور سب کو ایک ہی وقت میں ایک ہی جگہ میں جمع کردیا جائے گا ـــــ اور وہ آپ کے پروردگار کے روبرو صف بستہ پیش کئے جائیں گے ـــــ تاکہ کوئی کسی کی آڑ میں چھپ نہ سکے، اس صورت میں تمام اہل محشر ایک صف میں کھڑے کئے جائیں گے اور صَفًّا کے معنی ''کھڑے ہونے کی حالت میں'' بھی ہوسکتے ہیں یعنی بارگاہ خداوندی میں سب کی حاضری حالت قیام میں ہوگی وہاں سب کو کھڑا رہنا ہوگا۔ کوئی بیٹھ نہ سکے گا۔ اور صَفًّا کے معنی صُفُوْفًا یعنی قطار در قطار کے بھی ہوسکتے ہیں۔ حدیث میں ہے: اہل جنت کی کل ایک سو بیس صفیں ہوں گی، جن میں

→ ہے أَیُّ شَيْءٍ ثَبَتَ لِهٰذَا الْكِتَابِ حَالَ كَوْنِه لَايُغَادِرُ إلخ ـــ یہ لام جارہ قرآنی رسم الخط میں ھذا سے علیحدہ لکھا جاتا ہے اور یہ امر توقیفی ہے اس کی کوئی خاص وجہ معلوم نہیں۔

(۱) صَغِیْرَةً اور کَبِیْرَةً کا موصوف هَنَةٌ (چیز) محذوف ہے هَنَةٌ مؤنث ہے هَنٌ کا یا فِعْلَةٌ (کام) مقدر مانا جائے ۱۲

سے اسّی صفیں اس امت محمدیہ کی ہوں گی۔یعنی اس امت کی تعداد سب امتوں سے زیادہ ہوگی ـــــ اور جو لوگ قیامت کا انکار کرتے ہیں ان سے کہا جائے گا: ـــــ آ گئے تم ہمارے پاس جس طرح ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا ـــــ یعنی جاہ و مال، آل و اولاد اور اپنی ہر اس چیز سے خالی ہاتھ، جس پر تم دنیا میں ناز کیا کرتے تھے، ننگ دھڑنگ ہماری بارگاہ میں آ پہنچے؟ سورۃ الانعام آیت ۹۴ میں ہے: ''تم ہمارے پاس تنہا آ گئے جس طرح ہم نے تم کو پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اور جو کچھ ہم نے تم کو دیا تھا اس کو اپنے پیچھے چھوڑ آئے'' اور سورۂ مریم آیت ۸۰ میں ہے: ''اس کی بیان کی ہوئی چیزوں کے یعنی مال و اولاد کے ہم مالک رہ جائیں گے اور وہ ہمارے پاس (مال و اولاد سے) تنہا ہو کر آوے گا''

اور بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے لوگو! تم قیامت کے دن اپنے رب کے روبرو ننگے پاؤں، ننگے بدن اور غیر مختون ہونے کی حالت میں جمع کئے جاؤ گے'' پھر آنحضرت ﷺ نے سورۃ الانبیاء کی آیت ۱۰۴ پڑھی: ''جس طرح ہم نے پہلی مرتبہ پیدا کرتے وقت ہر چیز کی ابتدا کی تھی اسی طرح اس کو دوبارہ پیدا کردیں گے۔ یہ ہمارے ذمہ وعدہ ہے اور ہم ضرور اس کو پورا کریں گے'' اور قیامت کے دن سب سے پہلے جس کو لباس پہنایا جائے گا وہ ابراہیم علیہ السلام ہوں گے'' (مشکوٰۃ حدیث ۵۵۳۵) ـــــ ایک دوسری روایت میں ہے کہ مذکورہ بالا ارشاد سن کر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا: یارسول اللہ! کیا یہ سب مرد و زن ننگے ہوں گے اور ایک دوسرے کو دیکھتے ہوں گے؟ آپؐ نے فرمایا: اُس دن معاملہ اس سے زیادہ سنگین ہوگا کہ کوئی کسی کو دیکھے (مشکوٰۃ حدیث ۵۵۳۶) یعنی اس روز ہر ایک کو ایسی فکر دامن گیر ہوگی کہ کسی کو کسی کی طرف دیکھنے کا ہوش نہیں ہوگا۔ سب کی نظریں اوپر کو اٹھی ہوئی ہونگی ـــــ اور ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ قیامت کے دن لوگ تین طرح سے میدان میں اکٹھا کئے جائیں گے کوئی پیدل ہوگا، کوئی سوار ہوگا اور کوئی چہروں کے بل چل رہا ہوگا (مشکوٰۃ حدیث ۶۶۴۶)

منکرین قیامت سے یہ بھی کہا جائے گا ـــــ بلکہ تم نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ ہم نے تمہارے لئے کوئی وعدے کا وقت مقرر نہیں کیا ـــــ یعنی تمہیں انبیائے کرام نے بتایا تھا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے تم کو پہلی بار پیدا کیا ہے، اسی طرح دوبارہ پیدا کئے جاؤ گے، مگر تم اسے ماننے کے لئے تیار نہیں تھے۔ بتاؤ، اب تم دوبارہ پیدا ہو گئے یا نہیں؟ اور انبیاء کی بات سچی ثابت ہوئی یا نہیں؟ ـــــ اور نامۂ اعمال (ہاتھوں میں) رکھ دیا جائے گا ـــــ کسی کے دائیں ہاتھ میں اور کسی کے بائیں ہاتھ میں ـــــ پھر آپ دیکھیں گے: مجرم اس کے مندرجات سے ڈر رہے ہوں گے ـــــ وہ اپنے گناہوں کی فہرست پڑھ کر خوف کھا رہے ہوں گے ـــــ اور کہہ رہے ہوں گے ہائے ہماری کم بختی! یہ کیسی کتاب ہے! اس نے ہماری کوئی چھوٹی بات چھوڑی نہ بڑی بات، مگر اس نے سب کا احاطہ کرلیا! ـــــ یعنی اس

دن مجرم اپنی قسمت کو کوسیں گے، اپنے نصیب کو روئیں گے اور حسرت و یاس سے کہیں گے: یہ عجیب ریکارڈ ہے اس نے ہمارے کرتوتوں میں سے ایک ذرہ بھی نہیں چھوڑا! وہ وقت منکروں کے لئے حسرت ناک ہوگا! ـــــ اور جو کچھ انھوں نے کیا تھا سب موجود پائیں گے اور آپ کا پروردگار کسی پر ظلم نہیں کرے گا!

اس آیت سے معلوم ہوا کہ گناہ کبیرہ بھی ہوتے ہیں اور صغیرہ بھی۔ علمائے کرام نے صغیرہ اور کبیرہ کی مختلف تعریفیں کی ہیں۔ امام رازی رحمہ اللہ نے اس سلسلہ میں ایک ضابطہ لکھا ہے کہ طاعات کی دو قسمیں ہیں: ایک امر الٰہی کی تعظیم کرنا۔ دوسرے خلق خدا پر شفقت کرنا۔ پس جو بات اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں جتنی زیادہ جہالت پر مبنی ہوگی اسی قدر وہ بڑا گناہ ہوگی اس طرح جو کام دوسروں کو جتنا زیادہ ضرر پہنچانے والا ہوگا وہ اسی قدر بڑا گناہ ہوگا۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ۭ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ۭ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ۝ مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۠ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ۝ وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَاۗءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ۝ وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ۝ۧ

رکوع ۱۹

وَاِذْ قُلْنَا	اور (یاد کرو) جب ہم نے کہا	لِاٰدَمَ	آدم کو	مِنَ الْجِنِّ	جنات میں سے
		فَسَجَدُوْٓا	پس سجدہ کیا انھوں نے	فَفَسَقَ (۲)	پس نکل گیا
لِلْمَلٰٓئِكَةِ	فرشتوں سے	اِلَّآ اِبْلِيْسَ	مگر ابلیس نے	عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ	اپنے رب کے حکم سے
اسْجُدُوْا	سجدہ کرو	كَانَ (۱)	تھا وہ	اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ (۳)	پس کیا بناتے ہو تم اس کو

(۱) کَانَ اِلخ جملہ مستانفہ ہے (۲) فَسَقَ (ن،ض،ک) فِسْقًا وَفُسُوْقًا: حق وصلاح کے راستہ سے ہٹ جانا، بدکار ہونا، لفظ کے اصلی معنی ہیں کسی چیز سے باہر نکلنا، کہا جاتا ہے فَسَقَتِ الرُّطَبَةُ عَنْ قِشْرِهَا: کھجور اس کے چھلکے سے باہر نکل آئی۔ شریعت کی اصطلاح میں معنی ہیں: حدود شریعت سے نکل جانا۔ نزول قرآن سے پہلے یہ لفظ انسانوں کے لئے استعمال نہیں کیا جاتا تھا، شریعت نے یہ اصطلاح مقرر کی ہے (۳) استفہام انکار و حیرت کے لئے ہے اور فا تعقیب کے لئے ہے۔

وَذُرِّيَّتَهٗٓ	اور اس کی نسل (چیلے چانٹوں) کو	وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ	اور نہ خود ان کے بنانے میں	لَهُمْ	ان کو
				وَجَعَلْنَا	اور کریں گے ہم
اَوْلِيَآءَ	دوست (رفیق)	وَمَا كُنْتُ	اور نہیں ہوں میں	بَيْنَهُمْ	ان کے درمیان
مِنْ دُوْنِيْ (۱)	مجھ کو چھوڑ کر	مُتَّخِذَ	بنانے والا	مَّوْبِقًا (۷)	ہلاکت کی جگہ
وَهُمْ	حالانکہ وہ	الْمُضِلِّيْنَ (۴)	گمراہوں کو	وَرَاَ (۸)	اور دیکھا
لَكُمْ	تمہارے	عَضُدًا (۵)	بازو (مددگار)	الْمُجْرِمُوْنَ	مجرموں نے
عَدُوٌّ	دشمن ہیں!	وَيَوْمَ	اور (یاد کرو) جس دن	النَّارَ	دوزخ کو
بِئْسَ (۲)	برا ہے (ابلیس)	يَقُوْلُ	فرمائیں گے وہ	فَظَنُّوْٓا	پس خیال کیا انھوں نے
لِلظّٰلِمِيْنَ	ظالموں کے لئے	نَادُوْا	پکارو	اَنَّهُمْ	کہ وہ
بَدَلًا	بدلہ	شُرَكَآءِيَ	میرے اُن ساجھیوں کو	مُّوَاقِعُوْهَا (۹)	اس میں گرنے والے ہیں
مَآ	نہیں	الَّذِيْنَ	جن کو	وَلَمْ	اور نہیں
اَشْهَدْتُّهُمْ (۳)	موجود کیا میں نے ان کو	زَعَمْتُمْ (۶)	تم خیال کرتے تھے	يَجِدُوْا	پائیں گے وہ
خَلْقَ السَّمٰوٰتِ	آسمانوں اور زمین	فَدَعَوْهُمْ	پس پکاریں گے وہ انکو	عَنْهَا	جہنم سے بچ کر
وَالْاَرْضِ	کے بنانے میں	فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا	سو جواب نہ دیں گے وہ	مَصْرِفًا (۱۰)	کوئی جائے پناہ

(۱) مِنْ دُوْنِيْ محذوف سے متعلق ہو کر اولیاء کی صفت ہے (۲) بِئْسَ فعل ماضی ضمیر مستتر فاعل اور وہی مخصوص بالذم ہے لِلظّٰلِمِيْنَ: بِدَلًا سے متعلق اور بَدَلًا فاعل مستتر کی تمیز ہے (۳) اِشْهَاد کے معنی ہیں (۱) دکھلانا (۲) گواہ بنانا (۳) حاضر کرنا۔ اس کا مجرد شَهِدَ (س) شُهُوْدًا المجلسَ: حاضر ہونا، شَهِدَ الشيَّ: معائنہ کرنا، اطلاع پانا۔ شَهِدَ عَلٰى كَذَا: گواہی دینا (۴) مُضِلّ (اسم فاعل) گمراہ کرنے والا، مصدر اِضْلَال (۵) عَضُد: بازو، ہاتھ کا کہنی سے لیکر کندھے تک کا حصہ، مجازی معنی ہیں (۱) معین و مددگار (۲) قوت بازو (۶) شُرَكَاءِيَ کے قرینہ سے زَعَمْتُمْ کے دونوں مفعول محذوف ہیں اَيْ زَعَمْتُمُوْهُمْ شُرَكَآءَ (۷) مَوْبِق (ظرف مکان) ہلاکت کی جگہ، جہنم کا ایک خاص درجہ وَبَقَ (ض، س) وُبُوْقًا: ہلاک ہونا (۸) رَأَ کے آخر میں ی قرآنی رسم الخط میں نہیں لکھی جاتی کیونکہ وہ پڑھی نہیں جاتی۔ رَآی کی اصل رَاَیَ ہے، یا متحرم ماقبل مفتوح ہونے کی وجہ سے ی کو الف سے بدلا تو رَآ ہوا۔ کوفی اب بھی آخر میں ی لکھتے ہیں اور بصری نہیں لکھتے۔ عربی زبان میں کوفیوں کا رسم الخط رائج ہے۔ ان کے نزدیک یہ ی علامتی ہے کہ اس کو الف سے بدلا گیا ہے پھر جب رَآی کو اَلْمُجْرِمُوْنَ سے ملایا تو الف ساقط ہوگیا تو ی کو بھی ساقط کردیا اور رَاَ لکھا گیا (۹) مُوَاقِعُوْ (اسم فاعل، جمع مذکر) اصل میں مُوَاقِعُوْنَ تھا اضافت کی وجہ سے نون گرا ہے مُوَاقِعٌ: ایک دوسرے سے قریب ہونے والا۔ مصدر مُوَاقَعَة (۱۰) مَصْرِف (ظرف مکان) لوٹنے کی جگہ، جائے پناہ ۱۲

شیطان انسان کا ازلی دشمن ہے وہ روزِ آفرینش ہی سے انسان سے حسد رکھتا ہے اس لئے جو بھی انسان اس کے پھندے میں پھنستا ہے، آخرت تک اس کا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ پس عقل مند وہ ہے جو ہوشیار رہے اور اس کی چالوں سے بچ جائے اور وہ لوگ تو بڑا ہی غضب ڈھاتے ہیں جو رحیم وشفیق رب کو چھوڑ کر، اُس دشمنِ خدا کو اور اس کی ذرّیت کو اپنا خیرخواہ سمجھتے ہیں اور سرپرست بناتے ہیں ـــــ نیز ان آیتوں میں کفار مکہ کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ تم جو غریب مسلمانوں کو حقیر سمجھتے ہو اور اپنے کو لمبا کھینچتے ہو یہ تمہارے ازلی دشمن شیطان کی تسویل کا نتیجہ ہے۔ اس نے بھی یہی کہا تھا کہ میں آدم سے بہتر ہوں پھر اس کے سامنے کیوں جھکوں؟ تم بھی غریب مسلمانوں پر کچھ اسی قسم کا تفوق جتلاتے ہو حالانکہ تمہیں اپنے دشمن کی روش چھوڑ کر فرشتوں کے نقش قدم پر چلنا چاہئے، جنھوں نے بے چون وچرا حکم الٰہی کی تعمیل کی تھی ـــــ غرض ان آیتوں میں چار باتیں بیان کی ہیں:

اول: اپنے ازلی دشمن شیطان کی پیروی مت کرو۔ اس کو اور اس کے چیلوں کو دوست مت بناؤ، اللہ کی باتیں سنو اور ان سے رشتہ جوڑو۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر شیطان کو سرپرست بناتے ہیں وہ اپنے لئے بہت برا بدل تجویز کرتے ہیں۔

دوم: شیاطین اور مشرکین کے دوسرے جھوٹے سہارے سب اللہ تعالیٰ کے بے بس بندے ہیں۔ کائنات کی تخلیق میں ان کی کسی طرح کی شرکت نہیں۔ پھر وہ خدائی میں ساجھے دار کیونکر ہوگئے؟ اور ان کی عبادت کیسے روا ہوگئی؟

سوم: مشرکین کے معبود آڑے وقت میں ان کی کوئی مدد نہیں کرسکتے۔ قیامت کے دن بھی جبکہ مشرکین مدد کے زیادہ سے زیادہ محتاج ہوں گے وہ کوئی مدد نہیں کرسکیں گے پھر مشرکین کس امید پر ان کو پوجتے ہیں؟

چہارم: شرک کا انجام بھیانک ہے ہر گناہ معاف ہوسکتا ہے مگر شرک کی معافی نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا اس گناہ سے بچو۔

اب تفصیل سے یہ چاروں باتیں پڑھیں:

پہلی بات: ـــــ اور (یاد کرو) جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو ـــــ تاکہ تمام مخلوقات کا انقیاد ظاہر ہو۔ اور آدم علیہ السلام کی خلافت ارضی کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوسکیں ـــــ پس انھوں نے سجدہ کیا ـــــ یعنی فرشتوں نے آدم علیہ السلام کی بڑائی کا برملا اعتراف کیا ـــــ مگر ابلیس نے نہ کیا ـــــ اس نے انکار کردیا اور گھمنڈ میں آگیا۔ کہنے لگا: میں آدم سے بہتر ہوں پھر اس کے سامنے کیوں جھکوں؟ ـــــ وہ جنات میں سے تھا پس اس نے اپنے پروردگار کی حکم عدولی کی ـــــ یعنی ابلیس چونکہ فرشتہ نہیں تھا، جو معصیت سے معصوم ہوتے ہیں بلکہ جنّی تھا اس لئے اطاعت سے باہر ہوگیا ـــــ جنات انسانوں کی طرح بااختیار مخلوق ہیں۔ انہیں پیدائشی فرمانبردار نہیں بنایا گیا بلکہ کفر وایمان اور اطاعت ومعصیت پر ان کو قدرت دی گئی ہے چنانچہ ابلیس نے خود اپنے اختیار

سے فسق وعصیاں کی راہ اختیار کی اور حکم خداوندی سے روگردانی کی ـــــ کیا اب بھی تم مجھے چھوڑ کر اس کو اور اس کی ذریت کو اپنا سر پرست بناتے ہو؟ حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں! ـــــ یعنی تم کیا غضب کرتے ہو کہ رب رحیم کی جگہ شیطان لعین اور شیطان زادوں کو اپنا کارساز اور چارہ ساز بناتے ہو، جن کا کام ہی تمہیں بھڑکانا اور ضرر پہنچانا ہے ـــــ برا ہاتھ لگا ظالموں کے بدل! ـــــ یعنی دیکھو، یہ ظالم خدا ناشناس کیسے احمق ہیں کہ کارساز سمجھنا چاہئے تھا اللہ تعالیٰ کو اور یہ بجائے ان کے ابلیس اور اس کی ذریت کو کارساز بنائے ہوئے ہیں۔

آدم علیہ السلام کو جو سجدہ کرایا گیا تھا وہ سجدۂ عبادت نہیں تھا۔ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ غیر اللہ کی عبادت کبھی بھی جائز نہیں رہی۔ سورۃ الانبیاء میں ارشاد پاک ہے: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ إِلَّا نُوْحِيْ إِلَيْهِ أَنَّهُ لَاۤ إِلٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾ ترجمہ: ہم نے آپؐ سے پہلے کوئی ایسا پیغمبر نہیں بھیجا جس کے پاس ہم نے یہ وحی نہ بھیجی ہو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، پس میری ہی عبادت کرو (آیت ۲۵) بلکہ وہ سجدہ انقیاد واطاعت کی علامت تھا اور ایسا سجدہ گذشتہ امتوں میں جائز تھا جیسے سجدۂ تحیہ (سلامی کا سجدہ) جائز تھا۔ ہماری شریعت میں غیر اللہ کیلئے ہر قسم کا سجدہ حرام کر دیا گیا ہے۔

اور سجدہ کرنے کا حکم فرشتوں میں سے جو زمین پر رہتے تھے انہی کو دیا گیا تھا۔ قرآن کریم میں یہ واقعہ متعدد جگہ آیا ہے مگر کسی جگہ کوئی ایسا لفظ نہیں جس سے یہ پتہ چلے کہ یہ حکم صرف فرشتوں کے لئے تھا۔ بلکہ یہاں صراحت ہے کہ ابلیس کو بھی یہ حکم تھا۔ اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ سجدہ کرنے کا حکم ملائکہ کے علاوہ دیگر مخلوقات کو بھی دیا گیا تھا۔

اور فرشتوں کا تذکرہ ہر جگہ اس لئے کیا گیا ہے کہ وہ اس وقت کی مخلوقات میں سب سے افضل تھے۔ اس لئے جب ان کو حکم ہوا تو دیگر مخلوقات کو بدرجۂ اولیٰ ہوگا۔ مثلاً بادشاہ کوئی حکم وزراء ورؤساء کو دے تو ملک کی عام پبلک خود بخود اس حکم کی مخاطب ہو جاتی ہے۔

فائدہ(۱) ابلیس جنات میں سے تھا وہ کوئی فرشتہ نہیں تھا اور یہ جو عام طور پر مشہور ہے کہ وہ فرشتہ تھا اور فرشتہ بھی کیسا معلّم الملکوت (فرشتوں کا استاذ) یہ خیال اسرائیلی روایات کی بنا پر پیدا ہوا ہے۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ ان روایات کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ان میں سے بہت سی روایات کا حال اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں اور ان میں سے کچھ تو قطعاً غلط ہیں۔ کیونکہ وہ قرآن کی قطعی نصوص کے خلاف ہیں (تفسیر ابن کثیر ۳:۸۹)

اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ جو اکابر تابعین میں سے ہیں ارشاد فرماتے ہیں کہ ابلیس لحہ بھر کے لئے بھی فرشتہ نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا ناس کریں جو یہ کہتے ہیں کہ ابلیس فرشتہ تھا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ صاف فرماتے ہیں کہ وہ جنّی تھا (درمنثور ۴:۲۲۷) پس اس صریح نص کے مقابلہ میں کسی کا بھی قول قابل اعتنا نہیں۔

اور ارشاد پاک ﴿كَانَ مِنَ الْجِنِّ﴾ کا مقصود ابلیس کی اصل بتلانا نہیں بلکہ اس بات کو موجّہ کرنا ہے کہ ابلیس نے حکم کیوں نہیں مانا؟ وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ ابلیس چونکہ جنّی تھا فرشتہ نہ تھا اس لئے اطاعت سے باہر ہوجانا اس کے لئے ممکن ہوا فرشتہ ہوتا تو یہ بات ممکن نہ ہوتی۔ کیونکہ فرشتے فطرۃً مطیع ہوتے ہیں وہ نافرمانی نہیں کرسکتے (دیکھئے سورۃ التحریم آیت ۶)

فائدہ (۲) انسان کے مواریثِ اعلیٰ حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ اور جنّات کے مورثِ اعلیٰ جَانٌّ ہیں اور ابلیس جان کی نسل میں سے ایک ملعون شخص ہے۔ جیسے بنی آدم میں فرعون وشداد اور نمرود و بوجہل وغیرہ سرکش افراد ہوئے ہیں۔ اور ابلیس (مایوس) اس کا صفتی نام ہے اور علَم (خاص نام) عزازیل ہے اور شیطان بھی اس کا وصفی نام ہے جس کے معنی ہیں سرکش۔ اسی نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کیا تھا، تمام جنات نے سجدہ کرنے سے انکار نہیں کیا تھا۔ کیونکہ جنّات میں بھی مؤمن بندے تھے اور ہیں۔ انھوں نے نہ پہلے حکم عدولی کی تھی نہ آج کرتے ہیں۔

فائدہ (۳): ذریت کے معنی نسل اور اولاد کے ہیں اور توالد وتناسل کا سلسلہ جس طرح انسانوں میں ہے جنّات میں بھی ہے البتہ فرشتوں میں یہ سلسلہ نہیں اس لئے یہ بات تو طے ہے کہ ابلیس کی بھی اولاد ہے مگر جنّات میں اولاد کی کیا صورت ہے؟ یہ بات معلوم نہیں یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ ابلیس کی تمام نسبی اولاد کے لئے کافر و شیطان ہونا ضروری نہیں جس طرح انسانوں میں آزر کا بیٹا ابراہیم ہوسکتا ہے، ابلیس کی اولاد بھی مسلمان ہوسکتی ہے اور اس صورت میں وہ اولاد ابلیس کی ذریت نہیں ہوگی۔ نوح علیہ السلام کے کافر بیٹے کے بارے میں ارشاد باری ہے: ﴿إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ﴾ وہ تمہارے خاندان میں سے نہیں اس کے کام خراب ہیں (ہود آیت ۴۶) اسی قیاس پر جو اولاد مؤمن ہو وہ کافر باپ کی اولاد نہیں۔ پس دیگر مؤمن جنوں کی اولاد کافر سرکش ہوسکتی ہے اور وہی ابلیس کی ذریت ہے۔

اور بعض مفسرین نے ذریت کے مجازی معنی لئے ہیں یعنی اتباع واعوان جن میں شیاطین الانس اور شیاطین الجن دونوں داخل ہیں۔ کیونکہ شیطان بھی وصفی نام ہے، ہر سرکش کافر شیطان ہے خواہ وہ انسان ہو یا جن۔ سورۃ الانعام آیت ۱۱۲ میں ہے: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِيْنَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ إِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا﴾ ترجمہ: اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بہت سے شیطان پیدا کئے ہیں کچھ آدمی اور کچھ جنّ۔ جن میں سے بعض بعض کو چکنی چپڑی باتوں کا وسوسہ ڈالتے ہیں تاکہ ان کو دھوکہ میں ڈالدیں۔

اور ابلیس شیطان اکبر ہے اور دیگر شیاطین چھوٹے شیاطین ہیں اور قیامت تک مہلت صرف اسی شیطان اکبر کو ملی ہے تمام شیاطین کو یا تمام جنّات کو نہیں ملی وہ انسانوں کی طرح مرتے جیتے ہیں۔

فائدہ (۴): شیاطین کو دوست، کارساز اور سرپرست بنانے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اللہ کے احکام اور اس کی

ہدایات کو چھوڑ کر شیاطین الانس والجن کے احکام کی پیروی کرے۔ان کے نقش قدم پر چلے اوران کا منشا پورا کرے۔ قرآن کریم میں اس کو طاغوت (بدی وشرارت کے سرغنہ) کی پیروی کرنا بھی کہا گیا ہے اور یہ بھی درحقیقت ان شیاطین کو اللہ کا شریک ٹھہرانا ہے۔اگرچہ آدمی زبان سے ان کو شریک نہ بناتا ہو، بلکہ زبان سے لعنت بھیجتا ہو،مگر ان کے اوامر کی پیروی کرتا ہوتو وہ شرک کا مجرم ہے۔سورۃ التوبہ آیت ۳۱ میں ہے کہ جولوگ اللہ کے احکام کے مقابلہ میں علماء مشائخ کے احکام کی پیروی کرتے ہیں وہ ان کو رب بناتے ہیں۔آج بہت سے نام نہاد مسلمان ایسے ہیں جو علانیہ شیطان پر لعنت بھیجتے ہیں۔مگر وہ احکام الٰہی پس پُشت ڈال کر شیطان کی پیروی کرتے ہیں۔یہ سب لوگ عملاً شیطان کو خدا کے ساتھ شریک کرتے ہیں۔

دوسری بات: ـــــ میں نے آسمان وزمین پیدا کرتے وقت ان کو دکھلا نہیں لیا تھا ـــــ کہ ذرا دیکھ لو! ٹھیک بنے ہیں یا کچھ اونچ نیچ رہ گئی ہے؟ یعنی مشورہ کی حد تک بھی ان کی شرکت نہیں تھی۔کیونکہ زمین وآسمان کی پیدائش کے وقت وہ سرے سے موجود ہی نہیں تھے ـــــ اور نہ خود ان کی تخلیق ـــــ ان کو دکھلائی گئی تھی یعنی ان میں سے ایک کی تخلیق دوسرے کو نہیں دکھلائی گئی نہ ان میں سے کسی سے مدد لی ـــــ اور میں ایسا نہیں کہ گمراہ کرنے والوں کو درست وباز و بناؤں ـــــ یعنی بفرضِ محال مدد بھی لیتا تو ان بدبخت ناہنجاروں سے مدد لیتا،جن کا کام ہی لوگوں کو میری راہ سے بہکانا ہے۔اُن میں سے اپنے معاملہ میں مدد یا مشورہ لوں گا؟

آیت پاک کا خلاصہ: یہ ہے کہ یہ شیاطین جن کو تم نے اپنا سرپرست اور چارہ ساز بنا رکھا ہے یہ سب تمہارے ہی جیسے بے بس بندے ہیں۔کائنات خداوندی میں کسی طرح کا بھی اختیار نہیں رکھتے۔اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین بناتے وقت ان سے کوئی مشورہ نہیں لیا،نہ وہ اس وقت موجود تھے۔کائنات کے خالق ومالک تنہا اللہ تعالیٰ ہیں وہی اپنی مخلوقات کا نظم وانتظام چلا رہے ہیں۔نہ ان کا کوئی شریک ہے نہ مددگار۔نہ مشیر ہے نہ وزیر۔سورۃ السبا آیت ۲۲ میں ہے:''جن کو تم خدا کے سوا معبود مان رہے ہوان کو پکارو، وہ ذرہ برابر اختیار نہیں رکھتے،نہ آسمانوں میں نہ زمین میں، اور نہ ان کی ان دونوں میں کوئی شرکت ہے اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے''

تیسری بات: ـــــ اور (یاد کرو) جب حق تعالیٰ فرمائیں گے: پکارو تم ان کو جن کو تم میرا شریک مانتے تھے ـــــ یعنی شیاطین الانس والجن کو اور دوسرے معبودوں کو آواز دو تا کہ وہ اس مصیبت کی گھڑی میں تمہاری مدد کریں ـــــ پس وہ پکاریں گے پس وہ ان کو جواب ہی نہ دیں گے ـــــ یعنی وہ ان کی کچھ مدد نہ کرسکیں گے جس سے ان عابدین پر مایوسی چھا جائے گی ـــــ اور ہم ان کے درمیان ہلاکت کی جگہ حائل کردیں گے ـــــ یعنی دونوں

کے بیچ میں آگ کی خلیج آڑ کر دی جائے گی جس کی وجہ سے ایک دوسرے کے نزدیک بھی نہ جاسکے گا۔ کام آنا تو در کنار!

چوتھی بات: ـــــ اور مجرم لوگ دوزخ کو دیکھیں گے تو یقین کرلیں گے کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں ـــــ مسلم شریف میں روایت ہے کہ قیامت کے دن جہنم لائی جائے گی اور اس کی ستر ہزار لگامیں ہونگی، ہر لگام پر ستر ہزار فرشتے ہوں گے جو اسے گھسیٹ کر لائیں گے۔ اور مسند احمد کی روایت میں ہے کہ کافر چالیس سالہ مسافت سے جہنم کو دیکھ لیں گے اور وہ یقین کرلیں گے کہ انھیں ضرور اس میں گرنا ہے ـــــ ور وہ جہنم سے بچ کر کوئی جائے پناہ نہ پائیں گے ـــــ یعنی ان کے لئے فرار کا کوئی راستہ نہیں ہوگا۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ۝ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَاۗءَهُمُ الْهُدٰى وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ۝ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا ۝ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰي قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا ۝ وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ۭ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْىِٕلًا ۝ وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ۝ۧ

وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	لِلنَّاسِ	لوگوں کے لئے	الْاِنْسَانُ	انسان
صَرَّفْنَا (۱)	طرح طرح سے بیان کئے ہم	مِنْ كُلِّ مَثَلٍ (۲)	ہر قسم کے عمدہ مضامین	اَكْثَرَ شَيْءٍ	ہر چیز سے زیادہ
فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ	اس قرآن میں	وَكَانَ	اور ہے	جَدَلًا	جھگڑالو

(۱) صَرَّفْنَا کے لئے دیکھیں بنی اسرائیل آیت ۴۱ (۲) مِنْ كُلِّ مَثَلٍ مفعول بہ ہے صَرَّفْنَا کا اور مِنْ مفعول بہ پر زائد ہے (۳) جَدَلًا تمیز ہے

وَمَا	اور نہیں	قُبُلًا (٢)	روبرو (کھلا)	وَاتَّخَذُوْٓا	اور بنالیا انھوں نے		
مَنَعَ (١)	روکا	وَمَا نُرْسِلُ	اور نہیں بھیجتے ہم	اٰيٰتِيْ	میری آیتوں کو		
النَّاسَ	لوگوں کو	الْمُرْسَلِيْنَ	رسولوں کو	وَمَآ (٦)	اور اس (عذاب) کو		
اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا	ایمان لانے سے	اِلَّا	مگر	اُنْذِرُوْا	(جس سے) ڈرائے گئے		
اِذْ جَآءَهُمُ	جب پہنچی ان کو	مُبَشِّرِيْنَ (٣)	بشارت دینے والے	هُزُوًا	ٹھٹھا		
الْهُدٰى	ہدایت	وَمُنْذِرِيْنَ	اور ڈرانے والے	وَمَنْ	اور کون		
وَيَسْتَغْفِرُوْا	اور مغفرت چاہنے سے	وَيُجَادِلُ (٤)	اور جھگڑا کرتے ہیں	اَظْلَمُ	بڑا ظالم ہے		
رَبَّهُمْ	ان کے رب سے		(رسولوں کے ساتھ)	مِمَّنْ (٧)	اس شخص سے جو		
اِلَّآ	مگر	الَّذِيْنَ	وہ جنھوں نے	ذُكِّرَ	نصیحت کیا گیا		
اَنْ	اس بات نے کہ	كَفَرُوْا	انکار کیا	بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ	اسکے رب کی آیتوں سے		
تَاْتِيَهُمْ	پہنچے ان کو	بِالْبَاطِلِ	باطل طریقہ پر	فَاَعْرَضَ	پھر منہ پھیر لیا اس نے		
سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ	اگلے لوگوں کا معاملہ	لِيُدْحِضُوْا (٥)	تا کہ پھسلا دیں	عَنْهَا	ان آیتوں سے		
اَوْ يَاْتِيَهُمُ	یا پہنچے ان کو	بِهِ	اس کے ذریعہ	وَنَسِيَ	اور بھول گیا وہ		
الْعَذَابُ	عذاب	الْحَقَّ	سچی بات کو	مَا	ان گناہوں کو جو		

(٣) مَنَعَ فعل ماضی اَلنَّاسَ مفعول اول، اَنْ مصدریہ، جملہ یُؤْمِنُوْا بتاویل مصدر ہوکر مفعول ثانی أَنْ سے پہلے مِنْ جارہ محذوف، إِذْجَاءِ هُمْ ظرف یُؤْمِنُوْا کا، یَسْتَغْفِرُوْا کا عطف یُؤْمِنُوْا پر، أَنْ تَاْتِیَهُمْ میں بھی أَنْ مصدریہ ہے اور جملہ تَاْتِیَهُمْ بتاویل مصدر ہوکر مَنَعَ کا فاعل اور مضاف طَلَبٌ یا اِنْتِظَارٌ محذوف، اور مضاف الیہ اس کے قائم مقام اور یَأْتِیَهُمْ کا عطف تَاْتِیَهُمْ پر اور قُبُلاً حال اَلْعَذَابَ کا۔ (۴) قُبُلاً (بضمتین) ایک لغت ہے قِبَلٌ (بکسر ففتح) میں جس کے معنی ہیں آنکھوں کے سامنے یا قَبِیْلٌ کی جمع ہے جیسے سُبُلٌ جمع ہے سَبِیْلٌ کی اور اس کے معنی ہیں گروہ گروہ، نوع بہ نوع، قسم قسم (۳) مُبَشِّرِیْنَ اور مُنْذِرِیْنَ حال ہیں مُرْسَلِیْنَ سے (۴) یُجَادِلُ کا مفعول محذوف ہے أی یُجَادِلُ الْمُرْسَلِیْنَ (۵) لِیُدْحِضُوْا متعلق ہے یُجَادِلُ سے۔ اِدْحاض (افعال) پھسلانا، ٹلانا۔ دَحَضَتْ (ف) رِجْلُهٗ: اس کا پاؤں پھسل گیا۔ مَکَانٌ دَحْضٌ: پھسلنے کی جگہ۔ حُجَّةٌ دَاحِضَةٌ: باطل دلیل (٦) ما مصدریہ یا موصولہ اور عائد محذوف أی أُنْذِرُوْا بہ یہ آیَاتِیْ پر معطوف ہے اور هُزُوًا مفعول ثانی ہے (۷) مَنْ موصولہ لفظاً مفرد ہے اس لئے آگے پانچ مفرد ضمیریں اس کی طرف لوٹتی ہیں یعنی (۱) ذُكِّرَ (۲) رَبِّهٖ (۳) اَعْرَضَ (۴) نَسِيَ (۵) یَدَاهُ کی ضمیریں اور معنیً جمع ہے اس لئے آگے پانچ جمع کی ضمیریں اس کی طرف لوٹتی ہیں یعنی (۱) قُلُوْبُهُمْ (۲) یَفْقَهُوْهُ (۳) آذَانِهِمْ (۴) تَدْعُهُمْ (۵) لَنْ یَّهْتَدُوْا کی ضمیریں۔

قَدَّمَتْ	آگے بھیجے ہیں	فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا	توہرگز نہ آویں وہ	مَّوْعِدٌ	ایک وعدہ ہے
يَدٰهُ	اسکے دونوں ہاتھوں نے	اِذًا	اس وقت	لَّنْ يَّجِدُوْا	ہرگز نہیں پائیں گے وہ
اِنَّا جَعَلْنَا	بیشک ہم نے کردیئے	اَبَدًا	کبھی بھی	مِنْ دُوْنِهٖ	اس سے وَرے
عَلٰى قُلُوْبِهِمْ	ان کے دلوں پر	وَرَبُّكَ (۲)	اور آپ کے رب	مَوْئِلًا (۳)	کوئی سرک جانے کی جگہ
اَكِنَّةً (۱)	پردے	الْغَفُوْرُ	بڑی مغفرت والے	وَتِلْكَ (۴)	اور یہ
اَنْ	اس سے کہ	ذُو الرَّحْمَةِ	مہربانی والے ہیں	الْقُرٰٓى	بستیاں
يَّفْقَهُوْهُ	سمجھیں وہ اس کو	لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ	اگر پکڑیں وہ ان کو	اَهْلَكْنٰهُمْ	غارت کیا ہم نے ان کو
وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ	اور ان کے کانوں میں	بِمَا كَسَبُوْا	انکے کرتوں کی وجہ سے	لَمَّا	جب
وَقْرًا	بوجھ	لَعَجَّلَ	تو جلدی دیدیں	ظَلَمُوْا	ظلم کیا انھوں نے
وَاِنْ	اور اگر	لَهُمُ	ان کو	وَجَعَلْنَا	اور مقرر کیا ہم نے
تَدْعُهُمْ	بلاویں آپ ان کو	الْعَذَابَ	سزا	لِمَهْلِكِهِمْ (۵)	ان کی ہلاکت کے لئے
اِلَى الْهُدٰى	ہدایت کی طرف	بَلْ لَّهُمْ	بلکہ ان کے لئے	مَّوْعِدًا	ایک مقررہ وقت

ان آیات میں منکرین سے تین باتیں کہی گئی ہیں:

۱ ـ انسان بڑا جھگڑالو ہے وہ اللہ تعالیٰ کی وعیدوں کا مذاق اڑاتا ہے مگر یاد رکھے: حجت تام کردی گئی ہے، ہر مؤثر طریقے سے اور بہترین انداز سے بات پیش کی جاچکی ہے۔اب بس عذاب کا کوڑا برسنا باقی ہے۔

۲ ـ کفار کی حق بیزاری اور دین دشمنی کی وجہ سے ان سے حق بات سننے کی اور سمجھنے کی صلاحیت سلب کرلی گئی ہے لہٰذا اب ان کے ایمان کی امید نہ رکھی جائے۔

۳ ـ اللہ تعالیٰ انسانوں کی حرکتوں پر فوراً گرفت نہیں کرتے، ڈھیل دیتے ہیں تاکہ انسان دیر سویر راہ راست پر آنا

(۱) أَكِنَّةً کے لئے دیکھئے النحل ۸۱ (۲) رَبُّكَ مبتدا، اَلْغَفُوْرُ خبر اول، ذُو الرَّحْمَةِ خبر ثانی اور مَا كَسَبُوْا میں ما مصدریہ یا موصولہ (۳) مَوْئِلٌ (اسم ظرف) جائے پناہ، لوٹنے کی جگہ۔ وَأَلَ يَئِلُ وَأْلًا من كذا: نجات ڈھونڈھنا۔ وَأَلَ إليه: پناہ لینا۔ وَأَلَ إلى الله: رجوع کرنا، توبہ کرنا (۴) تِلْكَ الْقُرٰى (اسم اشارہ اور مشارالیہ) مبتدا، جملہ أَهْلَكْنَاهُمْ خبر یا فعل ناصب محذوف جس کی تفسیر بعد والا فعل کررہا ہے اس صورت میں یہ باب اشتغال سے ہوگا (۵) مَهْلِك (مصدر میمی) ہلاک ہونا، تباہ ہونا (ظرف مکان) ہلاکت کی جگہ جمع مَهَالِك۔

چاہے تو آ جائے۔

اب یہی تینوں باتیں تفصیل سے پڑھیے:

پہلی بات: کفار کی ضد، اور کٹھ حجتی ـــــ اور واقعہ یہ ہے کہ ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر قسم کے عمدہ مضامین طرح طرح سے بیان کئے ہیں ـــــ قرآن کریم میں مختلف عنوانوں اور دلائل وشواہد سے باتیں سمجھائی گئی ہیں، فہمائش کرنے میں کوئی کسری باقی نہیں چھوڑی، مگر نافرمان انسان ماننے کے لئے تیار نہیں ـــــ اور انسان بڑا جھگڑالو ہے! ـــــ کتنی ہی صاف اور سیدھی بات کہی جائے کٹھ حجی کئے بغیر نہیں رہتا۔ حدیث میں ایک جھگڑالو آدمی کا واقعہ ہے جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے جھگڑا کرے گا۔ اسے بارگاہ خداوندی میں پیش کیا جائے گا اور پوچھا جائے گا: ہم نے جو رسول بھیجے تھے ان کے ساتھ تیرا طرز عمل کیسا رہا؟ وہ کہے گا: پروردگار! میں آپ پر ایمان لایا اور آپ کے رسول پر بھی اور عمل میں اس کی اطاعت کی۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: یہ تیرا نامہ اعمال ہے اس میں تو کچھ بھی نہیں! وہ کہے گا میں اس نامہ اعمال کو نہیں مانتا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: ہمارے یہ فرشتے جو تیری نگرانی کرتے تھے تیرے خلاف گواہی دیتے ہیں! وہ کہے گا: میں ان شہادت بھی نہیں مانتا اور نہ ان کو پہچانتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: یہ لوح محفوظ ہے اس میں بھی تیرا یہی حال لکھا ہے۔ وہ کہے گا: پروردگار! کیا آپ نے مجھے ظلم سے پناہ نہیں دی؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: بیشک تو ظلم سے ہماری پناہ میں ہے، تب وہ کہے گا: میرے رب! میں ایسی بن دیکھی شہادتوں کو کیسے مان لوں؟ میں تو ایسی شہادت کو مان سکتا ہوں جو میرے اندر سے ہو۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اچھا اب ہم تیرے خلاف تیری ہی ذات میں سے گواہ کھڑے کرتے ہیں۔ وہ سوچ میں پڑ جائے گا کہ اس کی ذات میں سے اس کے خلاف کون گواہی دے گا؟ پھر اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی (اور اس کی قوت گویائی اعضا کی طرف منتقل کر دی جائے گی) اور اس کے ہاتھ پاؤں اس کے کفر وشرک پر گواہی دیں گے پھر اس کی مہر توڑ دی جائے گی، اور اس کو جہنم رسید کیا جائے گا۔ اس کا بعض حصہ بعض کو لعنت کرے گا۔ وہ اپنے اعضاء سے کہے گا: تمہارا بیڑا غرق ہو! میں تو تمہارے ہی لئے جھگڑا کر رہا تھا۔ اس کے اعضاء جواب دیں گے: تجھ پر خدا کی مار! کیا تو سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی بات چھپائی جا سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ یہی بات ارشاد فرماتے ہیں کہ انسان مخلوقات میں سب سے زیادہ جھگڑالو واقع ہوا ہے (یہ روایت تفسیر قرطبی سے لی گئی ہے اور اس کا آخری حصہ مسلم شریف میں بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ مروی ہے)

آگے انسان کے جھگڑالو پن کی تفصیل ہے ارشاد ہے ـــــ اور جب بھی لوگوں کے پاس ہدایت پہنچی تو ان کو ایمان لانے سے اور اپنے رب کے حضور میں معافی مانگنے سے صرف اس بات نے روکا کہ ان کو بھی اگلے لوگوں کا سا

معاملہ پیش آجائے یا عذاب ان کے روبروآ کھڑا ہو ــــ یعنی ہدایت پہنچ جانے کے بعد ایمان نہ لانے اور توبہ نہ کرنے کا کوئی معقول عذران کے پاس نہیں ہے، بس اس بات کا ان کو انتظار ہے کہ گذشتہ اقوام کی طرح عام تباہی ان پر ڈال دی جائے یا وہ زندہ رہیں اور عذاب درعذاب میں مبتلا کر دیئے جائیں ــــ اور ہم رسولوں کو صرف بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجتے ہیں ــــ یعنی رسولوں کی بعثت کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ لوگوں کو فرمانبرداری کے اچھے نتائج سے اور نافرمانی کے برے انجام سے خبردار کر دیں۔ ان کے پاس کوڑا نہیں ہوتا کہ وہ زبردستی لوگوں سے منوالیں ــــ اور کافر ناحق کا جھگڑا کھڑا کرتے ہیں تاکہ وہ اس کے ذریعہ سچی بات کو ٹلا دیں ــــ یعنی کفار جھوٹے جھگڑے کھڑے کرکے اور کٹ حجتی کرکے چاہتے ہیں کہ حق کی آواز پست کر دیں اور جھوٹ کے زور سے سچائی کا قدم ڈگمگا دیں مگر ایسا کبھی نہیں ہوگا۔

اور آیات الٰہی اور تنبیہات خداوندی کے ساتھ ان کا برتاؤ کیسا ہے؟ ــــ اور انھوں نے میری آیتوں کو اور اس عذاب کو جس سے ان کو ڈرایا گیا ٹھٹھا بنالیا ــــ یعنی عذاب سے ڈرانے کا مقصد تو یہ تھا کہ ان کے قلوب لرز جاتے، بدن سہم جاتے اور وہ اپنی غلط روش چھوڑ دیتے مگر اس کے برعکس سنگ دل منکروں نے الٹا اسی کا مذاق بنالیا اور ہنسی اڑاتے ہوئے کہنے لگے: ''خدایا! اگر واقعی یہ قرآن آپ کی طرف سے ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا، یا ہم پر کوئی دردناک عذاب ڈال دے'' (الانفال آیت ۳۲)

دوسری بات: ظالموں سے قبول حق کی توفیق سلب کر لی گئی ــــ اور اس شخص سے بڑا ظالم کون ہے جس کو اس کے رب کی آیتوں سے نصیحت کی گئی پھر اس نے منہ پھر لیا، اور وہ ان حرکتوں کو بھول گیا جو اپنے ہاتھوں سے آگے بھیج چکا ہے؟! بیشک ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں اور ان کے کانوں میں گرانی پیدا کر دی ہے ــــ کیونکہ جب بندہ ایک عرصہ تک حق کی مخالفت کرتا رہتا ہے، نصیحت کے مقابلہ میں جھگڑوں پر تُل جاتا ہے اور حق کا مقابلہ جھوٹ اور مکر وفریب سے کرنے لگتا ہے تو اس سے حق کو سمجھنے کی اور سننے کی توفیق سلب کر لی جاتی ہے، دلوں پر پردے ڈال دیئے جاتے ہیں اور کانوں میں ڈاٹ ٹھونک دی جاتی ہے ــــ اور اگر آپ ان کو ہدایت کی طرف بلائیں تو وہ اس وقت ہرگز راہ راست پر نہ آئیں ــــ ''اس وقت'' یعنی جب ان کے کان اور دل ان کی ضد کی وجہ سے قبول حق کی استعداد کھو بیٹھے تو اب ان کے راہ پر آنے کی توقع نہیں!

تیسری بات: مجرموں کی فوراً گرفت کرنا اللہ تعالیٰ کی سنت نہیں ــــ اور آپ کے پروردگار بڑے ہی درگذر کرنے والے، رحم فرمانے والے ہیں، اگر وہ ان کے کرتوتوں پر ان کی دار وگیر کرنے لگیں تو فوراً ہی عذاب بھیج دیں

——— یعنی حرکتیں تو ان کی ایسی ہیں کہ عذاب بھیجنے میں لمحہ بھر کی تاخیر نہ کی جائے، مگر اللہ تعالیٰ کا یہ طریقہ نہیں کہ جہاں کسی نے قصور کیا فوراً پکڑ لیا، بلکہ وہ اپنی غفاری اور شان رحیمی سے مجرموں کو سنبھلنے کا موقع دیتے ہیں ——— بلکہ ان کے لئے ایک وعدہ ہے وہ اس سے وَرے ہرگز کوئی سرک جانے کی جگہ نہیں پائیں گے ——— جس میں چھپ کر اپنے کو محفوظ کرلیں۔ مثال مطلوب ہو تو سنیں: ——— اور یہ بستیاں ہم نے ان کو اس وقت غارت کیا جب انھوں نے ناانصافی کی، اور ہم نے ان کی ہلاکت کے لئے ایک معیاد مقرر کی ——— یعنی عاد وثمود، مدین وسبا اور قوم لوط علیہ السلام کی بستیاں، اور ان کے اجڑے دیار تمہاری گذرگاہیں ہیں، تم اپنے تجارتی سفروں میں آتے جاتے ان کا مشاہدہ کرتے ہو، دیکھ لو جب انھوں نے کفر وعصیان کو شیوہ بنایا تو ہم نے ان سب کو غارت کردیا اور ان کی ہلاکت کے لئے بھی ہم نے ایک معیاد مقررہ کی تھی اسی مقررہ وقت پر وہ تباہ ہوئے۔ تمہیں بھی ڈرنا چاہئے اگر تم بھی ان کے نقش قدم پر چلتے رہے تو وقت مقررہ پر تمہیں بھی عذاب الٰہی آگھیرے گا اور اس وقت تمہارے لئے کوئی راہ فرار نہ ہوگی۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِفَتَاهُ لَا أَبْرَحُ حَتَّىٰ أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا ﴿٦٠﴾ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ﴿٦١﴾ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتَاهُ آتِنَا غَدَاءَنَا لَقَدْ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هَٰذَا نَصَبًا ﴿٦٢﴾ قَالَ أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ وَمَا أَنْسَانِيهُ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا ﴿٦٣﴾ قَالَ ذَٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۚ فَارْتَدَّا عَلَىٰ آثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿٦٤﴾ فَوَجَدَا عَبْدًا مِنْ عِبَادِنَا آتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا ﴿٦٥﴾ قَالَ لَهُ مُوسَىٰ هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَىٰ أَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴿٦٦﴾ قَالَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿٦٧﴾ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلَىٰ مَا لَمْ تُحِطْ بِهِ خُبْرًا ﴿٦٨﴾ قَالَ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ صَابِرًا وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا ﴿٦٩﴾ قَالَ فَإِنِ اتَّبَعْتَنِي فَلَا تَسْأَلْنِي عَنْ شَيْءٍ حَتَّىٰ أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ﴿٧٠﴾

ع ۹ / ۲۰

وَاِذْ قَالَ	اور جب کہا	فَاتَّخَذَ	پس لے لی اس نے	نَصَبًا (۷)	تھکن (تکلیف) سے
مُوْسٰی	موسیٰ (علیہ السلام) نے	سَبِيْلَهٗ	اپنی راہ	قَالَ	کہا خادم نے
لِفَتٰىهُ (۱)	اپنے خادم سے	فِى الْبَحْرِ	دریا میں	اَرَءَيْتَ (۸)	کیا دیکھا آپ نے
لَآ اَبْرَحُ (۲)	نہیں ہٹوں گا میں	سَرَبًا (۶)	گھستے ہوئے (سرنگ بنا کر)	اِذْ اَوَيْنَآ (۹)	جب ٹھیرے ہم
	(برابر چلتا رہوں گا میں)	فَلَمَّا	پھر جب	اِلَى الصَّخْرَةِ	اس پتھر کے پاس
حَتّٰٓى اَبْلُغَ	یہاں تک کہ پہنچوں میں	جَاوَزَا	آگے بڑھے دونوں	فَاِنِّىْ نَسِيْتُ	تو بالکل بھول گیا میں
مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ (۳)	دو دریاؤں کے سنگم پر	قَالَ	(تو) کہا موسیٰ نے	الْحُوْتَ	مچھلی کو
اَوْ اَمْضِىَ	یا چلتا رہوں میں	لِفَتٰىهُ	اپنے خادم سے	وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ (۱۰)	اور نہیں بھلایا مجھے اسکو
حُقُبًا (۴)	قرنوں (صدیوں)	اٰتِنَا	دے تو ہم کو	اِلَّا الشَّيْطٰنُ	مگر شیطان نے
فَلَمَّا بَلَغَا	پھر جب پہنچے دونوں	غَدَآءَنَا	ہمارا ناشتہ	اَنْ اَذْكُرَهٗ (۱۱)	کہ یاد کروں میں اس کو
مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا (۵)	دو دریاؤں کے سنگم پر	لَقَدْ لَقِيْنَا	تحقیق ملاقات کی ہم نے	وَاتَّخَذَ	اور بنالی اس نے
نَسِيَا	(تو) بھول گئے دونوں	مِنْ سَفَرِنَا	ہمارے اس سفر کی	سَبِيْلَهٗ	اپنی راہ
حُوْتَهُمَا	اپنی مچھلی	هٰذَا	وجہ سے	فِى الْبَحْرِ	دریا میں

(۱) فَتٰی کے اصل معنی ہیں جوان، لڑکا اور مجازی معنی ہیں خادم، غلام۔ جمع فِتْيَةٌ عام طور پر مفسرین نے یہاں خادم مرادلیا ہے۔ خادم عموماً جوان ہوتا ہے اس لئے عرب اس کو فَتٰی کہتے ہیں (روح) اور حضرت حسن بصریؒ نے غلام ترجمہ کیا ہے (کبیر) (۲) لَاأَبْرَحُ (فعل ناقص) بمعنی لَاأَزَالُ اس کا اسم ضمیر مستتر اور خبر محذوف ہے أی لا أبرحُ أَسِيْرُ (میں برابر چلتا رہوں گا) اور اگر یہ فعل تام ہو تو خبر کی حاجت نہیں بَرِحَ (س) بَرَحًا: ہٹنا، پلٹنا (۳) مَجْمَعٌ (ظرف مکان، مضاف) ملنے کی جگہ (۴) حُقُبٌ: زمانہ کی ایک مقررہ مدت۔ مگر اس مدت میں اہل لغت کا اختلاف ہے ستر سال سے تین ہزار سال تک کے اقوال ہیں۔ مجازی معنی مدت دراز اور غیر منقطع زمانہ کے ہیں جمع اَحْقَاب جیسے عُنُقٌ کی جمع اَعْنَاقٌ (۵) مَجْمَعْ (ظرف) کی اضافت بَيْنَ (ظرف) کی طرف اِتِّسَاعًا (مجازاً) ہے (۶) سَرَبٌ: سرنگ، نالی جس سے پانی آئے اور وحشی جانور کا سوراخ۔ سَرَبَ (ن) سُرُوْبًا الرَّجُلُ: گھستے چلے جانا، سَرَبَ الماءُ: پانی کا جاری ہونا۔ سَرَبًا اِتَّخَذَ کا مفعول ثانی ہے (۷) نَصَبٌ (اسم) کوفت، تھکان، تکلیف۔ یہ لفظ لَقِيْنَا کا مفعول بہ ہے (۸) أَرَأَيْتَ: ہمزۂ استفہام، رَأَيْتَ فعل با فاعل مفعول بہ محذوف، محاورہ میں یہ بمعنی اَخْبِرْنِیْ (بتلایئے) آتا ہے مگر یہاں چونکہ کوئی بات دریافت طلب نہیں اس لئے اَمَا یا تنبّہ (لیجئے، دیکھئے) کے معنی میں ہے (۹) اَوٰی کے لئے دیکھئے الکہف آیت ۱۶ (۱۰) اَنْسَانِيْهِ از اَنْسٰی إِنْسَاءً: بھلا دینا۔ اَنْسٰی (ماضی واحد مذکر غائب) ن وقایہ ی ضمیر واحد متکلم مفعول اول، ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب مفعول ثانی...... ہٗ میں اصل یہ ہے کہ وہ مضموم ہو، مگر جب اس سے پہلے ی ساکنہ یا کسرہ آتا ہے تو ہٗ کو ←

عَجَبًا (۱)	عجیب طرح سے	عَبْدًا	ایک بندے کو	هَلْ	کیا
قَالَ	کہا موسیٰ نے	مِّنْ عِبَادِنَآ	ہمارے بندوں میں سے	اَتَّبِعُكَ	میں آپ کے ساتھ رہ
ذٰلِكَ	یہی ہے	اٰتَيْنٰهُ	دی تھی ہم نے اس کو		سکتا ہوں
مَا	جو	رَحْمَةً	خاص مہربانی	عَلٰٓى اَنْ (۵)	اس شرط پر کہ
كُنَّا نَبْغِ (۲)	چاہتے تھے ہم	مِّنْ عِنْدِنَا (۴)	اپنے پاس سے	تُعَلِّمَنِ	سکھلائیں آپ مجھے
فَارْتَدَّا	پس الٹے پھرے دونوں	وَعَلَّمْنٰهُ	اور سکھلایا تھا ہم نے اسکو	مِمَّا	اس میں سے جو
عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا	اپنے پیروں کے نشان پر	مِنْ لَّدُنَّا	خاص اپنے پاس سے	عُلِّمْتَ	سکھلائے گئے ہیں آپ
قَصَصًا (۳)	پہچانتے ہوئے (پیروی	عِلْمًا	علم	رُشْدًا (۶)	بھلی راہ
	کرتے ہوئے)	قَالَ لَهٗ	کہا اس بندے سے	قَالَ	کہا اس بندے نے
فَوَجَدَا	پس پایا دونوں نے	مُوْسٰى	موسیٰ نے	اِنَّكَ	بے شک آپ

← بھی کسرہ دیدیا جاتا ہے جیسے عَلَيْهِ، فِيْهِ، بِهٖ وغیرہ۔ مگر دو جگہ امام حفصؒ نے اصل کے مطابق پڑھا ہے ایک یہاں دوسرے سورۃ الفتح آیت ۱۰ میں عَلَيْهُ اللّٰهَ جس کی وجہ تفصیل سے ملا علی قاری رحمہ اللہ نے شرح شاطبیہ ص ۳۲۰ میں بیان کی ہے (۱۱) أَنْ اَذْكُرَهٗ میں أَنْ مصدریہ، جملہ أَذْكُرَهٗ بتاویل مصدر ہو کر اَنْسَانِيْ کے مفعول ثانی ہٗ سے بدل اشتمال أی وَمَا انسانی ذِكْرَهٗ إلا الشيطانُ؛ ذَكَرَ الشَّيْءَ: دل میں یاد کرنا دوسرے سے ذکر کرنے کے لئے ذَكَرَ لَهٗ آتا ہے۔

(۱) عَجَبًا اِتَّخَذَ کا مفعول ثانی بھی ہو سکتا ہے اور مفعول مطلق بھی۔ اس صورت میں موصوف محذوف ہوگا أَيْ اتِّخَاذًا عَجَبًا (۲) نَبْغِ اصل میں نَبْغِيْ تھا ی جو لام کلمہ ہے رسم الخط میں چھوڑ دی گئی ہے اور سورۂ یوسف آیت ۶۵ میں لکھی گئی ہے۔ امام رازی رحمہ اللہ نے ی حذف کرنے کی وجہ تخفیف بتائی ہے کیونکہ اس کی علامت غین کا کسرہ موجود ہے۔ قاعدہ کے مطابق اسماء میں تو ی حذف ہوتی ہے جیسے: قَاضِيْ سے قَاضٍ مگر فعل میں حذف نہیں کی جاتی مگر کبھی خلاف قیاس فعل میں بھی حذف کرتے ہیں کیونکہ جب وہ ساکن کے ساتھ ملتی ہے تو حذف ہو جاتی ہے مثلاً: مَانَبْغِ الْيَوْمَ؟ اس لئے غیر ساکن کے ساتھ بھی اس کو حذف کر دیا (کبیر) (۳) قَصَصًا (مصدر) حال ہے یعنی نشانِ قدم تلاش کرتے ہوئے قَصَّ (ن) قَصَصًا اَثَرَهٗ: آہستہ آہستہ پیروی کرنا (۴) مِنْ عِنْدِنَا محذوف سے متعلق ہو کر رَحْمَةً کا حال ہے اور مِنْ لَدُنَّا بھی محذوف سے متعلق ہو کر عِلْمًا کا حال ہے، رعایت فاصلہ کی وجہ سے مقدم کیا گیا ہے اور عِلْمًا مفعول ثانی ہے ـــ لَدُنْ، عِنْدَ کے معنی میں ظرف ومکان ہے مگر عند سے زیادہ قرب پر دلالت کرتا ہے اور اس سے اخص ہے اور مبنی ہے اور لَدُنَّا سے علم لَدُنِّيٌّ (علم وہبی) ماخوذ ہے (۵) عَلٰى أَنْ إلخ کاف سے حال ہے أی حال كَوْنِكَ مُعَلِّمًا لِيْ ـــ أَنْ مصدریہ، تُعَلِّمَنِ کے آخر میں ن وقایہ اس کے بعد ی ضمیر واحد متکلم محذوف، نون کا کسرہ اس کی علامت ہے اور رُشْدًا مفعول ثانی ہے تُعَلِّمَنِ کا (۶) رَشَدَ (ن) رُشْدًا ہدایت پانا مزید دیکھئے الکہف آیت ۱۰۔

لَنْ تَسْتَطِيْعَ	ہرگز طاقت نہیں رکھتے	قَالَ	کہا موسیٰ نے	قَالَ	کہا اس بندے نے
مَعِيَ	میرے ساتھ	سَتَجِدُنِيْٓ	عنقریب پائیں گے	فَاِنِ	تو اگر
صَبْرًا	صبر کی		آپ مجھے	اتَّبَعْتَنِيْ	پیروی کریں آپ میری
وَكَيْفَ	اور کیسے	اِنْ شَآءَ اللّٰهُ	اگر اللہ نے چاہا	فَلَا تَسْــَٔلْنِيْ	تو نہ پوچھیں آپ مجھ سے
تَصْبِرُ	صبر کریں گے آپ	صَابِرًا	صبر کرنے والا	عَنْ شَيْءٍ	کسی چیز کے بارے میں
عَلٰي مَا	ان باتوں پر جن کو	وَّلَآ اَعْصِيْ	اور نہیں نافرمانی کروں	حَتّٰٓي اُحْدِثَ (۲)	یہاں تک کہ شروع
لَمْ تُحِطْ (۱)	نہیں احاطہ کیا ہے آپ نے		گا میں		کروں میں
بِهٖ	ان کا	لَكَ	آپ کے	لَكَ	آپ کے سامنے
خُبْرًا	واقفیت کے اعتبار سے	اَمْرًا	کسی حکم کی	مِنْهُ ذِكْرًا	اس کا تذکرہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تعلیمی سفر نامہ: اب تحصیل علم کے لئے موسیٰ علیہ السلام کا سفر کا واقعہ ذکر کیا جاتا ہے۔ یہ واقعہ مختلف مقاصد کے لئے سنایا گیا ہے:

۱ــــ مسلمانوں کے تعلق سے اس کا مقصد یہ ہے کہ مشرکین کے عذاب میں تاخیر سے مسلمان بے چین نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے کام پر اسرار ہوتے ہیں۔ عوام تو عوام خواص بھی ان کی حکمتوں کو نہیں پہنچ سکتے۔ موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں غور کرنے سے یہ بات سمجھ میں آجائے گی۔ جب ایک جلیل القدر پیغمبر کی نظر بعض معمولی واقعات کی تہ تک نہیں پہنچ سکی قوموں کی تباہی کا معاملہ تو نہایت اہم معاملہ ہے۔ اس کے اسرار اور حکمتوں کو، اور اس کی مقررہ مدت کے رموز اور مصلحتوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا کون جان سکتا ہے؟

۲ ــــ اور مشرکین کے تعلق سے مقصد یہ ہے کہ ان کو جو غریبوں کے ساتھ شریک تعلیم ہونے سے عار آتی ہے: وہ موسیٰ علیہ السلام کے اس واقعہ میں غور کریں۔ انھوں نے اپنے چھوٹے کو بھی بعض خاص علوم میں استاذ بنانے سے عار نہیں کیا۔

۳ــــ اور یہود کے تعلق سے، جنھوں نے امتحانی سوالات دیئے تھے، مقصد یہ ہے کہ وہ جو خود کو بڑا عالم سمجھتے ہیں، اور اپنی کتابوں کو تمام علوم کا جامع خیال کرتے ہیں: وہ جان لیں کہ یہ ان کا زعم باطل ہے۔ خود موسیٰ علیہ السلام کے

(۱) اَحَاطَ بِهٖ: گھیرنا أَحَاطَ بِهٖ عِلْمًا: پوری طرح سے جان لینا، واقف ہوجانا اور خُبْرًا یا تو تمیز ہے یا مفعول مطلق ہے کیونکہ یہ فعل کے ہم معنی ہیں (۲) اَحْدَثَ اِحْدَاثًا: پیدا کرنا، نکالنا کسی چیز کو نئے سرے سے شروع کرنا۔

زمانہ میں ان سے بڑے عالم موجود تھے، جن سے استفادہ کے لئے آپؑ نے سفر کیا۔

۴ — اور آنے والے واقعہ کے تعلق سے مقصد یہ ہے کہ ذوالقرنین کا سفر حکومت و دولت حاصل کرنے کے لئے تھا، جس کی کچھ اہمیت نہیں۔ قابل لحاظ موسیٰ علیہ السلام کا سفر ہے، جو تحصیلِ علم کے لئے تھا۔ پس یہود کو چاہئے تھا کہ وہ امتحان کے لئے یہ واقعہ پوچھتے نہ کہ وہ!

واقعہ کی ابتداء: متفق علیہ حدیث ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم میں مؤثر وعظ کہا۔ جس سے آنکھیں نم ہوگئیں۔ اور دل پگھل گئے۔ لوگوں نے پوچھا: اس وقت سب سے بڑا عالم کون ہے؟ آپ نے فرمایا: میں! اللہ تعالیٰ کو یہ جواب ناپسند آیا۔ حکم آیا کہ میرا ایک بندہ دو دریاؤں کے سنگم پر ہے، وہ آپ سے زیادہ علم رکھتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: خدایا! مجھے اس کا پتہ نشان بتادیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ایک مچھلی لے لو، دو دریاؤں کے سنگم پر جہاں مچھلی گم ہوجائے، وہاں وہ بندہ ملے گا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے مچھلی لیکر سفر شروع کیا — اور جب موسیٰ نے اپنے خادم (یوشع بن نون) سے کہا: ''میں برابر چلتا رہونگا، یہاں تک کہ دو دریاؤں کے سنگم پر پہنچ جاؤں، یا ایک عمر بیت جائے! — یعنی منزل پر پہنچ کر ہی دم لونگا، یا صدیاں چلتا رہونگا، ہمت نہ ہارونگا۔ یا تن رسد بجاناں، یا جاں زتن برآید! — یہ ہے علم کی سچی طلب! علم کا ایسا متوالا ضرور کامیاب ہوتا ہے۔ طالب علموں کے لئے اس ارشاد میں بڑا سبق ہے۔

مجمع البحرین (دو دریاؤں کے سنگم) کی تعیین مشکل ہے۔ اگر یہ واقعہ قیام مصر کے زمانہ میں پیش آیا ہے تو سوڈان میں خرطوم شہر کے پاس جہاں دریائے نیل کی دو شاخیں ملتی ہیں: وہ جگہ مراد ہے۔ مگر جمہور مفسرین کا خیال یہ ہے کہ یہ واقعہ وادئ سینا کی اسارت کے زمانہ کا ہے، پس بحر قلزم کی دو شاخیں: خلیج عقبہ اور خلیج سویز جہاں ملتی ہیں: وہ جگہ مراد ہے۔

پھر جب وہ دونوں دو دریاؤں کے سنگم پر پہنچے تو دونوں اپنی مچھلی بھول گئے۔ پس اس نے دریا میں سرنگ نما راہ بنالی — یعنی دونوں منزل بہ منزل بڑھتے رہے، یہاں تک کہ دریاؤں کے سنگم پر پہنچ گئے۔ اور ایک پتھر پر سر رکھ کر سو گئے۔ اور ستا کر آگے کی راہ لی۔ اور مچھلی والا تھیلا دونوں وہی بھول گئے۔ یہ مچھلی کھانے کے لئے نہیں تھی، بطور علامت تھی کہ جہاں وہ گم ہوجائے وہیں وہ بندۂ خدا ملے گا — ان حضرات کے روانہ ہونے کے بعد مچھلی زندہ ہوکر سمندر میں چلی گئی، اور جس راستہ سے گئی تھی، وہاں سرنگ نما سوراخ بن گیا۔ ''پس'' کا یہی مطلب ہے کہ ان کے بھول کر روانہ ہونے کے بعد مچھلی دریا میں چلی گئی، اور یہ چلا جانا: گم ہونا تھا، جس کو علامت مقرر کیا گیا تھا — پھر جب دونوں آگے بڑھے تو موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا: ''ہمارا ناشتہ لاؤ، آج کے سفر میں تو ہم تھک گئے!'' — رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''موسیٰ علیہ السلام کو اس وقت تکان محسوس ہوا جب وہ منزلِ مقصود سے آگے بڑھے'' یعنی بامقصد محنت سے آدمی نہیں تھکتا، بے مقصد محنت تھکا دیتی ہے ـــــ رہی یہ بات کہ موسیٰ علیہ السلام کو تو پتہ ہی نہیں کہ ہم منزلِ مقصود سے آگے جارہے ہیں۔ پھر ان کو تکان کیوں محسوس ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نفس الامری بات کا قلب نبوت پر انعکاس ہوا، جس سے طبیعت متأثر ہوئی۔ جیسے رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ جہری نماز پڑھا رہے تھے، پیچھے کسی نے سراً پڑھا۔ نماز کے بعد آپؐ نے پوچھا: کیا کسی نے میرے پیچھے پڑھا؟ ایک شخص نے کہا: جی ہاں! آپؐ نے فرمایا: ''میں سوچ رہا تھا: قرآن پڑھنے میں مجھ سے جھگڑا کیوں کیا جارہا ہے''! یعنی امر منکر کا قلب نبوت پر اثر پڑا، اور آپ کے لئے قراءت دشوار ہوگئی۔

مسئلہ: ارشادِ موسیٰ: ''آج ہم تھک گئے!'' سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ اپنی تکلیفوں کا اظہار جائز ہے، کمال کے منافی نہیں۔ البتہ بے صبری اور شکوہ شکایت ممنوع ہے (جصاص)

اور موسیٰ علیہ السلام کے ناشتہ طلب کرنے سے معلوم ہوا کہ نبی بھوکے ہوتے ہیں، وہ زادراہ بھی ساتھ رکھتے ہیں، اور تکان بھی محسوس کرتے ہیں۔ ان میں سے کوئی بات نہ ولایت کے منافی ہے نہ نبوت کے۔ پس جو خوش عقیدہ لوگ بزرگوں کی جانب بھوک پیاس اور بشری ضرورتوں کا انتساب بے ادبی تصور کرتے ہیں: وہ صحیح عقیدہ کے لوگ نہیں۔

القصہ: جب موسیٰ علیہ السلام نے ناشتہ مانگا، تو ـــــ خادم نے کہا: ارے! ہم جب اس چٹان کے پاس ٹھہرے تھے تو میں اس مچھلی کو بھول گیا ـــــ یہ حسنِ ادب ہے کہ بھولنے کو اپنی طرف منسوب کیا، مخدوم کو اس میں شامل نہ کیا، ویسے سامان کا ذمہ دار بھی خادم ہی ہوتا ہے۔ اگرچہ اس میں مخدوم کی بھی کچھ نہ کچھ ذمہ داری ہوتی ہے، چنانچہ پہلے فرمایا ہے کہ دونوں اپنی مچھلی بھول گئے ـــــ اور شیطان ہی نے مجھے بھلادیا کہ میں اس کو یاد کروں ـــــ یعنی میں غفلت کی وجہ سے نہیں بھولا، بلکہ کم بخت شیطان نے بھلادیا، اور ایسا بھولا دیا کہ اس پورے وقت میں اس کا خیال ہی نہ آیا ـــــ اور اس مچھلی نے عجیب طریقہ سے دریا میں اپنی راہ بنالی ـــــ یہ اللہ پاک کا ارشاد ہے یعنی اب مچھلی تھیلے میں نہیں رہی تھی، سمندر میں جاچکی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ مچھلی کے لئے سَرَب یعنی سرنگ بناتے ہوئے جانا تھا، اور موسیٰ علیہ السلام اور ان کے خادم کے لئے عَجَب یعنی حیرت انگیز تھا'' یعنی پہلی تعبیر نفس الامر کے اعتبار سے ہے، اور یہ دوسری ناظر کے اعتبار سے ـــــ موسیٰ نے کہا: اسی جگہ کی ہمیں تلاش تھی ـــــ وہی مقام ہماری منزل تھا، ہمیں وہیں رک جانا تھا ـــــ پس دونوں اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے واپس لوٹے، پس ان دونوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا، جس کو ہم نے اپنی رحمت سے نوازا تھا، اور جس کو ہم نے خاص اپنے پاس سے علم دیا تھا ـــــ احادیث میں اس بندہ کا نام خضر (سبزہ زار) آیا ہے۔ اور یہ وجہ بھی بیان کی گئی ہے کہ وہ ایک مرتبہ سفید سوکھی

زمین پر بیٹھے تو وہ یکایک سبز زار ہو کر لہلہانے لگی (رواہ البخاری والترمذی) ــــــ اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کو رحمتِ خاصہ سے نوازا تھا، اور اسرارِ کونیہ کا علم عطا فرمایا تھا۔ اور اس میں اختلاف ہے کہ آپ انسان تھے یا کوئی فرشتہ؟ پھر انسان تھے تو ولی تھے یا نبی؟ اور کیا وہ اب بھی حیات ہیں یا وفات پا چکے ہیں؟ نصوص میں اس سلسلہ میں کوئی صراحت نہیں۔ اور علماء و مفسرین کی آراء مختلف ہیں۔ قرینِ قیاس یہ ہے کہ آپ انسان نہیں خاص قسم کے فرشتے تھے، جن کو رجال الغیب کہا جاتا ہے۔ یہ رجال اس لئے کہ عناصر سے پیدا شدہ ہوتے ہیں، نورِ محض سے پیدا نہیں ہوتے۔ اور غیب اس لئے کہ عام طور پر نظر نہیں آتے، کیونکہ وہ لطیف مادّہ سے پیدا کئے گئے ہیں۔

القصہ ــــــ موسیٰ نے اس بندے سے کہا: "کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں، اس مقصد کے لئے آپ مجھے اس رشد و ہدایت (علم دین) کی تعلیم دیں، جس کی آپ کو تعلیم دی گئی ہے؟" ــــــ سبحان اللہ! کس قدر تواضع اور ادب سے گفتگو فرما رہے ہیں ــــــ اس بندے نے جواب دیا: "آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہیں کر سکیں گے!" ــــــ یعنی میرے بعض کام ظاہر شریعت کے خلاف ہونگے، آپ ضرور ان پر نکیر کریں گے ــــــ اور ایسی باتوں پر آپ کیسے صبر کر سکتے ہیں جن کی حقیقت سے آپ پوری طرح واقف نہیں؟ ــــــ یعنی حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے عذر بھی خود ہی بیان کر دیا کہ جب آپ کو میرے کاموں کا منشا معلوم نہیں ہوگا تو آپ نکیر کریں گے ہی! ــــــ موسیٰ نے کہا: "اگر اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صابر پائیں گے، اور میں آپ کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہ کرونگا ــــــ موسیٰ علیہ السلام کو وعدہ کرتے وقت خیال بھی نہیں تھا کہ یہ مقبول بندہ کوئی ایسا کام بھی کرے گا، جس پر نکیر ضروری ہو جائے گی ــــــ اس بندے نے کہا: "اگر آپ میرے ساتھ چلتے ہیں، تو آپ مجھ سے کوئی بات نہ پوچھیں، تا آنکہ میں خود ہی آپ کے سامنے اس کا تذکرہ چھیڑوں ــــــ یعنی اجازت ہے، چلئے، مگر میری یہ بات سن لیں کہ اگر کوئی بات بظاہر نامناسب نظر آئے، تو فوراً نکیر نہ کریں۔ کسی مناسب وقت پر میں خود ہی اپنے کئے ہوئے کام کی حقیقت واضح کر دونگا (باقی)

طالب علم کے لئے استاذ کی اطاعت اور فروتنی ضروری ہے۔ اس کے بغیر علم حاصل نہیں ہوتا

فَانْطَلَقَا ٝ حَتّٰٓى اِذَا رَكِبَا فِي السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا ۭ قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـــًٔا اِمْرًا ۝ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ وَلَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا ۝ فَانْطَلَقَا ٝ

حَتّٰۤی اِذَا لَقِیَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَکِیَّةًۢ بِغَیْرِ نَفْسٍ ؕ لَقَدْ جِئْتَ شَیْـًٔا نُّکْرًا ﴿۷۴﴾ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا ﴿۷۵﴾ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَیْءٍۭ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِیْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّیْ عُذْرًا ﴿۷۶﴾ فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَتَیَاۤ اَهْلَ قَرْیَةِ ِۣاسْتَطْعَمَاۤ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ یُّضَیِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِیْهَا جِدَارًا یُّرِیْدُ اَنْ یَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ؕ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَیْهِ اَجْرًا ﴿۷۷﴾ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَیْنِیْ وَ بَیْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِیْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَیْهِ صَبْرًا ﴿۷۸﴾

فَانْطَلَقَا	پس دونوں چلے	اَلَمْ اَقُلْ (۲)	کیا نہیں کہا تھا میں نے	لَقِیَا	ملے وہ دونوں
حَتّٰۤی اِذَا	یہاں تک کہ جب	اِنَّكَ	بیشک آپ	غُلٰمًا	ایک لڑکے سے
رَکِبَا	سوار ہوئے دونوں	لَنْ تَسْتَطِیْعَ	ہرگز طاقت نہیں رکھتے	فَقَتَلَهٗ	تو مار ڈالا اس بندے
فِی السَّفِیْنَةِ	ایک کشتی میں	مَعِیَ	میرے ساتھ		نے اس کو
خَرَقَهَا	(تو) پھاڑ ڈالا اس	صَبْرًا	صبر کی	قَالَ	کہا موسیٰ نے
	بندے نے کشتی کو	قَالَ	کہا موسیٰ نے	اَقَتَلْتَ	کیا مار ڈالا آپ نے
قَالَ	کہا موسیٰ نے	لَا تُؤَاخِذْنِیْ	نہ گرفت کیجئے میری	نَفْسًا زَکِیَّةً	ایک ستھری جان کو
اَخَرَقْتَهَا	کیا پھاڑ ڈالا آپ نے اسکو	بِمَا نَسِیْتُ (۳)	میرے بھولنے پر	بِغَیْرِ نَفْسٍ	بغیر کسی جان کے
لِتُغْرِقَ	تاکہ ڈبو دیں آپ	وَلَا تُرْهِقْنِیْ (۴)	اور نہ ڈالئے مجھ پر	لَقَدْ جِئْتَ	البتہ تحقیق کی آپ نے
اَهْلَهَا	اس کے لوگوں کو	مِنْ اَمْرِیْ	میرے معاملہ میں	شَیْـًٔا نُّکْرًا (۵)	نہایت نامعقول بات
لَقَدْ جِئْتَ	البتہ تحقیق کی آپ نے	عُسْرًا	تنگی	قَالَ	کہا اس بندے نے
شَیْـًٔا اِمْرًا (۱)	بڑی بری بات کو	فَانْطَلَقَا	پھر چلے دونوں	اَلَمْ اَقُلْ	کیا نہیں کہا تھا میں نے
قَالَ	کہا اس بندے نے	حَتّٰۤی اِذَا	یہاں تک کہ جب	لَكَ	آپ سے

(۱) اِمْرٌ: عجیب بات، خلاف شرع اور خلاف عقل سلیم بات (۲) یہاں پہلی جگہ لَكَ نہیں ہے کیونکہ ابھی ناراضگی ہلکی ہے (۳) مَا مصدریہ ہے اور جار مجرور لَا تُؤَاخِذْنِیْ سے متعلق ہیں (۴) اَرْهَقَهٗ عُسْرًا: تکلیف دینا، سختی ڈالنا کہا جاتا ہے: لَا تُرْهِقْنِیْ لَاأَرْهَقَكَ اللّٰهُ: تو میرے اوپر سختی نہ ڈال، اللہ تیرے اوپر سختی نہ ڈالے (۵) النُّكْرُ (مصدر) برا کام، بہت برا کام نَكِرَ (س) نَكْرًا وَنُكْرًا الأمرَ: ناواقف ہونا۔ نَكِرَ الرَّجُلَ: نہ پہچاننا۔

اِنَّكَ	بیشک آپ	اَتَيَاۤ	پہنچے دونوں	لَوْ شِئْتَ	اگر چاہتے آپ
لَنْ تَسْتَطِيْعَ	ہرگز طاقت نہیں رکھتے	اَهْلَ قَرْيَةِ	ایک گاؤں والوں کے پاس	لَتَّخَذْتَ (۴)	تو لیتے آپ
مَعِيَ	میرے ساتھ	اسْتَطْعَمَاۤ	(تو) کھانا مانگا دونوں نے	عَلَيْهِ	اس کام پر
صَبْرًا	صبر کی	اَهْلَهَا	گاؤں والوں سے	اَجْرًا	اجرت
قَالَ	کہا موسیٰ نے	فَاَبَوْا	پس انکار کیا انھوں نے	قَالَ	کہا اس بندے نے
اِنْ سَاَلْتُكَ	اگر پوچھوں میں آپ سے	اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا (۲)	ان دونوں کی مہمانی	هٰذَا فِرَاقُ	یہ جدائی ہے
عَنْ شَيْءٍ	کوئی بات		کرنے سے	بَيْنِيْ وَ بَيْنِكَ	میرے اور آپ کے
بَعْدَهَا	اس کے بعد	فَوَجَدَا	پس پائی دونوں نے		درمیان
فَلَا تُصٰحِبْنِيْ (۱)	تو ساتھ نہ رکھیں آپ مجھے	فِيْهَا	گاؤں میں	سَاُنَبِّئُكَ	اب بتلائے دیتا ہوں
قَدْ بَلَغْتَ	تحقیق پہنچے آپ	جِدَارًا	ایک دیوار		میں آپ کو
مِنْ لَّدُنِّيْ	میری جانب سے	يُّرِيْدُ	(جو) چاہتی تھی	بِتَاْوِيْلِ	حقیقت
عُذْرًا	عذر کو	اَنْ يَّنْقَضَّ (۳)	ڈھ پڑنا	مَا لَمْ	اس کی کہ نہ
فَانْطَلَقَا	پھر چلے دونوں	فَاَقَامَهٗ	پس سیدھا کر دیا اس	تَسْتَطِعْ	طاقت رکھی آپ نے
حَتّٰۤى	یہاں تک کہ		بندے نے اس کو	عَّلَيْهِ صَبْرًا	اس پر صبر کی
اِذَاۤ	جب	قَالَ	کہا موسیٰ نے	۞	۞

القصہ: ـــــ پھر دونوں چلے ـــــ یعنی باہم قول وقرار کر کے دونوں دریا کے کنارے کنارے روانہ ہوئے ـــــ اب خادم کا تذکرہ نہیں ہے۔ ممکن ہے موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کے بعد خادم کو واپس بھیج دیا ہو اور اس کا بھی امکان ہے کہ مجمع البحرین پر ٹھہرا دیا ہو، تاکہ واپسی میں ساتھ لے لیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ساتھ ہو مگر تابع ہونے کی وجہ سے اس کا تذکرہ نہ کیا گیا ہو۔ مفسرین کرام عام طور پر یہ تیسرا احتمال لیتے ہیں۔

آگے کوئی ایسا مقام آیا جس سے آگے جانے کے لئے کشتی درکار تھی۔ چنانچہ دونوں حضرات کشتی میں سوار ہوئے۔

(۱) لَا تُصَاحِبْ (فعل نہی) از باب مفاعلہ مُصَاحَبَۃ کے معنی ہیں ایک ساتھ زندگی بسر کرنا، کسی کو ساتھ رکھنا (۲) ضَيَّفَهٗ: مہمان بنانا۔ مہمان کا کھانا پیش کرنا (باب تفعیل) (۳) اِنْقَضَّ اِنْقِضَاضًا (باب اِفعِلّال) گر پڑنا، ٹوٹ پڑنا (۴) بصریوں کے نزدیک اِتَّخَذْتَ (افتعال) تَخِذَهٗ (س) تَخْذًا سے بنا ہے جس کے معنی ہیں لینا۔ اور دوسرے حضرات کے نزدیک اَخَذَ سے بنا ہے اس کے معنی بھی ہیں لینا اور لَتَّخَذْتَ کے شروع میں دونوں قولوں میں ہمزہ رسم الخط میں چھوڑ دیا گیا ہے کیونکہ وہ پڑھا نہیں جاتا ۱۲

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر حضرت خضر زمینی فرشتے تھے تو ان کو دریا پار کرنے کے لئے کشتی کی کیا ضرورت ہے؟ جواب یہ ہے کہ ساتھی کی رعایت ملحوظ ہے، اور کشتی سے متعلق بھی ایک امر خداوندی کی تعمیل کرنی ہے ـــــ یہاں تک کہ جب دونوں ایک کشتی میں سوار ہوئے تو اس بندے نے کشتی کو پھاڑ ڈالا ـــــ جس طرح کرتا پھاڑ دیا جاتا ہے تو عیب دار ہو جاتا ہے، اسی طرح اس بندۂ خدا نے کشتی کسی نمایاں جگہ سے پھاڑ دی تا کہ عیب دار معلوم ہو، اور پھاڑی ایسی جگہ سے کہ عیب تو خوب نظر آئے مگر پانی اس میں داخل نہ ہو۔ دیکھنے والا بس یہ سمجھے کہ کشتی نہیں کباڑ ہے ـــــ موسیٰ نے کہا: کیا آپ نے اس کو پھاڑ ڈالا تا کہ کشتی والوں کو ڈبو دیں آپ نے یقیناً بڑی بھاری حرکت کر ڈالی! ـــــ اس ارشاد سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی اترتے وقت پھاڑی تھی، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے کشتی والوں کے ڈوب جانے کا اندیشہ ظاہر کیا، اپنا کوئی تذکرہ نہیں کیا ـــــ یعنی جب کشتی آگے روانہ ہوگی اور دریا میں موجیں اٹھیں گی تو پانی کشتی میں داخل ہوگا، پس یہ عمل نہ شرعاً روا ہے نہ اخلاقاً۔ آپ نے یہ بہت ہی معیوب کام کیا ـــــ اس بندے نے کہا: کیا میں نے کہا نہیں تھا کہ آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہیں کر سکیں گے ـــــ سو دیکھئے وہی بات سامنے آئی ـــــ موسیٰ نے کہا: بھول چوک پر آپ میری گرفت نہ فرمائیں اور آپ مجھ پر میرے معاملہ میں تنگی نہ ڈالیں ـــــ یعنی مجھ سے بھول ہوگئی۔ بھول پر آپ گرفت نہ کریں ـــــ یہاں سے یہ بات ثابت ہوئی کہ انبیائے کرام سے بھی بھول ہوتی ہے۔ سورۂ طٰہٰ آیت ۱۵۵ میں آدم علیہ السلام کے بھولنے کی صراحت ہے۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ ایک بار آپ ﷺ نے ظہر کی یا عصر کی پانچ رکعتیں پڑھادیں اور آخر میں سجدۂ سہو کیا اور نماز کے بعد ارشاد فرمایا کہ: ''میں ایک انسان ہوں جس طرح آپ لوگوں کو یاد رہتا ہے مجھے بھی یاد رہتا ہے اور جس طرح آپ لوگوں کو بھول پڑتی ہے مجھے بھی بھول پڑتی ہے'' (مسند احمد ۱: ۴۲۰) الغرض بھول ہو جانا کمال نبوت کے منافی ہے نہ کار نبوت کے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کا عذر قبول کر لیا ـــــ پھر دونوں چلے ـــــ یعنی کشتی سے اتر کر خشکی کی راہ لی ـــــ یہاں تک کہ جب دونوں ایک لڑکے سے ملے تو اس بندے نے اس لڑکے کو مار ڈالا ـــــ ایک گاؤں کے قریب چند لڑکے کھیل رہے تھے ان میں سے ایک کو جو زیادہ خوبصورت اور سیانا تھا پکڑ کر مار ڈالا۔ کس طرح مارا؟ اس کی تفصیل مروی نہیں کوئی کہتا ہے کہ سر اکھاڑ دیا، کوئی لکھتا ہے کہ پتھر سے سر ٹکرا دیا۔ غرض لڑکے کی موت کا کوئی ظاہری سبب بھی بنا جسے عام لوگوں نے دیکھا اور در پردہ حضرت خضر علیہ السلام کا ہاتھ تھا، جسے موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا ـــــ موسیٰ نے کہا: کیا آپ نے ایک بے گناہ کی جان لے لی، جس نے کسی کا خون نہیں کیا! بخدا! آپ نے بہت ہی برا کام کیا! ـــــ یعنی آپ کی پہلی حرکت ہی کیا اچھی تھی مگر اس بار تو آپ نے

غضب ہی کر دیا۔ کشتی کے نقصان کا تدارک تو ممکن ہے، مگر یہ تو جان کا معاملہ ہے اس کی تلافی کی تو کوئی صورت نہیں ـــــ اس بندے نے کہا: کیا میں نے آپ سے کہا نہیں تھا کہ آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہیں کر سکتے! ـــــ اس مرتبہ خفگی بڑھ گئی ہے اس لئے لَکَ بڑھایا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے بھی اس بار بھول کر نہیں ٹوکا تھا بلکہ عمداً نکیر کی تھی۔ کیونکہ احکام شریعت کی خلاف ورزی پر تحمل جب عام صالحین سے نہیں ہوسکتا تو موسیٰ علیہ السلام تو پیغمبر تھے، ان کا کام ہی ہر قسم کی بدی کو روکنا اور نیکی کو پھیلانا تھا وہ بھلا ایک اس امر منکر پر خاموش کیسے رہ سکتے تھے! ـــــ موسیٰ نے کہا: اس کے بعد اگر میں آپ سے کچھ پوچھوں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیں، یقیناً آپ نے میرے لئے کوئی عذر باقی نہ چھوڑا ـــــ یعنی آپ اس حد کو پہنچ جائیں گے کہ مجھے اپنے سے جدا کرنے میں حق بجانب ہونگے ـــــ پھر دونوں چلے، یہاں تک کہ جب وہ ایک بستی والوں کے پاس پہنچے تو دونوں نے گاؤں والوں سے کھانا مانگا۔ پس گاؤں کے لوگوں نے دونوں کی ضیافت کرنے سے انکار کر دیا ـــــ یعنی ایک بستی میں پہنچ کر وہاں کے لوگوں سے ملے اور چاہا کہ بستی والے مہمان بنا کر کھانا کھلائیں۔ قدیم زمانہ میں جبکہ سراؤں کا رواج نہ تھا، نہ ہوٹلوں اور کھانے پینے کی دوکانوں کا سلسلہ تھا تو مسافر اپنا حق سمجھتے تھے کہ بستی والوں سے کھانا پانی طلب کریں۔ اور بستی والے بھی ان کی مہمانداری اپنا فرض سمجھتے تھے اور بڑی خوش دلی سے یہ فریضہ انجام دیتے تھے۔ مگر اس گاؤں کے لوگوں کی قسمت میں یہ سعادت نہیں تھی۔ انھوں نے موسیٰ وخضر جیسے مقربین کی مہمانی سے انکار کر دیا ـــــ یہاں پھر ایک بار سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر حضرت خضر فرشتے تھے تو ان کو کھانے کی کیا ضرورت تھی؟ جواب یہ ہے کہ ساتھی کی موافقت مقصود ہے۔ پھر جب کھانا مل جائے گا تو کھانے والا کھالے گا اور دوسرا کوئی عذر کر دے گا۔ غرض آیت پاک سے حضرت خضر علیہ السلام کا کھانا مانگنا ثابت ہوتا ہے اور اتنی بات ان کے فرشتہ ہونے کے منافی نہیں۔ کھانا کھانا ثابت نہیں جو فرشتہ ہونے کے منافی ہو۔ واللہ اعلم ـــــ پھر انھوں نے گاؤں میں ایک دیوار دیکھی جو گرنا چاہتی تھی پس اس بندے نے اس دیوار کو سیدھا کر دیا ـــــ یعنی گاؤں والوں کا برتاؤ دیکھ کر چاہئے تو یہ تھا کہ ایسے تنگ دل اور بے مروت لوگوں پر غصہ آتا مگر حضرت خضر علیہ السلام نے غصہ کے بجائے ان پر احسان کیا، بستی میں ایک بڑی بھاری دیوار جھکی ہوئی تھی۔ قریب تھا کہ زمین بوس ہو جائے، لوگ اس کے نیچے سے گذرتے ہوئے خوف کھاتے تھے، حضرت خضر نے ہاتھ لگا کر اس کو سیدھا کر دیا ـــــ موسیٰ نے کہا اگر آپ چاہتے تو اس کام کی اجرت لیتے ـــــ یعنی بستی والوں نے مسافر کا حق نہ سمجھا پھر ان کی دیوار مفت میں بنا دینے کی کیا ضرورت تھی؟! اگر کچھ معاوضہ لے کر دیوار سیدھی کرتے تو ہمارا ابھی کام بن جاتا اور ان تنگ دل بخیلوں کو بھی تنبیہ ہوتی ـــــ اس بندے نے کہا: بس میرا آپ کا

ساتھ ختم ہوا اب میں آپ کو ان باتوں کی حقیقت بتاتا ہوں جن پر آپ صبر نہیں کر سکے ——— یعنی حسب وعدہ اب آپ مجھ سے علیحدہ ہو جائیں۔ آپ کا نباہ میرے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ لیکن جدا ہونے سے پہلے چاہتا ہوں کہ ان واقعات کے پوشیدہ اسرار کھول دوں، جن کو دیکھ کر آپ صبر و ضبط نہ کر سکے۔

اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ﴿۷۹﴾ وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ﴿۸۰﴾ فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ﴿۸۱﴾ وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ ۭ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿۸۲﴾

ع ۱۰ - ۱۲

اَمَّا السَّفِيْنَةُ	رہی کشتی	مَّلِكٌ	ایک بادشاہ	طُغْيَانًا	سرکشی سے
فَكَانَتْ	تو تھی وہ	يَّاْخُذُ	(جو) لے لیتا تھا	وَّكُفْرًا	اور کفر سے
لِمَسٰكِيْنَ	چند ایسے غریب لوگوں کی	كُلَّ سَفِيْنَةٍ	ہر کشتی کو	فَاَرَدْنَآ	پس چاہا اس نے
يَعْمَلُوْنَ	جو کام کرتے تھے	غَصْبًا	چھین کر	اَنْ يُّبْدِلَهُمَا	کہ بدل دے ان کو
فِي الْبَحْرِ	دریا میں	وَاَمَّا الْغُلٰمُ	اور رہا لڑکا	رَبُّهُمَا	ان کا پروردگار
فَاَرَدْتُّ	پس چاہا میں نے	فَكَانَ	تو تھے	خَيْرًا	بہتر
اَنْ اَعِيْبَهَا	کہ عیب دار کر دوں	اَبَوٰهُ	اس کے ماں باپ	مِّنْهُ	اس سے
	میں اس کو	مُؤْمِنَيْنِ	ایمان دار	زَكٰوةً	پاکیزگی کے اعتبار سے
وَكَانَ	اور تھا	فَخَشِيْنَآ	پس ڈرے ہم	وَّاَقْرَبَ	اور قریب تر
وَرَآءَهُمْ (۱)	ان کے آگے	اَنْ يُّرْهِقَهُمَا	کہ چھا جائے وہ دونوں پر	رُحْمًا (۲)	شفقت کے اعتبار سے

(۱) وَرَاءَ کے معنی آگے، پیچھے دونوں آتے ہیں اصل میں مصدر ہے اور اس کے معنی ہیں آڑ، حد فاصل (۲) رُحْمٌ (مصدر) شفقت، مہربانی رَحِمَهٗ (س) رَحْمَةً وَرُحْمًا: مہربان ہونا، شفقت کرنا۔

وَاَمَّا الْجِدَارُ	اور رہی دیوار	وَكَانَ اَبُوْهُمَا	اور تھا ان کا باپ	رَحْمَةً [1]	مہربانی سے
فَكَانَ	تو تھی وہ	صَالِحًا	نیک آدمی	مِّنْ رَّبِّكَ	تیرے رب کی
لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ	دو یتیم بچوں کی	فَاَرَادَ	پس چاہا	وَمَا فَعَلْتُهٗ	اور نہیں کیا میں نے اسکو
فِي الْمَدِيْنَةِ	اس شہر میں	رَبُّكَ	آپ کے رب نے	عَنْ اَمْرِيْ	اپنی طرف سے
وَكَانَ	اور تھا	اَنْ يَّبْلُغَا	کہ پہنچیں دونوں	ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ	یہ ہے مطلب
تَحْتَهٗ	اس کے نیچے	اَشُدَّهُمَا	اپنی جوانی کو	مَا	ان باتوں کا جو
كَنْزٌ	خزانہ	وَيَسْتَخْرِجَا	اور نکالیں دونوں	لَمْ تَسْطِعْ [2]	نہیں طاقت رکھی آپ نے
لَّهُمَا	ان دونوں کا	كَنْزَهُمَا	اپنے خزانے کو	عَّلَيْهِ صَبْرًا	اس پر صبر کرنے کی

پہلے واقعہ کی حقیقت: ـــــــ رہی کشتی: تو وہ چند غریب آدمیوں کی تھی، جو دریا میں محنت مزدوری کرتے تھے، پس میں نے چاہا کہ اس کو عیب دار کردوں، اور ان کے آگے ایک ایسا بادشاہ تھا جو ہر کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھا ـــــــ یعنی وہ کشتی جدھر جارہی تھی اس طرف آگے ایک ظالم بادشاہ کی عملداری شروع ہوتی تھی جو ہر اچھی کشتی کو چھین لیتا تھا۔ اس لئے اگر میں اس کشتی میں سوراخ نہ کرتا تو وہ بادشاہ اسے بھی پکڑ لیتا اور ان غریبوں کے ہاتھ سے ذریعۂ معاش چلا جاتا۔ اب یہ لوگ اس کی مرمت تھوڑے میں کرالیں گے اور نقصان عظیم سے بچ جائیں گے۔

مسکین: اس شخص کو کہتے ہیں جس کے پاس کچھ نہ ہو اور فقیر وہ ہے جس کے پاس بقدر گذارہ نہ ہو، سورۃ البلد آیت ۱۶ میں ہے: ﴿أَوْ مِسْكِيْنًا ذَامَتْرَبَةٍ﴾ خاک نشیں مسکین یعنی جس کے پاس بچھونا تک نہ ہو، مٹی پر پڑتا ہو اس آیت میں کشتی والوں کو کشتی کے باوجود مسکین کہا گیا ہے یہ یا تو ترس کھاتے ہوئے کہا گیا ہے یا کشتی ان کی ملک نہ ہوگی، عاریت ہوگی یا مالک کوئی اور ہوگا اور یہ لوگ محنت مزدوری کرتے ہونگے (شامی کتاب الزکوۃ باب المصرف)

دوسرے واقعہ کی حقیقت: ـــــــ رہا لڑکا: تو اس کے ماں باپ ایماندار تھے، پس ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ لڑکا ان دونوں پر سرکشی اور کفر سے چھا جائے، اس لئے ہم نے چاہا کہ اس کے پروردگار اس کے بدلے میں ان کو ایسی اولاد عطا فرمائیں جو پاکیزگی میں اس سے بہتر ہو اور شفقت میں بھی اس سے بڑھ کر ہو ـــــــ یعنی اس لڑکے کی سرشت میں کفر و سرکشی تھی، والدین اس کے نیک اور صالح تھے، حضرت خضر علیہ السلام کو وحی سے یہ بات معلوم ہوئی کہ یہ لڑکا

(۱) رَحْمَةً یا تو يَبْلُغَا اور يَسْتَخْرِجَا کا مفعول لہ ہے یا فعل محذوف فَعَلْتُهٗ کا مفعول بہ ہے (۲) اِسْطَاعَ يَسْطِيْعُ (حذف تا کے ساتھ) ایک لغت ہے استطاع يستطيع استطاعة میں، جس کے معنی ہیں طاقت رکھنا ۱۲

بڑا ہو کر والدین کے لئے فتنہ بنے گا، والدین اپنی طبعی محبت کی وجہ سے بے دینی میں اس کا ساتھ دیں گے۔ اس لئے حضرت خضر علیہ السلام نے اس لڑکے کا کام تمام کر دیا۔ اور لڑکے کا مارا جانا والدین کے حق میں رحمت اور ان کے دین کی حفاظت کا ذریعہ بن گیا اور جو صدمہ ان پر پہنچا حق تعالیٰ نے اس کی تلافی ایسی اولاد سے کر دی جو پاکیزگی میں مقتول لڑکے سے بہتر تھی اور ماں باپ پر شفقت و مہربانی میں بھی بڑھ کر تھی ـــــ کہتے ہیں کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک نیک لڑکی دی جو ایک نبی سے منسوب ہوئی اور ایک نبی اس سے پیدا ہوئے، جس سے ایک امت چلی۔

یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں:

ایک: یہ کہ جب اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات تھی کہ وہ لڑکا بڑا ہو کر کافر ہوگا اور ماں باپ کو بھی گمراہ کرے گا تو پھر علم الٰہی کے مطابق ہونا ضروری تھا۔ کیونکہ علم الٰہی کے خلاف کوئی چیز نہیں ہوسکتی۔ پھر وہ مارا کیسے گیا؟ اور اللہ کا علم غلط کیسے ہو گیا؟

دوم: یہ کہ جب اللہ تعالیٰ کو منظور تھا کہ اس کے ماں باپ ایمان پر قائم رہیں اور اس وجہ سے حکمت مقتضی ہوئی کہ پیش آنے والی رکاوٹ دور کر دی جائے چنانچہ حضرت خضر علیہ السلام کو بھیج کر اس کو قتل کرا دیا، پس اس سے بہتر تو یہ تھا کہ اس لڑکے کو پیدا ہی نہ کرتے، یا کرتے تو اس کو اس قدر شریر نہ ہونے دیتے یا جہاں لاکھوں کافر دنیا میں موجود ہیں اس کے والدین کو بھی کافر ہو جانے دیتے؟!

پہلے سوال کا جواب: سمجھنے کے لئے پہلے تین باتیں سمجھ لیں:

① ـــ علم معلوم کے تابع ہوتا ہے، اس کا برعکس نہیں ہوتا۔ مثلاً کوئی شخص تاج محل دیکھے، اور ویسا ہی جانے جیسا وہ ہے، تو یہ جاننا مطابقِ واقعہ اور صحیح ہے۔ اس صورت میں تاج محل کا علم: معلوم یعنی خود تاج محل کے تابع ہوگا۔ اور اگر کوئی شخص ذہن میں خیالی تاج محل بنائے، تو آگرہ والے تاج محل کا اس کے مطابق ہونا ضروری نہیں، کیونکہ معلوم علم کے تابع نہیں ہوتا۔

② ـــ اللہ کے علم میں اور مخلوقات کے علم میں یہ فرق ہے کہ اللہ کا علم حضوری ہے، یعنی وہ وجودِ معلوم کا محتاج نہیں۔ ازل میں اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتے ہیں۔ اور مخلوقات کا عم کسبی ہے، وہ وجودِ معلومات کا محتاج ہے یعنی کوئی شئ معلوم ہوگی تبھی اس کا علم ہوگا۔ پس تا ابد جو کچھ ہونے والا ہے: اللہ تعالیٰ کو ازل میں اس کا علم حاصل ہے۔ مگر اللہ کے جاننے سے لازم نہیں آتا کہ ویسا ہی ہو۔ یہ بات اس وقت ضروری ہوگی جب معلوم علم کے تابع ہو، جیسے ہمارے کسی بات کو جاننے سے ـــــ مثلاً استاذ ایک طالب علم کے بارے میں جانتا ہے کہ وہ اول آئے گا یا فیل ہوگا ـــــ ویسا

ہی ہونا ضروری نہیں۔ پس فرق اتنا ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب والشہادہ ہیں، اور ہماری معلومات محدود ہیں۔

۳ — مسئلۂ تقدیر کا حاصل یہ ہے کہ بندے پیدا ہوکر جو اچھے برے کام کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ ان کو ازل سے جانتے ہیں، اور جانتے ہی نہیں، سب کچھ لوح محفوظ میں لکھ بھی رکھا ہے۔ مگر اس جاننے اور لکھنے سے بھی انسان مجبور نہیں ہوتا، کیونکہ معلوم علم کے تابع نہیں ہوتا۔ بلکہ جو کچھ پیش آنے والا ہے، اور بندے اپنی مرضی سے جو اچھے برے کام کرنے والے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ازل سے جانتے ہیں اور ان کو لکھ بھی لیا ہے۔ کیونکہ ان کا علم حضوری ہے، وجودِ معلوم کا محتاج نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ جاننا مطابقِ واقعہ ہے، کیونکہ جو علم معلوم سے ماخوذ ہو وہی صحیح علم ہوتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے علم کے خلاف اس لئے نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ وہی جانتے ہیں جو ہونے والا ہے —— یہ مضمون یوں بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ تقدیر کے معنی پلاننگ کے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ازل میں کائنات کے لئے جو اندازہ مقرر کیا ہے: اس میں یہ بھی طے ہے کہ انسان جزوی اختیار رکھنے والی مخلوق ہوگی۔ پھر وہ اپنی مرضی اور اپنے جزوی اختیار سے جو کچھ کرے گی، اس کو اللہ تعالیٰ ازل سے جانتے ہیں، اور اس کو لکھ بھی لیا ہے۔

اب جواب آسانی سے سمجھ میں آجائے گا کہ اللہ تعالیٰ ازل میں صرف یہی نہیں جانتے کہ وہ لڑکا بڑا ہوکر ضرور کافر ہوگا، اور اس کے والدین اس کے فتنہ میں مبتلا ہونگے۔ بلکہ علم الٰہی میں پوری تفصیل ہے کہ اگر وہ لڑکا بڑا ہوتا تو کافر ہوتا، اور اس کے والدین کے لئے فتنہ بنتا، مگر وہ بلوغ سے پہلے بچپن ہی میں مرجائے گا یا مار دیا جائے گا، اس لئے وہ نہ کافر ہوگا، نہ اپنے والدین کے لئے فتنہ ہوگا۔

دوسرے سوال کا جواب: یہ ہے کہ تکوینیات کے بارے میں انسان کا علم نہ ہونے کے باربر ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اس سے تو پردہ اٹھایا کہ اس لڑکے کو مار ڈالنے میں یہ حکمت تھی مگر یہ بات کوئی نہیں جانتا کہ اس کو پیدا کرنے میں کیا حکمت ہے۔ مثلاً انسان کے بدن میں کئی جگہ بال اگتے ہیں، ناخن بڑھتے ہیں۔ شریعت کا حکم یہ ہے کہ ان کو صاف کیا جائے اور یہ نظافت کا تقاضا ہے مگر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ان کا کاٹنا ضروری ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا ہی کیوں کیا؟ جواب یہ ہے کہ اس کی حکمت اللہ ہی بہتر جانتے ہیں۔ ہم صرف اجمالاً یہ بات جانتے ہیں کہ ان بالوں کو پیدا کرنے میں بھی کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور ہے۔ اسی طرح اس لڑکے کو پیدا کرنے میں بھی کوئی حکمت ہے، جو ہم نہیں جانتے، اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں۔ حضرت خضر نے بھی اس رازِ سربستہ کو نہیں کھولا اس لئے عقل انسانی کے لئے بجز اعتراف عجز و قصور کے کوئی راہ نہیں، ہمیں تو بس یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ دنیا میں جو چیزیں: مہلک، خراب اور بُری سمجھی جاتی ہیں ان میں بھی مجموعۂ عالم کے اعتبار سے خیر اور بے شمار فائدے ہیں۔

آخری واقعہ کی حقیقت: —— اور رہی دیوار: تو وہ دو یتیم لڑکوں کی تھی، جو اس شخص میں رہتے تھے اور اس کے نیچے ان کا خزانہ مدفون تھا اور ان کا باپ نیک آدمی تھا۔ اس لئے آپ کے پروردگار نے چاہا کہ وہ دونوں جوان ہوں اور آپ کے پروردگار کی مہربانی سے اپنا خزانہ نکال لیں۔ اور میں نے کچھ اپنے اختیار سے یہ کام نہیں کیا —— بلکہ بامر الٰہی کیا ہے —— حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس دیوار کے نیچے سونے چاندی کا ذخیرہ تھا (رواہ الترمذی والحاکم) جو ان کے باپ سے ان کو میراث میں پہنچا تھا۔ اگر دیوار گر پڑتی تو یتیم بچوں کا جو مال وہاں گڑا ہوا تھا ظاہر ہو جاتا اور بدنیت لوگ اٹھا لیتے۔ بچوں کا باپ چونکہ نیک آدمی تھا اس لئے اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اس کے مال کو اس کی اولاد کے لئے محفوظ رکھا اور حضرت خضر کو بھیج کر دیوار درست کرا دی۔ اور مال کی یہ حفاظت اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے تھی۔ حضرت خضر کا دیوار کا سیدھا کرنا بامر خداوندی تھا اور جو کام خدا کے حکم سے کرنا ضروری ہو اس پر مزدوری لینا جائز نہیں، یہیں سے یہ ضابطہ بنا ہے کہ ''طاعاتِ مقصودہ پر اجارہ باطل ہے'' —— یہ حقیقت ہے ان باتوں کی جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا۔

فائدہ (۱): دنیا میں کوئی بھی اچھا یا برا کام اللہ تعالیٰ کی مشیت و ارادے کے بغیر نہیں ہوتا خیر و شر سب ان کی مخلوق ہیں اور ان کے ارادے اور مشیت کے تابع ہیں۔ مگر ادب کا تقاضا یہ ہے کہ شر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہ کی جائے چنانچہ حضرت خضر علیہ السلام نے جب کشتی توڑنے کا ذکر کیا تو چونکہ وہ کام بظاہر ایک عیب اور برائی تھا اس لئے اس کے ارادے کی نسبت اپنی طرف کی، اسی طرح لڑکے کو قتل کرنے اور اس کے بدلے میں اس سے بہتر اولاد دینے کا ذکر کیا تو اس میں قتل تو برائی تھی اور بدلے میں بہتر اولاد دینا بھلائی تھی، اس لئے امر مشترک ہونے کی وجہ سے جمع متکلم کا صیغہ استعمال کیا تاکہ اس میں جتنا ظاہری شر ہے وہ اپنی طرف اور جو خیر ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو جائے اور تیسرے واقعہ میں دیوار کھڑی کر کے یتیموں کا مال محفوظ کرنا سراسر خیر ہی خیر تھا اس لئے اس کی پوری نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کر دی (ماخوذ از معارف القرآن)

فائدہ (۲): حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے واقعہ میں ہمارے لئے جو سب سے بڑا سبق ہے وہ یہ ہے کہ ہمیں یقین رکھنا چاہئے کہ کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ ٹھیک حکمت خداوندی کے مطابق ہو رہا ہے۔ کائنات میں کوئی بات بایں معنی شرک نہیں کہ سبب کا مقتضی پورا نہ ہو یا سبب کی ضد صادر ہو۔ ہر چیز خدا نے جس مقصد سے پیدا کی ہے وہ اس مقصد کی تکمیل میں لگی ہوئی ہے البتہ ایسا ہو سکتا ہے کہ کوئی کام انسان کی مصلحت سے ہم آہنگ نہ ہو یا اس کے حق میں زیادہ بہتر نہ ہو مگر مجموعۂ عالم کے اعتبار سے وہ بھی خیر ہی ہوتا ہے۔ پس ظاہر بین نگاہیں دنیا میں بظاہر جو

کچھ ہوتا دیکھتی ہیں اس سے کبھی غلط نتیجہ اخذ کر لیتی ہیں اس وجہ سے کہ ان کے سامنے اللہ کی مصلحتیں نہیں ہوتیں مثلاً ظالموں کا پھلنا پھولنا، اور بے گناہوں کا تکلیفوں میں مبتلا ہونا، نافرمانوں پر انعامات کی بارش کا ہونا اور فرمانبرداروں پر مصائب کا ہجوم ہونا، بدکاروں کا عیش اڑانا اور نیکوکاروں کا خستہ حالی میں بسر کرنا: یہ سب وہ مناظر ہیں جو آئے دن انسانوں کے سامنے آتے رہتے ہیں اور جو لوگ حقیقت حال سے واقف نہیں وہ غلط فہمیوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ایسے ہی معاملات میں غور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کے ذریعہ کارخانۂ قدرت پر سے پردہ ہٹا کر ہم کو ایک جھلک دکھائی ہے تاکہ ہم جان لیں کہ یہاں شب و روز جو کچھ ہو رہا ہے وہ عین حکمت و مصلحت کے مطابق ہو رہا ہے اگرچہ ہماری کوتاہ نظریں اس کی حقیقت تک نہ پہنچ سکیں۔ مگر ہمیں یقین کرنا چاہئے کہ باغبان باغ کی مصلحت ملحوظ رکھ کر ہی کام کر رہا ہے۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ۭ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ﴿۸۳﴾ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ﴿۸۴﴾ فَاَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۵﴾ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ڛ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا ﴿۸۶﴾ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ﴿۸۷﴾ وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَاۗءَ ۨ الْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ﴿۸۸﴾ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۹﴾ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰي قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ﴿۹۰﴾ كَذٰلِكَ ۭ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿۹۱﴾

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ	اور پوچھتے ہیں لوگ آپ سے	قُلْ	آپ کہئے	مِّنْهُ(۲)	اس کے کچھ
عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ	ذوالقرنین کے بارے میں	سَاَتْلُوْا(۱)	اب میں پڑھتا ہوں	ذِكْرًا(۳)	حالات
		عَلَيْكُمْ	تمہارے سامنے	اِنَّا	بے شک ہم نے

(۱) سین محض تاکید کے لئے ہے، استقبال کے لئے نہیں ہے کیونکہ پورا کلام مسلسل نازل ہوا ہے (۲) مِنْهُ میں دو احتمال ہیں (۱) راجح یہ ہے کہ من تبعیضیہ ہے اور ضمیر ذوالقرنین کی طرف راجع ہے اور مضاف محذوف ہے أی من أخبارہ پھر جار مجرور در حقیقت ذِكْرًا کی صفت ہیں مگر مقدم ہونے کی وجہ سے ترکیب میں حال واقع ہیں (۲) اور ضعیف احتمال یہ ہے کہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہو اور من ابتدائیہ ہو یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے میں (رسول اللہ ﷺ) یہ احوال پڑھ کر سناتا ہوں (۳) ذكرًا، سَأَتْلُوا کا ←

مَكَّنَّا (۱)	اقتدار دیا تھا	حَمِئَةٍ (۵)	کیچڑ کے	فَسَوْفَ	تو عنقریب
لَهٗ	اس کو	وَّوَجَدَ	اور پایا اس نے	نُعَذِّبُهٗ	سزا دیں گے ہم اس کو
فِي الْاَرْضِ	زمین میں	عِنْدَهَا	چشمہ کے پاس	ثُمَّ يُرَدُّ	پھر لوٹایا جائے گا وہ
وَاٰتَيْنٰهُ	اور دیا تھا ہم نے اس کو	قَوْمًا	ایک قوم کو	اِلٰى رَبِّهٖ	اس کے رب کی طرف
مِنْ كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز میں سے	قُلْنَا	کہا ہم نے	فَيُعَذِّبُهٗ	پس سزا دیں گے وہ
سَبَبًا (۲)	سبب کے طور پر	يٰذَا الْقَرْنَيْنِ	اے ذوالقرنین!		اس کو
فَاَتْبَعَ (۳)	پس پیچھے پڑا وہ	اِمَّآ اَنْ (۶)	یا تو یہ کہ	عَذَابًا	سزا
سَبَبًا	ایک سبب کے	تُعَذِّبَ	سزا دے تو	نُّكْرًا	بری
حَتّٰٓى اِذَا	یہاں تک کہ جب	وَاِمَّآ اَنْ	اور یا یہ کہ	وَاَمَّا مَنْ	اور رہا وہ جو
بَلَغَ	پہنچا وہ	تَتَّخِذَ	لے تو	اٰمَنَ	ایمان لایا
مَغْرِبَ	ڈوبنے کی جگہ میں	فِيْهِمْ	ان میں	وَعَمِلَ صَالِحًا	اور کیا اس نے نیک کام
الشَّمْسِ	سورج کے	حُسْنًا	خوبی	فَلَهٗ جَزَآءَ (۸)	تو اس کے لئے بدلہ ہے
وَجَدَهَا (۴)	(تو) پایا سورج کو	قَالَ	کہا اس نے	ۨ الْحُسْنٰى	عمدہ
تَغْرُبُ	ڈوب رہا ہے وہ	اَمَّا مَنْ (۷)	رہا وہ جس نے	وَسَنَقُوْلُ	اور اب کہیں گے ہم
فِيْ عَيْنٍ	چشمہ میں	ظَلَمَ	ظلم کیا	لَهٗ	اس سے

← مفعول بہ ہے اور مِنْهُ پہلی صورت میں بمعنی نَبَاءٌ (خبر) ہے اور دوسری صورت میں بمعنی قرآن ہے۔

(۱) مَكَّنَّا (ماضی، جمع متکلم) مصدر تَمْكِيْنٌ (تفعیل) قدم جمانا، با اقتدار کرنا (۲) سَبَبٌ: رسّی، ذریعہ، وسیلہ، جمع أَسْبَابٌ: سبب اصل میں اس رسّی کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ درخت پر چڑھا جائے اسی مناسبت سے ہر اس شئ کا نام سبب ہے جو کسی دوسری شئ تک پہنچنے کا ذریعہ ہو (۳) اَتْبَعَهٗ: پیروی کرنا، لاحق ہونا، مجرد تَبِعَ (س) سے اس کے معنی میں مبالغہ ہے (۴) وَجَدَ بمعنی رَأَى ہے یعنی محسوس کیا (۵) حَمِئَةٌ (صفت مشبہ) از حَمِيءَ (س) حَمْئًا وَحَمَأً الماءُ: پانی میں کیچڑ ملی ہوئی ہونا (۶) إِمَّا، إِنْ اور مَا سے مرکب ہے اور یہ حرف تفصیل ہے اور أَنْ تُعَذِّبَ میں أَنْ مصدریہ ہے اور جملہ تُعَذِّبَ بتاویل مصدر ہو کر یا تو مبتدا ہے اور خبر محذوف ہے أي إما تَعذيبُك وَاقِعٌ، یا خبر ہے اور مبتدا محذوف ہے أي إِمَّا أمرك تعذيبك یا فعل محذوف کا مفعول ہے أي إِمَّا تُوْقِعُ تعذيبك اور إِمَّا أن تتخذ میں بھی یہی احتمالات ہیں اور حُسْنًا کا مضاف محذوف ہے أي أمرًا ذَا حَسَنٍ یا مصدر کا حمل مبالغۃ ہے (۷) أَمَّا بھی حرف تفصیل ہے مگر اس میں شرط کے معنی ہیں اس لئے اس کے بعد جواب پر ف کا آنا ضروری ہے (۸) لَهٗ خبر مقدم ہے اور اَلْحُسْنٰى مبتدا مؤخر اور جَزَاءً حال ہے یا تمیز أي لَهُ الْحُسْنٰى جَزَاءً كَمَا يُقَالُ: لك هذا الثوب هبةً۔

مِنۡ اَمۡرِنَا	ہمارے معاملہ میں	الشَّمۡسِ	سورج کے	سِتۡرًا	کوئی پردہ
يُسۡرًا (۱)	آسانی	وَجَدَهَا	(تو) پایا اس نے سورج کو	كَذٰلِكَ (۳)	یوں ہی ہے
ثُمَّ اَتۡبَعَ	پھر پیچھا کیا اس نے	تَطۡلُعُ	نکل رہا ہے وہ	وَقَدۡ اَحَطۡنَا (۴)	اور گھیر لیا ہم نے
سَبَبًا	ایک سبب کا	عَلٰى قَوۡمٍ	ایسی قوم پر	بِمَا لَدَيۡهِ	ان چیزوں کو جو اس
حَتّٰٓى اِذَا	یہاں تک کہ جب	لَّمۡ نَجۡعَلۡ (۲)	(کہ) نہیں بنایا ہم نے		کے پاس ہیں
بَلَغَ	پہنچا وہ	لَّهُمۡ	ان کے لئے	خُبۡرًا (۵)	واقفیت کے
مَطۡلِعَ	نکلنے کی جگہ میں	مِّنۡ دُوۡنِهَا	اس سے وَرے		اعتبار سے

مشرکین مکہ نے یہود مدینہ کے مشورہ سے اصحاب کہف کے احوال کے ساتھ، ذوالقرنین کے احوال بھی دریافت کئے تھے اس لئے اصحاب کہف کے احوال بیان کرنے کے بعداب ذوالقرنین کے احوال بیان کئے جاتے ہیں:

ذوالقرنین ایک نیک نہاد بادشاہ تھے نبی یا رسول نہیں تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے یہی مروی ہے کہ لَمۡ يَكُنۡ نَبِيًّا وَلَا مَلَكًا (ذوالقرنین نہ تو نبی تھے اور نہ فرشتہ) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس روایت کی توثیق کی ہے اور لکھا ہے کہ یہی اکثر علماء کی رائے ہے [۶] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی بات مروی ہے کہ ذوالقرنین نیک اور صالح بادشاہ تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو پسند فرمایا اور قرآن میں ان کی تعریف کی اور وہ فاتح اور کامیاب بادشاہ تھے۔ (البدایہ والنہایہ ۲:۱۰۳)

ذوالقرنین کے واقعہ میں قرآن کریم نے خاص طور پر دو باتوں کو نمایاں کیا ہے:

ایک: ذوالقرنین جب پہلی مُہم سر کرتے ہوئے دنیا کے مغربی کنارے پر پہنچے تو وہاں ان کو ایک قوم ملی جو کافر تھی۔ ذوالقرنین نے ان کو اسلام کی دعوت دی۔ اس قوم کا مفصل حال ذکر کرنے سے مقصود شرک کی برائی اور توحید کی تلقین ہے۔

دوسری: تیسرے سفر کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے ذوالقرنین کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ایک دن میری بنائی ہوئی یہ آہنی دیوار بھی پیوند خاک ہو جائے گی! اس سے یہ حقیقت ذہن نشین کرنی مقصود ہے کہ دنیا کی بڑی سے بڑی اور

(۱) مضاف محذوف ہے أي ذَا يُسۡرٍ یا مصدر کا اطلاق مبالغۃً ہے (۲) جملہ لَمۡ نَجۡعَلۡ صفت ہے قَوۡمٌ کی (۳) مبتدا محذوف کی خبر ہے أي الأمر كذلك (۴) أَحَطۡنَا کے معنی کے لئے دیکھیں سورۃ الکہف آیت ۶۸ (۵) خُبۡرًا مصدر ہے خَبُرَ (ک) خُبۡرًا الشيئ وَبِهِ: حقیقت حال سے واقف ہونا (۶) فتح الباری ۶:۳۸۳ باب قصۃ یاجوج وماجوج، کتاب الانبیاء۔

مضبوط سے مضبوط عمارت بھی اک دن ختم ہو جانے والی ہے۔ ہمیشہ باقی رہنے والی چیزیں آخرت کی چیزیں ہیں آخرت کا عیش ہی حقیقی عیش ہے۔ اس لئے اسی کی فکر کرنی چاہئے۔ کاش یہ بات لوگوں کی سمجھ میں آجائے اور ہماری آنکھوں سے غفلت کا پردہ ہٹ جائے:

اور لوگ آپؐ سے ذوالقرنین کے بارے میں پوچھتے ہیں؟ ـــــ ذوالقرنین کے لفظی معنی ہیں دوسینگوں والا۔ آپ کا یہ نام کیوں پڑا؟ اس میں سخت اختلاف ہے۔ کتابوں میں دس بارہ قول لکھے ہیں، چند یہ ہیں:

۱ــ اس بادشاہ کو ذوالقرنین اس لئے کہا گیا کہ وہ روم وفارس کا فرمانروا تھا۔ قرآن کے معنی ہیں سینگ، بطور استعارہ حکومت کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔

۲ــ چونکہ یہ بادشاہ فتوحات کرتا ہوا اقصائے مغرب ومشرق تک پہنچا تھا اس لئے ذوالقرنین کہلایا یعنی دنیا کے دو کناروں کا مالک۔

۳ ــ اس بادشاہ کی زلفیں دراز تھیں اور وہ ہمیشہ بالوں کو دو حصے کر کے ان کی پٹیاں گوندھ کر دونوں کاندھوں پر ڈالے رکھتا تھا اس لئے اس کا یہ لقب ہوا۔

۴ــ وہ اپنے تاج میں سُرخاب کے دو پر دوسینگوں کی طرح لگایا کرتا تھا۔ اس لئے اس کا یہ لقب پڑ گیا۔

۵ــ اس کے سر پر چوٹ کے دونشان تھے۔ اس لئے سینگ سے تشبیہ دے کر ذوالقرنین نام رکھا گیا۔

غرض یہ لقب قرآن کریم کا دیا ہوا نہیں ہے پہلے سے مشہور چلا آرہا تھا۔ یہودی اس بادشاہ کو اسی نام سے موسوم کرتے تھے ــ مؤرخین میں ذوالقرنین کی تعیین میں بھی سخت اختلاف ہے کیونکہ ذوالقرنین لقب والے کئی بادشاہ گذرے ہیں۔ قرین صواب یہ ہے کہ ذوالقرنین سے مراد ایران کا وہ بادشاہ ہے جسے یہودی خورس، یونانی سائرس، فارسی گورش، یا گی ارش اور عرب کَیْ خُسْرو کہتے ہیں جس کا انتقال ۵۲۹ قبل مسیح میں ہوا ہے (قصص القرآن) دوسرا مشہور قول یہ ہے کہ ذوالقرنین سے مراد مشہور تاریخی فاتح اسکندر یونانی (متوفی ۳۲۳ ق م) ہے اور ابن کثیر رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ ذوالقرنین اور اسکندر مقدونی کے درمیان تقریباً دوہزار سال سے بھی زیادہ کا فصل ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

آپ کہئے: میں ابھی تم کو اس کا کچھ حال سناتا ہوں ـــــ یعنی قرآن کریم میں ذوالقرنین کا قصہ تاریخی انداز پر بیان نہیں کیا گیا۔ تفصیل وار سوانح حیات بیان کرنا مؤرخ کا کام ہے اور قرآن کریم کوئی تاریخی کتاب نہیں ہے وہ تو ایک ہدایت نامہ ہے اس لئے واقعہ کے جو اجزاء مقصد ہدایت سے ہم آہنگ ہوں گے وہی بیان کئے جائیں گے۔ دوسری غیر ضروری باتیں نظر انداز کر دی جائیں گی مثلاً (۱) ذوالقرنین کس ملک کے بادشاہ تھے اور وہ کس عہد کے آدمی

تھے؟(۲)ان کو ذوالقرنین کیوں کہا جاتا تھا؟(۳)وہ مشرق ومغرب میں کس حد تک پہنچے تھے؟(۴)جس قوم نے دیوار بنانے کی درخواست کی تھی وہ کونسی قوم تھی؟(۵)یاجوج وماجوج کون ہیں؟اور کہاں رہتے ہیں؟(۶)دیوار کہاں بنائی تھی؟اس قسم کی باتیں قرآن کی اصل غرض سے زائد ہیں اس لئے ان کو بیان نہیں کیا جائے گا اور جو باتیں قرآن نے چھوڑ دی ہیں ان کو جزم ویقین کے ساتھ کوئی بیان نہیں کرسکتا۔

شانِ حکومت: ـــــ ہم نے ان کو زمین میں اقتدار عطا کیا تھا اور ہم نے ان کو ہر قسم کے وسائل بخشے تھے ـــــ یعنی وہ جاہ وحشمت، شان وشوکت رکھنے والے جلیل القدر بادشاہ تھے۔ خدا نے ان کو حکومت چلانے کے لئے ہر قسم کے ساز وسامان سے نوازا تھا۔ سَبَبٌ عربی میں ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس سے مقصد برآری میں مدد لی جائے خواہ وہ آلاتِ حرب ہوں، وسائل مادیہ ہوں یا علم وبصیرت اور تجربہ ہو ـــــ اور ہر قسم سے مراد وہ تمام امور ہیں جن کی ایک بڑے فاتح کشور کُشا کو نظام حکومت چلانے کے لئے ضرورت ہوتی ہے ـــــ اور ''ہم'' نے کا مطلب یہ ہے کہ یہ اقتدار اور یہ اسباب ذوالقرنین کو رواجی طور پر حاصل نہیں ہوئے تھے کیونکہ وہ آباؤ واجداد سے کسی بڑی حکومت کے وارث نہیں ہوئے تھے بلکہ وہ ایک معمولی آغاز سے ترقی کرکے عظیم بادشاہ بن گئے تھے اور یہ مقدرت ان کو معجزانہ طور پر محض عنایت ربانی اور فضل خداوندی سے حاصل ہوئی تھی۔

ذوالقرنین کا مغربی سفر: ـــــ ذوالقرنین نے سب سے پہلے اپنے پایۂ تخت سے مغرب کی جانب سفر کا ارادہ کیا ـــــ چنانچہ انھوں نے سفر کا سروسامان کیا ـــــ اور مکمل تیاری کرکے سفر پر روانہ ہوئے۔ یہ ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب قدس سرہٗ کے ترجمہ سے ماخوذ ہے آپ نے ترجمہ کیا ہے ''پھر پیچھے پڑا وہ ایک سامان کے'' اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے ترجمہ کیا ہے ''وہ ایک راہ پر ہو لئے'' یہ ترجمہ جلالین سے ماخوذ ہے۔ غرض سبب کا ترجمہ ''سامان'' بھی ہوسکتا ہے اور ''راہ'' بھی ـــــ یہاں تک کہ وہ غروبِ آفتاب کی جگہ پر پہنچے تو انھیں آفتاب ایک سیاہ پانی کے چشمہ میں ڈوبتا ہوا دکھائی دیا ـــــ یعنی جب وہ چلتے چلتے جانب مغرب میں اس حد تک پہنچ گئے کہ سامنے سمندر آگیا اور آگے بڑھنے کا کوئی راستہ نہ رہا تو وہ رک گئے اور ان کو وہاں ایسا نظر آیا جیسے سورج سیاہ دلدل میں چھپتا ہے، کیونکہ سمندر کے کنارے کھڑے آدمی کو ایسا ہی نظر آتا ہے۔

اور سیاہ پانی کے چشمہ سے مراد ایسی جھیل ہے جس کے نیچے سیاہ کیچڑ ہو، جس کی وجہ سے پانی کا رنگ بھی سیاہ دکھائی دیتا ہو۔ مؤرخین کا خیال ہے کہ یہ مقام بحر ایجین (Aegean Sea) ہے جو ترکی کی مغربی جانب میں واقع ہے اس سمندر کا تعلق بحر اسود (Black Sea) سے ہے۔ آبنائے باسفورس نے بحر اسود کو بحر مرمرہ سے ملایا ہے اور آبنائے

دردنیل نے بحر مرمرہ کو بحر ایجین سے ملایا ہے اس وجہ سے ان سمندروں کا پانی سیاہ نظر آتا ہے۔ اور بحر ایجین نے چھوٹے چھوٹے جزیروں والی جھیلوں کی شکل اختیار کر لی ہے واللہ اعلم۔

ذوالقرنین نے یہ سفر کیوں کیا تھا؟ قرآن کریم نے مقصد سفر کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا اس لئے کوئی قطعی بات نہیں کہی جاسکتی، ممکن ہے کشور کشائی اور ممالک کو فتح کرنے کے لئے کیا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی بغاوت کو فرو کرنے کے لئے کیا ہو ـــــ اور ان کو وہاں ایک قوم ملی، ہم نے کہا: ''اے ذوالقرنین! یا تو آپ ان لوگوں کو سزا دیں یا ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کریں'' ـــــ یعنی یہ قوم پوری طرح تمہارے قابو میں ہے، ان کے ملک پر تمہارا قبضہ ہو چکا ہے پس جس طرح چاہو ان کے ساتھ معاملہ کرو، چاہو تو ان کو کفر کی پاداش میں سزا دو اور چاہو تو ان کے ساتھ حسن سلوک کرو ـــــ اللہ کا یہ فرمان ضروری نہیں کہ وحی یا الہام کے ذریعہ یا کسی نبی کے واسطہ سے ذوالقرنین کو پہنچا ہو، یہ ضمیر کی آواز بھی ہوسکتی ہے، جیسے ﴿أَوْحیٰ رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ﴾ میں وحی سے مراد یہ ہے کہ اللہ نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈالی۔ اسی طرح یہاں بھی بظاہر یہی مطلب معلوم ہوتا ہے کہ ذوالقرنین کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ ایک امتحان کی گھڑی ہے۔ یہ قوم میرے سامنے بے بس کھڑی ہے۔ میں چاہوں تو ان پر ظلم بھی کرسکتا ہوں اور چاہوں تو شرافت کا سلوک بھی کرسکتا ہوں اس نازک موقعہ میں ذوالقرنین نے بہترین فیصلہ کیا ـــــ انھوں نے کہا: رہا وہ شخص جو ظلم (یعنی شرک وکفر اختیار) کرے گا تو ہم اس کو سزا دیں گے۔ پھر وہ اپنے رب کی طرف لوٹایا جائے گا پس وہ اسے اور بھی سخت سزا دیں گے۔ اور رہا وہ جو ایمان لائے گا اور نیک کام کرے گا: اس کو بدلے میں بھلائی ملے گی اور ہم بھی اپنے برتاؤ میں اس سے آسان بات کہیں گے ـــــ یعنی ذوالقرنین نے فیصلہ کیا کہ اس قوم کو اسلام کی دعوت دی جائے۔ چنانچہ انھوں نے اعلان کیا کہ ہدایت کا راستہ واضح ہونے کے بعد بھی جو شخص شرک وکفر کو اپنائے گا، ہم اس کو سزا دیں گے اور بعد از مرگ تو اس کے لئے سخت سزا تیار ہی ہے۔ اور جو ایمان کا راستہ اختیار کرے گا اور عمل صالح میں لگ جائے گا اس کو اس کے عمل کا بھرپور بدلہ آخرت میں بھلائی کی شکل میں ملے گا اور دنیا میں بھی ہم اس کے ساتھ نیک سلوک کریں گے۔

فائدہ: دعوت میں ترغیب وترہیب دونوں ہی کی ضرورت پڑتی ہے۔ ذوالقرنین نے اسی مصلحت سے کفر پر مصر رہنے والوں کے لئے سزا کا اعلان کیا ورنہ حقیقت میں دین کے معاملہ میں کوئی زور جبر نہیں۔ مگر ترہیب (ڈرانے) کی حد تک کوئی حرج بھی نہیں۔

فائدہ: ذوالقرنین کی دعوت کا نتیجہ کیا رہا؟ قرآن کریم نے اس کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا، ممکن ہے سب لوگوں

نے اسلام قبول کرلیا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ کچھ لوگ گمراہی پر مصر رہے ہوں۔ واللہ اعلم۔

ذوالقرنین کا مشرقی سفر ـــــ ذوالقرنین مغربی سفر سے لوٹنے کے بعد پایۂ تخت سے جانب مشرق ایک دوسرے سفر پر روانہ ہوئے ـــــ پھر انھوں نے سروسامان کیا، یہاں تک کہ وہ طلوعِ آفتاب کی جگہ پر پہنچے، تو انھوں نے آفتاب کو ایک ایسی قوم پر طلوع ہوتے دیکھا، جن کے لئے ہم نے آفتاب سے وَرے کوئی آڑ نہیں بنائی تھی ـــــ یعنی ان قبائل کے پاس دھوپ سے بچنے کے لئے کوئی بھی سامان: مکان، خیمہ، لباس وغیرہ نہیں تھا۔ آفتاب کی شعاعیں ان کے جسموں پر راست پڑتی تھیں۔ وہ بالکل ہی تمدن سے نا آشنا تھے، نہ ان میں گھر بنانے کا رواج تھا، نہ چھت ڈالنے کا دستور تھا۔ نہ وہ کپڑا بنانے کی صنعت سے واقف تھے۔ وہ لوگ بالکل فطری زندگی گزارتے تھے ـــــ یہ لوگ کون تھے؟ کس ملک کے باشندے تھے؟ ان کا دین و مذہب کیا تھا؟ ذوالقرنین نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ یہ سب باتیں قرآن نے بیان نہیں کیں۔ قرآن کا مقصد صرف ذوالقرنین کی مُہم جوئی اور اولوالعزمی بیان کرنا ہے ـــــ صورتِ حال اسی طرح تھی، اور ہم ذوالقرنین کے پاس جو کچھ تھا اس سے پوری طرح باخبر ہیں ـــــ یعنی اصل حقیقت اور واقعہ وہی ہے جو قرآن نے بیان کیا ہے، خواہ وہ کتنا ہی مستبعد معلوم ہو، ذوالقرنین کے جملہ احوال سے اللہ تعالیٰ بخوبی واقف ہیں ان کے علم سے اس بادشاہ کے معاملات کا ایک ذرہ بھی مخفی نہیں۔

فائدہ: غروب آفتاب کی جگہ اور طلوع آفتاب کی جگہ سے مراد یہ ہے کہ ذوالقرنین اپنے مرکز حکومت سے اقصائے مغرب اور اقصائے مشرق تک پہنچے۔ یعنی جانب مغرب اس حد تک پہنچے کہ خشکی کا سلسلہ ختم ہو کر سمندر شروع ہو گیا۔ اور مشرق کی جانب وہ یہاں تک پہنچے کہ وہاں خانہ بدوش قبائل کے علاوہ کوئی شہری آبادی نہ تھی، آگے سلسلۂ کوہ تھا۔ جن کے پیچھے سے سورج نکلتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ ساری دنیا کے حکمران ہو گئے تھے۔ اور رُبع مسکون گھوم گئے تھے، کیونکہ تاریخی طور پر یہ بات کسی بھی بادشاہ کے لئے ثابت نہیں، حتی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے بھی یہ بات ثابت نہیں۔ نہ سورج کا کوئی حقیقی مطلع اور حقیقی مغرب ہے۔ واللہ اعلم۔

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۹۲﴾ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴿۹۳﴾ قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ﴿۹۴﴾ قَالَ مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ﴿۹۵﴾ اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ ۭ حَتّٰٓى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ

قَالَ انْفُخُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِيْۤ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ؕ۝۹۶ فَمَا اسْطَاعُوْۤا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ۝۹۷ قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا ؕ۝۹۸ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ۙ۝۹۹ وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضَا ۙ۝۱۰۰ الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ۝۱۰۱ ع

ثُمَّ اَتْبَعَ	پھر پیچھے پڑا وہ	يَفْقَهُوْنَ	(کہ) سمجھے	لَكَ	آپ کے لئے
سَبَبًا	ایک سبب کے	قَوْلًا	کوئی بات	خَرْجًا (۴)	کچھ محصول
حَتّٰۤى اِذَا	یہاں تک کہ جب	قَالُوْا	کہاانھوں نے	عَلٰۤى اَنْ	اس شرط پر کہ
بَلَغَ	پہنچا وہ	يٰذَا الْقَرْنَيْنِ	اے ذوالقرنین!	تَجْعَلَ	بنادیں آپ
بَيْنَ السَّدَّيْنِ (۱)	دو پہاڑوں کے درمیان	اِنَّ يَاْجُوْجَ	بیشک یاجوج	بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ	ہمارے اورانکے درمیان
وَجَدَ	(تو) پایااس نے	وَمَاْجُوْجَ (۳)	اور ماجوج	سَدًّا	کوئی آڑ
مِنْ دُوْنِهِمَا	ان دونوں سے ورے	مُفْسِدُوْنَ	فساد مچاتے ہیں	قَالَ	کہاذوالقرنین نے
قَوْمًا	ایک قوم کو	فِي الْاَرْضِ	اس علاقہ میں	مَا	جو کچھ
لَّا يَكَادُوْنَ (۲)	(جو) نہیں قریب تھی	فَهَلْ نَجْعَلُ	پس کیا مقرر کریں ہم	مَكَّنِّيْ (۵)	مقدرت دی ہے مجھ کو

(۱) سَدٌّ دراصل سَدَّ يَسُدُّ کا مصدر ہے، جس کے معنی ہیں: رخنہ کو استوار کرنا اور خلل کو بند کرنا۔ چونکہ دیوار، پہاڑ اور بند میں یہ صفت موجود ہے اس لئے سب کو سَدٌّ کہتے ہیں ــــ بَيْنَ السَّدَّيْنِ مفعول بہ ہے بَلَغَ کا۔ لأنّه من الظروف المتصرفة کیونکہ بَيْنَ، بَانَ كَذَا کا مصدر ہے (لغات القرآن) (۲) كَادَ: چونکہ یہاں کلام منفی میں آیا ہے اس لئے اپنے مدخول کا اثبات کرتا ہے۔ (۳) یاجوج وماجوج عجمی (غیر عربی) لفظ ہیں اور دو قوموں کے اجداد کے نام ہیں۔ یہ دونوں قومیں حضرت نوح علیہ السلام کے صاحب زادے یافث کی نسل سے ہیں (۴) خَرْج: محصول، باج، ٹیکس، جمع اَخْرَاج بعض حضرات نے خَرْج اور خَرَاج میں یہ فرق کیا ہے کہ خَرْج: وہ مال ہے جو انسانوں کے عوض میں لیا جائے، اور خَرَاج عام ٹیکس ہے (۵) مَكَّنِّيْ اصل میں مَكَّنَ نِيْ تھا مَكَّنَ (ماضی واحد مذکر غائب) مصدر تَمْكِيْنٌ: بااقتدار اور بااختیار بنانا اور نِيْ میں ن وقایہ اور ی ضمیر واحد متکلم، مفعول بہ، پھر لام کلمہ کے نون کو ساکن کرکے نون وقایہ میں ادغام کردیا۔

فِيۡهِ	اس میں	سَاوٰى(5)	برابر کردیا اس نے	اَنۡ يَّظۡهَرُوۡهُ(10)	کہ چڑھیں وہ اس پر
رَبِّىۡ	میرے رب نے	بَيۡنَ الصَّدَفَيۡنِ(6)	دو پھانکوں کے درمیان	وَمَا اسۡتَطَاعُوۡا	اور نہ طاقت رکھی انھوں نے
خَيۡرٌ(1)	بہتر ہے	قَالَ	تو حکم دیا اس نے	لَهٗ	اس میں
فَاَعِيۡنُوۡنِىۡ	پس مدد کرو تم میری	انۡفُخُوۡا(7)	دہکاؤ (پھونکو)	نَقۡبًا	سوراخ کرنے کی
بِقُوَّةٍ	قوت (زور) سے	حَتّٰٓى اِذَا	یہاں تک کہ جب	قَالَ هٰذَا	کہا ذوالقرنین نے یہ
اَجۡعَلۡ	بنادوں میں	جَعَلَهٗ	کردیا ذوالقرنین نے اسکو	رَحۡمَةٌ	مہربانی ہے
بَيۡنَكُمۡ	تمہارے	نَارًا	آگ (لال انگارا)	مِّنۡ رَّبِّىۡ	میرے رب کی
وَبَيۡنَهُمۡ	اوران کے درمیان	قَالَ	تو حکم دیا اس نے	فَاِذَا جَآءَ	پھر جب آئے گا
رَدۡمًا(2)	ایک مضبوط دیوار	اٰتُوۡنِىۡۤ	(کہ) لادو مجھے	وَعۡدُ رَبِّىۡ	میرے رب کا وعدہ
اٰتُوۡنِىۡ(3)	لادو تم مجھے	اُفۡرِغۡ(8)	ریڑھ دوں میں	جَعَلَهٗ	(تو) کردیں گے وہ اسکو
زُبَرَ(4)	بڑے بڑے ٹکڑے	عَلَيۡهِ	اس پر	دَكَّآءَ(11)	پیوندخاک (ریزہ ریزہ)
الۡحَدِيۡدِ	لوہے (کے)	قِطۡرًا(9)	پگھلا ہوا تانبا (پیتل)	وَكَانَ	اور ہے
حَتّٰٓى اِذَا	یہاں تک کہ جب	فَمَا اسۡطَاعُوۡۤا	پس نہ طاقت رکھی انھوں نے	وَعۡدُ رَبِّىۡ	میرے رب کا وعدہ

(۱) خیر اور شر کا استعمال دو طرح ہوتا ہے ایک بطور اسم جیسے یَدۡعُوۡنَ اِلَى الۡخَيۡرِ، دوسرے اسم تفضیل کے طور پر جیسے خَيۡرُ الزَّادِ التَّقۡوٰى اس آیت میں اسم بھی ہوسکتا ہے اور اسم تفضیل بھی، پہلی صورت میں ترجمہ ہوگا: ''بہت کچھ ہے'' اور دوسری صورت میں ''بہتر ہے'' أي خيرٌ مما تريدون أن تَبۡذُلُوۡهُ (۲) رَدۡمٌ: موٹی اور مضبوط دیوار، سد محکم۔ رَدۡمٌ دراصل باب ضرب کا مصدر ہے جس کے معنی ہیں رخنہ کو پتھروں سے بند کرنا مگر یہاں بمعنی اسم مفعول ہے (۳) آتُوۡنِىۡ: تم میرے پاس لاؤ آتُوۡا فعل امر ن وقایہ، ی ضمیر واحد متکلم، آتَى اِيۡتَاءً ا فلانًا الشيءَ: دینا (۴) زُبَرٌ جمع۔ مفرد زُبۡرَةٌ جیسے غُرَفٌ جمع، مفرد غُرۡفَةٌ زبرة: لوہے کا تختہ، لوہے کا بڑا ٹکڑا (۵) سَاوَى مُسَاوَاةً: برابر کرنا، برابر ہونا۔ فاعل ضمیر مستتر، بَيۡنَ الصَّدَفَيۡنِ مفعول بہ ہے (۶) صَدَفٌ: پہاڑ کی پھانک، کنارۂ کوہ، جہاں جا کر پہاڑ کا اوپر کا سرا تمام ہوتا ہے (۷) اُنۡفخوا (امر، جمع مذکر حاضر) تم پھونکو، تم دھونکو از نَفۡخٌ: پھونک مارنا (۸) اُفۡرِغۡ (مضارع واحد متکلم) میں ڈال دوں، میں انڈیل دوں مصدر اِفۡرَاغٌ اور آتُوۡنِىۡ کا مفعول قِطۡرًا محذوف ہے لِدَلَالَةِ الثاني عليه (۹) قِطۡرٌ کا ترجمہ عام طور پر پگھلا ہوا تانبا کیا جاتا ہے مگر ابن عباسؓ نے پیتل ترجمہ کیا ہے (۱۰) يَظۡهَرُوۡهُ بتاویل مصدر ہوکر مَاسۡتَطَاعُوۡا کا مفعول ہے اور اسطاعوا اصل میں استطاعوا تھا ت اور ط دو قریب المخرج حرف جمع ہوئے تو ت کو حذف کردیا استطاع استطاعةً: سکنا، طاقت رکھنا۔ یعنی ان چیزوں کا بتمام وکمال پایا جانا۔ استطاعت کہلاتا ہے جن کی وجہ سے فعل سرزد ہوتا ہے۔ ظَهَرَ البيتَ (ف) چڑھنا (۱۱) دَكَّاءُ: ہموار برابر جمع دَكَّاوَاتٌ دَكَّ (ن) دَكًّا: ریزہ ریزہ کرنا۔

حَقًّا	برحق	فَجَمَعْنٰهُمْ	پس اکٹھا کریں گے	الَّذِيْنَ	جولوگ
وَ تَرَكْنَا	اور چھوڑ دیا ہم نے		ہم ان کو	كَانَتْ	تھیں
بَعْضَهُمْ	ان کے بعض کو	جَمْعًا	سب کو	اَعْيُنُهُمْ	ان کی آنکھیں
يَوْمَئِذٍ	اس دن	وَّعَرَضْنَا	اور پیش کریں گے ہم	فِيْ غِطَآءٍ (٣)	پردے میں
يَّمُوْجُ (١)	ٹھاٹھیں مارتا	جَهَنَّمَ	دوزخ کو	عَنْ ذِكْرِيْ	میری یاد سے
فِيْ بَعْضٍ	بعض میں	يَوْمَئِذٍ	اس دن	وَكَانُوْا (٤)	اور تھے وہ
وَّنُفِخَ	اور پھونکا جائے گا	لِّلْكٰفِرِيْنَ	کافروں کے سامنے	لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ	نہیں طاقت رکھتے تھے
فِي الصُّوْرِ (٢)	صور میں	عَرْضًا	پیش کرنا	سَمْعًا	سننے کی

ذوالقرنین کا تیسرا سفر: ـــــ مشرق ومغرب کے سفروں سے فارغ ہوکر ذوالقرنین نے ایک اور سفر کیا۔ یہ سفر کس جانب تھا؟ قرآن کریم نے اس کی کوئی وضاحت نہیں کی۔ مؤرخین کا عام خیال یہ ہے کہ یہ سفر شمال کی جانب تھا اور ایک رائے یہ ہے کہ یہ سفر بھی مشرق ہی کی جانب تھا ـــ پھر انھوں نے سروسامان کیا، یہاں تک کہ جب وہ دو پہاڑوں کے درمیان پہنچے تو ان کو ان پہاڑوں سے اِس طرف ایک ایسی قوم ملی جو مشکل ہی سے کوئی بات سمجھتی تھی ـــــ یعنی اس قوم کے لئے ذوالقرنین اوران کے لشکر کی زبان بالکل اجنبی تھی۔ وہ قریب نہیں تھے کہ ان لوگوں کی بات سمجھیں لیکن بہرحال بدقت سمجھ گئے، جیسے: ﴿وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ﴾ (سورۃ البقرۃ آیت ۷۱) یعنی وہ کرتے ہوئے معلوم نہ ہوتے تھے قریب نہیں تھے کہ گائے ذبح کریں مگر حیل وحجت کے بعد ذبح کی، اسی طرح یہ قوم بھی معلوم نہیں ہوتا تھا کہ بات سمجھے گی مگر کوشش سے سمجھ گئی ـــــ ان لوگوں نے عرض کیا: اے ذوالقرنین! یاجوج وماجوج اس سرزمین میں آکر فساد مچاتے ہیں تو کیا ہم آپ کے لئے کچھ خرچ بایں شرط مقرر کردیں کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان کوئی روک بنادیں؟ ـــــ تاکہ وہ ہمارے علاقہ میں گھس کر ہمیں پریشان نہ کریں ـــــ یاجوج وماجوج

(۱) مَاجَ (ن) مَوْجًا: لہریں، مارنا یعنی کثرت کی وجہ سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک دریا ہے جس کی لہریں اٹھ رہی ہیں اور پچھلی لہر اگلی لہر میں گھسی جارہی ہے اور جملہ يَمُوْجُ مفعول ثانی ہے تَرَكْنَا کا اور تَرَكْنَا بمعنی جَعَلْنَا ہے اور بعضهم مفعول اول ہے اور ضمیر کا مرجع یاجوج وماجوج ہیں اور یومئذ یموج سے متعلق ہے (۲) الصور: القَرْنُ يُنْفَخُ فيه: (رواہ ابوداؤد والنسائی مشکوۃ حدیث نمبر ۵۵۲۸) یعنی صور ایک سینگ ہے جس میں پھونکا جائے گا (۳) غِطَاءٌ: ڈھکنا یعنی وہ سرپوش جو طباق کی قسم میں سے ہو، کپڑے وغیرہ کا نہ ہو اور مرادی معنی ہیں غفلت (۴) كَانُوْا کا عطف كَانَتْ پر ہے پھر جملہ صلہ ہے اور موصول صلہ مل کر اَلْكَافِرُوْنَ کی صفت ہیں یعنی یہ لوگ کافر یاجوج وماجوج میں سے تھے۔

کے بارے میں تمام صحیح روایات، محدثین، مفسرین اور مؤرخین متفق ہیں کہ وہ حضرت نوح علیہ السلام کے صاحب زادے یافث کی اولاد ہیں۔ وہ کوئی عجیب الخلقت مخلوق نہیں بلکہ دنیائے انسانی کی عام آبادی کی طرح وہ بھی انسان ہیں۔ وہ ان پہاڑوں کی دوسری جانب آباد تھے اور ان کی بہت بڑی تعداد تھی۔ وہ کبھی کبھی موقعہ پا کر یلغار کرتے ہوئے مجاور قوموں میں گھس آتے تھے اور لوٹ مار کر کے لوٹ جاتے تھے ـــــ ذوالقرنین نے جواب دیا: جس چیز میں میرے پروردگار نے مجھے مقدرت دی ہے وہ بہتر ہے ـــــ یعنی مال اور خزانہ میرے پاس خدا کا دیا ہوا کافی ہے مجھے تمہاری مالی مدد کی ضرورت نہیں ـــــ البتہ تم زور وطاقت سے میری مدد کرو ـــــ یعنی ہاتھ پیر کی طاقت اور جسمانی محنت سے میرا ہاتھ بٹاؤ ـــــ میں تمہارے اور ان کے درمیان خوب مضبوط دیوار بنا دونگا ـــــ تاکہ تم ان کے شر سے محفوظ ہو جاؤ ـــــ تم مجھے لوہے کے بڑے بڑے ٹکڑے دو ـــــ یعنی دیوار چننے میں میری مدد کرو ـــــ یہاں تک کہ جب اس نے دونوں پھانکوں کے بیچ میں دیوار چن کر برابر کر دی تو حکم دیا کہ دھکاؤ یہاں تک کہ ذوالقرنین نے اس کو لال انگارا کر دیا تو حکم دیا کہ مجھے لا دو، میں اس پر پگھلا ہوا تانبا ڈال دوں ـــــ یعنی پہلے لوہے کے بڑے بڑے ٹکڑوں کی اوپر نیچے تہیں جمائیں۔ جب ان کی بلندی دونوں پہاڑوں کی چوٹی تک پہنچ گئی تو لوگوں کو حکم دیا کہ خوب آگ دُھونکو، جب لوہا آگ کی طرح سرخ ہو کر تپنے لگا، اس وقت پگھلا ہوا تانبا اوپر سے ڈالدیا جو لوہے کی درزوں میں گھس کر بالکل پیوست ہو کر جم گیا اور باہم مل کر دیوار بن گیا ـــــ پس یاجوج وماجوج نہ تو اس پر چڑھ سکے اور نہ اس میں سوراخ کر سکے ـــــ یعنی اس دیوار کی بلندی اور استحکام کے باعث اُن وحشی اور جنگ جو قبائل کی تاخت وتاراج سے امن ہو گیا۔ جب یہ غیر معمولی اور حیرت انگیز کام مکمل ہو گیا تو ـــــ ذوالقرنین نے کہا کہ یہ میرے پروردگار کی رحمت ہے۔ پھر جب میرے پروردگار کے وعدے کا وقت آئے گا تو وہ اس دیوار کو پیوند خاک کر دیں گے اور میرے پروردگار کا وعدہ برحق ہے ـــــ ذوالقرنین نے یہ بات بطور شکر نعمت کہی ہے کہ خدا کا کرم ہے: اتنا بڑا کام میرے ہاتھوں انجام پا گیا! اس موقعہ پر ذوالقرنین نے یہ بات بھی واضح کر دی کہ سر دست میں نے ان موذیوں کے شر سے تم کو محفوظ کر دیا مگر جب اس دیوار کی مدت پوری ہو جائے گی اور اس کے ٹوٹنے کا وقت آئے گا تو یہ مضبوط آہنی دیوار بھی زمین بوس ہو جائے گی۔ یعنی جس طرح دنیا کی ہر شئ فانی ہے یہ دیوار بھی اپنے وقت پر فنا ہو جائے گی ـــــ اور ہم نے اس روز ان کے بعض کو بعض میں ٹھاٹھیں مارتا ہوا چھوڑ دیا ـــــ یعنی اس جانب کا راستہ بند ہو جانے کے بعد وہ قومیں آپس ہی میں جنگ وپیکار میں مشغول ہو گئیں اور وہ قومیں اتنی کثیر تعداد میں تھیں کہ جب ان کی باہم جنگ ہوتی تو ایسا محسوس ہوتا جیسے سمندر موجیں مار رہا ہے ـــــ اور ''اس روز'' کا مطلب یہ

ہے کہ جب ان کے لئے اس جانب کا راستہ مسدود ہوگیا ـــــ اور ''چھوڑ دیا'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ آپس میں لڑتے بھڑتے رہے ـــــ اورصور پھونکا جائے گا پھر ہم سب کو اکٹھا کر کے جمع کرلائیں گے ـــــ یعنی قیامت کے دن جب صور پھونکا جائے گا تو یاجوج وماجوج کا ایک ایک فرد حاضر کردیا جائے گا، ان میں سے کوئی بھی غائب نہیں رہ سکے گا ـــ اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ آج تو دیوار نے دونوں موقوں کو الگ الگ کردیا ہے مگر قیامت کے روز یہ اور وہ سب جمع کردیئے جائیں گے ـــــ اور اس دن ہم جہنم کو ان کافروں کے روبرو پیش کریں گے جن کی آنکھوں پر میری یاد سے پردہ پڑا ہوا تھا اور وہ سن ہی نہیں سکتے تھے ـــــ یعنی یاجوج وماجوج میں سے جو کافر ہیں ان کے سامنے، اسی طرح دیگر تمام کفار کی سامنے قیامت کے دن جہنم کھلے طور پر پیش کی جائے گی، جس کو وہ سر کی آنکھوں سے دیکھیں گے اور یقین کرلیں گے کہ ان کو ضرور اس میں گھسنا ہے اور یہ نتیجہ ہوگا اس کا کہ وہ دنیا میں اللہ کی یاد سے غافل تھے، اور ان کے کان اللہ کی باتوں سے بہرے تھے۔

آیات پاک کی یہ تفسیر امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند نے عقیدۃ الاسلام ص۲۰۱ میں کی ہے۔ آپ کی عربی عبارت کا ترجمہ یہ ہے:

''یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ ﴿هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّىْ، فَإِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّىْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّىْ حَقًّا﴾ ذوالقرنین کا اپنا قول ہے اور کوئی قرینہ سیاق وسباق میں ایسا موجود نہیں جس سے دیوار کے ٹوٹنے کو علامت قیامت میں شمار کیا جائے۔ اور شاید ذوالقرنین کو یہ پتہ بھی نہ ہو کہ اشراط ساعۃ میں خروج یاجوج وماجوج بھی ہے۔ انھوں نے ﴿وَعْدُ رَبِّىْ﴾ سے صرف اس کا کسی وقت میں ٹوٹ جانا مراد لیا ہے۔ پس اس صورت میں ارشاد باری ﴿وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِىْ بَعْضٍ﴾ استمرار تجددی پر دلالت کرتا ہے یعنی برابر ایسا ہوتا رہے گا کہ ان میں سے بعض قبائل بعض پر حملہ آور ہوں۔ یہاں تک کہ قیامت کا وقت آجائے، ہاں وہ ارشاد جو سورۃ الانبیاء میں آیا ہے یعنی ﴿حَتّٰى إِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاجُوْجُ وَهُوْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ﴾ تو یہ بات بلاشبہ علامات قیامت میں سے ہے مگر اس میں دیوار کا قطعاً کوئی ذکر نہیں۔ پس اس فرق کو ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہئے یعنی سورۃ الانبیاء کی آیت میں فتح سے عروج وخروج مراد ہے دیوار کا ٹوٹنا اور یاجوج ماجوج کا نکلنا مراد نہیں کیونکہ اُس آیت میں دیوار کا ذکر نہیں''

فائدہ(۱): وہ پہاڑ کونسے تھے جن کے درمیان ذوالقرنین نے دیوار بنائی تھی؟ اور وہ قوم کونسی تھی جن کی حفاظت کے لئے یہ سامان کیا گیا تھا؟ اور ذوالقرنین کی دیوار اب تک باقی ہے یا ٹوٹ پھوٹ چکی ہے؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کے جوابات قرآن کریم میں نہیں ہیں۔ اس لئے یقین سے کوئی بات نہیں کہی جاسکتی۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ ایران

سے جانب شمال بحر کاسپین (Caspian Sea) یعنی بحر قزوین (خزر) اور بحر اسود کے درمیان جو سلسلۂ کوہ ہے جس کو جبال کاکیشیا (Caucasus) جن کو جبال قَفْقَاز، قَفْقَاس اور تَفْلِیْس بھی کہتے ہیں۔ ان پہاڑوں میں ایک درّہ (گھاٹی) دَرّۂ دَارْیَال کے نام سے ہے۔ ذوالقرنین نے وہاں دیوار بنائی تھی۔ ان پہاڑوں کے مشرق میں بحر قزوین واقع ہے اور مغرب میں بحر اسود، اور بیچ میں سلسلۂ کوہ ہے اور گزرنے کا کوئی راستہ اس درّہ کے علاوہ نہیں۔ ذوالقرنین نے اس کو دیوار بنا کر مسدود کر دیا تھا —— اور وہ تُرک قبائل تھے جن کی حفاظت کے لئے یہ انتظام کیا گیا تھا —— اور خیال یہ ہے کہ سد ذوالقرنین اب باقی نہیں، ٹوٹ پھوٹ چکی ہے۔ البتہ سیاحوں نے وہاں اُس دیوار کے آثار دیکھے ہیں اور ممکن ہے کہ اب بھی ہوں۔ قرآن وحدیث میں کوئی صحیح اور صریح بات ایسی نہیں ہے جس سے قیامت سے کچھ پہلے تک اس دیوار کا بحالہ باقی رہنا ثابت ہوتا ہو۔

فائدہ (۲): یاجوج وماجوج کون ہیں؟ اکثر علما کی رائے یہ ہے کہ وہ عام انسانوں کی طرح آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور حضرت نوح علیہ السلام کی ذریت میں سے ہیں۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ والنہایہ (۲:۱۱۰) میں لکھا ہے کہ ''صحیح بات یہ ہے کہ وہ عام بنی آدم کی طرح ہیں اور انہی کی شکل وصورت اور جسمانی اوصاف رکھتے ہیں'' —— اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری (۶:۳۸۶) میں تحریر فرمایا ہے کہ ''یاجوج وماجوج: یافث بن نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے دو قبیلے ہیں'' —— حضرت قتادہ رحمہ اللہ سے بھی یہی بات مروی ہے —— اور روح المعانی میں ہے: ''یاجوج وماجوج، یافث بن نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے دو قبیلے ہیں اور یہی رائے وہب بن منبہ کی ہے اور متاخرین میں سے اکثر کی یہی رائے ہے'' — بائبل کتاب پیدائش باب ۱۰ آیت ۲ میں بھی یافث کے ایک لڑکے کا نام ماجوج آیا ہے اور یاجوج کے بارے میں بائبل کا بیان مختلف ہے۔

غرض یاجوج وماجوج کوئی عجوبۂ روزگار مخلوق نہیں، نہ وہ برزخی مخلوق ہیں اور اس قسم کی جو روایات ہیں ان کا اسلامی روایات سے کچھ تعلق نہیں۔ وہ سب اسرائیلیات ہیں جو ''غرق مئے ناب اولی'' کا مصداق ہیں۔ علامہ یاقوت حموی نے معجم البلدان میں، ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں، حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اور مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن رحمہ اللہ نے قصص القرآن جلد سوم میں ان روایات کی تغلیط کی ہے اور سمجھنے کے لئے واضح بات یہ ہے کہ جب یاجوج وماجوج بنی آدم اور ذریت نوح ہیں تو پھر وہ دوسری ذریت سے اتنے مختلف کیسے ہو سکتے ہیں جتنا ان روایات میں دکھایا گیا ہے مثلاً:

(۱) یاجوج وماجوج بالشت، ڈیڑھ بالشت یا زیادہ سے زیادہ ایک ہاتھ کا قد رکھتے ہیں اور بعض غیر معمولی طویل

القامت ہیں۔

(۲) ان کے کان اتنے بڑے ہیں کہ ایک کو اوڑھتے ہیں اور دوسرے کو بچھاتے ہیں۔

(۳) ان کی غذا کے لئے قدرت سال بھر میں دو مرتبہ سمندر سے ایسی مچھلیاں پھینک دیتی ہے جن کے سر اور دم کا فاصلہ اس قدر طویل ہوتا ہے کہ دس رات دن اگر کوئی شخص اس پر چلتا رہے تب اس فاصلہ کو طے کرسکتا ہے۔

(۴) وہ یک برزخی مخلوق ہیں جو آدم علیہ السلام کی صلب سے تو ہیں مگر حضرت حواء رضی اللہ عنہا کے بطن سے نہیں ہیں کیونکہ وہ آدم علیہ السلام کے ایسے نطفہ سے پیدا ہوئے ہیں جو احتلام کی حالت میں نکلا تھا اور مٹی میں رل مل گیا تھا۔

اس قسم کی تمام باتیں قطعاً بے دلیل اور اٹکل کے تیر ہیں اسلامی روایات سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں۔

فائدہ (۳): دنیا کی موجودہ اقوام میں سے یاجوج وماجوج کون ہیں؟ اس کا جواب بھی یقین کے ساتھ نہیں دیا جاسکتا۔ کیونکہ یاجوج وماجوج بہت قدیم نام ہیں اور مرور ایام کے ساتھ نام بدل جاتے ہیں۔ آج دنیا میں کوئی قوم ان ناموں سے موسوم نہیں اس لئے اس کی تعیین دشوار ہے۔ علمائے کرام کی ایک رائے یہ ہے کہ یاجوج وماجوج منگولیا (تاتار) کے ان وحشی قبائل کو کہا جاتا ہے جو یورپ امریکہ اور روس کی اقوام کے منبع ومنشا ہیں ان کے دو بڑے قبیلے موگ اور یوچی کہلاتے تھے جو عربی زبان میں یاجوج وماجوج بن گئے ہیں واللہ اعلم۔

فائدہ (۴): یاجوج وماجوج کے بارے میں اس قدر بے سروپا روایتیں کیوں مشہور ہوئیں؟ — اس کی وجہ یہ ہے کہ یاجوج وماجوج کا تذکرہ یہودیوں کی کتابوں میں بھی ہے۔ کتاب پیدائش کا حوالہ پہلے گذر چکا ہے۔ علاوہ ازیں حزقیل باب ۳۸ و ۳۹ میں بھی ان کا تذکرہ ہے۔ اس وجہ سے یہودیوں نے حسب فطرت یاجوج وماجوج کے بارے میں بعید از عقل کہانیاں تصنیف کرلیں اور کعب احبار کے ذریعہ جو یہودی النسل تھے اور ان کے قصوں کے بڑے عالم تھے، وہ سب کہانیاں مسلمانوں میں پھیل گئیں۔ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب لکھتے ہیں:

''وہ اسلام لانے کے بعد یا تو تفریح کے طور پر ان کو سنایا کرتے تھے یا اس لئے کہ اس رطب ویابس میں سے جو دور از کار باتیں ہوں وہ رد کردی جائیں اور جن سے قرآن اور احادیث نبوی کی تائید ہوتی ہو ان کو ایک تاریخی حیثیت میں لے لیا جائے۔ مگر نقل کرنے والوں نے اس حقیقت پر نظر نہ رکھتے ہوئے اس پورے طومار کو جو ''غرق مئے ناب اولیٰ'' کا مصداق تھا اس طرح نقل کرنا شروع کردیا جس طرح حدیثی روایات کو نقل کیا جاتا ہے'' (قصص القرآن ۳: ۱۹۵)

فائدہ (۵): یاجوج وماجوج کا خروج وعروج بھی، دجال کے ظہور کی طرح علامات قیامت میں سے ہے۔ سورۃ الانبیاء آیت ۹۶ میں ہے﴿ حَتّٰى إِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاجُوْجُ وَهُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ

الْحَقُّ﴾ یعنی یہ بات ناممکن ہے کہ ہلاک شدہ انسان دنیا میں لوٹ آئیں یہاں تک کہ جب یاجوج وماجوج کھول دیئے جائیں گے اور وہ ہر بلندی سے پھسلتے آئیں گے اور سچا وعدہ نزدیک آپہنچے گا الخ۔اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ نفخ صور سے پہلے قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ظاہر ہوگی کہ یاجوج وماجوج کے تمام قبیلے ایک ساتھ امنڈ آئیں گے اور دنیا میں عام غارت گری شروع کردیں گے اور اپنی مقامی بلندیوں سے تیزی کے ساتھ اترتے ہوئے زمین کے گوشہ گوشہ میں پھیل جائیں گے۔غرض آیت پاک میں فتح سے مراد عروج اور ان کا یکبارگی دھاوا بولنا ہے دیوار توڑ کر نکلنا مراد نہیں۔کیونکہ اس آیت میں دیوار کا کوئی تذکرہ نہیں۔

فائدہ(۶): یاجوج وماجوج کے بارے میں ایک مشہور حدیث یہ ہے کہ وہ روزانہ سد ذوالقرنین کو کھودتے ہیں (لَیَحْفِرُوْنَ السَّدَّ) شام کو جب اتنی پتلی رہ جاتی ہے کہ سورج کی کرنیں نظر آنے کے قریب[1] ہوجاتی ہے تو ان کا سردار کہتا ہے کہ اب کام ختم کرو۔اب یہ اس قابل ہوگئی ہے کہ کل تم اس کو کھود ڈالوگے۔مگر جب اگلے روز کام پر واپس آتے ہیں تو دیوار کو پہلے سے بھی زیادہ مضبوط ومستحکم پاتے ہیں۔پھر وہ کھودنا شروع کرتے ہیں۔یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہے گا تا آنکہ مقررہ مدت آجائے اور اللہ تعالیٰ کو منظور ہو کہ وہ انسانی دنیا پر چھاجائیں تو ان کا سردار کہے گا کہ اب واپس چلو کل ان شاء اللہ اس کو کھود ڈالوگے۔چنانچہ دوسرے دن ان کو دیوار ویسی ہی ملے گی اور وہ اس کو کھود ڈالیں گے اور لوگوں پر نکل پڑیں گے الخ۔

یہ روایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا مضمون ہے۔اور کعب احبار سے مروی روایت میں یہ ہے کہ وہ روزانہ دیوار کو چاٹتے ہیں (یَلْحَسُوْنَہٗ) اور یہی روایت لوگوں میں مشہور ہے۔کعب احبار کی روایت عام کتابوں میں نہیں ہے۔حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے عبداللہ بن حمید کی مسند کا حوالہ دیا ہے۔اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ترمذی شریف ابن ماجہ، مسند احمد، صحیح ابن حبان اور مستدرک حاکم وغیرہ کتابوں میں ہے اور سب کی ایک ہی سند ہے یعنی قتادة عن أبی رافع عن أبی هريرة عن رسول الله ﷺ پھر قتادہ کے نیچے اس کی متعدد سندیں ہیں۔اس حدیث کی ایک دوسری سند عاصم عن ابی صالح عن ابی ہریرۃ بھی ہے مگر یہ روایت موقوف ہے مرفوع نہیں۔یعنی اس سند سے یہ روایت حضرت ابو ہریرہ کا قول ہے آنحضرت ﷺ کا ارشاد نہیں۔یہ سند عبد بن حمید کی کتاب میں ہے کما ذکرہ الحافظ۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے حدیث ابو ہریرہؓ کے لئے ایک شاہد بھی ذکر کیا ہے اور وہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی

(۱) الفاظ یہ ہیں حَتی إذا کادُوْا یَرَوْنَ شُعَاعَ الشَّمْسِ گویا یاجوج وماجوج کسی ایسی جگہ بند ہیں کہ وہاں سورج کی روشنی نہیں پہنچتی ۱۲

حدیث ہے جو ابن مردویہ نے روایت کی ہے مگر اس کی سند بے حد ضعیف ہے یعنی وہ متابعت کے قابل نہیں۔

الغرض حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو عام طور پر صحیح سمجھا جاتا ہے۔ البانی نے بھی اس کو **سلسلة الأحاديث الصحيحه** میں نمبر ۱۷۳۵ پر ذکر کیا ہے۔ مگر ابن کثیر نے تفسیر میں اس پر سخت تنقید کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ان کی سند اگر چہ عمدہ ہے مگر آنحضرت ﷺ کی طرف اس کی نسبت غلط ہے (**إسناده جيد ولكن متنه في رفعه نَكَارَةٌ**) نیز وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس قسم کی ایک اسرائیلی کہانی کعب احبار سے بھی مروی ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اکثر کعب احبار کے پاس بیٹھتے تھے اس لئے ممکن ہے کہ حضرت ابو ہریرہ نے یہ مضمون کعب احبار سے سنا ہو اور ایک کہانی کے طور پر بیان کیا ہو مگر نیچے کے کسی راوی نے غلط فہمی سے اس کو مرفوع کر دیا ہو۔

اس کے علاوہ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے درایۃً دو اعتراض کئے ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث قرآن کے خلاف ہے۔ دوسرا یہ کہ یہ صحیح حدیث کے خلاف ہے۔ تفصیل کے لئے ان کی تفسیر دیکھیں۔ مزید غور کیا جائے تو اس کی سند میں درج ذیل دو کمزوریاں ہیں:

۱۔ قتادہ مُدلِّس ہیں۔ حافظ فرماتے ہیں کہ ابن مردویہ کی روایت میں قتادہ اور ابورافع کے درمیان ایک راوی کا واسطہ[1] ہے۔ امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ قتادہ نے ابورافع سے کوئی حدیث نہیں سنی[2] پس یہ رواست منقطع ہے۔

۲۔ ابورافع جن کا نام نُفیع لقب صائغ (سنار) اور نسبت مدنی ثم بصری ہے، کعب احبار کے بھی شاگرد ہیں۔ مِزّی رحمہ اللہ نے تہذیب الکمال میں ابورافع کے اساتذہ میں کعب احبار کا نام بھی لکھا ہے اور کعب احبار کے تلامذہ میں بھی ابورافع کا نام لکھا ہے اور سنن ابوداؤد میں ابورافع کی کعب احبار سے ایک روایت بھی مروی ہے[3] اور وہ **الجراد من صيد البحر** ہے۔ ابورافع یہی روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی نقل کرتے ہیں[4] اس لئے بہت ممکن ہے کہ یاجوج و ماجوج والی روایت بھی انھوں نے کعب احبار سے سنی ہو اور حضرت ابو ہریرہ کی طرف منسوب کردی ہو۔ اور اس کا ایک قرینہ یہ ہے کہ ترمذی شریف میں اس کی سند اس طرح ہے **عن أبي رافع عن حديث أبي هريرة** معلوم نہیں سند میں یہ لفظ ''حدیث'' کیوں بڑھایا ہے۔ ممکن ہے ابورافع نے حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیثیں سناتے ہوئے یہ حدیث بھی سنائی ہو، جو درحقیقت کعب احبار سے سنی ہوئی ہے اور اس کو قتادہ کے مجہول استاذ نے حضرت ابو ہریرہ کی طرف منسوب کر دیا ہو۔

---

(۱) فتح الباری ۱۳: ۱۰۹ (۲) **قال أبو داود: يقال: قتادة لم يسمع من أبي رافع؛ زاد في نسخة: شيئا** (بذل المجهود ۲۰: ۱۲۸) (۳) **بذل المجهول** ۹: ۱۰۱ (۴) بذل ۹: ۱۰۰۔

اورابورافع کے حالات میں حافظ نے تہذیب التہذیب میں ایک عجیب بات لکھی ہے کہ خود ابورافع بیان کرتے تھے کہ حضرت عمر میرے ساتھ دل لگی کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ أَكْذَبُ الناسِ الصائِغُ (صائغ سب سے بڑا جھوٹا ہے) اور یہ بھی فرماتے تھے کہ الیوم و غدًا یعنی آج بھی اور آئندہ بھی۔ حالانکہ حضرت عمرؓ کا مزاج دل لگی کرنے کا نہیں تھا۔ پھر یہ دل لگی تو عجیب ہے کہیں ایسا تو نہیں کہ قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید اور کہیں ایسا تو نہیں کہ انہی ابورافع نے یہ حدیث آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب کردی ہو! کیونکہ ابوصالح بہرحال صائغ سے مضبوط راوی ہیں۔ اور وہ حدیث کو موقوف بیان کرتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

فائدہ(۷): یاجوج وماجوج کے بارے میں چند صحیح روایات درج ذیل ہیں۔

پہلی حدیث: صحیحین میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نیند سے ایسی حالت میں بیدار ہوئے کہ چہرۂ مبارک سرخ ہورہا تھا اور زبان مبارک پر یہ کلمات تھے: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَيْلٌ لِّلْعَرَبِ مِنْ شَرٍّ قَدِ اقْتَرَبَ فُتِحَ الْيَوْمَ مِنْ رَدْمِ يَاجُوْجَ وَمَاجُوْجَ مِثْلَ هٰذِهٖ؛ وَحَلَّقَ تِسْعِيْنَ[1] یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، عرب کے لئے خرابی ہے اس شر سے جو قریب آچکا ہے۔ آج سدِ یاجوج وماجوج اتنی کھول دی گئی، اور آپؐ نے نوے کا حلقہ بنایا یعنی انگوٹھے اور انگشت شہادت کو ملا کر حلقہ بنا کر دکھلایا ــــــ اس حدیث شریف میں مذکور واقعہ خواب کا واقعہ ہے یعنی خواب میں آنحضرت ﷺ نے یہ منظر دیکھا ہے اور خواب اکثر تمثیلی رنگ میں نظر آتا ہے اور اس کی تعبیر ہوتی ہے چنانچہ اس خواب کی تعبیر آپ نے یہ بیان فرمائی کہ عرب کے لئے شرور وفتن کے دور کا آغاز ہونے والا ہے۔ غرض اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ واقعۃً دیوار میں اتنا سوراخ اس روز ہوگیا تھا جیسے آنحضرت ﷺ نے ذوالفقار تلوار کے بارے میں جنگ احد کے موقعہ پر خواب دیکھا تھا کہ آپ نے اس کو ہلایا تو اس کی دھار جھڑ گئی اور یہ بات خواب میں آپ کو ناگوار ہوئی۔ بیدار ہونے کے بعد آپ نے اس کی تعبیر اُس شکست سے بیان فرمائی جو جنگ احد میں پیش آئی، ذوالفقار کی دھار حقیقت میں جھڑی نہیں تھی۔

دوسری حدیث: صحیحین میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے روز اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام سے فرمائیں گے کہ آپ اپنی ذریت میں سے جہنم کی کھیپ نکالیں۔ آدم علیہ السلام تناسب دریافت کریں گے۔ ارشاد ہوگا کہ ہزار میں سے نوسوننانوے جہنم کے لئے علیحدہ کریں اور ایک جنت کے لئے''۔ یہ ارشاد سن کر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سہم گئے کہ ہزار میں سے ایک جنتی ہوگا تو کس کا نمبر آئے گا؟

(۱) بخاری حدیث ۳۳۴۶، فتح الباری ۶:۳۸۱۔

آپ نے فرمایا: ''غم نہ کرو، تم میں سے ایک ہوگا اور یاجوج وماجوج میں سے ایک ہزار ہوں گے''[۱] —— ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یاجوج وماجوج کی تعداد انسانی آبادی میں سب سے زیادہ ہے۔

تیسری حدیث: مسلم شریف میں حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ کی ایک طویل روایت ہے، اس کا وہ حصہ جو یاجوج وماجوج سے متعلق ہے یہ ہے:

''جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام قتل دجال سے فارغ ہوجائیں گے تو حق تعالیٰ کا حکم آئے گا کہ میں اپنے بندوں میں سے ایسے بندے بھیج رہا ہوں جن کے مقابلہ کی کسی میں طاقت نہیں۔ آپ مسلمانوں کو جمع کرکے کوہ طور پر چلے جائیں اور حق تعالیٰ یاجوج وماجوج کو بھیجیں گے۔ وہ سرعت سیر کے سبب ہر بلندی سے پھسلتے ہوئے دکھائی دیں گے۔ ان میں سے پہلے لوگ بُحیرۂ طبریہ[۲] سے گذریں گے۔ اوراس کا سب پانی پی کر ایسا کردیں گے کہ جب ان میں سے دوسرے لوگ اس بحیرہ سے گذریں گے تو کہیں گے کہ یہاں کبھی پانی رہا ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ ایک وبا بھیجیں گے جس سے سب یاجوج وماجوج مرجائیں گے''[۳]

اس روایت کے ایک طریق میں یہ بھی ہے کہ بحیرۂ طبریہ سے گذرنے کے بعد یاجوج وماجوج بیت المقدس کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ جبل الخمر پر چڑھ جائیں گے اور کہیں گے کہ ہم نے زمین والوں کو سب کو قتل کردیا، آؤ اب ہم آسمان والوں کا خاتمہ کریں اور وہ آسمان کی طرف تیر پھینکیں گے حق تعالیٰ کے حکم سے وہ تیر خون آلود ہوکر ان کی طرف واپس آئیں گے (تا کہ وہ احمق خوش ہوں کہ انھوں نے آسمان والوں کا بھی خاتمہ کردیا)

چیونٹی کی جب موت آتی ہے تو اس کے پر لگتے ہیں اور وہ آسمان پر اڑنے کی کوشش کرتی ہے

أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِنْ دُونِي أَوْلِيَاءَ ۚ إِنَّا أَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ نُزُلًا ﴿١٠٢﴾ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ﴿١٠٣﴾ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ﴿١٠٤﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ﴿١٠٥﴾ ذَٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ

(۱) بخاری شریف حدیث نمبر ۳۳۴۸ (۲) بحیرۂ طبریہ بحر میت اور فلسطین سے شمال کی طرف ایک جھیل ہے، نہر اُردن اس میں گرتی ہے، شہر طبریہ اس کے پاس ہے اور حَیْفَا پورٹ سے جانب مشرق واقع ہے (۳) مسلم شریف ۱۸: ۶۳ مصری باب ذکر الدجال۔

جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا ﴿١٠٦﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿١٠٧﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ﴿١٠٨﴾

اَفَحَسِبَ	کیا تو خیال کرتے ہیں	اَلَّذِيْنَ	(وہ) جو	فَلَا نُقِيْمُ	پس نہ قائم کریں گے ہم
الَّذِيْنَ (۱)	وہ لوگ جنہوں نے	ضَلَّ	اکارت گئی	لَهُمْ	ان کے لئے
كَفَرُوْٓا	انکار کیا	سَعْيُهُمْ	ان کی محنت	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	قیامت کے دن
اَنْ يَّتَّخِذُوْا	کہ بنائیں وہ	فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا	دنیا کی زندگی میں	وَزْنًا	کوئی وزن
عِبَادِيْ	میرے بندوں کو	وَهُمْ	اور وہ	ذٰلِكَ (۴)	یہ
مِنْ دُوْنِيْٓ	مجھے چھوڑ کر	يَحْسَبُوْنَ	خیال کرتے ہیں	جَزَآؤُهُمْ	ان کا بدلہ
اَوْلِيَآءَ	کارساز (حمایتی)	اَنَّهُمْ	کہ وہ	جَهَنَّمُ	دوزخ ہے
اِنَّآ اَعْتَدْنَا	بیشک تیار کیا ہے ہم نے	يُحْسِنُوْنَ	اچھے کر رہے ہیں	بِمَا كَفَرُوْا	ان کے کفر کی وجہ سے
جَهَنَّمَ	دوزخ کو	صُنْعًا	کام	وَاتَّخَذُوْٓا	اور انکے بنانے کی وجہ سے
لِلْكٰفِرِيْنَ	کافروں کے لئے	اُولٰٓئِكَ	یہ لوگ	اٰيٰتِيْ	میری آیتوں کو
نُزُلًا (۲)	مہمانی	الَّذِيْنَ	جنھوں نے	وَرُسُلِيْ	اور میرے رسولوں کو
قُلْ	آپ کہئے	كَفَرُوْا	انکار کیا	هُزُوًا	مذاق
هَلْ نُنَبِّئُكُمْ	کیا بتائیں ہم تم کو	بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ	اپنے رب کی آیتوں کا	اِنَّ الَّذِيْنَ	بے شک جو لوگ
بِالْاَخْسَرِيْنَ	سب سے زیادہ گھاٹے	وَلِقَآئِهٖ	اور ان سے ملنے کا	اٰمَنُوْا	ایمان لائے
	میں رہنے والے	فَحَبِطَتْ	پس غارت ہو گئے	وَعَمِلُوْا	اور کئے انھوں نے
اَعْمَالًا (۳)	اعمال کے اعتبار سے؟	اَعْمَالُهُمْ	ان کے اعمال	الصّٰلِحٰتِ	نیک کام

(۱) اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا، حَسِبَ کا فاعل ہے اور اَنْ يَّتَّخِذُوْا مفعول بہ قائم مقام دو مفعولوں کے ہے — عِبَادِيْ مفعول اول ہے يَتَّخِذُوْا کا اور اَوْلِيَاءَ مفعول ثانی ہے اور مِنْ دُوْنِيْ حال ہے عِبَادِيْ کا (۲) نُزُلًا مفعول ثانی ہے اَلنُّزُل (اسم) کھانا جو مہمان کے سامنے پیش کیا جائے، مہمان کے قیام کی جگہ جمع أَنْزَالٌ (۳) أَعْمَالًا: تمیز ہے اور اس کو جمع یا تو مشاکلۃً لایا گیا ہے یا انواع اعمال کو شامل ہونے کی وجہ سے جمع لایا گیا ہے کیونکہ تمیز میں اصل مفرد ہونا ہے اور اَلَّذِيْنَ مع صلہ مبتدا محذوف کی خبر ہے اور الأخسرین کی صفت، بدل اور عطف بیان بھی ہو سکتے ہیں (۴) ذٰلِكَ مبتدا ہے اور جَزَاءُ هُمْ اس سے بدل (بدل اشتمال یا بدل کل) اور جہنم خبر ہے اور ذٰلِكَ مذکر اس لئے ہے کہ خبر حقیقت میں بدل کی ہے۔

كَانَتْ لَهُمْ	ان کے لئے ہیں	نُزُلًا	مہمانی	لَا يَبْغُوْنَ	نہیں چاہیں گے وہ
جَنّٰتُ	باغات	خٰلِدِيْنَ	ہمیشہ رہنے والے ہیں وہ	عَنْهَا	ان سے
الْفِرْدَوْسِ (۱)	بہشت (ٹھنڈی چھاؤں) کے	فِيْهَا	ان میں	حِوَلًا (۲)	تبدیلی

ان آیتوں میں کافروں کا اخروی انجام تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور مقابلہ میں مؤمنین کا بہترین انجام بھی ذکر کیا ہے۔ یہ قرآن کریم کا خاص اسلوب ہے کہ جب وہ ایک فریق کا تذکرہ کرتا ہے تو دوسرے فریق کا تذکرہ بھی ضرور کرتا ہے تاکہ ترغیب وترہیب اور انذار وتبشیر کے دونوں پہلو ایک ساتھ ہو جائیں۔

ان آیتوں میں کافروں کے بارے میں دو باتیں بیان کی گئی ہیں: (۱) آخرت میں ان کا کوئی والی وارث نہ ہوگا (۲) آخرت میں کافروں کو ان کے نیک کاموں کا بدلہ کیوں نہیں ملے گا؟ —— اس کے بعد مؤمنین صالحین کا اخروی انجام ذکر کیا گیا ہے:

مشرکین کے جھوٹے سہارے آخرت میں کچھ کام نہ آئیں گے۔ ارشاد ہے —— پس کیا وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا: گمان کرتے ہیں کہ وہ مجھ کو چھوڑ کر میرے بندوں کو کارساز بنالیں گے! —— یعنی جب صور پھونکا جائے گا اور اولین وآخرین میدانِ حشر میں جمع کئے جائیں گے تو نفسی نفسی کا عالم ہوگا، حساب کتاب سر پے کھڑا ہوگا اس روز کیا مشرکین کے جھوٹے معبودان کو عذاب سے بچالیں گے؟ کیا کفار یہ سوچتے ہیں کہ وہ میرے خاص بندوں کو جن کی وہ دنیا میں پرستش کرتے رہے ہیں اپنی حمایت میں کھڑا کرلیں گے؟ ہرگز نہیں! اس دن اللہ کے منشا کے بغیر کوئی کسی کی سفارش نہیں کرسکے گا اور جب اللہ تعالیٰ کے خاص بندے اس روز کچھ نہیں کرسکیں گے تو دیگر مخلوقات جن کی کفار پوجا کرتے ہیں کیا نفع پہنچاسکتی ہیں؟ —— ہم نے کافروں کی ضیافت کے لئے جہنم تیار کر رکھی ہے —— پس کفار کا اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید باندھنا فضول ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت ان بندوں کے حصہ میں آتی ہے جو اللہ پر سچا ایمان رکھتے ہیں۔ جو لوگ غیر اللہ سے لو لگائے رہتے ہیں ان کے نصیب میں جہنم کے انگارے ہیں اور وہی ان کی مہمانی کا کھانا ہے اور کیسا برا ہے وہ کھانا!

---

(۱) فِرْدَوْس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں کہ یہ عربی لفظ ہے یا فارسی یا قبطی۔ فارسی میں فردوس اس باغ کو کہتے ہیں جس کے درخت پھیلتے جائیں اور قبطی میں انگور کی ٹٹیوں کو کہتے ہیں جمع فَرَادِيْس اور نُزُلًا كَانَتْ کی خبر بھی ہوسکتا ہے اس وقت لَهُمْ محذوف سے متعلق ہوکر حال ہوجائے گا اور اگر لَهُمْ خبر مقدم ہو تو نُزُلًا حال ہوگا (۲) حِوَلًا (مصدر) تَحَوَّلَ الرَّجُلُ: ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا۔

کافروں کو آخرت میں نیک کاموں کا بدلہ کیوں نہیں ملے گا؟ —— اگر سوال کیا جائے کہ کفار بھی تو دنیا میں اچھے کام کرتے ہیں۔ غریبوں کی مدد کرتے ہیں، رفاہی ادارے قائم کرتے ہیں، عدل وانصاف برتتے ہیں، مہربانی اور رحم دلی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور بعض لوگ تو ایسے خیراتی کام کرتے ہیں جس سے ایک دنیا فائدہ اٹھاتی ہے تو کیا ان کو ان کاموں کا آخرت میں کچھ بھی صلہ نہ ملے گا؟ جواب یہ ہے کہ ان کے لئے آخرت میں کوئی صلہ نہیں اور اس کی دو وجہیں ہیں:

پہلی وجہ: یہ ہے کہ کفار کے سارے مقاصد دنیا تک محدود ہیں ان کو نتائج اعمال اسی دنیا میں مطلوب ہیں اس لئے ان کے اعمال اسی دنیائے فانی کے ساتھ فنا ہو جائیں گے۔ آخرت میں کام آنے والے تو بس وہی اعمال ہیں جو اللہ کی خوشنودی کے لئے کئے گئے ہیں اور کافر چونکہ اللہ تعالیٰ پر صحیح ایمان نہیں رکھتا نہ آخرت کا اسے سچا یقین ہے اس لئے اس کے اعمال آخرت میں بے کار ہونگے۔ ارشاد ہے —— آپ دریافت کیجئے: کیا ہم تم کو ایسے لوگ بتائیں جو اعمال کے اعتبار سے سب سے زیادہ گھاٹے میں ہونگے؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کی کری کرائی محنت دنیا کی زندگی میں اکارت گئی اور وہ اسی خیال میں رہے کہ وہ اچھے کام کرر ہے ہیں —— یعنی وہ لوگ دنیا میں رات دن دوڑ دھوپ کرتے رہے اور اس خوش فہمی میں رہے کہ ہمارا دن پُن آخرت میں کام آئے گا مگر موت کے بعد جب آنکھ کھلی تو پتا چلا کہ کچھ بھی ساتھ نہیں آیا، سب کام دنیا ہی میں رہ گئے۔ کیونکہ ان کی ساری تگ ودو اور کدوکاوش بس دنیا کے لئے تھی۔

دوسری وجہ: یہ ہے کہ آخرت میں اجر پانے کے لئے ایمان شرط ہے اور کفار چونکہ ایمان نہیں رکھتے اس لئے آخرت میں ان کے لئے کوئی صلہ نہیں۔ ارشاد ہے —— یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں کا اور ان کے حضور میں پیشی کا انکار کیا، چنانچہ ان کے سارے اعمال اکارت گئے۔ پس قیامت کے دن ہم ان کا ذرّہ بھر بھی وزن قائم نہ کریں گے —— یعنی ان کے اعمال جو ظاہر میں بڑے اچھے نظر آتے ہیں میزان حساب میں ان کا کوئی وزن نہ ہوگا۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: ''قیامت کے دن ایک آدمی لمبا اور فربہ آئے گا جو اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی وزن نہ رکھتا ہوگا'' پھر فرمایا کہ اگر اس کی تصدیق چاہو تو قرآن کی یہ آیت پڑھو ﴿فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا﴾ —— اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن ایسے ایسے اعمال لائے جائیں گے جو جسامت میں تہامہ کے پہاڑوں کے برابر ہوں گے مگر میزان عمل میں ان کا کوئی وزن نہ ہوگا۔

غرض جس شخص کا عقیدہ اور ایمان درست نہ ہو وہ خواہ کتنے ہی اچھے اعمال کرے اور کتنی ہی محنت اٹھائے وہ آخرت میں بیکار اور ضائع ہیں۔ قرآن کریم میں جگہ جگہ اعمال کی قبولیت کے لئے ایمان کی شرط لگائی گئی ہے اس لئے کفار کو ان کے اچھے کاموں کا آخرت میں کوئی صلہ نہیں ملے گا۔

کفار کا انجام: ـــــ یہ ان کی جزا جہنم ہے اس وجہ سے کہ انھوں نے کفر اختیار کیا اور میری آیتوں کا اور میرے رسولوں کا مذاق اڑایا ـــــ یعنی صرف کفر و شرک ہی اختیار نہ کیا بلکہ ترقی کر کے یہاں تک پہنچ گئے کہ اللہ کی کتابوں کا پیغمبروں کا اور احکام الٰہی کا تمسخر کیا اس کا صلہ یہ جہنم ہے۔

مؤمنین کا انجام: ـــــ بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کئے، ان کی میزبانی کے لئے بہشت کے باغات ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور وہ وہاں سے انتقال مکانی کی خواہش نہ کریں گے ـــــ فردوس جنت کا سب سے اعلیٰ اور افضل درجہ ہے۔ فردوس ایسے باغ کو کہتے ہیں جس کے گرد دیوار بنی ہوئی ہو، وسیع ہو، اس میں گھنے درخت ہوں اور ہر قسم کے پھل، خصوصاً انگور پائے جاتے ہوں ـــ جنت کا یہ مقام اہل ایمان کے لئے لازوال دائمی نعمت ہے، جو شخص جنت میں داخل ہوگا وہ وہاں سے کبھی نہ نکالا جائے گا نہ اس کا وہاں کبھی جی اکتائے گا کہ وہ دوسری جگہ منتقل ہونے کی خواہش کرے وہ جنت کی نوع بہ نوع نعمتوں اور دل کش فضاؤں سے ہمیشہ مسرور محفوظ ہوتا رہے گا۔

حدیث شریف میں ہے کہ: ’’جو شخص اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے، نماز کا اہتمام کرے اور رمضان کے روزے رکھے یعنی تمام فرائض وواجبات کی ادائیگی کا اہتمام کرے: اللہ تعالیٰ اسے ضرور جنت میں داخل فرمائیں گے، خواہ اس نے راہ خدا میں جہاد کیا ہو یا زیاد بوم میں بیٹھا رہا ہو‘‘۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا ہم یہ خوشخبری لوگوں کو سنا دیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا: ’’جنت میں سو درجے ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے راہِ خدا میں جہاد کرنے والوں کے لئے تیار کئے ہیں۔ ہر دو درجوں کے درمیان آسمان و زمین کا تفاوت ہے۔ لہٰذا جب تم اللہ تعالیٰ نے مانگو تو جنت الفردوس مانگو کیونکہ وہ جنت کا اعلیٰ اور افضل درجہ ہے اور اس سے اوپر عرش الٰہی ہے اور وہیں سے جنت کی نہریں نکلتی ہیں‘‘

جنت اللہ کی خوشنودی کا گھر ہے۔ اور وہ ان لوگوں کی میراث ہے جو مؤمن ہیں اور نیکی اور پاکبازی کی زندگی گزارتے ہیں

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾ ع ۱۲

قُلْ	آپ کہئے	لَّوْ كَانَ	اگر ہو	الْبَحْرُ	سمندر

مِدَادًا(۱)	روشنائی	مَدَدًا(۵)	مدد کے طور پر	اِلٰهٌ وَّاحِدٌ	ایک معبود ہے
لِّكَلِمٰتِ(۲)	باتوں کے لئے	قُلْ	آپ کہئے	فَمَنْ	پس جو شخص
رَبِّيْ	میرے رب کی	اِنَّمَآ(۶)	بس	كَانَ يَرْجُوْا	آرزومند ہے
لَنَفِدَ(۳)	تو ختم ہوجائے	اَنَا	میں	لِقَآءَ رَبِّهٖ	اپنے رب سے ملنے کا
الْبَحْرُ	سمندر	بَشَرٌ	ایک انسان ہوں	فَلْيَعْمَلْ(۷)	تو چاہئے کہ کرے وہ
قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ(۴)	ختم ہونے سے پہلے	مِّثْلُكُمْ	تم جیسا	عَمَلًا صَالِحًا	نیک کام
كَلِمٰتُ رَبِّيْ	میرے رب کی باتیں	يُوْحٰٓى	وحی کی جاتی ہے	وَّلَا يُشْرِكْ	اور نہ شریک کرے وہ
وَلَوْ	اگرچہ	اِلَيَّ	میری طرف	بِعِبَادَةِ	عبادت میں
جِئْنَا	لائیں ہم	اَنَّمَآ	(کہ) بس	رَبِّهٖٓ	اپنے رب کی
بِمِثْلِهٖ	ویسا ہی	اِلٰهُكُمْ	تمہارا معبود	اَحَدًا	کسی کو

(۱)مِدَادٌ (اسم) روشنائی، مثال وطریقہ اور تعداد وغیرہ کیلئے مستعمل ہے جیسے هُمْ عَلٰى مِدَادٍ وَاحِدٍ: وہ ایک مثال پر ہیں۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ مِدَادَ كَلِمَاتِهِ اللہ کے لئے پاکی ہے ان کی باتوں کی تعداد کے مطابق یعنی غیر متناہی —— یہاں پہلے معنی مراد ہیں اور البحر سے مراد جنس ہے جو قلیل وکثیر سب پر صادق آتی ہے کوئی معین سمندر مراد نہیں (۲) مضاف محذوف ہے أی لكتابه كلمات إلخ (۳) نَفِدَ (س) نَفَادًا الشيءُ: ختم ہونا، نمٹ جانا (۴) جملہ تَنْفَدُ بتاویل مصدر ہوکر قَبْلَ کا مضاف الیہ ہے (۵) مَدَدًا تمیز ہے اور مَدَدٌ کے معنی ہیں زیادتی کمک مگر آیت میں عام زیادتی مراد نہیں بلکہ روشنائی کی افزونی اور ایسی زیادتی مراد ہے جو کسی پانی کے سرچشمے اور سوت سے پیہم ہوتی رہے (۶) إِنَّمَا میں إِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے اور ما کافہ ہے۔ مَا نے إِنَّ کا لفظی عمل روک دیا ہے اور پورا کلمہ إِنَّمَا حصر کے لئے ہے —— اور أَنَّمَا میں بھی أَنَّ حرف مشبہ بالفعل اور ما کافہ ہے۔ اس مَا نے بھی أَنَّ کا لفظی عمل روک دیا ہے اور یہ بھی کلمۂ حصر ہے —— اور دونوں کا معنوی عمل باقی ہے۔ اِنَّ کا کام جملہ کی تاکید ہے اور أَنَّ جملہ کی تاکید کے ساتھ مابعد کو بتاویل مفرد بھی کرتا ہے —— ابن ہشام نحوی (متوفی ۷۶۱ھ) مغنی اللبیب ص ۵۹ میں تحریر فرماتے ہیں: ”اصح یہ ہے کہ أَنَّ (مفتوحہ) إِنَّ (مکسورہ) کی فرع ہے اور اسی وجہ سے زمخشری کا یہ دعوی صحیح ہے کہ أَنَّمَا (مفتوحہ) إِنَّمَا (مکسورہ) کی طرح مفید حصر ہے اور یہ دونوں کلمات حصر اس آیت میں جمع ہیں۔ پہلا کلمہ صفت کو موصوف پر منحصر کرنے کے لئے ہے اور دوسرا برعکس“ —— إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ میں مخاطبین جیسی بشریت (صفت) مقصور ہے اور أَنَا (موصوف) مقصور علیہ ہے اور أَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ میں معبود برحق (موصوف) مقصور ہے اور وحدانیت (صفت) مقصور علیہ ہے —— پس پہلے جملہ کا مطلب یہ ہے کہ میں تو بس تم ہی جیسا ایک آدمی ہوں، اللہ کی ساری باتیں نہیں جانتا جیسا کہ تم نہیں جانتے، صرف وہی باتیں جانتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہیں اور دوسرے جملہ کا مطلب یہ ہے کہ معبود برحق میں صرف وحدانیت کی صفت ہے تعدد کی صفت نہیں ہے جیسا کہ مشرکین کا خیال ہے —— مثلكم صفت ہے بشرٌ کی اور إنما إلهكم بتاویل مفرد ہوکر یوحی کا نائب فاعل ہے (۷) لِيَعْمَلْ امر غائب ہے ۱۲

یہ اس سورت کی آخری موعظتیں ہیں۔ان دو آیتوں میں دو اہم باتیں بیان کی گئی ہیں:

ایک: اللہ تعالیٰ کے علوم غیر متناہی ہیں۔ان کے کلمات بے نہایت ہیں اور ان کی بے باتیں بے پایاں ہیں۔

دوسری: رسول اللہ ﷺ بھی ایک بشر ہیں البتہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے وحی سے سرفراز فرمایا ہے۔

یہ دو باتیں اس سورت کے خاتمہ میں اس لئے بیان کی گئی ہیں کہ اس سورت میں قریش کے تین سوالات کے جوابات نازل کئے گئے ہیں۔یہ جوابات کچھ بہت زیادہ مفصل نہیں دیئے گئے بلکہ روح کے بارے میں تو بہت ہی مختصر جواب دیا ہے اس لئے اب بطور تنبیہ اعلان کیا جاتا ہے کہ جہاں تک مخاطبین کے فہم کی رسائی تھی، قرآن کریم کے موضوع کو ملحوظ رکھ کر جوابات دئے گئے ہیں۔اس سے کوئی یہ خیال نہ کرے کہ اللہ تعالیٰ کی معلومات بس اتنی ہی ہیں۔ اللہ کے علوم کی تو کوئی نہایت نہیں۔وہ بے پایاں علم رکھنے والے ہیں۔

دوسری بات اس موقعہ پر یہ پیش آئی تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے دوسرے دن جواب دینے کا وعدہ فرمایا تھا مگر پندرہ دن تک وحی نہیں آئی۔جس سے مکہ والوں کو آوازے کسنے کا موقعہ مل گیا۔اس لئے اعلان کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ ایک انسان ہیں۔سب باتوں کا ان کو علم نہیں۔جو باتیں ان کی طرف وحی کی جاتی ہیں وہی بتاتے ہیں۔پھر حکیمانہ اسلوب سے بات کا رخ پھیر دیا ہے کہ آپ پر سب سے اہم وحی توحید کی آئی ہے کیونکہ آخرت کی کامیابی کا مدار اسی پر ہے۔

پہلی بات: اللہ پاک کی باتیں بے پایاں ہیں ـــــ آپ فرما دیجئے کہ اگر سمندر میرے پروردگار کی باتیں لکھنے کے لئے روشنائی بن جائیں تو وہ میرے پروردگار کی باتیں ختم ہونے سے پہلے ہی ختم ہوجائیں گے اگرچہ ہم ویسے ہی سمندر ان کی مدد کے لئے لے آئیں ـــــ یعنی اللہ کے علم وحکمت کی باتیں بے نہایت اور بے کراں ہیں ان میں سے جو باتیں تمہارے ظرف اور قرآن کے موضوع کے مطابق تھیں بیان کی گئیں۔یہ اللہ کے سارے علوم نہیں۔اللہ کے علوم تو بے اندازہ ہیں، فرض کرو، اگر تمام سمندروں کا پانی سیاہی بن جائے، جس سے خدا کی باتیں لکھنی شروع کی جائیں تو سمندر ختم ہوجائیں مگر خدا کی باتیں ختم نہ ہونگی۔اگرچہ تم سمندروں میں ویسے ہی دوسرے سمندر ملاتے جاؤ۔

فائدہ: قرآن کریم منطقی اصطلاحیں استعمال نہیں کرتا وہ ایسی واضح تعبیرات وتمثیلات میں بات پیش کرتا ہے جن کو ہر شخص آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔اس آیت میں بھی ایسی ہی واضح تمثیل کے ذریعہ کلمات خداوندی کا غیر متناہی ہونا سمجھایا ہے۔انسان کی معلومات می سمندروں کے پانی سے زیادہ کوئی چیز نہیں۔اس لئے اس مثال کو اختیار کیا ہے۔

دوسری بات: رسول اللہ ﷺ ایک انسان ہیں نہ خدا ہیں نہ فرشتہ۔جو باتیں آپؐ کی طرف وحی کی جاتی ہیں وہی بتلاتے ہیں اور سب سے اہم وحی ان کی طرف یہ کی گئی ہے کہ معبود برحق بے ہمہ اور یگانہ ہیں ـــــ آپ فرما دیجئے کہ میں تم ہی جیسا ایک انسان ہوں (البتہ) میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔

پس جو شخص اپنے پروردگار کی ملاقات کا آرزومند ہو اسے چاہئے کہ نیک عمل کرے اور اپنے پروردگار کے ساتھ عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے ـــــ یعنی میں صاف اعلان کرتا ہوں کہ میں تمام انسانوں کی طرح ایک انسان ہوں کوئی فرشتہ یا غیبی مخلوق نہیں ہوں نہ خدائی صفات کا حامل ہوں۔ اگر تمہارے سوالوں کا جواب میں نے حسب وعدہ دوسرے دن نہ دیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ میں جو کچھ بتاتا ہوں وحی سے بتاتا ہوں اور وحی میرے اختیار کی چیز نہیں۔ اور میرے پاس سب سے اہم وحی یہ آئی ہے کہ تمہارے معبود بہمہ وجوہ بے ہمتا، بے ہمہ اور یگانہ ہیں، دُوئی، تعدد اور شرکت کا ان کی بارگاہ میں کوئی گذر نہیں۔ جو دُوئی کی بو بھی ان میں ہوتی تو کہیں دو چار خدا ہوتے، اربوں کھربوں ہوتے! کیونکہ خدا کی تمام صفات: صفاتِ کمالیہ ہیں پس تعدد بھی کامل درجہ کا ہوگا ـــــ اور آخرت کی کامیابی خالص توحید اور عمل صالح پر موقوف ہے پس جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا خواہش مند ہے اُسے چاہئے کہ عمل صالح کرے اور عبادتوں کو شائبۂ شرک سے بھی بچائے، کامیابی کی یہی کنجی ہے۔

فائدہ(۱): اس آیت میں صراحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ بشر ہیں یعنی اپنی نوع کے اعتبار سے انسان ہیں اور وہ بھی ''تم ہی جیسے''، یعنی ماہیت اور لوازم ماہیت میں آپ ﷺ بھی جملہ انسانوں کی طرح ہیں۔ البتہ اوصاف وکمالات میں آپ کا کوئی ثانی نہیں۔ اس لئے آپؐ کے بشر ہونے سے خود بشریت رشک ملائکہ بن گئی ہے لہٰذا جو شخص رسول اللہ ﷺ کو بشر اور انسان نہیں مانتا اور بلا تاویل صاف انکار کرتا ہے، وہ کافر ہے کیونکہ وہ قرآن کریم کی صریح نص کا منکر ہے۔

رہا آپ ﷺ کو بشر یا بھائی یا باوا یا انسان یا آدمی کہہ کر پکارنا یا اپنے جیسا کہنا یا ماننا تو یہ کچھ لوگوں کا بزرگوں پر کیچڑ اچھالنے کے لئے کھڑا کیا ہوا مسئلہ ہے۔ جب آنحضرت ﷺ دنیا میں موجود ہی نہیں تو پکارنے کا کیا سوال ہے؟

رہا اپنے جیسا کہنا یا ماننا تو وہ اگر مسئلہ کی وضاحت کے لئے ہے ضروری ہے۔ خود قرآن کریم میں یہ بات پوری صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ تاکہ امت آپ ﷺ کو بندگی کے مقام سے آگے نہ بڑھادے۔ اور توہین کے لئے کہنے کی کسی امتی سے امید نہیں جاسکتی۔

فائدہ(۲): جس طرح رسول اللہ ﷺ اپنی نوع کے اعتبار سے بشر ہیں صفت ہدایت اور کمالِ رسالت کے اعتبار سے مینارۂ نور ہیں۔ اسی نور کی روشنی میں انسانیت کو خدا تعالیٰ کا راستہ ملتا ہے اور یہ نور ابد تک درخشندہ وتابندہ رہے گا۔ پس آپ ﷺ بیک وقت نور بھی ہیں اور بشر بھی۔ نور و بشر کو دو خانوں میں بانٹ کر ایک کی نفی کرنا اور دوسرے کا اثبات کرنا صحیح نہیں۔ قرآن کریم میں بشر کا اطلاق تو آپ ﷺ پر صاف اور صریح موجود ہے مگر نور کا اطلاق قطعی نہیں۔ سورۂ مائدہ کی آیت ۱۵ میں جو نور کا لفظ آیا ہے۔ مفسرین کرام نے اس کی تین تفسیریں کی ہیں۔ ارشاد ہے:

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ، واقعہ یہ ہے کہ تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے روشنی اور

يَهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّوْرِ بِإِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (آيات ۱۵ و۱۶)

واضح کتاب آچکی ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو سلامتی کی راہیں دکھلاتا ہے جو رضائے حق کا طالب ہے اور ان کو اپنی توفیق سے تاریکیوں سے نکال کر نور ہدایت کی طرف لاتا ہے اور ان کو راہ راست پر قائم رکھتا ہے۔

اس آیت میں مفسرین نے نور سے قرآن کریم، اسلام اور رسول اللہ ﷺ تینوں کو مراد لیا ہے۔ اور علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے صرف قرآن کریم مراد لیا ہے۔ یہی رائے صاحب کشاف علامہ جار اللہ زمخشری رحمہ اللہ کی ہے اس لئے راجح تفسیر یہی ہے۔ اس کا ایک قرینہ یہ ہے کہ آگے بِہٖ میں مفرد ضمیر آئی ہے اگر نور اور کتاب مبین دو چیزیں ہوتیں تو تثنیہ کی ضمیر آتی۔ دوسرا قرینہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں کسی جگہ کسی نبی کو نور نہیں کہا گیا۔ البتہ کتب سماوی توریت وانجیل کو سورۂ مائدہ آیت ۴۴ و ۴۶ میں نور کہا گیا ہے پس اس آیت میں بھی نور کا اطلاق قرآن کریم پر کیا گیا ہے اور عطف تفسیری ہے اور عطف کے لئے فی الجملہ مغائرت یعنی وصف کے اعتبار سے مغائرت کافی ہے۔

فائدہ (۳): ایک حدیث لوگوں میں یہ مشہور ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کا نور پیدا کیا (أَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِيْ) اس حدیث کی سند کا پتہ نہیں۔ مواہب لدُنیہ میں یہ حدیث مصنف عبدالرزاق کے حوالہ سے بلا سند ذکر کی گئی ہے (زرقانی ۱:۴۶) میں نے مصنف عبدالرزاق میں یہ حدیث تلاش کی مگر نہیں ملی۔ علامہ زرقانی نے بیہقی کا بھی حوالہ دیا ہے میں نے بیہقی کی دلائل النبوۃ میں بھی تلاش کی مگر نہیں ملی۔ البانی نے بھی مشکوۃ شریف کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ میں اس کی سند تلاش کرتے کرتے تھک گیا مگر نہیں ملی۔ علامہ اسماعیل عجلونی (متوفی ۱۱۶۲ھ) نے کشفُ الْخفَاء ومُزِيْلُ الإِلْبَاسِ عَمَّا اشتهر من الأحاديث على ألسِنة الناس میں اس کو ''مواہب'' کے حوالہ سے درج کیا ہے مگر نہ کوئی سند ذکر کی ہے نہ حدیث پر کوئی حکم لگایا ہے یہ حدیث کافی لمبی ہے جو درج ذیل ہے۔

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! مجھے بتلایئے: اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کیا چیز پیدا فرمائی؟ آپؐ نے فرمایا: جابر! اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں سے پہلے آپ کے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا کیا۔ وہ نور قدرت خداوندی سے جہاں اللہ نے چاہا گھومتا رہا۔ اس وقت میں نہ تو لوح تھی نہ قلم، نہ جنت نہ جہنم۔ نہ فرشتہ نہ آسمان۔ نہ زمین نہ سورج۔ نہ چاند نہ جنات اور نہ انسان۔ پھر جب اللہ نے مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو اس نور کے چار حصے کئے اور پہلے جز سے قلم، دوسرے جز سے لوح اور تیسرے جز سے عرش کو پیدا کیا اور چوتھے جز کے پھر چار اجزا کئے۔ اور پہلے جز سے حاملین عرش کو، دوسرے جز سے کرسی کو اور تیسرے جز سے باقی فرشتوں کو پیدا کیا۔ اور چوتھے جز کے پھر چار اجزاء کئے اور پہلے جز سے آسمانوں کو، دوسرے جز سے زمینوں کو اور تیسرے جز سے

جنت وجہنم کو پیدا کیا اور چوتھے جز کے پھر چار اجزا کئے۔ پہلے جز سے مؤمنوں کی نگاہوں کی روشنی کو، دوسرے جز سے ان کے دلوں کی روشنی کو یعنی اللہ تعالیٰ کی معرفت کو اور تیسرے جز سے ان کے اُنس کا نور یعنی توحید (لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ) کو پیدا کیا آخر حدیث تک[1]

ابھی یہ حدیث اور بھی ہوگی۔ عجلونی نے اتنی ہی نقل کی ہے۔ زرقانی رحمہ اللہ کو بھی آگے معلوم نہیں۔ یہ پوری حدیث پڑھنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قطعاً موضوع روایت ہے۔ واللہ اعلم۔

فائدہ (۴): سیرت کی بعض کتابوں میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا سایہ نہیں تھا کیونکہ نور کا سایہ نہیں ہوتا۔ نیز زمین محل کثافت ہے اس لئے اس پر آپؐ کا سایہ پڑنا آپؐ کی شان کے خلاف ہے[2] ــــــ یہ بات بھی صحیح نہیں۔ امداد الفتاوی میں موئے مبارک کے بارے میں ایک فتوی ہے:

''موئے مبارک کے لئے ضروری نہیں کہ اس کا سایہ نہ پڑے اور جس گھر میں ہو اس پر ابر کا سایہ رہے اور کبھی اس گھر والوں پر کوئی تکلیف نہ آئے یہ باتیں خود جناب سرور کائنات ﷺ کے لئے ضروری نہیں تھیں۔ آپؐ کا سایہ بھی تھا آپ پر دھوپ بھی پڑتی تھی۔ اگر کبھی بطور معجزہ آپ کا سایہ نہ پڑا ہو اور ابر سایہ فگن ہوا ہو تو کچھ بعید نہیں۔ لیکن استمرار ثابت نہیں۔ اور آپ بیمار بھی ہوتے تھے تو جب کل کے لئے یہ امر ضروری نہیں تو جز کے واسطے کیا ضرور؟ واللہ اعلم[3]

مسند امام احمد بن حنبل کی ایک روایت سے بھی آپ ﷺ کے لئے سایہ کا ہونا ثابت ہے۔ یہ روایت مسند میں تین جگہ آئی ہے[4] اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حجۃ الوداع کے سفر میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی سواری ہلاک ہوگئی۔ آپ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ تمہارے پاس زائد سواری ہے، ایک صفیہ کو دیدو، انھوں نے انکار کیا اور ان کے منہ سے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی شان میں ایک سخت بات نکل گئی۔ آپ ان سے ناراض ہوگئے اور تقریباً تین ماہ ان کے پاس تشریف نہیں لے گئے تا آنکہ وہ مایوس ہوگئیں۔ اس کے بعد روایت کے الفاظ یہ ہیں:

فلما كان شهرُ ربيع الأول دخلَ عليها فرأت ظِلَّهُ، فقالت: إِنَّ هذا لظِلُّ رَجُلٍ، وما يدخل عليَّ النبيُّ صلى الله عليه وسلم، فمن هذا؟ فدخل النبی صلی الله عليه وسلم إلخ (۳۳۸:۶)	پھر جب ماہ ربیع الاول آیا تو آپ حضرت زینبؓ کے پاس تشریف لے گئے انھوں نے آپؐ کا سایہ دیکھا اور دل میں سوچنے لگیں کہ یہ کسی آدمی کا سایہ ہے اور نبی کریم ﷺ تو میرے پاس تشریف لاتے نہیں، پھر یہ سایہ کس کا ہوسکتا ہے؟ وہ یہ سوچ رہی تھیں کہ نبی ﷺ مکان میں داخل ہوئے الخ۔

(۱) کشف الخفا ۱:۳۱۱ (۲) دیکھئے مدارج النبوت ۱:۱۳۶ و ۱۳۷۔ زرقانی شرح مواہب ۵:۲۴۹ (۳) امداد الفتاوی ۴:۵۷ (۴) دیکھئے مسند امام احمد ۶:۱۳۲ و ۲۶۱ و ۳۳۸۔

اس حدیث شریف سے صراحتًہ یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ ﷺ کا سایہ تھا اور وہ زمین پر پڑتا بھی تھا۔

فائدہ(۵): آخر آیت میں جس شرک کی ممانعت کی گئی ہے وہ عام ہے خواہ شرک جلی ہو یعنی شرک اکبر ہو یا شرک خفی یعنی شرک اصغر، شرک جلی وہ ہے جو مشرکین کرتے ہیں اور شرک خفی ریاؤ نمود کا نام ہے اور جس طرح شرک جلی سے عمل باطل ہو جاتا ہے ریاکاری بھی عمل کا ناس کر دیتی ہے۔ کوئی بھی عمل جو دنیوی غرض کے لئے کیا گیا ہو، شہرت و وجاہت اس سے مقصود ہو اور لوگوں کو دکھلانے اور سنانے کے لئے کیا گیا ہو: وہ مقبول نہیں۔ نیت کا کھوٹ عمل کو ضائع کر دیتا ہے بلکہ وہ عمل آخرت میں وبال جان بن جائے گا۔ احادیث شریفہ میں یہ مضمون بکثرت آیا ہے۔ چند حدیثیں درج ذیل ہیں:

پہلی حدیث: ـــــ اللہ تعالیٰ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: ''میں شرکاء میں سے شرک سے سب سے زیادہ بے نیاز ہوں پس جس نے کوئی ایسا عمل کیا ہو جس میں میرے علاوہ کسی کو شریک کیا ہو تو میں اس عمل سے بری ہوں اور وہ عمل اسی شریک کے لئے ہے'' (مشکوٰۃ حدیث ۵۳۱۵) یعنی اللہ تعالیٰ اس عمل کو قبول نہیں فرماتے۔ ایک دوسری حدیث میں اس کی تفصیل اس طرح آئی ہے کہ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ سب لوگوں کو میدان حشر میں اکٹھا کریں گے تو ایک منادی پکارے گا: ''جس نے اللہ کے لئے کئے ہوئے کام میں کسی کو شریک کیا ہو وہ اپنا بدلہ اسی سے مانگے کیونکہ اللہ تعالیٰ شرکاء میں سب سے زیادہ بھاگی داری سے بے نیاز ہیں'' (مشکوٰۃ حدیث ۵۳۱۸)

دوسری حدیث: ـــــ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے جہاد کیا اور اس کی نیت جہاد سے عقال (اونٹ باندھنے کی رسّی) کی ہے تو اس کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی ہے'' (اخرجہ النسائی وغیرہ)

تیسری حدیث: ـــــ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرتا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ لوگوں میں اس کی بہادری اور خدمات کا چرچا ہو۔ اس نے اپنے اس عمل کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا پس یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (اخرجہ الحاکم ۲:۱۱۱) معلوم ہوا کہ جہاد میں ایسی نیت کرنے سے بھی جہاد کا ثواب باطل ہو جاتا ہے۔

چوتھی بات: ـــــ جندب بن زُہیر کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ جب وہ نماز پڑھتے یا روزہ رکھتے یا صدقہ کرتے اور دیکھتے کہ لوگ ان اعمال کی وجہ سے ان کی تعریف کرتے ہیں تو اس سے ان کو خوشی ہوتی تھی اور وہ اپنا عمل اور بڑھا دیتے تھے۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (اخرجہ ابن مندہ)

فائدہ(۶): اخلاص وریا کے اعتبار سے عمل کی چار صورتیں ہیں:

۱۔ شروع سے آخر تک عمل محض اللہ تعالیٰ کے لئے ہو اور عمل پورا ہونے کے بعد بھی کسی کو اس کا پتہ نہ چلے ـــــ یہ عمل نہایت اعلیٰ درجہ کا ہے اور خالص سونے کی مثال ہے۔ حدیث شریف میں ایسے سات آدمیوں کا ذکر ہے جن کو

قیامت کے دن جب کوئی سایہ نہ ہوگا اللہ تعالیٰ اپنا سایہ عطا فرمائیں گے۔ان میں سے ایک شخص وہ ہے جس نے کوئی خیرات کی اوراس کو چھپایا یہاں تک کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی پتہ نہ چلا کہ اس کے داہنے ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے۔

(مشکوۃ حدیث ۱۰۷)

۲۔ عمل از ابتدا تا انتہا محض ریا اور نمود کے لئے ہو یعنی دنیوی اغراض کے لئے کیا ہو یا لوگوں کی تعریفیں وصول کرنے کے لئے کیا گیا ہو ـــــ ایسا عمل بے کار اور بے فائدہ ہے بلکہ آخرت میں وہ عمل وبال جان بن جائے گا۔

حدیث شریف میں ایسے تین شخصوں کا حال بیان کیا گیا ہے جن کو قیامت کے دن سب سے پہلے فیصلہ سنایا جائے گا۔ ایک شہید، دوسرا قاری، تیسرا بڑا مالدار۔اللہ تعالیٰ ان کو اپنی نعمتیں یاد دلائیں گے اور پوچھیں گے کہ انھوں نے اللہ کے لئے کیا کام کئے؟ وہ اپنے اپنے کارنامے گنائیں گے۔جواب ارشاد ہوگا کہ یہ کام تو ہمارے لئے کب کئے تھے؟ اول نے اس لئے کئے تھے کہ اس کی بہادری کا ڈنکا بجے۔دوم نے اس لئے کئے تھے کہ اس کی عالم کی حیثیت سے شہرت ہو اور سوم نے سخی مشہور ہونے کے لئے خرچ کیا تھا۔پھر حکم ہوگا: ان کو گھسیٹ کراوندھے منہ جہنم میں ڈال دو (اخرجہ مسلم)

۳۔ عمل شروع تو اخلاص کے ساتھ ہوا ہو مگر پورا ہونے سے پہلے اس میں ریا ؤنمود شامل ہو گیا ہو ـــــ یہ ریا بھی عمل کو ضائع کر دیتی ہے۔حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے۔ہم دجال کا تذکرہ کررہے تھے۔آپ نے فرمایا: کیا میں تم کو مسیح دجال سے زیادہ خوفناک بات نہ بتلاؤں؟ ہم نے عرض کیا: ضرور بتلائیں۔آپ نے فرمایا: ''وہ شرک خفی ہے۔اور وہ یہ ہے کہ ایک شخص نماز شروع کرے پھر وہ اپنی نماز اس لئے لمبی کرے کہ اس کو کوئی شخص دیکھ رہا ہے'' (مشکوۃ حدیث ۵۳۳۳)

۴۔ پوراعمل ازل اول تا آخر اخلاص پر مبنی ہو اور عمل پورا ہونے کے بعد بھی نہ اس نے ظاہر کیا نہ اس کی خواہش کی مگر کسی وجہ سے خود بخود اس کے عمل کی شہرت ہوگئی اور لوگ تعریفیں کرنے لگے اور اس کو وہ تعریفیں اچھی معلوم ہونے لگیں۔ یہ بات عمل کے لئے مضر نہیں۔صحیح مسلم میں حضرت ابوذر غفاری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: ایک شخص نیک عمل کرتا ہے پھر لوگوں کو سنتا ہے کہ وہ اس کے عمل کی تعریف کررہے ہیں تو کیا حکم ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: تِلْكَ عَاجِلُ بُشْرَى الْمُؤْمِنِ: یہ مؤمن کے لئے نقد بشارت ہے (مشکوۃ حدیث ۵۳۱۷) یعنی اس کا یہ عمل اللہ کے نزدیک مقبول ہے اور اس کی فوری خوش خبری اس طرح دیدی گئی کہ اپنے بندوں کی زبان سے تعریف کرادی۔

اور حدیث میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! بعض اوقات میں اپنے گھر میں نماز میں مشغول ہوتا ہوں، اچانک کوئی آجاتا ہے تو مجھے اچھا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے مجھے اس حال میں دیکھ لیا (تو کیا یہ ریا ہے؟) آپؐ نے فرمایا: ''ابو ہریرہ! تم پر خدا کی رحمت ہو! تمہیں اس صورت میں دو اجر ملیں گے ایک چپکے سے عمل

کرنے کا جو پہلے ہی سے کر رہے تھے۔ دوسرا اعلانیہ عمل کرنے کا جو اس آدمی کے آنے کے بعد ہوا (مشکوٰۃ حدیث ۵۳۲۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے یہ حدیث بھی مروی ہے کہ جب کوئی بندہ علانیہ بھی شاندار نماز پڑھتا ہے اور خفیہ بھی تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: هٰذَا عَبْدِیْ حَقًّا یہ میرا کھرا بندہ ہے (مشکوٰۃ حدیث ۵۳۲۹)

> ہر عمل میں اخفا افضل ہے البتہ کسی عارض سے مثلاً رفع تہمت یا امید اقتداء وغیرہ سے اظہار کو ترجیح ہو جاتی ہے (تھانویؒ)

فائدہ (۷): شرک خفی یعنی اعمال صالحہ میں ریا ونمود بہت خطرناک چیز ہے اس سے حتی الامکان بچنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔ حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ خوف شرک اصغر کا ہے۔ صحابہ نے دریافت کیا کہ شرک اصغر کیا چیز ہے؟ آپؐ نے فرمایا ریاء (مشکوٰۃ حدیث ۵۳۳۴)

حدیث — حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص دکھلاوا کرنے کے لئے نماز پڑھتا ہے اس نے شرک کیا، جو شخص دکھلاوا کرنے کے لئے روزہ رکھتا ہے اس نے شرک کیا اور جس شخص نے دکھلاوا کرنے کے لئے خیرات کی اس نے شرک کیا (مشکوٰۃ حدیث ۵۳۳۱)

حدیث — حضرت شداد ایک بار رو رہے تھے کسی نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ میں نے ایک حدیث سنی ہے وہ یاد آ گئی اس نے مجھے رُلا دیا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ مجھے اپنی امت کے بارے میں سب سے زیادہ ڈر دو باتوں کا ہے۔ ایک شرک کا دوسرا مخفی خواہش کا۔ حضرت شداد نے دریافت کیا: یا رسول اللہ! کیا آپ کی امت آپ کے بعد شرک میں مبتلا ہو جائے گی؟ آپؐ نے فرمایا: ''ہاں! مگر سنو، وہ سورج، چاند، پتھر اور مورتی کو نہیں پوجے گی بلکہ اپنے اعمال کا دکھلاوا کرے گی اور مخفی خواہش یہ ہے کہ ایک شخص نے روزہ رکھا پھر اس کے سامنے مزے دار کھانا آیا تو اس نے روزہ توڑ دیا'' (مشکوٰۃ حدیث ۵۳۳۲)

حدیث — آنحضرت ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ ''جو شخص اپنے نیک عمل کی شہرت چاہے گا اللہ تعالیٰ چوراہے پر اس کا بھانڈا پھوڑیں گے اور جو اپنے عمل کا دکھلاوا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو رسوا کریں گے۔ (مشکوٰۃ حدیث ۵۳۱۶)

> شرک خفی چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ دھیمی آواز سے داخل ہوتا ہے لہٰذا اس چور سے ہوشیار رہو (حدیث)

فائدہ(۸): یہ پوری سورت بڑی بابرکت سورت ہے اوراس کی ابتدائی دس آیتیں اورآخری دس آیتیں توبے حد قیمتی ہیں۔ سورت کے دیباچہ میں بہت سی حدیثیں اس سورت کے فضائل میں ذکر کی جاچکی ہیں۔یہاں چند حدیثیں دوبارہ پڑھ لیجئے:

حدیث(۱) — حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جوشخص جمعہ کے روز سورۂ کہف پڑھ لے تو دوسرے جمعہ تک اس کے لئے نور ہوجائے گا'' (رواہ الحاکم والبیہقی)

حدیث(۲) — آنحضرت ﷺ نے ارشادفرمایا: ''جوشخص سورۂ کہف کی ابتدائی دس آیتیں زبانی یادکرلے پھر اس کو دجال پالے تو وہ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گااور جوشخص سورۂ کہف کی آخری آیتیں (آخری رکوع) زبانی یادکرلے تو وہ آیتیں اس کے لئے قیامت کے دن نور ہونگی'' (اخرجہ ابوعبید وابن مردویہ عن ابی الدرداء)

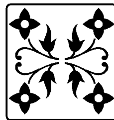
حدیث(۳) — رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: ''جوشخص سورۂ کہف کی ابتدائی دس آیتیں سوتے وقت پڑھے وہ دجال کے فتنہ سے محفوظ رہے گااور جواس کی آخری (دس) آیتیں سوتے وقت پڑھےاس کے لئے قیامت کے دن سرتاپا نور ہوگا'' (اخرجہ ابن مردویہ عن عائشہ)

حدیث(۴) — رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: ''اگر میری امت پرصرف سورۂ کہف کی آخری آیتیں نازل کی جاتیں تو وہ ان کی ہدایت کے لئے کافی تھیں'' (اخرجہ الطبرانی وابن مردویہ عن ابی حکیم)

حدیث(۵) — مسند دارمی میں ہے کہ زرّ بن حُبیش نے حضرت عبدہ کو بتلایا کہ جوآدمی سورۂ کہف کی آخری آیتیں (**قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادً** سے آخر سورت تک) پڑھ کر سوئے وہ جس وقت بیدار ہونے کی نیت کرے گا بیدار ہوگا۔عبدہ کہتے ہیں: ہم نے اس کا تجربہ کیا۔بالکل ایسا ہی پایا (مسند دارمی ۲:۴۵۴)

حدیث(۶) — اسماعیل بن ابی رافع کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ جوشخص سورۂ کہف کی آخری پانچ آیتیں سوتے وقت پڑھے گا وہ محفوظ رہے گا اور رات کو جس وقت اٹھنے کا ارادہ کرے گا اٹھ جائے گا (اخرجہ ابن الضریس فی فضائل القرآن الدر المنثور ۴:۲۵۷)

اللہ تعالیٰ یہ سورت جمعہ کو پڑھنے کی اوراس کی ابتدائی اورآخری دس دس آیتیں یادکرنے کی اورنمازوں میں اور سوتے وقت پڑھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔اوران کی برکت سے تمام دجالی فتنوں سے اورخاص طور پر دجالِ اکبر کے فتنے سے محفوظ فرمائیں۔(آمین)



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ مریم

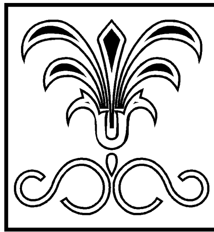
نمبرشمار ۱۹ نزول کا نمبر ۴۴ نزول کی نوعیت مکی آیات ۹۸ رکوع ۶

سورت کا نام اور زمانۂ نزول: اس سورت کا نام آیت ۱۶ سے ماخوذ ہے۔ اس کو سورۂ کٓھٰیٰعٓصٓ بھی کہتے ہیں۔ یہ مکی سورت ہے، اور مکی دور کے وسط میں نازل ہوئی ہے۔ حبشہ کی ہجرت سے پہلے یہ سورت نازل ہو چکی تھی۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں اشارہ ہے کہ نبی ﷺ اور مظلوم مسلمانوں کو بھی ابراہیم علیہ السلام کی طرح وطن چھوڑنا پڑ سکتا ہے۔ حبشہ کی طرف پہلی مرتبہ ہجرت ۵ نبوی میں ہوئی ہے۔ پھر کچھ مدت کے بعد اور لوگوں نے ہجرت کی، اور وہاں اسّی نوّے مرد اور عورتیں پہنچ گئیں۔ قریش نے جب یہ صورتِ حال دیکھی تو دو سفیر نجاشی رحمہ اللہ کے دربار میں بھیجے، تاکہ وہ ان مہاجرین کو واپس لائیں۔ سفراء نے نجاشی سے کہا: ہمارے کچھ نوجوان بھاگ کر آپ کے ملک میں آئے ہیں۔ وہ ہمارے دین سے نکل گئے ہیں۔ اور آپ کے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے، بلکہ انھوں نے ایک نیا دین نکال لیا ہے! بادشاہ نے تحقیقِ حال کے لئے مسلمانوں کو دربار میں طلب کیا۔ دربار میں مہاجرین کی طرف سے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے ایک برجستہ تقریر کی، جس سے نجاشی بہت متأثر ہوا۔ اس نے دریافت کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ وہ اللہ کا ایک بول اور اس کی روح ہیں۔ جسے اللہ نے کنواری مریم میں ڈالا'' پھر آپؓ نے اس سورت کے ابتدائی دو رکوع پڑھے۔ بادشاہ سنتا رہا اور روتا رہا۔ جب تلاوت پوری ہوئی تو اس نے ایک تنکا اٹھایا، اور کہا: ''بخدا! عیسیٰ علیہ السلام اس سے اس تنکے کے برابر بھی زیادہ نہیں تھے!'' پھر وفد کو ٹکا سا جواب دے دیا۔

ربط: گذشتہ سورت میں اصحابِ کہف اور ذو القرنین کے واقعات بیان ہوئے ہیں۔ یہ واقعات یہود مدینہ کے مشورہ سے مشرکین مکہ نے دریافت کئے تھے۔ ان میں توحید کی دعوت اور شرک کی تردید تھی۔ اصحابِ کہف نے بھرے

دربار میں بادشاہ کو توحید کی دعوت تھی۔اور ذوالقرنین نے بھی اپنے مغربی سفر میں ایک قوم کو توحید کی طرف بلایا ہے۔اور آخری آیت میں بھی توحید اور توحید میں اخلاص کی تاکید ہے۔اسی طرح اس سورت کا مرکزی مضمون بھی شرک کی تردید اور توحید کا اثبات ہے۔

سورت کے مضامین: اس سورت کا مرکزی مضمون شرک کی تردید اور توحید کی تعلیم ہے۔قرآن کریم کے اولین مخاطب کفار مکہ اور اہلِ کتاب تھے۔اور دونوں شرک میں مبتلا تھے۔کفار مورتیوں کو پوجتے تھے،اور عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام کی شان میں غلو کرتے تھے۔وہ ان کو مقام عبدیت سے اٹھا کر مقام الوہیت پر فائز کر چکے تھے۔چنانچہ پہلے مسیح علیہ السلام کی معجزاتی گفتگو کے ذریعہ نصاری کے عقیدے کی تردید کی گئی۔پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے باپ کے درمیان جو گفتگو ہوئی ہے: اس کے ذریعہ مشرکین کے شرک کی تردید کی۔اور چونکہ مسیح علیہ السلام کی ولادت ایک نشانی تھی،اس لئے اس کی تمہید میں حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کا تذکرہ آیا ہے۔حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت جن حالات میں ہوئی ہے: وہ بھی ایک نشانی اور رحمتِ خداوندی تھی۔اور ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ کے بعد ان کے خاندان کے چند انبیاء کا تذکرہ ہے،جو خلیل اللہ کی دل بستگی کا سامان،ان کی رفعتِ شان اور ذکر خیر کا ذریعہ ہیں۔یہ مضامین چوتھے رکوع تک چلے گئے ہیں۔پھر انبیاء کے بعد گمراہی کس طرح پیدا ہوئی اس کی نشاندہی کی ہے۔اس کے بعد جنت کے کچھ احوال مذکور ہیں۔پھر منکرین آخرت کے استعجاب اور ان کے انجام کا بیان ہے۔اور ایک خاص بات یہ بیان کی گئی ہے کہ دوزخ پر ہر ایک کو پہنچنا ہے۔اس کے بعد کفار کی تین غلط فہمیوں کا ازالہ کیا گیا ہے،پھر مؤمنین کو تسلی دی گئی ہے،اور ان لوگوں پر رد کیا ہے جو اللہ کے لئے اولاد مانتے ہیں۔اور آخر میں دو اہم نصیحتوں پر سورت ختم کی گئی ہے۔



آیاتہا ۹۸ (۱۹) سُوْرَةُ مَرْيَمَ مَكِّيَّةٌ (۴۴) رکوعاتہا ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

كٓهٰيٰعٓصٓ ﴿۱﴾ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ﴿۲﴾ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ﴿۳﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ﴿۴﴾ وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ﴿۵﴾ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ﴿۶﴾ يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ِۨ اسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ﴿۷﴾ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ﴿۸﴾ قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ﴿۹﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ﴿۱۰﴾ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿۱۱﴾ يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۭ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ﴿۱۲﴾ وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ۭ وَكَانَ تَقِيًّا ﴿۱۳﴾ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ﴿۱۴﴾ وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ﴿۱۵﴾ ع

كٓهٰيٰعٓصٓ	کاف،ھا، یا، عین، صاد	زَكَرِيَّا	زکریا (پر)	قَالَ	کہا
ذِكْرُ	(یہ) تذکرہ (ہے)	اِذْ نَادٰى	جب پکارا انھوں نے	رَبِّ	اے میرے رب!
رَحْمَتِ	مہربانی کا	رَبَّهٗ	اپنے رب کو	اِنِّيْ	بیشک میں
رَبِّكَ	آپ کے رب کی	نِدَآءً	پکارنا	وَهَنَ	کمزور ہوگئیں
عَبْدَهٗ (۱)	اپنے بندے	خَفِيًّا	پوشیدہ	الْعَظْمُ (۲)	ہڈیاں

(۱) عبدہ: رحمۃ (مصدر) کا مفعول بہ ہے، اور زکریا: بدل یا عطف بیان ہے۔ (۲) العظم (مفرد) اسم جنس کے معنی میں ہے اس لئے آگے اس کا ترجمہ: ''ہڈی ہڈی'' کیا گیا ہے۔ اور منی محذوف سے متعلق ہوکر العظم کا حال ہے۔

مِنِّيْ	میری	يَعْقُوْبَ	یعقوب (کے)	وَقَدْ بَلَغْتُ	اور تحقیق پہنچ چکا میں
وَاشْتَعَلَ	اور بھڑک گیا	وَاجْعَلْهُ	اور بنا اس کو	مِنَ الْكِبَرِ	بڑھاپے کی
الرَّاْسُ	سر	رَبِّ	اے میرے رب!	عِتِيًّا (۲)	آخری حد کو
شَيْبًا (۱)	بڑھاپے سے	رَضِيًّا	پسندیدہ	قَالَ	فرمایا:
وَلَمْ اَكُنْ	اور نہیں رہا میں	يٰزَكَرِيَّآ	اے زکریا	كَذٰلِكَ	اسی طرح
بِدُعَآئِكَ	آپ سے مانگ کر	اِنَّا	بیشک ہم	قَالَ	فرمایا
رَبِّ	اے میرے رب!	نُبَشِّرُكَ	خوشخبری دیتے ہیں آپکو	رَبُّكَ	آپ کے رب نے
شَقِيًّا	نامراد	بِغُلٰمِ	ایسے لڑکے کی	هُوَ	وہ
وَاِنِّيْ	اور بیشک میں	اسْمُهٗ	جس کا نام	عَلَيَّ	میرے لئے
خِفْتُ	اندیشہ کرتا ہوں	يَحْيٰى	یحییٰ (ہے)	هَيِّنٌ	آسان ہے
الْمَوَالِيَ	متعلقین کا	لَمْ نَجْعَلْ	نہیں بنایا ہم نے	وَقَدْ	اور تحقیق
مِنْ وَّرَآءِيْ	میرے پیچھے	لَّهٗ	اس کیلئے	خَلَقْتُكَ	میں نے پیدا کیا آپ کو
وَكَانَتِ	اور ہے	مِنْ قَبْلُ	قبل ازیں	مِنْ قَبْلُ	قبل ازیں
امْرَاَتِيْ	میری بیوی	سَمِيًّا	کوئی ہم نام	وَلَمْ تَكُ	اور نہیں تھے آپ
عَاقِرًا	بانجھ	قَالَ	کہا اس نے	شَيْئًا	کچھ بھی
فَهَبْ	پس عطا فرما	رَبِّ	اے میرے رب!	قَالَ رَبِّ	کہا اے میرے رب!
لِيْ	مجھے	اَنّٰى يَكُوْنُ	کیسے ہوگا	اجْعَلْ	مقرر کیجئے
مِنْ لَّدُنْكَ	خاص اپنے پاس سے	لِيْ	میرے	لِّيْٓ	میرے لئے
وَلِيًّا	کوئی کارساز	غُلٰمٌ	لڑکا	اٰيَةً	کوئی نشانی
يَّرِثُنِيْ	جو وارث ہو میرا	وَّكَانَتِ	اور ہے	قَالَ	فرمایا
وَيَرِثُ	اور وارث ہو	امْرَاَتِيْ	میری بیوی	اٰيَتُكَ	آپ کی نشانی
مِنْ اٰلِ	خاندان کا	عَاقِرًا	بانجھ	اَلَّا	(یہ ہے) کہ نہ

(۱) شیبًا: تمیز ہے۔ (۲) عِتِيًّا: کی اصل عُتُوْوٌ ہے۔ دو پیش اور دو واو مسلسل ثقیل تھے، اس لئے تاء کو کسرہ دیا تو پہلا واو یاء ہو گیا، پھر دوسرا واو بھی یاء ہو گیا، کیونکہ اس سے پہلے سکون ہے (روح)

تُكَلِّمَ	بات کریں آپ	يٰيَحْيٰى	اے یحیٰ	بِوَالِدَيْهِ	اپنے والدین کے ساتھ
النَّاسَ	لوگوں سے	خُذِ	لیں آپ	وَلَمْ يَكُنْ	اور نہیں تھے وہ
ثَلٰثَ	تین	الْكِتٰبَ	کتاب (تورات)	جَبَّارًا	سرکش
لَيَالٍ	راتیں	بِقُوَّةٍ	مضبوطی سے	عَصِيًّا	نافرمان
سَوِيًّا (۱)	تندرست ہوتے ہوئے	وَاٰتَيْنٰهُ	اور دی ہم نے ان کو	وَسَلٰمٌ	اور سلامتی ہو
فَخَرَجَ	پس نکلے وہ	الْحُكْمَ	دانائی	عَلَيْهِ	ان پر
عَلٰى قَوْمِهٖ	اپنی قوم پر	صَبِيًّا	بچپن میں	يَوْمَ	جس دن
مِنَ الْمِحْرَابِ	حجرۂ عبادت سے	وَّحَنَانًا	اور رقّتِ قلب	وُلِدَ	وہ جنے گئے
فَاَوْحٰى	پس اشارہ کیا	مِّنْ لَّدُنَّا	خاص ہمارے پاس سے	وَيَوْمَ	اور جس دن
اِلَيْهِمْ	ان کی طرف	وَزَكٰوةً	اور پاکیزگی	يَمُوْتُ	وہ مریں گے
اَنْ سَبِّحُوْا	کہ پاکی بیان کرو	وَكَانَ	اور تھے وہ	وَيَوْمَ	اور جس دن
بُكْرَةً	صبح	تَقِيًّا	پرہیزگار	يُبْعَثُ	وہ اٹھائے جائیں گے
وَّعَشِيًّا	اور شام	وَّبَرًّا	اور نیک سلوک کرنیوالے	حَيًّا	زندہ کرکے

حروف مقطّعات: ــــــ **کاف، ھا، یا، عین، صاد** ــــــ ان حروف کا یقینی مطلب اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ اور سورۂ آل عمران آیت ۷ میں ہے کہ مضبوط علم والے متشابہات کو اللہ پر چھوڑتے ہیں، وہی ان کا مطلب بہتر جانتے ہیں۔

پہلا واقعہ: اس کے بعد حضرت زکریا علیہ السلام کا واقعہ ذکر کیا جاتا ہے ــــــ **یہ تذکرہ ہے آپ کے رب کی مہربانی کا اپنے خاص بندے زکریا پر** ــــــ حضرت زکریا علیہ السلام بنی اسرائیل کے جلیل القدر پیغمبر ہیں، بڑھئی کا پیشہ کرتے تھے (بخاری) اور اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے۔ آپ لاولد تھے، اہلیہ صاحبہ بانجھ تھیں، اور اولاد کی کوئی امید نہیں رہی تھی۔ مگر جب آپ نے حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے پاس بے موسم کے پھل دیکھے، تو دل میں اولاد کی خواہش پیدا ہوئی۔

لڑکے کی دعا: ــــــ **یاد کرو: جب انھوں نے اپنے رب کو خاموش صدا دی** ــــــ یعنی اللہ سے پست آواز

(۱) سویا: حال ہے تکلم کے فاعل سے۔

میں دعا کی۔ دعا کا یہی ادب ہے (اعراف آیت ۵۵) کیونکہ ایسی دعا ریاء سے پاک ہوتی ہے، اور اخلاص سے بھری ہوتی ہے۔ نیز سورۂ آل عمران آیت ۳۸ میں صراحت ہے کہ آپؑ نے یہ دعا حضرت مریم کے سامنے کی تھی: ﴿هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا﴾ اس لئے بھی پوشیدہ دعا کرنا قرینِ مصلحت تھا ـــــ عرض کیا: اے میرے رب! میری ہڈی ہڈی کمزور ہوگئی، اور سر بڑھاپے سے شعلہ زن ہوا، اور میں آپ سے مانگ کر اے میرے رب! کبھی نامراد نہیں ہوا ـــــ کیسا پیارا انداز ہے! ـــــ اور مجھے اپنے پیچھے اقرباء کا ڈر ہے ـــــ کہ وہ میری صحیح جانشینی نہیں کریں گے ـــــ اور میری اہلیہ بانجھ ہے ـــــ یعنی اولاد کا ظاہری سامان کچھ نہیں ـــــ پس آپ مجھے خاص اپنے پاس سے ـــــ یعنی اپنی قدرتِ کاملہ سے ـــــ کوئی کارساز عطا فرمائیں ـــــ یعنی بیٹا عنایت فرمائیں، مگر صاف اس لئے نہیں کہا کہ بیٹا محض بیٹا ہونے کی حیثیت سے مطلوب نہیں تھا بلکہ دینی کارسازی کے مقصد سے مطلوب تھا، اس لئے اس مقصد کا تذکرہ کیا۔ عرض کیا ـــــ جو میرا وارث ہو، اور یعقوب (علیہ السلام) کے خاندان (بنی اسرائیل) کا وارث ہو ـــــ یعنی بنی اسرائل کی دینی خدمات سنبھالے، اور اس کام میں میرا جانشیں ہو ـــــ اور آپ اس کو پسندیدہ بنائیں ـــــ یعنی اس کے اخلاق واعمال اچھے ہوں۔ آپ کا بھی پسندیدہ بندہ ہو اور لوگوں کا بھی، تاکہ لوگ اس کی دینی قیادت تسلیم کریں۔

فائدہ: احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے ترکہ میں وراثت جاری نہیں ہوتی، ان کا چھوڑا ہوا مال صدقہ ہوتا ہے۔ ان کی وراثت علم میں چلتی ہے، جو ان کے علم کا جتنا زیادہ حصہ لیتا ہے: وہ اتنا ہی بڑا وارث ہوتا ہے۔ اس آیت میں بھی وراثتِ مال مراد نہیں، نیابتِ دینی مراد ہے۔ اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ ایک شخص سارے بنی اسرائیل کا وارث نہیں ہوسکتا۔ اور یہ بات شانِ نبوت کے بھی خلاف ہے کہ نبی دنیا کی حقیر متاع پر رال ٹپکائے، اور حضرت زکریا علیہ السلام کچھ ایسے بڑے مالدار بھی نہیں تھے، وہ تو محنت کر کے گزارہ کرتے تھے۔

لڑکے کی خوش خبری: اللہ پاک نے بتوسط فرشتہ ارشاد فرمایا: ـــــ اے زکریا! ہم تمہیں ایک ایسے لڑکے کی خوش خبری دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہے ـــــ یعنی اللہ تعالیٰ نے بشارت کیساتھ ہی اس کا نام بھی تجویز کر دیا۔ اور نام بھی کیسا؟ انوکھا! ارشاد ہے: ـــــ ہم نے قبل ازیں اس کا کوئی ہم نام نہیں بنایا ـــــ بعض لوگ اس سے استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بچہ کا نام انوکھا ہونا چاہئے۔ مگر یہ استدلال دو وجہ سے درست نہیں: ایک: اس وجہ سے کہ بعض سلف نے سَمِيٌّ کے معنی شبیہ اور ہم صفت کے کئے ہیں۔ یعنی اس شان وصفت کا کوئی شخص ان سے پہلے نہیں ہوا۔ پس یہ آیت صریح نہ رہی۔ دوم: اس وجہ سے کہ حدیث میں ہے: إن أحبَّ أسمائِكم إلى الله: عبد الله وعبد الرحمن:

تمہارے ناموں میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند: عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں (رواہ مسلم) پس جب لوگ بکثرت یہ نام رکھیں گے تو انوکھا پن کہاں رہے گا!

حضرت زکریا علیہ السلام نے جب یہ خوش خبری سنی تو تازہ لذت حاصل کرنے کے لئے، اور بات پکی کرنے کے لئے ـــــ عرض کیا: اے میرے رب! میرے لڑکا کیسے ہوگا، جبکہ میری بیوی بانجھ ہے، اور میں بڑھاپے کی آخری حد کو پہنچ گیا ہوں! ـــــ اللہ تعالیٰ نے بتوسط فرشتہ ـــــ ارشاد فرمایا: اسی طرح ہوگا ـــــ یعنی موجودہ مایوس کن حالات ہی میں لڑکا ہوگا، اور فرشتہ نے یہ بھی کہا ـــــ اور آپ کے رب نے فرمایا ہے کہ یہ میرے لئے آسان ہے، اور میں نے اس سے پہلے آپ کو پیدا کیا ہے، جبکہ آپ کچھ بھی نہیں تھے ـــــ یعنی جو قادر مطلق لاشئی کو شئی کرسکتا ہے: وہ بوڑھے مرد اور بانجھ عورت سے بچہ کیوں پیدا نہیں کرسکتا!

علوق کی نشانی: ـــــ زکریا (علیہ السلام) نے عرض کیا: اے میرے رب! میرے لئے کوئی نشانی مقرر فرمایئے ـــــ اللہ نے فرشتہ کے توسط سے ـــــ ارشاد فرمایا: آپ کے لئے نشانی یہ ہے کہ آپ لوگوں سے بات نہ کرسکیں تین راتیں تندرست ہونے کی حالت میں ـــــ یعنی باوجود تندرست ہونے کے مسلسل تین رات دن آپ لوگوں کے ساتھ زبان سے بات نہ کرسکیں تو سمجھ لیں کہ حمل قرار پا گیا۔ اس مدت میں آپ کی زبان خالص ذکر اللہ کے لئے وقف ہوجائے گی۔ چنانچہ سورۂ آل عمران میں آپ کو ان دنوں میں بکثرت اللہ کو یاد کرنے کا، اور صبح وشام تسبیح میں مشغول رہنے کا حکم دیا گیا ہے ـــــ سبحان اللہ! ہم خرما ہم ثواب! نشانی بھی ایسی کہ نشانی بھی اور ذکر الٰہی بھی! ـــــ پھر جب وہ وقتِ موعود آیا ـــــ تو آپ عبادت کے کمرے سے اپنی قوم کی طرف نکلے، پس ان سے اشارہ سے کہا کہ تم صبح وشام یاد الٰہی میں مشغول ہوجاؤ ـــــ یعنی آپ نے نعمتِ الٰہی کی خوشی میں چاہا کہ دوسرے لوگ بھی ذکر وفکر میں آپ کے شریک حال ہوجائیں۔

حضرت یحییٰ کے احوال: پھر جب اللہ تعالیٰ نے یحییٰ علیہ السلام کو منصب نبوت عطا فرمایا، تو ارشاد فرمایا: ـــــ اے یحییٰ! آپ کتاب مضبوطی سے پکڑیں ـــــ یعنی تورات پر مضبوطی سے قائم رہیں، اور بنی اسرائیل کو بھی اس پر قائم کریں ـــــ اور ہم نے ان کو بچپن ہی میں دانائی، اور خاص اپنے پاس سے رقّتِ قلبی اور پاکیزگی عطا فرمائی ـــــ چنانچہ آپ کو ایک مرتبہ لڑکوں نے کھیلنے کے لئے بلایا، آپ نے جواب دیا: ہم اس کام کے لئے پیدا نہیں ہوئے! ـــــ اور آپ خدا کے خوف سے اس قدر روتے تھے کہ رخساروں پر آنسوؤں کی نالیاں بن گئی تھیں ـــــ اور حدیث میں ہے کہ آپ نے نہ کبھی کوئی گناہ کیا، نہ گناہ کا ارادہ کیا (درمنثور) ـــــ اور آپ پرہیزگار اور اپنے والدین کے ساتھ حسن

سلوک کرنے والے تھے ــــــ اور ایسا ہی بندہ اللہ کے نزدیک اور لوگوں کے نزدیک پسندیدہ ہوتا ہے ــــــ اور وہ سرکش نافرمان نہیں تھے ــــــ جیسے آرزو کے بیٹے ہوتے ہیں ــــــ اور ان پر سلامتی ہو جس دن وہ پیدا ہوئے، اور جس دن وہ وفات پائیں گے، اور جس دن وہ زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے ــــــ یعنی تمام احوال واوقات میں: ولادت سے وفات تک، اور موت سے قیامت تک، کسی وقت بھی آپ کے لئے کوئی خطرہ نہیں۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿١٦﴾ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۚ فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿١٧﴾ قَالَتْ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ﴿١٨﴾ قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِأَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿١٩﴾ قَالَتْ أَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ أَكُ بَغِيًّا ﴿٢٠﴾ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗ آيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴿٢١﴾ فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿٢٢﴾ فَأَجَاءَهَا الْمَخَاضُ إِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ﴿٢٣﴾ فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَا أَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿٢٤﴾ وَهُزِّيْ إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿٢٥﴾ فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَإِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْ إِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنْسِيًّا ﴿٢٦﴾ فَأَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ۚ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ﴿٢٧﴾ يٰأُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ أَبُوْكِ امْرَأَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ أُمُّكِ بَغِيًّا ﴿٢٨﴾ فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ ۖ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ﴿٢٩﴾ قَالَ إِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ۟ آتٰنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ﴿٣٠﴾ وَّجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ ۪ وَأَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ﴿٣١﴾ وَّبَرًّا بِوَالِدَتِيْ ۫ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ﴿٣٢﴾ وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ أَمُوْتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا ﴿٣٣﴾ ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿٣٤﴾ مَا كَانَ لِلّٰهِ أَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۚ إِذَا قَضٰى أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُوْلُ

لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۳۵﴾ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۳۶﴾ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۳۷﴾ اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ ۙ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾ وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ ۘ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۴۰﴾

ع ۲ ۲۵ ۵

وَاذْكُرْ	اور ذکر کیجئے	بَشَرًا	انسان	غُلٰمًا	لڑکا
فِي الْكِتٰبِ	کتاب میں	سَوِيًّا [1]	تندرست کا	زَكِيًّا	پاکیزہ
مَرْيَمَ	مریم کا	قَالَتْ	کہا اس نے	قَالَتْ	کہا اس نے
اِذِ	جب	اِنِّيْٓ	بیشک میں	اَنّٰى	کیسے
انْتَبَذَتْ	علحدہ ہوئیں	اَعُوْذُ	پناہ مانگتی ہوں	يَكُوْنُ	ہوگا
مِنْ اَهْلِهَا	اپنے گھر والوں سے	بِالرَّحْمٰنِ	مہربان ذات کی	لِيْ	میرے
مَكَانًا	جگہ میں	مِنْكَ	تجھ سے	غُلٰمٌ	لڑکا
شَرْقِيًّا	مشرقی	اِنْ كُنْتَ	اگر ہے تو	وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ	اور نہیں ہاتھ لگایا مجھے
فَاتَّخَذَتْ	پس اس نے بنایا	تَقِيًّا	پرہیزگار	بَشَرٌ	کسی انسان نے
مِنْ دُوْنِهِمْ	ان سے وَرے	قَالَ	کہا (روح) نے	وَّلَمْ اَكُ	اور نہیں ہوں میں
حِجَابًا	پردہ	اِنَّمَآ	صرف	بَغِيًّا	بدکار
فَاَرْسَلْنَآ	پس بھیجا ہم نے	اَنَا	میں	قَالَ	کہا فرشتہ نے
اِلَيْهَا	اس کی طرف	رَسُوْلُ	بھیجا ہوا ہوں	كَذٰلِكِ	اسی طرح (ہوگا)
رُوْحَنَا	ہماری روح کو	رَبِّكِ	تیرے رب کا	قَالَ	فرمایا
فَتَمَثَّلَ	پس پیکر محسوس اختیار کیا	لِاَهَبَ	تا کہ عطا کروں میں	رَبُّكِ	تیرے رب نے
لَهَا	اس کے سامنے	لَكِ	تجھے	هُوَ	وہ

(۱) سَوِيًّا (صفت) سیدھا، درست: جو جسمانی ساخت اور اخلاق میں معتدل ہو۔

لفظ	ترجمہ	لفظ	ترجمہ	لفظ	ترجمہ
عَلَيَّ	میرے لئے	النَّخْلَةِ	کھجور کے	النَّخْلَةِ	کھجور کے
هَيِّنٌ	آسان ہے	قَالَتْ	کہا اس نے	تُسٰقِطْ	گرائے گا وہ
وَلِنَجْعَلَهٗٓ (۱)	اور تاکہ بنائیں ہم اسے	يٰلَيْتَنِيْ	اے کاش میں	عَلَيْكِ	تجھ پر
اٰيَةً	نشانی	مِتُّ	مرجاتی	رُطَبًا	کھجوریں
لِّلنَّاسِ	لوگوں کے لئے	قَبْلَ هٰذَا	اس سے پہلے	جَنِيًّا	چنیدہ
وَرَحْمَةً	اور مہربانی	وَكُنْتُ	اور ہوتی میں	فَكُلِيْ	پس کھا تو
مِّنَّا	ہماری	نَسْيًا (۳)	بھولی	وَاشْرَبِيْ	اور پی تو
وَكَانَ	اور ہے وہ	مَّنْسِيًّا	بسری	وَقَرِّيْ (۶)	اور ٹھنڈی کر
اَمْرًا	ایک بات	فَنَادٰىهَا	پس پکارا اسکو فرشتہ نے	عَيْنًا	آنکھ
مَّقْضِيًّا	طے شدہ	مِنْ تَحْتِهَآ	اس کے پائین سے	فَاِمَّا	پس اگر
فَحَمَلَتْهُ	پس حمل رہ گیا اس کو	اَلَّا (۴)	کہ نہ	تَرَيِنَّ (۷)	دیکھے تو
	لڑکے کا	تَحْزَنِيْ	غم کر تو	مِنَ الْبَشَرِ	انسانوں میں سے
فَانْتَبَذَتْ	پس علحدہ ہوئی وہ	قَدْ جَعَلَ	تحقیق بنائی	اَحَدًا	کسی کو
بِهٖ	حمل کے ساتھ	رَبُّكِ	تیرے رب نے	فَقُوْلِيْٓ	پس کہہ تو
مَكَانًا	جگہ میں	تَحْتَكِ	تیرے پائین میں	اِنِّيْ	بیشک میں نے
قَصِيًّا (۲)	دور	سَرِيًّا (۵)	چھوٹی نہر	نَذَرْتُ	منت مانی ہے
فَاَجَآءَهَا	پس لایا اس کو	وَهُزِّيْٓ	اور ہلا تو	لِلرَّحْمٰنِ	مہربان ذات کے لئے
الْمَخَاضُ	دردِزہ	اِلَيْكِ	اپنی طرف	صَوْمًا	روزے کی
اِلٰى جِذْعِ	تنے کی طرف	بِجِذْعِ	تنے کو	فَلَنْ	پس ہرگز نہیں

(۱) تعلیلٌ لمعلَّل محذوف أی نجعلُ وَهْبَ الغلامِ (روح) یعنی اس طور پر اس لئے پیدا کریں گے کہ وہ نشانی بنے۔ (۲) قَصِیّ (صفت) دور، مادّہ: قَصًا: دوری۔ اسی سے الأقصی ہے (۳) نَسْیا (اسم) ایسی متروک چیز جسے یاد نہ کیا جائے۔ مَنْسِیّا: (اسم مفعول) فراموش کردہ از نسیان بسری: ذہن سے اتری ہوئی (۴) أَلَّا: دولفظ ہیں: أَن مصدریہ اور لا نافیہ (۵) سَرِیّ: وہ چھوٹی نہر جو نخلستان کی طرف رواں ہو (۶) قَرِّی: امر حاضر معروف، واحد مؤنث۔ از قَرّ: خنکی (۷) تَرَیِنَّ: مضارع واحد مؤنث حاضر بانون تاکید ثقیلہ۔

اُكَلِّمَ	بات کرونگی میں	فَاَشَارَتْ	پس اشارہ کیااس نے	مَادُمْتُ	جب تک رہوں میں
الْيَوْمَ	آج	اِلَيْهِ	لڑکے کی طرف	حَيًّا	زندہ
اِنْسِيًّا (۱)	کسی انسان سے	قَالُوْا	کہاانھوں نے	وَّبَرًّا	اور نیک سلوک کرنیوالا
فَاَتَتْ	پس آئی وہ	كَيْفَ	کیسے	بِوَالِدَتِيْ	اپنی والدہ کے ساتھ
بِهٖ	لڑکے کے ساتھ	نُكَلِّمُ	بات کریں ہم	وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ	اور نہیں بنایا مجھے
قَوْمَهَا	اپنی قوم کے پاس	مَنْ كَانَ	اس سے جو ہے	جَبَّارًا	سرکش
تَحْمِلُهٗ	گود میں اٹھائے ہوئے	فِي الْمَهْدِ	پالنے میں	شَقِيًّا	بد بخت
قَالُوْا	کہالوگوں نے	صَبِيًّا	بچہ	وَالسَّلٰمُ	اور سلامتی ہو
يٰمَرْيَمُ	اے مریم	قَالَ	کہالڑکے نے	عَلَيَّ	مجھ پر
لَقَدْ	بخدا تحقیق	اِنِّيْ	بیشک میں	يَوْمَ	جس دن
جِئْتِ	آئی تو	عَبْدُ اللّٰهِ	اللہ کا بندہ ہوں	وُلِدْتُّ	جنا گیا میں
شَيْئًا	چیز کو	اٰتٰىنِيَ	دی اللہ نے مجھے	وَيَوْمَ	اور جس دن
فَرِيًّا (۲)	عجیب!	الْكِتٰبَ	کتاب (انجیل)	اَمُوْتُ	مرونگا میں
يٰاُخْتَ	اے بہن	وَجَعَلَنِيْ	اور بنایا مجھے	وَيَوْمَ	اور جس دن
هٰرُوْنَ	ہارون (کی)	نَبِيًّا	پیغمبر	اُبْعَثُ	اٹھایا جاؤنگا میں
مَا كَانَ	نہیں تھے	وَّجَعَلَنِيْ	اور بنایا مجھے	حَيًّا	زندہ کرکے
اَبُوْكِ	تیرے ابا	مُبٰرَكًا	برکت والا	ذٰلِكَ	یہ (ہیں)
امْرَاَ	کوئی آدمی	اَيْنَ مَا	جہاں کہیں	عِيْسَى	عیسیٰ
سَوْءٍ	برے	كُنْتُ	ہوؤں میں	ابْنُ	بیٹے
وَّمَا كَانَتْ	اور نہیں تھی	وَاَوْصٰنِيْ	اور وصیت کی مجھے	مَرْيَمَ	مریم (کے)
اُمُّكِ	تیری ماں	بِالصَّلٰوةِ	نماز	قَوْلَ (۳)	(کہتا ہوں) بات
بَغِيًّا	کوئی بدکارعورت	وَالزَّكٰوةِ	اور زکات کی	الْحَقِّ	سچی

(۱) اِنْس: (آدمی) کی طرف منسوب ۔ی نسبت کی ہے (۲) الفرِیّ: عجیب بات، حیرت انگیز بات، گھڑی ہوئی بات۔ ←

الَّذِیْ	جو کہ	فَاعْبُدُوْهُ	پس اس کی عبادت کرو	فِیْ ضَلٰلٍ	گمراہی میں ہیں
فِیْهِ	اس میں	هٰذَا	یہ	مُّبِیْنٍ	کھلی
یَمْتَرُوْنَ	لوگ شک کرتے ہیں	صِرَاطٌ	راستہ (ہے)	وَاَنْذِرْهُمْ	اور آپ ان کو ڈرائیں
مَا كَانَ	نہیں مناسب ہے	مُّسْتَقِیْمٌ	سیدھا	یَوْمَ	دن سے
لِلّٰهِ	اللہ کے لئے	فَاخْتَلَفَ	پس اختلاف کیا	الْحَسْرَةِ	پچھتاوے کے
اَنْ یَّتَّخِذَ	کہ بنائیں وہ	الْاَحْزَابُ	گروہوں نے	اِذْ	جب
مِنْ وَّلَدٍ	کوئی بھی اولاد	مِنْۢ بَیْنِهِمْ	آپس میں	قُضِیَ	نمٹا دیا جائے گا
سُبْحٰنَهٗ	پاک ذات ہے وہ	فَوَیْلٌ	پس بڑی خرابی ہے	الْاَمْرُ	معاملہ
اِذَا	جب	لِّلَّذِیْنَ	ان کیلئے جنھوں نے	وَهُمْ	اور وہ
قَضٰى	طے کرتے ہیں وہ	كَفَرُوْا	انکار کیا	فِیْ غَفْلَةٍ	غفلت میں ہیں
اَمْرًا	کسی بات کو	مِنْ مَّشْهَدِ (۱)	حاضر ہونے سے	وَّهُمْ	اور وہ
فَاِنَّمَا	تو صرف	یَوْمٍ عَظِیْمٍ	بڑے دن کے	لَا یُؤْمِنُوْنَ	مانتے نہیں
یَقُوْلُ	کہتے ہیں	اَسْمِعْ بِهِمْ	کیسے کچھ شنوا ہونگے	اِنَّا نَحْنُ	اور بیشک ہم ہی
لَهٗ	اس سے	وَاَبْصِرْ (۲)	اور کیسے کچھ بینا ہونگے	نَرِثُ	وارث ہونگے
كُنْ	ہو جا	یَوْمَ	جس دن	الْاَرْضَ	زمین کے
فَیَكُوْنُ	پس وہ ہو جاتی ہے	یَاْتُوْنَنَا	وہ ہمارے پاس آئیں گے	وَمَنْ	اور ان کے جو
وَاِنَّ اللّٰهَ	اور بیشک اللہ	لٰكِنِ	مگر	عَلَیْهَا	زمین پر ہیں
رَبِّیْ	میرے رب ہیں	الظّٰلِمُوْنَ	ظالم لوگ	وَاِلَیْنَا	اور ہماری طرف
وَرَبُّكُمْ	اور تمہارے رب ہیں	الْیَوْمَ	آج	یُرْجَعُوْنَ	لوٹائے جائیں گے وہ

دوسرا واقعہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا ہے۔ قرآن کریم میں اس واقعہ کی تمہید میں حضرت یحییٰ علیہ السلام

← (۳) قولَ الحق: مفعول مطلق ہے فعل محذوف کا أی أقول إلخ.

(۱) مشهد (مصدر میمی) حاضر ہونا۔ اور ظرف مکان بھی ہے، مگر یہاں مصدر بہتر ہے (۲) أبصر کے بعد بهم محذوف ہے، اور أفْعِلْ به: فعل تعجب کا وزن ہے۔

کی ولادت کا تذکرہ کیا جاتا ہے، کیونکہ دونوں واقعے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔ یحییٰ علیہ السلام کا وجود بوڑھے مرد اور بانجھ عورت سے ہوا ہے، اور عیسیٰ علیہ السلام کا وجود بغیر مرد کے صرف عورت سے ہوا ہے۔ اور ایک نشانی دوسری نشانی کے لئے مددگار رہوتی ہے، سمجھنے میں بھی اور تسلیم کرنے میں بھی۔ اس لئے اُس واقعہ کے بعد اب یہ واقعہ ذکر کیا جاتا ہے۔ ارشاد ہے —— اور آپ قرآن میں مریم کا تذکرہ کیجئے: جب وہ اپنے گھر والوں سے جانبِ مشرق کی طرف جدا ہوئیں، پس اس نے ان کے وَرے پردہ ڈال لیا —— یعنی جب وہ بالغ ہوئیں، اور پہلی ماہواری آئی، اور وہ اس سے پاک ہوئیں، تو نہانے کے لئے مکان کے مشرقی حصہ میں گئیں۔ مشرقی حصہ یہ محض اتفاقی بات ہے (روح) اور گھر والوں سے آڑ کرنے کے لئے پردہ ڈال لیا۔ پھر جب نہا کر فارغ ہوئیں، اور کپڑے پہن لئے —— تو ہم نے اس کی طرف ہماری روح (حضرت جبرئیل علیہ السلام) کو بھیجا، پس اس نے مریم کے سامنے ایک تندرست انسان کا پیکر اختیار کیا —— روح کے لغوی معنی ہیں: حیات اور جان۔ اور حیات مادّی بھی ہوتی ہے اور روحانی بھی۔ چنانچہ قرآن کی اصطلاح میں انسانی جان کو بھی روح کہا گیا ہے، کیونکہ وہ جسمانی زندگی کا سبب ہے اور وحی اور وحی لانے والے فرشتے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بھی روح کہا گیا ہے، کیونکہ وہ دینی زندگی کا سبب ہیں۔ سورہ بنی اسرائیل آیت ۸۵ میں جس روح کے بارے میں سوال ہے: وہ انسانی جان ہے۔ اور سورۃ الشوریٰ آیت ۵۲ میں، اور سورۃ النحل آیت ۲ میں روح سے وحی مراد ہے۔ اور سورۃ القدر آیت ۴ میں روح سے حضرت جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں۔

اور حضرت جبرئیل علیہ السلام انسانی صورت میں اس لئے متمثل ہوئے کہ اس کے بغیر غیر نبی فرشتہ کو نہیں دیکھ سکتا —— اور تندرست یعنی کامل انسان کی صورت میں اس لئے نمودار ہوئے کہ فرشتے عموماً خوش منظر صورتوں ہی میں متمثل ہوتے ہیں —— اور مرد کی شکل میں اس لئے سامنے آئے کہ مرد عورت سے کامل ہے —— رہی یہ بات کہ وہ کس انسان کی صورت میں نمودار ہوئے تھے؟ اس کا جواب ممکن نہیں، اور خواہ مخواہ کی احتمال آفرینی شرعاً پسندیدہ نہیں۔

جب درونِ پردہ ایک شخص سامنے آ کر کھڑا ہو گیا تو حضرت مریم رضی اللہ عنہا گھبرا گئیں —— کہا اس نے: میں تجھ سے مہربان اللہ کی پناہ چاہتی ہوں —— یعنی اس کا واسطہ دیتی ہوں —— اگر تو پرہیزگار ہے —— تو ہٹ جا، مجھ سے کچھ تعرض نہ کر —— اس آدمی نے کہا: میں تیرے رب کا بھیجا ہوا (فرشتہ) ہی ہوں —— پس خوف نہ کھا، اور میں اس لئے بھیجا گیا ہوں —— تاکہ تجھے پاکیزہ لڑکا عطا کروں —— وہ حضرت مریمؑ کے چاک گریبان میں پھونک مارے گا، جس سے حمل قرار پائے گا، جیسا کہ آگے آرہا ہے —— مریم نے کہا: میرے لڑکا کیسے ہوگا، درانحالیکہ مجھے کسی انسان نے ہاتھ نہیں لگایا —— یعنی میرا نکاح نہیں ہوا —— اور نہ میں بدکار عورت

ہوں ــــ یعنی عالم اسباب میں اولاد ہونے کی یہی دوصورتیں ہیں، اور وہ دونوں نہیں پائی جاتیں، پھر میرے لڑکا کیونکر ہوگا؟ ــــ فرشتے نے کہا: اسی طرح ــــ ہوگا یعنی اسباب ظاہری کے توسط کے بغیر ہوگا ــــ تیرے رب نے فرمایا ہے: وہ میرے لئے آسان ہے ــــ اور ہم اس طور پر لڑکا اس لئے پیدا کریں گے ــــ تاکہ ہم اس کو لوگوں کے لئے نشانی اور اپنی مہربانی بنائیں ــــ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے ــــ اور وہ ایک طے شدہ بات ہے ــــ پس کوئی اور سوال نہ کیا جائے۔

عیسیٰ علیہ السلام کی انوکھی ولادت میں، اور خود ان کی ذات میں متعدد نشانیاں اور رحمت کے پہلو ہیں۔ چند یہ ہیں:

① جس طرح یحییٰ علیہ السلام کا خاص مشن: عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کی خوش خبری سنانا تھا، اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کا خاص مشن: رسول اللہ ﷺ کی آمد کی خوش خبری سنانا تھا۔ اور رسول اللہ ﷺ خاتم النّبیین ہیں، یعنی آپؐ کی ذات میں نبوت کے تمام سلسلے جو آپ سے پہلے چل رہے تھے: جمع کردیئے جائیں گے۔ یہ بات لوگوں کے لئے حیرت کا سبب بنے گی کہ ایک ذات میں تمام سلسلے کیسے جمع ہوسکتے ہیں۔ اس لئے آپؐ سے پہلے متصل پیغمبر میں یہ حیرت انگیز کرشمہ دکھایا۔ تاکہ لوگ جان لیں کہ جب ولادت کا معروف سلسلہ ایک ذات میں جمع ہوسکتا ہے تو روحانی سلسلے بھی جمع ہوسکتے ہیں۔

② عیسیٰ علیہ السلام کا روح وجسد کے ساتھ آسمان پر اٹھایا جانا واقعۂ معراج کی نشانی ہے، معراج میں بھی آپؐ کو جسم کے ساتھ آسمانوں کی سیر کرائی گئی ہے۔

③ عیسیٰ علیہ السلام نبی ہیں، بلکہ خاتم انبیاء بنی اسرائیل ہیں، اور نبی امت کے لئے رحمت ہوتا ہے، اور آپ کو انجیل عطا فرمائی گئی ہے، اور اللہ کی کتاب بھی رحمت ہوتی ہے۔ یہ دونوں رحمتیں بنی اسرائیل کے ساتھ خاص ہیں۔

④ آپ مادرزاد اندھوں کو بینا، کوڑھیوں کو چنگا، اور مُردوں کو زندہ کرتے تھے۔ یہ سب معجزات آپ کے زمانہ والوں کے لئے رحمت ہیں۔

⑤ دجال اکبر کا فتنہ: انسانیت کے لئے ایک بڑا فتنہ ہے۔ اس کو عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ نابود کرایا جائے گا جو آپ کی رحمت عامہ ہے، کیونکہ اس سے ساری انسانیت کا بھلا ہوگا۔

القصہ: اس کے بعد جیسا کہ سورۃ التحریم میں ہے: حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے گریبان میں پھونک ماری ــــ پس اس کو لڑکے کا حمل رہ گیا ــــ پھر جب وضع حمل کے آثار ظاہر ہوئے ــــ تو وہ حمل کے ساتھ ــــ یعنی حاملہ ہونے کی حالت میں ــــ دور جگہ میں علحدہ چلی گئیں ــــ شاید یہ وہی جگہ ہے جسے

اب بیت اللحم کہتے ہیں، یہ جگہ بیت المقدس سے آٹھ میل کے فاصلہ پر ہے، وہ پریشانی کی حالت میں چلتی ہوئی اتنی دور نکل گئیں۔ یہاں پہنچ کر درد بڑھ گیا —— پس اس کو دردِ زِہ کھجور کے ایک تنے کے پاس لایا —— تاکہ وہ اسکے سہارے بیٹھ سکیں —— اس وقت درد کی تکلیف، تنہائی و بے کسی، خوفِ بدنامی ورسوائی اور سامانِ ضرورت وراحت کے فقدان نے سخت بے چین کردیا —— کہا اس نے: اے کاش! میں اس سے پہلے ہی مرگئی ہوتی، اور بھولی بسری ہوگئی ہوتی!

حضرت مریم رضی اللہ عنہا کھجور کے درخت کے نیچے جہاں بیٹھی تھیں: وہ جگہ کچھ بلند تھی —— پس فرشتے نے اس کے پائیں سے اس کو پکارا کہ کچھ غم نہ کر! تیرے پروردگار نے تیرے پائیں میں چھوٹی نہر رواں کی ہے، اور تو اپنی طرف کھجور کے تنے کو ہلا، وہ تجھ پر پکی کھجوریں گرائے گا، پس (کھجوریں) کھا، اور (پانی) پی، اور (لڑکے سے) آنکھ ٹھنڈی کر —— اتنے ہی سامان کی زچہ کو ضرورت ہوتی ہے۔ جس کا قدرت نے انتظام کردیا —— رہا رسوائی کا خوف —— تو اگر تو انسانوں میں سے کسی کو (اعتراض کرتا) دیکھے، تو کہہ: میں نے مہربان اللہ کے لئے (خاموش رہنے کے) روزے کی منت مانی ہے —— ایسا روزہ اور ایسی منت گذشتہ امتوں میں جائز تھی —— پس میں آج کسی انسان سے ہرگز بات نہیں کرسکتی —— اور یہ سب کچھ بھی اشارہ سے کہیں گی، زبان سے نہیں بولیں گی۔ چنانچہ انھوں نے اسی وقت ایسے روزے کی منت مان لی، اور روزہ شروع کردیا —— پس وہ لڑکے کو گود میں اٹھائے اپنی قوم کے پاس واپس آئیں —— لوگ کنواری کے پاس بچہ دیکھ کر حیرت میں پڑ گئے —— انھوں نے کہا: اری مریم! بخدا! تو نے غضب ڈھایا! اے ہارون کی بہن! تیرا باپ کوئی برا آدمی نہیں تھا، اور نہ تیری ماں کوئی آوارہ عورت تھی —— پھر تو یہ کیا کر بیٹھی! —— حضرت مریم رضی اللہ عنہا: حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل سے تھیں۔ اور عربی میں خاندان کا فرد: ظاہر کرنے کے لئے أخ اور أخت کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں، جیسے: ﴿وَاذْكُرْ أَخَاعَادٍ﴾ یعنی ہود علیہ السلام خاندانِ عاد سے ہیں، عاد ان کے مورثِ اعلیٰ ہیں۔ نیز ان کا حقیقی بھائی بھی ہارون نام کا ہوگا، کیونکہ صالحین کے نام پر نام رکھنے کا رواج ہمیشہ سے رہا ہے، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے: —— پس مریم نے لڑکے کی طرف اشارہ کیا۔ لوگوں نے کہا: ہم اس سے کیسے بات کریں جو ابھی پالنے میں بچہ ہے! —— یعنی چوری اور سینہ زوری! کہتی ہے: بچہ سے پوچھو! بھلا گود کا بچہ کہیں بولا ہے!

لڑکے نے کہا: میں اللہ کا بندہ ہوں! —— یعنی ابھی یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ حضرت مسیح علیہ السلام بول پڑے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں: نہ اللہ ہوں نہ اللہ کا بیٹا! —— اللہ نے مجھے کتاب (انجیل) عنایت فرمائی ہے، اور مجھے نبی بنایا ہے، اور مجھے بابرکت بنایا ہے جہاں بھی میں رہوں، اور مجھے جب تک زندہ رہوں: نماز اور زکوٰۃ کا تاکیدی حکم دیا ہے،

اور مجھے اپنی والدہ کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا بنایا ہے، اور مجھے سرکش بد بخت نہیں بنایا، اور مجھ پر سلامتی ہے جس دن میں پیدا ہوا، اور جس دن میری وفات ہوگی، اور جس دن میں زندہ کرکے اٹھایا جاؤں گا! —— عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی معجزاتی گفتگو میں ان باتوں کو جو آئندہ وجود پذیر ہونے والی ہیں: مثلاً نبوت و کتاب ملنے والی ہے: تحقّقِ وقوع کی طرف اشارہ کرنے کے لئے لفظ ماضی سے تعبیر کیا ہے یعنی ان باتوں کا ہونا ایسا یقینی ہے، جیسے ہوئی ہوئی بات یقینی ہوتی ہے۔ اور یہ عربی کا عام اسلوب ہے —— اور زکوٰۃ کا حکم اس وقت ہے، جب قابلِ زکوٰۃ مال موجود ہو، اور حضراتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اندوختہ نہیں رکھتے: پس یہ حکم امت کی خاطر ہے، اور لوگوں کو سنانے کے لئے ہے —— عیسیٰ علیہ السلام کی گود کی گفتگو پوری ہوئی۔ آگے اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں: —— یہ مریم کے بیٹے عیسیٰ ہیں: بالکل برحق بات: جس میں لوگ شک کرتے ہیں —— یعنی عیسائی جس کا یقین نہیں کرتے۔ وہ ان کو عبدیت کے مقام سے اٹھا کر الوہیت کے مقام تک پہنچاتے ہیں، اور ان کو اللہ کا بیٹا قرار دیتے ہیں، حالانکہ —— اللہ کے شایانِ شان نہیں کہ وہ کوئی بھی اولاد بنائیں —— نہ بیٹا جیسا کہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے، اور نہ بیٹیاں جیسا کہ مشرکوں کا خیال ہے —— ان کی ذات (اس عیب سے) پاک ہے! —— کیونکہ اولاد کی حاجت کمزور کو ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہیں —— جب وہ کوئی بات طے کرتے ہیں تو اس سے بس اتنا کہتے ہیں کہ ہوجا! تو وہ ہوجاتی ہے —— ایسی قادر ذات کو اولاد کی کیا حاجت ہوسکتی ہے!

اس کے بعد عیسیٰ علیہ السلام کی اس دعوت کا ذکر ہے، جو آپ نے زندگی بھر لوگوں کو دی، یعنی اپنی بندگی اور اللہ کی ربوبیت کی دعوت۔ یہی بات آپ کی گود کی گفتگو میں سب سے پہلے آپ کی زبان مبارک سے نکلی ہے۔ اس دعوت کا تذکرہ سورۂ آل عمران آیت ۵۱ اور سورۃ الزخرف آیت ۶۴ میں بھی ہے۔ فرمایا —— اور یقیناً اللہ تعالیٰ میرے رب ہیں، اور تمہارے رب ہیں، پس اس کی بندگی کرو، یہ سیدھا راستہ ہے —— لہٰذا اسی پر گامزن رہو —— مگر بعد میں آپ کی امت اس راہ سے ہٹ گئی، ارشاد پاک ہے: —— پس جماعتوں نے باہم اختلاف کیا —— یعنی نصاریٰ آگے چل کر بہتّر فرقوں میں بٹ گئے: کوئی حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا کہنے لگا، کوئی ان کو تین خداؤں میں سے ایک قرار دینے لگا، کوئی کچھ اور عقیدہ گھڑ بیٹھا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی اصل تعلیم پر ایک بھی نہ رہا —— پس بڑی خرابی ہے ان لوگوں کے لئے جنھوں نے (عیسیٰ علیہ السلام کی عبدیت کا) انکار کیا، بڑے دن کے آنے سے! —— یعنی جب قیامت کا ہولناک دن آئے گا تو ان منکرین کی بری گت بنے گی! —— وہ کیسے کچھ شنوا، اور کیسے کچھ بینا ہونگے، جس دن وہ ہمارے پاس آئیں گے! —— یعنی قیامت کے دن سب ہوش ٹھکانے آجائیں گے —— مگر آج ظالم کھلی

گمراہی میں ہیں! —— یعنی آج جب کہ اصلاح حال کا موقعہ ہے: ظالم اندھے بہرے بنے ہوئے ہیں —— اور آپؐ ان کو پچھتاوے کے دن سے ڈرائیں، جبکہ معاملہ کا آخری فیصلہ کردیا جائے گا —— اور اس کے بعد اصلاح کی کوئی صورت نہ رہے گی —— اور وہ غفلت میں ہیں، اور وہ ایمان نہیں لاتے ہیں —— یعنی دنیا کے نشہ میں مخمور ہوکر آخرت سے غافل ہیں، ان کو آخرت کا یقین ہی نہیں آتا حالانکہ وہ بالیقین آنے والی ہے —— اور بیشک ہم ہی زمین کے اوران کے جو زمین پر ہیں: وارث ہونگے —— یعنی اللہ تعالیٰ ہی آخر میں ہر چیز کے مالک رہ جائیں گے، کوئی مجازی مالک بھی باقی نہ رہے گا —— اور وہ ہماری طرف لوٹائے جائیں گے —— پھر وہ پاداشِ عمل سے دوچار ہونگے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ ۚ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۴۱﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ﴿۴۲﴾ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَاۗءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْٓ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ﴿۴۳﴾ يٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ﴿۴۴﴾ يٰٓاَبَتِ اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ﴿۴۵﴾ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِـهَتِيْ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۚ لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ﴿۴۶﴾ قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ﴿۴۷﴾ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ ڮ عَسٰٓى اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَاۗءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ﴿۴۸﴾ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ﴿۴۹﴾ وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ﴿۵۰﴾ ؏

وَاذْكُرْ	اور ذکر کیجئے	صِدِّيْقًا (۱)	بہت تصدیق کرنیوالے	يٰٓاَبَتِ (۲)	اے میرے ابا!
فِي الْكِتٰبِ	کتاب میں	نَّبِيًّا	پیغمبر	لِمَ	کیوں
اِبْرٰهِيْمَ	ابراہیم کا	اِذْ قَالَ	جب کہا انھوں نے	تَعْبُدُ	عبادت کرتے ہیں آپ
اِنَّهٗ كَانَ	بیشک وہ تھے	لِاَبِيْهِ	اپنے باپ سے	مَا	اس (مورتی) کی جو

(۱) صدیق: مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اور اس کے دو معنی ہیں: (۱) بہت تصدیق کرنے والا (۲) راستباز، بہت زیادہ سچ بولنے والا۔ (۲) اَبَ: پرندا کے وقت ت زیادہ کرتے ہیں، اور وہ ی کا بدل ہوتی ہے۔

لَا يَسْمَعُ	نہیں سنتی ہے	كَانَ	ہے وہ	لَاَرْجُمَنَّكَ	تو ضرور سنگسار کروں
وَلَا يُبْصِرُ	اور نہیں دیکھتی ہے	لِلرَّحْمٰنِ	مہربان اللہ کا		گا میں تجھے
وَلَا يُغْنِيْ	اور نہیں کام آتی ہے	عَصِيًّا	نافرمان	وَاهْجُرْنِيْ	اور چھوڑ تو مجھے
عَنْكَ	آپ کے	يٰٓاَبَتِ	اے میرے ابا!	مَلِيًّا(۲)	عرصہ دراز کے لئے
شَيْـًٔا	کچھ بھی	اِنِّيْٓ	بیشک میں	قَالَ	کہا اس نے
يٰٓاَبَتِ	اے میرے ابا!	اَخَافُ	ڈرتا ہوں	سَلٰمٌ	سلامتی
اِنِّيْ	بیشک میں	اَنْ	اس سے کہ	عَلَيْكَ	تجھ پر
قَدْ	تحقیق	يَّمَسَّكَ (۱)	چھوئے آپ کو	سَاَسْتَغْفِرُ	اب بخشش چاہونگا میں
جَآءَنِيْ	آیا ہے میرے پاس	عَذَابٌ	عذاب	لَكَ	تیرے لئے
مِنَ الْعِلْمِ	علم میں سے	مِّنَ الرَّحْمٰنِ	مہربان اللہ کی طرف سے	رَبِّيْ	اپنے رب سے
مَا	جو	فَتَكُوْنَ	پس ہو جائیں آپ	اِنَّهٗ	بیشک وہ
لَمْ يَاْتِكَ	نہیں آیا آپکے پاس	لِلشَّيْطٰنِ	شیطان کے	كَانَ	ہے
فَاتَّبِعْنِيْٓ	پس پیروی کریں آپ	وَلِيًّا	ساتھی	بِيْ	مجھ پر
	میری	قَالَ	کہا اس نے	حَفِيًّا(۳)	بہت مہربان
اَهْدِكَ	دکھلاؤنگا میں آپ کو	اَ	کیا	وَاَعْتَزِلُكُمْ	اور جدا ہو جاؤنگا میں تم سے
صِرَاطًا	راہ	رَاغِبٌ	اعراض کرنے والا ہے	وَمَا	اور ان سے جن کو
سَوِيًّا	سیدھی	اَنْتَ	تو	تَدْعُوْنَ	تم پوجتے ہو
يٰٓاَبَتِ	اے میرے ابا!	عَنْ اٰلِهَتِيْ	میرے خداؤں سے	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ کو چھوڑ کر
لَا تَعْبُدِ	نہ پرستش کریں آپ	يٰٓاِبْرٰهِيْمُ	اے ابراہیم	وَاَدْعُوْا	اور بندگی کرونگا میں
الشَّيْطٰنَ	شیطان کی	لَئِنْ	بخدا! اگر	رَبِّيْ	اپنے رب کی
اِنَّ الشَّيْطٰنَ	بیشک شیطان	لَمْ تَنْتَهِ	باز نہ آیا تو	عَسٰٓى	ہوسکتا ہے

(۱) مَسَّ (ف) چھونا، ہاتھ لگانا۔ كَ ضمیر مفعول ہے (۲) المَلِيّ (اسم) لمبا وقت، عرصہ دراز، مراد ہمیشہ کے لئے۔ (۳) الحَفِيّ (اسم) نہایت مہربان، شفیق ولطیف۔

اَلَّآ اَكُوْنَ (۱)	کہ نہ ہوؤں میں	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ کو چھوڑ کر	وَوَهَبْنَا	اور بخشا ہم نے
بِدُعَآءِ	پکارنے سے	وَهَبْنَا	(تو) بخشا ہم نے	لَهُمْ	ان کو
رَبِّيْ	اپنے رب کے	لَهٗٓ	ان کو	مِّنْ رَّحْمَتِنَا	ہماری مہربانی سے
شَقِيًّا	نامراد	اِسْحٰقَ	اسحاق	وَجَعَلْنَا	اور بنائی ہم نے
فَلَمَّا	پس جب	وَيَعْقُوْبَ	اور یعقوب	لَهُمْ	ان کے لئے
اعْتَزَلَهُمْ	علحدہ ہوگئے وہ ان سے	وَكُلًّا	اور ہر ایک کو	لِسَانَ (۲)	زبان
وَمَا	اور جن کی	جَعَلْنَا	بنایا ہم نے	صِدْقٍ	سچ کی
يَعْبُدُوْنَ	وہ عبادت کرتے ہیں	نَبِيًّا	پیغمبر	عَلِيًّا	بلند

عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنالیا تھا۔ان کی تردید خود مسیح علیہ السلام کی دعوت سے کردی گئی۔ اور مشرکین نے فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دے دیا تھا۔اور ان کی مورتیں بنا کر عبادت شروع کردی تھی۔اب ان کی تردید ان کے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت سے کی جاتی ہے:

تیسرا واقعہ: ـــــ اور آپ قرآن میں ابراہیم کا تذکرہ کریں، وہ یقیناً فوراً تصدیق کرنے والے پیغمبر تھے!

ـــــ صدیق کے دو معنی ہیں:

۱- بہت تصدیق کرنے والا یعنی جس میں سچائی کو قبول کرنے کی اعلیٰ استعداد ہو، جو بھی بات اللہ کی طرف سے پہنچے فوراً اس کے دل میں اتر جائے۔ ذرا شک کی اور ادنی توقف کی گنجائش نہ ہو۔اور یہ نہایت عمدہ وصف ہے،اس سے بڑھ کر کوئی خوبی نہیں۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اسی خوبی کی وجہ سے صدیق کا خطاب ملا ہے۔ یہ وصف ہر نبی میں ہوتا ہے،اور حضرت خلیل اللہ میں کامل و مکمل اور وافر مقدار میں تھا ـــــ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس خوبی کے ذکر میں مشرکین کو تنبیہ ہے کہ تم انہی ابراہیم صدیق کی اولاد ہو،تمہارے اندر بھی یہ وصف ہونا چاہئے۔ تمہیں بھی قرآن کی صاف سچی دعوت توحید قبول کرنے میں ذرا توقف نہیں کرنا چاہئے ـــــ اور چونکہ صدیقیت کے لئے نبوت لازم نہیں، اس لئے وصفِ نبوت کی صراحت کی۔

۲-راستباز۔بہت زیادہ سچ بولنے والا۔وہ جس سے بکثرت صدق ظاہر ہو،وہ سچ بولنے کا ایسا عادی ہو کہ اس سے

(۱) أَلَّا: دو لفظ ہیں: أن مصدریہ اور لا نافیہ۔نون کا لام میں ادغام کیا گیا ہے۔(۲) لسانُ صدقٍ: سچ کی زبان۔اور محاورہ میں معنی ہیں: ذکر خیر، نیک نامی، جیسے قدم صدق کے معنی ہیں: بلند رتبہ ۱۲

جھوٹ بن ہی نہ آئے۔ وہ ہمیشہ صاف سچی بات کہے، نہ توریہ کرے نہ مشتبہ بات کہے۔ یہ بھی بڑا قابل قدر وصف ہے۔ اور یہ خوبی کتنی مشکل ہے: اس کا اندازہ اس وقت ہوگا: جب ہم اپنی روزمرہ کی باتوں کا جائزہ لیں، ہم رات دن معلوم نہیں کیا کیا بولتے رہتے ہیں! یہ وصف بھی تمام نبیوں میں ہوتا ہے، اور خلیل اللہ میں وافر وکامل تھا۔ حدیث میں ہے کہ آپ نے زندگی میں تین ہی کذبات یعنی مشتبہ باتیں کہی ہیں، ورنہ صاف گوئی آپ کا شیوہ تھا۔

صدیق کے ان دونوں معنی میں چولی دامن کا ساتھ ہے، پہلے معنی کے لئے دوسرے معنی لازم ہیں۔ پس حضرت ابراہیم علیہ السلام دونوں معنی کے اعتبار سے صدیق تھے۔ اور اس خوبی کے بیان میں بھی مشرکین کو تنبیہ کی گئی ہے کہ تمہارے صاحب (رسول اللہ ﷺ) راستباز پیغمبر ہیں، وہ جو توحید کی دعوت پیش کررہے ہیں وہ واقعی سچی بات ہے، اس میں شک نہ کرو، فوراً قبول کرلو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خاندان اور ماحول بت پرستی والا ماحول تھا۔ چنانچہ آپ نے نبوت ملنے کے بعد اپنے باپ آذر سے چار باتیں فرمائیں:

پہلی بات: ——جب انھوں نے اپنے باپ سے کہا: اے میرے ابا! آپ کیوں ان بتوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں، اور نہ وہ آپ کے کچھ کام آتے ہیں؟! ——یعنی جو سنتے دیکھتے اور مشکلات میں کچھ کام آسکتے ہیں، مثلاً انبیاء اور اولیاء: جب ان کی عبادت جائز نہیں تو پتھروں کی بے جان مورتیوں کی عبادت کیونکر جائز ہوسکتی ہے، ان کو معبود بنانا تو محض بے عقلی کی بات ہے!

دوسری بات: ——اے میرے ابا! میرے پاس وہ علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا ——یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے نبوت اور وحی سے سرفراز فرمایا ہے ——پس آپ میری پیروی کریں، میں آپ کو سیدھی راہ دکھاؤنگا ——یعنی معبود برحق کی پہچان عقل کا کام نہیں، اس کے لئے وحی کی روشنی ضروری ہے۔ اور وہ مجھے حاصل ہے، پس آپ میری پیروی کریں، میں آپ لوگوں کو اللہ کی اور نجات کی راہ دکھاؤنگا۔

تیسری بات: ——اے میرے ابا! آپ شیطان کی پرستش نہ کریں۔ شیطان یقیناً مہربان اللہ کا نافرمان ہے! ——یعنی آپ لوگوں نے شیطان کے اغوا سے مورتیوں کی پرستش شروع کی ہے۔ مگر شیطان تو خود رب رحیم کا نافرمان بندہ ہے، وہ اوروں کو اللہ کا راستہ کیسے دکھا سکتا ہے؟ ——لوگوں کو چاہئے کہ نبیوں کی راہ اپنائیں۔ وہ اللہ کے فرمانبردار بندے ہیں، وہ دوسروں کو بھی اسی راہ پر گامزن کرتے ہیں —— اور صفتِ رحمٰن میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ کی رحمت دیکھو اور شیطان کی سرکشی! اس کے ساتھ اللہ کا معاملہ رحمت کا ہے، اور اس کا برتاؤ دشمنی والا ہے!

چوتھی بات: ـــــ اے میرے ابا! مجھے ڈر ہے کہ آپ کو مہربان اللہ کی طرف سے عذاب آ پکڑے، پس آپ (ہمیشہ کے لئے) شیطان کے ساتھی ہو کر رہ جائیں ـــــ یعنی ہو سکتا ہے کہ شیطان کی پیروی کے نتیجہ میں آپ لوگوں کو دنیا ہی میں اللہ کا عذاب آ پکڑے، اور آپ لوگ آخرت میں ہمیشہ کے لئے شیطان کے ساتھی ہو کر رہ جائیں۔ پس ابھی سنبھلنے کا جو موقع ہے اس سے فائدہ اٹھالو ـــــ اور صفتِ رحمٰن میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر نہایت مہربان ہیں۔ وہ عذاب سے اسی وقت ہلاک کرتے ہیں، جب یہی شانِ کریمی کا تقاضا ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی باتوں سے دل سوزی صاف ظاہر ہے۔ مگر ان کے سنگ دل باپ نے کیا جواب دیا؟ ـــــ اس نے کہا: اے ابراہیم! کیا تو میرے خداؤں سے روگردانی کرنے والا ہے ـــــ جو ان کی برائی کرتا ہے؟ ـــــ بخدا! اگر تو (بتوں کی برائی سے) باز نہ آیا تو میں ضرور تجھے سنگسار کردوں گا، اور (اپنی خیر چاہتا ہے تو) مجھے عرصۂ دراز کے لئے چھوڑ دے ـــــ یعنی میں اپنے خداؤں کی برائی برداشت نہیں کرسکتا۔ تو نے اگر زبان نہ روکی تو مار مار کر تیرا بھرکس نکال دونگا۔ پس اس سے پہلے کہ میں تجھ پر ہاتھ اٹھاؤں: یہاں سے دفع ہوجا! کہیں اور جا مر!

حضرت ابراہیم علیہ السلام پتھروں کے جواب میں بھی پھول برساتے ہیں ـــــ انھوں نے کہا: تو سلامت رہ! اب (بھی) میں اپنے رب سے تیرے لئے بخشش کی دعا کرونگا ـــــ اور ساتھ ہی ہجرت کا ارادہ بھی ظاہر کردیا ـــــ اور میں تم سے اور ان معبودوں سے جن کو تم اللہ کو چھوڑ کر پوجتے ہو جدا ہوجاؤں گا۔ اور (دنیا میں کہیں جا کر) میں اپنے رب کی بندگی کرونگا۔ مجھے پوری امید ہے کہ میں اپنے رب کو پکار کر نامراد نہیں رہونگا! ـــــ یعنی بے وطنی میں بھی وہ میری مدد فرمائے گا۔

پھر جب آپ نے تن بہ تقدیر ہجرت فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو رحمتوں سے نوازا ـــــ پس جب وہ ان لوگوں سے (قوم اور خاندان سے) اور ان معبودوں سے جن کو وہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر پوجتے تھے: جدا ہوگئے تو ہم نے ان کو اسحاق اور یعقوب عطا فرمائے ـــــ یعنی جب ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت کی، اور اپنوں سے دور ہوگئے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے بہتر آل اولاد دی۔ اسحاق بیٹا اور یعقوب پوتا عنایت فرمایا ـــــ اور اسماعیل علیہ السلام کا تذکرہ اس لئے نہیں کیا کہ وہ آپ کے پاس نہیں رہے تھے، بچپن ہی میں جدا کردیئے گئے تھے ـــــ اور ہم نے دونوں کو پیغمبر بنایا۔ اور ہم نے سب کو اپنی مہربانی سے (حظِّ وافر) عطا فرمایا، اور ہم نے سب کا ذکر خیر بلند کیا ـــــ ان کی نسل سے بنی اسرائیل وجود میں آئے۔ جن میں انبیاء مبعوث ہوئے، اور ان پر کتابیں نازل ہوئیں۔ جن سے رہتی دنیا تک ان کی نیک نامی کا ڈنکا بجتا رہے گا۔

فائدہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ واقعہ گویا نبی ﷺ اور مکہ کے مظلوم مسلمانوں کی داستان ہے۔ مسلمانوں کے رشتہ دار بھی اسی بات پر تُلے ہوئے تھے جو آزر کا ارادہ تھا۔ اور مسلمانوں نے بھی آخر تنگ آ کر وہی کیا جو ابراہیم علیہ السلام نے کیا۔ پہلے مکہ چھوڑ کر حبشہ چلے گئے، پھر مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ اور ہجرت کے بعد اللہ کی رحمت نازل ہوئی۔ انصار: مہاجرین کے بھائی بن گئے، بلکہ بھائیوں سے بڑھ کر ثابت ہوئے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى ۡ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۝ وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ۝ وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ۝ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۝ وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۠ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ۝ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ۗ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۡ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ ۡ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ۭ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ۝ السجدۃ

وَاذْكُرْ	اور ذکر کیجئے	نَّبِيًّا	نبی	وَوَهَبْنَا	اور ہم نے عطا کیا
فِي الْكِتٰبِ	کتاب میں	وَنَادَيْنٰهُ	اور ہم نے ان کو پکارا	لَهٗ	ان کو
مُوْسٰٓى	موسیٰ کا	مِنْ جَانِبِ	جانب سے	مِنْ رَّحْمَتِنَآ	اپنی مہربانی سے
اِنَّهٗ كَانَ	بیشک وہ تھے	الطُّوْرِ	طور کی	اَخَاهُ (۳)	ان کا بھائی
مُخْلَصًا	برگزیدہ	الْاَيْمَنِ (۱)	دائیں	هٰرُوْنَ	ہارون
وَّكَانَ	اور وہ تھے	وَقَرَّبْنٰهُ	اور ہم نے انکو نزدیک کیا	نَبِيًّا	نبی بنا کر
رَسُوْلًا	رسول	نَجِيًّا (۲)	سرگوشی کے لئے	وَاذْكُرْ	اور ذکر کیجئے

(۱) الأيمن: صفت جانب کی۔ (۲) نجيا: مفعول لہ اور حال دونوں ہو سکتے ہیں۔ (۳) أخاه: مفعول بہ، هارون: عطف بیان، اور نبيا: حال ہے۔

فِي الْكِتٰبِ	کتاب میں	فِي الْكِتٰبِ	کتاب میں	وَ مِمَّنْ	اوران میں سے جن کو
اِسْمٰعِيْلَ	اسماعیل کا	اِدْرِيْسَ	ادریس کا	حَمَلْنَا	سوار کیا ہم نے
اِنَّهٗ كَانَ	بیشک وہ تھے	اِنَّهٗ كَانَ	بیشک وہ تھے	مَعَ نُوْحٍ	نوح کے ساتھ
صَادِقَ	سچے	صِدِّيْقًا	نہایت تصدیق کرنیوالے	وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ	اور نسل سے
الْوَعْدِ	وعدہ (کے)	نَّبِيًّا	نبی	اِبْرٰهِيْمَ	ابراہیم
وَكَانَ	اور وہ تھے	وَّرَفَعْنٰهُ	اور ہم نے ان کو بلند کیا	وَ اِسْرَآءِيْلَ	اور یعقوب (کی)
رَسُوْلًا	رسول	مَكَانًا	جگہ میں	وَمِمَّنْ	اوران سے جن کو
نَّبِيًّا	نبی	عَلِيًّا	بلند	هَدَيْنَا	ہم نے راہ دکھائی
وَكَانَ يَاْمُرُ	اور وہ حکم دیا کرتے تھے	اُولٰٓئِكَ	یہ لوگ	وَ اجْتَبَيْنَا	اور ہم نے برگزیدہ کیا
اَهْلَهٗ	اپنے گھر والوں کو	الَّذِيْنَ	جو کہ	اِذَا تُتْلٰى	جب پڑھی جاتی ہیں
بِالصَّلٰوةِ	نماز کا	اَنْعَمَ	انعام فرمایا	عَلَيْهِمْ	ان پر
وَ الزَّكٰوةِ	اور زکوٰۃ کا	اللّٰهُ	اللہ نے	اٰيٰتُ	آیتیں
وَكَانَ	اور وہ تھے	عَلَيْهِمْ	ان پر	الرَّحْمٰنِ	مہربان اللہ (کی)
عِنْدَ رَبِّهٖ	اپنے رب کے نزدیک	مِّنَ النَّبِيّٖنَ	نبیوں میں سے	خَرُّوْا	(تو) گر پڑتے ہیں وہ
مَرْضِيًّا (۱)	پسندیدہ	مِنْ ذُرِّيَّةِ	نسل سے	سُجَّدًا	سجدہ کرتے ہوئے
وَاذْكُرْ	اور ذکر کیجئے	اٰدَمَ	آدم (کی)	وَّ بُكِيًّا	اور روتے ہوئے

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی ہے: ''الٰہی! میرا ذکر خیر آئندہ نسلوں میں باقی رکھ!'' (الشعراء آیت ۸۴) اور گذشتہ آیت میں اللہ پاک کا ارشاد ہے کہ ہم نے ان کی خوب شہرت کی۔ اس شہرت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھی حصہ ہے۔ اس لئے اب ان کا اور ان کے بھائی حضرت ہارون علیہما السلام کا ذکر کیا جاتا ہے ——— اور آپ قرآن میں موسیٰ کا تذکرہ کیجئے: بیشک وہ برگزیدہ تھے ——— اللہ تعالیٰ نے ان کو خاص اپنے کام کے لئے منتخب کیا تھا (طٰہٰ آیت ۴۱)

(۱) مرضیا (اسم مفعول) کی اصل مَرْضُوْوٌ ہے، تعلیل: واو طرف کلمہ میں واقع ہوا، اور اس سے پہلے والا حرف ساکن ہے، اس لئے اس کو ی سے بدلا۔ پھر واو اور ی جمع ہوئے جن میں پہلا ساکن ہے، پس اس کو بھی ی سے بدلا، اور ی کا ی میں ادغام کیا۔ اور ض کے ضمہ کو کسرہ سے بدلا۔

——— اور وہ رسول نبی تھے ——— رسول: فرشتہ بھی ہوتا ہے، سورۃ الحج آیت ۷۵ میں ہے: ''اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے اور انسانوں میں سے رسولوں کو منتخب فرماتے ہیں'' اور نبی: انسان ہی ہوتا ہے۔ اس لئے رسول کے بعد نبی بڑھایا ——— اور نبی کا درجہ رسول سے کم ہے۔ اور موسیٰ علیہ السلام اولوالعزم پیغمبر ہیں، اس لئے ان کے رسول ہونے کی صراحت بھی ضروری تھی ——— اور ہم نے طور کی دائیں جانب سے ان کو صدا دی ——— دائیں جانب: موسیٰ علیہ السلام کے اعتبار سے ہے۔ آپ میدان میں جہاں قیام فرما تھے وہاں سے دائیں جانب طور واقع تھا۔ اور جغرافیائی اعتبار سے میدان کی مغربی جانب میں واقع تھا، جس کا تذکرہ سورۃ القصص آیت ۴۴ میں ہے ——— اور ہم نے سرگوشی کے لئے ان کو نزدیک کیا ——— یعنی ان سے بلا واسطہ کلام فرمایا، اسی لئے آپ کلیم اللہ کہلاتے ہیں ——— اور ہم نے اپنی مہربانی سے ان کو ان کے بھائی ہارون کو نبی بنا کر عطا فرمایا ——— یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شہرت میں حضرت ہارون علیہ السلام کی بھی حصہ داری ہے، اور اسی طرح دیگر انبیاء بنی اسرائیل کی بھی۔ خاندانِ بنی اسرائیل میں ان حضرات کی سعی سے خلیل اللہ کا نام روشن ہوا، اور عرب قبائل میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی محنت سے، چنانچہ آگے اسماعیل علیہ السلام کا ذکر کیا جاتا ہے۔

ان حضرات کا تذکرہ پہلے کرنے کی وجہ وہ ہے جو پہلے بیان کی جا چکی ہے کہ اسحاق ویعقوب علیہما السلام تاحیات ابراہیم علیہ السلام کی نظروں کے سامنے رہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے خلیل کی دل بستگی کا سامان بنایا، اس لئے جب ان کا تذکرہ کیا تو ان کی نسل کے عظیم المرتبت رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر بھی ان کے ساتھ ہی کیا، اور حضرت ہارون کا بھی۔ اب دوسرے صاحب زادے حضرت اسماعیل علیہ السلام کا تذکرہ کیا جاتا ہے، جن کو بچپن ہی سے مکہ مکرمہ میں بسا دیا گیا تھا۔ ارشاد ہے ——— اور آپ قرآن میں اسماعیل کا تذکرہ کیجئے: وہ وعدوں کے سچے تھے ——— انھوں نے اللہ تعالیٰ سے یا بندوں سے جو بھی وعدہ کیا پورا کیا۔ انھوں نے ابا جان سے ذبح ہونے پر صبر کا وعدہ کیا تھا جسے سچا کر دکھایا ——— اس میں مشرکین کو تنبیہ کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جو اسلام کی رفعت اور کفار کی نکبت کے وعدے فرما رہے ہیں: وہ پورے ہو کر رہیں گے، کیونکہ آپؐ اسی صادق الوعد کی نسل سے ہیں ——— اور وہ رسول نبی تھے! ——— یعنی بڑے مرتبہ والے پیغمبر تھے۔ آپ کا مرتبہ حضرت اسحاق علیہ السلام سے بھی بلند ہے، کیونکہ وہ صرف نبی تھے، اور آپ رسول بھی ہیں ——— اور وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا کرتے تھے ——— اصلاح کا یہی طریقہ ہے کہ نزدیک کے لوگوں کی پہلے فکر کی جائے۔ سورۂ طٰہٰ آیت ۱۳۲ میں ہے: ''اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیں، اور خود بھی اس کے پابند رہیں'' اور سورۃ التحریم آیت ۶ میں ہے: ''اے ایمان والو! خود کو اور اپنے

گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ!'' اور سورۃ الشعراء آیت ۲۱۴ میں رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا ہے: ''اور آپؐ اپنے نزدیک کے کنبہ کو ڈرائیں'' ـــــ پس ہمیں بھی سب سے پہلے اپنی پھر اپنے متعلقین کی پھر دوسروں کی فکر کرنی چاہئے۔ خود کو بھول جانا، اور اپنوں کو پیچھے ڈال دینا: دعوت کا صحیح طریقہ نہیں۔ گھر والے اور خاندان کے لوگ قریب ہونے کی وجہ سے راہ نمائی کے اولین مستحق ہیں ـــــ اور اس میں مشرکین کو تنبیہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ جو تمہاری فکر میں لگے ہوئے ہیں: تو یہ تمہارے جد امجد کا طریقہ ہے ـــــ اور وہ اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ بندے تھے ـــــ اسی طرح رسول اللہ ﷺ بھی اللہ کے پسندیدہ بندے ہیں، پس ان کی مخالفت کر کے اللہ کی ناراضگی نہ خریدو!

آخر میں حضرت ادریس علیہ السلام کا تذکرہ ہے۔ آپ کا ذکر قرآن پاک میں صرف دو جگہ آیا ہے۔ یہاں اور سورۃ الانبیاء آیت ۸۵ میں۔ اور آپ کے زمانہ کے متعلق مؤرخین میں سخت اختلاف ہے۔ راجح یہ ہے کہ آپ حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیانی زمانہ میں گذرے ہیں۔ اور روایات میں آیا ہے کہ آپ نے بھی مخالفین سے تنگ آ کر مؤمنین کے ساتھ مصر کی طرف ہجرت کی تھی، اس کے بعد آپ کو تاریخ انسانی میں بلند مقام حاصل ہوا۔ (تفصیل کے لئے قصص القرآن ۱:۹۴-۹۶ دیکھیں) یہاں آپ کا تذکرہ صدیقیت کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے کیا گیا ہے۔ اسی وصف کی وجہ سے ابراہیم علیہ السلام کو مقام رفیع ملا ہے، اور اسی خوبی کی وجہ سے ادریس علیہ السلام کو بلند مرتبہ حاصل ہوا ہے۔

ارشاد ہے ـــــ اور آپؐ قرآن میں ادریس کا تذکرہ کیجئے: وہ بہت تصدیق کرنے والے پیغمبر تھے، اور ہم نے ان کو بلند مرتبہ عطا فرمایا ہے ـــــ یعنی ان کو تاریخ انسانی میں امتیازی مقام حاصل ہے ـــــ اور روایات میں جو آیا ہے کہ ایک فرشتہ ان کو پروں میں چھپا کر آسمانوں میں لے گیا، اور وہ وہاں زندہ ہیں۔ یہ اسرائیلی خرافات ہیں، ابن کثیر رحمہ اللہ نے ان پر تنقید کی ہے ـــــ اس قصہ میں ایک بار پھر اشارہ ہے کہ نبی ﷺ اور مؤمنین کو وطن چھوڑنا پڑ سکتا ہے، اور ہجرت کے بعد ان کے دین کو سربلندی حاصل ہوگی۔

جامع تبصرہ: ـــــ یہ منجملۂ انبیاء وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے انعام فرمایا: آدم کی نسل سے اور ان لوگوں کی نسل سے جن کو ہم نے نوح کے ساتھ کشتی میں سوار کیا۔ اور ابراہیم و اسرائیل (یعقوب) کی نسل سے، اور ان لوگوں میں سے جن کو ہم نے راہ دکھائی اور برگزیدہ کیا: جب ان کے سامنے مہربان اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے گر جاتے ہیں ـــــ حضرت زکریا، حضرت یحیٰی، حضرت عیسیٰ، حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہم السلام: بنی اسرائیل (اولادِ یعقوب) میں سے ہیں۔ اور حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام: اولاد ابراہیم میں سے ہیں۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام: اولاد نوح علیہ السلام سے ہیں۔ اور حضرت ادریس علیہ السلام:

اولادِ آدم علیہ السلام سے ہیں۔

یہ سب حضرات معراج کمال پر پہنچنے کے باوجود شانِ عبدیت میں کامل تھے۔ اللہ کا کلام سن کر خشوع وخضوع کے ساتھ سجدہ میں گر پڑتے تھے، اور اللہ کو یاد کر کے روتے تھے۔ اسی لئے اس جگہ سجدہ کرنا واجب ہے، تاکہ ان مقربین کی مشابہت حاصل ہو۔

حدیث میں ہے کہ قرآن کی تلاوت کرو اور روؤ، اگر رونا نہ آئے تو رونے کی صورت بنالو

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَ اتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴿۵۹﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ﴿۶۰﴾ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ﴿۶۱﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ؕ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿۶۲﴾ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴿۶۳﴾ وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴿۶۴﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ؕ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ﴿۶۵﴾

ع ۴ / ۱۵

فَخَلَفَ	پس پیچھے آئے	فَسَوْفَ	پس عنقریب	وَعَمِلَ	اور کیا اس نے
مِنْۢ بَعْدِهِمْ	ان کے بعد	يَلْقَوْنَ	ملیں گے وہ	صَالِحًا	نیک عمل
خَلْفٌ (۱)	برے جانشین	غَيًّا (۲)	وبال سے	فَاُولٰٓئِكَ	پس وہ لوگ
اَضَاعُوا	جنھوں نے ضائع کی	اِلَّا	مگر	يَدْخُلُوْنَ	داخل ہونگے
الصَّلٰوةَ	نماز	مَنْ	جس نے	الْجَنَّةَ	جنت میں
وَ اتَّبَعُوا	اور پیروی کی	تَابَ	توبہ کی	وَلَا	اور نہیں
الشَّهَوٰتِ	خواہشات کی	وَ اٰمَنَ	اور ایمان لایا	يُظْلَمُوْنَ	ظلم کئے جائیں گے

(۱) خَلْف: لام کے جزم کے ساتھ: برا جانشیں۔ اور زبر کے ساتھ: اچھا جانشیں۔ (۲) الغيّ: اسم فعل: گمراہی، بدراہی۔ یہاں گمراہی کی سزا مراد ہے۔ سبب بول کر مسبب مراد لیا گیا ہے۔

شَيْـًٔا	ذرا بھی	فِيْهَا	ان میں	اَيْدِيْنَا	ہمارے ہاتھوں کے
جَنّٰتِ (۱)	جنتیں	بُكْرَةً	صبح	وَمَا	اور جو
عَدْنِ	ہمیشہ رہنے کی	وَّعَشِيًّا	اور شام	خَلْفَنَا	ہمارے پیچھے
الَّتِيْ	جن کا	تِلْكَ	وہ	وَمَا	اور جو
وَعَدَ	وعدہ کیا	الْجَنَّةُ	جنت	بَيْنَ	درمیان
الرَّحْمٰنُ	مہربان اللہ نے	الَّتِيْ	جو کہ	ذٰلِكَ	اس کے ہے
عِبَادَهٗ	اپنے بندوں سے	نُوْرِثُ (۴)	وارث بنائیں گے ہم	وَمَا	اور نہیں
بِالْغَيْبِ	بن دیکھے		(اس کا)	كَانَ	ہیں
اِنَّهٗ	بیشک وہ	مِنْ عِبَادِنَا	اپنے بندوں میں سے	رَبُّكَ	آپ کے رب
كَانَ	ہے	مَنْ كَانَ	اس کو جو تھا	نَسِيًّا (۵)	بھولنے والے
وَعْدُهٗ	اس کا وعدہ	تَقِيًّا	پرہیزگار	رَبُّ	پروردگار
مَاْتِيًّا (۲)	آنے والا	وَمَا	اور نہیں	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں
لَا يَسْمَعُوْنَ	نہیں سنیں گے وہ	نَتَنَزَّلُ	اترتے ہم	وَالْاَرْضِ	اور زمین
فِيْهَا	ان میں	اِلَّا	مگر	وَمَا	اور اس کے جو
لَغْوًا	بکواس	بِاَمْرِ	حکم سے	بَيْنَهُمَا	دونوں کے درمیان ہے
اِلَّا (۳)	مگر	رَبِّكَ	آپ کے رب کے	فَاعْبُدْهُ	پس عبادت کر تو اس کی
سَلٰمًا	سلام	لَهٗ	ان کی ملک ہے	وَاصْطَبِرْ (۶)	اور قائم رہ تو
وَلَهُمْ	اور ان کے لئے	مَا	جو	لِعِبَادَتِهٖ	اس کی عبادت پر
رِزْقُهُمْ	ان کی روزی ہے	بَيْنَ	سامنے	هَلْ	کیا

(۱) جَنَّات: جمع جنة کی، الجنة سے بدل ہے، اور حالتِ نصبی میں ہے۔ جمع مؤنث سالم پر فتح کی جگہ کسرہ آتا ہے۔ التی: موصول صلہ مل کر جنات کی صفت ہے، اور عائد محذوف ہے أی وعدها۔ اور بالغیب: محذوف سے متعلق ہوکر عائد کا حال ہے (۲) مأتیا اسم مفعول ہے، لیکن اسم فاعل کے معنی میں ہے، تحقق وقوع کے لئے اسم مفعول لایا گیا ہے، إِتْيَانٌ: آسانی کے ساتھ آنا، بغیر رکاوٹ کے آنا مَأْتِيًّا کی اصل مَا تُوْیٌ ہے، واو کو ی سے بدلا، اور ت کو کسرہ دیا۔ (۳) استثناء منقطع ہے (۴) اسم موصول کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے۔ (۵) نَسِيًّا: بروزن فعیل: صفت مشبہ از نسیان: بھولنا، چھوڑنا (۶) اصطبر: فعل امر: قائم رہ، صبر کر از اصطبار: صبر کے ساتھ جمے رہنا۔

تَعۡلَمُ	جانتا ہے تو	لَهٗ	ان کے لئے	سَمِيًّا (۱)	کوئی ہم نام

اگلوں کے بعد اب پچھلوں کا حال دیکھیں: ـــــــ پھر ان کے بعد بُرے جانشیں آئے، جنھوں نے نماز ضائع کردی، اور خواہشات کے پیچھے پڑ گئے، پس وہ عنقریب وبال سے دوچار ہونگے ـــــــ یعنی نبیوں کے بعد ناہنجار پیدا ہوئے، جو دنیا کے مزوں اور خواہشات کے پیچھے پڑ گئے، اور نماز جیسی اہم عبادت کو چھوڑ بیٹھے ـــــــ کچھ تو فرضیت کے منکر ہوگئے، اور دین ہی سے نکل گئے، اور کچھ مسلمان رہے، مگر نماز پڑھنی چھوڑ دی۔ اول اعتقادی کفر ہے اور ثانی عملی۔ حدیث میں ہے: ''جس نے جان کر نماز چھوڑی: اس نے یقیناً انکار کیا'' ـــــــ سو وہ عنقریب دنیا وآخرت میں اپنے وبال سے دوچار ہونگے۔ آج امتِ مسلمہ کا جو حال ہے: وہ سب کے سامنے ہے۔ آدھے بھی نماز کے پابند نہیں، اور جو چاہتے ہیں کرتے ہیں، چنانچہ شامتِ اعمال ان پر چھاگئی! ـــــــ مگر ابھی توبہ کا دروازہ بند نہیں۔ ارشاد ہے ـــــــ مگر جس نے توبہ کی، اور ایمان لے آیا، اور اس نے نیک کام کئے: وہ لوگ جنت میں داخل ہونگے، اور وہ ذرّہ بھر ظلم نہیں کئے جائیں گے ـــــــ یعنی گذشتہ گناہوں کی بنا پر ان کے اجر میں کچھ کمی نہیں کی جائے گی۔ توبہ کرنے والا ایسا ہوجاتا ہے جیسے گناہ کیا ہی نہیں۔ پس لوگو! توبہ کرو جنت آپ کے انتظار میں ہے!

وہ ہمیشہ رہنے کے باغات ہیں ـــــــ یعنی وہ سدا آباد رہیں گے، اور جنتی وہاں سے کبھی نہیں نکالے جائیں گے ـــــــ جن کا رحمان نے اپنے بندوں سے وعدہ کیا ہے، جن کو انھوں نے دیکھا نہیں ـــــــ رسول اللہ ﷺ کی خبر پر اعتماد کرکے ایمان لائے ہیں، اور پُر امید ہیں ـــــــ یہ وعدہ مہربان اللہ نے اپنے مخصوص بندوں سے کیا ہے یعنی مؤمنین کاملین سے ـــــــ اور محض اپنے فضل سے کیا ہے۔ حدیث میں ہے: ''کسی کا عمل اس کو جنت میں نہیں لے جائے گا!'' پوچھا گیا: یارسول اللہ! آپؐ کا بھی! فرمایا: ''میرا بھی! مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی مغفرت اور رحمت میں مجھ کو ڈھانپ لیں!'' (بخاری حدیث ۶۴۶۷) کیونکہ اعمالِ صالحہ دخولِ جنت کا محض ظاہری سبب ہیں، حقیقی سبب اللہ کی مہربانی ہے۔ مگر عالم اسباب میں ظاہری اسباب کو اختیار کرنا ضروری ہے۔ اس پر حقیقی سبب متفرع ہوتا ہے۔ جیسے روزی رساں اللہ تعالیٰ ہیں، مگر اسبابِ رزق کا اختیار کرنا فرض ہے ـــــــ ان کا وعدہ ضرور پورا ہونے والا ہے ـــــــ یعنی مؤمنین کو ضرور جنت ملے گی، وہ اطمینان رکھیں ـــــــ وہ جنت میں فضول باتیں نہیں سنیں گے، ہاں ان کو سلام پہنچے گا! ـــــــ یعنی جنت بیکار باتوں کی جگہ نہیں، جنتی ہر سانس کے ساتھ اللہ کا ذکر کریں گے، وہ نہ تو بیکار باتیں کریں گے نہ سنیں گے۔ البتہ جنت میں ہر طرف سے سلام کی آواز سنائی دے گی۔ جنتی ایک دوسرے کو سلام کریں گے، فرشتے بھی

(۱) سَمِيّ: صفتِ مشبہ: ہم نام، ہم صفت۔

ان کو سلام کریں گے۔ اور رب رحیم وکریم کا بھی سلام پہنچے گا، جو جنتیوں کے لئے بڑا اعزاز واکرام ہوگا ـــــ اور وہاں ان کو صبح وشام ان کی روزی ملے گی ـــــ یہ صبح وشام جنت کے صبح وشام ہیں، وہاں اگر چہ دنیا کی طرح سورج اور اس کا طلوع وغروب نہیں، مگر خاص قسم کے انوار کا توارد (آنا جانا) ہوگا، جن کے ذریعہ صبح وشام کی تعیین ہوگی۔ اور جنت میں جنتیوں کو جو روزی ملے گی: اس کی کیفیت اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں ـــــ یہ وہ جنت ہے جس کا ہم اپنے بندوں میں سے ان کو وارث بنائیں گے جو پرہیزگار تھے ـــــ یعنی جنت جنتیوں کی آبائی میراث اور ان کا حق ہے، ان پر کوئی احسان نہیں ـــــ میراث: اسباب ملک میں سب سے کامل سبب ہے۔ اس میں نہ فسخ کا احتمال ہے نہ ردوابطال اور اقالہ کا۔ سبحان اللہ! بے پایاں کرم فرمایا، اور اس کو جنتیوں کا حق قرار دیا ـــــ البتہ یہ جنت ان لوگوں کو ملے گی جو اس کی قیمت ادا کریں گے۔ اور اس کی قیمت تقوی اور پرہیزگاری ہے۔ جو بندے گناہوں سے بچنے کا پورا اہتمام کرتے ہیں، جنت ان کا انتظار کر رہی ہے، مگر یہ سوغات اپنے وقت پر ملے گی۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔ ارشاد ہے ـــــ اور ہم نہیں اترتے مگر آپؐ کے رب کے حکم سے، ان کے اختیار میں ہے جو کچھ ہمارے سامنے ہے، اور جو کچھ ہمارے پیچھے ہے، اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، اور آپؐ کے رب بھولنے والے نہیں ـــــ اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کئی روز تک تشریف نہ لائے۔ کفار نے کہنا شروع کیا: محمد کو اس کے رب نے چھوڑ دیا! اس سے نبی ﷺ رنجیدہ ہوئے۔ جب جبرئیل آئے تو آپؐ نے فرمایا: ''جتنا آپ آتے ہیں اس سے زیادہ کیوں نہیں آتے!'' اس پر یہ آیت نازل ہوئی (بخاری تفسیر حدیث ۴۷۳۱) اس آیت میں حضرت جبرئیل کی زبان سے جواب دیا گیا کہ ہم مامور بندے ہیں، حکم الٰہی کے بغیر نہیں آسکتے، ہمارا آنا جانا ان کے حکم کے تابع ہے۔ جب ان کی حکمت کا تقاضا ہوتا ہے: ہمیں اترنے کا حکم دیتے ہیں، ہر زمانہ، ہر مکان اور ہر حال کا علم انہی کو ہے، وہی ہر چیز کے مالک ہیں۔ اور ان کا ہر کام برمحل اور بروقت ہوتا ہے۔ پس میرے آنے میں تاخیر سے کوئی یہ خیال نہ کرے کہ اللہ نے اپنے حبیب کو چھوڑ دیا یا اس کو بھول گئے۔ بھول چوک اور نسیان کی ان کی بارگاہ تک رسائی نہیں ـــــ اور یہ آیت جنت کے تذکرہ کے ضمن میں اس لئے رکھی گئی ہے کہ جنت بھی مؤمن بندوں کو ضرور ملنے والی ہے مگر اس کا ایک وقت مقرر ہے، اور اللہ تعالیٰ بندوں کے تمام احوال سے واقف ہیں۔ جب ان کی حکمت کا تقاضا ہوگا: قیامت قائم ہوگی، اور اس کے بعد جنتی جنت میں داخل ہونگے، جنت ملنے میں تاخیر سے مؤمن بندے یہ خیال نہ کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کو بھول گئے! ـــــ وہ آسمانوں اور زمین کے اور ان چیزوں کے پروردگار ہیں جو ان کے بیچ میں ہیں ـــــ ایسی ہستی کو اگر بھول پکڑے تو نظام کائنات کیسے چلے؟! ـــــ پس آپ اس کی بندگی کریں اور اس کی بندگی پر جمے رہیں، کیا

آپ کے علم میں ان کا کوئی ہم صفت ہے؟! ـــــ یہ بات مؤمن بندوں سے کہی گئی ہے ان کو جنت ضرور ملنے والی ہے، مگر اس کے لئے محنت درکار ہے، اور وہ محنت اللہ تعالیٰ کی بندگی ہے۔ بندوں کی بندگی کے وہی حقدار ہیں، وہی معبود برحق ہیں، دوسرا کوئی معبود نہیں نہ اس کو بندگی کا استحقاق پہنچتا ہے۔

وَيَقُولُ الْإِنسَانُ أَإِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا ﴿٦٦﴾ أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ﴿٦٧﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيَاطِينَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿٦٨﴾ ثُمَّ لَنَنزِعَنَّ مِن كُلِّ شِيعَةٍ أَيُّهُمْ أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمَٰنِ عِتِيًّا ﴿٦٩﴾ ثُمَّ لَنَحْنُ أَعْلَمُ بِالَّذِينَ هُمْ أَوْلَىٰ بِهَا صِلِيًّا ﴿٧٠﴾ وَإِن مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴿٧١﴾ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوا وَّنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا ﴿٧٢﴾

وَيَقُولُ	اور کہتا ہے	الْإِنسَانُ	انسان	ثُمَّ	پھر
الْإِنسَانُ	انسان	أَنَّا	کہ ہم نے	لَنُحْضِرَنَّهُمْ	ہم انکو ضرور حاضر کریں گے
أَإِذَا مَا (۱)	کیا جب	خَلَقْنَاهُ	اس کو پیدا کیا	حَوْلَ	گرد
مِتُّ	میں مرجاؤنگا	مِن قَبْلُ	قبل ازیں	جَهَنَّمَ	جہنم (کے)
لَسَوْفَ (۲)	تو عنقریب	وَلَمْ يَكُ	اور وہ نہیں تھا	جِثِيًّا (۴)	گھٹنوں کے بل پڑے ہوئے
أُخْرَجُ	میں نکالا جاؤں گا	شَيْئًا	کوئی چیز	ثُمَّ	پھر
حَيًّا	زندہ کرکے	فَوَرَبِّكَ	پس تیرے رب کی قسم!	لَنَنزِعَنَّ	ہم ضرور علحدہ کریں گے
أَوَلَا	کیا اور نہیں	لَنَحْشُرَنَّهُمْ	ہم انکو ضرور جمع کریں گے	مِن كُلِّ شِيعَةٍ	ہر گروہ سے
يَذْكُرُ	یاد کرتا	وَالشَّيَاطِينَ (۳)	شیطان کے ساتھ	أَيُّهُمْ (۵)	اس کو جوان میں

(۱) ء إذا ما: ہمزہ استفہام انکاری۔ إذا: ظرفیہ یا شرطیہ۔ ما: زائدہ برائے تاکید۔(۲) لسوف: جزاء پر لام زائد ہے۔ (۳)والشیاطین: مفعول معہ ہے، اور ضمیر منصوب هُمْ پر عطف بھی ہوسکتا ہے۔(۴) جِثِيّ: جمع جَاثِيَة کی: گھٹنوں کے بل بیٹھا ہوا۔ اس کی اصل جُثُوْوٌ ہے۔ دوضموں کے بعد دوواوں کا اجتماع ثقیل تھا، اس لئے ث کو کسرہ دیا، تو پہلا واو ی ہوگیا، پھر دوسرے واو کو بھی ی کردیا، کیونکہ واو اور ی جمع ہوئے اور پہلا ساکن ہے، اس لئے واو کو ی سے بدل دیا، اور ادغام کیا، اور جیم کو بھی کسرہ دیدیا ـــــ جثیا: دونوں جگہ حال ہے۔(۵) أيّ: اسم موصول بمعنی الذی، ضمہ پر مبنی ہے اور محلا منصوب ہے، کیونکہ یہ لننزعن کا مفعول ←

اَشَدُّ	زیادہ ہے	بِهَا	جہنم کا	مَّقْضِيًّا	طے شدہ
عَلَى الرَّحْمٰنِ	مہربان اللہ کے سامنے	صِلِيًّا (۲)	داخل ہونے کے اعتبار سے	ثُمَّ	پھر
عِتِيًّا (۱)	سرکشی کے اعتبار سے	وَاِنْ (۳)	اور نہیں	نُنَجِّي	ہم نجات دیں گے
ثُمَّ	پھر	مِّنْكُمْ	تم میں سے کوئی	الَّذِيْنَ	ان کو جو
لَنَحْنُ	البتہ ہم	اِلَّا	مگر	اتَّقَوْا	ڈرتے ہیں
اَعْلَمُ	خوب جانتے ہیں	وَارِدُهَا	اس پر پہنچنے والا ہے	وَّنَذَرُ	اور چھوڑ دیں گے ہم
بِالَّذِيْنَ	ان کو جو	كَانَ	ہے (وہ)	الظّٰلِمِيْنَ	ظالموں کو
هُمْ	وہ	عَلٰى رَبِّكَ	تیرے رب پر	فِيْهَا	اس میں
اَوْلٰى	زیادہ حقدار ہے	حَتْمًا	لازم	جِثِيًّا	گھٹنوں کے بل پڑے ہوئے

منکرین آخرت کا استعجاب: ـــــ اور انسان کہتا ہے: کیا جب میں مرجاؤں گا، تو پھر زندہ کر کے نکالا جاؤں گا؟! ـــــ جب گذشتہ آیات میں آخرت اور جنت وجہنم کا ذکر آیا تو منکرین آخرت انکار وتعجب سے کہنے لگے: کیا جب ہم مرجائیں گے، گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہوجائیں گے، اور مٹی میں مل کر مٹی ہوجائیں گے، تو ہم دوبارہ قبروں سے زندہ کر کے نکالے جائیں گے؟ یعنی یہ بات ناقابل فہم ہے! ـــــ یہ بات مشرکین کے سرغنوں نے کہی تھی: جیسے عاص بن وائل، ولید بن مغیرہ، ابوجہل اور امیہ بن خلف لعنہم اللہ! ـــــ بلکہ یہ آخری شخص تو قبرستان سے ایک بوسیدہ ہڈی لایا، اور اس کو چورا کر کے فضا میں اڑا دیا، اور کہنے لگا: محمد کا یہ خیال ہے کہ جب ہماری یہ حالت ہوجائے گی ہمیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا! یہ ہرگز ممکن نہیں!

جواب: ـــــ کیا انسان کو یہ بات یاد نہیں کہ ہم نے اس کو اس سے پہلے پیدا کیا ہے، جبکہ وہ کوئی چیز نہیں تھا! ـــــ یعنی یہ منکرین اپنی تخلیق پر غور کیوں نہیں کرتے؟! وہ پہلے معدوم محض تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو وجود بخشا، پردۂ عدم سے نکال کر وجود کے اسٹیج پر جلوہ گر کیا، کیا ایسی قادر ہستی موت کے بعد ان کو دوبارہ پیدا نہیں کرسکتی؟ ضرور کرسکتی ہے!

→ ہے۔ أشد: ھو محذوف کی خبر ہے، اور جملہ صلہ ہے۔

(۱) عتیا: مصدر تمیز محول عن المبتدا ہے۔ عَتَا يَعْتُو عُتُوًّا: سرکشی کرنا، اکڑنا۔ عِتِيّ کی اصل عُتُوْوٌ ہے، اور اس میں جِثِيّ کی طرف تعلیل ہوئی ہے۔ (۲) صِلِيًّا: صَلِيَ يَصْلٰى کا مصدر، یا صَالٍ کی جمع ہے، جس کے معنی ہیں آگ میں داخل ہونا۔ اور یہ تمیز ہے، نسبت کا ابہام دور کرتی ہے۔ (۳) إن: نافیہ ہے۔

منکرین آخرت کا انجام: ـــــ پس تیرے رب کی قسم! ہم ضرور ان کو شیاطین کے ساتھ جمع کریں گے ـــــ یعنی جن شیاطین الانس والجن نے ان کو گمراہ کیا ہے: ان کو بھی ساتھ ہی لایا جائے گا ـــــ پھر ہم ان کو جہنم کے گرد گھٹنوں کے بل حاضر کریں گے ـــــ یعنی اس حال میں وہ جہنم پر لائے جائیں گے کہ ان میں کھڑے ہونے کی طاقت نہ ہوگی۔ اور مارے دہشت کے گھٹنوں پر گرے ہوئے ہونگے ـــــ پھر ہم ہر گروہ میں سے اس کو ضرور علحدہ کریں گے جو مہربان اللہ کے مقابلہ میں زیادہ سرکش تھا ـــــ یعنی جس نے اپنے ساتھ دوسروں کو بھی گمراہ کیا تھا، اس کو عام مجرموں سے علحدہ کرلیا جائے گا، اور اس کو پہلے جہنم میں جھونکا جائے گا ـــــ پھر ہم اس کو خوب جانتے ہیں جو جہنم میں جانے کا سب سے زیادہ حقدار ہے ـــــ اسی کو پہلے جہنم رسید کیا جائے گا۔

دوزخ پر گزر: ـــــ اور تم میں سے کوئی نہیں، مگر وہ جہنم پر پہنچنے والا ہے۔ یہ بات آپ کے پروردگار پر لازم ومقرر ہے۔ پھر ہم ان لوگوں کو نجات دیں گے جو اللہ سے ڈرتے تھے، اور ظالموں کو جہنم میں گھٹنوں کے بل چھوڑ دیں گے ـــــ یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ بات طے کردی ہے کہ ہر انسان کو جہنم پر ضرور پہنچنا ہے۔ کیونکہ جنت میں جانے کا راستہ دوزخ کے اوپر سے ہے۔ پل صراط جہنم کی پشت پر بچھایا جائے گا، جس سے سب کو گذرنا ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ متقیوں کو وہاں سے صحیح سلامت گزار دیں گے، اور کفار کو ہمیشہ کے لئے جہنم کا ایندھن بنادیں گے۔

اس آیت میں متقیوں کا یہ حال بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو جہنم سے صحیح سلامت گزار دیں گے، ان کو کچھ گزند نہ پہنچے گا۔ اور گنہ گار مؤمنوں کا حال حدیث شریف میں بیان کیا گیا ہے۔ شفاعت کی متفق علیہ روایت میں ہے: ''پھر جہنم (کی پشت) پر پل صراط رکھا جائے گا جس سے کچھ مؤمن پلک جھپکتے گزر جائیں گے، کچھ بجلی کے کودنے کی طرح، کچھ ہوا کی طرح، کچھ پرندے کی طرح، کچھ تیز رفتار گھوڑے کی طرح، کچھ سواری کے اونٹ کی طرح۔ پھر کچھ مؤمن نجات پانے والے ہونگے، جو جہنم سے بالکل ہی محفوظ رہیں گے، اور کچھ زخمی ہوکر خلاصی پائیں گے، اور کچھ پارہ پارہ کرکے آگ میں دھکیلے جائیں گے۔ پھر جب تمام متقی مؤمن آگ سے نجات پاکر جنت میں پہنچ جائیں گے تو وہ اپنے ان بھائیوں کے لئے سفارش کریں گے جو جہنم میں رہ گئے ہیں۔ نیز انبیاء اور ملائکہ بھی شفاعت کریں گے، اور آخر میں ارحم الراحمین اپنے کرم سے سب گنہ گار مؤمنوں کو جہنم سے رہائی عطا فرمائیں گے (اور جہنم میں صرف کافر رہ جائیں گے، پھر جہنم کا منہ بند کردیا جائے گا) (مشکوٰۃ حدیث ۵۵۷۹ باب الحوض والشفاعۃ)

اور سب کو جہنم سے گزارنے کی حکمت قرآن وحدیث میں صراحۃً بیان نہیں کی گئی، نہ کوئی اشارہ آیا ہے۔ پس اس کا راز اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں۔ ویسے امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں اس کی چند حکمتیں بیان کی ہیں، خواہش منداس کو دیکھیں۔

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا أَيُّ الْفَرِيقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَأَحْسَنُ نَدِيًّا ﴿٧٣﴾ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّن قَرْنٍ هُمْ أَحْسَنُ أَثَاثًا وَرِئْيًا ﴿٧٤﴾ قُلْ مَن كَانَ فِي الضَّلَالَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمَٰنُ مَدًّا ۚ حَتَّىٰ إِذَا رَأَوْا مَا يُوعَدُونَ إِمَّا الْعَذَابَ وَإِمَّا السَّاعَةَ فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضْعَفُ جُندًا ﴿٧٥﴾ وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى ۗ وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِندَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ مَّرَدًّا ﴿٧٦﴾ أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا ﴿٧٧﴾ أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا ﴿٧٨﴾ كَلَّا ۚ سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿٧٩﴾ وَنَرِثُهُ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا ﴿٨٠﴾ وَاتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لِّيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا ﴿٨١﴾ كَلَّا ۚ سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿٨٢﴾

ع ۸

وَإِذَا	اور جب	آمَنُوا	ایمان لائے	قَبْلَهُمْ	ان سے پہلے
تُتْلَىٰ	پڑھی جاتی ہیں	أَيُّ	کون	مِّن قَرْنٍ	زمانے
عَلَيْهِمْ	ان پر	الْفَرِيقَيْنِ	دو جماعتوں سے	هُمْ	وہ
آيَاتُنَا	ہماری آیتیں	خَيْرٌ	بہتر ہے	أَحْسَنُ	اچھے تھے
بَيِّنَاتٍ	واضح	مَّقَامًا	حالت کے اعتبار سے	أَثَاثًا	سامان
قَالَ	کہا	وَأَحْسَنُ	اور اچھا ہے	وَرِئْيًا (۳)	اور منظر کے اعتبار سے
الَّذِينَ	جنھوں نے	نَدِيًّا (۱)	محفل کے اعتبار سے	قُلْ	کہیں
كَفَرُوا	انکار کیا	وَكَمْ (۲)	اور بہت سے	مَن	جو
لِلَّذِينَ	ان سے جو	أَهْلَكْنَا	ہم نے ہلاک کئے	كَانَ	ہے (وہ)

(۱) نَدِیّ: محفل جس میں لوگ جمع ہوکر باتیں یا مشورہ کریں۔ جمع: أَنْدَاء اور أَنْدِيَة۔ فعل: نَدَا يَنْدُوْ نَدْوًا: مجلس میں جمع ہونا۔
(۲) کم: خبریہ برائے تکثیر۔ یہ أهلكنا کا مفعول بہ ہے، چونکہ صدارتِ کلام کو چاہتا ہے، اس لئے مقدم لایا گیا ہے۔ اور من قرنٍ: کم کے ابہام کا بیان ہے۔ قرن سے مراد اہل زمانہ ہیں۔ اور جملہ هم أحسن: قرنٍ کی صفت ہے۔ (۳) رِءْيًا: نمود و منظر۔ رِؤْية، بروزن فِعْلَةٌ بمعنی مفعول، جیسے طِحْن: پسا ہوا۔

فِي الضَّلٰلَةِ	گمراہی میں	مَّكَانًا (۳)	حالت کے اعتبار سے	بِاٰيٰتِنَا	ہماری آیتوں کا
فَلْيَمْدُدْ (۱)	پس چاہئے کہ دراز کریں	وَّاَضْعَفُ	اور کمزور ہے	وَقَالَ	اور کہا اس نے
لَهُ	اس کے لئے	جُنْدًا	لشکر کے اعتبار سے	لَاُوْتَيَنَّ	ضرور دیا جاؤنگا میں
الرَّحْمٰنُ	مہربان اللہ	وَيَزِيْدُ	اور زیادہ کرتے ہیں	مَالًا	مال
مَدًّا	دراز کرنا	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	وَّوَلَدًا	اور اولاد
حَتّٰى	یہاں تک کہ	الَّذِيْنَ	ان کی جو	اَطَّلَعَ (۶)	کیا جھانک لیا ہے اس نے
اِذَا	جب	اهْتَدَوْا	راہ یاب ہوئے	الْغَيْبَ	پس پردہ
رَاَوْا	دیکھیں گے وہ	هُدًى (۴)	ہدایت	اَمِ	یا
مَا	اس کو جو	وَالْبٰقِيٰتُ	اور باقی رہنے والے	اتَّخَذَ	بنا لیا ہے اس نے
يُوْعَدُوْنَ	وعدہ کئے گئے ہیں وہ	الصّٰلِحٰتُ	نیک اعمال	عِنْدَ الرَّحْمٰنِ	مہربان اللہ کے پاس
اِمَّا (۲)	یا	خَيْرٌ	بہتر (ہیں)	عَهْدًا	کوئی پیمان
الْعَذَابَ	عذاب	عِنْدَ رَبِّكَ	آپ کے رب کے پاس	كَلَّا (۷)	ہرگز نہیں
وَاِمَّا	اور یا	ثَوَابًا	ثواب کے اعتبار سے	سَنَكْتُبُ	اب لکھ لیں گے ہم
السَّاعَةَ	قیامت	وَّخَيْرٌ	اور بہتر (ہیں)	مَا	اس کو جو
فَسَيَعْلَمُوْنَ	پس جلد جان لیں گے	مَّرَدًّا (۵)	انجام کے اعتبار سے	يَقُوْلُ	وہ کہتا ہے
مَنْ	(اس کو) جو	اَفَرَءَيْتَ	کیا پس آپ نے دیکھا	وَنَمُدُّ	اور دراز کریں گے ہم
هُوَ	وہ	الَّذِيْ	اس کو جس نے	لَهٗ	اس کے لئے
شَرٌّ	برا (ہے)	كَفَرَ	انکار کیا	مِنَ الْعَذَابِ	عذاب سے

(۱) لِيَمْدُدْ: امر غائب صیغہ واحد مذکر، مصدر: مَدّ: دراز کرنا، یہاں فعل امر بمعنی مضارع ہے، مَدًّا: مفعول مطلق برائے تاکید، ترجمہ: چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اس کو ڈھیل دیں خوب ڈھیل دینا۔(۲) إِمَّا: ما کا بدل ہے۔(۳) مکان اور مقام کے ایک معنی ہیں یعنی مرتبہ اور حالت (۴) هدى: مفعول ثانی ہے، اور الذين اهتدوا: موصول صلہ مل کر مفعول اول ہیں۔(۵) مَرَدّ: مصدر میمی یا اسم فعل: انجام، عاقبت۔ از رَدٌّ: لوٹانا (۶) أَطَّلَعَ: میں ہمزہ: استفہام کا ہے، اس لئے مفتوح ہے، اور ہمزۂ وصل حذف کیا گیا ہے، دراصل أَاطَّلَعَ تھا، مصدر اطلاع: اوپر سے جھانکنا، مطلع ہونا۔(۷) كَلَّا: قرآن میں ۳۳ جگہ آیا ہے۔ یہ پہلی جگہ ہے۔ سیبویہ خلیل اور مبرد کے نزدیک: رَدَع یعنی روکنے کے لئے ہے، خواہ بطور زجر و توبیخ ہو، یا بطور تربیت و ادب نوازی۔

مَدًّا	دراز کرنا	وَاتَّخَذُوْا	اور بنائے انھوں نے	كَلَّا	ہر گز نہیں
وَّنَرِثُهٗ	اور وارث ہونگے ہم اسکے	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ کو چھوڑ کر	سَيَكْفُرُوْنَ	اب انکار کریں گے وہ
مَا [1]	جو	اٰلِهَةً	معبود	بِعِبَادَتِهِمْ	ان کی عبادت کا
يَقُوْلُ	وہ کہتا ہے	لِّيَكُوْنُوْا	تا کہ ہویں وہ	وَيَكُوْنُوْنَ	اور ہونگے وہ
وَيَأْتِيْنَا	اور آئیگا وہ ہمارے پاس	لَهُمْ	ان کے لئے	عَلَيْهِمْ	ان کے
فَرْدًا	تن تنہا	عِزًّا [2]	باعث عزت	ضِدًّا [3]	مخالف

کفار کی چند غلط فہمیوں کا ازالہ: ان آیات میں کفار کی تین غلط فہمیوں کا ازالہ کیا گیا ہے:

پہلی غلط فہمی: مکہ کے سرداروں کو یہ غلط فہمی تھی کہ ان کا دنیا کا عیش ان کے برحق ہونے کی دلیل ہے۔ ارشاد ہے ——— اور جب ان کے سامنے ہماری واضح آیتیں پڑھی جاتی ہیں، تو ان لوگوں نے جنھوں نے انکار کیا: ان لوگوں سے جو ایمان لائے: کہا: ''دو جماعتوں میں سے کون بہتر حالت میں ہے؟ اور کس کی محفل شاندار ہے؟ ——— یعنی ہماری حالت تمہاری حالت سے بہتر ہے، ہمارے مکانات عالیشان، ہمارا معیار زندگی بلند، اور ہماری محفلیں شاندار ہیں۔ ہمارا یہ ٹھاٹھ اس بات کی دلیل ہے کہ ہم حق پر ہیں، اور تمہاری پریشانی اور بے کسی صاف بتلا رہی ہے کہ اللہ کے یہاں تمہارا کوئی مقام نہیں ——— اللہ تعالیٰ اس غلط فہمی کا ازالہ فرماتے ہیں ——— اور ہم نے ان سے پہلے بہت سی قومیں ہلاک کیں، جو ساز وسامان اور منظر ونمود میں ان سے کہیں بہتر تھیں ——— پس اگر دنیا کا عیش برحق ہونے کی دلیل ہوتا تو سوچو یہ قومیں کیوں تباہ کی گئیں؟ جب ان قوموں نے انبیاء کے مقابلہ میں سرکشی کی، اور وہ کفر وعناد پر اتر آئے، تو اللہ تعالیٰ نے حرف غلط کی طرح ان کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا، اس سے یہ بات واضح ہے کہ دنیا کا ٹھاٹھ حق پر ہونے کی دلیل نہیں، بلکہ اس میں اور مصلحت ہے۔ اور وہ حکمتِ امہال ہے ——— آپ کہیں: ''جو گمراہی میں ہیں، پس چاہئے کہ مہربان اللہ اس کو خوب ڈھیل دیں ——— یعنی جو اپنی مرضی سے گمراہی کا راستہ اختیار کرتا ہے: اللہ تعالیٰ اس کو گمراہی میں آخری حد تک جانے دیتے ہیں، اور اس کی دنیا کی مرفّہ حالی اس کی گمراہی میں مددگار بن جاتی ہے ——— یہاں تک کہ جب وہ اس چیز کو دیکھ لیں: جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے، خواہ عذابِ دنیا ہو یا قیامت: تو وہ جلد جان لیں گے کہ بدحال کون ہے؟ اور جتھا کس کا کمزور ہے؟ ——— یعنی وہ دن مؤمنین کی خوش حالی اور شان وشوکت کا

(۱) ما: ہٗ سے بدل ہے، اور مفعول بہ ہے۔ (۲) عِزًّا: مصدر باب ضرب، اس کے اصل معنی قوت کے ہیں، جس سے اللہ کی صفت عزیز ہے۔ (۳) ضِدّ: مفرد بمعنی جمع ہے۔

دن ہوگا، اور اس دن کفار ذلیل وخوار ہونگے۔

رہی کفار کی مخالفت جس سے مؤمنین دوچار ہیں تو وہ ان کو اونچا اڑاتی ہے۔ ارشاد ہے ـــــ اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی ہدایت میں اضافہ کرتے ہیں جنھوں نے راہِ راست پالی ـــــ یعنی اُن حالات سے مؤمنین کے ایمان میں پختگی پیدا ہوتی ہے ـــــ اور ہمیشہ باقی رہنے والے اعمالِ صالحہ: آپ کے رب کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے بہتر ہیں، اور ان کا انجام اچھا ہے! ـــــ یعنی ان کا آخرت میں جو ثواب ملے گا: وہ اعمال سے بدرجہا بہتر ہوگا۔ اور مؤمنین کا اخروی انجام: کفار کے دنیا کے عیش سے کہیں بہتر ہوگا۔ پس مؤمنین حالات سے نہ گھبرائیں۔ یہ عارضی پریشانی ہے، جو چندروز میں ختم ہوجائے گی۔

دوسری غلط فہمی: مکہ کا ہر متکبر مالدار اس غلط فہمی میں مبتلا تھا کہ ہم آخرت میں بھی ـــ اگر وہ آئی ـــ خوش عیش ہونگے۔ ارشاد ہے ـــــ کیا پس آپ نے اس شخص کو دیکھا: جس نے ہماری آیتوں کا انکار کیا، اور اس نے کہا: ''میں ضرور مال اور اولاد دیا جاؤنگا ـــــ ان آیات کا شانِ نزول یہ ہے کہ حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ کا کچھ قرض عاص بن وائل پر نکلتا تھا، آپ نے مطالبہ کیا۔ اس نے کہا: اگر تو محمد (ﷺ) کا انکار کرے تو میں تیرا قرضہ ادا کروں۔ حضرت خبابؓ نے جواب دیا: اگر تو مر کر زندہ ہو تب بھی میں یہ کام نہیں کرسکتا! اس نے کہا: کیا میں مر کر پھر زندہ ہوؤنگا؟ اگر ایسا ہوگا تو اس وقت بھی میرے پاس مال اور اولاد ہوگی، تیرا قرض اسی وقت چکاؤنگا! (بخاری حدیث ۴۷۳۵) اور یہ کسی ایک شخص کا خیال نہیں تھا، ہر خوش عیش متکبر اسی خبط میں مبتلا تھا ـــــ اللہ تعالیٰ ان کی غلط فہمی کا ازالہ فرماتے ہیں ـــــ کیا اس نے عالم غیب کو جھانک لیا ہے یا اس نے مہربان اللہ سے کوئی عہد و پیمان لے لیا ہے؟ ـــــ یہی دو صورتیں ہیں جن میں یقین سے ایسا دعوی کیا جاسکتا ہے ـــــ ہرگز نہیں! ـــــ یعنی نہ تو اسے پس پردہ کی کچھ خبر ہے، نہ اس سے اللہ نے کوئی وعدہ کیا ہے، پھر وہ ایسی بات کیوں کہتا ہے؟ ـــــ اب ہم اُس بات کو لکھ لیتے ہیں جو وہ کہتا ہے، اور ہم اس کے لئے عذاب کو خوب دراز کرتے ہیں ـــــ یعنی اس کا یہ کلمۂ غرور بھی اس کے جرائم کے ریکارڈ میں شامل کرلیا جائے گا، اور اس کی اس کو خوب سزا دی جائے گی۔ اور جس مال اور اولاد پر وہ اِترا رہا ہے: وہ اس کے پاس چندروز کے لئے ہے، بالآخر وہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ جانے والا ہے۔ ارشاد ہے ـــــ اور ہم اس کے وارث ہونگے جو وہ کہتا ہے، اور وہ ہمارے پاس تن تنہا آئے گا ـــــ نہ مال واسباب ساتھ آئے گا، نہ آل اولاد کچھ کام آئے گی، سب سے تہی دست ہوکر موت کے بعد ہماری بارگاہ میں حاضر ہوگا، پھر اس عارضی نعمت پر اترانے کا کیا حاصل!

تیسری غلط فہمی: مشرکین کو یہ بھی غلط فہمی تھی کہ ہمارے معبود آخرت میں ـــ اگر وہ آئی ـــ ہمارے کام آئیں گے۔

وہ آڑے وقت میں ہماری مدد کریں گے۔ارشاد ہے ـــــ اور انھوں نے اللہ کو چھوڑ کر معبود بنائے ہیں، تاکہ وہ ان کے لئے مددگار بنیں ـــــ یعنی آخرت میں ان کے کام آئیں ـــــ ہرگز نہیں! ـــــ یہ ان کی نری غلط فہمی ہے ـــــ عنقریب وہ معبود ان کی عبادت کا انکار کریں گے ـــــ کہیں گے: نہ تم نے ہماری عبادت کی، نہ ہمیں تمہاری عبادت کی کچھ خبر تھی (سورۂ یونس آیات ۲۸و۲۹) ـــــ اور وہ ان کے مخالف بن جائیں گے ـــــ اور خود مطالبہ کریں گے کہ ان کے پجاریوں کو سخت سزا دی جائے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّا أَرْسَلْنَا الشَّيَاطِينَ عَلَى الْكَافِرِينَ تَؤُزُّهُمْ أَزًّا ﴿٨٣﴾ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿٨٤﴾ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمَٰنِ وَفْدًا ﴿٨٥﴾ وَنَسُوقُ الْمُجْرِمِينَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿٨٦﴾ لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا ﴿٨٧﴾

أَلَمْ تَرَ	کیا آپ نے دیکھا نہیں	إِنَّمَا	صرف	الْمُجْرِمِينَ	مجرموں کو
أَنَّا	کہ ہم نے	نَعُدُّ	شمار کر رہے ہیں ہم	إِلَىٰ جَهَنَّمَ	دوزخ کی طرف
أَرْسَلْنَا	چھوڑ رکھا ہے	لَهُمْ	ان کے لئے	وِرْدًا (۳)	پیاسے
الشَّيَاطِينَ	شیاطین کو	عَدًّا	شمار کرنا	لَا يَمْلِكُونَ	نہیں مالک ہونگے وہ
عَلَى الْكَافِرِينَ	کافروں پر	يَوْمَ نَحْشُرُ	جس دن جمع کریں گے ہم	الشَّفَاعَةَ	سفارش کے
تَؤُزُّهُمْ (۱)	ورغلاتے ہیں ان کو	الْمُتَّقِينَ	پرہیزگاروں کو	إِلَّا مَنِ	مگر جس نے
أَزًّا	خوب ورغلانا	إِلَى الرَّحْمَٰنِ	مہربان اللہ کی طرف	اتَّخَذَ	بنایا
فَلَا تَعْجَلْ	پس نہ جلدی کریں آپ	وَفْدًا (۲)	وفود کی شکل میں	عِنْدَ الرَّحْمَٰنِ	مہربان اللہ کے پاس
عَلَيْهِمْ	ان کے لئے	وَنَسُوقُ	اور ہانکیں گے ہم	عَهْدًا	پیمان

مؤمنین کو تسلی: ان آیات میں مؤمنین کو تسلی دی گئی ہے۔اس مقام میں مؤمنین کے دل میں یہ خیال پیدا ہوسکتا ہے

(۱) أَزَّ يَؤُزُّ أَزًّا: فلاناً: ورغلانا، بھڑکانا، اکسانا۔ جملہ تؤزهم: شیاطین سے حال یا مستانفہ ہے۔اور أَزًّا: مفعول مطلق برائے تاکید ہے۔(۲) وَفْد: وافِد کی جمع ہے: صاحبِ اقتدار کے پاس کسی مقصد کے لئے جانے والا آدمی۔ایسا شخص قوم کا نمائندہ اور معزز آدمی ہوتا ہے، اور حاکم بھی اس کو عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے، یہی اعزاز کا پہلو یہاں مراد ہے۔چنانچہ مترجمین نے اس کا ترجمہ ''مہمان'' کیا ہے۔(۳) الوِرْد: پانی پر آنے والی جماعت۔چونکہ پانی پر پیاسے ہی پہنچتے ہیں، اس لئے ''پیاسے'' ترجمہ کیا گیا ہے۔

کہ کفار آخر سمجھتے کیوں نہیں؟ قرآنِ کریم کھلے کھلے دلائل پیش کر رہا ہے، مگر کافر ایک نہیں سنتے۔ آخر وجہ کیا ہے۔ ارشاد ہے ـــــ کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ ہم نے شیاطین کو کفار پر چھوڑ رکھا ہے، وہ ان کو ورغلانے میں پورا زور صرف کر رہے ہیں ـــــ یعنی قرآنِ کریم کی باتیں اس لئے اثر انداز نہیں ہوتیں کہ شیاطین کفار کو گمراہی میں بڑھاتے ہیں، اوران کو انگلیوں پر نچاتے ہیں، اور وہ ان کے جال میں ایسے پھنسے ہوئے ہیں کہ کسی طرح نکل نہیں پاتے۔

فائدہ: یہ دنیا آزمائش گاہ ہے۔ اور آدمی میں خیر وشر کی دونوں صلاحیتیں رکھی گئی ہیں۔ اور آدمی سے باہر بھی ہدایت وضلالت کے اسباب مہیا کئے گئے ہیں، اللہ کی کتابیں، نبیوں کی محنتیں اور فرشتوں کے الہامات اسبابِ ہدایت ہیں، اور شیاطین کی جماعت لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے چھوڑی گئی ہے، مگر انسان کو صحیح اور غلط کی تمیز بھی دی گئی ہے۔ چنانچہ بہت سے لوگ اسبابِ ہدایت سے متاثر ہوتے ہیں، اور ایمان لے آتے ہیں۔ اور بہت سوں کو شیاطین اعمالِ بد پر ابھارتے ہیں، ان کی خوبیاں ان کے دلوں میں بٹھاتے ہیں، اور خرابیوں کی طرف نظر نہیں جانے دیتے، چنانچہ وہ گمراہ ہوجاتے ہیں۔ وہ گوشِ حق نیوش سے قرآن کی بات سنتے ہی نہیں، پھر وہ اثر انداز کیسے ہو؟!

اس مقام میں دوسرا خیال مؤمنوں کے دلوں میں یہ پیدا ہوسکتا ہے کہ جب کفار کے لئے راہِ ہدایت مقدر نہیں تو ان کو برداشت کیوں کیا جارہا ہے؟ عذاب بھیج کر ان کا قصہ نمٹا کیوں نہیں دیا جاتا؟ ارشاد ہے ـــــ پس آپ ان کے لئے بیتاب نہ ہوں، ہم ان کی ایک ایک بات شمار کر رہے ہیں ـــــ اور وقت کا انتظار کر رہے ہیں۔ پس مسلمان صبر سے کام لیں، ان کے عذاب کے لئے جلدی نہ مچائیں، نہ ان کی تضحیک وتخویف سے دل گیر ہوں۔

اور ان کے عذاب کا مقررہ وقت: قیامت کا دن ہے ـــــ جس دن ہم متقیوں کو مہربان اللہ کی طرف وفود کی صورت میں جمع کریں گے ـــــ یعنی پورے اعزاز کے ساتھ ان کو جنت میں پہنچائیں گے ـــــ اور ہم مجرموں کو دوزخ کی طرف پیاسے ہانک کر لے جائیں گے ـــــ جس طرح پیاسے جانور ہانک کر گھاٹ پر لے جائے جاتے ہیں: مجرموں کو بھی دوزخ کی گھاٹ اتار دیا جائے گا ـــــ وہ سفارش کے مالک نہیں ہونگے ـــــ یعنی کوئی ان کے لئے سفارش کرنے والا نہیں ہوگا۔ وہ ہمیشہ جہنم میں سڑتے رہیں گے ـــــ مگر جس نے مہربان اللہ سے عہد وپیمان لیا ہے ـــــ وہ سفارش کا مالک ہوگا یعنی اس کے لئے سفارش کرنے والے ہونگے۔ یہ گنہ گار مؤمنین ہیں۔ ان کے لئے جنتی، ملائکہ اور انبیاء سفارش کریں گے۔ اور آخر میں ارحم الراحمین اپنے فضل وکرم سے ہر مؤمن کو جہنم سے رستگاری عطا فرمائیں گے۔ ان کا ایمان ایک عہد وپیمان ہے جو آخرت میں کام آئے گا۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿٨٨﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ﴿٨٩﴾ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ

وَ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿۹۰﴾ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿۹۱﴾ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴿۹۲﴾ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿۹۳﴾ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ﴿۹۴﴾ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴿۹۵﴾

وَقَالُوا	اور کہا انھوں نے	الْجِبَالُ	پہاڑ	فِي السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں
اتَّخَذَ	اپنائی	هَدًّا (۵)	ٹوٹ کر	وَالْاَرْضِ	اور زمین (میں ہے)
الرَّحْمٰنُ	رحمٰن نے	اَنْ (۶)	(اس وجہ سے) کہ	اِلَّآ	مگر
وَلَدًا	اولاد	دَعَوْا	منسوب کی انھوں نے	اٰتِي	آنے والا ہے وہ
لَقَدْ	البتہ تحقیق	لِلرَّحْمٰنِ	رحمٰن کی طرف	الرَّحْمٰنِ	رحمٰن کے پاس
جِئْتُمْ	لائے تم	وَلَدًا	اولاد	عَبْدًا	غلام بن کر
شَيْئًا	چیز	وَمَا	اور نہیں	لَقَدْ	البتہ تحقیق
اِدًّا (۱)	سنگین	يَنْۢبَغِيْ	مناسب ہے	اَحْصٰىهُمْ	گھیر رکھا ہے ان کو
تَكَادُ	قریب ہیں	لِلرَّحْمٰنِ	رحمٰن کے لئے	وَعَدَّهُمْ	اور گن رکھا ہے ان کو
السَّمٰوٰتُ	آسمان	اَنْ	کہ	عَدًّا	گننا
يَتَفَطَّرْنَ (۲)	پھٹ پڑیں	يَّتَّخِذَ	اپنائیں وہ	وَكُلُّهُمْ	اور وہ سب
مِنْهُ	اس چیز سے	وَلَدًا	اولاد	اٰتِيْهِ	آنے والے ہیں ان
وَتَنْشَقُّ (۳)	اور شگاف پڑ جائے	اِنْ (۷)	نہیں		کے پاس
الْاَرْضُ	زمین میں	كُلُّ	ہر ایک	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	قیامت کے دن
وَتَخِرُّ (۴)	اور گر پڑیں	مَنْ	جو	فَرْدًا	تنہا

اللہ کی کوئی اولاد نہیں: اوپر اُن مشرکین کی تردید کی گئی ہے جو اللہ کے علاوہ معبود تجویز کرتے ہیں۔ کچھ لوگ اللہ

(۱) **الإدّ:** سنگین معاملہ، انتہائی برا کام۔ جمع **إِدَادٌ**؛ **أَدَّ الْأَمْرُ فلانا أَدًّا:** معاملہ سنگین ہونا، مشکل میں مبتلا کر دینا۔ (۲) **تَفَطَّر:** پھٹنا، پارہ پارہ ہونا، دراڑیں پڑنا، جیسے **تفطّرتْ قدمُه:** پیر پھٹ گئے۔ (۳) **انْشَقَّ:** شگاف پڑنا، پھٹنا، کریک ہونا۔ (۴) **خَرَّ البناءُ خَرًّا وخُرُوْرًا:** عمارت کا آواز کے ساتھ اوپر سے نیچے گرنا، ڈھہ پڑنا۔ (۵) **هَدَّ الحائطُ هَدًّا:** دیوار کا گرنا، یہ **تخر** کا مفعول مطلق ہے۔ (۶) **أن:** سے پہلے لام تعلیلیہ محذوف ہے۔ (۷) **إن:** نافیہ ہے، اور **إلَّا:** اثبات ہے، نفی اثبات سے حصر پیدا ہوا ہے۔

کے لئے اولاد تجویز کرتے ہیں، اوران کو معبود کا درجہ دیتے ہیں۔ جیسے نصاری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا، اور تین خداؤں میں سے ایک خدا مانتے ہیں، اور مشرکینِ عرب فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں اور معبود قرار دیتے تھے۔ اب شرک کی اس خاص نوعیت کی تردید کی جارہی ہے۔ فرماتے ہیں ـــــــ اور انہوں نے کہا: مہربان اللہ نے اولاد اپنائی! ـــــــ عیسائی کہتے ہیں: اللہ نے خاص مصلحت سے عیسیٰ علیہ السلام کو بیٹا بنایا ہے۔ اور وہ مصلحت کفّارہ ہے۔ یعنی اللہ کا یہ بیٹا سولی پر چڑھ کر اور موت کا مزہ چکھ کر اپنے ماننے والوں کے گناہوں کا کفارہ بن گیا۔ اور مشرکین کا یہ گمان تھا کہ دنیا کا اتنا بڑا کارخانہ تنہا اللہ تعالیٰ کیسے چلا سکتے ہیں؟ انھوں نے فرشتوں کو بیٹیاں بنایا ہے، اوران کو اختیارات تفویض کئے ہیں، ان کی معاونت سے اللہ تعالیٰ نظام عالَم چلارہے ہیں، غرض یہ دونوں جماعتیں قائل ہیں کہ ہماری طرح اللہ کی بھی اولاد ہے۔ اس کی تردید کی جارہی ہے ـــــــ بخدا! واقعہ یہ ہے کہ تم نے ایک سنگین بات گھڑ لی ہے ـــــــ یعنی ان فرقوں نے نہایت بیہودہ اور نازیبا بات اللہ کی طرف منسوب کی ہے ـــــــ قریب ہیں آسمان کہ پھٹ پڑیں، اور زمین کریک ہوجائے، اور پہاڑ ڈِھہ پڑیں: اس وجہ سے کہ انھوں نے مہربان اللہ کی طرف اولاد منسوب کی ـــــــ یعنی یہ اتنی بھاری اور سنگین بات ہے کہ اگر اس کی وجہ سے آسمان وزمین تباہ ہوجائیں تو کچھ بعید نہیں۔ کیونکہ اولاد کی احتیاج کمزور کو ہوتی ہے، اور اللہ میں کسی طرح کی کمزوری ماننا ان پر کتنا بڑا ابتّا لگانا ہے۔ ارشاد ہے ـــــــ اور مہربان اللہ کے شایانِ شان نہیں کہ وہ اولاد بنائیں ـــــــ وہ قادرِ مطلق ہستی ہیں، وہ ہر عیب سے پاک ہیں ـــــــ آسمان اور زمین میں جو بھی ہے وہ مہربان اللہ کے پاس غلام بن کر حاضر ہونے والا ہے ـــــــ یعنی ساری کائنات اللہ کی مخلوق ہے، سب غلام بن کر ان کے سامنے حاضر ہونگے، اگر ان کی کوئی اولاد ہوتی تو وہ غلام بن کر کیسے حاضر ہوتی، عبدیت اور ولدیت میں منافات ہے، بیٹا غلام نہیں ہوسکتا۔ یہ عیسائیوں پر رد ہے۔ آگے مشرکین کی تردید ہے ـــــــ انھوں نے یقیناً سب کا احاطہ کر رکھا ہے، اور ایک ایک کو گن رکھا ہے ـــــــ پس ایسی قادر اور علیم وخبیر ہستی کو معاونین کی کیا ضرورت ہے! ـــــــ آخر میں مشرکین کو مایوس کیا جارہا ہے کہ اگر تم نے اپنے معبودوں سے آس لگا رکھی ہے کہ وہ آخرت میں تمہارے کام آئیں گے، تو سنو: ـــــــ اور وہ سب قیامت کے دن اللہ کے پاس تنہا حاضر ہونگے ـــــــ ان کا کوئی معبود ان کے ساتھ نہیں ہوگا، جو ان کی مدد کرے، اس دن ساز وسامان، تعلقات، فرضی معبود اور بیٹے پوتے کچھ کام نہ آئیں گے۔ رحمان کی مہربانی ہی سے بیڑا پار ہوگا!

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَٰنُ وُدًّا ﴿٩٦﴾ فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ وَتُنذِرَ بِهِ قَوْمًا لُّدًّا ﴿٩٧﴾ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّن قَرْنٍ هَلْ

تُحِسُّ مِنۡهُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ اَوۡ تَسۡمَعُ لَهُمۡ رِكۡزًا ﴿۹۸﴾

ع ۶

اِنَّ	بیشک	يَسَّرۡنٰهُ	آسان کیا ہم نے اس کو	اَهۡلَكۡنَا	ہلاک کئے ہم نے
الَّذِيۡنَ	جو لوگ	بِلِسَانِكَ	آپ کی زبان میں	قَبۡلَهُمۡ	ان سے پہلے
اٰمَنُوۡا	ایمان لائے	لِتُبَشِّرَ	تاکہ خوشخبری دیں آپ	مِّنۡ قَرۡنٍ (۳)	زمانے
وَعَمِلُوا	اور کئے انھوں نے	بِهِ	اس کے ذریعہ	هَلۡ	کیا
الصّٰلِحٰتِ	نیک کام	الۡمُتَّقِيۡنَ	متقیوں کو	تُحِسُّ (۴)	محسوس کرتے ہیں آپ
سَيَجۡعَلُ	اب بنائیں گے	وَتُنۡذِرَ	اور ڈرائیں آپ	مِنۡهُمۡ	ان میں سے
لَهُمُ	ان کے لئے	بِهِ	اس کے ذریعہ	مِّنۡ اَحَدٍ	کسی کو بھی
الرَّحۡمٰنُ	مہربان اللہ	قَوۡمًا	لوگوں کو	اَوۡ تَسۡمَعُ	یا سنتے ہیں آپ
وُدًّا (۱)	محبت	لُّدًّا (۲)	جھگڑالو	لَهُمۡ	ان کی
فَاِنَّمَا	پس صرف	وَكَمۡ	اور بہت سے	رِكۡزًا (۵)	کوئی آہٹ؟

اب آخر میں دو باتیں بیان کرکے سورت ختم کی جارہی ہے:

پہلی بات: مؤمنین کو ایک خاص معاملہ میں تسلی دی جاتی ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اسلام سے پہلے عرب قبائلی زندگی گزارتے تھے، وہ خاندان کی بنیاد پر ایک دوسرے کی مدد کرنے کے خوگر تھے، اور قبائل میں باہم نفرت وعداوت تھی، ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ کے خون کا پیاسا تھا، پھر جب اسلام کا آغاز ہوا تو کوئی ایک پورا قبیلہ مسلمان نہیں ہوا تھا، مختلف قبائل کے لوگوں نے اسلام قبول کیا تھا، اور اسلام قبول کرنے کے بعد ان کا اپنے قبائل سے تعلق ختم ہوگیا تھا، اور مسلمان بے یار و مددگار رہ گئے تھے۔ پہلی آیت میں ان کو بشارت سنائی گئی ہے کہ یہ عارضی حالت ہے، جلد اللہ تعالیٰ اسلامی برادری وجود میں لانے والے ہیں، جس میں مودت ومحبت کی روح کارفرما ہوگی، پھر کوئی مسلمان بے یار ومددگار نہیں رہے گا۔ ارشاد ہے —— **یقیناً جو لوگ ایمان لائے، اور انھوں نے نیک کام کئے: جلد مہربان اللہ ان کے لئے محبت گردانیں گے** —— جس سے وہ بھائی بھائی ہوجائیں گے، اور قبائل کی طرح ایک دوسرے کے

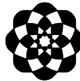
(۱) الودّ: (واو پر تینوں حرکتیں) تعلق، دوستی، یہ مفعول ثانی ہے۔ (۲) لُدّ: أَلَدّ کی جمع: سخت جھگڑالو (۳) من: کم خبریہ کے ابہام کا بیان ہے۔ اور قرن سے اہل قرن مراد ہیں۔ (۴) أَحَسَّ إِحْسَاسًا: محسوس کرنا، حواس سے جاننا۔ هل: استفہام انکاری ہے، نفی کے معنی کو متضمن ہے، من أحد میں من: نفی کی تاکید کے لئے ہے۔ (۵) الرِکز: کھٹک، پیروں کی آہٹ، ہلکی آواز، جمع رُکوز۔

معاون بن جائیں گے ـــــ اللہ کا یہ وعدہ جلد پورا ہوا، اور مسلمان ایک دوسرے پر جان چھڑکنے لگے، اور ہجرت کے بعد تو یہ دینی رشتہ خونی رشتہ سے قوی تر ہوگیا۔

فائدہ: آیت کا یہ مطلب: عبارۃ النص ہے [1]، مگر آیت کے الفاظ عام ہیں، **لھم**: **بینھم** سے عام ہے۔ پس آیت کے عموم میں یہ بات بھی شامل ہے کہ دوسرے لوگوں اور دوسری مخلوقات کے دلوں میں بھی اللہ تعالیٰ مؤمنین صالحین کی محبت پیدا فرمائیں گے۔ متفق علیہ روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتے ہیں تو جبرئیل علیہ السلام سے فرماتے ہیں: ''میں فلاں آدمی سے محبت کرتا ہوں، تم بھی ان سے محبت کرو'، جبرئیل آسمانوں میں اس کی منادی کرتے ہیں، اور سب آسمانوں والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر یہ محبوبیت زمین میں اتاری جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا﴾ میں اسی محبت ومودت کا ذکر ہے۔ (درمنثور ۴: ۲۸۷)

دوسری بات: قرآن پاک نہایت آسان زبان وبیان میں نازل کیا گیا ہے تاکہ ہر شخص اس سے فائدہ اٹھائے۔ ارشاد ہے ـــــ پس ہم نے قرآن کو آپ کی زبان (عربی) میں اس لئے آسان کیا کہ آپ اس سے متقیوں کو خوش خبری سنائیں، اور اس سے سخت جھگڑالو قوم (کفارِ مکہ) کو ڈرائیں ـــــ یعنی قرآن آسان زبان میں کھول کھول کر پرہیزگاروں کو بشارات سناتا ہے، اور مشرکین مکہ کو نتائجِ اعمال سے خبردار کرتا ہے ـــــ قرآن کو دوطرح سے آسان کیا گیا ہے: اول: عربی زبان میں نازل کیا گیا، جو قرآن کے مخاطبین اولین کی مادری زبان ہے۔ سورۂ یوسف میں ہے: ''ہم نے عربی میں قرآن اتارا تاکہ تم سمجھو' ـــــ دوم: دین کی بنیادی تعلیمات واضح انداز میں پیش کی گئی ہیں، سورۃ القمر میں ہے: ''ہم نے قرآن کو نصیحت پذیری کے لئے آسان کردیا ہے، پس کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟!''

اب بھی اگر مکہ کے ضدی جھگڑالو سردار نہ مانیں تو سن لیں: ـــــ اور ہم نے ان سے پہلے بہت سی قوموں کو ہلاک کیا: کیا آپ ان میں سے کسی کا احساس کرتے ہیں! یا ان کی کچھ آہٹ سنتے ہیں! ـــــ یعنی پہلے کتنی ہی بدبخت قومیں پاداشِ کفر میں ہلاک کی جاچکی ہیں، جن کا نام ونشان تک باقی نہیں رہا ممکن ہے تمہیں بھی کوئی تباہ کن عذاب آگھیرے، اور چشم زدن میں تباہ کردیئے جاؤ۔ پس آج جو سنبھلنے کا موقعہ ہے اس سے فائدہ اٹھالو!



(۱) عبارۃ النص: **مَا سِيْقَ لأجْله الكلام** کا نام ہے یعنی وہ مقصد جس کو لے کر بات کہی گئی ہے عبارۃ النص ہے۔ اور **لھم** سے جو عموم مفہوم ہوتا ہے وہ اشارۃ النص ہے ۱۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ طٰہٰ

نمبر شمار ۲۰ نزول کا نمبر ۴۵ نزول کی نوعیت مکی آیات ۱۳۵ رکوع ۸

سورت کا نام اور زمانۂ نزول: اس سورت کا نام پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔ طٰہٰ: طا اور ھا کا مجموعہ ہے، جو حروفِ ہجاء ہیں۔ان کی حقیقی مراد اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں۔کچھ لوگ طٰہٰ کو رسول اللہ ﷺ کا نام بتاتے ہیں، اسی طرح یٰسٓ کو بھی آپؐ کا نام کہتے ہیں۔ یہ بے دلیل بات ہے —— یہ سورت بھی مکی ہے۔اور مکی دور کے وسط میں نازل ہوئی ہے۔نزول کا نمبر ۴۵ ہے۔سورۂ مریم کا نزول کا نمبر ۴۴ تھا۔یعنی یہ سورت سورۂ مریم کے بعد متصلاً نازل ہوئی ہے۔اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام سے پہلے نازل ہو چکی تھی۔آپ کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ ۶ نبوی کا ہے۔اسی سورت کو پڑھ کر آپ نے اسلام قبول کیا ہے۔اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''سورۂ کہف، مریم، طٰہٰ اور انبیاء میری قدیم کمائی ہیں اور میرا عمدہ مال ہیں''

سورت کے مضامین: اس سورت کا موضوع بھی توحید و رسالت اور آخرت ہے۔اور دلیلِ نبوت کے طور پر قرآن کریم کا تذکرہ آیا ہے۔سب سے پہلے نزولِ قرآن کا مقصد بیان کیا گیا ہے۔اور یہ بتایا ہے کہ قرآن کس ہستی کا نازل کیا ہوا ہے؟ پھر موسیٰ علیہ السلام کے واقعات تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔اور واقعہ کے شروع ہی میں توحید و رسالت اور آخرت کا بیان ہے۔اور نماز کی تاکید کی گئی ہے۔پھر تفصیل سے واقعات کا تذکرہ شروع ہوا ہے۔ان واقعات سے چند سبق حاصل ہوتے ہیں:

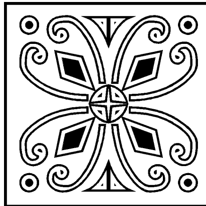
پہلا سبق: ہر ملّتِ حقّہ کو ابتداء میں شدائد سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔بنی اسرائیل کے ابتدائی حالات میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔مگر یہ احوال دیر تک باقی نہیں رہتے۔نجات کا وقت بہرحال آتا ہے۔اور حیرت انگیز طریقہ پر نجات ملتی ہے۔جیسے بنی اسرائیل کے لئے سمندر میں خشک راستے نکال دیئے گئے۔اسی طرح مسلمانوں کے لئے بھی راستہ

ضرور نکلے گا، وہ موجودہ پریشانیوں سے جی نہ اٹھالیں۔ اس وقت حالات بڑے پُر آشوب تھے۔ مکہ والوں کی چیرہ دستیوں سے بچنے کے لئے مسلمان ۵ نبوی میں حبشہ کی طرف ہجرت کر چکے تھے۔ اور باقی ماندہ ظلم کی چکی میں پس رہے تھے، مگر وہ حالات سے گھبرائیں نہیں، ان کی نجات کا وقت آرہا ہے۔

دوسرا سبق: ایمان کا بیج جب دل میں جگہ پکڑ لیتا ہے تو آناً فاناً تناور درخت بن جاتا ہے۔ اور فوراً ہی برگ وبار نمودار ہوجاتے ہیں۔ جادوگردوں کے واقعہ میں اس کی مثال موجود ہے۔ جب انھوں نے ایمان قبول کرلیا تو پھر وہ کسی ترغیب وتخویف سے متاثر نہ ہوئے۔ ایمان اور اس کے تقاضوں پر جمے رہے۔ اسلام کی تاریخ بھی اس سلسلہ کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ابتدائی حالات، جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے صرف تین دن قبل مسلمان ہوئے ہیں، اور خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی حالات کا مطالعہ کریں تو اس کی روشن مثالیں مل جائیں گی۔

تیسرا سبق: مسلمانوں کی صفوں میں ہمیشہ منافق رہتے ہیں۔ معاشرہ کبھی اس ناسور سے پاک نہیں ہوسکتا۔ سامری کا واقعہ اس کی مثال ہے۔ اس نے منافقانہ ایمان قبول کیا تھا۔ اور جب وقت آیا تو اس نے اپنا چولا بدل دیا۔ اور بچھڑا بنا کر اس کا مجاور بن بیٹھا۔ اور خود بھی ڈوبا اور ساتھ ایک خلقت کو لے ڈوبا۔ پس مسلمانوں کو ہمیشہ آستین کے اِن سانپوں سے ہوشیار رہنا چاہئے۔

علاوہ ازیں متعدد ضمنی فوائد بیان ہوئے ہیں۔ پھر آخرت اور اس کے احوال کا بیان ہے۔ اور رسالتِ محمدی کی سب سے بڑی دلیل: قرآن کریم کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اور غیر مسلموں کے لئے قرآن کے مطالعہ کا طریقہ بیان کیا ہے۔ اور ان کو ایک انتباہ دیا ہے۔ پھر اس انتباہ کی تفصیل حضرت آدم علیہ السلام کے واقعہ سے کی ہے۔ اور آخر میں مسلمانوں کو فہمائش کی ہے کہ ابھی کفار سے لوہا لینے کا وقت نہیں آیا، پس ان کی باتوں پر صبر کریں۔ اور صبر کا حوصلہ پیدا کرنے کی مثبت ومنفی تدبیریں بیان کی ہیں اور ساتھ ہی نماز کی تاکید کی ہے۔ پھر منکرینِ رسالت کے ایک مطالبہ کا جواب دے کر سورتِ پاک ختم کی گئی ہے۔



(۲۰) سُوْرَةُ طٰهٰ مَكِّيَّةٌ (۴۵)

آیاتها ۱۳۵ — رکوعاتها ۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

طٰهٰ ۝۱ مَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰۤى ۝۲ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝۳ تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ۝۴ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝۵ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ۝۶ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ۝۷ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۝۸

طٰهٰ	طا، ها	تَذْكِرَةً	یاددہانی	الْعُلٰى	اونچے
مَآ (۱)	نہیں	لِّمَنْ	اس کے لئے جو	اَلرَّحْمٰنُ (۴)	(وہ) مہربان اللہ (ہے)
اَنْزَلْنَا	اتارا ہم نے	يَّخْشٰى	ڈرتا ہے	عَلَى الْعَرْشِ	تختِ شاہی پر
عَلَيْكَ	آپؐ پر	تَنْزِيْلًا (۳)	بتدریج اتارنا	اسْتَوٰى (۵)	اس نے قرار پکڑا
الْقُرْاٰنَ	قرآن	مِّمَّنْ	اسکی جانب سے جس نے	لَهٗ	اس کی ملک ہے
لِتَشْقٰۤى (۲)	تاکہ آپ مشقت میں پڑیں	خَلَقَ	پیدا کی	مَا	جو کچھ
		الْاَرْضَ	زمین	فِي السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں ہے
اِلَّا	مگر	وَالسَّمٰوٰتِ	اور آسمان	وَمَا	اور جو کچھ

(۱) ما: نافیہ ہے، اور إلا: برائے اثبات آگے آرہا ہے، نفی اثبات کے ذریعہ حصر کیا گیا ہے أی ما أنزلنا القرآن إلا تذكرة: ہم نے قرآن صرف یاددہانی کے لئے اتارا ہے۔ پھر جب عَلَيك بڑھایا تو نبی ﷺ کی تسلی کے لئے لتشقى بڑھایا، اور اس طرح ایک نیا مضمون پیدا ہوگیا، اور تذكرة: کے ساتھ رعایت فاصلہ کے لئے اس کا متعلق لمن يخشى بڑھایا، تو ایک تیسرا مضمون پیدا ہوگیا۔ (۲) شَقِيَ يَشْقٰى (س) شَقَاءً فی کذا: مشقت میں پڑنا، سخت محنت کرنا، تکلیف اٹھانا۔ (۳) تنزيلا: فعلِ محذوف کا مفعول مطلق ہے أی نُزِّل تنزيلاً: بتدریج اتارا گیا۔ اور چونکہ فعل محذوف: مجہول تھا، جس کا فاعل انجانا ہوتا ہے، اس لئے آگے فاعل کو جار مجرور کی شکل میں لایا گیا (۴) الرحمن: مبتدا محذوف هو کی خبر ہے۔ اور على العرش: استوى سے متعلق ہے، رعایتِ فاصلہ کی وجہ سے مقدم لایا گیا ہے، اور استوى: کی ضمیر الرحمٰن کی طرف لوٹتی ہے۔ (۵) استوى على كذا: اوپر چڑھنا، بلند ہونا، جمنا، قرار پکڑنا۔

فِي الْاَرْضِ	زمین میں ہے	تَجْهَرْ	آپ پکار کر کہیں	اَللّٰهُ (۴)	(وہ) اللہ (ہیں)
وَمَا	اور جو کچھ	بِالْقَوْلِ (۲)	بات	لَآ	نہیں
بَيْنَهُمَا	دونوں کے درمیان ہے	فَاِنَّهٗ	پس بیشک وہ	اِلٰهَ	کوئی معبود
وَمَا	اور جو کچھ	يَعْلَمُ	جانتے ہیں	اِلَّا هُوَ	مگر وہ
تَحْتَ	نیچے	السِّرَّ	چپکے سے کہی ہوئی بات	لَهُ	ان کے لئے (ہیں)
الثَّرٰى (۱)	نمناک مٹی کے ہے	وَاَخْفٰى (۳)	اور جو اس سے زیادہ	الْاَسْمَآءُ	نام
وَاِنْ	اور اگر		پوشیدہ ہے	الْحُسْنٰى	اچھے

نزولِ قرآن کا مقصد: گذشتہ سورت کا آخری مضمون یہ تھا کہ قرآن کریم نہایت آسان زبان وبیان میں اتارا گیا ہے، تاکہ ہر شخص اس سے استفادہ کرسکے، اب اسی مضمون سے اس سورت کا آغاز کیا جارہا ہے، ارشاد ہے: —— طا، ھا —— یہ حروف مقطعات ہیں، جن کی مراد اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں، آگے ارشاد ہے —— ہم نے آپؐ پر قرآن اس لئے نہیں اتارا کہ آپؐ مشقت میں پڑیں، بلکہ اس شخص کی یاددہانی کے لئے اتارا ہے جو اللہ سے ڈرتا ہے —— ان دو آیتوں میں تین باتیں بیان کی ہیں۔ ایک اصل مقصود ہے اور دو ضمناً بیان ہوئی ہیں: اول: قرآن نازل کرنے کی غرض یہ ہے کہ لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں۔ ان کو عہدِ الست میں توحید ربوبیت کا جو سبق پڑھایا گیا ہے (الاعراف ۱۷۲) قرآن کریم ان کو وہ سبق یاددلاتا ہے۔ دوم: قرآن کریم کے نازل کرنے کا یہ مقصد نہیں ہے کہ آپ ﷺ دعوت کے کام میں محنتِ شاقہ اور تکلیف شدیدہ اٹھائیں، اور جو نہ مانیں ان کے غم میں اپنی جان ہلاک کریں۔ آپؐ حسب استطاعت محنت کریں، اشقیاء اپنا وبال خود چکھیں گے۔ سوم: جن لوگوں کے دل نرم ہیں، اور وہ اللہ سے ڈرتے ہیں: وہی قرآن کے بیانات سے نصیحت حاصل کریں گے، اور ایمان لائیں گے، انہی کی تذکیر کے لئے یہ کتاب اتاری گئی ہے۔

قرآن کس ہستی کا نازل کیا ہوا ہے؟ —— قرآن اس ہستی نے بتدریج اتارا ہے، جس نے زمین اور اونچے آسمان بنائے ہیں —— یعنی جو ساری کائنات کے خالق ہیں —— وہ مہربان اللہ ہیں —— انھوں نے یہ

---

(۱) الثرى: نمناک مٹی، وہ گیلی مٹی جو زمین کی تہ میں ہے۔ اسم ہے۔ (۲) وإن تجهر بالقول کا معادل اور شرط کی جزا دونوں محذوف ہیں، اور معادل کا قرینہ شرط ہے اور جزاء کا قرینہ اگلا جملہ ہے أي: إن تجهر بالقول أو تخافت به: فإنهما سِيَّان یعنی خواہ آپ زور سے باتیں کہیں یا چپکے سے: اللہ کے لئے یکساں ہیں، کیونکہ الخ (۳) أخفى: اسم تفضیل ہے اور مفضل منہ محذوف ہے۔ (۴) اللہ: مبتدا محذوف ھو کی خبر ہے۔

کائنات اس لئے پیدا کی ہے کہ لوگ ان کی رحمت کے حقدار بنیں (ہود آیت ۱۱۹) اور اچھے عمل کر کے جنت کے اونچے درجات حاصل کریں (الکہف آیت ۷، الملک آیت ۲) اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات جہنم بھرنے کے لئے پیدا نہیں کی ——— اس نے (کائنات پیدا کرنے کے بعد) تختِ شاہی پر قرار پکڑا ——— یعنی وہی ہستی کائنات پر قابض ومتصرف ہے، اس نے کارخانۂ عالَم دوسروں کو تفویض نہیں کیا، جیسا کہ مشرکین خیال کرتے ہیں ——— اس کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں، اور جو کچھ زمین میں، اور جو کچھ دونوں کے درمیان، اور جو کچھ نمناک مٹی کے نیچے ہے ——— یعنی کائنات کا ذرّہ ذرّہ ان کی مِلک ہے، اور وہی ہر چیز کے مالک ہیں ——— اور اگر آپ زور سے بات کہیں (یا چپکے سے: وہ دونوں کو جانتے ہیں) کیونکہ وہ چپکے سے کہی ہوئی بات کو جانتے ہیں، اور اس سے پوشیدہ بات کو بھی ——— یعنی وہ دلوں کے خیالات سے بھی واقف ہیں، وہ علیم وخبیر ہیں ——— (وہ ہستی) اللہ ہیں، ان کے سوا کوئی معبود نہیں ——— یعنی الوہیت (خدا ہونا) انہی کا حق ہے، کوئی دوسرا اس وصف میں ان کا شریک وسہیم نہیں ——— ان کے (اور بھی) اچھے اچھے نام ہیں ——— وہ بے شمار صفات وکمالات کے مالک ہیں، قرآن اسی ذاتِ پاک نے اتارا ہے، اس لئے اس پر ایمان لانا، اور اس کی ہدایات کی پیروی کرنا فرض ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی پانچ صفات بیان کی گئی ہیں۔ یعنی زمین وآسمان کا خالق ہونا، عالَم پر قابض ومتصرف ہونا، کائنات کے ذرّہ ذرّہ کا مالک ہونا، ان کا علیم وخبیر ہونا، اور انہی کا معبود برحق ہونا یہ سب صفات واضح ہیں، البتہ ان کا عرش پر متمکن ہونا تفصیل طلب ہے:

اتنی بات تو واضح ہے کہ عرش پر قرار پکڑنے سے صرف عالَم پر قابض ومتصرف ہونا ہی مراد نہیں، بلکہ اس کی حقیقت بھی مراد ہے: عرش کے معنی تختِ شاہی اور بلند مقام کے ہیں، اور نصوص سے یہ بات ثابت ہے کہ عرشِ الٰہی کے پائے ہیں، اور مقرب فرشتے اس کو اٹھائے ہوئے ہیں، اور وہ آسمانوں کے اوپر قبّہ کی طرح ہے، اس سے زیادہ اس کی حقیقت معلوم نہیں۔ اور استواء کے معنی برابر اور سیدھا ہونے، جمنے اور قرار پکڑنے کے ہیں۔ اور جب کوئی تختِ حکومت پر بیٹھتا ہے تو ملک کا نظم وانتظام کرتا ہے اور اقتدار ونفوذ وتصرف کا مالک ہوتا ہے۔

اب یہاں دو چیزیں ہیں: ایک: تختِ شاہی پر بیٹھنا۔ یہ مبدأ اور سبب ہے۔ دوسری: نفوذ واقتدار وتصرف کا مالک ہونا، یہ نتیجہ اور غایت ہے۔ اب اگر یہ صفت کسی انسان کے لئے ثابت کی جائے، تو مبدأ اور غایت دونوں مراد ہونگے، اور ہم مبدأ کی کیفیت کا ادراک بھی کرسکیں گے۔ مگر جب یہ صفت اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کی جائے تو غایت مراد ہوگی یعنی آسمانوں پر اور زمین پر اللہ تعالیٰ کو اقتدار اعلیٰ حاصل ہے، اور وہی کائنات میں متصرف ہیں۔ مشرکین کا جو خیال ہے

کہ اللہ نے بعض بندوں کو جزوی اختیار دیدیا ہے: قطعاً غلط خیال ہے۔ رہا مبدأ تو اس کے وجود کا اعتقاد رکھنا ضروری ہے، مگر اس کی کیفیت کو نہ سمجھ سکتے ہیں نہ سمجھا سکتے ہیں، پس اس کو اللہ تعالیٰ کے علم کے حوالے کرنا ضروری ہے۔ (رحمۃ اللہ الواسعہ شرح حجۃ اللہ البالغہ ۱:۶۳۶)

ملحوظہ: یہ صفت اسی سیاق میں قرآن کریم میں سات جگہ آئی ہے (الاعراف ۵۴، یونس ۳، الرعد ۲، طٰہٰ ۵، الفرقان ۵۹، السجدہ ۴، اور الحدید ۴) سب جگہ یہی بات بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات پیدا کر کے دوسروں کے حوالے نہیں کر دی کہ وہ جو چاہیں تصرف کریں، بلکہ وہ خود تختِ سلطنت پر جلوہ افروز ہیں، اور سارے جہاں کا انتظام وہی کر رہے ہیں، دوسرا کوئی انتظام میں دخیل نہیں، پس وہی معبود برحق ہیں۔

قرآن کریم رحمت ونور ہے۔ حسبِ استطاعت اس کی اشاعت وتلاوت کرنا آخری درجہ کی سعادت ہے!

وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۝ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ۝۱۰ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى ۝۱۱ اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝۱۲ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ۝۱۳ اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ۝۱۴ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا تَسْعٰى ۝۱۵ فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى ۝۱۶

وَهَلْ	اور کیا	نَارًا	آگ	نَارًا	آگ
اَتٰىكَ	پہنچی آپ کو	فَقَالَ	پس کہا	لَّعَلِّيْٓ	شاید میں
حَدِيْثُ	بات	لِاَهْلِهِ	اپنے گھر والوں سے	اٰتِيْكُمْ	لاؤں تمہارے پاس
مُوْسٰى	موسیٰ (کی)	امْكُثُوْٓا	ٹھہرو	مِّنْهَا	اس سے
اِذْ	جب	اِنِّيْٓ	بیشک میں نے	بِقَبَسٍ (۲)	کوئی شعلہ
رَاٰ	دیکھی انھوں نے	اٰنَسْتُ (۱)	محسوس کی ہے	اَوْ	یا

(۱) آنس الشیئَ: محسوس کرنا، دیکھنا (۲) القَبَس: آگ کا شعلہ، انگارہ۔

اَجِدُ	پاؤں میں	وَ اَنَا	اور میں نے	اٰتِیَةٌ	آنے والی ہے
عَلَى النَّارِ	آگ پر	اخْتَرْتُكَ	آپ کو منتخب کیا	اَكَادُ (۱)	قریب ہوں میں
هُدًى	راہ نمائی	فَاسْتَمِعْ	پس آپ غور سے سنیں	اُخْفِیْهَا	(کہ) پوشیدہ رکھوں اسکو
فَلَمَّآ	پس جب	لِمَا	اس کو جو	لِتُجْزٰى	تاکہ بدلہ دیا جائے
اَتٰىهَا	پہنچے وہ اس پر	یُوْحٰی	وحی کی جارہی ہے	كُلُّ	ہر
نُوْدِیَ	آواز دیئے گئے	اِنَّنِیْٓ	بیشک میں	نَفْسٍ	شخص
یٰمُوْسٰى	اے موسیٰ!	اَنَا	میں (ہی)	بِمَا	اس کا جو
اِنِّیْٓ	بیشک میں	اللّٰهُ	اللہ (ہوں)	تَسْعٰى	کیا اس نے
اَنَا	میں (ہی)	لَآ اِلٰهَ	نہیں کوئی معبود	فَلَا یَصُدَّنَّكَ	پس ہرگز نہ روکے آپ کو
رَبُّكَ	آپ کا رب ہوں	اِلَّآ	مگر	عَنْهَا	قیامت سے
فَاخْلَعْ	پس اتار دیں آپ	اَنَا	میں	مَنْ	جو
نَعْلَیْكَ	اپنے چپل	فَاعْبُدْنِیْ	پس میری عبادت کریں	لَّا یُؤْمِنُ	ایمان نہیں رکھتا
اِنَّكَ	بیشک آپ	وَاَقِمِ	اور اہتمام کریں	بِهَا	اس پر
بِالْوَادِ	میدان میں	الصَّلٰوةَ	نماز (کا)	وَاتَّبَعَ	اور پیروی کی اس نے
الْمُقَدَّسِ	پاک	لِذِكْرِیْ	میری یاد کے لئے	هَوٰىهُ	اپنی خواہش کی
طُوًى	طوی (ہیں)	اِنَّ السَّاعَةَ	بیشک قیامت	فَتَرْدٰى (۲)	پس تو تباہ ہو

توحید ورسالت اور آخرت کا بیان، اور نماز کی تاکید ـــــ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔ اس واقعہ کے ضمن میں اسلام کے بنیادی عقائد: توحید ورسالت اور معاد کا بیان ہے۔ اور ساتھ ہی اسلام کی اہم

(۱) أکاد: فعل مقارب۔ أکاد أخفیها: جملہ معترضہ ہے، الساعة کی صفت نہیں (روح ۱۵:۱۱۳) لتجزی: آتیة سے متعلق ہے، اور آتیة کی غرض وغایت ہے۔ کاد: کلام مثبت میں فعل کی نفی کرتا ہے یعنی یہ بتلاتا ہے کہ بعد میں آنے والا فعل واقع نہیں ہوا یعنی اللہ تعالیٰ نے قیامت کو چھپایا نہیں، بلکہ اس کی خبر دیدی ہے (تفصیل کے لئے دیکھیں سورۂ بنی اسرائیل آیت ۷۳ کا حاشیہ) (۲) رَدِی (س) ردًی: ہلاک ہونا، کھڈ یا غار میں گرنا۔ فتردی: جواب نہی ہے، اور واتبع کا لایؤمن پر عطف ہے، اور من لایؤمن: فلایصدنك کا فاعل ہے۔

ترین عبادت: نماز کے اہتمام کا حکم ہے۔ توحید وآخرت کے مضمون کی موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی گئی ہے، اور یہ وحی اس وقت کی گئی ہے جب آپ کو نبوت سے سرفراز کیا ہے، اس طرح تینوں عقائد کی صراحت ہوگئی۔ ارشاد ہے: ——— اور کیا آپ کو موسیٰ کا واقعہ پہنچا ہے؟ ——— سوال کا مقصد سامعین کو متوجہ کرنا ہے کہ وہ بات غور سے سنیں ——— موسیٰ علیہ السلام جب مصر سے بھاگ کر مدین پہنچے ہیں تو وہاں آپ نے نکاح کر لیا تھا۔ وہاں کئی سال مقیم رہنے کے بعد آپ مع اہل وعیال مصر کی طرف مراجعت فرما ہوئے۔ سردی کا زمانہ تھا، اور اتفاق سے راستہ بھول گئے۔ اچانک دور پہاڑ پر آگ نظر آئی۔ اس زمانہ کا دستور تھا کہ پہاڑی علاقہ میں جہاں مسافر بھٹک جایا کرتے ہیں: کسی اونچے پہاڑ پر رات میں آگ روشن کر دیا کرتے تھے، تاکہ بھولا بھٹکا مسافر وہاں پہنچ جائے۔ پھر کہیں آگ پر کوئی آدمی بھی ہوتا تھا، جس کے پاس فوری امداد کے لئے کھانا پانی وغیرہ ہوتا تھا۔ اور کہیں کوئی آدمی نہیں ہوتا تھا چنانچہ ——— جب انھوں نے آگ دیکھی تو اپنے گھر والوں سے کہا: ''ٹھہرو! میں نے بالیقین آگ دیکھی ہے۔ شاید میں اس میں سے تمہارے لئے کوئی شعلہ لاؤں یا آگ پر راہ نمائی پاؤں!'' ——— یعنی اگر وہاں کوئی نہ ہوا تو میں تھوڑی آگ لے آؤنگا، اور کوئی ہوا تو راستہ بھی معلوم کر آؤنگا ——— پھر جب وہ آگ پر پہنچے تو پکارے گئے: ''اے موسیٰ! بیشک میں ہی آپ کا پروردگار ہوں'' ——— یعنی وہ آگ نہیں تھی، اللہ کا جلوہ تھا، اور آگ کا حجاب تھا۔ وہاں موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کا کلام بلاواسطہ سنا۔ چنانچہ آپ ''کلیم اللہ'' کہلائے۔

سوال: نبی ﷺ نے بھی معراج میں اللہ کا کلام بلاواسطہ سنا ہے، پھر آپ ﷺ کو کلیم اللہ کیوں نہیں کہا جاتا؟

جواب: یہ واقعہ اِس دنیا کا نہیں ہے، آسمانوں کے اوپر کا ہے، اس لئے آپؐ کو کلیم اللہ نہیں کہا جاتا۔ اِس عالَم میں براہِ راست اللہ کا کلام سننا موسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت ہے اس لئے آپ ہی کو کلیم اللہ کہا جاتا ہے۔

متبرک جگہ کا ادب: اس موقع پر سب سے پہلی بات اللہ پاک نے یہ ارشاد فرمائی ——— پس آپ اپنے چپل اتار دیں، آپ یقیناً طُویٰ نامی پاک میدان میں ہیں ——— یہ میدان یا تو پہلے سے متبرک تھا یا اب ہوگیا، بہرحال متبرک جگہ میں جوتے اتار دینا ادب کا تقاضا ہے۔

مسئلہ: جوتے اگر پاک ہوں تو خفین کی طرح اُن میں نماز پڑھنا درست ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پاک جوتے پہن کر نماز پڑھنا صحیح روایات سے ثابت ہے۔ مگر کسی روایت میں یہ صراحت نہیں کہ یہ عمل مسجد میں ہوتا تھا، سفر میں یا میدانِ جہاد کا یہ عمل ہوسکتا ہے، واللہ اعلم۔

رسالت سے سرفرازی: پھر ارشاد فرمایا: ——— اور میں نے آپ کو (نبوت کے لئے) منتخب کیا ہے، پس آپ

وہ باتیں غور سے سنیں جو وحی کی جارہی ہیں ـــــ کلام الٰہی سننے کا یہی ادب ہے کہ اسکو بغور سنا جائے، اعضاء پُرسکون ہوں، کوئی عضو کسی شغل میں لگا ہوا نہ ہو، اور کلام سمجھنے کی طرف دھیان ہو۔

توحید الوہیت وعبادت: پھر سب سے اہم مسئلہ کی وحی فرمائی ـــــ بیشک میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں ـــــ یہ توحید الوہیت ہے ـــــ پس آپ میری بندگی کریں ـــــ کسی اور کی بندگی نہ کریں، یہ توحید عبادت ہے۔

نماز کی تاکید: پھر فرمایا ـــــ اور آپ میری یاد کے لئے نماز کا اہتمام کریں ـــــ اس میں نماز کی تاکید کے ساتھ اس کا مقصد بھی واضح کیا ہے، اور وہ اللہ پاک کی یاد ہے، یہی نماز کا سب سے بڑا فائدہ ہے (سورۃ العنکبوت آیت ۴۵) ـــــ دنیا غفلت کی جگہ ہے، یہاں آدمی بار بار اللہ تعالیٰ کو بھولتا ہے، چنانچہ رات دن میں متفرق اوقات میں پانچ نمازیں فرض کی گئیں، تاکہ بندے نمازوں کے ذریعہ اللہ کو یاد رکھیں ـــــ نیز نماز کی روح ذکر اللہ ہے۔ نماز شروع سے آخر تک ذکر ہے۔ دل اور زبان ہی ذکر میں مشغول نہیں ہوتے، بلکہ دوسرے اعضاء بھی بندگی ظاہر کرتے ہیں۔ باادب کھڑا رہنا، جھکنا اور سجدہ ریز ہونا: عملی اذکار ہیں۔ پس جو شخص نماز سے غافل ہے وہ خدا کی یاد سے غافل ہے۔ اور جو دل اللہ کی یاد سے خالی ہوتا ہے: شیطان اس پر قبضہ جمالیتا ہے۔

قیامت آنے والی ہے: پھر فرمایا: ـــــ بیشک قیامت آنے والی ہے، قریب ہوں میں کہ اس کو پوشیدہ رکھوں، تاکہ ہر شخص کو اس کام کا بدلہ دیا جائے جو اس نے کیا ـــــ یعنی قیامت اس لئے آئے گی کہ ہر شخص نے دنیا میں جو اچھا برا کام کیا ہے، آخرت میں وہ اس کا بدلہ پائے۔ یہ توحید کے بعد عقیدۂ آخرت کی تعلیم ہے۔

اور درمیان میں یہ بات بیان فرمائی کہ چاہئے تو یہ تھا کہ لوگوں کو قیامت کی بھنک بھی نہ پڑنے دی جاتی، صحیح جانچ اور کھرا امتحان اسی صورت میں ہوتا ہے۔ مگر اللہ نے بندوں پر کرم فرمایا: اور ان کو بتلا دیا کہ قیامت بالیقین آنے والی ہے، تاکہ لوگ اس کے لئے تیاری کرلیں ـــــ پس آپ کو اس سے وہ شخص ہرگز نہ روکے جو اس پر ایمان نہیں رکھتا، اور اس نے اپنی خواہش کی پیروی کی ہے: پس (اس کے ساتھ) آپ بھی ہلاک ہوں! ـــــ یعنی آپ منکر قیامت کی صحبت سے بچیں، وہ خود تو ڈوبا ہے: آپ کو بھی لے ڈوبے گا! حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ بات ان کی امت کی تعلیم کے لئے کہی گئی ہے۔ پس آدمی کو چاہئے کہ سچوں کا ساتھی بنے۔ نیک آدمی کی صحبت رنگ لاتی ہے، اور برے کی صحبت بھی۔

> قیامت اور موت کا وقت اس لئے مخفی رکھا گیا ہے کہ لوگ عمل سے غافل نہ ہوں، مسلسل محنت میں لگے رہیں۔

وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ۝١٧ قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ أَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ أُخْرٰى ۝١٨ قَالَ أَلْقِهَا يٰمُوْسٰى ۝١٩ فَأَلْقٰهَا فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ۝٢٠ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ ۖ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْأُوْلٰى ۝٢١ وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوْءٍ اٰيَةً أُخْرٰى ۝٢٢ لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى ۝٢٣ إِذْهَبْ إِلٰى فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغٰى ۝٢٤

وَمَا	اور کیا (ہے)	بِهَا	اس کے ذریعہ	فَإِذَا	پس اچانک
تِلْكَ (۱)	یہ	عَلٰى غَنَمِيْ	اپنی بکریوں پر	هِيَ	وہ
بِيَمِيْنِكَ	آپ کے دائیں ہاتھ میں	وَلِيَ	اور میرے لئے	حَيَّةٌ	سانپ (ہے)
يٰمُوْسٰى	اے موسیٰ؟	فِيْهَا	اس میں	تَسْعٰى (۵)	دوڑتا ہوا
قَالَ	کہا	مَاٰرِبُ (۴)	حاجتیں ہیں	قَالَ خُذْهَا	فرمایا: پکڑلو اس کو
هِيَ	وہ	أُخْرٰى	دوسری (اور بھی)	وَلَا تَخَفْ	اور ڈرو نہیں
عَصَايَ	میری لاٹھی ہے	قَالَ	فرمایا	سَنُعِيْدُهَا	عنقریب لوٹائیں گے
أَتَوَكَّؤُا (۲)	ٹیک لگاتا ہوں میں	أَلْقِهَا	نیچے ڈالدو اس کو		ہم اس کو
عَلَيْهَا	اس پر	يٰمُوْسٰى	اے موسیٰ	سِيْرَتَهَا	اس کی حالت پر
وَأَهُشُّ (۳)	اور پتے جھاڑتا ہوں میں	فَأَلْقٰهَا	پس نیچے ڈالدیا اس کو	الْأُوْلٰى	پہلی (سابقہ)

(۱) تلك: اسم اشارہ بعید بمعنی قریب ہے۔ عربی میں کسی چیز کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے: قریب کے لئے اسم اشارہ بعید لاتے ہیں، جیسے ذلك الكتاب لا ريب فيه: اور مشار الیہ ''عصا'' ہے جو مؤنث سماعی ہے (۲) أتوكؤا: فعل مضارع: صیغہ واحد متکلم۔ آخر کا واو: واوِ جمع کے مشابہ تھا اس لئے قرآنی رسم الخط میں اس کے بعد الف لکھا گیا ہے۔ عام عربی رسم الخط میں أتوكأ لکھا جائے گا۔ تَوَكَّأَ على الشيئ: ٹیک لگانا، سہارا لینا۔ (۳) أهش: فعل مضارع: صیغہ واحد متکلم۔ هَشَّ (ن) هَشًّا الشجرةَ: درخت پر لاٹھی مار کر پتے جھاڑنا (۴) مآرب: مأربة (راء پر تینوں حرکتیں) کی جمع ہے، جس کے معنی ہیں: حاجت، مقصد، ضرورت۔ اور جمع کے ساتھ مفرد جیسا معاملہ کرتے ہوئے صفت أخرى (واحد مؤنث) لائی گئی ہے۔ قاعدے سے صفت أُخَر (جمع مؤنث) آنی چاہئے۔ اسی طرح من آياتنا الكبرى میں آيات (جمع) کے ساتھ مفرد جیسا معاملہ کیا گیا ہے، اور الكبرى (واحد مؤنث) صفت لائی گئی ہے۔ (۵) جملہ تسعى: حية کی صفت ہے۔

وَاضْمُمْ	اور ملالو	مِنْ غَيْرِ	بغیر	مِنْ اٰيٰتِنَا	ہماری نشانیوں میں سے
يَدَكَ	اپنا ہاتھ	سُوْٓءٍ	کسی عیب کے	الْكُبْرٰى	بڑی
اِلٰى جَنَاحِكَ (۱)	اپنی بغل سے	اٰيَةً (۲)	نشانی	اِذْهَبْ	جایئے
تَخْرُجْ	نکلے گا	اُخْرٰى	دوسری	اِلٰى فِرْعَوْنَ	فرعون کی طرف
بَيْضَآءَ	روشن	لِنُرِيَكَ	تا کہ دکھائیں ہم آپ کو	اِنَّهٗ طَغٰى	بیشک اس نے سرکشی کی ہے

معجزاتِ موسوی: اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو سندِ نبوت کے طور پر معجزات عنایت فرماتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کو نو نشانیاں دی گئی تھیں، جن کا تذکرہ سورہ بنی اسرائیل آیت ۱۰۱ میں گذر چکا ہے۔ یہاں ان میں سے دو بڑے معجزات ذکر کئے گئے ہیں:

۱۔ **عصاء کا معجزہ:** اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے دریافت کیا ـــــ اور اے موسیٰ! آپ کے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ ـــــ یہ سوال اس لئے کیا گیا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی لاٹھی کی حقیقت اور اس کے منافع کو خوب مستحضر کرلیں، تا کہ جب معجزہ ظاہر ہو تو یہ خیال نہ آئے کہ شاید غلطی سے ہاتھ میں لاٹھی نہ لائے ہوں کچھ اور لے آئے ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام نے ـــــ عرض کیا: یہ میری لاٹھی ہے، میں اس پر ٹیک لگا تا ہوں، اور میں اس کے ذریعہ اپنی بکریوں پر پتے جھاڑتا ہوں، اور میرے اس سے اور بھی کئی کام نکلتے ہیں ـــــ محبت کا تقاضا یہ ہے کہ جب محبوب مہربان ہو کر متوجہ ہو تو بات دراز کی جائے، اور محبوب کی توجہ سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جائے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے تفصیلی جواب دیا، اور لاٹھی کے منافع بیان کئے ورنہ اتنا جواب بھی کافی تھا کہ ''یہ لاٹھی ہے'' ـــــ اور ادب کا یہ بھی تقاضا ہے کہ کلام بہت طویل نہ کیا جائے۔ چنانچہ آخر میں اختصار کردیا کہ میں اس سے اور بھی کام لیتا ہوں، اور ان کی تفصیل بیان نہ کی، تا کہ کلام کی درازی محبوب کے ملال کا باعث نہ بن جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ـــــ فرمایا: اے موسیٰ! اس کو نیچے ڈال دو، چنانچہ آپ نے اس کو نیچے ڈال دیا، پس اچانک وہ دوڑتا ہوا سانپ بن گئی! ـــــ اس سانپ کو یہاں ''دوڑتا ہوا'' کہا گیا ہے۔ یعنی وہ بالقوہ سریع السیر تھا، بالفعل دوڑ نا مراد نہیں۔ اور سورۃ النمل آیت ۱۰ میں ﴿ كَاَنَّهَا جَآنٌّ ﴾: گویا پتلا سانپ کہا گیا ہے۔ اور سورۃ الاعراف آیت ۱۰۷ میں، اور سورۃ الشعراء آیت ۳۲ میں ﴿ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴾ بڑا

(۱) جناح کے معنی بغل کے بھی آتے ہیں (معجم وسیط) اور تخرج: جوابِ امر ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے، اور بیضاء: ضمیر فاعل سے حال ہے۔ اور من غیر: تخرج سے متعلق ہے (۲) آیة أخری: فعل أَرَيْنَاكَ (ہم نے آپ کو دکھلائی) مقدر کا مفعول بہ ہے، جس کی تفسیر بعد والا لنریك کررہا ہے۔ اور لنریك: فعل محذوف: فعلنا ما فعلنا کا مفعول لہ ہے۔

اژدہا کہا گیا ہے۔ان میں تطبیق یہ ہے کہ وہ سانپ بڑا اژدہا تھا، مگر سرعتِ سیر اور تیز رفتاری میں چھوٹے سانپ کی طرح تھا، اس لئے جانّ کے ساتھ کأنھا بڑھایا ــــ فرمایا: اس کو پکڑ لو، اور ڈرو نہیں! ابھی ہم اس کو اس کی پہلی حالت کی طرف پھیر دیتے ہیں ــــ یعنی وہ ہاتھ میں لیتے ہی لاٹھی بن جائے گا۔

۲ــ یدِ بیضاء (روشن ہاتھ): اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ــــ اور آپ اپنا ہاتھ اپنے بغل میں دبالیں: وہ بے عیب روشن ہوکر نکلے گا ــــ یعنی جب بغل میں دبا کر ہاتھ نکالیں گے تو وہ آفتاب کی طرح چمکنے لگے گا۔اور سفیدی برص وغیرہ کی نہ ہوگی، جو عیب (بیماری) سمجھی جاتی ہے ــــ (دکھلائی ہم نے آپ کو) ــــ دوسری نشانی ــــ یعنی یہ بات صرف زبانی نہیں بتائی، بلکہ پہلے معجزہ کی طرح اللہ تعالیٰ نے عملی طور پر ریہرسل کرادی، تاکہ موقع پر خوف زدہ نہ ہوں ــــ تاکہ ہم آپ کو اپنی بعض بڑی نشانیاں دکھلائیں ــــ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام کو اور بھی معجزات عنایت فرمائیں گے، سرِ دست یہ دو معجزات عطا فرمائے گئے۔

کارِ نبوت: ــــ آپ فرعون کے پاس جائیں، اس نے یقیناً سر ابھارا ہے ــــ یعنی ان دو عظیم معجزات کے ساتھ سرکش فرعون کے پاس دعوتِ ایمان لے کر جائیں ــــ موسیٰ علیہ السلام کی بعثت درحقیقت بنی اسرائیل کی طرف ہوئی تھی، فرعون کو دعوت دینے کا حکم ضمناً تھا، کیونکہ اس کے ظلم واستبداد سے بنی اسرائیل کو چھڑانا بھی آپ کی بعثت کے مقاصد میں شامل تھا۔

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ﴿٢٥﴾ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ ﴿٢٦﴾ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ﴿٢٧﴾ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ﴿٢٨﴾ وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ﴿٢٩﴾ هٰرُوْنَ اَخِي ﴿٣٠﴾ اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ ﴿٣١﴾ وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ ﴿٣٢﴾ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا ﴿٣٣﴾ وَّنَذْكُرَكَ كَثِيْرًا ﴿٣٤﴾ اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا ﴿٣٥﴾ قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى ﴿٣٦﴾

قَالَ	عرض کیا	صَدْرِيْ	میرا سینہ	وَاحْلُلْ	اور کھول دیجئے
رَبِّ	اے میرے رب	وَيَسِّرْ	اور آسان فرمایئے	عُقْدَةً	گرہ
اشْرَحْ	کشادہ فرمایئے	لِيْٓ	میرے لئے	مِّنْ لِّسَانِيْ	میری زبان کی
لِيْ	میرے لئے	اَمْرِيْ	میرا کام	يَفْقَهُوْا (۱)	(تاکہ) سمجھیں وہ

(۱) یفقھوا جواب ہے فعلِ امر احلل کا، اور مجزوم ہے، نونِ اعرابی گر گیا ہے۔اور واو کے بعد الف: قرآنی رسم الخط کے مطابق لکھا گیا ہے۔

قَوْلِيْ	میری بات	اَزْرِيْ (۲)	میری پیٹھ	اِنَّكَ	بیشک آپ
وَاجْعَلْ	اور بنایئے	وَاَشْرِكْهُ	اور شریک کیجئے اس کو	كُنْتَ	ہیں آپ
لِّيْ	میرے لئے	فِيْٓ اَمْرِيْ	میرے کام میں	بِنَا (۳)	ہم کو
وَزِيْرًا	ایک مددگار	كَيْ	تاکہ	بَصِيْرًا	خوب دیکھنے والے
مِّنْ اَهْلِيْ	میرے گھر سے	نُسَبِّحَكَ	پاکی بیان کریں ہم	قَالَ	فرمایا
هٰرُوْنَ (۱)	(یعنی) ہارون		آپ کی	قَدْ	تحقیق
اَخِي	میرا بھائی	كَثِيْرًا	بہت زیادہ	اُوْتِيْتَ	دیئے گئے آپ
اشْدُدْ	مضبوط کیجئے	وَّنَذْكُرَكَ	اور یاد کریں ہم آپ کو	سُؤْلَكَ (۴)	اپنی درخواست
بِهٖٓ	اس کے ذریعہ	كَثِيْرًا	بہت زیادہ	يٰمُوْسٰى	اے موسیٰ

موسیٰ علیہ السلام کی دعائیں اور ان کی قبولیت: جب موسیٰ علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز کیا گیا، اور حکم دیا گیا کہ وہ فرعون کے پاس جائیں، اور اس کو ایمان کی دعوت دیں، تو آپ نے دو دعائیں فرمائیں:

پہلی دعا: ـــــ عرض کیا: پروردگار! میرے لئے میرا سینہ کھول دیجئے، اور میرے لئے میرا کام آسان فرمایئے ـــــ نبی کو دنیا کی اصلاح کا کام کرنا ہوتا ہے۔ اس کو بڑی سختیاں جھیلنی پڑتی ہیں۔ اور موسیٰ علیہ السلام کو تو فرعون کے پاس جانا تھا۔ جو خدا بنا ہوا تھا۔ اور جابر وظالم بھی تھا۔ اس لئے آپ نے مہم سرانجام دینے کے لئے دعا فرمائی کہ الٰہی! مجھے حوصلہ عطا فرما، میرا دل کھول دے، اور میرا کام آسان فرما، تاکہ میں دعوت کا کام بخوبی انجام دے سکوں۔ ناموافق باتیں پیش آنے پر ہمت نہ ہاروں۔ فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں دشواریاں پیش آنے پر گھبرا نہ جاؤں۔ اور فرعون کے جاہ وجلال اور دبدبہ کے سامنے دب نہ جاؤں ـــــ اور ''میرے لئے'': دو مرتبہ اس لئے لائے ہیں کہ اس کام میں سراسر فائدہ موسیٰ علیہ السلام کا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا کچھ فائدہ نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ کے کام اغراض ومقاصد کے مرہونِ منت نہیں ہوتے۔ البتہ ان میں حکمتیں ضرور ہوتی ہیں ـــــ اور میری زبان کی گرہ کھول دیجئے، تاکہ وہ میری بات سمجھیں ـــــ کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں لکنت تھی۔ بعض کہتے ہیں: پیدائشی تھی، اور بعض کہتے ہیں: لڑکپن میں زبان جل گئی تھی۔ اور اس کا قصہ تفاسیر میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ لڑکپن میں کھیلتے ہوئے فرعون کو

(۱) ھارون: وزیراً کا عطفِ بیان ہے (۲) الأَزْر: طاقت، مجازاً پیٹھ۔ شَدَّ أَزْرَه: مضبوط کرنا، تقویت پہنچانا۔ (۳) بِنَا: بصیرًا سے متعلق ہے، رعایتِ فاصلہ کی وجہ سے مقدم کیا گیا ہے۔ (۴) السُّؤْل اور السُّوْل: سوال، درخواست، فرمائش۔

لکڑی ماردی تھی، یا اس کی ڈاڑھی کھینچ لی تھی۔ اس نے موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ اس کی بیوی حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ نادان بچہ ہے، نادانی میں یہ حرکت کی ہے۔ یقین نہ آئے تو امتحان کرلیا جائے۔ امتحان کے لئے انگارہ اور یاقوت لایا گیا۔ آپ نے انگارہ منہ میں ڈال لیا، جس سے زبان جل گئی اور لکنت پیدا ہوگئی۔

مگر یہ واقعہ مرفوع روایت میں وارد نہیں ہوا[1]، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ اس لئے احتمال ہے کہ یہ اسرائیلی واقعہ ہو، اور آیت کی تفسیر اس پر موقوف نہیں۔ زبان کی گرہ یعنی بستگی عام لفظ ہے۔ ممکن ہے شاہی دربار میں آدمی پر جو ہیبت طاری ہوتی ہے، اور زبان بند ہوجاتی ہے، اور آدمی صاف صاف بات نہیں کہہ سکتا: وہ بستگی مراد ہو۔ اور قرآنِ پاک سے یہ بات ثابت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو وہ فصاحت اور طلاقتِ لسانی حاصل نہیں تھی جو ہارون علیہ السلام کو حاصل تھی۔ اور کارِ تبلیغ کی انجام دہی کے لئے اس کی بہر حال ضرورت ہوتی ہے، اس لئے آپ نے یہ دعا فرمائی۔

فائدہ: یہ دعا بہت اہم ہے۔ جو لوگ عوام سے خطاب کرتے ہیں، اور ان کی اصلاح کے فکر مند رہتے ہیں، ان کو یہ دعا حرزِ جان بنانی چاہئے۔ مجھے میرے استاذ حضرت مولانا مفتی محمد اکبر صاحب پالن پوری قدس سرہٗ نے بچپن میں یہ دعا تلقین کی تھی۔ اور اس میں ﴿ رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ﴾ کا اضافہ کیا تھا۔ چنانچہ پچاس سال سے یہ دعا میرا معمول ہے۔ پس جب تقریر یا کوئی اہم مضمون بیان کرنا ہو تو یہ دعا ضرور کرنی چاہئے۔ اور اَمری کہتے وقت مقصد کا تصور کرنا چاہئے۔ ان شاء اللہ کامیابی ہوگی۔

دوسری دعا: ـــــ اور میرے لئے میرے کنبے میں سے ایک مددگار تجویز فرمایئے، یعنی میرے بھائی ہارون کے ذریعہ میری پیٹھ مضبوط کیجئے، اور ان کو میرے کام میں شریک کیجئے ـــــ یہ دعا کارِ نبوت کو انجام دینے کے لئے اسباب کی فراہمی سے متعلق ہے۔ وزیر کے معنی مددگار کے ہیں۔ بادشاہ کا وزیر بھی اس کا مددگار رہتا ہے، اس لئے اس کو وزیر کہتے ہیں ـــــ کسی کام یا تحریک کے چلانے کے لئے حسبِ منشاء اعوان وانصار مل جائیں تو سب کام آسان ہوجاتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ ''جب اللہ تعالیٰ کسی کو کوئی امارت سپرد فرماتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ وہ اچھے کام کرے، تو اس کو نیک وزیر عنایت فرماتے ہیں، جو اس کی مدد کرتا ہے۔ اگر وہ کوئی ضروری کام بھول جاتا ہے تو وزیر یاد دلاتا ہے، اور جس کام کا وہ ارادہ کرتا ہے، وزیر اس میں اس کی مدد کرتا ہے'' ۔ (رواہ النسائی)

(۱) نسائی رحمہ اللہ نے السنن الکبری (۳۹۶:۶ کتاب التفسیر) میں مرفوع روایت بیان کی ہے، مگر صحیح رائے مزی رحمہ اللہ کی ہے کہ یہ روایت موقوف ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا میں یہ بات بھی عرض کی ہے کہ وہ مددگار میرے خاندان اور اقارب میں سے ہو، کیونکہ خاندان کے آدمی کے اخلاق وآداب دیکھے بھالے ہوتے ہیں۔ اور باہم الفت ومناسبت ہوتی ہے، جس سے کام میں مدد ملتی ہے ——— مگر یہ بات اس وقت ہے جب اس میں کام کی صلاحیت بھی ہو، محض اقرباء پروری کا جذبہ کارفرما نہ ہو، ورنہ کام چوپٹ ہو جائے گا۔

فائدہ: حضرت ہارون علیہ السلام: حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تین چار سال بڑے تھے۔ اور وفات بھی پہلے ہوئی ہے۔ جس وقت طور پر موسیٰ علیہ السلام یہ دعا کر رہے تھے: وہ مصر میں تھے۔ وحی کے ذریعہ ان کو نبوت کی اطلاع دی گئی، اور ہدایت کی گئی کہ موسیٰ علیہ السلام مصر آ رہے ہیں، وہ ان کا استقبال کریں۔

دعا کے آخر میں موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: ——— تاکہ ہم آپ کی خوب پاکی بیان کریں، اور آپ کا بہت زیادہ ذکر کریں ——— یعنی ہم دونوں مل کر دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دیں۔ آپ کی قدّوسیت کا ڈنکا بجائیں، اور آپ کی تعریف کے گیت گائیں۔ مشہور مقولہ ہے: "ایک سے دو بھلے" تنہا کام اتنی عمدگی سے سرانجام نہیں پاتا جتنا دو یا چند مل کر انجام دیتے ہیں ——— بیشک آپ ہمارے احوال سے بخوبی واقف ہیں ——— یعنی آپ جانتے ہیں کہ میں جو دعا مانگ رہا ہوں، اس کا قبول کرنا کہاں تک ہمارے لئے مفید ہے ——— اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے موسیٰ! بیشک آپ کی مانگ آپ کو دیدی گئی ——— یعنی آپ کی دعا نہ صرف قبول کی گئی، بلکہ آپ نے جو کچھ مانگا وہ عطا بھی فرما دیا گیا۔ آپ کی مانگ پوری کر دی گئی۔

فائدہ (۱): دعا کی قبولیت اور مانگ پوری کرنے کے درمیان فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ مؤمن بندے کی ہر نیک دعا قبول فرماتے ہیں۔ کوئی دعا رائیگاں نہیں جاتی۔ ارشاد پاک ہے: ﴿أُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ﴾ ترجمہ: میں دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جبکہ وہ دعا کرتا ہے (البقرہ آیت ۱۸۶) پھر بندے نے جو کچھ مانگا ہے: اگر بندے کی اس میں مصلحت ہوتی ہے تو وہ چیز عنایت فرمائی جاتی ہے، ورنہ اس کی دعا کو عبادت قرار دے کر نامۂ اعمال میں لکھ لیا جاتا ہے۔ یہاں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ آپ کی مانگی ہوئی سب چیزیں آپ کو دیدی گئیں۔ یہ قبولیتِ دعا کا اعلیٰ درجہ ہے۔

فائدہ (۲): نیک ساتھی ذکر وعبادت میں مددگار ہوتے ہیں۔ ذکر وتسبیح میں سازگار ماحول اور اللہ والے ساتھیوں کا بڑا دخل ہوتا ہے۔ جس کے ساتھی اللہ والے نہ ہوں وہ اتنی عبادت نہیں کر سکتا جتنی وہ کر سکتا ہے جس کا ماحول اللہ والوں کا اور ساتھی ذاکر شاغل ہوں۔

جو شخص ذکر اللہ میں مشغول رہنا چاہے: اس کو سازگار ماحول تلاش کرنا چاہئے!

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰٓى ﴿۳۷﴾ اِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا يُوْحٰٓى ﴿۳۸﴾ اَنِ اقْذِفِيْهِ فِي التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّيْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ ۭ وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ ڬ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ ﴿۳۹﴾ اِذْ تَمْشِيْٓ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهٗ ۭ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ڛ وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ڛ فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ڛ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ﴿۴۰﴾

وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	فِي التَّابُوْتِ	صندوق میں	لَهٗ	اس کا
مَنَنَّا (۱)	احسان کیا ہم نے	فَاقْذِفِيْهِ	پس ڈال دے اس کو	وَاَلْقَيْتُ	اور ڈالی میں نے
عَلَيْكَ	تم پر	فِي الْيَمِّ	دریا میں	عَلَيْكَ	تم پر
مَرَّةً اُخْرٰٓى	ایک بار اور	فَلْيُلْقِهِ (۵)	پس چاہئے کہ ڈالے	مَحَبَّةً (۷)	محبت
اِذْ	جب		اس کو	مِّنِّيْ (۸)	اپنی طرف سے
اَوْحَيْنَآ	وحی کی ہم نے	الْيَمُّ	دریا	وَلِتُصْنَعَ (۹)	اور تا کہ پرورش کئے
اِلٰٓى اُمِّكَ	آپ کی ماں کی طرف	بِالسَّاحِلِ	کنارے پر		جاؤ تم
مَا	جو	يَاْخُذْهُ (۶)	اٹھائے گا اس کو	عَلٰى عَيْنِيْ	میری آنکھ کے سامنے
يُوْحٰٓى (۲)	وحی کی گئی	عَدُوٌّ	دشمن	اِذْ	جب
اَنِ (۳)	کہ	لِّيْ	میرا	تَمْشِيْٓ	چلنے لگی
اقْذِفِيْهِ (۴)	ڈال دے اس کو	وَعَدُوٌّ	اور دشمن	اُخْتُكَ	تمہاری بہن

(۱) مننا: ماضی معروف، جمع متکلم، مصدر مَنٌّ، باب نصر: احسان وانعام کرنا۔ (۲) یوحی: مضارع مجہول، جملہ ما کا صلہ، پھر أوحینا کا مفعول بہ۔ (۳) أن: مفسِّرہ: مایوحی کی تفسیر (۴) اقذ فی: فعل امر، صیغہ واحد مؤنث حاضر، مصدر قَذْفٌ: ڈالنا، پھینکنا (۵) لِيُلْقِ: امر غائب، صیغہ واحد مذکر۔ یہ دریا کو حکم ہے۔ (۶) یأخذہ: جواب امر ہے، اس لئے مجزوم ہے۔ (۷) محبة: مصدر میمی: کسی چیز کو اچھا سمجھتے ہوئے چاہنا۔ (۸) منی: اضافت تشریف کے لئے ہے یعنی محبتِ خاص۔ (۹) تُصنع: مضارع مجہول، صیغہ واحد مذکر حاضر، مصدر صَنْعٌ: تیار کرنا، پرورش کرنا۔

فَتَقُوْلُ	پس کہنے لگی	تَقَرَّ	ٹھنڈی رہے	فُتُوْنًا (۴)	خوب آزمانا
هَلْ	کیا	عَيْنُهَا	اس کی آنکھ	فَلَبِثْتَ	پس ٹھیرے تم
اَدُلُّكُمْ	بتاؤں میں آپ لوگوں کو	وَلَا تَحْزَنَ (۲)	اور نہ غمگین ہو وہ	سِنِيْنَ	کئی سال
عَلٰى مَنْ	وہ شخص جو	وَقَتَلْتَ	اور مارڈالا تم نے	فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ	مدین والوں میں
يَّكْفُلُهٗ	پالے پوسے اس کو؟	نَفْسًا	ایک شخص کو	ثُمَّ	پھر
فَرَجَعْنٰكَ (۱)	پس لوٹایا ہم نے تم کو	فَنَجَّيْنٰكَ	پس نجات دی ہم نے تمکو	جِئْتَ	آئے تم
اِلٰٓى اُمِّكَ	تمہاری ماں کی طرف	مِنَ الْغَمِّ	غم سے	عَلٰى قَدَرٍ (۵)	اندازے کے مطابق
كَيْ	تا کہ	وَفَتَنّٰكَ (۳)	اور آزمایا ہم نے تم کو	يٰمُوْسٰى	اے موسیٰ!

طور پر ہم کلامی کا سلسلہ جاری ہے۔ گذشتہ آیات میں موسیٰ علیہ السلام کی دعا اور اس کی قبولیت کا ذکر تھا۔ اب ارشاد پاک ہے: —— اور بخدا واقعہ یہ ہے کہ ہم نے آپ پر ایک بار اور بھی احسان کیا ہے —— یعنی پہلے بھی ہم ایک مرتبہ آپ پر بے طلب بڑا احسان کر چکے ہیں۔ پھر اب ایک مناسب چیز مانگنے پر کیوں نہ عنایت فرمائیں گے! —— اور وہ پہلا موقعہ موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا وقت تھا۔ جب نجومیوں اور کاہنوں نے فرعون سے کہا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہوگا، جس کے ہاتھ سے تیری حکومت جائے گی۔ فرعون نے اس اندیشہ سے حکم دیا کہ جو بھی لڑکا بنی اسرائیل میں پیدا ہو: ذبح کر دیا جائے۔ ایسے پرآشوب زمانہ میں موسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ ان کی والدہ سخت پریشان ہوئیں۔ ان کے سر پر ہر وقت خطرہ منڈلا رہا تھا۔ تین ماہ تک تو کسی طرح بچے کو پولس کی نگاہ سے اوجھل رکھا۔ مگر آگے صورتِ حال سنگین نظر آئی، اس نازک گھڑی میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی ماں کے دل میں ڈالا کہ وہ ایک کشتی نما صندوق بنائیں، اور اس میں بچے کو رکھ کر دریائے نیل کے حوالے کر دیں، آگے جو ہونا ہو سو ہو۔ ارشاد ہے: —— جب ہم نے آپ کی ماں کی طرف وہ حکم بھیجا جو بھیجا کہ تم اس (نومولود بچے) کو صندوق میں ڈالو، پھر اس کو دریا میں ڈالو —— پھر دریا کو حکم دیا —— پس چاہئے کہ دریا اس کو کنارے پر ڈالے —— پھر

(۱) رَجَعَ رَجْعًا: لازم ومتعدی: دونوں طرح آتا ہے۔ یہاں متعدی ہے (۲) لاتحزن: فعل مضارع منفی، صیغہ واحد مؤنث غائب (۳) لغت میں فَتَنَ کے معنی ہیں: سونے کو آگ میں تپا کر کھرا کھوٹا معلوم کرنا۔ قرآن میں لفظ فتنہ اور اس کے مشتقات مختلف معانی میں آئے ہیں۔ یہاں آزمائش کے معنی ہیں (۴) فتونا: مصدر اور مفعول مطلق برائے تاکید ہے۔ (۵) قَدَر اور قَدْر: اندازہ، تقدیر ازلی فیصلہ اور مقررہ وقت۔

انجام کیا ہوگا؟ ـــــ اٹھائیگا اس کو میرا دشمن اور اس کا دشمن ـــــ یعنی فرعون اس کو اٹھائے گا۔ اور چونکہ دونوں کی دشمنی مختلف تھی، اللہ کی دشمنی: اللہ کا انکار تھی۔ اور نومولود بچے کی دشمنی: اس کے قتل کے درپے ہونا تھی: اس لئے عَدُوٌّ مکرر لایا گیا ـــــ موسیٰ علیہ السلام کی ماں نے وہی کیا جو اللہ نے ان کے دل میں ڈالا تھا۔ مگر دل سخت بے چین تھا۔ انھوں نے موسیٰ علیہ السلام کی بڑی بہن سے کہا: تو دریا کے کنارے کنارے دیکھتی جا، صندوق کا کیا حشر ہوتا ہے؟ ـــــ صندوق بہتا ہوا دریا کی اس شاخ میں داخل ہوا جو فرعون کے محل میں جارہی تھی۔ وہاں فرعون کے خاندان کی کسی عورت نے صندوق پانی سے نکال لیا۔ اس کا خیال تھا کہ اس میں مال ہوگا۔ اس نے صندوق رانی کے سامنے پیش کیا۔ جب کھولا گیا تو اس میں پھول سا بچہ تھا۔ اور اس کی صورت ایسی موہنی تھی کہ جو دیکھتا اس کو پیار آتا۔ ارشاد پاک ہے: ـــــ اور میں نے آپ پر اپنی طرف سے محبت ڈالی ـــــ اپنی طرف سے یعنی خاص محبت۔ ہر بچہ پیارا ہوتا ہے، اگرچہ جانور کا بچہ ہو۔ مگر موسیٰ علیہ السلام کی شان ہی نرالی تھی، وہ محبتِ خاص کا اثر تھی ـــــ جب رانی نے بچہ فرعون کے سامنے پیش کیا تو اس کو پیار کئے بنا نہ بن پڑی۔ ظاہر تھا کہ یہ اسرائیلی بچہ تھا۔ ماں نے اپنی آنکھوں کے سامنے قتل ہونا گوارہ نہ کیا، اس لئے دریا کی موجوں کے حوالے کردیا۔ رانی نے عرض کیا: ''کیسا پیارا بچہ ہے۔ ہم کیوں نہ اس کو پالیں۔ ہماری اولاد نہیں ہے، اگر آگے بھی نہ ہوئی تو ہم اسی کو بیٹا بنالیں گے۔ اور بیٹا بن جانے کے بعد اس کے ہاتھ سے حکومت کے زوال کا خطرہ خود بخود ٹل جائے گا۔ اور اگر ہماری اولاد ہوگئی تو بھی یہ بچہ ہمیں نفع پہنچائے گا۔ جب ہمارے گھر میں پلے گا تو ہمارا رنگ اس پر چڑھے گا، اور اس سے نفع ہی پہنچے گا'' ـــــ فرعون نے بادلِ ناخواستہ اس کی بات منظور کرلی، اور قتل سے دست بردار ہوگیا۔ دوسرے بچے تو پھر بھی قتل ہوتے رہے۔ مگر جس بچے کو بچانا منظور تھا: وہ بچالیا گیا۔ حق تعالیٰ کی عجیب قدرت کا ظہور ہوا۔ ارشاد پاک ہے: ـــــ اور تاکہ آپ کی ہماری آنکھ کے سامنے پرورش کی جائے ـــــ سچ ہے: ''جسے خدا رکھے اسے کون چکھے!'' پولس کی نظر اب اس بچے تک کیسے پہنچ سکتی ہے! اب یہ بچہ انتظامِ خداوندی میں آگیا ہے۔ اب اس کا کوئی بال بیکا نہیں کرسکتا۔

اور وہ بات جو پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی ماں کے دل میں ڈالی تھی کہ وہ بے فکر بچے کو دریا کی موجوں کے حوالے کردیں، بچہ بہر حال ان کی طرف لوٹایا جائے گا، یہ بات اس طرح پوری ہوئی کہ جب بچے کو پالنے کی فرعون نے اجازت دیدی تو انّا (دودھ پلانے والی عورت) کی تلاش شروع ہوئی۔ اُدھر مشیتِ ایزدی نے یہ انتظام کردیا کہ بچہ کسی عورت کا دودھ نہیں پیتا تھا۔ بہت سی انائیں آئیں اور گئیں، مگر کامیابی نہ ہوئی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے کافر عورتوں کے دودھ سے آپ کو بچالیا۔ موسیٰ علیہ السلام کی بہن جو تاک میں لگی ہوئی تھی اور شاہی محل کے دروازے پر کھڑی تھی،

بولی کہ میں ایک عورت کو لاسکتی ہوں۔ مجھے امید ہے کہ وہ کسی طرح دودھ پلا کر بچے کو پال سکے گی۔ حکم ہوا بلاؤ، وہ اپنی ماں کو لے آئیں، چھاتی سے لگاتے ہی بچہ نے دودھ پینا شروع کر دیا۔ محل میں بڑی خوشیاں منائی جانے لگیں۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے کہا: میں یہاں نہیں رہ سکتی، میرے اور بھی بچے ہیں۔ پس اجازت دو کہ اس بچہ کو اپنے گھر لے جاؤں، اور پوری حفاظت سے اس کی پرورش کروں۔ اجازت مل گئی، اور وہ فرعون کی طرف سے بطور دایہ بچے کی پرورش پر مامور ہوگئیں۔ اور بچے کو اپنے گھر لے آئیں۔ اس طرح موسیٰ علیہ السلام کی پرورش شاہانہ اعزاز و اکرام کے ساتھ شروع ہوگئی۔ ارشاد پاک ہے: —— جب آپ کی بہن چلنے لگی، پس کہنے لگی: ''کیا میں آپ لوگوں کو ایسی عورت بتاؤں جو اس کو پالے پوسے؟ پس ہم نے آپ کو آپ کی ماں کی طرف لوٹا دیا، تاکہ ان کی آنکھ ٹھنڈی رہے، اور وہ غم نہ کھائے —— یعنی ہر وقت آپ ان کی نگاہوں کے سامنے رہیں۔ پل بھر کے لئے اوجھل نہ ہوں۔ اگر آپ محل میں رہتے، اور وقت پر جا کر آپ کی والدہ آپ کو دودھ پلا آتیں، تو دوسرے وقت مغموم اور بے چین رہتیں، اس لئے قدرت نے ایسا انتظام کر دیا کہ ہر بے کلی دور ہوگئی۔

پھر ایک اور واقعہ بطور تمہید وامتنان ذکر کیا جاتا ہے۔ ارشاد ہے: —— اور آپ نے ایک شخص کو مار ڈالا، پس ہم نے آپ کو اس غم سے نجات بخشی، اور ہم نے آپ کو خوب آزمایا پس ٹھیرے آپ سالوں مدین والوں میں، پھر آئے آپ ازلی فیصلہ کے مطابق اے موسیٰ! —— یعنی جب موسیٰ علیہ السلام جوان ہوئے تو آپ کے ہاتھ سے ایک قبطی مارا گیا۔ جس کا واقعہ تفصیل سے سورۂ قصص میں آئے گا۔ موسیٰ علیہ السلام کو اس قتل سے بڑی فکر لاحق ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس پریشانی سے اس طرح بچایا کہ آپ نے مدین کی طرف ہجرت کی، اور فرعون کی قلم رو سے نکل گئے۔ وہاں آپ ایک نیک بندے کے گھر پہنچ گئے۔ اور عرصہ تک وہاں مقیم رہے، ان کی بکریاں چرائیں اور ان کی بیٹی سے نکاح کیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے خوب آزما کر ان کو کارِ نبوت کے لئے تیار کیا —— شاہی محلوں اور ناز و نعم میں پلنے والے بہت کم باکمال ہوتے ہیں۔ خاص طور پر عوامی اصلاح کا کام جن لوگوں کے سپرد کیا جاتا ہے: ان سے بکریاں ضرور چروائی جاتی ہیں —— پھر جب مدین سے آپ اہل و عیال کے ساتھ مصر کی طرف چلے تو راستہ بھول کر تقدیرِ الٰہی سے کوہِ طور پر آگ لینے کے لئے پہنچے، اور اللہ تعالیٰ کی ہم کلامی سے مشرف ہوئے۔

فائدہ: وحی کے لغوی معنی ہیں: چپکے سے اشارہ کرنا، جس کو صرف مخاطب سمجھے، اور کوئی اس پر مطلع نہ ہو۔ پھر وحی کی متعدد صورتیں ہیں: ایک: کوئی بات فطرت میں شامل کر دینا۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھیوں کی فطرت میں یہ بات رکھ دی ہے کہ وہ پہاڑوں میں، درختوں میں اور عمارتوں میں چھتے بنائے، پھر ہر قسم کے پھلوں اور پھولوں کو چوسے اور شہد تیار

کرے (سورۃ النحل آیت ۶۸) دوسری صورت: یہ ہے کہ فرشتہ ظاہر ہو، اور اللہ کی طرف سے کوئی پیغام پہنچائے۔ جیسے حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے سامنے فرشتہ ظاہر ہوا، اور حکم خداوندی پہنچایا۔ تیسری صورت: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بلا واسطہ کوئی خیر کی بات دل میں ڈالیں۔ اسی کو ''الہام'' کہتے ہیں۔ چوتھی صورت: انبیائے کرام کی طرف بھیجی جانے والی وحی ہے۔ پھر اس کی بھی متعدد صورتیں ہیں ـــــ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرف جو وحی بھیجی گئی تھی: اس کی کیا صورت تھی؟ وہ وحی نبوت تو یقیناً نہیں تھی، کیونکہ کوئی عورت کبھی نبی نہیں بنائی گئی۔ اور فطری وحی بھی نہیں تھی۔ باقی دو صورتوں میں سے کونسی صورت تھی اس کا قطعی فیصلہ مشکل ہے۔ ممکن ہے فرشتہ ظاہر ہوا ہو، اور پیامِ خداوندی پہنچا گیا ہو، اور ممکن ہے اللہ تعالیٰ نے بات دل میں ڈالی ہو۔ قرآنی اشاروں سے یہ آخری صورت راجح معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ بچے کو دریا کے حوالے کرنے کے بعد موسیٰ علیہ السلام کی والدہ سخت بے چین ہوگئی تھیں۔ اگر فرشتہ نے ظاہر ہوکر بات کہی ہوتی تو اس بے چینی کے کوئی معنی نہیں تھے۔ مؤمن کو اللہ کے وعدوں پر یقین ہوتا ہے۔ ہاں محض الہام ہوا اور وجدان سے بات جانی گئی ہو تو بے چینی معقول ہے۔ واللہ اعلم۔

وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ﴿۴۱﴾ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ﴿۴۲﴾ اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۴۳﴾ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴿۴۴﴾ قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ﴿۴۵﴾ قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ﴿۴۶﴾ فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ۭ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ۭ وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ﴿۴۷﴾ اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۴۸﴾

وَاصْطَنَعْتُكَ(۱)	اور بنایا میں نے تم کو	اَنْتَ	آپ	وَلَا تَنِيَا(۲)	اور سستی نہ کرو دونوں
لِنَفْسِيْ	اپنے لئے	وَاَخُوْكَ	اور آپ کا بھائی	فِيْ ذِكْرِيْ	میری یاد میں
اِذْهَبْ	جائیے	بِاٰيٰتِيْ	میری نشانیوں کے ساتھ	اِذْهَبَآ	جاؤ دونوں

(۱) اصْطِنَاع: باب افتعال: کسی چیز کو بہت عمدہ اور درست بنانا۔ (۲) لاتَنِيَا: فعل نہی، صیغہ تثنیہ مذکر حاضر: وَنَى يَنِيْ وَنْيًا: سستی کرنا۔

إِلٰى فِرْعَوْنَ	فرعون کی طرف	اَوْ	یا	قَدْ	تحقیق
اِنَّهٗ	بیشک اس نے	اَنْ	یہ کہ	جِئْنٰكَ	آئے ہیں ہم تیرے پاس
طَغٰى (۱)	سرکشی کی ہے	يَّطْغٰى	حد سے بڑھے وہ	بِاٰيَةٍ	بڑی نشانی کے ساتھ
فَقُوْلَا	پس کہو دونوں	قَالَ	فرمایا	مِّنْ رَّبِّكَ	تیرے پروردگار کی
لَهٗ	اس سے	لَا تَخَافَآ	نہ ڈرو دونوں		طرف سے
قَوْلًا	بات	اِنَّنِیْ	بیشک میں	وَالسَّلٰمُ	اور سلامتی
لَّيِّنًا	نرم	مَعَكُمَآ	تم دونوں کیساتھ ہوں	عَلٰى مَنِ	اس پر ہو جو
لَّعَلَّهٗ	شاید وہ	اَسْمَعُ	سنتا ہوں	اتَّبَعَ	پیروی کرے
يَتَذَكَّرُ	نصیحت پذیر ہو	وَاَرٰى	اور دیکھتا ہوں	الْهُدٰى	سیدھی راہ کی
اَوْ	یا	فَاْتِيٰهُ	پس جاؤ تم دونوں اس	اِنَّا	بیشک ہم
يَخْشٰى	ڈرے		کے پاس	قَدْ	تحقیق
قَالَا	عرض کیا دونوں نے	فَقُوْلَآ	پس کہو دونوں	اُوْحِىَ	وحی کی گئی ہے
رَبَّنَآ	(اے) ہمارے پروردگار!	اِنَّا رَسُوْلَا	بیشک ہم دونوں رسول ہیں	اِلَيْنَآ	ہماری طرف
اِنَّنَا	بیشک ہم	رَبِّكَ	تیرے پروردگار کے	اَنَّ	کہ
نَخَافُ	ڈرتے ہیں	فَاَرْسِلْ	سو بھیج تو	الْعَذَابَ	عذاب
اَنْ	(اس سے) کہ	مَعَنَا	ہمارے ساتھ	عَلٰى مَنْ	اس پر ہے جس نے
يَّفْرُطَ (۲)	جلدی کرے وہ	بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ	بنی اسرائیل کو	كَذَّبَ	جھٹلایا
عَلَيْنَآ	ہم پر	وَلَا تُعَذِّبْهُمْ	اور مت تکلیف پہنچاؤ انکو	وَتَوَلّٰى	اور روگردانی کی

گذشتہ آیات میں تمہید بیان کرنے کے بعد ارشاد ہے ـــــ اور میں نے آپ کو خاص اپنے (کام کے) لئے بنایا ہے ـــــ یعنی نبوت کے لئے تیار کیا ہے ـــــ جایئے آپ اور آپ کے بھائی (ہارون) میری نشانیوں (عصا اور ید بیضاء) کے ساتھ، اور دونوں میری یاد میں سستی نہ کرنا ـــــ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی دعا میں عرض کیا تھا: ''تاکہ ہم آپ کی خوب پاکی بیان کریں، اور آپ کا بکثرت ذکر کریں'' یہی بات ان کو یاد دلائی گئی ہے کہ تمام احوال واوقات میں عموماً،

(۱) طَغَی يَطْغٰی طُغْيَانًا: حد مقبول سے بڑھنا، ظلم وزیادتی کرنا۔ سرکشی کرنا۔ (۲) فَرَطَ (ن) فَرْطًا: جلدی کرنا (سزا دینے میں)

اور دعوت وتبلیغ کے وقت خصوصاً: مجھے بکثرت یاد کرنا۔ کیونکہ اہل ایمان کی کامیابی اللہ کی یاد میں پوشیدہ ہے۔اور دعوت وتبلیغ میں برکت اللہ کی یاد ہی سے ہوتی ہے آگے ارشاد ہے: —— تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ، اس نے یقیناً سرکشی کی ہے —— ظلم پر کمر باندھ رکھی ہے، بنی اسرائیل پر قہر ڈھا رہا ہے۔اور بندہ ہوتے ہوئے خدا بنا بیٹھا ہے —— پس تم دونوں اس سے نرم بات کہنا، شاید وہ نصیحت قبول کرے —— اور ایمان لے آئے —— یا ڈرے —— اور ظلم سے باز آجائے —— دعوت وتبلیغ کا اہم اصول یہ ہے کہ مخاطب خواہ کتنا ہی سرکش ہو، یا غلط عقائد اور فاسد اعمال کا مرتکب ہو: اصلاح وہدایت کا فریضہ انجام دینے والے پر لازم ہے کہ وہ اس کے ساتھ نرم رویہ اختیار کرے، اور نرمی سے بات کرے۔ اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بات قبول کرتا ہے، یا کچھ نہ کچھ غور وفکر پر مجبور ہوتا ہے۔

دونوں نے عرض کیا: اے ہمارے پروردگار! ہم اس بات سے ڈرتے ہیں کہ وہ ہم پر بھبک پڑے —— یعنی مشتعل ہوجائے، اور ہماری بات نہ سنے —— یا وہ حد سے نکل جائے —— یعنی ہم پر ہاتھ اٹھادے —— فرمایا: ’’تم دونوں مت ڈرو، میں یقیناً تمہارے ساتھ ہوں: سن رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں!‘‘ —— اس معیت (ساتھ ہونے) کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں۔ انسان اس کا پوری طرح ادراک نہیں کرسکتا۔ البتہ مدعیٰ یعنی نصرت وامداد واضح بات ہے۔

فائدہ: خوف کی چیزوں سے طبعی خوف: انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے۔ جو اللہ کے وعدوں پر پورا یقین ہونے کے باوجود ہوتا ہے۔ غزوۂ بدر میں رسول اللہ ﷺ کی بے کلی اسی وجہ سے تھی۔ اور غزوۂ احزاب میں خندق کی تیاری اسی سبب سے تھی۔ غرض طبعی خوف: جو انبیاء میں بشریت کے تقاضے سے ہوتا ہے: وہ اللہ کے وعدوں پر یقین کے منافی نہیں۔

آگے ارشاد ہے: —— تم دونوں اس کے پاس جاؤ، اور کہو: ’’ہم یقیناً تیرے رب کے رسول ہیں‘‘ —— تیرے پروردگار نے ہمیں تیری طرف بھیجا ہے، تاکہ تو اُن پر ایمان لائے اور اُن کا حق پہچانے —— پس تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے —— تاکہ ہم ان کو ان کے وطن کنعان لے جائیں —— اور تو ان کو سزا مت دے —— ان کو قید میں رکھنا اور ان سے بیگار لینا، اور ان کے لڑکوں کو قتل کرنا: وہ سزائیں تھیں جن سے رستگاری کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ مطالبہ یہ تھا کہ بنی اسرائیل کو ان کے وطن کنعان واپس جانے کی اجازت دیدے، تاکہ وہ آزادانہ اللہ کی عبادت کریں۔

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام اللہ کی ہدایت کے مطابق فرعون کے پاس پہنچے اور اس سے تین باتیں کہیں:

پہلی بات: —— ہم یقیناً تیرے پاس تیرے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آئے ہیں —— یعنی ہمارا

دعوی رسالت بے دلیل نہیں۔ جس طرح حکومت کا ہر نمائندہ اپنے ساتھ اپنی سندات رکھتا ہے، ہم بھی اپنی صداقت پر خدائی نشانی لے کر آئے ہیں۔ ان کا اشارہ ان دو معجزات (عصا اور ید بیضاء) کی طرف تھا جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو منصبِ رسالت کے ساتھ ہی عنایت فرمائے تھے۔

دوسری بات:——اور اس پر سلامتی ہو جو سیدھی راہ کی پیروی کرے——یعنی جو اللہ کے رسول کی بات مان کر سیدھی راہ چلے: اس کے لئے دونوں جہاں میں سلامتی ہے——یہ صاحب سلامت کی۔ جب بادشاہ کے دربار میں گئے تو اس کو سلام کرنا ضروری تھا۔ سو کیا اور اس طرح کیا کہ نہ سانپ بچے نہ لاٹھی ٹوٹے! کیونکہ سلامتی کی دعا ایک عظیم تحفہ ہے۔ خاص طور پر نبی کی طرف سے، جس کا کافر ہرگز مستحق نہیں۔ مگر مجبوری تھی اس لئے سلام کا وہ طریقہ اختیار کیا جس میں اسلام کی شرط تھی۔ پس اگر فرعون ہدایت قبول کرلے تو اس پر ہزاروں سلام! ورنہ محروم!

تیسری بات:——ہماری طرف بالیقین یہ وحی کی گئی ہے کہ عذاب اس شخص پر ہے جس نے جھٹلایا اور روگردانی کی——یہ نرم بات کہنے کا جو حکم ملا تھا اس کی تعمیل ہے۔ آپ نے براہ راست فرعون کو گمراہ نہ کہا، نہ یہ کہا کہ تجھے عذاب ہوگا۔ بلکہ ایک قاعدہ کلیہ بیان کیا کہ قانونِ خداوندی یہ ہے کہ جو تکذیب و اعراض کرے گا: اس کے لئے عذاب یقینی ہے۔ پس فرعون اپنا انجام خود سوچ لے۔

اللہ کا دین دارین کی بہتری کا ضامن ہے، پس لوگ اس کی قدر کریں

قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ﴿۴۹﴾ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ﴿۵۰﴾ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ﴿۵۱﴾ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ﴿۵۲﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۭ فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ﴿۵۳﴾ كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴿۵۴﴾ۧ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ﴿۵۵﴾

قَالَ	کہا فرعون نے	يٰمُوْسٰى	اے موسیٰ؟	الَّذِيْٓ	جس نے
فَمَنْ	پس کون ہے	قَالَ	کہا موسیٰ نے	اَعْطٰى	عطا فرمائی
رَّبُّكُمَا	تم دونوں کا رب	رَبُّنَا	ہمارا رب:	كُلَّ شَيْءٍ	ہر چیز کو

خَلْقَهٗ (۱)	اس کی بناوٹ	الَّذِیْٓ (۲)	(وہ) جس نے	مِّنْ نَّبَاتٍ	سبزے کی
ثُمَّ	پھر	جَعَلَ	بنایا	شَتّٰى	مختلف
هَدٰى	راہ دکھائی	لَكُمُ	تمہارے لئے	كُلُوْا	کھاؤ تم
قَالَ	کہا فرعون نے	الْاَرْضَ	زمین کو	وَارْعَوْا (۴)	اور چراؤ تم
فَمَا	پس کیا	مَهْدًا	بچھونا	اَنْعَامَكُمْ	اپنے مواشی کو
بَالُ	حال ہے	وَّسَلَكَ	اور چلائے	اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ	بیشک اُس میں
الْقُرُوْنِ	صدیوں	لَكُمْ	تمہارے لئے	لَاٰيٰتٍ	البتہ نشانیاں ہیں
الْاُوْلٰى	گذشتہ (کا)	فِيْهَا	اس میں	لِّاُولِي النُّهٰى (۵)	عقل والوں کے لئے
قَالَ	کہا موسیٰ نے	سُبُلًا	راستے	مِنْهَا	اس (زمین) سے
عِلْمُهَا	ان کا علم	وَّاَنْزَلَ	اور اتارا	خَلَقْنٰكُمْ	ہم نے تم کو پیدا کیا
عِنْدَ رَبِّيْ	میرے رب کے پاس ہیں	مِنَ السَّمَاۗءِ	آسمان سے	وَفِيْهَا	اور اس میں
فِيْ كِتٰبٍ	ایک نوشتہ میں	مَاۗءً	پانی	نُعِيْدُكُمْ	ہم تم کو لوٹائیں گے
لَا يَضِلُّ	نہیں بچلتا	فَاَخْرَجْنَا	پس نکالی ہم نے	وَمِنْهَا	اور اس سے
رَبِّيْ	میرا رب	بِهٖٓ	اس کے ذریعہ	نُخْرِجُكُمْ	ہم تم کو نکالیں گے
وَلَا يَنْسَى	اور نہیں بھولتا	اَزْوَاجًا (۳)	اقسام	تَارَةً اُخْرٰى	ایک بار اور

جب موسیٰ اور ہارون علیہما السلام فرعون کے پاس پہنچے، اور مذکورہ تین باتیں اس سے کہیں تو ——— فرعون نے کہا: تم دونوں کا پروردگار کون ہے، اے موسیٰ؟ ——— جس پر ایمان لانے کی تم مجھے دعوت دے رہے ہو، اور روگردانی کی صورت میں جس کے عذاب سے تم مجھے ڈرا رہے ہو ——— موسیٰ نے جواب دیا: ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی بناوٹ دی، پھر اس کو راہ دکھائی ——— یعنی پہلے ہر چیز کو وجود بخشا اور اس کی صورت بنائی، پھر ہر چیز کے بقاء

(۱) خَلْق: بناوٹ، ساخت، صورت۔ اصل معنی: صحیح اندازہ ٹھہرانا۔ باب نصر کا مصدر ہے۔ (۲) الذی: مبتدا محذوف ھو کی خبر ہے (۳) أزواج: زوج کی جمع ہے: جوڑا، قرین، قسم۔ حیوانات میں نر و مادہ کو زوجین کہتے ہیں، اور غیر حیوانات میں قرین و مماثل کو زوج کہتے ہیں۔ یہاں انواع و اقسام مراد ہیں۔ (۴) اِرْعَوْا: فعل امر، صیغہ جمع مذکر حاضر، مصدر رَعْیٌ: چرانا۔ (۵) النُّھی: النُّھْیَۃُ کی جمع: بری باتوں سے روکنے والی عقل۔

کا سامان کیا۔ اور ہر مخلوق کو اس سامان کے استعمال کی راہ سجھائی۔ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے ـــــ غور کریں! ولادت کے ساتھ ہی ماں کی چھاتی سے دودھ کی دو نہریں کون جاری کرتا ہے؟ پھر چھاتی سے دودھ چوسنے اور اس کو نگلنے کا ہنر بچہ کو کون سکھاتا ہے؟ نیز بچے کو رونا کس نے سکھایا ہے، جس سے وہ اپنی ہر ضرورت پوری کرتا ہے؟ یہ سب پروردگارِ عالم کی کرشمہ سازی ہے۔ جو اس کے وجود و وحدانیت کی محکم دلیل ہے۔

مگر فرعون کو ماننا کب تھا۔ اسے تو موسیٰ علیہ السلام کو لاجواب کرنا تھا۔ اور اپنے ریوڑ کو سنبھالنا تھا۔ چنانچہ اس نے ایک اور سوال کیا ـــــ اس نے کہا: ''پس گذشتہ قرنوں کا کیا حال ہے؟'' ـــــ یعنی وہ لوگ ناجی ہیں یا ناری؟ یہ ایک ایسا سوال تھا کہ اگر اس کا مبنی بر حقیقت جواب دیا جاتا تو فرعون لوگوں کو بھڑکاتا کہ دیکھو! یہ تمہارے باپ دادوں کو گمراہ بتلا رہا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام اس کی چال سمجھ گئے، اور ایسا جواب دیا کہ اس کا منصوبہ خاک میں مل گیا ـــــ موسیٰ نے جواب دیا: ''ان کا علم میرے پروردگار کے پاس ایک نوشتہ (لوحِ محفوظ یا نامۂ اعمال) میں ہے: میرا پروردگار نہ بچلتا ہے، نہ بھولتا ہے'' ـــــ یعنی مجھے ان لوگوں کا حال معلوم نہیں۔ البتہ یہ بات یقینی ہے کہ میرا پروردگار ان کے احوال سے پوری طرح باخبر ہے۔ اور صرف باخبر ہی نہیں، وہ سارے احوال ایک نوشتہ میں لکھ بھی رکھے ہیں۔ پس ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے گا جس کے وہ مستحق ہیں۔ وہاں نہ غلطی کا احتمال ہے نہ بھول کا امکان! میرے اور آپ کے لئے بس اتنا جاننا کافی ہے۔

موسیٰ علیہ السلام نے پہلے سوال کے جواب میں مختصر مگر جامع بات کہی تھی کہ ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کی صورت بنائی، پھر اس کو زندگی کی راہ دکھائی۔ اب پروردگارِ عالم اس کی کچھ تفصیل بیان فرماتے ہیں کہ رب وہ ہے ـــــ جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا ـــــ جس پر تم آرام کرتے ہو، زمین ایسی ٹھوس اور ہموار چیز ہے جس پر تم چل سکتے ہو، بیٹھ سکتے ہو، لیٹ سکتے ہو، کوئی کُھردری یا پلپلی چیز نہیں جس پر بیٹھنا، چلنا قدم رکھنا ناممکن ہو ـــــ اور تمہارے لئے اس میں راہیں نکالیں ـــــ خشکی اور تری میں، فضاؤں اور پہاڑوں میں آمد و رفت کی راہیں بنائیں، تاکہ تم ایک جگہ سے چل کر دوسری جگہ پہنچ سکو، اور زمین کی سب نعمتوں سے فائدہ اٹھا سکو ـــــ اور آسمان سے پانی برسایا، پس اس کے ذریعہ مختلف قسم کی نباتات اُگائیں ـــــ سبزیاں، غلّے اور پھول پھل پیدا کئے۔ اور نباتات کی بے شمار قسمیں پیدا کیں، جن کا احاطہ کوئی انسان نہیں کرسکتا ـــــ کھاؤ اور اپنے مویشی چراؤ ـــــ یعنی نباتات کی یہ مختلف قسمیں انسان اور اس کے پالتو جانوروں کے لئے ہیں۔ ان سے بلاواسطہ اور بالواسطہ انسان فائدہ اٹھاتا ہے۔ مواشی ان کو کھا کر پلتے بڑھتے ہیں جن سے انسان متمتع ہوتا ہے ـــــ اُس میں یقیناً عقل

والوں کے لئے نشانیاں ہیں ـــــ یعنی اللہ کی ربوبیت کی واضح علامات ہیں۔ انسان کو عدم سے وجود میں لانا، پھر اس کی بقاء وترقی کا سامان کرنا، زمین کو قابل رہائش بنانا، اس میں راہیں نکالنا، آسمان سے پانی برسانا، اس سے پھل پھول اور گھاس پیدا کرنا: اللہ تعالیٰ کے سوا کس کا کام ہے؟ کسی کی ان میں سے کسی چیز میں حصہ داری نہیں۔ پس معمولی عقل رکھنے والا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ وہی عبادت واطاعت کے لائق ہیں۔ اور اس سے بڑا کوئی ظلم نہیں کہ اس کو چھوڑ کر دوسروں کی چوکھٹوں پر جبّہ سائی کی جائے۔

غافل انسان یہ خیال کرتا ہے کہ اسے بارگاہِ خداوندی میں حاضر نہیں ہونا۔ حالانکہ حاضر ہونا ہے اور ضرور ہونا ہے۔ ارشاد پاک ہے: ـــــ ہم نے تم کو زمین سے پیدا کیا ـــــ انسانوں کے باپ آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کئے گئے، پھر ان کی اولاد نطفہ سے پیدا کی۔ نطفہ خون سے بنتا ہے۔ خون غذاؤں سے پیدا ہوتا ہے، اور غذائیں جن سے آدمی کا بدن پرورش پاتا ہے: مٹی سے نکلتی ہیں۔ اس طرح ہر انسان مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔ سورۃ المؤمنون آیت ۱۲ میں ارشاد پاک ہے: ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ طِيْنٍ﴾ واقعہ یہ ہے کہ ہم نے انسان کو مٹی کے سَت (جوہر) سے پیدا کیا ـــــ اور ہم تم کو اس میں لوٹائیں گے ـــــ موت کے بعد انسان بہرصورت مٹی میں ملایا جاتا ہے۔ خواہ دفن کیا جائے، خواہ جلایا جائے، خواہ کوئی جانور اس کو کھا جائے، جلد یا بدیر مٹی میں مل جاتا ہے ـــــ اور ہم تم کو اس سے دوبارہ نکالیں گے ـــــ یعنی قیامت کے دن اُن اجزاء کو جو مٹی میں موجود ہیں جمع کر کے از سرِ نو زندہ کر دیں گے۔ پھر سب کو میدانِ حشر میں جمع کیا جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کے روبرو پیش کیا جائے گا۔ اور تم سے تمہارے اعمال کی باز پرس ہوگی، پس تمہیں ایسے کام نہ کرنے چاہئیں جس کی تمہیں سزا بھگتنی پڑے۔

یہ آیت منکرین قیامت کے شبہ کا جواب بھی ہے۔ دوسری زندگی کا انکار کرنے والے کہتے ہیں کہ جب ہم مٹی میں رَل مل جائیں گے تو کیسے دوبارہ زندہ ہونگے؟ جواب یہ ہے کہ پہلے بھی تو تم مٹی میں ملے ہوئے تھے، پھر کیسے زندہ ہوگئے؟ پس جس طرح پہلی مرتبہ اللہ تعالیٰ نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، اسی طرح مرنے کے بعد اور مٹی میں مل جانے کے بعد پھر زندہ کر دیں گے۔

فائدہ: مسند احمد (۲۵۴:۵) اور مستدرک حاکم (۳۷۹:۲ کتاب التفسیر) میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے ضعیف روایت میں مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی میت قبر میں رکھی گئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿مِنْهَا خَلَقْنَاكُم، وَفِيْهَانُعِيْدُكُمْ، وَمِنْهَانُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرٰى﴾ اور ابن ماجہ میں حدیث (نمبر ۱۵۶۵) ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک جنازہ پڑھایا، پھر میت کی قبر پر آئے، اور سر کی جانب سے اس پر تین

مٹھیاں مٹی ڈالی۔اس حدیثوں کی تعمیل میں میت کو قبر میں اتارتے وقت یا مٹی ڈالتے وقت یہ آیت پڑھنے کا معمول ہے۔

جو لوگ قیامت کے دن زندہ ہونے کا انکار کرتے ہیں وہ سوچیں کہ پہلی مرتبہ وہ کیسے زندہ ہوئے ہیں؟

وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ﴿۵۶﴾ قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۵۷﴾ فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ﴿۵۸﴾ قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴿۵۹﴾

وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	مِنْ اَرْضِنَا	ہماری زمین سے	وَ بَيْنَكَ	اور اپنے درمیان
اَرَيْنٰهُ (۱)	دکھائی ہم نے اس کو	بِسِحْرِكَ	اپنے جادو کے ذریعہ	مَوْعِدًا (۳)	ایک وعدہ
اٰيٰتِنَا	ہماری نشانیاں	يٰمُوْسٰى	اے موسیٰ؟	لَّا نُخْلِفُهٗ	نہ خلاف کریں
كُلَّهَا	سب ہی	فَلَنَاْتِيَنَّكَ	پس البتہ لاتے ہیں ہم		ہم اس کا
فَكَذَّبَ	پس جھٹلایا اس نے		تیرے پاس	نَحْنُ (۴)	(نہ) ہم
وَاَبٰى	اور انکار کیا	بِسِحْرٍ	جادو	وَلَآ اَنْتَ	اور نہ تو
قَالَ	کہا اس نے	مِّثْلِهٖ (۲)	اس کے مانند	مَكَانًا (۵)	کوئی جگہ
اَجِئْتَنَا	کیا آیا ہے تو ہمارے پاس	فَاجْعَلْ	پس مقرر کر	سُوًى (۶)	ہموار (درمیانی)
لِتُخْرِجَنَا	تا کہ نکالے تو ہم کو	بَيْنَنَا	ہمارے درمیان	قَالَ	کہا موسیٰ نے

(۱) أَرَيْنَا: إِرَاءَةٌ (باب افعال) سے فعل ماضی، صیغہ جمع متکلم...... هُ: مفعولِ اول...... آياتنا: مفعول ثانی...... كلّها: مفعول ثانی کی صفت۔(۲) مثله کی ضمیر بسحرك کی طرف عائد ہے یعنی تیرے جادو کے مانند۔(۳) موعداً: مصدر میمی: وعدہ...... جملہ لا نخلفه: اس کی صفت۔(۴) نحن: ضمیر فصل، تا کہ عطف صحیح ہو۔(۵) مكانا: فعل مقدر کا مفعول بہ، أى عِدْ مكانا سُوى (۶) سُوًى: دراصل مصدر ہے، یہاں صفت واقع ہے: وہ جگہ جس کے طرفین برابر ہوں یعنی ہموار یا درمیانی۔

لوگ	النَّاسُ	اور یہ کہ	وَاَنْ (۲)	تمہارا وعدے کا وقت	مَوْعِدُكُمْ (۱)
دن چڑھے	ضُحًى (۳)	جمع کئے جائیں	يُّحْشَرَ	جشن کا دن ہے	يَوْمُ الزِّيْنَةِ

جب فرعون کو اس کے سوالات کے جوابات سے راہِ راست نہ ملی، تو اس نے معجزات (نشانیوں) کا مطالبہ کیا۔ کہنے لگا: ''اگر تو کوئی نشانی لایا ہے، تو اسے دکھا، اگر تو سچا ہے'' (اعراف ۱۰۶) پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے سامنے اپنی لاٹھی ڈالی، جس نے اژدھے کی شکل اختیار کر لی وہ حقیقۃً اژدھا تھا، نظر کا دھوکہ نہیں تھا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ گریبان میں داخل کیا، اور بغل کے نیچے دبا کر نکالا تو وہ روشن تارہ تھا۔ مگر یہ معجزات دیکھ کر بھی نہ فرعون ایمان لایا نہ اس کے درباری۔ سب تکذیب وانکار پر مصر رہے۔ ارشاد پاک ہے: ــــــ اور بخدا واقعہ یہ ہے کہ ہم نے فرعون کو ہماری سبھی نشانیاں دکھلائیں، پس اس نے جھٹلایا اور انکار کیا ــــــ آیات کے مفہوم میں معجزات اور دلائل دونوں شامل ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کے جوابات جو توحید الوہیت وربوبیت کے واضح دلائل ہیں: وہ بھی نشانیاں ہیں۔ مگر حسّی اور معنوی کوئی بھی نشانی کارگر نہ ہوئی ــــــ اس نے کہا: ''کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ ہم کو ہمارے ملک سے اپنے جادو کے زور سے نکال دے، اے موسیٰ؟!'' ــــــ یعنی ہم خوب سمجھ گئے کہ تو ہم کو اپنے کرشموں سے سرزمینِ مصر سے بے دخل کرنا چاہتا ہے۔ مگر تیرا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوگا ــــــ پس ہم (بھی) تیرے مقابلہ میں ویسا ہی جادو لائیں گے ــــــ یعنی تیرا علاج یہی ہے کہ جادو ہی کے ذریعہ تجھ کو شکست دی جائے ــــــ پس تو ہمارے اور اپنے درمیان کوئی وعدہ مقرر کر ــــــ یعنی مقابلہ کا دن طے کر ــــــ جس کی نہ ہم خلاف ورزی کریں نہ تو ــــــ یعنی مقابلہ کے دن کی تعیین کا تجھے اختیار دیا جاتا ہے۔ سوچ کر ایسا دن مقرر کر جو ہم دونوں کے لئے قابل قبول ہو۔ اور کسی کے لئے بہانہ جوئی کا موقعہ نہ ہو ــــــ ایسی جگہ (مقرر کر) جو ہموار ہو ــــــ تاکہ تماشابیں بے تکلف مقابلہ کا مشاہدہ کر سکیں، یا ــــــ ایسی جگہ مقرر کر جو درمیانی ہو ــــــ یعنی وہ جگہ دونوں فریقوں سے نصف نصف مسافت پر واقع ہو، تاکہ ہر ایک کو وہاں پہنچنے میں سہولت ہو ــــــ موسیٰ نے کہا: ''تمہارا وعدے کا وقت جشن کا دن ہے، اور یہ کہ لوگ دن چڑھے جمع کئے جائیں'' ــــــ یعنی قومی جشن کا دن: ایک ایسا دن ہے جس میں سب کو فرصت ہوتی ہے، کوئی بہانہ نہیں بنا سکتا۔ اور چاشت کا وقت خوب موزون ہے۔ سب لوگ نہا دھو کر اس وقت تیار ہو جاتے ہیں۔ اور خوب روشنی پھیل جاتی ہے۔ پس دن کے اجالے میں یہ کام ہونا چاہئے تاکہ دیکھنے والے بکثرت ہوں۔ اور روز روشن میں ہر کوئی مقابلہ دیکھ سکے۔

(۱) موعد: ظرف زمان: وعدے کا وقت۔ (۲) أن کا عطف الزينة پر یا یوم پر ہے۔ (۳) ضحی: مفعول فیہ ہے۔

فائدہ: فریقین میں سے ہر ایک پر امید تھا کہ جیت اسی کی ہوگی۔ چنانچہ فرعون نے زمان ومکان کی تعیین کا پورا اختیار موسیٰ علیہ السلام کو دیدیا، تاکہ جب موسیٰ علیہ السلام خود دن اور جگہ طے کریں تو ان کے لئے کوئی راہِ فرار باقی نہ رہے ـــــ اور موسیٰ علیہ السلام کو بھی حسب وعدۂ الٰہی اپنی کامیابی کا پورا یقین تھا۔ چنانچہ آپ نے ایسا دن اور ایسا وقت تجویز کیا کہ فرعون مشغولی کا بہانہ نہ کرسکے۔ نہ لوگوں کے لئے کوئی عذر ہو۔ اور لوگ بڑی تعداد میں جمع ہوں اور بچشم خود مقابلہ دیکھیں، تاکہ جب وہ منتشر ہوں تو بات دور دور تک پھیل جائے۔

معجزات کا فائدہ وہ شخص اٹھاتا ہے جو بینا آنکھ، شنوا کان اور روشن دل رکھتا ہے

فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ﴿٦٠﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ﴿٦١﴾ فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ﴿٦٢﴾ قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ﴿٦٣﴾ فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ﴿٦٤﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ﴿٦٥﴾ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ﴿٦٦﴾

فَتَوَلّٰى	پس لوٹا	ثُمَّ	پھر	مُّوْسٰى	موسیٰ نے
فِرْعَوْنُ	فرعون	اَتٰى	آیا وہ	وَيْلَكُمْ (۲)	ناس ہو تمہارا!
فَجَمَعَ	پس جمع کی اس نے	قَالَ	کہا	لَا تَفْتَرُوْا	نہ گھڑو تم
كَيْدَهٗ (۱)	اپنی تدبیر	لَهُمْ	جادوگروں سے	عَلَى اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ پر

(۱) کَید: خفیہ تدبیر، داؤں۔ اس لفظ کا استعمال تعریف اور برائی: دونوں موقعوں کے لئے ہوتا ہے۔ اور اکثر محل ذم میں ہوتا ہے۔ کاد یکید کیدًا فلانًا: دھوکہ دینا، چال چلنا۔ (۲) وَیْل: ہلاکت، تباہی۔ ویلك اور ویحك کا استعمال محاورے میں ناراضگی اور ہلکی سرزنش کے لئے ہوتا ہے۔

كَذِبًا	جھوٹ	يُرِيْدٰنِ	چاہتے ہیں دونوں	مَنِ	جو
فَيُسْحِتَكُمْ (۱)	پس نابود کردے وہ تمکو	اَنْ	کہ	اسْتَعْلٰى (۵)	غالب ہوا
بِعَذَابٍ	کسی سزا سے	يُّخْرِجٰكُمْ	نکال دیں تم کو	قَالُوْا	کہا جادوگروں نے
وَقَدْ	اور تحقیق	مِّنْ اَرْضِكُمْ	تمہاری زمین سے	يٰمُوْسٰى	اے موسیٰ
خَابَ	ناکام ہوا	بِسِحْرِهِمَا	اپنے جادو کے ذریعہ	اِمَّآ (۶)	یا
مَنِ	جس نے	وَيَذْهَبَا	اور لے جائیں دونوں	اَنْ	یہ کہ
افْتَرٰى	جھوٹ باندھا	بِطَرِيْقَتِكُمُ	تمہارے طریق کو	تُلْقِيَ	ڈالے تو
فَتَنَازَعُوْٓا	پس مختلف ہوئے وہ	الْمُثْلٰى (۳)	جو عمدہ ہے	وَاِمَّآ	اور یا
اَمْرَهُمْ	اپنے معاملہ میں	فَاَجْمِعُوْا	پس جمع کرو تم	اَنْ	یہ کہ
بَيْنَهُمْ	باہم	كَيْدَكُمْ	اپنی تدبیر	نَّكُوْنَ	ہوں ہم
وَاَسَرُّوا	اور چپکے سے کی انھوں نے	ثُمَّ	پھر	اَوَّلَ	پہلے
النَّجْوٰى	سرگوشی	ائْتُوْا	آؤ تم	مَنْ	جس نے
قَالُوْٓا	کہا فرعونیوں نے	صَفًّا (۴)	صف بستہ ہوکر	اَلْقٰى	ڈالا
اِنْ (۲)	بیشک	وَقَدْ	اور تحقیق	قَالَ	کہا موسیٰ نے
هٰذٰنِ	یہ دونوں	اَفْلَحَ	کامیاب ہوا	بَلْ	بلکہ
لَسٰحِرٰنِ	البتہ جادوگر ہیں	الْيَوْمَ	آج	اَلْقُوْا	ڈالو تم

(۱) إِسْحَات (باب افعال) ہلاک کرنا، تباہ کرنا۔ سَحَتَ (ف) جڑ سے اکھاڑ دینا۔(۲)إن: مخففہ من المثقلہ : درحقیقت إِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے۔ اور هذان: اس کا اسم، اور لساحران: خبر ہے۔ قاعدہ سے إنَّ کا اسم هٰذَيْن آنا چاہئے۔ مگر قرآن کریم میں تین جگہ مشہور قواعد کے خلاف ہے۔ ایک: یہاں، دوم: المائدہ آیت ۶۹ میں والصابئون۔ سوم: النساء آیت ۱۶۲ میں والمقیمین الصلاة۔ اِن مقامات کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے الفوز الکبیر میں ایک تحقیق لکھی ہے کہ ''مشہور تعبیرات ومحاورات کی مخالفت کرنا بھی ایک تعبیر اور محاورہ ہے'' مشہور ہے: أغلاطُ العوام فصيحة یعنی عوامی غلطی فصاحت میں داخل ہے۔ تفصیل کے لئے الخیر الکثیر شرح الفوز الکبیر ص:۴۸۲ ملاحظہ فرمائیں۔(۳)المثلی: اسم تفضیل، واحد مؤنث، الأمثل: واحد مذکر: برگزیدہ، وہ طریقہ جو فضیلت سے مشابہت رکھتا ہو۔(۴)صفا: ضمیر فاعل سے حال ہے (۵)استعلاء: غلبہ چاہنا، بلندی چاہنا۔(۶) إما: مختلف معانی کے لئے آتا ہے۔ یہاں برائے تخییر ہے۔

فَاِذَا	پس اچانک	يُخَيَّلُ (۲)	خیال میں آنے لگیں	اَنَّهَا	کہ
حِبَالُهُمْ	ان کی رسّیاں	اِلَيْهِ	موسیٰ کے	تَسْعٰى	وہ دوڑ رہی ہیں
وَعِصِيُّهُمْ (۱)	اور ان کی لاٹھیاں	مِنْ سِحْرِهِمْ	ان کے جادو کی وجہ سے	۞	۞

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے درمیان جشن کا دن طے پا گیا ــــــ تو فرعون (دربار سے) لوٹا، پس اس نے اپنی تدبیر جمع کی ــــــ یعنی اپنی تدبیر میں لگ گیا، اور اپنی قلم رو میں حکم بھیج دیا کہ جو بھی مشہور اور ماہر جادوگر ہو، اس کو پایۂ تخت میں بھیج دیا جائے۔ مصر اس زمانہ میں چین اور ہندوستان کی طرح جادو کا بڑا مرکز تھا۔ ایک سے ایک ماہر جادوگر موجود تھا۔ جب فرعون نے جادوگروں کی فوج اکٹھی کر لی تو ــــــ پھر وہ آیا ــــــ یعنی میدانِ مقابلہ میں شاہی کرّوفر کے ساتھ بذاتِ خود آیا، اور تخت پر براجمان ہوا۔ درباری بھی حسبِ مراتب قرینے سے بیٹھ گئے۔ اور لاکھوں انسان حق و باطل کے معرکہ کا نظارہ کرنے کے لئے جمع ہو گئے ــــــ ایک طرف جادو گروں کا ٹولہ اپنے ساز و سامان سے لیس کھڑا ہے۔ دوسری طرف حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام اللہ کے سہارے کھڑے ہیں۔ فرعون ساحروں کی حوصلہ افزائی کر رہا ہے، وعدہ کر رہا ہے کہ اگر تم نے موسیٰ کو شکست دیدی تو نہال کر دیئے جاؤ گے، بلکہ مقربین میں شامل کر لئے جاؤ گے۔ جادوگر بھی خوش ہیں، اور امید باندھے ہوئے ہیں ــــــ

اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حقِ تبلیغ ادا فرماتے ہوئے جادوگروں کو مخاطب بنایا ــــــ موسیٰ نے ان سے کہا: ''اے کم بختی مارو! اللہ پر جھوٹا الزام نہ لگاؤ پس وہ تمہیں کسی سزا سے پیس کر رکھ دے'' ــــــ یعنی تمہاری حالت پر سخت افسوس ہے۔ تم کیا کر رہے ہو؟ تم ہم کو جادوگر کہہ کر اللہ پر افتراء کر رہے ہو۔ دیکھو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو ــــــ اور بالیقین وہ شخص ناکام ہوا جس نے جھوٹ باندھا ــــــ یعنی افتراء کرنے والوں کا انجام کبھی اچھا نہیں ہوتا۔ بلکہ اندیشہ ہے کہ ایسے لوگوں پر کوئی آسمانی آفت آ پڑے جو ان کو بیخ و بُن سے اکھاڑ دے۔

موسیٰ علیہ السلام کی تنبیہ سے جادوگروں کی جماعت میں کھلبلی پڑ گئی ــــــ پس وہ باہم اپنے معاملہ میں مختلف ہو گئے۔ اور چپکے سے انھوں نے سرگوشی کی ــــــ کہ اس شخص کو کیا سمجھا جائے؟ اس کی باتیں جادوگروں جیسی معلوم نہیں ہوتیں۔ یہ تو اللہ ہی کی طرف سے معلوم ہوتی ہیں۔ اس لئے بعض نے کہا کہ ان کا مقابلہ مناسب نہیں، کہیں ہم عذاب کے شکار نہ ہو جائیں، اور بعض بضدر ہے کہ مقابلہ ضرور کیا جائے۔

درباریوں نے جب جادوگروں کا یہ حال دیکھا تو ــــــ انھوں نے کہا: ''یہ دونوں یقیناً جادوگر ہیں۔ دونوں چاہتے

(۱) عِصِيّ: عَصَا کی جمع (۲) يُخَيَّلُ: مضارع مجہول، صیغہ واحد مذکر غائب: محسوس ہونا، خیال میں ڈالا جانا، مصدر تَخْيِيْل۔

ہیں کہ اپنے جادو کے ذریعہ تم کو تمہارے ملک سے نکال دیں، اور تمہارے نہایت عمدہ طریقہ کو ختم کردیں، پس تم اپنی تدبیر اکٹھا کرو، پھر پرا باندھ کر سامنے آؤ۔ آج جو بھی غالب آجائے گا وہی کامیاب ثابت ہوگا'' ـــــ یعنی موقع کی اہمیت کو سمجھو۔ ذرا شک نہ کرو، یہ دونوں بالیقین جادوگر ہیں۔ اور ان کی چال بڑی خطرناک ہے۔ دونوں کا پلان یہ ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تم کو تمہارے وطن سے نکال دیں۔ اور تمہارا یہ طور وطریق جو سب سے افضل و بہتر ہے اس کو مٹادیں، اور اپنا دین ومذہب پھیلائیں۔ پس وقت کو ہاتھ سے نہ دو، پوری ہمت وقوت سے سب مل کر مقابلہ کرو، اور صف بستہ ہوکر سامنے آؤ، تاکہ مقابل پر رعب پڑے۔ اور یکبارگی ایسا متفقہ حملہ کروکہ پہلے ہی وار میں دونوں کے قدم اکھڑ جائیں۔ آج کا معرکہ فیصلہ کن ہے۔ آج کی کامیابی دائمی ہے۔ آج جو غالب آئے گا، ہمیشہ کے لئے اس کا سر اونچا رہے گا۔

درباریوں کی یہ تقریر سن کر جادوگروں کے پھسلتے قدم جم گئے، بلکہ وہ مقابلہ کرنے پر مجبور ہوگئے۔ چنانچہ ـــــ انھوں نے کہا: ''اے موسیٰ! یا تو تم ڈالو، یا ہم پہل کرنے والے بنیں'' ـــــ یعنی بتاؤ پہلا وار کس کا ہوگا۔ پہل تم کروگے یا ہم کریں؟ ـــــ موسیٰ نے کہا: ''بلکہ تم ڈالو!'' ـــــ یعنی پہلے تم اپنے حوصلے نکال لو، اور اپنے کرتب دکھالو، تاکہ باطل کی زور آزمائی کے بعد حق کا غلبہ پوری طرح نمایاں ہو۔ چنانچہ جادوگروں نے اپنی رسّیاں، بان اور لاٹھیاں زمین پر ڈالیں، جو سانپوں کی شکل میں دوڑتی نظر آنے لگیں۔ ارشاد ہے ـــــ پس یکا یک ان کی رسّیاں اور لاٹھیاں، ان کے جادو کی وجہ سے موسیٰ کے خیال میں آنے لگیں کہ وہ دوڑ رہی ہیں ـــــ یعنی نظر بندی کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام کو وہ رسیاں اور لاٹھیاں سانپوں کی شکل میں دوڑتی نظر آنے لگیں۔ مگر واقع میں ایسا نہ تھا۔

فائدہ: جادو چیزوں میں اثر انداز ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ نے اپنی حکمتِ بالغہ اور مصلحتِ کاملہ سے اس میں مضر اثرات رکھے ہیں۔ جادو تندرست کو بیمار کرتا ہے، بلکہ موت کی بھی نوبت آسکتی ہے۔ تر چیز خشک ہوجاتی ہے۔ صحیح چیز بگڑ جاتی ہے۔ سورۃ البقرہ آیت ۱۰۲ میں ارشاد پاک ہے: ﴿وَمَاهُمْ بِضَارِّيْنَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ﴾ یعنی جادوگر جادو کے ذریعہ کسی کو بھی ضرر نہیں پہنچا سکتے، مگر بہ اذنِ الٰہی (ضرر پہنچا سکتے ہیں) ـــــ مگر جادو سے انقلابِ ماہیت نہیں ہوتا۔ انسان گھوڑا بن جائے یا گدھا انسان بن جائے یا ڈھیلا کبوتر بن جائے ایسا نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ نے سحر میں یہ تاثیر نہیں رکھی۔ البتہ نظر بندی اور شعبدہ بازی سے ایسا نظر آسکتا ہے۔ مگر وہ محض نظر کا فریب ہوتا ہے۔ حقیقت اس کی کچھ بھی نہیں ہوتی۔

احقاقِ حق کی غرض سے کچھ دیر کے لئے باطل کو ظہور کا موقعہ دیا جاسکتا ہے۔ اور مناظروں میں ایسا کرنا ہی پڑتا ہے

فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰى ﴿۶۷﴾ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ﴿۶۸﴾ وَاَلْقِ مَا فِیْ یَمِیْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ؕ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَیْدُ سٰحِرٍ ؕ وَلَا یُفْلِحُ السّٰحِرُ حَیْثُ اَتٰى ﴿۶۹﴾ فَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى ﴿۷۰﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ؕ اِنَّهٗ لَكَبِیْرُكُمُ الَّذِیْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِیْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ؗ وَلَتَعْلَمُنَّ اَیُّنَاۤ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى ﴿۷۱﴾ قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالَّذِیْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَاۤ اَنْتَ قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقْضِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ؕ ﴿۷۲﴾ اِنَّاۤ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِیَغْفِرَ لَنَا خَطٰیٰنَا وَمَاۤ اَكْرَهْتَنَا عَلَیْهِ مِنَ السِّحْرِ ؕ وَاللّٰهُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿۷۳﴾

فَاَوْجَسَ (۱)	پس محسوس کیا	اَنْتَ (۲)	ہی	مَا	اس کو جو
فِیْ نَفْسِهٖ	اپنے دل میں	الْاَعْلٰى	سر بلند ہیں	صَنَعُوْا	بنایا ہے انھوں نے
خِیْفَةً	کچھ خوف	وَاَلْقِ	اور ڈال دیں آپ	اِنَّمَا (۴)	بیشک جو
مُّوْسٰى	موسیٰ نے	مَا	جو	صَنَعُوْا	بنایا انھوں نے
قُلْنَا	کہا ہم نے	فِیْ یَمِیْنِكَ	آپ کے دائیں ہاتھ	كَیْدُ	مکر ہے
لَا تَخَفْ	نہ ڈریں آپ		میں ہے	سٰحِرٍ	جادوگر کا
اِنَّكَ	بیشک آپ	تَلْقَفْ (۳)	نگل لے گا وہ	وَلَا یُفْلِحُ	اور نہیں کامیاب ہوتا

(۱) أَوْجَسَ إیجاسًا: دل میں خوف پیدا ہونا، گھبراہٹ ہونا۔ وَجَسَ (س): دل میں کوئی خیال آنے سے یا کان میں آواز پڑنے سے ڈر جانا...... خیفة: مصدر خاف یخاف: خوف، ڈر...... موسی: فاعل ہے۔ رعایت فاصلہ کی وجہ سے مؤخر آیا ہے...... خیفة کی تنوین تقلیل کے لئے ہے۔ (۲) أنت: کاف کی تاکید کے لئے ہے، اس لئے حصر پیدا ہوا ہے۔ (۳) تلقف: جواب امر ہے۔ لَقِفَ (س) لَقْفًا: نگل جانا۔ کسی چیز کو پھرتی سے لے لینا، اور جھٹ سے اتار لینا، خواہ منہ سے نگل جائے، یا ہاتھ سے لے لے۔ مضارع کا صیغہ واحد مؤنث غائب، فاعل ضمیر ھی جو عصا کی طرف عائد ہے۔ عصا: مؤنث سماعی ہے...... ماصنعوا: موصول صلہ مل کر مفعول بہ ہے (۴) إنما: کلمۂ حصر نہیں ہے۔ بلکہ إنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے، اور ما موصولہ یا موصوفہ یا مصدریہ ہے۔ ترجمہ موصولہ کا کیا ہے۔ صنعوا: اس کا صلہ ہے۔ پھر دونوں مل کر إنَّ کا اسم ہیں۔ اور کید ساحر: مرکب اضافی خبر ہے...... إنما اور ←

السَّاحِرُ	جادوگر	اٰذَنَ	اجازت دوں میں	اَيُّنَآ (۷)	(کہ) ہم میں سے کون
حَيْثُ (۱)	جس جگہ	لَكُمْ	تم کو	اَشَدُّ	زیادہ سخت ہے
اَتٰى	آتا ہے وہ	اِنَّهٗ	بیشک وہ	عَذَابًا	سزا کے اعتبار سے
فَاُلْقِيَ (۲)	پس ڈال دیئے گئے	لَكَبِيْرُكُمُ	البتہ تمہارا وہ بڑا ہے	وَّاَبْقٰى	اور دیرپا ہے
السَّحَرَةُ	جادوگر	الَّذِيْ	جس نے	قَالُوْا	کہا جادوگروں نے
سُجَّدًا	سجدہ میں	عَلَّمَكُمُ	سکھلایا ہے تم کو	لَنْ	ہرگز نہیں
قَالُوْٓا	کہا انھوں نے	السِّحْرَ	جادو	نُّؤْثِرَكَ	ترجیح دیں گے ہم تجھے
اٰمَنَّا	ایمان لائے ہم	فَلَاُقَطِّعَنَّ (۴)	پس ضرور کاٹوں گا میں	عَلٰى مَا	اس پر جو
بِرَبِّ	پروردگار پر	اَيْدِيَكُمْ	تمہارے ہاتھ	جَآءَنَا	پہنچا ہمیں
هٰرُوْنَ	ہارون	وَاَرْجُلَكُمْ	اور تمہارے پاؤں	مِنَ الْبَيِّنٰتِ	واضح دلائل میں سے
وَمُوْسٰى	اور موسیٰ کے	مِّنْ خِلَافٍ (۵)	مخالف جانب سے	وَالَّذِيْ (۸)	(اور اس پر) جس نے
قَالَ	کہا فرعون نے	وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ (۶)	اور ضرور سولی دوں گا	فَطَرَنَا	ہمیں پیدا کیا
اٰمَنْتُمْ	ایمان لے آئے تم		میں تم کو	فَاقْضِ (۹)	پس فیصلہ کر تو
لَهٗ	اس پر	فِيْ جُذُوْعِ	تنوں میں	مَآ	جو کچھ
قَبْلَ (۳)	پہلے	النَّخْلِ	کھجور کے	اَنْتَ	تو
اَنْ	(اس سے) کہ	وَلَتَعْلَمُنَّ	اور ضرور جان لوگے تم	قَاضٍ	فیصلہ کرنے والا ہے

← أنما: جو کلمہ حصر ہیں، ان میں إنَّ اور أنَّ: حرف مشبہ بالفعل اور ماکافہ ہوتا ہے جو دونوں کو عمل سے روک دیتا ہے۔

(۱) حيث: جہاں، جس جگہ۔ ظرف مکان مبنی برضمہ ہے۔ مکانِ مبہم کے لئے آتا ہے اور جملہ مابعد سے اس کی تشریح ہوتی ہے۔
(۲) أُلقي: إلقاء سے ماضی مجہول، صیغہ واحد مذکر غائب...... السحرة: الساحر کی جمع: نائب فاعل...... سُجَّدًا: حال (۳) قبل: ظرف زمان بمعنی بغیر (۴) لَأُقَطِّعَنَّ: میں ضرور کاٹوں گا، تقطیع (ٹکڑے ٹکڑے کرنا) سے فعل مضارع بالام تاکید ونون تاکید۔
(۵) خِلَاف: برخلاف، باب مفاعلہ کا مصدر۔ (۶) لَأُو صَلِّبَنَّكُمْ: میں ضرور تم کو سولی پر چڑھاؤں گا۔ تَصْلِيْب سے فعل مضارع بالام تاکید ونون تاکید، صیغہ واحد متکلم...... قرآنی رسم الخط میں اس لفظ میں یہاں اور سورۂ شعراء (آیت ۴۹) میں الف کے بعد واو زائد لکھا جاتا ہے، مگر پڑھا نہیں جاتا۔ (۷) أَيُّنَا: مرکب اضافی مبتدا، أشد خبر۔ (۸) والذی کا عطف ماجاء نا پر ہے (۹) اِقْضِ: تو کر گذر، تو فیصلہ کر۔ قضاء: معاملہ فیصل کرنا، خواہ بذریعہ قول ہو یا فعل...... قاض: اسم فاعل۔

اِنَّمَا	بس	بِرَبِّنَا	ہمارے پروردگار پر	عَلَيْهِ	اس پر
تَقْضِیْ	فیصلہ کرے گا تو	لِيَغْفِرَ	تاکہ بخشے وہ	مِنَ السِّحْرِ	جادو سے
هٰذِهِ	اس	لَنَا	ہمارے لئے	وَاللّٰهُ	اوراللہ تعالیٰ
الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا	دنیوی زندگی کا	خَطٰيٰنَا	ہماری خطاؤں کو	خَيْرٌ	بہتر
اِنَّآ	بیشک ہم	وَمَآ (۱)	اوراس کو جو	وَّ اَبْقٰى	اوردیرپا ہیں
اٰمَنَّا	ایمان لائے ہیں	اَكْرَهْتَنَا	مجبور کیا تو نے ہمیں	۞	۞

جب موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ ساحروں کی رسّیاں سانپ بن کر میدان میں رینگنے لگیں ہیں ـــــ تو موسیٰ نے اپنے دل میں کچھ خوف محسوس کیا ـــــ دل میں یہ اندیشہ آیا کہ جادوگروں نے بھی سانپ بنالئے، اور میری لاٹھی بھی بہرحال سانپ بنے گی، پس دیکھنے والے برابر کا مقابلہ سمجھیں گے، اور حق کا غلبہ نہ ہوگا ـــــ یہ اندیشہ کچھ زیادہ نہ تھا، بس ذراسا ہی تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو بتاکید اطمینان دلایا ـــــ ہم نے کہا: ''آپ نہ ڈریں، یقیناً آپ ہی سربلند رہیں گے'' ـــــ فتح آپ ہی کی ہوگی ﴿ إِنَّكَ أَنْتَ الْأَعْلٰى ﴾ میں چار طرح سے تاکید ہے۔ایک حرفِ إِنَّ تاکید کے لئے ہے، دوسرے: ضمیر مخاطب مکرر لائی گئی ہے۔سوم: أعلی پر الف لام تعریف کا داخل کیا گیا ہے۔چہارم: خود لفظ أعلی: عُلُوّ سے ماخوذ ہے، جس میں سربلندی کا مفہوم ہے۔آگے ارشاد ہے ـــــ ''اور آپ اس (لاٹھی) کو ڈال دیں جو آپ کے دائیں ہاتھ میں ہے، وہ اس (سب) کو نگل جائے گی، جو انھوں نے بنایا ہے'' ـــــ جب موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی ڈالی تو اس نے اژدھا بن کر ساحروں کے تمام سوانگ (شعبدوں) کو نگل لیا۔اور تھوڑی دیر میں میدان صاف ہوگیا، اور ساحر اپنے سحر میں ناکام ہوئے، کیونکہ ـــــ ''انھوں نے جو کچھ بنایا ہے وہ یقیناً جادو کا مکر ہے'' ـــــ دھوکے کی ٹٹی ہے، نظر بندی اور سوانگ ہے۔حق کے مقابلہ میں اس کی بساط ہی کیا ہے؟ ـــــ ''اور جادوگر کہیں جائے کامیاب نہیں ہوتا'' ـــــ یعنی جادو کے ڈھکوسلے چاہے کہیں ہوں، اور کسی حد تک پہنچ جائیں، حق کے مقابلہ میں کامیاب نہیں ہوتے، نہ جادوگر کبھی فلاح پاسکتا ہے۔اس لئے جادو سیکھنا اور کرنا حرام ہے۔اور حدیث میں جادوگر کو قتل کرنے کا حکم ہے۔

جادوگروں نے جو اپنے فن کے ماہر تھے، جب عصا کا کرشمہ دیکھا تو حقیقتِ حال سمجھ گئے۔اور ان کو یقین آگیا کہ موسیٰ علیہ السلام کا کام جادو ہرگز نہیں، بلکہ خدائی معجزہ ہے۔چنانچہ وہ فوراً رب العالمین پر ایمان لے آئے۔ارشاد

(۱) وما کا عطف خطایانا پر ہے۔

ہے: ـــــ پس جادوگر سجدے میں ڈال دیئے گئے ـــــ یعنی بہ توفیقِ الٰہی وہ ایمان سے سرفراز ہوئے۔اور اپنا ایمان وانقیاد ظاہر کرنے کے لئے وہ سجدہ ریز ہوئے ـــــ انھوں نے کہا: ''ہم موسیٰ وہارون کے پروردگار پر ایمان لائے'' ـــــ اس طرح فرعون کا سارا کھیل بکھر گیا۔موسیٰ علیہ السلام کو شکست دینے کی جو آخری صورت تھی وہ بھی ہاتھ سے گئی۔اور اندیشہ لاحق ہوگیا کہ کہیں مصری عوام ہاتھ سے نہ جائیں۔اور موسیٰ علیہ السلام اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوجائیں۔چنانچہ ـــــ فرعون نے کہا: ''تم اس پر ایمان لے آئے،اس سے پہلے کہ میں تمہیں اجازت دوں؟'' ـــــ یعنی تم میری رعایا ہو،میدانِ مقابلہ میں میرے نمائندے ہو،پھر مجھ سے پوچھے بغیر کیوں ایمان لائے؟ ـــــ ''وہ یقیناً تمہارا بڑا ہے،جس نے تم کو جادو سکھایا ہے'' ـــــ اور یہ مقابلہ بازی تمہاری ملی بھگت ہے۔اب میں تمہیں عبرتناک سزا دونگا،تاکہ آئندہ کسی کو ایسی غداری کی ہمت نہ ہو ـــــ ''پس میں ضرور تم کو کھجور کے تنوں میں سولی دونگا'' ـــــ تاکہ دنیا تمہارا تماشا دیکھے ـــــ ''اور تم ضرور جان لوگے کہ ہم میں سے کون زیادہ سخت سزا دینے والا اور دیرپا ہے!'' ـــــ یعنی میری سزا سخت اور میری حکومت دیرپا ہے،یا موسیٰ اور ہارون کے پروردگار کی سزا سخت اور اس کی حکومت دیرپا ہے: یہ بات ابھی تمہیں معلوم ہوجائے گی،جب میری سزا کا مزہ چکھوگے! ـــــ جادوگروں نے کہا: ''ہم ہرگز تجھے ترجیح نہیں دیں گے اُن واضح دلائل پر جو ہمیں پہنچے،اور نہ اس ذات پر جس نے ہمیں پیدا کیا'' ـــــ ''واضح دلائل'' سے مراد موسیٰ علیہ السلام کی نصیحت اور معجزات ہیں۔ساحروں نے کہا کہ ہم ایسے صاف دلائل کو تیری خاطر نظر انداز نہیں کرسکتے،نہ اپنے خالق کی خوشنودی کے مقابلہ میں تیری کچھ پرواہ کرسکتے ہیں ـــــ ''پس تو جو کچھ تجھے کرنا ہے کر گزر۔تو بس اس دنیوی زندگی ہی کو ختم کرسکتا ہے'' ـــــ سو کچھ مضائقہ نہیں۔ہم آخرت کو اختیار کرچکے ہیں،ہم کو اب یہاں کے رنج وراحت کی فکر نہیں ـــــ ''بیشک ہم ایمان لائے ہمارے پروردگار پر،تاکہ وہ ہمارے لئے ہماری خطاؤں کو اور اس جادو کے عمل کو بخش دے جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا ہے'' ـــــ یعنی اب تمنا صرف یہ ہے کہ ایمان کی برکت سے ہمارا رب ہمارے تمام گناہوں کو معاف کردے،اور خاص طور پر اس گناہ کو بخش دے جو تیرے خوف سے مجبور ہوکر کرنا پڑا ہے یعنی جادو سے موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرنا ـــــ جادوگر موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ پر از خود اپنی مرضی سے نہیں آئے تھے،بلکہ فرعون کے حکم اور حکومت کے دباؤ سے آئے تھے۔یہی فرعون کا ان کو مجبور کرنا تھا ـــــ آخر میں اُن مؤمنین کاملین نے،جو ابھی تھوڑی دیر پہلے جادوگر تھے،فرعون کی آخری بات کا جواب دیا۔اور نہلے پہ دَہلا رکھا۔انھوں نے کہا: ـــــ اور اللہ تعالیٰ بہتر اور دیرپا ہیں! ـــــ یعنی جو انعام واکرام تو ہمارا کرتا اس سے کہیں بہتر اجر اللہ کے یہاں ملے گا۔اور

وہی سدا باقی رہنے والے ہیں۔ تو کیا اور تیری حکومت کیا، چہ پدّی اور چہ پدّی کا شوربا!

سچا ایمان جب کسی کو نصیب ہوتا ہے، چاہے ایک لمحہ کے لئے ہو، تو وہ ایسی روحانی قوت پیدا کر دیتا ہے کہ زبردست سے زبردست طاقت بھی اس کو مرعوب نہیں کر سکتی

اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ﴿۷۴﴾ وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ﴿۷۵﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ﴿۷۶﴾

ع ۲۲ ۱۲

اِنَّهٗ (۱)	بیشک شان یہ ہے کہ	وَمَنْ	اور جو شخص	عَدْنٍ	ہمیشہ رہنے کے
مَنْ	جو شخص	يَّاْتِهٖ	حاضر ہوا اس کے پاس	تَجْرِيْ (۳)	بہتی ہیں
يَّاْتِ	حاضر ہوا	مُؤْمِنًا	مؤمن ہو کر	مِنْ تَحْتِهَا	ان کے نیچے سے
رَبَّهٗ	اپنے رب کے پاس	قَدْ	تحقیق	الْاَنْهٰرُ	نہریں
مُجْرِمًا	مجرم ہو کر	عَمِلَ	کئے ہیں اس نے	خٰلِدِيْنَ (۴)	ہمیشہ رہیں گے وہ
فَاِنَّ	پس بیشک	الصّٰلِحٰتِ	نیک کام	فِيْهَا	ان میں
لَهٗ	اس کے لئے	فَاُولٰٓئِكَ	پس وہ لوگ	وَذٰلِكَ	اور وہ
جَهَنَّمَ	دوزخ ہے	لَهُمُ	ان کے لئے	جَزٰٓؤُا	بدلہ ہے
لَا يَمُوْتُ	نہ مرے گا وہ	الدَّرَجٰتُ	درجے ہیں	مَنْ	اس کا جو
فِيْهَا	اس میں	الْعُلٰى	بہت بلند	تَزَكّٰى	ستھرا ہوا
وَلَا يَحْيٰى	اور نہ جئے گا	جَنّٰتُ (۲)	باغات	❁	❁

فرعون نے ایمان لانے والے جادوگروں کو جو دھمکی دی تھی، اس میں آخر میں دو باتیں کہی تھیں: ایک: یہ کہ تمہیں ابھی پتہ چل جائے گا کہ میرا عذاب سخت ہے یا موسیٰ کے رب کا؟ دوسری: یہ کہ تم ابھی یہ بات جان لوگے کہ میں اور میری

(۱) اِنَّ: حرف مشبہ بالفعل، ضمیر شان اس کا اسم، اور دونوں مَنْ موصولہ جو متضمن معنی شرط ہیں، اپنے صلہ کے ساتھ خبر (۲) جَنّٰتُ: الدرجات العلی سے بدل ہے۔ (۳) تجری: جنات کا حال ہے۔ (۴) خالدین: لهم کی ضمیر کا حال ہے۔

حکومت دیرپا ہیں یا موسیٰ کا پروردگار اور اس کی حکومت؟ ــــــ ایمان قبول کرنے والے جادوگروں نے صرف دوسری بات کا جواب دیا تھا کہ ’’اللہ تعالیٰ ہی بہتر اور دیرپا (سدا باقی رہنے والے) ہیں‘‘۔ پہلی بات کا جواب انہوں نے نہیں دیا تھا۔ وہ بات قابلِ اعتناء نہیں تھی، اور دوسری بات کے جواب سے اس کا جواب بھی خود بخود نکل آتا تھا۔

اب اللہ پاک اِن آیات میں اُس پہلی بات کا مفصل جواب دیتے ہیں۔ اور چونکہ قرآن پاک کا اسلوبِ بیان یہ ہے کہ جب وہ مؤمنین و کافرین میں سے کسی ایک کا انجام بیان کرتا ہے، تو دوسرے کا تذکرہ ضرور کرتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے ــــــ بالیقین صورتِ حال یہ ہے کہ جو شخص اپنے پروردگار کے پاس مجرم بن کر حاضر ہوگا، اس کے لئے یقیناً دوزخ ہے، جس میں نہ وہ مرے گا اور نہ جئے گا! ــــــ مجرم یہاں مؤمن کے مقابلہ میں آیا ہے، اس لئے اس سے مراد مشرک و کافر ہے۔ ایسے مجرموں کا ٹھکانا بہت برا ہے، اور وہ ابدی جہنم ہے۔ جس سے چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں۔ دنیا کی تکلیفیں خواہ کتنی ہی سخت ہوں، موت آکر سب کا خاتمہ کر دیتی ہے، مگر کفار کو دوزخ میں موت نہیں آئے گی، جو تکالیف کا خاتمہ کر دے۔ اور وہاں جینا بھی جینے کی طرح کا نہ ہوگا۔ وہاں کی زندگی ایسی ہوگی کہ موت اس سے ہزار درجہ بہتر! پس اللہ کی سزا کا فرعون کی سزا سے کیا مقابلہ!

آگے مجرمین کے مقابلہ میں اطاعت شعار مؤمنین کا انجام بیان فرماتے ہیں ــــــ اور جو شخص اُن کے پاس مؤمن ہو کر حاضر ہوگا، جس نے واقعۃً نیک کام کئے ہیں، تو ان لوگوں کے لئے بلند درجات ہیں۔ یعنی ہمیشہ رہنے کے باغات ہیں، جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہونگی۔ وہ لوگ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اور یہ اس شخص کا بدلہ ہے جو ستھرا ہوا ــــــ یعنی جن مؤمنین نے مثبت و منفی پہلوؤں سے ایمان کے تقاضے پورے کئے ہیں۔ نیک کاموں پر کاربند رہے ہیں، اور پاکیزہ زندگی بسر کی ہے، یعنی کفر و معصیت سے کنارہ کش رہے ہیں، اور فاسد عقائد اور بداعمالیوں سے بچے رہے ہیں، وہی کامل مؤمن ہیں، اور نجاتِ اوّلی انہیں کا نصیب ہے ــــــ رہے کلمہ گو صاحب کبائر: تو ان کی بھی نجات ضرور ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ان کا ایمان ضائع نہیں کریں گے۔ ارشاد پاک ہے: ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ ایسے نہیں کہ تمہارے ایمان کو ضائع کر دیں (سورۃ البقرہ آیت ۱۴۳) اہل السنہ والجماعۃ کا یہی مذہب ہے کہ ایماندار کی نجات ضرور ہوگی۔ خواہ وہ کتنا ہی بڑا خطاکار اور سیاہ کار ہو۔ البتہ نجات اوّلی کے لئے ارکانِ خمسہ کی ادائیگی اور کبیرہ گناہوں سے بچنا ضروری ہے۔

جو مؤمن موت کے ساتھ ہی جنت کا امیدوار ہے: اس کو فرائض سے غافل، اور کبائر میں ملوث نہیں ہونا چاہئے

وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى ۙ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ﴿۷۷﴾ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ﴿۷۸﴾ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ﴿۷۹﴾

وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	فِي الْبَحْرِ	سمندر میں	مِّنَ الْيَمِّ	دریا سے
اَوْحَيْنَآ	وحی بھیجی ہم نے	يَبَسًا (۳)	خشک	مَا (۶)	جو
اِلٰى مُوْسٰٓى	موسیٰ کی طرف	لَّا تَخٰفُ (۴)	نہ ڈریں آپ	غَشِيَهُمْ	چھا گیا ان پر
اَنْ (۱)	کہ	دَرَكًا	پالئے جانے سے	وَاَضَلَّ	اور گمراہ کیا
اَسْرِ	رات کو لے چلیں	وَّلَا تَخْشٰى (۵)	اور نہ ڈریں (ڈوبنے سے)	فِرْعَوْنُ	فرعون نے
بِعِبَادِيْ	میرے بندوں کو	فَاَتْبَعَهُمْ	پس پیچھا کیا ان کا	قَوْمَهٗ	اپنی قوم کو
فَاضْرِبْ (۲)	پس ماریں (بنائیں)	فِرْعَوْنُ	فرعون نے	وَمَا	اور نہیں
لَهُمْ	ان کے لئے	بِجُنُوْدِهٖ	اپنے لشکر کے ساتھ	هَدٰى	راہ دکھائی
طَرِيْقًا	راستہ	فَغَشِيَهُمْ	پس چھا گیا ان پر	۞	۞

بنی اسرائیل کی رہائی اور فرعون کی تباہی: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سالہا سال تک مختلف معجزات دکھلا کر، فرعون اور اس کے درباریوں پر حجت تام کردی، مگر فرعون کسی طرح دعوتِ حق قبول کرنے کے لئے، اور بنی اسرائیل کو غلامی سے آزاد کرنے کے لئے تیار نہ ہوا، تو موسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا حکم پہنچا ——— اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ میرے بندوں (بنی اسرائیل) کو رات میں لے چلیں، پس لاٹھی مار کر ان کے لئے سمندر میں ایسا خشک راستہ بنالیں کہ نہ تو پکڑے جانے کا خوف ہو، اور نہ ڈوبنے کا ڈر! ——— یہ دونوں حکم ایک ساتھ نہیں آئے تھے۔ پہلے صرف یہ حکم آیا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر رات کے وقت شہر سے نکل جائیں۔ اور یہ بتا دیا تھا کہ

---

(۱) أن: مفسِّرہ ہے، کیونکہ أوحينا بمعنی قلنا ہے۔(۲) فاضرب: میں مجاز عقلی ہے یعنی غیر مالہ کی طرف اسناد ہے۔ أصله: فاضرب البحر، ليصير لهم طريقا فيه يبسا (۳) يبسا: طريقا کی پہلی صفت ہے۔(۴) جملہ لاتخاف: طريقاً کی دوسری صفت ہے۔(۵) خوف وخشیت: ہم معنی ہیں۔ البتہ خشیت ابلغ ہے، اور اس کا مفعول غرقاً محذوف ہے۔(۶) ما غشيهم: موصول صلہ مل کر پہلے غشيهم کا فاعل ہیں۔ اور ابہام: تہویل کے لئے ہے۔

فرعون پیچھا کرے گا (سورۃ الشعراء آیت ۵۲) چنانچہ موسیٰ علیہ السلام تیاری کرکے حسب حکم رات کے وقت بنی اسرائیل کو لے کر چل دیئے ـــــ پروگرام یہ تھا کہ جس راہ سے موسیٰ علیہ السلام مدین آئے گئے ہیں، اسی راہ سے بنی اسرائیل کو لے کر فرعون کی مملکت کی حدود سے نکل جائیں گے۔ اور معاملہ مخفی رکھنے کے لئے مشتہر کیا گیا کہ وہ کسی تقریب کے لئے شہر سے باہر جارہے ہیں۔ اور کسی کو شبہ نہ ہو اس لئے مصریوں سے زیورات مستعار لے لئے ـــــ مگر ہوا یہ کہ موسیٰ علیہ السلام راستہ بھول کر دوسری راہ پر پڑ گئے۔ اُدھر پرچہ نویسوں نے فرعون کو اطلاع دی کہ یہ لوگ تقریب منانے نہیں نکلے ہیں کیونکہ یہ بھاگے جارہے ہیں۔ چنانچہ فرعون نے ہر طرف ہرکارے دوڑا دیئے۔ اور ایک بڑا لشکر جمع کرلیا، اور تعاقب شروع کردیا ـــــ اِدھر اچانک بنی اسرائیل کے سامنے بحرِ قلزم آگیا۔ اور پیچھے فرعون کا لشکر نظر آنے لگا۔ تو دوسرا حکم آیا کہ موسیٰ علیہ السلام سمندر میں عصا ماریں۔ خشک راستے نکل آئیں گے۔ جن سے بنی اسرائیل بے خوف ہوکر پار ہوجائیں گے۔ ارشاد ہے ـــــ پس فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ ان کا پیچھا کیا، پس ان پر چھا گیا دریا کے پانی سے جو چھا گیا! ـــــ یعنی پھر کچھ نہ پوچھو کہ سمندر کی موجوں نے کس طرح ان کو اپنی آغوش میں لے لیا، اور سب کو ہمیشہ کے لئے موت کی نیند سلا دیا! ـــــ جب موسیٰ علیہ السلام نے سمندر پر اپنا عصا مارا تو پانی پھٹ کر دونوں جانب دو پہاڑوں کی طرح کھڑا ہوگیا۔ اور درمیان میں راہیں نکل آئیں۔ تمام بنی اسرائیل ان راہوں سے پار ہوگئے۔ پھر جب فرعون قریب پہنچا، اور دیکھا کہ بنی اسرائیل صحیح سلامت دوسرے کنارے پر پہنچ گئے ہیں۔ اور پانی بدستور کھڑا ہے، تو فرعون مع لشکران راہوں پر سمندر میں اتر لیا۔ جب وہ منجدھار میں پہنچے، تو پانی بحکم الٰہی اپنی اصلی حالت پر آگیا، اور سب لقمۂ اجل بن گئے ـــــ اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا، اور ان کو سیدھا راستہ نہیں دکھایا! ـــــ یہ مضمون کا تتمہ ہے، اور آدھا مضمون ہے۔ دوسرا آدھا مضمون فہم سامع پر اعتماد کرکے چھوڑ دیا گیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو پار لگایا، اور سیدھا راستہ دکھایا ـــــ یعنی دونوں راہنماؤں میں موازنہ کرو۔ ایک راہ نما: حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ انھوں نے اپنی قوم کو دنیا و آخرت میں نجات کا راستہ دکھایا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی برکت سے سمندر میں خشک راستے بنادیئے اور منزلِ مقصود سے لگادیا۔ دوسرا راہ نما: فرعون ہے۔ اس کا دعوی تھا کہ وہ اپنی قوم کو سیدھا راستہ دکھا رہا ہے (سورۃ المؤمن آیت ۲۹) مگر دنیا میں بھی وہ سب کو لے ڈوبا، اور آخرت میں بھی سب کو جہنم رسید کرے گا۔ (سورہ ہود آیت ۹۸)

يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۝ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا

فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ﴿۸۱﴾ وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ﴿۸۲﴾

يٰبَنِيْٓ	اے اولاد	كُلُوْا	کھاؤتم	غَضَبِيْ	میرا غصہ
اِسْرَآءِيْلَ	یعقوبؑ کی	مِنْ طَيِّبٰتِ	ستھری چیزوں سے	فَقَدْ	تو یقیناً
قَدْ	تحقیق	مَا	جو	هَوٰى [۴]	گراوہ
اَنْجَيْنٰكُمْ	نجات دی ہم نے تم کو	رَزَقْنٰكُمْ	روزی دی ہم نے تم کو	وَاِنِّيْ	اور بیشک میں
مِّنْ عَدُوِّكُمْ	تمہارے دشمن سے	وَلَا تَطْغَوْا	اور نہ حد سے بڑھوتم	لَغَفَّارٌ	البتہ بخشنے والا ہوں
وَوٰعَدْنٰكُمْ	اور وعدہ کیا ہم نے تم سے	فِيْهِ	اس میں	لِّمَنْ	اس کو جس نے
جَانِبَ الطُّوْرِ	طور کی جانب کا	فَيَحِلَّ [۳]	پس اتر پڑا	تَابَ	توبہ کی
الْاَيْمَنَ [۱]	دائیں	عَلَيْكُمْ	تم پر	وَاٰمَنَ	اور ایمان لایا
وَنَزَّلْنَا	اور اتارا ہم نے	غَضَبِيْ	میرا غصہ	وَعَمِلَ	اور کئے اس نے
عَلَيْكُمُ	تم پر	وَمَنْ	اور جو شخص	صَالِحًا	نیک کام
الْمَنَّ	شبنمی گوند	يَّحْلِلْ	اتر پڑے	ثُمَّ	پھر
وَالسَّلْوٰى [۲]	اور بٹیریں	عَلَيْهِ	اس پر	اهْتَدٰى	استوار رہا

اب حق تعالیٰ بنی اسرائیل کو نصیحت فرماتے ہیں۔ اوران کو اپنے انعامات یاددلاتے ہیں:

پہلا انعام: —— فرعون سے نجات دی —— اے یعقوب کی اولاد! واقعہ یہ ہے کہ ہم نے تم کو تمہارے دشمن (فرعون) سے نجات دی —— یعنی کیا یہ تھوڑی بات ہے کہ ایسے سخت جابر وقاہر دشمن کے ہاتھوں سے تم کو نجات دی، اور اس کو کیسے عبرتناک طریقے سے تمہاری آنکھوں کے سامنے ہلاک کیا؟!

دوسرا انعام: —— تورات عنایت فرمائی —— اور ہم نے تم سے طور کی دائیں جانب کا وعدہ کیا —— فرعون سے نجات اور دریا سے پار ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے، اوران کے توسط سے تمام

(۱) الأیمن: جانب کی صفت ہے، جو مضاف ہے (۲) السلوی: سَلْوَاۃٌ کی جمع: لَوَا، بٹیر، ایک قسم کا چھوٹا پرندہ جو اکثر جھاڑیوں میں رہتا ہے۔ (۳) حَلَّ يَحِلُّ حُلُوْلاً: اترنا، نازل ہونا۔ (۴) هَوٰى يَهْوِىْ هُوِيًّا: اوپر سے نیچے گر پڑنا۔

بنی اسرائیل سے وعدہ فرمایا کہ وہ مصر سے شام کو جاتے ہوئے کوہِ طور کا جو حصہ داہنے ہاتھ پڑتا ہے، وہاں پہنچیں تاکہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی مقدس کتاب تورات عنایت فرمائیں۔

تیسرا انعام: —— من وسلوی نازل فرمایا —— اور ہم نے تم پر شبنمی گوند اور لوائیں (بیڑیں) اتاریں —— تِیْہ کے لق ودق میدان میں تمہارے کھانے کے لئے من وسلوی اتارا۔ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب بنی اسرائیل دریا عبور کرکے آگے بڑھے، اور ان کو مقدس شہر میں داخل ہونے کا حکم ملا، تو انھوں نے بزدلی دکھائی، اور حکم کی خلاف ورزی کی۔ اس کی سزا یہ ملی کہ اسی وادی میں جس کو وادیٔ تِیْہ کہتے ہیں سرگرداں کردیا گیا۔ وہاں انھوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کھان پان کا مطالبہ کیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ خداوندی میں دعا کی، حکم ملا کہ اپنا عصا زمین پر مارو، تعمیل حکم کرتے ہی بارہ سوت اُبل پڑے۔ اور جب صبح ہوئی تو بنی اسرائیل نے دیکھا کہ درختوں کے پتوں اور گھاس پر شبنم کی طرح آسمان سے کوئی چیز برس کر جم گئی ہے۔ کھائی تو نہایت شیریں حلوے کے مانند تھی۔ یہ ''من'' تھا۔ اور دن میں تیز ہوا چلی۔ اور لوائیں (بٹیروں) کے غول کے غول آکر زمین پر بیٹھ گئے۔ بنی اسرائیل نے بآسانی ان کو پکڑ لیا، اور بھون کر کھانے لگے۔ یہ ''سلویٰ'' (بٹیر، لوا) تھیں، جو تیتر کی قسم کے چھوٹے سے پرندے ہیں جو اکثر جھاڑیوں میں رہتے ہیں —— کھاؤ ان ستھری چیزوں سے جو ہم نے تم کو بطور روزی دی ہیں۔ اور اس میں حد سے نہ بڑھو، پس اتر پڑے تم پر میرا غصہ، اور جس پر میرا غصہ اتر پڑا وہ یقیناً پستی میں گرا! —— بنی اسرائیل کو مذکورہ دونوں نعمتیں روزانہ بغیر زحمت وتکلیف کے حاصل ہوتی تھیں۔ ان سے کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے جو حلال وطیب چیزیں عنایت فرمائی ہیں، انہیں شوق سے استعمال کرو، لیکن حد سے نہ بڑھو۔ بنی اسرائیل کے لئے حد یہ مقرر کی گئی تھی کہ وہ اپنی ضرورت کے بقدر لیں، دوسرے دن کے لئے ذخیرہ نہ کریں۔ کیونکہ ان کو روزانہ یہ نعمت ملتی رہے گی۔ اور ان کو یہ تنبیہ بھی کردی گئی تھی کہ اگر وہ حد سے تجاوز کریں گے تو اپنا ہی نقصان کریں گے۔ نعمتوں سے محروم ہوجائیں گے، اور اللہ کا غصہ ان پر اتر پڑے گا۔ اور جس پر اللہ کا غصہ اترتا ہے وہ بالکل گیا گذرا ہوجاتا ہے۔ جیسا گوسالہ پوجنے والوں کا حال آگے آرہا ہے۔

فائدہ: اللہ کے رزق کے معاملہ میں حد سے گذرنے کی بہت سی شکلیں ہیں۔ مثلاً: نعمت کی ناشکری کرنا۔ فضول خرچی کرنا، فانی نعمت پر اِترانا، حقوقِ واجبہ ادا نہ کرنا۔ معاصی میں دولت خرچ کرنا، مال کو طغیان وعصیان کا ذریعہ بنانا۔ اور ممنوع ذخیرہ اندوزی کرنا وغیرہ وغیرہ۔

آگے مغضوبین کے بالمقابل مغفورین کا تذکرہ ہے —— اور میں بالیقین اس شخص کو بخشنے والا ہوں جس نے توبہ کی اور نیک کام کیا، پھر وہ استوار رہا! —— یعنی خواہ کوئی کتنا ہی بڑا مجرم ہو، اگر سچے دل سے توبہ کرلے، اور زندگی کا

ورق پلٹ دے، ایمان وعمل صالح کا راستہ اختیار کرلے، اور اس پر موت تک مضبوط رہے، تو اللہ کے یہاں فضل ورحمت اور بخشش ومغفرت کی کمی نہیں۔

وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۸۳﴾ قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِىْ وَ عَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ﴿۸۴﴾ قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَ اَضَلَّهُمُ السَّامِرِىُّ ﴿۸۵﴾ فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۚ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِىْ ﴿۸۶﴾ قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِىُّ ﴿۸۷﴾ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى ۥ فَنَسِىَ ﴿۸۸﴾ اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۙ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ﴿۸۹﴾

وَمَآ	اور کیا چیز	عَلٰٓى اَثَرِىْ	میرے پیچھے پیچھے	قَدْ	تحقیق
اَعْجَلَكَ (۱)	جلدی لائی آپ کو	وَ عَجِلْتُ (۱)	اور جلدی آیا میں	فَتَنَّا	آزمایا
عَنْ قَوْمِكَ	اپنی قوم سے	اِلَيْكَ	آپ کے پاس	قَوْمَكَ	آپ کی قوم کو
يٰمُوْسٰى	اے موسیٰ؟	رَبِّ	اے میرے رب	مِنْۢ بَعْدِكَ	آپ کے بعد
قَالَ	عرض کیا	لِتَرْضٰى	تاکہ آپ خوش ہوں	وَ اَضَلَّهُمُ	اور گمراہ کیا ان کو
هُمْ (۲)	وہ	قَالَ	فرمایا	السَّامِرِىُّ	سامری نے
اُولَآءِ	یہی ہیں	فَاِنَّا	پس بیشک ہم نے	فَرَجَعَ	پس لوٹے

(۱) عَجِلَ (س) عَجَلاً إليه: جلدی آنا، کسی کے پاس دوڑ کر آنا۔ أَعْجَلَ فلاناً: کسی سے جلدی کرانا، عجلت کرنے پر اکسانا۔
(۲) هم: مبتدا۔ أولاء: بدل۔ علی أثری: خبر یا أولاء: پہلی خبر اور علی أثری: دوسری خبر...... أولاء: اسم اشارہ جمع برائے قریب، اس پر ہ بڑھا کر هؤلاء اکثر مستعمل ہے...... الأَثَر: نشان، جمع: آثار، فی أثرہ: پیچھے، بعد، علی أثرہ: فوراً بعد، پیچھے پیچھے۔

مُوْسٰٓى	موسیٰ	غَضَبٌ	غصہ	عِجْلًا	ایک بچھڑا
اِلٰى قَوْمِهٖ	اپنی قوم کی طرف	مِّنْ رَّبِّكُمْ	تمہارے رب کا	جَسَدًا	دھڑ
غَضْبَانَ (۱)	غضبناک	فَاَخْلَفْتُمْ (۳)	پس خلاف کیا تم نے	لَّهٗ	جس کے لئے
اَسِفًا (۱)	افسوس کرتے ہوئے	مَّوْعِدِيْ	میرے وعدے کا؟	خُوَارٌ (۷)	بیل کی آواز ہے
قَالَ	کہا انھوں نے	قَالُوْا	جواب دیا انھوں نے	فَقَالُوْا	پس کہا انھوں نے
يٰقَوْمِ	اے میری قوم	مَآ	نہیں	هٰذَآ	یہ
اَلَمْ	کیا نہیں	اَخْلَفْنَا (۳)	خلاف کیا ہم نے	اِلٰهُكُمْ	تمہارا معبود ہے
يَعِدْكُمْ	وعدہ کیا تم سے	مَوْعِدَكَ (۴)	آپ کے وعدے کا	وَاِلٰهُ	اور معبود ہے
رَبُّكُمْ	تمہارے رب نے	بِمَلْكِنَا (۵)	ہمارے اختیار سے	مُوْسٰى	موسیٰ کا
وَعْدًا (۲)	وعدہ	وَلٰكِنَّا	مگر	فَنَسِيَ	پس وہ بھول گیا
حَسَنًا	بہترین؟	حُمِّلْنَآ	لادے گئے ہم	اَفَلَا يَرَوْنَ	کیا پس نہیں دیکھتے وہ
اَ	کیا	اَوْزَارًا (۶)	بوجھ	اَلَّا (۸)	کہ نہیں
فَطَالَ	تو دراز ہوا	مِّنْ زِيْنَةِ	زیورات کا	يَرْجِعُ	لوٹاتا وہ
عَلَيْكُمُ	تم پر	الْقَوْمِ	قوم کے	اِلَيْهِمْ	ان کی طرف
الْعَهْدُ	پیمان	فَقَذَفْنٰهَا	پس ڈالدیا ہم نے اسکو	قَوْلًا	کسی بات کو
اَمْ	یا	فَكَذٰلِكَ	پس اسی طرح	وَّلَا يَمْلِكُ	اور نہیں مالک ہے وہ
اَرَدْتُّمْ	چاہا تم نے	اَلْقَى	ڈال دیا	لَهُمْ	ان کے لئے
اَنْ	کہ	السَّامِرِيُّ	سامری نے	ضَرًّا	کسی ضرر کا
يَّحِلَّ	اترے	فَاَخْرَجَ	پس نکالا اس نے	وَّلَا	اور نہ
عَلَيْكُمْ	تم پر	لَهُمْ	ان کے لئے	نَفْعًا	کسی نفع کا

(۱) غضبان اورأسفا: حال ہیں۔(۲)وعداً حسنا: مفعول مطلق ہے۔(۳) أخلف وعدَه وبوعده: وعدہ خلافی کرنا۔
(۴)المَوْعِد: مصدر: وعدہ۔(۵)المَلْك: حاصل مصدر: قدرت واختیار، مصدر: مالک ہونا۔(۶) أوزار: وِزْرٌ کی جمع: بوجھ۔
(۷) خُوار: گائے، بیل، بکری اور ہرن کی آواز۔(۸) ألَّا: دولفظ ہیں: أن: ناصبہ اور لا نافیہ۔

گوسالہ پرستی کا واقعہ: گذشتہ آیات میں تین باتیں آئی ہیں: (۱) اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو حکم دیا تھا کہ وہ کوہِ طور پر پہنچیں ان کو تورات عنایت فرمائی جائے گی۔ (۲) جس پر اللہ کا غضب اترتا ہے وہ پستی میں گرتا ہے (۳) پھر جو سچی توبہ کرتا ہے: اللہ تعالیٰ اس کو معاف کردیتے ہیں ـــــ گوسالہ پرستی کے واقعہ میں تینوں باتیں پائی جاتی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم کو حضرت ہارون علیہ السلام کے حوالے کرکے جلدی طور پر پہنچ گئے۔ اور حکم یہ دے گئے کہ سب طور پر پہنچیں۔ مگر قوم نے پیچھے گوسالہ پرستی شروع کردی، اور طور پر نہیں پہنچی تو ان پر اللہ کا غضب نازل ہوا۔ اور حکم دیا گیا کہ بعض بعض کو قتل کریں۔ جب انھوں نے سچے دل سے توبہ کی، اور اللہ کے حکم پر عمل کیا تو اللہ نے سب کو معاف کردیا۔ سورۃ البقرہ آیت ۵۴ میں اس کی تفصیل گذر چکی ہے۔

فرعون سے نجات اور دریا سے پار ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اور ان کے واسطے سے تمام بنی اسرائیل سے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ وہ کوہِ طور کی داہنی جانب چلے آئیں، تاکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا کی جائے، اور بنی اسرائیل خود بھی ان کے شرفِ ہم کلامی کا مشاہدہ کریں (معارف القرآن) ـــــ قوم کی تعداد مفسرین کے بیان کے مطابق چھ لاکھ تھی۔ اتنا بڑا قافلہ تیزی سے سفر نہیں کرسکتا، اور موسیٰ علیہ السلام بارگاہِ خداوندی میں حاضری کے لئے بے تاب تھے۔ چنانچہ آپ نے بنی اسرائیل کو حضرت ہارون علیہ السلام کے حوالے کیا۔ تاکہ وہ بسہولت سفر کرتے ہوئے قوم کو لے کر طور پر پہنچیں۔ اور آپ بعجلت طور کی طرف روانہ ہوگئے۔ وہاں پہنچنے پر تیس دن روزہ رکھنے کا حکم ملا، پھر اس میں دس دن کا اضافہ کیا گیا۔ جس کی تفصیل سورۃ الاعراف آیت ۱۴۲ میں گذر چکی ہے۔ جب چلّہ پورا ہوا تو موسیٰ علیہ السلام مکالمۂ الٰہی سے مشرف ہوئے۔ اور تورات سے ہم کنار ہوئے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے قوم کے حال سے موسیٰ علیہ السلام کو واقف کرنے کے لئے سوال کیا: ـــــ اور کیا چیز آپ کو اپنی قوم سے جلدی لائی، اے موسیٰ؟ ـــــ یعنی ہم نے آپ کو حکم دیا تھا کہ قوم کو لے کر طور پر آئیں، آپ نے ایسی جلدی کیوں کی کہ قوم کو پیچھے چھوڑ آئے؟ ـــــ عرض کیا: ''وہ لوگ یہی تو ہیں میرے پیچھے پیچھے، اور میں آپ کے پاس جلدی آیا تاکہ آپ خوش ہوں، اے پروردگار!'' ـــــ یعنی الٰہی! آپ کی خوشنودی کے لئے جلدی حاضر ہوگیا ہوں، اور قوم بھی کچھ زیادہ دور نہیں۔ یہ میرے پیچھے پیچھے چلی آرہی ہے ـــــ ارشاد فرمایا: پس واقعہ یہ ہے کہ ہم نے آپ کے بعد آپ کی قوم کو آزمایا، اور ان کو سامری نے گمراہ کردیا ـــــ فتنہ کے معنی ہیں: سونے چاندی کو جانچنے کے لئے کہ کھرے ہیں یا کھوٹے: آگ میں تپانا۔ اللہ تعالیٰ بندوں کی برابر آزمائش کرتے رہتے ہیں۔ کبھی مال واولاد سے، کبھی آلاؤں بلاؤں سے اور کبھی مختلف احوال سے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو بھی آزمایا،

سامری نے سوانگ بھرا، اور ایک انبوہ کو لے ڈوبا۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو بتلایا کہ تم تو اِدھر آئے، اور ہم نے تمہاری قوم کو ایک سخت آزمائش میں ڈال دیا۔ جس کا سبب عالم اسباب میں سامری بنا۔ اس کے اغواء سے بنی اسرائیل نے بچھڑے کی پوجا شروع کردی ـــــ سامری کے احوال مجہول ہیں۔ اس کا نام بھی موسیٰ بتایا جاتا ہے۔ پھر بعض کہتے ہیں کہ وہ اسرائیلی تھا، اور بعض کے نزدیک قبطی تھا۔ بہرحال جمہور کی رائے یہ ہے کہ یہ شخص منافق تھا، اور منافقین کی طرح فریب اور چالبازی سے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی فکر میں رہتا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم کا حال معلوم ہونے کے بعد تورات کی تختیاں لے کر لوٹے۔ ارشاد پاک ہے: ـــــ پس موسیٰ اپنی قوم کی طرف غضبناک افسوس کرتے ہوئے لوٹے ـــــ اور غیرتِ دینی سے ایسا ہونا ہی چاہئے تھا۔ پھر قوم سے مخاطب ہوکر ـــــ کہا: ''اے میری قوم! کیا تم سے تمہارے پروردگار نے بہترین وعدہ نہیں کیا تھا؟'' ـــــ جو یقیناً پورا ہونے والا تھا کہ وہ تم کو تورات وشریعت عطافرمائیں گے ـــــ ''پس کیا تم پر مدتِ پیمان دراز ہوگئی؟'' ـــــ یعنی مجھے طور پر گئے ہوئے کل ایک چلّہ تو ہوا ہے، پس کیا تم انتظار کرتے کرتے تھک گئے ـــــ ''یا تم نے چاہا کہ تم پر تمہارے رب کا غضب نازل ہو، پس تم نے مجھ سے وعدہ خلافی کی؟'' ـــــ اور میرے پیچھے طور پر نہ آئے ـــــ یقیناً انھوں نے جان بوجھ کر یہ حرکت کی تھی۔ اور دینِ توحید پر قائم نہ رہ کر خدا کا غضب مول لیا تھا۔

ان لوگوں نے جواب دیا: ''ہم نے اپنے اختیار سے آپ سے وعدہ خلافی نہیں کی'' ـــــ بلکہ کچھ قدرتی عوامل ایسے پیش آئے کہ ہم سفر جاری نہ رکھ سکے۔ اور وہ عوامل یہ ہیں ـــــ ''مگر ہم قوم (مصریوں) کے زیور کا بوجھ اٹھوائے گئے تھے'' ـــــ یعنی مصر سے نکلتے وقت بڑوں کے حکم سے ہم وہ زیورات ساتھ لائے تھے۔ اور ہماری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ان کا کیا کریں؟ پھر باہمی مشورہ سے طے پایا کہ ان کو دفن کردیا جائے ـــــ پس ہم نے اس بوجھ کو (گڑھے میں) ڈال دیا، پس اسی طرح سامری نے (بھی جو بوجھ اس کے پاس تھا) ڈال دیا ـــــ اور اس طرح ہم نے اس بلا سے چھٹکارا پالیا۔ پھر سامری نے چپکے سے وہ زیورات نکال لئے اور ان کو پگھلا کر بچھڑا ڈھال لیا۔ ارشاد ہے ـــــ پس سامری نے ان کے لئے ایک بچھڑا نکالا، ایک دھڑ جس کے لئے بیل کی آواز تھی ـــــ یعنی وہ صرف قالب تھا، جو گائے بیل کی طرح بولتا تھا۔ سامری نے اس کی ساخت اور اس میں سوراخ ایسے رکھے تھے کہ جب ہوا اس میں سے گھس کر نکلتی تھی تو وہ رانبھتا تھا۔ جب سامری نے یہ سوانگ بھرا ـــــ تو لوگوں نے کہا: ''یہ تمہارا معبود ہے اور (یہی) موسیٰ کا (بھی) معبود ہے، پس وہ بھول گئے'' ـــــ اور طور پر خدا کی تلاش میں چلے گئے ـــــ اللہ تعالیٰ ان گمراہوں کا رد فرماتے ہیں ـــــ پس کیا وہ نہیں دیکھتے کہ وہ نہ تو ان کی بات کا جواب دیتا ہے،

اور نہ ان کے لئے کسی نقصان کا مالک ہے، نہ کسی نفع کا! ـــــ یعنی ان اندھوں کی سمجھ میں اتنی موٹی بات بھی نہیں آئی کہ یہ مورت نہ تو کسی سے بات کر سکتی ہے نہ کسی کے نفع ونقصان کی مالک ہے پھر وہ معبود کیسے ہو سکتی ہے؟!

فائدہ: سامری نے جو بچھڑا بنایا تھا وہ زندہ نہیں ہوا تھا۔ صرف کالبد (ڈھانچہ) تھا۔ اسی لئے عِجْلاً کے بعد جَسَدًا لایا گیا ہے۔ اور مستدرک حاکم (۳۸۰:۲) میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جو تفسیر مروی ہے، اس میں ہے: فَوَضَعَ علیه المَبَارِدَ، فَبَرَدَهُ بِهَا یعنی موسیٰ علیہ السلام نے اس کو ریتیوں (سوہنوں) سے ریت کر ریزہ ریزہ کر دیا۔ اگر زندہ ہوتا تو ذبح کر کے بوٹی بوٹی کیا جاتا ـــــ البتہ وہ بچھڑا رانبھتا تھا، یعنی گائے بیل جیسی آواز نکالتا تھا۔ بس اتنا کرشمہ لوگوں کے فتنہ کے لئے کافی تھا۔ شیخ سعدی رحمہ اللہ نے بوستان میں سومنات کے ایک بت کا تذکرہ کیا ہے، جو دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتا تھا۔ چنانچہ ایک دنیا اس کے پیچھے پاگل تھی۔ حالانکہ اس کی حقیقت یہ تھی کہ تہہ خانے میں سے ایک شخص رسّی کھینچتا تھا جس سے اس بت کے ہاتھ اٹھتے تھے۔ اور ابھی چند سال پہلے افواہ پھیلائی گئی کہ گنپتی دودھ پیتی ہے، تو اس کا ساری دنیا میں شور مچ گیا ـــــ بلکہ اگر بچھڑا زندہ ہو جاتا تو عجوبہ نہ رہتا۔ زندہ بچھڑے دنیا میں بہت ہیں! ـــــ اور سامری نے یہ سوانگ اس لئے بھرا تھا کہ اس سے پہلے بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام سے "محسوس معبود" کا مطالبہ کر چکے تھے۔ جس پر موسیٰ علیہ السلام نے ان کو ڈانٹ پلائی تھی (سورۃ المائدہ آیت ۱۳۸) سامری نے اس ذہنیت سے فائدہ اٹھایا تھا۔

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ﴿۹۱﴾ قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ﴿۹۲﴾ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ۭ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ﴿۹۳﴾ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ ۚ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ﴿۹۴﴾

وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	لَهُمْ	ان سے	مِنْ قَبْلُ[1]	پہلے سے
قَالَ	کہا	هٰرُوْنُ	ہارون نے	يٰقَوْمِ	اے میری قوم!

(۱) قبلُ: مبنی ہے۔ اس کا مضاف الیہ منوی ہے۔ أی من قبلِ رجوعِ موسیٰ إلیهم۔

اِنَّمَا	بس	يَرْجِعَ	لوٹیں	اَمْرِيْ	میرے حکم کی؟
فُتِنْتُمْ	آزمائے گئے تم	اِلَيْنَا	ہماری طرف	قَالَ	کہا ہارون نے
بِهٖ (۱)	اس کے ذریعہ	مُوْسٰى	موسیٰ	يَبْنَؤُمَّ (۶)	اے میرے ماں جائے!
وَاِنَّ	اور بیشک	قَالَ	کہا موسیٰ نے	لَا تَاْخُذْ	نہ پکڑیں آپ
رَبَّكُمُ	تمہارا رب	يٰهٰرُوْنُ	اے ہارون	بِلِحْيَتِيْ	میری ڈاڑھی
الرَّحْمٰنُ	رحمان ہے	مَا	کس چیز نے	وَلَا بِرَاْسِيْ	اور نہ میرا سر
فَاتَّبِعُوْنِيْ	پس پیروی کرو تم میری	مَنَعَكَ	روکا تجھے	اِنِّيْ	بیشک مجھے
وَاَطِيْعُوْٓا	اور اطاعت کرو تم	اِذْ	جب	خَشِيْتُ	اندیشہ ہوا
اَمْرِيْ	میرے حکم کی	رَاَيْتَهُمْ	دیکھا تو نے ان کو	اَنْ تَقُوْلَ	کہ آپ کہیں گے
قَالُوْا	جواب دیا انھوں نے	ضَلُّوْٓا	گمراہ ہوگئے ہیں وہ	فَرَّقْتَ	جدائی کردی تو نے
لَنْ نَّبْرَحَ (۲)	برابر رہیں گے ہم	اَلَّا (۴)	کہ نہ	بَيْنَ	درمیان
عَلَيْهِ	اس پر	تَتَّبِعَنِ (۵)	پیچھے آیا تو میرے	بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ	بنی اسرائیل کے
عٰكِفِيْنَ (۳)	جمے بیٹھے	اَ	کیا	وَلَمْ تَرْقُبْ (۷)	اور نظر نہ رکھی تو نے
حَتّٰى	یہاں تک کہ	فَعَصَيْتَ	پس نافرمانی کی تو نے	قَوْلِيْ	میری بات پر

موسیٰ علیہ السلام نے قوم سے باز پرس کی تھی کہ تم نے میرے ساتھ وعدہ خلافی کیوں کی؟ قوم نے جواب دیا تھا کہ ہم نے اپنے اختیار سے وعدہ خلافی نہیں کی ہے۔ کچھ عوامل ایسے پیش آئے کہ ہم چاہنے کے باوجود سفر جاری نہ رکھ سکے، اور وعدہ خلافی ہوگئی۔ اور وہ اسباب سامری کا سوانگ بھرنا، کچھ لوگوں کا گمراہ ہوجانا اور ان کا آگے بڑھنے سے انکار کرنا تھے۔ اگرچہ ان کو حضرت ہارون علیہ السلام نے ہر چند سمجھایا تھا مگر وہ ٹس سے مس نہیں ہوئے تھے۔ ارشاد ہے:

(۱) به: أی بالعجل (۲) بَرِحَ (س) بَرَحًا: الگ ہونا، ہٹنا۔ لن نبرح: ہرگز نہیں ہٹیں گے ہم یعنی برابر رہیں گے ہم۔ (۳) عاکفین: ضمیر متکلم سے حال ہے۔ اور علیه اس کا ظرف مقدم ہے۔ عکف (ن) عکوفا: کسی جگہ ٹھہرنا، قیام کرنا۔ (۴) ألَّا: أنْ ناصبہ اور لا نافیہ ہیں۔ اور لا بمعنی منع (نفی) ہے، فصل کی وجہ سے مکرر نفی لائی گئی ہے۔ (۵) تتبعن میں تتبع: فعل مضارع منصوب، صیغہ واحد مذکر حاضر ہے۔ اور ن وقایہ کا، اور آخر میں ی ضمیر واحد متکلم محذوف ہے، ن کا کسرہ اس کی علامت ہے (۶) یبنؤُمَّ: یا ابن أُمِّیْ ہے۔ قرآنی رسم الخط میں سب کو ملا کر لکھا جاتا ہے۔ (۷) رَقَبه (ن) رَقْبًا: نظر رکھنا، خیال رکھنا۔

——اور البتہ واقعہ یہ ہے کہ ان سے ہارون نے پہلے ہی کہا تھا: "اے میری قوم! تمہیں بچھڑے کے ذریعہ بس آزمایا گیا ہے، اور تمہارا پروردگار بالیقین نہایت مہربان ہستی ہے" ——یعنی جس بچھڑے پر تم مفتون ہور ہے ہو، وہ خدا نہیں۔ یہ ایک فتنہ ہے، جس کے ذریعہ تمہاری آزمائش کی جارہی ہے۔ تمہارا پروردگار رحمان (نہایت مہربان ہستی) ہے، جو تمہاری اتنی بڑی غلطی پر بھی چشم پوشی کررہا ہے، اور زندگی کی نعمت سے نوازے ہوئے ہے ——پس تم میری پیروی کرو، اور میرے حکم کی اطاعت کرو ——اور میرے ساتھ کوہِ طور پر چلو، جہاں پہنچنے کا موسیٰ علیہ السلام حکم دے گئے ہیں ——ان لوگوں نے جواب دیا: "ہم برابر اس پر جمے بیٹھے رہیں گے یہاں تک کہ ہمارے پاس موسیٰ لوٹ آئیں" ——یعنی اب ہم آگے سفر جاری نہیں رکھ سکتے۔ اِسی خدا کو لئے بیٹھے رہیں گے۔ اور موسیٰ جو خدا کی تلاش میں طور پر گئے ہیں: وہ بھی تھک ہار کر یہیں آئیں گے۔ غرض ایک جماعت نے آگے بڑھنے سے انکار کردیا، پس حضرت ہارون علیہ السلام اور باقی مؤمنین بھی مجبور ہوگئے، اور کوہِ طور کی طرف پیش قدمی رک گئی، یہ وجہ ہوئی وعدہ خلافی کی!

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بنی اسرائیل کی باز پرس سے فارغ ہوئے تو حضرت ہارون علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور انتہائی غیظ وغضب میں ان کی ڈاڑھی اور سر کے بال پکڑ لئے، اور —— کہا: "اے ہارون! جب تو نے دیکھا کہ یہ لوگ گمراہ ہوگئے ہیں تو کس چیز نے تجھ کو میرے پیچھے آنے سے روکا؟ کیا تو نے (بھی) میرے حکم کی خلاف ورزی کی؟!" ——یعنی مرنے دیتا ان گمراہوں کو، تجھے چاہئے تھا کہ اہل ایمان کو لے کر طور پر پہنچتا، کیا تو نے بھی میرے حکم کو پس پشت ڈال دیا؟ ——ہارون نے جواب دیا: اے میرے ماں جایے![1] میری ڈاڑھی اور میرا سر نہ پکڑیے، مجھے واقعی یہ اندیشہ ہوا کہ آپ کہیں گے: "تو نے بنی اسرائیل میں تفریق ڈال دی، اور میری بات پر نظر نہ رکھی!" ——موسیٰ علیہ السلام طور پر جاتے ہوئے ہارون علیہ السلام سے کہہ گئے تھے کہ "قوم میں میری جانشینی کرنا، اور اصلاح کرتے رہنا" (الاعراف آیت ۱۴۲) حضرت ہارون علیہ السلام نے عرض کیا: بھائی جان! میں نے اصلاح کا مطلب یہ سمجھا تھا کہ بنی اسرائیل میں تفرقہ نہ پیدا ہونے دوں، ممکن ہے آپ کی واپسی پر یہ لوگ سنبھل جائیں۔ اگر میں مؤمنین کو لے کر طور پر آجاتا تو یہ لوگ ہاتھ سے جاتے۔

فائدہ: حضرت ہارون علیہ السلام اگرچہ عمر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے چند سال بڑے تھے، مگر مقام ومرتبہ موسیٰ علیہ السلام کا بلند تھا۔ اور بزرگی بعقل است نہ بہ سال: بڑائی عقل سے ہے نہ کہ عمر سے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے بڑے بھائی جیسا معاملہ کیا، اور ہارون علیہ السلام نے چھوٹے بھائی جیسا ادب ملحوظ رکھا۔

(۱) ماں جایے: حقیقی بھائی کو کہتے ہیں۔ اور ماں کا تذکرہ رحم ومہربانی طلب کرنے کے لئے ہے۔

فائدہ: غصہ اگر دنیوی معاملات میں ہوتو برا ہے، اور اگر دین کے لئے ہوتو وہ اچھی صفت ہے۔ نبی ﷺ کو بھی جب کسی دینی امر کی خلاف ورزی کی جاتی سخت غصہ آتا تھا، رخسار سرخ ہوجاتے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کا غصہ بھی غیرتِ دینی کی وجہ سے تھا، اس لئے محمود تھا۔

ڈاڑھی کی شرعی مقدار ایک مشت ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام کی ڈاڑھیاں اتنی ہی ہوتی تھیں

قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ﴿۹۵﴾ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ﴿۹۶﴾ قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ ۪ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ۭ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ﴿۹۷﴾ اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿۹۸﴾

قَالَ	کہا موسیٰ نے	لَمْ يَبْصُرُوْا	نہیں جانا انھوں نے	وَكَذٰلِكَ	اور ایسا ہی
فَمَا	پس کیا ہے	بِهٖ	اس کو	سَوَّلَتْ (۶)	مزین کیا
خَطْبُكَ	تیرا معاملہ	فَقَبَضْتُ	پس بھر لی میں نے	لِيْ	میرے لئے
يٰسَامِرِيُّ	اے سامری؟	قَبْضَةً (۳)	مٹھی	نَفْسِيْ	میرے نفس نے
قَالَ	کہا اس نے	مِّنْ اَثَرِ	نشان سے	قَالَ	کہا
بَصُرْتُ (۱)	جانا میں نے	الرَّسُوْلِ (۴)	رسول کے	فَاذْهَبْ (۷)	پس جا تو
بِمَا (۲)	جس کو	فَنَبَذْتُهَا (۵)	پس پھینک دیا میں نے اسکو	فَاِنَّ	پس بیشک

(۱) بَصُرَ (ک) بَصْرًا و بَصَارَة به: جاننا، دیکھنا۔ یہاں پہلے معنی ہیں۔ (۲) بما اور به میں ب صلہ کی ہے۔ (۳) قبضةً: مفعول مطلق تقلیل کے لئے ہے یعنی بس ذرا سی مٹھی میں نے بھری تھی یعنی بس برائے نام ایمان لایا تھا (۴) رسول سے مراد موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ اور سیدھا خطاب یا تو موسیٰ علیہ السلام سے ڈر کر نہیں کیا، یا وہ آپ کا رسولِ خدا ہونا جانتا تھا مگر مانتا نہیں تھا، جیسے سورۃ النمل (آیت ۱۴) میں ہے: "ان لوگوں نے ظلم وتکبر کی راہ سے معجزات کا انکار کردیا، حالانکہ ان کے دلوں نے ان کا یقین کرلیا تھا" (۵) نَبَذَ: پھینک دینا، ڈال دینا۔ (۶) سَوَّلَ تَسْوِيْلًا: برائی کو اچھی شکل میں پیش کرنا، اور اس پر اکسانا (۷) اِذْهَبْ: أی من بين الناس.

لَكَ	تیرے لئے	وَانْظُرْ	اور دیکھ تو	فِي الْيَمِّ	دریا میں
فِي الْحَيٰوةِ	زندگی میں	إِلٰٓى إِلٰهِكَ	اپنے معبود کی طرف	نَسْفًا	بکھیرنا
أَنْ	(یہ ہے) کہ	الَّذِيْ	جو کہ	إِنَّمَآ	بس
تَقُوْلَ	کہے تو	ظَلْتَ	ہو گیا ہے تو	إِلٰهُكُمُ	تمہارا معبود
لَا مِسَاسَ [1]	مت چھونا	عَلَيْهِ	اس پر	اللّٰهُ	اللہ ہے
وَإِنَّ	اور بیشک	عَاكِفًا	گھٹنے ٹیکنے والا	الَّذِيْ	وہ جو
لَكَ	تیرے لئے	لَنُحَرِّقَنَّهٗ [3]	ضرور جلا دیں گے ہم	لَآ إِلٰهَ	نہیں کوئی معبود
مَوْعِدًا	ایک وعدہ ہے		اس کو	إِلَّا هُوَ	مگر وہی
لَّنْ	ہرگز نہیں	ثُمَّ	پھر	وَسِعَ	گھیرنے والا ہے
تُخْلَفَهٗ [2]	پیچھے ہٹایا جائے گا تو	لَنَنْسِفَنَّهٗ [4]	ضرور بکھیر دیں گے ہم	كُلَّ شَيْءٍ	ہر چیز کو
	اس سے		اس کو	عِلْمًا [5]	علم کے اعتبار سے

اب حضرت موسیٰ علیہ السلام: حضرت ہارون علیہ السلام کی صفائی سے مطمئن ہو کر اصل مجرم سامری کی طرف متوجہ ہوتے ہیں ـــــ پوچھا: پس تیرا کیا معاملہ ہے، اے سامری؟ ـــــ یعنی تو نے یہ کیا حرکت کر ڈالی؟ اور تجھے یہ کیا سوجھی؟ ـــــ اس نے جواب دیا: ''میں نے وہ بات جانی جس کو بنی اسرائیل نہیں جانتے تھے'' ـــــ یعنی میں ایک صنعت (ٹیکنیک) جانتا تھا جس سے بنی اسرائیل واقف نہیں تھے۔ میں نے اسی فنی مہارت سے یہ عجیب وغریب بچھڑا بنایا، جس کے راز کو بنی اسرائیل نہ پا سکے ـــــ پس میں نے رسول کے نشانِ قدم سے ایک مٹھی بھری ـــــ یعنی میں نے برائے نام آپ کی پیروی کی تھی، پورے دل سے آپ کا اتباع نہیں کیا تھا ـــــ پس میں نے اس کو پھینک دیا ـــــ یعنی میں اوپن ہو گیا۔ نفاق کا لبادہ میں نے اتار پھینکا، اور بچھڑے کا مجاور بن گیا ـــــ اور مجھے میرے نفس نے ایسی ہی پٹی پڑھائی ـــــ یعنی میرے جی کو یہی بات بھلی لگی، اور میں

(۱) مساس: مصدر بابِ مفاعلہ: نہ کوئی تجھے چھوئے نہ تو کسی کو چھوئے، باہم چھونا ہی نہ ہو۔ (۲) تُخْلَفَه: فعل مضارع مجہول، صیغہ واحد مذکر حاضر، از باب افعال، ہٗ کا مرجع موعداً۔ إخلاف: پیچھے ہٹانا۔ جملہ لن تخلفه: موعداً کی صفت ہے۔ (۳) نُحَرِّقَنَّ: مضارع بالام ونون تاکید، صیغہ جمع متکلم۔ تحریق: خوب جلانا۔ (۴) نَنْسِفَنَّ: مضارع جمع متکلم، بالام ونون تاکید از نَسْف (ض) بکھیر دینا...... نسفًا: مفعول مطلق برائے تاکید۔ (۵) علماً: تمیز محول عن الفاعل، جو درحقیقت فاعل ہے۔

نفس کی چال میں آ گیا۔خود بھی ڈوبا اور دوسروں کو بھی لے ڈوبا۔

موسیٰ نے کہا: "پس دور ہو جا!" ـــــ یعنی لوگوں سے دور رہ ـــــ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری کے لئے یہ سزا تجویز کی کہ سب لوگ اس سے مقاطعہ کریں، کوئی اس کے پاس نہ جاوے، اور نہ وہ کسی سے ملے ـــــ اسلام نے بھی مرتد عورت کے لئے یہی سزا تجویز کی ہے کہ اس کو نظر بند کر دیا جائے، نہ وہ کسی سے ملے، نہ کوئی اور عورت یا مرد اس سے ملے، تا کہ اس کا فتنہ نہ بڑھے ـــــ اور شروع اسلام میں بدکار عورت کے لئے بھی یہی سزا تجویز کی گئی تھی (سورۃ النساء آیت ۱۵) ـــــ اور غزوۂ تبوک سے بغیر عذر پیچھے رہ جانے والے تین صحابہ کے لئے بھی یہی سزا تجویز کی گئی تھی (سورۃ التوبہ آیت ۱۱۸) ـــــ پس تیرے لئے اس زندگی میں یہ بات ہے کہ کہے تو: "مت چھونا!" ـــــ یعنی مجھے ہاتھ مت لگانا ـــــ کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی بددعا سے اس میں یہ کیفیت پیدا ہوگئی تھی کہ اگر وہ کسی کو ہاتھ لگاتا، یا کوئی اس کو ہاتھ لگاتا، تو دونوں کو بخار چڑھ جاتا۔ چنانچہ وہ بخار کے ڈر سے سب سے الگ رہتا، اور وحشی جانوروں کی طرح زندگی گذارتا۔ اور جب کسی کو قریب آتا دیکھتا تو چلاتا: "مجھے مت چھونا؟" ـــــ یہ مقاطعہ (بائیکاٹ) کی سزا کے ساتھ پولیس کا پہرہ بھی بٹھادیا کہ کوئی اس کی خلاف ورزی کر ہی نہ سکے۔

اور بیشک تیرے لئے (آخرت میں) ایک وعدہ ہے، جس سے تو ہرگز پیچھے نہیں ہٹایا جائے گا ـــــ یعنی تجھے تیرے اس جرم کی پوری سزا آخرت میں ملے گی۔ تو ضرور اس تک پہنچ کر رہے گا۔ اس سے پیچھے نہیں رہ سکتا۔

اور تو اپنے اس معبود کو دیکھ، جس کا تو مجاور بنا ہوا ہے۔ ہم ضرور اس کو جلا کر راکھ کا ڈھیر کر دیں گے، پھر ہم ضرور اس کو دریا میں ذرہ ذرہ کر کے بکھیر دیں گے ـــــ یعنی تیری سزا تو وہ تھی جو اوپر بیان ہوئی۔ اب تیرے جھوٹے معبود کی بھی قلعی کھولے دیتا ہوں۔ جس بچھڑے کو تو نے معبود بنایا ہے، اور جس کا تو مجاور بنا ہوا ہے۔ اس کو ابھی تیری آنکھوں کے سامنے توڑ پھوڑ کر اور جلا کر راکھ کر دونگا، پھر راکھ کو دریا میں بہادوں گا۔ تا کہ اس کے پجاری جان لیں کہ وہ دوسروں کو تو کیا نفع پہنچا سکتا، خود اپنے وجود کی بھی حفاظت نہ کر سکا ـــــ تمہارے معبود تو بس اللہ تعالیٰ ہیں۔ جن کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ ان کا علم ہر چیز کو محیط ہے! ـــــ یعنی سچا معبود تو بس اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کے علاوہ کسی کی بندگی عقلاً ونقلاً وفطرۃً روا نہیں۔ اس کا علم لامحدود اور ذرہ ذرہ کو محیط ہے۔

فائدہ: سامری کے مذکورہ جواب کی تفسیر عام طور پر یہ کی جاتی ہے کہ اس نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو گھوڑے پر سوار دیکھا تھا۔ بنی اسرائیل نے ان کو نہیں دیکھا تھا۔ اس وقت سامری نے رسول یعنی جبرئیل علیہ السلام کے نشانِ قدم کی مٹی اٹھالی تھی، اور محفوظ رکھی تھی۔ اس کو بچھڑے کے قالب میں ڈالا تو وہ زندہ ہو گیا اور بولنے لگا ـــــ مگر اس

تفسیر کے سلسلہ میں کوئی مرفوع روایت موجود نہیں۔ البتہ حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفاسیر ہیں۔ مگر ان روایات کو نہ تو امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب التفسیر میں لیا ہے، نہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے۔ صرف حاکم نے مستدرک میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک روایت لی ہے، جس میں ہلکا سا اشارہ ہے۔ باقی تمام روایات تیسرے درجہ کی کتابوں میں ہیں۔ اس لئے میں نے ان روایات پر تفسیر کا مدار نہیں رکھا۔ کیونکہ عِجلاً کے بعد جَسَدًا لانے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ وہ بچھڑا زندہ نہیں ہوا تھا۔ صرف دھڑ تھا، جو رانبھتا تھا۔ پھر خاکِ حیات کا کیا فائدہ؟ واللہ اعلم بالصواب۔

مظاہر پرستی والا ذہن کچا ذہن ہے، حقیقت پسندی والا ذہن ہی مثالی ذہن ہے

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ﴿٩٩﴾ مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ﴿١٠٠﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ۭ وَسَاۗءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ﴿١٠١﴾ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَىِٕذٍ زُرْقًا ﴿١٠٢﴾ يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ﴿١٠٣﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ﴿١٠٤﴾

ع ۵ ۱۴

كَذٰلِكَ	اسی طرح	مِنْ لَّدُنَّا	اپنے پاس سے	وِزْرًا	بھاری بوجھ
نَقُصُّ	بیان کرتے ہیں ہم	ذِكْرًا	نصیحت نامہ	خٰلِدِيْنَ	ہمیشہ رہنے والے ہیں وہ
عَلَيْكَ	آپ کے سامنے	مَنْ	جو شخص	فِيْهِ	اس بوجھ میں
مِنْ اَنْۢبَآءِ (۱)	خبروں میں سے	اَعْرَضَ	روگردانی کرے گا	وَسَاۗءَ	اور برا ہے وہ
مَا قَدْ	ان کی جو تحقیق	عَنْهُ	اس سے	لَهُمْ	ان کے لئے
سَبَقَ	پہلے گذر چکی ہیں	فَاِنَّهٗ	پس بیشک وہ	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	قیامت کے دن
وَقَدْ	اور تحقیق	يَحْمِلُ	اٹھائے گا	حِمْلًا	بوجھ کے اعتبار سے
اٰتَيْنٰكَ	دیا ہم نے آپ کو	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	قیامت کے دن	يَّوْمَ	جس دن

(۱) من: تبعیضیہ، أنباء: مضاف، ماقد سبق: موصول صلہ مل کر مضاف الیہ، پھر جار مجرور: نقص: سے متعلق۔

يُنْفَخُ	پھونکا جائے گا	بَيْنَهُمْ	آپس میں	يَقُوْلُوْنَ	کہتے ہیں وہ
فِي الصُّوْرِ	صور میں	اِنْ	نہیں	اِذْ يَقُوْلُ	جب کہے گا
وَنَحْشُرُ	اور جمع کریں گے ہم	لَبِثْتُمْ	ٹھہرے تم	اَمْثَلُهُمْ	ان کا بہتر
الْمُجْرِمِيْنَ	مجرموں کو	اِلَّا	مگر	طَرِيْقَةً	راہ کے اعتبار سے
يَوْمَئِذٍ	اس دن	عَشْرًا	دس دن	اِنْ	نہیں
زُرْقًا (۱)	نیلی آنکھوں والے	نَحْنُ	ہم	لَبِثْتُمْ	ٹھہرے تم
يَتَخَافَتُوْنَ	چپکے چپکے باتیں کرتے	اَعْلَمُ	خوب جانتے ہیں	اِلَّا	مگر
	ہونگے وہ	بِمَا	اس کو جو	يَوْمًا	ایک دن

اس سورت کا موضوع توحید، رسالت اور آخرت کا بیان ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں توحید کا بیان تھا۔ اب رسالتِ محمدی اور آخرت کا تذکرہ شروع ہوتا ہے اور دلیل نبوت میں قرآن کریم کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ارشاد ہے کہ جس طرح ہم نے موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا ہے ـــــ اسی طرح ہم آپ کے سامنے گذشتہ واقعات کی کچھ باتیں بیان کرتے ہیں ـــــ یعنی موسیٰ علیہ السلام کی حیاتِ مبارکہ کے جو واقعات ابھی بیان ہوئے، وہ اللہ تعالیٰ کے نازل فرمائے ہوئے ہیں۔ نبی ﷺ نے وہ واقعات اپنی طرف سے بیان نہیں کئے۔ پس اس بیان سے رسالتِ محمدی کا بھی اثبات ہوگیا۔ ان واقعات کا اظہار ایک امّی شخص کی زبان سے خود رسالت کی بہت بڑی دلیل ہے ـــــ اور ہم نے آپ کو اپنے پاس سے ایک نصیحت نامہ دیا ہے ـــــ یعنی قرآن کریم دیا ہے جو عبرت آموز واقعات اور قیمتی نصائح پر مشتمل ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ کتاب اللہ میں تم سے پہلی امتوں کے (سبق آموز) واقعات ہیں۔ اور بعد میں پیش آنے والے احوال کی اطلاعات ہیں۔ اور تمہارے درمیان جو مسائل پیدا ہوتے ہیں: قرآن میں ان کا فیصلہ موجود ہے۔ قرآن قولِ فیصل ہے۔ وہ فضول بات اور یاوہ گوئی نہیں۔ پس ـــــ جو لوگ اس سے روگردانی کریں گے وہ قیامت کے دن بڑا بوجھ اٹھائیں گے، جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور وہ قیامت کے دن ان کے لئے بُرا بوجھ ہوگا ـــــ یعنی جب ثابت ہوا کہ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے، پس جو اس کی تکذیب کرے گا، قیامت کے دن وہ اپنے اعراض کا بھاری بوجھ (گناہ) اٹھائے گا۔ اور وہ اس بوجھ کے

(۱) زُرْقًا: صفت مشبہ، زَرْقَاء کی جمع، کبود چشم، کرنجا۔ آنکھوں کا نیلا ہونا عربوں کو نہایت ناپسند تھا، کیونکہ رومی جو عربوں کے دشمن تھے کبود چشم ہوتے تھے۔

تلے ہمیشہ دبا رہے گا، اس کی کبھی نجات نہ ہوگی۔ اور کفر وانکار کرنے والے جان لیں کہ اس بوجھ کا اٹھانا کوئی ہنسی کھیل نہیں۔ جب اٹھائیں گے تو پتہ چل جائے گا کہ وہ کیسا برا اور سخت بوجھ ہے! ——— جس دن صور پھونکا جائے گا اور ہم (میدانِ حشر میں) ان کو کبود چشم جمع کریں گے پس وہ آپس میں چپکے چپکے باتیں کریں گے کہ "تم بس دس ہی روز ٹھہرے ہو!" ہم خوب جانتے ہیں ان باتوں کو جو وہ کہہ رہے ہیں، جب ان میں سے سب سے زیادہ صائب الرائے کہے گا کہ "بس تم ایک ہی دن ٹھہرے ہو!" ——— یہ قیامت کے دن کی ہولناکی کا بیان ہے ——— صور: سینگ کی شکل کی کوئی چیز ہے۔ جس دن حضرت اسرافیل علیہ السلام اس میں پھونک ماریں گے، تو اس کا اثر یہ ہوگا کہ سب مردے زندہ ہوجائیں گے۔ پھر سب کو میدانِ حشر میں جمع کیا جائے گا۔ اس وقت منکرین حق کرنجے ہونگے۔ ان کی آنکھیں نیلی آسمانی رنگ کی ہونگی یعنی وہ قبیح بدشکل ہونگے ——— وہ دن ایسا ہولناک ہوگا کہ کفار باہم سرگوشیاں کریں گے کہ دنیا کی یا قبر کی زندگی بس ہفتہ عشرہ کی تھی۔ یعنی بڑی جلدی ختم ہوگئی ——— اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہمیں ان کی سب باتوں کا علم ہے، ان کا چپکے سے کہنا ہم سے نہیں چھپتا۔ وہ صحیح سوچ رہے ہیں۔ قیامت کے دن دنیا کے سب مزے اور لمبی چوڑی امیدیں بھولی بسری ہوجائیں گی، اور آخرت کی طویل زندگی کے سامنے پچھلی زندگی بس ذرا سی معلوم ہوگی ——— بلکہ جو ان میں زیادہ عقل مند ہوگا وہ کہے گا: "ارے دس دن کہاں رہے؟ صرف ایک ہی دن رہنا ہوا ہے!" یہ شخص اچھی راہ والا اس لئے ہے کہ اس نے آخرت کا دنیا کی زندگی سے تناسب: دوسروں سے بہتر سمجھا ہے۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ﴿۱۰۵﴾ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿۱۰۶﴾ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ﴿۱۰۷﴾ يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ﴿۱۰۸﴾ يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ﴿۱۰۹﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ﴿۱۱۰﴾ وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ۭ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ﴿۱۱۲﴾

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ	اور لوگ پوچھتے ہیں آپ سے	عَنِ الْجِبَالِ	پہاڑوں کے بارے میں	فَقُلْ	پس کہہ دیں آپ

ان کے پیچھے ہے	خَلْفَهُمْ	رحمان کے لئے	لِلرَّحْمٰنِ	اُڑادے گاان کو	يَنْسِفُهَا[1]
اور نہیں	وَلَا	پس نہیں سنے گا تو	فَلَا تَسْمَعُ	میرا پروردگار	رَبِّيْ
احاطہ کرتے وہ	يُحِيْطُوْنَ	مگر	اِلَّا	اڑانا	نَسْفًا
اس کا	بِهٖ	پیروں کی چاپ	هَمْسًا	پس چھوڑ دیگا زمین کو	فَيَذَرُهَا[2]
علم کے اعتبار سے	عِلْمًا	اس دن	يَوْمَئِذٍ	میدان	قَاعًا[3]
اور جھک جائیں گے	وَعَنَتِ[6]	نہیں کام آئے گی	لَّا تَنْفَعُ	ہموار	صَفْصَفًا[4]
تمام چہرے	الْوُجُوْهُ	سفارش	الشَّفَاعَةُ	نہیں دیکھے گا تو	لَّا تَرٰى
زندہ ہستی کے لئے	لِلْحَيِّ	مگر	اِلَّا	اس میں	فِيْهَا
مخلوق کو تھامنے والی	الْقَيُّوْمِ	اس شخص کے لئے	مَنْ	کوئی ناہمواری	عِوَجًا
اور تحقیق	وَقَدْ	(کہ) اجازت دیں	اَذِنَ	اور نہ	وَّلَآ
نامراد ہوا	خَابَ	اس کے لئے	لَهُ	کوئی بلندی	اَمْتًا[5]
جس نے	مَنْ	رحمان	الرَّحْمٰنُ	اس دن	يَوْمَئِذٍ
اٹھایا	حَمَلَ	اور پسند کریں	وَرَضِيَ	پیروی کریں گے لوگ	يَّتَّبِعُوْنَ
ظلم (شرک)	ظُلْمًا	اس کے لئے	لَهٗ	بلانے والے کی	الدَّاعِيَ
اور جو شخص	وَمَنْ	بات (سفارش)	قَوْلًا	نہیں (ہوگی)	لَا
کرے	يَّعْمَلْ	جانتے ہیں وہ	يَعْلَمُ	کوئی کجی	عِوَجَ
نیک کاموں سے	مِنَ الصّٰلِحٰتِ	جو کچھ	مَا	اس (مدعو) کے لئے	لَهٗ
درانحالیکہ وہ	وَهُوَ	ان کے آگے ہے	بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ	اور دب جائیں گی	وَخَشَعَتِ
ایماندار ہو	مُؤْمِنٌ	اور جو کچھ	وَمَا	تمام آوازیں	الْاَصْوَاتُ

(۱) نَسَفَ (ض) الشيئَ: ہوا میں اڑنا، بکھیرنا۔ نسفًا: مصدر مفعول مطلق برائے تاکید ہے۔ (۲) وَذِرَ يَذَرُ (باب سمع) چھوڑنا۔ اس فعل کے صرف مضارع اور امر مستعمل ہیں۔ ذَرْ: چھوڑ۔ ماضی مستعمل نہیں۔ اس کے لئے تَرَكَ آتا ہے۔ (۳) القاع: پہاڑوں اور ٹیلوں کے درمیان ہموار میدان، جمع: قِيْعَان اور أَقْوَاع (۴) الصَّفْصَفُ: سپاٹ ہموار زمین۔ (۵) الأَمْتُ: بلند جگہ، چھوٹے ٹیلے۔ (۶) عَنَا يَعْنُوْ عُنُوًّا: جھکنا، تسلیم کرنا۔

فَلَا	پس نہیں	ظُلْمًا	ظلم (زیادتی) سے	هَضْمًا (۱)	کمی سے
يَخٰفُ	ڈرے گا وہ	وَّلَا	اور نہ	۞	۞

توحید کے بیان کے بعد گذشتہ آیات میں رسالتِ محمدی کا بیان شروع ہوا تھا۔اور دلیلِ نبوت میں قرآن کریم کا تذکرہ کیا تھا۔ساتھ ہی آخرت میں قرآن سے روگردانی کا وبال سنایا تھا۔اس طرح آخرت کا ذکر بھی آ گیا تھا۔اب اِن آیات میں قیامت اوراس کے احوال کا بیان ہے۔پھر قرآن کریم کا تذکرہ آئے گا ـــــ جب قیامت کا ذکر آیا تو منکرین ہنسی مذاق کے طور پر کہنے لگے: اِن بڑے بڑے پہاڑوں کا کیا ہوگا؟ کیا یہ سب ٹوٹ پھوٹ کر ختم ہوجائیں گے؟ یہ کیسے ممکن ہے؟ خیال رہے کہ عرب کی سرزمین پہاڑوں سے بھری پڑی ہے۔اللہ تعالیٰ اس کا جواب ارشاد فرماتے ہیں: ـــــ اورلوگ آپؐ سے پہاڑوں کے بارے میں پوچھتے ہیں؟ پس آپ کہہ دیں کہ ان کو میرا پروردگار توڑ پھوڑ کر ہوا میں اڑا دے گا ـــــ سورۃ الواقعہ (آیت ۵و۶) میں ہے: ’’اور پہاڑ بالکل ریزہ ریزہ ہوجائیں گے، پھر وہ پراگندہ غبار ہوجائیں گے‘‘ ـــــ پس زمین کو ہموار میدان بنا کر رکھ دے گا، آپ اس میں نہ کوئی ناہمواری دیکھیں گے نہ کوئی بلندی! ـــــ یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کے سامنے پہاڑوں کی کیا حیثیت ہے؟! سب نیست ونابود ہوجائیں گے۔ دُھنی ہوئی روئی کے گالوں کی طرح ہوا میں اڑ جائیں گے۔اور زمین بالکل سپاٹ ہوجائے گی ـــــ اس دن لوگ بلانے والے کی پیروی کریں گے، اس (مدعو) کے لئے ذرا کجی نہیں ہوگی ـــــ جدھر فرشتہ بلائے گا لوگ سیدھے تیر کی طرح دوڑے جائیں گے۔کسی میں مجال نہ ہوگی کہ اس کے حکم سے سرتابی کرے۔نہ کسی کا ٹیڑھاپن اس کے سامنے چل سکے گا ـــــ پس کاش لوگ آج بھی اللہ کے داعی رسول اللہ ﷺ کی آواز پر لبیک کہتے ،اوران کی طرف لپکتے ۔مگر یہاں لوگ اپنی بدبختی سے کج روی اختیار کرتے ہیں۔اور ٹیڑھی چال چلتے ہیں۔وہ اپنا انجام سوچ لیں۔

قیامت کے دن کی ہولناکی: ـــــ اورتمام آوازیں نہایت مہربان اللہ کے سامنے دب جائیں گی، پس آپ پیروں کی چاپ کے سوا کچھ نہ سنیں گے ـــــ یعنی قیامت کے دن خوف ودہشت سے سب کی گھگّی بندھ جائے گی۔پیروں کی آہٹ کے علاوہ کوئی آواز سنائی نہ دے گی۔اگر کوئی کچھ کہے گا بھی تو اس قدر آہستہ بولے گا کہ جیسے کانا پھوسی کرتے ہیں ـــــ اس دن سفارش کام نہیں آئے گی، مگر جس کے لئے نہایت مہربان اللہ (سفارش کی) اجازت دیدیں، اوراس کے لئے بات کو پسند کریں ـــــ قیامت کے دن شفاعت کی اجازت صرف مؤمنین کے

(۱) هَضَمَ حَقَّه: حق تلفی کرنا۔کسی کا حق کم کرنا۔

حق میں ملے گی۔کافر ومشرک کے لئے کوئی شفاعت نہ ہوسکے گی۔مؤمن اگر چہ فاسق وفاجر ہواس کے لئے کسی نہ کسی وقت شفاعت کا دروازہ کھلے گا۔اور شفاعت صرف وہی کرے گا جس کو اجازت ملے گی۔اجازت کے بغیر کوئی لب کشائی نہیں کر سکے گا۔گویا شفاعت صرف ظاہری اور رسمی کاروائی ہوگی،حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی کا حکم ہوگا۔پس جو لوگ بتوں کی ،فرشتوں کی،نبیوں اور ولیوں کی شفاعت پر تکیہ کئے ہوئے ہیں،اور ایمان وعمل سے غافل ہیں،وہ قانونِ شفاعت کو اچھی طرح سمجھ لیں اور غفلت سے بیدار ہوجائیں ـــــ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں جو کچھ بندوں کے سامنے ہے،اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے،اور لوگ اللہ تعالیٰ کو احاطۂ علمی میں نہیں لا سکتے ـــــ یعنی اللہ تعالیٰ کا علم بندوں کے تمام احوال کو محیط ہے۔لوگوں کے احوال کا کوئی ذرہ اللہ کے علم سے باہر نہیں۔وہ اپنے علم کامل سے جانتے ہیں کہ کون شفاعت کا مستحق ہے کون نہیں؟ کس کے لئے اجازت دینی مناسب ہے کس کے لئے نہیں؟ ـــــ اور مخلوق نہ تو اللہ تعالیٰ کی ذات کا احاطہ کر سکتی ہے نہ صفات کا۔نہ ان کی ساری معلومات کو جان سکتی ہے،کیونکہ ان کی معلومات بے انتہا ہیں۔پس آج کون جان سکتا ہے کہ کس کے لئے شفاعت کی اجازت ملے گی اور کس کے لئے نہیں ملے گی؟ ـــــ اور تمام چہرے سدا زندہ رہنے والی مخلوق کو سنبھالنے والی ذات کے سامنے جھک جائیں گے ـــــ یعنی اس دن سرکش ومتکبر کا غرور کافور ہوجائے گا۔سب اکڑفوں خاک میں مل جائے گی۔اور حی وقیوم کے سامنے ان کے سر جھکے ہوئے ہونگے۔کسی کو سر اٹھانے کی تاب نہ ہوگی۔

قیامت کے دن لوگوں کا انجام ـــــ اور یقیناً وہ شخص نامراد ہوا جس نے ظلم اٹھایا ـــــ یعنی جو دنیا سے ظلم وشرک کی گٹھڑی اٹھا کر آخرت میں پہنچا اس کا بیڑا غرق ہوا۔قیامت کے دن ان ظالموں کا حال نہ پوچھو کیسا خراب ہوگا! ـــــ اور جو شخص نیک کام کرے درانحالیکہ وہ مؤمن ہے تو وہ نہ زیادتی سے ڈرے گا نہ کمی سے! ـــــ یعنی مؤمن صالح کو اس دن کامل ثواب ملے گا۔اس پر نہ تو کوئی ناکردہ گناہ چپکایا جائے گا،نہ اس کی نیکی کے ثواب میں کمی کی جائے گی۔ہاں نیکی کا ثواب دس گنا یا زیادہ ضرور بڑھایا جائے گا۔مگر یہ ظلم نہیں فضل ہوگا۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿١١٣﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۡ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿١١٤﴾ وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿١١٥﴾

ع ٦ / ١٥

وَكَذٰلِكَ (١)	اور اُسی طرح	ذِكْرًا	یاد	وَقُلْ	اور کہیں آپ
اَنْزَلْنٰهُ	اتارا ہم نے قرآن کو	فَتَعٰلَى (۵)	پس بہت عالی شان ہیں	رَّبِّ	اے میرے پروردگار!
قُرْاٰنًا (٢)	پڑھنے کی کتاب	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	زِدْنِيْ	بڑھایئے مجھے
عَرَبِيًّا (٣)	نہایت واضح	الْمَلِكُ	بادشاہ	عِلْمًا	علم میں
وَّصَرَّفْنَا (۴)	اور پھیر پھیر کر بیان	الْحَقُّ	برحق	وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق
	کئے ہم نے	وَلَا	اور نہ	عَهِدْنَآ (۷)	پیمان باندھا ہم نے
فِيْهِ	اس میں	تَعْجَلْ (٦)	جلدیں کریں آپ	اِلٰٓى اٰدَمَ	آدمؑ سے
مِنَ الْوَعِيْدِ	انتباہات	بِالْقُرْاٰنِ	قرآن کے ساتھ	مِنْ قَبْلُ	قبل ازیں
لَعَلَّهُمْ	شاید وہ	مِنْ قَبْلِ	اس سے پہلے	فَنَسِيَ	پس وہ بھول گئے
يَتَّقُوْنَ	بچیں	اَنْ	کہ	وَلَمْ	اور نہیں
اَوْ	یا	يُّقْضٰٓى	پوری کردی جائے	نَجِدْ	پائی ہم نے
يُحْدِثُ	پیدا کرے قرآن	اِلَيْكَ	آپ کی طرف	لَهٗ	ان کے لئے
لَهُمْ	ان کے لئے	وَحْيُهٗ	اس کی وحی	عَزْمًا	پختگی

اب پھر گذشتہ سے پیوستہ مضمون کی طرف روئے سخن ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ تفصیل سے بیان کرنے کے بعد رسالتِ محمدی کا تذکرہ شروع ہوا تھا۔ اور دلیلِ نبوت کے طور پر قرآن کریم کو پیش کیا تھا۔ پھر آخرت میں قرآن سے روگردانی کا وبال سنایا تھا، یوں آخرت اور قیامت کا ذکر چل پڑا تھا۔ اب پھر رسالتِ محمدی کی دلیل: قرآن کریم کا تذکرہ شروع کیا جاتا ہے۔ ارشاد ہے ـــــ اور اُسی طرح ہم نے قرآن کو نہایت واضح پڑھنے کی کتاب بنا کر نازل کیا ہے۔ اور ہم نے اس میں طرح طرح سے انتباہات دیئے ہیں ـــــ یعنی جس طرح ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی زندگی

(١) كذلك کا عطف پہلے كذلك پر ہے۔ (٢) قرآن: مصدر باب فتح۔ جس کے معنی ہیں: پڑھنا، کسی کتاب کے الفاظ میں غور کرنا۔ یہاں مراد پڑھنے کی کتاب ہے۔ (٣) عربی کے معنی ہیں: فصیح، صاف اور واضح کلام: **العربی: الفصیح البین من الکلام** (مفردات راغب) (۴) **صَرَّف تصریفا**: پھیر پھیر کر بیان کرنا، پلٹ پلٹ کر بیان کرنا۔ (۵) **تَعَالی**: فعل ماضی، صیغہ واحد مذکر غائب: برتر و بلند ہونا۔ اور باب تفاعل مبالغہ کے لئے ہے۔ (٦) **عَجِل** (س) **بالشیئ**: کسی چیز کے بارے میں جلد بازی کرنا۔ (۷) **عَهِدَ إليه**: عہد و پیمان باندھنا۔ کسی بات کی نہایت تاکید کرنا۔

کے کچھ واقعات وحی کے ذریعہ سنائے ہیں، اُسی طرح یہ پورا قرآن ہم نے نہایت واضح پڑھنے کی کتاب کی صورت میں نازل کیا ہے۔ اور اس میں پھیر پھیر کر انتباہات ذکر کئے ہیں، یعنی بنیادی مسائل: توحید، رسالت اور آخرت کو مختلف انداز سے بار بار بیان کیا ہے۔ اس لئے کہ قرآن ''مثانی'' ہے۔ یعنی مواعظ وقصص کو مختلف پیرایوں میں دُہرایا گیا ہے، تاکہ وہ اچھی طرح ذہن نشین ہوجائیں ـــــ تاکہ لوگ (کفر وشرک اور معاصی سے) بچیں ـــــ یعنی ایمان لائیں اور اپنی زندگی سنواریں ـــــ یا (کم از کم) قرآن ان کی یاد تازہ کرے ـــــ یعنی ان کے لئے لمحہ فکریہ پیدا کرے۔ اور جب یاد تازہ ہوجائے گی تو ممکن ہے وہ انجام کو سوچیں۔ اور یہ سوچ بڑھتے بڑھتے ان کو ہدایت کی راہ پر گامزن کردے ـــــ پس برحق بادشاہ اللہ تعالیٰ عالی شان ہیں ـــــ یہ قرآن نازل کرنے کی دلیل ہے۔ دنیا کے بادشاہ اور حکومتیں جو محض مجازی حاکم ہیں اور ان کی شان برائے نام ہے: اپنی رعایا کی فکر کرتے ہیں۔ ان کے لئے دستور بناتے ہیں۔ ان کی بھلائی کی تدبیریں سوچتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ جو برحق بادشاہ ہیں اور جو بڑے عالی شان ہیں: وہ یہ کام کیسے نہیں کریں گے؟! ان کی شانِ عالی سے یہ بات بہت ہی بعید ہے کہ وہ اپنی اشرف مخلوق انسان کو بس یونہی چھوڑ دیں اور اس کی دینی اور روحانی ضرورت کا انتظام نہ کریں ـــــ اُسی روحانی ضرورت کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ عظیم الشان کتاب نازل کی ہے۔ یہ پڑھنے کی کتاب ہے، صرف سن لینے کی بات نہیں، سنی ہوئی بات ذہن سے نکل بھی جاتی ہے۔ اور کتاب کو بار بار پڑھا جاسکتا ہے، اور اس کا حکم یاد رکھا جاسکتا ہے ـــــ پھر وہ کوئی پیچیدہ کتاب نہیں۔ نہایت صاف واضح کتاب ہے۔ ہر شخص خواہ عربی ہو یا عجمی، شہری ہو یا دیہاتی، مرد ہو یا عورت، پڑھا لکھا ہو یا اَن پڑھ: اس کتاب سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اور ایمان کی منزل تک پہنچ سکتا ہے۔

قرآن کے مطالعہ کا طریقہ: ـــــ اور آپ قرآن کے بارے میں جلدی نہ کریں، اس سے پہلے کہ آپ کی طرف اس کی وحی مکمل کردی جائے، اور آپ دعا کریں: ''اے میرے پروردگار! میرے علم میں اضافہ فرما! ـــــ یعنی جو غیر مسلم قرآن کریم کا مطالعہ کرے اس کے لئے خاص ہدایت یہ ہے کہ وہ قرآن کے بارے میں فیصلہ کرنے میں جلدی نہ کرے، پہلے اطمینان سے پورے قرآن کا مطالعہ کرلے۔ اس لئے کہ قرآن کریم مثانی ہے۔ پس ممکن ہے کہ کوئی مضمون ایک جگہ سمجھ میں نہ آئے پس جب وہ مضمون دوسری جگہ آئے گا تو بات واضح ہوجائے گی۔ البتہ یہ دعا کرتا رہے کہ الٰہی! میری راہ نمائی فرما، میرے علم میں اضافہ فرما اور مجھے ہدایت سے ہم کنار فرما۔ اگر اس طرح قرآن کریم کا مطالعہ کیا جائے گا تو ذہن کے دریچے کھلیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ نے چاہا تو وہ منزل مقصود تک پہنچے گا۔

ایک انتباہ: اس کے بعد قرآن کا مطالعہ کرنے والے کو ایک انتباہ دیا جاتا ہے۔ ارشاد ہے ـــــ اور البتہ واقعہ یہ

ہے کہ ہم نے قبل ازیں آدم سے ایک پیمان باندھا تھا، پس وہ بھول گئے، اور ہم نے ان میں پختگی نہ پائی ـــــ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے جو عہد و پیمان کیا تھا، اس کا تذکرہ اگلی آیات میں آرہا ہے۔ اُس واقعہ کو یاد دلانے سے مقصود یہ ہے کہ قرآن پاک کا مطالعہ کرنے والا مطالعہ کے طریقہ کو بھول نہ جائے۔ وہ قرآن کا مطالعہ پورا کرنے سے پہلے کوئی منفی فیصلہ نہ کرلے۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو اپنا ہی نقصان کرے گا۔ اور بھول کا احتمال اس لئے ہے کہ وہ آدم زاد ہے۔ اور آدم علیہ السلام سے ذہول ہو چکا ہے۔ انھوں نے اللہ کی تاکید بھول کر ممنوع درخت کھالیا تھا۔ اور اولاد میں باپ کا اثر ضرور آتا ہے۔ چنانچہ انسان کی فطرت میں بھی کسی مصلحت سے بھول کا مادہ رکھا گیا ہے۔ اس لئے انسان میں ارادہ کی پختگی نہیں۔ پس مطالعہ کرنے والے کو مذکورہ نصیحت یاد رکھنی چاہئے۔

آیت کا شانِ نزول: حدیث میں ہے کہ ابتدائے وحی میں جب جبرئیل علیہ السلام وحی سناتے تو رسول اللہ ﷺ بھی ان کے ساتھ پڑھتے تاکہ یاد سے نکل نہ جائے۔ مگر اس سے آپ پر دُوہرا بوجھ پڑتا تھا، چنانچہ سورۃ قیامہ میں اور یہاں آپ ﷺ کو جبرئیل کے ساتھ پڑھنے سے روکا گیا۔ تفصیل سورۂ قیامہ میں آئے گی ـــــ یہاں سمجھنے کی بات یہ ہے کہ شانِ نزول ایک مستقل واقعہ ہوتا ہے، پھر نازل شدہ آیات کو لوحِ محفوظ کی ترتیب کے مطابق جہاں رکھا جاتا ہے، وہاں مناسبت دوسری ہوتی ہے۔

جو بندے دل لگا کر قرآن پڑھتے ہیں، ان کے لئے ہدایت کا راستہ ضرور کھلتا ہے

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى ﴿۱۱۶﴾ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿۱۱۷﴾ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ﴿۱۱۸﴾ وَ اَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ﴿۱۱۹﴾ فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ﴿۱۲۰﴾ فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؗ وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ﴿۱۲۲﴾ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۥ فَمَنِ

اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿۱۲۴﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ﴿۱۲۵﴾ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ﴿۱۲۶﴾

وَ اِذْ (۱)	اور (یاد کرو) جب	وَلِزَوْجِكَ	اور آپ کی بیوی کا	فِيْهَا	جنت میں
قُلْنَا	کہا ہم نے	فَلَا	پس نہ	وَلَا تَضْحٰى (۸)	اور نہ دھوپ میں تپتے
لِلْمَلٰٓئِكَةِ	فرشتوں سے	يُخْرِجَنَّكُمَا (۲)	نکال دے وہ تم دونوں کو		ہیں
اسْجُدُوْا	سجدہ کرو	مِنَ الْجَنَّةِ	جنت سے	فَوَسْوَسَ (۹)	پس وسوسہ ڈالا
لِاٰدَمَ	آدم کو	فَتَشْقٰى (۳)	پس مشقت میں	اِلَيْهِ	ان کی طرف
فَسَجَدُوْٓا	پس سجدہ کیا انھوں نے		پڑ جائیں آپ	الشَّيْطٰنُ	شیطان نے
اِلَّآ	مگر	اِنَّ	بیشک	قَالَ	کہا اس نے
اِبْلِيْسَ	ابلیس نے	لَكَ	حاصل ہے آپ کو	يٰٓاٰدَمُ	اے آدم
اَبٰى	انکار کیا	اَلَّا (۴)	یہ بات کہ نہ	هَلْ	کیا
فَقُلْنَا	پس کہا ہم نے	تَجُوْعَ (۵)	بھوکے ہوتے ہیں آپ	اَدُلُّكَ	آگاہ کروں میں آپ کو
يٰٓاٰدَمُ	اے آدم	فِيْهَا	جنت میں	عَلٰى شَجَرَةِ	درخت پر
اِنَّ هٰذَا	بیشک یہ	وَلَا تَعْرٰى (۶)	اور نہ ننگے ہوتے ہیں آپ	الْخُلْدِ	ہیشگی کے
عَدُوٌّ	دشمن ہے	وَ اَنَّكَ	اور یہ بات کہ آپ	وَمُلْكٍ	اور بادشاہت (پر)
لَّكَ	آپ کا	لَا تَظْمَؤُا (۷)	نہ پیاسے ہوتے ہیں	لَّا يَبْلٰى (۱۰)	جو پرانی نہ ہو؟

(۱) إذ کا عامل اذکر محذوف ہے۔(۲) لا يُخْرِجَنَّ: فعل نہی، صیغہ واحد مذکر غائب، بانون تاکید، کما ضمیر تثنیہ مفعول، إخراج: نکالنا (۳) شَقِيَ يَشْقٰى (س) شَقَاءٍ: محنت و مشقت میں پڑنا، تکلیف اٹھانا۔(۴) أَلَّا: أن اور لا ہے (۵) جَاعَ يَجُوْعُ (ن) جَوْعاً: بھوکا ہونا۔ بھوک لگنا۔(۶) عَرِيَ يَعْرٰى (س) عُرْيًا من ثيابه: ننگا ہونا، برہنہ ہونا۔(۷) ظَمِئَ يَظْمَأُ (س) ظَمَأً: سخت پیاس لگنا۔(۸) ضَحِيَ يَضْحٰى (س) ضَحْوًا: دھوپ کی گرمی لگنا۔(۹) وسوس إليه: دل میں برا خیال ڈالنا، برائی پر اکسانا، ورغلانا، ایسی بات سمجھانا جو شر کا باعث ہو۔(۱۰) بَلِيَ يَبْلٰى (س) الثوبُ بَلًى: کپڑے کا بوسیدہ ہونا

فَاَكَلَا	پس کھایا دونوں نے	وَهَدٰى	اور راہ دکھائی	عَنْ ذِكْرِيْ	میری نصیحت سے
مِنْهَا	درخت سے	قَالَ	فرمایا	فَاِنَّ	پس بیشک
فَبَدَتْ	پس ظاہر ہوگیا	اهْبِطَا	اترو دونوں	لَهٗ	اس کے لئے
لَهُمَا	دونوں کے لئے	مِنْهَا	جنت سے	مَعِيْشَةً	گذران ہے
سَوْاٰتُهُمَا (۱)	دونوں کا ننگاپا	جَمِيْعًا	سارے ہی	ضَنْكًا (۷)	تنگی کا
وَطَفِقَا (۲)	اور لگے دونوں	بَعْضُكُمْ	تمہارا بعض	وَّنَحْشُرُهٗ	اور جمع کریں گے ہم
يَخْصِفٰنِ (۳)	چپکانے	لِبَعْضٍ	بعض کے لئے		اس کو
عَلَيْهِمَا	اپنے اوپر	عَدُوٌّ	دشمن ہے	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	قیامت کے دن
مِنْ وَّرَقِ	پتوں سے	فَاِمَّا (۶)	پس اگر	اَعْمٰى	اندھا
الْجَنَّةِ	جنت کے	يَاْتِيَنَّكُمْ	پہنچے تم کو	قَالَ	کہا اس نے
وَعَصٰٓى	اور قصور کیا	مِّنِّيْ	میری طرف سے	رَبِّ	اے میرے رب!
اٰدَمُ	آدم نے	هُدًى	راہ نمائی	لِمَ	کیوں
رَبَّهٗ	اپنے رب کا	فَمَنِ	پس جس نے	حَشَرْتَنِيْٓ	جمع کیا آپ نے مجھے
فَغَوٰى (۴)	پس غلط راستہ پر پڑ گئے	اتَّبَعَ	پیروی کی	اَعْمٰى	اندھا
ثُمَّ	پھر	هُدَايَ	میری راہ نمائی کی	وَقَدْ كُنْتُ	حالانکہ تحقیق تھا میں
اجْتَبٰهُ (۵)	چن لیا ان کو	فَلَا يَضِلُّ	پس نہ گمراہ ہوگا وہ	بَصِيْرًا	بینا؟
رَبُّهٗ	ان کے رب نے	وَلَا يَشْقٰى	اور نہ مشقت میں پڑیگا	قَالَ	فرمایا
فَتَابَ	پس توجہ فرمائی	وَمَنْ	اور جس نے	كَذٰلِكَ	اسی طرح
عَلَيْهِ	ان پر	اَعْرَضَ	روگردانی کی	اَتَتْكَ	پہنچی تجھے

(۱) السَّوْأَة: شرمگاہ (۲) طَفِقَ (س) يفعل كذا: کرنے لگنا یا کرتا رہنا۔ (۳) خَصَفَ (ض) الورق على بدنه: ننگے کا بدن پر پتے چپکانا (۴) غَوىٰ يَغْوِيْ غَوَايَةً: غلط راستہ پر پڑ جانا۔ جیسے سورۃ النجم (آیت ۲) میں ہے: ﴿ مَاضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوىٰ ﴾ یعنی تمہارے ساتھی (نبی ﷺ) نہ راہ (حق) سے بھٹکے اور نہ غلط راستہ پر پڑے۔ (۵) اجتبى يجتبى اجتباء: چن لینا، اختیار کرنا (۶) إمَّا: حرفِ شرط ہے۔ اور إنْ اور ما سے مرکب ہے۔ (۷) ضَنَكَ يَضْنُكُ (ن) ضَنْكًا: تنگی پیدا کرنا، بدحال ہونا۔

اٰيٰتُنَا	ہماری آیتیں	وَكَذٰلِكَ (۱)	اور اسی طرح	تُنْسٰى	تو بھلا دیا گیا
فَنَسِيْتَهَا	پس بھول گیا تو ان کو	الْيَوْمَ	آج	❁	❁

گذشتہ آیت میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے ایک عہد و پیمان کیا تھا۔ جس کو وہ مزاج کی ناپختگی کی وجہ سے بھول گئے۔ اور ان سے عہد کی خلاف ورزی ہوگئی۔ اب اُس واقعہ کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔ ارشاد ہے ـــــ اور (یاد کرو) جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو، تو انھوں نے سجدہ کیا، مگر ابلیس نے انکار کیا ـــــ سورۃ البقرۃ (آیت ۳۰) میں یہ بات گذر چکی ہے کہ آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زمین میں اپنی خلافت کے لئے پیدا کیا ہے۔ چنانچہ آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ اس وقت میں موجود تمام مخلوقات سے آدم علیہ السلام کے سامنے کوئی ایسی تعظیم کرائی جائے جس سے تمام مخلوقات کو یہ معلوم ہوجائے کہ آدم علیہ السلام سب سے افضل ہیں، تاکہ وہ کارِ خلافت انجام دے سکیں۔ چنانچہ سب مخلوق کو سجدہ کرنے کا حکم ہوا۔ سورۃ الکہف (آیت ۵۰) میں ہے: ﴿كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ﴾ یعنی ابلیس جنات میں سے تھا، پس اس نے اپنے رب کے حکم سے عدول کیا۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ ابلیس کو بھی سجدہ کرنے کا حکم تھا۔ اور جگہ جگہ صرف فرشتوں کا تذکرہ اس لئے کیا جاتا ہے کہ اس وقت وہی سب سے افضل تھے۔ اور جب افضل کو کوئی حکم دیا جاتا ہے تو وہ حکم مفضول کے لئے بھی ہوتا ہے۔ جیسے بادشاہ: وزیر اعظم کو کسی کی تعظیم کا حکم دے تو وہ حکم سب درباریوں کے لئے ہوتا ہے۔ غرض سب نے سجدہ کیا، مگر ابلیس نے انکار کیا۔ اس نے سجدہ کرنے میں اپنی ذلت محسوس کی، بولا: کہاں میں اور کہاں آدم! کیا میری پیشانی آدم کے سامنے جھکے گی! میں اس سے بدر جہا بہتر ہوں۔ اور کوئی بلند ہستی کسی پست ہستی کو سجدہ کرسکتی ہے؟ مگر اس جاہل نے یہ نہ سمجھا کہ بڑا وہ ہے جسے اللہ بڑا بنائے، نہ وہ جو خود بڑا بنے ـــــ پس ہم نے کہا: ''اے آدم! یہ یقیناً آپ کا اور آپ کی بیوی کا دشمن ہے'' ـــــ کیونکہ اسے تم دونوں کی وجہ سے مردود ہونا پڑا ہے ـــــ ''پس وہ نہ نکال دے تم دونوں کو جنت سے، پس آپ تکلیف میں پڑ جائیں ـــــ یعنی کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے کہنے میں آکر کوئی ایسا کام کر بیٹھو کہ جنت سے ہاتھ دھونے پڑیں۔ اور دنیا میں پہنچ کر تکلیف سہنی پڑے ـــــ آپ کو بالیقین یہ بات حاصل ہے کہ آپ جنت میں نہ تو بھوکے ہوتے ہیں اور نہ ننگے۔ اور یہ بات بھی کہ آپ جنت میں نہ پیاسے ہوتے ہیں اور نہ دھوپ میں تپتے ہیں ـــــ یہی انسان کی بڑی ضرورتیں ہیں۔ کھانا، پینا، پہننا اور رہنے کے لئے ایسا مکان جس کے ذریعہ دھوپ بارش سے حفاظت ہوجائے۔ یہ سب سہولتیں آپ کو جنت میں حاصل ہیں۔ اگر شیطان نے آپ کو یہاں سے

(۱) یہ پہلے كذلك کی تکرار ہے۔ فصل کی وجہ سے دوبارہ لایا گیا ہے۔ یعنی كذلك کا مدخول درحقیقت یہی ہے۔

نکلوادیا تو دنیا میں پہنچ کر یہ سب تکالیف جھیلنی ہونگی۔

شیطان کی فریب دہی: ــــــ پس شیطان نے آدمؑ کے دل میں وسوسہ ڈالا، اس نے کہا: ''اے آدم! کیا میں آپ کو ایسا درخت بتاؤں جس کے کھانے سے کبھی موت نہ آئے، اور لازوال بادشاہت ملے؟'' ــــــ پھر وہی درخت بتایا جس کے قریب جانے سے بھی اللہ تعالیٰ نے منع کیا تھا۔ کہنے لگا اس کے پھل میں یہ تاثیر ہے کہ جو اس کو کھائے گا امر ہوجائے گا، اور اللہ کے پاس ہمیشہ رہے گا۔ اور اس نے قسم کھا کر اپنی ہمدردی کا یقین دلایا ــــــ پس دونوں نے اس درخت کو کھالیا ــــــ یعنی جنت کی زندگی اور قربِ حق کی حرص میں انھوں نے یہ اقدام کرلیا، اللہ تعالیٰ کا عہد بھول گئے اور دونوں سے یہ لغزش ہوگئی ــــــ پس ان کے لئے ان کا ننگا پا ظاہر ہوگیا ــــــ یعنی جنت کا لباس اتر گیا ــــــ اور دونوں اپنے اوپر جنت کے پتے چپکانے لگے ــــــ انھوں نے جس درخت کا پھل کھایا تھا اس کی تاثیر یہ تھی کہ کھانے والا جنت کی نعمتوں سے محروم ہوجائے۔ چنانچہ جنت کا لباس بدن سے اتر گیا۔ اور شیطان اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا۔ اب کون اندازہ کرسکتا ہے کہ اس وقت دونوں کے اضطراب کا کیا حال ہوگا۔ ستر پوشی کے لئے کوئی چیز موجود نہ تھی، اس لئے وہ اپنے اوپر جنت کے درختوں کے پتے چپکانے لگے ــــــ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ستر پوشی انسان کی فطرت ہے۔ آج جو قومیں برہنہ یا نیم برہنہ رہنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتیں ان کی فطرت مسخ ہوچکی ہے۔

توبہ کی توفیق: ــــــ اور آدمؑ نے اپنے پروردگار کا قصور کیا، سو وہ غلط راستہ پر پڑگیا! ــــــ یعنی آدم علیہ السلام نے اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کی، یہ آپ سے قصور ہوگیا۔ شیطان نے فریب دے کر آپ کو اطاعت کے بلند مقام سے عصیان کی پستی میں گرادیا۔ اور آپ غلط راستہ پر چل پڑے اور جنت کی نعمتوں اور مقام رضا سے محروم ہوگئے ــــــ پھر ان کو ان کے پروردگار نے چُن لیا، اور ان کی طرف توجہ فرمائی، اور ان کو (توبہ کی) راہ دکھائی ــــــ یعنی وہ اپنی اس کوتاہی کی وجہ سے مردود نہیں ہوئے، بلکہ ان کا مقام اور بلند ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو برگزیدہ کیا۔ اللہ کی رحمتِ کاملہ ان کی طرف متوجہ ہوئی۔ اور انھوں نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ لئے، جن کے ذریعہ دونوں میاں بیوی نے معافی مانگی جو بارگاہِ عالی میں قبول ہوئی۔

زلت و معصیت میں فرق: اگر کوئی غلطی اچھی نیت سے ہوجائے تو وہ زلت (لغزش) کہلاتی ہے۔ زلت: انبیاء علیہم السلام سے ممکن ہے۔ آدم علیہ السلام سے قُربِ حق کی حرص میں کوتاہی سرزد ہوگئی تھی۔ آدم علیہ السلام سے بڑھ کر مقام قربِ حق (جنت) میں قیام کا حریص اور کون ہوسکتا ہے۔ جب شیطان نے جھوٹی قسم کھا کر ہمدردی جتلائی تو آپ

تصور ہی نہیں کر سکتے تھے کہ جھوٹی قسم کھا کر کوئی اللہ کے نام کی بے وقعتی بھی کر سکتا ہے، جھٹ آپ اس کے کہنے میں آ گئے اور اس کے مشورے کو رضاءِ حق ہی کی راہ کا ایک مشورہ سمجھ بیٹھے۔ اور آپ سے قصور ہو گیا ـــــ اور اگر ڈھٹائی سے کوئی برائی کی جائے تو وہ معصیت (نافرمانی) کہلاتی ہے۔ جیسے شیطان نے خود ستائی کی وجہ سے سجدہ کرنے سے انکار کیا۔ یہ معصیت ہے۔ معصیت انبیاء علیہم السلام سے ناممکن ہے۔ کیونکہ وہ معصوم ہوتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نافرمانی سے ان کی حفاظت فرماتے ہیں۔ اگر انبیاء سے بھی یہ بات ممکن ہو تو اللہ کی حفاظت پر حرف آئے گا۔

اور زلت و معصیت میں فرق: اس طرح ظاہر ہوتا ہے کہ نادانستہ گناہ (زلت) میں فوراً ہی توبہ کی توفیق مل جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ دستگیری فرماتے ہیں اور بندے کو اس ورطہ سے نکال دیتے ہیں۔ اور معصیت میں یا تو زندگی بھر توبہ کی توفیق نہیں ملتی، یا عرصہ بعد قسمت سے یہ سعادت نصیب ہوتی ہے ـــــ عربی میں زلت و معصیت کے لئے ایک ہی طرح کے الفاظ ہیں، لہٰذا عصیان و غوایت کے الفاظ سے دھوکہ نہ کھایا جائے۔

زمین پر اترنے کا حکم: ـــــ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا: ''دونوں ہی جنت سے اترو، تم ایک دوسرے کے دشمن رہو گے'' ـــــ یعنی توبہ تو آدم علیہ السلام کی قبول ہو گئی، مگر اس درخت کے کھانے کا اثر بہر حال ظاہر ہوا۔ اب آدم علیہ السلام کے لئے جنت میں قیام کا کوئی جواز نہ رہا۔ چنانچہ آدم علیہ السلام اور شیطان ملعون: دونوں کو زمین پر اترنے کا حکم ملا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی بتلا دیا کہ ابلیس کا خطرہ ٹل نہیں گیا۔ تم دونوں کی ذریت میں دشمنی برابر قائم رہے گی۔ شیاطین ہمیشہ بنی آدم کو گمراہ کرنے کی کوشش میں لگے رہیں گے۔ پس انسان کو اپنے اس ازلی دشمن سے ہمیشہ چوکنا رہنا چاہئے۔

فائدہ: یہاں سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ غلطیوں کے اثرات بھی لازمی طور پر ظاہر ہوتے ہیں۔ جیسے کوئی نادانستہ اپنی گاڑی کسی پر چڑھا دے تو وہ ضرور مر جائے گا، یا کوئی بچہ کسی کے گلے پر چھری پھیر دے تو بچہ گو معصوم ہے مگر مذبوح مر جائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی ماہواری کے زمانہ میں بیوی کو طلاق دیدے، تو گو یہ گناہ کا کام ہے، مگر طلاق واقع ہو جائے گی۔ یہی حکم مذاق میں طلاق دینے کا ہے۔ اور یہی حکم ایک ساتھ تین طلاقیں دینے کا ہے ـــــ کچھ لوگوں کو اس سلسلہ میں حضرت رُکانہ رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے دھوکہ لگا ہے۔ انھوں نے لفظ البتۃ سے طلاق دی تھی۔ اور یہ ایسا لفظ ہے جس میں ایک طلاق کا بھی احتمال ہے اور تین کا بھی۔ پھر جب انھوں نے حلفیہ بیان دیا کہ ان کی نیت ایک ہی کی تھی تو نبی ﷺ نے اس کو ایک طلاق قرار دیا۔ پس اس روایت کا غلط مطلب بیان کر کے لوگوں کو دھوکہ نہ دیا جائے۔

زمین پر اترنے کے بعد کے احوال: ـــــ پس اگر تمھیں میری طرف سے ہدایت پہنچے: تو جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا: وہ نہ گمراہ ہو گا اور نہ تکالیف جھیلے گا! ـــــ یعنی تمہارے زمین پر اترنے کے بعد میں وحی بھیجونگا، اور

احکام نازل کرونگا، پس جو ان کی تعمیل کرے گا، وہ مدتِ حیات پوری کرنے کے بعد سیدھا اپنے اصلی وطن جنت میں چلا آئے گا۔ راستہ نہیں بھولے گا ـــــ یہ آدم علیہ السلام کو اور ان کے واسطہ سے ان کی ذریت کو تسلی دی کہ جنت چھوڑنے کا غم نہ کھاؤ۔ یہ مفارقت (جدائی) عارضی ہے۔ بہت جلد تم اپنے وطن میں لوٹ آؤ گے ـــــ اور جب تک دنیا میں رہو گے کسی خاص پریشانی سے سابقہ نہیں پڑے گا۔ اگر کوئی غریب و نادر بھی ہوگا تو دل کا بادشاہ ہوگا۔ اس کو اطمینانِ قلبی حاصل ہوگا ـــــ یہ ارشاد دل کے ایک وسوسہ کا جواب بھی ہے۔ کسی کے دل میں خیال پیدا ہوسکتا ہے کہ ٹھیک ہے ہم دنیا کی زندگی پوری کر کے اپنے اصلی وطن کی طرف لوٹ آئیں گے، مگر جب تک دنیا میں رہیں گے پاپڑ بیلنے پڑیں گے۔ دنیا کی تکالیف سے دوچار ہونا پڑے گا۔ طرح طرح کی پریشانیوں میں گھرے رہیں گے؟! اللہ پاک نے بنی آدم کو اطمینان دلایا کہ یہ تکالیف سرسری اور عارضی ہونگی۔ دل تک ان کا گذر نہ ہوگا، مگر شرط یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ہدایات پر عمل کرے، اس کو اطمینان کی دولت حاصل رہے گی ـــــ اور جو شخص میری نصیحت سے روگردانی کرے گا، اس کے لئے یقیناً تنگ گذران ہوگا، اور ہم قیامت کے دن اس کو اندھا اٹھائیں گے ـــــ یعنی جو شخص میرا نازل کیا ہوا دین قبول نہیں کرے گا، اور میری بھیجی ہوئی نصیحت اور خیر خواہی والے احکام سے سرتابی کرے گا، اس کی دنیوی زندگی مکدر ہوگی۔ دیکھنے میں اس کے پاس بہت کچھ مال و دولت اور سامانِ عیش و عشرت ہوگا، مگر اس کا دل پریشانیوں کا پٹارا ہوگا۔ وہ ساری عمر مال و جاہ کی حرص اور ننانوے کے پھیر میں پھنسا رہے گا۔ اور موت اور زوالِ دنیا کا خطرہ ہمیشہ سوہانِ روح بنا رہے گا۔ کیونکہ حقیقی اطمینان یادِ الٰہی کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا ـــــ اور وہ آخرت میں آنکھوں سے اندھا اٹھایا جائے گا۔ اس کو اپنے وطن کا راستہ نظر نہیں آئے گا۔ وہ بس بھٹکتا ہی پھرے گا، اور منزلِ مقصود تک نہیں پہنچے گا! ـــــ وہ کہے گا: ''اے میرے پروردگار! آپ نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا، میں تو (دنیا میں) بینا تھا؟'' ـــــ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: ''اسی طرح تجھے (دنیا میں) ہماری آیتیں پہنچی تھیں، پس تو ان کو بھول گیا تھا، اور اُسی طرح تو آج بھلا دیا گیا!'' ـــــ یعنی جب وہ آنکھوں سے اندھا کر کے میدانِ محشر کی طرف لایا جائے گا تو وہ تعجب سے پوچھے گا کہ آخر مجھ سے کیا قصور ہوا جو میری آنکھیں چھین لی گئیں؟ اس سے کہا جائے گا: یہ تیری جسمانی بے بصری تیری روحانی بے بصیرتی کا عکس ہے۔ تیرے پاس دنیا میں ہمارے احکام انبیاء اور علماء کے ذریعہ پہنچے تھے، جس کے ساتھ واضح اور روشن دلائل بھی تھے، مگر تو باوجود بصیرت و بصارت کے ان کی طرف سے اندھا بنا رہا تھا پس اب آخرت میں تو اپنی منزلِ مقصود کیسے پا سکتا ہے، تجھے اب ہمیشہ کے لئے عذاب میں پڑا رہنا ہے۔ تجھے کبھی جنت کی شکل دیکھنی نصیب نہ ہوگی ـــــ یہ ابتدائے حشر کا حال ہے۔ پھر آنکھیں کھول دی جائیں گی، تا کہ وہ دوزخ وغیرہ احوالِ محشر کا معائنہ کرے ـــــ ''تو بھلا دیا

گیا'، یعنی ہم نے اپنی رحمت سے تجھے محروم کردیا۔ اورنوردیدہ چھین لیا۔

آخرت: دنیا کا عکس ہے، جو یہاں اندھا بنا ہوا ہے وہ آخرت میں اندھا اٹھایا جائے گا، بلکہ اندھے سے بھی بدتر!

وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْۢ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى ﴿۱۲۷﴾ اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴿۱۲۸﴾ۧ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿۱۲۹﴾ۭ

ع ۱۳ / ۱۶

وَكَذٰلِكَ	اوراسی طرح	اَفَلَمْ	پس کیا نہیں	لَاٰيٰتٍ	البتہ نشانیاں ہیں
نَجْزِيْ	بدلہ دیتے ہیں ہم	يَهْدِ (۱)	راہ دکھائی	لِّاُولِي النُّهٰى	اہل فہم کے لئے
مَنْ اَسْرَفَ	اس کو جو حد سے نکلا	لَهُمْ	ان کو	وَلَوْلَا	اوراگر نہ ہوتی
وَلَمْ يُؤْمِنْ	اورایمان نہیں لایا	كَمْ	کتنی	كَلِمَةٌ	ایک بات
بِاٰيٰتِ	آیتوں پر	اَهْلَكْنَا	ہلاک کیں ہم نے	سَبَقَتْ	پہلے سے فرمائی ہوئی
رَبِّهٖ	اپنے رب کی	قَبْلَهُمْ	ان سے پہلے	مِنْ رَّبِّكَ	تیرے رب کی طرف سے
وَلَعَذَابُ	اورالبتہ عذاب	مِّنَ الْقُرُوْنِ	صدیوں میں سے	لَكَانَ	(تو) البتہ ہوتا
الْاٰخِرَةِ	آخرت کا	يَمْشُوْنَ (۲)	چلتے ہیں وہ	لِزَامًا (۳)	(عذاب) لازمی
اَشَدُّ	زیادہ سخت	فِيْ مَسٰكِنِهِمْ	انکی رہنے کی جگہوں میں	وَّاَجَلٌ (۴)	اورایک میعاد
وَاَبْقٰى	اوردیرپا ہے	اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ	بیشک اس میں	مُّسَمًّى	مقررہ

اب روئے سخن قرآن کریم کے معاصر منکروں اور کافروں کی طرف ہے۔ ارشاد ہے ——— اوراسی طرح ہم اس شخص کو بدلہ دیتے ہیں جو حد سے نکل جاتا ہے۔ اوراپنے پروردگار کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتا ——— یعنی مذکورہ قانون

(۱) يَهْدِ: کا فاعل جملہ کم أهلكنا ہے۔ (۲) يمشون: جملہ حالیہ ہے۔ (۳) لِزَام: یا تو صیغہ صفت ہے یا باب مفاعلہ کا مصدر: چمٹ جانے والا، ہمیشہ ساتھ رہنے والا۔ (۴) أجل کا كلمة پر عطف ہے۔ رعایت فاصلہ کی وجہ سے مؤخر لایا گیا ہے۔

ایک عام قانون ہے۔ ہر حد عبودیت سے نکل جانے والے کو، اور اللہ کے دین کا انکار کرنے والے کو دنیا میں یہی سزا ملتی ہے۔ اس کا جینا مکدر اور زندگی تنگ ہو جاتی ہے ـــــ اور آخرت کی سزا یقیناً زیادہ سخت اور دیرپا ہے! ـــــ آخرت کی سزا نہایت سخت اس لئے ہے کہ اس سے آگے سختی کا کوئی تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ اور وہ دیرپا اس لئے ہے کہ وہ کبھی ختم نہ ہونے والی سزا ہے۔ پس اس سے بڑی کوئی حماقت نہیں کہ دنیا کی معمولی تکلیفوں سے بچنے کا اہتمام کیا جائے، مگر آخرت کے عذاب سے بچنے کی کوئی فکر نہ کی جائے ـــــ پس کیا ان کو اس بات نے راہ نہیں دکھائی کہ ہم نے کتنی ہی صدیاں ان سے پہلے ہلاک کر دی ہیں۔ جن کی رہنے کی جگہوں میں یہ لوگ چلتے پھرتے ہیں۔ بیشک اس میں اہلِ فہم کے لئے نشانیاں ہیں ـــــ یعنی کیا کافروں کی آنکھیں اس سے نہیں کھلتیں کہ ان سے پہلے کتنی ہی سرکش قومیں صفحہ ہستی سے مٹائی جا چکی ہیں۔ وہ ان کی تباہی اور بربادی کی داستانیں سن چکے ہیں۔ اور ان کے کھنڈرات پر اپنے اسفار میں گذرتے رہتے ہیں۔ تو کیا وہ انکے انجام سے عبرت حاصل نہیں کرتے؟! اگر کسی میں عقل وفہم کا جوہر موجود ہو تو وہ ان گذشتہ اقوام کی تباہی سے سمجھ سکتا ہے کہ مذہبی اور ایمانی زندگی ہی برحق ہے، اور شرک و بے دینی کی زندگی ناحق اور تباہ کن ہے۔

اس جگہ اگر کسی کے دل میں خیال پیدا ہو کہ جب کفار کا وطیرہ غلط ہے، اور قرآن کا انکار اللہ سے بغاوت ہے تو ان سرکشوں کو تباہ و برباد کیوں نہیں کیا جاتا؟ اس کا جواب ارشاد فرماتے ہیں ـــــ اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے پہلے سے ایک بات نہ ہو چکی ہوتی، اور ایک میعاد مقرر نہ ہوتی تو ان پر عذاب لازمی طور پر آ جاتا ـــــ یعنی ان کے کفر وشرک اور بے دینی کا تقاضا تو یہی تھا کہ ان پر عذاب فی الفور آ جاتا، مگر کچھ دوسری حکمتوں اور مصلحتوں سے اس کے لئے ایک خاص وقت مقرر ہو چکا ہے، اس لئے اس وقتِ موعود سے پہلے عذاب نہیں آئے گا۔ پس مؤمنین عذاب میں تاخیر دیکھ کر کوئی خلجان دل میں نہ لائیں ـــــ اور وہ بات جو پروردگار کی طرف سے پہلے سے ہو چکی ہے: اس سے مراد یا تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی رحمت غضب پر سابق ہے۔ اسی لئے مجرم کو دیر تک اصلاح کا موقع ملتا ہے۔ اور جب تک پوری طرح اتمام حجت نہیں ہو جاتا عذاب نہیں آتا ـــــ یا وہ بات مراد ہے جو سورۃ الانفال (آیت ۳۳) میں بیان کی گئی ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ ایسا کرنے والے نہیں کہ انہیں اس حال میں عذاب دیں کہ نبی ﷺ ان میں موجود ہوں'' چونکہ آپ رحمۃ للعالمین ہیں، اس لئے آپ کی برکت سے وہ عذاب سے بچے ہوئے ہیں ـــــ اور میعاد متعین سے یا تو موت مراد ہے یعنی زندگی میں تو تباہ کن عذاب نہیں آئے گا۔ مگر جونہی ان کا پیمانۂ حیات لبریز ہو جائے گا، اور موت کی دہلیز پر پہنچیں گے، عذاب میں پکڑ لئے جائیں گے ـــــ یا ہجرت کے بعد کے معرکے مراد ہیں۔ چنانچہ جب بدر میں مسلمانوں سے مڈبھیڑ ہوئی تو انھوں نے عذاب کا کچھ مزہ چکھا۔ اور آخرت میں عذاب عظیم کا مزہ چکھنا ابھی باقی ہے۔

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿۱۳۰﴾ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ۬ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿۱۳۱﴾ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ؕ لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴿۱۳۲﴾

فَاصْبِرْ	پس صبر کیجئے آپ	غُرُوْبِهَا	ڈوبنے سے سورج کے	اِلٰى مَا	اس چیز کی طرف جو
عَلٰى مَا	ان باتوں پر جو	وَمِنْ اٰنَآئِ (۱)	اور گھڑیوں میں	مَتَّعْنَا	فائدہ پہنچایا ہم نے
يَقُوْلُوْنَ	کہتے ہیں وہ	الَّيْلِ	رات کے	بِهٖۤ	اس کے ذریعہ
وَسَبِّحْ	اور پاکی بیان کیجئے	فَسَبِّحْ	پس پاکی بیان کیجئے	اَزْوَاجًا (۳)	اصناف کو
بِحَمْدِ	حمد کے ساتھ	وَاَطْرَافَ (۲)	اور حصوں میں	مِّنْهُمْ	ان میں سے
رَبِّكَ	اپنے رب کی	النَّهَارِ	دن کے	زَهْرَةَ (۴)	رونق
قَبْلَ	پہلے	لَعَلَّكَ	تاکہ آپ	الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا	دنیوی زندگی کی
طُلُوْعِ	نکلنے سے	تَرْضٰى	خوش ہوں	لِنَفْتِنَهُمْ (۵)	تاکہ آزمائیں ہم ان کو
الشَّمْسِ	سورج کے	وَلَا تَمُدَّنَّ	اور ہرگز لمبی نہ کریں آپ	فِيْهِ	اس چیز میں
وَقَبْلَ	اور پہلے	عَيْنَيْكَ	اپنی دونوں آنکھیں	وَرِزْقُ	اور روزی

(۱) الآنَاء: أَنٰى (بروزن عصا) کی جمع ہے: گھڑیاں، اوقات، أَنَى يَأْنِيْ أَنْيًا: قریب ہونا، وقت آجانا...... ومن آنائ اللیل: فَسَبِّحْ کا مفعول مقدم ہے، جیسے: إِيَّایَ فَارْهَبُوْنِ (البقرۃ ۴۰) (۲) أَطْرَاف: طَرْف کی جمع ہے: کسی چیز کا حصہ، اس کے معنی جانب اور کنارے کے بھی ہیں۔ یہاں حصہ کے معنی ہیں...... یہ من آنائ اللیل کے محل پر معطوف ہے۔ (۳) أَزْواج: زَوْج کی جمع ہے: جوڑے، اقران، ہم مثل چیزیں، یہاں اقسام وانواع اور اصناف مراد ہیں...... أزواجاً: مَتَّعْنا کا مفعول بہ ہے۔ (۴) زَهْرَة: رونق، تازگی، زینت، بہار، کلی جب کھلتی ہے تو زَهْرَة کہلاتی ہے، دنیا کی بہار اور زینت کو بھی اسی مناسبت سے زَهْرة کہتے ہیں...... زَهْرَة کا عامل محذوف ہے، جس پر مَتَّعْنا دلالت کرتا ہے أی جعلنا لهم زهرةَ، یا مَتَّعْنا کا مفعول ثانی ہے، کیونکہ مَتَّعْنَا: أَعْطَيْنَا کے معنی کو متضمن ہے۔ (۵) لنفتنهم: مَتَّعْنا سے متعلق ہے۔

رَبِّكَ	تیرے رب کی	بِالصَّلٰوةِ	نماز کا	نَحْنُ	ہم
خَيْرٌ	بہتر ہے	وَاصْطَبِرْ[1]	اور پابندی کریں آپ	نَرْزُقُكَ	روزی دیتے ہیں آپ کو
وَّ اَبْقٰى	اور دیرپا	عَلَيْهَا	اس کی	وَالْعَاقِبَةُ[2]	اور (اچھا) انجام
وَاْمُرْ	اور حکم دیں آپ	لَا نَسْـَٔلُكَ	نہیں مانگتے ہم آپ سے	لِلتَّقْوٰى[3]	پرہیزگاری کے لئے
اَهْلَكَ	اپنے گھر والوں کو	رِزْقًا	روزی		ہے

مکی دور میں مسلمانوں کو کافروں سے بہت کچھ سننا پڑتا تھا۔اِن آیاتِ پاک میں ان دل آزار باتوں پر صبر کرنے کا حکم ہے۔اور صبر کی ہمت پیدا کرنے کا طریقہ بیان کیا ہے۔ارشاد ہے: ——— پس آپ صبر کیجئے ان باتوں پر جو وہ چھانٹتے ہیں ——— ان کی باتیں یقیناً اشتعال انگیز اور صبر آزما ہیں۔مگر ابھی ان سے لوہا لینے کا وقت نہیں آیا،لہٰذا آپ صبر کا دامن تھامے رہیں ——— اور آپ اپنے پروردگار کی خوبی کے ساتھ پاکی بیان کریں،سورج نکلنے سے پہلے،اور سورج ڈوبنے سے پہلے،اور رات کی گھڑیوں میں بھی پاکی بیان کریں،اور دن کے حصوں میں،تاکہ آپ خوش رہیں! ——— یہ دل آزار باتوں پر صبر کا حوصلہ پیدا کرنے کا مثبت طریقہ ہے۔دل فگار باتوں سے متاثر نہ ہونے کا طریقہ عبادت میں مشغولی ہے۔تجربہ شاہد ہے کہ یہ نسخہ سو علاجوں کا ایک علاج ہے۔انتقام کی فکر میں پڑنے والا،خواہ کتنا ہی قوی ہو،بسا اوقات انتقام لینے پر قادر نہیں ہوتا۔اور انتقام کی فکر مستقل سوہانِ روح بنی رہتی ہے۔اور جب انسان کی توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہوجاتی ہے۔اور وہ یہ سوچتا ہے کہ مشیتِ خداوندی کے بغیر نہ کوئی نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان،اور اللہ کے کاموں میں حکمت ہوتی ہے،تو غیظ وغضب کی آگ خود بخود ٹھنڈی پڑ جاتی ہے ——— اور یہ بات ضروریاتِ دین میں سے ہے کہ جبروت میں کچھ ایسے مخصوص اوقات ہیں جن میں زمین میں روحانیت پھیلتی ہے۔یعنی عنایاتِ ربانی زمین کی طرف متوجہ ہوتی ہیں۔اور ان اوقات میں عالم بالا سے رحمتوں اور برکتوں کا فیضان ہوتا ہے۔وہ اوقات چار ہیں: سورج نکلنے اور سورج ڈوبنے سے کچھ پہلے روحانیت پھیلتی ہے۔اور زوال کے وقت یعنی جب سورج سر پے آکر ڈھل جاتا ہے اس وقت بھی روحانیت پھیلتی ہے۔اور آدھی رات سے سحر تک بھی نہایت قوی روحانیت پھیلتی ہے۔پس عبادتوں کے لئے ان مقدس اوقات سے بہتر اور عمدہ کوئی وقت نہیں۔ان اوقات میں معمولی محنت بھی نتیجہ خیز ثابت ہوتی ہے۔پھر سورج نکلنے سے پہلے جو روحانیت پھیلتی ہے وہ اشراق وچاشت تک باقی رہتی ہے۔اور سورج ڈوبنے سے پہلے جو روحانیت پھیلتی ہے وہ غروب کے بعد بھی کچھ

---

(۱) اصْطِبَار: باب افتعال کی ت کو ط سے بدلا ہے: قائم رہنا، ڈٹے رہنا، مجرد: صَبْرٌ: ہمت سے کام لینا اور نہ گھبرانا (۲) العاقبة کا الْ عوضی ہے، مضاف کے عوض میں آیا ہے۔ أی حُسْنُ العاقبة۔(۳) للتقوی میں مجاز بالحذف ہے أی لأهل التقوى۔

وقت تک باقی رہتی ہے۔اس لئے لوگوں کے اعذار کا لحاظ کر کے ان اوقات میں فرض اور نفل نمازیں مقرر کی گئیں ہیں[1]
—— غرض انہیں چار اوقات میں تسبیح وتحمید کا حکم دیا تا کہ مسلمان خوش رہیں۔اوران کے دلوں کو اطمینان نصیب ہو
——اور آپ ہرگز اپنی آنکھیں اس بہار کی طرف نہ پساریں جس کے ذریعہ ہم نے لوگوں کی مختلف انواع کو فائدہ پہنچایا ہے۔(وہ) دنیوی زندگی کی بہار (ہے) تا کہ اس میں ہم ان کی آزمائش کریں۔اور آپ کے پروردگار کی روزی بہتر اور دیرپا ہے —— یہ صبر کا حوصلہ پیدا کرنے کا منفی طریقہ ہے۔یعنی وہ کام نہ کیا جائے جو دل کو بے قرار کرے۔کفار کی خوشحالی پر رال ٹپکانے سے دل کی بے قراری بڑھتی ہے۔اوراس سے نظر ہٹالی جائے تو دل کو قرار آتا ہے۔چنانچہ ارشاد فرمایا کہ آپ کفار کی خوش حالی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں۔ان کی زندگی کی یہ تازگی اور شادابی عارضی ہے،صرف دنیوی زندگی کی بہار ہے۔اس کے ذریعہ ان کی آزمائش کی جارہی ہے۔ایسی زوال پذیر نعمت رال ٹپکانے کی چیز نہیں۔اللہ پاک نے جو کچھ آپ کو دیا ہے وہی آپ کے لئے بہتر ہے،اور آخرت میں اسی کا اجر دیرپا ہے۔

فائدہ: آج بھی کچھ مسلمانوں کو کفار و فجار کی عیش وعشرت اور دولت وحشمت بھلی معلوم ہوتی ہے۔وہ سوچتے ہیں کہ جب یہ لوگ اللہ کے نزدیک مبغوض وذلیل ہیں،تو ان کے پاس یہ نعمتیں کیوں ہیں؟ اور اطاعت شعار مسلمان غربت وافلاس کا شکار کیوں ہیں؟ ان کو اس آیت میں سمجھایا ہے کہ یہ محض چندروزہ بہار ہے،جس کے ذریعہ ان کا امتحان مقصود ہے۔اور جو عظیم الشان نعمت اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عطا فرمائی ہے،یعنی ایمان اور عملِ صالح پر استواری،پھر آخرت میں اس پر ملنے والے اعلیٰ مراتب: اِن کے سامنے ان فانی اور حقیر ساز وسامان کی حقیقت ہی کیا ہے؟ مسلمانوں کے حصہ میں جو دولت آئی ہے،وہ ان کی دولتوں سے کہیں بڑھ کر ہے۔دنیا میں بھی بہتر ہے۔کیونکہ قناعت کے ساتھ تھوڑا: حرص کے ساتھ بہت مال سے بہتر ہے۔اور آخرت میں بھی وہی دیرپا ہے۔کیونکہ قیامت کے روز وہی تھوڑا سامان سرخ روئی کا ذریعہ بنے گا۔پس دنیا کی حقیر متاع سے اس کا موازنہ نہ کیا جائے،بلکہ آخرت کی لازوال نعمتوں سے اس کا مقابلہ کیا جائے —— پھر یہ بھی تو سوچو سب کفار و فجار کو یہ شادابی حاصل نہیں۔بہت سے ان میں نانِ شبینہ کے محتاج ہیں۔صرف کچھ لوگ خوش حال ہیں۔پس مسلمانوں میں بھی اللہ کے فضل سے بہت سے نیک بندے خوش حال ہیں۔معلوم ہوا کہ دنیا کی دولت اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبولیت کی علامت نہیں۔یہ تو امتحان کا سامان اور خطرہ کی چیز ہے۔اس کی فتنہ سامانی سے اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کی حفاظت فرمائیں (آمین)

آخر میں تسبیح وتحمید کے مجموعے اور عبادت کے اعلیٰ فرد: نماز کی پابندی کا حکم دیا جاتا تھا،اور ساتھ ہی گھر کی اصلاح کا بھی امر فرمایا جاتا ہے۔ارشاد ہے: ——اور آپ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیں۔اور خود بھی نماز کے پابند رہیں

(۱) یہ مضمون تفصیل سے رحمۃ اللہ الواسعہ جلد دوم صفحہ ۱۷۸-۱۸۴ میں پڑھیں۔

——— جو شخص نمازیں پابندی سے پڑھتا ہے وہ دوسرے فرائض بھی ضرور ادا کرتا ہے۔ اور جو نماز کو ضائع کرتا ہے اس کو دوسرے ارکان کی کیا فکر ہوسکتی ہے؟! پس ہر مسلمان کو چاہئے کہ خود بھی نماز کی پابندی کرے، اور اپنے گھر والوں کو بھی سنبھالے ——— اور گھر والوں کو نماز کے لئے کہنے کا حکم پہلے: اس کی طرف توجہ مبذول کرانے کے لئے دیا ہے۔ لوگ اس میں غفلت برتتے ہیں۔ خود تو نماز پڑھتے ہیں، مگر بال بچوں سے نہیں کہتے۔ حالانکہ جس طرح خود کو جہنم سے بچانا ضروری ہے، اہل وعیال کو بھی بچانا ضروری ہے۔ سورۃ التحریم (آیت ۶) میں اس کا صریح حکم موجود ہے۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ ''جب بچہ سات سال کا ہوجائے تو اس کو نماز سکھاؤ، اور جب دس سال کا ہوجائے تو اس سے مار کر نماز پڑھاؤ'' ——— علاوہ ازیں خود اپنی نماز کی پابندی کے لئے بھی ضروری ہے کہ آپ کا ماحول، آپ کے اہل وعیال اور متعلقین نماز کے پابند ہوں۔ ماحول اگر بے نمازیوں کا ہوگا تو طبعی طور پر انسان خود بھی کوتاہی کا شکار ہوجائے گا۔

اور جو لوگ کاروبار کی یا ملازمت کی مشغولی کا عذر پیش کرتے ہیں ان سے فرمایا: ——— ہم آپ سے معاش نہیں چاہتے، معاش تو ہم خود آپ کے لئے مہیا کرتے ہیں ——— یعنی جس طرح آقا غلاموں سے روزی کمواتا ہے اللہ تعالیٰ بندوں سے یہ بات نہیں چاہتے۔ بلکہ بندوں سے مطلوب عبادت ہے۔ سورۃ الذاریات (آیات ۵۶-۵۸) میں ارشاد ہے: ''میں نے جنات اور انسانوں کو اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔ میں ان سے رزق رسانی نہیں چاہتا، نہ یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں، اللہ تعالیٰ ہی سب کو روزی پہنچانے والے ہیں جو نہایت قوت والے ہیں'' ——— پس اگر فرض نماز اور کسبِ معاش میں تعارض ہوجائے تو نماز مقدم ہوگی۔ کسب معاش بھی فرض ہے، مگر وہ ثانوی درجہ کا فرض ہے۔ حدیث میں ہے: كَسْبُ الْحَلَالِ فَرِيْضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ یعنی حلال روزی کمانا اول نمبر کے فرض کے بعد کا فرض ہے[1] ——— اور اچھا انجام پرہیز گاری کے لئے ہے ——— پس انسان کو چاہئے کہ پرہیز گاری اختیار کرے۔ پھر دیکھے اللہ تعالیٰ کس طرح اس کی مدد کرتے ہیں!

فائدہ: جو مسلمان غیر مسلموں کے یہاں ملازمت کرتے ہیں، وہ یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ ہمارا مالک (بوس) نماز کی اجازت نہیں دیتا۔ اس سلسلہ میں جاننا چاہئے کہ مسلمان بھی ایک غلطی کرتے ہیں۔ وہ نماز کی اجازت چاہتے ہیں، اور نماز میں جو وقت خرچ ہوتا ہے اس کی تنخواہ بھی چاہتے ہیں، یعنی وہ چاہتے ہیں کہ وہ وقت ڈیوٹی میں شمار کیا جائے۔ بھلا یہ بات کیسے ممکن ہے؟ نماز آپ اپنے لئے پڑھتے ہیں، بوس کے لئے نہیں پڑھتے۔ پس اگر مسلمان ملازم پوری دیانت داری سے کام کرے، اور اپنے نماز کے وقت کی تنخواہ نہ لے، یا اتنی دیر زائد کام کرے تو کوئی شریف غیر مسلم نماز سے نہیں روک سکتا۔ اور اگر روکے تو ملکِ خدا تنگ نیست، پائے گدا لنگ نیست! دوسری متبادل ملازمت تلاش کی جائے۔

(۱) رواه الطبرانی والبیهقی فی الشعب وغیرهما (کشف الخفاء ۲: ۱۴۴)

وَ قَالُوْا لَوْ لَا يَأْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿۱۳۳﴾ وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَ نَخْزٰى ﴿۱۳۴﴾ قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى ﴿۱۳۵﴾ ع

وَ قَالُوْا	اور انھوں نے کہا	اَنَّآ	بیشک ہم	اَنْ (۴)	کہ
لَوْ لَا	کیوں نہیں	اَهْلَكْنٰهُمْ	ہلاک کرتے ان کو	نَّذِلَّ	ذلیل ہوتے ہم
يَأْتِيْنَا	لاتا وہ ہمارے پاس	بِعَذَابٍ	کسی عذاب سے	وَ نَخْزٰى	اور رسوا ہوتے ہم
بِاٰيَةٍ	کوئی نشانی	مِّنْ قَبْلِهٖ (۳)	اُس کے پہلے سے	قُلْ	کہہ دیں
مِّنْ رَّبِّهٖ	اپنے رب کے پاس سے	لَقَالُوْا	تو کہتے وہ	كُلٌّ	ہر ایک
اَوَ (۱)	کیا اور	رَبَّنَا	اے ہمارے رب	مُّتَرَبِّصٌ	انتظار کرنے والا ہے
لَمْ	نہیں	لَوْلَآ	کیوں نہیں	فَتَرَبَّصُوْا	پس انتظار کرو تم
تَاْتِهِمْ	آئی ان کے پاس	اَرْسَلْتَ	بھیجا آپ نے	فَسَتَعْلَمُوْنَ	پس ابھی جان لوگے تم
بَيِّنَةُ (۲)	واضح دلیل	اِلَيْنَا	ہماری طرف	مَنْ	کون
مَا	اس کی جو	رَسُوْلًا	کوئی رسول	اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ	راستہ والا ہے
فِي الصُّحُفِ	کتابوں میں سے	فَنَتَّبِعَ	پس پیروی کرتے ہم	السَّوِيِّ	سیدھا
الْاُوْلٰى	اگلی	اٰيٰتِكَ	آپ کی آیتوں کی	وَمَنِ	اور کس نے
وَلَوْ	اور اگر	مِنْ قَبْلِ	پہلے سے	اهْتَدٰى	راہ پائی

سورت کا موضوع قرآن کی صداقت کا بیان بھی ہے۔اسی سے سورت کا آغاز ہوا ہے۔پھر موسیٰ علیہ السلام اور بنی

(۱) ہمزہ: استفہام انکاری کے لئے ہے، اور واو: جملہ مقدرہ پر عطف کے لئے ہے، أی ألم يأتهم سائر الآيات، ولم يأتهم خاصةً بينةُ ما فی الصحف الأولی؟ (۲) بينة: واضح دلیل یعنی قرآن کریم۔ بينة: مابعد کی طرف مضاف ہے، پھر لم تأت کا فاعل ہے۔ (۳) من قبله: کی ضمیر بينة کی طرف لوٹتی ہے، کیونکہ اس سے مراد قرآن ہے، اس لئے ضمیر مذکر لائی گئی ہے۔ (۴) أنْ: مصدریہ ہے جو اپنے مدخول کو مصدری معنی میں کرتا ہے۔

اسرائیل کے واقعات بیان کئے گئے ہیں، جو قرآن کے منزل من اللہ ہونے کی دلیل ہیں۔ ان واقعات کے بعد قرآن کی حقانیت کا بیان شروع ہوا تھا اب اسی تذکرہ پر سورت ختم کی جارہی ہے ــــــ نیز قرآن کریم اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف کفار جو باتیں چھانٹتے تھے انکی ایک بات کا جواب دینا بھی ضروری ہے ــــــ اور ان لوگوں نے کہا: ''وہ ہمارے پاس کیوں کوئی نشانی اپنے پروردگار کے پاس سے نہیں لایا؟'' ــــــ یعنی ہم جن نشانیوں کا مطالبہ کررہے ہیں، ان میں سے کوئی نشانی یہ حاملِ قرآن کیوں نہیں دکھاتا؟ ان کو جواب دیا جارہا ہے: ــــــ کیا انکے پاس پہلی کتابوں کی واضح دلیل نہیں آئی؟! ــــــ یعنی یہ سب سے بڑی نشانی: عظیم الشان قرآن انکے پاس نہیں آیا، جس کی خبر اگلی کتابوں میں دی گئی ہے؟! سورۃ العنکبوت (آیت ۵۱) میں ارشاد پاک ہے: ''کیا ان لوگوں کیلئے یہ بات کافی نہیں کہ ہم نے آپؐ پر یہ کتاب نازل فرمائی ہے، جو برابر انکو سنائی جارہی ہے؟!'' حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم بذاتِ خود رسول اللہ ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ ہے۔ وہ ایسا معجزہ ہے جو رہتی دنیا تک باقی رہنے والا ہے۔ اگر لوگ اللہ کے اس کلام میں غور کریں تو کسی دوسری نشانی کی ضرورت ہی نہ رہے! مگر افسوس! لوگ اسکی طرف سے کان بند کئے ہوئے ہیں، اور دوسری نشانیوں کا مطالبہ کرتے ہیں۔

طُرفہ تماشا: ــــــ اور اگر ہم ان کو کسی عذاب سے ہلاک کرتے، اس (قرآن) کے آنے سے پہلے تو وہ کہتے: ''اے ہمارے پروردگار! آپ نے ہمارے پاس کوئی رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم ذلیل وخوار ہونے سے پہلے آپ کی آیتوں کی پیروی کرتے؟'' ــــــ یعنی قرآن اور رسول آیا تو وہ کہا، اور اگر ہم رسول نہ بھیجتے، اور اس پر قرآن نازل نہ کرتے، اور ان کے کفر وشرک کی سزا میں دَھر گھسیٹتے تو یہ قیامت کے دن بہانہ بناتے، اور کہتے: ''الٰہی! آپ نے سزا دینے سے پہلے ہمارے پاس کوئی رسول اور کوئی کتاب کیوں نہ بھیجی کہ ہمیں آج ذلت ورسوائی کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ آپ کتاب بھیجتے، پھر دیکھتے کہ ہم کیسے اس کی طرف لپکتے اور آپ کے احکام کی پیروی کرتے'' ــــــ آپ کہہ دیں: ''سب ہی انتظار کررہے ہیں، سوتم بھی انتظار کرو، پس عنقریب تمہیں معلوم ہوجائے گا کہ کون سیدھی راہ چلنے والا ہے، اور کون راہ یاب ہوا'' ــــــ یعنی ہم بھی انتظار کرتے ہیں تم بھی انتظار کرو، اور دیکھو پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔ جلد ہی یہ حقیقت آشکارا ہوجائے گی کہ کس جماعت کا راستہ سیدھا ہے اور کون حق پر ہے ــــــ یہ حقیقت موت کے بعد اور آخرت میں تو ظاہر ہوگی ہی، ہجرت کے بعد جب دونوں فریقوں میں معرکہ آرائی شروع ہوئی، تو آٹھ سال کی قلیل مدت میں دنیا نے دیکھ لیا کہ کس کا بول بالا ہوا، اور کون سرخ رو ہوا۔ مکہ مکرمہ کفار کے قبضہ سے نکل گیا، اور مسلمانوں کے پاک ہاتھوں میں آگیا۔ کفار کا جھنڈا سرنگوں ہوا، اور اسلام کا جھنڈا سارے عرب پر لہرانے لگا۔

جو میل کچیل تھا وہ پھینک دیا گیا، اور جو چیز لوگوں کے لئے کار آمد تھی وہ دنیا میں باقی رہی!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۃ الانبیاء

نمبر شمار ۲۱ نزول کا نمبر ۷۳ نزول کی نوعیت مکی آیات ۱۱۲ رکوع ۷

سورت کا نام اور زمانۂ نزول: اس سورت میں سولہ نبیوں کا تذکرہ ہے، اس لئے اس کا نام ''سورۃ الانبیاء'' تجویز کیا گیا ہے۔ یہ سورت بھی مکی ہے۔ اور مکی دور کے تقریباً آخر میں نازل ہوئی ہے۔ نزول کا نمبر ۷۳ ہے۔ مکی سورتیں کل ۸۵ ہیں۔ یعنی یہ سورت بھی مکہ کے پر آشوب دور میں نازل ہوئی ہے۔ جبکہ مسلمان ظلم کی چکی میں پس رہے تھے۔ اور ہجرتِ مدینہ کا زمانہ قریب آ گیا تھا۔ چنانچہ سورت کے آخر میں کفار سے کہا گیا ہے کہ ''میں تمہیں صاف صاف دوٹوک خبردار کر چکا'' اب تم مخالفت کی پاداش کا انتظار کرو۔

سورت کے مضامین: اس سورت کا پسِ منظر وہ کش مکش ہے جو نبی ﷺ اور کفار مکہ کے درمیان بپا تھی۔ وہ لوگ دعوئے توحید ورسالت اور عقیدۂ آخرت پر شکوک وشبہات وارد کرتے تھے، آپ ﷺ کے خلاف چالیں چلتے تھے، اور مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ ڈھاتے تھے۔ چنانچہ سورت کا آغاز آخرت بیزاری پر انتباہ سے کیا گیا ہے۔ کیونکہ وہی سب خرابیوں کی جڑ ہے۔ پھر قرآن کے خلاف کفار کے پروپیگنڈہ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اور رسول کے انسان ہونے پر ان کے اعتراض کا جواب دیا گیا ہے۔ اور ان کو سمجھایا گیا ہے کہ قرآن جادو منتر نہیں، بلکہ نصیحت نامہ ہے۔ پھر آگاہ کیا ہے کہ جو قومیں انبیاء سے برسرپیکار ہوتی ہیں، اور حق کا انکار کرتی ہیں ان کو تباہ کیا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ کارخانہ بامقصد بنایا گیا ہے، محض کھیل نہیں!

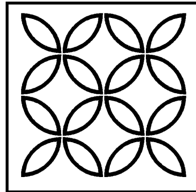
پھر شرک کا ابطال ہے۔ اور ہر قسم کے معبودوں کا بطلان واضح کیا گیا ہے۔ اور یہ بیان ہے کہ اگر آسمانوں اور زمین میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود ہوتا تو کائنات سرے سے موجود ہی نہ ہوتی۔ پس نہ اللہ کے برابر کوئی معبود ہوسکتا

ہے، نہ ان سے کم تر۔ اور فرشتے اللہ کے معزز بندے ہیں، وہ اللہ کی اولاد نہیں۔ اس کے بعد توحید کا بیان اور قدرتِ خداوندی کی نشانیوں کا تذکرہ ہے۔

پھر رسالتِ محمدی کا بیان اور شماتتِ اعداء کا جواب دیا ہے۔ اور منکرین رسالت کے مطالبۂ عذاب کا تذکرہ کرکے ان کو اخروی انجام سنایا ہے۔ اور دلیلِ نبوت: قرآن کریم کا تذکرہ کیا ہے کہ یہ بابرکت اور کثیر المنفعت کتاب ہے، اور اس سے پہلے اس کی نظیر تورات شریف موجود ہے، جو موسیٰ وہارون علیہما السلام کو عنایت فرمائی گئی تھی۔

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا ہے، جس کے ضمن میں بتوں کی خدائی کا ابطال ہے۔ اور آخر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت کا ذکر ہے۔ جس میں نبی ﷺ اور مسلمانوں کے لئے ایک اشارہ ہے۔ اور اسی نقطۂ نظر سے لوط اور نوح علیہما السلام کا ذکر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو بھی قوم کی طرف سے لاحق بے چینی سے نجات بخشی تھی۔ پھر داؤد وسلیمان علیہما السلام کے ظاہری کمالات: حکومت وسطوت کا ذکر ہے، اس میں اشارہ ہے کہ ہجرت کے بعد نبی ﷺ کو بھی حکومت وسطوت ملے گی۔ پھر چار انبیاء: ایوب واسماعیل وادریس وذوالکفل علیہم السلام کا مختصر تذکرہ ہے۔ جس کا مقصد مسلمانوں کو صبر کی تلقین کرنا ہے۔ اس کے بعد یونس علیہ السلام کا تذکرہ ہے۔ جس میں نبی ﷺ کے لئے ہجرت کے حکم کے انتظار کا اشارہ ہے۔ اور آخر میں زکریا اور عیسیٰ علیہما السلام کا تذکرہ ہے۔ جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ بیان کی گئی ہے کہ وہ مخالف حالات میں بھی جو چاہیں کرسکتے ہیں، پس مسلمانوں کو مایوس نہیں ہونا چاہئے۔

پھر عقیدۂ آخرت اور کفار ومؤمنین کی مجازات کا بیان ہے۔ جس کے ضمن میں کئی اہم باتیں بیان کی ہیں۔ مثلاً جنت کی زمین کے وارث نیک مؤمنین ہونگے اور نبی ﷺ کی بعثت رحمت عامّہ ہے، جس کو کفار زحمت ومصیبت سمجھ رہے ہیں۔ اور آخر میں دوٹوک اعلان کیا ہے کہ دین کا لب لباب خالص توحید ہے جو اس کو قبول کرے گا سرخ رو ہوگا، اور جو اس سے منہ پھیرے گا تباہ ہوگا۔



آیاتها ۱۱۲ (۲۱) سُوْرَةُ الْاَنْبِيَاۗءِ مَكِّيَّةٌ (۷۳) رکوعاتها ۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ① مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ② لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى ڰ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ڰ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ③ قٰلَ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۡ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ④ بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۢ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ښ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ⑤ مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ⑥ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ⑦ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ⑧ ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَاۗءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ⑨

بِسْمِ	نام سے	وَهُمْ	اور وہ	مُحْدَثٍ (۳)	نئی (تازہ)
اللّٰهِ	اللہ کے	فِيْ غَفْلَةٍ (۱)	غفلت میں ہیں	اِلَّا	مگر
الرَّحْمٰنِ	نہایت مہربان	مُّعْرِضُوْنَ	منہ موڑنے والے	اسْتَمَعُوْهُ	سنتے ہیں وہ اس کو
الرَّحِيْمِ	بڑے رحم والے	مَا	نہیں	وَهُمْ	درانحالیکہ وہ
اِقْتَرَبَ	قریب آگیا	يَاْتِيْهِمْ	پہنچتی ان کو	يَلْعَبُوْنَ	کھیلتے ہیں
لِلنَّاسِ	لوگوں کے لئے	مِّنْ ذِكْرٍ (۲)	کوئی نصیحت	لَاهِيَةً (۴)	غفلت میں ہیں
حِسَابُهُمْ	ان کا حساب	مِّنْ رَّبِّهِمْ	انکے رب کی طرف سے	قُلُوْبُهُمْ	ان کے دل

(۱) فی غفلة: پہلی خبر ہے، اور معرضون: دوسری خبر ہے۔ (۲) من ذکر: مایأتی کا فاعل ہے۔ (۳) محدث: ذکر کی صفت ہے۔ (۴) لاهیة: اسم فاعل، واحد مؤنث: غافل، لہو میں پڑا ہوا، بے رُخی اختیار کیا ہوا۔ لَهَا يَلْهُو (ن) لَهْوًا: کھیل کرنا۔ اور ←

وَاَسَرُّوا	اور چپکے چپکے کی	الْقَوْلَ	بات کو	بِاٰيَةٍ	کوئی نشانی
النَّجْوَى	سرگوشی	فِي السَّمَآءِ	آسمان میں	كَمَآ	جس طرح
الَّذِيْنَ (۱)	جنھوں نے	وَالْاَرْضِ	اور زمین (میں)	اُرْسِلَ	بھیجے گئے
ظَلَمُوْا	ظلم کیا	وَهُوَ	اور وہ	الْاَوَّلُوْنَ	پہلے لوگ
هَلْ (۲)	نہیں ہے	السَّمِيْعُ	خوب سننے والا	مَآ	نہیں
هٰذَآ	یہ شخص	الْعَلِيْمُ	سب کچھ جاننے والا ہے	اٰمَنَتْ	ایمان لائی
اِلَّا	مگر	بَلْ	بلکہ	قَبْلَهُمْ	ان سے پہلے
بَشَرٌ	ایک انسان	قَالُوْآ	کہا انھوں نے	مِّنْ قَرْيَةٍ (۴)	کوئی بستی
مِّثْلُكُمْ	تم جیسا	اَضْغَاثُ (۳)	گٹھر ہیں	اَهْلَكْنٰهَا (۵)	جس کو ہلاک کیا ہم نے
اَفَتَاْتُوْنَ	کیا تو آتے ہو تم	اَحْلَامٍ	خوابوں کے	اَفَهُمْ	کیا تو وہ
السِّحْرَ	جادو کے پاس	بَلِ	بلکہ	يُؤْمِنُوْنَ	ایمان لائیں گے؟
وَاَنْتُمْ	درانحالیکہ تم	افْتَرٰىهُ	گھڑ لیا ہے اس نے اسکو	وَمَآ	اور نہیں
تُبْصِرُوْنَ	دیکھتے بھالتے ہو؟	بَلْ	بلکہ	اَرْسَلْنَا	بھیجا ہم نے
قٰلَ	کہا پیغمبر نے	هُوَ شَاعِرٌ	وہ شاعر ہے	قَبْلَكَ	آپ سے پہلے
رَبِّيْ	میرا پروردگار	فَلْيَاْتِنَا	پس چاہئے کہ لائے	اِلَّا	مگر
يَعْلَمُ	جانتا ہے		وہ ہمارے پاس	رِجَالًا	آدمیوں کو

← **لاهية**: یا تو **استمعوه** کی ضمیر فاعل سے حال ہے، جیسا کہ **وهم يلعبون** اس سے حال ہے، پس یہ حالِ مترادفہ ہوگا۔ یا **يلعبون** کی ضمیر فاعل سے حال ہے، پس یہ حال متداخلہ ہوگا......اور **قلوبُهم**: **لاهيةً** کا فاعل ہے۔

(۱) **الذين ظلموا**: **أسروا** کی ضمیر فاعل سے بدل ہے، یا یہ خود فاعل ہے، اور **أسروا** کا واو صرف جمعیت پر دلالت کرتا ہے۔ جیسے **أكلوني البراغيث**: مجھے پسّوؤں نے کاٹ کھایا۔ (۲) **هل**: نفی کے لئے ہے۔ کیونکہ آگے **إلا** اثبات کے لئے آرہا ہے۔ اور نفی اثبات مل کر حصر پیدا کرتے ہیں، جیسے **لا إله إلا الله**: معبود صرف اللہ تعالیٰ ہیں۔ (۳) **أضغاث**: **ضِغْث** کی جمع ہے، جس کے معنی ہیں: سینکوں کا مٹھا یا لکڑیوں کا گٹھر......اور **أحلام**: **حِلْم** کی جمع ہے، جس کے معنی ہیں: خواب...... چونکہ سینکوں کے مٹھے اور لکڑیوں کے گٹھر میں بری بھلی ہر طرح کی سینکیں اور لکڑیاں ہوتی ہیں، اس لئے پریشان خوابوں کو **اَضغاث أحلام** کہتے ہیں۔
(۴) **من قرية**: میں **مِنْ** زائدہ ہے، عموم کی تاکید کے لئے لایا گیا ہے۔ (۵) جملہ **أهلكناها**: **قرية** کی صفت ہے۔

نُوْحِیْٓ	وحی کرتے ہیں ہم	جَعَلْنٰهُمْ	بنایا ہم نے ان کو	صَدَقْنٰهُمُ	سچا کیا ہم نے ان سے
اِلَيْهِمْ	ان کی طرف	جَسَدًا	ایسے جسم	الْوَعْدَ	وعدہ
فَسْئَلُوْٓا	پس پوچھوتم	لَّا يَأْكُلُوْنَ (۱)	جو نہ کھاتے ہوں	فَاَنْجَيْنٰهُمْ	پس نجات دی ہم نے
اَهْلَ الذِّكْرِ	آسمانی کتاب والوں سے	الطَّعَامَ	کھانا		ان کو
اِنْ	اگر	وَمَا	اور نہیں	وَمَنْ	اور جس کو
كُنْتُمْ	ہوتم	كَانُوْا	تھے وہ	نَّشَآءُ	چاہا ہم نے
لَا تَعْلَمُوْنَ	نہیں جانتے	خٰلِدِيْنَ	ہمیشہ رہنے والے	وَ اَهْلَكْنَا	اور ہلاک کیا ہم نے
وَمَآ	اور نہیں	ثُمَّ	پھر	الْمُسْرِفِيْنَ	حد سے نکلنے والوں کو

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

گذشتہ سورت قرآن کی حقانیت اور رسول کی صداقت کے بیان پر ختم ہوئی تھی۔اب یہ سورت انہی مضامین سے شروع ہورہی ہے۔اور ابتداء میں ایک انتباہ ہے۔ایک ایسی بات سے خبردار کیا گیا ہے جو سب خرابیوں کی جڑ ہے۔یعنی آخرت بیزاری۔ارشاد ہے ——— قریب آپہنچا لوگوں کے لئے ان کا حساب اور وہ غفلت میں منہ موڑے ہوئے ہیں ——— یعنی حساب وکتاب اور مجازات کی گھڑی سر پے کھڑی ہے۔اور لوگ ہیں کہ سخت غفلت میں پڑے ہوئے ہیں، قرآن پاک کی نصیحتوں سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے اڑا دیتے ہیں۔یہ آخرت فراموشی انکار قرآن کا اصل سبب ہے ——— حساب وکتاب کا اصل وقت تو قیامت کا دن ہے۔مگر اس کا سلسلہ موت کے ساتھ ہی شروع ہوجاتا ہے۔اور قیامت بھی نزدیک آچکی ہے۔جو چیز آنے والی ہے وہ آنے والی ہے۔اور موت تو سر پے منڈلا رہی ہے۔پھر یہ غفلت کیوں؟ ——— نہیں پہنچتی ان کو ان کے پروردگار کی طرف سے کوئی تازہ نصیحت، مگر وہ اس کو سنتے ہیں کھیلتے ہوئے، غفلت میں پڑے ہوئے ہیں ان کے دل ——— یعنی جب بھی کوئی نئی وحی نازل ہوتی ہے، اور آیاتُ اللہ سنا کر ان کو چونکایا جاتا ہے تو وہ اس کو ہنسی کرتے ہوئے سنتے ہیں۔سنجیدگی سے نہیں لیتے۔اور نہایت لاپروائی سے اس کو ٹلا دیتے ہیں۔کیونکہ ان کے دل اس نصیحت کی طرف سے غفلت میں پڑے ہوئے ہیں ——— آخرت سے غفلت دو طرح کی ہوتی ہے: ایک: سادہ غفلت، دوسری: اعراض وانکار کے ساتھ ملی ہوئی غفلت۔پہلی غفلت مؤمن میں بھی ہوتی ہے۔دنیا چونکہ ہر وقت انسان کے سامنے ہے، اور آخرت

(۱) جملہ لایأکلون: جسداً کی صفت ہے۔

آنکھوں سے اوجھل۔ اس لئے اکثر و بیشتر آدمی پر دنیا ہی کی فکر غالب رہتی ہے۔ مگر جب وقت گذر جاتا ہے، اور موت سامنے آکھڑی ہوتی ہے، تو کفِ افسوس ملتا رہ جاتا ہے ــــــ اور اعراض کے ساتھ غفلت کافر اور نام نہاد مسلمان ہی میں ہوتی ہے۔ اس کا چونکہ آخرت پر یقین نہیں ہوتا یا آخرت کا صحیح تصور اس کے ذہن میں نہیں ہوتا، اس لئے وہ آخرت کا تذکرہ برائے نام سنتا ہے، اور ہنسی میں اڑا دیتا ہے۔

اور صرف اتنا ہی نہیں کہ وہ قرآن کی نصیحت نہیں سنتے، بلکہ چاہتے ہیں کہ اور بھی کوئی نہ سنے۔ چنانچہ جب مکہ کے عام لوگوں پر قرآن کی دعوت کا اثر شروع ہوا، اور ان میں آخرت کی فکر پیدا ہوئی، اور وہ قرآن کی آواز کی طرف لپکے، تو مکہ کے سرغنوں نے خفیہ میٹنگ کی، جس میں یہ بات زیرِ غور آئی کہ قرآن کی دعوت کی راہ میں اڑچن کیسے کھڑی کی جائے؟ ظالموں نے طے کیا کہ نبی ﷺ کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کیا جائے۔ اور ان کے سامنے ایک مطالبہ رکھا جائے۔ اللہ پاک علیم وخبیر سب سے پہلے اس راز داری کا پردہ فاش کرتے ہیں، اور یہ غلط فہمی دور کرتے ہیں کہ اللہ پاک سے کوئی بات مخفی نہیں ہوسکتی۔ پھر ان کی باتوں میں سے جو معقول بات کہی جاسکتی ہے اس کا جواب دیتے ہیں۔ اور ان کا مطالبہ پورا نہ کرنے کی وجہ بیان فرماتے ہیں۔ ارشاد ہے: ــــــ اور ظالموں نے چپکے چپکے سرگوشی کی یہ شخص بس تم ہی جیسا ایک انسان ہے، پس کیا تم جادو کے پاس جاؤ گے درانحالیکہ تم دیکھتے بھالتے ہو؟! ــــــ یعنی اُن سرکشوں نے طے کیا کہ لوگوں کو سمجھایا جائے کہ یہ شخص ہم ہی جیسا ایک انسان ہے، کھاتا ہے، پیتا ہے، بازاروں میں چلتا پھرتا ہے، بیوی بچے رکھتا ہے، نہ فرشتہ ہے نہ دیوتا نہ اوتار، نہ کوئی ظاہری امتیاز رکھتا ہے۔ اس میں کونسی نئی بات ہے کہ ہم اس کا دین اختیار کریں، اور اس کی راہ پر چلیں؟ اور اس کی بات (قرآن کریم) میں جو تاثیر ہے، اس کے بارے میں کہا جائے کہ وہ ''جادو منتر'' ہے، پس کیا تم سوجھ بوجھ رکھتے ہوئے اس کو سننے جاؤ گے، اور اس کی باتوں میں پھنسو گے؟! تمہیں اس سے کوسوں دور رہنا چاہئے ــــــ کفار کی ان باتوں میں صرف اتنی بات معقول کہی جاسکتی ہے کہ ''یہ شخص بس تم ہی جیسا ایک انسان ہے'' چنانچہ اس کا جواب آگے آرہا ہے۔ باقی قرآن کریم کو ''جادو منتر'' کہنا: تو اس کا بوداپن عرب کا بچہ بچہ جانتا تھا ــــــ ابھی ان کی خفیہ مجلس کی باتیں پوری نہیں ہوئیں، درمیان میں اللہ پاک یہ بات صاف کردیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی ادنی بات مخفی نہیں [1] ارشاد ہے: ــــــ پیغمبر نے کہا: ''میرا پروردگار جانتا ہے بات کو، خواہ آسمان میں ہو یا زمین میں، اور وہ خوب سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے!'' ــــــ یعنی تم کتنے ہی چھپا کر مشورے کرو، اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے۔ وہ آسمانوں اور

(۱) قرآن کا اسلوب یہ ہے کہ وہ اصل بات کے بیان میں ذرا تاخیر نہیں کرتا، چاہے اس کے لئے سلسلہ کلام روک دینا پڑے ۱۲

زمین کی ہر بات کو جانتے ہیں، پھر تمہارے راز اُن سے کیسے پوشیدہ ہو سکتے ہیں؟ ــــــ (ان ظالموں کی باقی باتیں) بلکہ انھوں نے کہا: پریشان خوابوں کا پشتارہ ہے، بلکہ: اس کو اس نے خود گھڑ لیا ہے بلکہ: وہ شاعر ہے ــــــ یعنی کسی بات پر قرار نہیں، کوئی کچھ کہتا ہے کوئی کچھ۔ کوئی تجویز رکھتا ہے کہ قرآن کو اس شخص کے پریشان خوابوں کا مجموعہ کہا جائے۔ کوئی کہتا ہے کہ یہ پروپیگنڈہ کیا جائے کہ یہ خود اس کا اپنا کلام ہے، جسے اس نے اللہ کے نام لگا دیا ہے۔ کوئی اس کو شاعر باور کرانا چاہتا ہے یعنی اس نے شاعروں کی طرح تخیل کی بلند پروازی سے کچھ مضامین مؤثر اور مسجع عبارت میں پیش کر دیئے ہیں ــــــ (اگر واقعی وہ سچا ہے) پس چاہئے کہ لائے وہ ہمارے پاس کوئی نشانی، جس طرح پہلے انبیاء بھیجے گئے ہیں ــــــ یعنی اگر واقعی قرآن خدا کا کلام ہے، اور وہ شخص اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا ہے، تو چاہئے کہ وہ کوئی ایسا کھلا ہوا معجزہ دکھائے، جیسا پہلے پیغمبروں نے دکھایا ہے۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام فرعون کی طرف بھیجے گئے تو عصا اور ید بیضاء کا معجزہ دے کر بھیجے گئے۔ صالح علیہ السلام نے قوم کے مطالبہ پر اونٹنی کا معجزہ دکھایا، اِس نبی کو بھی چاہئے کہ وہ ہمارے فرمائشی معجزات دکھائے ــــــ قرآن کریم سب سے پہلے ان کے اس مطالبہ کا جواب دیتا ہے ــــــ ان سے پہلے ایسی کوئی بستی ایمان نہیں لائی جس کو ہم نے ہلاک کیا، پس کیا وہ ایمان لے آئیں گے؟! ــــــ یعنی پچھلی قوموں کو فرمائشی نشان دکھلائے گئے، مگر وہ انہیں دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائے، اور ہلاک کئے گئے۔ تو کیا ان مشرکین کو بھی ان کے فرمائشی معجزات دکھا دیئے جائیں تو وہ مان لیں گے؟ ہرگز نہیں مانیں گے۔ پس لامحالہ سنت الٰہی کے موافق تباہ کئے جائیں گے۔ جبکہ ان کی بالکلیہ تباہی مقدّر نہیں۔ حکمتِ الٰہی میں ان کا بقاء مقصود ہے۔ وہی آگے چل کر ایمان لانے والے ہیں۔ اور اس رسول کے دست و بازو بننے والے ہیں، اس لئے ان کے فرمائشی معجزات نہیں دکھائے جا رہے ــــــ ان کے فرمائشی معجزات کیا تھے؟ ان کا تذکرہ سورہ بنی اسرائیل آیات ۹۰ تا ۹۳ میں گذر چکا ہے۔ وہاں دیکھ لیا جائے۔

اب کفار کی پہلی بات کا جواب دیا جاتا ہے کہ وہ شخص بس تم ہی جیسا ایک انسان ہے باقی باتوں کا بودا پن ظاہر ہے اس لئے ان کا جواب نہیں دیا گیا۔ ارشاد ہے ــــــ اور ہم نے آپؐ سے پہلے مردوں ہی کو بھیجا ہے جن کی طرف ہم وحی کرتے ہیں ــــــ یعنی پہلے بھی جو رسول مبعوث کئے گئے وہ انسان ہی تھے، فرشتے اور دیوتا نہیں تھے۔ اور دوسرے انسانوں سے ان کا امتیاز یہ تھا کہ ان کے پاس وحی آتی تھی ــــــ پس آسمانی کتابیں رکھنے والوں سے پوچھ لو اگر تم نہ جانتے ہو ــــــ یعنی یہود و نصاریٰ تمہارے درمیان موجود ہیں۔ مکہ مکرمہ میں عیسائی تھے اور مدینہ میں یہودی۔ پس اگر تم اتنی موٹی بات بھی نہیں جانتے تو اُن سے پوچھ لو کہ پہلے زمانوں میں جو انبیاء تشریف لائے وہ

انسان تھے یا فرشتے؟ ـــــ اور ہم نے ان کے ایسے اجسام نہیں بنائے تھے کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ وہ ہمیشہ رہنے والے تھے ـــــ یعنی وہ فرشتے اور دیوتا نہیں تھے، نہ وہ عمر جاودانی لے کر آئے تھے۔ وہ سب انبیاء عام انسانوں کی طرح کھاتے پیتے اور اپنی جسمانی ضروریات رکھتے تھے۔ وہ خدا نہیں تھے کہ کبھی ان کو موت اور فنا نہ آئے، پھر تمہیں اس آخری رسول پر تعجب کیوں ہے؟ ـــــ پھر ہم نے ان سے کیا ہوا وعدہ سچا کر دکھایا، پس ہم نے ان کو اور جس کو چاہا نجات دی، اور حد سے نکلنے والوں کو ہلاک کیا ـــــ یعنی ان کا پہلا امتیاز تو وہ تھا جو ابھی گذرا کہ وہ اللہ کی طرف سے مخلوق کی اصلاح کے لئے مقرر کئے جاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ان کی طرف وحی بھیجتے ہیں۔ اور ان کا دوسرا امتیاز یہ ہے کہ مخالفین کے مقابلہ میں ان کی مدد کی جاتی ہے۔ ہمیشہ نبیوں سے کئے گئے وعدے اللہ نے سچے کر دکھائے ہیں۔ ان کو مؤمنین کے ساتھ محفوظ رکھا ہے۔ اور حد سے تجاوز کرنے والوں کو جو اُن سے ٹکرائے تباہ و برباد کیا ہے۔ پس کیا اس میں تمہارے لئے سبق نہیں؟! (جواب کا سلسلہ ابھی جاری ہے)

جو کفار رسول کا مرتبہ گھٹاتے ہیں، اور اس کو صرف اپنے جیسا انسان تصور کرتے ہیں، اور جو لوگ رسول کا مرتبہ بڑھاتے ہیں، اور اس کو اللہ کا بیٹا یا عالم الغیب مالک تصرف مانتے ہیں وہ سب غلط ہیں۔ صحیح عقیدہ وہ ہے جو کلمۂ شہادت میں ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰﴾ وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿۱۱﴾ فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ﴿۱۲﴾ لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْئَلُوْنَ ﴿۱۳﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴﴾ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ﴿۱۵﴾ ع۱

لَقَدْ	اور البتہ تحقیق	كِتٰبًا	ایک کتاب	اَفَلَا	کیا پس نہیں
اَنْزَلْنَا	اتاری ہم نے	فِيْهِ	جس میں	تَعْقِلُوْنَ	سمجھتے ہو تم؟
اِلَيْكُمْ	تمہاری طرف	ذِكْرُكُمْ	تمہاری نصیحت ہے	وَكَمْ	اور کتنی ہی

قَصَمْنَا (۱)	پیس ڈالی ہم نے	مِّنْهَا	ان بستیوں سے	يٰوَيْلَنَآ	ہائے کم بختی ہماری!
مِنْ قَرْيَةٍ	بستیاں	يَرْكُضُوْنَ (۲)	ایڑ کرنے لگے	اِنَّا	بیشک ہم
كَانَتْ	تھیں وہ	لَا تَرْكُضُوْا	ایڑ مت کرو	كُنَّا	تھے ہم
ظَالِمَةً	ظالم	وَارْجِعُوْٓا	اور لوٹ جاؤ	ظٰلِمِيْنَ	ظلم کرنے والے
وَّاَنْشَاْنَا	اور پیدا کی ہم نے	اِلٰى مَآ	اس چیز کی طرف	فَمَا زَالَتْ	پس برابر رہی
بَعْدَهَا	ان کے بعد	اُتْرِفْتُمْ (۳)	اِتراتے تھے تم	تِّلْكَ	وہ
قَوْمًا اٰخَرِيْنَ	دوسری قوم	فِيْهِ	اس میں	دَعْوٰىهُمْ	ان کی پکار
فَلَمَّآ	پس جب	وَمَسٰكِنِكُمْ (۴)	اور اپنے گھروں کی طرف	حَتّٰى	یہاں تک کہ
اَحَسُّوْا	آہٹ پائی انھوں نے	لَعَلَّكُمْ	شاید تم	جَعَلْنٰهُمْ	کر دیا ہم نے ان کو
بَاْسَنَآ	ہمارے عذاب کی	تُسْـَٔلُوْنَ	پوچھے جاؤ	حَصِيْدًا (۵)	کٹی ہوئی کھیتی
اِذَا هُمْ	(تو) اچانک وہ	قَالُوْا	کہا انھوں نے	خٰمِدِيْنَ (۶)	بجھی ہوئی آگ

کفار نے قرآنِ پاک کو جادو منتر بتایا تھا۔ اب اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ یہ جادو منتر نہیں ہے، بلکہ تمہارے لئے ''نصیحت نامہ'' ہے۔ اگر تم اس کی نصیحت پر کان نہیں دھروگے تو صفحۂ ہستی سے مٹا دیئے جاؤگے۔ ارشاد ہے:

—— اور البتہ واقعہ یہ ہے کہ ہم نے تمہاری طرف ایک ایسی کتاب اتاری ہے، جس میں تمہارے لئے نصیحت ہے، پس کیا تم سمجھتے نہیں ہو؟ —— یعنی قرآنِ پاک تمہاری خیر خواہی کے لئے اتارا گیا ہے، جس کو تم جادو منتر بتاتے ہو۔ کیا تمہاری عقل ماری گئی ہے! ایسی سراسر مفید کتاب کو اس طرح ٹھکراتے ہو؟ اگر تمہارا یہی وطیرہ رہا تو سنو

—— اور کتنی ہی بستیاں ہم نے پیس ڈالیں، جن کے باشندے ظالم تھے، اور ان کے بعد ہم نے دوسری قوم پیدا کردی —— یعنی ان اقوام کے نیست و نابود ہونے سے اللہ کی زمین اجڑ نہیں گئی، وہ گئے تو دوسرے ان کی جگہ

---

(۱) قَصَمَ (ن) قصماً الشیئَ: توڑنا، ہلاک کرنا۔ (۲) رَكَضَ (ن) رَكْضًا الدابةَ: دوڑانے کے لئے جانور کو ایڑ لگانا، پیر مار کر دوڑانا۔ (۳) أَتْرَفَ النعمةُ فلانا: آسودگی کا کسی کو مغرور بنا دینا۔ (۴) مساکنکم کا عطف ما پر ہے۔ (۵) حَصِيْدٌ بروزن فعیل بمعنی مفعول، صفت مشبہ ہے۔ از حَصَاد: کھیتی کاٹنا، جڑ سے اکھاڑنا ترکیب میں جعل کا مفعول ثانی ہے۔ (۶) خامدین: بجھنے والے اسم فاعل از خُمُوْدٌ: ترکیب میں حصیداً کے ساتھ مل کر جعل کا مفعول ثانی ہے۔ مفعول ثانی میں دو تشبیہیں مجتمع ہیں۔

بسا دیئے گئے ـــــــ پس جب ان کو ہمارے عذاب کی بھنک پڑی تو وہ اچانک ان بستیوں سے سرپٹ بھاگنے لگے ـــــــ تاکہ کسی طرح عذاب سے بچ جائیں۔مگر ندائے غیبی آئی کہ ـــــــ سرپٹ مت بھاگو،اور اس سامانِ عیش کی طرف پلٹو،جن پر تم اِتراتے تھے،اور اپنے گھروں کی طرف،شاید تم پوچھے جاؤ ـــــــ یعنی کوئی حال دریافت کرے،ہمدردی کا اظہار کرے،اور خیر خبر پوچھے ـــــــ مگر وہاں تو ہو کا عالم تھا،نہ وہ سامان رہا تھا نہ مکان،نہ کسی ہمدرد کا نام ونشان! ـــــــ انھوں نے کہا:''ہائے ہماری شامت!بیشک ہم ظلم کرنے والے تھے ـــــــ یعنی جب عذاب آنکھوں سے دیکھ لیا تب اپنے جرموں کا اعتراف کیا ـــــــ پس برابر ان کی یہی پکار رہی یہاں تک کہ ہم نے ان کو کٹی ہوئی کھیتی بجھی ہوئی آگ بنادیا ـــــــ بدکار قومیں اسی طرح نزولِ عذاب کے وقت پچھتاتی ہیں۔اپنے جرم کا اعتراف کرتی ہیں۔اور واویلا مچاتی ہیں۔مگر آخر وقت کی آہ وبُکاء کچھ کام نہیں آتی۔سب فنا کی گھاٹ اتار دی جاتی ہیں۔اور ان کا انجام اس کھیتی جیسا ہو کر رہ جاتا ہے جس کو کاٹ کر ڈھیر کر دیا گیا ہو،یا اس آگ جیسا ہو جاتا ہے جو بجھ کر راکھ ہوگئی ہو۔اب نہ خود ہیں نہ ہے مکان باقی،نام کو بھی نہیں نشان باقی!

فائدہ: فيه ذكركم کی تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ مروی ہے کہ ذکر بمعنی تذکرہ ہے۔یعنی قرآن عربوں کے مجد وشرف کی بڑی دستاویز ہے۔چونکہ یہ کتاب ان کی زبان میں ان کے ایک فرد پر نازل ہوئی ہے،اس لئے ان کو اس کتاب کے ذریعہ دائمی شہرت حاصل ہوگئی ہے۔اس تفسیر کے سلسلہ میں روح المعانی میں صراحت ہے کہ یہ لفظ ذکر کے مجازی معنی ہیں۔

مال ودولت اور زور وقوت کا نشہ اس وقت ہرن ہو جاتا ہے،جب عذاب کا کوڑا برسنا شروع ہوتا ہے

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿۱۶﴾ لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۷﴾ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۚ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾

وَمَا	اور نہیں	وَالْاَرْضَ	اور زمین کو	لٰعِبِيْنَ	کھیلتے ہوئے
خَلَقْنَا	پیدا کیا ہم نے	وَمَا	اور اس کو جو	لَوْ	اگر
السَّمَآءَ	آسمان	بَيْنَهُمَا	دونوں کے درمیان ہے	اَرَدْنَآ	چاہتے ہم

اَنْ	کہ	فٰعِلِيْنَ	کرنے والے	فَاِذَا	پس اچانک
نَّتَّخِذَ	بنائیں ہم	بَلْ	بلکہ	هُوَ	وہ
لَهْوًا[1]	کوئی تفریحی مشغلہ	نَقْذِفُ[2]	پھینک مارتے ہیں ہم	زَاهِقٌ[4]	ناپید ہوجاتا ہے
لَّاتَّخَذْنٰهُ	(تو) البتہ بناتے ہم	بِالْحَقِّ	حق کو	وَلَكُمُ	اور تمہارے لئے
	اس کو	عَلَى الْبَاطِلِ	باطل پر	الْوَيْلُ	بڑی خرابی ہے
مِنْ لَّدُنَّآ	خاص اپنے پاس سے	فَيَدْمَغُهٗ[3]	پس بھیجا نکال دیتا ہے	مِمَّا	ان باتوں سے جو
اِنْ كُنَّا	اگر ہوتے ہم		وہ اس کا	تَصِفُوْنَ[5]	تم بیان کرتے ہو

گذشتہ آیات میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ جو قومیں نبیوں سے برسرِ پیکار ہوتی ہیں، حق تعالیٰ کا انکار کرتی ہیں اور حد سے تجاوز کر جاتی ہیں، ان کو صفحۂ ہستی سے مٹادیا جاتا ہے۔ اب اس کی وجہ بیان کی جاتی ہے کہ ایسا کیوں کیا جاتا ہے؟ اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ یہ کارخانۂ ہستی کوئی کھیل تماشا نہیں ۔ بلکہ ایک بامقصد زندگی ہے۔ پس جو لوگ مقصدِ حیات کو پورا نہیں کرتے اور حق سے ٹکراتے ہیں، ان کو زندگی کے اسٹیج سے ہٹادیا جاتا ہے۔ ارشاد ہے: ـــــــ اور ہم نے آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو کھیلتے ہوئے پیدا نہیں کیا ـــــــ یعنی یہ کائنات کچھ بچوں کا کھیل نہیں ہے جس کا مقصد تفریح کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کی تخلیق سے بے شمار حکمتیں اور مخلوق کی بے حساب مصلحتیں وابستہ ہیں ـــــــ اگر ہم کوئی تفریحی مشغلہ بنانا چاہتے تو یقیناً ہم خاص اپنے پاس سے اس کو بناتے، اگر ہمیں ایسا کرنا ہوتا ـــــــ یعنی اگر ایسے لہو ولعب کے کام بالفرض ہماری شان کے لائق ہوتے، اور ہم ایسا کرنا بھی چاہتے تو ہم اپنی صفاتِ کمالیہ کے مشاہدہ کو اس کا ذریعہ بناتے۔ جو لوگ باکمال ہوتے ہیں، مثلاً بہت بڑے شاعر ہوتے ہیں۔ بہت بڑے سیاست کار ہوتے ہیں، مضمون نگار ہوتے ہیں، حساب دان ہوتے ہیں، سائنس دان ہوتے ہیں، یا کوئی اور کمال رکھتے ہیں، جب وہ دل بہلانا چاہتے ہیں، تو اپنے ہی کمالات میں کھوجاتے ہیں، اور ان میں مگن رہتے ہیں۔ خارجی مشغلہ اختیار نہیں کرتے۔ پس اللہ تعالیٰ کو بھی کوئی تفریحی مشغلہ بنانا ہوتا تو ان کی صفاتِ کمالیہ کافی

(۱) لہو: وہ کام ہے جس کا کوئی مقصد نہ ہو، وقت گذاری کا مشغلہ، بہلاوا، سامانِ تفریح۔ اور لعب: وہ کام ہے جس کا کوئی صحیح مقصد نہ ہو، کھیل تماشا۔ (۲) قَذَفَ (ض) بالشيئ قَذْفًا: کوئی چیز زور سے پھینکنا۔ (۳) دَمَغَ (ف) فلانا دَمْغًا: ایسی چوٹ لگانا جس کا زخم دماغ تک پہنچ جائے، بھیجا نکال دینا۔ (۴) زَهَقَ (ف) الباطلُ زَهْقًا: ناپید وفنا ہونا۔ (۵) وَصَفَ (ض) الشيئ وَصْفًا: کسی چیز کی اچھی یا بری حالت بیان کرنا۔

تھیں، وہ کائنات کو اس کا ذریعہ نہ بناتے —— بلکہ ہم حق کو باطل پر دے مارتے ہیں، پس وہ اس کا بھیجا نکال دیتا ہے۔ پس اچانک وہ ناپید ہو جاتا ہے —— یعنی یہ کائنات حق وباطل کی رزم گاہ ہے۔ یہاں جب باطل سر ابھارتا ہے تو اللہ تعالیٰ نبیوں اور کتابوں کے ذریعہ حق نازل فرماتے ہیں۔ اور اس کو باطل سے ٹکراتے ہیں، وہ باطل کا سر کچل دیتا ہے۔ پس وہ یکدم نابود ہو جاتا ہے، اور حق کا بول بالا ہو جاتا ہے —— اور تمہارے لئے بڑی خرابی ہے ان باتوں کی وجہ سے جو تم بیان کرتے ہو —— کوئی کہتا ہے: یہ کائنات محض تماشا گاہ اور ایشور کی لیلا (عیش ونشاط کی محفل اور کھیل تماشا) ہے۔ حق تعالیٰ کا مقصود اس سے بجز تماشا دیکھنے اور دکھانے کے کچھ نہیں۔ کوئی سرے سے اس کا منکر ہے کہ اس کائنات کے پیچھے کوئی طاقت کارفرما ہے۔ وہ کائنات کو خود کار کارخانہ قرار دیتا ہے۔ اور کوئی عاجز خدا مانتا ہے، اور اس کے لئے مددگار تجویز کرتا ہے اور ان کی پوجا کرتا ہے۔ یہ سب مہمل باتیں رنگ لانے والی ہیں، حق وباطل کی معرکہ آرائی شروع ہو چکی ہے۔ اب باطل کے پاؤں زیادہ دیر تک جمنے نہیں پائیں گے۔ وہ جلد رفو چکر ہوگا۔ ماضی میں بھی جب ایسی صورت پیدا آئی ہے تو اللہ تعالیٰ نے باطل کے سرغنوں کو نابود اور ان کی بستیوں کو برباد کیا ہے۔ سوائے دانش والو! عبرت حاصل کرو!۔

محفلِ کائنات میں باطل اچھل کود مچاتا رہتا ہے، مگر جب حق اس سے برسرِ پیکار ہوتا ہے تو وہ باطل کا سر کچل دیتا ہے۔

وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ﴿۲۱﴾ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۲۲﴾ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ ﴿۲۳﴾

وَلَهٗ	اور اس کے لئے ہے	فِي السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں	وَمَنْ	اور جو (فرشتے)
مَنْ	جو کوئی	وَالْاَرْضِ	اور زمین (میں ہے)	عِنْدَهٗ	اس کے پاس ہیں

لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ	وہ عار نہیں کرتے	مِّنَ الْاَرْضِ	زمین سے	اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ
عَنْ عِبَادَتِهٖ	اس کی عبادت سے	هُمْ	وہ	رَبِّ	پروردگار
وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ(۱)	اور نہ وہ تھکتے ہیں	يُنْشِرُوْنَ(۳)	زندہ کرتے ہیں	الْعَرْشِ	تختِ شاہی کا
يُسَبِّحُوْنَ	پاکی بیان کرتے ہیں وہ	لَوْ كَانَ	اگر ہوتے	عَمَّا	ان باتوں سے جو
الَّيْلَ	رات	فِيْهِمَآ	دونوں میں	يَصِفُوْنَ	بیان کرتے ہیں وہ
وَ النَّهَارَ	اور دن	اٰلِهَةٌ	معبود	لَا يُسْئَلُ	نہیں پوچھا جاتا وہ
لَا يَفْتُرُوْنَ(۲)	سست نہیں پڑتے وہ	اِلَّا(۴)	سوائے	عَمَّا	ان کاموں سے جو
اَمِ	کیا	اللّٰهُ	اللہ کے	يَفْعَلُ	کرتا ہے وہ
اتَّخَذُوْٓا	بنائے انھوں نے	لَفَسَدَتَا	تو درہم برہم ہوجاتے دونوں	وَهُمْ	اور وہ
اٰلِهَةً	معبود	فَسُبْحٰنَ	پس پاک ہے	يُسْئَلُوْنَ	پوچھے جاتے ہیں

گذشتہ آیت میں ارشاد فرمایا ہے کہ مشرکین کے لئے ان باتوں کی وجہ سے جو وہ بیان کرتے ہیں بڑی خرابی اور کم بختی ہے۔یعنی وہ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں: وہ ان کی تباہی کا پیش خیمہ ہے۔اب ان آیات میں ان کے اِشراک کا ابطال ہے ـــــــ مشرکین اللہ کے ساتھ دو طرح کے شریک ٹھہراتے ہیں: آسمانی اور زمینی۔ان کے آسمانی معبود فرشتے ہیں، جن کو وہ دیوی دیوتا کہتے ہیں۔ان کے بارے میں مشرکین کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ اللہ کے بیٹے بیٹیاں اور مقرب ہیں، ان کی سفارش ضرور قبول ہوگی، اس لئے اگر بندگی کرکے ان کو خوش کرلیا جائے تو بیڑا پار ہوجائے گا۔دوسرے زمینی خدا جن میں سے بعض کے بارے میں ان کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ اوتار ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ بذاتِ خود روپ دَھار کر ان کی شکل میں دنیا میں آئے ہیں۔یا وہ اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے (انبیاء واولیاء) ہیں، جن کی بندگی اللہ کی نزدیکی کا ذریعہ ہے، یا وہ نفع وضرر کے مالک ہیں جیسے گائے اور گنگا، اور سانپ اور شیر، اس لئے جلبِ منفعت اور دفع مضرت کے لئے ان کی پوجا ضروری ہے ـــــــ ان آیات میں پوری قوت کے ساتھ ہر قسم کے شرک کی تردید کی گئی ہے۔ارشاد ہے: ـــــــ اور اللہ کے لئے ہے جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہے ـــــــ یعنی آسمانوں کے بندے ہوں یا زمین کے: سب اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں۔سب کے مالک بلاشرکت اللہ تعالیٰ ہیں۔اور

(۱) اسْتَحْسَرَ: تھکنا اور اکتا جانا۔(۲) فَتَرَ(ن) فُتُوْرًا: سست پڑجانا۔(۳) أَنْشَرَ اللّٰهُ الموتی: اللہ کا مُردوں کو زندہ کرکے اٹھانا۔(۴) إلا بمعنی غیر ہے۔

مملوک کہیں مالک کے ساجھے دار ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں ——— اور جو (فرشتے) اس کے پاس ہیں، وہ نہ اس کی عبادت سے عار کرتے ہیں، اور نہ وہ تھکتے ہیں، وہ رات دن پاکی بیان کرتے ہیں، سست نہیں پڑتے ——— یہ مشرکین کے آسمانی معبودوں کا حال ہے۔ فرشتے باوجود مقربِ بارگاہ ہونے کے اللہ کی عبادت میں عار محسوس نہیں کرتے، بلکہ اپنے پروردگار کی بندگی کو فخر سمجھتے ہیں۔ وظائفِ عبودیت کے ادا کرنے میں کبھی سستی یا کاہلی کو راہ نہیں دیتے۔ شب وروز اس کی تسبیح اور یاد میں لگے رہتے ہیں نہ تھکتے ہیں نہ اکتاتے ہیں۔ بلکہ تسبیح وذکر ہی ان کی غذا ہے۔ جس طرح ہم ہر وقت سانس لیتے ہیں اور پلکیں جھپکاتے ہیں، اور دوسرے کام بھی کرتے رہتے ہیں، یہی حال فرشتوں کا بھی سمجھو، وہ ہر حال میں تسبیح وذکر میں مشغول رہتے ہیں، خواہ وہ کسی کام پر مامور ہوں، کسی خدمت کو بجالا رہے ہوں، لمحہ کے لئے بھی اللہ کی یاد سے غافل نہیں ہوتے، ایسے بندے بھلا معبود کیسے ہو سکتے ہیں، عابد ومعبود میں منافات ہے، ایک ذات میں دونوں باتیں جمع نہیں ہوسکتیں ——— کیا انھوں نے زمین سے معبود بنائے ہیں جو زندہ کرتے ہیں؟! ——— یہ مشرکین کے زمینی معبودوں کا ذکر ہے۔ یعنی کیا زمین میں کچھ ایسی ہستیاں ہیں جن کو معبود ٹھہرایا جاسکتا ہے؟ معبود ہونے کے لئے مارنے جلانے پر قدرت ضروری ہے، پس کیا ان میں جلانے کی قدرت ہے؟ جب اللہ تعالیٰ ان کے پجاریوں کو عذاب سے ہلاک کردیں گے: تو کیا وہ ان کو پھر زندہ کرسکتے ہیں؟ ہرگز نہیں! وہ اس کا اختیار نہیں رکھتے۔ اور ان کے پجاری بھی ان کے بارے میں یہ عقیدہ نہیں رکھتے، پھر وہ خدائی میں ساجھی کیسے ہوگئے؟ ——— اور سنو! جس طرح وہ دوبارہ زندہ کرنے پر قدرت نہیں رکھتے، پہلی مرتبہ پیدا کرنے پر بھی قادر نہیں ہیں۔ کیونکہ ——— اگر آسمان وزمین میں اللہ کے سوا معبود ہوتے تو دونوں درہم برہم ہوجاتے ——— یعنی دونوں سرے سے موجود ہی نہ ہوتے۔ کیونکہ خدا وہ ہوتا ہے جس میں کسی طرح کی کمی نہ ہو۔ پس جب آسمان وزمین کی تخلیق کی نوبت آئے گی تو ہر خدا کی تاثیر ان پر کامل پڑے گی۔ اور خدا کی تاثیر وجود کا فیضان ہے۔ اور ہر مخلوق اپنی استعداد کے مطابق کامل تاثیر قبول کرے گی۔ پس جو جو وجود آسمان وزمین میں سرایت کریں گے وہ سب کامل ہونگے، ان میں سے کوئی ناقص نہ ہوگا۔ اور ہر مخلوق اپنی استعداد کے موافق پورا پورا اثر قبول کرے گی۔ یعنی گز بھر میں گز بھر، اور بالشت بھر میں بالشت بھر وجود داخل ہوگا۔ اور سب جانتے ہیں کہ ایک سیر کے برتن میں ایک سیر ہی اناج وغیرہ سما سکتا ہے، دو سیر یا کئی سیر ہرگز نہیں سما سکتے۔ اور ایک جوتی میں اس کے بقدر ایک ہی پیر سما سکتا ہے، اور ایک شروانی میں ایک ہی بدن اور ایک نیام میں ایک ہی تلوار داخل ہوسکتی ہے۔ دو یا چند کی گنجائش ہرگز نہیں ہوتی۔ اور اگر زبردستی ان میں دو یا چند کو ٹھونسنے لگیں تو برتن وغیرہ ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہوجائیں گے۔ اسی طرح اگر دو یا چند خدا ہوتے تو نہ آسمان وزمین وجود پذیر ہوتے، نہ

دوسری مخلوقات۔ سب پہلے ہی مرحلہ میں درہم برہم ہوجاتے۔ حالانکہ آسمان وزمین اور ساری کائنات جلوہ نما ہے۔ اور سب کی آنکھوں کے سامنے موجود ہے۔ پس معلوم ہوا کہ مشرکین کے خودساختہ زمینی خداؤں کا پہلی بار پیدا کرنے میں بھی کوئی دخل نہیں۔ اور جو نہ پہلی بار پیدا کرنے والا ہو نہ دوسری بار پیدا کرسکے وہ خدا کیسے ہوسکتا ہے؟[1]

——— پس پاک ہیں عرش کے پروردگار اللہ تعالیٰ ان باتوں سے جو وہ لوگ بیان کرتے ہیں، ان سے نہیں پوچھا جاتا اُن کاموں کے بارے میں جو وہ کرتے ہیں، اور وہ پوچھے جاتے ہیں! ——— عرش مخلوقات میں سب سے اعظم واشرف ہے۔ پس جو اس کا بھی مالک اور پروردگار ہے اس کی عظمت کا کیا ٹھکانا؟ اور رب العرش میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ پوری کائنات کا کنٹرول ان کے ہاتھ میں ہے۔ اس میں کسی کی حصہ داری نہیں۔ تخت کا مالک ہونا کنایہ ہے نظام کے مالک ہونے سے۔

غرض اللہ تعالیٰ مشرکین کے ہر طرح کے شرک سے پاک ہیں۔ اور عرش کا مالک قادر مطلق اور مختار کل بھی ہے۔ اس کی قدرت ومشیت کو روکنا تو کجا، کوئی اس سے پوچھ بھی نہیں سکتا کہ آپ نے فلاں کام کیوں کیا، یا اس طرح کیوں کیا؟ ہاں اس کو پوری طرح حق ہے کہ اپنی ہر مخلوق سے مؤاخذہ کرے اور بازپرس کرے۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ وہ مخلوقات خدا نہیں، ورنہ ان سے بازپرس کیسے ممکن ہوتی؟!

اللہ تعالیٰ ہی خالقِ کون ومکاں ہیں، وہی کائنات کے پروردگار، منتظم اور حاکم ہیں۔ اور وہی عرش (تختِ حکومت) کے مالک ہیں۔ نہ آسمانوں میں ان کی برابر کا کوئی ہے نہ زمین میں!

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝۲۴ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ۝۲۵ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۝۲۶ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ

(۱) آیت کا یہ مطلب حضرت اقدس مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ نے تقریر دل پذیر (صفحہ ۱۶) میں لکھا ہے۔ اور فیھما اس کا قرینہ ہے کیونکہ فیھما ظرفیت کے لئے تو ہو نہیں سکتا۔ لامحالہ تاثیر کے لئے ماننا ہوگا۔ اور برہانِ تمانع کی صورت میں علیھما یا لھما ہونا چاہئے۔ جو استعلاء اور تملیک پر دلالت کرے۔ برہان تمانع کا ذکر سورۃ بنی اسرائیل (آیت ۴۲) اور سورۃ المؤمنون (آیت ۹۱) میں ہے ۱۲

يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٧﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ
ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ﴿٢٨﴾ وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ
دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿٢٩﴾ ع

اَمِ	یا	وَمَآ	اور نہیں	عِبَادٌ	بندے ہیں
اتَّخَذُوْا	بنائے انھوں نے	اَرْسَلْنَا	بھیجا ہم نے	مُّكْرَمُوْنَ	معزز
مِنْ دُوْنِهٖٓ	ان سے ورے	مِنْ قَبْلِكَ	آپؐ سے پہلے	لَا يَسْبِقُوْنَهٗ	نہیں آگے بڑھتے وہ
اٰلِهَةً	معبود	مِنْ رَّسُوْلٍ	کوئی رسول		اس سے
قُلْ	کہیں	اِلَّا	مگر	بِالْقَوْلِ	بات میں
هَاتُوْا	لاؤ تم	نُوْحِيْٓ	وحی کرتے ہیں ہم	وَهُمْ	اور وہ
بُرْهَانَكُمْ	اپنی دلیل	اِلَيْهِ	اس کی طرف	بِاَمْرِهٖ	اس کے حکم کے موافق
هٰذَا	یہ	اَنَّهٗ	کہ شان یہ ہے:	يَعْمَلُوْنَ	کام کرتے ہیں
ذِكْرُ	آسمانی کتاب ہے	لَآ	نہیں	يَعْلَمُ	جانتے ہیں وہ
مَنْ	ان کی جو	اِلٰهَ	کوئی معبود	مَا	جو کچھ
مَّعِيَ	میرے ساتھ ہیں	اِلَّآ	مگر	بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ	ان کے سامنے ہے
وَذِكْرُ	اور آسمانی کتاب ہے	اَنَا	میں	وَمَا	اور جو کچھ
مَنْ قَبْلِيْ	انکی جو مجھ سے پہلے ہیں	فَاعْبُدُوْنِ	پس میری عبادت کرو	خَلْفَهُمْ	ان کے پیچھے ہے
بَلْ	بلکہ	وَقَالُوا	اور کہا انھوں نے	وَلَا	اور نہیں
اَكْثَرُهُمْ	ان کے بیشتر	اتَّخَذَ	اختیار کی	يَشْفَعُوْنَ	سفارش کرتے وہ
لَا يَعْلَمُوْنَ	نہیں جانتے	الرَّحْمٰنُ	نہایت مہربان نے	اِلَّا	مگر
الْحَقَّ	حق بات کو	وَلَدًا	اولاد	لِمَنِ	اس کے لئے جس سے
فَهُمْ	پس وہ	سُبْحٰنَهٗ	اس کی ذات پاک ہے	ارْتَضٰى	خوش ہوں وہ
مُّعْرِضُوْنَ	منہ موڑنے والے ہیں	بَلْ	بلکہ	وَهُمْ	اور وہ

مِّنۡ خَشۡیَتِہٖ	ان کے ڈر سے	اِنِّیۡۤ	بیشک میں	جَھَنَّمَ	جہنم کی
مُشۡفِقُوۡنَ	سہمے ہوئے ہیں	اِلٰہٌ	معبود ہوں	کَذٰلِکَ	اسی طرح
وَ مَنۡ	اور جو	مِّنۡ دُوۡنِہٖ	اس سے وَرے	نَجۡزِی	سزا دیتے ہیں ہم
یَّقُلۡ	کہے	فَذٰلِکَ	پس وہ شخص	الظّٰلِمِیۡنَ	ظالموں کو
مِنۡھُمۡ	ان میں سے	نَجۡزِیۡہِ	سزا دیں گے ہم اس کو	۞	۞

گذشتہ آیات میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ نہ آسمانوں میں اللہ کی برابر کا کوئی ہے نہ زمین میں۔ اللہ تعالیٰ ہی خالقِ کون ومکان اور مالکِ کل ہیں۔ یہاں اگر مشرکین کہیں کہ ہمارے معبود اللہ کے برابر کے خدا نہیں ہیں، ان سے کم تر ہیں، مگر وہ مقرب بارگاہ ہیں، اس لئے وہ اپنے عابدوں کی سفارش کریں گے۔ اِن آیات میں ان کے اس زعم کا ابطال ہے۔ ارشاد ہے ـــــ یا انہوں نے اللہ سے کم درجے میں معبود بنائے ہیں؟ کہیں: ''اپنی دلیل لاؤ، یہ اُن لوگوں کی آسمانی کتاب ہے جو میرے ساتھ ہیں، اور ان لوگوں کی آسمانی کتابیں ہیں جو مجھ سے پہلے گذرے'' ـــــ یعنی تمہاری یہ بات دلیلِ نقلی کی محتاج ہے۔ عقل کے ڈھکوسلے یہاں کام نہیں دیں گے۔ پس تم جو خدا کے نیچے چھوٹے چھوٹے خدا بطور نائبین اور ماتحت حکام کے ٹھہراتے ہو اس کی سند چاہئے۔ بے سند بات کیسے مانی جاسکتی ہے؟! اگر سند ہو تو پیش کرو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآنِ کریم موجود ہے، اس میں سے کوئی دلیل پیش کرو، اور یہ گذشتہ انبیاء کی کتابیں تورات وانجیل وغیرہ موجود ہیں، ان میں سے کوئی سند لاؤ۔ اُن کتابوں میں اگرچہ بے شمار تحریفات ہوگئی ہیں، مگر توحید کا اعلان اور شرک کا ردصاف موجود ہے ـــــ بلکہ ان میں سے بیشتر حق بات کو نہیں جانتے، اس لئے وہ منہ موڑے ہوئے ہیں ـــــ یعنی یہ جاہل سند کیا پیش کریں گے، ان کا عقیدہ محض بے دلیل ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ یہ حق بات کو جانتے ہی نہیں، بس اپنی عقلِ نارسا کے پیچھے اندھے بنے ہوئے ہیں۔ اس لئے قرآن کریم اور کتبِ سماویہ کی دعوت سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔

خیر! تمہارے پاس تو کوئی دلیلِ نقلی نہیں۔ اب اللہ پاک کی دلیلِ نقلی سنو ـــــ اور ہم نے آپؐ سے پہلے جو بھی رسول بھیجا ہے، اس کی طرف ہم نے یہ وحی کی ہے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، پس میری عبادت کرو ـــــ اور اس میں کسی کو شریک نہ کرو۔ یہی تمام انبیاء ورسل کا اجماعی عقیدہ ہے۔ سب کی طرف اللہ تعالیٰ نے یہی وحی بھیجی ہے۔ کسی پیغمبر نے کبھی ایک حرف اس کے خلاف نہیں کہا۔ سب ہمیشہ یہی تلقین کرتے آئے ہیں کہ معبود صرف اللہ تعالیٰ ہیں، ان کے سوا کسی کی بندگی نہیں!

رہی مشرکین کی یہ بات کہ ہمارے معبود (فرشتے) اللہ کی اولاد ہیں، اس لئے مقرب بارگاہ ہیں، اور ہماری سفارش کریں گے، تو ان کی یہ بات بھی سراسر خلافِ واقعہ ہے۔ ارشاد ہے ـــــ اور انہوں نے کہا کہ نہایت مہربان اللہ نے اولاد اختیار کی ہے ـــــ یعنی فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے اولاد بنایا ہے، اور اختیارات سونپے ہیں ـــــ اس کی ذات (اولاد وغیرہ عیوب سے) پاک ہے! بلکہ وہ معزز بندے ہیں۔ بات میں وہ اس سے پیش قدمی نہیں کرتے، اور وہ اس کے حکم کے موافق عمل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں جو کچھ ان کے سامنے ہے، اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے، اور وہ سفارش نہیں کرتے مگر اس کے لئے جس کے لئے اللہ تعالیٰ کی مرضی ہو، اور وہ اللہ کے ڈر سے سہمے رہتے ہیں ـــــ یعنی توبہ توبہ! خدائے برتر وقدوس کو اولاد سے کیا واسطہ! جن ہستیوں کو تم اس کی اولاد قرار دے رہے ہو، وہ سب اس کے بندے ہیں، البتہ معزز اور ذی رتبہ ہیں۔ اور باوجود انتہائی معزز ومقرب ہونے کے ان کے ادب وطاعت کا یہ حال ہے کہ جب تک اللہ کی مرضی اور اجازت نہ پائیں، ان کے سامنے لب کشائی نہیں کرتے۔ اور جو کام ان کے سپرد کیا جاتا ہے چوں وچرا کئے بغیر اس کی تعمیل کرتے ہیں۔ حق تعالیٰ کو ان کے تمام ظاہری اور باطنی احوال کا علم ہے۔ ان کی کوئی حرکت اور ان کا کوئی قول وفعل اس سے پوشیدہ نہیں۔ اور اس کی مرضی جانے بغیر کسی کے لئے سفارش بھی نہیں کر سکتے۔ وہ ہر وقت اللہ کے ڈر سے سہمے رہتے ہیں۔ پھر ان کو خدا کیسے کہا جا سکتا ہے؟ اور ان کی عبادت سے کیا فائدہ؟! ـــــ اور جو ان میں سے کہے: ”بیشک میں اللہ سے کم درجہ کا معبود ہوں!“ تو ہم اس کو جہنم کی سزا دیں گے، ہم اسی طرح ظالموں کو سزا دیتے ہیں! ـــــ یعنی ملائکہ سے معصیت کا صدور ناممکن ہے، مگر بفرضِ محال اگر ان میں سے کوئی اپنی نسبت ایسی بیہودہ بات کہہ گذرے تو وہ دوزخ کی سزا پائے گا۔ حد سے گذرنے والے ظالموں کی یہی سزا ہے۔ غرض فرشتے بھی باوجود اپنے قُربِ خاص کے اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے باہر نہیں ہیں۔ ایسے عاجز بندے خدا کیسے ہو سکتے ہیں؟ اور وہ خدا کی مرضی کے بغیر کسی کے لئے سفارش کیسے کر سکتے ہیں؟!

لوگوں میں دیوتا پرستی کے نام سے جو شرک چلا ہوا ہے، وہ حقیقت میں ملائکہ پرستی ہے!

أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا ۖ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۖ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ﴿٣٠﴾ وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِهِمْ وَجَعَلْنَا فِيهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ﴿٣١﴾ وَجَعَلْنَا

السَّمَآءَ سَقۡفًا مَّحۡفُوۡظًا ۚۖ وَّهُمۡ عَنۡ اٰيٰتِهَا مُعۡرِضُوۡنَ ﴿۳۲﴾ وَهُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ الَّيۡلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ ؕ كُلٌّ فِیۡ فَلَكٍ يَّسۡبَحُوۡنَ ﴿۳۳﴾

اَوَلَمۡ یَرَ	اور کیا نہیں دیکھا	یُؤۡمِنُوۡنَ	ایمان لاتے وہ	سَقۡفًا	چھت
الَّذِیۡنَ	جنھوں نے	وَجَعَلۡنَا	اور بنائے ہم نے	مَّحۡفُوۡظًا	محفوظ
كَفَرُوۡۤا	انکار کیا	فِی الۡاَرۡضِ	زمین میں	وَّهُمۡ	اور وہ
اَنَّ	کہ	رَوَاسِیَ (۳)	بھاری بوجھ	عَنۡ اٰيٰتِهَا (۷)	اس کی نشانیوں سے
السَّمٰوٰتِ	آسمان	اَنۡ (۴)	کہیں ایسا نہ ہو کہ	مُعۡرِضُوۡنَ	منہ موڑنے والے ہیں
وَالۡاَرۡضَ	اور زمین	تَمِيۡدَ (۵)	جھک جائے وہ	وَهُوَ	اور وہ
كَانَتَا	تھے دونوں	بِهِمۡ	ان کے ساتھ	الَّذِیۡ	جس نے
رَتۡقًا (۱)	منہ بند	وَجَعَلۡنَا	اور بنائے ہم نے	خَلَقَ	پیدا کیا
فَفَتَقۡنٰهُمَا (۲)	پس کھول دیا ہم نے	فِيۡهَا	اس میں	الَّيۡلَ	رات
	دونوں کو	فِجَاجًا (۶)	کشادہ	وَالنَّهَارَ	اور دن
وَجَعَلۡنَا	اور بنائی ہم نے	سُبُلًا	راستے	وَالشَّمۡسَ	اور سورج
مِنَ الۡمَآءِ	پانی سے	لَعَلَّهُمۡ	تاکہ وہ	وَالۡقَمَرَ	اور چاند کو
كُلَّ شَیۡءٍ	ہر چیز	يَهۡتَدُوۡنَ	راہ پائیں	كُلٌّ	سب
حَیٍّ	جاندار	وَجَعَلۡنَا	اور بنایا ہم نے	فِیۡ فَلَكٍ (۸)	ایک دائرے میں
اَفَلَا	کیا پس نہیں	السَّمَآءَ	آسمان کو	يَّسۡبَحُوۡنَ	تیر رہے ہیں

گذشتہ آیات میں آپ نے ہر طرح کے شرک کا ابطال پڑھ لیا۔ اب اس کے مقابل توحید اور قدرت کی نشانیوں

(۱) رَتۡقًا: مصدر باب نصر، مبالغۃً حمل کیا گیا ہے اس لئے تثنیہ نہیں لایا گیا۔ (۲) فَتَقَ (ن) الشيئَ فَتْقًا: پھاڑنا۔ (۳) رَوَاسِي: رَاسِيَةٌ کی جمع: بھاری بوجھ یعنی پہاڑ اور ٹیلے۔ (۴) أَنْ: أی كراهة أن تتحرك وتضطرب بهم (روح) (۵) مَادَ (ض) مَيْدًا: کسی بڑی چیز کا ہلنا، حرکت کرنا، جھکنا۔ (۶) اَلْفِجَاج: الفَجُّ کی جمع: طویل کشادہ راستہ۔ (۷) ضمیر ها: السماء کی طرف راجع ہے۔ کیونکہ وہ بمعنی السماوات ہے۔ (۸) الفلك: اجرام سماوی کے گھومنے کی مدار، دائرہ۔

کا تذکرہ پڑھیں، اور دیکھیں کتابِ کائنات میں کتنی عظیم الشان نشانیاں موجود ہیں جو خدا کے وجود اور اس کے وحدہ لاشریک لہ ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ ارشاد ہے: ـــــ اور کیا ان لوگوں نے جنھوں نے انکار کیا نہیں دیکھا کہ زمین وآسمان دونوں منہ بند تھے، پھر ہم نے دونوں کو کھول دیا؟ ـــــ آسمان وزمین پہلے باہم جڑے ہوئے تھے۔ دونوں کا مادّہ باہم پیوستہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے جب دونوں کو جدا کیا: اس وقت دونوں کا منہ بند تھا، آسمان پانی نہیں برساتا تھا اور زمین سے گھاس نہیں اگتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے دونوں کے منہ کھول دیئے۔ چنانچہ آسمان سے پانی برسنے لگا، اور زمین سے روئیدگی شروع ہوئی۔ اگر آسمان وزمین پہلی ہی حالت پر ہوتے تو اس اجڑی زمین پر کون بستا؟ اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا اور اپنی قدرتِ کاملہ سے دونوں میں قابلیت پیدا کی، آسمان ہُون برسانے لگا، زمین سبزہ اگانے لگی، اس طرح زمین قابل رہائش بن گئی ـــــ اور ہم نے پانی سے ہر جاندار مخلوق بنائی ـــــ جان: صرف جانوروں ہی میں نہیں ہوتی، پودے بھی کسی درجہ میں جاندار ہیں۔ جونہی آسمان سے پانی برسنے لگا زمین میں جان پڑ گئی۔ نباتات کی روئیدگی شروع ہوگئی، اور حیوانات پانی سے پیدا ہونے لگے۔ ہر جاندار کی تخلیق بلاواسطہ یا بالواسطہ پانی سے ہوئی ہے۔ سب کو اللہ تعالیٰ نے عناصر اربعہ سے پیدا کیا ہے، جن میں پانی کا عنصر شامل ہے۔ اسی کی برکت سے یہ جہانِ رنگ وبو آباد ہوا، اور ہر طرف زندگی کی چہل پہل نظر آنے لگی! خدا کی صناعی اور رزّاقی نے اسی کے ذریعہ ہر جاندار کی ضرورت پوری کی ـــــ پس کیا وہ ایمان نہیں لائیں گے؟ ـــــ کیا منکرینِ حق کو قدرت کی یہ نشانیاں نظر نہیں آتیں؟ ایسے کھلے نشانات اور محکم انتظامات کو دیکھ کر انہیں ایمان لے آنا چاہئے۔ کیا خدا کے وجود اور اس کی وحدانیت پر اس سے بھی واضح کوئی دلیل ہوسکتی ہے؟ اگر اب بھی ان کی آنکھ نہ کھلے اور ہوش نہ آئے تو آخر کب آئے گا؟! ـــــ اور ہم نے زمین میں (پہاڑوں کے) بھاری بوجھ رکھ دیئے، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ان کو لے کر ایک طرف کو جھکنے لگے! ـــــ یعنی یہ اونچے فلک بوس پہاڑ اور مٹی کے تودے زمین کا توازن برقرار رکھنے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ ایک طرف دریاؤں کی گہرائیاں ہیں، دوسری طرف اگر یہ پہاڑ نہ ہوتے تو زمین ڈانواڈول رہتی۔ ہمیشہ جھکولے کھاتی اور زلزلوں سے دوچار رہتی، پھر اس پر زندگی کیسے ممکن ہوتی۔ آج بھی کبھی زلزلے کا ادنی سا جھٹکا آجاتا ہے تو کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا، زمین کے سکون کا سامان فرمایا اور لوگوں کو زندگی کا چین نصیب ہوا ـــــ اور ہم نے اس میں کشادہ راستے بنائے تاکہ لوگ راہ پائیں ـــــ عرب کی ساری زمین پہاڑوں سے اٹی پٹی ہے۔ ہر طرف دیو پیکر پہاڑ کھڑے ہیں۔ اگر ان کے درمیان اللہ تعالیٰ کشادہ راستے نہ بناتے تو انسان منزلِ مقصود تک کیسے پہنچتا؟ پہاڑوں پر چڑھنا اور دوسری طرف اترنا، ان کے پیروں کی جان نکال دیتا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ بہت

بڑا احسان ہے کہ انھوں نے پہاڑوں کے درمیان نہایت کشادہ سڑکیں بنادیں، تاکہ انسان سہولت کے ساتھ منزلیں طے کرتا ہوا منزلِ مقصود تک پہنچے ـــــ اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا ـــــ جو نہ گرتی ہے نہ ٹوٹتی پھوٹتی ہے، نہ اس کا پلاستر جھڑتا ہے۔ ہر طرح کی شکست وریخت اور نقصان سے محفوظ ہے ـــــ آسمان کی عدیم المثال بلندی دیکھو اور اس کے محیر العقول احاطے پر نظر ڈالو، اِن دونوں باتوں کے لحاظ سے جو اس کو بہترین صفاتی نام دیا جاسکتا ہے وہ ''چھت'' ہی کا ہوسکتا ہے ـــــ آسمان کی ماہیت وحقیقت جو کچھ بھی ہو، بہر حال وہ اللہ کی حُسنِ صنعت کا بہترین نمونہ ہے۔ ہر عیب اور ہر نقص سے پاک ہے، کیا ایسی عظیم مخلوق کے خالق پر ایمان لانے میں دیر کرنے کی گنجائش ہے؟! ـــــ اور وہ اس (آسمان) کی نشانیوں سے منہ موڑنے والے ہیں ـــــ یعنی ناہنجار کفار وفجار اتنی کھلی ہوئی عظمتِ خداوندی کی نشانی سے بھی اعراض کئے ہوئے ہیں۔ اس کی بڑائی اور یکتائی کے قائل نہیں ـــــ اور وہی ہیں جنھوں نے شب وروز اور شمس وقمر بنائے، سب اپنے اپنے دائرے میں پیر رہے ہیں ـــــ یہ آسمانی نشانیوں کی کچھ تفصیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بلند آسمان بنا کر اس میں چاند سورج اور دوسرے بے شمار ستارے اور سیارے پیدا کئے ہیں۔ اور ان کی گردش کے لئے ایک قانون مقرر کیا ہے۔ سب اس کی سختی سے پیروی کئے ہوئے ہیں۔ اور اپنی اپنی مداروں میں پیر رہے ہیں۔ نہ کوئی راہ سے بے راہ ہوتا ہے، نہ تھکتا اور تھمتا ہے۔ سب ایک اشارے پر ناچ رہے ہیں ـــــ اور اسی شمس وقمر کی گردش کے نتیجہ میں ماہ وسال اور دنوں کا نظام وجود میں آیا ہے۔ جس کے سہارے انسان زندگی کے سانس لے رہا ہے۔ غور کرو! اگر رات ہی رات ہوتی تو کائنات ٹھٹر کر رہ جاتی۔ اور دن کی تمازت ہی ہمہ وقت رہتی تو کائنات جھلس کر رہ جاتی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت وحکمت سے شب وروز بنائے۔ جب رات ہر چیز کو ٹھنڈا کر دیتی ہے تو دن کی گرمی اس کو گرما دیتی ہے ـــــ یہ سارا کارخانہ ایک ہستی کا پیدا کیا ہوا ہے۔ کوئی دوسرا اس میں ساجھے دار نہیں۔ اور مشرکین کو بھی یہ بات تسلیم ہے کہ اجرام سماوی اور علویات میں ان کے خداؤں کی حصہ داری نہیں۔ پھر عبادت وبندگی میں حصہ داری کہاں سے نکل آئی؟ کس قدر غلط راہ ہے جس پر وہ چل پڑے ہیں؟!

کائنات میں ہر سو خدا کی یکتائی کی نشانیاں پھیلی ہوئی ہیں، ان کو دیکھو جو نگاہِ حقیقت بیں ہو!

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۖ أَفَإِن مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ ﴿٣٤﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَنَبْلُوكُم بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۖ وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ﴿٣٥﴾ وَإِذَا رَآكَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِن يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا أَهَٰذَا الَّذِي يَذْكُرُ

اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۶﴾

وَمَا	اور نہیں	الْمَوْتِ	موت کو	يَتَّخِذُوْنَكَ	بناتے وہ آپ کو
جَعَلْنَا	بنایا ہم نے	وَنَبْلُوْكُمْ	اور آزماتے ہیں ہم تم کو	اِلَّا	مگر
لِبَشَرٍ	کسی انسان کے لئے	بِالشَّرِّ	برائی	هُزُوًا	ہنسی
مِّنْ قَبْلِكَ	آپ ؐ سے پہلے	وَالْخَيْرِ	اور بھلائی سے	اَهٰذَا	کیا یہ (ہے)
الْخُلْدَ	ہمیشہ رہنا	فِتْنَةً (۱)	خوب آزمانا	الَّذِيْ	جو
اَفَاۡئِنْ	کیا پس اگر	وَاِلَيْنَا	اور ہماری طرف	يَذْكُرُ	ذکر کرتا ہے
مِّتَّ	مرجائیں آپ ؐ	تُرْجَعُوْنَ	لوٹو گے تم	اٰلِهَتَكُمْ	تمہارے معبودوں کا؟
فَهُمُ	تو وہ	وَاِذَا	اور جب	وَهُمْ	اور وہ
الْخٰلِدُوْنَ	ہمیشہ رہنے والے ہیں؟	رَاٰكَ	دیکھتے ہیں آپ ؐ کو	بِذِكْرِ	ذکر کا
كُلُّ	ہر	الَّذِيْنَ	وہ جنھوں نے	الرَّحْمٰنِ	رحمان کے
نَفْسٍ	جاندار	كَفَرُوْٓا	انکار کیا	هُمْ	وہ
ذَآئِقَةُ	چکھنے والا ہے	اِنْ (۲)	نہیں	كٰفِرُوْنَ	انکار کرنے والے

توحید اور دلائلِ قدرت بیان کرنے کے بعد اب روئے سخن رسالتِ محمدی کی طرف ہے۔ اور اِن آیات میں شماتتِ اعداء یعنی دشمنانِ رسول کے خوشیاں منانے کا جواب ہے۔ کفار مکہ حضور ﷺ کی باتیں سن کر کہتے تھے کہ یہ شور ہنگامہ صرف چند روز ہے۔ اور اِس شخص کے دَم سے قائم ہے۔ جب یہ مرکر ٹھنڈا ہو جائے گا تو سب کو چین آجائے گا۔ اللہ پاک اس کا جواب ارشاد فرماتے ہیں: ــــــ اور ہم نے آپ ؐ سے پہلے کسی انسان کے لئے ''ہمیشہ رہنا'' نہیں گردانا، کیا پس اگر آپ مرجائیں گے تو وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں؟ ــــــ یعنی اگر مشرکین کی غرض یہ ہے کہ موت آنا نبوت کے منافی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ گذشتہ انبیاء ومرسلین میں سے کون ایسا ہے جس پر موت طاری نہیں ہوئی۔ پھر اگر اس پیغمبر کو بھی موت آجائے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ آپ ﷺ کچھ غیر فانی بنا کر نہیں

(۱) فتنةً: نبلو کم کا مفعولِ مطلق (من غیر لفظہ) برائے تاکید ہے۔ (۲) اِنْ: نافیہ ہے، اور جملہ جواب شرط ہے، اور إذا کی شرط کے جواب میں ف آنی ضروری نہیں (روح)

بھیجے گئے۔ کوئی انسان خواہ مدارجِ قرب میں کتنی بھی ترقی کرلے: وہ غیر فانی نہیں ہوسکتا۔ مشرکین کا یہ خیال کہ فلاں فلاں بندے ترقی کرکے دیوتا بن گئے: محض غلط خیال ہے ـــــ اور اگر اُس بات کا مقصد صرف اپنا دل ٹھنڈا کرنا ہے تو یہ خوشی کا کیا موقع ہے، اگر آپ ﷺ کو موت آگئی تو کیا تم نہیں مروگے؟

اگر بمُرد عدو جائے شادمانی نیست ❁ کہ زندگانیٔ ما نیز جاودانی نیست

(اگر دشمن مرگیا تو خوشی کا کوئی موقع نہیں ❁ کیونکہ ہماری زندگی بھی ہمیشہ رہنے والی نہیں)

جب آگے پیچھے سب کو مرنا ہے تو پیغمبر کی وفات پر بغلیں کیوں بجارہے ہو ـــــ ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے! ـــــ یعنی کون ہے جس کو موت کا مزہ نہیں چکھنا۔ سب کو اس راستہ سے گذرنا ہے۔ پھر یہ کافر آپ ﷺ کی وفات کا خیال کرکے خوش کیوں ہورہے ہیں ـــــ اور ہم تمہیں بھلے برے حالات سے خوب آزماتے ہیں ـــــ یعنی یہ دنیا کی زندگی عارضی اور امتحان کے لئے ہے۔ انسان جب تک زندہ ہے برابر اس کا امتحان ہورہا ہے۔ یہ دیکھا جاتا ہے کہ اِس زندگی میں کون ایمان وطاعت کی طرف مائل رہتا ہے۔ اور کون کفر ومعصیت کی طرف جھک پڑتا ہے۔ اور شر سے مراد: انسان کے مخالفِ طبع حالات ہیں، جیسے غریبی وغیرہ۔ اور خیر سے مراد: انسان کے موافق طبع حالات ہیں، جیسے تندرستی اور خوشحالی وغیرہ۔ بہر حال یہاں امتحان ہی امتحان ہے ـــــ اور تم ہماری طرف پھر کر آجاؤگے ـــــ یعنی ہر انسان کو اللہ کے حضور میں پہنچ کر اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی ہے۔ کسی کے لئے مَفَر (بھاگنے کی جگہ) نہیں۔ اور وہاں ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا ـــــ مگر انجام سے بالکل بے فکر ہوکر کفار پیغمبر ﷺ کی ہنسی اڑاتے ہیں اور آپؐ کے ساتھ تمسخر کرتے ہیں۔ ارشاد ہے: ـــــ اور جب وہ لوگ جنھوں نے (حق کا) انکار کیا آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کا ٹھٹھا کرتے ہیں۔ (کہتے ہیں کہ) کیا یہ ہے جو تمہارے معبودوں کا تذکرہ کرتا ہے؟! ـــــ یعنی کیا یہی شخص تمہارے معبودوں کی برائی کرتا ہے، ان کی پھبتی اڑاتا ہے، اور ان کی بے وقعتی ظاہر کرتا ہے۔ کہاں یہ جوتیاں چٹخانے والا انسان اور کہاں ہمارے دیوتا! ـــــ اللہ پاک جواب ارشاد فرماتے ہیں: ـــــ اور وہ مہربان اللہ کے تذکرے کا انکار کرتے ہیں ـــــ یعنی استہزاء کے مستحق اگر ہیں تو وہ لوگ ہیں جو نہایت مہربان اللہ کے تذکرے کا انکار کرتے ہیں۔ اس کے نام سے چڑتے ہیں۔ ہمارا پیغمبر اگر ان کے معبودوں کا پول کھولتا ہے تو وہ ایک بے حقیقت چیز کی حقیقت کھولتا ہے۔ اور وہ ایک ایسی ہستی کا انکار کرتے ہیں جس سے بڑی کوئی حقیقت نہیں۔ یہ تو اللہ تعالیٰ نہایت مہربان ہیں جو وہ گرفت سے بچے ہوئے ہیں، ورنہ وہ اس لائق ہیں کہ فوراً ان کی گردن ناپ دی جائے۔

فائدہ: اور یہ جو فرمایا کہ ہر نفس موت کا مزہ چکھنے والا ہے: اس میں اشارہ ہے کہ موت کی تکلیف ہر شخص کو محسوس ہوتی ہے۔ مزہ چکھنے کا محاورہ ایسی ہی جگہ میں استعمال ہوتا ہے۔ روح کا جیسا اتصال بدن کے ساتھ ہے اس کا تقاضا ہے کہ روح نکلتے وقت تکلیف کا احساس ضرور ہو۔ یہ ایک طبعی امر ہے۔ نبی ﷺ کو بھی بوقت وفات شدید تکلیف کا ہونا روایات میں مصرح ہے۔ پس یہ حالت ایمان کے منافی نہیں۔ بلکہ علامتِ ایمان ہے۔ حدیث میں ہے کہ مؤمن پیشانی کے پسینے سے مرتا ہے، اس کا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ مؤمن کو بوقت موت شدید تکلیف ہوتی ہے۔ پس یہ گھبرانے کی بات نہیں۔

> آج بھی کتنے ہی بدنصیب کافر ایسے ہیں جو شریعتِ اسلامی کے احکام ومسائل کو سنجیدگی سے نہیں سنتے، بلکہ تمسخر کرتے ہیں۔ وہ ذرا اپنے گھر کا جائزہ لیں، ان کے پاس دَھرا کیا ہے؟!

خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۳۷﴾ وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۳۹﴾ بَلْ تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۴۰﴾ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۱﴾

خُلِقَ	پیدا کیا گیا	تَسْتَعْجِلُوْنِ	جلدی مچاؤ تم میرے	اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم
الْاِنْسَانُ	انسان		سامنے	صٰدِقِيْنَ	سچے؟
مِنْ عَجَلٍ (۱)	جلد بازی سے	وَ يَقُوْلُوْنَ	اور کہتے ہیں وہ	لَوْ يَعْلَمُ (۲)	کاش جان لیتے
سَاُورِيْكُمْ	اب دکھاؤں گا میں تم کو	مَتٰى	کب (آئے گا)	الَّذِيْنَ	وہ جنھوں نے
اٰيٰتِيْ	اپنی نشانیاں	هٰذَا	یہ	كَفَرُوْا	انکار کیا
فَلَا	پس نہ	الْوَعْدُ	وعدہ	حِيْنَ (۳)	اس وقت کو جب

(۱) عَجَل: باب سمع کا مصدر ہے، جلد بازی، شتابی کرنا، وقت سے پہلے کسی چیز کا قصد کرنا۔ (۲) لو تمنّی کے لئے ہے اور جواب محذوف ہے یعنی تو شتابی نہ کرتے۔ (۳) حین: یعلم کا مفعول فیہ ہے۔

لَا يَكُفُّوْنَ	نہ روک سکیں گے وہ	بَغْتَةً	یکا یک	بِرُسُلٍ	رسولوں کے ساتھ
عَنْ وُّجُوْهِهِمُ	اپنے چہروں سے	فَتَبْهَتُهُمْ[1]	پس حیرت میں ڈال	مِّنْ قَبْلِكَ	آپ سے پہلے
النَّارَ	آگ کو		دے گی ان کو	فَحَاقَ[2]	پس گھیر لیا
وَلَا	اور نہ	فَلَا	پس نہیں	بِالَّذِيْنَ	ان کو جنھوں نے
عَنْ ظُهُوْرِهِمْ	اپنی پیٹھوں سے	يَسْتَطِيْعُوْنَ	طاقت رکھیں گے وہ	سَخِرُوْا	تمسخر کیا
وَلَا	اور نہ	رَدَّهَا	اس کو پھیرنے کی	مِنْهُمْ	ان میں سے
هُمْ	وہ	وَلَا هُمْ	اور نہ وہ	مَّا[3]	اس عذاب نے جس کا
يُنْصَرُوْنَ	مدد کئے جائیں گے	يُنْظَرُوْنَ	مہلت دیئے جائیں گے	كَانُوْا	تھے وہ
بَلْ	بلکہ	وَلَقَدِ	اور البتہ تحقیق	بِهٖ	اس کا
تَأْتِيْهِمْ	پہنچے گی آگ ان کو	اسْتُهْزِئَ	تمسخر کیا گیا	يَسْتَهْزِءُوْنَ	ٹھٹھا کرتے

ابھی گذشتہ سلسلۂ بیان جاری ہے۔ رسالت پر منکرین کے اعتراضات کے جوابات دیئے جارہے ہیں۔ منکرینِ رسالت کا حال یہ تھا کہ جب وہ رسول اللہ ﷺ کی زبانِ مبارک سے قرآن کریم میں کفر کی دنیوی اور اخروی سزا کا بیان سنتے تو اس کا مذاق اڑاتے، اور کہتے: ’’اے اللہ! اگر یہ قرآن آپ کی طرف سے ہے تو آپ ہم پر آسمان سے پتھر برسائیے، یا ہم پر کوئی اور دردناک عذاب ڈال دیجئے!‘‘ (انفال آیت ۳۲) وہ یہ بھی مطالبہ کرتے تھے کہ ہماری سزا کے آنے میں دیر کیوں ہورہی ہے؟ اللہ تعالیٰ ہم ظالموں کی گرفت فی الفور کیوں نہیں کرتے؟ دراصل بات یہ ہے کہ ان کو رسول کی خبروں کا یقین ہی نہیں، اس لئے وہ تخول کرتے ہیں۔ اللہ پاک جواب ارشاد فرماتے ہیں: —— انسان جلد بازی سے پیدا کیا گیا ہے —— یعنی جلد بازی اس کے خمیر میں داخل ہے۔ عجلت پسندی اس کے اجزائے عنصری میں شامل ہے —— عجلت کرنے کے معنی ہیں: کسی چیز کو اس کے وقت سے پہلے طلب کرنا۔ اور یہ بات شریعت کی نظر میں مذموم ہے۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ بھی اس کو انسانی کمزوری کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے: ﴿وَكَانَ الْإِنْسَانُ عَجُوْلًا﴾ یعنی انسان بڑا جلد باز واقع ہوا ہے (بنی اسرائیل آیت ۱۱) اور ابھی سورہ طٰہ میں یہ بات گذر چکی ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر اپنی قوم سے آگے بڑھ کر حق تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تھے تو

(۱) بَهَتَه (ف) بَهْتًا: حیرت میں ڈالنا، چونکا دینا، بدحواس کرنا (۲) حَاقَ به الشيئُ (ض) گھیرنا، احاطہ کرنا۔ (۳) ما کانوا: حاق کا فاعل ہے۔

عجلت کرنے پر عتاب نازل ہوا تھا ـــــ البتہ مُسارعت فی الخیر مطلوب ہے۔ وہ جلد بازی کے مفہوم میں داخل نہیں۔ کیونکہ وہ وقت سے پہلے کسی چیز کی طلب نہیں۔ بلکہ بروقت تکثیر خیرات وحسنات کی کوشش ہے ـــــ بہر حال انسان کی طبیعت میں جس طرح کچھ دوسری کمزوریاں رکھ دی گئی ہیں: یہ ایک کمزوری عجلت پسندی بھی رکھی گئی ہے۔ اور جو چیز طبیعت وجبلّت میں داخل ہوتی ہے اس کو عرب اسی عنوان سے ذکر کرتے ہیں۔ اردو میں بھی غُصیل کو ''غصہ کا پتلا'' کہتے ہیں۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ ''عورتوں سے حسن سلوک کرنے کی میں آپ لوگوں کو وصیت کرتا ہوں، پس میری اس وصیت پر عمل کرو، کیونکہ عورتیں پسلی سے پیدا کی گئی ہیں!'' یعنی جس طرح پسلی کی ساخت میں کچھ کجی ہے جو کسی طرح بھی دور نہیں ہوسکتی، نسوانی فطرت میں بھی کچھ کجی ہے۔ پس ان کی خُردہ گیری نہ کرو، معمولی باتوں پر گرفت نہ کرو، بلکہ ان کی بے عنوانیاں نظر انداز کرو ـــــ غرض کفار اپنی جلد بازی کی فطرت سے مجبور ہو کر دنیوی عذاب کا مطالبہ کرتے تھے۔ پس وہ سن لیں ـــــ ابھی میں تمہیں اپنی نشانیاں دکھلاؤں گا، پس میرے سامنے جلدی مت مچاؤ ـــــ یعنی تھوڑا صبر کرو، عنقریب میں اپنے قہر وانتقام کی نشانیاں تم کو دکھلاؤں گا ـــــ چنانچہ ہجرت کے فوراً بعد غزوۂ بدر میں اللہ تعالیٰ نے کفار کو آنکھوں سے دکھا دیا کہ باطل کس طرح سرنگوں ہوا۔ ان کے سورما کس طرح کام آئے۔ اور اسلام کی حقانیت کس طرح برملا ظاہر ہوئی۔

اخروی عذاب کا مطالبہ اور اس کا جواب: ـــــ اور وہ کہتے ہیں: ''یہ وعدہ کب پورا ہوگا، اگر تم سچے ہو؟'' ـــــ مشرکین کا یہ سوال بھی تمسخر کے طور پر تھا۔ یعنی تم کہتے رہتے ہو کہ قیامت آئے گی، اور سب کافر دوزخ میں جلیں گے۔ یہ وعدہ آخر کب پورا ہوگا۔ اگر تم سچے ہو تو قیامت اور جہنم کو لے کیوں نہیں آتے؟ دیر کیوں کر رہے ہو؟ جواب ارشاد فرماتے ہیں: ـــــ کاش وہ لوگ جان لیتے جنھوں نے انکار کیا اس وقت کو جب وہ آگ کو نہ روک سکیں گے اپنے چہروں سے، اور نہ اپنی پیٹھوں سے، اور نہ وہ مدد کئے جائیں گے۔ بلکہ وہ آگ ان کو یکا یک پہنچے گی، پس وہ ان کو حیرت میں ڈال دے گی، پس وہ اس کو نہ تو پھیرنے کی طاقت رکھیں گے، اور نہ وہ مہلت دیئے جائیں گے! ـــــ یعنی اگر منکرین یہ بات بخوبی جان لیتے کہ جب دوزخ کی آگ ان کو ہر طرف سے گھیرے گی، اور ان کو بچاؤ کا یا مدد کا کسی طرف سے بھی کوئی ادنیٰ سہارا نہ ملے گا: تو آج وہ اس طرح بڑھ بڑھ کر اس عذاب کا مطالبہ نہ کرتے۔ وہ جان لیں کہ وہ عذاب بالیقین آنے والا ہے۔ اور بالکل دفعۃً نازل ہوگا۔ اس وقت یہ کفار ہکّے بکّے رہ جائیں گے۔ اور ان سے کچھ بن نہ پڑے گی، نہ مہلت دی جائے گی۔ اس وقت ان کو پتہ چل جائے گا کہ وہ کس چیز کی ہنسی اڑاتے تھے! ـــــ اور مثال مطلوب ہے تو سنو ـــــ اور البتہ واقعہ یہ ہے کہ آپؐ سے پہلے بھی رسولوں کے ساتھ ٹھٹھا کیا گیا،

پس ان لوگوں کو جنھوں نے تمسخر کیا، اُس عذاب نے گھیر لیا جس کا وہ تمسخر کیا کرتے تھے! ــــــ یہ دنیوی عذاب کی مثال ہے۔ انبیائے کرام علیہم السلام کی پوری تاریخ، منکرین ومعاندین کی تباہی وبربادی کی داستانوں سے بھری پڑی ہے۔ اور یہ دنیوی عذاب آخرت کے عذاب کا پیش خیمہ ہے۔ پس دیکھو جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو!

آج جب عبرت لینے کا وقت ہے دیکھنا مفید ہے، کل جب مجرمین سزا سے دوچار ہونگے، دیکھنا کچھ مفید نہ ہوگا!

قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَ النَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ؕ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۲﴾ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ؕ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ ﴿۴۳﴾ بَلْ مَتَّعْنَا هٰۤؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ؕ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾ قُلْ اِنَّمَاۤ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۖؗ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَاۤ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۴۶﴾

قُلْ	پوچھیں	بَلْ	بلکہ	اٰلِهَةٌ	معبود ہیں
مَنْ	کون	هُمْ	وہ	تَمْنَعُهُمْ	جوان کو بچائیں
يَّكْلَؤُكُمْ (۱)	حفاظت کرتا ہے تمہاری	عَنْ ذِكْرِ	نصیحت سے	مِّنْ دُوْنِنَا	ہمارے وَرے؟
بِالَّيْلِ	رات میں	رَبِّهِمْ	اپنے رب کی	لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ	نہیں طاقت رکھتے وہ
وَالنَّهَارِ	اور دن (میں)	مُّعْرِضُوْنَ	منہ موڑنے والے ہیں	نَصْرَ	مدد کرنے کی
مِنَ الرَّحْمٰنِ	رحمان (کے عذاب) سے؟	اَمْ	کیا	اَنْفُسِهِمْ	ان کی ذاتوں کی
		لَهُمْ (۲)	ان کے لئے	وَلَا هُمْ	اور نہ وہ

(۱) كَلَأَ الله فلانا: اللہ کا کسی کی حفاظت کرنا، باب فتح۔ (۲) لهم: خبر مقدم ہے، آلهة: مبتدا مؤخر، تمنعهم: مبتدا کی صفت، من دوننا: دوسری صفت ہے۔

مِّنَّا	ہماری طرف سے	نَأْتِي	آتے ہیں	إِذَا مَا	جبکہ
يُصْحَبُونَ (۱)	ساتھ دیئے جائیں گے	الْأَرْضَ	زمین کو	يُنْذَرُونَ	وہ ڈرائے جاتے ہیں
بَلْ	بلکہ	نَنْقُصُهَا	پس گھٹاتے ہیں ہم	وَلَئِنْ	اور بخدا اگر
مَتَّعْنَا (۲)	سامان دیا ہم نے	مِنْ أَطْرَافِهَا	اس کے کناروں کو	مَسَّتْهُمْ	چھوئے ان کو
هَؤُلَاءِ	ان لوگوں کو	أَفَهُمُ	کیا پس وہ	نَفْحَةٌ	ایک جھونکا
وَآبَاءَهُمْ	اور انکے باپ دادوں کو	الْغَالِبُونَ	غالب آنے والے ہیں؟	مِّنْ عَذَابِ	عذاب سے
حَتَّىٰ	یہاں تک کہ	قُلْ	کہہ دیں	رَبِّكَ	آپ کے رب کے
طَالَ	لمبی ہوگئی	إِنَّمَا	بس	لَيَقُولُنَّ	تو ضرور کہیں گے وہ
عَلَيْهِمُ	ان پر	أُنْذِرُكُمْ	ڈراتا ہوں میں تم کو	يَا وَيْلَنَا	ہائے ہماری شامت!
الْعُمُرُ	زندگانی	بِالْوَحْيِ	وحی کے ذریعہ	إِنَّا	بیشک ہم
أَفَلَا	کیا پس نہیں	وَلَا يَسْمَعُ	اور نہیں سنتا	كُنَّا	تھے ہم
يَرَوْنَ	دیکھتے وہ	الصُّمُّ	بہرہ	ظَالِمِينَ	ظلم کرنے والے
أَنَّا	کہ ہم	الدُّعَاءَ	بلانے کو	۞	۞

ابھی سابقہ سلسلۂ بیان جاری ہے۔ان آیات میں کفار کے دنیوی عذاب کا ذکر ہے۔ارشاد ہے: —— آپ پوچھیں: ''تمہاری کون حفاظت کرتا ہے رات اور دن میں رحمان سے؟'' —— یعنی ان منکرین سے دریافت کیجئے کہ اگر خدائے رحمان تمہیں گرفت میں لینا چاہیں، رات کے کسی حصہ میں یا دن کے کسی حصہ میں تو کون اتنی مجال رکھتا ہے جو تمہیں بچالے؟ پھر تم دنیا کے عذاب سے کیوں مطمئن ہوگئے؟ یہ محض ان کی مہربانی ہے کہ تم عذاب سے بچے ہوئے ہو، ورنہ ان کے غصہ کی پکڑ میں کسی بھی وقت آسکتے ہو —— بلکہ وہ اپنے پروردگار کی نصیحت سے منہ موڑنے والے ہیں —— یعنی اللہ کی پکڑ سے مطمئن تو کوئی نہیں ہوسکتا۔ بات دراصل یہ ہے کہ ان کو اللہ کی خبروں پر اور ان کی دھمکیوں پر یقین ہی نہیں آتا۔ وہ ان کی نصیحت سے اعراض کرنے والے ہیں۔تو —— کیا ان کے لئے ہم سے وَرے ایسے معبود ہیں جو ان کو (ہمارے عذاب سے) بچالیں؟ —— یعنی کیا وہ اپنے ان

(۱) صَحِبَه (س) صُحْبَةً: ساتھ ہونا، ساتھ لگنا۔ (۲) مَتَّعَ اللّٰه بكذا: مدت تک فائدہ پہنچانا، عرصۂ دراز تک لطف اندوز ہونے کا موقع دینا۔

معبودوں پر تکیہ کئے ہوئے ہیں جو خدا سے اِدھر انھوں نے گھڑ لئے ہیں کہ اگر اللہ کا عذاب آیا تو یہ ہمیں بچالیں گے؟ سنو ـــــ وہ ان کی مدد کرنے کی طاقت نہیں رکھتے، اور نہ وہ (معبود) ہماری طرف سے ساتھ دیئے جائیں گے ـــــ یعنی نہ تو وہ معبود بذاتِ خود اتنی طاقت رکھتے ہیں کہ اللہ کے عذاب کو ٹلا دیں نہ ہماری مدد لے کر اس کو ہٹا سکتے ہیں۔ کیونکہ ہم اس معاملہ میں ان کی مدد ہرگز نہیں کریں گے۔ اگرچہ وہ نیک بندے ہوں ـــــ بلکہ ہم نے ان کو اور ان کے باپ دادوں کو سامانِ عیش دیا، یہاں تک کہ ان پر عرصہ بیت گیا ـــــ اور ان کے دل پتھر ہوگئے۔ جس کی وجہ سے کوئی نصیحت کوئی فہمائش کارگر نہیں ہوتی ـــــ طولِ مدت سے قساوت قلب پیدا ہوتی ہے۔ سورۃ الحدید (آیت ۱۶) میں اہلِ کتاب کا حال بیان کیا گیا ہے کہ "ان پر ایک لمبا زمانہ گذر گیا تو ان کے دل سخت ہوگئے" آج مسلمانوں کا بھی یہی حال ہے۔ ان کی اکثریت علم وعمل سے فاغل ہے۔ یہاں مشرکین کا یہی حال بیان کیا گیا ہے کہ ہم نے ان کو سامانِ عیش دیا۔ وہ عیش وتنعّم اور آسائش والی زندگی میں ایسے مگن ہوئے کہ پروردگار کی یاد سے غافل ہوگئے۔ اور ان کے دلوں پر غفلت کی پرتیں چڑھ گئیں: چنانچہ جب ان کو اللہ کی طرف سے کوئی نصیحت کی جاتی ہے تو وہ منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ کہاں کی باتیں شروع کردیں؟! ـــــ پس کیا وہ دیکھتے نہیں کہ ہم زمین کے اطراف کو گھٹاتے چلے جارہے ہیں؟ پس کیا وہ غالب آنے والے ہیں؟! ـــــ یعنی اسلام اپنی خاموش تبلیغ کے ذریعہ مسلسل پھیل رہا ہے۔ مکہ کی بہت سی اہم شخصیتیں مسلمان ہوچکی ہیں۔ اطرافِ مکہ کے قبائل بھی اسلام کے دائرے میں چلے آرہے ہیں۔ اسی طرح مخالفین اسلام کی زمین دن بدن سکڑتی جارہی ہے۔ کیا اس میں اُن کو اپنی شامت نظر نہیں آتی؟ کیا اب بھی وہ اس خام خیالی میں مبتلا ہیں کہ "ہم ہی غالب رہیں گے؟!" (یہی مضمون سورۃ الرعد آیت ۴۱ بھی میں گذرا ہے) ـــــ آپؐ کہیں: "میں صرف وحی کے ذریعہ تم کو ڈراتا ہوں" ـــــ یعنی عذاب لانا میرے اختیار میں نہیں ـــــ اور بہرہ پکار کو نہیں سنتا جب وہ ڈرایا جاتا ہے ـــــ یعنی دل کے بہرے اگر میری پکار نہ سنیں تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟ وہ خود اپنے بہرے پن کا خمیازہ بھگتیں گے ـــــ اس میں اشارہ ہے کہ نبی کا کام صرف راستہ دکھانا ہے۔ راستہ دیکھنا لوگوں کا کام ہے۔ اگر لوگ آنکھیں موندلیں، اور راستہ دیکھنے کی کوشش نہ کریں تو راہ نما کیا خاک راستہ دکھا سکتا ہے؟ ـــــ اور آخری بات سن لو ـــــ اور بخدا! اگر ان کو آپ کے پروردگار کے عذاب کا ایک جھونکا پہنچ جائے تو وہ ضرور کہیں گے: "ہائے ہماری شامت! ہم یقیناً ظلم کرنے والے تھے" ـــــ یعنی پورا عذاب تو الگ رہا، اگر اس کا ایک جھٹکا ہی لگ جائے تو آنکھیں کھل جائیں، ہوش درست ہوجائیں، اور وہ اعتراف کرنے پر مجبور ہوجائیں کہ بیشک ہم بڑے

بھاری مجرم تھے جو ایسی کم بختی آئی!

> انسان اللہ کے عذاب کا معمولی جھٹکا بھی برداشت نہیں کرسکتا۔ مگر غفلت کا یہ حال ہے کہ اسبابِ عذاب ڈھیروں جمع کئے چلا جارہا ہے

وَ نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰے وَ هٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّ ذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ؕ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۰﴾

وَ نَضَعُ	اور رکھیں گے ہم	مِثْقَالَ	برابر	مُوْسٰے	موسیٰ
الْمَوَازِيْنَ(۱)	ترازویں	حَبَّةٍ	دانے	وَ هٰرُوْنَ	اور ہارون کو
الْقِسْطَ(۲)	انصاف کی	مِّنْ خَرْدَلٍ	رائی کے	الْفُرْقَانَ(۵)	فیصلہ کُن کتاب
لِيَوْمِ	دن میں	اَتَيْنَا	(تو) حاضر کریں گے ہم	وَضِيَآءً	اور روشنی
الْقِيٰمَةِ	قیامت کے	بِهَا	اس (دانے) کو	وَّ ذِكْرًا	اور نصیحت
فَلَا تُظْلَمُ	پس نہیں حق مارا جائیگا	وَكَفٰى	اور کافی ہیں	لِلْمُتَّقِيْنَ	پرہیزگاروں کے لئے
نَفْسٌ	کسی شخص کا	بِنَا(۳)	ہم	الَّذِيْنَ(۶)	جو
شَيْـًٔا	ذرا بھی	حٰسِبِيْنَ(۴)	حساب لینے والے	يَخْشَوْنَ	ڈرتے ہیں
وَاِنْ	اور اگر	وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	رَبَّهُمْ	اپنے رب سے
كَانَ	ہو (عمل)	اٰتَيْنَا	عطا فرمائی ہم نے	بِالْغَيْبِ(۷)	بن دیکھے

(۱) الموازین: المیزان کی جمع: ترازو (۲) قَسَط (ض) قِسْطًا: انصاف کرنا، اور قَسَطَ (ض) قَسْطًا: ناانصافی کرنا، حق سے انحراف کرنا۔ یہاں پہلا مصدر ہے، اور مبالغۃً صفت بنایا گیا ہے، اس لئے صفت جمع نہیں لائی گئی (۳) بنا: فاعل ہے، اور کفی کے فاعل پر باء زائد آتی ہے (۴) حسبین: حال یا تمیز ہے (۵) الفُرقان: مصدر بھی ہے اور صیغہ صفت بھی، حق کو باطل سے جدا کرنا، اور حق کو باطل سے جدا کرنے والی چیز، قضیے چکانے والی کتاب (۶) الذین: متقین کی صفت یا بدل یا بیان ہے (۷) بالغیب: یخشون کے مفعول ربھم کا حال ہے

وَهُمْ	اور وہ	وَهٰذَا ذِكْرٌ	اور یہ نصیحت ہے	اَفَاَنْتُمْ	کیا پس تم
مِّنَ السَّاعَةِ	قیامت سے	مُّبٰرَكٌ (۱)	بابرکت	لَهٗ	اس کا
مُشْفِقُوْنَ	ڈرنے والے ہیں	اَنْزَلْنٰهُ (۲)	اتارا ہے ہم نے اس کو	مُنْكِرُوْنَ	انکار کرنے والے ہو؟

ابھی سابقہ سلسلۂ بیان جاری ہے۔ کفارِ مکہ جو رسول اللہ ﷺ اور قرآن کریم کا انکار کرتے تھے، ان کو ان کا اخروی انجام سنایا جارہا ہے۔ اور بات عمومی صورت میں پیش کی ہے۔ ارشاد ہے:—— اور ہم قیامت کے دن انصاف کی ترازویں قائم کریں گے—— اور تمام مخلوقات کے اعمال کا وزن کریں گے —— یعنی معاملہ دنیا کے عذاب پر نمٹ نہیں جائے گا، بلکہ اصل سزا آخرت میں ملے گی، اور انصاف کے ساتھ ملے گی، تول کانٹے سے ملے گی —— پس کسی کا ذرا بھی حق نہیں مارا جائے گا —— یعنی غایتِ انصاف کے ساتھ تول ہوگا۔ کسی کو اس کی بدعملی کی واجبی سزا سے زیادہ سزا نہیں دی جائے گی۔ ہاں کسی مؤمن کا گناہ معاف کردیا جائے یا اس کے ثواب میں اضافہ کردیا جائے تو وہ فضل ہوگا ظلم نہیں ہوگا —— اور اگر عمل رائے کے دانے کے برابر ہوگا تو ہم اسے بھی حاضر کریں گے —— یعنی کوئی معمولی سے معمولی عمل بھی اِدھر اُدھر ضائع نہ ہوگا۔ خواہ نیکی یا برائی ذرہ بھر ہو انسان اس کو دیکھ لے گا —— اور حساب کرنے کو ہم کافی ہیں! —— اس آخری ارشاد میں تین باتیں ایک ساتھ بیان کی گئی ہیں: (۱) ترازو میں تولے بغیر بھی اللہ تعالیٰ حساب کرسکتے ہیں۔ تولنا محض لوگوں کے اطمینان کے لئے ہوگا۔ (۲) معمولی سے معمولی عمل بھی تول کے وقت حاضر کیا جائے گا۔ کیونکہ تولنے والے علیم وخبیر ہیں۔ ان کے علم سے مخلوق کے عمل کا ایک ذرہ بھی پوشیدہ نہیں۔ (۳) بعض مشرک قومیں (جیسے اہل مصر) دنیا والوں کے حساب وکتاب کے لئے ایک الگ دیوتا مانتے تھے، وہ محض ان کا توہم تھا۔ اللہ تعالیٰ اکیلے ہی حساب لینے کے لئے کافی ہیں، ان کو کسی مددگار کی حاجت نہیں۔

فائدہ: موازین کا جمع لانا غالباً اس وجہ سے ہے کہ قیامت کے دن متعدد میزانیں ہونگی۔ مثلاً ہر امت کے لئے الگ میزان ہوگی۔ یا اعمال کی نوعیّتوں کے اعتبار سے مختلف میزانیں ہونگی۔ مثلاً نماز کے لئے میزان، روزوں کے لئے میزان۔ جیسے دنیا میں سونا چاندی تولنے کی میزان الگ ہوتی ہے، غلہ اور سوختہ تولنے کی الگ۔ بھاری اجسام کے وزن کرنے کا کانٹا الگ ہوتا ہے، بادپیما الگ نوعیت کا آلہ ہوتا ہے، اور حرارت کا اندازہ کرنے والا آلہ مختلف قسم کا ہوتا ہے —— اور یہ بھی ممکن ہے کہ صیغۂ جمع اظہارِ عظمت کے لئے لایا گیا ہو، کیونکہ وہ ایک ہی میزان بہت سی میزانوں کا کام کرے گی۔ مستدرک حاکم میں بروایت حضرت سلمان رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

(۱) مبارك: پہلی صفت ذكر: خبر کی۔ (۲) أنزلناه: دوسری صفت یا دوسری خبر۔

:''قیامت کے روز جومیزان وزنِ اعمال کے لئے رکھی جائے گی: وہ اتنی بڑی اور وسیع ہوگی کہ اس میں آسمان وزمین کو تولنا چاہیں تو وہ بھی اس میں سما جائیں''۔(تفسیر مظہری ۶:۲۰۰)

مگر بات درحقیقت اہم یہ نہیں ہے کہ میزانیں کتنی ہونگی اور کیسی ہونگی؟ بلکہ اہم باتیں دو ہیں:

پہلی بات: ہمارا ہر عمل تُلنے والا ہے۔کوئی اچھا یا برا عمل غائب نہیں رہے گا۔پس ہمیں ہر برائی سے خواہ وہ کتنی ہی چھوٹی کیوں نہ ہو، بچنا چاہئے۔کیونکہ معمولی چنگاری بھی گھر پھونکنے کے لئے کافی ہے۔اور ہر نیکی کا کام خواہ وہ کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو، ضرور کرنا چاہئے۔کیونکہ قطرہ قطرہ مل کر سمندر بن جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں دونوں باتوں کی توفیق عطا فرمائیں (آمین)

دوسری بات: جب اعمال تُلیں گے تو نفسی نفسی کا عالم ہوگا۔حاکم اور بیہقی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے نبی ﷺ سے دریافت کیا: یارسول اللہ! کیا قیامت کے روز آپؐ اپنے اہل وعیال کو یاد رکھیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:''تین مقام میں کوئی کسی کو یاد نہ کرے گا۔ایک: جب میزانِ عدل کے سامنے وزنِ اعمال کے لئے حاضر کیا جائے گا۔جب تک نتیجہ معلوم نہ ہوجائے کہ نیکیوں کا پلہ بھاری رہا یا ہلکا کوئی کسی کو یاد نہ کرے گا۔دوسرا: جب اعمال نامے اڑائے جائیں گے۔جب تک یہ متعین نہ ہوجائے کہ نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں آیا یا بائیں ہاتھ میں کوئی کسی کو یاد نہ کرے گا۔تیسرا: جب لوگ پل صراط پر سے گذریں گے، جب تک پار نہ ہوجائیں کوئی کسی کو یاد نہ کرے گا''(مظہری) پس آج موقعہ ہے۔کل کی ہم تیاری کرسکتے ہیں۔غفلت میں زندگی نہیں گذارنی چاہئے۔گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں!

آخر میں آنحضرت ﷺ کی نبوت کی نشانی: قرآن کریم کا تذکرہ کرنا ہے۔مگر اس کی تمہید میں موسیٰ علیہ السلام کی کتاب تورات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔کیونکہ مشرکین اس سے بخوبی واقف تھے، اس لئے وہ مثال کا کام دے گی۔

ارشاد ہے ـــــ اور البتہ واقعہ یہ ہے کہ ہم نے موسیٰ وہارون (علیہما السلام) کو فیصلہ کن کتاب اور روشنی اور نصیحت عطا فرمائی اُن پرہیزگاروں کے لئے جو اپنے پروردگار سے بن دیکھے ڈرتے ہیں، اور وہ قیامت سے (بھی) ڈرنے والے ہیں ـــــ تورات شریف اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان کتاب تھی۔حق وباطل کے معاملات میں فیصلہ کن، جہالت وغفلت کی تاریکیوں میں روشنی، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے بندوں کے لئے نصیحت تھی ـــــ اللہ سے ڈرنے والے بندوں کے دو وصف بیان کئے گئے ہیں: ایک: اللہ تعالیٰ کو انھوں نے دیکھا نہیں، پھر بھی وہ اس سے ڈرتے ہیں۔یہی درحقیقت کمالِ ایمان ہے۔دوسرا: وہ قیامت کے دن سے بھی خائف رہتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کی کتاب سے

نفع یاب ہونے کا راز اسی دل کی کھٹک میں پوشیدہ ہے۔ جو لوگ حساب سے ڈرتے ہیں وہی اللہ تعالیٰ کی نصیحت سے منتفع ہوتے ہیں،

آخر میں قرآنِ پاک کا ذکر ہے۔ جس کی تمہید کے طور پر تورات کا ذکر کیا تھا۔ ارشاد ہے: ——اور یہ بابرکت نصیحت ہے جس کو ہم نے اتارا ہے، پس کیا تم اس کا انکار کرنے والے ہو؟! ——یعنی تورات کی طرح یہ قرآن پاک بھی ایک نصیحت نامہ ہے۔ اور بابرکت کتاب ہے یعنی عظیم النفع، کثیر الخیر اور جلیل القدر ہے، تورات سے بھی واضح اور روشن ہے۔ ہدایت وضلالت کے قضیے چکانے والی ہے، پس کیا تم ایسی کتاب کا انکار کرتے ہو؟ تعجب ہے تمہاری عقلوں پر! تم ہماری نازل کی ہوئی کتاب کا انکار کرتے ہو، حالانکہ اس کے انکار کی گنجائش نہیں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۴﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰي ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ﴿۵۸﴾ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۹﴾ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓي اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ﴿۶۱﴾

وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	مِنْ قَبْلُ	قبل ازیں	اِذْ	جب
اٰتَيْنَآ	عطا فرمائی ہم نے	وَكُنَّا	اور تھے ہم	قَالَ	کہا اس نے
اِبْرٰهِيْمَ	ابراہیم کو	بِهٖ	ان کو	لِاَبِيْهِ	اپنے باپ سے
رُشْدَهٗ (۱)	ان کی سمجھ داری	عٰلِمِيْنَ	خوب جاننے والے	وَقَوْمِهٖ	اور اپنی قوم سے

(۱) رُشد: باب نصر کا مصدر ہے: ہوشیاری، سمجھ داری، خوش فہمی۔

مَا	کیا (ہیں)	جِئْتَنَا	لایا تو ہمارے پاس	اَصْنَامِكُمْ	تمہارے بتوں کیساتھ
هٰذِهِ	یہ	بِالْحَقِّ (۳)	سچی بات	بَعْدَ اَنْ (۵)	اس کے بعد کہ
التَّمَاثِيْلُ (۱)	مورتیں	اَمْ	یا	تُوَلُّوْا	پلٹو تم
الَّتِيْٓ	جو	اَنْتَ	تو	مُدْبِرِيْنَ	پیٹھ پھیر کر
اَنْتُمْ لَهَا	تم ان پر	مِنَ اللّٰعِبِيْنَ	کھیلنے والوں میں سے	فَجَعَلَهُمْ	پس کر دیا اس نے ان کو
عٰكِفُوْنَ	جمے بیٹھے ہو؟		ہے؟	جُذٰذًا (۶)	ٹکڑے ٹکڑے
قَالُوْا	کہا انھوں نے	قَالَ	کہا اس نے	اِلَّا	مگر
وَجَدْنَآ	پایا ہم نے	بَلْ	بلکہ	كَبِيْرًا	بڑے کو
اٰبَآءَنَا	اپنے بڑوں کو	رَّبُّكُمْ	تمہارا رب	لَّهُمْ	ان کے
لَهَا	ان کی	رَبُّ	رب (ہے)	لَعَلَّهُمْ	تاکہ وہ
عٰبِدِيْنَ	عبادت کرتے	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں	اِلَيْهِ	اس کی طرف
قَالَ	کہا اس نے	وَالْاَرْضِ	اور زمین کا	يَرْجِعُوْنَ	رجوع کریں
لَقَدْ	البتہ تحقیق	الَّذِيْ (۴)	جس نے	قَالُوْا	کہا انھوں نے
كُنْتُمْ	تھے تم	فَطَرَهُنَّ	پیدا کیا ان کو	مَنْ	کس نے
اَنْتُمْ (۲)	تم	وَاَنَا	اور میں	فَعَلَ هٰذَا	کیا یہ
وَاٰبَآؤُكُمْ	اور تمہارے بڑے	عَلٰي ذٰلِكُمْ	ان باتوں پر	بِاٰلِهَتِنَآ	ہمارے معبودوں کیساتھ
فِيْ ضَلٰلٍ	گمراہی میں	مِّنَ	گواہی دینے والوں	اِنَّهٗ	بیشک وہ
مُّبِيْنٍ	صریح	الشّٰهِدِيْنَ	سے ہوں	لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ	البتہ ظالموں میں سے ہے
قَالُوْٓا	کہا انھوں نے	وَتَاللّٰهِ	اور خدا کی قسم	قَالُوْا	کہا انھوں نے
اَ	کیا	لَاَكِيْدَنَّ	میں ضرور چال چلونگا	سَمِعْنَا	سنا ہم نے

(۱) **تماثیل**: تِمْثَال کی جمع ہے: صورتیں، مورتیں، تصویریں۔(۲) **أنتم**: ضمیر فصل ہے جو ضمیر مرفوع متصل پر عطف کی تصحیح کے لئے لائی گئی ہے۔(۳) **ب**: صلہ کی ہے، **جاء به**: لانا۔(۴) **الذی**: صفت ہے رب کی۔(۵) **بعد**: مابعد کی طرف مضاف ہے۔ (۶) **جُذَاذ**: بروزن **فُعَال** بمعنی مفعول، **جَذٌّ** سے مشتق ہے: کاٹنا، توڑنا۔ **جذاذ**: ریزہ ریزہ، ٹکڑے ٹکڑے۔

فَتًى	ایک نوجوان کو	اِبْرٰهِيْمُ	ابراہیم	عَلٰٓى اَعْيُنِ	آنکھوں کے سامنے
يَّذْكُرُهُمْ	تذکرہ کرتا ہے ان کا	قَالُوْا	کہا انھوں نے	النَّاسِ	لوگوں کی
يُقَالُ	کہا جاتا ہے	فَاْتُوْا	پس لاؤ تم	لَعَلَّهُمْ	تاکہ وہ
لَهٗٓ	اس کو	بِهٖ	اس کو	يَشْهَدُوْنَ	گواہی دیں

رسالت کے بیان کے بعداب توحید کا بیان شروع ہوتا ہے۔اور کفار مکہ کوان کے جدامجد حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا وہ واقعہ سنایا جاتا ہے جس سے بتوں کی خدائی باطل ہوتی ہے یہ واقعہ خاص طور پر اس لئے بھی سنایا گیا ہے کہ ممکن ہے نبی ﷺ کو بھی ابراہیم علیہ السلام کی طرح وطن چھوڑنا پڑے —— حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم بت پرست بھی تھی اور ستارہ پرست بھی۔ان کا اپنا گھرانا بت پرستی میں مبتلا تھا۔ان کا باپ آزر بت تراش بھی تھا، اور مندر کا مَہنت بھی۔ چنانچہ آپ نے قوم کو کواکب کی بے وقعتی ایک خاص انداز سے سمجھائی تھی، جس کا تذکرہ سورۃ الانعام (آیات ۷۴تا۸۳) میں گذر چکا ہے۔اور اِن آیات میں اُس خاص طریقہ کا ذکر ہے جو آپ نے بتوں کے شرک کے ابطال کے لئے اختیار کیا تھا۔ارشاد ہے —— اورالبتہ واقعہ یہ ہے کہ ہم نے ابراہیم کو قبل ازیں ان کی سمجھ داری عطا فرمائی —— یعنی حضرت محمد ﷺ اور حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز فرمایا۔نبوت کو یہاں لفظ''رُشد''(خوش فہمی،سمجھداری) سے تعبیر کیا ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو حق کی بصیرت عطا فرمائی۔اس تعبیر میں ان کی اعلیٰ قابلیت کی طرف اشارہ ہے، جو اولوالعزم (بڑے درجے کے) انبیاء کی شان ہوتی ہے —— اور ہم ان کو خوب جاننے والے تھے —— کہ ان میں کیسی صلاحیتیں ہیں —— نبوت بیشک وہبی ہے، مگر صلاحیتوں پر مبنی ہے۔بس یونہی کسی کو نبوت کا تاج نہیں پہنا دیا جاتا۔ بلکہ جس میں نبوت کی صلاحیت پائی جاتی ہے اسی کو یہ مقام تفویض کیا جاتا ہے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام میں اس منصب کی وافر صلاحیت موجود تھی، اس لئے آپ کو نبوت سے سرفراز کیا گیا۔

واقعہ کا آغاز: (یاد کرو) جب آپ نے اپنے باپ اور اپنی قوم (یعنی قبیلہ کے لوگوں) سے پوچھا: ''اِن مجسموں کی کیا حقیقت ہے جن پر تم جمے بیٹھے ہو؟!'' —— یعنی یہ تو پتھر کی خود تراشیدہ مورتیں ہیں، وہ معبود کس طرح بن گئیں؟!

انھوں نے جواب دیا: ''ہم نے اپنے بڑوں کو اِن کی عبادت کرتے ہوئے پایا ہے!'' —— یعنی ہمارے پاس ان کے معبود ہونے کی کوئی دلیل اس کے سوا نہیں کہ اوپر سے باپ دادا انہی کی پوجا کرتے چلے آرہے ہیں —— جاہلوں کا بڑا سہارا یہی تقلید آباء ہوتا ہے!

آپ نے کہا: ''البتہ واقعہ یہ ہے کہ تم اور تمہارے بڑے صریح گمراہی میں ہو'' ـــــــ یعنی یہ بھی کوئی دلیل ہوئی؟! اس سے تو یہ ثابت ہوا کہ تمہاری طرح تمہارے باپ دادا بھی کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔ اور تم بے وقوف بنے ان کی کورانہ تقلید کر کے تباہ ہو رہے ہو۔

انھوں نے کہا: ''کیا تم ہمارے ساتھ سنجیدگی سے گفتگو کر رہے ہو یا کھلاڑیاں کر رہے ہو؟'' ـــــــ یعنی کیا سچ مچ تمہارا یہ خیال اور عقیدہ ہے یا محض ہنسی اور دل لگی کر رہے ہو؟ ـــــ ابراہیم علیہ السلام کی قوم توحید سے نا آشنا تھی۔ اس کو یہ آواز بالکل ہی اجنبی معلوم ہوئی۔ وہ لوگ یہی سمجھے کہ ابراہیم دل لگی کر رہے ہیں۔ ورنہ سنجیدگی سے معبودوں کے بارے میں ایسی بات بھلا کون زبان سے نکال سکتا ہے!

آپ نے کہا: ''بلکہ تمہارا رب: آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے، جس نے ان کو پیدا کیا ہے۔ اور میں اِن باتوں پر گواہوں میں سے ہوں'' ـــــــ یعنی یہ بت تمہارے معبود ہرگز نہیں۔ تمہارے معبود تو آسمانوں اور زمین کے خالق و مالک اور پروردگار ہیں۔ میرا یہی اعتقاد ہے۔ اور میں پوری بصیرت سے اس کی شہادت دیتا ہوں۔ اور اس پر دلیل بھی رکھتا ہوں ـــــــ معبود کو رب (پروردگار) سے اس لئے تعبیر کیا ہے کہ معبودیت کے لئے ربوبیت لازم ہے۔ جو پروردگار اور پالنہار نہیں: وہ معبود کیسے ہو سکتا ہے! ـــــــ ''اور خدا کی قسم! میں ضرور تمہارے بتوں کے ساتھ چال چلونگا جب تم پیٹھ پھیر کر چلے جاؤ گے'' ـــــــ یعنی جب کبھی تم غیر حاضر ہو گے: دیکھنا میں تمہاری ان مورتیوں کی کیسی گت بناتا ہوں ـــــــ یہ بات ابھی غیر واضح تھی، اور اُن کے قبیلہ کے لوگ اشارہ بھی نہ پا سکے۔ چنانچہ بات آئی گئی ہو گئی۔

پھر جب لوگ شہر سے باہر کسی میلے میں گئے ـــــــ تو آپ نے ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ مگر ان کے بڑے کو (چھوڑ دیا) تا کہ وہ ان کی طرف رجوع کریں ـــــــ یعنی مندر میں پہنچ کر سب مورتیوں کو لولا لنجا کر دیا، مگر بڑے بت کو چھوڑ دیا۔ اور کلہاڑی اس کی گردن میں لٹکا دی۔ تا کہ جب لوگ واپس آ کر یہ منظر دیکھیں تو سابقہ گفتگو کی بنا پر ان کا خیال ابراہیم علیہ السلام کی طرف جائے، اور وہ آپ کی طرف رجوع کریں، تا کہ آپ کو پوری قوم کو دعوت دینے کا اور بتوں کی بے حیثیتی واضح کرنے کا سنہرا موقعہ مل جائے ـــــــ پھر جب لوگ میلے سے واپس لوٹے، اور مندر میں پوجا پاٹ کرنے کے لئے پہنچے تو وہاں کا منظر دیکھ کر دنگ رہ گئے ـــــــ انھوں نے کہا: ''کس نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے؟ یقیناً وہ ظالموں میں سے ہے!'' ـــــــ یعنی ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ گستاخی اور بے ادبی! جس نے بھی یہ کام کیا ہے: بڑا ہی ظالم اور شریر ہے!

جن لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سابقہ گفتگو سنی تھی، ان کا خیال فوراً آپ کی طرف گیا۔ اور ـــــــ

انھوں نے کہا: ”ہم نے ایک نوجوان کو ان کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا ہے، جس کو ابراہیم کہا جاتا ہے“ —— یعنی ہو نہ ہو یہ حرکت اسی کی ہے۔ اس نے بتوں کے ساتھ چال چلنے کی بات کہی تھی۔ یہ اس کی وہی چال معلوم ہوتی ہے۔

انھوں نے کہا: ”پس اس کو لوگوں کے سامنے لاؤ، تاکہ وہ گواہی دیں“ —— یعنی اس کو عوام کے روبرو بلاؤ، اس سے تحقیقِ حال کریں۔ اگر وہ اعتراف کرے تو لوگ بادشاہ کے سامنے گواہی دیں۔ اور اس کو قرار واقعی سزا دلوائیں۔ ابراہیم علیہ السلام مندر کے مہنت کے بیٹے تھے۔ ان کو سزا دلوانے کے لئے مضبوط گواہیوں کی اور رائے عامہ ہموار کرنے کی ضرورت تھی (واقعہ جاری ہے)

جس کی پشت مضبوط ہوتی ہے وہ بڑے سے بڑا اقدام کرسکتا ہے

قَالُوْٓا ءَ اَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۲﴾ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ﴿۶۶﴾ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۶۸﴾ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾ وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ﴿۷۰﴾

قَالُوْٓا	کہا انھوں نے	بِاٰلِهَتِنَا	ہمارے معبودوں کیساتھ	فَعَلَهٗ (۱)	کیا اس کو (کسی کرنے والے نے)
ءَ اَنْتَ	کیا تونے	يٰٓاِبْرٰهِيْمُ	اے ابراہیم؟		
فَعَلْتَ	کیا	قَالَ	کہا اس نے	كَبِيْرُهُمْ	ان کا بڑا
هٰذَا	یہ	بَلْ	بلکہ	هٰذَا	یہ (ہے)

(۱) فَعَلَهٗ پر اگر وقف کیا جائے تو فاعل محذوف ہوگا۔ أی فَعَلَهٗ فَاعِلٌ: کسی کرنے والے نے یہ کیا ہے، اور کبیرهم هذا: مبتدا خبر ہونگے۔ اور اگر آگے سے ملایا جائے تو کبیرهم هذا: فاعل ہوگا، یعنی ان کے اس بڑے نے یہ حرکت کی ہے۔ یہ دونوں احتمال ہیں۔ اور یہی اس کلام میں توریہ ہے۔

فَسْـَٔلُوْهُمْ [1]	پس پوچھو ان سے	يَنْطِقُوْنَ	بولتے	حَرِّقُوْهُ	جلا ڈالو اس کو
اِنْ	اگر	قَالَ	کہا اس نے	وَانْصُرُوْٓا	اور مدد کرو
كَانُوْا	ہوں وہ	اَفَتَعْبُدُوْنَ	کیا پس پوجتے ہو تم	اٰلِهَتَكُمْ	اپنے معبودوں کی
يَنْطِقُوْنَ	بولتے	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ سے وَرے	اِنْ	اگر
فَرَجَعُوْٓا	پس لوٹے وہ	مَا	(اس کو) جو	كُنْتُمْ	ہو تم
اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ	اپنے نفسوں کی طرف	لَا يَنْفَعُكُمْ	نہیں نفع پہنچاتا تم کو	فٰعِلِيْنَ	کرنے والے
فَقَالُوْٓا	پس کہا انھوں نے	شَيْـًٔا	کچھ بھی	قُلْنَا	کہا ہم نے
اِنَّكُمْ	بیشک تم	وَّلَا	اور نہیں	يٰنَارُ	اے آگ
اَنْتُمُ	ہی	يَضُرُّكُمْ	نقصان پہنچاتا تم کو	كُوْنِيْ	ہو جا تو
الظّٰلِمُوْنَ	ظلم کرنے والے ہو	اُفٍّ	تُف (ہے)	بَرْدًا	ٹھنڈی
ثُمَّ	پھر	لَّكُمْ	تم پر	وَّسَلٰمًا	اور سلامتی
نُكِسُوْا [2]	اوندھے ہوئے وہ	وَلِمَا	اور ان پر جن کو	عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ	ابراہیم پر
عَلٰى رُءُوْسِهِمْ	اپنے سروں پر	تَعْبُدُوْنَ	تم پوجتے ہو	وَاَرَادُوْا	اور چاہا انھوں نے
لَقَدْ	البتہ تحقیق	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ سے وَرے	بِهٖ	اس کے ساتھ
عَلِمْتَ	جانا تو نے	اَفَلَا	کیا پس نہیں	كَيْدًا	بڑا مکر
مَا	نہیں (ہیں)	تَعْقِلُوْنَ	سمجھتے ہو تم؟	فَجَعَلْنٰهُمُ	پس کر دیا ہم نے ان کو
هٰٓؤُلَاۗءِ	یہ	قَالُوْا	کہا انھوں نے	الْاَخْسَرِيْنَ	ناکام ہونے والے

گذشتہ سے پیوستہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عوام کے روبرو لایا گیا ـــــ انھوں نے پوچھا: ''کیا تم ہی نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کیا ہے؟'' ـــــ یعنی کیا یہ نازیبا حرکت تمہاری تو نہیں؟ انھوں نے قطعیت کے ساتھ الزام نہیں لگایا، ورنہ کہتے: ''تم نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کیوں کی؟'' ان لوگوں نے احتمال کے درجہ میں پوچھا تھا۔

آپ نے جواب دیا: ''بلکہ کیا اس کو، ان کا بڑا یہ، پس ان سے پوچھو اگر وہ بولتے ہوں!'' ـــــ یہ آپ نے

(۱) هم کا مرجع شکستہ بت ہیں۔(۲) نَکَسَ الشیئَ(ن) نَکْسًا: اوندھا کرنا۔ نَکَسَ رأسَه: شرمندگی سے سر جھکانا۔

ذو معنی جواب دیا ہے۔اس کا ایک مطلب تو یہ نکلتا ہے کہ یہ حرکت میں نے نہیں کی۔ یہ کام ان کے اس گرو نے کیا ہے۔پس ان ٹوٹے پھوٹوں سے معلوم کرلو،خود بتا دیں گے کہ یہ حرکت اس بڑے بت نے کی ہے۔دوسرا مطلب یہ نکلتا ہے کہ اس سوال کو چھوڑو،جس نے بھی کیا ہے ٹھیک کیا ہے۔ان کا یہ بڑا کلہاڑا لئے کھڑا ہے۔انہیں سے پوچھ لو کہ تمہاری یہ گت کس نے بنائی؟ ـــــ اس طرح کا ذو معنی کلام توریہ کہلاتا ہے۔توریہ کے معنی ہیں:بات اس طرح کہنا کہ حقیقت مخفی رہے۔آپ نے بھی کذب بیان سے بچتے ہوئے مقصد کو چھپایا ہے۔جیسے سفرِ ہجرت میں نبی ﷺ کا گذر ایک قبیلہ پر ہوا۔وہ قبیلہ انعام کی لالچ میں آپؐ کی تلاش میں تھا۔ان میں سے ایک شخص حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو پہچانتا تھا۔اس نے دریافت کیا:ابوبکر!تمہارے ساتھ یہ کون ہے؟ آپؓ نے جواب دیا: رَجُلٌ يَّهْدِيْنِى السَّبِيْلَ: ایک شخص ہے جو مجھے راستہ دکھاتا ہے۔وہ شخص یہ سمجھا کہ یہ ابوبکر کا گائیڈ ہے۔جبکہ آپؓ کی مراد یہ تھی کہ یہ ہمارے نبی ہیں ـــــ اسی طرح ایک ایسی مجلس میں جس میں شیعہ سنی جمع تھے،کسی نے امام ابن جوزی سے پوچھا:ابوبکر افضل ہیں یا علی؟ آپ نے جواب دیا: أَفْضَلُ الصَّحَابَةِ مَنْ كَانَ بِنْتُهُ فِيْ بَيْتِهِ:صحابہ میں سب سے افضل وہ ہیں جن کی بیٹی ان کے گھر میں تھی۔سنّی اس کا مطلب یہ سمجھے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ افضل ہیں۔کیونکہ آپ کی بیٹی حضرت عائشہؓ آنحضور ﷺ کے گھر میں تھیں۔اور شیعہ یہ سمجھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ افضل ہیں۔کیونکہ آپ ﷺ کی بیٹی حضرت فاطمہؓ حضرت علیؓ کے گھر میں تھیں ـــــ غرض اس طرح کا ذو معنی کلام اصطلاح میں توریہ کہلاتا ہے،جھوٹ نہیں کہلاتا۔

ابراہیم علیہ السلام کے اس گول مول جواب نے لوگوں کے لئے لمحۂ فکریہ پیدا کیا ـــــ پس وہ لوگ اپنے جی میں سوچنے لگے،پھر انھوں نے (اپنے دل میں) کہا:''بیشک تم ہی ناحق پر ہو!'' ـــــ یعنی سوچنے کے بعد دل میں تو قائل ہو گئے کہ بیشک غلطی پر ہم ہی ہیں،جو ان بے زبان پتھروں کو پوجتے ہیں۔مگر بات بھی بنانی تھی چنانچہ ـــــ پھر انھوں نے شرمندگی سے سر جھکا لئے ـــــ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے آنکھیں ملانے کی ان میں ہمت نہ رہی،اور سرنگوں ہو کر کہا: ـــــ ابراہیم!تم جانتے ہو کہ یہ کچھ بولتے نہیں! ـــــ یعنی ہمیں کیوں شرمندہ کرتے ہو۔جان بوجھ کر ایسی ناممکن بات کا مطالبہ کرتے ہو۔پتھر بھی کہیں بولے ہیں؟! ـــــ یہی وہ اعتراف تھا جو ابراہیم علیہ السلام ان سے کرانا چاہتے تھے۔

آپ نے کہا:''تو کیا تم اللہ تعالیٰ سے کم درجہ میں ایسے بتوں کو پوجتے ہو جو نہ تمہیں نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان؟ تُف ہے تم پر اور ان پر جن کو تم اللہ تعالیٰ سے وَرے پوجتے ہو! کیا تمہارے اندر سمجھ نہیں؟!'' ـــــ یعنی پھر تمہیں

ڈوب مرنا چاہئے۔ جو مورتیاں ایک لفظ نہیں بول سکتیں، آڑے وقت کام نہیں آسکتیں، نہ کسی کے بھلے برے کا اختیار رکھتی ہیں، ان کو خدائی کا درجہ دینا محض بے عقلی نہیں تو اور کیا ہے؟!

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دوٹوک گفتگو سے لوگوں نے جان لیا کہ بتوں کو آپ ہی نے توڑا ہے۔ چنانچہ آپ کا مقدمہ بادشاہِ وقت نمرود کے سامنے لے جایا گیا۔ پہلے تو خود نمرود سے آپ کا مناظرہ ہوا۔ جس کا تذکرہ سورۃ البقرۃ (آیت ۲۵۸) میں گذر چکا ہے۔ آپ نے اس کو لاجواب کردیا۔ مگر وہ غیظ وغضب سے بھر گیا۔ اور بادشاہ سے رعایا تک سب نے متفقہ فیصلہ کرلیا کہ دیوتاؤں کی توہین اور باپ دادا کے دین کی مخالفت میں ابراہیم کو دہکتی آگ میں جلادینا چاہئے، چنانچہ ـــــــ انھوں نے کہا: ''اس کو جلادو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو، اگر تمہیں کچھ کرنا ہے!'' ـــــــ یعنی ابراہیم کو عبرتناک سزا دو۔ معمولی سزا دے کر چھوڑ نہ دو۔ تاکہ آئندہ کوئی ایسی جرأت نہ کرے۔ اور اگر تم ایسا نہ کرسکے تو تم نے کچھ بھی نہ کیا۔

مشورہ کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں جلانے کی تیاری شروع ہوئی۔ نمرود کے حکم سے سوختہ جمع کیا گیا۔ اور لکڑیوں کا انبار لگادیا گیا، پھر کئی دن تک اس کو دہکایا گیا۔ آخر ظالموں نے نہایت بے رحمی کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھڑکتی آگ کی نذر کردیا ـــــــ ہم نے کہا: ''اے آگ! ابراہیم کے لئے ٹھنڈی اور بے گزند ہوجا!'' ـــــــ یعنی آگ کو اللہ تعالیٰ کا تکوینی حکم پہنچا کہ ٹھنڈی پڑ جا، مگر اس قدر ٹھنڈی نہ ہوجا کہ برودت سے ابراہیم کو تکلیف پہنچے۔ معتدل ٹھنڈی ہو جو جسم وجان کو خوشگوار معلوم ہو۔

آگ کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے ٹھنڈا ہونا ایک معجزہ تھا۔ اور معجزہ کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی عام عادت کے خلاف سبب اور مسبب کے درمیان جدائی کردیتے ہیں، پس سبب پر مسبب مرتب نہیں ہوتا ـــــــ اور یہ واقعہ کوئی انوکھا واقعہ نہیں۔ روز ایسے واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں۔ کسی گھر میں آگ لگتی ہے۔ سب جل کر بھسم ہوجاتے ہیں، اور ایک بچہ صحیح سالم نکل آتا ہے۔ اکسیڈنٹ ہوتے ہیں، سب کا چورا بن جاتا ہے، مگر ایک شخص صحیح سلامت بچ جاتا ہے۔ یہ نظام قدرت کی کرشمہ سازی ہے۔ جس کو خدا سلامت رکھے اسے کوئی نہیں مار سکتا۔ اور ایسی صورت میں عقل حیران رہ جاتی ہے کہ ایسا کیسے ہوگیا؟ ـــــــ جب اس طرح کا معاملہ انبیاء اور ان کے مخالفین کے درمیان پیش آتا ہے تو معجزہ کہلاتا ہے۔ اور اولیاء اور ان کے مخالفین کے درمیان پیش آتا ہے تو کرامت کہلاتا ہے۔

مروی ہے کہ حضرت ابو مسلم خولانی رحمہ اللہ کو اسود عنسی نے اپنی نبوت کے انکار کی سزا میں دہکتی آگ میں ڈالا تھا مگر آگ نے آپ کو کچھ ضرر نہیں پہنچایا تھا (تہذیب التہذیب ۱۲: ۲۳۶)

اور انھوں نے آپ کے ساتھ بڑی چال چلنی چاہی، پس ہم نے ان کو ناکام کردیا ـــــ یعنی ان کا مقصود: ہلاکتِ ابراہیم تو حاصل نہ ہوا، الٹی ابراہیم علیہ السلام کی حقانیت روز روشن کی طرح واضح ہوگئی:

آج بھی ہو جو براہیم کا ایمان پیدا ❁ آگ کرسکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ۝ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ ۭ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ۭ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ۝ وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاۗءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ۝ۙ وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَـبٰۗىِٕثَ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ۝ۙ وَاَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا ۭ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ۧ

وَنَجَّيْنٰهُ	اور نجات بخشی ہم نے	لَهٗٓ	اس کو	يَّهْدُوْنَ	راہ دکھلاتے ہیں وہ
	اس کو	اِسْحٰقَ	اسحاقؑ	بِاَمْرِنَا	ہمارے حکم سے
وَلُوْطًا	اور لوطؑ کو	وَيَعْقُوْبَ	اور یعقوبؑ	وَاَوْحَيْنَآ	اور وحی بھیجی ہم نے
اِلَى الْاَرْضِ	اس زمین کی طرف	نَافِلَةً (۱)	مزید	اِلَيْهِمْ	ان کی طرف
الَّتِيْ	جو کہ	وَكُلًّا (۲)	اور سب کو	فِعْلَ	کرنے کی
بٰرَكْنَا	برکت فرمائی ہم نے	جَعَلْنَا	بنایا ہم نے	الْخَيْرٰتِ	نیک کام
فِيْهَا	اس میں	صٰلِحِيْنَ	نیک	وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ	اور نماز کا اہتمام کرنے کی
لِلْعٰلَمِيْنَ	جہاں والوں کے لئے	وَجَعَلْنٰهُمْ	اور بنایا ہم نے ان کو	وَاِيْتَاۗءَ	اور ادا کرنے کی
وَوَهَبْنَا	اور عطا کیا ہم نے	اَىِٕمَّةً	پیشوا	الزَّكٰوةِ	زکات

(۱) نافلة: مزید، عطیہ: مصدر ہے، جیسے عاقبة، عافية وغیرہ۔ اور ترکیب میں وھبنا کا مفعول مطلق ہے۔ (۲) کلًّا: جعلنا کا مفعول مقدم ہے۔

وَكَانُوْا	اور تھے وہ	وَ نَجَّيْنٰهُ	اور نجات دی ہم نے اسکو	قَوْمَ	لوگ
لَنَا	ہمارے لئے	مِنَ الْقَرْيَةِ	اس بستی سے	سَوْءٍ	برے
عٰبِدِيْنَ	عبادت کرنے والے	الَّتِيْ	جو	فٰسِقِيْنَ	بدکار
وَ لُوْطًا (۱)	اور لوطؑ کو	كَانَتْ تَّعْمَلُ	کیا کرتی تھی	وَاَدْخَلْنٰهُ	اور داخل کیا ہم نے اسکو
اٰتَيْنٰهُ	دی ہم نے اس کو	الْخَبٰٓئِثَ	گندے کام	فِيْ رَحْمَتِنَا	ہماری مہربانی میں
حُكْمًا	دانش مندی	اِنَّهُمْ	بیشک وہ	اِنَّهٗ	بیشک وہ
وَّعِلْمًا	اور علم	كَانُوْا	تھے	مِنَ الصّٰلِحِيْنَ	نیکوں میں سے تھا

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آزر کو سمجھالیا۔قوم کو حق کی روشنی دکھادی،نمرود پر حجت تام کردی۔مگر کسی نے بھی رشد وہدایت قبول نہ کی،تو آپ نے ہجرت (ترکِ وطن) کا فیصلہ کرلیا۔تاکہ دوسری جگہ جاکر پیغامِ حق سناسکیں۔چنانچہ آپ نے اہلیہ محترمہ حضرت سارۃ رضی اللہ عنہا اور بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کے ساتھ ہجرت کی۔اور مختلف مقامات پر ٹھہرتے ہوئے آخر میں فلسطین پہنچ گئے۔اور باقی زندگی وہیں گذاری۔ارشاد ہے: ——اور ہم نے ان کو اور لوط کو اس سرزمین کی طرف نجات بخشی،جس میں ہم نے دنیا جہاں والوں کے لئے برکت فرمائی ہے ——مراد ارضِ فلسطین ہے۔جو ملک شام کا حصہ ہے۔وہاں کی آب وہوا خوشگوار اور صحت بخش ہے۔اور زمین سرسبز وشاداب ہے —— اور ہم نے ان کو اسحاق عطا فرمایا اور یعقوب مزید! —— یعنی انھوں نے صرف بیٹا مانگا تھا ہم نے پوتا بھی دیا ——اور ہم نے سب کو نیک بنایا ——یعنی حضرات ابراہیم،لوط،اسحاق اور یعقوب علیہم السلام سب اعلی درجہ کے نیک بندے تھے۔کیونکہ سب انبیاء تھے۔اور انبیاء سے بڑھ کر نیک کون ہوسکتا ہے؟ ——اس تصریح کی ضرورت اس لئے پڑی کہ اہلِ کتاب نے اپنی کتاب میں ان مقدس حضرات پر گندے گندے الزامات لگا رکھے ہیں۔قرآن کریم ان سب سے ان حضرات کی براءت ظاہر کرتا ہے ——اور ہم نے ان کو پیشوا بنایا جو ہمارے حکم سے راہ دکھاتے تھے ——یعنی وہ اعلی درجہ کے صالح انسان ہونے کے ساتھ اعلی درجہ کے مصلح بھی تھے۔لوگوں کی دینی راہ نمائی ان کی زندگی کا مشن تھا ——اور ہم نے ان کی طرف نیک کام کرنے کی اور نماز کا اہتمام کرنے کی اور زکات ادا کرنے کی وحی بھیجی —— تاکہ وہ یہ احکام اپنی امت کو پہنچائیں۔اور ان میں سے جو احکام ان سے بھی متعلق ہیں اُن پر خود بھی عمل کریں ——اور وہ ہماری ہی عبادت کرنے والے تھے ——یعنی

(۱) لوطاً: فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے،جس کی تفسیر آتیناہ کرتا ہے۔

وہ بس ہماری ہی عبادت کرتے تھے۔شب وروز اسی میں لگے رہتے تھے۔یہی انبیاء اور مؤمنین کی شان ہوتی ہے۔وہ اللہ کی عبادت سے کبھی غافل نہیں ہوتے، نہ کسی کو اللہ کی بندگی میں حصہ دار بناتے ہیں۔

لوط علیہ السلام کا ذکر: لوط علیہ السلام کے تذکرہ میں بھی وہی نجات کا پہلو ملحوظ ہے۔اللہ تعالیٰ نے ان کو گندے لوگوں کے نرغے سے نکالا تھا۔اسی طرح اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کو اور مسلمانوں کو مکہ کے چیرہ دستوں کے ظلم وستم سے نجات بخشیں گے۔ارشاد ہے: —— اور ہم نے لوطؑ کو حکمت اور علم عطا فرمایا —— حکمت کے معنی ہیں: دانشمندی۔یعنی چیزوں کی حقیقت معلوم کرنے کی صلاحیت، حق بات کو دریافت کرنے کی قابلیت۔اور علم کے معنی ہیں: جاننا یعنی جہالت کے بعد کسی کے بتانے سے پہچاننا۔پس حکمت: فطری صلاحیت اور خداداد قابلیت کا نام ہے [1] اور علم سے مراد: علم نبوت ہے۔اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کو دانشمندی یعنی فطری صلاحیت بھی عطا فرمائی تھی اور علم نبوت بھی۔تمام انبیاء علیہم السلام فطری صلاحیتوں میں بھی اعلیٰ درجہ پر فائز ہوتے ہیں۔اور وحی سے بھی ان کو علم دیا جاتا ہے —— اور ہم نے ان کو اس بستی سے نجات دی جو نہایت گندے کام کیا کرتی تھی، وہ لوگ یقیناً برے بدکار تھے —— حضرت لوط علیہ السلام سَدُوم اور عَمُورہ کی طرف مبعوث کئے گئے تھے۔یہ بستیاں اردن کی اس جانب میں واقع تھیں جہاں اب بحرمیّت یا بحرلوط ہے۔یہ مقام شروع میں سمندر نہیں تھا۔بلکہ قوم لوط پر جب عذاب آیا، اور اس سرزمین کا تختہ اُلٹ دیا گیا، تب یہ زمین تقریباً چار سو میٹر سطح سمندر سے نیچے چلی گئی۔اور پانی ابھر آیا —— یہاں کے باشندے فواحش میں مبتلا تھے۔دنیا کی کوئی برائی ایسی نہ تھی جو ان میں موجود نہ ہو۔حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے مرسل روایت ہے کہ اس قوم میں علاوہ ان کی مشہور خباثت کے شراب خوری، گانا بجانا، ڈاڑھی کٹانا، مونچھیں بڑھانا، کبوتر بازی، ڈھیلے پھینکنا، سیٹی بجانا، اور ریشمی لباس پہننے کا رواج تھا (روح) —— لوط علیہ السلام نے ان کو ہر طرح سمجھایا، مگر ان پر مطلق اثر نہ ہوا، وہ اپنی بداخلاقیوں اور بداعمالیوں پر بدستور قائم رہے، آخر اللہ تعالیٰ کے عذاب کا وقت آگیا۔فرشتے ان بستیوں کو تلپٹ کرنے کے لئے آپہنچے۔ان کے اشارے پر حضرت لوط علیہ السلام اپنے خاندان سمیت —— علاوہ کافر بیوی کے —— بستی سے نکل گئے۔جب آخر شب ہوئی تو اول ایک خوفناک آواز نے سدوم والوں کو تہ وبالا کر دیا۔پھر پوری آبادی کا تختہ الٹ دیا گیا۔اور وہ لوگ حرفِ غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹا دیئے گئے۔ان کا نام ونشان تک باقی نہ رہا —— اور ہم نے لوطؑ کو اپنی مہربانی میں داخل کیا۔بیشک وہ نیک لوگوں میں

(۱) سورۃ لقمان (آیت ۱۲) میں ہے: ہم نے لقمان کو حکمت (دانش مندی) عطا فرمائی۔یعنی فطری صلاحیت بخشی۔کیونکہ حضرت لقمان نبی نہیں تھے ۱۲

سے تھے! ــــــ یہود نے حضرت لوط علیہ السلام پر حرام کاری، شہوت پرستی اور شراب خوری کے الزامات لگائے ہیں، تورات تک میں ان کی زندگی کو شرمناک جرائم سے داغدار دکھایا ہے۔ اس لئے قرآن کریم نے صراحت کی کہ جب ہم نے ان کی قوم پر عذاب بھیجا تو لوط علیہ السلام کو اور ان کے خاندان کو اپنی مہربانی اور رحمت کی چادر میں ڈھانپ لیا۔ کیونکہ وہ نیکوکاروں میں سے تھے۔ اور ایسے حضرات عذاب سے بچالئے جاتے ہیں۔

بائبل نے حضرت لوط علیہ السلام پر وہ گھناؤنے الزام لگائے ہیں کہ قلم لکھنے سے تھراتا ہے۔
قرآن پاک نے ان کی زندگی کو بے داغ بتایا

وَ نُوۡحًا اِذۡ نَادٰی مِنۡ قَبۡلُ فَاسۡتَجَبۡنَا لَهٗ فَنَجَّيۡنٰهُ وَ اَهۡلَهٗ مِنَ الۡكَرۡبِ الۡعَظِيۡمِ ﴿۷۶﴾ وَ نَصَرۡنٰهُ مِنَ الۡقَوۡمِ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا قَوۡمَ سَوۡءٍ فَاَغۡرَقۡنٰهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ﴿۷۷﴾

وَ نُوۡحًا (۱)	اور (ذکر کیجئے) نوحؑ کا	وَ اَهۡلَهٗ	اور اسکے گھر والوں کو	بِاٰيٰتِنَا	ہماری آیتوں کو
اِذۡ	جب	مِنَ الۡكَرۡبِ	بے چینی سے	اِنَّهُمۡ	بیشک وہ
نَادٰی	پکارا اس نے	الۡعَظِيۡمِ	بہت بڑی	كَانُوۡا	تھے
مِنۡ قَبۡلُ	قبل ازیں	وَ نَصَرۡنٰهُ (۲)	اور ہم نے ان کی مدد کی	قَوۡمَ سَوۡءٍ	برے لوگ
فَاسۡتَجَبۡنَا	پس دعا قبول کی ہم نے	مِنَ الۡقَوۡمِ (۳)	ایسے لوگوں کے خلاف	فَاَغۡرَقۡنٰهُمۡ	پس غرق کر دیا ہم نے
لَهٗ	اس کے لئے	الَّذِيۡنَ	جنھوں نے		ان کو
فَنَجَّيۡنٰهُ	پس نجات بخشی ہم نے اسکو	كَذَّبُوۡا	جھٹلایا	اَجۡمَعِيۡنَ	سبھی کو

نوح علیہ السلام کا ذکر: ــــــ اور (آپؐ) نوحؑ کا (تذکرہ کیجئے) ــــــ نوح علیہ السلام انسانوں کے دوسرے دادا ہیں۔ سب سے پہلے انہی کو رسالت سے نوازا گیا ہے۔ آپ کی بعثت ایسی قوم کی طرف ہوئی تھی جو توحید اور مذہبی روشنی سے یکسر نا آشنا تھی۔ نوح علیہ السلام نے قوم کو اللہ کی طرف دعوت دی۔ لیکن قوم نے ایک نہ سنی، چند

(۱) نوحاً کا ناصب اذکر محذوف ہے۔ (۲) نَصَرَ کا صلہ جب من آتا ہے تو اس کے معنی نجات دینے اور بدلہ لینے کے ہوتے ہیں۔ (۳) من بمعنی علی ہے۔

ضعیف اور بے سہارا لوگوں کے علاوہ کوئی ایمان نہ لایا۔ بلکہ رؤساء نے تکذیب وتحقیر کا اور اذیت رسانی کا کوئی ایسا حربہ نہ چھوڑا جسے استعمال نہ کیا ہو۔ جب آپ قوم کے ایمان سے قطعی مایوس ہوگئے، اور انتہائی زِچ ہوگئے تو دعاء کے لئے ہاتھ اٹھائے کہ ''خدایا! میں مجبور ہوگیا ہوں، آپ میری مدد فرمائیں!'' (القمر آیت ۱۰) چنانچہ اللہ کی رحمت متوجہ ہوئی، اور قوم پر عذاب پانی کی شکل میں نمودار ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی نوح علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ وہ کشتی بنالیں، تاکہ اللہ تعالیٰ اسبابِ ظاہری کے اعتبار سے اس کے ذریعہ نوح علیہ السلام اور ان کے متعلقین کو ڈوبنے سے بچالیں۔

ارشاد ہے ——— جب انھوں نے اس سے پہلے ——— یعنی ابراہیم اور لوط علیہما السلام سے بھی پہلے ——— پکارا، تو ہم نے ان کے (فائدہ کے) لئے دعا قبول کی، پس ہم نے ان کو اور ان کے متعلقین کو سخت بے چینی سے نجات بخشی ——— یہ سخت بے چینی اور پریشانی قوم کی مخالفت سے لاحق تھی، ویسی ہی جیسی نبی ﷺ کو اور مسلمانوں کو مکہ والوں کی ستم ظریفی سے لاحق تھی ——— اور ہم نے ان کی ایسے لوگوں کے مقابلہ میں مدد کی جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ——— جس طرح مکہ والے جھٹلا رہے ہیں ——— وہ یقیناً برے لوگ تھے ——— یہی حال مکہ والوں کا بھی تھا ——— پس ہم نے ان سب ہی کو غرق کردیا ——— پس مکہ والے بھی اپنا انجام سوچ لیں۔

> ظلم کی چکّی ہمیشہ نہیں چلتی، ایک دن آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مظلوموں کی مدد کرتے ہیں، اور ان کو ظالموں کے نرغے سے نکالتے ہیں۔

وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ۡ وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۭ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۷۹﴾ وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖٓ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۲﴾

وَدَاوٗدَ(۱)	اور (ذکر کیجئے) داؤد کا	وَسُلَيْمٰنَ	اور سلیمان کا	اِذْ	جب

(۱) داؤد کا ناصب اذکر محذوف ہے۔

يَحْكُمٰنِ	فیصلہ کررہے ہیں دونوں	الْجِبَالَ	پہاڑوں کو	بِاَمْرِهٖٓ	ان کے حکم سے
فِي الْحَرْثِ	کھیت کے بارے میں	يُسَبِّحْنَ (۲)	تسبیح کرتے ہیں وہ	اِلَى الْاَرْضِ	اس زمین کی طرف
اِذْ	جب	وَالطَّيْرَ (۳)	اور پرندوں کو	الَّتِيْ	جوکہ
نَفَشَتْ (۱)	رات کے وقت جاپڑیں	وَكُنَّا	اور تھے ہم	بٰرَكْنَا	برکت فرمائی ہم نے
فِيْهِ	اس میں	فٰعِلِيْنَ	کرنے والے	فِيْهَا	اس میں
غَنَمُ	بکریاں	وَعَلَّمْنٰهُ	اور سکھلائی ہم نے انکو	وَكُنَّا	اور تھے ہم
الْقَوْمِ	لوگوں کی	صَنْعَةَ	کاریگری	بِكُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز کو
وَكُنَّا	اور تھے ہم	لَبُوْسٍ (۴)	لباس کی	عٰلِمِيْنَ	جاننے والے
لِحُكْمِهِمْ	ان کے فیصلہ کو	لَّكُمْ	تمہارے فائدہ کیلئے	وَمِنَ (۸)	اور (تابع کیا) شیاطین
شٰهِدِيْنَ	دیکھنے والے	لِتُحْصِنَكُمْ	تاکہ بچائے وہ کاریگری	الشَّيٰطِيْنِ	سے
فَفَهَّمْنٰهَا	پس سمجھ دی ہم نے		تم کو	مَنْ	(ان کو) جو
	فیصلہ کی	مِّنْۢ بَاْسِكُمْ	تمہاری جنگ سے	يَّغُوْصُوْنَ	غوطہ لگاتے ہیں
سُلَيْمٰنَ	سلیمان کو	فَهَلْ اَنْتُمْ	پس کیا تم	لَهٗ	ان کے فائدہ کے لئے
وَكُلًّا	اور ہر ایک کو	شٰكِرُوْنَ	شکر بجالانے والے ہو؟	وَيَعْمَلُوْنَ	اور کرتے ہیں وہ
اٰتَيْنَا	عطا فرمائی ہم نے	وَلِسُلَيْمٰنَ (۵)	اور (تابع کیا) سلیمان	عَمَلًا	کام
حُكْمًا	دانش مندی		کے لئے	دُوْنَ ذٰلِكَ	اس سے کم تر
وَّعِلْمًا	اور علم (نبوت)	الرِّيْحَ	ہوا کو	وَكُنَّا	اور تھے ہم
وَّسَخَّرْنَا	اور تابع کیا ہم نے	عَاصِفَةً (۶)	زور سے چلنے والی	لَهُمْ	ان کی
مَعَ دَاوٗدَ	داؤد کے ساتھ	تَجْرِيْ (۷)	چلتی ہے وہ	حٰفِظِيْنَ	حفاظت کرنے والے

(۱) نَفَشَ (ن) القُطْنُ: روئی کا دھنکنے سے بکھرنا۔ نَفَشَتِ الْماشيةُ في المَرْعٰى: مویشیوں کا رات کو چراگاہ میں گھوم کر گھاس چرنا (۲) جملہ يُسَبِّحْنَ: الجبال کا حال ہے (۳) الطير کا الجبال پر عطف ہے (۴) اللَّبُوْس: اللباس (۵) لسليمن کا عطف مع داؤد پر ہے (۶) عاصفة: الريح کا حال ہے۔ عَصَفَت (ض) الريحُ: ہوا کا تیز چلنا، آندھی طوفان آنا۔ (۷) جملہ تجری: یا تو دوسرا حال ہے، یا پہلے حال سے بدل ہے۔ (۸) من الشيطين سے پہلے سَخَّرْنَا له پوشیدہ ہے، اور من تبعیضیہ ہے۔

داؤد وسلیمان علیہما السلام کا ذکر: اب ایسے دونبیوں کا اوران کے ظاہری کمالات کا تذکرہ کیا جاتا ہے جس میں اشارہ ہے کہ ہجرت کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے اس پیغمبر کو بھی حکومت وسطوت عنایت فرمائیں گے۔ نبوت وخلافت میں منافات نہیں۔ سب سے پہلے انسان اور سب سے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام کو خلافت سے بھی سرفراز کیا جاچکا ہے۔ بعد میں بھی جن انبیاء کے لئے حالات سازگار ہوئے: وہ خلیفہ بنائے گئے۔ جیسے داؤد وسلیمان علیہما السلام۔

ارشاد ہے: ــــــ اور (آپ) داؤد وسلیمان (علیہما السلام) کا (تذکرہ کیجئے) ــــــ داؤد علیہ السلام: مشہور جلیل القدر رسول ہیں۔ ان پر زبور نازل ہوئی ہے۔ آپ ابراہیم علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام کی ذریت سے ہیں۔ حق تعالیٰ نے آپ کو دو عظیم نعمتوں سے سرفراز کیا تھا: ایک: نبی ہونا۔ دوسری: صاحبِ تاج وتخت ہونا۔ قرآن کریم (سورۂ ص آیت ۲۶) میں آپ کو ''خلیفہ'' کہا گیا ہے۔ اور یہ لقب آدم علیہ السلام کے بعد آپ ہی کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔

اور سلیمان علیہ السلام بھی جلیل القدر پیغمبر ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے فرزند ارجمند تھے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے جانشین ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے بھی نبوت وحکومت کو جمع فرمایا تھا۔ اور ایسی بادشاہت عطا فرمائی تھی جو اگلوں پچھلوں میں سے کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔ جن وانس، چرند وپرند اور ہوا تک آپ کے لئے مسخر کئے گئے تھے۔ آپ جانوروں کی بولیاں بھی جانتے تھے۔ چیونٹی تک کی بات سمجھ لیتے تھے۔ اور فصلِ خصومات میں اصابتِ رائے کا ملکہ بچپن ہی سے آپ کو عطا ہوا تھا۔ صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دو عورتیں: جن کے ساتھ ان کے دو بیٹے تھے، بھیڑیا ان میں سے ایک کو لے اڑا۔ ہر ایک دوسری سے کہنے لگی: ''تیرا بچہ لے گیا!'' دونوں داؤد علیہ السلام کے پاس فیصلہ کے لئے پہنچیں۔ آپ نے بڑی کے حق میں فیصلہ کیا۔ پھر وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس آئیں۔ آپ نے فرمایا: ''چھری لاؤ میں یہ لڑکا کاٹ کر دونوں کو دیدوں!'' چھوٹی بولی: ''خدارا ایسا نہ کیجئے۔ یہ اسی کا بچہ ہے!'' چنانچہ آپ نے چھوٹی کے حق میں فیصلہ فرمایا (بخاری حدیث ۳۴۲۷ کتاب الانبیاء، تذکرہ سلیمان علیہ السلام)

اِن آیات میں اللہ تعالیٰ نے داؤد وسلیمان علیہما السلام کے احوال میں سے پانچ باتیں ذکر کی ہیں، جو ان کے حاکم، صاحبِ اقتدار اور بڑے صاحبِ کمال ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

پہلی بات: ــــــ (یاد کرو) جب وہ کھیت کے بارے میں فیصلہ کررہے تھے۔ جب رات کے وقت اس میں ایک قوم کی بکریاں جاپڑی تھیں۔ اور ہم ان کے فیصلہ کو دیکھنے والے تھے۔ پس ہم نے سلیمان کو فیصلہ کی سمجھ دی، اور ہر ایک کو ہم نے دانش مندی اور علم عطا فرمایا ــــــ واقعہ اس طرح پیش آیا تھا کہ کچھ لوگوں کی بکریاں رات کے وقت

ایک شخص کے کھیت میں جا گھسیں، اور کھیت بالکل صاف کردیا۔ اتفاق سے کھیت کا نقصان بکریوں کی لاگت کے برابر تھا۔ مقدمہ داؤد علیہ السلام کے پاس پہنچا، آپ نے فیصلہ کیا کہ کھیت کے ضمان میں سب بکریاں کھیت والے کو دیدی جائیں۔ یہ فیصلہ اصول کے مطابق تھا۔ جب دونوں عدالت سے نکلے تو حضرت سلیمان علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے صورتِ حال دریافت کی، انھوں نے واقعہ اور حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ بتایا۔ حضرت سلیمان نے فرمایا: ''اگر تم چاہو تو میں اس سے بہتر فیصلہ کروں؟'' دونوں رضامند ہوگئے۔ آپ نے فیصلہ کیا کہ بکریاں کھیت والے کے حوالے کردی جائیں، وہ ان کی خدمت کرے اور دودھ اور اُون سے فائدہ اٹھائے۔ اور کھیت بکری والوں کے حوالے کیا جائے۔ وہ اس کی پرداخت کریں۔ اور جب کھیت سابقہ حالت پر آجائے تو کھیت: کھیت والے کو لوٹا دیا جائے، اور بکریاں: بکری والوں کو۔ چونکہ یہ فیصلہ فریقین کے حق میں مفید تھا، اس لئے دونوں فریق اس پر رضامند ہوگئے۔ یہ باہمی مصالحت کی صورت تھی۔

اس واقعہ سے تین باتیں ہر شخص معلوم کرسکتا ہے: ایک: یہ کہ دونوں حضرات صاحبِ اقتدار تھے۔ کیونکہ فیصلے حکام ہی کیا کرتے ہیں۔ دوسری: یہ کہ خداداد صلاحیت میں لوگوں کے درجات متفاوت ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں حضرات کو حکمت عطا فرمائی تھی، مگر سلیمان علیہ السلام کا پایہ بڑھا ہوا تھا۔ ''ہم نے سلیمان کو فیصلہ کی سمجھ دی'': کا یہی مطلب ہے۔ چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت کی شان ہی نرالی تھی۔ تیسری: یہ کہ فطری صلاحیت کی کمی نقص بالکل نہیں۔ ''ہم نے ہر ایک کو دانشمندی اور علم عطا فرمایا'' سے اسی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ حکمت سے مراد فطری استعداد ہے، اور علم سے مراد علم نبوت ہے۔ پس کوئی داؤد علیہ السلام کی شان میں کسی کمی کا خیال دل میں نہ لائے۔ دونوں ہی فرزانے اور جلیل القدر پیغمبر تھے۔

دوسری بات: ـــــ اور ہم نے داؤدؑ کے ساتھ پہاڑوں اور پرندوں کو حکم دے رکھا تھا جو تسبیح کرتے تھے، اور ہم ہی کرنے والے تھے ـــــ یہ آپ کے ظاہری کمالات میں سے ایک کمال تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سریلی آواز عنایت فرمائی تھی۔ آپ بے انتہا خوش آواز تھے۔ لحنِ داؤدی آج بھی مشہور ہے۔ اس پر پیغمبرانہ تاثیر الگ تھی۔ چنانچہ حالت یہ ہوتی تھی کہ جب آپ حمد وتسبیح شروع کرتے تو چرند وپرند اور شجر وحجر آپ کے ہم آواز ہوکر ذکر میں مشغول ہوجاتے تھے۔ ایسا اللہ تعالیٰ کی تسخیر سے ہوتا تھا۔ ''ہم ہی کرنے والے تھے'' کا یہی مطلب ہے۔

فائدہ: تلاوت میں حُسنِ صوت اور اچھا لہجہ مطلوب ہے۔ قرآن کو سنوار کر تجوید سے پڑھنا پسندیدہ ہے۔ صحابہ میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بہت خوش آواز تھے۔ ایک بار قرآن پڑھ رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کا ان

کے پاس سے گذر ہوا، آپؐ ٹھہر گئے اور ان کا قرآن سننے لگے۔ صبح آپؐ نے فرمایا: ”اے ابوموسیٰ! تم داؤد علیہ السلام کے راگوں میں سے ایک راگ دیئے گئے ہو“ (بخاری حدیث نمبر ۵۰۴۸) حضرت ابوموسیٰ نے عرض کیا: اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپؐ میرا قرآن سن رہے ہیں تو میں اور سنوار کر پڑھتا (ابن کثیر)

تیسری بات: —— اور ہم نے ان کو تمہارے لئے ایک ملبوس کی صنعت سکھلائی، تا کہ وہ تم کو دشمن کی زد سے بچائے، پس کیا تم شکر بجالاؤ گے؟ —— ملبوس سے مراد آہنی زِرہ ہے۔ جو جنگ میں حفاظت کے لئے پہنی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کے لئے لوہے کو موم کر دیا تھا۔ وہ اس کو موڑ کر نہایت ہلکی اور مضبوط زِرہیں تیار کرتے تھے۔ سوچو یہ صنعت انسانوں کے لئے کس قدر مفید تھی۔ پس کیا لوگ اس کا شکر بجالائیں گے؟!

فائدہ: یہ صنعت داؤد علیہ السلام کے ساتھ دنیا سے رخصت نہیں ہوگئی۔ دنیا میں باقی رہی۔ لوگ اس کو برابر ترقی دیتے رہے۔ یہاں تک کہ آج فنونِ حرب کہیں سے کہیں پہنچ گئے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے سکھلانے سے ہے۔ پس لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی اس عظیم نعمت کا شکر گزار ہونا چاہئے۔ اور شکر گزاری میں یہ بات بھی داخل ہے کہ فنونِ حرب اور ہتھیاروں کو حرام اور لغو مقاصد کے لئے استعمال نہ کیا جائے۔ بندوق بہت کارآمد آلہ ہے، مگر کوئی اس کو اپنے بھائی پر چلانے لگے تو یہ نعمت کا کفران ہے —— نیز اس آیت سے یہ بات بھی ظاہر ہوئی کہ زِرہ سازی وغیرہ اسبابِ جہاد کی تیاری انبیاء کی سنت ہے۔ سورۃ الانفال (آیت ۶۰) میں اس کی فراہمی کا حکم دیا گیا ہے۔ افسوس! آج مسلمان نبیوں کی اس سنت سے بیگانہ اور غیروں کے دست نگر ہو گئے! یہ مسلمانوں کے حق میں ہرگز نیک فال نہیں۔

چوتھی بات: —— اور ہم نے سلیمانؑ کے لئے زور سے چلنے والی ہوا کو مسخر کیا، جو ان کے حکم سے اس سرزمین کی طرف چلتی تھی جس میں ہم نے برکت فرمائی ہے، اور ہم ہر چیز کو جاننے والے ہیں! —— برکت والی سرزمین سے مراد ارض شام یعنی بیت المقدس ہے۔ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی جائے قیام تھی۔ جب آپ کہیں باہر جاتے تو وطن کی طرف ہوا کے ذریعہ واپس آتے۔ اسی طرح سورۃ صٓ (آیت ۳۶) میں صراحت ہے کہ آپ جہاں جانا چاہتے: ہوا لے جاتی۔ اللہ تعالیٰ نے ہوا کو آپ کے لئے مسخر کیا تھا۔ وہ زور سے چلتی اور آپ کے تخت کو اٹھا کر فضا میں لے جاتی، پھر نرم پڑ جاتی اور منزلِ مقصود تک پہنچا دیتی۔ آج ہوائی جہاز کے دور میں اس کو سمجھنا نہایت آسان ہے۔ اور یہ ارشاد کہ: ”ہم ہر چیز کو جاننے والے ہیں“ اس کا مطلب یہ ہے کہ کس کمال سے کس کو سرفراز کیا جائے۔ یہ بات اللہ بخوبی جانتے ہیں۔ جب سے دنیا قائم ہے ہوائی جہاز کی صنعت اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو نہیں سکھلائی تھی، اب آخر زمانہ میں جا کر یہ کمال سکھلایا، اس کی مصلحت وہی بہتر جانتے ہیں۔

پانچویں بات: ـــــ اور ہم نے شیاطین کو (سلیمان کے لئے مسخر کیا) جو ان کے لئے سمندر میں غوطے لگاتے تھے، اور اس سے کم درجہ کے کام بھی کرتے تھے، اور ہم ان کی حفاظت کرنے والے تھے ـــــ شیطان کے معنی ہیں سرکش۔ خواہ انسان ہو یا جن۔ مگر اس آیت میں شیاطین سے مراد جنات ہیں۔ سورۂ سبا (آیت ۱۲) میں اس کی صراحت ہے۔ سلیمان علیہ السلام شیاطین سے سمندر میں غوطے لگواتے تھے، تاکہ وہ اس میں سے موتی مونگے نکالیں۔ اور دوسرے کام بھی کرواتے تھے۔ مثلاً بڑی بڑی عمارتیں بنانا، حوض جتنے بڑے لگن بنانا، اور اتنی بڑی دیگیں تیار کرانا جو ایک ہی جگہ جمی رہیں (سورہ سبا آیت ۱۳) اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے جنات کو سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دیا تھا۔ وہ جو چاہتے ان سے بیگار لیتے تھے۔ آج جو کام مشینری سے لئے جاتے ہیں: سلیمان علیہ السلام وہ کام شیاطین سے لیتے تھے۔ اور وہ کوئی ضرر آپ کو نہیں پہنچا سکتے تھے، کیونکہ ان پر کنٹرول اللہ کا تھا۔ ورنہ آدمی کی کیا بساط ہے کہ وہ ایسی مخلوق کو اپنے قبضہ میں کرلے، اور زنجیروں میں جکڑ کر رکھ چھوڑے؟!

> یہود پر خدا کی مار! انھوں نے ان دونوں نبیوں کی سیرت بگاڑ رکھی ہے۔ داؤد علیہ السلام کی شان میں اُوْرِیا کی بیوی کو ہتھیانے کا واقعہ گھڑ رکھا ہے، اور سلیمان علیہ السلام کی نرالی حکومت کو جادو کا کرشمہ بتاتے ہیں، اور انگوٹھی کا قصہ گھڑ رکھا ہے۔

وَ اَیُّوْبَ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ﴿۸۳﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَیْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ ذِكْرٰی لِلْعٰبِدِیْنَ ﴿۸۴﴾ وَاِسْمٰعِیْلَ وَ اِدْرِیْسَ وَ ذَا الْكِفْلِ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۸۵﴾ وَ اَدْخَلْنٰهُمْ فِیْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۸۶﴾

وَ اَیُّوْبَ(۱)	اور ایوب کا	رَبَّهٗۤ	اپنے رب کو	الضُّرُّ	تکلیف نے
اِذْ	جب	اَنِّیْ	کہ مجھے	وَ اَنْتَ	اور آپ
نَادٰی	انھوں نے پکارا	مَسَّنِیَ	چھویا ہے	اَرْحَمُ	بڑی مہربانی کرنے والے ہیں

(۱) أیوب اور إسمعیل کا ناصب اذکر محذوف ہے۔

الرّٰحِمِيْنَ	سب مہربانوں میں	وَمِثْلَهُمْ	اوران کے مانند	وَ اِدْرِيْسَ	اورادریس کا
فَاسْتَجَبْنَا	پس دعا قبول کی ہم نے	مَّعَهُمْ	ان کے ساتھ	وَ ذَا الْكِفْلِ(۳)	اور ذوالکفل کا
لَهٗ	ان کے لئے	رَحْمَةً(۲)	مہربانی کے لئے	كُلٌّ	سب
فَكَشَفْنَا	پس دور کردی ہم نے	مِّنْ عِنْدِنَا	ہمارے پاس سے	مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ	صبر کرنے والوں سے ہیں
مَا بِهٖ	جو تھی ان کو	وَذِكْرٰى(۲)	اور نصیحت کے لئے	وَ اَدْخَلْنٰهُمْ	اور داخل کیا ہم نے انکو
مِنْ ضُرٍّ(۱)	تکلیف	لِلْعٰبِدِيْنَ	عبادت کرنے والوں	فِيْ رَحْمَتِنَا	اپنی رحمت میں
وَاٰتَيْنٰهُ	اور دیا ہم نے ان کو		کے لئے	اِنَّهُمْ	بیشک وہ
اَهْلَهٗ	ان کا کنبہ	وَاِسْمٰعِيْلَ	اور اسماعیل کا	مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ	نیکوکاروں میں سے ہیں

حضرت ایوب علیہ السلام کا تذکرہ: اس تذکرہ کا مقصد مسلمانوں کو صبر کی تلقین کرنا ہے۔ ان کو سمجھایا گیا ہے کہ وہ مکہ کے جانگداز حالات میں جی نہ چھوڑیں۔ ہمت باندھے رہیں۔ حالات ضرور بدلیں گے۔ تنگی کے بعد آسانی آئے گی۔ پریشانیاں خواہ ذاتی نوعیت کی ہوں یا دعوتی: آدمی کو کبھی بے صبر نہیں ہونا چاہئے۔ ہمت مرداں مددِ خدا!

—— اور (آپ) ایوبؑ کا (تذکرہ کیجئے) —— ایوب علیہ السلام برگزیدہ نبی تھے۔ ان کا صبر وشکر مشہور ہے۔ آپ حضرت اسحاق علیہ السلام کے بڑے صاحبزادے عیسو (عیص) کی نسل سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر طرح سے آسودہ کیا تھا۔ کھیت، مواشی، نوکر چاکر، نیک اولاد، اور فرمانبردار بیوی عطا فرمائی تھی۔ لیکن مشیتِ خداوندی کہ آزمائش آئی۔ کھیت جل گئے، مویشی مر گئے، اولاد ساری ایک ساتھ دب کر مرگئی، دوست ناآشنا ہوگئے، بدن میں آبلے پڑ گئے، بس ایک بیوی رفیقۂ حیات رہ گئی۔ آپ جیسے نعمت میں شاکر تھے بلاء میں بھی صابر رہے۔ لیکن جب تکالیف حد سے بڑھ گئیں تو آپ نے دعا کی —— جب انھوں نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ مجھے تکلیف نے چھولیا ہے، اور آپ ارحم الراحمین ہیں! —— دعا کا انداز کتنا پیارا ہے۔ نہایت مختصر اور ہلکے انداز میں تکلیف کا ذکر کیا، اور بس یہ کہہ کر رہ گئے کہ "الٰہی! آپ سب مہربانوں سے بڑے مہربان ہیں!" نہ کوئی شکوہ شکایت نہ کوئی مطالبہ، مرضیِ مولیٰ از ہمہ اولیٰ! جیسے کوئی فاقہ مست کسی کریم النفس سے کہے: "میں بھوکا ہوں اور آپ فیاض ہیں!" تو اس میں سب

(۱) مِن: بیانیہ ما کا بیان ہے، اس لئے اس کا ترجمہ نہیں کیا گیا (۲) رحمة اور ذکری: مفعول لہٗ ہیں (۳) ذوالکفل: حصہ دار، ذو: والا کِفْل: حصہ، یہ اسم ہے مصدر نہیں، مصدر کاف کے زبر کے ساتھ آتا ہے۔ آپ نے حضرت اَلْيَسَع علیہ السلام کی جو اسرائیلی نبی ہیں زندگی میں قائم مقامی کی تھی، اس لئے آپ کا یہ لقب ہوگیا تھا، جیسے ذوالنون (مچھلی والے) یونس علیہ السلام کا لقب ہوگیا ہے۔

کچھ آ گیا، ہمیں اس سے دعا کا ادب سیکھنا چاہئے ـــــــ پس ہم نے ان کی دعا قبول کی، اوران کو جو تکلیف تھی وہ دور کردی، اور ہم نے ان کو ان کا کنبہ اور اتنے ہی اور اس کے ساتھ عطا فرمائے، ہماری طرف سے مہربانی اور عبادت گزاروں کی نصیحت کے لئے! ـــــــ یعنی جب انھوں نے اللہ تعالیٰ کو پکارا تو اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوئی۔ اُن کو حکم دیا گیا کہ زمین پر پیر ماریں، نہانے اور پینے کے لئے ٹھنڈا چشمہ پھوٹ پڑا۔ جس سے سب بیماریاں دور ہوگئیں، اور اللہ تعالیٰ نے فوت شدہ اولاد سے دُوگنی اولاد دیدی۔ مال بھی بے حساب مل گیا۔ بخاری شریف میں روایت ہے کہ آپ نہا رہے تھے، اچانک سونے کی ٹڈیاں برسنے لگیں۔ آپ ان کو کپڑے میں جمع کرنے لگے۔ ندا آئی کہ کیا ہم نے آپ کو غنی نہیں کیا؟ آپ نے عرض کیا: بیشک! مگر میں آپ کی برکت سے کیسے بے نیاز ہوسکتا ہوں! (بخاری حدیث نمبر ۳۳۹۱) ایوب علیہ السلام پر یہ سب مہربانیاں عبادت گزار بندوں کے لئے نصیحت ہیں۔ اگر وہ بھی امتحان میں اسی طرح ثابت قدم رہیں تو رحمتِ خداوندی ضرور ان کی دستگیری کرے گی۔

حضرت ایوب علیہ السلام صبر وشکر کے پیکر تھے، اوران کی زندگی نیک بندوں کے لئے نمونہ ہے

تین اور نبیوں کا تذکرہ: اس تذکرہ کا مقصد بھی مسلمانوں کو صبر کی تلقین کرنا ہے ـــــــ اور (آپؐ) اسماعیل وادریس وذوالکفل کا (تذکرہ کیجئے) ـــــــ حضرت اسماعیل علیہ السلام نبی اور رسول ہیں۔ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ جب آپ شیرخوار تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام آپ کو اور آپ کی والدہ صاحبہ کو بحکمِ الٰہی ایک بے آب وگیاہ سرزمین میں بسا گئے تھے۔ اسی وادی (مکہ مکرمہ) میں آپ پلے بڑھے اور یہیں والد صاحب کے ساتھ مل کر کعبہ شریف تعمیر کیا۔ عرب کے اکثر قبائل آپ کی اولاد ہیں۔ غرض آپ بچپن ہی سے صبر آزما مراحل سے گذرے ہیں ـــــــ اور ادریس علیہ السلام بھی جلیل القدر پیغمبر ہیں۔ قرآن میں آپ کا تذکرہ دوجگہ آیا ہے۔ یہاں اور سورۂ مریم میں۔ آپ کے نام ونسب اور زمانے کے بارے میں مؤرخین میں اختلاف ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے سند کی کمزوری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول نقل کیا ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام ہی کا نام ادریس ہے (بخاری کتاب الانبیاء باب ۴) اگر یہ بات صحیح ہے تو آپ اسرائیلی پیغمبر ہیں۔ آپ کی قوم بَعل کی پرستار تھی۔ اور آپ الیسع پیغمبر کے چچازاد بھائی تھے ـــــــ حضرت ذوالکفل علیہ السلام کا تذکرہ قرآن کریم میں دوجگہ انبیاء کے زمرہ میں آیا ہے۔ یہاں اور سورۂ صٓ میں۔ آپ بھی اسرائیلی پیغمبر اور حضرت اَلْیَسَعْ علیہ السلام کے جانشین تھے۔ مشہور مفسر حضرت مجاہد رحمہ اللہ بیان

فرماتے ہیں کہ جب اسرائیلی نبی حضرت الیسع علیہ السلام بوڑھے ہوگئے تو آپ نے چاہا کہ کسی کو قائم مقام کریں۔ انھوں نے بنی اسرائیل کا اجتماع کرکے اپنا ارادہ ظاہر کیا، اور فرمایا کہ میں ایسے شخص کو خلیفہ بنانا چاہتا ہوں جو تین باتوں کا عہد کرے: دن بھر روزہ رکھے، رات کو اللہ کی یاد میں مشغول رہے اور کبھی غصہ نہ لائے۔ حضرت ذوالکفل علیہ السلام نے ان باتوں کا عہد کیا اور وہ خلیفہ بنادیئے گئے (قصص القرآن ۲:۲۲۶) —— ان تینوں حضرات کے بارے میں ارشاد ہے —— سب صبر کرنے والے ہیں۔ اور ہم نے ان کو اپنی رحمت میں داخل کیا، وہ یقیناً نیکوکاروں میں سے ہیں —— پس مسلمانوں کو بھی مکہ کے موجودہ حالات میں یہی دو باتیں پیشِ نظر رکھنی چاہئیں: ایک: صبر وشکر، دوسری: صلاح وتقوی۔ اگر یہ دو باتیں ان کو حاصل رہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو بھی اپنی رحمت میں داخل کریں گے۔ اور کافروں کے نرغے سے نکالیں گے —— الحمدللہ! صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ان نصیحتوں کو حرزِ جان بنایا۔ ان کو حضرت ایوب علیہ السلام کی طرح جسمانی اذیتیں برداشت کرنی پڑیں، حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طرح بے وطن ہونا پڑا، اور حضرت ادریس وذوالکفل علیہما السلام کی طرح دشمنوں کے طعن وتشنیع کا نشانہ بننا پڑا، مگر وہ ہر حال میں ثابت قدم رہے۔ چنانچہ وقت آیا کہ رحمتِ خداوندی نے ان کو اپنی آغوش میں لے لیا۔

> اللہ کی رحمت ونصرت نیکوکار صابروں کے شاملِ حال ضرور ہوتی ہے، جبکہ وہ ہتھیلی پر سرسوں جمانا نہ چاہیں!

وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِى الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۷﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۭ وَكَذٰلِكَ نُـْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾

وَذَا النُّوْنِ(۱)	اور مچھلی والے کا	مُغَاضِبًا(۲)	خفا ہوکر	لَّنْ نَّقْدِرَ(۳)	ہرگز دارو گیر نہ کریں
اِذْ	جب	فَظَنَّ	پس گمان کیا انھوں نے		گے ہم
ذَّهَبَ	چل دیئے وہ	اَنْ	کہ	عَلَيْهِ	ان پر

(۱) النُّون: مچھلی، ذوالنون: مچھلی والا، حضرت یونس علیہ السلام کا لقب ہے۔ (۲) مُغَاضِب: اسم فاعل، از مُغَاضَبَة: مصدر باب مفاعلہ، غَاضَبَ فلانًا: کسی سے ناراض ہوکر الگ ہوجانا، ترکِ تعلق کرنا۔ (۳) نَقْدِرَ: باب ضرب کے مصدر قَدْر سے ←

فَنَادٰی	پس پکارا انھوں نے	سُبۡحٰنَكَ	پاک ہیں آپ	وَنَجَّيۡنٰهُ	اور نجات دی ہم نے انکو
فِى الظُّلُمٰتِ	اندھیروں میں	اِنِّىۡ كُنۡتُ	بیشک تھا میں	مِنَ الۡغَمِّ	گھٹن سے
اَنۡ	کہ	مِنَ الظّٰلِمِيۡنَ	قصورواروں میں سے	وَكَذٰلِكَ	اور اسی طرح
لَّاۤ اِلٰهَ	کوئی معبود نہیں	فَاسۡتَجَبۡنَا	پس دعا قبول کی ہم نے	نُـنۡجِى	نجات دیتے ہیں ہم
اِلَّاۤ اَنۡتَ	مگر آپ	لَهٗ	ان کے لئے	الۡمُؤۡمِنِيۡنَ	ایمان والوں کو

حضرت یونس علیہ السلام کا تذکرہ: اس تذکرہ سے مقصود نبی ﷺ کو ایک خاص قسم کے صبر کا حکم کرنا ہے کہ آپؐ ہجرت کے سلسلہ میں جلدی نہ کریں، حکم الٰہی کا انتظار کریں۔ یہی بات سورۃ القلم (آیت ۴۸) میں صراحۃً کہی گئی ہے۔ ارشاد ہے: ﴿ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ ﴾ یعنی آپ اپنے پروردگار کے حکم کے لئے صبر کیجئے، اور مچھلی والے پیغمبر کی طرح نہ ہوجایئے۔ ارشاد ہے —— اور (آپؐ) مچھلی والے کا (تذکرہ کیجئے) —— مچھلی والے یعنی حضرت یونس علیہ السلام بھی اسرائیلی پیغمبر ہیں۔ اہلِ نینوی کی طرف مبعوث کئے گئے تھے جو فرات کے کنارے پر رہے۔ آپ عرصہ تک ان کو توحید کی دعوت دیتے رہے، مگر انھوں نے مطلق نہ سنا۔ جب ان کا تمرد بڑھ گیا تو ان سے وعدہ کیا گیا کہ تین دن کے بعد عذاب آئے گا۔ حضرت یونس علیہ السلام نے خیال کیا کہ اب یہاں میرا کام نہیں رہا، چنانچہ وہ وحی کا انتظار کئے بغیر چل دیئے۔ ارشاد ہے: —— جب وہ قوم سے خفا ہوکر چل دیئے، پس انھوں نے خیال کیا کہ ہم ہرگز ان پر داروگیر نہ کریں گے —— یعنی ان کے خیال میں قوم کو چھوڑ کر چل دینا حکم خداوندی کے خلاف نہ تھا۔ کیونکہ جب بھی کسی قوم پر عذاب آتا ہے تو نبی اور مؤمنین کو وہاں سے نکال لیا جاتا ہے۔ اور ان کی قوم کو عذاب کی خبر دی جاچکی تھی، پس ان کا نکل جانا روا ہے، مگر حقیقت میں یہ بات منشأ خداوندی کے خلاف تھی، کیونکہ تقدیر الٰہی میں اس قوم سے عذاب ٹل جانے والا تھا۔ اور اس قوم کو راہ نمائی کے لئے یونس علیہ السلام کی ضرورت تھی۔ چنانچہ آپ کو ابتلاء پیش آیا۔ آپ بستی سے نکل کر دریا کے کنارے پہنچے۔ ایک کشتی کو مسافروں سے بھرا ہوا تیار پایا۔ آپ سوار ہوئے اور کشتی نے لنگر اٹھایا۔ منجدھار میں پہنچ کر کشتی ڈگمگانے لگی۔ کشتی والے اپنے عقیدہ کے مطابق کہنے لگے: ''ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کشتی میں کوئی غلام اپنے آقا سے بھاگا ہوا ہے، جب تک اس کو کشتی سے جدا نہ کیا جائے گا نجات مشکل ہے'' یونس علیہ السلام فوراً سمجھ گئے کہ وہ غلام وہی ہیں جو آقا سے بھاگے ہیں۔ انھوں نے پیش

← مشتق ہے، قدرت سے مشتق نہیں، کیونکہ اللہ کو عاجز تصور کرنا شانِ نبوت کے خلاف ہے۔ راغب نے بھی قدر علیہ کے معنی تنگی کرنا کئے ہیں۔

کش کی کہ مجھے دریا میں ڈال دو، مگر ملاح اور کشتی والے آپ کی نیکی کی وجہ سے اس کے لئے تیار نہ ہوئے، اور قرعہ اندازی کی ٹھہری۔ تین بار قرعہ ڈالا گیا، ہر بار آپ ہی کا نام نکلا، تو مجبور ہو کر لوگوں نے یونس علیہ السلام کو دریا کے حوالے کیا، اور آگے چل دیئے۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے ایک بڑی مچھلی کو حکم دیا، اس نے آپ کو نگل لیا ـــــــ پس انھوں نے تاریکیوں میں پکارا کہ آپ کے سوا کوئی معبود نہیں، آپ پاک ہیں، بیشک میں قصورواروں میں سے تھا ـــــــ مچھلی کو حکم تھا کہ وہ یونس علیہ السلام کا لقمہ نہ بنائے، صرف نگل جائے، چنانچہ وہ آپ کو صحیح سالم نگل گئی۔ آپ نے دریا کی گہرائی، مچھلی کے پیٹ اور رات کی تاریکی: تین اندھیروں میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی، اور اپنی کوتاہی کا اعتراف کیا کہ بیشک میں نے جلدی کی، آپ کے حکم کا انتظار نہ کیا اور قوم کو چھوڑ کر چل دیا، میں یقیناً قصوروار ہوں، مگر خدایا آپ ہی معبود ہیں، آپ کے دَر کو چھوڑ کر کہاں جاؤں۔ آپ ہر عیب اور ہر کمی سے پاک ہیں۔ اور میں بندہ ہوں خطا کا پتلا! خدایا! میری خطا معاف فرما! ـــــــ پس ہم نے ان کی دعا قبول کی، اور ان کو بے چینی سے نجات بخشی، اور اسی طرح ہم ایمان والوں کو نجات دیتے ہیں ـــــــ مچھلی کو حکم ہوا اس نے ساحل پر آپ کو اُگل دیا۔ مچھلی کے پیٹ کی گرمی سے آپ کے بدن کی کھال اتر گئی تھی، اور جسم ایسا ہو گیا تھا جیسا پرندے کے نئے نکلے ہوئے بچہ کا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فوراً ایک پتے دار پودا اُگایا جس نے آپ کو ڈھانپ لیا۔ مکھی مچھروں کی تکلیف سے آپ محفوظ ہو گئے۔ جب صحت مند ہوئے تو قوم کی طرف واپس جانے کا حکم ملا۔ قوم کا عذاب ٹل گیا تھا۔ سورۂ یونس (آیت ۹۸) میں اس کا واقعہ گذر چکا ہے۔ وہ لوگ اپنے نبی کی تلاش میں تھے کہ آپ پہنچ گئے اور ان کی راہ نمائی کا فریضہ انجام دینا شروع کر دیا۔

آخر میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ عنایت یونس علیہ السلام کے ساتھ خاص نہیں۔ جو بھی ایماندار بندہ اس طرح اللہ تعالیٰ کو پکارے گا اللہ تعالیٰ اس کو بلاؤں سے نجات دیں گے۔

﴿ لَاإِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِيْنَ﴾ بابرکت آیت ہے۔ حدیث میں ہے کہ جو مسلمان کسی معاملہ میں اس آیت کے ذریعہ دعا کرے گا: اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرمائیں گے۔ (ترمذی)

وَ زَكَرِيَّآ إِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّأَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ۝۸۹ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَأَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ إِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ۝۹۰ وَالَّتِيْٓ أَحْصَنَتْ

فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهَا مِن رُّوحِنَا وَجَعَلْنَاهَا وَابْنَهَا آيَةً لِّلْعَالَمِينَ ﴿٩١﴾ إِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ ﴿٩٢﴾ وَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُم بَيْنَهُمْ ۖ كُلٌّ إِلَيْنَا رَاجِعُونَ ﴿٩٣﴾

وَزَكَرِيَّا(۱)	اورزکریا کا	لَهُ	ان کے لئے	فِيهَا	اس عورت میں
إِذْ	جب	زَوْجَهُ	ان کی بیوی کو	مِن رُّوحِنَا	ہماری خاص روح سے
نَادَىٰ	پکارا انھوں نے	إِنَّهُمْ	بیشک وہ	وَجَعَلْنَاهَا	اور بنایا ہم نے اس کو
رَبَّهُ	اپنے رب کو	كَانُوا	تھے	وَابْنَهَا	اور اس کے بیٹے کو
رَبِّ	اے میرے رب!	يُسَارِعُونَ(۳)	دوڑتے	آيَةً	بڑی نشانی
لَا تَذَرْنِي	مت رکھیو مجھے	فِي الْخَيْرَاتِ	نیک کاموں میں	لِّلْعَالَمِينَ	جہانوں کے لئے
فَرْدًا	تنہا	وَيَدْعُونَنَا	اور پکارتے ہمیں	إِنَّ هَٰذِهِ	بیشک یہ
وَأَنتَ	اور آپ	رَغَبًا(۴)	امید	أُمَّتُكُمْ	تمہارا طریقہ ہے
خَيْرُ	بہترین ہیں	وَرَهَبًا(۴)	اور ڈر سے	أُمَّةً(۵)	طریقہ
الْوَارِثِينَ	سب وارثوں میں	وَكَانُوا	اور تھے وہ	وَاحِدَةً	ایک
فَاسْتَجَبْنَا	پس دعا قبول کی ہم نے	لَنَا	ہمارے سامنے	وَأَنَا	اور میں
لَهُ	ان کے لئے	خَاشِعِينَ	دب کر رہنے والے	رَبُّكُمْ	تمہارا رب ہوں
وَوَهَبْنَا	اور عطا فرمایا ہم نے	وَالَّتِي(۱)	اور اس عورت کا جس نے	فَاعْبُدُونِ	پس عبادت کرو میری
لَهُ	ان کو	أَحْصَنَتْ	بچایا	وَتَقَطَّعُوا(۶)	اور بانٹ لیا انھوں نے
يَحْيَىٰ	یحیٰ	فَرْجَهَا	اپنے ناموس کو	أَمْرَهُم	اپنے معاملہ کو
وَأَصْلَحْنَا(۲)	اور سنوار دیا ہم نے	فَنَفَخْنَا	پس پھونکی ہم نے	بَيْنَهُمْ	آپس میں

(۱)زکریا اور التی کا ناصب اذکر محذوف ہے (۲) أَصْلَحَ الشيئَ: ٹھیک کرنا، اصلاح کرنا (۳) سَارَعَ إلى كذا: جلدی کرنا، لپکنا (۴) رغبا ورهبا: دونوں مصدر ہیں، مبالغۃً محمول ہیں، اور حال ہیں۔ (۵) أمة: طریقہ، مذہب، مشرب۔ أمة واحدة: حال ہے أمتكم سے۔ (۶) تَقَطَّعَ: لازم ہے، مگر جَعَلَ کے معنی کو متضمن ہے، اس لئے مفعول کی طرف بلا واسطہ متعدی کیا گیا ہے (روح)

كُلٌّ	سب	اِلَيْنَا	ہماری طرف	رٰجِعُوْنَ	لوٹنے والے ہیں

حضرت ایوب علیہ السلام اور دیگر انبیاء کے تذکرہ سے مسلمانوں کو ہمت دلائی تھی۔ پھر یونس علیہ السلام کے تذکرہ سے نبی ﷺ کو منتظرِ حکم رہنے کا اشارہ کیا تھا۔ اب آخر میں زکریا، یحییٰ اور عیسیٰ علیہم السلام اور مریم رضی اللہ عنہا کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ اس تذکرہ کا مقصد اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا بیان ہے۔ حالات خواہ کیسے ہی خراب ہوں: اللہ تعالیٰ ان کو سنوارنے پر پوری طرح قدرت رکھتے ہیں۔ زکریا علیہ السلام کی اہلیہ بانجھ تھیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو قابل اولاد بنادیا۔ اسی طرح کبھی محیر العقول کرشمہ بھی دکھاتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت اس کی مثال ہے۔ پھر انبیاء کا تذکرہ اس بات پر ختم کیا ہے کہ ان سب پیغمبروں کا جو دین تھا وہی دین یہ آخری پیغمبر پیش کر رہے ہیں، کوئی نئی بات نہیں کہہ رہے۔ پھر قبول کرنے میں پس وپیش کیوں ہے؟

زکریا علیہ السلام کا تذکرہ: —— اور (آپؐ) زکریا کا (تذکرہ کیجئے) —— زکریا علیہ السلام بھی اسرائیلی نبی ہیں۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ اپنی روزی کے لئے نجّاری کا پیشہ کرتے تھے۔ اور بنی اسرائیل کی رشد وہدایت کا فریضہ انجام دیتے تھے۔ آپ ہی نے اپنی سالی کی لڑکی حضرت مریمؑ کی کفالت کی تھی۔ آپ کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ جب آپ نے حضرت مریم کے حجرہ میں غیر موسمی پھل دیکھے تو ناوقت اولاد کی خواہش پیدا ہوئی —— جب انھوں نے اپنے پروردگار کو پکارا: ''اے میرے ربّ! مجھے لاوارث نہ چھوڑیئے! اور آپ سب سے بہترین وارث ہیں!'' —— یعنی حقیقی وارث تو آپ ہی ہیں، مگر مجھے ظاہری وارث بھی عطا فرمائیں جو میرے بعد دین کی خدمت کرے —— پس ہم نے ان کی دعا قبول کی، اور ہم نے ان کو یحییٰ عطا فرمایا، اور ہم نے ان کے لئے ان کی بیوی کو سنوار دیا —— یعنی ان کی بانجھ بیوی کو ولادت کے قابل بنادیا۔ عادتِ الٰہی یہ جاری ہے کہ جو چیزیں عموماً جن اسباب سے پیدا ہوتی ہیں انہیں کو سنوار دیا جاتا ہے۔ اگرچہ وہ بلا اسباب بھی پیدا کرنے پر قادر ہیں، جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ میں آرہا ہے —— بیشک وہ نیک کاموں کی طرف لپکتے تھے، اور ہمیں شوق وخوف سے پکارتے تھے، اور ہمارے سامنے دب کر رہتے تھے —— یعنی یہ سب انبیاء جن کا اوپر تذکرہ کیا گیا یا زکریا علیہ السلام کا پورا گھرانہ ایمانی اوصاف کا حامل تھا۔ ایمانی اوصاف تین ہیں:

پہلا وصف: —— بھلائی کے کاموں کی طرف پیش قدمی کرنا —— نیک بندوں کا یہ وصف قرآن میں اور جگہ بھی آیا ہے[1] ان کو جب نیکی کے کاموں کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ دوڑ کر دوسروں سے آگے نکل جانے کی

(۱) جیسے سورۃ آل عمران آیت ۱۱۴، اور سورۃ المؤمنون آیت ۶۱

کوشش کرتے ہیں۔ نیک کام کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ کیونکہ انسان کے حالات یکساں نہیں رہتے۔ پس فرزانہ وہ ہے جو فرصت کو غنیمت سمجھے۔ حدیث میں ہے کہ پانچ حالتوں کو پانچ حالتوں سے پہلے غنیمت جانو: جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، تندرستی کو بیماری سے پہلے، خوش حالی کو تنگدستی سے پہلے، فراغت کو مشغولیت سے پہلے، اور زندگی کو موت سے پہلے (رواہ الترمذی) پس جس کو جوانی کی قوت ملی ہے وہ بڑھاپے کی کمزوری آنے سے پہلے اس سے فائدہ اٹھالے، جس کو تندرستی کی نعمت ملی ہے وہ بیماری کی مجبوری آنے سے پہلے اس سے کام لے لے، جس کو خوش حالی نصیب ہوئی ہے وہ تنگ دستی سے پہلے اس کو غنیمت جانے، جسے فرصت ہاتھ آئی ہے وہ مشغولیت سے پہلے اس کی قدر کرلے، اور زندگی کے بعد موت یقینی ہے، پس زندگی کا کوئی لمحہ ضائع نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو زندگی سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)

دوسرا وصف: —— امید وبیم سے بندگی کرنا —— ایمان: خوف ورجاء کی درمیانی کیفیت کا نام ہے۔ مؤمن: اللہ کی رحمت کا امیدوار بھی ہوتا ہے، اور اپنی کوتاہیوں سے خائف بھی رہتا ہے۔ نیک کاموں سے آس بھی بندھتی ہے، اور ان کی عدم قبولیت کا کھٹکا بھی لگا رہتا ہے۔ گناہوں سے خائف بھی ہوتا ہے، اور مغفرت کی امید بھی رکھتا ہے۔ صرف خوف ناامیدی پیدا کرتا ہے۔ اور اللہ کی رحمت سے ناامیدی کفر ہے۔ اور صرف امید بےفکری پیدا کرتی ہے آدمی عمل سے غافل ہوجاتا ہے، اور رحمتِ خداوندی پر تکیہ کرلیتا ہے۔ پس مناسب حال دونوں باتوں کا اجتماع ہے۔ اور بعض متصوفین کا یہ کہنا ہے کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کو توقع یا ڈر سے پکارے وہ اصلی مُحِب نہیں۔ یہ بات غلط ہے انبیاء سے بڑھ کر اللہ کا محبّ کون ہوسکتا ہے؟!

تیسرا وصف: —— اللہ تعالیٰ کے سامنے دب کر رہنا —— اللہ تعالیٰ کے حضور میں عاجزی، نیازمندی، فروتنی اور انکساری ظاہر کرنا اصل بندگی ہے۔ جب مؤمن کو اللہ کی یاد آتی ہے، اور وہ اللہ کے معاملات میں اچھی طرح غور وفکر کرتا ہے تو اس کی روح بیدار ہوتی ہے، اور اس کا میلان عالم قدس کی طرف ہوجاتا ہے، حواس منکسر ہوجاتے ہیں، اور نفس ناطقہ حیرت زدہ اور درماندہ ہوکر رہ جاتا ہے۔ یہی کیفیت خشوع واخبات کہلاتی ہے۔ جیسے ایک عام آدمی جب دربارِ شاہی میں پہنچتا ہے، اور بادشاہ کا جاہ وجلال دیکھتا ہے تو اس پر مرعوبیت طاری ہوجاتی ہے، اور وہ خود کو بالکل عاجز سمجھنے لگتا ہے۔ اسی کیفیت کا نام اخبات ہے جو بندے میں وصفِ محمود ہے۔

عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ: —— اور (آپؐ) اس خاتون کا (تذکرہ کیجئے) جس نے اپنے ناموس کی حفاظت کی (نکاح سے بھی اور ناجائز سے بھی) —— یہ معزز عورت مریم رضی اللہ عنہا ہیں۔ آپ کے والد کا نام

عمران ہے۔انہی کے نام پر سورۃ آل عمران ہے۔آپ ولیہ (نیک خاتون) تھیں۔بچپن ہی میں اللہ کی طرف سے آپ کے پاس پھل آتے تھے۔آپ نے کبھی نکاح نہیں کیا،اس لئے مریم عذراء (کنواری) کے لقب سے مشہور ہوئیں۔یہود پر خدا کی مار! انھوں نے آپ پر گندے الزامات لگائے ہیں،قرآن نے اس کی صفائی کی ہے۔آپ کے بطن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ارشاد ہے: —— پس ہم نے اس خاتون میں اپنی روح پھونکی،اور ہم نے اس کو اور اس کے بیٹے کو دنیا جہاں کے لئے نشانی بنایا —— اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی بھی،اور نبوت کے مختلف سلسلوں کو خاتم النبیین ﷺ میں مجتمع کرنے کی بھی —— آپ کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی نشانی اس طرح ہے کہ توالد و تناسل کا سلسلہ مرد و زن سے قائم ہے۔مگر اللہ تعالیٰ قادر ہیں کہ ایک سے بچہ پیدا کریں۔بلکہ دونوں کے بغیر بھی انسان کو پیدا کر سکتے ہیں۔آخر آدم علیہ السلام کو ماں باپ کے بغیر پیدا کیا ہی ہے —— اور نبوت کے سلسلوں کو جمع کرنے کی تفصیل یہ ہے کہ خاتم النبیین ﷺ سے پہلے دنیا میں نبوت کے مختلف سلسلے جاری تھے۔کوئی قوم ایسی نہیں ہوئی جس میں اللہ نے نذیر نہ بھیجا ہو۔پھر جب اس سلسلہ کی تکمیل کا وقت آیا،تو تمام سلسلوں کو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ میں جمع کر دیا،اور آپ کو تمام سلسلوں کا خاتم گردانا گیا۔

مگر یہ اجتماع چونکہ ایک معنوی چیز تھی،جس کو تسلیم کرنے میں شاید کوئی توقف کرے،اس لئے آپ کی تشریف آوری سے چھ سو سال پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ کرشمہ دکھایا کہ توالد و تناسل کا سلسلہ جو مرد و زن سے قائم تھا،ایک میں سمیٹ دیا،اور صرف عورت سے عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا کیا۔یہ ایک محسوس معاملہ تھا۔اور اس کا اجتماع معنویات کے اجتماع سے بعید تر تھا۔مگر اللہ کی قدرت نے لوگوں کو یہ کرشمہ دکھایا،تا کہ جب ختم نبوت کا اعلان کیا جائے تو لوگ اس کے تسلیم کرنے میں پس و پیش نہ کریں —— اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ آسمان پر اٹھایا جانا معراج نبوی کی تمہید تھا۔جب عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر جا سکتے ہیں،اور قیامت سے پہلے نازل ہونگے،تو نبی ﷺ معراج میں آسمانوں کے اوپر جا کر واپس کیوں نہیں آ سکتے ؟! —— غرض عیسیٰ علیہ السلام کی ذات میں دو نشانیاں ہیں۔دنیا جہاں والے ان سے وہ دو باتیں سمجھ سکتے ہیں جو نبی ﷺ کو پیش آنے والی ہیں۔

اور ''اپنی روح'' کا مطلب معزز و محترم روح ہے۔اضافت تشریف کے لئے ہے یعنی مخصوص روح۔قرآن کریم میں یہی تعبیر آدم علیہ السلام کی روح کے لئے بھی آئی ہے۔سورۃ الحجر (آیت ۲۹) میں ہے:﴿وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ﴾ یعنی جب میں اس (پتلے) میں اپنی مخصوص روح پھونکوں۔پس اس تعبیر سے کسی کو غلط فہمی نہ ہو کہ عیسیٰ علیہ السلام کی روح کچھ انسانی ارواح سے مختلف چیز تھی۔جیسا کہ عیسائیوں کو دھوکہ لگا ہے —— اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی

ولادت کی تفصیل سورۂ مریم کے دوسرے رکوع میں گذر چکی ہے۔ جب حضرت مریم رضی اللہ عنہا ماہواری کے غسل سے فارغ ہوکر کپڑے پہن چکیں تو حضرت جبرئیل علیہ السلام ظاہر ہوئے۔ اور انھوں نے گریبان میں پھونک ماری جس سے حمل ٹھہر گیا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے —— اور حدیث میں ہے کہ رحم مادر میں ہر بچہ کے جسم میں روح فرشتہ ہی پھونکتا ہے۔ پس جبرئیل علیہ السلام کا روح پھونکنا صرف بایں معنی امتیاز ہے کہ وہ جسم تیار ہونے سے پہلے پھونکی گئی تھی۔ باقی نفس روح کے پھونکنے میں سبھی انسانوں کا معاملہ یکساں ہے۔

اب انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ ختم کیا جاتا ہے۔ آخر میں عام خطاب ہے جس میں کفار مکہ بھی داخل ہیں۔ ارشاد ہے: —— بیشک یہ تمہاری جماعت ہے: جماعتِ واحدۃ، اور میں تمہارا پروردگار ہوں، پس میری عبادت کرو —— یعنی اوپر جن انبیاء کا تذکرہ آیا ہے وہ سب ایک جماعت ہیں۔ سب کا دین ایک ہے۔ اور سب اصول میں متحد ہیں۔ وہی دین یہ آخری پیغمبر پیش کر رہے ہیں۔ اس دین کی بنیادی تعلیم توحید ہے۔ جس میں کسی نبی کا اختلاف نہیں رہا، اور جس پر قائم رہنا سب پر واجب ہے۔ پس سب کو چاہئے کہ میری عبادت کریں، اور شرک کو یک لخت چھوڑ دیں۔

اور اگر کسی کے دل میں خیال آئے کہ جب سب نبیوں کا دین ایک ہے تو ان کی امتیں آپس میں مختلف کیوں ہیں؟ اس کی وجہ ارشاد فرماتے ہیں: —— اور انھوں نے اپنے معاملہ کو آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کرلیا —— یعنی یہ اختلافات بعد کے لوگوں نے پیدا کئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو اصولی طور پر سب کو ایک ہی دین دیا تھا۔ لوگوں نے آپس میں پھوٹ ڈال لی —— سب ہماری طرف لوٹنے والے ہیں —— اس وقت عملی فیصلہ ہوجائے گا۔ اور دودھ پانی سے الگ ہوجائے گا۔

کل جب حقائق سے پردہ اٹھے گا دیکھنا کچھ مفید نہ ہوگا، آج عقل سے کام لے کر حق وباطل کو پہچانا جائے تو ہی مفید ہے۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ﴿۹۴﴾ وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۹۵﴾ حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا

بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۹۷﴾ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ۭ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ﴿۹۸﴾ لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَاۗءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ۭ وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۹۹﴾ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

فَمَنْ	پس جو شخص	لَا يَرْجِعُوْنَ	نہیں لوٹیں گے	شَاخِصَةٌ(۸)	(کہ) اٹھنے والی ہونگی
يَّعْمَلْ	کرے گا	حَتّٰٓى	یہاں تک کہ	اَبْصَارُ	نگاہیں
مِنَ الصّٰلِحٰتِ	نیک کاموں سے	اِذَا	جب	الَّذِيْنَ	ان کی جنھوں نے
وَهُوَ	درانحالیکہ وہ	فُتِحَتْ	کھولے جائیں گے	كَفَرُوْا	انکار کیا
مُؤْمِنٌ	ایمان والا ہو	يَاْجُوْجُ	یاجوج	يٰوَيْلَنَا	اے ہماری شامت!
فَلَا كُفْرَانَ(۱)	تو نہیں ناشکری ہے	وَمَاْجُوْجُ	اور ماجوج	قَدْ كُنَّا	تحقیق تھے ہم
لِسَعْيِهٖ	اس کے عمل کے لئے	وَهُمْ	اور وہ	فِيْ غَفْلَةٍ	بے خبری میں
وَاِنَّا	اور بیشک ہم	مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ(۵)	ہر بلندی سے	مِّنْ هٰذَا	اس سے
لَهٗ(۲)	اس کو	يَّنْسِلُوْنَ(۶)	پھسل رہے ہونگے	بَلْ	بلکہ
كٰتِبُوْنَ	لکھنے والے ہیں	وَاقْتَرَبَ	اور نزدیک آگیا	كُنَّا	تھے ہم
وَحَرٰمٌ(۳)	اور حرام ہے	الْوَعْدُ	وعدہ	ظٰلِمِيْنَ	ظلم کرنے والے
عَلٰى قَرْيَةٍ	اس بستی پر	الْحَقُّ	برحق	اِنَّكُمْ	بیشک تم
اَهْلَكْنٰهَآ	جس کو ہلاک کیا ہم نے	فَاِذَا	پس اچانک	وَمَا	اور جن کو
اَنَّهُمْ(۴)	کہ وہ لوگ	هِيَ(۷)	قصہ یہ ہوگا	تَعْبُدُوْنَ	پوجتے ہوتم

(۱) کُفران: مصدر: ناشکری، ناقدری۔(۲) له کا مرجع عمل ہے، جو یعمل سے مفہوم ہوتا ہے، اور من بھی مرجع ہوسکتا ہے، اس صورت میں لام برائے انتفاع ہوگا۔(۳) حَرَام: مبتدا ہے، اور خبر جملہ أنهم لایرجعون ہے(۴) جملہ أنهم لایرجعون: خبر ہے، اور مبتدا کا مفہوم (نفی) جملہ خبریہ میں شامل کیا گیا ہے۔(۵) الحَدَب: بلند زمین، ڈھلان، کوہڑ۔ حَدِبَتِ (س) الأرضُ: زمین کے کچھ حصہ کا ابھرا ہوا ہونا۔(۶) نَسَلَ (ض) نَسْلاً الماشی: چلنے والے کا تیز رفتار ہونا۔(۷) هی: ضمیر قصہ ہے، اس کا مرجع کچھ نہیں، اور مبتدا ہے، اور جملہ شاخصة خبر ہے...... شاخصة: خبر مقدم اور أبصار: مبتدا مؤخر ہے، اور أبصار: مابعد کی طرف مضاف ہے، پھر جملہ هی کی خبر ہے۔(۸) شَخَصَ (ف) بَصَرُه: نگاہ کا اٹھنا، دور تک دیکھنا۔

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ سے ورے	كَانَ	ہوتے	خٰلِدُوْنَ	ہمیشہ رہنے والے ہیں
حَصَبُ (۱)	ایندھن ہیں	هٰٓؤُلَآءِ	یہ	لَهُمْ	ان کے لئے
جَهَنَّمَ	جہنم کا	اٰلِهَةً	معبود	فِيْهَا	اس میں
اَنْتُمْ	تم	مَّا	(تو) نہ	زَفِيْرٌ (۲)	چلّانا ہے
لَهَا	اس میں	وَرَدُوْهَا	پہنچتے وہ اس میں	وَّهُمْ	اور وہ
وٰرِدُوْنَ	پہنچنے والے ہو	وَكُلٌّ	اور سب	فِيْهَا	اس میں
لَوْ	اگر	فِيْهَا	اس میں	لَا يَسْمَعُوْنَ	نہیں سنیں گے

توحید ورسالت کے بیان سے فارغ ہوکر اب آخرت کا بیان شروع کیا جاتا ہے۔ کیونکہ ابھی فرمایا تھا کہ انبیاء علیہم السلام کی ملت کا انکار کرنے والے اور اس کا تیا پانچا کرنے والے جب ہماری طرف لوٹ کر آئیں گے: اس وقت عملی فیصلہ کردیا جائے گا۔ رہا علمی فیصلہ تو وہ ابھی کیا جارہا ہے۔ ارشاد ہے: ــــــ پس جو شخص نیک کام کرے، اور وہ ایماندار ہو، تو اس کے عمل کی ناشکری نہیں کی جائے گی، اور ہم بالیقین اس کو لکھنے والے ہیں ــــــ یہ ان بندوں کا بیان ہے جو نبیوں کی ملت پر استوار اور ان کے دین پر عمل پیرا رہے۔ ان کی محنت اکارت نہ جائے گی، ان کے عمل کا پھل ان کو ضرور ملے گا۔ کوئی ادنی سے ادنی عمل بھی ضائع نہ ہوگا۔ کیونکہ ان کی ہر نیکی نامۂ اعمال میں ثبت کردی گئی ہے۔ عمل کے مشکور ہونے کا یہی مطلب ہے ــــــ اور آیت پاک سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر نیک عمل کی قبولیت کے لئے ایمان شرط ہے۔ ایمان کے بغیر نیک عمل گری بغیر کی بادام اور دانے بغیر کی مونگ پھلی ہے۔ جس کی کوئی قیمت نہیں ــــــ اور اعمال لکھنے والے درحقیقت فرشتے ہیں۔ مگر چونکہ وہ اللہ کے حکم سے لکھتے ہیں: اِس لئے ان کے فعل کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے ــــــ اور آخرت میں نجاتِ اوّلی کے لئے ایمان کے ساتھ عمل بھی ضروری ہے۔ آج مسلمان دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔ وہ ایمان کو نجات کے لئے کافی سمجھے ہوئے ہیں۔ یہ ان کی بھول ہے۔ جب وقت ہاتھ سے نکل جائے گا: ہوش آئے گا۔ مگر اس وقت کیا فائدہ ہوگا جب چڑیا کھیت کھا چکی ہوگی ــــــ اور مؤمن کی طرح ہر کافر کا عمل بھی ریکارڈ کیا جارہا ہے۔ اس کے عمل کا بھی کوئی ذرّہ ضائع نہیں ہورہا۔ اور وقت آنے پر اس کا بھگتان کردیا جائے گا ــــــ یہ آیت اخروی جزاء وسزا کی تمہید ہے۔

(۱) الحَصَب: سوختہ، جلانے کی لکڑیاں، ایندھن جو آگ میں ڈالا جائے۔ (۲) الزفیر: شور، چلّانا۔ زَفَرَ (ض) زَفْرًا وَزَفِيْرًا: لمبا سانس لے کر باہر نکالنا۔ زَفَرَ الحِمَارُ: گدھے کا ڈھینچو ڈھینچو کرنا۔ اس کا مقابل شہیق ہے یعنی لمبا سانس اندر کھینچنا۔

اور ہر اس بستی پر حرام ہے جس کو ہم نے ہلاک کیا: وہ یقیناً نہیں لوٹیں گے ـــــ یہ مجازات کے بیان سے پہلے نصیحت ہے کہ ایمان وعمل کے لئے یہی زندگی ہے۔ موت کے بعد نہ ایمان معتبر ہے، نہ عمل کا وقت ہے۔ جب دنیا کی زندگی ختم ہوجائے گی تو پھر قیامت تک اس دنیا کی طرف لوٹنا ممکن نہیں۔ قیامت کے دن ضرور لوٹنا ہے، مگر وہ ایمان وعمل کے لئے نہیں ہوگا بلکہ اس کے بدلہ کے لئے ہوگا۔ پس نبیوں کا دین ٹھکرانے والے اور اس کو پسِ پشت ڈالنے والے ہوش میں آجائیں۔ آج موقع ہے اس کو ہاتھ سے نہ کھوئیں ـــــ اور اس آیت میں ہلاک کی ہوئی بستیوں کے تعلق سے جو بات فرمائی ہے وہ عام ہے۔ ہر مرنے والے کا یہی حکم ہے۔ کسی کی واپسی ممکن نہیں ـــــ رہا خواب میں ارواح کا آنا تو وہ ممکن ہے کیونکہ خواب کی دنیا ہی دوسری ہے۔ اور مخصوص دنوں میں روحوں کے گھروں میں آنے کی روایات صحیح نہیں۔ پس اس عقیدہ کی بنیاد پر جو اعمال کئے جاتے ہیں وہ جائز نہیں ـــــ اور بیداری میں جو بعض ارواح کے آنے اور بولنے کے واقعات سنے جاتے ہیں: وہ ہمزاد ہوتے ہیں، مُردوں کی روحیں نہیں ہوتیں۔ ہم زاد کے معنی ہیں: ساتھ پیدا شدہ۔ اور ہم زاد سے مراد وہ شیطان ہے جو ہر انسان کے ساتھ ہمیشہ لگا رہتا ہے۔ جس کو سورۂ قٓ میں ''قرین'' کہا گیا ہے۔ وہ شیطان آدمی کے ساتھ نہیں مرتا۔ اور جب آدمی پر قبر میں عذاب شروع ہوتا ہے تو ہمزاد بھی اس سے متأثر ہوتا ہے۔ اور مردے کی زبان بولنے لگتا ہے کہ ہائے میں مرگیا، جل گیا، میں نے یہ کیا وہ کیا!

اور مرنے والوں کا دنیا کی طرف لوٹنا جس خاص وقت تک ممتنع ہے وہ قیامت کا دن ہے۔ جب قیامت برپا ہوگی تو سب مُردے از سرِ نو زندہ ہوکر اس دنیا کی طرف لوٹ آئیں گے۔ اور اس وقتِ موعود کے قُرب کی ایک خاص علامت ہے۔ اور وہ یاجوج وماجوج کا خروج ہے۔ ارشاد ہے: ـــــ (مُردوں کا لوٹنا ممنوع ہے) یہاں تک کہ جب یاجوج وماجوج کھول دیئے جائیں گے، اور وہ ہر بلندی سے پھسلتے آئیں گے، اور برحق وعدہ نزدیک آلگے گا، تو اچانک یہ واقعہ رونما ہوگا کہ جن لوگوں نے انکار کیا ہے ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی! ـــــ یعنی نفخ صور سے پہلے قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ پیش آئے گی کہ یاجوج وماجوج کھول دیئے جائیں گے۔ اور ان کے تمام قبیلے ایک ساتھ امنڈ پڑیں گے۔ اور دنیا میں غارت گری شروع کردیں گے۔ اور اپنی مقامی بلندیوں سے یا فضاء آسمانی سے تیزی کے ساتھ اترتے ہوئے زمین میں پھیل جائیں گے۔ اس واقعہ کے رونما ہونے کے بعد جلد ہی صور پھونکا جائے گا۔ اور اللہ کا سچا وعدہ یعنی قیامت اچانک آجائے گی۔ اور سب مُردے زندہ ہوجائیں گے۔ اس دن منکرین ہکّے بکّے رہ جائیں گے۔ اور کفِ افسوس ملتے ہوئے کہیں گے: ـــــ ہائے ہماری شامت! ہم اس سے یقیناً بے خبر تھے، بلکہ ہم ظلم کرنے والے تھے ـــــ یعنی پہلے تو کہیں گے کہ ہم اس سے غافل تھے، پھر خود ہی اقرار

کریں گے کہ غفلت کیسی؟ غفلت تو جب ہوتی کہ ہمیں کسی نے خبردار نہ کیا ہوتا۔ سچی بات یہ ہے کہ ہم سرتاسر قصووار ہیں۔ہمیں اللہ کے رسولوں نے چوکنا کیا،مگر ہم غفلت سے بیدار نہ ہوئے ـــــ اور پہلے سورۃ الکہف (آیات ۹۴ تا۹۹) کی تفسیر میں یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ یاجوج وماجوج عام انسانوں کی طرح آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ اور حضرت نوح علیہ السلام کی ذریت میں سے ہیں۔وہ کوئی عجوبۂ روزگار مخلوق نہیں۔اور علماء کی ایک رائے یہ ہے کہ یاجوج وماجوج منگولیا(تاتار) کے وہ وحشی قبائل ہیں جو یورپ، امریکہ اور روس کی اقوام کے منبع ومنشا ہیں ـــــ اور ان کا خروج علاماتِ قیامت میں سے ہے۔اور آیت میں فتح (کھلنے) سے مراد ان کا عروج ہے۔دیوار کا ٹوٹنا اور اس سے نکلنا مراد نہیں۔کیونکہ اس آیت میں دیوار کا کوئی تذکرہ نہیں۔یہ بات علامہ انور شاہ کشمیری قدس سرہ نے عقیدۃ الاسلام (ص:۲۰۱) میں بیان کی ہے۔واللہ اعلم بالصواب۔

اس تمہید کے بعد اب کفار کا انجام بیان کیا جاتا ہے:ـــــ تم اور جن کو تم اللہ سے وَرے پوجتے ہو، یقیناً جہنم کا ایندھن ہو۔تم اس میں وارد ہونے والے ہو۔اگر یہ معبود ہوتے تو اس میں وارد نہ ہوتے،اور سب اس میں ہمیشہ رہنے والے ہو۔ان کے لئے جہنم میں چلّانا ہے اور وہ اس میں (کان پڑی) نہیں سنیں گے ـــــ کفار مکہ سے خطاب ہے کہ تمہاری سزا ابدی جہنم ہے،تم کو اور تمہارے اصنام کو جہنم میں جھوکا جائے گا۔تمہیں اس میں پہنچ کر ہمیشہ رہنا ہے ـــــ اور مورتیوں کو جہنم میں اس لئے ڈالا جائے گا کہ پجاریوں کی حسرت بڑھے،اور وہ جان لیں کہ یہ ہمارے جھوٹے سہارے تھے۔اگر یہ واقعی معبود ہوتے تو یہاں کیوں ہوتے؟ وہ آج خود کو نہ بچا سکے وہ ہماری کیا مدد کرسکتے ہیں؟! ـــــ اور جہنم میں دوزخیوں کی چیخ وپکار کا یہ عالم ہوگا کہ ان کو کان پڑی آواز سنائی نہ دے گی۔اور وہ ہمیشہ اس سزا میں گرفتار رہیں گے۔(رَبَّنَا قِنَا عَذَابَ النَّارِ :الٰہی! جہنم کے عذاب سے ہماری حفاظت فرما!)

قیامت کے دن منکرین کی شامت آئے گی،اس دن نہ کوئی مدد پہنچے گی،نہ کفِ افسوس ملنا کام آئے گا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ۚ وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ۭ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ يَوْمَ

نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۚ كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُ ۚ وَعْدًا عَلَيْنَا ۚ إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ ﴿١٠٤﴾ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ﴿١٠٥﴾ إِنَّ فِي هَٰذَا لَبَلَاغًا لِّقَوْمٍ عَابِدِينَ ﴿١٠٦﴾ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ﴿١٠٧﴾

اِنَّ	بیشک	لَا يَحْزُنُهُمُ	غمگین نہیں کرے گی انکو	كَمَا	جس طرح
الَّذِيْنَ	جولوگ	الْفَزَعُ	گھبراہٹ	بَدَأْنَا	شروع کیا ہم نے
سَبَقَتْ	پہلے ہوچکی	الْاَكْبَرُ	بہت بڑی	اَوَّلَ	پہلی بار
لَهُمْ	ان کے لئے	وَتَتَلَقّٰهُمُ	اور استقبال کریں گے انکا	خَلْقٍ	پیدائش کو
مِّنَّا	ہماری طرف سے	الْمَلٰٓئِكَةُ	فرشتے	نُّعِيْدُهٗ	لوٹائیں گے ہم اس کو
الْحُسْنٰٓى	خوبی	هٰذَا	یہ	وَعْدًا	وعدہ ہے
اُولٰٓئِكَ	وہ لوگ	يَوْمُكُمُ	تمہارا وہ دن ہے	عَلَيْنَا	ہمارے ذمے
عَنْهَا	جہنم سے	الَّذِيْ	جس کا	اِنَّا كُنَّا	بیشک ہم ہیں
مُبْعَدُوْنَ	دور کئے ہوئے ہیں	كُنْتُمْ	تھے تم	فٰعِلِيْنَ	کرنے والے
لَا يَسْمَعُوْنَ	نہیں سنیں گے وہ	تُوْعَدُوْنَ	وعدہ کئے گئے	وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق
حَسِيْسَهَا (۱)	اس کی آہٹ	يَوْمَ (۳)	جس دن	كَتَبْنَا	لکھا ہم نے
وَهُمْ	اور وہ	نَطْوِي	لپیٹیں گے ہم	فِي الزَّبُوْرِ	زبور میں
فِيْ مَا (۲)	اس میں جس کو	السَّمَآءَ	آسمان کو	مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ	نصیحت کے بعد
اشْتَهَتْ	چاہیں گے	كَطَيِّ	لپیٹنے کی طرح	اَنَّ	کہ
اَنْفُسُهُمْ	ان کے جی	السِّجِلِّ (۴)	طومار کے	الْاَرْضَ	زمین
خٰلِدُوْنَ	ہمیشہ رہنے والے ہیں	لِلْكُتُبِ	نوشتوں کو	يَرِثُهَا	وارث ہونگے اس کے

(۱) الحَسِيْس: ہلکی آواز، حَسَّ (ن) الشیئَ حَسًّا و حَسِيْسًا: محسوس کرنا۔(۲) فی ما: خٰلِدُوْنَ سے متعلق ہے۔(۳) یومَ یا تو لایحزنهم کا ظرف ہے یا اذکر محذوف کا مفعول ہے۔اور حاصل دونوں کا ایک ہے۔(۴) سِجِلٌّ: صحیفہ، طومار، فائل۔

عِبَادِيَ	میرے بندے	لَبَلٰغًا[1]	البتہ پیغام ہے	اَرْسَلْنٰكَ	بھیجا ہم نے آپ کو
الصّٰلِحُوْنَ	نیک	لِّقَوْمٍ	لوگوں کے لئے	اِلَّا	مگر
اِنَّ	بیشک	عٰبِدِيْنَ	عبادت کرنے والے	رَحْمَةً	مہربانی
فِيْ هٰذَا	اس میں	وَمَا	اور نہیں	لِّلْعٰلَمِيْنَ	جہانوں کے لئے

کفار کا انجام بیان کرنے کے بعداب مؤمنین کا انجام بیان فرماتے ہیں۔ضمناً کفار کی ایک بات کا جواب بھی نکل آئے گا۔ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ کفار اور جن کو وہ اللہ سے کم درجہ میں پوجتے ہیں: سب جہنم کا ایندھن بننے والے ہیں،تو کفار پر یہ بات شاق گذری۔ وہ کہنے لگے کہ اس میں تو ہمارے معبودوں کی سخت توہین کی گئی ہے۔ وہ لوگ اپنے شاعر اِبْنُ الزِّبَعْرٰی[2] کے پاس پہنچے اوراس سے یہ بات ذکر کی،اس نے کہا: اگر میں وہاں ہوتا تو اس کا جواب دیتا۔ان لوگوں نے پوچھا: آپ کیا جواب دیتے؟ اس نے کہا: میں کہتا کہ نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کی، یہود عزیر علیہ السلام کی، اور مشرکین فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں تو کیا یہ بھی جہنم میں ہوں گے؟ محمد (ﷺ) اس کا کوئی جواب نہ دے سکتے۔اگر وہ کہتے کہ ہاں یہ بھی جہنم میں ہوں گے تو خود ان کی بات میں تعارض ہوجاتا۔ وہ ان کو نبی اور مقبولِ بارگاہ بھی کہتے ہیں اور ان کو جہنم رسید بھی کرتے ہیں۔اور اگر نفی میں جواب دیتے تو وجہ فرق بیان نہ کرسکتے کہ مورتیاں ہی جہنم میں کیوں جائیں گی۔ پوجا تو ان حضرات کی بھی ہوئی ہے۔قریش یہ بات سن کر بغلیں بجانے لگے کہ واہ! یہ بات تو ایسی ہے کہ محمد (ﷺ) اس کا کوئی جواب دے ہی نہیں سکتے۔سورۃ الزخرف (آیات ۵۷تا۶۱) میں اس کا صراحت کے ساتھ اور یہاں اشارۃً جواب دیا گیا ہے۔ارشاد ہے: —— بیشک جن لوگوں کے لئے ہماری طرف سے خوبی مقدر ہوچکی ہے وہ جہنم سے دور رکھے جائیں گے، وہ اس کی آہٹ تک نہیں سنیں گے —— یعنی جن لوگوں نے دنیا میں نیکی اور سعادت کی راہ اختیار کی ہے، جن کے لئے اللہ تعالیٰ پہلے ہی وعدہ فرماچکے ہیں کہ وہ جنتی ہیں، وہ عذابِ جہنم سے محفوظ رکھے جائیں گے۔ انبیاء، ملائکہ، اولیاء اور نیک مؤمنوں کے لئے اس کا پہلے ہی فیصلہ ہوچکا ہے،اس لئے لوگوں نے ان کو معبود بنایا ہوتو بھی ان کو جہنم سے محفوظ رکھا جائے گا۔اور اتنا دور رکھا جائے گا کہ وہ اس کی آہٹ تک محسوس نہ کریں گے۔ کیونکہ جنت: دوزخ سے بالکل الگ اور فاصلے پر ہے —— اور وہ اپنی من پسند چیزوں میں ہمیشہ رہیں گے —— یعنی وہ ایسی جگہ ہونگے جہاں ہر عیش وآرام ان کو حاصل ہوگا۔ وہاں سب

(۱)بلاغ: مصدر ہے: پیغام،تبلیغ۔ بَلَغَ(ن) الشیئَ: پہنچنا۔(۲)عبداللہ بن الزِّبَعْرٰی: فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوگئے تھے اور مخلص مسلمان ہیں۱۲

کچھ ان کی مرضی کے مطابق ہوگا۔ وہ دنیا میں اللہ کے قانون کے پابند تھے، اس لئے وہاں ہر قانون ان کے تابع ہوگا۔ حدیث میں ہے کہ ''دنیا مؤمن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت!'' (رواہ مسلم) قیدی قید خانہ میں آزاد نہیں ہوتا۔ ہر معاملہ میں حکم کا پابند ہوتا ہے۔ اور قید خانہ میں قیدی کا جی کبھی نہیں لگتا۔ وہ اس کو اپنا گھر نہیں سمجھتا۔ ہر وقت اس سے نکلنے کا خواب دیکھتا ہے۔ اور جنت (باغ) میں کوئی قانونی پابندی نہیں ہوتی۔ اور کبھی وہاں سے نکلنے کو جی نہیں چاہتا۔ پس مؤمن کو چاہئے کہ دنیا میں قانون کی پابندی کرے، اور یہاں جی نہ لگائے۔ جی لگانے کی جگہ جنت ہے۔ وہ کافر ہی ہے جو اس دنیا میں بے قید زندگی گذارتا ہے، من مانی کرتا ہے اور یہاں ہمیشہ رہنا چاہتا ہے ـــــ اور جنت کی یہ کیفیت عارضی اور وقتی نہیں ہوگی، بلکہ دائمی اور غیر منقطع ہوگی۔ پس جنت کی مسرتوں اور راحتوں کا کیا حال ہوگا اس کا کون اندازہ کرسکتا ہے ـــــ ان کو بڑی گھبراہٹ غم گیں نہیں کرے گی ـــــ یعنی قیامت کا دن جو عام لوگوں کے لئے انتہائی گھبراہٹ اور پریشانی کا وقت ہوگا: اس وقت نیک لوگوں پر اطمینان طاری ہوگا۔ جس کا حساب صاف ہو اس کو حساب کا کیا ڈر؟ ـــــ اور فرشتے ان کا استقبال کریں گے (اور مژدہ سنائیں گے کہ) یہ تمہارا وہ دن ہے جس کا تم وعدہ کئے گئے تھے ـــــ یعنی قبروں سے اٹھتے ہی فرشتے ان کا استقبال کریں گے۔ اعزاز واکرام سے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔ اور کہیں گے کہ جس دائمی مسرت وراحت کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا وہ دن آپہنچا، اب تمہارے وارے نیارے ہوجائیں گے۔

اس کے بعد کی دو آیتوں میں یہ مضمون ہے کہ قیامت کا دن بڑی گھبراہٹ کا دن کیوں ہے؟ اور اس دن نیک بندے مطمئن کیوں ہونگے؟ پہلی آیت میں اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ قیامت کے دن میں بڑے ہولناک واقعات پیش آئیں گے۔ مثلاً سب سے اہم واقعہ یہ پیش آئے گا کہ آسمان بایں ہمہ فراخی لپیٹ کر رکھ دیا جائے گا۔ یہ واقعات گھبراہٹ کا باعث ہوں گے۔ اور دوسری آیت میں یہ بیان ہے کہ جنت کی سرزمین نیک بندوں کی میراث ہے اور اس بات کی ان کو آسمانی کتابوں میں خبر بھی کردی گئی ہے۔ پھر ان کو کس بات کا غم یا ڈر ہوسکتا ہے؟ ارشاد ہے ـــــ جس روز ہم آسمان کو لپیٹ دیں گے جس طرح طومار کاغذات کو لپیٹ لیتا ہے ـــــ یعنی جس طرح فائل میں کاغذات سمیٹ لئے جاتے ہیں: ساتوں آسمان بایں ہمہ پہنائی قیامت کے دن لپٹے ہوئے اللہ تعالیٰ کے دائیں ہاتھ میں ہونگے (سورۃ الزمر آیت ۶۷) اور اس کے علاوہ بھی نہ معلوم کیا کیا واقعات پیش آئیں گے جو گھبراہٹ کا باعث ہونگے۔ پھر ـــــ جس طرح پہلی بار ہم نے آفرینش کی ابتداء کی ہے: ہم اس کو دوبارہ بنائیں گے، یہ ہمارے ذمے وعدہ ہے، ہم ضرور اس کو کرکے رہیں گے ـــــ یعنی جیسی سہولت سے آسمانوں کو پہلی بار پیدا کیا تھا:

اسی طرح دوبارہ بنادیں گے۔ یہ ایک حتمی وعدہ ہے، جو یقیناً پورا ہوکر رہے گا۔

اور البتہ واقعہ یہ ہے کہ ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد لکھا ہے کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہونگے ـــــ زبور: داؤد علیہ السلام کی کتاب ہے۔ اس میں نیکی، راستبازی اور توکل کی نصیحت کے بعد لکھا ہے کہ: ''صادق زمین کے وارث ہونگے، اور اس میں ہمیشہ بسے رہیں گے'' (۳۷ داؤد کا مزمور آیت ۲۹) اور سورۃ الزمر (آیت ۷۴) میں ہے: ''اور (جنتی جنت میں پہنچ کر) کہیں گے: ''اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہم سے کیا ہوا وعدہ پورا کیا، اور ہم کو اس زمین کا وارث بنایا۔ اب ہم جنت میں جہاں چاہیں اپنی جگہ بنا سکتے ہیں'' ـــــ غرض اس آیت میں زمین سے جنت کی سرزمین مراد ہے۔ اور اس دنیا کی زمین میں حکومت عطا فرمانے کا تذکرہ سورۃ النور (آیت ۵۵) میں ہے۔

یہ بشارت جو دنیا ہی میں نیک مؤمنین کو آسمانی کتابوں میں دیدی گئی ہے: قیامت کے دن ان کی ڈھارس بندھائے گی۔ اور خوف وحزن کے بجائے ان کے دل میں یہ امید پیدا کرے گی کہ وہ عنقریب اپنی سعی کا پھل پانے والے ہیں، نتائج خیر سے ہمکنار ہونے والے ہیں، اور جنت میں پہنچ کر سدا عیش کرنے والے ہیں ـــــ بیشک اس میں عبادت گزار بندوں کے لئے ایک پیغام ہے ـــــ یعنی اس بشارت کا ایک فائدہ تو وہ ہے جو اوپر مذکور ہوا کہ مؤمنین قیامت کے دن مطمئن ہونگے، دوسرا فائدہ یہ ہے کہ بندگی کرنے والے بندگی میں منہمک رہیں، وہ آخرت میں اجر کی امید باندھے رات دن تعمیلِ حکم میں لگے رہیں۔ ان کے لئے اس مضمون میں یہ پیغام ہے کہ ان کی بندگی ضائع نہیں جائے گی۔ اس کا صلہ ملے گا اور بہت بڑا ملے گا یعنی وہ جنت کی زمین کے مالک ہونگے۔

اس کے بعد کی آیت میں یہ مضمون ہے کہ نبی ﷺ کی بعثت دراصل دنیا جہاں کے لئے رحمت اور مہربانی ہے۔ ارشاد ہے: ـــــ اور ہم نے آپ کو جہانوں کے لئے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے ـــــ آپ نے تشریف لا کر غفلت میں پڑی ہوئی دنیا کو چوکنا اور ان کو جنت سے ہمکنار کیا۔ پس آپ کی بعثت سراسر لوگوں کے لئے رحمت ہے۔ اور کفار مکہ کا یہ خیال غلط ہے کہ آپؐ کی بعثت قوم کے لئے زحمت ومصیبت ہے۔ آپؐ کی وجہ سے قوم میں پھوٹ پڑ گئی یہ پھوٹ تو خود انہوں نے ڈالی ہے اس طرح کہ اللہ کے داعی کی بات نہ مانی!

فائدہ: نبوت مطلقاً رحمت ہے۔ اس آیت میں رحمت کا حصر کیا گیا ہے۔ ذاتِ پاک ﷺ کا حصر نہیں کیا گیا۔ عربی کا قاعدہ ہے کہ جس چیز کا حصر کرنا مقصود ہوتا ہے اس کو إلّا کے بعد لاتے ہیں۔ اگر یہ کہنا ہو کہ زید ہی کھڑا ہے تو کہیں گے: ما قائم إلا زید اور اگر قیام کا حصر کرنا مقصود ہو تو کہیں گے: مازید إلا قائم۔ آیت کریمہ میں إلا کے بعد رحمة کو لایا گیا ہے۔ پس آیت کے معنی یہ ہونگے کہ ہم نے آپ کو رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے زحمت بنا کر نہیں بھیجا۔

آیت پاک کا یہ مطلب نہیں کہ آپ ہی رحمت ہیں، دیگر انبیاء رحمت نہیں ۔ بلکہ نبوت مطلقاً رحمت ہے۔ انبیاء علیہم السلام اسی لئے آتے ہیں کہ لوگوں کو جنت کا راستہ دکھائیں اور جہنم سے بچائیں ۔ نبی ﷺ نے اپنی اور لوگوں کی ایک مثال بیان فرمائی ہے۔ فرمایا: ''ایک شخص نے آگ جلائی ۔ جب آگ نے اپنے ماحول کو روشن کر دیا تو پتنگے اور دوسرے آگ پر فریفتہ ہونے والے جانور آ کر اس میں گرنے لگے۔ ایک شخص آیا اور وہ ان کو روکنے لگا، مگر وہ اس پر غالب آ گئے، اور زبردستی آگ میں گھسنے لگے! پس میں نے تمہاری کمریں پکڑ کر آگ سے بچانا شروع کیا، مگر تم زبردستی اس میں گھسے جا رہے ہو!(بخاری حدیث ۶۴۸۳) یہ وہ بدنصیب ہیں جو رحمت سے فیضیاب ہونے کے لئے تیار نہیں ۔ پس وہی قصوروار ہیں، آفتابِ نبوت کا اس میں کچھ قصور نہیں سورج کی روشنی ہر طرف پہنچتی ہے، مگر کوئی اپنے اوپر تمام دروازے اور سوراخ بند کر لے تو یہ اس کی دیوانگی ہے۔

جہاد وقتال بھی سراسر رحمت ہے۔ اس کے ذریعہ اندھوں کی آنکھوں میں بھی روشنی پہنچ جاتی ہے۔

قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ وَ اِنْ اَدْرِيْۤ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَ يَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ وَ اِنْ اَدْرِيْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۱۱۱﴾ قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ وَ رَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

النصف ع

قُلْ	آپ کہہ دیں	اِلٰهٌ وَّاحِدٌ	ایک معبود ہے	اٰذَنْتُكُمْ (۲)	میں نے تم کو اطلاع کر دی
اِنَّمَا	اس کے سوا نہیں	فَهَلْ اَنْتُمْ	تو کیا تم		
يُوْحٰۤى	(کہ) وحی کی جاتی ہے	مُّسْلِمُوْنَ	ماننے والے ہو؟	عَلٰى سَوَآءٍ	یکساں طور پر
اِلَيَّ	میری طرف	فَاِنْ	پس اگر	وَ اِنْ	اور نہیں
اَنَّمَا (۱)	اس کے سوا نہیں	تَوَلَّوْا	سرتابی کریں وہ	اَدْرِيْ	جانتا میں
اِلٰهُكُمْ	(کہ) تمہارا معبود	فَقُلْ	تو آپ کہہ دیں	اَقَرِيْبٌ	کیا نزدیک ہے

(۱) أنما: بھی جمہور کے نزدیک إنما کی طرف کلمۂ حصر ہے۔ (۲) آذَنَ إِيْذَانًا: اطلاع دینا، خبر کر دینا۔

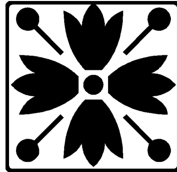
اَمْ	یا	مَا	جو	قٰلَ	کہا پیغمبر نے
بَعِيْدٌ	دور ہے	تَكْتُمُوْنَ	چھپاتے ہو تم	رَبِّ	اے میرے رب!
مَّا	وہ جو	وَاِنْ	اور نہیں	احْكُمْ	فیصلہ فرما
تُوْعَدُوْنَ	تم وعدہ کئے گئے ہو	اَدْرِيْ	جانتا میں	بِالْحَقِّ	برحق
اِنَّهٗ	بیشک وہ	لَعَلَّهٗ	شاید وہ	وَرَبُّنَا	اور ہمارے رب
يَعْلَمُ	جانتے ہیں	فِتْنَةٌ	آزمائش ہو	الرَّحْمٰنُ	نہایت مہربان
الْجَهْرَ	زور سے کہنا	لَّكُمْ	تمہارے لئے	الْمُسْتَعَانُ[1]	مدد مانگے ہوئے ہیں
مِنَ الْقَوْلِ	بات کو	وَمَتَاعٌ	اور فائدہ پہنچانا ہو	عَلٰى مَا	ان باتوں پر جو
وَيَعْلَمُ	اور جانتے ہیں	اِلٰى حِيْنٍ	ایک وقت تک	تَصِفُوْنَ	تم چھانٹتے ہو

یہ سورت کی آخری آیات ہیں۔ان میں دعوتِ انبیاء کا خلاصہ کر کے تنبیہ کی گئی ہے کہ ابھی سنبھلنے کا وقت ہے، ورنہ فیصلے کی گھڑی سر پے کھڑی ہے۔ارشاد ہے: —— آپ (کفار مکہ سے) کہہ دیں: ''میری طرف صرف یہ وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک معبود ہے، پس کیا تم ماننے والے ہو؟'' —— یہ دعوتِ انبیاء کا خلاصہ ہے۔توحید کامل ہی اس کا لُبِّ لُباب ہے۔اور یہ ایسی صاف واضح بات ہے جس کے قبول کرنے میں ذرا پس وپیش نہ ہونی چاہئے۔پس کیا تم یہ بات تسلیم کرتے ہو؟ —— اس آیت میں دو حصر ہیں[2]: ایک: ''میری طرف صرف وحی کی جاتی ہے''یعنی آپ ﷺ رحمتِ عالم ہونے کے باوصف اللہ کے بندے ہیں۔کچھ خدائی شان کے حامل نہیں۔البتہ آپ وحی کے ساتھ ممتاز ہیں۔نبیوں اور رسولوں کا دوسرے انسانوں سے امتیاز اسی وصف کے ذریعہ ہوتا ہے۔دوسرا حصر: ''تمہارا معبود صرف ایک معبود ہے''یعنی توحید کامل۔جس کی مکرر سکرر دعوت دی جاتی ہے —— پس اگر وہ سرتابی کریں تو آپ کہہ دیں کہ میں تم کو دوٹوک اطلاع کر چکا —— اب تم اپنا انجام سوچ لو﴿آذنتكم علی سواء﴾ میں نے تم کو خبر کر دی یکساں طور پر یعنی دونوں برابر۔یہ بلیغ کلام ہے۔اس میں تمثیل ہے۔جب دشمن سے مصالحت ہوتی ہے، اور غدر کا اندیشہ ہوتا ہے، تو پیمان پھیر دیا جاتا ہے، اور اس کی خوب تشہیر کر دی جاتی ہے، تا کہ دشمن بے خبر نہ رہے اور نقضِ عہد کا الزام نہ آئے۔کفار کو بھی ایسی صاف وارننگ دی گئی ہے۔

(۱) المستعان: دوسری خبر ہے، اور الرحمن: پہلی خبر ہے۔ المستعان: اسم مفعول، استعانة: مدد مانگنا۔(۲) حَصْر: گھیرنا، احاطہ کرنا، منحصر کرنا۔

اور دعوتِ توحید قبول نہ کرنے کی صورت میں جس عذاب کا کفار سے وعدہ کیا گیا ہے: اس کا وقت قریب آ گیا ہے یا ابھی اس کے آنے میں دیر ہے اس سلسلہ میں نبی ﷺ کا اعلان یہ ہے: ـــــ اور میں نہیں جانتا کہ جس بات کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے: وہ قریب ہے یا دور؟ ـــــ رسول کو قطعی علم صرف وقوع عذاب کا ہوتا ہے، وقت اور زمانہ کی تعیین کا علم اسے نہیں دیا جاتا۔ اور اس میں جو مصلحتیں ہیں وہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں ـــــ وہ بالیقین زور سے کہی ہوئی بات کو جانتے ہیں، اور اس کو بھی جانتے ہیں جس کو تم چھپاتے ہو ـــــ یعنی وہ ہر کھلی چھپی بات سے واقف ہیں۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ تمہارے عذاب کے لئے کونسا وقت مناسب ہے ـــــ اور میں نہیں جانتا کہ شاید وہ (تاخیر) تمہارے لئے آزمائش ہو، یا ایک وقت تک فائدہ پہونچانا ہو ـــــ یعنی عذاب آنے میں اگر دیر ہے تو اس میں بھی مصلحت ہے۔ تاخیر عذاب سے ممکن ہے تم کو جانچا جا رہا ہو کہ تم سنبھلتے ہو یا نہیں؟ یا محض ڈھیل دینا مقصود ہوتا کہ حجت تام ہو جائے۔ اور کل قیامت کو ان سے کہا جا سکے: ''کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی کہ جس کو سمجھنا ہوتا سمجھ سکتا، اور تمہارے پاس ڈرانے والا بھی پہنچا تھا؟!'' (سورۃ الفاطر آیت ۳۷) ـــــ پھر جب تبلیغ کے سارے مرتبے ختم ہو چکے، اور اصلاح کی امید نہ رہی تو پیغمبر نے دعا کی ـــــ اس نے کہا: ''اے میرے پروردگار! آپ برحق فیصلہ فرما دیجئے!'' ـــــ یعنی عملی فیصلہ فرما دیجئے جو اندھوں کو بھی نظر آ جائے۔ یعنی ہر ساز و سامان کے باوجود کافروں کی تباہی و بربادی! ـــــ اور ہمارے پروردگار نہایت مہربان ہیں ـــــ پس جب تم پر عذاب آئے گا وہ ہماری ہر طرح حفاظت فرمائیں گے۔ اور ـــــ ان سے مدد چاہی گئی ہے ان باتوں کے مقابلہ میں جو تم چھانٹتے ہو! ـــــ کوئی کہتا ہے کہ ہم عنقریب مسلمانوں کا نام و نشان مٹا دیں گے، کوئی کہتا ہے کہ یہ چار دن کا ہنگامہ ہے، اس طرح کی تمام باتوں کا جواب صرف یہ ہے کہ خدایا! کافروں کی ہفوات کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما، آپ بہترین مدد فرمانے والے ہیں۔

نبیوں اور مؤمنوں کا آخری سہارا اللہ کی مدد ہوتی ہے۔ اسی کی مدد سے وہ منزلِ مقصود تک پہنچتے ہیں



بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورة الحج

نمبرشمار ۲۲ نزول کانمبر ۱۰۳ نزول کی نوعیت مدنی آیات ۷۸ رکوع ۱۰

سورت کا نام اور زمانۂ نزول: آیات ۲۷ تا ۳۷ میں حج کے احکام بیان ہوئے ہے، اس لئے اس سورت کا نام ''سورۃ الحج'' رکھا گیا ہے۔ یہ سورت مدنی ہے، کچھ حضرات کی رائے میں مکی ہے، اور کچھ کے نزدیک مکی اور مدنی آیات کا مجموعہ ہے۔ نزول کے نمبر سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس سورت کی بعض آیتیں بہت بعد میں نازل ہوئی ہیں۔ قرآن کا نزول شانِ نزول کے مطابق ہوتا تھا، مگر نازل شدہ آیات ترتیب قرآنی میں اسی جگہ رکھی جاتی تھیں جہاں وہ لوح محفوظ کی ترتیب میں ہیں۔ پس بعض آیات اگرچہ بعد میں نازل ہوئیں مگر وہ اس سورت میں شامل کی گئیں۔

سورت کے مضامین: یہ سورتِ پاک قیامت کے تذکرہ سے شروع ہوئی ہے۔ پہلی دو آیتوں میں قیامت کے زلزلہ کا ذکر ہے۔ پھر تین قسم کے لوگوں کا تذکرہ ہے۔ ایک: منکرین کا: جو نہ صرف قیامت کا انکار کرتے ہیں، بلکہ دوسروں کو بھی شک میں مبتلا کرتے ہیں، اس لئے بعث بعد الموت کی دلیل بھی پیش کی گئی ہے (آیات ۳-۱۰) دوسرے: منافقین کا: جو ابھی مذبذب حالت میں ہیں، اگر اسلام میں ان کو فائدے نظر آتے ہیں تو اس پر جمتے ہیں، ورنہ الٹے پاؤں پھر جاتے ہیں (آیات ۱۱-۱۳) تیسرے: مخلص مؤمنین کا۔ ان کے احوال میں خاص طور پر یہ بات بیان کی ہے کہ کفار: مسلمانوں کے ساتھ اللہ کی نصرت دیکھ کر چیں چیڑ کرتے ہیں۔ ان سے کہا گیا ہے کہ اگر تمہیں یہ بات ناگوار ہے تو اللہ کی مدد روکنے کے لئے سارے جتن کر دیکھو، پھر دیکھو تمہاری کوئی تدبیر کارگر ہوتی ہے یا نہیں؟ (آیات ۱۴-۱۶)

اس کے بعد دنیا میں موجود چھ بڑے فرقوں کا تذکرہ کیا ہے۔ جن میں سے ہر ایک خود کو حق پر سمجھتا ہے۔ ان کے

درمیان علمی اور عملی فیصلہ کیا ہے کہ حق پر وہی جماعت ہے جو اللہ کو سجدہ کرتی ہے، اور اس کے احکام کی پیروی کرتی ہے۔ باقی فرقے خوش فہمی میں مبتلا ہیں۔ (آیات ۱۷-۲۴)

پھر آیت ۲۵ سے مشرکین مکہ سے خطاب ہے۔ یہی لوگ قرآن کے اولین مخاطب تھے۔ پہلی آیت میں ان کے کفر کا اور لوگوں کو اسلام سے اور مسجد حرام سے روکنے کا تذکرہ ہے۔ اور ان کی اس روش پر گرفت کی گئی ہے کہ انھوں نے مسلمانوں کے لئے مسجد حرام کا راستہ بند کر دیا ہے، حالانکہ مسجد حرام ان کی ذاتی ملکیت نہیں۔ وہ کسی کو بھی حج وعمرہ سے روکنے کا حق نہیں رکھتے۔ پھر مسجد حرام کی تاریخ بیان کی ہے کہ یہ گھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا کے حکم سے بنایا ہے۔ اور لوگوں کو حج کی عام اجازت دی ہے۔ نیز یہ بتایا ہے کہ یہ گھر شرک کے لئے نہیں، بلکہ خدائے واحد کی بندگی کے لئے تعمیر ہوا ہے۔ اور اس میں مقامی لوگوں کا اور باہر سے آنے والوں کا حق مساوی ہے۔ مگر مشرکین نے یہ غضب ڈھایا کہ اس کو بتوں کی گندگی سے آلودہ کر دیا۔ ساتھ ہی حج کے ضروری احکام دیئے ہیں۔ اور چار باتیں بیان کی ہیں: ۱- حج میں قربانی کی اہمیت ۲- قربانی کرنے کے بعد احرام کھولنا ۳- منت کی قربانیوں کا حکم ۴- اور طوافِ زیارت کا بیان۔ (آیات ۲۵-۲۹)

پھر ہدیوں کے تعلق سے دو باتیں بیان کی ہیں: ۱- ہدیاں قابل احترام ہیں، مگر مشرکین نے جو جانور بتوں کے نام چھوڑ رکھے ہیں ان کی کوئی اصلیت نہیں، وہ شرک کا شاخسانہ ہیں، اور شرک کا حال بہت برا ہے۔ ۲- ہدیوں کا ادب ضروری ہے۔ جانوروں سے ہدی بنانے سے پہلے تک ہر طرح کا انتفاع جائز ہے، مگر ہدی بنانے کے بعد کوئی انتفاع جائز نہیں۔ اب ان کو قربان کر کے اخروی فائدہ اٹھایا جائے (آیات ۳۰-۳۳)

پھر چھ نہایت اہم باتیں بیان کی ہیں:

پہلی بات: لوگ قربانی پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ جانوروں پر ظلم ہے۔ ان کو جواب دیا ہے، اور جواب کے ضمن میں واضح کیا ہے کہ قربانی کا مقصد صرف جانور کی جان لینا نہیں۔ بلکہ اس کا اصل مقصد اللہ کا ذکر ہے۔ اور قربانی کرنے والے میں قربانی کے علاوہ چار باتیں اور بھی پائی جانی ضروری ہیں۔ (آیات ۳۴-۳۷)

دوسری بات: جہاد کے مسئلہ کو لے کر بھی بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں۔ اس کا جواب دیا ہے، ساتھ ہی جہاد کی حکمت، اور اس کے نتیجہ میں قائم ہونے والی اسلامی حکومت کا منشور بیان کیا ہے۔ (آیات ۳۸-۴۱)

تیسری بات: نبیوں کے انکار کا اور اللہ کی دعوت کو ٹھکرانے کا سلسلہ ہمیشہ سے جاری ہے، اور اس کا وبال بھی کفار ہمیشہ بھگتتے رہے ہیں۔ (آیات ۴۲-۵۱)

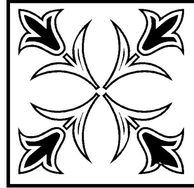
چوتھی بات: نبیوں کی تاریخ میں ہمیشہ ایسے واقعات پیش آتے رہے ہے جن کے ذریعہ شیطان اسلام کے خلاف محاذ بناتا ہے، لوگوں کو دین سے برگشتہ کرتا ہے اور اسلام کی ترقی میں رخنہ ڈالتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ جلد اس روک کو ہٹادیتے ہیں، لوگوں کے دلوں سے وساوس دور کردیتے ہیں، اور اسلام کی رفتار بحال کردیتے ہیں۔ اس ضمن میں یہ بات بھی بیان کی ہے کہ اس قسم کے واقعات کیوں پیش آتے ہیں، اور ان میں حکمتیں کیا ہیں؟ (آیات ۵۲-۵۷)

پانچویں بات: مکہ کے مسلمانوں کو مکہ والوں کے ظلم وستم سے تنگ آکر وطن چھوڑنا پڑا تو اس کو بھی کفار نے تضحیک کا ذریعہ بنالیا۔ کہنے لگے: اچھا دین اختیار کیا کہ گھر سے بے گھر ہوگئے! ان مہاجرین سے اجر ونصرت کا وعدہ کیا ہے اور ساتھ ہی مؤمنین کے غلبے اور جہاد کے فائدہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (آیات ۵۸-۶۶)

چھٹی بات: بعض مشرکین نے کٹ حجتی شروع کی تھی کہ اپنا مارا ہوا (ذبح کیا ہوا) حلال، اور اللہ کا مارا ہوا (مردار) حرام، یہ کیسی الٹی بات ہے؟ ان کو مختصر جواب دیا ہے اور ذبیحہ پر تسمیہ کی حکمت واضح ہے کہ یہ روزمرہ کی قربانی ہے اس لئے اس پر تسمیہ ضروری ہے، اور تسمیہ کا عمل زندہ جانور کے ساتھ ہی قائم ہوسکتا ہے۔ (آیات ۶۷-۷۰)

آخر میں شرک کی شناعت بیان کی ہے، اور یہ بات بیان کی ہے کہ سچا خدا کن صفات کا حامل ہوتا ہے؟ (آیات ۷۱-۷۶)

پھر دین کا خلاصہ پیش کرکے، اس کی تبلیغ اور اس پر مضبوطی سے عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔ (آیات ۷۷و۷۸)



آیاتہا ۷۸ — (۲۲) سُوْرَةُ الْحَجِّ مَدَنِيَّةٌ (۱۰۳) — رکوعاتہا ۱۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ① يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ②

بِسْمِ	نام سے	شَيْءٌ	چیز ہے	ذَاتِ حَمْلٍ	حمل والی
اللّٰهِ	اللہ کے	عَظِيْمٌ	بڑی	حَمْلَهَا	اپنے حمل کو
الرَّحْمٰنِ	نہایت مہربان	يَوْمَ	جس دن	وَتَرَى	اور دیکھے گا تو
الرَّحِيْمِ	بڑے رحم والے	تَرَوْنَهَا	دیکھو گے تم اس کو	النَّاسَ	لوگوں کو
يٰٓاَيُّهَا (۱)	اے	تَذْهَلُ (۲)	بھول جائے گی	سُكٰرٰى (۵)	نشے میں
النَّاسُ	لوگو	كُلُّ	ہر	وَمَا هُمْ	اور نہیں ہیں وہ
اتَّقُوْا	ڈرو	مُرْضِعَةٍ (۳)	دودھ پلانے والی	بِسُكٰرٰى	نشے میں
رَبَّكُمْ	اپنے رب سے	عَمَّآ	اس کو جسے	وَلٰكِنَّ	مگر
اِنَّ	بیشک	اَرْضَعَتْ (۴)	دودھ پلا رہی ہے	عَذَابَ	عذاب
زَلْزَلَةَ	زلزلہ	وَتَضَعُ	اور جن دے گی	اللّٰهِ	اللہ کا
السَّاعَةِ	قیامت کا	كُلُّ	ہر	شَدِيْدٌ	سخت ہے

(۱) جب منادی پر اَلْ داخل ہوتا ہے تو مذکر میں أَيُّهَا اور مؤنث میں أَيَّتُهَا حرفِ ندا کے ساتھ بڑھاتے ہیں۔ (۲) ذَهَلَ (ف) ذَهْلاً وذُهُوْلاً: بھولنا، غافل ہوجانا، ذہن سے نکل جانا۔ (۳) مُرْضِعَة: ۃ کے ساتھ: وہ عورت جو بالفعل بچے کو دودھ پلا رہی ہو، اور مُرْضِعٌ بغیر ۃ کے: دودھ پلانے والی عورت، خواہ بالفعل دودھ پلا رہی ہو یا نہ پلا رہی ہو۔ (۴) أَرْضَعَتْ: دودھ پلایا اس عورت نے ما موصولہ کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے۔ أي أَرْضَعَتْهُ. إِرْضَاع: بچے کو چھاتی سے دودھ پلانا۔ (۵) سُكَارَى: سَكْرَان کی جمع: نشہ میں چور، مدہوش، مست، مؤنث سَكْرىٰ۔

اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان بڑے رحم والے ہیں

گذشتہ سورت آخرت کے تذکرہ پر ختم ہوئی تھی۔ یہ سورت اسی بیان سے شروع ہورہی ہے۔ نیز گذشتہ سورت کے شروع میں لوگوں کو جھنجھوڑا گیا تھا کہ حساب کا وقت قریب آگیا ہے اور تم غفلت میں پڑے ہوئے ہو، یہ سورت بھی قیامت کے زلزلہ کی خبر سے شروع کی گئی ہے۔ ارشاد ہے: —— اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو! —— اس کے احکام کی خلاف ورزی مت کرو، اس کے دین کو قبول کرو، اور اس کی ہدایات پر عمل کرو، حساب کا دن آنے والا ہے۔ یہ دنیا ہمیشہ رہنے والی نہیں، اس کو ایک نہ ایک دن ختم ہونا ہے، اور قیامت برپا ہونے والی ہے —— قیامت کا زلزلہ یقیناً بھاری چیز ہے —— جب قیامت قائم ہونے کا وقت آئے گا پہلے سخت بھونچال آئے گا۔ اس وقت زمین پوری طرح ہلادی جائے گی۔ اور زمین کی حالت اس کشتی جیسی ہوجائے گی جو موجوں کے تھپیڑوں سے ڈگمگا رہی ہو، یا اس قندیل جیسی ہوجائے گی جو ہوا کے جھونکوں سے جھول رہی ہو، اس وقت زمین کی آبادی پر کیا گذرے گی، اس کا کچھ حال سنیے: —— جس دن تم اس (زلزلہ) کو دیکھو گے: ہر دودھ پلانے والی عورت دودھ پیتے بچے کو بھول جائے گی۔ اور ہر حمل والی عورت اپنے حمل کو ڈال دے گی، اور تمہیں لوگ مدہوش نظر آئیں گے، جبکہ وہ مدہوش نہیں ہونگے، بلکہ اللہ کا عذاب سخت ہوگا —— یعنی جب قیامت کا بھونچال آئے گا: مائیں اپنے بچوں کو دودھ پلاتے پلاتے چھوڑ کر بھاگ کھڑی ہونگی، ان کو ہوش ہی نہیں رہے گا کہ ان کا لاڈلا کہاں ہے اور کس حال میں ہے؟ اور پیٹ والیوں کے پیٹ گرجائیں گے، اور شدتِ خوف سے لوگ متوالے معلوم ہونگے، حالانکہ انھوں نے پی نہیں رکھی ہوگی، بلکہ اللہ کا عذاب اتنا سخت ہوگا کہ لوگ حواس باختہ ہونگے۔ ایسا ہولناک دن آنے والا ہے، مگر لوگ ہیں کہ خوابِ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ فیا لَلْعَجَبْ۔

لوگو! قیامت یقیناً آنے والی ہے، اور وقوعِ قیامت کا حادثہ بڑا ہی ہولناک ہے۔ آج اس کی تیاری کرلو تاکہ کل پچھتانا نہ پڑے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ۝۳ كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝۴ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ

لَكُمْ ؕ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ؕ وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۝۵ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۶ وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ۝۷ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝۸ ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝۹ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝۱۰ ع

وَمِنَ	اور کوئی	مَّرِيْدٍ (۲)	سرکش کی	اِلٰى عَذَابِ	عذاب کی طرف
النَّاسِ	انسان	كُتِبَ	لکھا گیا ہے	السَّعِيْرِ	دوزخ کے
مَنْ	(ایسا ہے) جو	عَلَيْهِ	اس پر	يٰٓاَيُّهَا	اے
يُّجَادِلُ	جھگڑا کرتا ہے	اَنَّهٗ (۳)	کہ شان یہ ہے	النَّاسُ	لوگو
فِي اللّٰهِ (۱)	اللہ (کے دین) میں	مَنْ (۴)	جس نے	اِنْ	اگر
بِغَيْرِ عِلْمٍ	علم کے بغیر	تَوَلَّاهُ (۵)	دوستی کی اس سے	كُنْتُمْ	ہوتم
وَّيَتَّبِعُ	اور پیروی کرتا ہے	فَاَنَّهٗ	پس یقیناً وہ	فِيْ رَيْبٍ	کسی شک میں
كُلَّ	ہر	يُضِلُّهٗ	گمراہ کرے گا اس کو	مِّنَ الْبَعْثِ	دوبارہ زندہ ہونے سے
شَيْطٰنٍ	شیطان	وَيَهْدِيْهِ	اور راہ دکھائیگا اس کو	فَاِنَّا	پس بیشک ہم نے

(۱) فی اللہ میں مضاف محذوف ہے، أی فی دین اللہ۔ (۲) مَرِیْد: صفتِ مشبہ: بمعنی مارد: سرکش، ہر خیر سے خالی۔ (۳) أنه میں ضمیر شان ہے، اس کا مرجع کچھ نہیں، باقی اگلی پچھلی تمام ضمیریں شیطان کی طرف لوٹتی ہیں۔ اور جملہ أنه: كُتِبَ کا نائب فاعل ہے۔ (۴) مَنْ: موصولہ متضمن معنی شرط ہے، اور فأنه اس کی جزاء ہے۔ (۵) تَوَلّٰی تَوَلِّيًا: دوستی کرنا، ساتھی ہونا۔

خَلَقْنٰكُمْ	پیدا کیا ہے تم کو	نُخْرِجُكُمْ	نکالتے ہیں ہم تم کو	الْاَرْضَ	زمین کو
مِّنْ تُرَابٍ	مٹی سے	طِفْلًا	بچہ	هَامِدَةً (۳)	خشک
ثُمَّ	پھر	ثُمَّ	پھر	فَاِذَآ	پس جب
مِنْ نُّطْفَةٍ	نطفہ سے	لِتَبْلُغُوْٓا	تا کہ پہنچو تم	اَنْزَلْنَا	اتارا ہم نے
ثُمَّ	پھر	اَشُدَّكُمْ	تمہاری جوانی کو	عَلَيْهَا	اس پر
مِنْ عَلَقَةٍ (۱)	خونِ بستہ سے	وَمِنْكُمْ	اور تم میں سے بعض	الْمَآءَ	پانی
ثُمَّ	پھر	مَّنْ	جو	اهْتَزَّتْ (۴)	(تو) لہرائی وہ
مِنْ مُّضْغَةٍ	بوٹی سے	يُّتَوَفّٰى	روح قبض کیا جاتا ہے	وَرَبَتْ	اور پھولی وہ
مُّخَلَّقَةٍ (۲)	پیدا کی ہوئی	وَمِنْكُمْ	اور تم میں سے بعض	وَاَنْۢبَتَتْ	اور اگائی اس نے
وَّغَيْرِ	اور نہ	مَّنْ	جو	مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ	ہر قسم سے
مُخَلَّقَةٍ	پیدا کی ہوئی	يُّرَدُّ	پھیرا جاتا ہے	بَهِيْجٍ (۵)	خوشنما
لِّنُبَيِّنَ	تا کہ بیان کریں ہم	اِلٰٓى اَرْذَلِ	طرف نکمی	ذٰلِكَ (۶)	یہ بات
لَكُمْ	تمہارے لئے	الْعُمُرِ	زندگی کے	بِاَنَّ	بایں وجہ کہ
وَنُقِرُّ	اور ٹھہراتے ہیں ہم	لِكَيْلَا	تا کہ نہ	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ
فِي الْاَرْحَامِ	بچہ دانیوں میں	يَعْلَمَ	جانے وہ	هُوَ	ہی
مَا نَشَآءُ	جس کو چاہتے ہیں ہم	مِنْۢ بَعْدِ	بعد	الْحَقُّ	برحق ہیں
اِلٰٓى اَجَلٍ	مدت تک	عِلْمٍ	جاننے کے	وَاَنَّهٗ	اور (بایں وجہ) کہ وہ
مُّسَمًّى	معین	شَيْـًٔا	کچھ	يُحْيِ	زندہ کرتے ہیں
ثُمَّ	پھر	وَتَرَى	اور دیکھتا ہے تو	الْمَوْتٰى	مردوں کو

(۱) عَلَقَة: جمے ہوئے خون کی پھٹکی (گانٹھ، گٹھلی) بہتے خون کو مَسْفُوْح کہتے ہیں۔ اور علقہ کو علقہ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اس رطوبت کے ساتھ جو اس میں لگی رہتی ہے معلق ہوتا ہے (قرطبی) (۲) مُخَلَّقَة: مُضْغَة کی صفت ہے۔ (۳) هَمَدَتِ (ن) الأرضُ: خشکی کی وجہ سے زمین کی روئیدگی بند ہوجانا۔ (۴) اِهْتَزَّ الشيئُ: ہلنا، لہلہانا۔ (۵) بَهِيْج: صفتِ مشبہ: بَهُجَ (ک) بَهَاجَةً: پررونق ہونا، خوبصورت ہونا۔ (۶) ذلك: مبتدا، بأن: اپنے چار معطوفات کے ساتھ خبر۔

وَاَنَّهٗ	اور (بایں وجہ) کہ وہ	مَنۡ	جو	فِى الدُّنۡيَا	دنیا میں
عَلٰى كُلِّ	ہر چیز پر	يُّجَادِلُ	جھگڑا کرتے ہیں	خِزۡىٌ	رسوائی ہے
شَىۡءٍ		فِى اللّٰهِ	اللہ (کے دین) میں	وَّنُذِيۡقُهٗ	اور چکھائیں گے ہم اسکو
قَدِيۡرٌ	قادر ہیں	بِغَيۡرِ	بغیر	يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ	قیامت کے دن
وَّاَنَّ	اور (بایں وجہ) کہ	عِلۡمٍ	علم کے	عَذَابَ	عذاب
السَّاعَةَ	قیامت	وَّلَا	اور بغیر	الۡحَرِيۡقِ	جلتی آگ کا
اٰتِيَةٌ	آنے والی ہے	هُدًى	ہدایت کے	ذٰلِكَ (۴)	یہ سزا
لَّا رَيۡبَ	کوئی شبہ نہیں	وَّلَا	اور بغیر	بِمَا	ان اعمال کی وجہ سے
فِيۡهَا	اس میں	كِتٰبٍ	کتاب کے		ہے جو
وَاَنَّ	اور (بایں وجہ) کہ	مُّنِيۡرٍ	روشن	قَدَّمَتۡ	آگے بھیجے
اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ	ثَانِىَ (۱)	موڑتے ہوئے	يَدٰكَ	تیرے ہاتھوں نے
يَبۡعَثُ	زندہ کریں گے	عِطۡفِهٖ (۲)	اپنے پہلو کو	وَاَنَّ	اور (بایں وجہ) کہ
مَنۡ	ان کو جو	لِيُضِلَّ (۳)	تاکہ گمراہ کرے وہ	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ
فِى الۡقُبُوۡرِ	قبروں میں ہیں	عَنۡ سَبِيۡلِ	راستے سے	لَيۡسَ	نہیں
وَمِنَ	اور بعض	اللّٰهِ	اللہ کے	بِظَلَّامٍ	ذرا بھی ظلم کرنے والے
النَّاسِ	انسان	لَهٗ	اس کے لئے	لِّلۡعَبِيۡدِ	بندوں پر

قیامت کی خبر دینے کے بعد اب تین قسم کے لوگوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ ایک: وہ لوگ ہیں جو نہ صرف قیامت کا انکار کرتے ہیں، بلکہ دوسروں کا بھی ذہن خراب کرتے ہیں۔ وہ لوگوں کے دلوں میں قیامت کے تعلق سے طرح طرح کے وساوس ڈالتے ہیں۔ اور ان کو اللہ کی راہ سے بے راہ کرتے ہیں۔ دوسرے: وہ لوگ ہیں جو محض دنیا کی خاطر دین کو

---

(۱) ثَانِي: اسم فاعل، يجادل کی ضمیر فاعل سے حال: ثَنَى (ض) الشيئَ ثَنْيًا: موڑنا، لپیٹنا، طے کرنا۔ (۲) عِطْف: شانہ، پہلو، جانب، جمع أعطاف، سر سے سرین تک انسان کی دونوں جانب: دو پہلو ہیں جن کو وہ موڑ سکتا ہے۔ ثَنَى عِطْفَه: پہلو موڑا یعنی منہ پھیرا، جیسے نَأى بِجَانِبِه: اس نے پہلو تہی کی، عَطَفَ عليه: مہربان ہونا۔ عَطَفَ عنه: منہ موڑنا۔ (۳) لِيُضِلَّ: يُجَادِلُ سے متعلق ہے۔ (۴) ذلك: مبتداء، بما: اپنے معطوف کے ساتھ خبر۔

اختیار کئے ہوئے ہیں، اور وہ ابھی مذبذب حالت میں ہیں۔ تیسرے: دین میں مخلص مؤمن ہیں۔ ان آیاتِ پاک میں پہلی قسم کے لوگوں کا ذکر ہے۔ ارشاد ہے: —— اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کی بات میں بغیر دلیل کے جھگڑا کرتے ہیں —— یہ کٹھ حجت کافر ہیں۔ ان کو قیامت کی خبر دی گئی تو وہ بحث کرنے لگے۔ اور علم و دلیل کے بغیر الجھنے لگے ——اور وہ ہر سرکش شیطان کے پیچھے ہو لیتے ہیں—— یعنی وہ اپنے سرغنوں کی دُم پکڑے ہوئے ہیں۔ اور ان کی بولی بولنے لگے ہیں —— اور شیطان جس طرح جنات میں ہوتے ہیں انسانوں میں بھی ہوتے ہیں۔ سورۃ الانعام (آیت ۱۱۲) میں ارشاد ہے: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِيْنَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ، يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ إِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا﴾ یعنی ہم نے اسی طرح ہر نبی کے لئے انسان اور جنات میں سے شیاطین بنائے ہیں جو ایک دوسرے کو چکنی چپڑی باتوں کا وسوسہ ڈالتے رہتے ہیں تاکہ ان کو دھوکہ میں ڈال دیں۔ چنانچہ جو لوگ بد اطوار بد قماش لوگوں سے میل جول رکھتے ہیں وہ ان کے خیالات سے متاثر ہو جاتے ہیں، اور اپنے ایمان و عمل کی پونجی کھو بیٹھتے ہیں۔ پس:

زِینہار از قرینِ بد زِنہار ۞ وَقِنَا رَبَّنَا عَذَابَ النَّار
پناہ بخدا! برے ساتھی سے پناہ! ۞ اے رب ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا!

شیطان کے بارے میں یہ امر طے شدہ ہے کہ جو کوئی اس سے دوستی کرے گا وہ اس کو گمراہ کر کے رہے گا۔ اور اس کو عذابِ دوزخ کی راہ دکھائے گا —— یعنی وہ خود تو ڈوبا ہے دوسروں کو بھی لے ڈوبے گا۔ ان کو گمراہ کر کے دوزخ کے دَر تک پہنچا دے گا۔ اور جو کام اور جو انجام بڑے شیطان کا ہے وہی کام اور وہی انجام اس کے چیلوں کا بھی ہے۔ پس بُروں کی صحبت سے کوسوں دور رہنا چاہئے۔ اور نیکوں کی صحبت اختیار کرنی چاہئے۔

اس کے بعد موت کے بعد کی زندگی کا بیان شروع ہوتا ہے۔ لوگوں کو بعث بعد الموت کا مسئلہ دلائل سے سمجھایا جاتا ہے۔ اور غور کرنے کے لئے تین باتیں پیش کی گئی ہیں: ایک: خود انسان کی پیدائش کے مراتب میں غور کرنا، اور جسم میں روح پڑنے سے پہلے کے مراحل کو سوچنا۔ دوسری: جسم میں روح پڑنے کے وقت سے لے کر موت تک کے احوال میں غور کرنا۔ تیسری: مردہ زمین کی حیاتِ نو میں غور کرنا۔ پھر ان تین باتوں کی پانچ وجوہ بیان کی ہیں۔ اور آخر میں کٹ حجت کافروں کا انجام بیان کیا ہے:

پہلی بات: —— انسان اپنی پیدائش کے مراتب میں غور کرے —— اے لوگو! اگر تمہیں دوبارہ زندہ ہونے میں کچھ شک ہے تو (اپنی خلقت پر غور کرو) ہم نے تم کو یقیناً مٹی سے پیدا کیا ہے، پھر نطفہ سے، پھر خون کی جمی ہوئی بوند سے، پھر ایسی بوٹی سے جو پیدا کی ہوئی ہے اور نہ پیدا کی ہوئی ہے، تاکہ ہم تمہارے لئے (اپنی قدرت) واضح

کریں ـــــ یعنی اگر کسی کو خلجان ہو کہ جب ہم مر کر گل سڑ جائیں گے، ہڈیاں تک ریزہ ریزہ ہو جائیں گی تو دوبارہ کیسے جی اٹھیں گے؟ تو یہ شخص اپنی پیدائش کے مراحل میں غور کرے۔ مٹی سے غذا پیدا ہوتی ہے۔ پھر غذا بدن کا جز بنتی ہے۔ اور خون کی شکل اختیار کرتی ہے۔ پھر اس کا خاص جزء نطفہ کی شکل اختیار کرتا ہے۔ پھر مرد اور عورت کے نطفے بچہ دانی میں پہنچتے ہیں۔ اور اس سے خون کی پُھٹکی بنتی ہے۔ پھر خون کی اس جمی ہوئی بوند سے گوشت کی بوٹی بنتی ہے۔ پھر کسی بوٹی کی تخلیق تو مکمل کر دی جاتی ہے، اور کوئی یونہی ناقص شکل میں گر جاتی ہے۔ غور کرو جس مادّہ سے انسان کا جسم بنتا ہے اس میں حیات موجود ہے؟ نہیں! وہ بے جان مادّہ کو جمع رکھ کر ایک جیتا جاگتا وجود بنا دیتے ہیں تو کیا وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ نہیں کر سکتے؟ حیرت ہے انسان کہاں بھٹک رہا ہے!

صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے ہر ایک کی پیدائش جمع کی جاتی ہے، اس کی ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک نطفہ کی حالت میں (یعنی اس مدت میں نطفہ میں کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوتی) پھر اتنی ہی مدت میں عَلقہ (جما ہوا خون) ہوتا ہے۔ پھر اتنی ہی مدت میں مُضغہ (گوشت کی بوٹی) ہوتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجتے ہیں چار باتوں کے ساتھ۔ پس وہ اس کا عمل، اس کی موت، اس کی روزی اور اس کا نیک یا بد ہونا لکھتا ہے۔ پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے'' (مشکوٰۃ حدیث ۸۲) یعنی مراحل تخلیق میں انتقال تدریجی ہوتا ہے۔ یکبارگی نہیں ہوتا۔ اور ہر مرحلہ پہلے والے اور بعد والے مراحل سے مختلف ہوتا ہے۔ مادّہ میں جب تک کوئی نمایاں تبدیلی نہیں ہوتی نطفہ کہلاتا ہے۔ پھر جب اس میں معمولی انجماد پیدا ہوتا ہے تو علقہ کہلاتا ہے۔ پھر جب اس میں خوب انجماد ہو جاتا ہے تو مُضغہ کہلاتا ہے۔ پھر اعضاء بننے شروع ہوتے ہیں۔ اور جب تخلیق مکمل ہو جاتی ہے تو اس میں روح ڈالی جاتی ہے۔

اور ایک دوسری حدیث میں جس کو ابن ابی حاتم رازی اور ابن جریر طبری رحمہما اللہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی سے روایت کیا ہے: نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا ''جب نطفہ مختلف ادوار سے گزرنے کے بعد مُضغہ بن جاتا ہے تو فرشتہ جو انسان کی تخلیق پر مامور ہے: اللہ تعالیٰ سے دریافت کرتا ہے: **يَارَبِّ مُخَلَّقَةٌ أَوْ غَيْرُ مُخَلَّقَةٍ؟** اے پروردگار! اس مُضغہ سے انسان کا ہونا مقدر ہے یا نہیں؟ اگر جواب ملتا ہے کہ پیدا کرنا مقدر نہیں تو رحم اس کو ساقط کر دیتا ہے۔ اور اگر جواب ملتا ہے کہ پیدا کرنا مقدر ہے تو فرشتہ پوچھتا ہے: لڑکا یا لڑکی، نیک بخت یا بد بخت؟ اور اس کی عمر کیا ہے؟ اس کا عمل کیسا ہوگا؟ اور کہاں مرے گا؟ (ابن کثیر)

جو شخص جسم میں روح پڑنے سے پہلے کے ان مراحل کو سوچے گا وہ اچھی طرح سے اللہ کی قدرتِ کاملہ کو سمجھ سکتا

ہے۔ جو خدا ایسا قادر ہے وہ مرنے اور گلنے سڑنے کے بعد دوبارہ کیوں پیدا نہیں کرسکتا؟ آخر پہلی بار اس نے مٹی ہی سے تو بنایا ہے، پھر دوبارہ اس کو مٹی سے کیوں نہیں بنا سکتا؟!

دوسری بات:۔۔۔۔۔ زندگی کے مختلف احوال میں غور کرو ۔۔۔۔۔ اور (روح پھونکنے کے بعد) ہم بچہ دانیوں میں جس کو چاہتے ہیں ایک مقررہ وقت تک ٹھہراتے ہیں۔ پھر ہم بچہ ہونے کی حالت میں باہر لاتے ہیں۔ پھر (بتدریج بڑھاتے ہیں) تاکہ تم اپنی بھری جوانی کو پہنچو، اور تم میں سے کسی کی روح قبض کرلی جاتی ہے۔ اور تم میں سے کوئی نکمی عمر کی طرف پھیرا جاتا ہے، تاکہ وہ جاننے کے بعد کچھ نہ جانے! ۔۔۔۔۔ یعنی جسم میں روح پڑنے کے بعد بچہ فوراً باہر نہیں لایا جاتا۔ ابھی وہ اس دنیا کی آب وہوا برداشت کرنے کے قابل نہیں۔ اس لئے جتنی مدت رحم میں ٹھہرانا مناسب ہوتا ہے ٹھہرایا جاتا ہے۔ عام طور پر تین چار ماہ تک بچہ بحالتِ حیات رحم مادر میں رہتا ہے، اور پلتا بڑھتا ہے۔ سوچو! اس مدت میں اس کے سانس لینے کا اور غذا کا قدرت نے کیا انتظام کیا ہے؟ پھر اس کو باہر لایا جاتا ہے اور رفتہ رفتہ وہ کمالِ شباب کو پہنچ جاتا ہے۔ پھر کچھ لوگ زندگی کے مختلف مراحل میں چل بستے ہیں۔ اور کچھ بڑھاپے کی نہایت کو پہنچ جاتے ہیں۔ ان کے قُوی جواب دیدیتے ہیں۔ یادداشت خراب ہوجاتی ہے اور وہ سب کچھ بھلا دیتے ہیں۔ یہی حال دوسرے قوی کا بھی ہوجاتا ہے۔ آنکھ دیکھنے کے قابل نہیں رہتی۔ پیر چار قدم نہیں اٹھا سکتے، کان جواب دیدیتے ہیں اور دانت گر جاتے ہیں، گویا انسان بوڑھا ہوکر پھر بچہ بن جاتا ہے۔ زندگی کے ان تدریجی تغیرات میں غور کیا جائے تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ کائنات کا یہ نظم وانتظام محض اتفاقی نہیں، بلکہ کسی قادر وحکیم کی کارفرمائی ہے ۔۔۔۔۔ دنیا کی زندگی میں جسم کمزور بنایا گیا ہے۔ وہ ایک وقت کے بعد ناکارہ ہوجاتا ہے۔ اور بالآخر فنا ہوجاتا ہے۔ پھر آخرت میں یہی جسم نہایت قوی بنایا جائے گا۔ اور اس میں حکمت یہ ہے کہ عمل کی زندگی مختصر ہو۔ اور آخرت میں جنت کی نعمتوں سے تا ابد متمتع ہو۔ جیسے زمین کے لئے طے کیا گیا ہے کہ وہ ہر سال اجڑ جائے، پھر از سرِ نو زندہ ہو، اور مخلوق کو روزی پہنچتی رہے۔

تیسری بات: ۔۔۔۔۔ مردہ زمین کی حیاتِ نو میں غور کرو ۔۔۔۔۔ اور تم زمین کو خشک پڑی ہوئی دیکھتے ہو، پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو ہلتی ہے اور پھولتی ہے، اور ہر قسم کی خوشنما نباتات اگاتی ہے! ۔۔۔۔۔ یعنی تم ہر سال یہ نظارہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہو کہ زمین خشک پڑی ہوتی ہے۔ موسم باراں آتا ہے۔ آفتاب کی گرمی سمندر پر پڑتی ہے۔ بخارات اٹھتے ہیں اور بادل بن کر برستے ہیں۔ جونہی زمین آبِ حیات جذب کرتی ہے اس میں حرکت پیدا ہوتی ہے، وہ پھولتی ہے اور اس کی نشو ونما کی صلاحیت بیدار ہوتی ہے۔ اور دیکھتے دیکھتے زمین گل وگلزار بن جاتی ہے۔ ہر طرف سبزہ ہی سبزہ نظر آنے لگتا ہے۔ اور قسمہا قسم کی نباتات اگ آتی ہیں۔ یہ سب کسی حکیم مطلق کی کارفرمائی ہے۔

زمین کے اس طرح ہر سال اجڑنے میں اور آباد ہونے میں غور کرنے والوں کے لئے بہت سے سبق ہیں۔

پانچ وجوہ: ـــــ یہ باتیں بایں وجہ ہیں کہ (۱) اللہ تعالیٰ ہی کی ہستی برحق ہے (۲) اور وہ بے جان چیزوں میں جان ڈالتے ہیں (۳) اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں (۴) اور قیامت آنے والی ہے، اس میں ذرا شبہ نہیں (۵) اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو قبروں میں ہیں دوبارہ زندہ کریں گے ـــــ یہ پانچوں باتیں باہم مربوط ہیں۔ انسان اگر اپنی پیدائش میں اور بعد کے احوال میں غور کرے اور زمین کی حیاتِ نو کو سوچے تو اس کو صاف نظر آئے گا کہ اللہ تعالیٰ برحق ہستی ہیں۔ ان کا وجود محض فرضی اور خیالی نہیں۔ اور جس طرح ان کا وجود برحق ہے ان کے کام بھی پُرحکمت ہیں۔ انھوں نے یہ کارخانۂ عالم محض دل بہلانے کے لئے پیدا نہیں کیا، بلکہ خاص مقصد سے پیدا کیا ہے۔ اوران کی شان بے جان چیزوں میں جان ڈالنا ہے۔ انسان کا جسم جس مادّہ سے بنا ہے اس میں حیات نہیں تھی اسی طرح زمین خشک ہوتی ہے پانی برستے ہیں وہ جی اٹھتی ہے۔ وہ قادر مطلق ہیں۔ ان کی قدرت غیر متناہی ہے۔ وہ جس طرح مخلوقات کو پہلی بار پیدا کررہے ہیں دوسری بار بھی پیدا کرنے پر قادر ہیں۔ انھوں نے اپنے علم ازلی میں طے کر رکھا ہے کہ قیامت آنے والی ہے۔ اس میں قطعاً کسی شبہ کی گنجائش نہیں۔ کیونکہ انسان کی یہ محدود زندگی جس میں امتحان کی غرض سے نیکی اور بدی باہم مخلوط ہیں اور نیک وبد میں تمیز نہیں، اس کا تقاضا ہے کہ دوسری زندگی آئے جس میں مجرم اور مؤمن کو صاف طور پر ایک دوسرے سے جدا کردیا جائے۔ اور ہر ایک کو اس مقام پر پہنچادیا جائے جس کے وہ لائق ہے۔ چنانچہ قیامت کے دن تمام مردوں کو دوبارہ حیاتِ نو بخشی جائے گی اور انصاف کی عدالت قائم ہوگی۔ مؤمنین بامراد ہونگے اور مجرم کیفرکردار کو پہنچیں گے۔

کٹ حجت مجرم کا انجام: ـــــ اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کی بات میں علم وہدایت اور روشن کتاب کے بغیر جھگڑا کرتے ہیں، پہلوتہی کرتے ہوئے، تاکہ (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے بے راہ کریں ـــــ اللہ کی بات میں یعنی دینی امور میں جیسے توحید و رسالت اور عقیدۂ آخرت وغیرہ ـــــ اور علم سے مراد عام انسانی علم ہے جو ہر شخص کو حاصل ہے ـــــ اور ہدایت سے مراد دین کی مجموعی راہ نمائی ہے ـــــ اور روشن کتاب سے مراد نص صریح ہے ـــــ اور آیت میں ادنی سے اعلی کی طرف ترقی ہے یعنی اس ضدی کافر کی بات نہ عام انسانی علم سے ہم آہنگ ہوتی ہے، نہ ہی دینِ سماوی کی مجموعی راہ نمائی سے لگا کھاتی ہے۔ اور نہ اس کے پاس آسمانی کتاب کی صریح نص موجود ہے۔ محض اوہام وظنون کی پیروی ہے کہ جب لوگ مرکر گل سڑ جائیں گے، پھر دوبارہ کیسے زندہ ہونگے؟ اور اس قسم کی باتوں کی بنیاد اعراض وتکبر ہے اور مقصد لوگوں کو گمراہی کے راستہ پر ڈالنا ہے ـــــ اس کے لئے دنیا میں رسوائی

ہے، اور قیامت کے دن ہم اس کو جلتی آگ کا مزہ چکھائیں گے ـــــ یعنی رسول کے یہ مخالفین دنیا میں بھی ذلیل وخوار ہونگے اور آخرت میں بھی دوزخ کا ایندھن بنیں گے۔ اور جب آخرت میں ان کو جہنم میں ٹھونسا جائے گا تو ان سے کہا جائے گا ـــــ یہ سزا ان اعمال کی وجہ سے ہے جو تیرے ہاتھوں نے آگے بھیجے ہیں، اور اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والے نہیں ـــــ اس میں تقدیم وتاخیر ہے یعنی اللہ کی طرف سے کسی پر ظلم وزیادتی نہیں، یہ تیرے اپنے ہی کرتوت ہیں جن کا تو مزہ چکھ رہا ہے۔

دنیا میں ضدی کٹ حجت کی رسوائی کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ ایسا شخص گفتگو اور مناظرہ میں اہلِ حق کے سامنے ٹھہر نہ سکے (ماجدی)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ۨ اطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ۨ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ۝۱۱ يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ۝۱۲ يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ۭ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ۝۱۳

وَمِنَ	اور کوئی	خَيْرُ	بھلائی	خَسِرَ	گنوائی اس نے
النَّاسِ	انسان	ۨ اطْمَاَنَّ	(تو) مطمئن رہتا ہے	الدُّنْيَا	دنیا
مَنْ	جو	بِهٖ	اس پر	وَالْاٰخِرَةَ	اور آخرت
يَّعْبُدُ	عبادت کرتا ہے	وَاِنْ	اور اگر	ذٰلِكَ	یہ
اللّٰهَ	اللہ کی	اَصَابَتْهُ	پہنچی اس کو	هُوَ	ہی
عَلٰى حَرْفٍ	کنارے پر	فِتْنَةُ	آزمائش	الْخُسْرَانُ	خسارہ ہے
فَاِنْ	پس اگر	ۨ انْقَلَبَ	(تو) پلٹ جاتا ہے	الْمُبِيْنُ	کھلا
اَصَابَهٗ	پہنچی اس کو	عَلٰى وَجْهِهٖ	اپنے چہرے پر	يَدْعُوْا	پکارتا ہے وہ

مِنْ دُوْنِ اللهِ	اللہ سے کم درجہ میں	هُوَ	ہی	اَقْرَبُ	قریب تر ہے
مَا لَا	اس کو جو نہ	الضَّلٰلُ	گمراہی ہے	مِنْ نَّفْعِهٖ	اس کے نفع سے
يَضُرُّهٗ	نقصان پہنچاتا ہے اسکو	الْبَعِيْدُ	دور کی	لَبِئْسَ	یقیناً برا ہے
وَمَا لَا	اور اس کو جو نہ	يَدْعُوْا (۱)	پکارتا ہے وہ	الْمَوْلٰى	کارساز
يَنْفَعُهٗ	نفع پہنچاتا ہے اس کو	لَمَنْ (۲)	یقیناً اس کو	وَلَبِئْسَ	اور یقیناً برا ہے
ذٰلِكَ	یہ	ضَرُّهٗٓ	جس کا ضرر	الْعَشِيْرُ (۳)	ساتھی

ان آیاتِ پاک میں دوسری قسم کے لوگوں کا تذکرہ ہے۔ یہ وہ نام نہاد مسلمان ہیں جو مذبذب حالت میں ہیں، اسلام میں پختہ نہیں۔ بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں جلوہ افروز ہوئے تو بعض لوگ آکر مسلمان ہوتے تھے۔ پھر اگر اس کی بیوی کے لڑکا ہوا اور اس کی گھوڑی نے بچہ دیا تو وہ کہتا کہ یہ دین اچھا ہے! اور اگر اس کی بیوی نے بچہ نہ جنا، اور اس کی گھوڑی نے بچہ نہ دیا تو وہ کہتا کہ یہ دین بُرا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئیں۔ (بخاری حدیث نمبر ۴۷۴۲) ارشاد ہے: —— اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو کنارے پر کھڑے اللہ کی عبادت کرتے ہیں —— یعنی دنیوی نفع کی امید سے دین قبول کرتے ہیں۔ پھر بھلائی دیکھتے ہیں تو دین پر قائم رہتے ہیں، ورنہ چھوڑ دیتے ہیں —— اس آیت میں میدانِ جنگ میں تذبذب کی حالت میں شرکت کرنے والے کے ساتھ تشبیہ ہے۔ ڈانواں ڈول: فوج کے کنارے پر کھڑا ہوتا ہے۔ اگر دیکھتا ہے کہ اس کی فوج کا پلہ بھاری ہے، فتح کے آثار نمایاں ہیں اور غنیمت کی امید ہے تو وہ فوج میں آملتا ہے۔ اور اگر شکست کے آثار نظر آتے ہیں تو چپکے سے کھسک جاتا ہے۔ یہی حال اس مسلمان کا بھی ہے —— پس اگر اسے کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو وہ اس پر مطمئن ہو جاتا ہے، اور اگر اس کو کوئی آزمائش پہنچتی ہے تو وہ اپنے چہرے پر پلٹ جاتا ہے —— یعنی کفر کی طرف لوٹ جاتا ہے —— گنوائی اس نے دنیا وآخرت! —— اس کی تفصیل اگلی دو آیتوں میں ہے —— یہی کھلا ہوا خسارہ ہے! —— کہ نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم! نہ اِدھر کا رہا نہ اُدھر کا!

(۱) يَدْعُوْا: دونوں جگہ فعل مضارع، صیغہ واحد مذکر غائب ہے۔ اور قرآنی رسم الخط میں جو واو: واوِ جمع کے مشابہ ہوتا ہے اس کے بعد الف لکھا جاتا ہے۔ (۲) لَمَنْ: میں لام ابتدائیہ ہے جو جملہ اسمیہ پر آتا ہے۔ مَنْ: مبتدا ہے، ضرہ: دوسرا مبتدا ہے، أقرب اس کی خبر ہے، پھر جملہ اسمیہ من کی خبر ہے۔ (۳) العشير: رفیق، ہم صحبت، ساتھی، میل جول رکھنے والا، صفت مشبہ، بروزن فعیل بمعنی معاشر ج: عُشَرَاء.

دنیا کا خسارہ: ـــــ اور وہ اللہ سے کم درجہ میں ایسوں کو پکارتا ہے جو نہ اس کو نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ اس کو نفع پہنچا سکتے ہیں ـــــ یعنی خدا کی بندگی چھوڑ کر بتوں کو پکارتا ہے۔ اللہ کا دَر چھوڑ کر دوسری چوکھٹوں کی طرف مائل ہوتا ہے۔ جن کے اختیار میں نہ ذرّہ برابر بھلائی ہے نہ برائی ـــــ یہی انتہائی درجہ کی گمراہی ہے ـــــ یعنی یہی پرلے درجہ کی حماقت ہے۔ کیا جو چیز خدا نے نہیں دی وہ یہ معبودانِ باطل دے سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں! ـــــ اور آیت میں نقصان کا تذکرہ نفع سے پہلے کیا گیا ہے۔ اس سے یہ ضابطہ بنایا گیا ہے کہ ''جلبِ منفعت سے دفعِ مضرت مقدم ہے'' یعنی پہلے ضرر ہٹانے کی کوشش کرنی چاہئے، نفع حاصل کرنے کی فکر بعد میں کی جائے گی۔

آخرت کا خسارہ: ـــــ اور وہ ایسوں کو پکارتا ہے جن کا ضرر ان کے نفع سے قریب تر ہے ـــــ یعنی آخرت میں اس کی عبادت میں مطلق نفع نہیں، ضرر ہی ضرر ہے۔ اور یہ عربی کا محاورہ ہے یعنی پوجنے کا جو ضرر ہے وہ قطعی اور یقینی ہے، اس لئے فائدہ کا سوال تو بعد کا ہے نقصان ابھی ہاتھوں ہاتھ پہنچ گیا ـــــ یقیناً برا ہے کارساز، اور یقیناً برا ہے رفیق! ـــــ یعنی وہ نہ بڑے کی حیثیت سے کام آیا نہ برابر والے کی حیثیت سے۔ پس جس نے بھی اس کو اس راہ پر ڈالا ہے ـــــ خواہ وہ کوئی انسان ہو یا شیطان ـــــ وہ بدترین سرپرست اور بدترین ساتھی ہے!

فائدہ: اس قسم کے مسلمان آج بھی موجود ہیں۔ وہ دنیوی فوائد کے پیش نظر دین پر عمل کرتے ہیں۔ اگر ان کی مرادیں پوری ہوتی رہیں تو دین اچھا ہے اور اگر وہ کسی آزمائش میں مبتلا ہوجاتے ہیں تو اللہ کی بندگی سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ اور ان آستانوں پر پہنچ جاتے ہیں جہاں سے ان کو فائدے کی امید ہوتی ہے۔ مگر وہاں سے بھی ان کے ہاتھ کچھ نہیں آتا۔ کیونکہ ان کے ہاتھ میں ہے ہی کیا؟ وہ نہ نفع کے مالک ہیں نہ نقصان کے۔ دینے والے اللہ تعالیٰ ہیں۔ اور ملتا وہی ہے جو مقدر میں ہوتا ہے۔ البتہ وہ ان سے دعائیں مانگ کر اور ان کے سامنے ہاتھ پھیلا کر اپنا ایمان کھو بیٹھتے ہیں۔

> نفع وضرر کے مالک صرف اللہ تعالیٰ ہیں۔ جو لوگ اللہ کو چھوڑ کر دوسروں سے امیدیں وابستہ کرتے ہیں وہ کبھی بامراد نہیں ہوسکتے!

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ ﴿١٤﴾ مَنْ كَانَ يَظُنُّ أَنْ لَنْ يَنْصُرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ إِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهُ مَا

يَغِيْظُ ۝١٥ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ۝١٦

اِنَّ اللّٰهَ	بیشک اللہ	كَانَ يَظُنُّ	گمان کرتا ہے	يُذْهِبَنَّ(۴)	ضرور لے جاتی ہے
يُدْخِلُ	داخل کریں گے	اَنْ لَّنْ	کہ ہرگز نہیں	كَيْدُهٗ	اس کی تدبیر
الَّذِيْنَ	ان کو جو	يَّنْصُرَهُ(۱)	مدد کریں گے اس کی	مَا	اس کو جو
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	يَغِيْظُ(۵)	سخت ناراض کرتی ہے
وَعَمِلُوا	اور کئے انھوں نے	فِي الدُّنْيَا	دنیا میں	وَكَذٰلِكَ	اور اسی طرح
الصّٰلِحٰتِ	نیک کام	وَالْاٰخِرَةِ	اور آخرت (میں)	اَنْزَلْنٰهُ	اتارا ہم نے اس کو
جَنّٰتٍ	باغات میں	فَلْيَمْدُدْ(۲)	پس چاہئے کہ دراز ہو	اٰيٰتٍ	دلیلیں
تَجْرِيْ	بہتی ہیں	بِسَبَبٍ	کسی ذریعہ سے	بَيِّنٰتٍ	کھلی کھلی
مِنْ تَحْتِهَا	ان کے نیچے سے	اِلَى السَّمَآءِ	آسمان کی طرف	وَّاَنَّ	اور یہ کہ
الْاَنْهٰرُ	نہریں	ثُمَّ	پھر	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ
اِنَّ اللّٰهَ	بیشک اللہ تعالیٰ	لْيَقْطَعْ(۳)	چاہئے کہ بند کردے	يَهْدِيْ	راہ دکھاتے ہیں
يَفْعَلُ	کرتے ہیں		(مدد)	مَنْ	جس کو
مَا يُرِيْدُ	جو چاہتے ہیں	فَلْيَنْظُرْ	پس چاہئے کہ دیکھے	يُّرِيْدُ	چاہتے ہیں
مَنْ	جو شخص	هَلْ	کیا	۞	۞

ان آیات میں تیسری قسم کے لوگوں کا تذکرہ ہے۔ یہ مخلص مؤمنین کی جماعت ہے، جو ہر حال میں راہِ حق پر ثابت قدم رہتی ہے۔ اور دل کی تھاہ سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتی ہے۔ ان کا بہترین انجام سنیں: ـــــ بیشک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کئے ایسے باغات میں داخل کریں گے جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں ـــــ جس کی وجہ سے وہ بہشتیں سدابہار اور خوش منظر ہونگی ـــــ بیشک اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں ـــــ ان کے کاموں پر کسی کو حرف گیری کا حق نہیں۔ جیسے وہ پہلی قسم کے ضدی کافروں کو دردناک عذاب دیں گے،

(۱) ينصره کی ضمیر مفعول مؤمن کی طرف لوٹتی ہے، جس کا تذکرہ الذین آمنوا میں آیا ہے (۲) لِيَمْدُدْ: فعل امر غائب، صیغہ واحد مذکر غائب ہے۔ مَدٌّ مصدر باب نصر: دراز ہونا، لمبا ہونا (۳) لِيَقْطَعْ: کا مفعول محذوف ہے أی النصرة (۴) يُذْهِبَنَّ: فعل مضارع بانون تاکید ثقیلہ، صیغہ واحد مذکر غائب، إِذْهَابٌ مصدر: دور کرنا، زائل کرنا (۵) غَاظَ يَغِيْظُ غَيْظًا: غضبناک بنانا، غصہ دلانا، سخت ناراض کرنا۔

دوسری قسم کے لوگوں کو نامرادی اور ناکامی سے ہمکنار کریں گے۔ اپنے مخلص بندوں کو دائمی نعمتوں سے نوازیں گے، اس پر کسی کو لب کشائی کا حق نہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے: ﴿إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا فِيْ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْأَشْهَادُ﴾ یعنی ہم اپنے پیغمبروں کی اور ایمان والوں کی دنیوی زندگانی میں بھی مدد کرتے ہیں، اور اس دن بھی مدد کریں گے جب گواہی دینے والے کھڑے ہونگے یعنی قیامت کے دن (سورۃ المؤمن آیت ۵۱)

دشمنانِ اسلام اس پر چیں چیڑ کرتے ہیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ پسند نہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کی اور مؤمنین کی مدد کرے۔ ان سے خطاب ہے: —— جو شخص خیال کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس (رسول اور مؤمن بندوں) کی دنیاؤ آخرت میں ہرگز مدد نہ کریں گے تو اس کو چاہئے کہ کسی ذریعہ سے آسمان تک پہنچ جائے، پھر چاہئے کہ وہ (اللہ کی مدد) بند کردے، پھر چاہئے کہ وہ دیکھے: آیا اس کی تدبیر نے اس چیز کو ختم کردیا جو اس کو سخت ناراض کئے ہوئے ہے؟! —— یعنی اگر کسی کا اللہ کی نصرت پر دل کباب ہورہا ہے، اور وہ خیال باندھے بیٹھا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی مدد ہرگز نہیں کریں گے، اسلام نہیں پھیلے گا اور اللہ کا بول بالا نہیں ہوگا، تو وہ اپنے سارے جتن کردیکھے۔ آسمان پر چڑھ جائے اور وہاں سے اللہ کی مدد بند کرا آئے، پھر دیکھے کہ اس کے دل کا کانٹا نکلا یا نہیں؟ وہ دیکھ لے گا کہ اس کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوئی۔ وہ اللہ کی مدد کو نہیں روک سکتا۔ پھر دل کے پھپھولے پھوڑنے سے کیا فائدہ؟! —— اللہ تعالیٰ مؤمن بندوں کی مدد ضرور کرتے ہیں، خواہ دنیا میں خواہ آخرت میں۔ کبھی دنیا میں بھی ان کو برکتوں سے نوازتے ہیں۔ اور کبھی دنیا میں یہ بات کسی مصلحت سے مقدر نہیں ہوتی تو دنیا کی زندگی تنگی تُرشی میں گزرتی ہے، مگر آخرت میں وہ مؤمن بندوں کو ضرور نوازتے ہیں۔ جنتوں میں داخل کرتے ہیں، اور ابدی راحتوں سے ہم کنار کرتے ہیں —— اور آسمان پر چڑھنے کی بات ناممکن بات پر تعلیق ہے۔ کیونکہ آسمان پر چڑھنا کسی کے لئے ممکن نہیں۔ اور رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کی مدد آسمانوں کے اوپر سے ہورہی ہے۔ پس اس میں کوئی کیا روک لگا سکتا ہے؟

اب یہ مضمون تمام کیا جاتا ہے۔ ارشاد ہے: —— اور اسی طرح ہم نے اسے (قرآن کو) اتارا ہے جو کھلی ہوئی دلیلیں ہیں، اور بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں ہدایت فرماتے ہیں —— یعنی یہ صاف واضح باتیں ہیں، مگر سمجھتا وہی ہے جسے خدا سمجھ دے! —— اور "اسی طرح"، یعنی جس طرح یہ تین قسم کے لوگوں کے احوال واضح طور پر بیان کئے ہیں اسی طرح دین کی ساری باتیں واضح طور پر اس قرآن میں بیان کی گئی ہیں۔

جو معاندِ اسلام خواہش مند ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی مدد نہ کریں، اور وہ اسلام کے خلاف دل میں غیظ وغضب رکھتا ہے، وہ جان لے کہ اس کے دل کا یہ کانٹا کبھی نہ نکلے گا۔

إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـِٕيْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ۖ إِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿١٧﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ وَ النُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَ الشَّجَرُ وَ الدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ۭ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ۭ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ۭ إِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۩ ﴿١٨﴾

السجدة ۵

إِنَّ	بیشک	بَيْنَهُمْ	ان کے درمیان	وَمَنْ	اور جو
الَّذِيْنَ	جولوگ	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	قیامت کے دن	فِي الْاَرْضِ	زمین میں ہیں
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	إِنَّ اللّٰهَ	بیشک اللہ تعالیٰ	وَالشَّمْسُ	اور سورج
وَ الَّذِيْنَ	اور جولوگ	عَلٰى كُلِّ	ہر چیز سے	وَ الْقَمَرُ	اور چاند
هَادُوْا (۱)	یہودی ہوئے	شَيْءٍ		وَ النُّجُوْمُ	اور ستارے
وَالصّٰبِـِٕيْنَ (۲)	اور صابئین	شَهِيْدٌ (۵)	پوری طرح باخبر ہیں	وَالْجِبَالُ	اور پہاڑ
وَالنَّصٰرٰى	اور نصاریٰ	اَلَمْ	کیا نہیں	وَ الشَّجَرُ	اور درخت
وَالْمَجُوْسَ	اور مجوس	تَرَ	دیکھا تونے	وَ الدَّوَآبُّ	اور چوپایے
وَالَّذِيْنَ	اور جن لوگوں نے	اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ تعالیٰ	وَكَثِيْرٌ	اور بہت سے
اَشْرَكُوْٓا	شریک ٹھہرایا	يَسْجُدُ	سجدہ کرتے ہیں	مِّنَ النَّاسِ	لوگوں سے
إِنَّ (۳)	بیشک	لَهٗ	اس کے لئے	وَكَثِيْرٌ	اور بہت سے
اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ	مَنْ	جو	حَقَّ	ثابت ہوگیا
يَفْصِلُ (۴)	فیصلہ کریں گے	فِي السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں	عَلَيْهِ	اس پر

(۱) هَادَ (ن) هَوْدًا: تائب ہوکر حق کی طرف لوٹنا۔ موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے بچھڑے کی عبادت سے توبہ کی تھی اس لئے وہ ''یہود'' کہلائے۔ (۲) صَبَأَ (ف) صُبُوْءً ا من الشيئ إلى الشيئ: ایک چیز کو چھوڑ کر دوسری چیز اختیار کرنا، مذہب تبدیل کرنا (۳) جملہ إن اللّٰهَ: پہلے إن کی خبر کی جگہ میں ہے۔ (۴) فَصَلَ (ض) فَصْلاً وفصولاً بين الشيئين: دو چیزوں کو الگ الگ کرنا۔ دو میں فیصلہ کرنا۔ (۵) شهيد: حاضر وباخبر جس کے علم سے کوئی چیز پوشیدہ نہ ہو۔

الْعَذَابُ	عذاب	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	اِنَّ اللّٰهَ	بیشک اللہ تعالیٰ
وَمَنْ	اور جس کو	فَمَا لَهٗ	پس نہیں اس کے لئے	يَفْعَلُ	کرتے ہیں
يُّهِنِ(۱)	ذلیل کریں	مِنْ مُّكْرِمٍ(۲)	کوئی عزت دینے والا	مَا يَشَآءُ	جو چاہتے ہیں

پچھلی آیت میں فرمایا تھا کہ سارا قرآن ہدایت کی واضح دلیلیں ہے۔ مگر ہدایت ہر ایک کا نصیب نہیں۔ اللہ تعالیٰ جس کو توفیق دیں وہی ہدایت پاتا ہے۔ اب اس کی مثال ملاحظہ فرمائیں: دنیا میں چھ بڑے فرقے ہیں: مسلمان، یہودی، صابی، نصاری، مجوسی اور مشرکین۔ ان میں سے ہر ایک خود کو ہدایت پر سمجھتا ہے۔ مگر جب سب کا رخ ایک طرف نہیں تو منزل ایک کیسے ہوسکتی ہے؟ درحقیقت ہدایت پر وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہے، دوسرے تمام فرقے اللہ کی راہ پر نہیں۔ اور دنیا میں اگرچہ سب یکساں نظر آتے ہیں، مگر حقیقت میں ان کی راہیں اور ان کی منزلیں الگ ہیں۔ کل قیامت کو اللہ تعالیٰ ان کے درمیان فیصلہ فرمائیں گے۔ اور دودھ کو پانی سے الگ کردیں گے۔ اللہ کے سامنے ہر چیز ہے، وہ سب کچھ جانتے ہیں —— رہا علمی فیصلہ تو وہ یہیں کیا جارہا ہے۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ ساری کائنات اپنے خالق و مالک کے سامنے سجدہ ریز ہے۔ سب اس کی بندگی میں لگے ہوئے ہیں۔ یہی ہدایت یافتہ ہونے کی دلیل ہے۔ جو لوگ اس کی بندگی سے سرتابی کرتے ہیں وہ ہدایت پر کیسے ہوسکتے ہیں؟ —— یہ دونوں آیتوں کا خلاصہ ہے۔ اب تفصیل پڑھیں ارشاد ہے: —— بیشک جو لوگ ایمان لائے، اور جو لوگ یہودی ہوئے، اور صابی، اور نصاری، اور مجوسی، اور جن لوگوں نے شریک ٹھہرایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے درمیان فیصلہ فرمائیں گے، اللہ تعالیٰ یقیناً ہر چیز سے بخوبی واقف ہیں —— یعنی یہ سب ہی فرقے خود کو حق پر سمجھتے ہیں، مگر یہ بات کیونکر ممکن ہے؟ جس کا رُخ چین کی طرف ہے وہ بھی مکہ پہنچے، اور جس کا رخ مکہ کی طرف ہے وہ بھی مکہ پہنچے یہ بات کیسے ممکن ہے؟

ہرگز بکعبہ نرسی اے اَعرابی ❁ کیں راہ کہ تو میروی بترکستان است

(اُوبدّو! ہرگز تو کعبہ تک نہیں پہونچے گا ÷ یہ راستہ جس پر تو چل رہا ہے ترکستان کا ہے)

اللہ تعالیٰ قیامت کو اس نزاع کا عملی اور دوٹوک فیصلہ فرمائیں گے، اور ہر ایک کو اس کے ٹھکانے پر پہنچائیں گے۔

(۱) يُهِنْ: فعل مضارع معروف، مَنْ شرطیہ کی وجہ سے مجزوم، صیغہ واحد مذکر غائب، إِهَانَة: باب افعال: ذلیل کرنا، اس میں ھا کے بعدی التقاء ساکنین کی وجہ سے گرگئی ہے۔ ن پر درحقیقت جزم ہے، آگے ملانے کے لئے کسرہ دیا ہے۔ (۲) مُکرم: اسم فاعل، إِكْرام: مصدر: عزت دینا، اکرام کرنا۔

کیونکہ لوگوں کے تمام احوال ان کے سامنے ہیں وہ علیم وخبیر ہیں۔ پس چاہئے کہ کچھ انتظار کیا جائے۔

فائدہ: یہودی: وہ لوگ ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دین پر ہونے کے مدّعی ہیں۔ اور یہودیت: نسلی مذہب ہے۔ مگر عرب کے متعدد قبیلے یہودیوں کی صحبت سے متاثر ہوکر اوران کے علوم سے مرعوب ہوکر یہودی بن گئے تھے، ''جو لوگ یہودی ہوئے'' میں یہ سب مراد ہیں —— اور صابی: وہ فرقہ ہے جو عرب کے شمال مشرق میں شام وعراق کی سرحد پر آباد تھا۔ کہتے ہیں کہ یہ لوگ دینِ توحید اور عقیدۂ رسالت کے قائل تھے۔ وہ خود کو حضرت یحییٰ علیہ السلام کی امت کہتے تھے۔ اسی لئے جو اسلام قبول کرتا: مشرکین اس کو صابی کہتے تھے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ان کو اہل کتاب مانتے ہیں اوران کے ذبیحہ کی حلت اوران کی عورتوں سے نکاح کے جواز کے قائل ہیں۔ دوسرے حضرات کہتے ہیں: صابی: وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہر ایک دین میں سے کچھ کچھ باتیں لے لی ہیں، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مانتے ہیں، اور فرشتوں کی بھی پرستش کرتے ہیں، اس لئے وہ اہل کتاب نہیں —— اور نصاریٰ: وہ لوگ ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر ہونے کے دعوے دار ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اصل وطن قصبہ ''ناصرہ'' تھا جو بیت المقدس سے ستّر میل شمال میں، اور بحر روم سے بیس میل مشرق میں واقع ہے۔ اسی کی طرف نسبت کرتے ہوئے آپ ''یسوع ناصری'' کہلاتے ہیں، اور اُسی مناسبت سے آپ کی طرف منسوب ہونے والوں کو ''نصاریٰ'' کہا جاتا ہے، اور آپ کے نام کی مناسبت سے ''عیسائی'' بھی کہا جاتا ہے —— اور مجوسی: وہ لوگ ہیں جن کا دعوی ہے کہ ہم ''زرتشت'' نبی کی امت ہیں۔ مگر اب وہ آگ کو پوجتے ہیں، اور دو خدا مانتے ہیں: ایک خیر کا خالق جس کا نام ''یزداں'' ہے دوسرا شر کا خالق جس کا نام ''اَہرمن'' ہے۔ اور کہتے ہیں کہ یہ کائنات انہی دونوں خداؤں کی رزمگاہ ہے —— اور مشرکین: سے مراد: صنم پرست اقوام ہیں، خواہ وہ عرب کے مشرک ہوں یا ہندوستان کے بت پرست۔

اہل اسلام میں جو مختلف فرقے ہیں۔ ان میں سے نجات پانے والے صرف وہ ہیں جو رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے طریق پر ہیں۔ اور وہ امت کا سوادِ اعظم (غالب حصہ) ہیں

مختلف فرقوں میں علمی فیصلہ: —— کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں، اور جو زمین میں ہیں، اور سورج اور چاند، اور ستارے اور پہاڑ، اور درخت اور چوپایے، اور بہت سے انسان۔ اور بہت سوں پر عذاب ثابت ہوگیا۔ اور جس کو اللہ تعالیٰ ذلیل کریں اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں، بیشک اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں! —— یعنی انسان تو اختلاف رکھتے ہیں، مگر دوسری تمام مخلوقات خدا کی مطیع ومنقاد ہے۔

حالانکہ انسان کو ——— جس کو ساری مخلوقات سے زیادہ عقل وفہم دیا گیا ہے ——— چاہئے تھا کہ وہ سب سے زیادہ خدا کی بندگی پر متفق ہوتا۔ مگر افسوس کہ یہی دانش وبینش رکھنے والی مخلوق اللہ کے سامنے سرنگوں نہیں ہوتی۔ چنانچہ وہ اپنے انکارواعراض کی وجہ سے عذاب کی مستحق ٹھہری۔ اب اِن ذلیلوں کو عزت دینے والا کون ہے؟ سچ ہے: اللہ تعالیٰ فاعلِ مختار ہیں، وہ اپنی حکمت سے جو چاہیں کریں، کوئی ان کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں ——— سجدہ کے معنی ہیں: انتہائی درجہ کی عاجزی۔ پس ہر مخلوق کا سجدہ اس کے لائق ہوگا۔ غیر مکلّف مخلوقات کا سجدہ تکوینی طور پر اس کا مطیع ومنقاد ہونا ہے۔ یعنی جس غرض سے ان کو پیدا کیا گیا ہے اس کی تکمیل میں لگا رہنا ہے۔ اور انسان کا سجدہ ان سے مختلف ہے۔ ان کا سجدہ اللہ کی بندگی اور ان کے احکام کی اطاعت ہے۔ یہ کام بحمد اللہ! بہت سے انسان کرتے ہیں، اور وہی مسلمان ہیں۔ اور بہت سے انسان اس سے سرتابی کرتے ہیں، اور وہی گمراہ لوگ ہیں، خواہ وہ کوئی فرقہ ہو ——— ''جو لوگ آسمانوں میں ہیں'' یعنی فرشتے۔ بہت سے مشرکین نے ان کو معبود بنالیا ہے۔ حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں۔ اور جو خود ساجد ہو وہ مسجود کیسے ہوسکتا ہے؟ اور علویات میں سے سورج، چاند اور ستاروں کی بھی لوگ پرستش کرتے ہیں، اور زمینی مخلوقات میں سے پہاڑ، درخت اور چوپایوں کی پرستش کی جاتی ہے۔ لوگ پتھروں کو پوجتے ہیں۔ پیپل اور گائے کی پوجا کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ سب مخلوقات اللہ کے آگے جھکی ہوئی ہیں۔ وہ معبود کیسے ہوسکتی ہیں؟ خالق ومالک کو چھوڑ کر ایسی عاجز مخلوق کو پوجنا کونسی عقلمندی ہے؟ مگر انسانوں میں بہت سے ایسے بدنصیب، بدعقل اور ذلیل لوگ ہیں جو اللہ کو چھوڑ کر اس کی مخلوق کے آگے جھکتے ہیں۔ وہ خدا کے فیصلے کا انتظار کریں۔

عزت وذلت اللہ کے اختیار میں ہے۔ انھوں نے مؤمنین کی عزت کا اور منکرین کی ذلت کا فیصلہ کیا ہے۔ اور اللہ کے فیصلہ کو نہ کوئی بدل سکتا ہے، نہ ٹال سکتا ہے۔

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ ۚ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ۭ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ﴿۱۹﴾ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ﴿۲۰﴾ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ﴿۲۱﴾ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۤ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۲۲﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ

ع ۹

مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ؕ وَلِبَاسُهُمْ فِیْهَا حَرِیْرٌ ﴿۲۳﴾ وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّیِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۚۖ وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِیْدِ ﴿۲۴﴾

لفظ	معنی	لفظ	معنی	لفظ	معنی
هٰذٰنِ	یہ دونوں	فِیْ بُطُوْنِهِمْ	ان کے پیٹوں میں ہے	الَّذِیْنَ	ان کو جو
خَصْمٰنِ	دو فریق ہیں	وَالْجُلُوْدُ (۲)	اور کھالیں	اٰمَنُوْا	ایمان لائے
اخْتَصَمُوْا	جھگڑے وہ	وَلَهُمْ	اور ان کے لئے	وَعَمِلُوا	اور کئے انھوں نے
فِیْ رَبِّهِمْ	اپنے رب میں	مَّقَامِعُ (۳)	گرز ہیں	الصّٰلِحٰتِ	نیک کام
فَالَّذِیْنَ	پس جنھوں نے	مِنْ حَدِیْدٍ	لوہے کے	جَنّٰتٍ	باغات میں
كَفَرُوْا	انکار کیا	كُلَّمَآ	جب جب	تَجْرِیْ	بہتی ہیں
قُطِّعَتْ	بیونتے جائیں گے	اَرَادُوْٓا	ارادہ کریں گے وہ	مِنْ تَحْتِهَا	ان کے نیچے سے
لَهُمْ	ان کے لئے	اَنْ یَّخْرُجُوْا	کہ نکلیں وہ	الْاَنْهٰرُ	نہریں
ثِیَابٌ	کپڑے	مِنْهَا	اس (آگ) سے	یُحَلَّوْنَ	زیور پہنائے جائیں
مِّنْ نَّارٍ	آگ کے	مِنْ غَمٍّ (۴)	گھٹن کی وجہ سے		گے وہ
یُصَبُّ	ریڑھا جائے گا	اُعِیْدُوْا	لوٹائے جائیں گے وہ	فِیْهَا	ان (جنتوں) میں
مِنْ فَوْقِ	اوپر سے	فِیْهَا	اس (آگ) میں	مِنْ اَسَاوِرَ (۵)	کنگنوں سے
رُءُوْسِهِمُ	ان کے سروں کے	وَذُوْقُوْا	اور چکھو تم	مِنْ ذَهَبٍ (۶)	سونے کے
الْحَمِیْمُ	کھولتا پانی	عَذَابَ	عذاب	وَّلُؤْلُؤًا (۷)	اور موتی
یُصْهَرُ (۱)	گل جائے گا	الْحَرِیْقِ	جلنے کا	وَلِبَاسُهُمْ	اور ان کی پوشاک
بِهٖ	اس کی وجہ سے	اِنَّ اللّٰهَ	بیشک اللہ تعالیٰ	فِیْهَا	ان (جنتوں) میں
مَا	جو کچھ	یُدْخِلُ	داخل کریں گے	حَرِیْرٌ	ریشم ہے

(۱) صَهَرَ (ف) الشیئَ بالنار: پگھلانا، گلانا۔ (۲) والجلود کا عطف ما پر ہے۔ (۳) مَقَامِعُ: جمع مِقْمَعَةٌ کی: گرز، مڑے ہوئے کنارے والا لکڑی یا لوہے کا ڈنڈا جس سے ہاتھی وغیرہ کو قابو میں کرنے کے لئے مارا جاتا ہے۔ قَمَعَهُ (ف) کنڈی دار ڈنڈا مارنا، سر کے اوپر مارنا۔ (۴) الغَمُّ: رنج، ملال، گھٹن۔ (۵) أَسَاوِر: جمع السِّوَار: ہاتھ کا کنگن، چوڑی جو عورتیں کلائی میں پہنتی ہیں۔ (٦) من ذهب: أَسَاوِرَ کی صفت ہے۔ (۷) لؤلؤًا کا عطف من أَسَاوِرَ پر ہے۔

وَهُدُوْٓا (۱)	اور راہ دکھائے گئے وہ	مِنَ الْقَوْلِ	بات کے	اِلٰی صِرَاطِ	طرف راہ
اِلَى الطَّيِّبِ	طرف ستھری	وَهُدُوْٓا	اور راہ دکھائے گئے وہ	الْحَمِيْدِ	ستودہ کی

اہلِ اسلام اور اہلِ باطل کے درمیان قیامت کے دن عملی فیصلہ کیا ہوگا؟ ان آیتوں میں اس کا بیان ہے۔ ارشاد ہے —— یہ دو فریق ہیں —— ابھی جن چھ جماعتوں کا ذکر آیا ہے ان کو حق و باطل پر ہونے کی حیثیت سے دو فریق قرار دیا ہے۔ ایک مؤمنین کا گروہ ہے، دوسرا منکرین کا، جس میں یہود و نصاری، صابی و مجوس اور مشرکین سبھی شامل ہیں۔ کیونکہ کفار سب ایک ہی تھیلے کے چٹّے بٹّے ہیں، الکُفْرُ ملةٌ واحدةٌ —— ان میں اپنے رب کے باب میں جھگڑا ہے —— یعنی وہ آپس میں اپنے رب کے معاملہ میں اختلاف رکھتے ہیں۔ اہل باطل خدا کے عجز کے قائل ہیں۔ وہ اس کے لئے صفاتِ ناقصہ ثابت کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ سب کام آپ نہیں کرسکتا۔ اس لئے اس نے مختلف لوگوں کے درمیان اپنے کام بانٹ دیئے ہیں، اس لئے ہم ان کو پوجتے اور پکارتے ہیں۔ وہ اللہ کی ہدایات کو بھی قبول نہیں کرتے، نہ اس کے احکام کے سامنے سر جھکاتے ہیں —— اور مؤمنین اللہ تعالیٰ کو قادر مطلق مانتے ہیں۔ ان کا اعتقاد یہ ہے کہ وہ اپنے سب کام خود انجام دیتے ہیں۔ وہ علام الغیوب ہیں، سب کی سنتے ہیں اور سب کی حاجتیں پوری کرتے ہیں۔ وہ علیم وخبیر اور رحیم وکریم ہیں۔ مسلمان اس کے احکام کے سامنے سربسجود رہتے ہیں —— ان دونوں جماعتوں کے درمیان قیامت کے دن جو عملی فیصلہ کیا جائے گا وہ درج ذیل ہے:

منکرین کا انجام: —— پس جنھوں نے (اللہ کے دین کا) انکار کیا ان کے لئے آگ کے کپڑے بیونتے جائیں گے —— یعنی جسم کی ساخت کے مطابق آگ کے کپڑے کاٹے جائیں گے جیسے درزی کاٹتا ہے یا وہ جہنم میں ایسے کپڑے پہنائے جائیں گے جو آگ کی گرمی سے بہت جلد تپ جائیں گے۔ سورۃ ابراہیم (آیت ۵۰) میں ہے: ﴿سَرَابِيْلُهُمْ مِنْ قَطِرَانٍ﴾ یعنی ان کے کرتے روغنِ چیڑ کے ہونگے، جو نہایت بدبودار، سیاہ اور تیزی سے آگ پکڑنے والا مادّہ ہے —— ان کے سروں کے اوپر سے کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا —— یعنی جب وہ نہانا چاہیں گے: کھولتا ہوا گرم پانی ان کے سروں کے اوپر ریڑھا جائے گا —— اس کی وجہ سے جو کچھ ان کے پیٹوں میں ہوگا اور کھالیں گل جائیں گی —— یعنی انتڑیاں اوجھری وغیرہ سب کچھ پک جائے گا، اور بدن کی بالائی سطح تک گل جائے گی۔ پھر وہ اصلی حالت میں لوٹا دیئے جائیں گے۔ اور ان کے ساتھ بار بار یہی عمل ہوتا رہے گا۔ سورۃ النساء (آیت ۵۶) میں ہے: ''جب بھی ان کی کھالیں پک جائیں گی، ہم ان کو بدل کر دوسری کھالیں دیدیں گے تا کہ وہ عذاب چکھیں'' —— اور

(۱) هُدُوْا: ماضی مجہول، جمع مذکر غائب، مصدر هداية: وہ ہدایت کئے گئے، وہ راستہ بتائے گئے۔

ان کے لئے لوہے کے گرز ہونگے ـــــ یعنی لوہے کے ہتھوڑوں سے ان کی خبر لی جائے گی ـــــ جب بھی وہ گھٹن کی وجہ سے آگ سے نکلنا چاہیں گے: اس میں لوٹا دیئے جائیں گے ـــــ یعنی جب بھی وہ جہنم میں بور ہوجائیں گے، اور اس سے نکل بھاگنے کی سعی کریں گے: اسی میں دھکیل دیئے جائیں گے ـــــ اور (کہا جائے گا) جلنے کا عذاب چکھو! ـــــ یعنی تمہیں اب اسی میں رہنا ہے۔ اب کبھی تمہیں اس سے نکلنا نصیب نہ ہوگا۔

مؤمنین کا انجام: ـــــ بیشک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کئے، ایسے باغات میں داخل کریں گے جن کے نیچے سے نہریں بہ رہی ہونگی ـــــ جس کی وجہ سے وہ گل وگلزار بنے ہوئے ہونگے، اور دل فریب منظر پیش کریں گے ـــــ وہ جنت میں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے ـــــ یعنی وہ موتیوں کے جڑاؤ والے سونے کے کڑے پہنے ہوئے ہونگے۔ نزولِ قرآن کے وقت یہ شاہوں اور رئیسوں کی زینت تھی۔ جنتیوں کو بھی شاہانہ لباس پہنایا جائے گا۔ یعنی ان کے ہر عنوان سے خوش حالی ٹپکتی ہوگی ـــــ اور ان کا لباس جنت میں ریشم کا ہوگا ـــــ دوزخیوں کا لباس آگ کا تھا، جنتیوں کا ریشم کا ہوگا۔ ببیں تفاوتِ راہ از کجا است تا بکجا؟! ـــــ اور (یہ باتیں ان کو اس وجہ سے نصیب ہونگی کہ) وہ ستھری بات کی راہ دکھائے گئے، اور وہ ستودہ صفات کی راہ دکھائے گئے ـــــ قولِ طیب کلمۂ پاک لا إله إلا الله، محمد رسول الله ہے۔ اور قابلِ تعریف اللہ کی راہ اسلام کی راہ ہے۔ یعنی ایمان وعمل کی برکت سے جنتیوں کو آخرت میں یہ مقام ملے گا۔ اور هُدُوْا میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ بات توفیقِ خداوندی کی مرہونِ منت ہے۔

جن مسلمانوں کو ایمان کے ساتھ نیک عمل کی توفیق ملی ہے ان کو خدا کی اس نعمت کا شکر بجالانا چاہئے۔ کیونکہ اس کے صلہ میں سدا بہار جنت اور ان کی نعمتیں نصیب ہونگی۔

فائدہ: سونے کا زیور اور ریشمی لباس بذاتِ خود ممنوع نہیں۔ چنانچہ جنت میں یہ دونوں چیزیں جنتیوں کے لباس میں شامل ہونگی۔ دنیا میں ان کی حرمت ایک مصلحت سے ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں اس پر بہترین کلام کیا ہے۔ جس کو رحمۃ اللہ الواسعہ (جلد پنجم، صفحہ ۴۹۹ تا ۵۲۴) میں یکھا جاسکتا ہے۔ اس کا خلاصہ درخلاصہ یہ ہے:

نبی کریم ﷺ نے عجمیوں کی عادات واطوار پر نظر ڈالی، اور ان کی عیش کوشی اور لذّاتِ دنیا میں سرشاری دیکھی، تو جو باتیں خرابیوں کی جڑ بنیاد نظر آئیں ان کو قطعی حرام کردیا۔ اور جو چیزیں ان سے کم درجہ کی تھیں ان کو مکروہ قرار دیا۔ کیونکہ نبی

ﷺ نے یہ بات جانی کہ یہی چیزیں آخرت فراموشی اور دنیا طلبی میں انہماک کا ذریعہ ہیں۔ اس لئے ان کا قلع قمع کر دیا۔

خرابی پیدا کرنے والی بڑی چیزیں آٹھ ہیں: ۱- متکبرانہ لباس۔ ۲- خوش حالی والے زیورات۔ ۳- بالوں کے ذریعہ آرائش۔ ۴- کپڑوں وغیرہ میں تصویریں۔ ۵- دل بہلانے والی چیزیں۔ ۶- سواریوں کا ٹھاٹھ، ۷- سونے چاندی کے برتن۔ ۸- عالی شان مکانات اور ان کی آرائش (رحمۃ اللہ ۵:۴۹۹)

> جنت چونکہ دار العمل نہیں بلکہ دار الجزاء ہے، اس لئے وہاں سونے چاندی اور موتی ریشم کا ٹھاٹھ جائز ہوگا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ ۨ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَ الْبَادِ ؕ وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٢٥﴾

ع۱۰

اِنَّ	بیشک	الَّذِيْ (۱)	جس کو	يُّرِدْ (۶)	چاہے
الَّذِيْنَ	جن لوگوں نے	جَعَلْنٰهُ	گردانا ہے ہم نے	فِيْهِ	اس میں
كَفَرُوْا	انکار کیا	لِلنَّاسِ	لوگوں کے لئے	بِاِلْحَادٍ (۷)	کج روی سے
وَيَصُدُّوْنَ	اور روکتے ہیں وہ	سَوَآءَ (۲)	یکساں ہیں	بِظُلْمٍ	ظلم سے
عَنْ سَبِيْلِ	راہ سے	ۨالْعَاكِفُ (۳)	رہنے والے	نُّذِقْهُ	چکھائیں گے ہم اس کو
اللّٰهِ	خدا کی	فِيْهِ	اس میں	مِنْ عَذَابٍ	عذاب سے
وَ الْمَسْجِدِ	اور مسجد سے	وَالْبَادِ (۴)	اور باہر سے آنے والے	اَلِيْمٍ	دردناک
الْحَرَامِ	حرمت والی	وَمَنْ (۵)	اور جو شخص	۞	۞

(۱) الذی: صلہ کے ساتھ **المسجد الحرام** کی دوسری صفت ہے (۲) **سواءَ**: جَعَلْنٰهُ کا مفعول ثانی ہے۔ (۳) **العاکف**: مرفوع ہے **سواء** کی وجہ سے۔ (۴) **الباد**: معطوف ہے **العاکف** پر۔ **الباد**: اسم فاعل، از بَدَاوَة: باہر سے آنے والا، صحرا میں اقامت اختیار کرنے والا۔ (۵) مَنْ: موصولہ متضمن معنی شرط اپنی جزاء **نذقه** سے مل کر إن کی خبر کے مقائم مقام ہے۔ (۶) یُرِدْ کا مفعول متروک ہے۔ **لیذهب الذهن إلی کل مذهب** (۷) **بإلحاد** اور **بظلم** دونوں حال ہیں، یرد کے فاعل سے إِلْحَاد کے لغوی معنی ہیں: میانہ روی سے ہٹنا، کج روی اختیار کرنا۔

اس آیت سے آخر سورت تک مشرکینِ مکہ سے خطاب ہے۔قرآن کریم کے اولین مخاطب یہی تھے۔ یہ خود بھی گمراہی پر جمے ہوئے تھے اور دوسروں کو بھی اللہ کے راستے سے روکتے تھے۔ایمان قبول کرنے والوں پر ستم ڈھاتے تھے، تا آنکہ وہ مکہ چھوڑ دینے پر مجبور ہوگئے۔ان کو اس کا انجام سنایا جارہا ہے۔ارشاد ہے: ——— جن لوگوں نے (دینِ اسلام کا) انکار کیا، اور وہ (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکتے ہیں، اور اس مسجد حرام سے (بھی) روکتے ہیں جس کو ہم نے لوگوں (کی عبادت) کے لئے بنایا ہے۔جس میں مقامی باشندے اور باہر سے آنے والے یکساں ہیں، اور جو شخص اس میں ظلم سے کسی کج روی سے (کسی ممنوع کام کا) ارادہ کرے گا تو ہم یقیناً اس کو دردناک عذاب چکھائیں گے ——— یعنی یہ کفار مکہ خود بھی دینِ اسلام کے منکر ہیں، اور چاہتے ہیں کہ اور بھی کوئی اللہ کے راستے پر نہ چلے۔وہ اسلام قبول کرنے والوں پر ظلم وستم ڈھاتے ہیں، اور ان کو اسلام سے روکتے ہیں۔ان لوگوں نے مسلمانوں کے لئے مکہ کی سرزمین تنگ کردی ہے۔وہ مسجد حرام کے زیر سایہ مسلمانوں کو پنپنے نہیں دینا چاہتے۔حالانکہ مسجد حرام میں سب کا حق ہے۔یہاں مقیم ومسافر، شہری اور دیہاتی ہر ایک کو عبادت کرنے کے مساوی حقوق حاصل ہیں۔مگر وہ مسلمانوں کے حق میں کسی بھی طرح روادار نہیں کہ وہ اللہ کے اس گھر میں اللہ کا نام لیں۔یہ لوگ کان کھول کر سن لیں: جو بھی خدا کی اس مسجد میں ظلم اور کج روی سے کسی بھی غلط کام کا ارادہ کرے گا: اللہ تعالیٰ اس کو یقیناً دردناک عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔وہ اللہ کی گرفت سے بچ نہیں سکتا!

فائدہ(۱): آیت پاک میں کَفَرُوْا فعل ماضی ہے، اور یَصُدُّوْنَ فعل مضارع۔فعل ماضی گذشتہ بات کے لئے آتا ہے، اور فعل مضارع حال واستقبال کے لئے۔کفار مکہ کا کفر تو گذشتہ زمانہ کا واقعہ ہے۔اور اللہ کی راہ سے وہ فی الحال بھی روک رہے ہیں اور آئندہ بھی روکیں گے۔چنانچہ حدیبیہ کے سال جب نبی ﷺ اور مسلمانوں نے عمرہ کرنے کا ارادہ کیا تو کفار مکہ نے روک دیا، اور مسلمان عمرہ کا احرام کھول دینے پر مجبور ہوگئے۔یہ واقعہ جو آئندہ پیش آنے والا ہے اس کی طرف فعل مضارع میں اشارہ ہے۔

فائدہ(۲): مسجد حرام: دراصل کعبہ شریف کا نام ہے۔سورۃ البقرہ (آیت ۱۴۴) میں ہے: ﴿فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ یعنی آپ اپنا چہرہ کعبہ شریف کی طرف پھیر لیجئے۔پھر اُس مسجد کو بھی مسجد حرام کہنے لگے جو بیت اللہ کے گرد بنائی گئی ہے۔اور اسی کے حکم میں تمام مناسک یعنی وہ جگہیں ہیں جہاں حج کے ارکان ادا کئے جاتے ہیں، جیسے منیٰ، مزدلفہ اور عرفات وغیرہ سب جگہیں تمام مسلمانوں کے لئے وقف ہیں۔ان میں کسی کا مالکانہ حق تسلیم نہیں کیا جائے گا۔

فائدہ (۳): مکہ مکرمہ کے دیگر مکانات اور حرم کی باقی زمینیں بعض کے نزدیک وقفِ عام ہیں۔ان کا فروخت کرنا اور کرایہ پر دینا حرام ہے۔مگر امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مکہ کے مکانات اور زمینیں ملکِ خاص ہیں۔ان کی خرید وفروخت اور ان کو کرایہ پر دینا درست ہے۔اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے جواز وعدم جواز کی دونوں روایتیں مروی ہیں۔مگر فتوی اس پر ہے کہ ملکِ خاص ہیں ان کی خرید وفروخت اور کرایہ پر دینا درست ہے، مگر حج کے دنوں میں مناسب نہیں۔درمختار میں ہے:وجاز بيعُ بيوتِ مكةَ وأرْضِها بلا كراهة، وبه قال الشافعي، وبه يُفتى اهـ (شامی ۵:۲۷۸)(۱)

فائدہ (۴): الحاد کے لغوی معنی ہیں: سیدھے راستہ سے ہٹ جانا، کج روی اختیار کرنا۔اور آیت میں الحاد سے ہر گناہ مراد ہے۔جیسے ممنوعاتِ احرام کا ارتکاب کرنا۔حرم کا شکار مارنا،اس کا درخت کاٹنا حتی کہ اپنے خادم کو برا بھلا کہنا بھی الحاد میں داخل ہے۔اور جو کام شریعت میں ممنوع ہیں وہ سب جگہ گناہ اور موجب عذاب ہیں،اور حرم شریف میں اس کی شناعت (برائی) بڑھ جاتی ہے۔جس طرح حرم میں نیکی کا ثواب بڑھ جاتا ہے گناہ کا وبال بھی بڑھ جاتا ہے۔ پس جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ اس پاک جگہ میں لے جائیں وہ ہر گناہ سے اور نازیبا بات سے بچنے کی پوری کوشش کریں۔

حرم کے علاوہ دوسری جگہوں میں محض گناہ کا ارادہ کرنے سے گناہ نہیں لکھا جاتا، جب تک عمل نہ کرے۔اور حرم میں صرف پختہ ارادہ کر لینے سے بھی گناہ لکھا جاتا ہے (ابن مسعود رضی اللہ عنہ)

وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرٰهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَنْ لَّا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِينَ وَالْقَآئِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ﴿۲۶﴾ وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ ﴿۲۷﴾ لِّيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ أَيَّامٍ مَّعْلُومٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيرَ ﴿۲۸﴾ ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ﴿۲۹﴾

(۱) اس مسئلہ کی اچھی تفصیل تفسیر روح المعانی میں ہے، شائقین اس کی مراجعت فرمائیں ۱۲

وَاِذْ	اور (یاد کرو) جب	وَاَذِّنْ	اور اعلان کر	فِيْٓ اَيَّامٍ	دنوں میں
بَوَّاْنَا[1]	ٹھکانہ دیا ہم نے	فِي النَّاسِ	لوگوں میں	مَّعْلُوْمٰتٍ	جانے ہوئے
لِاِبْرٰهِيْمَ	ابراہیم کو	بِالْحَجِّ	حج کا	عَلٰي مَا	اس پر جو
مَكَانَ	جگہ میں	يَاْتُوْكَ[3]	آئیں آپ کے پاس	رَزَقَهُمْ	عطا فرمائے ان کو
الْبَيْتِ	بیت اللہ کی	رِجَالًا[4]	پیادہ	مِّنْۢ بَهِيْمَةِ	چوپایوں سے
اَنْ	(اور حکم دیا) کہ	وَّعَلٰي كُلِّ ضَامِرٍ[5]	اور ہر دبلی اونٹنی پر	الْاَنْعَامِ[10]	پالتو
لَّا تُشْرِكْ	نہ شریک کر			فَكُلُوْا	پس کھاؤ
بِيْ	میرے ساتھ	يَّاْتِيْنَ[6]	آئیں وہ	مِنْهَا	ان سے
شَيْئًا	کسی چیز کو	مِنْ كُلِّ فَجٍّ[7]	ہر گھاٹی سے	وَاَطْعِمُوا	اور کھلاؤ
وَّطَهِّرْ	اور پاک کر			الْبَآئِسَ	بدحال
بَيْتِيَ	میرے گھر کو	عَمِيْقٍ[8]	لمبی (دور)	الْفَقِيْرَ	محتاج کو
لِلطَّآئِفِيْنَ	طواف کرنیوالوں کیلئے	لِّيَشْهَدُوْا[9]	تاکہ دیکھیں وہ	ثُمَّ	پھر
وَالْقَآئِمِيْنَ	اور اعتکاف کرنیوالوں	مَنَافِعَ	فوائد	لْيَقْضُوْا	چاہئے کہ دور کریں
وَالرُّكَّعِ[2]	اور رکوع کرنے والوں	لَهُمْ	اپنے لئے	تَفَثَهُمْ	اپنے میل کچیل
السُّجُوْدِ	اور سجدہ کرنے والوں	وَيَذْكُرُوا	اور لیں وہ	وَلْيُوْفُوْا	اور چاہئے کہ پورا کریں
	(کے لئے)	اسْمَ اللّٰهِ	اللہ کا نام	نُذُوْرَهُمْ	اپنی منتیں

(۱) بَوَّأَ تَبْوِئَةً: قیام کے لئے مناسب جگہ تیار کرنا، ٹھکانہ دینا...... لإبراهيم: مفعول کے قائم مقام ہے...... مكان البيت: بَوَّأْنا کا ظرف ہے۔(۲) رُكَّعٌ: رَاكِع کی جمع: رکوع کرنے والے...... السُّجُوْد: سَاجِدٌ کی جمع: سجدہ کرنے والے......سجدہ: خضوع میں رکوع کی جنس سے ہے۔ نیز الرُّكَّع السُّجُوْد سے مراد نماز پڑھنے والے ہیں اس لئے عطف نہیں کیا گیا۔(۳) يَأتوك: جوابِ امر ہے۔(۴) رِجَالاً: رَاجِلٌ کی جمع ہے: پاپیادہ۔(۵) ضَامِرٌ: دبلا پتلا، مراد دبلی اونٹنی۔ ضَمُر (ن،ک) ضُمُوْرًا: دبلا پتلا ہونا، چھریرا ہونا۔(۶) جملہ يأتين: ضَامِرٌ کی صفت ہے۔(۷) الفَجُّ: پہاڑوں کے بیچ میں طویل کشادہ راستہ، گھاٹی۔(۸) عميق: گہرا یعنی دور یا لمبا (۹) ليشهدوا: يأتوك سے متعلق ہے۔ شَهِدَ الشيئَ: دیکھنا، پانا، قال تعالیٰ: ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ (۱۰) أنعام: نَعَمٌ کی جمع ہے۔ اس کا اصل اطلاق اونٹ پر ہوتا ہے۔ عربوں کے نزدیک وہی بڑی نعمت تھی، پھر یہ لفظ بھیڑ بکری اور گائے بھینس پر بھی بولا جانے لگا۔

وَلْيَطَّوَّفُوْا	اور چاہئے کہ طواف کریں	بِالْبَيْتِ	گھر کا	الْعَتِيْقِ [1]	قابل تکریم

گذشتہ آیت میں مسجد حرام (کعبہ شریف) کا تذکرہ آیا ہے۔ اللہ کا یہ گھر اللہ کی عبادت کے لئے بنایا گیا ہے۔ جس میں مقامی لوگوں کا اور باہر سے آنے والوں کا مساوی حق ہے۔ جہاں عبادت کے لئے آنے والوں کو روکنے کا کسی کو حق نہیں۔مگر مشرکینِ مکہ نے اس کو بتوں کی گندگی سے آلودہ کر دیا تھا۔اور اس گھر کا مقصد فوت کر دیا تھا۔ مسلمان یہاں عمرہ کرنے آنا چاہتے تھے، مگر مشرکین نے ان کا راستہ روک دیا تھا۔اب اِن آیات میں اس پاک گھر کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔اور ساتھ ہی حج کے ضروری احکام بھی بیان کئے جاتے ہیں۔سب سے پہلے مکہ والوں کو اللہ تعالیٰ اپنا ایک احسان یاد دلاتے ہیں۔ارشاد ہے: ـــــ اور (یاد کرو) جب ہم نے ابراہیم کے لئے بیت اللہ کی جگہ میں بسنے کے لئے مناسب جگہ تجویز کی ـــــ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے اپنی اہلیہ محترمہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا، اور اپنے شیر خوار صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ملکِ شام سے لاکر جہاں آج کعبہ شریف ہے بسایا تھا۔اس وقت یہ جگہ ویران اور غیر آباد تھی۔اور پانی کا نام ونشان نہ تھا۔اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی نسل کی ایک شاخ کے بسنے کے لئے یہ مناسب جگہ تجویز فرمائی تھی۔ کیونکہ یہاں بیت اللہ تھا، جو طوفانِ نوح کے وقت اٹھالیا گیا تھا۔اور اب وہ دوبارہ تعمیر کیا جانے والا تھا۔اب یہ جگہ ہمیشہ کے لئے آباد ہوجائے گی۔اور جو یہاں بسے گا وہ بیت اللہ کی دینی اور دنیوی برکتوں سے بہرہ ور ہوگا۔انہیں دونوں بزرگوں کی نسل سے قریش مکہ ہیں۔اور انہیں کی دعاؤں سے خوش وخرم زندگی بسر کر رہے ہیں۔لیکن انھوں نے اس نعمتِ خداوندی کا حق اس طرح ادا کیا کہ ملتِ ابراہیمی سے منحرف ہوگئے۔ظلم وگمراہی کو اپنا شیوہ بنالیا۔جس دینِ حق کے قیام کے لئے یہ عبادت گاہ بنائی گئی تھی اس کو بت پرستی کا مرکز بنادیا۔اور اب وہ لوگ اپنی تمام طاقتیں اسلام کی مخالفت میں خرچ کر رہے ہیں۔

پھر جب حضرت اسماعیل علیہ السلام سنِّ شعور کو پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کعبہ شریف تعمیر کرنے کا حکم دیا۔چنانچہ باپ بیٹے نے مل کر یہ مرکزِ توحید تیار کیا۔جب کعبہ شریف تیار ہوگیا تو اللہ تعالیٰ نے تین احکام دیئے:

پہلا حکم: دیا ـــــ کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو ـــــ یہ حکم نبی کے واسطہ سے امت کو دیا گیا ہے کہ اس گھر کی بنیاد خالص توحید پر رکھی گئی ہے۔ پس یہاں آکر کوئی مشرکانہ حرکت نہ کرے۔کعبہ شریف کی پرستش کا خیال بھی دل میں نہ لائے، کعبہ معبد (عبادت کی جگہ) ہے معبود نہیں۔اور اس کو ''قبلہ'' بمعنی ''قبلہ نُما'' کہتے ہیں۔

دوسرا حکم: ـــــ اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں، اور اعتکاف کرنے والوں، اور رکوع سجدہ کرنے

(۱) العتیق کے تین معنی ہیں: آزاد، پرانا، اور قابل تکریم۔تیسرے معنی پہلے دونوں معنی کو اپنے جلو میں لئے ہوئے ہیں۔

والوں کے لئے پاک رکھ ـــــ بیت اللہ کا نفل طواف ہر وقت جاری رہتا ہے۔صرف جماعت کے وقت بند ہوتا ہے۔اور یہاں نفل طواف کا ثواب نفل نماز سے زیادہ ہے۔اور قائمین سے مراد اعتکاف کرنے والے ہیں۔سورۃ البقرہ (آیت ۱۲۵) میں عاکفین آیا ہے۔پس یہاں بھی وہی معنی مراد لئے جائیں گے۔اور رکوع وسجود سے پوری نماز مراد ہے ـــــ ان سب کاموں کے لئے اس گھر کو ظاہری اور باطنی گندگیوں سے پاک رکھنے کا حکم ہے۔ظاہری گندگی ظاہری ناپاکی ہے۔اور باطنی گندگی شرک کی آلودگی ہے۔مگر مشرکین نے یہ غضب ڈھایا کہ وہاں تین سو ساٹھ بت بٹھا دیئے۔اسلام نے اس گندگی کو ہمیشہ کے لئے ختم کردیا۔

تیسرا حکم: ـــــ اور لوگوں میں حج کا اعلان کر ـــــ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے اعلان کیا: ''اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے، لہٰذا حج کو آؤ!'' اس اعلان سے بیت اللہ کا حج شروع ہوگیا جو آج تک جاری ہے، زمانۂ جاہلیت میں بھی حج کی رسم باقی تھی۔اور ان شاء اللہ قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔اسی اعلان کی وجہ سے مسجد حرام اور مناسک کے مقامات وقفِ عام ہوگئے ہیں۔

حاکم اور بیہقی وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اعلان کرنے کا حکم ملا تو آپ نے عرض کیا: پروردگار! میری آواز کہاں تک پہنچے گی؟ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''آپ اعلان کریں پہنچانا میرا کام ہے!'' چنانچہ اس اعلان کو آسمان اور زمین کے لوگوں نے سن لیا۔اور ایک روایت میں ہے کہ زندہ انسانوں ہی نے نہیں، بلکہ جو انسان آئندہ پیدا ہونے والے تھے انھوں نے بھی سن لیا۔اور جس کی قسمت میں حج کرنا تھا اس نے لبیک پکارا، کیا تم نہیں دیکھتے کہ لوگ انتہائی دور دراز علاقوں سے تلبیہ پڑھتے ہوئے کھچے چلے آتے ہیں یعنی تلبیہ کی اصل بنیاد یہی ندائے ابراہیمی کا جواب ہے ـــــ اس اعلان کی قرآن کریم میں اور احادیث مرفوعہ میں کوئی تفصیل نہیں آئی۔اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ بیان: واقعہ بھی ہوسکتا ہے اور تمثیل بھی۔یعنی اذنِ عام کا یہ پیرایۂ بیان بھی ہوسکتا ہے۔واللہ اعلم۔

آگے اعلانِ حج کی غایت کا بیان ہے ـــــ لوگ آپ کے پاس پیادہ پا اور ہر دبلی اونٹنی پر آئیں گے، جو ہر گہری گھاٹی سے پہنچے گی ـــــ یعنی آنے والے ہر حال میں آئیں گے، خواہ ان کو سواری میسر ہو یا نہ ہو، اور اتنی دور مسافت سے آئیں گے کہ سواریاں مشقتِ سفر سے ہلکان ہوجائیں گی۔چنانچہ اس وقت سے آج تک ہزاروں سال گزر چکے ہیں، مگر حج کے لئے آنے والوں کا تانتا بندھا ہوا ہے۔دورِ جاہلیت میں بھی اگرچہ عرب بت پرستی میں مبتلا ہوگئے تھے مگر حج کے پابند تھے۔اور کسی نہ کسی شکل میں ارکانِ حج ادا کرتے تھے۔

حج کے مصالح: ـــــ تا کہ وہ اپنے فوائد کو دیکھیں ـــــ یعنی حج بے مصلحت نہیں۔اس میں دینی اور دنیوی منافع ہیں۔اس کا سب سے بڑا دینی فائدہ یہ ہے کہ اس سے زندگی بھر کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے اللہ کے لئے حج کیا، اور اس میں بے حیائی اور گناہ کے کاموں سے بچا رہا تو وہ حج سے ایسی حالت میں لوٹے گا کہ گویا وہ اپنی ماں کے پیٹ سے آج ہی پیدا ہوا ہے'' ـــــ دوسرا دینی فائدہ یہ ہے کہ حج کرنے سے ایمان پر مہر لگ جاتی ہے۔اب اس کے مرتد ہوجانے کا خطرہ ٹل جاتا ہے۔ترمذی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس کے پاس سفرِ حج کا ضروری سامان ہو، اوراس کو ایسی سواری بھی میسر ہو جو اس کو بیت اللہ تک پہنچائے، پھر بھی وہ حج نہ کرے تو کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ یہودی ہوکر مرے یا عیسائی ہوکر'' یعنی استطاعت کے باوجود جو حج نہیں کرتا اس کا ایمان خطرے میں ہے۔اور جو کرلے گا ان شاء اللہ مأمون ومحفوظ ہوجائے گا۔

اور دنیا کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے محتاجگی دور ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ نے سفرِ حج وعمرہ میں یہ خصوصیت رکھی ہے کہ اس سے فقر وفاقہ دور ہوتا ہے۔ترمذی اور نسائی میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''حج اور عمرہ پے درپے کیا کرو، کیونکہ دونوں فقر ومحتاجگی اور گناہوں کو اس طرح دور کردیتے ہیں جس طرح بھٹی لوہے اور سونے چاندی کے میل کچیل کو دور کردیتی ہے۔اور حج مقبول کا ثواب بس جنت ہی ہے'' یعنی دنیا میں بھی اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فضل ہوتا ہے کہ فقر وفاقہ اور محتاجگی وپریشان حالی سے اس کو نجات مل جاتی ہے۔اور خوش حالی اور اطمینانِ قلبی کی دولت نصیب ہوتی ہے۔آپ غور کریں! ساری دنیا کی تاریخ میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں بتایا جاسکتا کہ کوئی شخص حج یا عمرہ میں خرچ کرنے کی وجہ سے محتاج ہوگیا ہو۔اور دوسرے دنیوی کاموں میں خرچ کرکے محتاج ہونے والے ہر جگہ دیکھے جاسکتے ہیں ـــــ علاوہ ازیں اس عظیم الشان اجتماع کے ذریعہ بہت سے سیاسی، تمدنی اور اقتصادی فوائد حاصل کئے جاسکتے ہیں۔

اس کے بعد حج کے چار احکام ذکر کئے ہیں:

پہلا حکم: حج میں قربانی کی اہمیت ـــــ اور وہ معلوم دنوں میں اللہ کا نام لیں ان پالتو چوپایوں پر جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمائے ہیں ـــــ معلوم دنوں سے مراد قربانی کے تین دن ہیں۔جب حاجی عرفات سے لوٹ کر، مزدلفہ میں قیام کرتے ہوئے، دس ذی الحجہ کو منیٰ میں پہنچتے ہیں تو سب سے پہلے بڑے شیطان کو سات کنکریاں مارتے ہیں۔پھر قربانی کرتے ہیں۔اس قربانی میں گوشت وغیرہ فوائد پر نظر نہ ہونی چاہئے۔اس کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کا ذکر

ہے۔ پس جس کو گوشت کی حاجت نہ ہو اس کو بھی قربانی کرنی چاہیے۔ حج تمتع اور حج قران کرنے والے پر قربانی واجب ہے۔ اور صرف حج کرنے والے پر مستحب۔ اور قربانی صرف پالتو جانور اونٹ، گائے، بھینس اور بھیڑ بکری کی ہوسکتی ہے۔ اور چونکہ یہ ہدی یعنی حج کی قربانی ہے اس لئے حرم ہی میں ہوسکتی ہے۔ اور رزقھم (اللہ نے ان کو عطا فرمائے) کا مطلب یہ ہے کہ قربانی کا جانور میسر ہو تو تمتع اور قران کی قربانی واجب ہے، ورنہ دس روزوں کا حکم ہے۔ (دیکھیں سورۃ البقرہ آیت ۱۹۶) ——— پس تم ان میں سے کھاؤ، اور بدحال محتاج کو کھلاؤ ——— بعض کفار کا خیال تھا کہ قربانی کا گوشت خود قربانی کرنے والے کو نہیں کھانا چاہیے۔ اس کی اصلاح فرما دی کہ شوق سے کھاؤ، اور مصیبت زدہ محتاجوں کو بھی کھلاؤ۔ نبی ﷺ نے حج کے موقع پر سو اونٹوں کی قربانی کی تھی۔ پھر ہر ایک میں سے ایک ایک بوٹی کاٹ کر، اس کو پکا کر شوربا نوش فرمایا تھا۔ پس خود کھانا بھی مستحب ہے، دوستوں کو دینا بھی جائز ہے۔ اور غریبوں کو بھی نہیں بھولنا چاہیے۔ ان تک قربانی کا گوشت ضرور پہنچنا چاہیے (قربانی کے جانوروں کے احکام آگے بھی آرہے ہیں)

دوسرا حکم: قربانی کے بعد احرام کھولنا: ——— پھر لوگوں کو چاہیے کہ اپنے میل کچیل دور کریں ——— یعنی جب قربانی سے فارغ ہو جائیں تو سر منڈوالیں یا زلفیں بنوالیں۔ افضل اول ہے، کیونکہ اس سے میل کچیل خوب دور ہوتا ہے۔ جب یہ عمل کرلیا تو احرام کھل گیا۔

تیسرا حکم: منت کی قربانیوں کا مسئلہ ——— اور چاہیے کہ وہ اپنی منتوں کو پورا کریں ——— نزول قرآن کے زمانہ میں جب لوگ حج کے لئے چلتے تھے تو ہدی کے جانور ساتھ لے کر چلتے تھے۔ قربانی کے جو جانور حاجی مکہ معظّمہ لے جاتے ہیں وہ ''ہدی'' کہلاتے ہیں۔ ہدی کی جمع ''ہدایا'' ہے۔ ہدی اگر اونٹ کی ہو تو اس کا اِشعار بھی کرتے تھے۔ اِشعار کے معنی ہیں علامت لگانا۔ علامت کے طور پر اونٹ کی کوہان کی دائیں جانب میں ذرا سی کھال چیرتے تھے۔ نبی ﷺ بھی حج کے موقع پر سو اونٹ ہدی کے طور پر لے گئے تھے۔ اسی طرح لوگ حاجیوں کے ساتھ بھی قربانیاں بھیجتے تھے۔ نبی ﷺ نے سنہ ۹ ہجری میں سو بکریاں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہدی کے طور پر بھیجی تھیں۔ اسی طرح لوگ حج کے موقع پر قربانی کی منتیں بھی مانتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہاں نذر سے یہی قربانیاں مراد لی ہیں (روح المعانی) یہ سب قربانیاں احرام کھولنے کے بعد بھی ذبح کی جاسکتی ہیں۔ پہلے ذبح کرنا ضروری نہیں۔ احرام کھولنے کے بعد ان کا تذکرہ کرنے سے یہ مسئلہ واضح ہوا۔ البتہ حرم شریف میں اور قربانی کے ایام میں ان کو ذبح کرنا ضروری ہے۔ اور دمِ جنایت کا جانور پورے سال ذبح کیا جاسکتا ہے۔ البتہ حرم میں اس کو ذبح کرنا ضروری ہے۔

چوتھا حکم: طوافِ زیارت کا بیان ——— اور چاہیے کہ وہ واجب التکریم گھر کا طواف کریں ——— یعنی طوافِ

زیارت کریں۔ یہ طواف حج کا آخری رکن ہے۔ اس کا وقت دس سے بارہ ذی الحجہ تک ہے۔ اور جس عورت کو عذر ہو وہ پاک ہونے کے بعد کرے۔ اس طواف پر احرام کے سب احکام تام ہو جاتے ہیں۔ اور احرام مکمل طور پر کھل جاتا ہے یعنی بیوی سے انتفاع بھی جائز ہو جاتا ہے۔

اور عتیق کے تین معنی ہیں: ایک: معزز و مکرم۔ اس نام کی وجہ ظاہر ہے۔ بیت اللہ واجب التکریم ہے۔ دوسرے: قدیم پرانا۔ اس نام کی وجہ یہ ہے کہ یہی مکان سب سے پہلے لوگوں کی عبادت کے لئے زمین پر بنایا گیا ہے۔ اس سے قدیم کوئی معبد نہیں (دیکھیں سورۂ آل عمران آیت ۹۶) تیسرے: آزاد۔ اس نام کی وجہ یہ ہے کہ اس گھر کو برباد کرنے کے لئے جو بھی طاقت اٹھے گی اللہ تعالیٰ اس کو پاش پاش کر دیں گے، یہاں تک کہ اس گھر کو اٹھا لینے کا وقت آجائے گا۔

بیت اللہ وہ نقطۂ اولیں ہے جہاں سے یہ وسیع زمین پھیل کر انسانوں کے لئے ٹھکانہ بنی ہے۔

ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ۝۳۰ حُنَفَاۗءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ۭ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاۗءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ۝۳۱ ذٰلِكَ ۤ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَاۗىِٕرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَي الْقُلُوْبِ ۝۳۲ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ۝۳۳

ع ۴

ذٰلِكَ (۱)	یہ بات (ہو چکی)	يُّعَظِّمْ	تعظیم کرے	اللّٰهِ	اللہ کی
وَمَنْ	اور جو شخص	حُرُمٰتِ (۲)	حرمتوں	فَهُوَ	پس وہ

(۱) ذلك: دونوں جگہ مبتدا محذوف الأمر کی خبر ہے۔ عربی میں کلام کا نہج بدلنے کے لئے مختلف الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔ اگر ایک مضمون سے دوسرے مختلف مضمون کی طرف جانا ہو تو أما بعدُ یا صرف بعدُ استعمال کرتے ہیں۔ اور اگر ایک ہی مضمون کے ایک پہلو سے دوسرے پہلو کی طرف جانا ہو تو اسم اشارہ هذا یا ذلك استعمال کرتے ہیں۔ (۲) حُرُمَات: حُرْمَة کی جمع ہے۔ حرمت: ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس کا شرعاً پاس ولحاظ کرنا ضروری ہو، پس ''حرمات اللہ'' اللہ کی محترم قرار دی ہوئی چیزیں ہیں۔

خَيْرٌ	بہتر ہے	لِلّٰهِ	اللہ کے لئے	سَحِيْقٍ[۴]	دور
لَّهٗ	اس کے لئے	غَيْرَ[۲]	نہ	ذٰلِكَ	یہ بات (ہو چکی)
عِنْدَ	پاس	مُشْرِكِيْنَ	شریک کرنے والے	وَمَنْ	اور جو شخص
رَبِّهٖ	اس کے رب کے	بِهٖ	اس کے ساتھ	يُّعَظِّمْ	تعظیم کرے
وَ اُحِلَّتْ	اور حلال کئے گئے	وَمَنْ	اور جو شخص	شَعَآئِرَ[۵]	امتیازی نشانیوں
لَكُمُ	تمہارے لئے	يُّشْرِكْ	شریک ٹھہرائے	اللّٰهِ	اللہ (کے دین) کی
الْاَنْعَامُ	پالتو جانور	بِاللّٰهِ	اللہ کے ساتھ	فَاِنَّهَا[۶]	پس بیشک وہ بات
اِلَّا مَا	مگر جو	فَكَاَنَّمَا	پس گویا	مِنْ تَقْوَى	پرہیزگاری سے ہے
يُتْلٰى	پڑھے جاتے ہیں	خَرَّ	گر پڑا	الْقُلُوْبِ	دلوں کی
عَلَيْكُمْ	تم پر	مِنَ السَّمَآءِ	آسمان سے	لَكُمْ	تمہارے لئے
فَاجْتَنِبُوا	پس بچو تم	فَتَخْطَفُهُ[۳]	پس اچک لیا اس کو	فِيْهَا	ان (جانوروں) میں
الرِّجْسَ	گندگی	الطَّيْرُ	پرندوں نے	مَنَافِعُ	فوائد ہیں
مِنَ الْاَوْثَانِ[۱]	بتوں سے	اَوْ	یا	اِلٰى اَجَلٍ	مدت تک
وَاجْتَنِبُوْا	اور بچو تم	تَهْوِيْ	ڈال دیا	مُّسَمًّى	مقررہ
قَوْلَ	بات	بِهِ	اس کو	ثُمَّ مَحِلُّهَآ[۷]	پھر ان کی ذبح کی جگہ
الزُّوْرِ	جھوٹی سے	الرِّيْحُ	ہوا نے	اِلَى الْبَيْتِ	گھر کی طرف ہے
حُنَفَآءَ[۲]	یکسو ہونے والے	فِيْ مَكَانٍ	جگہ میں	الْعَتِيْقِ	واجب التکریم

حج کے احکام کے ضمن میں ہدیوں کا تذکرہ آیا تھا۔ان آیات میں ان کے تعلق سے دو باتیں بیان کی ہیں:

(۱)من الأوثان: میں مِنْ بیانیہ ہے۔ یہ رِجْسٌ کا بیان ہے۔(۲) حنفاء اور غیر دونوں اجتنبوا کے فاعل سے حالِ مؤکدہ ہیں۔(۳)خَطِفَ (س) خَطْفًا الشيئَ: اچکنا، چھین لینا (۴)سَحِيْق: دور، بعید، سحُق (س،ک) سُحْقًا: دور ہونا، دفع کرنا۔(۵) شعائر: شعيرة کی جمع ہے۔شَعيرة: ہر وہ علامت جو کسی چیز کے لئے مقرر کی گئی ہو، جیسے منارہ: مسجد کا شعار ہے۔ دین اسلام کے بڑے شعائر چار ہیں: قرآن، کعبہ، نبی اور نماز۔ دیگر شعائر بہت ہیں۔ ہدایا بھی شعائر ہیں۔(۶) فإنها کی ضمیر خَصْلة (بات) کی طرف لوٹتی ہے۔ جیسے فَبِهَا ونِعْمَتْ أی بالخصلة الحسنة أخذ، ونعمت هی.
(۷)مَحِلّ: ظرف مکان: ہدی ذبح کرنے کی جگہ۔

پہلی بات: جس طرح آج کے بت پرست بتوں کے نام پر جانور چھوڑتے ہیں عرب کے مشرکوں میں بھی اس کا رواج تھا۔ ان لوگوں نے بتوں کے نام پر چھوڑے گئے ان جانوروں کو ہدیوں کا درجہ دے رکھا تھا۔ وہ ان کی تعظیم وتحریم کے قائل تھے۔ ان سے کسی حال میں انتفاع جائز نہیں سمجھتے تھے۔ سورۃ المائدہ (آیت ۱۰۳) میں ان جانوروں کا تذکرہ آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کی کوئی شرعی حیثیت مقرر نہیں کی۔ کفار اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں کہ وہ اللہ کے حکم سے ایسا کر رہے ہیں۔ ان آیات میں بھی کفار پر رد ہے کہ یہ جانور قابل تعظیم نہیں۔ کیونکہ یہ اللہ کے محترم قرار دیئے ہوئے نہیں۔ البتہ وہ حرام ہیں، کیونکہ وہ غیر اللہ کے نامزد کردیئے گئے ہیں۔ اور ایسے جانوروں کی حرمت سورۃ الانعام (آیت ۱۴۵) میں مصرّح ہے۔ ارشاد ہے: —— یہ بات تو ہو چکی —— یعنی حج کے احکام کا بیان پورا ہوا۔ اب دوسری بات سنو! —— اور جو شخص اللہ کی قائم کی ہوئی حرمتوں کا پاس ولحاظ کرے گا تو وہ اس کے لئے اس کے رب کے نزدیک بہتر ہے —— یعنی اللہ تعالیٰ نے جن جن چیزوں کو محترم قرار دیا ہے جیسے ہدی کے جانور، کعبہ شریف، قرآن کریم، نبی اور نماز وغیرہ ان کا احترام کرنا اور ان کا ادب ملحوظ رکھنا بیشک بہت اچھی بات ہے۔ آخرت میں اس کا بڑا اجر وثواب ہے۔ مگر یہ حکم ان جانوروں کا نہیں جن کو تم نے خود قابل احترام اور حرام قرار دیا ہے۔ اللہ کے علاوہ کسی کو بھی تحریم کا اختیار نہیں —— اور تمہارے لئے پالتو جانور حلال کئے گئے ہیں، مگر وہ جو تم پر پڑھے جاتے ہیں (حرام ہیں) —— ان میں وہ جانور بھی ہیں جو غیر اللہ کے نامزد کردیئے گئے ہیں۔ مگر یہ تحریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں۔ بلکہ یہ بتوں کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے کا شاخسانہ ہے —— پس تم بتوں کی گندگی سے بچو اور جھوٹی بات سے (بھی) بچو، اللہ کے لئے یکسو ہونے والے، اس کے ساتھ شریک نہ کرنے والے بنو —— یعنی بتوں کی پرستش بھی چھوڑو، اور ان کے نام پر جانور چھوڑ کر اللہ تعالیٰ پر افتراء کرنے سے بھی بچو، ہر طرف سے ہٹ کر ایک اللہ کے ہو کر رہو۔ تمہارے سب کام بلا شرکت غیرے صرف اللہ کے لئے ہونے چاہئیں۔

فائدہ: بتوں کے نام پر جانور چھوڑنا اسی طرح اولیاء کے نام پر جانور چھوڑنا شرک ہے۔ اور اس سے جانور حرام ہوجاتا ہے۔ پھر اگرچہ وہ اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے اس کا کھانا جائز نہیں۔ البتہ اگر منت ماننے والا اپنی منت سے سچی توبہ کرلے، پھر اس کو اللہ کے نام پر ذبح کرے تو حلال ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ناجائز قول وفعل کا بھی اثر ہوتا ہے۔ جیسے ظہار کرنا یعنی بیوی کو ماں جیسا کہنا قولِ زُور (جھوٹی بات) ہے، مگر اس سے کفارہ ادا کرنے تک بیوی حرام ہوجاتی ہے۔ اسی طرح حالتِ حیض میں طلاق دینے سے یا ایک ساتھ تین طلاقیں دینے سے بھی طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں،

اگرچہ اس طرح طلاق دینا جائز نہیں ہے، اور زنا سے بھی حرمتِ مصاہرت ثابت ہوجاتی ہے اگرچہ یہ فعل حرام ہے۔

شرک کا انجام: ــــ اور جو شخص اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے وہ گویا آسمان سے گر پڑا، پس (گوشت خور) پرندوں نے اس کی تِکّا بوٹی کرڈالی یا ہوا نے اس کو کسی دور مقام میں پھینک دیا! ــــ یعنی نہ کوئی اس کا پرسانِ حال رہا نہ لاش ٹھکانے لگانے والا! گِدھوں نے نوچ کھایا یا ہوا کے جھکّڑ نے کسی دور جگہ میں ڈال دیا۔ یہی حال مشرک کا ہے کہ وہ توحید کے بلند مقام سے پستی کے کھڈ میں گر کر تباہ ہوگیا، اور آخرت میں اس کا کوئی پرسانِ حال نہ ہوگا۔

دوسری بات: ہدی کا ادب ضروری ہے، کیونکہ وہ اللہ کے نام پر ذبح ہونے والا جانور ہے۔ اور اس کا پاس ولحاظ یہ ہے کہ اس سے نفع نہ اٹھایا جائے۔ نہ اس پر سواری کی جائے، نہ اس کا دودھ استعمال کیا جائے، نہ اون سے فائدہ اٹھایا جائے۔ ارشاد ہے: ــــ یہ بات ہوچکی ــــ یعنی بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانوروں کا تذکرہ پورا ہوا ــــ اور جو شخص شعائر اللہ (اللہ کے دین کی نشانیوں) کا پاس ولحاظ کرتا ہے: تو یہ بات دلوں کی پرہیزگاری کی وجہ سے ہے ــــ ہدی: شعائر اللہ میں شامل ہے۔ کیونکہ ہدی حج کی علامت ہے۔ اور حج اسلام کا اہم رکن ہے۔ اور شعائر اللہ کی تعظیم دل کے تقوی کی علامت ہے۔ ان کی تعظیم وہی کرتا ہے جس کے دل میں تقوی اور خوفِ خدا ہوتا ہے۔ شعائر اللہ کی تعظیم شرک میں داخل نہیں۔ وہ عین ایمان کا تقاضا ہے۔ نیک بندے اللہ کے نام لگی چیزوں کا ادب ضرور کرتے ہیں ــــ تمہارے لئے ان میں ایک مدتِ معین تک فوائد ہیں ــــ یعنی اونٹ، گائے، بکری وغیرہ سے اس وقت تک فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے جب تک ان کو باقاعدہ ہدی نہ بنالیا جائے۔ جب ہدی بنالیا تو وہ آزاد ہیں اب ان سے کسی قسم کا نفع اٹھانا جائز نہیں ــــ پھر ان کی ذبح کی جگہ محترم گھر کے پاس ہے ــــ یعنی اب ان سے اُخروی فائدہ اٹھاؤ، حرم میں لے جاکر خدا کے نام پر قربان کردو، اور جب قربان ہوجائیں تو ان سے فائدہ اٹھاسکتے ہو، یعنی ان کا گوشت استعمال کرسکتے ہو۔ کیونکہ گوشت پوست اللہ کے یہاں نہیں پہنچتا۔ وہاں تمہارا تقوی پہنچتا ہے، جو پہنچ گیا اور مقصد حاصل ہوگیا ــــ اور محترم گھر سے مراد پورا حرم ہے۔ کیونکہ سارا حرم بیت اللہ کا حریم خاص ہے۔ اور ہدی کے جانور کو قربانی کے دنوں میں ذبح کرنا ضروری ہے۔ دوسرے دنوں میں ذبح کرنا جائز نہیں۔

مسئلہ: مجبوری کی صورت میں ہدی کے اونٹ پر سواری کرنا جائز ہے۔ جیسے اونٹ کو ہدی بنا کر ساتھ لیا ہے، اور خود پیدل چل رہا ہے، سواری کے لئے کوئی دوسرا جانور موجود نہیں، اور پیدل چلنا اس کے لئے مشکل ہورہا ہے، تو ایسی مجبوری میں ہدی کے اونٹ پر سوار ہوسکتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ ایک شخص ہدی کا اونٹ لئے جارہا تھا۔ نبی ﷺ اس کے پاس سے گذرے۔ آپؐ نے فرمایا: ''اس پر سوار ہوجا'' اس نے عرض کیا: یہ ہدی ہے! آپؐ نے فرمایا: ''باؤلے!

سوار ہو جا!"(رواہ الترمذی)(ابھی قربانی کا بیان جاری ہے)

احکامِ الٰہی کا ادب واحترام بلندیٔ درجات، عفوِ سیئات اور حصولِ خیر و برکات کا سبب ہے۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ؕ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗۤ اَسْلِمُوْا ؕ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ۝٣٤ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَاۤ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝٣٥ وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖۗ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝٣٦ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ؕ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ۝٣٧ اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ۝٣٨

ع ٥ ١٢

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ	اور ہر امت کے لئے	عَلٰى مَا	اس پر جو	اِلٰهٌ وَّاحِدٌ	ایک معبود ہے
جَعَلْنَا	مقرر کی ہم نے	رَزَقَهُمْ	عطا کیا ان کو	فَلَهٗۤ	پس اس کی
مَنْسَكًا (۱)	قربانی	مِّنْۢ بَهِيْمَةِ	چوپایوں سے	اَسْلِمُوْا	تابع داری کرو
لِّيَذْكُرُوا	تاکہ لیں وہ	الْاَنْعَامِ	پالتو	وَبَشِّرِ	اور خوشخبری دیجئے
اسْمَ اللّٰهِ	اللہ کا نام	فَاِلٰهُكُمْ	پس تمہارا معبود	الْمُخْبِتِيْنَ (۲)	نیاز مندوں کو

(۱) المَنْسَك: سین کے زبر اور زیر کے ساتھ: مصدر ہے، جمع مَنَاسِك۔ اس لفظ کے متعدد معانی ہیں: عبادت کا طریقہ، قربانی، قربانی کی جگہ اور حج کی عبادات (ارکان وافعال) یہاں قربانی کے معنی ہیں (۲) المُخْبِت: اسم فاعل، از باب افعال، أَخْبَتَ: اظہار عجز وانکساری کرنا۔ إِخبات: اللہ کے احکام کے سامنے نیاز مندی، اس کی ضد استکبار (اکڑنا) ہے مجرد خَبَتَ (ن) المكانُ: پست ہونا، نشیب میں ہونا۔

الَّذِيْنَ	وہ لوگ	لَكُمْ	تمہارے لئے	لَعَلَّكُمْ	تا کہ تم
اِذَا	(کہ) جب	فِيْهَا	ان میں	تَشْكُرُوْنَ	شکر بجالاؤ
ذُكِرَ اللّٰهُ	ذکر کیا جاتا ہے اللہ کا	خَيْرٌ	بھلائی ہے	لَنْ	ہرگز نہیں
وَجِلَتْ (۱)	سہم جاتے ہیں	فَاذْكُرُوا	پس ذکر کرو تم	يَّنَالَ	پہنچتا
قُلُوْبُهُمْ	ان کے دل	اسْمَ اللّٰهِ	اللہ کا نام	اللّٰهَ	اللہ کو
وَالصّٰبِرِيْنَ	اور صبر کرنے والے	عَلَيْهَا	ان پر	لُحُوْمُهَا	ان کا گوشت
عَلٰى مَا	اس پر جو	صَوَآفَّ (۳)	کھڑے کر کے	وَلَا	اور نہ
اَصَابَهُمْ	ان کو پہنچا	فَاِذَا	پس جب	دِمَآؤُهَا	ان کا خون
وَالْمُقِيْمِي (۲)	اور اہتمام کرنے والے	وَجَبَتْ (۴)	گر پڑیں	وَلٰكِنْ	بلکہ
الصَّلٰوةِ	نماز کے	جُنُوْبُهَا	ان کی کروٹیں	يَّنَالُهُ	پہنچتا ہے اس کو
وَمِمَّا	اور اس میں سے جو	فَكُلُوْا	پس کھاؤ	التَّقْوٰى	تقوی
رَزَقْنٰهُمْ	عطا فرمایا ہم نے ان کو	مِنْهَا	ان میں سے	مِنْكُمْ	تمہارا
يُنْفِقُوْنَ	خرچ کرتے ہیں	وَاَطْعِمُوا	اور کھلاؤ	كَذٰلِكَ	اسی طرح
وَالْبُدْنَ	اور قربانی کے اونٹ	الْقَانِعَ (۵)	قناعت کرنے والے کو	سَخَّرَهَا	زیر حکم کر دیا ان کو
جَعَلْنٰهَا	بنایا ہم نے ان کو	وَالْمُعْتَرَّ (۶)	اور طالب احسان کو	لَكُمْ	تمہارے
لَكُمْ	تمہارے لئے	كَذٰلِكَ	اسی طرح	لِتُكَبِّرُوا	تا کہ بڑائی بیان کرو
مِّنْ شَعَآئِرِ	خاص نشانیوں میں سے	سَخَّرْنٰهَا	زیر حکم کر دیا ہم نے انکو	اللّٰهَ	اللہ کی
اللّٰهِ	اللہ (کے دین) کی	لَكُمْ	تمہارے	عَلٰى مَا	اس پر جو

(۱) وَجِلَ يَوْجَلُ (س) وَجْلاً: ڈرنا، گھبرانا، سہمنا۔ (۲) المقيمين کا نون اضافت کی وجہ سے گر گیا ہے۔ (۳) صَوَافَّ: صَافَّة کی جمع، عليها کی ضمیر سے حال ہے، صَفَّ الأبلَ: اونٹوں کا ٹانگوں کو پھیلانا۔ جب اونٹ کو ذبح کرتے ہیں تو اس کا آگے کا دایاں یا بایاں پاؤں موڑ کر باندھ دیتے ہیں، اس طرح کھڑا کیا ہوا اونٹ صَافَّة کہلاتا ہے۔ اور پرندے صَوَافّ ہیں جب وہ اڑنے کی حالت میں پر پھیلائے ہوئے ہوں۔ (۴) وَجَبَ الشيئُ (ض) وُجُوْبًا: زمین پر گرنا...... جنوبُها فاعل ہے۔ (۵) القانع: قناعت کرنے والا، اسم فاعل از قَنِعَ (س) قَنَاعة: جو ملے اس پر مطمئن اور خوش ہو جانا۔ (٦) الْمُعْتَرَّ: اسم فاعل، اس کی اصل الْمُعْتَرِر ہے از اِعْتِرَارٌ (باب افتعال) مادّہ عَرٌّ، اِعْتَرَّ فلانا وبه: کسی سے سوال کئے بغیر طالبِ احسان ہونا۔

ھَدٰىكُمْ	راہ دکھائی تم کو	يُدٰفِعُ (۱)	ہٹادیں گے	اللّٰہَ	اللہ تعالیٰ
وَبَشِّرِ	اور خوش خبری دیجئے	عَنِ الَّذِيْنَ	ان لوگوں سے جو	لَا يُحِبُّ	پسند نہیں کرتے
الْمُحْسِنِيْنَ	نیکوکاروں کو	اٰمَنُوْا	ایمان لائے	كُلَّ خَوَّانٍ	ہر دغاباز
اِنَّ اللّٰهَ	بیشک اللہ تعالیٰ	اِنَّ	بیشک	كَفُوْرٍ	ناشکرے کو

یہاں سے چھ نہایت اہم باتوں کا بیان شروع ہوتا ہے:

پہلی بات: قربانی اور ہدی کے مسئلہ کو لے کر بعض کوتاہ اندیش اعتراض کرتے ہیں کہ یہ جانوروں پر ظلم ہے۔ مسلمان ناحق جانوروں کو مارتے ہیں۔ کسی کی جان لینے میں اللہ کا کیا فائدہ ہے؟ سب سے پہلے اس خیال کی تردید کی جاتی ہے۔ ارشاد ہے: —— اور ہم نے ہر امت کے لئے قربانی تجویز کی ہے تاکہ وہ ان پالتو چوپایوں پر جو اللہ نے ان کو عطا فرمائے ہیں اللہ کا نام لیں —— یعنی قربانی میں اللہ تعالیٰ کا کوئی فائدہ نہیں۔ لوگوں کا اپنا فائدہ ہے۔ لوگ قربانی کرکے اللہ کی نزدیکی حاصل کرتے ہیں۔ اور قربانی جانوروں پر ظلم اس لئے نہیں کہ جانور اللہ کی ملک ہیں۔ لوگوں کی ملک نہیں۔ ان کو بطور روزی دیئے گئے ہیں۔ اور مالک اپنی ملک میں جو چاہے تصرف کرسکتا ہے۔ اور اس کے حکم کی تعمیل ضروری ہے —— اور قربانی کے ذریعہ اللہ کی نزدیکی نفس قربانی سے حاصل نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ اللہ کے ذکر کا ذریعہ ہے، جیسے صفا مروہ کے درمیان سعی اور جمرات کی رمی اللہ کے ذکر کے لئے ہے۔ اور اللہ کے ذکر سے اللہ کی نزدیکی حاصل ہونا بدیہی بات ہے —— اور قربانی کے ذریعہ اللہ کی نزدیکی حاصل کرنے کا حکم کسی نہ کسی صورت میں ہر شریعت میں رہا ہے۔ آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کی قربانی کا تذکرہ سورۃ المائدۃ (آیت ۲۷) میں آیا ہے۔ اور اہلِ کتاب کے مذہب میں قربانی: مذہب کا ایک اہم رکن ہے۔ موجودہ تورات میں بھی جگہ جگہ سوختنی قربانی کا تذکرہ ہے۔ اور ہندؤں کے یہاں بھی دیوتاؤں کی بَلی کا رواج ہے۔ پس یہ اسلام کا کوئی انوکھا حکم نہیں —— رہی یہ بات کہ قربانی کس چیز کی دی جائے، کب دی جائے، کہاں دی جائے، اور کس طرح دی جائے؟ یہ باتیں زمانوں، قوموں اور ملکوں کے اختلاف سے مختلف ہوسکتی ہیں، مگر سب کی روح تقرب حاصل کرنا ہے۔ اسلام نے قربانی کا ایک خاص نہج مقرر کیا ہے، اور اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اُسوہ پیش نظر رکھا ہے۔ اس کے علاوہ قربانی میں کوئی نئی بات نہیں —— پس تمہارا معبود ایک معبود ہے، سو اس کی تابعداری کرو —— یعنی اعتراض کرنے والوں کی ایک نہ

(۱) یدافع کا مفعول محذوف ہے أی الكَفَرَةَ المُتَغَلِّبَةَ علی بیت اللہ اور باب مفاعلہ میں مزاحمت کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آویزش کے بعد کفار کو ہٹائیں گے۔

سنو، اللہ کا حکم مانو۔ اللہ تعالیٰ نے حج میں اور اس کے علاوہ بھی قربانی کا جو حکم دیا ہے اس کی تعمیل کرو ــــــ اور آپؐ نیاز مندوں کو بشارت سنا دیجئے ــــــ یعنی جو لوگ اللہ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں، ان کو جنت کی اور جنت کی نعمتوں کی خوش خبری دیجئے۔

اور اللہ کے احکام کے سامنے سر جھکانے والے صرف وہی لوگ نہیں ہیں جو قربانی کا عمل کرتے ہیں، بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جن میں چار باتیں پائی جاتی ہیں:

پہلی بات: ــــــ وہ لوگ جن کے دل اس وقت سہم جاتے ہیں جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے ــــــ یعنی ان کا حال یہ ہے کہ وہ اللہ کا نام سن کر اور اس کا حکم جان کر سہم جاتے ہیں۔ اللہ کی عظمت کے سبب ان کے دلوں پر ہیبت طاری ہو جاتی ہے۔ اور وہ فوراً تعمیلِ حکم کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔

دوسری بات: ــــــ اور وہ اُن باتوں پر جو ان کو پہنچتی ہیں صبر کرنے والے ہیں ــــــ یعنی مصائب و شدائد کو صبر و استقلال سے برداشت کرتے ہیں۔ شریعت پر عمل کرنے میں خواہ کیسے بھی حالات پیش آئیں مردانہ وار ان کا مقابلہ کرتے ہیں۔ اور راہِ حق سے ان کے پیر نہیں ڈگمگاتے۔

تیسری بات: ــــــ اور وہ نماز کا اہتمام کرنے والے ہیں ــــــ نماز دین کا اہم ستون ہے۔ اگر یہ ستون قائم ہے تو دین قائم ہے۔ اور اگر یہ ستون گر پڑا تو سارے دین کا خدا حافظ! نیز نماز دین کا اہم حکم ہے۔ جو اس پر عمل کرتا ہے وہ دیگر احکام پر ضرور عمل کرتا ہے۔ اور جو اس بے خرچ حکم کو نظر انداز کرتا ہے اس سے دیگر احکام کی تعمیل کی کیا امید ہو سکتی ہے!

چوتھی بات: ــــــ اور وہ اس میں سے جو ہم نے ان کو بطور روزی دیا ہے خرچ کرتے ہیں ــــــ یعنی مال کی زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اور اور بھی خرچ کرتے ہیں۔ اللہ کے بخشے ہوئے مال میں سے اللہ کا حق نکالتے ہیں، غریبوں کی ضرورتیں پوری کرتے ہیں، دین کے کاموں میں سہارا لگاتے ہیں، اور ضرورت کے مواقع میں دل کھول کر خرچ کرتے ہیں۔ ان کا اعتقاد یہ ہے کہ جس اللہ نے اب دیا ہے وہ پھر بھی دے گا، اس لئے وہ اللہ کی راہ میں خرچ سے ہاتھ نہیں روکتے۔

لطیفہ: ضلع غازی آباد میں ہاپوڑ کے پاس ایک بڑا گاؤں ''بڑودہ'' ہے۔ وہاں کے مندر کا پجاری مسلمانوں کو چھیڑتا تھا کہ تم یہ قربانیاں کیوں کرتے ہو۔ یہ جانوروں پر ظلم ہے۔ کسی کی جان لینے میں اللہ کا کیا فائدہ ہے۔ اور اسلام میں قربانی ضروری نہیں۔ اسلام کے بنیادی ارکان چار ہیں۔ مسلمان اس کی باتوں سے تنگ تھے۔ اس گاؤں کے ایک

حافظ محمد حنیف صاحب رحمہ اللہ جو دارالعلوم دیوبند کے سفیر تھے اور دیوبند میں مقیم تھے۔ایک مرتبہ گاؤں گئے، لوگوں نے حافظ صاحب سے اس کا تذکرہ کیا۔ حافظ صاحب چند مسلمانوں کو لے کر سادھو کے پاس گئے۔ اور کہا: پنڈت جی! آپ کیا باتیں کہتے ہیں، ہم سے بھی کہیں تاکہ ہم بھی غور کریں۔ اس نے وہی باتیں دُہرائیں۔ حافظ صاحب نے جواب دیا: پنڈت جی! اسلام کے بنیادی ارکان چار نہیں پانچ ہیں۔ پنڈت جی نے پوچھا: پانچواں حکم کیا ہے؟ حافظ صاحب نے کہا: جہاد! جہاد کے حکم سے ہر کافر واقف ہے، بلکہ خائف ہے، اس لئے اس نے تسلیم کیا کہ ہاں اسلام میں یہ حکم بھی ہے۔ حافظ صاحب نے کہا: جہاد کی نوبت کبھی کبھی آتی ہے۔ ہم ہر سال قربانی کرکے اس کی پریکٹس کرتے ہیں، تاکہ جب جہاد کی نوبت آئے تو ہمارا ہاتھ خوب چلے۔ یہ سنتے ہی اس کو سانپ سونگھ گیا، اور پھر اس نے مسلمانوں کو پریشان کرنا بند کردیا۔

اس کے بعد اونٹوں کی ہدی کی اہمیت، ان کے ذبح کا طریقہ اور قربانی کے گوشت کا حکم بیان فرماتے ہیں۔قربانی اونٹوں کے علاوہ گائے، بھینس اور بھیڑ بکریوں کی بھی درست ہے۔ اور ہدی بھی سب کی ہوسکتی ہے۔مگر بکریوں کا چلنا دشوار ہے، اور بھینس عرب میں نہیں ہوتی، اور گائے بہت کمیاب ہے اس لئے لوگ زیادہ تر اونٹ ہی کو ہدی کے طور پر لے جاتے ہیں۔ اس لئے ارشاد ہے: —— اور ہدی کے اونٹوں کو ہم نے تمہارے لئے اللہ کے دین کی علامتیں بنایا ہے —— یعنی ہدی کے اونٹ بھی شعائر اللہ میں داخل ہیں۔ جب یہ اونٹ مکہ مکرمہ کے لئے چلتے ہیں تو پورے راستہ میں حج کا اعلان ہوتا ہے، لوگوں کو ترغیب ہوتی ہے کہ وہ بھی اللہ کے گھر چلیں۔ پس جب شعائر اللہ کی تعظیم دلوں کی پرہیزگاری سے ہے تو ان ہدیوں کا بھی احترام کرنا چاہئے —— تمہارے لئے ان میں خیر ہے —— یعنی ان کو ادب کے ساتھ قربان کرنے میں بہت سے دینی اور دنیوی فوائد ہیں —— پس تم ان پر کھڑے ہونے کی حالت میں اللہ کا نام لو —— یعنی بسم اللہ، اللہ أکبر کہہ کر ذبح کرو۔ اور اونٹ کے ذبح کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اس کو قبلہ رخ کھڑا کیا جائے۔ پھر اس کا داہنا یا بایاں ہاتھ باندھ دیا جائے۔ پھر سینہ اور گردن کے درمیانی گھڑے میں زخم لگایا جائے —— پھر جب وہ کروٹ کے بل گر پڑیں تو ان میں سے کھاؤ، اور قناعت پسند اور طالبِ احسان کو کھلاؤ —— یعنی جب سارا خون نکل جائے، اور وہ ٹھنڈے ہوکر پہلو کے بل گر پڑیں تو ان کا گوشت خود بھی استعمال کرو، اور حاجت مندوں میں بھی تقسیم کرو —— حاجت مند دو قسم کے ہیں: ایک: قناعت پسند یعنی وہ لوگ جو محتاج ہیں مگر صبر سے بیٹھے ہیں، سوال نہیں کرتے۔ دوسرے: وہ جو طلب گار بن کر سامنے آتے ہیں، مگر منہ سے کچھ نہیں کہتے۔ صورت بہیں حالت مپرس کی تصویر ہوتے ہیں۔ دونوں قسم کے لوگوں کو کھلانے کا حکم ہے —— اس

طرح ہم نے ان جانوروں کو تمہارے زیر حکم کر دیا تا کہ تم اللہ کا شکر بجالاؤ ـــــ یعنی ایسے تن و توش کے جانور جو تم سے جثّہ میں اور قوت میں کہیں زیادہ ہیں تمہارے قبضہ میں کر دیئے، تا کہ تم ان سے خدمات لو اور آسانی سے ذبح کر کے کھاؤ۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے۔ جس کا شکر بجالانا ضروری ہے ـــــ قربانی دوسرے مذاہب میں ایک مشرکانہ رسم ہے۔ اسلام میں محض ایک توحیدی عبادت ہے، خدائے واحد کی طرف سے دھیان ہٹانے والی نہیں، عین اس کی طرف توجہ جمانے والی، رشتۂ عبودیت کو اور محکم کرنے والی! (ماجدی)

عرب جاہلیت میں قربانی کر کے اس کا گوشت بتوں کے سامنے رکھتے تھے، اور خون ان پر ملتے تھے۔ اسی طرح اللہ کے نام کی قربانی کا گوشت کعبہ کے سامنے لا کر رکھتے تھے اور خون کعبہ کی دیواروں پر لگاتے تھے۔ دیگر مشرکین بھی دیوتاؤں پر بھینٹ چڑھا کر یہی عمل کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ بلی کی خوشبو دیوتا محسوس کرتے ہیں۔ اور اسے کھاتے ہیں۔ ان پر رد کیا جا رہا ہے اور ساتھ ہی اس بات کی وجہ بیان کی گئی ہے کہ قربانی جب اللہ کے لئے کی گئی ہے تو اس کا گوشت کھانا اور کھال سے فائدہ اٹھانا جائز کیوں ہے؟ ارشاد ہے: ـــــ اللہ تک نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون، بلکہ ان کے پاس تمہارا تقوی پہنچتا ہے ـــــ یعنی قربانی ایک عبادت ہے۔ اللہ کے پاس اس کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا، نہ وہ قربانی سے مقصود ہے۔ اس لئے اس کا استعمال جائز ہے۔ قربانی سے مقصود اللہ کا ذکر ہے، اور اخلاص کے ساتھ اللہ کے حکم کی بجا آوری ہے۔ یہی اخلاص کی کیفیت اللہ کے یہاں پہنچتی ہے۔ قربانی میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ تم نے کس خوش دلی اور جوشِ محبت سے اپنی ایک قیمتی چیز اللہ کی بارگاہ میں پیش کی ہے ـــــ اس طرح ان کو تمہارے زیر حکم کر دیا تا کہ تم اللہ کی عظمت بیان کرو اِس نعمت پر کہ اس نے تمہیں ہدایت دی ـــــ یعنی اللہ نے تمہیں اپنی محبت اور عبودیت کے اظہار کی یہ راہ سمجھائی، اور ایک جانور کی قربانی کو اپنی جان کی قربانی کا قائم مقام کر دیا۔ اس نعمت پر تم جتنی بھی بڑائی بیان کرو کم ہے ـــــ اور آپ نیکو کاروں کو خوش خبری سنا دیجئے ـــــ کہ تمہیں آخرت میں تمہاری نیکیوں کا بڑا اجر ملنے والا ہے۔ صحابۂ کرام نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا یا رسول اللہ! قربانی کیا چیز ہے؟ یعنی اس کی کیا وجہ ہے؟ آپؐ نے جواب دیا: ''تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے!'' صحابہ نے عرض کیا: ہمارے لئے اس میں کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''ہر بال کے بدلے ایک نیکی!'' دوسری حدیث میں ہے: ''قربانی قیامت کے دن اپنے سینگوں، کھروں اور بالوں سمیت آئے گی یعنی بیکار اجزاء کا بھی اجر ملے گا۔ اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ کے یہاں قبول ہو جاتا ہے، پس خوش دلی سے قربانی کرو''

آخر میں ایک خیال کا جواب دیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ حج اور قربانی کے احکام دے رہے ہیں، مگر اس کا موقع کہاں ہے؟ مکہ مکرمہ پر کفار کا قبضہ ہے۔ وہ اس بات کے روادار کہاں کہ مسلمان اس پاک سرزمین پر قدم رکھیں۔ اس خیال کا جواب دیا جاتا ہے کہ اس کا بھی موقع آرہا ہے۔ ارشاد ہے: —— بیشک اللہ تعالیٰ ایمان لانے والوں کی طرف سے مدافعت کریں گے —— اور مشرکوں کے غلبہ واقتدار کو ہٹائیں گے۔ لفظ مدافعت میں اس طرف اشارہ ہے کہ کفار حملہ آور ہونگے، اور مسلمان اللہ کی مدد سے ان کو دفع کریں گے، اور یہ سلسلہ یہاں تک چلے گا کہ کفار کا مکہ مکرمہ پر سے غلبہ اور اقتدار ختم ہوجائے گا —— بیشک اللہ تعالیٰ کسی بھی دغاباز ناشکرے کو پسند نہیں کرتے —— کفار مکہ بڑے خائن تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا گھر ان کی تولیت میں دیا تھا۔ چاہئے تھا کہ وہ وہاں ایک خدا کی بندگی کرتے۔ مگر انھوں نے اس امانت میں خیانت کی اور وہاں تین سو ساٹھ بت بٹھادیئے۔ گویا اللہ کا گھر دوسرے معبودوں کے حوالے کردیا —— اور اللہ تعالیٰ نے باشندگانِ حرم پر وہ وہ انعامات فرمائے ہیں کہ دوسرے عرب اس کا تصور بھی نہیں کرسکتے۔ اس کا تقاضا تھا کہ وہ صرف منعم کی بندگی کرتے، مگر ان ناشکروں نے غیروں کی بندگی شروع کردی، اس سے بڑی ناشکری کیا ہوسکتی ہے؟ —— ایسے خائنوں اور ناشکروں کو کوئی کیسے پسند کرسکتا ہے؟ اور ان کو جو اقتدار حاصل ہے وہ چند روزہ ہے۔ بہت جلد پانسا پلٹنے والا ہے۔ نصرتِ خداوندی کے حقدار مؤمنین ہیں۔ جب حق وباطل کی جنگ شروع ہوگی تو انجام کار اہل ایمان غالب آئیں گے۔ اور ان باطل پرستوں کو راستے سے چھانٹ دیا جائے گا۔

ایمان وکفر کی کش مکش میں اہلِ ایمان تنہا نہیں ہوتے۔ اللہ کی حمایت ان کے ساتھ ہوتی ہے۔
وہ دشمنوں کی چالوں کو توڑتے ہیں، اور ان کے ضرر کو دفع کرتے ہیں۔

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ﴿٣٩﴾ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا ۗ وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٤٠﴾ الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ

وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۴۱﴾

اُذِنَ	اجازت دی گئی	يَّقُوْلُوْا	کہتے ہیں وہ	وَّ مَسٰجِدُ	اور مسجدیں
	(لڑنے کی)	رَبُّنَا	ہمارا رب	يُذْكَرُ[۸]	لیا جاتا ہے
لِلَّذِيْنَ[۱]	ان کو جو	اللّٰهُ	اللہ ہے	فِيْهَا	ان میں
يُقٰتَلُوْنَ	لڑے جاتے ہیں	وَلَوْلَا	اور اگر نہ ہوتا	اسْمُ	نام
بِاَنَّهُمْ	بایں وجہ کہ وہ	دَفْعُ[۴]	ہٹانا	اللّٰهِ	اللہ کا
ظُلِمُوْا	ظلم کئے گئے	اللّٰهِ	اللہ کا	كَثِيْرًا	بہت زیادہ
وَاِنَّ اللّٰهَ	اور بیشک اللہ تعالیٰ	النَّاسَ	لوگوں کو	وَلَيَنْصُرَنَّ	اور ضرور مدد کریں گے
عَلٰى نَصْرِهِمْ	ان کی مدد کرنے پر	بَعْضَهُمْ	ان کے بعض کو	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
لَقَدِيْرُ	البتہ قادر ہیں	بِبَعْضٍ	بعض کے ذریعہ	مَنْ	(اس کی) جو
اَلَّذِيْنَ[۲]	(وہ) جو	لَّهُدِّمَتْ	(تو) یقیناً ڈھادیئے	يَّنْصُرُهٗ	مدد کرتا ہے ان کی
اُخْرِجُوْا	نکالے گئے		جاتے	اِنَّ اللّٰهَ	بیشک اللہ تعالیٰ
مِنْ دِيَارِهِمْ	اپنے گھروں سے	صَوَامِعُ[۵]	خلوت خانے	لَقَوِيٌّ	یقیناً قوت والے
بِغَيْرِ حَقٍّ	ناحق	وَبِيَعٌ[۶]	اور گرجے	عَزِيْزٌ	غلبہ والے ہیں
اِلَّآ اَنْ[۳]	مگر یہ کہ	وَّصَلَوٰتٌ[۷]	اور عبادت خانے	اَلَّذِيْنَ[۲]	(وہ) جو

(۱) للذين يقاتلون: اُذِن کے نائب فاعل کے قائم مقام ہے۔اور ماذون فیہ یعنی قتال محذوف ہے۔(۲) الذين: دونوں جگہ هم محذوف کی خبر ہے۔(۳) استثناء کے ذریعہ ناحق کی تاکید کی گئی ہے۔اور یہ تاكيدُ المدح بما يُشبه الذّم کے قبیل سے ہے، جیسے: ولا عيبَ فيهم غير أن سيوفهم÷ بهنَّ فُلول من قَراع الكتائب: ان میں کوئی عیب نہیں۔بس یہ عیب ہے کہ ان کی تلواروں میں لشکروں کے ساتھ ٹکرانے کی وجہ سے دندانے پڑ گئے ہیں۔(۴) دفع: مصدر ہے اور مابعد کی طرف مضاف ہے اور الناس اس کا مفعول بہ ہے اور بعضَهم: الناس سے بدل ہے۔(۵) صوامع: صُوْمَعَة کی جمع ہے: عیسائی راہبوں کی خانقاہیں، تکیے، خلوت خانے۔(۶) بِيَعٌ: بِيْعَةٌ کی جمع ہے: گرجے، عیسائیوں کے عبادت خانے۔(۷) صلوات: صَلاةٌ کی جمع ہے: یہود کے عبادت خانے۔(۸) جملہ يذكر: مساجد کی صفت ہے۔

إِنْ	اگر	وَ اٰتَوُا	اور دیں وہ	عَنِ الْمُنْكَرِ	برے کاموں سے
مَّكَّنّٰهُمْ [1]	اقتدار دیں ہم ان کو	الزَّكٰوةَ	زکات	وَ لِلّٰهِ	اور اللہ کے لئے ہے
فِي الْاَرْضِ	زمین میں	وَ اَمَرُوْا	اور حکم دیں وہ	عَاقِبَةُ	انجام
اَقَامُوا	(تو) اہتمام کریں وہ	بِالْمَعْرُوْفِ	نیک کاموں کا	الْاُمُوْرِ	کاموں کا
الصَّلٰوةَ	نماز کا	وَنَهَوْا	اور روکیں وہ	❁	❁

دوسری بات: جہاد کے مسئلہ سے اعتراض کا جواب —— ان آیاتِ پاک میں جہاد کی اجازت، اس کی حکمت اور جہاد کے نتیجہ میں قائم ہونے والی اسلامی حکومت کا منشور ہے۔ اور یہ تذکرہ یہاں اس مناسبت سے آیا ہے کہ جس طرح قربانی کا حکم ہر شریعت میں رہا ہے: جہاد کا حکم بھی تمام شریعتوں میں رہا ہے۔ جہاد کی حکمت کے ضمن میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ پس اسلام کا یہ حکم بھی کوئی انوکھا حکم نہیں۔ نیز پچھلی آیت میں جو کفار مکہ کو مسلمانوں کے راستے سے ہٹانے کا وعدہ ہے اس کی صورت بھی اسی طرح نکلے گی۔

جہاد کی اجازت: —— (لڑنے کی) اجازت دی گئی ان لوگوں کو جن کے ساتھ جنگ کی جاتی ہے بایں وجہ کہ وہ مظلوم ہیں —— یہ سب سے پہلی آیت ہے جو کفار سے قتال کی اجازت کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے۔ اس سے پہلے ستّر سے زیادہ آیتوں میں قتال کو ممنوع قرار دیا تھا۔ جب تک نبی ﷺ مکہ میں رہے: حکم یہ تھا کہ کفار کے مظالم پر صبر کیا جائے۔ چنانچہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے مسلسل تیرہ سال تک کفار کے زُہرہ گداز مظالم پر صبر کیا۔ پھر جب نبی ﷺ نے اور مسلمانوں نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تو یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ جب نبی ﷺ کو مکہ مکرمہ سے نکالا گیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے (دل میں) کہا: ''ان لوگوں نے اپنے نبی کو نکالا ہے، پس یہ ضرور تباہ ہونگے!'' پھر جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں (پہلے ہی) سمجھ گیا تھا کہ اب جنگ کی اجازت مل جائے گی'' (رواہ الترمذی حدیث ۳۲۲۱ کتاب التفسیر) پھر اس کے بعد اس قسم کی کئی آیتیں نازل ہوئیں، جن میں جہاد کی اجازت ہی نہیں صریح حکم تھا۔

اس آیت پاک میں جہاد کی اجازت دو وجہ سے دی گئی ہے: ایک: اس وجہ سے کہ کفار مسلمانوں پر چڑھائی کرنے والے ہیں، اس لئے مسلمانوں کو اپنا وجود باقی رکھنے کے لئے مقابلہ کی اجازت دینی ضروری ہے۔ دوم: اس وجہ سے کہ کفار کے ظلم وستم کی حد ہوگئی ہے۔ اس دوسری وجہ کا بیان آگے خود نظمِ کلام میں آرہا ہے۔ اور پہلی وجہ کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) مَكَّنَ له في الأرض: حکومت دینا، طاقت واقتدار دینا۔

ہجرت کے بعد جب مسلمان ایک مرکز میں سمٹنے شروع ہوئے تو کفار مکہ کے پیروں تلے سے زمین سرکنی شروع ہوئی۔ کیونکہ مسلمان ان کی گرفت سے نکلتے جارہے تھے، اور ان کی اجتماعیت کفار کے لئے خطرہ بنتی جارہی تھی۔ چنانچہ انھوں نے عبداللہ بن اُبی کو جو ابھی تک مشرک تھا، ایک دھمکی آمیز خط لکھا کہ: ''آپ لوگوں نے ہمارے آدمی کو پناہ دی ہے۔ ہم اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ یا تو ان سے لڑو یا ان کو مدینہ سے نکال دو، ورنہ ہم سب مل کر مدینہ پر ہلّہ بول دیں گے، مردانِ جنگی کو قتل کریں گے اور عورتوں کی حرمت پامال کریں گے!'' جب یہ خط عبداللہ کو موصول ہوا تو وہ اور دوسرے مشرکینِ مدینہ مکہ والوں کے حکم کی تعمیل کے لئے اکٹھے ہوگئے۔ نبی ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو آپؐ ان کے پاس تشریف لے گئے، اور فرمایا: ''قریش کی دھمکی آپ لوگوں پر گہرا اثر کرگئی۔ اب تم خود اپنے کو جتنا نقصان پہنچانا چاہتے ہو قریش اس سے زیادہ تم کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ تم اپنے بیٹوں اور بھائیوں سے لڑنا چاہتے ہو!'' وہ لوگ آپ ﷺ کی یہ بات سن کر جنگ کے ارادے سے باز آگئے، اور منتشر ہوگئے (ابوداؤد حدیث ۳۰۰۴ کتاب الخراج باب خبر بنی النضیر)

جب کفار مکہ کو ان کے خط کا جواب نہ ملا تو ان کا پارہ چڑھ گیا اور اس بات کو انھوں نے اپنی توہین کے مترادف سمجھا۔ اور طے کردیا کہ اب پوری تیاری کے ساتھ مدینہ پر حملہ کرنا ہے۔ بلکہ قریش نے مسلمانوں کو کہلا بھیجا کہ تم دھوکہ میں نہ رہنا کہ ہم مکہ سے صاف بچ کر نکل گئے۔ ہم یثرب (مدینہ) ہی پہنچ کر تمہارا ستیاناس کردیں گے (رحمۃ للعالمین ۱:۱۱۶)

پھر مکہ والوں نے زور وشور سے جنگی تیاری شروع کردی۔ اور ہتھیاروں کی فراہمی کے لئے ایک قافلہ ملکِ شام روانہ کیا۔ اس قافلہ پر لیبل اگرچہ عِیْر (تجارتی قافلہ) کا لگا ہوا تھا، مگر درحقیقت وہ ہتھیار خریدنے کے لئے جارہا تھا۔ اس قافلہ کو جاتے ہوئے بھی مسلمانوں نے روکنے کی کوشش کی تھی مگر وہ بچ کر نکل گیا تھا۔ پھر اس نے شام میں ہتھیاروں کی جو خریداری کی تھی اس کا حال بھی نبی ﷺ کو معلوم ہوتا رہتا تھا۔ چنانچہ جب وہ قافلہ واپس لوٹا تو ضروری ہوا کہ اس کا راستہ روکا جائے۔ کیونکہ اگر یہ ہتھیار مکہ پہنچ گئے تو مسلمانوں کے لئے موت کا پیغام ثابت ہونگے۔ چنانچہ نبی ﷺ تین سو تیرہ صحابہ کے ساتھ اس قافلہ کی مزاحمت کے لئے نکلے، مگر قافلہ پھر بھی بچ کر نکل گیا، اور اس کو بچانے کے لئے جو ایک ہزار مردانِ جنگی مکہ سے نکلے تھے ان سے بدر مقام میں مڈبھیڑ ہوگئی، اور جنگ بدر کا واقعہ پیش آیا۔

اس تفصیل سے یہ بات عیاں ہے کہ کفار نے جنگ کا پورا منصوبہ بنالیا تھا، وہ مدینہ پر چڑھائی کی پوری تیاری کرچکے تھے، ایسے پرخطر حالات میں جو مسلمانوں کے وجود کے لئے چیلنج تھے ضروری ہوگیا تھا کہ مسلمانوں کو مقابلہ

کرنے کی اجازت دی جائے۔

اور اگر کوئی خیال کرے کہ مسلمان تو مٹھی بھر ہیں، مشکل سے ان کی تعداد ایک ہزار ہوگی، اور وہ نہتے بھی ہیں۔ وہ مکہ والوں سے کس طرح لوہا لیں گے؟ اس کا جواب دیا جا رہا ہے —— اور بیشک اللہ تعالیٰ ان کی نصرت پر پوری طرح قادر ہیں —— یعنی ان کی تعداد کی کمی اور ظاہری بے سروسامانی کے باوجود اللہ تعالیٰ ان کو کامیاب کریں گے۔ ایسا بارہا ہوا ہے کہ چھوٹی جماعت اللہ کے حکم سے بڑی جماعت پر غالب آئی ہے۔ پس مسلمان اللہ کی مدد پر نظر رکھیں، جی نہ چھوڑیں وہ ضرور منصور ہونگے۔

اس کے بعد مسلمانوں کی مظلومیت کا بیان ہے —— یہ وہ لوگ ہیں جو بلاوجہ اپنے گھروں سے نکالے گئے، اگر کوئی وجہ ہوسکتی ہے تو یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں: ''ہمارا پروردگار اللہ ہے!'' —— ظاہر ہے کہ یہ کوئی گناہ نہیں یہ تو خوبی کی بات ہے —— مسلمانوں کا مکہ میں کوئی جرم نہیں تھا۔ نہ وہ چوریاں کرتے تھے، نہ ڈاکے ڈالتے تھے نہ کسی کو ستاتے تھے نہ دنگا فساد کرتے تھے، اگر ان کا جرم تھا تو بس یہ تھا کہ وہ صرف خدا کو مانتے ہیں، ڈھکوسلوں کو نہیں مانتے۔ اس کی ان کو یہ سزا ملی کہ وہ گھر سے بے گھر کئے گئے، بے یار و مددگار ہو کر وطن کو خیرباد کہنا پڑا۔ سوچو! اس سے بڑا ظلم کیا ہوسکتا ہے؟ اب بھی ان کو مقابلہ کی اجازت نہ دی جائے تو کب دی جائے گی؟!

جہاد کی حکمت: —— اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ ہٹایا نہ کرتے تو ڈھادی جاتیں خانقاہیں اور گرجے اور عبادت خانے اور وہ مسجدیں جن میں بکثرت اللہ کا نام لیا جاتا ہے —— یعنی سنت اللہ ہمیشہ سے یہ جاری ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالموں، سرکشوں اور زبردستوں کا زور اہلِ حق کے ذریعہ توڑتے ہیں، تاکہ اللہ کے دین کو دنیا میں قدم جمانے اور پھلنے پھولنے کا موقع ملے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی یہ سنت نہ ہوتی تو موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں یہودیوں کی عبادت گاہیں، عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں عیسائیوں کے گرجے اور خلوت خانے اور اسلام کے دور میں مسجدیں وجود میں نہ آتیں اور آتیں تو دشمنانِ اسلام ان کو ڈھادیتے۔ جہاد کی مشروعیت کی یہی وجہ ہے۔

جہاد کی مشروعیت اقامتِ دین کے لئے ہے۔ اور گذشتہ تمام انبیاء علیہم السلام کے زمانوں میں جہاد مشروع رہا ہے۔ سورۃ المائدہ (آیات ۲۰ تا ۲۹) میں اس جہاد کی فرضیت کا تذکرہ ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بنی اسرائیل پر عائد کی گئی تھی اور جس کی ادائیگی سے انھوں نے منہ موڑا تھا اور اس کی بھیانک سزا پائی تھی۔ اور سورۃ البقرہ (آیات ۲۴۶ تا ۲۵۱) میں طالوت کی جالوت کے ساتھ جنگ کا ذکر ہے۔ اور وہاں بھی اللہ کی یہ سنت بیان کی گئی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ نہ ہٹائیں تو زمین تباہ ہوجائے۔ اور سورۃ الصّف کی آخری آیت میں عیسیٰ علیہ

السلام پر ایمان لانے والے تین سوتیس صحابہ کے جہاد کا تذکرہ ہے۔ جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے دینِ عیسوی کو منصور کیا۔ اسی طرح بدر میں تین سو تیرہ صحابہ کی جانبازی سے اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو سربلند کیا۔

فائدہ: مساجد کی یہ صفت لائی گئی ہے کہ ان میں اللہ کا ذکر بہت زیادہ کیا جاتا ہے۔ اس میں دو باتوں کی طرف اشارہ ہے: ایک: اس میں مساجد کی دوسری عبادت گاہوں پر برتری کی طرف اشارہ ہے۔ اور یہ برتری ذکر اللہ کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ اللہ کی عبادت کے لئے جو بھی گھر ہے، وہ اگر ذکر اللہ سے آباد ہے تو وہ مقصد کی تکمیل کرتا ہے، ورنہ وہ ویران خانہ ہے۔ دوسری بات: اس میں یہ تنبیہ ہے کہ جس طرح اہل کتاب نے اپنی عبادت گاہوں کو ویران کردیا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ مساجد کو ویران نہ کریں، ان کو ذکر اللہ سے اور دینی کاموں سے آباد رکھیں۔ مگر افسوس! آج مساجد کی صورتِ حال بھی کچھ اچھی نہیں۔ مساجد وقتی طور پر کھلتی ہیں، باقی وقت میں وہاں کوئی اللہ کا نام لینے والا نہیں ہوتا۔ مساجد عالی شان ہوتی ہے مگر اعمال سے ویران ہوتی ہیں۔ حالانکہ مساجد وہ پاور ہاؤس ہیں جہاں ایمان کی روشنی پیدا ہوتی ہے۔ اور جن گھروں کے تار مسجد سے جڑے ہوئے ہیں وہاں روشنی سپلائی ہوتی ہے۔ اور وہ مشینیں جو روشنی پیدا کرتی ہیں وہ ذاکرین کی جماعت ہے۔ یہ مضمون تفصیل سے سورۃ النور میں آئے گا۔

اس کے بعد مجاہدین کی نصرت کا وعدہ ہے ——— اور اللہ تعالیٰ ضرور مدد کریں گے اس کی جو اللہ کے دین کی مدد کرتا ہے ——— یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے، اور قرآن کریم میں اس کا بار بار اعادہ کیا گیا ہے۔ سورۃ محمد (ﷺ) میں ہے: ﴿ يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِنْ تَنْصُرُوْا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ، وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ﴾ ترجمہ: اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا، اور تمہارے قدم جمادے گا۔ جو بندے کفن پہن کر اور ہتھیلی پر جان رکھ کر اللہ کے راستے میں نکلتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی ضرور مدد کرتے ہیں ——— بیشک اللہ تعالیٰ قوت والے غلبہ والے ہیں ——— یعنی قوت وغلبہ کا آخری سرا انہی کے پاس ہے، اور ان کا ارادہ ہر مادی سامان اور ہر ظاہری تدبیر سے بالاتر ہے۔

اسلامی حکومت کا منشور: جہاد کی برکت سے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو حکومت واقتدار عطا فرمائیں تو اسلامی حکومت کا کیا کام ہوگا؟ ارشاد ہے: ——— یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین میں اقتدار عطا فرمائیں تو وہ نماز کا اہتمام کریں، اور زکوۃ ادا کریں، اور نیک کاموں کا حکم دیں، اور برے کاموں سے روکیں ——— یعنی اگر سچے مسلمانوں کی حکومت قائم ہوجائے تو مسجدیں آباد اور پُر رونق ہوجائیں۔ زکوۃ کی ادائیگی عام ہوجائے، اور اس کی تقسیم کا ایسا نظام بن جائے کہ کوئی ننگا بھوکا نہ رہ جائے۔ نیک کاموں کا چلن ہوجائے، اور تمام برائیاں دم توڑ دیں۔ اور دنیا جنت کا نمونہ بن جائے۔ سوچو! ایسے بندوں کی اللہ تعالیٰ مدد کیوں نہ کریں گے؟! ——— اور سب کاموں کا انجام اللہ

تعالیٰ کے لئے ہے ــــ یعنی مسلمان گو آج مغلوب اور کافر غالب نظر آرہے ہیں، مگر اللہ کی قدرت میں ہے کہ وہ پانسا پلٹ دیں اور مسلمانوں کو منصور و غالب کردیں۔

فائدہ: یہ آیت اس وقت نازل ہوئی ہے جب مسلمانوں کو حکومت واقتدار حاصل نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی یہ خبر دی ہے کہ جب ان کو حکومت ملے گی تو وہ یہ اور یہ کام کریں گے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ثَنَاءٌ قَبْلَ بَلَاءٍ یعنی یہ عمل کے وجود میں آنے سے پہلے عمل کرنے والوں کی تعریف ہے۔ پس اس آیت میں خلفائے راشدین کی بڑی منقبت ہے، کیونکہ ان کا دور حکومت اس آیت کی سچی تصویر تھا۔

اسلامی نظام حکومت عالم کے لئے رحمت ہے، مگر مجرم لوگ انجانے اندیشوں کی وجہ سے اس کو پسند نہیں کرتے۔

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ ﴿٤٢﴾ وَقَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ ﴿٤٣﴾ وَّاَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ وَكُذِّبَ مُوْسٰى فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿٤٤﴾ فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ﴿٤٥﴾ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَا اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ﴿٤٦﴾ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ۭ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿٤٧﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿٤٨﴾ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٤٩﴾ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿٥٠﴾ وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿٥١﴾

ع ۱۳ / ۶

وَاِنْ	اور اگر	لِلْكٰفِرِيْنَ	منکروں کو	وَبِئْرٍ (۷)	اور کنویں
يُّكَذِّبُوْكَ	جھٹلاتے ہیں وہ آپ کو	ثُمَّ	پھر	مُّعَطَّلَةٍ	بیکار پڑے ہوئے
فَقَدْ	تو یقیناً	اَخَذْتُهُمْ	پکڑا میں نے ان کو	وَّقَصْرٍ	اور محل
كَذَّبَتْ (۱)	جھٹلایا	فَكَيْفَ	پس کیسا	مَّشِيْدٍ (۸)	مضبوط بنائے ہوئے
قَبْلَهُمْ	ان سے پہلے	كَانَ	تھا	اَفَلَمْ	کیا تو نہیں
قَوْمُ نُوْحٍ	قوم نوحؑ نے	نَكِيْرِ (۳)	میرا انکار	يَسِيْرُوْا	چلے وہ
وَّعَادٌ	اور عاد نے	فَكَاَيِّنْ (۴)	پس کتنی ہی	فِي الْاَرْضِ	زمین میں
وَّثَمُوْدُ	اور ثمود نے	مِّنْ قَرْيَةٍ	بستیاں	فَتَكُوْنَ	پس ہوتے
وَقَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ	اور قوم ابراہیم نے	اَهْلَكْنٰهَا	ہلاک کیا ہم نے ان کو	لَهُمْ	ان کے لئے
وَقَوْمُ لُوْطٍ	اور قوم لوط نے	وَهِيَ	درانحالیکہ وہ	قُلُوْبٌ	دل
وَّاَصْحٰبُ مَدْيَنَ	اور مدین والوں نے	ظَالِمَةٌ	ظالم تھیں	يَّعْقِلُوْنَ	سمجھتے وہ
وَكُذِّبَ	اور جھٹلائے گئے	فَهِيَ	پس وہ	بِهَآ	ان سے
مُوْسٰى	موسیٰ	خَاوِيَةٌ (۵)	گرنے والی ہیں	اَوْ	یا
فَاَمْلَيْتُ (۲)	پس مہلت دی میں نے	عَلٰى عُرُوْشِهَا (۶)	اپنی چھتوں پر	اٰذَانٌ	کان

(۱) قوم: اسم جمع مذکر ومؤنث ہے اس لئے فعل مؤنث آیا ہے۔ (۲) أَمْلٰى إِمْلَاءً: مہلت دینا، ڈھیل دینا، لمبی امیدیں دلانا۔ (۳) نکیر: بروزن فعیل: مصدر غیر قیاسی بمعنی انکار ہے۔ اس کی اصل نکیری ہے، یاء حذف کرکے راء کا کسرہ بطور علامت باقی رکھا گیا ہے۔ نکیر کے مفہوم میں دو باتیں شامل ہیں: ایک: کسی کی بری روش پر ناخوشی کا اظہار کرنا۔ دوسری: اس کو ایسی سزا دینا کہ حالت دگرگوں ہو جائے، حلیہ بگڑ جائے اور کوئی پہچان نہ سکے کہ یہ وہی شخص ہے۔ (۴) کأین: اصل میں كَأَيٍّ ہے۔ قرآنی املاء میں تنوین کو بصورت نون لکھا گیا ہے۔ کأین: ہمیشہ مبہم کثیر تعداد پر دلالت کرتا ہے۔ اور ابہام کو دور کرنے کے لئے اس کے بعد تمیز مِنْ کے ساتھ لائی جاتی ہے، جیسے: ﴿ كَأَيِّنْ مِنْ نَبِيٍّ قَاتَلَ مَعَهُ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ﴾ (۵) خاوية: اسم فاعل۔ خَوَى المكانُ (ض) خَوَاءً: کسی جگہ کا اپنے مکینوں سے خالی ہونا، مکان کا گر پڑنا، ڈھہ جانا۔ (۶) عروش: عَرْشٌ کی جمع۔ عَرْشُ البيت: گھر کی چھت نیز بیل کے چھانے کے لئے جو چھتری اور ٹٹی کھڑی کی جاتی ہے وہ بھی عرش کہلاتی ہے۔ اور بادشاہ کے بیٹھنے کی جگہ کو بھی اسی اعتبار سے عرش کہتے ہیں کہ وہ بلند چھتری دار ہوتی ہے۔ (۷) بئر: کا عطف قرية پر ہے۔ (۸) مَشِيْد: اسم مفعول، شاد البناءَ (ض) شَيْدًا: چونے سے پلاستر کرنا، پختہ بلند عمارت بنانا۔

يَّسۡمَعُوۡنَ	سنتے وہ	عِنۡدَ رَبِّكَ	آپ کے رب کے پاس	اَنَا	میں
بِهَا	ان سے	كَاَلۡفِ	مانند ہزار	لَكُمۡ	تمہارے لئے
فَاِنَّهَا[1]	پس بیشک واقعہ یہ ہے:	سَنَةٍ	سال کے ہے	نَذِيۡرٌ	ڈرانے والا ہوں
لَا تَعۡمَى	نہیں اندھی ہوتیں	مِّمَّا	ان سے جو	مُّبِيۡنٌ	آشکارا
الۡاَبۡصَارُ	آنکھیں	تَعُدُّوۡنَ	شمار کرتے ہو تم	فَالَّذِيۡنَ	پس جو لوگ
وَلٰـكِنۡ	بلکہ	وَكَاَيِّنۡ	اور کتنی ہی	اٰمَنُوۡا	ایمان لائے
تَعۡمَى	اندھے ہوتے ہیں	مِّنۡ قَرۡيَةٍ	بستیاں	وَعَمِلُوا	اور کئے انھوں نے
الۡقُلُوۡبُ	دل	اَمۡلَيۡتُ	ڈھیل دی میں نے	الصّٰلِحٰتِ	نیک کام
الَّتِىۡ	جو	لَهَا	ان کو	لَهُمۡ	ان کے لئے
فِى الصُّدُوۡرِ	سینوں میں ہیں	وَهِىَ	درانحالیکہ وہ	مَّغۡفِرَةٌ	بخشش
وَيَسۡتَعۡجِلُوۡنَكَ	اور جلدی مچاتے ہیں	ظَالِمَةٌ	ظالم تھیں	وَّرِزۡقٌ	اور روزی ہے
	وہ آپؐ سے	ثُمَّ	پھر	كَرِيۡمٌ	باعزت
بِالۡعَذَابِ	عذاب کے بارے میں	اَخَذۡتُهَا	پکڑا میں نے ان کو	وَالَّذِيۡنَ	اور جو لوگ
وَلَنۡ[2]	اور ہرگز نہیں	وَاِلَىَّ	اور میری طرف	سَعَوۡا	کوشش کرتے ہیں
يُّخۡلِفَ	خلاف کریں گے	الۡمَصِيۡرُ	لوٹنا ہے	فِىۡۤ اٰيٰتِنَا	ہماری آیتوں میں
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	قُلۡ	آپ کہہ دیں	مُعٰجِزِيۡنَ[3]	ہرانے کو
وَعۡدَهٗ	اپنے وعدے کے	يٰۤاَيُّهَا	اے	اُولٰٓئِكَ	یہ لوگ
وَاِنَّ	اور بیشک	النَّاسُ	لوگو	اَصۡحٰبُ	اصحاب
يَوۡمًا	ایک دن	اِنَّمَاۤ	بس	الۡجَحِيۡمِ	دوزخ ہیں

تیسری بات: نبیوں کے انکار کا سلسلہ بھی ہمیشہ سے جاری ہے ـــــ جس طرح قربانی ہر ملت میں رہی ہے، اور اب ملتِ اسلامیہ کے ذریعہ تا قیام قیامت جاری رہے گی۔ اور جس طرح جہاد ہر مذہب میں فرض رہا ہے۔ اور اب

(۱) **فإنها:** میں ضمیر قصہ ہے، اس کا مرجع کچھ نہیں۔ اور إن کا اسم ہے اور جملہ **لا تعمی** خبر ہے۔ (۲) **ولن:** جملہ حالیہ ہے۔
(۳) **مُعَاجِزٌ:** اسم فاعل، مصدر مُعَاجَزَۃ: مقابلہ کر کے اپنے حریف کو ہرا دینا، عاجز کر دینا۔

اسلام نے اس کو قیامت تک کے لئے فرض کر دیا ہے۔اسی طرح ایک تیسری حقیقت بھی ہے جو ہمیشہ سے ہمیشہ تک جاری ہے۔اور وہ ہے نبیوں کا انکار، اللہ کی دعوت کو ٹھکرانا اور دنیا وآخرت میں اس کے وبال سے دوچار ہونا۔اِن آیاتِ پاک میں اسی کا بیان ہے۔کفار مکہ نے نبی ﷺ کا انکار کیا۔آپ نے اللہ کی طرف سے جو دعوت پیش کی اس کو نہ صرف نظر انداز کیا، بلکہ اس پودے کو جڑ سے اکھاڑ دینے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔اس لئے اب وہ اپنی حرکتوں کا خمیازہ بھگتیں گے، جہاد شروع ہو گیا ہے، اب ان کی شامت آنے والی ہے۔وہ جلد صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹا دیئے جائیں گے۔ارشاد ہے: —— اور اگر یہ لوگ آپؐ کو جھٹلاتے ہیں تو ان سے پہلے قوم نوح اور عاد اور ثمود اور قوم ابراہیم اور قوم لوط اور مدین والے جھٹلا چکے ہیں، اور موسیٰ بھی جھٹلائے گئے —— پس یہ کوئی نئی اور انوکھی بات نہیں۔سارے پیمبروں کے ساتھ یہی معاملہ ان کی اقوام کی طرف سے پیش آتا رہا ہے —— پس میں نے (اول) کافروں کو مہلت دی، پھر ان کو پکڑ لیا، پس کیسی رہی میری عقوبت! —— بڑی سخت تھی اللہ کی گرفت۔عذاب نے ان کا حلیہ بگاڑ دیا، وہ صفحۂ ہستی سے نابود کر دیئے گئے اور قصۂ پارینہ بن کر رہ گئے۔

تکذیب انبیاء کا انجام: —— پس کتنی ہی بستیاں ہیں جو نافرمان تھیں، ہم نے ان کو تباہ کر دیا، اب وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی ہیں، اور کتنے ہی ویران کنویں اور گچ کاری کے محل! —— یعنی ان کے ٹوٹے ہوئے مکانات، اجڑے ہوئے کنوئیں اور ڈھیے ہوئے عالیشان محلات ان کی مرثیہ خوانی کر رہے ہیں —— تو کیا وہ لوگ (مکہ والے) زمین میں چلے پھرے نہیں کہ ان کے لئے ایسے دل ہوتے جن سے وہ سمجھتے، یا ایسے کان ہوتے جن سے وہ سنتے! —— یعنی گذشتہ تباہ شدہ اقوام کے حالات کا مشاہدہ انسان کو عقل وبصیرت عطا کرتا ہے۔بشرطیکہ وہ ان حالات کو محض تاریخی حیثیت سے نہ دیکھے، بلکہ چشمِ عبرت سے دیکھے —— پس بیشک واقعہ یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں —— یعنی وہ لوگ خوب چلے پھرے ہیں۔وہ اپنے شام کے تجارتی سفروں میں دیارِ عاد وثمود سے گذرے ہیں۔انھوں نے مدین والوں اور قوم لوط کی تباہی بھی سر کی آنکھوں سے دیکھی ہے۔مگر کیا حاصل؟ جب تک دل کی آنکھوں سے نہ دیکھیں عبرت کیسے حاصل ہو؟ اور دل کی آنکھوں سے وہ دیکھ نہیں سکتے، کیونکہ ان کے دل اندھے ہو گئے ہیں۔اس لئے سب کچھ دیکھ کر بھی ان کو کچھ نظر نہیں آیا۔

جلدی مچانے والوں کو جواب: —— اور وہ لوگ (مکہ والے) آپؐ سے عذاب کی جلدی مچا رہے ہیں —— کہتے ہیں کہ اگر تم سچے نبی ہو تو وہ عذاب کیوں نہیں لے آتے جو برحق نبی کے جھٹلانے پر آتا ہے، اور جس کی دھمکی تم بار بار ہمیں دے چکے ہو —— حالانکہ اللہ تعالیٰ کبھی اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتے —— یعنی عذاب

اپنے وقت پر ضرور آتا ہے۔ اللہ کا وعدہ کبھی جھوٹا نہیں ہوسکتا ـــــ اور بیشک آپ کے پروردگار کے پاس کا ایک دن ہزار سال کے مانند ہے ان دنوں سے جن کو تم شمار کرتے ہو ـــــ یعنی تمہاری گھڑیوں اور جنتریوں کے لحاظ سے ـــــ وقت ربڑ کی مثال ہے، کھینچو تو دراز اور چھوڑ دو تو ذرا سا! اسی طرح وقت (ٹائم) اس دنیا میں دراز کر دیا گیا ہے۔ یہاں کے ہزار سال اللہ کے یہاں کے ایک دن کے برابر ہیں۔ انسان اپنے ماضی اور مستقبل کے بارے میں سوچے تو یہ بات عیاں ہوجائے گی۔ آدمی کو گذری ہوئی زندگی کتنی مختصر معلوم ہوتی ہے اور باقی زندگی کتنی دراز؟ اس کی وجہ یہی ہے کہ گذری ہوئی زندگی سمٹا ہوا ربڑ ہے اور باقی زندگی کھچا ہوا ربڑ ہے۔ پس اگر کسی قوم کو ہزار سال کی مہلت ملی ہے تو وہ اللہ کے حساب میں صرف ایک دن کی مہلت ہے۔ اور مکہ والوں سے عذاب کا وعدہ کئے ابھی تیرہ سال گذرے ہیں۔ اللہ کے یہاں یہ مدت کس شمار میں ہے؟ چند لمحوں سے زیادہ نہیں۔ پس یہ نہ کہو کہ دھمکی دیئے ہوئے عرصہ بیت گیا! ابھی چند لمحات ہی گذرے ہیں کہ تمہاری ہلاکت کا وقت آ گیا ہے ـــــ اور کتنی ہی بستیاں ہیں جو نافرمان تھیں، میں نے ان کو ڈھیل دی، پھر میں نے ان کو پکڑا، اور میری ہی طرف لوٹنا ہے ـــــ یعنی ڈھیل دینے سے کیا وہ لوگ کہیں بھاگ گئے؟ سب لوٹ کر ہمارے ہی پاس آ گئے، اسی طرح تمہیں بھی چند لمحوں کی مہلت ملی ہے، تم بھی ہماری گرفت سے بچ نہیں سکتے۔ تمہیں بھی ایک نہ ایک دن ہماری طرف لوٹنا ہے۔

آخر میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ عذاب نبی کے اختیار میں نہیں ہوتا اس کا کام صرف چوکنا کرنا ہے۔ ارشاد ہے: ـــــ آپ کہہ دیں: اے لوگو! میں تم کو صاف صاف ڈرانے والا ہی ہوں ـــــ یعنی اس سے زیادہ میرا کوئی اختیار نہیں۔ پس اگر میں تمہاری فرمائش کے مطابق عذاب نہ لاسکوں تو اُس سے عذاب کی خبر کا جھوٹا ہونا لازم نہیں آتا۔ میں نے بہر حال سچی خبر دی ہے۔ تم کو اس پر کان دھرنا چاہئے اور اپنا حال درست کرنا چاہئے ـــــ پس جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کئے ان کے لئے مغفرت اور عزت کی روزی ہے ـــــ عزت کی روزی سے مراد یا تو عمدہ روزی ہے یعنی جنت میں عمدہ میوے اور پھل ملیں گے، انواع واقسام کی نعمتیں ملیں گی اور اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا۔ یا مراد یہ ہے کہ عزت کے ساتھ کھلایا جائے گا، فقیر کی طرح ٹکڑا ہاتھ میں رکھ نہیں دیا جائے گا ـــــ اور جو لوگ ہماری باتوں کو ہرانے کے درپے ہیں وہی لوگ دوزخی ہیں! ـــــ یعنی جو لوگ نبی اور اہل ایمان کو ہرانے کی دوڑ دھوپ میں لگے رہتے ہیں وہی جہنم کا ایندھن بننے والے ہیں۔

آیات کا خلاصہ: کسی قوم کا اپنے پیغمبر کی تکذیب کرنا کوئی انوکھا واقعہ نہیں، ہمیشہ سے ایسا ہوتا رہا ہے۔ مگر اس تکذیب کا انجام آنکھوں کے سامنے ہے۔ تباہ شدہ قوموں کے کھنڈرات موجود ہیں، اس سے کوئی سبق لینا چاہے تو لے

سکتا ہے۔رہی یہ بات کہ تکذیب کرتے ہی عذاب کیوں نہیں آجاتا؟ تو بات یہ ہے کہ یہ کب کہا گیا ہے کہ عذاب پھٹ سے آجائے گا اور نبی نے یہ کب کہا ہے کہ عذاب لانا اس کے اختیار میں ہے۔اس کا فیصلہ تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ پہلے بھی قوموں کو مہلت دیتے رہے ہیں۔اور مہلت کا زمانہ صدیوں تک دراز بھی ہوسکتا ہے۔عذاب میں تاخیر اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ خالی دھمکی ہے۔عذاب ضرور آئے گا۔دنیا میں بھی آسکتا ہے، ورنہ آخرت کا عذاب تو یقینی ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۲﴾ لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾ وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۴﴾ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ﴿۵۵﴾ اَلْمُلْكُ يَوْمَىِٕذٍ لِّلّٰهِ ۭ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۵۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۵۷﴾ ع ۹/۱۴

وَمَآ	اور نہیں	اِلَّآ	مگر	فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ (۳)	اس کی آرزو میں
اَرْسَلْنَا	بھیجا ہم نے	اِذَا	جب	فَيَنْسَخُ (۴)	پس ہٹا دیتے ہیں
مِنْ قَبْلِكَ	آپؐ سے پہلے	تَمَنّٰٓى (۲)	تمنا کی اس نے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
مِنْ رَّسُوْلٍ (۱)	کوئی رسول	اَلْقَى	(تو رخنہ) ڈالا	مَا (۵)	اس (روک) کو جو
وَّلَا نَبِيٍّ	اور نہ کوئی نبی	الشَّيْطٰنُ	شیطان نے	يُلْقِي	ڈالتا ہے

(۱) من: زائدہ استغراق جنس کے لئے ہے۔(۲) تَمَنَّى الشيئَ: آرزو کرنا، تمنا کرنا، خواہش مند ہونا۔(۳) أُمنية: تمنا، آرزو، جمع أَمَانِيُّ۔(۴) نسخ الشيئَ: (ف) نَسْخًا: ختم کرنا، زائل کرنا۔(۵) ما: مفعول بہ ہے ينسخ کا۔

الشَّيْطٰنُ	شیطان	بَعِيْدٍ	دور کے	وَلَا يَزَالُ	اور برابر رہیں گے
ثُمَّ	پھر	وَّلِيَعْلَمَ	اور تاکہ جان لیں	الَّذِيْنَ	وہ لوگ جنھوں نے
يُحْكِمُ	مضبوط کرتے ہیں	الَّذِيْنَ	وہ لوگ جو	كَفَرُوْا	انکار کیا
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	اُوْتُوا	دیئے گئے	فِيْ مِرْيَةٍ	شک میں
اٰيٰتِهٖ	اپنی آیتیں	الْعِلْمَ	علم	مِّنْهُ	اس سے
وَ اللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	اَنَّهُ	کہ وہ	حَتّٰى	یہاں تک کہ
عَلِيْمٌ	خوب جاننے والے	الْحَقُّ	برحق ہے	تَاْتِيَهُمُ	آئے ان کے پاس
حَكِيْمٌ	حکمت والے ہیں	مِنْ رَّبِّكَ	آپؐ کے رب کی	السَّاعَةُ	قیامت
لِيَجْعَلَ	تاکہ بنائیں اللہ		طرف سے	بَغْتَةً	اچانک
مَا	اس (روک) کو جو	فَيُؤْمِنُوْا	پس ایمان لے آئیں وہ	اَوْ	یا
يُلْقِي	ڈالتا ہے	بِهٖ	اس پر	يَاْتِيَهُمْ	آئے ان کے پاس
الشَّيْطٰنُ	شیطان	فَتُخْبِتَ[2]	پس جھک جائیں	عَذَابُ	عذاب
فِتْنَةً	آزمائش	لَهٗ	اس کے لئے	يَوْمٍ عَقِيْمٍ[3]	بے برکت دن کا
لِّلَّذِيْنَ	ان کے لئے	قُلُوْبُهُمْ	ان کے دل	اَلْمُلْكُ	بادشاہی
فِيْ قُلُوْبِهِمْ	جن کے دلوں میں	وَاِنَّ	اور بیشک	يَوْمَىِٕذٍ	اس دن
مَّرَضٌ	روگ ہے	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ	لِّلّٰهِ	اللہ کے لئے ہے
وَّ الْقَاسِيَةِ[1]	اور سخت ہونیوالے ہیں	لَهَادِ	البتہ راہ نمائی کرتے ہیں	يَحْكُمُ	فیصلہ فرمائیں گے
قُلُوْبُهُمْ	جن کے دل	الَّذِيْنَ	ان لوگوں کی جو	بَيْنَهُمْ	ان کے درمیان
وَاِنَّ	اور بیشک	اٰمَنُوْٓا	ایمان لائے	فَالَّذِيْنَ	پس جولوگ
الظّٰلِمِيْنَ	ظالم لوگ	اِلٰى صِرَاطٍ	راستے کی طرف	اٰمَنُوْا	ایمان لائے
لَفِيْ شِقَاقٍ	البتہ اختلاف میں ہیں	مُّسْتَقِيْمٍ	سیدھے	وَ عَمِلُوْا	اور کئے انھوں نے

(۱) **القاسیۃ** کا عطف **الذین** پر ہے اور **قلوبھم** اس کا فاعل ہے۔(۲) **تخبت**: از إخبات: نیاز مند ہونا، جھک جانا۔اس کی ضد استکبار ہے۔(۳) **عَقِيْم**: بانجھ، بے فائدہ، بے برکت۔

الصّٰلِحٰتِ	نیک کام	كَفَرُوْا	انکار کیا	لَهُمْ	ان کے لئے
فِيْ جَنّٰتِ	باغات میں ہونگے	وَكَذَّبُوْا	اور جھٹلائیں انھوں نے	عَذَابٌ	عذاب ہے
النَّعِيْمِ	نعمتوں کے	بِاٰيٰتِنَا	ہماری آیتیں	مُّهِيْنٌ	رسوا کرنے والا
وَالَّذِيْنَ	اور جن لوگوں نے	فَاُولٰٓئِكَ	پس یہ لوگ	۞	۞

چوتھی بات: ایسے واقعات پیش آتے رہتے ہیں جن کے ذریعہ شیطان اسلام کے خلاف محاذ بناتا ہے ——— گذشتہ آیات میں آپ نے پڑھا کہ تین باتیں ہمیشہ سے رہی ہیں۔قربانی کا حکم ہمیشہ سے رہا ہے۔ جہاد کا حکم بھی ہر شریعت میں رہا ہے۔اور حق کے انکار کا سلسلہ بھی ہمیشہ سے جاری ہے۔اور اس کے نتیجہ میں کفار کی تباہی بھی اللہ تعالیٰ کی سنتِ مستمرہ ہے۔اسی طرح ایک چوتھی بات ہے، وہ بھی ہمیشہ سے جاری ہے۔اور وہ ''واقعات کی رفتار'' ہے۔ یہ بات بھی انبیاء علیہم السلام کے اختیار میں نہیں۔انبیاء کی تاریخ میں ایسے واقعات ہمیشہ پیش آتے رہے ہیں جن کے ذریعہ اہل ایمان کی آزمائش کی جاتی ہے۔تمام رسولوں اور نبیوں کے ساتھ اس قسم کے معاملات پیش آئے ہیں کہ جب بھی دین کی ترقی کے آثار پیدا ہوتے ہیں، اور اللہ کے رسول امید باندھتے ہیں کہ اب ظہور اسلام کا وقت قریب آ گیا ہے تو اچانک شیطان رنگ میں بھنگ ڈالتا ہے۔اور کوئی ایسا واقعہ پیش آ جاتا ہے جو لوگوں کو شک میں مبتلا کر دیتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی مدد فرمائی۔فرعون سے نجات عطا فرمائی۔ جب بنی اسرائیل فرعون کی بالا دستی سے آزاد ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے تورات عطا فرمانے کا وعدہ کیا، اور سب کو طور پر بلایا۔مگر اچانک سامری نے سوانگ بھرا اور گوسالہ پرستی کا سلسلہ شروع کر دیا، اور تھوڑی دیر کے لئے موسیٰ علیہ السلام کی محنت پر پانی پھیر دیا۔

اسی طرح جنگ بدر کے بعد جنگِ اُحد میں جو صورتِ حال پیش آئی وہ بھی لوگوں کے لئے تشویش کا باعث بن گئی۔ جنگِ بدر میں تین سو تیرہ نہتّے مسلمانوں نے چشم زدن میں کفار کے لشکر کا صفایا کر دیا تھا۔ستّر کو موت کی گھاٹ اتار دیا تھا، اور ستّر ہی کو پابہ زنجیر مدینہ لے آئے تھے، جن سے فدیہ میں بڑی رقم حاصل ہوئی تھی۔مگر ٹھیک ایک سال کے بعد جنگِ احد پیش آئی۔اس وقت مسلمانوں کی جمعیت بھی زیادہ تھی، اور نسبۃً ساز و سامان بھی زیادہ تھا۔اور کفار کا لشکر بدر کی طرح ایک ہزار ہی تھا۔اس موقعہ پر اللہ کے نبی کس قدر پر امید ہونگے اس کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔اگر جنگ احد میں بھی وہی نقشہ دنیا کے سامنے آتا جو بدر میں آیا تھا تو اسلام کی اشاعت کے لئے کتنی کشادہ راہ کھل جاتی۔ مگر اچانک جنگ کے خاتمہ پر تیر اندازوں کے جگہ چھوڑ دینے کی وجہ سے پانسہ پلٹ گیا۔اور فتح شکست میں بدل گئی۔ ستّر جانباز صحابہ شہید ہو گئے، اور جو زندہ بچے وہ بشمول نبی ﷺ سب زخمی تھے۔ یہ صورتِ حال ایک آزمائش تھی،

لوگ کہنے لگے کہ جنگی معرکے بس کنویں کے ڈول کی طرح ہیں۔ کبھی ایک فتح مند ہوتا ہے تو کبھی دوسرا۔ حق وصداقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ یہ شیطان نے رنگ میں بھنگ ڈالا۔ اور اشاعتِ اسلام کی راہ میں رکاوٹ کھڑی کردی۔ سورۂ آل عمران میں اس کی حکمتوں پر مفصل کلام کیا گیا ہے۔

اور اس کی یہی ایک مثال نہیں ہے۔ مکی زندگی میں اس کی مثال معراج کا واقعہ ہے۔ جب دعوت کا رنگ آیا کہ یہ واقعہ پیش آیا۔ جس نے کھروں کو اور نکھار دیا اور وہ صدیق بن گئے اور مذبذب پیچھے ہٹ گئے —— اور مدنی زندگی میں ایسے کم از کم دس واقعات پیش آئے ہیں جن سے تھوڑی دیر کے لئے حرکتِ اسلامی متاثر ہوئی ہے۔ مگر جلد ہی اللہ تعالیٰ نے وہ روک ہٹادی، اور اسلام کی گاڑی اپنی پوری رفتار کے ساتھ رواں دواں ہوگئی۔ جیسے احد کے دو سال بعد غزوۂ احزاب پیش آیا۔ اس وقت صورتِ حال اتنی نازک ہوگئی تھی کہ کلیجہ منہ کو آگیا تھا۔ سورۃ الاحزاب میں اس کی تفصیل ہے۔ اسی طرح حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کا معاملہ ہے۔ جس میں معاشقہ تک کی بات گھڑ لی گئی، اس کی تفصیل بھی سورۂ احزاب میں ہے۔ اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت کا معاملہ ہے، جس کو لے کر بد باطن لوگوں نے خوب کیچڑ اچھالا، اس کی تفصیل سورۃ النور میں ہے۔ اور آخری معاملہ غزوۂ تبوک کا ہے، جس میں کھرے کھوٹے کا خوب امتیاز ہوگیا۔

اِن آیات میں یہی حقیقت سمجھائی ہے کہ یہ انبیاء علیہم السلام کی تاریخ کا کوئی انوکھا واقعہ نہیں۔ ہر رسول اور ہر نبی کے ساتھ ایسے حالات پیش آئے ہیں۔ واقعات کی یہ رفتار انبیاء کے اختیار میں نہیں ہوتی۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمتیں ہوتی ہیں جن کو اِن آیات میں واضح کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے: —— اور نہیں بھیجا ہم نے آپؐ سے پہلے کوئی رسول اور نہ کوئی نبی مگر جب اس نے (غلبۂ اسلام کی) آرزو کی تو شیطان نے اس کی آرزو میں (رخنہ) ڈالا —— یعنی پیش آمدہ واقعہ کے ذریعہ لوگوں کو شک میں مبتلا کردیا۔ قرآن وحدیث کی اصطلاح میں ہر نامناسب بات کو شیطان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ جنگِ احد کے موقعہ پر جن صحابہ سے کمزوری کا اظہار ہوا تھا ان کے بارے میں سورۃ آل عمران (آیت ۱۵۵) میں ہے: ﴿إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ﴾ یعنی شیطان ہی نے ان کو لغزش دیدی۔ اور حدیث میں اس آلائش کے بارے میں جو سوتے وقت ناک میں جمع ہوجاتی ہے فرمایا ہے کہ ''شیطان ناک کے بانسے پر شب باشی کرتا ہے'' اسی طرح ''شیطان نے اس کی آرزو میں ڈالا'' اس میں بھی پیش آمدہ واقعہ کے ناپسندیدہ نتائج کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی کوئی ایسا واقعہ پیش آجاتا ہے جو تھوڑی دیر کے لئے اشاعتِ اسلام کی رفتار سست کردیتا ہے —— پس اللہ تعالیٰ اس (روک) کو ہٹادیتے ہیں جو شیطان ڈالتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اپنی آیتوں (دین) کو مضبوط

کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے بڑی حکمت والے ہیں ـــــ یعنی یہ موانع عارضی ہوتے ہیں۔ جلد ہی اللہ تعالیٰ ان رکاوٹوں کو ہٹا دیتے ہیں، اور اشاعتِ اسلام کی رفتار بدستور جاری ہوجاتی ہے۔ اور غلبۂ اسلام کا وعدہ پورا ہوتا ہے۔ اور ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ علیم وحکیم ہیں۔ وہ اپنی حکمت ومصلحت سے ایسا کرتے ہیں۔ اور وہ حکمت یہ ہے کہ اس طرح اللہ تعالیٰ دل کے روگیوں اور سخت دل والوں کی آزمائش کرتے ہیں۔ وہ اسلام کے بارے میں قسم قسم کے وساوس میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ وہ سوچنے لگتے ہیں کہ اگر یہ سچے نبی ہوتے اور دین اسلام اللہ کا دین ہوتا تو یہ یکدم پانسہ پلٹ کیوں گیا؟ اور اللہ نے اپنے نبی کی مدد چھوڑ کیوں دی؟ ارشاد ہے: ـــــ تا کہ اللہ تعالیٰ اس (رخنہ) کو جو شیطان ڈالتا ہے ان لوگوں کے لئے آزمائش بنائیں جن کے دلوں میں روگ ہے، اور ان لوگوں کے لئے (بھی) جن کے دل سخت ہوگئے ہیں، اور ظالم لوگ یقیناً دور کے اختلاف میں ہیں ـــــ دل کے روگی: منافق لوگ ہیں۔ اور دل کے سخت وہ کفار ہیں جن کے دلوں کی طرف ابھی ایمان نے راہ نہیں بنائی۔ اسلام سے اختلاف دونوں ہی رکھتے ہیں۔ مگر یہ سخت دل والے دور کے اختلاف میں ہیں۔ ان دونوں قسم کے لوگوں کے لئے اس قسم کے واقعات آزمائش بن جاتے ہیں۔ منافقین تذبذب میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ اور کفار سابقہ نصرتِ الٰہی کو محض اتفاقی واقعہ قرار دیتے ہیں۔ جنگِ احد کے خاتمہ پر ابوسفیان نے جو کفار کے لشکر کا سپہ سالار تھا ہُبل کی جے پکاری تھی اور اعلان کیا تھا کہ یہ بدر کے دن کا بدلہ ہے (تفصیل کے لئے دیکھیں ہدایت القرآن پارہ ۴ ص:۵۱)

اور اس قسم کے واقعات میں مخلص مؤمنوں کے لئے یہ حکمت ہوتی ہے: ـــــ اور تا کہ وہ لوگ جو علم دیئے گئے ہیں ـــــ یعنی اللہ کی حکمتوں کو جانتے ہیں ـــــ جان لیں کہ وہ (پیش آمدہ) بات آپؐ کے رب کی طرف سے برحق ہے ـــــ یعنی جس اللہ نے بدر میں منصور وغالب کیا تھا اسی نے احد میں دوسری صورت سے دوچار کیا ـــــ پس وہ اس پر ایمان لے آئیں، پس اس کے لئے ان کے دل نیاز مند ہوجائیں ـــــ یعنی اللہ پر ان کا ایمان قوی ہوجائے، اور اللہ کی آیتوں وعدوں اور حکمتوں کے وہ خوب قائل ہوجائیں، اور اللہ کے سامنے ان کی نیاز مندی بڑھ جائے۔ وہ اس قسم کے واقعات سے جان لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نہ کسی کے محتاج ہیں نہ پابند۔ ان کی حکمت کا جو تقاضا ہوتا ہے وہی کام کرتے ہیں ـــــ اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں ـــــ یعنی ایمان میں مخلص ہیں ـــــ یقیناً سیدھا راستہ دکھاتے ہیں ـــــ یعنی واقعات کی حقیقت سمجھنے کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ ہی عطا فرماتے ہیں۔

سخت دل کفار کا حال: ـــــ اور وہ لوگ جنھوں نے انکار کیا وہ اس بات میں برابر شک میں مبتلا رہتے ہیں،

یہاں تک کہ ان کے پاس اچانک قیامت آجائے یا ان کے پاس بانجھ (بے برکت) دن کا عذاب آجائے ——— یعنی ان کا حال حسبِ سابق رہتا ہے۔ اس میں کچھ فرق نہیں پڑتا۔ آئندہ کی نصرت کے واقعات میں بھی وہ غور نہیں کرتے۔ وہ شک میں موت تک مبتلا رہتے ہیں۔ ان کو کفر وانکار کی سزا قیامت کے دن ملے گی۔ اور ممکن ہے دنیا میں بھی ان پر عذاب کا کوڑا برس پڑے۔ اگر دنیا ہی میں ان کو عذاب پہنچ گیا تو وہ دن بڑا ہی بے برکت ثابت ہوگا۔ اور اگر قیامت کے دن تک عذاب مؤخر ہوگیا تو ——— اس دن بادشاہی اللہ کے لئے ہے (اس دن) اللہ ان کے درمیان (عملی) فیصلہ فرمائیں گے ——— اور وہ فیصلہ یہ ہوگا: ——— پس جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کئے وہ نعمتوں کے باغات میں ہونگے۔ اور جن لوگوں نے انکار کیا اور انھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، پس انہی لوگوں کے لئے رسوا کن عذاب ہے ——— لہٰذا وہ اس کا انتظار کریں۔

فائدہ: یہاں بددین لوگوں نے بلکہ کفار مکہ نے **الغَرَانِیْقُ الْعُلٰی** (طائرانِ لاہوتی) کا قصہ گڑھا ہے۔ اور بہت سے مفسرین نے اس کو بنیاد بنا کر اِن آیات پاک کی تفسیر کی ہے جو قطعاً غلط ہے۔ کیونکہ یہ واقعہ کفار کا گھڑا ہوا ہے [1] اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہ نے حجۃ اللہ البالغہ (۲:۵۱۸ طبع جدید، رحمۃ اللہ الواسعہ ۵:۶۱۰) میں ''اللہ کے اشاروں کو سمجھنے میں اجتہادی خطا'' کو بنیاد بنا کر تفسیر کی ہے۔ اور اس کی دو مثالیں دی ہیں: ایک: مقامِ ہجرت کی تعیین میں نبی ﷺ سے چوک ہوگئی اور آپؐ طائف تشریف لے گئے۔ دوسری: حدیبیہ کے سال خواب کا زمانہ متعین کرنے میں چوک ہوگئی اور اسی سال سفر شروع کردیا۔ یہ تفسیر بھی کچھ زیادہ موزون نہیں۔ یہ معاملہ سب نبیوں کو عام کیسے ہوسکتا ہے؟ نیز سابقہ آیات سے ربط بھی باقی نہیں رہتا۔ ہم نے انبیاء علیہم السلام کی زندگی میں پیش آنے والے ''واقعات کی رفتار'' کو بنیاد بنا کر تفسیر کی ہے، اس سے ربط بھی قائم رہتا ہے اور اس کا عموم بھی قابل فہم بن جاتا ہے۔

جن کو صحیح فہم عطا ہوا ہے وہ جانتے ہیں کہ اگر واقعات ہمیشہ دین کی موافقت میں ظاہر ہوتے رہیں تو حق واشگاف ہوجائے اور امتحان کا پہلو رائیگاں ہوجائے۔

(۱) سنہ ۵ ہجری میں جبکہ صحابہ نے حبشہ کی طرف پہلی مرتبہ ہجرت کی ہے مکہ میں یہ واقعہ پیش آیا کہ نبی ﷺ ایک بار حرم میں تشریف لے گئے۔ وہاں قریش کا مجمع تھا۔ آپؐ نے ان کے سامنے سورۂ نجم تلاوت فرمائی۔ جب ان کے کانوں میں ایک ناقابل بیان رعنائی ودل کشی لئے ہوئے کلام الٰہی کی آواز پڑی تو انھیں کچھ ہوش نہ رہا۔ پھر جب آپؐ نے سورت کے ختم پر سجدۂ تلاوت کیا تو وہ لوگ بھی بے اختیار سجدے میں چلے گئے۔ بعد میں انھیں خیال آیا کہ ہم نے یہ کیا حماقت کی؟ چنانچہ انھوں نے اپنی خفت مٹانے کے لئے غرانیق والا واقعہ گھڑا اور کہنا شروع کیا کہ چونکہ محمد صاحب نے ہمارے بتوں کی تعریف کی تھی اس لئے ہم نے سجدہ کیا (تفصیل سورۂ نجم کی تفسیر میں آئے گی)

وَ الَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۵۸﴾ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۵۹﴾ ذٰلِكَ ۚ وَ مَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿۶۰﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ يُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَ اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۶۱﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۶۲﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۫ فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿۶۳﴾ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۶۴﴾ ع اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ وَ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ؕ وَ يُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۵﴾ وَ هُوَ الَّذِيْۤ اَحْيَاكُمْ ۫ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ﴿۶۶﴾

وَ الَّذِيْنَ	اور جنھوں نے	لَيَرْزُقَنَّهُمُ	ضرور روزی دینگے انکو	خَيْرُ	بہترین
هَاجَرُوْا	وطن چھوڑا	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	الرّٰزِقِيْنَ	روزی دینے والے ہیں
فِيْ سَبِيْلِ	راہ میں	رِزْقًا (۱)	روزی	لَيُدْخِلَنَّهُمْ	ضرور داخل کریں گے
اللّٰهِ	اللہ کے	حَسَنًا	عمدہ		ان کو
ثُمَّ	پھر	وَ اِنَّ	اور بیشک	مُّدْخَلًا (۲)	داخل ہونے کی جگہ میں
قُتِلُوْٓا	مارے گئے وہ	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ	يَّرْضَوْنَهٗ (۳)	جس کو پسند کریں گے وہ
اَوْ مَاتُوْا	یا مر گئے وہ	لَهُوَ	البتہ وہ	وَ اِنَّ	اور بیشک

(۱) رزقا حسنا: لیرزقن کا مفعول ثانی یا مفعول مطلق ہے۔(۲) مدخلا: ظرف مکان مفعول فیہ یا مصدر میمی مفعول ←

اللّٰہَ	اللہ تعالیٰ	بِاَنَّ	بایں وجہ ہے کہ	ھُوَ	وہ
لَعَلِیْمٌ	خوب جاننے والے	اللّٰہَ	اللہ تعالیٰ	الْبَاطِلُ	لچر ہے
حَلِیْمٌ	بہت بردبار ہیں	یُوْلِجُ	داخل کرتے ہیں	وَاَنَّ	اور بایں وجہ ہے کہ
ذٰلِکَ	یہ بات (پوری ہوئی)	الَّیْلَ	رات کو	اللّٰہَ	اللہ تعالیٰ
وَمَنْ	اور جس نے	فِی النَّھَارِ	دن میں	ھُوَ	وہ
عَاقَبَ (۱)	سزا دی	وَیُوْلِجُ	اور داخل کرتے ہیں	الْعَلِیُّ	عالیشان
بِمِثْلِ (۲)	برابر	النَّھَارَ	دن کو	الْکَبِیْرُ	سب سے بڑے ہیں
مَا	اس کے جو	فِی الَّیْلِ	رات میں	اَلَمْ	کیا نہیں
عُوْقِبَ	سزا دیا گیا وہ	وَاَنَّ	اور بایں وجہ ہے کہ	تَرَ	دیکھا تو نے
بِہٖ	اس سے	اللّٰہَ	اللہ تعالیٰ	اَنَّ	کہ
ثُمَّ	پھر	سَمِیْعٌ	خوب سننے والے	اللّٰہَ	اللہ تعالیٰ نے
بُغِیَ	زیادتی کی گئی	بَصِیْرٌ	خوب دیکھنے والے ہیں	اَنْزَلَ	اتارا
عَلَیْہِ	اس پر	ذٰلِکَ	وہ (نصرت)	مِنَ السَّمَآءِ	آسمان سے
لَیَنْصُرَنَّہُ	ضرور مدد کریں گے اسکی	بِاَنَّ	بایں وجہ ہے کہ	مَآءً	پانی
اللّٰہُ	اللہ تعالیٰ	اللّٰہَ	اللہ تعالیٰ	فَتُصْبِحُ	پس ہوجاتی ہے
اِنَّ	اور بیشک	ھُوَ	وہ	الْاَرْضُ	زمین
اللّٰہَ	اللہ تعالیٰ	الْحَقُّ	برحق ہیں	مُخْضَرَّۃً	سرسبز
لَعَفُوٌّ	البتہ درگزر کرنیوالے	وَاَنَّ	اور بایں وجہ ہے کہ	اِنَّ اللّٰہَ	بیشک اللہ تعالیٰ
غَفُوْرٌ	بڑے بخشنے والے ہیں	مَا	جس کو	لَطِیْفٌ	بڑے مہربان
ذٰلِکَ	وہ بات (مؤمنین کو	یَدْعُوْنَ	پکارتے ہیں وہ	خَبِیْرٌ	بڑے خبردار ہیں
	غالب کرنا)	مِنْ دُوْنِہٖ	اللہ سے کم تر	لَہٗ	ان کے لئے ہے

← مطلق ہے۔(۳) جملہ یرضونہ: مدخلا کی صفت ہے۔

(۱) عَاقَبَ فلانا بذنبہ معاقبۃ وعقابا: سزا دینا۔(۲) مثل: مابعد کی طرف مضاف ہے۔

مَا	جو کچھ	مَّا	اس چیز کو جو	بِالنَّاسِ	لوگوں پر
فِي السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں ہے	فِي الْاَرْضِ	زمین میں ہے	لَرَءُوْفٌ	البتہ شفیق
وَمَا	اور جو کچھ	وَالْفُلْكَ (۱)	اور کشتی کو	رَّحِيْمٌ	مہربان ہیں
فِي الْاَرْضِ	زمین میں ہے	تَجْرِيْ (۲)	چلتی ہے وہ	وَهُوَ	اور وہ
وَاِنَّ اللّٰهَ	اور بیشک اللہ	فِي الْبَحْرِ	سمندر میں	الَّذِيْٓ	جنھوں نے
لَهُوَ	البتہ وہ	بِاَمْرِهٖ	ان کے حکم سے	اَحْيَاكُمْ	زندہ کیا تم کو
الْغَنِيُّ	بے نیاز	وَيُمْسِكُ	اور روکے ہوئے ہیں وہ	ثُمَّ	پھر
الْحَمِيْدُ	سزاوار تعریف ہیں	السَّمَآءَ	آسمان کو	يُمِيْتُكُمْ	موت دیں گے تم کو
اَلَمْ	کیا نہیں	اَنْ (۳)	(اس سے) کہ	ثُمَّ	پھر
تَرَ	دیکھا تو نے	تَقَعَ	گرے وہ	يُحْيِيْكُمْ	زندہ کریں گے تم کو
اَنَّ	کہ	عَلَى الْاَرْضِ	زمین پر	اِنَّ	بیشک
اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ نے	اِلَّا	مگر	الْاِنْسَانَ	انسان
سَخَّرَ	کام میں لگایا ہے	بِاِذْنِهٖ	ان کی اجازت سے	لَكَفُوْرٌ	البتہ ناشکرا ہے
لَكُمْ	تمہارے لئے	اِنَّ اللّٰهَ	بیشک اللہ تعالیٰ	۞	۞

پانچویں بات: کفار نے ہجرت کو بھی تضحیک کا نشانہ بنایا ـــــ گذشتہ آیات میں آپ نے پڑھا کہ شیطان ناموافق حالات وواقعات کے ذریعہ اسلام کے راستے میں روڑے اٹکاتا ہے۔ کفار ومنافقین ان کے ذریعہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے ہیں۔ جب بھی کوئی ایسی بات پیش آتی ہے جو مسلمانوں کے موافق نہیں ہوتی تو مخالفین اس کے ذریعہ اسلام کی شبیہ بگاڑتے ہیں، اور لوگوں کو اسلام سے بدظن کرتے ہیں۔ مثلاً جب مسلمان کفار مکہ کے ظلم وستم سے تنگ آکر پہلے حبشہ کی طرف پھر مدینہ کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے تو کفار نے کہنا شروع کیا کہ ان لوگوں نے اچھا دین اختیار کیا جو گھر سے بے گھر ہوگئے۔ اہل وعیال اور مال ومنال سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ اب دربدر کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں ـــــ حالانکہ یہ واقعات کی رفتار تھی جو بہر حال پیش آنی تھی۔ حالات کا نشیب وفراز نبی تک

(۱) **والفلك** کا عطف ما پر ہے۔ (۲) جملہ **تجری: الفلك** کا حال ہے (۳) **أن**: مصدریہ ہے، اور اس سے پہلے حرف جر عن یا مِن پوشیدہ ہے۔

کے اختیار میں نہیں ہوتا، مسلمانوں کا اس میں کیا اختیار ہوسکتا ہے؟ یہ تو اللہ تعالیٰ کی سنت مستمرہ ہے۔ ہمیشہ نیا پودا عوارض سے دوچار ہوتا ہے، کوئی تناور درخت یکا یک کمال تک نہیں پہنچتا۔ دیکھنا درحقیقت انجام کو ہے۔ اگر انجام بخیر ہے تو درمیانی خطرات کی کیا پرواہ! ہمیشہ بڑے مقاصد کٹھنائیوں سے گذر کر ہی حاصل ہوتے ہیں۔ مہندی پتھر پے پس جانے کے بعد ہی رنگ لاتی ہے۔ سونا بھٹی میں تپانے کے بعد ہی نکھرتا ہے۔ اسلام قبول کرنے والوں کو بھی سرخ روئی سختیاں سہنے کے بعد ہی حاصل ہوگی۔ مگر شیطان اور اس کے چیلے ہجرت اور اس کی سختیوں کو اسلام کے خلاف پروپیگنڈے کا ذریعہ بناتے تھے۔ ان آیات میں ان کو جواب دیا گیا ہے کہ مہاجرین کو اللہ کی مدد ضرور پہنچے گی۔ اور جو لوگ اسلام کا غلبہ دیکھنے سے پہلے چل بسے ہیں وہ آخرت میں اجر پائیں گے، ارشاد ہے: —— اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں وطن چھوڑا پھر وہ مارے گئے یا مر گئے، اللہ تعالیٰ ان کو ضرور بہترین روزی عنایت فرمائیں گے، اور اللہ تعالیٰ یقیناً سب سے بہتر روزی دینے والے ہیں —— یعنی جو لوگ دین کی خاطر وطن چھوڑنے کے بعد شہید کئے گئے، جیسے اسلام کی پہلی جنگِ بدر میں چھ مہاجرین شہید ہوئے، یا وہ طبعی موت مر گئے، جیسے حضرت عثمان بن مظعون اور حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہما کی مدینہ میں وفات ہوئی، اور یہ حضرات اسلام کا اور مسلمانوں کا غلبہ اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ سکے، اللہ تعالیٰ ان کو آخرت میں بدلہ دیں گے جنت کی روزی عنایت فرمائیں گے۔ اور ہر طرح کی نعمتوں اور راحتوں سے شاد کام کریں گے۔ روزی کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ جس چیز میں بھی کسی نوعیت کا فائدہ ہو وہ روزی ہے —— وہ ضرور ان کو ایسی جگہ میں داخل کریں گے جس کو وہ پسند کریں گے —— یعنی جنت میں داخل فرمائیں گے جو نہایت پسندیدہ جگہ ہے، جہاں سے وہ کبھی نکلنا نہ چاہیں گے۔ اور یہی جنت بہترین رزق ہے، اس لئے حرفِ عطف نہیں لایا گیا، تاکہ کمالِ اتحاد پر دلالت کرے۔ یعنی رزقِ حَسَن اور مدخلِ کریم ایک ہیں —— رہی یہ بات کہ بعض مہاجرین دنیاوی فتح ونصرت اور اس کے فوائد سے محروم کیوں گئے؟ اور ان کے مقابلہ میں کفار ان کے قتل کرنے پر قادر کیوں ہوئے؟ وہ قہرِ الٰہی سے ہلاک کیوں نہ کر دیئے گئے؟ تو اس کی وجہ یہ ہے: —— اور اللہ تعالیٰ یقیناً خوب جاننے والے بڑے بردبار ہیں —— یعنی وہ ہر کام کی حکمت ومصلحت جانتے ہیں۔ مہاجرین کی اس ظاہری ناکامی میں بھی بہت سی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں، اور اللہ تعالیٰ بڑے بردبار بھی ہیں، وہ دشمنوں کو فوراً سزا نہیں دیتے، ان کو سنبھلنے کا کافی موقع دیتے ہیں۔

یہ بات (پوری ہوئی) —— یعنی جو مہاجریں غلبۂ اسلام دیکھنے سے پہلے چل بسے ان کے اجر کا بیان پورا ہوا۔ اور جو مہاجرین ابھی بقیدِ حیات ہیں ان کی دو قسمیں ہیں: ایک: سراسر مظلوم، جنھوں نے دشمن سے ظلم کا کوئی بدلہ نہیں لیا۔ جنگِ بدر میں شریک سب مہاجرین کا یہی حال تھا۔ ان لوگوں کو ان کی اسی مظلومیت کی بنا پر آیت انتالیس (۳۹)

میں تلوار اٹھانے کی اجازت دی گئی ہے، اور نصرت کا وعدہ کیا گیا ہے، تاکہ وہ اسلام کی فتح مندی بچشم خود دیکھیں۔
دوسری قسم: جزوی طور پر مظلوم، جنھوں نے دشمن سے برابر کا بدلہ لے لیا، مگر پھر دشمن نے زیادتی کی اور حملہ آور ہوا۔ جیسے جنگِ بدر میں جبکہ مہاجرین سراسر مظلوم تھے اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد کی اور وہ منصور وغالب ہوئے، اور انھوں نے دشمنوں سے بدلہ لیا۔ پھر وہی کفار جنگِ اُحد وغزوۂ احزاب میں مدینہ پر چڑھ آئے تو اس وقت بھی اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کی مدد کی اور دشمنوں کو خائب وخاسر لوٹایا۔ اس آیت میں اس دوسری قسم کے مہاجرین کی نصرت کا وعدہ کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے: —— اور جس نے سزا دی اس کے برابر جو وہ سزا دیا گیا، پھر اس پر زیادتی کی گئی تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کی مدد کریں گے —— اور ان جنگوں میں اگرچہ انصار بھی برابر کے شریک تھے۔ مگر کفار کے پیش نظر مہاجرین ہی تھے۔ وہ انھیں کو کچلنا چاہتے تھے۔ انصار سے ان کو کچھ لینا دینا نہیں تھا —— اللہ تعالیٰ یقیناً بہت معاف کرنے والے بڑے بخشنے والے ہیں —— یعنی اگر ظالم سے بدلہ لینے میں بلا قصد زیادتی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں گے۔ اس پر داروگیر نہیں فرمائیں گے۔

اس کے بعد مہاجرین کی نصرت وغلبہ کی پانچ بنیادیں بیان فرماتے ہیں۔ ارشاد ہے: —— یہ بات (یعنی مہاجرین کی نصرت وغلبہ) اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں داخل کرتے ہیں، اور دن کو رات میں داخل کرتے ہیں، اور اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والے خوب دیکھنے والے ہیں، یہ (نصرت وغلبہ) اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی برحق ہیں، اور اس لئے ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے نیچے جن چیزوں کو پکارتے ہیں وہ لچر ہیں، اور اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی عالیشان سب سے بڑے ہیں —— ان دو آیتوں میں مہاجرین کی نصرت وغلبہ کی پانچ وجوہ ذکر کی گئی ہیں:

پہلی وجہ: اللہ تعالیٰ انقلاب آفریں ہیں۔ دیکھتے نہیں کہ دن کی چہل پہل ہنگامۂ وحرکت اور روشنی کامل ہوتی ہے کہ یکا یک اللہ تعالیٰ رات کی خوفناک تاریکی لے آتے ہیں، اور دنیا سنسان ہو جاتی ہے؟! اسی طرح پوری کائنات محوِ خواب ہوتی ہے، اور تمام مخلوقات پر موت کا سکتہ طاری ہوتا ہے کہ یک بیک دن کا ہنگامہ شروع ہو جاتا ہے؟! یہ انقلاب لوگ رات دن دیکھتے ہیں، اور یہ اللہ کی قدرت کا ادنی کرشمہ ہے۔ ایسی کامل قدرت رکھنے والی ہستی کے لئے حالات کو پلٹ دینا کیا مشکل ہے؟ وہ مظلوم کی مدد کرکے ظالم پر غالب کرنے پر پوری طرح قادر ہیں۔

دوسری وجہ: اللہ تعالیٰ کے شئون میں دیر ضرور ہے مگر اندھیر نہیں۔ وہ مظلوموں کی فریاد سن رہے ہیں اور ظالموں کے کرتوت بھی دیکھ رہے ہیں۔ اب مظلوموں کا پیمانۂ صبر لبریز ہو چکا ہے، اس لئے اب ان کی مدد آ رہی ہے۔

تیسری وجہ: واقع میں صحیح اور سچا خدا ایک ہے۔ پس اس کی بندگی کرنے والے خائب وخاسر نہیں ہو سکتے۔ وقت

آنے پر ان کی مدد ضرور کی جاتی ہے۔اور وہ وقت اب آ گیا ہے۔

چوتھی وجہ: کفار جن چھوٹے خداؤں کی پرستش کرتے ہیں وہ سب جھوٹے ہیں۔ان کی حقیقت کچھ نہیں۔پس جو لوگ حقیقی خدا سے منہ موڑ کر باطل خداؤں کا سہارا لئے ہوئے ہیں وہ کبھی فلاح وکامرانی سے ہم کنار نہیں ہو سکتے۔وہ اب جلد محرومی سے دوچار ہونگے۔

پانچویں وجہ: اللہ تعالیٰ عالیشان اور سب سے بڑے ہیں۔قدرت انہی کی کامل، نصرت انہی کی حقیقی اور اختیارات انہی کے اصلی ہیں۔جب وہ کسی بات کا فیصلہ کرتے ہیں تو کوئی اس پر قدغن نہیں لگا سکتا۔اب انھوں نے اپنے دین کی سربلندی کا فیصلہ کرلیا ہے چنانچہ وہ مہاجرین کی مدد کریں گے،اور وہ غالب ومنصور ہونگے۔

آخر میں مؤمنین کے غلبے اور جہاد کے فائدے کی طرف اشارہ ہے۔انسان روح اور بدن کا مجموعہ ہے۔دونوں کے خالق ومالک اور پروردگار اللہ تعالیٰ ہیں۔اور اللہ تعالیٰ نے جس طرح بدن کی ضروریات مہیا کی ہیں روح کی ضروریات کا بھی انتظام کیا ہے۔اِن آیات میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا بیان ہے۔انسان غور کرے! اللہ تعالیٰ نے اس کی بقاء کے لئے کیا کیا سامان کیا ہے،اور کتنی بڑی بڑی چیزوں کو اس کی بیگار میں لگا دیا ہے۔پس کیا یہ ممکن ہے کہ دلوں کی دنیا ہمیشہ ویران رہے؟ ہرگز نہیں! اب بارانِ وحی شروع ہوگیا ہے۔اب مردہ دلوں کو حیاتِ نو ملے گی اور اس کا ذریعہ جہاد بنے گا۔ارشاد ہے——— کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا، پس زمین سرسبز ہو جاتی ہے؟ ——— یعنی جونہی رحمت کا چھینٹا پڑتا ہے سوکھی زمین گل وگلزار بن جاتی ہے۔اسی طرح ویران دل وحی کی بارش سے لہلہانے لگیں گے۔اب جہاد شروع ہوگیا ہے، مؤمنین غالب آئیں گے اور ایمان کی راہیں کھل جائیں گی ——— بیشک اللہ تعالیٰ بڑے مہربان پوری طرح باخبر ہیں ——— لطیف: وہ ہستی ہے جو باریک بینی سے اپنے بندوں کے ساتھ ایسی مہربانی کا معاملہ کرے کہ بندے اس کو سمجھ بھی نہ سکیں۔اور کامیاب ہو جائیں۔اللہ تعالیٰ لطیف وخبیر ہیں۔وہ سب بندوں کے ساتھ لطف وکرم کا معاملہ فرماتے ہیں۔کافروں اور فاجروں تک کے لئے ان کا خوانِ کرم عام ہے۔ان کے علم میں اب فیضانِ رحمت کا وقت آ گیا ہے۔اب نہ چاہنے والے بھی دولتِ ایمان سے ہمکنار ہونگے ——— انہی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے ——— اور مالک کو اپنی ملک میں ہر تصرف کا حق ہے، کوئی اس سے مزاحم نہیں ہوسکتا ——— اور بیشک اللہ تعالیٰ ہی بے نیاز تعریف کے سزاوار ہیں ——— یعنی وہ کسی کے محتاج نہیں اور ان کے سب کام قابل تعریف ہیں۔پس انھوں نے جو مؤمنین کو جہاد کی اجازت دی،اور ان کی نصرت کا وعدہ کیا، وہ ہر طرح قابل ستائش فیصلہ ہے اور وہ اس کو روبعمل لا کر رہیں گے——— کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے

تمہارے کام میں لگا رکھا ہے اس چیز کو جو زمین میں ہے؟ —— یعنی ہوائیں تمہاری خاطر چلتی ہیں۔ دریا تمہارے لئے بہتے ہیں، آسمان سے ہُون تمہارے لئے برستا ہے۔ زمین سبزہ تمہاری خاطر اگاتی ہے۔ چاند تارے اور سورج تمہاری بیگار میں لگے ہوئے ہیں، اور زمین کے تمام مکنون خزانے تمہاری ملک ہیں —— اور کشتی کو جو ان کے حکم سے سمندر میں چلتی ہے —— وہ تمہیں اور تمہارے سامان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتی ہے، اور تم ساری دنیا سے فائدہ اٹھاتے ہو۔ غور کرو! ایک تولہ وزن پانی پر ٹھہر نہیں سکتا۔ پھر دیکھو! یہ ہزاروں ٹن وزنی جہاز کیسی آسانی سے پانی پر رواں دواں ہیں؟ اور اب تو فضائے آسمانی بھی انسان کے لئے مسخر کر دی گئی ہے۔ بڑے بڑے جہاز پرندوں کی طرح اڑتے ہیں۔ یہ سب کیا ہے؟ انسان کی رزق رسانی اور راحت رسانی کا قدرتی انتظام! پس انسان اپنی زندگی کی احتیاجوں کو دیکھے، پھر خدائے پاک کی بخششوں پر نظر ڈالے تو اسے صاف نظر آئے گا کہ زندگی کی کوئی ضرورت اور احتیاج ایسی نہیں جس کا پروردگار عالم نے انتظام نہ کیا ہو —— اور وہی آسمان کو زمین پر گرنے سے تھامے ہوئے ہیں —— اسی کے دستِ قدرت نے آسمان، چاند، سورج اور ستاروں کو فضائے بسیط میں بغیر کسی ظاہری سہارے کے تھام رکھا ہے۔ وہ اپنی جگہ سے نیچے نہیں سرکتے۔ اگر ان میں سے کوئی معمولی کُرہ بھی زمین پر گر پڑے تو زمین پاش پاش ہو جائے۔ اور انسان کی زندگی کے تمام امکانات ختم ہو جائیں —— مگر ان کے حکم سے —— یعنی اگر وہ چاہیں تو ستارے جھڑ سکتے ہیں، اور قیامت کو ٹوٹ بھی پڑیں گے۔ ان کو موجودہ ہیئت پر اللہ کی قدرت ہی نے برقرار رکھا ہے —— اللہ تعالیٰ بیشک انسانوں پر بے حد شفیق بڑے مہربان ہیں —— یعنی یہ اللہ کی صفاتِ رأفت و رحمت کی کرشمہ سازی ہے جو انسان کو کارگاہِ حیات میں زندہ رکھے ہوئے ہے —— اور وہی ہیں جنھوں نے تم کو زندگی دی، پھر وہ تمہیں موت دیں گے، پھر وہ تمہیں جلائیں گے —— یعنی یہ زندگی آخری زندگی نہیں۔ حقیقی زندگی اس کے بعد ہے۔ اور درمیان میں موت واقع ہے۔ اور یہ زندگی اگلی زندگی کی کھیتی ہے۔ جو یہاں بوؤ گے وہی وہاں کاٹو گے —— بیشک انسان بڑا ناشکرا ہے! —— اللہ تعالیٰ نے اس پر کتنے بڑے بڑے انعامات واحسانات فرمائے ہیں، مگر وہ ان کا حق نہیں مانتا۔ وہ منعم حقیقی کو چھوڑ کر دوسروں کے سامنے جھکتا ہے، کھاتا اللہ کا رزق ہے اور گاتا دوسروں کی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی جسمانی ضروریات کی طرح روحانی ضروریات کا بھی انتظام کیا ہے۔ نبیوں کے ذریعہ دین بھیجا ہے۔ جو لوگ اس کا انکار کرتے ہیں یا اس پر عمل نہیں کرتے وہ ضدی اور ناشکرے ہیں۔

لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ۭ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٦٧﴾ وَاِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿٦٨﴾ اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿٦٩﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿٧٠﴾

لِكُلِّ اُمَّةٍ	اور ہرامت کے لئے	مُّسْتَقِيْمٍ	سیدھی	فِيْهِ	اس میں
جَعَلْنَا	مقرر کی ہے ہم نے	وَاِنْ	اور اگر	تَخْتَلِفُوْنَ	اختلاف کرتے
مَنْسَكًا(۱)	قربانی	جٰدَلُوْكَ	جھگڑیں وہ آپؐ سے	اَلَمْ	کیا نہیں
هُمْ	وہ	فَقُلِ	تو کہہ دیں آپؐ	تَعْلَمْ	جانتا تو
نَاسِكُوْهُ(۲)	اس سے تقرب حاصل	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ تعالیٰ
	کرنے والے ہیں	اَعْلَمُ	خوب جانتے ہیں	يَعْلَمُ	جانتے ہیں
فَلَا	پس نہ	بِمَا	اس کو جو	مَا	جو کچھ
يُنَازِعُنَّكَ	جھگڑیں وہ آپ سے	تَعْمَلُوْنَ	کرتے ہو تم	فِي السَّمَآءِ	آسمان میں
فِي الْاَمْرِ	ذبح کے معاملہ میں	اَللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	وَالْاَرْضِ	اور زمین میں ہے
وَادْعُ	اور بلائیں آپؐ	يَحْكُمُ	فیصلہ کریں گے	اِنَّ ذٰلِكَ	بیشک وہ
اِلٰى رَبِّكَ	اپنے رب (کے دین)	بَيْنَكُمْ	تمہارے درمیان	فِيْ كِتٰبٍ	ایک نوشتہ میں ہے
	کی طرف	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	قیامت کے دن	اِنَّ ذٰلِكَ	بیشک وہ
اِنَّكَ	بیشک آپؐ	فِيْمَا	اس میں جس میں	عَلَى اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ پر
لَعَلٰى هُدًى	البتہ راہ پر ہیں	كُنْتُمْ	تھے تم	يَسِيْرٌ	آسان ہے

چھٹی بات: مردار کی حرمت پر اعتراض کا جواب ——— یہ آیاتِ پاک مشرکین کے ایک خاص پروپیگنڈے کا

(۱) مَنْسَكًا کے معنی یہاں بھی وہی ہیں جو آیت ۳۴ میں ہیں یعنی قربانی۔ (۲) نَاسِك: اسم فاعل، جمع نَاسِكُوْن، اضافت کی وجہ سے نون گر گیا ہے۔ نَسَكَ (ن) فلانا نَسْكًا و مَنْسَكًا: خدا کا تقرب حاصل کرنے کے لئے قربانی کرنا۔

جواب ہیں بعض مشرکوں نے یہ عجیب کٹ حجتی شروع کی کہ مسلمان اپنے مارے ہوئے یعنی ذبح کئے ہوئے جانور کو تو حلال کہتے ہیں، اور اللہ کے مارے ہوئے یعنی مردار کو حرام کہتے ہیں۔ یہ کیسی الٹی بات ہے؟ اِن آیات میں ان کو جواب دیا گیا ہے کہ ابھی آیت ۳۴ میں یہ بات آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر امت کے لئے قربانی تجویز کی ہے۔ اور قربانی کا عمل ظاہر ہے کہ زندہ جانور کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔ مردار کے ساتھ قائم نہیں ہوتا۔ اور کھانے کے لئے جانور ذبح کرنے کا اور قربانی کے لئے جانور ذبح کرنے کا معاملہ یکساں ہے۔ اس لئے ذبیحہ پر بھی تسمیہ ضروری ہے جس طرح قربانی پر ضروری ہے۔ اور تسمیہ کا عمل زندہ ہی کے ساتھ قائم ہوسکتا ہے، مردار کے ساتھ قائم نہیں ہوسکتا۔ اس لئے مردار حرام ہے۔ ارشاد ہے:—— اور ہم نے ہر امت کے لئے (جانوروں کی) قربانی تجویز کی ہے، جس کے ذریعہ وہ تقرب حاصل کرتے ہیں—— یعنی اپنے ہاتھوں سے اللہ کا نام لے کر جانور ذبح کرتے ہیں، اور اللہ کی نزدیکی اور ثواب حاصل کرتے ہیں —— پس وہ لوگ (کفار) آپؐ سے ذبح کے معاملہ میں جھگڑا نہ کریں —— کیونکہ دونوں کا معاملہ یکساں ہے۔ اس لئے کھانے کے لئے بھی ہاتھ ہی سے ذبح کیا ہوا جانور حلال ہے۔ اور مردار کی جس طرح قربانی نہیں ہوسکتی: اس کا کھانا بھی جائز نہیں —— اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک خاص قربانی ہے جو قربانی کے دنوں میں ذبح کی جاتی ہے۔ اور ایک روزمرہ کی قربانی ہے۔ اور وہ ذبیحہ ہے جو کھانے کے لئے ذبح کیا جاتا ہے۔ دونوں کا مقصد اللہ کا ذکر ہے۔ غور کرو! ہر دن لاکھوں جانور اللہ کا نام لے کر کھانے کے لئے ذبح کئے جاتے ہیں۔ یہی عام قربانی ہے۔ اس کی مثال اعتکاف ہے۔ ایک خاص اعتکاف ہے جو رمضان میں کیا جاتا ہے دوسرا روزمرہ کا اعتکاف ہے۔ حدیث میں فجر کی نماز پڑھ کر اشراق تک مسجد میں رہنے کی فضیلت آئی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ یہ روزمرہ کا اعتکاف ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے نیکوکاروں کے لئے مشروع کیا ہے[1] —— اور آپؐ اپنے پروردگار (کے دین) کی طرف بلائیں، بیشک آپؐ سیدھے راستے پر ہیں —— یعنی صرف ذبیحہ کا حلال ہونا ہی دین حق ہے۔ اور وہ لوگ غلط راستے پر ہیں جو مردار کو حلال کہتے ہیں۔ اور جو سیدھے راستے پر ہو اسے تو اس شخص کو ٹوکنے کا حق ہے جو غلط راستے پر ہو۔ مگر جو خود غلط راستے پر چل رہا ہو اس کو کیا حق ہے کہ وہ سیدھا راستہ چلنے والے سے الجھے! آنکھوں والے پر فرض ہے کہ وہ اندھے کو راستہ بتائے، اندھا بھلا کیا راہ نمائی کرسکتا ہے! —— اور اگر (حق بات واضح ہونے کے بعد بھی) وہ لوگ آپؐ سے جھگڑا کریں تو آپ کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں جو کچھ تم کر رہے ہو —— یعنی مردار کھا رہے ہو۔ اس سے زیادہ ردوقدح میں نہ پڑیں کہ اس کا حاصل کچھ نہیں —— اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان قیامت کے دن فیصلہ

(۱) تفصیل کے لئے دیکھیں حجۃ اللہ البالغہ (۲: ۶۰) طبع جدید، رحمۃ اللہ الواسعۃ (۳: ۴۵۷)

فرمائیں گے اُس باب میں جس میں تم اختلاف کرتے ہو ـــــ یعنی یہ مسئلہ خود کفار کے درمیان مختلف فیہ ہے۔ کچھ مشرکین مردار کھاتے ہیں، اور بہت سے مشرکین مردار کو حرام کہتے ہیں۔ اُن میں کون برحق ہے کون غلط، اس کا فیصلہ قیامت کے دن ہوگا۔ اور فیصلہ سے عملی فیصلہ مراد ہے جو اندھے کو بھی نظر آجائے، رہا علمی فیصلہ تو وہ یہیں کر دیا گیا ہے ـــــ کیا تم جانتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں ان چیزوں کو جو آسمان اور زمین میں ہیں، بیشک وہ ایک نوشتہ (لوح محفوظ) میں ہیں، بیشک وہ بات اللہ تعالیٰ پر آسان ہے ـــــ یعنی اللہ تعالیٰ پوری کائنات کے رموز واحوال سے بخوبی واقف ہیں۔ ان کے لئے نہ کسی بات کا علمی فیصلہ کرنا مشکل ہے نہ عملی۔ ذبیحہ جائز کیوں ہے اور مردار حرام کیوں؟ اس کا علمی فیصلہ یہیں قرآن کریم میں کئی جگہ کر دیا ہے۔ اور عملی فیصلہ قیامت کے دن کیا جائے گا۔ اور اللہ کا علم نہ صرف زمین وآسمان کی تمام چیزوں کو محیط ہے، بلکہ بعض حکمتوں سے تمام باتیں لوح محفوظ میں لکھ بھی دی ہیں۔ اور اتنی بے شمار چیزوں کا ٹھیک ٹھیک جاننا، اور نوشتہ میں لکھ دینا اور اسی کے مطابق قیامت کے دن فیصلہ کرنا: اللہ تعالیٰ کے لئے کچھ مشکل نہیں۔

جو بات وحی پر اعتماد کئے بغیر فیصل نہ ہوسکتی ہو، اس میں مخالفین سے زیادہ بحث فضول ہے

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿۷۱﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ۭ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۭ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۭ اَلنَّارُ ۭ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۷۲﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ۭ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ۭ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ﴿۷۳﴾ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۷۴﴾ اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰۗىِٕكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۷۵﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۷۶﴾

ع ۹

وَ يَعْبُدُوْنَ	اور پوجتے ہیں وہ	اٰيٰتُنَا	ہماری آیتیں	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ نے
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ سے کم درجہ میں	بَيِّنٰتٍ (۴)	خوب واضح	الَّذِيْنَ	ان سے جنھوں نے
		تَعْرِفُ	پہچانے گا تو	كَفَرُوْا	انکار کیا
مَا (۱)	اس کو جو	فِيْ وُجُوْهِ	چہروں میں	وَبِئْسَ	اور برا ہے
لَمْ	نہیں	الَّذِيْنَ	ان کے جنھوں نے	الْمَصِيْرُ	ٹھکانا
يُنَزِّلْ	اتاری اللہ نے	كَفَرُوا	انکار کیا	يٰٓاَيُّهَا	اے
بِهٖ (۲)	اس کے بارے میں	الْمُنْكَرَ	برے آثار	النَّاسُ	لوگو!
سُلْطٰنًا	کوئی حجت	يَكَادُوْنَ (۵)	قریب ہیں وہ	ضُرِبَ	بیان کیا گیا
وَّمَا (۳)	اور اس کو جو	يَسْطُوْنَ (۶)	حملہ کر بیٹھیں	مَثَلٌ	ایک دلنشیں مضمون
لَيْسَ	نہیں ہے	بِالَّذِيْنَ	ان پر جو	فَاسْتَمِعُوْا	پس سنو تم
لَهُمْ	ان کو	يَتْلُوْنَ	پڑھتے ہیں	لَهٗ	اس کو
بِهٖ	اس کے بارے میں	عَلَيْهِمْ	ان کے سامنے	اِنَّ الَّذِيْنَ	بیشک جن کو
عِلْمٌ	کوئی علم	اٰيٰتِنَا	ہماری آیتیں	تَدْعُوْنَ	پکارتے ہو تم
وَمَا	اور نہیں ہے	قُلْ	کہیں آپؐ	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ سے کم درجہ میں
لِلظّٰلِمِيْنَ	ظالموں کے لئے	اَفَاُنَبِّئُكُمْ	کیا پس بتاؤں میں تمہیں	لَنْ يَّخْلُقُوْا (۸)	ہرگز نہیں پیدا کر سکتے وہ
مِنْ نَّصِيْرٍ	کوئی مددگار	بِشَرٍّ	ایک بری چیز	ذُبَابًا	ایک مکھی
وَاِذَا	اور جب	مِّنْ ذٰلِكُمْ	اس سے	وَّلَوِ	اگرچہ
تُتْلٰى	پڑھی جاتی ہیں	اَلنَّارُ (۷)	(وہ) آگ ہے	اجْتَمَعُوْا	اکٹھا ہو جائیں وہ
عَلَيْهِمْ	ان کے سامنے	وَعَدَهَا	وعدہ کیا ہے اس کا	لَهٗ	اس کے لئے

(۱) ما: صلہ کے ساتھ یعبدون کا مفعول بہ ہے۔(۲) بہ: کی ضمیر ما موصولہ کی طرف لوٹتی ہے۔(۳) دوسرے ما کا پہلے ما پر عطف ہے۔(۴) بینات: آیات کا حال ہے۔(۵) یکادون: فعل مضارع، جمع مذکر غائب۔ كَادَ يَكَادُ كَوْدًا: قریب ہونا۔ كَادَ: افعال مقاربہ میں سے ہے، فعل مضارع پر داخل ہوتا ہے، اس کے بعد اَنْ بہت کم آتا ہے۔ کلام مثبت میں فعل کی نفی اور کلام منفی میں فعل کا اثبات کرتا ہے۔(۶) سَطَا(ن) سَطْوًا وَسَطْوَةً علیه وبه: حملہ کرنا، دھاوا بولنا۔(۷) النار: هی محذوف کی خبر ہے۔(۸) جملہ لن یخلقوا: إن کی خبر ہے۔

وَاِنْ	اور اگر	اللّٰہَ	اللہ تعالیٰ کا	اِنَّ	بیشک
یَّسْلُبْھُمُ	چھین لے ان سے	حَقَّ (۱)	جیسا حق ہے	اللّٰہَ	اللہ تعالیٰ
الذُّبَابُ	وہ مکھی	قَدْرِہٖ	ان کے مرتبے کا	سَمِیْعٌ	خوب سننے والے
شَیْئًا	کسی چیز کو	اِنَّ	بیشک	بَصِیْرٌ	خوب دیکھنے والے ہیں
لَّا	(تو) نہ	اللّٰہَ	اللہ تعالیٰ	یَعْلَمُ	جانتے ہیں
یَسْتَنْقِذُوْہُ	چھڑا سکیں وہ اس کو	لَقَوِیٌّ	البتہ قوت والے	مَا	جو کچھ
مِنْہُ	اس سے	عَزِیْزٌ	غالب ہیں	بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ	ان کے سامنے ہے
ضَعُفَ	بودا ہوا	اَللّٰہُ	اللہ تعالیٰ	وَمَا	اور جو کچھ
الطَّالِبُ	چاہنے والا	یَصْطَفِیْ	منتخب کرتے ہیں	خَلْفَھُمْ	ان کے پیچھے ہے
وَالْمَطْلُوْبُ	اور چاہا ہوا	مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ	فرشتوں سے	وَاِلَی اللّٰہِ	اور اللہ کی طرف
مَا	نہیں	رُسُلًا	رسولوں کو	تُرْجَعُ	لوٹتے ہیں
قَدَرُوا	مرتبہ پہچانا انھوں نے	وَّمِنَ النَّاسِ (۲)	اور لوگوں سے	الْاُمُوْرُ	سب امور

دور سے مشرکوں کی باتوں کے جوابات دیئے جارہے ہیں۔ اب آخر میں شرک کی سخافت وشناعت کا بیان ہے۔

ارشاد ہے: —— اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے نیچے ایسے معبودوں کو پوجتے ہیں جن کی معبودیت کی کوئی دلیل اللہ تعالیٰ نے نہیں اتاری، اور نہ ان کے پاس اس کا کچھ علم ہے —— بس اسلاف کی کورانہ تقلید میں ایسا کئے جارہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جوازِ شرک کی کوئی حجت اپنی کتابوں میں نازل نہیں کی، بلکہ بصراحت بار بار اس کی تردید کی ہے۔ اور نہ جوازِ شرک پر کوئی علمی اور عقلی دلیل قائم ہے، بلکہ اس کے بطلان پر بے شمار دلائل قائم ہیں —— اور ان ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہیں —— یہ بطلانِ شرک کی ایک دلیل ہے۔ جب یہ معبودانِ باطل اُن ظالموں کی نہ دنیا میں کوئی مدد کرسکتے ہیں نہ آخرت میں پھر وہ خدا کیسے ہوسکتے ہیں؟ معبود تو اس کو بنانا چاہئے جو آڑے وقت میں کام آئے —— اس آیت میں دلیل نقلی کا تذکرہ دلیل عقلی سے پہلے کیا گیا ہے، اس سے دلیل شرعی کی دلیل عقلی پر مزیّت وفوقیت ظاہر ہوتی ہے۔

دلیل نقلی کے ساتھ مشرکین کا برتاؤ —— اور جب ان کے سامنے ہماری خوب واضح آیتیں پڑھی جاتی ہیں —— جو تردیدِ شرک کے مضامین پر مشتمل ہوتی ہیں —— تو آپ ان لوگوں کے چہروں پر ناگواری کے آثار محسوس

(۱) حق قدرہ: مفعول مطلق ہے۔ (۲) من الناس: من الملائکۃ پر معطوف ہے۔

کریں گے جو (توحید کا) انکار کرتے ہیں —— یعنی توحید کا پیغام سن کر ان کے تیور بگڑ جاتے ہیں۔ چہروں پر غصہ کے آثار نمایاں ہوتے ہیں —— قریب ہیں کہ حملہ کر بیٹھیں ان لوگوں پر جو انھیں ہماری آیتیں سناتے ہیں —— یعنی ان کی ناگواری معمولی نہیں ہوتی، وہ غصے میں اتنے بھر جاتے ہیں کہ لگتا ہے کہ ابھی آیاتِ توحید سنانے والوں پر چڑھ دوڑیں گے —— آپ کہیں: ''کیا میں تمہیں اس سے بڑھ کر ناگوار چیز بتاؤں؟'' —— یعنی تمہیں توحید کا بیان سننا ناگوار معلوم ہوتا ہے، مگر اس سے بڑھ کر ایک سخت بری اور ناگوار چیز ہے —— وہ آگ ہے، جس کا اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے جو (توحید کا) انکار کرتے ہیں —— اور اللہ کے وعدے سچے ہوتے ہیں، پس تم دوزخ میں ضرور پہنچ کر رہو گے —— اور وہ برا ٹھکانا ہے! —— پس چاہئے کہ اس سے بچنے کے لئے آیات توحید سنو، اور شرک سے باز آجاؤ۔

بطلانِ شرک کی دلیل عقلی: —— اے لوگو! ایک دل نشیں بات بیان کی جاتی ہے پس اس کو غور سے سنو! —— یعنی بات نہایت واضح ہے، دل میں اتر جانے والی ہے، اور ہر ایک کی سمجھ میں آجانے والی ہے، مگر توجہ سے سننا شرط ہے۔ وہ بات یہ ہے: —— جن معبودوں کو تم اللہ تعالیٰ سے وَرے پکارتے ہو وہ ہرگز ایک مکھی پیدا نہیں کرسکتے، اگرچہ وہ سب اس غرض کے لئے اکٹھے ہو جائیں —— یعنی سب مل کر بھی مکھی کا ایک پَر نہیں بنا سکتے۔ اور جو خالق نہ ہو وہ معبود کیسا؟ —— اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے تو وہ اس کو اس سے چھڑا (بھی) نہیں سکتے —— یعنی پیدا کرنا تو درکنار، ان مورتیوں کے سامنے جو چڑھاوے رکھے ہیں، اگر ان میں سے مکھی کچھ اٹھا لے تو ان میں اتنی بھی سکت نہیں کہ وہ اسی کو اس سے واپس لے لیں۔ پس سوچو! ایسی عاجز ودرماندہ مخلوق کو معبود بنانا حماقت نہیں تو اور کیا ہے؟ —— بودا ثابت ہوا چاہنے والا (عابد) اور چاہا ہوا (معبود) —— یعنی پجاری تو لاچار تھے ہی بت بھی بے چارے ثابت ہوئے۔ ایک مدد کا انتہائی محتاج ہے، دوسرا اسی قدر عاجز! عابد میں تو احتیاج ضروری ہے، اسی لئے وہ عبادت کرتا ہے، مگر معبود کے لئے ضروری ہے کہ وہ قادر وغالب ہو، جبھی وہ عابدوں کا بھلا کرسکتا ہے۔ یہاں دونوں ہی ایک جیسے ثابت ہوئے۔

سچا خدا کیسا ہوتا ہے: برحق معبود وہی ہوسکتا ہے جو بڑی قوت والا ہر چیز پر غالب ہو، کوئی چیز اس کے اختیار سے باہر نہ ہو۔ ایسا ہی خدا اپنی مخلوقات کی تمام ضروریات پوری کرسکتا ہے، صرف زندگی کی ضروریات ہی نہیں بلکہ روحانی ضروریات بھی۔ ایسا خدا صرف اللہ ہے، دوسری کوئی ہستی اِن صفات کی حامل نہیں۔ ارشاد ہے: —— ان لوگوں نے (مشرکین نے) اللہ تعالیٰ کا مرتبہ جیسا پہچاننا چاہئے تھا نہیں پہچانا —— ان کا تصور اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ ہے کہ وہ بھی ہمارے معبودوں کی طرح عاجز ہیں۔ ان کو بھی کارِ جہاں انجام دینے کے لئے مددکاروں کی ضرورت

ہے۔تنہا وہ سب کام انجام نہیں دے سکتے۔ وہ سن لیں ـــــ اللہ تعالیٰ یقیناً بڑی قوت والے غالب ہیں ـــــ کائنات کا کوئی ذرّہ ان کی قدرت سے باہر نہیں، وہ ہر چیز پر غالب ہیں۔مشرکین اگر اللہ تعالیٰ کی اس شانِ رفیع کو کماحقہ پہچانتے تو وہ ہرگز ان بے حقیقت چیزوں کو اس کا ہم سر نہ بناتے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی بقاء کا جو سامان کیا ہے اور اس کی جسمانی ضرورتوں کا جو انتظام کیا ہے، اس کا تذکرہ قرآن کریم میں جگہ جگہ آیا ہے۔ابھی آیات (۶۳ تا۶۶) میں بھی اس کا کچھ بیان آیا ہے۔اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس کی روحانی ضرورت کا بھی انتظام فرمایا ہے۔ارشاد ہے: ـــــ اللہ تعالی فرشتوں سے اور انسانوں سے رسول منتخب کرتے ہیں ـــــ اور ان ذرائع سے انسانوں تک اپنی ہدایات بھیجتے ہیں، تاکہ انسان اپنی روح کی تکمیل کرے، اور دنیا میں بھی آسائش کی زندگی گذارے ـــــ بیشک اللہ تعالیٰ خوب سننے والے خوب دیکھنے والے ہیں ـــــ یعنی وہ بخوبی جانتے ہیں کہ کون فرشتہ اور کون انسان ان کی پیغام رسانی کے قابل ہے۔سورۃ الانعام (آیت۱۲۴) میں ہے: ﴿ أَللّٰهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ بخوبی جانتے ہیں کہ اپنے پیغام کہاں رکھیں۔کون نبی بنانے کے قابل ہے اور کس فرشتہ کے ذریعہ نبی کے پاس پیغام بھیجا جائے؟ اس سے اللہ تعالیٰ بخوبی واقف ہیں ـــــ وہ جانتے ہیں جو کچھ (رسولوں) کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے ـــــ یعنی ان کے تمام احوال سے اللہ تعالیٰ باخبر ہیں، ان کا کوئی حال اللہ سے پوشیدہ نہیں۔نہ وہ کسی غیر مناسب شخصیت کا رسالت کے لئے انتخاب کرتے ہیں، نہ کوئی منتخب رسولوں کی پیغام رسانی میں دخل در معقولات کرسکتا ہے ـــــ اور اللہ تعالیٰ کی طرف تمام امور لوٹتے ہیں ـــــ تمام کاموں کا مدار ان کی مشیت پر ہے، ان کے حسب منشا ہی تمام کام انجام پاتے ہیں۔

فائدہ: اگر صرف انسان کے تعلق سے دیکھا جائے تو نبی: رسول سے عام ہے۔پس ہر رسول نبی ہوتا ہے، مگر ہر نبی رسول نہیں ہوتا۔نبی: وہ انسان ہے جو مخلوق کی ہدایت کے لئے مبعوث کیا گیا ہے۔خواہ اسے نئی شریعت دی گئی ہو یا نہ دی گئی ہو، اور خواہ اسے اپنوں ہی میں کام کرنے کا حکم ہو، خواہ دوسروں میں بھی۔اور رسول: وہ انسان ہے جسے نئی کتاب اور نئی شریعت دی گئی ہو، اور اس کو غیروں میں بھی کام کرنے کا حکم ملا ہو۔پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔اور پہلے رسول حضرت نوح علیہ السلام ہیں۔اور ایک ضعیف روایت میں نبیوں اور رسولوں کی مجموعی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار آئی ہے، جن میں سے تین سو تیرہ رسول ہیں، پھر ان میں سے پانچ اولوالعزم (بڑے درجے کے) رسول ہیں۔

اور اگر فرشتوں کو بھی شامل کرکے دیکھا جائے تو نبی اور رسول میں من وجہٍ کی نسبت ہے، جس میں دو مادّے افتراقی اور ایک مادّہ اجتماعی ہوتا ہے۔فرشتے صرف رسول ہیں نبی نہیں، جیسے حضرت جبرئیل علیہ السلام صرف رسول ہیں۔اور موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان بنی اسرائیل میں جو شخصیتیں مبعوث ہوئی ہیں وہ صرف نبی ہیں، رسول نہیں

اور رسالت ونبوت دونوں باتیں انسانوں میں جمع ہوسکتی ہیں۔ جیسے گروہِ انبیاء میں ۳۱۳ نبی بھی ہیں اور رسول بھی۔

ہدایت (خدائی راہ نمائی) انسان کی بنیادی روحانی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبیوں اور رسولوں کے ذریعہ یہ ضرورت پوری کردی ہے۔ اب دانا وہ ہے جو اپنی روزی سے فائدہ اٹھائے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۩ وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ ۚ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ۚ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ ۚ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَٰذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ ۚ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ هُوَ مَوْلَاكُمْ ۖ فَنِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ ﴿٧٨﴾

رکوع ۱۰

يَاأَيُّهَا	اے	وَافْعَلُوا	اور کروتم	جِهَادِهِ	اس کے لئے کوشش کا
الَّذِينَ	جو	الْخَيْرَ (۱)	نیک کام	هُوَ	اس نے
آمَنُوا	ایمان لائے	لَعَلَّكُمْ (۲)	تاکہ تم	اجْتَبَاكُمْ (۶)	چن لیا ہے تم کو
ارْكَعُوا	رکوع کرو	تُفْلِحُونَ	کامیاب ہوؤ	وَمَا جَعَلَ	اور نہیں بنائی
وَاسْجُدُوا	اور سجدہ کرو	وَجَاهِدُوا (۳)	اور بھرپور کوشش کرو	عَلَيْكُمْ	تم پر
وَاعْبُدُوا	اور عبادت کرو	فِي اللَّهِ (۴)	اللہ (کے دین) میں	فِي الدِّينِ	دین میں
رَبَّكُمْ	اپنے رب کی	حَقَّ (۵)	جو حق ہے	مِنْ حَرَجٍ	کچھ تنگی

(۱) خیر کا لفظ تمام نیک کاموں کو شامل ہے۔ (۲) لَعَلَّ: شاہی محاورہ ہے، وعدہ کے لئے مستعمل ہے۔ (۳) جاهَدَ فی الأمر کے معنی ہیں کسی کام میں پوری طاقت لگانا، بھرپور کوشش کرنا، انتہائی درجہ جدوجہد کرنا۔ (۴) فی اللہ میں مجاز بالحذف ہے، قاعدہ ہے کہ اگر فی کے بعد اللہ آئے جیسا یہاں ہے، یا اللہ کے لئے ضمیر آئے، جیسے: ﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا﴾ میں ہے تو لفظ دین محذوف ہوتا ہے، اور جہاد بمعنی مجاہدہ ہوتا ہے۔ اور اگر سبیل اللہ آئے تو مراد اصطلاحی جہاد ہے یعنی دین کے مخالفین سے لوہا لینا۔ (۵) حقَّ جهاده: مفعول مطلق برائے تاکید ہے (۶) اجتباہ: اپنے لئے چن لیا، پسند کیا، اختیار کیا۔ مُجْتَبٰی: چنا ہوا، پسند کیا ہوا۔

مِلَّةَ (۱)	(پھیلاؤ) ملت	الرَّسُوْلُ	رسولؐ	الزَّكٰوةَ	زکوٰۃ
اَبِيْكُمْ	اپنے باپ	شَهِيْدًا	گواہ	وَاعْتَصِمُوْا	اور مضبوط پکڑو
اِبْرٰهِيْمَ	ابراہیمؑ کی	عَلَيْكُمْ	تم پر	بِاللّٰهِ	اللہ (کے دین) کو
هُوَ (۲)	انھوں نے	وَتَكُوْنُوْا	اور ہوؤتم	هُوَ	وہ
سَمّٰىكُمُ	نام رکھا ہے تمہارا	شُهَدَآءَ	گواہ	مَوْلٰىكُمْ	تمہارے کارساز ہیں
الْمُسْلِمِيْنَ (۳)	مسلمان (فرمانبردار)	عَلَى النَّاسِ	لوگوں پر	فَنِعْمَ	پس کیسے اچھے
مِنْ قَبْلُ (۴)	قبل ازیں	فَاَقِيْمُوا	پس اہتمام کروتم	الْمَوْلٰى	کارساز ہیں
وَفِيْ هٰذَا	اور اس میں	الصَّلٰوةَ	نماز کا	وَنِعْمَ	اور کیسے اچھے
لِيَكُوْنَ	تاکہ ہوں	وَاٰتُوا	اور دوتم	النَّصِيْرُ	مددگار ہیں

یہ سورتِ پاک کی آخری آیتیں ہیں۔ پہلی آیت میں اُس دین کا خلاصہ کیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ رسولوں کے ذریعہ انسانوں کی طرف بھیجا ہے۔ پھر دوسری آیت میں اس کی تبلیغ کا اور اس پر مضبوطی سے عمل پیرا ہونے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد ہے: ــــــ اے ایمان والو! رکوع کرو، اور سجدہ کرو، اور اپنے پروردگار کی بندگی کرو، اور خیر کے کام کرو، تاکہ تم کامیاب ہوؤ ــــــ ''اے ایمان والو'' یہ کافروں کے بالمقابل مؤمنون سے خطاب ہے۔ کیونکہ کافر تو دین پر ایمان لاتے نہیں، پس ایمانداروں کو چاہئے کہ وہی اس پر عمل کریں ــــــ ''رکوع کرو اور سجدہ کرو'' یعنی نماز پڑھو۔ قرآن کریم میں نماز کو اس کے اجزاء سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کہیں قیام سے، کہیں قرأت سے اور کہیں ذکر سے۔ یہاں رکوع وسجود سے تعبیر کیا ہے ــــــ نماز دین کا بنیادی ستون ہے، اس کو استوار رکھنا ضروری ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سرکاری عملہ کو ایک تحریر بھیجی تھی اس میں لکھا تھا کہ ''تمہارے (دینی) امور میں میرے نزدیک سب سے اہم نماز ہے۔ جو اس کی نگہداشت اور اس کی پابندی کرتا ہے وہ اپنے (پورے) دین کی حفاظت کرتا ہے۔ اور جو اس کو ضائع کرتا ہے وہ اور باتوں کو اور زیادہ ضائع کرے گا'' (موطا مالک حدیث نمبر ۶) ــــــ ''اور اپنے پروردگار کی

(۱) ملۃ کا عامل محذوف ہے أی بَلِّغُوْا۔ (۲) ھو کا مرجع اکثر مفسرین نے اللہ کو قرار دیا ہے، کیونکہ پہلے ھو کا یہی مرجع ہے، اور بعض مفسرین نے ابراہیم کو قرار دیا ہے، کیونکہ وہ اقرب ہے۔ حاصل دونوں کا ایک ہے۔ اگر ابراہیم علیہ السلام نے یہ نام رکھا ہے تو بھی اللہ کے حکم سے رکھا ہے۔ (۳) المسلمین: سَمّٰی کا مفعول ثانی ہے۔ مُسْلِمٌ کی جمع ہے، فارسی جمع ''مسلمان'' ہے جیسے طالب کی جمع طالبان، اِسْلام (باب افعال) کے لغوی معنی ہیں: خود سپردگی، سرافگندگی، فرماں برداری، اور اصطلاح میں: اسلام: حضرت محمد ﷺ کی لائی ہوئی شریعت (احکام وتعلیمات) کو بے چون وچرا ماننا اور سر تسلیم خم کرنا ہے۔ (۴) قبل کا مضاف الیہ ھذا محذوف ہے۔

بندگی کرو" یعنی عبادت ایک نماز ہی میں منحصر نہیں۔ عبادت کی اور بھی صورتیں ہیں، جیسے زکوۃ دینا، روزہ رکھنا، حج کرنا اور ذکر و تلاوت کرنا، یہ سب عبادت کی صورتیں ہیں۔ ان سب کو اپناؤ۔ کیونکہ انسان بندگی کے لئے پیدا کیا گیا ہے، پس جو بندہ جس قدر بندگی کرے گا اسی قدر مقصدِ حیات کی تکمیل کرے گا ـــــ "اور خیر کے کام کرو" یعنی عبادت کے علاوہ دوسرے نیکی کے کام بھی کرو، نیکی کے کاموں کی کچھ تفصیل آئندہ سورت کے شروع میں آرہی ہے ـــــ "تاکہ تم کامیاب ہوؤ" یعنی دنیاؤ آخرت میں تمہارا بھلا ہو۔ پہلے مسلمانوں کی سرخ روئی دین پر عمل کرنے کی وجہ سے تھی۔ اور اب ان کی زبوں حالی دین پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ہے۔ حدیث میں ہے: "اللہ تعالیٰ اس کتاب یعنی قرآنِ پاک کی وجہ سے بہت سوں کو اونچا کریں گے اور بہت سوں کو نیچا!(رواہ مسلم) یعنی جو لوگ قرآن مجید کو اپنا راہ نما بنائیں گے، اس کی ہدایات پر عمل کریں گے اور اس کے ساتھ تعلق استوار رکھیں گے وہ دنیاؤ آخرت میں سربلند ہونگے، بصورتِ دیگر اگر وہ بلندیوں کے آسمان پر بھی ہوں گے تو نیچے گرادیئے جائیں گے۔ کاش مسلمان سمجھیں!

فائدہ: امام اعظم ابوحنیفہ اور امام مدینہ مالک رحمہما اللہ کے نزدیک چونکہ یہاں رکوع وسجود کا ایک ساتھ ذکر ہے، اس لئے سجدہ سے نماز کا سجدہ مراد ہے۔ سجدۂ تلاوت مراد نہیں۔ جیسے سورۃ آلِ عمران (آیت ۴۳) میں مریم رضی اللہ عنہا کو حکم دیا گیا ہے: ﴿وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ﴾ یعنی سجدہ کر اور رکوع کر ان لوگوں کے ساتھ جو رکوع کرنے والے ہیں۔ اور ابھی اسی سورت (آیت ۲۶) میں رکوع وسجود کا تذکرہ آیا ہے۔ جس سے مراد نماز پڑھنا ہے۔ پس اس آیت میں بھی نماز پڑھنے کا حکم ہے ـــــ اور امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک یہاں رکوع سے تو نماز پڑھنا مراد ہے، مگر سجدہ سے سجدۂ تلاوت مراد ہے۔ اس لئے ان کے نزدیک یہاں سجدۂ تلاوت واجب ہے۔ ان کی دلیل حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! سورۂ حج کو دوسری سورتوں پر یہ برتری حاصل ہے کہ اس میں دو سجدے ہیں! آپؐ نے فرمایا: "ہاں! اور جو ان کو نہ کرے وہ ان کو نہ پڑھے!" دوسری دلیل: حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ان کو نبی ﷺ نے سورۂ حج میں دو سجدے سکھائے۔ مگر پہلی حدیث جس کو ترمذی وغیرہ نے روایت کیا ہے ضعیف ہے۔ اس کو ابن لہیعہ: ابوالمصعب بصری سے روایت کرتے ہیں۔ جو دونوں ضعیف راوی ہیں، اسی طرح دوسری روایت کو سعید عتقی: عبداللہ بن منین کلابی سے روایت کرتے ہیں۔ اور یہ دونوں مجہول راوی ہیں۔ جبکہ وجوب ثابت کرنے کے لئے مضبوط دلیل کی ضرورت ہے۔ اس لئے نماز سے باہر استحبابی طور پر کوئی سجدہ کرے تو بہتر ہے۔ نماز میں نہ کرے اور نہ یہاں سجدہ واجب ہے۔

تبلیغِ دین کا حکم: ـــــ اور اللہ کے دین کے لئے بھرپور کوشش کرو جیسا کہ اس کے لئے کوشش کرنے کا حق ہے ـــــ یعنی اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ جو دین تمہارے پاس بھیجا ہے، جس کا خلاصہ ابھی تم کو سنایا گیا، اس

دین کی اشاعت کے لئے ہرممکن کوشش کرو۔تبلیغ کے لئے برائے نام مجاہدہ کافی نہیں۔جیسے سورۃ آل عمران (آیت۱۰۲) میں حکم ہے کہ ''اللہ سے ڈروجیسا اللہ سے ڈرنے کا حق ہے''یعنی اللہ کے ہر حکم کی تعمیل کرواور معمولی گناہ کا بھی ارتکاب نہ کرو، اسی طرح یہ حکم ہے کہ دین کے لئے کوشش کروجیسا کہ کوشش کرنے کا حق ہے۔یعنی تبلیغ کے جوتقاضے ہیں ان کو پورا کرو۔

اور یہ حکم چار وجوہ سے دیا گیا ہے۔

پہلی وجہ: ـــــ اس نے تمہیں چن لیا ہے ـــــ یعنی نبی ﷺ پر نبوت تمام ہوگئی ہے۔آپ کے بعد کوئی نئے نبی آنے والے نہیں۔اور ابھی زمانہ کتنا باقی ہے اس کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، پھر آنحضرت ﷺ کے بعد دین کا کام کیسے چلے گا؟ اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے تم کو چن لیا ہے۔آپ ﷺ کے بعد دین کی اشاعت کا کام آپؐ کی امت سے لیا جائے گا۔سورۃ آل عمران (آیت۱۱۰) میں ہے: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ یعنی تم علم الٰہی میں بہترین امت تھے، چنانچہ تمہیں لوگوں کی نفع رسانی کے لئے وجود میں لایا گیا۔یعنی نبی ﷺ کے بعد دین کا کام تمہیں ہاتھ میں لینا ہے۔اور یہ خیال نہ کرو کہ یہ تو بہت مشکل کام ہے، ہمارے بس کا کہاں؟ نبیوں ہی کا یہ حوصلہ ہے، ہم عاجز امتی یہ کام کیسے انجام دے سکتے ہیں؟ سنو! ـــــ اور اس نے تم پر دین میں کچھ تنگی نہیں کی ـــــ نہ اس پر عمل کرنے میں کچھ دشواری ہے، نہ اس کو پھیلانے میں کوئی پریشانی ہے۔تم کام شروع کر کے دیکھو! کتنا آسان کام ہے۔

دوسری وجہ: ـــــ اپنے باپ ابراہیم (علیہ السلام) کی ملت کو (پھیلاؤ) ـــــ یعنی یہ تمہارا اپنا کام ہے، اور اس میں تمہارا اپنا نفع ہے۔نبی ﷺ جو دین لائے ہیں وہ تمہارے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے۔اس کو پھیلاؤ گے تو دنیا میں تمہارے دادا کا اور ان کے واسطے سے تمہارا نام روشن ہوگا۔اور آدمی اپنے خاندان کی سربلندی کے لئے ہر قربانی دیتا ہے، تن مَن دَھن کی بازی لگاتا ہے، پس تم بھی اٹھو اور ہر قربانی دے کر اس دین کو پھیلاؤ ـــــ قرآن کے پہلے مخاطب مکہ والے تھے جو ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تھے۔اس تخصیص میں ان کے لئے تشویق ہے کہ یہ مذہب تمہارے لئے کوئی بیرونی چیز نہیں۔یہ تو عین تمہارے جد محترم کا مذہب ہے۔پس یہ وجہ پہلے مخاطبوں کے ساتھ خاص ہے، باقی تین وجوہ پوری امت کو عام ہیں۔

تیسری وجہ: ـــــ انھوں نے تمہارا نام مسلم رکھا ہے پہلی کتابوں میں بھی اور اس کتاب میں بھی ـــــ یعنی اللہ تعالیٰ نے پہلی کتابوں میں اور اس قرآن میں تمہارا نام ''مسلم'' یعنی فرمانبردار رکھا ہے۔یا ابراہیم علیہ السلام نے تمہارا یہ نام رکھا تھا۔انھوں نے تعمیر کعبہ کے وقت یہ دعا کی تھی: ﴿رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَّكَ﴾ ترجمہ: اے ہمارے پروردگار! ہم کو اپنا فرمان بردار بنا، اور ہماری اولاد میں ایک ایسی جماعت پیدا فرما جو آپ کی فرمانبردار ہو۔اور اس قرآن میں بھی شاید اُن ہی کے مانگنے سے یہ نام پڑا ہے۔بہر حال تمہارا امتیازی وصف یہی ہے۔پس اسکی لاج رکھو ـــــ

تمام انبیاء کا مذہب اسلام ہے: ﴿ إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الإِسْلَامُ ﴾ یعنی دین بلاشبہ اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہے (سورۂ آلِ عمران آیت ۱۹) مگر بعد میں ہر نبی کی امت کا لقب جدا پڑ گیا۔ موسیٰؑ کی امت یہود اور عیسیٰؑ کی امت نصرانی کہلائی، مگر اس امت کا لقب ''مسلم'' ہی رہا۔ محمدی: اس امت کو کفار کہتے ہیں۔ اسکا اصل نام ''مسلمان'' ہے یعنی حکم خداوندی کے سامنے گردن جھکانے والے۔ پس اس امت کو چاہئے کہ اللہ کے ہر حکم کو خاص طور پر اشاعتِ اسلام کے حکم کو قبول کرے۔

چوتھی وجہ: —— تا کہ رسول (ﷺ) تم پر گواہ ہوں، اور تم لوگوں پر گواہ ہوؤ —— یعنی آنحضرت ﷺ قیامت کے دن اپنے زمانے کے لوگوں (امت دعوت) کے خلاف گواہی دیں گے، اور آپؐ کی امت اپنے اپنے زمانے کے لوگوں کے خلاف گواہی دے گی۔ کیونکہ جس طرح رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کی طرف مبعوث ہیں، آپؐ کی امت بھی آپؐ کی طرف سے لوگوں کی طرف مبعوث ہے۔ پس جو ذمہ داری اللہ کے رسول کی ہے، وہی ذمہ داری رسول اللہ ﷺ کے رسولوں کی بھی۔ اور رسول اللہ ﷺ کی ذمہ داری دعوت وارشاد ہے۔ پس وہی ذمہ داری امت کی بھی ہے (۱)

> مسلمانوں کو دین حق کی تبلیغ رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ سے ہوئی ہے۔ اور مسلمانوں کے واسطے سے دین حق ساری نسلِ انسانی کو پہنچتا ہے (ماجدی)

دعوت کے کام کے لئے شرط: —— دعوت مؤثر اس وقت ہوتی ہے جب داعی کی زندگی اور اس کی دعوت میں مطابقت ہو۔ اگر ایسا نہیں ہوگا تو اس کی دعوت کا خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوگا۔ لوگ اس کی بات کو سنجیدگی سے نہیں لیں گے، اس لئے ارشاد ہے: —— پس نماز کا اہتمام کرو، اور زکوٰۃ ادا کرو، اور اللہ کے دین کو مضبوط پکڑو ——

نماز: بدنی عبادات میں سب سے اہم عبادت ہے اور زکات مالی عبادات میں۔ پس ان دونوں عبادتوں کا خصوصیت سے اہتمام کرو۔ اور اللہ کے دین کو مضبوط پکڑو یعنی تمام ہی احکام شرعیہ کی پابندی کرو، قرآن وسنت سے تمسک کرو۔ ان کو ہر حال میں لازم پکڑو۔ اس طرح اپنی زندگی کو خوب سنوار کر دعوت وتبلیغ کے لئے نکلو۔ اور اپنے سب کاموں میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو —— وہ تمہارے کارساز ہیں —— وہ پیچھے کے احوال سنواریں گے —— پس کیسے اچھے کارساز ہیں! —— یعنی تم خود اپنے کام ایسے نہیں سنوار سکتے جیسے وہ سنواریں گے —— اور کیسے اچھے مددگار ہیں! —— یعنی دعوت کے کام میں بھی وہ تمہاری قدم قدم پر مدد کریں گے۔ تمہیں تنہا نہیں چھوڑیں گے۔

﴿ اللہ کے فضل وکرم سے ۱۲؍ ربیع الاول ۱۴۲۷ ہجری کو بروز منگل سورۃ الحج کی تفسیر پوری ہوئی ﴾

(۱) یہ مضمون تفصیل سے حجۃ اللہ البالغہ کی شرح رحمۃ اللہ الواسعہ جلد دوم، صفحہ ۵۰ تا ۵۵ میں پڑھیں۔ اور ہدایت القرآن سورۃ النحل کی آیت ۸۹ کی تفسیر بھی ملاحظہ فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ المؤمنون

نمبر شمار ۲۳ نزول کا نمبر ۷۴ نزول کی نوعیت مکی آیات ۱۱۸ رکوع ٦

سورت کا نام اور زمانۂ نزول: اس سورت کا نام پہلی ہی آیت سے ماخوذ ہے۔ سورت کی ابتدائی دس گیارہ آیتوں میں یہ مضمون ہے کہ جن لوگوں نے نبی ﷺ کی بات مان لی ہے ان میں سات اہم اوصاف پیدا ہو گئے ہیں، اور یہی لوگ دنیا وآخرت میں فلاح وکامیابی کے مستحق ہیں۔ آج بھی اہل ایمان کی سرخ روئی انہی ایمانی اوصاف کی بدولت ممکن ہے ——— یہ سورت مکی دور کے آخر میں نازل ہوئی ہے۔ نزول کا نمبر ۷۴ ہے۔ مکی سورتیں کل ۸۵ ہیں۔ پس یہ سورت آخر کے دو سالوں میں نازل ہوئی ہے۔

سورت کے مضامین: یہ سورت ایمانی اوصاف کے بیان سے شروع ہوئی ہے۔ سورت کا سب سے پہلا مضمون یہ ہے کہ اگر ایمان کے ساتھ: سات باتیں مجتمع ہوں تو آخرت کی کامیابی یقینی ہے۔ ایسے مؤمنین جنت الفردوس کے وارث ہونگے (آیات ۱-۱۱) مگر ان مؤمنین کو جنت دوسری زندگی میں ملے گی، اور یہ بات اس طرح بیان کی ہے کہ بعث بعد الموت کا امکان بھی سمجھ میں آجائے۔ اس مقصد سے انسانی زندگی کے مختلف تطوّرات بیان کئے ہیں۔ اور یہ بتایا ہے کہ بے جان مادّہ کس طرح مختلف احوال سے گذرنے کے بعد حیات سے ہمکنار ہوتا ہے۔ (آیات ۱۲-۱۶)

پھر یہ مضمون شروع ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کر کے بس یونہی نہیں چھوڑ دیا۔ بلکہ اس کی تمام ضروریات کا انتظام کیا ہے، اور صرف جسمانی ضروریات ہی کا نہیں بلکہ روحانی ضروریات کا بھی سامان کیا ہے۔ آیات (۱۷-۲۲) میں جسمانی ضروریات کا ذکر ہے۔ پھر آیات (۲۳-۵۰) میں روحانی ضروریات اور دینی تربیت کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانیت کے آغاز کے ساتھ ہی نبوت وہدایت کا سلسلہ جاری فرمایا ہے۔ سب سے پہلے نوح

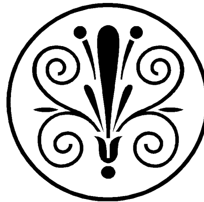
علیہ السلام کا تذکرہ کیا ہے، پھر ایک دوسری قوم کا تذکرہ نامزد کئے بغیر کیا ہے، پھر انبیاء کا مسلسل آنا اوران کی قوموں کی تکذیب کرنے کا ذکر ہے۔آخر میں موسیٰ علیہ السلام اور فرعونیوں کا ذکر ہے، اس کے بعد عہد بنی اسرائیل کی ابتداء وانتہا کا تذکرہ ہے۔ساتھ ہی یہ تذکرہ بھی چلتا رہا ہے کہ انبیاء کی اقوام نے اپنے پیغمبروں کی بات مان کرنہیں دی، چنانچہ تکذیب کی پاداش میں وہ ہلاک ہوتی رہیں۔ضمناً عقیدۂ آخرت کا انکاراور منکرین کا انجام بیان کیا ہے۔

پھر تمام رسولوں سے خطاب کیا ہے کہ حلال کھاؤ اور نیک کام کرو، پھر قرآن کے مخاطبین کو بتایا ہے کہ تمام انبیاء کا دین ایک ہے، اسی دین کو یہ آخری پیغمبر پیش کررہے ہیں۔اورآج جو امتیں مختلف ہیں تو یہ نبیوں کے بعدخودلوگوں نے اختلاف پیدا کیا ہے۔ پھر یہ مضمون ہے کہ کفار دنیا کی عیش وراحت ہی کو حاصل زندگانی سمجھتے ہیں، اوراسی کو اپنی حقانیت اور مقبولیت کی دلیل سمجھتے ہیں۔یہ ان کو دھوکہ لگا ہوا ہے ان کے مقابل مؤمنین کا تذکرہ کیا ہے جو بھلائیوں کی طرف دوڑنے والے ہیں، اوران کی چار باتیں بیان کی ہیں۔(آیات ۵۱-۶۲)

اس کے بعد کفار کی بداعمالیوں کا بیان ہے۔اوران کو بتایا ہے کہ مؤمنین کی طرح ان کے اعمال بھی ریکارڈ کئے جارہے ہیں، مگروہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ پھر ایسی سات باتوں کا تذکرہ کیا ہے جو امکانی درجہ میں کفار کے ایمان لانے میں رکاوٹ بن سکتی ہیں (آیات ۶۳-۷۷)

پھر اللہ کی قدرتِ کاملہ اورعظمتِ قاہرہ کا بیان ہے۔اللہ تعالیٰ کے تین عظیم کارنامے ذکر کئے ہیں اور حیات بعد الموت ثابت کی ہے پھر مشرکین سے تین سوالات کئے ہیں، اور توحید ثابت کی ہے (آیات ۷۸-۹۲)

پھر نہایت لطیف پیرائے میں کفار کو دنیا میں عذاب کی دھمکی دی ہے۔ پھر قیامت کے دن کے دو واقعات ذکر کئے ہیں، اورآخرت کے چار احوال ذکر کئے ہیں، اس کے بعد سورت کی آخری موعظتیں ہیں۔(آیات ۹۳-۱۱۸)



(آیاتہا ۱۱۸) (۲۳) سُوْرَةُ الْمُؤْمِنُوْنَ مَكِّيَّةٌ (۷۴) (رکوعاتہا ۶)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝۲ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝۳ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۝۴ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝۵ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝۶ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝۷ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝۸ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝۹ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝۱۰ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۱۱

بِسْمِ اللّٰهِ	اللہ کے نام سے	خٰشِعُوْنَ(۱)	عاجزی کرنیوالے ہیں	فٰعِلُوْنَ	ادا کرنے والے ہیں
الرَّحْمٰنِ	بے حد مہربان	وَالَّذِيْنَ	اور جو کہ	وَالَّذِيْنَ	اور جو کہ
الرَّحِيْمِ	نہایت رحم والے	هُمْ	وہ	هُمْ	وہ
قَدْ اَفْلَحَ	تحقیق کامیاب ہوئے	عَنِ اللَّغْوِ	بیکار باتوں سے	لِفُرُوْجِهِمْ	اپنی شرمگاہوں کی
الْمُؤْمِنُوْنَ	وہ مؤمنین	مُعْرِضُوْنَ	روگردانی کرنیوالے ہیں	حٰفِظُوْنَ	حفاظت کرنیوالے ہیں
الَّذِيْنَ	جو کہ	وَالَّذِيْنَ	اور جو کہ	اِلَّا(۲)	مگر
هُمْ	وہ	هُمْ	وہ	عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ	اپنی بیویوں سے
فِيْ صَلَاتِهِمْ	اپنی نماز میں	لِلزَّكٰوةِ	زکات کو	اَوْ مَا(۳)	یا ان سے جن کے

(۱) خَشَعَ (ف) خُشُوْعًا: عاجزی دکھانا، انکساری کرنا، آواز پست ہونا، نگاہ نیچی کرنا۔ خَضَعَ (ف) خُضُوْعًا کے بھی تقریباً یہی معنی ہیں۔ مگر خُضوع کا استعمال بدن میں ہوتا ہے، اور خشوع کا آواز اور نگاہ میں...... الذين هم إلخ موصول مع صلہ: المؤمنون کی صفت ہے۔ فی صلاتهم: خشعون سے متعلق ہے۔ یہی ترکیب آگے بھی ہے، اور سب الذين: المؤمنون کی صفتیں ہیں۔ (۲) الاستثناءُ مُفَرَّغٌ من أعم الأحوال أی حافظون لفروجهم فی جميع الأحوال إلا حال كونهم وَالِيْنَ وَقَوَّامِيْنَ على أزواجهم (روح) اور علی أزواجهم: میں علی بمعنی مِنْ ہے۔ (۳) ما: کا عطف أزواج پر ہے۔ اور ما: موصولہ ہے، اور عائد ملکت میں محذوف ہے أی ملکته.

مَلَكَتْ	مالک ہیں	الْعٰدُوْنَ [2]	حد سے تجاوز کرنے	يُحَافِظُوْنَ	پابندی کرنیوالے ہیں
اَيْمَانُهُمْ	ان کے دائیں ہاتھ		والے ہیں	اُولٰٓئِكَ	یہ لوگ
فَاِنَّهُمْ	پس بیشک وہ	وَالَّذِيْنَ	اور جو کہ	هُمُ	وہ
غَيْرُ	ملامت کئے ہوئے	هُمْ	وہ	الْوٰرِثُوْنَ	وارث ہونے والے ہیں
مَلُوْمِيْنَ [1]	نہیں ہیں	لِاَمٰنٰتِهِمْ	اپنی امانتوں کا	الَّذِيْنَ	جو
فَمَنِ	پس جس نے	وَعَهْدِهِمْ	اور اپنے پیمانوں کا	يَرِثُوْنَ	وارث ہونگے
ابْتَغٰى	چاہا	رٰعُوْنَ [3]	خیال رکھنے والے ہیں	الْفِرْدَوْسَ [4]	بہشت بریں کے
وَرَآءَ ذٰلِكَ	اس کے علاوہ	وَالَّذِيْنَ	اور جو کہ	هُمْ	وہ
فَاُولٰٓئِكَ	پس وہ لوگ	هُمْ	وہ	فِيْهَا	اس میں
هُمُ	وہ	عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ	اپنی نمازوں کی	خٰلِدُوْنَ	ہمیشہ رہنے والے ہیں

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بے حد مہربان نہایت رحم والے ہیں

گذشتہ سورت کے آخر میں مؤمنین کو حکم دیا تھا کہ وہ رکوع وسجدہ کریں یعنی نماز پڑھیں، اپنے رب کی عبادت کریں، اور نیک کام کریں تاکہ وہ کامیاب ہوں۔ اب یہ سورت نیک کاموں کے بیان سے شروع ہو رہی ہے۔ ان کا مقصد بھی کامیابی حاصل کرنا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا پاک ارشاد ہے کہ جو شخص ان دس آیات [5] پر پورا پورا عمل کرے جنت میں جائے گا (رواہ الترمذی والنسائی وغیرہما) اور خود رسول اللہ ﷺ ان آیات پر پوری طرح عمل کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا گیا کہ نبی ﷺ کے اخلاق کیا تھے؟ انھوں نے جواب دیا: كان خُلُقه

(۱) مَلُوْم: اسم مفعول لَامَهُ علی كذا لَوْمًا: ملامت کرنا۔ آڑے ہاتھوں لینا۔ (۲) عادون: اسم فاعل، صیغہ جمع مذکر، اصل میں عَادِوُوْنَ تھا پہلا واو کلمہ میں چوتھی جگہ آیا، اور اس کا ماقبل مضموم نہیں ہے۔ اس لئے اس کو ی سے بدلا عَادِيُوْن ہوا، پھر ضمہ ی پر ثقیل تھا نقل کر کے ماقبل کو دیا، پھر دوساکن جمع ہوئے تو ی کو گرادیا۔ عَادُوْن ہوا۔ عَدَا (ن) عَدْوًا: دوڑنا۔ (۳) راعون: اسم فاعل، صیغہ جمع مذکر، اصل میں رَاعِيُوْنَ تھا، ضمہ ی پر ثقیل تھا نقل کر کے ماقبل کو دیا، پھر دوساکن جمع ہوئے تو ی کو گرادیا۔ رَعٰى يَرْعٰى الماشية: جانوروں کو چرانا۔ رَعَى الشيئَ: خیال رکھنا، حفاظت کرنا۔ (۴) الفِرْدَوْس: مکمل لوازم والا باغ، سرسبز وشاداب باغ (مذکر ہے، کبھی مؤنث بھی آتا ہے) یہ لفظ معرب ہے، اور تمام زبانوں میں معروف ہے۔ اور جنت کے لئے مستعمل ہے۔ انگریزی میں اس کا تلفظ پیرے ڈائز (PARADISE) ہے۔ جس کے معنی ہیں: جنتِ عدن یعنی جنت کا سب سے بلند وبالا درجہ۔
(۵) آیات درحقیقت گیارہ ہیں، عرب کسر کو چھوڑ دیتے ہیں ۱۲

القرآنُ: یعنی آپؐ کے اخلاق وہی تھے جو قرآن میں ہیں۔ پھر حضرت عائشہؓ نے یہ دس آیتیں پڑھیں اور فرمایا: یہی رسول اللہ ﷺ کی عادات واخلاق تھے (رواہ النسائی وغیرہ) اس لئے تفسیر پڑھنے والوں کو یہ آیتیں اچھی طرح سمجھنی چاہئیں، اوران پرعمل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، ان شاءاللہ کامیابی ان کے قدم چومے گی۔

ان گیارہ آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر انسان میں ایمان کے ساتھ: سات باتیں جمع ہوں تو آخرت میں اس کی کامیابی یقینی ہے۔ وہ سات باتیں یہ ہیں: خشوع وخضوع کے ساتھ نماز پڑھنا، بیکار باتوں سے بچارہنا، پابندی سے زکات ادا کرنا، شرمگاہ کی حفاظت کرنا، امانت داری برتنا، عہد و پیمان کا پاس ولحاظ رکھنا، اور نمازوں کی پابندی کرنا۔ ان اوصاف کے حامل لوگوں سے جنت الفردوس کا وعدہ ہے، اور یہی اصل اور کامل کامیابی ہے۔ اب تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

یقیناً کامیابی حاصل کی ان مؤمنین نے جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں، اور جو بیکار باتوں سے کنارہ کشی کرنے والے ہیں۔ اور جو زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں، اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، مگر اپنی بیویوں سے اوران سے جن کے مالک ہیں ان کے دائیں ہاتھ، پس وہ یقیناً ملامت کئے ہوئے نہیں ہیں، پس جو کوئی اس کے علاوہ چاہے، پس وہ حد سے نکل جانے والے ہیں، اور جو اپنی امانتوں اور اپنے پیمانوں کا لحاظ رکھنے والے ہیں، اور جو اپنی نمازوں کی پابندی کرنے والے ہیں، یہی لوگ وارث بننے والے ہیں، جو بہشتِ بریں کے وارث ہونگے، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

فلاح (کامیابی) کا لفظ قرآن وحدیث میں بکثرت استعمال ہوا ہے۔ قرآن پاک کے بالکل شروع (سورۃ البقرہ آیت۵) میں: ﴿اَلْمُفْلِحُوْنَ﴾ (کامیاب ہونے والوں) کا تذکرہ آیا ہے۔ اذان واقامت میں پانچ وقت ہر مسلمان کو فلاح کی طرف دعوت دی جاتی ہے۔ فلاح کے معنی یہ ہیں کہ ہر مراد حاصل ہو، اور ہر تکلیف دور ہو۔ ایسی فلاح دنیا میں ممکن نہیں۔ دنیا آزمائش کی جگہ ہے، اس لئے یہ بات دنیا کے موضوع کے خلاف ہے کہ کوئی بات خلافِ طبع پیش نہ آئے اور ہر خواہش بلا تاخیر پوری ہو جائے۔ اگر کوئی ہفت اقلیم کا بادشاہ بن جائے تو بھی اسے زوالِ نعمت کا کھٹکا لگا رہے گا۔ پس کامل فلاح کا حصول یہاں ممکن نہیں۔ یہ متاعِ گرانمایہ ایک دوسرے عالم میں ملتی ہے، جس کا نام آخرت ہے۔ وہ ایسی جگہ ہے جہاں انسان کی ہر مراد ہر وقت بلا انتظار پوری ہوگی۔ ان آیات کے آخر میں اس کا تذکرہ ہے۔

یہ کامل کامیابی ان مؤمن بندوں کا نصیب ہے جن میں ایمان کے ساتھ خصوصی طور پر سات باتیں پائی جاتی ہیں:

پہلی بات: خشوع وخضوع کے ساتھ نماز پڑھنا۔ خشوع کے معنی سکون کے ہیں۔ دل میں بھی سکون ہو کہ غیراللہ کا خیال دل میں بالقصد نہ لائے اور اعضاء بھی پرسکون ہوں کہ فضول حرکتیں نہ کرے۔ خصوصاً وہ حرکتیں جن سے رسول

اللہ ﷺ نے نماز میں منع فرمایا ہے۔ جیسے:

① —— نماز میں دائیں بائیں دیکھنا، خواہ چہرہ پھیر کر دیکھے یا گوشۂ چشم سے دیکھے۔ بےضرورت نماز میں ایسا کرنا مکروہ ہے۔ اس سے نماز میں خشوع باقی نہیں رہتا۔ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نماز کی حالت میں بندے کی طرف برابر متوجہ رہتے ہیں، جب تک وہ دوسری طرف التفات نہ کرے۔ جب وہ دوسری طرف التفات کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے رُخ پھیر لیتے ہیں (۱) اور نبی ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ نگاہ اس جگہ رکھو جس جگہ سجدہ کرتے ہو، اور نماز میں دائیں بائیں مت دیکھو، کیونکہ نماز میں التفات تباہی ہے (۲) اور متفق علیہ روایت میں ہے کہ نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنا لوٹ کھسوٹ ہے۔ شیطان بندے کی نماز میں سے کھسوٹ لیتا ہے (۳)۔ یعنی اس سے نماز ناقص ہوتی ہے۔

④ —— نماز میں کسی چیز سے کھیلنا: خواہ بدن کے کسی حصہ سے کھیلے یا کنکری وغیرہ سے۔ نماز میں یہ حرکت بھی مکروہ ہے، اس سے بھی نماز کا خشوع باقی نہیں رہتا۔ نبی ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جو نماز میں اپنی ڈاڑھی سے کھیل رہا تھا۔ فرمایا: ''اگر اس شخص کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضاء میں بھی سکون ہوتا!'' (۴) اور متفق علیہ روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جو نماز میں سجدہ کی جگہ کی مٹی ٹھیک کر رہا تھا: فرمایا: ''اگر ایسا کرنا ضروری ہو تو صرف ایک مرتبہ کرے!'' (۵)

③ —— نماز میں جماہیاں لینا۔ بعض لوگ جب نماز شروع کرتے ہیں تو جماہیوں پر جماہیاں لینے لگتے ہیں۔ حدیث میں اس کو شیطانی حرکت قرار دیا ہے۔ اور فرمایا: ''نماز میں جماہی آنا چاہے تو حتی الامکان منہ بند رکھے، کیونکہ شیطان منہ میں گھستا ہے!'' (۶) یعنی مکھی مچھر وغیرہ منہ میں گھس جاتا ہے اور ساری نماز خراب کر دیتا ہے۔ علاوہ ازیں جماہی سے طبیعت میں سستی پیدا ہوتی ہے، پھر آدمی ہارے جی نماز پڑھتا ہے۔

اس قسم کے اور بھی افعال و احوال ہیں جو خشوع میں خلل ڈالتے ہیں۔ جیسے نگاہ آسمان کی طرف اٹھانا، انگلیاں چٹخانا وغیرہ۔ اس سب چیزوں سے نماز میں احتیاط ضروری ہے۔ اور اصل خشوع دل کا خشوع ہے۔ جب دل خاشع و خائف ہوتا ہے تو اس کے آثار بدن پر ظاہر ہوتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ نماز میں ایسے ساکن ہوتے تھے جیسے بے جان لکڑی، اور کہا جاتا تھا کہ یہ نماز کا خشوع ہے۔ ایسا خشوع اگرچہ نماز کی صحت کے لئے

---

(۱) رواہ ابوداؤد، والنسائی وغیرہما، مشکوٰۃ حدیث ۹۹۵ باب مالایجوز من العمل فی الصلوٰۃ، کتاب الصلاۃ (۲) مشکوٰۃ حدیث ۹۹۶ و ۹۹۷ (۳) مشکوٰۃ حدیث ۹۸۲ (۴) رواہ الترمذی بسند ضعیف (مظہری) (۵) مشکوٰۃ حدیث ۹۸۰ (۶) رواہ مسلم مشکوٰۃ حدیث ۹۸۵

شرط نہیں، مگر حسنِ قبول کے لئے شرط ہے۔ کامل فلاح اور اعلیٰ درجہ کی کامیابی انہیں مؤمنین کو حاصل ہوتی ہے جو کامل خشوع وخضوع کے ساتھ نمازیں ادا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسی نماز پڑھنے کی توفیق عطا فرمائیں (آمین)

دوسری بات: بیکار باتوں سے بچا رہنا۔ زندگی بڑی قیمتی ہے۔ مسلمان کی یہ شان نہیں کہ ایک لمحہ بھی ضائع کرے اور غیر مفید کام کی طرف متوجہ ہو۔ سیر وتفریح اور مشاغل نشاط جس حد تک صحتِ جسم اور انبساطِ قلب کے لئے ضروری ہیں: ضروری ہیں، ان کا شمار لغو میں نہیں۔ باقی فضول مشاغل میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے۔ حدیث میں ہے کہ: ''آدمی کے اسلام کی خوبی بے فائدہ چیزوں کو چھوڑ دینا ہے''[1] اور ہر لغو بات سے بچنے کا ذکر جو نماز میں خشوع کے ساتھ متصلاً آیا ہے، اور زکوٰۃ کے حکم کو بعد میں لایا گیا ہے، اس میں راز یہ ہے کہ لغویات سے اجتناب نماز کی عین تکمیل کرنے والا ہے۔ جو لوگ زندگی کے ہر معاملہ میں فضول باتوں سے بچتے ہیں وہ نماز میں بھی بچتے ہیں۔ اور جن کی زندگی لاابالی پن میں گزرتی ہے ان کو نماز میں بھی سکون نصیب نہیں ہوتا —— لغو کا اعلیٰ درجہ معصیت ہے۔ فائدہ ندارد گناہ لازم! پس اس سے احتراز واجب ہے۔ اور ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ کام نہ مفید ہو نہ مضر، اس کا ترک اولیٰ اور موجبِ مدح ہے۔

تیسری بات: پابندی سے زکوٰۃ ادا کرنا۔ زکوٰۃ شروع اسلام ہی سے فرض ہے، سورۃ مزمل میں جو بالکل ابتداء میں نازل ہوئی ہے زکوٰۃ کا ذکر ہے۔ البتہ اس کی تفصیلات ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہیں۔ پہلے زکوٰۃ کا مفہوم اللہ کی راہ میں خرچ کرنا تھا —— اللہ کے لئے خرچ کرنے میں ذاتی فائدے بھی ہیں اور قومی بھی۔ زکوٰۃ ادا کرنے سے نفس سنورتا ہے۔ بخل زائل ہوتا ہے، جذبۂ ترحم ابھرتا ہے اور گناہ معاف ہوتے ہیں۔ اور انفاق سے کمزوروں کو سہارا اور حاجت مندوں کو تعاون ملتا ہے[2]

چوتھی بات: شرمگاہ کی حفاظت کرنا۔ گناہ کے سرچشمے دو ہیں: پیٹ کی خواہش اور شرمگاہ کی خواہش۔ پیٹ بھرنے کے لئے آدمی حرام وحلال کو بالائے طاق رکھ دیتا ہے، اور شرمگاہ کی تسکین کے لئے ہر کردنی ناکردنی کرتا ہے —— بخاری شریف میں روایت ہے کہ اگر کوئی شخص مجھے زبان اور شرمگاہ پر کنٹرول رکھنے کی گارنٹی دیدے تو میں اس کو جنت کی گارنٹی دے سکتا ہوں[3]

مگر شرمگاہ کی خواہش بجائے خود بری چیز نہیں۔ جس طرح بھوک پیاس اور نیند فطری ضرورتیں ہیں خواہش بھی طبعی چیز ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس کو انسان پر اس لئے مسلط کیا ہے کہ نسلِ انسانی پھیلے۔ اور یہ بات اسی صورت میں

---

(۱) رواہ مالک واحمد وابن ماجہ (مشکوٰۃ حدیث ۴۸۳۹ باب حفظ اللسان کتاب الآداب) (۲) تفصیل کے لئے دیکھیں رحمۃ اللہ الواسعہ ج:۴، ص:۲۳-۲۵ (۳) مشکوٰۃ حدیث ۴۸۱۲ باب حفظ اللسان۔

ممکن ہے کہ اس کو اس کی جگہ میں خرچ کیا جائے۔ قابل الزام اس کا ضائع کرنا یا بے محل خرچ کرنا ہے۔ چنانچہ بیوی سے بھی اغلام کرنا، اور حالتِ حیض ونفاس میں صحبت کرنا حرام ہے۔ اسی طرح زنا، لواطت، مُتعہ یعنی چندروزہ نکاح، اور ہاتھ سے منی نکالنا ممنوع ہیں۔ کیونکہ یہ مادّہ کا ضیاع اور مقصد کو فوت کرنا ہے۔

پانچویں بات: امانت داری برتنا۔ امانت: ہر وہ چیز ہے جس کی ذمہ داری کسی نے لی ہو، اور اس پر بھروسہ کیا گیا ہو۔ امانت کی حفاظت اور اس کا حق ادا کرنا ایک جامع لفظ ہے۔ اس کی بے شمار صورتیں ہیں۔ کچھ حقوق اللہ سے متعلق ہیں اور کچھ بندوں سے۔ حقوق اللہ سے متعلق امانتیں یہ ہیں: فرائض وواجبات کو ادا کرنا اور حرام ومکروہات سے اجتناب کرنا۔ بلکہ سورۃ الاحزاب (آیت ۷۲) میں تمام شرعی احکام کو لفظ امانت سے تعبیر کیا ہے۔ اور حقوق العباد سے متعلق امانتیں بطور مثال یہ ہیں:

۱ــــ مالی امانتیں: یعنی کسی شخص نے کسی کے پاس کوئی چیز برائے حفاظت رکھی ہو تو وہ امانت ہے۔ اس کی حفاظت اور بوقت طلب اس کی ادائیگی ضروری ہے۔

۲ــــ اسی طرح کوئی راز کی بات کسی سے کہی گئی ہو تو وہ بھی امانت ہے، اس کو ظاہر کرنا امانت داری کے خلاف ہے۔

۳ــــ اسی طرح مزدور اور ملازم کو جو کام سپرد کیا گیا ہے، اور اس کے لئے جو وقت طے کیا گیا ہے وہ بھی امانت ہے۔ پس کام میں کمی کرنا یا وقت میں چوری کرنا امانت میں خیانت ہے۔ آج بہت سے مسلمان ملازمت کے لئے سرگرداں ہیں، اگر وہ اس امانت داری کا ثبوت دیں تو سب سے پہلے انہی کو ملازمت ملے۔

چھٹی بات: عہد وپیمان کا پاس ولحاظ رکھنا۔ عہد اور پیمان: دونوں کے معنی ہیں قول وقرار۔ اس کے تحت میں حقوق اللہ اور حقوق العباد: دونوں قسم کے قول وقرار آتے ہیں۔ نیز معاملات وعبادات کے سارے عہد اس میں شامل ہیں۔ سورۃ الانعام (آیت ۱۵۲) میں ہے: ﴿وَبِعَهْدِ اللّٰهِ أَوْفُوْا﴾ یعنی اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے عہد وپیمان پورے کرو۔ اور سورۃ الرعد (آیت ۲۰) میں مؤمن بندوں کا حال بیان کیا ہے: ﴿ اَلَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ﴾ یعنی مؤمن بندے پیانِ خداوندی پورا کرتے ہیں، اور وہ اپنا اقرار نہیں توڑتے ــــــ انسان نے اللہ تعالیٰ سے کیا عہد وپیمان کیا ہے؟ یہ عہد کیا ہے کہ الٰہی! آپ ہمارے خالق ومالک اور پروردگار ہیں، اور ہم آپ کے بندے ہیں۔ اس عہد وپیمان کی وجہ سے کچھ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ انہی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کا نام پیانِ خداوندی کو پورا کرنا ہے ــــــ اور انسانوں سے کئے ہوئے عہد دوقسم کے ہیں: از قبیلِ معاہدہ اور از قبیل وعدہ۔ معاہدہ: وہ ہے جو دوطرف سے کسی معاملہ میں کیا گیا ہو۔ اس کا پورا کرنا لازم ہے، اور اس کی خلاف ورزی

دھوکہ ہے۔ اور وعدہ: وہ ہے جو ایک طرف سے کیا گیا ہو۔ اس کا پورا کرنا دیانۃً یعنی شرعاً لازم ہے۔ حدیث میں ہے کہ وعدہ ایک قسم کا قرض ہے، مگر قضاءً اس کا پورا کرنا ضروری نہیں۔ یعنی بذریعہ عدالت اس کو مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

ساتویں بات: نمازوں کی پابندی کرنا۔ یعنی نمازیں اپنے اوقات پر آداب وحقوق کی رعایت کے ساتھ ادا کرنا۔ دنیا کے جھمیلوں میں پڑ کر یا نفس وشیطان کے چکر میں پھنس کر نمازوں کو ضائع نہ کرنا۔ غور کا مقام ہے! صفاتِ حسنہ کا بیان نماز میں خشوع سے شروع کیا، اور اس کی پابندی کی تاکید پر ختم کیا اس سے نماز کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔ مگر آج مسلمانوں کی اکثریت نماز ہی سے غافل ہے۔ اور کامیابی چاہتی ہے۔ چاہتی ہے کہ دنیا میں اس کا راج قائم ہو، اور آخرت میں وہ جنت کی حق دار بنے۔ حالانکہ یہ چیز ایمان وعمل صالح کے بغیر نصیب نہیں ہوتی۔

فردوس یعنی جنت کا اعلیٰ درجہ: مؤمنین کاملین کا حصہ ہے۔ پس ہر مؤمن اعمال میں محنت کرے تاکہ اس کو یہ مقام حاصل ہو۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ﴿۱۵﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ﴿۱۶﴾

وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	مِّنْ طِيْنٍ (۲)	مٹی کے	فِيْ قَرَارٍ (۴)	قرار گاہ میں
خَلَقْنَا	پیدا کیا ہم نے	ثُمَّ	پھر	مَّكِيْنٍ (۵)	محفوظ
الْاِنْسَانَ	انسان کو	جَعَلْنٰهُ	بنایا ہم نے اس کو	ثُمَّ	پھر
مِنْ سُلٰلَةٍ (۱)	خلاصہ سے	نُطْفَةً (۳)	ایک بوند	خَلَقْنَا	بنایا ہم نے

(۱) سُلاَلَة: اسم مشتق ہے: کسی شے سے نکالی ہوئی چیز، خلاصہ، ست، سَلَّ (ن) الشیئَ من الشیئ: کھینچ کر نکالنا، آہستہ سے نکالنا۔ من سُلالة: خلقنا سے متعلق ہے (۲) من طین بھی خلقنا سے متعلق ہے، اور سُلاَلَة سے بھی متعلق ہوسکتا ہے، کیونکہ سُلاَلَة بمعنی مَسْلُوْلَة ہے (۳) نطفة کے معنی ہیں: بوند، قطرہ ج: نِطَاف، نَطَفَ (ض) نَطْفًا: ٹپکنا (۴) قَرَار: قرارگاہ، ٹھہرنے کی جگہ۔ قَرَار: اسم مصدر ہے، قَرَّ قَرَارًا: ٹھہرنا (۵) مکین: محفوظ، مضبوط، صفت مشبہ ہے مَکُن (ک) مَکَانَة: بلند مرتبہ ہونا، ←

النُّطْفَةَ	بوند کو	الْعِظٰمَ	ہڈیوں کو	الْخٰلِقِيْنَ	پیدا کرنے والے
عَلَقَةً	خونِ بستہ	لَحْمًا	گوشت	ثُمَّ	پھر
فَخَلَقْنَا	پس بنایا ہم نے	ثُمَّ	پھر	اِنَّكُمْ	بیشک تم
الْعَلَقَةَ	خونِ بستہ کو	اَنْشَاْنٰهُ (۱)	بنایا ہم نے اس کو	بَعْدَ	بعد
مُضْغَةً	ایک بوٹی	خَلْقًا	ایک مخلوق	ذٰلِكَ	اس کے
فَخَلَقْنَا	پس بنایا ہم نے	اٰخَرَ	دوسری	لَمَيِّتُوْنَ	ضرور مرنے والے ہو
الْمُضْغَةَ	بوٹی کو	فَتَبٰرَكَ	پس عالی شان ہیں	ثُمَّ اِنَّكُمْ	پھر بیشک تم
عِظٰمًا	ہڈیاں	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	قیامت دن
فَكَسَوْنَا	پس پہنایا ہم نے	اَحْسَنُ	بہترین	تُبْعَثُوْنَ	دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے

جن لوگوں میں ایمان کے ساتھ سات باتیں پائی جاتی ہیں وہ جنت کے وارث ہونگے۔ ان کو جنت کب ملے گی؟ ان آیات میں اس کا جواب ہے۔ ان کو جنت الفردوس اس وقت ملے گی جب لوگ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونگے۔ اور یہ بات اس طرح بیان کی ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا امکان بھی سمجھ میں آجائے۔ پہلی زندگی مٹی سے وجود میں لائی گئی ہے، پھر روح پڑنے تک احوال بدلتے ہیں، پھر اچانک انسان وجود میں آجاتا ہے۔ زندگی کے ان تطوّرات میں جو بھی غور کرے گا اس کو دوسری زندگی میں ذرا شک باقی نہیں رہے گا۔ جو ہستی پہلی بار انسان کو مٹی سے پیدا کرسکتی ہے وہ دوبارہ کیوں پیدا نہیں کرسکتی؟ ضرور کرسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہیں، اور اعادہ: ابتداء سے آسان ہے، پھر بعث بعد الموت میں کیا استبعاد رہ جاتا ہے؟ ارشاد ہے:

اور البتہ واقعہ یہ ہے کہ ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا۔ پھر ہم نے اس کو محفوظ مقام میں ایک بوند بنایا۔ پھر اس بوند کو پھُٹکی (۲) بنایا۔ پس ہم نے اس پھُٹکی کو بوٹی بنایا۔ پس ہم نے اس بوٹی کو ہڈیاں بنایا۔ پس ہم نے ان ہڈیوں کو گوشت پہنایا۔ پھر ہم نے اس کو ایک دوسری ہی مخلوق بنادیا۔ پس عالی شان ہیں اللہ تعالیٰ جو تمام صنّاعوں سے بہتر ہیں۔ پھر تم اِس کے بعد ضرور مرنے والے ہو۔ پھر تم قیامت کے دن دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے۔

انسان اس دنیا میں نیا پیدا نہیں ہوتا۔ اس دنیا میں صرف اس کا جسم بنتا ہے۔ اُس کی روح پہلے پیدا کی جا چکی ہے۔

→ لوگوں میں باحیثیت ہونا، فَهُوَ مَكِين ج: مُكَنَاء

(۱) أَنْشَأَ الشيئَ: پیدا کرنا، وجود میں لانا نَشَأَ الشيئُ: پیدا ہونا، وجود میں آنا (۲) پھُٹکی: گانٹھ، گِرہ، کُٹھلی، خون کی جمی ہوئی بوند ۱۲

اور تمام روحیں عالم ارواح میں ہیں۔ جب اس کے دنیا میں آنے کا وقت آتا ہے تو شکم مادر میں اُس کے لئے جسم بنتا ہے، پھر روح اس میں منتقل کی جاتی ہے۔ اور جسم: چار عناصر سے خاص طور پر مٹی سے بنتا ہے۔ اس طرح کہ عناصر اربعہ کی توانائیاں مجتمع ہوکر انسان کی غذا پیدا ہوتی ہے۔ جب انسان وہ غذا کھاتا ہے تو اس سے خون بنتا ہے۔ پھر خون کا خاص حصہ مادّۂ منویہ بننے کے لئے جدا کرلیا جاتا ہے۔ پھر میاں بیوی کے مادّے رحم مادر میں پہنچتے ہیں۔ جب علوق (حمل ٹھہرنا) مقدر ہوتا ہے تو مادّہ کا کچھ حصہ (ایک بوند) بچہ دانی میں ٹھہر جاتا ہے۔ باقی مادہ باہر نکل آتا ہے۔ وہی بوند مختلف تطورات سے گذرنے کے بعد انسان کا جسم بنتی ہے۔ یہ بوند قرار مکین میں یعنی ایک محفوظ قرار گاہ میں نطفہ کی شکل میں رہتی ہے، اس میں کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوتی، بس رحم کی حرارت کی وجہ سے معمولی تغیر آتا ہے۔ یہ گانٹھ ایک جگہ جمی رہتی ہے، اِدھر اُدھر نہیں ہوتی۔ اگر یہ گانٹھ اپنی جگہ سے ہل جاتی ہے تو اسقاط کا احتمال پیدا ہوجاتا ہے۔ یہ مادّہ ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک اسی حالت میں رہتا ہے۔ پھر اتنی ہی مدت میں عَلَقہ (جما ہوا خون) بن جاتا ہے۔ پھر اتنی ہی مدت میں مُضغہ (گوشت کا ٹکڑا) بن جاتا ہے۔ اور مراحلِ تخلیق میں یہ انتقال تدریجی ہوتا ہے، دَفعی (یکبارگی) نہیں ہوتا۔ اور ہر مرحلہ پہلے والے اور بعد والے مرحلہ سے مختلف ہوتا ہے۔ پھر جب مادّہ میں خوب انجماد پیدا ہوجاتا ہے تو اس میں سفید ڈورے پیدا ہوتے ہیں۔ یہی ڈورے آہستہ آہستہ ہڈیوں کی شکل اختیار کرتے ہیں۔ پھر جب ان پر گوشت منڈھ جاتا ہے اور جسم کی تخلیق مکمل ہوجاتی ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتہ کو حکم دیتے ہیں۔ وہ عالم ارواح سے متعلقہ روح لاکر اس جسم میں پھونک دیتا ہے پس یکا یک انسان زندہ ہوجاتا ہے۔ اور وہ بے جان مادّہ عقل وشعور رکھنے والی مخلوق بن جاتا ہے۔ غور کرو! خالق کی کاریگری پر! کس طرح بے جان مادّہ کو ایک جیتا جاگتا وجود بنادیا۔ پھر زندگی پڑنے کے بعد بھی ایک وقت تک انسان کو رحم مادر ہی میں رکھا جاتا ہے، کیونکہ ابھی وہ اس دنیا کی آب وہوا سہارنے کے قابل نہیں ہوا۔ اور وہیں اس کی ساری ضروریات پوری کی جاتی ہیں۔ کھانے پینے اور سانس لینے کا انتظام کردیا جاتا ہے۔ تفصیل سورۃ الحج (آیت ۵) کی تفسیر میں گذر چکی ہے ــــــ پھر بچہ پیدا ہوتا ہے، پلتا بڑھتا ہے۔ اور جوان رَعنا ہوجاتا ہے۔ پھر زوال شروع ہوتا ہے۔ اور ایک وقت آتا ہے کہ روح بدن سے جدا کرلی جاتی ہے، یہی موت ہے۔ روح بدن سے جدا ہوکر عالم ارواح میں پہنچ جاتی ہے، اور جسدِ خاکی مٹی کے حوالے کردیا جاتا ہے، کیونکہ وہ اسی سے پیدا ہوا ہے۔ اور روح عالم بالا کی چیز ہے، اس لئے وہ اپنے مستقر پر چلی جاتی ہے۔ غرض مرتا جسم ہے روح نہیں مرتی۔ پھر جب قیامت کا دن آئے گا تو پہلے جسم والے اجزاء ہی سے دوبارہ جسم بنایا جائے گا، اور پہلے سے کہیں زیادہ طاقتور بنایا جائے گا۔ جب جسم تیار ہوجائیں گے تو روحیں عالم برزخ سے واپس آکر ان جسموں میں داخل ہوجائیں گی، اور انسان دوبارہ زندہ ہوجائیں گے، اور

آخرت کی زندگی شروع ہو جائے گی، جو جاوداں ہے۔ اب پھر کبھی موت نہیں آئے گی۔

وجود کی باگ ڈور اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ جب چاہے ڈھیلی چھوڑ دے، جب چاہے کھینچ لے!

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِى الْاَرْضِ ۖ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ اَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَ شَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۖ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِىْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾

ع ۲

وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	مَآءً	پانی	جَنّٰتٍ	باغات
خَلَقْنَا	پیدا کی ہم نے	بِقَدَرٍ (۲)	اندازے سے	مِّنْ نَّخِيْلٍ	کھجور کے
فَوْقَكُمْ	تمہارے اوپر	فَاَسْكَنّٰهُ	پس ٹھہرایا ہم نے اسکو	وَّ اَعْنَابٍ	اور انگور کے
سَبْعَ	سات	فِى الْاَرْضِ	زمین میں	لَكُمْ	تمہارے لئے
طَرَآئِقَ (۱)	راہیں	وَاِنَّا	اور بیشک ہم	فِيْهَا	ان میں
وَمَا	اور نہیں	عَلٰى ذَهَابٍۢ	لے جانے پر	فَوَاكِهُ	میوے ہیں
كُنَّا	ہیں ہم	بِهٖ (۳)	اس کے	كَثِيْرَةٌ	بکثرت
عَنِ الْخَلْقِ	مخلوق سے	لَقٰدِرُوْنَ	یقیناً قادر ہیں	وَّمِنْهَا	اور ان (باغوں) سے
غٰفِلِيْنَ	بے خبر	فَاَنْشَاْنَا	پس پیدا کئے ہم نے	تَاْكُلُوْنَ	کھاتے ہو تم
وَاَنْزَلْنَا	اور اتارا ہم نے	لَكُمْ	تمہارے لئے	وَ شَجَرَةً (۴)	اور (پیدا کیا) ایک
مِنَ السَّمَآءِ	آسمان سے	بِهٖ	اس کے ذریعہ		درخت کو

(۱) طرائق: طريقة کی جمع ہے: راہیں، مراد آسمان کے طبقے ہیں۔ (۲) بقدر: ماء کی صفت ہے۔ (۳) به کی ب صلہ کی ہے۔ ذَهَبَ: گیا۔ ذَهَبَ به: لے گیا۔ (۴) شجرة کا عطف جَنّٰتٍ پر ہے۔ أی أنشأنالكم شجرة۔

تَخْرُجُ	پیدا ہوتا ہے وہ	فِي الْاَنْعَامِ	مویشی میں	مَنَافِعُ	فوائد ہیں
مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ	طورِ سینا میں	لَعِبْرَةً	یقیناً غور کرنے کا مقام ہے	كَثِيْرَةٌ	بکثرت
تَنْبُتُ	اگتا ہے وہ	نُسْقِيْكُمْ	پلاتے ہیں ہم تم کو	وَّمِنْهَا	اور ان سے
بِالدُّهْنِ	روغن کے ساتھ	مِّمَّا	اس سے جو	تَاْكُلُوْنَ	کھاتے ہو تم
وَصِبْغٍ (۱)	اور رنگ کے ساتھ	فِيْ بُطُوْنِهَا	ان کے پیٹوں میں ہے	وَعَلَيْهَا	اور ان پر
لِّلْاٰكِلِيْنَ	کھانے والوں کیلئے	وَلَكُمْ	اور تمہارے لئے	وَعَلَى الْفُلْكِ (۲)	اور کشتیوں پر
وَاِنَّ لَكُمْ	اور بیشک تمہارے لئے	فِيْهَا	ان میں	تُحْمَلُوْنَ	لادے جاتے ہو تم

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کر کے بس یونہی نہیں چھوڑ دیا۔ وہ اپنی مخلوق کی ضرورتوں سے غافل نہیں۔ بلکہ اس کی تمام ضروریات کا انتظام کیا ہے۔ صرف جسمانی ضروریات ہی نہیں بلکہ روحانی ضروریات کا بھی سامان کیا ہے۔ اِن آیاتِ پاک میں انسان کی جسمانی ضروریات کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی بقاء اور آسائش کے لئے ہر سامان پیدا کیا ہے۔ اس کی کوئی ضرورت ایسی باقی نہیں چھوڑی جو مہیا نہ کی ہو۔ اسی کی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے سات آسمان بنائے۔ پھر آسمان سے پانی برسایا، جس سے انسان کی غذا اور اس کی آسائش کا سامان پیدا ہوتا ہے، اور بھی طرح طرح کی چیزیں پیدا کیں جن کے ذریعہ انسان عیش کرتا ہے۔ ارشاد ہے: ـــــ اور البتہ واقعہ یہ ہے کہ ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان پیدا کئے ـــــ یعنی کشادہ راستوں والے سات آسمان بنائے۔ آسمانوں کو ''راستوں'' سے کیوں تعبیر کیا؟ یہ بات سلف سے مروی نہیں۔ مفسرین کہتے ہیں کہ وہ فرشتوں کی گذرگاہیں ہیں اس لئے ان کو ''راستے'' کہا گیا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ سات سیارے یا ان کی مداریں مراد ہیں۔ بہرحال اس کی کوئی قطعی وجہ معلوم نہیں ـــــ اور ہم مخلوق سے بے خبر نہیں ہیں ـــــ یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمان ایسے بودے نہیں بنائے کہ کسی وقت اچانک ڈھہ پڑیں اور مخلوق تباہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ مخلوق کی حفاظت سے غافل نہیں۔ انھوں نے آسمان ایسے مضبوط بنائے ہیں کہ تا ابد قائم ودائم رہ سکتے ہیں۔ جب قیامت کو ان کی شکست وریخت کا وقت آئے گا تو وہ بوسیدہ ہونے کی وجہ سے نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے پھٹ جائیں گے ـــــ اور ہم نے آسمان سے اندازے کے ساتھ پانی برسایا ـــــ یعنی نہ اتنا زیادہ برسایا کہ دنیا تباہ ہو جائے، اور نہ اتنا کم برسایا کہ ضروریات کے لئے کافی نہ ہو ـــــ پس ہم نے اسے زمین میں ٹھہرایا ـــــ جب بارش ہوتی ہے تو پانی کا کچھ حصہ فوری طور پر انسانوں، جانوروں، درختوں اور کھیتوں کے کام آجاتا ہے،

(۱) صِبْغٌ: رنگ رنگنا، روٹی چپڑنا (۲) الفلك: لام کے جزم کے ساتھ: واحد بھی ہے اور جمع بھی، مذکر بھی ہے اور مؤنث بھی۔

باقی پانی کا کچھ حصہ تالابوں اور جھیلوں میں محفوظ ہو جاتا ہے، جس سے چرند و پرند اور انسان فائدہ اٹھاتے ہیں، اور زیادہ حصہ بچے ہوئے پانی کا زمین کے مسامات میں اتر جاتا ہے، اور زیر زمین پائپ لائنوں کے ذریعہ ہر طرف رواں دواں رہتا ہے۔ اور کنواں کھودنے پر برآمد ہوتا ہے ـــــ اور ہم اس کے لے جانے پر یقیناً قادر ہیں ـــــ پانی کو لے جانے کی بہت سی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ مثلاً: سارا پانی بہہ کر سمندر میں چلا جائے، یا بھاپ بن کر ہوا میں اڑ جائے یا زمین میں اتر جائے۔ پانی کی طبعی خاصیت یہی ہے کہ وہ زمین کی گہرائی میں اترتا ہی چلا جائے، غرض ہر طرح اللہ تعالیٰ اس کو لے جانے پر قادر ہیں ـــــ پس ہم نے اس کے ذریعہ تمہارے لئے کھجوروں اور انگوروں کے باغ اگائے ـــــ کھجور اور انگور کی تخصیص عرب کے ماحول کے اعتبار سے ہے۔ وہاں یہی باغات ہوتے ہیں۔ پھر دوسرے پھلوں کو شامل کر کے فرمایا: ـــــ ان میں تمہارے لئے بہت میوے ہیں ـــــ یعنی ان باغات میں تمہارے لئے کھجور اور انگور کے علاوہ ہزاروں قسم کے پھل پیدا کئے، جن کو تم تفریح اور شوق سے کھاتے ہو ـــــ اور ان میں سے تم کھاتے ہو ـــــ یعنی ان میں سے بعض پھلوں کو سوکھا کر ذخیرہ کرتے ہو جو تمہاری غذا بنتے ہیں ـــــ اور ایک اور درخت اگایا جو طورِ سَینا میں پیدا ہوتا ہے، جو تیل اور کھانے والوں کے لئے رنگ لے کر اگتا ہے ـــــ یہ خاص طور پر درختِ زیتون کا ذکر ہے۔ زیتون کی خاص پیداوار میدانِ سَینا میں ہوتی ہے جہاں طور پہاڑ ہے، جہاں موسیٰ علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز کیا گیا ہے۔ زیتون کے پھل کا اچار ڈالتے ہیں، اور مربہ تیار کرتے ہیں، اور اس کی گٹھلی سے تیل نکلتا ہے، جو کھانا پکانے میں، بدن پر لگانے میں اور چراغ جلانے میں کام آتا ہے۔ اور بہت سی جگہ اس سے روٹی چپڑ کر بھی کھاتے ہیں۔

نباتات کے بعد حیوانات کا تذکرہ: ـــــ اور تمہارے لئے یقیناً مویشی میں سبق ہے: ہم تمہیں اس میں سے جو ان کے پیٹوں میں ہے پلاتے ہیں ـــــ یعنی اللہ تعالیٰ انسان کے لئے دودھ جیسی نعمت مویشی کے پیٹوں میں تیار کرتے ہیں جہاں گوبر بھرا ہوا ہے۔ نہ اس میں گوبر کی بو آتی ہے نہ مزہ۔ خالص، صاف ستھرا، رنگ و بو اور خاصیت و مقصد میں اس سے بالکل مختلف، دل پسند اور خوش گوار! ـــــ اور تمہارے لئے ان میں بہت سے فائدے ہیں ـــــ یعنی دودھ کے علاوہ جانوروں میں انسان کے لئے بہت سی منفعتیں ہیں۔ ان کے بال، کھال، ہڈی، آنتیں، پٹھے اور دیگر اجزاء کارآمد ہیں، انسان ان سے کتنے ہی سامان تیار کرتا ہے ـــــ اور ان میں سے تم کھاتے ہو ـــــ یہ ان کا ایک بہت بڑا نفع ہے۔ ان کا گوشت انسان کی بہترین غذا ہے ـــــ اور ان پر اور کشتیوں پر تم سوار کئے جاتے ہو ـــــ یعنی یہ جانور اور کشتیاں سواری اور بار برداری کے کام بھی آتے ہیں۔ اور اس اعتبار سے ان میں دوہرا نفع ہے۔ ایک کرایہ پر دینے والے کا دوسرا کرایہ پر لینے والے کا۔ ''سوار کئے جاتے ہو'' میں اس ڈبل نفع کی طرف اشارہ ہے ـــــ غرض اللہ تعالیٰ ہی انسان کی

چھوٹی بڑی تمام حاجتیں پوری کرتے ہیں۔ دنیا کے سارے کارخانے کو اس کی بیگار میں لگا رکھا ہے۔ اللہ نے تمام چیزیں انسان کے فائدے کے لئے پیدا کی ہیں۔ اب بھی اگر انسان خدا کی فرمان برداری نہ کرے تو اس سے بڑا ظالم کون ہے؟

ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار ❁ شرطِ انصاف نہ باشد کہ تو فرماں نہ بُری
ہر مخلوق تیرے لئے حیران اور فرماں بردار ہے ❁ پس یہ انصاف کی بات نہیں کہ تو فرماں بردار نہ بنے

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۖۚ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۲۵﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۲۶﴾ فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ فَاسْلُكْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۸﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ وَّاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ ﴿۳۰﴾

وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	يٰقَوْمِ	اے میری قوم	غَيْرُهٗ	ان کے سوا
اَرْسَلْنَا	بھیجا ہم نے	اعْبُدُوا	عبادت کرو	اَفَلَا تَتَّقُوْنَ	کیا پس ڈرتے نہیں تم
نُوْحًا	نوح کو	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ کی	فَقَالَ	پس کہا
اِلٰى قَوْمِهٖ	ان کی قوم کی طرف	مَا لَكُمْ	نہیں ہے تمہارے لئے	الْمَلَؤُا (۱)	ان رئیسوں نے
فَقَالَ	پس کہا انھوں نے	مِّنْ اِلٰهٍ	کوئی معبود	الَّذِيْنَ	جنھوں نے

(۱) قرآنی رسم الخط میں الْمَلَؤُا دس جگہ اسی طرح لکھا گیا ہے یعنی ہمزہ واو پر اور اس کے بعد الف لکھا گیا ہے، کیونکہ یہ واو: جمع کے واو کے مشابہ ہے۔

كَفَرُوْا	انکار کیا	اِنْ	نہیں ہے	فَاِذَا	پس جب
مِنْ قَوْمِهٖ	ان کی قوم سے	هُوَ	وہ	جَآءَ	آجائے
مَا هٰذَآ	نہیں ہے یہ	اِلَّا	مگر	اَمْرُنَا	ہمارا حکم
اِلَّا	مگر	رَجُلٌ	ایک آدمی	وَفَارَ	اور ابل پڑے
بَشَرٌ	ایک انسان	بِهٖ	جسے	التَّنُّوْرُ	تندور
مِّثْلُكُمْ	تم جیسا	جِنَّةٌ (1)	جنون ہے	فَاسْلُكْ	پس داخل کیجئے
يُرِيْدُ	چاہتا ہے وہ	فَتَرَبَّصُوْا	پس انتظار کرو	فِيْهَا	اس میں
اَنْ	کہ	بِهٖ	اس کے بارے میں	مِنْ كُلٍّ (4)	ہر قسم سے
يَّتَفَضَّلَ	برتر ہوجائے	حَتّٰى حِيْنٍ	ایک وقت تک	زَوْجَيْنِ	جوڑا
عَلَيْكُمْ	تم پر	قَالَ	کہا اس نے	اثْنَيْنِ	دو عدد
وَلَوْ	اور اگر	رَبِّ	اے میرے رب!	وَاَهْلَكَ	اور اپنے گھر والوں کو
شَآءَ	چاہتے	انْصُرْنِيْ	مدد کیجئے میری	اِلَّا	مگر
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	بِمَا كَذَّبُوْنِ (2)	مجھ کو جھٹلانے کی وجہ سے	مَنْ	وہ شخص
لَاَنْزَلَ	(تو) ضرور اتارتے	فَاَوْحَيْنَآ	پس وحی بھیجی ہم نے	سَبَقَ	پہلے سے ہو چکی
مَلٰٓئِكَةً	فرشتوں کو	اِلَيْهِ	اس کی طرف	عَلَيْهِ	اس پر
مَّا	نہیں	اَنِ (3)	کہ	الْقَوْلُ	بات
سَمِعْنَا	سنی ہم نے	اصْنَعِ	بنائیں آپ	مِنْهُمْ	ان میں سے
بِهٰذَا	یہ بات	الْفُلْكَ	کشتی	وَلَا	اور نہ
فِيْٓ اٰبَآئِنَا	ہمارے باپ دادوں میں	بِاَعْيُنِنَا	ہماری آنکھوں کے سامنے	تُخَاطِبْنِيْ	گفتگو کیجئے مجھ سے
الْاَوَّلِيْنَ	اگلے	وَوَحْيِنَا	اور ہماری وحی کے مطابق	فِي الَّذِيْنَ	ان لوگوں میں جنھوں نے

(۱) جِنَّة: اگر جَنَّ (ض) جَنًّا (چھپنا) سے ہے تو اس کے معنی ہیں: جنون، سودا اور دیوانگی۔ اور اگر جِنّیٌّ کی جمع ہے تو اس کے معنی ہیں جنات۔ یعنی اس کو آسیب لگا ہے۔ عام طور پر مفسرین نے پہلے معنی کئے ہیں۔ (۲) بما کذبونِ: ما مصدریہ، اور آخر میں ی محذوف، نون کا کسرہ اس کی علامت (۳) أنْ: مفسرہ ہے، کیونکہ أوحینا بمعنی قلنا ہے (۴) کُلٍّ کی تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے۔

ظَلَمُوْا	ظلم کیا	اَلْحَمْدُ	تمام تعریفیں	مُّبٰرَكًا	برکت والا
اِنَّهُمْ	بیشک وہ	لِلّٰهِ	اللہ کے لئے ہیں	وَّ اَنْتَ	اور آپ
مُّغْرَقُوْنَ (۱)	ڈوبائے ہوئے ہیں	الَّذِیْ	جنھوں نے	خَیْرُ	بہترین ہیں
فَاِذَا	پس جب	نَجّٰنَا	نجات بخشی ہمیں	الْمُنْزِلِیْنَ	اتارنے والوں میں
اسْتَوَیْتَ	درست ہو جائیں	مِنَ الْقَوْمِ	لوگوں سے	اِنَّ	بیشک
اَنْتَ	آپ	الظّٰلِمِیْنَ	ظلم کرنے والے	فِیْ ذٰلِكَ	اس میں
وَمَنْ	اور جو لوگ	وَقُلْ	اور کہیں	لَاٰیٰتٍ	یقیناً نشانیاں ہیں
مَّعَكَ	آپ کے ساتھ ہیں	رَّبِّ	اے میرے رب!	وَّاِنْ (۲)	اور بیشک
عَلَى الْفُلْكِ	کشتی پر	اَنْزِلْنِیْ	اتاریں آپ مجھے	كُنَّا	ہیں ہم
فَقُلِ	پس کہیں آپ	مُنْزَلًا	اتارنا	لَمُبْتَلِیْنَ (۳)	البتہ آزمائش کرنیوالے

گذشتہ آیات میں انسان کی تخلیق اور اس کی بقاء اور آسائش کے لئے مختلف قسم کے سامان پیدا کرنے کا ذکر تھا۔ اب یہاں سے دور تک اس کی روحانی ضرورت اور دینی تربیت کا جو انتظام فرمایا ہے اس کا ذکر ہے۔ ساتھ ہی لوگوں کی بے اعتنائی کا بیان بھی ہے اور اس کا خمیازہ بھگتنے کا بھی ـــــ اللہ تعالیٰ نے انسانیت کے آغاز کے ساتھ ہی نبوت و ہدایت کا سلسلہ جاری فرمایا ہے۔ پہلے انسان ہی پہلے نبی ہیں۔ کیونکہ اللہ کی راہ نمائی کے بغیر انسان ایک قدم نہیں چل سکتا۔ عقل کے بوتے پر چلے گا تو قدم قدم پر ٹھوکریں کھائے گا۔ اسی لئے جب آدم علیہ السلام کو جنت سے اترنے کا حکم دیا تو ساتھ ہی یہ بھی حکم دیا کہ تمہارے زمین پر اترنے کے بعد میری ہدایت آئے گی۔ جو اس کی پیروی کرے گا وہ نہ گمراہ ہوگا نہ تکلیف میں پڑے گا، اور جو اللہ کی نصیحت سے اعراض کرے گا وہ تنگی کا جینا جیئے گا اور قیامت کے دن اندھا اٹھایا جائے گا (سورۂ طٰہٰ آیات ۱۲۳ و ۱۲۴) ـــــ آدم علیہ السلام کے بعد لوگ ایک زمانہ تک ہدایت پر قائم رہے، پھر ان میں گمراہی پھیلی تو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے رسول حضرت نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ اِن آیات میں انہی کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے: ـــــ اور البتہ واقعہ یہ ہے کہ ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف بھیجا، پس انھوں نے کہا: ''اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو، تمہارے لئے ان کے سوا کوئی معبود نہیں، پس کیا تم ڈرتے نہیں!'' ـــــ

(۱) مُغْرَق: اسم مفعول۔ قرآن میں قطعیت کے بیان کے لئے جس طرح فعل ماضی استعمال کیا جاتا ہے اسم مفعول بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ (۲) اِنْ: مخففہ ہے، ضمیر شان اس کا اسم محذوف ہے (۵) اِبْتَلَاء: آزمائش میں ڈال کر جان لینا۔

نوح علیہ السلام کی قوم نے اللہ کو چھوڑ کر دیوی دیوتاؤں کی پوجا شروع کردی تھی۔ وَدّ، سُواع، یَغوث، یَعوق اور نَسْر اُن کے خداؤں کے نام تھے۔ نوح علیہ السلام نے ان کو سمجھایا کہ یہ خدا ہرگز نہیں۔ خدا ایک اللہ تعالیٰ ہیں۔ پس انہی کی عبادت کرو، دوسروں کو خدائی میں شریک مت بناؤ۔ کیا تمہیں حقیقی خدا کو چھوڑ کر دوسرے خداؤں کی بندگی کرتے ہوئے ڈر نہیں لگتا؟ کیا تم شرک کے نتائج سے بے خوف ہوگئے ہو؟ —— پس اُن رؤساء نے جنھوں نے ان کی قوم میں سے انکار کیا: کہا: ''یہ شخص بس تم ہی جیسا ایک انسان ہے'' —— یعنی یہ نہ اوتار ہے نہ دیوتا۔ بس تم ہی جیسا ایک انسان ہے۔ وہ رسول کیسے ہوسکتا ہے؟ مشرک اقوام کی بنیادی گمراہی یہ بھی ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ انسان کی ہدایت کے لئے جب بھی کوئی آئے گا تو وہ یا تو خود خدا ہوگا بہ شکلِ انسان، جس کو وہ ''اوتار'' کہتے ہیں، یا وہ کوئی فرشتہ ہوگا، جس کو وہ ''دیوتا'' کہتے ہیں اگر وہ مرد ہو، اور ''دیوی'' کہتے ہیں اگر وہ عورت ہو۔ اسلام نے اس بنیادی غلطی پر ضربِ کاری لگائی ہے۔ اور بار بار اعلان کیا ہے کہ رسول ہمیشہ بشر ہی مبعوث کئے جاتے ہیں۔ ان میں عام انسانوں سے بجز تائید وحی کے اور کوئی زائد چیز نہیں ہوتی۔ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ میں اسی حقیقت کا اعتراف ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ یہ بات اگرچہ موٹی معلوم ہوتی ہے، مگر مشرکوں اور شرک زدہ ذہن والوں کی سمجھ میں نہیں آتی —— مشرکوں کے رؤساء نے دوسری بات یہ کہی کہ —— ''وہ چاہتا ہے کہ تم پر برتری حاصل کرے'' —— یعنی اس کی تحریک کا مقصد بڑا بننا ہے۔ اس کی دوڑ دھوپ کا حاصل اقتدار حاصل کرنا ہے۔ یہی بات فرعون نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام سے کہی تھی کہ تم دونوں کا مقصد سرزمین مصر میں بڑائی حاصل کرنا ہے (یونس آیت ۷۸) اور یہی شبہ قریش کو نبی ﷺ کے بارے میں تھا۔ انھوں نے کئی مرتبہ آپ ﷺ سے سودا کرنا چاہا تھا کہ آپ بتوں کی برائی چھوڑ دیں، ہم آپ کو بادشاہ بنائے لیتے ہیں۔ لیڈروں کی سمجھ میں یہ بات کبھی نہیں آتی کہ کوئی شخص محض لوجہ اللہ قوم کی اصلاح کی کوشش کرسکتا ہے —— ''اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو وہ فرشتوں کو اتارتے، ہم نے یہ بات اگلے باپ دادوں سے نہیں سنی'' —— ''یہ بات'' یعنی معبود بس ایک ہی ہے۔ یہ بات ہم نے اپنے بڑوں سے نہیں سنی۔ ہمارے باپ دادا ہمیشہ دیوی دیوتاؤں کو مانتے چلے آئے ہیں۔ اب یہ شخص کیسی انوکھی بات کہتا ہے؟! اور اگر واقعی ہمارا اعتقاد غلط ہے اور خدا کو ہماری اصلاح وہدایت منظور ہے تو اس غرض کے لئے کوئی فرشتہ اتارا جاتا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں کرّوبیوں کی کمی نہیں۔ انسان کا رسول ہونا ہماری سمجھ سے بالاتر ہے —— ''وہ شخص بس ایک ایسا آدمی ہے جسے جنون لاحق ہوگیا ہے، پس اس کے بارے میں ایک خاص وقت تک انتظار کرو'' —— یہ ایک نیا شوشہ چھوڑا۔ کہنے لگے: معلوم ہوتا ہے: اس غریب کا دماغ چل گیا ہے جو ساری قوم کے خلاف اور باپ دادوں کے خلاف ایسی بات زبان

سے نکالتا ہے۔ بہتر ہے چندروز صبر کرو اور انتظار کرو، ایک وقت کے بعد یہ خود ہی ختم ہوجائے گا۔ اور اس کا سارا شور ہنگامہ فرو ہوجائے گا۔

نوح (علیہ السلام) نے عرض کیا: ''اے میرے پروردگار! میری مدد فرما، مجھ کو جھٹلانے کی وجہ سے! ـــــ جب نوح علیہ السلام کی ساری کوششیں بیکار ثابت ہوئیں۔ ساڑھے نوسو برس سختیاں جھیل کر بھی ان کو راہِ راست پر لانے میں کامیاب نہ ہوئے۔ تو دعاء کے لئے ہاتھ اٹھائے اور عرض کیا: خدایا! ان اشقیاء کے مقابلہ میں میری مدد فرما! اب یہ بدبخت تکذیب سے باز آنے والے نہیں، اب ان کے وجود سے عدم بہتر ہے ـــــ پس ہم نے ان کے پاس وحی بھیجی کہ ہماری نگرانی میں اور ہمارے حکم کے مطابق کشتی تیار کرو ـــــ چونکہ کشتی کی صنعت پہلے سے موجود نہیں تھی، انسان کے ہاتھوں بننے والی یہ پہلی کشتی تھی، اس لئے وحی کی راہ نمائی ضروری تھی ـــــ پس جب ہمارا (عذاب کا) حکم آپہنچے، اور تندور اُبل پڑے تو آپ کشتی میں ہر قسم میں سے جوڑا یعنی دو عدد داخل کیجئے اور اپنے گھر والوں کو (بھی) سوائے ان لوگوں کے جن کے متعلق پہلے سے بات طے ہوچکی ہے ـــــ یعنی عذاب کا فیصلہ ہوچکا ہے پس کافروں کو خواہ وہ آپ کے کنبے ہی کے کیوں نہ ہوں، کشتی میں سوار نہ کریں ـــــ طوفانِ نوح کے لئے ایک خاص تندور کے اُبلنے کو علامت مقرر کیا گیا تھا۔ جب یہ علامت پائی جائے تو نوح علیہ السلام کو حکم تھا کہ فوراً مؤمنین کے ساتھ کشتی میں سوار ہوجائیں۔ اور جن جانوروں کی ضرورت ہے اور ان کی نسل باقی رکھنی مقصود ہے ان میں سے ایک ایک جوڑا یعنی نر اور مادہ ساتھ رکھ لیں ـــــ اور مجھ سے ظالم لوگوں کے بارے میں کچھ نہ کہیں، وہ یقیناً ڈوبنے والے ہیں ـــــ یعنی کافروں میں سے کسی کی نجات کے لئے ہم سے سفارش نہ کریں، ان کی ہلاکت کا قطعی فیصلہ ہوچکا ہے ـــــ نبی امت کے حق میں باپ سے زیادہ شفیق ومہربان ہوتا ہے، اس لئے احتمال تھا کہ عذاب شروع ہونے پر نوح علیہ السلام کسی کے لئے سفارش کریں اس لئے پہلے ہی تنبیہ کردی ـــــ پس جب آپ اور آپ کے ساتھی کشتی پر اچھی طرح بیٹھ جائیں تو کہیں: ''تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں ظالم لوگوں سے نجات بخشی!'' ـــــ یعنی ہم کو ان سے علحدہ کرلیا۔ ان کے ظلم وستم سے ہمارا پیچھا چھڑایا۔ ہم کو محفوظ رکھا اور ان کو کیفرِ کردار تک پہنچایا۔ اس پر ہم خدائے پاک کے ممنون ہیں ـــــ اور آپ کہیں: ''اے میرے پروردگار! آپ مجھے برکت والا اتارنا اتاریں، اور آپ بہترین اتارنے والے ہیں'' ـــــ یعنی ہم جب تک کشتی میں رہیں آرام سے رہیں، اور جہاں اتارے جائیں وہاں بھی کوئی تکلیف نہ ہو، ہر طرح اور ہر جگہ آپ کی رحمت وبرکت شامل حال رہے ـــــ بیشک اس (واقعہ) میں یقیناً نشانیاں ہیں ـــــ حق تعالیٰ کی قدرت وحکمت کی۔ وہ لوگوں کی ہدایت کے لئے رسول بھیجتے ہیں۔ جو لوگ

دعوت قبول کرتے ہیں شادکام ہوتے ہیں۔ اور جو دعوت کو ٹھکراتے ہیں تباہ کئے جاتے ہیں۔ آج بھی وہی صورتِ حال مکہ میں درپیش ہے۔ یہ لوگ نوح علیہ السلام کی قوم کا انجام دیکھ لیں۔ اور سوچ لیں! اللہ کی سنت بدلتی نہیں۔ اگر یہ بھی نہ سنبھلے تو ان کا بھی یہی انجام ہوگا ـــــ اور ہم یقیناً آزمانے والے ہیں ـــــ یعنی اللہ تعالیٰ بندوں کی آزمائش ضرور کرتے ہیں، اگرچہ وہ ہر چیز کو بخوبی جانتے ہیں، مگر وہ اپنے علم کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے۔ اگر ایسا کرتے تو لوگوں کے لئے عذر کا موقع ہوتا کہ خدایا! آپ ہمیں آزماتے، اور دیکھتے ہم کیسے اچھے اعمال کرتے ہیں۔

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۲﴾ ع وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴿۳۵﴾ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۶﴾ اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ ِۨافْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۳۹﴾ قَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً ۚ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۱﴾

ثُمَّ	پھر	فَاَرْسَلْنَا	پس بھیجا ہم نے	اُعْبُدُوا	عبادت کرو تم
اَنْشَاْنَا	پیدا کئے ہم نے	فِيْهِمْ	ان میں	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ کی
مِنْۢ بَعْدِهِمْ	ان کے بعد	رَسُوْلًا	ایک پیغمبر	مَا لَكُمْ	نہیں ہے تمہارے لئے
قَرْنًا (۱)	لوگ	مِّنْهُمْ	ان میں سے	مِّنْ اِلٰهٍ	کوئی معبود
اٰخَرِيْنَ	دوسرے	اَنِ (۲)	کہ	غَيْرُهٗ	ان کے علاوہ

(۱) قَرْن: ایک زمانہ کے لوگ، ج: قُرُوْن۔ (۲) اَنْ: مفسِّرہ۔

اَفَلَا تَتَّقُوْنَ	کیا پس تم ڈرتے نہیں	وَيَشْرَبُ	اور پیتا ہے	لِمَا [۳]	وہ بات جس کا
وَقَالَ	اور کہا	مِمَّا	اس سے جو	تُوْعَدُوْنَ	تم وعدہ کئے جاتے ہو
الْمَلَاُ	رئیسوں نے	تَشْرَبُوْنَ	پیتے ہو تم	اِنْ	نہیں ہے
مِنْ قَوْمِهٖ	ان کی قوم سے	وَلَئِنْ	اور بخدا اگر	هِيَ	وہ (زندگی)
الَّذِيْنَ	جنھوں نے	اَطَعْتُمْ	کہا مانا تم نے	اِلَّا	مگر
كَفَرُوْا	انکار کیا	بَشَرًا	ایک انسان کا	حَيَاتُنَا	ہماری زندگی
وَكَذَّبُوْا	اور جھٹلایا	مِّثْلَكُمْ	اپنے جیسے	الدُّنْيَا	دنیا کی
بِلِقَآءِ	ملاقات کو	اِنَّكُمْ	بیشک تم	نَمُوْتُ	مرتے ہیں ہم
الْاٰخِرَةِ	آخرت کی	اِذًا	تب تو	وَنَحْيَا	اور زندہ ہوتے ہیں ہم
وَاَتْرَفْنٰهُمْ [۱]	اور عیش دیا ہم نے ان کو	لَّخٰسِرُوْنَ	البتہ گھاٹا پانے والے ہو	وَمَا	اور نہیں ہیں
فِي الْحَيٰوةِ	زندگی میں	اَيَعِدُكُمْ	کیا وعدہ کرتا ہے تم سے	نَحْنُ	ہم
الدُّنْيَا	دنیا کی	اَنَّكُمْ	کہ تم	بِمَبْعُوْثِيْنَ	دوبارہ زندہ کئے جانیوالے
مَا	نہیں ہے	اِذَا	جب	اِنْ	نہیں ہے
هٰذَآ	یہ شخص	مِتُّمْ	مر گئے	هُوَ	وہ شخص
اِلَّا	مگر	وَكُنْتُمْ	اور ہو گئے	اِلَّا	مگر
بَشَرٌ	ایک انسان	تُرَابًا	مٹی	رَجُلُ	ایک آدمی
مِّثْلُكُمْ	تم جیسا	وَّعِظَامًا	اور ہڈیاں	افْتَرٰى	باندھا اس نے
يَاْكُلُ	کھاتا ہے	اَنَّكُمْ	کہ تم	عَلَى اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ پر
مِمَّا	اس سے جو	مُّخْرَجُوْنَ	نکالے جاؤ گے	كَذِبًا	جھوٹ
تَاْكُلُوْنَ	کھاتے ہو تم	هَيْهَاتَ [۲]	دور ہے	وَّمَا	اور نہیں ہیں
مِنْهُ	اس سے	هَيْهَاتَ [۲]	ناممکن ہے	نَحْنُ	ہم

(۱) اَتْرَفَ اِتْرَافًا: عیش وآرام دینا، ناز ونعمت میں پرورش کرنا۔(۲) هَيْهَاتَ: اسم فعل ہے بمعنی بَعُدَ، عام طور پر مکرر آتا ہے۔
(۳) لِمَا: میں لام زائدہ ہے۔

لَهٗ	اس کی بات کا	قَالَ	فرمایا	بِالْحَقِّ	برحق بات کے ساتھ
بِمُؤْمِنِيْنَ	یقین کرنے والے	عَمَّا قَلِيْلٍ (۲)	تھوڑی دیر بعد	فَجَعَلْنٰهُمْ	پس بنادیا ہم نے ان کو
قَالَ	کہا اس نے	لَيُصْبِحُنَّ	البتہ ہونگے وہ	غُثَآءً (۳)	کوڑا کرکٹ
رَبِّ	اے میرے رب	نٰدِمِيْنَ	پچھتانے والے	فَبُعْدًا (۴)	پس خدا کی مار
انْصُرْنِيْ	مدد فرما میری	فَاَخَذَتْهُمُ	پس پکڑ لیا ان کو	لِّلْقَوْمِ	لوگوں پر
بِمَا كَذَّبُوْنِ (۱)	مجھ کو جھٹلانے کی وجہ سے	الصَّيْحَةُ	سخت آواز نے	الظّٰلِمِيْنَ	ظلم کرنے والے

گذشتہ آیات میں حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ ذکر کیا تھا۔ اب دوسرے پیغمبروں اور ان کی امتوں کا کچھ حال بغیر نام لئے ذکر کیا جاتا ہے۔ یہ واقعہ قوم عاد کا بھی ہوسکتا ہے اور ثمود کا بھی۔ عاد کی طرف حضرت ہود علیہ السلام مبعوث کئے گئے تھے اور ثمود کی طرف حضرت صالح علیہ السلام۔ یہ قوم سخت آواز کے ذریعہ ہلاک کی گئی تھی۔ اس سے بعض مفسرین نے قوم ثمود کو متعین کیا ہے۔ کیونکہ سورۃ ہود (آیت ۶۷) میں ثمود کا ہولناک آواز سے ہلاک ہونا مصرح ہے۔ مگر صَيْحَة سے مطلق عذاب بھی مراد لیا جاسکتا ہے۔ اس صورت میں ان آیات کا تعلق قوم عاد سے بھی ہوسکتا ہے ـــــ پھر ہم نے ان کے بعد (یعنی نوح علیہ السلام کی قوم کے بعد) ایک دوسری امت پیدا کی۔ پس ہم نے ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا (جس نے ان سے کہا) کہ اللہ کی عبادت کرو، تمہارے لئے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، پس کیا تم ڈرتے نہیں ـــــ تمام انبیاء علیہم السلام کی دعوت ایک ہے۔ اور وہ توحید کی دعوت ہے۔ کیونکہ سب انبیاء ایک ہی دربار سے بھیجے گئے ہیں ـــــ اور ان کی قوم کے اُن رؤساء نے جنھوں نے انکار کیا، اور آخرت سے ملنے کو جھٹلایا، اور ہم نے ان کو دنیا کی زندگی میں عیش دیا: کہا: "یہ شخص بس تم ہی جیسا ایک انسان ہے، وہی کھاتا ہے جو تم کھاتے ہو، اور وہی پیتا ہے جو تم پیتے ہو" ـــــ انبیاء کو جواب بھی سب قوموں نے تقریباً ایک ہی دیا ہے۔ سب نے یہی کہا کہ مادی حیثیت سے ہم اور نبی یکساں ہیں۔ طبعی حاجتوں کے لحاظ سے بھی ہم میں اور اس میں کوئی فرق نہیں۔ وہ ہماری ہی طرح کھاتا پیتا، چلتا پھرتا، سوتا جاگتا اور دوسری حاجتیں رکھتا ہے۔ پھر ہم کس طرح اس کو نبی مان لیں؟ نبی تو خدا کا اوتار یا فرشتہ ہوتا ہے۔ اور جو اوتار یا فرشتہ ہو اس کے احوال ہم انسانوں کے احوال سے مختلف ہونے چاہئیں۔ وہ عجیب وغریب کرشمے دکھائے، ہوا پر اڑے،

(۱) بما كذبونِ: ما: مصدریہ اور آخر میں ی محذوف ہے۔ (۲) عما قليل: میں ما زائدہ ہے أی عن قليل۔ (۳) غُثَاء: خس وخاشاک، وہ پتے تنکے اور جھاگ وغیرہ جو سیلاب کے ساتھ بہہ کر آتے ہیں۔ (۴) بُعْدًا له: وہ ہلاک ہو، اس پر خدا کی مار پڑے۔ بددعا کے لئے ہے۔ بُعْد: مصدر: قُرْب کی ضد۔ لام: مدعو علیہ پر آتا ہے۔

آسمان پر چڑھے، اور بھوک پیاس وغیرہ حاجات نہ رکھتا ہوتو ہم اس کو نبی مان لیں ـــــ منکرین کی اس قسم کی ذہنیت کے پیچھے درحقیقت تین باتیں ہوتی ہیں: ایک: تکذیب وانکار۔ جب کوئی شخص ٹھان لیتا ہے کہ اُسے بات نہیں ماننی تو وہ کوئی نہ کوئی میں میکھ نکالتا ہے۔ دوسری: عقیدۂ آخرت کا انکار۔ جو شخص دوسری زندگی پر یقین نہیں رکھتا اس کی سمجھ میں انبیاء کی باتیں نہیں آتیں، کیونکہ ان کی باتیں آخرت کے عقیدہ پر مبنی ہوتی ہیں۔ تیسری: خوش حالی کا غرور۔ خوش عیش لوگ ہمیشہ اس زعم میں مبتلا رہتے ہیں کہ وہی برحق ہیں۔ اگر وہ غلط ہوتے تو نعمتوں سے کیوں نوازے جاتے؟ حالانکہ ان کی نعمتیں ان کے لئے آزمائش ہیں۔ یہی تین باتیں الملأ کے تین وصف لاکر بیان کی گئی ہیں۔

عقیدۂ آخرت کا انکار: ـــــ اور بخدا! اگر تم اپنے ہی جیسے ایک انسان کا کہنا مانوگے: تب تو تم یقیناً گھاٹے میں رہوگے ـــــ یعنی اگر تم نے آخرت کی بات مان لی تو تمہاری دنیا خراب ہوجائے گی۔ پھر تم دنیا کے لئے کچھ نہ کرسکوگے۔ تمہارا سارا کاروبار ٹھپ پڑ جائے گا اور تم مادّی مضرت میں مبتلا ہوجاؤ گے ـــــ کیا وہ تم سے وعدہ کرتا ہے کہ جب تم مرجاؤ گے اور مٹی اور ہڈیاں ہوجاؤ گے تو تم پھر سے نکالے جاؤ گے؟! ـــــ یعنی دیکھو! وہ کتنی نامعقول بات کہتا ہے۔ یہی وہ بات ہے جس کے قبول کرنے والوں کو وہ گھاٹے میں جانے والا کہہ رہے تھے ـــــ بہت دور! بالکل ناممکن بات ہے جو تم سے کہی جارہی ہے ـــــ یعنی کس قدر بعید از عقل بات وہ شخص کہتا ہے۔ بھلا جب جسم مٹی ہوگیا، اور ہڈیاں بوسیدہ ہوگئیں تو دوسری زندگی کیسی؟ ـــــ زندگی تو بس ہماری یہی دنیوی زندگی ہے، ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں، اور ہم دوبارہ اٹھائے جانے والے نہیں ـــــ یعنی دنیا کی یہ زندگی ہی پہلی اور آخری زندگی ہے۔ اس کے بعد کوئی زندگی آنے والی نہیں۔ اور دنیا کا یہ سلسلہ یونہی چلتا رہتا ہے۔ ایک مرتا ہے تو دوسرا اس کی جگہ لے لیتا ہے۔ آگے اللہ اللہ خیر سلا ـــــ یہ شخص بس ایک ایسا آدمی ہے جس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ گھڑا ہے اور ہم اس کی بات ماننے والے نہیں! ـــــ یعنی ہم نہ اس کی پیغمبری کا دعوی مانیں نہ اس کی آخرت کی خبر! یہ دونوں باتیں جھوٹی اس نے اللہ کے نام لگائی ہیں۔

منکرین کا انجام: ـــــ پیغمبر نے عرض کیا: ''اے میرے پروردگار! میری تکذیب کرنے کی وجہ سے میری مدد فرما!'' ـــــ انبیاء علیہم السلام جب دیکھتے ہیں کہ ان کے پیام حق کی برابر تکذیب ہورہی ہے تو وہ نصرتِ الٰہی کے عملی ظہور کے لئے دعا کرتے ہیں۔ ڈاکٹر اور تیماردار ایک عرصہ تک سڑے ہوئے عضو کی مرہم پٹی کرتے ہیں، پھر جب دیکھتے ہیں کہ اس کا کچھ فائدہ نہیں بلکہ ضرر متوقع ہے تو اس کو کٹوا دیتے ہیں ـــــ اللہ نے فرمایا: ''ابھی جلد ہی یہ لوگ پشیمان ہوکر رہ جائیں گے!'' ـــــ یعنی عذاب آیا چاہتا ہے، جس کے بعد وہ کفِ افسوس ملیں گے اور وہ پچھتانا کچھ مفید نہ ہوگا ـــــ پس ان کو ایک سخت آواز نے عذاب کے ساتھ پکڑ لیا ـــــ حق: سے یہاں مراد عذاب ہے، کیونکہ وہ

برحق یعنی قطعی ہے ـــــ پس ہم نے ان کو کوڑا کرکٹ بنادیا ـــــ غُثَاء: وہ کوڑا کرکٹ ہے جو سیلاب کے ساتھ بہتا ہوا آتا ہے، پھر کناروں پر لگ جاتا ہے اور پڑا سڑتا رہتا ہے۔ ان لوگوں کا بھی یہی حال ہو کر رہ گیا ـــــ پس خدا کی مار ظالم لوگوں پر! ـــــ یعنی وہ خدائے پاک کی رحمت سے دور ہوئے۔ اور آخرت میں بھی جہنم کا ایندھن بنے۔

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۴۲﴾ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿۴۳﴾ ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ۭ كُلَّمَا جَاۗءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۴﴾ ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ڏ بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۵﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ىِٕهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿۴۷﴾ فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ﴿۵۰﴾ ع

ثُمَّ	پھر	وَمَا	اور نہیں	رَّسُوْلُهَا	اس کا رسول
اَنْشَاْنَا	پیدا کیا ہم نے	يَسْتَاْخِرُوْنَ	پیچھے رہتی	كَذَّبُوْهُ	(تو) جھٹلایا انھوں نے
مِنْۢ بَعْدِهِمْ	ان کے بعد	ثُمَّ	پھر		اس کو
قُرُوْنًا	امتوں کو	اَرْسَلْنَا	بھیجا ہم نے	فَاَتْبَعْنَا	پس پیچھے کیا ہم نے
اٰخَرِيْنَ	دوسری	رُسُلَنَا	ہمارے رسولوں کو	بَعْضَهُمْ	ان کے بعض کو
مَا	نہیں	تَتْرَا (۲)	پے در پے	بَعْضًا	بعض کے
تَسْبِقُ	آگے بڑھتی	كُلَّمَا	جب بھی	وَّجَعَلْنٰهُمْ	اور بنادیا ہم نے ان کو
مِنْ اُمَّةٍ (۱)	کوئی امت	جَاۗءَ	آیا	اَحَادِيْثَ (۴)	کہانیاں
اَجَلَهَا	اپنی مقررہ مدت سے	اُمَّةً (۳)	کسی امت کے پاس	فَبُعْدًا	پس خدا کی مار

(۱) من أمة: تسبق کا فاعل ہے اور من زائدہ ہے، نفی کے استغراق کی تاکید کے لئے آیا ہے (۲) تَتْرىٰ اور تَتْرًا: لگاتار، پے در پے، مسلسل، ان کی اصل وَتْریٰ اور وَتْرًا ہے۔ آخر میں الف تانیث کا ہے یا تنوین کا بدل ہے۔ (۳) اُمَّةً: مفعول مقدم ←

لِّقَوْمٍ	ان لوگوں پر	وَكَانُوْا	اور تھے وہ	اٰتَيْنَا	دی ہم نے
لَّا يُؤْمِنُوْنَ	جو ایمان نہیں لاتے	قَوْمًا عَالِيْنَ	متکبر لوگ	مُوْسَى	موسیٰ کو
ثُمَّ	پھر	فَقَالُوْٓا	پس کہا انھوں نے	الْكِتٰبَ	کتاب (تورات)
اَرْسَلْنَا	بھیجا ہم نے	اَنُؤْمِنُ	کیا ایمان لاویں ہم	لَعَلَّهُمْ	تا کہ وہ
مُوْسٰى	موسیٰ کو	لِبَشَرَيْنِ	دو انسانوں پر	يَهْتَدُوْنَ	راہ پائیں
وَاَخَاهُ	اور ان کے بھائی	مِثْلِنَا	جو ہمارے جیسے ہیں	وَجَعَلْنَا	اور بنایا ہم نے
هٰرُوْنَ	ہارون کو	وَقَوْمُهُمَا	اور ان دونوں کی قوم	ابْنَ مَرْيَمَ	مریم کے لڑکے کو
بِاٰيٰتِنَا	ہماری نشانیوں کیساتھ	لَنَا (۱)	ہماری	وَاُمَّهٗٓ	اور اس کی ماں کو
وَسُلْطٰنٍ	اور دلیل کے ساتھ	عٰبِدُوْنَ	غلام ہے	اٰيَةً (۲)	بڑی نشانی
مُّبِيْنٍ	واضح	فَكَذَّبُوْهُمَا	پس جھٹلایا انھوں نے دونوں کو	وَّاٰوَيْنٰهُمَآ (۳)	اور ٹھکانا دیا ہم نے
اِلٰى فِرْعَوْنَ	فرعون کی طرف	فَكَانُوْا	پس تھے وہ		دونوں کو
وَمَلَا۟ئِهٖ	اور اس کے درباریوں	مِّنَ	تباہ ہونے والوں میں	اِلٰى رَبْوَةٍ (۴)	ایک بلند جگہ میں
	کی طرف	الْمُهْلَكِيْنَ	سے	ذَاتِ قَرَارٍ	جو ٹھہرنے کے قابل
فَاسْتَكْبَرُوْا	پس تکبر کیا انھوں نے	وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	وَّمَعِيْنٍ (۵)	اور چشمہ دار تھی

عاد وثمود کے بعد رسالتوں اور ہلاکتوں کا سلسلہ قائم ہوگیا۔ لگا تار انبیاء مبعوث ہوتے رہے اور قومیں تکذیب کرتی رہیں اور ہلاک ہوتی رہیں۔ ارشاد ہے: —— پھر ہم نے ان کے بعد (یعنی عاد یا ثمود کے بعد) دوسری امتیں پیدا کیں —— جیسے قوم لوط اور قوم شعیب وغیرہ۔ یہ سب امتیں بھی تکذیب انبیاء علیہم السلام کی پاداش میں اپنے اپنے وقت پر ہلاک ہوتی رہیں —— کوئی امت اپنے مقررہ وقت سے نہ تو آگے بڑھتی ہے اور نہ پیچھے رہتی ہے —— یعنی ہر امت ٹھیک اپنے وقت پر ہلاک ہوئی۔ نہ اپنی میعاد سے ایک منٹ پہلے پکڑی گئی، نہ اس کو ایک منٹ کی مہلت

ہے۔(۴) أحاديث: أُحْدُوْثَة کی جمع ہے۔ جیسے: اَعَاجِيْب: أُعْجُوْبَة کی جمع ہے: کہانیاں، دل لگی کی باتیں۔ ←

(۱) لنا: عابدون سے متعلق ہے۔ (۲) آيةً: مفعول ثانی ہے۔ (۳) آوىٰ إِيْوَاءً: پناہ دینا، اپنے پاس ٹھہرانا، آوَيْنَا: فعل ماضی، صیغہ جمع متکلم، مجرد: أَوَى المكانَ وإليه أُوِيًّا: پناہ لینا، قیام کرنا (۴) رَبْوَة: ٹیلہ، بلند جگہ۔ رَبَا الشيئُ (ن) رَبْوًا وَرُبُوًّا: بڑھنا، اضافہ ہونا۔ (۵) مَعِيْن: آب جاری جو دکھائی دے۔

ملی ـــــ پھر ہم نے لگاتار اپنے رسولوں کو بھیجا ـــــ یعنی رسولوں کا تار باندھ دیا۔ یکے بعد دیگرے رسول مبعوث ہوتے رہے ـــــ جب بھی کسی امت کے پاس اس کا رسول آیا تو انھوں نے اس کو جھٹلایا ـــــ یعنی رسولوں کی بعثت کے ساتھ لوگوں کی تکذیب کا سلسلہ بھی جاری رہا ـــــ پس ہم نے ایک کے پیچھے ایک کو لگا دیا ـــــ یعنی ہلاکتوں کا سلسلہ بھی چلتا رہا ـــــ اور ہم نے ان کو کہانیاں بنا دیا ـــــ یعنی ان کا نام ونشان مٹ گیا، بس افسانے رہ گئے ـــــ سو خدا کی مار ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے! ـــــ یعنی وہ اللہ کی رحمت سے دور کر دیئے گئے ـــــ پھر ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون (علیہما السلام) کو ہماری نشانیوں اور واضح دلیل کے ساتھ فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف بھیجا ـــــ نشانیاں اور واضح دلیل ایک چیز ہیں۔ عصائے موسیٰ اور یدِ بیضاء: موسیٰ علیہ السلام کی نشانیاں بھی ہیں اور دلیلِ نبوت بھی ـــــ پس ان لوگوں نے تکبر کیا ـــــ اور موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو قبول نہ کیا ـــــ اور وہ بڑے گھمنڈی لوگ تھے ـــــ یعنی ان کا تکبر وقتی نہیں تھا، گھٹی میں پڑا ہوا تھا ـــــ چنانچہ انھوں نے کہا: ''کیا ہم اپنے ہی جیسے دو انسانوں پر ایمان لے آئیں، حالانکہ ان کی قوم ہمارے زیرِ حکم ہے؟!'' ـــــ فرعونی: بنی اسرائیل سے بیگار لیتے تھے اور ان کو غلام بنائے ہوئے تھے۔ یعنی ایک تو یہ دونوں ہمارے ہی جیسے انسان ہیں، فوق البشر ہستیاں نہیں، پھر بشر بھی ایسے حقیر کہ ان کی قوم ہماری محکوم وغلام ہے۔ بھلا ایسے شخصوں کی بات ہم کیسے مان لیں؟ اس میں تو ہماری ہیٹی ہے! ـــــ حکمران فرعون تھا۔ ساری قوم نہیں تھی۔ مگر نفسیاتی بات یہ ہے کہ حکمران قوم کا ایک ایک فرد اپنے کو حاکم سمجھتا ہے۔ پھر یہاں تو فرعون کے درباریوں کا ذکر ہے، وہ تو کسی درجہ میں حاکم تھے ہی، اور اپنی محکوم رعایا کے ایک ایک فرد کو ذلت وحقارت کی نظر سے دیکھتے تھے ـــــ پس ان لوگوں نے ان دونوں کی تکذیب کی، پس وہ تباہ ہونے والوں میں سے ہو گئے ـــــ یعنی وہ بھی اپنی پیش رَوامتوں کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹا دیئے گئے ـــــ یہاں وہ سلسلۂ کلام پورا ہوا جو نوح علیہ السلام کی قوم کے تذکرہ سے شروع ہوا تھا۔ اس تذکرہ کا مقصد یہ ہے کہ سب ہی قوموں کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہدایت کا سامان کیا۔ کیونکہ وہ انسانوں کے پروردگار ہیں۔ پس جس طرح انھوں نے انسان کی جسمانی ضرورتوں کا انتظام کیا، اس کی روحانی ضرورت یعنی ہدایت کا بھی سامان کیا۔ مگر برا ہو لوگوں کا کسی نے سن کر ہی نہ دیا۔ سب نے رسولوں کی تکذیب کی، اور اس کی سزا پائی۔ پس قصور لوگوں کا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی کمی نہ رہی۔

عہدِ بنی اسرائیل کی ابتداء وانتہا: بنی اسرائیل کا عہد موسیٰ علیہ السلام سے شروع ہوتا ہے۔ آپ کے بعد بہت سے انبیاء مبعوث ہوئے۔ کہتے ہیں کہ ایک لاکھ انبیاء صرف بنی اسرائیل میں مبعوث ہوئے ہیں واللہ اعلم۔ یہ عہد حضرت

عیسیٰ علیہ السلام پر تمام ہوگیا۔ آپ خاتمِ انبیائے بنی اسرائیل ہیں۔ اس کے بعد تمام سلسلوں کے خاتم کا عہد شروع ہوا۔ ارشاد ہے: ـــــ اور البتہ واقعہ یہ ہے کہ ہم نے موسیٰ کو کتاب (تورات) عطا فرمائی تا کہ وہ راہ پائیں ـــــ یعنی فرعون کی ہلاکت کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے تورات شریف عنایت فرمائی گئی۔ یہاں سے بنی اسرائیل کا عہد شروع ہوا۔ بعد کے انبیائے بنی اسرائیل تورات ہی کی تبلیغ کرتے تھے۔ اگرچہ بعض انبیاء کو کتابیں بھی دی گئیں، جیسے داؤد علیہ السلام کو زبور اور عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل عطا فرمائی گئی، مگر ان کی حیثیت ضمنی کتابوں کی تھی۔ اصل کتاب جس پر بنی اسرائیل کی شریعت کا مدار تھا وہ تورات تھی۔ آج بھی زبور وانجیل: تورات کے مجموعہ (بائبل) میں شامل ہیں۔ یہ عہد حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر تمام ہوا۔ ارشاد ہے: ـــــ اور ہم نے ابن مریم (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کو اور ان کی والدہ کو ایک بڑی نشانی بنایا ـــــ یعنی دونوں مل کر ایک نشانی ہیں۔ اور وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر باپ کے صرف ماں سے پیدا ہونا ہے ـــــ اور ہم نے دونوں کو ایک بلند جگہ میں پناہ دی جو ٹھہرنے کے قابل اور چشمہ دار تھی ـــــ یعنی عیسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی عنایت از ابتداء تا انتہا رہی۔ جب آپ کا حمل قرار پایا اس وقت فرشتہ ظاہر ہوا۔ اور جب وضع حمل کا وقت آیا تو بہترین جگہ آپ کی والدہ صاحبہ کو پہنچا دیا۔ حضرت مریم رضی اللہ عنہا بستی سے نکل کر جنگل میں ایک ایسی جگہ چلی گئیں جو بلند تھی۔ نیچے چشمہ یا نہر بہہ رہی تھی، اور وہاں کھجور کا درخت بھی تھا، جس پر پکی ہوئی کھجوریں تھیں، وہاں آپ کی ولادتِ مبارکہ ہوئی۔ تفصیل سورۂ مریم میں گذر چکی۔

آپ کی اس طرح حیرت انگیز طور پر ولادت نبی ﷺ کی ختم نبوت کی نشانی تھی۔ اور یہ نشانی دو طرح سے تھی: ایک: اس طرح کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام انبیائے بنی اسرائیل کے خاتم تھے۔ پس جس طرح نبوت کا ایک معین سلسلہ آپ پر ختم ہوگیا، اسی طرح نبوت کے تمام سلسلے حضرت خاتم النّبیین ﷺ پر تمام ہوگئے۔ یہ ختم نبوت جزئی: ختم نبوت کلی کی دلیل ہے۔ دوم: اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش کے حسّی سلسلہ کو جو ماں باپ سے چلا آرہا تھا ایک میں یعنی صرف ماں میں جمع کردیا، اسی طرح نبوت کے تمام سلسلوں کو جو ایک معنوی چیز ہے ایک ذات میں جمع کردیا۔ تفصیل سورۃ الانبیاء (آیت ۹۱) کی تفسیر میں گذر چکی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیرت انگیز ولادت دنیا جہاں کے لئے ختم نبوت کی نشانی تھی۔

يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝۵۱ۭ وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ۝۵۲ فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۭ كُلُّ

حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۵۴﴾ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۵۵﴾ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۶﴾

يٰٓاَيُّهَا	اے	وَّاحِدَةً	ایک	حَتّٰى حِيْنٍ	ایک وقت تک
الرُّسُلُ	پیغمبرو!	وَّاَنَا	اور میں	اَيَحْسَبُوْنَ	کیا گمان کرتے ہیں وہ
كُلُوْا	کھاؤ تم	رَبُّكُمْ	تمہارا رب ہوں	اَنَّمَا (۴)	کہ جو
مِنَ الطَّيِّبٰتِ	نفیس چیزوں سے	فَاتَّقُوْنِ	پس مجھ سے ڈرو	نُمِدُّهُمْ	اضافہ کرتے ہیں ہم
وَاعْمَلُوْا	اور کرو تم	فَتَقَطَّعُوْٓا (۲)	پس بانٹ لیا انھوں نے		ان کو
صَالِحًا	نیک کام	اَمْرَهُمْ	اپنے معاملہ کو	بِهٖ	اس کے ذریعہ
اِنِّيْ	بیشک میں	بَيْنَهُمْ	آپس میں	مِنْ مَّالٍ	مال سے
بِمَا	ان کاموں سے جو	زُبُرًا	ٹکڑے ٹکڑے	وَّبَنِيْنَ	اور بیٹوں سے
تَعْمَلُوْنَ	تم کرتے ہو	كُلُّ حِزْبٍۢ	ہر فرقہ	نُسَارِعُ	جلدی کر رہے ہیں ہم
عَلِيْمٌ	واقف ہوں	بِمَا	اس پر جو	لَهُمْ	ان کے لئے
وَاِنَّ	اور بیشک	لَدَيْهِمْ	اس کے پاس ہے	فِي الْخَيْرٰتِ	بھلائیوں میں؟
هٰذِهٖٓ	یہ (دین وملت)	فَرِحُوْنَ	نازاں ہے	بَلْ	(نہیں) بلکہ
اُمَّتُكُمْ	تمہارا طریقہ ہے	فَذَرْهُمْ	پس چھوڑیے ان کو	لَّا يَشْعُرُوْنَ	وہ سمجھتے نہیں
اُمَّةً (۱)	طریقہ	فِيْ غَمْرَتِهِمْ (۳)	گہری گمراہی میں	❁	❁

گذشتہ آیات میں نوح علیہ السلام سے عیسیٰ علیہ السلام تک بہت سے رسولوں کا تذکرہ آیا ہے، اب ان سب سے

(۱) أمةً واحدةً: أمتكم سے حال ہے۔(۲) تَقَطَّعَ: جَعَلَ کے معنی کو متضمن ہے اس لئے دو مفعول آئے ہیں: ایک أمرهم دوسرا: زُبُرًا. الزُّبْرَة: کسی بھی چیز کا ٹکڑا۔ ج: زُبَرٌ اور زُبُرٌ۔(۳) غَمْرة: گہرا پانی جس کی تھاہ نہ ہو، مجاز اً زبردست گمراہی، بڑی جہالت مراد ہے۔(۴) أنما: حرف تحقیق نہیں ہے، بلکہ أَنَّ: حرف مشبہ بالفعل ہے اور ما موصولہ ہے اور نمدهم به صلہ ہے اور من مال وبنين: ما موصولہ کا بیان ہے، سب مل کر أن کا اسم ہیں، اور جملہ نسارع خبر ہے۔ مَدَّ الشيئَ: کسی چیز میں اضافہ کرنا، بڑھانا۔ مَدَّ الجيشَ: لشکر کو کمک پہنچانا۔

خطاب ہے: ـــــ اے رسولو! نفیس چیزوں میں سے کھاؤ، اور نیک کام کرو، میں یقیناً ان کاموں کو جانتا ہوں جو تم کرتے ہو ـــــ یہ حکم درحقیقت رسولوں کو مخاطب کر کے ان کی امتوں کو دیا گیا ہے۔ اور رسولوں سے خطاب حکم کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے ہے۔ یعنی یہ ایسا حکم ہے جس کے رسول بھی مخاطب ہیں، پس ان کی امتیں تو ضرور مخاطب ہونگی ـــــ اور سب پیغمبروں سے ایک ساتھ خطاب کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ سب حضرات کسی جگہ مجتمع تھے۔ بلکہ یہ حکم ہر پیغمبر کو اس کے زمانہ میں دیا گیا تھا۔ سبھی رسولوں کو یہ حکم دیا گیا کہ پاکیزہ اور حلال وطیب چیزیں کھائیں اور نیک کام کریں۔ اس میں نصاریٰ کی رہبانیت کا بھی رد ہو گیا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر سے خاص مناسبت رکھتا ہے ـــــ اور اکلِ حلال کا حکم پہلے اس لئے دیا گیا کہ حلال غذا کا عملِ صالح میں بڑا دخل ہے۔ جب آدمی کی غذا حلال ہوتی ہے تو عملِ صالح کی توفیق خود بخود ہوتی ہے۔ اور غذا حرام ہوتی ہے تو آدمی چاہنے کے باوجود عمل صالح نہیں کر پاتا، اور کرتا ہے تو قبول نہیں ہوتا۔ حدیث میں ہے کہ ایک شخص لمبا سفر کرتا ہے۔ غبار آلود پراگندہ حال ہوتا ہے، مگر اس کا کھانا پینا اور لباس حرام کا ہوتا ہے۔ اور حرام ہی سے پلا بڑھا ہوتا ہے (وہ کسی متبرک جگہ میں مثلاً مکہ مکرمہ میں پہنچ کر) اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف لمبے کرتا ہے، اور خوب گڑگڑا کر دعا مانگتا ہے مگر اس کی دعا کیسے قبول ہو؟! (رواہ مسلم)

نبیوں سے خطاب کے بعد عام لوگوں سے خطاب ہے۔ جن میں کفار مکہ بھی شامل ہیں: ـــــ بیشک یہ تمہاری جماعت ہے: ایک جماعت! ـــــ یعنی اوپر جن انبیاء کا ذکر آیا ہے وہ سب ایک جماعت ہیں۔ سب کا دین ایک ہے یعنی سب اصول میں متحد ہیں۔ وہی دین اب یہ آخری رسول پیش کر رہے ہیں۔ کوئی نیا دین نہیں پیش کر رہے ـــــ اور میں تمہارا پروردگار ہوں پس مجھ سے ڈرو! ـــــ یعنی اس مشترک دین کی بنیادی تعلیم توحید ہے، ایک اللہ کی بندگی کرنا اور اسی کے احکام کی اطاعت کرنا اس دین کا خلاصہ ہے ـــــ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کے یہی معنی ہیں۔ اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ اس سے جابر حاکم یا موذی جانور سے ڈرنے کی طرح ڈرا جائے۔ اللہ تعالیٰ سے تو محبت ضروری ہے۔ اور مؤمنین کو اللہ تعالیٰ سے بے حد محبت بھی ہوتی ہے۔ اور جس سے محبت ہوتی ہے آدمی اس کے احکام کی اطاعت کرتا ہے، خلاف ورزی نہیں کرتا تا کہ اس کی ناراضگی سے دوچار نہ ہو۔

پس انھوں نے اپنے معاملہ کو آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر لیا۔ ہر فریق اس پر جو اس کے پاس ہے: نازاں ہے ـــــ یعنی حق واضح ہونے کے باوجود اپنے ہی طریقے سے چمٹا ہوا ہے۔ یہ اِس خیال کا جواب ہے کہ جب سب نبیوں کا دین ایک ہے تو ان کی امتیں آپس میں مختلف کیوں ہیں؟ جواب یہ دیا ہے کہ یہ اختلافات بعد کے لوگوں نے پیدا کئے ہیں۔ اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب جو آج پائے جاتے ہیں وہ اسلام کی بگڑی ہوئی صورتیں ہیں۔ لوگوں نے

اس کی بعض باتوں کو مسخ کر دیا اور بعض من گھڑت باتوں کا اضافہ کر دیا تو دین کا نیا ایڈیشن تیار ہو گیا۔ اور اب ہر ایک کے پاس جو کچھ ہے وہ اس میں مگن ہے، اس سے ہٹنے کے لئے تیار نہیں۔ اب صحیح اسلام کو یہ آخری پیغمبر پیش کر رہے ہیں۔ لوگوں کو چاہئے کہ اس کو قبول کریں۔

فائدہ: اور جو بگاڑ پہلے رونما ہوا تھا اس امت میں بھی رونما ہوگا۔ بہتر فرقوں والی پیشین گوئی موجود ہے۔ مگر چونکہ قرآن وحدیث اپنی اصلی صورت میں ہمیشہ موجود رہیں گے اس لئے امت کا سوادِ اعظم (بڑا حصہ) ہمیشہ صحیح دین پر قائم رہے گا۔ حقیقت گم نہیں ہو جائے گی ــــــ اور ائمۂ مجتہدین کا فروعی اختلاف اس میں داخل نہیں۔ اس اختلاف سے ملتیں الگ نہیں ہوتیں۔ چاروں فقہی مذاہب برحق ہیں۔ غیر مقلدین جو اس اجتہادی اور فروعی اختلاف کو فرقہ واریت کا رنگ دیتے ہیں وہ ان کی نادانی ہے۔

اچھا اگر یہ لوگ (مکہ والے) نہیں مانتے، اور اپنی گمراہی میں ڈوبے رہتے ہیں: ــــــ تو چھوڑیے ان کو ان کی سخت گمراہی میں ایک وقت تک! ــــــ یعنی ان کا یہ استغراق زیادہ دیر تک نہیں رہ سکے گا۔ جلد ہی وقت آ رہا ہے جب ان کی آنکھیں کھل جائیں گی۔ جب موت سر پے آ کھڑی ہوگی یا عذابِ الٰہی سروں پر منڈلانے لگے گا تو ہوش ٹھکانے آ جائیں گے۔

کفار کو دھوکہ یہ لگا ہوا ہے کہ ان کو دنیا کی عیش وراحت حاصل ہے، وہ اس کو اپنی حقانیت اور مقبولیت کی دلیل سمجھ رہے ہیں، وہ مسلمانوں سے کہتے ہیں: ''ہم مال واولاد میں تم سے زیادہ ہیں، اور ہم کو عذاب ہونے والا نہیں!'' (سورۃ السبا آیت ۳۵) اس سلسلہ میں ارشاد ہے: ــــــ کیا وہ گمان کرتے ہیں کہ ہم ان کو جو مال اور بیٹے دیتے چلے جا رہے ہیں: تو ہم ان کو جلدی جلدی فائدے پہنچا رہے ہیں؟ ــــــ یعنی عند اللہ ان کی مقبولیت کی وجہ سے یہ سب نعمتیں ان کو مل رہی ہیں؟ نہیں ــــــ بلکہ وہ سمجھتے نہیں! ــــــ یعنی مال واولاد کی یہ افراط ان کی مقبولیت کی وجہ سے نہیں ہے۔ بلکہ یہ ان کو ڈھیل دی جا رہی ہے اور آزمائش کی جا رہی ہے۔ جب ان کی شقاوت کا پیمانہ لبریز ہو جائے گا تو ایک دم عذاب میں دھر لئے جائیں گے۔

آدمی کو کبھی دنیا کی کوڑیوں سے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے، یہ تو ایک آزمائش ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ هُم مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِم مُّشْفِقُونَ ﴿٥٧﴾ وَالَّذِينَ هُم بِآيَاتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ﴿٥٨﴾ وَالَّذِينَ هُم بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ ﴿٥٩﴾ وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوا وَّقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ

رٰجِعُوْنَ ﴿۶۰﴾ اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾

اِنَّ	بیشک	لَا يُشْرِكُوْنَ	شریک نہیں کرتے	لَهَا	بھلائیوں کی طرف
الَّذِیْنَ	جولوگ	وَالَّذِیْنَ	اور جولوگ	سٰبِقُوْنَ	پیش قدمی کرنے
هُمْ	وہ	يُؤْتُوْنَ (۱)	دیتے ہیں		والے ہیں
مِّنْ خَشْيَةِ	ہیبت سے	مَآ	جوکچھ	وَلَا نُكَلِّفُ	اور نہیں حکم دیتے ہم
رَبِّهِمْ	اپنے رب کی	اٰتَوْا (۲)	دیتے ہیں	نَفْسًا	کسی شخص کو
مُّشْفِقُوْنَ	ڈرنے والے ہیں	وَّقُلُوْبُهُمْ (۳)	درانحالیکہ ان کے دل	اِلَّا	مگر
وَالَّذِیْنَ	اور جولوگ	وَجِلَةٌ (۴)	خوفزدہ ہیں	وُسْعَهَا	اسکی گنجائش کے موافق
هُمْ	وہ	اَنَّهُمْ (۵)	(اس لئے) کہ وہ	وَلَدَيْنَا	اور ہمارے پاس
بِاٰيٰتِ	آیتوں پر	اِلٰى رَبِّهِمْ	اپنے رب کی طرف	كِتٰبٌ	ایک نوشتہ ہے
رَبِّهِمْ	اپنے رب کی	رٰجِعُوْنَ	لوٹنے والے ہیں	يَّنْطِقُ	بولے گا وہ
يُؤْمِنُوْنَ	ایمان لاتے ہیں	اُولٰٓئِكَ	یہ لوگ	بِالْحَقِّ	ٹھیک ٹھیک
وَالَّذِیْنَ	اور جولوگ	يُسٰرِعُوْنَ	جلدی کررہے ہیں	وَهُمْ	اور وہ
هُمْ	وہ	فِی الْخَيْرٰتِ	بھلائیوں میں	لَا يُظْلَمُوْنَ	ظلم نہیں کیے جائیں
بِرَبِّهِمْ	اپنے رب کے ساتھ	وَهُمْ	اور وہ		گے

کفار دنیا کی عیش وراحت ہی کو حاصلِ زندگانی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اصل کامیابی آخرت کی کامیابی ہے۔ اب اِن آیات میں ان مؤمنین کا تذکرہ ہے جو بھلائیوں کی طرف دوڑنے والے ہیں، اور دونوں ہاتھوں سے آخرت کے فوائد سمیٹ رہے ہیں۔ یہ وہ حضرات ہیں جن میں خاص طور پر چار باتیں پائی جاتی ہیں:

(۱) يُؤْتُوْنَ: مضارع معروف، صیغہ جمع مذکر غائب، إِيْتَاء: دینا۔ (۲) آتَوْا: فعل ماضی، صیغہ جمع مذکر غائب، إِيْتَاء: دینا۔ ما آتوا: یؤتون کا مفعول بہ ہے۔ (۳) وقلوبهم: جملہ حالیہ ہے یؤتون کی ضمیر فاعل سے۔ (۴) وَجِلَة: صفت مشبہ، واحد مؤنث، مذکر وَجِلٌ، وَجِلَ يَوْجَلُ (س) وَجَلًا: ڈرنا، گھبرانا۔ (۵) أنهم سے پہلے لام محذوف ہے۔

پہلی بات: ـــــــ بیشک جولوگ اپنے پروردگار کی ہیبت سے ڈرنے والے ہیں ـــــــ یعنی وہ خدائے واحد سے ڈرتے رہتے ہیں، اس لئے وہ دنیا میں بے خوف ہوکر زندگی نہیں گذارتے۔ وہ ہر معاملہ میں اللہ کی نافرمانی سے بچتے ہیں۔

دوسری بات: ـــــــ اور جولوگ اپنے پروردگار کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں ـــــــ یعنی آیاتِ کونیہ وقرآنیہ دونوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ جو کچھ نبی ﷺ پیش کررہے ہیں اس کو قبول کرتے ہیں۔ اور جو کچھ اللہ کی طرف سے پیش آرہا ہے اس کو عین حکمت سمجھتے ہیں۔

تیسری بات: ـــــــ اور جولوگ اپنے پروردگار کے ساتھ شریک نہیں کرتے ـــــــ یعنی خالص توحید پر قائم ہیں۔ ریاء سے بھی بچتے ہیں کیونکہ وہ بھی ایک طرح کا شرک ہے۔ انبیاء اور اولیاء کی تعظیم میں ایسا مبالغہ نہیں کرتے جو شرک تک پہنچادے، غیر اللہ سے نہ مانگتے ہیں نہ ان کو حاجت روا سمجھتے ہیں۔ خالص اللہ کی بندگی کرتے ہیں۔ اس کی بندگی میں کسی اور کی بندگی کا شائبہ تک نہیں آنے دیتے، نہ وہ غیر الٰہی قوانین کی اتباع کرتے ہیں، اپنی اطاعت کو بھی اللہ کے لئے خالص رکھتے ہیں۔

چوتھی بات: ـــــــ اور جولوگ دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں درانحالیکہ ان کے دل خوفزدہ ہیں، اس لئے کہ ان کو اپنے پروردگار کے پاس جانا ہے ـــــــ یعنی ان کی عطاؤ بخشش اللہ کے لئے ہوتی ہے۔ اور ان کو یہ دھڑ کا لگا رہتا ہے کہ معلوم نہیں وہاں قبول ہو یا نہ ہو۔ خیرات آگے کام آئے یا نہ آئے۔ یعنی وہ اپنے عمل پر مغرور نہیں ہوتے، نیکی کرنے کے باوجود ڈرتے رہتے ہیں۔

فائدہ: ایک حدیث شریف میں یہ بات آئی ہے کہ ان بندوں کا یہ حال صدقات وخیرات کے علاوہ دیگر اعمال میں بھی ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا آیت کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص چوری، زنا اور شراب نوشی کر کے اللہ سے ڈرے؟ آپؐ نے فرمایا: ''صدیق کی بیٹی! اس سے مراد وہ شخص (بھی) ہے جو نماز پڑھتا ہے، روزے رکھتا ہے، زکات دیتا ہے پھر اللہ سے ڈرتا ہے'' (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ) حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں: مؤمن اطاعت کرتا ہے پھر بھی ڈرتا ہے، اور منافق معصیت کرتا ہے پھر بھی بے خوف ہوتا ہے۔

یہ لوگ جلدی جلدی فائدے حاصل کررہے ہیں، اور وہ ان کی طرف سبقت کرنے والے ہیں ـــــــ یعنی کفار اور بے دین لوگ جو اپنی دنیوی کامیابیوں پر مغرور ہیں، اور گمان کرتے ہیں کہ ہم خوب فائدے سمیٹ رہے ہیں، وہ ان کی خام خیالی ہے۔ حقیقت میں فائدے حاصل کرنے والے اہل ایمان واہل تقوی ہیں۔ وہ اپنے فوائد کی طرف تیزی سے بڑھ رہے ہیں۔ مگر یہ فوائد دنیا کے چند ٹھیکرے نہیں ہیں، بلکہ آخرت کی لازوال نعمتیں ہیں۔

اور ہم کسی کو اس کی مقدرت سے زیادہ حکم نہیں دیتے —— یعنی مذکورہ باتوں پر عمل کرنا کچھ مشکل نہیں۔ پس کسی کے لئے اس عذر کا موقع نہیں کہ یہ کام ہمارے بس کے نہیں۔ کیونکہ بہت سے انسان ان پر عمل پیرا ہیں، اور وہ آخرت میں اپنا اجر پائیں گے —— اور ہمارے پاس ایک نوشتہ ہے جو (سب کچھ) ٹھیک ٹھیک بتادے گا —— نوشتہ سے مراد نامۂ اعمال ہے، جو ہر ایک شخص کا الگ الگ تیار کیا جارہا ہے۔ جس میں ایک ایک بات درج ہے، کوئی چھوٹا بڑا عمل ایسا نہیں جو اس میں درج نہ ہو۔ اسی کے مطابق کل قیامت کے دن بدلہ دیا جائے گا —— اور وہ ظلم نہیں کئے جائیں گے —— یعنی نہ تو عمل کرنے والوں کی کوئی نیکی ماری جائے گی نہ وہ عمل کے واجبی صلہ سے محروم رہیں گے۔ البتہ اگر فضل وانعام ہوجائے تو یہ ظلم نہیں۔ چنانچہ نیکیوں کا اجر بڑھا کر دیا جائے گا اور بہت سی کوتاہیوں سے درگذر کیا جائے گا۔

نیک کام آسان ہیں اور ان کا ثمرہ یقینی ہے، اس لئے سعی کے قابل یہی کام ہیں۔

بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ (۶۳) حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْـَٔرُوْنَ (۶۴) لَا تَجْـَٔرُوا الْيَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ (۶۵) قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ (۶۶) مُسْتَكْبِرِيْنَ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ (۶۷)

بَلْ	بلکہ	مِّنْ دُوْنِ	کم درجہ کے	اِذَآ	جب
قُلُوْبُهُمْ	ان کے دل	ذٰلِكَ	اس سے	اَخَذْنَا	پکڑلیں گے ہم
فِيْ غَمْرَةٍ (۱)	سخت غفلت میں ہیں	هُمْ	وہ	مُتْرَفِيْهِمْ (۳)	ان کے خوش حالوں کو
مِّنْ هٰذَا (۲)	اس سے	لَهَا	ان کو	بِالْعَذَابِ	عذاب میں
وَلَهُمْ	اور ان کے لئے	عٰمِلُوْنَ	کرنے والے ہیں	اِذَا (۴)	(تو) اچانک
اَعْمَالٌ	کام ہیں	حَتّٰٓى	یہاں تک کہ	هُمْ	وہ

(۱) غَمْرَة: گہرا پانی جس کی تھاہ نہ ہو، مراد زبردست گمراہی۔ غَمَرَ الماءُ (ن) غَمَارَة و غُمورة: پانی کا چڑھنا، زیادہ ہوکر گردو پیش کو ڈھانپ لینا (۲) هذا کا مشار الیہ "کتابتِ اعمال" ہے (۳) مُتْرَفی: مضاف، هم: مضاف الیہ، اصل میں مُتْرَفِيْنَ تھا، اضافت کی وجہ سے نون اعرابی گرگیا۔ از اِتْرَاف (باب افعال) عیش دینا، آرام دینا۔ مُتْرَف (اسم مفعول) خوش حال، فارغ البال، امیر۔ (۴) اِذا (مفاجاتیہ) پہلے اِذا (شرطیہ) کا جواب ہے۔

يَجْـَٔرُوْنَ (۱)	چلائیں گے	قَدْ	تحقیق	عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ	اپنی ایڑیوں پر
لَا تَجْـَٔرُوا	مت چلاؤ	كَانَتْ	تھیں	تَنْكِصُوْنَ (۲)	پیچھے ہٹتے
الْيَوْمَ	آج	اٰيٰتِيْ	میری آیتیں	مُسْتَكْبِرِيْنَ (۳)	گھمنڈ کرتے ہوئے
اِنَّكُمْ	بیشک تم	تُتْلٰى	پڑھی جاتیں	بِهٖ (۴)	اس کو
مِّنَّا	ہماری طرف سے	عَلَيْكُمْ	تم پر	سٰمِرًا (۵)	مشغلہ بناتے ہوئے
لَا تُنْصَرُوْنَ	مدد نہیں کئے جاؤ گے	فَكُنْتُمْ	پس تھے تم	تَهْجُرُوْنَ (۶)	چھوڑتے ہوئے

یہ مؤمنین کے بالمقابل کافروں کا ذکر ہے۔مؤمنین کا سرمایہ ایمان کے ساتھ نیک اعمال ہیں، جو ریکارڈ کئے جارہے ہیں۔جن کا پورا پورا بدلہ ان کو آخرت میں ملے گا۔اور کافروں کے پاس کفر کے ساتھ بداعمالیاں ہیں۔وہ بھی ریکارڈ کی جارہی ہیں، مگر کافر اس کی طرف سے سخت غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔البتہ جب ان کو ان کی بداعمالیوں کی سزا دنیا میں یا آخرت میں ملے گی تو وہ پھوٹ پھوٹ کر روئیں گے، مگر اب کیا ہو جب چڑیا چگ گئیں کھیت! موقع ہاتھ سے نکل گیا! ارشاد ہے: ـــــ بلکہ ان کے دل اس سے سخت غفلت میں پڑے ہوئے ہیں ـــــ یعنی کفار کا بھی ہر عمل لکھا جارہا ہے، مگر ان کو تو اس کا یقین ہی نہیں ـــــ اور ان کے لئے اس سے فروتر اعمال ہیں جن کو وہ کرنے والے ہیں ـــــ یہ اسی آخرت فراموشی کا نتیجہ ہے کہ وہ مؤمنین کے اعمال کے برخلاف کاموں میں منہمک ہیں۔کفر وشرک تو ان کا بڑا گناہ ہے ہی، باقی اس سے وَرے اور بہت سے گناہوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔وہ ان میں برابر مبتلا رہیں گے: ـــــ یہاں تک کہ جب ہم ان کے خوش عیش لوگوں کو عذاب میں پکڑیں گے تو وہ اچانک چلاّنا شروع کریں گے ـــــ یعنی ان ظالموں کی ابھی اسی دنیا میں پکڑ کی جائے گی۔جب وہ عذاب میں گرفتار ہونگے تو چلاّئیں گے، شور مچائیں گے۔اور فریاد اور واویلا کریں گے۔ہجرت کے بعد مقام بدر میں یہ منظر دنیا کے سامنے آگیا، ان کے بڑے بڑے سورما مارے گئے یا قید ہوگئے۔عورتیں مہینوں تک ان کا نوحہ کرتی رہیں، روتی رہیں، چیختی رہیں اور ماتم کرتی رہیں، مگر کچھ ہاتھ نہ آیا ـــــ اللہ کا عذاب جب آتا ہے تو خوش حال اور بدحال سب برابر کے شریک

(۱) يَجْأَرُوْنَ: فعل مضارع، صیغہ جمع مذکر غائب، جَأَرَ (ف) جَأْرًا وجُؤَارًا: آواز بلند کرنا، گائے بیل کا ڈکرانا، رانبھنا۔ (۲) نَكَصَ (ن،ض) نَكْصًا ونُكُوْصًا: پیچھے ہٹنا، باز رہنا (۳) استکبر: عناد وتکبر کی وجہ سے حق کو نہ ماننا۔ مستکبرین: تنکصون کے فاعل سے حال ہے۔(۴) به: سَامِرًا سے متعلق ہے، بہت سے مفسرین نے مستکبرین سے متعلق بھی کیا ہے، مگر بہتر سَامِرًا سے متعلق کرنا ہے۔(۵) سَامِرًا: دوسرا حال ہے اور بروزن اسم فاعل اسم جنس بھی ہے، اس لئے جمع نہیں لایا گیا: کہانی کہنے والا، افسانہ گو۔(۶) تَهْجُرُوْنَ: تیسرا حال ہے، هَجَرَ (ن) هَجْرًا وهِجْرَانًا: چھوڑنا، ترک تعلق کرنا۔

ہوتے ہیں، مگر اس جگہ خوش حالوں کا ذکر خاص طور پر اس لئے کیا گیا ہے کہ ایسے ہی لوگ دنیا کے مصائب سے اپنے بچاؤ کا کچھ نہ کچھ سامان کر لیتے ہیں۔ مگر جب اللہ کا عذاب آتا ہے تو سب سے پہلے یہی لوگ بے بس ہو کر رہ جاتے ہیں ـــــ آج مت چلاؤ، ہماری طرف سے تمہاری مدد نہیں کی جائے گی ـــــ یعنی اب چلانا اور عاجزی کرنا لاحاصل ہے۔ اور تو کسی کی طرف سے مدد کا سوال ہی نہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی تمہاری کچھ دستگیری نہ ہوگی، کیونکہ تمہاری مہلت کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے ـــــ واقعہ یہ ہے کہ میری آیتیں تمہارے سامنے پڑھی جاتی تھیں تو تم الٹے پاؤں چل دیتے تھے ـــــ یعنی یاد کرو! جب ہمارا رسول تم کو ہماری آیتیں پڑھ کر سناتا تھا تو تم الٹے پاؤں بھاگتے تھے۔ تمہیں ان کا سننا بھی گوارہ نہ تھا ـــــ گھمنڈ کرتے ہوئے، اس کو مشغلہ بناتے ہوئے، چھوڑتے ہوئے ـــــ یہ تینوں باتیں بالترتیب ہیں۔ یعنی تم عناد و تکبر کی وجہ سے قرآن کریم کو نہیں سنتے، ایڑیوں پر الٹے بھاگتے ہو۔ پھر رات کو کعبہ شریف کے پاس جمع ہوتے ہو، اور قرآن کریم کو تفریح کا مشغلہ بناتے ہو۔ کوئی کہتا ہے یہ شاعری ہے، دوسرا کہتا ہے نہیں یہ دیوانے کی بڑ ہے! کوئی کہتا ہے یہ جادو ہے، دوسرا کہتا ہے نہیں یہ اگلوں کے افسانے ہیں۔ کوئی کہتا ہے اس کو یہ خود بناتا ہے، دوسرا کہتا ہے نہیں یہ فلاں شخص سکھاتا ہے۔ اس طرح کی باتیں چھانٹ کر تم قرآن کریم کو چھوڑ دیتے ہو، اس کی سزا تمہیں جلد ملنے والی ہے، چند دن انتظار کرو۔

أَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ أَمْ جَاءَهُم مَّا لَمْ يَأْتِ آبَاءَهُمُ الْأَوَّلِينَ ﴿٦٨﴾ أَمْ لَمْ يَعْرِفُوا رَسُولَهُمْ فَهُمْ لَهُ مُنكِرُونَ ﴿٦٩﴾ أَمْ يَقُولُونَ بِهِ جِنَّةٌ ۚ بَلْ جَاءَهُم بِالْحَقِّ وَأَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كَارِهُونَ ﴿٧٠﴾ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَن فِيهِنَّ ۚ بَلْ أَتَيْنَاهُم بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَن ذِكْرِهِم مُّعْرِضُونَ ﴿٧١﴾ أَمْ تَسْأَلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿٧٢﴾ وَإِنَّكَ لَتَدْعُوهُمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٧٣﴾ وَإِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنَاكِبُونَ ﴿٧٤﴾ وَلَوْ رَحِمْنَاهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِم مِّن ضُرٍّ لَّلَجُّوا فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿٧٥﴾ وَلَقَدْ أَخَذْنَاهُم بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُونَ ﴿٧٦﴾ حَتَّىٰ إِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِم بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيدٍ إِذَا هُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ ﴿٧٧﴾

ع ۴

اَفَلَمْ	کیا تو نہیں	بَلْ	بلکہ	مُّعْرِضُوْنَ	روگردانی کرنے والے
يَدَّبَّرُوا (۱)	غور کیا انھوں نے	جَآءَهُمْ	آیا ہے وہ انکے پاس		ہیں
الْقَوْلَ	کلام میں	بِالْحَقِّ	حق کے ساتھ	اَمْ	یا
اَمْ	یا	وَاَكْثَرُهُمْ	اور ان کی اکثریت	تَسْـَٔلُهُمْ	مانگتے ہیں آپ اُن سے
جَآءَهُمْ	آئی ہے ان کے پاس	لِلْحَقِّ	حق کو	خَرْجًا (۵)	کچھ آمدنی
مَّا (۲)	وہ بات جو	كٰرِهُوْنَ	ناپسند کرنے والی ہے	فَخَرَاجُ (۵)	پس آمدنی
لَمْ يَأْتِ	نہیں آئی	وَلَوِ	اور اگر	رَبِّكَ	آپ کے رب کی
اٰبَآءَهُمُ	انکے بڑوں کے پاس	اتَّبَعَ	پیروی کرتا	خَيْرٌ	بہتر ہے
الْاَوَّلِيْنَ	اگلے	الْحَقُّ	حق	وَّهُوَ	اور وہ
اَمْ	یا	اَهْوَآءَهُمْ	ان کی خواہشات کی	خَيْرُ	بہترین ہیں
لَمْ يَعْرِفُوْا	نہیں پہچانا انھوں نے	لَفَسَدَتِ	(تو) یقیناً تباہ ہوجاتے	الرّٰزِقِيْنَ	روزی دینے والوں میں
رَسُوْلَهُمْ	اپنے رسول کو	السَّمٰوٰتُ	آسمان	وَاِنَّكَ	اور بیشک آپ
فَهُمْ	پس وہ	وَالْاَرْضُ	اور زمین	لَتَدْعُوْهُمْ	البتہ بلاتے ہیں ان کو
لَهٗ	اس کو	وَمَنْ فِيْهِنَّ	اور جو ان میں ہیں	اِلٰى صِرَاطٍ	راستے کی طرف
مُنْكِرُوْنَ (۳)	انجانا سمجھتے ہیں	بَلْ	بلکہ	مُّسْتَقِيْمٍ	سیدھے
اَمْ	یا	اَتَيْنٰهُمْ	آئے ہیں ہم انکے پاس	وَاِنَّ	اور بیشک
يَقُوْلُوْنَ	کہتے ہیں وہ	بِذِكْرِهِمْ	ان کی نصیحت کیساتھ	الَّذِيْنَ	جو لوگ
بِهٖ	اس کو	فَهُمْ	پس وہ	لَا يُؤْمِنُوْنَ	نہیں ایمان رکھتے
جِنَّةٌ (۴)	جنون ہے	عَنْ ذِكْرِهِمْ	اپنی نصیحت سے	بِالْاٰخِرَةِ	آخرت پر

(۱) **لم يَدَّبَّرُوْا:** فعل مضارع نفی جحد بہ لم بمعنی ماضی منفی، اصل میں يَتَدَبَّرُوْا تھا۔ تا کا دال میں ادغام ہوا ہے تَدَبُّر (باب تفعل) غور کرنا۔ (۲) **مالم يأت:** جاء هم کا فاعل ہے (۳) **مُنْكِرٌ:** اسم فاعل، إِنْكَارٌ (باب افعال) کسی چیز کو نہ پہچاننا۔ عجیب و اجنبی سمجھنا، اور برا سمجھنا (۴) دیکھیں اسی سورت کی آیت ۲۵ (۵) خَرْجٌ اور خِرَاجٌ: دونوں کے معنی ہیں: محصول، مالگزاری، مراد مزدوری اور کام کا معاوضہ ہے۔ جمع اَخْرَاج وَأَخْرِجَة.

عَنِ الصِّرَاطِ	راستے سے	يَعۡمَهُوۡنَ (۴)	بھٹکتے ہوئے	اِذَا	جب
لَنٰكِبُوۡنَ (۱)	یقیناً ہٹنے والے ہیں	وَلَقَدۡ	اور البتہ تحقیق	فَتَحۡنَا	کھول دیں گے ہم
وَلَوۡ	اور اگر	اَخَذۡنٰهُمۡ	پکڑا ہم نے ان کو	عَلَيۡهِمۡ	ان پر
رَحِمۡنٰهُمۡ	مہربانی کریں ہم ان پر	بِالۡعَذَابِ	عذاب میں	بَابًا	دروازہ
وَكَشَفۡنَا	اور کھول دیں ہم	فَمَا	پس نہیں	ذَا عَذَابٍ	عذاب والا
مَا بِهِمۡ	وہ جو ان کے ساتھ ہے	اسۡتَكَانُوۡا (۵)	فروتنی کی انھوں نے	شَدِيۡدٍ	سخت
مِّنۡ ضُرٍّ (۲)	بدحالی سے	لِرَبِّهِمۡ	اپنے رب کے سامنے	اِذَا	(تو) اچانک
لَّلَجُّوۡا (۳)	تو یقیناً اصرار کریں	وَمَا	اور نہیں	هُمۡ فِيۡهِ	وہ اس میں
	گے وہ	يَتَضَرَّعُوۡنَ (۶)	گڑگڑائے وہ	مُبۡلِسُوۡنَ (۷)	آس توڑنے والے
فِيۡ طُغۡيَانِهِمۡ	اپنی گمراہی میں	حَتّٰٓى	یہاں تک کہ		ہونگے

ان آیاتِ پاک میں سات ایسی وجوہ ذکر کی گئی ہیں جو کفار و مشرکین کے لئے ایمان لانے میں مانع ہو سکتی تھیں۔ مگر غور کیا جائے تو یہ چیزیں مانع نہیں، مانع کوئی اور چیز ہے۔ تفصیل درج ذیل ہے:

پہلی وجہ: —— کیا تو ان لوگوں نے اس کلام (قرآن کریم) میں غور نہیں کیا؟ —— یعنی کیا ان کے انکار کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے اس کلام کو سمجھا نہیں؟ ظاہر ہے یہ وجہ نہیں۔ قرآن ان کی اپنی زبان میں نازل ہوا ہے، اس کا انداز بیان نہایت واضح ہے، اور وہ کوئی ایسا دقیق مضمون بھی پیش نہیں کرتا جو لوگوں کی سمجھ سے باہر ہو۔

دوسری وجہ: —— یا ان کے پاس وہ بات آئی ہے جو ان کے اگلے بڑوں کے پاس نہیں آئی؟ —— یعنی کیا انکار کی یہ وجہ ہے کہ قرآن ان کے سامنے کوئی نرالی بات پیش کرتا ہے جو انھوں نے کبھی نہیں سنی؟ ظاہر ہے یہ وجہ بھی نہیں، کیونکہ انبیاء کا آنا، کتابوں کا لانا، توحید کی دعوت دینا، آخرت کا عقیدہ پیش کرنا، بھلائیوں کا حکم دینا اور برائیوں سے

(۱) نَاكِبٌ: اسم فاعل، نَكَبَ (ن) عنه نَكۡبًا: ہٹنا، الگ ہونا۔ (۲) من: بیانیہ ماموصولہ کا بیان ہے، ضُرٌّ: تکلیف، بدحالی، خستہ حالی (۳) لَجَّ في الأمر (ض) لَجًّا: کسی کام میں پڑے یا لگے رہنا، چھوڑنے کو تیار نہ ہونا، اڑنا، اصرار کرنا۔ (۴) يَعۡمَهُوۡنَ: جملہ حالیہ ہے، عَمَهَ (ف) عَمَهًا: راستہ بھٹک کر پریشان ہونا کہ کہاں جائے (۵) اِسۡتَكَانَ له: کسی کے سامنے اظہارِ عجز وانکساری کرنا۔ سکون سے باب استفعال ہے أی انتقل من كون إلى كون، جیسے: اِسۡتَحَال أی انتقل من حال إلى حال (۶) تَضَرَّع له وإليه: گڑگڑانا، انکساری کرنا، لاچاری اور بے بسی کا اظہار کرنا (۷) مُبۡلِس: اسم فاعل، از اِبۡلَاس: مایوس ہونا، اور حیرت زدہ ہونا، اسی سے إبليس ہے یعنی اللہ کی رحمت سے مایوس، یہ مجرد سے مستعمل نہیں، صرف باب افعال سے مع تمام مشتقات کے آتا ہے۔

روکنا ایک معروف بات ہے۔ تاریخ انسانی میں یہ بات پہلی مرتبہ پیش نہیں آئی۔ وہ لوگ خود حضرت ابراہیم وحضرت اسماعیل علیہما السلام کی اولاد ہیں، اور عرب ہی کی سرزمین میں حضرت ہود، حضرت صالح اور حضرت شعیب علیہم السلام مبعوث ہو چکے ہیں۔ اور موسیٰ علیہ السلام اور انبیائے بنی اسرائیل سے بھی وہ واقف ہیں، پس انکار کی یہ وجہ بھی معقول نہیں۔

تیسری وجہ: ـــــ یا انھوں نے اپنے رسول کو پہچانا نہیں، پس وہ اس کو انجانا سمجھ رہے ہیں؟ ـــــ یعنی کیا انکار کی یہ وجہ ہے کہ ایک بالکل اجنبی شخص ان کے سامنے یہ دعوت پیش کر رہا ہے، اور وہ ڈر رہے ہیں کہ کہیں وہ چکمہ نہ دے جائے؟ ظاہر ہے یہ بات بھی نہیں۔ نبی ﷺ ان کی برادری کے آدمی ہیں۔ ان کی ذاتی زندگی ان سے چھپی ہوئی نہیں۔ ان کی بے داغ سیرت سے وہ خوب واقف ہیں۔ نبوت سے پہلے بھی وہ ان کو صادق وامین کہہ کر پکارتے تھے۔ ان کے کردار وعمل پر آج تک کسی نے کوئی شبہ ظاہر نہیں کیا، پھر یہ وجہ کیسے ہو سکتی ہے؟

چوتھی وجہ: ـــــ یا وہ کہتے ہیں کہ اسے جنون ہے ـــــ یعنی کیا ان کے انکار کی یہ وجہ ہے کہ ان کے نزدیک نبی ﷺ ـــــ خاکم بدہن! ـــــ پاگل ہیں، اور بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ یہ وجہ بھی نہیں۔ ان کی دانائی اور زیرکی کے سب قائل ہیں۔ اور آج تک آپؐ جیسا فرزانہ نہ کوئی پیدا ہوا نہ ہوگا۔ دوست ہی نہیں دشمن بھی اس کی شہادت دیتے ہیں۔ پھر یہ وجہ کیسے ہو سکتی ہے؟

انکار کی اصل وجہ: ـــــ بلکہ وہ ان کے پاس حق لایا ہے، اور ان میں سے اکثر حق سے نفرت کرنے والے ہیں ـــــ یعنی نادان لوگوں کی عام روش یہ رہی ہے کہ جو بھی شخص حق بات کہتا ہے اس سے لوگ ناراض ہو جاتے ہیں۔ سچی بات سب کو کڑوی لگتی ہے، کیونکہ وہ ان کی خواہشات کے مطابق نہیں ہوتی۔ ان لوگوں کے انکار کی اصل وجہ یہی ان کی حق بیزاری ہے ـــــ اور اگر حق ان کی خواہشات کی پیروی کرے تو آسمان وزمین اور جو لوگ ان میں ہیں سب یقیناً ہلاک ہو جائیں ـــــ یعنی سچائی کسی کی خواہش کے تابع نہیں ہو سکتی، اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کی خواہش پر چلیں تو وہ خدا کیا ہوئے، بندوں کے ہاتھوں کا کھلونا ہو گئے۔ اور ایسی صورت میں نظام عالم درہم برہم ہو جائے گا۔ قیامت کے قریب جب زمین شر وفساد سے بھر جائے گی، اور کوئی اللہ کا نام لینے والا نہ رہے گا تو دنیا ختم کر دی جائے گی، کیونکہ اس کا مقصد فوت ہو گیا۔ پھر اس کو باقی رکھنے کا کیا فائدہ؟ دنیا خرمستی کی جگہ تھوڑے ہے؟! ـــــ بلکہ ہم ان کے پاس ان کی نصیحت لائے ہیں، پس وہ اپنی نصیحت سے روگردانی کرنے والے ہیں ـــــ یہ قرآن وہی نصیحت ہے جس کی وہ آرزو کیا کرتے تھے۔ وہ نبی ﷺ کی بعثت سے پہلے کہا کرتے تھے: ﴿لَوْ أَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْأَوَّلِيْنَ، لَكُنَّا عِبَادَ اللهِ الْمُخْلَصِيْنَ﴾ یعنی اگر ہمارے پاس کوئی نصیحت پہلے لوگوں کی طرح آتی تو ہم اللہ کے

چنیدہ بندے ہوتے (سورۃ الصافات آیات ۱۶۷ و ۱۶۸) اب جبکہ وہ نصیحت نامہ آ گیا تو وہ اس سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ حالانکہ خیر خواہی کی بات اگرچہ کڑوی ہو، اپنا فائدہ سامنے رکھ کر قبول کرنی چاہئے۔

پانچویں وجہ: ـــــ یا آپ ان سے کچھ آمدنی طلب کرتے ہیں؟ ـــــ یعنی کیا انکار کی یہ وجہ ہے کہ نبی ﷺ دعوت و تبلیغ پر ان سے کچھ معاوضہ طلب کرتے ہیں اور وہ بوجھ ان کے لئے ناقابل برداشت ہے؟ ظاہر ہے یہ وجہ بھی نہیں۔ انبیاء کبھی اپنی خدمات کا صلہ بندوں سے طلب نہیں کرتے۔ وہ بے غرض انسانیت کی خدمت کرتے ہیں۔ ان کا اعتماد اللہ پر ہوتا ہے ـــــ پس آپ کے پروردگار کی آمدنی (یعنی ان کا بخشا ہوا رزق) بہتر ہے، اور وہ بہترین روزی دینے والے ہیں ـــــ آپ کے پروردگار نے آپ کو دارین میں جو روزی عنایت فرمائی ہے وہ لوگوں کے معاوضہ سے کہیں بہتر ہے۔ پھر وہ ان حقیر ٹکڑوں پر نظر کیوں رکھیں؟

چھٹی وجہ: ـــــ یا انکار کی وجہ یہ ہے کہ نبی ﷺ ان کو غلط راستے پر لے جا رہے ہیں جبکہ وہ صحیح راستے پر ہیں۔ ایسی صورت میں عقلمندی کی بات یہ ہے کہ اندھا بن کر راہ نما کے پیچھے نہ چلا جائے۔ انکار کی یہ وجہ بھی موجود نہیں۔ ارشاد ہے ـــــ اور یقیناً آپ لوگوں کو سیدھے راستہ کی طرف بلا رہے ہیں ـــــ یعنی آپ ﷺ جس راستہ کی طرف لوگوں کو بلا رہے ہیں وہ بالکل سیدھا اور صاف راستہ ہے، فطرت کے مطابق ہے، ہر شخص یہ بات بوجھ سکتا ہے ـــــ اور یقیناً جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ راستے سے بھٹکے ہوئے ہیں ـــــ یعنی وہ غلط راستے پر چل رہے ہیں، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ وہ آخرت کا انکار کرتے ہیں، اور جو آخرت کا منکر ہو وہ صحیح راستے پر کیسے ہو سکتا ہے؟

ساتویں وجہ: ـــــ یا انکار کی وجہ اہل ایمان کی بدحالی ہے۔ وہ دیکھتے ہیں کہ ایمان قبول کرنے والے تنگ حالی میں مبتلا ہیں، اس لئے وہ سوچتے ہیں کہ اس دین کو قبول کرنے سے کیا فائدہ؟ اس کو بھی انکار کی وجہ بنانا درست نہیں۔ ارشاد ہے: ـــــ اور اگر ہم ان پر (یعنی خستہ حال مسلمانوں پر) مہربانی کریں، اور انہیں جو تکلیف (یعنی بدحالی لاحق) ہے اسے دور کر دیں، تو (بھی) وہ (کفار) اپنی گمراہی میں اصرار کرتے ہوئے بھٹکتے رہیں گے ـــــ راہِ راست پر نہیں آئیں گے۔ یعنی مسلمانوں کے موجودہ حالات کسی مصلحت سے پتلے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کا ان پر کرم ہو جائے اور وہ خوش حال ہو جائیں تو بھی ان کفار کو ایمان کی دولت نہیں ملے گی۔ یہ گمراہی میں پیر پسارے رہیں گے، اور اسی میں سرگرداں رہیں گے۔ کیا انھوں نے خود اپنے احوال میں غور نہیں کیا؟ ـــــ اور البتہ واقعہ یہ ہے کہ ہم نے انہیں عذاب میں پکڑا، پس نہ تو انھوں نے اپنے پروردگار کے سامنے فروتنی کی اور نہ وہ گڑگڑائے ـــــ ۸ نبوی میں نبی ﷺ کی دعا سے مکہ میں قحط پڑا۔ صحیحین میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب قریش نے

نبی ﷺ کی دعوت قبول کرنے سے پیہم انکار کیا اور سخت مزاحمت شروع کردی تو آپؐ نے دعا فرمائی: ''الٰہی! میری مدد فرما یوسف علیہ السلام جیسے سات سالہ قحط سے!'' چنانچہ ایسا قحط پڑا کہ مردار تک کھانے کی نوبت آ گئی۔ مگر کتے کی دُم موئے پر بھی ٹیڑھی! قریش کو ہوش نہ آیا ـــــ غور کرو! خوش حالی کے بعد قحط سالی تو سخت ہوتی ہے، اور سختی میں تو خدا یاد آہی جاتا ہے، مگر قریش کو یاد نہ آیا۔ اور وہ جو بات سوچ رہے ہیں وہ تو برعکس معاملہ ہے یعنی مسلمانوں کی بدحالی خوش حالی سے بدل جائے۔ ایسی صورت میں تو غفلت اور گمراہی اور بڑھتی ہے ـــــ قریش کو ہوش کب آئے گا؟ اس دن آئے گا جب ہوش آنے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ ارشاد ہے: ـــــ یہاں تک کہ جب ہم ان پر سخت عذاب کا دروازہ کھول دیں گے تو وہ اچانک اس میں حیرت زدہ رہ جائیں گے ـــــ یہ سخت عذاب کا دروازہ جنگِ بدر کے دن کھول دیا گیا۔ اور وہ ہکّے بکّے رہ گئے کہ ہائے یہ کیا ہوگیا، ہم کیا تھے اور کیا ہوگئے!

ذکر کا یہ مفہوم بھی لیا گیا ہے کہ نبی ﷺ کی دعوت قبول کرنے سے قریش کو عظیم شرف حاصل ہوگا اور دنیا میں ان کا نام روشن ہوگا۔

وَهُوَ الَّذِيٓ أَنشَأَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْـِٔدَةَ ۚ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ﴿٧٨﴾ وَهُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٧٩﴾ وَهُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٨٠﴾ بَلْ قَالُوا مِثْلَ مَا قَالَ الْأَوَّلُونَ ﴿٨١﴾ قَالُوٓا أَءِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا أَءِنَّا لَمَبْعُوثُونَ ﴿٨٢﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَءَابَآؤُنَا هَٰذَا مِن قَبْلُ إِنْ هَٰذَآ إِلَّآ أَسَٰطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٨٣﴾ قُل لِّمَنِ الْأَرْضُ وَمَن فِيهَآ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٨٤﴾ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ ۚ قُلْ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٨٥﴾ قُلْ مَن رَّبُّ السَّمَٰوَٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿٨٦﴾ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ ۚ قُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿٨٧﴾ قُلْ مَنۢ بِيَدِهِۦ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٨٨﴾ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ ۚ قُلْ فَأَنَّىٰ تُسْحَرُونَ ﴿٨٩﴾ بَلْ أَتَيْنَٰهُم بِالْحَقِّ وَإِنَّهُمْ لَكَٰذِبُونَ ﴿٩٠﴾ مَا اتَّخَذَ اللَّهُ مِن وَلَدٍ وَمَا كَانَ مَعَهُۥ مِنْ إِلَٰهٍ ۚ إِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ إِلَٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۚ سُبْحَٰنَ اللَّهِ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿٩١﴾

عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۹۲﴾ ع

ع ۵ ۱۵ ۵

وَهُوَ	اور وہ	وَلَهُ	اور اس کے لئے ہے	لَمَبْعُوْثُوْنَ	البتہ دوبارہ زندہ کئے
الَّذِيْٓ	جس نے	اخْتِلَافُ	بدلنا		جائیں گے
اَنْشَاَ	پیدا کئے	الَّيْلِ	رات	لَقَدْ	البتہ تحقیق
لَكُمُ	تمہارے لئے	وَالنَّهَارِ	اور دن کا	وُعِدْنَا	وعدہ کئے گئے
السَّمْعَ	کان	اَفَلَا	کیا پس نہیں	نَحْنُ (۳)	ہم
وَالْاَبْصَارَ	اور آنکھیں	تَعْقِلُوْنَ	سمجھتے ہو تم	وَاٰبَآؤُنَا	اور ہمارے باپ دادا
وَالْاَفْـِٕدَةَ	اور دل	بَلْ	بلکہ	هٰذَا	اس کا
قَلِيْلًا مَّا (۱)	بہت ہی کم	قَالُوْا	کہا انھوں نے	مِنْ قَبْلُ	اس سے پہلے
تَشْكُرُوْنَ	شکر بجالاتے ہو تم	مِثْلَ (۲)	مانند	اِنْ	نہیں ہے
وَهُوَ	اور وہ	مَا	اس کے جو	هٰذَآ	یہ بات
الَّذِيْ	جس نے	قَالَ	کہا	اِلَّآ	مگر
ذَرَاَكُمْ	پھیلایا تم کو	الْاَوَّلُوْنَ	اگلوں نے	اَسَاطِيْرُ (۴)	بے سند باتیں
فِي الْاَرْضِ	زمین میں	قَالُوْٓا	کہا انھوں نے	الْاَوَّلِيْنَ	اگلے لوگوں کی
وَاِلَيْهِ	اور اس کی طرف	ءَاِذَا	کیا جب	قُلْ	آپ پوچھیں
تُحْشَرُوْنَ	جمع کئے جاؤ گے تم	مِتْنَا	مرجائیں گے ہم	لِّمَنِ	کس کے لئے ہے
وَهُوَ	اور وہ	وَكُنَّا	اور ہوجائیں گے ہم	الْاَرْضُ	زمین
الَّذِيْ	جو	تُرَابًا	مٹی	وَمَنْ	اور جو لوگ
يُحْيٖ	جلاتا ہے	وَّعِظَامًا	اور ہڈیاں	فِيْهَآ	اس میں ہیں
وَيُمِيْتُ	اور مارتا ہے	ءَاِنَّا	کیا بیشک ہم	اِنْ	اگر

(۱) ما: زائدہ قلت کی تاکید کے لئے ہے۔ (۲) مِثْلَ: ما کی طرف مضاف ہے، پھر مرکب اضافی مفعول بہ ہے۔ (۳) نَحْنُ: ضمیر فصل ہے، ضمیر متصل پر عطف کے لئے کسی چیز کا فصل ضروری ہے۔ (۱) اساطیر: أُسْطُوْرَۃٌ کی جمع ہے۔ مذہبی جھوٹی داستان، من گھڑت بات۔ سَطَرَ (ن) سَطْرًا: لکھنا۔

كُنْتُمْ	تم ہو	مَنْ	کون ہے	مَا	نہیں
تَعْلَمُوْنَ	جانتے؟	بِيَدِهٖ	جس کے ہاتھ میں	اتَّخَذَ	بنائی
سَيَقُوْلُوْنَ	اب کہیں گے	مَلَكُوْتُ (۱)	سلطنت ہے	اللّٰهُ	اللہ نے
لِلّٰهِ	اللہ کے لئے	كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز کی	مِنْ وَّلَدٍ	کوئی اولاد
قُلْ	آپ کہیں	وَّهُوَ	اور وہ	وَّمَا	اور نہیں
اَفَلَا	کیا پس نہیں	يُجِيْرُ (۲)	پناہ دیتا ہے	كَانَ	ہے
تَذَكَّرُوْنَ	نصیحت پذیر ہوتے تم؟	وَلَا يُجَارُ (۳)	اور نہیں پناہ دی جاتی	مَعَهٗ	اس کے ساتھ
قُلْ	آپ پوچھیں	عَلَيْهِ	اس کے مقابلہ میں	مِنْ اِلٰهٍ	کوئی معبود
مَنْ	کون	اِنْ	اگر	اِذًا	تب تو
رَّبُّ	پروردگار ہے	كُنْتُمْ	ہوتم	لَّذَهَبَ	البتہ جاتا
السَّمٰوٰتِ	آسمانوں کا	تَعْلَمُوْنَ	جانتے؟	كُلُّ اِلٰهٍ	ہر معبود
السَّبْعِ	سات	سَيَقُوْلُوْنَ	اب کہیں گے	بِمَا	اس کے ساتھ جو
وَرَبُّ	اور پروردگار ہے	لِلّٰهِ	اللہ کے لئے	خَلَقَ	پیدا کیا اس نے
الْعَرْشِ	تختِ شاہی کا	قُلْ	آپ کہیں	وَلَعَلَا	اور البتہ چڑھائی کرتا
الْعَظِيْمِ	بڑے؟	فَاَنّٰى	پس کیوں	بَعْضُهُمْ	ان کا بعض
سَيَقُوْلُوْنَ	اب کہیں گے	تُسْحَرُوْنَ (۴)	سحر زدہ ہو رہے ہوتم	عَلٰى بَعْضٍ	بعض پر
لِلّٰهِ	اللہ کے لئے	بَلْ	بلکہ	سُبْحٰنَ	پاک ہے
قُلْ	آپ کہیں	اَتَيْنٰهُمْ	لائے ہیں ہم انکے پاس	اللّٰهِ	اللہ
اَفَلَا	کیا پس نہیں	بِالْحَقِّ	برحق بات	عَمَّا	اس سے جو
تَتَّقُوْنَ	ڈرتے ہوتم	وَاِنَّهُمْ	اور بیشک وہ	يَصِفُوْنَ	بیان کرتے ہیں وہ
قُلْ	آپ پوچھیں	لَكٰذِبُوْنَ	البتہ جھوٹے ہیں	عٰلِمِ (۵)	جاننے والا

(۱) **ملکوت**: عظیم الشان سلطنت (مصدر برائے مبالغہ) یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی سلطنت کے لئے خاص ہے۔(۲) **أَجارَہ**: پناہ دینا، مدد کرنا(۳) **یُجَارُ**: **یُجیر** کا مجہول ہے۔(۴) **سَحَرَ فُلانًا**: جادو کرنا، فریفتہ بنالینا(۵) **عالم**: یا تو **اللّٰہ** سے بدل ہے یا اس کی صفت۔

الْغَيْبِ	پوشیدہ کا	فَتَعٰلَى	پس بالاتر ہے وہ	يُشْرِكُوْنَ	شریک ٹھہراتے ہیں
وَالشَّهَادَةِ	اور آشکارا کا	عَمَّا	اس سے جس کو		وہ

ان آیاتِ پاک میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور عظمتِ قاہرہ کا بیان ہے۔اور ضمناً حیات بعد الموت اور توحید کا تذکرہ آیا ہے۔ پہلے اللہ تعالیٰ کے تین کارنامے ذکر فرمائے ہیں، پھر بعث بعد الموت کے منکرین کا قول ذکر کیا ہے۔ پھر مشرکین سے تین سوالات کئے ہیں۔اس کے بعد شرک کی تردید کی ہے۔ یہ آیات کا خلاصہ ہے۔اب تفصیل پڑھیں:

پہلا کارنامہ: ——— اور اللہ تعالیٰ وہ ہستی ہے جس نے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل بنائے ——— یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ چند عظیم نعمتیں تمہیں بخشی ہیں۔حواس ظاہرہ اور ادراک کی قوت عنایت فرمائی ہے۔کان اس لئے دیئے ہیں کہ آیاتِ تنزیلیہ سنو، آنکھیں اس لئے دی ہیں کہ آیاتِ تکوینیہ دیکھو، اور دل ودماغ اس لئے دیئے ہیں کہ دونوں طرح کی آیتوں کو سمجھو۔مگر ——— تم بہت ہی کم شکر بجالاتے ہو ——— یعنی اللہ کی بخشی ہوئی ان صلاحیتوں کو بہت کم لوگ ان کے مصرف میں خرچ کرتے ہیں۔آنکھوں سے سب کچھ دیکھتے ہیں مگر اللہ کی نشانیاں نہیں دیکھتے۔کانوں سے سب کچھ سنتے ہیں مگر اللہ کی آیتیں نہیں سنتے۔ دل ودماغ سے سب کچھ سوچتے ہیں مگر جو بات سوچنی چاہئے وہی نہیں سوچتے۔یہ ان نعمتوں کی ناشکری ہے۔

دوسرا کارنامہ: ——— اور اللہ وہ ہستی ہے جس نے تم کو زمین میں پھیلایا، اور اسی کی طرف تم جمع کئے جاؤگے ——— یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین سے پیدا کرکے زمین میں پھیلا دیا۔مگر وہ اللہ کے اختیار واقتدار سے باہر نہیں ہوگیا۔اس کو حیاتِ مستعار پوری کرکے اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔

تیسرا کارنامہ: ——— اور اللہ وہ ہستی ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے، اور اسی کے اختیار میں رات دن کا آگے پیچھے آنا ہے، پس کیا تم سمجھتے نہیں؟ ——— یعنی موت وحیات کا سرا انہی کے ہاتھ میں ہے۔وہی رات کے پیچھے دن کو اور دن کے پیچھے رات کو لاتے ہیں۔ یہ انقلاب شب وروز تمہارے مشاہدہ میں آتا رہتا ہے، پھر بھی تمہاری سمجھ میں حیات بعد الموت نہیں آتی۔

بعث بعد الموت کے منکرین کا قول: ——— بلکہ یہ لوگ ویسی ہی بات کہتے ہیں جیسی اگلوں نے کہی ہے۔ انھوں نے کہا: ''کیا جب ہم مرجائیں گے، اور مٹی اور ہڈیاں ہوجائیں گے، تو کیا ہم دوبارہ زندہ کئے جائیں گے؟'' ——— یعنی ان کے خیال میں مرنے اور گل سڑ جانے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ناممکن ہے ——— ''البتہ واقعہ یہ ہے کہ ہم سے اور ہمارے بڑوں سے اس کا پہلے سے وعدہ کیا گیا ہے'' ——— یعنی یہ عقل سے بعید بات جو آج ہم سے

کہی جارہی ہے، پہلے بھی ہمارے باپ دادوں سے کہی گئی تھی۔ لیکن ہم نے تو آج تک خاک کے ذرّوں اور ہڈیوں کے پنجر کو زندہ ہوتے دیکھا نہیں ـــــ ''یہ کچھ نہیں محض مذہبی جھوٹی داستانیں ہیں!'' ـــــ یعنی سب قصے کہانیاں ہیں جو پہلے لوگ گھڑ گئے ہیں۔ اور وہ منقول ہوتی چلی آرہی ہیں۔

پہلا سوال: ـــــ آپ پوچھیں: زمین اور جو لوگ اس میں ہیں کس کے ہیں؟ اگر تم جانتے ہو ـــــ تو بتاؤ؟ ـــــ وہ ابھی کہیں گے: ''اللہ کے ہیں!'' ـــــ یعنی وہ فوراً جواب دیں گے کہ زمین پر اور زمینی چیزوں پر اللہ ہی کا قبضہ ہے ـــــ مشرکین عرب کائنات کے پیدا کرنے میں، اور عظیم الشان امور کی تدبیر وانتظام میں نہ کسی کو اللہ کا شریک وساجھی مانتے تھے، نہ کسی کے لئے اللہ کے قطعی فیصلہ کو رد کرنے کی قدرت ثابت کرتے تھے۔ وہ صرف لوگوں کے معاملات میں اور بشری ضرورتوں میں دوسروں کو اللہ کا شریک گردانتے تھے۔ ان کا گمان تھا کہ جس طرح ایک عظیم الشان بادشاہ اپنی رعایا کا انتظام خود نہیں کرتا، بلکہ ان کے معاملات کا نظم ونسق مقربینِ بارگاہ کو سونپ دیتا ہے، اور رعایا پر ان کی اطاعت واجب کرتا ہے، اور ان کی سفارش ان کے خداموں اور حاشیہ برداروں کے حق میں قبول کرتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے بعض مقرب بندوں کو خدائی کا مرتبہ عطا فرمایا ہے، اور اپنے دوسرے بندوں کے معاملات کا نظم ونسق ان کو سونپ دیا ہے۔ اس لئے ان مقرب بندوں کو خوش رکھنا ضروری ہے، تاکہ آڑے وقت میں وہ سفارش کریں اور بگڑی بنادیں، نیز ان کے توسط سے اللہ تعالیٰ تک رسائی بھی ممکن ہوجائے ـــــ حالانکہ یہ سب خیالی باتیں ہیں۔ قرآن کریم نے جگہ جگہ اس کی تردید کی ہے اللہ تعالیٰ نے کسی کو بھی اپنے معاملات کا اختیار نہیں سونپا۔ وہ کائنات کا نظم ونسق خود چلا رہے ہیں ـــــ آپ کہیں: ''پس کیا تم نصیحت پذیر نہیں ہوتے؟!'' ـــــ یعنی کیا تم غور نہیں کرتے پھر تمہاری مشتِ خاک اس کے قبضۂ قدرت سے باہر کیسے ہوجائے گی؟ وہ تمہیں دوبارہ زندہ کیوں نہ کرسکے گا؟

دوسرا سوال: ـــــ آپ پوچھیں: ''ساتوں آسمانوں کا اور عظیم تختِ شاہی کا پروردگار کون ہے؟'' ـــــ عرش کے معنی ہیں: تختِ شاہی۔ اور اللہ کا عرش ایک مخلوق ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے، اور فرشتوں کو مقرر کیا ہے جو اس کو اٹھائے ہوئے ہیں۔ اور ان کو حکم دیا ہے کہ اس کی تعظیم وطواف کریں۔ اس سے زیادہ عرش کی حقیقت بشر کو معلوم نہیں۔ قرآن کریم میں اس کی تین صفتیں آئی ہیں۔ عظیم، کریم اور مجید۔ عرش اپنے احاطہ کے اعتبار سے ''عظیم'' ہے، کیونکہ وہ سب اجسام سے بڑا ہے۔ حدیث میں ہے: ''ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں کرسی کے مقابلہ میں ایسی ہیں جیسے جنگل میں کوئی انگوٹھی پڑی ہو، اور یہی حال کرسی کا عرش کے مقابلہ میں ہے'' ـــــ اور وہ اپنے مقام ومرتبہ کے اعتبار سے ''کریم'' ہے۔ کیونکہ عرش کو ان سب چیزوں پر مزیت حاصل ہے جو اس کے احاطہ میں ہیں، اور اسی

اعتبار سے وہ مجید (بزرگ) ہے —— اور عرش (تختِ شاہی) نظم وانتظام سے کنایہ بھی ہوتا ہے۔ یہاں یہی معنی مراد ہیں۔ یعنی ساتوں آسمانوں اور ساری کائنات کا نظم وانتظام کون سنبھالے ہوئے ہے؟ —— وہ ابھی کہیں گے: ''اللہ کے لئے (پروردگاری) ہے!'' —— یعنی کوئی بھی دوسرا اس کے اقتدار واختیار میں شریک وسہیم نہیں —— آپ کہیں: ''پس کیا تم ڈرتے نہیں!'' —— یعنی اس کی کامل قدرت کا اعتراف بھی کرتے ہو، اور ساتھ ہی شرک بھی کرتے ہو، کیا تمہیں اس کی سزا کا خوف نہیں؟

تیسرا سوال: —— آپ پوچھیں: ''کون ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہت ہے؟'' —— یعنی ہر چیز پر کامل اقتدار کس کا ہے؟ اور ہر چیز پر مالکانہ تصرف کس کو حاصل ہے؟ —— ''اور وہ پناہ دیتا ہے، اور اس کے مقابلہ میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا؟'' —— یعنی جسے چاہتا ہے اپنی پناہ میں لے لیتا ہے، اور آفات وبلیات اور عذاب سے بچالیتا ہے، اور اس کے مجرم کو کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔ بتاؤ ایسی ہستی کون ہے —— اگر تم جانتے ہو؟ —— وہ ابھی کہیں گے: ''ایسی ہستی اللہ کی ہے!'' —— آپ کہیں: پس تم کیوں سحر زدہ ہورہے ہو؟! —— یعنی مقدماتِ توحید تو تمہیں سب تسلیم ہیں، اور ان کے قدرتی اور لازمی نتیجہ سے انکار ہے۔ آخر یہ تم پر کس کا جادو چل گیا ہے؟ کیا تمہاری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ جو کسی چیز کا مالک نہیں وہ اللہ کا شریک وسہیم کیسے ہوگیا؟ جسے کوئی اختیار حاصل نہیں وہ بندگی کا مستحق کیسے ہوگیا؟ اور تم خود مانتے ہو کہ اللہ کے مقابلہ میں کوئی پناہ دینے والا نہیں، پھر اس سے غداری اور بے وفائی کیوں کرتے ہو؟!

توحید کا بیان: —— بلکہ ہم ان کے پاس حق بات لائے ہیں —— یعنی یہ بات لائے ہیں کہ معبود برحق صرف اللہ تعالیٰ ہیں —— اور وہ لوگ یقیناً جھوٹے ہیں —— جو کہتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں، یا فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں —— اللہ نے کوئی اولاد اختیار نہیں کی —— نہ اولاد کا ہونا ان کے شایانِ شان ہے —— اور نہ ان کے ساتھ کوئی اور معبود ہے، اگر ایسا ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق کو لے کر علحدہ ہوجاتا، اور ضرور ایک دوسرے پر چڑھائی کردیتا —— اس مختصر بلیغ فقرہ میں ''برہانِ تمانع'' کا بیان ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ خدا وہی ہوسکتا ہے جو اپنی ذات وصفات میں کامل ہو، اس میں کسی حیثیت سے کوئی کمی نہ ہو۔ اب فرض کرو: دو یا چند خدا ہوں تو سب اسی شان کے ہونگے۔ پھر نظام عالم یا تو ان کے کلی اتفاق سے چلے گا یا ان میں اختلاف بھی ہوگا —— اتفاق کی صورت میں دو احتمال ہیں: یا تو اکیلے ایک خدا سے کام نہیں چل سکتا یا چل سکتا ہے۔ بصورتِ اول: دونوں میں سے کوئی بھی کامل قدرت والا نہ ہو۔ اور بصورتِ ثانی ایک خدا بیکار رہا۔ جب ایک سے کام چل سکتا ہے تو دوسرے کی کیا ضرورت ہے؟

خدا تو اسی لئے ماننا پڑتا ہے کہ اس کے بغیر چارہ نہیں ـــــ اور اختلاف کی صورت میں بھی دو احتمال ہیں: یا تو کوئی مغلوب ہو جائے گا یا برابر کا مقابلہ رہے گا؟ بصورتِ اول جو مغلوب ہو گیا وہ خدا نہ ہوا۔ اور بصورتِ ثانی نظام عالم درہم برہم ہو جائے گا۔ اس آیت میں دلیل کا یہی حصہ مذکور ہے۔ یعنی جب چند خداؤں میں رسّہ کشی شروع ہوگی تو ہر چیز ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہو جائے گی۔ دنیا کی جنگوں میں ہم دیکھتے ہیں کیسی ابتری پھیلتی ہے ـــــ حالانکہ نظام عالم کامل استحکام کے ساتھ چل رہا ہے۔ یہ دلیل ہے کہ خدا ایک ہی ہے، اور وہی نظام چلا رہا ہے (یہی دلیل سورۃ بنی اسرائیل آیت ۴۲ میں بھی ہے) ـــــ پس پاک ہیں اللہ تعالیٰ ان باتوں سے جو وہ (مشرکین) بیان کرتے ہیں ـــــ یعنی انہیں نہ اولاد کی ضرورت ہے، نہ کوئی دوسرا خدائی میں شریک وسہیم ہے ـــــ وہ پوشیدہ اور آشکارا کو جاننے والے ہیں ـــــ یعنی ان کا علم ہر چیز پر محیط ہے۔ کوئی ظاہر و باطن اور غیب وشہادت ان کے علم سے سے پوشیدہ نہیں۔ پھر ان کو مددگار کی کیا ضرورت ہے؟ ـــــ پس وہ برتر ہیں ان سے جن کو وہ شریک ٹھہراتے ہیں ـــــ یعنی جب برابری نہیں تو مشارکت کیسی؟!

دنیا کے بادشاہوں کی طرح خدا کے علم کو محدود ماننا بھی شرک ہے، اور کسی نبی یا ولی کو ما کان وما یکون کا عالم ماننا بھی شرک ہے۔

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ﴿۹۳﴾ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَاِنَّا عَلٰٓى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۹۵﴾ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ۭ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ﴿۹۷﴾ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ۭ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَاۗىِٕلُهَا ۭ وَمِنْ وَّرَاۗىِٕهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

قُلْ	آپ کہیں	تُرِيَنِّيْ (۲)	آپ ضرور دکھائیں مجھے	رَبِّ	اے میرے رب!
رَّبِّ	اے میرے رب!	مَا (۳)	جو	فَلَا	پس نہ
اِمَّا (۱)	اگر	يُوْعَدُوْنَ	وعدہ کئے گئے ہیں وہ	تَجْعَلْنِيْ	بنائیں آپ مجھے

(۱) اِمَّا: اِنْ شرطیہ اور ما زائدہ سے مرکب ہے۔ (۲) تُرِيَنِّيْ: اِراءة سے فعل مضارع با نون تاکید، صیغہ واحد مذکر حاضر ن وقایہ ی ضمیر واحد متکلم۔ مفعولِ اول۔ (۳) ما یوعدون: مفعول ثانی۔

فِي الْقَوْمِ	لوگوں میں	وَ قُلْ	اور آپ کہیں	قَالَ	(تو) کہے گا وہ
الظّٰلِمِيْنَ	ظلم کرنے والے	رَّبِّ	اے میرے رب!	رَبِّ	اے میرے رب!
وَاِنَّا	اور بیشک ہم	اَعُوْذُ	پناہ چاہتا ہوں میں	ارْجِعُوْنِ (۶)	لوٹائیں آپ مجھے
عَلٰٓي اَنْ	اس پر کہ	بِكَ	آپ کی	لَعَلِّيْٓ	تاکہ میں
نُّرِيَكَ	دکھائیں ہم آپ کو	مِنْ هَمَزٰتِ (۳)	وسوسوں سے	اَعْمَلُ	کروں
مَا	جو	الشَّيٰطِيْنِ	شیطانوں کے	صَالِحًا	نیک کام
نَعِدُهُمْ	وعدہ کررہے ہیں ہم ان سے	وَاَعُوْذُ	اور پناہ چاہتا ہوں میں	فِيْمَا	اس میں جو
لَقٰدِرُوْنَ	البتہ قادر ہیں	بِكَ	آپ کی	تَرَكْتُ	چھوڑ آیا میں
اِدْفَعْ	ہٹائیے	رَبِّ	اے میرے رب!	كَلَّا	ہرگز نہیں
بِالَّتِيْ (۱)	اس بات کے ذریعہ جو	اَنْ (۴)	اس سے کہ	اِنَّهَا	بیشک وہ بات
هِيَ	وہ	يَّحْضُرُوْنِ (۵)	حاضر ہوں وہ میرے	كَلِمَةٌ	ایک بات ہے
اَحْسَنُ	اچھی ہے		پاس	هُوَ	وہ شخص
السَّيِّئَةَ (۲)	برائی کو	حَتّٰٓي	یہاں تک کہ	قَآئِلُهَا	اس کو کہنے والا ہے
نَحْنُ	ہم	اِذَا	جب	وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ	اور ان کے پیچھے
اَعْلَمُ	خوب جانتے ہیں	جَآءَ	آجائے	بَرْزَخٌ (۷)	ایک آڑ ہے
بِمَا	اس کو جو	اَحَدَهُمُ	ان میں سے کسی کو	اِلٰى يَوْمِ	اس دن تک
يَصِفُوْنَ	بیان کرتے ہیں وہ	الْمَوْتُ	موت	يُبْعَثُوْنَ	کہ اٹھائے جائیں گے وہ

(۱) **بالتی أی بالخصلة التی** یعنی موصوف محذوف ہے۔(۲) **السیئة: ادفع** کا مفعول بہ ہے۔(۳) **هَمَزَات: هَمْزَة** کی جمع: شیطانی وسوسہ، نفسانی خطرہ، برا خیال جو شیطان دل میں ڈالے، **هَمَزَهٗ**(ض) **هَمْزًا**: کوئی چیز چبھانا۔ گھوڑے کو مہمیز کرنا، گدگدی کرنا۔(۴) **أَنْ** سے پہلے **مِنْ** محذوف ہے۔(۵) **یحضرون** کے آخر میں ی محذوف ہے۔(۶) **اِرْجِعُوْنِ**: فعل امر، صیغہ جمع مذکر حاضر، **رَجَعَ**(ض) **رُجوعاً**: عام طور پر لازم آتا ہے، بمعنی لوٹنا، واپس آنا، مگر یہ کبھی متعدی بھی آتا ہے بمعنی لوٹانا۔ یہاں متعدی ہے، اسی طرح سورۃ التوبہ (آیت ۸۳) **فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ** میں بھی متعدی ہے۔ اور جمع حاضر کا صیغہ اگر مخاطب اللہ تعالیٰ ہیں تو برائے تعظیم ہے۔ اور اگر مخاطب ملائکہ ہیں تو ٹھیک ہے۔ اور آخر میں ی محذوف ہے۔(۷) **برزخ**: معرب ہے، کہتے ہیں کہ فارسی لفظ ''پردہ'' کی عربی ہے واللہ اعلم

عذاب کی پیشین گوئی: پچھلی آیات میں یہ بات بیان ہوئی ہے کہ مشرکین اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کرتے ہیں۔اس کے لئے اولاد تجویز کرتے ہیں۔اس کے لئے مخلوق جیسا ناقص علم ثابت کرتے ہیں اور مددگار تجویز کرتے ہیں۔ان کو ہر چند سمجھایا گیا مگر ٹس سے مس نہیں ہوتے۔اسی طرح وہ رسول اللہ ﷺ کی شان میں ہرزہ سرائی کرتے ہیں، بیہودہ باتیں بکتے ہیں،طرح طرح کے اعتراضات کرتے ہیں اور ایذا رسانی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے،اس لئے ان آیات پاک میں ان کو دنیا ہی میں آنے والے عذاب کی خبر دی جارہی ہے۔اور ایسے لطیف پیرائے میں دی جارہی ہے کہ قرآن کی بلاغت پر قربان ہونے کو جی چاہتا ہے۔ارشاد ہے: ـــــ آپؐ کہیں: ''اے میرے پروردگار! اگر آپ مجھے وہ عذاب دکھائیں جس کا ان لوگوں سے وعدہ کیا گیا ہے،تو اے میرے پروردگار! مجھے ان ظالموں میں شامل نہ کریں!'' ـــــ اور بیشک ہم اس پر پوری طرح قادر ہیں کہ آپؐ کو وہ عذاب دکھادیں جس کا ہم ان سے وعدہ کررہے ہیں ـــــ ان تین آیتوں میں یہ بات کہی گئی ہے کہ یہ بات تو طے ہے کہ ان سرکشوں پر دنیا ہی میں اور آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ ہی میں عذاب آئے گا۔اور وہ عذاب اتنا سخت ہوگا کہ خود نبی ﷺ کو اور مؤمنین کو اس سے پناہ مانگنی چاہئے۔دعا کرنے کا حکم اس وجہ سے نہیں ہے کہ یہ امر محتمل ہے۔بلکہ عذاب کی سنگینی ظاہر کرنا مقصود ہے۔جس ذات تک اس عذاب کے پہنچنے کا قطعاً امکان نہیں اس کو بھی پناہ چاہنے کا حکم ہے۔پس جو لوگ اس عذاب کے مستحق ہیں ان کو کتنا ڈرنا چاہئے یہ بات ظاہر ہے۔

فائدہ: جب کسی قوم پر عذاب نازل ہوتا ہے تو بعض مرتبہ اس کا اثر نیک لوگوں تک بھی پہنچتا ہے۔گو آخرت میں ان کو عذاب نہ ہو، بلکہ اجر ملے۔مگر دنیا میں وہ بھی عذاب کی لپیٹ میں آجاتے ہیں۔اس لئے ہر شخص کو یہ دعا کرنی چاہئے کہ الٰہی! اگر ماحول میں پھیلی ہوئی برائیوں کی وجہ سے عذاب نازل ہو تو میری حفاظت فرما۔ایسا نہ ہو کہ میں بھی اس کی لپیٹ میں آجاؤں۔دعا کے عربی الفاظ یہ ہونے چاہئیں: ﴿ رَبِّ إِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ، رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِيْ الْقَوْمِ الظَّالِمِيْنَ ﴾ اللہ تعالیٰ ہمیں یہ دعا مانگنے کی توفیق عطا فرمائیں (آمین)

آپؐ برے برتاؤ کو ایسے برتاؤ سے دفع کریں جو کہ وہ اچھا ہو۔ہم خوب جانتے ہیں ان باتوں کو جو وہ بیان کرتے ہیں ـــــ یہ مکارم اخلاق کی تعلیم ہے۔یعنی آپ ﷺ کے بلند مقام اور اعلیٰ اخلاق کا مقتضیٰ یہ ہے کہ آپ مخالفین کی برائی کو بھلائی سے ہٹائیں۔جواب ترکی بہ ترکی نہ دیں۔ان کی نازیبا حرکتوں کا سنجیدگی اور متانت سے توڑ کریں۔اور ان کی بیہودہ بکواس کو نظر انداز کریں۔اللہ تعالیٰ ان کی حرکتوں سے واقف ہیں۔وہ وقت پر اس کی کافی سزا دیں گے۔آپؐ کے نرم برتاؤ کا اثر یہ ہوگا کہ لوگ آپؐ کی طرف جھکیں گے اور دعوت کا مقصد پورا ہوگا ـــــ رہا جہاد

وقتال کا مسئلہ تو وہ ایک دینی فریضہ ہے۔اس کی ضرورت سے جو کام ضروری ہیں وہ مامور بہ ہیں۔وہ مکارم اخلاق کے منافی نہیں۔جیسے غذا کے لئے جانور ذبح کرنا ایک معاشی ضرورت ہے جو جائز ہے۔مگر تفریح کے طور پر کسی جانور کو مارنا، یا چاند ماری کے لئے کسی جانور کو نشانہ بنانا، یا ذبح کرتے وقت غیر ضروری تکلیف پہنچانا ممنوع ہے۔اسی طرح جہاد میں عورتوں اور بچوں کو قتل کرنا، شہریوں اور مذہبی لوگوں کو مارنا، اور دشمن کی لاشوں کو بگاڑنا ممنوع ہے۔کیونکہ یہ باتیں غیر ضروری اور حُسنِ اخلاق کے منافی ہیں۔

اور آپؐ کہیں: ''اے میرے پروردگار! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں شیاطین کے وسوسوں سے، اور میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں اس سے کہ وہ (شیاطین) میرے پاس آئیں'' ــــــ یعنی کبھی بلند اخلاق آدمی کو بھی بے اختیار غصہ آجاتا ہے۔تو یہ شیطان کا وسوسہ ہے، وہ نہیں چاہتا کہ انسان حُسنِ اخلاق کا پیکر بنے۔اور دعوت کے مقصد میں کامیابی حاصل کرے۔اس کا علاج استعاذہ (پناہ چاہنا) ہے جو شخص اللہ کی پناہ میں آجاتا ہے شیاطین کے شر سے محفوظ ہوجاتا ہے ــــــ صحیح مسلم میں روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''شیطان تمہارے ہر کام میں اور ہر حال میں تمہارے پاس آتا ہے اور وسوسہ اندازی کرتا ہے'' اس سے پناہ مانگنے کے لئے یہ دعا تلقین کی گئی ہے۔یہ شیطان کے شر اور مکر سے بچنے کے لئے ایک جامع دعا ہے۔غصہ کی حالت میں جبکہ انسان کو اپنے نفس پر قابو نہیں رہتا یہ دعا ضرور مانگنی چاہئے۔اسی طرح شیاطین وجنات کے دوسرے حملوں سے بچنے کے لئے بھی یہ دعا مجرب ہے۔دعا کے الفاظ یہ ہونے چاہئیں: ﴿رَبِّ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ، وَأَعُوْذُ بِكَ رَبِّ أَنْ يَّحْضُرُوْنِ﴾ یعنی پروردگار! شیطانوں کے وسوسوں سے حفاظت فرما اور کسی حال میں بھی شیطانوں کو میرے پاس نہ آنے دے! ــــــ آج کل بہت سے مسلمانوں کے گھر جنات کی آماجگاہ بنے ہوئے ہیں، وہ آسیبی اثرات کا شکار ہیں۔وہ لوگ اگر اس دعا کا اہتمام کریں تو بلائیں دور ہوں۔کیونکہ شیاطین الانس کا علاج تو ممکن ہے۔برے لوگوں سے دور رہا جائے۔مگر شیاطین الجن کا علاج اللہ تعالیٰ کی پناہ کے بغیر ممکن نہیں۔

رہے کفار تو شیاطین ان کے دلوں میں برابر وسوسے ڈالتے رہیں گے۔شرک وکفر اور بداعمالیوں میں مبتلا رکھیں گے۔اور موت تک ان کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔ان کو موت کے بعد ہی ہوش آئے گا۔مگر اس وقت ہوش آنے سے کیا فائدہ؟ ارشاد ہے: ــــــ یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آئے گی تو وہ کہے گا: ''اے میرے پروردگار! مجھے واپس بھیج دیجئے، تاکہ میں نیک کام کرآؤں اس میں جو میں چھوڑ آیا ہوں!'' ــــــ یعنی موت کے بعد ہر کافر اور ہر بدکار تمنا کرے گا کہ کاش اس کو ایک موقع اور مل جائے، اور وہ دنیا کی طرف لوٹا دیا جائے، تاکہ وہ نیک اعمال کر کے اس عذاب سے نجات حاصل کرلے ــــــ ہرگز نہیں! ــــــ یعنی اس بدبخت کی یہ تمنا ہرگز پوری نہ ہوگی ــــــ

یہاں کسی کے دل میں خیال آئے کہ اگر اللہ تعالیٰ اس بندے کو ایک اور موقع دیدیں تو کیا حرج ہے، بیچارے کی بگڑی بن جائے گی؟! اس کا جواب یہ ہے ـــــ یہ ایک بات ہی ہے جسے وہ کہہ رہا ہے ـــــ یعنی اس کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوگا۔ اگر اس کو موقع دے بھی دیا جائے تو بھی لاحاصل رہے گا۔ کیونکہ اس کی دو ہی صورتیں ممکن ہیں: ایک: یہ کہ اس کے حافظے میں برزخ کے تمام مناظر موجود رہیں اور وہ دنیا میں لوٹا دیا جائے، تو امتحان کیا ہوا؟ اس دنیا میں امتحان تو اسی بات کا ہے کہ حقیقت کا مشاہدہ کئے بغیر اپنی عقل سے حق کو پہچان کر کون اس پر ایمان لاتا ہے۔ اور طاعت ومعصیت کا اختیار رکھتے ہوئے کون فرمانبرداری کرتا ہے۔ دوسری صورت: یہ ہے کہ وہ سب باتیں بھلادی جائیں اور خالی ذہن دنیا کی طرف لوٹایا جائے، تو پھر وہی کتے کی دُم ٹیڑھی ہوگی۔ وہ پھر بھی وہی کرے گا جو پہلے کرتا تھا ـــــ

اور ان کے پیچھے ایک آڑ ہے دوبارہ اٹھائے جانے کے دن تک ـــــ یہ دوسری وجہ ہے ان لوگوں کے واپس نہ لوٹ سکنے کی۔ جس طرح بعض دروازے گھر میں داخل ہونے کے بعد بند ہوجاتے ہیں یعنی لاک (تالا بند) ہوجاتے ہیں۔ اب وہ چابی کے بغیر نہیں کھل سکتے، اسی طرح جو اس دنیا سے گذر گیا اور قبر کی دنیا میں پہنچ گیا اس کا پیچھے سے دروازہ بند ہوگیا۔ اب وہ دروازہ قیامت کے دن ہی کھلے گا۔ اس سے پہلے لوٹنا ناممکن ہے (یہ مضمون سورۃ الانبیاء آیت ۹۵ میں بھی گذرا ہے) ـــــ ارواح جب عالم برزخ میں پہنچ جاتی ہیں تو دنیا والوں سے ان کا پردہ ہوجاتا ہے۔ اور آخرت بھی پوری طرح سامنے نہیں آتی۔ عالم قبر اسی دنیا کا حصہ ہے۔ اور عالم آخرت اور اس کے درمیان ایک باریک پردہ ہے، جس سے آخرت کے احکام جھلکتے ہیں۔ وہاں جنت کی نعمتوں اور جہنم کے عذاب کا تھوڑا سا نمونہ سامنے آتا ہے۔ قبر کی یہ راحتیں اور برزخ کا یہ عذاب قیامت تک چلتا رہے گا۔ پھر قیامت کے دن معاد (واپس لوٹنا) ہوگا یعنی اسی دنیا میں واپس آنا ہوگا۔ جب اجسام دوبارہ بن کر تیار ہوجائیں گے تو روحیں واپس آئیں گی، اور اپنے جسموں میں داخل ہونگی۔ اور دوسری زندگی شروع ہوجائے گی۔ پھر قیامت کے بہت بڑے دن کے معاملات پیش آئیں گے، اس کے بعد لوگ جنت یا جہنم میں پہنچادیئے جائیں گے، جہاں وہ تاابد رہیں گے۔

الٰہی! ہماری آخرت کو دنیا سے بہتر بنا، اور ہمیں جنت الفردوس کا وارث بنا (آمین)

فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَآ أَنسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَآءَلُونَ ﴿١٠١﴾ فَمَن ثَقُلَتْ مَوَٰزِينُهُۥ فَأُو۟لَـٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُفْلِحُونَ ﴿١٠٢﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَٰزِينُهُۥ فَأُو۟لَـٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ خَسِرُوٓا۟ أَنفُسَهُمْ فِى جَهَنَّمَ خَـٰلِدُونَ ﴿١٠٣﴾

فَاِذَا	پس جب	فَمَنْ	پس جو شخص	خَفَّتْ	ہلکی ہوئیں
نُفِخَ	پھونکا جائے گا	ثَقُلَتْ	بھاری ہوئیں	مَوَازِيْنُهٗ [٢]	اس کی ترازویں
فِي الصُّوْرِ [١]	صور میں	مَوَازِيْنُهٗ	اس کی ترازویں	فَاُولٰٓىِٕكَ	پس وہ لوگ
فَلَآ اَنْسَابَ	تو نہ ناتے ہونگے	فَاُولٰٓىِٕكَ	پس وہ لوگ	الَّذِيْنَ [٣]	جنھوں نے
بَيْنَهُمْ	ان کے درمیان	هُمُ	ہی	خَسِرُوْٓا	گھاٹے میں رکھا
يَوْمَىِٕذٍ	اس دن	الْمُفْلِحُوْنَ	کامیاب ہونے والے	اَنْفُسَهُمْ	اپنے آپ کو
وَّلَا	اور نہ وہ ایک دوسرے		ہیں	فِيْ جَهَنَّمَ	جہنم میں
يَتَسَاۗءَلُوْنَ	کو پوچھیں گے	وَمَنْ	اور جو شخص	خٰلِدُوْنَ	ہمیشہ رہنے والے ہیں

عالَم برزخ (عالم قبر) کے بعد قیامت کا دن ہے۔اس کے بعد عالَم آخرت ہے، جہاں جنت وجہنم ہیں۔عالم قبر اسی دنیا کا حصہ ہے اور قیامت کا دن اس دنیا کا آخری دن ہے۔وہ دن آج کے دنوں کے حساب سے پچاس ہزار سال کا ہے۔جب وہ دن شروع ہوگا تو پہلی مرتبہ صور پھونکا جائے گا۔جس سے سب خلقت ختم ہوجائے گی۔پھر ایک عرصہ کے بعد دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو ساری کائنات دوبارہ زندہ ہوجائے گی۔پھر قیامت کے معاملات شروع ہونگے۔ظاہر ہے کہ اتنے لمبے دن میں بہت سے معاملات پیش آئیں گے۔جو قرآن کریم میں جگہ جگہ مذکور ہیں۔یہاں دو باتیں ذکر کی گئی ہیں:

پہلی بات: —— پس جب صور میں پھونکا جائے گا تو اس دن نہ لوگوں کے درمیان رشتے ناتے ہونگے، اور نہ کوئی کسی کو پوچھے گا —— یہ قیامت کے دن کی ہولناکی کا بیان ہے۔قیامت کے دن صور دو مرتبہ پھونکا جائے گا۔پہلی مرتبہ صور پھونکنے کا یہ اثر ہوگا کہ سارا عالم: زمین وآسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے فنا ہوجائے گا۔پھر جب دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو سارے مردے زندہ ہوکر کھڑے ہوجائیں گے۔اس آیت میں صحیح قول کے مطابق دوسری مرتبہ صور پھونکنے کا ذکر ہے —— حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: قیامت کے دن ہر مرد اور ہر عورت کو میدانِ محشر میں لایا جائے گا۔اور سب لوگوں کے سامنے کھڑا کیا جائے گا۔اور اعلان کیا جائے گا کہ یہ فلاں: ابن فلاں ہے، اگر کسی کا کوئی حق اِس کے ذمہ ہوتو وہ سامنے آئے۔اور اپنا حق وصول کرلے۔یہ وہ وقت ہوگا

(۱) صُور: نَرسِنگا، بڑا سینگ، ایک قسم کا بجانے کا آلہ (۲) موازین: میزان یا مِوْزَان کی جمع: ترازویں، یا تولے جانے والے اعمال۔(۳) الذین: مع صلہ، أولئك کی پہلی خبر، فی جهنم خالدون دوسری خبر، فی جهنم: خالدون سے متعلق ہے۔

کہ بیٹا اس پر خوش ہوگا کہ اب میں اپنا حق باپ سے وصول کرونگا۔ اسی طرح باپ بھی خوش ہوگا کہ اب میں اپنا حق بیٹے سے وصول کرونگا۔ اسی طرح میاں بیوی اور بھائی بہن کا معاملہ ہوگا۔ یہی وہ وقت ہوگا جس کے بارے میں فرمایا ہے کہ ''اس دن لوگوں کے درمیان رشتے ناتے نہیں ہونگے'' (رواہ ابن المبارک وغیرہ درمنثور ۵:۱۵) یعنی اس دن نسب، دوستیاں اور جان پہچان کچھ کام نہ آئے گی۔ رشتوں کی نفی کا یہی مطلب ہے۔ اس دن کوئی کسی کا حال بھی نہیں پوچھے گا۔ سب کو اپنی اپنی پڑی ہوگی۔ اس دن صرف ایمان اور نیک اعمال کام آئیں گے ـــــــ صور کے معنی ہیں: بڑا سینگ، نرسنگا، قیامت کے دن اس میں پھونکا جائے گا۔ یہ کام حضرت اسرافیل علیہ السلام کے حوالے ہے، مگر ان کو بھی صور پھونکنے کا وقت معلوم نہیں۔ جب حکم ہوگا تعمیل کریں گے۔ صور کی حقیقت اس سے زیادہ نہ معلوم ہے نہ معلوم ہوسکتی ہے۔

سوال: اس آیتِ پاک میں یہ بات ہے کہ قیامت کے دن رشتے ناتے کام نہیں آئیں گے۔ یہی بات سورۂ عَبَس (آیات ۳۴-۳۷) میں ہے: ﴿ یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِیْهِ، وَأُمِّهٖ وَأَبِیْهِ، وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِیْهِ، لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ یَوْمَئِذٍ شَأْنٌ یُّغْنِیْهِ﴾ یعنی اس دن آدمی اپنے بھائی سے، اپنی ماں سے، اپنے باپ سے، اپنی بیوی سے اور اپنے بیٹوں سے بھاگے گا۔ اس دن لوگوں میں سے ہر شخص کے لئے ایسا معاملہ ہوگا جو اس کو کسی طرف متوجہ نہیں ہونے دے گا ـــــــ اور سورۃ الطّور (آیت ۲۱) میں ہے: ﴿وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّیَّتُهُمْ بِإِیْمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ﴾ یعنی جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان میں ان کی پیروی کی تو ہم ان کی اولاد کو بھی ان کے شامل حال کردیں گے۔ اس سے نسب کا مفید ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن سارے نسب اور دامادی کے تعلقات منقطع ہوجائیں گے یعنی کام نہیں آئیں گے، بجز میرے نسب اور دامادی کے رشتے کے، معلوم ہوا کہ بعض نسب اور تعلقات کام آئیں گے۔ اور دوسری حدیث میں ہے کہ سَقَط یعنی گرے ہوئے بچے قیامت کے دن جنت کا پانی لئے اپنے والدین کو تلاش کریں گے اور ان کو پانی پلائیں گے۔ اس سے بھی نسب کا مفید ہونا ثابت ہوتا ہے ـــــــ اسی طرح اس آیت میں ہے کہ قیامت کے دن کوئی کسی کو نہیں پوچھے گا، جبکہ سورۃ الصافات (آیت ۲۷) میں ہے: ﴿وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ یَتَسَاءَ لُوْنَ﴾ یعنی محشر میں لوگ ایک دوسرے سے سوال کریں گے یعنی حالات پوچھیں گے ـــــــ پس ان مختلف باتوں میں تطبیق کیا ہے؟

جوابات: اس سوال کے تین جوابات دیئے گئے ہیں:

پہلا جواب: اس آیت میں بَیْنَهُمْ ہے، اس لئے یہ آیت کفار کے ساتھ خاص ہے۔ پیچھے سے ذکر بھی انہیں کا چلا آرہا ہے۔ رہے مؤمنین تو ان کے رشتے ناتے اور تعلقات کام آئیں گے ـــــــ مگر سورۂ عبس کی آیت عام ہے

اس لئے یہ جواب شافی نہیں۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ یہ آیت میدانِ محشر کے ساتھ خاص ہے۔ وہاں کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا، نہ کوئی کسی کو پوچھے گا۔ پھر جب لوگ جنت یا جہنم میں پہنچ جائیں گے تو مؤمنین کے لئے نسب کام آئیں گے اور وہاں باتیں بھی ہونگی ـــــ مگر سورۃ الصافات کی آیت میں میدانِ محشر ہی میں کفار کے باہمی اختلاف کا ذکر ہے، اس لئے یہ جواب بھی تشفی بخش نہیں۔

تیسرا جواب: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ محشر میں مختلف موقف (ٹھہرنے کے مقام) ہونگے۔ اور ہر موقف کا حال مختلف ہوگا۔ ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا، نہ کوئی کسی کو پوچھے گا۔ پھر جب کسی دوسرے موقف میں دہشت وہیبت کم ہوگی تو لوگ باہم ایک دوسرے کا حال دریافت کریں گے ـــــ ایک مرفوع روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ ابوداؤد میں مروی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جہنم کو یاد کرکے رو رہی تھیں۔ نبی ﷺ نے ان سے وجہ دریافت کی۔ انھوں نے عرض کیا: مجھے جہنم یاد آگئی اس لئے رو پڑی۔ کیا آپ حضرات قیامت کے دن اپنے گھر والوں کو یاد کریں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تین مواقف میں کوئی کسی کو یاد نہیں کرے گا: ایک: جب نامۂ اعمال تولے جائیں گے۔ جب تک آدمی یہ نہ جان لے کہ اس کا پلڑا بھاری ہوا یا ہلکا؟ دوسرے: جب نامۂ اعمال اڑائے جائیں گے۔ جب تک آدمی یہ نہ جان لے کہ اس کا نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں آتا ہے یا بائیں ہاتھ میں یا پیٹھ کے پیچھے سے دیا جاتا ہے؟ تیسرے: پل صراط پر، جب وہ جہنم کی پیٹھ پر رکھا جائے گا''[1] ـــــ اس روایت سے معلوم ہوا کہ مؤمنین دیگر مواقف میں اپنے اہل وعیال کو یاد کریں گے۔ واللہ اعلم۔

دوسری بات: ـــــ پس جس کسی کا پلڑا بھاری ہوگا تو وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔ اور جس کسی کا پلڑا ہلکا ہوگا تو وہی لوگ وہ ہونگے جنھوں نے اپنے آپ کو گھاٹے میں رکھا۔ وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے ـــــ وزنِ اعمال کا منظر بھی بڑا ہولناک ہے۔ جیسا کہ ابھی روایت میں گذرا۔ اس دن جس شخص کا نیکیوں کا پلّہ بھاری ہوگا اس کی پانچوں انگلیاں گھی میں ہونگی۔ اور جس کا نیکیوں کا پلہ ہلکا رہ گیا اس کی لُٹیا ڈوبی! اب وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔

فائدہ (۱): اس آیت میں مقابلہ مؤمنین کاملین اور کفار کا ہے۔ انہیں کے اعمال نامے تلنے کا اور ہر ایک کے انجام کا ذکر ہے۔ اور مؤمنین کاملین کا پلہ بھاری ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے پلے میں یعنی برائیوں کے پلّے میں کوئی وزن ہی نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ خالی ہوگا یا کم وزن ہوگا۔ اور کفار کا پلّہ ہلکا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نیکیوں کے پلّے میں کوئی

(۱) مشکوۃ حدیث ۵۵۶۰ باب الحساب، کتاب احوال القیامۃ ۱۲

وزن ہی نہ ہوگا۔ کیونکہ ایمان کی شرط مفقود ہوگی۔

فائدہ (۲): بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خود مؤمن و کافر کو تولا جائے گا۔ کافر کا کوئی وزن نہ ہوگا، خواہ وہ کتنا ہی موٹا تازہ ہو، اور مؤمن بڑا وزنی ثابت ہوگا، خواہ وہ دبلا پتلا ہو۔ اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اعمال نامے تولے جائیں گے۔ اور بعض سے مفہوم ہوتا ہے کہ اعمال ہی تولے جائیں گے۔ ان کو محشر میں مجسّم کرلیا جائے گا اور تولا جائے گا۔ ان روایات میں کچھ تعارض نہیں۔ جمع کرنا ممکن ہے۔ اس طرح کہ عامل، عمل اور اعمال ناموں کو ایک ساتھ تولا جائے۔ یا ان میں سے کوئی ایک حقیقت ہو، اور باقی دو مجازی تعبیریں ہوں۔ واللہ اعلم۔

فائدہ (۳): ابن ابی حاتم رازی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن گنہ گار مؤمنوں کا حساب اس طرح ہوگا کہ جس کی نیکیاں اس کے گناہوں سے بڑھ جائیں گی، خواہ ایک ہی نیکی بڑھے، وہ جنت میں جائے گا۔ اور جس کے گناہ بڑھ جائیں گے، خواہ ایک ہی گناہ بڑھے، وہ دوزخ میں جائے گا۔ مگر اس کا دوزخ میں جانا تطہیر کے لئے ہوگا۔ جیسے سونا، چاندی اور لوہا آگ میں ڈال کر تپایا جاتا ہے تاکہ اس کا میل اور زنگ صاف ہوجائے۔ اسی طرح مؤمن کا جہنم میں جانا ہوگا۔ اور جس کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہونگی ان کو اعراف میں رکھا جائے گا۔ وہ وہاں ایک زمانہ تک حکم کے منتظر رہیں گے۔ بالآخر ان کو جنت میں داخلہ مل جائے گا۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بھی فرمایا کہ میزانِ عمل اتنا صحیح وزن کرے گی کہ ایک رائی کے دانے کے برابر بھی کمی بیشی ہوگی تو پلّہ جھک جائے گا یا اٹھ جائے گا (مظہری)

فائدہ (۴): قرآن کریم میں عموماً نیک مؤمنین اور کفار کا حال ذکر کیا جاتا ہے۔ گنہ گار مؤمنون کے حال سے سکوت اختیار کیا جاتا ہے۔ اور اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ نزول قرآن کے زمانہ میں سبھی مسلمان نیک تھے، کیونکہ وہ صحابہ تھے۔ سب کبیرہ گناہوں سے پاک تھے، اور اگر کسی سے کوئی گناہ ہوگیا تھا تو اس نے توبہ کرلی تھی۔ اور گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہوجاتا ہے جیسے گناہ کیا ہی نہیں (مظہری) یا ان کا تذکرہ اس لئے نہیں کیا جاتا کہ مؤمن کی شان یہ ہے ہی نہیں کہ اس کے نامۂ اعمال میں گناہ باقی رہیں۔ اگر مؤمن سے کوئی گناہ سرزد ہوجاتا ہے تو وہ پہلی فرصت میں توبہ کرلیتا ہے۔ سورۃ التوبہ (آیت ۱۰۲): ﴿خَلَطُوْا عَمَلاً صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا﴾ میں انہی مؤمنین کا تذکرہ ہے۔

> مؤمن سے کوئی گناہ سرزد ہوجائے تو وہ اس وقت تک بے چین رہتا ہے جب تک اس کو ندامت کے آنسوؤں سے دھو نہ ڈالے۔

تَلۡفَحُ وُجُوۡهَهُمُ النَّارُ وَهُمۡ فِيۡهَا كٰلِحُوۡنَ ﴿۱۰۴﴾ اَلَمۡ تَكُنۡ اٰيٰتِىۡ تُتۡلٰى عَلَيۡكُمۡ فَكُنۡتُمۡ بِهَا تُكَذِّبُوۡنَ ﴿۱۰۵﴾ قَالُوۡا رَبَّنَا غَلَبَتۡ عَلَيۡنَا شِقۡوَتُنَا وَكُنَّا قَوۡمًا ضَآلِّيۡنَ ﴿۱۰۶﴾ رَبَّنَآ اَخۡرِجۡنَا مِنۡهَا فَاِنۡ عُدۡنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوۡنَ ﴿۱۰۷﴾ قَالَ اخۡسَـُٔوۡا فِيۡهَا وَلَا تُكَلِّمُوۡنِ ﴿۱۰۸﴾

تَلۡفَحُ (۱)	جھلسے گی	فَكُنۡتُمۡ	پس تھے تم	رَبَّنَآ	اے ہمارے رب!
وُجُوۡهَهُمۡ (۲)	ان کے چہروں کو	بِهَا	ان کو	اَخۡرِجۡنَا	نکالیں آپ ہمیں
النَّارُ	آگ	تُكَذِّبُوۡنَ	جھٹلاتے	مِنۡهَا	اس سے
وَهُمۡ	اور وہ	قَالُوۡا	کہا انھوں نے	فَاِنۡ	پس اگر
فِيۡهَا	اس (آگ) میں	رَبَّنَا	اے ہمارے رب!	عُدۡنَا	لوٹیں ہم
كٰلِحُوۡنَ (۳)	منہ بگڑے ہوئے	غَلَبَتۡ	غالب آگئی	فَاِنَّا	تو بیشک ہم
	ہوں گے	عَلَيۡنَا	ہم پر	ظٰلِمُوۡنَ	قصوروار ہیں
اَلَمۡ تَكُنۡ	کیا نہیں تھیں	شِقۡوَتُنَا (۴)	ہماری بدبختی	قَالَ	فرمایا
اٰيٰتِىۡ	میری آیتیں	وَكُنَّا	اور تھے ہم	اخۡسَـُٔوۡا (۵)	دھتکارے پڑے رہو
تُتۡلٰى	پڑھی جاتیں	قَوۡمًا	لوگ	فِيۡهَا	اس میں
عَلَيۡكُمۡ	تم پر	ضَآلِّيۡنَ	گمراہ	وَلَا تُكَلِّمُوۡنِ (۶)	اور مجھ سے بات مت کرو

قیامت کے بعد آخرت ہے۔ جہاں دو ہی گھر ہیں: جنت اور جہنم۔ اور آخرت کی زندگی ابدی ہے، اس لئے وہاں احوال بھی بے شمار پیش آئیں گے۔ ان آیات میں اور آئندہ آیات میں آخرت کی چار باتیں ذکر کی گئی ہیں:

پہلی بات: —— ان کے چہروں کو آگ جھلسے گی، اور وہ اس میں بگڑے ہوئے منہ والے ہوں گے —— یعنی کفار جب جہنم میں ڈالے جائیں گے تو وہاں ان کے چہرے آگ سے جھلس کر کباب ہو جائیں گے۔ اور شکلیں ایسی

(۱) لَفَحَتِ النارُ أو السَّموم (ف) لَفۡحًا: آگ یا لو کا چہرے کو جھلسنا (۲) وجوهَهم: مفعول مقدم ہے (۳) كَلَحَ (ف) كُلُوۡحًا بگڑی ہوئی شکل والا ہونا، ایسا چہرہ ہو جانا کہ نیچے کا ہونٹ لٹک جائے، اور اوپر کا ہونٹ اٹھ جائے، جیسے بکری کی بھنی ہوئی سری کا حال ہوتا ہے (۴) شِقۡوَةٌ: شَقِيَ يَشۡقٰى کا مصدر: بدبخت ہونا (۵) اِخۡسَأُوۡا: فعل امر، صیغہ جمع مذکر حاضر، خَسَأَ (ف) خَسۡئًا: دھتکارنا، پھٹکارنا، (۶) ولا تكلمونِ: کے آخر میں ی محذوف ہے، نون کا کسرہ اس کی علامت ہے۔

بدنما ہوجائیں گی کہ نیچے کا ہونٹ لٹک کر ناف کو چھولے گا، اور اوپر کا ہونٹ پھول کر کھوپڑی تک پہنچ جائے گا۔ پناہ بخدا!

دوسری بات: ـــــ (ان سے کہا جائے گا) کیا میری آیتیں تم کو پڑھ کر سنائی نہیں جاتی تھیں، پس تم ان کو جھٹلایا کرتے تھے؟ ـــــ یعنی جن وعیدوں کو تم دنیا میں جھٹلایا کرتے تھے، اب آنکھوں سے دیکھ لو! وہ سچی تھیں یا جھوٹی؟ ـــــ وہ کہیں گے: ''اے ہمارے پروردگار! ہم پر ہماری بدبختی غالب آگئی، اور ہم گمراہ لوگ تھے۔ اے ہمارے پروردگار! ہمیں اس (جہنم) سے نکالیں، پس اگر ہم لوٹیں تو ہم یقیناً قصوروار ہیں'' ـــــ یعنی وہ اعتراف کریں گے کہ بیشک ہماری بدبختی نے دھکا دیا۔ ہم دنیا میں گمراہ تھے۔ اس لئے آج ابدی ہلاکت کے گڑھے میں آپڑے۔ اب ہم نے سب کچھ دیکھ لیا۔ براہِ کرم! ایک دفعہ ہم کو یہاں سے نکالیے۔ ہم پھر کبھی ایسا نہ کریں گے۔ اگر کریں تو واقعی مجرم! پھر آپ جو چاہیں سزا دیں ـــــ فرمایا: ''اس میں دُھتکارے پڑے رہو، اور مجھ سے بات مت کرو!'' ـــــ یعنی آئندہ اپنی رہائی کے لئے کوئی عرض معروض نہ کرو، اب ہمیشہ دوزخ میں سڑتے رہو! چنانچہ اس کے بعد ہمیشہ کے لئے ان کی زبانیں بند ہوجائیں گی۔ اور وہ رہائی کے لئے کوئی عرض معروض نہ کرسکیں گے۔

إِنَّهُ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْ عِبَادِي يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ ﴿١٠٩﴾ فَاتَّخَذْتُمُوهُمْ سِخْرِيًّا حَتَّىٰ أَنسَوْكُمْ ذِكْرِي وَكُنتُم مِّنْهُمْ تَضْحَكُونَ ﴿١١٠﴾ إِنِّي جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوا أَنَّهُمْ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿١١١﴾

لفظ	معنی	لفظ	معنی	لفظ	معنی
اِنَّهٗ (۱)	بیشک شان یہ ہے	اٰمَنَّا	ایمان لائے ہم	الرّٰحِمِيْنَ	مہربانی کرنیوالوں میں
كَانَ	(کہ) تھی	فَاغْفِرْ	پس بخشش فرما	فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ (۲)	پس بنایا تم نے ان کا
فَرِيْقٌ	ایک جماعت	لَنَا	ہماری	سِخْرِيًّا (۳)	ٹھٹھا
مِّنْ عِبَادِيْ	میرے بندوں کی	وَارْحَمْنَا	اور مہربانی فرما ہم پر	حَتّٰى	یہاں تک کہ
يَقُوْلُوْنَ	کہتی تھی وہ	وَاَنْتَ	اور آپ	اَنْسَوْكُمْ (۴)	بھلادی مسخروں نے
رَبَّنَآ	اے ہمارے رب!	خَيْرُ	بہتر ہیں		تم کو

(۱) إنه: ضمیر شان إنَّ کا اسم ہے، اور جملہ كان: اس کی خبر ہے (۲) اِتَّخَذْتُمُوْهُم: تم نے ان کو ٹھہرایا، ماضی، صیغہ جمع مذکر حاضر، اِتِّخاذٌ مصدر۔ یہ اصل میں اتَّخَذْتُمْ تھا۔ ضمیر کے اتصال کی بنا پر واو جمع لایا گیا، هم ضمیر جمع مذکر غائب (۳) سِخْرِيًّا: اسم ہے، بمعنی ٹھٹھا، ہنسی، دل لگی (۴) أَنْسَوْكُمْ: إِنْسَاءٌ (بھلانا) سے فعل ماضی، صیغہ جمع مذکر غائب۔ فاعل کی ضمیر ٹھٹھا کرنے والوں کی طرف لوٹتی ہے ٹھٹھا ←

ذِكْرِيْ	میری یاد	اِنِّيْ	بیشک میں نے	اَنَّهُمْ (۲)	بالیقین وہ
وَكُنْتُمْ	اور تھے تم	جَزَيْتُهُمُ	بدلہ دیا ان کو	هُمُ	ہی
مِّنْهُمْ	ان سے	الْيَوْمَ	آج	الْفَآئِزُوْنَ	کامیاب ہونے والے
تَضْحَكُوْنَ	ہنسی کرتے	بِمَا صَبَرُوْٓا (۱)	ان کے صبر کی وجہ سے		ہیں

تیسری بات: یہ بھی آخرت کے احوال کا بیان ہے۔ان آیتوں میں کفار کو مؤمنین کا بہترین انجام سنایا جارہا ہے تاکہ ان کی حسرت بڑھے۔اور وہ جان لیں کہ جو لوگ دنیا میں بے حیثیت تھے آج کس مقام پر فائز ہیں۔ارشاد ہے:

—— بیشک میرے بندوں کی ایک جماعت ایسی تھی جو کہتی تھی: ''اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لائے، پس آپ ہماری بخشش فرمائیں، اور ہم پر مہربانی فرمائیں اور آپ رحم کرنے والوں میں سب سے بہتر ہیں!'' —— یہ مکی دور کے کمزور بے سہارا مسلمانوں کی دعا ہے، اور بڑی اہم دعا ہے۔ہمیں بھی یہ دعا کرنی چاہئے اور جب کبھی کافروں کے مظالم کا سامنا ہو تو یہ دعا بکثرت مانگنی چاہئے۔دعا کے الفاظ یہ ہیں: ﴿ رَبَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِيْنَ ﴾ —— پس تم نے ان کا ٹھٹھا اڑایا —— یعنی جب مسلمان اپنے رب کے آگے دعا واستغفار کرتے تو تم کو ہنسی سوجھتی تھی —— یہاں تک کہ ان مسخروں نے تم کو میری یاد بھلادی —— تخول کرنے والے چند لوگ ہوتے ہیں، باقی مزہ لینے والے ہوتے ہیں۔ارشاد ہوا کہ تم ان مخولیوں کی باتوں میں ایسے لگے کہ مجھے بھی یاد نہ رکھا —— اور تم ان سے دل لگی کیا کرتے تھے —— یعنی مسخرے ان مؤمنین کے بارے میں جو باتیں چھانٹتے تھے تم ان پر قہقہے لگاتے تھے —— بیشک میں نے آج ان کو ان کے صبر کا بدلہ دیا کہ وہی بالیقین کامیاب ہونے والے ہیں —— یعنی دیکھ لو! وہ رہے جنت کے بالاخانوں میں عیش کرتے۔یہ ان کو تمہاری ایذا رسانیوں پر صبر کا صلہ ملا ہے۔ اور تم ستانے والے آج ناکامی کے عذاب میں گرفتار ہو۔ان غریبوں کا کیا بگڑا مصیبت تو تمہارے سر پڑی!

قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْئَلِ الْعَآدِّيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱۴﴾

قٰلَ	پوچھا	كَمْ	کتنا	لَبِثْتُمْ	ٹھہرے تم

← کرنے والے بعض ہوتے ہیں، باقی سامعین ہوتے ہیں، وہ کُمْ سے مراد ہیں، کُمْ: مفعول اول اور ذکری: مفعول ثانی ہے۔

(۱) بما صبروا: میں ما مصدریہ اور باء سببیہ ہے۔ (۲) جملہ أنهم: جزیتُ کے مفعول ثانی کی جگہ میں ہے۔

فِي الْاَرْضِ	زمین میں	بِيَوْمٍ	دن کا	اِلَّا	مگر
عَدَدَ سِنِيْنَ (۱)	برسوں کے شمار سے	فَسْئَلِ	پس پوچھیں آپ	قَلِيْلًا	تھوڑا
قَالُوْا	کہا انھوں نے	الْعَآدِّيْنَ (۲)	شمار کرنے والوں سے	لَوْ (۳)	کاش (اگر)
لَبِثْنَا	ٹھہرے ہم	قٰلَ	فرمایا	اَنَّكُمْ	کہ تم
يَوْمًا	ایک دن	اِنْ	نہیں	كُنْتُمْ	ہوتے
اَوْ بَعْضَ	یا کچھ حصہ	لَّبِثْتُمْ	ٹھہرے تم	تَعْلَمُوْنَ	جانتے

چوتھی بات: یہ آخرت کے احوال کی آخری بات ہے۔ آخرت میں کفار کو احساس دلایا جائے گا کہ دنیا کی زندگی چند لمحوں سے زیادہ نہیں تھی، اگر وہ ان چند لمحوں کو اللہ کی اطاعت میں گذارتے تو آج آخرت میں عیش کرتے۔ ارشاد ہے: —— پوچھا: ''تم برسوں کی گنتی سے کتنی مدت زمین میں ٹھہرے ہو؟'' —— دنیا میں لوگ زندگی کے ایام برسوں سے گنتے ہیں، اس لئے اسی حساب سے پوچھا جائے گا —— جواب دیا انھوں نے: ''ہم ایک دن یا دن کا بھی کچھ حصہ ٹھہرے ہیں! سو آپ گننے والوں سے پوچھ لیں'' —— آخرت کے طول ودوام کے مقابلہ میں خود ان کو دنیا کی زندگی بہت ہی مختصر معلوم ہوگی۔ نیز زندگی ربڑ کی مثال ہے۔ جب سمٹ جاتا ہے تو ذرا سا رہ جاتا ہے، اسی طرح وقت بھی جب بیت جاتا ہے تو چند لمحوں سے زیادہ معلوم نہیں ہوتا۔ وہ شدتِ سراسیمگی سے کہیں گے کہ ہمیں کچھ یاد واد نہیں۔ آپ فرشتوں سے معلوم کرلیں۔ انھوں نے ہماری زندگی کا پل پل گن رکھا ہے —— ارشاد ہوگا: ''تم دنیا میں بس ذرا سی مدت رہے ہو، کاش تم جانتے!'' —— یعنی کاش تم نے دنیا ہی میں دنیا کی بے ثباتی اور بعجلت اختتام پذیری کا احساس کرلیا ہوتا تو دنیا پر مغرور ہوکر انجام سے غافل نہ ہوتے —— پہلے سورۃ الحج (آیت ۴۷) میں گذر چکا ہے: ﴿وَإِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ﴾ یعنی دنیا کے شمار سے اللہ کے یہاں ایک دن ایک ہزار سال کے برابر ہے۔ پس اگر کوئی دنیا میں سو سال بھی زندہ رہا ہے تو وہ چند گھنٹوں سے زیادہ نہیں رہا!

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱۵﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ﴿۱۱۶﴾ وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ

(۱) عددَ سنین: کم کی تمیز اور مرکب اضافی ہے۔ (۲) عادٌّ، عَدٌّ سے اسم فاعل: گننے والے، شمار کرنے والے۔ عَادِّيْن: اصل میں عَادِدِيْن تھا۔ دو حرف ایک جنس کے جمع ہوئے اس لئے ادغام کیا گیا۔ (۳) لو: شرطیہ بھی ہوسکتا ہے اور تمنّی کا بھی۔

لَهٗ بِهٖ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۱۸﴾

لفظ	معنی	لفظ	معنی	لفظ	معنی
اَفَحَسِبْتُمْ	کیاپس گمان کرتے ہوتم	اِلَّا هُوَ	مگر وہی	عِنْدَ رَبِّهٖ	اسکے رب کے پاس ہے
اَنَّمَا (۱)	کہ	رَبُّ	پروردگار	اِنَّهٗ	بیشک شان یہ ہے
خَلَقْنٰكُمْ	پیدا کیا ہم نے تم کو	الْعَرْشِ	عرش	لَا يُفْلِحُ	(کہ) کامیاب نہیں
عَبَثًا (۲)	کھیلتے ہوئے	الْكَرِيْمِ	بزرگ (کے)		ہونگے
وَّاَنَّكُمْ	اور یہ کہ تم	وَمَنْ يَّدْعُ (۴)	اور جو پکارے	الْكٰفِرُوْنَ	انکار کرنے والے
اِلَيْنَا	ہماری طرف	مَعَ اللّٰهِ	اللہ کے ساتھ	وَقُلْ	اور آپ کہیں
لَا تُرْجَعُوْنَ	نہیں لوٹائے جاؤ گے؟	اِلٰهًا اٰخَرَ (۵)	اور معبود کو	رَّبِّ	اے میرے رب!
فَتَعٰلَى	پس بہت برتر ہیں	لَا بُرْهَانَ	نہیں کوئی دلیل	اغْفِرْ	خطائیں معاف فرما
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	لَهٗ	اس کے پاس	وَارْحَمْ	اور مہربانی فرما
الْمَلِكُ (۳)	بادشاہ	بِهٖ	اس کے معبود ہونے کی	وَاَنْتَ	اور آپ
الْحَقُّ	برحق	فَاِنَّمَا	پس بالتحقیق	خَيْرُ	بہتر (ہیں)
لَآ اِلٰهَ	نہیں کوئی معبود	حِسَابُهٗ	اس کا حساب	الرّٰحِمِيْنَ	مہربانی کرنیوالوں میں

یہ سورتِ پاک کی آخری آیتیں ہیں۔ اور بڑی برکت اور فضیلت والی ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا گزر ایک مصیبت زدہ شخص پر ہوا، آپ نے اس کے کان میں یہ آیتیں پڑھیں، وہ اسی وقت اچھا ہو گیا۔ نبی ﷺ نے ان سے دریافت کیا: آپ نے اس کے کان میں کیا پڑھا؟ آپ نے بتایا: یہ آیتیں پڑھیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ’’اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر کوئی آدمی جو یقین رکھنے والا ہو یہ آیتیں پڑھ کر پہاڑ پر دم کرے تو وہ بھی اپنی جگہ سے ہٹ جائے یعنی پہاڑ جیسی آفت بھی ٹل جائے (اخرجہ ابونعیم فی الحلیۃ) لہٰذا یہ آیتیں ہر

(۱) أَنَّ: حرف مشبہ بالفعل، ما کافّہ، پھر جملہ حسبتم کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے (۲) عَبَثًا: مصدر ہے، عَبِثَ (س) عَبَثًا: کھیل کود میں لگنا، لایعنی اور بے فائدہ کام کرنا، ترکیب میں حال یا مفعول لہ ہے۔ (۳) الملكُ الحق: اللہ کی صفتیں ہیں۔ (۴) مَنْ: موصولہ متضمن معنی شرط، جملہ یدع: شرط، فإنما حسابه: جزاء اور جملہ لا برهان: معترضہ برائے تاکید، یَدع: مضارع مجزوم آخر سے واو گرا ہے۔ (۵) إلها آخر: مرکب توصیفی: یدع کا مفعول بہ ہے۔

شخص کو یاد کر لینی چاہئیں۔اور نمازوں میں اور اس کے علاوہ پڑھتے رہنا چاہئے۔

پس کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ ہم نے تم کو بے فائدہ پیدا کیا ہے، اور تم ہماری طرف لوٹائے نہیں جاؤ گے؟ —— لوگوں کو یہی دھوکہ لگا ہوا ہے۔ کیا کافر اور کیا بددین اور بے دین مسلمان، سب اعتقاداً یا عملاً یہی سمجھتے ہیں کہ ان کی تخلیق کا کوئی مقصد نہیں۔ نہ ان کو کبھی اللہ کے حضور میں حاضر ہونا ہے۔ اس لئے وہ قرآن کے دلائل کو جھٹلاتے ہیں یا ان کی زندگیاں غلط رخ پر پڑی ہوئی ہیں —— پس بہت برتر ہیں اللہ تعالیٰ جو حقیقی بادشاہ ہیں —— یعنی اس دنیا میں تو نیکی اور بدی کا پورا نتیجہ ظاہر نہیں ہوتا۔ پس اگر اس زندگی کے بعد دوسری زندگی نہ ہو تو گویا یہ سب کارخانہ محض کھیل تماشا ٹھہرا۔ سو حق تعالیٰ کی جناب اس سے بہت بلند ہے کہ ان کی نسبت ایسا خیال کیا جائے —— ان کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ عرش بزرگ کے مالک ہیں —— یعنی جب وہی معبود ہیں تو ممکن نہیں کہ وفاداروں اور مجرموں کو یکساں رہنے دیں۔ ان میں امتیاز قائم نہ کریں۔ اور ایسا کرنا ان کے لئے کچھ مشکل نہیں وہ عرش بزرگ کے مالک ہیں۔ عرش جو مخلوقات میں سب سے بڑی چیز ہے اس کے مالک اور پروردگار جب وہی ہیں تو ساری کائنات ان کی قدرت میں ہے۔ وہ جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ مگر یہ امتیاز اس دنیا میں نہیں ہوگا۔ یہ دنیا تو امتحان گاہ ہے۔ امتحان کے ہال میں سب طالب علم ساتھ بیٹھتے ہیں، کامیاب ہونے والے بھی اور ناکام ہونے والے بھی، اور سب کے ساتھ یکساں معاملہ کیا جاتا ہے۔ یہ عملی فیصلہ کب ہوگا؟ ارشاد ہے: —— اور جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو پکارے —— جس کے معبود ہونے کی اس کے پاس کوئی دلیل نہیں —— تو اس کا حساب اس کے پروردگار کے پاس ہوگا —— یعنی دوسری دنیا میں ہوگا، جب سب لوٹ کر ان کے پاس پہنچ جائیں گے۔ اور کیا فیصلہ ہوگا؟ —— بیشک کافر کامیاب نہیں ہونگے —— وہ ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہیں گے —— اور آپ کہیں: ”اے میرے پروردگار! خطائیں معاف فرما اور مہربانی فرما، اور آپ مہربانی کرنے والوں میں سب سے بہتر ہیں“ —— یہ دعا ان بندوں کی رائگاں نہیں جائے گی۔ اللہ تعالیٰ آخرت میں مؤمنین کاملین کی خطائیں معاف کریں گے اور ان کے ساتھ رحم وکرم کا معاملہ فرمائیں گے، اور جنت کے بلند درجات عطا فرمائیں گے۔ الٰہی! ہمیں بھی اس زمرہ میں شامل فرما (آمین)

غیر اللہ کو پکارنے والے آخرت میں تباہ ہونگے، اور اللہ سے لو لگانے والے اور ان کے احکام کی پیروی کرنے والے آخرت میں شادکام ہونگے۔

(اللہ کے فضل وکرم سے آج بتاریخ ۲۱ ربیع الاول ۱۴۲۷ ہجری سورۃ المؤمنون کی تفسیر پوری ہوئی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورة النور

نمبر شمار ۲۴ نزول کا نمبر ۱۰۲ نزول کی نوعیت مدنی آیات ۶۴ رکوع ۹

سورت کا نام اور موضوع:

اس سورت کا نام آیت ۳۵ سے ماخوذ ہے، اس آیت میں نور ہدایت کے قوی التاثیر ہونے کی تمثیل آئی ہے۔ اور اس سورت کا موضوع اصلاح معاشرہ ہے۔ اور وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اگر لوگ اس سورت کے احکام پر عمل کریں تو پورا معاشرہ سنور سکتا ہے۔ اور اسی وجہ سے ایک مرسل روایت میں آیا ہے کہ مردوں کو سورۃ المائدۃ اور عورتوں کو سورۃ النور سکھاؤ (درمنثور) اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک والا نامے میں لکھا تھا کہ سورۃ النساء، سورۃ الاحزاب اور سورۃ النور سیکھو (درمنثور)

سورت کے مضامین کا خلاصہ:

معاشرہ کو گندہ کرنے والی سب سے بری چیز زنا ہے، چنانچہ سورت کا آغاز زنا کی سزا سے ہوا ہے، پھر یہ بیان ہے کہ زنا چونکہ انتہائی درجہ کی برائی ہے اس لئے اس کو اللہ کی شریعت میں حرام قرار دیا گیا ہے، پھر بیوی کے علاوہ پر زنا کی تہمت لگانے کی سزا بیان کی گئی ہے، وہ سزا اسّی کوڑے ہے، پھر بیوی پر تہمت لگانے کا حکم بیان کیا ہے۔

پھر تہمتِ زنا کا ایک واقعہ بیان کیا ہے، جس سے لوگ اندازہ کر سکتے ہیں کہ زنا کی تہمت کوئی معمولی چیز نہیں اس سے اسلامی معاشرہ تہ وبالا ہو سکتا ہے۔ یہ واقعہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے کا ہے، اور واقعہ کے شروع میں چار باتیں بیان کی ہیں، پھر واقعہ افک کے تعلق سے سات باتیں بیان کی ہیں۔ پھر اگلے رکوع میں اسی سلسلہ کی چار باتوں کا عمومی انداز میں تذکرہ کیا ہے۔

اور چونکہ بسا اوقات بلا اجازت کسی کے گھر میں جانا زنا کا سبب بنتا ہے، اس لئے آیت ۲۷ اور اس کے بعد کی آیات میں اجازت طلبی کا حکم ہے، تاکہ فساد معاشرہ کا یہ سوراخ بند ہو جائے۔ اور جس طرح بغیر اجازت کسی کے گھر میں جانا زنا تک مفضی ہو سکتا ہے، اسی طرح نظریں لڑانا بھی زنا کا سبب بنتا ہے، چنانچہ مردوں اور عورتوں کو نظریں نیچی رکھنے کا حکم دیا۔

اسی طرح جن لوگوں کے ساتھ ہر وقت کا رہنا سہنا ہے، خواہ وہ محرم ہوں یا غیر محرم، اگر ان کے درمیان سلیقہ سے نہ رہا جائے تو فساد کا اندیشہ ہے، اس لئے خاص طور پر عورتوں کو اپنے گھر والوں کے درمیان سلیقہ سے رہنے کی تعلیم دی، تا کہ بے حیائی اور بدکاری پر روک لگے۔

اور معاشرہ میں فواحش کے پھیلنے کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ کچھ جوان مرد اور کچھ جوان عورتیں بے نکاح ہوتی ہیں، اس لئے آیت ۳۲ میں حکم دیا کہ کوئی بے نکاح نہ رہے، حتی کہ غلام باندیوں کا بھی نکاح کر دیا جائے۔

اس کے بعد نصیحت آمیز مضامین شروع ہوئے ہیں۔ جاننا چاہئے کہ معاشرہ کی اصلاح صرف قوانین سے نہیں ہوتی، بلکہ ایمان و عمل صالح سے ہوتی ہے۔ اور نور ایمان اللہ ہی کے پاس ہے۔ آسمانوں اور زمین میں جس کو بھی نور ہدایت ملا ہے اللہ ہی نے دیا ہے۔ اور یہ نور بہت طاقتور ہے، زندگیوں کو بدل دیتا ہے، مگر ایمان کی بالیدگی اور اعمالِ صالحہ سے دلچسپی کے لئے مسجد سے رابطہ رکھنا ضروری ہے، جن گھروں کے تار مسجد کے پاور ہاؤس سے جڑے ہوئے نہیں ہیں ان گھروں میں اندھیرا ہی اندھیرا ہوتا ہے۔

پھر مؤمنین کے تذکرے کے بعد کفار کا تذکرہ شروع کیا ہے، اور ان کے اچھے برے اعمال کی مثالیں بیان کی ہیں۔ ان کے اچھے اعمال سراب (چمکتی ریت) کی طرح ہیں، اور ان کے برے اعمال گھٹاٹوپ تاریکی ہیں اور دنیا وآخرت میں وبالِ جان ہیں۔ پھر کفار کو دوسری کائنات کا حال سنایا ہے کہ وہ ہر وقت تسبیح خواں ہے، اور تم غفلت کا شکار ہو۔ اس کے بعد منکرین کو کھڑکھڑایا ہے کہ تم کسی بھی وقت عذاب کی زد میں آسکتے ہو۔

پھر آیت ۴۷ سے منافقین کا تذکرہ شروع ہوا ہے، اور ان کی دو مثالیں دی ہیں، پھر منکرین ومنافقین کو ایک وعدہ سنایا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں سے کیا ہے، اور اس کے ذریعہ اشارہ کیا ہے کہ معاشرہ کی خاطر خواہ اصلاح اسلامی حکومت کے بغیر نہیں ہوسکتی۔

پھر آیت ۵۸ میں مملوکوں اور نابالغوں کے لئے اجازت طلبی کے حکم میں تخفیف کی ہے اور آیت ۶۰ میں بہت بوڑھی عورتوں کے لئے رہن سہن کے احکام میں تخفیف کی ہے۔ پھر آیت ۶۱ میں یہ مضمون ہے کہ معذور اور غیر معذور اپنے رشتہ دار وغیرہ کے گھروں سے بے تکلف کھاپی سکتے ہیں، اور یہ مضمون اس لئے بیان کیا ہے کہ استیذان کے حکم سے معاشرہ گھٹن محسوس نہ کرے، پھر سورت کا آخری مضمون یہ ہے کہ جس طرح گھر میں جاتے ہوئے اجازت لینا ضروری ہے، اسی طرح کبھی واپس لوٹنے کے لئے بھی اجازت لینا ضروری ہے۔

(۲۴) سُوْرَةُ النُّوْرِ مَدَنِيَّةٌ (۱۰۲)

آیاتہا ۶۴ — رکوعاتہا ۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ① اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۖ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ② اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۫ وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ③

بِسْمِ	نام سے	اٰيٰتٍ	احکام	مِائَةَ	سو (۱۰۰)
اللّٰهِ	اللہ کے	بَيِّنٰتٍ	واضح	جَلْدَةٍ	کوڑے
الرَّحْمٰنِ	نہایت مہربان	لَّعَلَّكُمْ	تاکہ تم	وَّلَا	اور نہ
الرَّحِيْمِ	بڑے رحم والے	تَذَكَّرُوْنَ	یاد کرو	تَاْخُذْكُمْ	پکڑے تمہیں
سُوْرَةٌ (۱)	(یہ) ایک سورت ہے	اَلزَّانِيَةُ	زنا کرنی والی عورت	بِهِمَا (۴)	دونوں کے بارے میں
اَنْزَلْنٰهَا	اتارا ہم نے اس کو	وَالزَّانِيْ	اور زنا کرنے والا مرد	رَاْفَةٌ	مہربانی
وَفَرَضْنٰهَا (۲)	اور مقرر کیا ہم نے اسکو	فَاجْلِدُوْا (۳)	پس کوڑے مارو	فِيْ دِيْنِ (۵)	دین میں
وَاَنْزَلْنَا	اور اتارے ہم نے	كُلَّ وَاحِدٍ	ہر ایک کو	اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کے
فِيْهَا	اس میں	مِّنْهُمَا	دونوں میں سے	اِنْ	اگر

(۱) سورة: هذه مبتدا محذوف کی خبر ہے، اور أَنْزَلْنَا: مع مطوفات سورة نکرہ کی صفت ہے (۲) فَرَضَ (ض) فَرْضًا: مقرر ومعین کرنا یعنی یہ احکام اللہ تعالیٰ نے مقرر کئے ہیں (۳) فاجلدوا: میں ف زائد ہے۔ وَعِمِ کلام کے لئے آئی ہے یعنی سہارا دینے کے لئے اور ٹیک لگانے کے لئے ہے، اس کو سیفِ خطیب (مقرر کی تلوار) بھی کہتے ہیں اور کلَّ واحد: مفعول بہ ہے، اور مائة جلدة: مفعول مطلق ہے (۴) بهما: رأفة سے متعلق ہے، اور معمول چونکہ ظرف ہے اس لئے عامل مصدر پر اس کی تقدیم جائز ہے (روح) رَأَفَ (ف) رَأْفَةً: بہت مہربانی کرنا، صفت رَءُوْف (۵) فی دین الله: أی فی إقامة دين الله والعملِ به

كُنْتُمْ	ہوتم	مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ	مؤمنین کی	لَا يَنْكِحُهَا	نہیں نکاح کرتا اس سے
تُؤْمِنُوْنَ	ایمان رکھتے	اَلزَّانِيْ	زنا کار مرد	اِلَّا	مگر
بِاللّٰهِ	اللہ پر	لَا يَنْكِحُ (۲)	نہیں نکاح کرتا	زَانٍ	زنا کار مرد
وَالْيَوْمِ	اور دن پر	اِلَّا	مگر	اَوْ	یا
الْاٰخِرِ	پچھلے	زَانِيَةً	زنا کار عورت سے	مُشْرِكٌ	مشرک آدمی
وَلْيَشْهَدْ (۱)	اور چاہئے کہ دیکھے	اَوْ	یا	وَحُرِّمَ	اور حرام کیا گیا
عَذَابَهُمَا	دونوں کی سزا کو	مُشْرِكَةً	مشرک عورت سے	ذٰلِكَ (۳)	وہ
طَآئِفَةٌ	ایک جماعت	وَالزَّانِيَةُ	اور زنا کار عورت	عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ	مؤمنین پر

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

گذشتہ سورت اس مضمون پر ختم ہوئی تھی کہ انسان کو بے مقصد پیدا نہیں کیا گیا۔اس کی زندگی کا ایک خاص مقصد ہے جس کی تکمیل کر کے اس کو اللہ کے حضور میں حاضر ہونا ہے،اور زندگی کا حساب دینا ہے اور دلیل یہ دی تھی کہ دنیا کے مجازی بادشاہ اپنی رعایا کی بہبودی کے لئے قانون بناتے ہیں،اور ان کو احکام کا پابند کرتے ہیں،پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ حقیقی بادشاہ لوگوں کو بس یونہی چھوڑ دے! یہ بات قطعاً ناممکن ہے،اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی مخلوق کے لئے تکوینی اور تشریعی قوانین بنائے ہیں اور ان کو احکام کا پابند کیا ہے۔اس سورت میں انہی قوانین کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کی بہبودی کے لئے مقرر فرمائے ہیں ـــــ نیز گذشتہ سورت کے شروع میں مؤمنین کی سات صفات (خوبیاں) بیان ہوئی ہیں،ان میں ایک خاص صفت ناموس کی حفاظت بھی ہے۔اب اس سورت میں عفّت وعصمت کی حفاظت کے احکام دیئے جا رہے ہیں تا کہ مؤمنین اپنی عزت وآبرو کی حفاظت کرسکیں۔اور ان کا معاشرتی نظام درست ہو،پس اس سورت کا خاص موضوع ''اصلاحِ معاشرہ'' ہے۔

(۱)شَهِدَ(س) شُهُوْدًا الشيئَ: دیکھنا،معائنہ کرنا (۲) لاینکح اور لاینکحها: دونوں فعل مضارع منفی ہیں،فعل نہی نہیں ہیں۔دونوں میں لفظاً فرق یہ ہے کہ مضارع منفی پر مضارع والا اعراب (ضمہ وغیرہ) آتا ہے،اور فعل نہی مجزوم ہوتا ہے اور معنیً فرق یہ ہے کہ فعل مضارع منفی خبر دیتا ہے اور فعل نہی انشاء یعنی اول سے اصالۃً خبر دینا مقصود ہوتا ہے،حکم دینا مقصود نہیں ہوتا اور ثانی سے ممانعت مقصود ہوتی ہے۔(۳) ذلك (اسم اشارہ بعید) کا مشارٌ الیہ فعل زنا ہے۔جو الزانی اور الزانیة سے مفہوم ہوتا ہے،دوسری رائے یہ ہے کہ مشارٌ الیہ نکاح ہے جو لاینکح سے مفہوم ہوتا ہے۔

یہ سورت ایک تمہید سے شروع ہوئی ہے۔ارشاد ہے: —— یہ ایک ایسی سورت ہے جس کو ہم نے اتارا ہے، اور جس کے احکام ہم نے مقرر کئے ہیں، اور جس میں ہم نے واضح آیتیں نازل کی ہیں تاکہ تم سمجھو! —— قرآن مجید ظاہر ہے سارا حق تعالیٰ ہی کا نازل کیا ہوا ہے، اور اس کے احکام اسی کے مقرر کئے ہوئے ہیں، پھر یہاں خصوصیت کے ساتھ سورت کو اپنی طرف منسوب کرنے کے معنی بجز اس کے اور کیا ہو سکتے ہیں کہ اس سورت اور اس میں مندرج احکام کی اہمیت خاص طور پر ذہن نشین کرائی جائے، اور لوگوں کو بتایا جائے کہ یہ احکام بہت زیادہ محفوظ رکھنے اور لازم پکڑنے کے لائق ہیں۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ان احکام سے بے اعتنائی نہ برتیں۔ ان احکام کو سیکھیں سکھائیں اور مضبوطی سے اس پر عمل پیرا ہوں، اور صرف مردوں ہی کو نہیں عورتوں کو بھی اس کی تعلیم دیں، مشہور تابعی حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے مرسلاً مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اپنے مردوں کو سورۃ المائدۃ کی اور اپنی عورتوں کو سورۃ النور کی تعلیم دو'' اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک قبیلہ کو والا نامہ بھیجا تھا کہ ''سورۃ النساء، سورۃ الاحزاب اور سورۃ النور کو سیکھو''

زنا سے متعلق تین احکام:

پہلے رکوع میں زنا سے تعلق رکھنے والے تین احکام بیان فرمائے ہیں: اول: جب زنا کا ثبوت ہو جائے تو زانیہ اور زانی پر سزا جاری کی جائے، اگر وہ کنوارے ہوں تو ان کو برملا سو سو کوڑے مارے جائیں۔ دوم: اگر کوئی کسی مرد یا عورت پر زنا کی تہمت لگائے تو چاہئے کہ چار عینی گواہ پیش کرے، اور اگر ثابت نہ کر سکے تو اس کو اسّی کوڑے مارے جائیں، اور ہمیشہ کے لئے اس کو مردود الشہادہ ٹھہرایا جائے۔ سوم: اگر شوہر اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے تو وہ بھی چار عینی گواہوں سے ان کو ثابت کرے۔ اگر ثابت نہ کر سکے تو زوجین میں لعان کرایا جائے، اور لعان کے بعد نکاح ختم کر دیا جائے۔

پہلا حکم: —— زنا کی سزا —— زنا کار عورت اور زنا کار مرد: پس تم دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو، اور تم کو اللہ کے دین کے معاملے میں دونوں پر ترس نہ آئے، اگر تم اللہ پر اور پچھلے دن پر ایمان رکھتے ہو، اور چاہئے کہ دونوں کی سزا کے وقت مؤمنین کا ایک گروہ حاضر رہے —— یہ سزا اس زانیہ اور زانی کی ہے جو آزاد، عاقل، بالغ ہوں، اور نکاح کئے ہوئے نہ ہوں، یا نکاح تو ہو گیا ہو مگر ہم بستری نہ ہوئی ہو۔ اور جو آزاد نہ ہو یعنی غلام یا باندی ہو تو اس کی سزا پچاس کوڑے ہے، خواہ ان کی شادی ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو —— اور جو مسلمان آزاد، عاقل، بالغ ہو، اور ایسی ہی عورت (آزاد، عاقلہ، بالغہ) سے نکاح صحیح کر کے ہم بستری کر چکا ہو، وہ مُحْصِن (صاد کے زیر کے ساتھ) اور مُحْصَنَة (صاد کے زبر کے ساتھ) کہلاتی ہیں، اور ان کی سزا رجم (سنگساری) ہے، اور اگر ایک شادی شدہ اور ایک غیر شادی شدہ ہو تو شادی شدہ کی سزا رجم اور غیر شادی شدہ کی سزا سو کوڑے ہے۔ اور رجم کی سزا حدیثوں اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ اور اس کی بنیاد ایک

منسوخ التلاوۃ محکم الحکم آیت ہے، پس جو شخص اس کا انکار کرے وہ آخری درجہ کا گمراہ ہے۔ البتہ یہ سزائیں اسلامی حکومت میں امیر کے حکم ہی سے نافذ ہوسکتی ہیں۔ غیر اسلامی ملک میں یا لوگ اپنے طور پر یہ سزائیں نہیں دے سکتے۔ اور ان سزاؤں میں تخفیف وترحم کا اختیار امیر کو بھی حاصل نہیں۔

کیونکہ زنا کی یہ سزائیں حدّ ہیں۔ حدود: وہ سزائیں ہیں جو قرآن، حدیث یا اجماع امت سے ثابت ہیں، اور جو حق اللہ کے طور پر واجب ہوتی ہیں۔ اور ''حق اللہ'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ سزائیں مفادِ عامہ کے لئے مشروع کی گئی ہیں۔ یعنی لوگوں کے انساب، اموال، عقول اور اعراض (آبرو) کی حفاظت کے لئے مقرر کی گئی ہیں۔ یہ سزائیں گناہ سے پہلے گناہ سے روکنے والی اور گناہ کے بعد سرزنش ہوتی ہیں۔ یہ نہ معاف کی جاسکتی ہیں، نہ ان میں سفارش کی گنجائش ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ چند جرائم ایسے ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے سزائیں مقرر فرمائی ہیں، اس لئے ان میں کسی قسم کی تبدیلی کا کسی کو حق نہیں۔ یہ وہ جرائم ہیں جن میں مختلف جہتوں سے مفاسد جمع ہیں۔ ان سے زمین میں بگاڑ پھیلتا ہے۔ معاشرہ کا چین غارت ہوتا ہے۔ اور ان جرائم کے جذبات لوگوں کے دلوں میں برابر ابھرتے رہتے ہیں۔ اور جب وہ دل میں رچ بس جاتے ہیں تو لوگ ان سے بچ نہیں سکتے۔ ان میں ایسا ضرر ہے کہ مظلوم مجرم کو اپنی ذات سے ہٹا نہیں سکتا۔ اور وہ جرائم کثیر الوقوع ہیں ـــــ اس قسم کے جرائم میں محض عذابِ آخرت سے ڈرانا کافی نہیں۔ مجرموں کو سخت ملامت کرنا اور دردناک سزا دینا ضروری ہے، تاکہ وہ سزا لوگوں کی نگاہوں کے سامنے رہے اور وہ ان کو ارتکابِ جرم سے باز رکھے۔

پانچ سنگین جرائم:

پہلا جرم: زنا ہے۔ یہ گناہ شہوت کی زیادتی اور عورتوں کی خوبصورتی میں دلچسپی سے صادر ہوتا ہے۔ بدکاروں کے دلوں میں اس کی آز (حرص) ہوتی ہے۔ عورت کے خاندان کے لئے اس میں سخت عار ہے۔ اور بیوی میں دوسرے کی مزاحمت انسانی فطرت کے خلاف ہے۔ اس سے قتل وقتال اور جنگ وجدال کا دروازہ کھلتا ہے۔ اور زنا عام طور پر باہمی رضامندی اور تنہائی میں ہوتا ہے، جس سے عام طور پر لوگ واقف نہیں ہوسکتے کہ وہ روک ٹوک کریں، پس اگر اس کے لئے دردناک سزا مقرر نہیں کی جائے گی تو لوگ اس سے باز نہیں آئیں گے۔

دوسرا جرم: چوری ہے۔ کچھ لوگوں کو کمائی کا اچھا راستہ نہیں ملتا اس لئے وہ چوری کا دھندا شروع کردیتے ہیں۔ پھر جب چوری کی عادت پڑجاتی ہے تو اس کے لئے بے تاب رہتے ہیں۔ اور یہ کام اس طرح مخفی طور پر کیا جاتا ہے کہ لوگ اس کو نہیں دیکھتے کہ روکیں، اس لئے اس جرم کی بھی سخت سزا ضروری ہے تاکہ لوگوں کے اموال محفوظ رہیں۔

تیسرا جرم: راہ زنی ہے۔ مظلوم راہ زن کو اپنی ذات اور اپنے مال سے ہٹا نہیں سکتا، کیونکہ راہ زنی صرف مسلمانوں

کے شہروں میں اوران کے دبدبہ والے علاقوں میں ہی نہیں ہوتی کہ لوگ یا پولیس مدد کرے، اس لئے ڈاکہ زنی کے لئے چوری سے بھی بھاری سزا ضروری ہے۔

چوتھا جرم: شراب نوشی ہے۔ شرابی: شراب کا رسیا ہوتا ہے۔ اس سے زمین میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے، اور لوگوں کی عقلیں از کار رفتہ ہوجاتی ہیں، جبکہ عقل ہی پر دنیاو آخرت کی صلاح موقوف ہے، اس لئے یہ جرم بھی قابل سزا ہے۔

پانچواں جرم: زنا کی تہمت لگانا ہے، جس پر زنا کی تہمت لگائی جاتی ہے اس کو سخت اذیت پہنچتی ہے، اور وہ تہمت لگانے والے کو دفع کرنے پر قادر نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر وہ اس کو قتل کرے تو قصاصاً مارا جائے گا، اور مار پٹائی کرے تو ترکی بہ ترکی جواب دیا جائے گا، پس اس جرم کے لئے بھی سخت سزا ضروری ہے۔

شراب نوشی کی سزا حدیثوں سے ثابت ہے۔ باقی چار سزائیں قرآنِ کریم میں مذکور ہیں۔ اور انہیں پانچ جرائم کی سزائیں ''حدود'' کہلاتی ہیں۔ باقی چھوٹے بڑے جرائم کی سزائیں ''تعزیرات'' کہلاتی ہیں، جو قاضی کی صوابدید پر موقوف ہیں۔ اور قصاص میں چونکہ معاف کرنے کا اختیار ہے اس لئے وہ حدود میں شامل نہیں۔

زانیہ کے ذکر کی تقدیم کی وجہ:

قرآنِ کریم کا قاعدہ بیانِ احکام میں یہ ہے کہ اکثر مردوں کو مخاطب بنا کر احکام دیئے جاتے ہیں۔ عورتیں ان میں ضمناً شامل ہوتی ہیں۔ چنانچہ جگہ جگہ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ سے خطاب کیا ہے۔ مگر کہیں خاص مواقع میں خاص مصالح کی بنا پر مردوں کے بعد عورتوں کا بھی ذکر کیا جاتا ہے۔ جیسے سورۃ الاحزاب (آیت ۳۵) میں دس مرتبہ مردوں کے ساتھ عورتوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے، مگر ان کا تذکرہ دوسرے نمبر پر کیا جاتا ہے۔ حدّ سرقہ کے بیان میں بھی چوری کرنے والی عورت کا تذکرہ: چوری کرنے والے مرد کے بعد کیا گیا ہے، مگر یہاں زنا کی سزا کے بیان میں زانیہ کا تذکرہ پہلے کیا گیا ہے اس کی وجہ کیا ہے؟

اس سلسلہ میں اولاً یہ بات جاننی چاہئے کہ عام طور پر عورتوں کا تذکرہ اس لئے نہیں کیا جاتا کہ وہ ''مستورات'' ہیں۔ لوگوں کے سامنے ان کا تذکرہ پردے کے منافی ہے۔ اور عربوں کا مزاج بھی یہی ہے، وہ مجالس میں عورتوں کا تذکرہ نہیں کرتے، صحابہ وتابعین کے سوانح (حالات) پڑھیں ان کے لڑکوں کا تذکرہ آئے گا، مگر لڑکیوں کا تذکرہ شاذ ونادر ہی آئے گا —— مگر کبھی عورتوں کی دلداری یا حوصلہ افزائی کے لئے مردوں کے بعد ان کا بھی تذکرہ کیا جاتا ہے۔ روایات میں یہ بات آئی ہے کہ خواتینِ اسلام نے نبی ﷺ سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ ہم عورتوں کا تذکرہ کیوں نہیں کرتے؟ اس پر سورۃ الاحزاب کی آیت (۳۵) نازل ہوئی، اور دس بار مردوں کے ساتھ عورتوں کا بھی تذکرہ کیا گیا —— اسی طرح جہاں غلط فہمی کا اندیشہ ہوتا ہے وہاں بھی عورتوں کا صراحۃً ذکر کیا جاتا ہے۔ جیسے سزاؤں کے بیان میں یہ اندیشہ تھا کہ عورتوں کو قابلِ رحم

سمجھ لیا جائے اور ان پر سزا جاری نہ کی جائے، اس لئے ان کی صراحت ضروری ہوئی، مگر ان کا تذکرہ مردوں کے بعد کیا جاتا ہے۔ صرف یہاں زانیہ کا تذکرہ پہلے کیا گیا ہے، اس کی وجوہ درج ذیل ہیں:

پہلی وجہ: وہی ہے جو ابھی بیان کی گئی کہ عورت طبعی طور پر کمزور اور قابل رحم سمجھی جاتی ہے، اگر اس کا صراحۃً ذکر نہ کیا جاتا تو اس غلط فہمی کا موقع تھا کہ شاید عورت اس سزا سے مستثنیٰ ہو، اس لئے اس کی صراحت ضروری ہوئی کہ عورت کو بھی سزا دی جائے، بلکہ وہ مقدم ہے۔

دوسری وجہ: یہ ہے کہ زنا ایک ایسی بے حیائی ہے جس کا صدور عورت کی طرف سے ہونا انتہائی بے باکی اور لاپروائی کی علامت ہے۔ کیونکہ قدرت نے اس کے مزاج میں حیاء کا مادہ رکھا ہے، اور اس کو عفّت کی حفاظت کا قوی جذبہ عطا فرمایا ہے، اس لئے اس کی طرف سے اس فعل کا صدور مرد کی بہ نسبت زیادہ سنگین جرم ہے، اس لئے وہ سزا کی زیادہ مستحق ہے۔

تیسری وجہ: اس فعلِ شنیع کی محرک زیادہ تر عورت ہوتی ہے۔ اگر عورت کی رضامندی نہ ہو تو مرد زبردستی تو کر سکتا ہے، اور اس صورت میں عورت پر کوئی سزا نہیں ہوتی، مگر باہمی رضامندی سے اس فعل کا وجود اسی وقت ممکن ہے جب عورت ڈورے ڈالے یا کم از کم راضی ہو۔ اس لئے وہی سزا کی زیادہ مستحق ہے، اور اسی لئے اس کا ذکر مقدم کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم

اجرائے حدّ پر تحریض:

اور یہ جو فرمایا کہ: ”تم کو اللہ کے دین کے معاملے میں دونوں پر ترس نہ آئے، اگر تم اللہ پر اور پچھلے دن (قیامت کے دن) پر ایمان رکھتے ہو“ یہ حد جاری کرنے پر مثبت و منفی پہلو سے تحریض (ابھارنا) ہے۔ چونکہ زنا کی سزا بہت سخت ہے، اس لئے احتمال تھا کہ سزا دینے والوں کو زانی زانیہ پر رحم آجائے، اور وہ سزا نہ دیں یا کم کر دیں۔ اس لئے سزا کے ساتھ یہ حکم بھی دیا کہ دین کے اس اہم فریضہ کی ادائیگی میں مجرموں پر رحم اور ترس کھانا جائز نہیں۔ مہربانی اور درگذر ہر جگہ محمود ہے، مگر مجرموں پر رحم کھانے کا نتیجہ خلقِ خدا کے ساتھ بے رحمی ہے، اس لئے وہ ممنوع اور ناجائز ہے۔ یہ منفی پہلو سے تحریض ہے اور مثبت پہلو سے یہ ارشاد ہے کہ جب تم اللہ پر اور قیامت کے دن پر یقین رکھتے ہو تو تمہیں اس حکم پر ضرور عمل کرنا چاہئے، تم عمل نہیں کرو گے تو اور کون عمل کرے گا؟ اور تم عمل نہیں کرو گے تو قیامت کا دن سامنے ہے، اس دن تمہاری پکڑ ہو گی۔

حدود میں جسمانی ایذاء کے ساتھ عار کی بات ملائی گئی ہے:

اور یہ جو فرمایا کہ: ”دونوں کی سزا کے وقت مؤمنین کا ایک گروہ حاضر رہے“ یہ جسمانی سزا کے ساتھ عار کی بات ملائی گئی ہے۔ کیونکہ نفس دو طرح سے متأثر ہوتا ہے:

۱- جو نفس بہیمیت (حیوانیت) میں غلطاں پیچاں ہوتا ہے اس کو جسمانی ایذاء ارتکابِ جرم سے روکتی ہے۔ جیسے منہ

زور بیل اور اونٹ کو سخت مار شرارت سے روکتی ہے۔

۲-اور جو نفس جاہ پسند اور عزت کا طالب ہوتا ہے اس کو ایسی عار جو گلے کا ہار بن جائے جسمانی ایذاء سے بھی زیادہ گناہ سے روکتی ہے۔اور جس پر حد جاری کی جاتی ہے اس کا حال معلوم نہیں کہ اس کا نفس کس قسم کا ہے، اس لئے حدود میں جسمانی تکلیف کے ساتھ عار کی بات بھی ملائی گئی تا کہ کسی کو یہ چیز گناہ سے روکے اور کسی کو وہ چیز۔ جب زانی زانیہ کو برملا کوڑے مارے جائیں گے تو وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے، یہ چیز ایک شریف آدمی کے لئے کوڑوں سے بھی زیادہ سخت سزا ہے۔ علاوہ ازیں اجرائے حد کا مشاہدہ لوگوں کے لئے بھی سامانِ عبرت بنے گا۔

محصن کے لئے رجم کی سزا:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو دینِ حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، اور آپؐ پر اپنی کتاب نازل فرمائی، پس اللہ تعالیٰ نے جو آیات اتاریں ان میں آیتِ رجم بھی تھی۔ اور خود رسول اللہ ﷺ نے رجم کیا، اور آپؐ کے بعد ہم نے بھی رجم کیا۔ اور رجم اللہ کی شریعت میں برحق سزا ہے، اس پر جس نے زنا کیا جبکہ وہ شادی شدہ ہو، خواہ مرد ہو یا عورت، جب گواہ قائم ہو جائیں یا حمل ہو یا اقرار (متفق علیہ، مشکوٰۃ حدیث ۳۵۵۷) اور نسائی کی روایت میں ہے کہ اگر یہ خطرہ نہ ہوتا کہ کہنے والے کہیں گے کہ عمر نے کتاب اللہ میں اپنی طرف سے کچھ بڑھا دیا تو میں قرآن کے کسی گوشے میں اس کو لکھ دیتا —— آیتِ رجم: جس کی تلاوت منسوخ ہوگئی ہے اور حکم باقی ہے: یہ ہے: **الشَّيْخُ وَالشيخةُ إِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوْهما الْبَتَّةَ، نَكَالاً من الله، والله عزيز حكيم**: یعنی محصن مرد اور محصن عورت: جب دونوں زنا کریں تو دونوں کو قطعی طور پر سنگسار کردو، یہ اللہ کی طرف سے عبرتناک سزا ہے اور اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والے ہیں۔ یہ آیت سورۃ الاحزاب میں تھی (فتح الباری ۱۲: ۱۴۳)

اور محصن کے لئے رجم کی سزا دو وجہ سے ہے:

پہلی وجہ: بچپن اور بلوغ کے احکام مختلف ہوتے ہیں۔ بلوغ سے پہلے عقل ناتمام اور جسم ناتواں ہوتا ہے، اور انسان بچہ شمار ہوتا ہے، مرد نہیں ہوتا، اس لئے وہ احکام شرعیہ کا مکلّف نہیں ہوتا۔ اور بلوغ کے بعد عقل تام اور جسم طاقتور ہو جاتا ہے، اور انسان مرد کہلانے لگتا ہے، اس لئے اس پر احکام شرعیہ لازم ہوتے ہیں —— اسی طرح شادی سے پہلے اور شادی کے بعد احوال مختلف ہوتے ہیں، شادی سے پہلے اگرچہ آدمی: عاقل، بالغ اور مرد ہوتا ہے، مگر ناتجربہ کار اور دوسرے کے ماتحت ہوتا ہے، اور شادی کے بعد صورتِ حال بدل جاتی ہے، اس لئے دونوں کے احکام مختلف ہیں۔ غیر شادی شدہ کا زنا بھی اگرچہ جرم ہے مگر ہلکا، اس لئے اس کے لئے کوڑوں کی سزا تجویز کی گئی۔ اور شادی شدہ کا زنا سنگین جرم ہے اس لئے

اس کی سزا سنگسار کرنا مقرر کی گئی۔

دوسری وجہ: انسان کے لئے انسانیت ہی سب سے بڑا شرف ہے، پھر آزاد متزوج کو اللہ تعالیٰ نے مزید پانچ نعمتوں سے سرفراز کیا ہے۔ اس کو آزادی، عقل، بلوغ اور دولتِ اسلام سے سرفراز کیا، اور ایسی ہی بیوی بھی عنایت فرمائی جس کی صحبت سے سیری ہو جاتی ہے، پھر بھی اس کا حرمتِ خداوندی کی پردہ وری کرنا ایسا جرم اور کفرانِ نعمت ہے کہ اس کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینا ہی مناسب ہے۔

آیتِ رجم کی تلاوت منسوخ اور حکم باقی ہے:

قرآنِ کریم میں نسخ ہوا ہے۔ سورۃ البقرۃ (آیت ۱۰۶) میں اس کا ذکر ہے، اور اس پر امت کا اجماع ہے۔ پھر نسخ کی تین صورتیں ہیں: اول: بعض آیتوں کی تلاوت اور حکم دونوں منسوخ ہوئے ہیں۔ دوم: بعض آیتوں کی صرف تلاوت منسوخ ہوئی ہے اور حکم باقی ہے۔ سوم: بعض آیتوں کی تلاوت باقی ہے اور ان کا حکم منسوخ ہو گیا ہے۔

پہلی قسم کی وجہ تو ظاہر ہے، باقی دو قسموں کی وجہ یہ ہے کہ کبھی کسی آیت کا قرآنِ کریم میں باقی رکھنا مصلحت نہیں ہوتا مگر اس کا حکم باقی رکھنا مقصود ہوتا ہے اس لئے پہلے آیت نازل کی جاتی ہے اور اس پر عمل شروع کرا دیا جاتا ہے، پھر اس کی تلاوت منسوخ کر دی جاتی ہے۔ جیسے نمازیں پہلے پچاس فرض کی گئی تھیں، پھر ان کو منسوخ کر کے پانچ باقی رکھیں۔ اس میں مصلحت تھی، رجم کی آیت بھی اسی قبیل کی ہے۔ اور بعض آیات میں مذکور حکم اگرچہ عمومی احوال میں ختم کر دیا جاتا ہے مگر خصوصی احوال میں یا کلی کے بعض افراد میں باقی ہوتا ہے اس لئے ان کی تلاوت باقی رکھی جاتی ہے۔ ایسی آیتیں پندرہ بیس ہیں۔ جیسے ماں باپ اور رشتہ داروں کے لئے وصیت کرنے کا حکم (سورۃ البقرۃ آیت ۱۸۰) اس آیت پر عمل اس وقت ضروری ہے جب مرنے والے کو اندیشہ ہو کہ اس کے بعد ورثاء ترکہ صحیح تقسیم نہیں کریں گے، زبردست سارے مال پر قبضہ کر لیں گے۔ ایسی صورت میں معروف طریقہ پر یعنی حسبِ حصصِ شرعیہ وصیت نامہ لکھ کر رجسٹرڈ کرانا ضروری ہے تاکہ بعد میں بدعنوانی نہ ہو، یہ خصوصی احوال میں آیت پر عمل کی مثال ہے، اور جیسے روزوں کے فدیہ کا حکم (سورۃ البقرۃ آیت ۱۸۴) شیخ فانی کے حق میں باقی ہے، یہ بعض افراد میں حکم باقی ہونے کی مثال ہے، غرض ان دونوں صورتوں میں آیت کی تلاوت باقی رکھی جاتی ہے اور عمومی احوال میں اس کا حکم ختم کر دیا جاتا ہے۔

اور دوسری قسم میں نسخ کی مصلحت یہ ہے کہ قرآنِ کریم صرف کتابِ احکام نہیں، بلکہ کتابِ دعوت بھی ہے، مسلم اور غیر مسلم سب اس کو پڑھتے ہیں۔ پس اگر اس میں رجم جیسی سخت سزا کا تذکرہ ہوگا تو جو غیر مسلم اس کا مطالعہ کرے گا: سہم جائے گا، وہ آیت اس کے ایمان میں رکاوٹ بن جائے گی۔ وہ سوچے گا کہ اگر میں نے قرآن کی دعوت قبول کی اور ایمان لے آیا تو فوراً سنگسار کر دیا جاؤنگا، کیونکہ وہ شادی شدہ اور زناکار ہے، اس کے خیال میں اس کے لئے زنا سے بچنا ممکن

نہیں۔روایات میں حضرت ابوکبیر ہُذلی رضی اللہ عنہ کا واقعہ آیا ہے۔جب انھوں نے اسلام قبول کرنے کا ارادہ کیا تو زنا کی اجازت طلب کی۔نبی ﷺ نے ان سے سوال کیا: اگر کوئی شخص تمہاری بیٹی یا بہن سے زنا کرے تو تم اس کو پسند کروگے؟ انھوں نے کہا: ہرگز نہیں! آپؐ نے فرمایا: ''پھر تم جن عورتوں سے زنا کرتے ہو وہ بھی تو کسی کی بیٹی یا بہن ہیں، اور ان کو بھی اس حرکت سے ویسی ہی اذیت پہنچتی ہے جیسی تمہیں پہنچتی ہے!'' بات ابوکبیر کی سمجھ میں آ گئی، عرض کیا: یارسول اللہ! دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ میرے دل سے زنا کا ہُوکا (شدید خواہش) نکال دیں —— یا جیسے غیر مسلم کو شراب کا چسکا لگا ہوا ہوتا ہے، اب اگر شراب نوشی کی سزا کا تذکرہ کتابِ دعوت میں ہوگا تو یہ بات دعوت کی راہ میں مانع بنے گی، حالانکہ اسلام قبول کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ دل پھیر دیتے ہیں اور ایسی بری عادتیں چھوٹ جاتی ہیں، مگر قبولِ اسلام سے پہلے تک اندیشہ لگا رہتا ہے۔چنانچہ شراب نوشی کی سزا کا بھی تذکرہ قرآنِ کریم میں نہیں کیا گیا، حدیثوں میں اس کی سزا کا بیان ہے، اور اسی حکمت سے رجم کی سزا کا تذکرہ قرآنِ کریم میں سے حذف کر دیا گیا۔

جو سزا سخت ہے اس کا ثبوت بھی مشکل ہے:

زنا کی سزا سب سے زیادہ سخت ہے، اس لئے قانون میں اس کے ثبوت کے لئے شرائط بھی سخت رکھی گئی ہیں۔اگر ثبوتِ جرم میں ذرا بھی کمی رہ جائے یا شبہ پیدا ہو جائے تو حد اٹھ جاتی ہے، صرف تعزیری سزا بقدر جرم دی جاتی ہے چنانچہ تمام معاملات میں دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت ثبوت کے لئے کافی ہوتی ہے، مگر حدِ زنا جاری کرنے کے لئے چار مرد گواہوں کی عینی شہادت ضروری ہے، جس میں کوئی التباس نہ ہو، گواہوں نے واضح طور پر زنا دیکھا ہو، یہ نہایت مشکل امر ہے۔پھر یہ بھی احتیاط برتی گئی ہے کہ اگر شہادت کا نصاب پورا نہ ہو یا گواہی صاف نہ ہو تو گواہوں کی خیر نہیں۔ان کو حدِ قذف (جھوٹی تہمت لگانے کی سزا) اسّی کوڑے لگائی جائے گی، یہ بھی ایک ایسی سخت احتیاط ہے کہ شبہ کی صورت میں کوئی شہادتِ زنا پر اقدام نہیں کر سکتا۔

سزا سے سزا کا ہوّا بہتر ہے:

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب زنا کا ثبوت مشکل ہے تو سزا مقرر کرنے کا کیا فائدہ؟ جواب یہ ہے کہ سزا سے سزا کا ہوّا (مہیب صورت) بہتر ہے۔خطرے کی تلوار کا لٹکا رہنا معاشرہ کو برائیوں سے روکنے میں وہ کردار ادا کرتا ہے جو سزا کا جاری کرنا نہیں کرتا۔غیر مسلم ممالک (امریکہ، برطانیہ وغیرہ) کی صورتِ حال اور اسلامی ملک (سعودیہ) کی صورتِ حال میں موازنہ کرنے سے یہ بات بخوبی واضح ہو جائے گی۔سورت (گجرات) کے ایک پروفیسر میرے پاس آئے، وہ لندن سے شائع ہونے والا ایک میگزین لے کر آئے تھے۔اس میں اسلامی سزاؤں پر تنقید کی گئی تھی، پروفیسر صاحب نے کہا: میں اس کا جواب لکھنا چاہتا ہوں، مجھے معلومات درکار ہیں۔میں نے کہا: یہ اعتراض واقعی ہے، اسلام میں تین

چار جرائم کی سزائیں سخت ہیں، آپ اس کا کیا جواب دیں گے؟ وہ حیران رہ گئے۔ پھر میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ امریکہ اور سعودیہ کے ایک سال کے اعداد وشمار لائیں کہ وہاں زنا، قتلِ ناحق اور چوری کی صورتِ حال کیا رہی؟ وہ ایک ہفتہ کے بعد دونوں ملکوں کا دس سالہ چارٹ بنا کر لائے، جس سے یہ بات سامنے آئی کہ امریکہ میں ہر چار منٹ میں ایک قتلِ ناحق ہوتا ہے، اور زنا اور چوری کی تو کوئی حد ہی نہیں۔ اور سعودیہ میں دس سال میں سنگساری کا ایک واقعہ بھی پیش نہیں آیا، چندلوگوں کو کوڑے مارے گئے اور چندلوگوں کو قصاصاً قتل کیا گیا یا چوری میں ہاتھ کاٹے گئے۔ تب میں نے کہا یہ اُس مضمون کا جواب ہے۔ سزا سے سزا کا ہوّا بہتر ہے۔ سعودیہ میں چونکہ اسلامی سزاؤں کی تلوار لوگوں کے سروں پر لٹکی ہوئی ہے اس لئے وہاں عورتوں کی عزت محفوظ ہے۔ قیمتی مال کی طرف کوئی نظر اٹھا کر نہیں دیکھتا، اور لوگوں کے خون رائیگاں نہیں جاتے، کیونکہ سر عام کوڑے کھانے سے ہر شخص ڈرتا ہے، اپنا ہاتھ ہر ایک کو پیارا ہے اور قتل پر اقدام کرنے والا پہلے سوچ لیتا ہے کہ قتل کے بعد میری بھی باری آئے گی۔ اور امریکہ میں چونکہ سزائیں ہلکی ہیں، اس لئے وہ جرائم کی روک تھام نہیں کر سکتیں۔

حدود صرف چار ہیں:

حدود: یعنی وہ سزائیں جو قرآن، حدیث یا اجماع امت سے ثابت ہیں، اور وہ مفاد عامہ کے لئے مشروع کی گئی ہیں، جو نہ معاف کی جا سکتی ہیں اور نہ ان میں سفارش کی گنجائش ہے، ایسی اسلامی سزائیں صرف چار ہیں: زنا کی سزا، چوری کی سزا، زنا کی تہمت لگانے کی سزا اور شراب نوشی کی سزا۔ ڈاکہ زنی کی سزا چوری کی سزا کے ساتھ لاحق ہے، اور قصاص کو چونکہ مقتول کے ورثاء معاف کر سکتے ہیں اس لئے وہ حدود میں شمار نہیں۔

یہی وہ سزائیں ہیں جن سے دشمنانِ اسلام اور نام نہاد مسلمان لرزہ براندام ہیں۔ کفار ان حدود کے ذریعہ اسلام کی شبیہ بگاڑتے ہیں۔ باقی جرائم کی سزائیں شریعت نے مقرر نہیں کیں، قاضی کی صوابدید پر چھوڑ دی ہیں۔ اور ان چار گناہوں کی سزائیں اللہ تعالیٰ نے اس لئے متعین کی ہیں کہ یہ جرائم کثیر الوقوع ہیں۔ اگر لوگ ان سے بچ جائیں تو باقی گناہوں سے بچنا ان کے لئے آسان ہے۔ سعودیہ کی عدالتوں میں جائیں وہاں مقدمات جمع نہیں رہتے، نہ جیلیں مجرموں سے بھری پڑی ہیں۔ اور غیر اسلامی ممالک کا جائزہ لیں: مقدمات کا ڈھیر لگا ہوا ہے اور جیلیں مجرموں سے بھری پڑی ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام نے بنیادی جرائم کی روک تھام کر دی ہے اس لئے دوسرے جرائم بہت کم واقع ہوتے ہیں، اور غیر مسلموں نے اس کا انتظام نہیں کیا، اس لئے ان کے یہاں جرائم بے حساب ہیں۔

نام نہاد مسلمان اسلامی سزاؤں کی مخالفت کیوں کرتے ہیں؟

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اسلامی سزائیں ایسی مفید، کار آمد اور بابرکت ہیں تو مسلمانوں کے ملکوں میں نام نہاد

مسلمان ان سزاؤں کی مخالفت کیوں کرتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ دو وجہ سے اس کی مخالفت کرتے ہیں:

پہلی وجہ: کچھ موہوم اندیشے ہیں جو ان کو مخالفت پر مجبور کرتے ہیں۔ وہ لوگ خود ان جرائم میں مبتلا ہوتے ہیں۔ شراب کا دور ان کی محفلوں میں چلتا رہتا ہے، بے پردگی ان کے معاشرہ میں عام ہے جس کی وجہ سے وہ فاحشہ سے نہیں بچ سکتے۔ رشوت ستانی ان کے یہاں بہترین ذریعہ معاش ہے، اور رشوت ستانی مہذب ڈاکہ ہے، اور اتہام لگانا ان کا رات دن کا مشغلہ ہے، اس لئے وہ سوچتے ہیں کہ اگر اسلامی سزائیں جاری ہوگئیں تو سب سے پہلے ان کی گردن نپے گی، اس لئے وہ اس کی مخالفت کرتے ہیں، ورنہ آنرا کہ حساب پاک است از کسے چہ باک!

دوسری وجہ: وہ یہ کہتے ہیں کہ معاشرہ بگڑا ہوا ہے، اگر اسلامی سزائیں نافذ کی جائیں گی تو بے شمار لوگ سزا پائیں گے اور ملک میں کھلبلی مچ جائے گی۔ یہ بات ایک درجہ میں صحیح ہے، مگر اس کا حل موجود ہے، اور وہ یہ ہے کہ اسلامی سزائیں مرحلہ وار نافذ کی جائیں، پہلے فواحش کی روک تھام کی جائے، شراب کی صنعت اور درآمد پر روک لگائی جائے، سنیما اور ٹی وی کے فحش مناظر پر پابندی لگائی جائے اور مثبت پہلو سے اسلامی تعلیمات کی اشاعت کی جائے اور لوگوں کی دینی تربیت کی جائے، پھر اسلامی سزائیں نافذ کی جائیں، یکدم نافذ نہ کی جائیں اور عبوری مرحلہ میں زنا کی وہ سزا بھی دی جاسکتی ہے جو سورۃ النساء (آیت ۱۵ و ۱۶) میں آئی ہے اور شراب نوشی میں ہاتھوں، چپلوں اور چھڑیوں سے مارا جائے، پھر آخری مرحلہ میں اسلامی سزائیں جاری کی جائیں تو ملک میں کوئی خلفشار نہیں ہوگا —— بلکہ تجربہ یہ ہے کہ پہلے ہی مرحلہ میں اسلامی سزائیں نافذ کردی جائیں تو بھی دو چار پر حد جاری ہوتے ہی مجرموں کے حوصلے پست ہوجاتے ہیں، اور وہ یکدم جرائم سے باز آجاتے ہیں، کوئی اقدام کرکے دیکھے تو!

زنا انتہائی درجہ کی برائی ہے اس لئے حرام ہے:

اس کے بعد ارشادِ پاک ہے —— بدکار مرد صرف بدکار عورت سے یا مشرک عورت سے نکاح کرتا ہے، اور بدکار عورت سے صرف بدکار مرد یا مشرک نکاح کرتا ہے، اور وہ (زنا) مؤمنین پر حرام کیا گیا ہے —— اس آیت میں زنا کی برائی ظاہر کی گئی ہے۔ مسئلہ بیان نہیں کیا گیا۔ کیونکہ **لاینکح** اور **لاینکحھا**: دونوں فعل مضارع منفی ہیں، فعل نہی نہیں ہیں، یعنی ایک بات کی خبر دی گئی ہے، ممانعت نہیں کی گئی۔ اس آیت کے ذریعہ یہ بتلایا ہے کہ زنا اس قدر برا کام ہے کہ جن لوگوں کی اس فعل شنیع کی طرف رغبت ہوتی ہے ان کا نیک لوگوں سے کوئی جوڑ نہیں ہوتا۔ ان کا جوڑ اپنے ہی جیسے برے لوگوں سے ہوتا ہے یا ان سے بھی پَرلے درجے کے بُرے لوگوں سے ہوتا ہے۔ جو مرد زنا کا خوگر ہوتا ہے وہ بھلا کسی نیک خاتون سے نکاح کیوں کرے گا، اس کی رغبت ایسی ہی بدقماش عورت کی طرف ہوگی یا مشرک عورت کی طرف ہوگی جس کا کوئی دین و مذہب نہیں، اسی طرح آوارہ عورت کسی نیک آدمی کا حرم بن کر رہنا کیوں پسند کرے گی، وہ تو کوئی دَیّوث

(بھڑوا) ڈھونڈھے گی یا اس سے بھی پرلے درجہ کا بُرا آدمی مشرک تلاش کرے گی۔

زنا کی اسی انتہائی درجہ کی برائی کی وجہ سے یہ فعل شنیع مؤمنین پر حرام کیا گیا ہے، اور اس کی روک تھام کے لئے مذکورہ سزا تجویز کی گئی ہے۔

ملحوظہ: یہ مضمون ایک اور طرح سے آیت ۲۶ میں بھی آرہا ہے۔ فرمایا: ''گندی عورتیں گندے مردوں کے لئے ہیں، اور گندے مرد گندی عورتوں کے لئے ہیں!''

> **مشرک مرد اور مشرک عورت سے تو نکاح کسی حال میں جائز نہیں، اور مسلمان زانی اور زانیہ سے نکاح جائز ہے، نبی ﷺ کے زمانہ میں صحابہ کا ایسی عورتوں سے نکاح کرنا ثابت ہے**

> وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

وَالَّذِيْنَ	اور جولوگ	شُهَدَآءَ	گواہ	شَهَادَةً	کوئی گواہی
يَرْمُوْنَ (۱)	(زنا کی) تہمت لگائیں	فَاجْلِدُوْهُمْ	پس کوڑے مارو ان کو	اَبَدًا (۴)	کبھی بھی
الْمُحْصَنٰتِ (۲)	پاک دامن عورتوں پر	ثَمٰنِيْنَ	اسّی	وَاُولٰٓئِكَ (۵)	اور یہ لوگ
ثُمَّ	پھر	جَلْدَةً	کوڑے	هُمُ	ہی
لَمْ يَاْتُوْا	نہ لائیں وہ	وَّلَا تَقْبَلُوْا	اور قبول نہ کرو	الْفٰسِقُوْنَ	اطاعت سے نکلنے والے ہیں
بِاَرْبَعَةِ (۳)	چار	لَهُمْ	ان کی	اِلَّا	مگر

(۱) رَمَی (ض) فلانا بأمر: کسی پر الزام لگانا، تہمت لگانا۔ یہاں صلہ بالزنا گذشتہ آیات کے قرینہ سے محذوف ہے (۲) الْمُحْصَنَة: اسم مفعول از باب افعال، أَحْصَنَ الرجلُ کے دو معنی ہیں: شادی شدہ ہونا اور پاک دامن ہونا، یہاں دوسرے معنی مراد ہیں...... (۳) بأربعة: میں باء صلہ کی ہے أتى به: لانا۔ (۴) أبداً: کا ترجمہ کلام مثبت میں ''ہمیشہ'' ہوتا ہے، جیسے خالدین فیها أبدا اور کلام منفی میں ''ہرگز نہیں'' ''کبھی نہیں'' ہوتا ہے، جیسے لا آتیك أبداً ...... فاجلدوا اور لا تقبلوا: امر و نہی یعنی انشاء ہیں اور خطاب حکام سے ہے (۵) أولئك: جملہ خبریہ مستأنفہ ہے اور اسی سے إلّا کا استثناء ہے۔

الَّذِيْنَ	جنھوں نے	ذٰلِكَ	اس کے	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ
تَابُوْا (۱)	توبہ کی	وَاَصْلَحُوْا (۲)	اور اپنی اصلاح کی	غَفُوْرٌ	بڑے بخشنے والے
مِنْۢ بَعْدِ	بعد	فَاِنَّ	پس بیشک	رَّحِيْمٌ	بڑے رحم والے ہیں

زنا چونکہ انتہائی درجہ کی بُرائی ہے اس لئے اس کی سزا سب جرائم سے سخت تجویز کی گئی ہے، مگر ساتھ ہی اس کے ثبوت کے معاملہ کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ چار عینی مرد گواہوں کی شرط لگائی گئی ہے۔ اور بغیر شرعی ثبوت کے کسی کی طرف زنا کی نسبت کرنے کو سنگین جرم قرار دیا ہے، اور اس جرم کی سزا مقرر کی ہے۔ ان آیات میں اسی تہمتِ زنا کی سزا کا ذکر ہے۔

دوسرا حکم: —— بیوی کے علاوہ مرد وزن پر تہمتِ زنا کی سزا —— اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر (زنا کی) تہمت لگائیں، پھر وہ چار گواہ پیش نہ کریں تو ان کو اسّی کوڑے مارو، اور ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو، اور یہی لوگ فاسق (حد اطاعت سے نکلنے والے) ہیں، مگر جو لوگ اس (تہمت لگانے) کے بعد توبہ کرلیں، اور اپنی حالت سنوار لیں تو اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے بڑے رحم والے ہیں۔

اس آیت میں مذکور تہمتِ زنا کی سزا کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے چھ باتیں سمجھنی ضروری ہیں:

پہلی بات: —— مردوں پر تہمت لگانے کا بھی وہی حکم ہے جو عورتوں پر تہمت لگانے کا ہے —— آیتِ کریمہ میں خاص شانِ نزول کی بنا پر یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ کی بنا پر (جس کا تذکرہ اگلے رکوع میں آرہا ہے) تہمتِ زنا اور اس کی سزا کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے کہ تہمت لگانے والے مرد ہوں، اور جس پر تہمت لگائی گئی ہو وہ پاک دامن عورت ہو، مگر حکم اشتراکِ علت کی بنا پر عام ہے، کوئی عورت دوسری عورت پر یا مرد پر یا کوئی مرد دوسرے مرد یا عورت پر زنا کی تہمت لگائے، پھر شرعی ثبوت (چار گواہ) پیش نہ کرسکے تو اس پر حدِ قذف جاری کی جائے گی۔ اور حکم کا یہ عموم اجماع امت سے ثابت ہے۔ اور اجماع کا مستند (مدار) ایک دوسرے معاملہ میں خلفائے راشدین کا عمل ہے۔ سورۃ النساء (آیت ۲۵) میں باندیوں کے لئے حدِ زنا میں تنصیف (آدھا کرنے) کا حکم ہے، خلفائے راشدین نے وہ حکم غلاموں پر بھی جاری کیا ہے، وہ غلاموں کو بھی پچاس کوڑے مارتے تھے، اسی طرح حدِ قذف کا یہ حکم بھی مردوں کو شامل ہے —— اور یہ سزا صرف زنا کی تہمت لگانے کی ہے، کیونکہ آیت میں يَرْمُوْنَ کا صلہ بِالزِّنَا محذوف ہے۔ دوسری کوئی تہمت لگانے کی

(۱) تَابَ (ن) تَوْبًا و تَوْبَةً: گناہ سے باز آنا، اصل معنی ہیں: لوٹنا، رجوع کرنا۔ تاب العبدُ: بندے کا اللہ کی طرف متوجہ ہونا یعنی گناہ چھوڑ دینا اور تاب الله على عبده: اللہ کا اپنے بندے کی طرف متوجہ ہونا یعنی اس پر رحم فرمانا اور اس کے گناہ کو معاف کردینا
(۲) أَصْلَحَ فی عمله أو أمره: کام ٹھیک کرلینا، معاملہ درست کرنا۔ یہاں بھی أَصْلَحوا کا ظرف فی عملهم محذوف ہے۔

سزا التعزیر ہے یعنی کوئی اور سزا جو قاضی مناسب سمجھے گا دے گا۔

دوسری بات: —— احصانِ قذف کیا ہے؟ —— احصان کی دو قسمیں ہیں: احصانِ رجم اور احصانِ قذف۔ احصانِ رجم کا تذکرہ پہلے آچکا ہے کہ مرد اور عورت دونوں عاقل، بالغ، آزاد اور مسلمان ہوں، اور نکاح صحیح کر کے ہم بستر ہو چکے ہوں۔ اور احصانِ قذف یہ ہے کہ جس پر زنا کا الزام لگایا گیا ہے وہ عاقل، بالغ، آزاد، مسلمان اور عفیف (پاک دامن) ہو یعنی پہلے کبھی اس پر زنا کا ثبوت نہ ہوا ہو، ایسا مرد اور ایسی عورت باب قذف میں مُحْصِنْ اور مُحْصَنَة ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں اگر کوئی زنا کی بات کہے تو شرعی ثبوت ثبوت کرے، ورنہ حد قذف لگے گی، اور اگر کوئی شخص پاگل، بچے، غلام، غیر مسلم یا غیر عفیف پر تہمت لگائے تو حد قذف جاری نہ ہوگی، دوسری کوئی سزا دی جائے گی۔

تیسری بات: —— ثبوتِ زنا کے لئے چار گواہ کیوں ضروری ہیں؟ —— زنا اور تہمتِ زنا کے سرے ملے ہوئے ہیں۔ زنا بھی کبیرہ گناہ ہے۔ اس کو مٹانا، اس پر حد جاری کرنا اور اس پر دارو گیر کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح زنا کی تہمت لگانا بھی کبیرہ گناہ ہے، اس سے مقذوف کی سخت بدنامی ہوتی ہے، اس لئے اس پر بھی دارو گیر ضروری ہے۔

اور زنا کی تہمت اور زنا کی گواہی کی سرحدیں بھی ملی ہوئی ہیں۔ کیونکہ اگر تہمت لگانے والے کی گرفت کی جائے تاکہ اس پر حد جاری کی جائے تو وہ کہے گا: ''میں زنا کا گواہ ہوں، تہمت نہیں لگا رہا'' اس طرح وہ حد قذف سے بچ جائے گا۔ اور اگر کوئی زنا کی گواہی دے تو مشہود علیہ یہ کہہ کر جان بچالے گا کہ: ''یہ تہمت لگا رہا ہے، اس کو حد قذف ماری جائے''

پس جب حکام کے نزدیک یہ دونوں باتیں ہم شکل ہیں تو ضروری ہے کہ کسی واضح بات کے ذریعے ان میں امتیاز کیا جائے۔ اور وہ واضح بات مخبرین (خبر دینے والوں) کی کثرت ہے۔ جب کسی بات کی خبر دینے والے زیادہ ہوتے ہیں تو گواہی اور سچائی کا گمان قوی ہو جاتا ہے، اور تہمت کا گمان ضعیف ہو جاتا ہے یعنی جب بہت سے لوگ زنا کی خبر دیں تو ظن غالب یہ قائم ہوگا کہ یہ لوگ گواہ ہیں، تہمت لگانے والے نہیں ہیں۔ اور سچے ہیں، جھوٹے نہیں ہیں۔ کیونکہ تہمت لگانے والے میں دو باتیں پائی جاتی ہیں: ایک: دین کی کمزوری۔ دوسری: مقذوف سے دشمنی، کیونکہ دیندار آدمی اتہام تراشی نہیں کرتا، یہ حرکت بد دین لوگ ہی کرتے ہیں، اور وہ بھی اس وقت کرتے ہیں جب ان کے دل میں مقذوف سے کینہ ہوتا ہے۔ اور ان دونوں باتوں کا مسلمانوں کی جماعت میں جمع ہونا عقل سے بعید ہے، پس چار شخصوں کی گواہی میں تہمت کا احتمال باقی نہیں رہتا، بلکہ گواہی کا پہلو متعین ہو جاتا ہے (رحمۃ اللہ ۵: ۳۱۳)

چوتھی بات: —— چار کی گواہی شرط ہونے سے مجرم کو راحت نہیں ملے گی —— اگر کوئی خیال کرے کہ جب ثبوتِ زنا کے لئے چار کی گواہی شرط ہوگی تو مجرموں کو کھلی چھوٹ مل جائے گی، وہ زنا کریں گے اور اس کا ثبوت دشوار ہوگا، کیونکہ چار عینی گواہوں کا ملنا سخت دشوار ہے، اور اس کے بغیر زبان کھولنے پر حد قذف لگے گی تو کون زبان کھولے گا؟

—— ایسا سوچنا صحیح نہیں۔ کیونکہ زنا کی حد شرعی جاری کرنے کے لئے تو بیشک چار گواہ ضروری ہیں، مگر غیر محرم مرد وزن کو یک جا قابل اعتراض حالت میں دیکھنے کی یا بے حیائی کی باتیں کرنے کی گواہی دینے میں چار کی گواہی شرط نہیں۔ اور وہ امور جو زنا کے مقدمات ہیں وہ بھی قابلِ تعزیر جرائم ہیں۔ قاضی اپنی صوابدید سے ان کی بھی سزا دے گا۔ پس جب چار گواہ نہ ہوں تو لفظ زنا سے شہادت نہ دے، بلکہ ناجائز تعلقات اور بے حجابانہ میل جول کی گواہی دے تاکہ قاضی مجرم کا علاج کرے، اور اس صورت میں گواہوں پر حد قذف نہیں لگے گی۔

پانچویں بات: —— محدود در قذف کے مردود الشہادۃ ہونے کی وجہ —— آیت کریمہ میں حد قذف کا تکملہ ردّ شہادت کو بنایا ہے۔ اور اس کی وجہ زنا کی سزا میں بیان کی جاچکی ہیں کہ جسمانی ایذا رسانی کے ساتھ رسوائی کا ملانا ضروری ہے۔ کیونکہ تکلیف دینے کی دو صورتیں ہیں: جسمانی اور نفسانی۔ کوڑے جسمانی سزا ہیں اور گواہی قبول نہ کرنا نفسانی۔ یہ ایک ایسی عار کی بات ہے جو تہمت لگانے والوں سے کبھی جدا نہ ہوگی۔

چھٹی بات: —— توبہ کے بعد محدود در قذف کی گواہی کا حکم —— محدود در قذف اگر گناہ سے توبہ کرلے، یعنی مقذوف سے معافی مانگ کر توبہ کرلے تو اب اس کی گواہی قبول کی جائے گی یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک اب بھی اس کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی، کیونکہ وہ ہمیشہ کے لئے مردود الشہادۃ ٹھہرادیا گیا ہے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک شہادت قبول کی جائے گی، کیونکہ جب توبہ سے اس کا فسق (گناہ) ختم ہوگیا تو اس کا اثر بھی ختم ہوجائے گا۔ اور اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ: ﴿ إِلَّا الَّذِيْنَ ﴾ کا استثناء سابقہ دونوں جملوں سے ہے یا صرف آخری جملہ سے؟ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں جملوں کی طرف استثناء راجع ہے اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک صرف جملۂ اخیرہ کی طرف۔ یعنی توبہ سے اس کا صرف فسق ختم ہوجائے گا اور آخرت میں سزا نہیں پائے گا، رہا دنیا میں ردّ شہادت کا معاملہ تو وہ بدستور باقی رہے گا۔

اور امام اعظم رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ فاجلدوا اور لا تقبلوا دونوں جملے انشائیہ ہیں اور دونوں کے مخاطب حکام ہیں، اس لئے لا تقبلوا کا حکم فَاجلدوا کا تتمہ ہے، اور وہ جملہ انشائیہ ہونے کی وجہ سے تکملہ بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اور أولئك جملہ خبریہ ہے اور واو کے ذریعہ عطف کیا گیا ہے جو فی الجملہ مغائرت کو مقتضی ہے، اس لئے وہ حد کا تکملہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا، نہ حکام اس جملہ کے مخاطب ہیں، پس إلا کا استثناء دونوں جملوں کی طرف راجح نہیں ہوسکتا، بلکہ اس کا تعلق صرف قریبی جملہ سے ہے۔

علاوہ ازیں: ایک موٹی سی بات یہ ہے کہ جب لَا تَقْبَلُوْا کے ساتھ أَبَدًا کی قید لگ گئی تو اب اس سے استثناء ہو ہی نہیں سکتا، اس لئے استثناء کا تعلق صرف دوسرے جملے سے ہے۔

مسئلہ: حد قذف میں چونکہ بندے کا حق بھی شامل ہے، اس لئے حد اس وقت لگائی جائے گی جب مقذوف یعنی جس پر تہمت لگائی گئی ہے وہ حد جاری کرنے کا مطالبہ کرے، ورنہ حد ساقط ہو جائے گی (ہدایہ) اور حد زنا خالص اللہ کا حق ہے اس لئے خواہ کوئی مطالبہ کرے یا نہ کرے جرم ثابت ہونے پر حد زنا جاری کی جائے گی۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ۝ ع

وَالَّذِيْنَ	اور جو لوگ	اَرْبَعُ	چار	اِنْ	اگر		
يَرْمُوْنَ (۱)	تہمت لگائیں	شَهٰدٰتٍ	گواہیاں (ہیں)	كَانَ	ہو وہ		
اَزْوَاجَهُمْ	اپنی بیویوں پر	بِاللّٰهِ (۴)	اللہ کی (قسم کیساتھ)	مِنَ الْكٰذِبِيْنَ	جھوٹوں میں سے		
وَلَمْ يَكُنْ	اور نہ ہوں	اِنَّهٗ	بیشک وہ	وَيَدْرَؤُا (۶)	اور ہٹائے گی		
لَّهُمْ	ان کے پاس	لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ	سچوں میں سے ہے	عَنْهَا	عورت سے		
شُهَدَآءُ	گواہ	وَالْخَامِسَةُ (۵)	اور پانچویں بار	الْعَذَابَ	سزا کو		
اِلَّآ	مگر	اَنَّ	کہ	اَنْ (۷)	یہ بات کہ		
اَنْفُسُهُمْ (۲)	ان کی ذاتیں	لَعْنَتَ	پھٹکار	تَشْهَدَ	گواہی دے وہ		
فَشَهَادَةُ (۳)	پس گواہی	اللّٰهِ	اللہ کی	اَرْبَعَ	چار		
اَحَدِهِمْ	ان کے ایک کی	عَلَيْهِ	اس پر	شَهٰدٰتٍ	گواہیاں		

(۱) یرمون: کا صلہ بالزنا محذوف ہے (۲) أنفسهم: شهداء سے بدل ہے، کیونکہ استثناء کلام غیر موجب میں ہے۔ (۳) فشهادةُ: مبتدا اور أربعُ خبر ہے (۴) بالله: شهادة سے متعلق ہے، اور معمول چونکہ ظرف ہے اس لئے فصل کے باوجود مصدر کا عمل جائز ہے (۵) و الخامسةُ: مبتدا اور أن لعنة الله: خبر ہے (۶) دَرَأَ (ف) دَرْءًا عنه الشيئَ بکذا: کسی چیز کے ذریعہ کسی سے کوئی چیز ہٹانا، دور کرنا (۷) أن أی بأن: باء جارہ محذوف ہے۔

بِاللّٰهِ	اللہ کی (قسم کیساتھ)	اللّٰهِ	اللہ کا	عَلَيْكُمْ	تم پر
اِنَّهٗ	بیشک وہ (شوہر)	عَلَيْهَآ	اس (عورت) پر	وَرَحْمَتُهٗ	اور اس کی مہربانی
لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ	جھوٹوں میں سے ہے	اِنْ كَانَ	اگر ہو وہ (شوہر)	وَاَنَّ اللّٰهَ	اور یہ کہ اللہ
وَالْخَامِسَةَ (۱)	اور پانچویں بار	مِنَ الصّٰدِقِيْنَ	سچوں میں سے	تَوَّابٌ	توبہ قبول کرنے والے
اَنَّ	بایں طور کہ	وَلَوْلَا	اور اگر نہ ہوتا	حَكِيْمٌ	حکمت والے ہیں
غَضَبَ	غضب	فَضْلُ اللّٰهِ	اللہ کا فضل		(تو تم بڑی مضرتوں میں پڑجاتے) (۲)

زنا کی تہمت لگانے کا جو حکم ابھی مذکور ہوا کہ قاذف (تہمت لگانے والا) چار عینی گواہ پیش کرے، ورنہ اس کو حد قذف لگائی جائے، یہ حکم عام لوگوں کے حق میں تو ممکن العمل ہے، کیونکہ ان کو اگر چار گواہ میسر نہیں ہونگے تو خاموش رہیں گے تاکہ حد قذف سے بچ جائیں، مگر شوہر کے حق میں یہ حکم ممکن العمل نہیں۔ کیونکہ زنا تنہائی میں ہوتا ہے، اور شوہر اپنے گھر کے احوال سے واقف ہوتا ہے۔ اور اس کے سامنے ایسے قرائن آتے ہیں جو دوسروں کے سامنے نہیں آتے، پس اس خانگی معاملہ پر شوہر سے گواہ کیسے طلب کئے جاسکتے ہیں؟ —— پھر زمانۂ نبوت میں حد قذف کا حکم نازل ہونے کے بعد یکے بعد دیگرے دو واقعے پیش آئے: ایک: حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کا۔ دوسرا: عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ کا۔ دونوں نے اپنی بیویوں سے غیر مرد کو بدفعلی کرتے ہوئے دیکھا اور نبی ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا جس پر یہ آیات نازل ہوئیں اور شوہر کا حکم عام لوگوں سے علاحدہ کردیا۔

تیسرا حکم: —— بیوی پر زنا کی تہمت لگانے کا حکم —— اور جو لوگ اپنی بیویوں پر زنا کی تہمت لگائیں، اور ان کے پاس اپنی ذاتوں کے علاوہ گواہ نہ ہوں، تو ان کی گواہی کی صورت یہ ہے کہ شوہر چار مرتبہ گواہی دے کہ بخدا! وہ یقیناً سچا ہے، اور پانچویں بار کہے: اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر اللہ کی پھٹکار! —— اور عورت سے سزا کو یہ بات ہٹائے گی کہ وہ چار مرتبہ گواہی دے کہ بخدا! شوہر یقیناً جھوٹا ہے، اور پانچویں بار کہے: اگر وہ سچا ہو تو اس (عورت) پر اللہ کا غضب! —— اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی مہربانی نہ ہوتی اور نہ یہ بات ہوتی کہ اللہ توبہ قبول کرنے والے، حکمت والے ہیں —— تو تم بڑی مضرتوں میں پڑجاتے! یعنی اللہ تعالیٰ نے شوہر کے لئے یہ حکم نازل فرما کر لوگوں پر بڑا کرم کیا، اور ان کو بڑی مضرتوں سے بچالیا۔

ان آیات میں مذکور حکم کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے پہلے دو باتیں سمجھ لی جائیں، پھر ضروری مسائل ذکر کئے جائیں گے:

(۱) والخامسة: کا عطف أربع پر ہے، اس لئے منصوب ہے۔ (۲) یہ لولا کا جواب ہے جو محذوف ہے۔

پہلی بات: —— لعان کے معنی —— ان آیات میں میاں بیوی کے لئے جو حکم ہے اس کا نام 'لعان' ہے۔ کیونکہ شوہر کی قسموں میں لعنت کا لفظ آیا ہے، اور عورت کی قسموں میں جو غضب کا لفظ آیا ہے وہ بھی لعنت ہی کی ایک صورت ہے۔ اور لعان: بابِ مفاعلہ کا مصدر ہے، جس کا خاصہ اشتراک ہے یعنی دو شخصوں کا مل کر کوئی فعل کرنا۔ پس لَاعَنَ مُلَاعَنَةً وَّلِعَانًا کے معنی ہیں: میاں بیوی کا باہم لعن طعن کرنا، یعنی شوہر کا بصورتِ کذب اپنی ذات پر لعنت بھیجنا اور عورت کا شوہر کے سچے ہونے کی صورت میں اپنے لئے اللہ کے غضب کو دعوت دینا۔

دوسری بات: —— لعان کا طریقہ —— لعان کا طریقہ یہ ہے کہ قاضی: شوہر سے لعان کا آغاز کرے، پہلے شوہر چار مرتبہ کہے: أَشْهَدُ باللّٰهِ إنی لمن الصادقین فیما رَمَیْتُهَا به من الزنا: میں گواہی دیتا ہوں: بخدا! میں یقیناً سچا ہوں اس زنا کی تہمت میں جو میں نے اس عورت (اور عورت کی طرف اشارہ کرے) پر لگائی ہے۔ اور پانچویں مرتبہ کہے: لعنةُ الله علیَّ إِنْ کنتُ من الکاذبین فیما رَمَیْتُهَا به من الزنا: مجھ پر اللہ کی لعنت ہو، اگر میں جھوٹا ہوں اس زنا کی تہمت میں جو میں نے اس عورت پر (اور عورت کی طرف اشارہ کرے) لگائی ہے۔

پھر عورت چار گواہیاں دے اور کہے: أَشْهَدُ بالله إنه لمن الکاذبین فیما رَمَانِیْ به من الزنا: میں گواہی دیتی ہوں: بخدا! یقیناً وہ (اور شوہر کی طرف اشارہ کرے) جھوٹا ہے اس زنا کی تہمت میں جو اس نے مجھ پر لگائی ہے۔ پھر پانچویں مرتبہ کہے: غَضَبُ الله عَلَیَّ إِنْ کان من الصادقین فیما رَمَانِیْ به من الزنا: اللہ کا غضب نازل ہو مجھ پر اگر وہ (اور شوہر کی طرف اشارہ کرے) سچا ہو اس زنا کی تہمت میں جو اس نے مجھ پر لگائی ہے —— لعان مکمل ہو گیا۔ اور میاں بیوی عربی نہ جانتے ہوں تو اپنی زبان میں مفہوم ادا کریں۔

لعان کے ضروری مسائل:

۱- لعان: اسلامی حکومت میں مقرر قاضی ہی کرا سکتا ہے۔ غیر مسلم ممالک میں امارتیں اور شرعی پنچایتیں لعان نہیں کرا سکتیں، کیونکہ ان کے پاس قوتِ نافذہ نہیں۔ قوله: فی دار الإسلام: أخرج دار الحرب، لانقطاع الولایة (شامی: ۲: ۶۳۵ باب اللعان)

۲- لعان: دو ہی صورتوں میں ہوتا ہے: ایک: جب شوہر بیوی پر صراحةً زنا کی تہمت لگائے۔ دوم: جب شوہر بچے کی ولادت کے وقت نسب کی نفی کرے اور کہے کہ یہ میرا بچہ نہیں، یا حمل کی نفی کرے کہ یہ میرا حمل نہیں۔

۳- لعان: چونکہ ایسی گواہیاں ہیں جو قسم کے ساتھ قوی کی گئیں ہیں، اور مرد کی جانب میں لعنت کے ساتھ ملائی گئی ہیں، جو شوہر کے حق میں حد قذف کے قائم مقام ہے، اور عورت کی جانب میں غضب کے ساتھ ملائی گئی ہیں، جو اس کے حق میں حد زنا کے قائم مقام ہے، اس لئے ضروری ہے کہ زوجین اہل شہادت ہوں، اگر کسی میں گواہ بننے کی صلاحیت نہیں

ہے تو لعان نہیں ہوسکتا۔ اور عورت کا پاک دامن ہونا ضروری ہے یعنی ایسا ہونا ضروری ہے کہ اس پر تہمت لگانے والے کو حد قذف لگائی جاسکے۔

۴- لعان کے لئے ضروری ہے کہ عورت قاضی کے پاس فریاد کرے اور شوہر پر حد قذف کا مطالبہ کرے۔ اس کے مطالبہ کے بغیر لعان نہیں کرایا جائے گا۔

۵- جب لعان مکمل ہوجائے تو اس عورت سے صحبت اور دواعی صحبت حرام ہوجاتے ہیں۔ پھر اگر مرد نے اس کو طلاق دیدی تو بہتر ہے، ورنہ قاضی ان میں تفریق کردے یعنی کہہ دے کہ میں نے دونوں میں جدائی کردی، چاہے دونوں رضامند ہوں یا نہ ہوں، اور یہ تفریق طلاق بائن کے حکم میں ہوگی، پھر ان میں تجدید نکاح بھی نہ ہوسکے گی، جب تک دونوں میں سے ایک اپنی خطا کا مقرر اور دوسرے کا مصدق نہ ہوجائے۔ اگر شوہر اپنی غلطی کا اقرار کرلے تو اس کو حد قذف لگائی جائے اور عورت اپنی غلطی کا اقرار کرے تو اس پر حد زنا جاری کی جائے، اس کے بعد تجدید نکاح ہوسکتی ہے۔

اور آخری آیت میں: یہ بات ارشاد فرمائی گئی ہے کہ اگر یہ حکم لعان مشروع نہ ہوتا اور تہمت لگانے کے عام قاعدہ کے مطابق شوہر کو حد قذف لگتی، یا وہ خاموش رہتا اور خون کے گھونٹ پیتا تو کیسی دشواری پیش آتی! اس لئے شوہر کے لئے قسمیں مشروع کیں، جن کے ذریعہ وہ حد قذف سے بچ گیا۔ دوسری طرف اگر شوہر کے قسم کھانے پر زنا کا ثبوت ہوجاتا تو عورت سخت مصیبت میں پھنس جاتی، شوہر جب چاہتا جھوٹی قسمیں کھا کر عورت کو سولی پر چڑھا دیتا۔ چنانچہ عورت کے لئے بھی قسمیں مشروع کیں تا کہ وہ بھی حد زنا سے بچ جائے۔ پس لعان کی مشروعیت حق تعالیٰ کا بہت بڑا فضل اور مہربانی ہے اور جھوٹے کے لئے توبہ کا دروازہ کھلا ہے، وہ اللہ تعالیٰ سے اپنا معاملہ درست کرسکتا ہے۔

عدالت میں لعان کی کاروائی:

جب کوئی شوہر اپنی پاک دامن بیوی پر زنا کی تہمت لگائے یا بچے کی نفی کرے، اور عورت جس پر الزام لگایا گیا ہے شوہر کو جھٹلائے اور قاضی سے مطالبہ کرے کہ مجھ پر جھوٹی تہمت لگائی گئی ہے پس شوہر پر حد قذف جاری کی جائے، تو قاضی عورت سے مطالبہ کرے کہ وہ تہمت لگانے کو گواہوں سے ثابت کرے، جب وہ گواہوں سے یہ بات ثابت کردے یا شوہر تہمت لگانے کا اقرار کرلے تو قاضی شوہر سے مطالبہ کرے کہ وہ زنا پر چار گواہ پیش کرے، اگر اس نے گواہ پیش کردیئے تو عورت پر حد زنا جاری کی جائے۔ اور اگر وہ چار گواہ نہ لاسکے تو دونوں میں مذکورہ طریقہ پر لعان کرایا جائے۔ اگر شوہر لعان کرنے سے انکار کرے تو اس کو قید کردیا جائے تا آنکہ وہ اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار کرے یا قسمیں کھائے، پھر اگر وہ اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار کرے تو اس پر حد قذف لگائی جائے۔ اور قسمیں کھالے تو پھر اسی طرح عورت قسمیں کھائے، اگر وہ لعان کرنے سے انکار کرے تو اس کو قید کردیا جائے تا آنکہ وہ شوہر کے سچا ہونے کا اقرار کرے یا قسمیں کھائے۔ اگر

وہ شوہر کے سچا ہونے کا اقرار کرے تو اس پر حد زنا جاری کی جائے اور قسمیں کھالے تو لعان پورا ہوا، اور دونوں سزا سے بچ گئے اور آخرت کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے ہے۔

جب لعان ہو گیا تو زوجین ایک دوسرے پر (جب تک دونوں صفتِ لعان پر باقی ہیں) حرام ہو گئے، اب نہ جماع جائز ہے نہ دواعی جماع۔ شوہر کو چاہئے کہ بیوی کو طلاق دے کر آزاد کر دے، اور اگر وہ طلاق نہ دے تو قاضی دونوں میں تفریق کر دے جو بحکم طلاق ہوگی۔ اس کے بعد عورت عدت گذار کر دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے اور عدت کا خرچہ عورت کو نہیں ملے گا۔ اور اگر بچہ کی یا حمل کی نفی کا واقعہ ہے تو قاضی بچے کا نسب باپ سے منقطع کر دے، اب اس کی نسبت ماں کی طرف ہوگی، اور وہی ایک دوسرے کے وارث ہونگے، شوہر سے اس کا کچھ تعلق باقی نہیں رہے گا۔

اور لعان کے بعد نہ بیوی کو زانیہ کہنا جائز ہے نہ بچے کو ولد الزنا۔ حضرت ہلال رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں رسول اللہ ﷺ نے یہی فیصلہ فرمایا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ؕ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ؕ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱﴾ لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۲﴾ لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۴﴾ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَ تَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّ تَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾ وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۶﴾ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ

وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٠﴾

اِنَّ	بیشک	مَا اكْتَسَبَ	جو کمایا اس نے	بِاَنْفُسِهِمْ (٦)	اپنوں کے بارے میں
الَّذِيْنَ	جو لوگ	مِنَ الْاِثْمِ	گناہ سے	خَيْرًا	نیک
جَآءُوْ	لائے وہ	وَالَّذِيْ (۴)	اور جو شخص	وَّقَالُوْا	اور (کیوں نہ) کہا انھوں نے
بِالْاِفْكِ	بہتان	تَوَلّٰى	ذمہ دار بنا		
عُصْبَةٌ (١)	ایک گروہ ہے	كِبْرَهٗ	اس کے بڑے حصہ کا	هٰذَآ	یہ
مِّنْكُمْ	تم میں سے	مِنْهُمْ	ان میں سے	اِفْكٌ	بہتان ہے
لَا تَحْسَبُوْهُ	نہ گمان کرو اس کو	لَهٗ	اس کے لئے	مُّبِيْنٌ	صریح
شَرًّا (٢)	برا	عَذَابٌ	سزا ہے	لَوْلَا	کیوں نہ
لَّكُمْ	اپنے لئے	عَظِيْمٌ	دردناک	جَآءُوْ	لائے
بَلْ	بلکہ	لَوْلَآ (۵)	کیوں نہ	عَلَيْهِ	اس (بہتان) پر
هُوَ	وہ	اِذْ	جب	بِاَرْبَعَةِ	چار
خَيْرٌ	بہتر ہے	سَمِعْتُمُوْهُ	سنا تم نے اس کو	شُهَدَآءَ	گواہ
لَّكُمْ	تمہارے لئے	ظَنَّ	گمان کیا	فَاِذْ	پس جب
لِكُلِّ امْرِئٍ (٣)	ہر شخص کے لئے ہے	الْمُؤْمِنُوْنَ	مسلمان مردوں نے	لَمْ يَاْتُوْا	نہیں لائے وہ
مِّنْهُمْ	ان میں سے	وَالْمُؤْمِنٰتُ	اور مسلمان عورتوں نے	بِالشُّهَدَآءِ	گواہ

(۱) **عصبة**: إن کی خبر ہے (۲) **شراً**: لاتحسبوا کا مفعول ثانی ہے (۳) **لکل امرئ**: خبر مقدم اور **ما اکتسب**: مبتدا مؤخر ہے (۴) **الذی مع صلہ**: مبتدا اور **له عذاب إليم**: جملہ اسمیہ خبریہ: خبر ہے.......... **کِبْر**: اسم مصدر: بڑا حصہ، بڑا بوجھ، کبر کے معنی غرور بھی ہیں، وہ یہاں مراد نہیں (۵) ان آیات میں پانچ جگہ **لولا** آیا ہے۔ تین جگہ تحضیضیہ ہے اور دو جگہ امتناعیہ۔ تحضیض کے معنی ہیں: سختی کے ساتھ فعل (کام) پر ابھارنا۔ وہ تین جگہ یہ ہیں: ۱- آیت ۱۲ میں جہاں **لولا** کا مدخول **ظَنَّ** ہے۔ ۲- آیت ۱۳ میں۔ ۳- آیت ۱۶ میں جہاں **لولا** کا مدخول **قلتم** ہے۔ اور **لولا** امتناعیہ حرفِ شرط اور **لا** نافیہ سے مرکب ہوتا ہے، اور پہلی جگہ (آیت ۱۴ میں) جزاء **لمسکم** ہے اور دوسری جگہ (آیت ۲۰ میں) جزاء محذوف ہے جو ترجمہ میں نکالی گئی ہے۔ (۶) **بأنفسهم**: أی **بأهل ملتهم**۔ یعنی مسلمانوں کے حق میں۔

لفظ	ترجمہ	لفظ	ترجمہ	لفظ	ترجمہ
فَاُولٰٓئِكَ	تو وہ لوگ	بِاَلْسِنَتِكُمْ	اپنی زبانوں سے	اَنْ	کہ
عِنْدَ اللّٰهِ	اللہ کے نزدیک	وَتَقُوْلُوْنَ	اور کہہ رہے تھے تم	نَّتَكَلَّمَ	منہ سے بات نکالیں
هُمُ	وہی	بِاَفْوَاهِكُمْ	اپنے مونہوں سے	بِهٰذَا	یہ
الْكٰذِبُوْنَ	جھوٹے ہیں	مَّا	(وہ بات) جو	سُبْحٰنَكَ	پاک ذات ہے آپ کی!
وَلَوْلَا	اور اگر نہ ہوتا	لَيْسَ	نہیں تھا	هٰذَا	یہ
فَضْلُ	فضل	لَكُمْ	تمہارے لئے	بُهْتَانٌ	بہتان ہے
اللّٰهِ	اللہ کا	بِهٖ	اس کے بارے میں	عَظِيْمٌ	بڑا
عَلَيْكُمْ	تم پر	عِلْمٌ	کچھ علم	يَعِظُكُمُ	نصیحت کرتے ہیں تمکو
وَرَحْمَتُهٗ	اور اس کی مہربانی	وَّتَحْسَبُوْنَهٗ	اور گمان کرتے تھے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
فِي الدُّنْيَا	دنیا میں		تم اس کو	اَنْ	کہ
وَالْاٰخِرَةِ	اور آخرت میں	هَيِّنًا	معمولی بات	تَعُوْدُوْا	(نہ) لوٹو تم
لَمَسَّكُمْ	تو ضرور چھوتا تم کو	وَّهُوَ	حالانکہ وہ	لِمِثْلِهٖٓ (۳)	اس بات کی طرف
فِيْ مَآ	اس میں جو	عِنْدَ اللّٰهِ	اللہ کے نزدیک	اَبَدًا	ہرگز
اَفَضْتُمْ (۱)	مشغول ہوئے تم	عَظِيْمٌ	بڑی بات ہے	اِنْ	اگر
فِيْهِ	اس میں	وَلَوْلَآ	اور کیوں نہ	كُنْتُمْ	ہو تم
عَذَابٌ	عذاب	اِذْ	جب	مُّؤْمِنِيْنَ	ایمان والے
عَظِيْمٌ	بڑا	سَمِعْتُمُوْهُ	سنا تم نے اس کو	وَيُبَيِّنُ	اور کھول کر بیان کرتے ہیں
اِذْ	(یاد کرو) جب	قُلْتُمْ	کہا تم نے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
تَلَقَّوْنَهٗ (۲)	حاصل کر رہے تھے	مَّا يَكُوْنُ	زیبا نہیں	لَكُمُ	تمہارے لئے
	تم اس کو	لَنَآ	ہمارے لئے	الْاٰيٰتِ	آیتیں

(۱) **أَفَاضَ القومُ فی الحدیث**: مفصل گفتگو کرنا، گفتگو میں مشغول ہونا۔ (۲) **تَلَقَّی الشیئَ**: پانا، حاصل کرنا۔ **تلقی بالشیئ**: کسی چیز کے ذریعہ حاصل کرنا، جیسے **تَلَقَّی الکرةَ بالید**: ہاتھ سے گیند پکڑی، پس **بألسنتکم** کا مطلب ہے: ایک شخص کہے اور دوسرا سنے، پھر دوسرا کہے اور تیسرا سنے، اسی طرح نقل در نقل ہوتی رہے۔ (۳) **لمثله** میں **مثل** زائد ہے۔

وَ اللّٰہُ	اور اللہ تعالیٰ	اٰمَنُوْا	ایمان لائے ہیں	وَلَوْلَا	اور اگر نہ ہوتا
عَلِیْمٌ	خوب جاننے والے	لَھُمْ	ان کے لئے	فَضْلُ	فضل
حَکِیْمٌ	بڑی حکمت والے ہیں	عَذَابٌ	سزا ہے	اللّٰہِ	اللہ کا
اِنَّ	بیشک	اَلِیْمٌ	دردناک	عَلَیْکُمْ	تم پر
الَّذِیْنَ	جولوگ	فِی الدُّنْیَا	دنیا میں	وَرَحْمَتُہٗ	اور اس کی مہربانی
یُحِبُّوْنَ	پسند کرتے ہیں	وَالْاٰخِرَۃِ	اور آخرت میں	وَاَنَّ	اور یہ کہ
اَنْ	کہ	وَاللّٰہُ	اور اللہ تعالیٰ	اللّٰہَ	اللہ تعالیٰ
تَشِیْعَ	چرچا ہو	یَعْلَمُ	جانتے ہیں	رَءُوْفٌ	بڑے شفیق
الْفَاحِشَۃُ	بے حیائی کا	وَاَنْتُمْ	اور تم	رَّحِیْمٌ	بڑے رحم والے ہیں
فِی الَّذِیْنَ	ان میں جو	لَا تَعْلَمُوْنَ	نہیں جانتے		(تو کیا کچھ نہ ہوجاتا)(۱)

ماقبل سے ربط: اوپر زنا کی سزا کے بعد تہمتِ زنا کی سزا کا بیان تھا۔ کسی پر زنا کا الزام لگایا جائے اور اس کو الزام لگانے والا چار عینی گواہوں سے ثابت نہ کر سکے تو اس کو حدِ قذف کے اسّی کوڑے لگائے جائیں گے۔ یہ سزا ممکن ہے کسی کو بہت زیادہ معلوم ہو کہ کسی کو زانی کہنے پر اتنی بڑی سزا دینا کیسے قرینِ مصلحت ہے؟ اس لئے اب تہمتِ زنا کا ایک واقعہ ذکر کیا جاتا ہے جس سے معلوم ہوگا کہ یہ معمولی بات نہیں، بہت بھاری بات ہے، اور یہ سزا زیادہ نہیں بالکل واجبی ہے۔

یہ واقعہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت کا ہے۔ غزوۂ خندق کے بعد غزوۂ مریسیع یا غزوۂ بنی المصطلق پیش آیا۔ نبی ﷺ کا دستور تھا کہ آپؐ سفر میں جاتے تو ازواجِ مطہرات کے درمیان قرعہ اندازی کرتے، جس کا نام نکلتا اس کو ساتھ لے جاتے۔ اس غزوہ میں حضرت عائشہؓ کا نام نکلا چنانچہ وہ ساتھ گئیں۔ غزوہ سے واپسی میں ایک جگہ لشکر نے پڑاؤ کیا۔ جب روانگی کا اعلان ہوا تو حضرت عائشہؓ قضائے حاجت کے لئے گئیں، اور اپنی بہن کا ہار جسے عاریۃً لے گئی تھیں کھو بیٹھیں۔ احساس ہوتے ہی اس جگہ واپس گئیں۔ اس دوران ہودج اٹھانے والے آئے اور انھوں نے ہودج اونٹ پر باندھ کر اس کو قطار میں روانہ کر دیا۔ انھوں نے خیال کیا کہ حضرت عائشہ اندر ہیں۔ وہ ہودج کے ہلکے پن پر اس لئے نہ چونکے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نوعمر اور ہلکے پھلکے بدن کی تھیں۔ نیز ہودج کئی آدمی مل کر اٹھاتے ہیں اس لئے بھی ہلکے پن کا احساس نہ ہوا ۔۔۔ بہرحال جب حضرت عائشہؓ ہار ڈھونڈ کر جائے قیام پر پہنچیں تو قافلہ روانہ ہو چکا تھا اور

(۱) بین القوسین لولا کی جزاء محذوف کا ترجمہ ہے۔

وہاں ہو کا عالم تھا۔ وہ اس خیال سے وہیں رُک گئیں کہ جب لوگ ان کو نہ پائیں گے تو تلاش کرتے ہوئے وہیں آئیں گے۔ وہاں بیٹھے بیٹھے ان کی آنکھ لگ گئی ـــــ دوسری طرف قدرت نے یہ سامان کیا کہ حضرت صفوان بن معطّل رضی اللہ عنہ قافلہ کے پیچھے چلنے پر مقرر کیے گئے تھے تاکہ گری پڑی چیز اٹھاتے آئیں۔ وہ صبح کے وقت اس جگہ پہنچے۔ ابھی روشنی پوری نہ ہوئی تھی۔ انھوں نے دور سے دیکھا کہ کوئی سو رہا ہے۔ قریب پہنچے تو حضرت صدیقہؓ کو پہچان لیا، کیونکہ انھوں نے پردے کے احکام نازل ہونے سے پہلے ان کو دیکھا تھا۔ انھوں نے زور سے پڑھا: إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ! یہ آواز سن کر حضرت عائشہؓ بیدار ہوگئیں اور خود کو سنبھال لیا اور چہرہ ڈھانپ لیا۔ حضرت صفوانؓ نے اپنا اونٹ قریب لاکر بٹھایا اور اونٹ کے پیر پر پیر رکھ کر کھڑے ہوگئے، حضرت عائشہ اس پر سوار ہوگئیں، حضرت صفوانؓ نے ان سے کچھ نہ پوچھا، چپ چاپ اونٹ کی نکیل پکڑ کر چلتے رہے اور ٹھیک دوپہر کے وقت جبکہ لشکر پڑاؤ ڈال چکا تھا قافلہ میں جا ملے۔

اس واقعہ سے رئیس المنافقین عبد اللہ بن اُبی لعنہ اللہ کو ایک بات ہاتھ لگ گئی، وہ اس سے پہلے اسی غزوہ میں وہ دو باتیں کہہ چکا تھا جو سورۃ المنافقون (آیات ۷و۸) میں مذکور ہیں: ایک: یہ کہ مہاجرین کا تعاون بند کردیا جائے۔ دوم: یہ کہ مدینہ سے ذلیل لوگوں کو نکال دیا جائے۔ اس اللہ کے دشمن کو بھڑاس نکالنے کا ایک اور موقع مل گیا اور اس نے واہی تباہی بکنا شروع کیا۔ مدینہ پہنچ کر وہ مجلس جماتا اور یہ موضوع چھیڑ دیتا۔ خود خاموش رہتا اور دوسروں سے تہمت کے خاکے میں رنگ بھرواتا، اور اس کو پھیلاتا بڑھاتا۔ اس کی اس پروپیگنڈہ مہم میں دو مخلص مرد اور ایک مخلص عورت بھی حصہ دار بن گئے: ایک: حضرت حسّان رضی اللہ عنہ جو نبی ﷺ کے شاعر تھے اور ہمیشہ آپ کی اور اسلام کی طرف سے مدافعت کرتے تھے۔ دوم: حضرت مِسْطَح رضی اللہ عنہ جو بدری صحابی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خالہ زاد بہن کے لڑکے تھے۔ اور نادار تھے اس لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کی کفالت کرتے تھے۔ سوم: حضرت حَمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا جو نبی ﷺ کی سالی، حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی بہن اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ کی بیوی تھیں۔ ان لوگوں نے اس تہمت کا جم کر پروپیگنڈہ کیا۔

اُدھر حضرت عائشہؓ کا حال یہ تھا کہ وہ غزوہ سے واپس آتے ہی بیمار پڑ گئیں اور ایک مہینہ تک مسلسل بیمار رہیں۔ انہیں اس تہمت کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہ تھا۔ البتہ انہیں یہ بات کھٹکی تھی کہ بیماری کی حالت میں نبی ﷺ کی طرف سے جو ملاطفت وعنایات ہوا کرتی تھیں اب وہ نظر نہیں آرہی تھیں۔ بیماری سے اٹھنے کے بعد وہ ایک رات مسطحؓ کی ماں کے ساتھ قضائے حاجت کے لئے جنگل گئیں۔ اتفاق سے ام مسطح اپنی چادر میں الجھ کر گر پڑیں۔ ان کے منہ سے بے ساختہ نکلا: ''مسطح تباہ ہو!'' حضرت عائشہؓ نے ان کو ٹوکا کہ آپ ایک بدری صحابی کو بددعا دے رہی ہیں! وہ کہنے لگیں: ''اری نادان! کیا تو نے اس کی باتیں نہیں سنیں؟'' حضرت عائشہؓ نے پوچھا: ''اس کی باتیں کیا ہیں؟'' مسطح کی ماں نے

تہمت کا واقعہ کہہ سنایا۔ بس سنتے ہی ان کا مرض بڑھ گیا۔ گھر لوٹ کر انھوں نے خبر کا ٹھیک ٹھیک پتہ لگانے کے لئے رسول اللہ ﷺ سے والدین کے گھر جانے کی اجازت چاہی، آپؐ نے اجازت دیدی۔ میکے جا کر والدہ صاحبہ سے پوچھا کہ: ''امی! لوگ کیا باتیں کرتے ہیں؟'' والدہ نے کہا: ''بیٹی! زیادہ اثر قبول نہ کر، بخدا! ایسا شاذونادر ہی ہوتا ہے کہ کوئی خوبصورت عورت کسی شوہر کی محبوبہ ہو اور اس کی سوکنیں ہوں مگر ایسی باتیں بکثرت پیش آتی ہیں'' جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو صورتِ حال کا یقینی طور پر علم ہوگیا تو وہ بے اختیار رونے لگیں اور پھر دو رات اور ایک دن روتے روتے گذر گئے، اس درمیان نہ نیند کا سرمہ لگا یا نہ آنسوؤں کی جھڑی رکی، ان کے والدین کو اندیشہ لاحق ہوگیا کہ روتے روتے کلیجہ شق نہ ہوجائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے میکے جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے گھر کے لوگوں سے تحقیق شروع کی، سب سے پہلے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے پوچھا جن کی بہن اس طوفان میں شریک تھیں کہ ''تم عائشہ کے بارے میں کیا جانتی ہو؟'' انھوں نے کہا: ''یارسول اللہ! خدا کی قسم! میں ان کے اندر بھلائی کے سوا کچھ نہیں جانتی'' پھر آپؐ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ انھوں نے کہا: ''یارسول اللہ! آپؐ اپنی اہلیہ کو زوجیت میں برقرار رکھیں، ہم خیر کے سوا کوئی بات نہیں جانتے'' پھر آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا: انھوں نے کہا: ''یارسول اللہ! اللہ نے آپؐ پر کچھ تنگی نہیں کی، اور عورتیں ان کے علاوہ بہت ہیں، اور آپؐ خادمہ سے دریافت کریں وہ صحیح بات بتادے گی'' آخر میں آپؐ نے خادمہ حضرت بریرۃ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: ''اے بریرۃ! کیا تم نے کوئی شبہ کی بات دیکھی ہے؟'' اس نے کہا: ''اس خدا کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! میں نے ان میں کوئی ایسی بات نہیں دیکھی جس پر انگلی رکھی جاسکے، البتہ یہ بات ہے کہ نوعمر لڑکی ہیں آٹا گوندھ کر سوجاتی ہیں اور بکری آکر کھا جاتی ہے!''

تحقیق حال سے جب عائشہؓ کی بے گناہی روز روشن کی طرح واضح ہوگئی تو آپؐ نے تقریر فرمائی۔ ارشاد فرمایا: ''مسلمانو! کون ہے جو مجھے اس شخص کے حملوں سے بچائے جس نے میرے گھر والوں پر تہمت لگا کر مجھے اذیت پہنچائی! بخدا! میں نے نہ تو اپنی بیوی میں کوئی برائی دیکھی نہ اس شخص میں جس کے تعلق سے تہمت لگائی جاتی ہے، وہ شخص میری غیر موجودگی میں کبھی میرے گھر میں نہیں آیا'' ـــــ اس پر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''یارسول اللہ! اگر وہ ہمارے قبیلہ کا ہے تو ہم اس کی گردن ماردیں گے، اور اگر ہمارے بھائی خزرجیوں میں سے ہے تو آپؐ ہمیں حکم دیں، ہم اس کی تعمیل کریں گے'' ـــــ یہ سن کر رئیس خزرج حضرت سعد بن عبادہؓ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے: ''بخدا! تم اسے قتل نہیں کرسکتے'' اس پر حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ جو حضرت سعد کے چچازاد بھائی تھے کھڑے ہوئے اور کہا: ''بخدا! تم جھوٹ کہتے ہو، ہم ضرور اس کو قتل کریں گے، اور تم منافق ہو، منافقوں کی حمایت کرتے ہو!'' اس پر مسجد نبوی میں ایک

ہنگامہ بپا ہوگیا اور اوس وخزرج قریب تھے کہ دست وگریباں ہوجائیں۔ نبی ﷺ نے مشکل سے حالات پر قابو پایا اور منبر سے اتر آئے۔

اُدھر حضرت عائشہ کو ان کے والدین تسلی دے رہے تھے۔ اسی حالت میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ کلمۂ شہادت پر مشتمل خطبہ پڑھا اور فرمایا: ''عائشہ! مجھے تمہارے بارے میں ایسی اور ایسی باتیں پہنچی ہیں۔ اگر تم اس سے بری ہو تو اللہ تعالیٰ عنقریب تمہاری براءت ظاہر فرمادیں گے۔ اور اگر خدانخواستہ تم سے کوئی گناہ سرزد ہوگیا ہے تو توبہ کرو اور اللہ سے مغفرت مانگو، کیونکہ بندہ جب اپنے گناہ کا اقرار کرکے اللہ کے حضور توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیتے ہیں'' ـــــ یہ بات سنتے ہی حضرت عائشہؓ کے آنسو تھم گئے، اور اب انہیں آنسو کا ایک قطرہ بھی محسوس نہ ہو رہا تھا۔ انھوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا: ''ابا! آپ رسول اللہ ﷺ کو جواب دیں'' انھوں نے کہا: ''بیٹی! میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ کیا جواب دوں!'' یہی بات انھوں نے اپنی امی ام رومان سے کہی، انھوں نے بھی یہی جواب دیا، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خود ہی کہا: ''واللہ! میں جانتی ہوں کہ یہ باتیں سنتے سنتے آپ لوگوں کے دلوں میں اچھی طرح بیٹھ گئی ہیں، اور آپ لوگوں نے ان کا یقین کرلیا ہے، اب اگر میں کہوں کہ میں بری ہوں، اور اللہ جانتا ہے کہ میں بری ہوں، تو آپ لوگ میری بات سچ نہ سمجھیں گے۔ اور اگر میں جرم کا اعتراف کرلوں، حالانکہ اللہ خوب جانتے ہیں کہ میں اس سے بری ہوں، تو آپ لوگ صحیح مان لیں گے، ایسی صورت میں میرے لئے اور آپ لوگوں کے لئے وہی مَثَل (مضمون) ہے جو یوسف علیہ السلام کے والد نے کہی ہے: ﴿فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ! وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ﴾ یعنی صبر بہتر ہے! اور اللہ تعالیٰ ہی مدد خواستہ ہیں اس بات پر جو تم بیان کرتے ہو!'' ـــــ یہ کہہ کر حضرت عائشہؓ اپنے بستر پر جالیٹیں اور منہ دوسری طرف کرلیا۔ اسی وقت رسول اللہ ﷺ پر نزولِ وحی کے آثار نمودار ہونے شروع ہوگئے۔ جب آپؐ پر وحی نازل ہوتی تھی تو ناقابل بیان بوجھ پڑتا تھا اور سخت سردی کے زمانہ میں آپؐ کی پیشانی سے موتیوں کی طرح پسینہ ٹپکنے لگتا تھا۔ جب یہ کیفیت رفع ہوئی تو آپ مسکرا رہے تھے، اور آپؐ نے پہلی بات جو فرمائی وہ یہ تھی کہ: ''عائشہ! خوش ہوجاؤ، اللہ نے تمہیں بری کردیا!'' ان کی والدہ نے کہا: ''بیٹی! اٹھو اور رسول اللہ ﷺ کا شکریہ ادا کرو!'' انھوں نے ناز سے کہا: ''میں کسی کا شکریہ ادا نہیں کرتی، میں صرف اپنے اللہ کا احسان مانتی ہوں!'' ـــــ یہ وہ واقعہ ہے جس میں یہ دس آیتیں نازل ہوئی ہیں۔ اس واقعہ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ تہمتِ زنا کوئی معمولی جرم نہیں۔ وہ ایسا سنگین جرم ہے کہ اس سے پورا اسلامی معاشرہ تہ وبالا ہوجاتا ہے، جس پر تہمت لگائی جاتی ہے اس کا برا حال ہوجاتا ہے، اور اس کے متعلقین کے لئے یہ الزام سوہانِ روح بن جاتا ہے، اس لئے اگر اس کی سزا اسّی کوڑے تجویز کی گئی ہے تو وہ ہر طرح قرینِ صواب ہے ـــــ اس ضروری تفصیل کے بعد آیاتِ پاک کی تفسیر شروع کی جاتی ہے۔

پہلی آیت میں چار باتیں بیان کی گئی ہیں:

پہلی بات: —— جن لوگوں نے یہ بہتان باندھا ہے وہ بالیقین تم میں سے ایک گروہ ہے —— اِفک: کے اصلی معنی ہیں: پلٹ دینا اور بدل دینا۔ اور افک سے مراد وہ بدترین قسم کا جھوٹ ہے جو حق کو باطل سے بدل دے اور متقی کو فاسق بنادے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی براءت کے شروع ہی میں یہ لفظ لاکر معاملہ کی ساری پول کھول دی —— اور عصبۃ کی معنی جماعت اور گروہ کے ہیں۔ تین سے چالیس تک اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس لفظ میں اشارہ ہے کہ بہت معمولی تعداد ہے جو اس طوفان میں حصہ دار بنی ہے عام لوگ اس سے کنارہ کش ہیں —— اور منکم سے مراد مؤمنین کی جماعت ہے۔ اس تہمت کا اصل گھڑنے والا اگرچہ عبداللہ بن اُبی تھا جو مسلمان نہیں تھا بلکہ منافق تھا، مگر چونکہ وہ اسلام کا دعوے دار تھا اس لئے بظاہر وہ بھی منکم میں شامل تھا۔ اُس کے علاوہ جو دو مرد اور ایک عورت اس طوفان میں شریک ہوگئے تھے وہ یقیناً منکم میں شامل تھے، اس طرح اس پہلی ہی آیت میں ان لوگوں کی تسلی کردی کہ وہ اس بری حرکت کی وجہ سے دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوگئے، وہ مسلمانوں کی جماعت میں بدستور شامل ہیں، وہ اطمینان رکھیں۔ قرآن کریم کا یہ خاص اسلوب ہے: جب وہ کوئی شدید وعید سناتا ہے تو جو اس کے مستحق نہیں ان کا پہلے ہی استثناء کردیتا ہے۔ سورۃ الانفال (آیت ۱۶) میں میدانِ جہاد سے بھاگنے والوں کو سخت وعید سنائی ہے پس پینترا بدلنے کے طور پر میدان سے ہٹنے والوں کا پہلے ہی استثناء کردیا۔ اور سورۃ النحل (آیت ۱۰۶) میں بصورتِ اکراہ دین سے پھرنے والوں کو سخت وعید سنائی ہے پس پہلے ہی اس شخص کو مستثنیٰ کردیا جو صرف زبانی جمع خرچ کرتا ہے اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہے۔ اسی طرح یہاں بھی آگے تہمت لگانے والوں کو سخت وعید سنائی جائے گی اس لئے پہلے ہی ان کی گونہ تسلی کردی کہ وہ اس حرکت سے اسلام سے خارج نہیں ہوئے، وہ اب بھی مسلمانوں کے زمرہ میں شامل ہیں۔

دوسری بات: —— تم اس (تہمت کے واقعہ) کو اپنے حق میں برا مت سمجھو، بلکہ وہ تمہارے لئے بہتر ہے —— یہ مسلمانوں کا غصہ ہلکا کیا۔ صحابہ اس طوفانِ بدتمیزی سے ناقابلِ بیان حد تک پریشان تھے، وہ براءت نازل ہونے کے بعد نہ معلوم مبتلی بہ افراد کے ساتھ کیا معاملہ کرتے، ممکن تھا وہ ان کی تکا بوٹی کردیتے۔ اس لئے پہلے ہی ان کو بتادیا کہ اس شر میں بھی خیر کا پہلو ہے، صحابہ کو چاہئے کہ وہ اس کو پیشِ نظر رکھیں۔

اور اس واقعہ میں خیر کے موٹے پہلو تین ہیں:

پہلا پہلو: قانون سازی کا ہے۔ زمانۂ نبوت میں جو اس قسم کے واقعات پیش آئے ہیں وہ کچھ خبثِ نفس کی وجہ سے پیش نہیں آئے۔ زنا کرنے کے، شراب پینے کے، تہمت لگانے کے اور ظہار کرنے کے جو بھی واقعات پیش آئے

ہیں وہ تکوینی طور پر رونما کئے گئے ہیں۔ آپ زمانۂ نبوت میں زنا کرنے والے مردوں اور عورتوں کے حالات روایات میں پڑھیں، یہ بات عیاں ہوجائے گی۔ ان کے دل صاف تھے اور وہ گناہ سے ایسی توبہ کرتے تھے کہ اگر ایک امت یا ایک شہر پر وہ بانٹ دی جائے تو سب کی بخششیں ہوجائے۔ بلکہ وہ واقعات تشریع (قانون سازی) کے مقصد سے رونما کئے جاتے تھے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ احکام کی آیتوں کے نزول سے پہلے کوئی واقعہ رونما ہوتا تھا، اور اس کا خوب چرچا ہوتا تھا، اور لوگ اس کے حکم کے منتظر ہوجاتے تھے تب متعلقہ آیات نازل ہوتی تھیں۔ جیسے شوہر بیوی پر زنا کی تہمت لگائے تو لعان کا حکم ہے۔ اس حکم کے نزول سے پہلے حضرت ہلال بن امیہ اور حضرت عویمر عجلانی رضی اللہ عنہما کے واقعات پیش آئے۔ انھوں نے اپنی بیویوں کے ساتھ غیر مرد کو نازیبا حرکت کرتے ہوئے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ انھوں نے یہ بات نبی ﷺ سے ذکر کی تو آپؐ نے فرمایا: ''گواہ لاؤ ورنہ تمہاری پیٹھ پر حد قذف لگے گی'' وہ سخت پریشان ہوئے۔ اسلامی معاشرہ بھی الجھن کا شکار ہوگیا کہ شوہر کی غیرت کیسے گوارہ کرے گی کہ وہ ایسی صورت پیش آنے پر گواہ تلاش کرے، اور اگر جائے بھی تو حاصل کیا؟ لوگوں کے آنے تک زانی نمٹ کر سرک جائے گا۔ پھر جب ان واقعات نے لوگوں کو بے تاب کردیا تو لعان کی آیتیں نازل ہوئیں، اور رسول اللہ ﷺ نے ان آیتوں پر عمل کر کے دکھایا، چنانچہ صحابہ ان آیات میں مذکور حکم کو مع اس کی حکمت کے بخوبی سمجھ گئے۔ اسی طرح تہمتِ زنا کی سزا کو قابل فہم بنانے کے لئے یہ واقعہ پیش آیا۔ پھر اگر عام مسلمانوں میں یہ واقعہ پیش آتا تو معاملہ کی سنگینی اتنی واضح نہ ہوتی جتنی نبی ﷺ کے گھر میں آپؐ کی چہیتی بیوی کے ساتھ واقعہ پیش آنے سے واضح ہوئی۔ یہ اس واقعہ میں خیر کا پہلو ہے۔

دوسرا پہلو: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عظمت کا ہے، اس واقعہ سے پھر آپؓ کی براءت نازل ہونے سے آپؓ کا مقام ثریا تک بلند ہوگیا۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہی ایک خصوصیت نہیں اور بھی متعدد خصوصیات ہیں۔

اول: تمام ازواج رضی اللہ عنہن سے نکاح آپ ﷺ نے خود کئے ہیں، صرف دو بیویوں سے نکاح اللہ تعالیٰ نے کرایا ہے۔ ایک: صدیقہ عائشہؓ اور دوسری: حضرت زینب بنت جحشؓ، اِن کے نکاح کا حکم آسمان سے نازل ہوا ہے، حضرت زینبؓ کے سلسلہ میں تو وحی متلو (قرآنِ کریم) نازل ہوئی ہے، جو سورۂ احزاب میں ہے، اور حضرت صدیقہؓ کے سلسلہ میں وحی غیر متلو آئی ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام خواب میں ایک ریشمی کپڑے میں ان کی تصویر لے کر آنحضرت ﷺ کے پاس آئے، اور آپؐ کو خبر دی کہ یہ آپؐ کی زوجہ ہیں، چنانچہ اس وحی کی بنا پر آپؐ نے ان سے نکاح کیا۔

دوم: رسول اللہ ﷺ نے صدیقہ کے علاوہ کسی بھی کنواری لڑکی سے نکاح نہیں کیا۔

سوم: رسول اللہ ﷺ کی وفات اُن کی گود میں ہوئی۔ بوقت وفات وہ نبی ﷺ کو اپنے سینے سے لگائے

ہوئے تھیں۔

چہارم: آپ ﷺ کی تدفین صدیقہ رضی اللہ عنہا کے کمرے میں ہوئی۔

پنجم: آپ ﷺ پر اس وقت بھی وحی نازل ہوتی تھی، جب آپ ﷺ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ایک لحاف میں لیٹے ہوئے ہوتے تھے، کسی بھی دوسری بیوی صاحبہ کو یہ فضیلت حاصل نہیں۔

ششم: حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نبی ﷺ کے ذریعہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کو سلام کہلوایا، یہ فضیلت بھی کسی اور بیوی صاحبہ کو حاصل نہیں۔

ہفتم: یوسف علیہ السلام پر عزیز مصر کی بیوی نے تہمت لگائی تو اللہ تعالیٰ نے ایک شیر خوار بچے کو گویائی دے کر اُن کی براءت ظاہر فرمائی۔ حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی عزت پر لوگوں نے حملہ کیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گویا کیا اور ان کی شہادت سے حضرت مریم کو بری کیا۔ اور حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی گئی تو اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کی دس آیات نازل کر کے ان کی براءت کا اعلان کیا، جس سے اُن کی عزت میں اور اضافہ ہوگیا۔

علاوہ ازیں: آپؓ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں، اور خود بھی صدیقہ ہیں، اور ان سے دنیا ہی میں مغفرت اور رزق کریم کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے۔

تیسرا پہلو: مسلمانوں کے لئے برکت کا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہار اس واقعہ کے بعد ایک مرتبہ اور بھی گم ہوا ہے۔ بخاری و مسلم کی روایت ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خود بیان کرتی ہیں کہ ایک سفر میں میرا ہار گم ہوگیا۔ قافلہ اس کی تلاش میں رک گیا، یہاں تک کہ فجر کی نماز کا وقت آگیا، لوگوں کے پاس پانی نہیں تھا۔ لوگ بہت پریشان ہوئے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے شکایت کی، انھوں نے حضرت عائشہؓ کو سرزنش کی۔ اس واقعہ میں تیمّم کا حکم نازل ہوا، اس وقت حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے کہا: ماھی بأول بَرَ کتکم یا آلَ أبی بکر: اے عائشہ! یہ تمہاری پہلی برکت نہیں! یعنی اس سے پہلے بھی ہار کے گم ہونے کی وجہ سے آیتیں نازل ہوچکی ہیں، جو مسلمانوں کے لئے بابرکت ثابت ہوئیں، اب یہ دوسری برکت ہے، پھر جب قافلہ روانہ ہوا، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ کھڑا ہوا تو ہار اس کے نیچے سے ملا (مجمع الزوائد حدیث ۵۲۸۲)

تیسری بات: —— ان میں سے ہر شخص کے لئے وہ گناہ ہے جو اس نے کمایا —— یہ ایک اصولی بات ہے: تہمت میں حصہ لینے والے سب ایک درجہ کے نہیں ہوتے، پس ہر شخص اپنے جرم کے مطابق سزا کا مستحق ہوگا، رہی یہ بات کہ واقعہ کا اصل کردار کون تھا؟ اس سلسلہ میں روایات مختلف ہیں، اکثر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی بڑا مجرم تھا اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ اصل تھے۔ واللہ اعلم

چوتھی بات: —— اوران میں سے جواس کے بڑے حصہ کا ذمہ دار بنا ہے اس کے لئے دردناک سزا ہے —— یہ سوال مقدر کا جواب ہے کہ واقعہ کا اصل مجرم تو سزا سے بچ گیا! فرمایا: بچا نہیں! اس کے لئے آخرت میں دردناک عذاب ہے، کیونکہ دنیا کی سزا ہلکی ہوتی ہے اور آخرت کی سزا سخت۔

ان چار تمہیدی باتوں کے بعد واقعۂ اِفک کے تعلق سے مزید سات باتیں بیان کی ہیں:

پہلی بات: —— مسلمانوں کو آپس میں حسنِ ظن قائم رکھنا چاہئے (اصلاحِ معاشرہ کا خاص گُر) فرمایا: —— جب تم لوگوں نے یہ بات سنی تو مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے اپنے لوگوں کے بارے میں کیوں اچھا گمان نہ کیا اور کیوں نہ کہا کہ یہ صریح بہتان ہے! —— یہ حسن ظن کی تعلیم ہے، اسلامی معاشرہ میں ہر مرد وزن کو دوسروں کے بارے میں اچھا گمان رکھنا چاہئے جب تک کسی کے خلاف کوئی قطعی شہادت اور کافی ثبوت نہ مل جائے زبان نہیں کھولنی چاہئے، اور جو شخص بغیر شرعی ثبوت کے کسی پر الزام لگائے اس کی بات رد کرنا واجب ہے۔ حدیث شریف میں ہے: ''جو کوئی مسلمان بھائی کی پیٹھ پیچھے مدد کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی پیٹھ پیچھے مدد کریں گے'' —— اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا طرز عمل اس آیت کی بہترین مثال ہے۔ ایک روز ان کی بیوی نے کہا: ''لوگ عائشہ کی نسبت ایسا ایسا کہتے ہیں!'' انھوں نے فوراً کہا: ''جھوٹے ہیں! کیا تم ایسا کام کرسکتی ہو؟'' انھوں نے کہا: ''ہرگز نہیں!'' حضرت ابوایوبؓ نے کہا: ''پس عائشہ بخدا! تم سے افضل ہیں!'' پھر ان کی نسبت بے وجہ ایسا گمان کیوں کیا جائے؟!

اور بِأَنْفُسِهِمْ کے معنی ہیں: اپنے لوگوں کے بارے میں یعنی مسلمانوں کے بارے میں۔ اور اس تعبیر میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو بدنام اور رسوا کرتا ہے وہ درحقیقت اپنے آپ کو رسوا کرتا ہے، کیونکہ اسلام نے سب مسلمانوں کو ایک رشتہ میں جوڑ دیا ہے۔

اور یہ تعبیر قرآنِ کریم میں متعدد جگہ آئی ہے، فرمایا: ﴿وَلاَ تَلْمِزُوْا أَنْفُسَكُمْ﴾: ایک دوسرے کو طعنہ مت دو (الحجرات ۱۱) اور ﴿وَلاَ تَقْتُلُوْا أَنْفُسَكُمْ﴾: ایک دوسرے کو قتل مت کرو (النساء ۲۹) اور ﴿فَسَلِّمُوْا عَلٰى أَنْفُسِكُمْ﴾: اپنے لوگوں کو سلام کیا کرو (النور ۶۱)

ایک سوال:

یہاں ایک سوال ہے: جب ہر مسلمان کو دوسرے مسلمانوں سے حسن ظن قائم رکھنے کا حکم ہے اور بے دلیل بات کی تردید واجب ہے تو نبی ﷺ نے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پہلے ہی اس بات کی تردید کیوں نہ کردی، ایک ماہ تک تردد کی حالت میں کیوں رہے؟

اس کے دو جواب ہیں:

پہلا جواب: یہ ہے کہ آیت اس واقعہ کے بعد نازل ہوئی ہے، اس سے پہلے ایسی کوئی ہدایت نازل نہیں ہوئی تھی۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ شوہر اور والدین کا معاملہ دوسروں سے مختلف ہوتا ہے۔ شوہر اگر تردید کرے گا بھی تو باتیں بنانے والوں کی زبان نہیں رُکے گی، وہ کہیں گے: ''میاں کی عقل پر پتھر پڑ گئے ہیں! ان کو بیوی کا عیب نظر نہیں آتا!'' اسی طرح وہ کہیں گے: ''باپ اگر بیٹی کی حمایت نہیں کرے گا تو اور کیا کرے گا؟'' غرض گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل والا معاملہ ہوگا، اس لئے تردید لاحاصل ہوگی، ورنہ نبی ﷺ نے جو خطبہ دیا ہے اس میں صاف فرمایا ہے: ''میں اپنی اہلیہ کے بارے میں بھلائی اور نیکی کے سوا کچھ نہیں جانتا'' اور ام رومان نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو بات کہی ہے کہ خوبصورت عورت جب کسی آدمی کی چہیتی بیوی ہوتی ہے اور اس کی سوکنیں ہوتی ہیں تو اکثر ایسی باتیں پیش آتی ہیں: یہ باتیں دلیل ہیں کہ آنحضرت ﷺ اور حضرت عائشہؓ کے والدین کے ذہنوں میں قطعاً کوئی شبہ نہیں تھا۔

دوسری بات: —— تہمت لگانے والے گواہ پیش نہ کرسکیں تو قانون کی نظر میں وہی جھوٹے ہیں،: —— وہ لوگ اُس بات پر چار گواہ کیوں نہ لائے؟ پس جب وہ گواہ نہ لائے تو وہی اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں —— ''اللہ کے نزدیک'' یعنی قانونِ اسلامی کی نظر میں وہی جھوٹے قرار دیئے جائیں گے، اور ان پر حدِ قذف لگے گی، اگرچہ یہ احتمال ہے کہ وہ سچے ہوں، مگر احکام ظاہر پر دائر ہوتے ہیں، کیونکہ حقیقت حال کا اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو علم نہیں۔

یہ آیت حدِ قذف کے سلسلہ میں ایک سوال کا جواب بھی ہے:

سوال: چار گواہوں سے الزام ثابت نہ کرسکنے سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ تہمت لگانے والا یقیناً جھوٹا ہے؟ ممکن ہے وہ سچا ہو، زنا کا معاملہ خود اس نے آنکھوں سے دیکھا ہو، مگر گواہ موجود نہ ہوں، اس لئے وہ پیش نہ کرسکا، پھر اس کو اتنی سخت سزا (اسّی کوڑے) کیوں دی گئی؟

جواب: بیشک یہ بات ممکن ہے، مگر قانون سازی میں اس کا لحاظ نہیں کیا گیا۔ کیونکہ قانون کا مدار ظاہری احوال پر ہوتا ہے، نفس الامری احوال پر مدار نہیں ہوتا، جیسے قاضی مدعی کے گواہوں پر اور مدعیٰ علیہ کی قسم پر فیصلہ کرتا ہے، حالانکہ مدعی کے گواہ جھوٹے ہوسکتے ہیں اور مدعیٰ علیہ جھوٹی قسم کھاسکتا ہے، مگر چونکہ فیصلہ کرنے کی اور کوئی صورت نہیں، اس لئے فیصلہ اسی طرح کیا جاتا ہے۔

اسی طرح الزام تراشی پر بھی گواہ قائم کرنے ضروری ہیں، اگر صرف الزام لگانے والے کی بات مان لی جائے گی تو مجرم پر بغیر گواہوں کے سزا جاری کرنا لازم آئے گا۔

رہا تہمت لگانے والے کا معاملہ تو وہ بولنے پر مجبور نہیں، اس کے پاس اگر گواہ نہیں ہیں تو خاموش رہے۔ البتہ شوہر اپنی

بیوی کے معاملہ میں بولنے پر مجبور ہے، کیونکہ حرم (بیوی) کی حفاظت اس پر لازم ہے، اس لئے اس سے گواہوں کا مطالبہ نہیں کیا جاتا بلکہ لعان کرایا جاتا ہے۔

تیسری بات: —— کبھی رحمتِ خداوندی سے عذاب ٹل جاتا ہے —— ارشادِ پاک ہے: اور اگر تم پر دنیا وآخرت میں اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم نہ ہوتا تو ضرور تم اس معاملہ میں جس میں تم مشغول ہوئے تھے بڑا عذاب پہنچتا! —— یعنی جو جرم تم سے سرزد ہوا اور جس شغل میں تم پڑے، وہ بہت بڑا جرم تھا، اس پر دنیا میں بھی عذاب آسکتا تھا، اور آخرت میں بھی، مگر اللہ تعالیٰ کا معاملہ ہمیشہ مؤمنین کے ساتھ فضل وکرم کا رہا ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، اس لئے عذاب تم سے ٹل گیا، مخلصین کو توبہ کی توفیق دی اور ان کی خطا معاف کردی، ورنہ منافقین کی طرح وہ بھی قیامت کے دن عذابِ عظیم میں گرفتار ہوتے۔

یہ آیت اُن مؤمنین کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو اس الزام تراشی میں کسی بھی درجہ میں ملوث ہوگئے تھے، پھر انھوں نے توبہ کرلی، اور بعض پر سزا بھی جاری ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے سب کو معاف کردیا۔

چوتھی بات: —— معمولی سمجھی جانے والی بعض باتیں حقیقت میں سنگین ہوتی ہیں: —— فرماتے ہیں: (یاد کرو) جب تم اس (تہمت) کو اپنی زبانوں سے نقل در نقل کررہے تھے —— اس کو سن کر بے تحقیق آگے بڑھا رہے تھے —— اور اپنے منہ سے وہ بات کہہ رہے تھے جس کی حقیقت تمہیں معلوم نہیں تھی —— بس گپ اڑا رہے تھے —— اور تم اس کو معمولی بات سمجھ رہے تھے، حالانکہ وہ بات اللہ کے نزدیک سنگین تھی —— کیونکہ اس سے صاحبِ معاملہ کو سخت تکلیف پہنچی، اُس کی رسوائی ہوئی، اس کے لئے زندگی دوبھر ہوگئی، اور اللہ کے رسول ﷺ سخت گھٹن میں مبتلا ہوگئے۔

اور بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ "بندہ کبھی اللہ کو ناراض کرنے والی بات بولتا ہے، اور وہ اس کو معمولی بات سمجھتا ہے: وہ اس بات کی وجہ سے جہنم میں جا پڑتا ہے" (مشکوۃ حدیث ۴۸۱۳)

پانچویں بات: —— الزام تراشی کی اول وہلہ ہی میں تردید ہونی چاہئے تھی —— ارشاد فرماتے ہیں: اور جب تم نے اس (الزام تراشی) کو سنا تو کیوں نہ کہہ دیا: "ہمارے لئے زیبا نہیں کہ ہم ایسی بات زبان سے نکالیں۔ معاذ اللہ! یہ تو بڑا بہتان ہے! —— سوچو! جس پاک باز خاتون کو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی زوجیت کے لئے چنا: کیا وہ خود بے آبرو ہوکر سید الانبیاء ﷺ کی آبرو کو بٹہ لگائے گی؟ یہ منافقوں نے ایک بے قصور پر بہتان باندھا ہے، تم نے اول وہلہ ہی میں اس کی تردید کیوں نہ کردی؟ اس بات کو تم نے آگے کیوں چلایا؟

چھٹی بات: —— آئندہ کبھی ایسی بات زبان سے مت نکالنا —— ارشاد فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ تمہیں نصیحت

فرماتے ہیں: اگر تم ایماندار ہو تو آئندہ کبھی ایسی بات زبان سے مت نکالنا۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے لئے صاف صاف احکام بیان فرماتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے، بڑی حکمت والے ہیں۔

قولہ تعالیٰ لِمِثْلِهٖ : یعنی یہی الزام نہیں اس جیسی کوئی اور بات آئندہ صدیقہؓ کی شان میں زبان سے مت نکالنا: ورنہ انجام بخیر نہ ہوگا۔ یہ صاف صریح حکم ہے، اس کی خلاف ورزی کفر ہے۔ شامی (۱۸۳:۳) میں ہے: **من المعلوم ضرورةً: أن من قذف أمَّ المؤمنین عائشة رضی الله تعالیٰ عنها كَفَرَ، سواء كان سرًا أو جهراً**: یہ بات بداہۃً معلوم ہے یعنی دلیل کی محتاج نہیں کہ جو شخص ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائے: وہ کافر ہے، خواہ سراً لگائے یا جہراً یعنی برملا۔

قولہ تعالیٰ: ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾: یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے:

سوال: جب حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا پر یہ اتہام اتنا سنگین جرم تھا تو پھر اللہ تعالیٰ نے منافقین کو اس کا موقع کیوں دیا؟ تکوینی طور پر اُن کو روک کیوں نہیں دیا؟ امور کی باگ ڈور اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہ قادر مطلق ہیں، جو چیز وہ چاہتے ہیں وہی ہوتی ہے، اور جو چیز وہ نہ چاہیں نہیں ہوسکتی!

جواب: اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے، بڑی حکمت والے ہیں۔ اس واقعہ میں حکمت تھی اور اس کو اللہ تعالیٰ بخوبی جانتے تھے، اس لئے یہ واقعہ رونما ہونے دیا —— اور اس حکمت کا تذکرہ پہلے آچکا ہے کہ اس واقعہ کے ذریعہ حدقذف کو معقول بنانا مقصود تھا، اب ہر شخص سمجھ لے گا کہ زنا کی تہمت کوئی معمولی جرم نہیں، بلکہ وہ ایسا سنگین جرم ہے کہ اس سے اسلامی معاشرہ تہ وبالا ہوسکتا ہے، جیسا کہ حرم نبوی میں یہ واقعہ رونما ہونے سے سب لوگوں نے یہ بات سمجھ لی۔

یہاں ایک سوال وجواب ہے:

سوال: جس طرح کسی بات کا سچا ہونا بے دلیل معلوم نہیں ہوسکتا، اسی طرح کسی بات کا جھوٹا ہونا بھی بے دلیل معلوم نہیں ہوسکتا، پھر اس کو بہتانِ عظیم کیسے کہہ دیا جائے؟

جواب: ہر مسلمان کو بے گناہ سمجھنا اصلِ شرعی ہے، جو دلیل سے ثابت ہے، پس اس کے خلاف جو بھی بات بغیر دلیل کے کہی جائے، اس کو جھوٹا سمجھنے کے لئے کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں، صرف اتنا کافی ہے کہ ایک مؤمن مسلمان پر بغیر دلیلِ شرعی کے الزام لگایا گیا ہے، اس لئے یہ بہتان ہے! (معارف القرآن)

ساتویں بات: —— فواحش (بے حیائی کی باتوں) کا چرچا بھی معاشرہ کو خراب کرتا ہے —— ارشاد فرماتے ہیں: جو لوگ مسلمانوں میں بے حیائی کی بات کا چرچا پسند کرتے ہیں، ان کے لئے دنیا وآخرت میں دردناک

سزا ہے، اور اللہ تعالیٰ (باتوں کے عواقب کو) جانتے ہیں، اور تم نہیں جانتے! —— **فواحش** (زنا، اغلام وغیرہ) کا تذکرہ اس کی سزا کے ساتھ ایک معنی رکھتا ہے، مگر محض بے حیائی کی خبروں کو شہرت دینا طبعی طور پر لوگوں کے دلوں سے فواحش کی نفرت کو کم کرتا ہے اور جرائم پر اقدام کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ جس کا مشاہدہ آج کل کے اخبارات میں روزانہ ہوتا ہے نوجوان اخبار میں اس طرح کی خبریں ڈھونڈھ کر پڑھتے ہیں، پھر ان جرائم پر سزاؤں کا تذکرہ اخباروں میں بہت ہی کم آتا ہے، اس کا لازمی اور طبعی اثر یہ ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ وہ فعل خبیث نظروں میں ہلکا نظر آنے لگتا ہے، چنانچہ اس آیت میں فواحش کی تشہیر پر روک لگائی ہے، اور اس پر دردناک سزا کی خبر دی ہے اور آخر آیت میں اس کی دلیل بیان کی ہے کہ اس قسم کی باتوں کے عواقب اللہ تعالیٰ جانتے ہیں، بندے نہیں جانتے، پس ان کو چاہئے کہ اللہ کے ارشاد پر عمل کریں تاکہ دنیا و آخرت میں ضرر سے بچ جائیں۔

آخری آیت: شروع سورت سے حدود کا بیان شروع ہوا ہے۔ اُس سلسلہ کی دسویں آیت تھی: ﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَأَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ﴾: اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور ان کی مہربانی نہ ہوتی، اور نہ یہ بات ہوتی کہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والے حکمت والے ہیں (تو تم بڑی مضرتوں میں پڑ جاتے!)

پھر حد قذف کی معقولیت سمجھانے کے لئے افک (الزام تراشی) کا واقعہ بیان کیا ہے۔ اس واقعہ کو بھی اسی مضمون پر پورا کیا جا رہا ہے، ارشادِ پاک ہے: —— اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور ان کی مہربانی نہ ہوتی، اور نہ یہ بات ہوتی کہ اللہ تعالیٰ بڑے شفیق بڑے مہربان ہیں (تو معلوم نہیں کیا ہو جاتا!) یعنی طوفان تو ایسا اٹھا تھا کہ نہ معلوم کون کون اس کی نذر ہو جاتے، لیکن اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و رحمت اور شفقت و مہربانی سے تم میں سے تائبین کی توبہ قبول فرمائی اور بعض کو حد شرعی جاری کر کے پاک کیا، اور جو زیادہ خبیث تھے ان کو ایک گونہ مہلت دی (فوائد عثمانی)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢١﴾ وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ڝ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ۭ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٢﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

يَرْمُونَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۪ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٢٣﴾ يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٤﴾ يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ﴿٢٥﴾ اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿٢٦﴾

ع ۳ ۹

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے لوگو جو	وَلَوْلَا	اور اگر نہ ہوتا	يُزَكِّيْ	پاک صاف کرتے ہیں
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	فَضْلُ اللّٰهِ	اللہ کا فضل	مَنْ يَّشَآءُ	جس کو چاہتے ہیں
لَا تَتَّبِعُوْا(۱)	نہ پیروی کرو	عَلَيْكُمْ	تم پر	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ(۲)	شیطان کے قدموں کی	وَرَحْمَتُهٗ	اور اس کی مہربانی	سَمِيْعٌ	سب کچھ سننے والے
وَمَنْ	اور جو شخص	مَا	(تو) نہ	عَلِيْمٌ	سب کچھ جانںوالے ہیں
يَّتَّبِعْ	پیروی کرے گا	زَكٰى(۵)	پاک صاف ہوتا	وَلَا يَاْتَلِ(۷)	اور نہ قسم کھائیں
خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ	شیطان کے قدموں کی	مِنْكُمْ	تم میں سے	اُولُوا الْفَضْلِ	بزرگی والے
فَاِنَّهٗ(۳)	تو بیشک وہ	مِّنْ اَحَدٍ(۶)	کوئی	مِنْكُمْ	تم میں سے
يَاْمُرُ	حکم دے گا	اَبَدًا	کبھی بھی	وَالسَّعَةِ	اور گنجائش والے
بِالْفَحْشَآءِ	بے حیائی والے کاموں کا	وَّلٰكِنَّ	مگر	اَنْ(۸)	کہ
وَالْمُنْكَرِ(۴)	اور ناجائز کاموں کا	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ	يُّؤْتُوْٓا	(نہیں) دیں گے وہ

(۱) اتَّبَعَ الشيئَ: پیچھے چلنا، پیروی کرنا۔ (۲) خُطُوات: خُطْوة کی جمع: قدم (۳) فإنه: مَنْ کی جزاء نہیں ہے، بلکہ جزاء کے قائم مقام ہے، جزاء: فقد غوىٰ ہے یعنی وہ گمراہ ہوگیا (۴) المنکر: ما يُنكره الشرعُ: ناجائز کام (۵) زَكَا الشيئُ (ن) زَكَاءً وزكوة: نشو ونما پانا، بڑھنا۔ زَكَا الرجلُ: گناہوں سے پاک صاف ہونا، یہی معنی زَكّٰى الشيئَ/الرجلَ کے ہیں۔ (۶) من أحدٍ: فاعل پر مِنْ زائدہ ہے (۷) لَايَأْتَلِ: اصل میں لَايَاْتَلِيْ تھا، مجزوم ہونے کی وجہ سے ی حذف ہوگئی۔ مجرد: أَلٰى يَالُوْ (ن) أَلْوًا وَأُلُوًّا: باز رہنا، کمی کرنا۔ إِيْلاء (افعال) اِيْتِلَاءٌ (افتعال) تَأَلِّيٌ (تفعل) کے معنی ہیں: قسم کھانا۔ (۸) أَنْ مصدریہ سے پہلے مِنْ یا يُؤْتُوْا سے پہلے لا پوشیدہ ہے یعنی وہ نہیں دیں گے۔

اُولِی الْقُرْبٰی	رشتہ داروں کو	اِنَّ الَّذِیْنَ	بیشک جولوگ	وَاَیْدِیْھِمْ	اوران کے ہاتھ
وَالْمَسٰکِیْنَ	اورغریبوں کو	یَرْمُوْنَ(۱)	(زنا کی) تہمت لگاتے ہیں	وَاَرْجُلُھُمْ	اوران کے پیر
وَالْمُھٰجِرِیْنَ	اور ہجرت کرنے والوں کو	الْمُحْصَنٰتِ	پاک دامن	بِمَا	ان کاموں کی جو
فِیْ سَبِیْلِ اللہِ	راہِ خدا میں	الْغٰفِلٰتِ	گناہ سے بے خبر	کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ	وہ کیا کرتے تھے
وَلْیَعْفُوْا	اور چاہئے کہ معاف کریں	الْمُؤْمِنٰتِ	ایمان والی عورتوں پر	یَوْمَئِذٍ(۳)	جس دن
وَلْیَصْفَحُوْا	اور چاہئے کہ درگذر کریں	لُعِنُوْا	لعنت بھیجے گئے ہیں وہ	یُّوَفِّیْھِمُ(۴)	پورا پورا دیں گے ان کو
اَلَا	کیا نہیں	فِی الدُّنْیَا	دنیا میں	اللہُ	اللہ تعالیٰ
تُحِبُّوْنَ	پسند کرتے تم	وَالْاٰخِرَۃِ	اور آخرت میں	دِیْنَھُمُ(۵)	ان کا بدلہ
اَنْ	کہ	وَلَھُمْ	اوران کے لئے	الْحَقَّ(۶)	برحق (واجبی)
یَّغْفِرَ	معاف کردیں	عَذَابٌ	سزا ہے	وَیَعْلَمُوْنَ	اور جان لیں گے وہ
اللہُ	اللہ تعالیٰ	عَظِیْمٌ	بہت بڑی	اَنَّ اللہَ	کہ اللہ تعالیٰ
لَکُمْ	تم کو؟	یَّوْمَ(۲)	جس دن	ھُوَ الْحَقُّ(۷)	ہی برحق بات
وَاللہُ	اور اللہ تعالیٰ	تَشْھَدُ	گواہی دیں گے	الْمُبِیْنُ(۸)	بیان کرنے والے ہیں
غَفُوْرٌ	بڑے بخشنے والے	عَلَیْھِمْ	ان کے خلاف	اَلْخَبِیْثٰتُ	گندی عورتیں
رَّحِیْمٌ	بڑے مہربان ہیں	اَلْسِنَتُھُمْ	ان کی زبانیں	لِلْخَبِیْثِیْنَ	گندے مردوں کیلئے

(۱) یرمون کے بعد صلہ بالزنا محذوف ہے (۲) یوم کا ناصب کَائِنٌ ہے، جو لھم کا متعلّق ہے یعنی یہ بڑا عذاب اس دن ہوگا جب ان کے خلاف گواہی دیں گے الی آخرہ یعنی قیامت کے دن ہوگا۔ اور عذابٌ (مصدر) کو بھی ناصب بنا سکتے ہیں اور مطلب اس صورت میں بھی یہی ہوگا۔ (۳) یؤمئذ: یوم سے بدل ہے۔ (۴) وَفّٰی فلانا حقَّه: پورا حق دینا۔ (۵) الدِّیْن کے بہت سے معانی ہیں، یہاں جزاء اور بدلہ کے معنی ہیں: جیسے محاورہ ہے: کما تُدِیْنُ تُدَانُ: لوگوں کے ساتھ جیسا سلوک کروگے ویسا ہی بدلہ دیئے جاؤگے یعنی ویسا ہی لوگ تمہارے ساتھ سلوک کریں گے۔ (۶) الحَقَّ: دِیْنَ (مضاف) کی صفت ہے۔ حقّ کے اصلی معنی مطابقت اور موافقت کے ہیں، اور اس کا استعمال مختلف معانی میں ہوتا ہے۔ یہاں معنی ہیں: وہ قول یا فعل جو اسی طرح واقع ہو، جس طرح پر اس کا ہونا ضروری ہے، قولِ حق اور فعلِ حق اسی معنی کے اعتبار سے کہا جاتا ہے۔ (۷) الحق: اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، مراد وہ ہستی ہے جس کا وجود واقعی ہے، فرضی نہیں اور الحق اور الحق میں جناس تام ہے یعنی لفظ ایک ہیں اور معنی مختلف۔ (۸) المبین بھی اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، أَبَانَ سے اسم فاعل ہے: ظاہر کرنے والا، کھول کر بیان کرنے والا۔

وَالْخَبِيْثُوْنَ	اور گندے مرد	لِلطَّيِّبٰتِ	ستھری عورتوں کے لئے	لَهُمْ	ان کے لئے
لِلْخَبِيْثٰتِ	گندی عورتوں کے لئے	اُولٰٓئِكَ	یہ لوگ	مَّغْفِرَةٌ	بخشش
وَالطَّيِّبٰتُ	اور ستھری عورتیں	مُبَرَّءُوْنَ(۱)	پاک ہیں	وَّرِزْقٌ	اور روزی ہے
لِلطَّيِّبِيْنَ	ستھرے مردوں کیلئے	مِمَّا	ان باتوں سے جو	كَرِيْمٌ	عزت والی
وَالطَّيِّبُوْنَ	اور ستھرے مرد	يَقُوْلُوْنَ	وہ کہتے ہیں	۞	۞

ربط: گذشتہ رکوع کی دس آیتوں کا راست تعلق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی براءت سے تھا۔ اب اس رکوع کی چھ آیتوں میں اُسی سلسلہ کی چار باتوں کا عمومی انداز میں تذکرہ کیا جاتا ہے:

پہلی بات: —— اللہ تعالیٰ ہی گناہوں سے بچاتے ہیں، شیطان تو گناہوں کی دلدل میں پھنساتا ہے ——

ارشاد فرماتے ہیں: اے مؤمنو! شیطان کے نقشِ قدم پر مت چلو، جو شخص شیطان کے نقشِ قدم پر چلتا ہے (وہ گمراہ ہوجاتا ہے) کیونکہ وہ بے حیائی اور ناجائز کاموں کا حکم دیتا ہے —— اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور ان کی مہربانی نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی شخص کبھی بھی پاک صاف نہ ہوتا، بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں پاک صاف کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والے خوب جاننے والے ہیں۔

شیطان کے نقشِ قدم پر مت چلو: یعنی شیطان کی چالوں سے ہوشیار رہو، مسلمان کا یہ کام نہیں کہ شیاطین الانس والجن کے قدم بہ قدم چلے، ان ملعونوں کا تو مشن ہی یہ ہے کہ لوگوں کو بے حیائی اور ناجائز کاموں کی طرف لے جائیں، تم جان بوجھ کر ان کے فریب میں کیوں آتے ہو! اس کی راہ اپناؤ گے تو وہ تمہیں گمراہ کر کے چھوڑے گا۔

اگر تم سنورنا چاہتے ہو، اپنی اصلاح کے آرزومند ہو اور اپنی عاقبت درست کرنا چاہتے ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف آؤ، اس کے رسول ﷺ کا دامن پکڑو، ان کے لائے ہوئے دین کی پیروی کرو، جبھی اللہ تعالیٰ کے فضل ورحمت کے حقدار بن سکتے ہو۔ اللہ کا فضل اور ان کی رحمت ہی ان کے مخلص بندوں کی دستگیری کرتی ہے، افک کے معاملہ میں انھوں نے اکثر صحابہ کو محفوظ رکھا، اور بعض جو مبتلا ہوئے تو ان کو توبہ کی توفیق دی!

اور اللہ تعالیٰ اپنے علم محیط اور حکمتِ کاملہ سے جانتے ہیں کہ کون بندہ سنورنے کے قابل ہے، اور کس کی توبہ قبول ہونی چاہئے، اور کون جہنم میں جانے کے لائق ہے! چنانچہ دنیا میں اس کے پیچھے رسوائی لگادی اور آخرت میں اس کے لئے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

(۱) مُبَرَّء: اسم مفعول (باب تفعیل) مصدر تَبْرِئَة: بری کئے ہوئے، اللہ کی طرف سے بری قرار دیتے ہوئے۔

دوسری بات: ـــــ بڑوں کا ظرف بڑا اور ان کے اخلاق بلند ہونے چاہئیں ـــــ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر طوفان اٹھانے والوں میں بعض صحابہ بھی بھولے پن سے شریک ہوگئے تھے، ان میں سے ایک حضرت مِسْطَحؓ تھے،، جو ایک مفلس مہاجر ہونے کے علاوہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بھانجے یا خالہ زاد بھائی تھے، واقعہ افک سے پہلے حضرت صدیق اکبرؓ ان کی امداد کیا کرتے تھے، جب یہ واقعہ پیش آیا، اور صدیقہؓ کی براءت آسمان سے نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی کہ آئندہ مسطح کی مدد نہیں کریں گے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی ـــــ اور تم میں سے دینی کمال اور مالی وسعت رکھنے والے قسم نہ کھائیں کہ وہ رشتہ داروں، غریبوں اور راہِ خدا میں ہجرت کرنے والوں کو (مدد) نہیں دیں گے ـــــ بلکہ ان کا ظرف بہت بڑا اور ان کے اخلاق بہت بلند ہونے چائیں ـــــ ان کو چاہئے کہ معاف کردیں اور درگذر کریں ـــــ یعنی جواں مردی یہ ہے کہ برائی کا بدلہ بھلائی سے دیں، اپنے غریب رشتہ داروں اور خدا کے لئے وطن چھوڑنے والوں کی امداد بند نہ کردیں، بزرگوں اور مالی وسعت رکھنے والوں کو ایسا نہیں کرنا چاہئے، ان کے شایانِ شان یہ ہے کہ خطا کاروں کی لغزش سے چشم پوشی اور ان کی حرکت سے درگذر کریں ـــــ کیا تم یہ بات پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کردیں! اور اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے، بڑے رحم والے ہیں ـــــ ہر مؤمن بندہ اللہ تعالیٰ سے عفو و درگذر کی امید رکھتا ہے، پس بندوں کو چاہئے کہ وہ بھی دوسروں کے ساتھ یہی معاملہ کریں۔ حدیث شریف میں ہے: ''مہربانی کرنے والوں پر رحمان مہربانی کرتے ہیں، زمین والوں پر مہربانی کرو آسمان والا تم پر مہربانی کرے گا'' ـــــ چنانچہ حدیث میں ہے کہ جب حضرت ابوبکرؓ نے یہ آیت سنی تو فوراً جواب دیا: ''بیشک اے پروردگار! ہم ضرور چاہتے ہیں کہ آپ ہماری مغفرت فرمائیں، اور انھوں نے حضرت مسطحؓ کی امداد جاری کردی، بلکہ بعض روایات میں ہے کہ دوگنی کردی۔

مسئلہ: اگر کوئی قسم کھائی، پھر اس کے علاوہ بات میں بھلائی نظر آئی تو اس قسم کو پورا نہیں کرنا چاہئے، اس کو توڑ دینا چاہئے اور اس کا کفارہ ادا کردینا چاہئے، مثلاً: غصہ میں قسم کھالی کہ باپ سے یا ماں سے نہیں بولے گا، پھر ہوش آیا تو قسم توڑ دے اور کفارہ دیدے (یہ مسئلہ حدیث میں آیا ہے)

فائدہ: کسی خاص فقیر کی مالی مدد کرنا کسی خاص مسلمان پر علی التعیین واجب نہیں، پس جس کی مالی مدد کوئی کرتا ہے اگر وہ اس کو روک دے تو کوئی گناہ نہیں، مگر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے معاشرہ کو ایک مثالی معاشرہ بنانا چاہتے ہیں، اس لئے اس آیت میں اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دی کہ اگر کسی بڑے آدمی نے جس کو اللہ تعالیٰ نے مالی وسعت بھی دی ہے، طبعی رنج و ملال کی وجہ سے کسی خاص غریب فقیر کی مدد نہ کرنے کی قسم کھالی تو اس کو توڑ دینا چاہئے، اور اس کا کفارہ ادا کردینا چاہئے، اور اس کا

مالی تعاون شروع کردینا چاہئے، اس کی مالی امداد سے دست کش ہوجانا بڑے لوگوں کے مقام بلند کے مناسب نہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ سے تم عفوودرگذر کی امید رکھتے ہو، اسی طرح تمہیں بھی عفوودرگذر سے کام لینا چاہئے۔

تیسری بات: —— الزام تراشی کرنے والے دونوں جہانوں میں ملعون ہیں، اوران کو بڑی سخت سزا قیامت کے دن ملے گی، اوراس دن جرم کے گواہ خود اُن کے اعضاء ہونگے —— ارشادفرماتے ہیں جولوگ پاک دامن (بے حیائی والے گناہ سے) بے خبر، ایماندارعورتوں پر (زنا کی) تہمت لگاتے ہیں: وہ بالیقین دنیاؤ آخرت میں ملعون ہیں! اوران کے لئے بڑاعذاب ہے جس دن ان کے خلاف ان کی زبانیں، ان کے ہاتھ اوران کے پیراُن کاموں کی گواہی دیں گے جووہ کیا کرتے تھے، اُس دن اللہ تعالیٰ ان کوان کا واجبی بدلہ پوراپورادیں گے، اوروہ جان لیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہی برحق بیان کرنے والے ہیں۔

اس آیت میں اوراسی سورت کی آیت چار میں قذف کے تعلق سے پاک دامن عورتوں کی تخصیص بہ چندوجوہ ہے:

۱- افک کا واقعہ چونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ پیش آیا تھا: اس لئے بیان میں عورتوں کی تخصیص کی ہے۔

۲- عورتیں کمزورصنف ہیں، اس لئے ان کو تہمت لگانے پر صدمہ بہت پہنچتا ہے، اوروہ جلدی سے شرم کے مارے قاضی کے پاس نہیں جاسکتیں، اورمرد باہمت ہوتے ہیں، وہ فوراً استغاثہ کرکے بدلہ لے سکتے ہیں۔

۳- تہمتِ زنا خواہ کسی پرلگائی جائے، مرد پر یا عورت پر: کبیرہ گناہ اورموجب حد ہے، مگر پاک دامن، گناہ کے تصور سے بھی پاک ایماندارعورت پرتہمت لگانا تباہ کرنے والا کبیرہ گناہ ہے۔ متفق علیہ حدیث میں ہے: ''سات تباہ کن گناہوں سے بچو: ایک: اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا۔ دوسرا: جادو کرنا۔ تیسرا: کسی کو ناحق قتل کرنا۔ چوتھا: سود کھانا۔ پانچواں: یتیم کا مال کھانا۔ چھٹا: جنگ کے دوران پیٹھ پھیرنا۔ ساتواں: پاک دامن، گناہ سے محض بے خبر ایماندار عورتوں پرزنا کی تہمت لگانا (مشکوۃ حدیث ۵۲) اورطبرانی کی روایت میں ہے: ''محصنہ پرتہمت لگانا سوسال کے عمل کو ڈھادیتا ہے'' (فوائد)

لعنت کے معنی: خیر سے دوراورمحروم کرنا، کسی سے سخت ناراض ہوجانا اور پھٹکاردینا —— اورلعنت کا اثر دنیاؤ آخرت میں مختلف طرح سے ظاہرہوتا ہے، مگر دنیا میں اسباب دنیوی کی رعایت کے ساتھ اثر ظاہرہوتا ہے۔ جب اسباب متعارض ہوتے ہیں تو اثر دیر میں ظاہر ہوتا ہے، اورآخرت میں چونکہ اسباب کا تعارض ختم ہوجاتا ہے اس لئے اثر فوری ظاہر ہوتا ہے (اس کی تفصیل رحمۃ اللہ الواسعہ ۱:۳۶۱ میں ہے)

جس دن ان کے خلاف ان کی زبانیں، ان کے ہاتھ اوران کے پیر گواہی دیں گے: یعنی قیامت کے میدان میں عدالت قائم ہوگی، اوراظہارات سنے جائیں گے، اس دن الزام تراشی کرنے والے اپنے جرم کا خوداقرار کریں گے، ان کی

زبانیں ان کے خلاف گواہی دیں گی، اوران کے دو ہاتھ اور دو پیر بھی ان کے خلاف گواہی دیں گے، وہ دنیا میں تہمت پر چار گواہ پیش نہیں کر سکے تھے، اب ان کے جھوٹے ہونے پر انہیں کے چار اعضاء گواہی دیں گے، اس وقت عدالتِ عالی واجبی سزا کا فیصلہ سنائے گی، اور وہ سزا ان کو پوری پوری ملے گی۔

اس دن مجرموں کو دو باتوں کا حق الیقین حاصل ہو جائے گا:

۱-اللہ تعالیٰ برحق ذات ہیں، ان کا وجود محض خیالی نہیں، بلکہ وہ واقعی حقیقت ہے۔

۲-انھوں نے دنیا میں احکام صاف صاف کھول کر بیان کر دیئے تھے، مگر بہت سے لوگ خام خیالی میں مبتلا رہے، ان کو اب پتہ چل گیا کہ وہ واقعی احکام تھے، فرضی نہیں تھے۔

یہاں ایک سوال ہے: یٰس شریف (آیت ۶۵) میں ہے: ''آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے، اوران کے ہاتھ ہم سے کلام کریں گے، اوران کے پاؤں اُن کاموں کی گواہی دیں گے جو وہ کیا کرتے تھے'' اور یہاں ہے کہ ان کی زبانیں بھی گواہی دیں گی: یہ تعارض ہے۔

اس کا جواب: یہ ہے کہ یٰس شریف کی آیت کافروں کے حق میں ہے۔ وہ قیامت کے دن عدالتِ عالی میں اپنے کفر و شرک کا انکار کریں گے، پس ان کے مونہوں پر مہر کر کے اعضاء سے پوچھا جائے گا، وہ اقرار کریں گے۔ اور یہاں الزام لگانے والے مؤمنوں اور منافقوں کا ذکر ہے۔ یہ جرم کا انکار نہیں کریں گے، بلکہ اقرار کریں گے، اس لئے مونہوں پر مہر لگانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔

چوتھی بات: —— اللہ تعالیٰ نے طبائع میں طبعی طور پر جوڑ رکھا ہے —— ارشاد فرماتے ہیں: گندی عورتیں گندے مردوں کے لئے ہیں، اور گندے مرد گندی عورتوں کے لئے ہیں۔ اور ستھری عورتیں ستھرے مردوں کے لئے ہیں، اور ستھرے مرد ستھری عورتوں کے لئے ہیں۔ یہ لوگ (ستھرے مرد و زن) ان باتوں سے پاک ہیں جو وہ (الزام لگانے والے) کہتے ہیں۔ ان (ستھرے لوگوں) کے لئے مغفرت اور عزت کی روزی ہے!

اس آخری آیت میں یہ ضابطہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے طبائع میں طبعی طور پر جوڑ رکھا ہے۔ فارسی کی مشہور مثل ہے: ''کند ہم جنس با ہم جنس پرواز! اوراسی معنی میں عربی کی مثل ہے: إنَّ الطیورَ علی أشباهها تقع: یعنی کبوتروں کی ڈار میں کبوتر ہی ہوتے ہیں، کوا نہیں ہوتا، اور کوّوں کی ڈار میں کوّے ہی ہوتے ہیں، کبوتر نہیں ہوتا۔ یہ قدرتی قانون ہے، اس قانون کی رو سے گندی عورتیں گندے مردوں کے لئے ہیں، اور گندے مرد گندی عورتوں کے لئے ہیں۔

اور یہ مضمون اسی سورت کی آیت تین میں بھی دوسرے انداز پر آیا ہے۔ ارشاد پاک ہے: ''بدکار مرد صرف بدکار عورت سے یا مشرک عورت سے نکاح کرتا ہے۔ اور بدکار عورت سے صرف بدکار مرد یا مشرک نکاح کرتا ہے''

مگر دورِاول کے اسلامی معاشرہ میں ان بدکاروں کا نام ونشان بھی نہیں تھا، وہ معاشرہ تو دودھ سے دُھلا ہوا تھا، پھر انبیاء علیہم السلام جو دنیا میں پاکی اور صفائی میں مثالی شخصیتیں تھیں ان کو اللہ تعالیٰ نے ازواج بھی ان کے مناسب عطا فرمائی تھیں، ان کے حق میں افتراء پردازی کیا معنی رکھتی ہے! ان کے لئے تو دوسرا ضابطہ ہے: ''اور ستھری عورتیں ستھرے مردوں کے لئے ہیں، اور ستھرے مرد ستھری عورتوں کے لئے ہیں!'' اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تو سب ازواج میں ممتاز تھیں، اور آپ ﷺ سید الانبیاء ہیں۔ پس صدیقہ کے بارے میں شک وشبہ وہی کرسکتا ہے جس کا خود رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہیں۔ صدیقہ اور تمام ازواج مطہرات ان باتوں سے قطعی پاک ہیں جو منافقین کہتے ہیں۔ ان کے لئے آخرت میں مغفرت اور عزت کی روزی یعنی جنت ہے، اور تہمت تراشنے والے جہنم کا ایندھن بن کر رہیں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی بھی پیغمبر کی بیوی بدکار نہیں ہوتی یعنی اللہ تعالیٰ ان کے ناموس کی حفاظت فرماتے ہیں۔

کسی نبی کی بیوی کافر ہو یہ ممکن ہے، مگر بدکار فاحشہ نہیں ہوسکتی کیونکہ بدکاری سے طبعی طور پر عوام کو نفرت ہوتی ہے، اور کفر طبعی نفرت کا موجب نہیں (بیان القرآن)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۲۹﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	غَيْرَ (۱)	جو علاوہ ہیں	وَتُسَلِّمُوْا	اور سلام کرلو
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	بُيُوْتِكُمْ	تمہارے گھروں کے	عَلٰٓى اَهْلِهَا	ان کے رہنے والوں کو
لَا تَدْخُلُوْا	مت داخل ہوؤ	حَتّٰى	یہاں تک کہ	ذٰلِكُمْ	یہ (اجازت لینا)
بُيُوْتًا	ایسے گھروں میں	تَسْتَاْنِسُوْا	تم انس پیدا کرلو	خَيْرٌ (۲)	بہتر ہے

(۱) غیر بیوتکم: مرکب اضافی بیوتًا کی صفت ہے (۲) خیر: اسم تفضیل ہے، خلافِ قیاس، اور مفضل منہ: من الدخول بغیر استئذان محذوف ہے یعنی بغیر اجازت لئے داخل ہونے سے۔

لَّكُمْ	تمہارے لئے	لَكُمْ	تم سے	اَنْ	(اس میں) کہ
لَعَلَّكُمْ(۱)	تاکہ تم	ارْجِعُوْا	لوٹ جاؤ	تَدْخُلُوْا	داخل ہوؤ
تَذَكَّرُوْنَ	یاد کرو	فَارْجِعُوْا	تو لوٹ جاؤ	بُيُوْتًا	ایسے گھروں میں
فَاِنْ	پس اگر	هُوَ	وہ (لوٹ جانا)	غَيْرَ(۳)	جو نہیں ہیں
لَّمْ تَجِدُوْا	نہ پاؤ تم	اَزْكٰى(۲)	زیادہ ستھرا (بہتر) ہے	مَسْكُوْنَةٍ	رہنے کے گھر
فِيْهَا	ان گھروں میں	لَكُمْ	تمہارے لئے	فِيْهَا	ان گھروں میں
اَحَدًا	کسی کو	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	مَتَاعٌ(۴)	نفع ہے
فَلَا تَدْخُلُوْهَا	تو نہ داخل ہوؤ ان میں	بِمَا	ان کاموں کو جو	لَّكُمْ	تمہارے لئے
حَتّٰى	یہاں تک کہ	تَعْمَلُوْنَ	تم کرتے ہو	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
يُؤْذَنَ	اجازت دی جائے	عَلِيْمٌ	خوب جاننے والے ہیں	يَعْلَمُ	جانتے ہیں
لَكُمْ	تمہارے لئے	لَيْسَ	نہیں ہے	مَا	ان باتوں کو جو
وَاِنْ	اور اگر	عَلَيْكُمْ	تم پر	تُبْدُوْنَ	ظاہر کرتے ہو تم
قِيْلَ	کہا جائے	جُنَاحٌ	کوئی گناہ	وَمَا تَكْتُمُوْنَ	اور انکو جو چھپاتے ہو تم

ربط: سورۃ النور کا موضوع اصلاحِ معاشرہ ہے، اور معاشرہ کو خراب کرنے والی سب سے بری چیز زنا ہے۔ اس سے نسب گڈمڈ ہوجاتے ہیں، رقابتیں پیدا ہوتی ہیں، اور کُشت وخون کا بازار گرم ہوتا ہے، جھگڑے کھڑے ہوتے ہیں اور معاشرہ تہ وبالا ہوجاتا ہے۔ یورپ وامریکہ میں جہاں باہمی رضامندی سے زنا ایک جائز فعل ہے ان خرابیوں کا رات دن مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ اس لئے سورت کا آغاز احکام زنا وقذف سے ہوا ہے، پھر قذف کی سنگینی سمجھانے کے لئے واقعہ افک کا تذکرہ کیا ہے۔ اور چونکہ بسا اوقات بلا اجازت کسی کے گھر میں جانا زنا کا سبب بنتا ہے اس لئے اب ان آیات میں اجازت طلبی کا حکم دیا جاتا ہے، تاکہ فسادِ معاشرہ کا یہ سوراخ بند ہوجائے۔

---

(۱) لعلکم: محذوف: أُرشدتم إلى ذلك کی تعلیل ہے یعنی تمہاری اس مفید بات کی طرف راہ نمائی کی گئی ہے تاکہ تم یاد کرو اس بات کو جو تمہارے لئے مفید ہے۔ تذکرون کا مفعول: منفعته بھی محذوف ہے۔ (۲) أزکی: اسم تفضیل: زیادہ ستھرا، زکاۃ سے جس کے معنی طہارت اور پاکیزگی کے ہیں۔ (۳) غیر مسکونة: مرکب اضافی بیوتا کی صفت ہے۔ (۴) متاع: اسم مفرد، جمع أمتعة: معین وممتد وقت تک برتنے اور فائدہ اٹھانے کی چیز اور قابل استفادہ چیز۔

ملاقات کے لئے جاؤ تو پہلے اجازت لو، بغیر اجازت کے کسی کے گھر میں داخل مت ہوؤ!

ارشادِ پاک ہے: —— اے ایمان والو! اپنے گھروں کے علاوہ دوسرے گھروں میں داخل مت ہوؤ، یہاں تک کہ (اجازت لے کر) اُنس پیدا کرلو، اوران میں رہنے والوں کو سلام کرلو۔ یہ بات تمہارے لئے بہتر ہے (اور یہ بات تم کو اس لئے بتائی) تاکہ تم (اپنا فائدہ) یاد کرو —— اس آیت کے ذیل میں چند باتیں سمجھ لینی چاہئیں:

۱- اجازت طلبی کا حکم مردوں کی طرح عورتوں کے لئے بھی ہے، آیت میں خطاب اگرچہ مردوں سے ہے، مگر عورتیں بھی اس حکم میں داخل ہیں۔ قرآنِ کریم کا یہ عام اسلوب ہے کہ مردوں کو مخاطب بنایا جاتا ہے، اور عورتیں اس میں شامل رہتی ہیں۔ پس دوسرے کے گھر میں جانے کے لئے اجازت طلب کرنا واجب ہے۔ عورت کسی عورت کے پاس جائے یا مرد کسی مرد کے پاس جائے سب کو اجازت لینی چاہئے، حتی کہ اگر اپنی ماں، بہن یا دوسری محرم عورتوں کے گھر میں جائے تب بھی اجازت لے کر جائے۔

موطا مالک میں روایت ہے: ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: کیا میں اپنی والدہ کے گھر میں جاؤں تو اجازت طلب کروں؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں! اس نے عرض کیا: میں تو ہر وقت ان کی خدمت میں رہتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: پھر بھی اجازت لئے بغیر گھر میں مت جاؤ، کیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ اپنی ماں کو ننگا دیکھو؟ اس نے کہا: نہیں۔ آپؐ نے فرمایا: پس اجازت لو، کیونکہ ممکن ہے وہ کسی ضرورت سے اپنا ستر کھولے ہوئے ہو (معارف)

اور اگر گھر میں بیوی بچے ہی ہوں تو اجازت لینا ضروری نہیں، مستحب ہے، کیونکہ احتمال ہے: پڑوس کی کوئی عورت گھر میں آئی ہوئی ہو۔ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ اپنے گھر میں جانے کے لئے بھی اجازت لیتے تھے، اور وجہ یہ بتائی کہ ممکن ہے گھر میں پاس پڑوس کی کوئی خاتون آئی ہوئی ہو۔

اور اگر اپنا گھر بالکل خالی ہو تو اجازت طلبی کا حکم باقی نہیں رہتا۔ البتہ سلام اب بھی کرنا چاہئے، اور اس صورت میں سلام ان لفظوں سے کرے: **السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین**: ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر سلام! میرے استاذ حضرت شیخ محمود عبدالوہاب مصری قدس سرہ **دارالعلوم دیوبند** میں مسجد کی بائیں جانب میں بالائی منزل پر اس حجرہ میں قیام پذیر تھے جس میں آج کل حضرت مہتمم صاحب رہتے ہیں، وہ جب نماز کے لئے نیچے اترتے تھے تو کمرہ بند کرکے آتے تھے۔ پھر جب نماز سے فارغ ہو کر لوٹتے تھے تو میں ساتھ ہوتا تھا، جب وہ کمرہ کھولتے تو مذکورہ لفظوں سے سلام کرتے تھے، پھر اندر داخل ہوتے تھے۔

۲- آیتِ کریمہ میں **تستأنسوا** ہے یعنی تم انسیت پیدا کرلو، جبکہ ہونا چاہئے تھا: **تستأذنوا**: تم اجازت لے لو، یہ

تبدیلی اس لئے ہے کہ اجازت طلبی کی حکمت و مصلحت کی طرف اشارہ ہو جائے، پس آیت میں اقتضاء النص سے **تستأذنوا** محذوف ہوگا، اور تقدیرِ عبارت ہوگی: **حتی تستأذنوا لِتَسْتأنسوا:** یہاں تک کہ اجازت لے لو، تاکہ ایک دوسرے سے مانوس ہو جاؤ۔

جب کوئی شخص کسی کی ملاقات کے لئے جاتا ہے تو اگر اجازت لے کر مہذب انسان کی طرح ملے تو مخاطب اس کی بات توجہ سے سنتا ہے، اور اس کی کوئی حاجت ہو تو اس کو پورا کرتا ہے، اور اگر غیر مہذب طریقہ پر اجازت لئے بغیر مسلط ہو جائے تو مخاطب اس کو بلائے ناگہانی سمجھتا ہے اور اس کی بات توجہ سے نہیں سنتا، نہ اس کی حاجت روائی کا جذبہ اس کے دل میں پیدا ہوتا ہے، اور آنے والے کو ایذائے مسلم کا گناہ الگ ہوتا ہے۔

۳- آنے والے کو دو کام کرنے ہیں: اجازت لینی ہے اور سلام کرنا ہے: ان میں مقدم کون ہو؟ پہلے اجازت لینی چاہئے، پھر سلام کرنا چاہئے یا اس کے برعکس ہونا چاہئے، اس سلسلہ میں مفسرین کرام میں اختلاف ہے: ایک رائے یہ ہے کہ پہلے اجازت لے، پھر سلام کرے یہ حضرات کہتے ہیں: آیتِ کریمہ سے یہی ترتیب مفہوم ہوتی ہے، حالانکہ آیت میں واو کے ذریعہ عطف کیا گیا ہے، اور واو مطلق جمع کے لئے آتا ہے، وہ ترتیب پر دلالت نہیں کرتا۔

دوسری رائے یہ ہے کہ پہلے سلام کرے پھر اجازت طلب کرے۔ متعدد روایات میں یہی ترتیب آئی ہے۔ **السلام قبل الکلام** مشہور حدیث ہے، اور حضرت ابو ہریرہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما کی حدیثوں میں ہے کہ جو شخص سلام سے پہلے اجازت طلب کرے اس کو اجازت مت دو۔

اور تطبیق یہ سمجھ میں آتی ہے کہ سلام دو طرح کے ہیں: سلام استیذ ان اور سلام تحیہ۔ اگر صاحبِ خانہ قریب ہو، اور بات سن رہا ہو تو پہلے سلام کرے، یہ سلام استیذ ان بھی ہے اور سلام تحیہ بھی۔ پھر اجازت ملنے کے بعد جب گھر میں داخل ہو تو دوبارہ سلام تحیہ کرنا ضروری نہیں —— اور اگر صاحبِ خانہ دور ہو، گھنٹی بجانے کی ضرورت ہو یا دروازہ کھٹکھٹانے کی، تو پہلے استیذ ان کرے، جب اجازت مل جائے، اور گھر میں داخل ہو تو سلام تحیہ کرے۔ واللہ اعلم

۴- فرمایا: ”یہ بات تمہارے لئے بہتر ہے“ یعنی اجازت لئے بغیر کسی کے گھر میں داخل ہونے سے بہتر ہے۔

اجازت لے کر داخل ہونے میں متعدد فوائد ہیں:

پہلا فائدہ: وہ ہے جس کی طرف ﴿تَسْتَأْنِسُوْا﴾ میں اشارہ کیا ہے کہ صاحبِ خانہ آنے والے سے مانوس ہو جاتا ہے اور ملاقات خوشگوار ہوتی ہے۔

دوسرا فائدہ: اللہ تعالیٰ نے آدمی کے گھر کو سکون و راحت کی جگہ بنایا ہے، اور یہ بات اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب کوئی خواہ مخواہ کی مداخلت نہ کرے، پس بے اجازت داخل ہو کر کسی کے سکون میں خلل ڈالنا گھر کی مصلحت کو فوت کرنا ہے،

اس لئے ناجائز ہے۔

تیسرا فائدہ: فواحش کا انسداد ہے۔ بلا اجازت کسی کے مکان میں داخل ہونے میں احتمال ہے کہ گھر کی عورت پر نظر پڑ جائے اور شیطان دل میں کوئی برا خیال پیدا کردے۔

چوتھا فائدہ: آدمی کبھی اپنے گھر میں ایسی حالت میں ہوتا ہے، یا ایسے کام میں مشغول ہوتا ہے کہ نہیں چاہتا کہ کوئی اس پر مطلع ہو، اس لئے اجازت لے کر داخل ہونا ضروری ہے۔

۵- اور آخر آیت میں ارشاد ہے: ﴿لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾: تاکہ تم اپنا فائدہ یاد کرو۔ یہ اجازت طلبی کی ترغیب ہے کہ چونکہ یہ بات تمہارے لئے مفید ہے، اس میں فوائد ہیں اس لئے اس کو ہمیشہ پیش نظر رکھو۔

اجازت ہر حال میں لینا ضروری ہے، اور لوٹ جانے کو کہا جائے تو لوٹ جائے، برا نہ مانے

ارشاد فرماتے ہیں: پس اگر تم ان گھروں میں کسی کو نہ پاؤ، تو (بھی) ان میں داخل مت ہوؤ، یہاں تک کہ تمہیں اجازت دی جائے، اور اگر تم سے کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو لوٹ جاؤ۔ وہ تمہارے لئے زیادہ ستھری بات ہے، اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب کاموں کی پوری خبر ہے! —— اس آیت میں دو مسئلے ہیں، اور آخر میں دو باتیں ہیں:

پہلا مسئلہ: اگر یہ معلوم ہو جائے کہ گھر میں کوئی موجود نہیں، تب بھی دوسرے کے گھر میں مالک کی اجازت کے بغیر مت جاؤ، کیونکہ ملکِ غیر میں بدوں اجازت تصرف کا کوئی حق نہیں۔ نہ معلوم بے اجازت داخل ہونے سے کیا جھگڑا کھڑا ہو یا کیا الزام لگ جائے —— ہاں صراحۃً یا دلالۃً اجازت ہو تو جانے میں کوئی مضائقہ نہیں ﴿حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ﴾ کا یہی مطلب ہے۔

دوسرا مسئلہ: اور اگر گھر میں صاحبِ خانہ ہو، مگر وہ کسی وجہ سے فی الحال ملاقات نہیں کرنا چاہتا، چنانچہ گھر میں سے کہا جائے کہ ملاقات سے فی الوقت معذوری ہے تو لوٹ جانا چاہئے، برا نہیں ماننا چاہئے۔ کبھی آدمی کی طبیعت کسی سے ملنے کو نہیں چاہتی، یا کام کا حرج ہوتا ہے، یا وہ کوئی ایسا کام یا بات کر رہا ہے جس پر غیر کو مطلع کرنا پسند نہیں کرتا، پس کیا ضروری ہے کہ خواہ مخواہ اس پر بوجھ بن جائے! اس طرح بارِ خاطر بننے سے تعلقات صاف نہیں رہتے۔

پھر آیت میں دو باتیں ارشاد فرمائی ہیں:

پہلی بات: ﴿هُوَ أَزْكٰى لَكُمْ﴾ وہ تمہارے لئے زیادہ ستھری بات ہے۔ اس کا تعلق دونوں مسئلوں سے ہے یعنی یہ دونوں مسئلوں کی مصلحت کا بیان ہے۔ گھر میں کوئی موجود نہ ہو اور بے اجازت داخل ہوؤ تو کوئی بھی الزام لگ سکتا ہے، اس لئے اس سے بہتر بات یہ ہے کہ داخل مت ہوؤ۔ اسی طرح ملاقات سے معذرت پر لوٹ جانا بھی قلوب کی صفائی کا سبب ہے، کیونکہ صاحبِ خانہ پر بوجھ بن جانا پرلے درجہ کی دنائت (کمینہ پن) ہے۔

دوسری بات: ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ﴾: اور اللہ تعالیٰ کوتمہارے سب کاموں کی پوری خبر ہے۔ یہ دونوں مسئلوں کی وجہ بیان کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو بندوں کے تمام ظاہری اور باطنی احوال کی خبر ہے۔ انھوں نے اپنے علم محیط سے تمام امور کی رعایت کر کے یہ احکام دیئے ہیں، پس ان کی تعمیل میں تمہارا سراسر فائدہ ہے۔

اور حدیثوں میں اجازت طلبی کے سلسلہ میں تین مسائل اور آئے ہیں:

پہلا مسئلہ: وقفہ وقفہ سے تین مرتبہ اجازت طلب کرے، اگر تیسری مرتبہ بھی جواب نہ ملے تو لوٹ جائے، اور یہ سمجھ لے کہ گھر میں کوئی نہیں ہے یا کوئی مشغولیت ہے، پس دروازے پر جمار ہنا اور مسلسل دستک دینا ایذاء کا سبب بنتا ہے، جس سے بچنا واجب ہے۔

دوسرا مسئلہ: اگر دروازہ کھلا ہے تو دروازے کے سامنے کھڑا نہ ہو، دائیں بائیں کھڑے ہوکر سلام کرے، گھنٹی بجائے یا دستک دے، تاکہ اجازت ملنے سے پہلے ناگاہ نظر نہ پڑ جائے، حدیث میں ہے: **إنما جُعل الاستیذانُ لأجل النظر**: اجازت طلبی کا حکم نظر (دیکھنے) ہی کی وجہ سے ہے۔ اگر اجازت ملنے سے پہلے گھر میں دیکھ لیا تو اجازت طلبی کا مقصد فوت ہوگیا۔

تیسرا مسئلہ: جب گھر میں سے پوچھا جائے کہ کون؟ تو ایسا جواب دے جس سے آنے والے کا تعارف ہو جائے، مجمل جواب نہ دے کہ میں! اور صرف نام نہ بتائے، بلکہ اپنا لقب یا عرف وغیرہ ہو تو وہ بھی ذکر کرے، یہی حکم ٹیلیفون پر جواب دینے کا ہے۔

رفاہِ عام کی جگہوں میں اجازت لئے بغیر داخل ہونا جائز ہے

ارشاد فرمایا: اور تم پر کوئی گناہ نہیں کہ (بغیر اجازت لئے) ایسے گھروں میں داخل ہوؤ جن میں کوئی نہیں رہتا، جن میں تمہارے لئے منفعت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ وہ باتیں جانتے ہیں جو تم علانیہ کرتے ہو اور جو تم پوشیدہ کرتے ہو!

جن مکانوں میں کوئی خاص آدمی نہیں رہتا اور وہ عام لوگوں کے استعمال کی جگہیں ہیں، اور وہاں جانے میں کوئی روک ٹوک نہیں، مثلاً: مسجد، مدرسہ، خانقاہ، سرائے وغیرہ۔ وہاں اگر کسی ضرورت سے جانا پڑے تو کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں، کیونکہ وہ کسی کی ملکیت نہیں، نہ وہاں جانے میں کسی کو ڈسٹرب (پریشان) کرنا لازم آتا ہے۔

مگر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ان جگہوں میں آدمی کیوں جارہا ہے؟ چوری وغیرہ کی نیت سے تو نہیں جارہا؟ اگر ایسی کوئی بری نیت ہے تو وہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ تمام کھلے اور چھپے حالات کو جانتے ہیں، وہ اس کی ضرور سزا دیں گے۔

مسئلہ: رفاہِ عام کی وہ مخصوص جگہیں آفس وغیرہ جہاں منتظمین کی طرف سے بے اجازت داخلے کی ممانعت ہے وہاں اجازت لینی ضروری ہے۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۞ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۖ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۖ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ؕ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۞

قُلْ	کہیں	اَزْكٰى	زیادہ ستھری ہے	لِّلْمُؤْمِنٰتِ	مؤمن عورتوں سے
لِّلْمُؤْمِنِيْنَ	مؤمن مردوں سے:	لَهُمْ	ان کے لئے	يَغْضُضْنَ (۵)	نیچی رکھیں
يَغُضُّوْا (۱)	نیچی رکھیں	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	مِنْ اَبْصَارِهِنَّ	اپنی نظریں
مِنْ اَبْصَارِهِمْ (۲)	اپنی نظریں	خَبِيْرٌ	پورے باخبر ہیں	وَيَحْفَظْنَ (۶)	اور محفوظ رکھیں
وَيَحْفَظُوْا (۳)	اور محفوظ رکھیں	بِمَا	ان کاموں سے جو	فُرُوْجَهُنَّ	اپنی شرمگاہیں
فُرُوْجَهُمْ	اپنی شرمگاہیں	يَصْنَعُوْنَ	وہ کرتے ہیں	وَلَا يُبْدِيْنَ	اور نہ ظاہر کریں
ذٰلِكَ (۴)	وہ بات	وَقُلْ	اور کہیں	زِيْنَتَهُنَّ (۷)	اپنی زیبائش

(۱) يَغُضُّوْا: فعل امر، صیغہ جمع مذکر غائب، غَضّ (ن) جھکانا، نیچا کرنا...... (۲) مِن: صلہ (زائدہ) ہے، اور تبعیضیہ بھی ہوسکتا ہے، بلکہ عام طور پر تبعیضیہ لیا گیا ہے، مگر بہتر صلہ قرار دینا ہے، کیونکہ تبعیضیہ ہونے کی صورت میں معنی بنانے میں بڑا تکلف ہے۔ (۳) يَحْفَظُوْا: فعل مضارع، صیغہ جمع مذکر غائب...... (۴) ذلك: اسم اشارہ بعید ہے، اور مشار الیہ غضِ بصر ہے...... (۵) يَغْضُضْنَ: فعل امر، صیغہ جمع مؤنث غائب ہے...... (۶) يَحْفَظْنَ: فعل مضارع، صیغہ جمع مؤنث غائب ہے۔ (۷) زینت: زیبائش، ہر قسم کی خلقی اور کسبی آرائش۔

إِلَّا(۱)	مگر	بُعُوْلَتِهِنَّ	اپنے شوہروں کے	لَمْ يَظْهَرُوْا	نہیں واقف ہوئے
مَا	جو	اَوْ اِخْوَانِهِنَّ	یا اپنے بھائیوں کے	عَلٰى عَوْرٰتِ	پردے کی باتوں سے
ظَهَرَ	کھلی رہتی ہے	اَوْ بَنِيْٓ	یا بیٹیوں	النِّسَآءِ	عورتوں کے
مِنْهَا(۲)	اس میں ہے	اِخْوَانِهِنَّ	اپنے بھائیوں کے	وَلَا يَضْرِبْنَ	اور نہ پٹخیں
وَلْيَضْرِبْنَ	اور چاہئے کہ ڈالیں رہیں	اَوْ بَنِيْٓ	یا بیٹوں	بِاَرْجُلِهِنَّ	اپنے پیر
بِخُمُرِهِنَّ	اپنی اوڑھنیاں	اَخَوٰتِهِنَّ	اپنی بہنوں کے	لِيُعْلَمَ	تا کہ جان لی جائے
عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ(۳)	اپنے گریبانوں پر	اَوْ نِسَآئِهِنَّ	یا اپنی عورتوں کے	مَا	جو
وَلَا يُبْدِيْنَ	اور نہ ظاہر کریں	اَوْ مَا	یا جن کے	يُخْفِيْنَ	چھپاتی ہیں وہ
زِيْنَتَهُنَّ	اپنی زیبائش	مَلَكَتْ	مالک ہیں	مِنْ زِيْنَتِهِنَّ	اپنی زیبائش سے
إِلَّا(۱)	مگر	اَيْمَانُهُنَّ	ان کے دائیں ہاتھ	وَتُوْبُوْٓا	اور توجہ کرو
لِبُعُوْلَتِهِنَّ	اپنے شوہروں کے سامنے	اَوِ التّٰبِعِيْنَ(۴)	یا ٹہلوا نوکروں کے	اِلَى اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کی طرف
اَوْ اٰبَآئِهِنَّ	یا اپنے باپوں کے	غَيْرِ	جو نہیں	جَمِيْعًا	سبھی
اَوْ اٰبَآءِ	یا باپوں	اُولِي الْاِرْبَةِ(۵)	خواہش رکھنے والے	اَيُّهَ	اے
بُعُوْلَتِهِنَّ	اپنے شوہروں کے	مِنَ الرِّجَالِ	مردوں میں سے	الْمُؤْمِنُوْنَ	مؤمنو!
اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ	یا اپنے بیٹوں کے	اَوِ الطِّفْلِ	یا ان بچوں کے	لَعَلَّكُمْ	تا کہ
اَوْ اَبْنَآءِ	یا بیٹوں	الَّذِيْنَ	جو	تُفْلِحُوْنَ	تم کامیاب ہوؤ

(۱) دونوں جگہ إلاحرف استثناء ہے، اور ایک ہی مستثنیٰ منہ سے دو استثناء ہیں، مگر ایسا کرنا نحات کے نزدیک ضعیف ہے، کیونکہ اس سے عبارت میں پیچیدگی پیدا ہوجاتی ہے، اور کلام فصاحت سے خارج ہوجاتا ہے۔ ابن حاجب رحمہ اللہ نے کافیہ میں غیر منصرف کی بحث کے آخر میں ایسا کیا ہے، جس سے بات بہت دقیق ہوگئی ہے ــــ قرآنِ کریم جب ایسی ضرورت پیش آتی ہے تو مستثنیٰ منہ کو مکرر لاتا ہے یہاں مستثنیٰ منہ ﴿وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ﴾ ہے، اس کو مکرر لایا گیا ہے۔ پس ﴿مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ کا تعلق دوسرے استثناء میں جن بارہ قسم کے لوگوں کا ذکر ہے: انہی سے ہے یعنی انہی کے سامنے چہرہ وغیرہ کھلا رکھا جاسکتا ہے (۲) منها: أی من الزینة (۳) جُیُوْب: جَیب کی جمع: گریبان۔ پہلے بھی اور اب بھی عموماً گریبان آگے بناتے ہیں، پس مراد سینہ ہے۔ (۴) التابع: ساتھ لگا رہنے والا، گھر کا ٹہلوا نوکر (۵) اِرْبة: مطلق حاجت، اور ایسی سخت حاجت جس کو دور کرنے کے لئے حیلہ اور تدبیر سے کام لینا پڑے، اور آیت میں نکاح کی حاجت مراد ہے..... غیر أولی الإربة: مرکب اضافی التابعین کی صفت ہے، اور من الرجال: التابعین سے متعلق ہے۔

ربط: جس طرح بلا اجازت کسی کے گھر میں جانا زنا تک مُفضی ہوسکتا ہے، اسی طرح نظر بھر کر دیکھنا بھی زنا کا سبب بنتا ہے، اس لئے اب اس کا سدّ باب کیا جاتا ہے۔ اسی طرح جن لوگوں کے ساتھ ہر وقت کا رہنا سہنا ہے، اگر ان کے درمیان سلیقہ سے نہ رہا جائے تو بھی فساد کا اندیشہ ہے۔ باپ بیٹی، بھائی بہن، بھابھی جیٹھ دیور، ساس داماد اور سالی بہنوئی کے بدکاری کے واقعات ہم آئے دن سنتے رہتے ہیں، یہ سب نظر بھر کر دیکھنے اور بے سلیقہ زندگی گذارنے کے نتائج ہیں، اس لئے دوسری آیت میں عورتوں کو محارم اور محارم جیسوں کے درمیان رہنے کا سلیقہ سکھایا ہے۔

نظریں نیچی رکھو، اور ہر وقت ساتھ رہنے والے محارم وغیرہ کے درمیان سلیقہ سے رہو

پہلی آیت: —— آپ مؤمن مردوں سے کہیں کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ بات ان کے لئے زیادہ ستھری ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ان کاموں کی خوب خبر رکھتے ہیں جو وہ کرتے ہیں۔

بدنظری عموماً زنا کی پہلی سیڑھی ہے، اس سے بڑے بڑے فواحش کا دروازہ کھلتا ہے۔ چنانچہ قرآنِ کریم نے بدکاری اور بے حیائی کا یہ دروازہ بند کردیا۔ مسلمان مردوں اور عورتوں کو حکم دیا کہ بدنظری سے بچیں، کیونکہ جب نظریں لڑتی ہیں تو دل بے قابو ہوجاتا ہے، اور آدمی ناکردنی کرگذرتا ہے —— علاوہ ازیں: اگر آدمی نظر نیچی رکھنے کی عادت ڈال لے، اور اختیار وارادے سے ناجائز امور کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھے تو بہت جلد اس کے نفس کا تزکیہ ہوسکتا ہے۔

اور آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آنکھوں کی چوری کو جانتے ہیں، اور ان باتوں کو بھی جانتے ہیں جو سینوں میں پوشیدہ ہیں (المؤمن آیت ۱۹) اس لئے بدنگاہی اور ہر قسم کی بدکاری سے بچو، ورنہ آخرت میں سزا پاؤ گے!

مسئلہ: ایک مرتبہ بے ساختہ مرد کی کسی اجنبی عورت پر، یا عورت کی کسی اجنبی مرد پر نظر پڑ جائے تو فوراً نگاہ ہٹالے اور یہ پہلی نظر معاف ہے، مگر دوبارہ ارادے سے اس کی طرف نظر نہ کرے، کیونکہ یہ دوبارہ دیکھنا اس کے اختیار سے ہوگا، جس میں وہ معذور نہیں سمجھا جاسکتا (یہ مسئلہ حدیث میں صراحۃً آیا ہے)

فائدہ: ﴿وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ﴾: اور اپنی شرمگاہیں محفوظ رکھیں، یہ نظریں نیچی رکھنے کا فائدہ ہے۔ یعنی بدنظری سے بچو گے تو زنا سے بچ جاؤ گے۔ اور اس کو مستقل جملہ کی صورت میں اس لئے لایا گیا ہے کہ حکم عام ہوجائے، یعنی شرمگاہ کی ہر حرام کاری سے حفاظت ضروری ہے، زنا، اغلام، سَحاقہ (دو عورتوں کی چپٹی) اور ہاتھ سے شہوت پوری کرنا: یہ سب آیت کا مصداق ہیں۔ اور چونکہ یہ حکم پہلے حکم کے بعد متصلاً آیا ہے، اس لئے یہ اس حکم کی غایت بھی ہے۔

دوسری آیت میں پانچ احکام ہیں:

پہلا حکم: —— اور آپ مؤمن عورتوں سے کہیں کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں ——

یہ وہی حکم ہے جو مردوں کو دیا تھا، اور عورتیں اگرچہ احکام میں مردوں کے تابع ہوتی ہیں، مگر ان کو مکرر یہ حکم دو وجہ سے دیا ہے:
ایک: اس وجہ سے کہ کہیں یہ خیال نہ کیا جائے کہ یہ حکم مردوں کے ساتھ خاص ہے، عورتیں برقعے میں آزاد ہیں، جس کو چاہیں دیکھیں۔ دوم: آگے اور بھی چند احکام عورتوں کو دینے ہیں، جو اسی حکم کے قبیل سے ہیں، اس لئے تمہید میں یہ حکم بھی ذکر کر دیا۔

دوسرا حکم: —— اور وہ اپنی زیبائش ظاہر نہ کریں، مگر جو اس میں سے کھلی رہتی ہے —— زیبائش: ہر قسم کی خلقی اور کسبی آرائش، خواہ وہ جسم کی پیدائشی ساخت سے متعلق ہو، یا پوشاک وغیرہ خارجی امور سے متعلق ہو، عورتوں کو کسی قسم کی زیبائش کا اظہار نہیں کرنا چاہئے۔

اور ﴿إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ کی تفسیر احادیث وآثار میں چہرے اور ہتھیلیوں سے آئی ہے، اور فقہاء نے پیروں کو ان کے ساتھ لاحق کیا ہے یعنی جن لوگوں کے ساتھ ہر وقت کا رہنا سہنا ہے، وہ اگرچہ محارم ہوں، اور وہ اگرچہ شوہر ہو: سب کے سامنے یہی تین اعضاء اور ان میں پہنا جانے والا زیور کھلا رہے، باقی تمام بدن کپڑوں میں چھپا رہے۔

تیسرا حکم: —— اور چاہئے کہ وہ اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں —— یعنی صرف یہی نہیں کہ باقی بدن چھپا رہے، بلکہ سینے کا ابھار بھی نظر نہ آئے، اس پر اپنی اوڑھنیاں ڈالے رہیں۔

جاننا چاہئے کہ چہرہ عشق آفریں ہے، اور عورت کی چھاتی کا ابھار، اور مرد وزن کے بدن کا پچھلا حصہ فریفتگی کا باعث بنتا ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کسی نے بدتمیزی کی، اس نے کہا: ''آپ کی ماں کے سرین بہت بڑے تھے!'' حضرت معاویہؓ نے بردباری اختیار کی اور جواب دیا: ''میرے ابا کو میری امی کی یہی چیز پسند تھی!'' اس سے ثابت ہوا کہ یہ چیز فریفتگی کا باعث ہے، پس جو عورتیں پتلون یا پتلون نما پاجامہ پہنیں وہ اوپر گھٹنوں تک کُرتا بھی پہنیں۔ اور یہی حکم مردوں کے لئے بھی ہے، وہ بھی اپنی محرم عورتوں کے سامنے پتلون یا پتلون نما پاجامہ نہ پہنیں، اور اگر پہنیں تو اوپر گھٹنوں تک کُرتا بھی پہنیں، تاکہ سرین کا ابھار نظر نہ آئے اور فساد نہ پھیلے۔

چوتھا حکم: —— دوسرے حکم میں جو مستثنیٰ منہ تھا، اس کو مکرر لا کر ارشاد فرماتے ہیں: اور وہ اپنی زیبائش ظاہر نہ کریں مگر:
۱- اپنے شوہروں کے سامنے —— شوہر سے کسی عضو کا پردہ نہیں، مگر اس کے سامنے بھی بیوی کو سلیقہ سے رہنا چاہئے، عام حالات میں صرف چہرہ، ہتھیلیاں اور پاؤں کھلے رہیں، باقی بدن چھپا رہے۔

دوسری وجہ اس زمرہ میں شوہر کو شامل کرنے کی یہ ہے کہ حجاب میں تخفیف کا حکم شوہر والی عورت کے لئے ہے، کنواری اور بیوہ عورت کے لئے نہیں، انہیں بہر حال پردہ نشیں رہنا چاہئے —— پھر شوہر والی عورت کے لئے بھی تخفیف اس صورت میں

ہے جب شوہر گھر پر موجود ہو، لمبے سفر میں گیا ہوا نہ ہو۔ جس عورت کا شوہر لمبے سفر میں گیا ہو، اس کے پاس غیر محارم کے لئے تنہائی میں جانا جائز نہیں۔ کیونکہ جب شوہر گھر پر موجود نہیں تو عورت کی طبیعت پُر جوش ہوگی، اور جب کوئی مرد کسی عورت کے پاس تنہائی میں ہوتا ہے تو وہاں تیسرا شیطان ہوتا ہے، اس لئے فتنہ پیش آنے میں دیر نہیں لگتی۔

۲- یا اپنے باپوں کے سامنے ــــ دادا، نانا بھی اس میں شامل ہیں۔

۳- یا اپنے خسروں کے سامنے ــــ خسر کے باپ دادا بھی اس میں شامل ہیں۔

۴- یا اپنے بیٹوں کے سامنے ــــ خواہ موجودہ شوہر کے بیٹے ہوں یا سابقہ شوہر کے۔

۵- یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے سامنے ــــ شوہروں: جمع اس لئے لائے ہیں کہ موجودہ شوہر کا دوسری بیوی سے لڑکا، اور سابقہ شوہروں کے دوسری بیویوں سے لڑکے بھی اس میں شامل ہو جائیں۔

۶-۸- یا اپنے بھائیوں کے سامنے، یا اپنے بھتیجوں کے سامنے، یا اپنے بھانجوں کے سامنے۔

۹- یا اپنی خواتین کے سامنے ــــ یعنی مسلمان عورتوں کے سامنے۔

۱۰- یا ان کے سامنے جن کے مالک ہیں ان کے دائیں ہاتھ ــــ یعنی اپنی مملوکہ باندیوں کے سامنے، اگر چہ وہ باندیاں غیر مسلم ہوں...... ما اگر چہ عام ہے، مگر اس کا ذکر ﴿نسائھن﴾ کے بعد آیا ہے، اس لئے باندیوں کے ساتھ خاص ہے، اور اب عموم بایں اعتبار ہے کہ باندی خواہ مسلمان ہو یا غیر مسلم اس سے پردہ نہیں۔

۱۱- یا مردوں میں سے ٹہلوا نوکروں کے سامنے جو خواہش رکھنے والے نہیں ــــ ٹہلوا: کھیت، باغ وغیرہ میں کام کرنے والے مستقل نوکر جن کو عقل کم ہونے کی وجہ سے یا بوڑھے پھونس ہو جانے کی وجہ سے عورتوں سے کچھ غرض نہ رہی ہو۔

۱۲- یا ایسے بچوں کے سامنے جو عورتوں کی پردے کی باتوں سے واقف نہیں ــــ یعنی بچے خواہ کسی کے ہوں، مگر ابھی وہ بلوغ کے قریب نہیں پہنچے: ان کے سامنے۔

ان بارہ قسم کے لوگوں کے ساتھ ہر وقت رہنا سہنا ہوتا ہے۔ اور چچا ماموں اگر چہ محرم ہیں، مگر ان کے ساتھ ہر وقت رہنا نہیں ہوتا، اس لئے ان کا تذکرہ نہیں کیا۔ ان لوگوں کے درمیان عورتوں کو سلیقہ سے رہنا چاہئے، اپنا سارا جسم چھپائے رکھیں، صرف چہرہ، ہتھیلیاں اور پیر کھلے رکھیں، کیونکہ اس کی ضرورت ہے۔

پانچواں حکم: ــــ اور وہ اپنے پیر نہ پٹخیں کہ اس زیبائش کا پتہ چل جائے جو وہ چھپاتی ہیں ــــ یعنی وہ زیور جو کپڑوں کے نیچے ہے۔ غرض جس طرح چھاتی کا ابھار اوڑھنی سے چھپانا ضروری ہے، اسی طرح مخفی زیور کا پتہ بھی نہ چلے۔

آخری نصیحت: اور اے مؤمنو! تم سب اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کرو، تا کہ تم کامیاب ہوؤ ــــ یعنی کچھ نہ کچھ قصور تو

مردوں سے بھی اور عورتوں سے بھی ہو ہی جاتا ہے، اس لئے ہمیشہ توبہ کیا کرو، اللہ تعالیٰ درگذر کرنے والے ہیں، وہ آخرت کی کامیابی سے تمہیں ہمکنار کریں گے۔

خلاصہ: اس آیت میں پانچ احکام دیئے ہیں، اور ان کا خلاصہ دو باتیں ہیں:

اول: ہر وقت نظریں نیچی رکھنے کا حکم ہے، اور اس کا فائدہ بیان کیا ہے کہ زنا وغیرہ تمام حرام امور سے حفاظت رہے گی۔

دوم: جن لوگوں کے ساتھ ہر وقت کا رہنا سہنا ہے: ان کے درمیان عورتوں کو اور مردوں کو تہذیب سے رہنا چاہئے، تاکہ برائیوں کا سدّباب ہو جائے، صرف تین اعضاء کھلے رہیں کیونکہ اس کی ضرورت ہے۔

اب چند باتیں اور جان لینی چاہئیں:

۱- یہ آیت: حجاب (پردے) کی آیت نہیں۔ حجاب کا حکم سورۃ الاحزاب (آیت ۵۹) میں ہے، وہاں چہرے کے حجاب کی صراحت ہے، اور کوئی بھی عورت اس سے مستثنیٰ نہیں۔

۲- نسائھن کا مطلب عام طور پر: مسلمان عورتیں لیا گیا ہے، پھر اس پر یہ مسئلہ متفرع کیا ہے کہ کافر عورتوں سے پردہ واجب ہے، وہ غیر محرم مردوں کے حکم میں ہیں، لیکن ایسی روایات موجود ہیں جن میں کافر عورتوں کا ازواج مطہرات کے پاس آنا مروی ہے، اس لئے اس مسئلہ میں اختلاف ہو گیا۔ بعض نے کافر عورتوں کو غیر محرم مردوں کی طرح قرار دیا اور بعض نے اس معاملہ میں مسلمان اور کافر دونوں قسم کی عورتوں کا ایک ہی حکم رکھا کہ ان سے پردہ نہیں، اور امام رازی رحمہ اللہ نے کافر عورتوں سے پردہ کو استحباب پر محمول کیا ہے۔ اور علامہ آلوسیؒ نے روح المعانی میں لکھا ہے: ''یہی قول آج کل لوگوں کے مناسبِ حال ہے، کیونکہ اس زمانہ میں مسلمان عورتوں کا کافر عورتوں سے پردہ تقریباً ناممکن ہو گیا ہے'' (معارف القرآن)

۳- ما ملکت میں جو ما ہے: اس میں غلام داخل ہیں یا نہیں؟ عام طور پر ما سے باندیاں ہی مراد لی گئی ہیں۔ اور بعض سلف کے نزدیک مملوک غلام بھی اس میں داخل ہے، اور ظاہر قرآن سے اس کی تائید ہوتی ہے (فوائد) اور اس سلسلہ میں ایک حدیث بھی ہے: نبی ﷺ نے عورتوں سے فرمایا: ''جب تم میں سے کسی کے مکاتب کے پاس وہ مال ہو جسے وہ بدلِ کتابت میں ادا کرے گا تو وہ عورت اس سے (ابھی سے) پردہ کرے'' (ترمذی حدیث ۱۲۴۶ تحفۃ الالمعی ۴: ۱۸۴) اور یہاں تو پردے کا مسئلہ زیر بحث ہے ہی نہیں، بلکہ جن کے ساتھ ہر وقت کا رہنا سہنا ہے: ان سے پردے میں تخفیف کا بیان ہے۔ پس غلام غیر محرم ہے، کیونکہ آزادی کے بعد وہ اپنی مالکہ سے نکاح کر سکتا ہے، مگر ہر وقت کا ساتھ ہونے کی وجہ سے اس کے پردے میں تخفیف کی گئی ہے۔

۴- جیٹھ، دیور، بہنوئی، چچا ماموں اور پھوپھی خالہ کے لڑکے بھی غیر محرم ہیں، کیونکہ ان سے نکاح جائز ہے، مگر ہمارے معاشرہ میں ان سے کامل پردہ مشکل ہے، اول تو ہندوستانی مسلمانوں کی معیشت کمزور ہے، ہر ایک کا گھر علاحدہ نہیں ہو سکتا۔ دوم: ہندو معاشرہ کا مسلمانوں کے معاشرہ پر اثر پڑا ہے، اور اختلاط عام ہو گیا ہے، اس لئے ان کے معاملہ

میں بھی دو شرطوں کے ساتھ تخفیف مناسب معلوم ہوتی ہے۔

اول: بغیر اجازت لئے یہ لوگ اچانک گھر میں نہ آئیں، جب بھی آئیں پہلے آگاہ کریں، تاکہ عورت خود کو سنبھال لے اور مذکورہ اعضاء کے علاوہ باقی جسم کو ڈھانک لے۔

دوم: یہ لوگ تنہائی میں جمع نہ ہوں، اور بے تکلفی سے باتیں نہ کریں۔ حدیث میں ہے کہ عورتوں کے پاس تنہائی میں جانے سے بچو! ایک انصاری نے پوچھا: جیٹھ دیور کا کیا حکم ہے؟ آپ ؐ نے فرمایا: ''جیٹھ دیور موت ہیں!'' یعنی بڑا فتنہ ہیں۔ کیونکہ جیٹھ دیور کی بھاوج سے بے تکلفی ہوتی ہے، اس لئے فتنہ پیش آنے میں دیر نہیں لگتی۔ اور یہی حکم سالیوں کا ہے، ان کے ساتھ بھی بہنوئی کی بے تکلفی ہوتی ہے، اس لئے فتنہ پیش آتا ہے (تحفۃ الالمعی ۳: ۶۱۰)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جیٹھ دیور اگرچہ غیر محرم ہیں، مگر چونکہ ان کے ساتھ ہر وقت کا رہنا ہوتا ہے اس لئے ان کے ساتھ تنہائی اور بے تکلفی تو جائز نہیں، باقی پردے میں تخفیف ہے۔ واللہ اعلم

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ۭ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۲﴾ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ڰ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ۭ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَي الْبِغَاۗءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَمَنْ يُّكْرِھْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۴﴾ ع ۱۰

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى (۱)	اور نکاح کرو بے نکاحوں کا	مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ (۲)	تم میں سے اور نیکوں کا	مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ	تمہارے غلاموں میں سے اور تمہاری باندیوں میں سے

(۱) أَيَامٰى: أَيِّمٌ کی جمع ہے: بے نکاح، بغیر بیوی والا مرد اور بغیر شوہر والی عورت.............. دراصل أَيِّم اس عورت کو کہتے ہیں جس کا شوہر نہ ہو، خواہ وہ عورت کنواری ہو یا بیوہ۔ اور مردوں کے لئے اس کا استعمال بطور توسع ہے۔ (۲) صالحین کے شرعی معنی: نیک بندے ہیں، روح المعانی میں اسی کو اختیار کیا ہے اور لغوی معنی کو یعنی جن میں نکاح کی صلاحیت ہے اور اسباب نکاح مہیا ہیں: یہ معنی قیل سے بیان کئے ہیں۔ اور بیان القرآن میں اسی معنی کو اختیار کیا ہے۔

اِنۡ يَّكُوۡنُوۡا	اگر ہوں وہ	مِنۡ فَضۡلِهٖ	اپنے فضل (کرم) سے	فَتَيٰتِكُمۡ	اپنی باندیوں کو
فُقَرَآءَ	نادار	وَالَّذِيۡنَ	اور جو لوگ	عَلَى الۡبِغَآءِ[4]	بدکاری پر
يُغۡنِهِمُ	(تو) بے نیاز کردیں	يَبۡتَغُوۡنَ	چاہتے ہیں	اِنۡ	اگر
	گے ان کو	الۡكِتٰبَ[3]	مکاتبت	اَرَدۡنَ	چاہیں وہ
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	مِمَّا	ان لوگوں میں سے جنکے	تَحَصُّنًا[5]	پاک دامنی
مِنۡ فَضۡلِهٖ	اپنے فضل (کرم) سے	مَلَكَتۡ	مالک ہوئے ہیں	لِّتَبۡتَغُوۡا[6]	تاکہ حاصل کرو تم
وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	اَيۡمَانُكُمۡ	تمہارے دائیں ہاتھ	عَرَضَ	سامان
وَاسِعٌ	گنجائش والے	فَكَاتِبُوۡهُمۡ	تو ان سے مکاتبت کرلو	الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا	دنیوی زندگی کا
عَلِيۡمٌ	بڑے جاننے والے ہیں	اِنۡ	اگر	وَمَنۡ	اور جو شخص
وَلۡيَسۡتَعۡفِفِ[1]	اور چاہئے کہ پاکدامنی	عَلِمۡتُمۡ	جانو تم	يُّكۡرِهْهُّنَّ	ان کو مجبور کرے گا
	طلب کریں	فِيۡهِمۡ	ان میں	فَاِنَّ اللّٰهَ	تو بیشک اللہ تعالیٰ
الَّذِيۡنَ	جو لوگ	خَيۡرًا	خیر	مِنۡۢ بَعۡدِ	بعد
لَا يَجِدُوۡنَ	نہیں پاتے	وَّاٰتُوۡهُمۡ	اور دو تم ان کو	اِكۡرَاهِهِنَّ[7]	انکے مجبور کئے جانے کے
نِكَاحًا[2]	(اسباب) نکاح	مِّنۡ مَّالِ اللّٰهِ	اللہ کے مال سے	غَفُوۡرٌ	بڑے بخشنے والے
حَتّٰى	یہاں تک کہ	الَّذِىۡۤ	جو	رَّحِيۡمٌ	بڑے مہربان ہیں
يُغۡنِيَهُمُ	بے نیاز کردیں ان کو	اٰتٰٮكُمۡ	دیا ہے تم کو	وَلَقَدۡ	اور البتہ تحقیق
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	وَلَا تُكۡرِهُوۡا	اور نہ مجبور کرو	اَنۡزَلۡنَاۤ	اتارے ہم نے

(۱) يَسۡتَعۡفِفۡ: فعل امر، صیغہ واحد مذکر غائب۔ استعفاف: باب استفعال: عفّت چاہنا، پاک دامن ہونے کی خواہش رکھنا۔ عِفّت: پاک دامنی، پارسائی، خواہشاتِ نفسانی سے بچنے کا ملکہ۔ (۲) نکاحاً میں مجاز بالحذف ہے، أی أسباب نکاح (۳) الکتاب: باب مفاعلہ کا مصدر بمعنی مکاتبہ ہے، جیسے عتاب بمعنی معاتبہ اور رہان بمعنی مراہنہ ہے، اور باب مفاعلہ میں اشتراک کے معنی ہوتے ہیں یعنی آقا اور غلام مل کر بالعوض آزادی کا معاملہ کریں، پھر اس کو لکھ لیں، یہ مکاتبت ہے (۴) البغاء: عورتوں کے زنا کے لئے خاص لفظ ہے (۵) تَحَصُّن: مصدر باب تفعل، حِصۡن (قلعہ) سے ماخوذ، اصل معنی قلعہ بند ہونا، پھر ہر طرح کی حفاظت کے لئے استعمال ہونے لگا۔ یہاں پاک دامنی اور عفّت کے معنی ہیں (۶) لتبتغوا کا تعلق لاتکرھوا کے ساتھ ہے۔ (۷) إکراہ: مصدر مجہول ہے، اس لئے اس کا ترجمہ مجبور کیا جانا ہے۔

اِلَيْكُمْ	تمہاری طرف	وَّمَثَلًا (۲)	اور عجیب مضمون	مِنْ قَبْلِكُمْ	تم سے پہلے
اٰيٰتٍ	احکام	مِّنَ الَّذِيْنَ	ان لوگوں کا جو	وَمَوْعِظَةً	اور دل پذیر نصیحت
مُّبَيِّنٰتٍ (۱)	کھلے کھلے	خَلَوْا	گذر چکے	لِّلْمُتَّقِيْنَ	پرہیزگاروں کے لئے

ربط: زنا کے تعلق سے اجازت طلبی اور نظریں نیچی رکھنے کا حکم دیا، پھر عورتوں کو محارم وغیرہ کے درمیان رہنے کا سلیقہ سکھایا، تاکہ بے حیائی اور بدکاری پر روک لگے۔ اب اس سلسلہ کا آخری حکم دیا جاتا ہے، پھر معاشرہ کی اصلاح کی باقی تدبیریں بیان کی جائیں گی، اس کے بعد باقی احکام آئیں گے۔

معاشرہ میں فواحش پھیلنے کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ بہت سے جواں مرد اور جواں عورتیں بے نکاح ہوتی ہیں۔ بلوغ کے بعد عرصہ گذر جاتا ہے اور نکاح نہیں ہوتا، ایسی صورت میں تاک جھانک کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، اور وہ بدکاری تک مفضی ہوتا ہے، اس لئے معاشرہ میں کوئی بھی شخص بے نکاح نہیں رہنا چاہئے، جب کوئی بھی جوڑے کے بغیر نہیں ہوگا، ہر شخص کو خواہش پوری کرنے کے لئے جائز محل مل جائے گا تو فواحش کا سلسلہ خود بخود رک جائے گا۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ شروع کی دو آیتوں میں تین حکم ہیں، جن میں گہرا ربط ہے، پھر تیسری آیت ہار کے درمیان کا اعلیٰ جوہر ہے جو اس سلسلہ بیان کی آخری آیت اور آئندہ رکوع کے مضمون کی تمہید ہے۔

پہلا حکم: —— جو بھی مرد یا عورت بے نکاحی ہو، خواہ آزاد ہو یا غلام، اس کا نکاح کر دیا جائے —— ارشاد فرماتے ہیں: اور تم میں سے جو بے نکاح ہیں ان کا، اور تمہارے غلام باندیوں میں سے جو نیک ہیں: ان کا نکاح کر دو —— جن کا نکاح نہیں ہوا، یا ہو کر بیوہ اور رنڈوے ہو گئے: مناسب موقع ملنے پر ان کا نکاح کر دیا جائے، نبی ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ”تین کاموں میں دیر مت کرو: فرض نماز کا وقت ہو جائے، جنازہ جب حاضر ہو جائے یعنی کسی کی وفات ہو جائے، اور بیوہ عورت: جب اس کا جوڑ امل جائے“

اور غلام باندیوں کے ساتھ نیک ہونے کی قید اس لئے لگائی کہ صالح غلام باندیوں کے ساتھ مولیٰ کو قلبی تعلق ہوتا ہے (روح المعانی) نیز ان کی نیکی کی حفاظت نکاح سے ہوگی، جو نکاح کر لیتا ہے اس کا آدھا دین محفوظ ہو جاتا ہے، اس لئے نیک غلام باندیوں کا نکاح بدرجۂ اولیٰ کر دینا چاہئے۔

بعض لوگ نکاح میں اس لئے پس و پیش کرتے ہیں کہ نکاح کے بعد بیوی بچوں کا بار کیسے اٹھائیں گے؟ پس اس سلسلہ میں ارشاد فرماتے ہیں: —— اگر وہ نادار ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل و کرم سے بے نیاز کر دیں گے ——

(۱) مبینۃ: اسم فاعل کی جمع: کھلے ہوئے واضح۔ (۲) مَثَلَ: عجیب مضمون، تشبیہی واقعہ، تمثیلات،

انہیں سمجھا دیا کہ ایسے موہوم خطرات سے نکاح سے مت رُکو، روزی تمہاری اور بیوی بچوں کی اللہ کے ہاتھ میں ہے، ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ ان کی قسمت سے تمہارے رزق میں کشایش کردیں، ارشاد فرماتے ہیں: —— اور اللہ تعالیٰ وسعت والے خوب جاننے والے ہیں —— جس کے حق میں مناسب جانتے ہیں کشایش کردیتے ہیں، ان کے خزانے میں کسی بات کی کمی نہیں۔

اور ظاہری اسباب کے اعتبار سے بھی یہی بات معقول ہے۔ کیونکہ نکاح کرلینے سے یا نکاح کا ارادہ کرنے سے آدمی پر بوجھ پڑتا ہے، اور وہ پہلے سے زیادہ کمائی کے لئے جدوجہد کرتا ہے —— پھر بیوی اور اولاد ہوجائے تو وہ آدمی کے مددگار بنتے ہیں، اور آمدنی بڑھ جاتی ہے —— اور بعض اوقات بیوی کے کنبے والے کسبِ معاش میں اس کا ہاتھ بٹاتے ہیں —— اور دنیا میں جو آتا ہے وہ قسمت کی تختی کوری لے کر نہیں آتا، ہر ایک تقدیر میں رزق لکھوا کر آتا ہے، پھر جب چند تقدیریں اکٹھا ہوتی ہیں تو رزق میں بھی فراوانی ہوجاتی ہے، جب تک آدمی مجرد ہوتا ہے آمدنی کم ہوتی ہے، پھر جوں جوں کنبہ بڑھتا ہے رزق میں بھی کشایش ہوتی ہے —— بہرحال روزی کی تنگی یا وسعت نکاح یا تجرد پر موقوف نہیں، پھر یہ خیال نکاح سے مانع کیوں بنے؟

ہاں جن کو فی الحال اتنا مقدور نہیں کہ کسی عورت کو نکاح میں لاسکیں، ان کے بارے میں ارشاد ہے —— اور چاہئے کہ عفّت طلب کریں وہ لوگ جو نہیں پاتے اسبابِ نکاح، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل وکرم سے بے نیاز کردیں —— یعنی جب تک اللہ تعالیٰ اسباب مہیا کریں: ان کو چاہئے کہ اپنے نفس کو قابو میں رکھیں، اور پاک دامن رہنے کی کوشش کریں۔

اور اس کا طریقہ: حدیث میں آیا ہے۔ نبی ﷺ نے نوجوانوں سے خطاب فرمایا کہ اے جوانو! گھر بسانے کو لازم پکڑو یعنی جو گھر بسانے کی طاقت رکھتا ہے وہ نکاح کرلے، اس لئے کہ نکاح نگاہ کو بہت زیادہ پست کرنے والا اور شرم گاہ کی بہت زیادہ حفاظت کرنے والا ہے۔ اور جو گھر بنانے کی یعنی نکاح کرنے کی طاقت نہیں رکھتا وہ روزوں کو لازم پکڑے، اس لئے کہ روزہ اس کے لئے آختگی ہے (ترمذی حدیث ۱۰۶۴)

روزوں میں یہ خاصیت ہے کہ اس سے نفس کی تیزی ٹوٹتی ہے، اور جوانی کا جوش ٹھنڈا پڑتا ہے، کیونکہ روزوں سے مادّہ کی فراوانی کم ہوتی ہے، پس وہ برے اخلاق جو خون کی زیادتی سے پیدا ہوتے ہیں بدل جاتے ہیں۔

مگر روزے کم سحری کے ساتھ رکھے جائیں، اور مسلسل رکھے جائیں، چند روزوں سے فائدہ نہیں ہوگا۔ البتہ روزے زہریلی دواء کی طرح ہیں، پس بے حد نہ رکھے جائیں، زیادہ سے زیادہ دو ماہ تک رکھے جائیں، پھر بند کردیئے جائیں،

ضرورت رہے تو کچھ وقفہ کے بعد پھر شروع کردیئے جائیں (تحفۃ الالمعی ۳: ۴۹۷)

دوسرا حکم: ــــ جوغلام باندی کتابت کے خواہاں ہیں اگر یہ معاملہ ان کے مناسب حال ہوتو ان کو مکاتب بنادیا جائے، پھر ان کا مالی تعاون کیا جائے ــــ ارشادفرماتے ہیں: اور جولوگ مکاتبت چاہتے ہیں، ان (غلام باندیوں) میں سے جن کے مالک ہیں تمہارے دائیں ہاتھ تو ان کو مکاتب بنادو، اگر تم ان میں خیر جانو۔

کتابت اور مکاتبت: غلام باندیوں کی آزادی کی ایک خاص صورت کا نام ہے۔ کہتے ہیں: اس کی ابتداء اسلام نے کی ہے، اسلام سے پہلے اس کا رواج نہیں تھا، کبھی باصلاحیت غلام آزاد ہونا چاہتا ہے، وہ آقا کے ساتھ معاملہ کرتا ہے کہ وہ ایک معین رقم کما کر مولیٰ کو بھرے گا، پھر آزاد ہوجائے گا۔ چونکہ یہ طویل المیعاد معاہدہ ہوتا ہے، اس لئے اس کو لکھ لیا جاتا ہے، اسی لئے اس کا نام کتابت اور مکاتبت پڑ گیا۔

جب طرفین میں یہ معاملہ طے ہوجاتا ہے تو غلام تصرف (کمانے) کے اعتبار سے آزاد ہوجاتا ہے، اب وہ جو کچھ کمائے گا اس کا ہوگا، مگر وہ رقبہ (گردن، ملکیت) کے اعتبار سے غلام رہتا ہے۔ پھر جب غلام حسب معاہدہ رقم ادا کردے تو وہ مکمل آزاد ہوجائے گا۔ اور اگر خدانخواستہ عاجز رہ جائے، اور حسب معاملہ رقم ادا نہ کرسکے تو وہ غلامی کی طرف لوٹا دیا جائے گا یعنی اب وہ مکمل غلام ہوجائے گا، تصرف کے اعتبار سے بھی آزاد نہیں رہے گا۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ غلامی کا رواج اسلام نے نہیں ڈالا، نہ اسلام کو اس پر اصرار ہے۔ یہ رواج پہلے سے چلا آرہا ہے۔ اور جنگی قیدیوں کے مسئلہ کے حل کے طور پر یہ بات چلی تھی، اسلام نے اس کو باقی رکھا ہے مگر غلاموں کی آزادی کی راہیں کھول دی ہیں، پہلے جو ایک مرتبہ غلام بن جاتا تھا وہ ہمیشہ کے لئے غلام بن جاتا تھا، اور نسلوں تک غلام رہتا تھا۔ اسلام نے آزادی کی راہیں تجویز کیں، اور غلامی سے رستگاری کی شکلیں نکالیں۔ متعدد کفارات میں بُردوں کو آزاد کرنے کا حکم دیا، اور بغیر کسی وجہ کے لوجہ اللہ غلام آزاد کرنے پر بڑے ثواب کا وعدہ کیا، اس طرح غلام آزاد ہوتے چلے گئے۔

اور کبھی کوئی غلام سمجھ دار کماؤ (محنتی) ہوتا ہے، اور وہ آزاد ہونا چاہتا ہے، اور چاہتا ہے کہ مولیٰ اس سے کچھ مال لے کر آزاد کردے تو مولیٰ کو اس آیت میں ہدایت دی کہ ایسا کرو۔ وہ کمانا شروع کردے گا، اور بدلِ کتابت کی قسطیں بھرے گا، پھر ساتھ ہی عام مسلمانوں کو اور خود مولیٰ کو بھی حکم دیا کہ اس کا مالی تعاون کرو، زکوٰۃ بھی اس کو دے سکتے ہیں، اور مولیٰ کا تعاون یہ بھی ہے کہ بدل کتابت گھٹا دے تاکہ وہ جلدی بوجھ تلے سے نکل جائے۔ ارشاد فرماتے ہیں: ــــ اور تم ان کو اللہ کے اس مال میں سے دو جو اللہ نے تم کو دیا ہے ــــ اللہ کے مال سے زکات ہی نہیں، عام مال مراد ہے، اگرچہ زکات بھی اس کو دے سکتے ہیں، مگر اس کا تذکرہ ﴿وَفِي الرِّقَابِ﴾ [التوبہ آیت ۶۰] میں ہے۔

اور 'خیر' ایک جامع لفظ ہے، متعدد معانی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اور دراصل 'خیر' اس خوبی کو کہتے ہیں جس میں ذاتی حسن ہو۔ اور یہاں خیر سے مراد یہ ہے کہ غلام سمجھ دار کماؤ ہو، امید ہو کہ محنت سے کمائے گا اور بدل کتابت ادا کرے گا، پھر آزاد ہو کر مسلمانوں کو نقصان پہنچانے والا کام نہیں کرے گا، بلکہ مسلمانوں کے لئے مفید کاموں میں لگ جائے گا، ایسے غلام کے بارے میں ہدایت دی کہ اس کو مکاتب بنادو۔ اور جو غلام نکھٹو (ناکارہ، نکما) ہو، اس کو مکاتب بنایا جائے گا تو وہ مٹر گشتی کرے گا، اور آخر میں سپر ڈال دے گا، خود کو عاجز کر دے گا، ایسے غلام کو مکاتب بنانے سے کیا فائدہ؟ —— اسی طرح جو غلام چالباز فریبی ہے اس کو مکاتب بنایا جائے گا تو وہ آزاد ہو کر معلوم نہیں کیا کرے گا، اس لئے اس کا غلامی میں مقید رہنا ہی مفید ہے۔

تیسرا حکم: —— مال ومنال کی خاطر باندیوں کو بدکاری پر مجبور نہ کیا جائے —— ارشاد فرماتے ہیں: اور اپنی باندیوں کو بدکاری پر مجبور مت کرو، اگر وہ پاک دامن رہنا چاہتی ہیں، تاکہ تم دنیوی زندگی کا مال سامان حاصل کرو۔

زمانۂ جاہلیت میں بعض لوگ اپنی باندیوں سے کمائی کراتے تھے، رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے پاس چھ لونڈیاں تھیں، جن سے بدکاری کرا کر روپیہ حاصل کرتا تھا، ان میں سے بعض مسلمان ہو گئیں تو انھوں نے اس بُرے کام کے کرنے سے انکار کیا، اس پر وہ ملعون زدوکوب کرتا تھا، اسی قصہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اور شانِ نزول کی رعایت سے مزید تقبیح کے لئے: ﴿إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا﴾ اور ﴿لِتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ کی قیود بڑھائیں، ان کا مفہوم مخالف نہیں ہے، باندیوں سے بدکاری کرانا بہر حال حرام ہے، خواہ لونڈیاں یہ کام رضا ورغبت سے کریں یا ناخوشی سے، اور اس طرح جو کمائی کریں سب ناپاک ہے۔

اور تقبیح اس طرح ہے کہ اگر باندی نہ چاہے، اور مولیٰ محض دنیا کے حقیر فائدے کے لئے مجبور کرے تو اور بھی زیادہ وبال اور انتہائی وقاحت اور بے شرمی کی بات ہے۔

اور جس طرح نیکی کی طرف راہ نمائی کرنے والا آخرت میں نیکی کرنے والے کی طرح اجر پاتا ہے، اسی طرح بُرائی پر مجبور کرنے والا بھی بُرائی کرنے والے کی طرح آخرت میں سزا پائے گا۔ اور اس باندی کو جس کو گناہ پر مجبور کیا گیا ہے معاف کر دیا جائے گا، اس کو دنیا و آخرت میں کوئی سزا نہیں ملے گی، ارشاد فرماتے ہیں: **اور جو شخص ان کو مجبور کرے گا تو اللہ تعالیٰ ان کو مجبور کئے جانے کے بعد بڑے بخشنے والے، بڑی مہربانی فرمانے والے ہیں۔**

مسئلہ: اگر کوئی شخص کسی عورت سے زبردستی زنا کرے تو عورت پر سزا جاری نہ ہوگی، حدیث میں ایسا ہی آیا ہے۔ اور برعکس صورت میں مرد پر سزا جاری ہوگی، کیونکہ مرد کی جانب سے زنا کا صدور انتشار آلہ پر موقوف ہے، اور یہ بات کسی درجہ میں رضا کے بغیر ممکن نہیں۔

تینوں حکموں کا باہمی ربط: معاشرہ کی صفائی کے لئے جس طرح مردوزن کا نکاح کر لینا ضروری ہے، اسی طرح غلام باندیوں کا بھی نکاح کر دینا ضروری ہے، چنانچہ پہلا حکم دیا ـــــ پھر اگر غلاموں میں سے بعض آزاد ہوکر نکاح کرنا چاہیں، تا کہ آزادانہ زندگی گذاریں، اور مولیٰ مفت آزاد کرنے کے لئے تیار نہ ہو، اس لئے غلام مکاتبت کر کے بدل کتابت ادا کر کے آزاد ہونا چاہے تو مولیٰ کو ایسا کرنا چاہئے، یہ دوسرا حکم ہے ـــــ البتہ باندی اگر ایسا کرنا چاہے تو اس کو مکاتبہ بنانا مناسب نہیں، عورت بے چاری کیا کمائی کر سکتی ہے، وہ تو قحبہ گیری کر کے پیسے پیدا کرے گی، پس اس کو مکاتبہ بنانا گویا زنا پر مجبور کرنا ہے، اور جب حقیقۃً زنا پر مجبور کرنا جائز نہیں، تو یہ احتمالی صورت بھی مناسب نہیں۔ پس یہ تیسرا حکم دیا۔

مسئلہ: باندی کو مکاتبہ بنانا جائز ہے، بعض مرتبہ اس کا تعاون کرنے والے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ اس کی دلیل ہے۔

فائدہ: جاننا چاہئے کہ غلام مولیٰ کے گھر، کھیت یا باغ وغیرہ کا کام کرتا ہے، اور اگر کسی آقا کے پاس یہ مشاغل نہ ہوں تو وہ غلام سے کمائی کراتا ہے، یومیہ، ہفتہ واری یا ماہانہ رقم وغیرہ طے کرتا ہے، جو غلام کو کما کر دینی ہوتی ہے۔

اور باندی مولیٰ کے گھر کا کام کاج کرتی ہے، اور اگر آقا کے گھر میں کام نہ ہو یا متعدد باندیاں ہوں تو زمانۂ جاہلیت میں ان سے بھی کمائی کرائی جاتی تھی، مگر عورت ذات بیچاری کیا کر سکتی ہے؟ کسی کے گھر میں کپڑے برتن دھو کر معمولی رقم لا سکتی ہے، لیکن دنیا کے بھوکے آقا بھاری رقم کا مطالبہ کرتے تھے، اور کما کر نہ لائے تو زدوکوب کرتے تھے، اس مجبوری میں باندیاں غلط کاری کے ذریعہ کما کر لاتی تھیں، تیسرے حکم میں اسی کا تذکرہ ہے۔

آخری آیت: ـــــ جو گذشتہ بیان کا تکملہ اور آئندہ کی تمہید ہے ـــــ ارشادِ پاک ہے: اور بخدا واقعہ یہ ہے کہ ہم نے تمہاری طرف واضح احکام، اور تم سے پہلے گذرے ہوئے لوگوں کے عجیب احوال، اور پرہیزگاروں کے لئے دل پذیر نصیحتیں نازل کی ہیں ـــــ پس ان سے فائدہ اٹھاؤ! ـــــ اس سورت کے احکام بھی واضح ہیں اور پورے قرآن کے احکام بھی ـــــ اور قرآنِ کریم میں جگہ جگہ گذشتہ لوگوں کی عبرت آمیز واقعات ذکر کئے گئے ہیں ـــــ اور جو پرہیزگار بننا چاہتے ہیں ان کے لئے دل میں اتر جانے والی نصیحتیں بھی ہیں۔ اب لوگوں کا کام ہے کہ ان سے فائدہ اٹھائیں۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ

يَّشَآءُ ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ۝۳۵ فِیْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۝۳۶ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ۝۳۷ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝۳۸

اَللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	دُرِّیٌّ	چمکدار	عَلٰی نُوْرٍ	بالائے نور
نُوْرُ (۱)	نور ہیں	يُّوْقَدُ	روشن کیا جاتا ہے	يَهْدِی	راہ دکھاتے ہیں
السَّمٰوٰتِ	آسمانوں کے	مِنْ شَجَرَةٍ	درخت سے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
وَالْاَرْضِ	اور زمین کے	مُّبٰرَكَةٍ	بابرکت	لِنُوْرِهٖ	اپنے نور کی
مَثَلُ	حالتِ عجیبہ	زَيْتُوْنَةٍ (۲)	زیتون کے	مَنْ يَّشَآءُ	جس کو چاہتے ہیں
نُوْرِهٖ	ان کے نور کی	لَّا شَرْقِيَّةٍ	نہ مشرقی رخ ہے	وَيَضْرِبُ	اور بیان کرتے ہیں
كَمِشْكٰوةٍ	جیسے طاقچہ	وَّلَا غَرْبِيَّةٍ	اور نہ مغربی رخ	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
فِيْهَا	اس میں	يَكَادُ	قریب ہے	الْاَمْثَالَ	عجیب مضامین
مِصْبَاحٌ	چراغ ہے	زَيْتُهَا	اس کا تیل	لِلنَّاسِ	لوگوں کے لئے
اَلْمِصْبَاحُ	وہ چراغ	يُضِیْٓءُ	جل جائے	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
فِیْ زُجَاجَةٍ	شیشہ میں ہے	وَلَوْ	اگرچہ	بِكُلِّ شَیْءٍ	ہر چیز کو
اَلزُّجَاجَةُ	وہ شیشہ	لَمْ تَمْسَسْهُ	نہ چھویا ہو اس کو	عَلِيْمٌ	خوب جاننے والے ہیں
كَاَنَّهَا	گویا وہ	نَارٌ	آگ نے	فِیْ بُيُوْتٍ (۳)	(وہ نور) ایسے گھروں میں ہے
كَوْكَبٌ	ستارہ ہے	نُوْرٌ	نور		

(۱) نور سے نور ہدایت مراد ہے، اور ''نور ہدایت'' میں اضافت بیانیہ ہے، یعنی نور اور ہدایت ایک چیز ہیں۔ (۲) زیتونة: شجرة سے بدل یا عطف بیان ہے۔ (۳) فی بیوت: کائن محذوف سے متعلق ہو کر ھو مبتدا محذوف کی خبر ہے، اور ھو کا مرجع نور ہے۔

أَذِنَ	(کہ) اجازت دی ہے	تِجَارَةٌ (۳)	کاروبار	لِيَجْزِيَهُمُ (۴)	تاکہ بدلہ دیں ان کو
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ نے	وَّلَا بَيْعٌ	اور نہ خرید وفروخت	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
اَنْ	کہ	عَنْ ذِكْرِ	یاد سے	اَحْسَنَ (۵)	بہتر کاموں
تُرْفَعَ	بلند کئے جائیں وہ	اللّٰهِ	اللہ کی	مَا	جو
وَيُذْكَرَ	اور لیا جائے	وَاِقَامِ	اور قائم کرنے سے	عَمِلُوْا	کئے انھوں نے
فِيْهَا	ان میں	الصَّلٰوةِ	نماز کو	وَيَزِيْدَهُمْ	اور زیادہ دیں ان کو
اسْمُهٗ	اللہ کا نام	وَاِيْتَآءِ	اور دینے سے	مِّنْ فَضْلِهٖ	اپنے فضل سے
يُسَبِّحُ	پاکی بیان کرتے ہیں	الزَّكٰوةِ	زکوۃ کو	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
لَهٗ	ان کی	يَخَافُوْنَ	ڈرتے ہیں وہ	يَرْزُقُ	روزی دیتے ہیں
فِيْهَا	ان گھروں میں	يَوْمًا	ایسے دن سے	مَنْ	جس کو
بِالْغُدُوِّ	صبح میں	تَتَقَلَّبُ	الٹ جائیں گے	يَّشَآءُ	چاہتے ہیں
وَالْاٰصَالِ	اور زوال سے رات تک	فِيْهِ	جس میں	بِغَيْرِ	بے
رِجَالٌ (۱)	ایسے مرد	الْقُلُوْبُ	دل	حِسَابٍ	گنے
لَّا تُلْهِيْهِمْ (۲)	جن کو غافل نہیں کرتا	وَالْاَبْصَارُ	اور آنکھیں	❁	❁

ربط: معاشرہ کی اصلاح صرف حدود (سزاؤں) سے نہیں ہوسکتی۔ اس کے لئے پہلے مثبت پہلو سے ذہن سازی کرنی پڑتی ہے، وعظ ونصیحت کے ذریعہ لوگوں کی تربیت کرنی ہوتی ہے۔ اور گذشتہ سلسلۂ بیان کی آخری آیت کے آخر میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پرہیزگاروں کے لئے قرآنِ کریم میں نصیحتیں نازل کی ہیں، پرہیزگاروں سے مراد بالفعل پرہیزگار نہیں، بلکہ بالقوۃ پرہیزگار ہیں۔ یعنی جو لوگ ابھی پرہیزگار نہیں، مگر پرہیزگار بننے کا جذبہ رکھتے ہیں، اگر وہ قرآن کی

---

(۱) رجال: **یسبح** کا فاعل ہے، اور مؤخر اس لئے لایا گیا ہے کہ اس کی صفت بہت لمبی ہے۔ (۲) لَا تُلْهِيْ: فعل مضارع منفی، صیغہ واحد مؤنث غائب، باب افعال، **أَلْهٰى فلانا عن الشيئ**: غافل کرنا۔ (۳) تجارت: عام ہے ہر کاروبار کے لئے اور بیع خاص ہے خرید وفروخت کے لئے (۴) **لیجزیهم**: محذوف سے متعلق ہے، اور لام اجلیہ ہے، تقدیر عبارت ہے: **قَدَّرنا ذٰلك اليومَ ليجزيهم الله** یعنی قیامت کا دن اس لئے تجویز کیا ہے کہ نیک بندوں کا عمل رائگاں نہ جائے، ان کو جزائے خیر ملے۔ (۵) أحسن: مضاف ہے **ما عملوا** (موصول صلہ) کی طرف یعنی ان کے کئے ہوئے کاموں میں سے بہترین کاموں کا بدلہ۔

نصیحتوں پر عمل کریں تو پرہیزگار بن جائیں گے۔ قرآن کی نصیحتیں انہی کے لئے مفید ہیں۔ چنانچہ اب لوگوں کی تربیت کے لئے نصیحت آمیز مضامین شروع ہوتے ہیں۔

معاشرہ کی اصلاح درحقیقت ایمان وعمل صالح سے ہوتی ہے۔ ایمان کی بڑی تاثیر ہے اور عمل صالح زندگی کو سنوار دیتا ہے، پس اگر لوگ ایمان لے آئیں، مسجد سے رابطہ رکھیں، اعمالِ صالحہ کو اختیار کریں اور اعمالِ سیئہ سے بچ جائیں تو معاشرہ خود بخود سنور جائے گا، اس لئے اب ایمان واعمالِ صالحہ کا بیان شروع کرتے ہیں۔

ایمان قوی التاثیر ہے: ایمان قبول کرنے والوں کے واقعات پڑھیں، کس طرح ان کی زندگیوں میں انقلاب آتا ہے۔ وہ ہر مصیبت جھیل لیتے ہیں۔ خاندان سے کٹ جاتے ہیں، دشمنوں کے ظلم وستم کا نشانہ بنتے ہیں، مگر وہ ان آزمائشوں کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کرتے ہیں۔ یہ ایمان ہی کی طاقت ہے جو سخت سے سخت حالات میں ان کا سہارا بنتی ہے۔ ایمان کے اس قوی التاثیر ہونے کو ایک عجیب مثال سے سمجھایا ہے۔ اور مشاہدہ بھی ہے کہ مؤمن کی دنیا ہی الگ ہے، اس کا حال فرشتوں جیسا ہوتا ہے، وہ ہر برائی سے کنارہ کش ہوجاتا ہے۔

پھر اگر مؤمن مسجد سے رابطہ قائم رکھے تو وہ اعلیٰ درجہ کا پارسا انسان بن جاتا ہے، اور فواحش سے کوسوں دور ہوجاتا ہے، کیونکہ نماز فواحش سے اور ناجائز کاموں سے روکتی ہے، اس طرح پورا معاشرہ سنور جاتا ہے، اور حدود قائم کرنے کی بہت کم نوبت آتی ہے۔

معاشرہ کی اصلاح کے لئے ایمان اور مسجد سے تعلق ضروری ہے

ہدایت اللہ ہی کی ہدایت ہے: ارشادِ پاک ہے: اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہیں —— یعنی آسمانوں اور زمین میں جسے بھی ہدایت ملی ہے: اللہ تعالیٰ ہی نے سب کو ہدایت دی ہے۔ پس نور سے مراد نور ہدایت ہے، اور زمین وآسمان سے کل عالَم مراد ہے (بیان القرآن) غرض اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی ہدایت دینے والا نہیں، گو مذاہبِ باطلہ والے اپنے دھرم کو ہدایت سمجھیں، مگر وہ حقیقت میں گمراہی ہیں۔

نورِ ہدایت کی مثال: —— اللہ کے نور کی عجیب حالت: جیسے ایک طاقچہ، اس میں چراغ ہے، وہ چراغ شیشہ میں ہے، وہ شیشہ گویا چمکدار ستارہ ہے۔ چراغ روشن کیا جاتا ہے بابرکت درخت زیتون کے تیل سے۔ وہ درخت نہ باغ کی مشرقی جانب ہے، نہ مغربی جانب۔ اس کا تیل بس جلنے ہی کو ہے، اگرچہ نہ چھوئے اس کو آگ، نور علیٰ نور!

آپ ایک چراغ لیں، اس میں زیتون کا تیل بھریں، زیتون کا درخت برکت والا درخت ہے۔ اس کا تیل صاف شفاف ہوتا ہے۔ اس کے تیل سے چراغ جلایا جائے تو اس میں دھواں بالکل نہیں ہوتا، اور وہ آتش گیر ہوتا ہے۔ پھر وہ تیل

جس درخت کا ہے وہ نہ باغ کی مشرقی جانب میں ہے نہ مغربی جانب میں، بلکہ باغ کے درمیان میں ہے۔ مشرقی جانب میں جو درخت ہوتا ہے اس پر آدھے دن راست دھوپ پڑتی ہے، جس سے پھل ماند پڑ جاتا ہے، یہی حال اس درخت کا ہے جو مغربی جانب میں ہے، اور جب پھل عمدہ نہیں ہوگا تو اس کا تیل بھی شاندار نہیں ہوگا۔

غرض چراغ میں بہترین زیتون کا تیل بھر کر اس کو روشن کریں، پھر اس چراغ کو ستارے کی طرح چمکدار کانچ کے فانوس میں رکھیں، روشنی بڑھ جائے گی، پھر اس فانوس کو طاقچہ میں رکھیں تو تین طرف سے روشنی سمٹ کر سامنے پڑے گی اور روشنی کئی گنا بڑھ جائے گی، نور علی نور ہو جائے گی۔ اسی طرح نور ایمان بھی نہایت قوی ہے، مگر وہ ایک معنوی چیز ہے، اس کو اس محسوس مثال ہی سے سمجھا جا سکتا ہے۔

مگر یہ نور ایمان ہر کسی کو دستیاب نہیں ــــــ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں اپنے نور کی راہ دکھاتے ہیں ــــــ اور اسی کو دکھاتے ہیں جو راہ دیکھنا چاہتا ہے۔ دنیا میں کتنے ہیں جن کے پاس عقل کی کمی نہیں، مگر انہیں یہ دولت نصیب نہیں ہوئی، کیونکہ وہ ایمان سے بہرہ ور ہونا ہی نہیں چاہتے، اور اللہ تعالیٰ زبردستی کسی کے سر ایمان نہیں منڈھتے!

اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے عجیب مضامین بیان فرماتے ہیں ــــــ تاکہ استعداد رکھنے والوں کو ان سے بصیرت حاصل ہو ــــــ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والے ہیں ــــــ اس لئے بالکل فٹ مثال بیان فرماتے ہیں، کسی دوسرے کو یہ قدرت کہاں کہ ایسی موزون مثال پیش کر سکے، اور معقول کو محسوس بنا کر دکھا دے!

نورِ ایمان کس پاور ہاؤس میں تیار ہوتا ہے؟ ــــــ وہ نور ایسے گھروں میں تیار ہوتا ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے کہ وہ بلند کئے جائیں، اور ان میں اللہ کا نام لیا جائے ــــــ یعنی اس نور کے پاور ہاؤس مسجدیں ہیں، یہ نور وہاں پیدا ہوتا ہے، پس جس کے گھر کا تار مسجد سے جڑا ہوا ہوگا اس میں نور ہدایت پہنچے گا، اس کے گھر کا ماحول دینی بنے گا۔ اور جس نے مسجد سے اپنے گھر کا تار نہیں جوڑا اس میں گھپ اندھیرا ہوگا۔ بیوی بچے غلط راہوں پر پڑ جائیں گے اور خانہ خراب ہو جائے گا۔

فائدہ: اس آیت میں مسجدوں کے تعلق سے دو باتیں فرمائی ہیں:

پہلی بات: اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے کہ مسجدیں بلند کی جائیں۔ اس میں رفعتِ ظاہری و باطنی دونوں شامل ہیں۔ رفعتِ ظاہری یہ ہے کہ مسجدوں کو شاندار اور لوگوں کے گھروں سے بہتر بنایا جائے۔ میناروں کا رواج غالباً اسی لئے پڑا ہے کہ مسجدیں سب مکانوں سے بلند نظر آئیں۔ اور یہ حکم غالباً پچھلی امتوں کے لئے بھی ہوگا، چنانچہ عیسائیوں کے چرچ اور ہندوؤں کے مندر مینارہ نما بنائے جاتے ہیں، تاکہ دور سے نظر آئیں۔

اور رفعتِ باطنی سے مراد یہ ہے کہ مسجدوں کو ہر بری چیز سے پاک صاف رکھا جائے، ان کا ادب واحترام کیا جائے، اوران کو انہی مقاصد کے لئے استعمال کیا جائے جس کے لئے وہ بنائی گئی ہیں۔

اور یہ دونوں باتیں لفظ ﴿أَذِنَ﴾ سے بیان کرنے کا مقصد حکم کو ہلکا کرنا ہے۔ کیونکہ بعض مرتبہ مسلمانوں کے حالات ایسے نہیں ہوتے کہ وہ مسجدوں کو شاندار بنائیں، اس وقت جھونپڑا بھی مسجد کا کام دیدے گا۔ مسجدِ نبوی شروع میں جھونپڑا ہی تھی، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو شاندار بنایا۔

البتہ مساجد کی غیر ضروری ٹیپ ٹاپ اور نقش ونگار کرنے کی حدیث میں ممانعت آئی ہے۔ اور یہ تو بہت ہی نامناسب طریقہ ہے کہ دنیا بھر میں چندہ کر کے مسجدوں کو عالیشان بنایا جائے، بلکہ چاہئے یہ کہ جس طرح بستی والے اپنے گھر بناتے ہیں: سب مل کر اللہ کا گھر اپنے گھروں سے بہتر بنائیں، اسی حد تک رفعت مطلوب ہے۔

دوسری بات: مسجدوں کا بنیادی مقصد اللہ کا ذکر ہے، اس کی جو بھی صورت ہو، پس مساجد میں دینی تعلیم، وعظ ونصیحت اور ذکر کے حلقے منعقد کئے جاسکتے ہیں۔ البتہ جب لوگ نماز میں مشغول ہوں تو دوسرے کام موقوف کر دیئے جائیں۔ حدیث میں جمعہ سے پہلے جامع مسجد میں تعلیم وغیرہ کے حلقے لگانے کی ممانعت آئی ہے۔ اور فقہاء نے اُس وقت ذکر جہری کو مکروہ لکھا ہے جب لوگوں کی نماز میں خلل پڑے۔ پس فضائل کی تعلیم بھی جب لوگ سنتوں میں مشغول ہوں شروع نہ کی جائے، اس سے بھی نمازیوں کی نماز میں خلل پڑتا ہے۔

وہ مشینیں کیا ہیں جو نورِ ہدایت پیدا کرتی ہیں؟ —— ان گھروں میں اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں صبح وشام ایسے مرد جن کو غافل نہیں کرتا کاروبار اور خرید وفروخت اللہ کی یاد سے، اور نماز کا اہتمام کرنے سے اور زکوٰۃ کی ادائیگی سے —— یعنی مسجدوں میں ذکر کا ماحول بنا رہتا ہے، اور عبادت گذاروں کے انوار منعکس ہوتے ہیں یعنی ایک دوسرے پر پڑتے ہیں، اس طرح مئے خانے کا محروم بھی محروم نہیں رہتا، کمزور ایمان والوں کو بھی انوار سے حصہ مل جاتا ہے، یہی عبادت گذار بندے وہ مشینیں ہیں جو انوار پیدا کرتے ہیں، پھر وہاں سے نورِ ہدایت محلّہ کے ان گھروں میں سپلائی ہوتا ہے جن کے تار مسجد سے جڑے ہوئے ہیں۔

الْغُدُوّ: الغَدَاة کی جمع ہے: طلوعِ فجر اور طلوعِ آفتاب کے درمیان کا وقت، اس میں فجر کی نماز رکھی ہے —— اور آصال: أُصُل کی جمع ہے، جیسے أعناق: عُنُق (گردن) کی جمع ہے۔ اور أُصُل اور أَصِيْل کے معنی ہیں: شام یعنی زوال سے صبح تک کا وقت، اس میں چار نمازیں رکھی ہیں، بلکہ تہجد بھی اس میں آجاتی ہے۔ اور یہ نمازیں چونکہ مسلسل ہیں اس لئے ان اوقات میں مساجد خالی نہیں رہتیں، کوئی نہ کوئی عبادت کرنے والا مسجد میں موجود رہتا ہے اور ایک ماحول بنا رہتا ہے۔

اور نماز کے اہتمام اور زکات کی ادائیگی سے سارا دین مراد ہے۔ بیان میں ایک اہم عبادتِ بدنی اور ایک اہم عبادتِ

مالی کی تخصیص اہتمام شان کے لئے ہے۔

رجال میں اشارہ ہے کہ مساجد میں حاضری دراصل مردوں کے لئے ہے، عورتوں کی نماز ان کے گھروں میں افضل ہے

یہ بندے عبادت میں کیوں لگے رہتے ہیں؟ —— وہ لوگ اس دن سے ڈرتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں الٹ جائیں گی —— یعنی قیامت کے دن سے ڈرتے ہیں۔ قیامت کا دن ایسا ہولناک دن ہے کہ آنکھیں پتھرا جائیں گی، دل الٹ جائیں گے اور بچے بوڑھے ہو جائیں گے۔ اس دن ہر شخص کی اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوگی، اور سب حساب بے باق کیا جائے گا۔ اس دن کی یہ بندے تیاری کرتے ہیں، اور شب و روز عبادت میں لگے رہتے ہیں۔

قیامت کا دن کس لئے ہے؟ —— اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اُن کو اُن اچھے کاموں کا بدلہ دیں جو انھوں نے کئے ہیں، اور اپنے فضل سے ان کو زیادہ دیں۔ اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں بے گنے روزی عطا فرماتے ہیں! —— یعنی قیامت کے دن صرف عمل کا بدلہ دینے پر اکتفا نہیں کیا جائے گا، بلکہ اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے مزید انعامات سے نوازیں گے، اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں کچھ کمی نہیں، وہ جب دینے پر آتے ہیں تو بے انتہا روزی عنایت فرماتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَاۗءً ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْــــًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۳۹﴾ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ۭ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۭ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ﴿۴۰﴾

ع ۵ ۱۱

وَالَّذِيْنَ (۱)	اور جن لوگوں نے	كَسَرَابٍ	جیسے چمکتی ریت	الظَّمْاٰنُ	پیاسا
كَفَرُوْٓا	انکار کیا	بِقِيْعَةٍ (۲)	چٹیل میدان میں	مَاۗءً	پانی
اَعْمَالُهُمْ	ان کے کام	يَّحْسَبُهُ	گمان کرتا ہے اس کو	حَتّٰٓي	یہاں تک کہ

(۱) الذین: پہلا مبتدا...... أعمالھم: دوسرا مبتدا...... کسراب: دوسرے مبتدا کی خبر...... پھر جملہ پہلے مبتدا کی خبر۔ (۲) باء بمعنی فی ...... قیعة: چٹیل میدان: جمع قیعان اور أقواع۔

إِذَا	جب	كَظُلُمٰتٍ	جیسے تاریکیاں	إِذَآ	جب
جَآءَهٗ	آیا وہ اس کے پاس	فِيْ بَحْرٍ	سمندر میں	اَخْرَجَ	نکالے وہ
لَمْ يَجِدْهُ	نہیں پایا اس کو	لُّجِّيٍّ (۳)	بہت گہرے	يَدَهٗ	اپنا ہاتھ
شَيْـًٔا	کچھ بھی	يَّغْشٰهُ	ڈھانکتی ہے اس کو	لَمْ يَكَدْ	قریب نہیں
وَّوَجَدَ	اور پایا	مَوْجٌ	ایک موج	يَرٰىهَا	(کہ) دیکھے اس کو
اللهَ	اللہ کو	مِّنْ فَوْقِهٖ	اس کے اوپر	وَمَنْ	اور جو شخص
عِنْدَهٗ	اس کے پاس	مَوْجٌ	دوسری موج ہے	لَّمْ يَجْعَلِ	نہ گردانیں
فَوَفّٰىهُ (۱)	پس پورا پورا چکایا اس کو	مِّنْ فَوْقِهٖ	اور اس کے اوپر	اللهُ	اللہ تعالیٰ
حِسَابَهٗ	اس کا حساب	سَحَابٌ	بادل ہے	لَهٗ	اس کے لئے
وَاللهُ	اور اللہ تعالیٰ	ظُلُمٰتٌ	تاریکیاں	نُوْرًا	نور
سَرِيْعُ	جلد لینے والے ہیں	بَعْضُهَا	ان کی بعض	فَمَا	پس نہیں ہے
الْحِسَابِ	حساب	فَوْقَ	پر	لَهٗ	اس کے لئے
اَوْ (۲)	یا	بَعْضٍ	بعض کے	مِنْ نُّوْرٍ	کچھ بھی نور

ربط: قرآنِ کریم کا اسلوب یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے تذکرے کے بعد غیر مسلموں کا تذکرہ کرتا ہے، اور اس کے برعکس بھی تاکہ ایک ضد سے دوسری ضد پہچانی جائے ــــــ علاوہ ازیں: یہ آیات ایک سوال مقدر کا جواب بھی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ بعض غیر مسلم اچھے اچھے کام کرتے ہیں، پس کیا ان کو قیامت کے دن ان کے اچھے اعمال کا صلہ نہیں ملے گا؟ جواب یہ ہے کہ آخرت میں ان کے اچھے اعمال رائگاں جائیں گے۔ کیونکہ غیر مسلموں کے اعمال دو قسم کے ہیں: اچھے اور بُرے، دونوں قسم کے اعمال کی مثالیں سنو!

پہلی مثال: غیر مسلموں کے اچھے اعمال جن سے وہ بڑی امید وابستہ کئے ہوئے ہیں، آخرت کے تعلق سے ان کی مثال یہ ہے: ــــ اور جن لوگوں نے (نور ہدایت کا) انکار کیا: ان کے (اچھے) اعمال جیسے چٹیل میدان میں چمکتی ریت، جس کو پیاسا پانی خیال کرتا ہے، یہاں تک کہ جب وہ اس (سراب) کے پاس پہنچا تو اس کو کچھ بھی نہیں پایا ــــ یعنی وہاں

(۱) وفّی توفیةً: پورا پورا دینا۔ (۲) أو: حرف عطف ہے اور معطوف علیہ کسراب ہے، اور أو دو چیزوں میں سے ایک کے لئے ہے۔ یعنی کفار کے اعمال کی مثال یا تو وہ ہے یا یہ۔ وہ مثال اس کے نیک اعمال کی ہے، اور یہ برے اعمال کی۔ (۳) لجی: میں یاءِ نسبتی ہے: بہت پانی والا دریا۔ لُجّ: موج در موج۔

پانی وانی کچھ نہیں تھا ـــــ اور اس (سراب) کے پاس اللہ تعالیٰ کو پایا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس کو پورا پورا حساب چکایا۔

یعنی جب کافر امید باندھ کر آخرت میں پہنچا تو وہاں اس کا دان پون کچھ کام نہ آیا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس کی بداعمالیوں کا پورا پورا بدلہ چکایا۔

اور اگر کوئی خام خیال کہے کہ معلوم نہیں قیامت کب آئے گی؟ اور حساب سے سابقہ کب پڑے گا؟ تو وہ جان لے ـــــ اور اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب کرنے والے ہیں ـــــ قیامت دور نہیں، وہ آیا ہی چاہتی ہے، جو چیز آنے والی ہے وہ جلدی آنے والی ہے۔

فائدہ: غیر مسلم کو اس کے نیک اعمال کا بدلہ دنیا ہی میں دے دیا جاتا ہے۔ مسلم شریف میں حدیث (نمبر ۲۸۰۸) ہے کہ غیر مسلم کو دنیا ہی میں اس کے اچھے کاموں کا بدلہ دیدیا جاتا ہے، اس لئے آخرت میں اس کے پلّے کوئی ایسی نیکی نہیں ہوگی، جس کا بدلہ دیا جائے۔

دوسری مثال: ـــــ غیر مسلموں کے برے کاموں کی ـــــ یا جیسے گہرے سمندر کی تاریکیاں، جس پر ایک موج (چڑھتی) ہے، اس کے اوپر دوسری موج (چڑھتی) ہے، اس کے اوپر بادل گھٹا ہے، اس طرح تاریکیاں ہی تاریکیاں جمع ہیں، اگر وہ اپنا ہاتھ نکالے تو شاید ہی وہ اس کو دیکھ سکے! ـــــ یعنی ایک تو سمندر کی تہ میں اندھیرا ہوتا ہے، پھر اس پر طوفانی لہریں، جو ایک پر ایک چڑھی آتی ہیں، پھر سب کے اوپر گھٹا بادل کا اندھیرا، اندھیرے پر اندھیرا کہ ہاتھ کو ہاتھ نہ سوجھائی دے۔ یہ غیر مسلموں کے برے اعمال کا حال ہے ـــــ اور جس کے لئے اللہ تعالیٰ نور نہ گردانیں، اس کے لئے کچھ بھی نور نہیں! ـــــ یعنی نور ہدایت بس اللہ کے پاس سے مل سکتا ہے، رجوع کریں، اور نور ایمان سے منور ہوں، اپنے مذاہبِ باطلہ کے چکّر سے نکلیں۔ وہ تو گمراہیاں ہی گمراہیاں ہیں!

فائدہ: جنت درحقیقت ایمان کا صلہ ہے۔ اور ایمان ایک مستمر حقیقت ہے۔ اس لئے اس کا بدلہ بھی دائمی ہے، اور مؤمن کی نیکیاں قیامت کے دن اس کے ایمان کے تابع کردی جائیں گی، کیونکہ وہ ایمان کی ہم جنس ہیں، چنانچہ مؤمن جنت میں اپنے اعمال صالحہ کی جزا سے ابد تک متمتع ہوگا ـــــ اور مؤمن کی برائیاں ایمان کے تابع نہیں ہوسکتیں، اس لئے کہ وہ خلاف جنس ہیں۔ اس لئے اس کو اس کی برائیوں کی سزا دنیا میں دی جاتی ہے، پھر قبر میں، پھر میدانِ حشر میں، پھر جہنم میں، پھر سفارشوں کی وجہ سے یا فضلِ خداوندی کی وجہ سے کسی نہ کسی دن مؤمن کو نجات مل جائے گی، اور وہ جنت میں پہنچ جائے گا۔

اور جہنم درحقیقت شرک وکفر کی سزا ہے۔ اور یہ بھی دائمی حقیقت ہے، اس لئے اس کی سزا بھی دائمی ہے۔ اور کافر کی برائیاں قیامت کے دن اس کے کفر کے تابع کردی جائیں گی، کیونکہ وہ کفر کی ہم جنس ہیں۔ چنانچہ کافر جہنم میں اپنے برے

اعمال کی سزا تا ابد بھگتے گا ـــــ اور کافر کے نیک اعمال اس کے کفر کے تابع نہیں ہو سکتے، کیونکہ وہ ہم جنس نہیں، اور ان کا علاحدہ بدلہ بھی نہیں دیا جاسکتا۔ کیونکہ جزا و سزا میں منافات ہے، اس لئے دنیا میں اس کا بدلہ چکا دیا جاتا ہے، آخرت میں اس کے لئے کچھ باقی نہیں رہتا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۴۲﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ ؕ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ﴿۴۳﴾ يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿۴۴﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ؕ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۵﴾ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۶﴾

اَلَمْ تَرَ	کیا نہیں دیکھا تو	مَنْ	جو مخلوقات	صٰٓفّٰتٍ (۱)	بحالتِ پرواز
اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ تعالیٰ	فِي السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں	كُلٌّ	ہر ایک نے
يُسَبِّحُ	پاکی بیان کرتی ہیں	وَالْاَرْضِ	اور زمین میں ہیں	قَدْ عَلِمَ	بالیقین جان لی
لَهٗ	ان کی	وَالطَّيْرُ	اور پرندے	صَلَاتَهٗ (۲)	اپنی نماز (نمنا)

(۱) صافّات: صافّۃ کی جمع، صفَّ الطیر فی السماء: پرندے کا دونوں بازو پھیلا کر اڑنا۔ صافات: الطیر کا حال ہے (۲) صلاۃ کے اصل معنی ہیں: غایتِ التفات، آخری درجہ کا میلان، جس کی شکلیں مختلف ہیں۔ انسان: اقوال و افعال مخصوصہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف آخری درجہ تک مائل ہوتا ہے، جس کو فارسی میں نماز کہتے ہیں، اور ہندی میں نمنا (جھکنا) اور مخلوقات کس کس طرح اللہ کی طرف آخری درجہ تک مائل ہوتی ہے: یہ بات ہم نہیں جانتے۔ یہ بات سورہ بنی اسرائیل (آیت ۴۴) میں آئی ہے۔

وَ تَسْبِيْحَهٗ	اور اپنا پاکی بیان کرنا	يَجْعَلُهٗ	بناتے ہیں اس کو	بَرْقِهٖ	اس کی بجلی کی
وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	رُكَامًا	گھنا بادل	يَذْهَبُ	لے جائے
عَلِيْمٌ	خوب جاننے والے ہیں	فَتَرَى	پس دیکھتا ہے تو	بِالْاَبْصَارِ	آنکھوں کو
بِمَا	ان کاموں کو جو	الْوَدْقَ	بارش کو	يُقَلِّبُ	ادلتے بدلتے ہیں
يَفْعَلُوْنَ	وہ کرتے ہیں	يَخْرُجُ	نکلتی ہے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
وَ لِلّٰهِ	اور اللہ ہی کے لئے	مِنْ خِلٰلِهٖ	اس کے درمیان سے	الَّيْلَ	رات
مُلْكُ	حکومت ہے	وَيُنَزِّلُ	اور اتارتے ہیں	وَ النَّهَارَ	اور دن کو
السَّمٰوٰتِ	آسمانوں کی	مِنَ السَّمَآءِ	آسمان سے	اِنَّ	بے شک
وَالْاَرْضِ	اور زمین کی	مِنْ جِبَالٍ(۳)	پہاڑوں سے	فِيْ ذٰلِكَ	اس میں
وَاِلَى اللّٰهِ	اور اللہ ہی کی طرف	فِيْهَا	جس میں	لَعِبْرَةً	البتہ سبق ہے
الْمَصِيْرُ	لوٹنا ہے	مِنْ بَرَدٍ	اولے ہیں	لِّاُولِي الْاَبْصَارِ	اہل دانش کے لئے
اَلَمْ تَرَ	کیا نہیں دیکھتا تو	فَيُصِيْبُ	پس پہنچاتے ہیں	وَ اللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ نے
اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ تعالیٰ	بِهٖ	اس کو	خَلَقَ	پیدا کیا
يُزْجِيْ(۱)	نرمی سے لے چلتے ہیں	مَنْ يَّشَآءُ	جسے چاہتے ہیں	كُلَّ دَآبَّةٍ	ہر رینگنے والا جانور
سَحَابًا	بادل کو	وَيَصْرِفُهٗ	اور پھیرتے ہیں اس کو	مِّنْ مَّآءٍ	پانی سے
ثُمَّ	پھر	عَنْ مَّنْ	جس سے	فَمِنْهُمْ	پس کوئی ان میں سے
يُؤَلِّفُ(۲)	ملاتے ہیں	يَّشَآءُ	چاہتے ہیں	مَّنْ	(وہ ہے) جو
بَيْنَهٗ	اس کے درمیان	يَكَادُ	قریب ہے	يَّمْشِيْ	چلتا ہے
ثُمَّ	پھر	سَنَا	چمک	عَلٰى بَطْنِهٖ	اپنے پیٹ کے بل

(۱)أَزْجَى الشيئَ: ہانکنا، چلانا۔ مجرد: زَجَا (ن) الشيئَ: نرمی سے ہانکنا، لے چلنا۔ (۲) تالیف: باہم جوڑنا۔ بادل: سمندر سے اٹھنے والی بھاپ ہے، اس کے اجزاء متفرق ہوتے ہیں، فضا میں پہنچ کر بخار باہم مل جاتا ہے اور گھنا بادل بن جاتا ہے...... الرُّکام: ریت وغیرہ کا ڈھیر۔ الرکام من السحاب: گھنے بادل۔ (۳) من جبال میں مِنْ تبعیضیہ ہے......اور من برد کا من بیانیہ ہے، جبال کا بیان ہے، اور ابتدائیہ بھی ہوسکتا ہے۔

وَمِنْهُمْ	اور کوئی ان میں سے	يَخْلُقُ	پیدا کرتے ہیں	اَنْزَلْنَآ	(کہ) اتاری ہم نے
مَّنْ	(وہ ہے) جو	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	اٰيٰتٍ	آیتیں
يَّمْشِيْ	چلتا ہے	مَا يَشَآءُ	جو چاہتے ہیں	مُّبَيِّنٰتٍ	واضح
عَلٰى رِجْلَيْنِ	دو پیروں پر	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
وَمِنْهُمْ	اور کوئی ان میں سے	عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز پر	يَهْدِيْ	راہ دکھاتے ہیں
مَّنْ	(وہ ہے) جو	قَدِيْرٌ	پوری قدرت رکھنے والے ہیں	مَنْ يَّشَآءُ	جس کو چاہتے ہیں
يَّمْشِيْ	چلتا ہے			اِلٰى صِرَاطٍ	راستے کی طرف
عَلٰٓى اَرْبَعٍ	چار پیروں پر	لَقَدْ	البتہ واقعہ یہ ہے	مُّسْتَقِيْمٍ	سیدھے

گذشتہ دو آیتوں میں کفار کے اچھے بُرے اعمال کی تمثیل تھی، اب ان آیات میں انہی کفار سے خطاب ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کا اور ان کے نازل کئے ہوئے دین کا انکار کرتے ہو، مگر دوسری کائنات کو دیکھو، اس کا کیا حال ہے: —— کیا نہیں دیکھتا تو کہ اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتے ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں، اور پرندے بحالتِ پرواز! —— یہ آسمان وزمین کے درمیان فضائی مخلوقات کا ذکر ہوا۔ اور بحالتِ پرواز اس لئے کہا کہ دوسری حالت میں وہ زمین پر ہوتے ہیں —— سب نے بالیقین اپنی نماز اور اپنی تسبیح جان لی ہے —— یعنی ہر مخلوق نے طریقۂ انابت وتسبیح خوانی جان لیا ہے، وہ اپنا وظیفہ ادا کرتی رہتی ہے۔ لیکن تعجب کا مقام ہے کہ بہت سے کامل عقل وفہم کے مالک انسان اس سے غافل ہیں، وہ نہ ایمان لاتے ہیں نہ وظیفۂ عبودیت ادا کرتے ہیں —— اور اللہ تعالیٰ ان کاموں کو جو مخلوقات کرتی ہیں خوب جاننے والے ہیں —— وہ ان ناہنجاروں کے حال سے بھی بے خبر نہیں، ان کے سب کرتوت اللہ تعالیٰ کے سامنے ہیں —— اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے آسمانوں اور زمین کی حکومت ہے —— یعنی وہ ان بدکرداروں کے بھی خالق ومالک ہیں —— اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹنا ہے —— یعنی یہ بداطوار بھاگ کر کہاں جائیں گے؟ لوٹ کر ان کو بھی اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچنا ہے، اس وقت اللہ تعالیٰ ان کا کچا چٹھا ان کے سامنے دَھر دیں گے۔

منکرین اس دنیا میں بھی عذاب کی زد میں آسکتے ہیں

قیامت کے دن تو منکرین کی گرفت ہوگی ہی! وہ لوگ اس دنیا میں بھی اللہ کی گرفت سے بچ نہیں سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے زمینی مخلوقات کی حیات کے لئے جو انتظامات کئے ہیں وہ بھی منکرین کے لئے وبالِ جان بن سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے

مخلوقات کی معیشت کے لئے دو انتظامات کئے ہیں: بارش برسانا اور شب وروز کا آنا جانا۔ مگر بارش کے بجائے اولے بھی پڑسکتے ہیں، اور کڑک بجلی سے بھی تباہی آسکتی ہے۔ اور رات دن کا آنا جانا موقوف بھی کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ قیامت کے دن کردیا جائے گا، پس یا تو لوگ گرمی سے جھلس جائیں گے یا سردی سے ٹھٹھر جائیں گے۔ پس منکرین اس خیال میں ہرگز نہ رہیں کہ اس دنیا میں ان کا کوئی بال بیکا نہیں کرسکتا۔ اللہ تعالیٰ سب کچھ کرسکتے ہیں۔ یہ آنے والی دو آیتوں کا حاصل ہے۔

اللہ تعالیٰ کفار کو مخاطب کرکے ارشاد فرماتے ہیں: —— کیا نہیں دیکھا تو کہ اللہ تعالیٰ (ابخروں) کو نرمی سے ہانک لے چلتے ہیں، پھر اس بادل (ابخروں) کو باہم ملاتے ہیں، پھر اس کو گھنا بادل بنادیتے ہیں، پس بارش کو دیکھتا ہے تو کہ بادل کے درمیان سے نکلتی ہے —— سمندر کی تہ میں ہیٹ (گرمی) ہے، اس لئے سمندر سے ابخرے اٹھتے ہیں، اور فضا میں پہنچ جاتے ہیں۔ ان کو ہوائیں نرمی سے لے چلتی ہیں، پھر وہ بھاپ باہم مل کر بادل کی ابتدائی شکل اختیار کرتی ہے، پھر ان بادلوں کو ملاکر اللہ تعالیٰ گھنا بادل بنادیتے ہیں، پھر اس کو ضرورت کی جگہ کی طرف لے چلتے ہیں، وہاں جاکر بادل برستے ہیں۔ بادل بادل ہی رہتے ہیں، اور ان کے درمیان سے بارش کے قطرے نکل کر ٹپکتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی معیشت کا سامان کیا ہے۔

آگے دیکھئے: —— اور اللہ تعالیٰ بادلوں میں پہاڑوں سے اولے برساتے ہیں —— جب چالیس ہزار فٹ کی بلندی پر ہوائی جہاز اڑان بھرتا ہے تو نیچے بادل نظر آتے ہیں۔ ان میں ٹیلے بھی ہوتے ہیں اور پہاڑ بھی —— پس جسے چاہتے ہیں وہ اولے پہنچاتے ہیں، اور جس سے چاہتے ہیں ان کو پھیر دیتے ہیں —— یعنی کوئی ان کی زد میں آجاتا ہے، کوئی بچ جاتا ہے —— یعنی بادلوں سے ہمیشہ بارش ہی نہیں برستی، کبھی اولے بھی پڑتے ہیں، پس کیا یہ منکرین ان اولوں کی زد میں آکر تباہ نہیں ہوسکتے؟ —— بادلوں کی بجلی کی چمک قریب ہے کہ آنکھوں کو اچک لے —— یعنی بادلوں میں کبھی ایسی گرج چمک ہوتی ہے اور کڑاکے پڑتے ہیں کہ آنکھیں چکا چوند ہوجاتی ہیں، اور اگر کسی پر کڑاکا گرجاتا ہے تو وہ راہی ملکِ عدم ہوجاتا ہے۔ یہی اس دنیا میں اللہ کی پکڑ ہے!

شب وروز کا آنا جانا: —— اللہ تعالیٰ رات دن کو ادلتے بدلتے ہیں —— جو قدرت کی کرشمہ سازی اور مخلوقات کی حیات کا ذریعہ ہے۔ دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن اسی کی قدرت سے آتا ہے، وہی کبھی رات کو کبھی دن کو گھٹاتا بڑھاتا ہے، اور ان کی گرمی کو سردی سے اور سردی کو گرمی سے تبدیل کرتا ہے، اس طرح موسم خوشگوار رہتا ہے۔ اگر ہمیشہ رات رہے تو ہر چیز جم کر برف ہوجائے، اور حیات ناممکن ہوجائے، اور اگر ہمیشہ دن رہے تو ہر چیز دھوپ میں جھلس کر رہ جائے —— اس میں یقیناً اہل دانش کے لئے بڑا سبق ہے! —— ایک سبق تو یہ ہے کہ اس الٹ پھیر کو موقوف کرکے اللہ

تعالیٰ کائنات کو ختم کرسکتے ہیں، پھر یہ منکرین کس زعم میں ہیں؟ —— دوسرا سبق یہ ہے کہ شب و روز کی تبدیلی کی طرح اس دنیا کی بھی دوسری دنیا سے تبدیلی ناگزیر ہے۔ اگر یہی دنیا ہمیشہ رہے تو عمل کرنے والے عمل کرتے کرتے تھک جائیں۔ اور اگر یہ دنیا نہ ہوتی تو لوگ آخرت میں کس عمل کا صلہ پاتے؟ جس طرح دن میں محنت کرکے کماتے ہیں، اور رات میں کھا پی کر آرام کرتے ہیں، اسی طرح یہ دنیا کمانے کے لئے ہے اور آخرت بدلہ پانے کے لئے ہے۔

تمام حیوانات کا مادۂ تخلیق ایک ہے مگر احوال مختلف ہیں

آئندہ آیت کفار کے ایک سوال کا جواب ہے۔ ملحدین کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے انسان کو مکلّف کیوں بنایا؟ اور ان کے لئے آخرت میں جزاؤ سزا کیوں رکھی؟ دیگر حیوانات کی طرح ان کو بھی غیر مکلّف کیوں نہیں بنایا؟ تاکہ جہاں جاتے ایک ساتھ جاتے! کوئی جنت میں اور کوئی جہنم میں نہ جاتا!

اس کا جواب آئندہ آیت میں دیا ہے کہ تمام حیوانات کا مادۂ تخلیق اگرچہ ایک ہے، مگر ان میں بہت سے ظاہری اور باطنی اختلافات ہیں، مثلاً کوئی جانور پیٹ کے بل چلتا ہے، جیسے سانپ اور کیڑے، کوئی دو پیروں پر چلتا ہے، جیسے انسان اور پرندے، اور کوئی چار پیروں پر چلتا ہے، جیسے مویشی۔ اسی طرح باطنی صلاحیتوں میں بھی اختلاف ہے۔ انسانوں میں مکلّف ہونے کی صلاحیت رکھی ہے، اور جانوروں میں یہ صلاحیت نہیں رکھی، اس لئے انسان کو مکلّف بنایا اور دیگر حیوانات کو مکلّف نہیں بنایا۔ جیسے شیر گوشت خور اور بھینس گھاس خور ہے، پس ضروری ہے کہ دونوں کی فطرت کا لحاظ کرکے جسمانی روزی مہیا کی جائے۔ اسی طرح جب انسان کو اعلیٰ صلاحیتوں سے سرفراز کیا ہے تو ضروری ہے کہ اس کی روحانی غذا کا بھی انتظام کیا جائے، تاکہ اس کی روح سنور جائے، پھر جو اللہ کے دین سے فائدہ اٹھائے اس کو دارین میں جزائے خیر دی جائے۔ اور جو انکار کرے وہ سزا پائے۔ اور دیگر حیوانات میں اعلیٰ صلاحیتیں نہیں رکھیں، اس لئے ان کو مکلّف بنانا تکلیف مالایطاق ہے، جو حکمت کے منافی ہے۔

ارشادِ پاک ہے: —— اور اللہ تعالیٰ نے پانی سے ہر رینگنے والی مخلوق بنائی، پھر کوئی ان میں سے پیٹ کے بل چلتی ہے، اور کوئی ان میں سے دو پیروں پر چلتی ہے، اور کوئی ان میں سے چار پیروں پر چلتی ہے —— یہ ظاہری اختلافات کی مثال ہے —— اللہ تعالیٰ جو چاہیں پیدا کرتے ہیں —— یعنی اسی طرح اور اختلافات بھی ہیں —— بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں!

آخری آیت: —— البتہ واقعہ یہ ہے کہ ہم نے واضح آیتیں اتاری ہیں —— جن کے مضامین واضح ہیں —— اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں سیدھا راستہ دکھاتے ہیں —— یعنی اللہ کی آیتیں تو ایسی واضح ہیں کہ چاہئے تھا کہ ان کو سن ہر

شخص ایمان لے آتا، اور سیدھی راہ پر چل پڑتا، مگر سیدھی راہ وہی چلتا ہے جسے اللہ تعالیٰ توفیق دیں، پس لوگو! اللہ سے توفیق مانگو، وہ ہدایت سے محروم نہیں کریں گے (اس آیت پر کفار سے گفتگو پوری ہوئی، آگے منافقین کا تذکرہ ہے)

وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۭ وَمَآ اُولٰۗىِٕكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ﴿۴۹﴾ ۭ اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ ۭ بَلْ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۵۰﴾ ۧ اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَىِٕنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ۭ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۳﴾ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ۭ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ۭ وَمَا عَلَي الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۵۴﴾

ع ۶

وَيَقُوْلُوْنَ	اور (منافق) کہتے ہیں	مِّنْهُمْ	ان میں سے	وَرَسُوْلِهٖ	اور اسکے رسولوں کی طرف
اٰمَنَّا	ایمان لائے ہم	مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ	یہ کہنے کے بعد	لِيَحْكُمَ	تا کہ وہ فیصلہ کریں
بِاللّٰهِ	اللہ پر	وَمَآ اُولٰۗىِٕكَ	اور نہیں ہیں یہ لوگ	بَيْنَهُمْ	ان کے درمیان
وَبِالرَّسُوْلِ	اور رسول پر	بِالْمُؤْمِنِيْنَ	ایماندار	اِذَا	اچانک
وَاَطَعْنَا	اور فرمانبردار ہوئے ہم	وَاِذَا	اور جب	فَرِيْقٌ	ایک گروہ
ثُمَّ يَتَوَلّٰى	پھر روگردانی کرتا ہے	دُعُوْٓا	بلائے گئے وہ	مِّنْهُمْ	ان میں سے
فَرِيْقٌ	ایک گروہ	اِلَى اللّٰهِ	اللہ کی طرف	مُّعْرِضُوْنَ	روگردانی کرنے والا ہے

وَإِنْ يَكُنْ	اور اگر ہوتا ہے	هُمُ	ہی	يُّطِعِ	کہا مانتا ہے
لَّهُمُ	ان کے لئے	الظّٰلِمُوْنَ	ظلم کرنے والے ہیں	اللّٰهَ	اللہ کا
الْحَقُّ	حق	اِنَّمَا	بس	وَرَسُوْلَهٗ	اور اس کے رسول کا
يَأْتُوْٓا	(تو) آتے ہیں	كَانَ	ہے	وَيَخْشَ	اور ڈرتا ہے
اِلَيْهِ	اس کے پاس	قَوْلَ(۳)	بات	اللّٰهَ	اللہ سے
مُذْعِنِيْنَ(۱)	سر تسلیم خم کئے ہوئے	الْمُؤْمِنِيْنَ	مؤمنین کی	وَيَتَّقْهِ(۴)	اور (اللہ کی مخالفت
اَ	کیا	اِذَا	جب		سے) بچتا ہے
فِيْ قُلُوْبِهِمْ	ان کے دلوں میں	دُعُوْٓا	بلائے گئے وہ	فَاُولٰٓئِكَ	تو یہ لوگ
مَّرَضٌ	بیماری ہے	اِلَى اللّٰهِ	اللہ کی طرف	هُمُ	ہی
اَمِ	یا	وَرَسُوْلِهٖ	اور انکے رسول کی طرف	الْفَآئِزُوْنَ	کامیاب ہونے والے ہیں
ارْتَابُوْٓا	وہ شک میں مبتلا ہیں	لِيَحْكُمَ	تا کہ وہ فیصلہ کریں	وَاَقْسَمُوْا	اور قسم کھائی انھوں نے
اَمْ	یا	بَيْنَهُمْ	ان کے درمیان	بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کی
يَخَافُوْنَ	ڈرتے ہیں	اَنْ يَّقُوْلُوْا	کہ کہیں وہ	جَهْدَ(۵)	زور لگا کر
اَنْ يَّحِيْفَ(۲)	اس سے کہ ظلم کریں گے	سَمِعْنَا	سنا ہم نے	اَيْمَانِهِمْ	ان کا قسم کھانا
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	وَاَطَعْنَا	اور مانا ہم نے	لَئِنْ	بخدا اگر
عَلَيْهِمْ	ان پر	وَاُولٰٓئِكَ	اور یہ لوگ	اَمَرْتَهُمْ	حکم دیں گے آپ انکو
وَرَسُوْلُهٗ	اور اس کے رسول	هُمُ	ہی	لَيَخْرُجُنَّ	تو ضرور نکلیں گے
بَلْ	بلکہ	الْمُفْلِحُوْنَ	کامیاب ہونے والے ہیں	قُلْ	کہیں
اُولٰٓئِكَ	یہ لوگ	وَمَنْ	اور جو شخص	لَا تُقْسِمُوْا	قسم مت کھاؤ

(۱) مذعنین: اسم فاعل، جمع مذکر، أَذْعَنَ (باب افعال) فرمانبردار ہونا، ماتحتی تسلیم کرنا۔ (۲) حَاف یحیف حَيْفًا: ظلم وستم ڈھانا۔ (۳) قولَ المؤمنین: کان کی خبر مقدم ہے، اور جملہ إذا دعوا جملہ معترضہ ہے، اور لیحکم: دعوا سے متعلق ہے۔ اور أن مصدریہ ہے، اور یقولوا بتاویل مصدر ہو کر کان کا اسم مؤخر ہے۔ (۴) يَتَّقِ: فعل مضارع مجزوم، صیغہ واحد مذکر غائب، ضمیرہ مفعول بہ، جو اللہ کی طرف راجع ہے۔ (۵) جهدَ أيمانهم: أقسموا کا مفعول مطلق ہے (حاشیہ جمل)

طَاعَةٌ (۱)	(مطلوب) فرمانبرداری ہے	وَ اَطِيْعُوا	اور فرمانبرداری کرو	حُمِّلْتُمْ	تم پر ذمہ داری ڈالی گئی
مَّعْرُوْفَةٌ	معروف طریقے پر	الرَّسُوْلَ	رسول کی	وَاِنْ	اور اگر
اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	فَاِنْ تَوَلَّوْا	پس اگر روگردانی کرو تم	تُطِيْعُوْهُ	کہا مانو تم اس کا
خَبِيْرٌ	پورے باخبر ہیں	فَاِنَّمَا	تو بس	تَهْتَدُوْا	(تو) راہ پاؤ گے
بِمَا	ان کاموں سے جو	عَلَيْهِ	اس کے ذمے ہے	وَمَا	اور نہیں ہے
تَعْمَلُوْنَ	تم کرتے ہو	مَا	جو کچھ	عَلَى الرَّسُوْلِ	رسولؐ پر
قُلْ	کہیں	حُمِّلَ (۲)	اس پر ذمہ داری ڈالی گئی	اِلَّا	مگر
اَطِيْعُوا	فرمانبرداری کرو	وَعَلَيْكُمْ	اور تمہارے ذمے ہے	الْبَلٰغُ	پہنچانا
اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ کی	مَّا	جو کچھ	الْمُبِيْنُ	صاف صاف

ربط: مؤمنین کے ذکر کے بعد کفار کا ذکر آیا تھا، اب منافقین کا تذکرہ شروع کرتے ہیں، انسانوں کی یہی تین قسمیں ہیں، سورہ بقرہ کے شروع میں بھی ان اقسام کا اسی ترتیب سے ذکر آیا ہے —— **منافق:** وہ ہے جو دل میں کفر چھپائے، اور زبان سے ایمان ظاہر کرے۔ اور یہ اعتقادی نفاق ہے، اور جو شریعت کے خلاف عمل کرے وہ عملی منافق ہے۔ ان آیات میں پہلی قسم کا ذکر ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ ہی جان سکتے ہیں، اور عملی منافقین کا ذکر حدیثوں میں آیا ہے، اس کو علامتوں سے پہچانا جاسکتا ہے۔

منافقین کے تذکرے میں ان کے نفاق کی دو مثالیں ذکر فرمائی ہیں، پھر ان کو آخری نصیحت کی ہے۔

پہلی مثال: جب وہ کسی معاملہ میں حق پر نہیں ہوتے تو مقدمہ کا فیصلہ کرانے کے لئے خدمتِ نبوی میں حاضر ہونے سے گریز کرتے ہیں، کافروں کی عدالت سے فیصلہ کرانا چاہتے ہیں۔

دوسری مثال: وہ جہاد کے تعلق سے ڈینگیں مارتے ہیں، قسموں پر قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر ان سے جہاد کے لئے نکلنے کے لئے کہا جائے تو وہ ضرور نکلیں گے، مگر جب وقت آتا ہے تو کھسک جاتے ہیں۔

ملحوظہ: نفاق کی دونوں قسموں کو ظاہری عمل ہی سے پہچانا جاسکتا ہے، دل کے احوال پر مطلع ہونے کی ہمارے لئے کوئی صورت نہیں۔ البتہ اللہ پاک جانتے ہیں کہ کس عمل کے پیچھے کیا جذبہ کارفرما ہے، پس ہم ان دو مثالوں میں جو باتیں آئی

(۱) طاعة معروفة: مبتدا محذوف المطلوب منكم کی خبر ہے، اور معروفة: طاعة کی صفت ہے۔ (۲) حَمَّلَه الشيئَ: کسی پر کوئی چیز لادنا، کوئی ذمہ داری ڈالنا۔

ہیں، ان کی وجہ سے بھی نفاق اعتقادی کا فیصلہ نہیں کر سکتے، ہم ان کو بھی نفاقِ عملی ہی پر محمول کریں گے، یہ اللہ تعالیٰ ہی کا مقام ہے کہ وہ حقیقتِ حال سے پردہ اٹھائیں۔

منافقین کا ذکر اور نفاق کی دو مثالیں

پہلی مثال: —— اور وہ (منافق) لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور رسولؐ پر ایمان لائے، اور ہم نے فرمانبرداری قبول کی، پھر ان میں سے ایک فریق —— یعنی کچھ لوگ —— یہ کہنے کے بعد پہلوتہی کرتا ہے، اور یہ لوگ ایماندار نہیں! —— یہ بات اللہ تعالیٰ ہی بتا سکتے ہیں، وہ عالم الغیب ہیں —— اور جب وہ لوگ اللہ کی طرف اور اس کے رسولؐ کی طرف بلائے جاتے ہیں تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کریں تو اچانک ان میں سے ایک گروہ روگردانی کرتا ہے —— بشر نامی ایک منافق کا ایک یہودی کے ساتھ ایک زمین کے متعلق جھگڑا تھا۔ یہودی نے کہا: چلو تمہارے نبی سے فیصلہ کراتے ہیں، مگر وہ منافق ناحق پر تھا۔ جانتا تھا کہ اگر مقدمہ بارگاہِ نبوی میں گیا تو وہ ہار جائے گا، اس نے انکار کیا، اور کعب بن اشرف کے پاس مقدمہ لے چلنے کے لئے کہا، وہاں اس کی دال گل جائے گی، اس واقعہ کا ان آیات میں تذکرہ ہے —— اور اگر ان کا حق نکلتا ہے تو وہ سرِ تسلیم خم کئے ہوئے ان کے پاس چلے آتے ہیں —— کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ آپؐ کی عدالت سے فیصلہ ہمارے موافق ہوگا، پس یہ کیا ایمان ہوا؟ محض ہوا پرستی ہوئی —— کیا ان کے دلوں میں بیماری ہے، یا وہ شک میں مبتلا ہیں، یا ان کو یہ اندیشہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ان پر ظلم کریں گے؟ —— یعنی آخر روگردانی کا سبب کیا ہے؟ تین ہی اسباب ہو سکتے ہیں: یا تو اعتقادی منافق ہیں یا ابھی ان کو رسول اللہ ﷺ کی صداقت میں تردد ہے، یا ان کو ظلم کا اندیشہ ہے۔ اور یہ تینوں باتیں ایمان کے منافی ہیں —— بلکہ وہی لوگ ظالم ہیں —— ظلم کے معنی ہیں: بے موقع کام کرنا، کسی کی حق تلفی کرنا۔ مذکورہ تینوں باتیں بے موقع ہیں، اور ان میں اللہ ورسول کی حق تلفی ہے، پس درحقیقت انھوں نے ہی ظلم پر کمر باندھ رکھی ہے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ تو ان پر ظلم کرنے والے نہیں!

آگے منافقین کے بالمقابل مخلصین کی اطاعت اور فرمانبرداری کو بیان فرماتے ہیں: —— مسلمانوں کا قول جب ان کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جائے، تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کریں یہی ہوتا ہے کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا! اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں —— یعنی سچے مسلمان کا کام یہ ہوتا ہے، اور یہ ہونا چاہئے کہ جب کسی معاملہ میں ان کو خدا ورسول کی طرف بلایا جائے، خواہ اس میں بظاہر ان کا نفع ہو یا نقصان: ایک منٹ کا توقف نہ کریں، فی الفور سمعنا و أطعنا کہہ کر حکم ماننے کے لئے تیار ہو جائیں، اسی میں ان کی اصلی بھلائی اور حقیقی فلاح کا راز مضمر ہے (فوائد)

اس کے بعد قاعدہ کلیہ بیان فرماتے ہیں: ـــــ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانے، اور اللہ سے ڈرے، اور اس کی مخالفت سے بچے تو وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں ـــــ یعنی اطاعت، خشیت اور عدم مخالفت کامیابی کی کنجی ہے۔

دوسری مثال: ـــــ اور انھوں نے بڑا زور لگا کر اللہ کی قسمیں کھائیں کہ بخدا! اگر آپ ان کو حکم دیں تو وہ ضرور نکلیں گے ـــــ اور اللہ کے دین کے لئے جان کی بازی لگا دیں گے ـــــ آپ کہیں: قسمیں مت کھاؤ، معروف طریقہ پر فرمانبرداری چاہئے ـــــ یعنی سچے مسلمانوں کے دستور کے موافق حکم برداری کر کے دکھلاؤ، زبانی قسمیں کھانے سے کوئی فائدہ نہیں ـــــ بے شک اللہ تعالیٰ پوری طرح باخبر ہیں ان کاموں سے جو تم کرتے ہو ـــــ یعنی اللہ کے آگے کسی کی چالاکی اور فریب نہیں چل سکتا، ان کو تمام ظاہری اور پوشیدہ باتوں کی خبر ہے، وہ آگے چل کر تمہارے نفاق کا پردہ فاش کر دیں گے۔

منافقین کو آخری نصیحت: ـــــ کہئے: فرمانبرداری کرو اللہ کی، اور فرمانبرداری کرو رسول کی، پھر اگر تم روگردانی کرو تو رسول کے ذمے وہی ہے جس کا ان پر بار ڈالا گیا ہے، اور تمہارے ذمے وہ ہے جس کا تم پر بار ڈالا گیا ہے ـــــ پیغمبر ﷺ پر تبلیغ کی ذمہ داری ڈالی گئی ہے، جو وہ پوری کر رہے ہیں، اور تم پر تصدیق اور قبولِ حق کی ذمہ داری ڈالی گئی ہے، جو تمہیں پوری کرنی چاہئے ـــــ اور اگر تم ان کی اطاعت کرو گے تو راہ پر لگ جاؤ گے ـــــ اور دارین میں کامیاب ہوؤ گے، دنیا و آخرت میں خوش رہو گے ـــــ اور رسول کے ذمہ صرف کھول کر پہنچا دینا ہے ـــــ سو وہ اپنا فریضہ ادا کر چکے، آگے تم جانو، تمہارا کام!

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ۧ

ع ۱۳

الفاظ	ترجمہ	الفاظ	ترجمہ	الفاظ	ترجمہ
وَعَدَ(۱)	وعدہ فرمایا	الَّذِی	جس کو	وَ اَقِیْمُوا	اور اہتمام کرو
اللّٰہُ	اللہ تعالیٰ نے	ارْتَضٰی(۴)	پسند کیا اس نے	الصَّلٰوۃَ	نماز کا
الَّذِیْنَ	ان سے جو	لَهُمْ	ان کے لئے	وَ اٰتُوا	اور دو
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ(۵)	اور ضرور بدل کردیں گے ان کو	الزَّکٰوۃَ	زکات
مِنْكُمْ	تم میں سے			وَ اَطِیْعُوا	اور فرمان برداری کرو
وَعَمِلُوا	اور کئے انھوں نے	مِّنْۢ بَعْدِ	بعد	الرَّسُوْلَ	رسولؐ کی
الصّٰلِحٰتِ	نیک کام	خَوْفِهِمْ	ان کے ڈر کے	لَعَلَّكُمْ	تا کہ تم
لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ(۲)	ضرور اللہ ان کو اپنا قائم مقام بنائیں گے	اَمْنًا	امن چین	تُرْحَمُوْنَ	مہربانی کئے جاؤ
		يَعْبُدُوْنَنِيْ	عبادت کریں گے وہ میری	لَا تَحْسَبَنَّ	ہرگز گمان نہ کر
فِي الْاَرْضِ	زمین میں	لَا يُشْرِكُوْنَ	اور نہیں شریک ٹھہرائیں گے	الَّذِيْنَ	ان کو جنھوں نے
كَمَا	جس طرح	بِيْ	وہ میرے ساتھ	كَفَرُوْا	اللہ کے دین کا انکار کیا
اسْتَخْلَفَ	قائم مقام بنایا اس نے	شَيْئًا	کسی چیز کو	مُعْجِزِيْنَ(۶)	ہرانے والے
الَّذِيْنَ	ان کو جو	وَمَنْ كَفَرَ	اور جس نے کفر کیا	فِي الْاَرْضِ	زمین میں (بھاگ کر)
مِنْ قَبْلِهِمْ	ان سے پہلے ہوئے	بَعْدَ ذٰلِكَ	اس کے بعد	وَمَاْوٰىهُمُ	اور ان کا ٹھکانا
وَلَيُمَكِّنَنَّ(۳)	اور ضرور اللہ جمادیں گے	فَاُولٰٓئِكَ	پس وہی لوگ	النَّارُ	دوزخ ہے
لَهُمْ	ان کے لئے	هُمُ الْفٰسِقُوْنَ	حد اطاعت سے باہر نکلنے والے ہیں	وَلَبِئْسَ	اور یقیناً برا ہے
دِيْنَهُمُ	ان کے اس دین کو			الْمَصِيْرُ(۷)	وہ ٹھکانا

(۱)وعد کا مفعول اول جملہ موصولہ الذين آمنوا ہے، اور ليستخلفنهم: جوابِ قسم مع معطوفات مفعول ثانی کی قائم مقامی کرتا ہے۔ اور تقدیر عبارت ہے: وعد الله المؤمنين الصالحين الاستخلافَ في الأرض، وتمكينَ دينهم المرتضى، وتبديل خوفهم بالأمن۔ (۲) اسْتَخْلَفَه: اپنا جانشین بنانا، قائم مقام بنانا۔ (۳) ليمكنن: تمكين (باب تفعیل) وہ ضرور جمائے گا۔ (۴) ارتضاه: پسند کرنا، مختص کرنا۔ (۵) بَدَّلَ تبديلاً: بدلنا۔ بَدَّل الشيئَ شيئًا: ایک چیز کو دوسری چیز سے تبدیل کرنا، ادلا بدلا کرنا۔ (۶) معجزين: اسم فاعل، جمع مذکر۔ إعجاز (افعال) ہرانا، عاجز کرنا۔ (۷) المصير: مصدر اور ظرف مکان، یہاں ظرف ہے، مادّہ: صَيْر: بنانا۔ المصير: لوٹنے کی جگہ، ٹھکانا، قرار گاہ۔

ربط: منکرین ومنافقین کے تذکرے کے بعد: ان کوایک وعدہ سنایا جارہا ہے جواللہ تعالیٰ نے نیک ایماندار بندوں سے کیا ہے، تاکہ وہ اپنی روش بدلیں، اور ایمان لاکر مؤمنین کے زمرہ میں شامل ہوں، اور وعدۂ ربانی کے مستحق بنیں، ورنہ جزیرۃ العرب سے بھاگ کر کہاں جائیں گے؟ جہاں بھی جائیں گے اللہ تعالیٰ کی دسترس سے باہر نہیں ہونگے، اللہ تعالیٰ ضرور ان کو جہنم کا ایندھن بنائیں گے۔

اور سورت سے اس مضمون کا تعلق یہ ہے کہ معاشرہ کی اصلاح کے لئے اسلامی حکومت ضروری ہے، اس کے بغیر یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا، حکومت کے بغیر لوگوں کی گرفت نہیں کی جاسکتی ہے نہ حدود جاری ہوسکتی ہیں، مگر حکومت کا وعدہ ان لوگوں سے ہے جو ایمان اور عمل صالح کے زیور سے آراستہ ہیں، ایسے لوگوں سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ ان کو زمین میں ضرور حکومت دیں گے، تاکہ دین کی جڑیں مضبوط ہوں، اللہ کی بندگی کا رواج پڑے، اور مسلمان امن سکون کے ساتھ زندگی بسر کریں۔ پھر جو اسلامی حکومت کا حق ادا نہیں کرے گا، احکام شرع کی خلاف ورزی کرے گا، وہ حد اطاعت سے نکل جانے والا ہے، وہ افضالِ الٰہی سے محروم ہوسکتا ہے، اور اب ہوگیا!

کامل اصلاح معاشرہ اسی وقت ممکن ہے جب اسلامی حکومت ہو

ارشادِ پاک ہے: —— اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے، اور انھوں نے نیک کام کئے وعدہ فرمایا ہے کہ ضرور ان کو زمین میں اپنا قائم مقام بنائیں گے، جس طرح انھوں نے ان لوگوں کو اپنا قائم مقام بنایا جو ان سے پہلے گذرے، اور ضرور ان کے لئے ان کے دین کو جمائیں گے جس کو اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے، اور ضرور ان کو بدل کردیں گے امن وچین ان کے خوف کے بعد۔

تفسیر: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنین سے تین چیزوں کا وعدہ فرمایا ہے:

۱- نیک مؤمنین کو زمین میں حکمران بنایا جائے گا۔ اور لفظ استخلاف میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ حکمران دنیوی بادشاہوں کی طرح نہیں ہونگے، بلکہ وہ آسمانی بادشاہت کا اعلان کریں گے، دین حق کی بنیادیں جمائیں گے، اور چار دانگِ عالم دین کا ڈنکا بجائیں گے۔

۲- اللہ تعالیٰ دین اسلام کو غالب فرمائیں گے۔ دلائل وبراہین سے بھی اور حکومت وسلطنت کی راہ سے بھی، مگر پہلا غلبہ مطلق ہے، اور دوسرا مقید، وہ اس وقت حاصل ہوا یا ہوگا جب مسلمان تعلیماتِ اسلام کے پوری طرح پابند تھے یا ہونگے، ایمان وتقوی کی راہوں میں مضبوط اور جہاد فی سبیل اللہ میں ثابت قدم تھے یا ہوں گے۔

۳-مسلمانوں کو اتنی قوت وشوکت حاصل ہوگی کہ ان کو دشمنوں کا خوف مرعوب نہ کرے گا، وہ کامل امن واطمینان کے ساتھ اپنے پروردگار کی عبادت میں مشغول رہیں گے۔

فائدہ: اس آیت سے دو باتیں اور بھی ثابت ہوتی ہیں:

۱-یہ آیت رسول اللہ ﷺ کی نبوت ورسالت کی دلیل بھی ہے۔ کیونکہ یہ ایک پیشین گوئی ہے، جو خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں حرف بہ حرف پوری ہوئی، ورنہ نزولِ آیت کے وقت کون کہہ سکتا تھا کہ ایسا ہو جائے گا؟

۲-یہ آیت خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت کے برحق ہونے کی دلیل بھی ہے۔ کیونکہ اس آیت میں جو وعدے فرمائے گئے ہیں ان کا پورا پورا ظہور انہی کے دور میں ہوا ہے۔ دورِ نبوی تک تو خلافت جزیرۃ العرب تک محدود تھی، اور خوف بھی پوری طرح زائل نہیں ہوا تھا ـــــ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی خلیفہ راشد ہیں یعنی انھوں نے بھی نبوت کے منہاج پر حکومت کی ہے، مگر ان کے زمانہ میں خانہ جنگی شروع ہوگئی تھی، جس کی وجہ سے حکومت کا دائرہ اور وسیع نہیں ہوسکا، پھر حضرت علیؓ کی خلافت تو متفق علیہ ہے، اس کے لئے مزید کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔

اسلامی حکومت میں مسلمانوں کے کام: ـــــ وہ میری عبادت کریں گے، اور میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے ـــــ یعنی وہ خالص خدائے واحد کی بندگی کریں گے، جس میں ذرّہ برابر شرک کی آمیزش نہ ہوگی، شرکِ جلی کا تو وہاں گذر ہی کیا، شرکِ خفی کی بھی ان کو ہوا نہ لگے گی، وہ صرف ایک خدا کے غلام ہونگے، اسی سے ڈریں گے، اسی سے امید رکھیں گے، اسی پر بھروسہ کریں گے، اسی کی رضا میں ان کا جینا مرنا ہوگا، کسی دوسری ہستی کا خوف وہراس ان کے پاس نہ پھٹکے گا، نہ وہ کسی دوسرے کی خوشی ناخوشی کی پرواہ کریں گے (فوائد)

جو نعمتِ خداوندی کی ناشکری کرے اس کا حکم: ـــــ اور جس نے اُس کے بعد کفر اختیار کیا وہی لوگ حد اطاعت سے نکل جانے والے ہیں ـــــ اس آیت میں کفر سے کفرانِ نعمت مراد ہے یعنی جو اللہ کی نعمت کی ناشکری کرے ـــــ اور ﴿بَعْدَ ذٰلِكَ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا مذکورہ وعدہ پورا ہو جائے، اور مسلمانوں کو شان وشوکت کی حکومت مل جائے، پھر اس کے بعد جو لوگ ناشکری کریں یعنی اسلامی حکومت کے حقوق ادا نہ کریں وہ لوگ فاسق ہیں۔ فاسق کے معنی ہیں: حد اطاعت سے نکل جانے والا، ایسے لوگوں سے اللہ تعالیٰ کا کوئی وعدہ نہیں، ان سے بخشی ہوئی نعمت (حکومت) چھینی بھی جاسکتی ہے۔

اور تاریخ شاہد ہے کہ جب تک مسلمان دین پر رہے ان کی حکومت اور دبدبہ قائم رہا۔ اور جب عوام وخواص رنگ رلیوں میں پڑ گئے تو پانسہ پلٹ گیا۔ اقبال رحمہ اللہ نے ٹھیک کہا ہے:

میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیرِ امم کیا ہے؟ ❁ شمشیر وسناں اول، طاؤس ورَباب آخر

ایک مثال سے وضاحت: اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی جان اور مال جنت کے عوض خرید لئے ہیں [التوبہ آیت ۱۱۱] پس اللہ تعالیٰ خریدار ہیں، اور مؤمنین فروخت کرنے والے ہیں۔ اب مثال سنیں: گیہوں کی چار بوریاں ہیں، ایک میں ایک بھی کنکر نہیں، مالک نے گیہوں صاف کر کے بوری بھری ہے، دوسری میں ایک کلو کوڑا ہے، جو عموماً ہوتا ہے، تیسری میں دس کلو کوڑا ہے اور چوتھی میں اسّی کلو، اس میں صرف بیس کلو گیہوں ہیں —— پہلی بوری خریدار فوراً اٹھائے گا، بلکہ کچھ زائد قیمت دینی پڑے تو دے گا۔ یہ بوری جماعتِ صحابہ کی مثال ہے جماعتِ صحابہ میں ایک کنکر بھی نہیں تھا —— دوسری بوری بھی خریدار خریدتا ہے، بلکہ وہ سو کلو گیہوں کے پیسے دیتا ہے، جبکہ اس میں بالیقین ایک کلو کوڑا ہے۔ یہ بعد کے ادوار کی مثال ہے —— اور تیسری بوری کی طرف کوئی خریدار متوجہ نہیں ہوتا، الا یہ کہ مالک پندرہ کلو گیہوں کے پیسے گھٹا دے تو کوئی یہ سوچ کر لے لیتا ہے کہ مزدور سے صاف کرالیں گے، پانچ کلو کا تو فائدہ ہوگا —— اور چوتھی بوری جس میں اسّی کلو کوڑا ہے اس کو کوئی بیوقوف بھی نہیں خریدتا، اگرچہ اس میں بیس کلو گیہوں ہے۔

آج امت کا حال چوتھی بوری جیسا ہوگیا ہے، اس لئے اس کا کوئی پرسانِ حال نہیں۔ اب دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں: یا تو اس میں سے بیس کلو گیہوں علاحدہ کر لئے جائیں تو اس کا خریدار مل سکتا ہے، مگر یہ بات ناممکن ہے، یا پھر اسّی کلو کوڑے کو گیہوں بنالیا جائے۔ یہ بات ممکن ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام جب مبعوث ہوتے ہیں تو ساری بوری کوڑے سے بھری ہوئی ہوتی ہے، وہ معاشرہ پر محنت کرتے ہیں، اور اس کو خالص گیہوں بنالیتے ہیں، پھر ہم اسّی کلو کو گیہوں میں تبدیل کیوں نہیں کرسکتے؟

مگر اس کے لئے امت پر دعوت وتبلیغ اور تعلیم وتربیت کے ذریعہ محنت کرنے پڑے گی، تب کہیں کھوئی ہوئی نعمت واپس ملے گی —— پھر لوگ ایک غلطی کرتے ہیں، ہر شخص دوسرے کی اصلاح کی فکر کرتا ہے، اور خود کو بھول جاتا ہے، جبکہ کلّی افراد کا مجموعہ ہوتی ہے، اگر ہر شخص پہلے اپنی ذات پر محنت کرے، اور خود کو اور اپنے متعلقین کو سنوار لے تو سارا معاشرہ سنور جائے گا۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں: —— اور نماز کا اہتمام کرو، اور زکات ادا کرو، اور رسول کی فرمان برداری کرو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے —— اور تمہاری کھوئی ہوئی متاع تمہیں واپس مل جائے۔

آخر میں پھر کفار ومنافقین کو مخاطب بنایا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں: —— ہرگز گمان نہ کر (اے مخاطب) ان لوگوں کو جنھوں نے دین کا انکار کیا زمین میں بھاگ کر ہرانے والا! —— یعنی جزیرۃ العرب سے بھاگ کر تم کہاں چلے جاؤ گے؟ جہاں بھی جاؤ گے اللہ کی قدرت میں رہو گے —— اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے، اور وہ بہت بڑا ٹھکانا ہے! —— یعنی ساری

زمین میں اگر اِدھر اُدھر بھاگتے پھرے تو بھی وہ خدا کی سزا سے بچ نہیں سکتے، بالآخر ان کو جہنم کے جیل خانہ میں جانا پڑے گا، اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے!

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِیَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِیْنَ مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ وَالَّذِیْنَ لَمْ یَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِیْنَ تَضَعُوْنَ ثِیَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِیْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ؕ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ لَیْسَ عَلَیْكُمْ وَلَا عَلَیْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوْنَ عَلَیْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۵۸﴾ وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْیَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۵۹﴾

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ	اے لوگو جو	مِنْ قَبْلِ	پہلے	جُنَاحٌ	کچھ گناہ
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	صَلٰوةِ الْفَجْرِ	نماز فجر کے	بَعْدَهُنَّ	ان تین اوقات کے بعد
لِیَسْتَاْذِنْكُمُ	چاہئے کہ اجازت لیں تم سے	وَحِیْنَ	اور جب	طَوّٰفُوْنَ	بکثرت آنے جانے والے ہیں
		تَضَعُوْنَ	رکھتے ہو تم		
الَّذِیْنَ	وہ جن کے	ثِیَابَكُمْ	اپنے کپڑے	عَلَیْكُمْ	تمہارے پاس
مَلَكَتْ	مالک ہیں	مِّنَ الظَّهِیْرَةِ	دوپہر میں	بَعْضُكُمْ	تمہارے بعض
اَیْمَانُكُمْ	تمہارے دائیں ہاتھ	وَمِنْۢ بَعْدِ	اور بعد	عَلٰى بَعْضٍ	بعض پر
وَالَّذِیْنَ	اور وہ جو	صَلٰوةِ الْعِشَآءِ	عشاء کی نماز کے	كَذٰلِكَ	اسی طرح
لَمْ یَبْلُغُوا	نہیں پہنچے	ثَلٰثُ	(یہ) تین (اوقات)	یُبَیِّنُ	بیان کرتے ہیں
الْحُلُمَ	بلوغ کو	عَوْرٰتٍ	بدن کھلنے کے ہیں	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
مِنْكُمْ	تم میں سے	لَّكُمْ	تمہارے	لَكُمُ	تمہارے لئے
ثَلٰثَ	تین	لَیْسَ عَلَیْكُمْ	نہیں تم پر	الْاٰیٰتِ	احکام
مَرّٰتٍ	بار	وَلَا عَلَیْهِمْ	اور نہ ان پر	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ

عَلِيۡمٌ	خوب جاننے والے	فَلۡيَسۡتَاۡذِنُوۡا	پس چاہئے کہ اجازت لیں وہ	يُبَيِّنُ	بیان کرتے ہیں
حَكِيۡمٌ	بڑی حکمت والے ہیں			اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
وَاِذَا	اور جب	كَمَا	جس طرح	لَكُمۡ	تمہارے لئے
بَلَغَ	پہنچیں	اسۡتَاۡذَنَ	اجازت لی	اٰيٰتِهٖ	اپنے احکام
الۡاَطۡفَالُ	بچے	الَّذِيۡنَ	ان لوگوں نے جو	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
مِنۡكُمُ	تمہارے	مِنۡ قَبۡلِهِمۡ	ان سے پہلے گذرے	عَلِيۡمٌ	خوب جاننے والے
الۡحُلُمَ	بلوغ کو	كَذٰلِكَ	اسی طرح	حَكِيۡمٌ	بڑی حکمت والے ہیں

ربط: آیت ۲۷ میں اجازت طلبی کا حکم بیان ہو چکا ہے۔ اُس حکم میں مملوکوں اور نابالغوں کے لئے کچھ تخفیف ہے۔ اب اس کا بیان شروع کرتے ہیں، درمیان میں خاص خاص مناسبتوں سے دیگر مضامین آئیں گے۔

مملوکوں اور نابالغوں کے لئے اجازت طلبی کے حکم میں تخفیف

ارشاد پاک ہے: —— اے ایمان والو! چاہئے کہ اجازت لیں تم سے تمہارے مملوک اور وہ جو تم میں سے حد بلوغ کو نہیں پہنچے تین مرتبہ: فجر کی نماز سے پہلے، اور جب تم دوپہر میں اپنے کپڑے اتار دیا کرتے ہو، اور عشاء کی نماز کے بعد، یہ تین وقت تمہارے پردے کے ہیں۔ نہ تم پر کوئی گناہ ہے نہ ان پر ان تین اوقات کے علاوہ، وہ بکثرت تمہارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں، تم میں سے بعض بعض کے پاس۔ اس طرح اللہ تعالیٰ اپنے احکام کھول کر بیان کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے، بڑی حکمت والے ہیں —— اور جب تمہارے بچے بلوغ کو پہنچیں تو چاہئے کہ وہ اجازت لیں جس طرح اجازت لیتے ہیں ان سے اگلے لوگ (جن کا تذکرہ آیت ۲۷ میں ہے) اس طرح اللہ تعالیٰ اپنے احکام کھول کر بیان کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے، بڑی حکمت والے ہیں۔

ان دو آیتوں میں تین باتیں بیان فرمائی ہیں:

پہلی بات: مذکورہ تین وقتوں میں عموماً زائد کپڑے اتار دیئے جاتے ہیں، یا سونے کا لباس پہن لیا جاتا ہے، اور بیوی کے ساتھ مخالطت بھی عموماً ان ہی اوقات میں ہوتی ہے۔ اس لئے حکم دیا کہ ان تین وقتوں میں اپنے اور پرائے نابالغ لڑکے لڑکیوں کو اور لونڈی غلاموں کو اجازت لے کر آنا چاہئے۔ باقی اوقات میں اجنبی مردوں کی طرح ان کو اجازت طلب کرنے کی حاجت نہیں۔

دوسری بات: مذکورہ تین اوقات کے علاوہ اوقات میں غلام باندی اور نابالغ بچے عادتاً ایک دوسرے کے پاس بے روک ٹوک آتے جاتے ہیں، اس لئے ان کو ہر مرتبہ اجازت لینے کی ضرورت نہیں، اس میں حرج اور تنگی ہے جو حکمت کے منافی ہے۔

تیسری بات: نابالغ بچے جب حد بلوغ کو پہنچ جائیں تو ان کا حکم ان مردوں جیسا ہے جن کا تذکرہ آیت ۲۷ میں آیا ہے۔

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان آیات کے نزول کے وقت رہن سہن سادہ تھا، دروازوں پر پردے نہیں تھے، نہ پردہ دار مسہریاں تھیں، اس وقت کبھی ایسا ہوتا تھا کہ نوکر یا بیٹا بیٹی اچانک آ جاتے تھے، اور آدمی بیوی کے ساتھ مشغول ہوتا تھا، اس لئے ان تین وقتوں میں اجازت لے کر آنے کا حکم دیا۔ اور اب چونکہ دروازوں پر پردے اور گھر میں پردہ دار مسہریاں آ گئی ہیں، اس لئے لوگوں نے یوں سمجھ لیا ہے کہ اب یہ پردہ کافی ہے، استیذان کی ضرورت نہیں (ابن کثیر)

الغرض: اس حکم میں مصلحت یہ ہے کہ کوئی کسی کی آزادی میں خلل نہ ڈالے، پس جو لوگ اس طرح کے استیذان کا گھر والوں کو پابند نہیں بناتے وہ خود پریشانی میں مبتلا ہوتے ہیں۔

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاۗءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۢ بِزِيْنَةٍ ۭ وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

وَالْقَوَاعِدُ (۱)	اور بیٹھ رہنے والی	جُنَاحٌ	کچھ گناہ	وَاَنْ	اور یہ بات کہ
مِنَ النِّسَاۗءِ	عورتوں میں سے	اَنْ	کہ	يَّسْتَعْفِفْنَ (۳)	پاکدامنی کی خواہش رکھیں
الّٰتِيْ	جو	يَّضَعْنَ	رکھ دیں وہ	خَيْرٌ	بہتر ہے
لَا يَرْجُوْنَ	نہیں امید رکھتیں	ثِيَابَهُنَّ	اپنے کپڑے	لَّهُنَّ	ان کے لئے
نِكَاحًا	نکاح کی	غَيْرَ (۲)	نہ	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
فَلَيْسَ	تو نہیں	مُتَبَرِّجٰتٍۢ	نمائش کرنے والی ہوں	سَمِيْعٌ	خوب سننے والے
عَلَيْهِنَّ	ان پر	بِزِيْنَةٍ	زیبائش کی	عَلِيْمٌ	خوب جاننے والے ہیں

(۱) **القواعد:** **القاعد** (تائے تانیث کے بغیر) کی جمع ہے، بہت بوڑھی عورت، جس کا حیض کا زمانہ گذر گیا ہو...... **اللاتی:** **القوعد** کی صفت ہے...... اور جملہ **فلیس** مبتدا کی خبر ہے۔ (۲) **غیر:** حال ہے...... **تبرجت المرأة:** زیبائش کا اظہار کرنا۔ (۳) **استعفاف:** پاک دامنی طلب کرنا۔

بوڑھی عورتوں کے لئے رہن سہن کے احکام میں تخفیف

آیت ۳۱ میں عورتوں کے لئے ہر وقت ساتھ رہنے والے محارم وغیرہ کے درمیان سلیقہ سے رہنے کا حکم آیا ہے، اس حکم میں بڑی بوڑھی عورتوں کے لئے تخفیف کی گئی ہے۔ شاہ عبد القادر صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''بوڑھی عورتیں گھر میں تھوڑے کپڑے میں رہیں تو درست ہے، اور پورا پردہ رکھیں تو اور بہتر!'' (موضح القرآن)

ارشادِ پاک ہے: —— اور بڑی بوڑھی عورتیں جن کو نکاح کی امید نہ رہی ہو: ان پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے کپڑے رکھ دیں —— مثلاً اوڑھنی رکھ دیں —— جبکہ وہ زیبائش کی نمائش کرنے والی نہ ہوں، اور پاک دامنی کی خواہش رکھنا ان کے لئے بہتر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والے، خوب جاننے والے ہیں۔

تفسیر: ایسی بوڑھی عورتیں گھر سے باہر نکلتے وقت بھی زائد کپڑے مثلاً برقع وغیرہ اتار دیں تو کچھ مضائقہ نہیں، بشرطے کہ اس زینت کا اظہار نہ ہو جس کے چھپانے کا حکم ہے (فوائد)

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ؕ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۱﴾

لَيْسَ	نہیں	حَرَجٌ	کچھ تنگی	عَلَى الْاَعْرَجِ	لنگڑے پر		
عَلَى الْاَعْمٰى (۱)	نابینا پر	وَّلَا	اور نہ	حَرَجٌ	کچھ تنگی		

(۱) علی الأعمی: لیس کی خبر مقدم ہے، اور حرج: اسم مؤخر، اور آگے تین جگہ لا بمعنی لیس ہے، اور آخری لا کے بعد حرج: خبر محذوف ہے، اور أن تاکلوا سے پہلے فی مقدر ہے، اور اس کا تعلق چاروں جملوں سے ہے۔

وَّلَا	اور نہ	اَوْ بُيُوْتِ	یا گھروں سے	اَوْ اَشْتَاتًا(۳)	یا جدا ہوکر
عَلَى الْمَرِيْضِ	بیمار پر	اَعْمَامِكُمْ	اپنے چچاؤں کے	فَاِذَا	پس جب
حَرَجٌ	کچھ تنگی	اَوْ بُيُوْتِ	یا گھروں سے	دَخَلْتُمْ	داخل ہوؤ تم
وَّلَا	اور نہ	عَمّٰتِكُمْ	اپنی پھوپیوں کے	بُيُوْتًا	گھروں میں
عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ	خود تم پر (کچھ تنگی)	اَوْ بُيُوْتِ	یا گھروں سے	فَسَلِّمُوْا	تو سلام کرو
اَنْ	کہ	اَخْوَالِكُمْ	اپنے ماموؤں کے	عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ	اپنے لوگوں کو
تَاْكُلُوْا	کھاؤ تم	اَوْ بُيُوْتِ	یا گھروں سے	تَحِيَّةً(۴)	زندہ رہنے کی دعا کے بطور
مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ	اپنے گھروں سے	خٰلٰتِكُمْ	اپنی خالاؤں کے	مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کے پاس سے
اَوْ بُيُوْتِ	یا گھروں سے	اَوْ مَا(۱)	یا (گھروں سے) جنکے	مُبٰرَكَةً	برکت والی
اٰبَآئِكُمْ	اپنے باپوں کے	مَلَكْتُمْ	مالک ہو تم	طَيِّبَةً	ستھری
اَوْ بُيُوْتِ	یا گھروں سے	مَّفَاتِحَهٗۤ	ان کی کنجیوں کے	كَذٰلِكَ	اس طرح
اُمَّهٰتِكُمْ	اپنی ماؤں کے	اَوْ صَدِيْقِكُمْ(۲)	یا اپنے دوستوں کے	يُبَيِّنُ	صاف بیان کرتے ہیں
اَوْ بُيُوْتِ	یا گھروں سے	لَيْسَ عَلَيْكُمْ	نہیں ہے تم پر	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
اِخْوَانِكُمْ	اپنے بھائیوں کے	جُنَاحٌ	کچھ گناہ	لَكُمُ الْاٰيٰتِ	تمہارے لئے احکام
اَوْ بُيُوْتِ	یا گھروں سے	اَنْ تَاْكُلُوْا	کہ کھاؤ تم	لَعَلَّكُمْ	تا کہ تم
اَخَوٰتِكُمْ	اپنی بہنوں کے	جَمِيْعًا	مل کر	تَعْقِلُوْنَ	سمجھ لو

معذور اور غیر معذور: رشتہ دار وغیرہ کے گھروں سے بے تکلف کھا سکتے ہیں

آیت ۲۷ میں اجازت طلبی کا حکم آیا ہے۔ اپنے گھر کے علاوہ کسی بھی گھر میں جانے کے لئے استیذان کو ضروری قرار دیا ہے۔ اس سے ایک طرح کی تنگی مفہوم ہوتی ہے۔ رشتہ داروں کے گھروں میں تکلف برتنے کا اشارہ ملتا ہے۔ اس لئے اس آیت میں اس وہم کا ازالہ کیا ہے کہ اجازت لینا تو رشتہ داروں کے گھروں میں جانے کے لئے بھی ضروری ہے، مگر

(۱) تقدیر عبارت: أو بیوت الذین ملکتم مفاتحھا ہے۔ (۲) أی: بیوت صدیقکم۔ (۳) أشتات: شَتٌّ کی جمع ہے: متفرق، جدا جدا۔ (۴) تحیة: سلموا کا مفعول مطلق ہے، من غیر لفظہ......اور من عند اللہ: محذوف سے متعلق ہوکر تحیة کی صفت ہے، اور مبارکة اور طیبة بھی صفتیں ہیں۔

اجازت ملنے کے بعد تنگی نہیں۔ معذور اور غیر معذور سب: رشتہ دار وغیرہ کے گھروں سے بے تکلف کھا سکتے ہیں، یہ معاشرتی توسّع ہے جو ضروری ہے —— البتہ رشتہ داروں کے گھروں میں بھی سلام کر کے داخل ہونا چاہئے۔ سلام: سلامتی کی دعا ہے، اور اللہ کی طرف سے مقرر کی گئی ہے۔ یہ بابرکت اور پاکیزہ دعا ہے، اس لئے اس کے زیادہ حقدار اپنے لوگ ہیں، ان کو اس دعا سے محروم نہیں رکھنا چاہئے۔

ارشادِ پاک ہے: —— نابینا پر کچھ تنگی نہیں، اور لنگڑے پر کچھ تنگی نہیں، اور بیمار پر کچھ تنگی نہیں، اور خود تم پر کچھ تنگی نہیں کہ کھاؤ اپنے گھروں سے، اپنے باپوں کے گھروں سے، اپنی ماؤں کے گھروں سے، اپنے بھائیوں کے گھروں سے، اپنی بہنوں کے گھروں سے، اپنے چچاؤں کے گھروں سے، اپنی پھوپیوں کے گھروں سے، اپنے ماموؤں کے گھروں سے، اپنی خالاؤں کے گھروں سے، یا ان گھروں سے جن کی کنجیاں تمہارے ہاتھ میں ہیں، یا اپنے دوستوں کے گھروں سے، تم پر کچھ گناہ نہیں کہ مل کر کھاؤ یا جدا ہو کر۔

تفسیر: آیت کو سمجھنے کے لئے چند باتیں جان لیں:

۱- غیر معذوروں کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ معذور کے لئے توسّع ہوسکتا ہے، مگر غیر معذور کے لئے شاید گنجائش نہ ہو، اس لئے بتادیا کہ یہ معاشرتی توسّع سب کے لئے ہے۔

۲- اور اپنے گھروں کا ذکر اس لئے کیا کہ آخر میں آرہا ہے: ''تم پر کچھ گناہ نہیں کہ مل کر کھاؤ یا جدا ہو کر'' یعنی اپنے گھر میں اکیلا بھی کھا سکتا ہے، ضروری نہیں کہ ساتھ میں کوئی کھانے والا ہو۔ بعض لوگ جب تک کوئی مہمان ساتھ نہ ہو کھانا نہیں کھاتے، یہ غلو ہے۔ بغیر مہمان کے اکیلا بھی کھا سکتا ہے، اور مہمان کے ساتھ بھی۔

۳- عربوں کے معاشرہ میں باپ کا گھر علاحدہ ہوتا ہے اور ماں کا علاحدہ، اسی طرح آگے بھی سمجھنا چاہئے۔

۴- جن گھروں کی کنجیاں تمہارے ہاتھ میں ہیں یعنی وہ گھر تمہارے تصرف میں ہیں، تمہیں اپنی چیز کا وکیل یا محافظ بنادیا ہے، پس بقدرِ معروف اس میں سے کھانے پینے کی اجازت ہے۔

۵- مل کر کھاؤ یا جدا ہو کر یعنی صاحبِ خانہ موجود ہو تو اس کے ساتھ کھاؤ، اور اگر وہ موجود نہ ہو، یا کھا چکا ہو، یا کھانا نہ چاہتا ہو تو اکیلے بھی کھا سکتے ہو۔

۶- بیوی اور بیٹیوں کے گھر کا ذکر کیوں نہیں کیا؟ ان کا ذکر ﴿مِنْ بُيُوْتِكُمْ﴾ میں آگیا وہ بھی اپنے ہی گھر ہیں۔

فائدہ: ایک دسترخوان پر چند شخصوں کو ایک برتن میں کھانا چاہئے یا الگ الگ برتنوں میں؟ اس آیت کا اس مسئلہ سے کچھ تعلق نہیں۔ اور سوال کا جواب یہ ہے کہ الگ الگ پلیٹوں میں کھانے میں بھی کچھ مضائقہ نہیں۔ اب یہ بات ہندو تہذیب کے ساتھ خاص نہیں رہی، اس لئے تشبہ نہیں ہے، مگر یہ اسلامی تہذیب بھی نہیں ہے۔ سنت طریقہ یہ ہے کہ چند

اشخاص مل کر ایک برتن میں کھائیں، اس سے کھانے میں برکت ہوتی ہے، اور اسلامی اخوت پروان چڑھتی ہے۔

جیسے میز کرسی پر کھانا اسلامی تہذیب نہیں، مگر جائز ہے، کیونکہ اب یہ بات کسی تہذیب کے ساتھ خاص نہیں رہی، نہ یہ فاسقوں اور متکبروں کا طریقہ ہے، بلکہ اب یہ بات عام ہوگئی ہے، مگر بہر حال یہ اسلامی تہذیب نہیں، اسلامی تہذیب زمین پر بیٹھ کر دستر خوان بچھا کر کھانا ہے۔

اپنے لوگوں کے گھروں میں جائے تب بھی سلام کرے

ارشاد فرماتے ہیں: ـــــ پس جب تم گھروں میں داخل ہوؤ تو اپنے لوگوں کو سلام کرو، وہ سلامتی کی دعا ہے، اللہ کی طرف سے مقرر ہے، بابرکت اور پاکیزہ ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کھول کر احکام بیان فرماتے ہیں تاکہ تم سمجھو۔

تفسیر: اپنے لوگوں کو سلام کرو یعنی رشتہ داروں کو سلام کرو، جبکہ وہ گھر میں ہوں، اور اگر رشتہ دار کے گھر میں کوئی نہ ہو تو بے اجازت گھر میں داخل مت ہوؤ۔ اسی طرح اپنے گھر میں کوئی ہو تو اس کو سلام کرو، اور گھر خالی ہو تو **السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین** کہہ کر داخل ہوؤ، گھر میں جو فرشتے اور نیک جنات ہیں وہ جواب دیں گے۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَىٰ أَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوا حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأْذَن لِّمَن شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٦٢﴾ لَّا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُم بَعْضًا ۚ قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الَّذِينَ يَتَسَلَّلُونَ مِنكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٦٣﴾ أَلَا إِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ قَدْ يَعْلَمُ مَا أَنتُمْ عَلَيْهِ وَيَوْمَ يُرْجَعُونَ إِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٦٤﴾

ع ۹ س ۱۵

إِنَّمَا[1]	بس	الْمُؤْمِنُونَ	مؤمنین	الَّذِينَ	(وہ ہیں) جو

(۱) إنما: کلمۂ حصر ہے، اس کے بعد مبتدا خبر آتے ہیں۔

اٰمَنُوْا	ایمان لائے	اِسْتَاْذَنُوْكَ	اجازت مانگیں وہ آپ سے	بَعْضِكُمْ	تمہارے بعض کے
بِاللّٰهِ	اللہ پر	لِبَعْضِ	کسی کے لئے	بَعْضًا	بعض کو
وَرَسُوْلِهٖ	اور اس کے رسول ؐ پر	شَاْنِهِمْ	اپنے کام کے	قَدْ يَعْلَمُ	بالیقین جانتے ہیں
وَاِذَا	اور جب	فَاْذَنْ	تو اجازت دیں آپ ؐ	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
كَانُوْا	ہوتے ہیں وہ	لِّمَنْ	جس شخص کے لئے	الَّذِيْنَ	ان لوگوں کو جو
مَعَهٗ	رسول ؐ کے ساتھ	شِئْتَ	چاہیں	يَتَسَلَّلُوْنَ(۳)	کھسک جاتے ہیں
عَلٰٓى اَمْرٍ	کسی کام پر	مِنْهُمْ	ان میں سے	مِنْكُمْ	تم میں سے
جَامِعٍ(۱)	اکٹھا کرنے والے	وَاسْتَغْفِرْ	اور گناہ کی معافی	لِوَاذًا(۴)	آڑ لے کر
لَّمْ يَذْهَبُوْا	(تو) نہیں جاتے وہ		چاہیں آپ ؐ	فَلْيَحْذَرِ	پس چاہئے کہ ڈریں
حَتّٰى	یہاں تک کہ	لَهُمُ	ان کے لئے	الَّذِيْنَ	جو لوگ
يَسْتَاْذِنُوْهُ	اجازت لیں وہ آپ سے	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ سے	يُخَالِفُوْنَ	مخالفت کرتے ہیں
اِنَّ	بے شک	اِنَّ	بے شک	عَنْ اَمْرِهٖٓ	ان کے حکم کی
الَّذِيْنَ	جو لوگ	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ	اَنْ	(اس سے) کہ
يَسْتَاْذِنُوْنَكَ	اجازت لیتے ہیں آپ سے	غَفُوْرٌ	بڑے بخشنے والے	تُصِيْبَهُمْ	پہنچے ان کو
اُولٰٓئِكَ	یہی لوگ ہیں	رَّحِيْمٌ	بڑے رحم والے ہیں	فِتْنَةٌ	کوئی آزمائش
الَّذِيْنَ	جو	لَا تَجْعَلُوْا	نہ گردانو تم	اَوْ	یا
يُؤْمِنُوْنَ	ایمان رکھتے ہیں	دُعَآءَ(۲)	بلانے کو	يُصِيْبَهُمْ	پہنچے ان کو
بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ پر	الرَّسُوْلِ	رسول کے	عَذَابٌ	عذاب
وَرَسُوْلِهٖ	اور اس کے رسول ؐ پر	بَيْنَكُمْ	اپنے درمیان	اَلِيْمٌ	دردناک
فَاِذَا	پس جب	كَدُعَآءِ	بلانے کی طرح	اَلَآ	سنو

(۱) أمر جامع: ایسا اہم کام جس کے لئے لوگوں کو اکٹھا کیا گیا ہو، جیسے کسی اہم مشورہ کے لئے بلایا گیا ہو، یا کسی مہم کے لئے اکٹھا کیا ہو۔ (۲) دعاء: مصدر کی فاعل کی طرف اضافت ہے۔ (۳) تسلل منه: بھیڑ میں نکل جانا، چپکے سے کھسک جانا۔ (۴) لَاوَذَ لِوَاذًا وَمُلَاوَذَة: کسی چیز کی آڑ لینا، پناہ لینا۔

اِنَّ لِلّٰہِ	بیشک اللہ کے لئے ہے	مَآ اَنۡتُمۡ	جو تم	فَیُنَبِّئُھُمۡ	تو بتادیں گے وہ ان کو
مَا	جو کچھ	عَلَیۡہِ	اس پر ہو	بِمَا عَمِلُوۡا	جو کام کئے انھوں نے
فِی السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں ہے	وَیَوۡمَ	اور جس دن	وَاللّٰہُ	اور اللہ تعالیٰ
وَالۡاَرۡضِ	اور زمین میں ہے	یُرۡجَعُوۡنَ	لوٹائے جائیں گے وہ	بِکُلِّ شَیۡءٍ	ہر چیز کو
قَدۡ یَعۡلَمُ	بالیقین جانتے ہیں وہ	اِلَیۡہِ	اس کی طرف	عَلِیۡمٌ	خوب جاننے والے ہیں

کبھی واپس جانے کے لئے بھی اجازت ضروری ہوتی ہے

ربط: یہ اس سورت کا آخری حکم ہے۔ جس طرح اندر آنے کے لئے اجازت ضروری ہے اسی طرح کبھی واپس جانے کے لئے بھی اجازت ضروری ہوتی ہے۔ مثلاً: امیر نے کسی اہم مشورہ کے لئے طلب کیا، یا کسی اہم کام کے لئے اکٹھا کیا، اور کسی کو اہم ضرورت پیش آجائے تو چاہئے کہ امیر سے اجازت لے کر جائے۔ اس سے امیر کی اہمیت واضح ہوگی، اور اگر اس کی ضرورت ہوگی، اس کے بغیر کام نہیں چلے گا تو امیر اس کو روک دے گا۔ اور اگر کوئی بے اجازت چلا جائے تو امیر کے بلانے میں اور دوسروں کے بلانے میں فرق کیا رہا؟ اور ممکن ہے جب اس کی ضرورت پیش آئے، اور وہ موجود نہ ہو تو امیر کے دل میں میل آجائے۔ اس لئے اس خاص موقعہ پر واپس جانے کے لئے بھی اجازت ضروری ہے۔

ارشادِ پاک ہے: —— مؤمنین تو بس وہی ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں، اور جب آپؐ کے ساتھ کسی اجتماعی کام پر ہوتے ہیں تو جب تک آپؐ سے اجازت نہیں لیتے: جاتے نہیں! —— یہاں مقصود یہ آخری بات ہے۔ یعنی ایمان کی تکمیل کے لئے رسول کی اطاعت وانقیاد ضروری ہے۔ اور اطاعت وانقیاد میں یہ بات بھی شامل ہے کہ جب کسی اہم کام کے لئے بلایا گیا ہو تو کوئی بھی اجازت لئے بغیر نہ جائے —— اور یہاں یہ آخری بات مقصود ہے اس کی دلیل اگلی آیت ہے۔ فرماتے ہیں: —— بیشک جو لوگ آپؐ سے اجازت لیتے ہیں وہی اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں!

مسئلہ: —— پس جب وہ اپنے کسی کام کے لئے اجازت مانگیں تو آپؐ جس کو چاہیں اجازت دیں —— یعنی اجازت دینا نہ دینا آپؐ کی صوابدید پر موقوف ہے —— اور آپؐ ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگیں —— یعنی صرف اجازت دینے پر اکتفا نہ کریں، بلکہ ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیں کہ اللہ تمہیں معاف کرے! اس سے انہیں اطمینان ہوجائے گا کہ آپؐ نے اجازت بخوشی دی ہے —— بیشک اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے، بڑے رحم والے ہیں۔

واپس جانے کے لئے اجازت طلبی کی وجہ: ـــــ تم لوگ رسولؐ کے بلانے کو ایسا مت سمجھو جیسا تم میں سے ایک: دوسرے کو بلاتا ہے ـــــ یعنی رسول اللہ ﷺ جب لوگوں کو بلائیں تو اس کو عام لوگوں کے بلانے کی طرح مت سمجھو، جس میں آنے نہ آنے کا اختیار ہوتا ہے، بلکہ اس وقت آنا فرض ہو جاتا ہے، اور بے اجازت جانا حرام ہو جاتا ہے۔

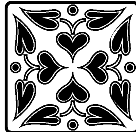
ملحوظہ: آیت کی ایک دوسری تفسیر: ﴿دُعَاءَ الرَّسُوْلِ﴾ میں مصدر کی مفعول کی طرف اضافت مان کر بھی کی گئی ہے۔ مگر آیت کے سیاق وسباق سے یہ تفسیر زیادہ مناسبت رکھتی ہے، اسی لئے مظہری اور بیان القرآن میں اس کو اختیار کیا ہے (معارف القرآن)

منافقین کا رویہ: ـــــ اللہ تعالیٰ یقیناً ان لوگوں کو جانتے ہیں جو آڑ میں ہو کر تمہارے پاس سے کھسک جاتے ہیں ـــــ یعنی منافقین موقع پا کر اور آنکھ بچا کر مجلس نبوی سے بلا اجازت کھسک جاتے ہیں، مثلاً کوئی مسلمان اجازت لے کر اٹھا، یہ بھی اس کی آڑ میں ہو کر چل دیئے (فوائد)

منافقین کو تہدید: ـــــ پس جو لوگ اللہ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں، ان کو اس بات سے ڈرنا چاہئے کہ وہ کسی فتنہ میں مبتلا ہو جائیں یا ان پر کوئی دردناک عذاب آپڑے! ـــــ فتنہ کی بہت سی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً چوراہے پر ان کے نفاق کا بھانڈا پھوٹ جائے، آپس میں اختلاف ہو جائے، یا امیر ناراض ہو جائے اور اسلامی حکومت کی طرف سے سزا ملے وغیرہ۔

منافقین کو آخری فہمائش: ـــــ سنو! جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے وہ سب اللہ ہی کا ہے۔ وہ یقیناً ان احوال کو جانتے ہیں جن پر تم ہو ـــــ یعنی تم رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں سے کیا چھپاتے ہو، تمہارا سب حال اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے ـــــ اور جس دن تم ان کی طرف لوٹائے جاؤ گے، وہ ان کو جتلا دیں گے جو کچھ انھوں نے کیا۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والے ہیں۔

نفاق خواہ اعتقادی ہو یا عملی دل کا ایک روگ ہے اور منافق کا انجام بہت برا ہے



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الفرقان

نمبرشمار ۲۵ نزول کا نمبر ۴۲ نزول کی نوعیت مکی آیات ۷۷ رکوع ۶

سورت کا نام: پہلی آیت سے لیا گیا ہے۔الفرقان: مصدر بھی ہے، اور صیغۂ صفت بھی۔اس کے لغوی معنی ہیں: الگ الگ کرنا، اور یہاں وہ دلائل مراد ہیں جو حق کو باطل سے الگ کردینے والے ہیں۔علاوہ ازیں فرقان کے معنی ہیں: قرآن مجید، تورات، دلیل وحجت، وہ نور جس سے حق وباطل میں امتیاز ہوجائے اور جنگِ بدر کے دن کے لئے بھی یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

مضامین کی اجمالی فہرست: اس سورت میں یہ مضامین ہیں: اثباتِ توحید، ردّ اشراک، اثباتِ رسالت، جوابِ شبہات متعلقۂ رسالت، بیانِ معاد، مصدقین کی جزائے خیر، مکذبین کی سزا، بعض واقعات بہ مناسبت مضمون ذمّ انکار توحید ورسالت، بعض اعمالِ فاضلہ، مصدقینِ توحید ورسالت کی بعض خصوصیات اور آخر میں مکذبین کو انتباہ کہ یوم الفرقان (جنگِ بدر کا دن) آرہا ہے، اس کا انتظار کرو۔

مضامین کی تفصیل: یہ سورت پاک اثباتِ توحید اور ابطالِ شرک کے بیان سے شروع ہوئی ہے، پھر دلیلِ رسالت (قرآن کریم) اور ذاتِ رسول ﷺ پر اعتراضات کے جوابات کا سلسلہ شروع ہوا ہے، پہلے اجمالی جواب ہے، پھر تفصیلی جوابات کا سلسلہ شروع ہوا ہے، پھر معاد (آخرت) کا بیان ہے، سب سے پہلے یہ بیان ہے کہ مشرکین کے معبود آخرت میں ان کے کچھ کام نہ آئیں گے، پھر مسئلہ رسالت پر منکرین کے تین اعتراضات کا جواب ہے، درمیان میں قیامت کے تین مناظر پیش کئے ہیں۔پھر اس کی حکمتیں بیان کی ہیں کہ قرآن سارا ایک ہی دفعہ کیوں نازل نہیں کیا گیا؟ پھر انکارِ رسالت کا عبرتناک انجام سنایا ہے، اور اس کے لئے چند واقعات کا تذکرہ کیا ہے، پھر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ منکرین کا برتاؤ دکھایا ہے۔پھر آخرت کا بیان شروع ہوا ہے، اور تین باتیں بیان کی ہیں:

۱-آخرت مشیتِ الٰہی کا فیصلہ ہے۔۲-آخرت لوگوں کی ضرورت ہے۔۳-وقوعِ آخرت کا نمونہ دکھایا ہے۔

اس کے بعد نبوت کے عالم گیر ہونے پر اعتراض کا جواب ہے، اور اللہ کی قدرت کی دو عجیب مثالیں پیش کی ہیں، پھر رسالت وتوحید کا بیان ہے۔پھر رحمان کے بندوں کی نو خوبیاں بیان کی ہیں، اور اس کی تمہید میں دو آیتیں آئی ہیں۔اور بالکل آخر میں عباد الرحمٰن کا صلہ اور منکرین کے لئے پیشین گوئی ہے۔

(۲۵) سُوۡرَةُ الۡفُرۡقَانِ مَکِّیَّةٌ (۴۲)

اٰیاتہا ۷۷ رکوعاتہا ۶

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تَبٰرَكَ الَّذِیۡ نَزَّلَ الۡفُرۡقَانَ عَلٰی عَبۡدِهٖ لِیَکُوۡنَ لِلۡعٰلَمِیۡنَ نَذِیۡرَا ۙ﴿۱﴾ الَّذِیۡ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَلَمۡ یَتَّخِذۡ وَلَدًا وَّلَمۡ یَکُنۡ لَّهٗ شَرِیۡكٌ فِی الۡمُلۡكِ وَخَلَقَ کُلَّ شَیۡءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقۡدِیۡرًا ﴿۲﴾ وَاتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا یَخۡلُقُوۡنَ شَیۡئًا وَّهُمۡ یُخۡلَقُوۡنَ وَلَا یَمۡلِکُوۡنَ لِاَنۡفُسِهِمۡ ضَرًّا وَّلَا نَفۡعًا وَّلَا یَمۡلِکُوۡنَ مَوۡتًا وَّلَا حَیٰوةً وَّلَا نُشُوۡرًا ﴿۳﴾

لفظ	ترجمہ	لفظ	ترجمہ	لفظ	ترجمہ
بِسۡمِ	نام سے	الَّذِیۡ	وہ ذات جس نے	لِلۡعٰلَمِیۡنَ	جہانوں کے لئے
اللّٰهِ	اللہ پاک کے	نَزَّلَ (۲)	بتدریج اتاری	نَذِیۡرَا	ڈرانے والا
الرَّحۡمٰنِ	(جو) بے حد مہربان	الۡفُرۡقَانَ	فیصلہ کن کتاب	الَّذِیۡ	وہ ذات
الرَّحِیۡمِ	بڑے رحم والے (ہیں)	عَلٰی عَبۡدِهٖ (۳)	اپنے خاص بندے پر	لَهٗ	جس کے لئے
تَبٰرَكَ (۱)	بڑی عالیشان ہے	لِیَکُوۡنَ	تا کہ ہوے وہ	مُلۡكُ	حکومت ہے

(۱) تبارك: ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب: عالی شان ہوا، بڑی برکت والا ہوا، اس فعل کی گردان نہیں آتی، ماضی کا یہی صیغہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مستعمل ہے۔ ایک واقعہ: امام لغت اصمعی کو تین لفظوں کی حقیقت اچھی طرح معلوم نہیں تھی: تبارک، متاع اور رقیم کی۔ وہ اعراب سے ان کا بے تکلف استعمال سننا چاہتا تھا۔ وہ چلا اور جنگل میں ایک عورت کا مہمان بنا۔ عورت پانی بھرنے کے لئے چشمہ پر گئی، ان کا بچہ گھر میں تھا، کتا آیا اور صافی لے کر چل دیا، بچہ پیچھے دوڑا، مگر کتا پہاڑی پر چڑھ گیا، اور بچہ عاجز ہو کر واپس آ گیا، جب اس کی ماں آئی تو بچے نے رپورٹ دی: أمي! جاء الرقيم، وأخذ المتاع، وتبارك الجبل: ماں! کتا آیا، صافی لی اور پہاڑ پر چڑھ گیا۔ اصمعی اچھل پڑا، اس نے تینوں لفظوں کا استعمال سن لیا۔ رقیم کتے کو کہتے ہیں جس کا ذکر اصحاب کہف کے واقعہ میں آیا ہے، اور متاع وہ چیز ہے جس کو چند روز استعمال کر کے پھینک دیں، جیسے صافی، چولہے کا کپڑا اور تبارک کے معنی ہیں: چڑھنا، بلند ہونا (۲) نَزَّلَ: تنزیل (باب تفعیل) سے ہے، اس کے معنی ہیں: بتدریج اتارنا، اور أنزل کے معنی ہیں: اتارنا۔ قرآنِ کریم بتدریج اتارا گیا ہے۔ (۳) عبدہ میں اضافت تشریف کے لئے ہے۔

السَّمٰوٰتِ	آسمانوں	كُلَّ شَيْءٍ	ہر چیز	يُخْلَقُوْنَ	پیدا کئے جاتے ہیں
وَالْاَرْضِ	اور زمین کی	فَقَدَّرَهٗ	پس اندازہ کیا اس کا	وَلَا يَمْلِكُوْنَ	اور نہیں مالک ہیں وہ
وَلَمْ يَتَّخِذْ	اور نہیں بنائی اس نے	تَقْدِيْرًا(۱)	ٹھیک اندازہ کرنا	لِاَنْفُسِهِمْ	اپنی ذاتوں کے لئے
وَلَدًا	کوئی اولاد	وَاتَّخَذُوْا	اور بنائے انھوں نے	ضَرًّا	کسی نقصان کے
وَّلَمْ يَكُنْ	اور نہیں ہے	مِنْ دُوْنِهٖٓ	اللہ سے کم درجے کے	وَّلَا نَفْعًا	اور نہ کسی نفع کے
لَّهٗ	اس کے لئے	اٰلِهَةً	(ایسے) معبود	وَّلَا يَمْلِكُوْنَ	اور نہیں مالک ہیں وہ
شَرِيْكٌ	کوئی ساجھی	لَّا يَخْلُقُوْنَ	(جو) نہیں پیدا کرتے	مَوْتًا	موت کے
فِي الْمُلْكِ	حکومت میں	شَيْئًا	کوئی چیز	وَّلَا حَيٰوةً	اور نہ زندگی کے
وَخَلَقَ	اور پیدا کی	وَّهُمْ	اور وہ	وَّلَا نُشُوْرًا(۲)	اور نہ دوبارہ زندہ کرنے کے

اللہ کے نامِ پاک سے شروع کرتا ہوں، جو بے حد مہربان نہایت رحم والے ہیں

سورۃ الفرقان کا موضوع توحید، رسالت اور آخرت ہے، یہی دین کے تین بنیادی مسائل ہیں، ضمناً اور بھی باتیں آئی ہیں۔

اثباتِ توحید وابطالِ شرک

ارشاد فرماتے ہیں: بڑی عالی شان ہے وہ ذات جس نے اپنے خاص بندے پر فیصلہ کن کتاب بتدریج نازل کی، تا کہ وہ دنیا جہاں کے لئے ڈرانے والے بنے —— اس آیت میں اختصار کے ساتھ چار باتیں ہیں، اور یہی چار باتیں اس سورت کا موضوع ہیں، پس گویا یہ آیت اس سورت کا جامع متن ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ نہایت عالی شان ہیں، ان کے برابر کوئی نہیں۔ یہ توحید کی طرف اشارہ ہے۔

۲۔ اپنے خاص بندے پر: یعنی محمد ﷺ پر: یہ مسئلہ رسالت کی طرف اشارہ ہے۔

۳۔ فیصلہ کن کتاب نازل کی: یہ دلیلِ رسالت ہے، سورت میں اس پر اعتراضات کے جوابات ہیں۔

۴۔ تا کہ وہ منکرین کو ڈرائے، اور مؤمنین کو بشارت سنائے، یہ مسئلہ آخرت کی طرف اشارہ ہے۔

---

(۱) تقدیراً: قَدَّر کا مفعول مطلق ہے۔ اور فقدرہ کی فاء محض ترتیب ذکری کے لئے ہے، پیدا کرنا اور اندازہ کرنا ساتھ ساتھ ہیں

(۲) نشور: مردوں کو زندہ کر کے اٹھانا، نشر (ن) اللّٰهُ الموتٰى نَشْرًا وَنُشُوْرًا یعنی نشور بھی نشر کی طرح مصدر ہے۔

فائدہ: دنیاجہاں کے لئے: اس میں اشارہ ہے کہ آپ ﷺ کی نبوت ورسالت سارے عالم کے لئے ہے۔ گزشتہ نبیوں کی نبوتیں مخصوص قوم یا مخصوص مقام کے لئے تھیں، آپؐ کی نبوت عام وتام ہے۔

دلائلِ توحید: ارشاد فرماتے ہیں: وہ ذات جس کے لئے آسمانوں اور زمین کی حکومت ہے، اوراس نے کوئی اولاد نہیں بنائی، اور نہ حکومت میں اس کا کوئی ساجھی ہے، اوراس نے ہر چیز پیدا کی، پس اس کا ٹھیک ٹھیک اندازہ ٹھہرایا۔

اس آیت میں توحید کی پوری تعلیم سمیٹ دی گئی ہے، یہ آیت جامع آیات میں سے ایک عظیم الشان آیت ہے۔ اور نبی ﷺ کا معمول تھا کہ جب آپؐ کے خاندان میں کسی بچہ کی زبان کھلتی اور وہ بولنا شروع کرتا تو آپؐ یہ آیت اس کو سکھاتے تاکہ توحید کا پورا نقش اس کے ذہن میں بیٹھ جائے۔

اس آیت میں توحید کی چار دلیلیں ہیں:

۱۔ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، کسی دوسرے کا اس میں کوئی حصہ نہیں، پھر کوئی اور خدائی میں کیسے شریک ہوسکتا ہے؟

۲۔ اللہ نے کوئی اولاد نہیں بنائی، جس کو معبودیت کا استحقاق پہنچے، اولاد بنانا عام ہے نسبی بیٹا ہونے کو اور متبنی بنانے کو یعنی ایسا نہیں ہے کہ اللہ کی کوئی نسل چلی ہو، یا انھوں نے کسی مخلوق کو بیٹا بیٹی بنالیا ہو۔ پس عیسائیوں کا یہ خیال غلط ہے کہ مسیح علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں۔ اور مشرکین کا یہ خیال بھی غلط ہے کہ اللہ نے فرشتوں کو یا جنوں کو یا بعض انسانوں کو بیٹا بنایا ہے۔ اوراس طرح ان کو خدائی کا استحقاق حاصل ہوگیا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کا حکومت میں کوئی ساجھی نہیں۔ وہی مختارِ کل ہیں، فرمان روائی میں ذرہ برابر کسی کا کوئی حصہ نہیں، پس معبود بھی ان کے سوا کوئی نہیں —— اور یہ اس احتمال کی نفی کی گئی ہے کہ ٹھیک ہے اولاد نہیں بنائی، مگر کوئی بھاگی دار تو ہوسکتا ہے، پس وہ خدائی میں بھی شریک ہوگا، اس لئے یہ بات بھی صاف کردی کہ ان کا حکومت میں کوئی ساجھی نہیں، وہ اکیلے ہی مالکِ کل ہیں، پس ان کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہوسکتا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز ٹھیک اندازے سے پیدا کی ہے یعنی انھوں نے صرف کائنات کو وجود ہی نہیں بخشا، بلکہ ہر چیز ٹھیک ٹھیک انداز سے بنائی ہے۔ آیت میں ف ترتیبِ ذکری کے لئے ہے یعنی پیدا کرنا اور اندازہ ٹھہرانا ساتھ ہیں، آگے پیچھے نہیں۔

یہاں تقدیر کا مفہوم یہ ہے کہ جس چیز کو بھی پیدا فرمایا ایک خاص پلاننگ سے پیدا فرمایا، شکل وصورت اور آثار وخواص بڑی حکمت سے تجویز فرمائے۔ جو مخلوق جس کام کے لئے پیدا کی اسی کی مناسبت سے قُویٰ اور صلاحیتیں بھی دیں تاکہ اس

کی تخلیق کا مقصد پورا ہو۔

ابطالِ شرک: ـــــ اور لوگوں نے اللہ سے درجہ میں کم ایسے معبود بنائے جو کوئی چیز پیدا نہیں کرتے، اور وہ پیدا کئے جاتے ہیں، اور وہ اپنے لئے نہ کسی نقصان کے مالک ہیں نہ کسی نفع کے، اور وہ نہ موت کا اختیار رکھتے ہیں نہ زندگی کا اور نہ دوبارہ پیدا کرنے کا ـــــ اس آیت میں بطلانِ شرک پر تین دلیلیں قائم کی ہیں:

۱- مشرکین نے جن کو معبود تجویز کیا ہے انھوں نے کوئی چیز پیدا نہیں کی، بلکہ وہ خود آفریدہ ہیں۔ اور جو خالق نہیں وہ مالک بھی نہیں، اور جو مالک نہیں وہ معبود بھی نہیں۔ کیونکہ یہ عجیب بات ہے کہ پیدا کیا کسی نے اور مالک ومعبود بنادیا کسی کو، اس سے زیادہ بے عقلی کی بات اور کیا ہوسکتی ہے؟

۲- مشرکین کے معبود خود اپنے لئے کسی نفع وضرر کے مالک نہیں۔ اگر ان پر کوئی آفت آپڑے تو وہ اس کو ہٹا نہیں سکتے، اور اگر وہ کوئی فائدہ حاصل کرنا چاہیں تو از خود حاصل نہیں کرسکتے، یہ دونوں باتیں ان کی قدرت سے باہر ہیں۔ پس جو اپنے لئے نفع وضرر کا مالک نہیں وہ اپنے پرستاروں کے لئے نفع وضرر کا مالک کیسے ہوسکتا ہے؟ پھر ان کی پوجا کرنے سے کیا حاصل؟

۳- مشرکین کے معبود نہ اپنے پرستاروں کو مار سکتے ہیں، نہ انھوں نے ان کو پہلی بار زندہ کیا ہے، نہ قیامت کے دن دوبارہ زندہ کرسکتے ہیں، اور جو مارنے جلانے پر قادر نہیں وہ معبود نہیں ہوسکتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کا تعارف انہی صفات سے کرایا ہے ﴿رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ﴾ میرا پروردگار وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے (البقرہ ۲۵۸) پس جو مارنے جلانے پر قادر نہیں وہ معبود نہیں ہوسکتا۔

فائدہ: اللہ سے درجہ میں کم: مشرکین اپنے معبودوں کو درجہ میں اللہ کے برابر نہیں مانتے، بلکہ فروتر مانتے ہیں، یہ بھی بطلانِ شرک کی ایک مستقل دلیل ہے۔ جب وہ معبود اللہ سے رتبہ میں کم ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے مالک ہونگے اور وہ مملوک۔ اور مملوک مالک کی دولت میں شریک کہاں ہوسکتا ہے؟ پھر وہ خدائی میں شریک کیسے ہوگئے؟

فائدہ: ضرا کو نفعا پر مقدم اس لئے کیا کہ دفع مضرت: جلبِ منفعت سے مقدم ہے یعنی نقصان ہٹانا زیادہ اہم ہے نفع اندوزی سے۔

فائدہ: موت کو حیات پر مقدم کیا، اس کی اہمیت واضح کرنے کے لئے، کیونکہ زندگی تو بالفعل حاصل ہے۔ اس کا نہ کوئی انکار کرسکتا ہے نہ اس سے غفلت برت سکتا ہے۔ اور موت آنے والی ہے، اس کو اگرچہ ہر شخص مانتا ہے، مگر اس سے غافل رہتا ہے، اس لئے اس کو مقدم کیا۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ِۨافْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَاۗءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۴ وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۵ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۶ وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۷ اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ۭ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۸ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۹ ع

وَقَالَ	اور کہا	قَوْمٌ	لوگوں نے	تُمْلٰى [۲]	لکھوائی جاتی ہیں
الَّذِيْنَ	جنھوں نے	اٰخَرُوْنَ	دوسرے	عَلَيْهِ	اس کے پاس
كَفَرُوْٓا	انکار کیا	فَقَدْ	تو یقیناً	بُكْرَةً	صبح
اِنْ	نہیں (ہے)	جَاۗءُوْ	لائے وہ	وَّاَصِيْلًا	اور شام
هٰذَآ	یہ (قرآن)	ظُلْمًا	ظلم	قُلْ	کہیں
اِلَّآ	مگر	وَّزُوْرًا	اور جھوٹ	اَنْزَلَهُ	اتارا ہے اس کو
اِفْكُ	بہتان!	وَقَالُوْٓا	اور کہا انھوں نے	الَّذِيْ	(اس نے) جو
افْتَرٰىهُ	گھڑ لیا ہے اس نے	اَسَاطِيْرُ	بے سند باتیں (ہیں)	يَعْلَمُ	جانتا ہے
	اس کو	الْاَوَّلِيْنَ	اگلوں کی	السِّرَّ	چھپی باتیں
وَاَعَانَهٗ	اور مدد کی ہے اس کی	اكْتَتَبَهَا [۱]	لکھوالیا ہے اس نے انکو	فِي السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں
عَلَيْهِ	اس (گھڑنے) پر	فَهِيَ	پس وہ	وَالْاَرْضِ	اور زمین میں

(۱) اِكْتَتَبَهَا: ها: ضمیر واحد مؤنث غائب مفعول بہ، اِكْتَتَبَ: فعل ماضی صیغہ واحد مذکر غائب، اِكْتِتَابٌ: گھڑ کر لکھ لینا یا دوسرے سے لکھوالینا (۲) تُمْلٰى: مضارع مجہول، صیغہ واحد مؤنث غائب، إملاء: لکھوانا یعنی ایک بولے دوسرا لکھے۔

اِنَّهٗ	بے شک وہ	مَلَكٌ	کوئی فرشتہ	اِنْ	نہیں
كَانَ	ہے	فَيَكُوْنَ	پس ہوتا وہ	تَتَّبِعُوْنَ	پیروی کرتے تم
غَفُوْرًا	بڑا بخشنے والا	مَعَهٗ	اس کے ساتھ	اِلَّا	مگر
رَّحِيْمًا	بڑا مہربان	نَذِيْرًا	ڈرانے والا	رَجُلًا	ایک مرد (کی)
وَقَالُوْا	اور کہا انھوں نے	اَوْ يُلْقٰٓى	یا ڈالا جاتا	مَّسْحُوْرًا	جادو زدہ
مَالِ[1] هٰذَا	کیا بات ہے یہ	اِلَيْهِ	اس کی طرف	اُنْظُرْ	دیکھ
الرَّسُوْلِ	رسول	كَنْزٌ	(بڑا) خزانہ	كَيْفَ	کیسی
يَاْكُلُ	کھاتا ہے	اَوْ تَكُوْنُ	یا ہوتا	ضَرَبُوْا	بیان کیں انھوں نے
الطَّعَامَ	کھانا	لَهٗ	اس کے لئے	لَكَ	آپؐ کے لئے
وَيَمْشِيْ	اور چلتا ہے	جَنَّةٌ	(بڑا) باغ	الْاَمْثَالَ	مثالیں
فِي الْاَسْوَاقِ	بازاروں میں	يَّاْكُلُ	کھاتا وہ	فَضَلُّوْا	پس گمراہ ہوگئے وہ
لَوْلَآ	کیوں نہیں	مِنْهَا	اس سے	فَلَا	پس نہیں
اُنْزِلَ	اتارا گیا	وَقَالَ	اور کہا	يَسْتَطِيْعُوْنَ	طاقت رکھتے وہ
اِلَيْهِ	اس کی طرف	الظّٰلِمُوْنَ	ظالموں نے	سَبِيْلًا	راستہ (پانے) کی

دلیلِ رسالت اور ذاتِ رسول پر اعتراض کے جواب

اثباتِ توحید اور ابطالِ شرک کے بعد اب دلیلِ رسالت (قرآن) اور ذاتِ رسول ﷺ پر مشرکین کے اعتراض کا جواب دیا جاتا ہے:

قرآنِ کریم پر پہلا اعتراض: —— اور جن لوگوں نے آپؐ کے دین کا انکار کیا، انھوں نے کہا: یہ (قرآن) تو نرا بہتان ہے! خود ہی اس کو گھڑ لیا ہے! اور اس (گھڑنے) پر دوسرے لوگوں نے اس کی اعانت کی ہے۔

منکرین نے دو باتیں کہیں:

ا — یہ سب کہنے کی باتیں ہیں کہ قرآن اللہ کا کلام ہے، یہ اللہ پر محض بہتان ہے، خود ہی انھوں نے بنالیا ہے، اور اللہ کے نام لگا دیا ہے۔

---

(۱) ما: استفهاميه...... لام جاره...... هذا الرسول: مجرور۔

۲- کسی یہودی یا عیسائی غلام نے ان کی مدد کی ہے، باتیں وہ بتلاتا ہے، عربی میں یہ خود ڈھال لیتے ہیں۔

نقد جواب: — پس واقعہ یہ ہے کہ انھوں نے ناانصافی کی اور جھوٹ کہا! — یعنی پہلی بات کہ انھوں نے خود ہی یہ قرآن گھڑ لیا ہے ناانصافی کی بات ہے، اگر وہ گھڑ سکتے ہیں تو تم بھی تو عربی ہو، فصاحت و بلاغت کے دعویدار ہو، تم بھی گھڑ کے دکھاؤ پس کوئی جانے کہ تم نے مبنی بر انصاف بات کہی ہے — اور دوسری بات کہ کوئی عجمی غلام ان کو سکھاتا ہے یہ جھوٹ ہے! — یہ اعتراض کا نقد جواب دیا ہے تاکہ اعتراض ذہن میں جگہ نہ پکڑ لے، ورنہ اصلی جواب دوسرے اعتراض کے بعد آرہا ہے — سورۃ النحل (آیات ۱۰۱-۱۰۳) میں بھی اس اعتراض کا جواب گذر چکا ہے۔

دوسرا اعتراض: — اور انھوں نے کہا: یہ اگلوں کی بے سند مذہبی جھوٹی داستانیں ہیں! جن کو اس نے لکھوالیا ہے، پس وہی اس کے پاس صبح و شام لکھوائی جاتی ہیں! — یعنی محمد (ﷺ) نے اہل کتاب (یہودی یا عیسائی غلاموں) سے کچھ مذہبی جھوٹی کہانیاں سن کر نوٹ کر لی ہیں یا نوٹ کرالی ہیں۔ وہی شب و روز ان کے سامنے پڑھی اور رٹی جاتی ہیں، نئے نئے اسلوب سے اُن ہی کا الٹ پھیر رہتا ہے، اور کچھ بھی نہیں! — اور صبح و شام اس لئے کہا کہ شروع میں نماز کے دو ہی وقت مقرر تھے: صبح اور شام۔ مسلمان انہی اوقات میں جمع ہوتے تھے، اور جو نیا قرآن اترا ہوتا اس کو یاد کرنے کے لئے لکھ لیتے تھے (موضح القرآن)

دونوں اعتراضوں کا جواب: — آپ کہیں: اس کو اس اللہ نے اتارا ہے جو آسمانوں اور زمین کے بھید جانتا ہے — جس کا علم ذرہ ذرہ کو محیط ہے، کوئی چیز اس سے مخفی نہیں۔

جواب کا حاصل: یہ ہے کہ یہ کتاب خود بتلا رہی ہے کہ وہ کسی ایک انسان یا کمیٹی کی بنائی ہوئی نہیں، بلکہ اس اللہ کی اتاری ہوئی ہے جس کے احاطۂ علمی سے زمین و آسمان کی کوئی چیز باہر نہیں، اس کے علوم و معارف صاف ظاہر کرتے ہیں کہ یہ کسی محدود علم والے آدمی یا جماعت کا کلام نہیں (فوائد ملخصاً)

پھر آخر آیت میں ایک سوال کا جواب ہے: سوال یہ ہے کہ جب قرآن پاک اللہ کا نازل کیا ہوا کلام ہے، اور وہ کائنات کے رازہائے نہفتہ سے واقف ہیں تو وہ ان منکروں کے قلوب کی حالت بھی جانتے ہیں، پھر ان کو پکڑتے کیوں نہیں، ان پر عذاب کا کوڑا کیوں نہیں برساتے؟

جواب یہ ہے کہ — بیشک وہ بڑے بخشنے والے، بڑے مہربان ہیں — یعنی ابھی ان کے ایمان کی امید ہے۔ اگر یہ ایمان لے آئیں تو اللہ ان کا گناہ بخش دیں گے، وہ بڑے رحم والے ہیں، اس لئے ان کو موقع دیا جارہا ہے۔

ذاتِ رسول کے بارے میں طرح طرح کی باتیں: — اور انھوں نے کہا: کیا بات ہے یہ رسول کھانا کھاتا

ہے! اور بازاروں میں گھومتا ہے! کیوں نہیں اتارا گیا اس کی طرف کوئی فرشتہ جو اس کے ساتھ ڈرانے والا ہوتا، یا اس کی طرف کوئی خزانہ ڈالا جاتا، یا اس کے لئے کوئی باغ ہوتا جس سے وہ کھاتا! —— یعنی یہ صاحب جو رسالت کے دعویدار ہیں، کہتے ہیں: میں اللہ کا ایلچی ہوں! یہ تو ہم جیسے ایک انسان ہیں، کھاتے پیتے ہیں، اور اپنی ضروریات حاصل کرنے کے لئے بازاروں کے چکر لگاتے ہیں! ہم ان کو اللہ کا رسول کیسے مان لیں؟ اگر یہ اللہ کے نمائندے ہوتے تو کرّ وبیوں (مقرب فرشتوں) کی طرح ان باتوں سے بے نیاز ہوتے —— اور چلو مان لو کہ اللہ نے ایک انسان کو اپنا نمائندہ بنایا، پس کم از کم اتنا تو ہونا ہی چاہئے تھا کہ ان کی اردلی میں کوئی فرشتہ ہوتا جو ہٹو بچو کی آواز لگاتا تاکہ ان کا رعب جمتا، بادشاہ جب نمائندہ بھیجتا ہے تو ایسا گارڈ ضرور ساتھ کرتا ہے —— اور اگر فرشتہ ساتھ نہ ہوتا تو کم از کم کوئی غیبی خزانہ ہی مل جاتا کہ لوگوں کو مال کے بوتے پر اپنی طرف کھینچتا! —— اور خیر یہ بھی نہ سہی رئیسوں کی طرح انگور کھجور کا کوئی باغ ہی ان کی ملکیت میں ہوتا جس سے بے فکری کے ساتھ کھاتے پیتے —— جب یہ بھی نہیں تو ہم کس طرح یقین کرلیں کہ ایسی معمولی حیثیت کے آدمی کو اللہ نے رسالت کے عہدۂ جلیلہ پر فائز فرمایا ہے۔

اور ظالموں نے —— مسلمانوں سے —— کہا: تم لوگ ایک جادو زدہ شخص ہی کی پیروی کرتے ہو! یعنی تمہاری عقل ماری گئی ہے! تم ایک مخبوط الحواس کے پیچھے لگے ہوئے ہو، ان کا تو کسی نے جادو کے زور سے دماغ خراب کردیا ہے، تمہیں کیا ہوا ہے کہ آنکھ بند کرکے ان کے پیچھے چل رہے ہو!

ظالموں کی باتوں پر تبصرہ: —— دیکھیے انھوں نے آپؐ کے لئے کیسی کیسی باتیں چھانٹیں! کبھی کچھ کہتے ہیں کبھی کچھ، کسی ایک بات پر قرار نہیں۔ اور باتیں بھی ایسی بگھارتے ہیں جو بالکل بے بنیاد ہیں —— چنانچہ وہ گمراہ ہوگئے، اور راستہ پانے کی ان میں سکت نہ رہی —— یعنی جو لوگ انبیاء کی جناب میں اس طرح کی گستاخیاں کرتے ہیں ان کے نصیب میں گمراہی آتی ہے، اور ان کے راہِ راست پر آنے کی کوئی توقع نہیں رہتی!

تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ۝۱۰ بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۣ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ۝۱۱ اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا ۝۱۲ وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ۝۱۳ لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ۝۱۴ قُلْ اَذٰلِكَ

خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ كَانَتْ لَهُمْ جَزَاۗءً وَّمَصِيْرًا ۝۱۵
لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَاۗءُوْنَ خٰلِدِيْنَ ۭ كَانَ عَلٰي رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔـوْلًا ۝۱۶

تَبٰرَكَ	بڑی عالی شان ہے	كَذَّبُوْا	جھٹلایا انھوں نے	اُلْقُوْا	ڈالے جائیں گے وہ
الَّذِيْٓ (۱)	وہ ذات جو	بِالسَّاعَةِ	قیامت کو	مِنْهَا (۵)	اس میں
اِنْ	اگر	وَاَعْتَدْنَا	اور تیار کی ہے ہم نے	مَكَانًا	جگہ میں
شَاۗءَ	چاہے	لِمَنْ	اس کے لئے جس نے	ضَيِّقًا	تنگ
جَعَلَ	کردے	كَذَّبَ	جھٹلایا	مُّقَرَّنِيْنَ (۶)	جکڑے ہوئے
لَكَ	آپؐ کے لئے	بِالسَّاعَةِ	قیامت کو	دَعَوْا	پکاریں گے وہ
خَيْرًا	بہتر	سَعِيْرًا	دوزخ	هُنَالِكَ	وہاں
مِّنْ ذٰلِكَ	اُس سے	اِذَا	جب	ثُبُوْرًا (۷)	ہلاکت کو
جَنّٰتٍ	باغات	رَاَتْهُمْ	دیکھے گی ان کو	لَا تَدْعُوا	مت پکارو
تَجْرِيْ	بہتی ہوں	مِّنْ مَّكَانٍ	جگہ سے	الْيَوْمَ	آج
مِنْ تَحْتِهَا	ان کے نیچے سے	بَعِيْدٍ	دور	ثُبُوْرًا	ہلاکت کو
الْاَنْهٰرُ	نہریں	سَمِعُوْا	سنیں گے وہ	وَّاحِدًا	ایک
وَيَجْعَلْ (۲)	اور کردے وہ	لَهَا	اس کے لئے	وَّادْعُوْا	اور پکارو
لَّكَ	آپؐ کے لئے	تَغَيُّظًا (۳)	جوش	ثُبُوْرًا	ہلاکت کو
قُصُوْرًا	محلات	وَّزَفِيْرًا (۴)	اور خروش	كَثِيْرًا	بہت
بَلْ	بلکہ	وَاِذَآ	اور جب	قُلْ	پوچھو!

(۱) الذی: صلہ کے ساتھ مل کر تبارك کا فاعل ہے......اور جنات: خیراً سے بدل ہے (۲) یجعل: جزاء جَعَلَ پر معطوف ہے۔
(۳) تغیُّظ: باب تفعُّل کا مصدر ہے: آگ بھڑکنے کی آواز، جوش (۴) زفیر: خروش، لمبا سانس، وہ سانس جو اندر کھینچ کر چھوڑا جائے
(۵) منھا: مکانا کا حال ہے، درحقیقت صفت تھا، اور صفت کو جب مقدم کرتے ہیں تو حال بنادیتے ہیں (۶) مُقرَّنِین: اسم مفعول، جمع مذکر، منصوب بر بنائے حال از ضمیر ألقوا، مُقرَّن: واحد، تَقرِین: مصدر باب تفعیل: جکڑے ہوئے، کس کر باندھے ہوئے۔
(۷) ثُبور: مصدر: ہلاک ہونا، باب نصر۔

اَذٰلِكَ	کیا یہ	الْمُتَّقُوْنَ	پرہیزگار	مَا	جو
خَيْرٌ	بہتر ہے	كَانَتْ	ہے وہ باغ	يَشَآءُوْنَ	چاہیں گے وہ
اَمْ	یا	لَهُمْ	ان کے لئے	خٰلِدِيْنَ	سدا رہنے والے
جَنَّةُ	باغ	جَزَآءً	صلہ	كَانَ	ہے وہ (وعدہ)
الْخُلْدِ	ہیشگی کا	وَّ مَصِيْرًا	اور ٹھکانا	عَلٰى رَبِّكَ	آپ کے پروردگار پر
الَّتِيْ	جس کا	لَهُمْ	ان کے لئے	وَعْدًا	ایک وعدہ
وُعِدَ	وعدہ کئے گئے ہیں	فِيْهَا	اس باغ میں ہے	مَسْئُوْلًا	قابل درخواست

مشرکوں کے اعتراضات کے تفصیلی جوابات

مشرکین نے گذشتہ آیات میں رسول اللہ ﷺ کے بارے میں تین باتیں کہی ہیں:

۱- رسول انسان کیوں ہے؟ کھانا کھاتا ہے، ضروریات کی فراہمی کے لئے بازار جاتا ہے۔

۲- رسول کے ساتھ فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا جو لوگوں کو ڈراتا دھمکاتا، اور لوگوں کے دلوں میں اس کا دبدبہ بٹھاتا۔

۳- رسول خوش حال کیوں نہیں؟ اس کے پاس خزانہ، بنگلہ اور باغات کیوں نہیں؟ اللہ کا نمائندہ بدحال کیوں ہے؟

پہلے تیسری بات کا جواب دیا ہے، پھر پہلی بات کا، پھر دوسری بات کا۔ اور پہلے جواب کے ضمن میں آخرت کی بات آگئی ہے، اس طرح گفتگو معاد (آخرت) کی طرف منتقل ہوگئی ہے، پہلے کافروں کو ان کا برا انجام سنایا ہے، پھر ان کے بالمقابل متقیوں کا بہترین انجام بیان کیا ہے۔ پھر یہ مضمون ہے کہ مشرکین کے معبود آخرت میں ان کے کچھ کام نہ آئیں گے، بلکہ وہ اپنے پرستاروں سے بیزاری کا اظہار کریں گے۔ یہ مضامین آیت ۱۰۹ تک چلے گئے ہیں، پھر پہلے اعتراض کا جواب شروع ہوگا۔

تیسرے اعتراض کا جواب: —— بڑا عالی شان ہے وہ جو اگر چاہے تو آپؐ کے لئے اس سے بہتر باغات بنادے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں، اور آپؐ کے لئے محلات بنادے! —— یعنی اللہ کے خزانے میں کیا کمی ہے، وہ چاہے تو ایک باغ کیا بہت سے باغ اس سے بہتر عنایت فرمادے جس کا یہ لوگ مطالبہ کرتے ہیں، بلکہ ان باغوں کے ساتھ اور بھی مناسب چیزیں دیدے، محلات دیدے ان کو دولت سے بھردے، اور ہر طرح خوش حال کردے۔ یہ اس کی قدرت کے لئے کیا بڑی بات ہے۔

مگر کسی مصلحت سے اللہ تعالیٰ نے یہ ٹھاٹھ اپنے حبیب کے لئے دنیا میں پسند نہیں کیا، اللہ تعالیٰ یہ سب نعمتیں اپنے رسول کو آخرت میں دیں گے، اور خود حبیب کبریاء نے بھی اپنے لئے یہ بات پسند نہیں کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر میں چاہتا تو سونے کے پہاڑ میرے ساتھ پھرا کرتے'' (مظہری) اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے رب نے مجھ سے فرمایا: میں آپؐ کے لئے بطحائے مکہ کے پہاڑوں کو سونا بنا دیتا ہوں! میں نے عرض کیا: نہیں! اے میرے پروردگار! مجھے تو یہ پسند ہے کہ ایک روز پیٹ بھر کر کھانا ملے (تاکہ شکر بجالاؤں) اور ایک روز بھوکا رہوں (تاکہ صبر کروں) (احمد، ترمذی)

اور وہ مصلحت یہ ہے کہ نبی اپنی امت کے لئے اُسوۃ (نمونہ) ہوتا ہے، امت نبی کے نقش قدم پر چلتی ہے۔ اور امت دو طرح کے لوگوں پر مشتمل ہے: کمزور حالت والے اور اچھی حالت والے۔ اور بھاری اکثریت پہلی قسم کے لوگوں کی ہے، اور دوسری قسم کے لوگوں کو بھی ایسے اُسوۃ کی ضرورت ہے جو ان کے دنیا میں انہماک کو کم کرے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو وہ سب ٹھاٹھ دنیا میں نہیں دیا، آخرت کے لئے محفوظ رکھا ہے۔

مگر یہ بات مشرکین کی سمجھ میں کہاں آئے گی؟ وہ تو آخرت ہی کے قائل نہیں! ارشاد فرماتے ہیں: —— مگر انھوں نے قیامت کو جھٹلایا، اور ہم نے اس شخص کے لئے جس نے قیامت کو جھٹلایا دوزخ تیار کی ہے —— جس کا وہ ایندھن بنیں گے! —— جب وہ ان کو دور جگہ سے دیکھے گی —— یعنی وہ ابھی میدانِ محشر میں ہونگے، اور جہنم ان کو اپنی جگہ سے دیکھے گی —— تو وہ اس کا جوش وخروش سنیں گے —— اور جہنم کا یہ جوش وخروش یا تو فی نفسہ ہوگا یعنی وہ ایسی زور کی بھڑک رہی ہوگی کہ اس کا شور میدانِ حشر تک سنائی دے گا۔ یا وہ اپنا چارہ دیکھ کر جوش مارے گی، جیسے جانور اپنا چارہ دیکھ کر لپکتا ہے، جہنم چاہے گی کہ یہ لوگ جلد از جلد اس کا ایندھن بنیں —— اور جب وہ اس میں تنگ جگہ میں جکڑے ہوئے ڈالے جائیں گے تو وہ وہاں ہلاکت کو پکاریں گے —— تنگ جگہ میں: جیل کی کوٹھڑی تنگ ہوتی ہے —— جکڑے ہوئے: یعنی ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے، وہ اس تنگ جگہ میں ہل بھی نہیں سکیں گے —— ہلاکت کو پکاریں گے: جیسے بچہ مصیبت کے وقت پکارتا ہے: امی مر گیا! —— آج ایک ہلاکت کو مت پکارو، بلکہ بہت سی ہلاکتوں کو پکارو! —— یعنی ایک بار مریں تو چھوٹ جائیں، ان کو تو ہر دن ہزار بار مرنا ہوگا!

پوچھئے: کیا یہ بہتر ہے یا ہمیشہ رہنے کے باغات، جن کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے؟ وہ باغات ان کا صلہ اور ٹھکانا ہیں، ان کے لئے ان باغات میں وہ نعمتیں ہیں جو وہ چاہیں گے، وہ سدا رہنے والے ہیں —— یہ ایک مستقل نعمت ہے —— وہ آپ کے پروردگار کے ذمہ ایک قابل درخواست وعدہ ہے! —— یعنی جنت کا وعدہ حتمی ہے، مگر متقین کو

چاہئے کہ اس کی دعا کریں۔ سورۃ آل عمران (آیت ۱۹۴) میں عقل وفہم والوں کو یہ دعا تلقین کی گئی ہے: ﴿رَبَّنَا! وَآتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ، وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ، إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادِ﴾: اے ہمارے پروردگار! ہمیں عنایت فرمایئے وہ چیز (جنت) جس کا آپ نے ہم سے وعدہ فرمایا ہے اپنے پیغمبروں کی معرفت، اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کیجئے یعنی ہمیں جنت میں دخول اولی نصیب ہو، آپ یقیناً وعدہ خلافی نہیں کرتے (مگر ہمیں خوف ہے کہ ہم اس وعدہ کے حقدار بنتے ہیں یا نہیں؟ اس لئے یہ التجاء کرتے ہیں کہ ہمیں ایسا کر دیجئے اور ایسا ہی رکھیے کہ ہم اس وعدہ کے حقدار بن سکیں)

وَ يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰٓؤُلَاۗءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ۞ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَاۗءَ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَاۗءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ۞ فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا ۚ وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ۞

وَيَوْمَ	اور جس دن	هٰٓؤُلَاۗءِ	ان لوگوں کو	مِنْ دُوْنِكَ	آپ سے ورے
يَحْشُرُهُمْ	جمع کریں گے وہ ان کو	اَمْ هُمْ	یا وہی	مِنْ اَوْلِيَاۗءَ	کارسازوں کو
وَمَا	اور جن کو	ضَلُّوا	بچل گئے	وَلٰكِنْ	بلکہ
يَعْبُدُوْنَ	پوجتے ہیں وہ	السَّبِيْلَ	راہ سے؟	مَّتَّعْتَهُمْ	فائدہ پہنچایا آپ نے انکو
مِنْ دُوْنِ	ورے	قَالُوْا	جواب دیں گے وہ	وَاٰبَاۗءَهُمْ	اور انکے باپ دادوں کو
اللّٰهِ	اللہ کے	سُبْحٰنَكَ	آپ کی ذات پاک ہے!	حَتّٰى	یہاں تک کہ
فَيَقُوْلُ	پس پوچھیں گے	مَا كَانَ	نہیں تھا	نَسُوا	بھلا بیٹھے وہ
ءَاَنْتُمْ	کیا تم نے	يَنْۢبَغِيْ	مناسب	الذِّكْرَ	(آپ کی) یاد کو
اَضْلَلْتُمْ	گمراہ کیا	لَنَآ	ہمارے لئے	وَكَانُوْا	اور تھے وہ
عِبَادِيْ	میرے بندوں کو	اَنْ نَّتَّخِذَ	کہ بناتے ہم	قَوْمًۢا	لوگ

بُوۡرًا (۱)	تباہ ہونے والے	تَسۡتَطِيۡعُوۡنَ	طاقت رکھتے تم	مِّنۡكُمۡ	تم میں سے
فَقَدۡ	پس بالیقین	صَرۡفًا	لوٹانے کی	نُذِقۡهُ	چکھائیں گے ہم اس کو
كَذَّبُوۡكُمۡ	جھٹلایا انھوں نے تم کو	وَّلَا نَصۡرًا (۳)	اور نہ مدد کئے جانے کی	عَذَابًا	عذاب
بِمَا تَقُوۡلُوۡنَ (۲)	تمہاری بات میں	وَمَنۡ	اور جو شخص	كَبِيۡرًا	بڑا
فَمَا	پس نہیں	يَّظۡلِمۡ	ظلم (شرک) کرے گا	❁	❁

مشرکین کے معبود آخرت میں ان کے کچھ کام نہ آئیں گے

ارشاد پاک ہے: —— اور جس دن اللہ تعالیٰ ان (مشرکین) کو اور جن کو وہ اللہ سے ورے پوجتے ہیں جمع کریں گے —— یہ میدانِ حشر کا منظر ہے —— پس پوچھیں گے: کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا، یا وہ خود ہی راستے سے بھٹکے؟ —— معبودوں سے یہ سوال عابدوں کو سنانے کے لئے ہے —— وہ جواب دیں گے: آپ کی ذات (شرک سے) پاک ہے! ہمارے لئے مناسب نہیں تھا کہ ہم آپ سے ورے کارسازوں کو بناتے —— یعنی نہ خود کو معبود بنا کر پیش کرتے، نہ اوروں کو معبود بنانے کا مشورہ دیتے —— بلکہ آپ نے ان کو اور ان کے اسلاف کو لمبا موقعہ دیا یہاں تک کہ وہ آپ کی یاد بھول گئے، اور وہ تباہ ہونے والے لوگ تھے! —— یعنی اصل بات یہ ہے کہ یہ بدبخت خود ہی گمراہ ہوئے ہیں۔ ہماری کیا مجال تھی کہ آپ سے ہٹ کر کسی کو کارساز اور مددگار بناتے، جب ہم اپنے لئے آپ کے سوا کوئی سہارا نہیں رکھتے تو دوسروں کو کیسے حکم دیتے کہ وہ ہم کو اپنا معبود اور حاجت روا سمجھیں؟ —— اور ان کی گمراہی کا ظاہری سبب یہ ہوا کہ یہ اور ان کے باپ دادا عیش و آرام میں پڑ کر غفلت کے نشے میں چور ہو گئے، اور آپ کی یاد کو بھلا بیٹھے، اور جو ہلاکت ان کے لئے مقدر ہو چکی تھی وہ ان کے حصہ میں آئی۔ عابد جب معبودوں کا جواب سن لیں گے تو اللہ پاک ارشاد فرمائیں گے:

—— سو بالیقین انھوں نے تم کو تمہاری باتوں میں جھٹلایا، پس اب تمہارے بس میں نہیں عذاب کو ہٹانا اور نہ مدد کیا جانا —— یعنی جن کی اعانت پر تم کو بڑا بھروسہ تھا وہ خود تمہارے دعاوی کو جھٹلا رہے ہیں، اور تمہاری حرکتوں سے علانیہ بیزاری کا اظہار کر رہے ہیں، پس اب نہ تم خود عذاب کو پھیر سکتے ہو، نہ تمہارے معبود تمہاری مدد کر سکتے ہیں، کیونکہ وہ تم سے بری ہو گئے۔ —— اور جو شخص ظلم (شرک) کرے گا ہم اس کو بڑا عذاب چکھائیں گے —— اب دوزخ کا دائمی عذاب تمہارا مقدر ہے، پڑے اس کا مزہ چکھتے رہو!

---

(۱) بُوۡر: بَائِرٌ کی جمع ہے: وہ شخص جو کسی کا کہنا نہ سنے اور ہلاک ہو جائے، یا مصدر ہے، واحد جمع سب کی صفت میں آتا ہے (۲) بما تقولون ب بمعنی فی اور ما مصدریہ ہے (۳) نصر: مصدر مجہول ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَ يَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۭ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ﴿۲۰﴾

ع ۲ / ۱۱ / ۱۷

وَمَآ	اور نہیں	لَيَاْكُلُوْنَ	البتہ کھاتے ہیں	لِبَعْضٍ	دوسرے کے لئے
اَرْسَلْنَا	بھیجا ہم نے	الطَّعَامَ	کھانا	فِتْنَةً	آزمائش
قَبْلَكَ	آپؐ سے پہلے	وَ يَمْشُوْنَ	اور چلتے ہیں وہ	اَتَصْبِرُوْنَ	کیا صبر کرتے ہو تم
مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ	رسولوں میں سے	فِي الْاَسْوَاقِ	بازاروں میں	وَكَانَ	اور ہیں
اِلَّآ	مگر	وَجَعَلْنَا	اور بنایا ہم نے	رَبُّكَ	آپؐ کے پروردگار
اِنَّهُمْ	بیشک وہ	بَعْضَكُمْ	تمہارے ایک کو	بَصِيْرًا	خوب دیکھنے والے

ہمیشہ انسان ہی رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں

یہ کفار کے پہلے اعتراض کا جواب ہے۔ انھوں نے کہا تھا: یہ کھاتے پیتے اور چلتے پھرتے بشر رسول کیسے ہوگئے؟ انہیں جواب دیا جا رہا ہے: —— اور ہم نے آپؐ سے پہلے جتنے رسول بھیجے سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے تھے —— یعنی آدم علیہ السلام کے زمانے سے برابر انسان ہی رسول بن کر آتے رہے ہیں، آج یہ کوئی انوکھی بات نہیں، اور انسان کے رسول بنانے میں کیا حکمتیں ہیں، اس کا بیان سورۃ النحل (آیات ۴۳ و ۴۴) میں آچکا ہے۔ یہاں تفصیل میں نہ جاتے ہوئے کلام کا رخ مؤمنین کی طرف ہوگیا ہے۔ فرمایا: —— اور ہم نے تم میں سے ایک کو دوسرے کے لئے آزمائش بنایا ہے —— جس طرح رسول کا انسان ہونا منکرین کے لئے آزمائش بن گیا ہے، وہ رسول کی شان میں کیسی کیسی باتیں چھانٹتے ہیں؟ اسی طرح ان کی باتیں رسول اور مؤمنین کے صبر کا امتحان ہیں —— کیا تم صبر کرو گے؟ —— یعنی اب پیغمبر کے حوصلے اور مؤمنین کے ایمان کی جانچ ہے کہ وہ کفار کی ایذا رسانیوں پر صبر کرتے ہیں یا نہیں؟ پس برداشت سے کام لو، ہمت نہ ہارو! —— اور آپؐ کا رب خوب دیکھ رہا ہے! —— کافروں کی ایذا رسانی اور رسول اور مؤمنین کا صبر وتحمل سب ان کے سامنے ہے، وہ ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ ضرور دیں گے

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَاۗءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰۗىِٕكَةُ اَوْ نَرٰي رَبَّنَا ۭ لَقَدِ

اسْتَكْبَرُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِیْرًا ﴿۲۱﴾ یَوْمَ یَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰی یَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِیْنَ وَیَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۲۲﴾ وَقَدِمْنَآ اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ یَوْمَئِذٍ خَیْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِیْلًا ﴿۲۴﴾

وَقَالَ	اور کہا	وَعَتَوْ [3]	اور سرکشی کی انھوں نے	اِلٰی مَا	اس کی طرف جو
الَّذِیْنَ	ان لوگوں نے جو	عُتُوًّا	سرکشی کرنا	عَمِلُوْا	کیا انھوں نے
لَا یَرْجُوْنَ [1]	نہیں ڈرتے	كَبِیْرًا	بڑی	مِنْ عَمَلٍ	کوئی کام
لِقَآءَنَا	ہماری ملاقات سے	یَوْمَ	جس دن	فَجَعَلْنٰهُ	پس بنادیا ہم نے اس کو
لَوْلَآ	کیوں نہیں	یَرَوْنَ	دیکھیں گے وہ	هَبَآءً	مٹی کے باریک ذرات
اُنْزِلَ	اتارے گئے	الْمَلٰٓئِكَةَ	فرشتوں کو	مَّنْثُوْرًا	بکھرے ہوئے
عَلَیْنَا	ہم پر	لَا بُشْرٰی	نہیں خوش خبری ہے	اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ	جنت والے
الْمَلٰٓئِكَةُ	فرشتے	یَوْمَئِذٍ	اس دن	یَوْمَئِذٍ	اس دن
اَوْ نَرٰی [2]	یا (کیوں نہیں) دیکھتے ہم	لِّلْمُجْرِمِیْنَ	مجرموں کے لئے	خَیْرٌ	بہترین ہونگے
رَبَّنَا	ہمارے رب کو	وَیَقُوْلُوْنَ	اور کہیں گے وہ	مُّسْتَقَرًّا	ٹھکانے کے اعتبار سے
لَقَدِ	البتہ تحقیق	حِجْرًا	کوئی روک ہو	وَّاَحْسَنُ	اور اچھے ہونگے
اسْتَكْبَرُوْا	گھمنڈ کیا انھوں نے	مَّحْجُوْرًا	آڑ بنائی ہوئی	مَقِیْلًا	قیلولہ کی جگہ کے اعتبار سے
فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ	اپنے دلوں میں	وَقَدِمْنَآ	اور پہنچے ہم	۞	۞

منکرین کی دوسری بات کا جواب

اب منکرین کی دوسری بات لے رہے ہیں، انھوں نے کہا تھا: رسول کی طرف کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا، جو اس کے ساتھ ڈرانے والا ہوتا یعنی اردلی کے فرائض انجام دیتا، یہ اکیلے ہی بے یارومددگار کیوں پھرتے ہیں؟ یہ حقیقت میں

(۱) رَجَاهُ (ن) رَجَاءً: کے دو معنی ہیں: (۱) امید رکھنا (۲) ڈرنا، جیسے ﴿مَالَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا﴾: تمہیں کیا ہوا جو اللہ کی عظمت سے ڈرتے نہیں۔ یہاں مترجمین نے دونوں ترجمے کئے ہیں (۲) نری: کا عطف أنزل پر ہے، پس یہ بھی لولا کے تحت ہے (۳) عتا (ن) عُتُوًّا و عُتِیًّا: حد سے بڑھنا، سرکشی کرنا، تکبر کرنا۔

کوئی اعتراض نہیں تھا، بلکہ ایک طرح کا مذاق تھا، اس کا کیا جواب دیا جاتا! اس لئے منکرین کی اس سے بھی بڑی دو گستاخیاں ذکر کی جاتی ہیں کہ دیکھو جو لوگ اللہ تعالیٰ کی شان میں ایسی گستاخی کرسکتے ہیں ان سے کیا بعید ہے کہ رسول کے حق میں مذکورہ بات کہیں!

ارشاد فرماتے ہیں: —— اور ان لوگوں نے جو ہمارے سامنے پیشی سے نہیں ڈرتے کہا کہ ہم پر فرشتے کیوں نہیں اتارے گئے؟ یا ہم اپنے پروردگار کو کیوں نہیں دیکھتے؟ —— یعنی جن لوگوں کو ذرا ڈر نہیں کہ ایک روز ہمارے رُو بہ رُو حاضر ہو کر حساب دینا ہوگا، وہ سزا کے خوف سے بالکل بے فکر ہیں، کہتے ہیں: اگر اللہ کو ہماری اصلاح منظور تھی تو ہم پر فرشتے وحی لے کر کیوں نہ اترے، محمد (ﷺ) کے واسطے سے وحی کیوں بھیجی؟ ﴿لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَا أُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ﴾: ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک ہم کو ویسی ہی چیز نہ دی جائے جو اللہ کے رسولوں کو دی گئی ہے [الانعام ۱۲۴] یعنی جب تک ہمارے پاس براہ راست فرشتے وحی لے کر نہ آئیں ہم ماننے والے نہیں، جواب دیا: ﴿اَللّٰهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ﴾: اس موقع کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں جہاں وہ اپنا پیغام رکھتے ہیں یعنی ہر کس و ناکس کے پاس فرشتوں کے ذریعہ پیغام نہیں بھیجا جاسکتا۔

دوسری بات انھوں نے یہ کہی کہ اللہ تعالیٰ سامنے آکر ہم سے ہم کلام کیوں نہیں ہوتے؟ ہم اپنے پروردگار کو کیوں نہیں دیکھتے؟

جواب: —— واقعہ یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے دلوں میں خود کو بہت بڑا سمجھ رہے ہیں —— یہ پہلی بات کا جواب ہے کہ یہ منہ اور مسور کی دال! تمہاری بساط کیا ہے جو فرشتے تم سے ہم کلام ہوں، تم نے اپنے آپ کو لمبا کھینچا ہے جو وحی اور فرشتوں کے آنے کی تمنا رکھتے ہو —— اور وہ بہت بڑی سرکشی پر اتر آئے ہیں —— یہ دوسری بات کا جواب ہے کہ ان کی شرارت اور سرکشی کی حد ہوگئی، وہ دنیا میں باوجود اپنی سیاہ کاریوں کے اپنی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی اور شرفِ ہم کلامی سے مشرف ہونے کا مطالبہ کررہے ہیں۔

پھر ان کی پہلی بات کو کہ فرشتے ہماری طرف کیوں نہیں اتارے گئے: از سر نو لیتے ہیں —— جس دن وہ لوگ فرشتوں کو دیکھیں گے: اس دن مجرموں کے لئے کوئی خوشی کی بات نہیں ہوگی، اور وہ کہیں گے: خدا کی پناہ! خدا کی پناہ! —— یعنی فرشتے تمہارے پاس بھی آسکتے ہیں، مگر وہ دن تمہارے لئے خوشی کا دن نہیں ہوگا، وہ دن تمہاری شامتِ اعمال کا دن (قیامت کا دن) ہوگا، اس دن تم فرشتوں سے پناہ چاہو گے، ان کا سامنا کرنے کے لئے تیار نہیں ہوؤ گے اتم چاہو گے کہ تمہارے اور فرشتوں کے درمیان کوئی سخت روک قائم کردی جائے کہ وہ تم تک نہ پہنچ سکیں۔

اس کے بعد ان کی دوسری بات کو کہ ہم اپنے پروردگار کو کیوں نہیں دیکھتے؟ از سر نو لیتے ہیں —— اور پہنچے ہم ان کاموں کی طرف جو کئے انھوں نے —— یعنی تم ہم کو بلاتے ہوتو لو ہم بھی آپہنچے، مگر تمہارے پاس نہیں، تمہارے اعمال کے پاس، تم تو آخرت میں بھی ہم کو نہیں دیکھ سکتے: ﴿ إِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَمَحْجُوْبُوْنَ﴾: وہ اس دن اپنے پروردگار سے اوٹ میں رکھے جائیں گے [التطفیف ۱۵] بلکہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے اعمال کی پاس پہنچیں گے —— پس ہم نے ان کو پریشان غبار بنادیا —— یعنی ان کے بھلے کام جن پر وہ بڑا بھروسہ کئے ہوئے تھے: اللہ تعالیٰ نے سب کو ملیامیٹ کردیا، وہ بے حقیقت ہوکر اس طرح اڑ گئے جیسے خاک کے حقیر ذرات ہوا میں اِدھر اُدھر اڑ جایا کرتے ہیں، کیونکہ ان اعمال کی شرطِ ایمان مفقود تھی، جیسا کہ سورۃ النور (آیت ۳۹) کی تفسیر میں گذرا۔

پھر کفار کے انجام بد کے بالمقابل اہل جنت کا ذکر کرتے ہیں —— جنت والے اس دن قیام گاہ میں خوب اچھے ہونگے، اور آرام گاہ میں بھی خوب اچھے ہونگے! —— قیام گاہ: یعنی مستقل رہنے کی جگہ۔ اور آرام گاہ: یعنی تھوڑی دیر کے لئے ٹھہرنے کی جگہ، قیلولہ کے بقدر ٹھہرنے کی جگہ —— اور جنتیوں کا یہ اچھا انجام ان کے ایمان اور اعمالِ صالحہ کی وجہ سے ہوگا۔ ان کے نیک اعمال تمہارے نیک اعمال کی طرح اکارت نہیں جائیں گے۔ پس تمہیں بھی چاہئے کہ ایمان لاکر نیک اعمال کرو تا کہ تمہارا بھی آخرت میں کلیان ہو۔

وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَاءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ﴿۲۵﴾ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ِۨ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ۭ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ﴿۲۶﴾ وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ﴿۲۷﴾ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ﴿۲۸﴾ لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَاۗءَنِيْ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴿۲۹﴾ وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿۳۰﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ۭ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ﴿۳۱﴾

وَيَوْمَ (۱) تَشَقَّقُ	اور (یاد کرو) جس دن پھٹ جائے گا	السَّمَاءُ (۲) بِالْغَمَامِ (۳)	آسمان سفید بادل کے سبب	وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ	اور اتارے جائیں گے فرشتے

(۱) یہ یومَ اور آئندہ یومَ فعل مقدر اذکر کی وجہ سے منصوب ہیں۔ (۲) السماء: الف لام استغراقی ہیں (۳) بالغمام: باء ←

تَنْزِيْلًا	لگاتار	سَبِيْلًا	راستہ	يٰرَبِّ	اے میرے رب!
اَلْمُلْكُ	بادشاہی	يٰوَيْلَتٰى	ہائے شامت میری!	اِنَّ	بے شک
يَوْمَئِذِ	اس دن	لَيْتَنِىْ	کاش میں	قَوْمِى	میری قوم نے
الْحَقُّ [1]	برحق	لَمْ اَتَّخِذْ	نہ بناتا	اتَّخَذُوْا	بنایا
لِلرَّحْمٰنِ	رحمٰن کے لئے ہوگی	فُلَانًا	فلاں کو	هٰذَا	اس
وَكَانَ	اور ہوگا وہ	خَلِيْلًا	گہرا دوست	الْقُرْاٰنَ	قرآن کو
يَوْمًا	دن	لَقَدْ	البتہ یقیناً	مَهْجُوْرًا [4]	نظر انداز کیا ہوا
عَلَى الْكٰفِرِيْنَ	منکرین پر	اَضَلَّنِىْ	گمراہ کیا اس نے مجھے	وَكَذٰلِكَ	اور اسی طرح
عَسِيْرًا	سخت (بھاری)	عَنِ الذِّكْرِ	نصیحت (قرآن) سے	جَعَلْنَا	بنائے ہم نے
وَيَوْمَ	اور (یاد کرو) جس دن	بَعْدَ	اس کے بعد	لِكُلِّ نَبِيٍّ	ہر نبی کے لئے
يَعَضُّ [2]	کاٹے گا	اِذْ جَآءَنِىْ	(کہ) پہنچی وہ مجھے	عَدُوًّا	دشمن
الظَّالِمُ	ظالم	وَكَانَ	اور ہے	مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ	بدکاروں میں سے
عَلٰى يَدَيْهِ	اپنے دونوں ہاتھوں کو	الشَّيْطٰنُ	شیطان	وَكَفٰى	اور کافی ہے
يَقُوْلُ	کہے گا	لِلْاِنْسَانِ	انسان کو	بِرَبِّكَ [5]	تیرا پروردگار
يٰلَيْتَنِىْ	اے کاش	خَذُوْلًا [3]	بہت رسوا کرنے والا	هَادِيًا	راہ دکھلانے کو
اتَّخَذْتُ	بناتا میں	وَقَالَ	اور کہا	وَّنَصِيْرًا	اور مدد کرنے کو
مَعَ الرَّسُوْلِ	رسول کے ساتھ	الرَّسُوْلُ	رسول نے	۞	۞

گذشتہ آیات میں آخرت کا ذکر آیا تھا، اس لئے اب قیامت کے تین منظر پیش کئے جاتے ہیں:

← سیبہ ہے۔ غمام: سفید پتلا بادل، جو ساتویں آسمان کے اوپر سے اترے گا، جس سے آسمان پھٹ جائے گا یعنی راستہ دے گا، پھر اسی طرح نیچے کے آسمان پھٹتے چلے جائیں گے

(۱) الحق: الملك کی صفت ہے اور للرحمن: خبر ہے (۲) عضّه (ف) عليه: دانتوں سے کاٹنا (۳) خذول: صیغۂ مبالغہ: بوقت مدد مدد چھوڑ کر علاحدہ ہوجانے والا، رسوا کرنے والا۔ خَذَلَه وعنه (ن): مدد سے ہاتھ کھینچ لینا، دست بردار ہونا (۴) مهجور: متروک، هَجَرَ (ن) الشيئَ: چھوڑنا، ترک تعلق کرنا (۵) بربك: كفى کا فاعل ہے، اور فاعل پر باء زائد ہے۔

پہلا منظر: —— اور یاد کرو جس دن آسمان سفید بادل کے سبب پھٹ جائیں گے، اور فرشتے لگاتار اتارے جائیں گے، اس دن حقیقی حکومت مہربان اللہ ہی کے لئے ہوگی، اور وہ دن منکروں پر بہت بھاری ہوگا! —— جب حساب کتاب شروع ہونے کا وقت آئے گا تو ایک پتلے بادل جیسی چیز آسمان سے اترے گی، اس میں حق تعالیٰ کی تجلی ہوگی، اور اس کے گرداگرد فرشتے ہونگے، اس وقت آسمان کا پھٹنا غمام کو راستہ دینے کے طور پر ہوگا، آسمان معدوم نہیں ہوجائیں گے —— پھر ساتوں آسمانوں کے فرشتے یکے بعد دیگرے زمین پر اتریں گے، اور اپنی صفیں بنالیں گے —— اس دن حقیقی بادشاہت صرف اللہ کے لئے ہوگی۔ اس دن سب مجازی حکومتیں ختم ہوجائیں گی —— اور اللہ کی صفتِ رحمان ذکر کرنے میں مستحقین رحمت کے لئے مژدہ ہے کہ ان کے لئے اس دن رحمت کی کوئی کمی نہ ہوگی، اس دن وہ بے حساب رحمتوں سے نوازے جائیں گے —— اور وہ دن کافروں کے لئے بڑا سخت دن ہوگا، کیونکہ وہ اس دن ایمان واعمالِ صالحہ سے تہی دست ہونگے، اس لئے اس دن ان کی قسمت سوجائے گی!

دوسرا منظر: —— اور یاد کرو جس دن ظالم اپنے ہاتھوں کو کاٹے گا، کہے گا: کاش میں رسول کی راہ اپناتا! ہائے میری حرماں نصیبی! کاش میں فلاں کو گہرا دوست نہ بناتا، بخدا! واقعۃً اس نے مجھے نصیحت (قرآن) سے بچلا دیا، اس کے بعد کہ وہ مجھے پہنچی! اور شیطان انسان کو بہت رسوا کرنے والا ہے —— یہ قیامت کا دن شروع ہو چکا۔ اس دن کا فرمارے افسوس کے ہاتھ کاٹے گا اور کہے گا: میں نے کیوں دنیا میں رسولِ خدا کا راستہ اختیار نہ کیا؟ اگر اس راستہ کو اختیار کرتا تو آج برا دن دیکھنا نہ پڑتا۔ میری قسمت پھوٹی کہ میں نے فلاں کو جگری دوست بنایا، اس کے بہکائے میں آگیا اور آج مجھے یہ برا دن دیکھنا پڑا، مجھ پر تو میرے خدا نے کرم کیا تھا، اپنا نصیحت نامہ میرے پاس بھیج دیا تھا، اور وہ مجھے پہنچ بھی گیا تھا، مگر اس نالائق دوست نے میری راہ ماردی، وہ دوست شیطان ہے۔ شیطان انسان بھی ہوتا ہے، اور شیطان انسان کو بہت رسوا کرنے والا ہے، پہلے بڑا خیر خواہ بنتا ہے، مگر وقت پر دغا دے جاتا ہے۔

سوال: آیت میں فلاں: اسم کنایہ کیوں ہے، اسم علم (معین آدمی کا نام) کیوں نہیں لیا؟

جواب: اس لئے کہ حکم عام ہوجائے، مورد (شانِ نزول) کے ساتھ خاص نہ رہے، مفسرین نے یہاں عقبہ بن ابی معیط اور اُبی بن خلف کا واقعہ نقل کیا ہے، حکم اس کے ساتھ خاص نہیں۔

تیسرا منظر: —— اور رسول نے کہا: اے میرے رب! میری قوم نے اس قرآن کو نظر انداز کر دیا تھا! —— یہ اظہارات شروع ہوئے، اظہار: وہ بیان جو عدالت میں دیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ قیامت کے دن عدالت میں بیان دیں گے کہ میرے پروردگار! میری قوم نے آپ کے بھیجے ہوئے نصیحت نامہ پر کان نہ دھرا، میری ایک سن کر نہ دی، انھوں

نے قرآن جیسی عظیم دولت نعمت کو میری بکواس قرار دیا، سوچو! اس بیان کا تم کیا جواب دو گے؟ آج وقت ہے سوچنے کا، کل یہ موقعہ ہاتھ سے نکل جائے گا۔

رسول کو تسلی: —— اور اسی طرح ہم نے مجرموں میں سے ہر نبی کے دشمن بنائے ہیں —— جو نہ صرف یہ کہ ایمان نہیں لاتے، بلکہ نبی کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرتے ہیں، اور لوگوں کو قبول حق سے روکتے ہیں۔ ایسا ہر نبی کے ساتھ ہوتا رہا ہے، لہٰذا آپ کبیدہ خاطر نہ ہوں، اپنا کام جاری رکھیں —— اور آپ کے پروردگار راہ دکھانے اور مدد کرنے کے لئے کافی ہیں —— یعنی کافر پڑے بہکایا کریں، جس کو اللہ تعالیٰ چاہیں گے راہ پر لے آئیں گے، وہ ہر مرحلہ میں آپ کی مدد کریں گے، ان کی مدد آپ کے لئے کافی ہے، آپ کسی اور کی اعانت کے آرزومند نہ رہیں۔

بے دین اور غلط کار لوگوں کی دوستی قیامت کے دن ندامت وحسرت ہوگی

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ﴿۳۲﴾ وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ﴿۳۳﴾ اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ ۙ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۳۴﴾ ع

وَقَالَ	اور کہا	جُمْلَةً	سارا	تَرْتِيْلًا	ٹھیر ٹھیر کر
الَّذِيْنَ	جن لوگوں نے	وَّاحِدَةً	یکبارگی	وَلَا يَاْتُوْنَكَ	اور نہیں لاتے وہ آپ کے پاس
كَفَرُوْا	انکار کیا	كَذٰلِكَ (۲)	اس طرح		
لَوْلَا	کیوں نہیں	لِنُثَبِّتَ (۳)	تاکہ مضبوط کریں ہم	بِمَثَلٍ	کوئی عجیب بات
نُزِّلَ (۱)	اتارا گیا	بِهٖ	اس کے ذریعہ	اِلَّا	مگر
عَلَيْهِ	اس پر	فُؤَادَكَ	آپ کے دل کو	جِئْنٰكَ	لاتے ہیں ہم آپ کے پاس
الْقُرْاٰنُ	قرآن	وَرَتَّلْنٰهُ (۴)	اور پڑھا ہم نے اس کو		

(۱) نزل تنزيلا: بتدریج اتارنا، یہاں معنی میں تجرید کریں گے اور أنزل کے معنی میں لیں گے کیونکہ آگے جملة واحدة آرہا ہے (۲) كذلك: أي كذلك أنزلناه (۳) ثَبَّتَ تثبيتاً: جمانا، پختہ کرنا (۴) رَتَّلَ ترتيلا: ٹھیر ٹھیر کر پڑھنا، یہاں بھی معنی میں تجرید کریں گے۔

بِالْحَقِّ	برحق بات	يُحْشَرُوْنَ	جمع کئے جائیں گے	شَرٌّ	برے ہیں
وَاَحْسَنَ	اور بہترین	عَلٰى وُجُوْهِهِمْ	ان کے چہروں پر	مَّكَانًا	درجہ میں
تَفْسِيْرًا	تفسیر کے اعتبار سے	اِلٰى جَهَنَّمَ	جہنم کی طرف	وَّاَضَلُّ	اور گمراہ ہیں
اَلَّذِيْنَ	جولوگ	اُولٰٓئِكَ	وہی لوگ	سَبِيْلًا	راستے کے اعتبار سے

قرآن سارا ایک ہی دفعہ کیوں نازل نہیں کیا گیا؟

گذشتہ آیت میں میدانِ قیامت میں پیغمبر کے اظہار کا ذکر تھا، اور منکرینِ قرآن کو فہمائش کی تھی کہ سوچو اس اظہار کا کیا جواب دوگے؟ انھوں نے سوچنے کے بجائے ایک اور شوشہ چھوڑا —— اور جن لوگوں نے انکار کیا انھوں نے کہا: قرآن سارا ایک ہی دفعہ کیوں نازل نہیں کیا —— یعنی دوسری آسمانی کتابوں کی طرح پورا قرآن ایک ہی دفعہ کیوں نہیں اُتارا گیا؟ تھوڑا تھوڑا کر کے کیوں اتارا جارہا ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کو سوچنا پڑتا ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ محمد (ﷺ) خود سوچ سوچ کر بناتے ہوں، پھر حسب موقع تھوڑا تھوڑا سناتے ہوں؟

جواب: —— اس طرح (تدریجاً اس لئے نازل کیا ہے) تاکہ ہم اس کے ذریعہ آپؐ کے دل کو مضبوط کریں، اور ہم نے اس کو ٹھیر ٹھیر کر پڑھا ہے، اور یہ لوگ کیسا ہی عجیب سوال آپؐ کے سامنے پیش کریں: ہم برحق بات اور بہترین تفسیر آپؐ کے پاس لاتے ہیں —— قرآن کے تدریجی نزول کی تین حکمتیں بیان فرمائی ہیں:

پہلی حکمت: تدریجی نزول سے نبی ﷺ کے دل کو مضبوط کرنا مقصود ہے، اور سورۃ النحل (آیت ۱۰۲) میں ہے: ﴿لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾: تاکہ ایمان والوں کو ثابت قدم رکھیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب بھی نبی ﷺ کے ساتھ یا مؤمنین کے ساتھ کوئی ناگوار معاملہ پیش آتا ہے، کٹھنائیوں میں گھر جاتے ہیں اور کلیجہ منہ کو آنے لگتا ہے تو فوراً آپؐ کی اور مؤمنین کی تسلی کے لئے قرآن نازل ہوجاتا ہے، اور ڈھارس بندھ جاتی ہے۔

اگر پورا قرآن ایک دفعہ آگیا ہوتا، اور اس خاص واقعہ پر تسلی کا ذکر بھی نازل ہوگیا ہوتا تو ممکن تھا ذہن اس کی طرف نہ جاتا، پھر جبرئیل علیہ السلام کا بار بار آنا جانا بھی تقویتِ قلب کا باعث بنتا ہے، یہ بھی اطمینان رہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے حالات سے پوری طرح باخبر ہیں، اور موقع بموقع مشرف بہ خطاب فرماتے ہیں، اس طرح نزول میں گونا گوں تسلی کا سامان ہے۔

دوسری حکمت: اللہ تعالیٰ نے اس کو ٹھیر ٹھیر کر پڑھا یعنی نازل کیا تو رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کو امت کے سامنے ٹھیر ٹھیر کر پڑھا، اس طرح امت کے لئے اس کا حفظ آسان ہوا، سمجھنے میں سہولت ہوئی، اور ہر آیت کا جداگانہ شان نزول دیکھ کر اس کا صحیح مطلب متعین کرنے میں مدد ملی۔

تیسری حکمت: کفار جب بھی قرآن پر کوئی اعتراض کرتے ہیں، یا آپؐ پر کوئی مثال چسپاں کرتے ہیں تو فوراً وحی نازل ہوتی ہے اور اس کی حقیقت کھول دیتی ہے، اور معاملہ پوست کندہ کر دیتی ہے۔

مگر یہ حکمتیں اس کی سمجھ میں آئیں گی جس کی عقل سیدھی ہو اور ذہن کے دریچے کھلے ہوں، اور جن کی عقل اوندھی ہو، وہ مرغ کی ایک ٹانگ ہی گاتے رہیں گے، ان کا انجام سنیں: —— یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے چہروں کے بل جہنم کی طرف لے جائے جائیں گے، یہ لوگ درجہ میں بھی بدتر ہیں، اور راستہ کے اعتبار سے بھی بہت گمراہ ہیں —— ان کا ٹھکانا جہنم ہی ہونا چاہئے، کیونکہ وہ الٹی ہی سوچتے ہیں، ان کی عقل اوندھی ہوگئی ہے، جو حکمتیں قرآن کی حقانیت پر دلالت کرنے والی ہیں، ان کو وہ بطلان کی دلیلیں بناتے ہیں، اسی وجہ سے وہ اوندھے منہ جہنم کی طرف گھسیٹے جائیں گے۔

تدریجاً قرآن نازل کرنے میں بہت سے فوائد تھے جو یکبارگی نازل کرنے کی صورت میں حاصل نہیں ہوسکتے تھے

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَہٗٓ اَخَاہُ ہٰرُوْنَ وَزِیْرًا ﴿۳۵﴾ فَقُلْنَا اذْہَبَآ اِلَی الْقَوْمِ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ۭ فَدَمَّرْنٰہُمْ تَدْمِیْرًا ﴿۳۶﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا کَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰہُمْ وَجَعَلْنٰہُمْ لِلنَّاسِ اٰیَۃً ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِیْنَ عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۳۷﴾ وَّعَادًا وَّثَمُوْدَا۟ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًۢا بَیْنَ ذٰلِکَ کَثِیْرًا ﴿۳۸﴾ وَکُلًّا ضَرَبْنَا لَہُ الْاَمْثَالَ ۡ وَکُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِیْرًا ﴿۳۹﴾ وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَی الْقَرْیَۃِ الَّتِیْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ۭ اَفَلَمْ یَکُوْنُوْا یَرَوْنَہَا ۚ بَلْ کَانُوْا لَا یَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ﴿۴۰﴾

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا	اور البتہ تحقیق دی ہم نے	مُوْسَی الْکِتٰبَ	موسیٰ کو کتاب	وَجَعَلْنَا مَعَہٗٓ	اور بنایا ہم نے ان کے ساتھ

اَخَاهُ	ان کے بھائی	اَغْرَقْنٰهُمْ	(تو) ڈبو دیا ہم نے انکو	الْاَمْثَالَ	عجیب مضامین
هٰرُوْنَ	ہارونؑ کو	وَجَعَلْنٰهُمْ	اور بنا دیا ہم نے ان کو	وَكُلًّا	اور سب کو
وَزِيْرًا	مددگار	لِلنَّاسِ	لوگوں کے لئے	تَبَّرْنَا	تباہ کردیا ہم نے
فَقُلْنَا	پس کہا ہم نے	اٰيَةً	نشانی	تَتْبِيْرًا(۴)	پوری طرح تباہ کرنا
اذْهَبَا	جاؤ دونوں	وَاَعْتَدْنَا	اور تیار کیا ہے ہم نے	وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق
اِلَى الْقَوْمِ	اس قوم کے پاس	لِلظّٰلِمِيْنَ	ظالموں کے لئے	اَتَوْا(۵)	گذرے ہیں وہ
الَّذِيْنَ	جنھوں نے	عَذَابًا	عذاب	عَلَى الْقَرْيَةِ	اس بستی پر
كَذَّبُوْا	جھٹلایا	اَلِيْمًا	دردناک	الَّتِيْٓ	جو
بِاٰيٰتِنَا	ہماری آیتوں کو	وَّعَادًا	اور (ذکر کیجئے) عاد کا	اُمْطِرَتْ	برسائی گئی
فَدَمَّرْنٰهُمْ(۱)	پس غارت کردیا	وَّثَمُوْدَا	اور ثمود کا	مَطَرَ السَّوْءِ	بری بارش
	ہم نے ان کو	وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ(۲)	اور کنویں والوں کا	اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا	پس کیا نہیں تھے وہ
تَدْمِيْرًا	پوری طرح غارت کرنا	وَقُرُوْنًا(۳)	اور صدیوں کا	يَرَوْنَهَا	دیکھتے اس کو
وَقَوْمَ	اور (ذکر کیجئے) قوم کا	بَيْنَ ذٰلِكَ	ان کے درمیان	بَلْ كَانُوْا	بلکہ تھے وہ
نُوْحٍ	نوحؑ کی	كَثِيْرًا	بہت سی	لَا يَرْجُوْنَ	نہیں امید رکھتے تھے
لَّمَّا	جب	وَكُلًّا	اور سب کے لئے		(نہیں ڈرتے تھے)
كَذَّبُوا	جھٹلایا انھوں نے	ضَرَبْنَا	بیان کئے ہم نے	نُشُوْرًا	دوبارہ زندہ ہونے کی
الرُّسُلَ	رسولوں کو	لَهُ	ان کے لئے		(سے)

انکارِ رسالت کا عبرتناک انجام

اب تک انکارِ رسالت پر وعید اور قرآن پر اعتراضات کے جواب تھے۔ آگے اس کی تائید میں زمانہ ماضی کے بعض واقعات بیان کئے جارہے ہیں، جن میں منکرین توحید و رسالت کا انجام اور عبرت انگیز حالات مذکور ہیں، اور ان میں آنحضرت ﷺ کے لئے تسلی اور تقویتِ قلب کا سامان ہے۔ اس طرح کہ پچھلے انبیاء کی اللہ تعالیٰ نے جس طرح مدد

(۱) دَمَّرَ تدمیراً: اکھیڑ مارنا، ہلاکت ڈالنا، غارت کرنا (۲) الرَّسُّ: مطلق کنواں یا بے من کا کنواں (۳) قرن: ایک صدی، ایک صدی کے لوگ، سو سال کا عرصہ (۴) تَبَّرَ تتبیراً: ہلاکت کرنا، ویران کرنا (۵) اَتَوا میں مَرَّ کی تضمین ہے، اس لئے صلہ میں علیٰ آیا ہے۔

فرمائی اور دشمنوں پر غالب فرمایا وہ آپ ؐ کے لئے بھی ہونے والا ہے:

پہلا واقعہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا ہے: ــــ بخدا! واقعہ یہ ہے کہ ہم نے موسیٰؑ کو کتاب (تورات) دی ــــ یعنی اپنی کتاب تورات دے کر ان کو مبعوث فرمایا، خالی ہاتھ نہیں بھیجا۔ قرآنِ کریم کے بعد عظمت واہمیت میں دوسرا نمبر تورات شریف کا ہے ــــ اور ہم نے ان کے ساتھ ان کے بھائی ہارونؑ کو مددگار بنایا ــــ یعنی ایک نہیں دو رسول بھیجے، جن میں ایک اصل دوسرا مددگار تھا، تا کہ بات فرعونیوں کے لئے قابلِ وثوق ہو ــــ پھر ہم نے حکم دیا: دونوں اُن لوگوں کے پاس جاؤ جنھوں نے ہماری باتوں کو جھٹلایا ــــ حضرت یعقوب علیہ السلام کنعان سے مصر منتقل ہو گئے تھے، ان کے بعد یوسف علیہ السلام بھی مبعوث ہوئے تھے، اب چار سو سال بعد موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے ہیں، اس لئے انبیاء کی تعلیمات مصریوں میں موجود تھیں، سورۃ المؤمن (آیت ۳۴) میں ہے: ﴿وَلَقَدْ جَاءَ كُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَاءَ كُمْ بِهٖ﴾: اور قبل ازیں تم لوگوں کے پاس یوسفؑ دلائل کے ساتھ آ چکے ہیں، مگر تم ان باتوں میں برابر شک میں رہے جو وہ تمہارے پاس لے کر آئے تھے، بہر حال دونوں حضرات مصریوں کے پاس پہنچے اور ان کو سمجھایا، مگر وہ نہ مانے ــــ تو ہم نے ان کو بالکل ہی ملیا میٹ کر دیا ــــ صفحۂ ہستی سے مٹا دیا، پس دیکھو جو دیدۂ عبرت پذیر ہو! انبیاء کی تکذیب کا انجام کیا ہوا؟

دوسرا واقعہ: ــــ اور قوم نوحؑ کا ذکر کیجئے، جب انھوں نے رسولوں کو جھٹلایا ــــ ایک پیغمبر کا جھٹلانا سب کا جھٹلانا ہے، کیونکہ سب ایک ہی بارگاہ کی نمائندگی کرتے ہیں ــــ تو ہم نے ان کو غرقاب کر دیا ــــ بے حساب بارش برسی، جس نے سیلاب کی شکل اختیار کی، اور ساری قوم لقمۂ اجل بن گئی، صرف کشتی والے بچ گئے ــــ اور ہم نے ان کو (باقی رہنے والے) لوگوں کے لئے نشانی بنایا ــــ سورۃ العنکبوت (آیت ۱۵) ہے: ﴿فَأَنْجَيْنٰهُ وَأَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ، وَجَعَلْنٰهَا آيَةً لِّلْعَالَمِيْنَ﴾: پھر ہم نے نوحؑ کو اور کشتی والوں کو بچا لیا، اور ہم نے اس واقعہ کو تمام جہاں والوں کے لئے عبرت کی نشانی بنایا ــــ اور ہم نے ظالموں کے لئے دردناک سزا تیار کر رکھی ہے ــــ وہ جہنم کی سزا ہے، سورۃ المؤمن (آیت ۴۵و۴۶) میں ہے: ﴿وَحَاقَ بِآلِ فِرْعَوْنَ سُوْءُ الْعَذَابِ، النَّارُ: يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا، وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ: أَدْخِلُوْا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ﴾: اور (غرقاب ہونے کے بعد) فرعون والوں کو موذی عذاب نے گھیر لیا، وہ آگ ہے، جس پر وہ صبح وشام پیش کئے جاتے ہیں، اور جس دن قیامت برپا ہوگی: (فرشتوں کو حکم ہوگا:) ٹھونسو فرعونیوں کو سخت عذاب میں!

دیگر متعدد واقعات: ــــ اور عاد وثمود کا، اور کنویں والوں کا، اور ان کے درمیان کی بہت سی قوموں کا ذکر کیجئے

—— عاد: یعنی ہود علیہ السلام کی قوم، ثمود یعنی صالح علیہ السلام کی قوم، اور کنویں والے: معلوم نہیں کونسی قوم ہے، اور ان کے درمیان: یعنی ہر دو قوموں کے درمیان، مثلاً قوم نوح اور عاد کے درمیان، اور عاد اور ثمود کے درمیان بھی امتیں ہلاک ہوئی ہیں —— اور ہم نے سب کے لئے مؤثر مضامین بیان کئے تھے —— یعنی کسی قوم کو بے خبری میں نہیں پکڑا، ہر قوم کے پاس مصلحین بھیجے، انھوں نے ہر طرح سمجھایا، دلنشین انداز سے —— اور ہم نے سب کو بالکل ہی تباہ کردیا —— یعنی جب انھوں نے رسولوں کی باتوں پر کان نہ دھرا تو سب کا تختہ الٹ دیا۔

آخری واقعہ: —— اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ وہ (مکہ والے) اس بستی سے گذرے ہیں جس پر بری بارش برسائی گئی! —— یعنی قوم لوطؑ کی بستیاں، جن کے پاس سے مکہ والے ملک شام کے سفر میں گذرتے تھے، اب وہاں بحرمیت ہے —— تو کیا ان لوگوں نے ان بستیوں کو نہیں دیکھا! —— یعنی کیا ان کے کھنڈرات کو عبرت کی نگاہ سے نہیں دیکھا! —— بلکہ یہ لوگ مرکر زندہ ہونے سے ڈرتے نہیں! —— یعنی عبرت کہاں سے پکڑتے، جب ان کے نزدیک یہ احتمال ہی نہیں کہ مرنے کے بعد پھر زندہ ہونا ہے، اور بارگاہ خداوندی میں حاضر ہونا ہے۔

عبرت خیز واقعات سے عبرت وہی حاصل کرتا ہے جس کے دل میں تھوڑا بہت ڈر ہوتا ہے، اور انجام کی طرف سے بالکل غافل نہیں ہوتا

وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ﴿۴۱﴾ اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَآ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ؕ وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾ اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ﴿۴۳﴾ اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ؕ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۴۴﴾ ع

وَاِذَا	اور جب	اِلَّا	مگر	بَعَثَ	بھیجا
رَاَوْكَ	دیکھتے ہیں وہ آپ کو	هُزُوًا (۱)	مسخرا	اللّٰهُ	اللہ نے
اِنْ	نہیں	اَهٰذَا	کیا یہ ہے	رَسُوْلًا	رسول بنا کر
يَتَّخِذُوْنَكَ	بناتے وہ آپ کو	الَّذِيْ	جس کو	اِنْ	بے شک شان یہ ہے

(۱) ھزواً: مصدر باب فتح، بمعنی اسم مفعول: مسخرا، جس کا مذاق اڑایا جائے۔

كَادَ[1]	قریب تھا وہ	اَضَلُّ	زیادہ گمراہ ہے	اَنَّ	کہ
لَيُضِلُّنَا	کہ بچلا دیتا ہم کو	سَبِيْلًا	راستے کے اعتبار سے	اَكْثَرَهُمْ	ان کے اکثر
عَنْ اٰلِهَتِنَا	ہمارے خداؤں سے	اَرَءَيْتَ	کیا دیکھا آپؐ نے	يَسْمَعُوْنَ	سنتے ہیں
لَوْلَآ	اگر نہ ہوتی	مَنِ	جس نے	اَوْ يَعْقِلُوْنَ	یا سمجھتے ہیں
اَنْ	یہ بات کہ	اتَّخَذَ	بنایا	اِنْ	نہیں
صَبَرْنَا	صبر کیا ہم نے	اِلٰهَهٗ[2]	اپنا خدا	هُمْ	وہ
عَلَيْهَا	ان پر	هَوٰىهُ	اپنی خواہش کو	اِلَّا	مگر
وَسَوْفَ	اور جلد	اَفَاَنْتَ	کیا پس آپؐ	كَالْاَنْعَامِ	چوپایوں کی طرح
يَعْلَمُوْنَ	جانیں گے وہ	تَكُوْنُ	ہونگے	بَلْ	بلکہ
حِيْنَ	جب	عَلَيْهِ	اس کے	هُمْ	وہ
يَرَوْنَ	دیکھیں گے وہ	وَكِيْلًا	کارساز	اَضَلُّ	زیادہ گمراہ ہیں
الْعَذَابَ	عذاب کو	اَمْ	یا	سَبِيْلًا	راستے کے اعتبار سے
مَنْ	کون	تَحْسَبُ	گمان کرتے ہیں آپ	۞	۞

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ منکرین کا معاملہ

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ٹھٹھا: —— ماضی میں جن لوگوں نے رسولوں کی بات نہیں مانی ان کا انجام آپ پڑھ چکے، اب رسول اللہ ﷺ کے زمانہ کے منکرین کا حال پڑھیں —— اور جب وہ لوگ آپؐ کو دیکھتے ہیں تو آپؐ کا ٹھٹھا کرتے ہیں: کیا یہی ہے جس کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے! —— یعنی بجائے بات سننے کے رسول کا مشغلہ بناتے ہیں، استہزاءً کہتے ہیں: انہی صاحب کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے! کیا ساری خدائی میں یہی رسول بننے کے لائق رہ گئے تھے! —— بات یہ ہے کہ یہ شخص قریب تھا کہ ہمیں اپنے معبودوں سے ہٹادے، اگر ہم ان پر مضبوطی سے نہ جمتے! —— یعنی ہاں یہ بات ضرور ہے کہ ان کی باتیں جادو ہیں، تقریر ایسی کرتے ہیں کہ بڑے بڑوں کے قدم پھسل جائیں، قریب تھا کہ ان کی باتیں ہم کو ہمارے معبودوں سے برگشتہ کردیتیں، وہ تو ہم پکّے نکلے کہ برابر جمے رہے، اوران کی کسی بات کا اثر قبول

(۱) کاد: یہاں محل اثبات میں ہے، اس لئے فعل کی نفی کرتا ہے یعنی وہ گمراہ نہیں ہوئے۔ اور اِنْ: مخففہ ہے، ضمیر شان اس کا اسم ہے
(۲) اِلٰھہ: مفعول ثانی مقدم ہے۔

نہ کیا، ورنہ یہ ہم سب کو کبھی کا گمراہ کر کے چھوڑ دیتا!

جواب: ـــــ اور عنقریب ان کو معلوم ہو جائے گا، جب وہ عذاب کا معائنہ کریں گے، کہ کون راستے سے ہٹا ہوا ہے؟ ـــــ یعنی جب عذابِ الٰہی کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے تب ان کو پتہ چلے گا کہ واقع میں کون گمراہی پر تھا؟

ایک سوال: ـــــ بتاؤ جس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا بنالیا ہے: کیا آپؐ اس کی چارہ سازی کر سکتے ہیں؟ کیا آپ کا خیال ہے کہ ان میں سے اکثر سنتے یا سمجھتے ہیں؟ وہ لوگ بالکل چوپایوں جیسے ہیں، بلکہ ان سے بھی زیادہ بے راہ! ـــــ یعنی ہوا پرستوں کو ہدایت پر لے آنے کی کون ذمہ داری لے سکتا ہے، جن کا معبود خواہش ہو، جدھر خواہش لے گئی چلے گئے، ایسوں کو راہِ راست پر کون لاسکتا ہے! ایسے لوگ اندھے بہرے اور عقل کے کورے ہوتے ہیں، ان میں اور جانوروں میں صرف صورت کا فرق ہوتا ہے، بلکہ وہ لوگ چوپایوں سے بھی بدتر ہوتے ہیں، چوپایے احسان کو سمجھتے ہیں، اور مفید مضر کی تمیز رکھتے ہیں، مگر یہ بدبخت نہ خالق کو جانتے ہیں نہ رازق کو پہچانتے ہیں، نہ احسانات کو سمجھتے ہیں نہ بھلے برے کی تمیز رکھتے ہیں، ایسوں کی ہدایت کی ذمہ داری کون لے سکتا ہے؟

خواہشِ نفس بھی ایک بُت ہے جس کی بری طرح پیروی کی جاتی ہے!

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ﴿۴۵﴾ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا ﴿۴۶﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ﴿۴۷﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ﴿۴۸﴾ لِّنُحْيِۦَ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِيَّ كَثِيْرًا ﴿۴۹﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا ۖ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۵۰﴾

اَلَمْ تَرَ	کیا نہیں دیکھا تو نے	مَدَّ	دراز کیا	لَجَعَلَهٗ	ضرور بناتا اس کو
اِلٰى رَبِّكَ	تیرے رب کی طرف	الظِّلَّ	سایے کو	سَاكِنًا	ٹھہرا ہوا
كَيْفَ	کس طرح	وَلَوْ شَآءَ	اور اگر وہ چاہتا	ثُمَّ جَعَلْنَا	پھر بنایا ہم نے

الشَّمْسَ	سورج کو	النَّهَارَ	دن کو	وَّنُسْقِيَهٗ	اور پلاتے ہیں ہم وہ پانی
عَلَيْهِ	اس سایے کی	نُشُوْرًا	دوبارہ زندہ ہونا	مِمَّا	ان (مخلوقات) کو جن کو
دَلِيْلًا	علامت	وَهُوَ	اور وہی ہے	خَلَقْنَآ	پیدا کیا ہم نے
ثُمَّ	پھر	الَّذِيْٓ	جس نے	اَنْعَامًا	یعنی پالتو چوپایوں کو
قَبَضْنٰهُ	سمیٹا ہم نے اس کو	اَرْسَلَ	بھیجا	وَّاَنَاسِيَّ	اور انسانوں کو
اِلَيْنَا	اپنی طرف	الرِّيٰحَ	ہوا کو	كَثِيْرًا	بہت سے
قَبْضًا	سمیٹنا	بُشْرًا	خوش خبری دینے والا	وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق
يَّسِيْرًا	تھوڑا تھوڑا	بَيْنَ يَدَيْ	سامنے	صَرَّفْنٰهُ	تقسیم کیا ہم نے اس (پانی) کو
وَّهُوَ	اور وہی ہے	رَحْمَتِهٖ	اپنی رحمت (بارش) کے		
الَّذِيْ	جس نے	وَاَنْزَلْنَا	اور اتارا ہم نے	بَيْنَهُمْ	لوگوں کے درمیان
جَعَلَ	بنایا	مِنَ السَّمَآءِ	آسمان سے	لِيَذَّكَّرُوْا	تا کہ نصیحت پذیر ہوں وہ
لَكُمُ	تمہارے لئے	مَآءً	پانی	فَاَبٰٓى	پس انکار کیا
الَّيْلَ	رات کو	طَهُوْرًا	پاک کرنے والا	اَكْثَرُ	اکثر
لِبَاسًا	لباس (پہناوا)	لِّنُحْيِۦَ	تا کہ زندہ کریں ہم	النَّاسِ	لوگوں نے
وَّالنَّوْمَ	اور نیند کو	بِهٖ	اس کے ذریعہ	اِلَّا	مگر
سُبَاتًا	آرام کا ذریعہ	بَلْدَةً	علاقے	كُفُوْرًا	ناشکری کرنا
وَّجَعَلَ	اور بنایا	مَّيْتًا	ویران کو	❁	❁

آخرت کا بیان

گذشتہ آیات میں منکرین کو بار بار عذابِ آخرت کی آگہی دی گئی، اب آخرت کے بارے میں تین باتیں بیان کرتے ہیں:

۱- آخرت مشیتِ الٰہی کا فیصلہ ہے، اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کا نظام ایسا بنایا ہے کہ یہ پہلے زیادہ سے زیادہ پھیلے، پھر آہستہ آہستہ اس کو سمیٹ لیا جائے، اور دوسری دنیا (آخرت) شروع ہوجائے۔

۲- آخرت لوگوں کی ضرورت ہے، لوگ اس دنیا میں اچھا برا عمل کرتے ہیں، یہ عمل کسی دن ختم ہونا چاہئے، اور آرام کا

اور عمل کا پھل پانے کا وقت آنا چاہئے، اس کے لئے آخرت رکھی گئی ہے۔

۳-وقوع آخرت کا نمونہ پیش کیا ہے۔ ہر سال زمین ویران ہوجاتی ہے، پھر رحمت کی بارش برستی ہے تو مردہ زمین لہلہانے لگتی ہے اسی طرح یہ دنیا ختم ہوکر دوسری دنیا شروع ہوجائے گی۔

۱-آخرت مشیتِ الٰہی کا فیصلہ ہے

ارشادفرماتے ہیں: (اے مخاطب) کیا تو اپنے پروردگار کو دیکھتا نہیں: کیسے انھوں نے سایے کو دراز کیا؟ اور اگر وہ چاہتا تو اس کو ایک حالت پر ٹھہرا ہوا رکھتا! پھر ہم نے آفتاب کو سایے پر علامت بنایا، پھر ہم اس کو اپنی طرف سہج سہج سمیٹ لیتے ہیں!۔۔۔ صبح جب سورج نکلتا ہے تو ہر چیز کا سایہ مغرب کی جانب دراز ہوتا ہے، پھر جوں جوں سورج بلند ہوتا ہے سایہ گھٹنا شروع ہوتا ہے، یہاں تک کہ دوپہر کے وقت معدوم یا کالعدم ہوجاتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس عالم کا نظام بنایا ہے کہ یہ پہلے زیادہ سے زیادہ پھیلے، پھر اس کو آہستہ آہستہ سمیٹ لیا جائے، یہاں تک کہ اپنی جڑ میں آلگے، جڑ کائنات کی اللہ تعالیٰ ہیں (موضح القرآن)۔۔۔ اور اگر وہ چاہتا تو اس کو ایک حالت پر ٹھہرا ہوا رکھتا: یعنی اگر اللہ کا فیصلہ ہوتا کہ یہی دنیا مسلسل چلے تو اللہ تعالیٰ ایسا کرسکتے تھے، مگر ان کی مشیت کا فیصلہ دوسرا ہوا، اور وہ جو چاہیں کرتے ہیں، انھوں نے فیصلہ فرمایا ہے کہ ایک دن یہ دنیا ختم ہوجائے، پھر دوسری دنیا قائم ہو۔

اور فرمایا: پھر ہم نے آفتاب کو سایہ پر علامت بنایا: یہ ایک امکانی سوال کا جواب ہے۔کوئی کہہ سکتا ہے کہ سایے کے بڑھنے گھٹنے کا تعلق سورج سے ہے، جب وہ نیچے ہوتا ہے تو سایہ لمبا ہوتا ہے، پھر جب وہ چڑھنا شروع ہوتا ہے تو سایہ گھٹنے لگتا ہے، پس اللہ کی مشیت سے اس کا کیا تعلق؟ اس کا جواب دیا کہ یہ سایہ کے بڑھنے گھٹنے کا سبب ظاہری ہے، اور یہ عالم اسباب ہے، یہاں ہر چیز کا سبب ہے۔مگر حقیقت میں مؤثر اللہ کا فیصلہ ہے، اللہ تعالیٰ ہی مسبب الاسباب ہیں۔۔۔ بلکہ اس عالم میں سبب ہی نہیں ہوتا، سبب در سبب بھی ہوتا ہے، جیسے حدیث میں ہے: إن شِدَّةَ الحر من فَيْحِ جهنم: گرمی کی شدت جہنم کے پھیلاؤ سے ہے، حالانکہ بظاہر گرمی کی شدت کا تعلق سورج سے ہے، مگر یہ سبب ظاہری ہے، اس کے پیچھے دوسرا سبب ظاہری ہے، اور وہ جہنم ہے۔جہنم کا اثر سورج کے روزن سے دنیا تک پہنچتا ہے، پھر آخری سبب اللہ کی صفتِ غضب ہے، جہنم اسی کا مظہر (پرتو) ہے۔

۲-آخرت لوگوں کی ضرورت ہے

ارشادفرماتے ہیں: اور وہ (اللہ) ایسا ہے جس نے تمہارے لئے رات کو لباس اور نیند کو راحت کی چیز بنایا، اور دن کو دوبارہ زندہ ہونے کا وقت بنایا۔۔۔ یعنی رات کی تاریکی چادر کی طرح سب پر محیط ہوجاتی ہے، جس میں لوگ کاروبار

چھوڑ کر آرام کرتے ہیں، پھر دن کا اجالا ہوتا ہے تو لوگ نیند سے اٹھ کر اِدھر اُدھر چلنے پھرنے لگ جاتے ہیں، اسی طرح موت کی نیند کے بعد قیامت کی صبح آئے گی (فوائد شبیری)

اس کی تفصیل یہ ہے کہ یہ دنیا دار العمل ہے۔ یہاں عمل کا صلہ نہیں ہے، نہ اچھے عمل کا نہ برے عمل کا۔ پس اگر یہی دنیا ہمیشہ چلتی رہے، اور آدمی نہ مرے تو اس کی مدتِ عمل نا قابل حد تک دراز ہو جائے، اور صلہ سے محرومی رہے۔ اور اگر انسان مر کر ختم ہو جائے تو حسن وقبیح کا فرق ظاہر نہ ہو۔ اس لئے ضروری ہے کہ جس طرح آدمی دن میں کام سے تھک کر چور ہو جاتا ہے تو رات آجاتی ہے، اور وہ ہر شخص کو اپنی تاریکی میں چھپا لیتی ہے، اور ہر شخص تنہا ہو کر اور کام چھوڑ کر سو جاتا ہے، پھر اگلے دن میں تازہ دم ہو کر اٹھ کھڑا ہوتا ہے، اسی طرح اس دنیا کے بعد دوسری دنیا آئے گی، تاکہ انسان اپنے عمل کا صلہ پائے، پس آخرت انسانوں کی ایک ضرورت ہے، اسے آنا ہی چاہئے۔

۳- وقوعِ آخرت کا نمونہ

ارشاد فرماتے ہیں: اور وہ (اللہ) ایسا ہے جو بارانِ رحمت سے پہلے خوش خبری دینے والی ہوائیں بھیجتا ہے، اور ہم آسمان سے پاک کرنے والا پانی برساتے ہیں، تاکہ اس کے ذریعہ مردہ علاقہ کو زندہ کریں، اور ہم وہ پانی اپنی مخلوقات میں سے بہت سے پالتو چوپایوں اور انسانوں کو پلاتے ہیں، اور ہم وہ پانی لوگوں کے درمیان تقسیم کرتے ہیں، تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں، مگر اکثر لوگ بغیر ناشکری کئے نہیں رہتے! —— یعنی اول برساتی ہوائیں بارش کی خوش خبری لاتی ہیں، پھر آسمان کی طرف سے پانی برستا ہے، جو خود پاک اور دوسروں کو پاک کرنے والا ہے۔ پانی پڑتے ہی مردہ زمینوں میں جان پڑ جاتی ہے۔ کھیتیاں لہلہانے لگتی ہیں، جہاں خاک اُڑ رہی تھی وہاں سبزہ زار بن جاتا ہے، اور کتنے جانور اور آدمی بارش کا پانی پی کر سیراب ہوتے ہیں، اسی طرح قیامت کے دن ایک غیبی بارش کے ذریعہ مُردہ جسموں کو جو خاک میں مل چکے تھے زندہ کر دیا جائے گا (فوائد عثمانی)

تفسیر:

۱- خوش خبری دینے والی ہوائیں: مان سون کہلاتی ہیں، جو بارش لاتی ہیں۔

۲- پاک کرنے والا پانی: یعنی جس طرح وہ خود پاک ہے، دوسری ہر قسم کی نجاست ظاہری ومعنوی کو اس سے دور کیا جا سکتا ہے۔

۳- بہت سے چوپایوں اور انسانوں کو: یعنی جنگل کے رہنے والوں کو جن کا گذارہ عموماً بارش کے پانی پر ہوتا ہے، بستیوں میں رہنے والے تو نہروں کے کنارے پر اور کنوؤں کے قریب آباد ہوتے ہیں، اس لئے وہ بارش کے منتظر نہیں

رہتے (معارف)

۴- ہم وہ پانی لوگوں کے درمیان تقسیم کرتے ہیں: پس یہ جو لوگوں میں شہرت ہوتی ہے کہ اس سال بارش زیادہ ہے، اس سال کم، یہ حقیقت کے اعتبار سے صحیح نہیں، بارش کا پانی تو ہر سال اللہ کی طرف سے یکساں نازل ہوتا ہے، ہاں یہ ہوتا ہے کہ کسی جگہ زیادہ کردیا کسی جگہ کم، کمی کر کے لوگوں کو سزا دینا اور متنبہ کرنا مقصود ہوتا ہے، اور زیادتی بھی کبھی عذاب بن جاتی ہے۔ پس یہی پانی جو خالص رحمت ہے کسی کی ناشکری اور کسی کی شکر گذاری کا سبب بن جاتی ہے۔ اور لوگوں میں زیادہ تر ناشکری کرنے والے ہیں، وہ بارش کی کمی بیشی کے ظاہری اسباب سوچ کر بیٹھ جاتے ہیں، اور اللہ کی مصلحتوں کی طرف ان کی نظر نہیں جاتی۔

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِیْ كُلِّ قَرْیَةٍ نَّذِیْرًا ﴿۵۱﴾ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِیْرًا ﴿۵۲﴾ وَهُوَ الَّذِیْ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَیْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۵۳﴾ وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ؕ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِیْرًا ﴿۵۴﴾ وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُهُمْ وَلَا یَضُرُّهُمْ ؕ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰی رَبِّهٖ ظَهِیْرًا ﴿۵۵﴾

وَلَوْ	اور اگر	فَلَا تُطِعِ	پس نہ کہا مانیں آپؐ	كَبِیْرًا	بڑے زور کا
شِئْنَا	چاہتے ہم	الْكٰفِرِیْنَ	انکار کرنے والوں کا	وَهُوَ	اور وہی ہے
لَبَعَثْنَا	(تو) ضرور بھیجتے ہم	وَجَاهِدْهُمْ (۱)	اور مقابلہ کریں آپؐ ان کا	الَّذِیْ	جس نے
فِیْ كُلِّ قَرْیَةٍ	ہر بستی میں	بِهٖ	قرآن کے ذریعہ	مَرَجَ (۲)	ملایا
نَّذِیْرًا	ڈرانے والا	جِهَادًا	مقابلہ کرنا	الْبَحْرَیْنِ	دو دریاؤں کو

(۱) جاهد في الأمر مجاهدة و جهادًا: پوری طاقت لگانا، پوری کوشش کرنا، جاهد العدوَّ: دشمن سے لڑنا...... بہ کی ضمیر قرآن کی طرف عائد ہے۔ جاننا چاہئے کہ اللہ اور قرآن کی طرف ضمیر لوٹانے کے لئے مرجع کا پہلے مذکور ہونا ضروری نہیں، یہ دونوں قاری کے ذہن میں ہر وقت رہتے ہیں...... اور بہ کے قرینہ سے یہاں جہاد عام معنی میں ہے، اور جب اس کے ساتھ فی سبیل اللہ لفظاً یا تقدیراً جڑتے ہیں تو جہاد کے خاص معنی ہوتے ہیں...... اور جب صرف اللہ یا اللہ کی ضمیر آتی ہے تو بھی عام معنی مراد ہوتے ہیں۔

(۲) مرج (ن) مَرْجًا: ملانا، ایک دوسرے سے جوڑنا...... البحر: سمندر، دریا...... أجَّ (ن) الماءُ: پانی کا کھارا ہونا۔

هٰذَا	یہ	وَهُوَ	اور وہی ہے	وَ يَعْبُدُوْنَ	اور پوجتے ہیں وہ
عَذْبٌ	میٹھا	الَّذِيْ	جس نے	مِنْ دُوْنِ	ورے
فُرَاتٌ	پیاس بجھانے والا ہے	خَلَقَ	پیدا کیا	اللّٰهِ	اللہ کے
وَّهٰذَا	اور یہ	مِنَ الْمَآءِ	پانی سے	مَا	اس کو جو
مِلْحٌ	کھارا	بَشَرًا	انسان کو	لَا يَنْفَعُهُمْ	نہیں نفع پہنچاتا ان کو
اُجَاجٌ	کڑوا ہے	فَجَعَلَهٗ	پس بنایا اس کو	وَلَا يَضُرُّهُمْ	اور نہ نقصان پہنچاتا انکو
وَجَعَلَ	اور بنایا	نَسَبًا	ناتا	وَكَانَ	اور ہے
بَيْنَهُمَا	دونوں کے درمیان	وَّصِهْرًا	اور سسرال	الْكَافِرُ	انکار کرنے والا
بَرْزَخًا	پردہ	وَكَانَ	اور ہے	عَلٰی رَبِّهٖ	اپنے رب کے خلاف
وَّحِجْرًا	اور روک	رَبُّكَ	آپ کا رب	ظَهِيْرًا	مددگار
مَّحْجُوْرًا	کھڑی کی ہوئی	قَدِيْرًا	پوری قدرت والا	❁	❁

نبوت کے عالم گیر ہونے پر اعتراض کا جواب

کفار کا ایک اعتراض نبوت کے عام ہونے پر بھی تھا۔ آخری پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی نبوت سارے جہاں کے لئے ہے۔ دنیا میں نبوت کے جتنے سلسلے چل رہے تھے سب کو آپؐ کی ذات میں سمیٹ لیا گیا ہے۔ کفار اس پر بھی اعتراض کرتے تھے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ سارے عالم کے لئے ایک رسول ہو، ممالک دور دراز ہیں، قومیں اور زبانیں مختلف ہیں، لوگ امی اور عجمی میں بٹے ہوئے ہیں، پھر سب کے لئے ایک رسول کیسے ہوسکتا ہے؟ —— ان آیاتِ پاک میں اس کا جواب دیا ہے، اور دو مختلف چیزوں کو ملا کر ایک کرنے کی دو مثالیں دی ہیں: ایک: اللہ تعالیٰ نے دو مختلف دریاؤں کو ملا کر ایک ساتھ بہایا ہے۔ دوم: دو مختلف خاندانوں کو نکاح کے ذریعہ ملا کر ایک کر دیا ہے —— اسی طرح نبوت کے مختلف سلسلوں کو ایک ذات میں جمع کر دیا ہے، کیونکہ اضداد کو جمع کرنا اللہ کی قدرت میں ہے —— لہٰذا آپؐ کفار کے اس اعتراض کی طرف مطلق التفات نہ کریں، آپ قرآن کے ذریعہ اپنا کام زور وشور سے جاری رکھیں۔

ارشاد فرماتے ہیں: —— اور اگر ہم چاہتے تو ہر (بڑی) بستی میں ڈرانے والا بھیج دیتے —— یعنی ہر علاقے اور ہر بڑی بستی کے لئے علاحدہ نبی بھیجنا اللہ تعالیٰ کے لئے کچھ بھی مشکل نہیں تھا، مگر ان کو منظور ہی یہ ہوا کہ اب آخر میں سارے جہاں کے لئے اکیلے محمد رسول اللہ ﷺ کو نبی بنا کر بھیجے (فوائد) —— پس آپؐ منکرین کا کہنا نہ مانیں —— اپنی

نبوت کو خاص نہ سمجھیں، اور کفار کی نکتہ چینی کی طرف التفات نہ کریں —— اور آپ قرآن کے ذریعہ ان کا بڑے زور سے مقابلہ کریں —— یعنی اپنا کام پوری قوت اور جوش سے انجام دیتے رہیں، اور قرآنِ کریم کے ذریعہ منکرین کا ڈٹ کر مقابلہ کریں، اللہ تعالیٰ آپ کی مدد کریں گے، اور کامیاب فرمائیں گے۔

اور دو مختلف چیزوں کو ملانا اللہ کی قدرت میں ہے، اس کی مثال ملاحظہ فرمائیں:

پہلی مثال: —— اور (اللہ) وہی ہے جس نے دو دریاؤں کو ملایا: یہ شیریں تسکین بخش ہے، اور یہ شور تلخ ہے! اور اللہ نے دونوں کے درمیان آڑ اور روک کھڑی کی ہے —— سمندر میں روزانہ مدّ و جزر ہوتا ہے، جب مدّ (پانی کا چڑھاؤ) ہوتا ہے تو سمندر کا کھارا پانی ساتھ لگے ہوئے دریاؤں پر چڑھ آتا ہے، مگر کڑوا پانی میٹھے پانی سے علاحدہ رہتا ہے، پھر جزر کے وقت اوپر سے کھارا پانی اتر جاتا ہے، اور ندی کا میٹھا پانی جوں کا توں باقی رہ جاتا ہے —— میٹھا پانی وزنی ہوتا ہے، اور کڑوا ہلکا، اس لئے دونوں پانی ملتے نہیں۔ جیسے پانی میں تیل ڈالا جائے تو تیل پانی میں نہیں ملے گا، کیونکہ تیل ہلکا ہوتا ہے، وہ پانی کے اوپر آ جائے گا۔ یہی ہلکا بھاری ہونا دونوں پانیوں کے درمیان آڑ اور روک ہے۔

فائدہ: اور سمندر میں جو مختلف رنگ کے پانی نظر آتے ہیں، وہ ان کے نیچے کی مٹی کا رنگ ہوتا ہے جو پانی میں جھلکتا ہے، اس کا اس آیت سے کچھ تعلق نہیں۔

دوسری مثال: —— اور اللہ وہی ہے جس نے پانی سے انسان کو پیدا کیا، پھر اس کو ناتا اور سسرال بنایا —— یعنی اللہ تعالیٰ نے پانی سے انسان کو پیدا کیا: اس پانی سے وہ پانی بھی مراد ہوسکتا ہے جس کا ذکر سورۃ الانبیاء (آیت ۳۰) میں ہے: ﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ﴾: اور ہم نے (بارش کے) پانی سے ہر جاندار چیز کو بنایا، اور جس کا ذکر ابھی سورۃ النور (آیت ۴۵) میں گذرا ہے: ﴿وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّاءٍ﴾: اور اللہ نے ہر چلنے والے جاندار کو پانی سے پیدا کیا —— اور وہ پانی بھی مراد ہوسکتا ہے جس کا ذکر سورۃ السجدۃ (آیت ۸) میں ہے: ﴿مِنْ مَاءٍ مَهِيْنٍ﴾ یعنی انسان کو مٹی سے پیدا کیا، پھر اس کی نسل کو ایک بے قدر پانی (نطفہ) سے بنایا —— بہر حال اس کی قطعی تعیین ضروری نہیں، کیونکہ اس پر استدلال موقوف نہیں۔

نسب: ناتا یعنی ددھیال اور ننھیال۔ اور صِہر: سسرال: خواہ مرد کا ہو یا عورت کا —— اللہ تعالیٰ دو مختلف خاندانوں کو پہلے نکاح کے ذریعہ ملاتے ہیں، اور زوجین کے لئے سسرال بناتے ہیں، پھر ان کی اولاد کے لئے اس رشتہ کو نسب (ناتا) میں بدل دیتے ہیں، وہی سسرال اولاد کا ننھیال بن جاتا ہے، اس طرح اللہ تعالیٰ دو مختلف خاندانوں کو ملا کر ایک خاندان کر دیتے ہیں —— اور آپ کا پروردگار پوری قدرت والا ہے —— وہ دو بالکل مختلف چیزوں کو ملا کر شیر وشکر کر دیتا ہے، پس اس کے لئے کیا مشکل ہے کہ دور دراز کے فاصلوں کو سمیٹ دے، اور عربی اور عجمی کی تفریق مٹا دے، اور سب کو ایک

نبی آخر الزماں کے جھنڈے تلے جمع کر دے؟ بیشک اس کے لئے یہ کچھ بھی مشکل نہیں۔

مگر انسان کا عجیب حال ہے، وہ رب قدیر کو چھوڑ کر عاجز مخلوق کو خدا ماننے لگا، وہ اپنے پروردگار سے منہ موڑ کر شیطان کی فوج میں جا شامل ہوا، تاکہ لوگوں کو گمراہ کرنے میں اس کی مدد کرے، اور مخلوق کو خالق سے برگشتہ کرنے میں اس کا ہاتھ بٹائے۔ ارشاد فرماتے ہیں: —— اور وہ لوگ اللہ سے درجہ میں کم ایسے معبودوں کو پوجتے ہیں جو نہ ان کو نفع پہنچاتے ہیں، اور نہ ان کو نقصان پہنچاتے ہیں، اور کافر اپنے پروردگار کے خلاف (شیطان کا) مددگار ہے! —— ظہیر کے اصلی معنی: مددگار کے ہیں اور علی ربہ میں علی ضرر (مخالفت) کے لئے ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ﴿٥٦﴾ قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿٥٧﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ۭ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرَا ﴿٥٨﴾ ښ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ڔ اَلرَّحْمٰنُ فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِيْرًا ﴿٥٩﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ ۤ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ﴿٦٠﴾ۧ

وَمَآ	اور نہیں	عَلَيْهِ	اس (تبلیغ دین) پر	وَتَوَكَّلْ	اور بھروسہ کیجئے
اَرْسَلْنٰكَ	بھیجا ہم نے آپ کو	مِنْ اَجْرٍ	کوئی معاوضہ	عَلَى الْحَيِّ	اس زندہ پر
اِلَّا	مگر	اِلَّا (۱)	لیکن	الَّذِيْ	جو
مُبَشِّرًا	خوشخبری سنانے والا	مَنْ شَآءَ	جو چاہے	لَا يَمُوْتُ	نہیں مرے گا
وَّ نَذِيْرًا	اور ڈرانے والا بنا کر	اَنْ	کہ	وَسَبِّحْ	اور پاکی بیان کیجئے
قُلْ	آپ کہیں	يَّتَّخِذَ	بنائے	بِحَمْدِهٖ	اسکی تعریف کے ساتھ
مَآ	نہیں	اِلٰى رَبِّهٖ	اپنے رب کی طرف	وَكَفٰى	اور کافی ہے
اَسْـَٔلُكُمْ	مانگتا میں تم سے	سَبِيْلًا	راہ	بِهٖ (۲)	وہ

(۱) اِلَّا: بمعنی لکن برائے استدراک ہے۔ سوال: جب کوئی معاوضہ مطلوب نہیں، تو نبی ﷺ لوگوں پر محنت کیوں کر رہے ہیں؟ جواب: اللہ کی راہ اپنانے والے بندے مطلوب ہیں۔ پس مستثنیٰ: مستثنیٰ منہ کی جنس سے نہیں، اس لئے استثناء منقطع ہے (۲) بہ: کفی کا فاعل ہے، اور فاعل پر باء زائد ہے۔

بِذُنُوْبِ	گناہوں سے	اسْتَوٰى	درست ہوا وہ	قَالُوْا	(تو) جواب دیا انھوں نے
عِبَادِهٖ	اپنے بندوں کے	عَلَى الْعَرْشِ	تختِ شاہی پر	وَمَا	اور کیا ہے
خَبِيْرًا	باخبر ہونے کے اعتبار سے	اَلرَّحْمٰنُ (۲)	(وہی) رحمان ہے	الرَّحْمٰنُ	رحمان؟
الَّذِیْ	جس نے	فَسْـَٔلْ	پس پوچھ تو	اَ	کیا
خَلَقَ	پیدا کیا	بِهٖ	اس کے بارے میں	نَسْجُدُ	سجدہ کریں ہم
السَّمٰوٰتِ	آسمانوں	خَبِيْرًا	کسی باخبر سے	لِمَا	جس کا
وَالْاَرْضَ	اور زمین کو	وَاِذَا	اور جب	تَاْمُرُنَا	حکم دے تو ہمیں
وَمَا بَيْنَهُمَا	اور دونوں کے درمیانی چیزوں کو	قِيْلَ	کہا گیا	وَزَادَهُمْ	اور بڑھایا اس (کہنے) نے ان کو
		لَهُمُ	ان سے		
فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ	چھ دنوں میں	اسْجُدُوْا	سجدہ کرو	نُفُوْرًا	نفرت میں
ثُمَّ (۱)	پھر	لِلرَّحْمٰنِ	رحمان کو	۞	۞

رسالت وتوحید کا بیان

اب سورت ختم ہونے والی ہے، اس لئے آخر میں توحید ورسالت کا بیان ہے، کیونکہ سورت کا عموی مضمون یہی ہے، اور پہلے رسالت کا بیان ہے، پھر توحید کا، تاکہ وہ حسنِ ختام بنے۔

رسالت کا ذکر: ـــــ اور ہم نے آپ کو صرف اس لئے بھیجا ہے کہ خوش خبری سنائیں اور ڈرائیں ـــــ مسئلۂ رسالت پر جو اعتراضات کئے گئے تھے ان کے شافی جواب دینے کے بعد اب ارشاد پاک ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خدا کی وفاداری پر بشارتیں سنانے کے لئے، اور بے وفاؤں کو نتائج اعمال سے آگاہ کرنے ہی کے لئے بھیجا ہے، آگے کوئی مانے نہ مانے آپ کی ذمہ داری نہیں ـــــ آپ کہیں: میں تم سے اس تبلیغ دین پر کوئی معاوضہ نہیں مانگتا، ہاں جو چاہے کہ اپنے رب کا راستہ اپنائے ـــــ یعنی کوئی نہیں مانے گا تو آپ کا کیا نقصان ہوگا؟ ہاں جو مانے گا اس کا فائدہ ہوگا۔

اور آپ اُس زندہ ہستی پر بھروسہ کریں جو کبھی نہیں مرے گی ـــــ یعنی اس پر بھروسہ کر کے آپ اپنا کام جاری رکھیں۔

(۱) ثُم: محض ترتیب ذکری کے لئے ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ پہلے سے عرش پر مستوی تھے (۲) الرحمن: ھو مبتدا محذوف کی خبر ہے، اور ضمیر کا مرجع مستوی علی العرش ہے۔

اور یہ اندیشہ نہ کریں کہ جب اللہ نہیں رہے گا تو میری مدد کون کرے گا، وہ حیّ لایموت ہیں، وہ سدا باقی رہنے والے ہیں، وہ ہمیشہ آپ کی مدد کریں گے۔

اور نقائص سے ان کی پاکی بیان کریں، اور خوبیوں کے ساتھ ان کو متصف کریں، اور وہ اپنے بندوں کے گناہوں سے پوری طرح باخبر ہیں —— یعنی ہمیشہ تسبیح وتحمید میں لگے رہیں، اور حمد وثنا کا نغمہ گائیں، وہ اپنے بندوں کے سب احوال سے پوری طرح باخبر ہیں، وہ آپ کو آپ کے کاموں کی جزائے خیر عطا فرمائیں گے —— وہ اپنے بندوں کے گناہوں سے: یہ آدھا مضمون ہے، اس کا مقابل آدھا مضمون محذوف ہے، اور وہی درحقیقت مقصود ہے۔ اور یہ آدھا مضمون اس لئے ذکر کیا ہے کہ ناہنجار بندے ہوش میں آئیں۔

توحید کا بیان: —— اللہ وہ ہستی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو، اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کو چھ دن میں پیدا کیا، پھر وہ تختِ شاہی پر جلوہ افروز ہوا، وہی رحمان ہے، پس تو اس کی شان کسی جاننے والے سے پوچھ! —— یعنی اس کائنات کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے، کوئی دوسرا اس کی تخلیق میں شریک وسہیم نہیں، اور اللہ نے یہ کائنات چھ ادوار میں پیدا کی ہے۔ کیونکہ آسمان وزمین سے پہلے سورج نہیں تھا، پس آج کے معروف دن بھی اس وقت نہیں تھے، پھر کائنات کا کنٹرول انھوں نے خود سنبھالا ہے، وہی عرش اعظم پر جلوہ افروز ہیں، انھوں نے اپنی کائنات کے حصے بنا کر الگ الگ خداؤں کو نہیں سونپے، پھر دوسرا کوئی کہاں سے معبود بن جائے گا؟ اسی ہستی کا نام رحمان ہے یعنی نہایت مہربان ذات! اس کو اپنی مخلوق سے پیار ہے، وہ ودود (پیار کرنے والے) ہیں، اس دنیا میں انھوں نے نافرمانوں کی بھی روزی روٹی بند نہیں کی، اس مہربان ذات کے احوال جاننا چاہے تو کسی باخبر کی طرف رجوع کر، وہ باخبر حبیب کبریاء ہیں، ﷺ! ان کی مانگی ہوئی دعاؤں کو پڑھو، جتنا انھوں نے خدا کے شؤن کو سمجھا ہے، کسی نے نہیں سمجھا۔

اور جب لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ رحمان کو سجدہ کرو، تو وہ کہتے ہیں: رحمان کیا چیز ہے؟ کیا ہم اس کو سجدہ کریں جس کو تم سجدہ کرنے کے لئے کہو؟ اور اس کہنے نے ان کو نفرت میں بڑھایا! —— یہ آیت پڑھ کر سجدۂ تلاوت واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سجدہ کرنے کی توفیق عطا فرمائیں —— یہ شیوہ تو کفار کا ہے: جب ان سے کہا گیا کہ رحمان کے سامنے سجدہ ریز ہوجاؤ، اس کی عظمت کے سامنے جھک جاؤ تو وہ کہنے لگے رحمان کیا چیز ہے؟ سبحان اللہ! و العظَمَة لله! اللہ تعالیٰ محض 'چیز' ہوگئے، اور مزید کہا: کیا ہم اس کو سجدہ کریں جس کو تم سجدہ کرنے کے لئے کہو؟ بس تم نے ایک نام لے لیا اور ہم فوراً سجدہ میں گر پڑے! یہ کیسے ممکن ہے۔ غرض جس قدر انہیں رحمان کی اطاعت وانقیاد کی طرف توجہ دلائی گی اسی قدر وہ زیادہ بدکنے اور بھاگنے لگے!

فائدہ: صفتِ رحمان کی تخصیص کے ساتھ سجدہ کرنے کے لئے اس لئے کہا گیا کہ کفار بھی دنیا میں اللہ کی رحمت سے حصہ پا رہے ہیں، رحمان میں رحیم سے زیادہ حروف ہیں، اس لئے اس کے معنی بھی زائد ہیں۔ رحمان: مؤمنین و کفار کے لئے عام ہے، اس لئے دنیا کی رحمت مراد ہے اور رحیم مؤمنین کے ساتھ خاص ہے، اس لئے آخرت کی رحمت مراد ہے۔

غرض: نعمت کی شکر گذاری کا تقاضا یہ تھا کہ وہ فوراً منعم کے شکر کے لئے تیار ہو جاتے، سجدہ کرتے اور اطاعت کا اظہار کرتے، مگر وہ ناشکرے ثابت ہوئے اور دور بھاگے!

تَبٰرَكَ الَّذِىْ جَعَلَ فِى السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّ قَمَرًا مُّنِيْرًا ۝٦١ وَهُوَ الَّذِىْ جَعَلَ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ۝٦٢

تَبٰرَكَ	عالی شان ہے	سِرٰجًا[2]	چراغ	وَالنَّهَارَ	اور دن کو
الَّذِىْ	وہ ذات جس نے	وَّ قَمَرًا	اور چاند	خِلْفَةً	یکے بعد دیگرے آنے والا
جَعَلَ	بنائے	مُّنِيْرًا	منور کرنے والا	لِّمَنْ	اس کے لئے جو
فِى السَّمَآءِ	آسمان میں	وَهُوَ	اور وہی ہے	اَرَادَ	چاہتا ہے
بُرُوْجًا[1]	بڑے بڑے ستارے	الَّذِىْ	جس نے	اَنْ يَّذَّكَّرَ[3]	کہ یاد کرے
وَّجَعَلَ	اور بنایا	جَعَلَ	بنایا	اَوْ اَرَادَ	یا چاہتا ہے
فِيْهَا	اس میں	الَّيْلَ	رات کو	شُكُوْرًا	کہ شکر بجالائے

رحمٰن کے بندوں کے احوال کی تمہید

گذشتہ آیت میں ان لوگوں کا ذکر تھا جن سے کہا گیا تھا کہ رحمان کو سجدہ کرو اور ان کی اطاعت کرو جس کا انھوں نے ٹکا سا جواب دیا کہ رحمٰن کون ہے، جس کا ہم سے سجدہ کراتا ہے؟! —— اب سورت کے آخر میں ان کو رحمان کے بندوں کے احوال سنائے جاتے ہیں کہ دیکھ یہ ہیں رحمان کو سجدہ کرنے والے بندے! مگر اس کی تمہید میں یہ دو آیتیں آئی ہیں:

پہلی آیت میں یہ مضمون ہے کہ رحمان کے سب بندے ایک درجہ کے نہیں، کوئی آسمانِ ہدایت کا آفتاب ہے، کوئی ماہتاب، اور کوئی بڑے ستارے ہیں، اور باقی عام تارے! جو ننگی آنکھوں سے نظر نہیں آتے، مگر ہیں وہ بھی تارے!

(۱) بروج: برج کی جمع ہے، بَرَجَ (ن) بُرُوْجًا: بلند و نمایاں ہونا۔ بڑے ستاروں کو برج اس لئے کہا ہے کہ وہ بلند اور نمایاں ہوتے ہیں (۲) سراج سے مراد آفتاب ہے، گرم ہونے کی وجہ سے اس کو چراغ کہا ہے (۴) یَذَّکَّر: اصل میں یتذکر تھا۔

اور دوسری آیت میں یہ مضمون ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رات کے بعد دن کو اور دن کے بعد رات کو آنے والا ایک مصلحت سے بنایا ہے، وہ مصلحت یہ ہے کہ اللہ کے جو بندے دن میں مشاغل کی وجہ سے اللہ کی عبادت نہ کرسکیں وہ رات میں اس کی تلافی کرلیں۔ اور جو رات میں نہ اٹھ سکیں وہ اپنا کام دن میں پورا کرلیں، اور جو دونوں میں عبادت کریں وہ اللہ کے شکر گذار بندے ہیں۔ آیت کی یہ تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کی ہے (درمنثور ۵:۷۵) اور حدیث میں ہے: ''جو شخص اپنے پورے ورد سے یا اس کے کچھ حصہ سے سو گیا، پھر اس نے وہ ورد فجر اور ظہر کے درمیان پڑھا تو اس کے لئے لکھا جائے گا گویا اس نے اس کو رات میں پڑھا'' (ترمذی حدیث ۵۸۶) یعنی رات میں عمل کرنے کی جو برکت ہے وہ حاصل ہو جائے گی۔

پہلی آیت: —— وہ ذات بڑی عالی شان ہے جس نے آسمان میں بڑے بڑے ستارے بنائے، اور اس آسمان میں ایک چراغ (آفتاب) اور نورانی چاند بنایا —— یہ آسمانِ دنیا کا ذکر ہے، اس پر آسمانِ ہدایت کو قیاس کیا جائے۔ آسمانِ دنیا میں سب سے بڑا چراغ آفتاب ہے، پھر نورانی چاند ہے، جو سورج سے روشنی حاصل کرکے ضیا پاشی کرتا ہے، پھر بڑے بڑے ستارے ہیں، جو ننگی آنکھ سے نظر آتے ہیں، ان کو دیکھنے کے لئے دوربین اور خوردبین کی ضرورت نہیں، ان کے بعد پھر بے حساب چھوٹے چھوٹے تارے ہیں، جو عام آنکھ سے نظر نہیں آتے، ان کا ذکر چھوڑ دیا ہے۔

اسی طرح آسمانِ ہدایت کے آفتاب: اللہ کے خاص بندے، محبوب رب العالمین، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں، سورۃ الاحزاب (آیت ۴۶) میں بھی آپؐ کے لئے یہ تعبیر ہے، آپؐ کو ﴿سِرَاجًا مُّنِیْرًا﴾ کہا گیا ہے، پھر آپؐ کے بعد گذشتہ انبیاء اور اکابر علماء و اولیاء ماہتاب ہیں، جن کی ضیا پاشی سے ایک دنیا فیض یاب ہوتی ہے، پھر عام علماء و صلحاء ہیں جو بڑے بڑے ستارے ہیں، جن سے ایک دنیا واقف ہے، پھر نیک مؤمنین کا درجہ ہے جن کو دنیا نہیں جانتی، مگر اللہ تعالیٰ جانتے ہیں، یہ چھوٹے چھوٹے تارے ہیں، ان کا ذکر چھوڑ دیا ہے تاکہ وہ آگے بڑھیں۔

اور آیت کا سبق یہ ہے کہ ہر مؤمن کو اللہ کی بندگی میں کمال پیدا کرکے آسمانِ ہدایت کا ستارہ بننے کی کوشش کرنی چاہئے اور ماہتابِ ہدایت بن سکے تو نور علیٰ نور!

دوسری آیت: —— اور وہ اللہ ایسا ہے جس نے رات اور دن کو یکے بعد دیگرے آنے والا بنایا، اس شخص کے لئے جو چاہتا ہے کہ (اللہ کو) یاد کرے، یا چاہتا ہے کہ شکر گزار بندہ بنے! —— یہ بڑا ستارہ بننے کا فارمولہ ہے، جو بندے فرائض کے علاوہ نوافل اعمال بھی کرتے ہیں، اوراد و وظائف کی پابندی کرتے ہیں، وہ درجات میں بڑھ جاتے ہیں، اور ستارے بن کر چمکتے ہیں۔ انہی کی مصلحت سے رات اور دن کو یکے بعد دیگرے آنے والا بنایا ہے، تاکہ دن یا رات میں معمولات میں جو کمی رہ جائے، اسے دوسرے وقت میں پورا کرلیں، ناغہ ہرگز نہ کریں، ان شاء اللہ ان کو وقت میں اوراد پورا کرنے کی

فضیلت اور ثواب حاصل ہو جائے گا۔

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿۶۳﴾ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ﴿۶۴﴾ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿۶۵﴾ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿۶۶﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿۶۷﴾

وَعِبَادُ	اور بندے	لِرَبِّهِمْ	اپنے پروردگار کے لئے	غَرَامًا (۵)	پیہم تکلیف
الرَّحْمٰنِ	نہایت مہربان کے	سُجَّدًا	سجدے	اِنَّهَا	بے شک دوزخ
الَّذِيْنَ	(وہ ہیں) جو	وَّقِيَامًا	اور قیام کی حالت میں	سَآءَتْ	بُرا ہے
يَمْشُوْنَ	چلتے ہیں	وَالَّذِيْنَ	اور جو	مُسْتَقَرًّا	ٹھکانا
عَلَى الْاَرْضِ	زمین پر	يَقُوْلُوْنَ	کہتے ہیں	وَّمُقَامًا	اور مقام
هَوْنًا (۱)	انکساری سے	رَبَّنَا	اے ہمارے رب!	وَالَّذِيْنَ	اور وہ
وَّاِذَا	اور جب	اصْرِفْ	پھیر دیجیے	اِذَآ	جب
خَاطَبَهُمُ (۲)	بات کرتے ہیں ان سے	عَنَّا	ہم سے	اَنْفَقُوْا	خرچ کرتے ہیں
الْجٰهِلُوْنَ	نادان	عَذَابَ	عذاب	لَمْ يُسْرِفُوْا	فضول خرچی نہیں کرتے
قَالُوْا	(تو) کہتے ہیں وہ	جَهَنَّمَ	جہنم کا	وَلَمْ يَقْتُرُوْا (۶)	اور خرچ میں تنگی نہیں کرتے
سَلٰمًا (۳)	سلام لو!	اِنَّ	بے شک	وَكَانَ	اور ہے (انکا خرچ کرنا)
وَالَّذِيْنَ	اور جو	عَذَابَهَا	اس کا عذاب	بَيْنَ ذٰلِكَ	ان کے درمیان
يَبِيْتُوْنَ (۴)	رات گذارتے ہیں	كَانَ	ہے	قَوَامًا (۷)	معتدل

(۱) هَوْن: اسم ومصدر: نرم چال اور نرم چال چلنا یعنی اکڑ کرشیخی کے ساتھ نہ چلنا (۲) خاطبَ مخاطبة: دوشخصوں کا آمنے سامنے بات چیت کرنا (۳) یہ سلام متارکت ہے، سلام تحیہ نہیں (۴) بات يبيت بيتوتة: رات گذارنا، رات میں کسی کام کو کرنا۔ (۵) غَرَام: اسم فعل: لازمی اور دائمی عذاب۔ (۶) قَتَرَ (ن) قَتْرًا: علی عیاله: آل اولاد پر خرچ میں تنگی کرنا، کمی کرنا۔ (۷) قوام: اسراف اور بخل کے درمیان، معتدل، دراصل قوام کے معنی ہیں: جس سے کسی چیز کی بقاء اور درستگی ہو۔

رحمٰن کے خاص بندوں کی نو خوبیاں

عبادالرحمٰن: میں اضافت تشریف (عزت بڑھانے) کے لئے ہے یعنی رحمان کے خاص بندوں کی خوبیاں یہ ہیں:

پہلی خوبی: —— اور رحمان کے خاص بندے وہ ہیں جو زمین پر انکساری سے چلتے ہیں —— خاکساری وہ خوبی ہے جس کا تذکرہ سب سے پہلے کیا ہے۔ اس سے تواضع کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ پس رحمان کے بندوں کے ہر قول وفعل سے بندگی ظاہر ہونی چاہئے، ان کی چال ڈھال سے تواضع اور خاکساری ٹپکنی چاہئے، وہ متکبروں کی طرح زمین پر اکڑ کر نہیں چلتے۔ سورۃ الاسراء (آیت ۳۷) میں ہے: ''اور زمین پر اکڑ کر مت چل، تو نہ زمین پھاڑ سکتا ہے، اور نہ ہی پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ سکتا ہے!'' یعنی زور سے پاؤں مار کر زمین پھاڑ نہیں سکتا، گردن ابھار کر اور سینہ تان کر پہاڑوں کے برابر نہیں ہوسکتا، پھر کس برتے پر اپنے کو اس قدر لمبا کھینچتا ہے! (ہدایت القرآن ۵:۸۱)

دوسری خوبی: —— اور جب نادانوں سے ان کا پالا پڑتا ہے تو کہتے ہیں: سلام لو! —— یعنی کم عقل اور بے ادب لوگوں کے منہ نہیں لگتے، سلام متارکت کر کے علاحدہ ہوجاتے ہیں، ان کے ساتھ گفتگو جاری رکھنے میں نقصان ہی نقصان ہے، خود کو ہلکان (پریشان) کرنا ہے اور ان کی بے تمیزی کو شہ دینا ہے، اس لئے ان سے کنارہ کشی ہی میں طرفین کی بھلائی ہے۔

تیسری خوبی: —— اور جو اپنے پروردگار کے لئے سجود وقیام میں رات گذارتے ہیں —— یعنی رات میں جب غافل بندے نیند اور آرام کے مزے لوٹتے ہیں تو خدا کے یہ بندے نماز میں مشغول ہوتے ہیں، کبھی کھڑے ہیں کبھی سجدے میں پڑے ہیں، رات ان کی اسی حال میں گذرتی ہے۔

چوتھی خوبی: —— اور جو دعا کرتے ہیں: اے ہمارے ربّ! ہم سے جہنم کا عذاب ہٹا دیجئے! —— یعنی عبادت پر غرّ ا نہیں کرتے، اور اللہ کے قہر وغضب سے بے فکر نہیں ہوجاتے، بلکہ عبادت سے فارغ ہو کر جہنم سے رستگاری کی دعا کرتے ہیں سورۃ الذاریات (آیات ۱۷و۱۸) میں ہے کہ متقی لگ رات میں بہت کم سوتے ہیں، اور آخر شب میں استغفار کیا کرتے ہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے جہنم کا حال بیان فرمایا ہے: —— بے شک جہنم کا عذاب پیہم اذیت ہے، بے شک وہ بُرا ٹھکانا اور برا مقام ہے —— پس ہر نیک بندے کو جہنم سے خلاصی کی دعا کرنی چاہئے، الٰہی! مجھے اور تمام مؤمنین کو جہنم سے بچا اور جنت میں پہنچا!

پانچویں خوبی: —— اور جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں، اور ان کا خرچ کرنا دونوں کے درمیان معتدل ہوتا ہے —— حدیث میں ہے کہ ''میانہ روی سے خرچ کرنا آدھی کمائی ہے'' یعنی اس سے مال کا

نفع دو چند ہو جاتا ہے۔ سو روپے دو سو روپے کا کام کرتے ہیں، پس مال بے جا خرچ نہیں کرنا چاہئے، فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی بند ہیں۔ اور اہل وعیال وغیرہ پر خرچ کرنے میں مٹھی بند کر لینا بھی مناسب نہیں، مال تو کمایا ہی جاتا ہے خرچ کرنے کے لئے، ورنہ وہ پیچھے پڑا رہے گا۔ غرض خرچ کرنا چاہئے، مگر موقع محل میں بھی اعتدال سے خرچ کرنا چاہئے۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ﴿۶۸﴾ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ﴿۶۹﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۰﴾ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ﴿۷۱﴾

وَالَّذِيْنَ	اور جو	وَمَنْ	اور جو شخص	اِلَّا	مگر
لَا يَدْعُوْنَ	نہیں پکارتے	يَّفْعَلْ	کرے گا	مَنْ تَابَ	جس نے توبہ کی
مَعَ اللّٰهِ	اللہ کے ساتھ	ذٰلِكَ	یہ (کام)	وَاٰمَنَ	اور ایمان لایا
اِلٰهًا اٰخَرَ	دوسرے معبود کو	يَلْقَ	واسطہ پڑے گا اسے	وَعَمِلَ	اور کیا اس نے
وَلَا يَقْتُلُوْنَ	اور نہیں قتل کرتے	اَثَامًا (۱)	سزا سے	عَمَلًا	کام
النَّفْسَ	اس جی کو	يُّضٰعَفْ	کئی گنا دیا جائے گا	صَالِحًا	نیک
الَّتِيْ	جسے	لَهُ	اس کو	فَاُولٰٓئِكَ	پس یہ لوگ
حَرَّمَ	حرام کیا ہے	الْعَذَابُ	عذاب	يُبَدِّلُ	بدل دیں گے
اللّٰهُ	اللہ نے	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	قیامت کے دن	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
اِلَّا	مگر	وَيَخْلُدْ	اور لمبی مدت تک رہیگا وہ	سَيِّاٰتِهِمْ	ان کی برائیوں کو
بِالْحَقِّ	حق کی وجہ سے	فِيْهٖ	عذاب میں	حَسَنٰتٍ	نیکیوں سے
وَلَا يَزْنُوْنَ	اور زنا نہیں کرتے	مُهَانًا	ذلیل ہو کر	وَكَانَ	اور ہیں

(۱) أثام: مفرد ہے، إثم کی جمع نہیں، جمع آثام (بالمد) ہے۔ أثام: گناہ، گناہ کی سزا، اور کہا گیا کہ یہ جہنم کی ایک وادی کا نام ہے۔

اللّٰہُ	اللہ تعالیٰ	تَابَ	توبہ کی	یَتُوْبُ	متوجہ ہوتا ہے
غَفُوْرًا	بڑے بخشنے والے	وَعَمِلَ	اور کیا	اِلَی اللّٰہِ	اللہ تعالیٰ کی طرف
رَّحِیْمًا	بڑے رحم فرمانے والے	صَالِحًا	نیک کام	مَتَابًا	متوجہ ہونا
وَمَنْ	اور جس نے	فَاِنَّہٗ	پس بے شک وہ	❁	❁

چھٹی خوبی:—— اللہ کے مخصوص بندے تین گناہوں کا ارتکاب نہیں کرتے، شرک، ناحق قتل اور زنا سے بچے رہتے ہیں۔ارشاد فرماتے ہیں:—— اور جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی پرستش نہیں کرتے، اور وہ اس شخص کو قتل نہیں کرتے جس کا قتل اللہ نے حرام کیا ہے، مگر حق (شرعی) کی وجہ سے، اور وہ زنا نہیں کرتے —— یہ تین گناہ اور گناہوں سے بڑے ہیں، عذاب بھی ان پر بڑا ہوگا، اور دم بدم بڑھتا رہے گا، جیسا کہ آگے آرہا ہے، اس لئے اللہ کے نیک بندوں کی یہ ایک منفی خوبی ہے کہ وہ ان گناہوں سے کنارہ کش رہتے ہیں۔

ان گناہوں کی سزا:—— اور جو شخص یہ کام کرے گا اس کو سزا سے سابقہ پڑے گا—— یعنی وہ سزا سے بچ نہیں سکے گا —— قیامت کے دن وہ کئی گنا عذاب دیا جائے گا—— کیونکہ عذاب کا مسلسل جاری رہنا عذاب میں اضافہ کرتا ہے، جیسے کوئی شخص مسلسل آگ میں جلتا رہے تو جلنے کی تکلیف بڑھتی رہے گی—— اور وہ اس میں لمبی مدت تک ذلیل ہو کر رہے گا۔

یہاں ایک سوال ہے کہ یہ کس کی سزا کا بیان ہے: کافر کی یا مؤمن کی؟ کیونکہ وہ کافر جس نے یہ گناہ کئے ہیں، اپنے کفر کی وجہ سے ہمیشہ جہنم میں رہے گا، اس لئے عذاب کا کئی گنا بڑھنا، اور جہنم میں ذلیل ہو کر لمبی مدت تک رہنا معقول ہے، سمجھ میں آتا ہے، مگر وہ مؤمن جس نے یہ گناہ کئے ہیں اس کو تو گناہ کے بقدر ہی سزا دی جائے گی، اور وہ جہنم میں ہمیشہ نہیں رہے گا، نہ اس کی سزا ذلت کا باعث ہوگی، بلکہ وہ پاکی کا ذریعہ ہوگی۔ پس یہ گنہ گار مؤمن کی سزا کیسے ہوسکتی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اس کافر کی سزا کا بیان ہے جس نے یہ تین گناہ کئے ہیں، مگر تفصیل میں جائے بغیر سزا بیان کی ہے، وعید کے موقعہ پر ایسا ہی کیا جاتا ہے، بہ الفاظ دیگر: چھوٹے مجرم کو چھوڑ کر بڑے مجرم کی سزا بیان کی ہے، پھر آگے جو تفصیل آرہی ہے اس سے دونوں کا فرق ظاہر ہو جائے گا۔ چنانچہ فرماتے ہیں:—— مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اس نے نیک کام کئے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیں گے، اور اللہ بڑے بخشنے والے بڑے رحم فرمانے والے ہیں —— ایمان لایا: اس سے معلوم ہوا کہ اوپر کافر مجرم کی سزا کا بیان تھا۔ اگر وہ ایمان نہ لایا تو اس سزا کا مستحق ہے۔ اور اگر ایمان لے آیا اور اپنی زندگی سنوار لی تو گذشتہ پر قلم عفو پھیر دیا جائے گا، اب ان کی جگہ نیک اعمال نامۂ اعمال میں ثبت کئے جائیں گے۔ برائیوں کو نیکیوں سے بدلنے کا یہی مطلب ہے، یہ مطلب نہیں ہے کہ اب اس کو ان

برائیوں کا بھی ثواب ملے گا۔ حدیث میں ہے: إن الإسلام يهدم ما كان قبله: ایمان لانے سے سابقہ گناہ مٹادیئے جاتے ہیں، ان کا ثواب نہیں دیا جاتا۔

اور جس نے توبہ کی اور اس نے نیک کام کئے تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف خاص طور پر متوجہ ہو رہا ہے —— یہ مؤمن گنہ گار کا بیان ہے یعنی جس مسلمان نے مذکورہ گناہ (شرک کے علاوہ) کئے ہیں، پھر اس نے سچی توبہ کرلی تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنالیں گے۔ حدیث میں ہے: التائب من الذنب كمن لا ذنب له: جس نے گناہ سے توبہ کرلی اس نے گویا گناہ کیا ہی نہیں۔ لیکن اگر وہ توبہ کئے بغیر مرگیا تو اس کو گناہ کی سزا پانے کے لئے جہنم میں جانا پڑسکتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۝ وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ۝ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ۝

وَالَّذِيْنَ	اور جو لوگ	ذُكِّرُوْا	نصیحت کئے جاتے ہیں	هَبْ	عطا فرمایئے
لَا يَشْهَدُوْنَ (۱)	نہیں حاضر ہوتے	بِاٰيٰتِ	آیتوں سے	لَنَا	ہمیں
الزُّوْرَ	جھوٹے کام میں	رَبِّهِمْ	ان کے رب کی	مِنْ اَزْوَاجِنَا	ہماری بیویوں سے
وَاِذَا	اور جب	لَمْ يَخِرُّوْا	(تو) نہیں گرتے	وَذُرِّيّٰتِنَا	اور ہماری اولاد (سے)
مَرُّوْا	گذرتے ہیں وہ	عَلَيْهَا	ان پر	قُرَّةَ	ٹھنڈک
بِاللَّغْوِ	بیکار مشغلہ کے پاس سے	صُمًّا	بہرے	اَعْيُنٍ	آنکھوں کی
مَرُّوْا	(تو) گذرتے ہیں وہ	وَّعُمْيَانًا	اندھے بن کر	وَّ اجْعَلْنَا	اور بنایئے ہمیں
كِرَامًا	باوقار	وَالَّذِيْنَ	اور جو لوگ	لِلْمُتَّقِيْنَ	پرہیزگاروں کا
وَالَّذِيْنَ	اور وہ لوگ	يَقُوْلُوْنَ	کہتے ہیں	اِمَامًا	پیشوا
اِذَا	جب	رَبَّنَا	اے ہمارے ربّ!	۞	۞

ساتویں خوبی: —— اور جو لوگ باطل کام میں شریک نہیں ہوتے —— یعنی ایسی مجلسوں میں جن میں حرام کام ہو رہا ہو، بالکل شرکت نہیں کرتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس سے مراد مشرکین کی عیدیں اور میلے ٹھیلے

(۱) شَهِدَ (س) المجلسَ: مجلس میں آنا، شریک ہونا...... الزور: باطل کام جیسے محفل رقص وغنا...... قرة: هب کا مفعول ہے۔

ہیں۔حضرت مجاہد رحمہ اللہ وغیرہ نے فرمایا: اس سے مراد گانے بجانے کی محفلیں ہیں۔امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: شراب پینے پلانے کی مجلسیں مراد ہیں۔اور تفسیر مظہری میں ہے کہ ان اقوال میں کوئی اختلاف نہیں، یہ ساری ہی مجلسیں مجلسِ زور کا مصداق ہیں، اللہ کے نیک بندوں کو ایسی محفلوں سے پرہیز کرنا چاہئے، کیونکہ لغو اور باطل کا بالقصد دیکھنا بھی اس کی شرکت کے حکم میں ہے (معارف)

اور جب وہ بیہودہ کام کے پاس سے گذرتے ہیں تو سنجیدگی سے گذر جاتے ہیں —— لغو: بیہودہ اور بے فائدہ قول وفعل، اس میں ذرا شاعت (برائی) کا پہلو ہوتا ہے، وہ کام یا بات بالکل مباح نہیں ہوتی، پس یہ زور (ناجائز کام) اور مباح کے درمیان کا درجہ ہے —— نیک لوگ حرام محفلوں میں تو قطعاً شریک نہیں ہوتے، بلکہ ان کے پاس سے بھی نہیں گذرتے، لیکن اگر لغو اور بیہودہ مجلسوں پر کبھی اتفاقاً ان کا گذر ہوجاتا ہے تو وہ سنجیدگی اور شرافت سے گذر جاتے ہیں، ان میں بھی شرکت نہیں کرتے۔حدیث میں ہے: مِنْ حُسْنِ إسلام المرء تر کُه مالا یَعْنِیْهِ: آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ لایعنی (بے فائدہ) کام چھوڑ دے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اتفاق سے ایک روز کسی بیہودہ لغو مجلس پر گذر ہوگیا، تو وہ وہاں ٹھیرے نہیں، گذرتے چلے گئے، رسول اللہ ﷺ کو یہ معلوم ہوا تو فرمایا کہ ''ابن مسعود کریم ہوگئے!'' اور یہ آیت تلاوت فرمائی جس میں بیہودہ مجلس سے شریفوں کی طرح گذر جانے کا حکم ہے۔

آٹھویں خوبی: —— اور وہ ایسے لوگ ہیں کہ جب ان کو اللہ کے احکام کے ذریعہ نصیحت کی جاتی ہے تو وہ ان پر بہرے اندھے ہوکر نہیں گرتے —— بہرے اندھے ہوکر نہ گرنے کے مفسرینِ کرام نے دو مطلب بیان کئے ہیں:

پہلا مطلب: جب نیک بندوں کو قرآن وحدیث کے ذریعہ نصیحت کی جاتی ہے تو وہ سمیع وبصیر انسانوں کی طرح اس کو سنتے سمجھتے ہیں، سن کر متاثر ہوتے ہیں اور اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں، مغفل انسان کی طرح اور عمل کی نیت نہ رکھنے والے کی طرح سُنی ان سُنی نہیں کر دیتے۔

دوسرا مطلب: دین کے نام پر جو کچھ ان کو بتلایا جاتا ہے اس کو بے تحقیق مان نہیں لیتے، پہلے غور کرتے ہیں کہ قرآن وحدیث کے حوالے سے جو کچھ انہیں بتایا جارہا ہے اس کو بتانے والا صحیح سمجھا بھی ہے یا نہیں؟ پہلے اہل علم سے تحقیق کرتے ہیں، پھر مانتے ہیں، اندھے بہرے ہوکر اللہ کی آیتوں پر نہیں گرتے۔جیسے کچھ لوگ بخاری شریف لئے پھرتے ہیں، اور لوگوں کو حدیثوں کا الٹا سلٹا مطلب سمجھاتے ہیں اور لوگ اس پر اندھے ہوکر گرتے ہیں، کہتے ہیں: بخاری کی حدیث ہے! بے شک بخاری شریف کی حدیث ہے، مگر اس کا صحیح مطلب کیا ہے؟ اسے بھی تو سوچو! یا کچھ لوگ قرآن کا حلقہ بنا کر بیٹھ جاتے ہیں، اور ہر شخص اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کرتا ہے، اور اسی کو دین سمجھ لیتا ہے، یہ گمراہی کا راستہ ہے، دین کو اور

قرآن وحدیث کو دین کا صحیح علم رکھنے والوں سے سمجھنا ضروری ہے۔

نویں خوبی: ـــــ اور جو لوگ دعا کرتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! ہم کو ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما! اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنا! ـــــ یعنی ہماری بیوی بچوں کو بھی دیندار بنا، جنہیں دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی اور دل مسرور ہوں، اور ہم سب کو اول نمبر کا متقی بنا، صفِ اول میں ہمیں پہنچادے اور ہمیں ایسا بنادے کہ لوگ ہمیں دیکھ کر متقی بن جایا کریں۔

بیوی بچوں کو اللہ کی اطاعت میں دیکھ کر نیک بندوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں

أُولَٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَسَلَٰمًا ﴿٧٥﴾ خَٰلِدِينَ فِيهَا ۚ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ﴿٧٦﴾ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ ۖ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا ﴿٧٧﴾

ع ۶

أُولَٰٓئِكَ	یہ لوگ	خَٰلِدِينَ	ہمیشہ رہنے والے ہیں وہ	رَبِّي	میرا ربّ
يُجْزَوْنَ	جزا دیئے جائیں گے	فِيهَا	بالاخانوں میں	لَوْلَا	اگر نہ ہوتا
الْغُرْفَةَ[1]	بالاخانہ	حَسُنَتْ	اچھا ہے بالاخانہ	دُعَآؤُكُمْ[4]	تمہیں دین کی طرف
بِمَا صَبَرُوا[2]	انکے صبر کرنے کی وجہ سے	مُسْتَقَرًّا	ٹھکانے کے اعتبار سے		بلانا
وَيُلَقَّوْنَ	اور وہ سامنے سے آتا	وَمُقَامًا	اور ٹھہرنے کے اعتبار سے	فَقَدْ	پس یقیناً
	ہوا پائیں گے	قُلْ	کہیں	كَذَّبْتُمْ	جھٹلایا تم نے
فِيهَا	بالاخانوں میں	مَا	نہیں	فَسَوْفَ	پس عنقریب
تَحِيَّةً	زندہ رہنے کی دعا کو	يَعْبَؤُا[3]	پرواہ کرتا	يَكُونُ	ہوگا عذاب
وَسَلَٰمًا	اور سلامتی کی دعا کو	بِكُمْ	تمہاری	لِزَامًا[5]	چپکا ہوا

(۱) الغرفة: بالاخانہ، مکان کے اوپر کا کمرہ (۲) بما صبروا: ما مصدریہ، باءسببیہ۔ (۳) عَبَأَ (ف) عَبْئًا به: پرواہ کرنا، لحاظ کرنا (۴) دعاء: مصدر ہے بمعنی دعوة، دَعَا فلانا يدعو دَعْوًا، ودَعْوَةً ودُعَاءً: بلانا، پکارنا، آواز دینا (۵) لِزام: مصدر باب مفاعلہ، لَازَمَهُ مُلَازَمَةً ولِزَامًا: وابستہ رہنا، ساتھ لگا رہنا، کسی کے ساتھ ہمیشہ رہنا۔

عباد الرحمٰن کی جزائے خیر اور منکرین کے لئے پیشین گوئی

ان لوگوں کو ثابت قدم رہنے کی وجہ سے صلہ میں جنت کے بالا خانے دیئے جائیں گے —— یعنی رحمان کے خاص بندوں کو جنت میں اوپر کے درجے ملیں گے، جو عام اہل جنت کو ایسے نظر آئیں گے جیسے زمین والے ستاروں کو دیکھتے ہیں، ان کا اندرونی حصہ باہر سے اور بیرونی حصہ اندر سے نظر آتا ہوگا۔ یہ غرفے ان لوگوں کو ملیں گے جو چار کام خصوصیت سے کرتے ہیں: ۱-لوگوں سے نرم بات کرتے ہیں۔ ۲- ہر مسلمان کو سلام کرتے ہیں۔ ۳-غریبوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ ۴- رات کو اس وقت نماز پڑھتے ہیں جب لوگ سوئے ہوتے ہیں۔

اور وہ لوگ ان بالا خانوں میں بقاؤ سلامتی کی دعا کو سامنے سے آتا ہوا پائیں گے —— یعنی جنت میں ان کا یہ اعزاز خاص ہوگا کہ فرشتے ان کو مبارک باد دیں گے اور سلام کریں گے، سورۃ الرعد (آیت ۲۳و۲۴) میں ہے: ﴿وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ، سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ﴾: فرشتے ان کے پاس ہر دروازے سے آئیں گے، اور کہیں گے: تم سلامت رہو، دین پر مضبوط رہنے کی وجہ سے!

وہ ان بالا خانوں میں ہمیشہ رہیں گے —— ایسی جگہ تھوڑی دیر ٹھہرنا ملے تو بھی غنیمت ہے جبکہ وہ ان کا گھر ہوگا، اور ابدی قیام گاہ ہوگی۔ پس —— وہ بالا خانے کیسا اچھا ٹھکانا اور کیسا اچھا مقام ہیں!

منکرین کے لئے پیشین گوئی: —— آپؐ کہیں: میرا پروردگار تمہاری ذرہ بھر پرواہ نہ کرتا، اگر تمہیں دین کی دعوت دینا نہ ہوتا —— یعنی تم پر انکارِ رسالت کی وجہ سے عذاب اس لئے نہیں آرہا کہ ابھی "دعوت کا مرحلہ" چل رہا ہے، ابھی یہ مرحلہ تکمیل پذیر نہیں ہوا۔ اگر اتمام حجت ہو چکا ہوتا تو تمہیں جڑ مڑ سے اکھاڑ پھینکا جاتا، اور تمہاری تباہی سے اللہ کی کائنات میں کچھ کمی نہ آتی۔

پس تم بالیقین جھٹلا چکے —— یعنی سببِ ہلاکت متحقق ہو چکا —— پس عنقریب عذاب تم سے چپک کر رہ جائے گا! —— چنانچہ جب دعوت کا مرحلہ پورا ہوا، اور پوری طرح اتمام حجت ہو چکا، اور انکار وعناد بھی اپنے آخری مرحلے کو پہنچ گیا، انھوں نے مؤمنین کو، بلکہ سرور عالم ﷺ کو مکہ مکرمہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا تو غزوۂ بدر میں ہلاکت ان کا مقدر بن گئی۔ وہ قتل کے عذاب میں پکڑ لئے گئے، اور ایسا ہی انبیائے کرام علیہم السلام کے مخالفین کے ساتھ کیا جاتا ہے، جس کی تفصیل اگلی سورت میں ہے۔

❁ ❁ ❁

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۃ الشعراء

نمبر شمار ۲۶ نزول کا نمبر ۴۷ نزول کی نوعیت مکی آیات ۲۲۷ رکوع ۱۱

سورت کا نام: آیت ۲۲۴ سے لیا گیا ہے۔ سورت کے آخر میں ایک مناسبت سے شاعروں کا ذکر آیا ہے، اس لئے اس سورت کا نام سورۃ الشعراء رکھا گیا ہے۔

زمانۂ نزول: سورت کے نزول کا نمبر ۴۷ ہے، مکی سورتیں کل ۸۵ ہیں، پس یہ سورت مکی دور کے درمیان میں نازل ہوئی ہے، جب کہ حق و باطل کی آویزش زوروں پر تھی، کفار ظلم و ستم پر تُلے ہوئے تھے۔ اس لئے سورت میں بار بار یہ بات کہی گئی ہے کہ تم پر عذاب کسی بھی وقت آسکتا ہے، تم دین حق کی تکذیب کر چکے، مگر اللہ تعالیٰ بڑے مہربان ہیں تمہیں ڈھیل دے رہے ہیں، تا کہ تم کسی طرح سنبھل جاؤ، ورنہ عذاب اچانک تمہارے سر پر آپہنچے گا اور تمہیں بھنک بھی نہیں پڑے گی۔

سورت کا موضوع: سورۃ الفرقان کی آخری آیت میں منکرین سے کہا گیا ہے: ''تم بالیقین جھٹلا چکے، پس عنقریب عذاب تم سے چپ کر رہ جائے گا'' اس سورت میں اس کی تفصیل ہے، منکرین کو گذشتہ قوموں کے سات واقعات سنائے ہیں جن پر اس وقت ادبار پڑی جب ان پر حجت تام ہوگئی، پھر آخر سورت میں رسالت اور دلیلِ رسالت (قرآنِ کریم) کے تعلق سے آٹھ باتیں ذکر کی ہیں۔

سورت کے مضامین: پہلے رکوع میں مکذبین کو انتباہ دیا گیا ہے کہ تمہاری یہی آباد زمین تمہیں نگل سکتی ہے، تمہیں ہلاک کرنے کے لئے کچھ پاپڑ بیلنے نہیں پڑیں گے۔ پھر فرعون اور اس کی قوم کی تباہی کا مفصل تذکرہ کیا ہے، پھر ابراہیم علیہ السلام کی قوم کا تذکرہ ہے کہ ان پر دنیا میں عذاب نہ آیا تو آخرت کا عذاب ان کے لئے تیار ہے۔ پھر قوم نوحؑ، قوم ہودؑ، (عاد اولیٰ) قوم صالحؑ (عاد ثانیہ) قوم لوطؑ اور قوم شعیبؑ کی ہلاکتوں کا تذکرہ ہے۔ ترتیب زمانی کے اعتبار سے یہ تذکرہ نوح علیہ السلام کی قوم کے ذکر سے شروع ہونا چاہئے تھا، اور ابراہیم علیہ السلام کی قوم کا ذکر قوم صالح کے بعد اور فرعون اور اس کی قوم کا تذکرہ سب سے آخر میں آنا چاہئے تھا، مگر موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ مفصل ہونے کی وجہ سے سب سے پہلے لایا گیا ہے، اور اس کے بالمقابل حضرت ابراہیم کی قوم کا ذکر آیا ہے، باقی واقعات زمانی ترتیب کے مطابق ہیں۔ اور سورت کا آخری رکوع بہت قیمتی مضامین پر مشتمل ہے اس میں آٹھ باتیں ہیں جو غور سے پڑھنی چاہئیں۔

آیاتہا ۲۲۷ (۲۶) سُوْرَةُ الشُّعَرَآءِ مَكِّيَّةٌ (۴۷) رکوعاتہا ۱۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

طٰسٓمّٓ ﴿۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۲﴾ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۳﴾ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ﴿۴﴾ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ﴿۵﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ﴿۷﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۹﴾

لفظ	معنی	لفظ	معنی	لفظ	معنی
بِسْمِ	نام سے	لَعَلَّكَ	شاید آپ	عَلَيْهِمْ	ان پر
اللّٰهِ	اللہ کے	بَاخِعٌ(۱)	غم سے گھلا دیں	مِّنَ السَّمَآءِ	آسمان سے
الرَّحْمٰنِ	نہایت مہربان	نَّفْسَكَ	خود کو	اٰيَةً	بڑی نشانی
الرَّحِيْمِ	بڑے رحم والے	اَلَّا(۲)	(بایں وجہ) کہ نہیں	فَظَلَّتْ(۳)	پس ہو جائیں
طٰسٓمّٓ	طا، سین، میم	يَكُوْنُوْا	ہیں وہ	اَعْنَاقُهُمْ	ان کی گردنیں
تِلْكَ	یہ	مُؤْمِنِيْنَ	ایمان لانے والے	لَهَا	اس نشانی کے سامنے
اٰيٰتُ	آیتیں (ہیں)	اِنْ	اگر	خٰضِعِيْنَ	جھکنے والی
الْكِتٰبِ	کتاب	نَّشَاْ	چاہیں ہم	وَمَا	اور نہیں
الْمُبِيْنِ	واضح (کی)	نُنَزِّلْ	(تو) اتاریں ہم	يَاْتِيْهِمْ	آتی ان کے پاس

(۱) بَخَعَ (ف) نَفْسَهٗ بَخْعًا وَبُخُوْعًا: ہلکا کرنا، خود کو غم سے گھلانا (۲) اَلَّا: اَنْ لَا ہے اور اَنْ سے پہلے لام تعلیلیہ محذوف ہے (۳) ظَلَّتْ: فعل ناقص، بمعنی، صَارَت، أعناقُهم اسم، خاضعين: خبر، لَها: خبر کا ظرف۔ خَضَعَ (ف) خَضْعًا وَخُضُوْعًا: جھکنا، سر افگندہ ہونا۔

مِّنْ ذِكْرٍ	کوئی نصیحت	كَانُوْا	تھے وہ	اِنَّ	بے شک
مِّنَ الرَّحْمٰنِ	نہایت مہربان کی طرف سے	بِهٖ	اس کا	فِيْ ذٰلِكَ	اس اُگانے میں
مُحْدَثٍ[1]	نئی (تازہ)	يَسْتَهْزِءُوْنَ	ٹھٹھا کرتے	لَاٰيَةً	البتہ نشانی ہے
اِلَّا	مگر	اَوَ	کیا اور	وَمَا	اور نہیں
كَانُوْا	ہوتے ہیں وہ	لَمْ يَرَوْا	نہیں دیکھا انھوں نے	كَانَ	ہیں
عَنْهُ	اس نصیحت سے	اِلَى الْاَرْضِ	زمین کی طرف	اَكْثَرُهُمْ	ان کے اکثر
مُعْرِضِيْنَ	روگردانی کرنے والے	كَمْ [3]	کتنی	مُّؤْمِنِيْنَ	ایمان لانے والے
فَقَدْ	پس بالیقین	اَنْۢبَتْنَا	اُگائی ہیں ہم نے	وَاِنَّ	اور بے شک
كَذَّبُوْا	جھٹلایا انھوں نے	فِيْهَا	زمین میں	رَبَّكَ	آپ کا پروردگار
فَسَيَاْتِيْهِمْ	پس جلد پہنچیں گی ان کو	مِنْ كُلِّ	ہر ایک سے	لَهُوَ	البتہ وہ
اَنْۢبٰٓؤُا[2]	خبریں	زَوْجٍ [4]	قسم	الْعَزِيْزُ	زبردست
مَا	اس کی جو	كَرِيْمٍ	عمدہ	الرَّحِيْمُ	بڑا مہربان ہے

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

سورت کی تمہید اور کفار کو انتباہ کہ یہی آبادز میں تمہیں نگل سکتی ہے!

ربط: گذشتہ سورت کی آخری آیت میں منکرینِ توحید ورسالت سے کہا گیا تھا کہ تم بالیقین جھٹلا چکے یعنی تمہاری ہلاکت کا سبب متحقق ہو چکا، اب عنقریب عذاب تم سے چپک کر رہ جائے گا۔ اب ان لوگوں کو اس سورت میں گذشتہ قوموں کے احوال سنائے جارہے ہیں کہ دیکھو ان قوموں نے بھی نبیوں کو جھٹلایا، پھر جب اتمام حجت ہو چکا تو کس طرح وہ صفحۂ ہستی سے مٹا دیئے گئے! فرماتے ہیں: ـــــ طا، سین، میم ـــــ ان حروف کے معانی اللہ ورسول کے سوا کوئی نہیں جانتا ـــــ یہ واضح کتاب کی آیتیں ہیں ـــــ قرآنِ کریم کی عبارت واضح ہے، احکام واضح ہیں، اور اندازِ بیان دل نشیں ہے، اس سے جو چاہے استفادہ کرسکتا ہے ـــــ ہوسکتا ہے آپ خود کو غم سے گھلا دیں، اس وجہ سے کہ وہ

(۱) محدث: ذکر کی صفت ہے (۲) أنباء: نبأ کی جمع ہے (۳) کم خبریہ ہے بمعنی بہت، کس قدر (۴) زوج: جوڑا، قسم، ایک خاص نوع، یہاں خاص قسم مراد ہے۔

ایمان نہیں لاتے ـــــ یہ رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی ہے، اور صورت اگرچہ جملہ خبریہ کی ہے، مگر مراد نہی ہے یعنی آپؐ اپنی قوم کے ایمان نہ لانے کا اتنا افسوس نہ کریں کہ جان گھلا دیں، ہدایت قبول نہ کرنے والوں کا غم کھانا چاہئے، مگر اعتدال کے ساتھ ـــــ اگر ہم چاہیں تو ان پر آسمان سے بڑی نشانی اتاریں، جس کے سامنے ان کی گردنیں جھک کر رہ جائیں ـــــ مگر چونکہ دنیا دار الامتحان ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کا اختیار بالکل سلب نہیں کرلیا، اگر اللہ تعالیٰ ان کو مجبورِ محض بنانا چاہتے تو بنا سکتے تھے، اور اس صورت میں کوئی ایسا آسمانی نشان دکھلاتے کہ اس کے آگے سب کی گردنیں جھک جاتیں، خواہی نخواہی ان کو ماننا پڑتا، کسی میں انکار وانحراف کی گنجائش باقی نہ رہتی، مگر اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا، کیونکہ حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ حقائق منکشف نہ ہو جائیں، کسی درجہ میں نظری اور غور وفکر پر موقوف رہیں، اور اسی کے ذریعہ انسان کی آزمائش کی جائے، پھر ماننے نہ ماننے پر جزاؤ سزا مرتب ہو۔

اور جب بھی ان کے پاس نہایت مہربان ہستی کی طرف سے کوئی تازہ نصیحت پہنچتی ہے تو وہ اس سے اعراض کرتے ہیں ـــــ یعنی آپؐ کا حال کیا ہے اور ان کا حال کیا ہے؟ آپؐ ان کے غم میں گھلے جارہے ہیں اور وہ سر اُلارے دور بھاگ رہے ہیں۔ پروردگارِ عالم نت نئی نصیحتیں بھیجتے ہیں تاکہ وہ لوگ سوچیں، سمجھیں، قبول کریں اور بامراد ہوں، مگر وہ منہ پھیر کر بھاگتے ہیں کہ گویا کوئی بہت ہی بُری چیز آگئی!

پس بالیقین انھوں نے جھٹلایا، سو عنقریب ان کو اُس بات کی حقیقت معلوم ہو جائے گی جس کا وہ مذاق اڑا رہے ہیں ـــــ انھوں نے جھٹلایا یعنی سببِ عذاب متحقق ہو گیا ـــــ اُس بات کی حقیقت: یعنی عذاب کی وہ خبر جو اللہ کے رسول نے دی ہے اور جس کا تم ٹھٹھا کرتے ہو وہ عنقریب آنے والا ہے، اور فوراً اس لئے نہیں آرہا کہ اس کی میعاد متعین ہے۔ چنانچہ وہ عذاب ہجرت کے بعد میدانِ بدر میں آیا، اور مکہ کے سب سور ما لقمۂ اجل بن گئے۔

کفار کو انتباہ: ـــــ کیا انھوں نے زمین کی طرف نہیں دیکھا: کتنی چیزیں اُگائی ہیں ہم نے اس میں ہر عمدہ قسم میں سے؟ ـــــ یعنی دیکھو زمین کتنی پُر رونق ہے، مختلف الوان واشکال کی نباتات نے اس کو کیسا مزین کر رکھا ہے! ـــــ بیشک اس میں ایک بڑی نشانی ہے ـــــ وہ نشانی یہ ہے کہ جس نے یہ زمین ایسی سرسبز وشاداب بنائی ہے وہ لمحہ بھر میں اس کو ویران بھی کرسکتا ہے۔ زمین میں زلزلہ آجائے تو یہی زمین انسان کو نگل جائے، زمین میں پانی خشک ہو جائے تو انسان کیسے زندہ رہ سکتا ہے۔ یہی زمین جس کی شادابی پر انسان کو ناز ہے اس کی ہلاکت کا سامان بھی بن سکتی ہے ـــــ اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں ـــــ کیونکہ وہ ہٹ دھرم ہیں۔ اور ہٹ دھرم لوگوں کا مزاج ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ حقانیت کو جاننے کے لئے کوئی معقول دلیل نہیں چاہتے، بلکہ انہیں کسی ایسی دلیل کی تلاش ہوتی ہے جو نہ

ماننے کے لئے بہانے کا کام دے سکے —— اور بلاشبہ آپ کا پروردگار ہی زبردست بڑا مہربان ہے —— زبردست ایسا ہے کہ نہ ماننے پر فوراً عذاب بھیج سکتا ہے، مگر رحم والا بھی ہے، وہ لوگوں کو سنبھلنے کا موقعہ دیتا ہے، عذاب میں تاخیر کرتا ہے کہ شاید اب مان لیں، مگر جب لوگ کسی طرح نہیں مانتے تو عذاب کا کوڑا برس پڑتا ہے۔ چنانچہ آگے عبرت کے لئے مکذبین کے چند واقعات بیان فرمائے ہیں جن سے ظاہر ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کہاں تک ڈھیل دی، جب کسی طرح نہ مانے تو پھر کیسے تباہ و برباد کیا!

وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰٓى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۰ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ۭ اَلَا يَتَّقُوْنَ ۝۱۱ قَالَ رَبِّ اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ۝۱۲ۭ وَيَضِيْقُ صَدْرِيْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ ۝۱۳ وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ۝۱۴ۚ قَالَ كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا بِاٰيٰتِنَآ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ۝۱۵ فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۶ۙ اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ۝۱۷ۭ قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ۝۱۸ۙ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۱۹ قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّاۗلِّيْنَ ۝۲۰ۭ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا وَّجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۲۱ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ۝۲۲ۭ قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۲۳ۭ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ۝۲۴ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗٓ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ۝۲۵ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَاۗىِٕكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۲۶ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ۝۲۷ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۲۸ قَالَ لَىِٕنِ اتَّخَذْتَ اِلٰــهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ۝۲۹ قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ۝۳۰ۚ قَالَ فَاْتِ بِهٖٓ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۳۱ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ۝۳۲ښ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَاۗءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ۝۳۳ۧ

ع ۲

وَاِذْ	اور(یادکرو)جب	اِلٰى هٰرُوْنَ	ہارون کی طرف	مَعَنَا	ہمارے ساتھ
نَادٰى	پکارا	وَلَهُمْ	اوران کے لئے	بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ	بنی اسرائیل کو
رَبُّكَ	تیرے رب نے	عَلَیَّ	مجھ پر	قَالَ	کہااس نے
مُوْسٰٓى	موسیٰ کو	ذَنْۢبٌ	ایک جرم ہے	اَلَمْ	کیانہیں
اَنِ ائْتِ(۱)	کہ جائیے	فَاَخَافُ	پس ڈرتا ہوں میں	نُرَبِّكَ	پرورش کی ہم نے تیری
الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ	ظالم لوگوں کے پاس	اَنْ	کہ	فِیْنَا	ہم میں
قَوْمَ فِرْعَوْنَ	فرعون کی قوم	یَّقْتُلُوْنِ	قتل کردیں وہ مجھے	وَلِیْدًا	بچپن میں
اَلَا	کیانہیں	قَالَ	فرمایا	وَّلَبِثْتَ	اورٹھہرارہاتو
یَتَّقُوْنَ	ڈرتے وہ!	كَلَّا	ہرگزنہیں	فِیْنَا	ہمارے درمیان
قَالَ	عرض کیا	فَاذْهَبَا	پس جاؤتم دونوں	مِنْ عُمُرِكَ	تیری زندگی کے
رَبِّ	اے میرے رب!	بِاٰیٰتِنَآ	ہمارےاحکام کے ساتھ	سِنِیْنَ	کئی سال
اِنِّیْٓ	بے شک میں	اِنَّا مَعَكُمْ	بیشک ہم تمہارے ساتھ	وَفَعَلْتَ	اور کی تو نے
اَخَافُ	ڈرتا ہوں	مُّسْتَمِعُوْنَ	سننے والے ہیں	فَعْلَتَكَ	تیری وہ حرکت
اَنْ	کہ	فَاْتِیَا	پس جاؤتم دونوں	الَّتِیْ	جو
یُّكَذِّبُوْنِ	جھٹلائیں وہ مجھے	فِرْعَوْنَ	فرعون کے پاس	فَعَلْتَ	کی تو نے
وَیَضِیْقُ	اور تنگ ہو جائے	فَقُوْلَآ	پس کہو دونوں	وَاَنْتَ	اور تو
صَدْرِیْ	میرا سینہ	اِنَّا	بیشک ہم	مِنَ الْكٰفِرِیْنَ	ناشکروں میں سے ہے
وَلَا یَنْطَلِقُ	اور نہ چلے	رَسُوْلُ	پیغامبر ہیں	قَالَ	کہا
لِسَانِیْ	میری زبان	رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ	جہانوں کے ربّ کے	فَعَلْتُهَآ	کیا میں نے وہ کام
فَاَرْسِلْ	پس (وحی) بھیجیں	اَنْ اَرْسِلْ(۲)	کہ بھیج دے تو	اِذًا	تب

(۱)أَنْ: مفسرہ، نداء کی تفسیر کرتا ہے.....**قوم فرعون**: مفعول سے بدل ہے.....**ألا یتقون**: مستقل جملہ ہے، کیا وہ ظلم سے نہیں ڈرتے، استفہام تقریری ہے یعنی واقعی نہیں ڈرتے، اس لئے پیغمبر بھیجنے کی ضرورت پیش آئی (۲)أَنْ: مفسرہ ہے، رسالت کی تفسیر کرتا ہے۔

وَاَنَا	اور میں	رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ	جہانوں کے پالنہار؟	اِلَيْكُمْ	تمہاری طرف
مِنَ الضَّآلِّيْنَ	بے خبروں میں سے تھا	قَالَ	جواب دیا	لَمَجْنُوْنٌ	یقیناً پاگل ہے
فَفَرَرْتُ	پس بھاگ گیا میں	رَبُّ	(وہ) رب	قَالَ	کہا اس نے
مِنْكُمْ	تمہارے پاس سے	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں	رَبُّ الْمَشْرِقِ	(وہ) رب ہے مشرق کا
لَمَّا	جبکہ	وَالْاَرْضِ	اور زمین کا ہے	وَالْمَغْرِبِ	اور مغرب کا
خِفْتُكُمْ	ڈرا میں تم سے	وَمَا بَيْنَهُمَا	اور انکا جو انکے درمیان ہیں	وَمَا بَيْنَهُمَا	اور انکا جو انکے درمیان ہیں
فَوَهَبَ	پس بخشی	اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم	اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم
لِيْ	مجھے	مُّوْقِنِيْنَ	یقین کرنے والے	تَعْقِلُوْنَ	سمجھتے
رَبِّيْ	میرے رب نے	قَالَ	کہا اس نے	قَالَ	کہا اس نے
حُكْمًا	دانشمندی	لِمَنْ	ان لوگوں سے جو	لَئِنِ	بخدا اگر
وَّجَعَلَنِيْ	اور بنایا مجھے	حَوْلَهٗٓ	اس کے اردگرد تھے	اتَّخَذْتَ	بنایا تو نے
مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ	رسولوں میں سے	اَلَا	کیا نہیں	اِلٰهًا	کوئی معبود
وَتِلْكَ [1]	اور وہ	تَسْتَمِعُوْنَ	سنتے تم؟	غَيْرِيْ	میرے سوا
نِعْمَةٌ	ایک احسان ہے	قَالَ	کہا اس نے	لَاَجْعَلَنَّكَ	تو ضرور کردونگا میں تجھے
تَمُنُّهَا	جتلاتا ہے تو اس کو	رَبُّكُمْ	(وہ) تمہارا رب ہے	مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ	قیدیوں میں سے
عَلَيَّ	مجھ پر	وَرَبُّ	اور رب ہے	قَالَ	کہا اس نے
اَنْ [2]	(بایں وجہ) کہ	اٰبَآئِكُمُ	تمہارے اسلاف کا	اَوَلَوْ	کیا اور اگر
عَبَّدْتَّ	غلام بنایا تو نے	الْاَوَّلِيْنَ	اگلے	جِئْتُكَ	لاؤں میں تیرے پاس
بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ	بنی اسرائیل کو	قَالَ	کہا اس نے	بِشَيْءٍ	کوئی چیز
قَالَ	پوچھا	اِنَّ رَسُوْلَكُمُ	بیشک تمہارا رسول	مُّبِيْنٍ	واضح
فِرْعَوْنُ	فرعون نے	الَّذِيْٓ	جو	قَالَ	کہا اس نے
وَمَا	اور کیا چیز ہے	اُرْسِلَ	بھیجا گیا ہے	فَاْتِ بِهٖٓ	پس لا تو اس کو

(۱) تلك: مبتدا، نعمة: خبر، تمنها: خبر کی صفت (۲) أن سے پہلے ب مقدر ہے، أی بأن عبدت۔

اِنْ كُنْتَ	اگر ہے تو	فَاِذَا هِيَ	پس اچانک وہ	يَدَهٗ	اپنا ہاتھ
مِنَ الصّٰدِقِيْنَ	سچوں میں سے	ثُعْبَانٌ	اژدہا تھی	فَاِذَا هِيَ	پس اچانک وہ
فَاَلْقٰى	پس ڈالی اس نے	مُّبِيْنٌ	واضح	بَيْضَآءُ	سفید (چمکتا) تھا
عَصَاهُ	اپنی لاٹھی	وَّنَزَعَ	اور نکالا اس نے	لِلنّٰظِرِيْنَ	دیکھنے والوں کے لئے

پہلا قصہ قوم فرعون کا

جب فرعون اور اس کی قوم نے حق کو جھٹلایا، رسولوں کا انکار کیا، اور دعوت کا مرحلہ پورا ہو چکا تو سمندر نے فرعون اور اس کے لشکر کا بیڑا غرق کر دیا، صفحۂ ہستی سے ان کو مٹا دیا۔ ان کا تفصیلی واقعہ پیش کیا جاتا ہے:

اور (یاد کرو) جب آپ کے رب نے موسیٰ کو پکارا —— یہ میدانِ سینا کا واقعہ ہے۔ جب طور پہاڑ پر موسیٰ علیہ السلام آگ لینے کے لئے پہنچے تو درخت میں آگ لگ رہی تھی، وہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی تجلی تھی، جو آگ کی صورت میں دکھائی دے رہی تھی۔ ابھی موسیٰ علیہ السلام دور فاصلہ پر تھے کہ درخت سے آواز آئی —— کہ آپ ظالموں کے پاس یعنی فرعون کی قوم کے پاس جایئے —— وہ اللہ کے حق میں بھی ظالم تھے، شرک میں مبتلا تھے، جو اللہ کی حق تلفی ہے اور بنی اسرائیل پر بھی ستم ڈھا رہے تھے، ان کو غلام بنا رکھا تھا، اور ان سے ہر طرح کی بیگار لیتے تھے —— کیا وہ ڈرتے نہیں؟ —— جی ڈرتے نہیں! استفہام تقریری ہے، ان لوگوں کے دل میں اللہ کا ڈر تھا نہ ظلم کے انجام کا۔ اس لئے ان کو ڈرانے کی ضرورت تھی، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا، تاکہ وہ ان کو نتائج اعمال سے ڈرائیں۔

کارِ نبوت میں مددگار کی درخواست: —— انھوں نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! بے شک میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلائیں —— چونکہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے گھر میں پرورش پائی تھی، وہ قبطیوں کے درمیان پلے بڑھے تھے، اس لئے وہ فرعون اور اس کی قوم کے مزاج سے خوب واقف تھے کہ وہ آسانی سے ماننے والی قوم نہیں، ضرور وہ لوگ دعوتِ حق کی تکذیب کریں گے —— اور میرا سینہ تنگ ہو جائے، اور میری زبان نہ چلے —— یعنی مجلس میں کوئی تائید کرنے والا نہ ہو تو ممکن ہے اس وقت ملول وحزیں ہو کر طبیعت رک جائے اور دل نہ کھلے، اور زبان میں کچھ لکنت پہلے سے تھی، اس لئے تنگ دل ہو کر بولنے میں رکاوٹ پیدا ہو جائے —— اس لئے ہارون کی طرف (بھی وحی) بھیجیں —— اور ان کو میرا شریک کار بنائیں، وہ موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ فصیح اللسان تھے —— اور ان کا میرے ذمہ ایک جرم ہے، اس لئے ڈر ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں —— یعنی اگر خدانخواستہ وہ مجھے قتل کر دیں تو دعوت کا

کام ہارون علیہ السلام انجام دیں گے، کام میں خلل نہیں پڑے گا۔

درخواست قبول ہوئی: ـــــ ارشاد فرمایا: ہرگز نہیں ـــــ یعنی ان کی کیا مجال کہ وہ تمہیں ہاتھ بھی لگا سکیں ـــــ پس تم دونوں میرے احکام لے کر جاؤ، ہم تمہارے ساتھ سننے والے ہیں ـــــ یعنی تمہاری درخواست کے موافق ہارون کو بھی نبوت سے سرفراز کر دیا۔ پس ان کو ساتھ لو، اور ہمارے معجزات واحکام لے کر فرعون کے پاس پہنچو، ان نشانات کے ساتھ ہوتے ہوئے تمہیں کیا ڈر ہے! بلکہ ہم خود ہر موقعہ پر تمہارے ساتھ ہونگے، اور فریقین کی گفتگو سن رہے ہوں گے۔

دو پیغام دے کر بھیجا: ـــــ پس تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ، اور اس سے کہو: ہم رب العالمین کے فرستادے ہیں: تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو (ملک شام) جانے دے ـــــ ان آیتوں میں دو پیغام ہیں، جن کے ساتھ موسیٰ وہارون علیہما السلام کو بھیجا گیا تھا: ایک: اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی دعوت، ہم رب العالمین کے فرستادے ہیں کا یہی مطلب ہے، دوم: بنی اسرائیل کی آزادی کا مطالبہ۔ بنی اسرائیل کا وطن ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے ملکِ شام تھا۔ یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں وہ ملکِ مصر میں آ بسے تھے، پہلے تو شاہی اعزاز کے ساتھ رہے، پھر غلام بنا دیئے گئے، قبطی ان سے غلاموں کی طرح بیگار لیتے تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ ان کی آزادی کا مطالبہ کیا گیا۔

فرعون نے کس طرح داعیوں کا استقبال کیا؟ ـــــ اس نے کہا: کیا ہم نے تمہیں بچپن میں اپنے پاس نہیں پالا؟ ـــــ یعنی تم شیر خوار تھے، ہم نے اپنے گھر میں تمہاری بڑے ناز ونعم سے پرورش کی ـــــ اور تم ہمارے پاس اپنی زندگی کے کئی سال رہے ـــــ یعنی ہمارا کھا کر پلے بڑھے ـــــ اور تم نے وہ حرکت کی جو کی ـــــ ہم اسے بھولے نہیں، تم قبطی کو قتل کر کے بھاگے ہو ـــــ اور تم ناسپاس لوگوں میں سے ہو ـــــ یعنی ہماری بلّی اور ہم سے میاؤں! ہمارا کھایا اور ہم پر غرّا رہے ہو! ہم ہی کو کافر ٹھہرا رہے ہو، اور ہم ہی کو جہنمی بتا رہے ہو!

موسیٰ علیہ السلام کا جواب: ـــــ انھوں نے جواب دیا: میں نے وہ حرکت تب کی تھی جب میں بے خبروں میں سے تھا، پس میں تمہارے پاس سے بھاگ گیا جب مجھے تمہارا ڈر لگا، پس میرے رب نے مجھے دانشمندی بخشی اور مجھ کو رسولوں میں شامل کر لیا ـــــ یعنی قبطی کا خون میں نے دانستہ نہیں کیا، نادانی سے ہو گیا تھا، اور وہی میرے یہاں سے بھاگنے کا سبب بنا، کیونکہ مجھے ڈر تھا کہ تم لوگ مجھے قتل کر دو گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ مجھے نبوت وحکمت سے سرفراز فرمائے، چنانچہ مجھے اس منصب پر فائز کیا، اور رسول بنا کر تمہاری طرف بھیجا، اور یہی میری صداقت کی دلیل ہے کہ جو شخص تم سے خوف کھا کر بھاگا تھا وہی آج بے خوف وخطر تم سے ہم کلام ہے ـــــ یہاں 'ضلال' کے معنی

بے خبری ہیں، گمراہی نہیں۔ سورۃ الضحیٰ (آیت ۷) میں بھی یہی معنی ہیں: ﴿وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى﴾: اور اللہ نے آپؐ کو (شریعت سے) بے خبر پایا، پس آپؐ کو باخبر کیا۔ عربی میں ضلال کے کئی معنی آتے ہیں اور ہر جگہ اس کا مطلب گمراہی نہیں ہوتا، یہاں بھی اس کا ترجمہ ''گمراہ'' کرنا درست نہیں۔

اور وہ ایک احسان ہے جس کو تم میرے سامنے جتلاتے ہو، بایں وجہ کہ تم نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے — یعنی بچپن میں تم نے مجھے پالا، یہ ایک احسان ہے، جو تم آج مجھ پر جتلا رہے ہو، مگر سوچو تمہیں یہ احسان کرنے کا موقعہ کیوں ملا؟ اسی لئے نہ کہ تم اسرائیلی بچوں کو ذبح کرتے تھے، چنانچہ میری امی نے مجھے تابوت میں رکھ کر دریا میں چھوڑ دیا، اور میں تمہارے محل میں پہنچ گیا۔ اور تم نے مجھے اٹھا لیا اور پالا، پس یہ احسان تو تمہارے زہرہ گداز مظالم کا نتیجہ تھا۔ اور بنی اسرئیل کو غلام بنانے کی وجہ سے تھا، پس وہ کیا احسان ہوا جو آج تم جتلا رہے ہو؟!

اللہ تعالیٰ کے بارے میں سوال و جواب: — فرعون نے کہا: رب العالمین کیا چیز ہے؟ — موسیٰ اور ہارون علیہما السلام نے کہا تھا کہ ہم رب العالمین کے بھیجے ہوئے ہیں، اس پر فرعون نے یہ سوال کیا کہ رب العالمین کی حقیقت کیا ہے؟ — موسیٰؑ نے جواب دیا: وہ رب ہے آسمانوں اور زمین کا اور ان چیزوں کا جو ان کے درمیان ہیں، اگر تم یقین کرو — تو یہ تعارف کافی ہے!

فرعون نے باری تعالیٰ کی حقیقت و ماہیت پوچھی تھی، مگر اللہ کی کُنہ اور حقیقت نہیں جانی جاسکتی، ان کو صفات ہی کے ذریعہ پہچانا جاسکتا ہے، اس لئے موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کی صفات بیان کیں، اور آگے بھی صفات ہی بیان کریں گے۔

اس نے اپنے اردگرد کے لوگوں سے کہا: کیا آپ لوگ سنتے نہیں! — سوال از آسماں جواب از ریسماں! سوال آسمان کے بارے میں جواب رسّی کے بارے میں، اُوٹ پٹانگ جواب۔ اس طرح فرعون نے بات رلائی، اور اپنے چیلوں کا ایمان بچایا!

موسیٰؑ نے کہا: وہ تمہارا اور تمہارے اگلے باپ داداوں کا رب ہے — یعنی جس نے تم کو اور تمہارے اسلاف کو پیدا کیا وہی رب العالمین ہے — اس نے کہا: بے شک تمہارا یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے یقیناً پاگل ہے — یعنی کس دیوانے کو رسول بنا کر بھیجا ہے کہ اس میں بات کرنے کا بھی سلیقہ نہیں، ہمارے باپ دادوں کی خبر لیتا ہے، اس کا دماغ عقل سے بالکل خالی ہے! یہ اپنی محفل میں متکلم کو بدنام کرنے کی آخری کوشش ہے۔

موسیٰؑ نے کہا: وہ رب ہے مشرق و مغرب کا، اور ان چیزوں کا جو ان کے درمیان ہیں، اگر تم سمجھتے ہو — تو بوجھو! یعنی رب العالمین وہ ہے جو مشرق سے لے کر مغرب تک کا مالک ہے، اگر تم میں ذرا بھی عقل ہو تو غور کرو، یہ

عظیم الشان نظام کس نے بنایا ہے؟ اور اس کو برقرار رکھنے والا کون ہے؟ وہی ذات رب العالمین ہے، اور ہم اسی کے فرستادے ہیں۔

فرعون کی دھمکی: ـــــ اس نے کہا: بخدا! اگر تو نے میرے سوا کوئی اور معبود تجویز کیا تو میں تجھے ضرور جیل بھیج دونگا ـــــ کھسیانی بلّی کھمبا نوچے! شرمندہ دوسروں پر اپنی شرمندگی اتارتا ہے، جواب نہ بن پڑا تو لاٹھی اٹھائی، آخری بات سن کر جب فرعون مبہوت ہوگیا تو دھمکیوں پر اتر آیا۔

موسیٰ نے کہا: اگر میں کوئی واضح دلیل پیش کروں تب بھی! ـــــ تیرا فیصلہ یہی رہے گا مجھے قید میں ڈال دے گا؟ ـــــ اس نے کہا: پس پیش کر وہ دلیل اگر تو سچا ہے ـــــ دیکھیں تیرے بھی بَل کہ تو کتنے پانی میں ہے!

پس موسیٰ نے اپنی لاٹھی ڈالی، اچانک وہ نمایاں اژدھا تھی، اور انھوں نے اپنا ہاتھ (بغل میں دے کر) نکالا تو وہ اچانک دیکھنے والوں کے لئے چمکتا تھا ـــــ یہ موسیٰ علیہ السلام کے دو بڑے معجزے تھے۔ ان کو دیکھ کر فرعون حواس باختہ ہوگیا، اس کا اندازہ اگلی آیات سے ہوگا۔

قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗٓ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۖ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۳۶﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ﴿۳۷﴾ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۳۸﴾ وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ﴿۳۹﴾ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۰﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۱﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۲﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۴۵﴾ فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۴۸﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۗ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۹﴾

قَالُوْا لَا ضَيْرَ ۫ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ۟ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَآ اَنْ كُنَّآ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۟ (۵۱) ع ۳

قَالَ	کہا اس نے	فِي الْمَدَآئِنِ	شہروں میں	السَّحَرَةَ	جادوگروں کی
لِلْمَلَاِ (۱)	سرداروں سے	حٰشِرِيْنَ	جمع کرنے والوں کو	اِنْ كَانُوْا	اگر ہوں وہ
حَوْلَهٗٓ	اس کے اردگرد	يَاْتُوْكَ	لائیں وہ آپ کے پاس	هُمُ	ہی
اِنَّ هٰذَا	بے شک یہ	بِكُلِّ	تمام	الْغٰلِبِيْنَ (۳)	جیتنے والے
لَسٰحِرٌ	یقیناً جادوگر ہے	سَحَّارٍ	جادوگر	فَلَمَّا	پس جب
عَلِيْمٌ	ماہر	عَلِيْمٍ	ماہریں کو	جَآءَ	آئے
يُّرِيْدُ	چاہتا ہے	فَجُمِعَ	پس اکٹھا کئے گئے	السَّحَرَةُ	جادوگر
اَنْ	کہ	السَّحَرَةُ	جادوگر	قَالُوْا	کہا انھوں نے
يُّخْرِجَكُمْ	نکال دے تم کو	لِمِيْقَاتِ	خاص وقت کے لئے	لِفِرْعَوْنَ	فرعون سے
مِّنْ اَرْضِكُمْ	تمہاری زمین سے	يَوْمٍ	دن	اَئِنَّ	کیا بے شک
بِسِحْرِهٖ	اپنے جادو سے	مَّعْلُوْمٍ	معین کے	لَنَا	ہمارے لئے
فَمَاذَا	پس کیا	وَّقِيْلَ	اور کہا گیا	لَاَجْرًا	البتہ صلہ ہے
تَاْمُرُوْنَ	حکم دیتے ہو تم ؟	لِلنَّاسِ	لوگوں سے	اِنْ كُنَّا	اگر ہوں ہم
قَالُوْٓا	کہا انھوں نے	هَلْ اَنْتُمْ	کیا تم	نَحْنُ	ہی
اَرْجِهْ (۲)	ڈھیل دیں اس کو	مُّجْتَمِعُوْنَ	اکٹھا ہونے والے ہو	الْغٰلِبِيْنَ	جیتنے والے
وَاَخَاهُ	اور اس کے بھائی کو	لَعَلَّنَا	شاید ہم	قَالَ	کہا اس نے
وَابْعَثْ	اور بھیجیں	نَتَّبِعُ	پیروی کریں	نَعَمْ	ہاں

(۱) الملأ: جمع أملاءٌ: سرداران قوم، سربرآوردہ لوگ......اور حولہ: حال کی جگہ میں ہے (۲) أرْجِهْ: فعل امر، صیغہ واحد مذکر حاضر، ہٗ: ضمیر مفعول أَرْجَأَ الأمر: مؤخر کرنا، ملتوی کرنا، امر کے آخر سے ہمزہ تخفیفاً حذف کیا ہے (۳) پہلی دو جگہ الغالبین: کان کی خبر ہے، اس لئے حالتِ نصبی میں ہے، اور تیسری جگہ نحن کی خبر ہے، اس لئے حالت رفعی میں ہے۔

وَاِنَّكُمْ	اور بے شک تم	تَلْقَفُ[۱]	نگل رہی ہے	السِّحْرَ	جادو
اِذًا	تب تو	مَا	اس کو جو	فَلَسَوْفَ	پس عنقریب
لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ	نزدیک کئے ہوؤں	يَأْفِكُوْنَ[۲]	گھڑ کر لائے ہیں وہ	تَعْلَمُوْنَ	جانو گے تم
	میں سے ہو	فَاُلْقِيَ	پس ڈالے گئے	لَاُقَطِّعَنَّ	ضرور کاٹوں گا میں
قَالَ لَهُمْ	کہا ان سے	السَّحَرَةُ	جادوگر	اَيْدِيَكُمْ	تمہارے ہاتھ
مُّوْسٰٓى	موسیٰ نے	سٰجِدِيْنَ	سجدے میں	وَاَرْجُلَكُمْ	اور تمہارے پاؤں
اَلْقُوْا	ڈالو	قَالُوْٓا	کہا انھوں نے	مِّنْ خِلَافٍ	مخالف جانب سے
مَآ اَنْتُمْ	جو کچھ تم	اٰمَنَّا	ایمان لائے ہم	وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ	اور ضرور سولی دونگا
مُّلْقُوْنَ	ڈالنے والے ہو	بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ	جہانوں کے ربّ پر		میں تمہیں
فَاَلْقَوْا	پس ڈالی انھوں نے	رَبِّ مُوْسٰى	موسیٰ کا رب	اَجْمَعِيْنَ	سبھی کو
حِبَالَهُمْ	اپنی رسیاں	وَهٰرُوْنَ	اور ہارون کا	قَالُوْا	کہا انھوں نے
وَعِصِيَّهُمْ	اور اپنی لاٹھیاں	قَالَ	کہا اس نے	لَا ضَيْرَ	کچھ حرج نہیں
وَقَالُوْا	اور کہا انھوں نے	اٰمَنْتُمْ	ایمان لائے تم	اِنَّآ	بے شک ہم
بِعِزَّةِ	عزت کی قسم	لَهٗ	اس پر	اِلٰى رَبِّنَا	ہمارے رب کی طرف
فِرْعَوْنَ	فرعون کی	قَبْلَ	پہلے	مُنْقَلِبُوْنَ	البتہ لوٹنے والے ہیں
اِنَّا لَنَحْنُ	بے شک ہم ہی	اَنْ	اس سے کہ	اِنَّا	بے شک ہم
الْغٰلِبُوْنَ	جیتنے والے ہیں	اٰذَنَ لَكُمْ	اجازت دوں میں تمہیں	نَطْمَعُ	امید رکھتے ہیں
فَاَلْقٰى	پس ڈالی	اِنَّهٗ	بے شک وہ	اَنْ يَّغْفِرَ	کہ بخشیں گے
مُوْسٰى	موسیٰ نے	لَكَبِيْرُكُمُ	البتہ تمہارا بڑا ہے	لَنَا	ہمارے لئے
عَصَاهُ	اپنی لاٹھی	الَّذِيْ	جس نے	رَبُّنَا	ہمارے پروردگار
فَاِذَا هِيَ	پس اچانک وہ	عَلَّمَكُمُ	سکھلایا تمہیں	خَطٰيٰنَآ	ہماری خطائیں

(۱) تَلْقَفُ: مضارع، واحد مؤنث لَقِفَ (س) الشيئَ: اچک لینا، نگل جانا (۲) أفك (ض) الأمر عن وجهه: صحیح رخ سے پھیر دینا، الٹا کر دینا۔

اَنْ كُنَّآ	(اس وجہ سے) کہ ہم ہیں	اَوَّلَ	پہلے	الْمُؤْمِنِيْنَ	ایمان لانے والے

فرعون معجزات کا مقابلہ کرتا ہے

موسیٰ علیہ السلام کا بڑا معجزہ ان کی لاٹھی تھی، جو اژدہا بن جاتی تھی، یہی معجزہ موسیٰ علیہ السلام نے سب سے پہلے فرعون کو دکھایا۔ دوسرا معجزہ ید بیضاء تھا۔ ہاتھ بغل میں دے کر نکالتے تھے تو چمکنے لگتا تھا، پھر بغل میں دینے سے بجھ جاتا تھا۔ یہ معجزہ بھی پہلے معجزہ کے قبیل سے تھا، چنانچہ ـــــ فرعون نے ارکانِ دولت سے جو اس کے پاس تھے، کہا: یہ بڑا ماہر جادوگر ہے، چاہتا ہے کہ تمھیں تمہاری سرزمین سے اپنے جادو کے زور سے نکال دے، پس تم کیا حکم دیتے ہو؟ ـــــ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو جادو قرار دیا۔ اس نے ارکانِ دولت سے مشورہ کیا کہ اس کا مقابلہ کیسے کیا جائے؟ اگر ہم اس کا مقابلہ نہیں کریں گے تو یہ ہمیں اپنے ملک سے بے دخل کردے گا ـــــ انھوں نے کہا: اُسے اور اس کے بھائی کو ڈھیل دیں، اور شہروں میں ہرکارے دوڑائیں، جو آپ کے پاس ہر ماہر جادوگر کو لے آئیں ـــــ یعنی لوہے کو فولاد کاٹتا ہے، آپ کے ملک میں جادوگروں کی کمی نہیں، آپ دونوں کے معاملہ میں ڈھیلے (تاخیر) کریں، اور ہر شہر میں چپراسی بھیج دیں، جو سب ماہر جادوگروں کو آپ کی خدمت میں لے آئیں، اور آپ اُن کے ذریعہ اِن کا مقابلہ کریں۔

پس جادوگر ایک معین دن کے خاص وقت کے لئے جمع کئے گئے ـــــ سورۂ طٰہٰ (آیت ۵۹) میں ہے: موسیٰ نے کہا: ''تمہارا وعدے کا وقت جشن کا دن ہے، اور یہ کہ لوگ دن چڑھے جمع کئے جائیں'' ـــــ اور لوگوں سے کہا گیا: ''کیا تم اکٹھے ہوؤ گے، شاید ہم جادوگروں کی پیروی کریں اگر وہی جیتیں ـــــ یعنی منادی کرائی کہ سب لوگوں کو موقعہ پر جمع ہونا چاہئے۔ امید قوی ہے کہ ہمارے جادوگر غالب آئیں گے، اور جب مقابلہ میں ہمارا پلّہ بھاری رہے گا تو سارا ملک انہیں کی راہ پر چلے گا۔ کسی کے لئے ہمارے طریقہ سے منحرف ہونے کی گنجائش باقی نہیں رہے گی۔

پس جب جادوگر آگئے تو انھوں نے فرعون سے کہا: کیا ہمارے لئے کچھ صلہ ہے اگر ہم جیتے؟ ـــــ جادوگر، کاہن، جوتشی اور عامل کسی کا کام مفت نہیں کرتے، وہ کاروبار کرتے ہیں، اور ان کی آمدنی ہی ان کی معیشت ہے، پس جادوگروں نے اپنی فطرت کا مظاہرہ کیا ـــــ فرعون نے کہا: ہاں! اور تم مقربین میں شامل ہو جاؤ گے ـــــ یعنی وقتی انعام سے بھی نوازے جاؤ گے، اور تمہارا دائمی اکرام بھی ہوگا، تم میرے خاص مصاحبوں میں شمار کئے جاؤ گے۔

موسیٰ نے جادوگروں سے کہا: ''ڈالو تمھیں جو کچھ ڈالنا ہے'' ـــــ یعنی تم پہلے اپنی طاقت آزمالو! ـــــ پس

انھوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں، اور انھوں نے کہا: فرعون کی عزت کی قسم! ہم ہی جیتیں گے! —— یعنی فرعون کی جے ہو! ہم ہی پالا ماریں گے! سورۂ طٰہٰ (آیت ۶۶) میں ہے: ''پس یکا یک ان کی رسّیاں اور لاٹھیاں، ان کے جادو کی وجہ سے موسیٰ کے خیال میں آنے لگیں کہ وہ دوڑ رہی ہیں'' یعنی نظر بندی کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام کو وہ رسیاں اور لاٹھیاں سانپوں کی شکل میں دوڑتی نظر آئیں، مگر واقعہ ایسا نہیں تھا —— پس موسیٰ نے اپنی لاٹھی ڈالی، وہ اچانک نگلنے لگی اس سوانگ کو جو وہ بنالائے تھے —— یعنی جب موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی ڈالی تو اس نے اژدھا بن کر ساحروں کے تمام شعبدوں کو نگل لیا، اور تھوڑی دیر میں میدان صاف ہوگیا، اور ساحر اپنے سحر میں ناکام ہوگئے —— پس جادوگر سجدے میں ڈال دیئے گئے —— یعنی بہ توفیقِ الٰہی وہ ایمان سے سرفراز ہوئے، اور اپنا ایمان وانقیاد ظاہر کرنے کے لئے وہ سجدہ ریز ہوئے، اور —— انھوں نے کہا: ''ہم رب العالمین پر ایمان لائے، جو موسیٰ وہارون کے رب ہیں —— اس طرح فرعون کا سارا کھیل بکھر گیا، موسیٰ علیہ السلام کو شکست دینے کی جو آخری صورت تھی وہ بھی ہاتھ سے گئی، اور اندیشہ لاحق ہوگیا کہ کہیں مصری عوام ہاتھ سے نہ جائیں، چنانچہ —— فرعون نے کہا: تم اس پر ایمان لے آئے، اس سے پہلے کہ میں تم کو اجازت دیتا —— یعنی تم میری رعایا ہو، میدانِ مقابلہ میں میرے نمائندے ہو، پھر مجھ سے پوچھے بغیر کیوں ایمان لائے؟ —— وہ یقیناً تمہارا بڑا ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے —— اور یہ مقابلہ بازی تمہاری ملی بھگت ہے، اب میں تمہیں عبرتناک سزا دونگا، تاکہ آئندہ کسی کو ایسی غداری کی ہمت نہ ہو —— پس تم عنقریب جانو گے: میں ضرور تمہارے مخالف جانب سے ہاتھ پاؤں کاٹوں گا، اور میں ضرور تم کو سولی پر لٹکاؤں گا —— فرعون کی سزائیں ضرب المثل ہیں، وہ جس کو قتل کرتا چومیخا کرتا، اور تڑپا تڑپا کر مارتا، مگر جادوگروں نے جواب ایمان لاچکے تھے بڑی بہادری سے جواب دیا —— انھوں نے کہا: کچھ حرج نہیں! ہم یقیناً اپنے پروردگار کی طرف لوٹنے والے ہیں، ہم امید رکھتے ہیں کہ ہماری خطائیں معاف فرمائے گا، اس وجہ سے کہ ہم سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں —— ان مؤمنین نے کہا: کرلے تجھے جو کرنا ہے! ہمیں بہرحال مر کر اللہ کے یہاں جانا ہے، اس طرح مریں گے تو شہادت کا درجہ ملے گا، اور چونکہ ہم نے بھرے مجمع میں ظالم فرعون کے روبرو سب سے پہلے ایمان قبول کیا ہے اس لئے ہمیں امید ہے کہ حق تعالیٰ ہماری اِس لغزش کو معاف فرمائیں گے جو ہم سے ایک سچے پیغمبر کے مقابلہ میں سرزد ہوئی۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۵۲﴾ فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي

الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۵۷﴾ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۵۸﴾ كَذٰلِكَ ؕ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۵۹﴾ فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴿۶۲﴾ فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ؕ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ﴿۶۳﴾ وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ﴿۶۴﴾ وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿۶۵﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۶۶﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۶۷﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۶۸﴾ ع

وَاَوْحَيْنَآ	اور وحی بھیجی ہم نے	اِنَّ	بے شک	مِّنْ جَنّٰتٍ	باغات سے
اِلٰى مُوْسٰٓى	موسیٰ کی طرف	هٰٓؤُلَآءِ	یہ لوگ	وَّعُيُوْنٍ	اور چشموں سے
اَنْ	کہ	لَشِرْذِمَةٌ(۲)	البتہ جماعت ہے	وَّكُنُوْزٍ	اور خزانوں
اَسْرِ	رات میں لے چلیں	قَلِيْلُوْنَ	تھوڑی	وَّمَقَامٍ	اور ٹھکانوں
بِعِبَادِيْٓ	میرے بندوں کو	وَاِنَّهُمْ	اور بے شک وہ	كَرِيْمٍ	عمدہ (سے)
اِنَّكُمْ	بے شک تم	لَنَا	ہمیں	كَذٰلِكَ(۵)	ایسا ہی (ہوا)
مُّتَّبَعُوْنَ(۱)	پیچھا کیے ہوئے ہو	لَغَآئِظُوْنَ(۳)	انتہائی غصہ دلانے والے ہیں	وَاَوْرَثْنٰهَا	اور وارث بنایا ہم نے انکا
فَاَرْسَلَ	پس بھیجے	وَاِنَّا	اور بے شک ہم	بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ	بنی اسرائیل کو
فِرْعَوْنُ	فرعون نے	لَجَمِيْعٌ	البتہ بڑی جماعت ہیں	فَاَتْبَعُوْهُمْ	پس پیچھا کیا انھوں نے انکا
فِي الْمَدَآئِنِ	شہروں میں	حٰذِرُوْنَ(۴)	مسلّح	مُّشْرِقِيْنَ	سورج نکلنے کے وقت
حٰشِرِيْنَ	جمع کرنے والے	فَاَخْرَجْنٰهُمْ	پس نکالا ہم نے ان کو	فَلَمَّا	پس جب

(۱) مُتَّبَع: اسم مفعول، اتّباع: پیچھا کرنا (۲) شِرْذِمَةٌ: قلیل جماعت (۳) غائظ: اسم فاعل: غصہ دلانے والا مادہ غیظ: انتہائی غصہ (۴) حاذر: اسم فاعل، مادہ حَذِرٌ: خوفناک بات سے بچنا، اور چونکہ خطرہ کے موقع پر ہتھیار باندھے جاتے ہیں اس لئے مسلّح ترجمہ کیا ہے (۵) كذلك: مستقل جملہ ہے أی كذلك فعلنا۔

تَرَآءَ	ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں	اَنِ	کہ	اَجْمَعِيْنَ	سبھی کو
		اضْرِبْ	ماریے	ثُمَّ اَغْرَقْنَا	پھر ڈبو دیا ہم نے
الْجَمْعٰنِ	دونوں جماعتیں	بِّعَصَاكَ	اپنی لاٹھی سے	الْاٰخَرِيْنَ	دوسروں کو
قَالَ	کہا	الْبَحْرَ	سمندر کو	اِنَّ	بے شک
اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى	موسیٰ کے ساتھیوں نے	فَانْفَلَقَ (۲)	پس پھٹ گیا سمندر	فِيْ ذٰلِكَ	اس میں
اِنَّا	بے شک ہم	فَكَانَ	پس تھا	لَاٰيَةً	البتہ بڑی نشانی ہے
لَمُدْرَكُوْنَ (۱)	یقیناً پالئے گئے	كُلُّ فِرْقٍ	ہر ٹکڑا	وَمَا كَانَ	اور نہیں تھے
قَالَ	کہا	كَالطَّوْدِ	جیسے پہاڑ	اَكْثَرُهُمْ	ان کے اکثر
كَلَّا	ہرگز نہیں	الْعَظِيْمِ	بڑا	مُّؤْمِنِيْنَ	ایمان لانے والے
اِنَّ مَعِيَ	بے شک میرے ساتھ	وَاَزْلَفْنَا	اور نزدیک لے آئے ہم	وَاِنَّ	اور بے شک
رَبِّيْ	میرا رب ہے	ثَمَّ	اس جگہ	رَبَّكَ	تیرا رب
سَيَهْدِيْنِ	عنقریب راہ دکھائے گا مجھے	الْاٰخَرِيْنَ	دوسروں کو	لَهُوَ	البتہ وہ
		وَاَنْجَيْنَا	اور بچالیا ہم نے	الْعَزِيْزُ	زبردست
فَاَوْحَيْنَآ	پس وحی بھیجی ہم نے	مُوْسٰى	موسیٰ کو	الرَّحِيْمُ	بڑا مہربان ہے
اِلٰى مُوْسٰٓى	موسیٰ کی طرف	وَمَنْ مَّعَهٗٓ	اور ان کے ساتھیوں کو	۞	۞

فرعون اور اس کی قوم کا آخری انجام

جب عرصۂ دراز تک سمجھانے اور نشانات دکھلانے کے باوجود فرعون نے حق کو قبول نہ کیا، اور بنی اسرائیل کو ستانا نہ چھوڑا تو ان کے آخری فیصلے کا وقت آگیا —— اور وحی بھیجی ہم نے موسیٰ کی طرف کہ رات میں لے چلیں میرے بندوں کو، بے شک تمہارا تعاقب کیا جائے گا —— چنانچہ موسیٰ علیہ السلام رات میں بنی اسرائیل کو لے کر شہر سے نکل گئے، موسیٰ علیہ السلام کو پہلے ہی بتادیا تھا کہ فرعونی تمہارا پیچھا کریں گے، تم گھبرانا نہیں —— پس فرعون نے شہروں میں چپراسی بھیجے —— تا کہ فوج جمع کرلائیں۔ اس زمانہ میں ہر شخص فوجی ہوتا تھا، ہر شخص جنگ لڑنے کی تربیت پائے

(۱) مُدْرَكٌ: اسم مفعول، إدراك: پانا، اصلی معنی: کسی چیز کا اپنی انتہا کو پہنچ جانا (۲) إنفلاق: پھٹ جانا۔

ہوئے ہوتا تھا ـــــ اور فرعون نے ہرکاروں کے ذریعہ ملک کے لوگوں کو تین باتیں کہلوائیں:

۱- بے شک یہ لوگ مٹھی بھر جماعت ہیں ـــــ اور ہماری بھاری تعداد ہے، پس ان سے نمٹنا کچھ مشکل نہیں، لوگ بے خوف ہو کر نکلیں۔

۲- اور بے شک وہ ہمیں انتہائی غصہ دلانے والے ہیں ـــــ کیونکہ وہ خفیہ چالاکی سے نکل گئے ہیں، اور ہمارا بہت سازیور بھی عاریت کے بہانے لے گئے ہیں، غرض ہمیں احمق بنا کر گئے ہیں، اس لئے ضرور ان کا تعاقب کرنا چاہئے۔

۳- اور بے شک ہم مسلّح بھاری جماعت ہیں ـــــ یعنی ہم بنی اسرائیل سے تعداد میں زیادہ ہیں اور مسلّح ہیں، اور وہ نہتّے ہیں، ان کا مقابلہ کیا مشکل ہے، نکلو ابھی ان کو گاجر مولی کی طرح کاٹ دیتے ہیں ـــــ چونکہ بنی اسرائیل غلام تھے، اس لئے ان کو ہتھیار رکھنے کی اور فوجی تربیت حاصل کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ اور قبطی حاکم قوم تھی، اس لئے ہر شخص فوجی تربیت حاصل کئے ہوئے تھا۔ اور ہر شخص کے پاس ہتھیار تھے، تا کہ کسی بھی ممکنہ خطرہ سے نمٹا جا سکے۔

پس ہم نے ان کو باغات سے، چشموں سے، خزانوں سے اور عمدہ ٹھکانوں سے نکالا ـــــ یعنی فرعون کی مذکورہ باتیں سن کر پورا ملک جوش میں آ گیا، اور قبطی گھر بار، مال و دولت، باغ کھیتیاں اور شاندار کوٹھیاں چھوڑ کر بنی اسرائیل کے تعاقب کے لئے نکل پڑے ـــــ ایسا ہی ہوا ـــــ یعنی اس تدبیر سے اللہ تعالیٰ سب سرغنوں کو لے چلے ـــــ اور ہم نے ان چیزوں کا بنی اسرائیل کو وارث بنایا ـــــ یعنی ان تعاقب کرنے والوں کو پھر لوٹنا نصیب نہ ہوا، دنیا کی یہ سب نعمتیں بنی اسرائیل کے حصے میں آئیں ـــــ خیال رہے کہ ﴿وَأَوْرَثْنَاهَا﴾ سے فرعون کے متروکات ہی مراد نہیں، بلکہ دنیا کی یہ نعمتیں مراد ہیں، خواہ کہیں سے حاصل ہوں۔ کہنا صرف یہ ہے کہ فرعونی ان سب چیزوں کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر نکل چلے، اور بنی اسرائیل ان کے بعد دنیا میں پھلے پھولے!

پس ان لوگوں نے بنی اسرائیل کا پیچھا کیا سورج نکلنے کے وقت ـــــ یعنی ایک صبح انہیں جا لیا ـــــ پھر جب دونوں جماعتیں ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں تو موسیٰ کے ساتھیوں نے کہا: ''بے شک ہم پکڑے گئے!'' ـــــ یعنی دشمن سر پے آ لیا، اب ان کے ہاتھ سے کیسے بچیں گے؟ آگے سمندر کی ٹھاٹھیں مارتی موجیں ہیں، اور پیچھے کوہ پیکر لشکر چلا آ رہا ہے! اب بچنے کی کوئی راہ نہیں! ـــــ موسیٰ نے کہا: ''ہرگز نہیں! میرے ساتھ میرا رب ہے، وہ ابھی مجھے راستہ دکھائے گا ـــــ یعنی گھبراؤ نہیں، اللہ کے وعدوں پر اطمینان رکھو، اس کی حمایت و نصرت میرے ساتھ ہے، وہ یقیناً ہمارے لئے کوئی راستہ نکال دے گا، ناممکن ہے کہ دشمن ہم کو پکڑ سکے۔

پس ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ اپنی لاٹھی سے سمندر کو ماریں، پس سمندر پھٹ گیا، اور ہر ٹکڑا بڑے پہاڑ کی

طرح ہوگیا ـــــ یعنی سمندر بارہ جگہ سے پھٹ گیا، اور خشک راستے نکل آئے، بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے الگ الگ راہوں سے گذر گئے، اور بیچ میں پانی پہاڑ کی طرح کھڑا رہا ـــــ اور ہم دوسروں کو اس جگہ قریب لے آئے، اور ہم نے موسیٰ کو اور ان کے ساتھیوں کو نجات دی، اور دوسروں کو غرقاب کردیا ـــــ یعنی جتنی دیر میں بنی اسرائیل سمندر سے پار ہوئے فرعونی لشکر بھی قریب آگیا، اور دریا میں راستے دیکھ کر بے سوچے سمجھے بنی اسرائیل کے پیچھے سمندر میں گھس پڑا۔ جب تمام لشکر دریا کی لپیٹ میں آگیا تو موسیٰ علیہ السلام نے حکم خداوندی سے پھر دریا پر لاٹھی ماری، چنانچہ پانی کے پہاڑ ایک دوسرے سے مل گئے، اور سب فرعون لقمۂ اجل بن گئے۔

بے شک اس میں (مشرکینِ مکہ کے لئے) بڑی نشانی ہے، اور ان کے اکثر ایمان لانے والے نہیں، اور آپ کا رب یقیناً زبردست بڑا مہربان ہے ـــــ یہ سب واقعات مشرکین مکہ کو سنائے جارہے ہیں تاکہ وہ عبرت پکڑیں، مگر کتے کی دم ٹیڑھی رہے گی، ان میں سے اکثر ایمان نہیں لائیں گے، پھر ان پر عذاب کیوں نہیں آسکتا؟ اللہ تعالیٰ زبردست ہیں! مگر ابھی دعوت کا مرحلہ چل رہا ہے، اس لئے ان کو سنبھلنے کا موقعہ دیا جارہا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ بڑے مہربان بھی ہیں۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ إِبْرٰهِيمَ ﴿٦٩﴾ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ ﴿٧٠﴾ قَالُوا نَعْبُدُ أَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِينَ ﴿٧١﴾ قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ ﴿٧٢﴾ أَوْ يَنْفَعُونَكُمْ أَوْ يَضُرُّونَ ﴿٧٣﴾ قَالُوا بَلْ وَجَدْنَا آبَاءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُونَ ﴿٧٤﴾ قَالَ أَفَرَءَيْتُمْ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ ﴿٧٥﴾ أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمُ الْأَقْدَمُونَ ﴿٧٦﴾ فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِي إِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِينَ ﴿٧٧﴾ الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ ﴿٧٨﴾ وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ ﴿٧٩﴾ وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ ﴿٨٠﴾ وَالَّذِي يُمِيتُنِي ثُمَّ يُحْيِينِ ﴿٨١﴾ وَالَّذِي أَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ ﴿٨٢﴾ رَبِّ هَبْ لِي حُكْمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصّٰلِحِينَ ﴿٨٣﴾ وَاجْعَلْ لِي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ ﴿٨٤﴾ وَاجْعَلْنِي مِنْ وَرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيمِ ﴿٨٥﴾ وَاغْفِرْ لِأَبِي إِنَّهُ كَانَ مِنَ الضَّالِّينَ ﴿٨٦﴾ وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ ﴿٨٧﴾ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ ﴿٨٨﴾ إِلَّا مَنْ أَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ

سَلِيْمٍ ﴿۸۹﴾ وَ اُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۹۰﴾ وَ بُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ ﴿۹۱﴾ وَقِيْلَ لَهُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۹۲﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا هُمْ وَالْغَاوٗنَ ﴿۹۴﴾ وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ اَجْمَعُوْنَ ﴿۹۵﴾ قَالُوْا وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۹۶﴾ تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۷﴾ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَمَآ اَضَلَّنَآ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۹۹﴾ فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾

وَاتْلُ	اور پڑھیں آپ	عٰكِفِيْنَ	جمے بیٹھے	قَالَ	کہا اس نے
عَلَيْهِمْ	ان کے سامنے	قَالَ	کہا اس نے	اَفَرَءَيْتُمْ	بتلاؤ
نَبَاَ	خبر	هَلْ	کیا	مَّا كُنْتُمْ	جن کی
اِبْرٰهِيْمَ	ابراہیمؑ کی	يَسْمَعُوْنَكُمْ	سنتے ہیں وہ تمہاری	تَعْبُدُوْنَ	تم عبادت کیا کرتے ہو
اِذْ قَالَ	جب کہا انھوں نے	اِذْ	جب	اَنْتُمْ	تم
لِاَبِيْهِ	اپنے باپ سے	تَدْعُوْنَ	پکارتے ہو تم	وَ اٰبَآؤُكُمُ	اور تمہارے باپ
وَقَوْمِهٖ	اور اپنی قوم سے	اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ	یا نفع پہنچاتے ہیں وہ تمہیں	الْاَقْدَمُوْنَ	پرانے
مَا تَعْبُدُوْنَ	کس کو پوجتے ہو تم؟	اَوْ يَضُرُّوْنَ	یا نقصان پہنچاتے ہیں وہ	فَاِنَّهُمْ	پس بے شک وہ
قَالُوْا	کہا انھوں نے	قَالُوْا	انھوں نے کہا	عَدُوٌّ لِّيْٓ	دشمن ہیں میرے
نَعْبُدُ	پوجتے ہیں ہم	بَلْ وَجَدْنَآ	بلکہ پایا ہم نے	اِلَّا (۱)	لیکن
اَصْنَامًا	مورتیوں کو	اٰبَآءَنَا	اپنے باپوں کو	رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ	جہانوں کے پالنہار
فَنَظَلُّ	پس رہتے ہیں ہم	كَذٰلِكَ	اسی طرح	الَّذِيْ	جس نے
لَهَا	ان کے سامنے	يَفْعَلُوْنَ	کرتے ہوئے	خَلَقَنِيْ	پیدا کیا مجھے

(۱) استثناء منقطع ہے، کیونکہ رب العالمین: ما کنتم تعبدون کی جنس سے نہیں۔

فَهُوَ	پس وہ	وَاَلْحِقْنِیْ	اور ملائیں آپ مجھے	وَ اُزْلِفَتِ	اور نزدیک کی گئی
يَهْدِيْنِ	مجھے راہ دکھاتا ہے	بِالصّٰلِحِيْنَ	نیک لوگوں کے ساتھ	الْجَنَّةُ	جنت
وَالَّذِیْ	اور جو کہ	وَاجْعَلْ لِّیْ	اور بنائیں میرے لئے	لِلْمُتَّقِيْنَ	پرہیزگاروں سے
هُوَ	وہ	لِسَانَ صِدْقٍ	سچی زبان	وَبُرِّزَتِ	اور ظاہر کی گئی
يُطْعِمُنِیْ	کھلاتا ہے مجھے	فِی الْاٰخِرِيْنَ	پچھلوں میں	الْجَحِيْمُ	دوزخ
وَ يَسْقِيْنِ	اور پلاتا ہے مجھے	وَاجْعَلْنِیْ	اور بنائیں مجھے	لِلْغٰوِيْنَ	گمراہوں کے لئے
وَاِذَا	اور جب	مِنْ وَّرَثَةِ	وارثوں میں سے	وَقِيْلَ	اور کہا گیا
مَرِضْتُ	بیمار پڑتا ہوں میں	جَنَّةِ النَّعِيْمِ	نعمتوں کے باغ کے	لَهُمْ	ان سے
فَهُوَ	تو وہ	وَاغْفِرْ	اور بخشش فرمائیں	اَيْنَمَا كُنْتُمْ	جہاں بھی رہے تم
يَشْفِيْنِ	شفا بخشتا ہے مجھے	لِاَبِیْۤ	میرے باپ کی	تَعْبُدُوْنَ	پوجتے رہے
وَ الَّذِیْ	اور جو	اِنَّهٗ كَانَ	بے شک ہے وہ	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ کے علاوہ کو
يُمِيْتُنِیْ	مارے گا مجھے	مِنَ الضَّآلِّيْنَ	گمراہوں میں سے	هَلْ	کیا
ثُمَّ يُحْيِيْنِ	پھر زندہ کرے گا مجھے	وَلَا تُخْزِنِیْ	اور نہ رسوا کریں آپ مجھے	يَنْصُرُوْنَكُمْ	مدد کرتے ہیں وہ تمہاری
وَالَّذِیْۤ	اور جو کہ	يَوْمَ	جس دن	اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ	یا اپنا بچاؤ کر سکتے ہیں وہ
اَطْمَعُ	امید رکھتا ہوں میں	يُبْعَثُوْنَ	اٹھائے جائیں گے لوگ	فَكُبْكِبُوْا	پس اوندھے منہ ڈالے گئے
اَنْ يَّغْفِرَ	کہ بخشے گا	يَوْمَ	جس دن	فِيْهَا	دوزخ میں
لِیْ	میرے لئے	لَا يَنْفَعُ	کام نہیں آئے گا	هُمْ	وہ
خَطِيْٓئَتِیْ	میری خطاؤں کو	مَالٌ	مال	وَالْغَاوٗنَ	اور گمراہ لوگ
يَوْمَ الدِّيْنِ	جزاء کے دن	وَّلَا بَنُوْنَ	اور نہ بیٹے	وَجُنُوْدُ	اور لشکر
رَبِّ (ا)	اے میرے ربّ!	اِلَّا مَنْ	لیکن جو	اِبْلِيْسَ	ابلیس کا
هَبْ لِیْ	بخشیں آپ مجھے	اَتَى اللّٰهَ	آیا اللہ کے پاس	اَجْمَعُوْنَ	سبھی
حُكْمًا	دانشمندی	بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ	محفوظ دل کے ساتھ	قَالُوْا	کہا انھوں نے

(ا) مکالمہ ختم ہو کر دعا شروع فرمادی ہے۔

وَهُمْ	اور وہ	وَمَآ اَضَلَّنَآ	اور نہیں گمراہ کیا ہمیں	فَنَكُوْنَ	پس ہوتے ہم
فِيْهَا	دوزخ میں	اِلَّا	مگر	مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ	ایمان لانے والوں میں سے
يَخْتَصِمُوْنَ	جھگڑ رہے ہیں	الْمُجْرِمُوْنَ	مجرموں نے	اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ	بے شک اس میں
تَاللّٰهِ	بخدا	فَمَا لَنَا	پس نہیں ہے ہمارے لئے	لَاٰيَةً	البتہ بڑی نشانی ہے
اِنْ كُنَّا	بیشک تھے ہم	مِنْ شَافِعِيْنَ	کوئی سفارش کرنیوالا	وَمَا كَانَ	اور نہیں ہیں
لَفِيْ ضَلٰلٍ	گمراہی میں	وَلَا صَدِيْقٍ	اور نہ کوئی دوست	اَكْثَرُهُمْ	ان کے اکثر
مُّبِيْنٍ	کھلی	حَمِيْمٍ	غم گسار	مُّؤْمِنِيْنَ	ایمان لانے والے
اِذْ	کیونکہ	فَلَوْ اَنَّ	پس کاش ہوتا	وَاِنَّ رَبَّكَ	اور بیشک آپ کا رب
نُسَوِّيْكُمْ	برابر ٹھہراتے تھے ہم تمکو	لَنَا	ہمارے لئے	لَهُوَ الْعَزِيْزُ	البتہ وہ زبردست
بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ	جہانوں کے پالنہار کیساتھ	كَرَّةً	پلٹنا	الرَّحِيْمُ	بڑا مہربان ہے

دوسرا قصہ قومِ ابراہیم علیہ السلام کا

اگر کسی مصلحت سے منکرین پر دنیا میں عذاب نہ آئے تو آخرت کا عذاب ان کے لئے تیار ہے

ربط: مکہ کے منکرینِ توحید ورسالت کو گذشتہ اقوام کے واقعات سنائے جارہے ہیں کہ جب ان قوموں نے نبیوں کو جھٹلایا، اور اتمام حجت ہو چکا تو عذاب الٰہی نازل ہوا، اور ان کا وجود ختم کردیا گیا۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے قوم موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ سنایا، اب اس کے بالمقابل دوسرا واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کا سنایا جارہا ہے۔ اُس قوم پر کسی مصلحت سے دنیا میں عذاب نہیں آیا، مگر وہ مرتے ہی آخرت کے عذاب سے دوچار ہوئے، پس منکرینِ مکہ پر بھی اگر تباہ کن عذاب نہ آئے تو وہ یہ نہ سمجھیں کہ وہ بچ گئے، ان کے لئے عذابِ آخرت تیار ہے۔ اور آخرت میں دیر کیا ہے؟ مرا اور آخرت شروع ہوگئی من مات فقد قامت قیامتُہ: موت آتے ہی ہر شخص کی قیامت شروع ہوجاتی ہے، یعنی جزاؤسزا کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے، آنکھ بند ہوتے ہی کھل جاتی ہے!

اور اسی تقابل کی وجہ سے قوم ابراہیمؑ کا واقعہ قوم نوحؑ کے واقعہ سے پہلے بیان کیا ہے، زمانہ قوم نوحؑ کا مقدم ہے۔ مگر اس کو بعد میں لائے ہیں، کیونکہ یہ واقعہ قوم موسیٰ کے واقعہ کے مقابلہ میں سنایا گیا ہے۔ قوم موسیٰ پر عذاب دنیا میں آیا، اور قوم ابراہیمؑ پر دنیا میں عذاب نہیں آیا۔ وہ آخرت کے عذاب میں مبتلا ہوئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام بابل (عراق) کے شہر اُوَر میں پیدا ہوئے، ان کی قوم بت پرستی اور ستارہ پرستی میں مبتلا

تھی۔ آپ نے اپنے باپ آزر کو اور اپنی قوم کو سمجھایا، پھر بادشاہِ وقت نمرود سے مناظرہ کیا، اور اس کو توحید کے دلائل بیان کر کے ششدر کر دیا۔ مگر بدبختوں نے آپ کی ایک نہ سنی، بلکہ آپ کو ستانے اور ایذارسانی پر کمر باندھی، اور ظالموں نے آپ کو دہکتی آگ میں ڈالا، مگر اللہ نے اس کو ٹھنڈا کر دیا۔ آخر آپ نے تنگ آ کر ہجرت کی، اور مختلف جگہ ہوتے ہوئے آخر میں فلسطین میں اقامت گزیں ہوئے، اور وہاں ۱۷۵ سال کی عمر میں وفات پائی۔

ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں تین مضمون ہیں: ابطالِ شرک، اثباتِ توحید اور قوم کا آخری انجام۔

اور آپ لوگوں کو (مکہ والوں) کو ابراہیمؑ کا قصہ پڑھ کر سنائیں

۱- بطلانِ شرک: —— جب انھوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا: ''تم کس چیز کو پوجتے ہو'' —— یعنی یہ کیا چیزیں ہیں جن کو تم پوجتے ہو؟ ان کی حقیقت کیا ہے؟ اور ان کے معبود ہونے کی دلیل کیا ہے؟

ان لوگوں نے کہا: ہم مورتیوں کو پوجتے ہیں، ہم دن بھر ان سے لگے بیٹھے رہتے ہیں —— یعنی یہ گذشتہ نیک لوگوں کے پیکر ہیں، ہم ان کی مورتوں کو پوجتے ہیں، اور ان کی ہمارے دل میں اس قدر عقیدت ہے کہ ہم دن بھر آسن جما کر (مصلیٰ بچھا کر) ان سے لگے بیٹھے رہتے ہیں۔

ابراہیمؑ نے پوچھا: ''کیا وہ تمہاری بات سنتے ہیں جب تم ان کو پکارتے ہو؟ یا وہ تم کو کچھ نفع پہنچاتے ہیں یا ضرر پہنچاتے ہیں؟'' —— یعنی جب مشکلات میں ان کی دُہائی دیتے ہو، مدد کے لئے ان کو پکارتے ہو تو وہ تمہاری بات سنتے ہیں؟ یا پوجنے پر کچھ نفع یا نہ پوجنے پر کچھ نقصان پہنچا سکتے ہیں؟ —— کچھ بھی نہیں، نہ وہ بات سنتے ہیں اور نہ نفع وضرر کے مالک ہیں، کیونکہ وہ بے جان مورتیں ہیں، اور جن لوگوں کی وہ مورتیں ہیں وہ غائب ہیں، اور وہ عالم الغیب بھی نہیں، پھر ان کو پکارنے سے کیا فائدہ؟

ان لوگوں نے جواب دیا: ''بلکہ ہم نے اپنے بڑوں کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے!'' —— یعنی ٹھیک ہے، وہ نہ ہماری سنتے ہیں، نہ نفع وضرر کے مالک ہیں، مگر ہماری عقیدت اور پرستش کا مدار ان منطقی دلائل پر نہیں، ہماری تو سو دلیلوں کی ایک دلیل ہے کہ ہمارے بڑے اسی طرح کرتے آئے ہیں، اور ہم ان کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں۔

ابراہیمؑ نے کہا: ''پس سنو! جن کی تم عبادت کرتے ہو، تم بھی اور تمہارے اگلے باپ دادا بھی، وہ میرے دشمن ہیں —— یعنی سن لو! اب میں بے خوف وخطر اعلان کرتا ہوں کہ تمہارے ان معبودوں سے میری لڑائی ہے، اگر ان میں کچھ طاقت ہے تو مجھ کو نقصان پہنچا کر دیکھیں:

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے ❁ یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

۲و۳-توحید کا اثبات اور معبود حقیقی کی صفات: — مگر رب العالمین، جنھوں نے مجھے پیدا کیا، پھر وہی میری راہ نمائی کرتے ہیں — سورۂ طٰہٰ (آیت ۵۰) میں ہے: موسیٰ نے جواب دیا: ''ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی بناوٹ دی، پھر اس کو راہ دکھائی'' یعنی پہلے ہر چیز کو وجود بخشا، اس کی صورت بنائی، پھر ہر چیز کے بقاء کا سامان کیا، اور ہر مخلوق کو اس سامان کے استعمال کی راہ سُجھائی، اور خاص انسان کے لئے اس کی روح کا سامان بھی مہیا کیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی یہی بات کہی ہے — اور جو مجھے کھلاتے پلاتے ہیں — یعنی وہی میرے رزاق ہیں — اور جب میں بیمار پڑتا ہوں تو وہی مجھے شفا بخشتے ہیں — یعنی وہی شافی ہیں — اور جو مجھ کو ماریں گے پھر مجھے زندہ کریں گے — یعنی وہی زندہ کرنے والے اور مارنے والے ہیں — اور جن سے میں امیدوار ہوں کہ قیامت کے دن وہ میری خطاؤں کو معاف کریں گے — یعنی وہی غفار ہیں، اسی کی مہربانی سے معافی کی توقع ہے، کوئی دوسرا معاف کرنے والا نہیں!

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی آٹھ صفتیں ذکر کی ہیں: وہی سارے جہانوں کا رب (پالنہار) خالق، ہادی، رزّاق، شافی، مُحیی (جلانے والا) مُمیت (مارنے والا) اور غفار (بخشنے والا) ہے۔ جس کی یہ صفات ہیں وہی معبود ہے، اور تمہارے معبودوں میں سے کوئی ایک بات کا بھی مالک نہیں، پھر وہ معبود کیسے ہوسکتا ہے؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعائیں: اثباتِ توحید کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پانچ دعائیں کیں، جن میں مشرکین کو بہت کچھ فہمائش کی، خاص طور پر اپنے باپ کو بہت کچھ سنایا — اے میرے پروردگار! مجھے حکمت عطا فرما، اور مجھے نیک لوگوں کے ساتھ ملا، اور آنے والی نسلوں میں میرا ذکر خیر باقی رکھ، اور مجھے نعمتوں کے باغ کا وارث بنا، اور میرے باپ کی بخشش فرما، کیونکہ وہ گمراہ لوگوں میں سے ہے، اور مجھے رسوا نہ کرنا جس دن سب لوگ زندہ ہوکر اٹھیں گے، جس دن نہ مال کام آئے گا اور نہ بیٹے، مگر جو اللہ کے پاس محفوظ دل کر پہنچا!

ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پانچ دعائیں کی ہیں، اور ہر دعا میں مشرکین کے لئے فہمائش ہے، اور آخری دعا میں تو اپنے باپ کو بہت کچھ سمجھایا ہے:

پہلی دعا: حکمت (دانشمندی) کے لئے کی ہے، یہ علم کا آخری درجہ ہے، اور سورۃ البقرۃ (آیت ۲۶۹) میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں حکمت (دین کا فہم) دیتے ہیں، اور جس کو دین کا فہم مل جائے اس کو بڑی خیر کی چیز مل گئی۔ اس دعا کے ذریعہ مشرکین کو یہ فہمائش کی کہ سمجھ داری سے کام لو، اللہ پر ایمان لاؤ، اور اسی کی بندگی کرو، صنم پرستی حماقت بھرا عمل ہے۔

دوسری دعا: نیک بندوں میں شمولیت کی ہے، ہمارے نبی ﷺ نے بھی یہ دعا فرمائی ہے: **اللّٰھم! فی الرفیق الأعلی!** اے اللہ! اعلیٰ درجہ کے نیکوں کے زمرہ میں مجھے شامل فرما! پس یہ دعا ہر مؤمن کو کرنی چاہئے، اور نیک اعمال میں لگ جانا چاہئے۔

اور اس دعا میں مشرکین کے لئے یہ فہمائش ہے کہ اس دنیا میں بھی ایمان لاکر اور نیک کام کرکے نیک بندوں کی جماعت میں شامل ہوجاؤ، بت پرستوں کے لئے کوئی قانون اور شریعت نہیں ہوتی، اس لئے وہ من مانی زندگی بسر کرتے ہیں اور ایماندار بندوں کے لئے اللہ کی شریعت ہوتی ہے، جس کی وہ پابندی کرتے ہیں، اس لئے ان کی زندگی مثالی ہوتی ہے۔

تیسری دعا: آنے والی نسلوں میں ذکر خیر باقی رہنے کی ہے، اور ذکر خیر دین کے مقتدیٰ کا باقی رہتا ہے، پس اس دعا کا حاصل یہ ہے کہ الٰہی! مجھے ایسے کاموں کی توفیق عطا فرما کہ پیچھے آنے والی نسلیں میرے راستہ پر چلیں۔ حق تعالیٰ نے آپ کی یہ دعا قبول فرمائی، ان کی نسل میں نبوت کے دو سلسلے چلے: اسرائیلی اور اسماعیلی۔ پہلا سلسلہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر پورا ہوگیا، اور دوسرا خاتم النّبیین ﷺ سے شروع ہوکر تا قیام قیامت چلتا رہے گا۔

اور اس دعا میں مشرکین کے لئے یہ فہمائش ہے کہ نیکوں کے زمرہ میں شامل ہونا غایت نہیں، بلکہ مثالی شخصیت بننا مؤمن کا مطمحِ نظر ہونا چاہئے، پس ایمان لاؤ، اور اعمال میں آگے بڑھو، تاکہ آنے والی نسلیں تمہاری پیروی کریں۔

چوتھی دعا: جنت کے لئے کی ہے، آنے والی زندگی میں ہر مؤمن کی یہی غایتِ آرزو ہے، اور حرص کرنے والوں کو ایسی ہی چیز کی حرص کرنی چاہئے۔ دنیا کی نعمتیں تو فانی ہیں، ابدی نعمتیں جنت کی ہیں، اور جنت کی نعمتوں کی تحصیل کا طریقہ ایمان اور اعمالِ صالحہ ہیں۔ اور اس میں مشرکین کے لئے جو فہمائش ہے وہ ظاہر ہے۔

پانچویں دعا: باپ کی ہدایت کے لئے کی ہے، اور دعا کے ضمن میں اس کو بہت کچھ سمجھایا ہے، ابراہیم علیہ السلام نے باپ کے لئے یہ دعا اس کی زندگی میں کی ہے، وطن چھوڑنے سے پہلے کی ہے، اس وقت کی ہے جب آپ باپ اور قوم کو شرک کی برائی سمجھا رہے تھے ـــــ اور زندگی میں استغفار (مغفرت طلبی) کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ الٰہی! اس کو ایمان قبول کرنے کی توفیق عطا فرما، اور ایسی دعا مشرک و کافر کے لئے بھی اس کی حیات میں جائز ہے ـــــ پھر اس کو سنا کر کہا کہ الٰہی! وہ گمراہ لوگوں میں سے ہے، یہ بات سن کر اس کے لئے لمحۂ فکر یہ پیدا ہوجانا چاہئے تھا، اور گمراہی کی دلدل سے نکل کر ایمان کی شاہ راہ پر آجانا چاہئے تھا ـــــ پھر اس کو سنا کر دعا کی کہ خدایا! اگر میرا باپ شرک پر مرا، اور قیامت کے دن جہنم میں گیا تو میری بڑی رسوائی ہوگی، الٰہی! مجھے اس رسوائی سے بچا، اور میرے باپ کو ایمان کی دولت سے سرفراز فرما!

اور جب باپ کے جہنم میں جانے سے بیٹے کی رسوائی ہوگی تو خود باپ کا جو جہنم میں جائے گا کیا حال ہوگا؟ مگر بیٹا

بہر حال قیامت کے دن رسوائی سے بچالیا جائے گا۔ حدیث میں ہے کہ محشر میں خلیل اللہ عرض کریں گے: الٰہی! آپ کا وعدہ ہے کہ قیامت کے دن مجھے رسوا نہیں کریں گے، مگر اس سے زیادہ کیا رسوائی ہوگی کہ آج میرا باپ سب کے سامنے دوزخ میں پھینکا جائے گا؟ چنانچہ ان کے باپ کی صورت مسخ کردی جائے گی، اس کی صورت بجّو جیسی ہوجائے گی، اور فرشتے گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیں گے، کیونکہ رسوائی کا مدار شناخت پر ہے، اور جب شناخت نہ رہی تو رسوائی بھی نہ ہوگی۔

پھر آخر میں اس کو سنایا کہ قیامت کے دن نہ مال کام آئے گا نہ بیٹے۔ آزر بڑا مالدار تھا، وہ مندر کا مہنت تھا، اس کے پاس بے حساب مال تھا، اور بیٹا خلیل اللہ تھا، مگر آخرت میں مشرک کے کام نہ مال آئے گا نہ بیٹا، آخرت میں ایمان ہی کام آئے گا، جو اللہ کے پاس شرک سے محفوظ دل لے کر آیا اسی کی نجات ہوگی۔

مگر ہائے رے شومیٔ قسمت! اس کے لئے ہدایت مقدر نہیں تھی، اس لئے نہیں ملی:

تہی دستانِ قسمت راچہ سود از رہبر کامل ۞ خضر ز آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

(تقدیر پھوٹی ہو تو رہبر کامل سے کیا فائدہ ہوسکتا ہے؟ ÷ خضر ہمراہ تھے، مگر سکندر آبِ حیات سے پیاسا ہی لوٹا)

قوم کا اخروی انجام: —— اور جنت خدا ترسوں کے لئے نزدیک کردی جائے گی، اور جہنم گمراہوں کے سامنے ظاہر کردی جائے گی —— جنت اور جہنم لگواں دنیا میں موجود ہیں، مگر اس وقت دنیا اور آخرت کے درمیان برزخ (پردہ) ہے، اس لئے وہ غیب ہیں، نظر نہیں آتیں، محشر میں یہ پردہ ہٹا دیا جائے گا، اس لئے پرہیزگاروں کو جنت اور گمراہوں کو دوزخ نظر آنے لگے گی، یہ قیامت کا ایک منظر ہے۔

اور گمراہوں سے کہا جائے گا: ''تم جہاں بھی رہے اللہ کے علاوہ کو پوجتے رہے! کیا وہ آج تمہاری مدد کریں گے، یا وہ اپنا بچاؤ کرسکتے ہیں؟ —— یعنی تم موت تک شرک میں مبتلا رہے، آج وہ تمہارے معبود کہاں ہیں؟ کیا وہ تمہیں آنے والے عذاب سے چھڑا سکتے ہیں یا کوئی بدلہ لے سکتے ہیں؟ عذاب سے تو کیا بچاتے وہ خود اپنی بھی مدد نہیں کرسکتے، خود کو بھی عذاب سے نہیں بچا سکتے، یہ قیامت کا دوسرا منظر ہے۔

پس وہ اور گمراہ لوگ اور ابلیس کا لشکر سبھی دوزخ میں اوندھے منہ ڈالے جائیں گے —— یہ ان کا اخری انجام ہے۔

اور کفار دوزخ میں جھگڑتے ہوئے کہیں گے: ''بخدا! ہم کھلی گمراہی میں تھے، کیونکہ ہم تم کو رب العالمین کے برابر گردانتے تھے —— یعنی جہنمی جہنم میں پہنچ کر آپس میں لڑیں گے، عابد معبود کو الزام دیں گے اور معبود عابدوں کو، اور آخر کار عابد اپنی گمراہی کا اعتراف کریں گے کہ واقعی ہم سے بڑی سخت غلطی ہوگئی کہ ہم نے ان جھوٹے معبودوں کو رب العالمین کے برابر کردیا۔ یہ جہنم میں پہنچنے کے بعد کا پہلا منظر ہے۔

اور ہمیں بڑے مجرموں ہی نے گمراہ کیا، پس اب نہ کوئی ہمارا سفارشی ہے، نہ کوئی غمگسار دوست! پس کاش ہمیں واپس جانے کا موقع مل جاتا تو ہم مسلمان ہوجاتے! —— یہ آخری منظر ہے، جہنمی کہیں گے: یہ غلطی ہم سے ان بڑے شیطانوں نے کرائی، اب ہم مصیبت میں گرفتار ہیں، نہ کوئی بت کام دیتا ہے نہ شیطان مدد کو پہنچتا ہے، کوئی اتنا بھی نہیں کہ خدا کے یہاں ہماری سفارش کردے یا کم ازکم اس آڑے وقت میں کوئی دوست دلسوزی وہمدردی کا اظہار کرے، کاش ایک مرتبہ ہم کو پھر دنیا کی طرف واپس جانے کا موقع مل جاتا تو ہم وہاں سے پکّے ایماندار بن کر آتے، مگر اب کیا ہوجب چڑیاں چگ گئیں کھیت!

بے شک اس میں یقیناً بڑی نشانی ہے، اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں، اور آپ کے رب زبردست بڑے مہربان ہیں —— یعنی مکہ والے اس واقعہ سے عبرت حاصل کرنا چاہیں تو کرسکتے ہیں، مگر امید نہیں کہ وہ عبرت حاصل کریں، اور عذاب فوراً آسکتا ہے، اللہ تعالیٰ زبردست ہیں، مگر وہ بڑے مہربان بھی ہیں، اس لئے ابھی سنبھلنے کا موقعہ دے رہے ہیں۔

غیر مؤمن کے لئے قیامت میں خاندانی تعلق کچھ کام نہ آئے گا، نہ بیٹا، نہ باپ، نہ بیوی!

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحِ ِۨ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٠٥﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ نُوحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٠٦﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٠٧﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٠٨﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِينَ ﴿١٠٩﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١١٠﴾ قَالُوا أَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْأَرْذَلُونَ ﴿١١١﴾ قَالَ وَمَا عِلْمِي بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١١٢﴾ إِنْ حِسَابُهُمْ إِلَّا عَلٰى رَبِّي ۖ لَوْ تَشْعُرُونَ ﴿١١٣﴾ وَمَا أَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١١٤﴾ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُبِينٌ ﴿١١٥﴾ قَالُوا لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ يٰنُوحُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمَرْجُومِينَ ﴿١١٦﴾ قَالَ رَبِّ إِنَّ قَوْمِي كَذَّبُونِ ﴿١١٧﴾ فَافْتَحْ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَنَجِّنِي وَمَنْ مَعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١١٨﴾ فَأَنْجَيْنٰهُ وَمَنْ مَعَهُ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ﴿١١٩﴾ ثُمَّ أَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبَاقِينَ ﴿١٢٠﴾ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١٢١﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٢٢﴾

ع ۶ ۸/۱۰

كَذَّبَتْ (1)	جھٹلایا	عَلٰى رَبِّ	پروردگار پر	وَمَآ	اور نہیں ہوں
قَوْمُ نُوْحِ	نوحؑ کی قوم نے	الْعٰلَمِيْنَ	جہانوں کے	اَنَا	میں
الْمُرْسَلِيْنَ	رسولوں کو	فَاتَّقُوا	پس ڈرو تم	بِطَارِدِ	ہنکانے والا
اِذْ قَالَ	جب کہا	اللّٰهَ	اللہ سے	الْمُؤْمِنِيْنَ	مؤمنین کو
لَهُمْ	ان سے	وَاَطِيْعُوْنِ	اور کہا مانو میرا	اِنْ	نہیں ہوں
اَخُوْهُمْ	ان کے برادر	قَالُوْٓا	کہا انھوں نے	اَنَا	میں
نُوْحٌ	نوحؑ نے	اَنُؤْمِنُ	کیا ایمان لائیں ہم	اِلَّا	مگر
اَلَا	کیا نہیں	لَكَ	تجھ پر	نَذِيْرٌ	ڈرانے والا
تَتَّقُوْنَ	ڈرتے تم؟	وَاتَّبَعَكَ	اور پیروی کی تیری	مُّبِيْنٌ	کھلا
اِنِّيْ لَكُمْ	بیشک میں تمہارے لئے	الْاَرْذَلُوْنَ	رذیلوں نے	قَالُوْا	کہا انھوں نے
رَسُوْلٌ	پیغمبر ہوں	قَالَ	کہا اس نے	لَئِنْ	بخدا اگر
اَمِيْنٌ	امانت دار	وَمَا (2)	اور کیا	لَّمْ تَنْتَهِ	نہیں رکا تو
فَاتَّقُوا	پس ڈرو تم	عِلْمِيْ	جانوں میں	يٰنُوْحُ	اے نوح
اللّٰهَ	اللہ سے	بِمَا	ان کاموں کو جو	لَتَكُوْنَنَّ	تو ضرور ہوگا تو
وَاَطِيْعُوْنِ	اور کہا مانو میرا	كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ	وہ کیا کرتے ہیں	مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ	سنگسار کئے ہوؤں میں سے
وَمَآ	اور نہیں	اِنْ	نہیں ہے	قَالَ	کہا اس نے
اَسْئَلُكُمْ	مانگتا میں تم سے	حِسَابُهُمْ	ان کا حساب	رَبِّ	اے میرے رب
عَلَيْهِ	(تبلیغ) پر	اِلَّا	مگر	اِنَّ قَوْمِيْ	بیشک میری قوم نے
مِنْ اَجْرٍ	کوئی صلہ	عَلٰى رَبِّيْ	میرے پروردگار پر	كَذَّبُوْنِ	جھٹلایا مجھے
اِنْ اَجْرِيَ	نہیں میرا صلہ	لَوْ	کاش	فَافْتَحْ	پس فیصلہ فرما
اِلَّا	مگر	تَشْعُرُوْنَ	جانتے تم	بَيْنِيْ	میرے درمیان

(۱) قوم: معنیً مؤنث، بمعنی جماعت ہے، اس لئے فعل مؤنث آیا ہے۔

(۲) ما: استفہامیہ ہے، اور نافیہ بھی ہوسکتا ہے۔

وَبَيْنَهُمْ	اور ان کے درمیان	فِي الْفُلْكِ	کشتی میں	وَمَا كَانَ	اور نہیں ہیں
فَتْحًا (۱)	واضح فیصلہ	الْمَشْحُوْنِ	بھری ہوئی	اَكْثَرُهُمْ	ان کے اکثر
وَّنَجِّنِيْ	اور نجات دے مجھے	ثُمَّ اَغْرَقْنَا	پھر ڈوبا دیا ہم نے	مُّؤْمِنِيْنَ	ایمان لانے والے
وَمَنْ مَّعِيَ	اور میرے ساتھیوں کو	بَعْدُ (۲)	بعد ازیں	وَاِنَّ رَبَّكَ	اور بیشک تیرا رب
مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ	مؤمنین میں سے	الْبٰقِيْنَ	باقی لوگوں کو	لَهُوَ	البتہ وہ
فَاَنْجَيْنٰهُ	پس نجات دی ہم نے اسکو	اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ	بے شک اس میں	الْعَزِيْزُ	زبردست
وَمَنْ مَّعَهٗ	اور اس کے ساتھیوں کو	لَاٰيَةً	البتہ بڑی نشانی ہے	الرَّحِيْمُ	بڑا مہربان ہے

تیسرا قصہ قوم نوحؑ کا

نوح علیہ السلام پہلے رسول ہیں، ان سے پہلے صرف نبی ہوتے تھے، آپ نینوی (عراق) کے رہنے والے تھے، آپ کی عمر مبارک ہزار سال سے زیادہ ہوئی ہے۔ جب ان کی قوم نے ان کی تکذیب کی، اور ساڑھے نو سو سال تک سمجھانے کے باوجود ان کی نہ سنی، اور شرک وصنم پرستی نہ چھوڑی تو نوح علیہ السلام کی بددعا سے عراق میں ایسا طوفان آیا کہ ان کے ساتھیوں کے علاوہ ہر جاندار غرقاب ہوگیا، پھر آپ ہی کی نسل سے دنیا آباد ہوئی، اس لئے آپ ''آدم ثانی'' کہلاتے ہیں۔

نوح کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا —— ایک کو جھٹلانا سب کو جھٹلانا ہے

(یاد کرو) جب ان سے ان کے برادر نوحؑ نے کہا: کیا تم (شرک سے) بچتے نہیں —— انھوں نے بتوں کی پوجا شروع کردی تھی، ان کے بتوں کے نام سورہ نوح میں آئے ہیں۔ نوح علیہ السلام نے ان سے کہا کیا تم اس شرک سے بچتے نہیں! —— بے شک میں تمہارے لئے امانت دار رسول ہوں —— یعنی نہایت صدق وامانت کے ساتھ حق تعالیٰ کا پیغام بے کم وکاست پہنچاتا ہوں —— پس اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو —— شرک سے بچو، اللہ کی بندگی کرو، اور اللہ کے احکام کی اطاعت کرو —— اور میں تم سے اس (پیغام رسانی) پر کسی صلہ کا طلب گار نہیں ہوں، میرا صلہ تو جہانوں کے پالنہار پر ہے —— ایک بے غرض اور بے لوث آدمی کی بات ماننی چاہئے —— پس اللہ (کے عذاب) سے ڈرو، اور میرا کہنا مانو۔

(۱) فَتْحًا: مفعول مطلق ہے۔ (۲) بَعْدُ: کا مضاف الیہ منوی ہے أی بعد إنجائهم۔

ان لوگوں نے جواب دیا: کیا ہم تم کو مان لیں درانحالیکہ تمہاری رذیل لوگوں نے پیروی کی ہے ــــ کمینی ذات کے کچھ لوگ تمہارے ساتھ ہولئے ہیں، ہم ان نیچ لوگوں کے ساتھ تمہاری مجلس میں بیٹھیں یہ ناممکن ہے، پہلے ان کو اپنے پاس سے ہٹاؤ، پھر ہم سے بات کرو۔

نوحؑ نے کہا: ''اور میں کیا جانوں ان کاموں کو جو وہ کیا کرتے ہیں؟ ان کا حساب تو میرے پروردگار ہی لیں گے، کاش تم سمجھو! ــــ لوگوں نے ذاتیں پیشوں کے لحاظ سے بنارکھی ہیں، ورنہ سب انسان ایک ماں باپ کی اولاد ہیں، اور پیشے بدلتے رہتے ہیں، اور کسی بھی پیشے میں فی نفسہ کوئی برائی نہیں۔ پس نوح علیہ السلام نے یہ جواب دیا کہ مجھے مسلمانوں کے پیشوں سے کیا لینا ہے؟ میں کیا جانوں ان کاموں کو جو وہ کیا کرتے ہیں؟ اور ہر پیشہ ور جائز طریقے سے پیشہ کرتا ہے یا ناجائز طریقہ سے اس کا حساب اللہ تعالیٰ لیں گے۔ مجھے اس سے کچھ سروکار نہیں، کاش تمہاری سمجھ میں یہ بات آجائے۔ اور سنو! ــــ اور نہیں ہوں میں مگر کھلا ڈرانے والا ــــ یعنی میں اپنا فرض ادا کر چکا، تمہاری اس لغو فرمائش کا پورا کرنا ضروری نہیں۔

ان لوگوں نے کہا: ''اے نوح! بخدا! اگر تو باز نہ آیا تو ہم ضرور تجھے سنگسار کر دیں گے ــــ یعنی رہنے دے اپنی تبلیغ! اور چپ سادھ لے! ورنہ ہم ذلت کے ساتھ تجھے قتل کر دیں گے۔

نوحؑ نے دعا کی: ''اے میرے پروردگار! بے شک میری قوم نے مجھے جھٹلایا، پس آپ میرے اور ان کے درمیان دوٹوک فیصلہ فرمادیں، اور مجھے اور میرے ساتھیوں کو نجات دیں ــــ یعنی اب ان کے راہِ راست پر آنے کی توقع نہیں، پس آپ میرے اور ان کے درمیان عملی فیصلہ فرمادیں، اور مجھ کو اور میرے ساتھیوں کو آنے والے عذاب سے بچالیں۔

پس ہم نے اس کو اور اس کے ساتھیوں کو بھری کشتی میں نجات دیدی، اور اس کے بعد باقی ماندہ لوگوں کو غرقاب کر دیا ــــ کشتی میں کم وبیش اسّی مرد وزن تھے، باقی حیوانات (چرندوپرند) کے جوڑے تھے۔

بے شک اس میں (مکہ والوں کے لئے) بڑی نشانی ہے، اور ان کے اکثر ایمان لانے والے نہیں، اور بے شک تیرا پروردگار زبردست بڑا مہربان ہے!

كَذَّبَتْ عَادُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوْهُمْ هُوْدٌ أَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ إِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ أَمِيْنٌ ﴿۱۲۵﴾ فَاتَّقُوا اللهَ وَأَطِيْعُوْنِ ﴿۱۲۶﴾ وَمَآ أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ

إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعٰلَمِينَ ﴿١٢٧﴾ أَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعٍ آيَةً تَعْبَثُونَ ﴿١٢٨﴾ وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ ﴿١٢٩﴾ وَإِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِينَ ﴿١٣٠﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٣١﴾ وَاتَّقُوا الَّذِي أَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُونَ ﴿١٣٢﴾ أَمَدَّكُمْ بِأَنْعَامٍ وَبَنِينَ ﴿١٣٣﴾ وَجَنّٰتٍ وَعُيُونٍ ﴿١٣٤﴾ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿١٣٥﴾ قَالُوا سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَوَعَظْتَ أَمْ لَمْ تَكُنْ مِنَ الْوٰعِظِينَ ﴿١٣٦﴾ إِنْ هٰذَا إِلَّا خُلُقُ الْأَوَّلِينَ ﴿١٣٧﴾ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ ﴿١٣٨﴾ فَكَذَّبُوهُ فَأَهْلَكْنٰهُمْ ۗ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١٣٩﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٤٠﴾

ع ۱۸

كَذَّبَتْ	جھٹلایا	رَسُولٌ	رسول ہوں	الْعٰلَمِينَ	جہانوں کے
عَادٌ	عاد نے	أَمِينٌ	امانت دار	أَتَبْنُونَ (۱)	کیا بناتے ہو تم
الْمُرْسَلِينَ	رسولوں کو	فَاتَّقُوا اللّٰهَ	پس ڈرو اللہ سے	بِكُلِّ رِيعٍ (۲)	ہر اونچے مقام پر
إِذْ قَالَ	جب کہا	وَأَطِيعُونِ	اور کہا مانو میرا	آيَةً	یادگار
لَهُمْ	ان سے	وَمَا أَسْئَلُكُمْ	اور نہیں مانگتا میں تم سے	تَعْبَثُونَ (۳)	فضول کام کرتے ہو تم
أَخُوهُمْ	ان کے برادر	عَلَيْهِ	رسالت پر	وَتَتَّخِذُونَ	اور بناتے ہو تم
هُودٌ	ہودؑ نے	مِنْ أَجْرٍ	کچھ صلہ	مَصَانِعَ (۴)	بڑے بڑے محل
أَلَا	کیا نہیں	إِنْ أَجْرِيَ	نہیں میرا صلہ	لَعَلَّكُمْ (۵)	جیسے تمہیں
تَتَّقُونَ	ڈرتے تم	إِلَّا	مگر	تَخْلُدُونَ	ہمیشہ رہنا ہے
إِنِّي لَكُمْ	بیشک میں تمہارے لئے	عَلَىٰ رَبِّ	پروردگار پر	وَإِذَا	اور جب

(۱) أَتَبْنُوْنَ: ہمزۂ استفہام، تبنون: مضارع واحد مذکر حاضر، بِنَاء: بنانا، تعمیر کرنا (۲) الرِّيْع: زمین کا بلند حصہ، ٹیلہ، جمع رُيُوْع (۳) تَعْبَثُوْنَ: جملہ تبنون کے فاعل سے حال ہے۔ عَبِثَ: (س) عَمِلَ مالا فائدة فيه، فهو عابث (جمل) (۴) مصانع: ظرف مکان، جمع، واحد مَصْنَع: مکانات (ابن عباس) اونچے محل (مجاہد) دونوں تفسیروں کا حاصل ایک ہے (۵) لعل: تشبیہ کے لئے ہے أي كأنهم (ابن عباس) (بخاری سورۃ الشعراء، کتاب التفسیر)

بَطَشۡتُمۡ	پکڑ کرتے ہو تم	وَّعُيُوۡنٍ	اور چشموں سے	الۡاَوَّلِيۡنَ	اگلوں کی
بَطَشۡتُمۡ	تو پکڑ کرتے ہو	اِنِّيۡۤ	بے شک میں	وَمَا نَحۡنُ	اور نہیں ہیں ہم
جَبَّارِيۡنَ	جابر (ظالم) بن کر	اَخَافُ	ڈرتا ہوں	بِمُعَذَّبِيۡنَ	عذاب دیئے ہوئے
فَاتَّقُوا اللّٰهَ	پس اللہ سے ڈرو	عَلَيۡكُمۡ	تم پر	فَكَذَّبُوۡهُ	پس جھٹلایا انھوں نے اسکو
وَاَطِيۡعُوۡنِ	اور میرا کہنا مانو	عَذَابَ	عذاب سے	فَاَهۡلَكۡنٰهُمۡ	پس ہلاک کیا ہم نے انکو
وَاتَّقُوا	اور ڈرو تم	يَوۡمٍ عَظِيۡمٍ	بڑے دن کے	اِنَّ فِيۡ ذٰلِكَ	بے شک اس میں
الَّذِيۡۤ	اس سے جس نے	قَالُوۡا	کہا انھوں نے	لَاٰيَةً	البتہ نشانی ہے
اَمَدَّكُمۡ	امداد پہنچائی تم کو	سَوَآءٌ عَلَيۡنَاۤ	برابر ہے ہم پر	وَمَا كَانَ	اور نہیں ہیں
بِمَا	ان چیزوں سے جن کو	اَوَعَظۡتَ	خواہ نصیحت کرے تو	اَكۡثَرُهُمۡ	ان کے اکثر
تَعۡلَمُوۡنَ	تم جانتے ہو	اَمۡ لَمۡ تَكُنۡ	یا نہ ہو تو	مُّؤۡمِنِيۡنَ	ایمان لانے والے
اَمَدَّكُمۡ	امداد پہنچائی تم کو	مِّنَ الۡوٰعِظِيۡنَ	نصیحت کرنے والوں سے	وَاِنَّ رَبَّكَ	اور بیشک آپ کا رب
بِاَنۡعَامٍ	چوپایوں سے	اِنۡ هٰذَاۤ	نہیں ہے یہ	لَهُوَ	البتہ وہ
وَّبَنِيۡنَ	اور بیٹوں	اِلَّا	مگر	الۡعَزِيۡزُ	زبردست
وَجَنّٰتٍ	اور باغوں	خُلُقُ (۱)	عادت	الرَّحِيۡمُ	بڑا مہربان ہے

چوتھا قصہ قوم عاد کا

حضرت نوح علیہ السلام کے بعد پہلی ہلاک ہونے والی قوم عادِ اولیٰ ہے، جن کی طرف حضرت ہود علیہ السلام مبعوث کئے گئے، پھر ہود علیہ السلام اور مؤمنین جنھوں نے ایمان کی بدولت نجات پائی تھی ان کی اولاد عاد ثانیہ کہلائی جن کی طرف حضرت صالح علیہ السلام مبعوث کئے گئے، جن کی ہلاکت کا واقعہ اگلے رکوع میں آرہا ہے۔ یہ دونوں قومیں بہت قدیم ہیں، تاریخ نے ان کے مفصل احوال محفوظ نہیں کئے۔ جو کچھ اس کے بارے میں قرآنِ کریم میں آیا ہے وہی محفوظ ہے۔

قوم عاد نے رسولوں کو جھٹلایا

(یاد کرو) جب ان سے ان کے برادر ہودؑ نے کہا: ''کیا تم (شرک سے) ڈرتے نہیں؟'' —— یہ لوگ بھی قوم نوحؑ

(۱) خُلُق: عادت، خصلت، جمع أخلاق۔

کی طرح رفتہ رفتہ شرک میں مبتلا ہوگئے تھے ـــــ بے شک میں تمہارے لئے امانت دار رسول ہوں ـــــ اللہ کا پیغام بے کم وکاست پہنچا رہا ہوں ـــــ پس اللہ سے ڈرو، اور میرا کہنا مانو ـــــ یہ بات امانت دار ہونے پر متفرع ہے ـــــ اور میں تم سے اس (پیغام رسانی) پر کچھ صلہ نہیں مانگتا، میرا صلہ تو جہانوں کے پالنہار پر ہے!

عاد اولیٰ کی تین برائیاں:

۱- کیا تم ہر اونچے مقام پر فضول (بے فائدہ) یادگاریں بناتے ہو؟ ـــــ ان لوگوں کو بڑا شوق تھا اونچے مضبوط منارے بنانے کا جن سے کچھ کام نہ نکلے، مگر نام ہو جائے ـــــ اور لوگوں میں جو یادگاریں قائم کرنے کا جذبہ پایا جاتا ہے وہ اس وقت قابل ستائش ہے جب کوئی رفاہی کام کیا جائے، مسجد، مدرسہ، پل، سڑک وغیرہ بنائی جائے، کیونکہ یہ ایصالِ ثواب کی ایک صورت ہے۔ اشوک کی لاٹ، یا تاج محل جیسی عمارتیں بنانا شرعاً کوئی پسندیدہ عمل نہیں۔

(ہدایت القرآن ۵:۱۶۹)

۲- اور بڑے بڑے محلات بناتے ہو جیسے تمہیں ہمیشہ رہنا ہے! ـــــ وہ لوگ رہنے کی عمارتیں بھی پُر تکلف بناتے تھے اور ان میں بڑی کاریگریاں دکھلاتے تھے، اس طرح مال ضائع کرتے تھے، ان کے عمل سے ایسا مترشح ہوتا تھا گویا انہیں ہمیشہ دنیا میں رہنا ہے، اور وہ رہتی دنیا تک ان کو آباد کریں گے، مگر چند دن کے بعد نہ وہ رہے نہ ان کی عمارتیں، بلکہ آج ان کے کھنڈر بھی باقی نہیں ہیں، رہے نام اللہ کا!

۳- اور جب تم پکڑتے ہو تو ظالمانہ پکڑتے ہو! ـــــ یعنی زیر دستوں اور کمزوروں پر ظلم وستم ڈھاتے ہو، انصاف اور نرمی کا سبق ہی انھوں نے نہیں پڑھا تھا ـــــ سو اللہ سے ڈرو، اور میرا کہنا مانو ـــــ یعنی اللہ سے ڈر کر ظلم وستم سے باز آؤ اور میری بات مانو!

ایمان کی ترغیب: ـــــ اور اس اللہ سے ڈرو جس نے تمہیں کمک پہنچائی ان چیزوں سے جن کو تم جانتے ہو، تمہیں کمک پہنچائی چوپایوں، بیٹوں، باغوں اور چشموں سے ـــــ یعنی سوچو یہ سامان تم کو کس نے دیا ہے؟ کیا اس منعم حقیقی کا یہ حق نہیں کہ تم اس پر ایمان لاؤ، اور اس کی بندگی کرو؟

فائدہ: بیٹوں کا تذکرہ آدھی بات کا تذکرہ ہے، باقی آدھی بات یعنی بیٹیوں کا تذکرہ چھوڑ دیا، اصل کو ذکر کیا تو فرع کا تذکرہ خود بخود اس میں آ گیا، فہم سامع پر اعتماد کر کے اس کو چھوڑ دیا، مگر وہ بھی مراد ہیں، کیونکہ نسل دونوں سے پھیلتی ہے، اور بیٹے بخشنے کا تذکرہ اس لئے کیا ہے کہ قوم نوح علیہ السلام کی ہلاکت کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان پر کرم کیا، ان کی نسل خوب پھیلی اور وہ بڑی قوم بن گئے!

ترہیب: ـــــ بے شک مجھے تمہارے بارے میں بڑے (ہولناک) دن کے عذاب کا خطرہ ہے ـــــ یعنی اگر تمہاری یہ ہی شرارت، غفلت اور سرکشی رہی تو مجھے اندیشہ ہے کہ قوم نوحؑ کی طرح تم بھی کسی سخت آفت میں گرفتار نہ ہو جاؤ، اپنے انجام کو سوچو!

قوم کا جواب: ـــــ انھوں نے کہا: ہمارے لئے یکساں ہے: خواہ تم نصیحت کرو یا نصیحت کرنے والوں میں سے نہ ہوؤ، یہ (نصیحت) تو بس اگلوں کی عادت ہے، اور ہمیں عذاب کچھ نہیں ہونا ـــــ یعنی تمہاری نصیحت بیکار ہے، ہم پر اس کا کوئی اثر پڑنے والا نہیں، کیونکہ یہ قدیم سے ایک عادت چلی آ رہی ہے، لوگ نبی بن کر آتے ہیں اور عذاب سے ڈراتے ہیں، مگر عذاب وذاب کچھ نہیں آتا، پس ہم تمہاری عذاب کی دھمکیوں کو خاطر میں نہیں لاتے!

عاد کا انجام: ـــــ پس انھوں نے ہودؑ کو جھٹلایا، تو ہم نے ان کو ہلاک کر دیا ـــــ سخت آندھی چلی جس نے ان کا قصہ نمٹا دیا!

کفار مکہ کے لئے سبق: ـــــ بے شک اس میں بڑی نشانی ہے، اور ان کے اکثر ایمان لانے والے نہیں، اور بے شک آپ کا رب ہی زبردست بڑا مہربان ہے!

بغیر ضرورت تعمیرات میں خرچ کرنے میں کوئی بھلائی نہیں، اللہ نے دولت دی ہے تو اللہ کے راستے میں خرچ کرو

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۴۲﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۴۳﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۴۴﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۱۴۷﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ﴿۱۴۸﴾ وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۵۰﴾ وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۴﴾ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۱۵۵﴾ وَلَا

تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵۶﴾ فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ﴿۱۵۷﴾ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۵۹﴾

ع ۸ ۱۹ ۱۴

كَذَّبَتْ	اور جھٹلایا	مِنْ اَجْرٍ	کوئی صلہ	بُيُوْتًا	مکانات
ثَمُوْدُ	ثمود نے	اِنْ اَجْرِيَ	نہیں میرا صلہ	فٰرِهِيْنَ (۳)	مہارت سے
الْمُرْسَلِيْنَ	رسولوں کو	اِلَّا	مگر	فَاتَّقُوا اللّٰهَ	پس اللہ سے ڈرو
اِذْ قَالَ	جب کہا	عَلٰي رَبِّ	پروردگار پر	وَاَطِيْعُوْنِ	اور میرا کہنا مانو
لَهُمْ	ان سے	الْعٰلَمِيْنَ	جہانوں کے	وَلَا تُطِيْعُوْٓا	اور مت مانو
اَخُوْهُمْ	ان کے برادر	اَتُتْرَكُوْنَ	کیا چھوڑے جاؤ گے تم	اَمْرَ	حکم
صٰلِحٌ	صالح نے	فِيْ مَا	ان چیزوں میں جو	الْمُسْرِفِيْنَ	حد سے تجاوز کرنے والوں کا
اَلَا	کیا نہیں	هٰهُنَآ	یہاں ہیں	الَّذِيْنَ	جو
تَتَّقُوْنَ	بچتے تم	اٰمِنِيْنَ	بہ اطمینان	يُفْسِدُوْنَ	بگاڑ پھیلاتے ہیں
اِنِّيْ لَكُمْ	بیشک میں تمہارے لئے	فِيْ جَنّٰتٍ	باغات میں	فِي الْاَرْضِ	زمین میں
رَسُوْلٌ	رسول ہوں	وَّعُيُوْنٍ	اور چشموں	وَلَا يُصْلِحُوْنَ	اور نہیں سنوارتے
اَمِيْنٌ	امانت دار	وَّزُرُوْعٍ	اور کھیتوں	قَالُوْٓا	جواب دیا انھوں نے
فَاتَّقُوا اللّٰهَ	پس ڈرو اللہ سے	وَّنَخْلٍ	اور کھجوروں میں	اِنَّمَآ	جز ایں نیست
وَاَطِيْعُوْنِ	اور میرا کہنا مانو	طَلْعُهَا (۱)	جنکے گابھے (شگوفے)	اَنْتَ	تو
وَمَآ	اور نہیں	هَضِيْمٌ (۲)	گتھے ہوئے ہیں؟	مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ	جادو زدہ ہے
اَسْـَٔلُكُمْ	طلب کرتا میں تم سے	وَتَنْحِتُوْنَ	اور تراشتے ہو تم	مَآ اَنْتَ	نہیں تو
عَلَيْهِ	اس پر	مِنَ الْجِبَالِ	پہاڑوں میں	اِلَّا	مگر

(۱) طَلْع: کھجور کا پہلا شگوفہ، گابھا (۲) هَضِيْم: بمعنی مَهْضُوْم: گتھا ہوا خوشہ یعنی پھل سے خوب بھرا ہوا خوشہ (۳) فُرْه (ک) فَرَاهَةً: ہوشیار و ماہر ہونا مگر اس کے مفہوم میں اترانا بھی ہے، کج کلاہی ناز کو مستلزم ہے۔

بَشَرٌ	انسان	وَّلَكُمْ	اور تمہارے لئے	فَاَخَذَهُمُ	پس پکڑ لیا ان کو
مِّثْلُنَا	ہم جیسا	شِرْبُ	پانی کا حصہ ہے	الْعَذَابُ	عذاب نے
فَاْتِ	پس لا تو	يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ	معین دن کا	اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ	بے شک اس میں
بِاٰيَةٍ	کوئی نشانی	وَلَا تَمَسُّوْهَا	اور نہ ہاتھ لگانا اس کو	لَاٰيَةً	البتہ نشانی ہے
اِنْ كُنْتَ	اگر ہے تو	بِسُوْٓءٍ	برائی سے	وَمَا كَانَ	اور نہیں ہیں
مِنَ الصّٰدِقِيْنَ	سچوں میں سے	فَيَاْخُذَكُمْ	پس پکڑ لے تم کو	اَكْثَرُهُمْ	ان کے اکثر
قَالَ	کہا صالح نے	عَذَابُ	عذاب	مُّؤْمِنِيْنَ	ایمان لانے والے
هٰذِهٖ	یہ	يَوْمٍ عَظِيْمٍ	بڑے دن کا	وَاِنَّ رَبَّكَ	اور بیشک آپ کا رب
نَاقَةٌ	ایک اونٹنی ہے	فَعَقَرُوْهَا	پس ٹانگ کاٹ دی اسکی	لَهُوَ	البتہ وہ
لَّهَا	اس کے لئے	فَاَصْبَحُوْا	پس ہو گئے وہ	الْعَزِيْزُ	زبردست
شِرْبٌ	پانی کا حصہ ہے	نٰدِمِيْنَ	پشیمان	الرَّحِيْمُ	بڑا مہربان ہے

پانچواں قصہ قوم ثمود کا

عاد اولیٰ (قوم ہود علیہ السلام) کے بعد قوم ثمود کا نمبر آیا، یہ عاد ثانیہ کہلاتے ہیں۔ ثمود کا دور ترقی ہلاکتِ عاد اولیٰ کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اور ثمود کو فن تعمیر میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ وہ پہاڑوں کو تراش کر سر بفلک عمارتیں بناتے تھے، بت پرستی ان کا مذہب تھا، اللہ تعالیٰ نے صالح علیہ السلام کو ان کی طرف مبعوث فرمایا، مگر ان بدبختوں نے ان کی دعوت قبول نہ کی اور معجزہ طلب کیا، وہ معجزہ ان کو دکھایا گیا، پتھر سے اللہ نے ان کی فرمائش کے مطابق ایک اونٹنی نکالی، مگر وہ پھر بھی ایمان نہ لائے، پس ان کی ہلاکت کو اونٹنی کی ایذاء رسانی پر معلق کر دیا، قوم میں نو آدمی سر برآوردہ اور بڑے مفسد تھے، انھوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں تو عذابِ الٰہی نے انہیں آلیا۔

قوم ثمود نے رسولوں کو جھٹلایا

(یاد کرو) جب ان سے ان کے برادر صالح نے کہا: "کیا تم (شرک سے) بچتے نہیں؟ بے شک میں تمہاری طرف امانت دار رسول ہوں، پس اللہ سے ڈرو ــــ یعنی شرک چھوڑو ــــ اور میرا کہنا مانو، اور میں تم سے رسالت پر کسی صلہ کا طلب گار نہیں، میرا عوض جہانوں کے پالنہار ہی پر ہے!

کیا تم ان نعمتوں میں جو یہاں تمہیں حاصل ہیں بہ اطمینان رہنے دیئے جاؤ گے، یعنی باغات، چشموں، کھیتوں اور کھجور کے درختوں میں، جن کے گابھے خوب بھرے ہوئے ہیں؟ اور تم مہارت فن کے ساتھ پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے ہو، پس اللہ سے ڈرو، اور میرا کہنا مانو —— یعنی تمہارا کیا خیال ہے، تم ہمیشہ اسی عیش وآرام اور باغ وبہار کے مزے لوٹو گے؟ اور پہاڑوں کو تراش کر جو بلند وبالا اور پرتکلف مکان تیار کئے ہیں ان میں ہمیشہ رہو گے؟ یہ سودائے خام دل سے نکال ڈالو، دنیا کی یہ باغ وبہار زندگی تو چند روزہ ہے اور آزمائش کے لئے ہے، یہ مضبوط اور سنگین عمارتیں تم کو خدا کے عذاب سے بچا نہیں سکتیں۔ پس خدا سے ڈرو اور میرا کہنا مانو، میں تمہارے بھلے کی کہتا ہوں!

اور ان لوگوں کا حکم مت مانو جو حد سے تجاوز کرنے والے ہیں، جو زمین میں بگاڑ پھیلاتے ہیں، اور اس کو سنوارتے نہیں —— یعنی اگر تم ان مفسد شیطانوں کے پیچھے چلے تو تباہ ہو جاؤ گے، یہ لوگ تو زمین میں خرابی پھیلانے والے ہیں، اصلاح کرنے والے نہیں، یہ وہی نو آدمی تھے جو قوم میں سربرآوردہ اور بڑے مفسد تھے، قوم میں انہی کی چلتی تھی۔

ان لوگوں نے جواب دیا: تم پر کسی نے بڑا بھاری جادو کر دیا ہے —— جس سے تمہاری عقل ماری گئی ہے، اور بہکی بہکی باتیں کرتے ہو! —— تم بس ہماری طرح کے ایک آدمی ہو —— تم میں کوئی سرخاب کا پر نہیں لگ رہا، تم میں ہم سے کونسی بات زائد ہے جو نبی بن گئے؟ —— اگر تم (دعوئے نبوت میں) سچے ہو تو کوئی معجزہ دکھاؤ —— صالح علیہ السلام نے پوچھا: کیا معجزہ چاہتے ہو؟ انھوں نے کہا: پتھر کی اس چٹان میں سے ایک اونٹنی نکال دو، جو ایسی اور ایسی ہو۔ حضرت صالح علیہ السلام نے دعا فرمائی، قدرتِ خداوندی سے چٹان پھٹی، اور جیسی وہ چاہتے تھے اونٹنی نکل آئی۔

صالحؑ نے کہا: یہ اونٹنی ہے، اس کی پانی پینے کی ایک باری ہے، اور تمہارے لئے ایک مقررہ دن میں پانی پینے کی ایک باری ہے —— اور باری اس لئے مقرر کرنی پڑی کہ وہ اونٹنی چُھٹی پھرتی تھی، اور جس جنگل میں چرنے یا جس تالاب پر پانی پینے جاتی سب مواشی بھاگ کر دور چلے جاتے، اس لئے باری مقرر کی کہ ایک دن پانی پر وہ جائے اور دوسرے دن لوگوں کے مواشی جائیں۔

اور تم اس کو برائی سے ہاتھ نہ لگانا، کبھی تم کو ایک بھاری دن کا عذاب آ پکڑے —— اونٹنی کا معجزہ دیکھ کر بھی ایک شخص کے علاوہ کوئی ایمان نہ لایا، پس اللہ تعالیٰ نے اونٹنی کے قتل کے ساتھ قوم کی ہلاکت کو معلّق کر دیا —— پس انھوں نے اونٹنی کی ٹانگ کاٹ دی —— ایک بدکار عورت کے گھر مواشی بہت تھے، چارے پانی کی تکلیف سے اپنے ایک آشنا کو اُکسایا، اس نے اونٹنی کے پاؤں کاٹ دیئے —— پھر وہ پشیمان ہو کر رہ گئے —— مگر پشیمانی بعد از وقت تھی —— پس ان کو عذاب نے پکڑ لیا —— ہولناک آواز نے ان کا کام تمام کر دیا (تفصیل ہدایت القرآن ۴:۶۶ میں دیکھیں)

بے شک اس (واقعہ) میں بڑی عبرت ہے، اور (کفار مکہ) کے اکثر ایمان لانے والے نہیں، اور بے شک آپ کا رب زبردست بڑا مہربان ہے —— جو باوجود قدرت کے مہلت دیتا ہے۔

ثمود عذاب کے آثار ظاہر ہونے کے بعد پشیمان ہوئے تھے، اس لئے ان کی پشیمانی ان کے کچھ کام نہ آئی

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٦٠﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ لُوطٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٦١﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٦٢﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٦٣﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٤﴾ أَتَأْتُونَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٥﴾ وَتَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ ۚ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ عَادُونَ ﴿١٦٦﴾ قَالُوا لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ يَا لُوطُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِينَ ﴿١٦٧﴾ قَالَ إِنِّي لِعَمَلِكُمْ مِنَ الْقَالِينَ ﴿١٦٨﴾ رَبِّ نَجِّنِي وَأَهْلِي مِمَّا يَعْمَلُونَ ﴿١٦٩﴾ فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ أَجْمَعِينَ ﴿١٧٠﴾ إِلَّا عَجُوزًا فِي الْغَابِرِينَ ﴿١٧١﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْآخَرِينَ ﴿١٧٢﴾ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا ۖ فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِينَ ﴿١٧٣﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١٧٤﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٧٥﴾

رکوع ۹

كَذَّبَتْ	اور جھٹلایا	أَلَا تَتَّقُونَ	کیا ڈرتے نہیں تم؟	عَلَيْهِ	رسالت پر
قَوْمُ لُوطٍ	قوم لوطؑ نے	إِنِّي لَكُمْ	بیشک میں تمہارے لئے	مِنْ أَجْرٍ	کوئی صلہ
الْمُرْسَلِينَ	رسولوں کو	رَسُولٌ	رسول ہوں	إِنْ أَجْرِيَ	نہیں ہے میرا صلہ
إِذْ قَالَ	جب کہا	أَمِينٌ	امانت دار	إِلَّا	مگر
لَهُمْ	ان سے	فَاتَّقُوا اللَّهَ	پس ڈرو اللہ سے	عَلَىٰ رَبِّ	پروردگار پر
أَخُوهُمْ	ان کے برادر	وَأَطِيعُونِ	اور کہا مانو میرا	الْعَالَمِينَ	جہانوں کے
لُوطٌ	لوطؑ نے	وَمَا أَسْأَلُكُمْ	اور نہیں مانگتا میں تم سے	أَتَأْتُونَ	کیا آتے ہو تم

الذُّكْرَانَ(۱)	مردوں کو	اِنِّيْ	بے شک میں	الْاٰخَرِيْنَ	دوسروں کو
مِنَ الْعٰلَمِيْنَ	جہانوں سے	لِعَمَلِكُمْ	تمہارے کام سے	وَ اَمْطَرْنَا	اور بارش برسائی ہم نے
وَ تَذَرُوْنَ	اور چھوڑتے ہو تم	مِّنَ الْقَالِيْنَ(۵)	سخت نفرت کرنے والوں میں سے ہوں	عَلَيْهِمْ	ان پر
مَا خَلَقَ	جو پیدا کیا			مَّطَرًا(۷)	بری بارش
لَكُمْ	تمہارے لئے	رَبِّ	اے میرے رب!	فَسَآءَ	پس بری ہوئی
رَبُّكُمْ	تمہارے رب نے	نَجِّنِيْ	نجات دیجئے مجھے	مَطَرُ	بارش
مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ(۲)	تمہاری بیویوں سے	وَاَهْلِيْ	اور میرے گھر والوں کو	الْمُنْذَرِيْنَ	ڈرائے ہوؤں کی
بَلْ اَنْتُمْ	بلکہ تم	مِمَّا	ان کاموں سے جو	اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ	بے شک اس میں
قَوْمٌ	لوگ ہو	يَعْمَلُوْنَ	وہ کرتے ہیں	لَاٰيَةً	البتہ نشانی ہے
عٰدُوْنَ(۳)	حد سے تجاوز کرنے والے	فَنَجَّيْنٰهُ	پس نجات دی ہم نے اس کو	وَمَا كَانَ	اور نہیں ہیں
قَالُوْا	کہا انھوں نے			اَكْثَرُهُمْ	ان کے اکثر
لَئِنْ	بخدا! اگر	وَاَهْلَهٗٓ	اور اس کے گھر والوں کو	مُّؤْمِنِيْنَ	ایمان لانے والے
لَّمْ تَنْتَهِ(۴)	نہ باز آیا تو	اَجْمَعِيْنَ	سبھی کو	وَاِنَّ رَبَّكَ	اور بیشک آپ کا رب
يٰلُوْطُ	اے لوط	اِلَّا	مگر	لَهُوَ	البتہ وہ
لَتَكُوْنَنَّ	البتہ ہوگا تو	عَجُوْزًا	بڑھیا کو	الْعَزِيْزُ	زبردست
مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ	نکالے ہوؤں میں سے	فِي الْغٰبِرِيْنَ	پیچھے رہ جانے والوں میں	الرَّحِيْمُ	بڑا مہربان ہے
قَالَ	کہا اس نے	ثُمَّ دَمَّرْنَا(۶)	پھر اکھیڑ مارا ہم نے	۞	۞

چھٹا قصہ قوم لوطؑ کا

ثمود (عاد ثانیہ) کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ ہے۔ مگر ان کا قصہ ایک مناسبت سے پہلے آگیا۔ اس

(۱) الذکران: الذَّکَر کی جمع: مرد......من العالمین: الذکران کی صفت ہے أی کائنا من العالمین (۲) من أزواجکم: میں مِنْ بیانیہ ہے، مَا کا بیان ہے، یعنی تمہاری بیویاں ۔ اور مِنْ تبعیضیہ بھی ہوسکتا ہے یعنی بیویوں کی آگے کی راہ (جلالین) (۳) عادون: اسم فاعل جمع، مفرد: العادی: المتعدی فی ظلمه، المتجاوز فی الحد (۴) تنته کی اصل تنتهی ہے، آخر سے یاء لم کی وجہ سے حذف ہوئی، انتهاء: باز آنا (۵) القالین: اسم فاعل، جمع، مفرد القالی، مادہ قِلٰی: سخت نفرت کرنے والا، بیزار ←

لئے اب قوم لوطؑ کا قصہ ذکر کیا جاتا ہے۔ حضرت لوط: حضرت ابراہیم علیہما السلام کے معاصر اور چچازاد بھائی ہیں، جو سدوم اور عمورہ کی بستیوں کی طرف مبعوث کئے گئے، یہ بستیاں اُسی جگہ واقع تھیں جہاں اب بحرمیت ہے۔ یہ قوم شرک کے علاوہ طرح طرح کی برائیوں میں مبتلا تھی، ان کی سب سے گھناؤنی برائی ان کی لڑکوں سے دلچسپی تھی، حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو ہر چند سمجھایا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئے پس ان کا تختہ الٹ دیا گیا۔

قوم لوطؑ نے رسولوں کو جھٹلایا

(یاد کرو) جب ان سے ان کے برادر لوطؑ نے کہا: ''کیا تم (شرک سے) بچتے نہیں؟ بے شک میں تمہارے لئے امانت دار رسول ہوں، پس اللہ سے ڈرو، اور میرا کہنا مانو، اور میں تم سے رسالت پر کوئی صلہ نہیں مانگتا، میرا صلہ تو رب العالمین پر ہے —— حضرت لوط علیہ السلام کو اس قوم کا برادر (فرد) انسان ہونے کے اعتبار سے، اور ان کی بستیوں میں بس جانے کے اعتبار سے کہا گیا ہے، ورنہ آپ ان کے علاقہ میں پردیسی تھے۔ مگر لمبا عرصہ ان میں قیام کرنے کی وجہ سے اس قوم کا فرد بن گئے تھے۔

کیا دنیا جہاں والوں میں سے تم ہی مردوں کو آتے ہو؟ اور تم چھوڑتے ہو اپنی ان بیویوں کو جن کو تمہارے لئے تمہارے پروردگار نے پیدا کیا ہے! بلکہ تم حد سے تجاوز کرنے والے لوگ ہو! —— یعنی سارے جہاں میں سے تم ہی اس فعل شنیع کے مرتکب ہوتے ہو، تمہارے علاوہ دنیا جہاں کے لوگوں میں سے کوئی یہ بری حرکت نہیں کرتا، جبکہ تمہارے لئے جائز محل موجود ہے، تمہارے گھروں میں تمہاری بیویاں ہیں، مگر تم ان سے کوئی سروکار نہیں رکھتے، اور تم اس بدفعلی کے علاوہ اور بھی برائیوں میں مبتلا ہو، وہ لوگ رہزنی کرتے تھے، تاجروں کو عجیب طرح سے لوٹ لیتے تھے اور ناپ تول میں کمی کرتے تھے (لغات القرآن ۵:۲۳۴)

انھوں نے کہا: ''اے لوط! بخدا! اگر تو باز نہ آیا تو تجھے شہر بدر کر دیا جائے گا —— قوم کا جواب تھا کہ لوط کو اپنی بستی سے نکال کر باہر کرو، یہ بڑا اپاکباز بنتا ہے، ہم گندوں میں اس کا کیا کام!

لوطؑ نے کہا: بے شک میں تمہارے کاموں سے سخت بیزار ہوں —— یعنی میں بھی تمہاری بستیوں میں رہنا نہیں چاہتا، مگر اللہ کا حکم ہے اس لئے ٹھہرا ہوا ہوں۔

لوطؑ کی دعا: —— اے میرے رب! مجھے اور میرے متعلقین کو ان کاموں سے نجات بخش جو وہ کرتے ہیں —— ان کے برے کاموں کی نحوست اور وبال سے ہم کو بچا، اور انہیں غارت فرما!

→ ہونے والا (۶) تدمیر: اکھیڑ مارنا (۷) مطراً: مفعول مطلق، بیانِ نوعیت کے لئے یعنی بری بارش۔

قوم کا انجام: ــــ پس ہم نے اس کو اور اس کے متعلقین کو سبھی کو نجات دی، مگر بڑھیا جو پیچھے رہ جانے والوں میں سے تھی، پھر اکھیڑ مارا ہم نے دوسروں کو، اور برسائی ہم نے ان پر بری بارش، سو کیسی بری بارش تھی جو ان لوگوں پر برسی جن کو (عذاب سے) ڈرایا گیا تھا! ــــ حضرت لوط علیہ السلام فرشتوں کے کہنے سے مع متعلقین بستی سے ہجرت کر گئے، مگر ان کی بوڑھی بیوی نے ساتھ نہ دیا، وہ اسی قوم کی تھی، در پردہ کافر تھی، اور قوم کی برائیوں سے دلچسپی رکھتی تھی، چنانچہ اس نے ساتھ چلنے سے انکار کیا، اور انہی کے ساتھ ہلاک ہوئی، اور دوسری بیوی اور بیٹیاں ساتھ چلیں اور انھوں نے نجات پائی، اور داماد ساتھ چلے یا نہیں؟ یہ بات معلوم نہیں، بائبل کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ساتھ نہیں چلے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی بستیوں کو الٹ دیا، اور آسمان سے نوکیلے پتھر برسائے، سو وہ ڈھیر ہو کر رہ گئے۔

بے شک اس (واقعہ) میں عبرت ہے، اور ان (کفار مکہ) کے اکثر ایمان لانے والے نہیں، اور بے شک آپ کا رب زبردست بڑا مہربان ہے! ــــ وہ فوری عذاب بھیج سکتا ہے، مگر نہیں بھیجا، بلکہ سنبھلنے کا موقعہ دیا۔

> **لوطی پر دیوار گرانا یا بلند مقام سے نیچے پھینک کر ہلاک کرنا جائز ہے، قوم لوط اسی طرح ہلاک کی گئی، ان کی بستیوں کو اوپر اٹھا کر الٹا زمین پر پھینک دیا!**

كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْـَٔیْكَةِ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۷۶﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَیْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۷۸﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ﴿۱۷۹﴾ وَ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۸۰﴾ اَوْفُوا الْكَیْلَ وَ لَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِیْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَ زِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ ﴿۱۸۲﴾ وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَ لَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ﴿۱۸۳﴾ وَ اتَّقُوا الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَ الْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۸۴﴾ قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِیْنَ ﴿۱۸۵﴾ وَ مَاۤ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَ اِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِیْنَ ﴿۱۸۶﴾ فَاَسْقِطْ عَلَیْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۱۸۷﴾ قَالَ رَبِّیْۤ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ یَوْمِ الظُّلَّةِ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۸۹﴾ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۹۱﴾

ع ۱۰

كَذَّبَ	جھٹلایا	اَلْكَيْلَ	پیمانہ	وَمَآ اَنْتَ	اور نہیں ہو تم
اَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ(۱)	بَن والوں نے	وَلَا تَكُوْنُوْا	اور مت ہوؤ	اِلَّا	مگر
الْمُرْسَلِيْنَ	رسولوں کو	مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ	گھٹانے والوں سے	بَشَرٌ	انسان
اِذْ قَالَ	جب کہا	وَزِنُوْا	اور تولو	مِّثْلُنَا	ہمی جیسے
لَهُمْ	ان سے	بِالْقِسْطَاسِ	ترازو سے	وَاِنْ	اور بیشک
شُعَيْبٌ	شعیبؑ نے	الْمُسْتَقِيْمِ	سیدھی	نَّظُنُّكَ	ہم تجھے گمان کرتے ہیں
اَلَا	کیا نہیں	وَلَا تَبْخَسُوا	اور مت گھٹا کردو	لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ	یقیناً جھوٹوں میں سے
تَتَّقُوْنَ	بچتے تم (شرک سے)	النَّاسَ	لوگوں کو	فَاَسْقِطْ	پس گرادے
اِنِّيْ لَكُمْ	بیشک میں تمہارے لئے	اَشْيَآءَهُمْ	ان کی چیزیں	عَلَيْنَا	ہم پر
رَسُوْلٌ	رسول ہوں	وَلَا تَعْثَوْا(۲)	اور مت پھیلو	كِسَفًا(۴)	ٹکڑے
اَمِيْنٌ	امانت دار	فِي الْاَرْضِ	زمین میں	مِّنَ السَّمَآءِ	آسمان سے
فَاتَّقُوا اللّٰهَ	پس ڈرو اللہ سے	مُفْسِدِيْنَ	خرابی ڈالتے ہوئے	اِنْ كُنْتَ	اگر ہے تو
وَاَطِيْعُوْنِ	اور کہا مانو میرا	وَاتَّقُوا	اور ڈرو	مِنَ الصّٰدِقِيْنَ	سچوں سے
وَمَآ اَسْئَلُكُمْ	اور نہیں مانگتا میں تم سے	الَّذِيْ	اس سے جس نے	قَالَ رَبِّيْٓ	کہا میرا رب
عَلَيْهِ	رسالت پر	خَلَقَكُمْ	پیدا کیا تم کو	اَعْلَمُ	خوب جانتا ہے
مِنْ اَجْرٍ	کوئی صلہ	وَالْجِبِلَّةَ(۳)	اور خلقت کو	بِمَا تَعْمَلُوْنَ	ان کاموں کو جو تم کرتے ہو
اِنْ اَجْرِيَ	نہیں ہے میرا صلہ	الْاَوَّلِيْنَ	اگلی	فَكَذَّبُوْهُ	پس جھٹلایا انھوں نے اسکو
اِلَّا عَلٰى رَبِّ	مگر پروردگار پر	قَالُوْٓا	کہا انھوں نے	فَاَخَذَهُمْ	پس پکڑ لیا ان کو
الْعٰلَمِيْنَ	جہانوں کے	اِنَّمَآ اَنْتَ	جز ایں نیست تم	عَذَابُ	عذاب نے
اَوْفُوا	پورا بھرو	مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ	جادو زدوں سے ہو	يَوْمِ الظُّلَّةِ	سائبان کے دن کے

(۱) الأيكة: گھنا جنگل، بَن، أَيِكَ (س) الشجر أيكاً: درخت کا گنجان اور گھنا ہونا (۲) عثَا (ن) عَثْوًا وَعُثُوًّا: فساد انگیزی کرنا، زبردست فساد برپا کرنا (۳) الجبلة: قوم، امت، خلقت، مخلوق، جَبَلَ اللّٰه الخلقَ: پیدا کرنا، ڈھالنا، صورت بنانا (۴) الكِسْفَة: کسی چیز کا ٹکڑا، جمع كِسْف و كِسَف۔

اِنَّهٗ كَانَ	بے شک وہ تھا	لَاٰيَةً	البتہ نشانی ہے	وَاِنَّ رَبَّكَ	اور بیشک آپ کا رب
عَذَابَ	عذاب	وَمَا كَانَ	اور نہیں ہیں	لَهُوَ	البتہ وہ
يَوْمٍ عَظِيْمٍ	بڑے دن کا	اَكْثَرُهُمْ	ان کے اکثر	الْعَزِيْزُ	زبردست
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ	بے شک اس میں	مُّؤْمِنِيْنَ	ایمان لانے والے	الرَّحِيْمُ	بڑا مہربان ہے

ساتواں قصہ اَیکہ والوں کا

قوم لوطؑ سے متصل زمانہ قوم شعیبؑ کا ہے، سورۂ ہود (آیت ۸۹) میں حضرت شعیب علیہ السلام کا یہ قول ہے:
﴿وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِنْكُمْ بِبَعِيْدٍ﴾: اور قوم لوط تم سے دور زمانہ میں نہیں یعنی ابھی ماضی قریب میں وہ تباہ ہوئی ہے، اس لئے اب آخر میں قوم شعیبؑ کی تباہی کا واقعہ ذکر کرتے ہیں۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ ہے، مگر چونکہ فرعونیوں کی تباہی کا واقعہ مفصل اور اہل مکہ کے لئے زیادہ اہم تھا اس لئے اس کو سب سے پہلے بیان کیا ہے۔

مدین والے اور اَیکہ والے ایک ہیں یا الگ الگ؟ اس میں اختلاف ہے:

۱- بعض کا خیال ہے کہ دونوں جدا جدا قبیلے ہیں، مدین متمدن اور شہری قبیلہ تھا، اور اصحاب الایکہ بدوی اور بَن (جنگل) میں آباد تھے، حضرت شعیب علیہ السلام پہلے مدین والوں کی طرف مبعوث کئے گئے، پھر ان کی ہلاکت کے بعد ایکہ والوں کی طرف مبعوث کئے گئے۔

۲- دوسری رائے یہ ہے کہ دونوں ایک ہی ہیں، مدین ان کا شہر تھا، اور علاقہ ان کا بہت شاداب تھا اس لئے ان کو ایکہ والے (گھنے جنگل والے) بھی کہتے تھے۔

۳- اور ابن کثیر رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ ایکہ ایک خاص درخت کا نام تھا جس کی وہ قوم پرستش کرتی تھی، اس لئے جب ایکہ والے کہا تو حضرت شعیب علیہ السلام کو ان کا ''برادر'' نہیں کہا، کیونکہ برادر قومی، نسبی اور رہائشی تعلق سے کہا جاتا ہے۔

بہر حال راجح یہی ہے کہ اصحاب مدین اور اصحاب ایکہ ایک ہیں، باپ (قبیلہ) اور شہر کی نسبت سے ان کو اصحاب مدین کہا جاتا ہے۔ اور علاقہ سرسبز ہونے کی وجہ سے یا خاص درخت کی پرستش کرنے کی وجہ سے ان کو اصحاب الایکہ کہا گیا ہے۔ اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ قرآنِ کریم میں دونوں کی برائیاں ایک ہی ذکر کی گئی ہیں، وہی ڈنڈی مارنا اور کم ناپنا تولنا ان کی ہلاکت کا باعث بنا ہے۔

اور مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک صاحبزادے کا نام ہے، جس کی اولاد بڑی قوم بن گئی تھی۔ تورات میں

ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک تیسری بیوی قطورا تھی، جس سے سات لڑکے تولد ہوئے تھے، ان میں سے ایک لڑکا مدین یا مدیان تھا، اس کے نام پر شہر، علاقہ اور قوم موسوم تھی، اور اس کی طرف شعیب علیہ السلام مبعوث کئے گئے تھے۔

اصحاب الایکہ نے رسولوں کو جھٹلایا

(یاد کرو) جب ان سے شعیبؑ نے کہا: "کیا تم (شرک سے) بچتے نہیں؟ بے شک میں تمہارے لئے امانت دار رسول ہوں۔ پس اللہ سے ڈرو، اور میرا کہنا مانو، اور میں تم سے رسالت پر کوئی صلہ نہیں مانگتا، میرا صلہ تو رب العالمین پر ہے! —— یہی سب نبیوں کی مشترک دعوت ہے، اور اسی لئے ایک رسول کی تکذیب کو سب رسولوں کی تکذیب کہا گیا ہے۔

تم لوگ پیمانہ پورا بھرا کرو، اور (صاحبِ حق کا) نقصان مت کیا کرو، اور سچی ترازو سے تولا کرو، اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم مت دیا کرو —— کچھ چیزیں ناپ کر بیچی جاتی ہیں اور کچھ چیزیں تول کر۔ اور قدیم زمانہ میں زیادہ چیزیں ناپ کر بیچی جاتی تھیں، تولنے کی چیزیں کم تھیں، اب معاملہ برعکس ہوگیا ہے۔ اب زیادہ تر چیزیں تول کر بیچی جاتی ہیں، اور قدیم زمانہ میں دونوں قسم کی چیزوں کے تاجر بھی الگ الگ ہوتے تھے، اس لئے شعیب علیہ السلام نے کیل والوں کو الگ سمجھایا، اور وزن والوں کو الگ، اور ہر ایک کو مثبت و منفی دونوں پہلوؤں سے سمجھایا، تاکہ بات خوب ذہن نشیں ہوجائے، پس کلام میں تکرار کا شبہ نہ کیا جائے۔

اور شعیب علیہ السلام کی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے کہ معاملات میں خیانت اور بے انصافی مت کرو، جس طرح لیتے وقت پورا ناپ تول کر لیتے ہو، دیتے وقت بھی پورا ناپ تول کر دیا کرو۔

اور زمین میں فساد مت مچایا کرو —— سورۃ الاعراف (آیت ۸۶) میں ہے: ﴿وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ آمَنَ بِهِ، وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا﴾: اور مت بیٹھو ہر راہ پر، ڈراتے دھمکاتے ہو، اور ایمان لانے والوں کو راہِ خدا سے روکتے ہو، اور اس راہ میں کجی تلاش کرتے ہو۔ یہی مضمون اس آیت میں بھی ہے۔

اور اس اللہ سے ڈرو جس نے تم کو اور گذشتہ اقوام کو پیدا کیا ہے —— یعنی تم سے پہلے بہت سی قومیں شرارتوں کی وجہ سے ہلاک کی جاچکی ہیں، جس نے ان کو وجود بخشا تھا اسی نے ان کو ہلاک کیا۔ تمہیں بھی اللہ نے پیدا کیا ہے۔ وہ تمہیں بھی تمہاری شرارتوں کی وجہ سے ہلاک کرسکتے ہیں۔

ان لوگوں نے جواب دیا: تجھ پر تو کسی نے بڑا بھاری جادو کردیا ہے، اور تو محض ہماری طرح کا ایک آدمی ہے، اور ہم تو تجھے جھوٹے لوگوں میں سے خیال کرتے ہیں، پس اگر تو سچا ہے تو ہم پر آسمان کے ٹکڑے گرادے! —— یعنی عذاب لے آ!

شعیبؑ نے کہا: میرا پروردگار تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے ـــــ یعنی وہی جانتا ہے کہ کس جرم پر کس وقت اور کتنی سزا ملنی چاہیئے، عذاب لے آنا میرے اختیار کی بات نہیں۔

قوم کا انجام: ـــــ سوان لوگوں نے شعیبؑ کو جھٹلایا، پس ان کو سائبان کے دن کے عذاب نے پکڑ لیا، بیشک وہ ہولناک دن کا عذاب تھا ـــــ سائبان کے دن کا واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قوم شعیب پر سخت گرمی مسلط کی، چنانچہ ان کو نہ مکان کے اندر چین آتا تھا نہ باہر، پھر ان کے گھنے جنگل میں ایک گہرا بادل آیا، جس کے نیچے ٹھنڈی ہوا تھی، ساری قوم دوڑ کر اس بادل کے نیچے جمع ہوگئی، اس بادل نے ان پر بجائے پانی کے آگ برسادی جس سے سب بھسم ہوکر رہ گئے۔

اور اس (واقعہ) میں بڑی عبرت ہے، اور ان (کفار مکہ) کے اکثر ایمان لانے والے نہیں، اور بے شک آپؐ کا رب بڑی قدرت والا بڑا مہربان ہے ـــــ جو عذاب بھیج سکتا ہے، مگر مہلت دے رکھی ہے۔

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۹۲﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ﴿۱۹۵﴾ وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۹۶﴾ اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۹۷﴾ وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ ﴿۱۹۸﴾ فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۲۰۰﴾ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۲۰۱﴾

وَاِنَّهٗ	اور بیشک وہ (قرآن)	الْاَمِيْنُ	امانت دار	عَرَبِيٍّ	عربی
لَتَنْزِيْلُ	بتدریج اتارنا ہے	عَلٰى قَلْبِكَ (۲)	آپؐ کے دل پر	مُّبِيْنٍ	واضح
رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ	جہانوں کے پالنہار کا	لِتَكُوْنَ	تاکہ ہوں آپؐ	وَاِنَّهٗ	اور بیشک وہ (قرآن)
نَزَلَ	اتارا ہے اس کو	مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ	ڈرانے والوں میں سے	لَفِيْ زُبُرِ (۳)	البتہ کتابوں میں ہے
بِهِ الرُّوْحُ (۱)	روح (جبرئیلؑ) نے	بِلِسَانٍ (۲)	زبان میں	الْاَوَّلِيْنَ	اگلوں کی

(۱) بہ: با تعدیہ کی ہے (۲) علی قلبك اور بلسان: نَزَلَ کے ساتھ متعلق ہیں (۳) الزُّبُر: الزَّبُوْر کی جمع: لکھی ہوئی کتاب، زَبَرَ الکتاب: کتاب لکھنا۔

اَوَلَمْ يَكُنْ	کیا اور نہیں ہے	نَزَّلْنٰهُ	بتدریج اتارتے ہم اس کو	سَلَكْنٰهُ(۳)	پیوست کی ہے ہم
لَّهُمْ	ان کے لئے	عَلٰى بَعْضِ	کسی پر		نے وہ (تکذیب)
اٰيَةً(۱)	بڑی نشانی (دلیل)	الْاَعْجَمِيْنَ(۲)	غیر عربی	فِىْ قُلُوْبِ	دلوں میں
اَنْ	یہ بات کہ	فَقَرَاَهٗ	پس وہ اس کو پڑھتا	الْمُجْرِمِيْنَ	بدکاروں کے
يَّعْلَمَهٗ	جانتے ہیں اس کو	عَلَيْهِمْ	ان (عربوں) کے سامنے	لَا يُؤْمِنُوْنَ	نہیں ایمان لائیں گے وہ
	(قرآن یا نبی کو)	مَّا كَانُوْا	(تو بھی) نہیں تھے وہ	بِهٖ	اس (قرآن یا نبی) پر
عُلَمٰٓؤُا	جاننے والے	بِهٖ	اس پر	حَتّٰى يَرَوُا	یہاں تک کہ دیکھ لیں وہ
بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ	بنی اسرائیل کے	مُؤْمِنِيْنَ	ایمان لانے والے	الْعَذَابَ	عذاب کو
وَلَوْ	اور اگر	كَذٰلِكَ	اسی طرح	الْاَلِيْمَ	دردناک

ربط: قارئین کرام کو یاد ہوگا کہ سورۃ الفرقان اور سورۃ الشعراء کا خاص موضوع: رسالت اور دلیلِ رسالت (قرآنِ کریم) ہے، ان دونوں سورتوں میں مکذبین کے ممکنہ اشکالات کے جوابات بھی دیئے ہیں۔ اور تکذیب پر دھمکی اور مکذبین کا برا انجام بھی بیان کیا ہے۔ اور اس سورت کے آغاز میں قرآنِ کریم کا ذکر تھا، اور اس کی تکذیب پر دھمکی دی تھی، پھر مکذبینِ حق کے سات واقعات بیان ہوئے ہیں۔ اب پھر مضمونِ سابق کی طرف عود ہے۔

اور اس آخری رکوع میں آٹھ باتیں بیان کی ہیں، زیرِ تفسیر آیات میں ان میں سے دو باتیں ہیں:

۱- قرآن کی حقانیت کا بیان، اس کے نزول کا مقصد، اور اس کے کلام الٰہی ہونے کے دلائل۔

۲- اس اشکال کا جواب دیا ہے کہ حاملِ قرآن (محمد ﷺ) عربی اور فصیح ہیں، پس ممکن ہے قرآن انہی کا بنایا ہوا ہو۔ اگر کوئی غیر عربی یہ قرآن پیش کرتا تو ہم مان لیتے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔

پہلی بات: —— اور یہ قرآن بے شک جہانوں کے پالنہار کا بتدریج نازل کیا ہوا کلام ہے، اس کو امانت دار فرشتے (جبرئیل) نے اتارا ہے، آپؐ کے دل پر تا کہ آپؐ من جملہ ڈرانے والوں کے ہوجائیں —— یعنی قرآنِ کریم وہ مبارک اور عظیم الشان کتاب ہے جسے رب العالمین نے اتارا ہے، جبرئیل امین لے کر اترے ہیں، اور وہ آپؐ کے پاک وصاف قلب پر اتاری گئی ہے، تا کہ آپؐ اس کے ذریعہ فریضہ نبوت انجام دیں —— ان آیات میں چار باتیں ہیں:

(۱) آيةً: کان کی خبر مقدم ہے، اور جملہ أن يعلمه: اسم مؤخر ہے۔ (۲) الأَعْجَم: غیر عربی (خواہ واضح کلام کرتا ہو) جمع أَعَاجِم (۳) سَلَك (ن) سَلْكًا و سُلوكا الشيئَ في الشيئِ: ایک چیز کو دوسری میں داخل کرنا، پرونا، پیوست کرنا۔

۱-اللہ کی صفات میں سے صفتِ ربوبیت کا تذکرہ اس لئے کیا کہ یہی صفت بعثتِ انبیاء کا باعث ہے، ربّ: وہ ہستی ہے جو کسی مخلوق کو پیدا کرے، پھر اس کی بقاء کا سامان کرے، پھر اس کو بتدریج ترقی دے کر منتہائے کمال تک پہنچائے هو إنشاء الشيئ حالاً فحالاً إلى حد التمام (مفردات) جس ہستی میں یہ تین باتیں جمع ہوں وہ رب ہے، اور وہ صرف اللہ تعالیٰ ہیں: ولايقال الرب مطلقاً إلا لله تعالىٰ، المتكفل بمصلحة الموجودات (مفردات راغب)

اور انسان: روح اور بدن کا مجموعہ ہے، دیگر حیوانات میں روح کوئی معنی نہیں رکھتی، اس لئے ان کی صرف جسمانی ضرورتیں ہیں، اور انسان کی دو ضرورتیں ہیں: جسمانی اور روحانی۔ چنانچہ انسان کی جسمانی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ نے سارا عالم بنایا: ﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَا فِی الْأَرْضِ جَمِیْعًا﴾: وہ ذاتِ پاک ایسی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے فائدے کے لئے جو کچھ بھی زمین میں موجود ہے سب کا سب [البقرۃ ۲۹] اور روحانیت کی تکمیل وترقی کے لئے نبوت کا سلسلہ قائم کیا، تاکہ ربانی تعلیمات پر عمل کرکے انسان خود کو مراتب کمال تک پہنچائے۔

الحاصل: قرآنِ کریم کا نزول ربوبیت کے تقاضے سے ہوا ہے۔ اس لئے رب العالمین کو خاص کیا۔

۲- پھر جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ انسان سے رودررو کلام نہیں فرماتے۔ یہ بات انسان کی طاقت سے باہر ہے: ﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَآءُ، إِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ﴾: اور کسی بشر کی (بحالتِ موجودہ) یہ شان نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام فرماویں، مگر (تین طریقوں سے) یا تو الہام سے، یا حجاب کے پیچھے سے، یا کسی فرشتہ کو بھیج کر کہ وہ خدا کے حکم سے جو خدا کو منظور ہو پیغام پہنچائے، بیشک وہ بڑا عالی شان بڑی حکمت والا ہے [الشوریٰ ۵۱]

چنانچہ قرآنِ کریم حضرت جبرئیل علیہ السلام کے توسط سے وحی کیا، اور اس فرشتہ کا لقب روح (حیات) رکھا، کیونکہ اس کی لائی ہوئی وحی لوگوں کی دینی حیات کا ذریعہ بنی، اس لئے مسبب کا نام سبب کو دیدیا۔ پھر اس کی صفت امین (امانت دار) ذکر کی تاکہ معلوم ہوجائے کہ اس نے وحی میں قطعاً کوئی خیانت نہیں کی، بے کم وکاست وحی پہنچائی ہے۔

۳-اور آپ ﷺ کے ''دل'' کی تخصیص اس لئے کی کہ دل ہی مُدرک (سمجھنے والا) ہے۔ کان میں بات پڑی اور دل نے نہ سمجھی تو کیا فائدہ؟ اور جب گھنٹی کی آواز کی طرح وحی آتی تھی تو اس کو دل ہی بوجھتا تھا۔

۴-آخر میں نزول قرآن کی غرض بیان کی کہ قرآنِ کریم آپ ﷺ پر اس لئے اتارا گیا ہے کہ آپ لوگوں کو نتائج اعمال سے آگاہ کریں، جو نہ مانیں ان کو ڈرائیں، اور جو مان لیں ان کو خوش خبری سنائیں۔ پس آیت میں آدھا مضمون ہے۔ باقی آدھا فہم سامع پر اعتماد کرکے چھوڑ دیا ہے۔

قرآن کے کلام اللہ ہونے کی دو دلیلیں: داخلی اور خارجی

ارشاد فرماتے ہیں: (قرآن نازل فرمایا ہے:) صاف عربی زبان میں ــــ یعنی قرآن نہایت فصیح، واضح اور شگفتہ عربی زبان میں ہے، اور تم اہل لسان ہو، فصاحت و بلاغت کے دعوے دار ہو، قصیدے لکھ لکھ کر کعبہ شریف میں لٹکاتے ہو، تمہارے لئے اس کلام کی خوبیوں کا ادراک کرنا کیا مشکل ہے؟ خود قرآن میں غور کرو، اور چاہو تو مقابلہ کر دیکھو، خود تمہاری سمجھ میں آجائے گا کہ یہ اللہ کے علاوہ کا کلام نہیں ہوسکتا، پس یہ قرآن کے کلام اللہ ہونے کی داخلی دلیل ہے۔

اور اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صرف قرآن کے مضامین آپ ﷺ کے دل پر نہیں اتارے گئے، بلکہ الفاظ اور معانی سب وحی سے قلب مبارک پر اتارے گئے ہیں۔

اور بے شک وہ (قرآن یعنی قرآن کا تذکرہ) پہلی امتوں کی (آسمانی) کتابوں میں ہے ــــ یہ قرآن کے کلام اللہ ہونے کی خارجی دلیل ہے۔ قرآن کی اور اس کے لانے والی کی خبر پچھلی آسمانی کتابوں میں موجود ہے، گذشتہ انبیاء برابر اس کی پیشین گوئی کرتے آئے ہیں۔ چنانچہ باوجود بہت سی تحریفات کے اب تک ایک ذخیرہ ایسی پیشین گوئیوں کا پایا جاتا ہے، مثلاً:

تورات، کتاب استثناء، باب ۱۸ آیات ۱۸ و ۱۹ میں ہے: ’’میں ان کے لئے اُن ہی کے بھائیوں میں سے (یعنی بنی اسماعیل میں سے) تیری مانند (یعنی موسیٰ علیہ السلام کی مانند) ایک نبی برپا کرونگا، اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالونگا، اور جو کچھ میں اسے حکم دونگا وہی وہ ان سے کہے گا، اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا نہ سنے میں اس کا حساب اس سے لونگا‘‘

ایک سوال کا جواب: مشرکین مکہ جو امی (ناخواندہ) تھے کہہ سکتے تھے کہ ہم گذشتہ نبیوں کی کتابوں کو کیا جانیں؟ ہم تو پڑھے لکھے نہیں! پس یہ حوالہ (خارجی دلیل) بے فائدہ ہے!

جواب: ــــ اور کیا یہ بات ان کے لئے بڑی دلیل نہیں کہ اس کو بنی اسرائیل (یہود و نصاری) کے علماء جانتے ہیں؟ ــــ یعنی آخری نبی اور قرآن کی خبر صرف کتابوں میں نہیں، بلکہ علماء کے سینوں میں بھی ہے۔ اہل کتاب کے علماء اس پیشین گوئی کو جانتے ہیں۔ ان سے پوچھ لو، عیسائی مکہ میں ہیں اور یہودی مدینہ میں۔ اور تم دوڑ دوڑ کر مدینہ میں یہود سے امتحانی سوال بنوانے جاتے ہو، پس یہ بات بھی ان سے پوچھتے آؤ، وہ تمہیں بتائیں گے کہ آخری نبی اور آخری کتاب کا ذکر ان کی کتابوں میں ہے۔

دوسری بات: ایک سوالِ مقدر کا جواب ہے۔ مشرکین مکہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ قرآن پیش کرنے والے عربی اور فصیح

ہیں، پس ممکن ہے قرآن انہی کا بنایا ہوا ہو، اگر کسی عجمی پر عربی قرآن اترتا تو ہم اس کو اللہ کا کلام مان لیتے، کیونکہ اس صورت میں یہ احتمال نہیں رہتا کہ پیش کرنے والے نے خود بنایا ہے۔ آگے اس کا جواب ہے:

اور اگر ہم اس کو بتدریج اتارتے کسی عجمی (غیر عربی) پر، پھر وہ اس کو ان (مکہ والوں) کے سامنے پڑھتا، تو (بھی) وہ اس پر ایمان لانے والے نہیں تھے —— اس وقت وہ کچھ اور احتمالات نکالتے:

۱- کہتے کہ کسی نے اس کو رٹا دیا ہے، جیسے عجمی بچے بے سمجھے قرآن رٹ کر شاندار سناتے ہیں۔

۲- یا کہتے کہ یہ نبی تو طوطا ہے، رٹی رٹائی سناتا ہے۔

۳- یا کہتے کہ عجیب بات: پیغام عربی اور حامل پیغام عجمی! کیا اللہ کو نبی بنانے کے لئے کوئی عربی نہیں ملا۔

غرض: ناچنا نہیں آنگن ٹیڑھا! وہ بہرحال ایمان نہ لاتے!

اس طرح اس (تکذیب) کو ہم نے مجرموں کے دلوں میں پیوست کیا ہے —— یہ ایک خدائی ضابطہ ہے: جو آدمی جرائم اور گناہوں کا خوگر ہو جاتا ہے، اور اپنی صلاحیتوں کو شرارت اور سرکشی میں لگا دیتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ ڈھیل دیتے ہیں، اور اس کے اعمال بد کو اس کی نظر میں مرغوب کر دیتے ہیں: ﴿زَيَّنَّا لَهُمْ أَعْمَالَهُمْ﴾ [النمل ۴] مکہ کے تکذیب کرنے والوں کو بھی تکذیب میں بڑا مزہ آرہا ہے، یہی تکذیب کو دلوں میں پیوست کرنا ہے۔

فَيَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾ فَيَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾ اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۲۰۴﴾ اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ﴿۲۰۵﴾ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ﴿۲۰۷﴾ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ﴿۲۰۸﴾ ذِكْرٰى وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۲۰۹﴾

فَيَأْتِيَهُمْ	پس آئیگا وہ ان کے پاس	هَلْ نَحْنُ	کیا ہم	اِنْ	اگر		
بَغْتَةً	اچانک	مُنْظَرُوْنَ	ڈھیل دیئے ہوئے ہیں	مَّتَّعْنٰهُمْ	فائدہ اٹھانے دیں ہم انکو		
وَّهُمْ	درانحالیکہ وہ	اَفَبِعَذَابِنَا	کیا پس ہمارے عذاب میں	سِنِيْنَ	کئی سال		
لَا يَشْعُرُوْنَ	محسوس نہیں کریں گے	يَسْتَعْجِلُوْنَ	جلدی مچاتے ہیں وہ	ثُمَّ جَآءَهُمْ	پھر پہنچے ان کو		
فَيَقُوْلُوْا	پس کہیں گے وہ	اَفَرَءَيْتَ	کیا پس دیکھا تونے (بتلا)	مَّا كَانُوْا	وہ عذاب جو		

يُوْعَدُوْنَ	وعدہ کئے گئے ہیں وہ	كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ	فائدہ پہنچائے گئے تھے وہ	مُنْذِرُوْنَ	ڈرانے والے ہیں
مَآ اَغْنٰى [1]	نہیں کام دے گا	وَمَآ اَهْلَكْنَا	اور نہیں ہلاک کی ہم نے	ذِكْرٰى [2]	نصیحت کے لئے
عَنْهُمْ	ان کو	مِنْ قَرْيَةٍ	کوئی بھی بستی	وَمَا كُنَّا	اور نہیں ہیں ہم
مَّا	وہ سامان جس سے	اِلَّا لَهَا	مگر اس کے لئے	ظٰلِمِيْنَ	ظلم کرنے والے

مشرکینِ مکہ ایمان کب لائیں گے؟ اور عذاب کا ضابطہ کیا ہے؟

زیرِتفسیر آیات میں دوسری دو باتیں بیان کی ہیں:

۱- منکرین مکہ اس وقت ایمان لائیں گے جب ان پر عذاب کا کوڑا برسے گا، مگر جب چڑیاں کھیت چگ جائیں تو واویلا مچانے سے فائدہ کیا؟ ابھی بروقت ایمان لائیں تو ایک بات بھی ہے۔

۲- قوموں کی ہلاکت اتمام حجت کے بعد ہوتی ہے، اس کے بغیر تباہی ڈالنا ظلم تصور کیا جاسکتا ہے، اور اتمام حجت اب ہو رہا ہے، پس عذاب آنے میں دیر کیا ہے؟

تیسری بات: وہ (مشرکین مکہ) اس (قرآن) پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک دردناک عذاب نہیں دیکھیں گے، پس وہ عذاب ان کو اچانک پہنچے گا، اور ان کو اس کی بھنک بھی نہیں پڑے گی —— چنانچہ سان گمان کے بغیر میدانِ بدر میں لقمۂ اجل بن گئے!

پس (جب عذاب سر پے آکھڑا ہوگا تو) وہ کہیں گے: کیا ہم ڈھیل دیئے ہوئے ہیں؟ —— کیا ہمیں تھوڑی سی مہلت مل سکتی ہے کہ توبہ کرکے اور پیغمبر کا اتباع کرکے آئیں —— پس کیا وہ ہمارے عذاب کے بارے میں جلدی مچاتے ہیں؟ عذاب کوئی خوانِ نعمت نہیں کہ بے چینی سے اس کا انتظار کیا جائے! —— بتا اگر ان کو دنیا سے فائدہ اٹھانے کا کئی سال تک موقع دیں، پھر ان کو وہ عذاب پہنچے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے، تو کیا وہ سامان ان کو کچھ نفع پہنچائے گا جو ان کو برتنے کے لئے دیا گیا ہے؟ —— یعنی سالہا سال کی ڈھیل اور مہلت جو دی گئی تھی اس وقت کچھ کام نہ آئے گی، اور نہ دنیا کا مال ومنال جو چند روز فائدہ اٹھانے کے لئے دیا گیا ہے کچھ نفع پہنچائے گا، سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارا!

(۱) ما: نافیہ بھی ہوسکتا ہے اور استفہام انکاری کے لئے بھی، اور دونوں کا مفاد ایک ہے (۲) ذکری: مفعول لہ کی جگہ میں ہے، اور منذرون سے حال بھی ہوسکتا ہے۔

چوتھی بات عذاب کا ضابطہ: —— اور ہم نے کوئی بستی غارت نہیں کی مگر ان کے پاس ڈرانے والے بھیجے ہیں، نصیحت کرنے کے لئے، اور ہم ظلم کرنے والے نہیں! —— یعنی اللہ تعالیٰ کسی قوم کا تختہ یوں ہی ایک دم الٹ نہیں دیتے، عذاب بھیجنے سے پہلے کافی مہلت دیتے ہیں، اور ہوشیار کرنے کے لئے پیغمبر بھیجتے ہیں، جب کسی طرح لوگ نہیں مانتے تو آخر میں غارت کئے جاتے ہیں۔

اور ہم ظلم کرنے والے نہیں: یعنی اگر عذاب بھیجنے کے لئے یہ ضابطہ روبعمل نہ لایا جائے، اور بے خبری میں مجرموں کو پکڑ لیا جائے تو کوئی اس کو ظلم تصور کرسکتا ہے، حالانکہ اللہ کی بارگاہ ظلم سے پاک ہے!

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۱۰﴾ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۲۱۱﴾ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴿۲۱۲﴾ فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ﴿۲۱۳﴾ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿۲۱۴﴾ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۱۵﴾ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۱۶﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ﴿۲۱۷﴾ الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۲۱۸﴾ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ﴿۲۱۹﴾ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۲۰﴾

وَمَا	اور نہیں	لَمَعْزُوْلُوْنَ	قطعی دور رکھے ہوئے ہیں	وَاخْفِضْ	اور جھکا
تَنَزَّلَتْ	بتدریج اتارا	فَلَا تَدْعُ	پس نہ پکار	جَنَاحَكَ	اپنا بازو
بِهِ	قرآن کو	مَعَ اللّٰهِ	اللہ کے ساتھ	لِمَنِ	اس کے لئے جس نے
الشَّيٰطِيْنُ	شیاطین نے	اِلٰهًا اٰخَرَ	دوسرے معبود کو	اتَّبَعَكَ	تیری پیروی کی
وَمَا يَنْۢبَغِيْ	اور نہیں مناسب ہے	فَتَكُوْنَ	پس ہوجائے تو	مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ	مؤمنین میں سے
لَهُمْ	ان کے لئے	مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ	سزا دیئے ہوؤں میں سے	فَاِنْ	پس اگر
وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ	اور نہیں طاقت رکھتے وہ	وَاَنْذِرْ	اور ڈرا	عَصَوْكَ [1]	نافرمانی کریں وہ تیری
اِنَّهُمْ	بے شک وہ	عَشِيْرَتَكَ	اپنے کنبہ کو	فَقُلْ	پس کہہ
عَنِ السَّمْعِ	سننے سے	الْاَقْرَبِيْنَ	نزدیک کے	اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ	بیشک میں بیزار ہوں

(۱) عَصَوْا: ماضی کا صیغہ جمع مذکر غائب، كَ: ضمیر واحد مذکر حاضر، کاف ملانے سے الف حذف ہوگیا۔

مِّمَّا	ان کاموں سے جو	الَّذِیْ	جو	فِی السّٰجِدِیْنَ	سجدہ کرنے والوں کیساتھ
تَعْمَلُوْنَ	تم کرتے ہو	یَرٰىكَ	دیکھتا ہے تجھے	اِنَّهٗ	بے شک وہ
وَ تَوَكَّلْ	اور بھروسہ کر	حِیْنَ	جب	هُوَ	ہی
عَلَى الْعَزِیْزِ	زبردست پر	تَقُوْمُ	کھڑا ہوتا ہے تو	السَّمِیْعُ	سب کچھ سننے والا
الرَّحِیْمِ	بڑا مہربان	وَ تَقَلُّبَكَ[1]	اور تیرے پھرنے کو	الْعَلِیْمُ	سب کچھ جاننے والا ہے

ان آیات میں دو اور باتیں بیان کی ہیں:

۱- نزول قرآن میں شیاطین کا کچھ دخل نہیں، کیونکہ ان کا دخل دو طرح سے ہوسکتا تھا، اور وہ دونوں صورتیں باطل ہیں۔

۲- جب آپ ﷺ منذر (ڈرانے والے) ہیں تو سب سے اہم بات کیا ہے جس سے ڈرایا جائے، اور کام کس ترتیب سے کیا جائے، اور ماننے والوں اور نہ ماننے والوں سے کیسا معاملہ کیا جائے، اور دعوت کا کام نڈر ہو کر کیا جائے، اللہ تعالیٰ حفاظت فرمانے والے ہیں۔

پانچویں بات: —— نزولِ قرآن میں شیاطین کا کچھ دخل نہیں —— اور قرآن کو بتدریج شیاطین نے نہیں اتارا۔ اور نہ یہ بات ان کے مناسبِ حال ہے۔ اور نہ یہ بات ان کے بس میں ہے، وہ سننے سے قطعی روک دیئے گئے ہیں —— یعنی شیاطین کا نزولِ قرآن میں کچھ دخل نہیں، کیونکہ دخل کی دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں، اور دونوں باطل ہیں:

ایک صورت: یہ ہوسکتی ہے کہ قرآن کے مضامین شیاطین نے خود پیدا کئے ہوں، اور آپؐ کو القاء کئے ہوں، یہ احتمال اس لئے باطل ہے کہ قرآن کے مضامین شیاطین کی حالت کے مناسب نہیں۔ قرآن سراپا ہدایت ہے اور وہ سراپا گمراہی، پس ایسے مضامین کی ان کو آمد ہو ہی نہیں سکتی، اور نہ ایسے مضامین شائع کرنے سے ان کو کوئی دلچسپی ہوسکتی ہے، ان کا کام مخلوق کو گمراہ کرنا ہے، ہدایت پر لانا نہیں۔

دوسری صورت: یہ ہوسکتی ہے کہ شیاطین نے یہ باتیں فرشتوں سے سن کر آپؐ کو پہنچائی ہوں، مگر یہ احتمال بھی باطل ہے کیونکہ شیاطین فرشتوں کی باتوں کو سننے سے قطعی روک دیئے گئے ہیں (تفصیل سورۃ الحجر، آیت ۱۸ میں گذری ہے اور سورۃ الجن آیات ۸ و ۹ میں آئے گی)

تعلیماتِ قرآن پر عمل کیا جائے اور قرآن کی دعوت عام کی جائے

ابھی رسالت اور دلیلِ رسالت پر دو اعتراضوں کے جواب باقی ہیں، درمیان میں جب یہ ثابت ہوگیا کہ قرآن

(۱) تقلبك: کا عطف یراك کے کاف پر ہے اور فی بمعنی مع ہے (جمل)

بلاشک وشبہ اللہ تعالیٰ کا نازل کیا ہوا کلام ہے، شیاطین کا اس میں ذرہ بھر دخل نہیں تو ضروری ہے کہ اس کی تعلیمات پر چلا جائے اور اس کی دعوت کو عام کیا جائے، اس لئے درمیان میں یہ مضمون آیا ہے:

چھٹی بات: قرآن کی سب سے اہم دعوت توحید ہے —— پس نہ پکار تو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو، ورنہ ہو جائے گا تو سزا دیئے ہوؤں میں سے —— یہ فرمایا رسول کو اور سنایا اوروں کو، امت اجابہ کو بھی اور امتِ دعوت کو بھی کہ شرک کی شیطانی راہ اختیار مت کر، ورنہ عذاب الٰہی سے بچنے کی کوئی راہ نہ ہوگی۔

دعوت کی ترتیب: —— اور آپؐ اپنے نزدیک کے کنبہ کو ڈرائیں —— یہ حکم رسول ﷺ کے لئے بھی ہے اور مصلحینِ امت کے لئے بھی۔ پہلے اپنے اقارب پر محنت کرنی چاہئے، خیر خواہی میں ان کا حق مقدم ہے، اور وہ بات بھی دوسروں کی بہ نسبت جلدی قبول کرتے ہیں۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپؐ نے تمام خاندان کے لوگوں کو جمع کر کے پیغام حق سنایا، اس وقت اگرچہ خاندان نے بات قبول نہ کی مگر رفتہ رفتہ تمام خاندان میں ایمان داخل ہونا شروع ہو گیا، اور آپؐ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے سے اسلام کو ایک بڑی قوت حاصل ہوئی۔

ایمان لانے والوں کے ساتھ نرم برتاؤ —— اور آپؐ اپنا بازو ان مؤمنین کے لئے جھکا دیں جو آپؐ کی پیروی کریں —— یعنی مؤمنین کے ساتھ نرمی اور شفقت کا برتاؤ کریں تاکہ وہ آپؐ کے ساتھ جڑیں، اور جماعت وجود میں آئے۔

منکرین کے اعمال سے بے تعلقی اختیار کی جائے: —— پس اگر وہ لوگ آپؐ کی نافرمانی کریں تو آپؐ کہہ دیں: میں ان کاموں سے بیزار ہوں جو تم کرتے ہو —— یعنی منکرین کے اعمال سے بالکل بے تعلقی اختیار کی جائے، آدھے پونے کا سودا نہ کیا جائے ﴿لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ﴾ والا معاملہ کیا جائے، تبھی آگے ان کی اصلاح ہو سکتی ہے۔

اور یہ بات بھی آپؐ کے ساتھ اور مصلحینِ امت کے ساتھ: دونوں کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ کیونکہ اہل باطل کے ساتھ کسی بھی مصلحت سے غلط اعمال میں شرکت کی جائے گی تو آگے اصلاح کی کوشش بے سود ہوگی۔ مثلاً کچھ مولوی اہلِ بدعات کے ساتھ دنیوی مفاد کے لئے لگ جاتے ہیں، ان کی بدعات میں موافقت کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہم آہستہ آہستہ ان کی اصلاح کر رہے ہیں۔ یہ انبیاء کا طریق دعوت نہیں۔ ان کے لئے اس آیت میں ہدایت ہے کہ ان کے اعمال سے بے تعلقی اختیار کی جائے، تاکہ اصلاح کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو، ورنہ ہر چہ در کانِ نمک رفت نمک شد والا معاملہ ہو جائے گا۔

اللہ پر بھروسہ کر کے دعوت کا کام شروع کیا جائے: انفرادی بھی اور اجتماعی بھی: —— اور بڑی قدرت

والے بڑے مہربان پر بھروسہ کیجئے، جو آپؐ کو دیکھتے ہیں جب آپ (تنہا دعوت کے لئے) کھڑے ہوتے ہیں، اور (دیکھتے ہیں) آپؐ کے پھرنے کو سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ـــــ یعنی مؤمنین کے ساتھ جب آپؐ دعوت کے کام کے لئے نکلتے ہیں تو بھی آپؐ اللہ کی حفاظت میں ہوتے ہیں ـــــ بیشک وہی سب کچھ سننے والے سب کچھ جاننے والے ہیں! ـــــ اس میں مصلحین کے لئے ہدایت ہے کہ دعوت کا کام دونوں طرح کیا جائے: انفرادی بھی اور اجتماعی بھی۔ اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا جائے، اور نڈر ہو کر حکمت وموعظت کے ساتھ دعوت کا فریضہ انجام دیا جائے، ان شاء اللہ مصلحین کو کوئی ضرر نہیں پہنچے گا، اللہ تعالیٰ سب سن رہے ہیں اور سب باتیں ان کے علم میں ہیں۔ اور مؤمنین کا تذکرہ ساجدین کے لفظ سے دو وجہ سے کیا ہے:

۱- داعی کے لئے ضروری وصف انابت ہے، اس کو خاص طور پر نماز سے دلچسپی ہونی چاہئے، تبھی اس کی دعوت میں جان پڑے گی۔

۲- اس تعبیر سے اگلے مضمون سے مناسبت پیدا ہو جائے گی، جیسا کہ ابھی معلوم ہوگا۔

هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۲۱﴾ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۲۲﴾ يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ﴿۲۲۳﴾ وَالشُّعَرَاۗءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿۲۲۴﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ﴿۲۲۵﴾ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۲۲۶﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ۭ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾ ع

هَلْ	کیا	الشَّيٰطِيْنُ	شیاطین؟	اَثِيْمٍ	بڑے بدکردار
اُنَبِّئُكُمْ	آگاہ کروں میں تم کو	تَنَزَّلُ	اترتے ہیں	يُّلْقُوْنَ(۳)	ڈالتے ہیں وہ
عَلٰى مَنْ	کس پر	عَلٰى كُلِّ	ہر ایک پر	السَّمْعَ	سنی ہوئی باتیں
تَنَزَّلُ(۱)	اترتے ہیں	اَفَّاكٍ(۲)	مہا جھوٹے	وَاَكْثَرُهُمْ	اور ان کے اکثر

(۱) تنزل: اصل میں تَتَنَزَّل تھا، ایک تاء حذف کی ہے، اور شیاطین بتاویل جماعت مؤنث ہے (۲) أفاك: مبالغہ کا صیغہ: بڑا جھوٹا، مادہ إفك (۳) يلقون: مضارع، جمع مذکر غائب، إلقاء: ڈالنا۔

كٰذِبُوْنَ	جھوٹے ہیں	يَقُوْلُوْنَ	کہتے ہیں	كَثِيْرًا	بہت زیادہ
وَالشُّعَرَآءُ	اور شعراء	مَا	جو	وَّانْتَصَرُوْا	اور بدلہ لیا انھوں نے
يَتَّبِعُهُمُ	پیروی کرتے ہیں ان کی	لَا يَفْعَلُوْنَ	کرتے نہیں	مِنْۢ بَعْدِ(1)	بعد
الْغَاوٗنَ	گمراہ لوگ	اِلَّا الَّذِيْنَ	مگر جو	مَا ظُلِمُوْا	ظلم کئے جانے کے
اَلَمْ تَرَ	کیا نہیں دیکھا تو نے	اٰمَنُوْا	ایمان لائے	وَسَيَعْلَمُ	اور عنقریب جانیں گے
اَنَّهُمْ	کہ وہ	وَعَمِلُوا	اور کئے انھوں نے	الَّذِيْنَ	جنھوں نے
فِيْ كُلِّ وَادٍ	ہر میدان میں	الصّٰلِحٰتِ	نیک کام	ظَلَمُوْٓا	ظلم کیا
يَّهِيْمُوْنَ	حیران پھرتے ہیں	وَذَكَرُوا	اور یاد کیا انھوں نے	اَيَّ مُنْقَلَبٍ	کونسی پلٹنے کی جگہ
وَاَنَّهُمْ	اور یہ بات کہ وہ	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ کو	يَّنْقَلِبُوْنَ	وہ پلٹیں گے

ربط: اب آخری دو باتیں ذکر کی جاتی ہیں:

۱- آپ ﷺ کاہن نہیں تھے کہ شیاطین سے ان کی سنی ہوئی باتیں لے کر بتلاتے ہوں، اور اس کی دو دلیلیں ذکر کی ہیں۔

۲- آپ ﷺ شاعر بھی نہیں تھے کہ خیالی مضامین پیش کرتے ہوں، اور اس کی تین دلیلیں ذکر کی ہیں۔

پھر چونکہ شاعروں کے تذکرے سے ان کی اہانت ٹپکتی تھی، اس لئے مسلمان شعراء کو مستثنیٰ کیا، اور آخر میں ظالموں کو ان کا انجام یاد دلایا۔

نبی ﷺ کاہن نہیں تھے

کاہن: جنّوں سے دریافت کر کے غیب کی خبریں بتانے والا۔ کفار نبی ﷺ کو کاہن اور قرآن کو کہانت بتاتے تھے، ان آیتوں میں اس کی تردید ہے:

ساتویں بات: —— کیا میں تجھے بتلاؤں: شیاطین کس پر اترتے ہیں؟ وہ ہر مہا جھوٹے بڑے بدکار پر اترتے ہیں، وہ سنی ہوئی باتیں (کاہنوں کی طرف) ڈالتے ہیں، اور ان کے اکثر جھوٹے ہوتے ہیں —— یعنی ساجدین کا پیشوا جو ساری دنیا سے ٹوٹ کر اکیلے اللہ پر بھروسہ کرے اس کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ شیاطین اس کو خبریں دیتے ہیں اور وہ وہی باتیں لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں؟ یہ بات دو وجہ سے نہیں کہی جاسکتی:

(۱) بعد: مابعد کی طرف مضاف ہے، اور مَا مصدریہ ہے۔

پہلی وجہ: کاہنوں کا حال تم جانتے ہو، زمانۂ بعثت میں کہانت اور کاہنوں کا بڑا زور تھا۔ وہ مہا جھوٹے، بڑے بدمعاش اور بدکردار ہوتے تھے، کیونکہ شیاطین سچوں اور نیک لوگوں سے بیزار ہیں، وہ جھوٹے دغا بازوں سے خوش ہیں، کیونکہ وہ ان کی مرضی کے مطابق کام کرتے ہیں —— اب تم نبی ﷺ کی سیرتِ پاک پر ایک نظر ڈالو، وہ سب سچوں سے زیادہ سچے اور تمام نیکوں سے بڑھ کر نیک ہیں، پھر ان کے پاس شیاطین کیسے آسکتے ہیں، اور وہ کاہن کیسے ہوسکتے ہیں؟

دوسری وجہ: کاہنوں کے پاس شیاطین جو خبریں لاتے ہیں: ان کی حقیقت یہ ہے کہ وہ کوئی ایک آدھ بات فرشتوں سے سن لیتے ہیں، اور اس میں سو جھوٹ ملا کر بات پوری کر لیتے ہیں، پھر وہی بات اپنے کاہن دوستوں کو پہنچاتے ہیں —— اب تم قرآن کی باتوں میں غور کرو، اس کی ہر بات کانٹے کی تول پوری ہے، اور سچ کی کسوٹی پر کھری ہے، پھر قرآنِ کریم کہانت کیسے ہوسکتا ہے؟

نبی ﷺ شاعر نہیں تھے

شاعر: خیالی باتیں پیش کرنے والا۔ شعر: تخیلات کا مجموعہ۔ شعر کے لئے وزن اور بحر ضروری نہیں، آزاد شاعری بھی ہوتی ہے۔ کفار آپ ﷺ کو شاعر اور قرآن کو شعر قرار دیتے تھے۔ اب تین دلیلوں سے اس کی تردید کی جاتی ہے:

آٹھویں بات: —— اور شعراء: ان کی پیروی گمراہ لوگ کرتے ہیں، کیا نہیں دیکھا تو کہ وہ ہر میدان میں حیران پھرتے ہیں، اور وہ ایسی باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں —— یعنی نبی ﷺ شاعر اور قرآن شعر تین وجوہ سے نہیں ہوسکتا:

پہلی وجہ: شعراء تمہارے درمیان موجود ہیں، تم ان کے حوالی موالی پر نظر ڈالو، دیکھو وہ کیسے لوگ ہیں؟ آوارہ اور گمراہ نوجوان ان کا جھولا لئے چلتے ہیں، کیونکہ کند ہم جنس با ہم جنس پرواز! —— اب تم جماعتِ صحابہ پر نظر ڈالو، جو نبی ﷺ کے ساتھ چلتے ہیں۔ وہ ایسے پاکباز لوگ ہیں جن کی نظیر آسمان نے کبھی نہیں دیکھی، کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ آپ ﷺ شاعر نہیں؟

دوسری وجہ: شعراء کسی موضوع کے پابند نہیں ہوتے، وہ ہر میدانِ سخن میں ٹامک ٹوئیاں مارتے ہیں، اور ایران توران کی ہانکتے ہیں —— اب تم رسول اللہ ﷺ کی باتوں میں غور کرو، وہ ہمیشہ ایک نقطہ پر کلام فرماتے ہیں، وہ ہمیشہ لوگوں کی ہدایت کی باتیں کرتے ہیں، پھر آپؐ شاعر اور قرآن دیوانِ شعر کیسے ہوسکتا ہے؟

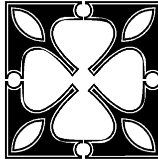
تیسری وجہ: شعراء جو باتیں اشعار میں باندھتے ہیں ان پر خود ان کا عمل نہیں ہوتا، اور نبی ﷺ جو قرآن پیش کرتے ہیں اس پر سب سے پہلے آپ کا عمل ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: **کان خلقه القرآن:**

یعنی آپؐ کی سیرت قرآن کے آئینہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

اور اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ شاعر کا اپنی باتوں پر ایمان نہیں ہوتا، وہ جانتا ہے کہ اس کی باتیں اس کے ذہن کی پیداوار ہیں، پھر وہ اپنی باتوں پر عمل کیوں کرے؟ —— اور انبیاء اللہ کی باتیں پیش کرتے ہیں، اور سب سے پہلے ان کا اللہ کی باتوں پر ایمان ہوتا ہے، اس لئے وہ پوری تندہی سے ان پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔

مسلمان شعراء کا استثناء: —— مگر وہ شعراء جو ایمان لائے، اور انھوں نے نیک کام کئے، اور انھوں نے اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ یاد کیا، اور انھوں نے ظلم کئے جانے کے بعد بدلہ لیا —— ان کا حال عام شعراء سے مختلف ہے، وہ اللہ کے مقبول بندے ہیں، اور ان کا کلام پسندیدہ ہے —— کفار کے شعراء آپ ﷺ کی اور اسلام کی اشعار میں برائی کرتے تھے، مسلمان شعراء اس کا جواب دیتے تھے، یہ ہرگز برا نہیں، کیونکہ: ﴿لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْءِ إِلَّا مَنْ ظُلِمَ﴾: اللہ تعالیٰ بری بات زبان پر لانے کو پسند نہیں کرتے بجز مظلوم کے [النساء ۱۴۸] مظلوم حرفِ شکایت زبان پر لاسکتا ہے۔

آخری بات: —— اور عنقریب وہ لوگ جان لیں گے جنھوں نے ظلم کیا کہ وہ کونسی پلٹنے کی جگہ پلٹتے ہیں! —— یعنی جن شاعروں نے اپنے اشعار میں نبی ﷺ کی ہجو کی ہے انھوں نے ظلم کیا ہے، ان ظالموں کو عنقریب آخرت میں اپنا انجام معلوم ہوجائے گا کہ وہ کہاں پہنچ کر دم لیتے ہیں!



بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۃ النمل

نمبرشمار ۲۷ نزول کا نمبر ۴۸ نزول کی نوعیت: مکی آیات ۹۳ رکوع: ۷

اس سورت کا نام آیت ۱۸ سے لیا گیا ہے، اُس میں چیونٹی کی گفتگو آئی ہے، اور سورت کا موضوع: توحید، رسالت، دلیلِ رسالت (قرآنِ کریم) آخرت اور جزاؤ سزا کا بیان ہے، اور سورت شروع ہوئی ہے اس سے کہ قرآنِ کریم مؤمنین کے لئے راہ نما اور مُژدہ (خوش خبری) ہے، ساتھ ہی یہ بھی بیان کیا ہے کہ مؤمنین کون ہیں؟ پھر یہ بیان کیا ہے کہ منکرین ایمان کیوں نہیں لاتے؟ اور ان کا انجام کیا ہوگا؟

پھر فرمایا کہ منکرین ظلم وتکبر کی وجہ سے قرآن کا دانستہ انکار کرتے ہیں، اور ان کو فرعون کا واقعہ سنایا ہے جس نے محض عناد اور ضد کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کا انکار کیا تھا، پھر اس کے بالمقابل سبا کی رانی کا واقعہ بیان کیا ہے جو بغیر معجزۃ کے ایمان لا کر سرخ رو ہوئی تھی، اور تمہید میں سلیمانؑ کا ذکر ہے، وہ حشرات کی بولی جانتے تھے اور پرندوں کی زبان بھی جانتے تھے، انھوں نے ہُدہُد کی معرفت رانی کو خط بھیجا، اس نے ارکانِ دولت سے مشورہ کیا، اور ڈیلی گیشن (وفد) بھیجا، سلیمان علیہ السلام نے اس کی آمد سے پہلے اس کا تخت منگوا کر اس کا روپ بدل دیا، یہ اس کی ہدایت کا سامان کیا تھا، مگر وہ اپنا تخت پہچان گئی، دھوکہ نہیں کھایا، پس سامانِ ہدایت سے اس کو ہدایت نہیں ملی، مگر جب وہ سلیمانؑ سے ملنے کے لئے دیوانِ خاص میں گئی تو وہاں دھوکہ لگا، اور وہ سمجھ گئی کہ وہ جو سورج کو پوجتی ہے وہ بھی دھوکہ ہے، اور فوراً سلیمانؑ کے ہاتھ پر ایمان لے آئی۔

پھر قریش کو ثمود کا واقعہ سنایا ہے، اور اس میں اشارہ ہے کہ مکہ کے نو گرو گھنٹال بھی نبی ﷺ کے قتل کی سازش کریں گے اور ناکام ہونگے، پھر قوم لوطؑ کا واقعہ بیان کیا ہے، اس میں بھی لطیف اشارہ ہے کہ تم جو مسلمانوں کو مکہ سے نکال رہے ہو تو اس کا انجام سوچ لو۔

اس کے بعد توحید پر تقریر ہے، جو پانچ آیات پر مشتمل ہے، اور ساتھ ہی مشرکین کی جوازِ شرک پر دلیل کا جواب ہے، اس کے بعد آخرت کا بیان شروع ہوا ہے، اور آگہی دی ہے کہ تکذیبِ رسول کا وبال آنے ہی والا ہے، جلدی مت مچاؤ۔

پھر قرآن کا موضوع لیا ہے کہ قرآن فیصل، ہدایت اور حجت ہے، اس سے بروقت فائدہ اٹھالو اور قرآن سے نفع اسی کو پہنچتا ہے جو اس کی باتیں مانتا ہے۔

اس کے بعد آخرت کا تذکرہ ہے، اور شب وروز کے نظام کو اس کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے، اور آخر میں تین باتیں ہیں: (۱) داعی خود کو اپنی دعوت کا نمونہ بنائے (۲) دعوت کا عمل مسلسل جاری رہے (۳) دعوت کا نتیجہ ایک دن ضرور ظاہر ہوگا، اور اسلام کا بول بالا ہوگا۔

آیاتها ۹۳ | (۲۷) سُوْرَةُ النَّمْلِ مَكِّيَّةٌ (۴۸) | رکوعاتها

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

طٰسٓ تف تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۝۱ هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝۳ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ۝۴ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ۝۵ وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ۝۶

بِسْمِ	نام سے	وَبُشْرٰى	اور مژدہ	اِنَّ	بے شک
اللّٰهِ	اللہ کے	لِلْمُؤْمِنِيْنَ	مؤمنین کے لئے	الَّذِيْنَ	جو لوگ
الرَّحْمٰنِ	بے حد مہربان	الَّذِيْنَ	جو	لَا يُؤْمِنُوْنَ	نہیں ایمان رکھتے
الرَّحِيْمِ	نہایت رحم والے	يُقِيْمُوْنَ	اہتمام کرتے ہیں	بِالْاٰخِرَةِ	آخرت پر
طٰسٓ	طاسین	الصَّلٰوةَ	نماز کا	زَيَّنَّا (۳)	مزین کئے ہم نے
تِلْكَ	یہ	وَيُؤْتُوْنَ	اور دیتے ہیں	لَهُمْ	ان کے لئے
اٰيٰتُ	آیتیں ہیں	الزَّكٰوةَ	زکات	اَعْمَالَهُمْ	ان کے کام
الْقُرْاٰنِ	قرآن کی	وَهُمْ	اور وہ	فَهُمْ	پس وہ
وَكِتَابٍ (۱)	اور کتاب	بِالْاٰخِرَةِ	آخرت پر	يَعْمَهُوْنَ (۴)	متردد ہیں
مُّبِيْنٍ	واضح کی	هُمْ	وہی	اُولٰٓئِكَ	یہ
هُدًى (۲)	راہ نما	يُوْقِنُوْنَ	یقین رکھتے ہیں	الَّذِيْنَ	وہ لوگ ہیں

(۱) کتاب کا عطف القرآن پر ہے، اور چونکہ معطوف کی صفت مبین آئی ہے، اس لئے معطوف اور معطوف علیہ میں من وجہٍ مغائرت ہوگئی اور عطف درست ہوگیا (۲) ھدی اور بشری: مصدر ہیں، اور آیات سے حال ہیں اور حمل مبالغۃً ہے (۳) زَيَّنَهُ: سجانا، مزین کرنا (۴) عَمَهَ (ف) فی الأمر: متردد ہونا، صحیح نتیجہ پر نہ پہنچنا۔

لَهُمْ	جن کے لئے	هُمُ	وہی	الْقُرْاٰنَ	قرآن
سُوْٓءُ الْعَذَابِ	سخت عذاب ہے	الْاَخْسَرُوْنَ	گھاٹا پانے والے ہیں	مِنْ لَّدُنْ	پاس سے
وَهُمْ	اور وہ	وَاِنَّكَ	اور بے شک آپ	حَكِيْمٍ	بڑی حکمت والے
فِي الْاٰخِرَةِ	آخرت میں	لَتُلَقَّى(۱)	بالیقین دیئے گئے ہیں	عَلِيْمٍ	بڑے جاننے والے کے

اللہ کے نام سے ابتداء ہے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

اس سورت کا موضوع بھی گذشتہ دو سورتوں کی طرح توحید، رسالت، دلیلِ رسالت (قرآنِ کریم) آخرت اور جزاؤ سزا کا بیان ہے۔ اور سورت کا آغاز قرآنِ پاک نازل کرنے کی غرض سے ہوا ہے، پھر بتایا ہے کہ قرآن کو کلام الٰہی ماننے والوں کی زندگی کا نقشہ کیا ہوتا ہے؟ اور نہ ماننے والے کیوں نہیں مانتے؟ اور ان کا انجام کیا ہوگا؟

قرآنِ کریم مؤمنین کے لئے راہ نما اور مژدہ ہے

طا، سین —— یہ حروف مقطعات ہیں، ان کی مراد اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں۔ البتہ ایک بات جاننے کی ہے کہ جہاں بھی حروف مقطعات آئے ہیں وہاں فوراً قرآنِ کریم کا تذکرہ آیا ہے، چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں: —— یہ قرآن کی اور واضح کتاب کی آیتیں ہیں —— یعنی یہ آیتیں جو آپ تلاوت کر رہے ہیں: قرآنِ کریم کی آیتیں ہیں اور قرآن واضح کتاب ہے، اس میں کسی طرح کی پیچیدگی نہیں، اس کی عبارت واضح اور مضامین ہر شخص کے لئے قابل فہم ہیں۔

(یہ آیتیں) مؤمنین کے لئے راہ نما اور مژدہ ہیں —— جو بندے قرآنِ کریم کو کلام الٰہی مانتے ہیں: ان کی یہ قرآن راہ نمائی کرتا ہے کہ ان کو دنیا میں کس طرح زندگی گذارنی چاہئے تاکہ ان کی آخرت کامیاب ہو، اور ان کو خوش خبری سناتا ہے کہ اگر انھوں نے احکام خداوندی کی پیروی کی تو ان کو آخرت میں کیا کیا نعمتیں ملیں گی۔

مؤمنین کون ہیں؟ —— جو نماز کا اہتمام کرتے ہیں، اور زکات دیتے ہیں، اور وہی آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں چار باتیں جاننی چاہئیں:

۱- نماز دین کا بنیادی ستون ہے، اور نماز کا اہتمام یہ ہے کہ حقوق کی رعایت کے ساتھ وقت پر ادا کی جائے۔ اور

---

(۱) تُلَقّٰی: مضارع مجہول، صیغہ واحد مذکر حاضر، اصل میں تُتَلَقّٰی تھا، ایک تاء حذف ہوگئی ہے، مصدر تَلَقِّیٌ: کیچ کرنا، لینا، لَقِیَ (مجرد) متعدی بیک مفعول ہوتا ہے، اور مضاعف کے دو مفعول ہوتے ہیں۔ فاعل: جبرئیل: محذوف ہے، ضمیر واحد حاضر پہلا مفعول نائب فاعل ہے اور القرآن دوسرا مفعول ہے......تُلَقّٰی: میں واسطہ کی طرف اشارہ ہے، رُو در رُو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا کلام نہیں سنایا، جیسے گیند دور سے آتی ہے اور کیچ کی جاتی ہے اسی طرح کلام الٰہی نازل کیا گیا ہے۔

حدیث میں ہے کہ جو (پابندی سے) نماز نہیں پڑھتا اس نے دین کی بنیاد ڈھادی! پس جو مسلمان نماز نہیں پڑھتے وہ سوچیں: ان کے دین کا کیا حال ہے؟

۲-اور نماز بدنی فریضہ ہے اور زکات مالی۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جان و مال کی نعمتوں سے سرفراز کیا ہے، پس ضروری ہے کہ دونوں نعمتوں کا شکر ادا کیا جائے، چنانچہ مؤمن بندے نماز کا بھی اہتمام کرتے ہیں، یہ نعمتِ بدن کا شکر ہے، اور اپنے مال کی زکات بھی نکالتے ہیں، یہ نعمتِ مال کا شکر ہے۔ پس جو مسلمان زکات ادا نہیں کرتے وہ سوچیں: جس نے مال دیا ہے وہ واپس بھی لے سکتا ہے۔

۳-اور نماز اور زکات سے مراد سارا دین ہے، بیان میں اہم دو عبادتوں کی تخصیص کی ہے، مگر مراد سارا دین ہے، مؤمن بندے اللہ کے نازل کئے ہوئے مکمل دین پر عمل کرتے ہیں۔

۴-اور اللہ کے نازل کئے ہوئے دین پر وہی لوگ عمل کرتے ہیں جن کا آخرت پر ایمان ہے۔ اور یہ ایک کسوٹی ہے، اس کے ذریعہ جانا جاسکتا ہے کہ کس کا ایمان کھرا ہے اور کس کا برائے نام! جن کو یقین ہوتا ہے کہ دنیا کی زندگی کے بعد دوسری زندگی آنے والی ہے وہی دین پر عمل پیرا ہوتے ہیں، اور جن کا آخرت پر ایمان نہیں یا کمزور ہے وہ اعمال سے غفلت برتتے ہیں۔

منکرین ایمان کیوں نہیں لاتے؟ — بے شک جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے ہم نے ان کے لئے ان کے اعمال مزین کئے ہیں، پس وہ متردد ہیں! — صحیح نتیجہ تک نہیں پہنچتے!

اس آیت میں ایک ضابطہ بیان کیا ہے، پہلے وہ ضابطہ سمجھ لیں تو سوال کا جواب خود بخود سمجھ میں آجائے گا کہ مکہ والے قرآن کو کیوں نہیں مانتے؟ وہ ضابطہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے منکرین کے لئے ان کے عقائد و اعمال کو آراستہ کیا ہے، ان کو اپنے ہی خیالات اور اعمال بھلے معلوم ہوتے ہیں، اس لئے وہ قرآن پر اور اللہ کے دین پر ایمان نہیں لاتے۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا آخرت پر ایمان نہیں، اس لئے وہ اپنے عقائد و اعمال کا آخرت سے موازنہ نہیں کرتے، جیسے جوان اگر سوچے کہ بوڑھاپا آنے والا ہے تو وہ جوانی میں کام کرے گا، اور پیری کے لئے کچھ جمع کرے گا۔ اور جو جوان بوڑھاپے کو نہیں سوچتے وہ جوانی کو رنگ رلیوں میں گذار دیتے ہیں، اور ضعیفی میں کفِ افسوس ملتے ہیں۔ اسی طرح جن لوگوں کا آخرت پر ایمان ہے وہ آخرت کو پیش نظر رکھ کر عقائد و اعمال کے بارے میں فیصلہ کرتے ہیں، اور وہ ضرور قرآن کی تصدیق کرتے ہیں۔ اور جن کا آخرت پر ایمان نہیں وہ صرف دنیا کی زندگی پیشِ نظر رکھ کر سوچتے ہیں، اس لئے وہ صحیح نتیجہ تک نہیں پہنچتے۔ وہ سوچتے ہیں کہ زندگی بس یہی زندگی ہے، اور وہ ہمارے کفریہ اور شرکیہ عقائد و اعمال کے ساتھ ٹھیک گذر

رہی ہے، پھر کیوں ہم قرآن پر ایمان لائیں، اور دین الٰہی کی پابندیاں قبول کریں؟ ان کی یہی سوچ ہے جس کی وجہ سے وہ صحیح نتیجہ تک نہیں پہنچتے۔

اور یہ ضابطہ عام ہے، اہل ایمان اور اہل کفر سب کے لئے ہے۔ سورۃ اللیل (آیات ۵-۱۰) میں بھی یہ ضابطہ بیان ہوا ہے کہ اہل ایمان کے لئے ان کے عقائد واعمال آسان کردیئے جاتے ہیں اور اہل کفر کے لئے ان کے عقائد واعمال آسان کردیئے جاتے ہیں۔ اور حدیث میں ہے کہ جو شخص نیک بخت ہوتا ہے اس کے لئے نیک بختی والے کام آسان کئے جاتے ہیں، اور اسی طرح بدبخت کے لئے بدبختی والے کام آسان کئے جاتے ہیں۔ آسان کرنے کا بھی یہی مطلب ہے کہ وہ عقائد واعمال ان کے لئے آراستہ کئے جاتے ہیں، چنانچہ وہ خوشی سے وہ کام کرتے ہیں۔

منکرین کا انجام: —— انہی لوگوں کے لئے سخت عذاب ہے، اور وہی آخرت میں گھاٹے میں رہنے والے ہیں —— اور یہ انکار کا قدرتی نتیجہ ہے، جب آخرت کو مانا ہی نہیں، اور اس کے لئے کچھ کیا ہی نہیں تو آخرت میں گھاٹے کے علاوہ ان کے ہاتھ کیا آسکتا ہے؟ جس نے جوانی کھیل تماشے میں گذاری وہ پیری میں روئے گا نہیں تو اور کیا کرے گا؟

قرآن حکیم وعلیم کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے: —— اور بے شک آپؐ بڑی حکمت والے بہت جاننے والے کی طرف سے قرآنِ کریم دیئے جارہے ہیں —— اللہ تعالیٰ حکیم ہیں، وہ بندوں کی مصلحتوں سے واقف ہیں، اور علیم بھی ہیں، وہ بندوں کے احوال جانتے ہیں۔ انہی دوصفتوں کے تقاضے سے آپ ﷺ پر قرآنِ کریم نازل کیا گیا ہے۔ اب جو مانے گا دارین میں اس کا بھلا ہوگا، اور جو انکار کرے گا وہ اپنی قسمت کو روئے گا!

إِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِأَهْلِهِ إِنِّي آنَسْتُ نَارًا سَآتِيكُم مِّنْهَا بِخَبَرٍ أَوْ آتِيكُم بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ ﴿٧﴾ فَلَمَّا جَاءَهَا نُودِيَ أَن بُورِكَ مَن فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا وَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٨﴾ يَا مُوسَىٰ إِنَّهُ أَنَا اللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٩﴾ وَأَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَلَمَّا رَآهَا تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَانٌّ وَلَّىٰ مُدْبِرًا وَلَمْ يُعَقِّبْ ۚ يَا مُوسَىٰ لَا تَخَفْ إِنِّي لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُونَ ﴿١٠﴾ إِلَّا مَن ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ سُوءٍ فَإِنِّي غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١١﴾ وَأَدْخِلْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ ۖ فِي تِسْعِ آيَاتٍ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهِ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿١٢﴾ فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ

اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۳﴾ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ۭ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴﴾ ع

اِذْ قَالَ	جب کہا	نُوْدِيَ	پکارے گئے وہ	عَصَاكَ	اپنی لاٹھی
مُوْسٰى	موسیٰ نے	اَنْ بُوْرِكَ (۵)	کہ برکت دیا گیا	فَلَمَّا رَاٰهَا	پس جب دیکھا موسیٰ نے اسکو
لِاَهْلِهٖٓ	اپنے گھر والوں سے	مَنْ	جو	تَهْتَزُّ (۶)	حرکت کررہی ہے
اِنِّيْٓ	بے شک میں نے	فِي النَّارِ	آگ میں ہے	كَاَنَّهَا	گویا وہ (لاٹھی)
اٰنَسْتُ (۱)	محسوس کی ہے	وَمَنْ حَوْلَهَا	اور جو اس کے پاس ہے	جَآنٌّ (۷)	سفید پتلا سانپ ہے
نَارًا	آگ	وَسُبْحٰنَ	اور پاک ہیں	وَّلّٰى	(تو) مڑے وہ
سَاٰتِيْكُمْ	اب لاؤنگا میں تمہارے لئے	اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ	مُدْبِرًا	پیٹھ پھیر کر
مِّنْهَا	آگ سے	رَبِّ	پروردگار	وَّلَمْ يُعَقِّبْ (۸)	اور پیچھے نہیں آئے وہ
بِخَبَرٍ	کوئی خبر	الْعٰلَمِيْنَ	جہانوں کے	يٰمُوْسٰى	اے موسیٰ!
اَوْ اٰتِيْكُمْ (۲)	یا لاؤنگا میں تمہارے لئے	يٰمُوْسٰٓى	اے موسیٰ	لَا تَخَفْ	نہ ڈریں آپ
بِشِهَابٍ	کوئی شعلہ	اِنَّهٗٓ	بے شک وہ	اِنِّيْ	بے شک میں
قَبَسٍ (۳)	آگ سے سلگایا ہوا	اَنَا	میں ہوں	لَا يَخَافُ	نہیں ڈرتے
لَّعَلَّكُمْ	تاکہ تم	اللّٰهُ	اللہ	لَدَيَّ	میرے پاس
تَصْطَلُوْنَ (۴)	تاپو	الْعَزِيْزُ	زبردست	الْمُرْسَلُوْنَ	فرستادے
فَلَمَّا	پس جب	الْحَكِيْمُ	حکمت والا	اِلَّا مَنْ	مگر جس نے
جَآءَهَا	آئے وہ آگ پر	وَاَلْقِ	اور ڈالیں آپ	ظَلَمَ	قصور کیا

(۱) آنس الشیئَ: محسوس کرنا (۲) أو: مانعۃ الخلو کا ہے، یعنی دو باتوں میں سے ایک ضرور ہوگی (۳) قبس: شھاب کی صفت ہے۔ شہاب کے معنی ہیں: شعلہ اور قبس کے معنی ہیں: حاصل کردہ، اسی سے اقتباس ہے یعنی اپنی لکڑی آگ میں جلا کر لاؤنگا۔ کیونکہ دوسرے کی آگ کا انگارہ لینا جائز نہیں، البتہ اپنی لکڑی دوسرے کی آگ میں جلا کر لا سکتے ہیں (۴) تصطلون: تم تاپو اصطلاء (افتعال) ت کو طا سے بدل دیا ہے (۵) بورك: بارك کا مجہول ہے (۶) اِهْتَزَّ الشیئُ: ہلنا (۷) جانّ: ایک قسم کا سفید زردی مائل سانپ جو کاٹتا نہیں۔ (۸) عَقَّبَ علیه: کسی کے پاس واپس آنا، لوٹنا

ثُمَّ بَدَّلَ (۱)	پھر بدل دیا	فِیْ تِسْعِ اٰیٰتٍ	نو نشانیوں میں	سِحْرٌ	جادو ہے
حُسْنًا	نیکی سے	اِلٰی فِرْعَوْنَ	فرعون کی طرف	مُّبِیْنٌ	صریح
بَعْدَ سُوْٓءٍ	برائی کے بعد	وَقَوْمِهٖ	اور اس کی قوم کی طرف	وَجَحَدُوْا	اور انکار کیا انھوں نے
فَاِنِّیْ	پس بے شک میں	اِنَّهُمْ	بے شک وہ	بِهَا	نشانیوں کا
غَفُوْرٌ	بڑا بخشنے والا	كَانُوْا	تھے وہ	وَاسْتَیْقَنَتْهَآ	درانحالیکہ یقین کیا انکا
رَّحِیْمٌ	بڑا مہربان ہوں	قَوْمًا	لوگ	اَنْفُسُهُمْ	ان کے دلوں نے
وَاَدْخِلْ	اور داخل کیجئے آپ	فٰسِقِیْنَ	اطاعت سے نکلنے والے	ظُلْمًا	ظلم سے
یَدَكَ	اپنا ہاتھ	فَلَمَّا	پس جب	وَّعُلُوًّا	اور تکبر سے
فِیْ جَیْبِكَ	اپنے گریبان میں	جَآءَتْهُمْ	آئی ان کے پاس	فَانْظُرْ	پس دیکھ
تَخْرُجْ	نکلے گا وہ	اٰیٰتُنَا	ہماری نشانیاں	كَیْفَ	کیسا
بَیْضَآءَ	روشن	مُبْصِرَةً	واضح روشن	كَانَ	ہوا
مِنْ غَیْرِ	بغیر	قَالُوْا	(تو) کہا انھوں نے	عَاقِبَةُ	انجام
سُوْٓءٍ	کسی بیماری کے	هٰذَا	یہ	الْمُفْسِدِیْنَ	فساد مچانے والوں کا

منکرین ظلم وتکبر کی وجہ سے قرآن کا دانستہ انکار کرتے ہیں

اب مکہ کے منکرین کو فرعون اور اس کی قوم کا واقعہ سناتے ہیں۔ ان لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام کے اہم معجزات: عصا و ید بیضاء کا دیدۂ و دانستہ انکار کیا۔ انھوں نے جادوگروں سے مقابلہ کرا کر ان معجزات کا یقین کرلیا تھا، پھر بھی آخر تک مان کر نہ دیا، پس ان کا انجام کیا ہوا؟ بحر قلزم نے ان کو دبالیا، اور صفحۂ ہستی سے ان کا نام مٹ گیا۔

اسی طرح قرآنِ کریم جو اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے، آپ ﷺ کی رسالت کی دلیل ہے، یہ آپ کا سب سے بڑا معجزہ ہے، مکہ والے اس کا معجزہ ہونا خوب سمجھتے تھے، وہ فصحاء و بلغاء تھے، ان کو بار بار چیلنج دیا گیا تھا کہ قرآن جیسی ایک سورت بنا لاؤ، اور ان کو ہار مان کر یقین آگیا تھا کہ قرآن اللہ کا کلام ہے، مگر ظلم و تکبر کی وجہ سے وہ انکار پر کمر بستہ رہے، ناانصافی اور گھمنڈ کی وجہ سے تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوئے۔ ظلم کے معنی ہیں: ناانصافی یعنی کسی چیز کو اس کا وہ حق نہ دینا جس کی وہ مستحق ہے، اللہ کا کلام اس کا حقدار تھا کہ اس پر ایمان لایا جائے، مگر کفار اس کو یہ حق دینے کے لئے تیار نہیں

(۱) بَدَّلَ الشيئَ شَیْئًا آخر: ایک شئ کو دوسری سے تبدیل کرنا، ادلا بدلا کرنا۔

تھے، یہ ان کا ظلم تھا، ان کو اپنی چودھراہٹ کے ختم ہونے کا اندیشہ تھا، قرآن پر ایمان لاتے اور نبی ﷺ کو بڑا مانتے تو ان کی مونچھ نیچی ہوجاتی، یہی تکبر ایمان کے لئے مانع بنا، جبکہ ان کو یقین آگیا تھا کہ قرآن اللہ کا کلام ہے، پس یہ لوگ بھی اپنے انجام کا انتظار کریں۔

موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ:—— اور (ذکر کیجئے) جب موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا: بے شک میں نے آگ محسوس کی ہے، ابھی میں وہاں سے (راستہ کی) کوئی خبر لاتا ہوں، یا تمہارے لئے آگ میں سے سلگا کر کوئی شعلہ لاتا ہوں، تاکہ تم تاپو!

تفسیر: موسیٰ علیہ السلام مدین میں دس سال کا لمبا عرصہ گذار کر مع اہل وعیال شام کے لئے روانہ ہوئے، اور راستہ بھول کر وادئ سینا میں پہنچ گئے۔ اور قدیم زمانہ میں یہ دستور تھا کہ پہاڑی علاقہ میں جہاں مسافر راستہ بھول سکتے تھے، اصحابِ خیر کسی اونچے پہاڑ کر آگ روشن کیا کرتے تھے، تاکہ بھولے بھٹکے وہاں پہنچ جائیں، پھر کبھی وہاں کوئی آدمی بھی رہتا تھا، جس کے پاس کھان پان ہوتا تھا، جس سے وہ مسافروں کی مدد کرتا تھا، اور بستی سے دور پہاڑ پر صرف آگ جلتی تھی، وہاں کوئی آدمی نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے گھر والوں سے کہا کہ میں نے بالیقین آگ محسوس کی ہے، میں جاتا ہوں اگر وہاں کوئی آدمی ہوا تو آگ بھی لیتا آؤنگا اور راستہ بھی معلوم کرتا آؤنگا، اور اگر وہاں کوئی نہ ہوا تو آگ میں سے کوئی لکڑی وغیرہ جلا کر شعلہ لیتا آؤں گا تاکہ گھر والے اس سے سینکیں اور گرم ہوں۔

سوال: موسیٰ علیہ السلام نے کہاں کا رختِ سفر باندھا تھا؟

جواب: کتابوں میں عام طور پر یہ لکھا ہے کہ آپ مصر جارہے تھے، پھر سوال ہوا کہ وہاں سے تو آپ قبطی کو قتل کر کے نکلے ہیں، اور ان کو ڈر بھی تھا کہ اگر وہ مصر گئے تو قتل کردیئے جائیں گے: ﴿وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ فَأَخَافُ أَنْ يَّقْتُلُوْنِ﴾ [الشعراء آیت ۱۴] پھر اس سوال کا جواب دیا گیا کہ تقادم زمان سے جرم ختم ہوجاتا ہے، جیسے ایک عرصہ کے بعد وارنٹ کالعدم ہوجاتا ہے —— مگر میری ناقص رائے یہ ہے کہ آپ اپنے آبائی وطن شام (بیت المقدس) جارہے تھے، مدین اجنبی جگہ تھی، اور مدین کے وہ بھلے مانس بھی معلوم نہیں حیات تھے یا وفات پاچکے تھے، اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے آبائی وطن جا کر وہیں بس جانا چاہتے تھے، مگر قدرت کو کچھ اور منظور تھا، چنانچہ آپ راستہ بھول کر وادی سینا میں پہنچ گئے، جو مصر کے راستہ میں ہے، اور وہاں نبوت سے سرفراز کئے گئے اور حکم ملا کہ مصر جاؤ اور فرعون کو دعوت دو (یہ بات آگے بھی آرہی ہے)

پس جب موسیٰ آگ پر پہنچے تو وہ آواز دیئے گئے کہ مبارک ہے وہ جو آگ میں ہے اور جو اس کے پاس ہیں، اور پاک ہیں جہانوں کے پالنہار اللہ تعالیٰ! —— اس آیت کے ذیل میں تین باتیں سمجھنی چاہئیں:

۱- موسیٰ علیہ السلام آواز دیئے گئے: یعنی ابھی موسیٰ علیہ السلام آگ کے پاس نہیں پہنچے، دور ہی تھے کہ آگ سے آواز آئی، اور وہ وہیں رُک گئے۔اور بات سننے لگے۔

۲- جو آگ میں ہے: یعنی اللہ تعالیٰ۔اور جو اس کے ارد گرد ہیں: یعنی فرشتے، اور یہ تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کی ہے: ﴿مَنْ فِي النَّارِ﴾: **یعنی تبارك وتعالیٰ نفسه، وكان نور رب العالمين في الشجرة،** ﴿وَمَنْ حَوْلَهَا﴾ **یعنی الملائكة:** [درمنثور ۵:۱۰۲] درخت میں نورِ الٰہی ظاہر ہو رہا تھا۔

۳- پاک ہیں جہانوں کے پالنہار اللہ تعالیٰ: یعنی مکان، جہت، جسم، صورت اور رنگ وغیرہ سماتِ حدوث سے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے۔اور آگ میں اس کی تجلی کے یہ معنی نہیں کہ اس کی ذاتِ پاک آگ میں حلول کر آئی، بلکہ جس طرح آفتاب آئینہ میں متجلی (آشکارہ) ہوتا ہے، بغیر تشبیہ کے وہی صورت سمجھنی چاہئے۔

اور ہدایت القرآن (۵:۳۲) میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں اطلاقی شان رکھتے ہیں، مگر مخلوق کے ساتھ معاملہ کرنے میں —— اپنی کسی کمزوری کی بنا پر نہیں، بلکہ مخلوق کی کمزوریوں کی بنا پر —— محدود وسائط اختیار فرماتے ہیں، موسیٰ علیہ السلام سے کلام کے لئے بھی محدود طریقہ اختیار فرمایا، تاکہ آپ اللہ کا کلام سن سکیں اور سمجھ سکیں۔

فائدہ: درخت پر جو آگ نظر آئی تھی وہ تجلی تھی، اللہ پاک بذاتِ خود نہیں تھے، دلیل یہ ہے کہ وہ آگ موسیٰ علیہ السلام نے دیکھی تھی، پھر درخواست کی تھی ﴿رَبِّ أَرِنِيْ أَنْظُرْ إِلَيْكَ﴾: اے پروردگار! آپ مجھے دکھائیں کہ میں آپ کو دیکھوں [الاعراف ۱۴۳] یعنی میرے اور اپنے درمیان میں سے حجاب اور موانع اٹھادیں تاکہ میں رخ زیبا کو بے مہابا دیکھوں، یہ درخواست دلیل ہے کہ وہ آگ محض تجلی تھی۔

اے موسیٰ! بے شک وہ میں ہی اللہ زبردست حکمت والا ہوں —— وہ: یعنی جو بول رہا ہوں اور جس کی آواز تم سن رہے ہو وہ میں ہی ہوں، یہ ایک غیبی آواز تھی، جو بلا کیف اور بلا سمت سنی جارہی تھی، لیکن مبدا اس کا وہ آگ یا درخت تھا جس سے آگ کی شکل موسیٰ علیہ السلام کو دکھائی دے رہی تھی۔

پہلا معجزہ: —— اور تم اپنی لاٹھی ڈالو، پس جب اس کو لہراتا دیکھا گویا وہ پتلا سانپ ہے تو موسیٰ نے پیٹھ پھیری، اور مڑ کر نہیں دیکھا، اے موسیٰ! ڈرو نہیں! میرے حضور میں پیغمبر ڈرا نہیں کرتے، مگر جس سے کوئی قصور ہو جائے، پھر وہ برائی کے بعد (اس کو) نیکی سے بدل دے، تو میں بڑا بخشنے والا بڑا رحم کرنے والا ہوں —— اس آیت میں چار باتیں ہیں:

۱- وہ سانپ بڑا اژدھا تھا، مگر سرعتِ سیر اور تیز رفتاری میں چھوٹے سانپ کی طرح تھا، اس لئے جَانٌّ کے ساتھ کَأَنَّھا بڑھایا۔باقی تفصیل کے لئے سورۂ طٰہٰ دیکھیں (ہدایت القرآن ۵:۳۰۴)

۲-مڑ کر نہیں دیکھا: یعنی گھبرا کر بھاگے۔ آدمی جب معمولی ڈرتا ہے تو بار بار مڑ کر دیکھتا ہے کہ بلا پیچھے تو نہیں آرہی۔ اور جب گھبراہٹ شدید ہوتی ہے تو پاؤں سر پر رکھ کر بھاگتا ہے۔ اور یہ طبعی خوف تھا، جو نبوت کے منافی نہیں۔

۳-میرے حضور میں پیغمبر ڈرا نہیں کرتے: یعنی مقام حضور میں پہنچ کر ایسی چیزوں سے ڈرنے کے کیا معنی؟ رسولوں کے لائق یہ بات نہیں کہ بارگاہِ قرب میں پہنچ کر سانپ وغیرہ کسی مخلوق سے ڈریں۔ وہاں تو دل کو انتہائی سکون اور طمانینت حاصل ہونی چاہئے۔

۴-مگر جو برائی کے بعد اس کو نیکی سے بدل دے: یعنی قولی یا فعلی توبہ کرلے، زندگی کا ورق پلٹ دے، بری زندگی چھوڑ کر اچھی زندگی اختیار کرلے تو اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے بڑے رحم فرمانے والے ہیں، وہ توبہ قبول کر لیتے ہیں، پس اس کی وجہ سے بھی نہیں ڈرنا چاہئے۔

دوسرا معجزہ: —— اور تم اپنا ہاتھ گریبان میں ڈالو، وہ بغیر کسی عیب کے روشن ہو کر نکلے گا (یہ دونوں معجزے) نو معجزات میں سے ہیں (ان کے ساتھ) فرعون اور اس کی قوم کی طرف (جاؤ) بے شک وہ حد سے نکلنے والے لوگ ہیں —— پس ان کو سمجھاؤ تا کہ وہ حد اطاعت میں آئیں۔

وہ نو معجزات یہ ہیں: (۱) عصائے موسیٰ: جو زمین پر ڈالنے سے اژدہا بن جاتا تھا (۲) ید بیضاء: ہاتھ بغل میں دبا کر نکالنے سے سورج کی طرح چمکنے لگتا تھا (۳) پانی کا سیلاب (۴) ٹڈی دَل (۵) جوئیں یا چیچڑی یا سُرسُری (۶) مینڈک (۷) خون (۸) قحط سالیاں (۹) پھلوں کی کمی —— پہلی دو نشانیاں یہاں اور قرآن میں متعدد جگہ مذکور ہیں، اس کے بعد کی چار نشانیاں سورۃ الاعراف آیت ۱۳۳ میں مذکور ہیں، اور آخری دو نشانیاں سورۃ الاعراف آیت ۱۳۰ میں مذکور ہیں۔

یہ دونوں معجزے نو معجزات میں سے ہیں: یعنی فی الحال ان دو معجزوں کے ساتھ جاؤ، باقی معجزات اور دیئے جائیں گے جو وقتاً فوقتاً ظاہر ہوں گے۔

پس جب ان کو ہمارے واضح معجزات پہنچے تو انھوں نے کہا: یہ صریح جادو ہے! —— اور ظلم و تکبر کی راہ سے ان لوگوں نے معجزات کا انکار کیا، درانحالیکہ ان کے دلوں نے ان کا یقین کر لیا تھا، پس دیکھ کیسا انجام ہوا اُن مفسدوں کا! —— موسیٰ علیہ السلام کے یہ واضح معجزات ان کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی تھے، اور ان کے دلوں نے یقین بھی کر لیا تھا کہ یہ جادو نہیں خدائی نشانات ہیں، مگر انھوں نے ایمان لانے کا بار بار عہد کر کے بھی خلاف ورزی کی، اور بالآخر تباہ ہوئے، پس آج مکہ والے جو رسالت کا انکار کر رہے ہیں: کیا ان کے لئے یہ قرآن واضح معجزہ نہیں؟ ان کے دلوں کو تو یقین آگیا ہے کہ یہ کلام الٰہی ہے، مگر قول و فعل سے اقرار نہیں کرتے، پس کیا ان کا حشر ان کے برادروں سے کچھ مختلف ہوگا؟

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵﴾ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۭ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾ وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ حَتّٰٓى اِذَآ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹﴾

وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	الْمُؤْمِنِيْنَ	ایمان والے	لَهُوَ	البتہ وہ
اٰتَيْنَا	دیا ہم نے	وَوَرِثَ	اور وارث بنے	الْفَضْلُ	فضل ہے
دَاوٗدَ	داؤدؑ	سُلَيْمٰنُ	سلیمانؑ	الْمُبِيْنُ	واضح
وَسُلَيْمٰنَ	اور سلیمانؑ کو	دَاوٗدَ	داؤدؑ کے	وَحُشِرَ	اور جمع کیا گیا
عِلْمًا	علم	وَقَالَ	اور کہا اس نے	لِسُلَيْمٰنَ	سلیمانؑ کے لئے
وَقَالَا	اور کہا دونوں نے	يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ	اے لوگو	جُنُوْدُهٗ	اس کا لشکر
الْحَمْدُ	تمام تعریفیں	عُلِّمْنَا	سکھلائے گئے ہم	مِنَ الْجِنِّ	جنات سے
لِلّٰهِ	اس اللہ کے لئے ہیں	مَنْطِقَ	بولی	وَالْاِنْسِ	اور انسانوں سے
الَّذِيْ	جس نے	الطَّيْرِ	پرندوں کی	وَالطَّيْرِ	اور پرندوں سے
فَضَّلَنَا	برتری بخشی ہمیں	وَاُوْتِيْنَا	اور دیئے گئے ہم	فَهُمْ	پس وہ
عَلٰى كَثِيْرٍ	بہت سوں پر	مِنْ كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز سے	يُوْزَعُوْنَ (۱)	روکے جاتے ہیں
مِّنْ عِبَادِهِ	اپنے بندوں میں سے	اِنَّ هٰذَا	بے شک یہ	حَتّٰٓى اِذَآ	یہاں تک کہ جب

(۱) یوزعون: مضارع مجہول، جمع مذکر غائب، وَزَعَ يَزَعُ وَزْعًا (ف) روکنا، جمع کرنا۔

اَتَوْا	پہنچے وہ	وَهُمْ	درانحالیکہ وہ	اَنْعَمْتَ عَلَيَّ	کی آپ نے مجھ پر
عَلٰی وَادِ	میدان پر	لَا يَشْعُرُوْنَ	جانتے بھی نہ ہوں	وَعَلٰی وَالِدَيَّ	اور میرے والدین پر
النَّمْلِ	چیونٹیوں کے	فَتَبَسَّمَ	پس مسکرائے وہ	وَاَنْ	اور یہ کہ
قَالَتْ	کہا	ضَاحِكًا	ہنستے ہوئے	اَعْمَلَ	کروں میں
نَمْلَةٌ	ایک چیونٹی نے	مِّنْ قَوْلِهَا	اس کی بات سے	صَالِحًا	وہ نیک کام
يٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ	اے چیونٹیو!	وَقَالَ	اور کہا انھوں نے	تَرْضٰىهُ	جس سے آپ راضی ہوں
ادْخُلُوْا	گھس جاؤ	رَبِّ	اے میرے ربّ!	وَاَدْخِلْنِيْ	اور داخل فرمائیں آپ مجھے
مَسٰكِنَكُمْ	اپنے گھروں میں	اَوْزِعْنِيْٓ (۱)	توفیق دے مجھے	بِرَحْمَتِكَ	اپنی مہربانی سے
لَا يَحْطِمَنَّكُمْ	ہرگز نہ کچل ڈالیں تمہیں	اَنْ اَشْكُرَ	کہ شکر بجالاؤں میں	فِيْ عِبَادِكَ	اپنے بندوں میں
سُلَيْمٰنُ	سلیمان	نِعْمَتَكَ	آپ کی اس نعمت کا	الصّٰلِحِيْنَ	نیک
وَجُنُوْدُهٗ	اور اس کا لشکر	الَّتِيْٓ	جو	۞	۞

سبا کی رانی بغیر معجزہ کے ایمان لائی

فرعون مصر کا راجہ تھا، وہ معجزاتِ موسیٰ سے ایمان نہیں لایا، اس کے لئے ہدایت مقدر نہیں تھی، اور سبا کی رانی بغیر معجزہ کے ایمان لائی اور سرخ رو ہوئی، اب مکہ والوں کو ملکۂ سبا کا واقعہ سنایا جا رہا ہے، اور تمہید میں سلیمان علیہ السلام کا واقعہ ذکر کیا ہے۔

ارشاد پاک ہے: **اور البتہ واقعہ یہ ہے کہ ہم نے داؤد وسلیمان کو علم عطا فرمایا!** —— یعنی دونوں کو اللہ تعالیٰ نے علم کا خاص حصہ عطا فرمایا، شرائع واحکام کے ساتھ اصولِ سیاست وحکمرانی کے علوم سے بھی سرفراز فرمایا —— **اور دونوں نے کہا: تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے ہم کو بہت سے ایماندار بندوں پر برتری بخشی!** —— یعنی دونوں حضرات اللہ تعالیٰ کے انعامات کا شکر ادا کرتے تھے۔ نعتِ الٰہی پر شکر بجالانا اصل نعمت سے بڑی نعمت ہے، اور اس پر نعمت میں فزونی کا وعدہ بھی ہے —— اور ان دونوں نے ''بہت سے'' اس لئے کہا کہ بہت سے انبیاء ان دونوں سے افضل ہیں، جیسے موسیٰ علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام وغیرہ، اور فضیلتِ کلّی تو ایک ہی بندے کو حاصل ہے، اور وہ ہیں سید المرسلین ﷺ!

اور سلیمانؑ: داؤدؑ کے قائم مقام ہوئے —— یعنی داؤد علیہ السلام کے انیس بیٹوں میں سے ان کے اصل جانشیں

(۱) أَوْزَعَ إِيْزَاعًا (افعال) أَوْزَعَ اللّٰه فلانا الشيئَ: اللہ کا کسی کے دل میں کوئی بات ڈالنا، کسی بات کی توفیق دینا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام ہوئے، ان کو اللہ تعالیٰ نے نبوت بھی عطا فرمائی اور بادشاہت بھی۔ اور بادشاہت بھی ایسی کہ نہ ان سے پہلے کسی کو ایسی حکومت ملی نہ ان کے بعد ــــــ وراثت سے وراثتِ مالی مراد لی جائے گی تو اشکال ہوگا کہ داؤد علیہ السلام کے اور بھی بیٹے تھے، پھر سلیمان علیہ السلام کی تخصیص کیوں؟ اس لئے وراثت یہاں بمعنی قائم مقامی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کا ملک اور سلطنت سلیمان علیہ السلام کو عطا فرمائی، بلکہ اس میں اضافہ کر دیا۔ سلیمان علیہ السلام کی حکومت جن ّو انس اور وحوش وطیور تک تھی، اور ہوا کو بھی آپ کے لئے مسخر کر دیا گیا تھا ــــــ اور اس نے کہا: ”اے لوگو! ہم پرندوں کی بولی سکھلائے گئے ہیں، اور ہم ہر چیز میں سے دیئے گئے ہیں، بے شک یہ یقیناً اللہ کا کھلا ہوا فضل (انعام) ہے ــــــ یعنی سلیمان علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے دو خاص فضل فرمائے تھے:

ایک: چرند و پرند اور حشرات الارض کی بولیاں آپ کو سکھائیں، آگے چیونٹی کی بولی سمجھنے کا ذکر موجود ہے، اور اس آیت میں پرندوں کی بولی کی تخصیص ہُدہُد کی وجہ سے کی ہے، جس کا آگے ذکر آ رہا ہے۔

دوسرا: بہت بڑی حکومت کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ سبھی چیزیں آپ کو عنایت فرمائیں۔ کُلّ سے عمومِ کلّی مراد نہیں، بلکہ خاص مقصد کی حد تک عموم مراد ہے۔

سلیمان علیہ السلام حشرات کی بولی جانتے تھے

اور سلیمانؑ کے لئے ان کا لشکر جنّات، انسان اور پرندوں میں سے جمع کیا گیا، پس وہ روکے گئے ــــــ یعنی کوئی مہم درپیش تھی، سلیمان علیہ السلام لاؤ لشکر کے ساتھ اس طرف جا رہے تھے، ایسے موقعہ پر جن ّو انس اور وحوش وطیور میں سے حسبِ ضرورت بڑی تعداد ساتھ لی جاتی تھی۔ اتنی بڑی تعداد کہ ان کا نظم قائم کرنا پڑتا تھا، تا کہ پچھلی جماعت تیز چل کر یا اڑ کر آگے نہ نکل جائے، ہر سپاہی اپنے مقام پر رہے ﴿يُوْزَعُوْنَ﴾: پس وہ روکے گئے کا یہی مطلب ہے کہ ان کی ترتیب قائم کی گئی۔

یہاں تک کہ جب وہ چیونٹیوں کے میدان پر پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا: ”اے چیونٹیو! اپنے سوراخوں میں گھس جاؤ، کہیں تم کو سلیمان اور ان کا لشکر بے خبری میں کچل نہ ڈالے! ــــــ یعنی وہ جان بوجھ کر تو تم کو ہلاک نہیں کریں گے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ بے خبری میں تم پس جاؤ ــــــ چیونٹی کی آواز کوئی نہیں سنتا، مگر سلیمان صاحب نے سن لی، یہ ان کا معجزہ تھا۔

فائدہ (۱): علمائے حیوانات نے سالہا سال جو تجربے کئے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حقیر ترین جانور اپنی حیات اجتماعی اور نظام سیاسی میں بہت ہی عجیب اور شئونِ بشریہ سے بہت قریب واقع ہوا ہے، آدمیوں کی طرح چیونٹیوں کے خاندان اور قبائل ہیں، ان میں تعاون باہمی کا جذبہ، تقسیم عمل کا اصول اور نظام حکومت کی ادارات نوع انسانی کے مشابہ

پائے جاتے ہیں، محققین یورپ نے مدتوں ان اطراف میں قیام کر کے جہاں چیونٹیوں کی بستیاں بکثرت ہیں بہت قیمتی معلومات بہم پہنچائی ہیں (فوائد عثمانی)

فائدہ (۲): یہ چینٹا تھا یا چینٹی؟ یعنی نر تھا یا مادہ؟ تفسیر جلالین میں: **ملکۃ النمل** ہے یعنی چیونٹیوں کی رانی تھی، اور ایک واقعہ میں امام اعظم رحمہ اللہ سے بھی یہی بات مروی ہے، اور انھوں نے قالت میں تائے تانیث سے استدلال کیا ہے۔ واللہ اعلم

پس سلیمان اس کی بات سے مسکراتے ہوئے ہنسے ـــــ یعنی سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کی بات سمجھ لی، اور فرط تعجب سے نہ صرف مسکرائے بلکہ ہنسے ـــــ مسکراہٹ: دبی دبی ہنسی، ہونٹوں ہونٹوں میں ہنسی ـــــ ہنسی: خندہ، دانت کھل جائیں اور قریب میں آواز سنی جائے ـــــ قہقہہ: کھل کھلا کر ہنسنا، جس کی آواز دور تک سنی جائے۔

انبیاء عام طور پر مسکراتے ہیں، اور کبھی فرط تعجب سے ہنستے بھی ہیں قہقہہ ان کی شان کے خلاف ہے، آیتِ کریمہ میں تبسم کے بعد ضاحکا بڑھا کر اشارہ کیا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کو بہت تعجب ہوا اور وہ نہ صرف مسکرائے، بلکہ ہنس پڑے!

اور فرط مسرت سے ادائے شکر کا جذبہ جوش میں آیا ـــــ اور انھوں نے کہا: اے میرے پروردگار! مجھے توفیق دے کہ میں آپ کی اس نعمت کا شکر ادا کروں جو آپ نے مجھ پر اور میرے والدین پر کی ہے، اور یہ کہ میں ایسے نیک کام کروں جن سے آپ خوش ہوں، اور آپ مجھ کو اپنی مہربانی سے اپنے نیک بندوں میں شامل فرمائیں ـــــ حضرت سلیمان علیہ السلام نے تین دعائیں کیں:

۱- اے اللہ! مجھے توفیق دے کہ میں شکرِ نعمت کو ہر وقت ساتھ رکھوں، اس سے کسی حال میں جدا نہ ہوؤں، مداومت اور پابندی کے ساتھ شکر بجالاؤں۔ ﴿أَوْزِعْنِىْٓ﴾ وَزْعٌ سے بنا ہے، جس کے لغوی معنی ہیں: روکنا ﴿فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ﴾ اسی معنی میں آیا ہے کہ لشکر کو کثرت کی وجہ سے انتشار سے بچانے کے لئے روکا جاتا تھا، پس ﴿أَوْزِعْنِىْٓ﴾ کا مفہوم ہے: مجھے شکر نعمت پر روکے رکھ!

۲- اے اللہ! مجھے ایسے نیک عمل کی توفیق عطا فرما جو آپ کے نزدیک مقبول ہو، رضا بمعنی قبول ہے، اور یہ قید اس لئے لگائی کہ عمل صالح کے لئے قبولیت لازم نہیں، صالح اور مقبول ہونے میں نہ عقلا لزوم ہے نہ شرعاً، اور انبیاء علیہم السلام کی سنت یہ ہے کہ اعمالِ صالحہ کے مقبول ہونے کی بھی دعا کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام نے بیت اللہ کی تعمیر کے وقت عمل کی قبولیت کی دعا کی ہے۔ پس نیک عمل کر کے بے فکر نہیں ہو جانا چاہئے، اللہ تعالیٰ سے یہ بھی دعا کرنی چاہئے کہ وہ اس کو قبول فرمائیں۔

۳-اے اللہ! مجھے اپنے فضل وکرم سے نیک بندوں میں شامل فرما! یعنی جنت کا وارث بنا، کیونکہ اللہ کے نیک بندے ہی جنت کے وارث ہونگے (الانبیاء آیت ۱۰۵) اور ﴿بِرَحْمَتِكَ﴾: اپنی مہربانی سے: اس لئے بڑھایا کہ جو کچھ ہوگا ان کے کرم سے ہوگا، اپنے بوتے پر کچھ نہیں ہوگا، جو نیک بندوں میں شامل ہوگا اور جو جنت میں جائے گا وہ کریم مولیٰ کی مہربانی سے جائے گا۔

وَ تَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ ۖ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ ﴿۲۰﴾ لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗۤ اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۱﴾ فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ﴿۲۲﴾ اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَ اُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾ وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۲۴﴾

وَتَفَقَّدَ(1)	اور حاضری لی	مِنَ الْغَآئِبِيْنَ	غیر حاضر	فَمَكَثَ	پس ٹھہرا وہ
الطَّيْرَ	پرندوں کی	لَاُعَذِّبَنَّهٗ	ضرور سزا دونگا اس کو	غَيْرَ بَعِيْدٍ	زیادہ دیر نہیں
فَقَالَ	پس کہا:	عَذَابًا	سزا	فَقَالَ	پس کہا اس نے
مَا لِيَ	کیا بات ہے	شَدِيْدًا	سخت	اَحَطْتُّ(5)	جانی میں نے
لَآ اَرَى	نہیں دیکھتا میں	اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗ(3)	یا ذبح کر ڈالونگا اس کو	بِمَا	وہ بات جو
الْهُدْهُدَ	ہدہد کو	اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ	یا ضرور لائے وہ میرے پاس	لَمْ تُحِطْ	نہیں جانی آپ نے
	(ہے اور نظر نہیں آرہا)(2)	بِسُلْطٰنٍ(4)	کوئی حجت	بِهٖ	اس کو
اَمْ كَانَ	یا ہے وہ	مُّبِيْنٍ	واضح	وَجِئْتُكَ	اور لایا میں آپ کے پاس

(۱) فَقد: گم کرنا/ ہونا، تَفَقُّد: گم شدہ کو تلاش کرنا/ جاننا، جیسے مدرسہ والے رات میں حاضری لیتے ہیں (۲) یہ أم کا معادل ہے جو محذوف ہے (۳) حرام جانور پریشان کرے تو اس کو مار ڈالتے ہیں، جیسے کتا پریشان کرے تو مار ڈالتے ہیں، اور حلال جانور پریشان کرے تو ذبح کر کے کھا لیتے ہیں، اور ہدہد حلال پرندہ ہے، وہ ذی مِخلَب نہیں ہے۔ (۴) قرآن میں ہر جگہ سلطان بمعنی حجت (دلیل) ہے، قالہ ابن عباسؓ (لغات القرآن) (۵) أحاط: گھیرنا، اور جب صلہ میں ب اور علماً تمیز آئے تو معنی ہوتے ہیں: اچھی طرح جاننا، احاطۂ علمی میں لانا، آیت میں بہ کے بعد علماً تمیز محذوف ہے۔

مِنْ سَبَاٍۭ	سبا سے	وَّلَهَا	اور اس کے لئے	وَزَيَّنَ	اور مزین کیا
بِنَبَاٍ	ایک خبر	عَرْشٌ	تختِ شاہی ہے	لَهُمُ	ان کے لئے
يَّقِيْنٍ	یقینی	عَظِيْمٌ	بڑا	الشَّيْطٰنُ	شیطان نے
اِنِّيْ وَجَدْتُّ	بے شک میں نے پایا	وَجَدْتُّهَا	پایا میں نے اس کو	اَعْمَالَهُمْ	ان کے کاموں کو
امْرَاَةً	ایک عورت کو	وَقَوْمَهَا	اور اس کی قوم کو	فَصَدَّهُمْ	پس روک دیا ان کو
تَمْلِكُهُمْ	جو ان پر حکومت کرتی ہے	يَسْجُدُوْنَ	سجدہ کرتے ہیں	عَنِ السَّبِيْلِ (۱)	اللہ کی راہ سے
وَ اُوْتِيَتْ	اور دی گئی ہے وہ	لِلشَّمْسِ	سورج کو	فَهُمْ	پس وہ
مِنْ كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز سے	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ کو چھوڑ کر	لَا يَهْتَدُوْنَ (۲)	راہ نہیں پاتے

سلیمان علیہ السلام پرندوں کی بولی جانتے تھے

اور (سلیمان علیہ السلام نے انتظام کے لئے) پرندوں کی حاضری لی —— پس کہا: کیا بات ہے ہُد ہُد نظر نہیں آ رہا؟ (ہے اور نظر نہیں آ رہا) یا وہ غیر حاضر ہے؟ (اگر غیر حاضر ہے تو) میں اس کو ضرور سخت سزا دونگا —— سزا کی نوعیت خواہ کوئی ہو —— یا اس کو ذبح کر دونگا —— اور چولھے پر چڑھا دوں گا! —— یا وہ کوئی واضح دلیل پیش کرے —— تو معاف کر دوں گا۔

پھر کچھ ہی وقت گذرا کہ (وہ آیا اور) کہا: میں نے وہ بات جانی جو آپ کو معلوم نہیں —— انبیاء عالم الغیب نہیں ہوتے نہ ان کو جمیع ما کان و ما یکون کا علم ہوتا ہے —— اور میں ملک سبا سے ایک پکّی خبر لایا ہوں، میں نے ایک عورت کو پایا جو ان پر حکومت کرتی ہے —— لوگ اس کا نام بلقیس بتاتے ہیں —— اور اس کو ہر طرح کا سامان حاصل ہے اور اس کا ایک بڑا شاہی تخت ہے —— یعنی اس کی حکومت بڑے کرّ وفر کی ہے —— میں نے اس کو اور اس کی قوم کو پایا کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر سورج کی عبادت کرتے ہیں —— آگے اللہ تعالیٰ ہد ہد کی بات میں اضافہ کرتے ہیں —— اور شیطان نے ان کے لئے ان کے کاموں کو مزین کیا ہے —— چنانچہ شرک جیسا بوگس نظریہ ان کو بالکل صحیح نظر آتا ہے —— پس اس (تزیین) نے ان کو اللہ کی راہ سے روک دیا ہے، چنانچہ وہ اللہ کی راہ نہیں پاتے —— حالانکہ اللہ کی معرفت فطری ہے!

فائدہ: سبا: ایک شخص کا نام تھا، پھر اس کی اولاد کو سبا کہنے لگے، یہ لوگ یمن میں آباد تھے، پھر ان کے شہر کو بھی جس کا نام مآرِب تھا سبا کہنے لگے، جو صنعاء سے تین دن کے فاصلہ پر ہے، بلقیس اُسی خاندان سے تھی، اور یعرب بن قحطان کی

(۱) السبیل: میں ال عہدی ہے، مراد اللہ کا راستہ ہے (۲) ہدایت: اللہ کا راستہ ہے، دوسرا راستہ ضلالت ہے۔

اولاد میں ہونے کی وجہ سے زبان ان کی عربی تھی (بیان القرآن)

أَلَّا يَسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ ﴿٢٥﴾ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿٢٦﴾

أَلَّا [1]	کیوں نہیں	فِي السَّمَاوَاتِ	آسمانوں میں	اللَّهُ	اللہ تعالیٰ
يَسْجُدُوا	سجدہ کرتے	وَالْأَرْضِ	اور زمین میں	لَا إِلَٰهَ	کوئی معبود نہیں
لِلَّهِ	اللہ تعالیٰ کو	وَيَعْلَمُ	اور جانتے ہیں	إِلَّا هُوَ	مگر وہی
الَّذِي يُخْرِجُ	جو نکالتے ہیں	مَا تُخْفُونَ	جو چھپاتے ہو تم	رَبُّ	پروردگار
الْخَبْءَ [2]	پوشیدہ چیز	وَمَا تُعْلِنُونَ	اور جو ظاہر کرتے ہو تم	الْعَرْشِ الْعَظِيمِ	بڑے تخت شاہی کا!

سورج کی تابانی اس کا اپنا کمال نہیں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گذشتہ آیت کے نصف سے شروع ہوا ہے، اب ان آیات میں ارشاد فرماتے ہیں کہ سورج کی تابانی اس کی اختیاری نہیں، اس میں پوشیدہ رکھی ہوئی صلاحیت کی وجہ سے ہے، پھر وہ مسجود کیسے ہوگیا؟ معبود تو وہ ہے جس نے سورج میں یہ صلاحیت رکھی ہے، پھر ایک مثال سے یہ بات سمجھائی ہے، انسان بہت کچھ دل میں چھپائے ہوئے ہوتا ہے، اس میں سے کچھ ظاہر کرتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتے ہیں، یہی حال سورج میں مکنون صلاحیت اور اس کی تابانی کا ہے۔ سب اللہ کے اختیار میں ہے، پس وہی معبود ہیں —— رہا سبا کی رانی کا کرّ وفر، ساز وسامان اور بڑا تخت تو وہ اس کے مذہب کی حقانیت کی دلیل نہیں، اللہ تعالیٰ کا تخت شاہی اس سے بھی بڑا ہے، آسمانوں اور زمین کو گھیرے ہوئے ہے، پورا نظام شمسی اس کے سامنے پَر کاہ (تنکے) کے برابر بھی نہیں، ارشاد فرماتے ہیں: —— وہ اللہ تعالیٰ کو کیوں سجدہ نہیں کرتے جو آسمانوں اور زمین میں پوشیدہ چیزوں کو نکالتے ہیں، اور جو تم چھپاتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو: اس کو جانتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں! وہ عرش عظیم کے پروردگار ہیں!

قَالَ سَنَنْظُرُ أَصَدَقْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿٢٧﴾ اذْهَبْ بِكِتَابِي هَٰذَا فَأَلْقِهْ

(۱) أَلَّا: حرف تحضیض جملہ فعلیہ خبریہ پر داخل ہوتا ہے، دراصل أن لا تھا، نون کا لام میں ادغام کیا ہے (۲) الخبءُ: مصدر باب فتح بمعنی اسم مفعول: مَخْبُوْءٌ: چھپی ہوئی۔

إِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانظُرْ مَاذَا يَرْجِعُونَ ﴿٢٨﴾ قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ إِنِّي أُلْقِيَ إِلَيَّ كِتَابٌ كَرِيمٌ ﴿٢٩﴾ إِنَّهُ مِن سُلَيْمَانَ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ ﴿٣٠﴾ أَلَّا تَعْلُوا عَلَيَّ وَأْتُونِي مُسْلِمِينَ ﴿٣١﴾

ع ۱۷ / ۱۴

قَالَ	کہا (سلیمانؑ نے)	عَنْهُمْ	ان سے	إِنَّهُ	بے شک وہ
سَنَنظُرُ	ابھی دیکھتے ہیں ہم	فَانظُرْ	پس دیکھ	مِن سُلَيْمَانَ	سلیمان کی طرف سے ہے
أَصَدَقْتَ	کیا سچ کہا تو نے	مَاذَا	کیا	وَإِنَّهُ	اور بے شک وہ
أَمْ كُنتَ	یا تھا تو	يَرْجِعُونَ	لوٹاتے ہیں وہ	بِسْمِ اللَّهِ	شروع نام سے اللہ کے
مِنَ الْكَاذِبِينَ	جھوٹوں میں سے	قَالَتْ	کہا رانی نے	الرَّحْمَٰنِ	نہایت مہربان
اذْهَب	لے جا	يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ	اے سردارو!	الرَّحِيمِ	بڑے رحم والے
بِّكِتَابِي	میرا خط	إِنِّي	بے شک میں	أَلَّا	کہ نہ
هَٰذَا	یہ	أُلْقِيَ	ڈالا گیا	تَعْلُوا (۱)	بلند ہوؤ
فَأَلْقِهْ	پس ڈال اس کو	إِلَيَّ	میری طرف	عَلَيَّ	مجھ پر
إِلَيْهِمْ	ان کی طرف	كِتَابٌ	خط	وَأْتُونِي	اور آجاؤ میرے پاس
ثُمَّ تَوَلَّ	پھر ہٹ جا	كَرِيمٌ	معزز	مُسْلِمِينَ	مطیع ہوکر

سلیمان علیہ السلام رانی کو خط لکھتے ہیں

(سلیمان علیہ السلام نے) کہا: ہم ابھی معلوم کئے لیتے ہیں کہ تو نے سچ کہا یا تو جھوٹوں میں سے ہے؟ میرا یہ خط لے جا اور ان لوگوں کو پہنچا، پھر وہاں سے ہٹ جا، اور دیکھ کیا جواب دیتے ہیں؟ —— رانی نے کہا: اے ارکانِ دولت! مجھے ایک معزز خط پہنچایا گیا ہے، وہ سلیمان کی طرف سے ہے، جو رحمان ورحیم اللہ کے نام سے شروع ہوتا ہے کہ مجھ پر بلند مت ہوؤ، اور میرے پاس مطیع ہوکر آجاؤ! —— ألقه إليهم: محاورہ ہے یعنی ان کو پہنچا، پہنچانے کی جو بھی صورت ہو —— وہاں سے ہٹ جا یعنی فوراً واپس مت لوٹ جا، بلکہ کسی جگہ ٹھہر جا اور سن کہ کیا جواب دینا طے کرتے ہیں —— رانی نے اپنی کیبنٹ بلائی، اور ان کو خط پڑھ کر سنایا، رانی خود خط سے متأثر ہوئی، اس نے خط کو 'معزز' کہا —— خط کا مضمون تھا کہ میری

(۱) تعلوا: عُلُوّ سے، مضارع، واحد مذکر حاضر، لانہی کا: بلند مت ہوؤ، علو: چڑھنا، سرکشی کرنا۔

حکومت کے سامنے سرینڈر ہو جاؤ، باج گذار بن جاؤ! جلدی سے حاضر خدمت ہو جاؤ!

قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْٓ اَمْرِيْ ۚ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ﴿۳۲﴾ قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ ۙ وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ ﴿۳۳﴾ قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۵﴾

قَالَتْ	کہا رانی نے	شَدِيْدٍ	سخت	اَعِزَّةَ	عزت داروں کو
يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا	اے سردارو!	وَّالْاَمْرُ	اور معاملہ	اَهْلِهَآ	اس بستی کے
اَفْتُوْنِيْ (۱)	رائے دو مجھے	اِلَيْكِ	آپ کے ہاتھ میں ہے	اَذِلَّةً	بے عزت
فِيْٓ اَمْرِيْ	میرے معاملہ میں	فَانْظُرِيْ	پس غور کریں آپ	وَكَذٰلِكَ	اور اسی طرح
مَا كُنْتُ	نہیں ہوں میں	مَاذَا	کس چیز کا	يَفْعَلُوْنَ	کریں گے وہ
قَاطِعَةً	طے کرنے والی	تَاْمُرِيْنَ	حکم دیتی ہیں آپ	وَاِنِّيْ	اور بے شک میں
اَمْرًا	کسی اہم معاملہ کو	قَالَتْ	کہا رانی نے	مُرْسِلَةٌ	بھیجنے والی ہوں
حَتّٰى	یہاں تک کہ	اِنَّ الْمُلُوْكَ	بے شک بادشاہ	اِلَيْهِمْ	ان کے پاس
تَشْهَدُوْنِ	تم میرے پاس ہوؤ	اِذَا دَخَلُوْا	جب داخل ہوتے ہیں	بِهَدِيَّةٍ	سوغات
قَالُوْا	کہا انھوں نے	قَرْيَةً	کسی بستی میں	فَنٰظِرَةٌ	پس دیکھنے والی ہوں
نَحْنُ	ہم	اَفْسَدُوْهَا	(تو) اس کو خراب کر دیتے ہیں	بِمَ	کس چیز کے ساتھ
اُولُوْا قُوَّةٍ	طاقت ور			يَرْجِعُ	لوٹتے ہیں
وَّاُولُوْا بَاْسٍ	اور جنگ جو ہیں	وَجَعَلُوْٓا	اور بناتے ہیں وہ	الْمُرْسَلُوْنَ	بھیجے ہوئے

رانی ارکانِ دولت سے مشورہ کرتی ہے

خط پڑھ کر رانی نے اپنے درباریوں کو جمع کیا —— اس نے کہا: اے ارکانِ دولت! مجھے میرے معاملہ میں رائے دو

(۱) أفتى في المسألة: قانونی رائے دینا، شرعی حکم بتانا۔

—— مشورہ دو کہ اس خط کا کیا جواب دیا جائے؟ —— میں کسی اہم معاملہ کو آپ لوگوں کی موجودگی کے بغیر طے نہیں کرتی —— اور یہ اہم معاملہ ہے مشورہ دو کیا کروں؟ —— سرداروں نے جواب دیا: ہم طاقت ور اور سخت جنگ جو ہیں —— ہمارے پاس زور، طاقت اور سامانِ حرب کی کمی نہیں، پس ہمیں کسی بادشاہ سے دبنے کی ضرورت نہیں —— اور سارا اختیار آپ کا ہے، پس آپ سوچ لیں: کیا حکم دیتی ہیں —— ہم تعمیل حکم کے لئے تیار ہیں۔

رانی نے کہا: بادشاہ جب کسی بستی میں (فاتحانہ) داخل ہوتے ہیں تو شہر کو ویران کر دیتے ہیں، اور اس بستی کے عزت داروں کو بے عزت کرتے ہیں، اور یہ لوگ بھی یہی کریں گے —— اس لئے جلدی میں جنگ چھیڑنے فیصلہ مناسب نہیں —— اور میں ان کے پاس ہدیہ بھیجتی ہوں، پھر دیکھتی ہوں: بھیجے ہوئے کیا لے کر لوٹتے ہیں —— یہ اس نے بہت ہی دانشمندانہ فیصلہ کیا —— اور ہدہد کو سلیمان علیہ السلام نے پہلے ہی ہدایت دی تھی کہ خط پہنچا کر ایک طرف کو ہٹ جانا یعنی خود کو چھپانا اور دیکھنا کہ خط کا کیا ردِ عمل ہوتا ہے، چنانچہ ہدہد نے سارا ماجرا سلیمان علیہ السلام کو کہہ سنایا۔

فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ ۫ فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ ۚ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ﴿۳۶﴾ اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

فَلَمَّا	پس جب	اٰتٰىنِۦَ	دیا ہے مجھ کو	اِرْجِعْ	واپس جا
جَآءَ	آیا (فرستادہ)	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ نے	اِلَيْهِمْ	ان کے پاس
سُلَيْمٰنَ	سلیمانؑ کے پاس	خَيْرٌ	بہتر ہے	فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ	پس البتہ ضرور لائیں گے ہم ان پر
قَالَ	(تو) کہا	مِّمَّآ	اس سے جو		
اَ	کیا	اٰتٰىكُمْ	دیا ہے تم کو	بِجُنُوْدٍ	ایسا لشکر
تُمِدُّوْنَنِ (۱)	امداد کرتے ہو تم میری	بَلْ اَنْتُمْ	بلکہ تم	لَّا قِبَلَ (۳)	نہیں طاقت ہوگی
بِمَالٍ	مال سے	بِهَدِيَّتِكُمْ	اپنے ہدیہ پر	لَهُمْ	ان میں
فَمَآ	پس جو	تَفْرَحُوْنَ (۲)	اتراتے ہو	بِهَا	اس سے مقابلہ کی

(۱) تُمِدُّوْنَ: از اِمداد: مضارع، جمع مذکر حاضر، دوسرا نون مکسور: نونِ وقایہ، پھری ضمیر واحد متکلم محذوف، اور نون کا کسرہ اس کی علامت (۲) فَرِحَ (س): خوش ہونا، اترانا (۳) قِبَل: طاقت، دست رس، جیسے مالی به قِبَل: میرے اندر اس سے مقابلہ کی طاقت نہیں۔

وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ	اور البتہ ضرور نکالیں گے ہم ان کو	مِّنْهَا	وہاں سے	وَهُمْ	اور وہ
		اَذِلَّةً	ذلیل کر کے	صٰغِرُوْنَ (۱)	ماتحت ہونگے!

حضرت سلیمان علیہ السلام نے دکھتی رگ دبائی

رانی نامۂ سلیمانی پڑھ کر رام ہوگئی تھی، اس کے ذہن میں اندیشے کلبلانے لگے تھے، مگر اس نے طاقتِ سلیمانی کا اندازہ لگانے کے لئے سوغات کا سوانگ بھرا، اس نے سوچا: اگر سلیمان ان ٹکڑوں پر راضی ہوگئے تو لاکھوں پائے، ورنہ طاقت کا اندازہ کر کے اگلا قدم اٹھائیں گے ـــــ پس جب فرستادہ سلیمانؑ کے پاس آیا تو اس نے کہا: کیا تم مال سے میری مدد کرتے ہو؟ پس جو اللہ نے مجھ کو دیا ہے وہ بہتر ہے اس سے جو تم کو دیا ہے! بلکہ تم اپنے ہدیہ پر ناز کرتے ہو ـــــ ان سے میرا دل لبھانا چاہتے ہو ـــــ ان کے پاس واپس جاؤ، ہم ان پر ایسا لشکر چڑھائیں گے جس سے مقابلہ کی ان میں طاقت نہیں ہوگی، اور ہم ضرور ان کو وہاں سے ذلیل کر کے باہر کریں گے، اور وہ ماتحت ہونگے! ـــــ انہی باتوں کا رانی کو اندیشہ تھا، پس تیر نشانہ پر بیٹھا!

قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ﴿۳۹﴾ قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ۣ لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ۭ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ﴿۴۰﴾ قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْٓ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۱﴾ فَلَمَّا جَاۗءَتْ قِيْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ۭ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ وَاُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿۴۳﴾ قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّكَشَفَتْ عَنْ

(۱) صَغُر (ک) صَغَارًا: ذلیل وخوار ہونا، فھو صاغر، اور ماتحتی (باج گذاری) بھی ایک طرح کی ذلت ہے۔

سَاقَيْهَا ۚ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ ۚ قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۴﴾

قَالَ	کہا (سلیمانؑ نے)	مِنْ مَّقَامِكَ[۲]	اپنی جگہ (دربار) سے	فَلَمَّا	پس جب
يٰٓاَيُّهَا	اے	وَاِنِّيْ	اور بے شک میں	رَاٰهُ	دیکھا اس کو
الْمَلَؤُا	درباریو!	عَلَيْهِ	اس پر	مُسْتَقِرًّا	رکھا ہوا
اَيُّكُمْ	تم میں سے کون	لَقَوِيٌّ	یقیناً طاقت ور	عِنْدَهٗ	اپنے پاس
يَاْتِيْنِيْ	لائے گا میرے پاس	اَمِيْنٌ	امانت دار ہوں	قَالَ	(تو) کہا
بِعَرْشِهَا	اس کا تخت	قَالَ	اور کہا	هٰذَا	یہ
قَبْلَ	پہلے	الَّذِيْ	اس نے جس	مِنْ فَضْلِ	مہربانی سے ہے
اَنْ	(اس سے) کہ	عِنْدَهٗ	کے پاس (تھا)	رَبِّيْ	میرے رب کی
يَّاْتُوْنِيْ	آئیں وہ میرے پاس	عِلْمٌ	علم	لِيَبْلُوَنِيْ	تاکہ جانچیں وہ مجھ کو
مُسْلِمِيْنَ	مطیع ہوکر	مِّنَ الْكِتٰبِ	کتاب (تورات) کا	ءَاَشْكُرُ	کیا شکر کرتا ہوں میں
قَالَ	کہا	اَنَا	میں	اَمْ	یا
عِفْرِيْتٌ[۱]	ایک قوی ہیکل	اٰتِيْكَ	لانے والا ہوں آپ کے پاس	اَكْفُرُ	ناشکری کرتا ہوں
مِّنَ الْجِنِّ	جنّ نے			وَمَنْ	اور جو
اَنَا	میں	بِهٖ	اس کو	شَكَرَ	شکر بجالاتا ہے
اٰتِيْكَ	لاؤں گا آپ کے پاس	قَبْلَ	پہلے	فَاِنَّمَا	تو بس
بِهٖ	اس کو	اَنْ	(اس سے) کہ	يَشْكُرُ	شکر بجالاتا ہے
قَبْلَ	پہلے	يَّرْتَدَّ	لوٹے	لِنَفْسِهٖ	اپنے لئے
اَنْ	(اس سے) کہ	اِلَيْكَ	آپ کی طرف	وَمَنْ	اور جو
تَقُوْمَ	اٹھیں آپ	طَرْفُكَ[۳]	آپ کی پلک	كَفَرَ	ناشکری کرتا ہے

(۱) عفریت: دیو، بڑے ڈیل ڈول کا آدمی، خبیث کے لئے بھی مستعمل ہے (۲) مقام: جگہ، مراد دربار ہے (۳) آنکھ کھلنے کے بعد تھوڑی دیر میں پلک بند ہوجاتی ہے، یہ پلک جھپکنے کی مقدار ہے یعنی چٹکی بجاتے لاؤں گا۔

فَاِنَّ	تو بے شک	هُوَ	وہ ہے	حَسِبَتْهُ	سمجھا اس کو
رَبِّيْ	میرا پروردگار	وَ اُوْتِيْنَا	اور دئے گئے ہم	لُجَّةً	گہرا پانی
غَنِيٌّ	بے نیاز	الْعِلْمَ	علم	وَّكَشَفَتْ	اور کھولی اس نے
كَرِيْمٌ	فیاض ہے	مِنْ قَبْلِهَا	قبل ازیں	عَنْ سَاقَيْهَا	اپنی پنڈلیاں
قَالَ	کہا	وَكُنَّا	اور تھے ہم	قَالَ	کہا (سلیمانؑ نے)
نَكِّرُوْا	اوپرا (انجانا) کردو	مُسْلِمِيْنَ	منقاد	اِنَّهٗ	بے شک وہ
لَهَا	اس کے لئے	وَصَدَّهَا	اور روک دیا اس کو	صَرْحٌ	محل ہے
عَرْشَهَا	اس کا تخت	مَا كَانَتْ	اس نے جو تھی	مُّمَرَّدٌ (۱)	پالش کیا ہوا
نَنْظُرْ	دیکھیں ہم	تَّعْبُدُ	وہ پوجتی	مِّنْ قَوَارِيْرَ	شیشوں (کے مسالہ) سے
اَتَهْتَدِيْٓ	کیا ہدایت پاتی ہے وہ	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ کو چھوڑ کر	قَالَتْ	کہا اس نے
اَمْ تَكُوْنُ	یا ہوتی ہے وہ	اِنَّهَا	بے شک وہ	رَبِّ	اے میرے ربّ!
مِنَ الَّذِيْنَ	ان لوگوں میں سے جو	كَانَتْ	تھی	اِنِّيْ	بے شک میں نے
لَا يَهْتَدُوْنَ	ہدایت نہیں پاتے	مِنْ قَوْمٍ	لوگوں میں سے	ظَلَمْتُ	ظلم کیا
فَلَمَّا	پس جب	كٰفِرِيْنَ	انکار کرنے والے	نَفْسِيْ	اپنی ذات پر
جَآءَتْ	آئی وہ	قِيْلَ	کہا گیا	وَاَسْلَمْتُ	اور مسلمان ہوئی میں
قِيْلَ	کہا گیا	لَهَا	اس سے	مَعَ سُلَيْمٰنَ	سلیمان کے ہاتھ پر
اَهٰكَذَا	کیا ایسا ہے	ادْخُلِي	داخل ہو	لِلّٰهِ	اللہ کے لئے
عَرْشُكِ	آپ کا تخت	الصَّرْحَ	دیوانِ خاص میں	رَبِّ	جو رب ہیں
قَالَتْ	کہا اس نے	فَلَمَّا	پس جب	الْعٰلَمِيْنَ	سارے جہانوں کے
كَاَنَّهٗ	گویا وہ	رَاَتْهُ	دیکھا اس کو	❁	❁

رانی بارگاہ سلیمانی میں باریاب ہوئی، اور سلیمان علیہ السلام نے اس کی ہدایت کا سامان کیا

وفد جو ہدایا لے کر آیا تھا واپس گیا، اس نے رانی کو آنکھوں دیکھا حال سنایا کہ وہ زبردست بادشاہ ہے، اس کی حکومت

(۱) مُمَرَّد: اسم مفعول، مصدر تَمْرِيْد: چکنا کرنا، پالش کرنا، ہموار صاف کرنا۔

صرف انسانوں پر نہیں، جنات، پرند اور ہوا پر بھی ہے، اوران کے مذہب کی تفصیلات بھی سنائیں کہ وہ اسلام کو مانتے ہیں اور ایک اللہ کی عبادت کرتے ہیں، رانی نے سوچا کہ ایسے بادشاہ سے لوہا نہیں لیا جاسکتا، چنانچہ اس نے حاضری اور انقیاد کا فیصلہ کیا، اِدھر سلیمان علیہ السلام نے اس کی ہدایت کا سامان کیا، اس کی ذہانت کا اندازہ تو ہو ہی گیا تھا، اور ذہین کو اشارہ کیا جاتا ہے، اشارہ اس کے لئے صراحت سے ابلغ ہوتا ہے، چنانچہ رانی کا تخت منگوالیا، اوراس کا روپ بدل دیا۔ تاکہ رانی اگر اس کو پہچان نہ سکے، اور دھوکہ کھا جائے تو اس کو سمجھانا آسان ہوگا کہ وہ سورج کے معاملہ میں بھی اسی طرح دھوکہ خوردہ ہے، پھر جب وہ آئی تو حکومت کے عملہ نے اس کا استقبال کیا، اوراس کو تخت دکھایا، اور پوچھا: کیا آپ کا تخت ایسا ہے؟ اس نے 'گویا' کی لاگ (سہارا) رکھ کر کہا: یہ تو میرا ہی تخت ہے! رہی یہ بات کہ یہاں کیسے آیا؟ تو اس نے کہا: ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کی حکومت جنات اور ہوا پر بھی ہے، جنات کے ذریعہ انھوں نے منگوالیا، اور ہم منقاد ہوکر آئے ہیں، یہ کرشمہ دکھانے کی ضرورت نہیں تھی، اس طرح بات کہیں سے کہیں چلی گئی، اور رانی کو ہدایت نصیب نہیں ہوئی۔

پھر واقعہ روک کر اللہ تعالیٰ نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے کہ ایسی ذہین عورت سورج کی پوجا کیوں کرتی تھی؟ اللہ تعالیٰ کو کیوں نہیں پہچانتی تھی؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لئے ان کے اعمال مزین کئے ہیں، وہ کافر (اللہ کو نہ ماننے والی) تھی، اللہ کو چھوڑ کر سورج کی پرستش کرتی تھی، اوراسی کو حق سمجھتی تھی، اسی نے حق کی دریافت سے اس کو روک دیا، آج کروڑوں ہندو اینٹ پتھر کو پوجتے ہیں، جبکہ ان میں ایسے فرزانے بھی ہیں جو آسمان وزمین کے قلابے ملاتے ہیں، مگر ان کو بت پرستی کی سخافت نظر نہیں آتی۔

پھر عملہ رانی کو سلیمان علیہ السلام سے ملانے کے لئے دیوانِ خاص کی طرف لے چلا، اس محل میں کانچ کے مسالہ کی پالش کر رکھی تھی، جب اس پر روشنی پڑتی تھی تو صحن میں اس کا عکس پڑتا تھا، اور پانی کی لہریں اٹھتی نظر آتی تھیں۔ اور دیوانِ خاص میں نہر بنانے کا رواج قدیم زمانہ سے تھا، یہاں رانی دھوکہ کھا گئی، اس نے پانی میں گھسنے کے لئے پنڈلیاں کھولیں، سامنے سلیمان علیہ السلام تھے، انھوں نے کہا: یہ محل شیشہ کے مسالہ کی پالش کیا ہوا ہے، اس کی لہریں ہیں، پانی نہیں ہے، اب رانی کو اپنی عقل کا قصور سمجھ میں آیا کہ میں سورج کی تابانی پر مفتوں ہوکر جو اس کو خدا سمجھ بیٹھی ہوں یہ دھوکہ ہے، چنانچہ وہ اسی وقت سلیمان کے ہاتھ پر ایمان لے آئی، اور ایک اللہ کی پرستار بن گئی۔

رانی کو سامانِ ہدایت سے ہدایت نہیں ملی، اور اللہ تعالیٰ نے جہاں سے چاہا ہدایت دیدی

آیات کا ترجمہ: ــــــ سلیمانؑ نے کہا: اے درباریو! تم میں سے کون میرے پاس رانی کا تخت لاسکتا ہے اس سے پہلے کہ وہ مطیع ہوکر آجائیں؟ ــــــ ایک قوی ہیکل جنّ نے کہا: میں اس کو آپ کے پاس لاسکتا ہوں اس سے پہلے کہ آپ

دربار سے اٹھیں، اور میں اس پر طاقت ور امانت دار ہوں —— اس میں کچھ خیانت نہیں کروں گا —— اور اس شخص نے جس کے پاس آسمانی کتاب کا علم تھا: کہا: میں اس کو آپ کے پاس لاسکتا ہوں اس سے پہلے کہ آپ کی پلک جھپکے —— یہ اس بندہ کی کرامت تھی، اور امتی کی کرامت نبی کا معجزہ ہوتی ہے —— پس جب اس کو اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو کہا: یہ میرے پروردگار کی مہربانی ہے، تاکہ وہ مجھے جانچیں کہ میں شکر بجالاتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں —— یہ بزرگ عالم کون تھے؟ سلیمان علیہ السلام کی امت کے صدیق اکبر تھے! ان کی کرامت کو سلیمان علیہ السلام نے اپنے اوپر اللہ کا احسان سمجھا اور اللہ کا ہر احسان خواہ کسی پر ہو شکر گذاری کے لئے ہوتا ہے —— پھر فرمایا: اور جو شکر بجالاتا ہے وہ اپنے نفع کے لئے شکر بجالاتا ہے —— اللہ تعالیٰ کا اس میں کچھ نفع نہیں —— اور جو ناشکری کرتا ہے تو میرا پروردگار بے نیاز فیاض ہے —— بے نیاز ہے: اس کا کچھ نقصان نہیں، اور فیاض ہے: ناشکروں کو بھی پالتا ہے۔

(سلیمانؑ نے) کہا: اس کے لئے اس کا تخت انجانا کردو، دیکھیں کیا اس کو ہدایت ملتی ہے یا وہ ان لوگوں میں ہوتی ہے جن کو ہدایت نہیں ملتی! —— کائنات میں ہر سو ہدایت کی نشانیاں پھیلی ہوئی ہیں، مگر ہدایت اسی کو ملتی ہے جس کے لئے مقدر ہوتی ہے۔

پس جب وہ آئی تو پوچھا گیا: کیا آپ کا تخت ایسا ہے؟ اس نے کہا: گویا وہی ہے! اور ہمیں اس سے پہلے علم دیا گیا ہے اور ہم تابعدار ہو چکے ہیں —— اس کی تفسیر تمہید میں آچکی ہے —— پھر اللہ تعالیٰ کی بات ہے، اور ایک سوال کا جواب ہے: —— اور اس کو روک دیا اس نے جس کو وہ اللہ کو چھوڑ کر پوجتی تھی، بے شک وہ کافر (انکار کرنے والوں) میں سے تھی —— اس کی شرح بھی تمہید میں آگئی ہے۔

اس سے کہا گیا: دیوانِ خاص میں چلیں، پس جب اس کو دیکھا تو اس کو گہرا پانی سمجھا، اور اس نے اپنی پنڈلیاں کھولیں، (سلیمانؑ نے) کہا: یہ کانچ کے مسالہ کا پالش کیا ہوا محل ہے! اس نے کہا: اے میرے رب! میں نے اپنی ذات پر ظلم کیا، اور میں سلیمانؑ کے ہاتھ پر رب العالمین کے سامنے منقاد ہوتی ہوں!

فائدہ: دیوانِ خاص: شاہی خلوت خانہ، شاہی دربار۔ خاص دربار میں نہر چلانے کا رواج قدیم زمانہ سے ہے، دریائے نیل سے فرعون کے دیوانِ خاص میں نہر جاتی تھی، اسی میں بہہ کر موسیٰ علیہ السلام کا تابوت گیا تھا، جس کو فرعون کی بیوی نے اٹھوالیا تھا، دہلی میں لال قلعہ میں بھی دیوانِ خاص میں جمنا سے نہر چڑھائی گئی تھی —— اور دیواروں اور کواڑوں پر پالش مسالہ لگا کر کی جاتی ہے، اس دیوانِ خاص میں کانچ کا مسالہ لگا کر پالش کی گئی تھی، جس کا عکس صحن میں پڑتا تھا تو پانی کی لہریں اٹھتی محسوس ہوتی تھیں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۵﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ۚ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۴۸﴾ قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۰﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۱﴾ فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۳﴾

وَلَقَدْ	بخدا! واقعہ یہ ہے	فَرِيْقٰنِ	دو فریق	تَسْتَغْفِرُوْنَ	معافی مانگتے
اَرْسَلْنَا	بھیجا ہم نے	يَخْتَصِمُوْنَ	باہم جھگڑتے ہیں	اللّٰهَ	اللہ سے
اِلٰى ثَمُوْدَ	ثمود کی طرف	قَالَ	کہا	لَعَلَّكُمْ	شاید تم
اَخَاهُمْ	ان کے برادر	يٰقَوْمِ	اے میری قوم	تُرْحَمُوْنَ	رحم کئے جاؤ
صٰلِحًا	صالح کو	لِمَ	کیوں	قَالُوْا	کہا انھوں نے
اَنِ [1]	کہ	تَسْتَعْجِلُوْنَ	جلدی مانگتے ہو	اطَّيَّرْنَا [2]	نحوست پڑی ہم پر
اعْبُدُوا	عبادت کرو	بِالسَّيِّئَةِ	برائی کو	بِكَ	تیری وجہ سے
اللّٰهَ	اللہ کی	قَبْلَ	پہلے	وَبِمَنْ	اور ان کی وجہ سے جو
فَاِذَا	پس اچانک	الْحَسَنَةِ	خوبی کے	مَّعَكَ	تیرے ساتھ ہیں
هُمْ	وہ	لَوْلَا	کیوں نہیں	قَالَ	کہا

(۱) أَن: مفسرہ ہے، رسول جو پیغام لائے ہیں اس کی تفسیر کرتا ہے۔ (۲) اِطَّيَّرْنَا: اصل میں تَطَيَّرْنَا تھا، ت کا ط میں ادغام کیا اور شروع میں ہمزہ وصل بڑھایا: ہم نے بدفالی لی، ہم نے منحوس سمجھا۔

طٰٓئِرُكُمْ	تمہاری نحوست	ثُمَّ	پھر	مَكْرِهِمْ	ان کی چال کا
عِنْدَ اللّٰهِ	اللہ کے پاس ہے	لَنَقُوْلَنَّ	ضرور کہیں ہم	اَنَّا	کہ ہم نے
بَلْ	بلکہ	لِوَلِيِّهٖ	اس کے وارث سے	دَمَّرْنٰهُمْ (۳)	ہلاک کر دیا ان کو
اَنْتُمْ	تم	مَا	نہیں	وَقَوْمَهُمْ	اور ان کی قوم کو
قَوْمٌ	لوگ ہو	شَهِدْنَا	موجود تھے ہم	اَجْمَعِيْنَ	سبھی کو
تُفْتَنُوْنَ	آزمائے جا رہے ہے	مَهْلِكَ	ہلاک ہونے کی جگہ میں	فَتِلْكَ	پس وہ ہیں
وَكَانَ	اور تھے	اَهْلِهٖ	اس کے گھر والوں کی	بُيُوْتُهُمْ	ان کے گھر
فِي الْمَدِيْنَةِ	شہر میں	وَاِنَّا	اور بے شک ہم	خَاوِيَةً (۴)	خالی پڑے
تِسْعَةُ	نو	لَصٰدِقُوْنَ	یقیناً سچے ہیں	بِمَا ظَلَمُوْا	ان کے ظلم کے سبب سے
رَهْطٍ (۱)	افراد	وَمَكَرُوْا	اور چال چلے وہ	اِنَّ	بے شک
يُّفْسِدُوْنَ	بگاڑ پھیلاتے تھے	مَكْرًا	ایک چال	فِيْ ذٰلِكَ	اس میں
فِي الْاَرْضِ	زمین میں	وَّمَكَرْنَا	اور چال چلے ہم	لَاٰيَةً	یقیناً نشانی ہے
وَلَا يُصْلِحُوْنَ	اور سنوارتے نہیں تھے	مَكْرًا	ایک چال	لِّقَوْمٍ	لوگوں کے لئے
قَالُوْا	کہا انھوں نے	وَّهُمْ	اور وہ	يَّعْلَمُوْنَ	جو جانتے ہیں
تَقَاسَمُوْا	آپس میں قسمیں کھاؤ	لَا يَشْعُرُوْنَ	جانتے نہیں تھے	وَاَنْجَيْنَا	اور بچا لیا ہم نے
بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کی	فَانْظُرْ	پس دیکھ	الَّذِيْنَ	ان کو جو
لَنُبَيِّتَنَّهٗ (۲)	ضرور رات میں جا	كَيْفَ	کیسا	اٰمَنُوْا	ایمان لائے
	پڑیں ہم اس کو	كَانَ	تھا	وَكَانُوْا	اور تھے وہ
وَاَهْلَهٗ	اور اس کے گھر والوں کو	عَاقِبَةُ	انجام	يَتَّقُوْنَ	ڈرتے

ثمود کے واقعہ میں مکہ والوں کے لئے نشانی ہے

ثمود نے صالح علیہ السلام کو رات میں قتل کرنے کا پلان بنایا، اور ناکام رہے، مکہ والے بھی اسی طرح رات میں

(۱) عدد کی رھط کی طرف اضافت کی جائے تو افراد مراد ہوتے ہیں (۲) نُبَیِّتَنَّ: مضارع، جمع متکلم، بانون تاکید ثقیلہ، ہ ضمیر مفعول، تَبْیِیْت: مصدر: رات میں حملہ کرنا۔ (۳) تدمیر: اکھیڑ مارا، ہلاکت ڈالی (۴) خاویۃ: افتادہ، ڈھہ پڑا ہوا، اندر سے کھوکھلا۔

نبی ﷺ کے قتل کا پلان بنائیں گے اور ناکام رہیں گے، گفتہ آید در حدیث دیگراں کے طور پر ان کو ثمود کا واقعہ سنایا جارہا ہے ــــ اور بخدا! ہم نے ثمود کی طرف ان کے برادر صالح کو بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو ــــ ہر نبی کی بنیادی دعوت یہی ہے کہ شرک سے بچو، اور ایک اللہ کی عبادت کرو ــــ پس اچانک وہ دو متخاصم فریق بن گئے ــــ ایک ایمان والے اور ایک منکر، جس طرح مکہ میں دو فریق بن چکے ہیں، جبکہ چاہئے تھا کہ سب ناصح کی بات پر کان دھرتے اور ثمود کے دونوں فریقوں کی گفتگو سورۃ الاعراف آیات ۷۵و۷۶ میں آئی ہے ــــ صالح نے کہا: اے میری قوم! تم کیوں جلدی مانگتے ہو برائی خوبی سے پہلے؟ تم کیوں اللہ تعالیٰ سے معافی نہیں مانگتے؟ شاید تم رحم کئے جاؤ ــــ یہ بات صالح علیہ السلام نے اونٹنی کو زخمی کرکے عذاب کا مطالبہ کرنے پر عذاب آنے سے پہلے فرمائی تھی، سورۃ الاعراف (آیت ۷۷) میں ہے: ﴿فَعَقَرُوْا النَّاقَةَ، وَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ، وَقَالُوْا: يَا صَالِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ﴾: پس انھوں نے اونٹنی کو مار ڈالا، اور اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی، اور کہنے لگے: اے صالح! جس عذاب کی تو ہم کو دھمکی دیتا ہے اس کو لے آ اگر تو پیغمبر ہے! ــــ صالح علیہ السلام نے فرمایا: اب بھی توبہ کا موقعہ ہے، اپنی حرکت کی معافی مانگو، عذاب ٹل جائے گا ــــ اور شاید: شاہی محاورہ ہے، پکّے وعدہ کے لئے ہے ــــ انھوں نے جواب دیا: ہم پر تیری وجہ سے اور تیرے ساتھیوں کی وجہ سے نحوست پڑی ہے ــــ اور ہم اقتصادی پریشانیوں سے مبتلا ہوگئے ہیں ــــ صالحؑ نے کہا: تمہاری نحوست اللہ کے پاس ہے! ــــ یعنی تمہاری شامتِ اعمال کا نتیجہ ہے ــــ بلکہ تمہاری آزمائش کی جارہی ہے ــــ یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے، سورۃ الاعراف کی (آیت ۹۴) ہے: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا أَخَذْنَا أَهْلَهَا بِالْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ﴾: اور ہم نے جب بھی کسی بستی میں کوئی نبی بھیجا تو وہاں کے رہنے والوں کو محتاجی اور بیماری میں پکڑا، تاکہ وہ ڈھیلے پڑیں ــــ اسی سنت کے مطابق قوم ثمود بھی بدحالی سے دوچار ہوئی، مگر انھوں نے اس کو صالح علیہ السلام اور مؤمنین کی نحوست سمجھا۔

اور شہر میں نو اشخاص تھے جو زمین میں بگاڑ پھیلاتے تھے، اور سنوارتے نہیں تھے ــــ مکہ میں بھی ایسے ہی نوگرو گھنٹال تھے، ان کا بھی یہی کام تھا ــــ انھوں نے کہا: باہم اللہ کی قسمیں کھاؤ کہ ضرور رات میں ہم جالیں گے صالح کو اور اس کی فیملی کو ــــ تاکہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری! ــــ پھر ہم اس کے وارث (خون کا مطالبہ کرنے والے) سے کہہ دیں گے کہ ہم اس کے گھر والوں کی ہلاکت کے موقع پر موجود نہیں تھے، اور ہم بالکل سچے ہیں ــــ اس طرح ہم ملزم نہیں ٹھہریں گے جن سے ان کے حمایتی قصاص یا خون بہا لے سکیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ــــ اور وہ لوگ ایک چال چلے ــــ صالح علیہ السلام کو قتل کرنے کی ــــ اور ہم بھی

ایک چال چلے، اور وہ ان کو معلوم نہیں تھی ـــــ زلزلہ آیا، ایک چیخ سنائی دی، اور پہاڑوں کی چٹانیں لڑھک آئیں، اور سب کھیت رہے! ہلاک ہو گئے! ـــــ پس دیکھ کیسا ہوا ان کی چال کا انجام! ہم نے ان کو اور ان کی قوم کو سبھی کو اکھیڑ مارا، اب یہ رہے ان کے گھر ڈھے پڑے ان کے ظلم کے سبب سے، بے شک اس میں یقیناً نشانی ہے جاننے والوں کے لئے ـــــ پس اے مکہ والو! سبق لو اگر تم بھی یہ حرکت کرو گے تو منہ کی کھاؤ گے! ـــــ اور بچالیا ہم نے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور پرہیز گار تھے ـــــ اس میں مؤمنین کے لئے بشارت ہے۔

اللہ کی لاٹھی میں آواز نہیں ہوتی، مگر جب پڑتی ہے تو چھٹی کا دودھ یاد دلا دیتی ہے!

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۴﴾ اَىِٕنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۵۵﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْٓا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۡ قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَاۗءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۵۸﴾ ع۱۹

وَلُوْطًا	اور (بھیجا) لوطؑ کو	شَهْوَةً (۱)	شہوت کے لئے	اَنْ	یہ کہ
اِذْ قَالَ	جب کہا اس نے	مِّنْ دُوْنِ	چھوڑ کر	قَالُوْٓا	کہا انھوں نے
لِقَوْمِهٖٓ	اپنی قوم سے	النِّسَآءِ	عورتوں کو	اَخْرِجُوْٓا	نکالو
اَتَاْتُوْنَ	کیا آتے ہو تم	بَلْ اَنْتُمْ	بلکہ تم	اٰلَ لُوْطٍ	لوط کے گھر والوں کو
الْفَاحِشَةَ	بے حیائی کو	قَوْمٌ	لوگ ہو	مِّنْ قَرْيَتِكُمْ	تمہاری بستی سے
وَاَنْتُمْ	اور تم	تَجْهَلُوْنَ	نادانی کرتے	اِنَّهُمْ	بے شک وہ
تُبْصِرُوْنَ	دیکھتے ہو	فَمَا كَانَ	پس نہیں تھا	اُنَاسٌ	لوگ ہیں
اَىِٕنَّكُمْ	کیا بے شک تم	جَوَابَ	جواب	يَّتَطَهَّرُوْنَ	پاک بنتے
لَتَاْتُوْنَ	البتہ آتے ہو	قَوْمِهٖٓ	اس کی قوم کا	فَاَنْجَيْنٰهُ	پس نجات دی ہم نے اس کو
الرِّجَالَ	مردوں کو	اِلَّآ	مگر		

(۱) شھوۃ: مفعول لہٗ ہے، اور حال بھی ہو سکتا ہے۔

وَاَهْلَهٗٓ	اور اس کے گھر والوں کو	مِنَ الْغٰبِرِيْنَ	باقی رہنے والوں میں سے	مَّطَرًا	خاص بارش
اِلَّا	مگر			فَسَآءَ	پس بری ہوئی
امْرَاَتَهٗ	اس کی بیوی کو	وَ اَمْطَرْنَا	اور برسائی ہم نے	مَطَرُ	بارش
قَدَّرْنٰهَا	تجویز کیا ہم نے اس کو	عَلَيْهِمْ	ان پر	الْمُنْذَرِيْنَ	ڈرائے ہوؤں کی

قوم لوطؑ کے واقعہ میں بھی عبرت کا سامان ہے

لوط علیہ السلام کی قوم نے خاندانِ لوط کو بستی سے نکالنے کا پلان بنایا، اس کا انجام کیا ہوا؟ اسی طرح مکہ والوں نے مؤمنین کو مکہ سے نکال باہر کیا، پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور کیا، پھر مدینہ کی طرف، وہ بھی اپنی حرکت کا انجام دیکھ لیں گے —— اور ہم نے لوطؑ کو بھیجا، جب اس نے اپنی قوم سے کہا: کیا تم بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو، جبکہ تم سمجھدار ہو! کیا تم مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو، عورتوں کو چھوڑ کر! بلکہ تم نادان لوگ ہو —— گھوڑے کو چھوڑ کر گدھے پر سواری کرتے ہو! —— پس اس کی قوم کا جواب یہی تھا کہ لوط کی فیملی کو اپنی بستی سے باہر کرو، یہ لوگ پاک باز بنتے ہیں —— ہم گندوں کے درمیان ان کا کیا کام! —— پس ہم نے اس کو اور اس کی فیملی کو نجات دی، علاوہ اس کی بیوی کے —— وہ کافرہ تھی، ساتھ نہیں چلی —— ہم نے اس کو باقی رہنے والوں میں تجویز کیا —— اس کے مقدر میں کنکر تھے —— اور ہم نے ان پر خاص قسم کی بارش برسائی، پس ڈرائے ہوؤں کی بارش بری ہوئی —— اسی طرح مکہ والوں پر بھی عذاب کا کوڑا برسے گا، انتظار کریں۔

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ؕ آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾ اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ﴿۶۰﴾ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ جَعَلَ خِلٰلَهَاۤ اَنْهٰرًا وَّ جَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَ جَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ يَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَ يَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ مَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ

اللّٰهِ ۭ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۳﴾ اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۭ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۭ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۶۴﴾

قُلِ	کہیں:	مَاۗءً	پانی	وَّجَعَلَ	اور بنایا
الْحَمْدُ (۱)	تمام تعریفیں	فَاَنْۢبَتْنَا	پس اگائے ہم نے	خِلٰلَهَآ	اس کے درمیان
لِلّٰهِ	اللہ کے لئے ہیں	بِهٖ	اس کے ذریعہ	اَنْهٰرًا	نہروں کو
وَسَلٰمٌ (۲)	اور سلام ہے	حَدَاۗىِٕقَ	باغات	وَّجَعَلَ	اور بنائے
عَلٰي عِبَادِهِ	اس کے بندوں پر	ذَاتَ بَهْجَةٍ (۴)	بارونق	لَهَا	اس کے لئے
الَّذِيْنَ	جن کو	مَا كَانَ	نہیں تھا	رَوَاسِيَ (۶)	بھاری پہاڑ
اصْطَفٰى (۳)	منتخب فرمایا	لَكُمْ	تمہارے لئے	وَجَعَلَ	اور بنائی
آٰللّٰهُ	کیا اللہ تعالیٰ	اَنْ تُنْۢبِتُوْا	کہ اگاتے تم	بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ	دو سمندروں کے درمیان
خَيْرٌ	بہتر ہیں	شَجَرَهَا	اس کے درخت	حَاجِزًا	آڑ
اَمَّا	یا جن کو	ءَاِلٰهٌ	کیا کوئی معبود ہے	ءَاِلٰهٌ	کیا کوئی معبود ہے
يُشْرِكُوْنَ	شریک ٹھہراتے ہیں وہ	مَّعَ اللّٰهِ	اللہ کے ساتھ	مَّعَ اللّٰهِ	اللہ کے ساتھ
اَمَّنْ	کیا جس نے	بَلْ هُمْ	بلکہ وہ	بَلْ اَكْثَرُهُمْ	بلکہ اس کے بیشتر
خَلَقَ	پیدا کیا	قَوْمٌ	لوگ ہیں	لَا يَعْلَمُوْنَ	جانتے نہیں
السَّمٰوٰتِ	آسمانوں	يَّعْدِلُوْنَ	برابر ٹھہراتے	اَمَّنْ	کیا جو
وَالْاَرْضَ	اور زمین کو	اَمَّنْ	کیا جس نے	يُّجِيْبُ	جواب دیتا ہے
وَاَنْزَلَ	اور اتارا	جَعَلَ	بنایا	الْمُضْطَرَّ	بے قرار کو
لَكُمْ	تمہارے لئے	الْاَرْضَ	زمین کو	اِذَا	جب
مِّنَ السَّمَاۗءِ	آسمان سے	قَرَارًا (۵)	قرارگاہ	دَعَاهُ	وہ اس کو پکارتا ہے

(۱) حمد: تعریف، اختیاری خوبیوں پر ستائش (۲) سلام: سلامتی، دنیا و آخرت کی بھلائی (۳) اصطفی: چنا، مصطفی: چنیدہ (۴) بهجة: تروتازہ۔ (۵) قرار: اسم مصدر: ٹھہرنے کی جگہ، نہ لرزنے والی جگہ (۶) رَاسِيَة کی جمع: مضبوطی کے ساتھ جمے ہوئے پہاڑ، جن کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا آسان نہ ہو۔

وَيَكْشِفُ	اور کھولتا ہے	وَمَنْ	اور جو	الْخَلْقَ	مخلوق کو
السُّوْٓءَ	تکلیف کو	يُّرْسِلُ	بھیجتا ہے	ثُمَّ يُعِيْدُهٗ	پھر وہ اس کو لوٹائیں گے
وَيَجْعَلُكُمْ	اور بنایا تم کو	الرِّيٰحَ	ہواؤں کو	وَمَنْ	اور جو
خُلَفَآءَ	جانشیں	بُشْرًۢا	خوشخبری دینے والی	يَّرْزُقُكُمْ	روزی دیتے ہیں تم کو
الْاَرْضِ	زمین میں	بَيْنَ يَدَيْ	سامنے	مِّنَ السَّمَآءِ	آسمان سے
ءَاِلٰهٌ	کیا کوئی معبود ہے	رَحْمَتِهٖ	اپنی رحمت کے	وَالْاَرْضِ	اور زمین سے
مَّعَ اللّٰهِ	اللہ کے ساتھ	ءَاِلٰهٌ	کیا کوئی معبود ہے	ءَاِلٰهٌ	کیا کوئی معبود ہے
قَلِيْلًا مَّا	بہت کم	مَّعَ اللّٰهِ	اللہ کے ساتھ	مَّعَ اللّٰهِ	اللہ کے ساتھ
تَذَكَّرُوْنَ	یاد کرتے ہو تم	تَعٰلَى	برتر ہیں	قُلْ	کہو
اَمَّنْ	کیا جو	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	هَاتُوْا	لاؤ
يَّهْدِيْكُمْ	راہ دکھاتا ہے تم کو	عَمَّا	ان سے جن کو	بُرْهَانَكُمْ	اپنی دلیل
فِيْ ظُلُمٰتِ	تاریکیوں میں	يُشْرِكُوْنَ	شریک ٹھہراتے ہیں وہ	اِنْ	اگر
الْبَرِّ	خشکی	اَمَّنْ	کیا جس نے	كُنْتُمْ	ہو تم
وَالْبَحْرِ	اور سمندر کی	يَّبْدَؤُا	اول بار پیدا کیا	صٰدِقِيْنَ	سچے

ربط: توحید، رسالت اور دلیلِ رسالت (قرآن کی حقانیت) کی باتیں ساتھ ساتھ چل رہی ہیں، پہلے منکروں کو شیطان راجہ اور مؤمن رانی کے واقعات سنائے، تاکہ وہ مؤمن وکافر کا فرق پہچانیں، پھر ثمود وقوم لوط کے واقعات بیان کئے، اوران میں لطیف اشارے کئے، اب توحید پر خطبہ (تقریر) ہے، پہلی آیت تمہید ہے: ارشادِ پاک ہے: —— کہو، تمام تعریفیں اللہ پاک کے لئے ہیں —— کسی اور کی کوئی تعریف نہیں، کیونکہ تعریف صاحبِ کمال کی ہوتی ہے۔ اور مرجع تمام کمالات (خوبیوں) کا اللہ کی ذات ہے، ہر کمال ان کا خانہ زاد ہے، دوسروں کے کمالات اللہ کے بخشے ہوئے ہیں۔ اور کمالات میں سب سے بڑا کمال معبود ہونا ہے، پس وہی قابل پرستش ہیں، اور کوئی معبود نہیں۔

اور سلام ان بندوں پر جن کو منتخب فرمایا —— انبیاء اور اولیاء جن کو مشرکین نے معبود بنایا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے چنیدہ بندے ہیں، ان کے لئے دنیا وآخرت میں سلامتی ہے۔ اب بتاؤ: —— کیا اللہ تعالیٰ بہتر ہیں یا وہ جن کو لوگ شریک ٹھہراتے ہیں؟ —— اللہ تعالیٰ ہی بہتر ہیں، پس بہتر کو چھوڑ کر کم تر کو معبود بنانا کہاں کی عقلمندی ہے؟

فائدہ: ﴿وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى﴾ مشرکین کے جواز شرک پر ایک استدلال کا جواب ہے، مشرکین کہتے ہیں کہ جو نیک بندے ہم سے پہلے گذرے ہیں انھوں نے اللہ تعالیٰ کی خوب بندگی کی ہے اور اللہ تعالیٰ کا قربِ خاص حاصل کرلیا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو خلعتِ الوہیت سے سرفراز کردیا ہے اور وہ دیگر مخلوقات کی بندگی کے حق دار بن گئے ہیں، جیسے کوئی غلام بادشاہ کی شاندار خدمت کرتا ہے تو بادشاہ خوش ہوکر اس کو 'شاہی پوشاک' عطا کرتا ہے اور اپنی مملکت کے کچھ حصہ کا نظم ونسق اس کو سونپ دیتا ہے، جس کی وجہ سے وہ اس علاقہ کے لوگوں کی طرف سے سمع وطاعت (بات سننے اور حکم ماننے) کا مستحق ہوجاتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان اولیاء کو بعض بعض امور کا اختیار دیدیا ہے اس لئے ان کی بندگی ضروری ہے۔

جواب یہ دیا ہے کہ یہ بات صحیح ہے کہ نیک بندوں نے اللہ کی خوب عبادت کرکے قربِ خاص حاصل کرلیا ہے، چنانچہ وہ دنیا وآخرت میں امن وسلامتی کے مستحق ہوگئے ہیں، اور بس! رہی یہ بات کہ اللہ تعالیٰ نے خوش ہوکر ان کو خلعتِ الوہیت پہنایا ہے اس کی کوئی دلیل نہیں، اور جب اللہ تعالیٰ ہر طرح ان بندوں سے بہتر ہیں، اور حکومت وملک صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے تو معبود بھی وہی ہیں، اور کوئی خدائی میں شریک نہیں، سوچو، کم تر: برتر کے برابر کیسے ہوجائے گا؟

مقامِ حمد صرف اللہ کے لئے ہے، پس وہی معبود ہیں، اور نیک بندوں کے لئے منزلِ سلام ہے

۱- بتاؤ، جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اور تمہارے نفع کے لئے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس سے بارونق باغات اگائے، تمہارے بس میں نہیں تھا کہ تم اس کے درختوں کو اگاتے، کیا اللہ کے ساتھ کوئی معبود ہے؟ —— جس نے یہ کام کئے ہوں یا کرسکتا ہو؟ کوئی نہیں! —— بلکہ یعنی پھر بھی وہ لوگ اللہ کے برابر ٹھہراتے ہیں!

۲- بتاؤ جس نے زمین کو قرار دیا —— تاکہ تم اس میں آرام سے زندگی بسر کرسکو، اگر وہ ہچکولے کھاتی تو تمہارا کیا حال ہوتا؟ —— اور اس کے درمیان نہریں چلائیں —— زیرزمیں سوت (چشمہ) چلایا، تاکہ جہاں سے چاہو کنواں کھود کر پانی نکال لو، اور زمین کے اوپر بھی ندیاں چلائیں، تاکہ جہاں سے چاہو بے مشقت پانی لے لو —— اور اس پر بوجھل پہاڑ رکھے —— یہ زمیں میں میخیں ٹھوکیں، تاکہ وہ کپکپائے نہیں، اور ان کو پانی کی ٹنکیاں بنایا، وہیں سے پانی رس کر ندیاں چلتی ہیں، اور زیرزمیں سوت بہتے ہیں —— اور دوسمندروں کے درمیان آڑ بنائی —— تاکہ حیوانات خشکی میں بسیں، اگر خشکی کی سطح بلند نہ کی جاتی تو ساری زمین پر پانی ہوتا، پھر تم کہاں بستے؟ —— کیا اللہ کے ساتھ کوئی معبود ہے؟ —— جس نے یہ کام کئے ہوں یا کرسکتا ہو؟ کوئی نہیں —— بلکہ یعنی پھر بھی ان کے بیشتر نہیں جانتے —— کہ معبود کون ہے؟

۳- بتاؤ، جو بے قرار کی بات سنتا ہے جب وہ اس کو پکارتا ہے، اور تکلیف دور کرتا ہے —— مشرکین بھی سخت

مصائب وشدائد میں اسی کو پکارتے ہیں، اور جھوٹے معبودوں کو بھول جاتے ہیں —— اور اس نے تم کو زمین میں جانشیں بنایا —— تم سے پہلی نسل گئی اور تم ان کی جگہ زمین کو آباد کررہے ہو —— کیا اللہ کے ساتھ کوئی معبود ہے؟ —— نہیں ہے جو پکار سنے اور تکلیف دور کرے، اور زمین کو خالی کر کے تمہارے تصرف میں دیدے —— وہ لوگ بہت کم یاد کرتے ہیں —— شدائد ہی میں یاد کرتے ہیں، ضمیر کی اُس شہادت کو امن واطمینان کے وقت بھول جاتے ہیں!

۴- بتاؤ، جو خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں تم کو راہ دکھاتا ہے —— اس مقصد سے ستارے بنائے جو تمہاری راہ نمائی کرتے ہیں، اس طرح کہ ستاروں سے تم نے قطب نما بنایا، اس کے سہارے رات میں جہاز رانی کرتے ہو، اور ہوائی جہاز اڑاتے ہو اور خشکی میں ستاروں کو دیکھ کر راہ پاتے ہو —— اور جو مانسونی ہواؤں کو چلاتا ہے جو بارش سے پہلے خوش خبری دیتی ہیں —— بارش کی آمد آمد کی اطلاع دیتی ہیں، پس تم بچاؤ کا سامان کر لیتے ہو، اور بوائی کی تیاری کرتے ہو —— کیا اللہ کے ساتھ کوئی معبود ہے؟ —— کوئی نہیں، اور تم نے جو معبود بنا رکھے ہیں وہ بوگس ہیں —— اللہ تعالیٰ برتر ہیں ان سے جن کو وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔

۵- بتاؤ، جس نے آفرینش کی ابتداء کی، اور جو اس کو دوبارہ بنائے گا، اور جو تمہیں آسمان وزمین سے روزی دیتا ہے —— ابتداءً پیدا کرنا تو سب کو مسلم ہے، یہی پہلا پریڈ چل رہا ہے، پھر کائنات کو فنا کر کے دوبارہ پیدا کرے گا، جو دوسرا اور آخری دور ہوگا —— کیا اللہ کے ساتھ کوئی معبود ہے؟ —— جس نے پہلی بار پیدا کیا ہو؟ —— کہو، لاؤ اپنی دلیل اگر تم سچے ہو! —— کہ خدائی میں کوئی ساجھی ہے —— آگے مشرکین کی بوگس دلیل کا جواب ہے۔

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۭ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۶۵﴾ بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ ۣ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا ۣ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ ع ۵ / ۱

قُلْ	کہو	وَالْاَرْضِ	اور زمین میں ہیں	وَمَا	اور نہیں
لَا يَعْلَمُ	نہیں جانتے	الْغَيْبَ (۱)	غیب کو	يَشْعُرُوْنَ	جانتے وہ
مَنْ	جو	اِلَّا	سوائے	اَيَّانَ	کب
فِي السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں	اللّٰهُ	اللہ کے	يُبْعَثُوْنَ	اٹھائے جائیں گے

(۱) غیب: پوشیدہ، غیر حاضر، جو چیز انسان کے حواس سے بالاتر ہے، جو چیزیں حسّ اور عقل کی رسائی سے خارج ہیں، جن کا علم انبیاء کی اطلاع کے بغیر نہیں ہوسکتا، جیسے جنت وجہنم اور آخرت کے معاملات۔

بَلِ	بلکہ	بَلْ	بلکہ	بَلْ	بلکہ
ادّٰرَكَ[1]	تھک گیا ہے	هُمْ	وہ	هُمْ	وہ
عِلْمُهُمْ	ان کا علم	فِيْ شَكٍّ	شک میں ہیں	مِّنْهَا	آخرت سے
فِي الْاٰخِرَةِ	آخرت میں	مِّنْهَا	آخرت کے بارے میں	عَمُوْنَ	اندھے ہیں

ربط: گذشتہ آیت میں مشرکین سے کہا گیا تھا کہ جوازِ شرک پر دلیل قائم کرو، اگر تم سچے ہو، چنانچہ وہ دلیل لائے کہ ایک عظیم الشان بادشاہ اپنی مملکت اور رعایا کا انتظام خود نہیں کرسکتا، وہ معاملات کا نظم و نسق مقربین بارگاہ کو سونپ دیتا ہے، اور رعایا پر ان کی اطاعت لازم کرتا ہے، اور ان کی سفارش ان کے خداموں اور مقربین کے حق میں قبول کرتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے بعض مقرب بندوں کو الوہیت کا مرتبہ عطا فرمایا ہے، اس لئے ان کی بندگی ضروری ہے۔ اس کا جواب دے رہے ہیں کہ یہ غیر محسوس کو محسوس پر، قادر کو عاجز پر اور کامل العلم کو ناقص العلم پر قیاس کرنا ہے جو باطل ہے کہیں، غیب کو نہیں جانتے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں سوائے اللہ کے —— یعنی عظیم الشان بادشاہ ناقص العلم ہے، وہ اپنی مملکت کے سارے احوال براہِ راست نہیں جانتا نہ جان سکتا ہے، اس لئے وہ مددگاروں کا محتاج ہے، اور اللہ تعالیٰ کو کائنات کے ذرہ ذرہ کا علم ہے، کوئی چیز ان سے مخفی نہیں، لوگوں کے لئے جو چیزیں غیب (بن دیکھی) ہیں وہ سب اللہ کے سامنے حاضر ہیں، پھر ان کو مددگاروں کی اور غیروں کو الوہیت میں شریک کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ —— پھر بندوں کے لئے غیب کی اور اللہ کے لئے شہادت کی مثال دی ہے —— اور وہ نہیں جانتے کہ کب دوبارہ زندہ کئے جائیں گے —— اسرافیل بھی نہیں جانتے کہ وہ کب صور پھونکیں گے؟ —— اور نہ صرف یہ کہ یہ بات نہیں جانتے، جان بھی نہیں سکتے —— بلکہ آخرت کے بارے میں ان کا علم تھک گیا ہے بلکہ وہ آخرت کے بارے میں شک میں ہیں بلکہ وہ آخرت سے اندھے ہیں —— عقل دوڑا کر تھک گئے، آخرت کی حقیقت نہ پائی، کبھی شک کرتے ہیں کبھی منکر ہوتے ہیں (موضح)

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَىِٕنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ﴿٦٧﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٦٨﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٦٩﴾ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿٧٠﴾

(۱) اداركَ: ماضی، واحد مذکر غائب، اصل میں تَدَارَكَ تھا، تاء کا دال میں ادغام کیا، پھر شروع میں ہمزۂ وصل بڑھایا، اس کے اصل معنی: پے درپے ہلاک ہونے کے ہیں، یہاں فنا ہونا اور تھک جانا مراد ہے۔

وَقَالَ	اور کہا	وُعِدْنَا	وعدہ کئے گئے ہم	فِي الْأَرْضِ	زمین میں
الَّذِيْنَ	جنھوں نے	هٰذَا	اس کا	فَانْظُرُوْا	پس دیکھو
كَفَرُوْٓا	انکار کیا	نَحْنُ	ہم	كَيْفَ كَانَ	کیسا ہوا
ءَاِذَا	کیا جب	وَاٰبَآؤُنَا	اور ہمارے اسلاف	عَاقِبَةُ	انجام
كُنَّا	ہو جائیں گے ہم	مِنْ قَبْلُ	اس سے پہلے	الْمُجْرِمِيْنَ	بدکاروں کا
تُرٰبًا	مٹی	اِنْ هٰذَآ	نہیں یہ	وَلَا تَحْزَنْ	اور نہ غم گیں ہوں
وَّاٰبَآؤُنَآ (۱)	اور ہمارے اسلاف (بھی)	اِلَّآ	مگر	عَلَيْهِمْ	ان پر
		اَسَاطِيْرُ	منقول باتیں	وَلَا تَكُنْ	اور نہ ہوں آپ
اَئِنَّا	کیا بے شک ہم	الْاَوَّلِيْنَ	اگلوں سے	فِيْ ضَيْقٍ	تنگی میں
لَمُخْرَجُوْنَ	ضرور نکالے جائیں گے	قُلْ	کہیں	مِّمَّا	اس سے جو
لَقَدْ	بخدا! واقعہ یہ ہے	سِيْرُوْا	چلو پھرو	يَمْكُرُوْنَ	چال چلتے ہیں وہ

اب مشرکین کے آخرت کے بارے میں شک اور اندھا پن کا بیان ہے، اس طرح آخرت کا موضوع چل پڑا ـــــ

اور منکرین کہتے ہیں: کیا جب ہم مٹی ہو جائیں گے اور ہمارے اسلاف بھی تو کیا ہم قبروں سے ضرور نکالے جائیں گے؟ بخدا! اس کا وعدہ کیا گیا ہم سے اور ہمارے اسلاف سے قبل ازیں، نہیں ہے یہ مگر اگلوں سے منقول بات! ـــــ یعنی قرنہا قرن بیت گئے مگر یہ وعدہ واقعہ نہیں بنا، پھر ہم اس کا کیوں کر یقین کرلیں؟ یہ تو ایک مذہبی داستان ہے، اس سے زیادہ اس کی کچھ حقیقت نہیں! ـــــ کہو، چلو پھرو زمین میں، پس دیکھو بدکاروں کا انجام کیسا ہوا! ـــــ یعنی اگر یہ جھوٹی بات ہے تو اس کے منکروں کو سزا کیوں ملی؟ اور پیغمبروں نے جو خبر دی تھی وہ واقعہ کیوں بنی؟ ـــــ اور آپ ان لوگوں کا غم نہ کھائیں، اور ان کی چالوں سے تنگی محسوس نہ کریں ـــــ ہم خود ان سے نبٹ لیں گے، جس طرح گذشتہ مجرموں کو سزائیں دی ہیں ان کو بھی دیں گے۔

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۷۱﴾ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾

(۱) آباؤنا: کا عطف کان کے اسم پر ہے، اور فصل ہو گیا ہے اس لئے ضمیر متصل پر عطف درست ہے۔

وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٧٤﴾ وَمَا مِنْ غَائِبَةٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ﴿٧٥﴾

وَيَقُولُونَ	اور کہتے ہیں وہ	الَّذِي	اس کا جو	مَا تُكِنُّ(۲)	جو چھپاتے ہیں
مَتَىٰ	کب ہے	تَسْتَعْجِلُونَ	جلدی طلب کر رہے ہو تم	صُدُورُهُمْ	ان کے سینے
هَٰذَا الْوَعْدُ	یہ وعدہ			وَمَا	اور جو
إِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم	وَإِنَّ رَبَّكَ	اور بے شک تیرا رب	يُعْلِنُونَ	ظاہر کرتے ہیں وہ
صَادِقِينَ	سچے	لَذُو فَضْلٍ	مہربانی والا ہے	وَمَا مِنْ	اور نہیں کوئی
قُلْ	کہو	عَلَى النَّاسِ	لوگوں پر	غَائِبَةٍ	چھپی چیز
عَسَىٰ	ہو سکتا ہے	وَلَٰكِنَّ	مگر	فِي السَّمَاءِ	آسمان میں
أَنْ يَكُونَ	کہ ہو	أَكْثَرَهُمْ	ان کے اکثر	وَالْأَرْضِ	اور زمین میں
رَدِفَ(۱)	پیچھے لگا	لَا يَشْكُرُونَ	شکر بجا نہیں لاتے	إِلَّا	مگر
لَكُمْ	تمہارے	وَإِنَّ رَبَّكَ	اور بے شک تیرا رب	فِي كِتَابٍ	ایک کتاب میں ہے
بَعْضُ	کچھ	لَيَعْلَمُ	البتہ جانتا ہے	مُبِينٍ	واضح

تکذیب رسول کا وبال آنے ہی والا ہے!

اور منکرین کہتے ہیں: کب ہے یہ وعدہ اگر تم سچے ہو؟ —— یعنی تکذیب پر جس عذاب کی تم دھمکی دے رہے ہو وہ کب نازل ہوگا؟ —— ہو سکتا ہے تمہارے پیچھے لگا ہوا ہو کچھ حصہ اس عذاب کا جس کو تم جلدی طلب کر رہے ہو! —— بدر میں اس سزا کی پہلی قسط پہنچی، باقی آخرت میں —— اور بے شک آپ کا پروردگار لوگوں پر مہربان ہے —— وہ سنبھلنے کا موقعہ دے رہا ہے —— مگر اکثر لوگ شکر بجا نہیں لاتے —— یعنی چاہئے تو یہ کہ موقعہ سے فائدہ اٹھائیں، اور مہربانی کے شکر گذار ہوں، مگر لوگ ہیں کہ الٹے ناشکری کرتے ہیں اور عذاب کے لئے جلدی مچاتے ہیں —— اور بے شک آپ کا پروردگار یقیناً جانتا ہے اس کو جو ان کے سینے چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں —— یعنی فی الحال مکہ والے

(۱) رَدِفَ: ماضی، واحد مذکر غائب، باب سمع (۲) تُكِنُّ: مضارع، واحد مؤنث غائب، مصدر إکنان: دل میں کوئی بات پوشیدہ رکھنا، چونکہ صدور (فاعل) جمع مکسر ہے، اس لئے فعل مؤنث ہے۔

اگرچہ انکار کررہے ہیں مگران کے ایمان کی امید ہے، جو ان کے دلوں میں مخفی ہے، اللہ تعالیٰ کو وہ معلوم ہے، اس کی وجہ سے عذاب آنے میں دیر ہورہی ہے ـــــ اور آسمان وزمین میں کوئی مخفی چیز نہیں مگر وہ واضح کتاب (لوح محفوظ) میں مندرج ہے ـــــ اس طے شدہ امر کے موافق جلد یا بہ دیر عذاب ضرور آئے گا۔

إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَقُصُّ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَكْثَرَ الَّذِي هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿٧٦﴾ وَإِنَّهُ لَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿٧٧﴾ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُم بِحُكْمِهِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ﴿٧٨﴾ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۖ إِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِينِ ﴿٧٩﴾

إِنَّ	بے شک	فِيهِ	اس میں	بَيْنَهُمْ	ان کے درمیان
هَٰذَا	یہ	يَخْتَلِفُونَ	اختلاف کرتے ہیں	بِحُكْمِهِ [۳]	اپنا فیصلہ
الْقُرْآنَ	قرآن	وَإِنَّهُ	اور بے شک وہ	وَهُوَ الْعَزِيزُ	اور وہ زبردست
يَقُصُّ [۱]	بیان کرتا ہے	لَهُدًى	یقیناً راہ نمائی	الْعَلِيمُ	ذی علم ہے
عَلَىٰ بَنِي	اولاد پر	وَرَحْمَةٌ	اور مہربانی ہے	فَتَوَكَّلْ	پس بھروسہ کریں
إِسْرَائِيلَ	اسرائیل کے	لِّلْمُؤْمِنِينَ	ایمان لانے والوں کیلئے	عَلَى اللَّهِ	اللہ پر
أَكْثَرَ	اکثر	إِنَّ	بے شک	إِنَّكَ	بے شک آپ
الَّذِي	جو	رَبَّكَ	آپ کا رب	عَلَى الْحَقِّ	حق پر ہیں
هُمْ	وہ	يَقْضِي [۲]	فیصلہ کرتا ہے	الْمُبِينِ	واضح

قرآنِ کریم فیصل، ہدایت اور رحمت ہے

گذشتہ آیات میں قرآنِ کریم نے خبر دی ہے کہ تکذیبِ رسول کا وبال آنے والا ہے، اس خبر کو ہنسی میں مت اڑاؤ، یہ خبر برحق ہے۔ قرآنِ کریم لوگوں کے اختلاف میں فیصل ہے، وہ اختلافات کا تصفیہ کرنے کے لئے آیا ہے، اسلام سے پہلے عربوں میں بعث بعد الموت میں اختلاف تھا، کچھ بندے اس کے قائل تھے، اور اکثر منکر تھے، قرآن نے نازل ہوکر اس اختلاف کا فیصلہ کیا کہ موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونا برحق ہے، اسی طرح اہل کتاب میں جن مسائل میں شدید اختلاف تھا

(۱) قَصَّ (ن) القصة: واقعہ بیان کرنا (۲) قَضٰی (ض) بین الخصمین: فریقین میں فیصلہ کرنا۔ (۳) حکم: فیصلہ۔

ان کا تصفیہ بھی قرآن نے کیا، مثلاً: عیسیٰ علیہ السلام کی واقعی پوزیشن کیا تھی؟ عیسائی اس میں بہت مختلف تھے، قرآن نے فیصلہ کیا: ﴿إِنْ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنَاهُ مَثَلاً لِّبَنِيْ إِسْرَائِيْلَ﴾: عیسیٰ محض ایک بندے ہیں، ہم نے ان پر فضل کیا، اور ان کو بنی اسرائیل کے لئے (اپنی قدرت کا) نمونہ بنایا —— اسی طرح اب مکہ والے رسول کی تصدیق وتکذیب میں مختلف ہورہے ہیں، اس کا علمی فیصلہ قرآنِ کریم کررہا ہے، اور عملی فیصلہ عذاب کی شکل میں ہونے والا ہے، پس جلدی مت مچاؤ، تھوڑا انتظار کرو اور قرآن ہدایت ورحمت بھی ہے، اس سے حصہ لے لو، عذاب سے بچ جاؤ گے۔

ارشادِ پاک ہے: —— بے شک یہ قرآن بنی اسرائیل کے لئے اکثر وہ باتیں بیان کرتا ہے جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں —— بنی اسرائیل میں یہود ونصاریٰ دونوں آگئے، عیسائیت بھی درحقیقت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کے لئے تھی، پھر پولس نے اس کو عام کیا —— اور اہل کتاب کی تخصیص اس لئے کی ہے کہ عرب ان کو اپنے سے افضل سمجھتے تھے، کیونکہ ان کے پاس آسمانی کتابیں تھیں، پس جب ان کے اختلافات کا قرآن تصفیہ کرتا ہے تو عربوں کے اختلافات کا فیصلہ تو بدرجۂ اولیٰ کرے گا، کیونکہ ان کے پاس کوئی آسمانی کتاب نہیں۔

آگے ارشاد فرماتے ہیں: —— اور بے شک وہ (قرآن) ایمان لانے والوں کے لئے راہ نمائی اور مہربانی ہے —— پس چاہئے کہ اس کی دکھائی ہوئی راہ اپنائیں، اور اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے حصہ لیں۔

پھر نبی ﷺ سے خطاب ہے: —— بے شک آپؐ کے رب ان کے درمیان اپنا فیصلہ کرتے ہیں، اور وہ زبردست ذی علم ہیں، پس آپؐ اللہ پر بھروسہ کریں، آپؐ یقیناً واضح حق پر ہیں —— یعنی آپؐ لوگوں کے اختلاف وتکذیب سے متأثر نہ ہوں، اللہ پر بھروسہ کرکے اپنا کام جاری رکھیں، آپؐ صحیح اور صاف راستہ پر ہیں۔

إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ ﴿٨٠﴾ وَمَا أَنتَ بِهَادِي الْعُمْيِ عَن ضَلَالَتِهِمْ ۖ إِن تُسْمِعُ إِلَّا مَن يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُم مُّسْلِمُونَ ﴿٨١﴾

إِنَّكَ	بے شک آپ	الصُّمَّ	بہروں کو	مُدْبِرِينَ	پیٹھ پھیر کر
لَا تُسْمِعُ	نہیں سناتے	الدُّعَاءَ	بلانا	وَمَا أَنتَ	اور نہیں آپ
الْمَوْتَىٰ(۱)	مُردوں کو	إِذَا	جب	بِهَادِي	راہ دکھانے والے
وَلَا تُسْمِعُ	اور نہیں سناتے	وَلَّوْا	مڑیں وہ	الْعُمْيِ	اندھوں کو

(۱) الموتی: المیت کی جمع: مردہ ...... صُمّ: أَصَم کی جمع: بہرا ...... عُمْی: الأعمی کی جمع: اندھا۔

عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ	ان کی گمراہی سے	اِلَّا	مگر	بِاٰيٰتِنَا	ہماری باتوں کو
اِنْ	نہیں	مَنْ	جو	فَهُمْ	پس وہ
تُسْمِعُ	سناتے آپ	يُّؤْمِنُ	مان لے	مُّسْلِمُوْنَ	حکم بردار ہیں

قرآن سے نفع اسی کو پہنچتا ہے جو اس کی باتیں مانتا ہے

قرآن بے شک راہ نما اور رحمت ہے، مگر وہ ان لوگوں کے حق میں نافع ہے جو سن کر اثر قبول کریں، اللہ تعالیٰ کی باتوں کا یقین کریں اور فرمان بردار بنیں، ارشاد فرماتے ہیں: —— بے شک آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے، اور نہ بہروں کو آواز سنا سکتے ہیں جب وہ پیٹھ پھیر کر جا رہے ہوں، اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے راہ راست پر لا سکتے ہیں، آپ تو اسی کو سنا سکتے ہیں جو ہماری باتوں کو مانتا ہے، پس وہ فرمان بردار ہے! —— یعنی مکہ والے مردہ دل ہیں، کان کے بہرے ہیں اور پیٹھ پھیر کر جا رہے ہیں، ان کو بات کیسے سنائی جا سکتی ہے؟ اور آنکھوں کے اندھے بھی ہیں، ان کو آپ گمراہی سے واپس کیسے لا سکتے ہیں؟ دعوت کا فائدہ انہی کو پہنچتا ہے جو اثر قبول کریں، اور اللہ کی باتوں کا یقین کر کے فرمان بردار بنیں۔

جاننا چاہئے کہ آیت میں مُردوں کو سنانے کی نفی کی ہے، سننے کی نفی نہیں کی، پس زندہ جو چاہے مردہ کو نہیں سنا سکتا، مگر اللہ تعالیٰ جو چاہیں وہ مردہ سنتا ہے، ورنہ زیارتِ قبور کے وقت سلام کرنا بے فائدہ ہوگا —— اور بہرہ بات کہنے والے کی طرف متوجہ ہو تو ہونٹوں کی حرکت سے بھی بات سمجھ لیتا ہے، مگر پیٹھ پھیرے ہوئے ہو تو نہیں سمجھ سکتا، اس لئے ﴿إِذَا وَلَّوْا﴾ کی قید لگائی۔

وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ ۙ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۸۲﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْ قَالَ اَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِيْ وَلَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا اَمَّاذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿۸۵﴾ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۭ وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ۭ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ

ع ۲

اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ۭ اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ﴿٨٨﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ﴿٨٩﴾ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ۭ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٠﴾

وَاِذَا	اور جب	لَا يُوْقِنُوْنَ	یقین نہیں کرتے	جَآءُوْ	آئیں گے وہ
وَقَعَ(۱)	پڑے گی	وَيَوْمَ	اور جس دن	قَالَ	فرمائے گا
الْقَوْلُ	بات	نَحْشُرُ	جمع کریں گے ہم	اَكَذَّبْتُمْ	کیا جھٹلایا تم نے
عَلَيْهِمْ(۲)	ان پر	مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ	ہر جماعت سے	بِاٰيٰتِيْ	میری باتوں کو
اَخْرَجْنَا	(تو) نکالیں گے ہم	فَوْجًا	ایک گروہ کو	وَلَمْ تُحِيْطُوْا(۶)	اور نہیں گھیرا تم نے
لَهُمْ	ان کے لئے	مِّمَّنْ	ان میں سے جو	بِهَا	ان کو
دَآبَّةً	ایک جانور	يُّكَذِّبُ	جھٹلاتے ہیں	عِلْمًا	جاننے کے اعتبار سے
مِّنَ الْاَرْضِ	زمین سے	بِاٰيٰتِنَا	ہماری آیتوں کو	اَمَّاذَا(۷)	یا کیا
تُكَلِّمُهُمْ(۳)	(جو) ان سے باتیں کریگا	فَهُمْ	پس وہ	كُنْتُمْ	تھے تم
اَنَّ النَّاسَ(۴)	بایں وجہ کہ لوگ	يُوْزَعُوْنَ(۵)	روکے جائیں گے	تَعْمَلُوْنَ	کرتے
كَانُوْا	تھے وہ		(جماعت بندی کئے جائیں گے)	وَوَقَعَ	اور پڑی
بِاٰيٰتِنَا	ہماری آیتوں کا	حَتّٰٓى اِذَا	یہاں تک کہ جب	الْقَوْلُ	بات

(۱) وقع کی تعبیر شدت کے لئے ہے، جو چیز پڑی وہ پڑگئی، اب اٹھے گی نہیں، اور رکھی ہوئی چیز اٹھائی جاسکتی ہے (۲) علیھم: منکرین بعث بعد الموت پر۔ (۳) تکلمھم: جملہ فعلیہ: دابة کی دوسری صفت ہے، پہلی صفت (کائنة) من الأرض ہے (۴) أن سے پہلے باء سببیہ یا لام اجلیہ محذوف ہے، اور جار مجرور أخرجنا سے متعلق ہیں۔ (۵) یوزعون: مضارع مجہول، جمع مذکر غائب، وَزَعَ یَزَعُ (ف) وزعًا: روکنا، جمع کرنا، جماعت بندی کرنا، پہلا ترجمہ حضرت تھانویؒ نے کیا ہے، دوسرا شیخ الہندؒ نے حاصل دونوں ترجموں کا ایک ہے، روکنا جماعت بندی کے لئے ہے۔ (۶) ولم تحیطوا: حال ہے اور کذبتم پر معطوف بھی ہوسکتا ہے (۷) أمّاذا: اصل میں أم ماذا ہے، أم متصلہ اور ما استفہامیہ ہے، اور یہ أکذبتم کا معادل نہیں، معادل صَدَّقتم ہے، اور ماذا کنتم معادل کا قائم مقام ہے، کیونکہ تصدیق کا احتمال ہی نہیں، اس لئے معادل عام لائے ہیں۔

عَلَيْهِمْ	ان پر	مَنْ	جو	اَتْقَنَ	مضبوط بنایا
بِمَا ظَلَمُوْا (۱)	ان کے ظلم کی وجہ سے	فِي السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں	كُلَّ شَيْءٍ	ہر چیز کو
فَهُمْ	پس وہ	وَمَنْ	اور جو	اِنَّهٗ	بے شک وہ
لَا يَنْطِقُوْنَ	بات نہیں کریں گے	فِي الْاَرْضِ	زمین میں ہیں	خَبِيْرٌ	خوب واقف ہیں
اَلَمْ	کیا نہیں	اِلَّا	مگر	بِمَا	ان کاموں سے جو
يَرَوْا	دیکھا انھوں نے	مَنْ	جس کو	تَفْعَلُوْنَ	کرتے ہو تم
اَنَّا	کہ ہم نے	شَآءَ اللّٰهُ	چاہیں اللہ تعالیٰ	مَنْ	جو
جَعَلْنَا	بنایا	وَكُلٌّ	اور سب	جَآءَ	لائے گا
الَّيْلَ	رات کو	اَتَوْهُ	آئیں گے انکے پاس	بِالْحَسَنَةِ	نیکی
لِيَسْكُنُوْا	تاکہ آرام پائیں وہ	دٰخِرِيْنَ (۲)	حقیر ہوکر	فَلَهٗ	پس اس کے لئے
فِيْهِ	اس میں	وَتَرَى	اور دیکھتا ہے تو	خَيْرٌ	بہتر ہے
وَالنَّهَارَ	اور دن کو	الْجِبَالَ	پہاڑوں کو	مِّنْهَا	اس سے
مُبْصِرًا	دکھانے والا	تَحْسَبُهَا	سمجھتا ہے ان کو	وَهُمْ	اور وہ
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ	بے شک اس میں	جَامِدَةً	جما ہوا	مِّنْ فَزَعٍ	گھراہٹ سے
لَاٰيٰتٍ	یقیناً نشانیاں ہیں	وَّهِيَ	اور وہ	يَّوْمَئِذٍ	اس دن
لِّقَوْمٍ	لوگوں کے لئے	تَمُرُّ	گذریں گے	اٰمِنُوْنَ	چین میں ہونگے
يُّؤْمِنُوْنَ	جو مانتے ہیں	مَرَّ (۳)	گذرنے کی طرح	وَمَنْ	اور جو
وَيَوْمَ	اور جس دن	السَّحَابِ	بادل کے	جَآءَ	لائے گا
يُنْفَخُ	پھونکا جائے گا	صُنْعَ	کاریگری	بِالسَّيِّئَةِ	برائی
فِي الصُّوْرِ	نرسنگے میں	اللّٰهِ	اللہ کی	فَكُبَّتْ	پس اوندھے کئے جائیں گے
فَفَزِعَ	پس گھبرا جائیں گے	الَّذِيْٓ	جنھوں نے	وُجُوْهُهُمْ	ان کے چہرے

(۱) بما ظلموا: باء سببیہ اور ما مصدریہ ہے۔ (۲) دَخَرَ (ف) دُخُوْرًا: حقیر وذلیل ہونا۔ (۳) مَرَّ السحاب: أی کمر السحاب۔

فِي النَّارِ	دوزخ میں	تُجْزَوْنَ	بدلہ دیئے جاؤ گے تم	مَا كُنْتُمْ	اس کا کہ تھے
هَلْ	نہیں	إِلَّا	مگر	تَعْمَلُوْنَ	کرتے تم

بعث بعد الموت (آخرت) کا تذکرہ

پہلی آیت میں ایک سوال مقدر کا جواب ہے، کوئی کہہ سکتا ہے کہ منکرین بعث کو کوئی نشانی دکھائی جائے تا کہ وہ مان لیں، ان سے کہا جارہا ہے کہ قیامت کے قریب ہم منکرین بعث کو نشانی دکھائیں گے، زمین سے ایک جانور نکلے گا، جو لوگوں سے باتیں کرے گا، پھر قبروں سے مردوں کے زندہ ہوکر نکلنے میں کیا استبعاد ہے، وہ دوراز امکان کہاں ہے، بات درحقیقت یہ ہے کہ آیات سے ایمان نہیں ملتا، انسان آیات کی تاویل کرلیتا ہے، ایمان تو دل کے کان سے اللہ کی باتیں سننے سے ملتا ہے، جو مفقود ہے۔ارشادفرماتے ہیں: —— اور جب ان (منکرین بعث) پر بات پڑے گی (قیامت قریب آئے گی) تو ہم ان کے لئے زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے باتیں کرے گا، اس لئے کہ لوگ ہماری باتوں کا یقین نہیں کرتے —— اس لئے ان کو نشانی دکھائی جائے گی، مگر اس کا حاصل کچھ نہیں نکلے گا —— دابۃ الارض: قیامت کی بڑی نشانیوں میں سے ہے، اور یاجوج ماجوج کی طرح اس کے بارے میں بھی اسرائیلات کا ایک انبار ہے، جو غرقِ مئے ناب اولی کا مصداق ہے، اس کی حقیقت جب وہ نکلے گا معلوم ہوگی، قبل ازیں کچھ کہنا مشکل ہے۔

آخرت کا تذکرہ: —— اور جس دن ہم ہر جماعت میں سے ایک گروہ علاحدہ کریں گے ان لوگوں میں سے جو ہماری باتوں کو جھٹلاتے تھے، پس وہ روکے جائیں گے (ان کی جماعت بندی کی جائے گی) —— سورۃ الزمر میں ہے: ﴿وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا إِلَى جَهَنَّمَ زُمَرًا﴾: اور منکر جہنم کی طرف گروہ گروہ بنا کر ہانکے جائیں گے، کیونکہ انکار کے اقسام ومراتب بہت ہیں، پس ہر قسم اور ہر درجہ کے کافروں کا گروپ الگ کردیا جائے گا —— یہاں تک کہ جب وہ آئیں گے تو اللہ تعالیٰ پوچھیں گے: کیا تم نے میری باتوں کو جھٹلایا، جبکہ تم ان کو اپنے احاطۂ علمی میں نہیں لائے تھے —— یعنی بے سمجھے ہی جھٹلادیا —— یا تم کیا کرتے تھے؟ —— کہنا یہ چاہئے تھا: یا تم نے ان کی تصدیق کی تھی؟ مگر چونکہ اس کا دور تک امکان نہیں تھا، اس لئے اس کی جگہ عام بات رکھی کہ بتاؤ تم کیا کرتے تھے یعنی تکذیب کے علاوہ —— ان کے پاس کوئی جواب نہیں ہوگا —— اور پڑے گی بات ان پر ان کے ظلم کے سبب سے، پس وہ بات نہیں کرسکیں گے —— کوئی جواب بن نہیں پڑے گا۔

شب وروز کا نظام دلیلِ آخرت ہے: —— اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا جوڑا بنایا ہے، یٰسٓ شریف میں ہے: ﴿سُبْحَانَ الَّذِيْ خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا﴾: وہ پاک ذات ہے جس نے سبھی چیزوں کے جوڑے بنائے، اس کا کوئی جوڑا نہیں، وہ یگانہ

ہے۔اور جوڑا: وہ دو چیزیں ہیں جومل کر ایک مقصد کی تکمیل کرتی ہیں، جیسے شب و روز جوڑا ہیں، وہ وقت کے دو حصے ہیں، آدمی دن میں کام کرتا ہے، کماتا ہے اور رات میں کھا پی کر آرام کرتا ہے، سوچو، اگر صرف دن ہوتا تو آدمی کام سے تھک کر چور ہو جاتا، اور صرف رات ہوتی تو سوتا ہی رہ جاتا، اسی طرح دنیا کا جوڑا آخرت ہے، یہاں کمانا ہے اور آخرت میں کھانا ہے، اور یہاں نہیں کمایا تو آخرت میں کفِ افسوس ملنا ہے —— ارشاد فرماتے ہیں: —— کیا انھوں نے دیکھا نہیں: ہم نے رات کو بنایا، تاکہ لوگ اس میں آرام کریں، اور دن کو دکھانے والا بنایا، اس میں یقیناً نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جن کو ماننا ہے —— اور جن کو نہیں ماننا وہ خوابِ خرگوش میں مبتلا رہتے ہیں۔

اللہ کی ذات مرجع خلائق ہے: اللہ تعالیٰ نے مخلوقات پھیلائی ہیں، پھر ایک دن سب کو اللہ کے پاس حاضر ہونا ہے، سورۃ الملک میں ہے: ﴿قُلْ: هُوَ الَّذِيْ ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ﴾: آپ کہیں، وہی ہے جس نے تم کو روئے زمین میں پھیلایا، اور تم (قیامت کے دن) اسی کے پاس اکٹھا کئے جاؤ گے، ارشاد پاک ہے: —— اور جس دن نرسنگے میں پھونکا جائے گا —— بگل بجایا جائے گا —— پس گھبرا جائیں گے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں —— اس کی آواز مہیب ہوگی —— مگر جس کو اللہ تعالیٰ چاہیں —— وہ مطمئن رہیں گے —— اور سب اللہ تعالیٰ کے پاس آئیں گے حقیر ہو کر —— کیونکہ وہی مرجع خلائق ہیں اور اس دن سرمستوں (متکبروں) کی طمطراقی ہرن ہو جائے گی —— اور دیکھتا ہے تو پہاڑوں کو، سمجھتا ہے ان کو جما ہوا، اور وہ گذریں گے بادلوں کے گذرنے کی طرح —— یعنی روئی کے گالوں کی طرح فضا میں اڑتے پھریں گے اور بادلوں کی طرح گذرتے نظر آئیں گے، اور جس طرح سمندر سے بادل اٹھتے ہیں یہ گرد سمندروں میں جا گرے گی، جس سے پانی خشک ہو جائے گا اور گہرائی بھر جائے گی، اور پوری زمین روٹی کی طرح ہو جائے گی —— اللہ تعالیٰ کی کاریگری (قدرت) جنھوں نے ہر چیز کو مضبوط بنایا —— وہی ان کو بودا بنا دیں گے، اور ریزہ ریزہ کر کے اڑا دیں گے —— بے شک وہ ان کاموں سے خوب واقف ہیں جو تم کرتے ہو —— یعنی اس انقلاب کے بعد بندوں کا حساب و کتاب ہوگا، اور چونکہ اللہ تعالیٰ بندوں کے اعمال سے پوری طرح باخبر ہیں، اس لئے ہر ایک کو ٹھیک ٹھیک اس کے عمل کے موافق جزاؤسزا دی جائے گی، نہ ظلم ہوگا نہ حق تلفی ہوگی، ہاں فضل ضرور ہوگا، جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

جزاؤسزا کا ضابطہ: —— جو نیکی لائے گا اس کے لئے اس سے بہتر ہوگا —— کم از کم دس گنا ثواب تو دیا ہی جائے گا —— اور وہ اس دن گھبراہٹ سے بے فکر ہونگے —— یہ نیکیوں کا نقد اور پہلا فائدہ ہے —— اور جو برائی لائے گا وہ اوندھے منہ دوزخ میں ڈالا جائے گا، تم صرف انہی کاموں کا بدلہ دیئے جارہے ہو جو تم کیا کرتے تھے —— یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ زیادتی نہیں، جیسا کرنا ویسا بھرنا!

إِنَّمَآ أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ رَبَّ هَٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِي حَرَّمَهَا وَلَهُ كُلُّ شَيْءٍ ۖ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿٩١﴾ وَأَنْ أَتْلُوَ الْقُرْآنَ ۖ فَمَنِ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ ۖ وَمَن ضَلَّ فَقُلْ إِنَّمَا أَنَا مِنَ الْمُنذِرِينَ ﴿٩٢﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ سَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ فَتَعْرِفُونَهَا ۚ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٩٣﴾

ع ۲

إِنَّمَآ	بس	مِنَ الْمُسْلِمِينَ	فرمان برداروں میں	مِنَ الْمُنذِرِينَ	ڈرانے والوں سے ہوں
أُمِرْتُ	حکم دیا گیا ہوں میں	وَأَنْ	اور یہ کہ	وَقُلِ	اور کہہ
أَنْ	کہ	أَتْلُوَ	پڑھوں	الْحَمْدُ	تمام تعریفیں
أَعْبُدَ	عبادت کروں	الْقُرْآنَ	قرآن	لِلَّهِ	اللہ کے لئے ہیں
رَبَّ	رب کی	فَمَنِ	پس جس نے	سَيُرِيكُمْ	عنقریب دکھلائیں گے وہ تم کو
هَٰذِهِ	اس	اهْتَدَىٰ	راہ پائی		
الْبَلْدَةِ	شہر کے	فَإِنَّمَا	تو بس	آيَاتِهِ	اپنی نشانیاں
الَّذِي	جس نے	يَهْتَدِي	راہ پائی اس نے	فَتَعْرِفُونَهَا	پس پہچانو گے تم ان کو
حَرَّمَهَا	محترم بنایا اس کو	لِنَفْسِهِ	اپنے لئے	وَمَا	اور نہیں
وَلَهُ	اور اس کے لئے	وَمَن	اور جو	رَبُّكَ	آپ کا رب
كُلُّ شَيْءٍ	ہر چیز ہے	ضَلَّ	گمراہ ہوا	بِغَافِلٍ	بے خبر
وَأُمِرْتُ	اور حکم دیا گیا میں	فَقُلْ	تو کہہ	عَمَّا	ان کاموں سے جو
أَنْ	کہ	إِنَّمَآ	بس	تَعْمَلُونَ	کرتے ہو تم
أَكُونَ	ہوؤں	أَنَا	میں	۞	۞

آخری تین باتیں

پہلی بات: —— داعی خود کو اپنی دعوت کا نمونہ بنائے —— (کہیں) میں بس یہی حکم دیا گیا ہوں کہ اس شہر کے پروردگار کی عبادت کروں، جس نے اس کو محترم بنایا ہے، اور اس کے لئے ہر چیز ہے، اور میں حکم دیا گیا ہوں کہ فرمان

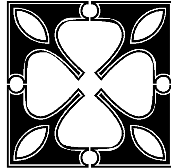
برداروں سے ہوؤں ـــــ اس شہر سے مراد مکہ مکرمہ ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو معظم ومحترم بنایا ہے، اس شہر میں مرکز توحید کعبہ شریف ہے، جہاں ہر قسم کے پھل کھنچے چلے آتے ہیں، یہ اللہ کی روزی ہے، پس کیا اس شہر کے پروردگار کا حق نہیں کہ اسی کی عبادت کی جائے؟ ـــــ اور اس شہر کی تخصیص نہیں، اللہ ہر چیز کے رب ہیں، ساری کائنات کے وہی خالق ومالک ہیں، اس شہر کی تخصیص محض اظہارِ احسان کے لئے ہے ـــــ اور فرمان برداری یہ ہے کہ خود کو ہمہ تن اللہ تعالیٰ کے سپرد کردیا جائے، داعی کی کتابِ دعوت اور کتابِ زندگی میں ہم آہنگی ہو جبھی اس کی دعوت میں اثر ہوگا، اور کہے کچھ اور کرے کچھ تو دعوت مؤثر نہیں ہوگی۔

دوسری بات: ـــــ دعوت کا عمل مسلسل جاری رکھا جائے ـــــ اور یہ کہ قرآن سناؤں، پس جو راہ پائے وہ اپنے نفع ہی کے لئے راہ پائے گا، اور جو گم راہ ہو تو کہیں: میں بس ڈرانے والا میں سے ہوں ـــــ یعنی کہیں: مجھے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ قرآن سنا کر اللہ کا راستہ بتاتا رہوں، اپنی محنت برابر جاری رکھوں، پھر جو بات مان لے تو اسی کا بھلا ہوگا، اور اگر کتے کی دُم ٹیڑھی رہے تو میرا کیا نقصان ہوگا، میں نصیحت کر کے فارغ ہو چکا۔

تیسری بات: ـــــ دعوت کا نتیجہ ایک دن ضرور ظاہر ہوگا ـــــ اور کہیں: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں ـــــ وہی معبود برحق ہیں، معبود ہونا: سب سے بڑی خوبی ہے، جو اللہ کے لئے خاص ہے ـــــ وہ عنقریب تم کو اپنی نشانیاں دکھائیں گے، پس تم ان کو پہچان لوگے ـــــ یعنی تھوڑا انتظار کرو، آگے چل کر اللہ تعالیٰ میرے لائے ہوئے دن کی حقانیت کے ایسے نشان دکھلائیں گے کہ تم سمجھ جاؤ گے کہ دینِ اسلام برحق ہے، اور جو رسول یہ دین لے کر آیا ہے وہ سچا ہے ـــــ اور آپؐ کا رب ان کاموں سے بے خبر نہیں جو تم کرتے ہو ـــــ وہ وقت آنے پر سب بھگتان کردے گا!

داعی: مدعو سے کبھی مایوس نہ ہو، اپنا کام برابر جاری رکھے، نتیجہ ضرور ظاہر ہوگا

﴿الحمد للہ! سورۃ النمل کی تفسیر پوری ہوئی﴾



سورۃ القصص

نمبر شمار ۲۸ نزول کا نمبر ۴۹ نزول کی نوعیت: مکی آیات ۸۸ رکوع: ۹

سورت کا نام: آیت ۲۵: ﴿وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ﴾: سے لیا گیا ہے۔ قَصَص (قاف کا زبر) مصدر اور اسم مصدر ہے یعنی قصہ اور قصہ بیان کرنا، اور قِصَص (قاف کا زیر) قصة کی جمع ہے، یہ لفظ قرآن میں نہیں آیا۔

زمانۂ نزول: سورۃ الشعراء، سورۂ نمل اور سورۂ قصص یکے بعد دیگرے نازل ہوئی ہیں، اور مکی دور کے وسط میں نازل ہوئی ہیں، اس وقت مکہ والوں کی مخالفت زوروں پر تھی، چنانچہ گذشتہ سورت میں ان کو دو واقعات سنائے تھے، جن میں لطیف اشارے تھے، اب اس سورت میں کمزور مسلمانوں کو دو واقعات سنائے جاتے ہیں، ایک بنی اسرائیل کا واقعہ ہے، ان کو کس طرح اللہ تعالیٰ نے فرعونیوں کی چیرہ دستیوں سے نجات دی؟ اسی طرح مکہ کے مسلمانوں کو بھی اللہ تعالیٰ ظالموں کے چنگل سے چھڑائیں گے۔ دوسرا واقعہ: قارون کا ہے، اس کے پاس بے حساب دولت تھی، مگر وہ اپنی دولت کے ساتھ تباہ ہوگیا، اسی طرح ابولہب کے پاس بھی دولت کا ڈھیر تھا، مگر ٹوٹے اس کے ہاتھ اور وہ تباہ ہوا! اس کا مال اور اس کی کمائی اس کے کچھ کام نہ آئی، پس نادار مسلمانوں کو مالداروں کے حال سے بدحال نہیں ہونا چاہئے۔

سورت کے مضامین: شروع سورت سے آیت ۴۲ تک موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان ہوا ہے، پھر موسیٰ علیہ السلام کی اور تورات کی لاگ رکھ کر رسول اللہ ﷺ کی رسالت اور قرآن کی حقانیت کا بیان شروع ہوا ہے، موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کی تفصیلات کو نبی ﷺ کی نبوت کی ایک دلیل قرار دیا ہے۔ آپؐ امی تھے اور قبل تاریخ کا واقعہ تفصیل کے ساتھ من وعن سنا رہے ہیں، یہ دلیل ہے کہ یہ واقعہ اللہ پاک نے نازل کیا ہے، پس قرآن اللہ کا کلام ہے اور آپؐ برحق نبی ہیں............ پھر کفار کے کان کھولے ہیں کہ رسول بھیجنے کا اور قرآن نازل کرنے کا ایک مقصد اتمام حجت بھی ہے، اس کے بغیر کفار کو پکڑا جاتا تو ان کے پاس اپنی مظلومیت کا عذر ہوتا............ پھر یہ بیان کیا ہے کہ جب دین حق آیا تو کفار نے اس کو کس طرح لیا؟ ان کے بالمقابل اہل کتاب کا حال بیان کیا ہے کہ انھوں نے کس طرح بڑھ کر استقبال کیا پس دونوں کا انجام یکساں نہیں ہوسکتا............ پھر یہ مضمون ہے کہ قیامت کے دن کافروں سے دو سوال ہونگے، جن کا جواب ان سے بن نہ پڑے گا۔

پھر کفار کے بالمقابل مؤمنین کا تذکرہ کیا ہے، اور بتایا ہے کہ کامیابی کا راستہ ایمان و عمل صالح کا راستہ ہے، اور مؤمنین ہی اللہ کے پسندیدہ بندے ہیں، اور پسند کرنے کا اللہ کو اختیار ہے، مگر یہ چنیدہ بندے خدائی میں حصہ دار نہیں، مقام حمد اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔

پھر آخرت کی ضرورت اور اس کا کچھ حال بیان کیا ہے، اور نادار مسلمانوں کو مژدہ سنایا ہے کہ ذرا صبر کریں، ظفرمندی قریب ہے، اور اس کی دلیل میں قارون کا واقعہ سنایا ہے، پھر سورت کی آخری موعظتیں ہیں، اور توحید پر مضبوط رہنے کا حکم دے کر سورت پوری کی ہے۔

آیاتہا ۸۸ (۲۸) سُوْرَةُ الْقَصَصِ مَكِّيَّةٌ (۴۹) رکوعاتہا ۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

طٰسٓمٓ ﴿۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۲﴾ نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۳﴾ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۴﴾ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۵﴾ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ﴿۶﴾

بِسْمِ اللّٰهِ	اللہ کے نام سے	وَفِرْعَوْنَ	اور فرعون کی	مِّنْهُمْ	ان میں سے
الرَّحْمٰنِ	بڑے مہربان	بِالْحَقِّ[2]	ٹھیک ٹھیک	يُذَبِّحُ	ذبح کرتا تھا
الرَّحِيْمِ	نہایت رحم والے	لِقَوْمٍ	ان لوگوں کے لئے	اَبْنَآءَهُمْ	ان کے بیٹوں کو
طٰسٓمٓ	طاء، سین، میم	يُّؤْمِنُوْنَ	جو ایمان لائے ہیں	وَيَسْتَحْيٖ	اور زندہ رہنے دیتا تھا
تِلْكَ[1]	یہ	اِنَّ فِرْعَوْنَ	بے شک فرعون	نِسَآءَهُمْ	ان کی عورتوں کو
اٰيٰتُ	آیتیں ہیں	عَلَا	چڑھا (بڑھا)	اِنَّهٗ كَانَ	بے شک وہ تھا
الْكِتٰبِ	کتاب	فِي الْاَرْضِ	زمین میں	مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ	مفسدوں میں سے
الْمُبِيْنِ	واضح کی	وَجَعَلَ	اور بنایا	وَنُرِيْدُ	اور چاہتے ہیں کہ
نَتْلُوْا	پڑھتے ہیں ہم	اَهْلَهَا	اس کے لوگوں کو	اَنْ نَّمُنَّ	کہ احسان کریں
عَلَيْكَ	آپ کے سامنے	شِيَعًا[3]	گروہ گروہ	عَلَى الَّذِيْنَ	ان پر جن کا
مِنْ نَّبَاِ	خبر سے	يَسْتَضْعِفُ	زور گھٹا رکھا تھا	اسْتُضْعِفُوْا	زور گھٹا رکھا تھا
مُوْسٰى	موسیٰ	طَآئِفَةً	ایک جماعت کا	فِي الْاَرْضِ	زمین میں

(۱) **تلک**: مشار الیہ پوری سورت ہے (۲) **بالحق**: محذوف سے متعلق ہو کر حال ہے أی نتلو تلاوةً متلبسة بالحق۔
(۳) **شیعًا**: شیعة کی جمع: گروہ۔

وَنَجْعَلَهُمْ	اور بنائیں ان کو	لَهُمْ	ان کو	وَجُنُوْدَهُمَا	اور دونوں کے لشکر کو
اَئِمَّةً	پیشوا	فِي الْاَرْضِ	زمین میں	مِنْهُمْ (۲)	ان کی طرف سے
وَّنَجْعَلَهُمُ	اور بنائیں ان کو	وَنُرِيَ	اور دکھائیں	مَّا كَانُوْا	جو تھے وہ
الْوٰرِثِيْنَ	وارث	فِرْعَوْنَ	فرعون	يَحْذَرُوْنَ	ڈرتے
وَنُمَكِّنَ (۱)	اور جمائیں	وَهَامٰنَ	اور ہامان	❁	❁

اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان بڑے رحم والے ہیں

ربط: گذشتہ سورت میں مشرکین مکہ کو ثمود وقوم لوط علیہ السلام کے دو واقعات سنائے تھے، اوران میں لطیف اشارے تھے، اب اس سورت میں مؤمنین کو دو واقعات سنائے جاتے ہیں، جن میں لطیف اشارے ہیں:

پہلا واقعہ: بنی اسرائیل کا ہے، فرعون نے ان کو تیسرے درجہ کا شہری بنا رکھا تھا، ان کے بیٹوں کو قتل کرتا، اور وہ کان نہیں ہلا سکتے تھے، مگر اللہ کا فیصلہ ہوا کہ وہ ابھریں، چنانچہ فرعون مع لاؤلشکر غرقاب ہوا، اور بنی اسرائیل زمین کے وارث ہوئے، اس میں مؤمنین کے لئے اشارہ ہے کہ وہ قریش کی چیرہ دستیوں پر صبر کریں، ایک دن وہ ابھریں گے، اور ان کے مخالفین تباہ ہونگے۔

دوسرا واقعہ: قارون کا ہے، اس کے پاس بے حساب دولت تھی، اور اس کو اس پر ناز تھا، مگر وہ دولت خاک میں مل گئی، مشرکین مکہ کو بھی اپنی دولت پر ناز ہے، مگر مسلمان دیکھیں گے کہ وہ دولت ان کے کچھ کام نہیں آئے گی، وہ ان کو عذاب سے نہیں بچا سکے گی۔

ارشادِ پاک ہے: —— طاء، سین، میم —— ان کے معنی اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں —— یہ واضح کتاب کی آیتیں ہیں —— یہ پوری سورت: واضح ہے، یعنی اس میں کوئی اغلاق (پیچیدگی) نہیں، صاف صاف باتیں ہیں۔

ہم آپ کے سامنے ٹھیک ٹھیک پڑھتے ہیں، موسیٰ اور فرعون کا کچھ حال، ان لوگوں کے نفع کے لئے جو ایمان لائے —— اس میں صراحت ہے کہ یہ واقعہ مؤمنین کو سنایا جارہا ہے، اور اس میں اشارہ ہے کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو فرعون کے ظلم وستم سے چھٹکارا دیا، مکہ کے کمزور مسلمانوں کو بھی ان کے طاقت ور حریفوں کے مقابلہ میں کامیاب فرمائیں گے۔

آگے کی تمہید: مصر میں قبطی تھے، یہ فرعون کی قوم تھی، اور سبطی بھی، یہ یعقوب علیہ السلام کی اولاد تھی، جو یوسف علیہ

(۱) نمکن: تمکین: جمانا، قدرت دینا (۲) منهم: أي من اولئك المستضعفين۔

السلام کے زمانہ میں مصر میں آبسی تھی، فرعون ان کو ابھرنے نہیں دیتا تھا، کہتے ہیں: فرعون نے ایک خواب دیکھا، کاہنوں نے تعبیر دی کہ کسی اسرائیلی کے ہاتھ سے تیری حکومت جائے گی، چنانچہ اس نے حکم دیا کہ کوئی اسرائیلی بچہ زندہ نہ رہنے دیا جائے، اورلڑکیوں سے کوئی خطرہ نہیں تھا، اس لئے ان کو زندہ رہنے دیا جائے، اورفرعون کی فطرت میں فساد تھا، اس لئے اس نے یہ آرڈی نینس جاری کیا، اوراس پرعمل درآمد شروع ہوگیا۔

بے شک فرعون زمین میں بڑھا چڑھا تھا، اوراس نے وہاں کے باشندوں کے فرقے بنا رکھے تھے، ان میں سے ایک جماعت کا زور گھٹا رکھا تھا، ان کے بیٹوں کو ذبح کرتا اوران کی عورتوں کو زندہ رہنے دیتا، بے شک وہ مفسدوں میں سے تھا۔

اللہ کا فیصلہ: —— اور ہم چاہتے تھے کہ ان لوگوں پر احسان کریں جن کا زمین میں زور گھٹا رکھا تھا، اور ہم ان کو پیشوا بنائیں، اوران کو زمین کا وارث بنائیں، اوران کو زمین میں جمادیں، اورفرعون، ہامان اوران کے لشکروں کو دکھلائیں ان کمزوروں کی طرف سے وہ بات جس سے وہ ڈرتے تھے —— احسان کریں: اس کی تفصیل اگلے جملوں میں ہے —— پیشوا بنائیں: دین کی امامت سپرد کریں...... زمین کا وارث بنائیں: سرزمین مصر کی تخصیص نہیں کی، مطلق زمین فرمایا ہے، پس کوئی اشکال نہیں...... ہامان: ظلم وستم میں فرعون کا شریک اورآلۂ کار بنا ہوا تھا...... ڈرتے تھے: یعنی جس کے ہاتھ پر تباہی مقدر تھی، اس بچہ کو اسی کی گود میں پرورش کرائیں، اوران کو دکھلادیں کہ تمہاری کوئی تدبیر اللہ کی تقدیر کو روک نہیں سکتی۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِيْ وَلَا تَحْزَنِيْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ۭ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِـــِٕيْنَ ۝ وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ ۭ لَا تَقْتُلُوْهُ ڰ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝

وَاَوْحَيْنَآ	اوروحی کی ہم نے	مُوْسٰٓى	موسیٰ کی	اَرْضِعِيْهِ[1]	دودھ پلا اس کو
اِلٰٓى اُمِّ	ماں کی طرف	اَنْ	کہ	فَاِذَا	پس جب

(۱) أَرْضِعِيْ: إرضاع سے فعل امر۔

خِفْتِ	ڈرے تو	فَالْتَقَطَهٗٓ	پس اٹھالیا اس کو	امْرَاَتُ	بیوی نے
عَلَيْهِ	اس پر	اٰلُ فِرْعَوْنَ	فرعون کے لوگوں نے	فِرْعَوْنَ	فرعون کی
فَاَلْقِيْهِ	پس ڈال دے اس کو	لِيَكُوْنَ	تا کہ ہوئے	قُرَّتُ	(وہ) ٹھنڈک ہے
فِي الْيَمِّ	دریا میں	لَهُمْ	ان کا	عَيْنٍ	آنکھ کی
وَلَا تَخَافِيْ	اور نہ ڈر	عَدُوًّا	دشمن	لِّيْ	میرے
وَلَا تَحْزَنِيْ	اور نہ غم کر	وَّحَزَنًا	اور غم	وَلَكَ	اور تیرے
اِنَّا	بے شک ہم	اِنَّ	بے شک	لَا تَقْتُلُوْهُ	نہ مار ڈالو اس کو
رَآدُّوْهُ	واپس لانے والے	فِرْعَوْنَ	فرعون	عَسٰٓى اَنْ	ہوسکتا ہے کہ
	ہیں اس کو	وَهَامٰنَ	اور ہامان	يَّنْفَعَنَآ	نفع پہنچائے وہ ہمیں
اِلَيْكِ	تیری طرف	وَجُنُوْدَهُمَا	اور دونوں کا لشکر	اَوْ نَتَّخِذَهٗ	یا بنالیں ہم اس کو
وَجَاعِلُوْهُ	اور بنانے والے ہیں	كَانُوْا	تھے وہ	وَلَدًا	اولاد
	اس کو	خٰطِئِيْنَ	چوکنے والے	وَّهُمْ	اور وہ
مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ	رسولوں میں سے	وَقَالَتِ	اور کہا	لَا يَشْعُرُوْنَ	شعور نہیں رکھتے تھے

موسیٰ علیہ السلام فرعون کے گھر میں

اور ہم نے موسیٰ کی ماں کی طرف وحی کی کہ اس کو دودھ پلا، پس جب تو اس پر ڈرے تو اس کو دریا میں ڈال دے، اور نہ ڈر اور نہ غم کر، ہم اس کو تیرے پاس لانے والے ہیں، اور ہم اس کو رسولوں میں شامل کرنے والے ہیں۔

وحی کی کیا صورت ہوئی؟ جمہور مفسرین کے نزدیک فرشتہ آکر کہہ گیا تھا، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک: الہام ہوا تھا، اللہ نے ان کے دل میں یہ بات ڈالی تھی، حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے یہی ترجمہ کیا ہے، پہلی صورت میں اشکال ہوگا کہ موسیٰ علیہ السلام کی ماں کا دل بے چین کیوں ہو گیا تھا؟ کیا ان کو فرشتہ کی بات پر یقین نہیں آیا تھا؟ اور دوسری صورت میں اشکال یہ ہے کہ اس طرح تفصیلی الہام نہیں ہوتا، اور موسیٰ علیہ السلام رسول ہونگے: یہ بات تو انبیاء کو بھی قبل نبوت معلوم نہیں ہوتی، چالیس سال کے بعد جب نبوت ملتی ہے تب معلوم ہوتی ہے —— پس راجح بات جمہور کی معلوم ہوتی ہے، اور بے چینی فطری تھی، اور فرشتہ کے نازل ہونے سے عورت کا نبی ہونا لازم نہیں آتا، نبوت کے لئے تشریعی وحی ضروری ہے، حضرت مریم کے پاس بھی فرشتہ آیا تھا، اور وہ نبی نہیں تھیں —— اور ہم اس بچہ کو رسول بنائیں گے: اس میں

اشارہ تھا کہ بچہ زندہ رہے گا، اور لمبی عمر پائے گا۔ واللہ اعلم

اس کو دودھ پلا: یعنی جب تک بچہ کے قتل کا اندیشہ نہ ہو برابر دودھ پلاتی رہ، پھر جب اندیشہ ہو تو صندوق میں رکھ کر دریائے نیل میں چھوڑ دے، اور ڈوبنے سے مت ڈر، وہ ڈوبے گا نہیں، اور جدائی کا غم نہ کر، ہم اس کو تیری آغوش میں لے آئیں گے، اور اللہ کو اس بچہ سے بڑا کام لینا ہے: وہ منصبِ رسالت سے سرفراز کیا جائے گا۔

پس اس کو فرعون کے لوگوں نے اٹھالیا، تاکہ وہ ان کا دشمن اور غم بنے! بے شک فرعون، ہامان اور ان دونوں کا لشکر چوکنے والے تھے —— دیوانِ خاص میں نہر چڑھانے کا رواج قدیم زمانہ سے ہے، دہلی کے لال قلعہ میں بھی دیوانِ خاص میں جمنا سے نہر چڑھائی گئی تھی، چنانچہ دریائے نیل سے محل خاص میں نہر جاتی تھی، صندوق بہتا ہوا اس شاخ میں داخل ہوا، اور محل میں پہنچ گیا، وہاں فرعون کے لوگوں میں سے کسی نے اس کو نکال لیا، اور ملکہ کی خدمت میں پیش کیا، یہی بچہ بڑا ہو کر فرعون اور فرعونیوں کا دشمن ہوا، اور ان کے لئے دردسر بنا، پس وہ چوکے اور اپنے دشمن کو پالا، اور چوکتے نہ تو کیا کرتے، اللہ کی تقدیر کو کون بدل سکتا ہے!

اور فرعون کی بیوی نے کہا: میری اور آپ کی آنکھ کی ٹھنڈک ہے، اس کو مت مار ڈالو، ہوسکتا ہے وہ ہمیں نفع پہنچائے یا ہم اس کو اولاد بنالیں، اور وہ شعور نہیں رکھتے تھے —— ظن غالب یہ قائم ہوا کہ یہ اسرائیلی بچہ ہے، ماں باپ نے اپنی آنکھوں کے سامنے قتل ہوتا ہوا دیکھنا پسند نہیں کیا، اس لئے دریا کے حوالے کیا، پس اس کو ضرور قتل کرنا چاہئے، ورنہ اسکیم فیل ہوجائے گی۔ مگر فرعون کی بیوی آڑے آئی، اس نے کہا: اس کو قتل مت کرو، دیکھو، کیسی موہنی صورت ہے، میں اور آپ اس کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کریں گے، اور ہم پالیں گے تو ہمیں نفع پہنچائے گا، نقصان نہیں پہنچائے گا، اور ہماری اولاد نہ ہوئی تو ہم اسی کو اولاد بنالیں گے —— رانی کی بات مان لی گئی کیونکہ ہر شریف بیوی کی بات مانتا ہے، پس بچہ کے قتل کا فیصلہ ملتوی ہوگیا، مگر ان لوگوں کو کیا خبر تھی کہ آگے کیا ہونا ہے۔

وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ۭ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰي قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ ۡ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ۙ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓي اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ۝ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ۧ

ع ۳

وَ اَصۡبَحَ(۱)	اور صبح کی	فَقُصِّيۡهِ(۴)	پیچھے جا اس کے	وَهُمۡ	اور وہ
فُؤَادُ	دل نے	فَبَصُرَتۡ	پس دیکھا اس نے	لَهٗ	اس کے
اُمِّ مُوۡسٰى	موسیٰ کی ماں کے	بِهٖ	اس کو	نٰصِحُوۡنَ	خیر خواہ ہیں
فٰرِغًا	بے قراری کی حالت میں	عَنۡ جُنُبٍ(۵)	دور سے	فَرَدَدۡنٰهُ	پس پھیر دیا ہم نے اس کو
اِنۡ(۲)	بے شک (وہ)	وَّهُمۡ	اور وہ	اِلٰٓى اُمِّهٖ	اس کی ماں کی طرف
كَادَتۡ(۳)	قریب تھی	لَا يَشۡعُرُوۡنَ	کچھ نہیں جانتے تھے	كَىۡ	تاکہ
لَتُبۡدِىۡ	کہ ظاہر کر دیتی	وَحَرَّمۡنَا	اور روک دیا ہم نے	تَقَرَّ	ٹھنڈی ہو
بِهٖ	بے قراری کو	عَلَيۡهِ	اس پر	عَيۡنُهَا	اس کی آنکھ
لَوۡلَاۤ	اگر نہ ہوتی	الۡمَرَاضِعَ(۶)	دودھ پلانے والیوں کو	وَلَا تَحۡزَنَ(۸)	اور نہ غمگیں ہو وہ
اَنۡ	(یہ بات) کہ	مِنۡ قَبۡلُ	پہلے سے	وَلِتَعۡلَمَ	اور تاکہ جان لے وہ
رَّبَطۡنَا	گرہ دی ہم نے	فَقَالَتۡ	پس کہا اس نے	اَنَّ	کہ
عَلٰى قَلۡبِهَا	اس کے دل پر	هَلۡ	کیا	وَعۡدَ اللّٰهِ	اللہ کا وعدہ
لِتَكُوۡنَ	تاکہ ہو وہ	اَدُلُّكُمۡ	بتلاؤں میں تم کو	حَقٌّ	برحق ہے
مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ	یقین کرنے والوں سے	عَلٰٓى اَهۡلِ بَيۡتٍ	ایک ایسا گھر	وَّلٰـكِنَّ	مگر
وَ قَالَتۡ	اور کہا اس نے	يَّكۡفُلُوۡنَهٗ(۷)	جو پالے اس کو	اَكۡثَرَهُمۡ	اکثر لوگ
لِاُخۡتِهٖ	اس کی بہن سے	لَكُمۡ	تمہارے لئے	لَا يَعۡلَمُوۡنَ	نہیں جانتے

موسیٰ علیہ السلام آغوشِ مادر میں

موسیٰ علیہ السلام کی والدہ حسبِ ہدایت بچہ کو دودھ پلاتی رہیں، پھر جب انہیں اندیشہ ہوا کہ پولس کو پتہ چل جائے گا،

(۱) أَصۡبَحَ: صبح کے وقت میں داخل ہونا (فعل ناقص نہیں) فؤاد: فاعل، اور فارغاً: فاعل کا حال (یہ ترجمہ شیخ الہندؒ نے کیا ہے) (۲) إن: مخففہ، اسم پوشیدہ، أي إنه (۳) کاد: فعل مقارب، نزدیکی بتلانے کے لئے، یہ فعل محل اثبات میں نفی کرتا ہے، اور محل نفی میں اثبات کرتا ہے، یہاں محل اثبات میں ہے (۴) قُصِّي: بروزن مُدِّي، باب نصر سے فعل امر، صیغہ واحد مؤنث حاضر، قصَّ الشيئَ: پیچھے چلنا (۵) الجُنُب: دور (۶) المراضع: المرضِع کی جمع: دودھ پلانے والی (۷) كَفَلَ الصغير: بچہ کی پرورش کرنا (بابہ نصر) (۸) لاتحزن: فعل مضارع، صیغہ واحد مؤنث غائب۔

توانھوں نے کشتی نما صندوق بنایا، اوراس میں بچہ کولٹا کرمغرب کے بعد تاریکی میں اس کو دریائے نیل کے حوالہ کیا، صندوق بہتا ہوا فرعون کے دیوانِ خاص میں پہنچا، وہاں اس کونکال لیا گیا ـــــ اِدھر موسیٰ علیہ السلام کی والدہ دل پر پتھر رکھ کر گھر لوٹ آئیں، رات تو کسی طرح گذرگئی، مگرصبح بے قراری کی انتہاء نہ رہی، یہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا، ورنہ وہ اپنی بے قراری کو ظاہر کردیتیں، اور کھیل سارا بگڑ جاتا۔

اُدھر فرعون کے محل میں جب فیصلہ ہوگیا کہ بچہ کوقتل نہیں کرنا، پالنا ہے، تو اس کے لئے دودھ پلانے والی کی تلاش شروع ہوئی، قبطی تو شاہی خاندان کے لوگ تھے، ان کی عورتیں تو دودھ کیا پلاتیں، سبطی غلام تھے، ان میں اناؔ کی تلاش شروع ہوئی، عورتیں لائی جاتیں مگر بچہ کسی کا دودھ نہیں پیتا تھا، اللہ تعالیٰ نے پہلے سے بندش کررکھی تھی، بنی اسرائیل کے مکانات قبطیوں کے محلّہ سے الگ تھے، دودھ پلانے والی عورتیں آنے جانے لگیں تو موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو پتہ چل گیا، انھوں نے موسیٰ علیہ السلام کی بہن سے کہا: تو بچہ کے پیچھے جا، اور دور سے اس طرح دیکھ کہ لوگ سمجھ نہ سکیں، وہ گئیں اور دور سے دیکھتی رہیں، جب لوگ اناؤں سے مایوس ہوگئے تو اس لڑکی نے کہا: میں ایک ایسا گھرانہ جانتی ہوں جس کا دودھ بچہ قبول کرے گا، اور وہ آپ لوگوں کے لئے بچہ کو پالیں گے، اور وہ گھرانہ بادشاہ کا خیر خواہ ہے، لوگوں نے کہا: اس کولا، وہ اپنی والدہ کو لے گئیں، بچہ نے ان کا دودھ قبول کرلیا، لوگوں کو شبہ ہوا، موسیٰ علیہ السلام کی ماں نے کہا: میں صاف رہتی ہوں اس لئے بچہ نے میرا دودھ قبول کیا، پھر ان سے کہا گیا کہ محل میں آکر دودھ پلاجایا کر، انھوں نے معذرت کی تو بچہ ان کو پرورش کے لئے سونپ دیا گیا، اس طرح موسیٰ علیہ السلام آغوشِ مادر میں لوٹ آئے، اور اللہ کا وعدہ پورا ہوا۔

آیات کا ترجمہ: اور صبح کے وقت موسیٰ کی ماں کا دل بے قرار ہوگیا، قریب تھیں کہ وہ بے قراری کو ظاہر کردیتیں، اگر ہم نے ان کا دل مضبوط نہ کیا ہوتا، تا کہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہوں ـــــ یعنی اگر وہ بے قرار ہوکر راز فاش کردیتیں کہ میں نے اپنا بچہ دریا میں ڈالا ہے، اور بادشاہ کے محل میں جو بچہ دریا سے نکالا گیا ہے وہ میرا بچہ ہے تو وہ بچہ ضرور قتل کردیا جاتا، پھر اللہ کا فرمایا ہوا کیسے پورا ہوتا؟ اب اللہ کا فرمایا ہوا پورا ہوگا، اس لئے ان کے دل کو مضبوط کیا۔

اور اس نے موسیٰ کی بہن سے کہا: اس (بچہ) کے پیچھے جا، پس اس نے دور سے اس کو دیکھا، درانحالیکہ ان لوگوں کو محسوس نہیں ہوا ـــــ کہ یہ لڑکی بچہ کو دیکھ رہی ہے، ورنہ ان کو شبہ پڑجاتا ـــــ اور ہم نے پہلے سے دودھ پلانے والیوں کی بندش کررکھی تھی ـــــ چنانچہ بچہ کسی اناؔ کا دودھ نہیں پیتا تھا ـــــ پس اس (لڑکی) نے کہا: کیا میں تمہارے لئے ایسے گھرانے کی نشاندہی کروں جو تمہارے لئے اس کو پالے؟ اور وہ بادشاہ کے خیر خواہ ہیں ـــــ غلام قوم میں ہمیشہ دوقسم کے لوگ ہوتے ہیں: آقا کے خیر خواہ اور بدخواہ، یہ فیملی فرعون کی خیر خواہ ہے۔

پس ہم نے اس کو اس کی ماں کی طرف پھیر دیا، تا کہ اس کی آنکھ ٹھنڈی ہو، اور وہ غم نہ کرے، اور وہ جان لے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے، مگر اکثر لوگ نہیں جانتے ــــ کہ اللہ کا ہر وعدہ پورا ہو کر رہتا ہے۔

وعدہ اللہ کا پہنچ کر رہتا ہے، ہاں بیچ میں بڑے بڑے پھیر پڑ جاتے ہیں، اس میں بہت لوگ بے چین ہونے لگتے ہیں (شاہ عبدالقادر صاحبؒ)

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰٓى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٤﴾ وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰي حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ڭ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَي الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ڭ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ﴿١٥﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّىْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهٗ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿١٦﴾ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ ﴿١٧﴾

وَلَمَّا	اور جب	اٰتَيْنٰهُ	(تو) دی ہم نے اس کو	نَجْزِي	صلہ دیتے ہیں ہم
بَلَغَ	پہنچا وہ	حُكْمًا (۳)	فہم	الْمُحْسِنِيْنَ	نیکوکاروں کو
اَشُدَّهٗ (۱)	اپنی بھرپور جوانی کو	وَّعِلْمًا (۴)	اور علم	وَدَخَلَ	اور داخل ہوا وہ
وَاسْتَوٰٓى (۲)	اور درست ہو گیا	وَكَذٰلِكَ	اور اسی طرح	الْمَدِيْنَةَ	شہر میں

(۱) أَشُدّ: اسم تفضیل نہیں، اسم تفضیل أَشَدّ شین کے زبر کے ساتھ ہے، أَشُدّ: پوراز ور، بھر پور جوانی، اس کی لفظی تحقیق میں پانچ قول ہیں (لغات القرآن) اسی طرح اس کے زمانہ کی تعیین میں بھی اختلاف ہے، اٹھارہ سال سے چالیس سال کے بعد تک کے اقوال ہیں۔ (۲) استوی: درست ہوا، یہ وہی لفظ ہے جو ﴿استوی علی العرش﴾ میں ہے، اور یہ لفظ زمانہ کی تعیین کے لئے بڑھایا ہے، یوسف علیہ السلام کے تذکرہ میں یہ لفظ نہیں ہے، پس وہاں شروع جوانی مراد ہوگی، اور بھر پور جوانی کا درمیان تیس سال ہے، اس عمر میں موسیٰ علیہ السلام مصر سے نکلے، دس سال مدین میں رہے، پھر واپسی میں چالیس سال میں نبوت ملی، تفسیر کبیر میں حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ اٹھارہ تا تیس سال أَشُد ہے، پھر تیس تا چالیس سال استوی کا زمانہ ہے۔ (۳) یعنی نبوت سے پہلے ہی فہم سلیم اور عقل مستقیم عنایت فرمائی (۴) یہ فطری اور وہبی علم تھا، اکتسابی نہیں۔

عَلٰی حِیْنِ	وقت میں	فَوَکَزَہٗ	پس گھونسا مارا اس کو	نَفْسِیْ	اپنے پیروں پر
غَفْلَۃٍ	بے خبری کے	مُوْسٰی	موسیٰ نے	فَاغْفِرْ	پس بخش دیں آپ
مِّنْ اَھْلِھَا	اس کے لوگوں کے	فَقَضٰی	پس تمام ہوگیا	لِیْ	مجھے
فَوَجَدَ	پس پایا اس نے	عَلَیْہِ	اس کا کام	فَغَفَرَ	پس بخش دیا اللہ نے
فِیْھَا	شہر میں	قَالَ	کہا	لَہٗ	اس کو
رَجُلَیْنِ	دو شخصوں کو	ھٰذَا	یہ	اِنَّہٗ	بے شک وہ
یَقْتَتِلٰنِ	جو لڑ رہے ہیں	مِنْ عَمَلِ	حرکت سے	ھُوَ	ہی
ھٰذَا	یہ	الشَّیْطٰنِ	شیطان کی ہے	الْغَفُوْرُ	بڑے بخشنے والے
مِنْ شِیْعَتِہٖ	اس کے لوگوں سے	اِنَّہٗ	بے شک وہ	الرَّحِیْمُ	بڑے رحم والے ہیں
وَھٰذَا	اور یہ	عَدُوٌّ	دشمن ہے	قَالَ رَبِّ	کہا اے میرے رب!
مِنْ عَدُوِّہٖ	اس کے دشمن سے	مُّضِلٌّ	گمراہ کرنے والا	بِمَآ اَنْعَمْتَ	آپ کے احسان فرمانے
فَاسْتَغَاثَہُ	پس فریاد کی اس سے	مُّبِیْنٌ	کھلا		کی وجہ سے
الَّذِیْ	اس نے جو	قَالَ	کہا	عَلَیَّ	مجھ پر
مِنْ شِیْعَتِہٖ	اس کے لوگوں میں سے تھا	رَبِّ	اے میرے رب!	فَلَنْ اَکُوْنَ	پس ہرگز نہیں ہوں گا میں
عَلَی الَّذِیْ	اس پر جو	اِنِّیْ	بے شک میں نے	ظَھِیْرًا	مددگار
مِنْ عَدُوِّہٖ	اس کے دشمن سے تھا	ظَلَمْتُ	کلہاڑی ماری	لِّلْمُجْرِمِیْنَ	بدکاروں کا

قبطی موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے مارا گیا

فرعون کی قوم قبطیوں کی آبادی الگ تھی اور وہ شہر تھا، اور سبطیوں کی آبادی الگ تھی اور وہ جھونپڑ پٹی تھی، موسیٰ علیہ السلام دن میں بنی اسرائیل کی بستی میں جاتے تھے، وہاں ان کی والدہ اور رشتہ دار تھے، اور رات کو فرعون کے محل میں لوٹ آتے تھے، ایک دن یہ واقعہ پیش آیا، موسیٰ علیہ السلام رات کو فرعون کے شہر میں داخل ہوئے، قدیم زمانہ میں شروع رات ہی سے شہر میں سناٹا چھا جاتا تھا، اس لئے سڑکیں سنسان تھیں، شہر میں ایک قبطی اور سبطی لڑ رہے تھے، قبطی کوئی بیگار لینا چاہتا تھا، سبطی اس کے لئے تیار نہیں تھا، اس لئے زبردست: زیردست کو مار رہا تھا، زیردست بھی جواب دے رہا تھا، موسیٰ علیہ السلام وہاں سے گذرے تو سبطی نے ان کو مدد کے لئے پکارا، موسیٰ علیہ السلام نے قبطی کو ہٹانے کے لئے ایک گھونسہ مارا، وہ

ایسی جگہ لگا کہ وہ پانی مانگنے نہ رہا، موسیٰ علیہ السلام فوراً اللہ کی طرف رجوع ہوئے، روئے دھوئے اور توبہ کی جو قبول ہوئی۔

آیات کا ترجمہ: ـــــ اور جب موسیٰ بھری جوانی کو پہنچے اور ٹھیک ہو گئے تو ہم نے ان کو فہم و علم عطا کیا ـــــ صرف علم کافی نہیں ہوتا، فہم بھی ضروری ہے، یک من علم را دہ من عقل باید، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کو علم کے ساتھ فہم بھی عطا فرمایا ـــــ اور ہم اسی طرح نیکوکاروں کو صلہ دیا کرتے ہیں ـــــ نیک کردار بندے اسی طرح نوازے جاتے ہیں اور بدکاروں کو علم ہی نہیں ملتا یا ان کے علم میں برکت نہیں ہوتی ـــــ اور وہ لوگوں کی بے خبری کے وقت (فرعون کے) شہر میں داخل ہوئے، وہاں اس نے دو شخصوں کو لڑتے ہوئے پایا، یہ اس کا آدمی ہے اور یہ اس کے دشمن کا، پس اس کے آدمی نے اس سے فریاد کی اس کے خلاف جو اس کا دشمن تھا، پس موسیٰ نے اس کو مکا مارا، پس کام تمام ہو گیا ـــــ بعض مرتبہ کسی نازک عضو پر چوٹ لگ جاتی ہے تو آدمی مرجاتا ہے ـــــ موسیٰ نے کہا: یہ شیطانی حرکت ہوگئی، بے شک وہ کھلا گمراہ کرنے والا دشمن ہے ـــــ یعنی پچھتائے کہ بے قصد خون ہو گیا ـــــ (نیز) کہا: اے پروردگار! میں نے اپنے پیروں پر کلہاڑی ماری! پس آپ مجھے معاف فرمائیں ـــــ انبیاء کی فطرت اور استعداد اعلی ہوتی ہے، وہ نبوت سے پہلے بھی لغزش کی معافی مانگتے ہیں ـــــ سو اللہ نے اس کو معاف کر دیا، بے شک وہ بڑے معاف کرنے والے بڑے رحم فرمانے والے ہیں ـــــ اس کی درگاہ مایوسی کی درگاہ نہیں، پس ہر خطا کار کو اس کی طرف رجوع کرنا چاہئے، اور توبہ کی قبولیت کا اندازہ دل کے اطمینان سے ہوتا ہے، جب تک دل میں گناہ کی کھٹک رہے برابر توبہ کرتا رہے ـــــ (نیز) اس نے کہا: اے میرے پروردگار! چونکہ آپ نے مجھ پر احسان فرمایا اس لئے میں (آئندہ) ہرگز بدکاروں کا مددگار نہیں بنونگا ـــــ یہ عہد توبہ کے لئے شرط ہے، ورنہ توبہ زبانی جمع خرچ ہے۔

فائدہ: یہ واقعہ صرف پیش نہیں آیا تھا، بلکہ رونما کیا گیا تھا، اب اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس سے ہٹیں، اور ان کو کارِ نبوت کے لئے تیار کیا جائے، اس لئے یہ واقعہ پیش آیا، مگر واقعہ کا ظاہری پہلو برا تھا، اس لئے موسیٰ علیہ السلام نے توبہ تاللہ کی، جیسے آدم علیہ السلام نے ممنوع درخت کھایا تھا تو وہ لغزش بھی رونما کی گئی تھی، تاکہ آدم علیہ السلام زمین پر اتریں اور خلافتِ ارضی سنبھالیں، مگر چونکہ واقعہ کا ظاہری پہلو نافرمانی کا تھا، اس لئے آدم وحواء علیہما السلام نے فوراً توبہ کی، بلکہ توبہ کے الفاظ بھی ان کو الہام کئے گئے ـــــ اسی طرح صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے جو نامناسب واقعات رونما ہوئے ہیں وہ بھی تشریع (قانون سازی) کے لئے رونما کئے گئے تھے، چنانچہ وہ صحابہ بھی واقعہ رونما ہونے پر منفعل (نادم) ہوتے تھے اور توبہ کرتے تھے۔

معصیت بالقصد ہوتی ہے، اور زلت (لغزش) بلا ارادہ

فَاَصْبَحَ فِي الْمَدِيْنَةِ خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ يَسْتَصْرِخُهٗ ۚ قَالَ لَهٗ مُوْسٰٓى اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸﴾ فَلَمَّآ اَنْ اَرَادَ اَنْ يَّبْطِشَ بِالَّذِيْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًۢا بِالْاَمْسِ ۖ اِنْ تُرِيْدُ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِي الْاَرْضِ وَمَا تُرِيْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۹﴾ وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى ۡ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّيْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۰﴾ فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ ۡ قَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۱﴾ ع ۵

فَاَصْبَحَ(۱)	پس صبح کی (موسیٰ نے)	لَغَوِيٌّ	یقیناً بدراہ ہے	اَتُرِيْدُ	کیا چاہتا ہے تو
فِي الْمَدِيْنَةِ	شہر میں	مُّبِيْنٌ	کھلا	اَنْ	کہ
خَآئِفًا	ڈرتے ہوئے	فَلَمَّآ	پس جب	تَقْتُلَنِيْ	مار ڈالے مجھے
يَّتَرَقَّبُ(۲)	انتظار کرتے ہوئے	اَنْ(۳)	(زائدہ)	كَمَا	جیسا
فَاِذَا	پس اچانک	اَرَادَ	چاہا	قَتَلْتَ	مار ڈالا تو نے
الَّذِي	وہ جس نے	اَنْ	کہ	نَفْسًا	ایک شخص کو
اسْتَنْصَرَهٗ	ان سے مدد مانگی تھی	يَّبْطِشَ	پکڑے	بِالْاَمْسِ	کل گذشتہ
بِالْاَمْسِ	کل گذشتہ	بِالَّذِيْ	اس کو جو کہ	اِنْ	نہیں
يَسْتَصْرِخُهٗ	انکو مدد کے لئے پکار رہا ہے	هُوَ	وہ	تُرِيْدُ	چاہتا تو
قَالَ	کہا	عَدُوٌّ	دشمن تھا	اِلَّآ	مگر
لَهٗ	اس سے	لَّهُمَا	دونوں کا	اَنْ	یہ کہ
مُوْسٰٓى	موسیٰ نے	قَالَ	کہا اس نے	تَكُوْنَ	ہوئے تو
اِنَّكَ	بے شک تو	يٰمُوْسٰٓى	اے موسیٰ	جَبَّارًا	زبردست

(۱) أصبح: تامّہ ہے: صبح میں داخل ہوا، فعل ناقص بمعنی صار نہیں، اور خائفا اور یترقب: دو حال ہیں (۲) ترَقُّب الشيئَ: منتظر ہونا، نگاہ رکھنا۔ (۳) أن: دو جگہ زائد آتا ہے: (۱) لما کے بعد (۲) لو سے پہلے جبکہ اس سے پہلے فعل قسم ہو (جمل)

فِي الْأَرْضِ	زمین میں	يَسْعٰى	دوڑتے ہوئے	لَكَ	تیرے لئے
وَمَا	اور نہیں	قَالَ	کہا	مِنَ النّٰصِحِيْنَ	خیرخواہوں سے ہوں
تُرِيْدُ	چاہتا تو	يٰمُوْسٰى	اے موسیٰ	فَخَرَجَ	پس نکلا وہ
اَنْ	کہ	اِنَّ	بے شک	مِنْهَا	شہر سے
تَكُوْنَ	ہوے	الْمَلَاَ	درباری	خَآئِفًا	ڈرتا ہوا
مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ	ملانے والوں سے	يَأْتَمِرُوْنَ	مشورہ کررہے ہیں	يَّتَرَقَّبُ	انتظار کرتا ہوا
وَجَآءَ	اور آیا	بِكَ	تیرے بارے میں	قَالَ رَبِّ	کہا: اے رب!
رَجُلٌ	ایک شخص	لِيَقْتُلُوْكَ	کہ قتل کریں تجھ کو	نَجِّنِيْ	بچالیجئے مجھے
مِّنْ اَقْصَا	کنارے سے	فَاخْرُجْ	پس نکل جا	مِنَ الْقَوْمِ	لوگوں سے
الْمَدِيْنَةِ	شہر کے	اِنِّيْ	بے شک میں	الظّٰلِمِيْنَ	ظلم پیشہ

موسیٰ علیہ السلام فرعون کے گھر سے بے گھر ہوئے

قبطی کے قتل کے وقت کوئی موجود نہیں تھا، اس لئے فوری ردعمل نہ ہوا، موسیٰ علیہ السلام اپنی جگہ چلے گئے، انھوں نے صبح کی درانحالیکہ خائف تھے کہ انکوائری ضرور ہوگی، دیکھئے شک کی سوئی کہاں ٹھہرتی ہے! دوسرے دن پھر حضرت نے دیکھا کہ وہی سبطی کسی اور قبطی سے لڑ رہا ہے، آج بھی اس نے موسیٰ علیہ السلام کی دہائی دی، موسیٰ علیہ السلام نے اس کو ڈانٹا کہ تو بدراہ ہے، ہر ایک سے لڑتا پھرتا ہے! پھر قبطی کو ہٹانے کے لئے پکڑنا چاہا تو سبطی سمجھا آج مجھے مکا ماریں گے، اور میرا کام تمام کردیں گے، پس وہ بول پڑا، موسیٰ! کل تم نے ایک کو نمٹایا تھا، آج میری باری ہے! تم زبردست بننا چاہتے ہو، صلح صفائی کرانا نہیں جانتے، اس طرح کل کے قتل کا معاملہ کھل گیا۔

قاتل کا پتہ چلتے ہی فرعون نے ایوان بلایا، اور موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مشورہ شروع ہوا، وہاں سے ایک آدمی جلدی سے آیا، اور موسیٰ علیہ السلام کو خبر دی کہ ایوان میں مشورہ ہو رہا ہے کہ تمہیں قصاص میں قتل کیا جائے، لہٰذا آپ شہر سے نکل جائیں، تاکہ پولیس کے ہاتھ نہ آئیں، موسیٰ علیہ السلام فوراً شہر سے نکل گئے، ان کو ڈر تھا کہ کہیں وہ پکڑے نہ جائیں، وہ دعا کر رہے تھے: الٰہی! مجھے ظالموں سے بچا!

آیات کا ترجمہ: —— پس موسیٰ نے شہر میں صبح کی ڈرتے ہوئے انتظار کرتے ہوئے، پس اچانک ایک شخص نے جس نے کل گذشتہ موسیٰ سے مدد طلب کی تھی: مدد کے لئے پکار رہا ہے —— مجھے بچاؤ! مجھے بچاؤ! —— موسیٰ نے اس

سے کہا: بے شک تو ہی کھلا بدراہ ہے! ـــــ ہر کسی سے الجھتا ہے! ـــــ پھر جب موسیٰ نے چاہا کہ اس کو پکڑیں جو دونوں کا دشمن تھا تو (سبطی نے) کہا: موسیٰ! کیا تم چاہتے ہو کہ مجھے مارڈالو جس طرح کل گذشتہ ایک آدمی کو مارڈالا ہے؟ تم زمین میں زبردست بننا چاہتے ہو، اور تم ملاپ کرنے والوں میں سے نہیں ہونا چاہتے ـــــ یوں کل کے قتل کا بھانڈا پھوٹ گیا!

ـــــ اور شہر کے کنارے سے ـــــ پارلیمنٹ شہر سے باہر بناتے ہیں ـــــ ایک شخص دوڑتا ہوا آیا، اس نے کہا: اے موسیٰ! درباری تمہارے قتل کے بارے میں مشورہ کررہے ہیں، پس تم شہر سے نکل جاؤ، میں آپ کا خیرخواہ ہوں ـــــ اب بچنے کا یہی راستہ ہے ـــــ پس موسیٰ شہر سے نکلے، ڈرتے ہوئے، طلب کا اندیشہ لئے ہوئے، انھوں نے دعا کی: اے میرے رب! مجھے ظلم پیشہ لوگوں سے بچالے! ـــــ آخری سہارا اب آپ ہی کا ہے!

قتل قبطی رحمت بنا، اس نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے جدا کردیا، تاکہ ان کو کارِ نبوت کے لئے تیار کیا جائے

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاۗءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ﴿۲۲﴾ وَلَمَّا وَرَدَ مَاۗءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ڛ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ۭ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَاۗءُ ۫ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ﴿۲۳﴾ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّىْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ﴿۲۴﴾

وَلَمَّا	اور جب	اَنْ	کہ	مَدْيَنَ	مدین کے
تَوَجَّهَ	رخ کیا	يَّهْدِيَنِيْ	دکھائے مجھے	وَجَدَ	(تو) پایا
تِلْقَاۗءَ	جانبِ	سَوَاۗءَ	سیدھی	عَلَيْهِ	اس پر
مَدْيَنَ	مدین کا	السَّبِيْلِ	راہ	اُمَّةً	جماعت کو
قَالَ	(تو) کہا	وَلَمَّا	اور جب	مِّنَ النَّاسِ	لوگوں کی
عَسٰى	ہوسکتا ہے	وَرَدَ	پہنچا	يَسْقُوْنَ	پلارہے ہیں وہ
رَبِّيْٓ	میرا رب	مَاۗءَ	پانی پر	وَ وَجَدَ	اور پایا

مِنْ دُوْنِهِمُ	ان سے ورے	الرِّعَاۤءُ	چرواہے	فَقَالَ	پس دعا کی
امْرَاَتَيْنِ	دو عورتوں کو	وَ اَبُوْنَا	اور ہمارے ابا	رَبِّ	اے میرے رب!
تَذُوْدٰنِ	جو روکے ہوئے ہیں	شَيْخٌ	بوڑھے ہیں	اِنِّیْ	بے شک میں
قَالَ	پوچھا	كَبِيْرٌ	بہت	لِمَآ	اس کے لئے جو
مَا خَطْبُكُمَا	تمہارا معاملہ کیا ہے؟	فَسَقٰى	پس پلایا	اَنْزَلْتَ	اتاریں آپ
قَالَتَا	کہا انھوں نے	لَهُمَا	دونوں کے لئے	اِلَیَّ	میری طرف
لَا نَسْقِیْ	نہیں پلاتے ہم	ثُمَّ	پھر	مِنْ خَيْرٍ	بھلائی سے
حَتّٰى	یہاں تک کہ	تَوَلّٰىٓ	مڑا	فَقِيْرٌ	سخت محتاج ہوں
يُصْدِرَ	لوٹیں	اِلَى الظِّلِّ	سایے کی طرف	❁	❁

موسیٰ علیہ السلام مدین پہنچے

موسیٰ علیہ السلام شہر سے نکلے اور مدین کی راہ لی، مدین: مصر سے آٹھ دس دن کی مسافت پر ہے، وہاں پہنچے تھکے ماندے اور بھوکے پیاسے، وہاں دیکھا: کنویں پر لوگ اپنے مواشی کو پانی پلا رہے ہیں، اور دو عورتیں اپنی بکریوں کو ایک طرف روکے کھڑی ہیں، پوچھا: تم اپنی بکریوں کو پانی کیوں نہیں پلاتیں؟ انھوں نے کہا: جب چرواہے پلا کر چلے جائیں گے تب ہم پلائیں گے، چرواہوں سے مزاحمت ہمارے بس کی بات نہیں، اور ہمارے ابا بہت بوڑھے ہیں، اور گھر میں دوسرا کوئی مرد نہیں، اس لئے مجبوری میں ہمیں بکریاں چرانی پڑتی ہیں، یہ سن کر موسیٰ علیہ السلام کا جذبۂ ہمدردی ابھرا، انھوں نے دونوں کی بکریوں کو پانی پلایا، پھر درخت کے سایے میں جا بیٹھے اور دعا کی: الٰہی! میں آپ کی طرف سے جو بھی خیر پہنچے اس کا سخت محتاج ہوں!

آیات کا ترجمہ: ـــــ اور جب موسیٰ نے مدین کا رخ کیا تو کہا: امید ہے: میرا رب مجھے سیدھی راہ دکھائے! ـــــ چنانچہ دکھائی، اور خوب دکھائی: فرعون ملعون کے محل سے نکلے اور مدین میں نیک بندے کے گھر پہنچے ـــــ اور جب وہ مدین کے پانی پر پہنچے تو اس پر لوگوں کی ایک جماعت کو پانی پلاتے ہوئے پایا، اور ان سے ورے دو عورتوں کو پایا جو مواشی کو پانی سے روک رہی تھیں ـــــ جانور پیاسے تھے، پانی کی طرف بڑھ رہے تھے، ان کو روک رہی تھیں ـــــ پوچھا: تمہارا کیا معاملہ ہے؟ ـــــ جانوروں کو پانی کیوں نہیں پلاتیں؟ ـــــ انھوں نے کہا: ہم اس وقت پانی پلاتی ہیں جب چرواہے لوٹ جاتے ہیں ـــــ اور گھاٹ خالی ہو جاتی ہے ـــــ اور ہمارے ابا بہت بوڑھے ہیں ـــــ اور گھر میں

دوسرا کوئی مرد نہیں —— پس موسیٰ نے ان کے مویشی کو پانی پلایا، پھر وہ درخت کے سایے کی طرف پلٹے، اور دعا کی: اے میرے پروردگار! میں اس خیر کا سخت محتاج ہوں جو آپ میری طرف اتاریں! —— بندہ جب متوجہ ہو کر مانگتا ہے تو محروم نہیں رہتا، موسیٰ علیہ السلام نے خیر مانگی تو اللہ تعالیٰ نے بڑی خیر اتاری، مدین میں ٹھکانہ دیدیا۔

فَجَآءَتْهُ إِحْدٰىهُمَا تَمْشِىْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ ۡ قَالَتْ إِنَّ أَبِىْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ أَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ؕ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ۫ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَتْ إِحْدٰىهُمَا يٰٓأَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ ۡ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِىُّ الْأَمِيْنُ ﴿۲۶﴾ قَالَ إِنِّىْٓ أُرِيْدُ أَنْ أُنْكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَىَّ هٰتَيْنِ عَلٰٓى أَنْ تَأْجُرَنِىْ ثَمٰنِىَ حِجَجٍ ۚ فَإِنْ أَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَمَآ أُرِيْدُ أَنْ أَشُقَّ عَلَيْكَ ؕ سَتَجِدُنِىْٓ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِىْ وَبَيْنَكَ ؕ أَيَّمَا الْأَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَىَّ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿۲۸﴾

ع ۳

فَجَآءَتْهُ	پس آئی ان کے پاس	لَنَا	ہمارے لئے	الظّٰلِمِيْنَ	ظلم پیشہ
إِحْدٰىهُمَا	دو میں سے ایک	فَلَمَّا	پس جب	قَالَتْ	کہا
تَمْشِىْ	چل رہی ہے	جَآءَهٗ	آئے موسیٰ اس کے پاس	إِحْدٰىهُمَا	دو میں سے ایک نے
عَلَى اسْتِحْيَآءٍ	شرماتی ہوئی	وَقَصَّ	اور بیان کیا	يٰٓأَبَتِ	اے میرے ابا
قَالَتْ	کہا اس نے	عَلَيْهِ	ان کے سامنے	اسْتَأْجِرْهُ	نوکر رکھ لیجئے ان کو
إِنَّ أَبِىْ	بے شک میرے ابا	الْقَصَصَ (۲)	سارا واقعہ	إِنَّ خَيْرَ	بے شک بہتر
يَدْعُوْكَ	آپ کو بلاتے ہیں	قَالَ	تو کہا اس نے	مَنِ	جس کو
لِيَجْزِيَكَ	تاکہ دیں آپ کو	لَا تَخَفْ	مت ڈر	اسْتَأْجَرْتَ	آپ نوکر رکھیں
أَجْرَ	بدلہ	نَجَوْتَ	نجات پائی تو نے	الْقَوِىُّ	طاقت ور
مَا سَقَيْتَ (۱)	آپ کے پلانے کا	مِنَ الْقَوْمِ	لوگوں سے	الْأَمِيْنُ	امانت دار ہے

(۱) ما مصدریہ ہے (۲) قصص: مصدر بمعنی مفعول ہے أی الأمر المقصوص۔

قَالَ	کہا اس نے	اَتْمَمْتَ	پورے کریں آپ	مِنَ الصّٰلِحِيْنَ	خوش معاملہ
اِنِّيْٓ	بے شک میں	عَشْرًا	دس سال	قَالَ ذٰلِكَ	کہا یہ
اُرِيْدُ	چاہتا ہوں	فَمِنْ عِنْدِكَ	تو وہ آپ کے پاس	بَيْنِيْ	میرے درمیان
اَنْ	کہ		سے ہے	وَبَيْنَكَ	اور آپ کے درمیان ہے
اُنْكِحَكَ	بیاہ دوں آپ سے	وَمَآ	اور نہیں	اَيَّمَا	جونسی
اِحْدَى ابْنَتَيَّ	دو بیٹیوں میں سے ایک کو	اُرِيْدُ	چاہتا میں	الْاَجَلَيْنِ	دو مدتیں
هٰتَيْنِ	ان دونوں	اَنْ	کہ	قَضَيْتُ	پوری کروں میں
عَلٰٓي اَنْ	اس شرط پر کہ	اَشُقَّ	مشقت ڈالوں	فَلَا عُدْوَانَ	تو نہیں زیادتی
تَاْجُرَنِيْ	نوکری کریں آپ	عَلَيْكَ	آپ پر	عَلَيَّ	مجھ پر
	میرے یہاں	سَتَجِدُنِيْٓ	عنقریب پائیں گے	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
ثَمٰنِيَ	آٹھ		آپ مجھے	عَلٰي مَا	اس پر جو
حِجَجٍ[1]	سال	اِنْ شَاۗءَ	اگر چاہا	نَقُوْلُ	ہم کہہ رہے ہیں
فَاِنْ	پس اگر	اللّٰهُ	اللہ نے	وَكِيْلٌ[2]	کفیل ہیں

موسیٰ علیہ السلام مدین میں ایک خوش معاملہ آدمی کے گھر پہنچے

موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تھی: پروردگار! آپ جو بھی خیر نازل فرمائیں میں اس کا سخت محتاج ہوں، دعا قبول ہوئی اور خیر نازل ہوئی، دو عورتوں میں سے ایک شرماتی ہوئی آئی، اس نے کہا: ابا جان آپ کو یاد کرتے ہیں، آپ نے ہمارے جانوروں کو پانی پلایا ہے، ابا اس کا صلہ دینا چاہتے ہیں، موسیٰ علیہ السلام اللہ کی طرف سے بلاوا سمجھ کر اس کے ساتھ ہولئے، جب اس کے ابا کو اپنی ساری سرگذشت سنائی تو انھوں نے تسلی دی، اور کہا: آپ ظالم قوم کے پنجہ سے بچ نکلے، مدین فرعون کی حدود سلطنت سے باہر تھا ـــــ پھر ایک لڑکی نے ابا کو مشورہ دیا کہ اس پردیسی کو اپنے یہاں رکھ لیں، یہ طاقت ور اور امانت دار ہے، اور ایسا ملازم بہتر ہوتا ہے ـــــ اس کو کیسے پتہ چلا کہ موسیٰ علیہ السلام طاقت ور ہیں؟ اس کا اندازہ اس طرح ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام نے چرواہوں کو ہٹا کر دمادم ڈول نکال کر مواشی کو پلایا تھا ـــــ اور اس کا کس طرح پتہ چلا کہ

(۱) حِجَجٌ حِجَّة کی جمع: سال۔ (۲) وکیل: اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک نام ہے یعنی مخلوقات کے رزق و معاش کا کفیل، ذمہ دار، گواہ بھی ذمہ دار ہوتا ہے، اس لئے گواہ بھی ترجمہ کرتے ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام امانت دار ہیں؟ اس کا پتہ بقول مفسرین اس طرح چلا کہ جو لڑکی بلانے آئی تھی اس کو اپنے پیچھے چلنے کے لئے کہا، تا کہ غیر محرم پر نظر نہ پڑے —— لڑکیوں کے والد کو یہ مشورہ پسند آیا، انھوں نے کہا: چونکہ آپ پردیسی ہیں، اس لئے میرے گھر رہیں، مگر میرے گھر میں لڑکیاں ہیں، پس غیر محرم کے ساتھ آپ کیسے رہیں گے؟ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ ان میں سے ایک لڑکی جو آپ کو پسند ہو آپ کے نکاح میں دوں، تا کہ یہ گھر آپ کا گھر ہو جائے، اور چونکہ آپ تہی دست ہیں اس لئے مہر کے طور پر آپ میرے یہاں کم از کم آٹھ سال نوکری کریں، اور دس سال کریں تو آپ کا احسان ہوگا، میں دس سال کی شرط لگا کر آپ پر مشقت ڈالنا نہیں چاہتا، اور اتنا لمبا عرصہ میرے یہاں رہنے میں آپ کو کوئی پریشانی نہیں ہوگی، مجھے ان شاء اللہ آپ اچھا برتاؤ کرنے والا پائیں گے، موسیٰ علیہ السلام نے ان کی بات منظور کر لی، اور کہا: مجھے اختیار ہوگا آٹھ برس رہوں یا دس برس، اور معاملہ کا اللہ تعالیٰ کو گواہ بنایا، اس طرح اچھا ٹھکانہ مل گیا۔

لوگوں نے بے دلیل متعین کیا ہے کہ یہ نیک بندے حضرت شعیب علیہ السلام تھے

آیات کا ترجمہ: —— پس موسیٰ کے پاس دو میں سے ایک عورت آئی، وہ شرماتی ہوئی چل رہی تھی، اس نے کہا: میرے ابا آپ کو بلاتے ہیں، تا کہ آپ کو ہمارے لئے پلانے کا صلہ دیں —— بے طلب ملے تو کیوں نہ لے! —— پس جب موسیٰ اس کے پاس آئے، اور اس سے سارا واقعہ بیان کیا تو اس نے کہا: آپ ڈریں نہیں، آپ نے ظالموں سے نجات پالی! ان میں سے ایک نے کہا: ابا جان! ان کو نوکر رکھ لیجئے، بہترین نوکر طاقت ور اور امانت دار ہوتا ہے، ان کے ابا نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ آپ کے نکاح میں دوں اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کو، اس شرط پر کہ آپ میرے یہاں آٹھ سال نوکری کریں، اور اگر دس سال پورے کریں تو وہ آپ کا احسان ہوگا، اور میں نہیں چاہتا کہ آپ پر مشقت ڈالوں، اور آپ مجھے ان شاء اللہ نیک معاملہ پائیں گے۔

موسیٰ نے کہا: یہ بات میرے اور آپ کے درمیان طے رہی، دو مدتوں میں سے جونسی مدت پوری کروں تو مجھ پر کوئی دباؤ نہیں ہوگا، اور ہم نے جو معاملہ کیا ہے اس کے اللہ تعالیٰ گواہ ہیں!

اگر بالغہ راضی ہو تو خدمتِ اقارب مہر ہو سکتا ہے (فوائد)

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝۲۹ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ

مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰۤى اِنِّىْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ﴿۳۰﴾ وَ اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ؕ يٰمُوْسٰۤى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۫ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ ﴿۳۱﴾ اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ۫ وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ئِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّىْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ﴿۳۳﴾ وَاَخِىْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّىْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِىَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِىْۤ ۫ اِنِّىْۤ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ﴿۳۴﴾ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا ۚۛ بِاٰيٰتِنَاۤ ۚۛ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ﴿۳۵﴾

فَلَمَّا	پس جب	لِاَهْلِهِ	اپنے گھر والوں سے	لَعَلَّكُمْ	شاید تم
قَضٰى	پوری کی	امْكُثُوْٓا	ٹھہرو تم	تَصْطَلُوْنَ (۳)	تاپو
مُوْسَى	موسیٰ نے	اِنِّيْٓ	بے شک میں نے	فَلَمَّآ	پس جب
الْاَجَلَ	مدت	اٰنَسْتُ	محسوس کی ہے	اَتٰهَا	آیا وہ آگ پر
وَسَارَ	اور چلا وہ	نَارًا	ایک آگ	نُوْدِيَ	پکارا گیا
بِاَهْلِهٖٓ	اپنے گھر والوں کے ساتھ	لَعَلِّيْٓ	شاید میں	مِنْ شَاطِئِ	کنارے سے
اٰنَسَ (۱)	(تو) محسوس کی اس نے	اٰتِيْكُمْ	لاؤں تمہارے پاس	الْوَادِ	میدان کے
مِنْ جَانِبِ	جانب سے	مِّنْهَا	وہاں سے	الْاَيْمَنِ (۴)	دائیں
الطُّوْرِ	طور کے	بِخَبَرٍ	کوئی اطلاع	فِي الْبُقْعَةِ (۵)	خطہ میں
نَارًا	آگ	اَوْ جَذْوَةٍ (۲)	یا انگارہ	الْمُبٰرَكَةِ	بابرکت
قَالَ	کہا اس نے	مِّنَ النَّارِ	آگ کا	مِنَ الشَّجَرَةِ	درخت سے

(۱) اِیْناس: محسوس کرنا، دیکھنا (۲) الجذوہ: دہکتا ہوا انگارہ (۳) اِصْطِلاء: تاپنا، گرمی حاصل کرنا (۴) الأیمنِ: شاطئ کی صفت ہے، وادی سینا میں چل رہے تھے، وہاں سے دائیں جانب کا کنارہ، شاطِئ کی جمع شَواطِئ (۵) البقعة: زمین کا ٹکڑا۔

اَنْ(1)	کہ	اِنَّكَ	بے شک تو	قَوْمًا	لوگ
يٰمُوْسٰى	اے موسیٰ	مِنَ الْاٰمِنِيْنَ	امن والوں سے ہے	فٰسِقِيْنَ	حد اطاعت سے نکلنے والے
اِنِّيْٓ	بے شک میں	اُسْلُكْ	داخل کر		
اَنَا	ہی	يَدَكَ	اپنا ہاتھ	قَالَ	کہا
اللّٰهُ	اللہ ہوں	فِيْ جَيْبِكَ	اپنے گریبان میں	رَبِّ	اے میرے رب!
رَبُّ	پالنہار	تَخْرُجْ	نکلے گا	اِنِّيْ	بے شک میں نے
الْعٰلَمِيْنَ	جہانوں کا	بَيْضَآءَ	نہایت روشن	قَتَلْتُ	قتل کیا ہے
وَ اَنْ(2)	اور یہ کہ	مِنْ غَيْرِ	بغیر	مِنْهُمْ	ان میں سے
اَلْقِ	ڈال تو	سُوْٓءٍ	کسی بیماری کے	نَفْسًا	ایک شخص کو
عَصَاكَ	اپنی لاٹھی	وَّاضْمُمْ	اور ملا تو	فَاَخَافُ	پس اندیشہ ہے مجھے
فَلَمَّا	پس جب	اِلَيْكَ	اپنی طرف	اَنْ	کہ
رَاٰهَا	دیکھا اس کو	جَنَاحَكَ	اپنا بازو	يَّقْتُلُوْنِ	قتل کریں وہ مجھے
تَهْتَزُّ	لہرا رہا ہے	مِنَ الرَّهْبِ(5)	ڈر سے	وَاَخِيْ	اور میرا بھائی
كَاَنَّهَا	گویا وہ	فَذٰنِكَ	پس یہ	هٰرُوْنُ	ہارون
جَآنٌّ(3)	پتلا سانپ ہے	بُرْهَانٰنِ	دو دلیلیں ہیں	هُوَ	وہ
وَّلّٰى	(تو) مڑا وہ	مِنْ رَّبِّكَ	تیرے رب کی طرف سے	اَفْصَحُ	رواں ہے
مُدْبِرًا	پیٹھ پھیر کر	اِلٰى فِرْعَوْنَ	فرعون کی طرف	مِنِّيْ	مجھ سے
وَّلَمْ يُعَقِّبْ(4)	اور واپس نہیں لوٹا	وَ مَلَا۟ئِهٖ	اور اس کے سرداروں کی طرف	لِسَانًا	زبان کے اعتبار سے
يٰمُوْسٰٓى	اے موسیٰ			فَاَرْسِلْهُ	پس بھیجیں اس کو
اَقْبِلْ	متوجہ ہو	اِنَّهُمْ	بے شک وہ	مَعِيَ	میرے ساتھ
وَلَا تَخَفْ	اور ڈر مت	كَانُوْا	تھے وہ	رِدْاً	مددگار کے طور پر

(۱) أن: تفسیر یہ، نداء کی تفسیر (۲) پہلے أن پر معطوف (۳) جانٌّ: جنات کے جد امجد کا نام بھی ہے، اور اس کے معنی سانپ کی سٹک بھی ہیں، یہاں یہی معنی ہیں (۴) تعقیب: پیچھے نہیں پھرا، پلٹ کر نہیں دیکھا (۵) من الرھب: اضمم سے متعلق ہے۔

يُصَدِّقُنِيْٓ	تصدیق کرے وہ میری	عَضُدَكَ	تیرے بازو کو	بِاٰيٰتِنَآ	ہماری نشانیوں کے
اِنِّيْٓ	بے شک میں	بِاَخِيْكَ	تیرے بھائی سے		ساتھ (جاؤ)
اَخَافُ	ڈرتا ہوں	وَنَجْعَلُ	اور بنائیں گے ہم	اَنْتُمَا	تم دونوں
اَنْ	کہ	لَكُمَا	تم دونوں کے لئے	وَمَنِ	اور جو
يُّكَذِّبُوْنِ	جھٹلائیں وہ مجھے	سُلْطٰنًا	شوکت	اتَّبَعَكُمَا	تمہاری پیروی کریں
قَالَ	فرمایا	فَلَا يَصِلُوْنَ	پس نہیں پہنچیں گے وہ	الْغٰلِبُوْنَ	غالب رہنے والے ہو
سَنَشُدُّ	ابھی مضبوط کریں گے ہم	اِلَيْكُمَا	تم دونوں تک	❁	❁

موسیٰ علیہ السلام مدین سے شام (بیت المقدس) جاتے ہوئے راستہ بھول کر طور پر پہنچے

بنی اسرائیل کا وطن ملک شام (بیت المقدس) تھا، یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں یہ خاندان مصر میں آ کر آباد ہوا، یوسف علیہ السلام سے چار سو سال بعد موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ ہے، آپ فرعون کے محل میں پلے بڑھے، تیس سال کی عمر میں قبطی کے قتل کا واقعہ پیش آیا، چنانچہ آپ مصر سے نکل کر مدین پہنچے، وہاں ایک نیک بندے کی لڑکی سے نکاح کیا، اس کے مہر میں آپ نے دس سال تک اس نیک بندے کی نوکری کی، جب مدت پوری ہوئی تو آپ اہل وعیال کے ساتھ مصر تو جا نہیں سکتے تھے، وہاں جاتے تو قتل کر دیئے جاتے، اس لئے آپ نے ملک شام آبائی وطن میں منتقل ہونے کا فیصلہ کیا، اور فیملی کے ساتھ شام کے لئے روانہ ہوئے، مگر اللہ تعالیٰ کو کچھ اور منظور تھا، چنانچہ راستہ بھول کر آپ وادی سینا میں پہنچ گئے، یہ مصر کے راستے میں ہے، وہاں کوہ طور پر آگ دیکھ کر راستہ معلوم کرنے کے لئے گئے، وہاں اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی ہوئی، اور آپ کو نبوت ورسالت سے سرفراز کیا گیا، اور فرعون کے پاس مصر میں جانے کا حکم ملا، باقی تفصیلات آیاتِ پاک میں پڑھیں۔

پس جب موسیٰ نے مدت پوری کی —— دس سال نوکری کر لی (قالہ ابن عباسؓ) —— اور وہ اپنے گھر والوں کو لے کر چلے —— اپنے آبائی وطن ملک شام (بیت المقدس) میں بسنے کے پروگرام سے چلے —— تو انھوں نے طور کی جانب آگ محسوس کی —— سردی کا زمانہ تھا، اور راستہ بھی بھول گئے تھے، اچانک دور پہاڑ پر آگ نظر آئی، اس زمانہ میں پہاڑی علاقہ میں جہاں مسافر بھٹک جایا کرتے ہیں کسی اونچے پہاڑ پر رات میں آگ روشن کر دیا کرتے تھے، تاکہ بھولا بھٹکا مسافر وہاں پہنچ جائے، پھر کہیں آگ پر کوئی آدمی بھی ہوتا تھا جس کے پاس فوری امداد کے لئے کھانا پانی وغیرہ ہوتا تھا، اور آبادی سے پہاڑ دور ہوتا تو وہاں آدمی نہیں ہوتا تھا، چنانچہ —— انھوں نے اپنے گھر والوں سے کہا: تم ٹھہرو، میں نے

آگ محسوس کی ہے، شاید میں وہاں سے تمہارے لئے کوئی خبر لاؤں یا آگ کا انگارہ لاؤں تا کہ تم تاپو ـــــ أو: مانعۃ الخلو کا ہے، دوباتوں میں سے ایک ضرور ہوگی، اور دونوں جمع بھی ہوسکتی ہیں، خبر بھی لائیں اور انگارہ بھی۔

پس جب وہ آگ پر آئے تو میدان کے دائیں کنارے سے، بابرکت خطہ میں درخت سے پکارے گئے کہ اے موسیٰ! میں ہی اللہ رب العالمین ہوں ـــــ وہ آگ نہیں تھی، تجلی تھی، اس میں سے آواز آئی ـــــ اور ڈالیں آپ اپنی لاٹھی پس جب اس کو لہراتا ہوا دیکھا، گویا وہ پتلا سانپ ہے تو پیٹھ پھیر کر مڑے، اور واپس نہیں لوٹے ـــــ حرکت میں سانپ کی سٹک تھی، اور جسامت میں اژدہا تھا، اور پیٹھ پھیرنا طبعی خوف کی وجہ سے تھا ـــــ اے موسیٰ! سامنے آؤ، ڈرو نہیں، تم یقیناً امن والوں میں سے ہو ـــــ یعنی یہ سانپ تم کو ضرر نہیں پہنچائے گا، اس کو بے تکلف پکڑلو، وہ حسب سابق لاٹھی بن جائے گا ـــــ اور اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو، کسی بیماری کے بغیر نہایت روشن ہوکر نکلے گا، اور ڈر لگے تو اپنا بازو اپنی طرف ملالو ـــــ وہ پہلی حالت میں لوٹ جائے گا ـــــ یہ آپ کے پروردگار کی طرف سے دو معجزے ہیں فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس جانے کے لئے، وہ لوگ یقیناً حد اطاعت سے نکلنے والے ہیں ـــــ یعنی حکم ملا کہ بجائے ملک شام کے مصر جاؤ، اور فرعون اور اس کے ارکانِ دولت کو اطاعتِ خداوندی کی دعوت دو۔

موسیٰ نے کہا: اے میرے پروردگار! میں نے ان کے ایک آدمی کو قتل کیا ہے، پس مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے قتل کردیں ـــــ یہ قرینہ ہے کہ آپ مصر نہیں جارہے تھے، ملک شام کے ارادے سے نکلے تھے ـــــ اور میرا بھائی ہارون: اس کی زبان مجھ سے زیادہ رواں ہے، پس آپ ان کو مددگار بنا کر میرے ساتھ بھیجیں، وہ میری تصدیق کریں، مجھے ڈر ہے کہ وہ میری تکذیب کریں گے ـــــ یعنی آپ کا حکم سرآنکھوں پر، مصر جاتا ہوں، مگر ہارون علیہ السلام کو بھی شریک کار بنادیں تو مجھے کام میں سہولت ہوگی، میں اٹک اٹک کر بولتا ہوں، وہ روانی سے بولتے ہیں، نیز وہ میری تصدیق کریں گے تو میری بات وزنی ہوجائے گی۔

ارشاد فرمایا: ہم ابھی آپ کے بازو کو آپ کے بھائی سے مضبوط کرتے ہیں ـــــ یعنی ان کو بھی نبوت سے سرفراز کرتے ہیں ـــــ اور تم دونوں کے لئے شوکت گردانتے ہیں، پس وہ تم تک نہیں پہنچ سکیں گے ـــــ تمہارا رعب داب ان کو باز رکھے گا، وہ تم کو کسی طرح کا کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، پس ـــــ ہمارے معجزات کے ساتھ (جاؤ) تم دونوں اور تمہارے پیروکار غالب رہنے والے ہو ـــــ اس حکم اور وعدہ کے بعد موسیٰ علیہ السلام ملک شام کے بجائے مصر گئے، بھائی وغیرہ سے ملے، پھر دونوں ساتھ فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس داعی بن کر پہنچے۔

موسیٰؑ نے درخواست کرکے ہارونؑ کو نبی بنوایا ایسا احسان بھائی نے بھائی پر نہیں کیا

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَقَالَ مُوْسٰى رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳۸﴾ وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۹﴾ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ﴿۴۲﴾ ع ۴

فَلَمَّا	پس جب	سَمِعْنَا	سنی ہم نے	مِنْ عِنْدِهٖ	اس کے پاس سے
جَآءَهُمْ	پہنچے ان کے پاس	بِهٰذَا	یہ باتیں	وَمَنْ تَكُوْنُ	اور جو ہوگا
مُّوْسٰى	موسیٰ	فِيْٓ اٰبَآئِنَا	ہمارے اسلاف میں	لَهٗ	اس کے لئے
بِاٰيٰتِنَا	ہمارے معجزات کے ساتھ	الْاَوَّلِيْنَ	اگلے	عَاقِبَةُ	اچھا انجام
بَيِّنٰتٍ	نہایت واضح	وَقَالَ	اور کہا	الدَّارِ	اس دنیا کا
قَالُوْا	(تو) کہا انھوں نے	مُوْسٰى	موسیٰ نے	اِنَّهٗ	بے شک شان یہ ہے کہ
مَا هٰذَآ	نہیں ہے یہ	رَبِّيْٓ	میرا پروردگار	لَا يُفْلِحُ	نہیں کامیاب ہوتے
اِلَّا	مگر	اَعْلَمُ	خوب جانتا ہے	الظّٰلِمُوْنَ	ظالم پیشہ لوگ
سِحْرٌ	جادو	بِمَنْ	اس کو جو	وَقَالَ	اور کہا
مُّفْتَرًى (۱)	افترا کیا ہوا	جَآءَ	لایا ہے	فِرْعَوْنُ	فرعون نے
وَّمَا	اور نہیں	بِالْهُدٰى	ہدایت	يٰٓاَيُّهَا	اے

(۱) مفتری: سحر کی صفت ہے یعنی جادو ہے، جس کو اللہ کی نشانیاں بتاتا ہے۔

الْمَلَاُ	درباریو!	وَاِنِّیْ	اور بے شک میں	فَانْظُرْ	پس دیکھ
مَا عَلِمْتُ	نہیں جانتا میں	لَاَظُنُّهٗ	یقیناً گمان کرتا ہوں اسکو	كَيْفَ كَانَ	کیسا تھا
لَكُمْ	تمہارے لئے	مِنَ الْكٰذِبِيْنَ	جھوٹوں سے	عَاقِبَةُ	انجام
مِّنْ اِلٰهٍ	کوئی معبود	وَاسْتَكْبَرَ	اور گھمنڈ کیا	الظّٰلِمِيْنَ	ظالموں کا
غَيْرِيْ	میرے علاوہ	هُوَ	اس نے	وَجَعَلْنٰهُمْ	اور بنایا ہم نے ان کو
فَاَوْقِدْ	پس آگ جلا	وَجُنُوْدُهٗ	اور اس کے لشکر نے	اَىِٕمَّةً	پیشوا
لِيْ	میرے لئے	فِي الْاَرْضِ	زمین میں	يَّدْعُوْنَ	بلاتے ہیں
يٰهَامٰنُ	اے ہامان	بِغَيْرِ الْحَقِّ	ناحق	اِلَى النَّارِ	دوزخ کی طرف
عَلَى الطِّيْنِ	مٹی پر	وَظَنُّوْٓا	اور گمان کیا انھوں نے	وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ	اور قیامت کے دن
فَاجْعَلْ	پس بنا	اَنَّهُمْ	کہ وہ	لَا يُنْصَرُوْنَ	وہ مدد نہیں کئے جائیں گے
لِّيْ	میرے لئے	اِلَيْنَا	ہماری طرف	وَاَتْبَعْنٰهُمْ	اور پیچھے لگائی ہم نے انکے
صَرْحًا	کوئی محل	لَا يُرْجَعُوْنَ	نہیں لوٹیں گے	فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا	اس دنیا میں
لَّعَلِّيْٓ	تا کہ میں	فَاَخَذْنٰهُ	پس پکڑا ہم نے اس کو	لَعْنَةً	لعنت
اَطَّلِعُ	جھانکوں	وَجُنُوْدَهٗ	اور اس کے لشکر کو	وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ	اور قیامت کے دن
اِلٰٓى اِلٰهِ	معبود کی طرف	فَنَبَذْنٰهُمْ	پس ڈال دیا ہم نے انکو	هُمْ	وہ
مُوْسٰى	موسیٰ کے	فِي الْيَمِّ	سمندر میں	مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ	بدحالوں میں سے ہونگے

موسیٰ علیہ السلام فرعونیوں کے پاس پہنچے، انھوں نے بات نہیں مانی، اور ان کا پارا چڑھ گیا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شام کے بجائے مصر کی راہ لی، بھائی سے ملے اور دونوں بھائی فرعونیوں کے پاس پہنچے
—— پھر جب موسیٰ ہمارے نہایت واضح معجزات کے ساتھ ان کے پاس پہنچے تو انھوں نے کہا: یہ اللہ کے نام لگایا ہوا جادو ہے —— یعنی معجزات کو جادو بتایا، اور یہ بھی کہا کہ یہ شخص اپنے جادو کو اللہ کے نام لگا رہا ہے، اس کو اللہ کی نشانیاں بتا رہا ہے —— اور ہم نے یہ باتیں (توحید، رسالت اور آخرت کی باتیں) ہمارے گذشتہ اسلاف میں نہیں سنیں —— پس آج یہ کیا نئی باتیں کہہ رہا ہے! —— اور موسیٰ نے (جواباً) کہا: میرا پروردگار خوب جانتا ہے اس کو جو اس کے پاس سے ہدایت لایا ہے، اور اس کو جس کے لئے اس دنیا کا اچھا انجام ہے، بے شک ظالم پیشہ کامیاب نہیں ہوتے —— یعنی میں اپنی طرف

سے نہیں کہہ رہا، اللہ کی طرف سے ہدایت لایا ہوں، اور اللہ تعالیٰ اس کے گواہ ہیں، اور میری صداقت ظاہر ہوکر رہے گی، دیکھنا، دنیا میں اچھا انجام کس کا ہوتا ہے؟ ظالموں کو کبھی سرخ روئی حاصل نہیں ہوتی۔

اور فرعون نے کہا: اے درباریو! میں تمہارے لئے اپنے علاوہ کوئی معبود نہیں جانتا، پس اے ہامان تو میرے لئے اینٹیں پکا، اور میرے لئے اونچا محل بنا، جس سے میں موسیٰ کے معبود کو جھانکوں، میں یقیناً اس کو جھوٹوں میں سے خیال کرتا ہوں ـــــ یعنی اپنے وزیر ہامان سے کہا: اینٹوں کا بھٹا لگا، اور بہت اونچی عمارت بنا، میں آسمان کے قریب ہوکر موسیٰ کے رب کا پتہ لگاتا ہوں، میں تو اس کو جھوٹا سمجھتا ہوں، پس حجت اس پر تام کردوں گا کہ آسمان میں بھی مجھے کوئی خدا نظر نہیں آیا۔

اور اس نے اور اس کے لشکر نے زمین میں ناحق گھمنڈ کیا، اور انھوں نے گمان کیا کہ وہ ہماری طرف نہیں لوٹیں گے ـــــ یعنی آخرت کا انکار سرکشی کا سبب بنا، اور ناحق: یعنی حقیر مخلوق کو گھمنڈ کا کیا حق ہے؟ مگر چیونٹی کی جب موت آتی ہے تو اس کے پَر نکلتے ہیں، اور وہ اڑنے کی کوشش کرتی ہے، اور گر کر مرتی ہے!

پس ہم نے اس کو اور اس کے لشکر کو پکڑا، اور ان کو سمندر میں ڈال دیا، پس دیکھ، ظالموں کا انجام کیسا ہوا؟ ـــــ قابلِ عبرت! ـــــ اور ہم نے ان کو پیشوا بنایا جو دوزخ کی طرف بلاتے ہیں ـــــ انبیاء ہدایت کے پیشوا ہوتے ہیں، اور یہ ظالم گمراہی کے ـــــ اور قیامت کے دن وہ مدد نہیں کئے جائیں گے ـــــ اور انبیاء مدد کئے جائیں گے ـــــ اور ہم نے اس دنیا میں ان کے پیچھے پھٹکار لگادی، اور قیامت کے دن وہ بدحالوں میں سے ہونگے ـــــ یعنی لوگ رہتی دنیا تک ان پر لعنت بھیجتے رہیں گے، اور آخرت میں ان کا براحال ہوگا، نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے!

متکبر نہ سمجھیں کہ ان کی گردن نیچی کرنے والا اور سر توڑنے والا کوئی نہیں!

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۳﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۶﴾

وَلَقَدْ	اور بخدا! واقعہ یہ ہے	اِلٰى مُوْسَى	موسیٰ کی طرف	مُرْسِلِيْنَ	بھیجنے والے
اٰتَيْنَا	دی ہم نے	الْاَمْرَ	معاملہ	وَمَا كُنْتَ	اور نہیں تھے آپ
مُوْسَى	موسیٰؑ کو	وَمَا كُنْتَ	اور نہیں تھے آپ	بِجَانِبِ	جانب میں
الْكِتٰبَ	کتاب (تورات)	مِنَ الشّٰهِدِيْنَ	موجودین سے	الطُّوْرِ	طور کے
مِنْۢ بَعْدِ	بعد	وَلٰكِنَّآ	لیکن ہم نے	اِذْ	جب
مَآ اَهْلَكْنَا(۱)	ہمارے ہلاک کرنے کے	اَنْشَاْنَا	پیدا کیں	نَادَيْنَا	پکارا ہم نے
الْقُرُوْنَ	صدیوں کو	قُرُوْنًا	صدیاں	وَلٰكِنْ	لیکن
الْاُوْلٰى	اگلی	فَتَطَاوَلَ	پس دراز ہوگیا	رَّحْمَةً	مہربانی
بَصَآئِرَ(۲)	آنکھیں کھولنے والی	عَلَيْهِمُ	ان پر	مِّنْ رَّبِّكَ	آپ کے رب کی
لِلنَّاسِ	لوگوں کی	الْعُمُرُ	زمانہ		طرف سے
وَهُدًى	اور راہ نما	وَمَا كُنْتَ	اور نہیں تھے آپ	لِتُنْذِرَ	تاکہ ڈرائیں آپ
وَّرَحْمَةً	اور مہربانی	ثَاوِيًا(۴)	ٹھہرے ہوئے	قَوْمًا	لوگوں کو
لَّعَلَّهُمْ	شاید وہ	فِيْٓ اَهْلِ	لوگوں میں	مَّآ	نہیں
يَتَذَكَّرُوْنَ	نصیحت پذیر ہوں	مَدْيَنَ	مدین کے	اَتٰىهُمْ	پہنچا ان کے پاس
وَمَا كُنْتَ	اور نہیں تھے آپ	تَتْلُوْا	پڑھیں آپ	مِّنْ نَّذِيْرٍ	کوئی ڈرانے والا
بِجَانِبِ	جانب میں	عَلَيْهِمْ	ان پر	مِّنْ قَبْلِكَ	آپ سے پہلے
الْغَرْبِيِّ(۳)	مغربی	اٰيٰتِنَا	ہماری آیتیں	لَعَلَّهُمْ	ہو سکتا ہے وہ
اِذْ	جب	وَلٰكِنَّا	مگر ہم	يَتَذَكَّرُوْنَ	نصیحت پذیر ہوں
قَضَيْنَآ	طے کیا ہم نے	كُنَّا	تھے ہم	❁	❁

(۱) ما مصدریہ ہے۔ (۲) بصائر وغیرہ الکتاب کے احوال ہیں (۳) جانب الغربی (مرکب اضافی) اصل میں الجانب الغربی (مرکب توصیفی) تھا۔ موصوف صفت کو اپنی جگہ رکھ کر مرکب اضافی بنایا ہے، تاکہ عبارت سبک ہوجائے، مگر معنی مرکب توصیفی کے ہیں، جیسے مسجد الجامع اور دین القیمة [البینة آیت ۵] (۴) ثاویا (اسم فاعل): مقیم، باشندہ، رہنے والا بابہ ضرب۔

جب انسانیت پیاسی ہوتی ہے تو قدرت بارش برساتی ہے

قرونِ اولیٰ کی ہلاکت کے بعد اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو تورات دی، اسی طرح اب نبی ﷺ کو قرآن دیا ہے دونوں ہی کتابیں بصیرت افروز، ہدایت اور رحمت ہیں

ایک قاعدہ: قرآنِ کریم کہیں فہم سامع پر اعتماد کر کے معادل (مساوی) کو حذف کرتا ہے، جیسے سورۃ آلِ عمران (آیت ۲۶) میں ہے: ﴿بِيَدِكَ الْخَيْرُ، إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾: آپ کے اختیار میں بھلائی (اور برائی) ہے، بلاشبہ آپ ہر چیز پر قدرت رکھنے والے ہیں — چونکہ مقام: مقام تعریف تھا اس لئے خیر کے معادل 'شر' کو چھوڑ دیا، مخاطبین اس کو خود ہی سمجھ لیں گے — اسی طرح یہاں تورات کا معادل 'قرآنِ کریم' ہے، تورات موسیٰ علیہ السلام کو دی، اور قرآن نبی ﷺ کو، دونوں کتابیں بصیرت افروز ہدایت اور رحمت ہیں، اور معادل کے حذف کا قرینہ اگلی آیات ہیں۔

اگلی آیات میں موسیٰ علیہ السلام کے تین احوال ذکر کئے ہیں:

۱- فرعون کی غرقابی کے بعد جب بنی اسرائیل میدانِ تیہ میں پہنچے تو موسیٰ علیہ السلام کو طور پر بلایا، اور چلّہ کھنچوایا، پھر تورات عنایت فرمائی، کیونکہ بنی اسرائیل چھ لاکھ تھے، اتنی بڑی تعداد کو سنبھالنے کے لئے دستور ضروری تھا۔

۲- مدین میں موسیٰ علیہ السلام نے دس سال قیام کیا، وہاں شادی کی، اور بکریاں چرائیں، اس طرح ان کو کارِ نبوت کے لئے تیار کیا۔

۳- جب مدین سے آبائی وطن شام کے لئے چلے تو راستہ بھول کر وادی تیہ میں پہنچ گئے، وہاں طور پر ان کو نبوت سے سرفراز کیا گیا۔

یہ تینوں واقعات قرآنِ کریم اس طرح بیان کرتا ہے جیسے واقعہ بیان کرنے والا موقعہ پر موجود تھا، جبکہ نبی ﷺ موجود نہیں تھے، آپؐ مابعد زمانہ کے ہیں، پس لامحالہ ماننا پڑے گا کہ قرآن آپ کا کلام نہیں، علیم وخبیر کا کلام ہے، اور آپؐ برحق نبی ہیں، اور قرآن اللہ کا کلام ہے، کیونکہ آپؐ کی امت آسمان کے تاروں سے، درختوں کے پتوں سے اور ریت کے ذروں سے زیادہ ہے، اس لئے ضروری ہے کہ امت کو سنبھالنے کے لئے اللہ تعالیٰ اپنی کتابِ ہدایت ورحمت نازل فرمائیں، جو لوگوں کی آنکھیں کھولے اور لوگ اس سے نصیحت پذیر ہوں۔

البتہ تینوں واقعات کی ترتیب برعکس ہے، چونکہ موسیٰ علیہ السلام کو تورات دینے کا ذکر آیا اس لئے ترتیبِ زمانی کے اعتبار سے تیسرا واقعہ پہلے ذکر کیا، پھر اس سے متصل قیام مدین کا واقعہ ذکر کیا، پھر طور پر نبوت سے سرفراز کرنے کا واقعہ بیان کیا۔

آیات کا ترجمہ اور تفسیر: ارشادِ پاک ہے: اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ ہم نے موسیٰ کو کتاب (تورات) دی، اگلی صدیوں کو ہلاک کرنے کے بعد —— یعنی قوم نوح اور عاد وثمود کو ہلاک کیا، ان کے پیغمبروں کو اللہ کی کتابیں اور ہدایتیں دی تھیں، زمانہ گذرنے کے ساتھ وہ کتابیں نہ رہیں، تو فرعونیوں کو ہلاک کرنے کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو جلیل القدر کتاب تورات عنایت فرمائی —— جو آنکھیں کھولنے والی، راہ نما اور مہربانی ہے، تاکہ لوگ نصیحت پذیر ہوں —— اسی طرح اب جبکہ تورات اصلی حالت میں نہیں رہی، اور بنی اسماعیل میں کوئی پیغمبر اور کتاب نازل نہیں ہوئی، اور انسانیت سخت پیاسی ہوئی تو اللہ نے بارش برسائی، اور نبی ﷺ کو ایسی ہی بصیرت افروز، ہدایت ورحمت کی حامل کتاب عنایت فرمائی، تاکہ لوگ نصیحت پذیر ہوں۔

قرآن کی حقانیت کے دلائل:

۱- اور آپؐ (طور کی) مغربی جانب میں نہیں تھے، جب ہم نے موسیٰ کے ساتھ معاملہ کیا —— یعنی تورات دی، اور اس کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ —— بلکہ ہم نے صدیاں پیدا کیں، پس ان پر زمانہ دراز ہو گیا —— اور گذشتہ ہدایات باقی نہ رہیں تو نئی کتاب نازل کرنے کی ضرورت پیش آئی، اسی طرح نزولِ تورات پر بھی عرصۂ دراز گذر گیا، اور وہ اصلی حالت میں نہ رہی تو نئی کتاب (قرآنِ کریم) نازل کرنے کی ضرورت پیش آئی۔

۲- اور آپؐ مدین والوں میں مقیم نہیں تھے، کہ لوگوں کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائیں —— یہ بات آپؐ کے بس میں نہیں تھی، کیونکہ وہ ماقبل تاریخ کا واقعہ ہے —— بلکہ ہم (وحی) بھیجنے والے ہیں —— یعنی آپؐ اللہ کی وحی سے یہ واقعہ بیان کر رہے ہیں، پس اس واقعہ کا بیان قرآن کے کلام الٰہی ہونے کی دلیل ہے۔

۳- اور آپؐ طور کی (دائیں) جانب بھی نہیں تھے، جب ہم نے موسیٰ کو پکارا —— اور نبوت سے سرفراز کیا —— بلکہ آپؐ کے پروردگار کی مہربانی ہے —— یعنی قرآن اللہ کا کلام اور پیام رحمت ہے —— تاکہ آپؐ ان لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپؐ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا —— یعنی بنو اسماعیل کو، جو آپؐ کی بلاواسطہ امت ہے، باقی دنیا ان کے واسطہ سے امت ہے، جیسا کہ سورۃ الجمعہ میں ہے —— تاکہ وہ لوگ نصیحت پذیر ہوں —— اس تازہ کتاب قرآنِ کریم سے استفادہ کریں۔

> **تورات شریف اللہ کی عظیم المرتبت کتاب تھی، پھر جب اس کے پیروؤں نے اس کو ضائع کر دیا تو قرآن شریف نے اس کی جگہ لے لی**

وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ

إِلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ آيَاتِكَ وَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٤٧﴾ فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا
قَالُوا لَوْلَا أُوتِيَ مِثْلَ مَا أُوتِيَ مُوسَىٰ ۚ أَوَلَمْ يَكْفُرُوا بِمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ مِنْ قَبْلُ ۖ
قَالُوا سِحْرَانِ تَظَاهَرَا وَقَالُوا إِنَّا بِكُلٍّ كَافِرُونَ ﴿٤٨﴾ قُلْ فَأْتُوا بِكِتَابٍ مِنْ عِنْدِ
اللَّهِ هُوَ أَهْدَىٰ مِنْهُمَا أَتَّبِعْهُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٤٩﴾ فَإِنْ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا
يَتَّبِعُونَ أَهْوَاءَهُمْ ۚ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِنَ اللَّهِ ۚ إِنَّ
اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٥٠﴾ ع

وَلَوْلَا	اور اگر نہ (ہوتی)	وَنَكُونَ	اور ہوتے ہم	مُوسٰى	موسیٰ؟
أَنْ	(یہ بات) کہ	مِنَ الْمُؤْمِنِينَ	ایمان لانے والوں سے	أَوَ	کیا اور
تُصِيبَهُمْ	پہنچتی ان کو		(تو نہ ہم رسول بھیجتے	لَمْ يَكْفُرُوا	نہیں انکار کیا
مُصِيبَةٌ	کوئی مصیبت		نہ قرآن نازل کرتے)(۱)	بِمَا أُوتِيَ	اس کا جو دیئے گئے
بِمَا	ان کرتوتوں کی وجہ سے جو	فَلَمَّا	پس جب	مُوسٰى	موسیٰ
قَدَّمَتْ	آگے بھیجے	جَاءَهُمُ	پہنچا ان کو	مِنْ قَبْلُ	قبل ازیں؟
أَيْدِيهِمْ	ان کے ہاتھوں نے	الْحَقُّ	دین حق	قَالُوا	کہا انھوں نے
فَيَقُولُوا رَبَّنَا	پس کہیں وہ	مِنْ عِنْدِنَا	ہمارے پاس سے	سِحْرَانِ	(یہ) دو جادو (ہیں)
لَوْلَا	کیوں نہ	قَالُوا	(تو) کہا انھوں نے	تَظَاهَرَا	ایک دوسرے کے موافق
أَرْسَلْتَ	بھیجا آپ نے	لَوْلَا	کیوں نہیں	وَقَالُوا	اور کہا انھوں نے
إِلَيْنَا	ہماری طرف	أُوتِيَ	دیا گیا وہ	إِنَّا بِكُلٍّ	بے شک ہم ہر ایک کا
رَسُولًا	کوئی رسول	مِثْلَ	مانند	كَافِرُونَ	انکار کرنے والے ہیں
فَنَتَّبِعَ	پس پیروی کرتے ہم	مَا	اس کے جو	قُلْ	کہیں
آيَاتِكَ	آپ کی آیتوں کی	أُوتِيَ	دیئے گئے	فَأْتُوا	پس لاؤ

(۱) لولا کا جواب محذوف ہے۔

بِكِتٰبٍ	کوئی کتاب	صٰدِقِيْنَ	سچے!	مِمَّنِ اتَّبَعَ	اس سے جس نے پیروی کی
مِّنْ عِنْدِ	پاس سے	فَاِنْ	پس اگر	هَوٰىهُ	اپنی خواہش کی
اللّٰهِ	اللہ کے	لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا	جواب نہ دیں وہ	بِغَيْرِ هُدًى	راہ نمائی کے بغیر
هُوَ اَهْدٰى	وہ زیادہ راہ نما ہو	لَكَ	آپ کو	مِّنَ اللّٰهِ	اللہ کی
مِنْهُمَآ	ان دونوں سے	فَاعْلَمْ	تو جان لیں آپ	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
اَتَّبِعْهُ	(پس) پیروی کروں	اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ	کہ بس پیروی کرتے ہیں وہ	لَا يَهْدِي	راہ نہیں دکھاتے
	میں اس کی	اَهْوَآءَهُمْ	اپنی خواہشات کی	الْقَوْمَ	لوگوں کو
اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم	وَمَنْ اَضَلُّ	اور کون زیادہ گمراہ ہے	الظّٰلِمِيْنَ	ظلم کرنے والے

رسول بھیجنے کا اور قرآن نازل کرنے کا ایک مقصد اتمام حجت بھی ہے

گذشتہ آیت کے آخر میں فرمایا تھا کہ رسول اس لئے بھیجا جا رہا ہے اور اس پر قرآن اس لئے نازل کیا جا رہا ہے کہ لوگ نصیحت پذیر ہوں، ایمان لائیں اور اپنی عاقبت سنواریں، اس پر کوئی کہہ سکتا ہے کہ مکہ والے تو نہیں مان رہے! اس کا جواب دے رہے ہیں کہ رسول بھیجنے کا اور اس پر قرآن نازل کرنے کا ایک مقصد اتمام حجت بھی ہے، ایمان نہیں لائیں گے تو قیامت کے دن ان کا منہ بند ہو جائے گا، ارشاد فرماتے ہیں: —— اور اگر نہ ہوتی یہ بات کہ پہنچتی ان کو کوئی مصیبت (دنیا میں یا آخرت میں) ان کے ان کرتوتوں کی وجہ سے جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجے ہیں، پس کہیں وہ: کیوں نہ بھیجا آپ نے ہماری طرف کوئی رسول، پس ہم آپ کی آیتوں کی پیروی کرتے، اور ہم ایمان لانے والوں میں سے ہوتے؟ —— تو ہم آپ کو رسول بنا کر نہ بھیجتے، نہ آپ پر قرآن نازل کرتے —— یعنی اتمام حجت مقصود ہے، اگر رسول بھیجے بغیر اور کتاب نازل کئے بغیر دنیا میں عذاب بھیجتے یا آخرت میں سزا دیتے تو ان کے پاس اپنی مظلومیت کا عذر ہوتا، وہ کہتے: ہمیں یکدم عذاب میں دھر لیا، اگر کوئی پیغمبر بھیجتے تو دیکھتے کہ ہم کیسے نیک ایماندار ثابت ہوتے! —— اب کیا عذر کریں گے!

جب لوگوں کو دین حق پہنچا تو مشرکین نے اس کو کس طرح لیا؟

جب مکہ والوں کو اللہ کی طرف سے دینِ حق پہنچا، رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے، اور ان پر قرآنِ کریم نازل کیا گیا، تو انھوں نے ماننے سے انکار کر دیا، اور دو باتیں کہیں:

۱- رسول کے بارے میں تو یہ کہا کہ اس کو موسیٰ علیہ السلام کی طرح عصا اور ید بیضاء کے معجزات کیوں نہیں دیئے گئے؟ یہ خالی ہاتھ کیوں آیا ہے؟ ــــ جواب: کیا موسیٰ علیہ السلام کے معجزات فرعون اور اس کی قوم نے مان لئے تھے؟ پھر آج اگر ایسے ہی معجزات اس نبی کو دیئے جاتے تو کیا مشرکین ان کو مان لیتے؟ ہرگز نہ مانتے!

۲- نبی ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ قرآنِ کریم ہے، اس کے تعلق سے انھوں نے کہا: یہ تورات کی طرح جادو ہے، اور ہم دونوں کو نہیں مانتے ــــ اس کا جواب اگلی آیت میں ہے۔

ارشادِ پاک ہے: ــــ پس جب ان کو (مکہ والوں کو) ہمارے پاس سے دینِ حق پہنچا تو انھوں نے (رسول کے تعلق سے) کہا: کیوں نہیں دیا گیا وہ جیسا موسیٰ دیئے گئے؟ ــــ یعنی عصا اور ید بیضاء جیسے معجزات لے کر یہ رسول کیوں نہیں آیا؟ ــــ (جواب) کیا اور نہیں انکار کیا انھوں نے (فرعونیوں نے) اس کا جو قبل ازیں موسیٰ دیئے گئے؟ ــــ پھر آج ان معجزات سے کیا فائدہ ہوگا؟

(اور قرآن کے تعلق سے) انھوں نے کہا: دو جادو ہیں، ایک دوسرے کے موافق ــــ ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے! ــــ اور انھوں نے کہا: ہم دونوں ہی کو نہیں مانتے! ــــ مکہ والے تورات کو بھی نہیں مانتے تھے، اسی طرح قرآن کا بھی انکار کر دیا۔ (جواب میں) کہو: پس تم اللہ کے پاس سے کوئی کتاب لاؤ، جو ان دونوں کتابوں سے زیادہ راہ نما ہو، پس میں اس کی پیروی کروں، اگر تم سچے ہو ــــ یعنی تم میں کچھ دم خم ہو! ــــ اللہ کی طرف سے بندوں کی راہ نمائی ضروری ہے، پس اگر یہ دونوں کتابیں جادو ہیں تو تم ان سے بہتر راہ نما کتاب پیش کرو، جو اللہ کی طرف سے ہو، میں اس کی پیروی کرنے کے لئے تیار ہوں ــــ یہ کلام بر سبیل فرض ہے، جیسا سورۃ الزخرف (آیت ۸۱) میں ہے: ﴿قُلْ: إِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَأَنَا أَوَّلُ الْعَابِدِيْنَ﴾: کہو: اگر مہربان اللہ کی کوئی اولاد ہوتی تو میں سب سے پہلے اس کی عبادت کرنے والا ہوتا ــــ یعنی مجھے تمہاری طرح حق بات کے ماننے سے اباؤ انکار نہیں ــــ مگر اللہ کی اولاد ہے کہاں؟ وہ تو ایسی کمزوری سے پاک ہیں۔

پھر اگر وہ آپ کو جواب نہ دیں ــــ یعنی کتاب نہ لا سکیں ــــ تو آپ جان لیں کہ وہ اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں ــــ یعنی ان کا دھرم محض ان کی خواہشات کا پلندہ ہے ــــ اور اس سے بڑا گمراہ کون ہوگا جو اللہ کی راہ نمائی کے بغیر اپنی خواہش کی پیروی کرے؟ بے شک اللہ تعالیٰ ظالموں (بر خود غلط قسم کے لوگوں) کو راہ نہیں دکھاتے! ــــ اللہ تعالیٰ اسی کو راہ دکھاتے ہیں جو ہدایت پانے کا ارادہ کرتا ہے۔

منکرین کی راہ نری خواہش کی راہ ہے، وہ کامیابی کی راہ نہیں

وَلَقَدۡ وَصَّلۡنَا لَهُمُ الۡقَوۡلَ لَعَلَّهُمۡ يَتَذَكَّرُوۡنَ ﴿۵۱﴾ اَلَّذِيۡنَ اٰتَيۡنٰهُمُ الۡكِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِهٖ هُمۡ بِهٖ يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۵۲﴾ وَاِذَا يُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا بِهٖۤ اِنَّهُ الۡحَـقُّ مِنۡ رَّبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا مِنۡ قَبۡلِهٖ مُسۡلِمِيۡنَ ﴿۵۳﴾ اُولٰٓـئِكَ يُؤۡتَوۡنَ اَجۡرَهُمۡ مَّرَّتَيۡنِ بِمَا صَبَرُوۡا وَيَدۡرَءُوۡنَ بِالۡحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ يُنۡفِقُوۡنَ ﴿۵۴﴾ وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغۡوَ اَعۡرَضُوۡا عَنۡهُ وَقَالُوۡا لَنَاۤ اَعۡمَالُنَا وَلَـكُمۡ اَعۡمَالُكُمۡ سَلٰمٌ عَلَيۡكُمۡ لَا نَبۡتَغِى الۡجٰهِلِيۡنَ ﴿۵۵﴾ اِنَّكَ لَا تَهۡدِىۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ يَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُهۡتَدِيۡنَ ﴿۵۶﴾

وَلَقَدۡ	اور بخدا! واقعہ یہ ہے	يُتۡلٰى	پڑھی جاتی ہے وہ	يُؤۡتَوۡنَ	دیئے جائیں گے
وَصَّلۡنَا (۱)	جوڑا ہم نے	عَلَيۡهِمۡ	ان پر	اَجۡرَهُمۡ	ان کا بدلہ
لَهُمُ	لوگوں کے لئے	قَالُوۡۤا	(تو) کہتے ہیں	مَّرَّتَيۡنِ	دو مرتبہ
الۡقَوۡلَ	بات کو	اٰمَنَّا	ایمان لائے ہم	بِمَا صَبَرُوۡا	ان کے صبر کرنے کی
لَعَلَّهُمۡ	تا کہ وہ	بِهٖۤ	اس پر		وجہ سے
يَتَذَكَّرُوۡنَ	نصیحت پذیر ہوں	اِنَّهُ	بے شک وہ	وَيَدۡرَءُوۡنَ	اور ہٹاتے ہیں وہ
اَلَّذِيۡنَ	جن کو	الۡحَـقُّ	برحق ہے	بِالۡحَسَنَةِ	نیک سلوک کے ذریعہ
اٰتَيۡنٰهُمُ	دی ہم نے	مِنۡ رَّبِّنَاۤ	ہمارے پروردگار کی	السَّيِّئَةَ	بدسلوکی کو
الۡكِتٰبَ	کتاب (تورات وانجیل)		طرف سے	وَمِمَّا	اور اس میں سے جو
مِنۡ قَبۡلِهٖ	اس (قرآن) سے پہلے	اِنَّا	بے شک ہم	رَزَقۡنٰهُمۡ	روزی دی ہم نے انکو
هُمۡ	وہ	كُنَّا	تھے ہم	يُنۡفِقُوۡنَ	خرچ کرتے ہیں
بِهٖ	اس (قرآن) پر	مِنۡ قَبۡلِهٖ	اس کے پہلے سے	وَاِذَا	اور جب
يُؤۡمِنُوۡنَ	ایمان لاتے ہیں	مُسۡلِمِيۡنَ	ماننے والے	سَمِعُوا	سنتے ہیں وہ
وَاِذَا	اور جب	اُولٰٓـئِكَ	یہی لوگ	اللَّغۡوَ	فضول بات

(۱) وَصَّلَ الشیئَ بِالشیئِ: ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ اچھی طرح ملانا، جوڑنا۔

اَعۡرَضُوۡا	(تو) روگردانی کرتے ہیں	عَلَيۡكُمۡ	تم پر	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ
عَنۡهُ	اس سے	لَا نَبۡتَغِى	نہیں چاہتے ہم	يَهۡدِىۡ	راہ دکھاتے ہیں
وَقَالُوۡا	اور کہتے ہیں	الۡجٰهِلِيۡنَ	نادانوں کو	مَنۡ	جس کو
لَنَاۤ	ہمارے لئے	اِنَّكَ	بے شک آپ	يَّشَآءُ	چاہیں
اَعۡمَالُنَا	ہمارا کیا ہے	لَا تَهۡدِىۡ	نہیں راہ دکھاتے	وَهُوَ	اور وہ
وَلَكُمۡ	اور تمہارے لئے	مَنۡ	جس کو	اَعۡلَمُ	خوب جاننے والے ہیں
اَعۡمَالُكُمۡ	تمہارا کیا ہے	اَحۡبَبۡتَ	چاہیں	بِالۡمُهۡتَدِيۡنَ	ہدایت پانے والوں کو
سَلٰمٌ	سلام	وَلٰكِنَّ	لیکن	❁	❁

جب لوگوں کو دینِ حق پہنچا تو اہل کتاب نے اس کو کس طرح لیا؟

مشرکینِ مکہ نے دینِ حق کو کس طرح لیا؟ اس کا جواب آپ ملاحظہ فرما چکے، اب اس کے بالمقابل اہل کتاب (یہود ونصاری) کا حال ملاحظہ فرمائیں: انھوں نے کس طرح دینِ حق کا استقبال کیا؟ اور یہ بیان ایک تمہید سے شروع ہوا ہے، ارشادِ پاک ہے: —— اور بالتحقیق ہم نے لوگوں کے لئے بات (وحی) کو جوڑا، تاکہ وہ نصیحت پذیر ہوں —— یعنی وحی کا سلسلہ مسلسل چلا آرہا ہے، جب بھی انسانیت پیاسی ہوتی ہے رحمتِ حق ہدایت کی بارش برساتی ہے، نیا نبی مبعوث کیا جاتا ہے اور اس پر نئی وحی نازل کی جاتی ہے، اسی سنت کے مطابق اب نبی آخر الزماں مبعوث کئے گئے ہیں اور ان پر قرآن نازل کیا جارہا ہے تاکہ لوگ اپنی عاقبت سنواریں —— جن لوگوں کو ہم نے قرآن سے پہلے آسمانی کتاب دی —— تورات وانجیل دیں، انجیل تورات کا ضمیمہ ہے، مستقل کتاب نہیں —— وہ قرآن پر ایمان لاتے ہیں —— کفار مکہ کی طرح انکار نہیں کرتے —— اور جب ان کو قرآن پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو کہتے ہیں: ہم اس پر ایمان لائے، بے شک یہ ہمارے رب کی طرف سے برحق کتاب ہے، ہم اس کو پہلے ہی سے مانتے تھے —— یعنی ہماری کتابوں میں نبی آخر الزماں ﷺ اور قرآنِ کریم کے بارے میں بشارتیں موجود ہیں، ان پیشین گوئیوں پر ہمارا اجمالی ایمان تھا، اب جبکہ وہ آئے تو ہم تفصیل سے ایمان لاتے ہیں، یہ پروردگار کی برحق کتاب ہے —— یہی لوگ: اپنا بدلہ دو مرتبہ دیئے جائیں گے، ان کے ہمت سے کام لینے کی وجہ سے —— حدیث میں ہے: ”تین شخصوں کو دوہرا ثواب ملتا ہے، ایک: وہ اہل کتاب جو اپنے نبی پر ایمان لایا اور محمد ﷺ پر بھی ایمان لایا“ (الی آخرہ بخاری شریف حدیث ۹۷) ان حضرات کو دوہرا ثواب اس لئے ملے گا کہ یہ کام بہت بھاری ہے، اجر بقدر مشقت ہوتا ہے، مشرک کے لئے ایمان لانا اتنا بھاری نہیں جتنا

اہل کتاب کے لئے ایمان لانا بھاری ہے،اس کا اپنے نبی پر اور اس کی کتاب پر ایمان ہوتا ہے، ان کے ساتھ اعتقادی وابستگی ہوتی ہے،اس کو چھوڑ کر خاتم النّبیین ﷺ پر ایمان لانا بہت مشکل ہے، چنانچہ نبی ﷺ پر ایمان لانے کا ان کو دوہرا ثواب ملے گا، ہمت سے کام لینے کا یہی مطلب ہے ـــــ مسلمان ہونے کے بعد ہر عمل کا ان کو دوہرا اجر نہیں ملے گا، بلکہ ایمان لانے کا دوگنا ثواب ان کو دیا جائے گا۔

اور مسلمان ہونے کے بعد وہ دین کے داعی بن جاتے ہیں،اور ان کا کردار یہ ہوتا ہے:

۱-اور وہ بدسلوکی کو نیک سلوک سے ہٹاتے ہیں ـــــ یعنی اینٹ کا جواب پتھر سے نہیں دیتے، بلکہ پھول برساتے ہیں،اس سے دوسرے لوگ قریب آتے ہیں،دعوت کا یہ خاص گُر ہے۔

۲-اور ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے خرچ کرتے ہیں ـــــ داعی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ لوگوں کو قریب لانے کے لئے ان پر حسب استطاعت خرچ کرے، کھلائے پلائے اور بوقتِ ضرورت معاشی تعاون کرے، عیسائی اسی راستہ سے اپنی گمراہی پھیلاتے ہیں۔

۳-اور جب وہ فضول بات سنتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں ـــــ داعی کو کڑوی کسیلی باتیں سننی ہی پڑتی ہیں، پس ان سے بددل نہ ہو ـــــ اور وہ کہتے ہیں: ہمارے لئے ہمارا کیا ہے،اور تمہارے لئے تمہارا کیا ہے، ہمارا سلام لو ـــــ یعنی معاف کرو ـــــ ہم نادانوں سے الجھنا نہیں چاہتے ـــــ جواب جاہلاں باشد خموشی!

ایک واقعہ: سیرت ابن اسحاق میں یہ واقعہ ہے۔حبشہ سے بیس آدمی مکہ آئے تا کہ نبی ﷺ کی تحقیق کریں، نبی ﷺ نے ان کو قرآن سنایا،ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، جب وہ مشرف بہ اسلام ہوکر واپس جانے لگے تو ابوجہل وغیرہ نے ان پر آوازے کسے کہ ایسا احمقوں کا ٹولہ ہم نے کبھی نہیں دیکھا، آئے تھے تحقیق حال کے لئے لوٹے غلام بن کر! ان لوگوں نے جواب دیا: معاف رکھو، ہم تمہاری جہالت کا جواب جہالت سے دینا نہیں چاہتے، ہم اور تم میں سے جو جس حال پر ہے اس کا وہی حصہ ہے، ہم نے اپنے نفس کا بھلا چاہنے میں کچھ کوتاہی نہیں کی،اس پر یہ آیت نازل ہوئی (فوائد ملخصا)

جس جاہل سے توقع نہ ہو کہ سمجھائے پر لگے گا اس سے کنارہ ہی بہتر ہے (موضح)

داعی کو ایک خاص نصیحت:

بے شک آپ جس کو چاہیں راہ نہیں دکھا سکتے، ہاں اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں راہ دکھاتے ہیں،اور وہ راہ پانے والوں کو خوب جانتے ہیں ـــــ یعنی جس سے داعی کو طبعی محبت ہو،اس کا جی چاہتا ہو کہ وہ ہدایت پر آجائے: ضروری نہیں کہ ایسا ہوجائے، داعی کا کام صرف راستہ بتانا ہے، راستہ پر ڈالنا اللہ کا کام ہے، نبی ﷺ نے اپنے چچا ابوطالب کے لئے بہت

سعی کی کہ مرتے وقت کلمہ پڑھ لیں، مگر کامیابی نہیں ہوئی، جس کا نبی ﷺ کو بہت قلق ہوا، اس پر یہ آیت اتری، اور آپ کی تسلی فرمادی، اور داعیوں کو سمجھا دیا کہ اللہ ہی کے علم واختیار میں ہے کہ کس میں راہِ راست پر پڑنے کی صلاحیت ہے، اور کون ہدایت چاہتا ہے، اسی کو ہدایت دیتے ہیں۔

داعی کو نتائج سے بےفکر ہو کر دل سوزی کے ساتھ دعوت کے کام میں لگا رہنا چاہئے

وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ۭ اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۢ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ۭ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ۝ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ۝

وَقَالُوْٓا	اور کہا انھوں نے	لَهُمْ	ان کو	وَلٰكِنَّ	مگر
اِنْ	اگر	حَرَمًا	حرم میں	اَكْثَرَهُمْ	اکثر لوگ
نَّتَّبِعِ	پیروی کریں ہم	اٰمِنًا (۳)	امن والے	لَا يَعْلَمُوْنَ	جانتے نہیں
الْهُدٰى	ہدایت کی	يُّجْبٰٓى (۴)	کھنچے جاتے ہیں	وَكَمْ	اور بہت سی
مَعَكَ	آپ کے ساتھ	اِلَيْهِ	اس کی طرف	اَهْلَكْنَا	ہلاک کی ہم نے
نُتَخَطَّفْ (۱)	(تو) اچک لئے جائیں ہم	ثَمَرٰتُ	پھل (فوائد)	مِنْ قَرْيَةٍ	بستیاں
مِنْ اَرْضِنَا	ہماری زمین سے	كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز کے	بَطِرَتْ (۶)	نازاں تھا
اَوَلَمْ	کیا اور نہیں	رِّزْقًا (۵)	روزی	مَعِيْشَتَهَا (۷)	اس کا سامان زندگی
نُمَكِّنْ (۲)	جمایا ہم نے	مِّنْ لَّدُنَّا	ہمارے پاس سے	فَتِلْكَ	پس یہ ہیں

(۱) تَخطُّف: اچک لینا، جھپٹا مار کر لے لینا یعنی قتل کر دیا جانا، لوٹ لیا جانا (۲) تمکین: جمانا، قدرت دینا، جگہ دینا، بنانا (۳) آمنا: حرما کا حال، حرماً: نمکن کا مفعول، نمکن: جعل کے مفہوم کو متضمن ہے (۴) یُجبی: مضارع مجہول، بابہ ضرب وفتح، مصادر جِبیً وجِبَایة: کھینچ کر لانا (۵) رزقاً: یجبی کا مفعول مطلق یا ثمرات کا حال۔ (۶) بَطِرَ (س) بَطَرًا: اترانا، اکڑنا۔ (۷) معیشة: اسم مصدر: سامانِ زندگی۔

مَسٰكِنُهُمْ	ان کے گھر	رَبُّكَ	آپ کے رب	عَلَيْهِمْ	ان کو
لَمْ تُسْكَنْ	نہیں بسا گیا (ان میں)	مُهْلِكَ	ہلاک کرنے والے	اٰيٰتِنَا	ہماری آیتیں
مِّنْۢ بَعْدِهِمْ	ان کے بعد	الْقُرٰى	بستیوں کو	وَمَا كُنَّا	اور نہیں ہیں ہم
اِلَّا قَلِيْلًا	مگر تھوڑا سا	حَتّٰى	یہاں تک کہ	مُهْلِكِي (۱)	ہلاک کرنے والے
وَكُنَّا	اور تھے ہم	يَبْعَثَ	بھیجیں	الْقُرٰٓى	بستیوں کو
نَحْنُ	ہی	فِيْٓ اُمِّهَا	ان کی بڑی بستی میں	اِلَّا	مگر
الْوٰرِثِيْنَ	وارث	رَسُوْلًا	اہم رسول کو	وَاَهْلُهَا	جبکہ اس کے باشندے
وَمَا كَانَ	اور نہیں تھے	يَّتْلُوْا	(جو) پڑھ کر سنائے	ظٰلِمُوْنَ	شرارت کرنے والے ہوں

ایک ہوّا جو مشرکینِ مکہ کے لئے قبولِ حق سے مانع بنا

ہوّا: انجانا خوف —— اور انھوں نے (مشرکین مکہ نے) کہا: اگر ہم ہدایت قبول کر کے آپ کے ساتھ ہولیں (یعنی مسلمان ہوجائیں) تو ہم اپنی زمین (مکہ) سے اچک لئے جائیں —— سارا عرب ہمارا دشمن ہوجائے، تمام قبائل ہم پر چڑھ دوڑیں، ہماری نہ جان سلامت رہے نہ مال، اور ہم مکہ مکرمہ سے کھدیڑ دیئے جائیں!

جواب: —— کیا ہم نے ان کو بہ اطمینان ٹھہرنے کی جگہ نہیں دی جو قابل احترام امن والی جگہ ہے! جس کی طرف کھنچے جاتے ہیں ہر طرح کے پھل جو ہماری طرف سے روزی ہے، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں —— یعنی اب عرب قبائل کی دشمنی سے کس کی پناہ میں ہو؟ یہ حرم کا ادب ہی مانع ہے کہ باوجود آپس کی سخت عداوتوں کے باہر والے چڑھائی کر کے تم کو مکہ سے نکال نہیں دیتے، پس کیا ایمان لانے پر وہ تم کو پناہ نہیں دے گا؟ یہ محض ہوّا ہے جو تم کو ایمان سے روک رہا ہے —— پھر مزید اللہ کی نعمتوں میں غور کرو، اللہ نے تمہیں پھلوں کی روزی دی، جو دنیا جہاں سے مکہ کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں، کیا تم پر اس کا شکر واجب نہیں؟ ان کی نعمتوں کا شکر یہ ہے کہ ایمان لاؤ، اللہ کے رسول کا ساتھ دو، اور ہر طرح اسلام کا بول بالا کرو۔

مکہ کے مشرکو قوموں کی تباہی سے سبق لو

اور کتنی ہلاک کیں ہم نے بستیاں —— عاد و ثمود کی، مدین اور قوم لوط کی —— جن کا گذران اتراتا تھا —— تمدن عروج پر تھا، اور ان قوموں کو اپنی معیشت پر ناز تھا —— پس یہ رہے ان کے گھر نہیں بسا گیا (ان میں) ان کے بعد مگر بس

(۱) مهلكي: اصل میں مهلكين تھا، اضافت کی وجہ سے نون گرا ہے۔

برائے نام —— کوئی مسافر وہاں تھوڑی دیر ٹھہر جاتا ہے یا کوئی عبرت کا نظارہ کرنے والا وہاں پہنچ جاتا ہے —— اور ہم ہی تھے آخر میں سب کچھ لینے والے —— یعنی سب کھیت رہے، کوئی وارث باقی نہ رہا، صرف اللہ کا نام باقی رہ گیا۔

حاصل: کہا گیا کہ عربوں کی دشمنی سے کیا ڈرتے ہو، اللہ کے عذاب سے ڈرو، دیکھتے نہیں، کتنی قومیں گذر چکی ہیں، جن کو اپنی خوش عیشی پر غرّہ تھا، جب انھوں نے تکبر اور سرکشی کی راہ اختیار کی، اور نبیوں کو جھٹلایا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو کس طرح تباہ کر ڈالا، آج صفحۂ ہستی پر ان کا نام ونشان باقی نہیں، ان کی بستیوں کے یہ کھنڈرات ہیں، جن میں کوئی بسنے والا نہیں، ان سے عبرت پکڑو!

مکہ کے مشرکو! تمہاری ہلاکت کا سامان ہو چکا ہے، تمہاری شرارت کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے

اور آپ کا پروردگار بستیوں کو ہلاک نہیں کرتا جب تک ان کی بڑی بستی میں کوئی رسول نہ بھیج دے، جو ان کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائے —— وہ عظیم رسول آچکے ہیں، جو تمہیں غفلت سے ہوشیار کر چکے ہیں یعنی تمہاری بربادی کا سامان ہو چکا ہے —— اور ہم بستیوں کو ہلاک نہیں کرتے، مگر جبکہ وہاں کے لوگ شرارت پر اتر آئیں —— یعنی جب لوگ ہوشیار کرنے پر بھی باز نہیں آتے، ظلم وسرکشی پر کمر بستہ رہتے ہیں تو اللہ کی پکڑ میں دیر نہیں لگتی، اللہ نے بدر کے میدان میں ان کو پکڑا۔

> روئے زمین کی تمام آبادیوں کا صدر مقام مکہ معظّمہ ہے، اسی لئے سب سے بڑے اور آخری رسول کو وہاں بھیجا گیا

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ۧ اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ۝۶۱

وَمَآ	اور جو کچھ	الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا	دنیوی زندگی میں	خَيْرٌ	وہ بہتر
اُوْتِيْتُمْ	دیئے گئے تم	وَزِيْنَتُهَا	اور اس کی زینت ہے	وَّاَبْقٰى	اور دیرپا ہے
مِّنْ شَيْءٍ	کوئی چیز	وَمَا	اور جو کچھ	اَفَلَا	کیا پس نہیں
فَمَتَاعُ	پس برتنے کا سامان ہے	عِنْدَ اللّٰهِ	اللہ کے پاس ہے	تَعْقِلُوْنَ	سمجھتے تم؟

اَفَمَنۡ	کیا پس جو شخص	كَمَنۡ	مانند اس شخص کے ہے	ثُمَّ هُوَ	پھر وہ
وَّعَدۡنٰهُ	وعدہ کیا ہم نے اس سے	مَّتَّعۡنٰهُ	جس کو فائدہ اٹھانے	يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ	قیامت کے دن
وَعۡدًا حَسَنًا	اچھا وعدہ		کے لئے دیا ہم نے	مِنَ الۡمُحۡضَرِيۡنَ	حاضر کئے ہوؤں
فَهُوَ	پس وہ	مَتَاعَ	سامان		میں سے ہوگا
لَاقِيۡهِ	اس سے ملاقات کرنے والا ہے	الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا	دنیوی زندگی کا	۞	۞

مؤمن اور کافر انجام کے اعتبار سے برابر نہیں

ارشادِ پاک ہے: ـــــ اور تم جو بھی چیز دیئے گئے ہو وہ دنیوی زندگی میں برتنے کا سامان اور اس کی رونق ہے ـــــ متاع: جیسے صافی، چولہے کا کپڑا، گندہ ہو گیا پھینک دیا، دنیا کے خان مان کی بس اتنی ہی حیثیت ہے، چند دن استعمال کیا، پھر پیچھے رہ گیا ـــــ پس عقل سے کام لینا چاہئے، دنیا میں کتنے دن جینا ہے، یہاں کی بہار چند روزہ ہے ـــــ اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہتر اور دیرپا ہے ـــــ جنت اور اس کی نعمتیں مراد ہیں ـــــ پس کیا تم سمجھتے نہیں! ـــــ کیا تمہاری عقل چرنے گئی ہے، تمہیں دنیا میں کتنے دن جینا ہے، یہاں کا عیش ہیچ ہے، ان فانی لذتوں کو دائمی نعمتوں پر ترجیح دے رہے ہو! ـــــ بتاؤ، جس سے ہم نے وعدہ کیا ہے اچھا وعدہ، اور وہ اس کو پہنچ کر رہنے والا ہے (کیا) اس کے برابر ہو سکتا ہے (وہ) جس کو ہم نے دنیوی زندگی میں چند روز فائدہ اٹھانے کے لئے سامان دیا ہے، پھر وہ قیامت کے دن پکڑا ہوا آئے گا؟! ـــــ نہیں، ہرگز نہیں، اول کے لئے دائمی عیش کا وعدہ ہے، جو یقیناً پورا ہو کر رہے گا، اور دوسرے کے لئے چند روزہ عیش کے بعد گرفتاری کا وارنٹ اور دائمی جیل خانہ ہے، بھلا یہ دونوں انجام کے اعتبار سے کس طرح برابر ہو سکتے ہیں!

ایک مثال: ایک شخص خواب میں دیکھے کہ اس کے سر پر شاہی تاج رکھا ہے، خدم وحشم پرا باندھے کھڑے ہیں، اور الوانِ نعمت دسترخوان پر چنے ہوئے ہیں کہ اچانک آنکھ کھل جائے اور دیکھے کہ انسپکٹر پولیس گرفتاری کا وارنٹ اور بیڑی لئے کھڑا ہے وہ پکڑ کر لے گیا، اور حبس دوام کی سزا مل گئی، بتلاؤ، اسے وہ خواب کی بادشاہت اور پلاؤ قورمہ کی لذت کیا یاد آئے گی! (فوائد)

وَيَوۡمَ يُنَادِيۡهِمۡ فَيَقُوۡلُ اَيۡنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيۡنَ كُنۡتُمۡ تَزۡعُمُوۡنَ ﴿۶۲﴾ قَالَ الَّذِيۡنَ حَقَّ عَلَيۡهِمُ الۡقَوۡلُ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيۡنَ اَغۡوَيۡنَا ۚ اَغۡوَيۡنٰهُمۡ كَمَا غَوَيۡنَا ۚ تَبَرَّاۡنَاۤ اِلَيۡكَ ۫ مَا كَانُوۡۤا اِيَّانَا يَعۡبُدُوۡنَ ﴿۶۳﴾ وَقِيۡلَ ادۡعُوۡا شُرَكَآءَكُمۡ فَدَعَوۡهُمۡ فَلَمۡ يَسۡتَجِيۡبُوۡا لَهُمۡ وَرَاَوُا الۡعَذَابَ ۚ لَوۡ اَنَّهُمۡ كَانُوۡا يَهۡتَدُوۡنَ ﴿۶۴﴾ وَيَوۡمَ يُنَادِيۡهِمۡ فَيَقُوۡلُ مَاذَاۤ اَجَبۡتُمُ

الْمُرْسَلِيْنَ ۝ فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ يَوْمَىِٕذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ۝

وَيَوْمَ	اور جس دن	اَغْوَيْنٰهُمْ	بہکایا ہم نے ان کو	لَوْ	کاش
يُنَادِيْهِمْ	ان کو پکاریں گے	كَمَا	جس طرح	اَنَّهُمْ	کہ وہ
فَيَقُوْلُ	پس فرمائیں گے	غَوَيْنَا	ہم بہکے	كَانُوْا	ہوتے
اَيْنَ	کہاں ہیں	تَبَرَّاْنَآ	بیزاری ظاہر کرتے ہیں ہم	يَهْتَدُوْنَ	راہ پائے ہوئے
شُرَكَآءِيَ	میرے ساجھی	اِلَيْكَ	آپ کے سامنے	وَيَوْمَ	اور جس دن
الَّذِيْنَ	جن کو	مَا كَانُوْٓا	نہیں تھے وہ	يُنَادِيْهِمْ	ان کو پکاریں گے
كُنْتُمْ	تھے ہم	اِيَّانَا	ہم کو	فَيَقُوْلُ	پس فرمائیں گے
تَزْعُمُوْنَ	گمان کرتے؟	يَعْبُدُوْنَ	پوجتے	مَاذَآ	کیا
قَالَ	کہا	وَقِيْلَ	اور کہا گیا	اَجَبْتُمُ	جواب دیا تم نے
الَّذِيْنَ (۱)	ان لوگوں نے جو	ادْعُوْا	بلاؤ تم	الْمُرْسَلِيْنَ	رسولوں کو
حَقَّ	ثابت ہوگئی	شُرَكَآءَكُمْ	ان شرکاء کو	فَعَمِيَتْ	پس اندھی ہوجائیں گی
عَلَيْهِمُ	ان پر	فَدَعَوْهُمْ	پس وہ ان کو بلائیں گے	عَلَيْهِمُ	ان پر
الْقَوْلُ	بات	فَلَمْ	پس نہیں	الْاَنْۢبَآءُ	خبریں
رَبَّنَا	اے ہمارے رب!	يَسْتَجِيْبُوْا	جواب دیں گے وہ	يَوْمَىِٕذٍ	اس دن
هٰٓؤُلَآءِ	یہ (ہیں)	لَهُمْ	ان کو	فَهُمْ	پس وہ
الَّذِيْنَ	جن کو	وَرَاَوُا	اور دیکھیں گے وہ	لَا يَتَسَآءَلُوْنَ	آپس میں نہیں پوچھیں گے
اَغْوَيْنَا	ہم نے بہکایا	الْعَذَابَ	عذاب کو		

قیامت کے دن مشرکوں سے دو سوال

پہلا سوال: —— توحید کے متعلق —— اور (یاد کرو) جس دن اللہ تعالیٰ (عام مشرکین) کو پکار کر پوچھیں گے: کہاں ہیں میرے ساجھی جن کو تم نے ساجھی بنا رکھا تھا؟ —— میری خدائی میں وہ حصہ دار کہاں ہیں جن کو تم نے حصہ دار

(۱) الذین سے مراد مہنت (سادھوؤں کے سردار) ہیں، جنھوں نے عام مشرکین کو گمراہ کیا ہے۔

بنا رکھا تھا اور تم ان کی پوجا کرتے تھے؟ —— وہ لوگ جن پر عذاب کا فیصلہ ثابت ہو چکا ہے —— یعنی بڑے مجرم: مہنت اور گرو —— بولیں گے: اے ہمارے رب! یہ لوگ ہیں جن کو ہم نے بہکایا، ہم نے ان کو بہکایا جیسے ہم بہکے، ہم آپ کے سامنے ان سے بے تعلقی ظاہر کرتے ہیں، یہ لوگ ہمیں نہیں پوجتے تھے —— جب عام مشرکین سے سوال ہوگا تو مہنت اور بڑے مجرم سمجھ جائیں گے کہ یہ لوگ ہمارا نام لیں گے، پس وہ سبقت کر کے کہیں گے: اے پروردگار! بے شک ہم نے ان کو گمراہ کیا، کیونکہ ہم خود گمراہ تھے، مگر ہم نے ان پر کچھ زبردستی نہیں کی، وہ اپنی مرضی سے ہمارے بہکائے میں آئے، بایں اعتبار وہ ہمیں نہیں پوجتے تھے، ہم آپ کے سامنے ان سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں، وہ جانیں ان کا کام!

وہ لوگ جو بت پرستی میں واسطہ تھے وہ تو ہٹ گئے، اب ان سے کہا جائے گا کہ اپنی مورتیوں کو پکارو، وہ تمہاری مدد کو آئیں، ارشاد فرماتے ہیں: —— اور کہا گیا بلاؤ اپنے شرکاء کو، پس وہ ان کو پکاریں گے، پس وہ ان کو جواب ہی نہیں دیں گے —— کیونکہ وہ ان کی پکار سن ہی نہیں رہے —— اور وہ عذاب کو دیکھیں گے —— اور کوئی ان کو عذاب سے بچانے کے لئے نہیں آئے گا —— اور وہ یا اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: —— کاش ہوتے وہ راہ پائے ہوئے! —— پس ان کو یہ برا دن نہ دیکھنا پڑتا۔

دوسرا سوال: —— رسالت کے متعلق —— اور (یاد کرو) جس دن اللہ تعالیٰ (مشرکوں سے) پکار کر پوچھیں گے —— یعنی دور سے آواز آئے گی کہ —— تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا؟ پس اس دن ان پر خبریں اندھی ہو جائیں گی —— یعنی مضامین گم ہو جائیں گے، ان سے کوئی جواب بن نہ پڑے گا —— پس وہ آپس میں بھی نہیں پوچھیں گے —— یعنی باہم مشورہ کر کے بھی کوئی جواب نہیں دے سکیں گے۔

مشرکین قیامت کے دن دیدارِ خداوندی سے محروم ہونگے اس لئے دور سے پکارے جائیں گے

فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ ﴿۶۷﴾ وَ رَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ؕ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَ رَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَ هُوَ اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْحَمْدُ فِى الْاُوْلٰى وَ الْاٰخِرَةِ ۫ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۷۰﴾

فَاَمَّا	پس رہا	مَنْ	جو	تَابَ [1]	متوجہ ہوا

(۱) تاب (ن): جب اس کا صلہ إلی آئے تو معنی ہوتے ہیں: متوجہ ہونا (یہاں إلی اللہ محذوف ہے) اور جب اس کا صلہ علی آئے تو معنی ہوتے ہیں: توبہ قبول کرنا۔

وَ اٰمَنَ	اور ایمان لایا	الْخِيَرَةُ (۳)	پسند کرنا	يُعْلِنُوْنَ	ظاہر کرتے ہیں وہ
وَعَمِلَ	اور کئے اس نے	سُبْحٰنَ	پاک ہیں	وَهُوَ اللّٰهُ	اور وہی اللہ ہیں
صَالِحًا	نیک کام	اللّٰهِ	اللہ	لَآ اِلٰهَ	کوئی معبود نہیں
فَعَسٰٓى (۱)	پس ہوسکتا ہے	وَتَعٰلٰى	اور برتر ہیں	اِلَّا هُوَ	مگر وہی
اَنْ يَّكُوْنَ	کہ ہو وہ	عَمَّا	ان سے جن کو	لَهُ	ان کے لئے
مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ	کامیاب ہونے والوں سے	يُشْرِكُوْنَ	شریک ٹھہراتے ہیں وہ	الْحَمْدُ	تمام تعریفیں ہیں
وَرَبُّكَ	اور آپ کا رب	وَرَبُّكَ	اور آپ کا رب	فِي الْاُوْلٰى (۵)	ورے کی دنیا میں
يَخْلُقُ	پیدا کرتا ہے	يَعْلَمُ	جانتا ہے	وَالْاٰخِرَةِ	اور پرے کی دنیا میں
مَا يَشَآءُ	جو چاہتا ہے	مَا	جو	وَلَهُ	اور ان کے لئے
وَيَخْتَارُ (۲)	اور پسند کرتا ہے	تُكِنُّ (۴)	چھپاتے ہیں	الْحُكْمُ	حکم ہے
مَا كَانَ	نہیں تھا	صُدُوْرُهُمْ	ان کے سینے	وَاِلَيْهِ	اور ان کی طرف
لَهُمُ	ان کے لئے	وَمَا	اور جو	تُرْجَعُوْنَ	لوٹائے جاؤ گے

کامیابی کا راستہ ایمان وعمل صالح کا ہے اور مؤمنین ہی اللہ کے پسندیدہ بندے ہیں مگر وہ لوگ خدائی میں شریک نہیں، مقامِ حمد اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے

اب کفار ومشرکین کے بالمقابل مؤمنین کا تذکرہ کرتے ہیں، چیزیں ضد سے بھی پہچانی جاتی ہیں، ارشاد فرماتے ہیں:

—— پس رہا وہ جو اللہ کی طرف متوجہ ہوا، ایمان لایا اور نیک کام کئے تو ہوسکتا ہے وہ آخرت میں کامیاب ہو! —— یعنی آخرت کی کامیابی صرف ایمان وعمل صالح سے ہے، جو شخص کفر وشرک سے کنارہ کر کے اللہ کی طرف متوجہ ہوگا، ایمان لاکر عمل صالح اختیار کرے گا وہ آخرت میں بالیقین کامیاب ہوگا۔

رہی یہ بات کہ مؤمن بندے ہی کامیاب کیوں ہونگے؟ اللہ تعالیٰ کو یہی بندے کیوں پسند ہیں؟ جواب ارشاد

(۱) عسی: ہوسکتا ہے، امید ہے: یہ شاہی محاورہ ہے یعنی یقیناً وہ کامیاب ہونگے۔ (۲) اِختارَہ (افتعال): پسند کرنا، منتخب کرنا، چننا (۳) الخِیَرَۃ: مصدر، خار یخیر (ض) خَیْرًا وَخِیَرَۃً: چھانٹنا، چننا، انتخاب کرنا (۴) تُکِنُّ: مضارع، واحد مؤنث غائب، إکنان (افعال): دل میں کوئی بات چھپانا (فاعل صدورھم: اسم ظاہر جمع مکسر ہے، اس لئے فعل مؤنث لایا گیا ہے) (۵) الأولی اور الآخرۃ: موصوف کے قائم مقام ہیں أی فی الدار الأولی: الدنیا، والدار الآخرۃ، ھی التی دونھا۔

فرماتے ہیں: —— اور آپ کا رب جس چیز کو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، اور (جس چیز کو چاہتا ہے) پسند کرتا ہے، لوگوں کو پسند کرنے کا کوئی اختیار نہیں —— یعنی تم کون ہوتے ہو اس معاملہ میں دخل دینے والے؟ ہر چیز کا پیدا کرنا اللہ کی مشیت واختیار سے ہے، اور کسی چیز کو پسند کرنے یا چھانٹ کر منتخب کر لینے کا حق بھی اسی کو حاصل ہے، ان کی مرضی! وہ جس کو چاہیں برگزیدہ بنائیں۔

پھر تو یہ برگزیدہ بندے خدائی میں حصہ دار ہونگے؟ نہیں —— اللہ تعالیٰ پاک اور برتر ہیں ان سے جن کو وہ شریک ٹھہراتے ہیں —— یعنی کوئی بڑی سے بڑی برگزیدہ مخلوق بھی الوہیت میں حصہ دار نہیں، کیونکہ برگزیدہ مخلوق برگزیدہ ہو کر بھی اللہ کے برابر نہیں ہوسکتی، وہ مخلوقات سے برتر و بالا ہیں، پھر وہ خدائی میں برابر کی پوزیشن کیسے حاصل کرسکتی ہے؟

برگزیدگی کی بنیاد کیا ہے؟ اس کو بھی اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں، ارشادِ پاک ہے: اور آپ کا رب جانتا ہے ان باتوں کو جو لوگ دلوں میں پوشیدہ رکھتے ہیں، اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں —— یعنی جس مخلوق میں جیسی استعداد دیکھتے ہیں: اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتے ہیں، انھوں نے ساتویں آسمان کو اور عرش وکرسی کو برتری بخشی، فرشتوں میں سے جبرئیل، میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام کو فضیلت دی، اولادِ آدم علیہ السلام میں سے انبیاء کو، اور ان میں سے اولوالعزم پانچ رسولوں کو، اور ان میں سے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو افضل قرار دیا، اماکن میں سے مسجدِ حرام کو، ایام میں سے جمعہ کو اور راتوں میں سے شبِ قدر کو بابرکت بنایا، پس اگر مؤمنین کو جنت کا حقدار بنایا تو وہ ان کا اختیار ہے —— وہی اللہ ہیں، کوئی معبود نہیں مگر وہی، ان کے لئے تمام تعریفیں ہیں اس دنیا میں بھی اور دوسری دنیا میں بھی —— یعنی سارے جہاں میں وہی معبود ہیں، ان کے علاوہ کوئی معبود نہیں، کیونکہ مقام حمد انہی کے لئے ہے (اس کی تفسیر سورۃ النمل آیت ۵۹ میں ہے) —— اور انہی کا حکم (نافذ) ہے —— سارے جہاں میں —— پھر کوئی اور خدا کیسے ہو جائے گا؟ —— اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے —— یعنی کوئی اور خدا ہوتا تو وہ اپنے عابدوں کو اپنی طرف لوٹاتا جبکہ مرجع خلائق اللہ تعالیٰ ہی ہیں، پس وہی اکیلے معبود ہیں۔

اللہ تعالیٰ الوہیت میں یگانہ ہیں، پس ان کے سوا کسی کی بندگی جائز نہیں

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ۝ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ؕ اَفَلَا

تُبْصِرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۷۴﴾ وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا فَقُلْنَا هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوْٓا اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۷۵﴾

قُلْ	پوچھیں	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	فِيْهِ	اس میں
اَرَءَيْتُمْ	کیا دیکھا تم نے (بتاؤ)	عَلَيْكُمُ	تم پر	وَلِتَبْتَغُوْا	اور تاکہ تلاش کرو تم
اِنْ جَعَلَ	اگر بنائیں	النَّهَارَ	دن کو	مِنْ فَضْلِهٖ	اللہ کے فضل سے
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	سَرْمَدًا	نہ ختم ہونے والا	وَلَعَلَّكُمْ	اور تاکہ تم
عَلَيْكُمُ	تم پر	اِلٰى يَوْمِ	دن تک	تَشْكُرُوْنَ	شکر بجالاؤ
الَّيْلَ	رات کو	الْقِيٰمَةِ	قیامت کے	وَيَوْمَ	اور جس دن
سَرْمَدًا	نہ ختم ہونے والی	مَنْ اِلٰهٌ	کوئی معبود ہے	يُنَادِيْهِمْ	پکاریں گے ہم ان کو
اِلٰى يَوْمِ	دن تک	غَيْرُ اللّٰهِ	اللہ کے علاوہ	فَيَقُوْلُ	پس فرمائیں گے
الْقِيٰمَةِ	قیامت کے	يَاْتِيْكُمْ	لائے وہ تمہارے لئے	اَيْنَ	کہاں ہیں
مَنْ اِلٰهٌ	کوئی معبود ہے	بِلَيْلٍ	رات کو	شُرَكَآءِيَ	میرے ساجھی
غَيْرُ اللّٰهِ	اللہ کے علاوہ	تَسْكُنُوْنَ	آرام کرو تم	الَّذِيْنَ	جن کو
يَاْتِيْكُمْ	لائے وہ تمہارے لئے	فِيْهِ	اس میں	كُنْتُمْ	تھے تم
بِضِيَآءٍ	روشنی؟	اَفَلَا	کیا پس نہیں	تَزْعُمُوْنَ	گمان کرتے
اَفَلَا	کیا پس نہیں	تُبْصِرُوْنَ	دیکھتے تم	وَنَزَعْنَا	اور کھینچ کر نکالیں گے ہم
تَسْمَعُوْنَ	سنتے تم	وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ	اور اپنی مہربانی سے	مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ	ہر امت میں سے
قُلْ	پوچھو	جَعَلَ لَكُمُ	بنایا تمہارے لئے	شَهِيْدًا	احوال بتلانے والا
اَرَءَيْتُمْ	بتاؤ	الَّيْلَ وَالنَّهَارَ	رات اور دن کو	فَقُلْنَا	پس ہم کہیں گے
اِنْ جَعَلَ	اگر بنائیں	لِتَسْكُنُوْا	تاکہ آرام کرو تم	هَاتُوْا	لاؤ

بُرْهَانَكُمْ	اپنی دلیل	الْحَقَّ	برحق بات	عَنْهُمْ	ان سے
فَعَلِمُوْٓا	پس جان لیں گے وہ	لِلّٰهِ	اللہ کے لئے ہے	مَّا كَانُوْا	جن کو تھے وہ
اَنَّ	کہ	وَضَلَّ	اور گم ہوجائیں گے	يَفْتَرُوْنَ	گھڑتے

آخرت کی ضرورت اور اس کا کچھ حال

گذشتہ آیت کے آخر میں تھا کہ تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے یعنی قیامت کے دن، قیامت کا دن اس دنیا کا آخری دن ہے۔ اس کے بعد آخرت شروع ہوگی، اب آخرت کی ضرورت پر دلیل قائم کرتے ہیں۔ آخرت اس دنیا کا جوڑا ہے، جوڑا وہ دو چیزیں ہیں جو مل کر ایک مقصد کی تکمیل کرتی ہیں، جیسے دو جوتے، دو چپل، کرتا پاجامہ اور نر مادہ وغیرہ جوڑا ہیں، اسی طرح شب و روز بھی جوڑا ہیں، دونوں مل کر معیشت کا مقصد پورا کرتے ہیں، اگر صرف رات ہوتی تو سوتے سوتے تھک جاتے، اور اٹھتے تو اندھیرے میں کیا کرتے؟ اور صرف دن ہوتا تو جھلس کر رہ جاتے اور کام کرتے کرتے تھک کر چور ہوجاتے، یہ دن ہے جس میں آدمی کماتا ہے اور رات کو کھا پی کر چین سے سوتا ہے۔ اور دن میں بھی اور رات میں بھی عبادت کرکے اللہ کی نعمتوں کا شکر بجالاتا ہے۔ اور سورۃ یٰسٓ (آیت ۳۶) میں ہے کہ اللہ نے کائنات کی سب چیزیں جوڑا جوڑا پیدا کی ہیں، اکیلی ذات صرف اللہ کی ہے، اسی سنت الٰہی کے مطابق دنیا کا جوڑا آخرت ہے، کیونکہ اگر صرف یہ دنیا ہوتی تو عمل کرتے کرتے تھک جاتے، اور نتیجہ کچھ ظاہر نہ ہوتا، اور صرف آخرت ہوتی تو جزا و سزا معقول نہ ہوتی، اب اس دنیا میں مختصر وقت کے لئے عمل کرنا ہے، پھر آخرت میں اس کا ہمیشہ کے لئے بدلہ پانا ہے۔

آیاتِ پاک کا ترجمہ: پوچھو! بتلاؤ، اگر اللہ تعالیٰ تم پر رات کو قیامت کے دن تک نہ ختم ہونے والا بنادیں تو اللہ کے علاوہ کوئی معبود ہے جو تمہارے لئے (دن کی) روشنی لائے؟ کیا پس تم سنتے نہیں؟! —— رات میں سن ہی سکتا ہے —— بتلاؤ، اگر اللہ تعالیٰ تم پر دن کو قیامت کے دن تک نہ ختم ہونے والا بنادیں، تو اللہ کے علاوہ کوئی معبود ہے جو تمہارے لئے رات کو لائے، جس میں تم آرام کرو؟ کیا پس تم دیکھتے نہیں! —— دن میں دیکھ سکتا ہے —— اور دونوں سوالوں کا جواب ایک ہے کہ ایسا کوئی معبود نہیں! اس لئے فرماتے ہیں —— اور اللہ نے اپنی مہربانی سے تمہارے لئے رات اور دن کو بنایا، تاکہ تم اس (رات) میں آرام کرو، اور تاکہ (دن میں) اللہ کے فضل (روزی) کو تلاش کرو، اور تاکہ تم اللہ کا شکر بجالاؤ —— یعنی دنیا میں صرف کمانا کھانا ہی نہیں ہے، اللہ کی بندگی کرکے اور اس کے احکام پر عمل کرکے شکر بھی بجالانا ہے، کیونکہ کل قیامت کو احوال بتلانے والے کھڑے کئے جائیں گے، جیسا کہ آگے ہے۔

آخرت کا کچھ حال: —— اور جس دن اللہ تعالیٰ ان کو پکاریں گے، پس پوچھیں گے: کہاں ہیں میرے ساجھی جن کو

تم شریک گمان کیا کرتے تھے؟ —— مشرکین انکار کریں گے: کہیں گے: ﴿وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ﴾ بخدا! ہمارے رب کی قسم! ہم مشرک نہیں تھے (الانعام آیت ۲۳) —— اور ہم ہر امت میں سے احوال بتلانے والا کھڑا کریں گے —— جو گواہی دے گا کہ انھوں نے شرک کیا ہے —— پس ہم پوچھیں گے: اپنی دلیل لاؤ —— یعنی تمہارا شرک کرنا تو گواہوں سے ثابت ہو گیا، پس اب جوازِ شرک پر دلیل قائم کرو —— پس وہ جان لیں گے کہ اللہ کی بات ہی سچی ہے —— کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں، وہ اکیلے ہی معبود ہیں —— اور وہ معبود جن کو انھوں نے گھڑا تھا سب کافور ہو جائیں گے —— میدان صاف! رہا نام باقی اللہ کا! —— یہاں مشرکین ومنکرین سے گفتگو تمام ہوئی، آگے مؤمنین کو قارون کا قصہ سنایا جائے گا۔

قرآن کا اسلوب یہ ہے کہ اگر ایک تمہید پر دو مضمون متفرع کرنے ہوں تو تمہید کو مکرر لاتا ہے

إِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ۠ وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ إِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِي الْقُوَّةِ ۤ إِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ﴿٧٦﴾ وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ۭ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٧٧﴾ قَالَ إِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ ۭ اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعًا ۭ وَلَا يُسْئَلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٧٨﴾

إِنَّ	بے شک	مُوْسٰى	موسیٰ (کی)	مِنَ الْكُنُوْزِ	خزانوں سے
قَارُوْنَ	قارون	فَبَغٰى(۱)	پس زیادتی کی اس نے	مَآ إِنَّ(۲)	جو بے شک
كَانَ	تھا	عَلَيْهِمْ	قوم پر	مَفَاتِحَهٗ	اس کی چابیاں
مِنْ قَوْمِ	قوم سے	وَاٰتَيْنٰهُ	اور دیئے ہم نے اس کو	لَتَنُوْٓاُ(۳)	البتہ گراں بار کرتی تھیں

(۱) بغی (ض) علیه: زیادتی کرنا، حد اعتدال سے بڑھ جانا، مخالفت کرنا (۲) ما موصولہ/ موصوفہ، إن: مشبہ بالفعل، لتنوأ: خبر، پھر جملہ ما کا صلہ/ صفت، پھر جملہ آتینا کا مفعول ثانی۔ (۳) تَنُوْءُ: مضارع، واحد مؤنث غائب، نَاءَ (ن) بِحَمْلِهِ: بوجھل سامان کو مشکل سے لے کر اٹھنا

بِالْعُصْبَةِ (۱)	جماعت کو	مِنَ الدُّنْيَا	دنیا سے	عِنْدِیْ	میری
اُولِی الْقُوَّةِ	زور آور	وَاَحْسِنْ	اور اچھا سلوک کر	اَوَلَمْ	کیا اور نہیں
اِذْ قَالَ	جب کہا	كَمَآ	جس طرح	يَعْلَمْ	جانا اس نے
لَهٗ	اس سے	اَحْسَنَ	اچھا سلوک کیا	اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ تعالیٰ نے
قَوْمُهٗ	اس کی قوم نے	اللّٰهُ	اللہ نے	قَدْ اَهْلَكَ	بالتحقیق ہلاک کیا
لَا تَفْرَحْ	مت اترا	اِلَيْكَ	تیرے ساتھ	مِنْ قَبْلِهٖ	اس سے پہلے
اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	وَلَا تَبْغِ	اور نہ چاہ	مِنَ الْقُرُوْنِ	صدیوں سے
لَا يُحِبُّ	پسند نہیں کرتے	الْفَسَادَ	فساد	مَنْ هُوَ	جو وہ
الْفَرِحِيْنَ	اترانے والوں کو	فِی الْاَرْضِ	زمین میں	اَشَدُّ	سخت تھیں
وَابْتَغِ	اور چاہ	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	مِنْهُ	اس سے
فِيْمَآ	اس میں جو	لَا يُحِبُّ	نہیں پسند کرتے	قُوَّةً	طاقت میں
اٰتٰىكَ	دیا تجھ کو	الْمُفْسِدِيْنَ	فسادیوں کو	وَّاَكْثَرُ	اور زیادہ تھیں
اللّٰهُ	اللہ نے	قَالَ	کہا اس نے	جَمْعًا	تعداد میں
الدَّارَ الْاٰخِرَةَ	آخرت کا گھر	اِنَّمَآ (۳)	سوائے اس کے نہیں	وَلَا يُسْئَلُ	اور نہیں پوچھے جاتے
وَلَا تَنْسَ (۲)	اور مت بھول	اُوْتِيْتُهٗ	دیا گیا ہوں میں اس کو	عَنْ ذُنُوْبِهِمُ	ان کے گناہوں سے
نَصِيْبَكَ	اپنا حصہ	عَلٰی عِلْمٍ	مہارت سے	الْمُجْرِمُوْنَ	مجرم لوگ

نادار مسلمان صبر کریں ظفر مندی قریب ہے

سورت کے شروع میں مسلمانوں کو موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا واقعہ سنایا تھا، بے بس بنی اسرائیل کو کس طرح فرعونیوں کے چنگل سے چھڑایا، اسی طرح مظلوم مسلمانوں کو بھی ظالم کافروں سے چھڑایا جائے گا، اب ان کو قارون کا قصہ سناتے ہیں، قصہ کے آخر میں ایمان داروں کا قول ہے: ''بس جی! معلوم ہوگیا کہ کافروں کو کامیابی نہیں ملتی'' یعنی گو چند روز مزے لوٹ لیں، مگر انجام پھر خسران ہے، پس فلاح معتد بہ اہل ایمان کے ساتھ مخصوص ہے (تھانویؒ)

(۱) عصبة: جماعت، گروہ، دس یا زیادہ (۲) ولا تنس: یعنی کھا پی اور اسراف مت کر (قالہ مالک) (۳) إنما: إن حرف مشبہ بالفعل اور ما کافہ اور إنما: کلمۂ حصر۔

—— اس سورت کا نزول ایسے وقت ہوا ہے جب مکہ میں کمزور مسلمان ظلم کی چکّی میں پس رہے تھے، اور مکہ کے مالدار اپنی دولت پر اترا رہے تھے، ایسے وقت میں نادار مسلمانوں کو یہ واقعہ سنایا کہ چند روز صبر کرو صفحہ پلٹنے والا ہے اور ظفر مندی قریب ہے۔

قارون کا تعارف اور اس کا انجام

قارون: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچازاد بھائی تھا، اور فرعون کی پیشی میں رہتا تھا، ظالم حکومتیں قوم کا خون چوسنے کے لئے انہی میں سے کسی کو اپنا آلۂ کار بنایا کرتی ہیں، قارون نے تعلقات سے فائدہ اٹھا کر خوب دولت سمیٹی یا کہتے ہیں: کیمیا گر تھا، تانبا پیتل کا سونا بنا کر ڈھیر لگایا، جب بنی اسرائیل دریا سے پار ہوئے تو وہ بھی ساتھ تھا، وہ ظاہر میں مؤمن بنا ہوا تھا مگر سامری کی طرح منافق تھا، حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کی عزت دیکھ کر اس کا دل کباب ہوتا تھا، پھر جب زکات کا حکم آیا اور اس سے زکات نکالنے کے لئے کہا گیا تو بات اس کی برداشت سے باہر ہوگئی، اس نے ایک عورت کو بہکا کر تیار کیا کہ جب موسیٰ علیہ السلام مجمع میں زنا کی سزا بیان کریں تو تو ان کو اپنے ساتھ متہم کرنا، وہ اپنی حرکت کر گذری، موسیٰ علیہ السلام نے اس کو شدید قسمیں دیں اور اللہ کے غضب سے ڈرایا تو وہ کھل گئی، اس نے اعتراف کیا کہ قارون نے اس کو پٹّی پڑھائی تھی، اس وقت وہ موسیٰ علیہ السلام کی بددعا سے مع اس کے خزانے کے زمین میں دھنسا دیا گیا۔

آیاتِ پاک کا ترجمہ اور تفسیر: —— بے شک قارون موسیٰ کی برادری کا تھا، پس اس نے قوم پر سر ابھارا —— شرارت کرنے لگا —— اور ہم نے اس کو اتنے خزانے دیئے تھے کہ اس کی چابیاں ایک زور آور جماعت کو گراں بار کرتی تھیں —— یعنی مال کے صندوق اتنے تھے کہ ان کی کنجیاں اٹھاتے ہوئے کئی زور آور آدمی تھک جاتے تھے —— جب اس سے اس کی قوم نے کہا: (اپنی دولت پر) اترا مت! بے شک اللہ تعالیٰ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتے —— جو کام اللہ کو نہ بھائے وہ کام کبھی نہیں کرنا چاہئے —— اور چاہ تو آخرت کا گھر اس مال سے جو تجھ کو اللہ نے دیا ہے —— یعنی اللہ کے لئے مال خرچ کر کے اپنی آخرت سنوار —— اور اپنا دنیا کا حصہ مت بھول —— یعنی اسراف کے بغیر کھا پی اور پہن، اس میں کچھ حرج نہیں —— اور (غریبوں کے ساتھ) حسن سلوک کر جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ حسن سلوک کیا ہے —— کیونکہ غریبوں کے نصیب کا بھی تجھے ملا ہے، پس ان کو پہنچا —— اور زمین میں بگاڑ مت چاہ، بے شک اللہ تعالیٰ فسادیوں کو پسند نہیں کرتے —— یعنی سیدھی راہ چل، پیسے کے بوتے پر زمین میں اودھم مچانا اور خرابیاں ڈالنا اچھا نہیں۔

قارون نے کہا: مجھے سب کچھ میری ہنر مندی سے ملا ہے! —— اللہ نے مجھے کہاں دیا ہے؟ —— کیا اس کو خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے پہلے ایسی جماعتوں کو ہلاک کر چکے ہیں جو اس سے زور آور اور تعداد میں زیادہ تھیں؟ —— یعنی اللہ

نے ان کا سب کچھ لے لیا، نہ مال رہا نہ مالدار، اور یہ لے لینا دلیل ہے کہ دیا بھی اسی نے تھا، ورنہ اس کو لینے کا کیا حق تھا؟
—— اور مجرموں سے ان کے گناہوں کے بارے میں پوچھا نہیں جاتا —— وجہ بتاؤ؟ نوٹس نہیں دیا جاتا، وقت آنے پر
یکدم مونڈی پکڑ کر کاٹ دی جاتی ہے، تیرا بھی جب وقت آئے گا یہی حشر ہوگا۔

عذاب کا کوڑا آناً فاناً برستا ہے، پھر سنبھلنے کا موقعہ نہیں ملتا!

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِىْ زِيْنَتِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَاۤ اُوْتِىَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿۷۹﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا يُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ﴿۸۰﴾ فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ ۫ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۗ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ ۚ لَوْلَاۤ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ؕ وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع

فَخَرَجَ	پس وہ نکلا	يٰلَيْتَ لَنَا	اے کاش ہمارے لئے (ہوتا)	وَقَالَ	اور کہا
عَلٰى قَوْمِهٖ	اپنی قوم کے سامنے			الَّذِيْنَ	جو
فِىْ زِيْنَتِهٖ	اپنے ٹھاٹھ (آرائش)	مِثْلَ مَاۤ [1]	مانند اس کے جو	اُوْتُوا	دیئے گئے
	میں	اُوْتِىَ	دیا گیا	الْعِلْمَ	علم
قَالَ	کہا	قَارُوْنُ	قارون	وَيْلَكُمْ	ناس ہو تمہارا!
الَّذِيْنَ	جو	اِنَّهٗ	بے شک وہ	ثَوَابُ	بدلہ
يُرِيْدُوْنَ	چاہتے ہیں	لَذُوْ حَظٍّ	قسمت والا ہے	اللّٰهِ	اللہ کا
الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا	دنیا کی زندگی	عَظِيْمٍ	بڑی	خَيْرٌ	بہتر ہے

(۱) مِثْلَ: لیتَ کا اسم مؤخر ہے۔

لِّمَنۡ	اس کے لئے جو	مِنۡ فِئَةٍ	کوئی جماعت	یَبۡسُطُ	کشادہ کرتے ہیں
اٰمَنَ	ایمان لایا	یَّنۡصُرُوۡنَهٗ	جو اس کی مدد کرتی	الرِّزۡقَ	روزی
وَعَمِلَ	اور کیا اس نے	مِنۡ دُوۡنِ	ورے	لِمَنۡ یَّشَآءُ	جس کے لئے چاہتے ہیں
صَالِحًا	نیک کام	اللّٰهِ	اللہ کے	مِنۡ عِبَادِهٖ	اپنے بندوں سے
وَلَا یُلَقّٰهَآ (۱)	اور دور سے نہیں پکڑائے	وَمَا كَانَ	اور نہیں تھا وہ	وَیَقۡدِرُ	اور تنگ کرتے ہیں
	جاتے جنت	مِنَ الۡمُنۡتَصِرِیۡنَ (۲)	بدلہ لینے والوں میں سے	لَوۡلَآ	اگر نہ ہوتی
اِلَّا	مگر	وَاَصۡبَحَ	اور صبح کی	اَنۡ	(یہ بات) کہ
الصّٰبِرُوۡنَ	صبر شعار لوگ	الَّذِیۡنَ	جنھوں نے	مَّنَّ اللّٰهُ	احسان کیا اللہ نے
فَخَسَفۡنَا	پس دھنسادیا ہم نے	تَمَنَّوۡا	آرزو کی تھی	عَلَیۡنَا	ہم پر
بِهٖ	اس کو	مَكَانَهٗ	اس جیسا ہونے کی	لَخَسَفَ	تو دھنسایا جاتا
وَبِدَارِهٖ	اور اس کے گھر کو	بِالۡاَمۡسِ	گذشتہ کل	بِنَا	ہم کو
الۡاَرۡضَ	زمین میں	یَقُوۡلُوۡنَ	کہہ رہے ہیں	وَیۡكَاَنَّهٗ	ارے! گویا
فَمَا كَانَ	پس نہیں تھی	وَیۡكَاَنَّ (۳)	ارے! گویا	لَا یُفۡلِحُ	کامیاب نہیں ہوتے
لَهٗ	اس کے لئے	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ	الۡكٰفِرُوۡنَ	اللہ کا انکار کرنے والے

قارون کا باقی قصہ

پس قارون اپنی برادری کے سامنے اپنی آرائش کے ساتھ نکلا ــــ لباسِ فاخر پہن کر، حشم وخدم کو ساتھ لے کر، شان وشوکت کے ساتھ کہیں جارہا تھا، اس کو دیکھ کر طالبینِ دنیا کی رال ٹپک گئی ــــ ان لوگوں نے جو دنیا چاہتے تھے کہا: کیا خوب ہوتا! جو ہمیں بھی قارون جیسا مال سامان ملا ہوتا! واقعی وہ بڑا خوش نصیب ہے! ــــ اس کی زندگی قابلِ رشک ہے!

اور جن لوگوں کو اللہ نے علم دیا تھا، انھوں نے کہا: تمہارا ناس ہو! اللہ کا ثواب بدرجہا بہتر ہے اس شخص کے لئے جو ایمان لایا، اور اس نے نیک کام کیا، اور جنت نہیں عطا کی جاتی مگر صبر شعار لوگوں کو! ــــ یعنی ذی علم لوگوں نے کہا: کم بختی

(۱) یُلَقّٰی: مضارع مجہول منفی، واحد مذکر غائب، مصدر تَلْقِیَة (تفعیل): دور سے پھینک کر کوئی چیز پکڑانا، دینا، عطا کرنا......ھا کا مرجع آخرت (جنت) ہے، جو ثواب سے سمجھا جاتا ہے (۲) اِنْتِصَار: بدلہ لینا (۳) ویکأن: میں نحویوں کا بڑا اختلاف ہے (لغات القرآن) میرے نزدیک: وَیْ: ہلکا کلمۂ تعجب یا تحسر ہے، اور کَأَنَّ: حرف مشبہ بالفعل ہے۔

مارو! دنیا کی چمک دمک پر کیا ریجھتے ہو! آخرت کی فکر کرو، صالحین کو آخرت میں جو دولت ملے گی وہ دنیا سے بدر جہا بہتر ہوگی، مگر وہ انہی مؤمنین صالحین کو نصیب ہوگی جو حلال طریقوں سے رزق کماتے ہیں، اور اس پر ثابت قدم رہتے ہیں۔

پس ہم نے اس کو اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا، پس کوئی ایسی جماعت نہیں تھی جو اس کو اللہ کے عذاب سے بچاتی، اور نہ وہ خود اپنے کو عذاب سے بچا سکا! ـــــ یعنی نہ اس کے جتھے نے اس کی مدد کی نہ اس کی اپنی قوت ہی اس کے کچھ کام آئی ـــــ اور صبح کو ـــــ یعنی اس کی ہلاکت کے بعد ـــــ وہ لوگ جو کل گذشتہ ـــــ یعنی ماضی قریب میں ـــــ اس جیسا ہونے کی آرزو کرتے تھے، کہنے لگے: بس جی یوں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتے ہیں روزی کشادہ کرتے ہیں، اور (جس کے لئے چاہتے ہیں روزی) تنگ کرتے ہیں ـــــ یعنی رزق کی تنگی اور کشادگی مقبول ومردود ہونے کا معیار نہیں، اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے جس کے لئے چاہتے ہیں روزی کے دروازے کھولتے ہیں، اور جس کے لئے چاہتے ہیں بند کرتے ہیں، اور ہر حال میں بندوں کا امتحان مقصود ہوتا ہے، یہ بات قارون کا برا انجام دیکھ کر ترقی کے طالبوں کی سمجھ میں آگئی، چنانچہ انھوں نے کہا: ـــــ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ نے ہم پر احسان کیا ـــــ اور قارون جیسا نہیں بنایا، ورنہ ـــــ ہم بھی دھنسا دیئے جاتے! بس جی یوں معلوم ہوتا ہے کہ منکرین کامیاب نہیں ہوتے ـــــ مؤمنین ہی کامیاب ہوتے ہیں، خواہ ان کو دنیا کم ملے یا زیادہ!

> قارون کی دولت کو نادانوں نے کہا کہ اس کی بڑی قسمت ہے! بڑی قسمت یہ نہیں، آخرت کی کامیابی بڑی قسمت ہے!

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۸۳﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾ اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ ۭ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى وَمَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۸۵﴾ وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ

اٰیٰتِ اللّٰهِ بَعۡدَ اِذۡ اُنۡزِلَتۡ اِلَیۡكَ وَادۡعُ اِلٰی رَبِّكَ وَلَا تَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُشۡرِكِیۡنَ ﴿۸۷﴾ وَلَا تَدۡعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ‌ۘ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ‌ كُلُّ شَیۡءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجۡهَهٗ‌ؕ لَهُ الۡحُكۡمُ وَاِلَیۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۸۸﴾

تِلۡكَ	وہ	مِّنۡهَا	اس سے	الۡقُرۡاٰنَ	قرآن
الدَّارُ	گھر	وَمَنۡ جَآءَ	اور جو لایا	لَرَآدُّكَ	ضرور لوٹانے والا
الۡاٰخِرَةُ	پرے کا	بِالسَّیِّئَةِ	برائی		ہے تجھ کو
نَجۡعَلُهَا	بنائیں گے ہم اس کو	فَلَا یُجۡزَی	پس نہیں بدلہ دیئے	اِلٰی مَعَادٍ [۴]	لوٹنے کی جگہ کی طرف
لِلَّذِیۡنَ	ان کے لئے جو		جائیں گے	قُلۡ	کہو
لَا یُرِیۡدُوۡنَ	نہیں چاہتے	الَّذِیۡنَ	وہ جنھوں نے	رَّبِّیۡۤ	میرا پروردگار
عُلُوًّا [۱]	بڑائی	عَمِلُوا	کیں	اَعۡلَمُ	خوب جانتا ہے
فِی الۡاَرۡضِ	زمین میں	السَّیِّاٰتِ	برائیاں	مَنۡ جَآءَ	اس کو جو لایا ہے
وَلَا فَسَادًا	اور نہ بگاڑ	اِلَّا مَا	مگر جو	بِالۡهُدٰی	ہدایت
وَالۡعَاقِبَةُ [۲]	اور اچھا انجام	كَانُوۡا	تھے	وَمَنۡ هُوَ	اور اس کو جو وہ
لِلۡمُتَّقِیۡنَ	پرہیزگاروں کے لئے ہے	یَعۡمَلُوۡنَ	کرتے	فِیۡ ضَلٰلٍ	گمراہی میں ہے
مَنۡ جَآءَ	اور جو لایا	اِنَّ	بے شک	مُّبِیۡنٍ	کھلی
بِالۡحَسَنَةِ	نیکی	الَّذِیۡ	جس نے	وَمَا	اور نہیں
فَلَهٗ	پس اس کے لئے	فَرَضَ [۳]	مقرر کیا	كُنۡتَ	تھے آپ
خَیۡرٌ	بہتر ہے	عَلَیۡكَ	آپ پر	تَرۡجُوۡۤا	امید رکھتے

(۱) عُلوا: عَلاَ یَعْلُو کا مصدر ہے، مادہ کی دلالت بلندی اور رفعت پر ہے، اور اس کا استعمال قابل مدح اور قابل مذمت دونوں کے لئے ہوتا ہے، یہاں سرکشی کے معنی ہیں (۲) العاقبة: عَقَبَ یَعْقُبُ (ن) کا مصدر ہے: پیچھے آنا، اور العاقبة کا استعمال ثواب کے لئے مخصوص ہے (۳) فَرَضَ: مقرر کیا: یعنی اس کے احکام برائے عمل مقرر کئے (۴) مَعاد (ظرف مکان): لوٹ کر آنے کی جگہ یعنی جنت، جو انسانوں کا وطن اصلی ہے۔

اَنْ يُّلْقٰٓى	کہ ڈالی جائے گی	عَنْ اٰيٰتِ	آیتوں سے	مَعَ اللّٰهِ	اللہ کے ساتھ
اِلَيْكَ	آپ کی طرف	اللّٰهِ	اللہ کی	اِلٰهًا اٰخَرَ	دوسرے معبود کو
الْكِتٰبُ	کتاب (قرآن)	بَعْدَ اِذْ	اس کے بعد کہ	لَآ اِلٰهَ	کوئی معبود نہیں
اِلَّا رَحْمَةً	مگر مہربانی ہے	اُنْزِلَتْ	اتاری گئیں وہ	اِلَّا هُوَ	مگر وہی
مِّنْ رَّبِّكَ	آپ کے رب کی	اِلَيْكَ	آپ کی طرف	كُلُّ شَيْءٍ	ہر چیز
فَلَا تَكُوْنَنَّ	پس ہرگز نہ ہوں آپ	وَادْعُ	اور بلا	هَالِكٌ	نابود ہونے والی ہے
ظَهِيْرًا	مددگار	اِلٰى رَبِّكَ	اپنے رب کی طرف	اِلَّا وَجْهَهٗ	مگر اس کا چہرہ
لِّلْكٰفِرِيْنَ	کافروں کے	وَلَا تَكُوْنَنَّ	اور ہرگز نہ ہو تو	لَهُ الْحُكْمُ	اسی کے لئے حکم ہے
وَلَا يَصُدُّنَّكَ (۱)	اور ہرگز نہ روکیں	مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ	مشرکوں میں سے	وَاِلَيْهِ	اور اسی کی طرف
	کافر تجھ کو	وَلَا تَدْعُ	اور نہ پکاریں آپ	تُرْجَعُوْنَ	لوٹائے جاؤ گے تم

ربط: اب آخر سورت تک مؤمنین سے خاص خطاب ہے، ایک دو آیتوں میں نزول کے اعتبار سے نبی ﷺ سے خطاب ہے، مگر وہ بھی نظم قرآنی میں مؤمنین ہی سے خطاب ہے، البتہ آخر میں عام خطاب ہے۔

جنت کس کے لئے ہے؟ —— وہ آخرت کا گھر (جنت) بنائیں گے ہم اس کو ان لوگوں کے لئے جو زمین میں نہ بڑائی چاہتے ہیں نہ بگاڑ، اور اچھا انجام پرہیزگاروں کے لئے ہے —— یعنی ایمان و عمل صالح کے بعد جنت نشیں بنانے والے دو وصف ہیں: ایک: تواضع (خاکساری) دوسرا: اصلاح معاشرہ۔ خاکساری: یہ ہے کہ خود کو مٹی جیسا سمجھے، فی حد ذاتہ دوسروں کو خود سے بہتر جانے، بڑائی نہ چاہنے کا یہی مطلب ہے، اور بگاڑ نہ چاہنے کا مطلب ہے: لوگوں کے احوال کو سنوارنا، اس کی جو بھی صورت ہو...... اور ﴿وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ بطور دلیل لایا گیا ہے کہ جنت نیکوں کی جگہ ہے، بدکاروں کی جگہ نہیں۔

آخرت میں جزاؤ سزا کا ضابطہ: —— جو شخص نیکی لایا: اس کے لئے اس سے بہتر ہے، اور جو شخص بدی لایا: تو جنھوں نے برائیاں کیں: وہ بدلہ نہیں دیئے جائیں گے مگر اسی کا جو وہ کیا کرتے تھے —— اس سے بہتر ہے: یعنی نیکی کا کم از کم دس گنا ثواب پائے گا —— اور نیکی پر وعدہ کیا ہے، پس یقیناً اس کا بدلہ ملے گا —— اور برائی پر وعدہ نہیں کیا، بلکہ فرمایا: اپنے کئے ہی کی سزا ملے گی، کیونکہ بدی معاف بھی ہوسکتی ہے، اور اس کی سزا بڑھتی بھی نہیں۔

(۱) لَايَصُدُّنَّ: نہی، بانون تاکید، جمع مذکر غائب، صَدّ: مصدر باب نصر: روکنا۔ قاعدہ: واحد مذکر غائب میں نون ثقیلہ سے پہلے زبر ہوتا ہے، جیسے لَيَقُوْلَنَّ الذين كفروا اور جمع مذکر غائب میں پیش ہوتا ہے، جیسے یہاں، کیونکہ واو محذوف ہوتا ہے۔

جنت میں پہنچنے کے لئے قرآن پر عمل ضروری ہے: ــــ بے شک جس نے آپ کے لئے قرآن مقرر کیا ہے وہ ضرور آپ کو لوٹنے کی جگہ (جنت) کی طرف لوٹائے گا ــــ انسان کا اصلی وطن جنت ہے، دادا دادی جنت میں بسائے گئے تھے، پھر وہاں سے زمین پر اتارے گئے، اور وطن سے ہر کسی کو محبت ہوتی ہے، ہر شخص اپنے وطن کی طرف لوٹنا چاہتا ہے، مگر وطن کا راستہ پیچ در پیچ ہو تو گائڈ بک کی ضرورت پڑتی ہے، اور وہ قرآنِ کریم ہے، اس کا نزول اسی مقصد سے ہوا ہے، لوگ اس پر عمل کرکے ہی جنت میں پہنچ سکتے ہیں۔

ملحوظہ: اس سورت کا نزول کا نمبر ۴۹ ہے، مکی سورتیں کل ۸۵ ہیں یعنی یہ سورت مکی دور کے وسط میں نازل ہوئی ہے، مگر یہ آیت ہجرت کے وقت اتری ہے، اس کے ذریعہ نبی ﷺ کی تسلی فرمائی ہے کہ پھر مکہ میں آؤ گے، اور خوب اچھی طرح پورے غالب ہوکر آؤ گے، کیونکہ آپ برحق نبی ہیں، اللہ نے آپؐ پر قرآن اتارا ہے، پس یہ وعدہ ضرور پورا ہوگا، جیسے اسی سورت کی (آیت ۵۶): ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ أَحْبَبْتَ، وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ ابوطالب کے بے ایمان مرنے پر نبی ﷺ کی تسلی کے لئے نازل ہوئی ہے، اور نظم قرآنی میں اس کو اس سورت میں رکھا گیا ہے۔ پس نزول کے اعتبار سے معاد سے مکہ مکرمہ مراد ہے، اور نظم قرآنی کے اعتبار سے جنت مراد ہے۔

رسول اللہ ﷺ برحق نبی ہیں اور منکرین صریح گمراہی میں ہیں: ــــ کہو: میرا پروردگار خوب جانتا ہے اس کو جو ہدایت لایا ہے، اور اس کو جو کھلی گمراہی میں ہے ــــ اور آپ کے برحق نبی ہونے کی دلیل آپؐ پر نازل شدہ قرآن ہے ــــ اور آپؐ امید نہیں رکھتے تھے کہ آپؐ پر قرآن اتارا جائے گا، مگر وہ محض آپؐ کے رب کی مہربانی ہے ــــ یعنی آپؐ کچھ رسالت اور نزولِ قرآن کے انتظار میں نہیں تھے، یہ محض رحمتِ الٰہی ہے کہ آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے پیغمبری اور وحی سے سرفراز فرمایا۔

خطاب عام: ــــ پس آپ ہرگز کافروں کے پشت پناہ نہ بنیں ــــ یہ امت کو سنایا کہ تم ان کی حمایت ہرگز مت کرو ــــ اور ہرگز آپ کو کفار نہ روکیں اللہ کی آیتوں (پر ایمان لانے) سے آپ کی طرف ان کے نزول کے بعد ــــ اور آپ اپنے رب کی طرف دعوت دیں، اور ہرگز مشرکوں میں سے نہ ہوں ــــ یعنی اپنی قوم کی ہم نوائی ہرگز مت کرو، بلکہ ان کو اپنے رب کی طرف دعوت دو ــــ اور آپ اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہ پکاریں (کیونکہ) ان کے علاوہ کوئی معبود نہیں (اور کوئی اور معبود کیسے ہوسکتا ہے؟) ہر چیز نابود ہونے والی ہے، سوائے اس کی ذات کے ــــ اور فانی معبود نہیں ہوسکتا ــــ اور اسی کا حکم چلتا ہے ــــ پس وہی معبود برحق ہے ــــ اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے! ــــ یعنی وہی مرجع خلائق ہیں! ان کے علاوہ نہ کوئی خالق ہے نہ مالک!

﴿بحمدہ تعالیٰ ۴ رجب المرجب ۱۴۳۶ھ = ۲۳ مئی ۲۰۱۵ء کو سورۃ القصص کی تفسیر پوری ہوئی﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۃ العنکبوت

نمبر شمار ۲۹ نزول کا نمبر ۸۵ نزول کی نوعیت: مکی آیات ۶۹ رکوع: ۷

یہ آخری مکی سورت ہے، اس کے نزول کا نمبر پچاسی ہے، مکی سورتیں کل پچاسی ہیں۔ یہ سورت ایسے زمانہ میں نازل ہوئی ہے جب مکہ والوں کا ظلم اپنی انتہاء کو پہنچ گیا تھا، وہ نبی ﷺ کو قتل کرنے کا پلان بنا رہے تھے، اور مسلمان وطن چھوڑنے پر مجبور ہو گئے تھے، چنانچہ ان کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیدیا تھا ـــــ ہجرت آسان کام نہیں، وطن، اقرباء اور کاروبار چھوڑ کر خالی ہاتھ چل دینا بڑا مجاہدہ ہے، آدمی سوچتا ہے کہ بے وطنی میں کون پرسانِ حال ہوگا؟ کیا کھاؤں گا، کہاں رہوں گا، کیا کروں گا؟ مگر دین کی خاطر یہ مشقت جھیلنی پڑتی ہے، اب موڑ آگیا تھا کہ یا تو وطن چھوڑے یا دین کو، وطن کو چھوڑنا آسان تھا بہ نسبت دین چھوڑنے کے، اس لئے یہ سورت استقامت علی الدین کے بیان سے شروع ہوئی ہے، فرمایا: آزمائشوں سے مت گھبراؤ، دین پر مضبوط رہو، اور استقامت پر مژدہ سنایا، اور بتایا کہ مجاہدہ میں مجاہد ہی کا نفع ہے ـــــ پھر مجاہدہ کی ایک مثال بیان کی ہے کہ اگر ماں باپ دین چھوڑنے کے لئے دباؤ ڈالیں تو ان کی بات مت مانو، یہ بڑا مجاہدہ ہے ـــــ پھر چند ظالم اقوام واشخاص کی تباہی کا حال سنایا ہے، اس میں مسلمانوں کے لئے اچھے انجام کا اور اعداء کی تباہی کا اشارہ ہے، پھر چند ضمنی سوالوں کے جوابات ہیں۔

پھر یہ بیان شروع ہوا ہے کہ کائنات خاص مقصد سے پیدا کی گئی ہے، جس کو قرآنِ کریم واضح کرتا ہے، اور قرآن کی حقانیت کی تین دلیلیں بیان کی ہیں، اور کفار کے اس مطالبہ کے تین جوابات دیئے ہیں کہ اگر وہ باطل پر ہیں تو اللہ کا عذاب کیوں نہیں آجاتا؟

اس کے بعد مہاجرین کے لئے یہ مضمون بیان کیا ہے کہ اسبابِ رزق اللہ نے پیدا کئے ہیں، اور اللہ تعالیٰ اسبابِ معیشت کی تجدید بھی کرتے ہیں، پس رزق کی فکر میں مت پڑو، اللہ پر بھروسہ کرو، وہ ہر جگہ رزق پہنچائیں گے۔

اس کے بعد یہ مضمون ہے کہ اسبابِ رزق کی طرح اللہ تعالیٰ اس کائنات کی بھی تجدید کریں گے، اور دوسری زندگی ـــــ جو آخری زندگی ہوگی ـــــ اصل زندگی ہوگی، پس اس کے لئے محنت کرنی چاہئے، کیونکہ دنیا کی زینت کفر سے ہے اور آخرت کی ایمان اور اعمالِ صالحہ سے، پھر مشرکین کو اللہ کا یہ عظیم احسان یاد دلایا ہے کہ اللہ نے حرم شریف کو امن کی جگہ بنایا ہے، اللہ کے اس احسان کا شکر بجالاؤ، بتوں کو چھوڑو، اور ایک اللہ پر ایمان لاؤ۔

پھر آخر میں ان لوگوں کا انجام بیان کیا ہے جو کلمہ کے دونوں اجزاء کا انکار کرتے ہیں یا کسی ایک جزء کو نہیں مانتے، اور بالکل آخری آیت میں دین کے لئے مشقتیں جھیلنے والوں سے نصرت کا وعدہ کیا ہے۔

ایاتہا ٦٩ (٢٩) سُوْرَۃُ الْعَنْکَبُوْتِ مَکِّیَّۃٌ (٨٥) رکوعاتہا ٧

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الٓمّٓ ۝١ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ۝٢ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِیْنَ ۝٣ اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ اَنْ یَّسْبِقُوْنَا ؕ سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ ۝٤ مَنْ كَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝٥ وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا یُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ۝٦ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِیَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِیْ كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝٧

بِسْمِ	نام سے	وَهُمْ	اور وہ	وَلَیَعْلَمَنَّ	اور ضرور جانیں گے
اللّٰهِ	اللہ کے	لَا یُفْتَنُوْنَ (٣)	آزمائے نہیں جائیں گے؟	الْكٰذِبِیْنَ	جھوٹوں کو
الرَّحْمٰنِ	نہایت مہربان	وَلَقَدْ	اور البتہ واقعہ یہ ہے	اَمْ حَسِبَ	کیا خیال کرتے ہیں
الرَّحِیْمِ	بڑے رحم والے	فَتَنَّا	(کہ) ہم نے آزمایا	الَّذِیْنَ	جو
الٓمّٓ	الف، لام، میم	الَّذِیْنَ	ان لوگوں کو جو	یَعْمَلُوْنَ	کرتے ہیں
اَحَسِبَ	کیا سمجھا ہے	مِنْ قَبْلِهِمْ	ان سے پہلے ہوئے	السَّیِّاٰتِ	برائیاں
النَّاسُ	لوگوں نے	فَلَیَعْلَمَنَّ	پس ضرور جانیں گے	اَنْ یَّسْبِقُوْنَا	کہ ہمارے ہاتھ سے
اَنْ یُّتْرَكُوْٓا (١)	کہ چھوڑ دیئے جائیں گے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ		نکل جائیں گے؟
اَنْ یَّقُوْلُوْٓا (٢)	یہ کہنے پر کہ	الَّذِیْنَ	ان کو جنھوں نے	سَآءَ مَا	برا ہے جو
اٰمَنَّا	ہم ایمان لائے	صَدَقُوْا	سچ کہا	یَحْكُمُوْنَ	فیصلہ کرتے ہیں وہ

(١) أن یتر کوا: أن مصدریہ، مابعد کے ساتھ مل کر حسب کے دو مفعولوں کے قائم مقام (٢) أن یقولوا: أن مصدریہ، اس سے پہلے لام اجلیہ محذوف ہے، اور جار مجرور یترکوا سے متعلق ہیں (٣) فتن (ض) فَتْنًا: سونے چاندی اور دیگر معدنیات کو جانچنے کے لئے آگ میں تپانا۔ ثانوی معنی: کسی چیز سے آزمانا، کسی آزمائش میں مبتلا کرنا۔

مَنْ كَانَ	جوشخص ہے	جَاهَدَ(1)	پوری طاقت لگائی	الصّٰلِحٰتِ	نیک کام
يَرْجُوْا	امید باندھے ہوئے ہے	فَاِنَّمَا	پس صرف	لَنُكَفِّرَنَّ	ضرور مٹائیں گے ہم
لِقَآءَ اللّٰهِ	اللہ سے ملاقات کی	يُجَاهِدُ	طاقت لگاتا ہے	عَنْهُمْ	ان سے
فَاِنَّ اَجَلَ	پس بیشک مقررہ وقت	لِنَفْسِهٖ	اپنے نفع کے لئے	سَيِّاٰتِهِمْ	ان کی برائیاں
اللّٰهِ	اللہ سے (ملاقات کا)	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ	اور ضرور بدلہ دیں
لَاٰتٍ	ضرور آنے والا ہے	لَغَنِيٌّ	یقیناً بے نیاز ہیں		گے ہم ان کو
وَهُوَ	اور وہ	عَنِ الْعٰلَمِيْنَ	تمام جہانوں سے	اَحْسَنَ(2)	بہترین بدلہ
السَّمِيْعُ	سب کچھ سننے والے	وَالَّذِيْنَ	اور جو لوگ	الَّذِيْ	ان کاموں کا جو
الْعَلِيْمُ	سب کچھ جاننے والے ہیں	اٰمَنُوْا	ایمان لائے	كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ	وہ کیا کرتے تھے
وَمَنْ	اور جس نے	وَعَمِلُوا	اور کئے انھوں نے	۞	۞

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

استقامت علی الدین کا بیان

ربط: گذشتہ سورت کے آخر میں خطاب عام تھا: ﴿وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ آيَاتِ اللّٰهِ بَعْدَ إِذْ أُنْزِلَتْ إِلَيْكَ﴾: اور ہرگز کفار تجھے نہ روکیں اللہ کی آیتوں (پر ایمان لانے) سے، تیری طرف ان کے نزول کے بعد۔ یعنی جب قرآن آ گیا، تو اب ایمان لانے میں دیر کیا؟ اور ایمان لانے کے بعد کسی آزمائش سے گھبرانا نہیں چاہئے۔ یہ سورت استقامت علی الدین کے بیان سے شروع ہو رہی ہے، پہلے مؤمنین کی ڈھارس بندھائی ہے، پھر ظالموں کو دھمکایا ہے اور مجاہدہ پر مژدہ سنایا ہے۔

یہ سورت مکی دور کے آخر میں اتری ہے، وہ پُر آشوب دور تھا، لوگ اسلام قبول کرتے ہوئے ہچکچاتے تھے، کیونکہ جنھوں نے اسلام قبول کیا تھا وہ مصائب میں گھرے ہوئے تھے، اور کفار کے مظالم سے تنگ آ کر مدینہ کی طرف ہجرت کر رہے تھے، چنانچہ یہ سورت اس بیان سے شروع ہوئی ہے کہ جب بھی کوئی نئی ملت وجود میں آتی ہے تو اس کو کٹھنائیوں سے گذرنا پڑتا ہے، یہ آج کوئی نئی بات نہیں، ارشادِ پاک ہے: ـــــ الف، لام، میم ـــــ یہ حروفِ مقطعات ہیں، ان کی مراد

(۱) جاهد في الأمر: پوری طاقت صرف کرنا، پوری کوشش کرنا، نفس، شیطان اور اعدائے اسلام سے ٹکر لینا، مجاہدہ کرنا (۲) أحسن (اسم تفضیل) مضاف الیہ کے ساتھ مل کر نجزی کا مفعول ثانی۔

اللہ تعالیٰ جانتے ہیں ـــــ کیا لوگوں (مسلمانوں) نے سمجھا ہے کہ ان کو چھوڑ دیا جائے گا یہ کہنے پر کہ ہم ایمان لائے، اور ان کو آزمایا نہیں جائے گا؟ ـــــ ضرور آزمایا جائے گا! اللہ کی سنت (طریقہ) یہی ہے کہ ہر ملت کو ابتداء میں سختیاں جھیلنی پڑتی ہیں، ارشادِ پاک ہے: ـــــ بخدا! واقعہ یہ ہے کہ ہم نے ان لوگوں کو جانچا جو ان سے پہلے ہوئے ـــــ یعنی گذشتہ نبیوں کے متبعین بھی سخت آزمائشوں سے گذرے ہیں، بخاری شریف میں حدیث (نمبر ۳۶۱۲) ہے۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا: آپؐ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کریں، اور دعا فرمائیں، دیکھئے کفار نے ہمارا کیا حال کر رکھا ہے؟ اور کرتا اٹھا کر پیٹھ دکھائی، آپ ﷺ کعبہ شریف کے سایہ میں لیٹے ہوئے تھے، آپؐ اٹھ بیٹھے، اور فرمایا: (بس ابھی سے گھبرا گئے) پہلے ایک آدمی زمین میں گاڑا جاتا تھا، پھر آرے سے اس کو چیر دیا جاتا تھا، دوسرے کی کھال اور گوشت لوہے کی کنگھیوں سے اتار لیا جاتا تھا، مگر یہ مظالم ان کو ایمان سے نہیں ہٹاتے تھے۔ بخدا! ضرور یہ دین تکمیل پذیر ہوگا، یہاں تک کہ ایک اونٹ سوار صنعائے یمن سے حضرموت تک چلے گا، اور اسے خدا کے علاوہ اور بکریوں پر بھیڑیے کے علاوہ کوئی ڈر نہیں ہوگا، مگر تم جلدی مچاتے ہو! (ہتھیلی پر سرسوں جمانا چاہتے ہو یعنی تھوڑا انتظار کرو، حالات ضرور پلٹیں گے)

پس ضرور اللہ تعالیٰ جانیں گے ان کو جنھوں نے سچ کہا، اور ضرور جانیں گے جھوٹوں کو ـــــ یعنی اللہ تعالیٰ علانیہ ظاہر کریں گے کہ دعوئے ایمان میں کون سچا ہے اور کون جھوٹا؟ اور اس کے موافق ہر ایک سے معاملہ کریں گے۔

سوال: ﴿لَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ﴾ (ضرور اللہ تعالیٰ جانیں گے) اس سے حدوثِ علم کا وہم ہوتا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ کا علم ازلی ہے، حوادث (واقعات) کے وقوع سے پہلے اللہ تعالیٰ کو ہر بات معلوم ہے، جانچ کی حاجت نہیں۔

جواب: مفسرین کرام نے اس سوال کا مختلف طرح سے جواب دیا ہے، اوپر ایک جواب کی طرف اشارہ کیا ہے، علم باری تعالیٰ کی دو جہتیں ہیں، ایک: اللہ کی جہت، دوسری: بندوں کی جہت، اول ازلی ہے اور دوسری حادث، اللہ تعالیٰ کے علم میں تو سب کچھ ازل سے ہے، مگر اس کے علانیہ اظہار کے لئے آزمائش ضروری ہے، پس لَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ بمعنی لَيُرِيَنَّ اللّٰهُ ہے (ابن عباسؓ)

نظیر: جیسے تقدیر کی دو جہتیں ہیں، اللہ تعالیٰ کی جانب میں تقدیم مبرم (قطعی) ہے، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے شمولِ علم کے ساتھ ٹچ ہے۔ اور بندوں کی جانب میں معلّق (لٹکی ہوئی) ہے، کیونکہ وہ بندوں کے عدم علم کے ساتھ ٹچ ہے (تفصیل تحفۃ القاری شرح صحیح بخاری ۱۱:۳۶۹ میں ہے)

مثال سے وضاحت: جیسے استاذ جانتا ہے کہ فلاں طالب علم جماعت میں اول آئے گا، اور فلاں ناکام ہوگا، مگر اس

جاننے پر احکام مرتب نہیں ہوسکتے، امتحان ضروری ہے، دونوں کے جوابات پوزیشن متعین کریں گے، اسی طرح بلا تشبیہ اللہ تعالیٰ کے علم ازلی پر مدار نہیں رکھا جاسکتا، علانیہ اظہار کے لئے جانچ ضروری ہے، اسی سے حجت قائم ہوگی۔

ظالموں کو دھمکی: ـــــ کیا وہ لوگ جو برائیاں کرتے ہیں ـــــ مسلمانوں کو ستاتے ہیں ـــــ یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ ہمارے ہاتھ سے نکل جائیں گے؟ ـــــ وہ بچ کر کہاں جائیں گے؟ ـــــ برا ہے فیصلہ جو وہ کرتے ہیں ـــــ یعنی مؤمنین کے امتحانات کو دیکھ کر یہ نہ سمجھیں کہ ہم مزے سے ظلم کرتے رہیں گے اور پکڑے نہیں جائیں گے وہ اللہ تعالیٰ سے بچ کر کہاں جاسکتے ہیں؟ جو سخت ترین سزا ان کو ملنے والی ہے اس کے سامنے مسلمانوں کے امتحان کی سختی کچھ بھی نہیں، اگر اِس وقت کی عارضی مہلت سے انھوں نے یہ رائے قائم کرلی ہے کہ وہ ہمیشہ مامون رہیں گے، اور سزا کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاتھ نہیں آئیں گے تو در حقیقت انھوں نے بہت ہی بری بات طے کی ہے، ایسا احمقانہ فیصلہ آنے والی مصیبت کو روک نہیں سکتا (فوائد شبیری)

مجاہدہ پر مُژدہ! ـــــ مُجاہدہ: جان فشانی، سخت محنت۔ دین پر مضبوط جمنا اور اعداء اسلام کی طرف سے آنے والی سختیاں جھیلنا۔ اور ناموافق حالات میں بھی دین پر استوار رہنا بڑا مجاہدہ ہے، اس پر خوش خبری سناتے ہیں ـــــ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملنے کی امید رکھتا ہے وہ (جان لے کہ) اللہ تعالیٰ (سے ملنے) کا مقررہ وقت ضرور آنے والا ہے ـــــ یعنی جو مؤمنین اس توقع پر ظلم وستم سہہ رہے ہیں کہ ان کو آخرت میں اس کا صلہ ملے گا، وہ یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا مقررہ وقت آیا چاہتا ہے، مؤمنین کی توقعات پوری ہوکر رہیں گی ـــــ اور وہ سب کچھ سننے والے سب کچھ جاننے والے ہیں ـــــ یعنی وہ سب کی باتیں سن رہے ہیں اور سب کے احوال دیکھ رہے ہیں، وہ مؤمنین کی محنت رائگاں نہیں کریں گے۔

مجاہدہ میں لوگوں کا اپنا نفع ہے! ـــــ اور جو شخص پوری طاقت لگاتا ہے وہ اپنے فائدے ہی کے لئے پوری طاقت لگاتا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ جہانوں سے بے نیاز ہیں ـــــ یعنی اللہ تعالیٰ کو کسی کی طاعت سے کیا نفع اور معصیت سے کیا نقصان! وہ بے نیاز ذات ہے۔ ہاں بندہ پروردگار کی طاعت میں محنت اٹھائے اس کا پھل دارین میں اس کو ملے گا، مجاہدین کچھ اللہ پر احسان نہیں کرتے، اللہ کا احسان ہے کہ اس نے مجاہدہ کی توفیق دی۔

من نہ کردم خلق تا سُودے کنم ❁ بلکہ تا بر بندگاں جُودے کنم

میں نے مخلوق اس لئے پیدا نہیں کی کہ کچھ فائدہ اٹھاؤں ÷ بلکہ اس لئے پیدا کی ہے کہ بندوں پر بڑی سخاوت کروں۔

ایمان کا صلہ: ـــــ اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے، ہم ضرور ان سے ان کی برائیاں مٹائیں گے، اور ہم ضرور ان کو ان کاموں کا بہترین بدلہ دیں گے جو وہ کیا کرتے تھے ـــــ سورۃ ہود (آیت ۱۱۴) میں ضابطہ ہے:

﴿إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ﴾: بے شک نیک کام برے کاموں کو مٹادیتے ہیں، وضوء اور نماز وغیرہ سے گناہ معاف ہوتے ہیں ـــــ اور ابھی سورۃ القصص (آیت ۸۴) میں آیا ہے: ﴿مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِنْهَا﴾: اور جو شخص نیکی لایا اس کو اس سے بہتر بدلہ ملے گا یعنی زیادہ بدلہ ملے گا، جس کا اقل درجہ دس گنا ہوگا، مؤمنین اس بدلہ پر خوش ہوں، دین پر مضبوط رہیں اور ہر طرح کی سختیاں خندہ پیشانی سے جھیلیں، ان کی محنت رائگاں نہیں جائے گی۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۖ وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۚ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٨﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصَّالِحِينَ ﴿٩﴾

وَوَصَّيْنَا	اور تاکید کی ہم نے	لَكَ	تیرے لئے	بِمَا	ان کاموں سے جو
الْإِنْسَانَ	انسان کو	بِهِ[2]	اس کے خدا ہونے کا	كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ	تم کیا کرتے تھے
بِوَالِدَيْهِ	اس کے ماں باپ کے ساتھ	عِلْمٌ	کچھ علم	وَالَّذِينَ	اور جو لوگ
حُسْنًا[1]	بھلائی کرنے کی	فَلَا تُطِعْهُمَا	پس دونوں کا کہنا	آمَنُوا	ایمان لائے
وَإِنْ	اور اگر		مت مان	وَعَمِلُوا	اور کئے انھوں نے
جَاهَدَاكَ	دباؤ ڈالیں دونوں تجھ پر	إِلَيَّ	میری طرف	الصَّالِحَاتِ	نیک کام
لِتُشْرِكَ	تاکہ شریک ٹھہرائے تو	مَرْجِعُكُمْ	تمہارا لوٹنا ہے	لَنُدْخِلَنَّهُمْ	ضرور داخل کریں
بِي	میرے ساتھ	فَأُنَبِّئُكُمْ	پس آگاہ کروں گا		گے ہم ان کو
مَا لَيْسَ	اس چیز کو کہ نہیں		میں تم کو	فِي الصَّالِحِينَ	نیک لوگوں میں

مجاہدہ کی مثال: ماں باپ شرک کے لئے دباؤ ڈالیں تو ان کی بات مت مانو:

ماں باپ سے زیادہ حق کسی کا نہیں، مگر اللہ کا حق ان سے بھی زیادہ ہے، پس اللہ کی خاطر نہ دین چھوڑے نہ گناہ کرے، حدیث میں ہے: لاطاعةَ لمخلوق فی معصية الخالق: کسی بھی مخلوق کی بات ماننا جائز نہیں خالق کی نافرمانی کے کام

(۱) حُسْنا: مصدر محذوف کی صفت ہو کر وَصَّینا کا مفعول مطلق ہے أی: وصیناہ إیصاء حسنا (۲) بہ میں مضاف محذوف ہے، أی بإلٰھیته: اس کے معبود ہونے کا...... اور علمٌ: لیس کا اسم مؤخر ہے۔

میں، نہ ماں باپ کی، نہ شوہر کی، نہ پیر کی، نہ استاذ کی، نہ بادشاہ کی، اللہ کا حق ان سب کے حقوق سے مقدم ہے۔

آیت کا شانِ نزول: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی والدہ نے جو مشرکہ تھی بیٹے کے اسلام کی خبر سن کر عہد کیا کہ دانہ پانی کچھ نہ چھکوں گی، نہ چھت کے نیچے آرام کروں گی، تا آنکہ سعد اسلام سے پھر جائے، لوگ زبردستی منہ چیر کر کھانا پانی دیتے تھے، اس پر یہ آیات نازل ہوئیں، اور بتلایا کہ اس طرح والدین کا خلافِ حق پر مجبور کرنا ایک ابتلاء ہے، چاہئے کہ مؤمن ثابت قدم رہے، اس کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئے۔

آیاتِ پاک: ـــــ اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا ـــــ یہ حکم اپنی جگہ برحق ہے، قرآن وحدیث اس کی تاکید سے بھرے پڑے ہیں ـــــ اور اگر دونوں تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ شریک ٹھہرائے اس چیز کو جس کے شریک ہونے کا تجھ کو کچھ علم نہیں ـــــ کہاں سے علم ہوگا جب اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ـــــ پس تو ان دونوں کا کہنا مت مان ـــــ اور توحید کو مت چھوڑ ـــــ تم سب کو میرے پاس لوٹ کر آنا ہے، پس میں تم کو تمہارے سب کام جتلا دوں گا ـــــ کہ اولاد اور والدین میں سے کون ناحق تھا اور کون حق پر تھا ـــــ اور کل قیامت کو کیا ابھی بتلا دیتے ہیں ـــــ اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کئے، ہم ان کو ضرور نیک بندوں میں شامل کریں گے ـــــ یعنی ایک اللہ پر ایمان لانے والے ہی برحق ہیں، ان کو نیک بندوں میں شامل کیا جائے گا، اور یہ آدھا مضمون ہے، باقی آدھا فہم سامع پر اعتماد کرکے چھوڑ دیا گیا ہے یعنی مشرک ماں باپ جنھوں نے مؤمن اولاد پر دباؤ ڈالا ہے وہ جہنم میں جائیں گے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ؕ وَلَىِٕنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ؕ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ۝

وَمِنَ النَّاسِ	اور بعضا انسان	فَاِذَآ	پھر جب	فِتْنَةَ	آزمائش کو
مَنْ يَّقُوْلُ	جو کہتا ہے	اُوْذِيَ	وہ ستایا جاتا ہے	النَّاسِ	لوگوں کی
اٰمَنَّا	ایمان لائے ہم	فِي اللّٰهِ[1]	(راہِ) خدا میں	كَعَذَابِ اللّٰهِ	اللہ کے عذاب کی طرح
بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ پر	جَعَلَ	(تو) قرار دیتا ہے	وَلَىِٕنْ جَآءَ	اور بخدا! اگر آئی

(۱) في الله: أي في دين الله: دین کی وجہ سے۔

اللہ تعالیٰ	اللّٰهُ	کیا اور نہیں	اَوَلَيْسَ	مدد	نَصْرٌ
ان لوگوں کو جو	الَّذِيْنَ	اللہ تعالیٰ	اللّٰهُ	تیرے رب کی طرف سے	مِّنْ رَّبِّكَ
ایمان لائے	اٰمَنُوْا	خوب جاننے والے	بِاَعْلَمَ[1]	تو ضرور کہیں گے وہ	لَيَقُوْلُنَّ
اور بخدا ضرور جانیں گے	وَلَيَعْلَمَنَّ	اس کو جو سینوں میں ہے	بِمَا فِيْ صُدُوْرِ	بے شک	اِنَّا
منافقین کو	الْمُنٰفِقِيْنَ	جہاں والوں کے	الْعٰلَمِيْنَ	ہم تھے	كُنَّا
۞	۞	اور بخدا ضرور جانیں گے	وَلَيَعْلَمَنَّ	تمہاری ساتھ	مَعَكُمْ

ان لوگوں کا تذکرہ جو ایمان کا دعوی کرتے ہیں مگر ایمان دلوں میں راسخ نہیں

مسلمانوں کے زُمرے میں بے پینڈے کے لوٹے بھی ہوتے ہیں، ان کو دین کی وجہ سے جب کوئی نقصان یا تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اس کو آخری درجہ کی تکلیف سمجھتے ہیں، خدائی عذاب سمجھتے ہیں، اور دعوئے ایمان سے دست بردار ہونے لگتے ہیں، کفار کی ہم نوائی شروع کردیتے ہیں، قرآنِ کریم ان کو منافق قرار دیتا ہے ــــ اور اگر مسلمانوں کا عروج اور کامیابی دیکھتے ہیں تو باتیں چھانٹتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ تھے ــــ ایسے سب لوگ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہیں، وہ زبانی جمع خرچ کرکے اپنے دلوں کا حال اللہ تعالیٰ سے چھپا نہیں سکتے، اللہ تعالیٰ ان کا حال برملا ظاہر کرنا چاہتے ہیں، تاکہ مسلمان ان کو پہچان لیں۔

آیاتِ پاک: اور بعض لوگ کہتے ہیں: ہم اللہ پر ایمان لائے! پھر جب وہ دین کی وجہ سے ستائے جاتے ہیں تو وہ لوگوں کے ستانے کو اللہ کے عذاب کے مانند قرار دیتے ہیں ــــ یعنی آخری درجہ کا آزار محسوس کرتے ہیں، حالانکہ وہ کہنی کی چوٹ ہوتی ہے جو جلد ہی زائل ہوجاتی ہے ــــ اور بخدا! اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے کوئی مدد آئے تو وہ ضرور کہیں گے: ہم بالیقین تمہارے ساتھ ہیں! ــــ تمہارے اسلامی بھائی ہیں، ہمیں بھی خیر پہنچنی چاہئے ــــ کیا اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم نہیں وہ باتیں جو دنیا جہاں والوں کے سینوں میں ہیں؟ ــــ اللہ کو ہر راز معلوم ہے! ــــ اور بخدا! اللہ تعالیٰ ضرور جانیں گے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور ضرور جانیں گے منافقوں کو ــــ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے: ﴿لَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ﴾ کا ترجمہ لَيُرِيَنَّ اللّٰهُ کیا ہے (ابن کثیر) یعنی اللہ تعالیٰ لوگوں کو دکھلا دیں گے، دودھ اور پانی الگ کردیں گے، لوگ جان لیں گے کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ۭ وَمَا هُمْ

(۱) بأعلم: لیس کی خبر پر باء زائد ہے۔

بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿١٢﴾ وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ۡ وَلَيُسْــَٔـلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿١٣﴾

ع ۱۴/۱۳

وَقَالَ	اور کہا	وَمَا هُمْ	اور نہیں ہیں وہ	مَّعَ اَثْقَالِهِمْ	اپنے بوجھوں کے ساتھ
الَّذِيْنَ	جنھوں نے	بِحٰمِلِيْنَ	اٹھانے والے	وَلَيُسْــَٔـلُنَّ	اور ضرور پوچھے
كَفَرُوْا	اسلام قبول نہیں کیا	مِنْ خَطٰيٰهُمْ	ان کے گناہوں میں سے		جائیں گے
لِلَّذِيْنَ	ان سے جنھوں نے	مِّنْ شَيْءٍ	کچھ بھی	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	قیامت کے دن
اٰمَنُوا	قبول کیا	اِنَّهُمْ	بے شک وہ	عَمَّا	اس بات کے بارے
اتَّبِعُوْا	پیروی کرو	لَكٰذِبُوْنَ	یقیناً جھوٹے ہیں		میں جو
سَبِيْلَنَا	ہماری راہ کی	وَلَيَحْمِلُنَّ	اور وہ ضرور اٹھائیں گے	كَانُوْا	وہ تھے
وَلْنَحْمِلْ	اور ضرور اٹھائیں گے ہم	اَثْقَالَهُمْ	اپنے بوجھ	يَفْتَرُوْنَ	جھوٹی بنایا کرتے
خَطٰيٰكُمْ	تمہارے گناہ	وَاَثْقَالًا	اور دوسرے بوجھ	❁	❁

ضعیف الایمان مسلمانوں کو کافر چکمہ نہ دیں، کوئی کسی کا بوجھ اٹھانے والا نہیں

منافقوں کے تذکرہ کے بعد کمزور ایمان والوں کا تذکرہ کرتے ہیں، ان کو کفار دھوکہ دیتے ہیں، ان کو کفار کی احمقانہ باتوں میں نہیں آنا چاہئے، کفار ایسے مسلمانوں سے کہتے ہیں: اسلام چھوڑ کر ہماری راہ پر آجاؤ، اپنے قدیم دھرم (شرک) کی طرف لوٹ جاؤ، اور ایسا کرنے کو اگر تم گناہ سمجھتے ہو تو ہم تمہارے گناہ اٹھالیں گے، تم بےفکر رہو۔

جواب: وہ لوگ جھوٹے ہیں، قیامت کے دن کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، ہر شخص کو اپنا بوجھ اٹھانا ہوگا، اگر یہ کمزور ایمان والے خدانخواستہ کفر کی طرف پلٹ گئے تو اس کا وبال انہی کے سر پڑے گا، دوسرا کوئی ذمہ دار نہ ہوگا —— ہاں کفار اپنا بوجھ ضرور ڈھوئیں گے، اور ساتھ ہی اضلال (گمراہ کرنے) کا بوجھ بھی ڈھوئیں گے، کیونکہ جو کسی کو گمراہ کرتا ہے یا بہکا پھسلا کر گناہ کراتا ہے اس کے بوجھ کا ایک حصہ اس سبب بنے والے کے ذمہ بھی پڑتا ہے، پس یہ بھی اسی کا بوجھ ہے —— اور کفار نے جو جھوٹی بات گھڑی ہے کہ ہم تمہارا بوجھ اٹھالیں گے: اس کے بارے میں قیامت کے دن ان سے باز پرس ہوگی۔

آیاتِ کریمہ: اور جن لوگوں نے دین اسلام قبول نہیں کیا: ان لوگوں نے اسلام قبول کرنے والوں سے کہا: ہمارے

راستہ کی پیروی کرو ـــــ یعنی کفر کی طرف پلٹ جاؤ ـــــ اور ہم تمہارے گناہ اٹھالیں گے ـــــ اگر کفر کی طرف پلٹنا تمہارے نزدیک گناہ ہو ـــــ اور وہ ان کے گناہوں میں سے کچھ بھی اٹھانے والے نہیں، وہ یقیناً جھوٹے ہیں ـــــ اپنی اس بات میں کہ ہم تمہارا گناہ اوڑھ لیں گے ـــــ اور وہ ضرور اپنے بوجھ اٹھائیں گے، اور دوسرے بوجھ بھی اپنے بوجھوں کے ساتھ، اور وہ قیامت کے دن ضرور پوچھے جائیں گے اس بات کے بارے میں جو وہ گھڑا کرتے تھے ـــــ یہ باز پرس ان کو سزا دینے کے لئے ہوگی۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ؕ فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَ اَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ وَجَعَلْنٰهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۵﴾

وَلَقَدْ	اور بخدا واقعہ یہ ہے	سَنَةٍ	سال	ظٰلِمُوْنَ	ظالم تھے
اَرْسَلْنَا	بھیجا ہم نے	اِلَّا	مگر کم	فَاَنْجَيْنٰهُ	پس بچایا ہم نے اس کو
نُوْحًا	نوح کو	خَمْسِيْنَ	پچاس	وَ اَصْحٰبَ	اور اصحابِ
اِلٰى قَوْمِهٖ	اس کی قوم کی طرف	عَامًا	سال	السَّفِيْنَةِ	کشتی کو
فَلَبِثَ	پس ٹھہرا وہ	فَاَخَذَهُمُ	پس پکڑا ان کو	وَجَعَلْنٰهَآ	اور بنایا ہم نے کشتی کو
فِيْهِمْ	ان میں	الطُّوْفَانُ(۱)	طوفان نے	اٰيَةً	ایک نشانی
اَلْفَ	ہزار	وَهُمْ	اور وہ	لِّلْعٰلَمِيْنَ	جہاں والوں کے لئے

ظالم اقوام کی تباہی: نوح علیہ السلام کی قوم کا واقعہ

اب مکہ کے ظالم کافروں کو اور ضعیف مسلمانوں کو چند ظالم اقوام کی تباہی کا حال سناتے ہیں۔ وہ اقوام یہ ہیں: حضرات نوح و ابراہیم ولوط وشعیب علیہم السلام کی اقوام، اور چند ظالم قوموں کی تباہی کی طرف اشارہ کیا ہے یعنی عاد وثمود اور قارون، فرعون اور ہامان کی تباہی کی طرف۔

نوح علیہ السلام: ماقبل تاریخ کی معروف شخصیت ہیں، وہ انسانوں کے دوسرے دادا ہیں، ساری انسانیت ان کی اولاد ہے، طوفان سے نجات کے بعد دیگر مؤمنین کی نسلیں منقطع ہوگئیں، صرف نوح علیہ السلام کے تین صاحبزدگان کی

(۱) طوفان: وہ آفت جو لوگوں کو گھیر لے، ان کے مکانات اور کھیتوں کو ڈھانپ لے، خواہ وہ بارش ہو یا سیلاب، پس یہ طواف سے اسم جنس ہے (روح)

نسلیں چلیں۔نوح علیہ السلام ان کی قوم میں نبی بنا کر مبعوث کئے گئے،اس زمانہ میں انسانوں کے قد اور عمریں لمبی ہوتی تھیں، ہزار سال سے کم عمریں نہیں ہوتی تھیں،اور قد ساٹھ ہاتھ کا ہوتا تھا۔تورات کی کتاب پیدائش کے شروع میں آدم ونوح علیہما السلام کے درمیان کے آباء کی عمریں مذکور ہیں،اور آدم علیہ السلام کے قد کی لمبائی حدیث میں آئی ہے، پھر عمر اور قد دونوں تیزی سے گھٹے،اور موجودہ حالت پر آ کر ٹھہر گئے، جیسے بچپن سے بائیس سال تک قد تیزی سے بڑھتا ہے پھر ٹھہر جاتا ہے۔

نوح علیہ السلام نے طویل زمانہ تک قوم پر محنت کی، ہر طرح ان کو سمجھایا،قوم بت پرستی کی گمراہی میں مبتلا ہو چکی تھی، بجز چند نفوس کے کسی نے بات نہیں مانی، پس بے حساب بارش برسی،جس نے طوفان کی شکل اختیار کی،نوح علیہ السلام نے پہلے ہی بہ حکم الٰہی کشتی بنائی تھی،اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعہ مؤمنین کو بچالیا،اور باقی قوم باڑ کی زد میں آ گئی۔آج جو چھوٹی بڑی کشتیاں سمندروں میں تیر رہی ہیں وہ سفینۂ نوح کی یادگار ہیں،زمانہ کی تبدیلی کے ساتھ شکلیں بدلی ہیں۔

آیاتِ کریمہ: اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا، پس وہ ان میں پچاس کم ایک ہزار سال تک ٹھہرے —— ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام چالیس سال کی عمر میں مبعوث ہوئے۔ساڑھے نوسو برس دعوت وتبلیغ اور سعی واصلاح میں مصروف رہے، پھر طوفان آیا،طوفان کے بعد ساٹھ سال زندہ رہے،اس طرح کل عمر ایک ہزار پچاس ہوئی (فوائد) —— پس ان کو طوفان نے پکڑا،اور وہ ظالم تھے —— یعنی اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا، بلکہ انھوں نے خود اپنے پیروں پر کلہاڑی ماری —— پس ہم نے نوحؑ کو اور کشتی والوں کو بچالیا —— سنت اللہ یہی ہے۔جب حق اور باطل میں کش مکش کے نتیجہ میں عذاب آتا ہے تو کافر تباہ ہوتے ہیں اور مؤمنین نجات پاتے ہیں —— اور کشتی کو جہاں والوں کے لئے ایک نشانی (یادگار) بنایا —— اب جو جہاز اور کشتیاں ہیں وہ سب نشانی ہیں،جنھیں دیکھ کر سفینۂ نوح کی یاد تازہ ہوتی ہے،اور قدرتِ الٰہی کا نمونہ نظر آتا ہے (فوائد)

وَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ۭ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ۭ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝

وَاِبْرٰهِيْمَ (۱)	اور ابراہیم کو	اَوْثَانًا	مورتیوں کی	لَهٗ	اس کا
اِذْ قَالَ	جب کہا اس نے	وَّ تَخْلُقُوْنَ	اور گھڑتے ہو	اِلَيْهِ	اس کی طرف
لِقَوْمِهِ	اپنی قوم سے	اِفْكًا	جھوٹ	تُرْجَعُوْنَ	لوٹائے جاؤ گے تم
اعْبُدُوا	عبادت کرو	اِنَّ الَّذِيْنَ	بے شک جن کو	وَاِنْ	اور اگر
اللّٰهَ	اللہ کی	تَعْبُدُوْنَ	پوجتے ہو تم	تُكَذِّبُوْا	جھٹلاؤ تم
وَاتَّقُوْهُ	اور ڈرو اس سے	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ سے ورے	فَقَدْ	تو بالیقین
ذٰلِكُمْ	یہ	لَا يَمْلِكُوْنَ	نہیں مالک ہیں وہ	كَذَّبَ	جھٹلایا
خَيْرٌ	بہتر ہے	لَكُمْ	تمہارے لئے	اُمَمٌ	امتوں نے
لَّكُمْ	تمہارے لئے	رِزْقًا (۲)	روزی کے	مِّنْ قَبْلِكُمْ	تم سے پہلے
اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم	فَابْتَغُوْا	پس چاہو	وَمَا	اور نہیں
تَعْلَمُوْنَ	جانتے	عِنْدَ اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کے پاس	عَلَى الرَّسُوْلِ	رسول کی ذمہ داری
اِنَّمَا	صرف	الرِّزْقَ (۳)	روزی	اِلَّا	مگر
تَعْبُدُوْنَ	عبادت کرتے ہو تم	وَاعْبُدُوْهُ	اور عبادت کرو اس کی	الْبَلٰغُ	پہنچانا
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ سے ورے	وَاشْكُرُوْا	اور شکر بجالاؤ	الْمُبِيْنُ	کھول کر

ابراہیم علیہ السلام کی قوم کا واقعہ

نوح علیہ السلام کے عرصہ بعد عظیم المرتبت رسول حضرت ابراہیم علیہ السلام ہوئے ہیں، آپ عراق میں دجلہ اور فرات کے ڈیلٹا میں اُوْرْ شہر میں نمرود (بروزن امرود) کے زمانہ میں مبعوث کئے گئے، آپ نے بھی قوم پر ہر چند محنت کی مگر لوگوں نے ایک نہ سنی، اور دشمنی یہاں تک بڑھی کہ آپ کو نذر آتش کیا گیا، مگر اللہ تعالیٰ نے آگ کو باغ بنا دیا، پھر آپ نے قوم سے مایوس ہو کر فلسطین کی طرف ہجرت کی۔

ارشادِ پاک ہے: اور (بھیجا) ابراہیمؑ کو: جب اس نے اپنی قوم سے کہا: اللہ کی بندگی کرو، اور اس سے ڈرو! — یعنی غیر اللہ کی بندگی مت کرو — یہ تمہارے لئے بہتر ہے، اگر تم سمجھ رکھتے ہو — پس بات بوجھو! — تم اللہ تعالیٰ سے نیچے صرف مورتیوں کو پوجتے ہو — یعنی وہ صرف پتھر کی مورتیں ہیں، وہ خدا کیسے ہو سکتی ہیں؟ — اور تم جھوٹ

(۱) ابراهیم: نوحاً پر معطوف ہے (۲) رزقا: مفعول بہ ہے (۳) نکرہ معادۃ بالمعرفہ عین اول ہوتا ہے۔

گھڑتے ہو ـــــ یعنی ان بتوں کے بارے میں جو تمہارے عقائد ہیں وہ محض اوہام وخیالات ہیں ـــــ بے شک جن کو تم اللہ سے نیچے پوجتے ہو وہ تمہاری روزی کے مالک نہیں ـــــ روزی رساں اللہ تعالیٰ ہیں ـــــ پس اللہ تعالیٰ ہی سے روزی مانگو، اور اس کی عبادت کرو، اور اس کا شکر بجالاؤ ـــــ اللہ تعالیٰ کی بندگی کرنا اس کی روزی کی شکر گذاری ہے ـــــ اسی کی طرف تم پھیرے جاؤ گے ـــــ اس وقت وہ تمہیں اپنی بندگی کا صلہ دے گا اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا دلیل ہے کہ وہی معبود ہے، کوئی اور معبود ہوتا تو وہ اپنی طرف لوٹاتا۔

اور اگر تم (مجھے) جھٹلاتے ہو تو بالیقین ان امتوں نے (اپنے رسولوں کو) جھٹلایا ہے جو تم سے پہلے ہوئی ہیں ـــــ یعنی آج یہ کوئی نئی بات نہیں ـــــ اور رسول کے ذمہ صرف کھول کر پہنچانا ہے ـــــ اور یہ فریضہ میں انجام دے چکا، آگے تم جانو اور تمہارا کام!

اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۱۹﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۰﴾ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۫ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۲۲﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖٓ اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۳﴾

ع ۲ / ۱۴

اَوَلَمْ يَرَوْا	کیا اور نہیں دیکھتے وہ	عَلَى اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ پر	بَدَاَ	شروع کی
كَيْفَ	کیسے	يَسِيْرٌ	آسان ہے	الْخَلْقَ	آفرینش
يُبْدِئُ	شروع کرتے ہیں	قُلْ	کہہ	ثُمَّ اللّٰهُ	پھر اللہ تعالیٰ
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	سِيْرُوْا	چلو پھرو	يُنْشِئُ	پیدا کریں گے
الْخَلْقَ	آفرینش کو	فِي الْاَرْضِ	زمین میں	النَّشْاَةَ	پیدائش
ثُمَّ يُعِيْدُهٗ	پھر لوٹائیں گے وہ اس کو	فَانْظُرُوْا	پس دیکھو	الْاٰخِرَةَ	آخری مرتبہ
اِنَّ ذٰلِكَ	بے شک یہ کام	كَيْفَ	کیسے	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز پر	بِمُعْجِزِيْنَ	عاجز کرنے والے	بِاٰيٰتِ اللّٰهِ	اللہ کی آیتوں کا
قَدِيْرٌ	قادر ہیں	فِي الْاَرْضِ	زمین میں (بھاگ کر)	وَلِقَآئِهٖ	اوران سے ملاقات کا
يُعَذِّبُ	سزا دیں گے	وَلَا فِي السَّمَآءِ	اورنہ آسمان میں (چڑھکر)	اُولٰٓئِكَ	وہ لوگ
مَنْ يَّشَآءُ	جس کو چاہیں گے	وَمَا لَكُمْ	اورنہیں ہے تمہارے لئے	يَئِسُوْا	مایوس ہونگے
وَيَرْحَمُ	اورمہربانی کریں گے	مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ سے ورے	مِنْ رَّحْمَتِيْ	میری مہربانی سے
مَنْ يَّشَآءُ	جس پر چاہیں گے	مِنْ وَّلِيٍّ	کوئی کارساز	وَاُولٰٓئِكَ	اور وہ
وَاِلَيْهِ	اوراسی کی طرف	وَّلَا نَصِيْرٍ	اورنہ کوئی مددگار	لَهُمْ	ان کے لئے
تُقْلَبُوْنَ	پلٹائے جاؤ گے	وَالَّذِيْنَ	اورجنھوں نے	عَذَابٌ	سزا ہے
وَمَآ اَنْتُمْ	اورنہیں ہوتم	كَفَرُوْا	انکار کیا	اَلِيْمٌ	دردناک

آخرت کے امکان ووقوع پر استدلال

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو قوم کو توحید عبادت کی دعوت دی تو اس میں آخرت کی طرف اشارہ کیا ہے، فرمایا: ﴿اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾: اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاؤ گے، مگر اس کی تفصیل نہیں کی، اس لئے اللہ تعالیٰ واقعہ روک کر امکانِ آخرت کی تفصیل کرتے ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں: —— کیا اور نہیں دیکھتے وہ (منکرین آخرت) کہ کیسے شروع کرتے ہیں اللہ تعالیٰ آفرینش کو؟ پھر وہ اس کو لوٹائیں گے، بے شک یہ کام اللہ تعالیٰ پر آسان ہے —— جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ مخلوقات تین طرح پیدا کرتے ہیں:

اول: بے شمار مخلوقات ہر آن اور ہر لمحہ براہ راست مٹی سے پیدا ہورہی ہے، پھل میں اور زخم میں کیڑے پڑجاتے ہیں، مکھی، مچھر اور کھٹمل میل سے پیدا ہوتے ہیں، نالی کی مٹی سے کیا کیا نہیں پیدا ہوتا، برسات میں گھاس میں طرح طرح کے کیڑے اور پتنگے پیدا ہوجاتے ہیں، یہ سب ڈائریکٹ مٹی سے پیدا ہوتے ہیں، ان میں توالدوتناسل نہیں ہوتا، وہ اپنی مدتِ عمر پوری کرکے ختم ہوجاتے ہیں، یہی ان کی قیامت ہے، پھر وہ مٹی سے دوبارہ پیدا ہوتے ہیں، یہی اعادہ اور حیاتِ نو ہے۔

دوم: کچھ مخلوقات براہِ راست مٹی سے بھی پیدا ہوتی ہیں، پھر ان میں توالدوتناسل بھی ہوتا ہے، مچھلی اور مینڈک وغیرہ اس طرح پیدا ہوتے ہیں۔

سوم: بڑی مخلوقات کے پہلے دو فرد (نرومادہ) مٹی سے پیدا کئے گئے، پھر ان میں توالدوتناسل کا سلسلہ جاری کیا، اب وہ مٹی سے براہِ راست پیدا نہیں ہوتے، جیسے انسان، گائے بھینس اور بکری، کبوتر وغیرہ، مگر ان کی نسل بھی بالواسطہ مٹی ہی

سے پیدا ہوتی ہے۔

اور یہ سب کچھ لوگوں کی نگاہوں کے سامنے ہو رہا ہے، پس قیامت کے دن دوبارہ مٹی سے پیدا ہونے میں کیا استبعاد رہ جاتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے لئے یہ کام کچھ مشکل نہیں۔

یہ تو حضر میں آپ نے مخلوقات کا مشاہدہ کیا، اب ذرا سفر میں نکلیں، زمین کی سیر کریں، آفرینش کی حیرت انگیز صورتیں اور نئی نئی مخلوقات سامنے آئیں گی۔ ارشادِ پاک ہے: کہیں: چلو زمین میں، پس دیکھو: کیسے شروع کی آفرینش، پھر اللہ تعالیٰ آخری مرتبہ مخلوقات کو پیدا کریں گے، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں —— اول وثانی: دونوں مرتبہ پیدا کرنے پر پوری قدرت رکھتے ہیں، ان کی قدرت پہلی مرتبہ پیدا کرنے تک محدود نہیں —— اور ﴿النَّشْأَةَ الآخِرَةَ﴾ میں اشارہ ہے کہ کائنات کی تجدید (نئے سرے سے آفرینش) بس ایک مرتبہ ہوگی، پھر وہی خلقت تا ابد چلتی رہے گی، جنت وجہنم ابدی ہیں۔

قیامت کے احوال: —— سزا دیں گے جس کو چاہیں گے، اور مہربانی کریں گے جس پر چاہیں گے —— یہ عموم قدرت کا بیان ہے، ضدین پر اللہ تعالیٰ یکساں قادر ہیں —— اور تم اسی کی طرف پلٹائے جاؤ گے —— کیونکہ وہی خالق ومالک ہیں، پس وہی معبود بھی ہیں —— اور تم زمین میں عاجز کرنے والے ہو نہ آسمان میں —— نہ زمین کے سوراخوں میں گھس کر سزا سے بچ سکتے ہو، نہ آسمان میں اڑ کر —— اور تمہارے لئے اللہ کے سوا نہ کوئی کارساز ہے نہ کوئی مددگار —— کوئی بھی طاقت تمہاری حمایت ومدد کو نہیں پہنچ سکتی۔

اور جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں اور ان کی ملاقات کا انکار کیا: وہ میری مہربانی سے مایوس ہونگے، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا —— اس کا مقابل فہم سامع پر اعتماد کر کے چھوڑ دیا ہے یعنی جو لوگ اللہ کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ دیدارِ خداوندی کے امیدوار ہیں: وہی اللہ تعالیٰ کی مہربانی کے حقدار ہونگے، وہی آخرت میں سرخ رو ہونگے، اور اللہ کی جنت کے مزے لوٹیں گے۔

نوٹ: رکوع اس آیت پر لگنا چاہئے، ایک آیت پہلے لگ گیا ہے۔

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ

بَعۡضُكُمۡ بَعۡضًا ۫ وَّمَاۡوٰٮكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِيۡنَ ۚ ۲۵ فَاٰمَنَ لَهٗ لُوۡطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّىۡ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّىۡ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ۲۶ وَوَهَبۡنَا لَهٗۤ اِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ وَجَعَلۡنَا فِىۡ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالۡكِتٰبَ وَاٰتَيۡنٰهُ اَجۡرَهٗ فِى الدُّنۡيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِى الۡاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ۲۷

فَمَا كَانَ	پس نہیں تھا	لَاٰيٰتٍ	البتہ نشانیاں ہیں	الدُّنۡيَا	دنیا کی
جَوَابَ (۱)	جواب	لِّقَوۡمٍ	لوگوں کے لئے	ثُمَّ	پھر
قَوۡمِهٖۤ	اس کی قوم کا	يُّؤۡمِنُوۡنَ	جو ایمان رکھتے ہیں	يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ	قیامت کے دن
اِلَّاۤ اَنۡ	مگر یہ کہ	وَقَالَ	اور کہا اس نے	يَكۡفُرُ	انکار کرے گا
قَالُوا	کہا انھوں نے	اِنَّمَا (۳)	اس کے علاوہ نہیں	بَعۡضُكُمۡ	تمہارا بعض
اقۡتُلُوۡهُ	مار ڈالو اس کو	اتَّخَذۡتُمۡ	(کہ) بنایا ہے تم نے	بِبَعۡضٍ	بعض کا
اَوۡ حَرِّقُوۡهُ	یا جلا دو اس کو	مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ	اللہ سے ورے	وَّيَلۡعَنُ	اور لعنت بھیجے گا
فَاَنۡجٰٮهُ	پس بچا لیا اس کو	اَوۡثَانًا	مورتیوں کو	بَعۡضُكُمۡ	تمہارا بعض
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ نے	مَّوَدَّةَ (۴)	بر بنائے محبت	بَعۡضًا	بعض پر
مِنَ النَّارِ	آگ سے	بَيۡنِكُمۡ	باہمی	وَّمَاۡوٰٮكُمُ	اور تمہارا ٹھکانہ
اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ (۲)	بے شک اس میں	فِى الۡحَيٰوةِ	زندگی میں	النَّارُ	دوزخ ہے

(۱) جوابَ: کان کی خبر مقدم ہے۔ اور أن قالوا: اسم مؤخر، اور ما و لا (نفی اثبات) حصر کے لئے ہیں۔ قاعدہ: جس چیز کا حصر کرنا ہوتا ہے اس کو إلا کے بعد لاتے ہیں۔ جیسے ما زید إلا قائم اور ما قائم إلا زید، اول میں قیام کا حصر ہے اور ثانی میں زید کا، آیت میں سزا کو دو صورتوں میں منحصر کیا ہے (۲) ذلك کا مشار الیہ آگ سے نجات دینا ہے۔ قاعدہ: جیسے ضمیر کا مرجع اقرب ہوتا ہے، مشار الیہ بھی اقرب ہوتا ہے (۳) إنما کلمۂ حصر ہے، اس کا فارسی ترجمہ: جزیں نیست ہے یعنی اس کے علاوہ نہیں، بس یہی، صرف یہی، اور حصر مودۃ کا کرنا ہے یعنی علتِ اتخاذ محض عقیدت کا غلو ہے (۴) مودۃً: اتخذتم کا مفعول لہٗ ہے، اور مفعول لہٗ وجہ بیان کرتا ہے، جیسے ضربتُه تأدیبًا: میں نے اس کو سلیقہ سکھانے کے لئے مارا، پس مورتیوں کو معبود بنانے کی وجہ عقیدت کا غلو ہی ہے، جیسے جاہل مسلمان اولیاء کی قبور پر مراسم عبودیت بجالاتے ہیں، اس کی وجہ بھی محض عقیدت کا غلو ہے یا جیسے عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں غلو کرتے ہیں اور ان کو تہائی خدا مانتے ہیں۔

وَمَا لَكُمْ	اور نہیں ہوگا تمہارے لئے	اِنَّهٗ هُوَ	بے شک وہی	النُّبُوَّةَ	نبوت
مِّنْ نّٰصِرِيْنَ	کوئی بھی مددگار	الْعَزِيْزُ	زبردست	وَالْكِتٰبَ	اور کتاب
فَاٰمَنَ	پس ایمان لایا	الْحَكِيْمُ	حکمت والا ہے	وَاٰتَيْنٰهُ	اور دیا ہم نے اس کو
لَهٗ	اس پر	وَوَهَبْنَا	اور بخشا ہم نے	اَجْرَهٗ	اس کا بدلہ
لُوْطٌ	لوطؑ	لَهٗۤ	اس کو	فِي الدُّنْيَا	دنیا میں
وَقَالَ	اور کہا اس نے	اِسْحٰقَ	اسحاق	وَاِنَّهٗ	اور بے شک وہ
اِنِّيْ	بے شک میں	وَيَعْقُوْبَ	اور یعقوب	فِي الْاٰخِرَةِ	آخرت میں
مُهَاجِرٌ	ہجرت کرنے والا ہوں	وَجَعَلْنَا	اور گردانی ہم نے	لَمِنَ	نیک بندوں میں سے
اِلٰى رَبِّيْ	میرے پروردگار کی طرف	فِيْ ذُرِّيَّتِهِ	اس کی اولاد میں	الصّٰلِحِيْنَ	ہے

ابراہیم علیہ السلام کا باقی قصہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بت پرست قوم پر لمبے عرصہ تک محنت کی، ان کو مورتیوں کا بوگس ہونا سمجھایا، جب نہیں سمجھے تو عملی طور پر سمجھایا، مورتیوں کی مرمت کرڈالی، پھر جب قوم معقول جواب دینے سے عاجز رہ گئی تو انھوں نے باہم مشورہ کرکے عملی فیصلہ کیا، ارشادِ پاک ہے: —— پس ابراہیمؑ کی قوم کا جواب یہی تھا کہ انھوں نے کہا: اس کو (تلوار سے) قتل کردو یا آگ میں جلادو —— تاکہ سسک سسک کر مرے —— پھر باہمی مشورہ سے دوسری صورت طے پائی، اور ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال دیا —— پس اللہ تعالیٰ نے ان کو آگ سے بچالیا —— آگ کو حکم دیا کہ ٹھنڈی ہوجا اور گل وگلزار بن جا، چنانچہ ابراہیم علیہ السلام صحیح سلامت آگ سے نکل آئے —— بے شک اس میں یقیناً نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں۔

نشانیاں: کہتے ہیں: جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مورتیوں کو توڑا تو قوم مقدمہ نمرود بادشاہ کے پاس لے گئی، نمرود خدائی کا دعوے دار تھا، ابراہیم علیہ السلام طلب کئے گئے، آپ نے اس کو بھی توحید کی دعوت دی، وہ ہکا بکا رہ گیا، دلائل توحید کا جواب نہ دے سکا، پس کھسیانی بلّی کھمبا نوچے، اس نے کہا: میں تجھے جہنم رسید کروں گا، اور میں اپنی جنت (باغ) میں جاؤں گا، چنانچہ اس نے رعایا کو حکم دیا کہ سوختہ جمع کرو، اور میرے لئے جنت بناؤ، قوم نے چھ ماہ سوختہ ڈھویا، جب لاوا بھڑکا تو یہ حال تھا کہ اس کے قریب نہیں جاسکتے تھے، چنانچہ گوپھن کے ذریعہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکا، مگر آپ آگ سے صحیح سلامت نکل آئے، قوم حیرت زدہ رہ گئی، مگر ایمان نہیں لائی، اس واقعہ میں مؤمنین کے

لئے کئی ایک نشانیاں ہیں، مثلاً:

۱- جب حق اور باطل میں آویزش ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ انبیاء کو اور مؤمنین کو سرخ رو کرتے ہیں، اور مخالفین منہ کی کھاتے ہیں، اس واقعہ میں بھی ابراہیم علیہ السلام کی جیت ہوئی اور قوم نامراد ہوئی، پس یہ واقعہ ابراہیم علیہ السلام کے برحق ہونے کی دلیل ہے۔

۲- دنیا دارالاسباب ہے، مسببات اسباب سے پیدا ہوتے ہیں، مگر اسباب خود کار نہیں، اسباب پر مسبب الاسباب کا کنٹرول ہے، اسباب ان کے حکم سے کام کرتے ہیں، اس واقعہ سے یہ بات بھی واضح ہوئی، اللہ تعالیٰ نے آگ کو حکم دیا وہ ٹھنڈی ہوگئی اور سلامتی بن گئی، یعنی اس کی فطرت بدل گئی —— اور ابراہیم علیہ السلام کا یہ واقعہ کوئی انوکھا واقعہ نہیں، آئے دن ایسے واقعات پیش آتے ہیں، مکان میں آگ لگتی ہے، اہل خانہ جل کر بھسم ہو جاتے ہیں، اور ایک بچہ زندہ سلامت نکل آتا ہے اور یہی حال پانی ہوا کا بھی ہے، پانی ڈوباتا ہے، ہوا اڑاتی ہے، مگر اس وقت جب اللہ کا حکم ہو، ورنہ کچھ نہیں ہوتا۔

۳- کبھی ظاہر و باطن مختلف ہوتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ دجال کے ساتھ جنت وجہنم ہونگے، اس کی جنت درحقیقت دوزخ ہوگی اور دوزخ جنت ہوگی، نبی ﷺ نے فرمایا: ''اس کی دوزخ میں گرنا، وہ جنت ہوگی'' اس واقعہ سے یہ بات بھی سمجھ میں آگئی آتش نمرود بظاہر آگ تھی، اور بہ باطن ٹھنڈی سلامتی تھی۔

فائدہ: نمرود کے لئے جنت بھی بنائی گئی تھی، مگر اس کو اس میں جانا نصیب نہ ہوا، مچھر اس کے دماغ میں گھس گیا، اور بھیجا کھا کر اس کا کام تمام کر دیا۔

اور (آگ سے نکل کر یا پہلے) اس نے (یہ بھی) کہا کہ تم نے اللہ کو چھوڑ کر مورتیوں کو اپنایا ہے، آپسی محبت ہی کی وجہ سے دنیوی زندگی میں —— بت پرستی کی جڑ یہی ہے، عقیدت ومحبت کا غلو شرک تک پہنچاتا ہے، قوم میں کچھ نیک لوگ ہوتے ہیں، جنھیں لوگ محبوب رکھتے ہیں، جب وہ انتقال کر جاتے ہیں تو لوگ جوش محبت میں ان کی تصویریں بنا کر بطور یادگار رکھ لیتے ہیں، پھر اگلی نسل میں ان تصویروں کی تعظیم شروع ہو جاتی ہے، وہی تعظیم بڑھتے بڑھتے عبادت کی شکل اختیار کر لیتی ہے، یا تصویریں بنانے کے بجائے ان اولیاء کی قبروں کی تعظیم شروع ہو جاتی ہے، جو رسوم شرک تک پہنچا دیتی ہے —— مگر یہ آپسی محبت ومودت اس دنیا تک ہے —— پھر قیامت کے دن تمہارے بعض بعض کا انکار کریں گے —— اولیائے کرام قبوریوں سے دست بردار ہو جائیں گے —— اور تمہارے بعض بعض پر لعنت بھیجیں گے —— معبود عابدوں پر اور عابد معبودوں پر —— اور تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہے، اور تمہارا کوئی مددگار نہیں! —— جو تمہیں دوزخ کی آگ سے بچالے۔

پس ان پر لوط ایمان لایا ـــــ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے، ان کے علاوہ قوم کے کسی مرد نے نہیں مانا، اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ اس لئے نہیں کیا کہ وہ اہل خانہ تھیں، اور بیوی شوہر کے زیر اثر ہوتی ہے، اور عورتیں عام طور پر مردوں کے تابع سمجھی جاتی ہیں ـــــ اور یہاں وقفِ لازم اس لئے ہے کہ کوئی اگلے قال کا فاعل لوط علیہ السلام کو نہ بنادے، اس کے فاعل ابراہیم علیہ السلام ہیں۔

اور انھوں نے (ابراہیم علیہ السلام نے) کہا: میں میرے رب کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں ـــــ عبارت میں مجاز بالحذف ہے، أي إلى ما أمرني به ربي: جدھر ہجرت کرنے کا اللہ نے مجھے حکم دیا ہے یا اللہ کو منظور ہے، کیونکہ آپ اللہ کے بھروسہ پر وطن سے نکل کھڑے ہوئے تھے، پہلے مصر پہنچے، وہ جگہ راس نہ آئی، تو شام میں فلسطین میں پہنچ گئے اور وہاں بس گئے ـــــ بے شک وہ زبردست حکمت والے ہیں ـــــ وہ میری حفاظت کریں گے اور مجھے شادکام کریں گے ـــــ اس میں مدینہ کی طرف ہجرت کرنے والوں کے لئے بڑا سبق ہے۔

اور ہم نے ان کو اسحاق (بیٹا) اور یعقوب (پوتا) بخشا، اور ہم نے اس کی نسل میں نبوت اور کتاب رکھی، اور ہم نے اس کو دنیا میں اس کا بدلہ دیا، اور وہ آخرت میں یقیناً نیک بندوں میں سے ہے ـــــ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آٹھ صاحبزادے تھے، پلوٹھے حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے، جو بی بی ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے، دوسرے: حضرت اسحاق علیہ السلام تھے، جو حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک اور شادی کی تھی، اس بی بی کا نام قطورہ تھا، ان کے بطن سے ابراہیم علیہ السلام کے چھ بیٹے پیدا ہوئے (قصص القرآن ۱: ۲۵۵ مولانا حفظ الرحمٰن مجاہد ملت) اور حضرت یعقوب علیہ السلام: حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے ہیں، ان دو کا ذکر اس لئے کیا کہ ہجرت کی جگہ فلسطین میں یہی تھے ـــــ اور ہم نے ان کی نسل میں: یعنی ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں ـــــ حضرت ابراہیم علیہ السلام ابوالانبیاء ہیں، ان کے بعد ان کی اولاد ہی میں نبوت اور آسمانی کتابوں کا سلسلہ چلا ـــــ اور ہم نے ان کو دنیا میں ان کا صلہ دیا یعنی راہِ خدا میں ان کی قربانیوں کی وجہ سے دنیا میں اللہ تعالیٰ نے مال واولاد اور عزت دی اور ہمیشہ کے لئے نیک نام بنایا ـــــ اور آخرت میں اعلیٰ درجہ کے صالحین کی جماعت میں شامل ہونگے۔

فائدہ: یہاں اگر کسی کے ذہن میں سوال پیدا ہوا کہ آگ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کیوں نہیں جلایا؟ آگ کی خاصیت جلانا ہے، اس کا جواب پہلے آگیا ہے کہ اسباب خودکار نہیں یعنی ان کی خاصیت ذاتی نہیں جو جدا نہ ہوسکے، بلکہ اللہ کے رکھنے سے ان میں تاثیر پیدا ہوتی ہے، پس اللہ تعالیٰ اس تاثیر کو جدا بھی کرسکتے ہیں، ہندو میتھالوجی (مذہبیات) میں سیتا بائی کا آگ کے ذریعے امتحان کیا جانا مشہور ہے، وہ جلی نہیں تھیں، اور مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب

رحمہ اللہ نے قصص القرآن (جلد۱، ص:۱۳۳) میں لندن ٹائمز کے حوالے سے ایک واقعہ لکھا ہے۔

واقعہ: گذشتہ سال لندن اور امریکہ میں خدا بخش کشمیری نے دہکتی ہوئی آگ پر چلنے کا اس طرح مظاہرہ کیا کہ خود بھی چلا اور دوسرے اشخاص کو بھی اپنے ساتھ آگ پر سے گذارا اور اُس کے بعد تمام سائنس دانوں نے اس کے جسم کا طرح طرح سے تجربہ کر کے یہ معلوم کرنا چاہا کہ شاید وہ فائر پروف ہو، مگر ناکام رہے، اور اُن کو اقرار کرنا پڑا کہ اُس کا جسم اور آگ پر گذرنے والے دوسرے اشخاص کا جسم عام انسانوں کے جسم سے زیادہ کوئی خاص کیفیت نہیں رکھتا اور انتہائی حیرت واستعجاب کے ساتھ اس کا اعتراف کیا کہ وہ اس حقیقت کے سمجھنے سے عاجز ہیں کہ ایسا کیوں ہوتا ہے کہ آگ موجود ہے اور نہیں جلاتی۔

پس علم کی فراوانی کے باوجود جب کہ ہمارے عجز کا یہ عالم ہے تو ہم کو کیا زیبا ہے کہ علم یقین (وحی) کی بیان کردہ حقیقت (معجزہ) کا اس لئے انکار کردیں کہ ہماری عقل عام حالات میں سبب کے بغیر کسی مسبب کو دیکھنے کی عادی نہیں ہے۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ۡ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۙ وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ ؕ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۹﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۳۰﴾ وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۚ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا ؕ قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ۫ لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۫ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَلَمَّآ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ۫ اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَاَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۳۳﴾ اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰٓى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۳۵﴾

ع ۱۵

وَلُوْطًا	اور (بھیجا) لوطؑ کو	اِذْ قَالَ	جب کہا اس نے	لِقَوْمِهٖٓ	اپنی قوم سے

عربی	ترجمہ	عربی	ترجمہ	عربی	ترجمہ
اِنَّكُمْ	بے شک تم	ائْتِنَا	ہمارے پاس لا	قَالَ	کہا اس نے
لَتَاْتُوْنَ	البتہ کرتے ہو	بِعَذَابِ اللّٰهِ	اللہ کا عذاب	اِنَّ فِيْهَا	بے شک اس میں
الْفَاحِشَةَ	ایسا بے حیائی کا کام	اِنْ كُنْتَ	اگر ہے تو	لُوْطًا	لوط ہیں
مَا سَبَقَكُمْ	(کہ) نہیں بڑھا تم سے	مِنَ الصّٰدِقِيْنَ	سچوں میں سے	قَالُوْا	کہا انھوں نے
بِهَا	اس کام کے ساتھ	قَالَ	کہا اس نے:	نَحْنُ اَعْلَمُ	ہم خوب جانتے ہیں
مِنْ اَحَدٍ(۱)	کوئی بھی	رَبِّ	اے میرے رب	بِمَنْ فِيْهَا	ان کو جو اس میں ہیں
مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ	جہاں والوں میں سے	انْصُرْنِيْ	مدد فرما میری	لَنُنَجِّيَنَّهٗ	بالضرور ہم بچالیں گے اس کو
اَئِنَّكُمْ	بے شک تم	عَلَى الْقَوْمِ	لوگوں پر	وَ اَهْلَهٗٓ	اور اس کے گھر والوں کو
لَتَاْتُوْنَ	یقیناً آتے ہو	الْمُفْسِدِيْنَ	فساد کرنے والے	اِلَّا امْرَاَتَهٗ	مگر اس کی بیوی کو
الرِّجَالَ	مردوں کو	وَلَمَّا جَآءَتْ	اور جب آئے	كَانَتْ	ہے وہ
وَتَقْطَعُوْنَ	اور کاٹتے ہو	رُسُلُنَآ	ہمارے فرستادے	مِنَ الْغٰبِرِيْنَ	باقی رہ جانے والوں میں سے
السَّبِيْلَ	راہ	اِبْرٰهِيْمَ	ابراہیم کے پاس	وَ لَمَّآ	اور جب
وَ تَاْتُوْنَ	اور کرتے ہو	بِالْبُشْرٰى	خوش خبری لے کر	اَنْ جَآءَتْ(۳)	آئے
فِيْ نَادِيْكُمُ	اپنی محفل میں	قَالُوْٓا	کہا انھوں نے	رُسُلُنَا	ہمارے فرستادے
الْمُنْكَرَ	ناجائز کام	اِنَّا مُهْلِكُوْٓا(۲)	بے شک ہم ہلاک کرنے والے ہیں	لُوْطًا	لوط کے پاس
فَمَا كَانَ	پس نہیں تھا			سِيْٓءَ(۴)	برا ہوا وہ
جَوَابَ	جواب	اَهْلِ	باشندوں کو	بِهِمْ	ان کی وجہ سے
قَوْمِهٖٓ	اس کی قوم کا	هٰذِهِ الْقَرْيَةِ	اس بستی کے	وَضَاقَ	اور تنگ ہوا
اِلَّآ اَنْ	مگر یہ کہ	اِنَّ اَهْلَهَا	بیشک اس کے باشندے	بِهِمْ	ان کی وجہ سے
قَالُوْا	کہا انھوں نے	كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ	گنہگار رہیں	ذَرْعًا(۵)	ہاتھ کے طور پر

(۱)من زائدہ: برائے تاکید (۲)مهلكوا: (اسم فاعل) دراصل مهلكون تھا، نون اضافت کی وجہ سے گر گیا، پھر واو جمع کے مشابہ ہو گیا اس لئے الف بڑھایا (یہ قرآنی رسط الخط ہے) (۳)أن: زائدہ، برائے تحسین کلام (۴)سِيْءَ: سَاءَ کا ماضی مجہول (۵)ذرعاً: (ہاتھ کی کشادگی) تمیز ہے۔

وَ قَالُوْا	اور کہا انھوں نے	مِنَ الْغٰبِرِيْنَ	باقی رہ جانے والوں میں سے	بِمَا كَانُوْا	اس وجہ سے کہ تھے وہ
لَا تَخَفْ	مت ڈر			يَفْسُقُوْنَ	نافرمانی کرتے
وَلَا تَحْزَنْ	اور مت غم گیں ہو	اِنَّا مُنْزِلُوْنَ	بے شک ہم اتارنے والے ہیں	وَلَقَدْ	اور بخدا تحقیق
اِنَّا مُنَجُّوْكَ	بیشک ہم تجھے بچانے والے ہیں			تَّرَكْنَا	چھوڑی ہم نے
		عَلٰٓى اَهْلِ	باشندوں پر	مِنْهَآ	اس بستی سے
وَ اَهْلَكَ	اور تیرے گھر والوں کو	هٰذِهِ الْقَرْيَةِ	اس بستی کے	اٰيَةًۢ بَيِّنَةً	واضح نشانیاں
اِلَّا امْرَاَتَكَ	مگر تیری بیوی کو	رِجْزًا [1]	سخت عذاب	لِّقَوْمٍ	لوگوں کے لئے
كَانَتْ	ہے وہ	مِّنَ السَّمَآءِ	آسمان سے	يَّعْقِلُوْنَ	جو سمجھ رکھتے ہیں

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی تباہی

حضرت لوط علیہ السلام: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے ہیں، ہجرت میں ساتھ تھے، جب ابراہیم علیہ السلام فلسطین میں مقیم ہوگئے تو لوط علیہ السلام کو سدّوم اور مضافات کی پانچ بستیوں کی طرف مبعوث کیا گیا، ان بستیوں کا محل وقوع 'بحر مردہ' تھا۔ یہاں کے لوگ ایک گندے گناہ میں مبتلا تھے، لوط علیہ السلام نے ان کو ہر چند سمجھایا، مگر وہ اپنی حرکت سے باز نہیں آئے، پس اللہ کا عذاب آیا، اور ان بستیوں کو تلپٹ کر دیا، اب وہاں 'بحر مردہ' ہے پس دیکھو اس کو جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو!

ارشادِ پاک ہے: اور لوطؑ کو (بھیجا) جب اس نے اپنی قوم سے کہا: تم ایسا بے حیائی کا کام کرتے ہو جو تم سے پہلے کسی نے جہاں والوں میں سے نہیں کیا —— خلافِ فطرت کام کی تم نے بنیاد ڈالی ہے! —— بے شک تم مردوں کو آتے ہو —— اور بیویوں کو چھوڑتے ہو —— اور تم راستہ کاٹتے ہو —— ڈاکہ زنی کرتے ہو یا بدکاری کے لئے مسافروں کی راہ مارتے ہو —— اور تم اپنی محفل میں نامعقول حرکت کرتے ہو —— وہی بدکاری برملا کرتے ہونگے یا دوسری بے شرمی کی باتیں کرتے ہونگے —— پس اس کی قوم کا جواب یہی تھا کہ لے آ ہم پر اللہ کا عذاب اگر تو سچا ہے!

اعتراض: یہاں یہ جواب ہے اور اعراف ۸۲ اور نمل ۵۶ میں جواب ہے: ''لوط کے لوگوں کو اپنی بستی سے نکال دو'' اور دونوں جگہ حصر ہے، پس یہ تعارض ہے۔

جواب: تعارض کے لئے وحدتِ زماں شرط ہے، پس اگر دونوں جواب دو وقتوں کے ہوں تو کیا تعارض ہے؟ ——

(۱) رجز: بے چین کرنے والا عذاب۔

رہی یہ بات کہ پہلا جواب کونسا ہے؟ اس کی تعیین کی ضرورت نہیں۔

کہا اس نے: اے پروردگار! شریر لوگوں کے مقابلہ میں میری مدد فرما! ــــ یعنی ان پر حسبِ طلب عذاب نازل فرما۔

سوال: لوط علیہ السلام نے توحید کی دعوت تو دی نہیں، جبکہ تمام انبیاء سب سے پہلے توحید کی دعوت دیتے ہیں؟

جواب: دی ہوگی اور ضرور دی ہوگی، مگر اس کا تذکرہ نہیں کیا، بدیہی بات کا تذکرہ نہیں کیا جاتا، صرف اس گندی حرکت کا تذکرہ کیا، جس کی پاداش میں عذاب نازل ہوا۔

لوط علیہ السلام کی دعا پر فرشتوں کو اُن بستیوں کے تباہ کرنے کا حکم ہوا، فرشتے اول حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچے اور ان کو بیٹے (اسحاق علیہ السلام) کی بشارت دی، اور اطلاع دی کہ ہم سدّوم وغیرہ بستیوں کو ہلاک کرنے جارہے ہیں ــــ ارشادِ پاک ہے: اور جب ہمارے بھیجے ہوئے ابراہیمؑ کے پاس خوش خبری لائے تو انھوں نے کہا: ہم اس بستی والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں، بے شک اس کے باشندے گنہگار ہیں ــــ پہلے بیٹے کی بشارت دی پھر سدوم کی ہلاکت کی خبر سنائی، اس میں اشارہ ہے کہ ایک قوم سے اگر خدا کی زمین خالی کی جارہی ہے تو دوسری قوم (بنی اسرائیل) کی بنیاد بھی ڈالی جارہی ہے۔

ابراہیمؑ نے کہا: بے شک اس میں لوط ہیں ــــ فرشتوں نے جب خبر دی تھی تو کوئی استثناء نہیں کیا تھا، انھوں نے کہا تھا: ''ہم اس بستی والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں'' اور سورہ انفال میں ضابطہ ہے: ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيْهِمْ﴾ [آیت ۳۳] یعنی نبی کی موجودگی میں عذاب نہیں آتا، یہ ضابطہ عام ہے، اور سدّوم میں لوط علیہ السلام موجود تھے پھر اس کے باشندوں کو کیسے ہلاک کیا جائے گا؟ اس لئے ابراہیم علیہ السلام نے یہ بات فرمائی، پس فرشتوں نے استثناء کیا کہ ہمیں معلوم ہے کہ اس بستی میں لوط علیہ السلام اور دیگر مؤمنین ہیں، ہم پہلے ان کو نکال لیں گے، پھر بستی کو ہلاک کریں گے ــــ کہا انھوں نے: ہم خوب جانتے ہیں ان کو جو اس میں ہیں، ہم ضرور اس کو اور اس کے گھر والوں کو بچالیں گے، مگر ان کی بیوی (نہیں بچے گی) وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہے ــــ وہ کافر تھی، صرف دو صاحبزادیاں مسلمان تھیں۔

اور جب آئے ہمارے فرستادے لوطؑ کے پاس تو وہ ان کی وجہ سے غمگیں ہوا، اور ان کی وجہ سے تنگ دل ہوا ــــ فرشتے نہایت حسین وجمیل امردوں کی شکل میں وہاں پہنچے تھے، حضرت لوط علیہ السلام نے اول پہچانا نہیں، بہت تنگ دل اور ناخوش ہوئے کہ اب ان مہمانوں کی عزت قوم کے ہاتھ سے کس طرح بچاؤں گا، اگر اپنے یہاں نہ ٹھہراؤں تو اخلاق ومروّت اور مہمان نوازی کے خلاف ہے، ٹھہراتا ہوں تو اس بدکار قوم سے آبرو کس طرح محفوظ رہے گی (فوائد) ــــ اور انھوں نے کہا: نہ ڈر نہ غم کر، ہم آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو بچانے والے ہیں، مگر آپ کی بیوی (نہیں بچے

گی) وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہے ــــ آنے والوں نے کہا: ہم آدمی نہیں، فرشتے ہیں، ہم آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو بچا کر باقی لوگوں کو غارت کریں گے، ہاں آپ کی بیوی ساتھ نہیں دے گی، وہ عذاب میں گرفتار ہوگی ــــ ہم اس بستی والوں پر آسمان سے سخت عذاب اتارنے والے ہیں، ان کی بدکاری کی سزا میں ــــ کہتے ہیں: ان بستیوں کے نیچے گندھک کے خزانے تھے، ان میں آگ لگ گئی، اوپر کی زمین پکی، پھٹی اور زور کا دھماکہ ہوا، اور پورا قطعۂ زمین بلند ہوا، اور بکھر کر کھنگر بن کر برسا، اور پورا علاقہ سطح زمین سے دو ہزار فٹ نیچے چلا گیا، اب وہاں بحر مردہ ہے ــــ اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ باقی رکھی ہم نے اس بستی سے کھلی نشانی ان لوگوں کے لئے جو عقل رکھتے ہیں ــــ مراد وہی بحر مردہ ہے جو عبرت گاہ ہے۔

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا فَقَالَ يَٰقَوْمِ ٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ وَٱرْجُوا۟ ٱلْيَوْمَ ٱلْءَاخِرَ وَلَا تَعْثَوْا۟ فِى ٱلْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿٣٦﴾ فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَتْهُمُ ٱلرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا۟ فِى دَارِهِمْ جَٰثِمِينَ ﴿٣٧﴾ وَعَادًا وَثَمُودَا۟ وَقَد تَّبَيَّنَ لَكُم مِّن مَّسَٰكِنِهِمْ ۖ وَزَيَّنَ لَهُمُ ٱلشَّيْطَٰنُ أَعْمَٰلَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ ٱلسَّبِيلِ وَكَانُوا۟ مُسْتَبْصِرِينَ ﴿٣٨﴾ وَقَٰرُونَ وَفِرْعَوْنَ وَهَٰمَٰنَ ۖ وَلَقَدْ جَآءَهُم مُّوسَىٰ بِٱلْبَيِّنَٰتِ فَٱسْتَكْبَرُوا۟ فِى ٱلْأَرْضِ وَمَا كَانُوا۟ سَٰبِقِينَ ﴿٣٩﴾ فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذَنۢبِهِۦ ۖ فَمِنْهُم مَّنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا وَمِنْهُم مَّنْ أَخَذَتْهُ ٱلصَّيْحَةُ وَمِنْهُم مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ ٱلْأَرْضَ وَمِنْهُم مَّنْ أَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ ٱللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَٰكِن كَانُوٓا۟ أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٤٠﴾

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ	اور مدین کی طرف	اعْبُدُوا	عبادت کرو	فِي الْأَرْضِ	زمین میں
أَخَاهُمْ	ان کے برادر	اللّٰهَ	اللہ کی	مُفْسِدِينَ(۱)	خرابی مچاتے ہوئے
شُعَيْبًا	شعیبؑ کو	وَارْجُوا	اور امید رکھو	فَكَذَّبُوهُ	پس جھٹلایا انھوں نے اس کو
فَقَالَ	پس کہا اس نے	الْيَوْمَ الْآخِرَ	پچھلے دن کی	فَأَخَذَتْهُمُ	پس پکڑا ان کو
يٰقَوْمِ	اے میری قوم	وَلَا تَعْثَوْا	اور نہ پھیلو	الرَّجْفَةُ	بھونچال نے

(۱) مفسدین: حال برائے تاکید ہے، کیونکہ عُثو کے معنی بھی فساد پھیلانے کے ہیں۔

فَاَصْبَحُوْا	پس رہ گئے وہ	وَ قَارُوْنَ	اور قارون کو	عَلَيْهِ	ان پر
فِيْ دَارِهِمْ (۱)	اپنے علاقہ میں	وَ فِرْعَوْنَ	اور فرعون کو	حَاصِبًا	سنگ بار ہوا
جٰثِمِيْنَ	اوندھے منہ پڑے ہوئے	وَ هَامٰنَ	اور ہامان کو	وَمِنْهُمْ	اور ان میں سے بعض
وَعَادًا (۲)	اور عاد کو	وَ لَقَدْ	اور بخدا تحقیق	مَّنْ اَخَذَتْهُ	پکڑا اس کو
وَّثَمُوْدَا	اور ثمود کو	جَآءَهُمْ	لائے ان کے پاس	الصَّيْحَةُ	چنگھاڑ نے
وَ قَدْ تَّبَيَّنَ	اور تحقیق واضح ہو چکا ہے	مُّوْسٰى	موسیٰ	وَمِنْهُمْ	اور ان میں سے بعض
لَكُمْ	تمہارے لئے	بِالْبَيِّنٰتِ	نشانیاں	مَّنْ خَسَفْنَا	دھنسا دی ہم نے
مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ (۳)	ان کے گھروں سے	فَاسْتَكْبَرُوْا	پس بڑھے وہ	بِهِ	اس کے ساتھ
وَ زَيَّنَ	اور مزین کیا	فِي الْاَرْضِ	زمین میں	الْاَرْضَ	زمین
لَهُمُ	ان کے لئے	وَمَا كَانُوْا	اور نہیں تھے وہ	وَمِنْهُمْ	اور ان میں سے بعض
الشَّيْطٰنُ	شیطان نے	سٰبِقِيْنَ	ہاتھ سے نکل جانے والے	مَّنْ اَغْرَقْنَا	ڈبو دیا ہم نے
اَعْمَالَهُمْ	ان کے کاموں کو	فَكُلًّا	پس ہر ایک کو	وَمَا كَانَ اللّٰهُ	اور نہیں تھے اللہ تعالیٰ
فَصَدَّهُمْ	پس روک دیا ان کو	اَخَذْنَا	پکڑا ہم نے	لِيَظْلِمَهُمْ	کہ ظلم کرتے ان پر
عَنِ السَّبِيْلِ (۴)	اللہ کے راستے سے	بِذَنْبِهٖ	اس کے گناہ کی وجہ سے	وَلٰكِنْ كَانُوْا	لیکن تھے وہ
وَ كَانُوْا	اور تھے وہ	فَمِنْهُمْ	پس ان میں سے بعض	اَنْفُسَهُمْ	اپنی ذاتوں پر
مُسْتَبْصِرِيْنَ	ہوشیار	مَّنْ اَرْسَلْنَا	بھیجی ہم نے	يَظْلِمُوْنَ	ظلم کرتے

مدین والوں کا انجام

مدین: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس بیٹے کا نام ہے جو آپ کی تیسری بیوی قطورا سے پیدا ہوا تھا، اس کی نسل آگے چل کر بڑا قبیلہ بنی اور شرک وکفر اور دیگر برائیوں میں مبتلا ہوئی، ان کی اصلاح کے لئے قبیلہ کے آدمی حضرت شعیب علیہ السلام مبعوث کئے گئے، انھوں نے ہر چند محنت کی، مگر چند ضعفاء کے علاوہ کوئی ایمان نہیں لایا، آخر اللہ کا عذاب آیا، اور سب کھیت رہے، ارشادِ پاک ہے: —— اور مدین والوں کی طرف ان کے برادر شعیب کو مبعوث کیا، پس انھوں نے

(۱) دار: شہر، علاقہ جیسے مدینہ دار الهجرة ہے (۲) ناصب أهلكنا مقدر ہے، جو أخذتهم الرجفة سے مفہوم ہے (۳) من: تبعیضیہ ہے (۴) السبیل کا ال عہدی ہے۔

کہا: اے قوم! اللہ کی عبادت کرو، اور قیامت کے دن کا خیال رکھو، اور زمین میں اودھم مت مچاؤ ـــــ لین دین میں دغا بازی مت کرو، سود بٹہ مت لگاؤ اور ڈاکہ زنی مت کرو ـــــ پس انھوں نے اس کی تکذیب کی تو ان کو بھونچال نے پکڑ لیا، اور وہ اپنے علاقہ میں ڈھیر ہوکر رہ گئے ـــــ لوگ گھروں میں آرام کر رہے تھے کہ یکا یک ہولناک زلزلہ آیا، صبح کو دیکھنے والوں نے دیکھا کہ کل کے سرکش گھٹنوں کے بل اوندھے منہ مرے ہوئے پڑے ہیں!

عاد وثمود اور قارون وفرعون وہامان کا انجام

اور عاد وثمود کو ہلاک کیا، اور تمھیں ان کے کچھ گھر صاف نظر آرہے ہیں ـــــ عاد قدیم عرب قوم تھی، ان کا مسکن احقاف تھا جو حضر موت (یمن) کے شمال میں واقع ہے، حضرت ہود علیہ السلام ان کی طرف مبعوث کئے گئے، انھوں نے قوم کو توحید اور اللہ کی عبادت کی طرف بلایا، مگر انھوں نے ایک نہ سنی تو عذاب نے ان کو آگھیرا، آٹھ دن اور سات راتیں مسلسل تیز وتند ہوا چلی، جس نے ان کی آبادی کو تہ وبالا کر کے رکھ دیا ـــــ ثمود: عاد کے بعد عرب قوم تھی، ان کی آبادیاں حجر میں تھیں، حجاز اور شام کے درمیان وادی قری ان کا مسکن تھا، حضرت صالح علیہ السلام ان کی طرف مبعوث کئے گئے، جب دعوت ہر طرح بے اثر ہوگئی تو صاعقہ (کڑک دار بجلی) نے ان کا کام تمام کر دیا، یہ قوم سنگ تراشی میں مہارت رکھتی تھی، ان کے کھنڈرات آج بھی موجود ہیں، ان کے کچھ گھر آج بھی صاف نظر آرہے ہیں۔ ان کھنڈرات سے عبرت حاصل کرو ـــــ اور شیطان نے ان کو ان کے اعمال بھلے کر دکھائے، سو روک دیا ان کو راہِ راست سے، اور وہ سمجھدار تھے ـــــ بڑے فرزانہ تھے، مگر شیطان کے بہکاوے میں آگئے۔

اور قارون وفرعون وہامان کو ہلاک کیا، اور موسیٰ ان کے پاس بالتحقیق کھلی نشانیاں لائے تھے ـــــ مگر ان سے ان عقل کے اندھوں کی آنکھیں نہ کھلیں ـــــ پس انھوں نے زمین میں سر ابھارا ـــــ کھلی نشانیاں دیکھ کر بھی حق کے سامنے نہ جھکے، کبر وغرور نے ان کی گردن نیچی نہ ہونے دی ـــــ اور وہ ہاتھ سے نکل جانے والے نہیں تھے ـــــ یعنی کیا بڑے بن کر سزا سے بچ گئے، کیا انھوں نے اللہ کو ہرا دیا؟ ـــــ پس ہم نے ہر ایک کو اس کے گناہ کی پاداش میں پکڑا ـــــ یعنی ان میں سے ہر ایک کو اس کے جرم کے موافق سزا دی ـــــ پس بعض پر ـــــ قوم لوط اور عاد پر ـــــ سنگ بار ہوا بھیجی ـــــ اور بعض کو ـــــ ثمود اور مدین والوں کو ـــــ چنگھاڑ نے پکڑا ـــــ اور بعض کو ـــــ قارون کو ـــــ ہم نے زمین میں دھنسا دیا ـــــ اور بعض کو ـــــ فرعون وہامان کو ـــــ غرقاب کر دیا ـــــ اور اللہ تعالیٰ نے ان پر کچھ ظلم نہیں کیا ـــــ ان کی بارگاہ ناانصافی سے پاک ہے ـــــ بلکہ انھوں نے خود اپنی جانوں پر ظلم کیا ـــــ یعنی ایسے کام کئے جن کا نتیجہ ان کے حق میں برا نکلا۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ؕ وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ۝ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ۝

مَثَلُ	عجیب حال	لَبَيْتُ	یقیناً گھر ہے	وَتِلْكَ (۳)	اور یہ
الَّذِيْنَ	ان کا جنھوں نے	الْعَنْكَبُوْتِ	مکڑی کا	الْاَمْثَالُ	مثالیں
اتَّخَذُوْا	بنائے	لَوْ كَانُوْا (۱)	اگر/کاش ہوتے وہ	نَضْرِبُهَا	بیان کرتے ہیں ہم ان کو
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ سے نیچے	يَعْلَمُوْنَ	جانتے	لِلنَّاسِ	لوگوں کے فائدے کیلئے
اَوْلِيَآءَ	کارساز	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	وَمَا	اور نہیں
كَمَثَلِ	جیسے عجیب حال	يَعْلَمُ	جانتے ہیں	يَعْقِلُهَا	سمجھتے ان کو
الْعَنْكَبُوْتِ	مکڑی کا	مَا يَدْعُوْنَ (۲)	جن کو پکارتے ہیں وہ	اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ	مگر جاننے والے
اِتَّخَذَتْ	بنایا اس نے	مِنْ دُوْنِهٖ	اللہ سے نیچے	خَلَقَ	پیدا کئے
بَيْتًا	کوئی گھر	مِنْ شَيْءٍ	جس چیز کو بھی	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ نے
وَاِنَّ	اور بے شک	وَهُوَ	اور وہ	السَّمٰوٰتِ	آسمان
اَوْهَنَ	نہایت بودا	الْعَزِيْزُ	زبردست	وَالْاَرْضَ	اور زمین
الْبُيُوْتِ	گھر	الْحَكِيْمُ	حکمت والے ہیں	بِالْحَقِّ (۴)	بامقصد

(۱) لو: شرطیہ ہے یا تمنی کا، پہلی صورت میں جزاء محذوف ہوگی، اور وہ ہے: ''تو ہرگز ان کو کارساز نہ بناتے'' (۲) ما یدعون: یعلم کا مفعول بہ ہے، اور ما موصولہ ہے، اور من دونہ: یدعون سے متعلق ہے، اور من شیئ: ما کا بیان ہے (۳) تلک: اسم اشارہ بعید: اسم اشارہ قریب کے معنی میں ہے۔ (۴) حق: کے معنی ہیں: وہ چیز جو حکمت کے مقتضی کے مطابق ایجاد کی گئی ہو (دیگر معانی کے لئے دیکھیں: لغات القرآن لفظ حق)

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ	بے شک اس میں	مِنَ الْكِتٰبِ(۲)	کتاب سے	وَلَذِكْرُ	اور یقیناً یاد
لَاٰيَةً	یقیناً بڑی نشانی ہے	وَ اَقِمِ	اور اہتمام کر	اللّٰهِ	اللہ کی
لِّلْمُؤْمِنِيْنَ	ایمان والوں کے لئے	الصَّلٰوةَ	نماز کا	اَكْبَرُ	بڑی چیز ہے
اُتْلُ(۱)	تلاوت کر	اِنَّ الصَّلٰوةَ	بے شک نماز	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
مَآ	جو	تَنْهٰى	روکتی ہے	يَعْلَمُ	جانتے ہیں
اُوْحِيَ	وحی کی گئی	عَنِ الْفَحْشَآءِ	بے حیائی کے کام سے	مَا تَصْنَعُوْنَ	جو کرتے ہو تم
اِلَيْكَ	تیری طرف	وَالْمُنْكَرِ	اور ناجائز کام سے	۞	۞

مضبوط محل طوفانِ بادوباراں سے بچاسکتا ہے، مکڑی کا جالا نہیں بچاسکتا

پہلی آیت: ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ ماقبل میں نو اقوام واشخاص کا ذکر آیا ہے، جو اللہ کے عذاب سے ہلاک ہوئے، یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کے معبودوں نے ان کو اللہ کی پکڑ سے کیوں نہیں بچایا؟ جواب یہ ہے کہ مضبوط محل طوفانِ بادوباراں سے بچاسکتا ہے، مکڑی کا جالا کیا بچائے گا! مشرکین کے معبودوں کی حیثیت مکڑی کے جالے سے زیادہ نہیں، کاش وہ یہ بات جانتے تو کبھی بھی ان کو کارساز نہ بناتے۔ ارشاد پاک ہے: —— ان لوگوں کا حال جنھوں نے اللہ کے سوا کارساز تجویز کرر کھے ہیں مکڑی کے حال جیسا ہے، اس نے ایک گھر بنایا —— مکڑی تار کھینچ کر گھر بناتی ہے، اس میں رہتی ہے، اور اس میں اس کا شکار (مکھی وغیرہ) پھنستا ہے —— اور کچھ شک نہیں کہ سب گھروں میں زیادہ بودا مکڑی کا گھر ہے، اگر وہ جانتے —— تو ہرگز ان کو کارساز نہ بناتے۔

مخلوق خالق کے سامنے بے قدر ہے

دوسری آیت: بھی ایک سوالِ مقدر کا جواب ہے، کوئی سوچ سکتا ہے کہ مشرکوں کے معبودوں میں ملائکہ، انبیاء اور اولیاء بھی ہیں، جن کی اپنی جگہ کچھ حیثیت ہے، اللہ تعالیٰ نے سب کو ایک لاٹھی سے کیوں ہانک دیا ہے! سب کو مکڑی کے جالے کیوں قرار دیا ہے! جواب: مشرکین جن کو بھی پکارتے ہیں، ان کی حیثیت اور مرتبہ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں، کیونکہ وہ سب اللہ کی مخلوق ہیں، اور خالق اپنی مخلوق سے خوب واقف ہوتا ہے ﴿أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ، وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾: کیا وہ نہیں جانے گا جس نے پیدا کیا؟ اور وہ باریک بیں باخبر ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی ذاتی اختیار نہیں رکھتا، کوئی بھی مختار کل

(۱) تلاوت: قراءت سے خاص ہے۔ تلاوت کے معنی ہیں: کسی کلام کو پڑھنا وجو باعمل کے اعتقاد کے ساتھ، چنانچہ تلاوت آسمانی کتابوں کے ساتھ خاص ہے (۲) من الکتاب: ما موصولہ کا بیان ہے۔

نہیں، پس اللہ تعالیٰ کے سامنے ان کی کیا حیثیت ہے؟ اللہ تعالیٰ تو زبردست حکمت آشنا ہیں، بتاؤ، ان معبودوں میں سے کون زبردست اور حکمت آشنا ہے؟ ارشادِ پاک ہے: —— بے شک اللہ تعالیٰ جانتے ہیں ہر اس چیز کو جس کو وہ اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہیں —— ان میں سے کوئی بھی اختیار کامل نہیں رکھتا —— اور وہ زبردست حکمت آشنا ہیں —— ان کے کسی معبود میں یہ باتیں پائی جاتی ہیں؟

مکڑی کے جالے کی مثال ممثل لۂ کے حسب حال ہے

تیسری آیت: بھی ایک سوال کا جواب ہے۔ مشہور اعتراض ہے کہ مکڑی کے جالے کی مثال اللہ تعالیٰ کی شایانِ شان نہیں، جواب: مثالیں لوگوں کے فائدے کے لئے بیان کی جاتی ہیں، مثال میں مثال دینے والے کی حیثیت ملحوظ نہیں ہوتی، بلکہ ممثل لۂ کی حالت کا لحاظ کیا جاتا ہے۔ یہ بات سورۃ البقرۃ (آیت ۲۶) میں بھی ہے ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖ أَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا﴾: اللہ تعالیٰ شرم نہیں کرتے کہ بیان کریں کوئی بھی مثال، خواہ مچھر کی ہو یا اس سے بھی معمولی چیز کی، ارشادِ پاک ہے: —— اور ہم ان مثالوں کو لوگوں کے فائدے کے لئے بیان کرتے ہیں، اور ان کو بس علم والے ہی سمجھتے ہیں —— وہی ان کی کل بٹھاتے ہیں، جاہل گنوار ان کو کیا سمجھیں! (کل بٹھانا: ٹھیک مطلب سمجھنا)

کائنات حکمت کے مقتضی کے مطابق پیدا کی گئی ہے

چوتھی آیت: میں یہ بیان ہے کہ جب ثابت ہوگیا کہ کائنات کے خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہیں تو اب سوال پیدا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات کیوں پیدا کی ہے؟ جواب: کائنات بامقصد پیدا کی ہے، کھیل تماشا نہیں کیا۔ ارشادِ پاک ہے: —— اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو —— یعنی ساری کائنات کو —— بامقصد پیدا کیا ہے، بے شک اس (پیدا کرنے) میں یقیناً بڑی نشانی ہے ایمان والوں کے لئے —— کائنات میں مؤمن بندے غور کریں وہ یہ حقیقت پاسکتے ہیں کہ یہ بچوں کا گھروندا نہیں کہ کھیل لئے، پھر برابر کردیا، بلکہ اس کے اطوار و احوال گواہی دیتے ہیں کہ یہ کائنات بامقصد اور حکمت کے مقتضی کے مطابق پیدا کی گئی ہے، ہر ورق دفترے است از معرفتِ کردگار!

قرآنِ کریم تخلیقِ کائنات کے مقصد کو بیان کرتا ہے

پانچویں آیت: میں یہ بیان ہے کہ قرآنِ کریم تخلیقِ کائنات کے مقصد کو بیان کرتا ہے، اس کی تلاوت کرو، سب کچھ اس میں مل جائے گا، یہ کتاب اسی مقصد سے اتاری گئی ہے —— اور تلاوت کے مفہوم میں یہ بات شامل ہے کہ وجوباً قرآن کے احکام پر عمل کیا جائے، پھر ایک خاص عمل نماز کا حکم دیا ہے اور فحشاء اور منکر کی ممانعت کی ہے، اور اس کو

نماز کے فائدے کے طور پر ذکر کیا ہے، پھر نماز کا اس سے بڑا فائدہ بیان کیا ہے۔ ارشادِ پاک ہے:—— تلاوت کراس کتاب کی جو تیری طرف اتاری گئی ہے، اور نماز کا اہتمام کر، نماز یقیناً بے حیائی اور ناجائز کاموں سے روکتی ہے، اور اللہ کی یاد اس سے بڑا فائدہ ہے، اور اللہ تعالیٰ ان کاموں کو جانتے ہیں جو تم کرتے ہو —— یہ اہم آیت ہے، اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱- قرآنِ کریم تمام انسانوں کی طرف اتارا گیا ہے:

ارشادِ پاک: ﴿أُوْحِيَ إِلَيْكَ﴾ کا مخاطب ہر شخص ہے، خاص نبی ﷺ اس کا مصداق نہیں، کیونکہ قرآنِ کریم بواسطہ رسول اللہ ﷺ تمام انسانوں کی طرف اتارا گیا ہے۔ سورۃ النحل (آیت ۴۴) میں ہے: ﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾: اور ہم نے آپ کی طرف نصیحت نامہ (قرآن) نازل کیا ہے، تاکہ آپ کھول کر بیان کریں لوگوں کے لئے اس کو جوان کی طرف اتارا گیا ہے، اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن کا مخاطب ہر شخص ہے مگر اب یہ غلطی تہ بہ تہ ہوگئی ہے کہ ہم بھی اور دوسرے بھی قرآن کو صرف مسلمانوں کی مقدس کتاب سمجھتے ہیں، اس لئے اغیار اس کو ہاتھ نہیں لگاتے، حالانکہ نبی ﷺ قرآنِ کریم مشرکوں کے سامنے بھی پڑھتے تھے، اور جب نبی ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم نماز میں قرآن پڑھتے تھے تو مشرکین کے رؤساء چھپ کر اور عام مشرک کھل کر قرآن سنتے تھے، اور اسی وجہ سے قرآن میں جگہ جگہ مشرکین کے اعتراضات کے جوابات دیئے گئے ہیں، تاکہ ان کو تشفی ہو۔

پس جو بھی شخص کائنات پیدا کرنے کا مقصد سمجھنا چاہتا ہے وہ قرآنِ کریم کا مطالعہ کرے۔ قرآنِ کریم اس کو سمجھائے گا کہ اللہ نے یہ کائنات کیوں بنائی ہے؟ اور اس عالم میں انسان کی ذمہ داری کیا ہے؟ اس کو کیا کام کرنے چاہئیں اور کیا کام نہیں کرنے چاہئیں؟ اور اس کو کیسی زندگی گذارنی چاہئے تاکہ اس کی آخرت آباد ہو۔

۲- دو امر و نہی:

مثبت و منفی پہلو سے احکام بہت ہیں۔ اس آیت میں مثبت پہلو سے مثال کے طور پر اسلام کے سب سے اہم رکن نماز کا ذکر کیا ہے، اور صَلُّوْا: نماز پڑھو: نہیں فرمایا، بلکہ فرمایا: ﴿أَقِمِ الصَّلَاةَ﴾: نماز کو سیدھا کرو، تیر کی لکڑی کی طرح یعنی پورے اہتمام سے نماز ادا کرو، فرائض، واجبات، سنن، مستحبات اور آداب کا خیال رکھو، مکروہات اور مفسدات سے بچو، اور اس طرح توجہ کے ساتھ نماز ادا کرو کہ گویا تم اللہ کو دیکھ رہے ہو، ورنہ اللہ تو تم کو دیکھ ہی رہے ہیں۔

اور منفی پہلو سے فحشاء اور منکر سے بچنے کا تذکرہ کیا ہے، مگر ان منفی احکام کو نماز کے ایک فائدے کے طور پر ذکر کیا ہے۔ فحشاء: بے حیائی والے گناہ، جیسے زنا، امرد پرستی، طبق زنی، جلق اور غیر محرم پر بری نظر ڈالنا وغیرہ، اور منکر: ہر ناجائز کام، پس

یہ تخصیص کے بعد تعمیم ہے، اس منفی حکم کو نماز کے فائدے کے طور پر ذکر کیا ہے، ہم خرما ہم ثواب! نماز ایک ایسی عبادت ہے جو ہر گناہ سے روکتی ہے، نمازی نہ بے حیائی والے گناہ کرتا ہے نہ کوئی اور ناجائز کام۔ یہاں ایک مشہور سوال ہے۔ بعض بندے پابندی سے نماز پڑھتے ہیں، اور وہ کسی خاص گناہ میں مبتلا ہوتے ہیں، پس اللہ کا ارشاد کس طرح درست ہوگا؟

یہ اعتراض روکنے اور گناہ نہ ہونے دینے کے درمیان فرق نہ کرنے سے پیدا ہوا ہے، فرمایا ہے: ﴿تَنْهٰى﴾: نماز روکتی ہے، نہیں فرمایا: نماز گناہ نہیں ہونے دیتی۔ جیسے کسی کا بیٹا آوارہ ہے، اودھم مچاتا پھرتا ہے، لوگ اس کے باپ سے کہتے ہیں تم اپنے بیٹے کو روکتے نہیں؟ وہ جواب دیتا ہے: بہتیرا روکتا ہوں، مگر نالائق مانتا نہیں، اسی طرح نماز روکتی ہے، مگر کبھی نفس یا شیطان کے غلبہ سے نمازی نہیں مانتا، پس نماز کا کیا قصور؟ —— اور نماز روکتی ہے: اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر کوئی لیبارٹیری (تجربہ گاہ) ہو تو اس میں تجزیہ (تحلیل) کے لئے دو دل بھیجو، ایک نمازی کا جو کسی گناہ میں مبتلا ہے، دوسرا بے نمازی کا جو اسی گناہ میں مبتلا ہے، رپورٹ یقیناً مختلف آئے گی، نمازی گناہ کرتا نظر آئے گا درانحالیکہ اس کا دل رو رہا ہوگا، اور بے نمازی ڈھٹائی سے گناہ کرتا نظر آئے گا، یہ دلیل ہے کہ نمازی کو نماز روکتی ہے، مگر کسی وقتی جذبہ سے وہ نہیں رکتا۔ اسی وجہ سے نمازی کو کسی دن توبہ کی توفیق مل جاتی ہے، اور بے نمازی اس سے محروم رہتا ہے۔

۳- نماز کا بڑا فائدہ اللہ کی یاد ہے:

الله أكبر: مستقل جملہ ہے، اس لئے مفضّل منہ من کل شیئ مقدر ہے یعنی اللہ تعالیٰ سب سے بڑی ہستی ہیں۔ اسی طرح اگر: ﴿وَلَذِكْرُ اللّٰهِ أَكْبَرُ﴾ کو مستقل لیا جائے تو مفضل منہ عام مقدر ہوگا یعنی اللہ کا ذکر سب سے اہم عبادت ہے۔ مگر آیت کریمہ میں جس سیاق میں یہ جملہ آیا ہے اس میں مفضل منہ: من هذا مقدر ہے یعنی نماز فحشاء و منکر سے روکتی ہے وہ اس کا ایک فائدہ ہے۔ اور اس سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ نماز اللہ کو یاد رکھنے کا ذریعہ ہے۔ سورہ طٰہٰ (آیت ۱۴) میں موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا ہے: ﴿أَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِيْ﴾: نماز کا اہتمام کر مجھے یاد رکھنے کے لئے یعنی نماز سے مقصود اللہ کی یاد ہے، جو نماز سے غافل ہوتا ہے وہ اللہ کی یاد سے غافل ہوتا ہے —— دنیا بھول بھلیاں ہے، ذرا دیر میں آدمی اللہ تعالیٰ کو بھول جاتا ہے، نماز پڑھتے پڑھتے نماز کی رکعتیں بھول جاتا ہے، اسی لئے پانچ نمازیں پانچ الگ الگ اوقات میں رکھی گئی ہیں، تاکہ بندے ان کے سہارے اللہ کو یاد رکھیں، یہی نماز کا بڑا فائدہ ہے —— آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب کاموں کی خبر ہے، بندے جو اچھے برے کام کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے بے خبر نہیں، وہ اچھے کاموں کا اچھا بدلہ دیں گے اور برے کاموں کو یا تو معاف کریں گے یا دُھلائی کریں گے۔ اللّٰهم اغفرلنا ذنوبنا وإسرافنا فی أمرنا، وتب علینا، إنك أنت التواب الرحيم (آمین)

وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۖ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَمِنْ هٰٓؤُلَاۗءِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۴۸﴾ بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۹﴾

وَلَا تُجَادِلُوْٓا	اور مت جھگڑو	اِلَيْنَا	ہماری طرف	فَالَّذِيْنَ	پس جن کو
اَهْلَ الْكِتٰبِ	اہل کتاب سے	وَاُنْزِلَ	اور اتارا گیا	اٰتَيْنٰهُمُ	دی ہم نے
اِلَّا	مگر	اِلَيْكُمْ	تمہاری طرف	الْكِتٰبَ	کتاب
بِالَّتِيْ[1]	اس (طریقہ) سے	وَاِلٰهُنَا	اور ہمارا معبود	يُؤْمِنُوْنَ	مانتے ہیں وہ
هِيَ	(کہ) وہ	وَاِلٰهُكُمْ	اور تمہارا معبود	بِهٖ	اس کو
اَحْسَنُ	بہتر ہے	وَاحِدٌ	ایک ہے	وَمِنْ هٰٓؤُلَاۗءِ	اور بعض ان لوگوں میں سے
اِلَّا	مگر	وَّنَحْنُ	اور ہم	مَنْ	جو
الَّذِيْنَ	جو	لَهٗ	اس کی	يُّؤْمِنُ	مانتے ہیں
ظَلَمُوْا	ناانصاف ہیں	مُسْلِمُوْنَ	فرمان برداری کرنے والے ہیں	بِهٖ	اس کو
مِنْهُمْ	ان میں سے			وَمَا يَجْحَدُ	اور نہیں انکار کرتے
وَقُوْلُوْٓا	اور کہو	وَكَذٰلِكَ	اور اسی طرح	بِاٰيٰتِنَآ	ہماری آیتوں کا
اٰمَنَّا	مان لیا ہم نے	اَنْزَلْنَآ	اتاری ہم نے	اِلَّا	مگر
بِالَّذِيْٓ	اس کو جو	اِلَيْكَ	آپ کی طرف	الْكٰفِرُوْنَ	منکرین
اُنْزِلَ	اتارا گیا	الْكِتٰبَ	کتاب	وَمَا كُنْتَ	اور نہیں تھے آپ

(۱) التی: الخصلة محذوف کا صلہ ہے۔

تَتْلُوْا	تلاوت کرتے	لَّارْتَابَ(۳)	ضرور شک کرتے	الْعِلْمَ	علم
مِنْ قَبْلِهٖ	اس سے پہلے	الْمُبْطِلُوْنَ	باطل پرست	وَمَا	اور نہیں
مِنْ كِتٰبٍ	کوئی کتاب	بَلْ هُوَ	بلکہ وہ	يَجْحَدُ	انکار کرتے
وَّلَا تَخُطُّهٗ(۱)	اور نہیں لکھتے تھے	اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ	واضح آیتیں ہیں	بِاٰيٰتِنَآ	ہماری آیتوں کا
	آپ اس کو	فِيْ صُدُوْرِ	سینوں میں	اِلَّا	مگر
بِيَمِيْنِكَ(۲)	اپنے دائیں ہاتھ سے	الَّذِيْنَ	ان کے جو	الظّٰلِمُوْنَ	ناانصاف لوگ
اِذًا	تب تو	اُوْتُوا	دیئے گئے	۞	۞

قرآن اللہ کی برحق کتاب ہے

گذشتہ آیت میں قرآن کی تلاوت کا حکم تھا، اب روئے سخن قرآن کی حقانیت کی طرف ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں: قرآنِ کریم سابقہ کتابوں کی طرح اللہ کی برحق کتاب ہے، اور یہ کوئی انوکھی کتاب نہیں، اس سے پہلے تورات وانجیل وغیرہ کتابیں آچکی ہیں، یہ سب کتابیں ایک سرچشمہ سے نکلی ہوئی ہیں، اس لئے اہل کتاب اور اس امت کے درمیان نقطۂ اشتراک ہے اور وہ عقیدۂ توحید ہے، اس کی رعایت میں اہل کتاب کے ساتھ مذہبی گفتگو میں سلیقہ مندی کا مظاہرہ کرنا چاہئے، ارشاد پاک ہے: —— اور اہل کتاب سے مت الجھو، مگر ایسے طریقہ سے جو بہتر ہے —— کیونکہ مشرکوں کا دین تو جڑ سے غلط ہے، اور اہل کتاب کا دین اصل میں سچا ہے، اس لئے ان کے ساتھ مذہبی گفتگو کا انداز مختلف ہونا چاہئے، نرمی، متانت اور خیر خواہی کے ساتھ ان کے سامنے بات پیش کرنی چاہئے —— مگر جو ناانصاف ہیں —— اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کریں تو ان کو ترکی بہ ترکی جواب دے سکتے ہو۔

اہل کتاب کے ساتھ گفتگو کا انداز: —— اور کہو: ہم نے مان لیا اس کو جو ہماری طرف اتارا گیا، اور جو تمہاری طرف اتارا گیا —— یعنی ہم تمہاری کتابوں کو بھی اللہ کی کتابیں مانتے ہیں —— اور ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہے —— یہ ہم میں اور تم میں نقطۂ اشتراک ہے —— اور ہم اس کے فرمان بردار ہیں —— یعنی اب اللہ نے اپنی آخری کتاب میں جو احکام دیئے ہیں: ہم ان پر عمل پیرا ہیں۔

قرآن کی حقانیت کی پہلی دلیل: اہل کتاب کا ایمان لانا: —— اور اسی طرح —— یعنی سابقہ کتابوں کی طرح —— ہم نے آپ کی طرف کتاب اتاری ہے، اب جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کتاب کو مانتے ہیں —— یعنی

(۱) خَطَّ (ن): لکھنا۔ (۲) بیمینك: اصل دائیں ہاتھ سے لکھنا ہے (۳) ارتیاب: شک کرنا، ریب: شک۔

انصاف پسند اہل کتاب قرآن کی صداقت دل سے قبول کرتے ہیں، یہ قرآن کی حقانیت کی دلیل ہے، اہل کتاب بابصیرت لوگ ہیں، وہ اللہ کی کتابوں سے واقف ہیں، ان کا قرآن پر ایمان لانا قرآن کی حقانیت کی دلیل ہے۔

اور ان لوگوں میں سے ــــ یعنی مکہ کے مشرکوں میں سے ــــ وہ ہیں جو اس کو مانتے ہیں ــــ یعنی مشرکوں کا ایمان لانا بھی دلیل ہے ــــ اور ہماری آیتوں کا انکار کٹر منکر ہی کرتے ہیں ــــ خواہ وہ اہل کتاب ہوں یا مشرک: جو لوگ حق پوش ناہنجار ہیں وہی قرآن کی صداقت کا انکار کرتے ہیں۔

قرآن کی حقانیت کی دوسری اور تیسری دلیل: ایک امّی ہستی کا قرآن پیش کرنا اور لاکھوں انسانوں کا اس کو حفظ کرنا ــــ اور آپ قرآن سے پہلے کسی کتاب کی تلاوت نہیں کرتے تھے، اور نہ اس کو اپنے دائیں ہاتھ سے لکھتے تھے، تب تو باطل پرست ضرور شک کرتے ــــ کہ آپ نے اہل کتاب کی کتابیں پڑھ کر عربی میں یہ مضامین ڈھال لئے ہیں ــــ نبی ﷺ کی نزولِ قرآن سے پہلے کی چالیس سالہ زندگی مکہ والوں کے سامنے تھی، وہ سب جانتے تھے کہ آپ کبھی کسی استاذ کے پاس نہیں بیٹھے، اور آپ لکھنا پڑھنا بھی نہیں سیکھے، پھر ایسی محیر العقل کتاب کہاں سے پیش کر رہے ہیں؟ لامحالہ ماننا پڑے گا کہ یہ آپ کا کمال نہیں، یہ کسی بالاتر ہستی کا کلام ہے ــــ بلکہ وہ واضح آیتیں ہیں ان لوگوں کے سینوں میں جو علم دیئے گئے ہیں ــــ یعنی اہل علم اس کو حفظ کرتے ہیں، لاکھوں مرد، عورتیں اور بچے قرآن کے حافظ ہیں: یہ بھی دلیل ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے، کسی انسانی کتاب کا ایک آدھ حافظ تو ہو سکتا ہے، اور وہ بھی جب کہ اس کو سمجھتا ہو، جیسے شعراء کے راویے ہوتے ہیں، مگر بغیر سمجھے اتنی بڑی کتاب بچے تک حفظ کر لیتے ہیں، یہ قرآن کی صداقت کی دلیل ہے ــــ اور ہماری آیتوں کا انکار ناانصاف لوگ ہی کرتے ہیں ــــ یعنی اب بھی جو لوگ مرغ کی ایک ٹانگ! گائے جائیں: وہ سخت ناانصاف ہیں، ان کا کوئی علاج نہیں، جب کوئی شخص ٹھان لے کہ مجھے ماننا نہیں تو اس کو کون منوا دے!

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۵۱ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۵۲ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ۭ وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَاۗءَهُمُ الْعَذَابُ ۭ وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ

ع

بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝٥٣ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ۚ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝٥٤ يَوْمَ يَغْشٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ وَيَقُوْلُ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝٥٥

وَقَالُوْا	اور کہا انھوں نے	عَلَيْكَ	تجھ پر	وَالْاَرْضِ	اور زمین میں ہے
لَوْلَآ	کیوں نہیں	الْكِتٰبَ	کتاب	وَالَّذِيْنَ	اور جو لوگ
اُنْزِلَ	اتاری گئیں	يُتْلٰى	پڑھی جاتی ہے	اٰمَنُوْا	مانتے ہیں
عَلَيْهِ	اس پر	عَلَيْهِمْ	ان پر	بِالْبَاطِلِ	غلط بات
اٰيٰتٌ	نشانیاں	اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ	بے شک اس میں	وَكَفَرُوْا	اور انکار کرتے ہیں
مِّنْ رَّبِّهٖ	اس کے رب کی طرف سے	لَرَحْمَةً	البتہ مہربانی	بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کا
قُلْ	کہہ	وَّذِكْرٰى	اور نصیحت ہے	اُولٰٓئِكَ	وہی لوگ
اِنَّمَا	بس	لِقَوْمٍ	ایسے لوگوں کے لئے	هُمُ	وہ
الْاٰيٰتُ	نشانیاں	يُّؤْمِنُوْنَ	جو مانتے ہیں	الْخٰسِرُوْنَ	گھاٹا پانے والے ہیں
عِنْدَ اللّٰهِ	اللہ کے پاس ہیں	قُلْ	کہہ	وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ	اور جلدی مچاتے ہیں وہ تجھ سے
وَاِنَّمَآ	اور بس	كَفٰى	کافی ہیں		
اَنَا	میں	بِاللّٰهِ (۱)	اللہ تعالیٰ	بِالْعَذَابِ	عذاب کے بارے میں
نَذِيْرٌ	ڈرانے والا ہوں	بَيْنِيْ	میرے درمیان	وَلَوْلَآ	اور اگر نہ ہوتی
مُّبِيْنٌ	کھلا	وَبَيْنَكُمْ	اور تمہارے درمیان	اَجَلٌ	مدت
اَوَلَمْ	کیا اور نہیں	شَهِيْدًا (۲)	گواہ	مُّسَمًّى	مقرر
يَكْفِهِمْ	کافی ان کو	يَعْلَمُ	جانتے ہیں	لَّجَآءَهُمُ	تو پہنچتا ان کو
اَنَّآ	کہ ہم نے	مَا	جو	الْعَذَابُ	عذاب
اَنْزَلْنَا	اتاری	فِي السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں	وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ	اور ضرور آئیگا انکے پاس

(۱) کفی کے فاعل پر باء زائد ہے (۲) شهيدا: تمیز ہے، نسبت کے ابہام کو دور کرتی ہے۔

بَغْتَةً	اچانک	جَهَنَّمَ	جہنم	وَمِنْ تَحْتِ	اور نیچے سے
وَّهُمْ	اور وہ	لَمُحِيْطَةٌ	یقیناً گھیرنے والی ہے	اَرْجُلِهِمْ	ان کے پیروں کے
لَا يَشْعُرُوْنَ (۱)	احساس نہیں کرتے ہونگے	بِالْكٰفِرِيْنَ	کافروں کو	وَيَقُوْلُ	اور فرمائیں گے
يَسْتَعْجِلُوْنَكَ	اور جلدی مچاتے ہیں وہ تجھ سے	يَوْمَ	(یاد کرو) جس دن	ذُوْقُوْا	چکھو
		يَغْشٰهُمُ	ڈھانکے گا ان کو	مَا كُنْتُمْ	جو تم تھے
بِالْعَذَابِ	عذاب کے بارے میں	الْعَذَابُ	عذاب	تَعْمَلُوْنَ	کرتے
وَاِنَّ	اور بے شک	مِنْ فَوْقِهِمْ	ان کے اوپر سے	❁	❁

ایک سوال کے تین جواب کہ نشانیاں دکھاؤ تو ہم قرآن کی حقانیت پر ایمان لائیں

سورۃ بنی اسرائیل (آیات ۹۰-۹۴) میں مشرکینِ مکہ کے نامعقول مطالبات آئے ہیں، مثلاً: (۱) سرزمین مکہ میں نہر جاری کر کے اس کو سرسبز وشاداب بنادو (۲) آپؐ کے لئے کھجور اور انگور کا باغ ہو، اور اس کے بیچ میں نہریں رواں ہوں (۳) آسمان کو پارہ پارہ کر کے گرادو (۴) اللہ جلوہ گر ہو کر اور فرشتے ظاہر ہو کر آپؐ کے سچے نبی ہونے کی گواہی دیں، وغیرہ وغیرہ —— وہاں ان بے ہودہ مطالبات کا جواب دیا ہے، یہاں اس مطالبہ کے تین جواب دیئے ہیں:

پہلا جواب: نشان دکھانا رسول کے اختیار میں نہیں، اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، اور نبی کی تصدیق اس پر موقوف بھی نہیں، نبی کا کام بدی کے نتائج سے صاف صاف آگاہ کرنا ہے، پھر نبی کی تصدیق کے لئے اللہ تعالیٰ جو چاہیں نشان دکھائیں، یہ ان کے اختیار کی بات ہے۔

دوسرا جواب: کیا قرآنِ کریم جو رات دن ان کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے: کافی نشان نہیں؟ دیکھتے نہیں! قرآن کی حقانیت پر ایمان لانے والے کس طرح رحمتِ خداوندی سے بہرہ ور ہو رہے ہیں؟ اور کس طرح اس کی نصیحت پر عمل کر کے اپنی زندگیوں کو سنوار رہے ہیں؟ قرآنِ کریم کے مؤمنین کی زندگیوں پر مرتب ہونے والے اثرات اس کی حقانیت کی دلیل ہیں۔

تیسرا جواب: ہر دعوے پر گواہ چاہئے، رسول کے دعوئے رسالت کے گواہ اللہ تعالیٰ ہیں، اور وہ سب سے مضبوط گواہ ہیں، کیونکہ گواہ کے لئے معاملہ کی پوری واقفیت ضروری ہے، اور اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کے تمام احوال سے واقف ہیں، تم دیکھتے نہیں! وہ رسول کو اور اس پر ایمان لانے والوں کو کس طرح بڑھا رہے ہیں، یہ رسول کے دعوے کی عملی تصدیق ہے۔

---

(۱) شعور: بھنک پڑنا، محسوس ہونا، سان گمان ہونا۔

پس اب جو غلط چیز (بتوں) کو مانیں گے، اور برحق اللہ تعالیٰ کا انکار کریں گے: وہ گھاٹے میں رہیں گے۔

آیاتِ پاک: ـــــ اور کہا انھوں نے ـــــ منکرین نے ـــــ اس پر ـــــ رسول پر ـــــ اس کے رب کی طرف سے نشانیاں ـــــ جو ہم مانگتے ہیں ـــــ کیوں نہیں اتاری گئیں؟ پہلا جواب: ـــــ کہہ نشانیاں اللہ ہی کے پاس ہیں، اور میں کھول کر نتائج اعمال سے آگاہ کرنے والا ہی ہوں ـــــ دوسرا جواب: ـــــ کیا اور ان کے لئے کافی نہیں یہ بات کہ ہم نے آپؐ پر کتاب اتاری ہے، وہ ان کے سامنے پڑھی جاتی ہے، بے شک اس میں یقیناً مہربانی اور نصیحت ہے ان لوگوں کے لئے جو مانتے ہیں ـــــ تیسرا جواب: ـــــ کہہ: اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان کافی گواہ ہیں، وہ جانتے ہیں جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے ـــــ اور جو لوگ غلط چیزوں کو مانتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا انکار کرتے ہیں وہی گھاٹا پانے والے ہیں!

نامعقول مطالبہ کی ایک مثال کہ ہم باطل پر ہیں تو ہم پر دنیوی یا اخروی عذاب کیوں نہیں آتا؟

دنیوی عذاب: اس لئے نہیں آتا کہ ہر چیز کے لئے ایک وقت متعین ہے: كُلُّ أمرٍ مَرْهُوْنٌ بِوقته، اور جان لو کہ دنیا میں عذاب ضرور آئے گا، اور اچانک آئے گا، تمہیں اس کا سان گمان بھی نہیں ہوگا ـــــ یہ عذاب بدر کے میدان میں آیا، مکہ والوں کے سب سورما لقمۂ اجل بن گئے، اور ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے!

اور اخروی عذاب: موت کے بعد آئے گا، وہ اس سے بچ نہیں سکتے، کیونکہ جہنم ان کو گھیرے ہوئے ہے ـــــ وہ دن یاد کرو جب جہنم کا عذاب ان کو اوپر سے اور ان کے پیروں کے نیچے سے یعنی ہر طرف سے ڈھانکے گا، اور اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اپنے کرتوتوں کا مزہ چکھو! ـــــ وہ دن نہایت برا دن ہوگا، وہ دن آئے اس سے پہلے جہنم سے بچنے کا سامان کرلو!

آیاتِ پاک: ـــــ اور وہ آپؐ سے (دنیوی) عذاب جلدی مانگتے ہیں! ـــــ اور اگر مدت مقرر نہ ہوتی تو ان کو عذاب پہنچتا، اور ضرور ان کو اچانک پہنچے گا، اور ان کو سان گمان نہ ہوگا!

اور وہ آپؐ سے (اخروی) عذاب جلدی مانگتے ہیں! ـــــ اور جہنم یقیناً کافروں کو گھیرنے والی ہے ـــــ (یاد کرو) جس دن ڈھانکے گا ان کو عذاب ان کے اوپر سے اور ان کے پیروں کے نیچے سے، اور وہ کہے گا: چکھو، جو کچھ تم کیا کرتے تھے!

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ

الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ نِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ﴿٥٨﴾ الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿٥٩﴾ وَكَأَيِّن مِّن دَابَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللَّهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٦٠﴾

يٰعِبَادِيَ	اے میرے بندو	وَعَمِلُوا	اور کئے انھوں نے	الَّذِينَ	جنھوں نے
الَّذِينَ	جو	الصّٰلِحٰتِ	نیک کام	صَبَرُوا	برداشت کیا
اٰمَنُوٓا	ایمان لائے	لَنُبَوِّئَنَّهُم (۱)	ضرور ٹھکانہ دیں گے ہم ان کو	وَعَلٰى رَبِّهِمْ	اور اپنے رب پر
اِنَّ اَرْضِيْ	بے شک میری زمین			يَتَوَكَّلُوْنَ	بھروسہ کرتے ہیں
وَاسِعَةٌ	کشادہ ہے	مِّنَ الْجَنَّةِ	جنت کے	وَكَاَيِّنْ (۲)	اور بہت سے
فَاِيَّايَ	پس میری ہی	غُرَفًا	بالاخانوں میں	مِّنْ دَآبَّةٍ	جانور
فَاعْبُدُوْنِ	بندگی کرو	تَجْرِيْ	بہتی ہیں	لَا تَحْمِلُ	نہیں اٹھاتے
كُلُّ نَفْسٍ	ہر نفس	مِنْ تَحْتِهَا	ان کے نیچے سے	رِزْقَهَا	اپنی روزی
ذَآئِقَةُ	چکھنے والا ہے	الْاَنْهٰرُ	نہریں	اَللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
الْمَوْتِ	موت کو	خٰلِدِيْنَ	سدا رہنے والے	يَرْزُقُهَا	ان کو روزی دیتے ہیں
ثُمَّ اِلَيْنَا	پھر ہماری طرف	فِيْهَا	ان میں	وَاِيَّاكُمْ	اور تم کو
تُرْجَعُوْنَ	لوٹائے جاؤ گے	نِعْمَ	بہترین ہے	وَهُوَ	اور وہ
وَالَّذِيْنَ	اور جو لوگ	اَجْرُ	بدلہ	السَّمِيْعُ	خوب سننے والے
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	الْعٰمِلِيْنَ	عمل کرنے والوں کا	الْعَلِيْمُ	ہر چیز جاننے والے ہیں

نیک مؤمنین کا بہترین انجام

اب کفار کے مقابلہ میں نیک مؤمنین کا بہترین انجام بیان کرتے ہیں، فرماتے ہیں: —— اے میرے وہ بندو جو

(۱) نُبَوِّئَنَّ: جمع متکلم، مضارع بانون تاکید، هم: مفعول، تَبوِئَة: مصدر باب تفعیل: ہم ضرور ان کو جگہ دیں گے، اتاریں گے

(۲) کأین: اصل میں کَأیّ تھا، قرآنی رسم الخط میں تنوین کو نون کی صورت میں لکھا گیا ہے، یہ لفظ مبہم کثیر تعداد پر دلالت کرتا ہے، اور اس کی تمیز پر مِن آتا ہے۔

ایمان لائے! بے شک میری زمین کشادہ ہے، پس میری ہی بندگی کرو ــــ یعنی مکہ کے کافر اگر تم کو تنگ کرتے ہیں تو اللہ کی زمین وسیع ہے، دوسری جگہ (مدینہ) چلے جاؤ، اور میری ہی بندگی کرو ــــ ہر شخص کو موت کا مزہ چکھنا ہے، پھر ہماری طرف لوٹائے جاؤ گے ــــ یعنی دنیا کی زندگی کئی دن کی ہے؟ جہاں بن پڑے کاٹ لو، پھر ہمارے پاس آؤ گے تب صلہ پاؤ گے ــــ اور وہ صلہ یہ ہے: ــــ اور جو لوگ ایمان لائے، اور انھوں نے نیک کام کئے: ہم ان کو ضرور ٹھکانہ دیں گے جنت کے بالاخانوں میں، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، بہترین ہے ان عمل کرنے والوں کا بدلہ جنھوں نے مصائب سہے اور وہ اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتے ہیں ــــ یعنی جو لوگ صبر واستقلال سے اسلام وایمان کی راہ پر جمے رہے، اور خدا پر بھروسہ کرکے گھر بار چھوڑ کر وطن سے نکل کھڑے ہوئے: ان کو اس وطن کے بدلے بہترین وطن ملے گا، اور ان کو یہاں کے گھروں سے بہتر گھر دیئے جائیں گے! (فوائد) ــــ اور توکل کی ایک مثال ــــ اور بہتیرے جانور اپنی روزی اٹھائے ہوئے نہیں ہیں ــــ بعض جانوروں کے پاس ذخیرہ ہوتا ہے، اکثر بیلنس نہیں رکھتے ــــ اور اللہ تعالیٰ ان کو اور تم کو روزی دیتے ہیں ــــ یعنی روزی کی طرف سے بے فکر ہو کر ہجرت کرو، وہ تمھیں ضائع نہیں کرے گا ــــ اور وہ خوب سننے والے ہر چیز کو جاننے والے ہیں ــــ بندوں کی التجائیں سنتے ہیں، اور ان کے احوال جانتے ہیں، پس تم سامانِ معیشت ساتھ لے جانے کی فکر مت کرو، اللہ کے بھروسہ پر نکل کھڑے ہو، وہ روزی مہیا کریں گے۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿٦١﴾ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۤءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٦٢﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۭ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿٦٣﴾ ع۲

وَلَئِنْ	اور بخدا! اگر	خَلَقَ	پیدا کئے	وَسَخَّرَ (۱)	اور کام میں لگایا
سَاَلْتَهُمْ	پوچھیں آپ ان سے	السَّمٰوٰتِ	آسمان	الشَّمْسَ	سورج
مَّنْ	کس نے	وَالْاَرْضَ	اور زمین	وَالْقَمَرَ	اور چاند کو

(۱) تسخیر: بس میں کرنا، زبردستی کام میں لگانا۔

لَیَقُوْلُنَّ	البتہ ضرور کہیں گے وہ	لَہٗ	اس کے لئے	الْاَرْضَ	زمین کو
اللّٰہُ[۱]	اللہ نے	اِنَّ اللّٰہَ	بے شک اللہ تعالیٰ	مِنْ بَعْدِ	بعد
فَاَنّٰی	پس کہاں	بِکُلِّ شَیْءٍ	ہر چیز کو	مَوْتِھَا	اس کے مرجانے کے
یُؤْفَکُوْنَ[۲]	الٹے پھرے جارہے ہیں وہ	عَلِیْمٌ	خوب جاننے والے ہیں	لَیَقُوْلُنَّ	ضرور کہیں گے وہ
اَللّٰہُ	اللہ تعالیٰ	وَلَئِنْ	اور بخدا! اگر	اللّٰہُ	اللہ نے
یَبْسُطُ	پھیلاتے ہیں	سَاَلْتَھُمْ	پوچھیں آپ ان سے	قُلِ	کہیں
الرِّزْقَ	روزی	مَّنْ نَّزَّلَ	کس نے اتارا	الْحَمْدُ	تمام تعریفیں
لِمَنْ	جس کے لئے	مِنَ السَّمَآءِ	آسمان سے	لِلّٰہِ	اللہ کے لئے ہیں
یَّشَآءُ	چاہتے ہیں	مَآءً	پانی	بَلْ	مگر
مِنْ عِبَادِہٖ	اپنے بندوں میں سے	فَاَحْیَا	پس زندہ کیا	اَکْثَرُھُمْ	ان میں سے اکثر
وَیَقْدِرُ[۳]	اور تنگ کرتے ہیں	بِہِ	اس کے ذریعہ	لَا یَعْقِلُوْنَ	سمجھتے نہیں

اسبابِ رزق اللہ تعالیٰ نے پیدا کئے ہیں، پس وہی معبود ہیں

رزق کے تمام اسباب سماویہ اور ارضیہ اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کئے ہیں، پس اس پر بھروسہ کرنا چاہئے، ہجرت میں سامانِ معیشت ساتھ لے جانے کی ضرورت نہیں، یہ ماسبق سے ربط ہوا۔ اور جب رزاق اللہ تعالیٰ ہیں تو معبود بھی وہی ہیں، اس طرح کلام کا رخ توحید کی طرف ہوگیا۔ ارشاد پاک ہے: —— اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا؟ اور کس نے سورج اور چاند کو کام میں لگایا؟ —— اوپر سے پانی برستا ہے، زمین غذا اگاتی ہے، سورج کی توانائی پھل اور غلہ پکاتی ہے اور چاند کی چاندی ذائقہ پیدا کرتی ہے، یوں اللہ تعالیٰ نے روزی کے اسباب فراہم کئے —— پس وہ ضرور کہیں گے: اللہ نے! —— مشرکین جواہر کا خالق اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کو ایشور (خالق) کہتے ہیں، اس لئے وہ یہی جواب دیں گے —— پس وہ کدھر پلٹے جارہے ہیں؟ —— اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر مورتیوں کے گرویدہ کیوں ہورہے ہیں؟ جو خالق ورزاق ہے وہی معبود ہے، کوئی دوسرا معبود کہاں سے آگیا؟

اسبابِ رزق اختیار کرنے پر سب کو روزی حسب خواہش یا یکساں کیوں نہیں ملتی؟

آگے ایک سوالِ مقدر کا جواب ہے۔ لوگ اسبابِ رزق اختیار کرتے ہیں، مگر روزی سب کو دل خواہ نہیں ملتی: اس کی

(۱) اللّٰہ: مبتدا ہے، اور خبر محذوف ہے أی خلق و سخر (۲) إفك (ضرب): پھیرنا، بھٹکانا (۳) قَدَر (ضرب): تنگ کرنا۔

کیا وجہ ہے؟ جواب: یہ بات بندوں کی مصلحت پر موقوف ہے، جس کو اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اسباب خود کار نہیں، ان کا سرا مسبب الاسباب کے ہاتھ میں ہے، وہ بندوں کی مصلحت کے موافق روزی کشادہ اور تنگ کرتے ہیں، ارشادِ پاک ہے: —— اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتے ہیں روزی کشادہ کرتے ہیں، اور اس کے لئے تنگ کرتے ہیں، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والے ہیں!

اسبابِ معیشت کی اللہ تعالیٰ تجدید کرتے ہیں

اب یہ بات بیان کرتے ہیں کہ اسبابِ رزق کی اللہ تعالیٰ تجدید کرتے ہیں، جب زمین اجڑ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اوپر سے پانی برساتے ہیں، جس سے زمین لہلہانے لگتی ہے، اور تازہ فصل تیار ہوتی ہے، اور لوگوں اور جانوروں کو روزی ملتی ہے۔

اسی طرح سیم وزر میں تقدیری (مان لیا ہوا) نماء (بڑھوتری) ہے، اموالِ تجارت میں تحقیقی، اور مواشی میں حسّی، اسی نماء میں اللہ تعالیٰ نے غریبوں کا حق رکھا ہے۔ پس جو خدا اسبابِ معیشت کی تجدید کر کے روزی پہنچاتا ہے وہی معبود ہے، مگر اکثر لوگ سمجھتے نہیں۔

یہ ماقبل سے ربط و تعلق ہوا، اور مابعد سے تعلق یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ اسباب معیشت کی تجدید کرتے ہیں: اس دنیا کو بھی دوسری دنیا سے بدل دیں گے، تاکہ مؤمنین کے لئے سامانِ عیش (جنت) فراہم کریں، وہی ان کی روزی ہوگی۔

ارشاد فرماتے ہیں: —— اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس کے ذریعہ زمین کو مر جانے کے بعد زندہ کیا؟ تو وہ ضرور کہیں گے: اللہ نے! کہو: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں —— وہی معبود ہیں، کیونکہ معبود ہونا سب سے بڑا کمال ہے، اور تمام کمالات اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، پس یہ کمال بھی ان کے ساتھ خاص ہے —— مگر بیشتر لوگ سمجھتے نہیں! —— ان کی عقلوں پر پتھر پڑ گئے ہیں، اس لئے پتھروں کو معبود بنائے ہوئے ہیں!

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ؕ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۴﴾ فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۵﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۚۙ وَلِيَتَمَتَّعُوْا ۫ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى

اللّٰہِ کَذِبًا اَوۡ کَذَّبَ بِالۡحَقِّ لَمَّا جَآءَہٗ ؕ اَلَیۡسَ فِیۡ جَہَنَّمَ مَثۡوًی لِّلۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۶۸﴾
وَ الَّذِیۡنَ جَاہَدُوۡا فِیۡنَا لَنَہۡدِیَنَّہُمۡ سُبُلَنَا ؕ وَ اِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۶۹﴾ ع

وَمَا ھٰذِہِ	اور نہیں ہے یہ	اِلَی الۡبَرِّ	خشکی کی طرف	مِنۡ حَوۡلِہِمۡ	ان کے آس پاس سے
الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَآ	دنیا کی زندگی	اِذَا ھُمۡ	اچانک وہ	اَفَبِالۡبَاطِلِ	کیا پس باطل پر
اِلَّا لَھۡوٌ (۱)	مگر دل بہلانا	یُشۡرِکُوۡنَ	شریک کرتے ہیں	یُؤۡمِنُوۡنَ	یقین رکھتے ہیں
وَّلَعِبٌ (۲)	اور کھیلنا	لِیَکۡفُرُوۡا	تا کہ انکار کریں گے وہ	وَبِنِعۡمَۃِ	اور نعمت کا
وَاِنَّ	اور بے شک	بِمَآ	اس کا جو	اللّٰہِ	اللہ کے
الدَّارَ الۡاٰخِرَۃَ	پچھلا گھر	اٰتَیۡنٰھُمۡ	دیا ہم نے ان کو	یَکۡفُرُوۡنَ	انکار کرتے ہیں
لَھِیَ	البتہ وہ	وَلِیَتَمَتَّعُوۡا	اور تا کہ فائدہ اٹھائیں وہ	وَمَنۡ اَظۡلَمُ	اور کون بڑا ظالم ہے
الۡحَیَوَانُ (۳)	زندگانی ہے	فَسَوۡفَ	پس عنقریب	مِمَّنِ	اس سے جس نے
لَوۡ کَانُوۡا	اگر/کاش وہ	یَعۡلَمُوۡنَ	جانیں گے وہ	افۡتَرٰی	گھڑا
یَعۡلَمُوۡنَ	جانتے	اَوَلَمۡ	کیا اور نہیں	عَلَی اللّٰہِ	اللہ پر
فَاِذَا رَکِبُوۡا	پس جب سوار ہوئے وہ	یَرَوۡا	دیکھا انھوں نے	کَذِبًا	جھوٹ
فِی الۡفُلۡکِ	کشتی میں	اَنَّا	کہ ہم نے	اَوۡ کَذَّبَ	یا جھٹلایا
دَعَوُا اللّٰہَ	پکارا انھوں نے اللہ کو	جَعَلۡنَا	بنایا	بِالۡحَقِّ	دین حق کو
مُخۡلِصِیۡنَ	خالص کر کے	حَرَمًا	حرم شریف کو	لَمَّا جَآءَہٗ	جب پہنچا اس کو
لَہُ	اس کے لئے	اٰمِنًا (۴)	امن والا	اَلَیۡسَ	کیا نہیں ہے
الدِّیۡنَ	دین (اعتقاد) کو	وَّیُتَخَطَّفُ (۵)	(درانحالیکہ) اُچکے	فِیۡ جَھَنَّمَ	جہنم میں
فَلَمَّا نَجّٰھُمۡ	پس جب نجات دی		جا رہے ہیں	مَثۡوًی	ٹھکانہ
	ہم نے ان کو	النَّاسُ	لوگ	لِّلۡکٰفِرِیۡنَ	منکروں کا

(۱) لھو: غیر دانشمندانہ تفریح (۲) لعب: کھیل، دلچسپ مشغلہ (۳) حیوان: حَیِیَ یَحۡیَ کا مصدر، اصل میں حَیَیَان تھا، یاء ثانیہ کو واو سے بدل دیا ہے، یہ حیاۃ سے زیادہ بلیغ ہے۔ (۴) آمنا: جعلنا کا مفعول ثانی ہے (۵) جملہ حالیہ ہے۔

وَ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا	اور جنھوں نے سخت محنت کی ہمارے لئے	لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا	ضرور دکھائیں گے ہم ان کو ہماری راہیں	وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ	اور بے شک اللہ تعالیٰ یقیناً ساتھ ہیں نیکوکاروں کے

کائنات کی تجدید ہوگی، اور دوسری زندگی اصل زندگی ہوگی

اسلامی عقیدہ یہ ہے کہ یہ دنیا جو اس وقت رواں دواں ہے: ایک دن ختم کردی جائے گی: ﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ﴾: ہر چیز فنا ہونے والی ہے، علاوہ اللہ کی ذات کے (القصص آیت ۸۸) پھر بتدریج آفرینش کی ابتدا ہوگی: ﴿إِنَّهُ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ﴾: بے شک وہی پہلی بار پیدا کرتا ہے، اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا (البروج آیت ۱۳) یہی کائنات کی تجدید یعنی نیا ایڈیشن ہے، اور دوسری زندگی ہی اصل زندگی ہوگی، وہ ہمیشہ کے لئے ہوگی، جنت اور جہنم ابدی ہیں، پس آدمی کو چاہئے کہ یہاں کی چندروزہ زندگی سے زیادہ آخرت کی فکر کرے، اس فانی دنیا پر نہ ریجھے، اس کی حقیقت بہلاوا اور تماشا ہے۔ ارشادِ پاک ہے: —— اور دنیا کی یہ زندگی بہلاوا اور تماشا ہی ہے، اور بے شک پچھلی دنیا ہی زندگی ہے، اگر/کاش لوگ جانتے!

دنیا کی زینت کفر سے ہے، اور آخرت کی ایمان سے

آخرت کو بھول کر اور دنیا کو مطمح نظر بنا کر رات دن اپنی توانائیاں وہی لوگ خرچ کرتے ہیں جن کو آڑے وقت اللہ یاد بھی آتا ہے تو جلد ہی اس کو بھول جاتے ہیں، اور اپنی دنیا میں مگن ہو جاتے ہیں، جب ان کی کشتی طوفان میں گھر جاتی ہے تو بڑی عقیدت سے اللہ کو پکارتے ہیں، مگر جونہی خشکی پر قدم رکھتے ہیں: اللہ کا احسان بھول جاتے ہیں، اور جھوٹے دیوتاؤں کو پکارنے لگتے ہیں۔ یہ لوگ دنیا میں چند دن مزے اڑانا چاہتے ہیں، اڑالیں! عنقریب ان کو پتہ چل جائے گا کہ احسان فراموشی کا نتیجہ کیا ہے! ارشاد فرماتے ہیں: —— پس جب وہ کشتی میں سوار ہوئے تو انھوں نے اللہ کو پکارا، خالص اعتقاد سے، پھر جب ان کو خشکی کی طرف نجات دی تو اچانک وہ شریک ٹھہرانے لگے، تاکہ اس نعمت کا انکار کریں جو ہم نے ان کو دی —— مثلاً ڈوبنے سے بچایا —— اور تاکہ فائدہ اٹھائیں —— چندروز مزے اڑالیں —— سو عنقریب وہ جان لیں گے!

اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان کہ حرم شریف کو امن کی جگہ بنایا

اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا: اللہ کی نعمتوں کا انکار ہے، اور اللہ تعالیٰ کا ایک بہت بڑا احسان مشرکین مکہ پر یہ ہے کہ اللہ

تعالیٰ نے حرم شریف کو امن کی جگہ بنایا ہے۔ مکہ کے کفار اللہ کے گھر کے طفیل دشمنوں سے پناہ میں ہیں، اردگرد سارے عرب میں کشت وخون کا بازار گرم تھا، اور مکہ والے چین سے تھے، وہ اللہ کا یہ احسان کیوں نہیں مانتے، اور صرف اس کی بندگی کیوں نہیں کرتے؟ وہ باطل (بتوں) کو تو مانتے ہیں جن کا کوئی احسان نہیں، اور برحق اللہ تعالیٰ کو نہیں مانتے جن کا یہ بڑا احسان ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں: —— کیا اور وہ دیکھتے نہیں کہ ہم نے حرم شریف کو امن کی جگہ بنایا، درانحالیکہ لوگ ان کے آس پاس سے اچکے جارہے ہیں؟ کیا پس وہ غلط چیز کو مانتے ہیں، اور اللہ کے احسان کا انکار کرتے ہیں؟

شرک کرنے والوں کا یا دین حق کو جھٹلانے والوں کا ٹھکانہ جہنم ہے

آیتِ کریمہ میں أو مانعۃ الخلو کا ہے، پس دونوں باتیں جمع ہوسکتی ہیں، شرک کرنے والے: جیسے مشرکین مکہ، اور دین حق کا انکار کرنے والے: جیسے یہود ونصاری: سب کا انجام دوزخ ہے، کیونکہ یہ دونوں باتیں سب سے بڑی ناانصافی ہیں، کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرانا: اللہ کی طرف ایسی بات منسوب کرنا ہے جس کا کوئی جواز نہیں، اسی طرح نبی ﷺ جو دین حق لے کر آئے ہیں: اس کو جھٹلانا کیا کم ظلم ہے؟ کیا ان ظالموں کو معلوم نہیں کہ ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے؟ ارشاد فرماتے ہیں: —— اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا —— کہ بت ان کے شریک ہیں —— یا سچی بات کو جھٹلایا جب وہ اس کو پہنچی، کیا جہنم میں منکروں کا ٹھکانہ نہیں!

دین کے لئے مشقتیں برداشت کرنے والوں کی نصرت

منکرین کا انجام سنا کر اب مؤمنین کا انجام بیان کرتے ہیں، یہ وہ مؤمنین ہیں جو کفار مکہ کے مظالم کا تختۂ مشق بنے ہوئے تھے، سورت کا آغاز انہی کے تذکرہ سے ہوا تھا۔ فرماتے ہیں: جو لوگ اللہ کے لئے محنت اٹھاتے ہیں اور بے وطنی کی مشقت جھیلتے ہیں: ان کو اللہ تعالیٰ کامیابی کی راہیں دکھائیں گے، ان کی دست گیری فرمائیں گے، کیونکہ اللہ کی حمایت ونصرت ہمیشہ نیکوکاروں کے ساتھ ہوتی ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں: —— اور جو لوگ ہمارے دین کے لئے مجاہدہ کرتے ہیں: ہم ضرور ان کو اپنی راہیں سُجھاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ یقیناً نیکوکاروں کے ساتھ ہیں۔

فائدہ: جہاد کے مادّہ کے ساتھ فی سبیل اللہ آئے تو وہ خاص ہے، اس وقت جہاد کے معنی ہیں: دشمنانِ اسلام سے لوہا لینا، اور جب فی اللہ یا فینا آئے تو عام ہے، اس وقت لفظ دین محذوف رہتا ہے، مگر شرط یہ ہے کہ تن توڑ محنت کرے، آخری درجہ کی طاقت خرچ کردے، اسی کو مجاہدہ کہتے ہیں۔

﴿الحمد للہ! ۱۷ رذی قعدہ ۱۴۳۶ھ = ۳ راگست ۲۰۱۵ء بروز پیر سورۃ العنکبوت کی تفسیر پوری ہوئی﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الروم

نمبر شمار ۳۰ نزول کا نمبر ۸۴ نزول کی نوعیت: مکی آیات ۶۰ رکوع: ۶

یہ بھی مکی دور کی تقریباً آخری سورت ہے، اس کے نزول کا نمبر ۸۴ ہے، سورۃ عنکبوت کا ۸۵ تھا، مکی سورتیں کل ۸۵ ہیں۔ اس سورت کے شروع میں رومیوں کے غلبہ کی پیشین گوئی ہے، اس لئے اس کا نام سورۃ الروم رکھا گیا ہے۔ گذشتہ سورت کے آخر میں قرآن کی حقانیت کا بیان تھا، یہ سورت اسی مضمون سے شروع ہوئی ہے، شروع میں یہ پیش خبری ہے کہ دس سے کم سالوں میں رومیوں کا غلبہ ہوگا، یہ خبر ٹھیک وقت پر پوری ہوئی، جس سے قرآن کی حقانیت ثابت ہوئی۔

اور اس پیشین گوئی میں مہاجرین مدینہ کے لئے ایک خوش خبری تھی کہ وہ بھی چند سالوں میں مکہ کے کفار پر غالب آئیں گے، چنانچہ آٹھویں سال یہ خبر بھی واقعہ بنی ـــــ پھر معاً بعد آخرت کا تذکرہ شروع ہوا ہے، یہ بھی آئندہ کی ایک خبر ہے، اور متحقق الوقوع ہے، پس دونوں خبروں میں مناسبت ہے ـــــ پھر وقوعِ آخرت کی خبر دے کر آخرت کی آٹھ دلیلیں بیان کی ہیں، یہ خاصہ کی چیز ہے، اس کے بعد شرک کا ابطال اور توحید کا اثبات ہے، پھر مشرکین کے بے ہنگم احوال ہیں۔

پھر یہ مضمون شروع ہوا ہے کہ اللہ نے جس کے لئے روزی کشادہ کی ہے وہ صدقہ خیرات کرے، کون (سودی قرض) نہ دے، سود حرام ہے، اور سودی نظام تباہ کن معاشی نظام ہے، اس نے سارے عالم کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے، اور خشکی اور تری میں بگاڑ پھیل گیا ہے، پس اس سے بچنا ضروری ہے، اللہ تعالیٰ نے روزی کمانے کے حلال ذرائع: تجارت اور زراعت پیدا کئے ہیں، لوگ ان کے ذریعہ روزی حاصل کریں، حرام کو کیوں اپنائیں! سودخوری: مفت خوری کی ایک شکل ہے، اس سے بچیں، یہ مضمون بھی اہم ہے ـــــ پھر سورت کے آخر میں آخرت کا تذکرہ ہے، اور پانچ باتیں بیان کر کے سورت ختم کی ہے، یہ سورت کے بنیادی مضامین ہیں، درمیان میں ضمنی باتیں آئیں ہیں ـــــ اب سورت کی تلاوت کریں، اللہ تعالیٰ قارئین کرام کو قرآن کی برکات سے نوازیں (آمین)

آیاتہا ۶۰ | (۳۰) سُوْرَۃُ الرُّوْمِ مَکِّیَّۃٌ (۸۴) | رکوعاتہا ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الٓمّٓ ﴿۱﴾ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ﴿۲﴾ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَیَغْلِبُوْنَ ﴿۳﴾ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ ؕ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ؕ وَیَوْمَئِذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۴﴾ بِنَصْرِ اللّٰهِ ؕ یَنْصُرُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۵﴾ وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا یُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۶﴾ یَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚۖ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ﴿۷﴾

بِسْمِ	نام سے	مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ (۱)	اپنے مغلوب ہونے کے بعد	الْمُؤْمِنُوْنَ	مؤمنین
اللّٰهِ	اللہ کے			بِنَصْرِ اللّٰهِ	اللہ کی مدد سے
الرَّحْمٰنِ	نہایت مہربان	سَیَغْلِبُوْنَ	جلد غالب آئیں گے	یَنْصُرُ	مدد کرتے ہیں
الرَّحِیْمِ	بڑے رحم والے	فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ (۲)	چند سالوں میں	مَنْ یَّشَآءُ	جس کی چاہتے ہیں
الٓمّٓ	الف، لام، میم	لِلّٰهِ	اللہ ہی کے لئے	وَهُوَ	اور وہ
غُلِبَتِ	مغلوب ہوئے	الْاَمْرُ	اختیار ہے	الْعَزِیْزُ	زبردست
الرُّوْمُ	رومی	مِنْ قَبْلُ	پہلے بھی	الرَّحِیْمُ	حکمت آشنا ہیں
فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ	لگواں زمین میں	وَمِنْۢ بَعْدُ	اور بعد میں بھی	وَعْدَ اللّٰهِ (۳)	اللہ کا وعدہ ہے
		وَیَوْمَئِذٍ	اور اس دن	لَا یُخْلِفُ	نہیں خلاف کرتے
وَهُمْ	اور وہ	یَّفْرَحُ	خوش ہونگے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ

(۱) غَلَبٌ: مصدر مجہول ہے، جس کے معنی ہیں: مغلوب ہونا، عربی میں مصدر معروف اور مصدر مجہول میں فرق نہیں ہوتا، قرائن سے پہچانا جاتا ہے۔ جیسے نَصَرَ یَنْصر نَصْرًا میں نَصْرًا: مصدر معروف ہے، اس کے معنی ہیں: مدد کرنا۔ اور نُصِرَ یُنْصَرُ نَصْرًا: میں نَصْرًا: مصدر مجہول ہے، اس کے معنی ہیں: مدد کیا جانا (۲) بضع: تین تا نو (۳) وعد اللہ: فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے، جس کو محذوف رکھنا واجب ہے، أی وَعَدَ اللّٰهُ وعْدًا۔

وَعْدَهٗ	اپنے وعدہ کا	يَعْلَمُوْنَ	جانتے ہیں وہ	وَهُمْ	اور وہ
وَلٰكِنَّ	لیکن	ظَاهِرًا	ظاہر کو	عَنِ الْاٰخِرَةِ	آخرت سے
اَكْثَرَ النَّاسِ	اکثر لوگ	مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا	دنیا کی زندگی کے	هُمْ غٰفِلُوْنَ	بے خبر ہیں
لَا يَعْلَمُوْنَ	جانتے نہیں			۝	۝

اللہ پاک کے نام سے شروع کرتا ہوں جو رحمان ورحیم ہیں

رومیوں کے غلبہ کی پیشین گوئی قرآن کی حقانیت کی دلیل ہے، اور اس میں مہاجرین کے لئے اشارہ ہے

ماقبل سے ربط: گذشتہ سورت میں قرآن کی حقانیت اور مدینہ کی طرف ہجرت کا ذکر آیا ہے۔ اب اس سورت میں ایک پیشین گوئی کے ضمن میں مہاجرین کو اشارہ دیا ہے کہ مدینہ کی طرف نکلو، ان شاء اللہ رومیوں کی طرح چند سالوں میں غالب آؤ گے، اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کریں گے، چنانچہ ہجرت کے بعد آٹھویں سال مکہ فتح ہوا، اور مہاجرین گھر لوٹے ـــــ اور رومی بھی ساتویں سال غالب آئے، قرآن کی حقانیت ظاہر ہوکر رہی اور بہت سے لوگ ایمان لے آئے۔

پیشین گوئی: ـــــ جزیرۃ العرب سے لگی ہوئی دو بھاری حکومتیں: روم وفارس تھیں، یہ حکومتیں اس وقت کی سپر پاور تھیں، ان میں مدتِ دراز سے ٹکر چلی آرہی تھی۔ ۶۰۲ء سے ۶۱۴ء کے بعد تک ان میں حریفانہ نبرد آزمائی کا سلسلہ جاری رہا۔ نبی ﷺ کی ولادتِ مبارکہ ۵۷۰ء میں ہوئی ہے، اور بعثت ۶۱۰ء میں۔ آپ کی بعثت کے بعد روم اور فارس میں مقام اذرعات وبُصری کے درمیان لڑائی ہوئی، اور رومی مغلوب ہوگئے۔ خسرو پرویز نے رومن امپائر کو فیصلہ کن شکست دیدی، شام، مصر اور ایشیائے کوچک رومیوں کے ہاتھ سے نکل گئے، اور رومی اپنے دار السلطنت میں پناہ گزیں ہونے پر مجبور ہوگئے ـــــ جب یہ خبر مکہ مکرمہ پہنچی تو مشرکین نے بغلیں بجائیں، وہ مسلمانوں سے کہنے لگے: ''تم اور رومی اہل کتاب ہو، اور ہم اور فارسی ہم مشرب، پس روم پر فارس کا غالب آنا ہمارے لئے نیک فال ہے، ہم بھی تم پر غالب آئیں گے''

صحابہ نے یہ بات نبی ﷺ سے ذکر کی تو سورۃ الروم کی یہ آیتیں نازل ہوئیں، جن میں پیشین گوئی تھی کہ نو سال کے اندر رومی فارسیوں پر غالب آئیں گے، جس کی بظاہر کوئی امید نہیں تھی، لیکن اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہیں، اور مسلمانوں کو اللہ کے وعدے پر یقین تھا، چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مشرکین سے اس پر شرط بدی ـــــ پھر اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ ساتویں برس پھر دونوں میں مقابلہ ہوا، اور رومی غالب آگئے، اور قرآن کی پیشین گوئی پوری ہوئی ـــــ اور اس درمیان مسلمانوں نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی، پھر ۲ ہجری میں بدر میں مسلمانوں اور مشرکوں میں معرکہ آرائی ہوئی، جس

میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی، اور کفار نے منہ کی کھائی، اور اسی دن رومیوں کے غلبہ کی خبر آئی تو مسلمانوں کی خوشی دوبالا ہوگئی، اور مشرکین کی مکھی تیل میں گری!

آیاتِ پاک: ـــــ الف، لام، میم ـــــ یہ حروف مقطعات (علاحدہ علاحدہ حروف ہجاء) ہیں، ان کی مراد اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے ـــــ لگواں علاقے میں رومی ہارے، اور وہ مغلوب ہونے کے بعد جلد چند سالوں میں غالب آئیں گے، اللہ ہی کا اختیار ہے پہلے بھی اور بعد میں بھی، اور اس دن مؤمنین اللہ کی مدد سے خوش ہونگے ـــــ ایک تو اس دن اپنی فتح کی خوشی ہوگی، دوسری پیشین گوئی پوری ہونے کی خوشی، خوشی بالائے خوشی! ـــــ اللہ تعالیٰ جس کی چاہتے ہیں مدد کرتے ہیں، اور وہ زبردست حکمت آشنا ہیں ـــــ زبردست ایسے کہ ضعیف کو قوی کردیں، حکیم ایسے کہ مصلحت کے مطابق پانسہ پلٹ دیں ـــــ یہ اللہ کا وعدہ ہے، اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتے ـــــ وعدہ خلافی مروّت کے خلاف ہے، اور اللہ تعالیٰ ہرعیب سے پاک ہیں ـــــ لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ـــــ ان کا اللہ کے وعدوں پر یقین نہیں ـــــ وہ دنیا کی زندگی کے ظاہری پہلو کو جانتے ہیں ـــــ ظاہر بیں نگاہیں اسبابِ ظاہری پر فیصلہ کرتی ہیں ـــــ اور وہ آخرت سے بے خبر ہیں ـــــ یہ مثال ہے، ظاہر بیں سمجھتے ہیں کہ یہ دنیا اسی طرح چلتی رہے گی، حالانکہ اس زندگی کی تہ میں ایک دوسری زندگی پوشیدہ ہے، اور وہ آخرت ہے، جس سے لوگ بے خبر ہیں (باقی آگے)

أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا فِي أَنفُسِهِم ۗ مَّا خَلَقَ اللَّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَجَلٍ مُّسَمًّى ۗ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ لَكَافِرُونَ ﴿٨﴾ أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ كَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَأَثَارُوا الْأَرْضَ وَعَمَرُوهَا أَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوهَا وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ ۖ فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٩﴾ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِينَ أَسَاءُوا السُّوأَىٰ أَن كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَكَانُوا بِهَا يَسْتَهْزِئُونَ ﴿١٠﴾ ع

أَوَلَمْ	کیا اور نہیں	مَا خَلَقَ	نہیں پیدا کیا	وَالْأَرْضَ	اور زمین کو
يَتَفَكَّرُوا	غور کیا انھوں نے	اللَّهُ	اللہ نے	وَمَا بَيْنَهُمَا	اور اس کو جو ان کے درمیان ہے
فِي أَنفُسِهِم	اپنے دلوں میں؟	السَّمَاوَاتِ	آسمانوں	إِلَّا	مگر

بِالْحَقِّ(1)	خاص مقصد سے	مِنْ قَبْلِهِمْ	ان سے پہلے ہوئے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
وَاَجَلٍ(2)	اور مدت	كَانُوْٓا	تھے وہ	لِيَظْلِمَهُمْ	کہ ظلم کرتے ان پر
مُّسَمًّى	مقررہ تک	اَشَدَّ	زیادہ سخت	وَلٰكِنْ كَانُوْٓا	لیکن تھے وہ
وَاِنَّ كَثِيْرًا	اور بے شک بہت سے	مِنْهُمْ	ان سے	اَنْفُسَهُمْ(5)	اپنی ذاتوں پر
مِّنَ النَّاسِ	لوگوں میں سے	قُوَّةً	قوت میں	يَظْلِمُوْنَ	ظلم کرتے
بِلِقَآئِ	ملاقات کا	وَّاَثَارُوا(3)	اور جوتا بویا انھوں نے	ثُمَّ كَانَ	پھر ہوا
رَبِّهِمْ	ان کے رب کی	الْاَرْضَ	زمین کو	عَاقِبَةَ(6)	انجام
لَكٰفِرُوْنَ	یقیناً انکار کرنے والے ہیں	وَعَمَرُوْهَآ(4)	اور آباد کیا انھوں نے اس کو	الَّذِيْنَ(7)	جنھوں نے
اَوَلَمْ	کیا اور نہیں	اَكْثَرَ	زیادہ	اَسَآءُوا	برائیاں کیں
يَسِيْرُوْا	چلے پھرے وہ	مِمَّا	اس سے جو	السُّوْٓاٰى(8)	برا
فِي الْاَرْضِ	زمین میں	عَمَرُوْهَا	آباد کیا انھوں نے اس کو	اَنْ كَذَّبُوْا(9)	بایں وجہ کہ انھوں
فَيَنْظُرُوْا	پس دیکھتے وہ	وَجَآءَتْهُمْ	اور آئے ان کے پاس		نے جھٹلایا
كَيْفَ	کیسا	رُسُلُهُمْ	ان کے رسول	بِاٰيٰتِ اللّٰهِ	اللہ کی آیتوں کو
كَانَ عَاقِبَةُ	ہوا انجام	بِالْبَيِّنٰتِ	واضح دلائل کے ساتھ	وَكَانُوْا بِهَا	اور تھے وہ ان کا
الَّذِيْنَ	ان کا جو	فَمَا كَانَ	پس نہیں تھے	يَسْتَهْزِءُوْنَ	ٹھٹھا کرتے

آخرت سے غفلت کیوں؟ آخرت تو برحق ہے

انسان سوچتا کیوں نہیں؟ اس کے سوچنے کے لئے ایک نقطہ ہے کہ جب ہر چیز خاص مقصد کے لئے اور معین وقت کے لئے پیدا کی گئی ہے، تو خود انسان کو مہمل کیسے چھوڑا جا سکتا ہے؟ اس کی پیدائش کا بھی ضرور کوئی مقصد ہونا چاہئے —— اور وہ مقصد ہے: تکلیفِ شرعی، یعنی انسان کو کچھ احکام دیئے گئے ہیں، جن کی تعمیل اس پر لازم ہے: ﴿وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ

(۱) حقّ: حکمت کے اقتضاء کے مطابق کوئی چیز ایجاد کرنا (۲) أجل: کا حق پر عطف ہے۔ (۳) أثار إثارة: جوتنا، کھیتی کرنا (۴) عَمَرَ عِمَارَةً: بسانا، آباد کرنا (۵) أنفسهم: یظلمون کا مفعول مقدم ہے (۶) عاقبةَ: کان کی خبر مقدم ہے (۷) الذين أساء وا: موصول صلہ مل کر مضاف الیہ ہیں (۸) السوآى: کان کا اسم مؤخر ہے، السوآی: برا کام، أسوأ کا مؤنث ہے، جیسے حُسْنیٰ: أحسن کا مؤنث ہے، اور مصدر بروزن فُعلی بھی ہوسکتا ہے (۹) أن سے پہلے لام یا باء محذوف ہے۔

الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلاً﴾: اللہ تعالیٰ وہ ہیں جنھوں نے موت وحیات کو پیدا کیا یعنی دنیا کی زندگی بنائی، جس میں مرنا اور جینا ہے، تا کہ وہ تمہاری آزمائش کریں کہ تم میں سے کون عمل میں زیادہ اچھا ہے [الملک ۲]

پھر اعمال کی جزاؤسزا اس دنیا میں نہیں ہے، اس کے لئے دوسری دنیا بنائی جائے گی، جس کا نام آخرت ہے، اس میں جنت وجہنم اسی مقصد کے لئے پیدا کی گئی ہیں، اور آخرت میں سب سے بڑی نعمت دیدارِ خداوندی ہوگی، اور سب سے بڑی سزا دیدارِ خداوندی سے محرومی ہوگی: ﴿إِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ﴾: کفار قیامت کے دن اپنے پروردگار کے دیدار سے روک دیئے جائیں گے [التطفیف ۱۵] پس جو شخص آخرت کا انکار کرتا ہے وہ اپنے پروردگار کی ملاقات کا انکار کرتا ہے، جبکہ اللہ کی محبت انسان کی رگ وپے میں بسی ہوئی ہے، اسی وجہ سے دیدارِ خداوندی سے محرومی کفار کے لئے سزا ہوگی۔

اور انسان کے سوچنے کے لئے دوسرا نقطہ یہ ہے کہ گذشتہ اقوام جو دنیا کے ساز وسامان میں ہر طرح موجودہ لوگوں سے بہتر تھیں، اور انھوں نے عمریں بھی لمبی پائی تھیں، جب ان کے پاس رسول آئے، اور انھوں نے رسولوں کی بات نہ مانی تو ان کا دنیا میں کیا انجام ہوا؟ وہ کیوں تباہ وبرباد کی گئیں؟ اگر انسان اس پر غور کرے تو وہ اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو مکلّف بنایا ہے، احکام دیئے ہیں، اگر وہ اس کی خلاف ورزی کریں گے تو دنیا میں بھی سزا پائیں گے اور آخرت میں بھی —— یہ تین آیتوں کا خلاصہ ہے۔

آیاتِ پاک: —— کیا اور وہ اپنے دلوں میں سوچتے نہیں؟ —— سوچنے کے لئے پہلا نقطہ: —— اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو اور ان چیزوں کو جو ان کے درمیان ہیں خاص مقصد اور معین وقت کے لئے پیدا کیا ہے —— وہ خاص مقصد: کائنات انسان کی مصلحت کے لئے بنائی گئی ہے: ﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَافِی الْأَرْضِ جَمِيْعًا﴾: اللہ نے تمہارے فائدے کے لئے وہ سب کچھ پیدا کیا ہے جو زمین میں ہے [البقرۃ ۲۹] —— اور اس دنیا کی ہر چیز ناپائدار ہے، ایک وقت کے بعد اس کو ختم ہوجانا ہے: ﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ﴾: ہر چیز فنا ہونے والی ہے [القصص ۸۸] —— پھر اللہ تعالیٰ کائنات کی تجدید کریں گے، یعنی مخلوقات کو دوبارہ پیدا کریں گے: ﴿إِنَّهُ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ﴾: وہی آفرینش کی ابتدا کرتے ہیں، پھر اس کو لوٹائیں گے یعنی دوبارہ پیدا کریں گے [البروج ۱۳] اسی حیاتِ نو کا نام آخرت ہے —— اور بہت سے انسان اپنے رب کی ملاقات کے منکر ہیں —— یہ وہ لوگ ہیں جو آخرت کو نہیں مانتے، اور آخرت کی نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت دیدارِ الٰہی کا انکار کرتے ہیں۔

انسان کے غور کرنے کا دوسرا نقطہ: —— کیا اور وہ زمین میں چلے پھرے نہیں؟ —— مراد جزیرۃ العرب کی سرزمین ہے —— پس وہ دیکھتے کیسا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے ہوئے؟ —— مراد عاد وثمود وغیرہ ہیں ——

وہ ان (مکہ والوں) سے قوت میں بڑھے ہوئے تھے، اور انھوں نے زمین کو جوتا بویا، اور اس کو آباد کیا زیادہ اس سے جو انھوں نے اس کو آباد کیا —— یعنی عاد وثمود بڑی طاقت ور قومیں تھیں، جنھوں نے زمین کو جوت بو کر خوب کمایا، پہاڑ کھود کر چشمے نکالے، اور تمدن کو ترقی دی، انھوں نے عمریں بھی لمبی پائیں، اور زمین کو موجودہ کافروں سے زیادہ آباد کیا —— اور ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل لے کر آئے —— پس انھوں نے تکذیب کی تو دنیا میں ان کا انجام کیا ہوا؟ کس طرح وہ تباہ وبرباد کئے گئے؟ —— پس اللہ ایسے نہیں تھے کہ ان پر ظلم کرتے، لیکن وہ اپنی ذاتوں پر ظلم کرتے تھے —— یعنی انھوں نے خود اپنے پیروں پر تیشہ زنی کی، اللہ کی بارگاہ ظلم وزیادتی سے پاک ہے یعنی انھوں نے وہ کام کئے جن کا نتیجہ برا نکلا، یہی اپنی جانوں پر ظلم کرنا ہے —— پس برائی کرنے والوں کا انجام برا ہوا! بایں وجہ کہ انھوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا اور وہ ان کی ہنسی اڑاتے تھے —— پھر آخرت میں تکذیب واستہزاء کی جو سزا ملے گی وہ الگ ہے۔

لوگوں کو چاہئے کہ گذرے ہوئے لوگوں کے احوال سے عبرت پکڑیں، اللہ کا قانون یکساں چلتا ہے

اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا وَكَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۱۶﴾ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ﴿۱۸﴾

اَللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	ثُمَّ اِلَيْهِ	پھر اس کی طرف	السَّاعَةُ	قیامت
يَبْدَؤُا	شروع کرتے ہیں	تُرْجَعُوْنَ	پھیرے جاؤ گے	يُبْلِسُ (۱)	حیران رہ جائیں گے
الْخَلْقَ	آفرینش	وَيَوْمَ	اور جس دن	الْمُجْرِمُوْنَ	مجرم لوگ
ثُمَّ يُعِيْدُهٗ	پھر اس کو لوٹائیں گے	تَقُوْمُ	قائم ہوگی	وَلَمْ يَكُنْ (۲)	اور نہیں ہونگا

(۱) أبلس: حیران وششدر رہنا، إبلیس: رحمت سے مایوس (۲) لم یکن: لم مضارع کو ماضی منفی بناتا ہے، یہ تعبیر تحققِ وقوع کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہے، لھم: خبر مقدم ہے، شفعاء: اسم مؤخر، من شر کائھم: شفعاء کی صفت ہے أی کائن منھم۔

لَهُمْ	ان کے لئے	وَعَمِلُوا	اور کئے انھوں نے	فَسُبْحٰنَ (۲)	پس پاکی بیان کرو
مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ	ان کے شریک ٹھہرائے ہوؤں میں سے	الصّٰلِحٰتِ	نیک کام	اللّٰهِ	اللہ کی
		فَهُمْ	پس وہ	حِيْنَ	جب
شُفَعٰٓؤُا	کوئی سفارشی	فِيْ رَوْضَةٍ	خوبصورت باغ میں	تُمْسُوْنَ (۳)	تم شام کرتے ہو
وَكَانُوْا	اور ہونگے وہ	يُّحْبَرُوْنَ (۱)	خوش کئے ہوئے ہونگے	وَحِيْنَ	اور جب
بِشُرَكَآئِهِمْ	اپنے شریکوں کا	وَاَمَّا الَّذِيْنَ	اور رہے وہ جنھوں نے	تُصْبِحُوْنَ	تم صبح کرتے ہو
كٰفِرِيْنَ	انکار کرنے والے	كَفَرُوْا	انکار کیا	وَلَهُ	اور اس کے لئے
وَيَوْمَ تَقُوْمُ	اور جس دن قائم ہوگی	وَكَذَّبُوْا	اور جھٹلایا	الْحَمْدُ	تعریف ہے
السَّاعَةُ	قیامت	بِاٰيٰتِنَا	ہماری آیتوں کو	فِي السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں
يَوْمَئِذٍ	اس دن	وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ	اور آخرت کی ملاقات کو	وَالْاَرْضِ	اور زمین میں
يَّتَفَرَّقُوْنَ	جدا جدا ہوجائیں گے وہ	فَاُولٰٓئِكَ	پس وہ	وَعَشِيًّا (۴)	اور تیسرے پہر
فَاَمَّا الَّذِيْنَ	پس رہے وہ جو	فِي الْعَذَابِ	عذاب میں	وَّحِيْنَ	اور جب
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	مُحْضَرُوْنَ	حاضر کئے ہوئے ہونگے	تُظْهِرُوْنَ	تم دوپہر میں داخل ہوؤ

وقوعِ آخرت کا تذکرہ

اللہ تعالیٰ آفرینش کی ابتداء کرتے ہیں، پھر اس کو لوٹائیں گے —— یعنی اسی زمین پر مخلوقات کو دوبارہ پیدا کریں گے —— پھر تم اس کی طرف پھیرے جاؤ گے —— یعنی آخرت میں لے جائے جاؤ گے، پل صراط سے گذار کر —— اور جس دن قیامت برپا ہوگی مجرم لوگ حیران رہ جائیں گے —— سوچیں گے: ہائے کیا ہوگیا! —— اور ان کے لئے ان کے معبودوں میں سے کوئی سفارشی نہیں ہوگا —— یعنی وقت پر کوئی کام نہیں آئے گا —— اور وہ اپنے شریکوں کا انکار کریں گے —— کہیں گے: ﴿وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ﴾: خدا کی قسم! اے ہمارے ربّ ہم مشرک نہیں تھے [الانعام ۲۳] یعنی جس کے حق ہونے کا آج دعوی ہے: اس کا انجام یہ ہوگا کہ خود ہی اس کو باطل سمجھنے لگیں گے۔

اور جس دن قیامت برپا ہوگی اس دن لوگ جدا جدا ہوجائیں گے —— یعنی نیک و بد الگ الگ کردیئے جائیں

(۱) حبرہ (ن) حُبوراً: خوش کرنا، مسرور کرنا (۲) سبحان: فعلِ امر کا مفعول مطلق ہے أی سبحوا سبحان اللہ (۳) مَسَاء: شام، سورج ڈوبنے کا وقت (۴) پَہر: تین گھنٹے کا وقفہ، رات دن کے چار چار پہر ہوتے ہیں۔

گے ـــــ فصل جب تک کھیت میں ہوتی ہے دانہ، بھوس اور گھاس ساتھ ہوتے ہیں، پھر جب کھلیاں میں آتی ہے تو سب علاحدہ علاحدہ کردیئے جاتے ہیں ـــــ پس رہے وہ لوگ جو ایمان لائے، اور انھوں نے نیک کام کئے، تو وہ خوبصورت باغ میں خوش کئے ہوئے ہونگے ـــــ انعام واکرام سے نوازے جائیں گے، اور ہر قسم کی لذت وسرور سے بہرہ ور ہونگے ـــــ اور رہے وہ لوگ جنھوں نے انکار کیا، اور ہماری آیتوں کو اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا: پس وہ عذاب میں حاضر کئے ہوئے ہونگے ـــــ جہاں ان کا یار ہوگا نہ مددگار!

جو جنت چاہتا ہے پابندی سے پانچ نمازیں پڑھے: ـــــ پس پاکی بیان کرو اللہ کی جب تم شام کرتے ہو ـــــ مَسَاء: شام، غروبِ آفتاب کا وقت ـــــ غروب دو ہیں: سورج کی ٹکیا کا چھپنا اور اس کی روشنی (شفق) کا چھپنا، پس اس میں مغرب وعشاء: دو نمازیں آگئیں ـــــ اور جب تم صبح کرتے ہو ـــــ اس وقت صبح کی نماز ادا کرو ـــــ اور ان کے لئے سب تعریفیں ہیں آسمانوں میں اور زمین میں ـــــ یہ تسبیح کا معادل تحمید ہے، نماز میں دونوں باتیں جمع ہیں ـــــ اور تیسرے پہر ـــــ عصر پڑھو ـــــ اور جب تم دوپہر میں داخل ہوؤ ـــــ تو ظہر ادا کرو۔

یہ اوقات روحانیت کے پھیلنے کے اوقات ہیں، ان اوقات میں رحمتِ الٰہی کا فیضان ہوتا ہے، فرشتے اترتے ہیں، اللہ کے سامنے بندوں کے اعمال پیش ہوتے ہیں، اور بندوں کی دعائیں قبول ہوتی ہیں، اس لئے نمازوں کے لئے یہ اوقات متعین کئے گئے ہیں (تفصیل کے لئے دیکھیں رحمۃ اللہ الواسعہ ۳:۲۹۶)

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ وَكَذَٰلِكَ تُخْرَجُونَ ﴿١٩﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ إِذَا أَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُونَ ﴿٢٠﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٢١﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَانِكُمْ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِلْعَالِمِينَ ﴿٢٢﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ مَنَامُكُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاؤُكُمْ مِنْ فَضْلِهِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَسْمَعُونَ ﴿٢٣﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ يُرِيكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَطَمَعًا وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَيُحْيِي بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿٢٤﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ

ع ۵

أَنْ تَقُومَ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ بِأَمْرِهِ ۚ ثُمَّ إِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ۖ مِنَ الْأَرْضِ إِذَا أَنْتُمْ تَخْرُجُونَ ﴿٢٥﴾ وَلَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ كُلٌّ لَهُ قَانِتُونَ ﴿٢٦﴾ وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ ۚ وَلَهُ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٢٧﴾ ع

لفظ	معنی	لفظ	معنی	لفظ	معنی
يُخْرِجُ	نکالتا ہے	ثُمَّ إِذَا	پس اچانک	لَآيَاتٍ	یقیناً نشانیاں ہیں
الْحَيَّ	زندہ کو	أَنْتُمْ	تم	لِقَوْمٍ	ان لوگوں کے لئے
مِنَ الْمَيِّتِ	مردہ سے	بَشَرٌ	انسان ہو	يَتَفَكَّرُونَ	(جو) سوچتے ہیں
وَيُخْرِجُ	اور نکالتا ہے	تَنْتَشِرُونَ	(زمین میں) پھیل رہے ہو	وَمِنْ آيَاتِهِ	اور اسکی نشانیوں میں سے ہے
الْمَيِّتَ	مردہ کو	وَمِنْ آيَاتِهِ	اور اسکی نشانیوں میں سے	خَلْقُ	پیدا کرنا
مِنَ الْحَيِّ	زندہ سے	أَنْ خَلَقَ	(یہ بات ہے) کہ پیدا کئے	السَّمَاوَاتِ	آسمانوں کو
وَيُحْيِي	اور زندہ کرتا ہے	لَكُمْ	تمہارے لئے	وَالْأَرْضِ	اور زمین کو
الْأَرْضَ	زمین کو	مِنْ أَنْفُسِكُمْ (۳)	تمہاری جنس سے	وَاخْتِلَافُ	اور طرح طرح کا ہونا ہے
بَعْدَ مَوْتِهَا	اس کے مرے پیچھے	أَزْوَاجًا	جوڑے	أَلْسِنَتِكُمْ	تمہاری بولیوں کا
وَكَذَٰلِكَ	اور اسی طرح	لِتَسْكُنُوا	تاکہ سکون حاصل کرو تم	وَأَلْوَانِكُمْ	اور تمہارے رنگوں کا
تُخْرَجُونَ	نکالے جاؤ گے تم	إِلَيْهَا	ان کے پاس	إِنَّ فِي ذَٰلِكَ	بے شک اس میں
وَمِنْ آيَاتِهِ (۱)	اور اس کی نشانیوں میں سے	وَجَعَلَ	اور بنایا	لَآيَاتٍ	یقیناً نشانیاں ہیں
		بَيْنَكُمْ	تمہارے درمیان	لِلْعَالِمِينَ	جاننے والوں کے لئے
أَنْ خَلَقَكُمْ (۲)	(یہ بات ہے) کہ پیدا	مَوَدَّةً	پیار	وَمِنْ آيَاتِهِ	اور اسکی نشانیوں میں سے ہے
	کیا تم کو	وَرَحْمَةً	اور مہربانی	مَنَامُكُمْ	تمہارا سونا
مِنْ تُرَابٍ	مٹی سے	إِنَّ فِي ذَٰلِكَ	بے شک اس میں	بِاللَّيْلِ	رات میں

(۱) من آياته: سب جگہ خبر مقدم ہے اور اس میں مجاز بالحذف ہے أي من آيات قدرته۔ (۲) أن: مصدریہ ہے، تاکہ فعل کا مبتدا بنا صحیح ہو (۳) الأنفس: مجاز عن الجنس (روح)

وَالنَّهَارِ	اور دن میں	الْاَرْضَ	زمین کو	فِي السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں
وَابْتِغَآؤُكُمْ	اور تمہارا تلاش کرنا	بَعْدَ مَوْتِهَا	اس کے مرنے کے بعد	وَالْاَرْضِ	اور زمین میں ہے
مِّنْ فَضْلِهٖ	اس کے فضل سے	اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ	بے شک اس میں	كُلٌّ لَّهٗ	سب اس کے
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ	بے شک اس میں	لَاٰيٰتٍ	یقیناً نشانیاں ہیں	قٰنِتُوْنَ	فرماں بردار ہیں
لَاٰيٰتٍ	یقیناً نشانیاں ہیں	لِّقَوْمٍ	ان لوگوں کے لئے	وَهُوَ الَّذِيْ	اور وہی ہیں جو
لِّقَوْمٍ	ان لوگوں کے لئے	يَّعْقِلُوْنَ	(جو) سمجھتے ہیں	يَبْدَؤُا	شروع کرتے ہیں
يَّسْمَعُوْنَ	(جو) سنتے ہیں	وَمِنْ اٰيٰتِهٖ	اور اسکی نشانیوں میں سے ہے	الْخَلْقَ	آفرینش
وَمِنْ اٰيٰتِهٖ	اور اسکی نشانیوں میں سے	اَنْ تَقُوْمَ	کہ کھڑے ہیں	ثُمَّ يُعِيْدُهٗ	پھر لوٹائیں گے اس کو
يُرِيْكُمُ(1)	(یہ بات ہے کہ)	السَّمَآءُ	آسمان	وَهُوَ اَهْوَنُ	اور وہ آسان ہے
	دکھاتے ہیں وہ تم کو	وَالْاَرْضُ	اور زمین	عَلَيْهِ	ان پر
الْبَرْقَ	بجلی	بِاَمْرِهٖ	اس کے حکم سے	وَلَهُ	اور ان کے لئے
خَوْفًا(2)	ڈر	ثُمَّ اِذَا	پھر جب	الْمَثَلُ(4)	شان ہے
وَّطَمَعًا	اور امید کے لئے	دَعَاكُمْ	پکارے گا تم کو	الْاَعْلٰى	بڑی
وَّيُنَزِّلُ	اور اتارتے ہیں	دَعْوَةً(3)	پکارنا	فِي السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں
مِنَ السَّمَآءِ	آسمان سے	مِّنَ الْاَرْضِ	زمین سے	وَالْاَرْضِ	اور زمین میں
مَآءً	پانی	اِذَآ اَنْتُمْ	اچانک تم	وَهُوَ	اور وہ
فَيُحْيٖ	پس زندہ کرتے ہیں	تَخْرُجُوْنَ	نکل پڑو گے	الْعَزِيْزُ	زبردست
بِهٖ	اس کے ذریعہ	وَلَهٗ مَنْ	اور اس کے لئے ہے جو	الْحَكِيْمُ	حکمت والے ہیں

آخرت کی آٹھ دلیلیں

گذشتہ آیات میں وقوعِ آخرت کا تذکرہ تھا، چونکہ کفار و مشرکین امکانِ آخرت ہی کے منکر تھے، اس لئے اب اس

(۱) یریکم: سے پہلے أن مصدر یہ محذوف ہے، تا کہ اس کا مبتدا بننا صحیح ہو (۲) خوفًا وطمعًا: مفعول لہٗ ہیں (۳) دعوۃ: مفعول مطلق بیانِ نوع کے لئے ہے یعنی جب تم کو یکبارگی پکار کر زمین سے بلائے گا (بیان القرآن) (۴) المثل (معرف باللام) سے مراد عظیم الشان صفت ہے، اللہ تعالیٰ کے لئے مَثَل اور مثال کا استعمال درست ہے، مِثْل کا استعمال درست نہیں: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ﴾: اللہ کے مانند (نوع میں) کوئی چیز نہیں۔

کے امکان پر دلائل قائم کرتے ہیں۔

پہلی دلیل: ـــــ اللہ تعالیٰ زندہ کو مردہ سے نکالتے ہیں، اور مردہ کو زندہ سے نکالتے ہیں ـــــ یعنی اللہ تعالیٰ ایک چیز سے اس کی ضد پیدا کرتے ہیں، ضدین پر وہ یکساں قادر ہیں، انسان کو نطفہ سے، نطفہ کو انسان سے، جانور کو بیضہ سے، بیضہ کو جانور سے، مؤمن کو کافر سے اور کافر کو مؤمن سے نکالتے ہیں۔

ایک نظیر: ـــــ اور زمین کو مر جانے کے بعد زندہ کرتے ہیں ـــــ یعنی زمین جب خشک ہو کر مر جاتی ہے تو رحمت کے پانی سے پھر زندہ کر کے سبز و شاداب کر دیتے ہیں ـــــ اور اسی طرح تم (زمین سے) نکالے جاؤ گے ـــــ یعنی دوبارہ پیدا کئے جاؤ گے۔

دوسری دلیل: ـــــ اور اللہ کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے ہے یہ بات کہ تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پس اچانک تم انسان ہو، زمین میں پھیل رہے! ـــــ ہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا ہے، سورۃ المؤمنون (آیات ۱۲-۱۴) میں اس کی تفصیل ہے، اللہ تعالیٰ بے جان مادّہ کو مختلف احوال سے گذارتے ہیں، سورۃ نوح (آیت ۱۴) میں ہے: ﴿وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا﴾: اللہ نے تم کو طرح طرح سے بنایا۔ سات مراحل سے گذرنے کے بعد بے جان مادہ اچانک اشرف المخلوقات انسان بن جاتا ہے، سورۃ المؤمنون کی (آیت ۱۴) ہے: ﴿ثُمَّ أَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ، فَتَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ﴾: پھر ہم نے اس کو ایک دوسری ہی مخلوق بنا دیا، پس کیسی بڑی شان ہے اللہ کی جو تمام کاریگروں سے بڑھ کر ہیں ـــــ پھر اللہ کی قدرت دیکھو! اس نے انسان کو کتنا پھیلایا، ساری زمین اس سے بھر گئی ـــــ یہی قادر مطلق اللہ تعالیٰ مرنے کے بعد مٹی سے مختلف احوال سے گذار کر دوبارہ پیدا کریں گے، پھر جس طرح ان کو زمین میں پھیلایا ہے سمیٹ کر میدانِ محشر میں جمع کریں گے۔

تیسری دلیل: ـــــ اور اس کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے ہے یہ بات کہ تمہارے لئے تمہاری جنس سے جوڑے بنائے، تاکہ تم ان کے پاس جا کر سکون حاصل کرو، اور تمہارے درمیان پیار و محبت گردانی، اس میں یقیناً ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو سوچتے ہیں ـــــ یہ قانونِ ازدواج سے استدلال ہے، ازدواج کے معنی ہیں: جوڑا جوڑا بنانا۔ جوڑا: وہ دو چیزیں ہیں جو مل کر ایک مقصد کی تکمیل کرتی ہیں، مرد و زن مل کر افزائشِ نسل کے مقصد کو پورا کرتے ہیں اس لئے وہ جوڑا ہیں ـــــ اللہ نے کائنات جوڑا جوڑا بنائی ہے، یٰس (آیت ۳۶) میں ہے: ﴿سُبْحَانَ الَّذِیْ خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْبِتُ الْأَرْضُ وَمِنْ أَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ﴾: وہ پاک ذات ہے جس نے سبھی چیزوں کو جوڑا جوڑا بنایا، زمین کی نباتات کو بھی، اور خود انسانوں کو بھی، اور ان چیزوں کو بھی جن کو لوگ نہیں جانتے۔ یعنی ہر قسم کا مقابل ہے، کوئی چیز مقابل سے خالی

نہیں، بے مقابل صرف اللہ تعالیٰ ہیں ــــ اسی قاعدہ سے نوع انسان کو بھی دوصنفوں میں تقسیم کیا ہے، اوران کا جوڑا بنایا ہے، تاکہ ایک کو دوسرے سے سکون حاصل ہو، اگر ناجنس جوڑا ہوتا تو اس سے وقتی طور پر ضرورت پوری ہوجاتی، مگر اس سے سکون حاصل نہ ہوتا، پھر مزید برآں مقصدِ تسکین کی تکمیل کے لئے باہم پیار ومحبت کا جذبہ رکھا، تاکہ وہ شیر وشکر بن جائیں۔

استدلال: حسب قانونِ الٰہی اس دنیا کا بھی جوڑا ہے، اور وہ آخرت ہے، دو دنیا مل کر ایک مقصد کی تکمیل کریں گے، اور وہ مقصد ہے: تکلیف شرعی اور جزاؤسزا، اس دنیا میں انسان کو احکام دیئے گئے ہیں اس کی تعمیل یا عدم تعمیل پر آخرت میں جزاؤسزا ہوگی، کیونکہ اس دنیا میں جزاؤسزا نہیں ہوسکتی، ورنہ غیب سے پردہ ہٹ جائے گا، جو امتحان کے مقصد کے منافی ہوگا ــــ پس آخرت کا انکار قانونِ قدرت کا انکار ہے!

چوتھی دلیل: ــــ اوراس کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے ہے: آسمان وزمین کو پیدا کرنا، اور تمہاری بولیوں اور رنگوں کا مختلف ہونا۔ اس میں یقیناً نشانیاں ہیں جاننے والوں کے لئے ــــ یعنی اللہ نے یہ دنیا بوقلموں بنائی ہے، آسمان کی بلندی اور زمین کی پستی دیکھو، نوع انسانی میں بھاشاؤں اور رنگوں کا اختلاف دیکھو، گلہائے رنگ رنگ سے ہے زینتِ چمن! ــــ اسی طرح یہ دنیا اپنی وضع میں آخرت سے مختلف ہے، یہاں اچھے برے رلے ملے ہیں، آخرت میں وہ جدا کردیئے جائیں گے، اسی اختلاف سے کائنات میں نمکینی ہے، اگر یہی دنیا ہوتی تو انسان اُوب جاتا، اس لئے ذائقہ بدلنے کے لئے دنیا کے ساتھ آخرت کو رکھا ہے۔

پانچویں دلیل: ــــ اوراس کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے ہے: تمہارا رات میں اور دن میں سونا، اور تمہارا اللہ کے فضل (روزی) کو تلاش کرنا، اس میں یقیناً ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو سنتے ہیں ــــ نیند: موت کے مشابہ ہے، اور بیداری: حیات کے، بیداری کمانے کھانے کے لئے ہے، اور نیند آرام کے لئے، دونوں باتیں ایک ساتھ ضروری ہیں، اگر آدمی ہمیشہ ہی بیدار رہے تو کاموں سے تھک کر چور ہوجائے، اور مدام سوتا رہے تو زندگی کا لطف کہاں پائے، اللہ نے اپنی قدرت سے دونوں باتیں جمع کی ہیں، آدمی اٹھتا ہے، کماتا کھاتا ہے، پھر پڑ کر سوجاتا ہے، اور آرام پاتا ہے، دن میں بھی اور رات میں بھی ــــ اسی طرح یہ دنیا کمانے کے لئے ہے اور آخرت کھانے اور عیش کرنے کے لئے، اور جس نے اس دنیا میں بویا نہیں وہ آخرت میں کیا کاٹے گا؟ پس جس طرح بیداری کے ساتھ نیند ضروری ہے: دنیا کے ساتھ آخرت بھی ضروری ہے۔

چھٹی دلیل: ــــ اوراس کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے ہے یہ بات کہ وہ تمہیں ڈرانے اور امید دلانے کے لئے بجلی دکھاتے ہیں، اور آسمان سے پانی برساتے ہیں، پس اس کے ذریعہ زمین کو اس کے مرجانے کے بعد زندہ کرتے

ہیں، اس میں یقیناً ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں —— دنیا خیر وشر کا مجموعہ ہے، جیسے بجلی چمکتی ہے تو ڈر بھی لگتا ہے اور امید بھی بندھتی ہے، پھر جب اس کے بعد بارش ہوتی ہے تو زمین لہلہانے لگتی ہے، اسی طرح یہ دنیا جو خیر وشر کا مجموعہ ہے: اگر ہمیشہ چلتی رہے تو ایسا ہے جیسے بجلی چمکتی رہے اور بارش نہ ہو، پس اس کے ساتھ آخرت ضروری ہے، وہاں رحمت کی بارش ہوگی، اور مؤمنین کی زندگی شاداب ہوگی، اور منکرین منہ کی کھائیں گے!

ساتویں دلیل: —— اور اس کی نشانیوں میں سے ہے یہ بات کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے برقرار ہیں، پھر جب وہ تمہیں زمین سے یکبارگی پکارے گا تو تم اچانک نکل پڑوگے —— اور اسی کی ملکیت ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں، سب اس کے فرمان بردار ہیں! —— نظام عالم اللہ تعالیٰ کے اشاروں پر چل رہا ہے، ارض وسماء اسی کے حکم سے قائم ہیں، کائنات کا ذرہ ذرہ احکام الٰہی کا منتظر ہے، پس جب اللہ تعالیٰ زمین کو حکم دیں گے —— اور اچانک دیں گے —— تو وہ حکم کی تعمیل کرے گی، اور اپنے اندر سے مردے نکال باہر کرے گی، اور قیامت برپا ہوجائے گی۔

آٹھویں دلیل: —— اور وہی ہیں جو آفرینش کی ابتداء کرتے ہیں، پھر اس کو لوٹائیں گے، اور وہ لوٹانا ان کے لئے نہایت آسان ہے، اور ان کی شان بڑی عالی ہے آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی، اور وہ زبردست حکمت آشنا ہیں —— یعنی لوگوں کے احوال کے اعتبار سے پہلی بار بنانے سے دوسری بار بنانا آسان ہے، پھر یہ عجیب بات ہے کہ منکرین پہلی بار پیدا کرنے پر تو اللہ تعالیٰ کو قادر مانتے ہیں، اور دوسری بار پیدا کرنے سے عاجز! جبکہ کائنات میں اللہ تعالیٰ عظیم الشان ہیں، وہ اعلی صفات کے مالک ہیں، وہ جو چاہیں کر سکتے ہیں، مگر وہ حکیم بھی ہیں جب ان کی حکمت کا تقاضا ہوگا اس دنیا کو ختم کر کے دوسری دنیا آباد کریں گے۔

کائنات جب تک اللہ کا حکم ہے قائم رہے گی، پھر جب دنیا کی میعاد پوری ہوجائے گی: اللہ تعالیٰ کی ایک پکار پر سب مردے قبروں سے نکل پڑیں گے

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ؕ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۹﴾

ضَرَبَ	مارے (اللہ نے)	فِيْهِ(۷)	اس میں	الَّذِيْنَ	جنھوں نے
لَكُمْ	تمہارے لئے	سَوَآءٌ	برابر ہو	ظَلَمُوْٓا	ظلم کیا
مَّثَلًا	ایک مثال	تَخَافُوْنَهُمْ(۸)	ڈرو تم ان سے	اَهْوَآءَهُمْ	اپنی خواہشات کی
مِّنْ اَنْفُسِكُمْ(۱)	تمہاری ذاتوں سے	كَخِيْفَتِكُمْ	جیسے تمہارا ڈرنا	بِغَيْرِ عِلْمٍ	علم کے بغیر
هَلْ لَّكُمْ(۲)	کیا ہے تمہارے لئے	اَنْفُسَكُمْ	اپنے لوگوں سے	فَمَنْ	پس کون
مِّنْ مَّا(۳)	ان سے جن کے	كَذٰلِكَ	اس طرح	يَّهْدِيْ	راہ دکھائے
مَلَكَتْ	مالک ہیں	نُفَصِّلُ	ہم کھول کر بیان کرتے ہیں	مَنْ	جس کو
اَيْمَانُكُمْ	تمہارے دائیں ہاتھ	الْاٰيٰتِ	باتیں	اَضَلَّ	گمراہ کریں
مِّنْ شُرَكَآءَ(۴)	کوئی شریک	لِقَوْمٍ	ان لوگوں کے لئے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
فِيْ مَا(۵)	اس میں جو	يَّعْقِلُوْنَ	(جو) عقل رکھتے ہیں	وَمَا	اور نہیں
رَزَقْنٰكُمْ	روزی دی ہم نے تم کو	بَلِ	بلکہ	لَهُمْ	ان کے لئے
فَاَنْتُمْ(۶)	پس تم	اتَّبَعَ	پیروی کی	مِّنْ نّٰصِرِيْنَ	کوئی مددگار

ابطالِ شرک

سابقہ آیات سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ مخلوقات کو دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہیں، پس وہی معبود برحق ہیں، اس لئے اب شرک کو ایک واضح مثال سے باطل کرتے ہیں ـــــ مشرکین: ملائکہ، انبیاء اور اولیاء وغیرہ کو شریک ٹھہراتے ہیں، حالانکہ یہ اللہ کے بندے (غلام) ہیں، اور آقا: غلاموں سے کام تو لیتا ہے، مگر وہ آقا کی چیزوں میں برابر کے شریک نہیں ہوتے، جیسے مشارکہ (پاٹنرشپ) میں تمام شرکاء شریک ہوتے ہیں، اور ہر شریک دوسرے شریک سے ڈر کر تصرف کرتا ہے، وہ ڈرتا ہے کہ کہیں وہ باز پرس نہ کرے، اللہ تعالیٰ کی کائنات میں ایسا کوئی شریک نہیں، مگر عقل ہو تو آدمی بوجھے، بے عقل کو راہِ ہدایت پر کون لا سکتا ہے؟ ارشاد فرماتے ہیں: ـــــ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے تمہارے ہی حالات سے ایک

(۱) من أنفسكم: مثلاً کی صفت ہے، أى كائنا من أنفسكم (۲) هل: استفہام انکاری ہے یعنی نہیں ہے، لكم: خبر مقدم ہے (۳) من ما ملكت أيمانكم: شركاء کا حال ہے (۴) من شركاء: مبتدا مؤخر ہے، اور من زائدہ نفی کی تاکید کے لئے ہے جو هل سے مفہوم ہوتی ہے (۵) فى ما رزقناكم: شركاء سے متعلق ہے (۶) فأنتم فيه سواء: هل کے جواب کی جگہ میں ہے (۷) فيه: سواء سے متعلق ہے (۸) تخافونهم: أنتم کی دوسری خبر ہے۔

مثال بیان کرتے ہیں: کیا تمہارے غلاموں میں سے کوئی تمہارا اُس مال میں شریک ہے جو ہم نے تم کو بطور روزی دیا ہے، اس طرح کہ تم اور وہ اس میں برابر کے ہو جاؤ، جن سے تم ایسا ڈر وجیسا تم اپنے لوگوں سے ڈرتے ہو؟ اس طرح ہم کھول کر باتیں بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو فہم سے کام لیتے ہیں —— یعنی ایسا برابر کا کوئی نہیں، غلام کام کرتے ہیں، کھاتے پیتے ہیں، مگر آقا کے مال میں حصہ دار نہیں ہوتے۔

پھر مشرکین شرک میں کیوں مبتلا ہیں؟ —— بلکہ ان ظالموں نے بے دلیل اپنے خیالات کا اتباع کر رکھا ہے، سو جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کریں اس کو کون راہ پر لا سکتا ہے؟ —— کوئی نہیں! وہ ہمیشہ شرک کی دلدل میں پھنسے رہیں گے —— اور ان کا کوئی حمایتی نہیں ہوگا —— کیونکہ ان کے ٹھہرائے ہوئے شرکاء کا خدا کی خدائی میں کوئی حصہ نہیں۔

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا ۚ فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۚ لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۳۰﴾ مُنِيبِينَ إِلَيْهِ وَاتَّقُوهُ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۳۱﴾ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا ۖ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ﴿۳۲﴾

فَأَقِمْ	پس سیدھا کر	النَّاسَ	لوگوں کو	وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ	مگر اکثر
وَجْهَكَ	اپنا رخ	عَلَيْهَا	اس پر	النَّاسِ	لوگ
لِلدِّينِ(۱)	دین اسلام کی طرف	لَا تَبْدِيلَ(۴)	نہیں بدلنا ہے	لَا يَعْلَمُونَ	جانتے نہیں
حَنِيفًا(۲)	ایک طرف کا ہو کر	لِخَلْقِ	بنانے کو	مُنِيبِينَ(۵)	رجوع ہو کر
فِطْرَتَ(۳)	آفرینش (لازم پکڑ)	اللَّهِ	اللہ کے	إِلَيْهِ	اس کی طرف
اللَّهِ	اللہ کی	ذَٰلِكَ	یہی	وَاتَّقُوهُ	اور ڈرو اس سے
الَّتِي	جو	الدِّينُ	دین ہے	وَأَقِيمُوا	اور اہتمام کرو
فَطَرَ	بنایا (اللہ نے)	الْقَيِّمُ	سیدھا	الصَّلَاةَ	نماز کا

(۱) الدین: میں ال عہدی ہے (۲) حنیفاً: أقم کے فاعل سے حال ہے، حنیف کے معنی ہیں: باطل سے کنارے ہو کر دین حق کی طرف مائل ہونا (۳) فطرت: منصوب علی الاغراء ہے (۴) لاتبدیل: خبر انشاء کو متضمن ہے (۵) منیبین: أقم کے فاعل سے حال ہے۔

وَلَا تَكُونُوا	اور نہ ہوؤ	فَرَّقُوا	ٹکڑے کئے	كُلُّ حِزْبٍ	ہر فرقہ
مِنَ الْمُشْرِكِينَ	مشرکوں میں سے	دِينَهُمْ	اپنے دین کے	بِمَا	اس پر جو
مِنَ الَّذِينَ(۱)	(اور مت ہوؤان میں	وَكَانُوا	اور ہو گئے وہ	لَدَيْهِمْ	اس کے پاس ہے
	سے) جنھوں نے	شِيَعًا	فرقے	فَرِحُونَ	نازاں ہے

توحید کا بیان

جب شرک باطل ہو گیا تو توحید کی طرف آؤ، اللہ کی رسّی مضبوط پکڑو، ارشاد فرماتے ہیں: —— سو آپ باطل سے یکسو ہو کر اپنا رخ دین اسلام کی طرف رکھیں —— یعنی جو گمراہی سے کسی طرح نکلنا نہیں چاہتے ان کو تو شرک کی دلدل میں پڑا رہنے دو، تم شرک سے منہ موڑ کر دین اسلام کی طرف رخ کرلو اور اس سچے دین کو پوری توجہ اور یک جہتی سے تھام لو ——
اللہ کی اُس بناوٹ کا اتباع کرو جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی بناوٹ کو بدلنا نہیں، یہی سیدھا دین ہے، لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں —— یعنی اللہ کی معرفت اور توحید کا علم انسان کی فطرت (نیچر) میں رکھا گیا ہے، پس انسان کو چاہئے کہ اس کی پیروی کرے، اپنی فطرت کو نہ بدلے، کیونکہ یہی دین مستقیم ہے، اور دیگر ادیان باطل ہیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ انسان اس دنیا میں نیا نہیں آتا، اس دنیا میں صرف انسان کا جسم نیا بنتا ہے کیونکہ یہ عالم اجساد ہے اور اس کی روح اس سے بہت پہلے پیدا کی جاچکی ہے اور تمام روحیں عالم ارواح میں موجود ہیں، وہاں سے وہ روح شکم مادر میں بننے والے جسد خاکی میں منتقل کی جاتی ہے۔ سورۃ الاعراف کی آیت ۱۷۲ ہے۔ ﴿وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْ آدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى!شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غَافِلِيْنَ﴾ اور جب آپ کے رب نے اولادِ آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان سے ان ہی کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا: کیوں نہیں! ہم سب گواہ بنتے ہیں، تاکہ تم لوگ قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ ہم تو اس سے محض بے خبر تھے۔

یہ عہد الست اور عالم ذرّ کا واقعہ ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد ان کی پشت سے ان کی صلبی اولاد پیدا کی جیسا کہ حدیث میں تفصیل ہے، پھر اولاد کی پشت در پشت سے ان کی اولاد نکالی، اور اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو اپنے سامنے پھیلایا یعنی ان پر اپنی تجلی فرمائی، اپنا جلوہ دکھایا، اس طرح دیدار کرا کر اپنی معرفت اور پہچان کرائی، پھر ان سے پوچھا: ''کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟'' سب نے کہا! کیوں نہیں! ہم سب گواہی دیتے ہیں یعنی اقرار کرتے ہیں۔ یہ مضمون مسند احمد ج۱ص۲۷۲ اور مستدرک حاکم ج۲ص۵۴۴ کی روایت میں ہے جس کی سند صحیح ہے۔

(۱) من الذین: من المشرکین سے بدل ہے، حرفِ جر کے اعادہ کے ساتھ۔

پھر وہ روحیں اصلاب میں واپس نہیں کی گئیں بلکہ عالم ارواح میں ان کو خاص ترتیب سے رکھ دیا گیا، بخاری شریف میں روایت ہے الأرواحُ جنودٌ مُجَنَّدَة: عالم ارواح میں روحیں خاص ترتیب سے جیسے فوج کی پلٹنیں ہوتی ہیں رکھی ہوئی ہیں پھر شکم مادر میں تیار ہونے والے جسم میں وہیں سے روح لاکر فرشتہ پھونکتا ہے۔

یہی وہ فطرت (نیچر) ہے جس پر انسان کو پیدا کیا ہے۔ حدیث میں ہے کہ ہر بچہ فطرتِ اسلام پر جنا جاتا ہے، پھر بچہ جن ہاتھوں میں پلتا بڑھتا ہے ان کا مذہب قبول کر لیتا ہے، اور غلط راہ پر پڑ جاتا ہے، اسی کو فرمایا کہ فطرت کی اتباع کرو، اللہ کی بناوٹ کو مت بدلو، یہ توحید سیدھا دین ہے، اس پر مضبوط رہو، دوسرے سب ادیان باطل ہیں۔

اللہ کی طرف رجوع ہو کر —— یعنی کسی دنیوی مصلحت سے دین اسلام کو اختیار کیا تو یہ درست نہ ہوگا، اخلاص کے ساتھ دین کو اپناؤ —— پھر دین فطرت کی چند اہم باتوں کا تذکرہ فرماتے ہیں —— اور اللہ سے ڈرو، اور نماز کی پابندی کرو، اور شرک کرنے والوں میں سے مت ہوؤ، اور ان لوگوں میں سے بھی مت ہوؤ جنھوں نے اپنے دین کے ٹکڑے کر لئے، اور وہ گروہ گروہ بن گئے، ہر گروہ اس پر جو اس کے پاس ہے نازاں ہے —— ان دو آیتوں میں مثبت پہلو سے تین باتوں کا حکم ہے اور منفی پہلو سے دو باتوں کی ممانعت ہے:

۱-مُنیب (اسم فاعل) إنابة : مصدر باب افعال۔ یہ أقِم کی ضمیر فاعل سے حال ہے، انابت کے معنی ہیں: اللہ کی طرف رجوع کرنا، اخلاص کے ساتھ توبہ کرنا، ہر چیز سے کٹ کر اللہ کی طرف متوجہ ہونا —— پہلا حکم یہ ہے کہ اخلاص کے ساتھ دین اسلام کو اختیار کرو، کوئی دنیوی مصلحت پیش نظر مت رکھو۔

۲-اتَّقوا: اتقاءٌ سے فعل امر ہے یعنی ڈرو، پرہیز گاری اختیار کرو —— اللہ سے ڈرنا محبت کی وجہ سے ہوتا ہے، بر بنائے خوف نہیں، جیسے شیر سے، سانپ سے اور دشمن سے ڈرتے ہیں، ایسا ڈرنا مراد نہیں، بلکہ جس طرح باپ سے، استاذ سے اور پیر سے ڈرتے ہیں، ایسا ڈرنا مراد ہے۔ فرمان بردار لڑکا سوچتا ہے: مجھے کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہئے کہ ابا ناراض ہو جائیں، ورنہ میرا بھلا نہیں ہوگا، طالبِ علم شاگرد سوچتا ہے: مجھے کوئی ایسی حرکت نہیں کرنی چاہئے کہ استاذ ناراض ہو جائیں، ورنہ مجھے علم نہیں آئے گا، عقیدت کیش مرید سوچتا ہے: مجھے کوئی ایسا وطیرہ اختیار نہیں کرنا چاہئے کہ پیر صاحب ناراض ہو جائیں، ورنہ مجھے وصلِ خداوندی نصیب نہیں ہوگا، اسی طرح مؤمن بندہ سوچتا ہے کہ مجھے کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائیں، ورنہ میرا پرسانِ حال کون ہوگا؟ —— پس تقوی میں تمام مامورات پر مضبوطی سے عمل کرنا، اور تمام منہیات سے بچنا شامل ہے۔

۳-پھر مامورات میں سے اہم عبادت نماز کی تخصیص کی، کیونکہ نماز دین کا بنیادی ستون ہے، جو نماز کا اہتمام کرتا ہے وہ پورے دین کا خیال رکھتا ہے، اور جو نماز کی طرف سے غفلت برتتا ہے وہ دوسرے احکام کو بھی ضرور نظر انداز کرتا ہے۔

۴-اور پہلا منفی حکم یہ دیا کہ شرک کرنے والوں میں شامل مت ہوؤ، اور یہ حکم نماز کے اہتمام کے حکم کے بعد متصلاً اس لئے دیا ہے کہ نماز چھوڑنے والے میں اور ہندو میں کوئی فرق نہیں، حدیث میں ہے: جو ارادۃً نماز نہیں پڑھتا وہ دین اسلام کا منکر ہے: من ترك الصلاة متعمداً فقد كفر۔ یعنی کفر اور ترکِ نماز کے ڈانڈے ملے ہوئے ہیں، ایک قدم اِدھر تو مسلمان، اور ایک قدم اُدھر تو کافر! بين الكفر والإيمان تركُ الصلاة: دو بڑے راستوں کے درمیان ڈیوائڈر رہوتا ہے، اس کا دونوں راستوں سے تعلق ہوتا ہے، پس جو نماز نہیں پڑھتا وہ اس لائن پر پہنچ گیا، ایک قدم اٹھائے گا کفر کی سرحد میں پہنچ جائے گا۔

۵-دوسرا منفی حکم یہ دیا کہ اہل کتاب یہود و نصاری میں شامل مت ہوؤ، انھوں نے اپنے صحیح دین کے ٹکڑے کر لئے ہیں اور گروہ گروہ بن گئے ہیں، اور ہر گروہ اپنے عقائد و اعمال پر خوش ہے، گو ان کا دین اصل کے اعتبار سے صحیح تھا مگر اب ان کا کوئی گروہ حق پر نہیں۔

فائدہ: یہ تفسیر زمانۂ نزول کے اعتبار سے ہے، اُس وقت مسلمانوں میں گروہ بندی نہیں ہوئی تھی، سب صحابہ حق پر تھے، اب مسلمانوں میں بھی تہتر فرقے بن گئے ہیں، ان میں سے حق پر صرف اہل السنہ والجماعۃ ہیں، دوسرے تمام فرقے کم و بیش اسلام سے ہٹ گئے ہیں، پس ان فرقوں میں شامل مت ہوؤ، اگرچہ وہ اپنے عقائد و اعمال پر نازاں ہیں، وہ اپنے ہی عقائد و اعمال کو صحیح دین بتاتے ہیں، مگر وہ گمراہ ہیں، ان میں شامل ہونے سے بچو!

وَإِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِيبِينَ إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا أَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُونَ ﴿۳۳﴾ لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ ۚ فَتَمَتَّعُوا ۖ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿۳۴﴾ أَمْ أَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوا بِهِ يُشْرِكُونَ ﴿۳۵﴾ وَإِذَا أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوا بِهَا ۖ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ إِذَا هُمْ يَقْنَطُونَ ﴿۳۶﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۳۷﴾

وَإِذَا	اور جب	النَّاسَ	لوگوں کو	دَعَوْا	پکارتے ہیں
مَسَّ	چھوتا ہے	ضُرٌّ	ضرر (نقصان)	رَبَّهُمْ	اپنے رب کو

مُنِيۡبِيۡنَ(١)	متوجہ ہوکر	اَمۡ	کیا	سَيِّئَةٌۢ	کوئی برائی
اِلَيۡهِ	اس کی طرف	اَنۡزَلۡنَا	ہم نے اتاری ہے	بِمَا	اس کی وجہ سے جو
ثُمَّ اِذَاۤ	پھر جب	عَلَيۡهِمۡ	ان پر	قَدَّمَتۡ	آگے بھیجے ہیں
اَذَاقَهُمۡ	چکھاتے ہیں ان کو	سُلۡطٰنًا(٢)	کوئی حجت	اَيۡدِيۡهِمۡ	ان کے ہاتھوں نے
مِّنۡهُ	اپنی طرف سے	فَهُوَ	پس وہ	اِذَا هُمۡ	اچانک وہ
رَحۡمَةً	مہربانی	يَتَكَلَّمُ	بولتی ہے	يَقۡنَطُوۡنَ	آس توڑ بیٹھتے ہیں
اِذَا	(تو) اچانک	بِمَا كَانُوۡا	وہ جو ہیں وہ	اَوَلَمۡ	کیا اور نہیں
فَرِيۡقٌ	ایک جماعت	بِهٖ(٣)	اس کے ساتھ	يَرَوۡا	دیکھا انھوں نے
مِّنۡهُمۡ	ان میں سے	يُشۡرِكُوۡنَ	شریک ٹھہراتے	اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ تعالیٰ
بِرَبِّهِمۡ	اپنے رب کے ساتھ	وَاِذَاۤ	اور جب	يَبۡسُطُ	کشادہ کرتے ہیں
يُشۡرِكُوۡنَ	شریک ٹھہراتی ہے	اَذَقۡنَا	چکھاتے ہیں ہم	الرِّزۡقَ	روزی
لِيَكۡفُرُوۡا	تاکہ انکار کریں وہ	النَّاسَ	لوگوں کو	لِمَنۡ يَّشَآءُ	جس کیلئے چاہتے ہیں
بِمَاۤ	اس کا جو	رَحۡمَةً	مہربانی	وَيَقۡدِرُ	اور تنگ کرتے ہیں
اٰتَيۡنٰهُمۡ	دیا ہم نے ان کو	فَرِحُوۡا	(تو) خوش ہوتے ہیں وہ	اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ	بے شک اس میں
فَتَمَتَّعُوۡا	پس فائدہ اٹھالو	بِهَا	اس سے	لَاٰيٰتٍ	یقیناً نشانیاں ہیں
فَسَوۡفَ	پس عنقریب	وَاِنۡ	اور اگر	لِّقَوۡمٍ	ان لوگوں کے لئے
تَعۡلَمُوۡنَ	جان لوگے!	تُصِبۡهُمۡ	پہنچتی ہے ان کو	يُّؤۡمِنُوۡنَ	(جو) یقین رکھتے ہیں

مشرکین کے بے ہنگم (غیر موزوں) حالات

ابھی حکم آیا تھا کہ مشرکین میں شامل مت ہوؤ، اب اس کی وجہ بیان کرتے ہیں کہ مشرکین بے پینڈے کے لوٹے ہیں، کبھی اِدھر کبھی اُدھر، کسی حال پر ان کو قرار نہیں، سختی کے بعد مہربانی پہنچے تو شرک پر تُل جائیں، اور مہربانی کے بعد برائی پہنچے تو آس توڑ بیٹھیں، ایسوں سے دور کی صاحب سلامت اچھی! ارشاد فرماتے ہیں: —— اور جب لوگوں کو کوئی تکلیف

(۱) منیبین: دَعَوا کے فاعل سے حال ہے، اور إنابة کے معنی ابھی گذرے (۲) سلطان: اتھارٹی اور دلیل بھی اتھارٹی ہوتی ہے۔
(۳) به کی ضمیر ما کی طرف لوٹتی ہے، مراد غیر اللہ ہیں۔

پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کو اس کی طرف متوجہ ہو کر پکارتے ہیں ـــــ کیونکہ اللہ کی معرفت فطرت میں ہے، اس لئے سختی کے وقت اس کا اظہار ہو جاتا ہے، اس وقت جھوٹے سہارے سب ذہن سے نکل جاتے ہیں، ایک اللہ ہی یاد رہ جاتا ہے ـــــ پھر جب اللہ تعالیٰ ان کو اپنی طرف سے مہربانی کا مزہ چکھاتے ہیں تو ان میں سے کچھ لوگ اپنے رب کے ساتھ شریک ٹھہرانے لگتے ہیں ـــــ یعنی وہ سابقہ حالت باقی نہیں رہتی، جہاں اللہ کی مہربانی سے مصیبت دور ہوئی، لگے دیوتاؤں کو پکارنے! ـــــ تاکہ وہ اس نعمت کا (عملی) انکار کریں جو اللہ نے ان کو دی ـــــ مراد تکلیف سے نجات دینا ہے ـــــ پس فائدہ اٹھالو، عنقریب جان لوگے ـــــ کہ کفرو ناشکری کا نتیجہ کیا ہے!

شرک کا نظریہ بے سند ہے: ـــــ کیا ہم نے ان پر کوئی سند نازل کی ہے جو ان کو شرک کرنے کے لئے کہہ رہی ہے؟ ـــــ شرک کے جواز کی کوئی نقلی دلیل نہیں، وہ محض بوگس نظریہ ہے، پھر وہ شرک میں کیوں مبتلا ہیں؟ ارشاد فرماتے ہیں: ـــــ اور جب ہم لوگوں کو مہربانی کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہوتے ہیں، اور اگر ان پر کوئی مصیبت آتی ہے، ان کے ان اعمال کی وجہ سے جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجے ہیں تو وہ یکا یک ناامید ہو جاتے ہیں ـــــ یہ پہلی حالت کی برعکس حالت ہے، پہلی حالت تھی تکلیف کے بعد مہربانی، اور یہ مہربانی کے بعد مصیبت آئی، جو انسان کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہوتی ہے پس وہ رحمتِ الٰہی سے ایسے ناامید ہو جاتے ہیں کہ گویا اب کوئی نہیں جو مصیبت کو دور کرنے پر قادر ہو! ـــــ اور مؤمن کا حال اس کے برعکس ہوتا ہے، وہ عیش و راحت میں منعم حقیقی کو یاد رکھتا ہے، اور مصیبت میں پھنس جائے تو صبر و تحمل سے کام لیتا ہے، اور اللہ سے فضل کی امید باندھتا ہے۔ اسباب کا سرا مسبب الاسباب کے ہاتھ میں ہے، اس کے فضل سے فضا بدل جاتی ہے۔

اسباب کا سرا اللہ کے ہاتھ میں ہے: ایک مثال: ـــــ کیا اور وہ دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ روزی کشادہ کرتے ہیں جس کے لئے چاہتے ہیں، اور تنگ کرتے ہیں، بے شک اس میں یقیناً نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں ـــــ رزق کے ایک ہی طرح کے اسباب چند لوگ اختیار کرتے ہیں، مگر روزی سب کو یکساں نہیں ملتی، کم و بیش ملتی ہے: یہ دلیل ہے کہ اسباب خود کار نہیں، بہ حکم الٰہی کام کرتے ہیں، اسی طرح سختی نرمی ربّ قدیر کے ہاتھ میں ہے۔

بندے کو ہر حال میں رضا بہ قضا رہنا چاہئے، نعمت کے وقت شکر گذار رہے اور سختی کے وقت صبر کرے

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَاۡ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ

فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴿۳۹﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ۭ هَلْ مِنْ شُرَكَاۗىِٕكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۴۰﴾ ع

فَاٰتِ	پس دے تو	مِّنْ رِّبًا	کوئی سود	خَلَقَكُمْ	پیدا کیا تم کو
ذَا الْقُرْبٰى	رشتہ دار کو	لِّيَرْبُوَا	تاکہ بڑھے وہ	ثُمَّ رَزَقَكُمْ	پھر روزی دی تم کو
حَقَّهٗ	اس کا حق	فِيْٓ اَمْوَالِ	مالوں میں	ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ	پھر مارے گا تم کو
وَالْمِسْكِيْنَ	اور غریب کو	النَّاسِ	لوگوں کے	ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ	پھر زندہ کرے گا تم کو
وَابْنَ السَّبِيْلِ	اور مسافر کو	فَلَا يَرْبُوْا	پس نہیں بڑھتا وہ	هَلْ مِنْ	کیا تمہارے شرکاء
ذٰلِكَ خَيْرٌ	یہ بہتر ہے	عِنْدَ اللّٰهِ	اللہ کے پاس	شُرَكَاۗىِٕكُمْ	میں سے کوئی ہے
لِّلَّذِيْنَ	ان کے لئے جو	وَمَآ اٰتَيْتُمْ	اور جو دیا تم نے	مَّنْ يَّفْعَلُ	جو کرتا ہو
يُرِيْدُوْنَ	چاہتے ہیں	مِّنْ زَكٰوةٍ	زکات سے	مِنْ ذٰلِكُمْ (۲)	اُس میں سے
وَجْهَ اللّٰهِ	اللہ کا چہرہ	تُرِيْدُوْنَ	چاہتے ہو تم	مِّنْ شَيْءٍ	کچھ بھی
وَاُولٰٓئِكَ	اور وہ	وَجْهَ اللّٰهِ	اللہ کا چہرہ	سُبْحٰنَهٗ	پاک ہے اس کی ذات
هُمُ	ہی	فَاُولٰٓئِكَ هُمُ	پس وہ ہی	وَتَعٰلٰى	اور برتر و بالا ہے
الْمُفْلِحُوْنَ	کامیاب ہونے والے ہیں	الْمُضْعِفُوْنَ (۱)	بڑھانے والے ہیں	عَمَّا	ان سے جن کو
وَمَآ اٰتَيْتُمْ	اور جو دیا تم نے	اَللّٰهُ الَّذِيْ	اللہ: جس نے	يُشْرِكُوْنَ	شریک ٹھہراتے ہیں وہ

اللہ نے جس کے لئے روزی کشادہ کی ہے وہ خیرات کرے، لون (سودی قرض) نہ دے

اللہ تعالیٰ نے جس کے لئے رزق کشادہ کیا ہے وہ صدقہ خیرات کرے، لون (سودی قرض) نہ دے۔ پہلی صورت میں مال بڑھے گا، اگرچہ بظاہر گھٹتا ہوا نظر آئے، اور دوسری صورت میں مال برباد ہوگا، اگرچہ بظاہر بڑھتا ہوا نظر آئے، وہ نظر کا دھوکہ ہے، اس کا انجام برا ہے، ارشادِ پاک ہے: —— پس رشتہ داروں کو ان کا حق دے، اور مسکین اور مسافر کو بھی،

(۱) المُضْعِف: اسم فاعل، مصدر إضعاف، مادّہ ضِعْف: چند در چند کرنے والے، کئی گنا بڑھانے والے (۲) ذلکم: ذا: اسم اشارہ قریب، لام بُعد، کم: ضمیر خطاب۔

یہ بہتر ہے ان لوگوں کے لئے جو اللہ کی خوشنودی کے طالب ہیں، اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں —— یعنی دنیا کی نعمتیں اللہ تعالیٰ نے دی ہیں، پس جو لوگ اللہ کی خوشنودی چاہتے ہیں، ان کو چاہئے کہ اس کے دیئے ہوئے مال میں سے خرچ کریں۔ رشتہ داروں کی، غریبوں کی اور مسافروں کی خبر گیری کریں، سب کے درجہ بہ درجہ حقوق ادا کریں، ایسے ہی بندوں کو دنیا وآخرت کی بھلائی نصیب ہوگی۔

فائدہ: رشتہ داروں، غریبوں اور مسافروں کو دینے کا جو حکم ہے اس کو ان کا حق قرار دیا ہے۔ یعنی دینے والے کا ان پر کوئی احسان نہیں، وہ تو ان کا حق ہے جو ان کو دیا گیا —— اس کی تفصیل یہ ہے کہ مالداروں کو رزق کے علاوہ جو زائد دیا جاتا ہے وہ ان کا نصیب (حصہ) نہیں ہوتا، وہ دوسروں کا حصہ ہوتا ہے جو مالداروں کے ذریعہ ان کو دیا گیا ہے —— اور یہ حق منتشر (پھیلا ہوا) ہے، پھر جب کسی معین رشتہ دار وغیرہ کو دیدیا تو وہ حق سمٹ کر اس پر آ گیا —— جیسے فرض کفایہ منتشر ہوتا ہے، پھر جب اس فرض کی ادائیگی کے لئے حسب ضرورت افراد کھڑے ہو گئے، اور انھوں نے وہ کام انجام دیدیا تو فریضہ ان پر سمٹ آیا، انہی کو فرض کی ادائیگی کا ثواب ملے گا، اور باقی لوگ فرض سے سبکدوش ہوجائیں گے —— اسی طرح یہ حق بھی پہلے منتشر تھا، پھر جب کسی معین غریب کو دیدیا تو وہ اسی کا حق ہو گیا، اب وہ دوسروں کا حق نہ رہا۔

اور جو دیا تم نے کوئی لون، تاکہ بڑھے وہ لوگوں کے مالوں میں (شامل ہوکر) تو وہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا، اور جو دی تم نے کچھ خیرات، تم اللہ کی خوشنودی چاہتے ہو، تو وہی لوگ بڑھانے والے ہیں —— یعنی سود بیاج سے گو بظاہر مال بڑھتا دکھائی دے لیکن حقیقت میں گھٹ رہا ہے، جیسے ورم سے بدن پھول جاتا ہے مگر وہ مہلک بیماری ہے اور زکات خیرات سے مال کم ہوگا، مگر حقیقت میں وہ بڑھتا ہے۔

فائدہ: لون (سودی قرض) دینے کی ممانعت قرآنِ کریم میں ہے، اور لینے کی ممانعت حدیثوں میں ہے، حدیثوں میں لینے دینے کو برابر کا گناہ قرار دیا ہے، مگر شدید مجبوری میں فقہاء نے دینے کی گنجائش دی ہے، لینے کی کسی حال میں گنجائش نہیں۔

فائدہ: ﴿لِيَرْبُوَا فِيْ أَمْوَالِ النَّاسِ﴾: تاکہ وہ لوگوں کے مالوں میں شامل ہوکر بڑھے: یہ سودی قرض دینے کی غرض ہے اور ﴿تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ﴾: تم اللہ کی خوشنودی چاہتے ہو: یہ صدقہ خیرات کی قبولیت کی شرط ہے۔

جو روزی رساں ہے وہی معبود ہے: —— اللہ وہ ہیں جس نے تم کو پیدا کیا، پھر تم کو روزی دی، پھر تم کو مارے گا، پھر تم کو جلائے گا، کیا تمہارے شریکوں میں سے کوئی ہے جو ان کاموں میں سے کچھ بھی کرتا ہو؟ اللہ کی ذات پاک اور برتر ہے ان سے جن کو لوگ شریک ٹھہراتے ہیں —— یعنی پیدا کرنا، روزی دینا اور مارنا جلانا تو تنہا اللہ کے اختیار میں ہے، پھر دوسرے شریک کدھر سے آ گئے؟ اور اللہ کی الوہیت میں کیسے شریک ہو گئے؟ تعالی اللہ عما یقولون علواً کبیراً!

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۴۱﴾ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلُ ۚ كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُشْرِكِينَ ﴿۴۲﴾ فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللَّهِ ۖ يَوْمَئِذٍ يَصَّدَّعُونَ ﴿۴۳﴾ مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ ۖ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِأَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُونَ ﴿۴۴﴾ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْ فَضْلِهِ ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ﴿۴۵﴾

لفظ	ترجمہ	لفظ	ترجمہ	لفظ	ترجمہ
ظَهَرَ	ظاہر ہوا	يَرْجِعُوْنَ	لوٹیں وہ	وَجْهَكَ	اپنا رخ
الْفَسَادُ	فساد (بگاڑ)	قُلْ	کہہ	لِلدِّيْنِ	دین کے لئے
فِي الْبَرِّ	خشکی میں	سِيْرُوْا	چلو	الْقَيِّمِ	بالکل سیدھا
وَالْبَحْرِ	اور سمندر میں	فِي الْأَرْضِ	زمین میں	مِنْ قَبْلِ	اس سے پہلے
بِمَا	ان اعمال کی وجہ سے جو	فَانْظُرُوْا	پس دیکھو	أَنْ يَأْتِيَ	کہ آئے
كَسَبَتْ	کمائے	كَيْفَ	کیسا	يَوْمٌ	وہ دن
أَيْدِي	ہاتھوں نے	كَانَ	تھا	لَا مَرَدَّ (۲)	نہیں ٹالنا ہے
النَّاسِ	لوگوں کے	عَاقِبَةُ	انجام	لَهُ	اس کو
لِيُذِيْقَهُمْ	تاکہ چکھائے ان کو	الَّذِيْنَ	ان کا جو	مِنَ اللهِ (۳)	اللہ کی طرف سے
بَعْضَ	کچھ	مِنْ قَبْلُ (۱)	پہلے ہوئے	يَوْمَئِذٍ	اس دن
الَّذِي	اس کا جو	كَانَ أَكْثَرُهُمْ	ان کے اکثر	يَصَّدَّعُوْنَ (۴)	جدا جدا ہونگے
عَمِلُوْا	کیا انھوں نے	مُشْرِكِيْنَ	مشرک تھے	مَنْ كَفَرَ	جس نے انکار کیا
لَعَلَّهُمْ	تاکہ	فَأَقِمْ	پس سیدھا کر	فَعَلَيْهِ	تو اس پر ہے

(۱) قبلُ: ضمہ پر مبنی ہے، مضاف الیہ محذوف منوی ہے، اور وہ ھم ہے (۲) مَرَدّ: اسم فعل: پلٹنا، ٹالنا، پھیرنا۔ (۳) من اللہ: کا تعلق یأتی سے ہے وعلیہ الأکثر (روح) (۴) یَصَّدَّعون: اصل میں یَتَصَدَّعُون تھا، تَصَدُّع (تفعل) متفرق ہونا، صَدْع: پھاڑنا، دوٹکڑے کرنا، الگ الگ کرنا۔

كُفْرُهٗ	اس کا انکار	يَمْهَدُوْنَ(۱)	بستر بچھا رہے ہیں	الصّٰلِحٰتِ	نیک کام
وَمَنْ عَمِلَ	اور جس نے کیا	لِيَجْزِيَ	تاکہ بدلہ دیں	مِنْ فَضْلِهٖ(۲)	اپنی مہربانی سے
صَالِحًا	نیک کام	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	ان کو جو ایمان لائے	اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ	بیشک وہ پسند نہیں کرتے
فَلِاَنْفُسِهِمْ	تو وہ اپنے ہی لئے	وَعَمِلُوا	اور کئے انھوں نے	الْكٰفِرِيْنَ	انکار کرنے والوں کو

سودی نظام تباہ کن معاشی نظام ہے

ایک آیت پہلے لون (سودی قرض) کی ممانعت آئی تھی، اب یہ مضمون ہے کہ سودی نظام تباہ کن معاشی نظام ہے۔ جس معاشرہ میں یہ نظام چل پڑتا ہے وہ تباہ ہوجاتا ہے، کیونکہ سودی نظام سے سرمایہ داری وجود میں آتی ہے، ملک کی دولت چند ہاتھوں میں سمٹ جاتی ہے، سرمایہ دار براہِ راست زر سے زر پیدا کرنے لگتے ہیں، جس سے بے روزگاری پھیل جاتی ہے، پھر اس کے ردعمل میں اشتراکیت پیدا ہوتی ہے، جو لوگوں کی جیبیں خالی کردیتی ہے، پس وہ بھی مداوا نہیں، اللہ نے پانچ انگلیاں برابر نہیں بنائیں، پھر کوئی ان کو برابر کیسے کردے گا؟

اسلام نے سود کو حرام کیا ہے، اور بیع کو جائز، یعنی زر سے زر پیدا کرنے کے لئے درمیان میں عمل کا واسطہ لانا ضروری ہے، سو روپے کی چیز لایا اور ایک سو دس میں بیچ دی: یہ جائز ہے، یہ نفع ہے، اور سو روپے قرض دے کر ایک ماہ کے بعد ایک سو دس روپے لئے یہ حرام ہے، یہ سود ہے، ماضی میں مہاجنی سود کا رواج تھا، دولت بنیوں کے ہاتھوں میں سمٹ گئی تھی، وہ غریبوں کا بری طرح خون چوستے تھے، پس برکت اسلامی نظام میں ہے، عمل کے واسطہ سے دولت بڑھائی جائے، مگر مرابحہ کا حیلہ کرکے نہیں، بلکہ واقعی مضاربہ کا واسطہ درمیان میں لایا جائے، کسی کے پاس دس کروڑ روپے ہیں، وہ کوئی کارخانہ قائم کرے اور مال تیار کرے، اور اس کو بیچ کر نفع کمائے، آدھا نفع ملازمین کی تنخواہوں میں جائے گا، اس طرح دولت پھیلے گی، بے روزگاری ختم ہوگی، اور کمیونزم کی راہ رکے گی۔

ارشادِ پاک ہے: —— خشکی اور تری میں بگاڑ پھیل گیا، لوگوں کی بداعمالیوں کی وجہ سے، تاکہ اللہ ان کو ان کے بعض اعمال کا مزہ چکھائیں: شاید وہ باز آئیں —— یہ عام بات ہے، ہر بگاڑ کو شامل ہے، جو ایسے گناہوں سے وجود میں آئے جو از قبیل ظلم وستم ہیں، جیسے سودخوری، زناکاری اور ڈاکہ زنی وغیرہ —— اور خشکی اور تری: محاورہ ہے، مراد پورا عالم ہے، کیونکہ زمین خشکی اور تری کا مجموعہ ہے، جیسے مشرق ومغرب سے مراد تمام عالم ہوتا ہے، شمال وجنوب بھی اس میں شامل ہیں —— بدکاریوں سے بگاڑ پھیلنا گو ہمیشہ ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا، مگر بعثتِ نبوی کے وقت صورتِ حال بہت بھیانک

---

(۱) مَهَدَ مَهْدًا: درست کرنا، ہموار کرنا (۲) من فضله: يجزی سے متعلق ہے۔

ہوگئی تھی، دنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ ارشاد فرماتے ہیں: —— کہو: زمین میں چلو پھرو، پھر ان لوگوں کا انجام دیکھو جو پہلے گذرے ہیں، ان کے بیشتر مشرک تھے —— اور تھوڑے یہودی تھے، جزیرۃ العرب میں یہی لوگ سودخوری کا بازار گرم کئے ہوئے تھے، اور دیگر جرائم کے بھی خوگر تھے۔ گھوم پھر کر ان کا انجام دیکھو، اور اس سے سبق لو۔

سود کی گرم بازاری ہو تو مسلمان کیا کریں؟ —— پس آپ اپنا چہرہ دین مستقیم کی طرف رکھیں —— یعنی دین پر ٹھیک طرح قائم رہیں، سیلاب کی رو میں بہ نہ جائیں، اقتصادی نقصان برداشت کریں، سورۃ المائدہ (آیت ۱۰۰) میں ہے: ﴿قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ، وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ، فَاتَّقُوْا اللهَ يَأُوْلِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾: کہو: ناپاک اور پاک برابر نہیں، اگرچہ تجھے ناپاک کی زیادتی پسند آئے، پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو اے عقلمندو تا کہ تم کامیاب ہوؤ —— قبل ازیں کہ اللہ کی طرف سے وہ دن آجائے جس کے لئے پلٹنا نہیں —— یعنی قیامت آجائے، قیامت کا آنا اللہ کی طرف سے اٹل ہے، وہ خود نہیں پھرے گی نہ کوئی اس کو پھیرے گا —— اس دن لوگ جدا جدا ہونگے —— سود سے بچنے والے الگ کر لئے جائیں گے اور سودخور الگ —— جس نے انکار کیا —— یعنی اللہ کا حکم نہیں مانا —— اس پر اس کا انکار پڑے گا —— یعنی وہ اس کی سزا بھگتے گا —— اور جس نے نیک کام کیا —— یعنی سود سے بچا —— وہ اپنا بستر بچھا رہے ہیں —— یعنی جنت میں آرام کرنے کی تیاری کر رہے ہیں —— تا کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان لوگوں کو بدلہ دیں جنھوں نے مان لیا اور نیک کام کئے —— یہ قیامت کے دن کے آنے کی وجہ بیان کی ہے —— بےشک اللہ تعالیٰ حکم نہ ماننے والوں کو پسند نہیں کرتے —— اور جو اس سچے مالک کو نہ بھائے اس کا کہاں ٹھکانا!

کتنا بھی بڑا نیک ہو اسے بھی اللہ کے فضل سے جنت ملے گی

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّلِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ۭ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ كَيْفَ يَشَآءُ وَيَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ

عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِيْنَ ﴿٤٩﴾ فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٥٠﴾ وَلَئِنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ يَكْفُرُوْنَ ﴿٥١﴾ فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿٥٢﴾ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿٥٣﴾

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ (۱)	اور اسکی نشانیوں میں سے ہے	مِنْ قَبْلِكَ	آپ سے پہلے	الرِّيْحَ	ہوائیں
اَنْ يُّرْسِلَ (۲)	کہ چلاتے ہیں وہ	رُسُلًا	رسول	فَتُثِيْرُ	پس ابھارتی ہیں وہ
الرِّيٰحَ	ہوائیں	اِلٰى قَوْمِهِمْ	ان کی قوم کی طرف	سَحَابًا	بادل کو
مُبَشِّرٰتٍ (۳)	خوش خبری دینے والی	فَجَآءُوْهُمْ	پس آئے وہ ان کے پاس	فَيَبْسُطُهٗ	پس پھیلاتے ہیں
وَّلِيُذِيْقَكُمْ	اور تاکہ چکھائیں تم کو	بِالْبَيِّنٰتِ	واضح دلیل کے ساتھ		اللہ اس کو
مِّنْ رَّحْمَتِهٖ	اپنی مہربانی سے	فَانْتَقَمْنَا	پس بدلہ لیا ہم نے	فِي السَّمَآءِ	آسمان میں
وَلِتَجْرِيَ	اور تاکہ چلیں	مِنَ الَّذِيْنَ	ان سے جنھوں نے	كَيْفَ يَشَآءُ	جس طرح چاہتے ہیں
الْفُلْكُ (۴)	کشتیاں	اَجْرَمُوْا	گناہ کئے	وَيَجْعَلُهٗ	اور بناتے ہیں اس کو
بِاَمْرِهٖ	اس کے حکم سے	وَكَانَ حَقًّا	اور تھا لازم	كِسَفًا (۵)	تہ بہ تہ
وَلِتَبْتَغُوْا	اور تاکہ تلاش کرو تم	عَلَيْنَا	ہمارے ذمہ	فَتَرَى	پس دیکھتا ہے تو
مِنْ فَضْلِهٖ	اس کے فضل سے	نَصْرُ	مدد کرنا	الْوَدْقَ	بارش کو
وَلَعَلَّكُمْ	اور تاکہ تم	الْمُؤْمِنِيْنَ	مؤمنین کی	يَخْرُجُ	نکلتی ہے
تَشْكُرُوْنَ	شکر گذار رہو	اَللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	مِنْ خِلٰلِهٖ	اس کے درمیان سے
وَلَقَدْ	اور بخدا واقعہ یہ ہے	الَّذِيْ	وہ ہیں جو	فَاِذَآ	پس جب
اَرْسَلْنَا	(کہ) بھیجے ہم نے	يُرْسِلُ	چلاتے ہیں	اَصَابَ	پہنچتا ہے

(۱) من آیاته: خبر مقدم ہے (۲) أن: مصدریہ ہے، تاکہ فعل کا مبتدا بننا درست ہو (۳) مبشرات: الریاح کا حال ہے (۴) الفلك: میں مفرد جمع یکساں ہیں۔ (۵) کسف: ٹکڑا، اوپر تلے، تہ بہ تہ۔

بِہٖ	اس کو	بَعۡدَ مَوۡتِہَا	اس کے مرنے کے بعد	الۡمَوۡتٰی	مردوں کو
مَنۡ یَّشَآءُ	جس کو چاہتا ہے	اِنَّ ذٰلِکَ	بے شک وہ	وَلَا تُسۡمِعُ	اور نہیں سنا سکتے
مِنۡ عِبَادِہٖۤ	اپنے بندوں میں سے	لَمُحۡیِ(۳)	البتہ زندہ کرنے والے ہیں	الصُّمَّ	بہروں کو
اِذَا ہُمۡ	اچانک وہ	الۡمَوۡتٰی	مردوں کو	الدُّعَآءَ	پکار
یَسۡتَبۡشِرُوۡنَ	خوشیاں مناتے ہیں	وَہُوَ	اور وہ	اِذَا	جب
وَاِنۡ کَانُوۡا	اگرچہ تھے وہ	عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ	ہر چیز پر	وَلَّوۡا	مڑیں وہ
مِنۡ قَبۡلِ	پہلے سے	قَدِیۡرٌ	قدرت رکھنے والے ہیں	مُدۡبِرِیۡنَ	پیٹھ پھیر کر
اَنۡ یُّنَزَّلَ	کہ اتاریں وہ	وَلَئِنۡ	اور بخدا! اگر	وَمَاۤ اَنۡتَ	اور نہیں آپ
عَلَیۡہِمۡ	ان پر	اَرۡسَلۡنَا	چلائیں ہم	بِہٰدِ	راہ دکھانے والے
مِّنۡ قَبۡلِہٖ(۱)	اس کے اترنے سے پہلے	رِیۡحًا(۴)	(بے برکت) ہوا	الۡعُمۡیِ	اندھوں کو
لَمُبۡلِسِیۡنَ(۲)	یقیناً ناامید تھے	فَرَاَوۡہُ	پس وہ کھیتی کو دیکھیں	عَنۡ ضَلٰلَتِہِمۡ	ان کی گمراہی سے
فَانۡظُرۡ	پس دیکھ	مُصۡفَرًّا	زرد	اِنۡ تُسۡمِعُ	نہیں سنا سکتے آپ
اِلٰۤی اٰثٰرِ	آثار کی طرف	لَّظَلُّوۡا(٦)	تو ہو جائیں وہ	اِلَّا مَنۡ	مگر اس کو
رَحۡمَتِ اللّٰہِ	اللہ کی رحمت کے	مِنۡۢ بَعۡدِہٖ	اس کے بعد	یُّؤۡمِنُ	جو مانتا ہے
کَیۡفَ	کیسے	یَکۡفُرُوۡنَ	ناشکری کرتے	بِاٰیٰتِنَا	ہماری باتوں کو
یُحۡیِ	زندہ کرتے ہیں	فَاِنَّکَ	پس بے شک آپ	فَہُمۡ	پس وہ
الۡاَرۡضَ	زمین کو	لَا تُسۡمِعُ	نہیں سنا سکتے	مُّسۡلِمُوۡنَ	منقاد ہونے والے ہیں

اللہ تعالیٰ نے روزی کمانے کے حلال ذرائع: تجارت اور زراعت پیدا کئے ہیں

اب نصیحت کرتے ہیں کہ سود کے ذریعہ کمائی مت کرو، اللہ تعالیٰ نے روزی کمانے کے لئے دو حلال ذرائع: تجارت اور زراعت پیدا کئے ہیں، ان کے ذریعہ روزی کماؤ، حدیث میں ہے: إن نفسا لن تموت حتی تستکمل رزقھا،

(۱) من قبلہ کو فاصلہ کی رعایت میں مقدم کیا ہے اور ضمیر کا مرجع نزول ہے جو ینزل سے سمجھا جاتا ہے (۲) إبلاس: مایوس ہونا (۳) مُحْی: اصل میں مُحْیِیٌ تھا، ایک یاء حذف کی ہے، إحیاء: زندہ کرنا۔ (۴) ریح (مفرد) بے برکت ہوا کے لئے، اور ریاح (جمع) بابرکت ہوا کے لئے مستعمل ہے (۵) ظلّوا: فعل ناقص بمعنی صاروا ہے۔

فاتقوا الله وأجملوا في الطلب: کوئی شخص اس وقت تک مرتا نہیں جب تک وہ اپنی روزی مکمل نہ کرلے، پس اللہ سے ڈرو (حرام ذرائع معاش اختیار مت کرو) اور خوبصورت (جائز) ذرائع سے روزی طلب کرو۔

سمندر پار کی تجارت مقامی تجارت سے زیادہ مفید ہے: اُورسیز (سمندر پار) کی تجارت مقامی تجارت سے زیادہ نفع بخش ہے، جہازوں کے ذریعہ تجارتی مال دوسرے ملکوں میں منتقل کرسکتے ہیں، اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے سمندروں کو مسخر کیا ہے، بلکہ اب تو فضائی راہیں بھی ہموار ہوگئی ہیں، پس بڑی تجارتیں کرو، اور نفع کماؤ، سود کے چکر میں مت پڑو، ارشادِ پاک ہے: اور اللہ کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے یہ بات ہے کہ وہ خوش خبری دینے والی ہوائیں چلاتے ہیں، اور تاکہ وہ تمہیں اپنی رحمت کا مزہ چکھائیں، اور تاکہ کشتیاں ان کے حکم سے چلیں، اور تاکہ تم ان کی روزی تلاش کرو، اور تاکہ تم شکر گذار بنو ــــ ہوا: اللہ کی بڑی نعمت ہے، اس پر زندگی کا مدار ہے، اور مانسونی ہوائیں تو بارش کی خوش خبری لاتی ہیں، پھر اللہ کی مہربانی سے مینہ برستا ہے، اور لوگوں کو پانی اور رزق ملتا ہے، یہ اللہ نے اپنی رحمت کا مزہ چکھایا ــــ اور ہوا کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ بادبانی جہاز اور بڑی کشتیاں ہوا سے چلتی ہیں، لوگ ان کے ذریعہ تجارتی مال سمندر پار منتقل کرتے ہیں، اور اللہ کے فضل سے خوب نفع کماتے ہیں، بندوں پر اس نعمت کا شکر ادا کرنا واجب ہے۔

اللہ کی نعمت کی ناشکری کرنے والوں کو سزا ملتی ہے: ــــ جب زمین اجڑ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ مانسونی ہوا چلاتے ہیں، بارش ہوتی ہے، اور مردہ زمین لہلہانے لگتی ہے، اسی طرح جب دنیا میں گمراہی چھا جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ رسولوں کو واضح دلیل کے ساتھ بھیجتے ہیں، پس جو لوگ ان کی دعوت پر ایمان لاتے ہیں سرخ رو ہوتے ہیں، کیونکہ انھوں نے اللہ کی نعمتِ ہدایت کی قدر کی، یہ اہل ایمان کی نصرت ہوئی، اور جو لوگ انبیاء کی دعوت قبول نہیں کرتے ان کو ان کے اِس جرم کی سزا ملتی ہے، یہ انتقام لینا ہوا، اور سورۃ ابراہیم (آیت ۷) میں ارشاد پاک ہے: ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ، وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ﴾: یعنی جو شکر بجالائے گا اس کو مزید نعمتیں ملیں گی، اور جو ناشکری کرے گا وہ جان لے کہ اللہ کی سزا سخت ہے ــــ یہاں یہ مضمون نظیر کے طور پر بیان ہوا ہے، ارشاد پاک ہے: ــــ اور واقعہ یہ ہے کہ ہم نے آپ سے پہلے رسولوں کو ان کی قوم کی طرف بھیجا، وہ ان کے پاس واضح دلائل کے ساتھ پہنچے، پس ہم نے ان لوگوں سے انتقام لیا جو جرم کے مرتکب ہوئے، اور اہل ایمان کی مدد کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔

زراعت بھی ایک اہم ذریعۂ معاش ہے: معیشت کا بڑا مدار زراعت (کھیتی باڑی) پر ہے۔ غور کرو! اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے کیا کیا انتظام کیا ہے؟ وہ بارش برساتے ہیں، جس سے زمین اجڑ جانے کے بعد سرسبز ہوجاتی ہے، اور لوگوں کو اور جانوروں کو روزی ملتی ہے، اور بارش کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ انتظام کیا ہے کہ سمندر سے اَبخرے اٹھتے ہیں، جن کو ہوائیں ابھار

کر فضاء میں لے جاتی ہیں، وہاں وہ تہ بہ تہ بادل بن جاتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ ان بادلوں کو جہاں چاہتے ہیں لے جاتے ہیں پھر بادل ویسے ہی رہتے ہیں، اور مینہ کے قطرے ان کے درمیان سے نکلنے لگتے ہیں جو زمین کی آبادی کا ذریعہ بنتے ہیں، یہی اللہ کی رحمت کے آثار ہیں، ان سے فائدہ اٹھاؤ، کماؤ کھاؤ، لوگوں کا خون مت چوسو! —— اور جس طرح بارش سے زمین زندہ ہوتی ہے قیامت کے دن مردے زندہ کئے جائیں گے، اللہ تعالیٰ کو اس پر پوری قدرت حاصل ہے (تفصیل آگے آئے گی)

ارشاد فرماتے ہیں: —— اللہ تعالیٰ ایسے ہیں جو ہوائیں چلاتے ہیں —— یہ مانسونی ہوائیں نہیں، عام ہوائیں ہیں —— پس وہ بادلوں کو ابھارتی ہیں —— یعنی ابخروں کو فضاء میں لے جاتی ہیں —— پھر اللہ تعالیٰ اس کو جس طرح چاہتے ہیں آسمان میں پھیلاتے ہیں، اور اس کو تہ بہ تہ کرتے ہیں —— اس کا نظارہ ہوائی جہاز سے خوب ہوتا ہے —— پس آپ بارش کو دیکھتے ہیں اس (بادل) کے درمیان سے نکلتی ہے —— یعنی بادل تو بادل رہتا ہے، اور بارش ہونے لگتی ہے —— پھر جب وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں وہ (بارش) پہنچاتے ہیں تو یکا یک وہ خوشیاں منانے لگتے ہیں، اگرچہ وہ ان پر بارش برسنے سے پہلے، اس سے پہلے ناامید تھے —— یعنی ان کو بارش کے کچھ آثار نظر نہیں آرہے تھے، پہلے سے لوگ ناامید تھے، بارش آنے سے ذرا دیر پہلے تک ان کو رحمتِ الٰہی کی امید نہیں تھی —— سو آپ رحمتِ الٰہی (بارش) کے آثار دیکھیں، کس طرح اللہ تعالیٰ زمین کو اجڑ جانے کے بعد ہرا بھرا کر دیتے ہیں! —— بے شک وہی یقیناً مردوں کو زندہ کرنے والے ہیں، اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں!

اللہ تعالیٰ کھیتی خراب بھی کر سکتے ہیں: —— اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں، وہ کھیتی خراب بھی کر سکتے ہیں، کبھی بے برکت ہوا چل پڑتی ہے، اور ہری کھیتی پیلی پڑ جاتی ہے، اور دانے کے لالے پڑ جاتے ہیں، ارشاد فرماتے ہیں: —— اور بخدا! اگر ہم بے برکت ہوا چلائیں، پس وہ کھیتی کو زرد دیکھیں، تو وہ خوشی کے بعد ناشکری کرتے رہ جائیں —— یعنی فوراً بدل جائیں، اللہ کا احسان فراموش کر کے ناشکری شروع کر دیں!

بات اسی کے لئے مفید ہے جو گوش ہوش سے سنتا ہے: —— سود سے متعلق جو گفتگو چل رہی ہے اس کو اس پر ختم کرتے ہیں کہ بات اسی کے لئے مفید ہے جو گوش ہوش نیوش سے سنتا ہے، مردے، بہرے اور اندھے کیا خاک فائدہ اٹھائیں گے! ارشاد فرماتے ہیں: —— پس آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے، اور نہ بہروں کو آواز سنا سکتے ہیں جبکہ وہ پیٹھ پھیر کر جا رہے ہوں، اور نہ آپ اندھوں کو ان کی بے راہی سے راہ پر لا سکتے ہیں —— مردوں کے اسماع (سنانے) کی نفی کی ہے، سمع (سننے) کی نفی نہیں کی، اور زیارتِ قبور کے وقت سلام مأمور بہ ہے، پس اگر مردے نہیں سنتے تو یہ فضول عمل ہے! ہاں زندے جو چاہیں مردوں کو نہیں سنا سکتے، ویسے یہ مسئلہ صحابہ میں مختلف فیہ تھا —— اور بہرہ متوجہ ہو تو ہونٹوں کے اشارے

سے بھی کچھ سمجھ لیتا ہے، لیکن اگر اس کا رخ دوسری طرف ہوتو کیا خاک اندازہ کرسکتا ہے! —— اور اندھے سے عقل کا اندھا مراد ہے، گمراہ شخص کو راہ پر لانا کسی کے بس میں نہیں —— آپ تو انہی کو سنا سکتے ہیں جو ہماری باتوں کو مانتے ہیں، پس وہ منقاد ہونے والے ہیں —— دل سے ماننا ایمان ہے، اور ظاہری انقیاد اسلام ہے، اور دونوں ضروری ہیں، چنانچہ آیت میں دونوں کو جمع کیا ہے۔

> سودخوری ایک طرح کی مفت خوری ہے، اور مفت کی شراب قاضی کو بھی حلال ہے، اس لئے دین دار لوگ بھی اسلامی بینک نام رکھ کر سود لیتے ہیں، جبکہ بینک اسلامی نہیں ہوسکتا، بینک زر سے زر پیدا کرنے کا نام ہے، جو سود ہے

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّ شَيْبَةً ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ وَ هُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ ﴿۵۴﴾ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ۬ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ؕ كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ ؗ فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ﴿۵۸﴾ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۹﴾ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۶۰﴾

ع ۶/۹

اَللّٰهُ(۱)	اللہ تعالیٰ	مِّنْ ضُعْفٍ	کمزوری سے	ضُعْفٍ	کمزوری کے
الَّذِيْ	جنھوں نے	ثُمَّ جَعَلَ	پھر بنائی	قُوَّةً	طاقت
خَلَقَكُمْ	پیدا کیا تم کو	مِنْۢ بَعْدِ	بعد	ثُمَّ جَعَلَ	پھر بنائی

(۱) اللہ: مبتدا، الذی: خبر۔

مِنْۢ بَعْدِ	بعد	الْعِلْمَ	علم	وَلَىِٕنْ	اور بخدا! اگر
قُوَّةٍ	طاقت	وَالْاِيْمَانَ	اور ایمان	جِئْتَهُمْ	آئے تو ان کے پاس
ضُعْفًا	کمزوری کے	لَقَدْ	البتہ تحقیق	بِاٰيَةٍ	کسی نشانی کے ساتھ
وَّ شَيْبَةً	اور بڑھاپا	لَبِثْتُمْ	ٹھہرے تم	لَّيَقُوْلَنَّ	(تو) ضرور کہیں گے
يَخْلُقُ	پیدا کرتے ہیں	فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ	نوشتہ الٰہی میں	الَّذِيْنَ	جنھوں نے
مَا يَشَآءُ	جو چاہتے ہیں	اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ	قیامت کے دن تک	كَفَرُوْٓا	انکار کیا
وَهُوَ	اور وہ	فَهٰذَا	پس یہ	اِنْ اَنْتُمْ	نہیں ہو تم
الْعَلِيْمُ	سب کچھ جاننے والے	يَوْمُ الْبَعْثِ	قیامت کا دن ہے	اِلَّا مُبْطِلُوْنَ	مگر جھوٹ کہنے والے
الْقَدِيْرُ	بڑی قدرت والے ہیں	وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ	مگر تھے تم	كَذٰلِكَ	اور اسی طرح
وَيَوْمَ	اور جس دن	لَا تَعْلَمُوْنَ	نہیں جانتے	يَطْبَعُ	مہر کرتے ہیں
تَقُوْمُ	برپا ہوگی	فَيَوْمَىِٕذٍ	پس آج	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
السَّاعَةُ	قیامت	لَّا يَنْفَعُ	نہیں کام آئے گی	عَلٰى قُلُوْبِ	دلوں پر
يُقْسِمُ	قسمیں کھائیں گے	الَّذِيْنَ	جنھوں نے	الَّذِيْنَ	ان کے جو
الْمُجْرِمُوْنَ	گنہ گار	ظَلَمُوْا	ظلم کیا	لَا يَعْلَمُوْنَ	جانتے نہیں
مَا لَبِثُوْا	نہیں ٹھہرے وہ	مَعْذِرَتُهُمْ (۱)	ان کی معذرت	فَاصْبِرْ	پس صبر کیجئے
غَيْرَ سَاعَةٍ	علاوہ ایک گھڑی کے	وَلَا هُمْ	اور نہ وہ	اِنَّ وَعْدَ	بے شک وعدہ
كَذٰلِكَ كَانُوْا	اسی طرح تھے وہ	يُسْتَعْتَبُوْنَ (۲)	معافی منگوائے جائیں گے	اللّٰهِ	اللہ کا
يُؤْفَكُوْنَ	پھیرے جاتے	وَلَقَدْ ضَرَبْنَا	اور البتہ تحقیق ماری ہم نے	حَقٌّ	سچا ہے
وَقَالَ	اور کہا	لِلنَّاسِ	لوگوں کے لئے	وَلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ (۳)	اور نہ بھڑکائیں آپ کو
الَّذِيْنَ	جو	فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ	اس قرآن میں	الَّذِيْنَ	جو
اُوْتُوا	دیئے گئے	مِنْ كُلِّ مَثَلٍ	ہر طرح کی مثالیں	لَا يُوْقِنُوْنَ	یقین نہیں کرتے

(۱) معذرۃ: عذر، جمع معاذیر۔ (۲) استعتاب: کسی سے رضامند کرنے کی خواہش کرنا، مضارع مجہول ہے۔ (۳) اِسْتَخَفَّه: بھڑکانا، مشتعل کرنا، اوچھا کرنا۔

آخرت کا تذکرہ اور آخری پانچ باتیں

چند آیات پہلے ضمناً یہ بات آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ جس طرح مردہ زمین کو بارش برسا کر حیاتِ نو عطا فرماتے ہیں اسی طرح قیامت کے دن مُردوں کو زندہ کر کے زمین سے نکالیں گے، اللہ تعالیٰ اس کی پوری قدرت رکھتے ہیں، اب آخری آیات میں تفصیل سے آخرت کا تذکرہ فرماتے ہیں، ان آیات میں پانچ باتیں بیان فرمائی ہیں:

۱- دنیا میں انسان کا بدن ضعیف بنایا ہے

دنیا دارالاسباب ہے، یہاں احکام پر عمل کرنا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کی باڈی ایسی قوی نہیں بنائی کہ ہمیشہ چلے، کمزور بدن بنایا ہے، تاکہ عمل کا زمانہ مختصر رہے، ایک وقت کے بعد بدن کمزور ہو کر ختم ہو جاتا ہے، آدمی مر جاتا ہے، پھر قیامت کے دن نہایت قوی بدن بنائیں گے جو ابد تک باقی رہے گا، تاکہ جزاء کا زمانہ طویل سے طویل ہو جائے، ارشاد فرماتے ہیں: —— اللہ تعالیٰ وہ ہیں جنھوں نے تمہیں کمزوری سے پیدا کیا —— یعنی کمزوری گویا انسان کا خمیر ہے، ایسا ناتواں بنایا کہ ابتداء میں ہل بھی نہیں سکتا —— پھر کمزوری کے بعد طاقت عطا فرمائی —— جوان ہوا، طاقت آئی، شیر کو بھی پچھاڑ سکتا ہے —— پھر طاقت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا آیا —— قُویٰ نے جواب دیدیا، بالآخر مر گیا، اور بے قراری کو قرار آیا —— اور وہ سب کچھ جاننے والے بڑی قدرت والے ہیں —— وہ جانتے ہیں کہ اس زندگی میں کیسا بدن ہونا چاہئے، اس کو وہ بخوبی جانتے ہیں، اور وہ کمزور اور طاقت ور ہر طرح کے جسم کو بنانے پر قادر ہیں —— پس یہ آخرت کی ضرورت کا بیان ہے۔

۲- قیامت کے دن گنہ گاروں کو دنیا کی زندگی مختصر معلوم ہوگی

جب غم کا پہاڑ ٹوٹتا ہے تو خوشی کے دن بہت مختصر معلوم ہوتے ہیں، ارشاد فرماتے ہیں: —— اور جس دن قیامت قائم ہوگی گنہ گار قسمیں کھائیں گے کہ وہ ایک گھڑی سے زیادہ نہیں ٹھہرے —— یعنی قبر میں یا دنیا میں —— کفِ افسوس ملیں گے کہ بڑی جلدی دنیا کی اور برزخ کی زندگی ختم ہوگئی، کچھ بھی مہلت نہ ملی —— اسی طرح وہ الٹی چال چلائے جاتے تھے —— یعنی ان کے گرو ان کو الٹی بات بتاتے تھے کہ تمہیں دنیا میں سدا رہنا ہے۔

اور ان لوگوں نے جو علم اور ایمان عطا کئے گئے ہیں کہا: تم نوشتۂ الٰہی میں قیامت کے دن تک ٹھہرے ہو، پس یہ ہے قیامت کا دن، مگر تم جانتے نہیں تھے —— یعنی مؤمنین: مجرمین کی تردید کریں گے کہ تم جھوٹ کہتے ہو، تم لوح محفوظ کے نوشتہ کے مطابق قیامت کے دن تک ٹھہرے ہو، اور آج عین وعدہ کے موافق وہ دن آپہنچا ہے، اگر پہلے سے تم اس دن کا یقین کرتے، اور اس کے لئے تیاری کرتے تو آج مسرتوں سے ہمکنار ہوتے، اور کہتے کہ یہ دن بہت دیر میں آیا، آنکھیں

تھک گئیں! انتظار کی حد ہوگئی!

۳- قیامت کے دن مجرموں کی نہ معذرت قبول کی جائے گی نہ ان کو اصلاحِ حال کا موقعہ دیا جائے گا

پس آج ظالموں کے کام نہیں آئے گی ان کی معذرت، اور نہ وہ معافی منگوائے جائیں گے ـــــ یعنی وہ نہ کوئی معقول عذر پیش کرسکیں گے اور نہ ان سے کہا جائے گا کہ اچھا اب توبہ اور اطاعت سے اللہ کو راضی کرلو، کیونکہ اس کا وقت گذر چکا، اب تو ہمیشہ کی سزا بھگتنے کے سوا چارہ نہیں۔

۴- اسلام کی صداقت جانچنے کے لئے قرآن کافی ہے، کسی اور معجزہ کی ضرورت نہیں

اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ ہم نے اس قرآن میں ہر طرح کی مثالیں بیان کی ہیں ـــــ یعنی منکرین قیامت کے دن کفِ افسوس ملیں گے، آج اصلاح حال کا موقعہ ہے، قرآنِ کریم مثالیں اور دلیلیں بیان کر کے طرح طرح سے سمجھاتا ہے، پَر ان کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آتی، اور وہ مطالبہ کرتے ہیں کہ کوئی نشانی دکھلاؤ، اس کا کیا فائدہ ہوگا؟ ـــــ اور اگر آپ ان کے پاس کوئی نشانی (معجزہ) لے آئیں تو منکرین ضرور کہیں گے کہ تم نرے باطل گو ہو ـــــ تم مل کر جھوٹ بنا لائے ہو، ایک نے جادو دکھلایا دوسرے اس پر ایمان لانے کو تیار ہوگئے! ـــــ یوں مہر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے دلوں پر جو جانتے نہیں ـــــ یعنی آدمی نہ سمجھے نہ سمجھنے کی کوشش کرے، ضد وعناد سے ہر بات کا انکار کرے، تو رفتہ رفتہ اس کے دل پر مہر لگ جاتی ہے، اور قبولِ حق کی صلاحیت ضائع ہوجاتی ہے۔

۵- صبر سے کام لو بے برداشت مت ہوجاؤ، اللہ کا وعدہ ضرور پورا ہوگا

آخری بات: ـــــ سو آپ صبر کریں، بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے، اور بد یقین لوگ ہرگز آپ کو بے برداشت نہ کریں ـــــ یعنی آپ معاندین کی شرارتوں سے رنجیدہ نہ ہوں، صبر وتحمل سے کام لیں، اور اصلاح میں لگے رہیں، اللہ نے جو آپؐ سے فتح ونصرت کا وعدہ کیا ہے یقیناً پورا ہوکر رہے گا، اور یہ بدعقیدہ اور بے یقین لوگ ذرا بھی آپ کو بے برداشت نہ کریں، آپ کو ان کی حرکتوں پر طیش نہ آئے، کامیابی بڑھ کر آپ کے قدم چومے گی، وما ذٰلك على الله بعزيز!

> معاندین سے انتقام لینا جائز ہے، مگر دعوت وتبلیغ کی مصلحت کے خلاف ہے اور جہاد کوئی انتقام نہیں، وہ راستہ کا روڑا ہٹانے کی کوشش ہے

﴿الحمد للہ سورۃ الروم کی تفسیر مکمل ہوئی﴾

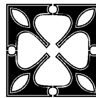
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ لقمان

نمبر شمار ۳۱ نزول کا نمبر ۵۷ نزول کی نوعیت: مکی آیات ۳۴ رکوع: ۴

یہ سورت مکی دور کے وسط میں نازل ہوئی ہے، اس کا موضوع اثباتِ توحید، ابطالِ شرک اور معاد و آخرت کا بیان ہے۔ اس سورت میں حضرت لقمان کی نصائح آئی ہیں، اس لئے سورت ان کے نام سے موسوم کی گئی ہے، یہ سورت اس بیان سے شروع ہوئی ہے کہ قرآنِ کریم سرمایۂ ہدایت و رحمت ہے، مگر بعض لوگ اللہ سے غافل کرنے والی باتوں میں لگتے ہیں، خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ پھر توحید کا مضمون شروع ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی کسی چیز کا خالق نہیں، پھر شرکاء کہاں سے آ گئے؟ پھر یہ بیان ہے کہ اللہ کی نعمتوں کی شکر گذاری توحید ہے، اور ناشکری کفر و شرک، اسی ذیل میں حضرت لقمان کی بیٹے کو نصیحت آئی ہے کہ شرک سے بچ، شرک بڑا بھاری گناہ ہے، پھر یہ بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعد ماں باپ کا حق ہے، لیکن اگر وہ شرک پر مجبور کریں تو ان کی بات نہ مانی جائے، پھر حضرت لقمان نے ایسے عقائد، اعمال اور اخلاقِ حسنہ بیان کئے ہیں جو ایک مسلمان میں ہونے چاہئیں، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا احسان و انعام یاد دلا کر توحید کی طرف متوجہ کیا ہے۔ پھر یہ بیان ہے کہ توحید میں اختلاف محض بے دلیل اور اسلاف کی اندھی تقلید ہے، اللہ تعالیٰ ہی معبود برحق ہیں، باقی سب بے بنیاد ہیں۔ اس کے بعد یہ مضمون ہے کہ کائنات کے خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہیں، ان کا علم بے انتہاء ہے، اور وہ کائنات کی تجدید کریں گے، پس وہی معبود ہیں، اور توحید ہی فطرت کی آواز ہے۔

اور آخر میں یہ بیان ہے کہ آفات و بلیات میں تو اقرباء ہمدردی کر سکتے ہیں، مگر جب قیامت کا بھونچال آئے گا تو کوئی کسی کی ہمدردی نہیں کر سکے گا، اور قیامت کب آئے گی؟ یہ بات اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور اس کے ضمن میں چار باتیں بیان کی ہیں جو قیامت کے لئے تیاری کرنے سے غافل کرتی ہیں۔



ایاتہا ۳۴ سُوْرَةُ لُقْمٰنَ مَكِّيَّةٌ (۳۱) (۵۷) رکوعاتہا ۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ۚ﴿۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۙ﴿۲﴾ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ۙ﴿۳﴾ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۗ﴿۴﴾ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۶﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ۙ﴿۸﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۹﴾

بِسْمِ	نام سے	لِلْمُحْسِنِيْنَ	نیکوکاروں کے لئے	اُولٰٓئِكَ	یہ لوگ
اللّٰهِ	اللہ کے	الَّذِيْنَ	جو	عَلٰى هُدًى	ہدایت پر ہیں
الرَّحْمٰنِ	نہایت مہربان	يُقِيْمُوْنَ	اہتمام کرتے ہیں	مِّنْ رَّبِّهِمْ	ان کے رب کی طرف سے
الرَّحِيْمِ	بڑے رحم والے	الصَّلٰوةَ	نماز کا	وَاُولٰٓئِكَ	اور یہ لوگ
الٓمّٓ	الف، لام، میم	وَيُؤْتُوْنَ	اور دیتے ہیں	هُمُ	ہی
تِلْكَ	یہ	الزَّكٰوةَ	زکات	الْمُفْلِحُوْنَ	کامیاب ہونے والے ہیں
اٰيٰتُ	باتیں ہیں	وَهُمْ	اور وہ	وَمِنَ النَّاسِ	اور بعض لوگ
الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ	حکمت بھری کتاب کی	بِالْاٰخِرَةِ	آخرت پر	مَنْ يَّشْتَرِيْ	جو خریدتے ہیں
هُدًى(۱)	ہدایت	هُمْ	وہی	لَهْوَ الْحَدِيْثِ(۲)	غافل کرنے والی باتیں
وَّرَحْمَةً	اور مہربانی	يُوْقِنُوْنَ	یقین رکھتے ہیں	لِيُضِلَّ	تاکہ گمراہ کریں

(۱) هدى ورحمة: آیات سے حال ہیں۔ (۲) لهو الحديث: مرکب اضافی (اضافت بواسطہ من ہے): فضول، بیہودہ، بے سروپا قصے (ناچ گانا بھی اس کا مصداق ہے)

عَنْ سَبِيْلِ[1]	راستے سے	وَلّٰى	پیٹھ پھیرتا ہے	وَعَمِلُوا	اور کئے انھوں نے
اللّٰهِ	اللہ کے	مُسْتَكْبِرًا	غرور سے	الصّٰلِحٰتِ	نیک کام
بِغَيْرِ عِلْمٍ	نادانی سے	كَاَنْ لَّمْ	گویا نہیں	لَهُمْ	ان کے لئے
وَّيَتَّخِذَهَا[2]	اور بناتے ہیں ان کو	يَسْمَعْهَا	سنتا ان کو	جَنّٰتُ	باغات ہیں
هُزُوًا	ٹھٹھا (ہنسی)	كَاَنَّ	گویا	النَّعِيْمِ	نعمتوں کے
اُولٰٓئِكَ	یہ لوگ	فِيْٓ اُذُنَيْهِ	اس کے کانوں میں	خٰلِدِيْنَ	ہمیشہ رہنے والے
لَهُمْ	ان کے لئے	وَقْرًا	بوجھ ہے	فِيْهَا	ان میں
عَذَابٌ	عذاب ہے	فَبَشِّرْهُ	پس خوش خبری دے اس کو	وَعْدَ اللّٰهِ	اللہ نے وعدہ کیا ہے
مُّهِيْنٌ	رسوا کرنے والا	بِعَذَابٍ	سزا کی	حَقًّا	سچا
وَاِذَا	اور جب	اَلِيْمٍ	دردناک	وَهُوَ	اور وہ
تُتْلٰى عَلَيْهِ	پڑھی جاتی ہیں اس پر	اِنَّ الَّذِيْنَ	بے شک جنھوں نے	الْعَزِيْزُ	زبردست
اٰيٰتُنَا	ہماری آیتیں	اٰمَنُوْا	مان لیا	الْحَكِيْمُ	حکمت والے ہیں

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

قرآنِ کریم سرمایۂ ہدایت ورحمت ہے

یہ سورت قرآنِ کریم کی اہمیت کے بیان سے شروع ہوئی ہے، قرآنِ کریم تمام انسانوں کی ہدایت کے لئے نازل کیا گیا ہے۔ سورۃ البقرۃ (آیت ۱۸۵) میں اس کا وصف: ﴿هُدًى لِلنَّاسِ﴾ آیا ہے، یعنی قرآن سبھی لوگوں کے لئے راہ نما کتاب ہے، پھر جو اس کی ہدایت کی پیروی کریں ان کے لئے رحمت ومہربانی بھی ہے ـــــ پھر قرآن کی راہ پر چلنے والوں کے اوصاف بیان کئے ہیں: وہ نماز کا اہتمام کرتے ہیں، زکات دیتے ہیں اور آخرت کا یقین رکھتے ہیں، کامیابی انہی کا حصہ ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں: ـــــ الف، لام، میم ـــــ یہ حروف مقطعات ہیں، ان کی مراد اللہ تعالیٰ جانتے ہیں ـــــ یہ پُر حکمت کتاب (قرآن) کی آیتیں ہیں، جو نیکوکاروں کے لئے ہدایت ورحمت ہے ـــــ وہی اس سے منتفع ہوتے ہیں ـــــ اور نیکوکار وہ ہیں ـــــ جو نماز کی پابندی کرتے ہیں، اور زکات ادا کرتے ہیں، اور وہی آخرت کا یقین رکھتے ہیں، یہی لوگ ان کے پروردگار کی ہدایت پر ہیں، اور یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔

(۱) سبیل: واضح راستہ، یہ لفظ مذکر و مؤنث دونوں طرح مستعمل ہے (۲) ھا کا مرجع آیات یا سبیل ہے۔

بدکاروں کا وتیرہ: ـــــ نیکوکاروں کے بالمقابل بدکاروں کا طریقہ یہ ہے کہ وہ جہالت اور ناعاقبت اندیشی سے قرآنِ کریم کو چھوڑ کر رنگ رلیوں میں، کھیل تماشوں میں، واہیات وخرافات میں، ٹی وی، وی سی آر اور کیبلوں میں مستغرق رہتے ہیں، خود بھی احکامِ قرآنی سے غافل ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ دوسروں کو بھی ان ہی مشاغل وتفریحات میں لگا کر اللہ کے دین اور اس کی یاد سے منحرف کردیں، ایسے بدراہوں کے بارے میں ارشاد ہے: ـــــ اور کچھ لوگ وہ ہیں جو اللہ سے غافل کرنے والی باتیں خریدتے ہیں، تاکہ وہ نادانی سے اللہ کی راہ (دین) سے ہٹادیں، اور وہ اللہ کی آیات کی ہنسی اڑاتے ہیں۔

روایات میں ہے کہ نضر بن حارث: جو رؤسائے کفار میں سے تھا، بغرضِ تجارت فارس جاتا، اور وہاں سے شاہانِ عجم کے قصے خرید کر لاتا، قریش کو سناتا، اور کہتا: محمد (ﷺ) تم کو عاد وثمود کے قصے سناتے ہیں، آؤ میں تمہیں رستم واسفندیار کے واقعات سناؤں، یہ قصے قرآن سے زیادہ دلچسپ ہیں، ناہنجار لوگ اس کی طرف مائل ہوجاتے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اور علماء نے **لَهْوَ الحدیث** میں ہر وہ چیز داخل کی ہے جو اللہ کی عبادت اور اس کی یاد سے ہٹانے والی ہے، مثلاً: ناول اور افسانے پڑھنا، ہنسی مذاق کی باتیں کرنا، واہیات مشغلوں میں لگنا، گانا بجانا اور ہمارے زمانہ کی خرافات ٹی وی، وی سی آر، انٹرنیٹ اور رنگین موبائلوں میں کھوجانا۔

انہی لوگوں کے لئے ذلت کا عذاب ہے ـــــ شانِ نزول گو خاص ہے مگر عمومِ الفاظ کی وجہ سے حکم عام ہے، جو بھی مشغلہ دین سے پھیر دے وہ حرام بلکہ کفر ہے، اور جو احکامِ ضرور یہ سے باز رکھے وہ معصیت ہے، اور جو لایعنی ہو وہ خلافِ اولیٰ ہے، اور جس میں معتد بہ شرعی مصلحت ہو وہ مستثنیٰ ہے۔

اور جب اس کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ متکبرانہ منہ موڑ لیتا ہے، گویا اس نے سنا ہی نہیں، گویا اس کے کانوں میں ثقل (بھاری پن) ہے، پس آپ اس کو ایک دردناک عذاب کی خوش خبری سنائیے ـــــ کیونکہ ایسا شخص نام کا بھی مسلمان نہیں ہوسکتا۔

نیکوکاروں کا انجام: ـــــ اب اشقیاء کے بالمقابل سُعداء (نیکوکاروں) کا اخروی انجام سنیں ـــــ بے شک جو لوگ ایمان لائے، اور انھوں نے نیک کام کئے، ان کے لئے عیش کے باغات ہیں، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، یہ اللہ تعالیٰ نے سچا وعدہ فرمایا ہے، اور وہ زبردست حکمت آشنا ہیں! ـــــ زبردست ہیں: کوئی طاقت ان کو ایفائے وعدہ سے روک نہیں سکتی، حکمت آشنا ہیں: جب وقت آئے گا فوراً وعدہ پورا فرمائیں گے۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۭ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ

كَرِيْمٍ ۝ هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝

خَلَقَ	پیدا کیا	وَبَثَّ	اور پھیلائے	هٰذَا خَلْقُ	یہ بنانا ہے
السَّمٰوٰتِ	آسمانوں کو	فِيْهَا	زمین میں	اللّٰهِ	اللہ کا
بِغَيْرِ عَمَدٍ	ستونوں کے بغیر	مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ	ہر قسم کے جانور	فَاَرُوْنِيْ	پس دکھلاؤ مجھے
تَرَوْنَهَا[1]	دیکھتے ہو تم ان کو	وَاَنْزَلْنَا	اور اتارا ہم نے	مَاذَا	کیا
وَاَلْقٰى	اور ڈالے	مِنَ السَّمَآءِ	آسمان سے	خَلَقَ	بنایا ہے
فِي الْاَرْضِ	زمین میں	مَآءً	پانی	الَّذِيْنَ	جو
رَوَاسِيَ	مضبوط پہاڑ	فَاَنْۢبَتْنَا	پس اگائی ہم نے	مِنْ دُوْنِهٖ	اس سے نیچے ہیں
اَنْ[2]	(کہیں ایسا نہ ہو) کہ	فِيْهَا	زمین میں	بَلِ الظّٰلِمُوْنَ	بلکہ ناانصاف
تَمِيْدَ	ہلنے لگے	مِنْ كُلِّ زَوْجٍ	ہر قسم	فِيْ ضَلٰلٍ	گمراہی میں ہیں
بِكُمْ	تمہارے ساتھ	كَرِيْمٍ	عمدہ	مُّبِيْنٍ	صریح

اللہ کے علاوہ کوئی کسی چیز کا خالق نہیں، پھر شرکاء کہاں سے آگئے!

اب توحید کا مضمون شروع ہوتا ہے، اللہ پاک پوچھتے ہیں: بتاؤ! یہ بلند آسمان کی چھت ستونوں کے بغیر کس نے تانی ہے؟ جس کو لوگ ہر جگہ سے دیکھتے ہیں، زمین میں یہ بھاری پہاڑ کس نے ڈالے ہیں؟ سمندروں کی گہرائی کے مقابلہ میں پہاڑوں کی بلندیاں رکھی ہیں، پہاڑ نہ ہوتے تو بیلنس نہ رہتا، زمین ڈانواڈول ہوتی رہتی، یہ زمین میں بھانت بھانت کے جانور پیدا کر کے کس نے پھیلائے ہیں؟ آسمان سے پانی کون برساتا ہے؟ اور زمین سے ہر قسم کی عمدہ اقسام کون اگاتا ہے؟ —— یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ نے بنائی ہیں، جس کو مشرکین بھی تسلیم کرتے ہیں —— اب دکھاؤ: مشرکوں کے معبودوں نے کیا پیدا کیا ہے؟ —— کچھ بھی نہیں! —— پس جو خالق نہیں وہ معبود کیسے ہو سکتے ہیں؟ جو ان کو معبود بناتے ہیں وہ ظالم (ناانصاف) ہیں، وہ کھلی گمراہی میں ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں: —— اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو بلا ستون بنایا، تم ان کو دیکھتے ہو، اور زمین میں بھاری پہاڑ ڈالے کہ زمین تم کو لے کر ڈانواڈول نہ ہونے لگے، اور اس میں ہر قسم کے جانور

(۱) ترونها: مستقل جملہ ہے دیکھیں ہدایت القرآن سورۃ الرعد آیت ۲ (۲) یہ أن خاص قسم کا ہے: نحات نے اس کو بیان نہیں کیا۔

پھیلائے، اور ہم نے آسمان سے پانی برسایا، پھر زمین میں ہر طرح کی عمدہ اقسام اُگائیں، یہ چیزیں اللہ نے بنائی ہیں، پس مجھے دکھاؤ: کیا پیدا کیا ہے اُن شرکاء نے جو اللہ سے کم رتبہ ہیں؟ بلکہ ظالم صریح گمراہی میں ہیں۔

معبود وہی ہوسکتا ہے جس کے ہاتھ میں پیدا کرنا اور رزق پہنچانا ہے

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۱۲﴾ وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ڼ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۳﴾ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰي وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ۭ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿۱۴﴾ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓي اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۡ وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾

وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	فَاِنَّ اللّٰهَ	تو بے شک اللہ تعالیٰ	بِاللّٰهِ	اللہ کے ساتھ
اٰتَيْنَا	دی ہم نے	غَنِيٌّ	بے نیاز	اِنَّ الشِّرْكَ	بے شک شرک
لُقْمٰنَ	لقمان کو	حَمِيْدٌ	ستودہ ہیں	لَظُلْمٌ	یقیناً ظلم ہے
الْحِكْمَةَ	دانشمندی	وَاِذْ قَالَ	اور جب کہا	عَظِيْمٌ	بڑا بھاری
اَنِ اشْكُرْ(۱)	کہ شکر بجالا	لُقْمٰنُ	لقمان نے	وَوَصَّيْنَا	اور تاکید کی ہم نے
لِلّٰهِ	اللہ کا	لِابْنِهٖ	اپنے بیٹے سے	الْاِنْسَانَ(۲)	انسان کو
وَمَنْ يَّشْكُرْ	اور جو شکر بجالاتا ہے	وَهُوَ	درانحالیکہ وہ	بِوَالِدَيْهِ	اس کے والدین کے بارے میں
فَاِنَّمَا يَشْكُرُ	پس وہ بس شکر بجالاتا ہے	يَعِظُهٗ	اس کو نصیحت کر رہے تھے	حَمَلَتْهُ	اٹھایا اس کو
لِنَفْسِهٖ	اپنے لئے	يٰبُنَيَّ	اے پیارے بیٹے	اُمُّهٗ	اس کی ماں نے
وَمَنْ كَفَرَ	اور جس نے ناشکری کی	لَا تُشْرِكْ	مت شریک ٹھہرا	وَهْنًا	کمزوری سے

(۱) أن تفسیر کے لئے ہے، اور اس پورے رکوع میں (دو آیتوں کے علاوہ) حضرت لقمان کی دانشمندانہ باتیں ہیں (۲) وصیت آگے ہے۔

عَلٰى وَهْنٍ	بالائے کمزوری	تُشْرِكَ	شریک ٹھہرائے تو	وَّاتَّبِعْ	اور پیروی کر
وَّفِصٰلُهٗ	اور اس کا دودھ چھڑانا	بِيْ	میرے ساتھ	سَبِيْلَ	(اس کی) راہ کی
فِيْ عَامَيْنِ	دو سال میں ہے	مَا لَيْسَ	اس چیز کو کہ نہیں	مَنْ اَنَابَ	جو متوجہ ہوا
اَنِ اشْكُرْ لِيْ(۱)	کہ میرا حق مان	لَكَ بِهٖ(۲)	تیرے لئے اسکے بارے میں	اِلَيَّ	میری طرف
وَلِوَالِدَيْكَ	اور اپنے والدین کا	عِلْمٌ	کچھ علم	ثُمَّ اِلَيَّ	پھر میری طرف
اِلَيَّ الْمَصِيْرُ	میری طرف لوٹنا ہے	فَلَا تُطِعْهُمَا	پس نہ کہا مان دونوں کا	مَرْجِعُكُمْ	تمہارا لوٹنا ہے
وَاِنْ	اور اگر	وَصَاحِبْهُمَا	اور ساتھ رہ دونوں کے	فَاُنَبِّئُكُمْ	پس آگاہ کرونگا میں تم کو
جَاهَدٰكَ	دباؤ ڈالیں دونوں تجھ پر	فِي الدُّنْيَا	دنیا میں	بِمَا كُنْتُمْ	اس سے جو تھے تم
عَلٰٓى اَنْ	اس بات کے لئے کہ	مَعْرُوْفًا	دستور کے موافق	تَعْمَلُوْنَ	کرتے

اللہ کی نعمتوں کی شکر گذاری توحید ہے، اور کفران (ناشکری) شرک!

گذشتہ آیت کے آخر میں تھا کہ توحید کو چھوڑ کر شرک اختیار کرنا کھلی گمراہی ہے، اور گذشتہ سے پیوستہ آیت میں اللہ کی چند نعمتوں کا ذکر آیا ہے، اب یہ بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمان کو فہم وبصیرت عطا فرمائی، انھوں نے اپنی دانشمندی سے یہ بات جان لی کہ اللہ کی نعمتوں کا شکر گذار بننا چاہئے، یہی توحید کا تقاضہ ہے —— اور اللہ کی نعمتوں کی شکر گذاری میں اللہ کا کچھ فائدہ نہیں، بندے ہی کا فائدہ ہے، دنیا میں نعمتیں بڑھتی ہیں، اور آخرت میں اجر وثواب ملتا ہے —— اور جو ناشکری کرتا ہے وہ اپنا نقصان کرتا ہے، اس کی نعمتوں میں برکت نہیں ہوتی، اور آخرت میں سخت سزا پاتا ہے —— اللہ تعالیٰ کو کسی کے شکر کی یا ناشکری کی کچھ پرواہ نہیں، وہ تو بے نیاز ستودہ ذات ہے، ساری مخلوق زبان حال سے اس کی تعریف کرتی ہے، کسی کی حمد یا شکر سے اس کے کمالات میں ذرہ بھر اضافہ نہیں ہوتا۔

فائدہ: اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ حضرت لقمانؒ پیغمبر نہیں تھے، کیونکہ رسول وحی سے باتیں بتاتے ہیں، اور حضرت لقمانؒ نے اپنی بصیرت سے حکمت کی باتیں بتائی ہیں، بلکہ وہ ایک پاکباز متقی انسان تھے، جن کو اللہ تعالیٰ نے اعلی درجہ کا فہم عطا فرمایا تھا۔ ان کی حکمت کی باتیں لوگوں میں مشہور ہیں، اور یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ کہاں کے اور کس زمانہ کے تھے، مشہور یہ ہے کہ وہ حبشی تھے، اور حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں تھے۔ واللہ اعلم

آیتِ کریمہ: —— اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ ہم نے لقمان کو دانشمندی عطا فرمائی کہ اللہ کا شکر بجالا! اور جو شخص شکر

(۱) أن: تفسیر کے لئے ہے، یہ وصیت کی تفسیر ہے، اور حملته درمیان میں جملہ معترضہ ہے (۲) به: أي بكونه شريكا۔

بجالاتا ہے وہ اپنے ہی نفع کے لئے شکر بجالاتا ہے، اور جس نے ناشکری کی تو اللہ تعالیٰ بے نیاز خوبیوں والے ہیں

شرک بھاری ظلم ہے

ظلم: کے اصل معنی ہیں: غیر کی ملک میں تصرف کرنا، پس اللہ تعالیٰ ظالم نہیں ہوسکتے، کیونکہ تمام عالم ان کی ملکیت ہے، پھر ظلم کا استعمال حق سے تجاوز کرنے کے لئے ہونے لگا، خواہ تجاوز قلیل ہو یا کثیر، اسی لئے گناہ خواہ کبیرہ ہو یا صغیرہ: دونوں کے لئے اس کا استعمال ہوا ہے، آدم علیہ السلام کو بھی ان کی کوتاہی پر ظالم کہا گیا، اور ابلیس کے حق میں بھی یہی لفظ استعمال کیا گیا، جبکہ دونوں کے ظلموں میں آسمان زمین کا فرق ہے —— اور امام راغب رحمہ اللہ نے بعض حکماء سے نقل کیا ہے کہ ظلم تین طرح کا ہوتا ہے:

اول: وہ ناانصافی جو انسان اللہ تعالیٰ کے حق میں کرتا ہے، یعنی کفر وشرک اور نفاق، اس سے بڑا کوئی ظلم نہیں۔

دوم: وہ ناانصافی جو ایک انسان دوسرے انسان کے حق میں کرتا ہے، ظلم، زیادتی اور ستم اسی معنی میں مستعمل ہیں۔

سوم: وہ ناانصافی جو انسان اپنے ہی حق میں کرتا ہے، یعنی گناہ کرتا ہے، یہ اپنے پیروں پر تیشہ زنی ہے۔

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ شرک میں ملوث مت ہونا، شرک بڑی بھاری ناانصافی ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی حق تلفی ہے، عاجز مخلوق کو قادر خالق کے برابر کردینا کونسی عقلمندی ہے!

آیتِ کریمہ: —— اور (یاد کرو) جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا: بیٹے! اللہ کے ساتھ کسی کو شریک مت کرنا، بے شک شرک بڑا بھاری ظلم ہے۔

اللہ تعالیٰ کے بعد ماں باپ کا حق ہے

حضرت لقمانؒ نے بیٹے کو اللہ کا حق بتلایا، باپ کا حق نہیں بتلایا، کیونکہ اس میں خود غرضی کا شائبہ تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ حضرت لقمان کی نصیحتیں روک کر ماں باپ کا حق بتلاتے ہیں، مگر مقصود دوسری آیت ہے، پہلی آیت تمہید ہے یعنی اگر ماں باپ شرک کے لئے اصرار کریں تو ان کی بات نہ مانی جائے، توحید پر جما رہے، اس طرح یہ آیات بھی موضوع (شرک کی تردید) سے مربوط ہیں۔

اللہ کے حق کے بعد ماں باپ کا حق ہے، ماں کا حق خدمت میں زیادہ ہے، اور باپ کا اطاعت میں، ماں نو ماہ تک بچے کو پیٹ میں اٹھائے رہتی ہے، اور جوں جوں مدتِ حمل بڑھتی ہے کمزوری بڑھتی ہے، کمزوری بالائے کمزوری کا یہ مطلب ہے۔ پھر ولادت کی تکلیف سہتی ہے، پھر دو سال تک دودھ پلاتی ہے، دودھ ماں کے خون سے بنتا ہے، علاوہ ازیں: مختلف تکلیفیں جھیلتی ہے، اپنے آرام کو بچہ کے آرام پر قربان کرتی ہے، اس لئے خدمت میں ماں کا حق زیادہ ہے۔

اور یہ آدھی بات ہے، باپ کی تکلیفوں کا ذکر نہیں کیا، فہم سامع پر اعتماد کر کے چھوڑ دیا، باپ بچہ کی خاطر اپنی پسند کو بالائے طاق رکھ کر دیندار عورت سے نکاح کرتا ہے، پھر جب حمل قرار پاتا ہے تو عورت کی ہر طرح دیکھ بھال کرتا ہے، اور بچہ کی ولادت کا سارا خرچہ برداشت کرتا ہے، پھر جب تک بچہ خود کفیل نہیں ہو جاتا رات دن خون پسینہ ایک کر کے کماتا ہے، اور بچہ کی ضروریات پوری کرتا ہے۔

ان وجوہ سے اللہ کے حق کے بعد ماں باپ کا حق ہے، انسان کو چاہئے کہ پہلے اللہ کی عبادت کرے پھر ماں باپ کی خدمت واطاعت کرے —— اور اللہ کا حق مقدم اس لئے ہے کہ سب کو اللہ کے پاس حاضر ہونا ہے، پس ان کے سامنے کیا منہ لے کر جائے گا: اس کی فکر کرے۔

آیت پاک: —— اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے بارے میں تاکید کی، اس کی ماں نے اس کو پیٹ میں رکھا، کمزوری بالائے کمزوری کے ساتھ، اور دو برس میں اس کا دودھ چھڑانا ہے کہ شکر گذار بن میرا اور اپنے ماں باپ کا، میری طرف لوٹنا ہے۔

مسئلہ: چاروں ائمہ کے نزدیک دودھ چھڑانے کی مدت دو سال ہے، دو سال سے زیادہ دودھ پلانا حرام ہے، احناف کے یہاں بھی فتوی اسی پر ہے، البتہ حرمتِ رضاعت میں فتوی ڈھائی سال پر ہے، تفصیل سورۃ احقاف (آیت ۱۵) میں آئے گی۔

شرک اتنی بری چیز ہے کہ ماں باپ کے مجبور کرنے پر بھی اس کو اختیار نہیں کیا جاسکتا

ماں باپ کا حق بتانے کے بعد اب یہ بات بیان کرتے ہیں کہ شرک بڑا بھاری گناہ ہے، ماں باپ بھی اگر شرک پر مجبور کریں تو ان کی بات ماننا جائز نہیں، البتہ دنیوی معاملات میں ان کے ساتھ سلوک کرنا چاہئے، اور بوقتِ تعارض مؤمنین کا راستہ اپنانا چاہئے، مشرکین کا راستہ اختیار کرنا درست نہیں —— پھر سب کو: ماں باپ اور اولاد کو: اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے، وہاں پتہ چل جائے گا کہ ماں باپ کا اصرار صحیح تھا یا اولاد کا انکار۔

آیتِ کریمہ: —— اور اگر وہ دونوں تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ تو ایسی چیز کو شریک ٹھہرائے، جس کی تیرے پاس کوئی دلیل نہیں تو ان کا کہنا مت مان، اور تو دنیا میں ان کے ساتھ خوبی سے بسر کر، اور اس شخص کی راہ پر چل جو میری طرف متوجہ ہوا، پھر تم کو میرے پاس آنا ہے، پس میں تم کو بتلاؤں گا جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔

يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ۝۱۶ يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ

بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝۱۷ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۝۱۸ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۭ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ۝۱۹ ؑ

يٰبُنَيَّ (۱)	اے میرے پیارے بیٹے	يٰبُنَيَّ	اے میرے پیارے بیٹے	لِلنَّاسِ	لوگوں سے
اِنَّهَآ (۲)	بیشک وہ (اچھی بری بات)	اَقِمِ	اہتمام کر	وَلَا تَمْشِ	اور مت چل
اِنْ تَكُ	اگر ہووہ	الصَّلٰوةَ	نماز کا	فِي الْاَرْضِ	زمین میں
مِثْقَالَ (۳)	برابر	وَاْمُرْ	اور حکم دے	مَرَحًا (۶)	اترا کر
حَبَّةٍ	دانے	بِالْمَعْرُوْفِ	بھلے کاموں کا	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
مِّنْ خَرْدَلٍ (۴)	رائی کے	وَانْهَ	اور روک	لَا يُحِبُّ	پسند نہیں کرتے
فَتَكُنْ	پس ہووہ	عَنِ الْمُنْكَرِ	برے کاموں سے	كُلَّ	ہر
فِيْ صَخْرَةٍ	پتھر میں	وَاصْبِرْ	اور صبر کر	مُخْتَالٍ	اترانے والے
اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ	یا آسمانوں میں	عَلٰى مَآ	اس پر جو	فَخُوْرٍ	شیخی بگھارنے والے کو
اَوْ فِي الْاَرْضِ	یا زمین میں	اَصَابَكَ	تجھے پہنچے	وَاقْصِدْ	اور میانہ رہ
يَاْتِ بِهَا	لائیں گے اس کو	اِنَّ ذٰلِكَ	بے شک یہ بات	فِيْ مَشْيِكَ	اپنی چال میں
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	مِنْ عَزْمِ	پختہ	وَاغْضُضْ	اور پست کر
اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	الْاُمُوْرِ	کاموں سے ہے	مِنْ صَوْتِكَ	اپنی کچھ آواز
لَطِيْفٌ	باریک بیں	وَلَا تُصَعِّرْ (۵)	اور مت ٹیڑھا کر	اِنَّ	بے شک
خَبِيْرٌ	خبردار ہیں	خَدَّكَ	اپنا رخسار	اَنْكَرَ	بری سے بری

(۱) بُنَيَّ: ابن کی تصغیر پیار کے لئے ہے (۲) ها کا مرجع الخصلة الحسنة أو السيئة ہے، آگے مؤنث ضمیروں کا بھی یہی مرجع ہے (۳) مثقال: ہم وزن، جمع مثاقیل (۴) خردل: رائی، سرسوں، ذراسی مقدار (۵) صَعَّرَ خَدَّہ: غرور و تکبر سے رخسار کو ٹیڑھا کرنا، صَعِرَ (س) صَعَرًا: گردن یا منہ کا ٹیڑھا ہونا۔ (٦) مَرَحًا: اسم فعل: اکڑ کر، اترا کر، حال ہے۔

اَلۡاَصۡوَاتِ	آوازیں	لَصَوۡتُ	البتہ آواز ہے	الۡحَمِيۡرِ[1]	گدھوں کی

عقائد، اعمال اور اخلاقِ حسنہ جو ایک مسلمان میں ہونے چاہئیں

حضرت لقمانؒ نے بیٹے کو نصیحت کی کہ شرک سے کنارہ کش رہنا، یعنی توحید پر جمے رہنا، ایک اللہ کو معبود ماننا کسی اور سے لو نہ لگانا، پھر انھوں نے توحید کے تقاضے سمجھائے، وہ عقائد، اعمال اور اخلاق بتائے جو ایک مسلمان میں ہونے چاہئیں۔

عقیدہ: اللہ تعالیٰ کے بارے میں عقیدہ یہ رکھنا چاہئے کہ ان کو کائنات کے ذرہ ذرہ کا علم ہے، کوئی ادنی بات ان کے علم سے باہر نہیں، اور وہ ہر چیز پر قادر ہیں، ان کی قدرت کامل ہے، مثلاً: اچھا برا عمل خواہ رائی کے دانہ کے برابر ہو، پھر خواہ وہ کسی سخت چٹان میں، یا آسمانوں کی بلندی پر، یا زمین کی گہرائی میں ہو: اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو لا حاضر کریں گے، پس آدمی ہزار پردوں میں جو کام کرتا ہے وہ بھی اللہ کے سامنے ہے، فرمایا: —— **بیٹے! اگر کوئی عمل رائی کے دانہ کے برابر ہو، پھر وہ کسی پتھر یا آسمانوں یا زمین میں ہو تو بھی اس کو اللہ تعالیٰ حاضر کریں گے، بے شک اللہ تعالیٰ باریک بیں باخبر ہیں۔**

تین اعمال: ایک: نماز کا اہتمام کرنا، کیونکہ نماز دین کا بنیادی ستون ہے۔ دوم: لوگوں کی اصلاح کی فکر کرنا، بھلی باتوں کا حکم دینا اور بری باتوں سے روکنا۔ سوم: سختیوں سے گھبرا کر ہمت نہ ہارنا، حوصلہ مندی سے کام لینا، زندگی میں اتار چڑھاؤ ہوتا رہتا ہے، شدائد پیش آئیں تو جی نہ چھوڑے، فرمایا: —— **بیٹے! نماز پڑھا کر، اور اچھے کاموں کا حکم دیا کر، اور برے کاموں سے روکا کر، اور تجھ پر جو مصیبت آئے اس پر صبر کیا کر، بے شک یہ (تینوں کام) ہمت کے کاموں میں سے ہیں۔**

چار اخلاقِ حسنہ: ایک: لوگوں سے خندہ پیشانی سے ملنا، ان سے روگردانی نہ کرنا دوم: خاکساری اختیار کرنا، اترا کر نہ چلنا سوم: میانہ چال چلنا، نہ دوڑنا نہ خراماں خراماں چلنا چہارم: بےضرورت حد سے زیادہ نہ چلاّنا، فرمایا: —— **اور لوگوں سے اپنا چہرہ مت پھیر، اور زمین میں اترا کر مت چل، بے شک اللہ تعالیٰ کسی بھی تکبر کرنے والے، شیخی بگھارنے والے کو پسند نہیں کرتے، اور میانہ روی اختیار کر، اور اپنی آواز کو پست رکھ، بے شک سب سے بری آواز گدھوں کی آواز ہے!** ——

گدھے ناراض نہ ہوں وہ یہ نہ سوچیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کہیں کا نہ رکھا! یہ حضرت لقمانؒ کا قول ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے نقل کیا ہے، جیسے: ﴿إِنَّ كَيۡدَكُنَّ عَظِيۡمٌ﴾: بے شک تمہاری (عورتوں کی) چالاکیاں بھی غضب کی ہوتی ہیں! [یوسف ۲۸] یہ عزیز مصر کا قول ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے۔

بہت زور سے بولنے میں بسا اوقات آدمی کی آواز بے ڈھنگی اور بے سُری ہو جاتی ہے

(۱) حمیر: حمار کی جمع ہے۔

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ۭ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝۲۰ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝۲۱ وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۭ وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝۲۲ وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ۭ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۲۳ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۝۲۴

اَلَمْ تَرَوْا	کیا نہیں دیکھا تم نے	وَمِنَ النَّاسِ	اور بعض لوگ	اللّٰهُ	اللہ نے
اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ تعالیٰ نے	مَنْ يُّجَادِلُ	جو جھگڑتے ہیں	قَالُوْا	کہا انھوں نے
سَخَّرَ	بیگار میں لگایا ہے	فِي اللّٰهِ	اللہ میں (توحید میں)	بَلْ نَتَّبِعُ	(نہیں) بلکہ پیروی
لَكُمْ	تمہارے لئے جو کچھ	بِغَيْرِ عِلْمٍ	نادانی سے		کرتے ہیں ہم
مَّا فِي السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں ہے	وَّلَا هُدًى	اور راہ نمائی کے بغیر	مَا وَجَدْنَا	جو پایا ہم نے
وَمَا	اور جو کچھ	وَّلَا كِتٰبٍ	اور کتاب کے بغیر	عَلَيْهِ	اس پر
فِي الْاَرْضِ	زمین میں ہے	مُّنِيْرٍ	روشن کرنے والی	اٰبَآءَنَا	ہمارے اسلاف کو
وَاَسْبَغَ (۱)	اور کامل کی ہیں	وَاِذَا	اور جب	اَوَلَوْ كَانَ (۲)	کیا اگرچہ ہو
عَلَيْكُمْ	تم پر	قِيْلَ	کہا گیا	الشَّيْطٰنُ	شیطان
نِعَمَهٗ	اپنی نعمتیں	لَهُمُ	ان سے	يَدْعُوْهُمْ	بلاتا ان کو
ظَاهِرَةً	کھلی	اتَّبِعُوْا	پیروی کرو	اِلٰى عَذَابِ	عذاب کی طرف
وَّبَاطِنَةً	اور چھپی	مَآ اَنْزَلَ	(اس کی) جو اتارا	السَّعِيْرِ	دوزخ کے

(۱) إسباغ: کامل کرنا، پورا کرنا۔ (۲) لو: وصلیہ ہے۔

وَمَنْ يُّسْلِمْ[1]	اور جس نے جھکایا	عَاقِبَةُ	انجام ہے	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
وَجْهَهٗٓ	اپنا چہرہ	الْاُمُوْرِ	کاموں کا	عَلِيْمٌۢ	خوب جانتے ہیں
اِلَى اللّٰهِ	اللہ کی طرف	وَمَنْ كَفَرَ	اور جس نے انکار کیا	بِذَاتِ الصُّدُوْرِ	سینوں کی باتوں کو
وَهُوَ مُحْسِنٌ	درانحالیکہ وہ نیکوکار ہے	فَلَا يَحْزُنْكَ	پس نہ غمگین کرے آپ کو	نُمَتِّعُهُمْ	فائدہ اٹھانے دے
فَقَدِ	پس بالتحقیق	كُفْرُهٗ	اس کا انکار کرنا		رہے ہیں ان کو
اسْتَمْسَكَ	مضبوط پکڑا اس نے	اِلَيْنَا	ہماری طرف	قَلِيْلًا	تھوڑا سا
بِالْعُرْوَةِ	کڑا	مَرْجِعُهُمْ	ان کا لوٹنا ہے	ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ	پھر مجبور کریں گے ہم ان کو
الْوُثْقٰى	مضبوط	فَنُنَبِّئُهُمْ	پس بتلائیں گے ہم ان کو	اِلٰى عَذَابٍ	عذاب کی طرف
وَاِلَى اللّٰهِ	اور اللہ کی طرف	بِمَا عَمِلُوْا	جو کچھ کیا انھوں نے	غَلِيْظٍ	گاڑھا (بھاری)

اللہ تعالیٰ نے اپنا احسان وانعام یاد دلا کر توحید کی طرف متوجہ کیا

اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کی تمام چیزیں انسان کی مصلحت کے لئے بنائی ہیں، سورۃ البقرۃ (آیت ۲۹) میں ہے: ’’اللہ نے تمہارے فائدے کے لئے وہ سب کچھ پیدا کیا جو زمین میں ہے، پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا، پس ان کے درست سات آسمان بنائے‘‘ چنانچہ آسمان وزمین کی کل مخلوق انسان کے کام میں لگی ہوئی ہے، پھر یہ کیونکر زیبا ہے کہ انسان اللہ کی بندگی اور اطاعت میں نہ لگے:

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک درکارند ❁ تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار ❁ شرطِ انصاف نباشد کہ تو فرماں نبری

بادل، ہوا، چاند، سورج اور آسمان کام میں لگے ہوئے ہیں ÷ تاکہ تو ایک روٹی ہاتھ میں لائے اور غفلت سے نہ کھائے

سب مخلوق تیرے لئے حیران اور فرمان بردار ہے ÷ انصاف کی بات نہیں کہ تو فرمان بردار نہ ہوے

ارشاد فرماتے ہیں: —— کیا نہیں دیکھا تم نے کہ اللہ تعالیٰ نے کام میں لگا رکھی ہیں وہ چیزیں جو آسمانوں میں ہیں، اور جو زمین میں ہیں، اور اس نے تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کر رکھی ہیں؟ —— ظاہری نعمتیں وہ ہیں جو حواس سے مدرک ہوں، اور باطنی وہ ہیں جو عقل سے مدرک ہوں، اور مراد وہ نعمتیں ہیں جو تسخیر ارض وسماء پر مرتب ہوتی ہیں (بیان القرآن)

(۱) إسلام: تابعدار ہونا، سرافگندہ ہونا۔

توحید میں اختلاف محض بے دلیل اور آباء کی اندھی تقلید ہے

اللہ تعالیٰ کے انعام واحسان کے باوجود بعض لوگ اللہ کی وحدانیت میں جھگڑتے ہیں، اور بے سند جھگڑتے ہیں، نہ کوئی علمی اور عقلی دلیل ان کے پاس ہے، نہ کسی ہادی کی ہدایت، نہ کسی روشن (آسمانی) کتاب کا حوالہ، محض باپ دادوں کی اندھی تقلید ہے۔ارشادفرماتے ہیں ـــــ اور بعض لوگ اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں اپنی نادانی سے، کسی راہ نمائی اور روشن کتاب کے بغیر ـــــ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اُس وحی کی پیروی کرو جو اللہ نے نازل فرمائی ہے، تو کہتے ہیں: ہم اس طریقہ کی پیروی کرتے ہیں جس پر ہم نے اپنے اسلاف کو پایا ہے ـــــ تردید: ـــــ کیا اگرچہ شیطان ان کو اللہ کے عذاب کی طرف بلا رہا ہو؟ ـــــ یعنی اگر تمہارے باپ دادا گمراہ ہوں، دوزخ کی راہ چل رہے ہوں، تب بھی تم ان کے پیچھے چلوگے؟ اور جہاں وہ پہنچیں گے وہیں پہنچو گے؟ اندھی تقلید جائز نہیں، جس طرح مشرکین کرتے ہیں، البتہ بصیرت کے ساتھ تقلید ضروری ہے، جس طرح ائمہ اربعہ کی کی جاتی ہے۔

موحد اور مشرک کا انجام

سچا مسلمان جس نے اخلاص کے ساتھ نیکی کا راستہ اختیار کیا، اور اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کردیا: اس نے مضبوط حلقہ تھام لیا، وہ گرنے سے اور چوٹ کھانے سے محفوظ ہو گیا، اس کا انجام بخیر ہوگا ـــــ اور منکرین کا انجام آگے آرہا ہے، پہلے مسلمانوں کو یہ بات بتلائی ہے کہ تم ان کے انکار وتکذیب کی پرواہ مت کرو، ان کو ہمارے ہی پاس آنا ہے، اس وقت ان کا کچا چٹھا ان کے سامنے رکھ دیا جائے گا، وہ کسی جرم کو اللہ سے چھپا نہ سکیں گے، اللہ تعالیٰ کو سب رازہائے نہفتہ معلوم ہیں۔

منکرین کا انجام: منکرین کو چند دن کی مہلت ہے، وہ چند دن عیش کرلیں، پھر مہلت ختم ہوتے ہی کشاں کشاں سخت سزا (دوزخ) میں کھنچے چلے آئیں گے، وہ دوزخ سے بچ کر کہیں بھاگ نہیں سکتے، ارشادفرماتے ہیں: ـــــ اور جو شخص اپنا چہرہ اللہ کے سامنے جھکادے اور وہ مخلص بھی ہو ـــــ منافق نہ ہو ـــــ تو اس نے بڑا مضبوط کڑا پکڑلیا، اور اللہ ہی کی طرف سب کاموں کا انجام لوٹے گا ـــــ پس اللہ تعالیٰ اس کا انجام درست کردیں گے۔

اور جس نے انکار کیا تو آپ اُس کے انکار کا غم نہ کریں، ہماری ہی طرف ان کو لوٹنا ہے، پس ہم ان کو بتلائیں گے جو وہ کیا کرتے تھے ـــــ اس وقت سب کیا ان کے سامنے آجائے گا ـــــ بے شک اللہ تعالیٰ کو دلوں کی سب باتیں خوب معلوم ہیں ـــــ وہ کسی جرم کو اللہ سے چھپا نہ سکیں گے۔

ہم ان کو چند دن عیش کرنے دے رہے ہیں، پھر ان کو کشاں کشاں سخت عذاب کی طرف لے آئیں گے ـــــ مجال ہے کہ وہ چھوٹ کر بھاگ جائیں!

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۭ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۶﴾ وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۷﴾ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۲۸﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۡ كُلٌّ يَّجْرِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۳۰﴾

وَلَئِنْ	اور بخدا! اگر	لَا يَعْلَمُوْنَ	جانتے نہیں	اَقْلَامٌ	قلمیں ہوں
سَاَلْتَهُمْ	آپ ان سے پوچھیں:	لِلّٰهِ	اللہ کے لئے ہے	وَّالْبَحْرُ	اور سمندر:
مَّنْ خَلَقَ	کس نے پیدا کئے	مَا فِي السَّمٰوٰتِ	جو آسمانوں میں ہے	يَمُدُّهٗ(۲)	بڑھائیں اس کو
السَّمٰوٰتِ	آسمان	وَالْاَرْضِ	اور زمین میں ہے	مِنْۢ بَعْدِهٖ	اس کے بعد
وَالْاَرْضَ	اور زمین؟	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	سَبْعَةُ	سات
لَيَقُوْلُنَّ	(تو) ضرور کہیں وہ	هُوَ	ہی	اَبْحُرٍ	سمندر
اللّٰهُ	اللہ نے	الْغَنِيُّ	بے نیاز	مَّا نَفِدَتْ	نہیں ختم ہونگی
قُلِ	کہو:	الْحَمِيْدُ	خوبیوں والے ہیں	كَلِمٰتُ	باتیں
الْحَمْدُ	تمام تعریفیں	وَلَوْ اَنَّ(۱)	اور اگر یہ بات ہو کہ	اللّٰهِ	اللہ کی
لِلّٰهِ	اللہ کے لئے ہیں	مَا فِي الْاَرْضِ	جو زمین میں ہے	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
بَلْ اَكْثَرُهُمْ	بلکہ ان کے اکثر	مِنْ شَجَرَةٍ	درختوں سے	عَزِيْزٌ	زبردست

(۱) لو: شرطیہ، أن: حرف مشبہ بالفعل، ما فی الأرض: اسم، من شجرة: ما: کا بیان، أقلام: خبر، ما نفدت: لو کا جواب۔ (۲) مَدَّ الشیئَ: کسی چیز میں اضافہ کرنا، بڑھانا، جیسے مَدَّ النُّهَيْرُ النَّهْرَ: چھوٹی نہر نے دریا کو بڑھایا جملہ یمده: البحر کی صفت ہے

حَكِيْمٌ	حکمت والے ہیں	فِي النَّهَارِ	دن میں	خَبِيْرٌ	پوری طرح باخبر ہیں
مَا خَلْقُكُمْ	نہیں ہے تمہارا پیدا کرنا	وَيُوْلِجُ	اور داخل کرتے ہیں	ذٰلِكَ	یہ سب
وَلَا بَعْثُكُمْ	اور نہ تمہارا دوبارہ زندہ ہونا	النَّهَارَ	دن کو	بِاَنَّ اللّٰهَ	بایں وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ
اِلَّا كَنَفْسٍ	مگر جیسے شخص	فِي الَّيْلِ	رات میں	هُوَ الْحَقُّ	ہی برحق ہیں
وَّاحِدَةٍ	ایک کا	وَسَخَّرَ	اور کام میں لگایا ہے	وَاَنَّ مَا	اور یہ کہ جن کو
اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	الشَّمْسَ	سورج	يَدْعُوْنَ	پکارتے ہیں وہ
سَمِيْعٌ	سب کچھ سننے والے	وَالْقَمَرَ	اور چاند کو	مِنْ دُوْنِهِ	اللہ سے ورے
بَصِيْرٌ	ہر چیز دیکھنے والے ہیں	كُلٌّ يَّجْرِيْ	ہر ایک چل رہا ہے	الْبَاطِلُ	بے بنیاد ہیں
اَلَمْ تَرَ	کیا نہیں دیکھا تو نے	اِلٰى اَجَلٍ	مدت تک	وَاَنَّ اللّٰهَ	اور یہ کہ اللہ تعالیٰ
اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ تعالیٰ	مُّسَمًّى	مقررہ	هُوَ الْعَلِيُّ	ہی برتر
يُوْلِجُ	داخل کرتے ہیں	وَّاَنَّ اللّٰهَ (۱)	اور یہ کہ اللہ تعالیٰ	الْكَبِيْرُ	سب سے بڑے ہیں
الَّيْلَ	رات کو	بِمَا تَعْمَلُوْنَ	ان کاموں سے جو تم کرتے ہو	۞	۞

اللہ تعالیٰ ہی برحق معبود ہیں، باقی سب بے بنیاد ہیں

کائنات کے خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہیں، ان کا علم بے انتہا ہے، اور وہ کائنات کی تجدید کریں گے: اس لئے وہی معبود ہیں

کائنات کے خالق اللہ تعالیٰ ہیں: —— اور اگر آپ ان (مشرکین) سے پوچھیں کہ کس نے پیدا کئے ہیں آسمان اور زمین؟ تو وہ ضرور کہیں گے اللہ نے! کہو: تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، مگر ان کے اکثر جانتے نہیں —— یعنی تم اعتراف کرتے ہو کہ آسمان وزمین اللہ نے پیدا کئے ہیں، جو اہر کے خالق تمہارے نزدیک بھی اللہ تعالیٰ ہیں، پھر اب کونسی خوبی رہ گئی جو ان کی ذات میں نہیں؟ اور معبود ہونا سب سے بڑی خوبی ہے، پس وہ بھی ان ہی کے لئے ہے، بات صاف ہے، مگر بہت لوگ سمجھتے نہیں۔

کائنات کے مالک اللہ تعالیٰ ہیں: —— اللہ ہی کی ملکیت ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے، بے شک اللہ تعالیٰ

(۱) وأن الله کا پہلے أن الله پر عطف ہے، اور یہ بھی ألم تر کے تحت داخل ہے۔

بے نیاز خوبیوں والے ہیں ــــ یعنی آسمان وزمین اوران میں جو چیزیں ہیں: سب اللہ کی مملوک ہیں، کوئی دوسرا مالک نہیں، اورسب چیزیں وجوداورتوابع وجود میں ان کی محتاج ہیں، اور وہ کسی کے محتاج نہیں، ان کا کوئی کمال کسی سے مستفاد نہیں، وہ بالذات خوبیوں کے مالک ہیں، پھر انہیں کسی کی کیا پرواہ ہوسکتی ہے!

اللہ تعالیٰ کا علم بے انتہا ہے: ــــ اور اگر یہ بات ہو کہ جو درخت زمین میں ہیں سب قلم بن جائیں، اور سمندر: بڑھائیں اس کو اس کے بعد سات سمندر اور: تو بھی اللہ تعالیٰ کی باتیں نہ نمٹیں، بے شک اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والے ہیں ــــ یعنی تمام درختوں کو تراش کر قلم بنالیں، اور موجودہ سمندر سیاہی بن جائیں، پھر سات سمندر اور اس کی کمک کو آجائیں، اور لکھنے والے لکھنا شروع کریں تو سیاہی ختم ہوجائے گی، مگر اللہ کی باتیں پوری نہ ہوں گی ــــ جس کا علم اتنا وسیع ہے، اس کے لئے کائنات کو سنبھالنا کیا مشکل ہے؟ وہ زبردست ہیں، حکمت کے تقاضوں کے موافق کائنات کو چلا رہے ہیں۔

کائنات دوبارہ پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کے لئے آسان ہے: ــــ نہیں ہے تمہارا (پہلی بار) پیدا کرنا، اور تمہارا دوبارہ پیدا ہونا مگر ایک شخص (کے پیدا کرنے) کی طرح، بے شک اللہ تعالیٰ خوب سننے والے، سب کچھ دیکھنے والے ہیں ــــ یعنی سارے جہاں کا پہلی بار پیدا کرنا، اسی طرح دوسری مرتبہ پیدا کرنا: ایک آدمی کے پیدا کرنے کی طرح ہے، اللہ تعالیٰ کے لئے دونوں برابر ہیں، ان کی قدرت کے سامنے یکساں ہیں ــــ پھر دوبارہ پیدا ہونے کے بعد سب کا رتی رتی کا حساب ہوگا، اس میں بھی اس کو کوئی دقّت نہ ہوگی، وہ سب اقوال سنتے ہیں اور سب افعال دیکھتے ہیں، کوئی ادنی بات ان سے پوشیدہ نہیں!

اللہ تعالیٰ کائنات کی تجدید کریں گے: ــــ یہ کائنات ایک مقررہ وقت تک چلے گی، پھر ختم کردی جائے گی، پھر یہی کائنات دوبارہ پیدا کی جائے گی، اور اس کی نظیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ وقت کو اِدھر اُدھر کرتے ہیں، کبھی رات بڑھ جاتی ہے کبھی دن، اسی طرح کائنات در کائنات کا عمل ہوگا۔ ارشاد فرماتے ہیں: ــــ کیا دیکھتا نہیں کہ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں داخل کرتے ہیں، اور دن کو رات میں داخل کرتے ہیں؟ ــــ اسی طرح ایک کائنات کو دوسری کائنات سے بدل دینا ان کے لئے کچھ مشکل نہیں ــــ اور کام میں لگایا ہے سورج اور چاندکو، ہر ایک مقررہ وقت تک چلے گا ــــ پھر یہ نظام رک جائے گا، اور نیا نظام شروع ہوگا ــــ اور (کیا نہیں دیکھتا) کہ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کی پوری خبر رکھتے ہیں؟ ــــ پس ان کو کائنات کی تجدید کے بعد حساب کتاب میں کیا دشواری ہوگی!

مذکورہ شئون وصفات والی ہستی ہی معبود ہے: ــــ یہ بات ــــ یعنی معبود ہونا ــــ بایں وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ

برحق ہیں ـــــ ان کا وجود اور ان کی صفات وشئون واقعی ہیں ـــــ اور جن کو لوگ اللہ سے وَرے پوجتے ہیں وہ بے بنیاد ہیں، اور اللہ تعالیٰ ہی عالی شان بڑے ہیں ـــــ پس بندوں کی عبادت (پستی اور تذلّل) اسی کے لئے ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِىْ فِى الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۱﴾ وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۲﴾

اَلَمْ تَرَ	کیا نہیں دیکھا	شَكُوْرٍ	شکر گذار کے لئے	نَجّٰىهُمْ	نجات دیتے ہیں ان کو
اَنَّ الْفُلْكَ	کہ کشتی	وَاِذَا	اور جب	اِلَى الْبَرِّ	خشکی کی طرف
تَجْرِىْ	چلتی ہے	غَشِيَهُمْ	ڈھانکتی ہے ان کو	فَمِنْهُمْ	تو بعض ان میں سے
فِى الْبَحْرِ	سمندر میں	مَّوْجٌ	موج	مُّقْتَصِدٌ (۲)	سیدھے راستہ پر قائم
بِنِعْمَتِ	فضل سے	كَالظُّلَلِ (۱)	سایوں کی طرح		رہنے والے ہیں
اللّٰهِ	اللہ کے	دَعَوُا	پکارتے ہیں وہ	وَمَا يَجْحَدُ	اور نہیں انکار کرتا
لِيُرِيَكُمْ	تاکہ دکھائے تم کو	اللّٰهَ	اللہ کو	بِاٰيٰتِنَآ	ہماری نشانیوں کا
مِّنْ اٰيٰتِهٖ	اپنی نشانیوں سے	مُخْلِصِيْنَ	خالص کر کے	اِلَّا كُلُّ	مگر ہر
اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ	بے شک اس میں	لَهُ	اس کے لئے	خَتَّارٍ (۳)	عہد شکن
لَاٰيٰتٍ	یقیناً نشانیاں ہیں	الدِّيْنَ	دین (بندگی) کو	كَفُوْرٍ	حق نہ ماننے والا
لِّكُلِّ صَبَّارٍ	ہر صبر شعار	فَلَمَّا	پس جب	❁	❁

توحید فطرت کی آواز ہے، کشتی جب سمندر میں جھکولے کھاتی ہے تو اللہ ہی کو پکارتے ہیں

سمندر کی طوفانی موجوں میں گھر کر مشرک بھی اخلاص کے ساتھ اللہ کو پکارتا ہے، معلوم ہوا کہ یہ فطرت کی آواز ہے، مگر

(۱) ظُلَل: ظل کی جمع: سایہ (۲) مقتصد: اسم فاعل، اقتصد فی الأمر: کسی کام میں میانہ روی اختیار کرنا، نہ غلو کرنا نہ کوتاہی (۳) ختار: اسم مبالغہ، خَتَرَ (ن) فلانا: سخت بے وفائی کرنا، زبردست دھوکہ دینا۔

جب اللہ تعالیٰ طوفان سے نکال کر خشکی پر لے آتے ہیں تو کتنے کی دم ٹیڑھی! کچھ ہی لوگ راہ اعتدال پر قائم رہتے ہیں۔

ارشاد فرماتے ہیں: —— کیا تو دیکھا نہیں کہ اللہ کے فضل سے کشتی سمندر میں چلتی ہے، تاکہ تم کو اپنی کچھ نشانیاں دکھائے، بے شک اس میں ہر صبر شعار شکر گذار کے لئے نشانیاں ہیں —— یہ آگے کی تمہید ہے —— اور جب ان کو موجیں سائبانوں کی طرح گھیر لیتی ہیں تو وہ خالص اعتقاد سے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں —— اس وقت جھوٹے سہارے یاد نہیں آتے —— پھر جب ان کو نجات دے کر خشکی میں لے آتا ہے تو بعض سیدھی راہ پر قائم رہتے ہیں، اور ہماری آیتوں کا انکار ہر بدعہد ناشکرا ہی کرتا ہے —— کشتی میں جو توحید کا عہد کیا تھا اس کو توڑ دیتا ہے، اور خشکی میں آنے کا مقتضا شکر تھا اس کو چھوڑ دیتا ہے!

يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۡ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْئًا ؕ إِنَّ وَعْدَ اللهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ٝ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللهِ الْغَرُوْرُ ﴿۳۳﴾ إِنَّ اللهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ ؕ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ إِنَّ اللهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۳۴﴾

ع ۴

يَاأَيُّهَا النَّاسُ	اے لوگو!	وَالِدٌ	باپ	إِنَّ	بے شک
اتَّقُوْا	ڈرو	عَنْ وَّلَدِهٖ	اپنی اولاد کی طرف سے	وَعْدَ اللهِ	اللہ کا وعدہ
رَبَّكُمْ	اپنے پروردگار سے	وَلَا مَوْلُوْدٌ	اور نہ اولاد	حَقٌّ	برحق ہے
وَاخْشَوْا(۱)	اور ڈرو	هُوَ جَازٍ(۳)	وہ بدلہ دینے والی ہے	فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ	پس نہ دھوکہ دے تم کو
يَوْمًا	اس دن سے	عَنْ وَّالِدِهٖ	اپنے باپ کی طرف سے	الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا	دنیا کی زندگی
لَّا يَجْزِيْ(۲)	(کہ) نہیں بدلہ دے گا	شَيْئًا	کچھ بھی	وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ	اور نہ دھوکہ دے تم کو

(۱) تقوی اور خشیت ایک ہیں، پس یہ تفنن ہے (۲) جملہ لایجزی: یوما کی صفت ہے (۳) ھو: ضمیر فصل مبتدا خبر کے درمیان آئی ہے، اس سے حصر پیدا ہوا ہے، اور جازٍ: قاضٍ کی طرح اسم ناقص ہے، حالت رفعی میں ی گرتی ہے، اور شیئا: مفعول بہ ہے۔

بِاللّٰهِ[1]	اللہ کے بارے میں	الْغَيْثَ	بارش	وَمَا تَدْرِیْ	اور نہیں جانتا
الْغَرُوْرُ	بڑا دھوکہ باز	وَيَعْلَمُ	اور جانتے ہیں	نَفْسٌ	کوئی شخص
اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	مَا فِی الْاَرْحَامِ	جو بچہ دانیوں میں ہے	بِاَیِّ اَرْضٍ	کس زمین میں
عِنْدَهٗ	ان کے پاس	وَمَا تَدْرِیْ	اور نہیں جانتا	تَمُوْتُ	مرے گا
عِلْمُ	علم ہے	نَفْسٌ	کوئی شخص	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
السَّاعَةِ	قیامت کا	مَّاذَا تَكْسِبُ	کیا کرے گا	عَلِيْمٌ	سب کچھ جاننے والے
وَيُنَزِّلُ	اور اتارتے ہیں	غَدًا	آئندہ کل	خَبِيْرٌ	ہر چیز سے باخبر ہیں

آفات وبلیات میں اقرباء ہمدردی کر سکتے ہیں، مگر قیامت کے بھونچال میں کوئی کسی کی ہمدردی نہیں کر سکے گا

سمندری طوفان کے وقت جہاز کے مسافروں میں سخت افراتفری کا عالم ہوتا ہے، ہر ایک پر اپنی جان بچانے کی فکر سوار ہوتی ہے، تاہم ماں باپ اولاد سے اور اولاد ماں باپ سے بالکل غافل نہیں ہوتی، ایک دوسرے کو بچانے کی فکر کرتا ہے، بلکہ کبھی ماں باپ بچہ کی مصیبت سر لینے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں ـــــ لیکن ایک ہولناک اور ہوش رُبا دن آنے والا ہے، جب ہر طرف نفسی نفسی ہوگی، اولاد اور والدین میں سے کوئی دوسرے کی مصیبت اپنے سر لینے کے لئے تیار نہیں ہوگا، اور تیار ہو بھی جائے تو اس کا موقع نہیں ہوگا، اپنی کرنی اپنی بھرنی کا قانون نافذ ہوگا ـــــ پس آدمی کو چاہئے کہ اللہ سے ڈرے، اس کے احکام کی خلاف ورزی نہ کرے، اور قیامت کے دن غضب الٰہی سے بچنے کا سامان کرے، دنیا کی چند روزہ بہار سے دھوکہ نہ کھائے، یہ چہل پہل ہمیشہ اسی طرح نہیں رہے گی، اور دغاباز شیطان کے فریب سے بھی ہوشیار رہے، وہ اللہ کا نام لے کر دھوکہ دے گا، کہے گا: اللہ غفور رحیم ہیں، بے شک! مگر ان کی پکڑ بھی سخت ہے اور کہے گا: بوڑھے ہو کر اکٹھی توبہ کر لینا، اللہ بخش دیں گے، بے شک! مگر موت کا وقت کس کو معلوم ہے! بڑھاپا آئے گا بھی یا نہیں؟ کون جانتا ہے؟ وہ یہ بھی کہے گا کہ تقدیر میں جنت لکھی ہے تو جنت میں ضرور جاؤ گے اور دوزخ لکھی ہے تو کسی طرح اس سے بچ نہیں سکتے، پھر کا ہے کو دنیا کا مزہ چھوڑا! ـــــ حالانکہ تقدیر گول مول نہیں، کھول کر لکھا گیا ہے کہ جو یہ کرے گا جنت میں جائے گا اور جو برے کام کرے گا دوزخ میں جائے گا، جیسے رزق کو اسباب کے ساتھ جوڑا ہے، اسی لئے ہر شخص اسباب زرق اختیار کرتا ہے، اسی طرح جنت وجہنم کو بھی اعمال کے ساتھ جوڑا ہے اور اعمال میں گونہ بندے کا اختیار ہے پس اپنے اختیار سے اچھے

(۱) باللہ: یغرنکم سے متعلق ہے۔

اعمال کرو اور برے اعمال سے بچو۔ خام خیالی میں مبتلا نہ رہو، وقت پر جو کچھ کر سکتے ہو کرلو۔

آیتِ کریمہ: —— لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو —— یہ عام حکم ہے، پھر خاص حکم ہے —— اور اس دن سے (بھی) ڈرو جس میں نہ کوئی باپ اپنی اولاد کی طرف سے کوئی مطالبہ ادا کر سکے گا، اور نہ ہی کوئی بیٹا اپنے باپ کی طرف سے کچھ مطالبہ اداء کر سکے گا —— پہلا جملہ سادہ ہے، اس میں حصر نہیں، اور دوسرے جملہ میں تاکید ہے، اس میں ضمیر فصل لاکر حصر کیا ہے، اس لئے کہ اولاد کو حکم ہے کہ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کریں، مگر اس کا دائرہ اس دنیا تک ہے، قیامت کے دن کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا، اس لئے تاکید کے ساتھ فرمایا کہ اولاد بھی ماں باپ کی طرف سے کوئی مطالبہ ادا نہیں کر سکے گی —— اللہ کا وعدہ بالکل سچا ہے —— قیامت آکر رہے گی —— پس تمہیں دنیوی زندگانی ہرگز دھوکہ میں نہ ڈالے —— یہ چار دن کی چاندی ہے، پھر آگے اندھیری رات ہے —— اور تمہیں ہرگز دھوکہ میں نہ ڈالے اللہ کا نام لے کر بڑا دھوکہ باز! —— یعنی ملعون شیطان!

قیامت کب آئے گی؟ یہ بات اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں

قیامت آکر رہے گی! کب آئے گی؟ اس کا علم اللہ کے پاس ہے، نہ معلوم یہ کارخانہ کب توڑ پھوڑ کر برابر کر دیا جائے! آدمی دنیا کے باغ و بہار اور تر و تازگی پر ریجھتا ہے، مگر نہیں جانتا کہ زمین کی ساری رونق بارش کی وجہ سے ہے، سال دو سال بارش نہ برسے تو ہر طرف خاک اڑنے لگے، نہ سامانِ معیشت رہیں نہ اسبابِ راحت، چنانچہ فرمایا: ﴿وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ﴾: اللہ تعالیٰ بارش برساتے ہیں —— اور شیطان انسان کو یہ دھوکہ دیتا ہے کہ تقدیر میں اگر جنت لکھی ہے تو خواہ کتنے ہی گناہ کرے گا جنت میں پہنچ جائے گا، اور دوزخ لکھی ہے تو اس میں پہنچ کر رہے گا، پس تقدیر پر بھروسہ کیوں نہیں کرتا؟ اس لئے فرمایا: ﴿وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ﴾: جو کچھ بچہ دانیوں میں ہے اس کو اللہ تعالیٰ جانتے ہیں، اور حدیث میں ہے کہ جب حمل مکمل ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتہ کو چار باتیں لکھنے کا حکم دیتے ہیں، ان میں ایک بات یہ ہے کہ بچہ نیک بخت ہوگا یا بد بخت؟ اس کو اللہ ہی جانتے ہیں، پس بغیر جانے اس پر اعتماد کرنا کونسی عقلمندی کی بات ہے؟ پھر جس طرح روزی: اسباب کے ساتھ جوڑی گئی ہے: جنت وجہنم کو بھی اعمال کے ساتھ جوڑا ہے۔

اور شیطان انسان کو یہ چکمہ بھی دیتا ہے کہ ابھی بہت دن جینا ہے، چند دن مزے اڑالے، پھر توبہ کر لینا، سب گناہ دُھل جائیں گے، اس لئے فرمایا: ﴿وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا﴾: کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا، بلکہ 'کل' کس نے دیکھا ہے؟ کسی کو کل کی خبر نہیں، پس کل کل کرنا نفس کو دھوکہ دینا ہے۔

نیز آدمی یہ بھی سوچتا ہے کہ مرنے سے پہلے توبہ کر لوں گا، پس فرمایا: ﴿وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوْتُ﴾: کسی کو

نہیں معلوم کہ کس سرزمین میں کس وقت مرے گا؟ پس موت کے انتظار میں توبہ کو مؤخر کرنا کونسی عقلمندی ہے؟

پس آیت کے سب اجزاء باہم مربوط ہیں، اور غیب کی باتیں چار میں منحصر نہیں، غیوب بے شمار ہیں، اور حدیث میں ان چار کو مفاتیح الغیب: غیب کی چابیاں کہا گیا ہے، چابی سے دروازہ کھولو، اندر بے شمار غیوب ہیں۔

آیتِ کریمہ: —— بے شک اللہ ہی کو قیامت کی خبر ہے، اور وہ مینہ برساتے ہیں، اور وہ جانتے ہیں جو کچھ بچہ دانیوں میں ہے، اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا، اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس سرزمین میں مرے گا، بے شک اللہ تعالیٰ سب باتوں کو جانتے ہیں، پوری طرح باخبر ہیں۔

فائدہ: پہلے جملہ میں حرف تاکید اور تقدیم وتاخیر ہے، اس لئے اس میں حصر ہے، باقی جملے سادہ ہیں، ان میں حصر نہیں، اسی لئے ان کو 'غیب کی چابیاں' کہا گیا، غیب نہیں کہا گیا، غیوب ان کے پیچھے ہیں، جیسے بارش ہوگی یا نہیں ہوگی؟ اور ہوگی تو کہاں ہوگی اور کتنی ہوگی؟ اور بابرکت ہوگی یا بے برکت ہوگی؟ اس طرح کی بہت سی باتیں اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔

سوال (۱): اب محکمۂ موسمیات بتادیتا ہے کہ فلاں دن فلاں جگہ بارش ہوگی۔

جواب: جب مانسون (بارانی ہوا) چلتی ہے تب محکمۂ موسمیات بتاتا ہے، وہ ہوا کی رفتار اور رخ دیکھ کر بتاتا ہے، اور بارہا اس کی پیشین گوئی صحیح ثابت نہیں ہوتی، ہوا کا رخ بدل جاتا ہے، اور اسباب کے وجود میں آنے کے بعد بتانا کچھ مشکل نہیں، جیسے جب تک بخار نہ چڑھے تھرمامیٹر نہیں بتاسکتا کہ بخار آئے گا یا نہیں؟ اور ٹمپریچر کیا ہوگا؟ اور اللہ تعالیٰ ازل سے جانتے ہیں کہ بارش ہوگی یا نہیں؟ اور کہاں ہوگی اور کتنی ہوگی؟

سوال (۲): اسکین مشین بتادیتی ہے کہ پیٹ میں لڑکا ہے یا نہیں۔

جواب: آیت میں ما ہے، مَن نہیں، ما: غیر ذوی العقول کے لئے ہے، اس کے دائرہ میں اوصاف آتے ہیں، اور مَن: ذوی العقول کے لئے ہے، اس کے دائرہ میں جنس آتی ہے، حمل جب ما کے مرحلہ میں ہوتا ہے تو کوئی نہیں جانتا کہ یہ حمل رکے گا یا گرے گا؟ اور رکے گا تو زندہ پیدا ہوگا یا مردہ؟ کالا ہوگا یا گورا؟ صحت مند ہوگا یا اپاہج؟ نیک بخت ہوگا یا بدبخت؟ لمبی زندگی پائے گا یا مختصر؟ اس کی روزی کیا ہوگی؟ وہ کہاں رہے گا؟ اور کہاں مرے گا۔ یہ سب باتیں اللہ تعالیٰ اسی وقت سے جانتے ہیں جب وہ 'چیز' ہوتا ہے، پھر جب جنس بن گیا، اور مَن کے مرحلہ میں داخل ہوگیا، اور مشین نے بتادیا کہ لڑکا ہے یا لڑکی؟ تو مشین نے کیا کمال کردیا!

﴿الحمد للہ! سورۃ لقمان کی تفسیر پوری ہوئی﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ السجدۃ

نمبر شمار ۳۲ نزول کا نمبر ۷۵ نزول کی نوعیت: مکی آیات ۳۰ رکوع: ۳

یہ سورت مکی دور کی آخری سورتوں میں سے ہے، اس کے نزول کا نمبر ۷۵ ہے، اس میں آیت سجدہ ہے، اس لئے اس کا نام سورۃ السجدۃ ہے، ایک دوسری سجدہ والی سورت پارہ ۲۴ کے آخر میں ہے، اس کو اس سورت سے ممتاز کرنے کے لئے حٰمٓ السجدة کہتے ہیں، اور اس کو مطلق سورۃ السجدۃ — اس سورت کی فضیلت میں متعدد روایات آئی ہیں، مگر ان کی اسنادی حالت مجہول ہے، البتہ صحیح حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ جمعہ کے دن فجر کی نماز کی پہلی رکعت میں یہ سورت پڑھتے تھے، و کفی به فضیلةً! — اب ائمہ بھی یہ سورت اور سورۃ الدہر پڑھتے ہیں، مگر رواں پڑھتے ہیں، کیونکہ یہ دو سورتیں دوسرے دنوں کی قراءت سے زیادہ ہو جاتی ہیں، اس لئے لوگوں کے لئے قراءت بھاری ہو جاتی ہے اور دورِ نبوی میں دوسرے دنوں کی قراءت سے کم ہوتی تھیں، پس اگر ایک جمعہ میں یہ سورت دو رکعتوں میں اور دوسرے جمعہ میں سورۃ الدہر دو رکعتوں میں پڑھیں تو اس میں بھی کچھ حرج نہیں، سنت ادا ہو جائے گی۔

اس سورت کا موضوع قرآنِ کریم ہے، پوری سورت میں یہی مضمون ہے، سب سے پہلے قرآن کی حقانیت اور اس کے نزول کا مقصد بیان کیا ہے، پھر اس کو دو دلیلوں سے ثابت کیا ہے: (۱) اللہ تعالیٰ رب العالمین ہیں، لوگوں کی روحانی تربیت کے لئے ہدایت بھیجنا ضروری ہے (۲) انسان اشرف المخلوقات ہے، اس کی روح کا بھی ایک تقاضہ ہے، اس کی تکمیل کے لئے قرآن نازل کیا گیا ہے، پھر منکرین قرآن کا حال و مآل بیان کیا ہے، اور اس کے بالمقابل مؤمنین کا حال و مآل بیان کیا ہے، پھر دونوں میں موازنہ کیا ہے کہ ایمان دار اور بے ایمان برابر نہیں ہو سکتے، پھر فرمایا ہے کہ منکرینِ قرآن کو آخرت کے بڑے عذاب سے پہلے دنیا میں بھی سزا مل سکتی ہے — اس کے بعد اہم مضمون ہے کہ قرآنِ کریم تمام جہانوں کے لئے راہ نما کتاب ہے، اور اس کی نشر و اشاعت علمائے کرام کی ذمہ داری ہے، ضمناً یہ بات بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو تورات کیوں دی؟ اور علماء کی ذمہ داری کیا ہے؟ اور پیشوائی کا مقام کب مل سکتا ہے؟

پھر یہ بات ہے کہ منکرینِ قرآن کو آخرت میں سزا ملے گی، اور دنیا میں بھی مل سکتی ہے، اور آخری مضمون یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم کے ذریعہ مردہ دلوں کو زندہ کرتے ہیں، جیسے بارش سے مردہ زمین زندہ ہو جاتی ہے، اور بالکل آخری آیتوں میں یہ ہدایت ہے کہ ضد و عناد کا جواب بے رخی برتنا ہے، جوابِ جاہلاں باشد خموشی!

اٰیاتھا ۳۰ (۳۲) سُوْرَةُ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ (۷۵) رکوعاتھا ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ﴿١﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿٣﴾

بِسْمِ	بنام	فِيْهِ	اس میں	مِنْ رَّبِّكَ	آپ کے رب کی طرف سے
اللّٰهِ	خدا	مِنْ رَّبِّ	رب کی طرف سے	لِتُنْذِرَ	تاکہ ڈرائیں آپ
الرَّحْمٰنِ	بے حد مہربان	الْعٰلَمِيْنَ	جہانوں کے	قَوْمًا	ایسے لوگوں کو
الرَّحِيْمِ	بڑے رحم والے	اَمْ يَقُوْلُوْنَ	کیا کہتے ہیں منکر:	مَّآ اَتٰىهُمْ (۳)	جن کے پاس نہیں آیا
الٓمّٓ	الف، لام، میم	افْتَرٰىهُ	گھڑ کر اس کو اللہ کے نام لگایا ہے اس نے	مِّنْ نَّذِيْرٍ	کوئی ڈرانے والا
تَنْزِيْلُ (۱)	اتارنا			مِّنْ قَبْلِكَ	آپ سے پہلے
الْكِتٰبِ	کتاب کا	بَلْ هُوَ	(نہیں) بلکہ وہ	لَعَلَّهُمْ	شاید وہ
لَا رَيْبَ	کچھ شک نہیں	الْحَقُّ (۲)	برحق ہے	يَهْتَدُوْنَ	راہ پائیں

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

قرآن کی حقانیت اور اس کے نزول کی غرض

پروردگارِ عالم نے انسان کو وجود بخشا اور اس کی راہ نمائی کی، مادی ضرورت پوری کرنے کے لئے عقل دی اور روحانی راہ نمائی کے لئے نبوت کا سلسلہ قائم کیا، آسمان سے کتابیں نازل فرمائیں، پھر دورِ آخر میں اپنا کلام (قرآنِ کریم) نازل کیا، تاکہ لوگ راہ یاب ہوں، اور اپنی آخرت کو سنواریں۔

(۱) تنزیل الکتاب (مرکب اضافی) مبتدا، جملہ لاریب فیه: پہلی خبر، اور ضمیر کا مرجع تنزیل، من رب العالمین: دوسری خبر اور لاریب فیه: مستقل جملہ بھی ہوسکتا ہے، جس کو خبر پر مقدم کیا ہے، اب ضمیر کا مرجع الکتاب بھی ہوسکتا ہے (۲) الحق: پہلی خبر، اور من ربك: دوسری خبر (۳) جملہ ما أتھم: قوما کی صفت۔

الف، لام، میم ـــــ ان حروف کے معانی اللہ تعالیٰ جانتے ہیں ـــــ کتاب (قرآن) کا نازل کرنا، اس میں کچھ شک نہیں، جہانوں کے پالنہار کی طرف سے ہے ـــــ یعنی بے شک وشبہ قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کا نازل کیا ہوا ہے یا قرآن میں انگلی رکھنے کی جگہ نہیں، اس میں کھٹک، شبہ اور اعتراض کی کوئی بات نہیں، پس یہ دلیل ہے کہ یہ انسانی تصنیف نہیں، ورنہ ضرور اس میں ایسی ویسی بات ہوتی ـــــ اور یہ کلام پاک اللہ تعالیٰ نے اس لئے نازل کیا ہے کہ وہ سارے جہانوں کے پروردگار ہیں، اور ربّ وہ ہوتا ہے جس میں تین باتیں ہوں: اول: وہ کسی چیز کو نیست سے ہست کرے، عدم سے وجود میں لائے۔ دوم: وہ اس کے بقاء کا سامان کرے، تاکہ مخلوق بجلی کی طرح کوند کر ختم نہ ہوجائے۔ سوم: اس مخلوق کو بتدریج بڑھا کر منتہائے کمال تک پہنچائے ـــــ اور انسان کی دو ضرورتیں ہیں: مادی اور روحانی، مادی ضرورتوں کی کفیل عقل انسانی ہے، اور روحانی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے اللہ نے اپنی کتابیں نازل کی ہیں، اس کے لئے عقل کافی نہیں، ورنہ مذہبیات میں انسانوں میں اختلاف نہ ہوتا۔

کیا وہ (منکر) کہتے ہیں: اس نے (محمد ﷺ نے) اس کو (قرآنِ کریم کو) خود گھڑ کر اللہ کے نام لگایا ہے! ـــــ (نہیں) بلکہ وہ برحق کتاب ہے، آپؐ کے پروردگار کی طرف سے، تاکہ آپؐ ان لوگوں کو نتائج اعمال سے آگاہ کریں، جن کے پاس آپؐ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا، شاید وہ لوگ راہ پر آجائیں ـــــ یہ کتاب نازل کرنے کی غرض کا بیان ہے، عربوں میں اسماعیل علیہ السلام کے بعد کوئی نبی نہیں آئے تھے، اس لئے گمراہی گھٹاٹوپ ہوگئی تھی، پس ضروری ہوا کہ اللہ کی عظیم کتاب نازل ہو جو عربوں کے لئے، پھر ان کے واسطے سے دوسروں کے لئے ہدایت کا سامان فراہم کرے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ؕ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا شَفِیْعٍ ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴﴾ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿۵﴾ ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۶﴾

اَللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	خَلَقَ	پیدا کیا	وَالْاَرْضَ	اور زمین کو
الَّذِیْ	جنھوں نے	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں کو	وَمَا بَیْنَهُمَا	اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے

فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ[1]	چھ دنوں میں	يُدَبِّرُ	انتظام کرتا ہے	مِّمَّا تَعُدُّوْنَ	ان دنوں سے جن
ثُمَّ اسْتَوٰى	پھر قائم ہوا	الْاَمْرَ	معاملہ کا		کو تم گنتے ہو
عَلَى الْعَرْشِ	تختِ شاہی پر	مِنَ السَّمَآءِ	آسمان سے	ذٰلِكَ	یہ اللہ تعالیٰ
مَا لَكُمْ	نہیں ہے تمہارے لئے	اِلَى الْاَرْضِ	زمین تک	عٰلِمُ	جاننے والے ہیں
مِّنْ دُوْنِهٖ	اس سے وَرے	ثُمَّ يَعْرُجُ[2]	پھر چڑھتا ہے (معاملہ)	الْغَيْبِ	چھپے
مِنْ وَّلِيٍّ	کوئی کارساز	اِلَيْهِ	اس کی طرف	وَالشَّهَادَةِ	اور کھلے کے
وَّلَا شَفِيْعٍ	اور نہ کوئی سفارشی	فِيْ يَوْمٍ	ایک ایسے دن میں	الْعَزِيْزُ	زبردست ہیں
اَفَلَا	کیا پس نہیں	كَانَ مِقْدَارُهٗٓ	جس کا اندازہ	الرَّحِيْمُ	نہایت مہربان
تَتَذَكَّرُوْنَ	دھیان کرتے تم	اَلْفَ سَنَةٍ	ہزار سال ہے	❁	❁

عرش سے فرش تک اللہ تعالیٰ کا انتظام ہے، پس وہی رب العالمین ہیں

عرش سے فرش تک اللہ تعالیٰ کا انتظام ہے، پس وہی ربّ العالمین ہیں، اور اس انتظام میں انسان کی روحانی تربیت بھی شامل ہے، اور اسی مقصد سے قرآنِ کریم نازل کیا گیا ہے۔ ارشاد پاک ہے: ـــــ اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور دونوں کے درمیان کی چیزوں کو چھ دنوں میں ـــــ اللہ تعالیٰ نے کائنات کو یکدم نہیں بنایا، لمبے زمانوں میں بنایا ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ربّ ہیں، اور رب: مخلوقات کو بہ تدریج منتہائے کمال تک پہنچاتا ہے ـــــ پھر وہ تختِ شاہی پر قائم ہوئے ـــــ یعنی اپنی پیدا کی ہوئی کائنات کا کنٹرول سنبھالا ـــــ تخت نشیں ہونا محاورہ ہے، کہتے ہیں: فلاں بادشاہ مرا، اس کا بیٹا تخت نشیں ہوا یعنی اس نے ملک کا کنٹرول سنبھالا، یہاں تخت شاہی ماننا ہوگا، اور اس کے ساتھ نئے بادشاہ کا تعلق بھی ماننا ہوگا، مگر تخت اس کا مکان نہیں ہوگا کہ ہر وقت اس پر بیٹھا رہے ـــــ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا بھی عرش ہے، قرآن میں جگہ جگہ اس کا ذکر ہے، اور عرش کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا تعلق بھی ہے، قرآن میں سات جگہ یہ بات آئی ہے، مگر عرش اللہ کا مکان نہیں، زمان و مکان مخلوق ہیں، اور خالق: مخلوق میں نہیں ہوسکتا، ورنہ سوال ہوگا کہ تخلیقِ عرش سے پہلے اللہ تعالیٰ کہاں تھے؟ علم کلام کی کتابوں میں ہے: لایَتَمَکَّنُ فی مکان، ولا یَجْرِیْ علیه زمان: اللہ تعالیٰ زمانی ہیں نہ مکانی۔

(۱) یوم سے معروف دن مرادنہیں، بلکہ لمبا زمانہ مراد ہے أی فی بُرْهَةٍ متطاولةٍ من الزمان (روح) کیونکہ تخلیق ارض وسماء کے وقت معروف ایام نہیں تھے، اور چھ دنوں کی مقدار مراد لینا بے دلیل ہے، یوم کا لفظ مطلق زمانہ کے لئے آتا ہے، جیسے: ایام اللہ (ابراہیم آیت ۵) (۲) یعرج کی ضمیر کا مرجع الأمر ہے۔

اور اللہ کا تختِ شاہی پر قائم ہونا: مشرکین کی تردید ہے، مشرکین نے کائنات کے حصے کئے ہیں، اور ہر حصہ کا خدا الگ تجویز کیا ہے، بارش کا خدا الگ، ہوا کا الگ، دولت کا الگ، قرآن اس کی تردید کرتا ہے، وہ کہتا ہے: پوری کائنات کا کنٹرول اللہ تعالیٰ نے سنبھال رکھا ہے، تختِ شاہی پر وہی قائم ہیں، ساتوں آیتوں کو سیاق وسباق کے ساتھ پڑھیں تو یہ بات واضح ہے، اور بیچ سے ایک ٹکڑا الگ کرلیں تو غلط فہمی ہوگی۔

آگے فرماتے ہیں ـــــ تمہارے لئے اللہ سے نیچے نہ کوئی کارساز ہے نہ کوئی سفارش کرنے والا ـــــ یعنی اللہ کی اجازت کے بغیر، کیونکہ آخرت میں بہ اذنِ الٰہی سفارشیں ہونگی (آیت الکرسی) اور ملائکہ: مؤمنین کے کارساز بھی ہیں (حٰمٓ السجدۃ ۳۱) مگر وہ بہ اختیارِ خود کچھ نہیں کرسکتے، اس لئے آیت میں دونوں باتوں کی نفی کی ہے ـــــ کیا پس تم سمجھتے نہیں! ـــــ تم نے کارسازی اور سفارش کی بنیاد پر آلہہ کیوں تجویز کرر کھے ہیں؟

اللہ تعالیٰ معاملہ کا انتظام کرتے ہیں آسمان سے لے کر زمین تک ـــــ یعنی پوری کائنات کا ـــــ پھر وہ معاملہ ان کے حضور میں پہنچ جاتا ہے ایک ایسے دن میں جس کی مقدار ہزار سال ہے، تمہاری گنتی کے اعتبار سے ـــــ یعنی بڑے کاموں اور اہم انتظامات سے متعلق عرشِ عظیم سے مقرر ہوکر نیچے حکم اترتا ہے، سب اسبابِ حسّی ومعنوی، ظاہری وباطنی، آسمان وزمین سے جمع ہوکر اس کے انصرام میں لگ جاتے ہیں، وہ کام اور انتظام اللہ کی مشیت وحکمت سے مدتوں جاری رہتا ہے، پھر زمانہ دراز کے بعد اٹھ جاتا ہے، اس وقت اللہ کی طرف سے دوسرا رنگ اترتا ہے، جیسے بڑے بڑے پیغمبر جن کا اثر قرنوں رہا، یا کسی بڑی قوم میں سرداری جو نسلوں تک چلی، وہ ہزار برس اللہ کے ہاں ایک دن ہے (موضح بحوالہ فوائد)

اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہزار سال کے انتظامات وتدابیر فرشتوں کو القاء کرتا ہے، اور یہ اس کے ہاں ایک دن ہے، پھر فرشتے جب فارغ ہوجاتے ہیں تو آئندہ ہزار سال کے انتظامات القاء فرمادیتا ہے، یہی سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا (فوائد) دیگر تفاسیر کے لئے فوائد شبیری دیکھیں۔

سوال: اتنا بڑا انتظام اللہ تعالیٰ اکیلے کیسے کرسکتے ہیں؟

جواب: ـــــ وہ پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے زبردست نہایت مہربان ہیں ـــــ یعنی انسان کے لئے بعض چیزیں پوشیدہ ہوتی ہیں، اللہ کے لئے کوئی چیز پوشیدہ نہیں، انسان ضعیف ہے اور اللہ تعالیٰ زبردست ہیں، اس لئے انسان ملک کا انتظام اکیلا نہیں کرسکتا، اللہ تعالیٰ کرسکتے ہیں ـــــ پھر وہ انتظام میں مہربانی کو ترجیح دیتے ہیں، ان کی مہربانی ان کی ناراضگی پر غالب ہے، ورنہ کائنات پنپ نہ سکتی، سورۃ الفاطر کی آخری آیت ہے: ”اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں پر ان کے اعمال کے سبب (فوراً) داروگیر فرمانے لگتا تو روئے زمین پر ایک متنفس کو نہ چھوڑتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو ایک میعادِ معین تک

مہلت دے رکھی ہے"

الَّذِیْٓ اَحْسَنَ کُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ ۝ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۚ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝

الَّذِیْٓ (۱)	جس نے	ثُمَّ جَعَلَ	پھر بنائی	مِنْ رُّوْحِهٖ	اپنی روح سے
اَحْسَنَ	اچھا کیا	نَسْلَهٗ	اس کی نسل (اولاد)	وَجَعَلَ	اور بنائے
کُلَّ شَیْءٍ	ہر چیز کو	مِنْ سُلٰلَةٍ	ایک جوہر سے	لَكُمُ	تمہارے لئے
خَلَقَهٗ (۲)	بنایا اس کو	مِّنْ مَّآءٍ (۳)	پانی سے	السَّمْعَ	کان
وَبَدَاَ	اور شروع کی	مَّهِیْنٍ	بے قدر	وَالْاَبْصَارَ	اور آنکھیں
خَلْقَ	پیدائش	ثُمَّ	پھر	وَالْاَفْـِٕدَةَ	اور دل
الْاِنْسَانِ	انسان کی	سَوّٰىهُ	ٹھیک کیا اس کو	قَلِیْلًا مَّا	بہت ہی کم
مِنْ طِیْنٍ	مٹی سے	وَنَفَخَ فِیْهِ	اور پھونکی اس میں	تَشْكُرُوْنَ	شکر کرتے ہو تم

انسان اشرف المخلوقات ہے، اس لئے اس کی روح کا بھی ایک تقاضہ ہے

موضوع قرآن چل رہا ہے، انسان اشرف المخلوقات ہے، اللہ نے اس کو غیر معمولی صلاحیتوں سے نوازا ہے، دیگر حیوانات میں صرف جسم کے تقاضے ہیں، اور انسان میں جسم کے بھی تقاضے ہیں اور روح کے بھی، جسم کے تقاضے پورے کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق کو عقل دی ہے، اس سے وہ اپنی دنیوی ضرورت پوری کرتی ہے، اور انسان کی روح کی تربیت کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم نازل کیا ہے، پس انسان پر لازم ہے کہ وہ اس نعمت کا شکر بجالائے، اس کو اللہ کی کتاب مانے اور اس کے احکام پر عمل کرے، مگر انسان کا حال یہ ہے کہ بہت کم بندے اس نعمت کا شکر بجالاتے ہیں۔

ارشاد فرماتے ہیں: —— اللہ نے جو چیز بنائی خوب بنائی، اللہ نے (خود) اس کو بنایا —— یعنی کوئی چیز غیر موزون نہیں بنائی، ہر چیز کو جیسا ہونا چاہئے ویسا ہی بنایا، کیونکہ اللہ نے خود اس کو بنایا ہے، پھر اللہ کے بنانے میں کیا کمی رہ سکتی ہے؟ ——

(۱) الذی: ماقبل کی صفت ہے یا مبتدا محذوف کی خبر ہے (۲) خَلَقَ (لام کا زبر) فعل ماضی ہے، اور جملہ کل کی یا شیئ کی صفت ہے اور اس میں ضمیر پوشیدہ ہے (۳) من ماء مهين: بدل ہے بہ اعادۂ حرف جر۔

اور انسان کی پیدائش مٹی سے شروع کی —— انسان کے جد امجد آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا —— پھر اس کی نسل ایک جوہر سے بے قدر پانی سے بنائی —— آدم علیہ السلام کی نسل کو بھی مٹی سے بنایا ہے، مگر مختلف مراحل سے گذار کر، مٹی سے غذا اگتی ہے، انسان اس کو کھاتا ہے پس بدن میں خون بنتا ہے، یہ مٹی کا جوہر ہے، پھر خون مادّہ بنتا ہے، یہ بے قدر پانی ہے —— پھر اس کو ٹھیک کیا —— نطفہ: خونِ بستہ بنتا ہے، پھر خونِ بستہ: گوشت کی بوٹی بنتا ہے، پھر اس میں ہڈیاں بنتی ہیں، پھر باقی گوشت ہڈیوں پر تقسیم کر کے چڑھایا جاتا ہے —— اور اس میں اپنی روح پھونکی —— یعنی جب جسم ٹھیک بن گیا تو اس میں معزز و مبارک روح پھونکی، روح کی اللہ کی طرف اضافت تشریف (مرتبہ بڑھانے) کے لئے ہے، جیسے بیت اللہ (اللہ کا گھر) اور ناقۃ اللہ (اللہ کی اونٹنی) اس طرح اشرف المخلوقات انسان وجود میں آگیا —— اور تمہارے لئے کان آنکھیں اور دل بنائے —— یعنی فہم وبصیرت کا سامان کیا، اور وہ آسمان وزمین کے قلابے ملانے لگا، اسی علمی صلاحیت سے وہ اشرف المخلوقات بنا، پس چاہئے کہ وہ اس نعمت کا شکر بجالائے، مگر —— تم لوگ بہت ہی کم شکر کرتے ہو! —— اللہ کی ہدایت کو قبول نہیں کرتے، اور اللہ کی نعمت قرآنِ کریم پر ایمان نہیں لاتے!

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۬ؕ بَلْ هُمْ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ۝۱۰ قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ۝۱۱

وَقَالُوْٓا	اور کہا انھوں نے	بَلْ هُمْ	بلکہ وہ	الْمَوْتِ	موت کا
ءَاِذَا	کیا جب	بِلِقَآئِ	ملاقات کا	الَّذِيْ	جو
ضَلَلْنَا	ہم رَل گئے	رَبِّهِمْ	اپنے ربّ کی	وُكِّلَ	مقرر کیا گیا ہے
فِي الْاَرْضِ	زمین میں	كٰفِرُوْنَ	انکار کرنے والے ہیں	بِكُمْ	تمہارے ساتھ
ءَاِنَّا	کیا بے شک ہم	قُلْ	کہو	ثُمَّ	پھر
لَفِيْ خَلْقٍ	البتہ پیدائش میں ہونگے	يَتَوَفّٰىكُمْ	وصول کرتا ہے تم کو	اِلٰى رَبِّكُمْ	اپنے رب کی طرف
جَدِيْدٍ	نئی	مَّلَكُ	فرشتہ	تُرْجَعُوْنَ	لوٹائے جاؤ گے تم

قرآنِ کریم نے آخرت کی خبر دی تو منکرین کو بڑا تعجب ہوا

ناشکرے بندے جو قرآن کا انکار کرتے ہیں جب قرآن نے ان کو آخرت کی خبر دی تو ان کو بڑا تعجب ہوا —— اور

انھوں نے کہا: کیا جب ہم زمین میں رَل مل جائیں گے تو ہم نئے جنم میں ہونگے؟ —— حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو پہلی مرتبہ زمین ہی سے پیدا کیا ہے، جبکہ وہ زمین میں رَلے ملے تھے: پھر ان کے لئے دوسری مرتبہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے! منکرین دنیا کی زندگی کو تو مانتے ہیں، پھر آخرت کی زندگی پر تعجب کیوں ہے؟

پہلا جواب: —— بلکہ وہ لوگ اپنے ربّ سے ملنے کے منکر ہیں —— یعنی زمین میں رَل مل جانے کے بعد دوبارہ پیدا کرنا تو اللہ تعالیٰ کے لئے کچھ مشکل نہیں، درحقیقت جو لوگ آخرت کو نہیں مانتے وہ دیدارِ خداوندی کے منکر ہیں، وہ اللہ سے ملنا ہی نہیں چاہتے، کیونکہ دیدارِ خداوندی اس دنیا میں تو ممکن نہیں، آخرت میں ہوگا۔

دوسرا جواب: —— کہو: تمہاری جان قبض کرتا ہے موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے —— یعنی مر کر بھی لوگ مرتے نہیں، روح مرتی نہیں مرگ بدن سے، بلکہ موت کا فرشتہ اس کو وصول کر کے لے جاتا ہے، اور بدن جو مٹی سے بنا تھا مٹی کے حوالے کر دیا جاتا ہے، پھر جب دوبارہ بدن مٹی سے بنے گا تو روح اس میں واپس آئے گی —— پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے —— اور اچھے برے اعمال کے نتائج سے ملاقات کرو گے۔

انسان محض بدن کا نام نہیں کہ خاک میں رَل مل گئے تو ختم ہو گئے،
بلکہ انسان جان کا نام ہے جس کو موت کا فرشتہ لے جاتا ہے

وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ رَبَّنَاۤ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۳﴾ فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

وَلَوْ تَرٰۤى	اور اگر دیکھتا تو	الْمُجْرِمُوْنَ	مجرم لوگ	رُءُوْسِهِمْ	اپنے سر
اِذِ	جب	نَاكِسُوْا (۱)	اوندھے کرنے والے ہونگے	عِنْدَ رَبِّهِمْ	اپنے رب کے سامنے

(۱) ناکسوا: اسم فاعل ہے، اصل ناکسون تھا، اضافت کی وجہ سے نون گرا ہے، پھر واو جمع کے واو کے مشابہ ہو گیا اس لئے الف لکھ دیا۔ نَكَسَ رأسَه: سر اوندھا کرنا، سرنگوں ہونا۔

رَبَّنَآ	اے ہمارے ربّ!	هُدٰىهَا	اس کی ہدایت	بِمَا نَسِيْتُمْ (٣)	تمہارے بھولنے کی وجہ سے
اَبْصَرْنَا	دیکھ لیا ہم نے	وَلٰكِنْ	لیکن	لِقَآءَ	ملاقات کو
وَسَمِعْنَا	اور سن لیا ہم نے	حَقَّ	ثابت ہوئی	يَوْمِكُمْ	تمہارے دن کی
فَارْجِعْنَا	پس پھیر دیجئے ہمیں	الْقَوْلُ	بات	هٰذَا	اس
نَعْمَلْ	کریں ہم	مِنِّيْ	میری طرف سے	اِنَّا (٤)	بے شک ہم
صَالِحًا	نیک کام	لَاَمْلَئَنَّ	ضرور بھروں گا میں	نَسِيْنٰكُمْ	بھلا دیں گے تم کو
اِنَّا	بے شک ہم	جَهَنَّمَ	جہنم کو	وَذُوْقُوْا	اور چکھو
مُوْقِنُوْنَ (١)	یقین کرنے والے ہیں	مِنَ الْجِنَّةِ (٢)	جنات سے	عَذَابَ	سزا
وَلَوْ شِئْنَا	اور اگر چاہتے ہم	وَالنَّاسِ	اور انسانوں سے	الْخُلْدِ	سدا کی
لَاٰتَيْنَا	(تو) ضرور دیتے ہم	اَجْمَعِيْنَ	اکٹھے (سب سے)	بِمَا كُنْتُمْ	اس کے بدلے جو تھے تم
كُلَّ نَفْسٍ	ہر شخص کو	فَذُوْقُوْا	پس چکھو تم	تَعْمَلُوْنَ	کرتے

قرآن کا انکار کرنے والوں کا حال و مآل

جو لوگ قرآن کو نہیں مانتے، اور اس کی ہدایت سے فائدہ نہیں اٹھاتے، ان مجرموں کا آخرت میں کیا انجام ہوگا؟ اور دنیا میں ان کا کیا حال ہے؟ —— اور (کیسا ہولناک منظر ہوگا) اگر تو دیکھے جب مجرم سرنگوں ہونگے اپنے رب کے سامنے (کہتے ہونگے:) اے ہمارے پروردگار! ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا، پس ہمیں (دنیا کی طرف) لوٹا دے تاکہ ہم نیک کام کریں، ہمیں یقین آگیا —— یعنی آج کے سربرآوردہ مجرم کل کو محشر میں ندامت سے سرنگوں ہونگے، کہیں گے: ہمارے کان اور آنکھیں کھل گئیں، قرآن نے جو خبر دی تھی اس کا مشاہدہ کر لیا، اب ایک مرتبہ پھر دنیا میں بھیج دیجئے، پھر دیکھیے ہم کیسے نیک کام کر کے آتے ہیں —— جواب دوسری جگہ آیا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں، کیونکہ محشر کا منظر یاد ہوتے ہوئے دنیا کی طرف لوٹائے جائیں گے یا بھلا کر؟ بصورتِ اول امتحان کہاں رہا؟ ایمان بالغیب ضروری ہے۔ اور بصورت ثانی کتے کی دم نلکی سے ٹیڑھی نکلے گی، پھر وہی اغوائے شیطانی اور شرارتیں ہونگی، وَمَن جَرَّبَ الْمُجَرَّبَ فقد نَدِمَ: آزمائے ہوئے کو بار بار آزمانا بے فائدہ ہے۔

(۱) یہاں لو تمنی کا جواب لرأیتَ أمرا فظیعا محذوف ہے: تو بڑا گھبرا دینے والا منظر دیکھتا! (۲) الجنة: الجن کی جمع ہے: جنات کی جماعت (۳) ما مصدریہ ہے (۴) إنا نسینا کم: مستقل جملہ ہے۔

سوال: دیگر مخلوقات کی طرح انسانوں کو بھی ہدایت کی راہ پر کیوں نہیں ڈالا؟

جواب: ــــ اور اگر ہمیں منظور ہوتا تو ہم ہر شخص کو اس کی راہ دکھا دیتے ــــ یعنی اللہ تعالیٰ کو قدرت تھی کہ تمام آدمیوں کی ایسی فطرت بناتے کہ وہ راہِ ہدایت پر قائم رہتے، مگر ایسا کرنا اللہ کی حکمت کے خلاف تھا، اللہ کی حکمت نے چاہا کہ انسان کو جزوی اختیار دیا جائے، پھر دیکھا جائے کہ کون بہترین عمل کر کے جنت کا حقدار بنتا ہے: ﴿وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ﴾: اللہ کی مہربانی کا حقدار بننے ہی کے لئے انسانوں کو پیدا کیا ہے (ہود آیت ۱۰۹) مگر لوگ ہیں کہ بھلا برا سوچے بغیر جہنم کی طرف بگ ٹٹ دوڑے جا رہے ہیں، ارشاد فرماتے ہیں: ــــ لیکن میری یہ بات واقعہ بن گئی کہ میں ضرور جہنم کو جنات اور انسانوں سے اکٹھے بھروں گا ــــ دونوں ایک ہی جہنم میں ڈالے جائیں گے، دونوں کے لئے الگ الگ جہنم نہیں ہونگے، جیسے زمین پر دونوں اکٹھے رہتے ہیں جہنم میں بھی اکٹھے رہیں گے ــــ یعنی اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور جنات کو جہنم بھرنے کے لئے پیدا نہیں کیا، مگر انھوں نے اپنے طرزِ عمل سے ثابت کر دیا کہ ان کو جہنم بہت پیاری ہے، وہ اسی میں جانا چاہتے ہیں، یوں فرمودۂ الٰہی ایک حقیقت بن کر سامنے آ گیا۔

پس (ان سے کہا جائے گا: عذاب کا) مزہ چکھو تمہارے اس دن کی ملاقات کو بھولنے کی وجہ سے ــــ یعنی اگر آج کا دن تمہیں یاد رہتا، اور اس کے لئے تیاری کرتے تو یہ برا دن نہ دیکھنا پڑتا ــــ ہم نے تم کو بھلا دیا ــــ اب کبھی تم رحمت سے یاد نہیں کئے جاؤ گے ــــ اور چکھو ابدی عذاب اپنے اعمال کی بدولت! (نعوذ باللہ من عذاب جہنم!)

اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۩ ﴿۱۵﴾ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۡ وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۱۶﴾ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۷﴾ اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ۭ لَا يَسْتَوٗنَ ﴿۱۸﴾ اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى ۡ نُزُلًۢا بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۱﴾

السجدۃ ۱۵

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ۭ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۲۲﴾ ع

اِنَّمَا	صرف وہی	يَدْعُوْنَ	پکارتے ہیں وہ	مُؤْمِنًا	ایمان دار
يُؤْمِنُ	ایمان لاتے ہیں	رَبَّهُمْ	اپنے پروردگار کو	كَمَنْ كَانَ	مانند اس کے ہے جو تھا
بِاٰيٰتِنَا	ہماری آیتوں پر	خَوْفًا (۳)	ڈر سے	فَاسِقًا	نافرمان
الَّذِيْنَ	جو	وَّطَمَعًا	اور امید سے	لَا يَسْتَوٗنَ	نہیں برابر ہوسکتے
اِذَا	جب	وَّمِمَّا	اور اس میں سے جو	اَمَّا الَّذِيْنَ	رہے جو
ذُكِّرُوْا	نصیحت کئے جاتے ہیں	رَزَقْنٰهُمْ	روزی دی ہم نے ان کو	اٰمَنُوْا	ایمان لائے
بِهَا	ان (آیتوں) سے	يُنْفِقُوْنَ	خرچ کرتے ہیں	وَعَمِلُوا	اور کئے انھوں نے
خَرُّوْا	(تو) گر پڑتے ہیں	فَلَا تَعْلَمُ	پس نہیں جانتا	الصّٰلِحٰتِ	نیک کام
سُجَّدًا	سجدہ کرتے ہوئے	نَفْسٌ	کوئی شخص	فَلَهُمْ	پس ان کے لئے
وَّسَبَّحُوْا	اور پاکی بیان کرتے ہیں	مَّا اُخْفِيَ	جو چھپایا ہے	جَنّٰتُ	باغات ہیں
بِحَمْدِ	تعریف کے ساتھ	لَهُمْ	ان کے لئے	الْمَاْوٰى (۴)	ٹھہرنے کے
رَبِّهِمْ	ان کے پروردگار کی	مِّنْ قُرَّةِ	ٹھنڈک سے	نُزُلًا (۵)	مہمانی کے طور پر
وَهُمْ	اور وہ	اَعْيُنٍ	آنکھوں کی	بِمَا	اس کی جو
لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ	گھمنڈ نہیں کرتے	جَزَاۗءً	بدلہ	كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ	کیا کرتے تھے وہ
تَتَجَافٰى (۱)	علاحدہ رہتے ہیں	بِمَا	ان کاموں کا جو	وَاَمَّا الَّذِيْنَ	اور رہے جو
جُنُوْبُهُمْ	ان کے پہلو	كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ	وہ کیا کرتے تھے	فَسَقُوْا	اطاعت سے نکل گئے
عَنِ الْمَضَاجِعِ (۲)	خواب گاہوں سے	اَفَمَنْ كَانَ	کیا پس جو شخص تھا	فَمَاْوٰىهُمُ	پس ان کا ٹھکانہ

(۱) تَجَافِي: دور ہونا، جَفَا الشيئُ (ن) جَفَاء: دور ہونا، اچٹنا (۲) المضاجع: المَضْجَع کی جمع: اسم ظرف: خواب گاہ، سونے کی جگہ (۳) خوفا وطمعاً: حال ہیں (۴) المأوی: مصدر اور اسم ظرف: ٹھہرنا، ٹھکانہ أَوَى يَأْوِيْ (ض) أُوِيًّا: ٹھکانا بنانا، فروکش ہونا (جب کہ إلی صلہ ہو) (۵) نُزُلاً: جنات کا حال ہے۔

النَّارُ	آگ ہے	النَّارِ	آگ کی	يَرْجِعُوْنَ	لوٹیں
كُلَّمَآ	جب بھی	الَّذِيْ	جو (عذاب)	وَمَنْ اَظْلَمُ	اور کون بڑا ظالم ہے
اَرَادُوْٓا	چاہیں گے وہ	كُنْتُمْ بِهٖ	تھے تم اس کو	مِمَّنْ	اس سے جو
اَنْ يَّخْرُجُوْا	کہ نکلیں	تُكَذِّبُوْنَ	جھٹلاتے	ذُكِّرَ	نصیحت کیا گیا
مِنْهَآ	اس (آگ) سے	وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ	اور ضرور چکھائیں گے ہم ان کو	بِاٰيٰتِ	آیتوں سے
اُعِيْدُوْا	لوٹائے جائیں گے			رَبِّهٖ	اس کے رب کی
فِيْهَا	اس میں	مِّنَ الْعَذَابِ	عذاب سے	ثُمَّ اَعْرَضَ	پھر روگردانی کی اس نے
وَقِيْلَ	اور کہا جائے گا	الْاَدْنٰى	قریبی	عَنْهَا	ان (آیتوں) سے
لَهُمْ	ان سے	دُوْنَ الْعَذَابِ	ورے عذاب سے	اِنَّا	بے شک ہم
ذُوْقُوْا	چکھو	الْاَكْبَرِ	بڑے	مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ	گناہ گاروں سے
عَذَابَ	سزا	لَعَلَّهُمْ	شاید وہ	مُنْتَقِمُوْنَ	بدلہ لینے والے ہیں

قرآن پر ایمان لانے والوں کا حال ومآل

اب مجرمین کے مقابلہ میں مؤمنین کا حال ومآل بیان فرماتے ہیں: —— ہماری آیتوں پر وہی لوگ ایمان لاتے ہیں کہ جب ان کو ان آیتوں سے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ سجدہ میں گر پڑتے ہیں، اور اپنے ربّ کی تسبیح وتحمید کرنے لگتے ہیں، اور وہ گھمنڈ نہیں کرتے —— یعنی ان کے دلوں میں کبر وغرور اور بڑائی کا خیال نہیں آتا جو آیات اللہ کے سامنے جھکنے سے مانع بنے —— ان کے پہلو خواب گاہوں سے علاحدہ ہوتے ہیں، وہ اپنے ربّ کو امید اور خوف سے پکارتے ہیں —— یعنی میٹھی نینداور نرم بستر چھوڑ کر اللہ کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں، تہجد پڑھتے ہیں، صبح کی یا عشاء کی نماز ادا کرتے ہیں یا اوابین پڑھتے ہیں، آیت سب کو شامل ہے، اور احادیث میں سب کا تذکرہ ہے، اور اللہ سے امید رکھنا اور ڈرنا ایمان کا تقاضہ ہے، ایمان خوف ورجاء کے درمیان ہے —— اور ہماری دی ہوئی روزی میں سے خرچ کرتے ہیں —— یہ نماز کے بعد زکات خیرات کا ذکر کیا، قرآن میں بہت سی جگہوں میں دونوں کا حکم ایک ساتھ ہے —— اور یہ مؤمنین کا حال ہے۔

مؤمنین کا مآل: —— پس کسی شخص کو معلوم نہیں جو آنکھوں کی ٹھنڈک ان کے لئے چھپائی گئی ہے، ان کے اعمال کے صلہ میں —— یعنی اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کی عبادت کے بدلے میں جو نعمتیں تیار کر رکھی ہیں ان کا حال کسی کو معلوم نہیں، جس وقت وہ بدست آئیں گی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی اور دل باغ باغ ہو جائے گا۔

ایمان دار اور بے ایمان برابر نہیں ہوسکتے

ایمان داروں اور بے ایمانوں کا انجام برابر نہیں ہوسکتا، اللہ کی بادشاہت اندھیر نگری نہیں! اللہ تعالیٰ پوچھتے ہیں ـــــ کیا پس جو شخص مؤمن ہے وہ اس شخص کی طرح ہے جو حد اطاعت سے نکلنے والا ہے؟ ـــــ جواب: ـــــ وہ برابر نہیں ہوسکتے! ـــــ دونوں کا انجام مختلف ہوگا ـــــ رہے وہ جو ایمان لائے، اور انھوں نے نیک کام کئے، تو اُن کے قیام کے لئے باغات ہیں، ان کے اعمال کی مہمانی میں! ـــــ یعنی ان کے اعمال جنت کی مہمانی کا سبب بن جائیں گے، جنت ان کو اکرام میں ملے گی، بھیک کا لقمہ نہیں ہوگی ـــــ اور رہے وہ لوگ جو حد اطاعت سے نکل گئے تو ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے، جب بھی وہ اس سے باہر نکلنا چاہیں گے اسی میں لوٹا دیئے جائیں گے ـــــ اور ان سے کہا جائے گا: دوزخ کا عذاب چکھو جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے ـــــ یعنی جب جہنم کی ہانڈی ابلے گی، اور جہنمی دہانے پر آئیں گے تو نکلنا چاہیں گے فرشتے دھکا دے کر اندر دھکیل دیں گے، اور کہیں گے: جاتے کہاں ہو، جس چیز کو جھٹلاتے تھے اس کا مزہ چکھو!

منکرین قرآن کو آخرت کے بڑے عذاب سے پہلے دنیا میں بھی سزا ملے گی

قرآن کے منکروں کا آخرت میں ٹھکانا دوزخ ہے، اور وہ سب سے بڑا عذاب ہے، مگر اس بڑے عذاب سے پہلے دنیا میں بھی ذرا کم درجہ کا عذاب دیا جائے گا، تا جسے رجوع کی توفیق ہو وہ ڈر کر اللہ کی طرف متوجہ ہوجائے، ارشاد فرماتے ہیں: ـــــ اور ہم ضرور ان کو قریبی سزا چکھائیں گے بڑی سزا سے پہلے، تاکہ وہ باز آئیں ـــــ یہ دستورِ الٰہی ہے، گنہگار مسلمانوں کو بھی اللہ تعالیٰ تکلیفوں اور آزمائشوں سے دوچار کرتے ہیں، تاکہ وہ توبہ کریں، مگر آج کا مسلمان خود نہیں بدلتا، وہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بدل جائیں، بے دین بلکہ بددین مسلمان جو طرح طرح کی پریشانیوں میں مبتلا ہوتے ہیں: دعا کرانے آتے ہیں، حضرت! اللہ میاں سے کہئے کہ وہ اپنا طریقہ بدلیں، مجھ پر مہربانی کریں، اور میرے دِلدّر دور کریں! ـــــ پس جان لو! اللہ تعالیٰ نہایت مہربان ہیں، اپنا طریقہ بدل کر تو دیکھو! ـــــ اور دنیوی عذاب میں مصائب، بیماری، قحط، قتل، قید اور مال واولاد کی تباہی شامل ہیں۔

اور اس سے بڑا ظالم کون جس کو اس کے ربّ کی آیتوں سے نصیحت کی گئی، پھر اس نے ان آیتوں سے روگردانی کی؟ بے شک ہم مجرموں سے انتقام لینے والے ہیں! ـــــ جب تمام مجرموں کو سزا دی جاتی ہے تو یہ تو بڑے مجرم ہیں، ان کو دنیا میں بھی سزا دی جاسکتی ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ

اِسۡرَآءِيۡلَ ۝ وَجَعَلۡنَا مِنۡهُمۡ اَئِمَّةً يَّهۡدُوۡنَ بِاَمۡرِنَا لَمَّا صَبَرُوۡا ؕ وَكَانُوۡا بِاٰيٰتِنَا يُوۡقِنُوۡنَ ۝

وَلَقَدۡ	اور بخدا! واقعہ یہ ہے	وَجَعَلۡنٰهُ(۵)	اور بنایا ہم نے اس کو	يَّهۡدُوۡنَ	دین کی راہ دکھاتے ہیں
اٰتَيۡنَا	دی ہم نے	هُدًى	راہ نما	بِاَمۡرِنَا	ہمارے حکم سے
مُوۡسَى	موسیٰ کو	لِّبَنِىۡٓ	اولاد کے لئے	لَمَّا	جب
الۡكِتٰبَ(۱)	کتاب (تورات)	اِسۡرَآءِيۡلَ	یعقوب کی	صَبَرُوۡا	صبر کیا انھوں نے
فَلَا تَكُنۡ(۲)	پس نہ ہو تو	وَجَعَلۡنَا	اور بنائے ہم نے	وَكَانُوۡا	اور تھے وہ
فِىۡ مِرۡيَةٍ(۳)	ادنیٰ شک میں	مِنۡهُمۡ	ان میں سے	بِاٰيٰتِنَا	ہمارے وعدہ کا
مِّنۡ لِّقَآئِهٖ(۴)	اس (کتاب) کے ملنے سے	اَئِمَّةً	پیشوا	يُوۡقِنُوۡنَ	یقین کرتے

قرآنِ کریم جہانوں کے لئے راہ نما ہے، اور اس کی نشر واشاعت علماء کریں گے

ماتحتوں کی تعداد جب تھوڑی ہوتی ہے تو ان کو سنبھالنے کے لئے دستور وآئین کی ضرورت نہیں ہوتی، مگر جب ان کی تعداد بڑھ جائے، بلکہ بہت زیادہ ہوجائے تو آئین ودستور ضروری ہوجاتا ہے، جن کے ذریعہ ان کو سنبھالا جاسکے۔

اور اللہ تعالیٰ کی کتابوں میں —— قرآنِ کریم کے بعد —— اہم کتاب تورات شریف ہے، جو موسیٰ علیہ السلام کو عنایت ہوئی تھی، کیونکہ بنی اسرائیل کی تعداد بہت ہوگئی تھی، کہتے ہیں: سمندر سے پار ہونے کے بعد وادی سینا میں پہنچ کر موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی مردم شماری کرائی، چھوٹے بڑے چھ لاکھ تھے، اتنی بڑی تعداد کو سنبھالنے کے لئے قانون ضروری ہے، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کو طور پر بلا کر تورات شریف عنایت فرمائی۔

(۱) الکتاب کا ال عہدی ہے، مراد تورات ہے (۲) فلاتکن کا مخاطب عام ہے اور خاص طور پر منکرین قرآن ہیں، نبی ﷺ ہی مخاطب نہیں (۳) مریة کی تنوین تقلیل کے لئے ہے (۴) لقائہ کی ضمیر کا مرجع بھی الکتاب ہے، وہ بہ نسبت موسیٰ کے اقرب ہے اور مرجع اقرب ہوتا ہے، اور اب الکتاب سے مراد قرآن ہے اور اس کا نام صنعتِ استخدام ہے۔ صنعتِ استخدام کے معنی ہیں: جب لفظ استعمال کیا جائے تو ایک معنی مراد لئے جائیں، پھر جب اس کی طرف ضمیر لوٹائی جائے تو دوسرے معنی مراد لئے جائیں، مثال مختصر المعانی کے تیسرے فن میں ہے، یہاں پہلے الکتاب سے تورات مراد لی ہے، اور لقائہ کی ضمیر لوٹائی تو الکتاب سے قرآنِ کریم کو مراد لیا (۵) جعلناہ کی ضمیر کا مرجع بھی الکتاب ہے، اور اب مراد تورات ہے، سب ضمائر کا مرجع ایک ہے اور مراد مختلف۔

اور خاتم النّبیین ﷺ کی امت کا حال یہ ہے کہ اگر آسمان کے تارے گنے جاسکتے ہیں، درختوں کے پتّے گنے جاسکتے ہیں، اور ریت کے ذرے گنے جاسکتے ہیں تو آپ کی امت کو گنا جاسکتا ہے، اتنی بڑی امت کو سنبھالنے کے لئے کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی کتاب عنایت نہیں فرمائی ہوگی؟ آئین کے بغیر آپؐ امت کو کیسے سنبھالیں گے؟ منکرین قرآن غور کریں: قرآن نازل کرنے کی ضرورت ان کی سمجھ میں آجائے گی۔

ارشاد فرماتے ہیں: —— اور البتہ واقعہ یہ ہے کہ ہم نے موسیٰ کو کتاب (تورات) عنایت فرمائی، پس (اے مخاطب) تو ادنی شک میں مت رہ اس کتاب (قرآن) کے ملنے سے —— یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی کو بھی حسب دستور کتاب عنایت فرمائی ہے، تجھے اس میں ذرا شک نہیں ہونا چاہئے۔ لقاء کے معنی ہیں: ملنا، کہا جاتا ہے: سُرِرْتُ بِلِقَائِكَ: میں آپ سے مل کر خوش ہوا، بلقائہ: نبی ﷺ کو جو کتاب ملی ہے، لِقَاء: مصدر ہے، مفعول کی طرف اس کی اضافت ہے اور فاعل محذوف ہے۔ فلاتکن: اس میں تجھے اے منکر قرآن: ذرا شک نہیں ہونا چاہئے —— اور صحیح حدیث میں جو آیا ہے کہ شبِ معراج میں نبی ﷺ کی موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی: اُس حدیث کا اِس آیت سے کچھ تعلق نہیں۔

موسیٰ علیہ السلام کو تورات کیوں دی؟ ارشاد فرماتے ہیں: —— اور ہم نے اُس کتاب کو بنی اسرائیل کے لئے راہ نما بنایا —— یہ نزول تورات کی غرض ہے، اور یہ آدھا مضمون ہے، دوسرا آدھا مضمون فہم سامع پر اعتماد کر کے چھوڑ دیا ہے، اور وہ ہے: وجعلنا ھذا الکتاب ھدیً للعالمین: اور ہم نے قرآن کو سارے جہانوں کے لئے راہ نما بنایا —— اب بات مکمل ہوئی۔

سوال: موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل میں نبوت کا سلسلہ جاری تھا، انبیاء تورات کی نشر واشاعت کا کام کرتے تھے۔ اور خاتم النّبیین ﷺ پر نبوت تکمیل پذیر ہوگئی، اب کوئی نیا نبی نہیں آئے گا، اور نبی ﷺ حیاتِ جاوداں لے کر نہیں آئے، پس تمام روئے زمین پر اور اگلی نسلوں تک قرآن کون پہنچائے گا؟ اور دین کی نشر واشاعت کا کام کون کرے گا؟

جواب: —— گفتہ آید در حدیثِ دیگراں —— اور ہم نے اُن (بنی اسرائیل) میں پیشوا بنائے، جو ہمارے حکم سے / ہمارے دین کی راہ دکھاتے تھے، جب انھوں نے برداشت کیا، اور وہ ہمارے وعدوں پر یقین رکھتے تھے۔

تفسیر: بنی اسرائیل میں انبیاء ضرور ہوتے تھے، مگر کتنے ہوتے تھے؟ ایک زمانہ میں ایک ساتھ: ایک دو ہوتے ہونگے ان سے کام کیسے چلے گا۔

ہوتا یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل میں پیشوا (بڑے لوگ) بناتے تھے، وہ انبیاء کے ہاتھ پاؤں بنتے تھے، اور سب مل

کر دین کی گاڑی کھینچتے تھے ـــــ یہی سلسلہ اب بھی جاری ہوگا، نبی ﷺ کے بعد اس امت میں بھی اللہ تعالیٰ پیشوا بنائیں گے، اور ان سے دین کی نشر واشاعت کا کام لیں گے۔

بس فرق اتنا ہوگا کہ بنی اسرائیل کے پیشوا: انبیاء کی نگرانی میں کام کرتے تھے، اور نئی باتوں کے احکام وحی سے معلوم ہوتے تھے، اور اس امت میں پیشوا خود اپنے نگران ہونگے، اور نئی باتوں کے احکام اجتہاد سے نکالیں گے، کسی نے کہا ہے: **علماءُ الأمةِ كأنبياء بني إسرائيل**: اس امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں، اس میں امت کے پیشواؤں کی ذمہ داری بتائی گئی ہے، مقام ومرتبہ بیان نہیں کیا ـــــ پھر کسی نے **الأمة** کا الف لام ہٹا کر یاء بڑھادی، اور **علماءُ أمتي** کر دیا، تو یہ جملہ خود بخود حدیث بن گیا، حالانکہ یہ حدیث نہیں۔

علماء کی ذمہ داری: فرمایا: ﴿يَهْدُوْنَ بِأَمْرِنَا﴾: وہ ہمارے حکم سے دین کی راہ دکھاتے تھے یعنی یہ علماء کا فریضہ ہے کہ وہ لوگوں کی دینی راہ نمائی کریں، خواہ لوگ اس کا کوئی معاوضہ دیں یا نہ دیں، انبیاء کے ورثاء کی مزدوری انبیاء کی طرح اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے، اگر لوگ تھوڑی بہت تنخواہ دیں تو اس کو غنیمت سمجھیں ـــــ دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ ہمارے دین کی راہ دکھاتے تھے، پس علمائے سُو نکل گئے، جو جبّہ قبہ پہن کر لوگوں کے سامنے آتے ہیں، اور ان کو غلط راستہ پر لے چلتے ہیں، لوگوں کو ایسے پیشواؤں سے دامن کشاں رہنا چاہئے۔

پیشوائی کا مقام کب ملتا ہے؟ فرمایا: ﴿لَمَّا صَبَرُوْا وَكَانُوْا بِآيَاتِنَا يُوْقِنُوْنَ﴾: جب انھوں نے سہا، برداشت کیا، اور وہ ہمارے وعدوں پر یقین رکھتے تھے، یعنی پیشوائی دو شرطوں سے ملتی ہے:

اول: صبر کریں، پہلے تحصیل علم کے زمانہ میں برداشت سے کام لینا پڑتا تھا، اب یہ مرحلہ تو آسان ہوگیا، اب خدمتِ دین کے زمانہ میں صبر وہمت سے کام لینا پڑتا ہے، جو عالم معیشت سے گھبرا گیا وہ ہاتھ سے گیا، اور جس نے چادر کے مطابق پیر پھیلائے وہ کام سے جُڑا رہا، پیشوائی پانچ پچیس سال میں نہیں ملتی، جب تک حنا رگڑی نہیں جاتی رنگ نہیں آتا، جو لوگ چند سال دین کی خدمت کر کے لائن بدل دیتے ہیں وہ پیشوائی کی منزل سے بہت دور رہ جاتے ہیں، زندگی پھر تنگی ترشی کے ساتھ خدمتِ دین میں لگا رہے تب پیشوائی بدست آتی ہے۔

دوم: خدمتِ دین پر آخرت میں اللہ تعالیٰ نے جو وعدے کئے ہیں جس کو ان کا یقین ہو، وہی آخر تک خدمتِ دین میں لگا رہے گا اور سرخ رو ہوگا۔

> **ایسے بھی علماء ہیں جو دین کے کام میں لگے ہوئے ہیں، مگر اولاد کو دنیا کی تعلیم دلاتے ہیں ان کو اللہ کے وعدوں پر یقین نہیں، ایسوں کو پیشوائی کا مقام کہاں نصیب ہوگا؟**

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۲۵﴾ اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ؕ اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۶﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ ؕ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۸﴾ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ﴿۳۰﴾ ع

اِنَّ رَبَّكَ	بیشک آپ کے پروردگار	مِنْ قَبْلِهِمْ	ان سے پہلے	اِلَى الْاَرْضِ	زمین کی طرف
هُوَ (۱)	وہ (ہی)	مِّنَ الْقُرُوْنِ	صدیاں (امتیں)	الْجُرُزِ (۴)	خشک افتادہ
يَفْصِلُ	فیصلہ کریں گے	يَمْشُوْنَ	چلتے ہیں وہ	فَنُخْرِجُ	پس نکالتے ہیں ہم
بَيْنَهُمْ	ان کے درمیان	فِيْ مَسٰكِنِهِمْ	ان کے مقامات میں	بِهٖ	اس کے ذریعہ
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	قیامت کے دن	اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ	بے شک اس میں	زَرْعًا	کھیتی
فِيْمَا كَانُوْا	ان باتوں میں کہ تھے وہ	لَاٰيٰتٍ	یقیناً نشانیاں ہیں	تَاْكُلُ	کھاتے ہیں
فِيْهِ	اس میں	اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ	کیا پس سنتے نہیں وہ؟	مِنْهُ	اس سے
يَخْتَلِفُوْنَ (۲)	اختلاف کرتے	اَوَلَمْ يَرَوْا	کیا اور نہیں دیکھا	اَنْعَامُهُمْ	ان کے چوپایے
اَوَلَمْ	کیا اور نہیں		انھوں نے	وَاَنْفُسُهُمْ	اور وہ خود
يَهْدِ (۳)	راہ دکھائی	اَنَّا	کہ ہم	اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ	کیا پس نہیں دیکھتے وہ؟
لَهُمْ	ان کو	نَسُوْقُ	چلاتے ہیں	وَيَقُوْلُوْنَ	اور کہتے ہیں وہ
كَمْ اَهْلَكْنَا	(کہ) کتنی ہلاک کیں ہم نے	الْمَآءَ	پانی کو	مَتٰى	کب ہوگا

(۱) ھو: ضمیر فصل ہے، اس سے حصر پیدا ہوا ہے (۲) اختلاف میں دو فریق ہوتے ہیں، ایک طرف نبی ﷺ ہیں، دوسری طرف قرآن کو اللہ کی کتاب نہ ماننے والے ہیں (۳) ھدی یھدی: راہ دکھانا، لم کی وجہ سے حرف علت گرا ہے۔ (۴) الجُرُز: بے آب وگیاہ، چٹیل بھی اس کا ترجمہ کرتے ہیں۔

هٰذَا	یہ	لَا یَنْفَعُ	نہیں کام آئے گا	فَاَعْرِضْ	پس رخ پھیرلیں
الْفَتْحُ	فیصلہ	الَّذِیْنَ	جنھوں نے	عَنْهُمْ	ان سے
اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہوتم	كَفَرُوْٓا	انکار کیا	وَانْتَظِرْ	اورانتظار کریں
صٰدِقِیْنَ	سچے؟	اِیْمَانُهُمْ (۱)	ان کا ایمان لانا	اِنَّهُمْ	بے شک وہ (بھی)
قُلْ	کہو	وَلَا هُمْ	اور نہ وہ	مُّنْتَظِرُوْنَ	انتظار کرنے والے
یَوْمَ الْفَتْحِ	فیصلہ کے دن	یُنْظَرُوْنَ	ڈھیل دیئے جائیں گے		ہیں

جولوگ قرآن کواللہ کی کتاب نہیں مانتے ان کواللہ تعالیٰ قیامت کے دن دیکھ لیں گے!

جولوگ نبی ﷺ سے اختلاف کرتے ہیں، نبی ﷺ کہتے ہیں: قرآن اللہ کا کلام ہے،منکرین آپؐ کی یہ بات نہیں مانتے،اس کا قیامت کے دن دوٹوک فیصلہ ہوجائے گا،ارشادفرماتے ہیں: —— بے شک آپؐ کے پروردگار ہی فیصلہ فرمائیں گےان کے درمیان قیامت کے دن،اس میں جس میں وہ (نبی ﷺ سے) اختلاف کرتے ہیں —— یعنی دنیامیں تواختلاف باقی رہے گا،دوٹوک فیصلہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہی کریں گے۔

جولوگ قرآن کواللہ کی کتاب نہیں مانتے ان کودنیامیں بھی سزامل سکتی ہے

دنیا کی سزافیصلہ کن نہیں ہوتی،لوگ اس کی تاویل کرلیتے ہیں،مگراہل بصیرت کے لئے اوران لوگوں کے لئے جوگوش ہوش سے بات سنتے ہیں عبرت کا سامان ہوتا ہے،ارشادفرماتے ہیں: —— کیااوران کوراہ نہیں ملی اس سے کہ کتنی ہی امتیں ہم نے ہلاک کیں ان سے پہلے،جن کی بستیوں میں وہ چلتے ہیں،بے شک اس میں یقیناً نشانیاں ہیں،کیاتووہ لوگ سنتے نہیں؟ —— کیاعادوثمود کے کھنڈرات منکروں نے نہیں دیکھے؟جن پرشام وغیرہ کے اسفارمیں ان کا گذرہوتا ہے، ان کی ہلاکت میں کیاکوئی سبق نہیں؟وہ قومیں اسی لئے توہلاک ہوئیں کہ انھوں نے نبیوں کی باتیں نہیں مانیں،پھرتم ہوش کے ناخن کیوں نہیں لیتے!تمہیں بھی توسزامل سکتی ہے،تم بھی اپنے نبی کوجھٹلارہے ہو!

اللہ تعالیٰ قرآن کے ذریعہ مردہ دلوں کوزندہ کریں گے،جیسے بارش سے مردہ زمین زندہ ہوتی ہے

پھرایک سوالِ مقدر کا جواب ہے،کوئی سوچ سکتا ہے کہ قرآن کوکفارمکہ مان نہیں رہے،پھراس کونازل کرنے سے کیا فائدہ؟جواب یہ ہے کہ ذراانتظارکرو،قرآنِ کریم سے مردہ دلوں کوحیاتِ نوملے گی،جیسے ویران زمین پررحمت کی بارش برستی

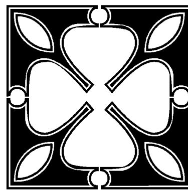
(۱) إیمانهم: فاعل مؤخر ہے۔

ہے تو زمین سبزہ زار ہوجاتی ہے، کھیتیاں اُگتی ہیں، جن سے جانور اور انسان فائدہ اٹھاتے ہیں، اسی طرح بعد چندے قرآنِ کریم کا فیضان ظاہر ہوکر رہے گا۔ارشاد فرماتے ہیں: ـــــ کیا اور انھوں نے دیکھا نہیں کہ ہم پانی کو لے چلتے ہیں خشک زمین کی طرف، پھر اس کے ذریعہ کھیتی اُگاتے ہیں، جس میں سے ان کے مویشی اور وہ خود کھاتے ہیں، کیا تو ان کی آنکھیں کھلتی نہیں! ـــــ وہ سمجھتے نہیں کہ اسی طرح قرآن کا فیضان ظاہر ہوکر رہے گا۔

ضد و عناد کا جواب بے رخی برتنا ہے

ابھی فرمایا تھا کہ اختلاف کا فیصلہ قیامت کے دن ہوگا، اس پر منکرین کہتے ہیں: قیامت کب آئے گی؟ لے آؤ اس کو اگر تم سچے ہو اس ضد و عناد کا جواب ارشاد فرماتے ہیں: ـــــ اور وہ کہتے ہیں: کب ہوگا یہ فیصلہ اگر تم سچے ہو؟ جواب: فیصلہ کے دن منکروں کو ان کا مان لینا نفع نہیں دے گا ـــــ کیونکہ اس وقت پردہ اٹھ جائے گا ـــــ اور نہ وہ مہلت دیئے جائیں گے ـــــ البتہ ابھی موقع ہے، اللہ و رسول کی بات کا یقین کرو، اور اپنی زندگی سنوارو، کل جب قیامت سر پے آجائے گی ایمان لانا کام نہ آئے گا، نہ مہلت ملے گی کہ جاؤ دنیا میں دوبارہ اور چال چلن ٹھیک کرکے آؤ ـــــ پس آج کی مہلت کو غنیمت سمجھو، تکذیب میں وقت ضائع مت کرو، جو گھڑی آنے والی ہے آنے والی ہے، کسی کے ٹالے نہیں ٹل سکتی ـــــ سو آپ ان سے رخ پھیر لیں، اور انتظار کریں وہ بھی منتظر ہیں! ـــــ یعنی یہ مجرم سخت سزا کے مستحق ہیں، کیونکہ وہ مرغ کی ایک ٹانگ گائے جارہے ہیں، پس آپ ان کا خیال چھوڑیں، اور جس طرح وہ اپنی تباہی کے منتظر ہیں آپ بھی منتظر رہیں!

﴿الحمد للہ! سورۃ الٓمّٓ السجدۃ کی تفسیر پوری ہوئی﴾



بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۃ الاحزاب

نمبر شمار ۳۳ نزول کا نمبر ۹۰ نزول کی نوعیت: مدنی آیات ۷۳ رکوع: ۹

یہ مدنی سورت ہے، گذشتہ سورت کا موضوع قرآنِ کریم تھا، اس سورت کا موضوع صاحبِ قرآن ہیں، پوری سورت نبی ﷺ کے احوال کے گرد گھومتی ہے، بات یہاں سے شروع ہوئی ہے کہ آپ ؐ کافروں اور منافقوں کی بات نہ سنیں، ان کو بکنے دیں، پھر ان کے تین معاملات ذکر کئے ہیں:

اول: منافقین نے 'دو دِلا' کی پھبتی کسی تھی، جیسے 'دو رخا' قرآن نے رد کیا کہ کسی کے سینہ میں دو دل نہیں ہوتے، اور ضمناً دو اور باتوں کی تردید کی، پھر دوسری بات یعنی لے پالک حقیقی اولاد نہیں ہوتی اس کو دو دلیلوں سے مؤید کیا ہے۔

دوم: غزوۂ احزاب کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے اور اس میں منافقین کا کردار واضح کیا ہے، یہ غزوہ اسلام کو بیخ وُبن سے اکھاڑنے کی آخری کوشش تھی، پھر نبی ﷺ اور مؤمنین کے عظیم کارنامے بیان کئے ہیں، اس کے بعد غزوۂ بنو قریظہ کا مختصر تذکرہ کر کے بتایا ہے کہ غزوۂ احزاب میں کفار تو نامراد لوٹے، مگر مسلمان آسودہ ہو گئے، جس سے نبی ﷺ نے استفادہ نہیں کیا، ازواج نے آسودگی چاہی تو آپ ؐ ناراض ہو گئے، اور ایک ماہ تک ان سے علاحدگی اختیار کر لی، اسی سلسلہ میں آیاتِ تخییر نازل ہوئی ہیں۔

سوم: حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کا معاملہ ہے، اس معاملہ میں منافقین کی ہرزہ سرائیاں ذکر کر کے مؤمنین کا تذکرہ کیا ہے، اور آیت ۴۸ پر یہ سلسلہ کلام پورا کیا ہے۔

پھر دیگر مضامین شروع ہوئے ہیں، نبی ﷺ کے لئے حلال عورتوں کا بیان ہے، اور یہ بیان ہے کہ آپ ؐ پر ازواج میں باری مقرر کرنا واجب نہیں تھا، پھر حجاب کا بیان شروع ہوا ہے، ضمناً درود شریف کی آیت آئی ہے اور مسلمان عورتوں کو حکم دیا ہے کہ وہ کسی ضرورت سے نکلیں تو چہرہ ڈھانک کر نکلیں، آخر میں مؤمنین کو تنبیہ کی ہے کہ وہ نکاح زینب کے معاملہ میں نبی ﷺ کو نہ ستائیں، سیدھی سچی بات کہیں، اور بالکل آخر میں یہ مضمون ہے کہ انسان مکلّف ہے، اور جب اس نے بار امانت اٹھایا ہے تو اس کی لاج رکھے، ورنہ بار امانت اٹھانے کے نتیجہ کا انتظار کرے۔

❁ ❁ ❁

آیاتھا ۷۳ — (۳۳) سُوْرَۃُ الْاَحْزَابِ مَدَنِیَّۃٌ (۹۰) — رکوعاتھا ۹

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰہَ وَلَا تُطِعِ الْکٰفِرِیْنَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ ط اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیْمًا حَکِیْمًا ﴿۱﴾ وَّاتَّبِعْ مَا یُوْحٰٓی اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ط اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ﴿۲﴾ وَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ ط وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیْلًا ﴿۳﴾

بِسْمِ	نام سے	اِنَّ اللّٰہَ	بے شک اللہ تعالیٰ	کَانَ	ہیں
اللّٰہِ	اللہ کے	کَانَ	ہیں	بِمَا	ان کاموں سے جو
الرَّحْمٰنِ	نہایت مہربان	عَلِیْمًا	سب کچھ جاننے والے	تَعْمَلُوْنَ	تم کرتے ہو
الرَّحِیْمِ	بڑے رحم والے	حَکِیْمًا	بڑی حکمت والے	خَبِیْرًا	پورے باخبر
یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ	اے پیغمبر	وَّاتَّبِعْ	اور پیروی کریں	وَّتَوَکَّلْ	اور بھروسہ کریں
اتَّقِ اللّٰہَ	ڈریں اللہ سے	مَا یُوْحٰٓی	(اس کی) جو وحی کی گئی	عَلَی اللّٰہِ	اللہ تعالیٰ پر
وَلَا تُطِعِ	اور نہ کہا مانیں	اِلَیْکَ	آپ کی طرف	وَکَفٰی	اور کافی ہیں
الْکٰفِرِیْنَ	کافروں کا	مِنْ رَّبِّکَ	آپ کے رب کی جانب سے	بِاللّٰہِ[1]	اللہ تعالیٰ
وَالْمُنٰفِقِیْنَ	اور منافقوں کا	اِنَّ اللّٰہَ	بے شک اللہ تعالیٰ	وَکِیْلًا	کارساز

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

کافروں اور منافقوں کی باتیں نہ سنیں

گذشتہ سورت کا موضوع قرآنِ کریم تھا، اس سورت کا موضوع صاحبِ قرآن ہیں، اور گذشتہ سورت کے آخر میں تھا کہ کفار کا یہ مطالبہ نظر انداز کردیں کہ فیصلہ کب ہوگا؟ اب یہ سورت اس حکم سے شروع ہورہی ہے کہ آپؐ کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ مانیں، ان کی باتوں کو نظر انداز کریں، وحی کی پیروی کریں، اور اللہ پر بھروسہ کریں، وہ زبردست کارساز ہیں، آپ کو فائز المرام کریں گے۔ اور مخالفین منہ کی کھائیں گے۔ ارشادِ پاک ہے: —— اے پیغمبر! اللہ تعالیٰ سے ڈریں

(۱) کفی کے فاعل پر باءِ زائد ہے، اور وکیلا: حال یا بدل ہے۔

—— یعنی ان کے احکام کے خلاف نہ چلیں —— اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ مانیں —— وہ آپ کو پریشان کرنے کی اور اللہ کی راہ سے بچلانے کی کوشش کریں گے، آپ ان کی چالوں کو کامیاب نہ ہونے دیں —— بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والے، بڑی حکمت والے ہیں —— وہ مخالفین کے احوال سے واقف ہیں، اور معاملات جس انداز پر چل رہے ہیں اس میں حکمت ہے —— اور اس وحی کی پیروی کریں جو آپ کی طرف کی گئی ہے آپ کے پروردگار کی جانب سے —— یہ پہلا ہی حکم دوسرے انداز سے دیا ہے، جب کافروں اور منافقوں کی بات نہیں مانیں گے تو کس کی مانیں گے؟ اللہ تعالیٰ کی، انھوں نے جو احکام دیئے ہیں اس کی پیروی کریں گے —— بے شک اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی خبر ہے —— کہ کون کتنی پیروی کر رہا ہے؟ —— اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں، اور اللہ تعالیٰ بہترین کارساز ہیں —— یہ دونوں باتوں کی وجہ بیان کی کہ کافروں اور منافقوں کی بات اس لئے نہیں ماننی کہ وہ کام بگاڑو ہیں، اور اللہ کے احکام کی پیروی اس لئے کرنی ہے کہ وہ کارساز ہیں، بگڑی بنانے والے ہیں۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ۝ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ۭ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

مَا جَعَلَ	نہیں بنائے	مِّنْ قَلْبَيْنِ	دو دل	اَزْوَاجَكُمُ	تمہاری بیویوں کو
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ نے	فِيْ جَوْفِهٖ	اس کے اندر	الّٰٓـِٔيْ (۱)	جو
لِرَجُلٍ	کسی مرد کے لئے	وَمَا جَعَلَ	اور نہیں بنایا	تُظٰهِرُوْنَ (۲)	ظہار کرتے ہو تم

(۱) اَللّائی: اسم موصول، جمع مؤنث، التی کی جمع: جو عورتیں (۲) ظاھر مظاھرۃ: ظہار کرنا، شوہر کا بیوی سے کہنا: تو میرے لئے میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے یعنی تو مجھ پر حرام ہے، ظہار سے بیوی کفارہ ادا کرنے تک حرام ہوتی ہے، ہمیشہ کے لئے حرام نہیں ہوتی۔

مِنْهُنَّ	ان سے	يَهْدِي	دکھاتے ہیں	وَلَيْسَ	اور نہیں
اُمَّهٰتِكُمْ	تمہاری مائیں	السَّبِيْلَ	سیدھی راہ	عَلَيْكُمْ	تم پر
وَمَا جَعَلَ	اور نہیں بنایا	اُدْعُوْهُمْ	پکاروان کو	جُنَاحٌ	کچھ گناہ
اَدْعِيَآءَكُمْ (۱)	تمہارے لے پالکوں کو	لِاٰبَآئِهِمْ	ان کے باپوں کے لئے	فِيْمَآ	اس میں جو
اَبْنَآءَكُمْ	تمہارے بیٹے	هُوَ اَقْسَطُ (۲)	وہ زیادہ انصاف ہے	اَخْطَاْتُمْ	چوک گئےتم
ذٰلِكُمْ	یہ	عِنْدَ اللّٰهِ	اللہ کے نزدیک	بِهٖ	اس کے ساتھ
قَوْلُكُمْ	تمہاری بات ہے	فَاِنْ لَّمْ	پس اگر نہ	وَلٰكِنْ	لیکن
بِاَفْوَاهِكُمْ	تمہارے مونہوں کی	تَعْلَمُوْٓا	جانوتم	مَّا تَعَمَّدَتْ	جوارادہ کیا
وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	اٰبَآءَهُمْ	ان کے باپوں کو	قُلُوْبُكُمْ	تمہارے دلوں نے
يَقُوْلُ	فرماتے ہیں	فَاِخْوَانُكُمْ	تو تمہارے بھائی ہیں	وَكَانَ اللّٰهُ	اور ہیں اللہ تعالیٰ
الْحَقَّ	ٹھیک بات	فِي الدِّيْنِ	دین میں	غَفُوْرًا	بڑے بخشنے والے
وَهُوَ	اور وہ	وَمَوَالِيْكُمْ (۳)	اور تمہارے آزاد کردہ ہیں	رَّحِيْمًا	بڑے مہربان

سینہ میں کسی کے دودل نہیں ہوتے اور بیوی کو ماں کے ساتھ تشبیہ دینے سے وہ ماں نہیں بن جاتی، اور منہ بولے بیٹے/ بیٹیاں حقیقی اولاد نہیں

اب منافقوں کی ایک مہمل بات کی مثال مارتے ہیں، انھوں نے نبی ﷺ کو 'دودلا' کہا تھا، ترمذی (حدیث ۳۲۲۳ تفسیر سورہ احزاب) میں روایت ہے: ابوظبیان نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت کریمہ: ﴿وَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهِ﴾: کی مراد معلوم کی۔ ابن عباسؓ نے فرمایا: نبی ﷺ ایک دن نماز پڑھ رہے تھے، آپؐ کے دل میں کوئی بات کھٹکی، تو منافقوں نے جو آپؐ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے، کہا: ألا ترى! أن له قلبين: قلبا معكم وقلبا معهم: کیا تم دیکھتے نہیں! ان کے دودل ہیں: ایک دل تمہارے ساتھ ہے، اور دوسرا دل صحابہ کے ساتھ ہے، اس پر یہ آیت اتری کہ اللہ نے کسی کے سینہ میں دودل نہیں بنائے، یہ محض تمہاری کہی ہوئی بات ہے۔

(۱) أَدْعِيَاء: دَعِيّ کی جمع: لے پالک منہ بولا بیٹا/ بیٹی (۲) أقسط: اسم تفضیل: پورا انصاف کرنے والا، زیادہ انصاف والا (۳) مَوَالِي: مولی کی جمع: آزاد کردہ غلام، اصل معنی ہیں: قُرب، خواہ کیسا ہی ہو۔

پھراس کے ساتھ دواور بے حقیقت باتیں ملائی ہیں:

ایک: جاہلیت میں اگر کوئی اپنی بیوی کو ماں کہہ دیتا تو سمجھتے کہ وہ ساری عمر کے لئے اس پر حرام ہوگئی یعنی وہ واقعی ماں بن گئی، سورۃ المجادلہ (آیت ۲) میں اس کو ناپسندیدہ اور جھوٹی بات قرار دیا، اور کفارہ ادا کرنے کا حکم دیا، پس رہی وہ بہر حال بیوی، ماں نہیں بن گئی (ظہار کے احکام سورۃ المجادلہ کے شروع میں ہیں)

دوسری: جاہلیت میں کسی کے لڑکے/لڑکی کو بیٹا/ بیٹی بنالیتے تھے، گود لینے کا رواج آج بھی ہے، جاہلیت قدیمہ اور جدیدہ میں ان کو سچ مچ بیٹا/ بیٹی سمجھتے ہیں، ولدیت میں بھی گود لینے والے کا نام لکھتے ہیں، وارث بھی اس کو سمجھتے ہیں۔

اسلام نے ان آیات میں اس رسم کی اصلاح کی، فرمایا ــــ اللہ نے کسی شخص کے سینہ میں دو دل نہیں بنائے ــــ سینہ چیر کر دیکھو ایک ہی دل نکلے گا ــــ اور تمہاری ان بیویوں کو جن سے تم ظہار کرتے ہیں تمہاری مائیں نہیں بنایا ــــ ماں وہ ہے جس نے جنا ہے، بیوی نے شوہر کو کہاں جنا ہے؟ پھر وہ ماں کیسے بن سکتی ہے؟ ــــ اور تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے بیٹے نہیں بنایا ــــ بیٹا وہ ہے جو نطفہ سے پیدا ہوا ہے، گود لیا ہوا بچہ گود لینے والے کے نطفہ سے کہاں پیدا ہوا ہے؟ پھر وہ حقیقی بیٹا کیسے بن سکتا ہے؟ ــــ یہ تمہاری منہ سے کہی ہوئی بات ہے ــــ یعنی زبانی جمع خرچ کرنے سے کیا ہوتا ہے! ــــ اور اللہ تعالیٰ کھری بات فرماتے ہیں، اور وہ سیدھا راستہ دکھاتے ہیں ــــ پس ریت رواج کی بات چھوڑو، اللہ کی ہدایت کی پیروی کرو۔

کھری بات اور سیدھا راستہ: ــــ ان کو ان کے باپوں کی طرف منسوب کر کے پکارو ــــ تاکہ نسبی تعلقات واحکام میں اشتباہ واقع نہ ہو ــــ نبی ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو آزاد کر کے بیٹا بنایا تھا، لوگ جاہلیت کے دستور کے مطابق ان کو زید بن محمد کہتے تھے، پھر جب یہ آیت نازل ہوئی تو زید بن حارثہ کہنے لگے ــــ یہ اللہ کے نزدیک انصاف کی بات ہے ــــ انصاف: ظلم کی ضد ہے، اور ظلم کے معنی ہیں: حق تلفی، کسی کا حق مارنا، اور انصاف کے معنی ہیں: حقدار کو اس کا حق دینا، پس جو حقیقی باپ ہے اس کا حق ہے کہ ولدیت میں اس کا نام لکھا جائے، یہ حق اس کو دینا چاہئے۔

پس اگر تم کو ان کے باپوں کا پتہ نہ ہو ــــ مثلاً وہ بچہ پڑا ہوا ملا تھا، اس کو پالا اور بیٹا بنالیا یا کوئی بچہ غلام بنالیا گیا، پھر وہ بڑا ہوا، اور کسی نے اس کو آزاد کر کے بیٹا بنالیا، اور معلوم نہیں کہ اس کا باپ کون ہے؟ ــــ تو وہ تمہارے دینی بھائی اور تمہارے آزاد کردہ ہیں ــــ پس ان کو أخو فلان یا مولیٰ فلان کہو، اور فلاں کی جگہ گود لینے والے کا نام لو/لکھو ــــ اور تم پر کچھ گناہ نہیں بھول چوک سے پکارنے میں ــــ زبان پر چڑھی ہوئی بات کبھی بے خبری میں نکل جاتی ہے، پس اس میں کوئی گناہ نہیں ــــ ہاں ارادۃً پکارنے میں گناہ ہے ــــ کیونکہ وہ اللہ کے حکم کی خلاف ورزی ہے ــــ اور اللہ

تعالیٰ بڑے بخشنے والے نہایت مہربان ہیں ـــــ یعنی توبہ کرو، اللہ ضرور تمہارا گناہ بخش دیں گے۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِیْ کِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُهٰجِرِیْنَ اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓی اَوْلِیٰٓئِکُمْ مَّعْرُوْفًا ؕ کَانَ ذٰلِکَ فِی الْکِتٰبِ مَسْطُوْرًا ﴿۶﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ وَمِنْکَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ ۪ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّیْثَاقًا غَلِیْظًا ﴿۷﴾ لِّیَسْئَلَ الصّٰدِقِیْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَاَعَدَّ لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۸﴾

اَلنَّبِیُّ(۱)	یہ نبی	اِلَّآ	مگر	وَمُوْسٰے	اور موسیٰ سے
اَوْلٰی(۲)	اقرب ہیں	اَنْ تَفْعَلُوْٓا	یہ کہ کرو تم	وَعِیْسَی	اور عیسیٰ سے
بِالْمُؤْمِنِیْنَ	مؤمنین سے	اِلٰٓی اَوْلِیٰٓئِکُمْ	تمہارے دوستوں کے ساتھ	ابْنِ مَرْیَمَ	بیٹے مریم کے
مِنْ اَنْفُسِهِمْ	ان کی جانوں سے	مَّعْرُوْفًا	حسن سلوک	وَاَخَذْنَا	اور لیا ہم نے
وَاَزْوَاجُهٗٓ	اور ان کی بیویاں	کَانَ ذٰلِکَ	ہے یہ بات (بھی)	مِنْهُمْ	ان سے
اُمَّهٰتُهُمْ	ان کی مائیں ہیں	فِی الْکِتٰبِ	کتاب الٰہی میں	مِّیْثَاقًا	عہد
وَاُولُوا الْاَرْحَامِ	اور قرابت دار	مَسْطُوْرًا	لکھی ہوئی	غَلِیْظًا	پکا (گاڑھا)
بَعْضُهُمْ	ان کے بعض	وَاِذْ اَخَذْنَا	اور یاد کرو جب لیا ہم نے	لِیَسْئَلَ	تاکہ پوچھیں اللہ
اَوْلٰے	اقرب ہیں	مِنَ النَّبِیّٖنَ	نبیوں سے	الصّٰدِقِیْنَ	سچوں سے
بِبَعْضٍ	بعض سے	مِیْثَاقَهُمْ(۴)	ان کا عہد	عَنْ صِدْقِهِمْ	ان کے سچ کے بارے میں
فِیْ کِتٰبِ اللّٰهِ	نوشتۂ الٰہی میں	وَمِنْکَ	اور آپ سے	وَاَعَدَّ	اور تیار کیا ہے
مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ(۳)	مؤمنین سے	وَمِنْ نُّوْحٍ	اور نوح سے	لِلْکٰفِرِیْنَ	منکروں کے لئے
وَالْمُهٰجِرِیْنَ	اور مہاجرین سے	وَّاِبْرٰهِیْمَ	اور ابراہیم سے	عَذَابًا اَلِیْمًا	دردناک عذاب

(۱) النبی میں الف لام عہدی ہے، مراد نبی ﷺ ہیں (۲) اَولی: اسم تفضیل: زیادہ قریب، زیادہ لائق، زیادہ مستحق مادّہ ولی، جس کے اصل معنی ہیں: پے در پے، مسلسل واقع ہونا، اس لحاظ سے قریب کے معنی میں اس کا استعمال ہوتا ہے (۳) المؤمنین سے انصار مراد ہیں (۴) میثاق: عہد، پیمان، وچن، پختہ وعدہ۔

روحانی قربت اور دینی اخوت پر نسب کے احکام جاری نہیں ہوتے

متبنّیٰ (لے پالک) کے جو احکام بیان ہوئے اس پر جاہلیت قدیمہ وجدیدہ چیں بجبیں ہے، لوگ کہتے ہیں: ایک بچہ/بچی گود لی، اولاد کی طرح اس کو پالا پوسا، اولاد جیسا اس سے تعلق ہوگیا، پھر جب بڑا ہوا تو اجنبی ہوگیا، پردے کے احکام لازم ہوگئے، میراث سے محروم رہ گیا، اب کہاں وہ دربدر ٹھوکریں کھائے گا؟ —— اللہ پاک ان کو دو مثالوں سے سمجھاتے ہیں کہ وہ احکام معقول ہیں، روحانی قرب خواہ کتنا بھی ہو اس پر نسب کے احکام جاری نہیں ہوتے، نبی ﷺ اور مؤمنین میں غایت درجہ قرب ہے، وہ امت کے باپ ہیں، اور ان کی ازواج امت کی مائیں ہیں، مگر یہ روحانی تعلق ہے، چنانچہ مؤمنات سے نبی ﷺ کا نکاح جائز ہے، حالانکہ وہ بیٹیاں ہیں، اور ازواج سے مؤمنین کو پردہ کا حکم ہے، حالانکہ وہ مائیں ہیں، کیونکہ یہ روحانی تعلق ہے، اس پر نسب کے احکام جاری نہیں ہوتے —— دوسری مثال: ہجرت کے بعد مہاجرین وانصار میں مواخات کرائی گئی، اور بھائیوں میں اس درجہ مودت ومحبت کا تعلق ہوگیا کہ ابتدا میں اس کی بنیاد پر میراث دلوائی گئی، مگر بعد میں یہ حکم ختم کردیا، قرابت داروں کو میراث کا مستحق قرار دیا، کیونکہ دینی اخوت ومودت پر میراث کے احکام جاری نہیں ہوتے، نسبی تعلق میراث کی بنیاد ہے —— رہی متبنّیٰ کی پریشانی تو حسن سلوک سے کس نے روکا ہے؟ زندگی میں جتنا چاہے دے اور موت کے بعد تہائی ترکہ سے وصیت کرے، اور کوئی رشتہ دار نہ ہو تو سارے ترکہ کی بھی وصیت کرسکتا ہے۔

آیت پاک: —— نبی (ﷺ) مؤمنین سے ان کی ذاتوں سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں —— وہ ہماری وہ ہمدردی فرماتے ہیں کہ ہم خود ہماری ویسی خیر خواہی نہیں کرسکتے، اس لئے آپ مؤمنین کے حق میں بمنزلۂ باپ کے ہیں، بلکہ اس سے بھی بہ مراتب بڑھ کر، سنن ابی داؤد میں ہے: إنما أنا لكم بمنزلة الوالد: میں تمہارے لئے بمنزلہ باپ کے ہوں، اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءت میں: ﴿النَّبِيُّ أَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ﴾ کے بعد وهو أَبٌ لهم بھی ہے —— اور آپ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں —— یہ آدھا مضمون ہے، دوسرا آدھا وہ ہے جو اوپر مذکور ہوا کہ آپ ﷺ مؤمنین کے باپ ہیں —— مگر یہ ایمانی اور روحانی تعلق ہے، اطاعت میں نبی ﷺ کا درجہ باپ سے بڑھا ہوا ہے اور خدمت میں امہات المؤمنین کا، مگر اس پر نسب کے احکام جاری نہیں ہونگے۔

دوسری مثال: —— اور قرابت دار ایک دوسرے سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں نوشتۂ الٰہی میں، بہ نسبت دوسرے مؤمنین اور مہاجرین کے —— نبی ﷺ نے ہجرت کے بعد مہاجرین وانصار میں سے دو دو آدمیوں کو آپس میں بھائی بنادیا تھا، اور اس اخوت کی بنیاد پر میراث بھی ملتی تھی، بعد میں جب مہاجرین کے قرابت دار مسلمان ہوگئے تو ناتا کو بھائی

چارہ سے مقدم کردیا ــــ مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں سے کچھ سلوک کرو، یہ بات بھی نوشتۂ الٰہی میں لکھی ہوئی ہے ــــ یعنی ہدیہ دو یا تہائی ترکہ سے وصیت کرو، اس کی گنجائش ہے ــــ متبنی کے ساتھ بھی اسی طرح حسن سلوک کیا جاسکتا ہے۔

مؤمنین نے بہ توسط انبیاء اللہ تعالیٰ سے عہد کیا ہے کہ وہ احکام پر عمل کریں گے

اب تبنّی (گود لینے) کی بحث ختم کرتے ہیں، اور نصیحت فرماتے ہیں کہ متبنّی کے سلسلہ میں جو احکام دیئے گئے ہیں ان پر عمل کرو، کیونکہ مؤمنین نے انبیاء کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ کو پختہ وچن دیا ہے کہ وہ احکام الٰہی پر عمل کریں گے، چنانچہ قیامت کے دن اس کی جانچ ہوگی کہ کس نے عمل کیا اور کس نے نہیں کیا؟ جس نے عمل کیا اس کو انعامات سے نوازا جائے گا، اور جس نے انکار کیا اس کو دردناک عذاب سے سابقہ پڑے گا، ارشاد فرماتے ہیں: ــــ اور (یاد کرو) جب ہم نے تمام نبیوں سے ان کا عہد لیا ــــ عہد الست میں یہ عہد تمام نبیوں کی امتوں سے بھی لیا گیا ہے، مگر اشرف کا ذکر فرمایا، جیسے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم تمام زمینی مخلوقات کو دیا تھا، مگر فرشتوں کا تذکرہ اس لئے کیا کہ وہ اشرف مخلوق تھے، اور بڑوں کو جو حکم دیا جاتا ہے وہ چھوٹوں کے لئے بھی ہوتا ہے، چنانچہ تمام انبیاء کے تذکرہ کے بعد پانچ اولوالعزم انبیاء کا تذکرہ فرماتے ہیں ــــ اور آپؐ سے، اور نوح وابراہیم وموسیٰ سے اور مریم کے بیٹے عیسیٰ سے اور ہم نے ان سے خوب پختہ عہد لیا ــــ عیسیٰ کے ساتھ ابن مریم: عیسائیوں کے عقیدۃ کی تردید کے لئے بڑھایا ہے کہ جو بندہ جنا گیا وہ خدایا خدائی میں حصہ دار کیسے ہوسکتا ہے۔

عہد کا انجام: ــــ تاکہ سچوں سے ان کے سچ کے بارے میں تحقیق کرے، اور منکروں کے لئے دردناک سزا تیار کی ہے ــــ لیسئل: میں لامِ عاقبت ہے، یعنی وچن دیا ہے تو تحقیق بھی ہوگی کہ پورا کیا یا توڑ دیا ــــ اسی عہد و میثاق کو سورت کے آخر میں امانت سے تعبیر کیا ہے یعنی مکلّف ہونے کی صلاحیت انسان میں رکھی ہے، آخرت میں اسی کا جائزہ لیا جائے گا۔

ربط: اس سورت کی پہلی آیت میں ہے: اے پیغمبر! اللہ سے ڈریں یعنی اس کے احکام کی تعمیل کریں، اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ مانیں، یہ پوری سورت اسی آیت کی تفسیر ہے، ایک معاملہ بیان ہو چکا، منافقین نے نبی ﷺ کو 'دودلا' کہہ کر ٹھیکری اڑائی تھی، اس کا بیان پورا ہوا۔ اب غزوۂ احزاب وقریظہ کا بیان شروع ہوتا ہے، ان غزوات میں کفار ومنافقین کا کردار کیا رہا؟ یہ بات دور تک بیان کی گئی ہے، پہلے آپ ان دونوں غزوات کی تفصیل پڑھ لیں تاکہ آیاتِ پاک کو سمجھنے میں مدد ملے۔

غزوۂ احزاب یا غزوۂ خندق

(مع غزوۂ بنو قریظہ)

أحزاب: حِزْب کی جمع ہے، اس کے معنی ہیں: پارٹی، طاقت ور جماعت، ایسی جماعت جس میں یکساں اغراض ومقاصد کے لئے لوگ شامل ہوں، اس غزوہ میں چونکہ قریش، غطفان، کنانہ اور تہامہ میں آباد دوسرے حلیف قبائل حملہ آور ہوئے تھے، اس لئے اس کا نام غزوہ احزاب ہے۔

الخندق: میدانِ جنگ میں دشمن کے حملہ سے حفاظت کے لئے کھودا ہوا گہرا اور لمبا گڑھا، چونکہ اس جنگ میں جبل سَلَع کے پاس دشمن کا دباؤ روکنے کے لئے لمبا گڑھا کھودا گیا تھا، اس لئے اس کا نام غزوۂ خندق بھی ہے۔

واقعات کا تسلسل:

۱- جب ابوسفیان اور اس کے رفقاء غزوۂ احد سے واپس ہونے لگے تو ابوسفیان نے کہا تھا: آئندہ سال بدر میں پھر لڑیں گے، رسول اللہ ﷺ نے جواب دلوایا: ٹھیک ہے، یہ بات ہمارے اور تمہارے درمیان طے رہی، چنانچہ اگلے سال نبی ﷺ نے جنگ کی تیاری شروع کی اور شعبان ۴ ہجری میں آپؐ نے طے شدہ جنگ کے لئے بدر کا رخ کیا، آپؐ کے ساتھ ڈیڑھ ہزار فوج تھی، اور دس گھوڑے تھے، آپؐ بدر پہنچ کر مشرکین کے انتظار میں خیمہ زن ہو گئے۔

دوسری طرف ابوسفیان بھی پچاس سواروں سمیت دو ہزار مشرکین کی جمعیت لے کر روانہ ہوا اور مکہ سے ایک مرحلہ پر وادی مرالظہران پہنچ کر مِجَنَّہ نامی چشمہ پر خیمہ زن ہوا، مگر وہ مکہ سے بوجھل اور بددل نکلا تھا، وہ خوف زدہ ہو گیا، مرالظہران میں اس کی ہمت جواب دے گئی، اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا: جنگ اس وقت موزوں ہوتی ہے جب شادابی اور ہریالی ہو، جانور چر سکیں اور تم دودھ پی سکو، اِس وقت خشک سالی ہے، لہٰذا میں واپس جا رہا ہوں، تم بھی واپس چلو، ابوسفیان کے اس اعلان کی کسی نے مخالفت نہیں کی، گویا سب اس اعلان کے منتظر تھے، مسلمانوں نے بدر میں آٹھ دن تک دشمن کا انتظار کیا، سامانِ تجارت بیچ کر نفع حاصل کیا اور اس شان سے مدینہ واپس آئے کہ دلوں پر ان کی دھاک بیٹھ چکی تھی، اور ماحول پر ان کی گرفت مضبوط ہو چکی تھی (یہ غزوۂ بدر دوم اور غزوۂ بدر صغری کہلاتا ہے)

۲- احد میں جیتی ہوئی جنگ قریش نے ہار دی تھی، جنگ کے آخر میں ان کا ہاتھ اوپر ہو گیا تھا، مگر وہ لوگ فتح کا کوئی فائدہ اٹھائے بغیر واپس ہو گئے، وہ مسلمانوں کا استیصال نہیں کر سکے، اس کا ان کو شدید افسوس تھا، اس لئے وہ چاہتے تھے کہ مدینہ والوں کے ساتھ ایک فیصلہ کن جنگ لڑیں اور مسلمانوں کی جڑ کاٹ دیں۔

۳- بنونضیر کے یہودی جو مدینہ سے جلاوطن کئے گئے تھے اور خیبر میں جا کر آباد ہو گئے تھے، ان کا دلوں کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہوا تھا، جب دور دور تک مسلمانوں کی حکمرانی کا سکہ بیٹھ گیا تو انہیں سخت جلن ہوئی، انھوں نے نئے سرے سے سازش شروع کی اور مسلمانوں پر ایک ایسی آخری کاری ضرب لگانے کی تیاری شروع کی جس کے نتیجہ میں مسلمانوں کا چراغ گل ہو جائے، چونکہ ان میں براہِ راست مسلمانوں سے ٹکر لینے کی جرأت نہیں تھی، اس لئے انھوں نے ایک خطرناک پلان بنایا، بنونضیر کے بیس سردار مکہ قریش کے پاس گئے، اور انہیں مسلمانوں کے خلاف آمادۂ جنگ کرنے کے لئے اپنی مدد کا پورا یقین دلایا، اس کے بعد یہود کا یہ وفد بنوغطفان کے پاس گیا اور قریش ہی کی طرح انہیں بھی آمادۂ جنگ کیا، وہ بھی تیار ہو گئے، پھر اس وفد نے باقی قبائل عرب میں گھوم کر لوگوں کو جنگ کی ترغیب دی، چنانچہ ان قبائل کے بھی بہت سے افراد تیار ہو گئے، اس طرح یہودی بازی گروں نے کامیابی کے ساتھ کفر کے بڑے بڑے گروہوں اور جتھوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکا کر جنگ کے لئے تیار کر لیا، چنانچہ شوال ۵ ہجری میں قریش، کنانہ اور تہامہ میں آباد دوسرے حلیف قبائل نے مدینہ کی جانب کوچ کیا، ان کا سپہ سالار ابوسفیان تھا، اور ان کی تعداد چار ہزار تھی، جب یہ لشکر مرالظہر ان پہنچا تو بنوسلیم بھی اس میں آشامل ہوئے اور مشرق کی طرف سے غطفانی قبائل: فزارہ، مرّہ اور اشجع نے کوچ کیا، ان تمام قبائل نے ایک مقررہ وقت اور مقررہ پروگرام کے ماتحت مدینے کا رخ کیا، ان کی مجموعی تعداد دس ہزار تھی، جو مدینہ کی پوری آبادی سے بھی زیادہ تھی، یہ سب یہ عزم مصمم لے کر چلے تھے کہ اس مرتبہ مسلمانوں کا استیصال کر کے ہی لوٹیں گے۔

۴- نبی ﷺ کو جب ان کی روانگی کی اطلاع ہوئی تو آپؐ نے صحابہ سے مشورہ کیا، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے خندق کھودنے کا مشورہ دیا، انھوں نے کہا: میدان میں مقابلہ مناسب نہیں، فارس میں جب زبردست لشکر حملہ آور ہوتا ہے تو خندق کھود کر دشمن کا مقابلہ کیا جاتا ہے، نبی ﷺ نے اور صحابہ نے اس رائے کو پسند کیا، چنانچہ آپؐ نے خط کھینچ کر دس دس آدمیوں پر دس دس گز زمین تقسیم کی اور کھدائی کا کام شروع ہو گیا، یہ قحط کا زمانہ تھا، سردی کا موسم تھا، راتیں ٹھنڈی تھیں، ٹھنڈی ہواؤں کے جھکڑ چل رہے تھے، صحابہ پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے تھے، تین ہزار صحابہ ذوق وشوق سے خندق کھودنے میں جُتے ہوئے تھے، جذبہ ایمانی پر جوش تھا، سب مل کر نغمہ زن تھے، سرکارِ مدینہ بذاتِ خود شریک کار تھے، شکم مبارک غبار سے اٹ گیا تھا، اور زبان پر حمد وشکر کا ترانہ تھا۔

۵- چھ دن میں کوہ سلع کے قریب خندق کی کھدائی مکمل ہوئی، اور لشکر اسلام وہاں خیمہ زن ہوا، کفار کا لشکر مدینہ پہنچا تو خندق نے ان کا استقبال کیا، وہ حیران رہ گئے، یہ صورتِ حال ان کے لئے نئی تھی، اور پریشان کن بھی، خندق عبور کرنے کی کوئی صورت نہیں تھی، طرفین سے تیراندازی شروع ہوگئی، بیس دن یا ایک ماہ تک یہ سلسلہ جاری رہا۔

۶-مشرکین خندق پار کرنے کی پوری کوشش کرتے تھے، لیکن مسلمان تیروں سے ان کا مقابلہ کرتے تھے اور ایسی پامردی سے ان کا مقابلہ کرتے تھے کہ ان کی ہر کوشش ناکام ہوجاتی تھی، اُن پُر زور مقابلوں میں نبی ﷺ اور صحابہ کرام کی بعض نمازیں بھی فوت ہوگئیں، جو بعد میں قضا کی گئیں، اور اسی تیراندازی کے دوران صدیق الانصار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو بھی ایک تیر لگا جس سے ان کے بازو کی شہ رگ کٹ گئی، اور وہی بالآخر ان کی موت کا سبب بنی۔

۷-لشکر کفار کے شہسواروں کو گوارہ نہ تھا کہ اس طرح خندق کے پاس نتائج کے انتظار میں بے فائدہ محاصرہ کئے پڑے رہیں، چنانچہ ان کی ایک جماعت نے جن میں عمرو بن وُدّ، عکرمہ بن ابی جہل اور ضرار بن خطاب وغیرہ تھے، ایک تنگ مقام سے خندق پار کرلی اور مسلمانوں کو مقابلہ کے لئے للکارا، ادھر سے حضرت علی رضی اللہ عنہ چند مسلمانوں کے ہمراہ نکلے، اور عمرو بن وُدّ کے مقابل ہوئے، دونوں میں پُر زور ٹکر ہوئی، ایک نے دوسرے پر بڑھ چڑھ کر وار کئے، بالآخر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کا کام تمام کردیا، باقی مشرکین بھاگ کر خندق پار چلے گئے، وہ اس قدر حواس باختہ تھے کہ عکرمہ بھاگتے ہوئے اپنا نیزہ بھی چھوڑ گیا۔

۸-ایک طرف مسلمان محاذِ جنگ پر مشکلات سے دوچار تھے، دوسری طرف سازش جاری تھی، خیبر کے یہود اس کوشش میں تھے کہ مسلمانوں سے آخری بدلہ لے لیں، مجرم اکبر بنونضیر کا سردار حُیَیّ بن اخطب بنوقریظہ کے پاس آیا، اور ان کے سردار کعب بن اسعد کو ورغلایا، یہ شخص بنوقریظہ کی طرف سے عہد و پیمان باندھنے توڑنے کا مختار و مُجاز تھا، اور اسی نے نبی ﷺ سے معاہدہ کیا تھا کہ جنگ کے مواقع پر اس کا قبیلہ آپ کی مدد کرے گا، حیی: کعب کے پاس آیا اور طرح طرح کی باتیں کرکے اور سبز باغ دکھا کر کعب کو عہد توڑنے پر راضی کرلیا اور بنوقریظہ عملی طور پر جنگی کاروائیوں میں مصرف ہوگئے، اور مشرکین کے ساتھ اپنے اتحاد کا عملی ثبوت پیش کرنے کے لئے رسد رسانی شروع کردی، حتی کہ مسلمانوں نے ان کی رسد کے بیس اونٹوں پر قبضہ بھی کرلیا۔

۹-عورتوں کو 'فارع' نامی قلعہ میں حفاظت کی غرض سے جمع کیا گیا تھا، اور ان کی نگرانی کے لئے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا گیا تھا، ایک یہودی اس قلعہ کے اردگرد چکر کاٹنے لگا، یہ اس وقت کی بات ہے جب بنوقریظہ عہد و پیمان توڑ کر مسلمانوں کے ساتھ برسرِ پیکار ہوچکے تھے، اور عورتوں اور بچوں کی طرف سے کوئی دفاع کرنے والا نہ تھا، اس لئے نبی ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے کہا: یہ یہودی قلعہ کا چکر کاٹ رہا ہے، اور مجھے اندیشہ ہے کہ باقی یہود ہماری کمزوری سے آگاہ ہوجائیں گے کہ قلعہ میں کوئی فوج نہیں ہے، اور رسول اللہ ﷺ اور مسلمان ان کی مدد کو نہیں پہنچ سکتے، وہ اپنے معاملات میں الجھے ہوئے ہیں، پس ایسا نہ ہو کہ یہود قلعہ پر

چڑھائی کردیں، تم جاکراس کو قتل کردو، حضرت حسانؓ نے کہا: تم جانتی ہو کہ میں اس کام کا آدمی نہیں ہوں، پس حضرت صفیہؓ نے خود کمر باندھی، ایک بھاری لکڑی لی، اور قلعے سے اتر کر اس یہودی کے پاس پہنچی اور اس کو لکڑی سے مار مار کر ختم کردیا، پھر واپس آئیں اور حضرت حسان سے کہا: جاؤ، اس کے ہتھیار اتار لاؤ، حضرت حسانؓ نے کہا: مجھے اس کی ضرورت نہیں۔

۱۰- جب نبی ﷺ کو بنوقریظہ کی بدعہدی کی اطلاع ملی تو آپؐ نے فوراً تحقیق حال کے لئے اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ کو اور خزرج کے سردار حضرت سعد بن عبادۃ کو روانہ کیا، اور اُن سے کہہ دیا کہ اگر نقضِ عہد کی خبر صحیح ہو تو مبہم خبر دینا، جب یہ دونوں حضرات ان کے قریب پہنچے تو ان کو انتہائی خباثت پر آمادہ پایا، انھوں نے علانیہ گالیاں بکیں اور رسول اللہ ﷺ کی اہانت کی، انھوں نے کہا: اللہ کا رسول کون ہوتا ہے؟ ہمارے اور محمد کے درمیان کوئی عہد نہیں، یہ سن کر وہ دونوں حضرات واپس آئے، اور مبہم الفاظ میں کہا: عَضَل وقارہ! یعنی ان قبائل کی طرح بنوقریظہ نے بھی بدعہدی کی ہے، یہ بات اگرچہ اشارہ کنایہ میں کہی گئی تھی، مگر عام لوگوں کو صورتِ حال کا علم ہوگیا، اور اس طرح ایک خوفناک خطرہ ان کے سامنے مجسم ہوگیا۔

۱۱- اسی موقعہ پر منافقین نے بھی سر ابھارا، وہ کہنے لگے: محمد ہم سے وعدے کرتے تھے کہ ہم قیصر وکسری کے خزانے کھائیں گے، اور یہاں حالت یہ ہے کہ استنجے جانا بھی خطرہ سے خالی نہیں، اور بعض منافقین اپنے سرداروں سے یہ کہہ کر اپنے گھروں کو روانہ ہوگئے کہ ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں، ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم اپنے گھروں کی خبر لیں۔

۱۲- ایک طرف لشکر کا یہ حال تھا، دوسری طرف رسول اللہ ﷺ کی یہ حالت تھی کہ آپ بنوقریظہ کی بدعہدی کی خبر سن کر اپنا سر اور چہرہ کپڑے سے ڈھانک کر چت لیٹ گئے، اور دیر تک لیٹے رہے، اس سے صحابہ کا اضطراب بڑھ گیا، مگر جلد ہی آپ ﷺ پر امید غالب آگئی، آپؐ اٹھ بیٹھے، اور فرمایا: مسلمانو! اللہ کی مدد اور فتح کی خوش خبری سن لو! اس کے بعد آپؐ نے پیش آمدہ حالات سے نمٹنے کی صورتوں پر غور شروع کیا، چنانچہ مدینہ کی حفاظت کے لئے فوج کا ایک حصہ روانہ فرمایا، تاکہ یہود کی طرف سے عورتوں اور بچوں پر اچانک کوئی حملہ نہ ہوجائے۔

علاوہ ازیں: ایک فیصلہ کن اقدام کی ضرورت تھی، جس سے دشمن کے مختلف گروہوں میں پھوٹ پڑ جائے اور ان کو ایک دوسرے سے الگ کردیا جائے، چنانچہ آپؐ نے سوچا کہ بنوغطفان کے دونوں سرداروں عیینہ بن حصن اور حارث بن عوف سے مدینہ کی ایک تہائی پیداوار پر مصالحت کرلی جائے، تاکہ وہ اپنے قبیلوں کو لے کر واپس ہوجائیں اور تنہا قریش سے نمٹنا آسان ہوجائے۔

مگر جب آپؐ نے حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما سے اس سلسلہ میں مشورہ کیا تو دونوں

سرداروں نے بیک زبان کہا: یارسول اللہ! اگر یہ اللہ کا حکم ہے تو سر آنکھوں پر! اور اگر آپؐ محض ہماری خاطر ایسا کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اس کی ضرورت نہیں، جب ہم مشرک تھے تب وہ لوگ میزبانی یا خرید وفروخت کے سوا ایک دانے کی بھی طمع نہیں کر سکتے تھے، اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو دولتِ اسلام سے نوازا، اور آپؐ کے ذریعہ عزت بخشی، ہم اپنا مال ان کو کیسے دے سکتے ہیں؟ اب تو ہم ان کو اپنی تلواریں دیں گے! آپؐ نے فرمایا: جب میں نے دیکھا کہ سارا عرب تم پر پل پڑا ہے اور ایک کمان سے وار کیا ہے تو تمہاری خاطر میں نے یہ کام کرنا چاہا تھا۔

۱۳- پھر اللہ کا فضل ہوا، دشمن میں پھوٹ پڑ گئی، اور ان کی دھار کند ہوگئی، ہوا یہ کہ بنوغطفان کے ایک صاحب جن کا نام نُعیم بن مسعود بن عامر اشجعی تھا، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور مسلمان ہوئے، اور عرض کیا کہ ابھی لوگوں کو میرے اسلام کا علم نہیں، آپ مجھے کوئی حکم دیں، میں اس کی تعمیل کروں گا، آپؐ نے فرمایا: تم فقط ایک آدمی ہو (اس لئے کوئی فوجی اقدام تو کر نہیں سکتے) ہاں تم دشمن میں پھوٹ ڈالو، اور ان کی حوصلہ شکنی کرو، کیونکہ جنگ خُدْعَةٌ (چال چلنے کا نام) ہے۔

چنانچہ حضرت نُعیم رضی اللہ عنہ فوراً بنوقریظہ کے پاس پہنچے (زمانہ جاہلیت سے ان کا ان کے ساتھ بڑا میل جول تھا) وہاں پہنچ کر ان سے کہا: آپ لوگ جانتے ہیں: مجھے آپ لوگوں سے محبت اور خصوصی تعلق ہے، انھوں نے کہا: جی ہاں! نعیم نے کہا: پھر سنو! قریش کا معاملہ آپ لوگوں سے مختلف ہے، آپ لوگ یہاں کے ہیں، آپ لوگوں کا گھر بار یہاں ہے، مال ودولت اور کاروبار یہاں ہے، آپ لوگ اسے چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتے اور قریش وغطفان باہر کے ہیں، وہ محمد سے جنگ کرنے آئے تو آپ لوگوں نے ان کا ساتھ دیا، کل کو اگر وہ بوریا بستر باندھ کر چل دیئے تو آپ لوگ ہونگے اور محمد ہونگے، وہ جس طرح چاہیں گے آپ لوگوں سے انتقام لیں گے، اس پر بنوقریظہ چونکے، انھوں نے کہا: بتایئے اب کیا کیا جائے؟ نعیم نے کہا: قریش جب تک آپ لوگوں کو اپنے آدمی یرغمال کے طور پر نہ دیں آپ ان کے ساتھ جنگ میں شریک نہ ہوں، بنوقریظہ نے کہا: آپ نے بہت مناسب رائے دی!

پھر نعیم سیدھے قریش کے پاس پہنچے اور ان سے کہا: آپ لوگوں سے مجھے جو محبت اور جذبہ خیر خواہی ہے، اسے آپ جانتے ہیں؟ انھوں نے کہا: جی ہاں! نعیم نے کہا: اچھا تو اب سنو! بنوقریظہ نے محمد کے ساتھ جو عہد شکنی کی ہے وہ اس پر نادم ہیں، اور اب ان لوگوں نے طے کیا ہے کہ وہ آپ لوگوں سے کچھ یرغمال حاصل کر کے محمد کے حوالے کریں گے، اور اس طرح محمد سے اپنا معاملہ استوار کرلیں گے، لہٰذا اگر وہ یرغمال طلب کریں تو آپ لوگ ہرگز اپنے آدمی نہ دیں، پھر غطفان کے پاس جا کر بھی یہی بات کہی، اس طرح ان کے بھی کان کھڑے کر دیئے۔

اس کے بعد جمعہ اور ہار کی درمیانی رات میں قریش نے یہود کے پاس پیغام بھیجا کہ ہمارا قیام کسی سازگار اور موزون جگہ میں نہیں ہے، گھوڑے اور اونٹ مر رہے ہیں، اس لئے ادھر سے ہم اور اُدھر سے آپ لوگ اٹھیں اور ایک ساتھ محمد پر حملہ کردیں، یہود نے جواب دیا: آج ہار کا دن ہے، ہم آج کچھ نہیں کرسکتے، علاوہ ازیں جب تک آپ لوگ اپنے کچھ آدمی یرغمال کے طور پر نہیں دیں گے ہم لڑائی میں شریک نہیں ہونگے، جب یہ جواب قریش اور غطفان کو پہنچا تو انھوں نے کہا: واللہ! نعیم نے سچ کہا تھا! چنانچہ انھوں نے یہود کو کہلا بھیجا کہ خدا کی قسم! ہم آپ کو کوئی آدمی نہیں دیں گے، بغیر کسی ضمانت کے آپ لوگ ہمارے ساتھ مل کر محمد سے لڑیں، یہ سن کر بنو قریظہ نے کہا: واللہ! نعیم نے ہم سے سچ ہی کہا تھا! اس طرح دونوں فریق کا اعتماد ایک دوسرے سے اٹھ گیا، اور ان کی صفوں میں پھوٹ پڑگئی، اور ان کے حوصلے ٹوٹ گئے۔

۱۴- اِدھر رسول اللہ ﷺ اور مسلمان دعاؤں میں لگے ہوئے تھے: **اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَ آمِنْ رَوْعَاتِنَا**: اے اللہ! ہماری پردہ پوشی فرما! اور ہمیں خطرات سے مامون فرما، اور نبی ﷺ یہ دعا فرمارہے تھے: **اَللّٰهُمَّ! مُنْزِلَ الْكِتَابِ، سَرِيْعَ الْحِسَابِ، اهْزِمِ الْأَحْزَابَ، اَللّٰهُمَّ اهْزِمْهُمْ وَزَلْزِلْهُمْ**: اے اللہ! اے قرآن کے اتارنے والے! اے جلدی حساب لینے والے! ان لشکروں کو شکست دیں، اے اللہ! انہیں شکست دیں اور انہیں جھنجھوڑ کر رکھ دیں!

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی اور مسلمانوں کی دعائیں سن لیں، اور تند و تیز ہواؤں کا طوفان بھیج دیا، جس نے کفار کے خیمے اکھاڑ دیئے، ہانڈیاں پلٹ دیں، طنابیں اکھاڑ دیں اور کسی چیز کو قرار نہ رہا، ساتھ ہی فرشتوں کا لشکر بھیج دیا جس نے ان کو ہلا کر رکھ دیا، اور ان کے دلوں میں رعب اور خوف ڈال دیا اور ان کے کمانڈر انچیف نے واپسی کا اعلان کردیا، صبح ہوئی تو میدان صاف تھا، اس طرح اللہ تعالیٰ نے دشمن کو کسی خیر کے حصول کا موقعہ دیئے بغیر غیظ وغضب میں بھرے ہوئے واپس کردیا، اور اللہ تعالیٰ ان سے جنگ کے لئے کافی ہوگئے، اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کیا، مسلمانوں کے لشکر کو عزت بخشی اور تن تنہا سارے لشکر کو شکست دیدی اور آپؐ لشکر کے ساتھ مظفر ومنصور مدینہ واپس آئے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۝

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ	اے جو	لَّمۡ تَرَوۡهَا	جن کو تم نے دیکھا نہیں	الۡقُلُوۡبُ	دل
اٰمَنُوا	ایمان لائے	وَكَانَ اللّٰهُ	اور ہیں اللہ تعالیٰ	الۡحَنَاجِرَ(۲)	گلوں تک
اذۡكُرُوۡا	یاد کرو	بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ	جو کچھ تم کرتے ہو	وَتَظُنُّوۡنَ	اور گمان کرنے لگے تم
نِعۡمَةَ اللّٰهِ	اللہ کا احسان	بَصِيۡرًا	دیکھنے والے	بِاللّٰهِ	اللہ کے بارے میں
عَلَيۡكُمۡ	تم پر	اِذۡ جَآءُوۡكُمۡ	جب آئے وہ تم پر	الظُّنُوۡنَا	طرح طرح کے گمان
اِذۡ جَآءَتۡكُمۡ	جب آئیں تم پر	مِّنۡ فَوۡقِكُمۡ	تمہارے اوپر سے	هُنَالِكَ	اس جگہ
جُنُوۡدٌ	فوجیں	وَمِنۡ اَسۡفَلَ	اور نیچے سے	ابۡتُلِىَ	جانچے گئے
فَاَرۡسَلۡنَا	پس بھیجی ہم نے	مِنۡكُمۡ	تمہارے	الۡمُؤۡمِنُوۡنَ	مؤمنین
عَلَيۡهِمۡ	ان پر	وَاِذۡ زَاغَتِ(۱)	اور جب ٹیڑھی ہوگئیں	وَزُلۡزِلُوۡا	اور جھنجھوڑے گئے
رِيۡحًا	ہوا	الۡاَبۡصَارُ	آنکھیں	زِلۡزَالًا	جھنجھوڑنا
وَّجُنُوۡدًا	اور ایسی فوجیں	وَبَلَغَتِ	اور پہنچ گئے	شَدِيۡدًا	سخت

غزوۂ احزاب میں مشرکین کے تمام جتھوں نے مدینہ پر ہلّہ بول دیا

ارشادِ پاک ہے: —— اے ایمان والو! تم اپنے اوپر اللہ کا احسان یاد کرو، جب تم پر لشکر چڑھ آئے، پس ہم نے ان پر ہوا اور ایسے لشکر بھیجے جن کو تم نے دیکھا نہیں! —— یعنی فرشتوں کی فوجیں اتار دیں، جو کفار کے دلوں میں رعب ڈال رہی تھیں —— اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کر رہے تھے دیکھ رہے تھے —— یعنی تم سخت جاڑے میں پیٹ پر پتھر باندھ کر اسلام کی حفاظت کے لئے خندق کھود رہے تھے، پھر جب دشمن نے ہلّہ بول دیا تو تم نے مردانہ وار مقابلہ کیا، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ دیکھ رہے تھے، چنانچہ جب محاصرہ طویل ہوگیا تو اللہ تعالیٰ نے مدد بھیجی، سرد ہوا کے جھکڑ چلے اور فرشتے اترے، جنھوں نے دشمن کے دلوں میں رعب ڈالا، جس سے ان کی ہوا اکھڑ گئی، اور وہ سر پے پیر رکھ کر بھاگے، اور تم مظفر و منصور لوٹے، یہ اللہ کا احسان یاد کرو، اور اس کا شکر بجالاؤ۔

(یاد کرو) جب لوگ تم پر چڑھ آئے، تمہاری اوپر کی جانب سے —— اِدھر مشرق کی جانب میں بنو قریظہ تھے —— اور تمہاری نیچے کی جانب سے —— اِدھر مغربی جانب میں قریش، اسد، غطفان اور سلیم تھے —— اور جب آنکھیں پھٹی

(۱) زاغ (ض) زیغا: اعتدال سے ہٹنا، کج ہونا (۲) الحناجر: حَنۡجَرَة کی جمع: حلق، گلا، نرخرہ۔

کی پھٹی رہ گئیں، اور کلیجے منہ کو آ گئے، اور تم اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کر رہے تھے —— یہ اسلام کے دعویدار منافقین کا حال ہے، وہ کیا کیا سوچ رہے تھے اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

اس موقع پر مسلمانوں کا امتحان کیا گیا، اور وہ سخت جھنجھوڑے گئے! —— مگر وہ ثابت قدم رہے، یہ مخلص (کھرے) مسلمانوں کا حال ہے۔

وَإِذْ يَقُولُ الْمُنٰفِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا ﴿١٢﴾ وَإِذْ قَالَت طَّائِفَةٌ مِّنْهُمْ يَا أَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوا ۚ وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ ۛ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۖ إِن يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا ﴿١٣﴾ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِم مِّنْ أَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَآتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوا بِهَا إِلَّا يَسِيرًا ﴿١٤﴾ وَلَقَدْ كَانُوا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِن قَبْلُ لَا يُوَلُّونَ الْأَدْبَارَ ۚ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُولًا ﴿١٥﴾ قُل لَّن يَنفَعَكُمُ الْفِرَارُ إِن فَرَرْتُم مِّنَ الْمَوْتِ أَوِ الْقَتْلِ وَإِذًا لَّا تُمَتَّعُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿١٦﴾ قُلْ مَن ذَا الَّذِي يَعْصِمُكُم مِّنَ اللّٰهِ إِنْ أَرَادَ بِكُمْ سُوءًا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ۚ وَلَا يَجِدُونَ لَهُم مِّن دُونِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿١٧﴾ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِينَ مِنكُمْ وَالْقَائِلِينَ لِإِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ إِلَيْنَا ۖ وَلَا يَأْتُونَ الْبَأْسَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿١٨﴾ أَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۖ فَإِذَا جَاءَ الْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ أَعْيُنُهُمْ كَالَّذِي يُغْشَىٰ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۖ فَإِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوكُم بِأَلْسِنَةٍ حِدَادٍ أَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ۚ أُولٰئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوا فَأَحْبَطَ اللّٰهُ أَعْمَالَهُمْ ۚ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيرًا ﴿١٩﴾ يَحْسَبُونَ الْأَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوا ۖ وَإِن يَأْتِ الْأَحْزَابُ يَوَدُّوا لَوْ أَنَّهُم بَادُونَ فِي الْأَعْرَابِ يَسْأَلُونَ عَنْ أَنبَائِكُمْ ۖ وَلَوْ كَانُوا فِيكُم مَّا قَاتَلُوا إِلَّا قَلِيلًا ﴿٢٠﴾

ع ۱۲ / ۱۸

وَاِذْ يَقُوْلُ	(یادکرو) جب کہہ رہے تھے	النَّبِيَّ	نبی (ﷺ) سے	عَاهَدُوا	پیمان باندھا انھوں نے
الْمُنٰفِقُوْنَ	منافقین	يَقُوْلُوْنَ	کہہ رہے ہیں وہ	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ سے
وَ الَّذِيْنَ	اور وہ جن کے	اِنَّ بُيُوْتَنَا	بے شک ہمارے گھر	مِنْ قَبْلُ	اس سے پہلے
فِيْ قُلُوْبِهِمْ	دلوں میں	عَوْرَةٌ (۱)	غیر محفوظ ہیں	لَا يُوَلُّوْنَ	(کہ) نہیں پھیریں گے وہ
مَّرَضٌ	روگ ہے	وَمَا هِيَ	اور نہیں ہیں وہ	الْاَدْبَارَ	پیٹھیں
مَّا وَعَدَنَا	نہیں وعدہ کیا	بِعَوْرَةٍ	غیر محفوظ	وَكَانَ	اور ہے
اللّٰهُ	اللہ نے	اِنْ يُّرِيْدُوْنَ	نہیں چاہتے وہ	عَهْدُ	پیمان
وَرَسُوْلُهٗٓ	اور اس کے رسول نے	اِلَّا فِرَارًا	مگر بھاگنا	اللّٰهِ	اللہ کا
اِلَّا غُرُوْرًا	مگر فریب کا	وَلَوْ دُخِلَتْ (۲)	اور اگر گھسا جائے	مَسْـُٔوْلًا	پوچھا ہوا
وَاِذْ قَالَتْ	اور (یادکرو) جب کہا	عَلَيْهِمْ	ان پر	قُلْ	کہیں
طَّآئِفَةٌ	ایک جماعت نے	مِّنْ اَقْطَارِهَا	مدینہ کے اطراف سے	لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ	کام نہیں آئیگا تمہارے
مِّنْهُمْ	ان میں سے	ثُمَّ سُئِلُوا	پھر وہ مطالبہ کئے جائیں	الْفِرَارُ	بھاگنا
يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ	اے یثرب والو!	الْفِتْنَةَ (۳)	دنگا فساد کے	اِنْ فَرَرْتُمْ	اگر بھاگے تم
لَا مُقَامَ	ٹھہرنے کی جگہ نہیں	لَاٰتَوْهَا	تو آئیں وہ اس	مِّنَ الْمَوْتِ	موت سے
لَكُمْ	تمہارے لئے		(دنگے) میں	اَوِ الْقَتْلِ	یا قتل سے
فَارْجِعُوْا	پس لوٹ جاؤ	وَمَا تَلَبَّثُوْا	اور نہ رکیں وہ	وَاِذًا	اور تب
وَيَسْتَاْذِنُ	اور اجازت مانگ رہی ہے	بِهَآ	مدینہ میں	لَّا تُمَتَّعُوْنَ (۴)	نہیں پھل پاؤ گے تم
فَرِيْقٌ	ایک جماعت	اِلَّا يَسِيْرًا	مگر تھوڑا	اِلَّا قَلِيْلًا	مگر تھوڑا سا
مِّنْهُمْ	ان میں سے	وَلَقَدْ كَانُوْا	اور البتہ تحقیق تھے وہ	قُلْ	پوچھیں

(۱) عورۃ: انسان کی شرمگاہ، زن (عورت) اور وہ شگاف جو کپڑے اور گھر وغیرہ میں پڑ جاتا ہے، آیت میں یہ آخری معنی ہیں یعنی ہمارے گھروں میں جگہ جگہ گھسنے کی جگہ ہے کہ جو چاہے چلا آئے۔ (۲) دُخِلَت: آ گھسنا، دخول سے ماضی مجہول (۳) فتنۃ کے بہت معانی ہیں، یہاں دنگا فساد مراد ہے، جہاد: احوال سنوارنے کی محنت کا نام ہے، اور اس کا مقابل دنگا فساد باقی رکھنے کی محنت کا نام ہے (۴) لاتمتعون: تمتع سے مضارع منفی مجہول، تمتع: برتنا، فائدہ اٹھانا۔

مَنْ ذَا	کون ہے یہ	لِاِخْوَانِهِمْ	اپنے بھائیوں سے	فَاِذَا	پس جب
الَّذِیْ	جو	هَلُمَّ (۲)	چلے آؤ	ذَهَبَ	چلا گیا
يَعْصِمُكُمْ	بچائے تم کو	اِلَيْنَا	ہماری طرف	الْخَوْفُ	ڈر
مِّنَ اللّٰهِ	اللہ سے	وَلَا يَاْتُوْنَ	اور نہیں آتے وہ	سَلَقُوْكُمْ (۴)	پھبتیاں کسیں گے
اِنْ اَرَادَ	اگر چاہیں وہ	الْبَاْسَ	لڑائی میں	بِاَلْسِنَةٍ	زبانوں سے
بِكُمْ	تمہارے ساتھ	اِلَّا قَلِيْلًا	مگر تھوڑا سا	حِدَادٍ	تیز
سُوْٓءًا	کوئی برائی	اَشِحَّةً (۳)	بخیلی کرتے ہوئے	اَشِحَّةً	بخیلی کرتے ہوئے
اَوْ اَرَادَ	یا چاہیں وہ	عَلَيْكُمْ	تم پر	عَلَى الْخَيْرِ	مال پر
بِكُمْ	تمہارے ساتھ	فَاِذَا	پس جب	اُولٰٓئِكَ	یہ لوگ
رَحْمَةً	کوئی بھلائی	جَآءَ	آیا	لَمْ يُؤْمِنُوْا	نہیں ایمان لائے
وَلَا يَجِدُوْنَ	اور نہیں پائیں گے وہ	الْخَوْفُ	ڈر	فَاَحْبَطَ	پس اکارت کردیئے
لَهُمْ	اپنے لئے	رَاَيْتَهُمْ	دیکھے گا تو ان کو	اللّٰهُ	اللہ نے
مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ سے ورے	يَنْظُرُوْنَ	دیکھ رہے ہیں وہ	اَعْمَالَهُمْ	ان کے اعمال
وَلِيًّا	کوئی کارساز	اِلَيْكَ	آپ کی طرف	وَكَانَ ذٰلِكَ	اور ہے یہ بات
وَّلَا نَصِيْرًا	اور نہ کوئی مددگار	تَدُوْرُ	گھومتی ہیں	عَلَى اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ پر
قَدْ يَعْلَمُ	بالیقین جانتے ہیں	اَعْيُنُهُمْ	ان کی آنکھیں	يَسِيْرًا	آسان
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	كَالَّذِيْ	جیسے وہ جو	يَحْسَبُوْنَ	گمان کرتے ہیں وہ
الْمُعَوِّقِيْنَ (۱)	روکنے والوں کو	يُغْشٰى	چھا رہی ہو	الْاَحْزَابَ	جتھوں کو
مِنْكُمْ	تم میں سے	عَلَيْهِ	اس پر	لَمْ يَذْهَبُوْا	نہیں گئے وہ
وَالْقَآئِلِيْنَ	اور کہنے والوں کو	مِنَ الْمَوْتِ	موت	وَاِنْ يَّاْتِ	اور اگر آجائیں

(۱) الْمُعَوِّق: اسم فاعل: خیر سے روکنے والا عَاقَه (ن) عن الشيئ عَوْقا کے بھی یہی معنی ہیں (۲) هَلُم: اسم فعل، بمعنی امر (۳) أشحة: شحيح کی جمع: حریص، بخیل، یأتون کے فاعل سے حال ہے (۴) سَلَقَ (ن) فلانا بلسانه: کسی کو زبان سے تکلیف پہنچانا، پھبتیاں کسنا۔

الْاَحْزَابُ	جتھے	فِي الْاَعْرَابِ	بدوؤں میں	كَانُوْا	ہوتے وہ
يَوَدُّوْا	آرزو کریں وہ	يَسْاَلُوْنَ	پوچھتے وہ	فِيْكُمْ	تم میں
لَوْ اَنَّهُمْ	کاش ہوتے وہ	عَنْ اَنْۢبَآىِٕكُمْ	تمہاری خبریں	مَّا قٰتَلُوْٓا	(تو) نہ لڑتے
بَادُوْنَ[1]	زندگی گذارنے والے	وَلَوْ	اور اگر	اِلَّا قَلِيْلًا	مگر تھوڑا سا

غزوۂ احزاب میں منافقین کا کردار

اللہ ورسول کا وعدہ فریب تھا! ـــــ اور (یاد کرو) جب منافقین اور وہ جن کے دلوں میں روگ ہے ـــــ دونوں ایک ہیں ـــــ کہہ رہے تھے کہ ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے محض دھوکہ کا وعدہ کیا تھا ـــــ خندق کی کھدائی میں ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ ایک سنگلاخ زمین آئی، کدال کام نہیں کر رہا تھا، صحابہ نے نبی ﷺ سے صورتِ حال عرض کی، آپؐ خندق میں اترے اور اس سنگلاخ جگہ پر کدال مارا تو وہ جگہ ریت کا تودہ بن گئی۔

اور مسند احمد اور نسائی میں یہ اضافہ ہے کہ آپؐ نے جب پہلی بار بسم اللہ کہہ کر کدال ماری تو وہ چٹان ایک تہائی ٹوٹ گئی، آپؐ نے فرمایا: اللہ کبر! مجھ کو ملک شام کی کنجیاں دی گئیں، خدا کی قسم! شام کے سرخ محلوں کو اس وقت میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں، پھر آپؐ نے دوسری بار کدال ماری تو دوسرا تہائی حصہ ٹوٹ کر گرا، آپؐ نے فرمایا: اللہ اکبر! فارس کی کنجیاں مجھ کو عطا ہوئیں، خدا کی قسم! مدائن کے قصر ابیض کو اس وقت میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں، تیسری بار آپؐ نے بسم اللہ کہہ کر کدال ماری تو بقیہ چٹان ٹوٹ گئی، آپؐ نے فرمایا: اللہ اکبر! یمن کی کنجیاں مجھ کو عطا ہوئیں، خدا کی قسم! صنعاء کے دروازوں کو میں اپنی آنکھوں سے اس جگہ کھڑا ہوا دیکھ رہا ہوں۔

حافظ عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سند اس روایت کی حسن ہے اور ایک روایت میں ہے کہ پہلی بار کدال مارنے سے ایک روشنی ہوئی جس میں شام کے محل نظر آئے، آپؐ نے اللہ اکبر کہا اور صحابہ کرام نے بھی تکبیر کہی، اور یہ ارشاد فرمایا کہ جبرئیل امین علیہ السلام نے مجھ کو خبر دی کہ امت ان شہروں کو فتح کرے گی (سیرۃ المصطفیٰ ۲:۳۱۷)

اس کو وہ کہہ رہے ہیں کہ نبی صاحب کہتے تھے کہ فارس، روم، صنعاء کے محلات مجھے دیئے گئے، اور یہاں یہ حال ہے کہ مسلمان قضائے حاجت کو بھی نہیں نکل سکتے، وہ وعدے کیا ہوئے؟ وہ محض فریب اور دھوکہ تھے!

ناچنا نہیں آنگن ٹیڑھا! ـــــ اور (یاد کرو) جب ان میں سے بعض لوگوں نے کہا: اے یثرب والو! تمہارے لئے ٹھہرنے کا موقع نہیں، پس لوٹ چلو ـــــ یثرب: مدینہ شریف کا پرانا نام تھا، نبی ﷺ کی ہجرت کے بعد وہ

(۱) بادون: بَادٍ کی جمع: صحرانشیں، جنگل میں رہنے والے۔

مدینة الرسول کہلانے لگا، منافق یہ نیا نام لینے کے لئے بھی تیار نہیں، اس سے ان کی نفرت کا اندازہ کرو ـــــ ٹھہرنے کا موقع نہیں! یعنی سارا عرب پل پڑا ہے، تم چندان کا کیا مقابلہ کروگے، مسلمانوں سے جدا ہوکر گھر لوٹ چلو ـــــ اور بعض ان میں سے نبی (ﷺ) سے اجازت مانگتے ہیں، کہتے ہیں: ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں، حالانکہ وہ غیر محفوظ نہیں ـــــ شہر میں ناکہ بندی کرکے مضبوط حویلیوں میں زمانے کو رکھ دیا گیا تھا، وہ بہانہ بنارہے ہیں کہ ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں، کہیں چور گھس کر لوٹ نہ لیں ـــــ وہ محض بھاگنا چاہتے تھے ـــــ چنانچہ جو اجازت مانگتا آپؐ اس کو اجازت دیدیتے، جمعیت کم ہوجائے گی اس کی پرواہ نہ کرتے، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف تین سو نفوس آپؐ کے ساتھ باقی رہ گئے (فوائد)

اصلاح میں سست فساد میں چست: ـــــ اور اگر کوئی ان پر مدینہ کے اطراف سے آ گھسے، پھر ان سے دنگا فساد میں شرکت کا مطالبہ کرے تو وہ اس کو منظور کرلیں اور وہ مدینہ میں بہت کم ٹھہریں ـــــ یعنی اگر لشکر کفار کے کچھ لوگ اِدھر اُدھر سے مدینہ میں گھس جائیں، اور ان سے مطالبہ کریں کہ ہمارے ساتھ مل کر مسلمانوں سے لڑو، تو وہ فوراً مطالبہ مان لیں اور یکدم مدینہ سے نکل کر ان کے ساتھ ہولیں، گھروں کے غیر محفوظ ہونے کا عذر نہ کریں، کیونکہ ان کی دلچسپیاں ان کے ساتھ ہیں، مسلمانوں کا تو وہ بددلی سے ساتھ دے رہے ہیں۔

اپنا عہد پس پشت ڈال دیا: ـــــ اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ اس (غزوہ) سے پہلے اللہ تعالیٰ سے عہد کرچکے تھے کہ وہ پیٹھ نہیں پھیریں گے، اور اللہ سے کئے ہوئے عہد کی باز پرس ہونی ہے ـــــ جنگِ احد کے بعد منافقین نے عہد کیا تھا کہ وہ آئندہ ایسی حرکت نہیں کریں گے، اس کی پوچھ ہوگی کہ وہ قول وقرار کہاں گیا! ـــــ غزوۂ احد میں عبداللہ بن ابی (رئیس المنافقین) اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر مدینہ لوٹ گیا تھا، ان منافقین نے یہ عہد کیا تھا۔

بھاگ کر موت یا قتل سے نہیں بچ سکتے: ـــــ آپ کہیں: تمہارے لئے بھاگنا ہرگز مفید نہیں ہوگا، اگر تم موت سے یا قتل سے بھاگ رہے ہو ـــــ کیونکہ جس کی قسمت میں موت ہے وہ بھاگ کر جان نہیں بچاسکتا، قضائے الٰہی ہر جگہ پہنچ کر رہے گی، اور اگر ابھی موت مقدر نہیں تو میدان سے بھاگنا بے سود ہے، کیا میدانِ جنگ میں سب مارے جاتے ہیں؟ ـــــ اور تب پھل نہیں پاؤگے مگر چند ہی دن! ـــــ یعنی فرض کرو: بھاگنے سے بچاؤ ہوگیا تو کتنے دن؟ آخر موت آنی ہے، اب نہیں، چند روز کے بعد آئے گی، بچ کر کہاں جاؤگے!

اللہ سے کون بچاسکتا ہے؟ ـــــ اور آپ پوچھیں: وہ کون ہے جو تمہیں اللہ سے بچالے، اگر وہ تمہارے ساتھ برائی چاہیں یا تمہارے ساتھ بھلائی چاہیں؟ ـــــ یعنی اللہ کے ارادے کو کوئی طاقت نہیں روک سکتی، نہ کوئی تدبیر اور حیلہ اس

کے مقابلہ میں کام آسکتا ہے، پس آدمی کو چاہئے کہ اس پر توکل کرے، اور ہر حال میں اس کی مرضی کا طلب گار رہے، ورنہ دنیا کی برائی بھلائی یا سختی نرمی تو یقیناً پہنچ کر رہے گی (فوائد) ـــــ اورنہیں پائیں گے وہ اپنے لئے اللہ سے وَرے کوئی کارساز اور نہ کوئی مددگار ـــــ یعنی عرب کی مخالفت سے ڈرتے ہو، اگر اللہ تعالیٰ حکم دیں تو مسلمان تمہارا بھرتا بنادیں!

کبھی میدان میں اترتے ہیں تو مالِ غنیمت کے لئے: ـــــ بالتحقیق اللہ تعالیٰ جانتے ہیں تم میں سے روکنے والوں کو اور اپنے بھائیوں سے کہنے والوں کو کہ ہمارے پاس آجاؤ ـــــ کیوں مفت میں جان گنواتے ہو! ـــــ اور وہ لڑائی میں بہت ہی کم شرکت کرتے ہیں، تمہارے حق میں بخیلی کرتے ہوئے ـــــ یعنی شرماشرمی میں کبھی میدان میں آکھڑے ہوتے ہیں، ورنہ عموماً گھروں میں بیٹھے رہتے ہیں، اور اپنی برادری کے لوگوں کو بھی جو سچے مسلمان ہیں روکتے ہیں، اور کبھی کبھی میدان میں اس لئے اترتے ہیں کہ تنہا تمہیں مالِ غنیمت نہ مل جائے۔

خوف میں حال اور، اور امن میں حال اور: ـــــ اور جب خوف پیش آتا ہے تو آپؐ ان کو دیکھیں گے: دیکھ رہے ہونگے وہ آپؐ کی طرف گھوم رہی ہونگی ان کی آنکھیں، جیسے کسی پر موت کی بے ہوشی طاری ہو ـــــ یہ ان کی بزدلی کا حال ہے ـــــ پھر جب وہ خوف دور ہوجاتا ہے تو تیز زبان سے دل خراش باتیں کرتے ہیں، مال پر بخیلی کرتے ہوئے ـــــ کہتے ہیں: کیوں ہم جنگ میں شریک نہیں تھے! ہماری پُشتی سے تم کو یہ فتح ملی ہے، اور مارے حرص کے غنیمت پر گرے پڑتے ہیں۔

اعمال کی قبولیت کے لئے ایمان شرط ہے: ـــــ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان نہیں لائے، پس اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال اکارت کردیئے، اور یہ بات اللہ کے نزدیک بہت آسان ہے! ـــــ ایمان کے بغیر کوئی عمل مقبول نہیں، عمل کی قبولیت کے لئے ایمان شرط ہے، بدوں ایمان عمل مردہ ہے، پھر قبول کس طرح ہو، بے ایمان کی سب محنت اکارت ہے۔

احزاب منافقین کے لئے ہوّا: ـــــ ان کا خیال ہے کہ کافروں کے جتھے نہیں گئے ـــــ یعنی کفار کی فوجیں ناکام واپس جاچکی ہیں، لیکن ان ڈرپوک منافقوں کو ان کے چلے جانے کا یقین نہیں ـــــ اور اگر لشکر لوٹ آئیں تو وہ پسند کریں: کاش یہ بات ہوتی کہ بدوؤں میں ان کی بود و باش ہوتی، تمہاری خبریں پوچھتے! ـــــ یعنی فرض کیجئے! کفار کی فوجیں پھر لوٹ کر حملہ کردیں تو ان کی تمنا یہ ہوگی کہ کاش وہ صحرا نشیں ہوں، وہیں سے آنے جانے والوں سے پوچھ لیا کریں کہ مسلمانوں کا کیا حال ہے، اور لڑائی کا نقشہ کیسا ہے؟ ـــــ اور اگر وہ تم میں ہوتے تو بس یونہی لڑائی میں شرکت کرتے! ـــــ یعنی فوجوں کی واپسی پر جو جنگ ہوتی اس میں بھی منافقین کا کردار یہی رہتا، مجبوری میں جنگ میں برائے نام شرکت کرتے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿٢١﴾ وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَ صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۡ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ﴿٢٢﴾ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ڮ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿٢٣﴾ لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٢٤﴾ وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ۭ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ﴿٢٥﴾

لَقَدْ	اور البتہ تحقیق	اللّٰهَ	اللہ کو	وَرَسُوْلُهٗ	اور اس کے رسول نے
كَانَ	ہے	كَثِيْرًا	بہت	وَمَا زَادَهُمْ	اور نہیں بڑھایا ان کو
لَكُمْ	تمہارے لئے	وَلَمَّا رَاَ	اور جب دیکھا	اِلَّآ اِيْمَانًا	مگر ایمان میں
فِيْ رَسُوْلِ	رسول میں	الْمُؤْمِنُوْنَ	مؤمنین نے	وَّتَسْلِيْمًا	اور اطاعت میں
اللّٰهِ	اللہ کے	الْاَحْزَابَ	لشکروں کو	مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ	مؤمنین میں سے
اُسْوَةٌ(١)	نمونۂ عمل	قَالُوْا	کہا انھوں نے	رِجَالٌ	کچھ مرد ہیں
حَسَنَةٌ	بہترین	هٰذَا مَا	یہ وہ ہے جو	صَدَقُوْا	سچ کر دکھایا انھوں نے
لِّمَنْ	اس کے لئے جو	وَعَدَنَا	وعدہ کیا ہم سے	مَا عَاهَدُوا	جو عہد کیا تھا انھوں نے
كَانَ يَرْجُوا	امید رکھتا ہے	اللّٰهُ	اللہ نے	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ سے
اللّٰهَ	اللہ کی	وَرَسُوْلُهٗ	اور اس کے رسول نے	عَلَيْهِ	اس پر
وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ	اور آخری دن کی	وَصَدَقَ	اور سچ کہا	فَمِنْهُمْ	پس ان میں سے بعض
وَذَكَرَ	اور یاد کیا اس نے	اللّٰهُ	اللہ نے	مَّنْ قَضٰى	جنھوں نے پوری کی

(۱) الأسوة: قابل تقلید عمل جو باعث تسلی ہو ائتسیٰ به: وَتَأَسَّى به: نقش قدم پر چلنا، اتباع کرنا (مادّہ أَسَوٌ)

نَحْبَهٗ[1]	اپنی منت	اِنْ شَآءَ	اگر چاہیں وہ	بِغَيْظِهِمْ	ان کے غصہ کے ساتھ
وَمِنْهُمْ	اوران میں سے بعض	اَوْ يَتُوْبَ	یا توجہ فرمائیں	لَمْ يَنَالُوْا	نہیں حاصل کی انھوں نے
مَّنْ يَّنْتَظِرُ	جومنتظر ہیں	عَلَيْهِمْ	ان پر	خَيْرًا	کوئی خیر
وَمَا بَدَّلُوْا	اورنہیں بدلا انھوں نے	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	وَكَفَى	اورکافی ہوگئے
تَبْدِيْلًا	ذرا بدلنا	كَانَ	ہیں	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
لِيَجْزِيَ	تاکہ بدلہ دیں	غَفُوْرًا	بڑے بخشنے والے	الْمُؤْمِنِيْنَ	مؤمنین کی طرف سے
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	رَّحِيْمًا	بڑے مہربان	الْقِتَالَ	لڑنے کے لئے
الصّٰدِقِيْنَ	سچوں کو	وَرَدَّ	اورپھیردیا	وَكَانَ	اورہیں
بِصِدْقِهِمْ	ان کے سچ کا	اللّٰهُ	اللہ نے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
وَيُعَذِّبَ	اورسزادیں	الَّذِيْنَ	جنھوں نے	قَوِيًّا	زورآور
الْمُنٰفِقِيْنَ	منافقوں کو	كَفَرُوْا	انکارکیا	عَزِيْزًا	زبردست

غزوۂ احزاب میں رسول اللہ ﷺ اور مؤمنین کے عظیم کارنامے

رسول اللہ ﷺ کی پامردی: —— بخدا! واقعہ یہ ہے کہ تمہارے لئے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے، اس شخص کے لئے جو اللہ کی اور آخرت کے دن کی امید رکھتا ہے، اور اس نے اللہ کو بہت یاد کیا —— یعنی پیغمبر کو دیکھو، ان سختیوں میں کیا استقلال رکھتے ہیں! حالانکہ سب سے زیادہ اندیشہ اور فکر ان ہی پر ہے، مگر مجال ہے پائے استقلال ذرا جنبش کھا جائے، جو لوگ اللہ سے ملنے اور آخرت کا ثواب حاصل کرنے کی امید رکھتے ہیں، اور کثرت سے خدا کو یاد کرتے ہیں: ان کے لئے رسول اللہ ﷺ کی ذات منبع البرکات بہترین نمونہ ہے، چاہئے کہ ہر معاملہ، ہر ایک حرکت وسکون، اور نشست وبرخاست میں ان کے نقش قدم پر چلیں، اور ہمت واستقلال وغیرہ میں ان کی چال چلیں (فوائد)

آغازِ جنگ میں صحابہ کا حال: —— اور جب مؤمنین نے لشکروں کو دیکھا تو کہا: یہ تو وہی منظر ہے جس کا ہم سے اللہ نے اور اس کے رسول نے وعدہ کیا ہے، اور اللہ نے اور اس کے رسول نے سچ فرمایا! اور اُس منظر نے ان کے ایمان واطاعت میں اضافہ ہی کیا —— یعنی پکے مسلمانوں نے جب دیکھا کہ کفر کی فوجیں اکٹھی ہو کر چاروں طرف سے ٹوٹ پڑی ہیں تو بجائے مذبذب یا پریشان ہونے کے ان کی اطاعت شعاری کا جذبہ اور ان کا یقین اللہ ورسول کے وعدوں پر اور

(۱) النَّحْب: نذر، منت، نَحَبَ (ن) فلان: نذر ماننا، نَحَبَ بکذا: شرط یا بازی لگانا۔

زیادہ بڑھ گیا، وہ کہنے لگے: یہ تو وہی منظر ہے جس کی خبر اللہ ورسول نے پہلے سے دے رکھی ہے، اور جس کے متعلق ان کا وعدہ ہو چکا ہے (فوائد)

جنگ کے بعد صحابہ کا حال: —— اور مؤمنین میں سے کچھ مرد ایسے ہیں جنھوں نے سچ کر دکھایا اس بات کو جس کا انھوں نے اللہ سے عہد کیا تھا، پھر ان میں سے بعض وہ ہیں جنھوں نے اپنی ذمہ داری پوری کرلی، اور ان میں سے بعض مشتاق ہیں، اور وہ لوگ ذرا نہیں بدلے —— یعنی منافقین تو اپنا عہد توڑ بیٹھے، بے حیائی کے ساتھ میدانِ جنگ سے ہٹ گئے، ان کے برخلاف کتنے پکے مسلمان ہیں جنھوں نے اپنا عہد و پیمان سچا کر دکھایا، بڑی بڑی سختیاں جھیلیں، مگر پیغمبر ﷺ کی رفاقت سے قدم پیچھے نہیں ہٹایا، اللہ ورسول کو جو زبان دے چکے تھے پہاڑ کی طرح اس پر جمے رہے —— ان میں سے کچھ تو وہ ہیں جو اپنا ذمہ پورا کر چکے یعنی جہاد میں جان دیدی، اور بہت مسلمان وہ ہیں جو نہایت اشتیاق کے ساتھ شہادت کا انتظار کر رہے ہیں —— دونوں قسم کے مسلمانوں نے اپنے عہد و پیمان کی پوری حفاظت کی، اور اپنی بات سے ذرہ بھر نہیں بدلے (فوائد)

مخلص سرخ رو ہونگے اور منافقین کو اللہ دیکھیں گے: —— تاکہ اللہ تعالیٰ سچوں کو ان کے سچ کا بدلہ دیں، اور منافقوں کو سزا دیں اگر چاہیں یا ان پر توجہ مبذول فرمائیں، بے شک اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے بڑے مہربان ہیں —— یعنی جو عہد کے پکے اور قول وقرار کے سچے رہے ان کو سچ پر جمے رہنے کا بدلہ ملے گا، اور منافقوں کو چاہے سزا دے اور چاہے توبہ کی توفیق دے کر معاف فرمادے، اس کی مہربانی سے کچھ بعید نہیں (فوائد) لام لامِ عاقبت ہے یعنی جنگ کا نتیجہ یہ ہوگا۔

مؤمنین کی طرف سے جنگ اللہ تعالیٰ نے لڑی! —— اور اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو پھیر دیا جنھوں نے انکار کیا غصہ میں بھرا ہوا، ان کی کچھ مراد پوری نہیں ہوئی، اور مؤمنین کی طرف سے لڑنے کے لئے اللہ تعالیٰ کافی ہوگئے، اور اللہ تعالیٰ زور آور زبردست ہیں! —— یعنی کفار کا لشکر ذلت و ناکامی سے پیچ و تاب کھاتا اور غصہ سے دانت پیستا میدان چھوڑ کر واپس ہوا، نہ فتح ملی نہ کچھ ہاتھ آیا —— اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عام لڑائی لڑنے کی نوبت ہی نہ آنے دی، اللہ تعالیٰ نے ہوا کا طوفان اور فرشتوں کا لشکر بھیج کر سب کو سراسیمہ اور پریشان کر دیا، چنانچہ سب سروں پر پاؤں رکھ کر ایسے گئے جیسے گدھوں کے سر سے سینگ گئے، اللہ کی زبردست قوت کے سامنے کون ٹھہر سکتا ہے! آج سے پہلے مسلمان ان کو پسپا کرتے تھے اور وہ بار بار مدینہ پر حملہ آور ہوتے تھے، اس مرتبہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دفع کیا پس وہ آئندہ کبھی حملہ کی سوچ بھی نہ سکیں گے!

وَ اَنْزَلَ الَّذِیْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَیَاصِیْهِمْ وَقَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِیْقًا ﴿۲۶﴾ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِیَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَـُٔوْهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرًا ﴿۲۷﴾

وَ اَنْزَلَ	اور اتارا	الرُّعْبَ	دھاک	وَدِیَارَهُمْ	اور ان کے گھروں کا
الَّذِیْنَ	جنھوں نے	فَرِیْقًا	کچھ کو	وَاَمْوَالَهُمْ	اور ان کے مالوں کا
ظَاهَرُوْهُمْ [1]	مدد کی ان کی	تَقْتُلُوْنَ	تم قتل کرتے ہو	وَ اَرْضًا	اور ایک ایسی زمین کا
مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ	اہل کتاب میں سے	وَتَاْسِرُوْنَ	اور قید کرتے ہو	لَّمْ تَطَـُٔوْهَا [3]	جس کو تم نے روندا نہیں
مِنْ صَیَاصِیْهِمْ [2]	ان کے قلعوں سے	فَرِیْقًا	کچھ کو	وَكَانَ اللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ ہیں
وَقَذَفَ	اور ڈالی	وَاَوْرَثَكُمْ	اور وارث بنایا تم کو	عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ	ہر چیز پر
فِیْ قُلُوْبِهِمُ	ان کے دلوں میں	اَرْضَهُمْ	ان کی زمین کا	قَدِیْرًا	پوری قدرت رکھنے والے

غزوۂ احزاب میں کافروں کے ہاتھ کچھ نہ آیا، اور مسلمان آسودہ ہو گئے

غزوۂ احزاب کے بعد بنوقریظہ کی بربادی کا تذکرہ فرماتے ہیں، یہ تذکرہ ایک خاص فائدے کے لئے کیا ہے، غزوۂ احزاب میں عرب کے لشکر تو خالی ہاتھ لوٹ گئے، مگر مسلمانوں کو خوب غنیمت ملی، غزوۂ احزاب کے بعد متصلاً غزوۂ بنوقریظہ پیش آیا جس میں مسلمانوں کو یہود کی زمین، گھر اور اموال ملے، اور خیبر کی زمین کا وعدہ کیا، اس طرح مسلمان مالا مال اور خوب آسودہ ہو گئے۔ ارشاد فرماتے ہیں: ـــــ اور جن اہل کتاب نے ـــــ بنوقریظہ نے ـــــ ان کی ـــــ احزاب کی ـــــ مدد کی ـــــ لڑے بھڑے بغیر ـــــ ان کو ان کے قلعوں سے اتار دیا، اور ان کے دلوں میں دھاک بٹھادی، بعض کو تم نے قتل کیا اور بعض کو قید کیا ـــــ تفصیل پہلے آئی ہے ـــــ اور تمہیں ان کی زمین، ان کے گھر اور ان کے مالوں کا مالک بنایا ـــــ سب غنیمت میں ملا ـــــ اور ایک ایسی زمین کا بھی جس پر تم نے قدم نہیں رکھا ـــــ خیبر کی زمین مراد ہے، جو دو سال بعد فتح ہوا ـــــ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں۔

(۱) ظَاهَرَ مظاهرة: مدد کرنا، پشتیبانی کرنا (۲) صَیَاصِی: صِیْصَة کی جمع: قلعہ، گڑھی، ہر وہ چیز جس کے ذریعہ تحفظ کیا جائے۔ (۳) تَطَؤُا: تم نے روندا، پامال کیا، مضارع، صیغہ جمع مذکر حاضر، وَطَأً (س) روندنا، پاؤں سے ملنا۔

غزوۂ بنوقریظہ [1]

مدینہ منورہ میں یہود کے تین بڑے قبائل تھے: بنوقینقاع، بنونضیر اور بنوقریظہ، ہجرت کے بعد نبی ﷺ نے مدینہ کی تین قوموں میں یعنی مسلمانوں، مشرکوں اور یہود کے درمیان ایک معاہدہ کیا تھا، جس میں کئی امور طے پائے تھے، ایک یہ کہ وفاق میں شامل اقوام میں سے کوئی شر وفساد نہیں پھیلائے گا، دوم یہ کہ مدینہ پر کوئی حملہ آور ہوگا تو سب مل کر دفاع کریں گے۔

اور زمانۂ جاہلیت میں بنوقینقاع کا خزرج کے ساتھ دوستانہ تعلق تھا، اور بنونضیر اور بنوقریظہ کا اوس کے ساتھ، پھر غزوۂ بدر کے موقع پر سب سے پہلے بنوقینقاع نے شر وفساد پھیلایا، ان کے بازار میں ایک مسلمان عورت دودھ بیچنے گئی تو اس کو ننگا کردیا، اس پر ایک مسلمان نے طیش میں آکر اس یہودی کو قتل کردیا جس نے یہ حرکت کی تھی، پھر یہود نے مل کر اس مسلمان کو قتل کردیا، جب نبی ﷺ بدر سے واپس آئے تو غزوۂ بنوقینقاع پیش آیا، اور ان کو جلاوطن کیا گیا، پھر بنونضیر نے نبی ﷺ کے قتل کا پلان بنایا جس کا وحی سے پتہ چل گیا، پس غزوۂ بنونضیر پیش آیا اور ان کو بھی جلاوطن کیا گیا، اب مدینہ میں صرف بنوقریظہ رہ گئے۔

غزوۂ احزاب میں انھوں نے نقض عہد کیا، بنونضیر کا سردار حیی بن اخطب خیبر سے بنوقریظہ کے سردار کعب بن اسد کے پاس آیا اور اس سے ایسی ایسی باتیں کرتا رہا کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا، بنوقریظہ نے رسول اللہ ﷺ سے کیا ہوا عہد و پیمان توڑ دیا وہ برملا مشرکین کے ساتھ جنگ میں شریک ہوگئے۔

پھر احزاب اور بنوقریظہ کے درمیان نُعیم بن مسعودؓ نے پھوٹ ڈالی، پھر بادِ صرصر چلی اور احزاب نامراد واپس ہوگئے صبح نبی ﷺ اور مسلمان محاذ سے گھر لوٹے، ظہر کے وقت جب آپؐ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں غسل کی تیاری کررہے تھے، حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے، انھوں نے کہا: کیا آپؐ نے ہتھیار رکھ دیئے، فرشتوں نے ابھی ہتھیار نہیں رکھے! آپؐ نے پوچھا: اللہ کا کیا حکم ہے؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بنوقریظہ کی طرف اشارہ کیا اور کہا: میں فرشتوں کے ساتھ بنوقریظہ کی طرف جارہا ہوں، ان کے قلعوں میں زلزلہ برپا کروں گا اور ان کے دلوں میں رعب ڈالوں گا، چنانچہ نبی ﷺ نے مدینہ میں منادی کرائی کہ جو شخص سمع وطاعت پر قائم ہے وہ ظہر/عصر کی نماز بنوقریظہ میں پڑھے، صحابہ تیاری کرکے فوراً روانہ ہوگئے اور بنوقریظہ کے قلعوں کا محاصرہ کرلیا، بنوقریظہ قلعہ بند ہوگئے ان کے پاس رسد کافی مقدار میں تھی، لیکن جب محاصرہ طویل ہوا تو وہ پریشان ہوگئے اور ان کے سردار کعب بن اسد نے قوم کے سامنے تین باتیں پیش کیں:

---

(۱) غزوۂ بنوقریظہ: غزوۂ احزاب کا تتمہ ہے، جیسا کہ تفصیلات سے معلوم ہوگا ۱۲

۱- سب مسلمان ہوجاؤ، کیونکہ اپنی کتابوں سے یہ بات واضح ہے کہ محمد ﷺ سچے نبی اور رسول ہیں۔
۲- بیوی بچوں کو اپنے ہاتھوں سے قتل کردو، پھر پوری قوت کے ساتھ اسلامی افواج سے ٹکرا جاؤ۔
۳- آئندہ کل سنیچر کا دن ہے، مسلمان غافل ہونگے، انہیں اطمینان ہوگا کہ آج لڑائی نہیں ہوگی، اس لئے سنیچر کو حملہ کردو۔

یہود نے ان میں سے کوئی تجویز منظور نہیں کی، اب ان کے لئے صرف ایک ہی راستہ تھا کہ ہتھیار ڈال دیں اور اپنی قسمت کا فیصلہ نبی ﷺ کے حوالہ کردیں۔

لیکن انھوں نے چاہا کہ ہتھیار ڈالنے سے پہلے اپنے بعض مسلمان حلیفوں سے مشورہ کرلیں تاکہ معلوم ہوجائے کہ ہتھیار ڈالنے کا نتیجہ کیا ہوگا؟ چنانچہ انھوں نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو مشورہ کے لئے بلایا، وہ ان کے حلیف تھے، اور انہی کے علاقہ میں رہتے تھے، جب حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ آئے تو عورتیں اور بچے ان کے سامنے دھاڑیں مار کر رونے لگے اور ان سے پوچھا: کیا ہم محمد (ﷺ) کے فیصلہ پر ہتھیار ڈال دیں؟ انھوں نے کہا: ڈال دو! لیکن ساتھ ہی گلے کی طرف اشارہ کیا، یعنی ذبح کئے جاؤ گے! مگر ابولبابہؓ کو فوراً ہی احساس ہوا کہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت کی، چنانچہ وہ واپس لوٹ کر سیدھے مسجدِ نبوی میں گئے اور اپنے آپ کو مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا اور قسم کھائی کہ جب نبی ﷺ اپنے دستِ مبارک سے کھولیں گے تب کھلیں گے، ورنہ بندھے رہیں گے، اور بھوکے پیاسے مرجائیں گے، جب نبی ﷺ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو آپؐ نے فرمایا: اگر وہ سیدھے میرے پاس آتے تو میں ان کے لئے استغفار کرتا، اب جب کہ انھوں نے خود کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کردیا ہے تو جب تک ان کی توبہ نازل نہیں ہوگی میں ان کو نہیں کھولوں گا۔

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے اشارہ کے باوجود بنو قریظہ نے طے کیا کہ وہ ہتھیار ڈال دیں، کیونکہ وہ طویل محاصرہ سے تنگ آگئے تھے، اور اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا تھا، اور ان کے حوصلے ٹوٹ چکے تھے، پھر جب انھوں نے ہتھیار ڈال دیئے تو نبی ﷺ نے حکم دیا کہ ان کے مردوں کو باندھ دیا جائے، اس وقت قبیلہ اوس کے لوگوں نے عرض کیا: آپؐ نے بنو قینقاع کے ساتھ جو سلوک فرمایا ہے وہی سلوک بنو قریظہ کے ساتھ کیا جائے، بنو قینقاع کے لئے خزرج نے سفارش کی تھی، ہم بنو قریظہ کے لئے سفارش کرتے ہیں، نبی ﷺ نے فرمایا: کیا آپ لوگ اس پر راضی نہیں کہ ان کے بارے میں آپ ہی کا ایک آدمی فیصلہ کرے؟ اوس نے کہا: کیوں نہیں، آپؐ نے فرمایا: یہ معاملہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے حوالہ ہے، اوس نے کہا: ہم اس پر راضی ہیں، حضرت سعد رضی اللہ عنہ بیمار تھے، اور مدینہ میں تھے ان کو طلب کیا گیا، وہ

گدھے پر بیٹھ کر تشریف لائے، جب کیمپ کے قریب آئے تو آپؐ نے اوس سے فرمایا: اپنے سردار کی طرف اٹھو، یعنی وہ بیمار ہیں انہیں سنبھال کر سواری سے اتارو، جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے پاس پہنچے تو آپؐ نے فرمایا: اے سعد! یہ لوگ آپؐ کے فیصلہ پر اتر آئے ہیں، حضرت سعدؓ نے کہا: کیا میرا فیصلہ ان پر نافذ ہوگا؟ لوگوں نے کہا: جی ہاں، انھوں نے کہا: مسلمانوں پر بھی؟ لوگوں نے کہا: جی ہاں، پھر انھوں نے کہا: جو یہاں ہیں ان پر بھی؟ ان کا اشارہ رسول اللہ ﷺ کی قیام گاہ کی طرف تھا، مگر انھوں نے چہرہ تعظیماً دوسری طرف کر رکھا تھا، نبی ﷺ نے جواب دیا: جی ہاں مجھ پر بھی، حضرت سعدؓ نے کہا: ان کے متعلق میرا فیصلہ یہ ہے کہ بالغ مردوں کو قتل کر دیا جائے، عورتوں اور بچوں کو قید کرلیا جائے اور ان کے اموال تقسیم کر دیئے جائیں، نبی ﷺ نے فرمایا: ''تم نے ان کے بارے میں وہی فیصلہ کیا جو سات آسمانوں کے اوپر سے اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے''

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ عدل وانصاف پر مبنی تھا، کیونکہ بنو قریظہ نے خطرناک لمحات میں مسلمانوں کے ساتھ بدعہدی کی تھی، اور اس کی سزا تورات میں یہی تھی، سفر استثناء (باب ۲۰، آیت ۱۰) میں ہے: ''نقض عہد کرنے والے جب تیرے قبضہ میں آجائیں تو تو وہاں کے ہر مرد کو تلوار سے قتل کر، مگر عورتوں، لڑکوں اور مویشی کو، پس جو کچھ اس شہر میں ہے سب اپنے لئے لوٹ لے، وہ تیرے خدا نے تجھے دیا ہے''

چنانچہ فیصلہ کے مطابق بنو قریظہ کے بالغ مرد قتل کئے گئے، جن کی تعداد چار سو تھی، چند حضرات فیصلہ سے پہلے مسلمان ہو گئے ان کی جان اور مال محفوظ رہا، اور بنو نضیر کا سردار حیی بن اخطب اپنے وعدہ کے مطابق بنو قریظہ کے پاس قلعہ میں آ گیا تھا اس کی بھی گردن ماردی گئی۔ (۱)

(۱) بنو قریظہ کی تباہی کے ساتھ بنو نضیر کا شیطان اور جنگِ احزاب کا ایک بڑا مجرم حیی بن اخطب بھی اپنے کیفر کردار کو پہنچ گیا، یہ شخص ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا باپ تھا، قریش وغطفان کی واپسی کے بعد جب بنو قریظہ کا محاصرہ کیا گیا اور انھوں نے قلعہ بندی اختیار کی تو یہ بھی ان کے ہمراہ قلعہ بند ہو گیا، کیونکہ غزوۂ احزاب کے ایام میں یہ شخص جب کعب بن اسد کو غدر وخیانت پر آمادہ کرنے کے لئے آیا تھا تو اس سے وعدہ کر رکھا تھا، اور اب اسی وعدہ کو نباہ رہا تھا، اسے جس وقت خدمتِ نبوی میں لایا گیا، ایک جوڑا زیب تن کئے ہوئے تھا جسے خود ہی ہر جانب سے ایک ایک انگل پھاڑ رکھا تھا تاکہ اسے مالِ غنیمت میں نہ رکھوا لیا جائے، اس کے دونوں ہاتھ گردن کے پیچھے رسّی سے بندھے ہوئے تھے، اس نے رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے کہا: سنئے! میں نے آپؐ کی عداوت پر اپنے آپ کو ملامت نہیں کیا، لیکن جو اللہ سے لڑتا ہے مغلوب ہو جاتا ہے، پھر لوگوں کو مخاطب کر کے کہا: لوگو! اللہ کے فیصلے میں کوئی حرج نہیں، یہ تو نوشتۂ تقدیر ہے اور ایک بڑا قتل ہے جو اللہ نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا تھا، اس کے بعد وہ بیٹھا اور اس کی گردن ماردی گئی (الرحیق المختوم: ۲:۴۹۳)

سوال: غزوۂ احزاب میں قبائل کے چلے جانے کے بعد فوراً ہی بنو قریظہ پر چڑھائی کا حکم کیوں دیا گیا؟ اس میں کیا حکمت تھی؟

جواب: اس میں متعدد حکمتیں ہوسکتی ہیں، مثلاً:

۱- دشمن بے خبر ہو، اس کے گمان میں بھی نہ ہو کہ اس پر حملہ ہوسکتا ہے، ایسے وقت حملہ کیا جائے تو اس کو تیاری کا موقع نہیں مل سکتا، اور یہ بات جنگی مصلحت سے قریب ہے۔

۲- غزوۂ احزاب اعصابی جنگ تھی، فریقین نے نہ کچھ کھویا نہ پایا، مگر کفار کے اعصاب پر شکستگی چھا گئی، چنانچہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اب وہ چڑھائی نہیں کرسکیں گے، اب ہم ان پر چڑھائی کریں گے'' پھر بنو قریظہ پر فوراً چڑھائی سے مشرکین کے اعصاب پر مزید چوٹ پڑی کہ مسلمان ابھی ایسے تازہ دم ہیں کہ فوراً ہی نئی کاروائی شروع کردی، پس یہ استعجال: احزاب (قبائل) کے اعصاب پر ایک اور خاموش وار تھا۔

۳- غزوۂ احزاب میں اسلامی فوج کے ہاتھ کچھ نہیں آیا تھا اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے اس امت کے لئے غنیمت کی حلت کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ گذشتہ انبیاء کا جہاد وقتی اور محدود قوم کے ساتھ تھا، اس لئے مجاہدین کے پاس کھانے کمانے کے لئے وقت تھا، اس لئے ان کے لئے غنیمت حلال نہیں کی گئی تھی، اور اس امت کا جہاد عالمگیر اور ہر وقت جاری رہنے والا ہے، اس لئے مجاہدین کے پاس کھانے کمانے کا وقت نہیں ہوگا، اس لئے اس امت کے لئے غنیمت حلال کی گئی (تفصیل کے لئے دیکھیں: رحمۃ اللہ الواسعہ ۲: ۴۰۵-۴۱۰)

اور غزوۂ احزاب میں چونکہ مجاہدین کے ہاتھ کچھ نہیں آیا تھا اس لئے غزوۂ بنو قریظہ کو غزوۂ احزاب کا تتمہ بنایا گیا، گویا دونوں ایک غزوے ہیں، پس اس دوسرے غزوے میں مسلمانوں کے ہاتھ جو غنیمت آئے گی، اس کو غزوۂ احزاب ہی کی غنیمت سمجھنا چاہئے، جیسے صلح حدیبیہ کے موقع پر مجاہدین کے ہاتھ کچھ نہیں آیا، اس لئے فوراً غزوۂ خیبر کا حکم دیا اور فرمایا: ﴿وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَأْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهِ﴾: اللہ تعالیٰ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کیا ہے جس کو تم لوگے، پس تم کو یہ (خیبر کی غنیمت) جلدی دیدی، چنانچہ نبی ﷺ نے فرمایا: خیبر میں وہی چلے گا جو صلح حدیبیہ میں تھا، کوئی نیا آدمی نہیں چلے گا۔

غزوۂ بنو قریظہ بہ حکم الٰہی ہوا

جب نبی ﷺ غزوۂ احزاب سے لوٹے تو بہ حکم الٰہی بنی قریظہ کی طرف نکلے اور ان کا محاصرہ کیا۔

حدیث: صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب نبی ﷺ غزوۂ خندق سے لوٹے اور ہتھیار اتار دیئے اور نہا لئے تو

آپؐ کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا: آپؐ نے ہتھیار اتار لئے! بخدا ہم نے ہتھیار نہیں اتارے! ان پر چڑھائی کیجئے، نبی ﷺ نے پوچھا: کس پر؟ جبرئیل علیہ السلام نے بنوقریظہ کی طرف اشارہ کیا، چنانچہ نبی ﷺ نے ان پر چڑھائی کی۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝۲۸ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝۲۹

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ	اے پیغمبر!	فَتَعَالَيْنَ	پس آؤ	وَرَسُوْلَهٗ	اور اس کے رسول کو
قُلْ	کہیں	اُمَتِّعْكُنَّ (۱)	فائدہ پہنچاؤں تم کو	وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ	اور آخرت کے گھر کو
لِّاَزْوَاجِكَ	اپنی بیویوں سے	وَاُسَرِّحْكُنَّ (۲)	اور چھوڑ دوں تم کو	فَاِنَّ اللّٰهَ	تو بے شک اللہ نے
اِنْ كُنْتُنَّ	اگر ہو تم	سَرَاحًا	چھوڑنا	اَعَدَّ	تیار کیا ہے
تُرِدْنَ	چاہتی	جَمِيْلًا	خوبصورت	لِلْمُحْسِنٰتِ	نیکی کرنے والیوں کے لئے
الْحَيٰوةَ	زندگی	وَاِنْ كُنْتُنَّ	اور اگر ہو تم	مِنْكُنَّ	تم میں سے
الدُّنْيَا	دنیا کی	تُرِدْنَ	چاہتی	اَجْرًا	ثواب
وَزِيْنَتَهَا	اور اس کی رونق	اللّٰهَ	اللہ کو	عَظِيْمًا	بڑا

نبی ﷺ نے آسودگی سے استفادہ نہیں کیا، ازواج نے چاہا بھی،

مگر آپؐ ناراض ہوگئے اور ایک ماہ تک ازواج سے علاحدہ ہوگئے

بنوقریظہ کی زمین ہاتھ آئی تو نبی ﷺ نے مہاجرین پر تقسیم کردی، ان کے گذران کا ٹھکانا ہوگیا، اور انصار پر سے ان کا خرچ ہلکا ہوگیا، پھر دو برس بعد خیبر کی زمین ہاتھ آئی، اس سے سب صحابہ آسودہ ہوگئے، ازواج مطہرات نے دیکھا کہ سب لوگ آسودہ ہوگئے ہیں تو انھوں نے بھی نبی ﷺ سے گفتگو کی کہ ہمیں مزید نفقہ اور سامان دیا جائے تاکہ آرام کی

(۱) امتعکن: تمتیع سے مضارع واحد متکلم، کُنَّ: ضمیر جمع مؤنث حاضر: تھوڑا بہت فائدہ پہنچانا، کچھ مال سامان دینا۔
(۲) تسریح: چھوڑ دینا، رخصت کرنا۔

زندگی بسر کرسکیں، نبی ﷺ کو یہ بات شاق گذری، آپؐ سادہ متوکلانہ زندگی گذارنا چاہتے تھے، تاکہ امت کے لئے نمونہ بنیں، امت کی اکثریت غریب ہے، چنانچہ آپؐ نے قسم کھالی کہ ایک ماہ تک گھر میں نہیں جائیں گے، اور آپؐ مسجد کے قریب ایک بالا خانہ میں فروکش ہوگئے —— ایک ماہ بعد یہ آیاتِ تخییر نازل ہوئیں، آیاتِ تخییر بس یہی دو آیتیں ہیں، باقی آیات (رکوع سے ایک آیت بعد تک کی آیات) متعلقات ہیں، آپؐ نے ان آیات کے ذریعہ ازواج سے صاف کہہ دیا کہ اگر دنیا کی عیش و بہار اور ٹھاٹھ چاہتی ہو تو میرا تمہارا نباہ نہیں ہوسکتا، آؤ، میں تمہیں کچھ دے دلا کر خوبصورتی کے ساتھ رخصت کردوں، اور اگر اللہ ورسول کی خوشنودی اور آخرت کی نعمتیں چاہتی ہو تو اللہ کے یہاں اس کی کیا کمی ہے! —— نزولِ آیت کے بعد نبی ﷺ گھر میں تشریف لائے، اول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اللہ کا حکم سنایا، انھوں نے اللہ ورسول کو اختیار کیا، پھر سب ازواج نے ایسا ہی کیا، دنیا کے عیش کا تصور دل سے نکال دیا، اور اختیاری فقر اختیار کیا۔

آیاتِ پاک: —— اے نبی! آپؐ اپنی بیویوں سے کہہ دیں: اگر تم دنیوی زندگی اور اس کی بہار چاہتی ہو تو آؤ، میں تم کو کچھ مال سامان دیدوں اور خوبصورتی کے ساتھ رخصت کردوں —— پھر تم جہاں چاہو چلی جاؤ، جس سے چاہو نکاح کرلو —— اور اگر تم اللہ کو، اس کے رسول کو اور آخرت کے گھر کو چاہتی ہو تو اللہ تعالیٰ نے تم میں سے نیک کرداروں کے لئے بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے —— سب ازواج نیک کردار تھیں، مگر صاف خوش خبری نہیں سنائی تاکہ نڈر نہ ہوجائیں، خاتمہ کا ڈر لگا رہے، یہی قرآن کا انداز ہے۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝۳۰ وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ۝۳۱ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝۳۲ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۝۳۳ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ۝۳۴

ع

يٰنِسَآءَ	اے عورتو	صَالِحًا	نیک کام	مَرَضٌ	روگ ہے
النَّبِيِّ	نبی کی	نُّؤْتِهَآ	دیں گے ہم اس کو	وَّقُلْنَ	اور کہو تم
مَنْ	جو	اَجْرَهَا	اس کا ثواب	قَوْلًا	بات
يَّاْتِ	لائے	مَرَّتَيْنِ	دوبار	مَّعْرُوْفًا	دستور کے موافق
مِنْكُنَّ	تم میں سے	وَاَعْتَدْنَا	اور تیار کی ہے ہم نے	وَقَرْنَ	اور ٹھہری رہو
بِفَاحِشَةٍ (۱)	بیہودگی	لَهَا	اس کے لئے	فِيْ بُيُوْتِكُنَّ	اپنے گھروں میں
مُّبَيِّنَةٍ	کھلی	رِزْقًا	روزی	وَلَا تَبَرَّجْنَ (۲)	اور بناؤ سنگار مت دکھاؤ
يُّضٰعَفْ	بڑھائی جائے گی	كَرِيْمًا	عزت کی	تَبَرُّجَ	بناؤ سنگار
لَهَا	اس کے لئے	يٰنِسَآءَ	اے عورتو	الْجَاهِلِيَّةِ	جاہلیتِ
الْعَذَابُ	سزا	النَّبِيِّ	نبی کی	الْاُوْلٰى	قدیمہ کا
ضِعْفَيْنِ	دوہری	لَسْتُنَّ	نہیں ہو تم	وَاَقِمْنَ	اور اہتمام کرو
وَكَانَ ذٰلِكَ	اور ہے یہ بات	كَاَحَدٍ	جیسے ایک	الصَّلٰوةَ	نماز کا
عَلَى اللّٰهِ	اللہ پر	مِّنَ النِّسَآءِ	عورتوں سے	وَاٰتِيْنَ	اور دو
يَسِيْرًا	آسان	اِنِ اتَّقَيْتُنَّ	اگر پرہیزگاری	الزَّكٰوةَ	زکات
وَمَنْ	اور جو		اختیاری کی تم نے	وَاَطِعْنَ	اور کہا مانو
يَّقْنُتْ	اطاعت کرے	فَلَا تَخْضَعْنَ	تو ملائمت مت کرو	اللّٰهَ	اللہ کا
مِنْكُنَّ	تم میں سے	بِالْقَوْلِ	بات میں	وَرَسُوْلَهٗ	اور اس کے رسول کا
لِلّٰهِ	اللہ کی	فَيَطْمَعَ	پس لالچ کرے	اِنَّمَا	یہی
وَرَسُوْلِهٖ	اور اس کے رسول کی	الَّذِيْ	جو	يُرِيْدُ	چاہتے ہیں
وَتَعْمَلْ	اور کرے وہ	فِيْ قَلْبِهٖ	اس کے دل میں	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ

(۱) فاحشة کا ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ نے 'بے حیائی' کیا ہے، اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے 'بیہودگی' کیا ہے، دونوں ترجمے صحیح ہیں، مگر ثانی انسب ہے، کیونکہ یقنت سے مقابلہ ہے، اور قنوت کے معنی ہیں: اطاعت، پس فاحشہ کے معنی ہونگے نشوز، نافرمانی، یہی بیہودگی کا حاصل ہے (۲) تبرَّجتِ المرأة: غیر شوہر کے سامنے زیبائش کرنا۔

لِيُذْهِبَ	کہ دور کریں	تَطْهِيْرًا	خوب پاک کرنا	اللهِ	اللہ کی
عَنْكُمُ	تم سے	وَاذْكُرْنَ	اور یاد کرو	وَالْحِكْمَةِ	اور دانائی کی باتیں
الرِّجْسَ	گندگی	مَا يُتْلٰى	جو تلاوت کی جاتی ہیں	اِنَّ اللّٰهَ كَانَ	بے شک اللہ تعالیٰ ہیں
اَهْلَ الْبَيْتِ (۱)	اے نبی کے گھر والو!	فِيْ بُيُوْتِكُنَّ	تمہارے گھروں میں	لَطِيْفًا	باریک بیں
وَيُطَهِّرَكُمْ	اور پاک کریں تم کو	مِنْ اٰيٰتِ	آیتوں سے	خَبِيْرًا	خبردار

نبی ﷺ کو اختیار کرنے کے بعد ازواج کا طرز عمل دیکھا جائے گا

تخییر کے بعد شوہر کو اختیار کرنا دو طرح سے ہوتا ہے: دل کی خوشی سے اور کسی مجبوری سے، پہلی صورت میں اطاعت میں اضافہ ہوتا ہے، اور دوسری صورت میں دل کا میل ظاہر ہو کر رہتا ہے، اس لئے دو آیتوں میں ازواج مطہرات سے کہا جارہا ہے کہ تم نے نبی ﷺ کو پسند تو کر لیا ہے، مگر آگے تمہارا طرز عمل دیکھا جائے گا، بیہودگی (عدم اطاعت) کرو گی تو دوہری سزا پاؤ گی، اور فرمان برداری کرو گی تو دو مرتبہ اجر پاؤ گی، ارشاد فرماتے ہیں: —— اے نبی کی بیویو! جو کوئی تم میں سے کھلی بیہودگی کرے: اس کو دوہری سزا دی جائے گی، اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے لئے آسان ہے! —— فاحشة: بیہودگی یعنی عدم اطاعت، نافرمانی۔ سوال: نافرمانی کے لئے اتنا بھاری لفظ کیوں استعمال کیا ہے؟ جواب: نافرمانی کی سنگینی ظاہر کرنے کے لئے، اور کبھی نافرمانی بے حیائی تک پہنچ جاتی ہے —— اور 'کھلی' سے ناز والی عدم اطاعت نکل گئی —— دوہری سزا: یہ بڑکپن کا لازمہ ہے، بڑے کی غلطی بڑی ہوتی ہے، جن کے رتبے ہیں سوا ان کو مشکل سوا ہے! کیونکہ اس کے اثرات دور رس ہوتے ہیں —— اور اللہ پر یہ کام آسان ہے: یعنی تمہاری وجاہت اور نسبت سزا دہی سے اللہ کو روک نہیں سکتی —— اور جو تم میں سے اللہ کی اور اس کے رسول کی فرمان برداری کرے گی، اور نیک کام کرے گی تو ہم اس کو اس کا ثواب دو مرتبہ دیں گے، اور ہم نے اس کے لئے عزت کی روزی تیار کی ہے —— دوہرا اور دو مرتبہ: تفنّن (انداز بدلنا) ہے، مطلب ایک ہے یعنی نیکی اور اطاعت پر جتنا اجر دوسروں کو ملتا ہے، اس سے دوگنا ملے گا —— اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو شوہروں کی اطاعت کا بھی ثواب ملتا ہے، کیونکہ یہ اطاعت اللہ کی اطاعت کی فرع ہے —— عزت کی روزی: یعنی جنت جو مہمانی ہے، بھیک کا لقمہ نہیں!

ازواج کی حیثیت اور مرتبہ عام عورتوں کی طرح نہیں

ازواج مطہرات کو اللہ تعالیٰ نے سید المرسلین ﷺ کی زوجیت (بیوی ہونے) کے لئے منتخب فرمایا ہے، اور ان

(۱) أهلَ: منصوب علی النداء۔

کو امہات المؤمنین (مسلمانوں کی مائیں) بنایا ہے، یہ کوئی معمولی فضیلت نہیں، پس ان کو چند باتوں کی ہدایت دی جاتی ہے:

۱- اگر تقوی اور اللہ کا ڈر دل میں رکھتی ہو تو غیر مردوں کے ساتھ بات چیت نرم اور دل کش لہجہ میں مت کرو، عورتوں کی آواز میں قدرت نے نرمی اور نزاکت رکھی ہے، لیکن پاک باز عورتوں کی شان یہ ہونی چاہئے کہ غیر مردوں سے بات چیت کی نوبت آئے تو لب ولہجہ میں قدرے خشونت اور روکھا پن ہو، تا کہ کسی بدباطن کا ان کی طرف میلان نہ ہو، مگر لٹھ بھی نہ ماریں، عرف کا لحاظ رکھیں اور بھلی اور معقول بات کہیں، جیسے ماں بیٹے سے بات کرتی ہے اس طرح بات کریں۔

۲- ازواج مطہرات کو چاہئے کہ گھر کی زینت بنی رہیں، زمانۂ جاہلیت میں عورتیں بے پردہ پھرتی تھیں، بدن اور لباس کی آرائش کا علانیہ اظہار کرتی تھیں، امہات المؤمنین کو اس سے غایت درجہ احتیاط کرنی چاہئے۔

۳- نماز کا اہتمام کریں، نماز دین کا بنیادی ستون ہے، جو اس کا اہتمام کرتا ہے وہ سارے دین کا اہتمام کرتا ہے۔

۴- مال ہو تو اس کی زکات دیں، اس کی طرف سے غفلت نہ برتیں، اللہ نے مالدار بنایا ہے تو اس کا شکر ادا کریں۔

۵- اللہ کے تمام احکام کی اطاعت کریں اور خاص طور پر رسول اللہ ﷺ کی یعنی شوہر کی فرماں برداری کریں، اللہ کو بھی خوش رکھیں، اور شوہر (ﷺ) کو بھی۔

ان پانچ احکام کا مقصد: اللہ تعالیٰ کو منظور یہ ہے کہ نبی کے گھر والوں کو ان احکام پر عمل کرا کر خوب پاک صاف کردیں، اور ان کے رتبہ کو دوسروں سے ممتاز کردیں۔

ایک اور حکم: ازواج مطہرات کو چاہئے کہ تلاوتِ قرآن کا اہتمام کریں اور حدیثوں کو بھی یاد کریں، قرآن وسنت میں جو دانائی کی باتیں ہیں انھیں سیکھیں سکھلائیں، نبی کے گھر میں ان کے اجتماع کا ایک مقصد یہ بھی ہے۔

آیاتِ پاک مع تفسیر: —— اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو —— سب انسان اپنی ذات میں کنگھی کے دندانوں کی طرح برابر ہیں، مگر خارجی چیزوں سے تفاوت ہوتا ہے، جیسے نبی اور غیر نبی، صحابی اور غیر صحابی، مؤمن اور کافر کے درجات مختلف ہیں، اسی طرح نبی کی بیوی اور ایک عام مسلمان بیوی کا درجہ مختلف ہے —— اگر تم تقوی اختیار کرو —— یعنی پہلے سے پرہیزگار ہو یا پرہیزگار بننا چاہو —— تو بولنے میں نزاکت اختیار مت کرو —— دل کش انداز مت اپناؤ —— کہ اس شخص کو فاسد خیال آنے لگے جس کے دل میں روگ ہے —— یعنی جو بدباطن ہے وہ معلوم نہیں کیا خیال پکائے —— اور عرف کے موافق بات کرو —— یعنی لٹھ بھی مت مارو —— دوسرا حکم: —— اور تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو —— یعنی دل کی خوشی سے گھروں میں رہو —— اور قدیم زمانۂ جاہلیت کے موافق بناؤ

سنگار دکھاتی مت پھرو ـــــ یعنی ضرورت کے لئے گھر سے نکلو تو سلیقہ سے نکلو، حسن وزیبائش کا مظاہرہ نہ ہو ـــــ تیسرا حکم ـــــ اور نماز کا اہتمام کرو ـــــ چوتھا حکم: ـــــ اور زکات دو ـــــ پانچواں حکم: ـــــ اور اللہ کا اور اس کے رسول کا کہنا مانو ـــــ اللہ کا ذکر تمہید ہے، اور رسول اللہ ﷺ سے مراد عام ہے یعنی شوہر کا حکم مانو ـــــ احکام خمسہ کی غرض: ـــــ اللہ کو یہ منظور ہے کہ اے نبی کے گھر والو! تم سے گندگی کو دور کرے، اور تم کو خوب پاک صاف کرے ـــــ یعنی تمہارے نفوس کو سنوارے، تمہارے دلوں کو مجلّی کرے اور تمہارے باطن کو چمکائے، تاکہ اعلیٰ مرتبہ پاؤ۔

ایک اور حکم: ـــــ اور اُن آیات کو یاد کرو جو تمہارے گھروں میں تلاوت کی جاتی ہیں ـــــ خواہ ناظرہ پڑھو یا حفظ کرو ـــــ اور حکمت کی باتوں کو بھی ـــــ حکمت سے حدیثیں مراد ہیں، یعنی احادیث بھی محفوظ کرو ـــــ بے شک اللہ تعالیٰ باریک بیں باخبر ہیں ـــــ ان کو تمہارے چھوٹے بڑے ہر عمل کی خبر ہے، اس پر جزائے خیر عطا فرمائیں گے۔

ملحوظہ: مذکورہ احکام ازواج مطہرات کے تعلق سے دیئے ہیں، مگر وہ عام احکام ہیں **العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص المورد**، تمام مسلمان معزز خواتین کے لئے یہی احکام ہیں، اگلی آیت اسی سلسلہ میں ہے۔

چارتن کی اہل البیت میں شمولیت دعائے نبوی کی برکت سے ہے

چہارتن یعنی حضرات فاطمہ، حسن، حسین، اور علی رضی اللہ عنہم کی اہل البیت میں شمولیت دعائے نبوی ﷺ کی برکت سے ہوئی ہے، اہل البیت کا اصل مصداق ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ہیں، کیونکہ آیات تخییر کی بعد کی آیات میں ازواج ہی کے لئے ہدایات اور نصائح ہیں، انہی آیات کے درمیان اہل البیت والی آیت آئی ہے، اور البیت کا الف لام عہدی ہے، مراد نبی ﷺ کا گھر ہے، اور آپؐ کے گھر والوں سے مراد آپؐ کی ازواج ہیں، اور اس کا ایک قرینہ یہ ہے کہ سورۃ ہود رکوع سات میں بھی أهل البيت سے مراد حضرت سارہ رضی اللہ عنہا ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ ہیں ـــــ مگر چونکہ عنکم اور یطھرکم میں مذکر ضمیریں ہیں اس لئے نزولِ قرآن کے ساتھ ہی نبی ﷺ نے چارتن کو ایک کمبل میں لے کر دعا کی: ''الٰہی! یہ بھی میرے گھر والے ہیں!'' یہ دعا اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی، اور دعا کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ چارتن آیت کا مصداق اولیں نہیں، آپؐ کی دعا کی برکت سے ان کو بھی آیت میں شامل کرلیا (تفصیل کے لئے دیکھیں تحفۃ الالمعی شرح سنن الترمذی جلد دوم صفحہ ۴۲۳ او جلد ہفتم صفحہ ۳۹۶)

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَٰتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَٰتِ وَالْقَٰنِتِينَ وَالْقَٰنِتَٰتِ وَالصَّٰدِقِينَ وَالصَّٰدِقَٰتِ وَالصَّٰبِرِينَ وَالصَّٰبِرَٰتِ وَالْخَٰشِعِينَ وَالْخَٰشِعَٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ

وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۳۵﴾

اِنَّ	بے شک	وَالْخٰشِعِيْنَ	اور دبے رہنے والے مرد	وَالذّٰكِرِيْنَ	اور یاد کرنے والے مرد
الْمُسْلِمِيْنَ	عمل پیرا مرد	وَالْخٰشِعٰتِ	اور دبی رہنے والی عورتیں	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ کو
وَالْمُسْلِمٰتِ	اور عمل پیرا عورتیں	وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ	اور خیرات کرنے والے مرد	كَثِيْرًا	بہت زیادہ
وَالْمُؤْمِنِيْنَ	اور ایماندار مرد	وَالْمُتَصَدِّقٰتِ	اور خیرات کرنے والی عورتیں	وَّالذّٰكِرٰتِ	اور یاد کرنے والی عورتیں
وَالْمُؤْمِنٰتِ	اور ایماندار عورتیں			اَعَدَّ	تیار کی ہے
وَالْقٰنِتِيْنَ	اور اطاعت شعار مرد	وَالصَّآئِمِيْنَ	اور روزہ دار مرد	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ نے
وَالْقٰنِتٰتِ	اور اطاعت شعار عورتیں	وَالصّٰٓئِمٰتِ	اور روزہ دار عورتیں	لَهُمْ	ان کے لئے
وَالصّٰدِقِيْنَ	اور راستباز مرد	وَالْحٰفِظِيْنَ	اور نگہداشت کرنے والے مرد	مَّغْفِرَةً	بخشش
وَالصّٰدِقٰتِ	اور راستباز عورتیں	فُرُوْجَهُمْ	اپنی شرمگاہوں کی	وَّاَجْرًا	اور ثواب
وَالصّٰبِرِيْنَ	اور صبر شعار مرد	وَالْحٰفِظٰتِ	اور نگہداشت کرنے والی عورتیں	عَظِيْمًا	بڑا
وَالصّٰبِرٰتِ	اور صبر شعار عورتیں			۞	۞

ازواج مطہرات اور مسلمان خواتین کی دس خوبیاں

بعض نیک بخت عورتوں کو خیال ہوا کہ آیاتِ سابقہ میں ازواج نبی کا ذکر تو آیا، عام عورتوں کا کچھ حال بیان نہ ہوا، اس پر یہ آیت اتری، تاکہ تسلی ہوجائے کہ عورت ہو یا مرد کسی کی محنت اور کمائی اللہ کے یہاں ضائع نہیں جاتی، اور جس طرح مردوں کو روحانی اور اخلاقی ترقی کرنے کے ذرائع حاصل ہیں عورتوں کے لئے بھی یہ میدان کشادہ ہے، یہ طبقۂ اناث کی دل جمعی کے لئے تصریح فرمادی، ورنہ جو احکام مردوں کے لئے قرآن میں آئے ہیں وہی عموماً عورتوں پر عائد ہوتے ہیں، جداگانہ نام لینے کی ضرورت نہیں، ہاں خصوصی احکام الگ بتلادیئے ہیں (فوائد)

اس آیت میں مردوں اور عورتوں کی دس خوبیوں کا تذکرہ ہے، جن میں یہ خوبیاں ہونگی آخرت میں ان کی چاندی ہوجائے گی:

۱- اسلام کے معنی ہیں: سرافگندگی، اللہ تعالیٰ کے احکام کے سامنے سر ڈال دینا، اسلام کا جب ایمان سے مقابلہ ہوتا

ہے تو ظاہری احکام پر عمل کرنا مراد ہوتا ہے، جیسا کہ حدیث جبرئیل میں ہے۔ آخرت میں نجات کے لئے ارکانِ اربعہ پر مضبوطی سے عمل کرنا اور کبیرہ گناہوں سے بالکلیہ بچنا ضروری ہے۔

۲- ایمان کے معنی ہیں: دل سے مان لینا، جب ایمان کا اسلام سے مقابلہ ہوتا ہے تو تصدیق قلبی مراد ہوتی ہے، اور اصطلاح میں ایمان: عقائد کا نام ہے، حدیث جبرئیل میں ایمان کے سوال کے جواب میں سات عقیدے ذکر کئے ہیں، انہی کو ایمانِ مفصل میں لیا گیا ہے، آخرت میں نجات کے لئے اہل السنہ والجماعۃ کے عقائد پر ہونا ضروری ہے۔

۳- قنوت کے معنی ہیں: فرمان برداری اور اطاعت شعاری، یعنی اللہ کے احکام کو خوش دلی سے قبول کرنا، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کے احکام کی پیروی کا حکم دیا ہے، مثلاً: بادشاہ، باپ اور شوہر کی بات ماننا بھی قنوت میں داخل ہے۔

۴- صدق کے معنی ہیں: سچ بولنا، اور صادق کے معنی ہیں: راست باز یعنی جو ہمیشہ سچ بولے، جھوٹ کے قریب بھی نہ جائے، جو سچ بولنے کا اہتمام کرتا ہے وہ کسی دن صدیق (بڑا راست باز) بن جاتا ہے، نبوت کے بعد صدیقیت سب سے اونچا مقام و مرتبہ ہے۔

۵- صبر کے معنی ہیں: برداشت کرنا، سہنا، کیسے ہی حالات پیش آئیں ان کا مردانہ وار مقابلہ کرنا، خواہ دین کے تعلق سے حالات پیش آئیں خواہ دنیا کے تعلق سے: آدمی کبھی ہمت نہ ہارے، ہمتِ مرداں مدد خدا!

۶- خشوع کے معنی ہیں: انکساری، عاجزی یعنی خود کو چھوٹا اور بے حیثیت سمجھنا، اس کی ضد تکبر ہے، اور حدیث میں تکبر کی تعریف آئی ہے: **بَطَرُ الحق وغَمْطُ الناس**: حق کے سامنے اکڑنا اور لوگوں کو نظروں سے گرا دینا، خشوع: اس کی ضد ہے، اس کے لئے دوسرا لفظ تواضع ہے، خاکساری: خود کو مٹی جیسا سمجھنا، جو شخص خود کو لمبا کھینچتا ہے وہ سر کے بل گرتا ہے، اور جو فروتنی اختیار کرتا ہے وہ سر بلند ہوتا ہے۔

۷- تصدق کے معنی ہیں: خیرات کرنا، غریبوں کی خبر گیری کرنا، زکات وصدقات واجبہ کے علاوہ بھی خرچ کرنا۔

۸- روزہ دار سے مراد بکثرت نفل روزے رکھنے والا ہے، مگر شوہر والی عورت کے لئے بے اجازت نفل روزہ رکھنا مکروہ ہے۔

۹- شرمگاہوں کی حفاظت مردوں کی بھی ذمہ داری ہے اور عورتوں کی بھی۔ اور حفاظت میں زنا، لواطت (اغلام) سحاقہ (چپٹی، فرج سے فرج لڑھانا) جلق (ہاتھ سے منی نکالنا) اور بدنظری سے بچنا شامل ہے، بدنظری کی ممانعت شرمگاہ کی حفاظت کے لئے ہے، یہ گناہ نفس کو خراب کرتے ہیں۔

۱۰- اللہ تعالیٰ کا بکثرت ذکر تمام کامیابیوں کا سرچشمہ ہے، جو اللہ کو یاد کرتا ہے وہ ہر نیک عمل کرے گا، اور ہر برے عمل

سے بچے گا، اور بکثرت اللہ کو یاد کرنے کا آخری درجہ پاس انفاس ہیں یعنی ہر سانس کے ساتھ اللہ کہے، کوئی سانس خالی نہ جائے، اور کم سے کم درجہ پابندی سے پانچ نمازیں پڑھنا ہے، جو پابندی سے نماز نہیں پڑھتا وہ اللہ سے غافل ہو جاتا ہے۔

مذکورہ صفات والوں/ والیوں سے اللہ تعالیٰ نے دو وعدے کئے ہیں: ایک: ان کی چھوٹی کوتاہیاں اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں گے۔ دوسری: ان کو بڑا اجر یعنی جنت عنایت فرمائیں گے، یہی چاندی ہونا ہے۔

آیتِ کریمہ: —— بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، اور ایماندار مرد اور ایماندار عورتیں اور فرمان بردار مرد اور فرمان بردار عورتیں، اور راست باز مرد اور راست باز عورتیں، اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں، اور خاکساری کرنے والے مرد اور خاکساری کرنے والی عورتیں، اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں، اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں، اور اللہ کو بکثرت یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں: اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے مغفرت اور اجر عظیم تیار کیا ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝۳۶ وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ۭ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَاۗىِٕهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝۳۷ مَا كَانَ عَلَي النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ۭ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَۨا ۝۳۸ الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝۳۹ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝۴۰

وَمَا كَانَ	نہیں ہے	اَنْعَمَ اللّٰهُ	احسان کیا اللہ نے	زَوَّجْنٰكَهَا	نکاح کردیا ہم نے
لِمُؤْمِنٍ(۱)	مسلمان آدمی کے لئے	عَلَيْهِ	اس پر		آپ کا اس سے
وَّلَا مُؤْمِنَةٍ	اور نہ مسلمان عورت کے لئے	وَاَنْعَمْتَ	اور احسان کیا آپ نے	لِكَيْ لَا يَكُوْنَ	تاکہ نہ ہو
اِذَا	جب	عَلَيْهِ	اس پر	عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ	مسلمانوں پر
قَضَى	طے کردیں	اَمْسِكْ عَلَيْكَ	روک اپنے پاس	حَرَجٌ	تنگی
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	زَوْجَكَ	اپنی بیوی کو	فِيْٓ اَزْوَاجِ	بیویوں میں
وَرَسُوْلُهٗٓ	اور اس کے رسول	وَاتَّقِ	اور ڈر	اَدْعِيَآئِهِمْ	ان کے لے پالکوں کی
اَمْرًا	کسی کام کو	اللّٰهَ	اللہ سے	اِذَا قَضَوْا	جب پورا کرلیں وہ
اَنْ	کہ	وَتُخْفِيْ	اور چھپائے ہوئے تھے آپ	مِنْهُنَّ	ان سے
يَّكُوْنَ	ہو	فِيْ نَفْسِكَ	اپنے دل میں	وَطَرًا(۳)	غرض (حاجت)
لَهُمُ	ان کے لئے	مَا اللّٰهُ	وہ بات جو اللہ	وَكَانَ اَمْرُ	اور ہے معاملہ
الْخِيَرَةُ(۲)	اختیار	مُبْدِيْهِ	اس کو ظاہر کرنے والے ہیں	اللّٰهِ	اللہ کا
مِنْ اَمْرِهِمْ	اپنے معاملہ میں			مَفْعُوْلًا	ہوا ہوا (ہوکر رہنے والا)
وَمَنْ يَّعْصِ	اور جو نافرمانی کرے	وَتَخْشَى	اور ڈر رہے تھے آپ	مَا كَانَ	نہیں ہے
اللّٰهَ	اللہ کی	النَّاسَ	لوگوں سے	عَلَى النَّبِيِّ	نبی پر
وَرَسُوْلَهٗ	اور اس کے رسول کی	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	مِنْ حَرَجٍ	کچھ تنگی
فَقَدْ ضَلَّ	تو بالیقین گمراہ ہوا وہ	اَحَقُّ	زیادہ حقدار ہیں	فِيْمَا فَرَضَ	اس میں جو مقرر کیا
ضَلٰلًا مُّبِيْنًا	گمراہ ہونا کھلا	اَنْ تَخْشٰهُ	کہ آپ اس سے ڈریں	اللّٰهُ لَهٗ	اللہ نے اس کے لئے
وَاِذْ تَقُوْلُ	اور (یاد کرو) جب کہہ رہے تھے آپ	فَلَمَّا قَضٰى	پس جب پوری کرلی	سُنَّةَ اللّٰهِ(۴)	دستور ہے اللہ کا
		زَيْدٌ	زید نے	فِي الَّذِيْنَ	ان میں جو
لِلَّذِيْٓ	اس سے جو	مِّنْهَا وَطَرًا	اس سے غرض (حاجت)	خَلَوْا	گذرے

(۱) لمؤمن: کان کی خبر مقدم ہے اور أن یکون: اسم مؤخر (۲) الخیرۃ: مصدر ہے بمعنی اختیار (۳) وَطَر: قابل توجہ حاجت، غرض، ضرورت، جمع أوطار۔ (۴) سنۃ اللہ: منصوب بنزع خافض ہے أی کسنۃ اللہ۔

مِنْ قَبْلُ	آپؐ سے پہلے	وَلَا يَخْشَوْنَ	اور نہیں ڈرتے وہ	مِّنْ رِّجَالِكُمْ	تمہارے مردوں سے
وَكَانَ	اور ہے	اَحَدًا	کسی سے	وَلٰكِنْ(۱)	لیکن
اَمْرُ اللّٰهِ	اللہ کا معاملہ	اِلَّا اللّٰهَ	اللہ کے سوا	رَّسُوْلَ	رسول ہیں
قَدَرًا	تجویز کیا ہوا	وَكَفٰى	اور کافی ہیں	اللّٰهِ	اللہ کے
مَّقْدُوْرًا	ہو کر رہنے والا	بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ	وَخَاتَمَ(۲)	اور مُہر ہیں
الَّذِيْنَ	وہ جو	حَسِيْبًا	حساب کرنے کے لئے	النَّبِيّٖنَ	نبیوں کی
يُبَلِّغُوْنَ	پہنچاتے ہیں	مَا كَانَ	نہیں ہیں	وَكَانَ	اور ہیں
رِسٰلٰتِ	پیغامات	مُحَمَّدٌ	محمد (ﷺ)	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
اللّٰهِ	اللہ کے	اَبَآ	باپ	بِكُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز کو
وَيَخْشَوْنَهٗ	اور ڈرتے ہیں اس سے	اَحَدٍ	کسی کے	عَلِيْمًا	خوب جاننے والے

مسلمان کی بڑی خوبی فرمان برداری

غزوۂ احزاب کے تعلق سے جو باتیں شروع ہوئی تھیں وہ گذشتہ آیت پر پوری ہوگئیں، اب نیا مضمون شروع ہورہا ہے، نکاحِ زینب رضی اللہ عنہا کے معاملہ میں بھی منافقین نے نبی ﷺ کو بہت پریشان کیا تھا، اب اس کا بیان شروع ہورہا ہے ـــــ گذشتہ آیت میں مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کی دس خوبیوں کا ذکر آیا ہے، ان کا خلاصہ فرمان برداری ہے، مسلمان مردوں اور عورتوں کو ہمیشہ اللہ ورسول کا مطیع رہنا چاہئے، کسی معاملہ میں اپنی مرضی نہیں چلانی چاہئے، کیونکہ نافرمانی بڑی گمراہی ہے، اب پہلی آیت میں یہی مضمون ہے، بایں اعتبار آیت ماسبق سے مربوط ہے، اور شانِ نزول کے اعتبار سے آئندہ سے مربوط ہے۔

شانِ نزول: حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کی پھوپھی زاد بہن اور قریش کے اعلی خاندان سے تھیں، نبی ﷺ نے ان کا نکاح حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کرنا چاہا، زیدؓ اصل سے عرب تھے، لڑکپن میں دشمن قبیلہ نے ان کو غلام بنا کر مکہ کے بازار میں بیچ دیا تھا، وہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لئے خرید لئے گئے، نکاح کے بعد حضرت خدیجہؓ نے وہ غلام نبی ﷺ کو بخش دیا، پھر جب ان کے والد، چچا اور بھائی ان کو لینے آئے تو آپؐ نے ان کو

(۱) لکن: حرف استدراک ہے، سابق کلام سے پیدا ہونے والے وہم کو دور کرتا ہے (۲) خاتم: مہر، جمع خواتم، مہر آخر میں لگائی جاتی ہے۔

اختیار دیا، حضرت زیدؓ نے نبی ﷺ کے ساتھ رہنے کو ترجیح دی، حضرت ﷺ نے ان کو آزاد کر کے بیٹا بنالیا، مگر چونکہ ان پر غلامی کا داغ لگ چکا تھا اس لئے حضرت زینب اور ان کے بھائی عبداللہ نے نکاح کی پیش کش کو منظور نہ کیا، لیکن اللہ ورسول کو منظور تھا کہ یہ نکاح ہو، تاکہ موہوم امتیازات نکاح کے راستہ میں حائل نہ ہوں، چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی، اور ان لوگوں نے اپنی مرضی کو اللہ ورسول کی مرضی پر قربان کردیا، اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے ہوگیا۔

آیتِ کریمہ: —— کسی ایماندار مرد اور کسی ایماندار عورت کے لئے —— جب اللہ اور اس کے رسول کوئی بات طے کردیں —— اپنے معاملہ میں اختیار نہیں رہتا —— سرتسلیم خم کرنا ضروری ہے —— اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے وہ یقیناً صریح گمراہی میں پڑ گیا!

نکاح زینب رضی اللہ عنہا اور منافقین کی ہرزہ سرائیاں

آئندہ آیت کا پس منظر: حضرت زیدؓ کا حضرت زینبؓ سے نکاح تو ہوگیا، مگر بیل منڈھے نہ چڑھی، ہر وقت خرخشہ رہنے لگا، حضرت زیدؓ باپ ہونے کے ناتے نبی ﷺ سے شکایت کرتے، آپؐ سمجھاتے کہ میری خاطر اور اللہ ورسول کے حکم سے اس نے تجھ کو اپنی مرضی کے خلاف قبول کیا ہے، اب چھوڑ دے گا تو اس کی رسوائی ہوگی، لوگ طعنہ دیں گے کہ تجھے غلام نے بھی نہ رکھا، پس اللہ سے ڈر اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر بگاڑ مت کر۔

مگر جب معاملہ کسی طرح قابو میں نہ آیا، جھگڑا بار بار پیش آتا رہا، اور صاف نظر آنے لگا کہ دونوں میں نباہ مشکل ہے تو نبی ﷺ کے لئے لمحۂ فکریہ پیدا ہوا کہ اگر زید زینب کو چھوڑ دیتے ہیں تو ان کی دل جوئی کی ایک ہی صورت ہے کہ آپؐ ان کو قبول کرلیں، اس سے ان کا سر فخر سے اونچا ہوجائے گا، مگر ڈر یہ تھا کہ کفار و منافقین آپؐ کے اور اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کریں گے، کہیں گے: لوجی! بہو کو گھر میں بسالیا! اور ممکن ہے عشق کی داستاں تصنیف کریں۔

آپؐ اسی اُدھیڑبُن میں تھے کہ ایک دن حضرت زیدؓ کا پیمانۂ صبر لبریز ہوگیا، اور انھوں نے طلاق دیدی، حضرت زینبؓ عدت میں بیٹھ گئیں، زمانہ عدت میں بھی آپ یہی بات سوچتے رہے مگر کوئی حتمی فیصلہ نہیں کیا، عدت گذرتے ہی وحی آئی کہ ہم نے زینب کا نکاح آپؐ سے کردیا (تفصیل تحفۃ الالمعی ۷: ۳۹۸ میں ہے)

آیتِ کریمہ: اور (یاد کرو) جب آپؐ اس شخص سے کہہ رہے تھے جس پر اللہ نے احسان کیا —— اس کو دولتِ ایمان سے سرفراز کیا —— اور جس پر آپؐ نے احسان کیا —— آزاد کیا اور بیٹا بنالیا —— کہ اپنی بیوی کو اپنی زوجیت میں رکھے رہ، اور اللہ سے ڈر —— بگاڑ پیدا مت کر —— اور آپؐ اپنے دل میں وہ بات چھپا رہے تھے جس کو اللہ تعالیٰ

ظاہر کرنے والے تھے ــــ یعنی نکاح کرنے کی بات ــــ اور آپؐ (نکاح کرتے ہوئے) لوگوں سے ڈر رہے تھے، اور اللہ تعالیٰ اس کے زیادہ حقدار ہیں کہ آپؐ ان سے ڈریں ــــ یعنی نبی کی پہلی ترجیح اللہ کے احکام کو روبعمل لانے کی ہونی چاہئے، لوگ خواہ کچھ بھی کہیں، نبی کو اس کی پرواہ نہیں کرنی چاہئے۔

پھر جب زید نے اس سے اپنی حاجت پوری کرلی ــــ یعنی طلاق کے بعد عدت بھی گذر گئی، کیونکہ مطلقہ کی عدت بھی شوہر کا حق ہے ــــ تو ہم نے اس کا آپؐ سے نکاح کردیا ــــ مسلم شریف میں روایت ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت زید ہی کے ذریعہ منگنی ڈالی تھی ــــ اس نکاح کی حکمت: ــــ تاکہ مسلمانوں پر ان کے منہ بولے بیٹوں کے بارے میں کچھ تنگی نہ رہے، جب وہ ان سے اپنی حاجت پوری کرلیں ــــ یعنی اس نکاح سے جاہلیت کی ایک رسم ٹوٹے گی، اور ایک غیر اسلامی تصور کا بالکلیہ خاتمہ ہوجائے گا، چنانچہ اس نکاح سے یہ مسئلہ دو اور دو کی طرح واضح ہوگیا کہ لے پالک تمام احکام میں اجنبی کی طرح ہے، وہ حقیقی بیٹے اور بیٹی کی طرح نہیں ــــ اور اللہ کا معاملہ ہوکر رہنے والا ہے ــــ **ولو کرہ الکافرون والمنافقون!** ــــ اور نبی کو اللہ کے حکم پر عمل کرنے میں جھجک نہیں ہونی چاہئے، کیونکہ ــــ نبی پر کچھ تنگی (گناہ) نہیں اس میں جو اللہ نے اس کے لئے مقرر کیا ہے، اللہ کا یہی طریقہ رہا ہے آپؐ سے پہلے گذرے ہوئے لوگوں میں، اور اللہ کا حکم تجویز کردہ طے شدہ ہے ــــ اور گذرے ہوؤں سے مراد ــــ وہ ہیں جو اللہ کے احکامات پہنچایا کرتے تھے، اور اس سے ڈرتے تھے، اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے ــــ یعنی گذشتہ انبیاء مراد ہیں، اور آپؐ بھی اللہ کے نبی ہیں، پس ان انبیاء کے نقش قدم پر چلیں، اور کسی سے نہ ڈریں ــــ اور اللہ تعالیٰ کافی حساب لینے والے ہیں ــــ وہ آپؐ سے بھی حساب لیں گے کہ آپؐ لوگوں سے ڈرے یا نڈر ہوکر کام کیا۔

آخری آیت: ــــ محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ــــ یعنی آپؐ نے زید کو بیٹا بنالیا ہے وہ آپؐ کے حقیقی بیٹے نہیں، پس ان کی بیوی آپؐ کی بہو نہیں، اس لئے آپؐ ان کی مطلقہ سے نکاح کرسکتے ہیں ــــ نبی ﷺ کے صاحبزادے ہوئے ہیں، مگر وہ بچپن میں گذر گئے ہیں، سن بلوغ کو کوئی نہیں پہنچا، پس آپؐ مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، ہاں صاحبزادیاں بلوغ کو پہنچیں، اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی ذریت دنیا میں پھیلی۔

لیکن اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے ختم پر ہیں، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں ــــ لکن استدراک کے لئے آتا ہے یعنی کلام سابق سے پیدا ہونے والے وہم کو رفع کرنے کے لئے آتا ہے، جب اس بات کی نفی کی کہ آپ ﷺ کا کوئی صاحبزادہ حد بلوغ کو نہیں پہنچا، پس کوئی عورت آپؐ کی بہو نہیں ہوسکتی، تو وہم پیدا ہوا کہ اس میں تو آپؐ کی کسر شان ہے، بالغ مذکر اولاد کا ہونا فخر وعزت کی بات ہے، آپ ﷺ کو اس سے محروم کیوں رکھا گیا؟ لکن سے اس کا جواب دیا:

اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی مصلحت سے آپ ﷺ کی نرینہ اولاد زندہ نہ رہی تو کیا حرج ہے، آپؐ کی روحانی اولاد بے حساب ہے، آپ کی امت کے مؤمنین آپؐ کے روحانی بیٹے ہیں، کیونکہ ان کو ایمان آپؐ کی بدولت ملا ہے، اور گذشتہ تمام امتوں کے مؤمنین آپؐ کے روحانی پوتے ہیں، کیونکہ گذشتہ نبیوں کو فیض نبوت آپؐ سے پہنچا ہے، آپ وصفِ نبوت کے ساتھ بالذات متصف ہیں اور وہ بالعرض، کیونکہ آپ خاتم النّبیین (نبیوں کی مہر) بھی ہیں، پس ان کی امتیں آپؐ کی بالواسطہ امتیں ہیں۔ پس جس کے اتنے روحانی بیٹے پوتے ہوں: اگر اس کی دو چار نسبی اولاد زندہ نہ رہی تو اس میں کیا کسر شان ہے؟! (اس کی تفصیل حضرت اقدس مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ کے ''فتوی تحذیر الناس عن انکار اثر ابن عباس'' میں، اور میرے رسالے: ''قادیانی وسوسے'' میں ہے)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ﴿۴۱﴾ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ﴿۴۲﴾ هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰۤئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ﴿۴۳﴾ تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۚۖ وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا ﴿۴۴﴾ يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ﴿۴۵﴾ وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿۴۶﴾ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ﴿۴۷﴾ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۴۸﴾

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے لوگو جو	ذِكْرًا	یاد کرنا	وَّ اَصِيْلًا (۲)	اور زوال سے رات گئے تک
اٰمَنُوا	ایمان لائے	كَثِيْرًا	بہت	هُوَ الَّذِيْ	وہی ہیں جو
اذْكُرُوا	یاد کرو	وَّسَبِّحُوْهُ	اور پاکی بیان کرو اس کی	يُصَلِّيْ (۳)	بے حد مائل ہیں
اللّٰهَ	اللہ کو	بُكْرَةً (۱)	دن کے شروع میں	عَلَيْكُمْ	تمہاری طرف

(۱) بُکرۃ کے معنی ہیں: دن کا شروع حصہ، صبح صادق سے طلوعِ شمس تک کا وقت (۲) أصیل اور عَشِی ہم معنی ہیں، لسان العرب (مادہ اصل) میں ہے الأصیل والعشی سواء، اور مفردات امام راغب میں ہے: العشی من زوال الشمس إلی الصباح: سورج ڈھلنے سے صبح تک کا وقت (۳) سہیلی نے صلاۃ کے معنی: غایت انعطاف کئے ہیں، یعنی آخری درجہ کا میلان، اور نسبتوں کے اختلاف سے میلان مختلف ہوتا ہے، اللہ کا انتہائی میلان: بے پایاں رحمتیں نازل کرنا ہے، اور فرشتوں کا استغفار کرنا

وَمَلٰٓئِكَتُهٗ	اور اس کے فرشتے (بھی)	يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ	اے پیغمبر	بِاَنَّ لَهُمْ	اس بات کی کہ انکے لئے
لِيُخْرِجَكُمْ	تاکہ نکالیں وہ تم کو	اِنَّآ	بے شک ہم نے	مِّنَ اللّٰهِ	اللہ کی طرف سے
مِّنَ الظُّلُمٰتِ	تاریکیوں سے	اَرْسَلْنٰكَ	بھیجا آپ کو	فَضْلًا	مہربانی (انعام) ہے
اِلَى النُّوْرِ	روشنی کی طرف	شَاهِدًا	احوال بتانے والا	كَبِيْرًا	بڑی
وَكَانَ	اور ہیں وہ	وَّمُبَشِّرًا	اور خوشخبری سنانے والا	وَلَا تُطِعِ	اور نہ کہنا مانئے آپؐ
بِالْمُؤْمِنِيْنَ	مؤمنین پر	وَّنَذِيْرًا	اور نتائج اعمال سے	الْكٰفِرِيْنَ	کافروں
رَحِيْمًا	بڑے مہربان		آگاہ کرنے والا	وَالْمُنٰفِقِيْنَ	اور منافقوں کا
تَحِيَّتُهُمْ	ان کی سلامتی کی دعا	وَّدَاعِيًا	اور بلانے والا	وَدَعْ	اور خیال چھوڑیئے
يَوْمَ	جس دن	اِلَى اللّٰهِ	اللہ کی طرف	اَذٰىهُمْ	ان کی ایذا دہی کا
يَلْقَوْنَهٗ	وہ ان سے ملیں گے	بِاِذْنِهٖ	ان کے حکم سے	وَتَوَكَّلْ	اور بھروسہ کیجئے
سَلٰمٌ	سلام ہے	وَسِرَاجًا	اور چراغ	عَلَى اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ پر
وَاَعَدَّ لَهُمْ	اور تیار کیا ہے انکے لئے	مُّنِيْرًا	روشنی کرنے والا	وَكَفٰى	اور کافی ہیں
اَجْرًا	ثواب	وَبَشِّرِ	اور خوش خبری سنائیے	بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ
كَرِيْمًا	احترام والا	الْمُؤْمِنِيْنَ	مؤمنین کو	وَكِيْلًا	کارساز

کافروں اور منافقوں کے بعد مؤمنین کا تذکرہ

قرآنِ کریم کا اسلوب بیان یہ ہے کہ وہ کافروں کے تذکرہ کے بعد مؤمنین کا تذکرہ کرتا ہے، سورت کی پہلی آیت تھی: ﴿يٰأَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِيْنَ وَالْمُنَافِقِيْنَ﴾: اے نبی! اللہ سے ڈریں، اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ مانیں، چنانچہ شروع سورت سے ان دو جماعتوں کے ساتھ گفتگو چل رہی تھی، اب اسی طرح کی آیت پر یہ گفتگو ختم کی جائے گی، پھر متعلقہ مضامین شروع ہونگے، اب آخر میں کافروں کے بالمقابل مؤمنین کا ذکر کرتے ہیں، پھر نبی ﷺ کا مقام ومرتبہ بیان کریں گے، پھر ایمان لانے والوں اور ستانے والوں کا تذکرہ کر کے گفتگو ختم کریں گے۔

ارشادِ پاک ہے: —— اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو —— یہ مُحْسِنِيْن (نیکوکاروں) کا نصاب ہے، سالکین (اللہ کی راہ پر چلنے والوں) کو بکثرت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہئے، کسی حال میں غفلت نہ ہو، ایک صحابی نے پوچھا: کونسا عمل افضل ہے؟ فرمایا: أَنْ تُفَارِقَ الدنيا ولسانُك رطبٌ من ذكر الله: جب تیری موت آئے تو تیری زبان

اللہ کے ذکر سے تر ہو(مشکات ح ۲۲۷۰)ایک دوسرے شخص نے پوچھا: احکام اسلام بہت ہیں، مجھے کوئی ایسا عمل بتائیں جس کو میں مضبوط پکڑوں، فرمایا: لایزال لسانُك رَطْبًا من ذكر الله: تیری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہنی چاہئے (مشکات ح ۲۲۷۹)اور یہ بھی دریافت کیا گیا کہ کونسا بندہ افضل ہے؟ اور قیامت کے دن کس کا درجہ سب سے اونچا ہوگا؟ فرمایا: الذاکرون الله کثیرا والذاکرات: بکثرت اللہ کا ذکر کرنے والے مردوں اور عورتوں کا (مشکات ح ۲۲۸۰)

اور پہلے بیان کیا ہے کہ بکثرت ذکر کا کم سے کم درجہ متعین نہیں، اور زیادہ سے زیادہ پاس انفاس ہیں یعنی ہر سانس کے ساتھ اللہ نکلے، سوتے جاگتے، چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے زبان پر نامِ پاک جاری رہے، مگر اس کے لئے مشق وتمرین ضروری ہوگی، اس کے بعد یہ ملکہ حاصل ہوگا۔

اور اس کی پاکی بیان کرو ـــــ یہ آدھا مضمون ہے، دوسرا آدھا ہے: اس کی تعریف کے ساتھ، نماز دونوں اذکار کا مجموعہ ہے ـــــ دن کے شروع حصہ میں ـــــ شریعت میں دن صبح صادق سے شروع ہوتا ہے، پس اس کا شروع کا حصہ طلوعِ آفتاب تک ہے، یہ فجر کی نماز کا وقت ہے ـــــ اور زوال سے رات گئے تک ـــــ اس میں چار نمازیں ہیں اور دو وقت خالی رکھے ہیں: (۱) طلوع سے زوال تک کاروبار کے لئے خالی رکھا ہے (۲) عشاء کے بعد سے صبح صادق تک آرام کے لئے خالی رکھا ہے ـــــ مگر مُحسنین کے لئے ان دونوں وقتوں میں بھی اشراق چاشت اور تہجد کی نمازیں رکھی ہیں ـــــ یہ عام مسلمانوں کا نصاب ہے، ان کے لئے پابندی سے پانچ نمازیں پڑھنا کافی ہے۔

نمازوں کا دنیوی فائدہ: ـــــ وہی ہیں جو غایت درجہ تمہاری طرف مائل ہیں، اور ان کے فرشتے بھی، تاکہ وہ تم کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف نکالیں، اور اللہ تعالیٰ مؤمنین پر بے حد مہربان ہیں ـــــ صلاۃ کے معنی ہیں: غایتِ انعطاف، آخری درجہ کا میلان، اور میلان نسبت کے اختلاف سے مختلف ہوتا ہے، بیوی کی طرف میلان، اولاد کی طرف میلان، اللہ کے رسول کی طرف میلان اور اللہ کی طرف میلان کی صورتیں مختلف ہیں، اور اللہ کا بندوں کی طرف میلان: بے پایاں رحمتیں نازل کرنا ہے، درود: فارسی لفظ ہے، اس کے بھی یہی معنی ہیں، اور بندوں کا اللہ کی طرف میلان: نماز ہے، جو اذکار مخصوصہ اور ارکانِ مخصوصہ کا مجموعہ ہے، اور فرشتوں کا مؤمنین کی طرف آخری درجہ کا میلان: استغفار ہے ـــــ تاریکیاں: جمع ہے، گمراہی کی اندھیریاں بہت ہیں اور روشنی: مفرد ہے، کیونکہ ہدایت کی روشنی ایک ہے۔ نماز سے بندے ہدایت کی روشنی میں آتے ہیں، اور اس کے علاوہ بھی نماز بے شمار اللہ کی رحمتوں کا سبب ہے، جس سے بے نمازی محروم ہیں۔

آخرت میں نماز کا صلہ: ـــــ اور ان کی (نمازی بندوں کی) زندہ رہنے کی دعا جس دن وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کریں گے السلام علیکم ہے ـــــ یعنی اس مہربان پروردگار کی طرف سے جنتیوں کو سلام بولا جائے گا، خواہ فرشتوں کے

ذریعہ یا جیسا کہ ابن ماجہ کی روایت میں ہے بلاواسطہ خود رب کریم سلام ارشاد فرمائیں گے، اس وقت کی عزت ولذت کا کیا کہنا! (فوائد یٰسٓ آیت ۵۸) —— اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے عزت کا بدلہ تیار کیا ہے —— مراد جنت اور اس کی نعمتیں ہیں۔

نبی ﷺ کا مقام ومرتبہ: —— اے نبی! ہم نے آپؐ کو گواہ (احوال بتانے والا) اور خوش خبری سنانے والا، اور نتائج اعمال سے آگاہ کرنے والا، اور اللہ کی اجازت سے اللہ کی طرف بلانے والا، اور روشنی پھیلانے والا چراغ بنا کر بھیجا ہے —— ان دو آیتوں میں نبی ﷺ کے پانچ اوصاف بیان کئے ہیں:

پہلا وصف: آپؐ شاہد ہیں۔ شاہد کے معنی ہیں: گواہ، احوال بتانے والا، قاضی کے سامنے گواہ دعوی کی حقیقت ظاہر کرتے ہیں، نبی ﷺ قیامت کے دن اپنے زمانہ کے لوگوں کے احوال بتائیں گے کہ کس نے بات مانی اور کس نے نہیں مانی؟ (تفصیل کے لئے دیکھیں رحمۃ اللہ الواسعہ ۲: ۵۰-۵۵، ہدایت القرآن سورۃ النحل آیت ۸۹ اور سورۃ الحج کی آخری آیت)

دوسرا وصف: آپؐ بشیر ہیں، دعوت قبول کرنے والوں کو بہترین انجام کی خوش خبری سناتے ہیں۔

تیسرا وصف: آپؐ نذیر ہیں، دعوت قبول نہ کرنے والوں کو نتائج اعمال سے خبردار کرتے ہیں کہ سنبھل جاؤ، ورنہ تمہارا بیڑا غرق ہوگا!

چوتھا وصف: آپؐ داعی ہیں، اللہ کی توحید سکھاتے ہیں، اور اس کا راستہ بتاتے ہیں، مگر راہ راست پر وہ آئے گا جس کو توفیق ملے، رسول کے اختیار میں ہدایت سے بہرہ ور کرنا نہیں، اس لئے باذنہ بڑھایا۔

پانچواں وصف: آپؐ روشنی پھیلانے والا چراغ یعنی آفتابِ نبوت ہیں، سورج کے طلوع ہونے کے بعد کسی دوسری روشنی کی ضرورت نہیں رہتی، سب روشنیاں اس میں مدغم ہو جاتی ہیں۔

ملحوظہ: یہ پانچوں اوصاف کفار ومنافقین کو سنائے گئے ہیں کہ اگر تم ایمان نہ لائے تو قیامت کے دن ہمارا رسول تمہاری پول کھولے گا، اور ایمان لائے تو خوش خبری سنائے گا، ورنہ وارننگ دے گا، اور رسول کا کام اللہ کے راستہ کی طرف بلانا ہے، ہدایت گھول کر پلانا اس کے بس میں نہیں، یہ کام اللہ کے اختیار کا ہے، مگر اس میں بندوں کے اختیار کا بھی کچھ دخل ہے، اور آپؐ آفتابِ نبوت ہیں، اگر سورج نکلنے پر چمگادڑ راندھے ہو جائیں تو ان کی آنکھوں کا قصور ہے، آفتاب کا اس میں کیا گناہ؟

ایسی عظیم نعمت کے قدرداں اور ناقدرے: —— اور مؤمنین کو خوش خبری سنائیے کہ ان پر اللہ کی طرف سے بڑا فضل ہونے والا ہے —— یعنی دنیا و آخرت میں ان کو برتری حاصل ہوگی —— اور آپؐ کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ

مانئے، اوران کی ایذارسانی کا خیال چھوڑیے، اوراللہ پر بھروسہ کیجئے اوراللہ تعالیٰ کافی کارساز ہیں —— وہ آپ کی بگڑی بنادیں گے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۴۹﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ اَفَاۗءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ ۡ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۤ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵۰﴾ تُرْجِيْ مَنْ تَشَاۗءُ مِنْهُنَّ وَتُـــْٔوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَاۗءُ ۭ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَآ اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا ﴿۵۱﴾ لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاۗءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ﴿۵۲﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ	پھر چھوڑ دو ان کو	عَلَيْهِنَّ	ان پر
اٰمَنُوْٓا	ایمان لائے	مِنْ قَبْلِ	اس سے پہلے	مِنْ عِدَّةٍ	کوئی عدت
اِذَا نَكَحْتُمُ	جب نکاح کرو تم	اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ (۱)	کہ ہاتھ لگاؤ تم ان کو	تَعْتَدُّوْنَهَا (۲)	گنتی میں لاؤ تم اس کو
الْمُؤْمِنٰتِ	مسلمان عورتوں سے	فَمَا لَكُمْ	پس نہیں تمہارے لئے	فَمَتِّعُوْهُنَّ (۳)	پس متعہ دو ان کو

(۱) مَسَّ (س) مَسًّا: چھونا، ہاتھ لگانا: ﴿لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ﴾: اس کو پاک لوگوں کے علاوہ کوئی ہاتھ نہیں لگاتا (۲) جملہ تعتدونها: عدة کی صفت ہے، اوراس میں اشارہ ہے کہ عدت شوہر کا حق ہے (۳) مَتِّعُوْا تمتیع سے امر حاضر: دنیوی سامان دینا۔

وَسَرِّحُوْهُنَّ	اور چھوڑ دو ان کو	خَالِكَ	آپ کے ماموں کی	اَيْمَانُهُمْ	ان کے دائیں ہاتھ
سَرَاحًا	چھوڑنا	وَبَنٰتِ	اور بیٹیاں	لِكَيْلَا يَكُوْنَ	تاکہ نہ ہوے
جَمِيْلًا	خوبصورت	خٰلٰتِكَ	آپ کی خالہ کی	عَلَيْكَ	آپ پر
يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ	اے نبی	الّٰتِيْ	جنھوں نے	حَرَجٌ	کچھ تنگی
اِنَّآ	بے شک ہم نے	هَاجَرْنَ	ہجرت کی	وَكَانَ اللّٰهُ	اور ہیں اللہ تعالیٰ
اَحْلَلْنَا	حلال کیں	مَعَكَ	آپ کے ساتھ	غَفُوْرًا	بڑے بخشنے والے
لَكَ	آپ کے لئے	وَامْرَاَةً	اور عورت	رَّحِيْمًا	بڑے مہربان
اَزْوَاجَكَ	آپ کی (وہ) بیویاں	مُّؤْمِنَةً	مسلمان	تُرْجِيْ	مؤخر کریں
الّٰتِيْٓ	جن کو	اِنْ وَّهَبَتْ	اگر بخش دے	مَنْ تَشَآءُ	جس کو چاہیں
اٰتَيْتَ	آپ نے دیدیا	نَفْسَهَا	اپنی ذات	مِنْهُنَّ	ان میں سے
اُجُوْرَهُنَّ	ان کا مہر	لِلنَّبِيِّ	نبی کو	وَتُـْٔوِيْٓ	اور ٹھکانا دیں
وَمَا	اور جو	اِنْ اَرَادَ	اگر چاہیں	اِلَيْكَ	اپنی طرف
مَلَكَتْ	مالک ہوا	النَّبِيُّ	نبی	مَنْ تَشَآءُ	جس کو چاہیں
يَمِيْنُكَ	آپ کا دایاں ہاتھ	اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا	کہ نکاح میں لائیں اسکو	وَمَنِ ابْتَغَيْتَ	اور جس کو چاہیں آپ
مِمَّآ	ان میں سے جو	خَالِصَةً	مخصوص	مِمَّنْ عَزَلْتَ	ان میں سے جن کو کنارہ کیا آپ نے
اَفَآءَ	لوٹائی	لَّكَ	آپ کے لئے		
اللّٰهُ	اللہ نے	مِنْ دُوْنِ	نہ کہ	فَلَا جُنَاحَ	تو کوئی گناہ نہیں
عَلَيْكَ	آپ پر	الْمُؤْمِنِيْنَ	مؤمنین کے لئے	عَلَيْكَ	آپ پر
وَبَنٰتِ	اور بیٹیاں	قَدْ عَلِمْنَا	تحقیق جانا ہم نے	ذٰلِكَ اَدْنٰٓى	یہ بات قریب تر ہے
عَمِّكَ	آپ کے چچا کی	مَا فَرَضْنَا	جو مقرر کیا ہم نے	اَنْ تَقَرَّ	(اس سے) کہ ٹھنڈی ہوں
وَبَنٰتِ	اور بیٹیاں	عَلَيْهِمْ	ان پر	اَعْيُنُهُنَّ	ان کی آنکھیں
عَمّٰتِكَ	آپ کی پھوپھی کی	فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ	ان کی بیویوں میں	وَلَا يَحْزَنَّ	اور نہ غمگین ہوں وہ
وَبَنٰتِ	اور بیٹیاں	وَمَا مَلَكَتْ	اور جن کے مالک ہیں	وَيَرْضَيْنَ	اور خوش رہیں وہ

بِمَآ	اس پر جو	حَلِيْمًا	بڑے بردبار	مِنْ اَزْوَاجٍ	اور بیویوں کو
اٰتَيْتَهُنَّ	دیا آپ نے ان کو	لَا يَحِلُّ	نہیں جائز ہیں	وَّلَوْ اَعْجَبَكَ	اگرچہ بھلی لگے آپ کو
كُلُّهُنَّ(۱)	سبھی	لَكَ	آپ کے لئے	حُسْنُهُنَّ	ان کی خوبی
وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	النِّسَآءُ	عورتیں	اِلَّا مَا مَلَكَتْ	مگر جو مالک ہو
يَعْلَمُ	جانتے ہیں	مِنْ بَعْدُ	اس کے بعد	يَمِيْنُكَ	آپ کا دایاں ہاتھ
مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ	جو ان کے دلوں میں ہے	وَلَآ اَنْ	اور نہ یہ بات کہ	وَكَانَ اللّٰهُ	اور ہیں اللہ تعالیٰ
وَكَانَ اللّٰهُ	اور ہیں اللہ تعالیٰ	تَبَدَّلَ	بدلیں آپ	عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز پر
عَلِيْمًا	خوب جاننے والے	بِهِنَّ	ان سے	رَّقِيْبًا	نگہبان

نکاح میں مہر مقرر نہ ہوا ہو، اور خلوتِ صحیحہ سے پہلے طلاق ہوجائے تو عدت واجب نہیں اور متعہ واجب ہے

ارتباط: شروع سورت سے جو سلسلۂ بیان چل رہا تھا وہ گذشتہ آیت پر پورا ہوگیا۔ اس میں نبی ﷺ اور کفار ومنافقین پیشِ نظر تھے، اس کے آخر میں نکاح زینب رضی اللہ عنہا کا ذکر آیا تھا۔ اب سورت کے آخر تک نبی ﷺ، ازواج مطہرات اور مؤمنین پیشِ نظر ہیں، درمیان میں حجاب کے فائدے کے ذیل میں منافقین کا کچھ ذکر آئے گا۔

اور اب بیان اس حکم سے شروع ہورہا ہے کہ اگر کسی نکاح میں مہر مقرر نہ ہوا ہو، اور بیوی کو ہاتھ لگانے سے پہلے یعنی خلوتِ صحیحہ سے پہلے طلاق دیدے تو عدت واجب نہیں، کیونکہ بچہ دانی کی مشغولیت کا احتمال نہیں، اور متعہ واجب ہے یعنی ایک جوڑا کپڑا دے کر بیوی کو رخصت کردے ـــــ اور مہر مقرر ہوا ہو تو آدھا مہر دے، یہ حکم سورۃ البقرۃ (آیت ۲۳۷) میں ہے۔

اور یہ حکم نبی اور غیر نبی کے لئے عام ہے، اس لئے بیان تو نبی کا چل رہا ہے اور خطاب مؤمنین سے ہے، اور جو حکم مؤمنات کا ہے وہی حکم کتابیات کا ہے۔ اور آیت میں 'مسلمان عورت' کی تخصیص اس لئے کی ہے کہ مسلمان کو یہودی اور عیسائی عورت سے نکاح نہیں کرنا چاہئے، اس سے اولاد کا دین خطرہ میں پڑجاتا ہے، مسلمان کو مسلمان عورت ہی سے نکاح کرنا چاہئے، اس کے مادّہ کے لئے بہترین جگہ یہی ہے۔

اور خلوت کے معنی ہیں: تنہائی، اور خلوتِ صحیحہ ایسی تنہائی ہے جس میں جماع کے لئے کوئی جسمانی، شرعی اور طبعی رکاوٹ نہ ہو (تفصیل کتبِ فقہ میں ہے) احناف کے نزدیک ایسی خلوت جماع کے حکم میں ہے، اور یہ بات اسی آیت

(۱) کلُّھن: يَرْضَيْن کے فاعل کی تاکید ہے

سے ثابت ہے ﴿تَمَسُّوْهُنَّ﴾ کا یہی مفاد ہے، اور تُمَاسُّوْهُن کی قراءت مستقل آیت ہے، جماع سے بھی بدرجۂ اولی نکاح مؤکد ہوجاتا ہے، اور اس سلسلہ میں سنن بیہقی ودارقطنی میں ضعیف مرفوع حدیث بھی ہے، اور حضرت عمر وعلی وزید بن ثابت رضی اللہ عنہم سے صحیح سندوں سے فتاوی بھی مروی ہیں کہ خلوتِ صحیحہ سے پورا مہر اور عدت واجب ہوتی ہے، اس سے پہلے عدت نہیں، اور متعہ (ایک جوڑا کپڑا) واجب ہے۔ روایات میں جَوْنِیَّه کا واقعہ ہے، جب اس نے نبی ﷺ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہی تو آپؐ نے اس کو ایک جوڑا دے کر رخصت کردیا۔

آیتِ کریمہ: —— اے ایمان والو! جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو، پھر ان کو طلاق دیدو، ان کو ہاتھ لگانے سے پہلے، پس تمہارے لئے ان کے ذمہ کوئی عدت نہیں، جس کو تم شمار کرو —— معلوم ہوا عدت شوہر کے حق کی وجہ سے ہے —— پس ان کو کچھ فائدہ پہنچاؤ —— ایک جوڑا کپڑا وغیرہ مال سامان دو —— اور ان کو خوبی کے ساتھ رخصت کرو —— یعنی ترکِ تعلقات بھی ہوں تو خوشی کے ساتھ، تاکہ آئندہ کے لئے نکاح کی راہ باقی رہے۔

نبی ﷺ کے لئے حلال عورتیں

یہ بیان اس مناسبت سے آیا ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا: نبی ﷺ کی پھوپھی زاد بہن تھیں، اور آپؐ کے لئے حلال تھیں، پس آپؐ نے ان سے نکاح کیا تو آسمان کیوں ٹوٹ پڑا؟ اور وہ آپؐ کی بہو نہیں تھیں، کیونکہ حضرت زید رضی اللہ عنہ لے پالک تھے، حقیقی بیٹے نہیں تھے۔ ارشاد فرماتے ہیں: —— اے نبی! ہم نے آپؐ کے لئے آپؐ کی یہ بیویاں حلال کی ہیں، جن کو آپؐ ان کا مہر دے چکے ہیں —— یعنی نزولِ آیت کے وقت جو ازواج نکاح میں تھیں وہ سب حلال ہیں —— اور وہ باندیاں (بھی حلال ہیں) جو آپؐ کی ملکیت میں ہیں، اس مالِ غنیمت میں سے جو اللہ نے آپؐ پر لوٹایا ہے —— یعنی جو عورتیں اسلامی جہاد میں ہاتھ آئی ہیں اور ان کو باندی بنالیا گیا ہے —— پس آج کل جو عورتیں اغوا کرکے بیچی جاتی ہیں وہ نکاح کے بغیر حلال نہیں —— اور آپؐ کی چچازاد، پھوپھی زاد، ماموں زاد اور خالہ زاد بہنیں، جنھوں نے آپؐ کے ساتھ ہجرت کی ہے —— ان میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا بھی ہیں —— اور وہ مسلمان عورت جو اپنی ذات نبی کو ہبہ کردے، اگر نبی اس کو نکاح میں لانا چاہیں —— تو مہر کے بغیر بھی اس سے نکاح جائز ہے —— یہ (مہر کے بغیر نکاح) مخصوص حکم ہے آپؐ کے لئے، نہ کہ مؤمنین کے لئے، ہم کو معلوم ہیں وہ احکام جو ہم نے ان پر ان کی بیویوں اور ان کی باندیوں کے سلسلہ میں مقرر کئے ہیں —— مؤمنین چار سے زیادہ بیویوں کو نکاح میں جمع نہیں کرسکتے، نبی ﷺ کے لئے یہ قید نہیں، مؤمنین پر نکاح میں مہر لازم ہے، نبی ﷺ پر یہ شرط نہیں، باندیوں میں مسلمان یا کتابی کی شرط ہے، اور دو بہنوں کو ملکِ یمین کے طور پر بھی صحبت میں جمع نہیں کرسکتے، یہ احکام نبی ﷺ کے لئے بھی ہیں —— تاکہ

آپؐ پر کسی قسم کی تنگی نہ رہے — اسی لئے چار کی تحدید ختم کردی — اور اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے بڑے مہربان ہیں۔

نبی ﷺ کے لئے نکاح میں چار کی تحدید نہ ہونے کی وجہ

نبی ﷺ کے لئے جائز تھا کہ جتنی عورتوں سے چاہیں نکاح کریں۔ آپؐ کے لئے چار میں انحصار نہیں تھا۔ کیونکہ نکاح میں تحدید کا مقصد عام طور پر پیش آنے والی احتمالی خرابی کا سدّباب ہے۔ کسی معین اور واقعی خرابی کو ہٹانا پیش نظر نہیں یعنی چونکہ چار سے زیادہ بیویاں ہونے کی صورت میں اندیشہ ہے کہ ان کی حق تلفی ہو، اس لئے تحدید کی گئی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ زیادہ بیویاں ہونگی تو ضرور حق تلفی ہوگی۔ کچھ لوگ چار سے زیادہ کے حقوق بھی مکمل طور پر ادا کرسکتے ہیں۔

اور نبی ﷺ میں دو باتیں ایسی تھیں جو امت میں نہیں ہیں: ایک: کسی بیوی کی حق تلفی ہورہی ہے یا نہیں؟ اس کو آپؐ جانتے تھے۔ کیونکہ آپؐ صاحب وحی تھے۔ پس آپؐ کے لئے احتمال واندیشہ پر حکم دائر کرنے کی حاجت نہیں۔ دوم: آپؐ اطاعتِ الٰہی اور امتثالِ امر خداوندی میں مامون ومحفوظ تھے کیونکہ آپ معصوم تھے۔ ازواج کی حق تلفی کا گناہ آپؐ سے صادر ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لئے آپؐ کو نکاح کے باب میں تحدید سے مستثنیٰ رکھا گیا۔

نبی ﷺ نے آخر عمر میں جو نکاح کئے وہ ملّی، ملکی اور شخصی مصالح سے کئے ہیں

رسول اللہ ﷺ نے ۲۵ برس کی عمر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے پہلا نکاح کیا۔ پھر ۲۵ سال تک جب تک حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا زندہ رہیں آپؐ نے دوسرا کوئی نکاح نہیں کیا۔ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد چونکہ گھر میں چھوٹی بچیاں تھیں اور رسالت کی ذمہ داری، اس لئے آپؐ نے خاندان کی عورتوں کے اصرار پر حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا، جو بیوہ تھیں۔ اس وقت آپؐ کی عمر مبارک ۵۰ سال تھی۔ اسی زمانہ میں آپؐ کو خواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دکھلائی گئیں۔ اور کہا گیا کہ یہ آپؐ کی بیوی ہیں۔ چونکہ اس وقت عائشہؓ کی عمر پانچ چھ سال تھی، اس لئے اس خواب کی صورت واضح نہیں ہوئی۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دل میں یہ بات ڈالی گئی[1] اور انھوں نے اس نکاح کی تحریک کی تو آپؐ نے ان سے نکاح کرلیا۔ مگر ابھی وہ گھر آباد نہیں کرسکتی تھیں، اس لئے عملاً آپؐ کے گھر میں ایک ہی بیوی رہی۔ یہی ایک نکاح آپؐ نے کنواری عورت سے کیا ہے۔ باقی سب نکاح بیوہ عورتوں سے کئے ہیں۔ اور ہجرت کے بعد کئے ہیں جبکہ آپؐ کی عمر مبارک ۵۶ تا ۶۰ سال تھی۔ اور یہ نکاح ملّی، ملکی اور شخصی مصالح کے پیش نظر کئے ہیں۔ مثلاً: (۱) حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح لے پالک کی رسم مٹانے کے لئے کیا ہے۔ اور اس نکاح کا حکم اللہ

(۱) انھوں نے سوچا ہوگا کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا بوڑھی عورت ہیں۔ زیادہ دنوں تک وہ بھی آپ کا ساتھ نہیں دے سکیں گی۔ پس ان کے بعد عائشہ رضی اللہ عنہا گھر بسانے کے قابل ہوجائیں گی ۱۲

تعالیٰ نے سورۃ الاحزاب میں نازل فرمایا ہے۔ یہ ملّی مصلحت ہے (۲) اور حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہما سے نکاح ملکی مصلحت سے کیا ہے۔ تاریخ کا طالب علم جانتا ہے کہ بدر کے بعد اسلام کے خلاف تمام جنگوں کی کمان ابوسفیانؓ کے ہاتھ میں رہی ہے۔ مگر حضرت ام حبیبہؓ سے نکاح کے بعد انھوں نے کوئی اہم فوج کشی نہیں کی۔ یہ اس نکاح کا فائدہ تھا (۳) اور چند خواتین کی اسلام کے لئے بڑی قربانیاں تھیں، جیسے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، جب وہ بیوہ ہوگئیں تو ان کی دلداری کیلئے آپؐ نے ان سے نکاح کیا۔ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دل جوئی کے لئے کیا۔ یہ شخصی مصلحت ہے — غرض سبھی نکاح انہی مقاصد ثلاثہ سے کئے ہیں۔ جن کی تفصیل طویل ہے۔ کوئی نکاح آپؐ نے اپنی ضرورت کے لئے نہیں کیا۔ کیونکہ آپؐ کی چہیتی بیوی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپؐ کے گھر میں تھیں۔ اور یہ عمر طبعی ضرورت کی بھی نہیں تھی۔ وہ تو جوانی کا زمانہ ہے، جو آپؐ نے ایک بیوی کے ساتھ بسر کیا ہے۔ اور چونکہ یہ تینوں مصالح ایسے تھے کہ ان کے لئے کوئی حد مقرر نہیں کی جاسکتی، اس لئے آپ ﷺ کے لئے نکاح کی تحدید نہیں کی گئی۔

نبی ﷺ پر ازواج میں باری مقرر کرنا واجب نہیں تھا

اگر دو یا زیادہ بیویاں ہوں تو امت پر باری مقرر کرنا واجب ہے، مگر نبی ﷺ پر باری باری سے ازواج کے پاس رہنا واجب نہیں تھا، آپؐ جسے چاہیں باری میں آگے پیچھے کرسکتے تھے، اور جسے کنارے پر کردیا ہے اُسے دوبارہ واپس لینے کا بھی اختیار تھا، مگر آپؐ نے مدت العمر ان اختیارات کو استعمال نہیں کیا۔ معاملات میں اس قدر عدل وانصاف کی رعایت فرماتے تھے کہ بڑے سے بڑا محتاط آدمی بھی نہیں کرسکتا — اور حضرت ﷺ پر یہ واجب اس لئے نہیں تھا کہ عورتیں باری کو اپنا حق نہ سمجھیں، جو دیں راضی ہوکر قبول کرلیں، ورنہ روز روز کی جھنجھٹ رہا کرتی، اور دین کے کاموں میں خلل پڑتا، ارشاد فرماتے ہیں: — ان میں سے جس کو چاہیں مؤخر کریں، اور جس کو چاہیں اپنے سے نزدیک کریں، اور جس کو آپ چاہیں ان میں سے جن کو دور کیا ہے تو بھی آپؐ پر کوئی گناہ نہیں، یہ حکم قریب تر ہے اس سے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں، اور وہ آزردہ خاطر نہ ہوں، اور وہ سبھی خوش رہیں اس پر جو آپ ان کو دیں، اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں جو تمہارے دلوں میں ہے — یعنی ازواج کے دلوں کی کیفیات سے اللہ تعالیٰ بخوبی واقف ہیں، باری لازم ہونے کی صورت میں ان میں تنافس (حصولِ مقصد میں مقابلہ بازی) رہتا، اس لئے جھگڑوں کی جڑ ہی کاٹ دی — اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والے بڑے بردبار ہیں!

ازواج کی دلداری کے لئے نبی ﷺ پر ایک پابندی

نبی ﷺ پر باری واجب نہ ہونے میں ازواج کی دل شکنی کا پہلو تھا، اس لئے ان کی دلداری کے لئے نبی ﷺ پر

ایک پابندی لگائی گئی کہ جتنی قسمیں ایک آیت سے اوپر کی آیت میں بیان ہوئی ہیں: ان سے زیادہ حلال نہیں، اور جواز واج اب موجود ہیں ان کو بدلنا بھی جائز نہیں، یعنی ان میں سے کسی کو اس لئے چھوڑ دیں کہ اس کی جگہ دوسری لائیں یہ جائز نہیں، یہ پابندی عائد کی تاکہ ازواج مطمئن ہوجائیں کہ اب وہ ہمیشہ حبالۂ زوجیت میں رہیں گی۔

اور حضرت عائشہ وام سلمہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ پابندی آخر میں اٹھادی گئی تھی، مگر واقعہ یہ ہے کہ آپؐ نے نہ اس کے بعد کوئی نکاح کیا، نہ موجودہ ازواج میں سے کسی کو بدلا، وفات تک سب ازواج نکاح میں رہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں: —— ان کے علاوہ اور عورتیں آپؐ کے لئے حلال نہیں، اور نہ یہ بات درست ہے کہ آپؐ ان بیویوں کی جگہ دوسری بیویاں کرلیں، گو آپؐ کو ان کا حسن بھلا لگے، البتہ جو آپ کی مملوکہ ہیں —— ان کا تبادلہ ہوسکتا ہے —— اور ﴿أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ﴾ سے معلوم ہوا کہ نکاح میں پسندیدگی کا لحاظ ہونا چاہئے، پھر پسندیدگی کی حدود ہیں: جائز اور ناجائز، ظاہر ہے نبی حدود سے نہیں بڑھ سکتا، عصمت کا یہی تقاضہ ہے۔

اور حسن و جمال میں فرق: فی نفسہ موزونیت کا نام جمال ہے جملہ کو جملہ اسی وقت کہتے ہیں جب وہ ٹھیک ہوجائے، اور جمال اللہ تعالیٰ کی صفت بھی ہے، اور فی نفسہ موزونیت اعتبار معتبر کے تابع نہیں ہوتی —— اور پسندیدگی دوسرا اوڑھا تا ہے، کہتے ہیں: اسْتَحْسَنْتُهُ: میں نے اس کو پسند کیا، اور ایک چیز ایک کے لئے پسندیدہ ہو اور دوسرے کو ناپسند ہو ایسا ہوسکتا ہے، پس ہر ایک نکاح میں اپنی پسند کو ترجیح دے، اور جو ایک کو پسند نہیں اس کو کوئی دوسرا پسند کرے گا —— اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگراں ہیں —— کون حدود کی پابندی کرتا ہے کون خلاف ورزی کرتا ہے: اس کو اللہ تعالیٰ دیکھ رہے ہیں، پس اس کا خیال رکھ کر کام کرو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَىٰ طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ وَلَٰكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ ۚ إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ ۖ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ ۚ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ۚ ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ ۚ وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تَنْكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا ۚ إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمًا ﴿٥٣﴾ إِنْ تُبْدُوا شَيْئًا أَوْ تُخْفُوهُ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ

عَلِيْمًا ﴿۵۴﴾ لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَآئِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآئِهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿۵۵﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے لوگو جو	طَعِمْتُمْ	کھا چکو	فَسْـَٔلُوْهُنَّ	تو مانگو ان سے
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	فَانْتَشِرُوْا	تو پھیل جاؤ	مِنْ وَّرَآءِ	پیچھے سے
لَا تَدْخُلُوْا	نہ جاؤ	وَلَا	اور نہ	حِجَابٍ	پردہ کے
بُيُوْتَ	گھروں میں	مُسْتَاْنِسِيْنَ (۲)	دل لگانے والے	ذٰلِكُمْ	یہ
النَّبِيِّ	نبی کے	لِحَدِيْثٍ	باتوں میں	اَطْهَرُ	خوب ستھرائی ہے
اِلَّآ اَنْ	مگر یہ کہ	اِنَّ ذٰلِكُمْ	بے شک یہ	لِقُلُوْبِكُمْ	تمہارے دلوں کے لئے
يُّؤْذَنَ	اجازت دی جائے	كَانَ يُؤْذِي	تکلیف دیتا ہے	وَقُلُوْبِهِنَّ	اور ان کے دلوں کے لئے
لَكُمْ	تم کو	النَّبِيَّ	نبی کو	وَمَا كَانَ	اور نہیں ہے
اِلٰى طَعَامٍ	کھانے کی طرف	فَيَسْتَحْيٖ (۳)	پس شرم کرتے ہیں	لَكُمْ اَنْ	تمہارے لئے کہ
غَيْرَ	نہ	مِنْكُمْ	تم سے	تُؤْذُوْا	تکلیف دو
نٰظِرِيْنَ	دیکھنے والے	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	رَسُوْلَ اللّٰهِ	اللہ کے رسول کو
اِنٰىهُ (۱)	اس کے پکنے کو	لَا يَسْتَحْيٖ	نہیں شرم کرتے	وَلَآ اَنْ	اور نہ یہ کہ
وَلٰكِنْ اِذَا	لیکن جب	مِنَ الْحَقِّ	کھری بات سے	تَنْكِحُوْٓا	نکاح کرو
دُعِيْتُمْ	بلائے جاؤ	وَاِذَا	اور جب	اَزْوَاجَهٗ	ان کی بیویوں سے
فَادْخُلُوْا	تو داخل ہو	سَاَلْتُمُوْهُنَّ	مانگو ان سے	مِنْۢ بَعْدِهٖٓ	ان کے بعد
فَاِذَا	پس جب	مَتَاعًا	کوئی سامان	اَبَدًا	کبھی بھی

(۱) اِنَی: مصدر، ضمیر طعام کی طرف راجع، اَنٰی (ض) اِنًی: پک جانا، تیار ہونا، کہیں گے: **اَنْتَظِرْ اِنَی الطعام:** کھانا تیار ہونے کا انتظار کرو **(۲) مُسْتَأْنِسْ:** اسم فاعل، اِسْتِینَاس: مصدر: جی لگانا، دلچسپی لینا، عامل امکثوا محذوف ہے **(۳) یستحی:** اصل میں یَسْتَحْیِی تھا، ایک یاء حذف کی ہے۔

اِنَّ ذٰلِكُمْ	بے شک یہ	عَلِيْمًا	خوب جاننے والے	وَلَا نِسَآئِهِنَّ	اور نہ ان کی (مسلمان)
كَانَ	ہے	لَا جُنَاحَ	کچھ گناہ نہیں		عورتوں میں
عِنْدَ اللّٰهِ	اللہ کے نزدیک	عَلَيْهِنَّ	ان پر	وَلَا مَا مَلَكَتْ (۱)	اور نہ جن کے مالک ہیں
عَظِيْمًا	بڑا گناہ	فِيْٓ اٰبَآئِهِنَّ	ان کے باپوں میں	اَيْمَانُهُنَّ	ان کے دائیں ہاتھ
اِنْ تُبْدُوْا	اگر ظاہر کرو تم	وَلَآ اَبْنَآئِهِنَّ	اور نہ ان کے بیٹوں میں	وَاتَّقِيْنَ	اور ڈرتی رہو
شَيْئًا	کوئی چیز	وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ	اور نہ ان کے بھائیوں میں	اللّٰهَ	اللہ سے
اَوْ تُخْفُوْهُ	یا چھپاؤ اس کو	وَلَآ اَبْنَآءِ	اور نہ بیٹوں میں	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ
فَاِنَّ اللّٰهَ	تو بے شک اللہ تعالیٰ	اِخْوَانِهِنَّ	ان کے بھائیوں کے	كَانَ	ہیں
كَانَ	ہیں	وَلَآ اَبْنَآءِ	اور نہ بیٹوں میں	عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز کو
بِكُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز کو	اَخَوٰتِهِنَّ	ان کی بہنوں کی	شَهِيْدًا (۲)	دیکھنے والے

بڑوں کے پاس ناوقت مت جاؤ ان کے پاس کرنے کے بہت کام ہیں

ازواج النبی کے بعد بیوت النبی کے احکام ذکر کرتے ہیں، اُن بیوت میں ازواج ہیں، بات یہاں سے شروع کی ہے کہ بعض لوگ بڑوں کے پاس ناوقت ملاقات کے لئے آدھمکتے ہیں، اور فضول باتوں میں وقت ضائع کرتے ہیں، ان سے پوچھا جائے: کیسے تشریف لائے؟ تو کہتے ہیں: زیارت کے لئے! حالانکہ زیارت تو مُردوں کی کی جاتی ہے! زندوں سے تو ملاقات کی جاتی ہے۔ پھر جب تک ان کو کچھ کھلاؤ پلاؤ نہیں ٹلتے نہیں، اس طرح سارا کام بگاڑ دیتے ہیں، اس لئے فرمایا: ـــــ اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں مت جایا کرو ـــــ پھر پہلا استثناء فرمایا: ـــــ مگر جس وقت تم کو کھانے کے لئے اجازت دی جائے ـــــ پس جاؤ، اور لفظ 'دعوت' استعمال نہیں کیا، بڑوں کے یہاں دعوت نہیں ہوتی، بلایا جاتا ہے، بلکہ بلایا بھی نہیں جاتا، اجازت دی جاتی ہے، یہی بڑی سعادت ہے ـــــ پھر دوسرا استثناء ہے (غیو بھی حرف استثناء ہے) ـــــ نہ انتظار کرنے والے اس کے پکنے کا، لیکن جب تم کو بلایا جائے تب جاؤ ـــــ بعض لوگ گھنٹہ پہلے آ کر بیٹھ جاتے ہیں، کہتے ہیں: چلو حضرت سے باتیں کریں گے! پوچھتے ہیں: کیوں آئے؟ کہتے ہیں: آپ نے کھانے پر بلایا ہے! ارے بھئی! کھانے پر گیارہ بجے بلایا ہے، تم آٹھ بجے ہی آگئے! اس لئے فرمایا: جس وقت بلایا جائے اس وقت جاؤ،

(۱) آزاد غیر مسلم عورت سے پردہ ہے، البتہ باندی اگرچہ غیر مسلم ہو اس سے پردہ نہیں۔ (۲) شَهِدَ الشيئَ: دیکھنا ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾: پس جو شخص تم میں سے ماہ رمضان کو یعنی اس کے چاند کو دیکھے وہ اس کا روزہ رکھے۔

اس سے بہت پہلے مت جاؤ ـــــ پھر جب کھا چکو تو بکھر جاؤ، اور باتوں میں دل لگا کر بیٹھے مت رہو ـــــ نہ حضرت سے باتوں میں لگو، نہ آپس میں گپ شپ کرو ـــــ حکم کی وجہ: ـــــ بے شک یہ بات نبی کو تکلیف پہنچاتی ہے، پس وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ صاف بات کہنے میں کسی کا لحاظ نہیں کرتے۔

سوال: اگر کوئی کہے کہ ہم نبی ﷺ کے گھر میں کوئی سامان لینے آئے ہیں؟

جواب: ـــــ اور جب تم ازواج سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو ـــــ اس کے لئے بھی گھر میں داخل ہونے کی ضرورت نہیں ـــــ یہ بات زیادہ پاکیزہ ہے تمہارے دلوں کے لئے اور ان کے دلوں کے لئے ـــــ یہ پردہ کی اوٹ سے سامان مانگنے کی حکمت ہے۔

پھر قاعدہ بیان کیا: ـــــ اور تمہارے لئے جائز نہیں کہ اللہ کے رسول کو ستاؤ! ـــــ یعنی کافر منافق جو چاہیں کریں، مؤمنین کے لئے لائق نہیں کہ کسی طرح بھی نبی ﷺ کو ستائیں ـــــ پھر ان تکلیف دہ حرکات میں سے ایک سخت اور بھاری بات بطور مثال بیان کرتے ہیں: ـــــ اور نہ یہ بات جائز ہے کہ ان کی بیویوں سے کبھی بھی نکاح کرو ـــــ یہ ممانعت عظمتِ نبی اور عظمتِ امہات کی وجہ سے ہے ـــــ بے شک یہ (نکاح) اللہ کے نزدیک بہت بھاری بات ہے ـــــ یعنی بہت بڑا گناہ ہے، پس زبان سے کہنا تو کجا دل میں کبھی ایسا وسوسہ بھی مت لاؤ، فرمایا: ـــــ اگر تم کوئی چیز ظاہر کرو یا پوشیدہ رکھو تو یقیناً اللہ تعالیٰ کو ہر چیز خوب معلوم ہے!

سوال: مردوں کو جو نبی ﷺ کے گھروں میں آنے کی ممانعت کی ہے: یہ حکم ازواجِ مطہرات کے محارم کے لئے بھی ہے؟

جواب: نہیں، محارم کا آنا منع نہیں، اس سلسلہ میں جو حکم عام مستورات کا ہے وہی حکم ازواجِ مطہرات کا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں: ـــــ ان (ازواج) پر کوئی گناہ نہیں ان کے باپوں، بیٹوں، بھائیوں، بھتیجوں، بھانجوں، مسلمان عورتوں اور ان کی لونڈیوں کے سلسلہ میں ـــــ اس آیت میں جن محارم کا ذکر ہے ان میں حصر نہیں، تمام نسبی، رضاعی اور سببی محارم مراد ہیں، سببی محرم: جیسے خسر، شوہر کا دوسری بیوی سے بیٹا ـــــ اور اللہ سے ڈرتی رہو ـــــ کیونکہ محارم کے ساتھ بھی کبھی نامناسب بات پیش آجاتی ہے، ہاں دل میں اللہ کا ڈر ہو تو پیش نہیں آتی ـــــ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو دیکھنے والے ہیں ـــــ اللہ تعالیٰ سے انسان کا کوئی حال چھپا ہوا نہیں، وہ آنکھوں کی خیانت اور سینوں کے بھیدوں کو بھی جانتے ہیں۔

فائدہ: اس آیت میں اور سورۃ النور کی آیت ۳۱ میں: ﴿مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُهُنَّ﴾ ﴿نِسَائِهِنَّ﴾ کے بعد آیا ہے، اور ﴿نِسَائِهِنَّ﴾ سے مسلمان عورتیں مراد ہیں، مسلمان عورت کے حق میں مسلمان عورتیں تو محرم کی طرح ہیں، اور غیر مسلم عورتیں اجنبی مردوں کی طرح ہیں ـــــ اگرچہ مسلمان عورتیں اب اس مسئلہ پر عمل نہیں کرتیں، یہ کوتاہی ہے ـــــ پس ما سے مراد

باندیاں ہیں، وہ اگرچہ غیر مسلم ہوں ان سے پردہ نہیں، کیونکہ ان سے گھر میں کام لینا پڑتا ہے ـــــ رہے غلام تو ان سے مرد کام لیتے ہیں، عورتیں کام نہیں لیتیں، اور کوئی غلام کسی عورت کا ہو تو اس کو بھی پس پردہ کام بتایا جاسکتا ہے، اس لئے غلام آیت کا مصداق نہیں ـــــ اور جن حضرات نے ما کے عموم میں غلام کو بھی لیا ہے ان کی بات پردہ کے مقصد کو فوت کرتی ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۸﴾ ع

إِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	يُؤْذُوْنَ	ستاتے ہیں	وَالَّذِيْنَ	اور جو لوگ
وَمَلٰٓئِكَتَهٗ	اور اس کے فرشتے	اللّٰهَ	اللہ کو	يُؤْذُوْنَ	ستاتے ہیں
يُصَلُّوْنَ (۱)	بے پایاں رحمت بھیجتے ہیں	وَرَسُوْلَهٗ	اور اس کے رسول کو	الْمُؤْمِنِيْنَ	مؤمنین کو
عَلَى النَّبِيِّ (۲)	اس نبی پر	لَعَنَهُمُ	پھٹکارا ان کو	وَالْمُؤْمِنٰتِ	اور مؤمنات کو
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے لوگو! جو	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ نے	بِغَيْرِ	بدوں
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	فِي الدُّنْيَا	دنیا میں	مَا	اس کے جو
صَلُّوْا	درود بھیجو	وَالْاٰخِرَةِ	اور آخرت میں	اكْتَسَبُوْا	کیا انھوں نے
عَلَيْهِ	ان پر	وَاَعَدَّ	اور تیار کیا	فَقَدِ احْتَمَلُوْا	تو یقیناً اٹھایا انھوں نے
وَسَلِّمُوْا	اور سلام کرو	لَهُمْ	ان کے لئے	بُهْتَانًا	بہتان
تَسْلِيْمًا (۳)	خوب سلام کرنا	عَذَابًا	عذاب	وَّاِثْمًا	اور گناہ
اِنَّ الَّذِيْنَ	بے شک جو لوگ	مُّهِيْنًا	رسوا کن	مُّبِيْنًا	کھلا

مسلمانوں پر نبی ﷺ کی تعظیم غایت درجہ لازم ہے

ابھی قاعدہ بیان کیا ہے کہ تمہارے لئے جائز نہیں کہ اللہ کے رسول کو ستاؤ، یہ قاعدہ منفی پہلو سے تھا، اب مثبت پہلو سے

(۱) صلاۃ: بے پایاں مہربانی، آخری درجہ کا میلان، صورتیں اس کی مختلف ہیں (۲) النبی میں الف لام عہدی ہے، مراد نبی ﷺ ہیں۔ (۳) تسلیما: مفعول مطلق برائے تاکید ہے۔

قاعدہ بیان کرتے ہیں کہ ہر مسلمان پر نبی ﷺ کی تعظیم غایت درجہ لازم ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اور فرشتے ان کی غایت درجہ تعظیم کرتے ہیں، پس مسلمانوں کو بھی آپ ؐ کی آخری درجہ تک تعظیم کرنی چاہئے، ارشاد فرماتے ہیں: — بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے بے پایاں رحمت بھیجتے ہیں اس نبی پر، اے ایمان والو! تم بھی آپ ؐ پر رحمت بھیجو، اور خوب سلام بھیجو!

صلاۃ کے معنی: علماء بیان کرتے ہیں: صلاۃ کے معنی اللہ کے تعلق سے رحمت، فرشتوں کے تعلق سے استغفار اور مؤمنین کے تعلق سے دعا ہیں، مگر علامہ ابن القیم نے بدائع الفوائد میں فرمایا ہے کہ صلاۃ کے معنی رحمت تین وجوہ سے غلط ہیں، اور صلاۃ کے معنی دعا بھی تین وجوہ سے مشکل ہیں (ان کی بات تفصیل سے مشکات کی شرح التعلیق الصبیح ۱:۲۶۱ کتاب الصلاۃ کے شروع میں حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی قدس سرہ نے نقل کی ہے) پھر ابن القیم نے سہیلی رحمہ اللہ سے صلاۃ کے معنی: حُنُوّ اور عَطْف بیان کئے ہیں، یعنی شفقت و مہربانی (سہیلی کی بات بھی تفصیل سے التعلیق الصبیح میں نقل کی گئی ہے) میں نے اس کی تعبیر کی ہے: غایتِ انعطاف: آخری درجہ کا میلان، اور میلان: نسبتوں کے اختلاف سے مختلف ہوتا ہے، اللہ کا مؤمنین کی طرف میلان (سورۃ الاحزاب آیت ۴۳) اور نبی ﷺ کی طرف میلان (یہ آیت) مختلف ہیں، اسی طرح فرشتوں کا اور مؤمنین کا نبی ﷺ کی طرف میلان: اللہ تعالیٰ کے میلان سے مختلف ہیں، مگر سب کا مفاد غایتِ تعظیم ہے، اور تعظیم کی صورت بھی نسبتوں کے اختلاف سے بدلتی ہے، پھر غایت تعظیم کی حد بھی ملحوظ رکھنی ضروری ہے، اللہ تعالیٰ کے سامنے فخر موجودات کا رتبہ عبدُہ ورسولُہ ہے، اور درود بھیجنے کا جو حکم ہے وہ اس مقام و مرتبہ کی حفاظت کے لئے ہے، یہ بات امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہ نے حجۃ اللہ میں بیان کی ہے، جو درج ذیل ہے:

درود شریف بھیجنے کی حکمتیں

نبی ﷺ پر صلاۃ وسلام بھیجنے میں تین حکمتیں ہیں:

پہلی حکمت — رحمت کے جھونکوں سے استفادہ — انسانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ رحمتِ الٰہی کے جھونکوں کے سامنے آئیں اور ان سے بہرہ ور ہوں۔ حدیث میں ہے کہ: ''رحمتِ الٰہی کے جھونکوں کے درپے ہوؤ۔ اللہ کی رحمت کے جھونکے ضرور چلتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں ان سے بہرہ ور فرماتے ہیں'' (درمنثور ۳:۳۱۸ و ۴:۲۵) اور اللہ کی رحمت کے جھونکوں کے درپے ہونے کی بہترین صورت: شعائر اللہ کی تعظیم ہے۔ اور بڑے شعائر اللہ چار ہیں: قرآن، کعبہ، نبی اور نماز۔ تفصیل رحمۃ اللہ ۱:۲۰۴-۲۱۷ میں ہے۔ کعبہ شریف: انوار و تجلیات کے اترنے کی جگہ اور زمین میں اللہ کے دین کی امتیازی نشانی ہے، اس لئے اس کی تعظیم ضروری ہے۔ اور اس کی تعظیم کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے پاس پہنچا جائے

یعنی حج یا عمرہ کیا جائے۔ اور اس کے پاس ہاتھ پسار کر دعائیں مانگی جائیں۔ اس کے پاس ٹھہرا جائے یعنی اعتکاف وطواف کیا جائے تو ضرور رحمت کے جھونکوں سے حصہ ملے گا۔

اور نبی ﷺ کی روح پاک کا ملأ اعلیٰ میں بزرگ ترین مقام ہے۔ آپؐ زمین والوں پر جودِ الٰہی کے نزول کا واسطہ ہیں، اس لئے آپؐ کی تعظیم بھی واجب ہے۔ اور آپؐ کی تعظیم کا طریقہ یہ ہے کہ عظمت ومحبت کے ساتھ آپ کا ذکر کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ سے آپؐ کے حق میں دعا کی جائے۔ اور آپؐ کی ذات سے اپنی ایمانی وابستگی اور وفا کیشی کا اظہار کیا جائے۔ ایسا مؤمن بھی رحمتِ الٰہی کے جھونکوں سے ضرور بہرہ ور ہوگا۔

دوسری حکمت —— درود شریف دین کو تحریف سے بچاتا ہے —— اس سے شرک کی جڑ کٹتی ہے۔ درود بھیجنے سے یہ بات ذہن نشیں ہوتی ہے کہ سید کائنات ﷺ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت وعنایت اور نظر کرم کے محتاج ہیں۔ اور محتاج ہستی: بے نیاز ذات کی شریک وسہیم نہیں ہوسکتی۔ تحریف ہی کے سدّ باب کے لئے یہ حکم دیا گیا ہے کہ قبر اطہر کی زیارت ضرور کی جائے مگر اس زیارت کو میلا ٹھیلا نہ بنایا جائے (مشکوٰۃ حدیث ۹۲۶) جس طرح یہود ونصاری نے اپنے نبیوں کی قبروں کے ساتھ (اور جاہل مسلمانوں نے اولیاء کی قبروں کے ساتھ) یہ معاملہ کر رکھا ہے۔ موسم حج کی طرح یعنی جس طرح سال میں ایک مرتبہ کعبہ شریف کی زیارت کے لئے حج کیا جاتا ہے: یہود ونصاری اور جہلاء مسلمین نے بھی ان قبور کی زیارت کے لئے عرس تجویز کر رکھے ہیں، جو دین میں بگاڑ کا باعث ہیں، اس لئے مذکورہ ارشاد کے ذریعہ اور درود شریف کے ذریعہ اس کا سدّ باب کیا گیا ہے۔

تیسری حکمت —— روح نبوی سے استفادہ —— کاملین کی ارواح اپنے جسموں سے جدا ہونے کے بعد یعنی موت کے بعد رکی ہوئی موج کی طرح ہوجاتی ہیں۔ اب ان میں جدید ارادہ اور عارضی داعیہ کوئی تحریک پیدا نہیں کرتا یعنی جس طرح پانی کی موج کو کوئی پہاڑ وغیرہ روک دے تو اس کا تموّج ختم ہوجاتا ہے، اسی طرح موت کے بعد کاملین کی ارواح مشاہدۂ حق میں مشغول ہوجاتی ہیں۔ اب کسی چیز کی طرف ان کا التفات نہیں رہتا —— اور جو نفوس ان سے ورے ہیں یعنی زندہ ہیں وہ اس بات کے محتاج ہیں کہ توجہ تام کے ذریعہ ان کاملین کی ارواح سے استفادہ کریں۔ درود شریف: روح پاک کے ساتھ ارتباط کی ایسی ہی ایک کوشش ہے۔ جب مؤمن بندہ درود بھیجتا ہے تو درود روح نبوی سے نور اور مناسب حالت درود بھیجنے والے کی طرف ہانک لاتی ہے۔ ایک حدیث میں ہے: ''جب بھی کوئی شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر واپس کرتے ہیں، تاکہ میں اس کے سلام کا جواب دوں'' (مشکوٰۃ حدیث ۹۲۵) یعنی روح پاک جو مشاہدۂ حق میں مشغول ہے اور جس کا کسی طرف التفات باقی نہیں رہا، باذنِ الٰہی وہ سلام پیش کرنے والے کی طرف ملتفت ہوتی ہے، اور جواب دیتی ہے یعنی روح پاک سے سلام کرنے والے کو فیض پہنچتا ہے۔ شاہ صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں: میں نے

۱۴۴۲ھ میں جب میرا قیام مدینہ منورہ میں تھا، اس بات کا بار بار مشاہدہ کیا ہے۔ یعنی روح نبوی سے فیض پایا ہے۔

سلام کے معنی: سلام کے معنی: سلامتی کے ہیں، جیسے مسلمان باہم سلام کرتے ہیں، کہتے ہیں: السلام علیکم: تم سلامت رہو، ہر گزند سے بچے رہو، اسی طرح نبی ﷺ پر سلام بھیجنا بھی مامور بہ ہے، اور اس کا طریقہ التحیات میں سکھلایا ہے، ہم کہتے ہیں: السلام علیك أیها النبی ورحمة الله وبرکاته، اور درود شریف کے بہت سے صیغے حدیثوں میں مروی ہیں، اور افضل درود: درودِ ابراہیمی ہے، جو ہم نماز میں پڑھتے ہیں۔

مسئلہ: صَلُّوْا اور سَلِّموا: امر: قطعی الثبوت اور قطعی الدلالہ ہیں، اور امر تکرار کو متقضی نہیں، اس لئے زندگی میں ایک مرتبہ صلاۃ وسلام بھیجنا ہر مسلمان پر فرض ہے، اور جب بھی کسی مجلس میں آپ کا تذکرہ آئے ایک مرتبہ درود بھیجنا فضیلت کا اعلی درجہ ہے، اور ہر بار درود بھیجنا بڑا ثواب کا کام ہے۔

تنبیہ: ہمارے ہاتھ میں کچھ نہیں، ہم اللہ سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اپنے حبیب ﷺ پر بے پایاں رحمتیں نازل فرمائیں، تاکہ آخرت میں ان کا درجہ بلند ہو، اور دنیا میں ان کی شان بڑھے، اور یہ بات اشاعتِ دین کی مرہونِ منت ہے، پس دین کو پھیلانے کے لئے محنت کرنا درود شریف کا تتمہ ہے۔

اللہ ورسول کو ایذا دینے والے دنیا وآخرت میں ملعون

اوپر مسلمانوں کو حکم دیا تھا کہ نبی کریم ﷺ کی ایذا کا سبب نہ بنیں، بلکہ ان کی انتہائی تعظیم وتکریم کریں، جس کی ایک صورت صلاۃ وسلام بھیجنا ہے۔ اب یہ بتلاتے ہیں کہ اللہ ورسول کو ایذا دینے والے دنیا وآخرت میں ملعون ومطرود اور سخت رسوا کن عذاب میں مبتلا ہونگے (فوائد) پس یہ گذشتہ کلام کا تتمہ ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں: —— بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ کو اور اس کے رسول کو ستاتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا وآخرت میں پھٹکار دیا ہے، اور ان کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کیا ہے۔

مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو ایذا پہنچانا بھی جائز نہیں

مضمون میں سے مضمون نکلا کہ اللہ ورسول کی طرح مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو ایذا پہنچانا بھی جائز نہیں، اور یہ مضمون حکم حجاب کی تمہید بھی ہے، پردہ کا حکم اس لئے ہے کہ شریف عورتیں ستائی نہ جائیں، جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں: —— اور جو لوگ ایماندار مردوں اور ایماندار عورتوں کو ستاتے ہیں، بدوں اس کے کہ انھوں نے کچھ کیا ہو، وہ لوگ بہتان اور صریح گناہ کا بار اٹھاتے ہیں —— ﴿بِغَیْرِ مَا اکْتَسَبُوْا﴾ کے ذریعہ تادیب وسیاست کا استثناء کیا ہے، کسی جرم کی سزا دینا / دلوانا جائز ہے —— بہتان: جھوٹی تہمت بھی صریح گناہ ہے۔

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵۹﴾ لَىِٕنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۶۰﴾ مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ﴿۶۱﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿۶۲﴾

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ	اے نبی	اَنْ يُّعْرَفْنَ	(اس سے) کہ پہچانی جائیں وہ	وَّالْمُرْجِفُوْنَ(۴)	اورافواہیں اڑانے والے
قُلْ	کہیں	فَلَا يُؤْذَيْنَ	پس نہ ستائی جائیں وہ	فِي الْمَدِيْنَةِ	نبی کے شہر میں
لِّاَزْوَاجِكَ	اپنی بیویوں سے	وَكَانَ اللّٰهُ	اور ہیں اللہ تعالیٰ	لَنُغْرِيَنَّكَ(۵)	توضرور مسلط کریں
وَبَنٰتِكَ	اور اپنی بیٹیوں سے	غَفُوْرًا	بڑے بخشنے والے		گے ہم آپ کو
وَنِسَآءِ	اور عورتوں سے	رَّحِيْمًا	بڑے مہربان	بِهِمْ	ان پر
الْمُؤْمِنِيْنَ	مسلمانوں کی	لَىِٕنْ لَّمْ	بخدا!! اگر نہ	ثُمَّ	پھر
يُدْنِيْنَ(۱)	قریب کرلیں	يَنْتَهِ(۳)	باز آئے (رکے)	لَا يُجَاوِرُوْنَكَ(۶)	نہ ساتھ رہ سکیں گے
عَلَيْهِنَّ	اپنے اوپر	الْمُنٰفِقُوْنَ	منافقین		وہ آپ کے
مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ(۲)	اپنی چادروں سے	وَالَّذِيْنَ	اور جو	فِيْهَا	شہر میں
ذٰلِكَ	یہ بات	فِيْ قُلُوْبِهِمْ	ان کے دلوں میں	اِلَّا قَلِيْلًا	مگر تھوڑا سا
اَدْنٰٓى	زیادہ قریب ہے	مَّرَضٌ	روگ ہے	مَّلْعُوْنِيْنَ(۷)	پھٹکارے ہوئے

(۱) يُدنین: مضارع، جمع مؤنث غائب، مصدر إدناء: نزدیک کرنا دُنُوّ: نزدیک ہونا (۲) جلابیب: جِلْبَاب کی جمع: بڑی چادر جو کرتے پر اوڑھی جاتی ہے (۳) يَنْتَهِ: مضارع، واحد مذکر غائب، مصدر اِنْتِهَاء: باز آنا، رکنا، اصل میں يَنْتَهِي تھا، لم کی وجہ سے یاء گرگئی ہے (۴) مُرْجِف: اسم فاعل، مصدر إِرْجَاف، مادہ رَجْفٌ جھوٹی خبریں جو لوگوں کے دلوں کو لرزادیں، رَجَفَتِ الأرضُ: زمین ہل گئی، بھونچال آگیا، لرزنے لگی (۵) نُغْرِيَنَّ: مضارع جمع متکلم، بانون تاکید، مصدر اغْرَاء: مسلط کرنا۔ (۶) يُجَاوِرُوْنَ: مضارع، جمع مذکر، مصدر مُجَاوَرَةٌ: پڑوس میں رہنا، ساتھ رہنا (۷) ملعونین: لایجاورونك کے فاعل سے حال ہے

اَيْنَمَا	جہاں بھی	سُنَّةَ	دستور	وَلَنْ تَجِدَ	اور ہرگز نہیں پائیں
ثُقِفُوْٓا (۱)	پائے جائیں	اللّٰهِ	اللہ کا		گے آپ
اُخِذُوْا	پکڑے جائیں	فِي الَّذِيْنَ	ان میں جو	لِسُنَّةِ	دستور کو
وَقُتِّلُوْا	اور قتل کئے جائیں	خَلَوْا	گذرے	اللّٰهِ	اللہ کے
تَقْتِيْلًا (۲)	بری طرح قتل کرنا	مِنْ قَبْلُ	اس سے پہلے	تَبْدِيْلًا	بدلنا

مسلمان عورتیں کسی ضرورت سے نکلیں تو چہرہ چھپا کر نکلیں (آیتِ حجاب)

گذشتہ آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ستائی جاتی تھیں، اس لئے آیتِ حجاب کے ذریعہ بعض ایذاؤں کے انسداد کا بندوبست کیا، روایات میں ہے کہ مسلمان خواتین جب ضروریات کے لئے باہر نکلتیں تو بدمعاش منافق تاک میں رہتے، اور چھیڑ چھاڑ کرتے، جب پکڑے جاتے تو کہتے: ہم نے سمجھا نہیں کہ یہ شریف عورت ہے، باندی سمجھ کر چھیڑ دیا! اس کا پہلا علاج یہی ہے کہ عورتیں ایسی وضع (حالت) اختیار کریں جس سے شرافت ٹپکے، اور وہ حالت عورت کا باپردہ نکلنا ہے، پھر بھی بدقماش باز نہ آئیں تو ان کو بجایا جائے، ان آیات میں یہی مضمون ہے۔

آیاتِ کریمہ: —— اے نبی! آپ اپنی بیویوں سے، اپنی بیٹیوں سے اور مسلمان عورتوں سے کہیں کہ وہ اپنے اوپر اپنے کچھ اوڑھنے قریب کرلیں، یہ بات زیادہ قریب ہے کہ وہ پہچانی جائیں، پس وہ ستائی نہ جائیں، اور اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے بڑے مہربان ہیں! —— دورِ نبوی میں عورتیں اون کے بڑے اوڑھنے اوڑھتی تھیں، وہ کانوں کی طرف سے اوڑھنوں کو کھینچ کر ناک پر لے آئیں، ناک پر ایک لکیر رہے گی، جس سے راستہ نظر آئے گا، میں نے دبئ کے ایک میوزیم میں دیکھا جس میں قدیم عربوں کا کلچر دکھایا گیا ہے، عورتیں راستوں میں اسی طرح چل رہی تھیں، پس کتابوں میں جو لکھا ہے کہ چادر کا کچھ حصہ سر سے نیچے چہرہ پر لٹکالیویں، یہ بات صحیح نہیں، اس صورت میں راستہ کیسے نظر آئے گا؟ اور جو عورتیں ڈھاٹا باندھتی ہیں، اور دونوں آنکھیں کھلی رکھتی ہیں، وہ بھی حجاب کے مقصد کو فوت کرتا ہے، لڑھتی آنکھیں ہیں، ناک، گال اور ہونٹ تھوڑے لڑھتے ہیں! —— اسی طرح جو لوگ سورۃ النور کی (آیت ۳۱) کو حجاب کی آیت سمجھتے ہیں: وہ بھی غلط فہمی ہے، اُس آیت میں تو یہ بیان ہے کہ عورت کو محارم اور محارم جیسوں کے درمیان کس طرح رہنا چاہئے؟ سورۃ النور کا موضوع اصلاح معاشرہ ہے —— حجاب کی آیت تو یہ ہے، اس میں چہرہ چھپانے ہی کا حکم ہے، اور ہتھیلیاں اور پاؤں کے بارے

(۱) ثَقِفَ يَثْقَفُ (س) ثَقْفًا: پانا، ملنا، اسی کے معنی ہیں: ادراک کرنا، اسی سے مُثَقَّف: مہذب ہے، مگر قرآن میں صرف پانے کے معنی میں مستعمل ہے (۲) تَقْتِيْلًا: أی قُتِلُوْا أبلغَ قتلٍ (روح) مفعول مطلق ہے نوعیت بیان کرنے کے لئے۔

میں سکوت ہے، پس احتیاط ان کے چھپانے میں ہے۔

پہچانی جائیں کہ یہ شریف عزت دار خاتون ہے، پس بدنیت لوگ اس پر بری نظر نہیں ڈالیں گے، یورپ اور امریکہ میں میں نے دیکھا ہے: باپردہ خاتون عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے، اور نیم عریاں نگاہوں کا نشانہ بنتی ہے، مگر اب برقعے بھی ایسے چمک دمک کے نکل آئے ہیں کہ بے ارادہ بھی لوگ دیکھتے ہیں، جبکہ اندرنانی ماں ہوتی ہے، ایسے برقعوں سے عورتوں کو احتراز کرنا چاہئے، یہ برقع میں چھچھڑے لگانا ہے، نیک چلنی کے پردے میں بدچلنی کرنا ہے!

اور اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے بڑے مہربان ہیں: یعنی باوجود اہتمام کے کچھ کوتاہی ہوجائے گی تو اللہ کی مہربانی سے بخشش کی توقع ہے —— آگے عام چھیڑ چھاڑ کی نسبت دھمکی ہے، خواہ بی بی سے ہو یا لونڈی سے، ارشاد فرماتے ہیں: ——

بخدا! اگر باز نہ آئے منافقین اور جن کے دلوں میں روگ ہے اور مدینہ میں افواہیں پھیلانے والے تو ہم ضرور آپؐ کو ان پر مسلط کریں گے، پھر وہ لوگ مدینہ میں آپؐ کے پاس بہت ہی کم رہنے پائیں گے (وہ بھی) پھٹکارے ہوئے، جہاں بھی ملیں گے پکڑے جائیں گے اور بری طرح قتل کئے جائیں گے! —— (یہی) دستورِ الٰہی ہے ان لوگوں میں جو آپؐ سے پہلے ہوئے ہیں، اور آپ قانونِ خداوندی میں ہرگز تبدیلی نہیں پائیں گے —— یہ منافقوں اور بدمعاشوں کی دنیوی سزا کا بیان ہے، آخرت کی سزا قیامت کے دن ملے گی، قیامت کا بیان اگلی آیات میں ہے —— پھر ہوا یہ کہ دنیا میں سخت سزا کی دھمکی سن کر عقل ٹھکانے آ گئی، وفاتِ نبوی کے وقت صرف بارہ منافق رہ گئے تھے، اتنے تھوڑے کیا شرارت کرتے، اس لئے شہر بدر کرنے کی نوبت نہیں آئی —— قولہ: مدینہ میں افواہیں پھیلانے والے: یعنی پاک دامن عورتوں کے بارے میں بے پر کی اڑانے والے، جیسے صدیقہ رضی اللہ عنہا کے معاملہ میں کیا —— قولہ: پھٹکارے ہوئے: یعنی جو بدقماش عورتوں کو چھیڑتے ہیں وہ معاشرہ میں اچھی نظر سے نہیں دیکھے جاتے، اگرچہ معاشرہ غیر مسلموں کا ہو، وہ بھی بداطواروں کو برا سمجھتے ہیں —— قولہ: جہاں بھی ملیں پکڑے جائیں: یعنی فسادِ معاشرہ کے اس سوراخ پر حکومت کی نظر رہنی چاہئے، ترہیب بھی ضروری ہے، لوگوں کی پکڑ دھکڑ ہوگی تو بدمعاش اپنی حرکتوں سے باز آئیں گے —— قولہ: بری طرح قتل کئے جائیں: یعنی اس جرم میں قتل بھی کیا جاسکتا ہے، مگر یہ حد نہیں، تعزیر و سیاست ہے، جس کا قاضی کو اختیار ہے —— قولہ: یہی دستورِ الٰہی ہے: یعنی حجاب اور اصلاح معاشرہ کے یہ احکام نئے نہیں، قدیم ہیں، ہر شریعت میں یہ احکام رہے ہیں، احکام پر زمانہ کی تبدیلی کا اثر پڑتا ہے، مگر سب پر نہیں، بعض احکام تمام شرائع میں یکساں رہے ہیں۔

يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا ۝ اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۚ لَا

يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝٦٥ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ۝٦٦ وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ۝٦٧ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ۝٦٨

يَسْـَٔلُكَ	پوچھتے ہیں آپ سے	خٰلِدِيْنَ	ہمیشہ رہنے والے	وَقَالُوْا	اور کہا انھوں نے
النَّاسُ	لوگ	فِيْهَآ اَبَدًا	اس میں سدا	رَبَّنَآ	اے ہمارے ربّ!
عَنِ السَّاعَةِ	قیامت کے بارے میں	لَا يَجِدُوْنَ	نہیں پائیں گے وہ	اِنَّآ اَطَعْنَا	بیشک ہم نے اطاعت کی
قُلْ	کہو	وَلِيًّا	کوئی کارساز	سَادَتَنَا (۳)	ہمارے سرداروں کی
اِنَّمَا عِلْمُهَا	بس اس کا علم	وَّلَا نَصِيْرًا	اور نہ کوئی مددگار	وَكُبَرَآءَنَا	اور ہمارے بڑوں کی
عِنْدَ اللّٰهِ	اللہ کے پاس ہے	يَوْمَ	جس دن	فَاَضَلُّوْنَا	پس بچلا دیا انھوں نے ہم کو
وَمَا يُدْرِيْكَ (۱)	اور تجھے کیا پتہ	تُقَلَّبُ (۲)	اوندھے کئے جائیں گے	السَّبِيْلَا	سیدھے راستہ سے
لَعَلَّ السَّاعَةَ	شاید قیامت	وُجُوْهُهُمْ	ان کے چہرے	رَبَّنَآ	اے ہمارے ربّ!
تَكُوْنُ قَرِيْبًا	نزدیک ہو	فِي النَّارِ	دوزخ میں	اٰتِهِمْ	دیجئے ان کو
اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ نے	يَقُوْلُوْنَ	کہیں گے وہ	ضِعْفَيْنِ	دونا
لَعَنَ	پھٹکارا ہے	يٰلَيْتَنَآ	اے کاش ہم نے	مِنَ الْعَذَابِ	عذاب
الْكٰفِرِيْنَ	کافروں کو	اَطَعْنَا اللّٰهَ	اطاعت کی ہوتی اللہ کی	وَالْعَنْهُمْ	اور پھٹکاریے ان کو
وَاَعَدَّ لَهُمْ	اور تیار کی ہے انکے لئے	وَاَطَعْنَا	اور اطاعت کی ہوتی	لَعْنًا	پھٹکارنا
سَعِيْرًا	دہکتی آگ	الرَّسُوْلَا	رسول کی	كَبِيْرًا	بڑا

قیامت قریب ہے

منافقین میں گروگھنٹال (بدمعاشوں کے سرغنے) بھی تھے اور چیلے بھی، بڑے خود کچھ نہیں کرتے تھے، چھوٹوں سے کرواتے تھے، وہ مسلمان عورتوں کو چھیڑتے اور ستاتے تھے، سابقہ آیات میں ان کو دھمکی دی ہے کہ اپنی حرکتوں سے باز آؤ

(۱) يُدْرِيْ: فعل مضارع معروف، إدراء: مصدر: جاننا (۲) تقلب: مضارع مجہول، واحد مؤنث غائب، تَقْلِيْب: اوندھا ڈالنا، ایک حال سے دوسرے حال کی طرف پھیرنا (۳) سَادَة: سَيِّد کی جمع: سردار۔

ورنہ شہر بدر کئے جاؤ گے، اور باہر جا کر بھی شرارتیں کرو گے تو وہاں بھی پکڑے جاؤ گے، اور سختی سے سزا دی جائے گی۔

پھر معاملہ دنیا کی سزا پر نمٹ نہیں جائے گا آخرت میں بھی سزا پاؤ گے، مگر انھیں آخرت کا یقین کہاں تھا؟ وہ استہزاءً پوچھتے ہیں: قیامت کب آئے گی؟ ان کو جواب دیا جارہا ہے کہ قیامت تو آئے گی اور آ کر رہے گی، وکلُّ ماھو آتٍ فھو قریب: جو بات ہونے والی ہے وہ تو ہونے والی ہے، تمہارے جاننے کی بات یہ ہے کہ قیامت کے دن چھوٹے کہیں گے: بڑوں نے ہمیں راستہ سے بھٹکایا، کاش ہم اللہ و رسول کی اطاعت کرتے! آج اس کا موقع ہے، کل کفِ افسوس ملنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

آیاتِ پاک: (منکرین) آپؐ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں، آپؐ بتادیں: اس کا علم بس اللہ کے پاس ہے، اور (اے منکر) تجھے کیا پتہ! شاید قیامت قریب ہی ہو —— پس اپنے انجام کی فکر کر —— بے شک اللہ تعالیٰ نے کافروں کو رحمت سے دور کردیا ہے، اور ان کے لئے دہکتی آگ تیار کر رکھی ہے، جس میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے، نہ کوئی یار پائیں گے نہ کوئی مددگار! —— اس دن کی فکر کر، فضول سوال سے کیا فائدہ؟ —— (یاد کر) جس دن اُلٹ دیئے جائیں گے ان کے چہرے دوزخ میں —— یعنی اوندھے منہ دوزخ میں ڈالے جائیں گے —— کہیں گے وہ: اے کاش! ہم نے کہا مانا ہوتا اللہ کا اور کہا مانا ہوتا اللہ کے رسول کا! —— مگر اب کیا ہوتا ہے جب چڑیا چگ گئی کھیت! —— اور وہ کہیں گے: اے ہمارے ربّ! ہم نے اپنے سرداروں کا اور اپنے بڑوں کا کہنا مانا، پس انھوں نے ہمیں سیدھے راستہ سے ہٹادیا! اے ہمارے ربّ! اُن کو دوہری سزا دیجئے، اور ان پر بڑی لعنت بھیجئے! —— تاکہ ہمارا کلیجہ ٹھنڈا ہو! —— ہائے زود پشیماں کی پشیمانی!

يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ۞ يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۞ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۞ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۞ لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ

اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۷۳

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	سَدِيْدًا(۲)	سیدھی	فَاَبَيْنَ	پس انکار انھوں نے
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	يُّصْلِحْ	سنوار دیں گے	اَنْ يَّحْمِلْنَهَا(۴)	اس کو اٹھانے سے
لَا تَكُوْنُوْا	نہ ہو	لَكُمْ	تمہارے لئے	وَاَشْفَقْنَ	اور سہم گئے
كَالَّذِيْنَ	ان کی طرح جنھوں نے	اَعْمَالَكُمْ	تمہارے کاموں کو	مِنْهَا	اس سے
اٰذَوْا	ستایا	وَيَغْفِرْ	اور بخشیں گے	وَحَمَلَهَا	اور اٹھایا اس کو
مُوْسٰى	موسیٰ کو	لَكُمْ	تمہارے لئے	الْاِنْسَانُ	انسان نے
فَبَرَّاَهُ	پس بری کیا ان کو	ذُنُوْبَكُمْ	تمہارے گناہوں کو	اِنَّهٗ	بے شک وہ
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ نے	وَمَنْ يُّطِعِ	اور جو کہا مانے	كَانَ	ہے
مِمَّا	اس عیب سے جو	اللّٰهَ	اللہ کا	ظَلُوْمًا	بڑا ظالم
قَالُوْا	لگایا انھوں نے	وَرَسُوْلَهٗ	اور اس کے رسول کا	جَهُوْلًا	بڑا ناداں
وَكَانَ	اور تھے وہ	فَقَدْ فَازَ	وہ یقیناً کامیاب ہوا	لِّيُعَذِّبَ	تاکہ سزا دیں
عِنْدَ اللّٰهِ	اللہ کے پاس	فَوْزًا	کامیاب ہونا	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
وَجِيْهًا(۱)	آبرو وار	عَظِيْمًا	بڑا	الْمُنٰفِقِيْنَ	منافق مردوں
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	اِنَّا	بے شک ہم نے	وَالْمُنٰفِقٰتِ	اور منافق عورتوں
اٰمَنُوا	ایمان لائے	عَرَضْنَا	پیش کی	وَالْمُشْرِكِيْنَ	اور مشرک مردوں
اتَّقُوا	ڈرو	الْاَمَانَةَ(۳)	امانت (ذمہ داری)	وَالْمُشْرِكٰتِ	اور مشرک عورتوں کو
اللّٰهَ	اللہ سے	عَلَى السَّمٰوٰتِ	آسمانوں پر	وَيَتُوْبَ	اور توجہ فرمائیں
وَقُوْلُوْا	اور کہو	وَالْاَرْضِ	اور زمین پر	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
قَوْلًا	بات	وَالْجِبَالِ	اور پہاڑوں پر	عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ	ایماندار مردوں

(۱) وجيه: آبرو والا، صاحب قدر و منزلت، عالی مرتبت (۲) سَدَّ (ض) سَدَادًا: سیدھا اور درست ہونا، سَدَّ قولُه وفعلُه: قول وفعل کا درست ہونا، فالقول والفعل سديد وأَسَدُّ (۳) الأمانة: مصدر کے معنی ہیں مطمئن ہونا اور اسم کے معنی ہیں: حفاظت کے لئے سپرد کی ہوئی چیز، مراد تکلیف شرعی ہے (۴) أن مصدریہ ہے۔

وَالْمُؤْمِنٰتِ	اور ایماندار عورتوں پر	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	رَّحِيْمًا	بڑے مہربان
وَكَانَ	اور ہیں	غَفُوْرًا	بڑے بخشنے والے	۞	۞

اس امت کے مؤمنین بنی اسرائیل کے مؤمنین کی راہ نہ اپنائیں

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کے تعلق سے منافقین کا حال بیان ہوا تھا، اب مؤمنین کو فہمائش کی جاتی ہے، مگر منافقین کے بجائے بنی اسرائیل کے مؤمنین کا تذکرہ فرماتے ہیں، صحیحین میں ہے: حضرت موسیٰ علیہ السلام حیا کی وجہ سے تنہائی میں غسل کرتے تھے، لوگوں نے کہا: ان کے بدن میں کوئی عیب ہے، برص کا داغ ہے یا اُدرۃ (خصیہ پھولا ہوا) ہے، ایک دن ندی تالاب پر موسیٰ علیہ السلام اکیلے نہا رہے تھے، کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھ دیئے تھے، جب نہا کر کپڑوں کے پاس آئے تو پتھر کپڑے لے کر بھاگا، موسیٰ علیہ السلام اس کے پیچھے دوڑے، یہ کہتے ہوئے کہ پتھر! میرے کپڑے! وہ ایسی جگہ جا کر ٹھہرا جہاں لوگ تھے، سب نے آپ کو برہنہ دیکھ کر معلوم کر لیا کہ آپ بے داغ ہیں، پتھر کی یہ حرکت بطور خرق عادت تھی، اور موسیٰ علیہ السلام کا تعاقب اضطراراً تھا، ان کو خیال بھی نہ تھا کہ پتھر مجمع میں لے جا کر کھڑا کر دے گا، چونکہ موسیٰ علیہ السلام اللہ کے نزدیک جلیل القدر تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو بے عیب ثابت کر دیا۔

اس واقعہ کا حوالہ دے کر مؤمنین کو فہمائش کی جاتی ہے کہ تم بھی ایسا ناکردہ گناہ نبی ﷺ کے سر مت تھوپو، منافقوں کی چال سے ہوشیار رہو، نبی ﷺ اللہ کے نزدیک عظیم المرتبت ہیں، ان کو تو اللہ تعالیٰ بے عیب ثابت کر دیں گے، اور تمہاری شامت آ جائے گی، ارشاد فرماتے ہیں: —— اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جنھوں نے موسیٰ کو تکلیف پہنچائی، پس اللہ تعالیٰ نے ان کو بری کر دیا اس الزام سے جو انھوں نے لگایا، اور وہ اللہ کے نزدیک آبرومند تھے!

سیدھی سچی بات کہنے سے معاملات سنور جاتے ہیں

اب اُسی سلسلہ میں ایک اصولی ہدایت دی جاتی ہے کہ سیدھی سچی بات کہو، اس سے معاملات سنور جائیں گے، اور کوئی ایسی ویسی بات منہ سے نکل گئی تو اللہ تعالیٰ درگذر فرمائیں گے اور مؤمن کی کامیابی اطاعت میں ہے، اللہ و رسول کی اطاعت کرو کامیابی سے ہمکنار ہوگے۔ ارشاد فرماتے ہیں: —— اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو! —— اللہ کے احکام کی خلاف ورزی مت کرو، مثلاً: —— سیدھی سچی بات کہو، اللہ تعالیٰ تمہارے لئے تمہارے اعمال سنوار دیں گے، اور تمہارے لئے تمہارے گناہ بخش دیں گے، اور جو شخص اللہ کا اور اس کے رسول کا کہنا مانتا ہے وہ یقیناً بڑی کامیابی سے ہمکنار ہوتا ہے۔

فائدہ: یہ دو آیتیں نکاح کے خطبہ میں پڑھی جاتی ہیں، اس لئے کہ نکاح کے بعد دو شخصوں میں اور دو خاندانوں میں

جوڑ پیدا ہوتا ہے، اور کبھی نزاع بھی پیش آتا ہے، پس اگر ساس بہو کے جھگڑے میں شوہر یا خسر سیدھی بات بولے تو نزاع نمٹ جائے گا، اور اگر کوئی ایک رسّی کا سانپ بنائے تو بات بڑھے گی، اسی طرح دو خاندانوں کے جھگڑے میں بھی ثالث کا یہی کردار ہونا چاہئے، یہ بات سمجھانے کے لئے نکاح کے خطبہ میں یہ آیات شامل کی گئی ہیں۔

انسان نے بارامانت اٹھایا ہے تو اس کی لاج رکھے!

اللہ تعالیٰ کی اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کیوں ضروری ہے؟ اس لئے کہ انسان مکلّف ہے، اس کو احکام دیئے گئے ہیں، پس اگر وہ اطاعت نہیں کرے گا تو آسمان و زمین اور پہاڑ اطاعت کریں گے؟ ان میں تو مکلّف ہونے کی صلاحیت نام کو بھی نہیں، اور انسان میں وافر صلاحیت ہے، اس لئے اسی کو مکلّف بنایا ہے، پس اطاعت اس کی ذمہ داری ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں: —— بے شک ہم نے امانت آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی، پس انھوں نے اس کو اٹھانے سے انکار کیا، اور وہ اس سے ڈر گئے، اور انسان نے اس کو اٹھایا، بے شک وہ بڑا ظالم بڑا نادان ہے۔

تفسیر: امانت سے مراد تکلیف کی ذمہ داری ہے، اور پیش کرنے سے مراد مخلوقات کی استعداد سے موازنہ کرنا ہے، اور آسمان و زمین اور پہاڑوں سے مراد بڑی مخلوقات ہیں، اللہ تعالیٰ نے یہ ذمہ داری تمام مخلوقات کے سامنے پیش کی یعنی سب کی صلاحیتوں سے موازنہ کر کے دیکھا، کسی میں صلاحیت نہیں پائی، پس یہ پیش کش اور انکار فطری تھا، حسّی اور قولی نہیں تھا، یعنی جس طرح جانور کے سامنے گھاس چارہ پیش کرتے ہیں، اس قبیل سے نہیں تھا، اور ڈر جانے کا مطلب ہے: ان میں قطعاً صلاحیت نظر نہ آئی، تمام مخلوقات کی استعدادوں اور امانت (تکلیف) میں کوئی جوڑ نظر نہ آیا۔

اور جب امانت کا انسان کی صلاحیت اور استعداد سے موازنہ کیا گیا تو پوری پوری مطابقت نظر آئی، یہی مطلب ہے انسان کے امانت کو اٹھانے کا۔ اور انسان میں وافر صلاحیت کے موجود ہونے کی دلیل اس کا ظلوم وجہول ہونا ہے۔ ظلوم وجہول مبالغہ کے صیغے ہیں اور ظالم و جاہل وہ ہوتا ہے جس میں جاننے اور انصاف کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے، مگر نہ جانے یا انصاف نہ کرے، چنانچہ دیوار، اینٹ، پتھر کو ہم نہ ظالم کہہ سکتے ہیں نہ جاہل، کیونکہ ان میں انصاف کرنے کی اور جاننے کی صلاحیت ہی نہیں۔ اور انسان نہ صرف یہ کہ عالم و عادل ہوسکتا ہے، بلکہ وہ علیم و عدول بھی ہوسکتا ہے، اسی طرح وہ نہ صرف ظالم و جاہل ہوسکتا ہے بلکہ ظلوم وجہول بھی ہوسکتا ہے۔

غرض انسان میں دونوں طرح کی وافر صلاحیتیں موجود ہیں اور انسان کے علاوہ فرشتے ہیں ان میں صرف یک طرفہ صلاحیت ہے، وہ ظلوم وجہول نہیں ہوسکتے، اور بہائم میں عالم و عادل ہونے کی صلاحیت نہیں۔

یہاں سے یہ سوال بھی حل ہوگیا کہ انسان نے کام وہ کیا جو کوئی نہیں کرسکا، اور صلہ یہ ملا کہ وہ ظلوم وجہول ہے! اس کا

جواب یہ ہے کہ ظلوم وجہول صرف صفات ذم نہیں، ان میں صفات مدح بھی مضمر ہیں، یعنی اگر وہ چاہے تو علیم وعدول بھی بن سکتا ہے، اس میں اس کی بھی وافر صلاحیت موجود ہے اور نہ چاہے تو ظلوم وجہول ہوگا۔

بار امانت اٹھانے کا نتیجہ کیا نکلے گا؟

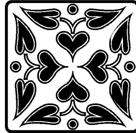
ارشاد فرماتے ہیں: —— تاکہ اللہ تعالیٰ منافق مردوں اور منافق عورتوں کو، اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو سزا دیں، اور مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں پر عنایت فرمائیں، اور اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے بڑے مہربان ہیں۔

تفسیر: لیعذب میں لام: لام عاقبت ہے یعنی تکلیف شرعی کا انجام یہ ہوگا، یہ لام: لام علت نہیں، یعنی اللہ تعالیٰ نے ثواب وعقاب کی غرض سے انسان کو پیدا نہیں کیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ حکیم ہیں، ان کے کاموں میں حکمت تو ضرور ملحوظ ہوتی ہے، مگر ان کے کام مُعلل بالاغراض نہیں ہوتے یعنی وہ کوئی بھی کام کسی غرض سے نہیں کرتے، کیونکہ کسی غرض کے لئے کام کرنا خودغرضی ہے، جس سے اللہ تعالیٰ پاک ہیں۔

یہاں سے یہ سوال بھی حل ہوگیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے ثواب وعقاب کے لئے انسانوں کو بار امانت اٹھوایا ہے تو منشأ خداوندی ضرور پورا ہوگا، پھر بے چارے انسان کا کیا قصور؟ جواب یہ ہے کہ یہ سوال لام علت ہونے کی صورت میں متوجہ ہوگا، لام عاقبت ہونے کی صورت میں سرے سے سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔

اور لام عاقبت کی مثال یہ ہے کہ دنیا کے تمام تعلیمی ادارے اعلیٰ تعلیم دینے کے لئے قائم کئے جاتے ہیں، طلبہ کو فیل کرنے کے لئے کوئی ادارہ قائم نہیں کیا جاتا، مگر نتیجہ بہر حال دونوں طرح کا سامنے آتا ہے، بدشوق طلبہ فیل ہوجاتے ہیں، مگر ادارہ ان کو فیل کرنے کے لئے قائم نہیں کیا گیا۔ اسی طرح سورۃ الملک آیت ۲ میں اور سورۃ الکہف آیت ۷ میں صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کارخانۂ حیات ان لوگوں کو الگ کرنے کے لئے قائم کیا ہے جو بہترین کام کرتے ہیں گو نتیجہ یہ نکلے گا کہ کچھ لوگوں سے جہنم بھر جائے گی۔

﴿الحمد للہ! ۱۴ رذی قعدہ ۱۴۳۶ھ = ۳۰ راگست ۲۰۱۵ء کو سورۃ الاحزاب کی تفسیر پوری ہوئی﴾

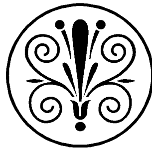


بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۃ سبا

نمبر شمار ۳۴ نزول کا نمبر ۵۸ نزول کی نوعیت: مکی آیات ۵۴ رکوع: ۶

یہ سورت مکی دور کے وسط کی ہے، اس میں قوم سبا کی ناشکری اور سزایابی کا تذکرہ ہے، اس لئے اس کا یہ نام رکھا ہے، اس سورت میں توحید، رسالت (مع دلیل رسالت) اور آخرت زیر بحث ہیں، یہی عقائد بنیادی امانت (تکلیف شرعی) ہیں، سب سے پہلے دو آیتوں میں توحید کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی معبود ہیں: اس دنیا میں بھی اور آنے والی دنیا میں بھی، پھر آخرت کا بیان ہے، اس کے آخر میں اللہ کی طرف رجوع ہونے والے بندوں کا ذکر آیا ہے، اس لئے دو شاکر بندوں (داؤد و سلیمان علیہما السلام) کا تذکرہ کیا ہے، یہ دونوں حضرات عظیم بادشاہ تھے، ان میں سے ہر ایک کو اللہ تعالیٰ نے دو دو عظیم اور عجیب انعامات سے نوازا تھا، جس کا انھوں نے شکر ادا کیا، اور کامیاب ہوئے، پھر ناشکری کرنے والی قوم سبا کا تذکرہ کیا ہے، یہ بھی عظیم قوم تھی، ان کا تمدن بام عروج پر پہنچا ہوا تھا، مگر جب انھوں نے اللہ کی نعمت کی ناشکری کی تو عرم کے سیلاب نے ان کو تباہ کر دیا، اس کے بعد ابطالِ شرک کا مضمون شروع ہوا ہے، اور اس کے بعد رسالت کا بیان ہے، اور یہ بات بیان کی ہے کہ دولت اور اولاد کا نشہ بہت برا ہے، انکارِ قرآن کا سبب یہی ہے، اور قرآنِ کریم کا خاص اسلوب: بیان کیا ہے، اور وعید بھی کہ منکرینِ قرآن جب دوزخ میں پکڑے آئیں گے تو وہاں ان کا کوئی پرسانِ حال نہ ہوگا، اس کے بعد رسول، قرآن اور اس کی تعلیمات پر کفار کا تبصرہ اور اس کا جواب ہے، اور آخر میں بطور نصیحت چھ باتیں ذکر کر کے سورت ختم کی ہے۔



آیاتہا ۵۴ (۳۴) سُوْرَةُ سَبَاٍ مَّكِّيَّةٌ (۵۸) رکوعاتہا ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ① يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ۭ وَهُوَ الرَّحِيْمُ الْغَفُوْرُ ②

بِسْمِ	نام سے	وَلَهٗ	اوران کے لئے	مِنْهَا	اس سے
اللّٰهِ	اللہ کے	اَلْحَمْدُ	تمام تعریفیں ہیں	وَمَا	اور جو
الرَّحْمٰنِ	نہایت مہربان	فِي الْاٰخِرَةِ	پچھلی دنیا میں	يَنْزِلُ	اترتا ہے
الرَّحِيْمِ	بڑے رحم والے	وَهُوَ	اور وہ	مِنَ السَّمَآءِ	آسمان سے
اَلْحَمْدُ	تمام تعریفیں	الْحَكِيْمُ	بڑی حکمت والے	وَمَا	اور جو
لِلّٰهِ	اللہ کے لئے ہیں	الْخَبِيْرُ	بڑے باخبر ہیں	يَعْرُجُ	چڑھتا ہے
الَّذِيْ	جو	يَعْلَمُ	جانتے ہیں	فِيْهَا	اس میں
لَهٗ مَا	ان کے لئے ہے جو	مَا يَلِجُ	جو داخل ہوتا ہے	وَهُوَ	اور وہ
فِي السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں	فِي الْاَرْضِ	زمین میں	الرَّحِيْمُ	نہایت مہربان
وَمَا	اور جو	وَمَا	اور جو	الْغَفُوْرُ	بڑے بخشنے والے ہیں
فِي الْاَرْضِ	زمین میں ہے	يَخْرُجُ	نکلتا ہے	✿	✿

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

اس سورت کا موضوع توحید، رسالت اور آخرت (معاد) ہے، گذشتہ سورت امانت کے بیان پر ختم ہوئی تھی، امانت: تکلیفِ شرعی کا نام ہے، اللہ تعالیٰ نے جب امانت کسی مخلوق کو سونپنے کا ارادہ کیا تو مخلوقات کی صلاحیتوں سے موازنہ کیا، بڑی سے بڑی مخلوق میں اس بارِ امانت کو اٹھانے کی صلاحیت نہیں پائی، انسان میں اس کی کافی صلاحیت تھی، چنانچہ اس کو مکلّف بنایا، یہ امانت عقائد واعمال کا مجموعہ ہے، اور عقائد میں بنیادی عقیدے تین ہیں: توحید، رسالت اور آخرت، یہی

عقائد اس سورت میں زیر بحث ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہی معبود ہیں اس دنیا میں بھی اور آنے والی دنیا میں بھی

پہلی آیت میں یہ مضمون ہے کہ اس عالم میں اور آخرت (آنے والے عالم) میں معبود صرف اللہ تعالیٰ ہیں، ان کے سوا کوئی معبود نہیں، کیونکہ دونوں عالموں میں مقام حمد اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ساری کائنات کے وہی مالک ہیں، کوئی کسی چیز کا مالک نہیں، اور جو کائنات کا مالک نہیں وہ معبود کیسے ہوسکتا ہے؟ —— علاوہ ازیں: معبود ہونا سب سے بڑی خوبی ہے، اور خوبی ہی پر تعریف ہوتی ہے، اور تعریفیں سب اللہ کے لئے ہیں، پس وہی معبود برحق ہیں۔ ارشادِ پاک ہے: —— تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جن کی ملکیت ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے —— یعنی اس دنیا میں معبود برحق اللہ تعالیٰ ہی ہیں —— اور انہی کے لئے سب تعریفیں ہیں پچھلی دنیا میں —— یعنی آنے والی دنیا میں بھی وہی معبود ہیں، کیونکہ اس میں نام کو بھی کسی کی ملکیت نہیں ہوگی —— اور وہ بڑی حکمت والے بڑے باخبر ہیں —— نہایت حکمت اور خبرداری سے کائنات کی تدبیر (انتظام) کر رہے ہیں۔

سوال: اللہ تعالیٰ اکیلے پوری کائنات کا انتظام کیسے سنبھال سکتے ہیں؟ چھوٹے سے ملک کا انتظام بادشاہ اکیلا نہیں کرسکتا، اس کو اعوان وانصار کی ضرورت ہوتی ہے۔

جواب: دوسری آیت میں اس کا جواب ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز کو محیط ہے، آسمان وزمین کی کوئی چھوٹی بڑی چیز ان کے علم سے باہر نہیں، جو چیز زمین کے اندر جاتی ہے، جیسے کیڑے مکوڑے، بیج بارش کا پانی، اور جو اس کے اندر سے نکلتی ہے، جیسے گھاس کھیتی اور معدنیات وغیرہ، اور جو آسمان سے اترتی ہے، جیسے بارش فرشتے وغیرہ، اور جو اوپر چڑھتی ہے، جیسے ارواح اور ملائکہ وغیرہ سب کو اللہ کا علم شامل ہے، پس ان کے لئے اکیلے کائنات کا نظم کرنا کیا مشکل ہے؟ ان کو مددگاروں کی ضرورت نہیں، ارشاد فرماتے ہیں: —— وہ جانتے ہیں جو زمین میں داخل ہوتا ہے، اور جو اس سے نکلتا ہے، اور جو آسمان سے اترتا ہے، اور جو اس میں چڑھتا ہے، اور وہ بڑے مہربان بڑے بخشنے والے ہیں —— ان کی رحمت سے دنیا چل رہی ہے، وہ خطاؤں کو بخشتے ہیں، اگر کوتاہیوں پر فوراً گرفت کرنے لگیں تو دنیا ایک لمحہ میں ختم ہوجائے۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَأْتِينَا السَّاعَةُ ۖ قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي لَتَأْتِيَنَّكُمْ عَالِمِ الْغَيْبِ ۖ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَلَا أَصْغَرُ مِنْ ذَٰلِكَ وَلَا أَكْبَرُ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ﴿٣﴾ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ

وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿٤﴾ وَالَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ﴿٥﴾ وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ ۙ وَيَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ﴿٦﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿٧﴾ اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ۭ بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ ﴿٨﴾ اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَاۗءِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ﴿٩﴾ ع

وَقَالَ	اور کہا	عَنْهُ	ان سے	اٰمَنُوْا	ایمان لائے
الَّذِيْنَ	جنھوں نے	مِثْقَالُ	مقدار	وَعَمِلُوا	اور کئے انھوں نے
كَفَرُوْا	انکار کیا	ذَرَّةٍ	ذرہ کی	الصّٰلِحٰتِ	نیک کام
لَا تَاْتِيْنَا	نہیں آئے گی ہم پر	فِي السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں	اُولٰٓئِكَ لَهُمْ	انہی لوگوں کے لئے
السَّاعَةُ	قیامت	وَلَا فِي الْاَرْضِ	اور نہ زمین میں	مَّغْفِرَةٌ	بخشش ہے
قُلْ	کہہ	وَلَآ اَصْغَرُ (۳)	اور نہ چھوٹی چیز	وَّرِزْقٌ	اور روزی
بَلٰى	کیوں نہیں!	مِنْ ذٰلِكَ	اس (ذرہ) سے	كَرِيْمٌ	عزت کی
وَرَبِّيْ	میرے رب کی قسم!	وَلَآ اَكْبَرُ	اور نہ بڑی چیز	وَالَّذِيْنَ	اور جو لوگ
لَتَاْتِيَنَّكُمْ	ضرور آئے گی تم پر	اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ	مگر نوشتہ میں ہے	سَعَوْ (۴)	دوڑے
عٰلِمِ (۱)	جاننے والے	مُّبِيْنٍ	واضح	فِيْٓ اٰيٰتِنَا	ہماری آیتوں میں
الْغَيْبِ	غیب کے	لِّيَجْزِيَ	تاکہ بدلہ دیں	مُعٰجِزِيْنَ (۵)	ہرانے کے لئے
لَا يَعْزُبُ (۲)	نہیں غائب ہے	الَّذِيْنَ	ان کو جو	اُولٰٓئِكَ لَهُمْ	وہ لوگ، ان کے لئے

(۱) عالِمِ: رب کی صفت ہے، غیب: جو انسانوں کے لئے پوشیدہ ہے (۲) عَزَبَ (ن) عُزُوْبًا: دور ہونا، مخفی ہونا (۳) ولا أصْغَرُ: مبتدا، إلا فی کتاب: خبر (۴) سَعَوْ: میں جمع کا الف نہیں لکھا گیا (۵) معاجزین: سعوا کے فاعل سے حال ہے۔

عَذَابٌ	عذاب ہے	هَلْ نَدُلُّكُمْ	کیا بتلائیں ہم تم کو	الْبَعِيْدِ	دور کی
مِّنْ رِّجْزٍ (۱)	سخت	عَلٰى رَجُلٍ	ایسا شخص	اَفَلَمْ يَرَوْا	کیا پس نہیں دیکھتے وہ
اَلِيْمٌ	دردناک	يُنَبِّئُكُمْ	جو خبر دیتا ہے تم کو	اِلٰى مَا	اس چیز کی طرف جو
وَيَرَى	اور دیکھتے ہیں	اِذَا مُزِّقْتُمْ	(کہ) جب ٹکڑے کردیئے جاؤ گے تم	بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ	ان کے سامنے ہے
الَّذِيْنَ	جو لوگ			وَمَا خَلْفَهُمْ	اور ان کے پیچھے ہے
اُوْتُوا	دیئے گئے	كُلَّ مُمَزَّقٍ	پوری طرح ٹکڑے ٹکڑے	مِّنَ السَّمَاۗءِ	آسمان سے
الْعِلْمَ	علم	اِنَّكُمْ	بے شک تم	وَالْاَرْضِ	اور زمین سے
الَّذِيْٓ (۲)	(کہ) جو	لَفِيْ خَلْقٍ	یقیناً پیدائش میں ہوگے	اِنْ نَّشَاْ	اگر چاہیں ہم
اُنْزِلَ	اتارا گیا	جَدِيْدٍ	نئی	نَخْسِفْ	دھنسادیں
اِلَيْكَ	آپ کی طرف	اَفْتَرٰى (۴)	کیا گھڑا اس نے	بِهِمُ	ان کے ساتھ
مِنْ رَّبِّكَ	آپ کے رب کی جانب سے	عَلَى اللّٰهِ	اللہ پر	الْاَرْضَ	زمین کو
هُوَ الْحَقَّ (۳)	وہی برحق ہے	كَذِبًا	جھوٹ	اَوْ نُسْقِطْ	یا گرادیں
وَيَهْدِيْٓ	اور لے جاتا ہے وہ (قرآن)	اَمْ بِهٖ	یا اس کو	عَلَيْهِمْ	ان پر
اِلٰى صِرَاطِ	راہ کی طرف	جِنَّةٌ (۵)	سودا (جنون) ہے	كِسَفًا	کوئی ٹکڑا
الْعَزِيْزِ	زبردست	بَلِ الَّذِيْنَ	بلکہ جو	مِّنَ السَّمَاۗءِ	آسمان کا
الْحَمِيْدِ	ستودہ کی	لَا يُؤْمِنُوْنَ	ایمان نہیں رکھتے	اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ	بے شک اس میں
وَقَالَ	اور کہا	بِالْاٰخِرَةِ	آخرت پر	لَاٰيَةً	البتہ نشانیاں ہیں
الَّذِيْنَ	جنھوں نے	فِي الْعَذَابِ	عذاب میں ہیں	لِّكُلِّ عَبْدٍ	ہر بندے کے لئے
كَفَرُوْا	انکار کیا	وَالضَّلٰلِ	اور گمراہی میں	مُّنِيْبٍ (۶)	رجوع ہونے والے

(۱) رجز: گندہ، سخت۔ (۲) الذی أنزل: یری کا مفعول اول ہے اور پہلا الذی فاعل ہے (۳) هو الحقَّ: یری کا مفعول ثانی ہے، اور ھو ضمیر فصل ہے۔ (۴) أفترى میں ہمزۂ استفہام ہے اور ہمزہ وصل محذوف ہے (۵) جنة: جَنّ سے ہے، جس کے معنی چھپانے کے ہیں یعنی دیوانگی جو عقل کو چھپادیتی ہے (۶) مُنیب: اسم فاعل، إنابة مصدر: اللہ کی طرف رجوع ہونا، خلوص کے ساتھ توبہ کرنا۔

قیامت کا بیان

اسلامی نظریہ یہ ہے کہ یہ دنیا ہمیشہ نہیں چلے گی، ایک وقت آئے گا جب اس کو ختم کردیا جائے گا، پھر یہی کائنات نئے سرے سے پیدا کی جائے گی، اس کے بعد جزاؤسزا کا مرحلہ شروع ہوگا، اسی کا نام قیامت ہے —— اب توحید کے بعد آخرت (پچھلی زندگی) کا بیان شروع کرتے ہیں، اصولاً توحید کے بعد رسالت کا ذکر آنا چاہئے، مگر چونکہ توحید کی دلیل میں آخرت کا تذکرہ آیا ہے: ﴿وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الآخِرَةِ﴾ اس لئے رسالت کے موضوع کو مؤخر کرکے آخرت کا بیان شروع کرتے ہیں اور منکرین: آخرت کا چونکہ قوت سے انکار کرتے ہیں، اس لئے قوت سے ان کا رد کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

—— اور منکرین نے کہا: ہم پر قیامت نہیں آئے گی! جواب دو: کیوں نہیں! میرے پوشیدہ باتوں کو جاننے والے پروردگار کی قسم! تم پر قیامت ضرور آئے گی —— قیامت کا علم مخلوقات کے لئے غیب ہے، مگر اللہ تعالیٰ غیب کی باتوں کو بھی جانتے ہیں، اس لئے قسم کھا کر جواب دیا کہ قیامت ضرور آئے گی —— اس کے بعد اللہ کے شمولِ علم کا بیان ہے: —— ان سے پوشیدہ نہیں ذرہ بھر چیز آسمانوں میں اور زمین میں۔ اور نہ اس (ذرہ) سے کوئی چھوٹی چیز ہے اور نہ کوئی بڑی چیز ہے مگر وہ واضح نوشتہ (لوح محفوظ) میں ہے —— اس میں منکرین کے اس خیال کا جواب بھی آ گیا کہ دنیا میں چھوٹی بڑی ان گنت چیزیں ہیں، سب کو دوبارہ کیسے وجود میں لایا جاسکتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ نہ صرف اللہ کے علم میں ہے، بلکہ لوح محفوظ میں ریکارڈ ہے، پھر ان کو دوبارہ وجود میں لانا کیا مشکل ہے!

آخرت کیوں ضروری ہے؟ —— تاکہ اللہ تعالیٰ بدلہ دیں ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کئے، انہی لوگوں کے لئے بخشش اور عزت کی روزی ہے —— اور جو لوگ ہماری باتوں کو مات دینے کی کوشش کرتے ہیں انہی کے لئے بہت بری دردناک سزا ہے —— یعنی قیامت کا آنا اس لئے ضروری ہے کہ لوگوں کو ان کی نیکی اور بدی کا بدلہ دیا جائے، کیونکہ اس دنیا میں جزاؤسزا حکمت کے خلاف ہے —— مات دینا: یعنی لوگوں کو قولاً وفعلاً اللہ کی باتوں سے روکنا۔

آخرت اور قرآن کے متعلق اہل علم کا خیال: —— اور جو لوگ علم دیئے گئے —— خواہ مسلمان ہوں یا اہل کتاب —— وہ کہتے ہیں کہ جو آپ کی طرف آپ کے پروردگار کی جانب سے اتارا گیا وہی برحق ہے، اور وہ (قرآن) ستودہ زبردست کا راستہ دکھاتا ہے —— بے شک قرآن ہی وہ کتاب ہے جو زبردست تعریف کئے ہوئے اللہ تک پہنچنے کا ٹھیک راستہ بتاتا ہے، اور قیامت کے متعلق اس کا جو بیان ہے وہ بالکل صحیح ہے۔

آخرت کا انکار پرلے درجہ کی گمراہی ہے: —— اور منکرین نے کہا: کیا ہم تم کو ایک ایسا شخص بتائیں جو تم کو خبر

دیتا ہے کہ جب تم پارہ پارہ کردیئے جاؤگے ــــــ یعنی مٹی ریزہ ریزہ کردے گی ــــــ تو تم ضرور ایک نئے جنم میں ہوؤگے، معلوم نہیں اس نے اللہ پر جھوٹ باندھا یا اس پر سودا سوار ہے! ــــــ یعنی اس کی ایسی مہمل بات کون قبول کرسکتا ہے؟ یہ شخص یا مفتری ہے یا سودائی، اس کا دماغ چل گیا ہے، اس لئے بہکی بہکی باتیں کرتا ہے۔

جواب: رسول کی بات نہ جھوٹ ہے نہ جنون ــــــ بلکہ جو لوگ آخرت کا یقین نہیں رکھتے وہ عذاب میں اور لمبی گمراہی میں ہیں ــــــ یعنی انکارِ آخرت کا عقیدہ خود عذاب اور پرلے درجہ کی گمراہی ہے، جیسے حسد کی سزا خود حسد ہے، اور آخرت کا عقیدہ ہی راستی کا سبب ہے، جو آخرت کو نہیں مانتا وہ نہ اچھے عمل کرتا ہے نہ برے عمل سے بچتا ہے، نہ توحید و رسالت اس کی سمجھ میں آتی ہے۔

منکرین کو اللہ تعالیٰ سزا دے سکتے ہیں: ــــــ کیا وہ دیکھتے نہیں آسمان و زمین کی ان چیزوں کو جو ان کے سامنے ہیں اور جو ان کے پیچھے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو ان کے ساتھ زمین کو دھنسا دیں، یا ان پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرادیں ــــــ پس وہ صفحۂ ہستی سے مٹ کر رہ جائیں ــــــ بے شک اس میں رجوع ہونے والے بندے کے لئے بڑی نشانی ہے! ــــــ وہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر طرح سزا دینے پر قادر ہیں، مگر ان کی رحمت پنپنے کا موقع دے رہی ہے!

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ۭ يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ ۚ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ⑩ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ⑪ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ۭ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۭ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ⑫ يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَاۗءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ۭ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ۭ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ⑬ فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰي مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَاۗبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ⑭

وَلَقَدْ	اور البتہ واقعہ یہ ہے:	اٰتَيْنَا	دی ہم نے	دَاوٗدَ	داؤد کو

مِنَّا(۱)	اپنی طرف سے	بِمَا تَعْمَلُوْنَ	جو کچھ تم کرتے ہو	رَبِّهٖ	ان کے ربّ کی
فَضْلًا	بڑی نعمت (دولت)	بَصِيْرٌ	دیکھنے والا ہوں	وَمَنْ يَّزِغْ(۱۰)	اور جو ٹیڑھا ہوگا
يٰجِبَالُ	اے پہاڑو	وَلِسُلَيْمٰنَ	اور (مسخر کیا) سلیمان کیلئے	مِنْهُمْ	ان میں سے
اَوِّبِیْ(۲)	آواز کو لوٹاؤ	الرِّيْحَ	ہوا کو	عَنْ اَمْرِنَا	ہمارے حکم سے
مَعَهٗ	ان کے ساتھ	غُدُوُّهَا	اس کا صبح کا چلنا	نُذِقْهُ	چکھائیں گے ہم اس کو
وَالطَّيْرَ(۳)	اور اے پرندو (تم بھی)	شَهْرٌ	ایک ماہ ہے	مِنْ عَذَابِ	عذاب سے
وَاَلَنَّا(۴)	اور نرم کیا ہم نے	وَرَوَاحُهَا	اور اس کا شام کا چلنا	السَّعِيْرِ	آگ کے
لَهُ	ان کے لئے	شَهْرٌ	ایک ماہ ہے	يَعْمَلُوْنَ	بناتے ہیں وہ
الْحَدِيْدَ	لوہے کو	وَاَسَلْنَا(۸)	اور بہایا ہم نے	لَهٗ	ان کے لئے
اَنِ اعْمَلْ(۵)	کہ بناؤ	لَهٗ	ان کے لئے	مَا يَشَآءُ	جو چاہتے ہیں وہ
سٰبِغٰتٍ	کشادہ زرہیں	عَيْنَ	چشمہ	مِنْ مَّحَارِيْبَ(۱۱)	بڑے محلات
وَّقَدِّرْ(۶)	اور اندازہ رکھو	الْقِطْرِ(۹)	تانبے کا	وَتَمَاثِيْلَ(۱۲)	اور نقشے
فِي السَّرْدِ(۷)	جوڑنے میں	وَمِنَ الْجِنِّ	اور جنات میں سے	وَجِفَانٍ(۱۳)	اور بڑے پیالے
وَاعْمَلُوْا	اور کرو تم	مَنْ يَّعْمَلُ	بعض کام کرتے ہیں	كَالْجَوَابِ(۱۴)	جیسے گول بڑا گھڑا
صَالِحًا	نیک کام	بَيْنَ يَدَيْهِ	ان کے سامنے	وَقُدُوْرٍ(۱۵)	اور دیگیں
اِنِّیْ	بے شک میں	بِاِذْنِ	اجازت سے	رّٰسِيٰتٍ(۱۶)	جمی رہنے والی

(۱) مِنَّا: کائن محذوف سے متعلق ہو کر فضلاً (مفعولِ ثانی) کی صفت ہے (۲) اَوِّبِیْ: فعل امر، واحد مؤنث حاضر اَوَّب تأویبا: آواز کو لوٹانا، آواز کے ساتھ ملا کر پڑھنا آب یئوب: لوٹنا (۳) والطیر: الجبال کے محل پر عطف ہے، جبال: محلًا منصوب ہے أی أدعو الجبال (۴) اَلَنَّا: ماضی، جمع متکلم، إلانة: نرم کرنا (۵) أن: مصدریہ، حرفِ جر لام محذوف أی لعمل سابغات (۶) قَدَّر الشيءَ: اندازہ لگانا (۷) سَرَدَ (ن) سَرْدًا: الدرع: ایک حلقہ کو چیر کر اس میں دوسرا حلقہ فٹ کرنا یعنی زرہ کی تیاری میں سمجھ بوجھ سے کام لو۔ اور سَرَدَ الشيءَ کے معنی ہیں: لگاتار کرنا، جیسے سَرَدَ الحديثَ: مسلسل حدیثیں پڑھنا (۸) اَسَالَه: بہانا، جاری کرنا، پگھلانا سَالَ (ض) سَيْلًا: بہنا، اُمنڈ آنا (۹) القِطْر: پگھلا ہوا تانبا، القَطْر: بارش (۱۰) الزَّيغ: اعتدال سے ہٹنا (۱۱) مِحْراب: محل (۱۲) التمثال: نقش جو کاغذ یا کپڑے وغیرہ پر بنا ہوا ہو، في ثوبه تماثيل: اس کے کپڑے میں نقش ہیں (۱۳) الجَفْنة: بڑا پیالہ، ڈونگا (۱۴) الجَوْبَة: گول بڑا گڑھا (۱۵) القِدْر: ہانڈی، دیگ (۱۶) الرَّاسِيَة: ایک جگہ گڑی ہوئی دیگ جس کو منتقل کرنا آسان نہ ہو۔

اِعْمَلُوْٓا	عمل کروتم	الْمَوْتَ	موت کا	تَبَيَّنَتِ (۴)	تو معلوم کرلیا
اٰلَ دَاوٗدَ	اے خاندانِ داؤد	مَادَلَّهُمْ	(تو) نہیں آگاہ کیا ان کو	الْجِنُّ	جنات نے
شُكْرًا (۱)	بطورِ شکر	عَلٰى مَوْتِهٖٓ	ان کی موت سے	اَنْ لَّوْ كَانُوْا	کہ اگر ہوتے وہ
وَقَلِيْلٌ	اور کم ہیں	اِلَّا دَآبَّةُ (۲)	مگر جانور نے	يَعْلَمُوْنَ	جانتے
مِّنْ عِبَادِيَ	میرے بندوں میں سے	الْاَرْضِ	زمین کے	الْغَيْبَ	چھپی چیزوں کو
الشَّكُوْرُ	شکر گذار	تَاْكُلُ	کھا رہا ہے	مَا لَبِثُوْا	(تو) نہ ٹھہرتے وہ
فَلَمَّا قَضَيْنَا	پس جب فیصلہ کیا ہم نے	مِنْسَاَتَهٗ (۳)	ان کی لاٹھی کو	فِي الْعَذَابِ	تکلیف میں
عَلَيْهِ	ان پر	فَلَمَّا خَرَّ	پس جب گر پڑے وہ	الْمُهِيْنِ	ذلیل کرنے والی

اللہ کی طرف رجوع ہونے والے دو بندوں: داؤد وسلیمان علیہما السلام کا تذکرہ

حضرت داؤد علیہ السلام: مشہور اسرائیلی پیغمبر ہیں، زبور آپ ہی پر نازل ہوئی ہے، یہ کتاب تورات کا تتمہ ہے، اس میں اللہ کی حمد وثنا، عبدیت کا اعتراف، پند ونصائح اور بصائر وحکم ہیں، اور بعض بشارات اور پیشین گوئیاں بھی ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام شجاعت وبسالت، اصابتِ رائے اور قوتِ فکر وتدبر کے مالک تھے، اللہ نے آپ کو بڑی حکومت عنایت فرمائی تھی، قرآن میں آپ کو 'خلیفہ' کہا گیا ہے، آپ عبادت وشکر گذاری کا مجسمہ تھے، سورۂ صٓ میں اس کا ذکر ہے، یہاں آپ کی دو خصوصیات کا تذکرہ کیا ہے:

ایک: لحنِ داؤدی، آپ اس قدر خوش الحان تھے کہ جب زبور پڑھتے یا تسبیح وتقدیس میں مشغول ہوتے تو وحوش وطیور بھی وجد میں آجاتے، اور آپ کی ہمنوائی کرتے، اور صرف یہی نہیں پہاڑ بھی اللہ کی حمد میں آپ کا ساتھ دیتے۔

دوم: آپ اپنی محنت کی کمائی سے کھاتے تھے، حکومت سے کچھ نہیں لیتے تھے، زرہیں بُنتے، ان سے جو آمدنی ہوتی اس سے گھر کا خرچ چلاتے۔

تمہید: —— اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے بڑی نعمت دی —— نبوت سے سرفراز کیا، زبور

(۱) شکرا: مفعول لہ ہے (۲) الدَّابة: زمین پر چلنے والا جانور دابة الأرض: زمین کا جانور، کسی نے دیمک ترجمہ کیا ہے، دیمک کو أَرَضَة، سُرْفَة اور سُوْسَة الخشب کہتے ہیں، اور کسی نے گھن ترجمہ کیا ہے: یہ ایک کیڑا ہے جو لکڑی یا غلہ کو کھاتا ہے، لکڑی کھانے والے کیڑے کے لئے اردو میں کوئی خاص لفظ نہیں، گجراتی میں اس کو ڈوڑ کہتے ہیں، اور غلہ کھانے والے کیڑے کو سُرسری کہتے ہیں۔
(۳) مِنْسَأة (اسم آلہ): چرواہے کی لاٹھی (۴) تَبَيَّنَ الشيئُ: واضح اور ظاہر ہونا۔

عنایت فرمائی، بڑی حکومت کا سربراہ بنایا اور ذاتی کمالات سے نوازا —— آگے مثال کے طور پر دو انعامات کا تذکرہ فرماتے ہیں۔

پہلا انعام: —— اے پہاڑو! داؤد کے ساتھ آواز ملاؤ، اور اے پرندو (تم بھی) —— یہ لحن داودی کا ذکر ہے، اور پتھروں میں بھی شعور ہوتا ہے، سورۃ البقرۃ (آیت ۷۴) میں ہے: ﴿وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ﴾: بعض پتھر اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں، اور پرندوں کے شعور کا تو کون انکار کرسکتا ہے؟ —— یہ لحن داؤدی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بھی ملا تھا، اور آج بھی بعض قراء جب قرآن پڑھتے ہیں تو ماحول وجد میں آجاتا ہے۔

دوسرا انعام: —— اور نرم کیا ہم نے ان کے لئے لوہے کو (اور حکم دیا کہ) پوری زرہیں بناؤ، اور کڑیاں جوڑنے میں اندازہ رکھو —— نرم کرنے کا مطلب ہے: جس طرح چاہتے استعمال کرتے، موم کی طرح: ایک تعبیر ہے۔ آپ زرہیں تیار کرکے فروخت کرتے تھے، اور اس سے گھر کا خرچ چلاتے تھے، بیت المال پر بار نہیں ڈالتے تھے —— کہتے ہیں: کڑیوں کی زرہ سب سے پہلے آپ نے بنائی، پہلے لوہے کی پلیٹوں کی زرہیں بنتی تھیں، جو بہت وزنی ہوتی تھیں، آپ نے فراخ اور کشادہ زرہیں تیار کیں، اور اس کے حلقے اور کڑیاں خوب اندازے سے جوڑیں، اور شاندار بکتر تیار کئے۔

عام نصیحت: —— اور نیک کام کرو، بے شک میں تم جو کچھ کررہے اس کو دیکھ رہا ہوں —— یعنی اس کاریگری میں اتنے نہ لگو کہ اللہ کی طرف سے غفلت ہوجائے، سب نیک کام کرو، اور یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ سب کاموں کو دیکھتے ہیں۔

> **دینی کاموں کی اجرت (تن خواہ) لینا جائز ہے، اور نہ لینا داؤد علیہ السلام کا اسوہ ہے، اور جب تک ضرورت رہے لینا، پھر گنجائش ہوجائے تو واپس کردینا اسوۂ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہے**

حضرت سلیمان علیہ السلام: آپ حضرت داؤد علیہ السلام کے صاحب زادے ہیں، بڑے دبدبہ کی حکومت کے مالک تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے شمار انعامات سے نوازا تھا، یہاں دو انعامات کا تذکرہ کیا ہے:

پہلا انعام: اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے مثال حکومت عنایت فرمائی تھی، چرند و پرند اور جنات و انسان سب پر آپ کی حکومت تھی، ہوا آپ کے لئے مسخر کی گئی تھی اور تانبے کا چشمہ پانی کی طرح ابلتا تھا، جس سے جنات مصنوعات تیار کرتے تھے، ارشاد فرماتے ہیں: —— اور سلیمانؑ کے لئے ہوا کو (مسخر کیا) اس کی صبح کی رفتار مہینہ بھر کی اور اس کی شام کی رفتار مہینہ بھر کی، اور ہم نے ان کے لئے تانبے کا چشمہ بہایا —— ہوا تخت سلیمانی کو اڑا کر شام سے یمن اور یمن سے شام لے جاتی تھی، اونٹ کی سواری سے ایک ماہ کی مسافت آدھے دن میں طے ہوجاتی تھی —— اور یمن میں تانبے کا چشمہ نکلا تھا،

اس کو سانچوں میں ڈال کر جنات برتن تیار کرتے تھے۔

سوال: ہوا سے عام ہوا مراد ہے یا خاص، جیسے بھاپ اسٹیم وغیرہ؟ اگر عام ہوا مراد ہے تو وہ شام ویمن کے درمیان ہی کیوں آمد ورفت کرتی تھی؟ معروف ہوا تو ہر جگہ جاسکتی ہے، اور تانبا جامد (ٹھوس) مادہ ہے چشمہ کا کیا مطلب؟

جواب: تانبا، پیتل، لوہا رانگ اور سونا چاندی وغیرہ جامد ہی زمین سے نکلتے ہیں، پھر ان کو پگھال کر چیزیں تیار کی جاتی ہیں، پس اگر کوئی دھات زمین سے پگھلی ہوئی نکلے تو اس میں کیا استبعاد ہے؟

رہی ہوا تو اس کی حقیقت نہیں سمجھائی جاسکتی، قاعدہ ہے: دوسری دنیا کی چیزوں، ماضی بعید کی چیزوں اور آئندہ زمانہ کی چیزوں کی حقیقت نہیں جانی جاسکتی، اللہ کا عرش پر قائم ہونا، یاجوج ماجوج کے تیر اور آدم علیہ السلام کی کھنکھناتی مٹی سے تخلیق کون سمجھا سکتا ہے؟ پس اُس ہوا کی نوعیت بھی نہیں جانی سکتی، کیونکہ یہ ماضی بعید کا معاملہ ہے۔

دوسرا انعام: —— جنات سلیمان علیہ السلام کے بے دام غلام تھے —— جنات انسان سے کہیں زیادہ طاقت ور ہیں، فرشتے ان سے بھی زیادہ طاقت ور ہیں، بایں ہمہ وہ سلیمان علیہ السلام کی بیگار کرتے تھے، اور ان کے سرکشوں کو تو آپ نے پابند سلاسل کر دیا تھا، یہ سلیمان علیہ السلام پر اللہ کا انعام تھا، ان کا کوئی ذاتی کمال نہیں تھا، ارشاد فرماتے ہیں:

—— اور بعض جنات ان کے آگے کام کرتے تھے ان (سلیمانؑ) کے رب کے حکم سے، اور جو ان میں سے ہمارے حکم سے سرتابی کرے، ہم اس کو دوزخ کا عذاب چکھائیں گے، بناتے ہیں وہ ان کے لئے جو ان کو منظور ہوتا ہے یعنی بڑے محلات، نقش ونگار، بڑے پیالے گھڈے جیسے اور دیگیں ایک جگہ جمی رہنے والی۔

خاص نصیحت: —— اے داؤد کے خاندان کے لوگو! تم شکر میں نیک کام کرو، اور میرے بندوں میں شکر گذار کم ہیں —— یعنی اللہ کے عظیم الشان انعامات واحسانات کا شکر ادا کرتے رہو، اور محض زبان سے نہیں، بلکہ عمل سے وہ کام کرو جن سے اللہ تعالیٰ کی شکر گذاری ٹپکے، کیونکہ پورے شکر گذار بندے بہت تھوڑے ہیں، پس تم کامل شکر گذار بن کر اپنی قدر ومنزلت بڑھاؤ (فوائد)

سلیمان علیہ السلام خدائی اختیارات کے مالک نہیں تھے، نہ جنات غیب داں ہیں: —— سلیمان علیہ السلام پر اللہ نے جو دو انعامات کئے تھے، جن کا ذکر اوپر آیا، ان سے کسی کو غلط فہمی ہوسکتی تھی کہ آپ خدائی اختیارات کے مالک تھے، چنانچہ جنات کو یہ دو غلط فہمیاں ہوئیں: ایک: وہ سمجھتے تھے کہ سلیمان علیہ السلام خدائی اختیارات کے مالک ہیں، جس سے انھوں نے جنات کو مسخر کیا ہے۔ دوم: وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ جنات غیب داں ہیں، مخفی باتوں کو جانتے ہیں —— مگر دونوں باتوں کی حقیقت اس وقت کھلی جب سلیمان علیہ السلام کی اچانک موت واقع ہوگئی، آپ لاٹھی کے سہارے کھڑے

جنات کے کاموں کی نگرانی کررہے تھے کہ موت کا وقت آ گیا، موت کے بعد بھی آپ لاٹھی کے سہارے کھڑے رہے، یہاں تک کہ زمین کا کوئی جانور آیا، اور اس نے لاٹھی کا زیریں حصہ کھالیا اور آپ گر پڑے، اب جنات کی دونوں غلط فہمیاں دور ہوئیں وہ سمجھ گئے کہ سلیمان علیہ السلام خدائی اختیارات کے مالک نہیں تھے، کیونکہ ان کی اچانک موت واقع ہوگئی، خود ان کو بھی اپنی موت کا وقت معلوم نہیں تھا۔ اور جنات نے یہ بھی جان لیا کہ وہ غیب داں نہیں، ورنہ زندگی بھر بے دام کے غلام بنے نہ رہتے۔ ارشاد فرماتے ہیں:—— پھر جب ہم نے ان کی موت کا فیصلہ کیا تو نہیں آگاہ کیا جنات کو ان کی موت سے مگر زمین کے جانور نے جو ان کی لاٹھی کو کھاتا تھا، پھر جب وہ گر پڑے تو جنات کے لئے حقیقت کھل گئی کہ اگر وہ غیب داں ہوتے تو ذلت کی تکلیف میں نہ ٹھہرتے!

سوال: وہ زمین کا جانور کیا تھا جس نے لاٹھی کھائی تھی؟

جواب: معلوم نہیں، اور لایعنی باتوں میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے۔

سوال: زمین کے اس جانور نے لاٹھی کتنی دیر میں کھائی تھی؟

جواب: معلوم نہیں، اور جو سال بھر کھڑے رہنے کی حدیث ہے وہ صحیح نہیں، ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس کے بارے میں لکھا ہے: **وقد ورد فی ذلك حدیث مرفوع غریب، وفی صحته نظر**: کیونکہ سوال ہوگا کہ کیا سال بھر آپ نے نماز نہیں پڑھائی، مقتدیوں نے آپ کی خبر کیوں نہیں لی، اور کیا سال بھر آپ نے کھانا نہیں کھایا، گھر والوں نے آپ کی خبر کیوں نہیں لی؟ آپ کے تو سو گھر تھے! اس لئے عقل یہ کہتی ہے کہ یہ چند گھنٹوں کی بات تھی۔ واللہ اعلم

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ ۥ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ۭ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ۝۱۵ فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ۝۱۶ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ۭ وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ۝۱۷ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّقَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ ۭ سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِيَ وَاَيَّامًا اٰمِنِيْنَ ۝۱۸ فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا وَظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝۱۹ وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ

ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲۰ وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِيْ شَكٍّ ۭ وَرَبُّكَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ۝۲۱

ع ۱۲

لَقَدْ كَانَ	البتہ تحقیق تھی	الْعَرِمِ	عرم کا	فِيْهَا	ان میں
لِسَبَاٍ	قوم سبا کے لئے	وَبَدَّلْنٰهُمْ	اور بدل دیئے ہم نے ان کو	قُرًى	بستیاں
فِيْ مَسْكَنِهِمْ	ان کی بستی میں	بِجَنَّتَيْهِمْ	ان کے دو باغوں کے عوض	ظَاهِرَةً	نظر آنے والی
اٰيَةٌ	بڑی نشانی	جَنَّتَيْنِ	دوسرے دو باغ	وَّقَدَّرْنَا	اور اندازہ کیا ہم نے
جَنَّتٰنِ	دو باغ	ذَوَاتَيْ اُكُلٍ	پھل والے	فِيْهَا	ان میں
عَنْ يَّمِيْنٍ	دائیں جانب	خَمْطٍ	کسیلے	السَّيْرَ	سفر کا
وَّشِمَالٍ	اور بائیں جانب	وَّاَثْلٍ	اور جھاؤ والے	سِيْرُوْا	چلو
كُلُوْا	کھاؤ	وَّشَيْءٍ	اور کچھ	فِيْهَا	ان میں
مِنْ رِّزْقِ	روزی سے	مِّنْ سِدْرٍ	بیری والے	لَيَالِيَ	راتیں
رَبِّكُمْ	اپنے رب کی	قَلِيْلٍ	تھوڑی	وَاَيَّامًا	اور دن
وَاشْكُرُوْا	اور شکر بجالاؤ	ذٰلِكَ	یہ	اٰمِنِيْنَ	اطمینان سے
لَهٗ	ان کا	جَزَيْنٰهُمْ	بدلہ دیا ہم نے ان کو	فَقَالُوْا	پس کہا انھوں نے
بَلْدَةٌ	علاقہ	بِمَا كَفَرُوْا	ان کے کفر کی وجہ سے	رَبَّنَا	اے ہمارے ربّ!
طَيِّبَةٌ	ستھرا	وَهَلْ نُجٰزِيْٓ	اور نہیں بدلہ دیتے ہم	بٰعِدْ	دوری کردیں
وَّرَبٌّ	اور پروردگار	اِلَّا الْكَفُوْرَ	مگر ناشکروں کو	بَيْنَ اَسْفَارِنَا	ہمارے سفروں میں
غَفُوْرٌ	بڑا بخشنے والا	وَجَعَلْنَا	اور بنائی ہم نے	وَظَلَمُوْٓا	اور ظلم کیا انھوں نے
فَاَعْرَضُوْا	پس سرتابی کی انھوں نے	بَيْنَهُمْ	ان کے درمیان	اَنْفُسَهُمْ	اپنی جانوں پر
فَاَرْسَلْنَا	پس چھوڑا ہم نے	وَبَيْنَ الْقُرَى	اور ان بستیوں کے درمیان	فَجَعَلْنٰهُمْ	پس بنادیا ہم نے ان کو
عَلَيْهِمْ	ان پر	الَّتِيْ	جو	اَحَادِيْثَ	واقعات
سَيْلَ	سیلاب	بٰرَكْنَا	برکت رکھی ہم نے	وَمَزَّقْنٰهُمْ	اور پارہ پارہ کردیا ہم نے ان کو

كُلَّ مُمَزَّقٍ	ہر طرح سے ٹکڑے	ظَنَّهٗ	اپنا گمان	مَنْ يُّؤْمِنُ	اس کو جو یقین رکھتا ہے
	ٹکڑے کرنا	فَاتَّبَعُوْهُ	پس پیروی کی انھوں	بِالْاٰخِرَةِ	آخرت پر
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ	بے شک اس میں		نے اس کی	مِمَّنْ هُوَ	اس سے جو کہ وہ
لَاٰيٰتٍ	یقیناً نشانیاں ہیں	اِلَّا فَرِيْقًا	مگر کچھ لوگوں نے	مِنْهَا	اس سے
لِّكُلِّ صَبَّارٍ	ہر صبر شعار کے لئے	مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ	مؤمنین میں سے	فِيْ شَكٍّ	شک میں ہے
شَكُوْرٍ	شکر گذار	وَمَا كَانَ	اور نہیں تھا	وَرَبُّكَ	اور آپ کا ربّ
وَلَقَدْ صَدَّقَ	اور البتہ تحقیق سچ کر دکھایا	لَهٗ عَلَيْهِمْ	اس کے لئے ان پر	عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز کا
عَلَيْهِمْ	ان پر	مِّنْ سُلْطٰنٍ	کچھ زور	حَفِيْظٌ	نگہبان ہے
اِبْلِيْسُ	شیطان نے	اِلَّا لِنَعْلَمَ	مگر تا کہ جانیں ہم	۞	۞

ناشکری قوم سبا کا تذکرہ

دو شکر گذار بندوں کے تذکرہ کے بعد ایک ناشکری قوم کا تذکرہ کرتے ہیں۔ سبا: قحطانی نسل کی ایک مشہور شاخ تھی، اس کا وطن عرب کے جنوب میں یمن کا مشرقی علاقہ تھا، ان کے دار الحکومت کا نام مآرب تھا، ان کا تمدن عظیم الشان اور حکومت کی بنیادیں مضبوط تھیں، ان کا آخر زمانہ ۵۵۰ قبل مسیح بتایا جاتا ہے۔

عرب میں دریا (بڑی ندیاں) نہیں ہیں، بارش کا پانی بہہ کر ریگستانوں میں ضائع ہو جاتا ہے، سبا والوں نے پہاڑوں اور وادیوں میں متعدد بند باندھے تھے، ان کے بڑے اور مشہور بند کا نام عِرَم اور سدّ مآرب تھا، اور ان کا تجارتی تعلق ملک شام سے تھا، ایک شارع عام یمن سے شام جاتی تھی، اس کے دائیں بائیں سینکڑوں میل تک گھنے باغات تھے، جن کی تعریف میں مؤرخین رطب اللسان ہیں، اور شارع عام پر قریب قریب بستیاں تھیں، جس سے سفر بہ اطمینان ہوتا تھا، یہ دو نعمتیں ان کو حاصل تھیں: مقامی خوش حالی اور سفر کی آسانی۔

جب سبا والوں نے ان نعمتوں کی ناشکری کی تو بند ٹوٹ گیا، اور پانی پھیل گیا، جس سے وہ ہرے بھرے باغات اجڑ گئے، ان کی جگہ جنگلی درختوں نے لے لی، اور لوگ یا تو ہلاک ہو گئے یا تتر بتر ہو گئے، اور شارع عام پر جو بستیاں تھیں وہ بھی اجڑ گئیں۔

پہلی نعمت: ـــــ مقامی خوش حالی ـــــ بخدا! واقعہ یہ ہے کہ قوم سبا کے لئے ان کے وطن میں بڑی نشانی ہے (شہر کے / بند کے / شارع عام کے) دائیں بائیں دو باغ تھے، اپنے پروردگار کی روزی کھاؤ، اور اس کا شکر بجالاؤ، ستھرا علاقہ اور

بڑا بخشنے والا پروردگار —— یعنی اگر بہ مقتضائے بشریت کوئی کوتاہی ہوجائے گی تو اپنی رحمت سے بخش دیں گے، خردہ گیری نہیں کریں گے۔

نعمت کی ناشکری اور اس کا نتیجہ: —— سوانھوں نے سرتابی کی، پس ہم نے ان پر عرم کے بند کا سیلاب چھوڑ دیا، اور ہم نے ان کے دورویہ باغوں کو بدل دیا دوسرے دو باغوں سے: کسیلے (بدمزہ) پھلوں والے، جھاؤ والے اور تھوڑے بیری کے درخت والے —— جھاؤ: ایک قسم کا پودا ہے، جو دریاؤں کے کنارے پر اگتا ہے، اور جس سے ٹوکریاں وغیرہ بنائی جاتی ہیں/ ایک جنگلی درخت ہے جس کی لکڑی فرنیچر میں استعمال ہوتی ہے —— یہ ہم نے ان کو ان کی ناسپاہی کے سبب سزا دی، اور ہم ناشکروں ہی کو سزا دیا کرتے ہیں!

دوسری نعمت: —— سفر میں آسانی —— اور بنائی ہم نے ان کے درمیان —— مراد یمن ہے —— اور ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت رکھی ہے —— مراد شام ہے، بیت المقدس پہلے شام میں تھا —— بستیاں نظر آنے والی —— جعلنا کا مفعول ہے یعنی یمن سے شام تک عام راستہ پر دیہات بسے ہوئے تھے، جس سے راستے مامون تھے —— اور اندازہ ٹھہرایا ہم نے ان میں سفر کا —— یعنی دن بھر چلنے کے بعد منزل آتی تھی، جہاں کھانا، پانی اور آرام کرنے کا موقع ملتا تھا —— چلو ان میں شب وروز بے خطر! —— یعنی آبادیوں کے قریب قریب ہونے سے چور ڈاکوؤں کا خوف نہیں تھا، اور سفر کیا تھا ایک طرح کی تفریح تھی۔

نعمت کی بے قدری اور اس کا انجام: —— پس انھوں نے کہا: اے ہمارے پروردگار! ہمارے سفروں کے درمیان دوری کر دیجئے —— اس طرح سفر میں لطف نہیں آتا، منزلیں دور ہوں، راستہ میں آبادیاں نہ ملیں، بھوک پیاس ستائے تب سفر کا مزہ آئے! —— اور انھوں نے اپنی ذاتوں پر ظلم کیا —— منّ وسلوا چھوڑ کر لہن پیاز مانگی! —— پس ہم نے ان کو افسانے بنادیا —— سبا والوں کی اور ان کی عیش وعشرت کی صرف کہانیاں باقی رہ گئیں! —— اور ہم نے ان کو پارہ پارہ کر کے تتر بتر کر دیا —— کوئی کہیں جابسا، کوئی کہیں جا گھسا، مدینہ کے قبائل اوس وخزرج وہیں سے آئے تھے —— بے شک اس میں یقیناً عبرتیں ہیں ہر صبر شعار شکر گذار کے لئے —— یعنی سبا کے حالات سن کر عقل مند عبرت حاصل کریں، اللہ فراخی اور عیش دے تو شکر بجالائیں اور کوئی تکلیف آئے تو صبر سے کام لیں اور اللہ سے مدد مانگیں (فوائد)

شیطان کا نام انسان کا کام: اب ایک سوالِ مقدر کا جواب دیتے ہیں کہ سبا سے ناسپاسی شیطان نے کرائی، پس سزا اس کو ملنی چاہئے، سبا کو سزا کیوں ملی؟ جواب: شیطان کا تو نام ہوتا ہے، کام انسان کرتا ہے، شیطان تو شیرہ لگاتا ہے، خون خرابہ انسان کرتا ہے، ارشاد فرماتے ہیں: —— اور بخدا واقعہ یہ ہے کہ شیطان نے ان پر اپنا گمان صحیح ثابت کر دیا، پس

انھوں نے اس کی پیروی کی، البتہ کچھ مؤمنین بچ گئے، اور ابلیس کا ان پر کچھ زور نہیں تھا ـــــ ابلیس کا گمان تھا کہ وہ انسانوں کی اکثریت کو اپنے قابو میں کرلےگا (بنی اسرائیل ۶۲) سو اس نے کرلیا، سب لوگ اس کے پیچھے چل دیئے، کچھ ہی نفوس قدسیہ بچ گئے ـــــ آیت سبا کے ساتھ خاص نہیں، تمام انسانوں کو عام ہے ـــــ اور اگر خاص ہے تو ان میں سات ہادی آئے تھے، مگر شیطان کو یہ قدرت نہ تھی کہ وہ لوگوں کو زبردستی راہ حق سے روک دیتا، اس کا کام صرف بہکانا پھسلانا ہے، پھر انسان اپنی مرضی سے اس کے پیچھے چلتا ہے، اور اتنی قدرت اس کو اس لئے دی گئی ہے کہ بندوں کا امتحان ہو ـــــ مگر اس لئے کہ ہم جانیں کہ کون آخرت پر یقین رکھتا ہے ان سے جدا کرکے جو آخرت کے بارے میں شک میں ہیں، اور آپ کا پروردگار ہر چیز کا نگراں ہے ـــــ یعنی ایسا نہیں ہے کہ اللہ کو کچھ خبر نہیں، شیطان اللہ کی بے خبری میں بندوں کو اچک لیتا ہے۔ خوب سمجھ لو! سب کچھ اللہ کی نگاہ میں ہے اور شیطان کو جتنی آزادی دی ہے وہ حکمت و مصلحت سے ہے۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ﴿۲۲﴾ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ۭ حَتّٰٓى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمْ ۭ قَالُوا الْحَقَّ ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۲۳﴾ قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۴﴾ قُلْ لَّا تُسْـَٔـلُوْنَ عَمَّآ اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْـَٔـلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ۭ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۶﴾ قُلْ اَرُوْنِيَ الَّذِيْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَاۗءَ كَلَّا ۭ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۷﴾

قُلِ	کہو	مِثْقَالَ	بقدر	مِنْ شِرْكٍ	کچھ ساجھا
ادْعُوا	پکارو	ذَرَّةٍ	ذرہ کے	وَّمَا لَهٗ	اور نہیں اس کے لئے
الَّذِيْنَ	جن کو	فِي السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں	مِنْهُمْ	ان سے
زَعَمْتُمْ	گمان کرتے ہو تم	وَلَا فِي الْاَرْضِ	اور نہ زمین میں	مِّنْ ظَهِيْرٍ	کوئی مددگار
مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ سے نیچے	وَمَا لَهُمْ	اور نہیں ان کے لئے	وَلَا تَنْفَعُ	اور نہیں کام آئے گی
لَا يَمْلِكُوْنَ	نہیں مالک ہیں وہ	فِيْهِمَا	دونوں میں	الشَّفَاعَةُ	سفارش

عِنْدَهٗٓ	اس کے پاس	وَالْاَرْضِ	اور زمین سے؟	بَيْنَنَا	ہمارے درمیان
اِلَّا لِمَنْ	مگر جس کے لئے	قُلِ	کہو:	رَبُّنَا	ہمارے رب
اَذِنَ لَهٗ	اجازت دیں اس کے لئے	اللّٰهُ	اللہ!	ثُمَّ يَفْتَحُ	پھر فیصلہ کریں گے
حَتّٰٓى اِذَا	یہاں تک کہ جب	وَاِنَّآ (۳)	اور بے شک ہم	بَيْنَنَا	ہمارے درمیان
فُزِّعَ (۱)	گھبراہٹ دور کی گئی	اَوْ اِيَّاكُمْ	یا تم	بِالْحَقِّ	برحق
عَنْ قُلُوْبِهِمْ	ان کے دلوں سے	لَعَلٰى هُدًى	ضرور ہدایت پر ہیں	وَهُوَ	اور وہ
قَالُوْا	پوچھا انھوں نے	اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ	یا گمراہی میں ہیں	الْفَتَّاحُ	انصاف سے فیصلہ
مَاذَا قَالَ	کیا فرمایا	مُّبِيْنٍ	صریح		کرنے والے
رَبُّكُمْ	تمہارے ربّ نے؟	قُلْ	کہو:	الْعَلِيْمُ	خوب جاننے والے ہیں
قَالُوا	جواب دیا انھوں نے	لَّا تُسْـَٔلُوْنَ	نہیں پوچھے جاؤ گے تم	قُلْ اَرُوْنِيَ	کہو دکھلاؤ مجھے
الْحَقَّ (۲)	برحق (فرمایا)	عَمَّآ	ان سے جو	الَّذِيْنَ	جن کو
وَهُوَ	اور وہ	اَجْرَمْنَا	گناہ ہم نے کئے	اَلْحَقْتُمْ	ملایا ہے تم نے
الْعَلِيُّ	برتر	وَلَا نُسْـَٔلُ	اور نہیں پوچھے جائیں گے ہم	بِهٖ	اللہ کے ساتھ
الْكَبِيْرُ	بڑے ہیں	عَمَّا	ان سے جو	شُرَكَآءَ (۴)	شریک بنا کر
قُلْ مَنْ	پوچھو: کون	تَعْمَلُوْنَ	تم کرتے ہو	كَلَّا بَلْ هُوَ	ہرگز نہیں، بلکہ وہی
يَرْزُقُكُمْ	روزی دیتا ہے تم کو	قُلْ	کہو	اللّٰهُ الْعَزِيْزُ	اللہ زبردست
مِّنَ السَّمٰوٰتِ	آسمانوں سے	يَجْمَعُ	اکٹھا کریں گے	الْحَكِيْمُ	بڑے حکمت والے ہیں

ربط: سورت توحید کے بیان سے شروع ہوئی ہے، اس کے بعد رسالت کا بیان آنا چاہئے تھا، مگر دوسری آیت میں آخرت (پچھلی زندگی) کا ذکر آیا، اس لئے آخرت کا موضوع شروع ہوگیا، پھر اس کے آخر میں آیت ۹ میں اللہ کی طرف رجوع ہونے والے بندوں کا ذکر آیا، اس لئے دو بندوں (داؤد وسلیمان علیہما السلام) کا تذکرہ کیا، جو دونوں بڑی حکومتوں

(۱) فُزِّعَ: ماضی مجہول، واحد مذکر غائب، مصدر تفزیع: ڈرانا اور خوف دور کرنا، اضداد میں سے ہے، یہاں ثانی معنی مراد ہیں (۲) الحقَّ کی تقدیر عبارت ہے: قال ربنا القولَ الحق: ہمارے رب نے برحق بات فرمائی (۳) وإنَّا: مماشات مع الخصم ہے (۴) شرکاء: حال، تمیز اور أرونی کا تیسرا مفعول ہوسکتا ہے، کیونکہ رویت علمی مراد ہے۔

کے مالک تھے، ان پر اللہ کی دو دو نعمتوں کا تذکرہ کیا، جن کے وہ شکر گذار رہے، پھر ان کے بالمقابل سبا کا ذکر کیا، یہ بھی خوش حال قوم تھی، ان پر بھی اللہ کے دو انعامات کا ذکر کیا جن کی انھوں نے ناشکری کی، پس وہ برباد کردیئے گئے اور وہ قصۂ پارینہ بن گئے۔ اب پھر شروع کی طرف لوٹتے ہیں، اور توحید کی ضد شرک کو باطل کرتے ہیں، تاکہ یہ بیان رسالت کے بیان کے ساتھ متصل ہوجائے۔

ابطالِ شرک

جو نہ مالک ہو، نہ شریک، نہ مددگار وہ معبود کیسے ہوسکتا ہے؟

مشارکہ (پارٹنر شپ) کے کاروبار میں ہر شریک کسی حصہ کا مالک ہوتا ہے، پس اس کو بولنے کا حق ہوتا ہے، اور مالک نہ ہو مگر کاروبار سنبھالنے میں ساجھی یا مددگار ہو تو اس کا بھی کچھ نہ کچھ حق ہوتا ہے، مگر مشرکین کے معبودوں کو تو ان میں سے کوئی چیز حاصل نہیں، نہ وہ کائنات کے کسی ذرہ کے مالک، نہ کائنات کے سنبھالنے میں حصہ دار، نہ مددگار: پھر وہ معبود کیسے ہوسکتے ہیں؟ ذرا کسی کو نامزد تو کرو جسے ان میں سے کوئی بات حاصل ہو؟ ارشاد فرماتے ہیں: —— کہو: پکارو ان کو —— یعنی مشخص کرو —— جن کو تم نے اللہ سے نیچے (خدائی میں شریک) سمجھ رکھا ہے، وہ ایک ذرہ کے مالک نہیں آسمانوں میں اور نہ زمین میں —— یعنی کائنات کے —— اور نہ ان کی ان دونوں میں کوئی بھاگی داری ہے، اور نہ اس کا ان میں سے کوئی مددگار ہے —— اللہ تعالیٰ اکیلے ہی کائنات کے خالق و مالک ہیں اور وہی تنہا اس کو سنبھالے ہوئے ہیں، پھر خدائی میں ان کا شریک و سہیم کہاں سے آگیا؟

مشرکین اپنی مورتیوں کو اللہ کے یہاں سفارشی سمجھتے ہیں

مشرکین کہتے ہیں: ہم مورتیوں کی پوجا صرف اس لئے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ سے نزدیک کردیں (الزمر آیت ۳) کل قیامت کے دن اللہ کی بارگاہ میں ہماری شفاعت کریں، ان کو جواب دیا جاتا ہے: —— اور اللہ کے یہاں سفارش سود مند نہیں مگر جس کے لئے وہ (شفاعت کی) اجازت دیں —— اور شفاعت کی اجازت صرف مؤمنین کے لئے ملے گی، پس تم کس خام خیالی میں مبتلا ہو!

جب آسمانوں میں وحی نازل ہوتی ہے تو فرشتے تھرّا جاتے ہیں

مشرکوں کا اور جاہل مسلمانوں کا خیال ہے کہ انبیاء، ملائکہ اور اولیاء کا اللہ کے یہاں ایک مقام ہے، وہ اپنے جاہ سے کام لیں گے، اور ہمیں عذاب سے بچالیں گے، ان سے خطاب ہے کہ مقبولانِ بارگاہ کی اللہ کے نزدیک جاہ وعزت تو ہے:

﴿وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا﴾: مگر جاہ وجلال کسی کا نہیں، مثلاً: ملائکہ: جب آسمانوں میں وحی نازل ہوتی ہے تو تھرا جاتے ہیں، ان کے ہوش ٹھکانے نہیں رہتے، یہی کچھ حال انبیاء اور اولیاء کا ہوگا، ارشاد فرماتے ہیں: فرشتوں کی اللہ کے یہاں جاہ وعزت ہے، مگر ایک حد تک: —— یہاں تک کہ جب ان (فرشتوں) کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہوتی ہے تو وہ پوچھتے ہیں: تمہارے ربّ نے کیا فرمایا؟ (بالائی فرشتے) جواب دیتے ہیں: برحق (فرمایا) وہ برتر بڑے ہیں —— اس کی تفصیل بخاری شریف کی حدیث (نمبر ۴۷۰۱) میں ہے۔ جب اللہ تعالیٰ آسمان میں کسی امر کا فیصلہ فرماتے ہیں (اور فرشتوں کو اس امر کی وحی کی جاتی ہے) تو فرشتے اپنے پَر پھڑ پھڑاتے ہیں، وحی کے سامنے عاجزی اور فروتنی ظاہر کرنے کے لئے، گویا وہ چکنے پتھر پر لوہے کی زنجیر ہے (یہ پَر پھڑ پھڑانے کی آواز ہے) اور تحفۃ القاری ۹: ۳۲۵ میں جو ہے کہ وہ وحی کی آواز ہوتی ہے وہ صحیح نہیں۔

پس جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہوتی ہے تو نیچے والے فرشتے اوپر والے فرشتوں سے پوچھتے ہیں: تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا؟ (اور پوچھنا اس لئے پڑتا ہے کہ وحی سن کر وہ مدہوش سے ہوجاتے ہیں) پس اوپر والے فرشتے یعنی مقرب فرشتے جواب دیتے ہیں کہ برحق فرمایا! یعنی اوپر والے فرشتے نیچے والے فرشتوں کو امرِ الٰہی سے آگاہ کرتے ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ کا فرمان برحق ہے اور وہ برتر و بڑے ہیں!

اور شفاعتِ کبریٰ کی حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن جب تمام امتوں کے نیک لوگ انبیاء کی خدمت میں حاضر ہوکر شفاعت کبریٰ کے لئے عرض کریں گے تو سید المرسلین ﷺ کے علاوہ سب حضرات انکار کردیں گے، ان پر اپنا فکر سوار ہوگا، تا بہ اولیاء چہ رسد!

روزی صرف اللہ دیتا ہے، پس اسی کی عبادت کرو

عابدوں کو سنبھالنے کی ذمہ داری معبود کی ہے، بوس (سیٹھ) نوکروں کی کفالت کرتا ہے، اور کفالت میں سب سے اہم رزق رسانی ہے، اب مشرکین اور جاہل مسلمانوں سے پوچھو: تمہیں روزی کون دیتا ہے؟ جواب میں شاید ان کی زبان لڑکھڑائے، کیونکہ مشرکین جواہر کا خالق تو اللہ کو مانتے ہیں، مگر روزی پہنچانا ایک عارض ہے، چنانچہ وہ روزی مورتیوں سے بھی مانگتے ہیں، اور جاہل مسلمان بھی آستانوں پر دستِ سوال دراز کرتے ہیں، اس لئے تم خود جواب دو کہ روزی اللہ تعالیٰ ہی دیتے ہیں، اور مرزوق: رزاق کا ممنون احسان ہوتا ہے، اور عبادت نیازمندی کا نام ہے، پس رزاق ہی کی عبادت کرو، غیروں کی چوکھٹ پر جبّہ سائی مت کرو۔ ارشاد فرماتے ہیں: —— پوچھو: تمہیں آسمانوں اور زمین سے روزی کون دیتا ہے؟ —— یعنی اسبابِ رزق کس نے پیدا کئے ہیں؟ —— جواب دو: اللہ! (رزق رساں ہے)

ابھی سوچنے کا موقع ہے، سوچ کر فیصلہ کرو، کل جب اللہ فیصلہ کریں گے تو سوچنے کا وقت ہاتھ سے نکل چکا ہوگا

یہ مماشات مع الخصم ہے یعنی مخالف کو تھوڑی دیر ساتھ لے کر چلنا ہے: —— اور بے شک ہم یا تم ضرور راہِ راست پر یا صریح گمراہی میں ہیں —— یعنی دونوں سچے نہیں ہوسکتے کہ یہ اجتماعِ نقیضین ہے، ضرور ایک سچا اور ایک جھوٹا ہے، پس لازم ہے کہ سوچو اور صحیح فیصلہ کرو —— کہو: تم سے باز پرس نہیں ہوگی ان گناہوں کی جو ہم نے کئے، اور نہ ہم سے تمہارے اعمال کی باز پرس ہوگی —— یعنی ہر ایک کو اپنی عاقبت کی فکر کرنی چاہئے، کوئی شخص دوسرے کے قصور کا ذمہ دار نہ ہوگا۔ اور بلاغت دیکھو: اہل حق کی طرف أجرمنا فرمایا، اور اہل باطل کی طرف تعملون، تاکہ وہ بدک نہ جائیں! —— کہو: ہم سب کو اللہ تعالیٰ ایک جگہ جمع کریں گے —— قیامت کے میدان میں —— پھر ہمارے درمیان ٹھیک ٹھیک (عملی) فیصلہ کریں گے، اور وہ انصاف سے فیصلہ کرنے والے سب کچھ جاننے والے ہیں!

بات جہاں سے چلی تھی اسی پر بحث ختم کرتے ہیں: —— کہو: دکھلاؤ مجھے —— یعنی مشخص کرو —— جن کو تم نے اللہ کے ساتھ شریک بنا کر ملا رکھا ہے؟ —— یعنی ذرا سامنے کرو: کون سی ہستی خدائی میں ساجھا دار ہے؟ —— ہرگز نہیں —— یعنی کوئی شریک نہیں —— بلکہ اللہ ہی زبردست حکمت والے ہیں!

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۹﴾ قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ۭ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ښ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ الْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَاۗءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ

لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ؕ وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِیْۤ اَعْنَاقِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ هَلْ یُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ۝۳۳

وَمَآ	اور نہیں	عَنْهُ سَاعَةً	اس سے ایک گھڑی	لِلَّذِیْنَ	ان سے جنھوں نے
اَرْسَلْنٰكَ	بھیجا ہم نے آپ کو	وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ	اور نہیں آگے بڑھو گے	اسْتَكْبَرُوْا	گھمنڈ کیا
اِلَّا كَآفَّةً (۱)	مگر سبھی	وَقَالَ الَّذِیْنَ	اور کہا جنھوں نے	لَوْ لَآ اَنْتُمْ	اگر نہ ہوتے تم
لِّلنَّاسِ	لوگوں کے لئے	كَفَرُوْا	انکار کیا	لَكُنَّا مُؤْمِنِیْنَ	تو ہم ضرور ایماندار ہوتے
بَشِیْرًا (۲)	خوشی سنانے	لَنْ نُّؤْمِنَ	ہرگز نہیں ایمان لائیں گے ہم	قَالَ الَّذِیْنَ	جواب دیا جنھوں نے
وَّنَذِیْرًا	اور ڈرانے کے لئے	بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ	اس قرآن پر	اسْتَكْبَرُوْا	گھمنڈ کیا
وَّلٰكِنَّ	مگر	وَلَا بِالَّذِیْ	اور نہ اس پر جو	لِلَّذِیْنَ	ان کو جو
اَكْثَرَ النَّاسِ	بیشتر لوگ	بَیْنَ یَدَیْهِ	اس سے پہلے ہے	اسْتُضْعِفُوْۤا	کمزور سمجھے گئے
لَا یَعْلَمُوْنَ	جانتے نہیں	وَلَوْ تَرٰۤى	اور اگر دیکھے تو	اَنَحْنُ	کیا ہم نے
وَیَقُوْلُوْنَ	اور وہ کہتے ہیں:	اِذِ الظّٰلِمُوْنَ	جب ظالم	صَدَدْنٰكُمْ	روکا تم کو
مَتٰى هٰذَا	کب یہ	مَوْقُوْفُوْنَ	کھڑے کئے ہوئے ہونگے	عَنِ الْهُدٰى	ہدایت سے
الْوَعْدُ (۳)	وعدہ ہے	عِنْدَ رَبِّهِمْ	ان کے ربّ کے پاس	بَعْدَ اِذْ	اس کے بعد کہ جب
اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم	یَرْجِعُ	لوٹائے گا	جَآءَكُمْ	پہنچی وہ تم کو
صٰدِقِیْنَ	سچے	بَعْضُهُمْ	ان کا بعض	بَلْ كُنْتُمْ	بلکہ تم ہی تھے
قُلْ لَّكُمْ	کہو: تمہارے لئے	اِلٰى بَعْضِ	بعض کی طرف	مُّجْرِمِیْنَ	گنہگار
مِّیْعَادُ (۴)	وعدہ ہے	الْقَوْلَ	بات کو	وَقَالَ الَّذِیْنَ	اور کہا انھوں نے جو
یَوْمٍ	ایک دن کا	یَقُوْلُ الَّذِیْنَ	کہیں گے جو	اسْتُضْعِفُوْا	کمزور سمجھے گئے
لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ	نہیں پیچھے رہو گے تم	اسْتُضْعِفُوْا	کمزور سمجھے گئے	لِلَّذِیْنَ	ان سے جنھوں نے

(۱) كافة: الناس کا حال ہے، اہتمام کے لئے مقدم کیا ہے (۲) بشیرا ونذیراً: أرسلناك کے کاف سے حال ہیں (۳) الوعد: قیامت (۴) میعاد: اسم مصدر: وعدہ۔

اسْتَكْبَرُوْا	گھمنڈ کیا	اَنْدَادًا	ہم سر	فِيْٓ اَعْنَاقِ	گردنوں میں
بَلْ مَكْرُ	بلکہ چال	وَ اَسَرُّوا	اور چھپائی انھوں نے	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	ان کے جنھوں نے
الَّيْلِ وَ النَّهَارِ	شب وروز کی	النَّدَامَةَ	پشیمانی		انکار کیا
اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ	جب تم ہم کو حکم دیتے تھے	لَمَّا رَاَوُا	جب دیکھا انھوں نے	هَلْ يُجْزَوْنَ	نہیں بدلہ دیئے
اَنْ نَّكْفُرَ	کہ انکار کریں ہم	الْعَذَابَ	عذاب		جاتے وہ
بِاللّٰهِ	اللہ کا	وَجَعَلْنَا	اور بنائے ہم نے	اِلَّا مَا كَانُوْا	مگر اس کا جو تھے وہ
وَنَجْعَلَ لَهٗٓ	اور بنائیں ان کے لئے	الْاَغْلٰلَ	طوق	يَعْمَلُوْنَ	کرتے

رسالت کا بیان

عموم بعثت: توحید (ابطالِ شرک) کے بعد رسالت کا تذکرہ شروع کرتے ہیں، پہلی آیت میں عموم بعثت کا بیان ہے یعنی آپ صرف عربوں کی طرف نہیں، بلکہ سبھی لوگوں کی طرف مبعوث فرمائے گئے ہیں، عموم بعثت کے تعلق سے یہ آیت نہایت صریح ہے، اور قرآن وحدیث میں بار بار یہ بات بیان کی گئی ہے۔

مقصد بعثت: انداز وتبشیر ہے۔ جو لوگ بات مان لیں، حلقہ بگوش ہوجائیں، اور قرآن کے احکام پر عمل کریں، انہیں آخرت میں اچھے انجام کی، جنت کی نعمتوں کی اور رضائے خداوندی کی خوش خبری سنائی جائے، اور جو اکڑ دکھائیں، منقاد نہ ہوں، رسول اور دلیلِ رسالت پر ایمان نہ لائیں ان کو آخرت میں نتائج اعمال سے آگاہ کیا جائے کہ ان کے لئے دوزخ اور اللہ کی پھٹکار ہے —— مگر اکثر لوگ بات نہیں سمجھتے، کچھ ہی نیک بخت نفع نقصان سوچتے ہیں، اور ایمان لاتے ہیں، ارشاد فرماتے ہیں: —— اور ہم نے آپ کو سبھی لوگوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے، خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا، لیکن اکثر لوگ سمجھتے نہیں! —— یعنی لوگوں میں اکثریت ناسمجھوں کی ہے، انہیں کون سمجھے!

نتائج اعمال کی گھڑی کب آئے گی؟ —— ناسمجھ کارآمد باتیں تو سمجھتے نہیں، الٹے پوچھتے ہیں: جس گھڑی سے ڈراتے ہو وہ کب آئے گی؟ اگر سچے ہو تو جلدی لے آؤ! ان کو جواب دیتے ہیں: —— اور کہتے ہیں: کب ہوگا یہ وعدہ اگر تم سچے ہو؟ کہو: تمہارے لئے ایک وعدہ کا دن ہے، تم اس سے ایک گھڑی نہ پیچھے رہ سکتے ہو اور نہ آگے بڑھ سکتے ہو —— یعنی جلدی مت مچاؤ، جس دن کا وعدہ ہے وہ آکر رہے گا، اور جب آئے گا تو ایک منٹ کی مہلت نہ ملے گی، پس اس کے آنے سے پہلے تیاری کرلو۔

دلیلِ رسالت (قرآن) کا انکار: —— آخرت کے تعلق سے قرآنِ کریم جو باتیں بیان کرتا ہے وہ سابقہ کتابوں

میں بھی ہیں، منکرین کہتے ہیں: ہم نہ قرآن کو مانتے ہیں نہ سابقہ کتابوں کو، ان کو یہ پٹی ان کے گرو پڑھاتے ہیں، مگر قیامت کے دن چیلوں اور گروؤں میں جو بات چیت ہوگی اس کو سنو: —— اور منکرین نے کہا: ہم نہ اس قرآن کو مانتے ہیں، نہ اس سے پہلے والی کتابوں کو! —— اور اگر آپ دیکھیں: جب یہ ظالم ان کے رب کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے، ان کا ایک دوسرے پر بات ڈالے گا —— ناکامی کے وقت ایسا ہی ہوتا ہے، ہر ایک دوسرے کو ناکامی کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے —— ادنی درجہ کے لوگ بڑے لوگوں سے کہیں گے: اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور (قرآن پر) ایمان لاتے! —— اور یہ برا دن ہمیں نہ دیکھنا پڑتا! —— بڑے لوگ ادنی لوگوں کو جواب دیں گے: کیا ہم نے تم کو ہدایت سے روکا تھا جب وہ تمہیں پہنچی تھی؟ —— یعنی کیا ہم نے زبردستی کی تھی، کیا ہم نے تمہارے دلوں پر مہر لگادی تھی، تم سمجھدار تھے، جب حق بات پہنچی تھی تو سمجھ کر اس پر ایمان لے آتے، پس قصور ہمارا نہیں —— بلکہ تم ہی قصوروار تھے! —— اور کردۂ خودرا علاجے نیست! —— اور ادنی لوگوں نے بڑے لوگوں سے کہا: بلکہ رات دن کا چکر! جب تم ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم اللہ کا انکار کریں، اور اس کا ہم سر بنائیں —— یعنی تم نے زبردستی تو نہیں کی تھی، مگر تم ہمیں رات دن لیکچر پلاتے تھے، ہمیں بہکاتے پھسلاتے تھے کہ صرف اللہ کو مت مانو، مورتیوں کو بھی ان کا ہم سر بناؤ، ان باتوں کا اثر تو ہونا تھا جو ہوا، پس ذمہ دار تم ہو۔

انکارِ قرآن کا انجام: —— اور وہ پشیمانی کو چھپائیں گے جب عذاب کو دیکھیں گے —— یعنی چیلے اور گرو دونوں پچھتائیں گے، ہر ایک خود کو مجرم سمجھے گا، مگر شرم کے مارے ایک دوسرے پر ظاہر نہ کریں گے —— اور ہم منکروں کی گردنوں میں طوق ڈالیں گے، وہ نہیں بدلہ دیئے جائیں گے مگر اسی کا جو وہ کیا کرتے تھے —— جیسا کرنا ویسا بھرنا!

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۳۵﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَالَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۳۹﴾

ربع

وَمَآ اَرْسَلْنَا	اور نہیں بھیجا ہم نے	الرِّزْقَ	روزی	الضِّعْفِ	دونا (بہت زیادہ)
فِيْ قَرْيَةٍ	کسی بستی میں	لِمَنْ يَّشَآءُ	جس کے لئے چاہتا ہے	بِمَا عَمِلُوْا	انکے کاموں کے عوض میں
مِّنْ نَّذِيْرٍ	کوئی ڈرانے والا	وَيَقْدِرُ	اور تنگ کرتا ہے	وَهُمْ	اور وہ
اِلَّا قَالَ	مگر کہا	وَلٰكِنَّ	لیکن	فِي الْغُرُفٰتِ (۳)	بالا خانوں میں
مُتْرَفُوْهَآ (۱)	اسکے خوش عیش لوگوں نے	اَكْثَرَ النَّاسِ	اکثر لوگ	اٰمِنُوْنَ	چین سے ہونگے
اِنَّا بِمَآ	بے شک ہم اس کا جو	لَا يَعْلَمُوْنَ	سمجھتے نہیں	وَالَّذِيْنَ	اور جو لوگ
اُرْسِلْتُمْ	بھیجے گئے ہو تم	وَمَآ اَمْوَالُكُمْ	اور نہیں تمہارے اموال	يَسْعَوْنَ	دوڑتے ہیں
بِهٖ	اس کے ساتھ	وَلَآ اَوْلَادُكُمْ	اور نہ تمہاری اولاد	فِيْٓ اٰيٰتِنَا	ہماری آیتوں میں
كٰفِرُوْنَ	انکار کرنے والے ہیں	بِالَّتِيْ	وہ جو	مُعٰجِزِيْنَ	ہرانے کے لئے
وَقَالُوْا	اور کہا انھوں نے	تُقَرِّبُكُمْ	نزدیک کرے تم کو	اُولٰٓئِكَ	وہ لوگ
نَحْنُ	ہم	عِنْدَنَا	ہم سے	فِي الْعَذَابِ	عذاب میں
اَكْثَرُ	زیادہ ہیں	زُلْفٰٓى (۲)	درجہ میں	مُحْضَرُوْنَ	حاضر کئے ہوئے ہیں
اَمْوَالًا	اموال	اِلَّا مَنْ	ہاں جو	قُلْ	کہو
وَّاَوْلَادًا	اور اولاد کے اعتبار سے	اٰمَنَ	ایمان لایا	اِنَّ رَبِّيْ	بے شک میرا رب!
وَّمَا نَحْنُ	اور نہیں ہیں ہم	وَعَمِلَ	اور کیا اس نے	يَبْسُطُ	کشادہ کرتا ہے
بِمُعَذَّبِيْنَ	عذاب دیئے ہوئے	صَالِحًا	نیک کام	الرِّزْقَ	روزی
قُلْ	کہو	فَاُولٰٓئِكَ	پس وہ لوگ	لِمَنْ	جس کے لئے
اِنَّ رَبِّيْ	بے شک میرا رب	لَهُمْ	ان کے لئے	يَّشَآءُ	چاہتا ہے
يَبْسُطُ	کشادہ کرتا ہے	جَزَآءُ	بدلہ ہے	مِنْ عِبَادِهٖ (۴)	اپنے بندوں میں سے

(۱) مترفوا: اصل میں مترفون تھا، اضافت کی وجہ سے نون اعرابی گرا ہے، مُتْرَف: اسم مفعول: خوش عیش، فارغ البال، مصدر إتراف: عیش دینا، آرام دینا (۲) زُلفی: مصدر: درجہ، مرتبہ، اور ترکیب میں مفعول مطلق ہے، تقربکم کے معنی میں ہے (۳) الغُرفة: مکان کی بالائی منزل۔ (۴) عبادہ میں اضافت تشریف کے لئے ہے، مراد مؤمن بندے ہیں، پہلے یہ اضافہ نہیں تھا، وہاں کفار مراد تھے، عبادنا اور عباداً لنا کا فرق ہدایت القرآن (۵:۴۰) میں بیان کیا ہے۔

وَيَقْدِرُ	اور تنگ کرتا ہے	اَنْفَقْتُمْ	خرچ کیا تم نے	يُخْلِفُهٗ	اس کا عوض دے گا
لَهٗ	اس کے لئے	مِّنْ شَيْءٍ	کچھ بھی	وَهُوَ خَيْرُ	اور وہ بہترین
وَمَآ	اور جو	فَهُوَ	پس وہ	الرّٰزِقِيْنَ	روزی رساں ہیں

دولت وثروت اور آل اولاد کا نشہ انکار قرآن کا سبب

ان آیات میں یہ بات بیان کی ہے کہ دولت وثروت اور آل اولاد کا نشہ آدمی کو مغرور بنادیتا ہے، اب وہ کسی کے سامنے سر جھکانا نہیں جانتا، اور یہ آج کوئی نئی بات نہیں، ہمیشہ دین کے داعیوں کو اس سے سابقہ پڑا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں: —— اور ہم نے جب بھی کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا بھیجا تو اس کے خوش عیش لوگوں نے کہا: ہم اُس کو نہیں مانتے جس کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو، اور انھوں نے (یہ بھی) کہا: ہم مال اور اولاد میں تم سے زیادہ ہیں، اور ہمیں عذاب نہیں دیا جائے گا! —— یعنی اللہ تعالیٰ ہم سے راضی اور خوش ہیں، اسی لئے ہمیں اتنا مال اور اولاد دی ہے، پھر اندیشہ کس بات کا؟ تم فضول عذاب کی دھمکیاں دیتے ہو۔

جواب: روزی (اولاد بھی روزی ہے) کی فراخی یا تنگی اللہ کے خوش یا ناخوش ہونے کی دلیل نہیں، اور مال و اولاد کی زیادتی قربِ الٰہی کی علامت بھی نہیں، بلکہ کافر کے حق میں وہ قُرب حاصل کرنے کا سبب بھی نہیں، ہاں مؤمن اگر مال وجوہِ خیر میں خرچ کرے اور اولاد کی اچھی تربیت کرے تو وہ دارین میں مفید ہے، آخرت میں یہ چیز جنت کا وارث بناتی ہے اور دنیا میں اس کا عوض ملتا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں: —— کہو: بے شک میرا رب روزی کشادہ کرتا ہے جس کے لئے چاہتا ہے، اور تنگ کرتا ہے، لیکن اکثر لوگ سمجھتے نہیں —— کہ تنگی ترشی اور خوش حالی دوسری مصالح اور حکمتوں سے ہے، جن کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں، کتنے بدمعاش مزے اڑاتے ہیں، حالانکہ ان کو کوئی بھی اچھا نہیں سمجھتا —— اور تمہارے اموال اور تمہاری اولاد وہ نہیں جو تم کو ہمارا مقرب بنادیں —— یعنی کافر کے لئے وہ حصولِ قرب کا ذریعہ بھی نہیں —— ہاں جو ایمان لایا اور اس نے نیک کام کیا تو ان کے لئے بہت زیادہ بدلہ ہے ان اعمال کا جو انھوں نے کئے، اور وہ (جنت کے) بالاخانوں میں چین سے ہونگے —— یعنی مال اور اولاد نیک مؤمنین کے لئے آخرت کی کامیابی کا سبب بن سکتے ہیں، اگر وہ مال میں اور اولاد میں نیک کام کریں۔ اور دونا کے معنی ہیں: بہت زیادہ، نیکی کا بدلہ کم از کم دس گنا تو ملے گا ہی! —— اور جو لوگ ہماری آیتوں (ہمارے دین) کو مات دینے میں لگے ہوئے ہیں —— اور اس کے لئے بے تحاشا دولت خرچ کررہے ہیں —— وہ عذاب میں حاضر کئے ہوئے ہیں! —— ان میں سے ایک بھی دوزخ کے عذاب سے بچ نہیں سکے گا۔

اور مؤمنین مال اور اولاد کے ذریعہ نہ صرف آخرت کی کامیابی حاصل کر سکتے ہیں، بلکہ دنیا میں بھی وہ گھاٹے میں نہیں رہیں گے، ان کو عوض ملے گا، ارشاد فرماتے ہیں: —— کہو: میرے پروردگار روزی کشادہ کرتے ہیں جس کے لئے چاہتے ہیں اپنے (مؤمن) بندوں میں سے اور اس کے لئے تنگ کرتے ہیں —— یعنی یہ اصول مؤمن وکافر کے حق میں یکساں ہے —— اور تم نے جو کچھ بھی خرچ کیا —— تھوڑا یا زیادہ —— تو وہ اس کا عوض دیں گے، اور وہ بہترین روزی رساں ہیں —— پس مؤمنین یہ بات سمجھ لیں کہ خرچ کرنے سے مال کم نہیں ہوتا، بلکہ وجوہ خیر میں خرچ کرنے سے برکت ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اس کا عوض دیتے ہیں، خواہ مال کی صورت میں یا قناعت کی شکل میں، دنیا پر نظر ڈالو: کوئی غریبوں پر خرچ کر کے بھوکا نہیں مرا، اور کتنے دولت مند ہیں جو آخر میں اپنی دولت کا غم کھاتے ہیں!

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلَٰٓئِكَةِ أَهَٰٓؤُلَآءِ إِيَّاكُمْ كَانُوا۟ يَعْبُدُونَ ﴿٤٠﴾ قَالُوا۟ سُبْحَٰنَكَ أَنتَ وَلِيُّنَا مِن دُونِهِم ۖ بَلْ كَانُوا۟ يَعْبُدُونَ ٱلْجِنَّ ۖ أَكْثَرُهُم بِهِم مُّؤْمِنُونَ ﴿٤١﴾ فَٱلْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَلَا ضَرًّا وَنَقُولُ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا۟ ذُوقُوا۟ عَذَابَ ٱلنَّارِ ٱلَّتِى كُنتُم بِهَا تُكَذِّبُونَ ﴿٤٢﴾

وَيَوْمَ	اور جس دن	أَنتَ	آپ	لَا يَمْلِكُ	نہیں مالک ہے
يَحْشُرُهُمْ	جمع کرے گا ان کو	وَلِيُّنَا	ہمارے کارساز ہیں	بَعْضُكُمْ	تمہارا بعض
جَمِيعًا	سبھی کو	مِن دُونِهِم	نہ کہ وہ	لِبَعْضٍ	بعض کے لئے
ثُمَّ يَقُولُ	پھر پوچھے گا وہ	بَلْ كَانُوا	بلکہ تھے وہ	نَّفْعًا	کسی نفع کا
لِلْمَلَٰٓئِكَةِ	فرشتوں سے	يَعْبُدُونَ	پوجتے	وَلَا ضَرًّا	اور نہ کسی نقصان کا
أَهَٰٓؤُلَآءِ	کیا یہ لوگ	ٱلْجِنَّ	جنات کو	وَنَقُولُ	اور کہیں گے ہم
إِيَّاكُمْ	تمہاری	أَكْثَرُهُم	ان کے اکثر	لِلَّذِينَ	ان سے جنھوں نے
كَانُوا يَعْبُدُونَ	پوجا کیا کرتے تھے	بِهِم	ان پر	ظَلَمُوا	ظلم کیا
قَالُوا	جواب دیا انھوں نے	مُّؤْمِنُونَ	ایمان رکھنے والے تھے	ذُوقُوا	چکھو
سُبْحَٰنَكَ	آپ کی ذات پاک ہے	فَٱلْيَوْمَ	پس آج	عَذَابَ	سزا

الْتَّارِ	دوزخ کی	كُنْتُمْ	تھے تم	تُكَذِّبُوْنَ	جھٹلایا کرتے
الَّتِيْ	جس کو	بِهَا	اس کو	۞	۞

قرآنِ کریم کا ایک خاص اسلوبِ بیان

قرآنِ کریم جب کسی چیز کے متعلق دو مختلف باتیں بیان کرتا ہے تو تمہید مکرر لاتا ہے، ایسی جگہ تکرار کا وہم ہوتا ہے، وہ تکرار نہیں ہوتی، وہ قرآنِ کریم کا انوکھا اسلوبِ بیان ہے۔ جیسے کفار عذاب کی جلدی مچاتے تھے، عذاب دو ہیں: دنیوی اور اخروی، قرآنِ کریم نے جواب دیا: دنیوی عذاب کے لئے ایک وقت مقرر ہے، ورنہ وہ فوراً آجاتا، اور جب وہ آئے گا تو اچانک آئے گا، تمہیں سان گمان بھی نہیں ہوگا، اور رہا اخروی عذاب تو جہنم کفار کو گھیرے ہوئے ہے، یہ دو باتیں بیان کرنے کے لئے تمہید: ﴿وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ﴾ کو مکرر لایا گیا، یہ تکرار نہیں، یہ مثال تفسیر کی اسی جلد میں آئی ہے (سورۃ العنکبوت آیات ۵۳ و ۵۴) اس کے علاوہ بھی قرآن میں متعدد مثالیں ہیں۔

یہاں اس کی ایک مثال ہے۔ مال اور اولاد کفار کے لئے سببِ قُرب نہیں، جب یہ بات بیان کی تو مؤمنین کا استثناء کیا: ﴿إِلَّا مَنْ آمَنَ﴾ یعنی مؤمنین کے لئے مال اور اولاد آخرت میں قربِ الٰہی کا سبب بن سکتے ہیں، پھر دوسری بات بیان کی کہ مؤمن جو مال وجوہِ خیر میں خرچ کرے گا: اللہ تعالیٰ اس کو دنیا میں اس کا عوض دیں گے، یہ بات تمہید: ﴿قُلْ: إِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ﴾ لوٹا کر بیان کی ہے، مگر کفار کے سلسلہ کی آیت میں ﴿مِنْ عِبَادِهٖ﴾ اور ﴿لَهٗ﴾ نہیں ہے، مؤمنین کے سلسلہ کی آیت میں یہ اضافہ ہے، پس یہ تکرار نہیں —— اس کے بعد جاننا چاہئے کہ اب جو آیات ہیں وہ: ﴿أُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ﴾ سے جڑی ہوئی ہیں۔

منکرینِ قرآن جب دوزخ میں پکڑے ہوئے لائے جائیں گے تو وہاں ان کا کوئی پرسانِ حال نہ ہوگا

میدانِ حشر بپا ہے، سب عابد و معبود جمع ہیں، مشرکوں نے اپنے خیال میں فرشتوں کی بھی پرستش کی ہے، پس وہ افضل معبود ہیں، ان سے سوال ہوگا تا کہ دوسرے معبود سنیں: کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کیا کرتے تھے؟ فرشتے جواب میں پہلے اللہ کی شرک سے پاکی بیان کریں گے، پھر اللہ سے اپنا تعلق ظاہر کریں گے، پھر عرض کریں گے: یہ لوگ شیاطین کی پوجا کیا کرتے تھے، اور نام ہمارے لگایا کرتے تھے، ہمارا ان سے کچھ تعلق نہیں، اس دن نہ کوئی کسی کو نفع پہنچائے گا نہ نقصان، کوئی کسی کا پرسانِ حال نہ ہوگا، اور اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: ظالمو! اس دوزخ کے عذاب کا مزہ چکھو جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔

آیاتِ پاک: —— اور (یاد کرو) جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو —— عابدوں اور معبودوں کو میدانِ حشر میں —— جمع کریں گے، پھر فرشتوں سے پوچھیں گے: کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کیا کرتے تھے؟ وہ عرض کریں گے: آپ پاک ہیں! ——

یعنی آپ کا کوئی شریک ہو ہی نہیں سکتا ـــــ آپ ہمارے کارساز ہیں، نہ کہ وہ ـــــ یعنی ہمارا ان مجرموں سے کیا واسطہ! ہم تو آپ کے ہیں، آپ ہی سے ہمارا تعلق ہے ـــــ بلکہ وہ جنات (شیاطین) کی پوجا کیا کرتے تھے ـــــ اور نام ہمارا لیتے تھے ـــــ ان کے اکثر انہی کے معتقد تھے ـــــ ہم سے ان کا کچھ واسطہ نہیں، اسی طرح جو کسی نبی یا ولی کی پرستش کرتے ہیں وہ بھی حقیقت میں شیطان کی پرستش کرتے ہیں، ان نیک بندوں کا ان گمراہوں سے کچھ تعلق نہیں، قیامت کے دن وہ ان سے بیزاری ظاہر کریں گے ـــــ پس آج تمہارا ایک: دوسرے کے لئے نہ نفع کا مالک ہے نہ نقصان کا، اور ہم ظالموں سے کہیں گے: اس دوزخ کا عذاب چکھو جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے ـــــ یہ ماسیق لاجلہ الکلام (غرضِ کلام) ہے۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيْدُ اَنْ يَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُكُمْ ۚ وَقَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّآ اِفْكٌ مُّفْتَرًى ۭ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاۗءَهُمْ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۴۳﴾ وَمَآ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا وَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ ﴿۴۴﴾ ۭ وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ ۣ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۴۵﴾ ع

وَاِذَا	اور جب	عَمَّا	اس سے جس کی	لَمَّا جَاۗءَهُمْ	جب پہنچا وہ ان کو
تُتْلٰى	پڑھی جاتی ہیں	كَانَ يَعْبُدُ	پوجا کرتے تھے	اِنْ هٰذَآ	نہیں ہے یہ
عَلَيْهِمْ	ان پر	اٰبَاۗؤُكُمْ	تمہارے اسلاف	اِلَّا سِحْرٌ	مگر جادو
اٰيٰتُنَا	ہماری آیتیں	وَقَالُوْا	اور کہا انھوں نے	مُّبِيْنٌ	کھلا
بَيِّنٰتٍ	کھلی کھلی	مَا هٰذَآ	نہیں ہے یہ	وَمَآ	اور نہیں
قَالُوْا	کہا انھوں نے	اِلَّآ اِفْكٌ	مگر جھوٹ	اٰتَيْنٰهُمْ	دی ہم نے ان کو
مَا هٰذَآ	نہیں ہے یہ	مُّفْتَرًى	گھڑا ہوا	مِّنْ كُتُبٍ	کوئی کتاب
اِلَّا رَجُلٌ	مگر ایک آدمی	وَقَالَ الَّذِيْنَ	اور کہا جنھوں نے	يَّدْرُسُوْنَهَا	جس کو وہ پڑھتے ہوں
يُّرِيْدُ	چاہتا ہے وہ	كَفَرُوْا	انکار کیا	وَمَآ اَرْسَلْنَآ	اور نہیں بھیجا ہم نے
اَنْ يَّصُدَّكُمْ	کہ روک دے تم کو	لِلْحَقِّ	دین حق کے بارے میں	اِلَيْهِمْ	ان کی طرف

قَبْلَكَ	آپ سے پہلے	وَمَا بَلَغُوْا	اور نہیں پہنچے وہ	رُسُلِیْ	میرے رسولوں کو
مِنْ نَّذِيْرٍ	کوئی ڈرانے والا	مِعْشَارَ	دسویں حصہ کو	فَكَيْفَ كَانَ	پس کیسا تھا
وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ	اور جھٹلایا ان لوگوں نے جو	مَآ اٰتَيْنٰهُمْ	اسکے جو دیا ہم نے ان کو	نَكِيْرِ	میرا انکار
مِنْ قَبْلِهِمْ	ان سے پہلے ہوئے	فَكَذَّبُوْا	پس جھٹلایا انھوں نے	۞	۞

رسول، قرآن اور اس کی تعلیمات پر کفار کا تبصرہ اور اس کا جواب

اب یہ گفتگو آخر سورت تک چلے گی، کفار نے رسول پر، قرآن پر اور تعلیماتِ اسلام پر تبصرے کئے:

۱- رسول کے حق میں کہا: یہ شخص اسلاف کے طریقہ سے ہٹانے آیا ہے، ہمارے باپ دادا ہمیشہ سے بتوں کی پرستش کرتے چلے آئے ہیں، ہم ان کو کیسے چھوڑ سکتے ہیں!

۲- قرآن کے بارے میں کہا: یہ گھڑا ہوا جھوٹ ہے، اللہ کی کتاب نہیں، محض اعتباریت پیدا کرنے کے لئے اللہ کی طرف اس کو منسوب کیا ہے، ورنہ حقیقت میں وہ خود ساختہ کلام ہے۔

۳- تعلیماتِ اسلام پر تبصرہ کیا کہ وہ کھلا جادو ہے، اس نے باپ بیٹے کو، میاں بیوی کو اور بھائی بھائی کو جدا کر دیا، اس کی یہ غیر معمولی تاثیر جادو کی وجہ سے نہیں تو اور کیا ہے؟

آیتِ کریمہ: —— اور جب ان لوگوں کے سامنے ہماری واضح آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ کہتے ہیں: یہ ایک شخص ہے جو چاہتا ہے کہ تم کو ان مورتیوں سے روک دے جن کی پوجا کرتے آئے ہیں تمہارے باپ دادا —— اور کہا انھوں نے: نہیں ہے یہ (قرآن) مگر جھوٹ گھڑا ہوا —— اور منکروں نے دینِ حق کے بارے میں کہا: یہ کھلا جادو ہے!

پہلی دو باتوں کا جواب: —— عرب کے لوگ امّی تھے، کوئی آسمانی کتاب ان کے ہاتھ میں نہیں تھی، جس کو وہ پڑھتے ہوں، اور عرصہ دراز سے ان میں کوئی نبی بھی نہیں آیا تھا، اب اللہ نے عظیم الشان رسول بھیجا، اور اس پر جلیل القدر کتاب نازل کی، پس لوگ ان کو غنیمت جانیں اور انعام الٰہی کی قدر کریں، باتیں نہ چھانٹیں، ورنہ نتیجہ بھگتیں گے —— اور تیسری بات نظر انداز کر دی، کیونکہ تعلیماتِ اسلام کو جادو کون باور کرے گا؟

تکذیب کا نتیجہ: —— رسول کی تکذیب آج کوئی نئی بات نہیں، ہمیشہ لوگ تکذیب کرتے آئے ہیں، اور ہلاک کئے گئے ہیں، اور وہ قومیں مال و دولت میں ان مکہ والوں سے کہیں بڑھی ہوئی تھیں، اِن کو تو اُس کا عُشر عشیر بھی نہیں ملا، پھر دیکھ لو! ان کا انجام کیا ہوا، پس تم کس بِرتے (طاقت) پر اکڑتے ہو؟

آیاتِ پاک: —— اور ہم نے ان کو (مکہ والوں کو) کوئی کتاب نہیں دی جس کو وہ پڑھتے ہوں، اور ہم نے ان کی

طرف آپؐ سے پہلے کوئی ڈرانے والا بھی نہیں بھیجا —— اور اُن لوگوں نے بھی جھٹلایا جو ان سے پہلے ہوئے، اور یہ اس کے دسویں حصہ کو بھی نہیں پہنچے جو ہم نے ان کو دیا تھا، پس انھوں نے میرے رسولوں کو جھٹلایا، پس کیسا تھا میرا اعتراض! —— خوب تھا! ان کا سب ساز وسامان دھرا رہ گیا، اور وہ صفحۂ ہستی سے مٹا دیئے گئے، پس سبق لو ان سے اگر دیدۂ عبرت ہو!

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۗ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ﴿٤٦﴾ قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿٤٧﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَقْذِفُ بِالْحَقِّ ۚ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿٤٨﴾ قُلْ جَاۗءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ ﴿٤٩﴾ قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰى نَفْسِيْ ۚ وَاِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوْحِيْٓ اِلَيَّ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ ﴿٥٠﴾ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿٥١﴾ وَّقَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖ ۚ وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ﴿٥٢﴾ وَّقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ وَيَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ﴿٥٣﴾ وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ ﴿٥٤﴾

قُلْ	کہو	وَفُرَادٰی	اور اکیلے	بَيْنَ يَدَيْ	پہلے
اِنَّمَآ	بس	ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا	پھر سوچو	عَذَابٍ	عذاب
اَعِظُكُمْ	نصیحت کرتا ہوں میں تم کو	مَا بِصَاحِبِكُمْ	نہیں تمہارے ساتھی کو	شَدِيْدٍ	سخت کے
بِوَاحِدَةٍ (۱)	ایک بات کی	مِّنْ جِنَّةٍ	کچھ جنون	قُلْ	کہو
اَنْ تَقُوْمُوْا	کہ اٹھو تم	اِنْ هُوَ	نہیں وہ	مَا سَاَلْتُكُمْ	جو مانگا میں نے تم سے
لِلّٰهِ	اللہ کے لئے	اِلَّا نَذِيْرٌ	مگر ڈرانے والے	مِّنْ اَجْرٍ	کوئی اجر
مَثْنٰی	دو دو	لَّكُمْ	تمہارے فائدے کے لئے	فَهُوَ لَكُمْ	تو وہ تمہارے لئے ہے

(۱) بواحدة: أي بخصلة واحدة۔

اِنْ اَجْرِیَ	نہیں میرا بدلہ	عَلٰی نَفْسِیْ	اپنی ذات پر	مِنْ مَّكَانٍ	جگہ سے
اِلَّا عَلَی اللّٰهِ	مگر اللہ پر	وَاِنِ اهْتَدَيْتُ	اور اگر راہ پائی ہے میں نے	بَعِيْدٍ	دور
وَهُوَ	اور وہ	فَبِمَا	تو بہ طفیل اس کے ہے جو	وَّقَدْ كَفَرُوْا	اور تحقیق انکار کیا انھوں نے
عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ	ہر چیز پر	يُوْحِیْٓ	وحی کی ہے	بِهٖ	اس (قرآن) کا
شَهِيْدٌ	نگاہ رکھنے والے ہیں	اِلَیَّ رَبِّیْ	میری طرف میرے رب نے	مِنْ قَبْلُ	اس سے پہلے
قُلْ	کہو	اِنَّهٗ	بے شک وہ	وَيَقْذِفُوْنَ	اور پھینک رہے ہیں
اِنَّ رَبِّیْ	بے شک میرا ربّ	سَمِيْعٌ	سب کچھ سننے والے	بِالْغَيْبِ	نشانہ دیکھے بغیر
يَقْذِفُ	پھینکتا ہے	قَرِيْبٌ	نزدیک ہیں	مِنْ مَّكَانٍ	جگہ سے
بِالْحَقِّ[1]	حق کو	وَلَوْ تَرٰٓی	اور اگر دیکھے تو	بَعِيْدٍ	دور
عَلَّامُ[2]	خوب جاننے والا	اِذْ فَزِعُوْا	جب گھبرا جائیں گے وہ	وَحِيْلَ[4]	اور آڑ بنا گیا
الْغُيُوْبِ	چھپی چیزوں کو	فَلَا فَوْتَ	پس ہاتھ سے نکل نہیں سکیں گے	بَيْنَهُمْ	ان کے درمیان
قُلْ	کہو			وَبَيْنَ مَا	اور اس کے درمیان جو
جَآءَ	آیا	وَاُخِذُوْا	اور پکڑے جائیں گے وہ	يَشْتَهُوْنَ	چاہتے ہیں وہ
الْحَقُّ	حق	مِنْ مَّكَانٍ	جگہ سے	كَمَا فُعِلَ	جیسا کیا گیا
وَمَا يُبْدِئُ	اور نہ ابتدا کرے	قَرِيْبٍ	نزدیک	بِاَشْيَاعِهِمْ[5]	ان کی پارٹیوں کے ساتھ
الْبَاطِلُ	باطل	وَّقَالُوْٓا	اور کہا انھوں نے	مِّنْ قَبْلُ	اس سے پہلے
وَمَا يُعِيْدُ	اور نہ لوٹائے	اٰمَنَّا	ایمان لائے ہم	اِنَّهُمْ كَانُوْا	بے شک تھے وہ
قُلْ	کہو	بِهٖ	اس (قرآن) پر	فِیْ شَكٍّ	تردد میں
اِنْ ضَلَلْتُ	اگر بہک گیا ہوں میں	وَاَنّٰی لَهُمُ	اور کہاں ان کے لئے	مُّرِيْبٍ	بے چین کرنے والے
فَاِنَّمَآ اَضِلُّ	تو بس بہکا ہوں میں	التَّنَاوُشُ[3]	لینا	۞	۞

(۱) بالحق: باء زائد ہے، اور حق کا مقابل باطل مقدر ہے (۲) علام: إن کی دوسری خبر ہے یا مبتدا محذوف ھو کی خبر ہے (۳) التناوش: مصدر: لینا، مادہ نَوْش: چلنا، تیزی سے اٹھ کھڑا ہونا (۴) حِیل: ماضی مجہول، واحد مذکر غائب: حائل کر دیا گیا، جدائی ڈال دی گئی، مصدر حَوْل (ن): جدائی ڈالنا۔ (۵) أشیاع: شیعة کی جمع: پارٹی، طریقہ والے، متبعین وانصار۔

اب آخر میں چھ باتیں بیان کرتے ہیں

۱- نبی ﷺ کچھ دیوانے نہیں

تعصب وعناد چھوڑو، اخلاص کے ساتھ اٹھو، اور اکیلے یا دو دومل کر سوچو، تمہارے رفیق ﷺ پر کچھ سودا سوار نہیں، وہ محض تمہاری خیرخواہی کے لئے محنت کررہے ہیں، تم کو سخت عذاب سے قبل از وقت آگاہ کررہے ہیں، تمہارا بھلا برا سمجھا رہے ہیں، پھر تم سمجھتے کیوں نہیں ہو، کیا تمہاری عقلیں چرنے گئی ہیں! ارشاد فرماتے ہیں: —— آپ کہئے: میں تم کو صرف ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ تم اللہ کے واسطے دو دو اور اکیلے اٹھو، پھر سوچو —— تین یا زیادہ اکٹھا مت ہونا، ورنہ بک بک جھک جھک کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا —— تمہارے اِن ساتھی کو کچھ جنون نہیں، وہ تم کو ایک سخت عذاب کے آنے سے پہلے ڈرانے والے ہیں!

۲-انبیاء علیہم السلام بے غرض کام کرتے ہیں

ارشادِ پاک ہے: —— آپؐ کہئے: اگر میں نے تم سے کچھ معاوضہ مانگا ہے تو وہ تم ہی رکھو —— یعنی میں تم سے اپنی محنت کا کچھ صلہ نہیں چاہتا، اگر تمہارے خیال میں کچھ معاوضہ طلب کیا ہے تو وہ سب تم اپنے پاس رکھو، مجھے ضرورت نہیں (فوائد) —— میرا معاوضہ تو اللہ تعالیٰ ہی کے ذمہ ہے، اور وہ ہر چیز کو نگاہ میں رکھنے والے ہیں —— یعنی میں معاوضہ کا خواہشمند ہوں یا نہیں؟ اور میں نے بے غرض کام کیا اور کتنی محنت کی ہے: سب ان کے سامنے ہے، وہ مجھے اس کا صلہ ضرور دیں گے۔

۳-دینِ اسلام غالب ہوکر رہے گا

آپؐ کہئے: بالیقین میرا رب حق کو پھینکتا ہے، وہ علّام الغیوب ہے —— حق کو پھینکتا ہے: یعنی باطل پر: یعنی اس کو مٹا کر رہے گا، وہ علام الغیوب ہیں: سب مخفی باتوں کو جانتے ہیں، وہ خبر دے رہے ہیں کہ حق غالب ہوکر رہے گا، پس اس میں کیا شک رہ جاتا ہے۔ جس زور سے اللہ تعالیٰ حق کو باطل پر مار رہے ہیں اس سے اندازہ کرو: باطل اس کے سامنے کئی دن ٹھہر سکے گا؟ جلد ملیامیٹ ہوکر رہے گا، اور آفاق میں دین کا ڈنکا بجے گا۔

۴-حق کے سامنے باطل ٹھہر نہیں سکتا

دینِ حق آپہنچا ہے، اب اس کا زور رکنے والا نہیں، سب پر غالب ہوکر اور باطل کو زیر کرکے رہے گا، جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے، وہ حق کے سامنے ٹھہر نہیں سکتا —— آپ کہئے: حق آیا، اور باطل نہ شروع کرے نہ لوٹائے —— یعنی نہ کرنے کا رہا نہ دھرنے کا، وہ آیا گیا ہوا! —— ما یبدئ و ما یعید: محاورہ ہے، جیسے لایموت و لا یحیی: نہ جیئے نہ مرے،

لا یاکل ولا یشرب: نہ کھائے نہ پیئے یعنی مرا۔

۵- نبی ﷺ بہ برکتِ وحی راہ یاب ہیں

آپ کہئے: اگر میں بہک گیا ہوں تو اس کا وبال مجھی پر پڑے گا، اور اگر میں راہِ راست پر ہوں تو یہ اس قرآن کی برکت ہے جو میرا رب میری طرف وحی کر رہا ہے، بے شک وہ سب کچھ سننے والے نزدیک ہیں —— یعنی اگر میں نے ڈھونگ رچا ہے تو اس کا وبال مجھی پر پڑے گا، تمہارا کچھ نقصان نہ ہوگا —— لیکن اگر میں سیدھے راستہ پر ہوں، جیسا کہ واقعی ہوں تو یہ وحی الٰہی کی برکت ہے، اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتے ہیں، اور اپنے علم سے بالکل نزدیک ہیں، وہ میری ضرور مدد کریں گے، اور اپنے دین کو چار دانگِ عالم پھیلائیں گے —— مگر اس صورت میں جو تم میری مخالفت کر رہے ہو، اور قرآن کا انکار کر رہے ہو تو سوچو تم اپنا کتنا بڑا نقصان کر رہے ہو؟ اور تمہارا انجام کیا ہوگا؟

۶- ایمان لانے کا اب وقت نہیں رہا

اور اگر آپ دیکھیں: جب وہ گھبرا جائیں گے —— یعنی آج تو ڈینگیں مار رہے ہیں، مگر میدانِ حشر دیکھ کر ان کے ہوش اڑ جائیں —— اور وہ نزدیک جگہ سے پکڑے جائیں گے —— میدانِ محشر میں گرفتاری کے لئے ان کو تلاش نہیں کرنا پڑے گا، نہایت آسانی سے ہاتھ آجائیں گے —— اور وہ کہیں گے: ہم قرآن پر ایمان لائے —— نبی ﷺ کی بات کا ہمیں یقین آگیا، اب ہم قرآن کو اللہ کی کتاب مانتے ہیں —— اور کہاں ایمان ان کے ہاتھ آسکتا ہے دور جگہ سے —— یعنی موقع دور گیا، ایمان کی جگہ دنیا تھی —— جبکہ وہ قبل ازیں انکار کرتے تھے —— یعنی موقع کھودیا —— اور نشانہ دیکھے بغیر تیر چلاتے تھے —— سوچے سمجھے بغیر انکار کرتے تھے، اور کہتے تھے: قرآن خود ساختہ ہے اور دیوانے کی بڑ ہے! —— اور آڑ کر دی جائے گی ان کے درمیان اور اس چیز کے درمیان جس کو وہ چاہتے ہیں —— یعنی اب وہ کبھی ایمانِ مقبول تک نہیں پہنچ سکتے —— جیسا قبل ازیں دوسرے ان کے ہم مشربوں کے ساتھ کیا گیا —— یعنی گذشتہ لوگوں کے ساتھ بھی یہی معاملہ رہا ہے، موت کے بعد وہ بھی پچھتائے ہیں، اور ایمان لانے کے لئے تیار ہو گئے ہیں، مگر ان میں اور ایمان مقبول میں آڑ کر دی گئی —— بے شک وہ بے چین کرنے والے شک میں ہیں —— یعنی آج ان کا قرآن پر ایمان نہیں ہے اور ایمانِ مقبول وہی ہے جو موت سے پہلے اس دنیا میں حاصل ہو، کل جب موت کے بعد آنکھ کھل جائے گی تو سبھی کو یقین آجائے گا، اس میں کیا کمال ہوا!

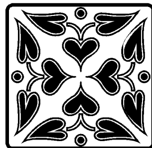
(الحمد للہ! ۲۵ رذی قعدہ ۱۴۳۶ھ = ۶ رستمبر ۲۰۱۵ء کو سورۂ سبا کی تفسیر پوری ہوئی)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ فاطر

نمبر شمار ۳۵ نزول کا نمبر ۴۳ نزول کی نوعیت: مکی آیات ۴۵ رکوع: ۵

یہ سورت مکی دور کے وسط کی ہے، اور توحید کے بیان سے شروع ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو پیغام رساں بنایا ہے، فرشتوں کے کئی کئی بازو ہیں، اور وحی اللہ کی ایک نعمت ہے، جیسے روزی نعمت ہے، اور ہر نعمت کا شکر بجالانا ضروری ہے —— پھر رسالت اور قیامت کا بیان ہے، رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ دیکھ لیں گے، اور قیامت کا وعدہ سچا ہے، لوگوں کو چاہئے کہ اس کی تیاری کریں، پھر یہ بیان ہے کہ قیامت کے دن ہیرے اور خزف برابر نہیں ہونگے، پھر بعث بعد الموت کی ایک نظیر پیش کی ہے، اس کے بعد توحید کی تین دلیلیں بیان کی ہیں، اور خاص بات یہ بیان کی ہے کہ ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے، اور اس کی رونق نیک اعمال سے ہے، پھر توحید کے تعلق سے پانچ باتیں بیان کی ہیں —— پھر ایک سوال کا جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا بوقلموں بنائی ہے، اسی سے ہیرے نکل آتے ہیں —— پھر مؤمنین کا کام اور ان کا انجام بیان کیا ہے —— پھر ایک اہم مضمون ہے کہ قرآن برحق کتاب ہے، اور قرآن کے تعلق سے امت کی تین قسمیں ہیں، پھر سابقین کی جزائے خیر بیان کی ہے، اس کے بعد قرآنِ کریم کا انکار کرنے والوں کی سزا کا بیان ہے —— پھر ابطالِ شرک اور اثباتِ توحید کا عنوان شروع ہوا ہے، اس کے بعد رسالت کا بیان ہے، لوگ رسول کے منتظر تھے، مگر جب وہ آئے تو لوگ بدک گئے، اور لگے بری بری چالیں چلنے! پھر منکر رسالت کو فہمائش کر کے سورت ختم کی ہے۔



آیاتہا ۴۵ (۳۵) سُوْرَۃُ فَاطِرٍ مَّکِّیَّۃٌ (۴۳) رکوعاتہا ۵

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا اُولِیْٓ اَجْنِحَۃٍ مَّثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ؕ یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱﴾ مَا یَفْتَحِ اللّٰہُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَۃٍ فَلَا مُمْسِکَ لَہَا ۚ وَمَا یُمْسِکْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَہٗ مِنْۢ بَعْدِہٖ ؕ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ﴿۲﴾ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ ؕ ھَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرُ اللّٰہِ یَرْزُقُکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ۫ۖ فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ ﴿۳﴾

بِسْمِ اللّٰہِ	نام سے اللہ کے	الْمَلٰٓئِکَۃِ	فرشتوں کو	عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ	ہر چیز پر
الرَّحْمٰنِ	نہایت مہربان	رُسُلًا	پیغام رساں	قَدِیْرٌ	پورے قادر ہیں
الرَّحِیْمِ	بڑے رحم والے	اُولِیْٓ اَجْنِحَۃٍ(۳)	بازوؤں والے	مَا یَفْتَحِ	جو کھولیں
اَلْحَمْدُ(۱)	تمام تعریفیں	مَّثْنٰی وَثُلٰثَ	دو دو اور تین تین	اللّٰہُ	اللہ تعالیٰ
لِلّٰہِ	اللہ کے لئے ہیں	وَرُبٰعَ(۴)	اور چار چار	لِلنَّاسِ	لوگوں کے لئے
فَاطِرِ(۲)	(جو) پیدا کرنے والے ہیں	یَزِیْدُ	اضافہ کرتے ہیں	مِنْ رَّحْمَۃٍ(۵)	مہربانی سے
السَّمٰوٰتِ	آسمانوں کے	فِی الْخَلْقِ	بناوٹ میں	فَلَا مُمْسِکَ	تو نہیں کوئی روکنے والا
وَالْاَرْضِ	اور زمین کے	مَا یَشَآءُ	جو چاہتے ہیں	لَہَا	اس کو
جَاعِلِ	(جو) بنانے والے ہیں	اِنَّ اللّٰہَ	بے شک اللہ تعالیٰ	وَمَا	اور جو (مہربانی)

(۱) الحمدُ: میں الف لام استغراقی ہیں، جس کا ترجمہ ہے: تمام، سب (۲) فاطر اور جاعل: اللہ کی صفتیں ہیں (۳) أَجنِحَة: جَناح کی جمع: بازو، پَر بھی ترجمہ کرتے ہیں، مگر اس سے ذہن پرندوں کے پَروں کی طرف جاتا ہے، ہندو ایک دیوی کی مورتی کئی ہاتھوں والی بناتے ہیں: وہ بازوؤں کا پیکر ہے (۴) مثنی، ثلاث اور رُباع: اسمائے معدولہ ہیں، مثنی: اثنین اثنین سے، ثُلاث: ثلاثة ثلاثة سے اور رُباع: أربعة أربعة سے معدول ہیں، اور اصح قول کے مطابق اس کے بعد اسمائے معدولہ نہیں۔
(۵) من رحمة: ما موصولہ کا بیان ہے۔

یُمْسِكْ	روک لیں وہ	اذْكُرُوْا	یاد کرو	مِّنَ السَّمَآءِ	آسماں سے
فَلَا مُرْسِلَ	تو نہیں کوئی بھیجنے والا	نِعْمَتَ اللّٰهِ	احسان اللہ کا	وَالْاَرْضِ	اور زمین سے
لَهٗ (۱)	اس کو	عَلَیْكُمْ	تم پر	لَآ اِلٰهَ	کوئی معبود نہیں
مِنْ بَعْدِهٖ (۲)	اللہ کے بعد	هَلْ	کیا	اِلَّا هُوَ	مگر وہی
وَهُوَ الْعَزِیْزُ	اور وہ زبردست	مِنْ خَالِقٍ	کوئی پیدا کرنے والا ہے	فَاَنّٰی	پس کہاں
الْحَكِیْمُ	بڑی حکمت والے ہیں	غَیْرُ اللّٰهِ	اللہ کے علاوہ	تُؤْفَكُوْنَ (۳)	الٹے جا رہے ہو تم؟
یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ	اے لوگو!	یَرْزُقُكُمْ	(جو) روزی دیتا ہو تم کو	❁	❁

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں، جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

توحید کا بیان

کائنات اللہ تعالیٰ کی ہے: —— تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جو آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے ہیں —— یعنی مقامِ حمد (الوہیت) اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے، کیونکہ کائنات کے وہی خالق ہیں، پس وہی مالک ہیں، اور مملوک کی نیازمندی (عبادت) مالک ہی کے لئے ہوتی ہے —— اور آسمانوں اور زمین سے مراد پوری کائنات ہے۔

فرشتے پیغام رساں ہیں: —— جو فرشتوں کو پیغام رساں بنانے والے ہیں —— یعنی فرشتوں کی معرفت اللہ تعالیٰ انسانوں کے پاس وحی بھیجتے ہیں، تاکہ ان کی روحانی ضرورت پوری ہو —— روحانی ضرورت پوری کرنے کے لئے عقل انسانی کافی نہیں، اس کی تکمیل کے لئے بالائی ہدایات ضروری ہیں، اور اللہ تعالیٰ بندوں سے دوبدو کلام نہیں کرتے، انسان اللہ کی تجلی سہار نہیں سکتا، اس لئے اللہ تعالیٰ اپنی ہدایات فرشتوں کے ذریعہ بھیجتے ہیں —— یہی ہدایت اللہ کی رحمت ہے، جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

فرشتوں کی ہیئتِ کذائی: جن کے دو دو، تین تین اور چار چار بازو ہیں —— بعض فرشتوں کے اس سے زیادہ بھی بازو ہیں، حدیث میں ہے: حضرت جبرئیل علیہ السلام کے چھ سو بازو ہیں —— وہ بناوٹ میں جو چاہتے ہیں اضافہ کرتے ہیں —— جیسے پیروں کا معاملہ ہے، کسی کو کوئی پیر نہیں دیا، وہ پیٹ کے بل دوڑتا ہے، جیسے سانپ، کسی کو دو پیر دیئے ہیں،

(۱) لہ کی ضمیر ما موصولہ کی طرف لوٹتی ہے اور اس سے مراد رحمۃ ہے (۲) بعدہ کی ضمیر اللہ کی طرف لوٹتی ہے (۳) تؤفکون: مضارع مجہول، جمع مذکر حاضر، مصدر إفك (ض، س): اصلی رخ سے پھرنا، یہاں حق سے باطل کی طرف پھرنا مراد ہے۔

جیسے ہم، کسی کو چار پیر دیئے ہیں، جیسے چوپایے، اور کسی کو اس سے زیادہ پیر دیئے ہیں، جیسے کن کھجورا ـــــ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں!

قرآنِ کریم کا ایک خاص اسلوبِ بیان

قرآنِ کریم جب کوئی بات (دلیل) بیان کرتا ہے تو دلیل کے اجزاء کی کچھ تفصیل بھی کرتا جاتا ہے، قاری کا ذہن کبھی اس تفصیل کی طرف چلا جاتا ہے، پس اصل مدعی سے ذہول ہوجاتا ہے۔ مثلاً: سورۃ الذاریات کے آخری رکوع میں 'جوڑی' کے قانون سے آخرت پر استدلال کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کی جوڑی بنائی، دونوں مل کر ایک مقصد کی تکمیل کرتے ہیں، آسمان برستا ہے، زمین اگاتی ہے اور جانوروں کے گذارہ کا سامان ہوتا ہے، اگر آسمان برسے اور زمین نہ اگائے تو حیوانات کیا کھائیں اور کیسے جیئیں! ـــــ اسی طرح اس دنیا کی جوڑی آخرت ہے، یہاں عمل ہے اور آخرت میں اس کا بدلہ ہے، اگر یہی دینا ہو، اور اس کے ساتھ آخرت نہ ہو تو تکلیف کی غرض کیسے پوری ہو؟ ـــــ یہ دلیل قرآنِ کریم نے اس طرح بیان کی ہے: ﴿وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْدٍ وَإِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ۝ وَالْأَرْضَ فَرَشْنَاهَا فَنِعْمَ الْمَاهِدُوْنَ ۝ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾: اور ہم نے آسمان کو اپنی قدرت سے بنایا، اور بے شک ہم (آسمان) کو بہت وسیع بنانے والے ہیں، اور ہم نے زمین کو بچھایا، پس ہم بہترین بچھانے والے ہیں، اور ہم نے ہر چیز کی جوڑی بنائی تاکہ تمہیں یاد آئے (کہ اس دنیا کی بھی جوڑی ہے) اس دلیل میں آسمان وزمین کی کچھ تفصیل بھی کی ہے ـــــ اسی طرح یہاں یہ بات بیان کرنی ہے کہ رب کائنات انسانوں کی تربیت کے لئے فرشتوں کے ذریعہ وحی بھیجتے ہیں، ساتھ ہی فرشتوں کی ساخت کی تفصیل بھی کردی۔

نکاح میں چار سے زیادہ ازواج کو جمع کرنا جائز نہیں

یہاں ایک نکتہ ہے، رُباع سے آگے اعداد: معدول نہیں، اس لئے: ﴿يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ﴾: بڑھایا، کیونکہ فرشتوں کے چار سے زیادہ بھی بازو ہیں، اور سورۃ النساء (آیت ۳) میں رُباع سے آگے کچھ نہیں بڑھایا، معلوم ہوا نکاح میں چار سے زیادہ ازواج کو جمع کرنا جائز نہیں، ورنہ آگے کچھ بڑھاتے، اور اس پر امت کا اجماع ہے، پس مستنبط بات پختہ ہوگئی، اور غیر مقلدین کا اختلاف اجماع کو متاثر نہیں کرتا، کیونکہ وہ اہل السنہ والجماعہ سے خارج ہیں۔

وحی اللہ کی ایک نعمت ہے، اور نعمتوں کے بارے میں قاعدہ کلیہ: ـــــ اللہ تعالیٰ جو مہربانی لوگوں کے لئے کھول دیں اس کو کوئی روکنے والا نہیں، اور جس کو روک لیں اس کو ان کے علاوہ کوئی جاری کرنے والا نہیں ـــــ اور 'مہربانی'

جسمانی بھی ہوتی ہے، جیسے تندرستی، بارش اور روزی وغیرہ اور روحانی بھی ہوتی ہے، جیسے نبوت ورسالت اور علم وفہم وغیرہ، قاعدہ سب کو شامل ہے: —— اور وہ زبردست بڑی حکمت والے ہیں!

نعمتِ رزق کا شکر بجالاؤ، اور اللہ ہی کی بندگی کرو: —— روزی اللہ کی بڑی رحمت ہے، اور روزی رساں اللہ تعالیٰ ہیں، انھوں نے اوپر تلے رزق کے اسباب پیدا کئے ہیں، ہم اللہ ہی کا رزق کھاتے ہیں، پس انہی کی بندگی چاہئے، کسی اور کی چوکھٹ پر سر ٹیکنے کا کوئی مطلب نہیں! ارشاد فرماتے ہیں: —— اے لوگو! اپنے اوپر اللہ کے احسانات کو یاد کرو —— یہ حکم ہر احسان کو شامل ہے، پھر اپنا ایک خاص احسان یاد دلاتے ہیں: —— کیا اللہ کے سوا کوئی پیدا کرنے والا ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے روزی دیتا ہو؟ —— کوئی نہیں! پس —— ان کے سوا کوئی معبود نہیں —— خالق ورازق ہی معبود ہے —— پھر تم کہاں الٹے جار ہے ہو؟ —— اللہ کی طرف لوٹو، اور اسی کی بارگاہ میں نذر و نیاز پیش کرو۔

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۪ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ۭ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ڛ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝ اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْۗءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ۭ فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ڮ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝ وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَحْيَيْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ۝

وَاِنْ	اور اگر	رُسُلٌ	رسول	الْاُمُوْرُ (۱)	سب امور
يُّكَذِّبُوْكَ	جھٹلاتے ہیں وہ آپ کو	مِّنْ قَبْلِكَ	آپ سے پہلے	يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ (۲)	اے لوگو!
فَقَدْ	تو بالیقین	وَاِلَى اللّٰهِ	اور اللہ کی طرف	اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ	بے شک اللہ کا وعدہ
كُذِّبَتْ	جھٹلائے گئے	تُرْجَعُ	لوٹیں گے	حَقٌّ	سچا ہے

(۱) الأمور: میں الف لام استغراقی ہیں (۲) یأیھا الناس سے خطاب درحقیقت کفار کو ہوتا ہے۔

فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ	پس دھوکہ میں نہ ڈالے تم کو	شَدِيْدٌ	سخت	نَفْسُكَ	آپ کی جان
الْحَيٰوةُ	زندگی	وَالَّذِيْنَ	اور جو لوگ	عَلَيْهِمْ	ان پر
الدُّنْيَا	دنیا کی	اٰمَنُوْا	ایمان لائے	حَسَرٰتٍ (۲)	پچھتا پچھتا کر
وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ	اور نہ دھوکہ دے تم کو	وَعَمِلُوا	اور کئے انھوں نے	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
بِاللّٰهِ	اللہ کے نام سے	الصّٰلِحٰتِ	نیک کام	عَلِيْمٌ	خوب جاننے والے ہیں
الْغَرُوْرُ	بڑا دھوکے باز	لَهُمْ	ان کے لئے	بِمَا	ان کاموں کو جو
اِنَّ الشَّيْطٰنَ	بے شک شیطان	مَّغْفِرَةٌ	بخشش	يَصْنَعُوْنَ	کرتے ہیں وہ
لَكُمْ	تمہارا	وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ	اور بڑا بدلہ ہے	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ:
عَدُوٌّ	دشمن ہے	اَفَمَنْ (۱)	کیا تو جو شخص	الَّذِيْ	جنھوں نے
فَاتَّخِذُوْهُ	پس بناؤ اس کو	زُيِّنَ	مزین کیا گیا	اَرْسَلَ	چلائی
عَدُوًّا	دشمن	لَهٗ	اس کے لئے	الرِّيٰحَ	ہوائیں
اِنَّمَا يَدْعُوْا	وہ اسی لئے بلاتا ہے	سُوْٓءُ عَمَلِهٖ	اس کا برا عمل	فَتُثِيْرُ	پس ابھارتی ہیں وہ
حِزْبَهٗ	اپنی پارٹی کو	فَرَاٰهُ	پس دیکھا اس نے اس کو	سَحَابًا	بادل کو
لِيَكُوْنُوْا	کہ ہوویں وہ	حَسَنًا	اچھا	فَسُقْنٰهُ	پس ہانک لے چلتے ہیں ہم اس کو
مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ	دوزخ والوں میں سے	فَاِنَّ اللّٰهَ	پس بے شک اللہ تعالیٰ		
		يُضِلُّ	بھٹکاتے ہیں	اِلٰى بَلَدٍ	علاقہ کی طرف
الَّذِيْنَ	جنھوں نے	مَنْ يَّشَآءُ	جس کو چاہتے ہیں	مَّيِّتٍ	مُردہ (ویران)
كَفَرُوْا	انکار کیا	وَيَهْدِيْ	اور راہ راست دکھاتے ہیں	فَاَحْيَيْنَا	پس زندہ کرتے ہیں ہم
لَهُمْ	ان کے لئے	مَنْ يَّشَآءُ	جس کو چاہتے ہیں	بِهٖ (۳)	اس (بارش) کے ذریعہ
عَذَابٌ	سزا ہے	فَلَا تَذْهَبْ	پس نہ جائے	الْاَرْضَ	زمین کو

(۱) من: مبتدا ہے، اور خبر کمن ھداہ اللہ: محذوف ہے، جس پر فإن اللہ: دلالت کرتا ہے، اور جواب لا ہے۔ (۲) حسرات: مفعول لہ ہے، اور جمع کثرتِ اغتمام پر دلالت کرتا ہے، اس لئے دو مرتبہ پچھتا پچھتا کر ترجمہ کیا ہے۔ (۳) بہ: کا مرجع سحاب ہے، اور اب بارش مراد ہے، یہی صنعتِ استخدام ہے۔

بَعْدَ مَوْتِهَا	اس کے مرنے کے بعد	كَذٰلِكَ	اسی طرح ہوگا	النُّشُوْرُ	جی اٹھنا

رسالت اور قیامت کا بیان

رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ دیکھ لیں گے!: —— اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت کے لئے عظیم الشان رسول ﷺ کو مبعوث فرمایا ہے، لوگوں کو ان کی قدر کرنی چاہئے، جو لوگ ان کی تکذیب پر تلے ہوئے ہیں، وہ جان لیں کہ تمام امور کا مرجع اللہ کی ذات ہے، جب وہ اللہ کے پاس پہنچیں گے اللہ تعالیٰ ان کو دیکھ لیں گے! ارشاد فرماتے ہیں: —— اور اگر وہ آپؐ کو جھلاتے ہیں تو بالیقین آپؐ سے پہلے رسول جھلائے گئے —— پس آج یہ کوئی نئی بات نہیں —— اور اللہ ہی کی طرف سب امور لوٹیں گے —— پس آپؐ ان کا معاملہ اللہ کے حوالے کیجئے، جب وہ اللہ کے پاس پہنچیں گے، اللہ ان کو تکذیب کی سزا دیں گے۔

قیامت کا وعدہ سچا ہے، اس کی تیاری کرو: —— دنیا کی باغ و بہار زندگی غفلت میں نہ ڈالے، اور شیطان اللہ کا نام لے کر دھوکا نہ دے، وہ کہے گا: کر جو کرنا ہے، اللہ غفور رحیم ہیں! اور جان لو کہ وہ تمہارا دشمن ہے، اس کو دشمن سمجھو، اس کی چال کو کامیاب مت ہونے دو، وہ تو اپنے چیلوں کو جہنم کا ایندھن ہی بنانا چاہتا ہے، پس سن لو! جو لوگ رسول ﷺ کا انکار کریں گے، اور شیطان کی پیروی کریں گے: وہ سخت عذاب سے دوچار ہونگے، اور جو لوگ رسول ﷺ کی بات مانیں گے، اور ان کے بتائے ہوئے راستہ پر چلیں گے: وہ اللہ کی مغفرت اور اجر عظیم (جنت) کے حقدار ہونگے۔

آیاتِ پاک: —— اے لوگو! اللہ کا (قیامت کا) وعدہ بالیقین سچا ہے، پس (اس کے لئے تیاری کرنے سے) دنیا کی زندگی دھوکہ میں نہ ڈالے (غفلت میں نہ رکھے) اور تمہیں اللہ کا نام لے کر بڑا دھوکہ باز (شیطان) بھی دھوکہ میں نہ ڈالے، شیطان بالیقین تمہارا دشمن ہے، پس تم اس کو اپنا دشمن سمجھو، وہ اپنی پارٹی کو محض اس لئے بلاتا ہے کہ وہ دوزخ کا ایندھن بنیں! —— وہ تمہیں جہنم میں پہنچا کر دم لے گا، سنو! —— جن لوگوں نے انکار کیا —— اللہ کے رسول پر ایمان نہیں لائے —— ان کے لئے سخت عذاب ہے —— اور جنھوں نے مان لیا اور نیک کام کئے ان کے لئے بخشش اور بڑا اجر ہے —— آخرت میں ان کے وارے نیارے ہوجائیں گے۔

قیامت کے دن ہیرا اور خزف (ٹھیکری) برابر نہیں ہونگے: —— شیطان نے جس کی نگاہ میں برے کام کو بھلا کر دکھایا، کیا وہ شخص اُس کے برابر ہوسکتا ہے جو اللہ کے فضل سے بھلے برے کی تمیز رکھتا ہے، نیکی کو نیکی اور بدی کو بدی سمجھتا ہے؟ جب دونوں برابر نہیں ہوسکتے تو انجام دونوں کا یکساں کیونکر ہوسکتا ہے؟ —— اور یہ خیال مت کرو کہ کوئی آدمی دیکھتی آنکھوں برائی کو بھلائی کیوں کر سمجھ لے گا؟ اللہ جس کو سوءِ استعداد اور سوءِ اختیار کی بنا پر بھٹکانا چاہے اس کی عقل اسی

طرح اوندھی ہو جاتی ہے، اور جس کو حسن استعداد اور حسن اختیار کی وجہ سے ہدایت پر لانا چاہے: شیطان کی طاقت نہیں جو اُسے غلط راستہ پر ڈال دے، یا الٹی بات سُجھا دے (فوائد)

آیاتِ پاک: ــــ کیا پس جس کے لئے اس کا برا عمل اچھا کر کے دکھایا، پس اس نے اس کو اچھا سمجھ لیا: ــــ اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے جو برے عمل کو برا سمجھتا ہے، اور اس سے بچتا ہے؟ ــــ پس بے شک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں بھٹکاتے ہیں، اور جس کو چاہتے ہیں راہِ راست دکھاتے ہیں ــــ پس آپؐ ان پر پچھتا پچھتا کر اپنی جان نہ کھو دیں! ــــ ان معاندین کے غم میں اپنے کو نہ گھلائیں! ــــ اللہ تعالیٰ کو بالیقین ان کے سب کرتوتوں کی خبر ہے ــــ وہ خود ان کا بھگتان کر دیں گے!

بعث بعد الموت کی نظیر: ــــ ویران زمین کا بارش کے پانی سے ہرا ہو جانا ہے ــــ اللہ کے حکم سے ہوائیں بادلوں کو اٹھا کر لاتی ہیں، اور جس ملک کا رقبہ مردہ پڑا تھا، کھیتی وسبزہ کچھ نہ تھا، چاروں طرف خاک اڑ رہی تھی، بارش کے پانی سے اس میں جان پڑ جاتی ہے، اسی طرح سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ تم کو بھی میرے پیچھے جلا کر کھڑا کر دیں گے، روایات میں ہے کہ جب اللہ مُردوں کو زندہ کرنا چاہے گا، عرش کے نیچے سے ایک (خاص قسم کی) بارش ہوگی، جس کا پانی پڑتے ہی مُردے اس طرح جی اٹھیں گے جیسے ظاہری بارش ہونے پر دانہ زمین سے اُگ آتا ہے (فوائد)

آیاتِ پاک: ــــ اور اللہ تعالیٰ وہ ہیں جو ہوائیں چلاتے ہیں، پس وہ بادل کو اٹھاتی ہیں، پس ہم اس کو ہانک لے چلتے ہیں مردہ زمین کی طرف، پھر ہم بارش کے ذریعہ زمین کو مرجانے کے بعد زندہ کرتے ہیں، اسی طرح جی اٹھنا ہے! ــــ زمین میں نباتات کے دانے اور گھاس کی جڑیں ہوتی ہیں، بارش کے پانی سے وہ اُگ آتی ہیں، اسی طرح زمین میں حیوانات اور انسانوں کی مٹی ہے، جو خاص قسم کی بارش ہوتے ہی زمین سے بشکل اجسام نکل آئیں گے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ۭ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ۭ وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۭ وَمَكْرُ اُولٰۗىِٕكَ هُوَ يَبُوْرُ ۝۱۰ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ۭ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ۭ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝۱۱ وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ ڰ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَاۗىِٕغٌ

شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ؕ وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا وَّ تَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً
تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲﴾
يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۙ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ
يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ
دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ﴿۱۳﴾ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا
اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ؕ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ؕ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ﴿۱۴﴾ ع ۱۴

مَنْ (1)	جو شخص	الطَّيِّبُ	پاکیزہ	وَمَكْرُ	اور چال
كَانَ يُرِيْدُ (2)	چاہتا ہے	وَالْعَمَلُ	اور عمل	اُولٰٓئِكَ	ان لوگوں کی
الْعِزَّةَ	عزت	الصَّالِحُ	نیک	هُوَ (5)	ہی
فَلِلّٰهِ	پس اللہ کے لئے ہے	يَرْفَعُهٗ (4)	اٹھاتا ہے اس کو	يَبُوْرُ (6)	ہلاک ہوگی
الْعِزَّةُ	عزت	وَالَّذِيْنَ	اور جو لوگ	وَاللّٰهُ	اور اللہ نے
جَمِيْعًا	ساری	يَمْكُرُوْنَ	چالیں چلتے ہیں	خَلَقَكُمْ	پیدا کیا تم کو
اِلَيْهِ	اس کی طرف	السَّيِّاٰتِ	بری بری	مِّنْ تُرَابٍ	مٹی سے
يَصْعَدُ	چڑھتی ہے	لَهُمْ عَذَابٌ	ان کے لئے سزا ہے	ثُمَّ	پھر
الْكَلِمُ (3)	بات	شَدِيْدٌ	سخت	مِنْ نُّطْفَةٍ	مادّہ سے

(۱) مَن: موصولہ، متضمن معنی شرط، کان یرید العزۃ: جملہ شرطیہ، اور للّٰہ العزۃ جمیعا: جملہ جزائیہ، اور جزاء پر فاء جزائیہ، اور دوسرے العزۃ میں ال استغراق کے لئے ہے، اور جمیعا: حال ہے، جو استغراق کی تاکید کے لئے ہے (۲) مضارع پر کان داخل ہوتا ہے تو استمرار و دوام کا مفہوم پیدا ہوتا ہے (۳) الکَلِم: الکلمۃ کی جمع، اس پر الف لام جنسی ہے، اور ایسی صورت میں جمعیت باطل ہوجاتی ہے اور جمع بحکم مفرد ہوجاتی ہے، اور لفظ الکلم مذکر ہے اس لئے یصعد: مذکر صیغہ اور الطیب مذکر صفت ہے، اور بات سے مراد: کلمہ طیبہ یعنی ایمان ہے اور صعود اور رفع معنوی ہیں، صعود بمعنی قبول اور رفع بمعنی قدر افزائی ہے (۴) یرفعه: فاعل ضمیر محذوف ہے، جس کا مرجع العمل الصالح ہے اور مفعول کی ضمیر الکلم الطیب کی طرف لوٹتی ہے (۵) ھو: ضمیر فصل برائے حصر ہے (۶) بَارَ يَبُوْرُ بَوْرًا: ہلاک ہونا، مندا اور ٹھپ ہوجانا۔

ثُمَّ جَعَلَكُمْ	پھر بنایا تم کو	وَهٰذَا	اور یہ	وَيُوْلِجُ	اور داخل کرتے ہیں
اَزْوَاجًا	جوڑا جوڑا	مِلْحٌ	شور	النَّهَارَ	دن کو
وَمَا تَحْمِلُ	اور نہیں اٹھاتی	اُجَاجٌ	تلخ ہے	فِي الَّيْلِ	رات میں
مِنْ اُنْثٰى	کوئی مادہ	وَمِنْ كُلٍّ	اور ہر ایک سے	وَسَخَّرَ	اور کام میں لگایا ہے
وَلَا تَضَعُ	اور نہیں جنتی	تَاْكُلُوْنَ	کھاتے ہو تم	الشَّمْسَ	سورج
اِلَّا بِعِلْمِهٖ	مگر ان کے علم سے	لَحْمًا	گوشت	وَالْقَمَرَ	اور چاند کو
وَمَا يُعَمَّرُ	اور نہیں عمر پاتا	طَرِيًّا	تازہ	كُلٌّ	ہر ایک
مِنْ مُّعَمَّرٍ	کوئی بڑی عمر والا	وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ	اور نکالتے ہو تم	يَّجْرِيْ	چلتا ہے
وَّلَا يُنْقَصُ	اور نہیں گھٹائی جاتی	حِلْيَةً	زیور	لِاَجَلٍ	مدت کے لئے
مِنْ عُمُرِهٖٓ	اس کی زندگی سے	تَلْبَسُوْنَهَا (۱)	پہنتے ہو تم اس کو	مُّسَمًّى	متعین
اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ	مگر نوشتہ میں ہے	وَتَرَى	اور دیکھتا ہے تو	ذٰلِكُمُ	یہی
اِنَّ ذٰلِكَ	بے شک یہ بات	الْفُلْكَ	کشتیوں کو	اللّٰهُ	اللہ
عَلَى اللّٰهِ	اللہ پر	فِيْهِ	اس (دریا) میں	رَبُّكُمْ	تمہارے رب ہیں
يَسِيْرٌ	آسان ہے	مَوَاخِرَ (۲)	چیرنے والی (پانی کو)	لَهُ	ان کے لئے
وَمَا يَسْتَوِي	اور نہیں ہوتے یکساں	لِتَبْتَغُوْا	تاکہ تلاش کرو تم	الْمُلْكُ	سلطنت ہے
الْبَحْرٰنِ	دو دریا	مِنْ فَضْلِهٖ	اس کی روزی سے	وَالَّذِيْنَ	اور جن کو
هٰذَا	یہ	وَلَعَلَّكُمْ	اور تاکہ	تَدْعُوْنَ	تم پکارتے ہو
عَذْبٌ	شیریں	تَشْكُرُوْنَ	شکر بجالاؤ تم	مِنْ دُوْنِهٖ	اس کے سوا
فُرَاتٌ	پیاس بجھانے والا	يُوْلِجُ	داخل کرتے ہیں	مَا يَمْلِكُوْنَ	نہیں مالک ہیں وہ
سَآئِغٌ	خوش گوار ہے	الَّيْلَ	رات کو	مِنْ قِطْمِيْرٍ (۳)	گٹھلی کی جھلی کے
شَرَابُهٗ	اس کا پینا	فِي النَّهَارِ	دن میں	اِنْ تَدْعُوْهُمْ	اگر پکارو تم ان کو

(۱) تلبسونها: جملہ حلية کی صفت ہے (۲) مَوَاخِر: کشتیاں، مفرد المَاخِرَة، مَخَرَتِ السفينةُ (ن) مَخْرًا: کشتی یا جہاز کا پانی کو چیرنا۔ (۳) القطمير: کھجور کی گٹھلی پر چڑھی ہوئی باریک جھلی، حقیر و معمولی چیز۔

لَا يَسْمَعُوْا	نہ سنیں وہ	لَكُمْ	تم کو	وَلَا يُنَبِّئُكَ	اور نہیں آگاہ کرتا
دُعَآءَكُمْ	تمہاری پکار	وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ	اور قیامت کے دن		تجھ کو
وَلَوْ سَمِعُوْا	اور اگر سن لیں	يَكْفُرُوْنَ	انکار کریں گے	مِثْلُ	مانند
مَا اسْتَجَابُوْا	تو نہ جواب دیں وہ	بِشِرْكِكُمْ	تمہارے شریک ٹھہرانے کا	خَبِيْرٍ	باخبر کے

دلائل توحید

پہلی دلیل: مقام عزت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، اس لئے وہی معبود ہیں، کیونکہ معبود ہونا سب سے بڑی عزت ہے

مقام: مرتبہ، رتبہ۔ عزت: وہ حالت جو مغلوب ہونے سے بچائے۔ مقام حمد کی طرح مقام عزت بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، بالذات (حقیقۃً) عزت اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے، اور بالعرض (بالواسطہ) انبیاء اور مؤمنین کے لئے ہے یعنی وہ اللہ کی بخشی ہوئی ہے، اور معبود وہی ہے جس کے لئے بالذات مقام عزت ہے، کیونکہ معبودیت ہی سب سے بڑی عزت ہے، وہ بالعرض معزز کے لئے نہیں ہوسکتی۔ ارشاد فرماتے ہیں: —— جو شخص عزت چاہتا ہے پس عزت ساری اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے —— وہی عزیز وغالب ہیں، پس وہی معبود ہیں —— اور جو عزت چاہتا ہے یعنی بالعرض معزز ہونا چاہتا ہے وہ اللہ پر ایمان لائے اور نیک کام کرے، اللہ تعالیٰ اس کو عزت بخشیں گے، سورۃ المنافقون (آیت ۸) میں ہے: ﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾: عزت (بالذات) اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، اور (بالعرض) اس کے رسول کے لئے اور مؤمنین کے لئے ہے۔ رسولہ اور المؤمنین پر لام جارّہ لاکر فرق مراتب کی طرف اشارہ کیا ہے (دلیل پوری ہوئی)

ایمان تصدیق کا نام ہے اور اس کی رونق نیک اعمال سے ہے: —— ان کی طرف اچھا کلام چڑھتا ہے، اور نیک عمل: وہ اٹھاتا ہے اس (اچھے کلام) کو —— چڑھتا ہے اور اٹھاتا ہے: یہ معنوی چڑھنا اور اٹھانا ہے، سورۃ النور (آیت ۳۶) میں ہے: ﴿فِيْ بُيُوْتٍ أَذِنَ اللّٰهُ أَنْ تُرْفَعَ﴾: ایسے گھروں میں جن کی نسبت اللہ نے حکم دیا ہے کہ ان کا ادب کیا جائے۔ اور سورۃ المجادلہ (آیت ۱۱) میں ہے: ﴿يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنْكُمْ﴾: تم میں سے جو ایمان لائے ہیں اللہ تعالیٰ ان کا درجہ بلند کرتے ہیں، پس چڑھنے اور اٹھانے سے مراد قبولیت اور کمالیت ہے، اور اچھے کلام سے مراد کلمہ طیبہ: لا إلٰه إلا الله ÷ محمد رسول الله ہے، یہ کلمۂ ایمان ہے، یہ چڑھتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرماتے ہیں (کلمۂ شرک مقبول نہیں) پھر اعمالِ صالحہ سے کلمۂ ایمان کی شان بڑھتی ہے، نیک اعمال سے ایمان کو جلا ملتی ہے، یہی اٹھانا ہے۔

مؤمنین کے بالمقابل مخالفین کا تذکرہ: ـــــ اور جو لوگ بری بری چالیں چلتے ہیں ان کے لئے سخت سزا ہے، اور ان کی بری چالیں نابود ہونگی ـــــ وہ ذلیل وخوار ہونگے، ان کے داؤ گھات باطل وبے کار ثابت ہونگے، عزت اور غلبہ اسلام اور مسلمانوں کو ملے گا، اور کفر وشرک دفع ہوگا۔

دوسری دلیل: جو ہستی انسان کے سارے احوال سے واقف ہو وہی معبود ہوسکتی ہے

اللہ تعالیٰ ہر انسان کے جملہ احوال سے واقف ہیں، الف تایاء ایک ایک جزئیہ سے باخبر ہیں، اور ہر چیز لوح محفوظ میں ریکارڈ ہے، ایسی ہی ہستی معبود ہوسکتی ہے۔ ہر انسان کی تخلیق مٹی سے ہوتی ہے، زمین سے غذا پیدا ہوتی ہے، اس سے مرد وزن کے جسم میں خون بنتا ہے، یہ زمین کا ست ہے، پھر خون سے مادّہ بنتا ہے، پھر دو مادّے بچہ دانی میں پہنچتے ہیں، اور مختلف اطوار سے گذرتے ہیں، پھر ایک ہی مادہ سے لڑکا/لڑکی بناتے ہیں، غرض: حمل سے وضع حمل تک سارے مراحل سے اللہ تعالیٰ بخوبی واقف ہیں، پھر جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو کون لمبی عمر پائے گا کون مختصر؟ اس کو بھی اللہ تعالیٰ جانتے ہیں، ان کے لئے یہ سب کچھ جاننا مشکل نہیں، وہ نہ صرف جانتے ہیں بلکہ لوح محفوظ میں ریکارڈ بھی کر رکھا ہے، ایسی ہی ہستی معبود ہوسکتی ہے، اسی کی بندگی کرنی چاہئے۔

آیتِ کریمہ: اور اللہ تعالیٰ نے تم کو ـــــ یعنی ہر انسان کو ـــــ مٹی سے پیدا کیا، پھر ـــــ ایک مرحلہ کے بعد ـــــ نطفہ سے، پھر تم کو جوڑے جوڑے بنایا ـــــ یعنی کبھی اسی مادّہ سے لڑکا اور کبھی لڑکی پیدا ہوتی ہے ـــــ اور کسی عورت کو حمل نہیں رہتا اور نہ وہ جنتی ہے، مگر سب کچھ اللہ کے علم سے ہوتا ہے ـــــ یعنی حمل سے لے کر بچہ کی پیدائش تک جو ادوار واطوار گذرتے ہیں سب کی خبر اللہ تعالیٰ کو ہے، ماں بھی نہیں جانتی کہ اندر کیا احوال پیش آرہے ہیں، مگر اللہ کو سب کچھ معلوم ہے ـــــ اور نہ کوئی بڑی عمر والا زیادہ عمر پاتا ہے اور نہ اس کی عمر سے کچھ گھٹایا جاتا ہے، مگر وہ لوح محفوظ میں ہے، بےشک ـــــ جزئیات کا احاطہ ـــــ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے!

قرآنِ کریم کا ایک خاص اسلوب

قرآنِ کریم میں کبھی خاص آیت ہوتی ہے، اور مراد عام ہوتی ہے، جیسے سورۃ الاحزاب (آیت ۳۷) میں ہے: ﴿فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا﴾: جب زیدؓ نے زینبؓ سے اپنی غرض پوری کرلی۔ آیت حضرت زیدؓ کے ساتھ خاص ہے، مگر حکم ہر لے پاک کو عام ہے، ایسی مثالیں قرآن میں کم ہیں، اور ایسی مثالیں بکثرت ہیں کہ آیت میں دلیل خاص کے ضمن میں عام بات آتی ہے، اُس جگہ اگر عام کے ضمن میں جو خاص ہے اس کو پیش نظر نہ رکھا جائے تو استدلال واضح نہیں ہوگا، جیسے مذکورہ

آیت میں: ﴿ثُمَّ جَعَلَكُمْ أَزْوَاجًا﴾: عام بات ہے کہ اللہ نے انسانوں کی جوڑیاں (نر و مادہ) بنائیں، اور اس کے ضمن میں یہ بات ہے کہ ایک مادّہ سے کبھی لڑکا اور کبھی لڑکی بناتے ہیں، اسی طرح: وما تحمل اور وما یعمر عام ہیں، لیکن اگر ان کو عام لیا جائے گا تو استدلال سمجھ میں نہیں آئے گا۔

تیسری دلیل: معبود برحق کے شئون اور مورتیوں کے احوال میں غور کرنے سے اندازہ ہوگا کہ معبود برحق اللہ تعالیٰ ہیں

شئون: اہم معاملات، شَأْن کی جمع: ﴿كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَأْنٍ﴾: اللہ تعالیٰ ہر وقت کسی نہ کسی اہم کام میں ہوتے ہیں [الرحمٰن ۲۹] اس کے بعد جاننا چاہئے کہ زمین کا تین چوتھائی زیر آب ہے، اس میں سمندر اور جھیلیں ہیں، جھیلوں کا پانی میٹھا ہوتا ہے، جیسے ملاوی کی جھیل (افریقہ میں) اور شکاگو کی جھیل (امریکہ میں) اور اون ٹریو کی جھیل (کناڈا میں) یہ اتنی بڑی جھیلیں ہیں کہ سمندر معلوم ہوتی ہیں، یہ دو دریا یکساں نہیں، جھیل کا پانی شیریں، پیاس بجھانے والا اور پینے میں خوش گوار ہوتا ہے، اور سمندروں کا پانی شور تلخ ہوتا ہے، پینے کے قابل نہیں ہوتا، مگر مچھلیاں دونوں سے نکلتی ہیں، اور لوگ تازہ گوشت کھاتے ہیں اور سمندر سے مچھلی کے علاوہ موتی مونگے بھی نکلتے ہیں، جن سے زیور بنتے ہیں اور لوگ پہنتے ہیں۔

علاوہ ازیں: کشتیاں سمندروں کو چیرتی ہوئیں ایک ملک سے دوسرے ملک کو پہنچتی ہیں، ان کے ذریعہ لوگ بڑی بڑی تجارتیں کرتے ہیں اور خوب نفع کماتے ہیں، غور کرو! پانی پر ایک ڈھیلا نہیں رکتا، یہ لاکھوں ٹن کے جہاز کیسے پانی پر دندنا رہے ہیں، بلکہ اب تو اللہ نے فضا کو بھی مسخر کر دیا ہے، اس راہ سے ایسی بڑی تجارتیں ہو رہی ہیں جن کا پہلے انسان تصور بھی نہیں کر سکتا تھا —— اس نعمت کا بھی شکر واجب ہے۔

اور خشکی کا حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ موسم بدلتے ہیں، کبھی رات چھوٹی ہو جاتی ہے تو کبھی دن، جب دن بڑا ہو جاتا ہے تو موسم گرما شروع ہوتا ہے، اور جب رات بڑی ہوتی ہے تو موسم سرما کا آغاز ہوتا ہے، اور دونوں موسموں میں الگ الگ فصلیں اگتی ہیں (عرب میں بارش کا سیزن نہیں) —— علاوہ ازیں: اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند کو کام میں لگایا ہے، سورج کی تابانی پھل اور غلّہ پکاتی ہے، اور چاند کی چاندنی رنگ اور مٹھاس پیدا کرتی ہے، بارہ گھنٹے سورج کا راج رہتا ہے، پھر وہ چھپ جاتا ہے، پھر چاند نمودار ہوتا ہے اور وہ اپنا کام کرتا ہے، ہر ایک کے لئے مدتِ کار مقرر ہے، اگر یہ نظام شمس وقمر نہ ہوتا تو انسان کو خشکی سے رزق کیسے میسر آتا؟

یہ اللہ کے شئون ہیں، پوری کائنات پر ان کی سلطنت ہے، وہ جس طرح چاہتے ہیں کائنات میں ہیر پھیر کرتے ہیں۔ اور جو لوگ اللہ سے کم رتبہ مورتیوں کی پوجا کرتے ہیں: وہ بتائیں! ان کے خدا ان میں سے کیا کام کرتے ہیں، وہ

کائنات کی حقیر و معمولی چیز کے بھی مالک نہیں، اور پجاری ان سے جو التجائیں کرتے ہیں: اول تو وہ ان کو سنتے نہیں، اور سنیں تو ان کے اختیار میں مطلب برآری نہیں، اور قیامت کے دن وہ اپنی بھاگی داری کا صاف انکار کردیں گے، پس مدعی سست اور گواہ چست والا معاملہ ہوکر رہ جائے گا ـــــ اور مورتیوں کے یہ احوال اللہ تعالیٰ بتارہے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز سے بخوبی واقف ہیں، ان سے بہتر کون بتاسکتا ہے!

دلیل کا خلاصہ: اللہ تعالیٰ کے ان شؤن و معاملات میں غور کرو جن کا انسانوں سے تعلق ہے، خشکی اور تری میں روزی کے کیا کیا اسباب پیدا کئے ہیں، اور معبودانِ باطل کا انسانی حاجات سے کیا تعلق ہے؟ اس کو بھی دیکھو، وہ اول تو انسانوں کی پکار سنتے ہی نہیں، اور سنیں بھی تو کچھ کرنہیں سکتے، ان دونوں میں موازنہ کروگے تو اس نتیجہ پر پہنچوگے کہ معبود اور پروردگار ایک اللہ ہیں، وہی سلطنت کے مالک ہیں، باقی سب نقش برآب ہیں۔

آیاتِ پاک: ـــــ اور یکساں نہیں دو دریا: یہ شیریں، پیاس بجھانے والا، جس کا پینا خوش گوار ہے، اور یہ شور تلخ ہے، اور ہر ایک سے تم تازہ گوشت کھاتے ہو ـــــ یعنی مچھلی! یہاں کسی فقیہ نے تعمیم نہیں کی ـــــ اور زیور نکالتے ہو، جس کو پہنتے ہو ـــــ اس کا و من کل سے تعلق نہیں ـــــ اور آپ کشتیوں کو دریا میں دیکھتے ہیں: پانی پھاڑتی ہوئی ـــــ چلی جارہی ہیں ـــــ تاکہ تم اللہ کی روزی تلاش کرو، اور تاکہ تم شکر گذار بنو!

اللہ تعالیٰ رات کو دن میں داخل کرتے ہیں ـــــ پس دن بڑا ہوجاتا ہے اور گرمی شروع ہوجاتی ہے ـــــ اور دن کو رات میں داخل کرتے ہیں ـــــ پس رات بڑی ہوجاتی ہے اور موسم سرما شروع ہوجاتا ہے ـــــ اور سورج اور چاند کو کام میں لگایا ہے، ہر ایک چلتا ہے مقررہ وقت تک ـــــ دن میں سورج کام کرتا ہے، رات میں چاند ـــــ یہی اللہ تمہارے پروردگار ہیں، انہی کے لئے سلطنت ہے!

اور جن کو تم پکارتے ہو اللہ کے سوا وہ کھجور کی گٹھلی کی جھلّی کے برابر بھی اختیار نہیں رکھتے! ـــــ اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہاری پکار سنیں گے نہیں، اور اگر سن لیں تو تم کو جواب نہیں دیں گے ـــــ اور قیامت کے دن وہ تمہارے شریک ٹھہرانے کا انکار کردیں گے ـــــ اور آپ کو خبر رکھنے والے کی طرح کوئی نہیں بتا سکتا!

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ أَنتُمُ ٱلْفُقَرَآءُ إِلَى ٱللَّهِ ۖ وَٱللَّهُ هُوَ ٱلْغَنِىُّ ٱلْحَمِيدُ ﴿١٥﴾ إِن يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ ﴿١٦﴾ وَمَا ذَٰلِكَ عَلَى ٱللَّهِ بِعَزِيزٍ ﴿١٧﴾ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۚ وَإِن تَدْعُ مُثْقَلَةٌ إِلَىٰ حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَىْءٌ وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰٓ ۗ إِنَّمَا تُنذِرُ

الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ﴿۱۹﴾ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ﴿۲۰﴾ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ﴿۲۱﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴿۲۲﴾ اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ ﴿۲۳﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ؕ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ﴿۲۴﴾ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۲۶﴾

ع ۱۵

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ	اے لوگو!		مخلوق	اِلٰى حِمْلِهَا	اس بوجھ کو اٹھانے کیلئے
اَنْتُمُ	تم ہی			لَا يُحْمَلْ	(تو) نہیں اٹھایا جائے گا
الْفُقَرَآءُ	محتاج ہو	[illegible]		مِنْهُ	اس میں سے
اِلَى اللّٰهِ	اللہ کی طرف	عَلَى اللّٰهِ			کچھ بھی
وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	بِعَزِيْزٍ	کچھ بھی [illegible]	[illegible]	اگرچہ ہو وہ (مدعو)
هُوَ	ہی	وَلَا تَزِرُ(۱)	اور نہیں اٹھائے گا	ذَا قُرْبٰى	رشتہ دار
الْغَنِيُّ	بے نیاز	وَازِرَةٌ(۲)	کوئی بوجھ اٹھانے والا	اِنَّمَا	صرف
الْحَمِيْدُ	ستودہ ہیں	وِّزْرَ	بوجھ	تُنْذِرُ	ڈراتے ہیں آپ
اِنْ يَّشَاْ	اگر وہ چاہیں	اُخْرٰى	دوسرے کا	الَّذِيْنَ	ان کو جو
يُذْهِبْكُمْ	لے جائیں تم کو	وَاِنْ تَدْعُ(۳)	اور اگر پکارے	يَخْشَوْنَ	ڈرتے ہیں
وَيَاْتِ	اور لائیں	مُثْقَلَةٌ	کوئی بوجھ میں لدا ہوا	رَبَّهُمْ	ان کے رب سے

(۱) لاتزر: مضارع منفی، صیغہ واحد مؤنث غائب، فاعل وازرة (مؤنث) ہے (۲) وازرة: أی نفس وازرة...... أخری: أی نفس أخری: دوسری ذات...... وَزَرَ يَزِرُ (ض) وِزْرًا: بھاری بوجھ اٹھانا، گنہگار ہونا (۳) تَدْعُ: مضارع، واحد مؤنث غائب، إن: شرطیہ کی وجہ سے آخر سے واو حذف ہوا ہے...... مثقلة: (اسم مفعول) فاعل ہے۔

بِالْغَيْبِ	بغیر دیکھے	اَلْاَحْيَآءُ	زندے	اِلَّا خَلَا	مگر گذرا ہے
وَاَقَامُوا	اور اہتمام کرتے ہیں	وَلَا الْاَمْوَاتُ	اور نہ مردے	فِيْهَا	اس میں
الصَّلٰوةَ	نماز کا	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	نَذِيْرٌ	کوئی ڈرانے والا
وَمَنْ تَزَكّٰى	اور جو ستھرا ہوا	يُسْمِعُ	سناتے ہیں	وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ	اور اگر جھٹلاتے ہیں وہ آپ کو
فَاِنَّمَا	تو بس	مَنْ يَّشَآءُ	جس کو چاہتے ہیں	فَقَدْ كَذَّبَ	تو یقیناً جھٹلایا
يَتَزَكّٰى	ستھرا ہوتا ہے	وَمَآ اَنْتَ	اور نہیں آپ	الَّذِيْنَ	ان لوگوں نے جو
لِنَفْسِهٖ	اپنے نفع کے لئے	بِمُسْمِعٍ	سنانے والے	مِنْ قَبْلِهِمْ	ان سے پہلے ہوئے
وَاِلَى اللّٰهِ	اور اللہ کی طرف	مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ	ان کو جو قبروں میں ہیں	جَآءَتْهُمْ	لائے ان کے پاس
الْمَصِيْرُ	لوٹنا ہے	اِنْ اَنْتَ	نہیں آپ	رُسُلُهُمْ	ان کے پیغامبر
وَمَا يَسْتَوِي	اور نہیں یکساں	اِلَّا نَذِيْرٌ	مگر ڈرانے والے	بِالْبَيِّنٰتِ	واضح دلیلیں
الْاَعْمٰى	نابینا	اِنَّآ	بے شک ہم نے	وَبِالزُّبُرِ	اور صحیفے
وَالْبَصِيْرُ	اور بینا	اَرْسَلْنٰكَ	بھیجا آپ کو	وَبِالْكِتٰبِ	اور کتاب
وَلَا الظُّلُمٰتُ	اور نہ تاریکیاں	بِالْحَقِّ	سچے دین کے ساتھ	الْمُنِيْرِ	روشنی پھیلانے والی
وَلَا النُّوْرُ	اور نہ روشنی	بَشِيْرًا	خوشخبری سنانے والا	ثُمَّ اَخَذْتُ	پھر پکڑا اس نے
وَلَا الظِّلُّ	اور نہ سایہ	وَّنَذِيْرًا	اور ڈرانے والا بنا کر	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	ان کو جنھوں نے انکار کیا
وَلَا الْحَرُوْرُ (۱)	اور نہ دھوپ	وَاِنْ	اور نہیں ہے	فَكَيْفَ كَانَ	پس کیسا تھا
وَمَا يَسْتَوِي	اور نہیں یکساں	مِّنْ اُمَّةٍ	کوئی امت	نَكِيْرِ	میرا انکار!

توحید کے تعلق سے چند اہم باتیں

۱- اللہ پر ایمان لاؤ، ورنہ کوئی دوسری قوم تمہاری جگہ لے لیگی

مکہ والوں سے خطاب ہے کہ تم سب اللہ تعالیٰ کے محتاج ہو، اللہ تعالیٰ کسی کے محتاج نہیں، وہ بے نیاز ہیں، اگر تم ایمان نہیں لاؤ گے تو اللہ تعالیٰ قادر ہیں، وہ تم کو ہٹا کر کسی دوسری قوم کو اپنے حبیب ﷺ کی امتِ اجابہ بننے کے لئے کھڑا

(۱) الحَرُوْر: آفتاب کی تپش، دھوپ۔

کر دیں گے، اور تم بیک بینی ودو گوش ہٹا دیئے جاؤ گے، مثلاً: فارس کے لوگ تمہاری جگہ لے لیں، ایک موقعہ پر نبی ﷺ نے فرمایا ہے: ''اگر علم/ دین ثریا پر ہوتا تو بھی فارس کے کچھ لوگ وہاں سے اس کو لے آتے'' ارشاد فرماتے ہیں: ــــ

اے لوگو! تم ہی اللہ کے محتاج ہو، اور اللہ تعالیٰ بے نیاز تعریفوں والے ہیں، اگر وہ چاہیں تو تم کو لے جائیں، اور کوئی نئی مخلوق لے آئیں، اور یہ بات اللہ تعالیٰ پر کچھ مشکل نہیں!

۲- جو ایمان نہیں لائے گا وہ آخرت میں اپنے گناہ کا خود ذمہ دار ہوگا

اے مکہ والو! آخرت کے تعلق سے ایک قاعدہ سنو! ــــ اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، اور اگر بلائے کوئی بوجھ کا لدا اس کے اٹھانے کے لئے تو بھی اس میں سے کچھ نہیں اٹھایا جائے گا، اگر چہ وہ (مدعوّ) رشتہ دار ہو ــــ یعنی آخرت میں سب کو نفسی نفسی پڑی ہوگی، کوئی دوسرے کا بوجھ اٹھانے کے لئے تیار نہ ہوگا، اگر چہ وہ قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو ــــ اور یہ جواب بھی ہے کفار کے اس قول کا جو سورۃ العنکبوت (آیت ۱۲) میں آیا ہے: ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ آمَنُوْا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطَايَاكُمْ﴾: اور کفار: مسلمانوں سے کہتے ہیں: تم ہماری راہ پر آجاؤ، ہم تمہارے گناہ کے ذمہ دار ہیں! ــــ وہ جھوٹے ہیں، قیامت کے دن کوئی کسی کا معمولی گناہ بھی اپنے سر لینے کے لئے تیار نہیں ہوگا ــــ پس اے مکہ والو! اگر ایمان نہیں لاؤ گے تو آخرت میں اپنے گناہ کے خود ذمہ دار ہوؤ گے!

۳- نبی ﷺ کا کام صرف انذار وتبشیر ہے، اور ایمان اسی کو ملتا ہے جس میں بالقوۃ اس کی صلاحیت ہوتی ہے اور اس کا صلہ آخرت میں ملے گا

انذار: ڈرانا، نتائج اعمال سے آگاہ کرنا۔ **تبشیر:** خوش خبری سنانا، جو لوگ ایمان لائیں اور اعمالِ صالحہ پر پڑ جائیں، ان کو آخرت میں اچھے انجام کی خبر دینا۔ **بالقوۃ:** فی نفسہ صلاحیت کا ہونا، اس کا مقابل بالفعل ہے یعنی سر دست صلاحیت کا ہونا۔

فرماتے ہیں: نبی ﷺ کے پاس کوئی پاور (طاقت) نہیں کہ لوگوں کو زبردستی منوا دیں، یہ اختیار اللہ تعالیٰ کا ہے، اور وہ اسی کو دولتِ ایمان سے مالا مال کرتے ہیں جس میں ایمان کی بالقوۃ صلاحیت ہوتی ہے، وہ اللہ پر مشاہدہ کے بغیر ایمان لا سکتا ہے، اور نماز اور زکات کا اہتمام کر سکتا ہے، اور ایسے بندوں کو ان کے ایمان کا صلہ آخرت میں ملے گا۔

آیاتِ پاک: ــــ آپ صرف ان لوگوں کو ڈراتے ہیں جو اپنے ربّ سے بن دیکھے ڈرتے ہیں، اور نماز کا اہتمام کرتے ہیں، اور جو شخص پاکیزہ ہوتا ہے وہ اپنے ہی نفع کے لئے پاکیزہ ہوتا ہے ــــ یہ زکات کا تذکرہ اس کے فائدے

کی شکل میں کیا ہے ـــــ اور اللہ کی طرف لوٹنا ہے ـــــ ان کے پاس پہنچ کر ایمان واعمال کا صلہ ملے گا ـــــ جاننا چاہئے کہ زکات وخیرات سے مال اور مالدار: دونوں ستھرے ہوتے ہیں، مال کا میل زائل ہوتا ہے اور مال والے کے گناہ معاف ہوتے ہیں، اور رذیلۂ بخل زائل ہوتا ہے، یہ انفاق کا فائدہ ہے، اس فائدے کے ذریعہ زکات کا ذکر کیا ہے۔

۴-آخرت میں صلہ کی طرف اشارہ

کافر: دین قبول نہ کرنے والا نابینا ہے، اور مؤمن: دین قبول کرنے والا بینا ہے، تاریکیاں: گمراہی جس کی مختلف شکلیں ہیں، اس لئے ظلمات: جمع لائے، اور روشنی: یعنی ہدایت جو ایک ہے، اس لئے النور مفرد لائے، اور سایہ: آخرت میں ایمان کی برکات ہیں، اور دھوپ: آخرت میں کفر کی نحوست ہے، اور زندے: یعنی بابصیرت لوگ، مؤمنین، اور مردے: یعنی بے بصیرت، کافر ـــــ یہ دو دو آخرت میں یکساں نہیں، نابینا اور بینا برابر نہیں ہوتے، نہ گمراہیاں اور ہدایت کی روشنی یکساں ہے، نہ سایہ اور دھوپ، اسی طرح مردے اور زندے کیسے برابر ہو سکتے ہیں؟ اس سے آخرت کے صلہ کو سمجھ لو، مگر سمجھے گا وہی جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت کی بات سنائیں گے، نبی ﷺ مردوں کو نہیں سنا سکتے، جن میں صلاحیت ہی نہیں ان کو کون سنا سکتا ہے؟ نبی ﷺ کا کام صرف نتائج اعمال سے آگاہ کرنا ہے، قبول کرنا نہ کرنا لوگوں کا کام ہے۔

آیاتِ پاک: ـــــ اور (آخرت میں) یکساں نہیں نابینا اور بینا، اور نہ تاریکیاں اور نہ روشنی، اور نہ سایہ اور نہ دھوپ، اور یکساں نہیں زندے اور مُردے، بے شک اللہ تعالیٰ سناتے ہیں جس کو چاہتے ہیں، اور آپؐ نہیں سنانے والے ان کو جو قبروں میں ہیں، آپؐ صرف ڈرانے والے ہیں!

۵-رسولوں کو بھیجنے کا سلسلہ زمانۂ قدیم سے جاری ہے، اور تکذیب بھی، اور تکذیب کرنے والوں کو ہمیشہ سزا ملتی رہی ہے

نبی ﷺ کی رسالت آج کوئی نئی بات نہیں، ہمیشہ ہی اللہ کے نمائندے دین حق لے کر آتے رہے ہیں، وہ ماننے والوں کو اچھے انجام کی خبر سناتے ہیں اور نہ ماننے والوں کو برے انجام سے ڈراتے ہیں، ہر امت میں نذیر (نبی یا اس کا قائم مقام) ضرور آیا ہے ـــــ اور تکذیب کا سلسلہ بھی قدیم سے جاری ہے، آج یہ لوگ آپؐ کو جھٹلاتے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں، اور ہمیشہ تکذیب کرنے والوں کو سزا ملتی رہی ہے، پس اِن مکذبین کو بھی سزا مل سکتی ہے، وہ چوکنا ہو جائیں۔

آیاتِ پاک: ـــــ بے شک ہم نے آپؐ کو بھیجا ہے دینِ حق کے ساتھ، خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر ـــــ نبی کا اتنا ہی کام ہے ـــــ اور کوئی امت ایسی نہیں گذری جس میں کوئی ڈرانے والا نہ آیا ہو ـــــ ربّ کی

ذمہ داری ہے کہ مربوب کو سنبھالے ـــــ اور اگر یہ لوگ آپؐ کو جھٹلاتے ہیں تو بالیقین اُن لوگوں نے بھی جھٹلایا جو ان سے پہلے گذرے، اُن کے پاس ان کے پیغامبر واضح دلائل کے ساتھ، اور صحیفوں (چھوٹی کتابوں) کے ساتھ، اور روشنی پھیلانے والی (بڑی) کتاب کے ساتھ پہنچے ـــــ پھر میں نے ان کو (عذاب میں) پکڑا جنھوں نے نہیں مانا، پس کیسا رہا میرا اعتراض! ـــــ خوب رہا! جھٹلانے والے کیفرکردار کو پہنچے!

فائدہ: بعض انبیاء کو چھوٹے مختصر صحیفے دیئے گئے، اور بعض کو بڑی مفصل کتابیں، جیسے موسیٰ علیہ السلام کو تورات دی جو بڑی اور اہم کتاب تھی، اور داؤد علیہ السلام کو زبور اور عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل دی جو چھوٹی اور مختصر کتابیں تھیں۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۚ فَأَخْرَجْنَا بِهِ ثَمَرَاتٍ مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهَا ۚ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَحُمْرٌ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ ﴿۲۷﴾ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَابِّ وَالْأَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ كَذَٰلِكَ ۗ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ ﴿۲۸﴾

أَلَمْ تَرَ	کیا نہیں دیکھا	مُخْتَلِفًا	طرح طرح کے ہیں	وَغَرَابِيبُ (۳)	اور گہرے
أَنَّ اللَّهَ	کہ اللہ نے	أَلْوَانُهَا	ان کے رنگ	سُودٌ	کالے
أَنْزَلَ	اتارا	وَمِنَ الْجِبَالِ	اور پہاڑوں میں	وَمِنَ النَّاسِ	اور لوگوں میں
مِنَ السَّمَاءِ	آسمان سے	جُدَدٌ (۱)	خطے ہیں	وَالدَّوَابِّ (۴)	اور جانوروں میں
مَاءً	پانی	بِيضٌ (۲)	سفید	وَالْأَنْعَامِ	اور چوپایوں میں
فَأَخْرَجْنَا	پس نکالے ہم نے	وَحُمْرٌ	اور سرخ	مُخْتَلِفٌ	طرح طرح کے ہیں
بِهِ	اس کے ذریعہ	مُخْتَلِفٌ	طرح طرح کے ہیں	أَلْوَانُهُ (۵)	اس کے رنگ
ثَمَرَاتٍ	پھل (میوے)	أَلْوَانُهَا	ان کے رنگ	كَذَٰلِكَ (۶)	اسی طرح

(۱) جُدَد: الجُدَّة کی جمع: کسی چیز کا وہ حصہ جو باقی ماندہ سے رنگ میں الگ ہو، پورا پہاڑ سفید نہیں ہوتا، اس کا کچھ حصہ سفید ہوتا ہے (۲) بِيض: البَيْضاء کی جمع: الأبيض کا مؤنث (۳) الغرابيب: اسم صفت: بہت کالا، یہ سود کی صفت ہے جو مقدم لائی گئی ہے، یہ الغُراب (کوّا) کی جمع نہیں، اس کی جمع الغِرْبان آتی ہے (۴) الدواب: زمین پر رینگنے والے کیڑے (۵) ألوانه کی مذکر ضمیر کل واحد محذوف کی طرف لوٹتی ہے۔ (۶) کذلك پر وقف تام ہے۔

اِنَّمَا	بس	مِنْ عِبَادِهِ	اس کے بندوں میں سے	عَزِيْزٌ	زبردست
يَخْشَى	ڈرتے ہیں	الْعُلَمٰٓؤُا(۱)	جاننے والے	غَفُوْرٌ	بڑے بخشنے والے ہیں
اللّٰهَ	اللہ سے	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	❁	❁

اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا بوقلموں (رنگارنگ) بنائی ہے، اسی میں سے ہیرے نکلتے ہیں

یہ دو آیتیں ایک سوال کا جواب ہیں۔ سوال: اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہیں، کافروں کو منوا کیوں نہیں دیتے، بار باران کو سمجھانا کیوں پڑتا ہے؟ جواب: یہ دنیا اللہ تعالیٰ نے صد رنگی بنائی ہے، تم دیکھو! بادلوں سے ایک طرح کا پانی برستا ہے، خطّہ بھی ایک ہوتا ہے، اور اس سے مختلف رنگوں اور مزوں کے میوے پیدا ہوتے ہیں، اور پہاڑوں میں سفید اور سرخ خطّے ہیں، اور ان کے بھی رنگ مختلف ہیں، اور بعض کالے بھجنگے ہیں، اسی طرح انسانوں کے، جانوروں کے اور چوپایوں کے رنگ مختلف ہیں، اور رنگ کے علاوہ جسامت اور شکل وصورت میں کتنا اختلاف ہے؟ رنگ رنگ سے ہے زینتِ چمن!

غرض: اللہ تعالیٰ نے یہ بوقلموں دنیا بنائی ہے، یہاں خیر وشر، ایمان وکفر اور نیکی بدی ساتھ ساتھ ہیں، آنے والی دنیا یک رنگی ہوگی، اس میں مؤمن وکافر جدا کردیئے جائیں گے، اس دنیا میں وہ رلے ملے ہیں، انہیں میں اللہ سے ڈرنے والے بندے (مؤمن) بھی ہیں، یہ وہ بندے ہیں جن کو اللہ کی معرفت حاصل ہے، انہی بندوں کو چھانٹنے کے لئے یہ عالم بنایا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ زبردست ہیں، وہ اس دنیا کو بھی یک رنگی بنا سکتے تھے، مگر ان کی حکمت کا تقاضا ہوا کہ یہ دنیا بوقلموں ہو، اور وہ بڑے بخشنے والے ہیں، اگر مؤمنین سے کچھ کوتاہی ہوجائے گی تو وہ بخش دیں گے، خردہ گیری نہیں کریں گے۔

آیاتِ پاک: —— کیا تونے اس پر نظر نہیں کی کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا، پھر ہم نے اس کے ذریعہ مختلف رنگوں کے پھل نکالے، اور پہاڑوں میں سفید خطّے ہیں اور سرخ، جن کے رنگ مختلف ہیں، اور نہایت گہرے کالے، اور لوگوں میں اور جانوروں میں اور چوپایوں میں اسی طرح مختلف رنگ ہیں، اور اللہ تعالیٰ سے وہی بندے ڈرتے ہیں جو ان کو جانتے ہیں —— یعنی ان پر ایمان لائے ہیں وہ ان کے احکام کی خلاف ورزی سے بچتے ہیں —— بے شک اللہ تعالیٰ زبردست بڑے بخشنے والے ہیں۔

فائدہ(۱): خشیت: معرفت کی فرع ہے، ایک طالب علم آتا ہے، دور سے باادب ہوجاتا ہے، وہ مجھے جانتا ہے، دوسرا سگریٹ پیتا ہوا آتا ہے، اور میرے منہ پر دھواں نکال کر جاتا ہے، یہ عدم معرفت کی وجہ سے ہے۔

فائدہ(۲): معروف علماء اور اللہ کی معرفت رکھنے والوں میں من وجہٍ کی نسبت ہے، وہ عامی جو اللہ کی معرفت رکھتا

(۱) العلماء: العالِم کی جمع: جاننے والے، مولوی مولانا مراد نہیں، وہ بعد کی اصطلاح ہے۔

ہے: وہ اللہ سے ڈرتا ہے، اور گناہوں سے بچتا ہے (یہ مادّہ افتراقی ہے) ـــــ اور وہ مولوی جو موالی (یار دوست) ہے: وہ سب کچھ کرتا ہے، حالانکہ وہ سند یافتہ ہے (یہ بھی مادّہ افتراقی ہے) اور عام طور پر علماء صالحین سے بہتر ہوتے ہیں (یہ مادہ اجتماعی ہے) جن کو اللہ کی معرفت بھی حاصل ہے اور وہ سند یافتہ بھی ہیں، ان کا مقام بہت بلند ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَأَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ﴿٢٩﴾ لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ إِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿٣٠﴾

إِنَّ الَّذِيْنَ	بے شک جو لوگ	رَزَقْنٰهُمْ	روزی دی ہم نے ان کو	أُجُوْرَهُمْ	ان کا بدلہ
يَتْلُوْنَ	تلاوت کرتے ہیں	سِرًّا (۱)	پوشیدہ طور پر	وَيَزِيْدَهُمْ	اور زیادہ دیں
كِتٰبَ اللّٰهِ	اللہ کی کتاب کی	وَّعَلَانِيَةً	اور برملا	مِّنْ فَضْلِهٖ	اپنے فضل سے
وَأَقَامُوْا	اور اہتمام کرتے ہیں	يَّرْجُوْنَ (۲)	امید رکھتے ہیں وہ	إِنَّهٗ	بے شک وہ
الصَّلٰوةَ	نماز کا	تِجَارَةً	ایسی تجارت کی	غَفُوْرٌ	بڑے بخشنے والے
وَأَنْفَقُوْا	اور خرچ کرتے ہیں	لَّنْ تَبُوْرَ (۳)	جو ہرگز ہلاک نہیں ہوگی	شَكُوْرٌ	بڑے قدردان ہیں
مِمَّا	اس میں سے جو	لِيُوَفِّيَهُمْ (۴)	تاکہ پورا دیں ان کو	۞	۞

مؤمنین کا کام اور ان کا انجام

علماء: یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کو جانتے ہیں، اور ان پر ایمان لائے ہیں، ان کے مہتم بالشان کام تین ہیں:

۱- قرآن کی تلاوت کرنا۔ تلاوت: قراءت سے خاص ہے، وجوبِ عمل کے اعتقاد کے ساتھ پڑھنا تلاوت ہے۔ اور مطلق کوئی چیز پڑھنا قراءت ہے، اسی لئے تلاوت کا لفظ آسمانی کتابوں کے ساتھ خاص ہے۔

۲- نماز کا اہتمام کرنا، پابندی سے پڑھنا، اور آداب و ارکان کی رعایت رکھنا۔

۳- حلال وطیب آمدنی سے وجوہِ خیر میں پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرنا، رزقنا میں اضافت سے حلال کی شرط نکلتی ہے اور وجوہ خیر کی قید دلالتِ عقل سے نکلتی ہے، اور کبھی پوشیدہ خرچ کرنا افضل ہوتا ہے، جبکہ ریاء کا احتمال ہو، اور کہیں علانیہ خرچ

(۱) سرا وعلانية: انفقوا کے فاعل کے احوال ہیں (۲) جملہ یرجون إن کی خبر ہے (۳) بَار (ن) بَوْرًا: ہلاک ہونا (۴) لیوفیهم: لام: لامِ عاقبت ہے۔

کرنا افضل ہوتا ہے، جبکہ نمونۂ عمل بننے کا موقع ہو۔

یہ تین کام ایسی تجارت ہیں جو کبھی گھاٹے میں نہیں جاتی، اور اس کا صلہ آخرت میں ملے گا، اور مزید برآں بھی، اور ان کی معمولی کوتاہیاں معاف کردی جائیں گی، اور ان کے اعمال کی قدر افزائی کی جائے گی۔

آیاتِ پاک: —— بے شک جو لوگ اللہ کی کتاب (قرآن) کی تلاوت کرتے ہیں، اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں، اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا فرمایا ہے اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں: وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جو کبھی ہلاک نہیں ہوگی، تاکہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کی اجرتیں دیں، اور اپنے فضل سے زیادہ بھی دیں، بے شک وہ بڑے بخشنے والے بڑے قدردان ہیں!

وَالَّذِیۡۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡكَ مِنَ الۡكِتٰبِ هُوَ الۡحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیۡهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِیۡرٌۢ بَصِیۡرٌ ﴿۳۱﴾ ثُمَّ اَوۡرَثۡنَا الۡكِتٰبَ الَّذِیۡنَ اصۡطَفَیۡنَا مِنۡ عِبَادِنَا ۚ فَمِنۡهُمۡ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ ۚ وَمِنۡهُمۡ مُّقۡتَصِدٌ ۚ وَمِنۡهُمۡ سَابِقٌۢ بِالۡخَیۡرٰتِ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الۡفَضۡلُ الۡكَبِیۡرُ ﴿ؕ۳۲﴾

وَالَّذِیۡۤ	اور جو	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	فَمِنۡهُمۡ	پس کوئی ان میں سے
اَوۡحَیۡنَاۤ	وحی کی ہم نے	بِعِبَادِهٖ	اپنے بندوں سے	ظَالِمٌ	نقصان کرنے والا ہے
اِلَیۡكَ	آپ کی طرف	لَخَبِیۡرٌۢ	پورے باخبر	لِّنَفۡسِهٖ	اپنی ذات کا
مِنَ الۡكِتٰبِ (۱)	یعنی قرآن	بَصِیۡرٌ	بابصیرت ہیں	وَمِنۡهُمۡ	اور کوئی ان میں سے
هُوَ	وہی	ثُمَّ اَوۡرَثۡنَا	پھر وارث بنایا ہم نے	مُّقۡتَصِدٌ (۴)	میانہ رو ہے
الۡحَقُّ	برحق ہے	الۡكِتٰبَ (۳)	قرآن کا	وَمِنۡهُمۡ	اور کوئی ان میں سے
مُصَدِّقًا (۲)	تصدیق کرنے والی	الَّذِیۡنَ	ان کو جن کو	سَابِقٌۢ	آگے بڑھنے والا ہے
لِّمَا	ان کتابوں کی جو	اصۡطَفَیۡنَا	چن لیا ہم نے	بِالۡخَیۡرٰتِ	نیکی کے کاموں کے ذریعہ
بَیۡنَ یَدَیۡهِ	اس سے پہلے ہیں	مِنۡ عِبَادِنَا	اپنے بندوں میں سے	بِاِذۡنِ	توفیق سے

(۱) من الکتاب: من بیانیہ (۲) مصدقا: الکتاب کا حال (۳) الکتاب: أورثنا کا مفعولِ اول، اور الذی: موصول صلہ مل کر مفعول ثانی (۴) مقتصد: اسم فاعل، مصدر اقتصاد: سیدھے راستہ پر قائم رہنا۔

بڑی	اَلْكَبِيْرُ	ہی	هُوَ	اللہ کی	اللهِ
۞	۞	مہربانی ہے	الْفَضْلُ	یہ	ذٰلِكَ

قرآن برحق کتاب ہے، اور قرآن کے تعلق سے امت کی تین قسمیں

تلاوتِ قرآن کا ذکر آیا، اس لئے اب بیان فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ پر جو کتاب نازل کی گئی ہے وہ برحق کتاب ہے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ وہ سابقہ کتابوں کی تصدیق کرتی ہے، کیونکہ سب کتابیں ایک سرچشمہ سے نکلی ہوئی نہریں ہیں، پس ایک دوسری کو جھٹلا نہیں سکتی۔ ارشاد فرماتے ہیں: —— اور جو کتاب ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے: وہ برحق ہے، اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے، بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں (کے احوال) سے پوری طرح باخبر سب کچھ دیکھنے والے ہیں —— اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ کس کتاب کو کس وقت نازل کرنا بندوں کی مصلحت سے ہم آہنگ ہے۔

اور نبی ﷺ کے بعد قرآنِ کریم کی وارث آپ کی امت بنے گی، یہ امت مجموعی حیثیت سے چنیدہ ہے یعنی تمام امتوں سے بہتر ہے، مگر اس کے سب افراد یکساں نہیں، تین طرح کے لوگ ہیں: کچھ مؤمن ہیں، مگر گناہوں میں مبتلا ہیں، فرائض کے تارک ہیں، یہ اپنے پیروں پر کلہاڑی مارنے والے ہیں، آج امت کی اکثریت ایسی ہی ہے، ایمان کے ساتھ گناہوں کو مضر نہیں سمجھتے، اور ترکِ فرائض ان کے نزدیک معمولی بات ہے، پھر بھی وہ جنت کو اپنی جاگیر سمجھتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو سمجھ عطا فرمائیں —— اور کچھ میانہ رو ہیں، نہ اگاڑی والے نہ پچھاڑی والے! یہ وہ لوگ ہیں جو ارکانِ اربعہ (نماز، زکات، روزہ اور حج) پر مضبوطی سے عمل پیرا ہیں، اور سات ہلاک کرنے والے گناہوں (شرک، جادو کرنا، کسی کو ناحق قتل کرنا، سود لینا، یتیم کا مال کھانا، مڈبھیڑ کے دن پیٹھ پھیرنا اور مسلمان گناہ سے بے خبر پاک دامن عورت پر زنا کی تہمت لگانا) ان گناہوں سے کلّی طور پر بچے ہوئے ہیں، یہ مؤمنین کا درمیانی طبقہ ہے، اور یہی صالحین (نیک لوگ) ہیں —— اور کچھ کامل اور اعلی درجہ کے مؤمنین ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی توفیق سے بڑھ بڑھ کر نیکیاں سمیٹتے ہیں، نوافلِ اعمال کے ذریعہ جنت کے بلند درجات حاصل کرتے ہیں، خوب تلاوت کرتے ہیں، نفل نمازیں پڑھتے ہیں، اور زکات کے علاوہ بھی خیر خیرات کرتے ہیں، یہی اللہ کے ولی (دوست) ہیں، انہی لوگوں کی آگے جزاء بیان کی جائے گی۔

آیاتِ پاک: —— پھر ہم نے قرآن کا وارث بنایا ان لوگوں کو جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے منتخب کیا —— اس میں مسلمانوں کی تینوں قسمیں آگئیں، وہ کفار کے اعتبار سے چنیدہ ہیں، ان کو ایمان کی دولت ملی ہے، اس لئے سب درجہ بہ درجہ جنتی ہیں —— پھر بعضے ان میں سے اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں —— ترکِ فرائض اور ارتکابِ کبائر میں اپنا ہی نقصان ہے، اللہ کا کیا نقصان ہے! —— اور بعضے میانہ رو ہیں، اور بعضے بہ توفیقِ الٰہی نیکیوں میں آگے بڑھنے

والے ہیں ـــــ مستحبات پر بھی عمل کرتے ہیں، اور مکروہ تنزیہی سے بھی بچتے ہیں ـــــ یہی بڑی فضیلت ہے ـــــ
اے اللہ! ہمیں بھی نیکیوں میں آگے بڑھنے کی توفیق عطا فرما (آمین)

جَنّٰتُ عَدۡنٍ یَّدۡخُلُوۡنَهَا یُحَلَّوۡنَ فِیۡهَا مِنۡ اَسَاوِرَ مِنۡ ذَهَبٍ وَّلُـؤۡلُـؤًا ۚ وَلِبَاسُهُمۡ فِیۡهَا حَرِیۡرٌ ﴿۳۳﴾ وَقَالُوا الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡۤ اَذۡهَبَ عَنَّا الۡحَزَنَ ؕ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوۡرٌ شَكُوۡرُ ۨ ﴿۳۴﴾ الَّذِیۡۤ اَحَلَّنَا دَارَ الۡمُقَامَةِ مِنۡ فَضۡلِهٖ ۚ لَا یَمَسُّنَا فِیۡهَا نَصَبٌ وَّلَا یَمَسُّنَا فِیۡهَا لُغُوۡبٌ ﴿۳۵﴾

جَنّٰتُ (۱)	باغات	وَقَالُوا	اور کہا انھوں نے	اَحَلَّنَا	اتارا ہمیں
عَدۡنٍ	ہمیشہ رہنے کے	الۡحَمۡدُ	سب تعریف	دَارَ	گھر میں
یَّدۡخُلُوۡنَهَا	داخل ہونگے وہ ان میں	لِلّٰهِ	اللہ کے لئے ہے	الۡمُقَامَةِ (۶)	رہنے کے
یُحَلَّوۡنَ (۲)	زیور پہنائے جائیں گے وہ	الَّذِیۡۤ	جنھوں نے	مِنۡ فَضۡلِهٖ	اپنی مہربانی سے
فِیۡهَا	ان میں	اَذۡهَبَ	دور کیا	لَا یَمَسُّنَا	نہیں چھوتی ہمیں
مِنۡ اَسَاوِرَ (۳)	کچھ کنگن	عَنَّا	ہم سے	فِیۡهَا	ان میں
مِنۡ ذَهَبٍ (۴)	سونے کے	الۡحَزَنَ	غم	نَصَبٌ	مشقت
وَّلُـؤۡلُـؤًا (۵)	اور موتی	اِنَّ رَبَّنَا	بے شک ہمارا ربّ	وَّلَا	اور نہیں
وَلِبَاسُهُمۡ	اور ان کی پوشاک	لَغَفُوۡرٌ	یقیناً بڑا بخشنے والا	یَمَسُّنَا	چھوتی ہمیں
فِیۡهَا	ان میں	شَكُوۡرُ	بڑا قدر دان ہے	فِیۡهَا	ان میں
حَرِیۡرٌ	ریشمی ہے	الَّذِیۡۤ	جنھوں نے	لُغُوۡبٌ	تھکن

سابقین کی جزائے خیر

اب سابقین کی جزاء بیان فرماتے ہیں، باقی دو قسموں کی جزاء بیان نہیں کی، یہ قرآن کا خاص اسلوب ہے، تا کہ ان

(۱) جنات: مبتدا، یدخلونها: خبر (۲) یحلون: مضارع مجہول، جمع مذکر غائب، تَحْلِية مصدر: زیور پہنانا (۳) من أساور: میں من تبعیضیہ یا بیانیہ (۴) من ذهب: میں من بیانیہ (۵) لؤلؤًا کا من أساور کے محل پر عطف، وہ درحقیقت نائب فاعل ہے جو منصوب کی جگہ میں ہے۔ (۶) المقامة: مصدر میمی، بمعنی الإقامة۔

کے طریقہ کی حوصلہ افزائی نہ ہو، سورۃ الاعراف (آیات ۱۶۳-۱۶۶) میں بھی یہی انداز ہے، بار کے دن مچھلی پکڑنے کا حیلہ کرنے والے ذلیل بندر بنا دیئے گئے، ان کو منع کرنے والے عذاب سے بچ گئے، اور خاموشی اختیار کرنے والوں کا تذکرہ نہیں کیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہمانے فرمایا: ''انھوں نے بھی نجات پائی'' —— مگر ان کا تذکرہ اس لئے نہیں کیا کہ ان کے طرز عمل کی حوصلہ افزائی نہ ہو، یہاں بھی یہی انداز ہے۔

آیاتِ پاک: —— ہمیشہ رہنے کے باغات: جن میں وہ داخل ہونگے، ان کو جنت میں کچھ سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے، اور ان کی پوشاک وہاں ریشم کی ہوگی، اور وہ کہیں گے: اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے ہم سے غم کو دور کیا، بے شک ہمارا پروردگار بڑا بخشنے والا اور بڑا قدر دان ہے! جس نے ہمیں اپنے فضل سے ہمیشہ رہنے کے مقام میں لا اتارا، جہاں ہمیں نہ کوئی کلفت پہنچتی ہے، اور نہ ہمیں کوئی تھکن محسوس ہوتی ہے!

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ ۝۳۶ وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۭ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاۗءَكُمُ النَّذِيْرُ ۭ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ۝۳۷ اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۳۸ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰۗىِٕفَ فِي الْاَرْضِ ۭ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۭ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا ۚ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا ۝۳۹

وَالَّذِيْنَ	اور جن لوگوں نے	فَيَمُوْتُوْا	پس مرجائیں وہ	وَهُمْ	اور وہ
كَفَرُوْا	انکار کیا	وَلَا يُخَفَّفُ	اور نہیں ہلکا کیا جائے گا	يَصْطَرِخُوْنَ(۱)	چلائیں گے
لَهُمْ	ان کے لئے	عَنْهُمْ	ان سے	فِيْهَا	دوزخ میں
نَارُ	آگ ہے	مِّنْ عَذَابِهَا	دوزخ کا عذاب	رَبَّنَآ	اے ہمارے ربّ
جَهَنَّمَ	دوزخ کی	كَذٰلِكَ	اسی طرح	اَخْرِجْنَا	نکالیں ہمیں
لَا يُقْضٰى	نہیں فیصلہ کیا جائے گا	نَجْزِيْ	بدلہ دیتے ہیں ہم	نَعْمَلْ	کریں ہم
عَلَيْهِمْ	ان پر (موت کا)	كُلَّ كَفُوْرٍ	ہر کٹر منکر کو	صَالِحًا	نیک کام

(۱) یصطرخون: باب افتعال، اصْطِرَاخ: چلانا، شور مچانا، چیخیں مارنا، باب افتعال کی تاء کو طاء سے بدلا ہے۔

غَيْرَ الَّذِي	علاوہ ان کے جو	مِنْ نَّصِيْرٍ	کوئی بھی مددگار	فَمَنْ كَفَرَ	پس جس نے انکار کیا
كُنَّا نَعْمَلُ	کیا کرتے تھے ہم	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	فَعَلَيْهِ	تو اسی پر ہے
اَوَلَمْ	کیا اور نہیں	عٰلِمُ	جاننے والے ہیں	كُفْرُهٗ	اس کا انکار
نُعَمِّرْكُمْ	زندگی دی ہم نے تم کو	غَيْبِ	پوشیدہ چیزوں کو	وَلَا يَزِيْدُ	اور نہیں بڑھایا
مَّا	اتنی کہ	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں کی	الْكٰفِرِيْنَ	منکروں کو
يَتَذَكَّرُ	یاد کرے	وَالْاَرْضِ	اور زمین کی	كُفْرُهُمْ	ان کے انکار نے
فِيْهِ	اس میں	اِنَّهٗ	بے شک وہ	عِنْدَ رَبِّهِمْ	انکے پروردگار کے پاس
مَنْ تَذَكَّرَ	جو یاد کرے	عَلِيْمٌ	خوب جاننے والے ہیں	اِلَّا	مگر
وَجَآءَكُمُ	اور آیا تمہارے پاس	بِذَاتِ الصُّدُوْرِ	سینوں کی باتوں کو	مَقْتًا	شدید ناراضگی کو
النَّذِيْرُ	ڈرانے والا	هُوَ الَّذِيْ	وہی ہیں جنھوں نے	وَلَا يَزِيْدُ	اور نہیں بڑھاتا
فَذُوْقُوْا	پس چکھو تم	جَعَلَكُمْ	بنایا تم کو	الْكٰفِرِيْنَ	منکروں کو
فَمَا	پس نہیں ہے	خَلٰٓئِفَ	جانشیں	كُفْرُهُمْ	ان کا انکار
لِلظّٰلِمِيْنَ	ناانصافوں کے لئے	فِي الْاَرْضِ	زمین میں	اِلَّا خَسَارًا	مگر گھاٹے کو

قرآنِ کریم کا انکار کرنے والوں کی سزا

قرآنِ کریم کا اسلوبِ بیان یہ ہے کہ مؤمنین کے بعد منکرین کا تذکرہ کرتا ہے، چنانچہ قرآن پر ایمان لانے والوں کا ذکر آیا تو اب منکرین کی سزا بیان فرماتے ہیں ــــ اور جن لوگوں نے (قرآنِ کریم کو) نہیں مانا ان کے لئے دوزخ کی آگ ہے، (اس میں) نہ تو ان کی قضا آئے گی کہ مر ہی جائیں، اور نہ دوزخ کا عذاب ان سے ہلکا کیا جائے گا ــــ کہ کچھ راحت ملے ــــ ہم ہر کٹر منکر کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔

دوزخیوں کی ایک درخواست: ــــ اور وہ دوزخ میں چلّائیں گے ــــ یعنی پکار کر درخواست کریں گے، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ سے دور کئے ہوئے ہونگے ــــ اے ہمارے پروردگار! ہمیں دوزخ سے نکال ــــ یعنی ایک مرتبہ اور دنیا میں بھیج دے ــــ ہم نیک کام کریں گے ان کاموں کے علاوہ جو ہم کیا کرتے تھے ــــ یعنی ہم خوب نیکیاں سمیٹ کر لائیں گے، اور فرماں بردار بن کر حاضر ہونگے۔

جواب: ــــ ایک ہزار سال بعد دیا جائے گا ــــ کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی کہ جو سمجھنا چاہتا سمجھ جاتا؟ ــــ

ساٹھ ستّر سال کی زندگی دی تھی، اتنے طویل عرصہ میں جو نیک و بد کو سوچ کر سیدھا راستہ اختیار کرنا چاہتا کر سکتا تھا ـــــ اور تمہارے پاس نتائج اعمال سے آگاہ کرنے والا پیغمبر بھی پہنچا تھا ـــــ مگر تم نے اس کی ایک نہ سنی، اب بتاؤ قصور کس کا! ـــــ پس مزہ چکھو، اب ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ـــــ یعنی کسی کی طرف سے مدد کی امید مت رکھو، دوزخ میں پڑے سڑتے رہو اور عذاب کا مزہ چکھتے رہو!

ایک سوال: اگر دوزخیوں کی درخواست قبول کر لی جائے، اور ایک مرتبہ اور دنیا میں بھیج دیا جائے اور وہ حسب وعدہ سنور کر آجائیں تو کیا حرج ہے؟ ان کا بھلا ہو جائے گا!

جواب: ایسا کرنا بے فائدہ ہوگا، کیونکہ قیامت کا منظر یاد ہوتے ہوئے ان کو لوٹایا جائے گا تو امتحان کیا ہوگا، اور سب کچھ بھلا کر بھیجا جائے گا تو کتّے کی دُم نلکی سے ٹیڑھی نکلے گی، پھر وہی عناد اور شرارتیں ہونگی، پس آزمائے ہوئے کو بار بار آزمانے سے کیا فائدہ؟ ارشاد فرماتے ہیں: ـــــ بے شک اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو خوب جانتے ہیں، بے شک وہ دلوں کی باتوں کو بھی خوب جاننے والے ہیں ـــــ یعنی اللہ تعالیٰ کو بندوں کے سب کھلے چھپے احوال وافعال اور دلوں کے بھید معلوم ہیں، وہ جانتے ہیں کہ جو لوگ درخواست کر رہے ہیں وہ اپنے وعدے میں جھوٹے ہیں، اگر ستّر دفعہ لوٹائے جائیں گے تب بھی شرارت سے باز نہیں آئیں گے، پس لوٹانا لاحاصل ہے!

علاوہ ازیں: درخواست کرنے والے زمین میں پہلی امت نہیں تھے، ان سے پہلے اور امتیں گذری ہیں، جو تکذیب کے نتیجہ میں تباہ کی گئیں، یہ تو ان کے جانشیں تھے، پھر انھوں نے گذشتہ امتوں کی بربادی سے سبق کیوں نہیں لیا؟ ارشاد فرماتے ہیں: ـــــ وہی ہیں جنھوں نے تم کو زمین میں جانشیں بنایا ـــــ یعنی ہلاک شدہ امتوں کی جگہ تم کو زمین میں بسایا، ان سے سبق لیتے! ـــــ اب آخری بات سنو! ـــــ پس جس نے انکار کیا اس کے انکار کا وبال اسی پر پڑے گا، اور کافروں کے لئے ان کا کفران کے پروردگار کے نزدیک شدید ناراضگی کا باعث ہوگا، اور کافروں کے لئے ان کا کفر خسارہ ہی کا باعث ہوگا!

قُلْ اَرَءَيْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۚ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰى بَيِّنَتٍ مِّنْهُ ۚ بَلْ اِنْ يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۴۰﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ۬ وَلَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۱﴾

قُلْ	پوچھو	اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ	یا دی ہم نے ان کو	يُمْسِكُ	تھامے ہوئے ہیں
اَرَءَيْتُمْ(۱)	کیا دیکھا تم نے	كِتٰبًا	کوئی کتاب	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں کو
شُرَكَآءَكُمُ	اپنے شریکوں کو	فَهُمْ	پس وہ	وَالْاَرْضَ	اور زمین کو
الَّذِيْنَ	جن کو	عَلٰى بَيِّنَتٍ	کسی واضح دلیل پر ہیں	اَنْ تَزُوْلَا(۴)	ٹل جانے سے
تَدْعُوْنَ	تم پکارتے ہو	مِّنْهُ	اس (کتاب) سے	وَلَئِنْ	اور بخدا! اگر
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ سے ورے	بَلْ اِنْ(۳)	بلکہ نہیں	زَالَتَآ	ٹل جائیں دونوں
اَرُوْنِيْ(۲)	مجھے دکھلاؤ	يَّعِدُ	وعدہ کرتے	اِنْ اَمْسَكَهُمَا	(تو) نہیں تھام سکتا ان کو
مَاذَا خَلَقُوْا	کیا پیدا کیا انھوں نے	الظّٰلِمُوْنَ	ظالم (مشرک)	مِنْ اَحَدٍ	کوئی بھی
مِنَ الْاَرْضِ	زمین سے	بَعْضُهُمْ	ان کے بعض	مِّنْ بَعْدِهٖ	اللہ کے بعد
اَمْ لَهُمْ	یا ان کے لئے	بَعْضًا	بعض سے	اِنَّهٗ كَانَ	بے شک وہ ہیں
شِرْكٌ	ساجھا ہے	اِلَّا غُرُوْرًا	مگر دھوکے کا	حَلِيْمًا	بڑے بردبار
فِي السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	غَفُوْرًا	بڑے بخشنے والے

ابطالِ شرک اور اثباتِ توحید

۱- شرک کی نہ عقلی دلیل ہے نہ نقلی، مشرکین کے بڑے: چھوٹوں کو فریب ہی دیتے آرہے ہیں

مشرکین اپنے معبودوں کے احوال میں غور کریں، اور بتائیں: زمین کا کونسا حصہ انھوں نے بنایا ہے؟ یا آسمانوں کے بنانے/ تھامنے میں ان کی حصہ داری ہے؟ ہرگز نہیں! یا ان کے پاس کوئی آسمانی کتاب ہے: جس سے کوئی سند رکھتے ہیں؟ کچھ نہیں! اور آسمانی کتاب میں شرک کا جواز کیسے ہوسکتا ہے؟ غرض: عقلی یا نقلی دلیل کوئی نہیں، صرف اتنی بات ہے کہ بڑے چھوٹوں کو دھوکہ دیتے آرہے ہیں کہ یہ مورتیاں اللہ کے پاس ہماری سفارش کریں گی، اور ہمیں اللہ سے قریب کریں گی، اس لئے ان کی پوجا کرو، یہ خالص دھوکہ اور فریب ہے۔

(۱) أرأیتم: کا محاورہ میں ترجمہ ہے: بتلاؤ (۲) أرونی: أرأیتم کا اعادہ ہے، فاصلہ ہوگیا ہے اس لئے لفظ بدل کر مکرر لایا گیا ہے (۳) إن: نافیہ ہے، اور اثبات إلا آگے ہے، دونوں نے حصر پیدا کیا ہے (۴) أن: مصدریہ، من حرف جر محذوف، اور من أن تزولا: یمسک کا مفعول ثانی۔

۲-آسمانوں اور زمین کو اللہ نے تھام رکھا ہے، اگر وہ اپنی جگہ چھوڑ دیں تو اللہ کے سوا کوئی ان کو تھام نہیں سکتا، پس وہی معبود ہیں

آسمانوں اور زمین کو ان کے مراکز میں اللہ تعالیٰ نے تھام رکھا ہے، وہ ان کو ان کے مقام ونظام سے سرکنے نہیں دیتے، اگر خدانخواستہ یہ کرّات اپنی جگہ چھوڑ دیں تو کون طاقت ہے جو ان کو قابو میں کرلے؟ کوئی نہیں! پس وہی معبود برحق ہیں۔

اللہ تعالیٰ: بڑے بردبار ہیں، لوگوں کے کفر وعصیان کا تقاضا تو یہ ہے کہ اس نظام کو تہ وبالا کردیا جائے، مگر ان کی بردباری سے یہ نظام برقرار ہے —— اور وہ بڑے بخشنے والے ہیں: ایماندار بندے آس نہ توڑیں، اللہ تعالیٰ خردہ گیری نہیں کریں گے، وہ معمولی گناہوں کو معاف کردیں گے۔

آیاتِ پاک: —— آپ پوچھیں: بتاؤ! تمہارے وہ شریک (مورتیاں) جن کو تم پوجتے ہو اللہ سے وَرے: مجھے بتاؤ! انھوں نے زمین کا کونسا حصہ پیدا کیا ہے یا ان کا آسمانوں میں کچھ ساجھا ہے، یا ہم نے ان کو کوئی کتاب دی ہے، پس وہ اس سے کسی واضح دلیل پر ہیں؟ (نہیں) بلکہ ظالم (مشرک) ایک دوسرے سے فریب ہی کا وعدہ کرتے ہیں!

یہ بات یقینی ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہیں، اس سے کہ وہ ٹل جائیں، اور اگر وہ اپنی موجودہ حالت کو چھوڑ دیں تو اللہ کے سوا ان کو کوئی تھام نہیں سکتا —— بے شک اللہ تعالیٰ بڑے بردبار بڑے بخشنے والے ہیں!

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرَا ۙ﴿۴۲﴾ اسْتِكْبَارًا فِى الْاَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ ۭ وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ۭ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ڬ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ﴿۴۳﴾

وَاَقْسَمُوْا	اور قسمیں کھائیں انھوں نے	لَئِنْ	بخدا! اگر	اَهْدٰى (۲)	زیادہ راہ یاب
بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کی	جَآءَهُمْ	آیا ان کے پاس	مِنْ اِحْدَى (۳)	ہر ایک امت سے
جَهْدَ (۱)	زور لگا کر	نَذِيْرٌ	کوئی ڈرانے والا	الْاُمَمِ	
اَيْمَانِهِمْ	اپنی قسموں میں	لَّيَكُوْنُنَّ	(تو) ضرور ہونگے وہ	فَلَمَّا	پس جب

(۱) جهدَ: مفعول مطلق، جهد: انتہائی کوشش (۲) أهدی: اسم تفضیل: مضاف (۳) إحدی: أحد کا مؤنث: مضاف الیہ مضاف۔

جَآءَهُمْ	آیا ان کے پاس	السَّيِّئِ	بری	الْاَوَّلِيْنَ	اگلوں کے
نَذِيْرٌ	ڈرانے والا	وَلَا يَحِيْقُ	اور نہیں گھیرتی	فَلَنْ تَجِدَ	پس ہرگز نہیں پائے گا تو
مَّا زَادَهُمْ	نہیں بڑھایا (اس	الْمَكْرُ	چال	لِسُنَّتِ اللّٰهِ	اللہ کے دستور کو
	نے) ان کو	السَّيِّئُ	بری	تَبْدِيْلًا	بدلتا
اِلَّا نُفُوْرَا	مگر نفرت میں	اِلَّا بِاَهْلِهٖ	مگر چلنے والوں کو	وَلَنْ تَجِدَ	اور ہرگز نہیں پائے گا تو
اسْتِكْبَارًا (۱)	گھمنڈ کرتے ہوئے	فَهَلْ	پس نہیں	لِسُنَّتِ اللّٰهِ	اللہ کے دستور کو
فِي الْاَرْضِ	زمین میں	يَنْظُرُوْنَ	انتظار کرتے وہ	تَحْوِيْلًا	ٹلتا
وَمَكْرَ (۲)	اور چال چلتے ہوئے	اِلَّا سُنَّتَ	مگر دستور کا	❁	❁

رسالت کا بیان

لوگ رسول کے منتظر تھے، پھر جب وہ آئے تو لوگ بدک گئے، اور لگے بری بری چالیں چلنے!

قریش جب سنتے کہ یہود نے اپنے نبیوں کو ستایا تو وہ اللہ کی قسمیں کھا کر کہتے: اگر ہم میں کوئی نبی آئے تو دنیا دیکھے گی: ہم کیسی اطاعت کرتے ہیں! پھر جب اللہ نے عظیم الشان نبی کو بھیجا تو وہ بدک گئے، ان کے تکبر نے اجازت نہ دی کہ گردن جھکائیں، اور اطاعت کے بجائے عداوت پر کمربستہ ہوگئے، اور طرح طرح کی مکروہ تدبیریں کرنے لگے، تاکہ اسلام کو بڑھنے اور پھیلنے سے روک دیں —— حالانکہ دستور ہے: چاہ کن را چاہ درپیش: جو کنواں کھودتا ہے وہی اس میں گرتا ہے، قریش کے داؤ گھات انہیں پر الٹ جائیں گے۔

اللہ پاک فرماتے ہیں: وہ اس کے منتظر ہیں کہ گذشتہ مجرموں کے ساتھ جو معاملہ ہوا اُن کے ساتھ بھی ہو، سو وہ ہوکر رہے گا، اللہ کا دستور نہ بدلتا ہے نہ ٹلتا ہے!

آیاتِ پاک: —— اور کفار نے زور لگا کر اللہ کی قسمیں کھائیں —— مشرکین مورتیوں کی قسمیں کھاتے تھے، لیکن اگر مؤکد قسم کھانی ہوتی تو اللہ کی قسم کھاتے تھے —— بخدا! اگر آیا ان کے پاس کوئی ڈرانے والا —— یعنی پیغمبر —— تو ضرور ہونگے وہ زیادہ ہدایت قبول کرنے والے ہر کوئی امت سے —— یعنی ہم دوسری قوموں سے بہتر نبی کی اطاعت ورفاقت کا ثبوت دیں گے —— پھر جب ان کے پاس ڈرانے والا آیا تو نہیں بڑھایا اس نے مگر ان کی نفرت کو، زمین میں گھمنڈ کرتے ہوئے اور بری چالیں چلتے ہوئے —— اور بری چال نہیں گھیرتی مگر چلنے والوں کو —— پس نہیں منتظر ہیں

(۱) استکبارًا: زادھم کا مفعول لہٗ (۲) مکر: استکبارًا پر معطوف۔

وہ مگر اگلوں کے دستور ہی کے ــــ پس ہرگز نہیں پائیں گے آپ اگلوں کے دستور میں کوئی تبدیلی ــــ اور ہرگز نہیں پائیں گے آپ اگلوں کے دستور کو ٹلتا! ــــ یعنی مجرموں کو سزا دینے کے بجائے ان کا انعام واکرام کیا جائے: ایسا نہیں ہوگا ــــ اور مجرموں کی جگہ دوسرے مجرموں کو یا غیر مجرموں کو دھر لیا جائے، ایسا بھی نہیں ہوگا۔

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا ﴿۴۴﴾ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ﴿۴۵﴾

اَوَلَمْ	کیا اور نہیں	وَمَا كَانَ اللّٰهُ	اور نہیں ہیں اللہ تعالیٰ	بِمَا كَسَبُوْا	ان کی کمائی کی وجہ سے
يَسِيْرُوْا	چلے پھرے وہ	لِيُعْجِزَهٗ	کہ عاجز کرے ان کو	مَا تَرَكَ	(تو) نہ چھوڑیں
فِي الْاَرْضِ	زمین میں	مِنْ شَيْءٍ	کوئی چیز	عَلٰى ظَهْرِهَا	زمین کی پیٹھ پر
فَيَنْظُرُوْا	پس دیکھتے وہ	فِي السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں	مِنْ دَآبَّةٍ	کسی ہلنے چلنے والے کو
كَيْفَ كَانَ	کیسا ہوا	وَلَا فِي الْاَرْضِ	اور نہ زمین میں	وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ	مگر مؤخر کرتے ہیں وہ انکو
عَاقِبَةُ	انجام	اِنَّهٗ كَانَ	بے شک وہ ہیں	اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى	ایک مقررہ مدت تک
الَّذِيْنَ	ان کا جو	عَلِيْمًا	ہر چیز جاننے والے	فَاِذَا جَآءَ	پھر جب آئے گی
مِنْ قَبْلِهِمْ	ان سے پہلے ہوئے	قَدِيْرًا	بڑی قدرت والے	اَجَلُهُمْ	ان کی مدت
وَكَانُوْٓا اَشَدَّ	حالانکہ وہ زیادہ تھے	وَلَوْ يُؤَاخِذُ	اور اگر پکڑیں	فَاِنَّ اللّٰهَ	تو بے شک اللہ تعالیٰ
مِنْهُمْ	ان (مکہ والوں) سے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	كَانَ بِعِبَادِهٖ	ہیں اپنے بندوں کو
قُوَّةً	طاقت میں	النَّاسَ	لوگوں کو	بَصِيْرًا	خوب دیکھنے والے

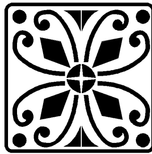
منکرین رسالت کو فہمائش

آخر میں مکہ والوں سے کہا جا رہا ہے کہ سرزمین عرب میں نکلو، اور دیکھو: بڑے بڑے زور آور عاد وثمود وغیرہ اللہ کی

گرفت سے بچ نہ سکے، تمہاری ان کے سامنے حیثیت ہی کیا ہے؟ اور خوب سمجھ لو کہ آسمان وزمین کی کوئی چیز اللہ کو عاجز نہیں کرسکتی، ان کا علم محیط اور قدرت کامل ہے، مگر وہ تمہیں مہلت دے رہے ہیں، کیونکہ اگر وہ بات بات پر انسانوں کی دارو گیر کرنے لگیں تو زمین میں کوئی پنپ نہیں سکتا، اس لئے وہ ایک مقررہ میعاد تک بندوں کو ڈھیل دیتے ہیں، پھر جب تمہارا وقت موعود آجائے گا تو یاد رکھو! تم ان کی نگاہ میں ہو، وہ تمہارا تیاپانچا کردیں گے!

آیاتِ پاک: —— اور کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے: اُن لوگوں کا انجام کیسا ہوا جو ان سے پہلے ہوئے، حالانکہ وہ ان سے قوت میں بڑھے ہوئے تھے، اور اللہ تعالیٰ ایسے نہیں کہ کوئی چیز ان کو عاجز کرے آسمانوں میں اور زمین میں، بے شک وہ بڑے علم والے بڑی قدرت والے ہیں —— اور اگر اللہ تعالیٰ پکڑنے لگیں لوگوں کو ان کے کرتوتوں کی وجہ سے تو روئے زمین پر کسی متنفس کو نہ چھوڑیں، لیکن اللہ تعالیٰ اِن کو ایک میعادِ معین تک مہلت دے رہے ہیں، پس جب اِن کی میعاد آئے گی تو بالیقین اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خوب دیکھ رہے ہیں!

﴿اللہ تعالیٰ کی بے پایاں عنایتوں سے بروز اتوار ۲۸/ذی قعدۃ ۱۴۳۶ھ=۱۳/ستمبر ۲۰۱۵ء کو رات میں ڈیڑھ بجے سورۃ الفاطر کی تفسیر پوری ہوئی، یہ جلد اسی پر ختم ہے، اگلی جلد سورۃ یٰس سے ان شاء اللہ شروع ہوگی﴾



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ یٰسٓ

نمبر شمار ۳۶ نزول کا نمبر ۴۱ نزول کی نوعیت: مکی آیات ۸۳ رکوع: ۵

یہ سورت مکی دور کے وسط میں نازل ہوئی ہے، اس کا نزول کا نمبر ۴۱ ہے، مکی سورتیں ۸۵ ہیں۔ اس سورت کا موضوع رسالت، آخرت اور توحید ہے۔ گذشتہ سورت کے آخر میں رسالت کا بیان تھا، یہ سورت بھی رسالت کے بیان سے شروع ہوئی ہے، اور رسالت کی دلیل قرآنِ کریم ہے، اس کی قسم کھا کر کہا گیا ہے کہ نبی ﷺ منجملۂ پیغمبراں ہیں، اور وہ سیدھے راستہ پر ہیں۔

فضائلِ سورۃ: —— اس سورت کے فضائل میں کوئی صحیح حدیث نہیں، مگر چونکہ فضائل کا باب ہے اس لئے ضعیف حدیثیں بھی معتبر ہیں، مشکات شریف فضائل القرآن میں اس سورت کی فضیلت میں چار حدیثیں ہیں:

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: إِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ قَلْبًا: بیشک ہر چیز کے لئے دل ہے، وَقَلْبُ القرآن یٰسٓ: اور قرآن کا دل یٰسٓ شریف ہے، ومَنْ قَرَأَ یٰسٓ كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ بِقِرَاءَ تِهَا قِرَاءَ ةَ الْقرآنِ عَشْرَ مَرَّاتٍ: اور جو شخص یٰسٓ شریف پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے اس کو پڑھنے کی وجہ سے دس مرتبہ قرآن پڑھنے کا ثواب لکھیں گے۔

تشریح: یٰسٓ شریف کو قرآن کا دل تین وجوہ سے کہا گیا ہے:

پہلی وجہ: دل سے اشارہ درمیان کی طرف ہوتا ہے، اور یٰسٓ مثانی میں سے ہے جو مئین اور سَبعِ طُوَل سے چھوٹی اور مفصّلات سے بڑی ہیں، اس طرح وہ قرآن کا درمیان اور دل ہے (قرآن پاک کی سورتیں آیات کی تعداد وغیرہ کے اعتبار سے چار حصوں میں منقسم ہیں: (۱) طُوَل: لمبی سورتیں (۲) مِئِین: جس میں سو یا کچھ زیادہ یا کچھ کم آیتیں ہیں (۳) مَثَانی: جن میں سو سے کافی کم آیتیں ہیں (۴) مفصّلات: جن میں بہت کم آیتیں ہیں، اور یٰسٓ شریف میں تراسی آیتیں ہیں اور اس کا شمار مثانی میں ہے)

دوسری وجہ: دل سے اشارہ جسم کے اہم جز کی طرف ہوتا ہے، اور اس سورت میں شہر انطاکیہ کے ایک بزرگ حبیب نجار کی جو تقریر آئی ہے: اس میں توکل، تفویض اور توحید کی تعلیم ہے، یہ مضامین آیات (۲۲-۲۵) میں ہیں، ان

اہم مضامین کی وجہ سے اس کو قرآن کا دل کہا ہے۔

تیسری وجہ: دل پر حیات کا مدار ہے، وہی مایۂ زندگانی ہے، اور اس سورت میں تدبر و تفکر کی جملہ انواع موجود ہیں، اس لئے اس کو قرآن کا قلب کہا گیا ہے (رحمۃ اللہ ۴: ۳۷۹)

حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے طٰہٰ اور یٰسٓ کو آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے سے ہزار سال پہلے پڑھا، پس جب فرشتوں نے قرآن سنا تو کہا: نیک بختی ہے اس امت کے لئے جس پر یہ نازل کی جائیں گی! نیک بختی ہے ان پیٹوں کے لئے جو اس کو اٹھائیں گے! نیک بختی ہے ان زبانوں کے لئے جو اس کو پڑھیں گی!

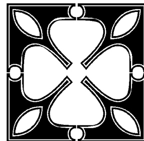
حدیث (۳): حضرت عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ کہتے ہیں: مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص دن کے شروع حصہ میں یٰسٓ پڑھے اس کی تمام ضروریات پوری کی جائیں گی''

حدیث (۴): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے اللہ کی خوشنودی کے لئے یٰسٓ پڑھی اس کی سابقہ تمام کوتاہیاں معاف کردی جائیں گی، پس اس کو اپنے مُردوں (قریب المرگ) پر پڑھو''

اور مظہری میں ابن حبان اور دیلمی کے حوالہ سے یہ حدیث ہے کہ جس مرنے والے کے پاس سورۃ یٰسٓ پڑھی جاتی ہے اس کی موت کے وقت آسانی ہوتی ہے۔

فائدہ: لوگ جب سکرات شروع ہوجاتی ہے، اور مریض کو کچھ ہوش نہیں رہتا، تب یٰسٓ پڑھتے ہیں، یہ طریقہ ٹھیک نہیں، جب مریض کو ہوش ہو، اور موت کی علامات ظاہر ہوں، اس وقت مریض خود پڑھے یا دوسرا سنائے تو وطن کا شوق پیدا ہوگا، مؤمن کا وطن جنت ہے، اور اس سورت میں معاد (روحوں کے واپس آنے) کا ذکر ہے، یعنی آدمی مر کر ختم نہیں ہوتا، دوبارہ زندہ ہوگا اور جنت میں جائے گا، یہ مضمون پڑھے گا یا سنے گا تو مرنے کا اور دنیا چھوڑنے کا افسوس نہیں ہوگا، بلکہ وہ پُر امید ہوجائے گا۔

یٰسٓ پڑھنے کا عمل انفرادی عمل ہے، اس کو اجتماعی عمل بنانا اور اس کا التزام کرنا درست نہیں



آیاتہا ۸۳ (۳۶) سُوْرَۃُ یٰسٓ مَکِّیَّۃٌ (۴۱) رکوعاتہا ۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰسٓ ۚ۝۱ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۝۲ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۳ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۴ تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۝۵ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَاۗؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ۝۶ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓي اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۷ اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِىَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ۝۸ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۝۹ وَسَوَاۗءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۱۰ اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ ۚ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ ۝۱۱ اِنَّا نَحْنُ نُـحْيِ الْمَوْتٰى وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ ړ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ۝۱۲ ع

ع ۱ / ۱۲ / ۱۸

بِسْمِ اللّٰهِ	اللہ کے نام سے	مُّسْتَقِيْمٍ	سیدھے	فَهُمْ	پس وہ
الرَّحْمٰنِ	بے حد مہربان	تَنْزِيْلَ (۳)	بتدریج اتارنا	غٰفِلُوْنَ	بے خبر ہیں
الرَّحِيْمِ	نہایت رحم والا	الْعَزِيْزِ	زبردست	لَقَدْ	البتہ تحقیق
يٰسٓ	یاسین	الرَّحِيْمِ	نہایت مہربان کا	حَقَّ	ثابت ہوئی
وَالْقُرْاٰنِ	قسم قرآن	لِتُنْذِرَ (۴)	تاکہ ڈرائیں آپؐ	الْقَوْلُ	بات
الْحَكِيْمِ	پُر حکمت کی	قَوْمًا	لوگوں کو	عَلٰٓي اَكْثَرِهِمْ	ان کے اکثر پر
اِنَّكَ	بے شک آپؐ	مَّآ (۵)	نہیں	فَهُمْ	پس وہ
لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ (۱)	یقیناً رسولوں میں سے ہیں	اُنْذِرَ	ڈرائے گئے	لَا يُؤْمِنُوْنَ	ایمان نہیں لائیں گے
عَلٰي صِرَاطٍ (۲)	راستہ پر	اٰبَاۗؤُهُمْ	ان کے اسلاف	اِنَّا	بے شک ہم نے

(۱) لمن المرسلین: إن کی پہلی خبر (۲) علی صراط: إن کی دوسری خبر (۳) تنزیل (مصدر) فعل محذوف کا مفعول مطلق، أی نزّلَ تنزیلا (۴) لتنذر: تنزیل سے متعلق (۵) ما: نافیہ، اور جملہ قوما کی صفت۔

جَعَلْنَا	بنائے	لَا يُبْصِرُوْنَ(۳)	نہیں دیکھتے	فَبَشِّرْهُ	پس خوش خبری سنا اس کو
فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ	ان کی گردنوں میں	وَسَوَآءٌ	برابر ہے	بِمَغْفِرَةٍ	بخشش کی
اَغْلٰلًا(۱)	طوق	عَلَيْهِمْ	ان پر	وَّاَجْرٍ	اور ثواب کی
فَهِيَ	پس وہ	ءَاَنْذَرْتَهُمْ	خواہ ڈرائیں آپ ان کو	كَرِيْمٍ	عزت والے
اِلَى الْاَذْقَانِ	ٹھوڑیوں تک ہیں	اَمْ	یا	اِنَّا نَحْنُ	بے شک ہم ہی
فَهُمْ	پس وہ	لَمْ تُنْذِرْهُمْ	نہ ڈرائیں آپ ان کو	نُحْيِ	زندہ کریں گے
مُّقْمَحُوْنَ(۲)	سر اُلارے ہوئے ہیں	لَا يُؤْمِنُوْنَ	وہ ایمان نہیں لائیں گے	الْمَوْتٰى	مُردوں کو
وَجَعَلْنَا	اور بنائی ہم نے	اِنَّمَا	صرف	وَنَكْتُبُ	اور لکھتے ہیں
مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ	ان کے سامنے	تُنْذِرُ	آپ ڈراتے ہیں	مَا	جو
سَدًّا	دیوار	مَنِ	جس نے	قَدَّمُوْا	آگے بھیجا انھوں نے
وَّمِنْ خَلْفِهِمْ	اور ان کے پیچھے	اتَّبَعَ	پیروی کی	وَاٰثَارَهُمْ	اور ان کے نشانات کو
سَدًّا	دیوار	الذِّكْرَ	نصیحت کی	وَكُلَّ شَيْءٍ	اور ہر چیز کو
فَاَغْشَيْنٰهُمْ	پس ڈھانک دیا ہم	وَخَشِيَ	اور ڈرا وہ	اَحْصَيْنٰهُ(۴)	گھیر رکھا ہے ہم نے اس کو
	نے ان کو	الرَّحْمٰنَ	نہایت مہربان سے	فِيْٓ اِمَامٍ(۵)	تختی میں
فَهُمْ	پس وہ	بِالْغَيْبِ	بغیر دیکھے	مُّبِيْنٍ	محفوظ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

رسالت، دلیلِ رسالت اور مقصدِ رسالت

خاتم النّبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اور دلیلِ رسالت قرآنِ کریم ہے، یہ آپ کا سب سے بڑا معجزہ ہے، اس کی قسم کھائی گئی ہے، قرآنِ کریم دلائل کو قسم کے روپ میں لاتا ہے، پھر مدعیٰ کہیں مذکور ہوتا ہے کہیں محذوف،

(۱) أغلال: غُلّ کی جمع، طوق: وہ لوہا جو قدیم زمانہ میں غلاموں/ مجرموں کے گلے میں ڈالتے تھے (۲) مُقْمَح: اسم مفعول: وہ شخص جو سر اٹھائے اور آنکھیں بند کرلے، مصدر إقماح (افعال) مادّہ قَمْح (۳) إبصار: دیکھنا، جاننا (۴) أحصی إحصاء: گننا، گھیرنا، محفوظ کرنا (۵) إمام: سے مراد لوح محفوظ ہے، اس کے اصل معنی ہیں: پیشوا، مقتدا، راہ نما، چونکہ لوح محفوظ میں جو کچھ مرقوم ہے اس کے مطابق واقعات ظہور پذیر ہوتے ہیں، اس لئے اس کو امام کہا گیا ہے۔ گویا وہ حوادث کی راہ نما ہے۔

جس پر قرینہ ہوتا ہے، یہاں مدعیٰ یہ ہے کہ آپؐ برحق رسول ہیں، اور اس کی دلیل پُر حکمت قرآن ہے، جس کو بتدریج اللہ تعالیٰ نازل فرمارہے ہیں، اور اس کو نازل کرنے کا مقصد اصالۃً عربوں کو اور ان کے واسطہ سے ساری دنیا کو نتائج اعمال سے آگاہ کرنا ہے، کیونکہ ایک لمبے عرصہ سے عربوں میں کوئی نبی نہیں آئے، اس لئے وہ دین سے بے خبر ہیں، پس رب العالمین نے چاہا کہ ان کو دین سے باخبر کریں، تاکہ وہ سیدھے راستہ پر گامزن ہوں۔

آیاتِ پاک: —— یاسین —— جمہور کے نزدیک یہ حروف مقطعات ہیں، ان کی مراد اللہ تعالیٰ جانتے ہیں، اور کوئی کہتا ہے: یٰسٓ کے معنی ہیں: اے انسان! یا: حرفِ ندا ہے، اور سین: انسان سے لیا ہے، اور انسان سے مراد کامل انسان یعنی نبی ﷺ ہیں، اور کوئی کہتا ہے: یہ آپؐ کا وصفی نام ہے، اسی لئے لوگ یاسین نام رکھتے ہیں —— پُر حکمت قرآن کی قسم! —— یہ دلیل ہے کہ —— آپؐ بالیقین زمرۂ رسولوں سے ہیں (اور) سیدھے راستہ پر ہیں —— جو راستہ اللہ تعالیٰ تک پہنچتا ہے اور یہ راستہ قرآنِ کریم دکھاتا ہے —— (یہ قرآن) زبردست بڑے مہربان کا بتدریج نازل کیا ہوا ہے، تاکہ آپؐ ایسے لوگوں کو نتائج اعمال سے آگاہ کریں جن کے اسلاف آگاہ نہیں کئے گئے، پس وہ (دین سے) بے خبر ہیں۔

جب گمراہی تہ بہ تہ ہوجاتی ہے تو اصلاح کے لئے سخت محنت درکار ہوتی ہے

چونکہ عرصۂ دراز سے عربوں میں کوئی رسول مبعوث نہیں ہوئے، اس لئے گمراہی تہ بہ تہ ہوگئی، پس اصلاح حال کے لئے سخت محنت درکار ہوگی، اور گمراہی کے جڑ پکڑنے کو دو مثالوں سے سمجھایا ہے: ایک: کسی کی گردن میں ایسا طوق ڈال دیا جائے کہ اس کا چہرہ اور آنکھیں اوپر کو اُٹھ جائیں، اور نیچے راستہ کی طرف دیکھ ہی نہ سکے۔ دوم: ایسا مانع پیش آئے کہ اپنے گردوپیش کو دیکھ ہی نہ سکے، کفارِ مکہ کے لئے دونوں قسم کے موانع موجود تھے۔

آیاتِ پاک: —— بخدا! واقعہ یہ ہے کہ ان میں سے اکثر پر بات ثابت ہوچکی —— بات: یعنی ارشادِ پاک: ﴿حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّیْ لَأَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِیْنَ﴾: بات محقق ہوچکی کہ میں جہنم کو جنات اور انسانوں سے ضرور بھروں گا —— پس وہ ایمان نہیں لائیں گے —— اور جہنم کا ایندھن بنیں گے —— ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈالے ہیں، پس وہ ٹھوڑیوں تک پہنچے ہوئے ہیں، پس ان کے سر اوپر کو اُلل گئے ہیں، اور ہم نے ان کے سامنے ایک دیوار کردی ہے، اور ان کے پیچھے ایک دیوار کردی ہے، سو وہ دیکھ نہیں رہے، یکساں ہے ان کے حق میں خواہ آپؐ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں: وہ ایمان نہیں لائیں گے —— اور ایمان نہ لانا ان کے سوءِ اختیار کی وجہ سے ہوگا، پس قصور انہی کا ہوگا —— اور مقصدِ کلام یہ نہیں ہے کہ ان کو جہنم میں جانے دیا جائے، بلکہ کہنا یہ ہے کہ ان کے پیچھے سخت محنت کی جائے، جیسے کہتے ہیں: چائے کا داغ نہیں جاتا، یعنی آسانی سے زائل نہیں ہوتا، بلیچ سے دھوؤ، پھر جس کے لئے ہدایت مقدر ہوگی: مل جائے

گی، ورنہ اتمام حجت ہو جائے گا۔

ڈرانے کا فائدہ کس کے حق میں ظاہر ہوتا ہے؟

ڈرانے کا فائدہ اسی کے حق میں ظاہر ہوتا ہے جو نصیحت گوشِ ہوش سے سنتا ہے، اور جس کے دل میں اللہ کا ڈر ہے، جو اللہ سے نہیں ڈرتا اور نصیحت نہیں سنتا وہ نبی کی تذکیر سے کیا فائدہ اٹھائے گا؟ ایسے لوگ بجائے مغفرت کے سزا کے مستحق ہونگے، باعزت ثواب کے حقدار مؤمنین ہونگے، ارشاد فرماتے ہیں: آپؐ صرف اسی کو ڈراتے ہیں جو نصیحت کی پیروی کرتا ہے، اور مہربان اللہ تعالیٰ سے بغیر دیکھے ڈرتا ہے، پس آپؐ اس کو بخشش کی اور باعزت ثواب کی خوش خبری سنا دیں!

مؤمنین کو ان کے ایمان اور عمل صالح کا ثواب کب ملے گا؟

موت کے بعد دوسری زندگی یقینی ہے، جہاں لوگ اپنے اچھے اعمال کا صلہ پائیں گے۔ ارشاد فرماتے ہیں: ـــــ بے شک ہم ہی مُردوں کو زندہ کریں گے، اور ہم لکھ رہے ہیں وہ اعمال جو انھوں نے آگے بھیجے ہیں، اور ان کے آثار بھی، اور ہر چیز کو ہم نے واضح کتاب میں ضبط کر رکھا ہے ـــــ عمل کرنے کو آگے بھیجنے سے تعبیر کیا ہے، اعمال وجود میں آکر ختم نہیں ہو جاتے، بلکہ آگے پہنچ جاتے ہیں، اگلی زندگی میں ان سے سابقہ پڑے گا ـــــ اور لکھنے سے مقصود ان کو محفوظ کرنا ہے، لکھنا اس کا ایک ذریعہ ہے ـــــ اور آثار سے مراد: وہ اعمال ہیں جو موت کے بعد باقی رہتے ہیں، خواہ اچھے ہوں یا برے، حدیث میں ہے: ''جس نے کوئی اچھا طریقہ جاری کیا تو اس کو اس کا ثواب ملے گا، اور جو اس طریقہ پر چلیں گے ان کا ثواب بھی اس کو ملے گا، اس کے بغیر کہ عمل کرنے والوں کے ثواب میں کوئی کمی آئے، یہی حال برا طریقہ جاری کرنے کا ہے، اس کو اس کا بھی گناہ ہوگا، اور جتنے لوگ اس برے طریقہ پر چلیں گے ان کا گناہ بھی اس کو ہوگا، اس کے بغیر کہ عمل کرنے والوں کے گناہ میں کوئی کمی آئے'' (ابن کثیر) ـــــ اور آثار کے ایک معنی نشانِ قدم کے بھی ہیں، حدیث میں ہے کہ آدمی نماز کے لئے مسجد کی طرف چلتا ہے تو اس کے ہر قدم پر نیکی لکھی جاتی ہے۔

اور اعمال و آثار وقوع کے بعد بھی لکھے جاتے ہیں، اور قبل از وقوع لوح محفوظ میں ریکارڈ ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے علم قدیم میں ہر چھوٹی بڑی چیز پہلے سے موجود ہے، اسی کے مطابق لوح محفوظ میں لکھا گیا ہے۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۝۱۳ اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ۝۱۴ قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ

وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ۝۱۵ قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ
لَمُرْسَلُوْنَ ۝۱۶ وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝۱۷ قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا
لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۱۸ قَالُوْا طَاۗىِٕرُكُمْ مَّعَكُمْ ۭ اَىِٕنْ ذُكِّرْتُمْ ۭ
بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ۝۱۹ وَجَاۗءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ۝۲۰
اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْـَٔـلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝۲۱ وَمَا لِيَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ
وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝۲۲ ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّيْ
شَفَاعَتُهُمْ شَيْــــًٔا وَّلَا يُنْقِذُوْنِ ۝۲۳ اِنِّيْٓ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۲۴ اِنِّيْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ
فَاسْمَعُوْنِ ۝۲۵ قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ۭ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ۝۲۶ بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ
مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ ۝۲۷ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰي قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَمَا كُنَّا
مُنْزِلِيْنَ ۝۲۸ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ ۝۲۹ يٰحَسْرَةً عَلَي الْعِبَادِ ۚ
مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۳۰ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ
الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۝۳۱ وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ۝۳۲

ع ۲ / ۱

وَاضْرِبْ	اور ماریے	اِلَيْهِمُ	ان کی طرف	مُّرْسَلُوْنَ	بھیجے ہوئے ہیں
لَهُمْ	ان (مکہ والوں) کے لئے	اثْنَيْنِ	دو کو	قَالُوْا	کہا انھوں نے
مَّثَلًا	ایک مثال	فَكَذَّبُوْهُمَا	پس جھٹلایا انھوں نے ان کو	مَآ اَنْتُمْ	نہیں ہو تم
اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ (۱)	ایک بستی والوں کی	فَعَزَّزْنَا (۲)	پس قوی کیا ہم نے (انکو)	اِلَّا بَشَرٌ	مگر ایک انسان
اِذْ جَآءَهَا	جب آئے وہاں	بِثَالِثٍ	تیسرے کے ذریعہ	مِّثْلُنَا	ہمیں جیسے
الْمُرْسَلُوْنَ	رسول	فَقَالُوْٓا	پس کہا انھوں نے	وَمَآ اَنْزَلَ	اور نہیں اتاری
اِذْ اَرْسَلْنَآ	جب بھیجا ہم نے	اِنَّآ اِلَيْكُمْ	بے شک ہم تمہاری طرف	الرَّحْمٰنُ	اللہ نے

(۱) أصحاب: مثلا (مفعول بہ) سے بدل ہے (۲) عَزَّزَہ: مضبوط اور طاقت ور بنانا۔

مِنْ شَيْءٍ	کوئی چیز	وَلَيَمَسَّنَّكُمْ	اور ضرور پہنچے گی تم کو	اتَّبِعُوا	پیروی کرو
اِنْ اَنْتُمْ	نہیں ہو تم	مِّنَّا	ہماری طرف سے	الْمُرْسَلِيْنَ	رسولوں کی
اِلَّا تَكْذِبُوْنَ	مگر جھوٹ بولتے	عَذَابٌ	سزا	اتَّبِعُوْا	پیروی کرو
قَالُوْا	کہا انھوں نے	اَلِيْمٌ	دردناک	مَنْ	(ان کی) جو
رَبُّنَا	ہمارا پروردگار	قَالُوْا	کہا انھوں نے	لَّا يَسْئَلُكُمْ	نہیں مانگتے تم سے
يَعْلَمُ	جانتا ہے	طَآئِرُكُمْ (۲)	تمہاری نحوست	اَجْرًا	کوئی بدلہ
اِنَّآ اِلَيْكُمْ	بیشک ہم تمہاری طرف	مَّعَكُمْ	تمہارے ساتھ ہے	وَّهُمْ	اور وہ
لَمُرْسَلُوْنَ	یقیناً بھیجے ہوئے ہیں	اَئِنْ (۳)	کیا اگر	مُّهْتَدُوْنَ	راہ یاب ہیں
وَمَا عَلَيْنَآ	اور نہیں ہے ہمارے ذمہ	ذُكِّرْتُمْ	نصیحت کئے گئے تم!	وَمَالِيَ (۵)	اور کیا ہے میرے لئے
اِلَّا الْبَلٰغُ	مگر پہنچانا	بَلْ اَنْتُمْ	بلکہ تم	لَآ اَعْبُدُ	(کہ) نہ عبادت کروں میں
الْمُبِيْنُ	کھول کر	قَوْمٌ	لوگ ہو	الَّذِيْ	(اس کی) جس نے
قَالُوْآ	کہا انھوں نے	مُّسْرِفُوْنَ	حد سے نکلنے والے	فَطَرَنِيْ	پیدا کیا مجھے
اِنَّا	بے شک ہم	وَجَآءَ	اور آیا	وَاِلَيْهِ	اور اس کی طرف
تَطَيَّرْنَا (۱)	نحوست پڑی ہم پر	مِنْ اَقْصَا	آخری حصہ سے	تُرْجَعُوْنَ	لوٹائے جاؤ گے تم
بِكُمْ	تمہاری وجہ سے	الْمَدِيْنَةِ	شہر کے	ءَاَتَّخِذُ	کیا بناؤں میں
لَئِنْ	بخدا! اگر	رَجُلٌ	ایک شخص	مِنْ دُوْنِهٖٓ	اس سے وَرے
لَّمْ تَنْتَهُوْا	نہیں رُکے تم	يَّسْعٰى (۴)	دوڑتا ہوا	اٰلِهَةً	معبودوں کو
لَنَرْجُمَنَّكُمْ	تو ضرور سنگسار کریں	قَالَ	کہا اس نے	اِنْ يُّرِدْنِ	اگر چاہیں
	گے ہم تم کو	يٰقَوْمِ	اے میری قوم	الرَّحْمٰنُ	نہایت مہربان

(۱) تَطَيَّرَ به و منه: براشگون لینا (۲) طائر: پرندہ، عرب پرندوں سے بدفالی لیتے تھے، اس لئے طائر بمعنی بدفالی مستعمل ہونے لگا (۳) ءَ اِنْ: ہمزہ استفہام، اِن: شرطیہ (۴) یسعی: رجل کی صفت یا حال ہے (۵) لِیَ: یاء پر زبر یَا غُلَامِیَ کے قاعدے سے آیا ہے، اسی طرح: ﴿لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ﴾ میں بھی۔ قاعدہ: منادی یاء کی طرف مضاف ہو تو اس پر زبر بھی آسکتا ہے، اور لِیَ میں لام حرفِ جر مضاف ہے، منادی نہیں ہے، مگر اس پر منادی کا حکم جاری ہوتا ہے۔

بِضُرٍّ	کوئی تکلیف	یَعْلَمُوْنَ	جانتی	خٰمِدُوْنَ	بجھنے والے ہیں!
لَّا تُغْنِ	(تو) نہ کام آئے	بِمَا غَفَرَ	بخشنے کو	یٰحَسْرَةً	ہائے افسوس
عَنِّيْ	میرے لئے	لِيْ	مجھے	عَلَى الْعِبَادِ	بندوں پر!
شَفَاعَتُهُمْ	ان کی سفارش	رَبِّيْ	میرے رب کے	مَا يَأْتِيْهِمْ	نہیں آتا ان کے پاس
شَيْـًٔا	کچھ بھی	وَجَعَلَنِيْ	اور بنانے کو مجھے	مِّنْ رَّسُوْلٍ	کوئی رسول
وَّلَا يُنْقِذُوْنِ	اور نہ چھڑائیں وہ مجھے	مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ	معززین میں سے	اِلَّا كَانُوْا	مگر ہیں وہ
اِنِّيْٓ اِذًا	بے شک میں تب	وَمَآ اَنْزَلْنَا	اور نہیں اتارا ہم نے	بِهٖ	اس کا
لَّفِيْ ضَلٰلٍ	یقیناً گمراہی میں ہوں گا	عَلٰى قَوْمِهٖ	اس کی قوم پر	يَسْتَهْزِءُوْنَ	ٹھٹھا کرتے
مُّبِيْنٍ	صریح	مِنْۢ بَعْدِهٖ	اس کے بعد	اَلَمْ يَرَوْا	کیا نہیں دیکھا انھوں نے
اِنِّيْٓ اٰمَنْتُ	بیشک میں ایمان لایا	مِنْ جُنْدٍ	کوئی لشکر	كَمْ اَهْلَكْنَا	کتنی ہلاک کیں ہم نے
بِرَبِّكُمْ	تمہارے پروردگار پر	مِّنَ السَّمَآءِ	آسمان سے	قَبْلَهُمْ	ان سے پہلے
فَاسْمَعُوْنِ	پس سنو میری بات	وَمَا كُنَّا	اور نہیں تھے ہم	مِّنَ الْقُرُوْنِ	صدیاں (قومیں)
قِيْلَ	کہا گیا	مُنْزِلِيْنَ	اتارنے والے	اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ	کہ وہ ان کی طرف
ادْخُلِ	داخل ہو	اِنْ كَانَتْ	نہیں تھی وہ	لَا يَرْجِعُوْنَ	نہیں لوٹیں گے
الْجَنَّةَ	جنت میں	اِلَّا	مگر	وَاِنْ كُلٌّ(1)	اور نہیں ہیں سب
قَالَ	کہا اس نے	صَيْحَةً	چیخ	لَّمَّا جَمِيْعٌ	مگر سارے
يٰلَيْتَ	اے کاش	وَّاحِدَةً	ایک	لَّدَيْنَا	ہمارے پاس
قَوْمِيْ	میری قوم	فَاِذَا هُمْ	پس اچانک وہ	مُحْضَرُوْنَ	حاضر کئے ہوئے ہیں

مکہ کے مکذبین کو ایک سبق آموز واقعہ سناتے ہیں

رسالت کا موضوع چل رہا ہے، یہ سورت مکی دور کے وسط میں نازل ہوئی ہے، اب مکہ کے مکذبین کو ایک واقعہ سناتے ہیں، جس میں عبرت کا سامان ہے، یہ سچا واقعہ ہے، تمثیلی نہیں، مگر یہ واقعہ کس جگہ کا ہے، اور کس زمانہ کا ہے: یہ بات یقین سے نہیں بتائی جاسکتی، مشہور یہ ہے کہ یہ شہر انطاکیہ کا واقعہ ہے، یہ شہر ترکیا سے لگا ہوا ہے۔ اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ وہ

(۱) إن: نافیہ، لما: بمعنی إلا، نفی اثبات حصر کے لئے ہیں۔

اللہ کے رسول تھے یا عیسیٰ علیہ السلام کے فرستادے تھے، قرآن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے رسول تھے۔ واللہ اعلم

اُس بستی کی طرف پہلے دو رسول بھیجے، جب ان کی بات نہیں سنی گئی تو تیسرے رسول کے ذریعہ ان کو تقویت پہنچائی، پھر جب تینوں کی بات بھی نہیں مانی گئی، اور بستی والے ان کے قتل کے درپے ہوگئے تو شہر کے کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا، اس نے بھی قوم کو سمجھایا، مگر لوگوں نے اس کو شہید کردیا، اس بندے کا نام بھی معلوم نہیں، مشہور حبیب ہے، اور رسولوں کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ اس کی بھی وضاحت نہیں، بالآخر عذاب آیا، اور ایک چنگھاڑ نے ان کا کام تمام کردیا، اب واقعہ پڑھیں:

آپؐ مکہ والوں کو ایک بستی والوں کا واقعہ سنائیں ـــــ یہ واقعہ اس وقت کا ہے: ـــــ جب وہاں رسول پہنچے ـــــ یہ رسول کسی دوسری جگہ سے آئے تھے، جیسے لوط علیہ السلام شام سے سدّوم پہنچے تھے یا وہیں سے مبعوث کئے گئے تھے؟ اس سلسلہ میں قرآنِ کریم نے کوئی واضح بات نہیں فرمائی، بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرات دوسری جگہ سے آئے تھے ـــــ جب ہم نے ان کی طرف دو کو بھیجا، پس انھوں نے دونوں کو جھٹلایا، تو ہم نے تیسرے کے ذریعہ (ان کو) قوی کیا ـــــ پہلے کئی رسول ایک ساتھ مبعوث ہوتے تھے، جیسے موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل میں کئی کئی نبی ایک ساتھ جمع ہوتے تھے۔

پس انھوں نے کہا: بے شک ہم تمہارے پاس بھیجے ہوئے آئے ہیں ـــــ از خود نہیں آئے ـــــ ان لوگوں نے کہا: تم ہمیں جیسے انسان ہو ـــــ تم میں کوئی سرخاب کا پَر نہیں لگ رہا ـــــ اور مہربان اللہ نے کوئی چیز نہیں اتاری ـــــ تم خواہ مخواہ اللہ کا نام لے رہے ہو، تینوں سازش کرکے آئے ہو، اور اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کے لئے اللہ کا نام لے رہے ہو ـــــ تم نرا (صاف) جھوٹ بولتے ہو!

انھوں نے کہا: ہمارا پروردگار جانتا ہے کہ ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں، اور ہمارے ذمہ صرف کھول کر پہنچانا ہے ـــــ یعنی اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں کہ ہم اپنے دعوی میں سچے ہیں، ہم کوئی بات اپنی طرف سے نہیں کہہ رہے، اور ہم اپنا فرض ادا کرچکے، اللہ کا پیغام ہم نے خوب کھول کر پہنچا دیا، اب تم سوچ لو تکذیب کا انجام کیا ہوگا!

انھوں نے کہا: ہم پر تمہاری وجہ سے نحوست پڑی! ـــــ تمہارے قدم کیا آئے کہ ہم پر آفات ٹوٹ پڑیں، پہلے ہم اچھے خاصے آرام چین کی زندگی بسر کررہے تھے، تمہارے آتے ہی مصائب نے گھیر لیا! ـــــ بخدا! اگر تم باز نہیں آئے تو ہم ضرور تمہیں سنگسار کردیں گے، اور تمہیں ہماری طرف سے سخت تکلیف پہنچے گی!

رسولوں نے کہا: تمہاری نحوست تمہارے ساتھ ہے ـــــ یعنی نحوست کے اسباب تمہارے اندر ہیں، تمہارے کفر

وتکذیب کی وجہ سے آفات آئی ہیں ـــــ کیا صرف اتنی بات پر کہ تم کو نصیحت کی گئی ـــــ ہم منحوس ہو گئے! ـــــ بلکہ تم حد سے نکلنے والے لوگ ہو! ـــــ عقل و دانش سے کام نہیں لیتے، قتل کی دھمکیاں دینے لگے ہو!

اور شہر کے دور مقام سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا ـــــ غریب لوگ عام طور پر شہر سے باہر رہتے ہیں، جب اس کو معلوم ہوا کہ لوگوں نے رسولوں کو دھمکی دی ہے تو وہ جلدی سے آیا ـــــ اس نے کہا: اے میری قوم! رسولوں کی راہ اپناؤ، ایسے لوگوں کی راہ اپناؤ جو تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتے، اور وہ راہ یاب ہیں ـــــ یعنی یہ حضرات اللہ کا پیغام لے کر آئے ہیں، اور تمہیں جو نصیحت کر رہے ہیں اس پر خود عمل پیرا ہیں، ان کے اخلاق و عادات اور اعمال و اطوار سب ٹھیک ہیں، اور بے غرض خیر خواہی کرتے ہیں، کوئی معاوضہ تم سے نہیں چاہتے، ایسے بے لوث بزرگوں کا اتباع کرو۔

بس پھر کیا تھا؟ لوگ اس خیر خواہ کے پیچھے پڑ گئے، کہنے لگے: اچھا تو بھی پھریلا ہے! اس نے جواب دیا ـــــ اور میرے لئے کیا مانع ہے کہ میں اس کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا؟ اور تم سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، کیا میں اللہ سے وَرے ایسے معبود اپناؤں کہ اگر مہربان اللہ مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہیں تو ان کی سفارش میرے کچھ کام نہ آئے، اور نہ وہ مجھے بچا سکیں، تب تو میں یقیناً صریح گمراہی میں ہوں گا، میں تو تمہارے پروردگار پر ایمان لایا، پس تم میری بات سنو! ـــــ ایمان کا اعلان سنتے ہی قوم اس کی دشمن ہو گئی، اور سب مل کر اس پر ٹوٹ پڑے، اور گھونسوں، لاتوں اور ٹھوکروں سے اس کو شہید کر دیا، شہید ہوتے ہی اس کو جنت کا پروانہ مل گیا ـــــ کہا گیا: جنت میں داخل ہو جا ـــــ شہداء کی ارواح قبل از محشر بھی جنت میں آتی جاتی ہیں ـــــ اس نے کہا: اے کاش! میری قوم کو یہ بات معلوم ہو جاتی کہ میرے رب نے مجھے بخش دیا، اور مجھے معززین میں شامل کر لیا ـــــ یعنی اگر ان کو میرا یہ حال معلوم ہو جاتا تو سب ایمان لے آتے۔

اس کے بعد اس کی قوم رسولوں کی تکذیب کی پاداش میں ہلاک ہوئی، اور ان کو ہلاک کرنے کے لئے آسمان سے فرشتوں کی فوج نہیں اتارنی پڑی، بس ایک ڈانٹ پڑی کہ سب ٹھنڈے ہو گئے، ارشاد فرماتے ہیں: ـــــ اور ہم نے اس کی قوم پر اس کے بعد آسمان سے کوئی لشکر نہیں اتارا، اور نہ ہمیں اتارنے کی ضرورت تھی! ـــــ کیونکہ اللہ تعالیٰ زمین کی پلیٹیں ہلا دیں تو ایک دنیا تباہ ہو جائے، سیلاب بھیج دیں تو سب کھیت رہیں، اللہ کو آسمان سے فوج اتارنے کی کیا ضرورت ہے؟ ـــــ وہ سزا بس ایک سخت آواز تھی، پس اچانک وہ بجھ کر رہ گئے! ـــــ راکھ کا ڈھیر ہو گئے!

آگے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ـــــ ہائے افسوس بندوں پر! جب بھی ان کے پاس کوئی رسول آیا تو انھوں نے اس کی ہنسی اڑائی ـــــ کیا انھوں نے دیکھا نہیں! کتنی امتیں ہم نے ان (مکہ والوں) سے پہلے ہلاک کیں، جو ان کی

طرف لوٹ کر نہیں آئیں! —— جو ہلاک ہوا: وہ گیا: ﴿وَحَرَامٌ عَلٰی قَرْیَةٍ أَهْلَكْنَاهَا: أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ﴾: اور ناممکن ہے اس بستی پر جس کو ہم نے ہلاک کیا: وہ لوٹ کر نہیں آئیں گے [انبیاء ۹۵] —— اور کوئی نہیں مگر سارے ہی ہمارے پاس حاضر کئے ہوئے ہیں! —— اسی وقت ان کو تکذیب کا انجام معلوم ہوگا! اور یہ بات قیامت کے دن ہوگی، اس طرح معاد (آخرت) کا مضمون شروع ہوجائے گا۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۖ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ ﴿۳۴﴾ لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ۭ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾

وَاٰيَةٌ	اور ایک نشانی	جَنّٰتٍ	باغات	يَشْكُرُوْنَ	شکر کرتے وہ
لَّهُمُ	ان کے لئے	مِّنْ نَّخِيْلٍ	کھجور کے	سُبْحٰنَ	پاک ہے
الْاَرْضُ	زمین ہے	وَّاَعْنَابٍ	اور انگور کے	الَّذِيْ	جس نے
الْمَيْتَةُ	مردہ	وَّفَجَّرْنَا	اور بہائے ہم نے	خَلَقَ	پیدا کیا
اَحْيَيْنٰهَا	زندہ کیا ہم نے اس کو	فِيْهَا	اس میں	الْاَزْوَاجَ	جوڑے
وَاَخْرَجْنَا	اور نکالا ہم نے	مِنَ الْعُيُوْنِ	چشموں سے	كُلَّهَا	سارے
مِنْهَا	اس سے	لِيَاْكُلُوْا	تاکہ کھائیں وہ	مِمَّا	اس کے جو
حَبًّا	غلّہ	مِنْ ثَمَرِهٖ (۱)	اس (اللہ) کے پھل سے	تُنْۢبِتُ	اگاتی ہے
فَمِنْهُ	پس اس میں سے	وَمَا (۲)	اور نہیں	الْاَرْضُ	زمین
يَاْكُلُوْنَ	کھاتے ہیں وہ	عَمِلَتْهُ	بنایا اس (پھل) کو	وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ	اور ان کی ذاتوں کے
وَجَعَلْنَا	اور بنائے ہم نے	اَيْدِيْهِمْ	ان کے ہاتھوں نے	وَمِمَّا	اور اس کے جس کو
فِيْهَا	اس میں	اَفَلَا	کیا پس نہیں	لَا يَعْلَمُوْنَ	نہیں جانتے وہ

(۱) من ثمرہ کی ضمیر اللہ کی طرف لوٹتی ہے، اور اضافت تشریف کے لئے ہے (۲) ما: نافیہ ہے، اور جملہ حالیہ ہے۔

لوگ مرے پیچھے کس طرح زندہ کر کے حاضر کئے جائیں گے؟ (بعث بعد الموت کی پہلی دلیل)

گذشتہ آیت سن کر شاید کسی کو شبہ ہو کہ لوگ مرے پیچھے کس طرح زندہ کر کے حاضر کئے جائیں گے؟ اس کا جواب دیتے ہیں کہ جس طرح گرمی میں زمین خشک ہو جاتی ہے، ہر طرف خاک اڑتی ہے کہ اچانک رحمت کی بارش ہوتی ہے، اور زمین لہلہانے لگتی ہے، اسی طرح مردہ ابدان میں روح حیات پھونک دی جائے گی، اور دوسری دنیا آباد ہو جائے گی، پس مردہ زمین لوگوں کے لئے ایک نشانی ہے، اس سے بعث بعد الموت کو سمجھ سکتے ہیں، ارشاد فرماتے ہیں: —— اور لوگوں کے لئے ایک نشانی مردہ زمین ہے، ہم نے اس کو زندہ کیا، اور ہم نے اس سے غلّہ اگایا، پس وہ اس میں سے کھاتے ہیں، اور ہم نے اس میں کھجور اور انگور کے باغات لگائے، اور ہم نے اس میں چشمے جاری کئے، تاکہ لوگ اللہ کے پھلوں کو کھائیں، درانحالیکہ ان کو ان کے ہاتھوں نے نہیں بنایا! کیا پس وہ شکر نہیں بجالاتے! —— غور کرو! زمین سے اللہ تعالیٰ غلّہ پیدا کرتے ہیں، جس کو لوگ کھاتے ہیں، اور وہ ان کی معیشت کا قوام ہوتا ہے، اسی طرح میوے پیدا کئے، جن سے لوگ شغل کرتے ہیں، اور بارش تو ایک دفعہ برس کر رک جاتی ہے، مگر اس کا پانی اللہ تعالیٰ زمین میں اسٹور کر دیتے ہیں، جو ندی نالوں، کنوں اور چشموں کی شکل میں بہتا ہے، جن سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں، پھر غور کرو! یہ غلّہ اور پھل اللہ تعالیٰ پیدا کرتے ہیں، لوگوں میں یہ طاقت نہیں کہ وہ ان کو پیدا کریں، یہ نعمتیں ہیں جن کی شکر گذاری واجب ہے۔

دوسری دنیا کی کیا ضرورت ہے؟ جوڑی کے قانون سے اس کو سمجھاتے ہیں

نباتات میں، انسانوں میں اور دوسری مخلوقات میں جن کی لوگوں کو پوری خبر نہیں: اللہ تعالیٰ نے جوڑیاں بنائی ہیں، ہر مخلوق کی جوڑی ہے، صرف اللہ تعالیٰ کی ذات جوڑی سے پاک ہے، اور جوڑی: وہ دو چیزیں ہیں جو مل کر ایک مقصد کی تکمیل کرتی ہیں، جیسے دو جوتے چپل جوڑی ہیں، ان کو پہن کر آدمی سوار ہو کر چلتا ہے، مسلم شریف میں حدیث ہے: ''جو چپل پہنے ہوئے ہے وہ برابر سوار ہو کر چل رہا ہے'' (مشکات ح ۴۴۰۹) اور یہ مقصد اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب دونوں پیروں میں چپل ہوں، اسی وجہ سے ایک جوتا چپل پہن کر چلنے کی ممانعت آئی ہے، اسی طرح کرتا پاجامہ جوڑا ہیں، زینت دونوں سے حاصل ہوتی ہے، اور نر مادہ جوڑا ہیں، افزائش نسل کا مقصد دونوں کے ذریعہ پورا ہوتا ہے، اسی طرح غلّہ اور تلہن جوڑا ہیں، کھانا دونوں سے رچتا پچتا ہے، ٹھیک اسی طرح دنیا کا جوڑا آخرت ہے، تکلیف شرعی کی غرض دونوں سے پوری ہوتی ہے، دنیا میں عمل ہے اور آخرت میں جزاء، اگر صرف دنیا ہوتی تو اچھے بُرے عمل کا فائدہ ظاہر نہ ہوتا، اور صرف آخرت ہوتی تو جزاؤ سزا کس بات کی ہوتی! ارشاد فرماتے ہیں: —— اور وہ ذات (جوڑی سے) پاک ہے جس نے تمام جوڑوں

کو بنایا، ان کے جن کو زمین اگاتی ہے، اور خود ان کے بھی، اور جن کو وہ نہیں جانتے۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ۖۚ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۳۸﴾ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ﴿۳۹﴾ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿۴۰﴾

وَاٰيَةٌ	اور ایک نشانی	لَّهَا	اپنے	لَا الشَّمْسُ	نہ سورج
لَّهُمُ	ان کے لئے	ذٰلِكَ	یہ	يَنْۢبَغِيْ	مناسب ہے
الَّيْلُ	رات ہے	تَقْدِيْرُ	اندازہ کرنا ہے	لَهَآ	اس کے لئے
نَسْلَخُ (۱)	کھال کھینچ لیتے ہیں ہم	الْعَزِيْزِ	زبردست	اَنْ	کہ
مِنْهُ	اس پر سے	الْعَلِيْمِ	باخبر کا	تُدْرِكَ	پالے
النَّهَارَ	دن کی	وَالْقَمَرَ	اور چاند کا	الْقَمَرَ	چاند کو
فَاِذَا	پس اچانک	قَدَّرْنٰهُ	اندازہ ٹھہرایا ہم نے اس کی	وَلَا الَّيْلُ	اور نہ رات
هُمْ	وہ	مَنَازِلَ (۳)	منزلوں کا	سَابِقُ	آگے بڑھنے والی ہے
مُّظْلِمُوْنَ (۲)	اندھیرے میں رہ جاتے ہیں	حَتّٰى	یہاں تک کہ	النَّهَارِ	دن سے
وَالشَّمْسُ	اور سورج	عَادَ	لوٹ جاتا ہے وہ	وَكُلٌّ	اور ہر ایک
تَجْرِيْ	چلتا ہے	كَالْعُرْجُوْنِ	ٹہنی کی طرح	فِيْ فَلَكٍ	خاص دائرہ میں
لِمُسْتَقَرٍّ	ٹھہرنے کے وقت تک	الْقَدِيْمِ	پرانی	يَّسْبَحُوْنَ	تیر رہے ہیں

آخرت اصل ہے، دنیا عارض، وقت اس کی ایک مثال ہے (بعث بعد الموت کی دوسری دلیل)

ٹائم: دو حصوں میں منقسم ہے: رات اور دن، رات اصل ہے، چنانچہ اسلامی تاریخ رات سے بدلتی ہے، رات پہلے

(۱) سَلَخَ (ف، ن) سَلْخًا: کھال اتارنا، رات اصل ہے، دن کی چادر اس پر سے اتار لی جاتی ہے تو رات رہ جاتی ہے (۲) مُظْلِم (اسم فاعل) مصدر اِظْلَام: تاریکی میں ہو جانا (۳) منازل: تمیز ہے، نسبت کے ابہام کو دور کرتی ہے۔ اور قَدَّر: بمعنی صَیَّر ہو تو مفعول ثانی بھی ہو سکتا ہے۔

آتی ہے، اور دن: نور کی چادر کے پھیلنے کا نام ہے، جب یہ چادر اتار لی جاتی ہے تو لوگ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں، اسی طرح آخرت اصل ہے، اور دنیا عارض، گردشِ شمس وقمر کا نام دنیا ہے، جب یہ نظام رک جائے گا تو آخرت نمودار ہوگی، جو اصل عالم ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں: —— اور ایک نشانی لوگوں کے لئے رات ہے، ہم اس پر سے دن کو اتار لیتے ہیں تو اچانک لوگ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں —— اور سورج اپنے ٹھہرنے کے وقت کے لئے چل رہا ہے، یہ زبردست باخبر کا اندازہ ٹھہرانا ہے —— سورج جو مشرق سے مغرب کی طرف چلتا ہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک مدت ٹھہرائی ہے، اس مقررہ وقت تک وہ اسی طرح چلتا رہے گا، پھر جب اللہ کا حکم ہوگا تو الٹا چلنے لگے گا، جیسے پہیّا جب رکنے پر آتا ہے تو الٹا چلنے لگتا تھا، اسی طرح یہ دنیا اپنی رفتار پر چل رہی ہے، مگر اس کے لئے بھی ایک وقت مقرر ہے، اس کے بعد یہ دنیا واپس لوٹے گی، اور اصل دنیا (آخرت) ظاہر ہوگی —— بخاری شریف کی حدیث (نمبر ۳۱۹۹) میں یہ مضمون ہے کہ سورج ہر روز بوقتِ غروب عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے یعنی اپنی اطاعت ظاہر کرتا ہے، اور طلوع کی اجازت چاہتا ہے: جو دیدی جاتی ہے، پھر ایک وقت آئے گا کہ اجازت نہیں دی جائے گی، حکم ہوگا کہ اپنے غروب ہونے کی جگہ سے طلوع ہو، چنانچہ وہ ایسا کرے گا، پھر اس کی رفتار رک جائے گی، اور یہ دنیا ختم ہوجائے گی (اور حدیث کی شرح تحفۃ القاری ۶: ۴۷۴ میں ہے)

سورج کی الٹی چال کی نظیر

اور سورج کی الٹی چال کی نظیر چاند کی الٹی چال ہے۔ چاند کی دو چالیں ہیں: ایک: چاند مشرق سے مغرب کی طرف چلتا ہے، اس چال سے چاند چوبیس گھنٹوں میں ایک بار طلوع وغروب ہوتا ہے۔ دوم: چاند روزانہ مغرب سے مشرق کی طرف ایک منزل چلتا ہے، اس چال کے لئے اٹھائیس منزلیں مقرر ہیں، دو راتیں محاق رہتا ہے، نظر نہیں آتا، چاند کی اسی رفتار سے قمری مہینہ بنتا ہے، یہ چال نظیر ہے سورج کے الٹا چلنے کی، قیامت کے قریب سورج بھی اسی طرح الٹی چال چلے گا، ارشاد فرماتے ہیں: —— اور چاند کی ہم نے منزلیں مقرر کی ہیں، یہاں تک کہ وہ کھجور کی پرانی ٹہنی کی طرح لوٹتا ہے —— یعنی قمر: ہلال (نیا چاند) بن کر نمودار ہوتا ہے، اور نیا قمری مہینہ شروع ہوتا ہے۔

نظام شمس وقمر کی اُستواری

اُستواری: مضبوط ومستحکم نظام۔ یہاں کوئی خیال کرسکتا ہے کہ جب سورج مغرب کی طرف چل رہا ہے، اور چاند مشرق کی طرف تو دونوں ٹکرا بھی سکتے ہیں؟ فرماتے ہیں: نہیں! دونوں مستحکم نظام کے ماتحت چل رہے ہیں —— نہ تو آفتاب کی

مجال ہے کہ چاند کو پکڑ لے ـــــ یہ آدھا مضمون ہے، باقی آدھا ہے: نہ چاند کی مجال ہے کہ سورج کو پکڑ لے ـــــ اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے ـــــ یہ آدھا مضمون نہیں ہے، بلکہ کہنا یہ ہے کہ آخرت دنیا کے بعد ہی آئے گی، پہلے نہیں آسکتی ـــــ اور دونوں ہی اپنے اپنے دائرے (سرکل) میں تیر رہے ہیں ـــــ سورج کی مدار (راستہ) الگ ہے اور چاند کی الگ، پھر دونوں کیسے ٹکرا سکتے ہیں؟

وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۴۱﴾ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿۴۴﴾

وَاٰيَةٌ	اور ایک نشانی ہے	لَهُمْ	ان کے لئے	وَلَا هُمْ	اور نہ وہ
لَّهُمْ	ان کے لئے	مِّنْ مِّثْلِهٖ	اس کے مانند سے	يُنْقَذُوْنَ	چھڑائے جائیں
اَنَّا	کہ ہم نے	مَا يَرْكَبُوْنَ	جس پر سواری کرتے ہیں وہ	اِلَّا	مگر
حَمَلْنَا	اٹھایا	وَاِنْ	اور اگر	رَحْمَةً	مہربانی
ذُرِّيَّتَهُمْ	ان کی نسل کو	نَّشَاْ	چاہیں ہم	مِّنَّا	ہماری
فِي الْفُلْكِ	کشتی میں	نُغْرِقْهُمْ	(تو) غرق کردیں ان کو	وَمَتَاعًا	اور برتنا
الْمَشْحُوْنِ	بھری ہوئی	فَلَا صَرِيْخَ (۱)	پس نہ کوئی فریاد رس ہو	اِلٰى حِيْنٍ	ایک وقت تک
وَخَلَقْنَا	اور بنائی ہم نے	لَهُمْ	ان کے لئے	❁	❁

تمام انسانوں کے وجود پذیر ہوجانے تک دنیا کا بقاء منظور ہے (بعث بعد الموت کی تیسری دلیل)

انسانیت ابتدائی دور میں تھی، نوح علیہ السلام کے زمانہ میں پانی کا طوفان آیا، اللہ تعالیٰ نے اہتمام سے کشتی بنوائی، اور اسّی مرد وزن کو اس میں سوار کر کے عذاب سے بچالیا، کیونکہ نسلِ آدم کو وجود میں لانا منظور تھا، ورنہ بھری لدی کشتی غرق ہوجاتی، مگر رحمتِ الٰہی نے اس کو ڈوبنے سے بچالیا، تاکہ انسانیت ایک وقت تک دنیا کے مال سامان سے فائدہ اٹھائے

(۱) صریخ: فریاد کو پہنچنے والا، صُراخ سے، جو اضداد میں سے ہے: فریاد کرنا اور فریاد کو پہنچنا، یہاں دوسرے معنی ہیں، اور فعیل بمعنی فاعل ہے۔

—— پس جب سب لوگ وجود پذیر ہوجائیں گے تو دنیا کی کیا ضرورت رہے گی؟ اس عالم کو ختم کردیا جائے گا اور نیا عالم وجود میں لایا جائے گا۔

اس کی تھوڑی تفصیل یہ ہے کہ انسان اس دنیا میں نیا نہیں پیدا ہوتا، اس دنیا میں صرف انسان کا جسم بنتا ہے، اور اس کی روح اس سے بہت پہلے پیدا کی جاچکی ہے، اور تمام روحیں عالم ارواح میں ہیں، وہاں سے شکم مادر میں بننے والے جسد خاکی میں روح منتقل کی جاتی ہیں، تمام ارواح کو اس عالم میں برائے عمل آنا ہے، اور ارواح محدود ہیں، پس جب سب روحیں منتقل ہوجائیں گی تو یہ عالم ختم کردیا جائے گا، اور نئی دنیا آباد ہوگی۔

ارشاد فرماتے ہیں: —— اور ایک نشانی ہے لوگوں کے لئے کہ ہم نے ان کی نسل کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا —— اور ڈوبنے سے بچالیا، اور صرف موجودین ہی کو بچانا مقصود نہیں تھا، بلکہ قیامت تک آنے والی ان کی نسل کو بھی بچانا مقصود تھا۔ اگر کشتی والے باقی نہ رہتے تو انسان کا تخم باقی نہ رہتا —— اور ہم نے ان کے لئے کشتی جیسی چیزیں پیدا کیں جن پر وہ سواری کرتے ہیں —— یعنی لوگوں نے اس کشتی کے نمونہ پر دوسری کشتیاں اور جہاز بنائے جن پر وہ لدے پھرتے ہیں، اور کشتی کے مانند اور بھی سواریاں پیدا کیں، جیسے اونٹ جو خشکی کی کشتی ہے، اور ہوائی جہاز، پانی کا جہاز پانی پر تیرتا ہے، اور ہوائی جہاز ہوا میں اڑتا ہے، نہ اول پانی میں ڈوبتا ہے نہ ثانی زمین پر گرتا ہے —— اور اگر ہم چاہیں تو ان کو غرق کردیں، پس نہ کوئی فریاد رس ہو، اور نہ وہ چھڑائے جائیں، مگر ہماری مہربانی ہے اور ایک وقت تک فائدہ پہنچانا منظور ہے —— یہی حال سفینۂ نوح کا سمجھو، ان کو اللہ نے اپنی مہربانی سے ڈوبنے سے بچایا، کیونکہ قیامت تک ان کی نسل کو باقی رکھنا منظور تھا۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَاۗءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ ڰ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ ۝ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّلَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ ۝

ع ۳ (۱۸) ۲

وَاِذَا	اور جب	قِيْلَ	کہا گیا	فِیْ ضَلٰلٍ	گمراہی میں
قِيْلَ	کہا گیا	لَهُمْ	ان سے	مُّبِيْنٍ	صریح
لَهُمُ	ان سے	اَنْفِقُوْا	خرچ کرو	وَيَقُوْلُوْنَ	اور پوچھتے ہیں وہ
اتَّقُوْا	ڈرو	مِمَّا	اس سے جو	مَتٰى	کب ہوگا
مَا (۱)	(اس سے) جو	رَزَقَكُمُ	روزی دی تم کو	هٰذَا الْوَعْدُ	یہ وعدہ
بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ	تمہارے آگے ہے	اللّٰهُ	اللہ نے	اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم
وَمَا خَلْفَكُمْ	اور جو تمہارے پیچھے ہے	قَالَ	کہا	صٰدِقِيْنَ	سچے
لَعَلَّكُمْ	شاید تم	الَّذِيْنَ	جنھوں نے	مَا يَنْظُرُوْنَ	نہیں راہ دیکھتے وہ
تُرْحَمُوْنَ	رحم کیے جاؤ	كَفَرُوْا	انکار کیا	اِلَّا صَيْحَةً	مگر چیخ کی
وَمَا	اور نہیں	لِلَّذِيْنَ	ان سے جنھوں نے	وَّاحِدَةً	ایک
تَاْتِيْهِمْ	پہنچی ان کو	اٰمَنُوْٓا	مان لیا	تَاْخُذُهُمْ	جو ان کو پکڑے
مِّنْ اٰيَةٍ	کوئی نشانی	اَنُطْعِمُ	کیا کھلائیں ہم	وَهُمْ	درانحالیکہ وہ
مِّنْ اٰيٰتِ	نشانیوں میں سے	مَنْ لَّوْ	اس کو اگر	يَخِصِّمُوْنَ (۳)	جھگڑ رہے ہوں
رَبِّهِمْ	ان کے رب کی	يَشَآءُ	چاہتے	فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ	پس نہ طاقت رکھیں وہ
اِلَّا كَانُوْا	مگر ہوتے ہیں وہ	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	تَوْصِيَةً (۴)	وصیت کرنے کی
عَنْهَا	اس سے	اَطْعَمَهٗٓ	اس کو کھلاتے!	وَّلَآ	اور نہ
مُعْرِضِيْنَ	روگردانی کرنے والے	اِنْ اَنْتُمْ (۲)	نہیں ہو تم	اِلٰٓى اَهْلِهِمْ	اپنے گھر والوں کی طرف
وَاِذَا	اور جب	اِلَّا	مگر	يَرْجِعُوْنَ	لوٹیں وہ

عذاب گردوپیش سے بھی آسکتا ہے

گفتگو ان لوگوں سے چل رہی ہے جنھوں نے حبیب کو شہید کیا ہے، بار بار لھم آیا ہے، اور بعث بعد الموت کی تیسری

(۱) ما: دونوں جگہ ما سے پہلے من جارہ پوشیدہ ہے (۲) إن أنتم: کافروں کے قول کا رد ہے اور ان کے قول کا تتمہ بھی ہوسکتا ہے (۳) يَخِصِّمُوْن: دراصل يَخْتَصِمُوْن تھا، تعلیل ہوئی ہے، اِخْتِصَام: معاملات میں جھگڑنا (۴) توصية: مصدر باب تفعیل: وصیت کرنا، کہہ مرنا۔

دلیل کے ضمن میں فرمایا تھا کہ اگر ہم چاہیں تو ان کو غرق کردیں۔ اب فرماتے ہیں کہ عذاب خشکی میں گردوپیش سے بھی آسکتا ہے، اس سے بچنے کے لئے اللہ سے ڈرنا ضروری ہے، اور اللہ سے ڈرنا اس کے احکام کی خلاف ورزی سے بچنا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں: ـــــ اور جب ان لوگوں سے کہا گیا کہ ڈرو اس سے جو تمہارے آگے ہے اور اس سے جو تمہارے پیچھے ہے، شاید تم رحم کئے جاؤ! ـــــ یعنی اللہ کے احکام کی خلاف روزی سے بچو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائیں گے، اور عذاب سے محفوظ رکھیں گے ـــــ اور آگے پیچھے سے مراد: ہر چہار جانب ہیں ـــــ اور عذاب کی بہت صورتیں ہیں، کسی بھی صورت میں عذاب آسکتا ہے۔

لوگ عذاب کی خبریں سنتے ہیں، مگر ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیتے ہیں

وقفہ وقفہ سے خبریں آتی ہیں کہ فلاں ملک میں زلزلہ آیا اور بڑی تباہی مچی، فلاں ملک میں سیلاب آیا اور اتنی جانیں گئیں، فلاں فلک میں قحط پڑا اور ہزاروں بھوک سے مر گئے، مگر ان خبروں سے لوگ وقتی طور پر اثر لیتے ہیں، پھر غفلت کا شکار ہوجاتے ہیں، ارشاد فرماتے ہیں: ـــــ اور نہیں پہنچتی ان کو کوئی نشانی ان کے رب کی نشانیوں میں سے، مگر وہ اس سے روگردانی کرنے والے ہیں ـــــ کوئی سبق نہیں لیتے، زندگی کا دھارا نہیں بدلتے! یہی روگردانی ہے۔

روگردانی کی دو مثالیں

پہلی مثال: جب کسی جگہ سیلاب آتا ہے، اور ہزاروں بے خان مان ہوجاتے ہیں، یا قحط پڑتا ہے اور لوگ بھوکوں مرنے لگتے ہیں، یا کوئی غریب بھوکا ہے، اور مؤمن: کافر کو خرچ کرنے کی ترغیب دیتا ہے تو وہ روگردانی کرتا ہے، اور کہتا ہے: اگر اللہ چاہتے تو اس کو کھلاتے، بھوکا نہ مارتے، تم اس کی فکر میں کیوں پڑے ہو! ـــــ اللہ تعالیٰ اس کی تردید کرتے ہیں کہ تو صریح گمراہی میں ہے، کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ تجھے اللہ نے جو دیا ہے وہ سارا تیرا ہے؟ رزق کے معنی ہیں: حصہ، نصیب، مالدار کو جو اس کی ضرورت سے زیادہ دیا جاتا ہے وہ دوسروں کے نصیب کا ہوتا ہے اور اس سے مالدار کا امتحان مقصود ہوتا ہے کہ وہ پہنچاتا ہے یا نہیں؟ ـــــ اور بعض مفسرین نے ﴿إِنْ أَنْتُمْ﴾ کو کافر کے قول کا تتمہ قرار دیا ہے، مگر بہتر یہ ہے کہ اس کو کافر کے قول کی تردید قرار دیا جائے۔

ارشادِ پاک ہے: ـــــ اور جب ان سے کہا گیا: خرچ کرو اس روزی میں سے جو اللہ نے تم کو دی ہے، تو کفار نے مسلمانوں سے کہا: کیا ہم ایسے لوگوں کو کھلائیں کہ اگر اللہ چاہتے تو ان کو کھلاتے ـــــ نہیں ہو تم مگر صریح گمراہی میں!

دوسری مثال: جب انبیاء کفار کو خبر دیتے ہیں کہ ہماری تکذیب کرو گے تو دنیا میں عذاب آئے گا، لوگ روگردانی

کرتے ہیں، اور پوچھتے ہیں: عذاب کب آئے گا؟ اس کو لے آؤ اگر تم سچے ہو! یہ خبر کی ہنسی اڑائی۔

اللہ تعالیٰ جواب دیتے ہیں: عذاب میں دیر کیا ہے؟ ایک چنگھاڑ سے تم ڈھیر ہو جاؤ گے، اور عذاب اچانک آئے گا، تم معاملات میں الجھے ہوئے ہوگے اور عذاب آجائے گا، پھر تم نہ کوئی وصیت کر سکو گے، نہ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ سکو گے، اسی جگہ ڈھیر ہو کر رہ جاؤ گے!

ارشاد فرماتے ہیں: —— اور پوچھتے ہیں: یہ وعدہ کب ہوگا، اگر تم سچے ہو؟ —— نہیں انتظار کرتے وہ مگر ایک سخت آواز کا، جو ان کو پکڑے، درانحالیکہ وہ معاملات میں جھگڑ رہے ہوں، پس نہ تو وصیت کرنے کی طاقت رکھیں، اور نہ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ سکیں!

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَإِذَا هُمْ مِّنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ﴿٥١﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا سَكْتَةٌ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿٥٢﴾ إِنْ كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَإِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿٥٣﴾ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَّلَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٥٤﴾

وَنُفِخَ	اور پھونکا گیا	هٰذَا مَا	یہ جو	لَّدَيْنَا	ہمارے پاس
فِي الصُّوْرِ	صور میں	وَعَدَ	وعدہ کیا	مُحْضَرُوْنَ	حاضر کئے ہوئے ہیں
فَإِذَا هُمْ	پس اچانک وہ	الرَّحْمٰنُ	نہایت مہربان نے	فَالْيَوْمَ	پس آج
مِّنَ الْأَجْدَاثِ(۱)	قبروں سے	وَصَدَقَ	اور سچ کہا	لَا تُظْلَمُ	نہیں حق مارا جائے گا
إِلَىٰ رَبِّهِمْ	ان کے رب کی طرف	الْمُرْسَلُوْنَ	رسولوں نے	نَفْسٌ	کسی شخص کا
يَنْسِلُوْنَ(۲)	تیزی سے چل رہے ہیں	إِنْ كَانَتْ(۳)	نہیں ہے (پھونکنا)	شَيْئًا	کچھ بھی
قَالُوْا	کہا انھوں نے	إِلَّا صَيْحَةً	مگر زور کی آواز	وَّلَا تُجْزَوْنَ	اور نہیں بدلہ دیئے
يٰوَيْلَنَا	ہائے ہماری کم بختی!	وَّاحِدَةً	ایک مرتبہ		جاؤ گے تم
مَنْۢ بَعَثَنَا	کس نے اٹھا دیا ہمیں	فَإِذَا هُمْ	پس اچانک وہ	إِلَّا مَا	مگر جو
مِنْ مَّرْقَدِنَا	ہماری خواب گاہ سے؟	جَمِيْعٌ	سارے	كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ	کیا کرتے تھے تم

(۱) الجَدَث: قبر (۲) نسل (ض) الماشي: پیدل چلنے والے کا تیز رفتار ہونا (۳) کانت: أي النفخة۔

آخرت کا عذاب

اوپر عذابِ دنیا کا ذکر آیا، اب عذابِ آخرت کا بیان ہے، جب دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو سب مردے زندہ ہو کر اپنی قبروں سے نکل آئیں گے، فرشتے ان کو ہانک کر میدانِ حشر کی طرف لے جائیں گے۔ اس وقت اتنا ہولناک منظر ہوگا کہ لوگ عذابِ قبر کو بھول جائیں گے، اور کہیں گے: ارے! ہم آرام سے سو رہے تھے، ہمیں کس نے ڈسٹرپ کر دیا! —— جواب ملے گا: آنکھیں کھولو! یہ وہی اٹھانا ہے جس کا نہایت مہربان اللہ نے وعدہ کیا تھا، اور پیغمبروں نے سچی خبر دی تھی —— اس دن نہ کسی کی نیکی ضائع ہوگی، نہ جرم سے زیادہ سزا ملے گی، انصاف کے ساتھ نیک و بد کا بدلہ چکایا جائے گا۔

ارشاد فرماتے ہیں: —— اور صور میں پھونکا جائے گا، پس یکایک وہ قبروں سے (نکل کر) ان کے پروردگار کی طرف تیزی سے چلیں گے —— کہیں گے: ہائے ہماری کم بختی! کس نے ہمیں ہماری خواب گاہ سے اٹھا دیا؟ —— یہ وہ (اٹھانا) ہے جس کا رحمان نے وعدہ کیا ہے، اور پیغمبروں نے سچ کہا ہے! نہیں ہوگا وہ (نفخہ) مگر ایک زور کی آواز، پس اچانک وہ سارے ہمارے پاس حاضر کئے ہوئے ہونگے —— پس آج کسی شخص پر ذرا ظلم نہ ہوگا، اور تم صرف انہی کاموں کا بدلہ دیئے جاؤ گے جو تم کیا کرتے تھے۔

إِنَّ أَصْحَٰبَ ٱلْجَنَّةِ ٱلْيَوْمَ فِى شُغُلٍ فَٰكِهُونَ ﴿٥٥﴾ هُمْ وَأَزْوَٰجُهُمْ فِى ظِلَٰلٍ عَلَى ٱلْأَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔونَ ﴿٥٦﴾ لَهُمْ فِيهَا فَٰكِهَةٌ وَلَهُم مَّا يَدَّعُونَ ﴿٥٧﴾ سَلَٰمٌ قَوْلًا مِّن رَّبٍّ رَّحِيمٍ ﴿٥٨﴾

إِنَّ	بے شک	هُمْ	وہ	لَهُمْ	ان کے لئے
أَصْحَٰبَ ٱلْجَنَّةِ	باغ والے	وَأَزْوَٰجُهُمْ	اور ان کی بیویاں	فِيهَا	ان (باغات) میں
ٱلْيَوْمَ	آج	فِى ظِلَٰلٍ	سایوں میں	فَٰكِهَةٌ	میوے ہے
فِى شُغُلٍ (۱)	مشغلہ میں	عَلَى ٱلْأَرَآئِكِ	مسہریوں پر	وَلَهُم	اور ان کے لئے ہے
فَٰكِهُونَ (۲)	دل لگی کرنے والے ہیں	مُتَّكِـُٔونَ	ٹیک لگانے والے ہیں	مَّا	جو

(۱) الشُّغُل: مصروفیت، مشغلہ، جمع أشغال (۲) فَكِهَ (س) فَكَهًا وَفَكَاهَةً: خوش طبع ہونا، فَاكِهٌ: اسم فاعل۔

يَدَّعُوْنَ (١)	وہ مانگیں گے	قَوْلًا	بولنا	رَّحِيْمٍ	نہایت مہربان
سَلٰمٌ (٢)	سلام	مِّنْ رَّبٍّ	رب کی طرف سے	۞	۞

جنت کی نعمتوں کا بیان

اب کافروں کے عذاب کے بالمقابل جنتیوں کی نعمتوں کا ذکر ہے، جنت میں ہر قسم کے عیش ونشاط کا سامان ہوگا، جب شرابِ طہور کا دور چلے گا تو جنتی خوش طبعی کے طور پر ایک دوسرے سے چھینا جھپٹی کریں گے [الطّور ۲۳] اور وہ اپنی ازواج کے ساتھ خوش گوار سایوں میں مسہریوں پر ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے ہونگے، ان کو ہر قسم کے میوے اور پھل میسر ہونگے، خلاصہ یہ ہے کہ جس چیز کی جنتیوں کے دل میں خواہش وطلب پیدا ہوگی وہ فوراً حاضر کردی جائے گی، اور سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ مہربان پروردگار کی طرف سے جنتیوں کو بلا واسطہ یا بواسطہ ملائکہ سلام پہنچے گا، اس وقت کی عزت ولذت کا کیا کہنا! ارشاد فرماتے ہیں: —— بے شک اہل جنت آج مشغلہ میں دل لگی کرنے والے ہیں، وہ اور ان کی بیویاں سایوں میں مسہریوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہونگے، ان کے لئے جنت میں میوے ہیں، اور ان کے لئے وہ ہے جو وہ مانگیں گے، اوران کو نہایت مہربان پروردگار کی طرف سے سلام فرمایا جائے گا!

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۝ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ۭ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ۝ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝

وَامْتَازُوْا	اور جدا ہوجاؤ	اَيُّهَا	اے	اَلَمْ	کیا نہیں
الْيَوْمَ	آج	الْمُجْرِمُوْنَ	مجرمو!	اَعْهَدْ (٣)	عہد لیا میں نے

(۱) يَدَّعُوْنَ: مضارع، جمع مذکر غائب، مصدر ادِّعَاء (باب افتعال) طلب کرنا، خواہش کرنا۔ (۲) سلام: مبتدا، من رب رحیم: خبر، قولاً: فعل محذوف کا مفعول مطلق أی یقول قولاً، یہ مبتدا خبر کے درمیان جملہ معترضہ مضمون جملہ کی تاکید کے لئے آیا ہے، اس کی اور ترکیبیں بھی کی گئی ہیں، میں نے آسان ترکیب لی ہے۔ (۳) أعهد: مضارع، واحد متکلم، لم کی وجہ سے مجزوم، لم: مضارع پر آتا ہے تو اس کو ماضی منفی بناتا ہے: کیا میں نے تم سے عہد (وچن) نہیں لیا، عَهِدَ إليه: وصیت کرنا، ذمہ داری سپرد کرنا

اِلَیۡکُمۡ	تم سے	اعۡبُدُوۡنِیۡ (۱)	عبادت کرو میری	تَعۡقِلُوۡنَ	سمجھتے!
یٰبَنِیۡۤ	اے اولاد	هٰذَا صِرَاطٌ	یہ راستہ ہے	هٰذِهٖ جَهَنَّمُ	یہ دوزخ ہے
اٰدَمَ	آدم کی	مُّسۡتَقِیۡمٌ	سیدھا	الَّتِیۡ	جو
اَنۡ	کہ	وَلَقَدۡ	اور البتہ تحقیق	کُنۡتُمۡ	وعدہ کئے جاتے
لَّا تَعۡبُدُوا	نہ عبادت کرو تم	اَضَلَّ	گمراہ کیا اس نے	تُوۡعَدُوۡنَ	تھے تم
الشَّیۡطٰنَ	شیطان کی	مِنۡکُمۡ	تم میں سے	اِصۡلَوۡهَا	داخل ہو جاؤ اس میں
اِنَّهٗ لَکُمۡ	بے شک وہ تمہارا	جِبِلًّا (۲)	لوگوں کو	الۡیَوۡمَ	آج
عَدُوٌّ	دشمن ہے	کَثِیۡرًا	بہت	بِمَا (۳)	بایں وجہ
مُّبِیۡنٌ	کھلا	اَفَلَمۡ	کیا پس نہیں	کُنۡتُمۡ	کہ تھے تم
وَّاَنِ	اور یہ کہ	تَکُوۡنُوۡا	تھے تم	تَکۡفُرُوۡنَ	انکار کرتے

توحید کا بیان

ربط: سورت رسالت کے بیان سے شروع ہوئی ہے، اس کے آخر میں مکذبین کو ایک بستی والوں کا واقعہ سنایا ہے، جو رسولوں کی تکذیب کی وجہ سے ہلاک کی گئی، اس طرح آخرت کا موضوع چل پڑا، اب اس کے بعد توحید کا بیان شروع کرتے ہیں، جو آخر سورت تک چلے گا۔

جنت اللہ کی عبادت کرنے والوں کے لئے ہے اور شیطان کے پرستاروں کے لئے جہنم ہے

عہد الست میں اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو اپنی معرفت کرائی ہے، اور ان سے اپنی ربوبیت کا اقرار لیا ہے، یہی اولادِ آدم سے عہد باندھنا ہے کہ وہ صرف اللہ کی عبادت کریں گے، پھر دنیا میں انبیاء کے ذریعہ بار بار سمجھایا کہ شیطان کی پیروی مت کرو، وہ انسانوں کا کھلا دشمن ہے، جہنم میں پہنچا کر ہی دم لے گا، نجات کا راستہ ایک اللہ کی عبادت ہے، مگر افسوس! انسان نے عقل سے کام نہیں لیا، شیطان کے چکر میں پھنس گیا، اور اس نے ایک خلقت کو گمراہ کر دیا، اب وہ اپنی حماقت کا خمیازہ بھگتیں گے، حکم ہوگا: مجرمو! جنت کے عیش و آرام میں تمہارا کوئی حصہ نہیں، پس اہلِ جنت سے علاحدہ ہو جاؤ، تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہے، اس میں جا گھسو! جس کا بصورتِ کفر تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔

(۱) اعۡبُدُوۡا: امر، جمع مذکر حاضر، نون وقایہ، ی ضمیر واحد متکلم (۲) الجِبِلّ: امت، قوم، لوگوں کی جماعت، الجِبِلَّة: فطرت، قوم، امت، جَبَلَ (ن) جَبۡلًا: پیدا کرنا، صورت بنانا (۳) بما: باء سببیہ۔

آیاتِ پاک:۔۔۔ اور اے مجرمو! آج (اہل جنت سے) جدا ہو جاؤ: اے اولادِ آدم! کیا میں نے تم سے عہد نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہیں کرو گے، وہ بالیقین تمہارا کھلا دشمن ہے، اور یہ کہ میری عبادت کرو گے، یہی سیدھا راستہ ہے۔ اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ شیطان نے تم میں سے ایک بڑی جماعت کو گمراہ کر دیا، کیا پس تم سمجھتے نہیں! یہ وہ دوزخ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا رہا ہے، آج اس میں جا گھسو، بایں وجہ کہ تم انکار کیا کرتے تھے۔

اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ ﴿۶۶﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِى الْخَلْقِ ۭ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۶۹﴾ لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۰﴾

ع ۴

اَلْيَوْمَ	آج	كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ	کمایا کرتے تھے وہ	وَلَوْ نَشَآءُ	اور اگر چاہیں ہم
نَخْتِمُ	مہر لگائیں گے ہم	وَلَوْ نَشَآءُ	اور اگر چاہیں ہم	لَمَسَخْنٰهُمْ (۴)	ضرور شکل بگاڑ دیں ہم انکی
عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ (۱)	ان کے مونہوں پر	لَطَمَسْنَا (۲)	ضرور مٹا دیں	عَلٰى مَكَانَتِهِمْ (۵)	ان کی جگہ میں
وَتُكَلِّمُنَآ	اور بات کریں گے ہم سے	عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ	ان کی آنکھوں کو	فَمَا اسْتَطَاعُوْا	پس نہ طاقت رکھیں وہ
اَيْدِيْهِمْ	ان کے ہاتھ	فَاسْتَبَقُوا (۳)	پس سبقت کریں وہ	مُضِيًّا (۶)	جانے کی
وَتَشْهَدُ	اور گواہی دیں گے	الصِّرَاطَ	راستہ کی طرف	وَّلَا يَرْجِعُوْنَ	اور نہ لوٹیں وہ
اَرْجُلُهُمْ	ان کے پیر	فَاَنّٰى	پس کہاں	وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ	اور جس کو بڑی عمر
بِمَا	اس کی جو	يُبْصِرُوْنَ	دیکھیں وہ		دیتے ہیں ہم

(۱) أفواه: فَم کی جمع: منہ (۲) طَمَسَ: مٹانا، طَمَسَ علیه: صورت بگاڑنا (۳) اِسْتَبَقَ: کسی چیز کی طرف پہنچنے کے لئے ایک دوسرے سے آگے بڑھنا (۴) مَسَخَ (ف) مَسْخًا: شکل بگاڑنا، پہلی صورت کو دوسری صورت سے بدل دینا (۵) مکانة: مکان، قیام گاہ (اسم ظرف) (۶) مضیا: مَضٰی یَمْضِی کا مصدر: گذر جانا، چلا جانا۔

نُنَكِّسْهُ	الٹا کر دیتے ہیں ہم اسکو	وَمَا يَنْۢبَغِيْ	اور نہ مناسب ہے وہ	لِيُنْذِرَ	تاکہ ڈرائیں وہ
فِي الْخَلْقِ	تخلیق میں	لَهٗ	ان کے لئے	مَنْ كَانَ	اس کو جو ہے
اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ	کیا پس سمجھتے نہیں وہ	اِنْ هُوَ	نہیں ہے وہ (وحی)	حَيًّا	زندہ
وَمَا عَلَّمْنٰهُ	اور نہیں سکھلایا ہم	اِلَّا ذِكْرٌ	مگر نصیحت	وَّيَحِقَّ	اور ثابت ہو جائے
	نے ان کو	وَّقُرْاٰنٌ	اور پڑھنا	الْقَوْلُ	بات
الشِّعْرَ	شعر	مُّبِيْنٌ	سلیس	عَلَى الْكٰفِرِيْنَ	انکار کرنے والوں پر

مشرکین سیدھے جرم کا اعتراف نہیں کریں گے تو ان کے اعضاء بولیں گے

سوال: مشرکین قیامت کے دن شرک کا انکار کریں گے: ﴿قَالُوْا: وَاللّٰهِ رَبِّنَا! مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ﴾: قسم ہمارے پروردگار اللہ کی! ہم مشرک نہیں تھے [الانعام ۲۳] پھر ان پر حجت کیسے قائم ہوگی؟

جواب: قیامت کے دن اگر مجرم زبان سے اعتراف نہیں کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے، اور ہاتھ پاؤں، آنکھ کان، حتی کہ بدن کی کھال جرائم کو بیان کرے گی، پھر کیا کریں گے؟ ارشاد فرماتے ہیں: —— آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگائیں گے، اور ہم سے ان کے ہاتھ بات کریں گے، اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے ان کاموں کی جو وہ کیا کرتے تھے!

مشرکین دنیا میں بھی عذاب کی زد سے بچے ہوئے نہیں

سوال: مشرکین سوچتے ہیں: قیامت کس نے دیکھی ہے! بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست! اڑا لے مزے، پھر موقع ملے نہ ملے!

جواب: مشرکین دنیا میں بھی عذاب کی زد سے بچے ہوئے نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ چاہیں تو انہیں اندھا کر دیں، پھر وہ راستہ پانے کے لئے ٹامک ٹوئیاں مارتے رہ جائیں، اور چاہیں تو ان کی صورتیں بگاڑ دیں، پھر وہ جہاں کے تہاں کھڑے رہ جائیں، نہ اِدھر کے رہیں نہ اُدھر کے، جیسے سٹھیا ہوا آدمی جب از کار رفتہ ہو جاتا ہے اور نویں دہائی پار کر جاتا ہے تو بچہ سا ہو کر رہ جاتا ہے، آنکھیں کان وغیرہ سب کھو دیتا ہے اور شکل بھی پہچانی نہیں جاتی، پس خدا جو بوڑھاپے میں قوی سلب کر لیتا ہے، جوانی میں بھی ایسا کر سکتا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں: —— اور اگر ہم چاہیں تو (دنیا میں) ان کی آنکھوں کو ملیا میٹ کر دیں، پس وہ راستہ کی طرف دوڑیں، مگر ان کو کہاں نظر آئے؟ اور اگر ہم چاہیں تو جہاں وہ ہیں وہیں ان کی صورتیں

بگاڑ دیں پس وہ نہ آگے بڑھ سکیں، اور نہ پیچھے لوٹ سکیں! ـــــ (نظیر:) اور جس کو ہم زیادہ عمر دیتے ہیں اس کو طبعی حالت میں الٹا کر دیتے ہیں، کیا پس وہ سمجھتے نہیں!

قرآن شاعری نہیں، وہ زندوں کے لئے نصیحت اور مُردوں پر حجت ہے

منکرین توحید کے ساتھ جو گفتگو چل رہی ہے: اُس سلسلہ کی یہ آخری بات ہے، آگے نیا لون (رنگ) ہے۔ فرماتے ہیں: قرآنِ کریم شاعری نہیں، شاعر قصیدہ یا غزل سناتا ہے، لوگ واہ واہ! مرحبا! کہہ کر چل دیتے ہیں، قرآن کی اتنی ہی حیثیت نہیں ہے، وہ زندہ قلوب کے لئے نصیحت اور مردہ قلوب پر حجت ہے، جس کے دل میں قابلیت ہوتی ہے وہ نصیحت پذیر ہوتا ہے، اور جو انکار پر تُلا رہتا ہے اس پر اتمام حجت ہو جاتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے شاعری کا علم نہیں دیا تھا، اگرچہ عربوں میں باندیاں تک اشعار کہہ لیتی تھیں، اور بچوں تک کی زبان پر موزون کلام جاری ہو جاتا تھا، مگر جس طرح اللہ تعالیٰ انبیاء کو نامناسب کاموں سے بچاتے ہیں، نامناسب باتوں سے بھی بچاتے ہیں، چنانچہ کوئی نبی شاعر نہیں ہوا، شاعر عام طور پر فضول باتیں کرتے ہیں: ﴿فِیْ کُلِّ وَادٍ یَّهِیْمُوْنَ﴾: ایران توران کی ہانکتے ہیں، اس لئے شاعری انبیاء کے شایانِ شان نہیں، ان کی باتیں سنجیدہ، پُرحکمت اور بامعنی ہوتی ہیں ـــــ پس نبی ﷺ جو وحی پیش کر رہے ہیں وہ اللہ کا کلام ہے، جو خاص مقصد کے لئے نازل کیا گیا ہے، فضول باتیں نہیں ہیں۔

فائدہ: اشعار میں ایک خوبی ہے، اور وہ ان کی چاشنی ہے، اسی خوبی کی وجہ سے لوگ لٹو ہو جاتے ہیں۔ یہ خوبی قرآنِ کریم میں علی وجہ الاتم موجود ہے، بڑے بڑے شعراء اور ادباء قرآن کی فصاحت و بلاغت پر سر دُھنتے ہیں پس جیسے شرابِ جنت میں نشہ نہیں ہوگا، سرور ہوگا، اسی طرح قرآنِ کریم میں شاعری کے اوزان کی رعایت نہیں، مگر حلاوت علی وجہ الابلغ موجود ہے۔

آیاتِ پاک: ـــــ اور ہم نے ان (نبی ﷺ) کو شعر نہیں سکھلایا، اور نہ یہ بات ان کے شایانِ شان ہے، نہیں ہے وہ (کلام) مگر نصیحت اور پڑھنے کی سلیس کتاب، تاکہ وہ اس شخص کو ڈرائیں جو زندہ ہے، اور منکروں پر بات ثابت ہو جائے! ـــــ یعنی اتمام حجت ہو جائے۔

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ أَيْدِينَا أَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مَالِكُونَ ﴿٧١﴾ وَذَلَّلْنَاهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوبُهُمْ وَمِنْهَا يَأْكُلُونَ ﴿٧٢﴾ وَلَهُمْ فِيهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ۖ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ﴿٧٣﴾

اَوَلَمْ	کیااورنہیں	اَنْعَامًا	چوپایے	وَمِنْهَا	اوران میں سے بعض
يَرَوْا	دیکھاانھوں نے	فَهُمْ	پس وہ	يَاْكُلُوْنَ	کھاتے ہیں وہ
اَنَّا	کہ ہم نے	لَهَا	ان کے	وَلَهُمْ	اوران کے لئے
خَلَقْنَا	پیدا کئے	مٰلِكُوْنَ	مالک ہیں	فِيْهَا	ان میں
لَهُمْ	ان کے لئے	وَذَلَّلْنٰهَا (۱)	اورتابع کیاہم نے ان کو	مَنَافِعُ	فوائد ہیں
مِّمَّا	ان میں سے جو	لَهُمْ	ان کے	وَمَشَارِبُ (۳)	اور پینے کی جگہیں ہیں
عَمِلَتْ	بنائی	فَمِنْهَا	پس ان میں سے بعض	اَفَلَا	کیاپس نہیں
اَيْدِيْنَآ	ہمارے ہاتھوں نے	رَكُوْبُهُمْ (۲)	ان کی سواری ہیں	يَشْكُرُوْنَ	شکر بجالاتے وہ

پالتو چوپایے پیدا کر کے اللہ نے انسانوں پر بڑا احسان کیا، پس وہ اس کا شکر بجالائیں

آیاتِ تنزیلیہ (قرآنِ کریم) کے بعد آیاتِ تکوینیہ کی طرف توجہ دلاتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے دستِ قدرت سے پالتو چوپایے پیدا کئے، پھر انسانوں کو ان کا مالک بنایا، تاکہ جہاں چاہیں بیچیں اور جس طرح چاہیں کام لیں، ان میں کتنے قوی ہیکل عظیم الجثہ جانور ہیں، جو انسان ضعیف البنیان کے سامنے عاجز ہیں، کسی پر وہ سواری کرتا ہے، کسی کو کاٹ کر کھاتا ہے، ان کی کھال، ہڈی، اون وغیرہ سے فائدہ اٹھاتا ہے، اور ان کے تھن: دودھ کے گھاٹ ہیں، کیا اس احسان کا شکر ادا کرنا واجب نہیں؟ اس کا شکر یہ ہے کہ اسی محسن کی عبادت کی جائے، کسی اور کو عبادت میں شریک نہ کیا جائے۔

آیاتِ کریمہ: —— کیا لوگوں نے غور نہیں کیا! ہم نے ان کے لئے اپنے ہاتھ کی بنائی ہوئی چیزوں سے پالتو چوپایے پیدا کئے، پس وہ ان کے مالک ہیں۔ اور ہم نے ان مواشی کو ان کے تابع کر دیا، پس بعض ان کی سواریاں ہیں، اور بعض کو وہ کھاتے ہیں، اور ان میں لوگوں کے لئے اور بھی فوائد ہیں، اور پینے کی جگہیں (تھن) ہیں، کیا پس وہ شکر بجانہیں لاتے!

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۷۴﴾ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۶﴾

(۱) ذَلَّلَه: قابو میں کرنا، زیر کرنا، تابع کرنا (۲) الرَّكوب: سواری، سواری کا جانور، جمع رُكُب (۳) مَشَارب: مَشرب کی جمع: پانی پینے کی جگہ، گھاٹ۔

اَوَلَمۡ يَرَ الۡاِنۡسَانُ اَنَّا خَلَقۡنٰهُ مِنۡ نُّطۡفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيۡمٌ مُّبِيۡنٌ ﴿۷۷﴾ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِىَ خَلۡقَهٗ‌ ؕ قَالَ مَنۡ يُّحۡىِ الۡعِظَامَ وَهِىَ رَمِيۡمٌ ﴿۷۸﴾ قُلۡ يُحۡيِيۡهَا الَّذِىۡۤ اَنۡشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ‌ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ خَلۡقٍ عَلِيۡمُۨ ﴿۷۹﴾ الَّذِىۡ جَعَلَ لَكُمۡ مِّنَ الشَّجَرِ الۡاَخۡضَرِ نَارًا فَاِذَاۤ اَنۡتُمۡ مِّنۡهُ تُوۡقِدُوۡنَ ﴿۸۰﴾ اَوَلَيۡسَ الَّذِىۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنۡ يَّخۡلُقَ مِثۡلَهُمۡ ؕ بَلٰى وَهُوَ الۡخَلّٰقُ الۡعَلِيۡمُ ﴿۸۱﴾ اِنَّمَاۤ اَمۡرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَيۡـئًا اَنۡ يَّقُوۡلَ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ ﴿۸۲﴾ فَسُبۡحٰنَ الَّذِىۡ بِيَدِهٖ مَلَكُوۡتُ كُلِّ شَىۡءٍ وَّاِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۸۳﴾

وَاتَّخَذُوۡا	اور بنائے انھوں نے	نَعۡلَمُ	جانتے ہیں	وَّنَسِىَ	اور بھول گیا وہ
مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ	نیچے اللہ سے	مَا يُسِرُّوۡنَ	جو چھپاتے ہیں وہ	خَلۡقَهٗ	اپنی پیدائش
اٰلِهَةً	معبود	وَمَا يُعۡلِنُوۡنَ	اور جو ظاہر کرتے ہیں وہ	قَالَ	کہا اس نے
لَّعَلَّهُمۡ	تا کہ وہ	اَوَلَمۡ يَرَ	کیا اور نہیں دیکھا	مَنۡ يُّحۡىِ	کون زندہ کرے گا
يُنۡصَرُوۡنَ	مدد کیے جائیں	الۡاِنۡسَانُ	انسان نے	الۡعِظَامَ	ہڈیوں کو
لَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ	نہیں طاقت رکھتے وہ	اَنَّا	کہ ہم نے	وَهِىَ	درانحالیکہ وہ
نَصۡرَهُمۡ	ان کی مدد کرنے کی	خَلَقۡنٰهُ	پیدا کیا اس کو	رَمِيۡمٌ	بوسیدہ ہونگی
وَهُمۡ	اور وہ	مِنۡ نُّطۡفَةٍ	ایک بوند سے	قُلۡ	کہو
لَهُمۡ(۱)	ان کے لئے	فَاِذَا هُوَ	پس اچانک وہ	يُحۡيِيۡهَا	زندہ کرے گا ان کو
جُنۡدٌ	لشکر ہے	خَصِيۡمٌ	سخت جھگڑنے والا ہے	الَّذِىۡۤ	جس نے
مُّحۡضَرُوۡنَ	حاضر کیا ہوا	مُّبِيۡنٌ	کھلا	اَنۡشَاَهَاۤ	پیدا کیا ان کو
فَلَا يَحۡزُنۡكَ	پس نہ غمگیں کرے آپ کو	وَضَرَبَ	اور ماری اس نے	اَوَّلَ مَرَّةٍ	پہلی مرتبہ
قَوۡلُهُمۡ	ان کی بات	لَنَا	ہمارے لئے	وَهُوَ	اور وہ
اِنَّا	بے شک ہم	مَثَلًا	ایک مثال	بِكُلِّ خَلۡقٍ	ہر پیدائش کو

(۱) لھم: میں لام انتفاع مشرکین کے گمان کے اعتبار سے لایا گیا ہے (جلالین)

عَلِيْمٌ	خوب جاننے والا ہے	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں	شَيْـًٔا	کسی چیز کو
الَّذِيْ	جس نے	وَالْاَرْضَ	اور زمین کو	اَنْ يَّقُوْلَ	کہ کہے وہ
جَعَلَ	بنایا	بِقٰدِرٍ	قدرت والا	لَهٗ	اس سے
لَكُمْ	تمہارے لئے	عَلٰٓي اَنْ	اس پر کہ	كُنْ	ہوجا
مِّنَ الشَّجَرِ	درخت سے	يَّخْلُقَ	پیدا کرے	فَيَكُوْنُ	پس وہ ہوجاتی ہے
الْاَخْضَرِ	ہرے	مِثْلَهُمْ (۱)	ان کو (دوبارہ)	فَسُبْحٰنَ	پس پاک ہے
نَارًا	آگ کو	بَلٰى	کیوں نہیں	الَّذِيْ	(وہ) جو
فَاِذَآ اَنْتُمْ	پس یکایک تم	وَهُوَ	اور وہ	بِيَدِهٖ	اس کے ہاتھ میں ہے
مِّنْهُ	اس سے	الْخَلّٰقُ	بڑا پیدا کرنے والا	مَلَكُوْتُ	حکومت
تُوْقِدُوْنَ	سلگاتے ہو	الْعَلِيْمُ	خوب جاننے والا ہے	كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز کی
اَوَلَيْسَ	کیا اور نہیں ہے	اِنَّمَآ	صرف	وَّاِلَيْهِ	اور اسی کی طرف
الَّذِيْ	جس نے	اَمْرُهٗٓ	اس کا حکم	تُرْجَعُوْنَ	لوٹائے جاؤگے تم
خَلَقَ	پیدا کیا	اِذَآ اَرَادَ	جب چاہے وہ	۞	۞

امید تھی پر بر نہ آئی!

اللہ کا احسان دیکھو! اللہ نے مواشی کی شکل میں انسان کی معیشت کا انتظام کیا، لوگوں نے اس کا شکریہ یہ ادا کیا کہ اللہ کو چھوڑ کر اور معبود ٹھہرائے، تاکہ آڑے وقت وہ ان کے کام آئیں، مگر جس دن ان کو مدد کی ضرورت ہوگی وہ لاؤلشکر آئے گا، اور مشرکین امید باندھیں گے کہ آئے ہمارے حمایتی! حالانکہ وہ مدد کو نہیں آئے، گرفتار کر کے لائے گئے ہیں، اور وہ قیامت کے دن ان کی مدد نہیں کریں گے، بلکہ ان کے خلاف ہوجائیں گے: ﴿وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا﴾ [مریم ۸۲] تکیہ تھا جن پتّوں پے وہی ہوا دینے لگے۔ امید تھی پر بر نہ آئی! ارشاد فرماتے ہیں: —— اور انھوں نے اللہ سے وَرے معبود بنائے، تاکہ وہ مدد کئے جائیں —— وہ ان کی کچھ مدد نہیں کرسکتے، اور وہ ان کے لئے حاضر کیا ہوا لشکر ہے!

قادر مطلق کو عاجز مخلوق کی طرح سمجھ لیا!

عاص بن وائل قبرستان سے ایک بوسیدہ ہڈی لے کر نبی ﷺ کے پاس آیا، اور چٹکی سے مل کر بولا: اس کھوکھری

(۱) مثلھم: میں لفظ مثل زائد ہے، تحسین کلام کے لئے بڑھایا ہے، جیسے: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ﴾ میں مثل زائد ہے۔

ہڈی کو دوبارہ کون زندہ کرے گا؟ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کو دلاسا دیتے ہیں کہ آپؐ اس کی بات سے دل گیر نہ ہوں، ہم سب اس کا کھلا چھپا جانتے ہیں —— کھلا: یہ کہ کھوکھری ہڈی لایا، اور اس کے ذریعہ اللہ کے لئے مثال ماری! اور چھپا: یہ کہ اس نے قادر مطلق کو عاجز مخلوق کی طرح سمجھ لیا —— آپؐ اس کو جواب دیں کہ تجھے اپنی پیدائش یاد نہیں، تجھے ایک ناچیز بوند سے اللہ نے پیدا کیا ہے، اب تیری یہ جرأت ہوگئی کہ اللہ کی قدرت میں جھگڑا کرتا ہے! آپؐ اس سے کہیں: جس نے پہلی مرتبہ ان ہڈیوں میں جان ڈالی ہے، وہی ان کو دوسری مرتبہ زندہ کرے گا، ان کے لئے یہ بات کچھ مشکل نہیں، وہ ہر بار پیدا کرنے کو خوب جانتے ہیں، اور ایک چیز سے اس کی ضد نکالنا اللہ تعالیٰ کا کرشمہ ہے، وہ ہرے درختوں کی لکڑیوں سے آگ نکالتے ہیں، جس سے لوگ چولہے جلاتے ہیں، علاوہ ازیں: بانس کے جنگل میں رگڑ کھانے سے آگ لگ جاتی ہے، پس ہرے درخت سے اس کی ضد آگ نکالنا ان کا کرشمہ ہے، پھر وہ مردے سے زندے کو کیوں نہیں نکال سکتے؟

آیاتِ پاک مع تفسیر: —— پس آپؐ کو ان کی بات دل گیر نہ کرے —— یہ تسلی دی، اور قول: مفرد ہے، مراد: ﴿مَنْ يُحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ﴾ ہے —— بے شک ہم جانتے ہیں جو کچھ وہ دل میں رکھتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں —— دل میں تو انھوں نے اللہ تعالیٰ کو عاجز مخلوق کی طرح سمجھ رکھا ہے، اور ظاہر میں وہ باتیں چھانٹتے ہیں —— کیا انسان نے دیکھا نہیں کہ ہم نے اس کو ایک بوند سے پیدا کیا ہے؟ —— بے قدر مادّہ اس کا مادّۂ تخلیق ہے، یہی جاندار کو غیر جاندار سے نکالنا ہے —— پس یکایک وہ علانیہ سخت جھگڑا کرنے والا ہے! —— یعنی پھر وہ اعلی صلاحیتوں کا مالک ہوگیا، اور یہ آدھا مضمون ہے، دوسرا آدھا ہے: پس یکایک وہ برملا اللہ کی قدرت پر حرف گیری کرنے والوں کے چھکے چھڑانے لگا، یعنی جس طرف اس کی صلاحیت متوجہ ہوگئی نہایت کو جا پہنچی (چھکّا: تاش کا وہ پتہ جس پر چھ نقطے ہوں، چھکا چھڑانا یعنی چھکا کاٹنا، بچانا، مراد حواس باختہ کر دینا) —— اور اس نے ہمارے لئے ایک مثال ماری، اور اپنی پیدائش کو بھول گیا —— جس کی طرف ابھی توجہ دلائی ہے کہ وہ ایک بے جان بوند سے پیدا کیا گیا ہے —— اس نے کہا: کون ہڈیوں کو زندہ کرسکتا ہے درانحالیکہ وہ بوسیدہ ہوگئیں! —— جواب: —— اُن کو وہ زندہ کرے گا جس نے اُن کو پہلی بار پیدا کیا ہے، اور وہ ہر بار پیدا کرنے کو خوب جاننے والے ہیں!

ایک چیز سے اس کی ضد نکالنے کی مثال: —— جس نے تمہارے لئے ہرے درخت سے آگ بنائی، پس یکایک تم اس سے سُلگاتے ہو —— یعنی چولہے جلاتے ہو —— مَرْخ: ایک درخت ہے جس کی لکڑی کو بطور چق ماق استعمال کرتے تھے —— اور عَفَار: دوسرا درخت ہے، اس سے بھی چق ماق کا کام لیتے تھے —— چق ماق: ایک پتھر جس

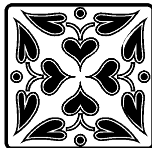
سے آگ نکلتی ہے۔

فائدہ: اب کبریت: گندھک (سلفر **Sulphur**) دریافت ہوگئی ہے، یہ زرد رنگ کا ایک مادّہ ہے جو زمین سے نکلتا ہے، اس سے لوگ ماچس بناتے ہیں، پہلے مرخ اور عفار کی لکڑیاں یا چق ماق کے پتھر ٹکراتے تھے، شرارے جھڑتے تھے، اس سے روئی وغیرہ جلاتے تھے، پھر اس سے لاوا روشن کرتے تھے، جس سے لوگ چولہے جلاتے تھے۔

اللہ کی قدرتِ کاملہ کا بیان

آخر میں اللہ کی قدرت کاملہ کا بیان ہے، یہی توحید کی جان ہے، ارشاد فرماتے ہیں: —— کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا: اس پر قادر نہیں کہ وہ ان کو (دوبارہ) پیدا کرے؟ —— کیوں نہیں! —— ضرور قادر ہے! —— وہ بڑا پیدا کرنے والا سب کچھ جاننے والا ہے —— چھوٹی بڑی کوئی بھی چیز بنانا اس کے لئے مشکل نہیں —— اس کا معاملہ جب وہ کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو صرف یہ ہے کہ اس سے کہتا ہے: ہوجا! پس وہ ہوجاتی ہے —— یعنی بس ارادہ کی دیر ہے، ارادہ کرتے ہی وہ چیز وجود میں آجاتی ہے —— پس (عجز سے) پاک ہے وہ ہستی جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی حکومت ہے، اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے —— یعنی آج بھی کائنات کی زمام حکومت ان کے ہاتھ میں ہے، اور کل بھی انہی کے ہاتھ میں ہوگی۔

(الحمد للہ ۱۱/ ذی الحجہ ۱۴۳۶ھ (عید الاضحیٰ کے دوسرے دن) = ۲۶/ ستمبر ۲۰۱۵ء کو یٰسٓ شریف کی تفسیر پوری ہوئی)



آیاتھا ۱۸۲ (۳۷) سُوْرَةُ الصّٰفّٰتِ مَكِّيَّةٌ (۵۶) رکوعاتھا ۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالصّٰفّٰتِ صَفًّا ۝۱ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ۝۲ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ۝۳ اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ۝۴ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ۝۵ اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ۨالْكَوَاكِبِ ۝۶ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ۝۷ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۝۸ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۝۹ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ۝۱۰

وَالصّٰفّٰتِ(۱)	صف بنانے والوں کی قسم	رَبُّ	(وہ) پروردگار ہے	زَيَّنَّا	مزین کیا
صَفًّا(۲)	قطار بنا کر	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں	السَّمَآءَ	آسمان کو
فَالزّٰجِرٰتِ(۳)	پس جھڑکنے والوں کی	وَالْاَرْضِ	اور زمین کا	الدُّنْيَا(۷)	ورلے (قریبی)
زَجْرًا(۴)	ڈانٹ کر	وَمَا بَيْنَهُمَا	اور ان چیزوں کا جو	بِزِيْنَةِ	زینت کے ساتھ
فَالتّٰلِيٰتِ(۵)	پس تلاوت کرنے والوں کی		دونوں کے بیچ میں ہیں	الْكَوَاكِبِ(۸)	ستاروں کی
ذِكْرًا(۶)	قرآن کی	وَرَبُّ	اور (وہ) پروردگار ہے	وَحِفْظًا(۹)	اور حفاظت کی
اِنَّ اِلٰهَكُمْ	بے شک تمہارا معبود	الْمَشَارِقِ	مشرقوں کا	مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ	ہر شیطان سے
لَوَاحِدٌ	یقیناً ایک ہے	اِنَّا	بے شک ہم نے	مَّارِدٍ(۱۰)	سرکش

(۱) الصَّافَّات: الصَّافَّة کی جمع جو الصَّافُّ کی تانیث ہے، صَفَّ الْقومُ (ن) صَفًّا: لائن میں لگنا، صف بندی کرنا (۲) صَفًّا: مفعول مطلق (تاکید کے لئے) فعل کی طرح شبہ فعل بھی عمل کرتا ہے (۳) زَجَرَ (ن) زَجْرًا: ڈانٹنا، جھڑکنا (۴) زَجْرًا: مفعول مطلق، برائے تاکید (۵) التالية کی جمع جو التالي کی تانیث ہے، تَلَا (ن) الکتابَ: پڑھنا (۶) ذکرًا: مفعول بہ، مراد قرآنِ کریم ہے، کیونکہ تلاوت آسمانی کتابوں کے ساتھ خاص ہے (۷) الدنیا: الأدنی کا مؤنث: قریب کی چیز (۸) الکواکب: زِيْنَةِ سے بدل ہے، اضافت نہیں ہے اور زِيْنَةِ پر تنوین ہے، اور تنوین والے حرف کو ملاتے ہیں تو ایک حرکت کو نون سے بدل دیتے ہیں، جیسے: ﴿أَحَدُ نِ اللّٰهُ﴾ (۹) حفظًا: فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے، جو زَيَّنَّا پر معطوف ہے، أي حفظناها حفظًا (۱۰) مارد: اسم فاعل، مَرَدَ (ن) الإنسانُ مُرُوْدًا: نافرمان ہونا، انتہائی سرکش ہونا۔

لَا يَسَّمَّعُوْنَ[1]	نہیں کان لگا سکتے وہ	دُحُوْرًا[2]	بھگانے کے لئے	خَطِفَ[4]	اچک لیا
اِلَى الْمَلَاِ	سرداروں کی طرف	وَّلَهُمْ	اوران کے لئے	الْخَطْفَةَ	اچکنا
الْاَعْلٰى	بالا	عَذَابٌ	سزا ہے	فَاَتْبَعَهٗ	پس پیچھا کیا اس کا
وَيُقْذَفُوْنَ	اور پھینک مارے جاتے ہیں	وَّاصِبٌ[3]	دائمی	شِهَابٌ	انگارے نے
مِنْ كُلِّ جَانِبٍ	ہر طرف سے	اِلَّا مَنْ	مگر جس نے	ثَاقِبٌ[5]	چمکتے

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

اس سورت میں بھی وہی تین مضامین ہیں جو گذشتہ سورت میں بیان ہوئے ہیں، پہلے توحید اور قدرتِ باری تعالیٰ کا بیان ہے، یہی دو باتیں گذشتہ سورت کے آخر میں تھیں، پھر بعث بعد الموت (آخرت) کا مضمون شروع ہوا ہے، پھر تیسرے رکوع سے رسالت کا مسئلہ ہے، اور اس کے ضمن میں انبیاء کے واقعات آئے ہیں۔ اور آخر میں چودہ باتیں ہیں، جن کا توحید اور ردِ اشراک سے تعلق ہے۔

توحید کا بیان

قرآنِ کریم میں جو کائناتی چیزوں کی قسمیں کھائی جاتی ہیں، ان کا جائزہ لینے سے ظاہر ہوتا ہے کہ مقسم بہ (جن چیزوں کی قسمیں کھائی جاتی ہیں وہ) مقسم علیہ (جس دعوی کو ثابت کرنا مقصود ہے) کے لئے شواہد و دلائل ہوتے ہیں، چنانچہ یہاں اللہ کے نیک بندوں کی قسمیں کھائی گئی ہیں، جو تمام نمازوں میں، خاص طور پر فجر کی نماز میں مسجد میں پہنچ کر صف بنا کر امام کے پیچھے نمازیں ادا کرتے ہیں، پھر گھر آکر متعلقین کو جو سو رہے ہیں ڈانٹتے ہیں، پھر قرآنِ کریم کی تلاوت میں لگ جاتے ہیں، باپ کا یہ اسوہ سامنے لا کر متعلقین سے خطاب ہے کہ تمہارا معبود بھی تو وہی ایک اللہ ہے، پھر تمہارا عمل باپ کے عمل سے مختلف کیوں ہے؟ کیا تم مسلمان نہیں ہو؟ کیا تمہیں جنت میں نہیں جانا؟ ارشاد فرماتے ہیں: —— قسم ہے قطار میں لگ کر صف بنانے والوں کی! پھر ڈانٹ کر جھڑکنے والوں کی! پھر قرآن کی تلاوت کرنے والوں کی! بے شک تمہارا معبود ایک ہی ہے! —— الصافات وغیرہ مؤنث الفاظ بہ تاویل جماعة لائے ہیں —— اور الذکر: جگہ جگہ قرآنِ کریم کے لئے آیا ہے، اور یہاں قرینہ لفظ تلاوت ہے، یہ لفظ آسمانی کتابیں پڑھنے کے لئے خاص ہے —— اور پہلی آیت میں صف

(۱) يَسَّمَّعُوْنَ: اصل میں يَتَسَمَّعُوْنَ تھا، مصدر تَسَمُّع (باب تفعل): کان لگا کر سننا (۲) دُحُوْرًا: يقذفون کا مفعول لہ ہے، دَحَرَهُ (ف) دَحْرًا وَدُحُوْرًا: ہٹانا، دور کرنا، بھگانا (۳) وَصَبَ يَصِبُ (ض) الشیئ: قائم رہنا، جما رہنا (۴) خَطِفَ (ض) الشیئ: اچک لینا، جھپٹا مارنا (۵) ثَقَبَ (ن) الکوکبُ: چمکنا: ﴿النَّجْمُ الثَّاقِبُ﴾: چمکدار ستارہ۔

بندی کے اہتمام کی طرف اشارہ ہے، اور حدیثوں میں مثبت و منفی پہلوؤں سے اس سلسلہ میں ہدایات آئی ہیں، متفق علیہ حدیث ہے کہ اپنی صفیں درست کرو، کیونکہ صفوں کی درستی نماز کے اہتمام میں داخل ہے (مشکات حدیث ۱۰۸۷) اور نماز کے اہتمام کا قرآنِ کریم میں بار بار حکم آیا ہے، اور صفیں اس وقت درست ہونگی جب قطار بالکل سیدھی ہو، اور کندھے سے کندھا ملا ہوا ہو ـــــ اور دوسری آیت میں اشارہ ہے کہ گھر کے ذمہ دار کو ماتحتوں کے عمل پر نظر رکھنی چاہئے، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو نبی ﷺ نے جو دس نصیحتیں کی تھیں، ان میں آخری دو یہ ہیں: ولاتَرْفَعْ عنهم عصاك أدبا، وأَخِفْهُمْ في الله: فیملی کی تربیت کے لئے اپنا عصا ان سے اٹھا مت رکھو، اور اللہ کے دین کے معاملہ میں ان کو ڈراتے رہو ـــــ اور تیسری آیت میں اشارہ ہے کہ نمازوں کے بعد خاص طور پر فجر کی نماز کے بعد تلاوت کا معمول ہونا چاہئے۔

قدرتِ باری کا بیان

اللہ تعالیٰ آسمانوں کے، زمین کے، درمیانی چیزوں کے، مشرقوں اور مغربوں کے رب ہیں، ربّ: وہ ہستی ہے جو کسی چیز کو عدم سے وجود میں لائے، پھر اس کی بقاء کا سامان کرے، پھر بتدریج ترقی دے کر منتہائے کمال تک پہنچائے، یہ اللہ کی قدرتِ کاملہ کی دلیل ہے ـــــ اور فضاء میں ان گنت تارے بنائے، جن کے دو مقصد ہیں:

۱- ستاروں سے آسمانِ دنیا کو مزین کیا، رات کے گھپ اندھیرے میں ستاروں کی جگمگاہٹ سے آسمان کتنا خوبصورت، مزین اور پُر رونق نظر آتا ہے، ان میں سے بعض ستارے زمین سے بھی بڑے ہیں، ان کو فضاء میں کون تھامے ہوئے ہے، قادرِ مطلق ہی ان کو سنبھالے ہوئے ہے۔

۲- ستاروں سے اللہ تعالیٰ حفاظت کا کام بھی لیتے ہیں، شیاطین جب فرشتوں کی باتیں سننے کے لئے آسمان کے قریب جاتے ہیں تو تارہ ٹوٹتا ہے، جو شیطان کا کام تمام کر دیتا ہے یا اس کو مخبوط الحواس بنا دیتا ہے، مگر یہ میزائل زمین پر نہیں گرتے، اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اس کو فضاء میں روک رکھتی ہے۔

آیاتِ پاک: ـــــ وہ پروردگار ہیں آسمانوں کے، اور زمین کے، اور ان چیزوں کے جو دونوں کے درمیان میں ہیں ـــــ یعنی ستارے وغیرہ ـــــ اور وہ پروردگار ہیں سورج کی طلوع ہونے کی جگہوں کے ـــــ اور سورج کی چھپنے کی جگہوں کے، والمغارب کو فہم سامع پر اعتماد کر کے چھوڑ دیا ہے ـــــ سورج ہر روز نئے نقطہ سے نکلتا ہے اور نئے نقطہ میں چھپتا ہے، مشارق ومغارب کا یہ اختلاف اللہ کی قدرت کاملہ کی دلیل ہے ـــــ اور طلوع وغروب کے تمام نقطوں کو ایک مان لیں تو ایک مشرق ومغرب ہیں، اور سردی گرمی کے آخری پوئنٹ کو لے لیں تو دو مشرق اور دو مغرب ہیں، اور ہر پوئنٹ کو علاحدہ علاحدہ لیں تو تین سو ساٹھ مشرق اور اتنے ہی مغرب ہیں۔

تارے اوران کے مقاصد: —— بے شک ہم نے مزین کیا آسمانِ دنیا کو رونق یعنی ستاروں کے ذریعہ —— ستارے کہاں ہیں؟ فضاء میں لٹکے ہوئے ہیں یا آسمان میں گڑے ہوئے ہیں؟ اس میں قدیم وجدید حکماء کا اختلاف ہے، اور ہمیں فیصلہ کرنے کی ضرورت نہیں، ستارے بہر حال زمین کے لئے زینت وآرائش ہیں —— اور ہم نے خوب محفوظ کیا ہے ہر سرکش شیطان سے، وہ عالم بالا کی طرف کان نہیں لگا سکتے، اور وہ ہر طرف سے پھینک کر مارے جاتے ہیں بھگانے کے لئے —— یہ ان کی دنیا کی سزا ہے —— اور (آخرت میں) ان کے لئے دائمی عذاب ہے —— کیونکہ وہ کافر ہیں —— البتہ اگر کوئی شیطان کوئی خبر لے اڑے تو ایک دہکتا ہوا شعلہ اس کا پیچھا کرتا ہے —— بخاری شریف کی حدیث (نمبر ۴۷۰۱) میں ہے کہ جب فرشتوں کو کسی امر کی وحی کی جاتی ہے تو شیاطین آسمان کے قریب جا کر اس کو چرانے کی کوشش کرتے ہیں، پس تارہ ٹوٹتا ہے اور شیطان کو خاکستر کر دیتا ہے، اور کبھی وہ کوئی ادھوری بات نیچے والے شیطان کی طرف ڈال دیتا ہے جو کاہن تک پہنچ جاتی ہے، وہ اس میں ننانوے جھوٹ ملا کر پیشین گوئی کرتا ہے —— یہ ستاروں کا دوسرا مقصد ہے، ان کے ذریعہ آسمان کی خبروں کی شیاطین سے حفاظت کی جاتی ہے، رہی یہ بات کہ ستارے جو ٹوٹتے ہیں: ان کی حقیقت کیا ہے؟ اس میں بھی حکماء کے مختلف اقوال ہیں، اور قرآن وحدیث میں اس کی تفصیل نہیں آئی، اس لئے فیصلہ ناممکن ہے، پس نظر اصل مدّعا پر رہنی چاہئے کہ ستاروں کے ربّ بھی اللہ تعالیٰ ہیں، وہ اپنی قدرتِ کاملہ سے ان کو سنبھالے ہوئے ہیں۔

سوال: جب ستاروں کے ذریعہ آسمانی خبروں کی حفاظت کی گئی ہے تو کوئی بات کاہن تک کیسے پہنچ جاتی ہے؟ نظام ڈھیلا ہے!

جواب: نظام ڈھیلا نہیں: ﴿إِلَّا مَنْ خَطِفَ﴾ کا استثناء بھی تو ہے، یعنی کوئی شیطان بات لے اڑتا ہے، اور یہ جو فرمایا ہے کہ دہکتا شعلہ اس کا پیچھا کرتا ہے، اس کی وضاحت حدیث میں آئی ہے کہ کبھی شیطان خاکستر یا مخبوط الحواس ہو جانے سے پہلے بات نیچے والے شیطان کو بتا دیتا ہے، جو کاہن تک پہنچ جاتی ہے، اور اس میں بھی حکمت ومصلحت ہوتی ہے، جسے اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں۔

فَاسْتَفْتِهِمْ أَهُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ۚ إِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِينٍ لَّازِبٍ ﴿۱۱﴾ بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَإِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَإِذَا رَأَوْا آيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَقَالُوْا إِنْ هٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ ءَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَإِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۱۶﴾ أَوَآبَاؤُنَا

الْاَوَّلُوْنَ ﴿۱۷﴾ قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۲۰﴾ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۱﴾ ع

فَاسْتَفْتِهِمْ	پس آپ ان سے پوچھیں	يَسْتَسْخِرُوْنَ	(تو) ہنسی اڑاتے ہیں	دَاخِرُوْنَ (۴)	ذلیل ہوؤ گے
اَهُمْ اَشَدُّ	کیا وہ زیادہ سخت ہیں	وَقَالُوْٓا	اور کہا انھوں نے	فَاِنَّمَا هِيَ	پس وہ صرف
خَلْقًا (۱)	پیدائش کے اعتبار سے	اِنْ هٰذَآ	نہیں ہے یہ	زَجْرَةٌ	ڈانٹ ہے
اَمْ مَّنْ (۲)	یا جن کو	اِلَّا سِحْرٌ	مگر جادو	وَّاحِدَةٌ	ایک
خَلَقْنَا	ہم نے پیدا کیا	مُّبِيْنٌ	کھلا	فَاِذَا هُمْ	پس اچانک وہ
اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ	بیشک ہم نے ان کو پیدا کیا	ءَاِذَا	کیا جب	يَنْظُرُوْنَ	دیکھ رہے ہونگے
مِّنْ طِيْنٍ	مٹی سے	مِتْنَا	ہم مرجائیں گے	وَقَالُوْا	اور کہا انھوں نے
لَّازِبٍ (۳)	جڑی ہوئی (چپکی ہوئی)	وَكُنَّا تُرَابًا	اور مٹی ہوجائیں گے	يٰوَيْلَنَا	ہائے ہماری کم بختی!
بَلْ عَجِبْتَ	بلکہ آپ کو حیرت ہے	وَّعِظَامًا	اور ہڈیاں	هٰذَا يَوْمُ	یہ دن ہے
وَيَسْخَرُوْنَ	اور وہ ٹھٹھا کرتے ہیں	ءَاِنَّا	کیا بے شک ہم	الدِّيْنِ	بدلے کا
وَاِذَا ذُكِّرُوْا	اور جب نصیحت کئے جاتے ہیں	لَمَبْعُوْثُوْنَ	ضرور زندہ کئے جائیں گے	هٰذَا	یہ
		اَوَاٰبَآؤُنَا	کیا اور ہمارے اسلاف	يَوْمُ الْفَصْلِ	فیصلہ کا دن ہے
لَا يَذْكُرُوْنَ	(تو نصیحت) قبول نہیں کرتے	الْاَوَّلُوْنَ	اگلے (بھی)	الَّذِيْ	جس کو
وَاِذَا رَاَوْا	اور جب دیکھتے ہیں وہ	قُلْ نَعَمْ	کہو: ہاں	كُنْتُمْ بِهٖ	تھے تم اس کو
اٰيَةً	کوئی نشانی	وَاَنْتُمْ	اور تم	تُكَذِّبُوْنَ	جھٹلاتے

بعث بعد الموت (مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے) کا بیان

پس آپ ان (مشرکین) سے پوچھئے: کیا وہ زیادت سخت ہیں پیدائش میں یا وہ جن کو ہم نے پیدا کیا؟ —— وہ: یعنی

(۱) أشد خلقا: اسم تفضیل ہے (۲) من: ذوی العقول (ملائکہ اور جنات) کو غلبہ دیتے ہوئے استعمال کیا ہے (۳) لازب کا ترجمہ حضرت ابن عباسؓ نے: مُلْتَصِق (ملی ہوئی، جڑی ہوئی، چپکی ہوئی) کیا ہے (روح) (۴) دَخَر (ف) دُخُوْرًا: حقیر وذلیل ہونا۔

آسمان، زمین، ستارے، فرشتے اور شیاطین وغیرہ مخلوقات جن کا ذکر اوپر آیا ـــــ ظاہر ہے ایسی عظیم الشان مخلوقات کا بنانا زیادہ مشکل ہے، انسان ضعیف البنیان کے بنانے سے، پھر انسان کو دوبارہ بنانا تو اور بھی آسان ہے پہلی بار بنانے سے، پھر وہ بعث بعد الموت کے کیوں منکر ہیں؟

بے شک ہم نے اُن (کفار) کو چِپکتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا ـــــ ہر انسان کی اصل پانی ملی ہوئی مٹی ہے، وہ اِس طرح کہ انسان نطفہ سے پیدا ہوتا ہے، نطفہ خون سے بنتا ہے، خون غذا سے پیدا ہوتا ہے، اور غذا خواہ کسی شکل میں ہو اس کی اصل نباتات ہیں، اور نباتات مٹی اور پانی سے پیدا ہوتے ہیں (معارف القرآن شفیعی) ـــــ اور مُجڑی ہوئی کا مطلب یہ ہے کہ مٹی اپنی جگہ رہتی ہے، اس کا کوئی جزء لے کر انسان کو نہیں بنایا جاتا، بلکہ کرۂ ارض (مُجڑی ہوئی چِپکی ہوئی مٹی) سے نباتات پیدا ہوتی ہیں، انسان ان کو کھاتا ہے تو بدن میں خون بنتا ہے، یہ مٹی کا جوہر (سُلالۃ) ہے، اس سے ہر انسان بنایا جاتا ہے، پھر قیامت کے دن اسی طرح انسان کو دوبارہ مٹی سے بنانا کیا مشکل ہے؟ کافروں کے گلے یہ بات کیوں نہیں اترتی!

ملحوظہ: اس آیت میں آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ذکر نہیں، اس کا تذکرہ سورۃ الحجر (آیت ۲۸) میں ہے۔

بلکہ آپؐ کو حیرت ہوتی ہے ـــــ کہ یہ عقلمند اتنی موٹی بات کیوں نہیں سمجھتے! ـــــ اور وہ ٹھٹھا کرتے ہیں ـــــ کہ یہ آدمی (نبی) کیسی بے سروپا باتیں کرتا ہے ـــــ اور جب ان کو سمجھایا جاتا ہے تو وہ سمجھتے نہیں! ـــــ اور جب وہ کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو اس کو ہنسی میں اڑا دیتے ہیں ـــــ اور کہتے ہیں: یہ تو کھلا جادو ہے! ـــــ اسی طرح بات ختم کر دیتے ہیں۔ مگر پھر وہی مرغ کی ایک ٹانگ ـــــ بھلا جب ہم مر گئے، اور مٹی اور ہڈیاں ہو گئے، تو کیا ہم دوبارہ زندہ کئے جائیں گے؟ اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی! ـــــ جن کو مرے ہوئے قرنہا قرن گذر گئے، اور شاید اب ان کی ہڈیاں بھی باقی نہ رہی ہوں، کیا وہ از سرِ نو زندہ کر کے کھڑے کر دیئے جائیں گے؟ ـــــ کہو! ہاں! اور تم ذلیل ہوؤ گے ـــــ یعنی اپنے انکار کی اہانت آمیز سزا پاؤ گے ـــــ قیامت بس ایک للکار ہے ـــــ نفخۂ ثانیہ مراد ہے ـــــ پس سب یکا یک دیکھنے بھالنے لگیں گے ـــــ سب کے ہوش ٹھکانے آجائیں گے ـــــ اور کہیں گے: ہائے ہماری کم بختی! یہ تو بدلہ کا دن معلوم ہوتا ہے! ـــــ جس کی انبیاء خبر دیتے تھے اور ہم ہنسی اڑایا کرتے تھے ـــــ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: ـــــ یہ وہی فیصلہ کا دن ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے ـــــ اب اس کے احوال سے نمٹو!

اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَ اَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿۲۲﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ﴿۲۳﴾ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْـُٔوْلُوْنَ ﴿۲۴﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ بَلْ هُمُ

الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ قَالُوْٓا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا
عَنِ الْيَمِيْنِ ﴿۲۸﴾ قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ
بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ اِنَّا لَذَآىِٕقُوْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَغْوَيْنٰكُمْ اِنَّا
كُنَّا غٰوِيْنَ ﴿۳۲﴾ فَاِنَّهُمْ يَوْمَىِٕذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۳۴﴾

اُحْشُرُوا	جمع کرو	لَا تَنَاصَرُوْنَ	ایک دوسرے کی مدد	بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا	بلکہ نہیں تھے تم
الَّذِيْنَ	ان کو جنھوں نے		نہیں کرتے	مُؤْمِنِيْنَ	ایمان لانے والے
ظَلَمُوْا	ظلم کیا	بَلْ هُمُ	بلکہ وہ	وَمَا كَانَ	اور نہیں تھا
وَاَزْوَاجَهُمْ (۱)	اور ان کے جوڑوں کو	الْيَوْمَ	آج	لَنَا عَلَيْكُمْ	ہمارے لئے تم پر
وَمَا كَانُوْا	اور ان کو جو تھے وہ	مُسْتَسْلِمُوْنَ (۳)	سرافگندہ ہیں	مِّنْ سُلْطٰنٍ	کچھ زور
يَعْبُدُوْنَ	پوجتے (ان کو)	وَاَقْبَلَ	اور متوجہ ہوا	بَلْ كُنْتُمْ	بلکہ تھے تم
مِنْ دُوْنِ	چھوڑ کر	بَعْضُهُمْ	ان کا ایک	قَوْمًا	لوگ
اللّٰهِ	اللہ کو	عَلٰى بَعْضٍ	دوسرے کی طرف	طٰغِيْنَ	حد سے تجاوز کرنے والے
فَاهْدُوْهُمْ (۲)	پس چلاؤ ان کو	يَّتَسَآءَلُوْنَ	ایک دوسرے سے	فَحَقَّ	پس ثابت ہوگئی
اِلٰى صِرَاطِ	راستہ کی طرف		پوچھ رہے ہیں	عَلَيْنَا	ہم پر
الْجَحِيْمِ	دوزخ کے	قَالُوْٓا	کہا انھوں نے	قَوْلُ	بات
وَقِفُوْهُمْ	اور ٹھہراؤ ان کو	اِنَّكُمْ كُنْتُمْ	بے شک تم تھے	رَبِّنَآ	ہمارے رب کی
اِنَّهُمْ	بے شک وہ	تَاْتُوْنَنَا	آتے ہمارے پاس	اِنَّا لَذَآىِٕقُوْنَ	بے شک ہم البتہ
مَّسْـُٔوْلُوْنَ	پوچھے ہوئے ہیں	عَنِ الْيَمِيْنِ (۴)	دائیں جانب سے		چکھنے والے ہیں
مَا لَكُمْ	تمھیں کیا ہوا	قَالُوْا	کہا انھوں نے	فَاَغْوَيْنٰكُمْ	پس گمراہ کیا ہم نے تم کو

(۱) أزواج: زوج کی جمع: جوڑا یعنی بیوی یا ہم مشرب (۲) اهْدُوا: هداية سے امر، جمع مذکر حاضر: راستہ دکھلاؤ، لے چلو، اصل معنی ہیں: لطف ونرمی سے راہ دکھانا، مگر یہاں تہکم ہے، جیسے ﴿فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيْمٍ﴾ (۳) مُسْتَسْلِم: اسم فاعل، اِسْتِسْلَام: مصدر: فرمان بردار ہونا (۴) یمین کے مجازی معنی قوت کے ہیں۔

اِنَّا كُنَّا	بے شک ہم تھے	يَوۡمَىِٕذٍ	آج	اِنَّا كَذٰلِكَ	بے شک ہم اسی طرح
غٰوِيۡنَ	گمراہ ہونے والے	فِى الۡعَذَابِ	عذاب میں	نَفۡعَلُ	کرتے ہیں
فَاِنَّهُمۡ	پس بے شک وہ	مُشۡتَرِكُوۡنَ	شریک ہیں	بِالۡمُجۡرِمِيۡنَ	گنہگاروں کے ساتھ

قیامت کا ایک منظر: نقار خانے میں سبھی ننگے!

حشر بپا ہے، فرشتوں کو حکم ملے گا، مشرکوں کو، ان کے ہم مشربوں کو اور ان کے معبودوں کو جمع کرو، سب چور ایک ساتھ، زناکار ایک ساتھ، سود خور ایک ساتھ، شرابی ایک ساتھ، اور ان کے بوگس معبودوں کو ان کے ساتھ اکٹھا کرو، پھر ان کو جہنم کی طرف ہانکو ــــ ٹولیاں بن گئیں، فرشتے ان کو ہانکنے والے ہیں کہ حکم پہنچے گا: ذرا ان کو ٹھہراؤ، ان سے پوچھ گچھ ہونی ہے۔ سوال: کیا بات ہے: آج تم ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے، تم تو کہتے تھے: ہمارا جتھا بہت بڑا ہے، ہم سب مل کر ایک دوسرے کی مدد کریں گے ﴿نَحۡنُ جَمِيۡعٌ مُّنۡتَصِرٌ﴾: ہم سب مل کر ایک دوسرے کی مدد کرنے والے ہیں [القمر ۴۴] اب کہاں گئی وہ اکڑفوں! کیا بات ہے: اب بدوں کان ہلائے جہنم کی طرف چلنے کے لئے تیار ہو گئے ہو؟ ــــ وہ سرافگندہ ہونگے، مارے شرم کے سر نہیں اٹھا پا رہے ہونگے، اور ان سے کوئی جواب بن نہیں پڑے گا ــــ پس ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوگا، ہر زمرہ میں چھوٹے بڑے ہونگے، چھوٹے بڑوں سے الجھیں گے، کہیں گے: ہم پر تمہاری آمد بڑی زور کی ہوتی تھی، ہم پر چڑھے آتے تھے بہکانے کو زور دکھلا کر، رات دن ہمارے پیچھے پڑے رہتے تھے، لکچر پلاتے تھے، ہمیں گمراہ کر کے چھوڑا!

بڑے جواب دیں گے: تم خود گمراہ ہوئے ہو، ہمارا تم پر کیا زور تھا کہ ہم تم کو زبردستی گمراہ کرتے، تم ہی سرکش اور شریر ہو، اب پروردگار کا فرمودہ پورا ہونے کا وقت آ گیا ہے، اب ہم سب کو عذاب کا مزہ چکھنا ہے، رہی تمہاری یہ بات کہ ہم نے تم کو گمراہ کیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ ہم خود گمراہ تھے، پس ہم تم کو راہِ راست کہاں سے دکھاتے! ــــ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: آج سب عذاب میں شریک ہیں، کیونکہ نقار خانے میں سبھی ننگے ہیں، سب ایک تھیلی کے چٹے بٹے ہیں، کوئی چھوٹا کھلونا کوئی بڑا! اور ہم مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کرتے ہیں ــــ پھر فرشتے ان کو ہانک کر جہنم کی طرف لے جائیں گے۔

آیاتِ پاک: ــــ جمع کرو ظالموں کو ــــ مشرکوں کو ــــ اور ان کے جوڑوں کو ــــ ہم مشربوں کو ــــ اور ان معبودوں کو جن کی وہ اللہ کو چھوڑ کر پوجا کیا کرتے تھے، پس سب کو دوزخ کا راستہ دکھلاؤ ــــ فرشتے حکم کی تعمیل کریں گے، سب کی ٹولیاں بنا دیں گے، اور ہانکنے ہی والے ہونگے کہ حکم پہنچے گا: ــــ اور ان کو روکو، ان سے پوچھ گچھ ہونی ہے: کیا بات ہے تم ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے! ــــ وہ جواب کیا دیں؟ جواب ندارد! ــــ بلکہ وہ آج سرافگندہ ہیں! اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہونگے، باہم سوال جواب کریں گے، چھوٹے کہیں گے: ہم پر تمہاری آمد بڑی زور کی

ہوتی تھی! ــــ بڑے جواب دیں گے: نہیں، بلکہ تم خود ہی ایمان نہیں لائے تھے، اور ہمارا تم پر کچھ زور نہیں تھا، بلکہ تم خود حد سے تجاوز کرنے والے تھے ــــ پس ہمارے پروردگار کی بات ہم پر پکی ہوگئی، ہم کو ضرور عذاب کا مزہ چکھنا ہے ــــ پس ہم نے تم کو بہکایا اس لئے کہ ہم گمراہ تھے ــــ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ــــ پس آج وہ سب عذاب میں شریک ہونگے، ہم مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں! ــــ یعنی سب مجرم درجہ بہ درجہ عذاب سہیں گے۔

إِنَّهُمْ كَانُوٓا إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا ٱللَّهُ يَسْتَكْبِرُونَ ﴿٣٥﴾ وَيَقُولُونَ أَئِنَّا لَتَارِكُوٓا ءَالِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُونٍ ﴿٣٦﴾ بَلْ جَآءَ بِٱلْحَقِّ وَصَدَّقَ ٱلْمُرْسَلِينَ ﴿٣٧﴾ إِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا ٱلْعَذَابِ ٱلْأَلِيمِ ﴿٣٨﴾ وَمَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٣٩﴾ إِلَّا عِبَادَ ٱللَّهِ ٱلْمُخْلَصِينَ ﴿٤٠﴾

إِنَّهُمْ كَانُوٓا	بے شک وہ تھے	ءَالِهَتِنَا	ہمارے معبودوں کو	ٱلْعَذَابِ	عذاب
إِذَا قِيلَ	جب کہا گیا	لِشَاعِرٍ	ایک شاعر کے کہنے سے	ٱلْأَلِيمِ	دردناک
لَهُمْ	ان سے	مَّجْنُونٍ	(جو) دیوانہ (ہے)	وَمَا تُجْزَوْنَ	اور نہیں بدلہ دیئے
لَآ إِلَٰهَ	کوئی معبود نہیں	بَلْ جَآءَ	بلکہ لایا ہے وہ		جاؤ گے تم
إِلَّا ٱللَّهُ	سوائے اللہ کے	بِٱلْحَقِّ	سچا دین	إِلَّا مَا كُنتُمْ	مگر جو تھے تم
يَسْتَكْبِرُونَ	(تو) گھمنڈ کرتے ہیں وہ	وَصَدَّقَ	اور سچا مانتا ہے	تَعْمَلُونَ	کرتے
وَيَقُولُونَ	اور کہتے ہیں	ٱلْمُرْسَلِينَ	سب رسولوں کو	إِلَّا عِبَادَ	مگر بندے
أَئِنَّا	کیا بے شک ہم	إِنَّكُمْ	بے شک تم	ٱللَّهِ	اللہ کے
لَتَارِكُوٓا	البتہ چھوڑ دیں	لَذَآئِقُوا	یقیناً چکھنے والے ہو	ٱلْمُخْلَصِينَ	چنیدہ

مشرکین انکار توحید کی اور رسول کی شان میں گستاخی کی سزا پائیں گے

مشرکین کلمہ توحید قبول نہیں کرتے، اس وجہ سے نہیں کہ وہ کوئی نامعقول بات ہے یا اس کی کوئی دلیل نہیں، بلکہ ان کا کبر وغرور آڑے آتا ہے، اگر نبی کی بات مان لیں تو ان کی چودھراہٹ جاتی ہے، اس لئے اس پر شاعر اور پاگل کی پھبتی کستے ہیں۔ شاعروں کی یاوہ گوئی (فضول باتیں کرنا) مشہور ہے، اس طرح انھوں نے کلمۂ حق کو بیہودہ بات قرار دیا، پاگل کی بڑ کا خالص سچائی سے کیا تعلق! یہ تو وہ کلمہ ہے جو سبھی رسول پیش کرتے آئے ہیں، کیا ایک لاکھ سے زیادہ انبیاء پاگل تھے! اُفّ ہے تمہاری عقلوں پر! مجنون اور دیوانہ کبھی ایسی سچی بات پیش کرسکتا ہے؟ وہ انکار توحید اور نبی کی شان میں

گستاخی کی سزا پائیں گے، البتہ اللہ کے چنیدہ بندے جنھوں نے یہ کلمہ قبول کرلیا ہے وہ آخرت کی سزا سے محفوظ رہیں گے، ان کو اس کلمہ کی جزائے خیر ملے گی، جس کا بیان آگے ہے۔

آیاتِ پاک: —— وہ لوگ ایسے تھے کہ جب ان سے کہا جاتا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں! تو وہ گھمنڈ کرتے تھے، اور کہتے تھے: کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک پاگل شاعر کی وجہ سے چھوڑ دیں! —— نہیں، بلکہ وہ سچا دین لے کر آیا ہے، اور وہ تمام پیغمبروں کی تصدیق کرتا ہے —— بے شک تم سب کو دردناک عذاب کا مزہ چکھنا ہے! اور تم کو اسی کا بدلہ ملے گا جو تم کیا کرتے تھے، مگر اللہ کے چنیدہ بندے —— مستثنیٰ ہیں!

أُولَٰئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُومٌ ﴿٤١﴾ فَوَاكِهُ ۖ وَهُم مُّكْرَمُونَ ﴿٤٢﴾ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿٤٣﴾ عَلَىٰ سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ ﴿٤٤﴾ يُطَافُ عَلَيْهِم بِكَأْسٍ مِّن مَّعِينٍ ﴿٤٥﴾ بَيْضَاءَ لَذَّةٍ لِّلشَّارِبِينَ ﴿٤٦﴾ لَا فِيهَا غَوْلٌ وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنزَفُونَ ﴿٤٧﴾ وَعِندَهُمْ قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ عِينٌ ﴿٤٨﴾ كَأَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُونٌ ﴿٤٩﴾ فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿٥٠﴾ قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ إِنِّي كَانَ لِي قَرِينٌ ﴿٥١﴾ يَقُولُ أَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِينَ ﴿٥٢﴾ أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا أَإِنَّا لَمَدِينُونَ ﴿٥٣﴾ قَالَ هَلْ أَنتُم مُّطَّلِعُونَ ﴿٥٤﴾ فَاطَّلَعَ فَرَآهُ فِي سَوَاءِ الْجَحِيمِ ﴿٥٥﴾ قَالَ تَاللَّهِ إِن كِدتَّ لَتُرْدِينِ ﴿٥٦﴾ وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّي لَكُنتُ مِنَ الْمُحْضَرِينَ ﴿٥٧﴾ أَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِينَ ﴿٥٨﴾ إِلَّا مَوْتَتَنَا الْأُولَىٰ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ ﴿٥٩﴾ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٦٠﴾ لِمِثْلِ هَٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُونَ ﴿٦١﴾

أُولَٰئِكَ	یہ لوگ	فَوَاكِهُ[1]	میوے	النَّعِيمِ	نعمتوں کے
لَهُمْ	ان کے لئے	وَهُم	اور وہ	عَلَىٰ سُرُرٍ	تختوں پر
رِزْقٌ	روزی ہے	مُّكْرَمُونَ	معزز ہونگے	مُّتَقَابِلِينَ	آمنے سامنے
مَّعْلُومٌ	جانی ہوئی	فِي جَنَّاتِ	باغات میں	يُطَافُ[2]	گھمایا جائے گا

(۱) فواکہ: رزق سے بدل ہے۔ (۲) طاف بہ: گھمانا۔

عَلَيْهِمْ	ان پر	فَاَقْبَلَ	پس متوجہ ہوا	قَالَ	کہا اس نے
بِكَاْسٍ	(شراب کا) پیالہ	بَعْضُهُمْ	ان کا ایک	هَلْ اَنْتُمْ	کیا تم
مِّنْ مَّعِيْنٍ(۱)	بہتی نہر سے	عَلٰى بَعْضٍ	دوسرے کی طرف	مُّطَّلِعُوْنَ	جھانکنے والے ہو
بَيْضَآءَ	سفید رنگ	يَّتَسَآءَلُوْنَ	پوچھ رہے ہیں وہ	فَاطَّلَعَ	پس جھانکا اس نے
لَذَّةٍ	لذیذ	قَالَ	کہا	فَرَاٰهُ	پس دیکھا اس کو
لِّلشّٰرِبِيْنَ	پینے والوں کے لئے	قَآئِلٌ	ایک کہنے والے نے	فِيْ سَوَآءِ	درمیان
لَا فِيْهَا	نہ اس (شراب) میں	مِّنْهُمْ	ان میں سے	الْجَحِيْمِ	جہنم کے
غَوْلٌ(۲)	سرگرانی	اِنِّيْ	بے شک میں	قَالَ	کہا اس نے
وَّلَا هُمْ	اور نہ وہ	كَانَ لِيْ	تھا میرا	تَاللّٰهِ	اللہ کی قسم!
عَنْهَا	اس سے	قَرِيْنٌ	ایک ساتھی	اِنْ(۵)	بیشک (شان یہ ہے)
يُنْزَفُوْنَ(۳)	مدہوش ہونگے	يَّقُوْلُ	کہتا تھا	كِدْتَّ	قریب تھا تو
وَعِنْدَهُمْ	اور ان کے پاس	اَئِنَّكَ	کیا بے شک تو	لَتُرْدِيْنِ(۶)	ضرور گڑھے میں ڈالتا مجھے
قٰصِرٰتُ	روکنے والیاں	لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ	ماننے والوں میں سے ہے؟	وَلَوْلَا	اور اگر نہ ہوتا
الطَّرْفِ	نگاہ کو	ءَاِذَا مِتْنَا	کیا جب مر گئے ہم	نِعْمَةُ	فضل
عِيْنٌ	بڑی آنکھوں والیاں	وَكُنَّا تُرَابًا	اور ہو گئے ہم مٹی	رَبِّيْ	میرے رب کا
كَاَنَّهُنَّ	گویا وہ	وَّعِظَامًا	اور ہڈیاں	لَكُنْتُ	ضرور ہوتا میں
بَيْضٌ	انڈے ہیں	ءَاِنَّا	بے شک ہم	مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ	پکڑے ہوؤں میں سے
مَّكْنُوْنٌ	چھپا کر رکھے ہوئے	لَمَدِيْنُوْنَ(۴)	بدلہ دیئے ہوئے ہیں	اَفَمَا نَحْنُ(۷)	کیا پس نہیں ہم

(۱)مَعَنَ (ف) الماءُ: پانی کا بہنا، فهو مَعِيْن (۲)الغَوْل: شراب سے پیدا ہونے والا سرور یا نشہ غَالَه (ن)الخمر: شراب کا کسی کو مدہوش کر دینا (۳)نُزِفَ عقلُه (مجہول) نشہ وغیرہ سے عقل زائل ہو جانا، ہوش نہ رہنا، نَزَفَ (ض)الشیءُ: (معروف) ختم ہو جانا۔(۴)مَدِيْن: اسم مفعول: بدلہ دیئے ہوئے دَانَ يَدِيْن دَيْنًا: بدلہ دینا (۵)إن: مخففہ، ہ ضمیر شان اسم محذوف (۶)تُرْدِيْنِ: مضارع، واحد مذکر حاضر، ن وقایہ، ی ضمیر متکلم محذوف، نون کا کسرہ اس کی علامت، إِرْدَاء: ہلاک کرنا، گڑھے میں ڈالنا (۷)أفما: ہمزہ استفہام تقریری، فا عاطفہ (معطوف علیہ محذوف) ما: نافیہ، آگے إلا: اثبات کے لئے آ رہا ہے، نفی اثبات سے حصر پیدا ہوا ہے۔

بِمَيِّتِيۡنَ	مرنے والے	بِمُعَذَّبِيۡنَ	عذاب دیئے ہوئے	الۡعَظِيۡمُ	بڑی
اِلَّا مَوۡتَتَنَا	علاوہ ہماری موت کے	اِنَّ هٰذَا	بے شک یہ	لِمِثۡلِ هٰذَا	اِس جیسے کے لئے
الۡاُوۡلٰى	پہلی	لَهُوَ	البتہ وہ	فَلۡيَعۡمَلِ	پس چاہئے کہ کام کریں
وَمَا نَحۡنُ	اور نہیں ہم	الۡفَوۡزُ	کامیابی ہے	الۡعٰمِلُوۡنَ	کام کرنے والے

مخلصین کے لئے آخرت میں نعمتیں

مخلصین (اللہ کے چنیدہ بندوں) کے لئے آخرت میں —— بطور مثال —— چھ نعمتیں ہونگی:
۱- جنت میں ان کو روزی میوں کی صورت میں ملے گی —— ۲- جنت میں وہ معزز ہونگے، ان کا اعزاز کیا جائے گا —— ۳- جنت میں وہ مجلسیں جمائیں گے —— ۴- جنت میں شراب طہور کا دور چلے گا —— ۵- دل پسند بیویاں ان کے ہم کنار ہونگی —— ۶- وہ دولتِ ایماں پر انتہائی درجہ خوش ہونگے۔

پہلی نعمت: —— روزی بصورتِ میوہ —— اِن لوگوں کے لئے جانی ہوئی روزی یعنی میوے ہیں —— میوے: وہ چیزیں جو لذت حاصل کرنے کے لئے کھائی جاتی ہیں، جنت میں جو غذائیں دی جائیں گی وہ سب لذت حاصل کرنے کے لئے ہونگی، بھوک رفع کرنے کے لئے نہیں ہونگی، کیونکہ جنت میں بھوک نہیں لگے گی، البتہ کھانے پینے کی خواہش ہوگی، اس خواہش کے پورا ہونے سے لذت وسرور حاصل ہوگا (رازی بحوالہ معارف القرآن) —— اور جانی ہوئی: یعنی جس کی صفات قرآن میں دوسری جگہ آئی ہیں (بیان القرآن)

دوسری نعمت: —— جنت میں اعزاز —— اور وہ معزز ہونگے نعمتوں کے باغوں میں —— نعمتوں کے باغوں میں بسانا پہلا اعزاز ہے، پھر اہل جنت کو رزق پورے اعزاز واکرام کے ساتھ دیا جائے گا، بھیک کے لقمے کے طور پر نہیں، ایسے لقمہ میں کیا حلاوت! پھر سب سے بڑا اعزاز یہ ہوگا کہ مہربان پروردگار کی طرف سے جنتیوں کو سلام پہنچے گا، فَیَا حَبَّذَا الکرامۃُ! کیا خوب عزت ہے!

تیسری نعمت: —— جنت میں وہ محفلیں جمائیں گے —— تختوں پر آمنے سامنے (بیٹھے) ہونگے —— یہ اہلِ جنت کی مجلس کا نقشہ ہے، تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہونگے: یعنی کسی کی طرف پشت نہیں ہوگی، اس کی عملی صورت کیا ہوگی؟ وہ جنت میں معلوم ہوگی۔

چوتھی نعمت: —— جنت میں شرابِ طہور کا دور چلے گا —— ان پر پھرایا جائے گا بہتی شراب کا جام —— یعنی جنت میں شراب طہور کی نہر ہوگی —— سفید رنگ، پینے والوں کے لئے لذیذ —— دنیا کی شراب کالی بدمزہ ہوتی ہے

—— نہ اس میں دردِ سر ہوگا، نہ اس سے ان کی عقل میں فتور آئے گا —— دنیا کی شراب میں یہ دونوں باتیں ہوتی ہیں، جنت کی شراب میں بس سرور ہوگا۔

پانچویں نعمت: —— دل پسند بیویاں ان کے ہم کنار ہونگی —— اور ان کے پاس نیچی نگاہ والیاں، بڑی آنکھوں والیاں ہونگی، گویا وہ انڈے ہیں چھپے دھرے —— نیچی نگاہ والیاں: یعنی غیر مرد کو نہیں دیکھیں گی، یہ دنیا میں بھی عورت کی بڑی خوبی ہے، اور آنکھ کا بڑا ہونا عورت کے حسن کو بڑھاتا ہے، اور چھپا کر رکھے ہوئے انڈوں کے ساتھ نہایت صاف ستھرا ہونے میں تشبیہ ہے۔

چھٹی نعمت: —— جنتی دولتِ ایمان پر انتہائی درجہ خوش ہونگے —— پس ان کا ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوگا، وہ بات چیت کریں گے، ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا: میرا ایک ملاقاتی تھا، وہ کہتا تھا: کیا تو (بعث بعد الموت کے) معتقدین میں سے ہے؟ کیا جب ہم مر جائیں گے، اور مٹی اور ہڈیاں ہوجائیں گے تو ہم بدلہ دیئے جائیں گے؟! کہا اس نے (اپنے ساتھیوں سے) کیا تم جھانک کر اس کو دیکھنا چاہتے ہو؟ پس اس نے جھانکا تو اس کو وسطِ جہنم میں دیکھا، کہا اس نے: قسم بخدا! قریب تھا تو کہ مجھے تباہ کردیتا، اور اگر میرے رب کا فضل نہ ہوتا —— یعنی اس نے مجھے ایمان کی دولت سے نہ نوازا ہوتا —— تو میں بھی ماخوذ لوگوں میں سے ہوتا —— اور جہنم میں پڑا ہوتا —— پس (سن) ہمیں پہلی موت کے بعد اب کوئی موت نہیں آنی! اور ہم کو اب عذاب نہیں ہوگا —— یعنی جو مرنا تھا وہ مر لئے، اب آگے موت نہیں، اب ہماری جنت کی زندگی ابدی ہے، اب ہمیں عذاب کا کوئی اندیشہ نہیں!

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: —— بے شک یہی (جنت کی زندگی) بڑی کامیابی ہے، ایسی ہی کامیابی کے لئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہئے!

أَذَٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا أَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّومِ ﴿٦٢﴾ إِنَّا جَعَلْنَاهَا فِتْنَةً لِّلظَّالِمِينَ ﴿٦٣﴾ إِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِي أَصْلِ الْجَحِيمِ ﴿٦٤﴾ طَلْعُهَا كَأَنَّهُ رُءُوسُ الشَّيَاطِينِ ﴿٦٥﴾ فَإِنَّهُمْ لَآكِلُونَ مِنْهَا فَمَالِئُونَ مِنْهَا الْبُطُونَ ﴿٦٦﴾ ثُمَّ إِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيمٍ ﴿٦٧﴾ ثُمَّ إِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَإِلَى الْجَحِيمِ ﴿٦٨﴾ إِنَّهُمْ أَلْفَوْا آبَاءَهُمْ ضَالِّينَ ﴿٦٩﴾ فَهُمْ عَلَىٰ آثَارِهِمْ يُهْرَعُونَ ﴿٧٠﴾ وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ أَكْثَرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٧١﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا فِيهِم مُّنذِرِينَ ﴿٧٢﴾ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنذَرِينَ ﴿٧٣﴾ إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ﴿٧٤﴾

ع ۲

اَذٰلِكَ	کیا یہ	لَاٰكِلُوْنَ	البتہ کھانے والے ہیں	عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ	ان کے نشانات پر
خَيْرٌ	بہتر	مِنْهَا	اس سے	يُهْرَعُوْنَ	دوڑے جارہے ہیں
نُّزُلًا	مہمانی ہے	فَمَالِئُوْنَ	پس بھرنے والے ہیں	وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق
اَمْ شَجَرَةُ	یا درخت	مِنْهَا	اس سے	ضَلَّ	گمراہ ہوئے
الزَّقُّوْمِ(۱)	زقوم کا	الْبُطُوْنَ	پیٹوں کو	قَبْلَهُمْ	ان سے پہلے
اِنَّا جَعَلْنٰهَا	بیشک بنایا ہم نے اس کو	ثُمَّ اِنَّ	پھر بے شک	اَكْثَرُ	بہت لوگ
فِتْنَةً	آزمائش	لَهُمْ	ان کے لئے	الْاَوَّلِيْنَ	اگلے
لِّلظّٰلِمِيْنَ	ظالموں کے لئے	عَلَيْهَا	اس پر	وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق
اِنَّهَا	بے شک زقوم	لَشَوْبًا	البتہ ملونی ہے	اَرْسَلْنَا	بھیجا ہم نے
شَجَرَةٌ	ایک درخت ہے	مِّنْ حَمِيْمٍ	کھولتے پانی کی	فِيْهِمْ	ان میں
تَخْرُجُ	پیدا ہوتا ہے	ثُمَّ اِنَّ	پھر بے شک	مُّنْذِرِيْنَ	ڈرانے والوں کو
فِيْٓ اَصْلِ	جڑ میں	مَرْجِعَهُمْ	ان کے لوٹنے کی جگہ	فَانْظُرْ	پس دیکھ
الْجَحِيْمِ	جہنم کی	لَاِلَى الْجَحِيْمِ	البتہ دوزخ کی طرف ہے	كَيْفَ كَانَ	کیسا تھا
طَلْعُهَا(۲)	اس کی ٹہنی	اِنَّهُمْ	بے شک انھوں نے	عَاقِبَةُ	انجام
كَاَنَّهٗ	گویا وہ	اَلْفَوْا	پایا	الْمُنْذَرِيْنَ	ڈرائے ہوؤں کا
رُءُوْسُ	سر (پھن)	اٰبَآءَهُمْ	اپنے اسلاف کو	اِلَّا عِبَادَ	مستثنیٰ ہیں بندے
الشَّيٰطِيْنِ	سانپوں کے	ضَآلِّيْنَ	بہکا ہوا	اللّٰهِ	اللہ کے
فَاِنَّهُمْ	پس بے شک وہ	فَهُمْ	پس وہ	الْمُخْلَصِيْنَ	چنیدہ

جنت کے میووں اور جہنمیوں کی خوراک زقوم میں موزانہ کرو جنت کی مہمانی کی اہمیت سمجھ میں آئے گی

ابھی جنت کی نعمتوں کا ذکر چل رہا ہے، جنت کی چھ نعمتوں کا ذکر آیا، پہلی نعمت جنت کے میوے ہیں، اور چیزوں کو ان

(۱) زقوم: دوزخ کا ایک درخت، جس کے پتے چھوٹے ہوتے ہیں اور وہ بدبودار اور کڑوا ہوتا ہے، اردو والے تھوہر ترجمہ کرتے ہیں۔(۲) طلع کا اردو میں ترجمہ نہیں ہوسکتا، کھجور اور گیگوار کی ٹہنیاں طلع ہیں، ان کو نہ پتے کہہ سکتے ہیں، نہ شاخیں، نہ شگوفے، البتہ سورۃ قٓ (آیت ۱۰) میں طلع کا گچھے (خوشے) ترجمہ کیا گیا ہے۔

کی اضداد سے پہچانا جاتا ہے، میٹھے کو کڑوے سے، اور اس کے برعکس، رات کو دن سے، اور اس کے برخلاف، اور زندہ کو مردہ سے پہچانا جاسکتا ہے، پس اگر کوئی شخص جنت کے میووں کی اہمیت سمجھنا چاہے تو زقوم کے درخت سے موازنہ کرے، جنت کی مہمانی کی اہمیت سمجھ میں آجائے گی۔

زقوم کونسا درخت ہے؟ لغت میں اس کے ایک معنی کھجور اور مکھن کے بھی کئے ہیں، اور قرآنِ کریم میں اس کا تذکرہ تین جگہ آیا ہے، تینوں جگہ اس کو درخت کہا ہے، اور یہ بھی فرمایا ہے کہ وہ دوزخ کی گہر میں پیدا ہوتا ہے، اور کتابوں میں لکھا ہے کہ یہ درخت تہامہ میں بکثرت پایا جاتا ہے، پس کھجور اور مکھن کا احتمال تو ختم ہوگیا، اور ابوجہل وغیرہ جو کھجور اور مکھن سامنے رکھ کر لوگوں کو بلاتے تھے کہ آؤ زقوم کھائیں! وہ قرآن کا ٹھٹھا کرتے تھے۔

کتابوں میں زقوم کا ترجمہ تھوہر کیا ہے، مگر بیان القرآن میں ہے کہ تھوہر: زقوم کے قریب ہے یعنی بعینہٖ نہیں، اور منجد میں اس کا فوٹو نہیں اور گوگل میں اس کے متعدد فوٹو ہیں، پس شد خوابِ من پریشاں زکثرتِ تعبیر ہا! بہر حال: یہ بدبودار، نہایت کڑوا درخت ہے، یہ دوزخ کی گہر میں اُگتا ہے، اس کا مزاج ناری ہے، جیسے آگ کا کیڑا (سمندر) آگ میں زندہ رہتا ہے۔ اور ترمذی شریف میں حدیث (نمبر ۲۵۸۳) ہے اگر زقوم کا ایک قطرہ دنیا میں ٹپکا دیا جائے تو وہ دنیا والوں کی معاش تباہ کردے، پس کیا حال ہوگا اس کا جس کو کھانے کے لئے یہ دیا جائے گا!

آیاتِ پاک مع تفسیر: —— بتاؤ: یہ (جنت کی) مہمانی بہتر ہے یا زقوم کا درخت؟ —— یہاں مہمانی نہیں فرمایا، کیونکہ وہ تو کتے کو ڈالی ہوئی ہڈی ہے —— ہم نے اس درخت کو ظالموں کے لئے آزمائش بنایا —— وہ قرآن میں زقوم کا ذکر سن کر اس کی ہنسی اڑاتے ہیں (دیکھیں بنی اسرائیل آیت ۶۰) —— وہ ایک درخت ہے جو دوزخ کی گہر میں پیدا ہوتا ہے، اس کے گچھے جیسے سانپ کے پھن! —— شیاطین کا ترجمہ سانپ کیوں کرتے ہیں؟ اس لئے کہ شیطانوں کے سر کسی نے نہیں دیکھے، اور مشبہ بہ کا معلوم ہونا ضروری ہے، اور سانپوں کے پھن معلوم ہیں، اور عربی میں سانپوں کے لئے شیاطین کا محاورہ مستعمل ہے —— پس وہ لوگ (جہنمی) اس سے کھائیں گے، اور اس سے پیٹ بھریں گے —— پھر جب پیاس لگے گی تو —— ان کو کھولتا ہوا پانی (پیپ ملاکر) دیا جائے گا —— جس سے ان کی آنتیں کٹ کر باہر آجائیں گی [محمد ۱۵] —— پھر ان کے لوٹنے کی جگہ دوزخ کی طرف ہے —— معلوم ہوا: کھانا پینا جہنم سے باہر ہوگا، پھر ان کو آگ میں پہنچادیا جائے گا، جیسے قیدیوں کو جیل کے کمروں سے باہر نکالتے ہیں، مگر وہ جیل سے باہر نہیں نکلتے، اسی طرح یہ لوگ جہنم سے نہیں نکلیں گے۔

اور ان کی سزا کی وجہ: —— انھوں نے اپنے بڑوں کو گمراہی کی حالت میں پایا، پس وہ ان کے نقشِ قدم پر تیزی سے چل پڑے —— یعنی وہ گذشتہ کافروں کی اندھی تقلید کررہے ہیں، جس راہ پر ان کو دیکھا ہے اسی پر دوڑے جارہے

ہیں، نہ کنواں دیکھتے ہیں نہ کھائی! —— اورالبتہ واقعہ یہ ہے کہ ان سے پہلے اگلوں میں اکثر گمراہ ہوچکے ہیں —— اور یہ ان گمراہوں کی راہ اپنائے ہوئے ہیں —— اورالبتہ تحقیق ہم نے ان میں ڈرانے والے بھیجے —— یعنی ہر زمانہ میں انجام سے آگاہ کرنے والے اور آخرت کا ڈرسنانے والے پیغامبر آتے رہے ہیں —— پس دیکھ لے! ڈرائے ہوؤں کا انجام کیا ہوا! —— یعنی جنھوں نے نبیوں کی باتیں نہ سنیں نہ مانیں ان کا انجام دیکھ لے، اور اس سے عبرت پکڑ! —— مگراللہ کے چنیدہ بندے —— مستثنیٰ ہیں، ان کا برا انجام نہیں ہوگا، وہ عذاب سے بچالئے جائیں گے، ان چنیدہ بندوں کا ذکر آگے آرہا ہے۔

وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ۝ وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ۝ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ۝ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝ سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ ۝ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ۝

وَلَقَدْ	اورالبتہ تحقیق	وَجَعَلْنَا	اور بنایا ہم نے	فِي الْعٰلَمِيْنَ	جہانوں میں
نَادٰىنَا نُوْحٌ	پکارا ہم کو نوحؑ نے	ذُرِّيَّتَهٗ	اس کی اولاد کو	اِنَّا كَذٰلِكَ	بےشک ہم اس طرح
فَلَنِعْمَ	پس کیا خوب	هُمُ (۲)	ہی	نَجْزِي	بدلہ دیتے ہیں
الْمُجِيْبُوْنَ (۱)	جواب دینے والے	الْبٰقِيْنَ	باقی رہنے والا	الْمُحْسِنِيْنَ	نیکوکاروں کو
	ہیں (ہم)	وَتَرَكْنَا	اور چھوڑی ہم نے	اِنَّهٗ	بےشک وہ
وَنَجَّيْنٰهُ	اور بچالیا ہم نے اس کو	عَلَيْهِ	اس پر	مِنْ عِبَادِنَا	ہمارے بندوں میں سے ہے
وَاَهْلَهٗ	اور اس کے گھر والوں کو	فِي الْاٰخِرِيْنَ	پچھلوں میں	الْمُؤْمِنِيْنَ	ایماندار
مِنَ الْكَرْبِ	بےچینی سے	سَلٰمٌ	سلامتی	ثُمَّ اَغْرَقْنَا (۳)	پھر ڈبایا ہم نے
الْعَظِيْمِ	بڑی	عَلٰى نُوْحٍ	نوح پر	الْاٰخَرِيْنَ	دوسروں کو

رسالت کا بیان

انسانوں کے دوسرے جدامجد اور پہلے رسول حضرت نوح علیہ السلام کا تذکرہ

اب مخلص بندوں کا تفصیل سے تذکرہ کرتے ہیں، یہ بندے مُنْذِرین (ڈرانے والے) ہیں، مُنْذَرین (ڈرائے ہوؤں)

(۱) مخصوص بالمدح نحن محذوف ہے (۲) ھم: ضمیر فصل ہے، جس سے حصر پیدا ہوا ہے (۳) ثم: تراخی ذکری کے لئے ہے۔

کا تفصیل سے تذکرہ نہیں کیا، یہ تمام بندے اللہ کے رسول ہیں، اور اس سلسلہ کی آخری کڑی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ اس طرح رسالت کا مسئلہ ثابت ہوا۔ حضرت نوح علیہ السلام پہلے رسول ہیں، ان سے پہلے انبیاء مبعوث ہوتے تھے، رسول: اصالۃً کافروں کی طرف مبعوث کیا جاتا ہے اور نبی مؤمنین کی طرف، جیسے موسیٰ علیہ السلام فرعون کی طرف مبعوث کئے گئے تھے، ساتھ ہی بنی اسرائیل کو سنبھالنے کی ذمہ داری بھی سونپی گئی تھی، اور انبیائے بنی اسرائیل مؤمنین کی طرف مبعوث کئے گئے تھے۔

نوح علیہ السلام انسانوں کے دوسرے جدامجد ہیں، اب سب انسان ان کی اولاد ہیں، یہاں یہ بات صراحۃً بیان کی گئی ہے۔ طوفانِ نوح کے بعد دیگر مؤمنین کی نسلیں منقطع ہوگئیں، آپ ہی کے تین بیٹوں کی نسلیں چلیں اور ساری زمین آباد ہوگئی۔ آپ نے ہزار کم پچاس سال تک قوم پر محنت کی، مگر لوگ ٹس سے مس نہ ہوئے، صرف اسّی مرد وزن ایمان لائے، جب لوگوں کی ہدایت سے مایوسی ہوگئی تو آپ نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کی: پروردگار! میں ہار گیا! آپ میری مدد کریں (قمر:۱۰) اور عرض کیا: پروردگار! کافروں میں سے کسی کو زمین پر باقی نہ رہنے دیں! (نوح:۲۶) اللہ تعالیٰ نے ان کی پکار سن لی، اور ان کی مدد کی، عذاب آیا اور سب ہلاک ہوگئے، صرف کشتی والے بچ رہے۔ ارشاد فرماتے ہیں: —— اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ ہم کو نوحؑ نے پکارا، سو ہم خوب فریاد سننے والے ہیں! اور ہم نے ان کو اور ان کے لوگوں کو بھاری بے چینی سے نجات دی —— رات دن کی کفار کی ایذاء رسانیوں سے نجات ملی —— اور ہم نے انہی کی اولاد کو باقی رہنے والا بنایا —— یہ عظیم احسان فرمایا —— اور ہم نے پچھلوں میں ان کا ذکر خیر باقی رکھا کہ سلامتی ہو نوح پر جہانوں میں! —— یہ دوسرا احسان فرمایا، رہتی دنیا تک ان کا ذکر خیر ہوتا رہے گا، سب ان پر سلام بھیجیں گے —— ہم اسی طرح نیکوکاروں کو صلہ دیا کرتے ہیں، بے شک وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھے —— مؤمنین دنیا میں بھی سرخ رو ہوتے ہیں اور آخرت میں بھی کامیاب! —— پھر ہم نے دوسرے لوگوں کو غرق کردیا —— یہ واقعہ پہلے پیش آیا ہے، تذکرہ اس کا بعد میں کیا ہے، یہ تراخی ذکری ہے۔

وَإِنَّ مِنْ شِيعَتِهِ لَإِبْرَاهِيمَ ﴿٨٣﴾ إِذْ جَاءَ رَبَّهُ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ﴿٨٤﴾ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَاذَا تَعْبُدُونَ ﴿٨٥﴾ أَئِفْكًا آلِهَةً دُونَ اللَّهِ تُرِيدُونَ ﴿٨٦﴾ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٨٧﴾ فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ ﴿٨٨﴾ فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ ﴿٨٩﴾ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِينَ ﴿٩٠﴾ فَرَاغَ إِلَىٰ آلِهَتِهِمْ فَقَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ ﴿٩١﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُونَ ﴿٩٢﴾ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِينِ ﴿٩٣﴾ فَأَقْبَلُوا إِلَيْهِ

يَزِفُّوْنَ ۝٩٤ قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ۝٩٥ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ۝٩٦ قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ ۝٩٧ فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ۝٩٨

وَاِنَّ	اور بے شک	فَمَا ظَنُّكُمْ	پس تمہارا کیا خیال ہے	لَا تَنْطِقُوْنَ	بولتے نہیں تم؟
مِنْ شِيْعَتِهٖ (١)	اس کی راہ اپنانے	بِرَبِّ	پروردگار کے بارے میں	فَرَاغَ	پس پل پڑا
	والوں میں سے	الْعٰلَمِيْنَ	جہانوں کے	عَلَيْهِمْ	ان پر
لَاِبْرٰهِيْمَ	البتہ ابراہیم ہیں	فَنَظَرَ	پس اس نے دیکھا	ضَرْبًا	مارتے ہوئے
اِذْ جَآءَ	جب وہ آئے	نَظْرَةً (٣)	ایک نظر	بِالْيَمِيْنِ	دائیں ہاتھ سے
رَبَّهٗ	اپنے رب کے پاس	فِي النُّجُوْمِ	ستاروں میں	فَاَقْبَلُوْٓا	پس متوجہ ہوئے وہ
بِقَلْبٍ	دل لے کر	فَقَالَ	پس کہا اس نے	اِلَيْهِ	اس کی طرف
سَلِيْمٍ	محفوظ	اِنِّيْ سَقِيْمٌ	بے شک میں بیمار ہوں	يَزِفُّوْنَ (٥)	تیزی سے چلتے ہوئے
اِذْ قَالَ	جب کہا اس نے	فَتَوَلَّوْا	پس مڑے وہ	قَالَ	کہا اس نے
لِاَبِيْهِ	اپنے باپ سے	عَنْهُ	اس سے	اَتَعْبُدُوْنَ	کیا پوجتے ہو تم
وَقَوْمِهٖ	اور اپنی برادری سے	مُدْبِرِيْنَ	پیٹھ پھیرتے ہوئے	مَا	جس کو
مَاذَا	کس چیز کو	فَرَاغَ (٤)	پس چپکے سے گیا	تَنْحِتُوْنَ	تراشتے ہو تم
تَعْبُدُوْنَ	پوجتے ہو تم؟	اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ	ان کے معبودوں کے پاس	وَاللّٰهُ	اور اللہ نے
اَئِفْكًا (٢)	کیا گھڑے ہوئے	فَقَالَ	پس کہا اس نے	خَلَقَكُمْ	پیدا کیا تم کو
اٰلِهَةً	معبود	اَلَا	کیا نہیں	وَمَا (٦)	اور اس کو جو
دُوْنَ اللّٰهِ	اللہ سے ورے	تَاْكُلُوْنَ	کھاتے تم؟	تَعْمَلُوْنَ	کرتے ہو تم
تُرِيْدُوْنَ	چاہتے ہو تم؟	مَا لَكُمْ	تمہیں کیا ہوا	قَالُوْا	کہا انھوں نے

(١) من شيعته: إن کی خبر مقدم ہے، اور لابراهيم: اسم مؤخر، اور اسم پر لام زائدہ آیا ہے، کیونکہ وہ خبر کی جگہ میں ہے، الشيعة: پیروکار، ہم نوا، جمع شِيع اور أشياع (٢) أفكا: ہمزہ استفہام، إفكا: تريدون کا مفعول بہ مقدم، آلهة: إفكا سے بدل، من دون الله: آلهة کی صفت (٣) نظرة: مفعول مطلق، بیان نوعیت کے لئے یعنی اچٹتی نظر ڈالی (٤) رَاغَ (ن) إلى كذا: کسی چیز کی طرف چپکے سے مائل ہونا، راغ عليه: چپکے سے پل پڑنا۔ (٥) يزفون: يسرعون (روح) (٦) ما: مصدریہ ہے۔

ابْنُوْا لَهٗ	بناؤاس کے لئے	فِي الْجَحِيْمِ	آگ کے ڈھیر میں	كَيْدًا	چال چلنا
بُنْيَانًا	کوئی عمارت	فَاَرَادُوْا	پس چاہا انھوں نے	فَجَعَلْنٰهُمُ	پس کر دیا ہم نے ان کو
فَاَلْقُوْهُ	پس ڈالو اس کو	بِهٖ	اس کے ساتھ	الْاَسْفَلِيْنَ	نیچا

ابوالانبیاء حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا تذکرہ

توحید کی دعوت اور قوم کی عداوت

یہ مضمون سورۃ الانبیاء (آیات ۵۱-۷۰) میں بھی آیا ہے۔ارشاد فرماتے ہیں: —— اور بے شبہ نوحؑ کی پیروی کرنے والوں میں سے بالیقین ابراہیمؑ ہیں —— تمام انبیاء عقائد و اصولِ دین میں متحد ہوتے ہیں، بایں اعتبار ابراہیم علیہ السلام کو نوح علیہ السلام کا پیروکار کہا ہے —— (یاد کرو) جب وہ اپنے پروردگار کی طرف صاف دل سے متوجہ ہوئے —— ہر بندے سے یہی مطلوب ہے کہ وہ صاف دل سے اللہ کی طرف متوجہ ہو، عقائد: خرافات سے، اعمال: شرک وریاء سے، اخلاق: رذائل سے اور دماغ: دنیا کے خرخشوں سے خالی ہو، تبھی بندہ پکا مؤمن ہوتا ہے، اور اسی لئے یہ بات یاد دلائی ہے —— (یاد کرو) جب انھوں نے اپنے باپ اور اپنی برادری سے کہا: تم کس چیز کی عبادت کرتے ہو؟ کیا اللہ سے وَرے جھوٹے معبودوں کو چاہتے ہو؟ پس رب العالمین کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ —— یہ بھی مؤمن کی ذمہ داری ہے کہ اپنی ذات کے بعد اپنے قریبی رشتہ داروں کی اور اپنی برادری کی خبر لے، اگر ان کے عقائد —— خاص طور پر —— فاسد ہوں تو ان کی اصلاح کرے، اسی لئے یہ بات بھی یاد دلائی ہے —— پس اس نے ستاروں پر ایک نظر ڈالی، پس کہا: میں بیمار ہوں! —— قوم کسی تقریب میں جارہی تھی، وہاں شرک ہوگا، لوگوں نے ابراہیم علیہ السلام سے بھی چلنے کے لئے کہا، انھوں نے صاف انکار کرنے کے بجائے کنّی کاٹی، قوم میں نجوم کا زور تھا، آپ نے ان کو دکھانے کے لئے ستاروں پر ایک نظر ڈالی، اور فرمایا: میری طبیعت ٹھیک نہیں! بیماری: مزاج کے اعتدال سے ہٹ جانے کا نام ہے، اور ابھی تو حضرت کا مزاج شریف ٹھیک ہے! پس یہ توریہ ہے، یعنی بات اس طرح کہنا کہ مخاطب حقیقت نہ سمجھ سکے، جیسے سفر ہجرت میں کسی نے نبی ﷺ سے پوچھا: مِمَّنِ الرجلُ: آپ کون ہیں؟ آپؐ نے جواب دیا: من الماء: پانی کا ہوں! سائل کے پلّے کچھ نہیں پڑا، اور وہ چل دیا، اسی طرح قوم نے سمجھا کہ ابراہیم نے نجوم کے ذریعہ معلوم کرلیا ہے کہ وہ عنقریب بیمار پڑنے والے ہیں، حالانکہ حضرت کی مراد یہ تھی کہ طبیعت ناساز ہے یعنی تمہارے ساتھ آنے کو جی نہیں چاہتا۔

باطل میں موافقت انبیاء کا طریقِ اصلاح نہیں، ہاں توریہ کرکے کنّی کاٹ سکتے ہیں

پس وہ لوگ ان سے پیٹھ پھیر کر مُڑے، پس وہ ان کی مورتیوں کے پاس جا گھسے ـــــ لوگ بتوں کے سامنے حلوا رکھ کر گئے تھے تاکہ واپس آ کر تبرکاً اس کو کھائیں ـــــ پس اس نے (مورتیوں سے) کہا: کیا تم کھاتے نہیں! ـــــ یعنی تمہاری صورت تو انسانوں جیسی ہے، پس تم انسانوں والا کام کیوں نہیں کرتے؟ جواب ندارد! پس اس نے کہا: ـــــ تمہیں کیا ہوا کہ بولتے نہیں! ـــــ اب بھی گونگے! ـــــ پس وہ ان پر پل پڑا قوت سے مارتے ہوئے ـــــ چھوٹوں کی مرمت کر ڈالی، اور بڑے کے کندھے پر کلہاڑا رکھ دیا ـــــ پس وہ لوگ اس کے پاس تیزی سے آئے ـــــ یعنی واپسی میں جب مندر میں گئے، اور صورتِ حال دیکھی تو ابراہیم علیہ السلام کی طرف دوڑ پڑے کہ لاؤ اس کو اسی نے یہ حرکت کی ہے ـــــ ابراہیم نے کہا: کیا تم پوجتے ہو جن کو خود تراشتے ہو، حالانکہ اللہ نے تم کو اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا ہے ـــــ یعنی تم اور تمہاری یہ تراشیدہ مورتیاں اللہ کی مخلوق ہیں، پھر مخلوق: مخلوق کی پوجا کرے: یہ عجیب حماقت ہے، عبادت خالق کی کرنی چاہئے۔

ان لوگوں نے کہا: ابراہیم کے لئے آتش خانہ تیار کرو، پھر اس کو دہکتی آگ میں جھونک دو ـــــ وہ لوگ اپنا پلان روبعمل لائے، مگر قدرتِ الٰہی نے آگ کو باغ بنا دیا، اور قوم نے منہ کی کھائی، فرماتے ہیں: ـــــ اس طرح انھوں نے اس کے ساتھ چال چلنی چاہی، پس ہم نے ان کو نیچا دکھا دیا!

وَقَالَ اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴿۹۹﴾ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ۭ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۡ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ﴿۱۰۳﴾ۚ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ۙ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰۗؤُا الْمُبِيْنُ ﴿۱۰۶﴾ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۰۷﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ۖ سَلٰمٌ عَلٰٓي اِبْرٰهِيْمَ ﴿۱۰۹﴾ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓي اِسْحٰقَ ۭ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ ﴿۱۱۳﴾ ع ۳

وَقَالَ	اور کہا اس نے	ذَاهِبٌ	جانے والا ہوں	سَيَهْدِيْنِ	عنقریب راہ دکھائیگا مجھے
اِنِّيْ	بے شک میں	اِلٰى رَبِّيْ	میرے رب کی طرف	رَبِّ	اے میرے رب!

هَبْ لِيْ	بخش مجھے	يٰاَبَتِ	اے میرے ابا!	اِنَّ هٰذَا	بے شک یہ
مِنَ الصّٰلِحِيْنَ	نیکوں میں سے	افْعَلْ	کیجئے آپ	لَهُوَ	البتہ وہ
فَبَشَّرْنٰهُ	پس خوش خبری دی ہم	مَا	جو	الْبَلٰٓؤُا (۵)	آزمائش ہے
	نے اس کو	تُؤْمَرُ	حکم دیئے گئے آپ	الْمُبِيْنُ	کھلی
بِغُلٰمٍ	لڑکے کی	سَتَجِدُنِيْٓ	عنقریب پائیں گے آپ مجھے	وَ فَدَيْنٰهُ	اور بدلہ دیا ہم نے اس کا
حَلِيْمٍ	بردبار (تحمل والا)	اِنْ شَآءَ	اگر چاہا	بِذِبْحٍ (۶)	ایک ذبح کے جانور سے
فَلَمَّا	پس جب	اللّٰهُ	اللہ نے	عَظِيْمٍ	موٹا تازہ
بَلَغَ	پہنچا وہ	مِنَ الصّٰبِرِيْنَ	صبر کرنے والوں میں سے	وَتَرَكْنَا	اور چھوڑا ہم نے
مَعَهُ	اس کے ساتھ	فَلَمَّآ	پس جب	عَلَيْهِ	اس پر
السَّعْيَ (۱)	کوشش کرنے کو	اَسْلَمَا	حکم مان لیا دونوں نے	فِي الْاٰخِرِيْنَ	پچھلوں میں
قَالَ	کہا اس نے	وَتَلَّهٗ (۲)	اور پچھاڑا اس کو	سَلٰمٌ	سلامتی
يٰبُنَيَّ	اے میرے پیارے بیٹے!	لِلْجَبِيْنِ (۳)	رخسار کے بل	عَلٰٓي اِبْرٰهِيْمَ	ابراہیم پر
اِنِّيْٓ اَرٰي	بیشک میں دیکھتا ہوں	وَنَادَيْنٰهُ	اور پکارا ہم نے اس کو	كَذٰلِكَ	اسی طرح
فِي الْمَنَامِ	خواب میں	اَنْ (۴)	کہ	نَجْزِي	بدلہ دیتے ہیں ہم
اَنِّيْٓ	کہ میں	يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ	اے ابراہیم	الْمُحْسِنِيْنَ	نیکوکاروں کو
اَذْبَحُكَ	ذبح کر رہا ہوں تجھے	قَدْ صَدَّقْتَ	تحقیق سچ کر دکھایا تو نے	اِنَّهٗ	بے شک وہ
فَانْظُرْ	پس دیکھ تو	الرُّءْيَا	خواب	مِنْ عِبَادِنَا	ہمارے بندوں میں سے ہے
مَاذَا	کیا	اِنَّا كَذٰلِكَ	بے شک ہم اسی طرح	الْمُؤْمِنِيْنَ	ایماندار
تَرٰي	رائے ہے تیری	نَجْزِي	بدلہ دیتے ہیں	وَبَشَّرْنٰهُ	اور خوش خبری دی ہم
قَالَ	کہا اس نے	الْمُحْسِنِيْنَ	نیکوکاروں کو		نے اس کو

(۱) السَّعی: مصدر سَعٰی فلانٌ (ف): کوشش کرنا، دوڑنا بھی اس کے معنی ہیں (۲) تلَّ (ن) فلانًا: پچھاڑنا، گرانا، رخسار کے بل لٹانا (۳) جبین: پیشانی، سر کا اگلا حصہ، یہاں مراد کنپٹی ہے، وہ پیشانی کے مجاور ہے (۴) أن: تفسیریہ، نداء کی تفسیر ہے (۵) البلاء: آزمائش، مصیبت بَلَاہ (ن) بَلَاءً: آزمانا (۶) الذِّبح: ذبح کیا جانے والا جانور، قربانی کا جانور۔

بِاِسۡحٰقَ	اسحاق کی	وَبٰرَكۡنَا	اور برکت فرمائی ہم نے	مُحۡسِنٌ	نیکوکار ہیں
نَبِیًّا(۱)	(درانحالیکہ وہ) نبی	عَلَیۡهِ	اس (اسماعیل) پر	وَّظَالِمٌ	اور حق مارنے والے ہیں
مِّنَ الصّٰلِحِیۡنَ	(اور) نیک لوگوں	وَعَلٰۤى اِسۡحٰقَ	اور اسحاق پر	لِّنَفۡسِهٖ	اپنا
	میں سے ہونگے	وَمِنۡ ذُرِّیَّتِهِمَا(۲)	اور ان دونوں کی نسل میں	مُبِیۡنٌ	صاف طور پر

التجاء کے بعد بیٹا ملا، اس کی بھی قربانی کرنے کا حکم ملا!

جب قوم کی طرف سے مایوسی ہوئی، اور باپ نے بھی سختی شروع کردی، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت فرمائی، پہلے مصر پہنچے، وہاں کا ماحول موافق نہیں آیا، بادشاہ نے آپ کی اہلیہ پر دست درازی کرنی چاہی، تو آپ وہاں سے چل کر ملک شام میں بیت المقدس میں آکر فروکش ہوگئے، اللہ تعالیٰ نے بہترین جگہ کا آپ کو راستہ دکھلایا —— اور اس نے (باپ سے اور قوم سے) کہا: میں اپنے پروردگار کی طرف چلا جاتا ہوں، وہ مجھے (اچھی جگہ کی) راہ دکھائے گا —— کنبہ اور وطن چھوڑنا آسان نہیں، پس غربت (بے وطنی) میں دعا مانگی —— اے میرے ربّ! مجھے نیک فرزند عطا فرما! —— جو دل بستگی کا ذریعہ بنے —— پس ہم نے اس کو ایک بردبار لڑکے کی خوش خبری سنائی —— مصر کے بادشاہ نے جب حضرت سارۃ رضی اللہ عنہا پر دست درازی کی تھی، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت کی تھی، بادشاہ نے حضرت سارۃؓ کی کرامت دیکھی تو اس نے معتقد ہوکر اپنی بیٹی خدمت کے لئے ساتھ کردی، ان کا نام حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا تھا، حضرت سارۃؓ نے وہ لڑکی اپنے شوہر کو بیاہ دی، اب وہ خادمہ تو حضرت سارۃؓ کی رہیں، مگر بیوی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بن گئیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے بطن سے پلوٹھا (پہلا) لڑکا عنایت فرمایا، اس کا نام اسماعیل رکھا گیا، یہ نام دو لفظوں سے مرکب ہے، سمع اور ایل، سمع کے معنی سننے کے ہیں اور ایل کے معنی اللہ کے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی دعا سن لی اور لڑکا عنایت فرمایا، اب جب حضرت ہاجرہؓ کا مرتبہ بڑھ گیا تو مخدومہ اور خادمہ میں ان بن رہنے لگی، پُرخاش یک طرفہ تھی، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے ماں بیٹے کو مکہ مکرمہ میں بیت اللہ کے پاس لے جاکر بسادیا، اس وقت وہ جگہ ویران تھی، پھر آباد ہوئی، اور بیت اللہ کی تعمیر نو ہوئی، حضرت ابراہیم علیہ السلام شام سے وقفہ وقفہ سے آتے رہتے تھے، اور اپنے اہل وعیال کی خبر لیتے تھے، جب اسماعیل علیہ السلام سات آٹھ سال کے ہوئے تو ابراہیم علیہ السلام نے شام میں خواب دیکھا کہ وہ صاحبزادے کی قربانی کررہے ہیں، نبی کا خواب وحی ہوتا ہے، مگر کبھی اس کی تعبیر ہوتی ہے، چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے سو اونٹ قربان کرکے غریبوں کو کھلائے، مگر پھر بھی یہی خواب دیکھا، پھر قربانیاں کیں، جب تیسری مرتبہ یہی

(۱) نبیا اور من الصالحین: إسحاق سے حال ہیں۔ (۲) ذریتهما: ضمیر تثنیہ کا مرجع اسماعیل واسحاق علیہما السلام ہیں۔

خواب دیکھا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام سمجھ گئے کہ بیٹے کی قربانی ہی مقصود ہے، اس وقت آپ کے صاحبزادے صرف اسماعیل علیہ السلام تھے، ابھی اسحاق علیہ السلام کی بشارت بھی نہیں ملی تھی، اور اسماعیل علیہ السلام شام سے دور تھے، چنانچہ آپ سفر کر کے مکہ مکرمہ پہنچے، اور بیٹے کو خواب سنایا، اور اس کی تعمیل کے بارے میں ان سے مشورہ لیا، ارشاد فرماتے ہیں:

—— پس جب وہ ابراہیم کے ساتھ چلنے پھرنے کی عمر کو پہنچا تو ابراہیمؑ نے کہا: میرے پیارے بیٹے! میں بالیقین خواب میں دیکھتا ہوں کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں، پس سوچ لے تیری کیا رائے ہے؟ بیٹے نے جواب دیا: ابا جان! جس کام کا آپ کو حکم دیا گیا ہے وہ آپ کریں، ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔

پس جب دونوں سرافگندہ ہو گئے، اور ابراہیمؑ نے اس کو کروٹ پر لٹا دیا —— یہ ترجمہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے کیا ہے، الٹا لٹانے میں ذبح ممکن نہیں، ذبح کی رگیں سامنے ہوتی ہیں —— اور ہم نے اس کو (بواسطہ ملائکہ) پکارا: اے ابراہیم! تو نے خواب سچا کر دکھایا، ہم نیکوکاروں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں، بالیقین یہ بڑا امتحان ہے —— یعنی بس بس رہنے دے، ہاتھ روک لے، مقصود بیٹے کا ذبح کرانا نہیں ہے، تیرا امتحان منظور ہے، تو اس میں کامیاب ہوا، ہم نیکوکاروں کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں: یعنی تکلیف مالا یطاق نہیں دیا کرتے، جب اس کا مرحلہ آجاتا ہے تو ہم حکم واپس لے لیتے ہیں —— اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کا عوض دیدیا —— یعنی حکم دیا کہ ایک فربہ تیار دنبہ اسماعیل علیہ السلام کی جگہ قربان کیا جائے، یہی رسم قربانی ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہے، جو آج تک جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گی —— اور ہم نے پیچھے آنے والوں میں اس کے حق میں یہ بات رہنے دی کہ ابراہیمؑ پر سلامتی ہو، ہم نیکوکاروں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں —— یعنی ان کا ذکر خیر باقی رکھتے ہیں —— بے شک وہ ہمارے ایماندار بندوں سے ہے!

اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق کی خوش خبری سنائی جو نبی نیک لوگوں میں سے ہونگے —— معلوم ہوا وہ پہلی خوش خبری اسماعیل علیہ السلام کی تھی، اور ذبح کا قصہ انہی کا تھا —— اور ہم نے دونوں پر (اسماعیل واسحاق علیہما السلام پر) برکتیں نازل فرمائیں —— یعنی دونوں کی نسلیں خوب پھلیں —— اور دونوں کی نسل میں نیکوکار اور اپنے حق میں کھلا نقصان کرنے والے ہیں —— یعنی دونوں کی نسل میں مؤمن وکافر اور نیکوکار وبدکار ہیں

اصول کا نیک ہونا ذریات کے کام نہیں آسکتا جبکہ وہ خود ایمان سے محروم ہوں (بیان القرآن)

ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں

روایات میں اختلاف ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں یا حضرت اسحاق علیہ السلام؟ اور حضرت تھانوی

رحمہ اللہ نے بیان القرآن میں لکھا ہے کہ روایات دونوں طرف متکلم فیہ ہیں اھ پس روایات سے فیصلہ نہیں ہوسکتا، اور قرآنِ کریم سے واضح طور پر ثابت ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں، دلائل درج ذیل ہیں:

۱- زیر تفسیر آیات میں: ﴿هَبْ لِيْ مِنَ الصَّالِحِيْنَ﴾: کی دعا کے بعد لڑکے کی خوش خبری دی گئی ہے، پھر اس کے ذبح کا قصہ ہے، پھر حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت ہے، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ پہلی مرتبہ جس صاحبزادے کی بشارت دی گئی ہے وہ اسحاق علیہ السلام نہیں ہیں، پس وہ ذبیح بھی نہیں۔

۲- سورۃ ہود (آیت ۷۱) میں ہے: ﴿فَبَشَّرْنَاهَا بِإِسْحَاقَ، وَمِنْ وَّرَآءِ إِسْحَاقَ يَعْقُوْبَ﴾: ہم نے سارہؓ کو بشارت دی اسحاق کے پیدا ہونے کی، اور اسحاق کے پیچھے یعقوبؑ کے پیدا ہونے کی، پس جب حضرت اسحاق علیہ السلام کے صاحبِ اولاد ہونے کی بشارت ہو چکی تھی تو ذبح کے حکم سے خود معلوم ہو جاتا کہ وہ ذبح نہ ہونگے، پھر امتحان عظیم کیسے ہوگا؟

۳- یہاں جب اسماعیل علیہ السلام کی بشارت دی ہے تو لڑکے کی صفت حلیم آئی ہے، اور سورۃ الذاریات (آیت ۲۸) میں اسحاق علیہ السلام کی بشارت دی ہے تو لڑکے کی صفت علیم آئی ہے، اور بردباری بچپن سے ہوتی ہے، اور بڑا عالم بڑی عمر میں بنتا ہے، اس سے بھی معلوم ہوا کہ اسحاق علیہ السلام لڑکپن میں ذبح نہیں ہونگے، وہ باقی رہیں گے، تا آنکہ بڑے عالم ہونگے۔

مگر بائبل میں جہاں ذبح کا ذکر ہے حضرت اسحاق علیہ السلام کا نام لکھ دیا ہے، وہاں سے اسرائیلی روایات چلیں اور تفسیروں میں درآئیں، پس مسئلہ نظری ہوگیا، حالانکہ بدیہی تھا کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

تنبیہ: عید الاضحیٰ کے موقعہ پر واعظین ذبح اسماعیل کو تقریر کا موضوع بناتے ہیں، اور ناکافی علم ہونے کی وجہ سے عجیب عجیب گل کھلاتے ہیں، اور اناپ شناپ باتیں بیان کرتے ہیں، ان سے ہوشیار رہنا چاہئے، کتابوں میں جو کچھ لکھا گیا ہے یا واعظین جو کچھ بیان کرتے ہیں وہ سب صحیح نہیں۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۱۵﴾ وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۱۸﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ اللّٰهَ رَبَّكُمْ

وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۲۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾

وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	وَتَرَكْنَا	اور چھوڑا ہم نے	اَتَدْعُوْنَ	کیا پکارتے ہو تم
مَنَنَّا	احسان کیا ہم نے	عَلَيْهِمَا	دونوں پر	بَعْلًا	بعل (بت) کو
عَلٰى مُوْسٰى	موسیٰ پر	فِي الْاٰخِرِيْنَ	پچھلوں میں	وَتَذَرُوْنَ	اور چھوڑتے ہو تم
وَهٰرُوْنَ	اور ہارون پر	سَلٰمٌ	سلامتی	اَحْسَنَ	بہترین کو
وَنَجَّيْنٰهُمَا	اور نجات دی ہم نے دونوں کو	عَلٰى مُوْسٰى	موسیٰ پر	الْخَالِقِيْنَ	پیدا کرنے والوں میں سے
وَقَوْمَهُمَا	اور دونوں کی قوم کو	وَهٰرُوْنَ	اور ہارون پر	اللّٰهَ (۲)	اللہ تعالیٰ
مِنَ الْكَرْبِ	بے چینی سے	اِنَّا كَذٰلِكَ	بے شک ہم اسی طرح	رَبَّكُمْ	تمہارے رب
الْعَظِيْمِ	بڑی	نَجْزِي	بدلہ دیتے ہیں	وَرَبَّ	اور رب
وَنَصَرْنٰهُمْ	اور مدد کی ہم نے ان کی	الْمُحْسِنِيْنَ	نیکوکاروں کو	اٰبَآئِكُمُ	تمہارے باپ داوں کے
فَكَانُوْا هُمُ (۱)	پس تھے وہی	اِنَّهُمَا	بے شک دونوں	الْاَوَّلِيْنَ	اگلے
الْغٰلِبِيْنَ	غالب ہونے والے	مِنْ عِبَادِنَا	ہمارے بندوں میں سے ہیں	فَكَذَّبُوْهُ	پس جھٹلایا انھوں نے اس کو
وَاٰتَيْنٰهُمَا	اور دی ہم نے دونوں کو	الْمُؤْمِنِيْنَ	ایماندار	فَاِنَّهُمْ	پس بے شک وہ
الْكِتٰبَ	کتاب	وَاِنَّ اِلْيَاسَ	اور بے شک الیاس	لَمُحْضَرُوْنَ	یقیناً پکڑے ہوئے
الْمُسْتَبِيْنَ	واضح	لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ	البتہ رسولوں میں سے ہیں		لائے گئے ہیں
وَهَدَيْنٰهُمَا	اور دکھائی ہم نے دونوں کو	اِذْ قَالَ	جب کہا انھوں نے	اِلَّا عِبَادَ	مگر بندے
الصِّرَاطَ	راہ	لِقَوْمِهٖٓ	اپنی قوم سے	اللّٰهِ	اللہ کے
الْمُسْتَقِيْمَ	سیدھی	اَلَا تَتَّقُوْنَ	کیا ڈرتے نہیں تم	الْمُخْلَصِيْنَ	چنیدہ

(۱) هم: کان کے اسم وخبر کے درمیان ضمیر فصل ہے (۲) الله (منصوب) أحسن الخالقين سے بدل ہے، اور عطفِ بیان بھی ہوسکتا ہے۔

وَتَرَكْنَا	اور چھوڑا ہم نے	عَلٰٓى اٰلْ يَاسِيْنَ	ال یاسین پر	اِنَّهٗ	بے شک وہ
عَلَيْهِ	اس پر	اِنَّا كَذٰلِكَ	بے شک ہم اسی طرح	مِنْ عِبَادِنَا	ہمارے بندوں میں
فِي الْاٰخِرِيْنَ	پچھلوں میں	نَجْزِي	بدلہ دیتے ہیں		سے ہیں
سَلٰمٌ	سلامتی ہو	الْمُحْسِنِيْنَ	نیکوکاروں کو	الْمُؤْمِنِيْنَ	ایماندار

موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا تذکرہ

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام جلیل القدر اسرائیلی پیغمبر ہیں، اور معروف ہیں، ارشاد فرماتے ہیں: —— اور البتہ واقعہ یہ ہے کہ ہم نے موسیٰ اور ہارون پر احسان کیا —— دونوں کو نبوت اور دیگر کمالات سے سرفراز کیا —— اور ہم نے دونوں کو اور ان کی قوم (بنی اسرائیل) کو بڑی بے چینی سے نجات دی —— فرعون نے ان کو غلام بنا رکھا تھا، ان کو غلامی سے نجات دی —— اور ہم نے ان کی مدد کی، سو وہی غالب ہونے والے تھے —— فرعون غرق ہوگیا، اور بنی اسرائیل زمین کے وارث بنے —— اور ہم نے دونوں کو واضح کتاب دی —— مراد تورات شریف ہے، موسیٰ علیہ السلام کو اصالۃً اور ہارون علیہ السلام کو تبعاً دی —— اور ہم نے دونوں کو سیدھا راستہ دکھایا —— یعنی تورات شریف کے ذریعہ —— اور ہم نے دونوں پر پچھلوں میں باقی رکھا: سلام ہو موسیٰ اور ہارون پر! —— یعنی سب ان کا ذکر خیر کرتے ہیں اور ان پر سلام بھیجتے ہیں —— اسی طرح ہم نیکوکاروں کو بدلہ دیا کرتے ہیں —— ہمیشہ نیکی کا بدلہ نیک نامی رہی ہے —— بے شک دونوں ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھے! —— اس لئے ان کو یہ صلہ ملا۔

حضرت الیاس علیہ السلام کا تذکرہ

حضرت الیاس علیہ السلام بھی اسرائیلی نبی ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد مبعوث ہوئے، اور ہارون علیہ السلام کی اولاد میں ہیں، اہل کتاب ان کو ایلیاہ کہتے ہیں، اور لوگ کہتے ہیں کہ آپ الیسع علیہ السلام کے چچازاد بھائی تھے، سورۃ الانعام میں صرف ان کا نام آیا ہے، یہاں تھوڑی تفصیل ہے، وہ شام کے شہر بعلبک کی طرف مبعوث کئے گئے تھے، وہ لوگ بعل نامی بت کے پرستار تھے، حضرت الیاسؑ نے ان کو ہر چند سمجھایا، مگر وہ نہ مانے، بالآخر عذابِ آخرت میں گرفتار ہوگئے، ارشاد فرماتے ہیں: —— اور بے شک الیاس منجملۂ رسولوں کے تھے، (یاد کرو) جب انھوں نے اپنی قوم سے کہا: کیا تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں! کیا تم بعل کو پوجتے ہو، اور بہترین بنانے والے کو چھوڑتے ہو! یعنی اللہ کو جو تمہارا رب ہے اور تمہارے گذشتہ باپ دادوں کا —— لوگ تحلیل وترکیب پر قدرت رکھتے ہیں، اور وہ بھی عارضی، اور اللہ تعالیٰ ابداع وایجاد پر قدرت رکھتے ہیں، اور وہ قدرت ذاتی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ بہترین بنانے والے ہیں —— پس انھوں نے ان کی

تکذیب کی، پس بے شک وہ (عذاب آخرت میں) پکڑ کر لائے ہوئے ہیں، مگر اللہ کے چنیدہ بندے ـــــ جنت نشیں ہونگے ـــــ اور ہم نے اس کے لئے پچھلوں میں باقی رکھا: سلامتی ہو الیاسین پر، ہم نیکوکاروں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں، بے شک وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے ہیں ـــــ روح المعانی میں ہے کہ الیاس ہی کو الیاسین بھی کہتے ہیں۔

وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ اِذْ نَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِى الْغٰبِرِيْنَ ﴿۱۳۵﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَبِالَّيْلِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۴۰﴾ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿۱۴۲﴾ فَلَوْلَاۤ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ لَلَبِثَ فِىْ بَطْنِهٖۤ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ﴿۱۴۶﴾ وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۱۴۸﴾

وَاِنَّ لُوْطًا	اور بے شک لوطؑ	الْاٰخَرِيْنَ	دوسروں کو	لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ	البتہ رسولوں میں سے ہیں
لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ	البتہ رسولوں میں سے ہیں	وَاِنَّكُمْ	اور بے شک تم	اِذْ اَبَقَ	جب بھاگے وہ
اِذْ نَجَّيْنٰهُ	جب نجات دی ہم نے اسکو	لَتَمُرُّوْنَ	یقیناً گذرتے ہو	اِلَى الْفُلْكِ	کشتی کی طرف
وَاَهْلَهٗۤ	اور اس کے گھر والوں کو	عَلَيْهِمْ	ان پر	الْمَشْحُوْنِ	بھری ہوئی
اَجْمَعِيْنَ	سبھی کو	مُّصْبِحِيْنَ (۳)	صبح کے وقت	فَسَاهَمَ (۵)	پس اس نے قرعہ
اِلَّا عَجُوْزًا	مگر بڑھیا کو	وَبِالَّيْلِ (۴)	اور رات میں		اندازی میں مقابلہ کیا
فِى الْغٰبِرِيْنَ (۱)	باقی رہنے والوں میں سے	اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ	کیا پس سمجھتے نہیں تم	فَكَانَ	پس تھے وہ
ثُمَّ دَمَّرْنَا (۲)	پھر ہلاک کیا ہم نے	وَاِنَّ يُوْنُسَ	اور بے شک یونسؑ	مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ (۶)	ہارنے والوں میں سے

(۱) غابر: باقی، غَبَرَ (ن) غُبوراً: باقی رہنا (۲) دَمَّر الشیئَ: ہلاک و برباد کرنا دَمَرَ (ن) دَمارًا: ہلاک ہونا (۳) مصبحین: حال ہے أَصْبح (تامہ) صبح میں داخل ہونا (۴) بالیل: بھی حال ہے (۵) ساهَمَه مساهمة: قرعہ اندازی میں مقابلہ کرنا، سَهْم: حصہ (۶) مُدْحَض (اسم مفعول) إدحاض: مصدر: قرعہ اندازی میں ہار جانے والا، اصلی معنی: پھسلایا ہوا، دَحَضَت رجلُه: پاؤں پھسل گیا۔

فَالْتَقَمَهُ	پس نگل لیا اس کو	فِيْ بَطْنِهٖٓ	اس کے پیٹ میں	مِّنْ يَّقْطِيْنٍ[3]	بیل دار
الْحُوْتُ	مچھلی نے	اِلٰى يَوْمِ	دن تک	وَ اَرْسَلْنٰهُ	اور بھیجا ہم نے ان کو
وَهُوَ	درانحالیکہ وہ	يُبْعَثُوْنَ	اٹھائے جانے کے	اِلٰى مِائَةِ	طرف سو
مُلِيْمٌ[1]	ملامت کرنے والے ہیں	فَنَبَذْنٰهُ	پس ڈال دیا ہم نے اس کو	اَلْفٍ	ہزار کے
	(افسوس کرنے والے)	بِالْعَرَآءِ[2]	کھلی جگہ میں	اَوْ يَزِيْدُوْنَ	یا بڑھتے ہیں وہ
فَلَوْلَآ	پس اگر نہ ہوتی	وَهُوَ	درانحالیکہ وہ	فَاٰمَنُوْا	پس ایمان لائے وہ
اَنَّهٗ كَانَ	یہ بات کہ تھے وہ	سَقِيْمٌ	بیمار تھے	فَمَتَّعْنٰهُمْ	پس فائدہ اٹھانے دیا
مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ	پاکی بیان کرنے والوں	وَ اَنْۢبَتْنَا	اور اگایا ہم نے		ہم نے ان کو
	میں سے	عَلَيْهِ	ان پر	اِلٰى حِيْنٍ	ایک وقت تک
لَلَبِثَ	(تو) ضرور ٹھہرتے وہ	شَجَرَةً	درخت	۞	۞

حضرت لوط علیہ السلام کا تذکرہ

لوط علیہ السلام: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے ہیں، سدّوم اور اس کے مضافات کی بستیاں ان کی دعوت کا مقام تھیں، اب وہاں بحر مردہ ہے، ارشاد فرماتے ہیں: —— اور بے شک لوطؑ پیغمبروں میں سے ہیں (یاد کرو) جب ہم نے اس کو اور اس کے گھر والوں کو سبھی کو نجات دی، مگر بڑھیا کو جو باقی رہ جانے والوں میں سے تھی —— بظاہر وہ مؤمنہ تھی، مگر در پردہ کافرہ —— پھر ہم نے سب کو ہلاک کر دیا، اور بے شک تم (اے مکہ والو) بالیقین ان پر گذرتے ہو صبح کے وقت اور رات میں —— جزیرۃ العرب گرم پہاڑی ملک ہے، وہاں دن میں سفر دشوار ہے، قافلے عصر کے وقت چلتے تھے، جب موسم ٹھنڈا ہو جاتا تھا، اور رات گئے پڑاؤ ڈالتے تھے، پھر آرام کر کے رات کے آخری پہر روانہ ہوتے تھے، اور صبح نو بجے پڑاؤ ڈالتے تھے، اس لئے مکہ والے لوط علیہ السلام کی بستیوں سے (بحر مردہ سے) کبھی رات میں گذرتے تھے اور کبھی صبح کے وقت، اور تباہ شدہ قوم کے نشانات دیکھتے تھے —— کیا پس تم سمجھتے نہیں —— کہ رسولوں کی بات نہ ماننے کا انجام کیا ہوتا ہے!

حضرت یونس علیہ السلام کا تذکرہ

حضرت یونس علیہ السلام بھی اسرائیلی پیغمبر ہیں، آپ کو نینوی والوں کی ہدایت کے لئے مبعوث کیا گیا تھا، یہ شہر

(۱) مُلِيْم: إلَامة سے اسم فاعل: ملامت کرنے والا یعنی افسوس کرنے والا (۲) العراء: کھلی جگہ جہاں کوئی آڑ نہ ہو، مراد سمندر کا کنارہ۔ (۳) یقطین: بغیر تنے کا پودا، جیسے ککڑی، کدو یا تربوز کی بیل، زیادہ تر کدو کے لئے مستعمل ہے۔

دریائے فرات کے کنارے پر ہے، آپ نے ان پر کئی سال محنت کی، مگر نتیجہ صفر رہا، دن بہ دن تکذیب کا زور بڑھتا رہا، آخر آپ نے بہ حکم الٰہی عذاب کی اطلاع دی، پھر آپ سے چوک یہ ہوئی کہ آپ ہجرت کی اجازت کا انتظار کئے بغیر بستی سے چل دیئے، یہ خیال کر کے کہ جب عذاب آنا ہے تو میرا یہاں کیا کام! ارشاد پاک ہے: —— اور بے شک یونسؑ پیغمبروں میں سے ہیں —— پس ان کی کوتاہی کو گناہ نہ سمجھا جائے، انبیاء گناہ سے معصوم ہوتے ہیں —— (یاد کرو) جب وہ بھاگے بھری ہوئی کشتی کی طرف —— بھاگے: یعنی اللہ کی اجازت کے بغیر چل دیئے، اس لئے بھاری لفظ استعمال کیا ہے —— فرات پر پہنچے تو ایک کشتی مسافروں سے لدی کھڑی تھی، چلنے ہی والی تھی، جب کشتی چلی تو منجدھار میں پہنچ کر ڈگمگانے لگی، کہتے ہیں: لوگوں کا عقیدہ تھا کہ اگر کشتی میں کوئی بھاگا ہوا غلام ہو تو کشتی ڈوب جاتی ہے، کشتی والوں نے مسافروں سے دریافت کیا کہ کوئی بھاگا ہوا غلام ہے؟ کوئی نہیں تھا، یونس علیہ السلام سمجھ گئے، فرمایا: میں وہ غلام ہوں جو آقا سے بھاگا ہوں! لوگ یونس علیہ السلام کو جانتے تھے، انھوں نے یہ بات باور نہ کی، آپ نے فرمایا: مجھے دریا میں ڈال دو تو بچ جاؤ گے، مگر کشتی والے تیار نہ ہوئے تو قرعہ اندازی کی ٹھہری، تین بار قرعہ ڈالا گیا، ہر بار یونس علیہ السلام کا نام نکلا، کشتی والوں نے مجبوراً آپ کو دریا کے حوالے کیا اور آگے بڑھ گئے، ارشاد فرماتے ہیں: پس وہ قرعہ اندازی میں شریک ہوئے، پس وہ ہارنے والوں میں سے تھے —— اُدھر اللہ تعالیٰ نے ایک بڑی مچھلی کو الہام کیا، اس نے آپ کو سالم نگل لیا، فرماتے ہیں: —— پس ان کو مچھلی نے نگل لیا، درانحالیکہ وہ ملامت کرنے والے تھے —— یعنی خود کو ملامت کر رہے تھے اور افسوس کر رہے تھے، کیونکہ آپ کو احساس ہو گیا تھا کہ بے اجازت بستی چھوڑ کر چل دیئے ہیں، یہ قصور کیا ہے، مچھلی کے پیٹ میں پہنچ کر بھی آپ کو ہوش تھا، آپ نے دعا شروع کی: الٰہی! میں قصوروار ہوں، الٰہی! آپ ہی معبود ہیں، آپ کے سوا کس سے التجا کروں! ﴿لَا إِلٰـهَ إِلَّا أَنْتَ، سُبْحَانَكَ إِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِيْنَ﴾ دعا قبول ہوئی اور مچھلی کو الہام ہوا اس نے ساحل پر جا کر قئ کردی، ابن مسعودؓ فرماتے ہیں: مچھلی کے پیٹ کی گرمی سے آپ کے بدن کی کھال اتر گئی تھی، اور جسم ایسا ہو گیا تھا جیسا پرندہ کے نئے نکلے ہوئے بچہ کا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فوراً ایک بیل دار درخت اگایا، جس نے آپ کو ڈھانک لیا اور آپ مکھی مچھر کی تکلیف سے محفوظ ہو گئے، فرماتے ہیں: —— پس اگر نہ ہوتی یہ بات کہ وہ تسبیح کرنے والوں میں سے تھے تو قیامت تک اس کے پیٹ میں رہتے —— یعنی تسبیح کی برکت سے نجات پائی —— پس ہم نے ان کو ایک میدان میں ڈال دیا، درانحالیکہ وہ بیمار تھے، اور ہم نے ان پر ایک بیل دار درخت اگایا —— کھانے پینے کا بھی کوئی انتظام کیا ہوگا، جس کا تذکرہ نہیں کیا، پھر جب آپ صحت مند ہوئے تو قوم کی طرف واپس جانے کا حکم ملا —— اور ہم نے ان کو ایک لاکھ یا کچھ زیادہ کی طرف بھیجا، پس وہ ایمان لے آئے تو ہم نے ان کو ایک زمانہ تک دنیا سے فائدہ اٹھانے کا موقع دیا —— اور

اہل کتاب کی روایت ہے کہ ایک عرصہ کے بعد اہل نینوی نے پھر کفر وشرک شروع کردیا تو ناحوم نبی مبعوث کئے گئے، انھوں نے ہر چند سمجھایا مگر لوگوں نے نہیں مانا، تو سنہ ۶۱۲ قبل مسیح میں نینوی تباہ وبرباد ہوگیا۔ (قصص القرآن ۲:۲۰۳)

سوال: اللہ تعالیٰ علیم وخبیر ہیں، ان کو اظہار شک کی کیا ضرورت ہے جو یہ فرمایا کہ وہ ایک لاکھ یا اس سے زیادہ آدمی؟ یعنی قطعی تعداد کیوں بیان نہیں کی؟

جواب: یہ أو شک کے لئے نہیں ہے، بلکہ یہ بمعنی ''بھی'' ہے یعنی یونس علیہ السلام ایک بڑی امت کی طرف بھیجے گئے تھے، جن کی تعداد ایک لاکھ سے بھی زیادہ تھی۔

نوٹ: یونس علیہ السلام کا تذکرہ سورۂ یونس (آیت ۹۸) اور سورۃ الانبیاء (آیات ۸۷و۸۸) میں گذرا ہے۔

فَاسْتَفْتِهِمْ أَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُونَ ﴿۱۴۹﴾ أَمْ خَلَقْنَا الْمَلَائِكَةَ إِنَاثًا وَهُمْ شَاهِدُونَ ﴿۱۵۰﴾ أَلَا إِنَّهُمْ مِنْ إِفْكِهِمْ لَيَقُولُونَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَدَ اللَّهُ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿۱۵۲﴾ أَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِينَ ﴿۱۵۳﴾ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ﴿۱۵۴﴾ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿۱۵۵﴾ أَمْ لَكُمْ سُلْطَانٌ مُبِينٌ ﴿۱۵۶﴾ فَأْتُوا بِكِتَابِكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۵۷﴾ وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ إِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ ﴿۱۵۸﴾ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿۱۵۹﴾ إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ﴿۱۶۰﴾ فَإِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ ﴿۱۶۱﴾ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفَاتِنِينَ ﴿۱۶۲﴾ إِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيمِ ﴿۱۶۳﴾ وَمَا مِنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَعْلُومٌ ﴿۱۶۴﴾ وَإِنَّا لَنَحْنُ الصَّافُّونَ ﴿۱۶۵﴾ وَإِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُونَ ﴿۱۶۶﴾ وَإِنْ كَانُوا لَيَقُولُونَ ﴿۱۶۷﴾ لَوْ أَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِنَ الْأَوَّلِينَ ﴿۱۶۸﴾ لَكُنَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ﴿۱۶۹﴾ فَكَفَرُوا بِهِ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿۱۷۰﴾

فَاسْتَفْتِهِمْ	پس آپ ان سے پوچھیں	الْبَنُونَ	بیٹے؟	وَهُمْ	اور وہ
أَلِرَبِّكَ	کیا تیرے رب کے لئے	أَمْ خَلَقْنَا	یا پیدا کیا ہم نے	شَاهِدُونَ (۱)	دیکھنے والے تھے
الْبَنَاتُ	بیٹیاں	الْمَلَائِكَةَ	فرشتوں کو	أَلَا إِنَّهُمْ	سنو! بے شک وہ
وَلَهُمْ	اور ان کے لئے	إِنَاثًا	عورتیں	مِنْ إِفْكِهِمْ	اپنے گھڑے ہوئے جھوٹ سے

(۱) شَهِدَ الشیئَ: دیکھنا: ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾

لَيَقُوْلُوْنَ	کہتے ہیں:	بَيْنَهٗ	اللہ کے درمیان	مَآ اَنْتُمْ	نہیں ہو تم
وَلَدَ اللّٰهُ	جنا اللہ نے	وَبَيْنَ	اور درمیان	عَلَيْهِ	اللہ سے
وَاِنَّهُمْ	اور بے شک وہ	الْجِنَّةِ	جنات کے	بِفٰتِنِيْنَ(۲)	بہکانے والے (پھیرنے والے)
لَكٰذِبُوْنَ	یقیناً جھوٹے ہیں	نَسَبًا	ناتا	اِلَّا مَنْ	مگر جو
اَصْطَفَى(۱)	کیا چن لیا اس نے	وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	هُوَ	وہ
الْبَنَاتِ	بیٹیوں کو	عَلِمَتِ	جانا	صَالِ	داخل ہونے والا ہے
عَلَى الْبَنِيْنَ	بیٹوں پر	الْجِنَّةُ	جنات نے	الْجَحِيْمِ	دوزخ میں
مَا لَكُمْ	تمہیں کیا ہوا	اِنَّهُمْ	بے شک وہ	وَمَا مِنَّآ	اور نہیں ہے ہم میں (کوئی)
كَيْفَ	کیسا	لَمُحْضَرُوْنَ	یقیناً حاضر کئے ہوئے ہیں	اِلَّا لَهٗ	مگر اس کے لئے
تَحْكُمُوْنَ	فیصلہ کرتے ہو	سُبْحٰنَ	پاک ہیں	مَقَامٌ	رتبہ ہے
اَفَلَا	کیا پس نہیں	اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ	مَّعْلُوْمٌ	جانا ہوا
تَذَكَّرُوْنَ	دھیان کرتے تم	عَمَّا	ان سے جو	وَّاِنَّا	اور بے شک ہم
اَمْ لَكُمْ	یا تمہارے لئے	يَصِفُوْنَ	وہ بیان کرتے ہیں	لَنَحْنُ	البتہ ہم
سُلْطٰنٌ	سند ہے	اِلَّا	مگر	الصَّآفُّوْنَ	صف باندھنے والے ہیں
مُّبِيْنٌ	واضح	عِبَادَ	بندے	وَاِنَّا	اور بے شک ہم
فَاْتُوْا	پس لاؤ	اللّٰهِ	اللہ کے	لَنَحْنُ	البتہ ہم
بِكِتٰبِكُمْ	اپنی کتاب	الْمُخْلَصِيْنَ	چنیدہ	الْمُسَبِّحُوْنَ	پاکی بیان کرنے والے ہیں
اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم	فَاِنَّكُمْ	پس بے شک تم	وَاِنْ	اور بیشک (شان یہ ہے)
صٰدِقِيْنَ	سچے	وَمَا	اور جن کو	كَانُوْا	(کہ) تھے وہ
وَجَعَلُوْا	اور بنایا انھوں نے	تَعْبُدُوْنَ	تم پوجتے ہو	لَيَقُوْلُوْنَ	البتہ کہتے تھے:

(۱) أصطفى: میں ہمزہ استفہام ہے، اور ہمزہ وصل محذوف ہے (۲) فاتن: اسم فاعل: بہکانے والا، فَتَنَ (ض) فلانا: مذہب یا رائے سے ہٹانے کے لئے دباؤ ڈالنا...... علیه کی ضمیر اللہ کی طرف لوٹتی ہے، اور علیه: فاتنین سے متعلق ہے، یہ استعلاء کے معنی کو متضمن ہے، اس لئے علی صلہ آیا ہے۔

لَوْ اَنَّ	اگر ہوتا	لَكُنَّا	البتہ ہوتے ہم	فَكَفَرُوْا	پس انکار کیا انھوں نے
عِنْدَنَا	ہمارے پاس	عِبَادَ	بندے	بِهٖ	اس (نصیحت نامہ) کا
ذِكْرًا	نصیحت نامہ	اللّٰهِ	اللہ کے	فَسَوْفَ	پس عنقریب
مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ	اگلوں سے (منقول)	الْمُخْلَصِيْنَ	چنیدہ	يَعْلَمُوْنَ	وہ جان لیں گے

ابطالِ شرک

سورت توحید کے بیان سے شروع ہوئی ہے، اور ابطالِ شرک توحید ہی کا مضمون ہے، اب یہ مضمون آخر سورت تک چلے گا ـــــ مشرکین عرب ملائکہ کی پرستش کرتے تھے، انہیں کی مورتیں بنا رکھی تھیں، ہندؤں کی دیویاں بھی فرشتوں کا پیکر ہیں، وہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں مانتے تھے، اور ان کی مائیں بڑے جنات کی لڑکیوں کو کہتے تھے، اس طرح ظالموں نے اللہ تعالیٰ کا جنات سے سسرالی رشتہ قائم کیا تھا، اور فرشتوں سے ناتا جوڑا تھا، اب مختلف طرح سے اس کی تردید کرتے ہیں۔

۱- اللہ کے لئے لڑکیاں ماننا عربوں کے عرف کے خلاف ہے

عرب: اپنے لئے لڑکیوں کو پسند نہیں کرتے تھے، وہ ان کو اپنے لئے ننگ و عار سمجھتے تھے، مگر اللہ کے لئے یہ صنف تجویز کرتے تھے، یہ بات ان کے عرف کے خلاف تھی، ارشاد فرماتے ہیں: ـــــ پس آپ اُن لوگوں سے پوچھیں: کیا تیرے پروردگار کے لئے بیٹیاں اور ان کے لئے بیٹے! ـــــ یعنی جس کمزور اور گھٹیا صنف کو اپنے لئے پسند نہیں کرتے اس کو اللہ کے لئے تجویز کرتے ہو!

۲- ملائکہ مؤنث ہیں اس کی کیا دلیل ہے؟

کائنات میں بے شمار چیزیں نہ مذکر ہیں نہ مؤنث، آسمان، زمین، پہاڑ، دریا، بادل اور درخت وغیرہ نہ نر ہیں نہ مادہ، اسی طرح فرشتے بھی ایک نورانی مخلوق ہیں، وہ نہ مذکر ہیں نہ مؤنث، عرب ان کو اللہ کی لڑکیاں مانتے تھے، مگر اس کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں تھی۔ ارشاد فرماتے ہیں: ـــــ یا ہم نے فرشتوں کو عورتیں پیدا کیا ہے درانحالیکہ وہ دیکھ رہے تھے؟ ـــــ یعنی جس وقت ہم نے فرشتوں کو پیدا کیا: کیا تم کھڑے دیکھ رہے تھے کہ انہیں عورت بنایا گیا ہے؟

۳- اللہ کے لئے اولاد ماننا خود تراشیدہ عقیدہ ہے

عیب کرنے کو بھی ہنر چاہئے، غلط عقیدہ بنانا تھا تو بالکل بے تکا تو نہیں بنانا چاہئے تھا، مشرکین نے اللہ کو صاحبِ اولاد مانا: یہ بے تکی بات نہیں تو کیا ہے؟ ارشاد فرماتے ہیں: ـــــ سنو! بے شک وہ اپنی سخن تراشی سے کہتے ہیں کہ اللہ صاحبِ اولاد

ہے،اور بے شک وہ بالکل جھوٹے ہیں! — یعنی یہ مہمل اور بے تکی بات کہاں سے نکالی؟ عقل وفہم سے اس کا کیا تعلق ہے؟

۴-اللہ کے لئے لڑکیاں ماننا دلیلِ عقل کے بھی خلاف ہے

اللہ کو اولاد بنانی ہوتی تو صنف اعلی (لڑکوں) کو اختیار کرتے، لڑکیاں پسند کرنا تو دلیل عقل کے بھی خلاف ہے، خزف (ٹھیکری) کو ہیرے پر ترجیح دینا کونسی عقل کی بات ہے! ارشاد فرماتے ہیں: — کیا اللہ نے بیٹوں کے مقابلہ میں بیٹیوں کو زیادہ پسند کیا؟ تمہیں کیا ہوا؟ کیسا فیصلہ کرتے ہو! کیا تم دھیان نہیں کرتے! — یعنی تم خود بیٹوں کو ترجیح دیتے ہو، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے بیٹیوں کو کیسے پسند کیا، سوچو! تم کیسا عقیدہ رکھتے ہو!

۵-اللہ کے لئے اولاد ہونے کی کوئی نقلی دلیل بھی نہیں

اگر مشرکوں کے پاس کوئی نقلی سند اپنے عقیدہ کی ہو تو پیش کریں، فرماتے ہیں: — اگر تمہارے پاس کوئی واضح سند ہو تو پیش کرو اپنی (آسمانی) کتاب لاؤ، اگر تم (اپنے عقیدہ میں) سچے ہو — عربوں کے پاس آسمانی کتاب کہاں تھی جس کو پیش کرتے۔

۶-جنات سے سسرالی رشتہ ہے تو جنات عذاب سے کیوں ڈرتے ہیں؟

احمقوں نے جنات کے ساتھ اللہ کا دامادی کا رشتہ قائم کیا ہے، مگر تمہیں موقع ملے تو جنات سے پوچھ آؤ کہ وہ خود اپنی نسبت کیا سمجھتے ہیں، ان کو معلوم ہے کہ دوسرے مجرموں کی طرح وہ بھی اللہ کے رُو بہ رُو پکڑے ہوئے آئیں گے، کیا داماد کا سسرال کے ساتھ یہی معاملہ ہوتا ہے؟ ارشاد فرماتے ہیں: — اور ان لوگوں نے اللہ میں اور جنات میں رشتہ داری قائم کی، حالانکہ جنات بالیقین جانتے ہیں کہ وہ (عذاب میں) حاضر کئے ہوئے ہیں۔

۷-اللہ کے بارے میں صحیح عقائد وہی ہیں جو انبیاء نے بیان کئے ہیں

اللہ کے بارے میں صحیح عقائد وحی سے معلوم ہو سکتے ہیں، ذاتِ پاک کے بارے میں عقلی گھوڑے نہیں دوڑائے جاسکتے، اور وحی انبیاء پر آتی ہے، پس وہ حضرات جو باتیں بتلاتے ہیں وہی صحیح ہیں، تم جو عقل سے تانے بانے بُنتے ہو وہ سب مکڑی کے جالے ہیں، ارشاد فرماتے ہیں: — اللہ تعالیٰ پاک ہیں ان باتوں سے جو وہ بیان کرتے ہیں، مگر اللہ کے چنیدہ بندے — جو بیان کرتے ہیں وہی درست ہے۔

۸-کوئی کسی کو گمراہ نہیں کرسکتا، مگر جس کی قسمت ہیٹی ہے وہی بہکتا ہے

مشرکین اپنی خودساختہ باتوں سے کسی کو گمراہ نہیں کر سکتے، مگر ہاں قسمت کا پھیر لے ڈوبتا ہے، جس کی قسمت الٹی ہو

وہی بہکتا ہے۔فرماتے ہیں: ـــــ پس بے شک تم اور تمہارے سارے معبود اللہ تعالیٰ سے کسی کو پھیر نہیں سکتے، مگر اسی کو جو جہنم رسید ہونے والا ہے!

۹-فرشتے ہمہ وقت صف بستہ اور تسبیح خواں ہیں، پھر وہ معبود کیسے ہوسکتے ہیں؟

ہر فرشتہ کی ایک حد مقرر ہے، اور اس کا درجہ اور رتبہ طے ہے، وہ اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا، نہ وہ اپنی حیثیت سے زیادہ کام کرسکتا ہے، ان میں سے ہر کوئی صف بستہ تسبیح وتحمید میں لگا ہوا ہے، ان سے تم کیا امید رکھتے ہو کہ وہ تم کو عذاب سے بچالیں گے؟ فرشتوں کی زبان سے فرماتے ہیں: ـــــ اور نہیں ہے ہم میں سے کوئی مگر اس کا ایک معین درجہ ہے، اور بے شک ہم البتہ صف بنانے والے ہیں، اور بے شک ہم البتہ پاکی بیان کرنے والے ہیں ـــــ ملائکہ صف بنا کر عبادت کرتے ہیں، مسلم شریف میں حدیث ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **ألا تَصُفُّوْن کما تَصُفُّ الملائکةُ عند ربها:** کیا آپ لوگ صف نہیں بناتے جس طرح ملائکہ اپنے رب کے پاس صف بناتے ہیں! لوگوں نے پوچھا: فرشتے اللہ کے پاس کس طرح صف بناتے ہیں؟ فرمایا: ''اگلی صفوں کو پورا کرتے ہیں اور مل مل کر کھڑے ہوتے ہیں'' (مشکات ح ۱۰۹۱)

۱۰-مشرکین کے پاس جوازِ شرک کی نقلی دلیل نہیں: اس کی دلیل

ابھی مشرکین سے کہا تھا کہ اگر تمہارے پاس جوازِ شرک کی کوئی سند (نقلی دلیل) ہو تو اپنی کتاب پیش کرو، وہ کہاں سے پیش کرتے، ان کے پاس کوئی آسمانی کتاب نہیں تھی، وہ انبیاء کے نام تو یہود ونصاریٰ سے سنتے تھے، مگر ان کے علوم سے واقف نہیں تھے، اور کہا کرتے تھے: اگر ہم کو پہلے لوگوں کے علوم حاصل ہوتے یا ہمارے پاس کوئی آسمانی کتاب ہوتی تو ہم اس پر خوب عمل کرتے، اور عبادت کرکے اللہ کے مخصوص بندے بن جاتے، معلوم ہوا کہ ان کے پاس جوازِ شرک کی کوئی نقلی دلیل نہیں، ارشاد فرماتے ہیں: ـــــ اور بے شک وہ لوگ کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارے پاس کوئی نصیحت نامہ ہوتا، پہلے لوگوں سے منقول، تو ہم اللہ کے چنیدہ بندے ہوتے!

۱۱-جب نصیحت نامہ (قرآن) آیا تو اس کا انکار کردیا

ان کی تمنا برآئی، خاتم النّبیین ﷺ مبعوث ہوئے، ان پر نصیحت نامہ نازل ہوا، مگر انھوں نے انکار کردیا، پس اس انکار وانحراف کا جو انجام ہونے والا ہے اس کو وہ عنقریب دیکھ لیں گے، ارشاد فرماتے ہیں: ـــــ پس انھوں نے اس (نصیحت نامہ) کا انکار کردیا، سو عنقریب وہ (اس کا انجام) جان لیں گے! (ابھی باتیں باقی ہیں)

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٧١﴾ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ﴿١٧٢﴾ وَإِنَّ جُنْدَنَا

لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۱۷۳﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۱۷۴﴾ وَّ اَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷۵﴾ اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۱۷۶﴾ فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۱۷۷﴾ وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۱۷۸﴾ وَّ اَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۲﴾ ع

وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	وَّ اَبْصِرْهُمْ	اور دیکھیں ان کو	وَّ اَبْصِرْ	اور دیکھیں
سَبَقَتْ	آگے بڑھ چکی	فَسَوْفَ	پس عنقریب	فَسَوْفَ	پس عنقریب
كَلِمَتُنَا	ہماری بات	يُبْصِرُوْنَ	وہ دیکھ لیں گے	يُبْصِرُوْنَ	دیکھ لیں گے وہ
لِعِبَادِنَا	ہمارے بندوں کے لئے	اَفَبِعَذَابِنَا	کیا پس ہمارے عذاب	سُبْحٰنَ	پاک ہے
الْمُرْسَلِيْنَ	بھیجے ہوئے		کے بارے میں	رَبِّكَ	آپ کا پروردگار
اِنَّهُمْ	بے شک وہ	يَسْتَعْجِلُوْنَ	جلدی مچاتے ہیں وہ	رَبِّ الْعِزَّةِ	مالک عزت کا
لَهُمُ	البتہ وہ	فَاِذَا نَزَلَ	پس جب اترے گا وہ	عَمَّا	ان باتوں سے جو
الْمَنْصُوْرُوْنَ	مدد کئے ہوئے ہیں	بِسَاحَتِهِمْ	ان کے میدان میں	يَصِفُوْنَ	بیان کرتے ہیں وہ
وَاِنَّ جُنْدَنَا	اور بے شک ہمارا لشکر	فَسَآءَ	تو بری ہوگی	وَ سَلٰمٌ	اور سلامتی
لَهُمُ	البتہ وہ	صَبَاحُ	صبح	عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ	رسولوں پر
الْغٰلِبُوْنَ	غالب ہونے والا ہے	الْمُنْذَرِيْنَ	ڈرائے ہوؤں کی	وَالْحَمْدُ	اور تمام تعریفیں
فَتَوَلَّ	پس روگردانی کریں آپ	وَتَوَلَّ	اور روگردانی کریں آپ	لِلّٰهِ	اللہ کے لئے ہیں
عَنْهُمْ	ان سے	عَنْهُمْ	ان سے	رَبِّ	جو پروردگار ہیں
حَتّٰى حِيْنٍ	ایک وقت تک	حَتّٰى حِيْنٍ	ایک وقت تک	الْعٰلَمِيْنَ	جہانوں کے

۱۲-رسول کی نصرت اور مؤمنین کا غلبہ طے شدہ امر ہے، مگر تھوڑا وقت درکار ہے

رسول اور دلیلِ رسول (قرآن) کا جن لوگوں نے انکار کیا، ان سے کہا گیا تھا کہ تم انکار وتکذیب کا انجام جلد دیکھ لوگے، اب فرماتے ہیں: —— اور البتہ واقعہ یہ ہے کہ پہلے سے مقرر ہو چکی ہے ہماری بات ہمارے بھیجے ہوئے بندوں کے لئے: بیشک وہی مدد کئے ہوئے ہیں، اور بے شک ہمارا لشکر (مؤمنین) ہی غالب ہوگا، پس آپ ان سے رخ پھیر لیں

تھوڑے دنوں تک، اور آپ ان کو دیکھیں ـــــ کہ وہ کیا حرکت کرتے ہیں؟ ـــــ پس وہ (نصرت وغلبہ) جلد ہی دیکھ لیں گے! ـــــ ہجرت پر آٹھ سال گذرے کہ اللہ کی مدد آئی، مکہ مکرمہ فتح ہوا اور مسلمانوں کا ہاتھ اونچا ہوا۔

۱۳-جس عذاب کا تقاضا کر رہے ہو وہ آیا ہی چاہتا ہے

مشرکین تقاضا کرتے تھے کہ ہمیں ہمارا انجام دکھلا دو، ان سے کہا جا رہا ہے: ـــــ کیا پس وہ ہمارے عذاب کا تقاضا کر رہے ہیں؟ پس جب وہ ان کے آنگن میں اترے گا تو ڈرائے ہوؤں کی صبح بری ہوگی، اور آپ چہرہ پھیر لیجئے ان سے تھوڑے وقت تک، اور دیکھئے ـــــ یعنی انتظار کیجئے ـــــ پس جلد وہ دیکھ لیں گے ـــــ منکرین کو دو عذاب پہنچتے ہیں: دنیوی اور اخروی، دونوں جلد پہنچیں گے۔ اول: صبح کے وقت ان کے آنگن میں اترے گا، فتح مکہ کے دن نبی ﷺ صبح کے وقت شہر میں داخل ہوئے تو سب لوگ چہ می کنم؟ (کیا کروں؟) میں پڑ گئے، اور دوم: کے لئے ذرا انتظار کرنا پڑے گا، اس سے موت کے بعد سابقہ پڑے گا ـــــ پہلی آیت میں دنیوی عذاب کا ذکر ہے اور دوسری آیت میں آخرت کے عذاب کی طرف اشارہ ہے۔

۱۴-توحید ہی توحید!

۱- آپ کا پروردگار پاک ہے، جو عزت کا مالک ہے، ان باتوں سے جو وہ (مشرکین) بیان کرتے ہیں ـــــ یہ ردّ اشراک کا مضمون ہے، اور اس کو مقدم اس لئے کیا ہے کہ دفعِ مضرت جلبِ منفعت سے مقدم ہے۔

۲- اور پیغمبروں پر سلام ہے! ـــــ اس کا بھی رد اشراک سے تعلق ہے، رسولوں کے لئے منزلِ سلام ہے، ان کے لئے دنیا وَ آخرت میں سلامتی ہے، الوہیت (خدائی) میں ان کا کوئی حصہ نہیں، تا بہ ملائکہ چہ رسد!

۳- اور تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جو سارے جہانوں کے پالنہار ہیں ـــــ یہ توحید کا بیان ہے، مقامِ حمد صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، کیونکہ سب تعریفیں انہی کے لئے ہیں، اور معبود ہونا سب سے بڑا کمال ہے، جو ان کے ساتھ خاص ہے ـــــ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ وہ سارے جہانوں کے پالنہار ہیں، پس انسانوں کے پروردگار بھی وہی ہیں، جس کا شکر انسانوں پر واجب ہے، اور شکر یہی ہے کہ انہی کو معبود مانا جائے اور انہی کی عبادت کی جائے ـــــ پس الحمد للہ میں توحید الوہیت کا بیان ہے، اور رب العالمین میں توحید ربوبیت کا، اور ثانی: اول کے لئے دلیل ہے۔

فالحمدلله! لا إلٰه إلا الله، وحده لاشريك له، له الملك وله الحمد وهو على كل شيئ قدير.

(۱۶/ذی الحجہ ۱۴۳۶ھ = یکم اکتوبر ۲۰۱۵ء کو اس سورت کی تفسیر پوری ہوئی)

آیاتہا ۸۸ (۳۸) سُوْرَۃُ صٓ مَکِّیَّۃٌ (۳۸) رکوعاتہا ۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ ؕ﴿۱﴾ بَلِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِیْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ ﴿۲﴾ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ ﴿۳﴾ وَعَجِبُوْۤا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ ؗ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۚۖ﴿۴﴾ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ﴿۵﴾ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰۤی اٰلِهَتِكُمْ ۖۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ ۚۖ﴿۶﴾ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِی الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۖۚ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۚۖ﴿۷﴾ ءَاُنْزِلَ عَلَیْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَیْنِنَا ؕ بَلْ هُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِیْ ۚ بَلْ لَّمَّا یَذُوْقُوْا عَذَابِ ؕ﴿۸﴾ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِیْزِ الْوَهَّابِ ۚ﴿۹﴾ اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا ۫ فَلْیَرْتَقُوْا فِی الْاَسْبَابِ ﴿۱۰﴾ جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ ﴿۱۱﴾ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ ذُو الْاَوْتَادِ ۙ﴿۱۲﴾ وَثَمُوْدُ وَقَوْمُ لُوْطٍ وَّاَصْحٰبُ لْئَیْكَةِ ؕ اُولٰٓئِكَ الْاَحْزَابُ ﴿۱۳﴾ اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ۧ﴿۱۴﴾

صٓ	صاد	فِیْ عِزَّةٍ (۱)	بڑائی کے غرور میں	فَنَادَوْا	پس پکارا انھوں نے
وَالْقُرْاٰنِ	قسم ہے قرآن	وَّشِقَاقٍ	اور اختلاف میں ہیں	وَّلَاتَ (۲)	اور نہیں تھا
ذِی الذِّكْرِ	نصیحت والے کی	كَمْ اَهْلَكْنَا	کتنے ہی ہلاک کئے ہم نے	حِیْنَ	وقت
بَلِ الَّذِیْنَ	بلکہ جنھوں نے	مِنْ قَبْلِهِمْ	ان سے پہلے	مَنَاصٍ (۳)	خلاصی کا
كَفَرُوْا	انکار کیا	مِّنْ قَرْنٍ	قرن (صدی)	وَعَجِبُوْۤا	اور تعجب کیا انھوں نے

(۱) عِزَّۃ: عَزَّ یَعِزُّ کا مصدر ہے: وہ حالت جو مغلوب ہونے سے بچائے، اور بطور استعارہ اس کا استعمال حمیتِ بے جا اور مذموم خودداری کے لئے ہوتا ہے، یہاں یہی معنی مراد ہیں (۲) لات: لا پر تاء زیادہ کی تو نفی اوقات کے ساتھ خاص ہوگیا (زمخشری) (۳) المَنَاص: پناہ گاہ، جائے فرار، نَاصَ (ن) نَوْصًا: بھاگنا: (مصدر میمی یا ظرف)

اَنۡ جَآءَهُمۡ	اس وجہ سے کہ آیا	عَلٰۤى اٰلِهَتِكُمۡ	اپنے معبودوں پر	خَزَآئِنُ	خزانے ہیں
	ان کے پاس	اِنَّ هٰذَا	بے شک یہ	رَحۡمَةِ	رحمت کے
مُّنۡذِرٌ	ایک ڈرانے والا	لَشَىۡءٌ	البتہ چیز ہے	رَبِّكَ	تیرے رب کی
مِّنۡهُمۡ	ان میں سے	يُّرَادُ (۲)	مراد لی ہوئی (مطلب کی)	الۡعَزِيۡزِ	زبردست
وَقَالَ	اور کہا	مَا سَمِعۡنَا	نہیں سنی ہم نے	الۡوَهَّابِ	فیاض (بڑا بخشنے والا)
الۡكٰفِرُوۡنَ	منکروں نے	بِهٰذَا	یہ بات	اَمۡ لَهُمۡ	یا ان کے لئے
هٰذَا	یہ	فِى الۡمِلَّةِ	دین میں	مُّلۡكُ	حکومت ہے
سٰحِرٌ	جادوگر ہے	الۡاٰخِرَةِ	پچھلے	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں کی
كَذَّابٌ	بڑا جھوٹا	اِنۡ هٰذَاۤ	نہیں ہے یہ	وَالۡاَرۡضِ	اور زمین کی
اَجَعَلَ	کیا بنایا اس نے	اِلَّا اخۡتِلَاقٌ	مگر من گھڑت	وَمَا بَيۡنَهُمَا	اور ان چیزوں کی جو
الۡاٰلِهَةَ	سب معبودوں کو	ءَاُنۡزِلَ	کیا اتاری گئی		ان کے درمیان ہیں
اِلٰهًا	معبود	عَلَيۡهِ	اس (محمدؐ) پر	فَلۡيَرۡتَقُوۡا	پس چاہئے کہ چڑھیں
وَّاحِدًا	ایک	الذِّكۡرُ	نصیحت (قرآن)	فِى الۡاَسۡبَابِ (۳)	ذرائع میں
اِنَّ هٰذَا	بے شک یہ	مِنۡۢ بَيۡنِنَا	ہمارے درمیان سے	جُنۡدٌ مَّا (۴)	ایک لشکر ہے
لَشَىۡءٌ	یقیناً ایک چیز ہے	بَلۡ هُمۡ	بلکہ وہ	هُنَالِكَ	وہاں
عُجَابٌ (۱)	تعجب خیز	فِىۡ شَكٍّ	بڑے شک میں ہیں	مَهۡزُوۡمٌ	شکست کھایا ہوا
وَانۡطَلَقَ	اور چل دیئے	مِّنۡ ذِكۡرِىۡ	میری نصیحت سے	مِّنَ الۡاَحۡزَابِ	جتھوں میں سے
الۡمَلَاُ	سردار	بَلۡ لَّمَّا	بلکہ اب تک نہیں	كَذَّبَتۡ	جھٹلایا
مِنۡهُمۡ	ان میں سے	يَذُوۡقُوۡا	چکھا انھوں نے	قَبۡلَهُمۡ	ان سے پہلے
اَنِ امۡشُوۡا	(یہ کہتے ہوئے) کہ چلو	عَذَابِ	عذاب	قَوۡمُ نُوۡحٍ	قوم نوح نے
وَاصۡبِرُوۡا	اور قائم رہو	اَمۡ عِنۡدَهُمۡ	کیا ان کے پاس	وَّعَادٌ	اور عاد نے

(۱) عجاب: عَجَب سے مبالغہ کا صیغہ: ایسی چیز جو باور نہ ہو (۲) جملہ یُراد (فعل مجہول) شیئ کی صفت ہے یعنی کوئی مطلب کی بات ہے (۳) سبب: کسی چیز تک پہنچنے کا ذریعہ، خواہ رسّی ہو یا سیڑھی۔ (۴) ما: زائدہ، جیسے أكلت شيئا ما.

وَفِرْعَوْنُ	اور فرعون	لُوْطٍ	لوط نے	اِنْ كُلٌّ	نہیں ہیں سب
ذُو الْاَوْتَادِ[1]	میخوں والے/کھونٹوں	وَّاَصْحٰبُ	اور ایکہ والوں نے	اِلَّا كَذَّبَ	مگر جھٹلایا انھوں نے
	والے نے	لْـَٔيْكَةِ		الرُّسُلَ	رسولوں کو
وَثَمُوْدُ	اور ثمود نے	اُولٰٓئِكَ	یہی	فَحَقَّ	پس ثابت ہوگیا
وَقَوْمُ	اور قوم	الْاَحْزَابُ	جتھے ہیں	عِقَابِ	میرا عذاب

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

یہ سورت مکی ہے، اس کا نمبر شمار بھی ۳۸ ہے اور نزول کا نمبر بھی ۳۸ ہے۔ یعنی یہ سورت مکی دور کے وسط میں نازل ہوئی ہے، یہ سخت کش مکش کا دور تھا، نبی ﷺ کی مخالفت زوروں پر تھی، اسی زمانہ میں رؤسائے مکہ نبی ﷺ کے سرپرست چچا ابوطالب کے پاس حاضر ہوئے، اور شکایت کی کہ آپ کا بھتیجا ہمارے خداؤں کو کنڈم کرتا ہے، اس کو سمجھاؤ، وہ اس سے باز آئے، ابوطالب نے آپؐ کو بلایا اور کہا: یہ مکہ کے رؤساء ہیں، تمہاری شکایت لے کر آئے ہیں، یہ چاہتے ہیں کہ تم بتوں کی برائی نہ کرو، اور جو چاہو یہ ماننے کے لئے تیار ہیں۔ نبی ﷺ نے جواب دیا: چچا جان! میں ایک بات چاہتا ہوں، اگر یہ حضرات اس کو مان لیں تو سارا عرب ان کا تابع ہوجائے، اور عجم باج گذار! سرداروں نے کہا: بتاؤ، وہ کیا ہے؟ ہم ایک نہیں دس باتیں ماننے کے لئے تیار ہیں، آپؐ نے فرمایا: لا إلٰه إلا الله: ایک اللہ کو معبود مان لو، باقی معبودوں سے دست بردار ہوجاؤ، یہ سن کر رؤسائے مکہ یہ کہتے ہوئے چل دیئے کہ لو جی: بس ایک خدا! بھلا وہ اکیلا کائنات کو کیسے سنبھال سکتا ہے؟ یہ عجیب بات ہے، کیسے باور کرلیں! —— ان حالات میں یہ سورت نازل ہوئی ہے، اور اس کا موضوع رسالت ہے، پوری سورت اسی کے گرد گھومتی ہے، گذشتہ سورت توحید کے بیان پر ختم ہوئی ہے، اور توحید کے بعد رسالت ہی کا نمبر ہے، یہ اس سورت کی گذشتہ سورت سے مناسبت ہوئی۔

حروفِ ہجا کی معنویت

یہ سورت حروفِ ہجا میں صاد سے شروع ہوئی ہے، یہ چودھواں حرف ہے، اتنی بات سب جانتے ہیں، مگر یہاں مراد کیا ہے؟ یہ بات اللہ پاک جانتے ہیں —— اور جگہ جگہ جو حروفِ مقطعات (حروفِ ہجا) آئے ہیں، ان کی ایک حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ تنبیہ ہیں کہ ہر بات کی حقیقت نہیں جانی جاسکتی، جیسے ذاتِ باری، صفاتِ باری، ملائکہ، جنت وجہنم اور ان کی نعمتوں اور نقمتوں کی پوری حقیقت نہیں جانی سکتی، ایک حد تک ہی ان کو جانا جاسکتا ہے، اسی طرح ہم جانتے ہیں

(۱) وَتَد: کھونٹی یا میخ۔

کہ عربی میں حروفِ ہجا اٹھائیس ہیں، اور ان سے معنی دار کلمات بنتے ہیں، یہ معنی حروفِ ہجا سے آتے ہیں، محققین کے نزدیک حروفِ مفردہ کے بھی معانی ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے الفوز الکبیر کی پانچویں فصل میں اور الخیر الکثیر میں حروفِ مقطعات کے معانی بیان کئے ہیں، مگر پلّے کچھ نہیں پڑتا، جیسے شاہ صاحب نے حجۃ اللہ میں روح کی حقیقت بیان کی ہے، مگر جان کر بھی نہیں جانا جاتا! — اور یہ بات مسلّم ہے کہ عربی میں حروفِ ہجاء کے معانی ہیں، جیسے واو، باء اور فاء کے معانی ہیں، اسی طرح سبھی حروفِ ہجا کے معانی ہیں، مگر لوگ ان کے ادراک سے قاصر ہیں، پس حروفِ مقطعات لا کر یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ قرآن پڑھتے ہوئے ہر بات کی پوری حقیقت جاننے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے، جو چیز جس حد تک جانی جاسکتی ہے اس کو اسی حد تک جاننا چاہئے:

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن ❁ کہ جاہا سپر باید انداختن

(ہر جگہ سواری نہیں دوڑائی جاسکتی ❁ بہت سی جگہوں میں ڈھال ڈالنی پڑتی ہے)

مقسم بہ اور مقسم علیہ

سورت کے شروع میں نصیحت بھرے قرآنِ کریم کی قسم کھائی ہے، یہ مقسم بہ ہے، اور مقسم علیہ محذوف ہے، اور وہ ہے: إنك لرسول الله حقا: آپؐ بے شک اللہ کے سچے رسول ہیں، اور حذف کا قرینہ اگلی آیت ہے یعنی آپؐ کے برحق رسول ہونے کی دلیل قرآنِ کریم ہے، جو لوگوں کی خیر خواہی سے بھرا ہوا ہے، ایسا کلام کوئی انسان پیش نہیں کر سکتا، یہ اللہ کا کلام ہے، جو آپؐ پر نازل ہوا ہے، پس آپؐ برحق رسول ہیں، ارشاد فرماتے ہیں: — صاد! نصیحت سے پُر قرآن کی قسم! — کہ آپؐ برحق رسول ہیں!

سوال: مکہ کے سردار نبی ﷺ کی رسالت تسلیم نہیں کرتے تھے، پس کیا دلیلِ رسالت میں کچھ کمزوری تھی؟

جواب: — (نہیں) بلکہ جن لوگوں نے انکار کیا وہ بڑائی کے غرور اور مخالفت میں ہیں — یعنی قرآن کی تعلیم میں کچھ قصور نہیں، انکار وانحراف کا سبب یہ ہے کہ سردار شیخی، غرور اور نخوت کا شکار ہیں، اور معاندانہ جذبات میں گھرے ہوئے ہیں، ان کا خیال ہے کہ اگر ہم نے رسول کی بات مان لی تو ہماری چودھراہٹ گئی، ہمیں کون پوچھے گا؟ اس خیال سے وہ مخالفت پر تُلے ہوئے ہیں۔

مگر اس مخالفت کا بھی وہی انجام ہوگا جو پہلے بہت سی جماعتوں کا ہو چکا ہے: — اُن سے پہلے ہم کتنی ہی امتوں کو ہلاک کر چکے ہیں، پس انھوں نے (ہمیں) پکارا — یعنی مدد طلب کی — ہر مشرک آڑے وقت میں مدد کے لئے اللہ ہی کو پکارتا ہے، دریا ہو یا خشکی، جنگل ہو یا بستی جب آدمی کسی آفت میں گھرتا ہے تو صرف اللہ ہی کو مدد کے لئے پکارتا

ہے، ان اقوام نے بھی جب عذاب دیکھا تو اللہ کو پکارا —— اور خلاصی کا وقت نہیں رہا تھا —— اللہ تعالیٰ نزع سے پہلے توبہ قبول کرتے ہیں، اسی طرح جب عذاب سر پے آجائے تو ٹلتا نہیں، کیونکہ ایمان بالغیب مطلوب ہے، اب مشاہدہ والا ایمان ہوگا، اس کا کیا اعتبار۔

فرشتہ رسول کیوں نہیں آیا؟ انسان رسول کیوں آیا ہے!

اور ان لوگوں کو اس پر تعجب ہے کہ ان کے پاس ان میں سے ایک ڈرانے والا آیا! —— یعنی اللہ کے یہاں کرّ وبیوں (مقرب فرشتوں) کی کمی نہیں، اللہ تعالیٰ کسی فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجتے، ہمیں جیسا انسان رسول بن کر کیوں آیا؟ —— اس کا جواب سورۃ بنی اسرائیل (آیت ۹۴) میں ہے کہ اگر یہ زمین آدمیوں کے بجائے فرشتوں کی بستی ہوتی تو بیشک موزون تھا کہ ہم فرشتہ کو رسول بنا کر اتارتے، مگر جب یہاں فرشتوں کی بود و باش نہیں، بلکہ یہ زمین انسانوں کا مستقر ہے تو کسی فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجنے کا آخر فائدہ کیا ہوگا؟ لوگ فرشتے سے استفادہ کیسے کریں گے؟ اور فرشتہ لوگوں کی دینی ضروریات کیسے پوری کرے گا؟ یہ کام تو انسان ہی کے ذریعہ انجام پا سکتا ہے اس لئے انسانوں کے لئے انسان ہی کا رسول ہونا نہ صرف یہ کہ موزوں ہے بلکہ ضروری ہے۔

سب خداؤں کا ایک خدا! عجیب بات!

اور منکروں نے کہا: یہ جادوگر مہا جھوٹا ہے! کیا اس نے سب معبودوں کو ایک معبود کر دیا؟ بے شک یہ تعجب خیز بات ہے —— یعنی اتنے بڑے جہاں کا انتظام ایک خدا کیسے کر سکتا ہے؟ پس لا إلٰه إلا الله کا نعرہ مہا جھوٹ ہے، رسول اسے جادو کے زور سے لوگوں سے منواتا ہے —— اس کا جواب سورۃ الحج کی (آیت ۷۴) میں ہے: ﴿مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهِ، إِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ﴾: ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کا مرتبہ جیسا پہچاننا چاہئے تھا نہیں پہچانا، یعنی ان کا تصور اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ ہے کہ وہ بھی ہمارے معبودوں کی طرح عاجز ہیں، ان کو بھی کار جہاں انجام دینے کے لئے مددگاروں کی ضرورت ہے، تنہا وہ سب کام انجام نہیں دے سکتے، وہ سن لیں: اللہ تعالیٰ یقیناً بڑی قوت والے غالب ہیں، کائنات کا کوئی ذرہ ان کی قدرت سے باہر نہیں، اگر مشرکین اللہ کی اس شانِ رفیع کو پہچانتے تو وہ ہرگز یہ مہمل بات نہ کہتے۔

دعوئے رسالت کے پیچھے کوئی چھپی غرض ہے

اور ان کے سردار یہ کہتے ہوئے چل دیئے کہ چلو (اٹھو) اور اپنے معبودوں پر جمے رہو (ان کو مت چھوڑو) بے شک یہ تو کوئی مطلب کی بات ہے! —— اس آیت کا شانِ نزول وہ واقعہ ہے جو سورت کی تمہید میں بیان کیا ہے، سرداروں نے

کہا: یہ صاحب تو لا إلٰه إلا الله کہلوا کر چھوڑیں گے، اور ہمارے معبودوں کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے، ضرور اس میں ان کی کوئی غرض ہے، وہ یہی ہے کہ اپنا کلمہ پڑھوا کر ہم سب کو اپنا محکوم و مطیع بنالیں، وہ حکومت وریاست حاصل کرنا چاہتے ہیں، پس لازم ہے کہ اس مقصد میں ان کو کامیاب نہ ہونے دیا جائے، اپنے معبودوں کی عبادت وحمایت پر جمے رہو، کہیں ان کے جادو سے کسی کا قدم ڈگمگا نہ جائے!

جواب: رسول کی دعوت کے پیچھے غرض ضرور ہے، وہ بے مقصد محنت نہیں کر رہے، مگر غرض وہ نہیں جو تم سمجھ رہے ہو، بلکہ غرض وہ ہے جو قرآنِ کریم میں جگہ جگہ بیان کی گئی ہے، سورۃ السجدہ (آیت ۳) میں ہے: ﴿لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَا أَتَاهُمْ مِنْ نَذِيْرٍ مِنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ﴾: تاکہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا، تاکہ وہ لوگ راہ پر آجائیں، اور اللہ تک پہنچیں اور جنت حاصل کریں، بس یہی غرض ہے۔

توحید کی بات ہم نے اپنے آخری دھرم میں نہیں سنی

ہم نے یہ (توحید کی) بات آخری مذہب میں نہیں سنی، یہ تو من گھڑت بات ہی ہے! —— ہر مذہب والے اپنے مذہب کو آخری مذہب کہتے ہیں، یہود، نصاریٰ، ہندو، بدھسٹ، پارسی: سب اپنے مذہب کو آخری مذہب مانتے ہیں، یہی بات مشرکین عرب نے کہی ہے کہ ہمارے مذہب میں جو آخری مذہب ہے توحید کی بات نہیں، اور یہ رسول ہمارے دھرم کا ہے، پھر وہ توحید کی بات کہاں سے لایا؟

جواب: شرک کوئی مذہب نہیں، وہ خود ساختہ دھرم ہے، اور اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) کے یہاں توحید کا عقیدہ ہے، اگرچہ وہ بگڑ گیا ہے، تمام انبیاء نے توحید کی دعوت دی ہے، سورۃ الانبیاء کی (آیت ۲۵) ہے: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُوْلٍ إِلَّا نُوْحِيْ إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾: اور ہم نے آپ سے پہلے جو بھی رسول بھیجا، اس کی طرف ہم نے یہ وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، پس میری عبادت کرو، یعنی توحید تمام انبیاء ورسل کا اجماعی عقیدہ ہے، کسی پیغمبر نے کبھی ایک حرف اس کے خلاف نہیں کہا، اور یہ آخری رسول ہیں، پس یہ بھی تو وہی بات کہیں گے، اس کے خلاف شرک کی بات کیسے کہیں گے؟ پس ان کی بات گھڑی ہوئی بات نہیں، بلکہ وہی دائمی برحق عقیدہ ہے۔

کیا یہی صاحب رسول بنانے کے لئے رہ گئے تھے؟ کیا اللہ کو کوئی بڑا رئیس مالدار نہیں ملا جس کو رسول بناتے؟

اس سوال کے جواب میں چار باتیں فرمائی ہیں:

اول: وہ لوگ یہ بات اس لئے کہتے ہیں کہ ان کو قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے میں شک ہے، اگر وہ قرآن کو اللہ کا کلام سمجھ کر پڑھتے یا سنتے تو وہ یہ بات نہ کہتے، قرآن میں جگہ جگہ اس کا جواب ہے، مثلاً سورۃ الانعام (آیت ۱۲۴) میں ہے: ﴿اللّٰہُ أَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہُ﴾: اس موقع کو اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں جہاں وہ اپنا پیغام بھیجتے ہیں، کام کی ذمہ داری اسی کو سونپی جاتی ہے جس میں استعداد ہوتی ہے، اور کس میں رسالت کا فریضہ انجام دینے کی قابلیت ہے اس کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں، مشرکین کیا جانیں!

دوم: وہ لوگ یہ بات اس لئے کہتے ہیں کہ ابھی تک انھوں نے تکذیب رسول کی سزا نہیں چکھی، اس کی تفصیل اگلے دو عنوانوں کے تحت ہے۔

سوم: کیا زبردست فیاض اللہ کی رحمت کے خزانے لوگوں کے ہاتھ میں ہیں کہ وہ جس کو چاہیں نبوت سے سرفراز کریں؟

چہارم: کیا وہ کائنات کے مالک ہیں کہ ان سے پوچھے بغیر کسی کو نبی نہ بنایا جاسکے؟

ظاہر ہے یہ آخری دونوں باتیں متحقق نہیں، پس اللہ تعالیٰ جو کائنات کے مالک ومختار ہیں، اپنی کائنات میں جو چاہیں تصرف کرسکتے ہیں، جس کو چاہیں رسالت سے نوازیں، تم دخل در معقولات کرنے والے کون ہوتے ہو؟

آیاتِ پاک: —— کیا ہمارے درمیان سے اسی پر نصیحت اتاری گئی ہے؟ —— یعنی یہی صاحب منصبِ نبوت کے لئے رہ گئے تھے؟ کیا کوئی بڑا رئیس مالدار نبی بنانے کے لئے نہیں ملا؟ —— (۱) بلکہ وہ میری نصیحت (قرآن) کے تعلق سے شک میں ہیں —— (۲) بلکہ انھوں نے اب تک عذاب نہیں چکھا —— (۳) یا ان کے پاس تیرے زبردست فیاض پروردگار کی رحمت کے خزانے ہیں؟ —— (۴) یا ان کے لئے آسمانوں، زمین اور دونوں کے درمیان کی چیزوں کی حکومت ہے؟

رسولوں کی تکذیب کی پاداش میں بڑی بڑی قومیں تباہ ہوچکی ہیں، مکہ والوں کی ان کے سامنے کیا حیثیت ہے؟

یہ دوسری بات کی تفصیل ہے، ارشاد فرماتے ہیں: —— پس چاہئے کہ وہ اپنے ذرائع سے (آسمان میں) چڑھیں، وہاں ایک لشکر ہے جتھوں میں سے شکست کھایا ہوا —— انبیاء کا مقابلہ کرکے ہارا ہوا —— اِن (مکہ والوں) سے پہلے جھٹلایا قوم نوح نے، عاد نے، میخوں والوں/کھونٹے گاڑنے والے فرعون نے، ثمود نے، قوم لوط نے اور ایکہ والوں نے، یہی جتھے ہیں، ان سب نے رسولوں کی تکذیب کی، پس میرا عذاب ثابت ہوگیا!

تفسیر: اپنے ذرائع سے: یعنی تمام اسباب ووسائل کو کام میں لاکر، رسیاں تان کر آسمان میں چڑھیں...... وہاں: یعنی آسمان میں یعنی عالم برزخ میں...... ایک لشکر ہے: جو رسولوں سے برسرپیکار رہا تھا...... میخوں والے: فرعون لوگوں کو چومیخا کرکے مارتا تھا اس لئے اس کا یہ نام پڑ گیا تھا...... کھونٹے گاڑنے والا: یعنی بہت زور وقوت والا، لاؤ لشکر والا، جس نے دنیا میں اپنی سلطنت کے کھونٹے گاڑ دیئے تھے، فرعونوں کی مصر میں کئی پشتوں تک حکومت رہی ہے، منجد میں ان کا چارٹ ہے۔

وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ﴿۱۵﴾ وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۱۶﴾ اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ ۚ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۱۷﴾ اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ ﴿۱۸﴾ وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً ۭ كُلٌّ لَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۱۹﴾

وَمَا	اور نہیں	عَجِّلْ	جلدی دے	دَاوٗدَ	داؤد کو
يَنْظُرُ	راہ دیکھتے	لَّنَا	ہمیں	ذَا الْاَيْدِ [3]	طاقت والا
هٰٓؤُلَآءِ	یہ لوگ	قِطَّنَا [2]	ہمارا حصہ	اِنَّهٗٓ	بے شک وہ
اِلَّا	مگر	قَبْلَ	پہلے	اَوَّابٌ	بہت رجوع ہونے والا ہے
صَيْحَةً	چنگھاڑ کی	يَوْمِ الْحِسَابِ	حساب کے دن کے	اِنَّا	بے شک ہم نے
وَّاحِدَةً	ایک	اِصْبِرْ	صبر کر	سَخَّرْنَا	کام میں لگایا
مَّا لَهَا	نہیں اس (چنگھاڑ) کیلئے	عَلٰى مَا	اس پر جو	الْجِبَالَ	پہاڑوں کو
مِنْ فَوَاقٍ [1]	تھوڑی بھی دیر	يَقُوْلُوْنَ	کہتے ہیں وہ	مَعَهٗ [4]	اس کے ساتھ
وَقَالُوْا	اور کہا انھوں نے	وَاذْكُرْ	اور یاد کر	يُسَبِّحْنَ	تسبیح پڑھتے ہیں
رَبَّنَا	اے ہمارے ربّ!	عَبْدَنَا	ہمارے بندے	بِالْعَشِيِّ	شام میں

(۱) فَواق: اونٹنی کو دودفعہ دوہنے کے درمیان کا وقفہ، بہت تھوڑی دیر (۲) قطّ: حصہ، جمع قِطَط (۳) أید: قوت، آد یَئِید کا مصدر: قوی ہونا اور تحفۃ القاری (۷: ۳۳) میں جو لکھا ہے کہ أَید: یَدٌ کی جمع ہے: ہاتھ، اصل میں أیدی تھا، تنوین کے باعث یاء گرگئی ـــــ یہ تسامح ہے، یہاں تنوین نہیں، الأید: معرف باللام ہے۔ (۴) معه: یسبحن سے متعلق ہے۔

وَالْاِشْرَاقِ (۱)	اور دن چڑھے	مَحْشُوْرَةً (۳)	جمع کئے ہوئے	لَّهٗٓ (۴)	اللہ کے لئے
وَالطَّيْرَ (۲)	اور پرندوں کو	كُلٌّ	سب	اَوَّابٌ	بہت رجوع ہونے والے ہیں

مشرکینِ مکہ کو تکذیبِ رسول کی سزا قیامت کے دن ملے گی، اور قیامت کے آنے میں دیر ہی کیا ہے؟

یہ بھی مشرکین نے عذاب کا مزہ نہیں چکھا کی تفصیل ہے، ارشاد فرماتے ہیں: —— اور یہ لوگ بس ایک زور کی چیخ کے منتظر ہیں، اس میں تھوڑی دیر بھی نہیں —— یعنی یہ لوگ صور کی آواز کے منتظر ہیں، ان کو ان کی تکذیب کی سزا اسی وقت ملے گی، اور صور پھونکے جانے میں دیر ہی کیا ہے، اونٹنی کو دو دفعہ دوہنے کے درمیان کے وقفہ کے برابر بھی دیر نہیں! مگر وہ جلدی مچاتے ہیں، ابھی عذاب چاہتے ہیں —— اور انھوں نے کہا: اے ہمارے پروردگار! ہمیں ہمارا حصہ روزِ حساب سے پہلے دیدے! —— مگر یہ بات حکمت کے خلاف ہے، اس لئے ابھی عذاب نہیں آرہا۔

رسول اللہ ﷺ کو ہدایت کہ مکذبین کی باتیں سہیں، اور گذشتہ رسولوں کو یاد کریں

(حضرت داؤد علیہ السلام کا تذکرہ، وہ اللہ کی طرف بہت رجوع ہونے والے بندے تھے، اور اسکی ایک مثال)

سورۃ ہود (آیت ۱۲۰) میں ہے کہ رسولوں کے واقعات میں دعوت کا کام کرنے والوں کے لئے دل جمعی کا سامان ہے، ان کے واقعات سے داعی کے دل کو تقویت ملتی ہے، سکون واطمینان حاصل ہوتا ہے کہ اُن کو دعوت کی راہ میں کیا کیا مشکلات پیش آئیں، مگر انھوں نے صبر وتحمل سے کام لیا، جی نہیں چھوڑا، چنانچہ نبی ﷺ کو ہدایت دیتے ہیں: —— آپؐ ان لوگوں (تکذیب کرنے والوں) کی باتوں پر صبر کریں، اور ہمارے بندے داؤد کو یاد کریں جو قوت والے تھے، بے شک وہ اللہ کی طرف بہت رجوع ہونے والے تھے —— حضرت داؤد علیہ السلام عبادت میں بڑی قوت وہمت کا ثبوت دیتے تھے، نماز کا یہ معمول تھا کہ آدھی رات سوتے تھے، پھر ایک تہائی رات عبادت کرتے تھے، پھر رات کے آخری حصہ میں سوجاتے تھے، اور نفل روزوں کا یہ معمول تھا کہ ایک دن روزہ رکھتے تھے، اور ایک دن افطار کرتے تھے، اور جب دشمن سے مقابلہ ہوتا تو جم کر لڑتے تھے، پیٹھ نہیں پھیرتے تھے، قوت والے کا یہی مطلب ہے، جسمانی یا حکومت کی طاقت مراد نہیں، اسی لئے اس کے بعد ﴿إِنَّهٗ أَوَّابٌ﴾ ہے یعنی وہ اللہ کی طرف بہت رجوع کرنے والے تھے —— عبادت کے اس طریقہ کو نبی ﷺ نے پسند کیا ہے، اس میں مشقت زیادہ ہے، رات بھر جگنے سے آنکھیں دھنس جاتی ہیں، اور مسلسل

(۱) إشراق: سورج کا چمکنا یعنی دن چڑھے (۲) الطیر: کالجبال پر عطف ہے (۳) محشورۃ: الطیر کا حال ہے (۴) له: کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے، اس کے لئے مرجع مذکور ہونا ضروری نہیں۔

روزے رکھنے سے آدمی عادی ہوجاتا ہے، دوسرے: اس طریقہ سے عبادت کرنے والا اپنے نفس، اہل وعیال اور متعلقین کے حقوق پوری طرح ادا کرسکتا ہے۔

بہت رجوع ہونے کی ایک مثال: ـــــ بے شک ہم نے پہاڑوں کو مسخر کیا، وہ ان کے ساتھ شام میں اور دن چڑھے تسبیح کرتے تھے، اور پرندوں کو بھی جو جمع ہوجاتے تھے، سب اللہ کی طرف بہت رجوع ہونے والے تھے! ـــــ صبح وشام کا پابندی سے ورد بڑا اولوالعزمی کا کام ہے، حضرت داؤد علیہ السلام کا یہ معمول تھا، اور آپ ورد ایسے نشاط اور تازگی کے ساتھ کرتے تھے کہ پہاڑ بھی وجد میں آجاتے تھے، اور تسبیح میں ہم نوائی کرتے تھے، اور پرندے بھی جمع ہوجاتے تھے اور وہ بھی ذکر کرتے تھے۔ یہ داؤد علیہ السلام پر اللہ کا خاص انعام تھا، سورۃ الانبیاء اور سورۃ سبا میں اس نعمت کا ذکر آیا ہے۔

عَشِیّ کے معنی ہیں: ظہر کے بعد سے اگلے دن صبح تک کا وقت، اور إشراق کے معنی ہیں: صبح کا وہ وقت جب دھوپ زمین پر پھیل جاتی ہے، اسی وقت چاشت کی نماز محسنین (نیکوکاروں) کے لئے مشروع کی گئی ہے، احادیث میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے ـــــ اور بہت رجوع کرنے کی دوسری مثال اگلی آیات میں ہے۔

وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ﴿۲۰﴾ وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ﴿۲۱﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوْا لَا تَخَفْ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَآ اِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ ﴿۲۲﴾ اِنَّ هٰذَآ اَخِيْ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِيَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ فَقَالَ اَكْفِلْنِيْهَا وَعَزَّنِيْ فِي الْخِطَابِ ﴿۲۳﴾ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ ﴿۲۴﴾ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۲۵﴾

وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ	اور مضبوط کیا ہم نے ان کا ملک	وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ	اور دی ہم نے ان کو دانشمندی	وَفَصْلَ الْخِطَابِ (۱)	اور فیصلہ کن تقریر

(۱) فصل الخطاب (مرکب اضافی) دراصل مرکب توصیفی ہے خطاب فصل: ایسی واضح تقریر جو معاملہ کا دوٹوک فیصلہ کردے، اور اس کی مثال وہ تقریر ہے جو آگے اہل معاملہ کے جھگڑے میں آپ نے کی ہے۔

وَهَلْ	اور کیا	بَيْنَنَا	ہمارے درمیان	فِي الْخِطَابِ	بات چیت میں
أَتٰىكَ	پہنچی تجھے	بِالْحَقِّ	برحق	قَالَ	کہا داؤدؑ نے
نَبَؤُا	خبر	وَلَا تُشْطِطْ(۳)	اور زیادہ سخت فیصلہ نہ کریں	لَقَدْ	بخدا واقعہ یہ ہے
الْخَصْمِ(۱)	اہل معاملہ کی؟	وَاهْدِنَآ	اور راہ نمائی کریں ہماری	ظَلَمَكَ	ظلم کیا اس نے تجھ پر
إِذْ	جب	إِلٰى سَوَآءِ	طرف سیدھے	بِسُؤَالِ	مانگ کر
تَسَوَّرُوا(۲)	چڑھے وہ	الصِّرَاطِ	راستہ کے	نَعْجَتِكَ	تیری دنبی کو
الْمِحْرَابَ	عبادت کے کمرے پر	إِنَّ هٰذَآ	بے شک یہ	إِلٰى نِعَاجِهٖ	اپنی دنبیوں میں ملانے کیلئے
إِذْ دَخَلُوْا	جب داخل ہوئے وہ	أَخِيْ	میرا بھائی ہے	وَإِنَّ	اور بے شک
عَلٰى دَاوُدَ	داؤد پر	لَهٗ	اس کے لئے	كَثِيْرًا	بہت سے
فَفَزِعَ	تو گھبرا گیا	تِسْعٌ	نو	مِّنَ الْخُلَطَآءِ	شریکوں میں سے
مِنْهُمْ	ان کی وجہ سے	وَّتِسْعُوْنَ	اور نوے	لَيَبْغِيْ	یقیناً زیادتی کرتے ہیں
قَالُوْا	کہا انھوں نے	نَعْجَةً	دنبیاں ہیں	بَعْضُهُمْ	ان کے بعض
لَا تَخَفْ	نہ ڈریں آپ	وَّلِيَ	اور میرے لئے	عَلٰى بَعْضٍ	بعض پر
خَصْمٰنِ	(ہم) دو دعوے دار ہیں	نَعْجَةٌ	دنبی ہے	إِلَّا الَّذِيْنَ	مگر جو
بَغٰى	زیادتی کی	وَّاحِدَةٌ	ایک	اٰمَنُوْا	ایمان لائے
بَعْضُنَا	ہمارے ایک نے	فَقَالَ	پس کہا اس نے	وَعَمِلُوا	اور کئے انھوں نے
عَلٰى بَعْضٍ	دوسرے پر	أَكْفِلْنِيْهَا(۴)	ذمہ دار بنا مجھے اس کا	الصّٰلِحٰتِ	نیک کام
فَاحْكُمْ	پس فیصلہ کریں آپ	وَعَزَّنِيْ(۵)	اور دباؤ ڈالا اس نے مجھ پر	وَقَلِيْلٌ مَّا(۶)	اور بہت ہی تھوڑے ہیں

(۱) **الخصم**: دعوی کرنے والے دو فریق (۲) **تَسَوَّر الحائطَ** وغیرہ: چڑھنا۔ (۳) **لا تُشْطِطْ**: فعل نہی، إشطاط: ظلم کرنا، حد سے بڑھنا، سخت فیصلہ کرنا، شَطَّ (ن) **شَطَطًا فی الأمر**: حد سے تجاوز کرنا (۴) **أَكْفِلْنِيْهَا**: امر کا صیغہ واحد مذکر حاضر، ن وقایہ، ی ضمیر واحد متکلم، ھا: ضمیر واحد مؤنث غائب: مفعول بہ إكفال: کفیل بنانا، ذمہ دار بنانا، مجرد کفل (ن) **کفلا الصغیر**: بچہ کی پرورش کرنا، اس کے اخراجات کا ذمہ دار بننا: ﴿وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا﴾: زکریا علیہ السلام مریم رضی اللہ عنہا کے سرپرست بنے، اپنے ساتھ ملا لیا، اپنی پرورش میں لے لیا (۵) **عزّنی**: اس نے مجھ پر دباؤ ڈالا، ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب، ن وقایہ، ی ضمیر واحد متکلم، عِزّ سے جس کے معنی ہیں: زبردستی کرنا، دباؤ ڈالنا، اسی سے عزیز (غالب) ہے۔ (۶) **قلیل ما**: ما زائدہ قلت کی تاکید کے لئے۔

هُمْ	وہ	رَبَّهٗ	اپنے پروردگار سے	ذٰلِكَ	وہ (کوتاہی)
وَظَنَّ	اور گمان کیا	وَخَرَّ	اور گر پڑا	وَاِنَّ لَهٗ	اور بیشک اس کے لئے
دَاوٗدُ	داؤد نے	رَاكِعًا	جھکتا ہوا	عِنْدَنَا	ہمارے پاس
اَنَّمَا (۱)	کہ	وَّاَنَابَ	اور متوجہ ہوا	لَزُلْفٰى (۲)	یقیناً خاص درجہ ہے
فَتَنّٰهُ	آزمایا ہم نے اس کو	فَغَفَرْنَا	پس معاف کردی ہم نے	وَحُسْنَ	اور اچھا
فَاسْتَغْفَرَ	پس معافی مانگی اس نے	لَهٗ	اس کے لئے	مَاٰبٍ	ٹھکانہ

حضرت داؤد علیہ السلام اللہ کی طرف بہت رجوع ہونے والے بندے تھے: دوسری مثال

حضرت داؤد علیہ السلام بڑی کرّ وفر والی حکومت کے فرمانبردار تھے، ایسے بادشاہ کو نفل عبادت کی کہاں فرصت؟ مگر حضرت داؤد علیہ السلام اللہ کی طرف رجوع کرنے والے بندے تھے، وہ اپنے صبح وشام کے اوراد کے پابند تھے، اور اس طرح مگن ہو کر ذکر کرتے تھے کہ کائنات وجد میں آجاتی تھی، پہاڑ ہم نوائی کرتے تھے، پرندے جمع ہو جاتے تھے، اور داؤد علیہ السلام کے ساتھ حمد کے گیت گاتے تھے۔

اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ آپ نے گھر میں عبادت کا ایک معمول بنایا تھا، ہر وقت گھر کا کوئی فرد عبادت میں مشغول رہتا، سب باری باری عبادت کرتے، اور آپ بھی اپنی باری میں عبادت کرتے، بلکہ رات کی مشکل باری خود اپنے لئے لے رکھی تھی، غرض کسی لمحہ ان کے گھر میں عبادت موقوف نہیں ہوتی تھی، اور ایک بڑے بادشاہ کے لئے یہ کام کتنا مشکل ہے اس کا ہر کوئی اندازہ کرسکتا ہے، مگر چونکہ آپ اللہ کی طرف بہت رجوع ہونے والے تھے اس لئے آپ نے یہ نظام بنا رکھا تھا۔

اور بڑے بادشاہ ادب آشنا بھی نہیں ہوتے، ادب کے لئے بہت کچھ پڑھنا پڑتا ہے، بادشاہوں کو اس کی کہاں فرصت! تاریخ میں چند ہی بادشاہ فصیح وبلیغ گذرے ہیں، جن کا ادب میں بڑا مقام تھا، جیسے حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اور حضرت اورنگ زیب عالم گیرؒ۔ یہ حضرات بڑے باکمال ادب آشنا تھے، حضرت داؤد علیہ السلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے یہ کمال عنایت فرمایا تھا، وہ حکمت آشنا تھے اور فیصلہ کن تقریر فرماتے تھے، ان کی یہ علمی مشغولیت بھی عبادت کے لئے مانع نہیں بنتی تھی، کیونکہ آپ اللہ کی طرف بہت رجوع ہونے والے بندے (أَوَّاب) تھے۔

اس سلسلہ میں ایک ابتلاء بھی پیش آیا

ایک مرتبہ احباب کی مجلس میں یہ تذکرہ چھڑا کہ کون کیا عبادت کرتا ہے؟ سب نے اپنے اپنے معمولات بیان کئے،

(۱) أنما: أنَّ: تفسیریہ، ما: کافہ (۲) زُلفی: مرتبہ، درجہ۔

اس مجلس میں حضرت داؤد علیہ السلام نے فخریہ اپنا یہ معمول بیان کیا کہ میرے گھر میں ہر وقت کوئی نہ کوئی عبادت میں مشغول رہتا ہے، کوئی لمحہ عبادت سے خالی نہیں گذرتا، یہ بڑا بول اللہ کو پسند نہیں آیا، جیسے موسیٰ علیہ السلام نے أنا أعلم کہا تھا تو پڑھنے کے لئے بھیج دیا تھا، داؤد علیہ السلام پر بھی وحی آئی کہ تمہارا یہ نظام ہماری توفیق سے ہے، ورنہ تمہارا نظام باقی نہیں رہ سکتا!

داؤد علیہ السلام کو جواب دینا چاہئے تھا کہ بے شک میرے پروردگار! یہ سب کچھ آپ کی توفیق سے ہے! مگر انھوں نے عرض کیا: الٰہی! جب میرا یہ نظام بگڑ جائے تو مجھے اطلاع ہوجائے! حضرت کے ذہن میں ہوگا کہ جو نظام خراب کرے گا اس کی خبر لےلوں گا! —— پھر اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ جب آپ رات میں عبادت میں مشغول تھے، اور دوسرے سب لوگ خراٹے لے رہے تھے، اچانک دو فرشتے عبادت کے کمرے میں دیوار پھاند کر آئے، ان کو دروازے کی ضرورت نہیں تھی، حضرت داؤد علیہ السلام ان کے اس طرح آنے سے گھبرا گئے کہ کہیں چور ڈاکو یا قاتل تو نہیں ہیں! آنے والوں نے تسلی دی کہ ہم ایک نزاع لے کر آئے ہیں۔ آپ ہمارے قضیہ کا فیصلہ کریں، ہم دو بھائی ہیں، بھا گی داری میں کام کرتے تھے، اب شرکت ختم کررہے ہیں، اثاثہ بانٹا تو ننانوے دنبیاں بھائی کے حصہ میں گئیں اور ایک دنبی میرے حصہ میں آئی، بھائی کہتا ہے: تو ایک دنبی کیا کرے گا، کہاں چراتا پھرے گا؟ وہ بھی مجھے دیدے، تاکہ میرا سیکڑہ پورا ہوجائے، اور وہ زبردستی کرتا ہے آپ بتائیں! اس کا تقاضا بجا ہے یا بے جا؟ —— داؤد علیہ السلام نے فرمایا: اس کا مطالبہ بالکل بے جا ہے، یہ ایک طرح کا تجھ پر ظلم ہے، مگر دیگِ شراکت بجوش می آید: بھا گی داری کی ہانڈی ابلتی ہے، بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو نگل جاتی ہے، زبردست زیردست کا مال دبالیتا ہے، صرف صالح ایماندار اس سے مستثنیٰ ہیں —— یہ فیصلہ سن کر وہ یکدم غائب ہوگئے، تب حضرت کو احساس ہوا کہ یہ تو میرا ہی عبادت کا وقت تھا، میں نے ہی نظام میں خلل ڈالا، چنانچہ آپ سجدہ ریز ہوگئے، اپنی کوتاہی کی معافی مانگی، اللہ کی بارگاہ محرومی کی بارگاہ نہیں، توبہ قبول ہوئی، اور ان کا مقام ومرتبہ فزوں ہوگیا، اور ان کی حسن انجامی میں اضافہ ہوگیا۔

آیاتِ پاک مع تفسیر: —— اور ہم نے ان کی سلطنت کو بڑی قوت دی —— یعنی وہ کرّ وفر والی حکومت کے مالک تھے —— اور ہم نے ان کو دانشمندی اور فیصلہ کُن تقریر عطا فرمائی —— یعنی بڑے مدبر ودانا تھے، ہر فیصلہ خوبی سے کرتے تھے اور بولتے تو نہایت فیصلہ کن تقریر کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو حکومت کے ساتھ یہ علمی کمال بھی عطا فرمایا تھا —— ان کو ایک ابتلاء پیش آیا، فرماتے ہیں: —— اور کیا تجھے اہلِ معاملہ کا قصہ پہنچا ہے؟ —— سوال تشویق کے لئے ہے، تاکہ قصہ غور سے سنیں —— (یاد کرو) جب وہ (فرشتے) عبادت خانہ پر چڑھے —— دروازہ بند تھا، اس لئے وہ عبادت خانہ کی

دیوار پر چڑھے ـــــ (یاد کرو) جب وہ داؤد پر داخل ہوئے تو وہ ان سے گھبرایا ـــــ یہ فطری خوف تھا، جو نبوت کے منافی نہیں، جیسے موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی پہلی مرتبہ سانپ بنی تو وہ گھبرا گئے، یہ بھی فطری خوف تھا، اور إذ دخلوا اور تسوروا میں تکرار نہیں، بلکہ دو باتیں بیان کرنی ہیں: ایک: دیوار پھاندنا۔ دوسری: داؤد علیہ السلام کا گھبرانا، ایسی صورت میں قرآن کا اسلوب یہ ہے کہ وہ تمہید مکرر لاتا ہے، یہاں الفاظ بدل کر تمہید لوٹائی ہے ـــــ ان لوگوں نے کہا: آپ نہ ڈریں، ہم دو اہل معاملہ ہیں ـــــ یعنی ہم چور ڈاکو نہیں، نہ بری نیت سے آئے ہیں، بلکہ ایک معاملہ لے کر آئے ہیں ـــــ ایک نے دوسرے پر کچھ زیادتی کی ہے، پس آپ ہمارے درمیان انصاف سے فیصلہ کریں، اور تجاوز نہ کریں، اور ہمیں سیدھی راہ دکھائیں ـــــ بے شک یہ میرا بھائی ہے، اس کی ننانوے دنبیاں ہیں اور میری ایک دنبی ہے، پس وہ کہتا ہے: وہ بھی مجھے دیدے، اور گفتگو میں مجھے دباتا ہے ـــــ داؤدؑ نے کہا: بخدا! بالیقین وہ ظلم کرتا ہے اپنی دنبیوں میں تیری دنبی ملانے کی درخواست کر کے ـــــ اور اکثر شرکاء ضرور ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں، مگر جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کئے، اور ایسے لوگ بہت ہی تھوڑے ہیں! ـــــ اور داؤدؑ نے گمان کیا کہ ہم نے اس کو آزمایا ـــــ یعنی یہ فرضی مقدمہ آیا تھا ـــــ پس اس نے اپنے رب سے معافی مانگی، اور وہ جھک پڑا، اور رجوع ہوا ـــــ پس ہم نے اس کی وہ بات (کوتاہی) معاف کردی، اور بے شک اس کے لئے ہمارے پاس خاص رتبہ اور نیک انجامی ہے!

فائدہ: یہ تفسیر حضرت ابن عباسؓ نے کی ہے و کفی به قُدوةً! مستدرک حاکم (۴۳۳:۲) میں سند صحیح سے روایت ہے:

''ایک مرتبہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی جناب میں از راہِ فخر عرض کیا: بارالٰہا! دن اور رات میں ایک ساعت بھی ایسی نہیں گذرتی کہ داؤد یا آلِ داؤد میں سے کوئی شخص ایک لحہ کے لئے بھی تیری تسبیح وتہلیل میں مشغول نہ رہتا ہو ـــــ اللہ تعالیٰ کو اپنے مقرب پیغمبر داؤد علیہ السلام کا یہ فخر یہ انداز پسند نہ آیا، وحی آئی، داؤد! یہ جو کچھ بھی ہے صرف ہماری اعانت اور ہمارے فضل وکرم کی وجہ سے ہے، ورنہ تجھ میں اور تیری اولاد میں یہ قدرت کہاں کہ وہ اس نظم پر قائم رہ سکیں! اور اب جبکہ تم نے یہ دعوی کیا ہے تو میں تم کو آزمائش میں ڈالوں گا، حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کیا: خدایا! جب ایسا ہو تو پہلے سے مجھ کو اطلاع دیدی جائے ـــــ لیکن آزمائش کے معاملہ میں حضرت داؤد کی استدعا قبول نہیں ہوئی، اور حضرت داؤد کو اس طرح فتنہ میں ڈال دیا گیا، جو قرآنِ عزیز میں مذکور ہے'' (ترجمہ از قصص القرآن ۸۸:۲)

چند ضروری باتیں:

۱- ان آیات میں اور سورۃ آلِ عمران (آیت ۳۷) میں محراب کے معنی ہیں: عبادت کا کمرہ، اب جو مساجد میں محرابیں بنائی جاتی ہیں وہ مراد نہیں، عہد نبوی میں یہ محرابیں نہیں تھیں، یہ ایک صف کی جگہ بچانے کے لئے بنائی جاتی ہیں،

اور تاکہ امام درمیان صف میں کھڑا ہو۔

۲-خوف اور خشیت میں فرق ہے، موذی اشیاء کا ڈر خوف ہے، اور کسی بڑے کی عظمت کی وجہ سے ڈر خشیت ہے، ڈر غیر اللہ کا بھی ہوسکتا ہے، اور خشیت اللہ کے سوا کسی کی نہیں ہونی چاہئے: ﴿لَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللّٰه﴾

۳-سجدۂ تلاوت أناب پر کرنا چاہئے یا مآب پر؟ دونوں صحیح ہیں، مگر میری ناقص رائے میں أناب پر کرنا چاہئے، کیونکہ فغفرنا تو سجدہ کا نتیجہ ہے۔

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ﴿۲۶﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاۗءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۭ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ﴿۲۷﴾ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۡ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ﴿۲۸﴾ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۹﴾

ع ۱۲

يٰدَاوٗدُ	اے داؤد	بِالْحَقِّ	حق (دین) کے ذریعہ	يَضِلُّوْنَ (۴)	ہٹ جاتے ہیں
اِنَّا	بے شک ہم نے	وَلَا تَتَّبِعِ	اور مت پیروی کر	عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	اللہ کے راستہ سے
جَعَلْنٰكَ	بنایا آپ کو	الْهَوٰى	خواہش کی	لَهُمْ	ان کے لئے
خَلِيْفَةً (۱)	نائب	فَيُضِلَّكَ (۳)	پس گمراہ کردے تجھ کو	عَذَابٌ	سزا ہے
فِي الْاَرْضِ	زمین میں	عَنْ سَبِيْلِ	راستہ سے	شَدِيْدٌ	سخت
فَاحْكُمْ (۲)	پس فیصلہ کر	اللّٰهِ	اللہ کے	بِمَا نَسُوْا (۵)	بھولنے کی وجہ سے
بَيْنَ النَّاسِ	لوگوں کے درمیان	اِنَّ الَّذِيْنَ	بے شک جو لوگ	يَوْمَ الْحِسَابِ	حساب کے دن کو

(۱) خليفة: جانشیں، قائم مقام، خَلَف (ن) فلانًا: کسی کے پیچھے ہونا، فعیل بمعنی مفعول ہے: پیچھے کیا ہوا یعنی نائب، تاء وصفی ہے، جیسے علامۃ میں، یہاں خلیفہ کے معنی وہی ہیں جو ﴿إِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيْفَةً﴾ میں ہیں (۲) حکم (ن) بالأمر: کسی بات کا فیصلہ کرنا (۳) أَضَلَّ إضلالا (باب افعال) گمراہ کرنا (۴) ضَلَّ (ض) ضلالاً: گمراہ ہونا، حق سے ہٹ جانا۔
(۵) بما نسوا: ما مصدریہ، باء سببیہ، یومَ الحساب: نسوا کا مفعول بہ۔

وَمَا خَلَقْنَا	اور نہیں بنایا ہم نے	لِلَّذِيْنَ	ان کے لئے جنھوں نے	الْمُتَّقِيْنَ	پرہیزگاروں کو
السَّمَآءَ	آسمان کو	كَفَرُوْا	انکار کیا	كَالْفُجَّارِ	مانند بدکاروں کے
وَالْاَرْضَ	اور زمین کو	مِنَ النَّارِ	دوزخ سے	كِتٰبٌ	(یہ) کتاب ہے
وَمَا بَيْنَهُمَا	اور دونوں کے درمیان	اَمْ نَجْعَلُ	کیا بنائیں گے ہم	اَنْزَلْنٰهُ	اتارا ہم نے اس کو
	کی چیزوں کو	الَّذِيْنَ	ان کو جو	اِلَيْكَ	آپ کی طرف
بَاطِلًا	نکما (بے مقصد)	اٰمَنُوْا	ایمان لائے	مُبٰرَكٌ (۱)	بابرکت
ذٰلِكَ	یہ	وَعَمِلُوا	اور کئے انھوں نے	لِّيَدَّبَّرُوْٓا	تاکہ سوچیں وہ
ظَنُّ	خیال ہے	الصّٰلِحٰتِ	نیک کام	اٰيٰتِهٖ	اس کی آیات کو
الَّذِيْنَ	ان کا جنھوں نے	كَالْمُفْسِدِيْنَ	مانند خرابی ڈالنے والوں کے	وَلِيَتَذَكَّرَ	اور تاکہ نصیحت پذیر
كَفَرُوْا	انکار کیا	فِي الْاَرْضِ	زمین میں		ہوں
فَوَيْلٌ	پس کم بختی ہے	اَمْ نَجْعَلُ	یا بنائیں گے ہم	اُولُوا الْاَلْبَابِ	عقلمند

سربراہ کی ذمہ داری ہے قانونِ الٰہی کے مطابق معاملات کا تصفیہ کرے

ہر انسان زمین میں اللہ کا خلیفہ (نائب) ہے، اس لئے کہ اس کے جدامجد کو اسی مقصد سے پیدا کیا ہے، اور اولاد باپ کا راز ہوتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو ایک آئین دیا ہے جس کا وہ پابند ہے، اپنی ذات پر اور اپنے متعلقین پر اس دستور کو نافذ کرنا اس کی ذمہ داری ہے۔ جیسے کسی بڑے کارخانہ میں بوس (مالک) کسی کو منیجر بنا کر بٹھادے، اور اس کو ایک دستور بنا کر دیدے اور حکم دے کہ اس کے مطابق کارخانہ چلاؤ، پس منیجر کی ذمہ داری ہے کہ خود بھی اس دستور پر عمل کرے، اور دوسرے ملازمین پر بھی اس کو نافذ کرے، اسی طرح کائنات کے مالک نے انسان کو زمین میں منیجر (خلیفہ) بنایا ہے، اور اس کو ایک قانون دیا ہے، اب اس کی ذمہ داری ہے کہ خود بھی اس پر عمل کرے اور دوسروں کو بھی اس کا پابند بنائے، اور تمام معاملات کا تصفیہ اس آئین کے مطابق کرے، من مانی کرے نہ قانون وضعی کی پیروی کرے کہ وہ بھی خواہش کی پیروی ہے، بلکہ اللہ کے نازل کئے ہوئے دستور کی پیروی کرے، اسی میں اس کی کامیابی مضمر ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں: ــــــ

اے داؤد! ہم نے آپ کو زمین میں اپنا نائب بنایا ہے ــــ آپ اتفاق سے مملکت کے سربراہ بھی تھے ــــ پس آپ لوگوں کے درمیان دینِ حق کے مطابق فیلہ کریں، اور خواہش کی پیروی نہ کریں، پس وہ (خواہش) اللہ کے راستہ سے آپ

(۱) مبارك: کتاب کی صفت ہے۔

کو بھٹکا دے، بے شک جو لوگ اللہ کے راستہ سے ہٹ جاتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے، روز حساب کو بھولنے کی وجہ سے۔

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی قدس سرہٗ نے فوائد میں لکھا ہے: یعنی خدا نے تم کو زمین میں اپنا نائب بنایا، لہٰذا اسی کے حکم پر چلو، اور معاملات کے فیصلے عدل وانصاف کے ساتھ شریعتِ الٰہی کے موافق کرتے رہو، کبھی کسی معاملہ میں خواہشِ نفس کا ادنی شائبہ بھی نہ آنے پائے، کیونکہ یہ چیز آدمی کو اللہ کی راہ سے بھٹکا دینے والی ہے، اور جب انسان اللہ کی راہ سے بہکا تو پھر ٹھکانا کہاں؟ —— اور عموماً خواہشات نفسانی کی پیروی اسی لئے ہوتی ہے کہ آدمی کو حساب کا دن یاد نہیں رہتا، اگر یہ بات مستحضر رہے کہ ایک روز اللہ کے سامنے جانا ہے، اور ذرّہ ذرّہ عمل کا حساب دینا ہے تو آدمی کبھی اللہ کی مرضی پر اپنی خواہش کو مقدم نہ رکھے (انتہی)

دنیا کا کارخانہ بے مقصد پیدا نہیں کیا

بوس (مالک) کارخانہ بے مقصد کھڑا نہیں کرتا، کسی مقصد سے قائم کرتا ہے، پس منیجر کی ذمہ داری ہے کہ اس مقصد کو بروئے کار لائے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے دنیا کی زندگی بے مقصد نہیں بنائی کہ کھا پی کر ختم ہوجائے، یہ خیال تو ان لوگوں کا ہے جو اللہ کے نازل کئے ہوئے دین کو نہیں مانتے، ایسے منکروں کے لئے دوزخ کی آگ تیار ہے —— بلکہ یہ دنیا ایمان لانے والوں اور نیک کام کرنے والوں کو چھانٹنے کے لئے بنائی ہے، تاکہ آخرت میں ان کو ان کے عمل کا اچھا بدلہ دیا جائے، اس دنیا میں تو اچھے برے سب برابر ہیں پس کیا وہ ہمیشہ یکساں رہیں گے؟ ہرگز نہیں! ایک دن آئے گا کہ نیک کردار اچھے انجام سے ہم کنار ہونگے، اور برے لوگ کیفر کردار کو پہنچیں گے —— اور اچھے لوگ وہ ہیں جو قانونِ الٰہی کے مطابق زندگی گذارتے ہیں، اور اسی کے موافق معاملات کا تصفیہ کرتے ہیں، ارشاد فرماتے ہیں: —— اور ہم نے آسمان، زمین اور دونوں کے درمیان کی چیزوں کو —— ان میں انسان بھی آگیا —— بے مقصد پیدا نہیں کیا، یہ خیال ان لوگوں کا ہے، جنھوں نے دین قبول نہیں کیا، پس منکرین کے لئے دوزخ کی سخت وعید ہے، کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے ان لوگوں کے برابر کردیں گے جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں؟ —— معاملات کے تصفیہ میں خواہشات کی پیروی کرنا یا لوگوں کے بنائے ہوئے قوانین کی پیروی کرنا زمین کو فساد سے بھر دیتا ہے —— یا ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں کی طرح کردیں گے؟ —— ہرگز نہیں! نیک وبد کا انجام ایک نہیں ہوسکتا۔

جس آئین کی پیروی کرنی ہے وہ قرآنِ کریم ہے

اللہ تعالیٰ نے بابرکت کتاب نازل کی ہے تاکہ لوگ اس کے مطابق زندگی گذاریں، اور اپنے معاملات کا تصفیہ کریں،

اور اگر کوئی حکم قرآن میں صراحۃً نہ ملے تو قرآن کی آیات میں غور کریں اور حکم مستنبط کریں، رہا اپنی زندگی کو بنانے کا معاملہ تو اس مقصد کے لئے قرآن کو آسان کیا ہے، پس لوگوں کو چاہئے کہ وہ اس سے نصیحت پذیر ہوں، ارشاد فرماتے ہیں: ——

یہ بابرکت کتاب ہے، جس کو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے، تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں، اور تاکہ اہل فہم نصیحت حاصل کریں۔

ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کردیا ہے، پس کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے! (سورۃ القمر)

وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمٰنَ ۭ نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ۝ اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ۝ فَقَالَ اِنِّيْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ۝ رُدُّوْهَا عَلَيَّ ۭ فَطَفِقَ مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ۝

وَوَهَبْنَا	اور بخشا ہم نے	اِذْ عُرِضَ	جب پیش کئے گئے	اَحْبَبْتُ	پسند کی
لِدَاوُدَ	داؤد کو	عَلَيْهِ	ان کے سامنے	حُبَّ الْخَيْرِ (۳)	خوبی کی محبت
سُلَيْمٰنَ	سلیمان	بِالْعَشِيِّ	شام کے وقت	عَنْ ذِكْرِ (۴)	یاد کی وجہ سے
نِعْمَ	بہت خوب	الصّٰفِنٰتُ (۱)	عمدہ گھوڑے	رَبِّيْ	میرے رب کی
الْعَبْدُ	بندہ ہے (وہ)	الْجِيَادُ (۲)	تیز رو	حَتّٰى (۵)	یہاں تک کہ
اِنَّهٗٓ	بے شک وہ	فَقَالَ	پس کہا اس نے	تَوَارَتْ (۶)	اوجھل ہوگئے وہ (گھوڑے)
اَوَّابٌ	بہت رجوع کرنے والا ہے	اِنِّيْٓ	بے شک میں نے	بِالْحِجَابِ	اوٹ میں

(۱) الصافنات: الصافنة کی جمع: وہ گھوڑا جو تین پاؤں پر کھڑا ہو، اور چوتھے پاؤں کو موڑ کر اس پر ٹیک لگائے، ایسا گھوڑا فربہ اور توانا ہوتا ہے (۲) الجیاد: الجَواد کی جمع: تیز رو، جو اپنی دوڑ پوری کرے (۳) الخیر سے مجازاً الخیل مراد ہے۔ (۴) اس عن نے لوگوں کو بہت پریشان کیا ہے، ان کے ذہنوں میں اس کے معنی مجاوزت ہی کے ہیں، پس تقدیر عبارت ہوگی: مُعْرِضًا عن ذکر ربی، جبکہ عن تعلیل کے لئے بھی آتا ہے، اب تقدیر عبارت ہوگی: لأجل ذکر ربی (۵) حتی: عُرِض کی غایت ہے (۶) توارت کی ضمیر الصافنات کی طرف لوٹتی ہے، الشمس کی طرف لوٹانے کی ضرورت نہیں، اور ردوھا کی ضمیر بھی اسی کی طرف لوٹتی ہے، پس اگر پہلی ضمیر شمس کی طرف لوٹائیں گے تو انتشار ضمائر لازم آئے گا، جو قبیح ہے۔

رُدُّوۡهَا	دوبارہ لاؤان کو	فَطَفِقَ(۱)	پس لگا وہ	بِالسُّوۡقِ(۲)	پنڈلیوں پر
عَلَيَّ	میرے پاس	مَسۡحًا	ہاتھ پھیرنے	وَالۡاَعۡنَاقِ	اور گردنوں پر

حضرت سلیمان علیہ السلام بھی اللہ کی طرف بہت رجوع کرنے والے تھے

حضرت داؤد علیہ السلام کی خاص صفت أَوّاب ذکر کی تھی، أوّاب کے معنی ہیں: اللہ سے لو لگانے والا، دنیوی معاملات میں بھی اللہ تعالیٰ کو پیش نظر رکھنے والا۔ یہ صفت صاحبزادے سلیمان علیہ السلام میں بھی تھی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی بھی تعریف کی کہ وہ بہت اچھے بندے تھے، ارشاد فرماتے ہیں: —— اور ہم نے داؤد کو سلیمان بخشا، وہ بہت اچھا بندہ ہے، بے شک وہ اللہ کی طرف بہت رجوع کرنے والا ہے!

دنیا کی کسی چیز سے محبت دین کی وجہ ہو تو وہ بھی اللہ کا ذکر ہے

حدیث میں ہے: **الدنیا ملعونة، ملعون ما فیها إلا ذکر الله وما والاہ**: دنیا پھٹکاری ہوئی ہے، پھٹکاری ہوئی ہیں وہ چیزیں جو دنیا میں ہیں، مگر اللہ کی یاد اور جو چیزیں اس سے تعلق رکھتی ہیں وہ مستثنیٰ ہیں (ترمذی حدیث ۲۳۱۵) اب سلیمان علیہ السلام کی اوابیت کے دو واقعے ذکر کرتے ہیں:

پہلا واقعہ: سلیمان علیہ السلام کو گھوڑوں سے محبت تھی، اصیل گھوڑے بڑی مقدار میں پال رکھے تھے، خود ان کا معائنہ فرماتے تھے، ایک مرتبہ معائنہ کرتے ہوئے فرمایا: مجھے دنیا سے کیا لینا ہے! اور گھوڑوں سے محبت اس لئے ہے کہ یہ آلۂ جہاد ہیں، اور اس نیت سے ان کی محبت اللہ ہی کا ذکر ہے، پھر جن گھوڑوں کا معائنہ کر چکے تھے ان کا اہتمام کے ساتھ دوبارہ معائنہ کیا، ارشاد فرماتے ہیں:

سلیمان علیہ السلام کی اوابیت کا واقعہ یاد کریں: —— جب ان کے سامنے شام کے وقت پیش کئے گئے عمدہ اور تیز رو گھوڑے، پس اس نے کہا: بے شک مجھے گھوڑوں سے محبت اللہ کی یاد کی وجہ سے ہے! —— گھوڑے پیش کئے گئے —— یہاں تک کہ وہ اوجھل ہو گئے —— یعنی قطار کا پہلا گھوڑا نظر نہیں آرہا تھا، حکم دیا: —— ان کو میرے پاس دوبارہ لاؤ، پس اس نے ہاتھ پھیرنا شروع کیا پنڈلیوں پر اور گردنوں پر —— یعنی پیار و محبت سے دوبارہ معائنہ کیا۔

وَلَقَدۡ فَتَنَّا سُلَيۡمٰنَ وَاَلۡقَيۡنَا عَلٰى كُرۡسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ﴿۳۴﴾ قَالَ رَبِّ اغۡفِرۡ لِىۡ وَهَبۡ لِىۡ

(۱) طَفِقَ: افعال مقاربہ میں سے ہے، اس کا اسم ضمیر ہے جو سلیمان علیہ السلام کی طرف لوٹتی ہے، اور مسحا: فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے، پھر جملہ طفق کی خبر ہے أی شرع یمسح مسحا (روح) (۲) السوق: الساق کی جمع: پنڈلی۔

مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۳۵﴾ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَاۗءً حَيْثُ اَصَابَ ﴿۳۶﴾ وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّاۗءٍ وَّغَوَّاصٍ ﴿۳۷﴾ وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿۳۸﴾ هٰذَا عَطَاۗؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۹﴾ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۴۰﴾

وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	مِّنْۢ بَعْدِيْ	میرے بعد	وَّاٰخَرِيْنَ	اور دوسرے
فَتَنَّا	آزمایا ہم نے	اِنَّكَ اَنْتَ	بے شک آپ ہی	مُقَرَّنِيْنَ (۵)	جکڑے ہوئے
سُلَيْمٰنَ	سلیمان کو	الْوَهَّابُ	بخشنے والے ہیں	فِي الْاَصْفَادِ (۶)	بیڑیوں میں
وَاَلْقَيْنَا	اور ڈالا ہم نے	فَسَخَّرْنَا	پس تابع کردیا ہم نے	هٰذَا	یہ
عَلٰي كُرْسِيِّهٖ (۱)	اس کی کرسی پر	لَهٗ	ان کے	عَطَاۗؤُنَا	ہماری بخشش ہے
جَسَدًا	ایک دھڑ (بے روح جسم)	الرِّيْحَ	ہوا کو	فَامْنُنْ (۷)	پس احسان کر
ثُمَّ اَنَابَ	پھر وہ رجوع ہوا	تَجْرِيْ	چلتی تھی	اَوْ اَمْسِكْ	یا روک رکھ
قَالَ رَبِّ	کہا: اے ربّ!	بِاَمْرِهٖ	ان کے حکم سے	بِغَيْرِ حِسَابٍ	بے حساب
اغْفِرْ لِيْ	معاف فرما مجھے	رُخَاۗءً (۳)	نرم نرم	وَاِنَّ لَهٗ	اور بیشک اس کے لئے
وَهَبْ	اور بخش	حَيْثُ اَصَابَ (۴)	جہاں چاہتے تھے وہ	عِنْدَنَا	ہمارے پاس
لِيْ مُلْكًا	مجھے حکومت	وَالشَّيٰطِيْنَ	اور شیاطین کو	لَزُلْفٰى	البتہ رتبہ ہے
لَّا يَنْۢبَغِيْ (۲)	جو نہ مناسب ہو	كُلَّ بَنَّاۗءٍ	ہر عمارت بنانے والا	وَحُسْنَ	اور اچھا
لِاَحَدٍ	کسی کے لئے	وَّغَوَّاصٍ	اور غوطہ خور	مَاٰبٍ	ٹھکانا

دوسرا واقعہ بھی جہاد کی تیاری سے متعلق ہے مگر اس میں ابتلا پیش آیا

حضرت سلیمان علیہ السلام کسی قوم کے ساتھ جہاد کرنا چاہتے تھے، درباریوں کو اس کی ترغیب دی مگر انھوں نے سرد مہری دکھائی، آپ ناراض ہوئے اور قسم کھائی کہ میں آج رات سب ازواج سے مقاربت کروں گا، اللہ تعالیٰ مجھے سب سے

(۱) کرسی اور تخت (عرش) ایک ہیں (۲) لاینبغی: جملہ مُلکا کی صفت ہے (۳) الرُّخاء: نرم اور ہلکی ہوا، خوش گوار ہوا رَخا العَیش (ن) رَخَاء: زندگی کا آسودہ اور خوش گوار ہونا، رُخاء: اسم ہے (۴) أَصَاب: پہنچا وہ، از إصابة: پہنچنا۔ (۵) مُقرَّن (اسم مفعول) تَقْرِین مصدر: جکڑے ہوئے، کس کر باندھے ہوئے۔ (۶) أصفاد: صَفَد اور صَفَاد کی جمع: بیڑی، زنجیر (۷) اُمْنُن: امر، واحد مذکر حاضر: احسان کر، خرچ کر، باب نصر۔

لڑکے عطا فرمائیں گے، پھر میں اور میرے لڑکے جہاد کریں گے، تم انڈے دو! —— وزیر نے یاد دلایا: ان شاء اللہ کہہ لیں، مگر ناراضگی شدید تھی، اس لئے یاد دلانے کے باوجود ان شاء اللہ نہیں کہا (یہ بخاری شریف کی حدیث ہے)

پھر اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ آپ نے سب ازواج سے مقاربت فرمائی، مگر کسی بیوی کے حمل نہیں رہا، صرف ایک پُر امید ہوئی، مگر مردہ بچہ پیدا ہوا، دائی نے تخت پر اس کو پیش کیا، آپ کو تنبہ ہوا، فوراً قصور کی معافی مانگی اور دعا کی: الٰہی! میرے جتن کچھ کام نہ آئے، اب آپ ہی اپنی عنایت سے مجھے بے مثال حکومت عنایت فرمائیں! دعا قبول ہوئی، اور اللہ تعالیٰ نے دو انعامات سے نوازا:

ایک: ہوا کو آپ کے تابع کر دیا، آپ جہاں چاہتے ہوا نرم نرم چل کر وہاں لے جاتی۔

دوم: جنات کو آپ کے تابع کیا، آپ ان سے بڑی بڑی عمارتیں بنواتے، اور غوطہ خوروں سے سمندر میں سے موتی مونگے نکلواتے۔ اور جو جنات سرکشی کرتے ان کو پابندِ سلاسل کر دیتے۔

یہ نعمتیں انابت (اللہ کی طرف رجوع) کے نتیجہ میں ملیں، اور اختیار دیدیا کہ خواہ دوسروں کو دو (ان پر احسان کرو) یا رکھے رہو ہم کوئی حساب نہیں لیں گے، علاوہ ازیں: خاص منزلت بھی حاصل ہوئی، اور نیک انجامی بھی حصہ میں آئی۔

آیاتِ پاک مع تفسیر: —— اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ ہم نے سلیمان کا امتحان لیا —— یعنی جاننا چاہا کہ وہ اپنے قصور کی معافی مانگتا ہے یا نہیں؟ —— اور ہم نے اس کی کرسی پر ایک دھڑ (بے روح جسم) ڈالا —— دایہ کے فعل کو اپنی طرف منسوب کیا —— اور یہی ابتلاء تھا جو خود اعتمادی کا نتیجہ تھا، بندہ اپنے بل بوتے پر کچھ نہیں کر سکتا، اللہ ہی کی مدد سے سب کچھ ہوتا ہے —— پھر اس نے اللہ کی طرف رجوع کیا، کہا: اے میرے ربّ! میرا قصور معاف فرما، اور مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد —— یعنی آئندہ —— کسی کے لئے مناسب نہ ہو، بے شک آپ ہی بخشنے والے ہیں، پس: —— (۱) ہم نے اس کے تابع کر دیا ہوا کو، وہ نرم نرم چلتی تھی ان کے حکم سے جہاں وہ چاہتے —— (۲) اور سرکش (کافر) جنات کو (تابع کر دیا) ہر عمارت بنانے والے کو اور ہر غوطہ خور کو، اور کچھ دوسرے زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں —— یہ ہمارا عطیہ ہے، پس احسان کر —— یعنی دوسروں کو دے —— یا رکھ چھوڑ، کچھ دارو گیر نہیں —— حضرت شاہ عبد القادر صاحبؒ نے لکھا ہے: یہ اور مہربانی کی کہ اتنی دنیا دی، اور مختار کر دیا حساب معاف کر کے، لیکن وہ کھاتے تھے اپنے ہاتھ کی محنت سے ٹوکرے بنا کر —— اور بے شک ان کے لئے ہمارے پاس خاص قُرب اور نیک انجامی ہے! —— بہشت بریں میں ان کی منزل ہے۔

فائدہ: ان دونوں نعمتوں کی (ہوا اور جنات کی تسخیر کی) تفصیلات سورۂ سبا میں گذری ہیں، یہاں تو پیش نظر یہ بات رکھنی ہے کہ یہ نعمتیں انابت واوّابیت کے نتیجہ میں ملی ہیں، بظاہر جو دنیوی معاملات ہیں، جیسے گھوڑوں کی محبت اور ازواج

سے مقاربت کا معاملہ: ان میں بھی اللہ کی خوشنودی پیش نظر ہونی چاہئے، وہ کام دین کے لئے ہوں تو وہی انابت واوابیت ہیں۔ اور آگے حضرت ایوب علیہ السلام کا تذکرہ ہے، وہ انتہائی بیماری اور تکلیف میں بھی حرف شکایت زبان پر نہیں لائے تھے، اور ازالۂ مرض کے لئے دعا کی تھی تو وہ بھی لطیف پیرایہ میں، وہ بھی اوّاب تھے، ان انبیاء کے تذکرہ سے مقصود نبی ﷺ کی ڈھارس بندھانا ہے یعنی ﴿اصْبِرْ عَلٰی مَا يَقُوْلُوْنَ﴾: آپؐ مکذبین کی کڑوی باتیں برداشت کریں، اور اللہ سے لو لگائے رہیں، وہ سب کچھ ٹھیک کردے گا، وہ آپ کو نعمتوں سے نوازے گا، تفسیر کے قارئین کے لئے بھی ان واقعات میں سبق ہے، اگر وہ کسی طرح کی پریشانی میں مبتلا ہیں، یا انھوں نے دنیا کا جھمیلا پال رکھا ہے تو اللہ سے لو لگائیں بیڑا پار ہوجائے گا۔

نہ مرد ست آنکہ دنیا دوست دارد ❁ وگر دارد برائے دوست دارد

(وہ کیسا آدمی ہے جو دنیا سے محبت کرتا ہے؟ ❁ اور اگر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے لئے کرتا ہے)

وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ﴿۴۱﴾ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ﴿۴۲﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ ﴿۴۳﴾ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ۭ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ۭ نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۴۴﴾ وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِى الْاَيْدِىْ وَالْاَبْصَارِ ﴿۴۵﴾ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿۴۶﴾ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ﴿۴۷﴾ وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ۭ وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ﴿۴۸﴾

وَاذْكُرْ	اور یاد کر	اَنِّىْ	کہ میں	اُرْكُضْ	ٹھوکر مار
عَبْدَنَآ	ہمارے بندے	مَسَّنِىَ	چھویا مجھے	بِرِجْلِكَ	اپنے پاؤں سے
اَيُّوْبَ	ایوب کو	الشَّيْطٰنُ	شیطان نے	هٰذَا	یہ
اِذْ نَادٰى	جب پکارا اس نے	بِنُصْبٍ (۱)	دکھ کے ساتھ	مُغْتَسَلٌ (۲)	چشمہ (نہانے کی جگہ) ہے
رَبَّهٗٓ	اپنے رب کو	وَّعَذَابٍ	اور تکلیف (کے ساتھ)	بَارِدٌ	ٹھنڈا

(۱) نُصب: دکھ، مضرت، تکلیف، اسم ہے (۲) مغتسل: اسم ظرف: چشمہ، نہانے کی جگہ۔

وَّشَرَابٌ	اور پینا ہے	وَلَا تَحْنَثْ	اور قسم مت توڑ	اِنَّآ	بے شک ہم نے
وَ وَهَبْنَا	اور بخشے ہم نے	اِنَّا	بے شک ہم نے	اَخْلَصْنٰهُمْ	چن لیا ان کو
لَهٗٓ	اس کو	وَجَدْنٰهُ	پایا اس کو	بِخَالِصَةٍ (۳)	ایک پسندیدہ بات کی وجہ سے
اَهْلَهٗ	اس کے گھر والے	صَابِرًا	صبر کرنے والا	ذِكْرَى (۴)	(وہ) یاد ہے
وَمِثْلَهُمْ	اور ان کے مانند اور	نِعْمَ	بہت خوب	الدَّارِ	اس گھر (آخرت) کی
مَّعَهُمْ	ان کے ساتھ	الْعَبْدُ	بندہ ہے (وہ)	وَاِنَّهُمْ	اور بے شک وہ
رَحْمَةً (۱)	مہربانی	اِنَّهٗٓ	بے شک وہ	عِنْدَنَا	ہمارے نزدیک
مِّنَّا	ہماری طرف سے	اَوَّابٌ	بہت رجوع کرنے والا ہے	لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ (۵)	یقیناً چنے ہوؤں سے
وَذِكْرٰى	اور نصیحت	وَاذْكُرْ	اور یاد کر	الْاَخْيَارِ (۶)	نیک لوگوں سے ہیں
لِاُولِي الْاَلْبَابِ	عقل والوں کے لئے	عِبٰدَنَآ	ہمارے بندوں	وَاذْكُرْ	اور یاد کر
وَخُذْ	اور لے تو	اِبْرٰهِيْمَ	ابراہیم	اِسْمٰعِيْلَ	اسماعیل
بِيَدِكَ	اپنے ہاتھ میں	وَاِسْحٰقَ	اور اسحاق	وَالْيَسَعَ	اور الیسع
ضِغْثًا (۲)	سینکوں کا مٹھا	وَيَعْقُوْبَ	اور یعقوب کو	وَذَا الْكِفْلِ	اور ذوالکفل کو
فَاضْرِبْ	پس مار	اُولِي الْاَيْدِيْ	ہاتھوں والے	وَكُلٌّ	اور سب
بِّهٖ	اس سے	وَالْاَبْصَارِ	اور آنکھوں والے	مِّنَ الْاَخْيَارِ	نیکوں میں سے ہیں

حضرت ایوب علیہ السلام بھی اوّاب (اللہ کی طرف رجوع کرنے والے) تھے

حضرت ایوب علیہ السلام کا قرآن میں چار جگہ ذکر آیا ہے، نساء وانعام میں صرف نام آیا ہے، اور انبیاء وصٓ میں قدرے تفصیل ہے، آپ کا زمانہ کونسا ہے؟ اس میں اختلاف ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے آپ کا تذکرہ حضرت یوسف وموسیٰ علیہما السلام کے درمیان میں کیا ہے، اس میں ان کے زمانہ کی طرف اشارہ ہے، آپ دولت وثروت اور کثرتِ اہل وعیال کے لحاظ سے بہت خوش بخت اور فیروز مند تھے، مگر یکایک امتحان وآزمائش میں مبتلا ہوگئے، اور مال ومتاع، اور اہل

(۱) رحمةً: وهبنا کا مفعول لہٗ ہے (۲) ضغث: قمچیوں کا مٹھا، جھاڑو (۳) بخالصة: باء سببیہ، خالصة: اسم فاعل منوّن (۴) ذکری: هی محذوف کی خبر، یا خالصة کا عطف بیان۔ (۵) المصطفى: اسم مفعول: چنا ہوا المصطفين: حالتِ جری میں ہے، اصطفاء مصدر باب افتعال (۶) الأخيار: خَيْر کی جمع: صفتِ مشبہ: نیک لوگ۔

وعیال اور جسم وجان سب مصیبت میں گرفتار ہوگئے، مال ومتاع برباد ہوا، اہل وعیال ہلاک ہوئے اور جسم وجان کو سخت روگ لگ گیا، مگر آپ نے شکوہ نہیں کیا، صبر وشکر کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کی، اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کی، اور جو مال سامان برباد ہوگیا تھا اور جو اہل وعیال ہلاک ہوئے تھے، ان کا عوض مل گیا، بلکہ دوگنا مل گیا، اور صحت وتندرستی کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک چشمہ جاری کیا، جس میں غسل کرکے آپ چنگے ہوگئے۔

آیاتِ پاک: —— اور ہمارے بندے ایوب کو یاد کریں، جب انھوں نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ مجھے شیطان نے دکھ اور تکلیف پہنچائی ہے —— شریعت کی زبان میں شر (بری چیز) کی نسبت شیطان یا نفس کی طرف کی جاتی ہے، جیسے شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے یعنی بلا عذر بائیں ہاتھ سے کھانا مکروہ ہے، اور نماز میں جماہی شیطان سے ہے یعنی بری ہے، اور خیر کی نسبت اللہ کی طرف کی جاتی ہے، ادب کا یہی تقاضا ہے، چنانچہ ﴿بِيَدِكَ الْخَيْرُ﴾ کے بعد والشر چھوڑ دیا، ورنہ حقیقت میں سب کچھ اللہ کی طرف سے ہوتا ہے، حضرت ایوب علیہ السلام نے بھی وہی ادب ملحوظ رکھا ہے، اور بیماری اور آزار کو شیطان کی طرف منسوب کیا ہے —— (حکم دیا:) اپنا پاؤں (زمین پر) مارو —— پاؤں مارنا تھا کہ قدرت نے وہاں سے ٹھنڈے پانی کا چشمہ نکال دیا، فرمایا: —— یہ نہانے کا ٹھنڈا پانی ہے اور پینے کا —— اس میں نہاتے رہو اور اس کا پانی پیتے رہو، چنگے ہوجاؤ گے۔

اسباب اختیار کرنے ضروری ہیں:

دنیا دار الاسباب ہے، یہاں سبب اختیار کرنا ضروری ہے، اگرچہ سبب ضعیف ہو، جیسے حضرت مریم رضی اللہ عنہا کو حکم دیا کہ کھجور کا تنا ہلاؤ، تازہ پکی کھجوریں گریں گی، حالانکہ زچہ بیچاری کیا ہلائے گی! اسی طرح موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی ماری تب سمندر پھٹا اور پھر ملا، اسی طرح نبی ﷺ کے معجزات میں بھی تھوڑا کھانا پانی لایا جاتا تھا تب اس میں برکت ہوتی تھی، اسی طرح جبرئیل علیہ السلام نے پَر مارا تب زمین کے سوت ٹوٹ کر زمزم نکلا، اسی طرح یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں سے کہا: شہر کے الگ الگ دروازوں سے داخل ہونا تاکہ لوگوں کی نظروں میں نہ آجاؤ، اسی طرح ایوب علیہ السلام بھی بیماری کی وجہ سے ناتواں تھے، مگر حکم ملا کہ زمین پر پیر مارو، تب چشمہ نکلا، ورنہ اللہ تعالیٰ بغیر پیر مارے بھی چشمہ نکالنے پر قادر تھے۔

پھر یہ جاننا چاہئے کہ اسباب اختیار کرنے پر مسببات کا ترتب ضروری نہیں، کیونکہ اسباب خودکار نہیں، بلکہ ان کا سرا مسبب الاسباب کے ہاتھ میں ہے، اسی لئے آگ نے ابراہیم علیہ السلام کو نہیں جلایا، اور مستسقی (جلندھر کی بیماری والے) کی پیاس نہیں بجھتی اور معاش کا ایک ہی سبب چند آدمی اختیار کرتے ہیں، مگر روزی برابر نہیں ملتی، پس اسباب پر تکیہ نہیں کرنا چاہئے۔ اور زمین سے عام طور پر نارمل پانی نکلتا ہے، مگر کہیں بہت گرم اور کہیں بہت ٹھنڈا بھی نکلتا ہے، فیجی میں میں نے ایک

چشمہ دیکھا، اس میں سے اتنا گرم پانی نکلتا ہے کہ ہاتھ نہیں ڈالا جاسکتا، اور اس میں انڈا رکھا جائے تو دومنٹ میں پک جاتا ہے، پس سلیمان علیہ السلام کے لئے زمین سے پگھلا ہوا تانبا نکلتا تھا تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ اور ری یونین میں بھی ایک اونچے پہاڑ کی چوٹی پر گرم پانی کا چشمہ ہے، جس میں لوگ نہاتے ہیں، اسی طرح ٹھنڈے پانی کا چشمہ بھی نکلتا ہے، جو بعض بیماریوں کا علاج ہے، ایوب علیہ السلام کے لئے ایسا ہی ٹھنڈے پانی کا چشمہ پھوٹا تھا، جس میں نہا کر اور اس کا پانی پی کر آپ تندرست ہوگئے۔

اور بخشے ہم نے ان کو ان کے گھر والے، اور ان کے ساتھ اور ان کے بقدر، اپنی رحمت سے اور عقلمندوں کی یاد کے لئے ــــ یعنی عقلمند لوگ اس واقعہ سے سمجھیں کہ جو بندہ مصائب میں مبتلا ہو کر صبر کرتا ہے، اور اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے: اللہ تعالیٰ اس کی کفالت واعانت فرماتے ہیں (فوائد)

تین سوال جن کے جواب مجھے نہیں معلوم:

سوال (۱): بیماری سے پہلے ایوب علیہ السلام کا کیا کاروبار تھا، جو اتنا مال سامان اور اہل وعیال جمع ہوگئے تھے؟

جواب: مجھے معلوم نہیں!

سوال (۲): پھر سب کچھ کس طرح برباد ہوگیا؟ جواب: مجھے معلوم نہیں!

سوال (۳): پھر صحت کے بعد دوگنا کس طرح مل گیا؟ جواب: مجھے معلوم نہیں!

البتہ بخاری شریف کی حدیث میں ایک واقعہ ہے۔ ایک مرتبہ ایوب علیہ السلام تنہائی میں برہنہ نہا رہے تھے کہ بارش شروع ہوگئی، اور اس میں سونے کی ٹڈیاں گرنے لگیں، آپ نے ان کو جمع کرنا شروع کیا، ندا آئی: ایوب! کیا ہم نے آپ کو بے نیاز نہیں کیا؟ ایوب علیہ السلام نے جواب دیا: بے شک! مگر ہر چہ از دوست می رسد نکو است! آپ کی برکت سے میں بے پرواہ کیسے ہوسکتا ہوں! ــــ اسی طرح ایک غریب کاروبار شروع کرتا ہے، اور دیکھتے دیکھتے کروڑ پتی بن جاتا ہے، یہ تو قدرت کا کھیل ہے! اسی طرح ایوب علیہ السلام کے لئے بھی ایسے اسباب جمع ہوئے ہونگے کہ پہلے سب کچھ برباد ہوگیا، پھر سب کچھ مل گیا، بلکہ ڈبل مل گیا۔

اور علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں کسی جگہ ایک اصول لکھا ہے کہ واقعہ کی جتنی تفصیلات قرآن میں ہیں، اتنی ہی جانی جاسکتی ہیں، اور جو بات مجمل ہے اس کو ہم نہیں جان سکتے، یہ قیمتی بات ہے، اس کو قارئین ہمیشہ ذہن میں رکھیں ــــ اور بائبل میں صحیفۂ ایوب میں بیماری کی جو تفصیلات ہیں ان کی حیثیت بکواس سے زیادہ نہیں، وہی اسرائیلی روایات تفاسیر میں در آئی ہیں، **فکن منها علی حذر**: ان سے بچو!

انعام در انعام: ـــــ اور اپنے ہاتھ میں سینکوں کا مٹھا لو، اور اس سے مارو، اور قسم مت توڑو ـــــ یہ اہلیہ محترمہ پر انعام فرمایا ـــــ بیمار کا مزاج چڑچڑا ہوجاتا ہے، حضرت ایوب علیہ السلام نے حالتِ مرض میں کسی بات پر خفا ہوکر قسم کھائی تھی کہ تندرست ہوگیا تو اپنی بیوی کو سولکڑیاں ماروں گا، جبکہ وہی بیوی بیماری میں ہم دم تھی، اور چنداں قصوروار بھی نہیں تھی، اللہ تعالیٰ نے اس خاتون پر مہربانی فرمائی، ایوب علیہ السلام کو قسم پوری کرنے کا ایک حیلہ بتلایا، تاکہ نہ سانپ بچے نہ لاٹھی ٹوٹے، فرمایا: ایک جھاڑو لو، جس میں سوتیلیاں ہوں، اور اس کو یکبارگی مارو قسم پوری ہوجائے گی ـــــ یہ حیلہ اس خاتون کے ساتھ خاص تھا، یہ ان کو ان کے صبر کا صلہ دیا۔

ایک حیلہ جو حدیث میں آیا ہے:

قبیلہ خزرج میں ایک نیم انسان (ناقص الخلقت) تھا، اور سخت بیمار تھا، قبیلہ کی کوئی باندی اس کے پاس آئی، اس کو دیکھ کر وہ چست ہوگیا، اور فعل بد کرلیا، فارغ ہوتے ہی بے چین ہوگیا، لوگوں سے کہا: میرے لئے سزا لاؤ، قبیلہ کے سردار حضرت سعد بن عبادۃ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے یہ ماجرا ذکر کیا، آپؐ نے فرمایا: ''اس کو میرے پاس لاؤ'' زانی قاضی کے پاس اقرار کرے جبھی حد جاری ہوتی ہے، حضرت سعدؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! اگر ہم اس کو چارپائی میں ڈال کر لائیں گے تو بھی اس کی ہڈی پسلی ٹوٹ جائے گی، اور معلوم نہیں میری واپسی تک وہ زندہ بھی ہے یا نہیں؟ آپؐ نے فرمایا: ایک عَثْکال (کھجور کا بے دانوں کا خوشہ) لو، جس میں سو شِمْراخ (سوتیلیاں) ہوں، اور اس کو یکبارگی ماردو، اور کہہ دو: تجھ پر حد جاری ہوگئی، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور وہ اللہ کی رحمت سے پُر امید ہوکر مرا۔

حیلوں کی شرعی حیثیت:

حیلے قانون کی لچک ہوتے ہیں، وہ خود قانون نہیں ہوتے، قانون میں لچک ہونی ضروری ہے، ورنہ لوگ مجبوری میں قانون توڑنے پر مجبور ہونگے، پس ان کا استعمال ناگزیر حالات میں جائز ہے، اسکیم بنا کر چلانے کے لئے حیلے نہیں ہوتے پس اسقاطِ زکات کا حیلہ اور سود سے بچنے کے لئے فارم بیچنے کا حیلہ جائز نہیں۔

باقی آیت: ـــــ بے شک ہم نے ان کو صابر پایا ـــــ یعنی امتحان میں کھرے اترے ـــــ وہ بہت اچھا بندہ ہے! بے شک وہ بہت رجوع ہونے والا ہے! ـــــ یہ اللہ کی طرف سے سارٹی فکٹ (خوشنودی کا پروانہ) ملا۔

چھ اور جلیل القدر انبیاء کا مختصر تذکرہ

اور یاد کریں ہمارے بندوں: ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کو، جو ہاتھوں والے ـــــ یعنی قوتِ عملیہ کے مالک ـــــ اور آنکھوں والے ـــــ یعنی بصیرت کے مالک ـــــ تھے، ہم نے ان کو ایک خاص بات کی وجہ سے منتخب کرلیا، اور وہ (خاص

بات) آخرت کی یاد ہے — انبیاء کا امتیاز یہ ہے کہ ان کے برابر اللہ کو اور آخرت کو یاد رکھنے والا کوئی نہیں ہوتا، اسی خصوصیت کی وجہ سے اللہ کے ہاں ان کو سب سے ممتاز مرتبہ حاصل ہے (فوائد) — اور بے شک وہ ہمارے نزدیک منتخب اچھے لوگوں میں ہیں — اور یاد کریں اسماعیل اور الیسع اور ذوالکفل کو، اور سبھی اچھے لوگوں میں سے ہیں — حضرت الیسع علیہ السلام اسرائیلی پیغمبر ہیں، وہ حضرت الیاس علیہ السلام کے نائب اور خلیفہ تھے — اور حضرت ذوالکفل علیہ السلام کا قرآنِ کریم میں دوجگہ صرف نام آیا ہے، اور حدیثوں میں کچھ نہیں، اس لئے ان کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتے۔

هٰذَا ذِكْرٌ ۗ وَإِنَّ لِلْمُتَّقِينَ لَحُسْنَ مَآبٍ ﴿٤٩﴾ جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ﴿٥٠﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّشَرَابٍ ﴿٥١﴾ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ﴿٥٢﴾ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿٥٣﴾ اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ﴿٥٤﴾

هٰذَا (۱)	یہ	الْاَبْوَابُ	دروازے	الطَّرْفِ	آنکھوں کی
ذِكْرٌ	ایک تذکرہ ہوا	مُتَّكِـِٕيْنَ (۵)	تکیہ لگانے والے ہیں	اَتْرَابٌ (۷)	ہم عمر
وَاِنَّ	اور بے شک	فِيْهَا	ان میں	هٰذَا مَا	یہ جو
لِلْمُتَّقِينَ	پرہیزگاروں کے لئے	يَدْعُوْنَ (۶)	منگوائیں گے	تُوْعَدُوْنَ	وعدہ کئے جاتے ہو تم
لَحُسْنَ (۲)	البتہ اچھا	فِيْهَا	ان میں	لِيَوْمِ	دن کے لئے
مَآبٍ	ٹھکانا ہے	بِفَاكِهَةٍ	میوے	الْحِسَابِ	حساب کے
جَنّٰتِ (۳)	باغات	كَثِيْرَةٍ	بہت	اِنَّ هٰذَا	بے شک یہ
عَدْنٍ	ہمیشہ رہنے کے	وَّشَرَابٍ	اور مشروب	لَرِزْقُنَا	البتہ ہماری روزی ہے
مُّفَتَّحَةً (۴)	کھلے ہوئے ہیں	وَعِنْدَهُمْ	اور ان کے پاس ہیں	مَا لَهٗ	نہیں ہے اس کے لئے
لَّهُمُ	ان کے لئے	قٰصِرٰتُ	روکنے والیاں	مِنْ نَّفَادٍ	ختم ہونا

انبیاء علیہم السلام کے ذکر کے بعد عام متقین کا ذکر

انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ نبی ﷺ کی تسلی کے لئے تھا، اور آپؐ کے ساتھ مؤمنین بھی تھے جو کفار کے ظلم وستم کا تختۂ

(۱) هذا ذکر: مبتدا خبر ہیں (۲) لحسن: إن کا اسم مؤخر ہے، اور لام زائد ہے (۳) جنات: حسن سے بدل یا عطف بیان ہے (۴) مفتحة: جنات کا حال ہے (۵) متكئين: دوسرا حال ہے (۶) دعا به: منگوانا (۷) أتراب: تِرْب کی جمع: ہم عمر۔

مشق بنے ہوئے تھے، اس لئے ان کی تسلی کے لئے اب پرہیزگاروں کا انجام بیان کرتے ہیں، فرماتے ہیں: ـــــ یہ ایک تذکرہ (پورا) ہوا ـــــ **ھذا**: **أما بعد** کی طرح دو چیزوں میں فصل کرنے کے لئے آتا ہے، پھر اگر دو چیزیں بالکل مختلف ہوں تو **أما بعد** یا صرف **بعدُ** لاتے ہیں، اور اگر دو چیزیں فی الجملہ (تھوڑی) مختلف ہوں تو صرف **ھذا** لاتے ہیں، جیسا کہ آگے آرہا ہے، یہاں انبیاء کا حال اور متقین کا حال قدرے مختلف ہے، اس لئے **ھذا** لائے ہیں ـــــ اور بے شک پرہیزگاروں کے لئے اچھا ٹھکانا ہے یعنی ہمیشہ رہنے کے باغات ـــــ **جناتِ**: منصوب ہے اور **حسنَ** سے بدل ہے ـــــ جن کے دروازے ان کے لئے کھلے ہوئے ہونگے ـــــ مہمانوں کے لئے میزبان کے گھر کے دروازے کھلے ہوئے ہوتے ہیں، اور جیل خانہ کے دروازے بند ہوتے ہیں ـــــ وہ اُن (باغات) میں ٹیک لگائے ہوئے ہونگے ـــــ اور خوش گپیاں کررہے ہوں گے ـــــ اور وہ ان میں بہت میوے اور مشروبات منگوائیں گے ـــــ وہاں کھانا بھی خوش طبعی کے طور پر کھایا جائے گا ـــــ اور ان کے پاس نیچی نگاہ والیاں ہم عمر ازواج ہیں ـــــ جن سے دل بہلائیں گے، میاں بیوی ہم عمر ہوں تو اس کا لطف اور ہے ـــــ یہ نعمتیں وہ ہیں جن کا تم سے حساب کے دن کے لئے وعدہ کیا گیا ہے ـــــ یعنی مؤمنین کو قیامت کے دن یہ نعمتیں ملیں گی ـــــ بے شک یہ ہمارا رزق ہے جس کے لئے کبھی ختم نہیں ہونا! ـــــ جنت ابدی ہے، اور اس کی نعمتیں بھی ابدی ہیں۔

هٰذَا ؕ وَاِنَّ لِلطّٰغِیْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ﴿۵۵﴾ جَهَنَّمَ ۚ یَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۵۶﴾ هٰذَا ۙ فَلْیَذُوْقُوْهُ حَمِیْمٌ وَّغَسَّاقٌ ﴿۵۷﴾ وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖۤ اَزْوَاجٌ ؕ ﴿۵۸﴾

هٰذَا (۱)	یہ (ہو چکا)	جَهَنَّمَ	(یعنی) دوزخ	فَلْیَذُوْقُوْهُ (۳)	پس چاہئے کہ چکھیں
وَاِنَّ (۲)	اور بے شک	یَصْلَوْنَهَا	داخل ہونگے وہ اس میں		وہ اس (عذاب) کو
لِلطّٰغِیْنَ	سرکشوں کے لئے	فَبِئْسَ	پس برا ہے	حَمِیْمٌ (۴)	(وہ) کھولتا پانی
لَشَرَّ	البتہ برا ہے	الْمِهَادُ	بچھونا	وَّغَسَّاقٌ	اور جہنمیوں کی پیپ
مَاٰبٍ	ٹھکانا	هٰذَا (۱)	یہ (ہو چکا)		(ہے)

(۱) **ھذا**: دونوں جگہ فصل کے لئے ہے (۲) اس کی ترکیب حسبِ سابق ہے (۳) **فلیذوقوہ**: کی ضمیر مفعول کا مرجع عذاب ہے جو **بئس المھاد** سے مفہوم ہوتا ہے اور فاء برائے استیناف ہے۔ (۴) **حمیم** سے پہلے **ھو** مبتدا محذوف ہے، جو ضمیر مفعول بہ سے مفہوم ہوتا ہے۔

وَّاٰخَرُ (۱)	اور (چکھنے کی) دوسری چیزیں	مِنْ شَكْلِهٖٓ (۲)	اس (مذکورہ یعنی حمیم وغساق) کی ہم شکل ہیں	اَزْوَاجٌ (۳)	طرح طرح کی

پرہیزگاروں کے بعد مشرکوں کا تذکرہ

مکہ کے مشرک مسلمانوں پر ظلم وستم ڈھاتے تھے، اس لئے اب ان کی سزا بیان کرتے ہیں، اور قرآن کا اسلوب بھی یہی ہے کہ وہ مؤمنین اور کفار میں سے ایک کے بعد دوسرے کا تذکرہ ضرور کرتا ہے، اس لئے اب کافروں کی سزا بیان کرتے ہیں۔ جاننا چاہئے کہ سرکشوں کے لئے جہنم بذاتِ خود ایک سزا ہے، جہنم بھڑکتی آگ کا نام ہے، پھر اس میں طرح طرح کی اور بھی سزائیں ہیں، مثلاً: ان کو پینے کے لئے کھولتا پانی دیا جائے گا، اور اس میں بھی جہنمیوں کے زخموں کی پیپ ملی ہوئی ہوگی، اس طرح کے اور بھی عذابوں سے سابقہ پڑے گا، مثلاً: جہنم میں داخلہ کے وقت بڑوں اور چھوٹوں میں ردّ وکدّ کا ہونا، جس کا ذکر اگلی آیات میں ہے۔ یہ بھی ایک مستقل عذاب ہے، کیونکہ جن سے امید تھی وہی دھوکہ دے گئے! ارشاد فرماتے ہیں: —— یہ (بات تو ہوچکی) —— یہ هذا فصل کے لئے ہے یعنی متقیوں کا ذکر آپ نے پڑھ لیا، اب کافروں کا حال سنو! دونوں کی جزاء مختلف ہے، اس لئے هذا سے فصل کیا —— اور بے شک سرکشوں کے لئے برا ٹھکانا ہے، یعنی دوزخ، وہ اس میں داخل ہونگے، پس بہت برا ہے بچھونا (وہ دوزخ) —— یعنی جہنم کانٹوں بھرا بستر ہے، کیسے اس پر چین کی نیند آئے گی؟ —— یہ (بات بھی ہوچکی) —— یہ هذا بھی فصل کے لئے ہے، سرکشوں کی ایک سزا تو خود جہنم ہے، دوسری سزائیں اس کے اندر اور ہیں، اور یہ دونوں مختلف ہیں، اس لئے فصل کے لئے هذا لائے —— پس چاہئے کہ چکھیں وہ اس (دوسری طرح کے عذاب) کو (وہ عذاب) کھولتا پانی اور پیپ ہے، اور اس کے علاوہ بھی طرح طرح کی اس کے ہم شکل سزائیں ہیں! —— ان میں سے دو سزاؤں کا ذکر اگلی آیات میں ہے۔

هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۚ لَا مَرْحَبًا بِهِمْ ۗ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ﴿۵۹﴾ قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ ۗ لَا مَرْحَبًا بِكُمْ ۗ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا ۚ فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ ﴿۶۱﴾ وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ﴿۶۲﴾ اَتَّخَذْنٰهُمْ

(۱) وآخر کا موصوف مَذُوْق (عذاب) محذوف ہے (۲) من شکله کی ضمیر مذکور یا کل واحد کی طرف لوٹتی ہے، مراد حمیم وغساق ہیں (۳) أزواج: زوج کی جمع: قسم قسم، طرح طرح، اس کی دو مثالیں اگلی آیات میں ہیں۔

سِخۡرِيًّا اَمۡ زَاغَتۡ عَنۡهُمُ الۡاَبۡصَارُ ﴿۶۳﴾ اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهۡلِ النَّارِ ﴿۶۴﴾ ع ۱۳

هٰذَا	یہ	قَدَّمۡتُمُوۡهُ	آگے کیا ہے اس کو	مَا لَنَا	کیا بات ہے
فَوۡجٌ	ایک بھیڑ ہے	لَنَا	ہمارے لئے	لَا نَرٰى	نہیں دیکھتے ہم
مُّقۡتَحِمٌ	زبردستی گھسنے والی	فَبِئۡسَ	پس برا ہے	رِجَالًا	کچھ مردوں کو
مَّعَكُمۡ	تمہارے ساتھ	الۡقَرَارُ	ٹھہرنا	كُنَّا نَعُدُّهُمۡ	شمار کیا کرتے تھے ہم ان کو
لَا مَرۡحَبًا	نہ خوش آمدید ہو	قَالُوۡا	کہا انھوں نے	مِّنَ الۡاَشۡرَارِ	بروں میں سے
بِهِمۡ	ان کے لئے	رَبَّنَا	اے ہمارے ربّ!	اَتَّخَذۡنٰهُمۡ	کیا بنایا ہم نے ان کا
اِنَّهُمۡ	بے شک وہ	مَنۡ قَدَّمَ	جس نے آگے کیا	سِخۡرِيًّا	ٹھٹھا
صَالُوا	داخل ہونے والے ہیں	لَنَا	ہمارے لئے	اَمۡ زَاغَتۡ	یا کج ہوگئیں
النَّارِ	آگ میں	هٰذَا	اس کو	عَنۡهُمُ	ان سے
قَالُوۡا	کہا انھوں نے	فَزِدۡهُ	پس بڑھا اس کا	الۡاَبۡصَارُ	نظریں
بَلۡ اَنۡتُمۡ	بلکہ تم	عَذَابًا	عذاب	اِنَّ ذٰلِكَ	بے شک یہ
لَا مَرۡحَبًا	نہ خوش آمدید ہو	ضِعۡفًا	دونا	لَحَقٌّ	البتہ بالکل سچ بات ہے
بِكُمۡ	تمہارے لئے	فِي النَّارِ	دوزخ میں	تَخَاصُمُ	یعنی جھگڑا کرنا
اَنۡتُمۡ	تم نے	وَقَالُوۡا	اور کہا انھوں نے	اَهۡلِ النَّارِ	دوزخیوں کا

جہنم میں عذاب کی دوصورتیں: تخاصم (ردّوکدّ) اور تحسرّ (افسوس کرنا)

دوزخ میں آگ کے علاوہ اور بھی سزائیں ہیں، اب مثال کے طور پر دوسزاؤں کا ذکر کرتے ہیں:

پہلی سزا: —— دوزخ میں چھوٹوں بڑوں میں ردوکدّ —— فرشتے پہلے سرداروں (متبوعین) کو دوزخ میں لے جائیں گے، پھر ان کے اتباع (چیلوں) کو ہانک کر لے جائیں گے، سردار جب چیلوں کو آتا ہوا دیکھیں گے تو کہیں گے: لو یہ بھیڑ بھی تمہارے ساتھ دوزخ میں داخل ہونے کے لئے آگئی! پھر جب وہ قریب آئیں گے تو کہیں گے: تم پر خدا کی مار! تم بھی جہنم کا ایندھن بننے کے لئے آگئے! چیلے جواب دیں گے: تم پر خدا کی مار! تم ہی تو یہ مصیبت ہمارے سامنے لائے ہو، تمہارے ہی اغواء سے آج ہمیں یہ برادن دیکھنا پڑا ہے، اب یہ ہماری ٹھہرنے کی جگہ ہے اور بری جگہ ہے، اب

ہم سب کو یہاں مرکھپنا ہے! پھر لعن طعن کے بعد اتباع دعا کریں گے: پروردگار! جو لوگ یہ بلاء ہمارے سامنے لائے ہیں ان کو دوزخ میں دونا عذاب دے! تاکہ ہمارا کلیجہ ٹھنڈا ہو ـــــ یہ گرو اور چیلوں کا تخاصم (بحث و تکرار) دوزخ کا ایک مستقل عذاب ہے۔ فرماتے ہیں: ـــــ یہ ایک جماعت ہے، جو دوزخ میں تمہارے ساتھ زبردستی گھسنے کے لئے آگئی ہے، ان کے لئے خوش آمدید نہیں! بے شک وہ آگ میں داخل ہونے والے ہیں (اتباع نے) کہا: بلکہ تمہارے لئے خوش آمدید نہیں، تم ہی اس (دوزخ) کو ہمارے سامنے لائے ہو، پس (دوزخ) بری ٹھہرنے کی جگہ ہے، کہا انھوں نے: اے ہمارے ربّ! جو اس کو ہمارے آگے لایا ہے اس کو دوزخ میں دونا عذاب دے!

دوسرا عذاب: ـــــ تحسّر: دوزخ میں پہنچ کر کافروں کی نگاہیں ان مسلمانوں کو تلاش کریں گی جن کا وہ دنیا میں الّو بنایا کرتے تھے، مگر وہ کہیں نظر نہیں آئیں گے کیونکہ وہ جنت میں ہیں، کافر حیران ہو کر کہیں گے: کیا بات ہے ہمیں وہ لوگ نظر نہیں آرہے جن کو ہم برا سمجھتے تھے: کیا دنیا میں غلطی سے ہم نے ان کی ہنسی اڑائی تھی یا وہ دوزخ میں ہیں، اور ہماری نظر چوک رہی ہے؟ بعد میں تحقیق سے پتہ چلے گا کہ وہ جنت میں ہیں، اس وقت ان کو جو حسرت ہوگی اس کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟ یہ تحسّر بھی جہنم میں ایک طرح کی سزا ہے ـــــ یہاں اگر کوئی سوچے کہ اُس خوفناک گھڑی میں اور افراتفری کے عالم میں بحث و مباحثہ کی کس کو فرصت ہوگی؟ تو فرماتے ہیں: یاد رکھو! ایسا ہو کر رہے گا، یہ بالکل یقینی بات ہے، جس میں ادنی شک کی گنجائش نہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں: ـــــ اور کہا انھوں نے: کیا بات ہے، ہم ان مردوں کو نہیں دیکھتے جن کو ہم بروں میں سے شمار کیا کرتے تھے ـــــ یعنی ان کو برخود غلط سمجھتے تھے ـــــ کیا ہم نے ان کی ہنسی اڑائی تھی یا ان کو دیکھنے سے ہماری نظریں چکرا رہی ہیں؟ ـــــ بے شک یہ بالکل سچی بات ہے یعنی دوزخیوں کا آپس میں ردّ و کد کرنا۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۶۵﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ﴿۶۶﴾ قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ﴿۶۷﴾ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ﴿۶۸﴾ مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰٓى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۶۹﴾ اِنْ يُّوْحٰٓى اِلَيَّ اِلَّآ اَنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۰﴾

قُلْ	کہو	مُنْذِرٌ	ڈرانے والا ہوں	اِلَّا	سوائے
اِنَّمَآ (۱)	سوائے اس کے نہیں	وَّمَا	اور نہیں	اللّٰهُ	اللہ کے
اَنَا	میں	مِنْ اِلٰهٍ	کوئی معبود	الْوَاحِدُ	ایک

(۱) اِنَّ: حرفِ مشبہ بالفعل، ما: کافہ، کلمہ حصر ہے۔

الْقَهَّارُ	سب پر غالب	عَظِيْمٌ	بڑی	اِذْ	جب
رَبُّ	پروردگار	اَنْتُمْ	تم	يَخْتَصِمُوْنَ (۴)	وہ ڈسکس کررہے تھے
السَّمٰوٰتِ	آسمانوں کا	عَنْهُ	اس سے	اِنْ	نہیں
وَالْاَرْضِ	اور زمین کا	مُعْرِضُوْنَ	روگردانی کرنے والے ہو	يُّوْحٰٓى	وحی کی گئی
وَمَا بَيْنَهُمَا	اور درمیانی چیزوں کا	مَا	نہیں	اِلَيَّ	میری طرف
الْعَزِيْزُ	زبردست	كَانَ	تھی	اِلَّآ	مگر
الْغَفَّارُ	بڑا بخشنے والا	لِيَ	مجھے	اَنَّمَآ	سوائے اس کے نہیں
قُلْ	کہو	مِنْ عِلْمٍ	کچھ خبر	اَنَا	میں
هُوَ (۱)	وہ	بِالْمَلَاِ (۲)	ایوانِ	نَذِيْرٌ	ڈرانے والا ہوں
نَبَؤٌا	خبر ہے	الْاَعْلٰٓى (۳)	بالا کی	مُّبِيْنٌ	کھول کر

ملأ اعلیٰ میں بحث وتمحیص ہوکر معاملات طے ہوتے ہیں، پھر وہ متعلقہ کارکنوں کو سونپے جاتے ہیں

اوپر جہنمیوں میں بحث وتکرار کا ذکر تھا، یہ مستقبل کا واقعہ ہے، جب کفار قیامت کو جہنم میں پہنچیں گے تب یہ ردوقدح ہوگی، اب عالم بالا میں بحث وتکرار کے دو واقعے ذکر فرماتے ہیں، پہلا واقعہ: زمانۂ حال کا ہے، اور دوسرا: زمانۂ ماضی کا۔ حال کا معاملہ یہ ہے کہ تمام اہم امور عالم بالا میں ملأ اعلیٰ میں زیر بحث آتے ہیں، وہاں بحث وتمحیص کے بعد جو بات طے ہوتی ہے وہ نیچے متعلقہ کارکنوں کو تعمیل کے لئے سپرد کی جاتی ہے۔ اور ماضی کا واقعہ: آدم علیہ السلام کی تخلیق کا واقعہ ہے، اللہ تعالیٰ نے ملأ اعلیٰ کے سامنے پہلے اس کو ڈکلیر کیا، انھوں نے اس کو بےضرورت بتایا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو مصلحت میرے پیش نظر ہے اس کو تم نہیں جانتے، پھر شیطان نے سجدہ سے انکار کیا، اور اس نے اپنی بکواس کی، یہ ردوکد عالم بالا میں ماضی میں ہوچکی ہے۔

---

(۱) ھو کا مرجع توحید ہے (۲) الملأ: سردار، مراد مقرب فرشتے ہیں (۳) الأعلیٰ: بالا، اور ملأ اعلیٰ کے مقابل ملأ سافل ہے، یعنی ایوانِ زیریں، آسمانی فرشتے ملأ اعلیٰ اور زمینی فرشتے ملأ سافل ہیں، یا آسمانی فرشتوں ہی کی دو قسمیں ہیں، مقربین بارگاہ ملأ اعلیٰ ہیں اور عام آسمانی فرشتے ملأ سافل ہیں (۴) اختصام کا ترجمہ کرتے ہیں: جھگڑنا، یہ ترجمہ صحیح ہے، مگر اس سے ذہن مار پٹائی کی طرف یا کم از کم گالی گلوچ کی طرف جاتا ہے، جبکہ اس کا مفہوم: ردّ وقدح، اور بحث وتکرار ہے، ملأ اعلیٰ کا اختصام اسی معنی میں ہے، اس لئے میں نے ڈِس کس (بحث وتکرار) انگریزی لفظ استعمال کیا ہے، یہ لفظ اب لوگوں میں رائج ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہٗ نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جو فیصلے زمین میں نازل ہوتے ہیں وہ پہلے ملأ اعلیٰ کے پاس پہنچتے ہیں، وہاں بحث وتکرار ہوکر اس کی تفصیلات طے ہوتی ہیں، پھر وہ کام متعلقہ کارکنوں کو سپرد کیا جاتا ہے، سورۃ الدخان (آیت ۴) میں ہے کہ ایک بابرکت رات میں ہر حکمت بھرا معاملہ اللہ کے حکم سے طے ہوتا ہے، یہ حکمت بھرا معاملہ شب قدر میں ملأ اعلی کے اجتماع میں طے ہوتا ہے۔

اسی طرح جب سلسلۂ نبوت جاری تھا تو مختلف زمانوں میں جو شریعتیں نازل ہوئی ہیں، وہ بھی پہلے ملأ اعلیٰ میں آکر ٹھہرتی ہیں، پھر وہاں سے انبیاء پر نازل ہوتی ہیں، جیسے بجلی گھر سے بجلی آکر پہلے پاور ہاؤس میں جمع ہوتی ہے، پھر وہاں سے سپلائی ہوتی ہے (رحمۃ اللہ الواسعہ ۱:۲۰۹)

اسی سنت کے مطابق جب خاتم النّبیین ﷺ کا دور آیا تو پہلے ملأ اعلیٰ میں طے پایا کہ کیا احکام کس ترتیب سے نازل کرنے ہیں؟ روایات میں ہے کہ پورا قرآن یکبارگی شب قدر میں سمائے دنیا پر اتارا گیا، پھر وہاں سے تھوڑا تھوڑا ۲۳ سال میں زمین پر اتارا گیا، اسی اجتماع میں طے کیا گیا کہ توحید کی دعوت سب سے پہلے دی جائے، کیونکہ وہ اصل الاصول ہے، پھر نبی ﷺ کو نبوت سے سرفراز کیا گیا اور سب سے اہم یہی دعوت اتاری گئی، مشرکین نے اس سے روگردانی کی، پس نبی ﷺ کی زبان مبارک سے کہا گیا کہ مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کہ ملأ اعلیٰ میں بحث ہوکر کیا طے پایا ہے، مجھے تو وحی سے اطلاع ملی ہے کہ سب سے اہم توحید ہے اور مجھے حکم ملا ہے کہ میں اسے خوب کھول کر بیان کروں۔

آیاتِ پاک: —— کہو: میں تو بس ڈرانے والا ہوں، اور کوئی معبود نہیں مگر یگانہ غالب اللہ تعالیٰ، جو پروردگار ہیں آسمانوں کے، زمین کے اور درمیانی چیزوں کے، جو زبردست بڑے بخشنے والے ہیں، کہو: وہ (توحید) بڑی (اہم) خبر ہے، جس سے تم روگردانی کررہے ہو، مجھے ایوانِ بالا کے بارے میں کچھ خبر نہیں تھی جب وہ ڈِس کس کر رہے تھے، میری طرف صرف اس بات کی وحی جاتی ہے کہ میں صاف ڈرانے والا ہوں —— جو حکم ملتا ہے وہی پہنچاتا ہوں۔

إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَٰٓئِكَةِ إِنِّي خَٰلِقٌۢ بَشَرًا مِّن طِينٍ ﴿٧١﴾ فَإِذَا سَوَّيْتُهُۥ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي فَقَعُوا۟ لَهُۥ سَٰجِدِينَ ﴿٧٢﴾ فَسَجَدَ ٱلْمَلَٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ ﴿٧٣﴾ إِلَّآ إِبْلِيسَ ٱسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ ٱلْكَٰفِرِينَ ﴿٧٤﴾ قَالَ يَٰٓإِبْلِيسُ مَا مَنَعَكَ أَن تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ۖ أَسْتَكْبَرْتَ أَمْ كُنتَ مِنَ ٱلْعَالِينَ ﴿٧٥﴾ قَالَ أَنَا۠ خَيْرٌ مِّنْهُ ۖ خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُۥ مِن طِينٍ ﴿٧٦﴾ قَالَ فَٱخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ﴿٧٧﴾ وَإِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيٓ إِلَىٰ يَوْمِ ٱلدِّينِ ﴿٧٨﴾ قَالَ رَبِّ

فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝۷۹ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝۸۰ۙ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ۝۸۱ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝۸۲ۙ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۝۸۳ قَالَ فَالْحَقُّ ۡ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ ۝۸۴ۚ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝۸۵ قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ۝۸۶ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝۸۷ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ۝۸۸ۧ

اِذْ قَالَ	جب کہا	الْمَلٰٓئِكَةُ	فرشتوں نے	مِنَ الْعَالِيْنَ	بڑے درجہ والوں میں سے
رَبُّكَ	تیرے رب نے	كُلُّهُمْ	ساروں نے	قَالَ	کہا اس نے
لِلْمَلٰٓئِكَةِ	فرشتوں سے	اَجْمَعُوْنَ (۳)	سب نے	اَنَا خَيْرٌ	میں بہتر ہوں
اِنِّيْ	بے شک میں	اِلَّآ اِبْلِيْسَ	مگر ابلیس نے	مِّنْهُ	اس سے
خَالِقٌۢ	پیدا کرنے والا ہوں	اِسْتَكْبَرَ	گھمنڈ کیا اس نے	خَلَقْتَنِيْ	پیدا کیا آپ نے مجھے
بَشَرًا	انسان کو	وَكَانَ	اور ہو گیا وہ	مِنْ نَّارٍ	آگ سے
مِّنْ طِيْنٍ	مٹی سے	مِنَ الْكٰفِرِيْنَ	کافروں میں سے	وَّخَلَقْتَهٗ	اور پیدا کیا آپ نے اس کو
فَاِذَا	پس جب	قَالَ	فرمایا	مِنْ طِيْنٍ	مٹی سے
سَوَّيْتُهٗ	ٹھیک بنالوں اس کو	يٰٓاِبْلِيْسُ	اے ابلیس	قَالَ	فرمایا
وَنَفَخْتُ	اور پھونکوں میں	مَا مَنَعَكَ	کس چیز نے روکا تجھ کو	فَاخْرُجْ	پس نکل جا تو
فِيْهِ	اس میں	اَنْ تَسْجُدَ	سجدہ کرنے سے	مِنْهَا	اس (آسمان) سے
مِنْ رُّوْحِيْ (۱)	میری روح سے	لِمَا خَلَقْتُ	جس کو پیدا کیا میں نے	فَاِنَّكَ	پس بے شک تو
فَقَعُوْا لَهٗ (۲)	پس گر پڑو اس کے لئے	بِيَدَيَّ	میرے دونوں ہاتھوں سے	رَجِيْمٌ	مردود ہے
سٰجِدِيْنَ	سجدہ کرتے ہوئے	اَسْتَكْبَرْتَ (۴)	کیا گھمنڈ کیا تو نے	وَّاِنَّ عَلَيْكَ	اور بے شک تجھ پر
فَسَجَدَ	پس سجدہ کیا	اَمْ كُنْتَ	یا ہے تو	لَعْنَتِيْٓ	میری پھٹکار ہے

(۱) روحی میں اضافت تشریف (ویلیو بڑھانے) کے لئے ہے (۲) قَعُوْا: وقوع سے امر، اصل میں اِوْقَعُوْا تھا (۳) کلھم: الملائکۃ کی تاکید، اور أجمعون: تاکید کی تاکید۔ (۴) أَسْتکبرت: ہمزہ استفہام، اور ہمزہ وصلی محذوف ہے۔

اِلٰی یَوْمِ	دن تک	فَبِعِزَّتِكَ	پس آپ کی عزت کی قسم!	مِنْهُمُ	ان میں سے
الدِّيْنِ	جزاء کے	لَاُغْوِيَنَّهُمْ	ضرور گمراہ کروں گا	اَجْمَعِيْنَ	سبھی کو
قَالَ	کہا اس نے		میں ان کو	قُلْ	کہا اس نے
رَبِّ	اے رب!	اَجْمَعِيْنَ	سبھی کو	مَآ اَسْئَلُكُمْ	نہیں مانگتا میں تم سے
فَاَنْظِرْنِيْٓ	پس ڈھیل دے مجھے	اِلَّا عِبَادَكَ	مگر آپ کے بندے	عَلَيْهِ	اس پر
اِلٰی يَوْمِ	دن تک	مِنْهُمُ	ان میں سے	مِنْ اَجْرٍ	کوئی بدلہ
يُبْعَثُوْنَ	اٹھائے جائیں وہ	الْمُخْلَصِيْنَ	چنیدہ	وَّمَآ اَنَا	اور نہیں ہوں میں
قَالَ	فرمایا	قَالَ	فرمایا	مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ	بناوٹ کرنے والوں
فَاِنَّكَ	پس بے شک تو	فَالْحَقُّ(۱)	پس پکی بات		میں سے
مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ	ڈھیل دیئے ہوؤں	وَالْحَقَّ(۲)	اور پکی بات ہی	اِنْ هُوَ	نہیں ہے وہ
	میں سے ہے	اَقُوْلُ	کہتا ہوں میں	اِلَّا ذِكْرٌ	مگر نصیحت
اِلٰی يَوْمِ	دن تک	لَاَمْلَئَنَّ	ضرور بھروں گا میں	لِّلْعٰلَمِيْنَ	جہانوں کے لئے
الْوَقْتِ	وقت	جَهَنَّمَ مِنْكَ	دوزخ کو تجھ سے	وَلَتَعْلَمُنَّ	اور ضرور جان لوگے تم
الْمَعْلُوْمِ	معلوم کے	وَمِمَّنْ	اور ان سے جو	نَبَاَهٗ	اس کی خبر
قَالَ	کہا اس نے	تَبِعَكَ	تیری پیروی کریں	بَعْدَ حِيْنٍ	ایک وقت کے بعد

تخلیقِ آدمؑ کے وقت فرشتوں کی ردوکد اور شیطان کی بک بک جھک جھک

سوال: فرشتوں کی ردوکد کا تو ذکر نہیں؟ جواب: اشارہ ہے، صراحت سورۃ البقرۃ (آیت ۳۰) میں ہے، اور یہاں صراحت اس لئے نہیں کی کہ ملائکہ نے سرِ تسلیم خم کر لیا تھا، اور ابلیس نے نہیں کیا تھا اس لئے اس کا تفصیل سے تذکرہ کیا۔

ارشاد فرماتے ہیں: —— (یاد کرو) جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا: بے شک میں مٹی سے ایک انسان کو بنانے والا ہوں —— اس میں فرشتوں کی تکرار کی طرف اشارہ ہے —— پس جب میں اس کو ٹھیک بنالوں، اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب اس کے آگے سجدہ میں گر پڑنا —— یہ سجدہ رام ہونے کا رمز تھا —— پس سارے کے

(۱) الحقُّ: مبتدا اور لأملئن خبر، اس سے پہلے قولی محذوف (۲) الحقَّ: أقول کا مفعول بہ، تقدیم سے حصر پیدا ہوا، اور و الحقّ أقول: جملہ معترضہ ہے، قول اور مقولہ کے درمیان۔

سارے فرشتوں نے سجدہ کیا، مگر ابلیس نے نہیں کیا —— ابلیس جنات میں سے تھا (الکہف ۵۰) اور سجدہ کا حکم ساری زمینی مخلوق کو تھا، کیونکہ آدم علیہ السلام کو زمین میں نائب بنایا جارہا تھا، پس کارخانہ کے سارے ملازمین سرینڈر کریں گے تبھی منیجر کارخانہ چلا سکے گا؟ اور فرشتوں کا ذکر اشرف المخلوق ہونے کی وجہ سے کیا ہے۔ اور ابلیس کے علاوہ باقی جنات نے سجدہ کیا تھا —— وہ غرور میں آ گیا، اور کافروں میں سے ہو گیا!

فرمایا: اے ابلیس! کس چیز نے تجھ کو روکا سجدہ کرنے سے اس کو جس کو میں نے دونوں ہاتھوں سے بنایا —— یہ اضافت بھی تشریف کے لئے ہے، اور اللہ تعالیٰ کی نعوت وصفات میں سلف کا مسلک ہی اقوی واحوط ہے (فوائد) —— کیا غرور میں آ گیا تو یا تو بڑے درجہ والوں میں سے ہے؟ —— اس نے کہا: میں اس سے بہتر ہوں، مجھے آپ نے آگ سے پیدا کیا ہے، اور اس کو مٹی سے پیدا کیا —— یعنی میں عالی مرتبہ ہوں، مگر اس کی دلیل غلط تھی، سب انسان مٹی سے پیدا ہوتے ہیں، پھر ان میں تفاوتِ درجات ہے، معلوم ہوا کہ مادۂ تخلیق باعثِ فضیلت نہیں —— فرمایا: پس تو اُس (آسمان) سے نکل جا، کیونکہ تو مردود ہو گیا، اور بے شک تجھ پر میری لعنت ہے قیامت کے دن تک —— کہا اس نے: اے میرے ربّ! پس مجھ کو مہلت دے قیامت کے دن تک —— فرمایا: پس بے شک تو مہلت دیئے ہوؤں میں سے ہے معلوم وقت کے دن تک —— پہلی مرتبہ صور پھونکے جانے تک —— کہا اس نے: پس آپ کی عزت کی قسم! میں ضرور ان سب کو گمراہ کر دوں گا، مگر ان میں سے آپ کے چنیدہ بندے —— مستثنیٰ ہیں، وہ میرے پھندے میں نہیں آئیں گے۔

فرمایا: پس سچی بات —— اور سچی بات ہی میں کہتا ہوں —— ضرور بھروں گا میں دوزخ کو تجھ سے اور ان میں سے جو تیری پیروی کریں سبھی سے! (قصہ پورا ہوا)

سورت کی آخری آیات: یاد ہوگا: سورت کا موضوع مسئلہ رسالت ہے، پس اسی پر سورت ختم کرتے ہیں —— کہہ: نہیں مانگتا میں تم سے اُس (تبلیغ) پر کچھ معاوضہ، اور نہیں ہوں میں بناوٹ کرنے والوں میں سے —— یعنی خواہ مخواہ اپنی طرف سے بات بنا کر نہیں کہتا —— اور نہیں ہے وہ (قرآن) مگر نصیحت جہانوں کے لئے! اور ضرور تمہیں معلوم ہو جائے گی اس کی خبر ایک وقت کے بعد —— یعنی قرآن نے اسلام کی سربلندی کی جو بات کہی ہے اس کے واقعہ بننے کے لئے تھوڑا انتظار کرو۔

﴿الحمد للہ! سورۂ ص کی تفسیر پوری ہوئی ۲۱/ذی الحجہ ۱۴۳۶ھ = ۶/اکتوبر ۲۰۱۵ء﴾

اٰیاتہا ۷۵ (۳۹) سُوْرَةُ الزُّمَرِ مَكِّيَّةٌ (۵۹) رکوعاتہا ۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝۱ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝۲ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ۭ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ڛ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ۝۳ لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝۴

تَنْزِيْلُ	بتدریج اتارنا	لَهُ	اس کے لئے	اِلَى اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ سے
الْكِتٰبِ	قرآن کا	الدِّيْنَ	دین (عبادت) کو	زُلْفٰى	مرتبہ (درجہ) میں
مِنَ اللّٰهِ	اللہ کی طرف سے ہے	اَلَا	سنو	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
الْعَزِيْزِ	زبردست	لِلّٰهِ	اللہ کے لئے ہے	يَحْكُمُ	فیصلہ کریں گے
الْحَكِيْمِ	حکمت والے	الدِّيْنُ	دین	بَيْنَهُمْ	ان کے درمیان
اِنَّآ	بے شک ہم نے	الْخَالِصُ	خالص	فِيْ مَا	اس میں جو
اَنْزَلْنَآ	اتاری	وَالَّذِيْنَ	اور جنھوں نے	هُمْ فِيْهِ	وہ اس میں
اِلَيْكَ	آپ کی طرف	اتَّخَذُوْا	بنائے	يَخْتَلِفُوْنَ	اختلاف کرتے ہیں
الْكِتٰبَ	یہ کتاب	مِنْ دُوْنِهٖٓ	اس سے ورے	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
بِالْحَقِّ	(دینِ) حق کے ساتھ	اَوْلِيَآءَ	کارساز (حمایتی)	لَا يَهْدِيْ	راہ نہیں دیتے
فَاعْبُدِ	پس عبادت کر	مَا نَعْبُدُهُمْ	نہیں عبادت کرتے ہم انکی	مَنْ هُوَ	اس کو جو وہ
اللّٰهَ	اللہ کی	اِلَّا	مگر	كٰذِبٌ	جھوٹا ہے
مُخْلِصًا	خالص کرکے	لِيُقَرِّبُوْنَآ	تاکہ نزدیک کریں وہ ہمیں	كَفَّارٌ	بڑا ناشکرا

لَوْ اَرَادَ	اگر چاہتے	لَّاصْطَفٰى	(تو) ضرور چھنتے	سُبْحٰنَهٗ	وہ (اولاد سے) پاک ہیں
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	مِمَّا	ان میں سے جن کو	هُوَاللّٰهُ	وہ (معبود) اللہ ہیں
اَنْ يَّتَّخِذَ	کہ بنائیں	يَخْلُقُ	پیدا کرتے ہیں وہ	الْوَاحِدُ	یگانہ
وَلَدًا	اولاد	مَا يَشَآءُ	جس کو چاہتے ہیں	الْقَهَّارُ	بڑے زور والے

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

ربط: اس سورت کا موضوع توحید اور اس سے تعلق رکھنے والی بات یعنی قرآنِ کریم ہے، گذشتہ سورت کا موضوع رسالت تھا، اور وہ دلیلِ رسالت (قرآن) کے ذکر پر ختم ہوئی تھی، یہ سورت اسی کے بیان سے شروع ہورہی ہے۔

اس سورت کے نزول کا نمبر ۵۹ ہے، یہ مکی سورت ہے اور حوامیم سے پہلے والی سورت ہے، آگے سات سورتیں آرہی ہیں جو حٰمٓ سے شروع ہوئی ہیں، پھر ان کے بعد سورۃ محمدؐ آئے گی، یہ حوامیم اور آگے پیچھے کی ایک ایک سورت حفظ وفہم کے اعتبار سے اور مضامین کے تنوع کے اعتبار سے اہم ہیں، ان کو بار بار پڑھنے کی تاکید آئی ہے اور مضامین بھی بغور پڑھنے چاہئیں۔

ارشاد فرماتے ہیں: —— یہ کتاب (قرآن) زبردست حکمت والے اللہ کی طرف سے تھوڑی تھوڑی اتاری جارہی ہے —— الکتاب میں الف لام عہدی ہے، مراد قرآنِ کریم ہے...... تنزیل (باب تفعیل) کے معنی میں تدریج ہے۔

مقصدِ تنزیل: دین کی تعلیم ہے —— بے شک ہم نے اس کتاب کو آپؐ پر دینِ حق پر مشتمل نازل کیا ہے —— بالحق کی باء مصاحبت (ملابست) کے لئے ہے، اور الحق کا موصوف محذوف ہے، اور صفت: موصوف کے قائم مقام ہے، اور وہ موصوف الدین ہے أی مُتَلَبِّسًا/ مُصَاحِبًا بالدین الحق، اس کا ترجمہ 'مشتمل' کیا ہے یعنی قرآن بھیجنے کا مقصد لوگوں کو دینِ حق کی تعلیم دینا ہے، یہ کتاب دینِ حق (اسلام) کی تعلیمات پر مشتمل ہے۔

دینِ اسلام کی بنیادی تعلیم: توحید ہے —— پس آپ اللہ کی عبادت کریں، اس کے لئے دین (عبادت) کو خالص کرکے —— مُخْلِصًا: اُعْبُدْ کے فاعل سے حال ہے...... اور لفظ الدین: لفظ عبادت سے عام ہے، مفسرین خاص معنی مراد لیتے ہیں، مگر اس کی ضرورت نہیں، مکمل دین پیور (Pure) ہونا چاہئے، اس میں کوئی آمیزش نہیں ہونی چاہئے، پس عبادت بھی پیور اللہ کی ہونی چاہئے۔

نخالص دین (عبادت) مقبول نہیں: —— سنو! اللہ کے لئے خالص دین ہے —— یعنی نخالص دین (عبادت) اللہ قبول نہیں کرتے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: أنا أَغْنَى الشُّرَكَاءِ: میں بھاگی داروں میں سب سے زیادہ بے نیاز ہوں، یعنی میری جو عبادت بھاگی داری میں کی گئی ہے، میرے علاوہ کو اس میں شریک کیا ہے: مجھے اس کی ضرورت

نہیں، نہ میرے پاس اس کا صلہ ہے۔ لے جاؤ اس کو اس شریک کے پاس، اور لے لو اس سے بدلہ! —— پس دین میں اخلاص ضروری ہے، عقائد: اہل السنہ والجماعۃ کے عقائد سے ہٹے ہوئے نہ ہوں، عبادات میں دکھلانا سنانا شامل نہ ہو، اور معاملات میں کوئی دنیوی غرض نہ ہو، صرف اللہ کی خوشنودی اور دین پر عمل کرنا پیش نظر ہو تو ہی دین خالص ہے، اور وہی اللہ کے یہاں مقبول ہے۔

مشرکوں کی دوغلط فہمیاں

مشرک جن مورتیوں کی پرستش کرتے ہیں وہ دو طرح کی ہیں: نیک بندوں کے پیکر اور فرشتوں کی صورتیں، اول کی عبادت ان کے خیال میں اس لئے ضروری ہے کہ وہ وسیلۂ قرب ہیں، اور ثانی کی اس لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں، اور باپ کی طرح اولاد کی عبادت بھی ضروری ہے —— مشرکوں کے یہ دونوں خیال غلط ہیں۔

پہلا خیال: اس لئے غلط ہے کہ وہ جھوٹ ہے، اللہ کی نزدیکی حاصل کرنے کے لئے وسائط کی ضرورت نہیں، ایمان اور عمل صالح سے اللہ کی نزدیکی حاصل ہوتی ہے —— پھر اس میں معبود حقیقی کی بڑی ناشکری بھی ہے، پیدا کیا اللہ نے، پالا پوسا اس نے، اور سر نیاز جھکا دیا کسی اور کی چوکھٹ پر، یہ کیسے جائز ہوسکتا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں: —— اور جن لوگوں نے اللہ سے وَرے کارساز (حمایتی) بنائے —— أولیاء: ولی کی جمع ہے، اس کے معنی ہیں: دوست، اور اللہ کے دوست انبیاء اور صلحاء ہیں، اس لفظ میں مشرکین کے پہلی قسم کے معبودوں کی طرف اشارہ ہے، جیسا کہ اگلی آیت میں لفظ ولد سے دوسری قسم کے معبودوں کی طرف اشارہ ہے —— (وہ کہتے ہیں:) ہم ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ سے نزدیک کردیں —— ان کا یہ قول غلط ہے: —— بے شک اللہ تعالیٰ ان کے درمیان اس بات کا فیصلہ کریں گے جس میں وہ (پیغمبر سے) اختلاف کرتے ہیں —— پیغمبر کہتے ہیں: اولیاء کی پرستش جائز نہیں، مشرکین کہتے ہیں: ضروری ہے، اس اختلاف میں اللہ تعالیٰ فیصلہ فرماتے ہیں، سنو! —— بے شک اللہ تعالیٰ راہ نہیں دیتے اس کو جو جھوٹا بڑا ناشکرا ہے! —— کاذب میں ایک ردّ ہے اور کفار میں دوسرا، علاوہ ازیں آیت میں یہ بات بھی ہے کہ جس نے دل میں ٹھان لی ہو کہ کبھی سچی بات نہیں ماننی، جھوٹ ہی پر ہمیشہ اڑا رہنا ہے، حقیقی منعم کو چھوڑ کر جھوٹے محسنوں کی نیاز بھرنی ہے: اللہ کی عادت یہ ہے کہ ایسوں کو اللہ تعالیٰ کامیابی کی راہ نہیں دیتے۔

دوسرا خیال: کہ فرشتوں کی عبادت ضروری ہے، وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں، پس باپ کی طرح اولاد کی پرستش بھی ضروری ہے: یہ خیال چار وجوہ سے غلط ہے:

پہلی وجہ: اگر اللہ تعالیٰ اولاد اپنائیں گے تو اپنی مخلوق (پیدا کی ہوئی چیزوں) میں سے کسی کو اولاد بنائیں گے، جبکہ

اولاد دوسرا دیتا ہے، پھر اللہ ہی کی مخلوق اللہ کی اولاد کیسے ہوسکتی ہے؟ —— اس وجہ کا بیان مِمَّا يَخْلُقُ میں ہے۔

دوسری وجہ: اللہ کی مخلوقات میں بڑی بڑی چیزیں ہیں: عرش، آسمان، زمین، سورج، چاند، تارے اور پہاڑ عظیم مخلوقات ہیں، پس اگر اللہ کو اولاد بنانی ہوتی تو کسی بڑی مخلوق کو بناتے، یہ کیا بات ہے کہ لڑکیوں کو اپنایا جو ضعیف مخلوق ہے، جس کو تم بھی پسند نہیں کرتے، یہ تو نہایت نامعقول بات ہے —— اس وجہ کا بیان مما یشاء میں ہے۔

تیسری وجہ: اولاد باپ کی ہم جنس ہوتی ہے، ناجنس اولاد بڑا عیب ہے، اور اللہ عیوب سے پاک ہیں، پس اگر اللہ کی اولاد ہوگی تو وہ بھی قدیم اور معبود ہوگی، پس توحید گاؤ خورد ہوجائے گی، جبکہ تمام مذاہب بڑا خدا ایک ہی کو مانتے ہیں، مشرکین بھی اللہ کو بڑا مانتے ہیں، مورتیوں کو من دونہ: اللہ سے وَرے یعنی چھوٹے خدا مانتے ہیں، اور اللہ کی اولاد تو اللہ کے برابر ہوگی، ورنہ وہ ہم جنس نہ ہوگی —— اس وجہ کا بیان الواحد میں ہے یعنی معبود صرف اللہ ہیں جو یگانہ ہیں، ان کے ساتھ نہ کوئی قدیم ہے نہ معبود!

چوتھی وجہ: اولاد کی ضرورت ضعیف کو ہوتی ہے، تاکہ بوڑھاپے میں ہاتھ بٹائے اور سہارا بنے، اور اللہ تعالیٰ تو بڑے زور والے ہیں۔ ان کو نہ کسی کی مدد کی ضرورت ہے نہ سہارے کی، پھر ان کو اولاد کی کیا حاجت ہے —— اس وجہ کا بیان القہار میں ہے۔

آیتِ پاک: اگر اللہ چاہتے کہ اولاد بنائیں تو وہ مخلوق سے جس کو چاہتے منتخب فرماتے، وہ (اولاد سے) پاک ہیں وہ (معبود) اللہ یگانہ زبردست ہیں۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ۝ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ؕ يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۝

خَلَقَ	پیدا کیا	وَالْاَرْضَ	اور زمین کو	يُكَوِّرُ	لپیٹتا ہے (داخل کرتا ہے)
السَّمٰوٰتِ	آسمانوں کو	بِالْحَقِّ(۱)	خاص مقصد سے	الَّيْلَ	رات کو

(۱) الحق کے اصل معنی ہیں: الأمر الثابت: واقعی بات، جو اعتبارِ معتبر کے تابع نہ ہو، پھر اس کے مختلف مظاہر ہیں، یہاں تخلیقِ ارض وسماء کا خاص مقصد مراد ہے، اور وہ ہے انسان کی مصلحت: کائنات انسان کی غرض سے بنائی گئی ہے۔

عَلَى النَّهَارِ	دن پر	الْغَفَّارُ	بڑا بخشنے والا ہے	اُمَّهٰتِكُمْ	تمہاری ماؤں کے
وَيُكَوِّرُ	اور لپیٹتا ہے	خَلَقَكُمْ	پیدا کیا تم کو	خَلْقًا	پیدا کرنا
النَّهَارَ	دن کو	مِّنْ نَّفْسٍ (۱)	نفس سے	مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ	پیدا کرنے کے بعد
عَلَى الَّيْلِ	رات پر	وَّاحِدَةٍ	ایک	فِيْ ظُلُمٰتٍ	تاریکیوں میں
وَسَخَّرَ	اور کام میں لگایا	ثُمَّ جَعَلَ	پھر بنایا	ثَلٰثٍ	تین
الشَّمْسَ	سورج کو	مِنْهَا	اس سے	ذٰلِكُمُ	وہ
وَالْقَمَرَ	اور چاند کو	زَوْجَهَا	اس کا جوڑا	اللّٰهُ	اللہ
كُلٌّ	ہر ایک	وَاَنْزَلَ (۲)	اور اتارا	رَبُّكُمْ	تمہارا پروردگار ہے
يَّجْرِيْ	چلتا ہے	لَكُمْ	تمہارے لئے	لَهُ	اس کے لئے
لِاَجَلٍ	مدت کے لئے	مِّنَ الْاَنْعَامِ	پالتو چوپایوں سے	الْمُلْكُ	حکومت ہے
مُّسَمًّى	مقرر	ثَمٰنِيَةَ	آٹھ	لَآ اِلٰهَ	کوئی معبود نہیں
اَلَا	سنو	اَزْوَاجٍ	قسموں کو	اِلَّا هُوَ	مگر وہ
هُوَ	وہ	يَخْلُقُكُمْ	پیدا کرتا ہے تم کو	فَاَنّٰى	پس کہاں
الْعَزِيْزُ	زبردست	فِيْ بُطُوْنِ	پیٹوں میں	تُصْرَفُوْنَ	پھرائے جارہے ہو تم؟

توحید (ایک معبود ہونے) کی دلیل

اوپر کی دو آیتوں میں ردّ اشراک تھا، یعنی اللہ کا کوئی شریک نہیں، نہ انبیاء نہ اولیاء نہ ملائکہ، اب دو آیتوں میں توحید کا بیان ہے، اگر لوگ انفس و آفاق میں غور کریں تو وہ یہ حقیقت پاسکتے ہیں کہ:

۱- اللہ نے آسمان و زمین کا کارخانہ خاص مقصد سے پیدا کیا ہے، اور وہ مقصد انسان کی مصلحت ہے، انسان کو پیدا کرنا مقصود تھا اس لئے پہلے سے یہ گھر بسایا ہے، تاکہ انسان اس میں آباد ہو [البقرۃ آیت ۲۹]

۲- پھر اللہ نے وقت کو دو حصوں میں تقسیم کرکے شب و روز بنائے، جن کو بارہ گھنٹوں میں بدلتے ہیں، اگر رات ہی

---

(۱) نفس سے انسان کا نفسِ ناطقہ مراد ہے، یہی انسان کی نوع ہے، جس کو نر و مادہ میں تقسیم کیا ہے، یہی حال تمام انواع کا ہے، جیسے انعام (پالتو چوپایوں) کی انواع اربعہ کو نر و مادہ میں تقسیم کیا تو ثمانیۃ ازواج بن گئیں۔ (۲) أنزل بمعنی خلق ہے، جیسے: ﴿وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ﴾: ہم نے لوہے کو پیدا کیا [الحدید ۲۵] لوہا زمین میں پیدا ہوتا ہے۔

رات رہتی تو ہر چیز ٹھٹھر جاتی، اور دن ہی دن رہتا تو ہر چیز جھلس جاتی، اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے رات دن کا نظام بنایا تا کہ انسان دنیا میں آرام سے رہ سکے۔

۳- چاند سورج کے گردشِ لیل ونہار کے علاوہ اور بھی مقاصد ہیں، انہی سے غذائیں پکتی ہیں، پھلوں میں مٹھاس پیدا ہوتی ہے، سمندر سے بھاپ اٹھتی ہے، جو بادل بن کر برستی ہے، چاند سورج کا یہ نظام اتنا مضبوط بنایا ہے کہ لمحہ بھر کا فرق نہیں پڑتا، یہ نظام اللہ تعالیٰ جب تک چاہیں گے چلتا رہے گا۔

۴- پھر جب وقت آیا تو اللہ نے انسان کو پیدا کیا، انسان بھی دیگر انواع کی طرح ایک نوع ہے، اس کا نفس: نفسِ ناطقہ کہلاتا ہے، اس کو دو حصوں میں تقسیم کر کے مرد وزن بنائے، اور دونوں سے نسل چلائی، جس سے زمین آباد ہوگئی۔

۵- پھر انسان کے گذارے کے لئے قریبی سبب پالتو جانور بنائے، اونٹ، گائے، بھیڑ اور بکری کو جنم دیا، یہ جانور نوعیں ہیں، پھر ان کی صنفیں بنائیں تو آٹھ قسمیں ہوگئیں، چونکہ نر اور مادہ کے مستقل فوائد ہیں اس لئے ان کو الگ الگ شمار کیا، یہ انسان کے گذارے کا قریبی سبب ہیں، ان کے دودھ، گوشت اور اون وغیرہ سے انسان کی زندگی کا گہرا تعلق ہے۔

۶- اب خود انسان کی تخلیق پر غور کریں، مرد وزن کے مادّے بچہ دانی میں پہنچتے ہیں، وہاں تین اندھیریوں میں مختلف احوال سے گذار کر اللہ تعالیٰ اشرف المخلوقات انسان بناتے ہیں۔

یہی اللہ انسانوں کے پروردگار ہیں، اور انھوں نے کائنات کا اختیار کسی کو سپرد نہیں کیا، بلکہ خود کائنات کے مالک ہیں، ملک وسلطنت انہی کی ہے، پھر ان کے علاوہ کون معبود ہوسکتا ہے؟ وہی ایک اللہ معبود ہیں، عبادت انہی کے لئے سزاوار ہے، پھر گرومہنت لوگوں کو کدھر پھیر رہے ہیں؟

آیات پاک مع تفسیر: —— اللہ نے آسمانوں اور زمین کو خاص مقصد سے پیدا کیا ہے —— یعنی انسان کی مصلحت سے پیدا کیا ہے —— وہ رات کو دن پر لپیٹتا ہے، اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے —— سورج غروب ہوتا ہے تو مشرق کی طرف سے رات پھیلتی چلی آتی ہے اور گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ میں رات چھا جاتی ہے، اسی طرح دن کی روشنی تاریکی کی چادر کو پھاڑ کر رکھ دیتی ہے، یعنی اللہ نے شب وروز کا نظام بنایا، وہ ان کو بدلتے رہتے ہیں —— اور کام میں لگایا سورج اور چاند کو، ہر ایک وقتِ مقرر تک چلتا رہے گا —— یعنی یہ گردشِ لیل ونہار ایک دن ختم ہوجائے گی —— سنتا ہے! وہ زبردست بڑا بخشنے والا ہے —— یعنی اللہ نے اپنی زبردست قدرت سے یہ نظام قائم کیا ہے اور تھام رکھا ہے، اور لوگوں کی شرارتوں سے اس کو درہم برہم نہیں کرتا، کیونکہ وہ بڑا درگذر کرنے والا ہے۔

اس نے تم کو ایک نفس سے پیدا کیا —— حیوانات کی ہر نوع کا نفس جدا ہے، اور چونکہ انسان کی ماہیت حیوان ناطق

ہے، اس لئے اس کے نفس کو نفسِ ناطقہ کہتے ہیں، جیسے گدھے کا نفس: نفسِ ناہقہ اور گھوڑے کا نفس: نفسِ صاہلہ کہلاتا ہے، اور یہ سب نفوس: نفس الامر میں متحقق ہیں، اسی میں سے افراد ابھرتے مٹتے ہیں، جیسے پانی میں سے بلبلے اٹھتے ہیں، پھر ٹوٹ کر اسی میں مل جاتے ہیں، مگر یہ بات کہنی مقصود نہیں، مقصود اگلی بات ہے: —— پھر اس سے اس کا جوڑا بنایا —— یعنی عورت بھی مرد کی ہم جنس ہے، پھر دونوں سے نسلِ انسانی چلائی —— تمام انسان بشمولِ آدم وحواء علیہما السلام ایک نفس ناطقہ سے پیدا کئے گئے ہیں، رہے ابدان تو قرآن میں صراحت ہے کہ آدم علیہ السلام کا پتلا مٹی سے بنایا تھا، اور دادی کا بدن کس طرح بنایا تھا؟ اس کی قرآن میں صراحت نہیں، البتہ حضرت محمد باقر رحمہ اللہ (جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں) فرماتے ہیں: خُلِقَتْ حواءُ من بَقِيَّةِ طِيْنَةِ آدم: جس مٹی سے آدم علیہ السلام کا پتلا بنایا تھا، اس کی باقی مٹی سے دادی کا پتلا بنایا[1] —— اور قرآن کا مقصد تخلیقِ نساء کا بیان نہیں، بلکہ یہ بیان کرنا ہے کہ مرد وزن سے انسان کی نسل پھیلی ہے۔

اور پیدا کیں تمہارے لئے پالتو چوپایوں کی آٹھ قسمیں (نر و مادہ) —— جو انسان کی معاش کا سبب قریب ہیں —— وہ پیدا کرتے ہیں تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں ایک کیفیت کے بعد دوسری کیفیت میں، تین تاریکیوں میں —— ایک پیٹ کی تاریکی، دوسری بچہ دانی کی، تیسری اس جھلّی کی جس کے اندر بچہ ہوتا ہے، جس کو عربی میں مَشِیْمَة اور اردو میں نال کہتے ہیں، وہ ایک آنت کے ذریعہ بچہ کی ناف سے جڑی ہوتی ہے، پیدائش پر اس کو کاٹ کر جدا کر دیتے تھے، پھر وقفہ کے بعد وہ گر جاتی ہے، اور اس کو دفن کر دیتے ہیں —— بچہ دانی میں نطفہ سات مراحل سے گذرتا ہے، جس کا تذکرہ سورۃ المؤمنون کے پہلے رکوع میں ہے۔

یہی اللہ تمہارے پروردگار ہیں —— ربّ: اس ہستی کو کہتے ہیں: جو کسی چیز کو عدم سے وجود میں لائے، پھر اس کی بقاء کا سامان کرے، پھر بتدریج اس کو بڑھا کر منتہائے کمال تک پہنچائے، یہ تینوں کام اللہ تعالیٰ کرتے ہیں —— اسی کی سلطنت ہے —— اور کوئی کائنات کا مالک نہیں، پس —— ان کے سوا کوئی معبود نہیں، پھر تم کہاں پھیرے جارہے ہو! —— نذر ونیاز لے کر کہاں جارہے ہو، خالق وہ ہے مالک وہ ہو، پروردگار وہ ہے، پھر معبود ان کے سوا کوئی اور کیسے ہوسکتا ہے؟

إِنْ تَكْفُرُوْا فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ ۚ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ وَإِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ ۗ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰى ۗ ثُمَّ إِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا

(۱) روح المعانی سورۃ نساء کی پہلی آیت پر حاشیہ میں یہ قول ہے، اور بخاری شریف کی حدیث خُلِقْنَ من ضِلَعٍ ہر عورت سے متعلق ہے، دادی کے ساتھ خاص نہیں، اور اس میں نسوانی فطرت کی کجی کی تمثیل (پیرایۂ بیان) ہے، بس یہی ایک حدیث صحیح ہے، باقی روایات اسرائیلی ہیں، بائبل میں جو مضمون ہے وہ روایات کے راستے تفسیروں میں آیا ہے ۱۲

كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ
دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ
قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا ڰ اِنَّكَ
مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۝ اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَاۗءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَاۗىِٕمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ
وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ۭ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۭ اِنَّمَا
يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۭ لِلَّذِيْنَ
اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۭ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ۭ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ
اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝

اِنْ تَكْفُرُوْا	اگر انکار کرو تم	وَازِرَةٌ	کوئی اٹھانے والا	بِذَاتِ الصُّدُوْرِ	سینوں کی باتوں کو
فَاِنَّ اللّٰهَ	پس بے شک اللہ تعالیٰ	وِّزْرَ	بوجھ	وَاِذَا مَسَّ	اور جب چھوتی ہے
غَنِيٌّ عَنْكُمْ	بے نیاز ہیں تم سے	اُخْرٰى (۲)	دوسرے کا	الْاِنْسَانَ	انسان کو
وَلَا يَرْضٰى	اور نہیں پسند کرتے وہ	ثُمَّ	پھر	ضُرٌّ	کوئی تکلیف
لِعِبَادِهِ	اپنے بندوں کے لئے	اِلٰى رَبِّكُمْ	تمہارے رب کی طرف	دَعَا	(تو) پکارتا ہے وہ
الْكُفْرَ	انکار کرنے کو	مَّرْجِعُكُمْ (۳)	تمہارا لوٹنا ہے	رَبَّهٗ	اپنے رب کو
وَاِنْ تَشْكُرُوْا	اور اگر شکر بجالاؤ تم	فَيُنَبِّئُكُمْ	پس وہ آگاہ کریں گے تم کو	مُنِيْبًا	متوجہ ہوکر
يَرْضَهُ (۱)	(تو) پسند کرتے ہیں	بِمَا	ان کاموں سے جو	اِلَيْهِ	اس کی طرف
	وہ اس کو	كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ	تم کیا کرتے تھے	ثُمَّ اِذَا	پھر جب
لَكُمْ	تمہارے لئے	اِنَّهٗ	بے شک وہ	خَوَّلَهٗ (۴)	عطا فرماتا ہے اس کو
وَلَا تَزِرُ	اور نہیں اٹھائے گا	عَلِيْمٌ	خوب جاننے والے ہیں	نِعْمَةً	نعمت

(۱) يَرْضَ: اصل میں یرضی تھا، جوابِ شرط ہونے کی وجہ سے ی گرگئی ہے (۲) أخرى: أي نفس أخرى (۳) مرجع: مصدر ہے۔ (۴) خوَّله الشيئَ: کسی کو از راہ کرم کوئی چیز دینا۔

مِّنْهُ	اپنی طرف سے	هُوَ	وہ	اُولُوا الْاَلْبَابِ	عقل والے
نَسِیَ	(تو) بھول جاتا ہے وہ	قَانِتٌ	اطاعت کرنے والا ہے	قُلْ	کہہ
مَا [1]	اس کو جس کو	اٰنَآءَ	گھڑیوں میں	یٰعِبَادِ	اے میرے بندو
كَانَ یَدْعُوْٓا	پکارا کرتا تھا وہ	الَّیْلِ	رات کی	الَّذِیْنَ	جو
اِلَیْهِ	اس کو	سَاجِدًا	سجدہ کرنے والا	اٰمَنُوا	ایمان لائے
مِنْ قَبْلُ	پہلے	وَّقَآئِمًا	اور کھڑا ہونے والا	اتَّقُوْا	ڈرو
وَجَعَلَ	اور بناتا ہے	یَّحْذَرُ	ڈرتا ہے	رَبَّكُمْ	اپنے رب سے
لِلّٰهِ	اللہ کے لئے	الْاٰخِرَةَ	آخرت سے	لِلَّذِیْنَ	(ان کیلئے) جنھوں نے
اَنْدَادًا	ہم سر	وَیَرْجُوْا	اور امیدوار ہے	اَحْسَنُوْا	نیکی کی
لِّیُضِلَّ	تاکہ گمراہ کرے	رَحْمَةَ	مہربانی کا	فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا	اس دنیا میں
عَنْ سَبِیْلِهٖ	اللہ کے راستہ سے	رَبِّهٖ	اپنے رب کی	حَسَنَةٌ	بھلائی ہے
قُلْ	کہو	قُلْ هَلْ	پوچھ کیا	وَاَرْضُ	اور زمین
تَمَتَّعْ	فائدہ اٹھا	یَسْتَوِی	یکساں ہیں	اللّٰهِ	اللہ کی
بِكُفْرِكَ	اپنے کفر سے	الَّذِیْنَ	جو	وَاسِعَةٌ	کشادہ ہے
قَلِیْلًا	تھوڑا	یَعْلَمُوْنَ	جانتے ہیں	اِنَّمَا	اس کے سوا نہیں کہ
اِنَّكَ	بے شک تو	وَالَّذِیْنَ	اور جو	یُوَفَّى	پورا پورا دیئے جائیں گے
مِنْ اَصْحٰبِ	والوں سے	لَا یَعْلَمُوْنَ	نہیں جانتے	الصّٰبِرُوْنَ	صبر کرنے والے
النَّارِ	آگ کے ہے	اِنَّمَا	اس کے سوا نہیں کہ	اَجْرَهُمْ	ان کا صلہ
اَمَّنْ	کیا جو شخص	یَتَذَكَّرُ	نصیحت پذیر ہوتے ہیں	بِغَیْرِ حِسَابٍ	بے گنے

ہر چیز کے خالق اللہ تعالیٰ ہیں مگر پسند مختلف ہے

اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک: ہر بات اللہ کی مشیت، ارادے اور خلق (پیدا کرنے) سے وجود میں آتی ہے، ان کے نزدیک اللہ کے علاوہ کوئی خالق نہیں، اور معتزلہ کے نزدیک نیک کام اللہ پیدا کرتے ہیں اور برائیاں انسان خود پیدا کرتا

(۱) مَا سے اللہ تعالیٰ مراد ہیں، مَا بمعنی مَن آتا ہے، اور ضرّ بھی مراد ہوسکتا ہے۔

ہے، اور مجوسیوں کے نزدیک نیکیوں کا خالق یزداں ہے اور برائیوں کا خالق اہرمن (شیطان)

پھر اہل السنہ والجماعۃ کے نزدیک جو باتیں بندوں کے لئے مفید ہیں وہ اللہ کو پسند ہیں، اور جو بری ہیں وہ ناپسند ہیں، جیسے ایمان پسند ہے اور کفر ناپسند ہے، اور پسندیدہ کاموں پر وہ ثواب دیتے ہیں اور ناپسندیدہ کاموں پر سزا، کیونکہ ان کو پیدا اگرچہ اللہ تعالیٰ کرتے ہیں مگر بندوں کا کسب (اختیار کرنے) کا دخل ہوتا ہے، اس لئے کسب ثواب وعقاب کا حقدار بناتا ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے:

۱- برائی کا پیدا کرنا برا نہیں، اس کا کسب (اختیار کرنا) برا ہے، جیسے زہر سنکھیا کا پیدا کرنا برا نہیں، وہ تو بہت سی دواؤں میں استعمال کیا جاتا ہے، البتہ اس کا کھانا چونکہ جان لیوا ہے اس لئے برا ہے، اور کھانے والا خودکشی کا مرتکب سمجھا جاتا ہے ـــــ خلق اور کسب میں یہ فرق اچھی طرح ذہن نشیں کر لینا چاہئے۔

۲- اللہ نے انسان کو جزوی اختیار دیا ہے، کلّی اختیار نہیں دیا، کلّی اختیار اللہ کا ہے، اگر غیر اللہ کو کلّی اختیار حاصل ہوجائے تو وہ اللہ ہوجائے، قادرِ مطلق (کامل) صرف اللہ تعالیٰ ہیں، البتہ بندوں کو ایک حد تک اختیار دیا ہے کہ وہ جو چاہیں کسب کریں، اور جزاؤسزا کے لئے کلّی اختیار ضروری نہیں، جزوی اختیار بھی کافی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسی نے سوال کیا: بندہ مختار ہے یا مجبور؟ آپ نے فرمایا: مختار بھی ہے اور مجبور بھی! اس نے پوچھا: یہ کیسے؟ آپ نے فرمایا: کھڑے ہوجاؤ، وہ کھڑا ہوگیا، فرمایا: ایک پیر اٹھالو، اس نے اٹھالیا، فرمایا: دوسرا بھی اٹھالو، اس نے کہا: اسے کیسے اٹھاؤں گر پڑوں گا! آپ نے فرمایا: بس اتنا تمہارا اختیار تھا، اب تم مجبور ہوگئے۔

۳- اسلامی عقیدہ ہے: والقدَر خیرہ وشرہ من اللہ تعالیٰ: بھلی بری تقدیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، یعنی اللہ کی ازلی پلاننگ میں بندوں کے لئے مفید اور مضر باتیں طے کردی گئی ہیں، عقائد ہوں یا اعمال: نافع کیا ہیں اور ضارّ کیا؟ سب باتیں طے کردی گئی ہیں، مثلاً ایمان اور نکاح بندوں کے لئے مفید ہیں، اور کفر اور زنا مضر، پھر بندوں کو حکم ہے کہ وہ تقدیرِ الٰہی کی پابندی کریں، مفید باتیں اختیار کریں اور مضر باتوں سے بچیں، بصورت اول وہ ثواب کے حقدار ہونگے اور بصورت ثانی سزا پائیں گے، اللہ کا اس میں نہ کچھ نفع ہے نہ نقصان، سب کچھ انسان کی بھلائی کے لئے اور اس کو مضرت سے بچانے کے لئے ہے۔

اس تفصیل کی روشنی میں آیتِ کریمہ پڑھیں: ـــــ اگر تم کفر کروگے ـــــ یعنی صرف اللہ کو معبود نہیں مانوگے ـــــ تو یقیناً اللہ تعالیٰ تم سے بے نیاز ہیں ـــــ یعنی تمہارے کفر سے اللہ کا کچھ نقصان نہ ہوگا ـــــ اور وہ اپنے بندوں کے لئے کفر کو پسند نہیں کرتے ـــــ کیونکہ اس میں ان کا نقصان ہے ـــــ اور اگر تم شکر گذار بنوگے تو وہ اس کو تمہارے لئے

پسند کرتے ہیں —— کیونکہ اس میں تمہارا نفع ہے —— اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا —— یعنی پہلی صورت میں عظیم گناہ ہوگا، جس کو قیامت کے دن خود ڈھونا پڑے گا —— پھر تمہیں اپنے پروردگار کے پاس لوٹ کر جانا ہے، پس وہ تمہیں آگاہ کریں گے ان کاموں سے جو تم کیا کرتے تھے، بے شک وہ دلوں کی باتوں کو بھی خوب جانتے ہیں —— یعنی دوسری صورت میں تم ثواب کے حقدار بنو گے، مگر وہ ثواب کل قیامت کے دن ملے گا، جب تم بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہوؤ گے —— رہی یہ بات کہ تمہارا ایمان کھرا ہے یا کھوٹا؟ اس کو سینوں کے بھید جاننے والا جانتا ہے!

عیش کا نشہ اللہ سے غافل کرتا ہے

انسان کی حالت عجیب ہے، مصیبت پڑے تو اللہ کو یاد کرتا ہے، کیونکہ سمجھتا ہے کہ اور کوئی مصیبت ہٹانے والا نہیں، پھر جہاں اللہ کی مہربانی سے اطمینان نصیب ہوا پہلی حالت بھول جاتا ہے جس کے لئے اس نے اللہ کو پکارا تھا، عیش وتنعم کے نشہ میں ایسا مست وغافل ہوجاتا ہے کہ گویا کبھی اللہ سے واسطہ ہی نہیں پڑا! اللہ کی نعمتیں دوسروں کی چوکھٹ پر لے جاتا ہے اور ان کے ساتھ وہ معاملہ کرتا ہے جو اللہ کے ساتھ کرنا چاہئے تھا، اور صرف اتنا ہی نہیں دوسروں کو بھی ایسا کرنے کی دعوت دیتا ہے، خود تو ڈوبا ہے دوسروں کو بھی لے ڈوبتا ہے، ارشاد فرماتے ہیں: —— اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے پروردگار کو پکارتا ہے، اس کی طرف رجوع ہو کر —— یعنی پورے اخلاص سے —— پھر جب اس کو اللہ اپنی طرف سے نعمت عطا کرتے ہیں تو وہ بھول جاتا ہے اس کو جس کی طرف اس سے پہلے پکارتا تھا، اور ٹھہراتا ہے اللہ کے لئے ہم سر، تاکہ گمراہ کرے وہ اللہ کی راہ سے —— کہو: اپنے کفر کی بہار چند دن لوٹ لے! بالیقین تو دوزخیوں میں سے ہے! —— یعنی اللہ نے جب تک مہلت دی ہے مزے اڑالے، بالآخر تجھے دوزخ میں جانا ہے، جہاں سے کبھی چھٹکارا نصیب نہ ہوگا۔

مصیبت میں اللہ کو یاد کرنے والے اور ہر وقت اللہ کی اطاعت کرنے والے برابر نہیں

ایک بندہ وہ ہے جس کا ذکر اوپر آیا، جو مصیبت کے وقت اللہ کو پکارتا ہے، اور جہاں مصیبت ٹلی اللہ کو بھول جاتا ہے، دوسرا بندہ وہ ہے جو رات کا آرام چھوڑ کر اللہ کی عبادت میں لگتا ہے، کبھی حالتِ قیام میں ہے کبھی سجدہ میں پڑا ہے، آخرت کا خوف اس کے دل کو بے چین کئے ہوئے ہے، اور ساتھ ہی اللہ کی رحمت ڈھارس بھی بندھا رہی ہے: یہ سعید بندہ اور وہ بدبخت انسان آخرت میں برابر نہیں ہوسکتے، اگر ایسا ہوجائے تو عالم وجاہل اور سمجھدار اور بے وقوف میں کچھ فرق نہیں رہے گا، مگر اس کو سمجھتے وہی ہیں جن کو اللہ نے عقل دی ہے، ارشاد فرماتے ہیں: —— کیا جو عبادت کر رہا ہے رات کی گھڑیوں میں، سجدہ میں ہے یا قیام میں ہے، آخرت سے ڈرتا ہے، اور اپنے پروردگار کی رحمت کا امیدوار ہے: پوچھو: کیا برابر ہیں جو

جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے؟ نصیحت بس عقل والے ہی قبول کرتے ہیں!

پہلے بد بخت کا انجام اوپر بیان کر دیا ہے کہ وہ بالیقین دوزخ والوں میں سے ہے، اب دوسرے نیک بخت کا انجام سن لیں: —— بتادو! اے میرے وہ بندو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرتے رہو —— یعنی اس کے احکام کی خلاف ورزی مت کرو —— جنھوں نے نیک کام کئے ان کے لئے اس دنیا میں خوبی ہے —— یہ مکہ کے مظلوم مسلمانوں کو مژدہ سنایا کہ دن پھرنے والے ہیں، اسی دنیا میں تم خوبیوں سے ہم کنار ہوؤ گے —— اور اللہ کی زمین کشادہ ہے —— یعنی مکہ میں تم دین پر عمل نہیں کر سکتے تو کسی اور جگہ چلے جاؤ، اللہ کی زمین کشادہ ہے، کہیں اور سر چھپانے کی جگہ مل جائے گی، اور وہاں تم اللہ کے احکام پر آزادی سے عمل کر سکو گے —— ہاں ترکِ وطن میں مصائب کا سامنا ہوگا، مگر سن لو: —— اور ضرور صبر شعار لوگوں کو ان کا صلہ بے شمار (بے گنے) دیا جائے گا! —— جس کے مقابلہ میں دنیا کی سختیاں ہیچ ہونگی۔

قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ﴿۱۱﴾ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲﴾ قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۳﴾ قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِيْ ﴿۱۴﴾ فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ۭ قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۵﴾ لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ۭ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ۭ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ﴿۱۶﴾

اور حکم دیا گیا ہوں	وَاُمِرْتُ	اللہ کی	اللّٰهَ	کہہ	قُلْ
کہ ہوؤں میں	لِاَنْ اَكُوْنَ	خالص کر کے	مُخْلِصًا	بے شک میں	اِنِّيْٓ
پہلا حکم بردار	اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ (۲)	اس کے لئے	لَّهُ	حکم دیا گیا ہوں	اُمِرْتُ
کہہ: بے شک میں	قُلْ اِنِّيْٓ	ملت (شریعت) کو	الدِّيْنَ (۱)	کہ بندگی کروں	اَنْ اَعْبُدَ

(۱) دین: دان یَدِیْن (بدلہ دینا) کا مصدر ہے، اور اس کے متعدد معانی ہیں، مثلاً: جزاء، اطاعت، شریعت اور عبادت وغیرہ، اور یہاں دین بمعنی ملت ہے ﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ پس شریعت کی پوری پابندی دین ہے، جو توحید کے لئے ضروری ہے۔ (۲) أول المسلمین: محاورہ ہے یعنی اعلی درجہ کا فرمان بردار۔

اَخَافُ	ڈرتا ہوں	مِّنۡ دُوۡنِهٖ	اس سے وَرے	لَهُمۡ	ان کے لئے
اِنۡ عَصَيۡتُ	اگر نافرمانی کروں	قُلۡ	کہہ	مِّنۡ فَوۡقِهِمۡ	ان کے اوپر سے
رَبِّىۡ	میرے رب کی	اِنَّ الۡخٰسِرِيۡنَ	بے شک گھاٹے میں	ظُلَلٌ(۱)	سائبان ہیں
عَذَابَ	عذاب سے		رہنے والے	مِّنَ النَّارِ	آگ کے
يَوۡمٍ عَظِيۡمٍ	بڑے دن کے	الَّذِيۡنَ	(وہ ہیں) جو	وَمِنۡ تَحۡتِهِمۡ	اور ان کے نیچے سے
قُلِ اللّٰهَ	کہہ: اللہ ہی کی	خَسِرُوۡۤا	ہار بیٹھے	ظُلَلٌ(۱)	سائبان ہیں
اَعۡبُدُ	عبادت کرتا ہوں میں	اَنۡفُسَهُمۡ	اپنی جانوں کو	ذٰلِكَ	یہ (عذاب)
مُخۡلِصًا	خالص کر کے	وَاَهۡلِيۡهِمۡ	اور اپنے گھر والوں کو	يُخَوِّفُ	ڈراتے ہیں
لَّهٗ	اس کے لئے	يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ	قیامت کے دن	اللّٰهُ بِهٖ	اللہ اس سے
دِيۡنِىۡ	میرے دین کو	اَلَا ذٰلِكَ	سنو! وہ	عِبَادَهٗ	اپنے بندوں کو
فَاعۡبُدُوۡا	پس عبادت کرو تم	هُوَ الۡخُسۡرَانُ	ہی گھاٹا ہے	يٰعِبَادِ	اے میرے بندو!
مَا شِئۡتُمۡ	جس کی چاہو	الۡمُبِيۡنُ	کھلا	فَاتَّقُوۡنِ	پس مجھ سے ڈرو!

توحید کے لئے پوری شریعت پر عمل ضروری ہے

مفسرین کرام نے دین کا ترجمہ عبادت کیا ہے، یہ ترجمہ صحیح ہے، عبادت کا وسیع مفہوم ہے، عبادت: اللہ کی اطاعت وفرمان برداری کا نام ہے یعنی اللہ تعالیٰ خالق، مالک اور واجب الاطاعت ہیں، اور ان کے ہر حکم کی تعمیل ضروری ہے: یہی اللہ کی عبادت ہے، مگر لوگوں نے عبادت کو نماز روزے کے ساتھ خاص کر لیا ہے، اور ان کے ذہنوں میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ دل لگا کر نماز روزہ کرنا عبادت ہے اور یہی توحید ہے، عقائد، اخلاق، معاملات اور معاشرت خواہ کچھ بھی ہو توحید متأثر نہیں ہوتی، حالانکہ توحید کے لئے پوری شریعت کی پابندی ضروری ہے۔

علماء نے دین وشریعت کو پانچ اقسام میں گھیرا ہے: عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاق۔ پانچوں ابواب میں اللہ تعالیٰ نے احکام دیئے ہیں، جن کا نام اسلام ہے، ان آیات میں یہ بیان ہے کہ اعلیٰ درجہ کا مسلمان (فرمان بردار) وہ ہے جو مکمل شریعت پر عمل کرتا ہے، اور وہی پکا موحد ہے، اگر عقائد اہل السنہ والجماعۃ کے عقائد سے ہٹے ہوئے ہوں، معاملات شریعت کے خلاف ہوں، معاشرت اور اخلاق برے ہوں تو خواہ کتنی ہی لو لگا کر نماز روزہ کرے وہ اعلیٰ درجہ کا

(۱) ظُلَل: ظُلَّة کی جمع: سائبان، بادل۔

موحد نہیں ہوسکتا۔

آیاتِ پاک: —— آپ کہیں: مجھے حکم ہوا ہے —— یہی حکم ہر مسلمان کے لئے ہے —— کہ میں اللہ کی عبادت کروں —— مورتیوں کی عبادت نہ کروں —— اس کے لئے دین (شریعت) کو خالص کرکے —— یعنی ساری شریعت پر اللہ کے حکم کے مطابق عمل کروں —— اور مجھے حکم ہوا ہے کہ میں پہلا مسلمان بنوں! —— پہلا: یعنی اعلی درجہ کا...... مسلمان: یعنی فرمان بردار، شریعت کے تمام احکام پر عمل کرنے والا، توحید کے لئے یہ بات ضروری ہے —— کیوں ضروری ہے؟ —— بتادو: بے شک میں ڈرتا ہوں —— اگر میں میرے رب کا حکم نہ مانوں —— عذاب سے بڑے دن کے —— یعنی ایک اللہ کی عبادت کے ساتھ ساری شریعت پر عمل اس لئے ضروری ہے کہ کل قیامت کے دن بڑے عذاب (دوزخ) سے بچا رہے، کیونکہ عصاتِ مؤمنین کو جہنم میں جانا پڑسکتا ہے، مگر جو اعلی درجہ کا مسلمان ہوگا وہ جہنم سے بچا رہے گا، اور یہی بڑی کامیابی ہے: ﴿فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ﴾: جو دوزخ سے بچالیا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا وہ بالتحقیق کامیاب ہوگیا [آلِ عمران ۱۸۵]

اور اعلی درجہ کے مسلمان کے بالمقابل کافر مشرک ہے، اس کا قیامت کے دن کیا حال ہوگا؟ —— کہہ دو: میں اللہ ہی کی عبادت کرتا ہوں ان کے لئے اپنے دین کو خالص کرکے —— یعنی مکمل شریعت پر عمل پیرا ہوں، یہی اعلی درجہ کا مسلمان ہے —— پس تم اللہ کو چھوڑ کر جس کی چاہو عبادت کرو —— یہی کافر مشرک ہے، اس کا انجام سنو —— کہہ دو: بے شک گھاٹے میں رہنے والے وہ لوگ ہیں جنھوں نے کھودیا اپنی جانوں کو اور اپنے گھر والوں کو قیامت کے دن، سنتا ہے! وہ صریح خسارہ ہے، ان کے لئے ان کے اوپر سے آگ کے سائباں ہیں اور ان کے نیچے سے —— اسی عذاب سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتے ہیں، اے میرے بندو! پس مجھی سے ڈرو! —— یعنی میرے احکام کی خلاف ورزی مت کرو، تاکہ دردناک عذاب سے بچے رہو —— اور عصاتِ مؤمنین کا ذکر نہیں کیا، یہ قرآنِ کریم کا اسلوب ہے۔

وَالَّذِينَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوتَ أَنْ يَعْبُدُوهَا وَأَنَابُوا إِلَى اللَّهِ لَهُمُ الْبُشْرَىٰ ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿١٧﴾ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّهُ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمْ أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿١٨﴾ أَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ أَفَأَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِي النَّارِ ﴿١٩﴾ لَٰكِنِ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَبْنِيَّةٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ وَعْدَ اللَّهِ ۖ لَا يُخْلِفُ اللَّهُ الْمِيعَادَ ﴿٢٠﴾

وَ الَّذِيْنَ	اور جو لوگ	فَيَتَّبِعُوْنَ	پس پیروی کرتے ہیں وہ	لٰكِنِ الَّذِيْنَ	البتہ جو
اجْتَنَبُوا	بچے رہے	اَحْسَنَهٗ	اس کی اچھی باتوں کی	اتَّقَوْا	ڈرتے رہے
الطَّاغُوْتَ (۱)	سرکش طاقت سے	اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ	یہی ہیں وہ جو	رَبَّهُمْ	اپنے رب سے
اَنْ يَّعْبُدُوْهَا (۲)	اس بات سے کہ عبادت	هَدٰىهُمُ اللّٰهُ	راہ دی ان کو اللہ نے	لَهُمْ غُرَفٌ	ان کیلئے بالا خانے ہیں (۵)
	کریں وہ اس کی	وَ اُولٰٓئِكَ هُمْ	اور یہی ہیں وہ	مِّنْ فَوْقِهَا	ان کے اوپر
وَاَنَابُوْٓا	اور متوجہ ہوئے وہ	اُولُوا الْاَلْبَابِ	عقل والے	غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ	چنے ہوئے بالا خانے ہیں
اِلَى اللّٰهِ	اللہ کی طرف	اَفَمَنْ	کیا پس جو شخص	تَجْرِيْ	بہتی ہیں
لَهُمُ الْبُشْرٰى	ان کے لئے اچھی خبر ہے	حَقَّ عَلَيْهِ	ثابت ہوگئی اس پر	مِنْ تَحْتِهَا	ان کے نیچے سے
فَبَشِّرْ	پس اچھی خبر سنادے	كَلِمَةُ الْعَذَابِ (۴)	عذاب کی بات	الْاَنْهٰرُ	نہریں
عِبَادِ (۳)	میرے بندوں کو	اَفَاَنْتَ	کیا پس تو	وَعْدَ اللّٰهِ	اللہ کا وعدہ ہے
الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ	جو بغور سنتے ہیں	تُنْقِذُ	چھڑائے گا	لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ	نہیں خلاف کرتے اللہ
الْقَوْلَ	بات	مَنْ فِي النَّارِ	اس کو جو دوزخ میں ہے	الْمِيْعَادَ	وعدہ کے

توحید وانابت کا راستہ اختیار کرنے والوں کے لئے خوش خبری

ان آیات میں ہر کلمہ گو کے لئے خوش خبری نہیں، بلکہ انابت کی شرط کے ساتھ بشارت ہے، انابت کے معنی ہیں: اللہ کی طرف رجوع کرنا، اور اللہ کی طرف متوجہ رہنے کا مطلب ہے: مکمل دین پر عمل کرنا، ایسے کھرے مسلمانوں کے لئے خوش خبری ہے کہ جنت میں ان کو رہنے کے لئے بالا خانے ملیں گے، جن کے اوپر چوبارے ہونگے، اور یہ بالا خانے ابھی سے تیار ہیں، قیامت کے دن نہیں بنائے جائیں گے، ان کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، جس سے ان کا لطف دوبالا ہوگیا ہے، مگر یہ بالاخانے ان لوگوں کے لئے ہیں جو اللہ ورسول کی باتیں بغور سنتے ہیں، پھر ان اچھی باتوں پر عمل کرتے ہیں، یہی

(۱) الطاغوت: جمع الطواغیت: انتہائی سرکش طاقتیں: شیطان، مورتیاں، گروگھنٹال اور نفس، طَغَی (ف) طغیاناً: حد سے بڑھنا۔ (۲) أن یعبدوھا: الطاغوت سے بدل اشتمال، اور أن مصدریہ، اس سے پہلے مِنْ محذوف ہے۔ (۳) عبادِ کے آخر سے ی محذوف ہے، دال کا کسرہ اس کی علامت ہے (۴) جوابِ استفہام محذوف ہے، أی: فأنتَ مُخلِصُه، اور دلیل آگے کی آیت ہے۔ (۵) بالا خانہ: مکان کے اوپر کا کمرہ، چوبارا یعنی اوپر کا وہ کمرہ جس کے چار دروازے ہوں یا چاروں طرف کھڑکیاں ہوں۔

لوگ ہدایت یاب اور عقل مند ہیں، رہے گمراہ تو وہ جہنم کا ایندھن بنیں گے، ان کو کوئی وہاں سے نکال نہیں سکے گا، ان کے حق میں اللہ کا فرمودہ ثابت ہو گیا کہ ان سے جہنم بھری جائے گی۔

آیاتِ پاک مع تفسیر: — اور جو لوگ سرکش طاقت کی پرستش (بات ماننے) سے بچے رہے — سرکش: اللہ کی اطاعت سے سر کھینچ لینے والا، بُوے کے نیچے سے سر نکال لینے والا بیل، سب سے بڑا طاغوت شیطان ہے، اس نے اللہ کے حکم سے سرتابی کی، پھر مورتیاں اور ان کی عبادت کی دعوت دینے والے مہنت (سادھوؤں کے سردار) ہیں، اور آخر میں آدمی کا اپنا نفس سرکش طاقت ہے، جو ان کی پرستش نہیں کرتے یعنی ان کی بات نہیں مانتے — اور اللہ کی طرف متوجہ رہتے ہیں — یعنی پوری شریعت پر عمل کرتے ہیں — ان کے لئے اچھی خبر ہے، پس آپ اچھی خبر سنائیں میرے ان بندوں کو جو کان لگا کر (اللہ کی) بات سنتے ہیں، پھر اُن اچھی اچھی باتوں پر عمل کرتے ہیں — اللہ ورسول کی ساری باتیں اچھی ہیں، پس أحسن (اسم تفضیل) حَسَن کے معنی میں ہے (بیان القرآن) اور اس میں دلیل کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ کی باتوں پر عمل کیوں ضروری ہے؟ اس لئے ضروری ہے کہ وہ اچھی باتیں ہیں، ان پر عمل نہیں کریں گے تو اور کن باتوں پر عمل کریں گے؟ — یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے راہ دکھائی، اور یہی عقل والے ہیں — ان کے لئے بالاجمال خوش خبری یہی ہے، اور بالتفصیل آگے آرہی ہے، درمیان میں مقابل کا حال بیان کرتے ہیں — کیا پس جن پر عذاب کی بات متحقق ہو گئی — عذاب کی بات: یعنی ﴿لَأَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ﴾ — کیا پس آپ اس کو عذاب سے چھڑا سکتے ہیں؟ — نہیں چھڑا سکتے! ان کو ہمیشہ دوزخ میں رہنا ہے — لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے ان کے لئے (جنت میں رہنے کے لئے) بالا خانے ہیں، جن کے اوپر بھی بالا خانے ہیں، جو بنے بنائے تیار ہیں، ان کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، یہ اللہ کا وعدہ ہے، اللہ تعالیٰ وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتے!

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِى الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا ۭ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ ﴿۲۱﴾

ع۲ ۱۲ ۱۹

اَلَمْ تَرَ	کیا دیکھا نہیں	اَنْزَلَ	اتارا	مَآءً	پانی
اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ نے	مِنَ السَّمَآءِ	آسمان سے	فَسَلَكَهٗ	پس چلایا اس کو

يَنَابِيعَ (۱)	چشموں میں	مُخْتَلِفًا	طرح طرح کی ہیں	ثُمَّ يَجْعَلُهٗ	پھر کرتا ہے اس کو
فِي الْأَرْضِ	زمین کے	أَلْوَانُهٗ (۲)	اس کی قسمیں	حُطَامًا (۴)	چورا
ثُمَّ يُخْرِجُ	پھر نکالتے ہیں وہ	ثُمَّ يَهِيجُ (۳)	پھر سوکھنے لگتی ہے	إِنَّ فِي ذٰلِكَ	بے شک اس میں
بِهٖ	اس کے ذریعہ	فَتَرٰىهُ	پس دیکھتا ہے تو اس کو	لَذِكْرٰى	البتہ نصیحت ہے
زَرْعًا	کھیتی	مُصْفَرًّا	زرد	لِأُولِي الْأَلْبَابِ	عقلمندوں کے لئے

جنت میں رواں دواں نہروں کی نظیر

قرآنِ کریم میں جگہ جگہ یہ بات آئی ہے کہ جنت میں نہریں جاری ہیں، اب اس کی نظیر پیش کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ بارش برساتے ہیں، پانی زمین میں اتر جاتا ہے، پھر وہ زیر زمیں بہتا ہے، ہر جگہ سوت جاری ہیں، لوگ جہاں سے چاہتے ہیں کنویں کھود کر یا ٹیوب ویل لگا کر پانی نکال لیتے ہیں، اور پہاڑوں وغیرہ میں سے سوت چشمے بن کر پھوٹتے ہیں، اور بہہ کر دریا اور ندیاں بن جاتے ہیں، جو ہر جگہ پہنچتی ہیں، ان سے قسمہا قسم کی کھیتیاں پیدا ہوتی ہیں، اسی طرح جنت میں نہریں رواں دواں ہیں —— بس فرق اتنا ہے کہ کھیتی ایک وقت کے بعد جب پکنے پر آتی ہے تو زرد پڑ جاتی ہے، پھر کٹ کر کھلیاں میں آجاتی ہے، وہاں چورہ چورہ کردی جاتی ہے، پھر بھوس دوزخ میں ڈال دیا جاتا ہے اور دانہ بالا خانوں میں پہنچادیا جاتا ہے، یہ جنت سدا بہار ہے، اس پر کبھی زوال نہیں آئے گا۔

آیتِ کریمہ: —— کیا تونے دیکھا نہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی برساتے ہیں، پھر اس کو زمین کے سوتوں میں داخل کرتے ہیں، پھر اس کے ذریعہ کھیتیاں پیدا کرتے ہیں، جن کی مختلف قسمیں ہیں، پھر کھیتی خشک ہونے لگتی ہے، پس تو اس کو زرد دیکھتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس کو چورا چورا کردیتے ہیں —— گھاس کھیتی نہ کاٹیں تو وہ خود بخود ٹوٹ کر چورہ چورہ ہوجاتی ہے —— بے شک اس میں عقلمندوں کے لئے بڑی نصیحت ہے —— وہ سمجھ جاتے ہیں کہ دنیا کی یہ کھیتی بھی ایک دن کٹ جائے گی، ہمیشہ رہنے والی زندگی آخرت کی ہے، چنانچہ وہ اس کی تیاری میں لگے رہتے ہیں۔

أَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُورٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۭ أُولٰٓئِكَ فِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ ﴿۲۲﴾ اللّٰهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ

(۱) ینابیع: يَنْبُوْع کی جمع: چشمہ، وہ سوت جن میں سے پانی پھوٹ کر نکلتا ہے (۲) لون: نوع، قسم، أَتَى بألوانٍ من الطعام: اس نے مختلف قسم کے کھانے پیش کئے (۳) هَاجَ الزرع (ض) هَيْجًا: سوکھنے لگنا، کھیتی کا پکنے کے قریب ہونا (۴) حُطام (اسم): کسی چیز کا چورا، ریزہ۔

كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۲۳﴾

اَفَمَنْ	کیا پس جو شخص	فِيْ ضَلٰلٍ	گمراہی میں ہیں	ثُمَّ تَلِيْنُ	پھر نرم پڑتی ہیں
شَرَحَ اللّٰهُ	کھول دیا اللہ نے	مُّبِيْنٍ	کھلی	جُلُوْدُهُمْ	ان کی کھالیں
صَدْرَهٗ	اس کا سینہ	اَللّٰهُ	اللہ تعالیٰ نے	وَقُلُوْبُهُمْ	اور ان کے دل
لِلْاِسْلَامِ	اسلام کے لئے	نَزَّلَ	اتاری	اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ	اللہ کے ذکر کے لئے
فَهُوَ	پس وہ	اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ	بہترین بات	ذٰلِكَ	یہ
عَلٰى نُوْرٍ	روشنی پر ہے	كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا[۳]	کتاب ملتی جلتی	هُدَى اللّٰهِ	اللہ کی ہدایت ہے
مِّنْ رَّبِّهٖ[۱]	اس کے رب کی طرف سے	مَّثَانِيَ	بار بار دھرائی جانے والی	يَهْدِيْ بِهٖ	راہ دکھاتے ہیں اس کے ذریعہ
فَوَيْلٌ	سو خرابی ہے	تَقْشَعِرُّ[۴]	لرز جاتی ہیں	مَنْ يَّشَاۗءُ	جس کو چاہتے ہیں
لِّلْقٰسِيَةِ[۲]	سخت دل والوں	مِنْهُ	اس سے	وَمَنْ يُّضْلِلِ	اور جس کو گمراہ کریں
قُلُوْبُهُمْ	کے لئے	جُلُوْدُ	کھالیں	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ	اللہ کے ذکر سے	الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ	ان کی جو ڈرتے ہیں	فَمَا لَهٗ	پس نہیں ہے اس کے لئے
اُولٰۗىِٕكَ	یہی لوگ	رَبَّهُمْ	اپنے رب سے	مِنْ هَادٍ	کوئی راہ سجھانے والا

قرآنِ کریم ہدایت کا سرچشمہ ہے، مگر ہدایت اس وقت ملتی ہے جب اس کی باتوں پر شرح صدر ہو

جس طرح اللہ تعالیٰ لوگوں کے فائدے کے لئے بارش برساتے ہیں، اس کا پانی زمین میں اتر جاتا ہے، اور چشموں کی

(۱) من ربه کے بعد ہمزہ کا معادل محذوف ہے، جس کا قرینہ آگے کی آیت ہے أی: كَمَنْ قَسٰى قلبُه وحَرَجَ صدرُه؟ (۲) قاسية: اسم فاعل، قلوبُهم: اس کا فاعل۔ (۳) متشابها اور مثاني: كتابا کی صفتیں ہیں۔ مُتَشَابِه: اسم فاعل، واحد مذکر، تَشَابَهَ الشيئان: یکساں اور ہم شکل ہونا، فرق نہ رہنا، قرآن متشابہ بایں معنی ہے کہ فصاحت و بلاغت، تناسبِ آیات و الفاظ، صحت و پختگی اور صداقت و نفع رسانی میں پورا قرآن یکساں ہے...... مثاني: مَثْنٰی کی جمع، جس کے معنی ہیں: دو دو، اور قرآن کے مثانی ہونے کا مطلب ہے: اس کی بار بار تلاوت کی جاتی ہے، اور اس کے مضامین بار بار دہرائے گئے ہیں (۴) اقْشَعَرَّ جِلْدُہ: کپکپی طاری ہونا، لرزہ آنا، رونگٹے کھڑے ہونا۔

شکل میں نکلتا ہے، جس سے اللہ کی مخلوق فائدہ اٹھاتی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی دینی ضرورت کے لئے اپنا عمدہ کلام (قرآنِ کریم) نازل فرمایا ہے، جب وہ دلوں میں اترتا ہے تو رنگ لاتا ہے، قلوب ہدایت سے منور ہوجاتے ہیں، کیونکہ قرآن ہدایت کا سرچشمہ ہے، مگر قرآن سے ہدایت اس وقت ملتی ہے جب اس کی باتوں پر شرح صدر ہوجائے، جو لوگ سخت دل ہیں، جن کا سینہ قرآن کی باتوں سے تنگ ہوجاتا ہے، اسلام کی حقانیت ان کے گلے نہیں اترتی ان کے لئے محرومی ہے، ان کو قرآن سے بھی گمراہی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

آیاتِ پاک مع تفسیر: —— بتادو: پس جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا —— اسلام کے لئے شرح صدر کے مختلف اسباب ہوسکتے ہیں، مختلف واقعات سے بھی لوگوں کو اسلام کی حقانیت سمجھ میں آجاتی ہے، نسیم ہدایت کے جھونکے: نامی کتاب کا مطالعہ کریں، اس میں اسلام قبول کرنے والوں کے واقعات ہیں، ان کو مختلف اسباب سے ہدایت ملی ہے، پس ضروری نہیں کہ قرآنِ کریم کے مطالعہ ہی سے شرح صدر ہو، اس لئے یہ آیت مقدم آئی ہے، اگر بعد میں آتی تو تخصیص ہوجاتی، اگلی آیت میں قرآن کا سرچشمۂ ہدایت ہونا بیان کیا جائے گا —— پس اس کو اس کے پروردگار کا نور ہدایت حاصل ہوگیا —— کیا یہ شخص سخت دل والے کے برابر ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں! —— سو بڑی خرابی ہے ان لوگوں کے لئے جن کے دل اللہ کے ذکر (قرآن) سے متاثر نہیں ہوتے، یہ لوگ کھلی گمراہی میں ہیں! —— اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے عمدہ کلام نازل فرمایا ہے —— دنیا کی کوئی بات اللہ کی باتوں سے بہتر نہیں —— جو باہم ملتی جلتی بار بار دُہرائی جانے والی کتاب ہے —— باہم ملتی جلتی: یعنی بات ایک ہوتی ہے مگر آہنگ (سُر، نغمہ) مختلف ہوتا ہے، مکی سورتیں پچاسی ہیں، سب میں توحید، رسالت اور آخرت زیر بحث ہیں، مگر ہر سورت کا انداز بیان مختلف ہے، پس اگر ایک جگہ پوری بات نہ ہو تو دوسری جگہ اس کی وضاحت آجائے گی —— سورۃ طٰہٰ (آیت ۱۱۳) میں قرآن کا مطالعہ کرنے والے کے لئے ایک ہدایت ہے کہ وہ قرآن کے بارے میں فیصلہ کرنے میں جلدی نہ کرے، پہلے اطمینان سے پورے قرآن کا مطالعہ کرلے، اس لئے کہ قرآن متشابہ ہے، پس ممکن ہے کوئی مضمون ایک جگہ سمجھ میں نہ آئے تو جب وہ مضمون دوسری جگہ آئے گا تو بات واضح ہوجائے گی —— اور بار بار دُہرانے کا مطلب یہ ہے کہ ایک مرتبہ مطالعہ کرنے پر اکتفا نہ کی جائے، قرآنِ کریم کا بار بار مطالعہ کیا جائے تو دماغ کے دریچے کھلیں گے، کسی مضمون کو بار بار پڑھنے سے بھی بات سمجھ میں آتی ہے، مجھے اس کا خوب تجربہ ہے، بعض آیتیں ماقبل سے بے ربط معلوم ہوتی ہیں، میں ان کو بار بار پڑھتا ہوں تو ربط سمجھ میں آجاتا ہے، میں ربط باہر سے داخل نہیں کرتا، آیات سے ابھارتا ہوں۔

علاوہ ازیں: قرآن مثانی ہے یعنی بار بار پڑھنے کی کتاب ہے، بکثرت پڑھنے سے بھی وہ پرانی نہیں ہوتی، یعنی

طبیعت نہیں اکتاتی، ہر بار نیا لطف آتا ہے، ہاتھ کنگن کو آرسی کیا! جو بات ظاہر ہو اس کو بیان کرنے کی ضرورت کیا؟ بایں معنی چھوٹی سورتیں، سات لمبی سورتیں اور خاص طور پر سورۂ فاتحہ مثانی ہیں، ان کو بار بار پڑھنا چاہئے، تفصیل سورۃ الحجر (آیت ۸۷) میں ہے۔

جس سے ان لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں —— یہ قرآنِ کریم کے مطالعہ کرنے کا طریقہ بیان کیا ہے کہ آخری درجہ کے خوف وخشیت کے ساتھ مطالعہ کیا جائے، تبھی کما حقہ فائدہ ہوگا۔ تقشعر: جملہ فعلیہ خبریہ ہے، جس میں بظاہر کسی بات کی اطلاع دی جاتی ہے، مگر اس میں انشاء مضمر (پوشیدہ) ہوتی ہے یعنی دیکھنے میں وہ اطلاع ہوتی ہے مگر اس کے پیٹ میں حکم ہوتا ہے، جیسے: **لا إيمان لمن لا أمانة له**: جس میں امانت داری نہیں وہ بے ایمان ہے۔ یہ ایک خبر ہے، مگر اس میں یہ حکم ہے کہ امانت داری برتو، بے ایمان مت بنو، خیانت مت کرو، اسی طرح یہ آیت بھی خبر ہے، مگر اس میں حکم ہے کہ قرآن کا مطالعہ آخری درجہ کی خشیت کے ساتھ کرو۔

پھر ان کے بدن اور ان کے دل اللہ کے ذکر (قرآن) کی طرف متوجہ ہوجاتے ہیں —— یہ مذکورہ طریقہ سے قرآن کا مطالعہ کرنے کا ثمرہ اور نتیجہ ہے، اگر تعظیم کے ساتھ مطالعہ کیا جائے تو قلب ونظر قرآن کی طرف متوجہ ہوجائیں گے، اور مطلوبہ فائدہ حاصل ہوگا، وہ فائدہ یہ ہے —— یہ (قرآن) اللہ کی ہدایت ہے، جس کو چاہتے ہیں اس کے ذریعہ ہدایت دیتے ہیں —— اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کریں اس کے لئے کوئی راہ سجھانے والا نہیں —— یعنی جس کو سوئے استعداد سے قرآن سے ہدایت نہ ملے اس کو کسی دوسری جگہ سے ہدایت کہاں میسر آسکتی ہے؟

أَفَمَنْ يَتَّقِي بِوَجْهِهِ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَقِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ۝۲۴ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۲۵ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝۲۶ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝۲۷ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝۲۸

اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ	کیا پس جو شخص بچتا ہے	بِوَجْهِهٖ	اپنے چہرے کے ذریعہ	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	قیامت کے دن		
		سُوْٓءَ الْعَذَابِ	برے عذاب سے	وَقِيْلَ	اور کہا گیا		

لِلظّٰلِمِيْنَ	ظالموں سے	فَاَذَاقَهُمُ	پس چکھائی ان کو	ضَرَبْنَا	ماری (بیان کی) ہم نے
ذُوْقُوْا	چکھو	اللّٰهُ	اللہ نے	لِلنَّاسِ	لوگوں کے نفع کے لئے
مَا كُنْتُمْ	جو تھے تم	الْخِزْيَ	رسوائی	فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ	اس قرآن میں
تَكْسِبُوْنَ	کیا کرتے؟	فِي الْحَيٰوةِ	زندگی میں	مِنْ كُلِّ مَثَلٍ	ہر طرح کی مثالیں
كَذَّبَ	جھٹلایا	الدُّنْيَا	دنیا کی	لَعَلَّهُمْ	تاکہ وہ
الَّذِيْنَ	ان لوگوں نے جو	وَلَعَذَابُ	اور یقیناً عذاب	يَتَذَكَّرُوْنَ	نصیحت پذیر ہوں
مِنْ قَبْلِهِمْ	ان سے پہلے ہوئے	الْاٰخِرَةِ	آخرت کا	قُرْاٰنًا(1)	(اتاری) پڑھنے کی کتاب
فَاَتٰهُمُ	پس پہنچا ان کو	اَكْبَرُ	بڑا ہے	عَرَبِيًّا	عربی زبان میں
الْعَذَابُ	عذاب	لَوْ كَانُوْا	کاش ہوتے وہ	غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ	جس میں ذرا کجی نہیں
مِنْ حَيْثُ	جہاں سے	يَعْلَمُوْنَ	جانتے	لَعَلَّهُمْ	تاکہ وہ
لَا يَشْعُرُوْنَ	خیال نہیں کرتے تھے وہ	وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	يَتَّقُوْنَ	(شرک وکفر سے) بچیں

جن لوگوں کو قرآنِ کریم سے ہدایت نہ ملے ان کی سزا

جن لوگوں کے دل پتھر ہیں، خیر کی بات کے لئے ان میں کوئی راہ نہیں، ان کو قرآن سے بھی ہدایت نصیب نہیں ہوتی، آخرت میں ان کی سزا یہ ہے: —— بتادو: جو شخص اپنے چہرے سے قیامت کے دن برے عذاب کا سامنا کرے گا، اور ظالموں سے کہا جائے گا: چکھو ان کاموں کا مزہ جو تم کیا کرتے تھے —— کیا وہ شخص قرآن پر ایمان لانے والے کی طرح ہوسکتا ہے جسے آخرت میں کوئی گزند نہیں پہنچے گا؟ —— ہرگز نہیں! —— پس قرآن پر ایمان لاؤ تاکہ آخرت کی تکلیف سے بچو —— جہنم میں کافروں کے ہاتھ بندھے ہوئے ہوں گے، عذاب کے تھپیڑے سیدھے منہ پر لگیں گے، ہاتھوں سے ان کو روک نہیں سکیں گے۔

یہ سزا تو آخرت میں ملے گی، اور دنیا میں؟ —— اُن لوگوں نے (بھی) جھٹلایا جو اِن (مکہ والوں) سے پہلے ہوئے، پس ان کو (دنیا میں) عذاب پہنچا ایسی جگہ سے جس کا انہیں خیال بھی نہیں تھا، سو اللہ نے ان کو دنیا کی زندگی میں رسوائی چکھائی، اور آخرت کا عذاب بہت بڑا ہے، کاش وہ جانتے! —— پس کیا موجودہ مکذبین مطمئن ہیں کہ ان کے ساتھ یہ معاملہ نہیں کیا جائے گا؟ سمجھ ہوتی تو کچھ فکر کرتے!

(۱) قرآنا: فعل محذوف أَنْزَلَ کا مفعول بہ ہے اور عربیا اور غیر ذی عوج اس کے احوال ہیں۔

سوال: ان لوگوں کو قرآن سے ہدایت کیوں نہیں ملی؟ کہیں قرآن میں کوئی کمی تو نہیں!

جواب: قرآن میں کوئی کمی نہیں، وہ تو صاف عربی زبان کی کتاب ہے، جو پہلے مخاطبین کی مادری زبان تھی، اور وہ بات واضح مثالوں اور دلیلوں سے سمجھا تا ہے اور اس میں کوئی قابل اعتراض بات بھی نہیں، سیدھی سچی صاف باتیں ہیں، مگر ہائے رے حرماں نصیبی! قسمت پر جھاڑو پھر جائے تو کوئی کیا کرے! لوگ دھیان نہ دیں تو اس کا کیا علاج! فرماتے ہیں: —— اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ ہم نے لوگوں کے فائدہ کے لئے اس قرآن میں ہر طرح کے عمدہ مضامین بیان کئے ہیں تا کہ لوگ نصیحت پذیر ہوں، عربی زبان میں پڑھنے کی کتاب (اتاری ہے) جس میں ذرا کجی نہیں، تا کہ لوگ (شرک و معاصی سے) بچیں۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ؕ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ﴿۳۱﴾ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

ضَرَبَ اللّٰهُ	ماری اللہ نے	هَلْ يَسْتَوِيٰنِ	کیا برابر ہیں دونوں	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	قیامت کے دن
مَثَلًا	ایک مثال	مَثَلًا	حالت میں	عِنْدَ رَبِّكُمْ	تمہارے رب کے پاس
رَّجُلًا(۱)	ایک شخص	اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ	سب تعریفیں اللہ کیلئے ہیں	تَخْتَصِمُوْنَ(۴)	مقدمے پیش کروگے
فِيْهِ شُرَكَآءُ	اس میں شریک ہیں	بَلْ اَكْثَرُهُمْ	بلکہ ان کے اکثر	فَمَنْ اَظْلَمُ	پس کون بڑا ظالم ہے
مُتَشٰكِسُوْنَ(۲)	جھگڑالو	لَا يَعْلَمُوْنَ	جانتے نہیں	مِمَّنْ	اس سے جس نے
وَرَجُلًا	اور دوسرا شخص	اِنَّكَ مَيِّتٌ	بیشک آپ مرنے والے ہیں	كَذَبَ	جھوٹ بولا
سَلَمًا(۳)	سالم ہے	وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ	اور بیشک وہ مرنے والے ہیں	عَلَى اللّٰهِ	اللہ پر
لِّرَجُلٍ	ایک آدمی کے لئے	ثُمَّ اِنَّكُمْ	پھر بے شک تم	وَكَذَّبَ	اور جھٹلایا

(۱) رجلا: مثلا سے بدل ہے (۲) متشاکس: اسم فاعل، شکُس (ک) شَكَاسَة: بدخلق ہونا، جس کا لازمی نتیجہ جھگڑا ہے (۳) سَلَمًا: باب سمع کا مصدر ہے: پورے طور پر دوسرے کا ہو جانا (۴) اختصام: فریقین کا قاضی کے پاس مقدمہ لے جانا، خَصَمَيْن: مقدمہ کے فریقین، خصومة: کورٹ میں پیش ہونے والا معاملہ۔

بِالصِّدْقِ	سچی بات کو	اَلَیْسَ	کیا نہیں ہے	مَثْوًی(۱)	ٹھکانا
اِذْ جَآءَهٗ	جب پہنچی وہ اس کو	فِیْ جَهَنَّمَ	دوزخ میں	لِّلْكٰفِرِیْنَ	کافروں کا؟

واضح اور مختصر مثال سے موحد و مشرک کا فرق

فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے فائدے کے لئے قرآن میں مثالیں بیان کی ہیں، تاکہ لوگ سمجھیں، اب اس کی ایک مثال بیان فرماتے ہیں: دو غلام ہیں: ایک: مشترک ہے، اور ہر آقا ضدی ہے۔ چاہتا ہے کہ غلام اسی کا ہو کر رہے، دوسرے آقاؤں سے کوئی سروکار نہ رکھے، ظاہر ہے غلام سخت پریشان اور پراگندہ ہوگا، ہر آقا کو خوش رکھنے کی کش مکش میں گرفتار ہوگا، اور شاید سب کو خوش نہ رکھ سکے، اور دوسرا غلام ایک ہی آقا کا ہے، اور وہ بھی شریف آدمی ہے، غلام ذہنی سکون سے اس کی خدمت میں لگا رہے گا۔ یہ دونوں غلام برابر نہیں ہوسکتے، پہلا غلام مشرک کی مثال ہے اور دوسرا موحد کی، مشرک کا دل ہمیشہ بٹا رہتا ہے، وہ ہر خدا کو خوش کرنے کی کوشش کرتا ہے، اور شاید وہ اس میں کامیاب نہ ہو، اور موحد صرف اللہ کی بندگی کرتا ہے، اور کچھ تقصیر ہوجاتی ہے تو اللہ درگذر کرتا ہے ــــــ الحمد للہ! فرق خوب واضح ہوگیا، مگر سمجھے کون؟ عقل بازار میں نہیں بکتی! ارشاد فرماتے ہیں: ــــــ اللہ تعالیٰ (مشرک اور موحد کی) ایک مثال بیان فرماتے ہیں: ایک غلام ہے، جس میں کئی جھگڑالو ساجھی ہیں، اور دوسرا غلام ایک ہی کا ہے ــــــ کیا دونوں کی حالت یکساں ہوسکتی ہے؟ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں!

سارے جھگڑے قیامت کے دن اللہ کی عدالت میں پیش ہونگے

مشرک اور موحد کا مثال سے جو فرق بیان کیا ہے وہ اگر کسی کی سمجھ میں نہ آئے تو وہ جان لے کہ سارے جھگڑے کل قیامت کو اللہ کی کورٹ میں پیش ہوکر دوبارہ فیصل ہونگے، تب اس بے عقل کی سمجھ میں بات آئے گی، ارشاد فرماتے ہیں: ــــــ بے شک آپ کو بھی مرنا ہے اور ان کو بھی مرنا ہے، پھر تم قیامت کے دن اپنے مقدمات اپنے رب کے حضور میں پیش کروگے ــــــ قیامت کا دن ایک تفسیر کے مطابق پچاس ہزار سال کا ہے (المعارج ۴) اس لمبے دن میں تمام قضایا جو دنیا میں فیصل ہوچکے ہیں یا نہیں ہوئے، اور انصاف کے ساتھ فیصل ہوئے ہیں یا ناانصافی کے ساتھ: سب اللہ کی کورٹ میں پیش ہونگے، اور ان کے آخری فیصلے ہونگے، یہاں تک کہ سینگ دار بکری نے بے سینگ بکری کو سینگ مارا ہے تو اس کا بھی بدلہ دلایا جائے گا (مسند احمد ۲: ۳۰۱) اس وقت یہ معاملہ بھی پیش ہوگا کہ شرک و توحید میں صحیح کیا ہے؟ اور مشرک و موحد

(۱) مثوی: ظرف مکان: ٹھکانا جمع مَثَاوِی۔

میں سے حق پر کون تھا؟ اس کے بعد عملی فیصلہ ہوگا، موحد جنت میں بھیجا جائے گا، اور مشرک مع اس کے معبود کے جہنم میں ڈالا جائے گا۔

حیات النبی ﷺ کا مسئلہ

اس آیت میں صراحت ہے کہ نبی ﷺ کو بھی موت آنی ہے، اسی طرح سورۃ آلِ عمران (آیت ۱۴۴) میں بھی صراحت ہے: ﴿أَفَائِنْ مَّاتَ أَوْ قُتِلَ﴾: پس یہ بات توقطعی ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی طرح نبی ﷺ کو بھی موت آئی —— اور حیاتِ انبیاء کا عقیدہ بھی دلالت النص سے ثابت ہے، اور دلالت النص: عبارت النص کی طرح قطعی ہوتی ہے، دلالت النص: دلالت اَولی کا نام ہے، جیسے ماں باپ کو اُف کہنے کی ممانعت سے ضرب وشتم کی حرمت دلالتِ اَولی سے ثابت ہے، جب 'ہوں' کہنا حرام ہے تو مارنا اور گالی دینا بدرجۂ اَولی حرام ہے، اسی طرح سورۃ البقرۃ کی (آیت ۱۵۴) جو شہداء کے بارے میں ہے کہ وہ زندہ ہیں، ان کو مردہ مت کہو: اس سے دلالت النص سے بدرجۂ اولی موت کے بعد انبیاءِ کرام علیہم السلام کی حیات بھی ثابت ہے اور قطعی ہے، اور اس پر امت کا اجماع ہے، اس لئے قطعی در قطعی ہوگئی، جو اس کا منکر ہے وہ اہل السنہ والجماعۃ سے خارج ہے۔

رہی یہ بات کہ اُس حیات کی نوعیت کیا ہے؟ شہداء کی حیات کے بارے میں تو اتفاق ہے کہ وہ برزخی ہے، جس کو ہم محسوس نہیں کر سکتے، اسی لئے شہداء کو دفن کیا جاتا ہے، اور انبیاء کی حیات کی نوعیت میں اختلاف ہے۔ ایک رائے یہ ہے کہ وہ بھی برزخی ہے، اور موت طبعی اور حیات برزخی میں منافات نہیں، کفایت المفتی کے دو فتووں میں اس کی صراحت ہے۔ اور دوسری رائے یہ ہے کہ وہ بعینہ دنیوی حیات ہے، یہ حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کی رائے ہے، مگر لطائف قاسمیہ میں ہے کہ یہ عقائد ضروریہ میں سے نہیں ہے، تفصیل تحفۃ القاری (۷:۱۹۸) میں ہے۔

منکر قرآن کا ٹھکانا دوزخ ہے

جو لوگ اللہ کی طرف سے آئی ہوئی سچی باتوں (قرآن) کو سمجھنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے، منہ اٹھا کر انکار کر دیتے ہیں، وہ لوگ بڑے ظالم ہیں، اپنے پیروں پر کلہاڑی مار رہے ہیں، وہ جہنم کا ایندھن بنیں گے، ارشاد فرماتے ہیں: ——

پس اس شخص سے بڑا ناانصاف کون ہے جو اللہ پر جھوٹ بولے —— یعنی اللہ کا شریک ٹھہرائے، اولاد تجویز کرے اور ایسی باتیں اس کی طرف منسوب کرے جو اس کے شایانِ شان نہیں —— اور سچی بات (قرآن) کو جھٹلائے جب وہ اس کو پہنچی؟ —— یعنی اس سے بڑا ظالم کوئی نہیں! وہی اپنے پیروں پر تیشہ زنی کر رہا ہے —— کیا (قیامت کے دن)

منکروں کا ٹھکانا جہنم میں نہیں ہے ـــــ بے شک ہے!

تنبیہ: جمہور نے آیت کی یہی تفسیر کی ہے اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ اگر نبی ﷺ نے بالفرض اللہ کے نام پر جھوٹ بولا ہے، قرآن اللہ کا کلام نہیں، خود آپؐ نے بنایا ہے اور اللہ کا نام لیتے ہیں، تو آپؐ سے بڑا ظالم کوئی نہیں، اور اگر وہ سچے ہیں جیسا کہ حقیقت میں سچے ہیں اور تم نے قرآن کو جھٹلایا ہے تو تم سے بڑا ظالم کوئی نہیں، اس صورت میں دونوں جملوں کا مصداق الگ ہوگا۔

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿٣٣﴾ لَهُمْ مَّا یَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِیْنَ ﴿٣٤﴾ لِیُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِیْ عَمِلُوْا وَیَجْزِیَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِیْ كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿٣٥﴾ اَلَیْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ؕ وَیُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿٣٦﴾ وَمَنْ یَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ؕ اَلَیْسَ اللّٰهُ بِعَزِیْزٍ ذِی انْتِقَامٍ ﴿٣٧﴾

وَالَّذِیْ	اور جو شخص	عِنْدَ رَبِّهِمْ	ان کے رب کے پاس	وَیَجْزِیَهُمْ	اور بدلہ دیں وہ ان کو
جَآءَ	لایا	ذٰلِكَ	یہ (جو چاہیں گے وہ)	اَجْرَهُمْ	ان کا ثواب
بِالصِّدْقِ	سچی بات	جَزٰٓؤُا	بدلہ ہے	بِاَحْسَنِ	بہتر
وَصَدَّقَ	اور تصدیق کی	الْمُحْسِنِیْنَ	نیکوکاروں کا	الَّذِیْ	اس سے جو
بِهٖٓ	اس کی	لِیُكَفِّرَ	تاکہ مٹائیں	كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ	کیا کرتے تھے وہ
اُولٰٓئِكَ	وہ	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	اَلَیْسَ اللّٰهُ	کیا نہیں ہیں اللہ
هُمُ	ہی	عَنْهُمْ	ان سے	بِكَافٍ	کافی
الْمُتَّقُوْنَ	(جہنم سے) بچنے والے ہیں	اَسْوَاَ (۱)	بدتر	عَبْدَهٗ	اپنے بندوں کے لئے
لَهُمْ	ان کے لئے ہے	الَّذِیْ	اس کا جو	وَیُخَوِّفُوْنَكَ	اور ڈراتے ہیں وہ آپ کو
مَّا یَشَآءُوْنَ	جو چاہیں گے وہ	عَمِلُوْا	کیا انھوں نے	بِالَّذِیْنَ	ان سے جو

(۱) أسوأ: اسم تفضیل، مابعد کی طرف مضاف ہے، اسی طرح أحسن، اور اردو میں بدتر اور بہتر بھی اسم تفضیل ہے۔

مِنْ دُوْنِهٖ	اللہ سے کم درجہ کے ہیں	مِنْ هَادٍ	کوئی راہ دکھانے والا	مِنْ مُّضِلٍّ	کوئی گمراہ کرنے والا
وَمَنْ يُّضْلِلِ	اور جس کو گمراہ کریں	وَمَنْ يَّهْدِ	اور جس کو راہ دکھائیں	اَلَيْسَ اللّٰهُ	کیا نہیں ہیں اللہ
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	بِعَزِيْزٍ	زبردست
فَمَا لَهٗ	پس نہیں اس کے لئے	فَمَا لَهٗ	پس نہیں اس کے لئے	ذِي انْتِقَامٍ	بدلہ لینے والے

قرآن کی تصدیق کرنے والوں کا ٹھکانا جنت ہے

جو لوگ سچی بات (قرآنِ کریم) لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں، اور خود بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں ان کا ٹھکانا جنت ہے ـــــ دوسری تفسیر: جو سچی بات لایا یعنی نبی ﷺ، اور جنھوں نے اس کی تصدیق کی یعنی مؤمنین: ان کو جنت میں تین باتیں حاصل ہونگی: (۱) وہ جنت میں جو نعمت چاہیں گے ملے گی، کوئی ٹوٹا نہیں ہوگا (۲) ان کی تمام برائیوں پر قلم عفو پھیر دیا جائے گا (۳) اور ان کو ان کے ہر نیک عمل کا صلہ ملے گا۔

اور اگر کوئی مشرک کہے: ٹھیک ہے جنت میں ان کے وارے نیارے ہونگے، مگر دنیا میں تو مورتیاں ان کا ستیاناس کردیں گی! پس وہ سن لیں! اللہ اپنے بندوں کے لئے کافی ہیں، مورتیاں ان کا بال بیکا نہیں کرسکتیں۔

اور اصل بات یہ ہے کہ جس کو اللہ راہ سے بھٹکا دیں اس کو کوئی راہ پر نہیں ڈال سکتا، اور جس کو اللہ راہ پر لے آئیں اس کو کوئی گمراہ نہیں کرسکتا، پس اللہ سے ہدایت طلب کرو، وہ زبردست ہیں مؤمنین کو صلہ دیں گے اور انتقام لینے والے بھی ہیں، منکرین کو سزا دیں گے۔

آیاتِ پاک: ـــــ اور جو سچی بات لایا اور اس کی تصدیق کی وہی لوگ (جہنم سے) بچنے والے ہیں، ان کے لئے ان کے پروردگار کے پاس ہے جو کچھ وہ چاہیں گے، یہ نیکوکاروں کا بدلہ ہے، تاکہ اللہ تعالیٰ ان سے مٹا دیں ان کاموں میں سے زیادہ برے کاموں کو جو انھوں نے کئے، اور ان کو ان کا بدلہ دیں ان بہترین کاموں کا جو وہ کیا کرتے تھے۔

دھمکی کا جواب: ـــــ کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں! ـــــ بے شک کافی ہیں! ـــــ اور وہ لوگ آپ کو ڈراتے ہیں ان معبودوں سے جو اللہ سے کم رتبہ ہیں ـــــ وہ ان کی گیدڑ بھپکیاں ہیں، ان سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔

اصل بات: ـــــ اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کریں اس کے لئے کوئی راہ نما نہیں، اور جس کو اللہ تعالیٰ راہ پر لے آئیں اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں، کیا اللہ تعالیٰ زبردست انتقام لینے والے نہیں؟ ـــــ بے شک ہیں!

سوال: اَسْوَأُ (بدتر) اور أَحْسَن (بہتر) اسم تفضیل کیوں لائے ہیں؟ ان کا مطلب تو یہ نکلتا ہے کہ ان کے چھوٹے گناہ معاف نہیں ہونگے، اور ان کو معمولی نیکیوں کا صلہ نہیں ملے گا!

جواب: أسوأ بمعنی سُوْءٌ اور أحسن بمعنی حَسَنٌ ہیں، جیسے ابھی (آیت ۲۳) میں: ﴿أَحْسَنَ الْحَدِيْثِ﴾: بمعنی حَسَنُ الحدیث ہے ـــــ اوران سب جگہوں میں اسم تفضیل استعمال کرکے اشارہ کیا ہے کہ بڑے کی معمولی برائی بھی سنگین ہوتی ہے، جیسے کوئی پیر طریقت یا شیخ الحدیث بیڑی پیئے تو کتنا برا سمجھا جائے گا! اسی طرح ان کی معمولی نیکی بھی بڑی نیکی ہے، جیسے یہ حضرات کسی کو ایک روپیہ دیں، تو وہ تبرک ہزار روپیوں سے بہتر سمجھا جائے گا، اسی طرح قرآنِ کریم کی اچھی بات بھی بہترین بات ہے۔

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ۚ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۚ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۳۸﴾ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۴۰﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۴۱﴾

ع

وَلَئِنْ	اور بخدا! اگر	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ سے ورے	هَلْ هُنَّ	کیا وہ
سَأَلْتَهُمْ	پوچھیں آپ ان سے	اِنْ اَرَادَنِيَ	اگر چاہیں مجھے	مُمْسِكٰتُ	روکنے والے ہیں
مَّنْ خَلَقَ	کس نے پیدا کئے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	رَحْمَتِهٖ	اس کی رحمت کو
السَّمٰوٰتِ	آسمان	بِضُرٍّ	کوئی تکلیف پہنچانا	قُلْ	جواب دو
وَالْاَرْضَ	اور زمین	هَلْ	کیا	حَسْبِيَ	مجھے کافی ہیں
لَيَقُوْلُنَّ	ضرور جواب دیں گے وہ	هُنَّ	وہ	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
اللّٰهُ	اللہ نے	كٰشِفٰتُ	کھولنے والے ہیں	عَلَيْهِ	ان پر
قُلْ	پوچھو	ضُرِّهٖٓ	اس کی تکلیف کو	يَتَوَكَّلُ	بھروسہ کرتے ہیں
اَفَرَءَيْتُمْ	بتاؤ	اَوْ اَرَادَنِيْ	یا چاہیں مجھے	الْمُتَوَكِّلُوْنَ	بھروسہ کرنے والے
مَّا تَدْعُوْنَ	جن کو پکارتے ہو تم	بِرَحْمَةٍ	کوئی مہربانی پہنچانا	قُلْ يٰقَوْمِ	کہو اے میری قوم

اعْمَلُوْا	کام کرو تم	يُّخْزِيْهِ	جو اس کو رسوا کردے گا	فَمَنِ اهْتَدٰى	پس جو راہ پائے گا
عَلٰى مَكَانَتِكُمْ	اپنی جگہ	وَيَحِلُّ عَلَيْهِ	اور اترے گا اس پر	فَلِنَفْسِهٖ	تو اس کے نفع کیلئے ہے
اِنِّىْ عَامِلٌ	بے شک میں کام کرنے	عَذَابٌ مُّقِيْمٌ	سدا رہنے والا عذاب	وَمَنْ ضَلَّ	اور جو بے راہ ہوگا
	والا ہوں	اِنَّآ اَنْزَلْنَا	بے شک ہم نے اتاری	فَاِنَّمَا يَضِلُّ	تو بس بے راہ ہوگا
فَسَوْفَ	پس عنقریب	عَلَيْكَ	آپ پر	عَلَيْهَا	اپنے ہی نقصان کیلئے
تَعْلَمُوْنَ	جان لوگے تم	الْكِتٰبَ	کتاب	وَمَآ اَنْتَ	اور نہیں ہیں آپ
مَنْ يَّاْتِيْهِ	اس کو جسے پہنچے گا	لِلنَّاسِ	لوگوں کے فائدہ کیلئے	عَلَيْهِمْ	ان کے
عَذَابٌ	وہ عذاب	بِالْحَقِّ [1]	حق کو لئے ہوئے	بِوَكِيْلٍ	ذمہ دار

اپنے معبودوں سے کیا ڈراتے ہو، ہمارا بھروسہ اللہ تعالیٰ پر ہے

ابھی ضمناً یہ بات آئی تھی کہ مشرکینِ مکہ نبی ﷺ کو اور مؤمنین کو اپنی مورتیوں سے ڈراتے تھے، کہتے تھے: ہمارے خداؤں کو کنڈم مت کرو، ان کی خدائی کا انکار مت کرو، ورنہ وہ تمہارا ناس مار دیں گے: ﴿وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ﴾: وہ آپ کو اُن معبودوں سے ڈراتے ہیں جو اللہ سے نیچے کے درجہ میں ہیں، ان کو ضمناً جواب دیا تھا: کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں! بے شک کافی ہیں، پھر ڈرنے کی کیا بات ہے؟ اب اس بات کو پھر لیتے ہیں، پہلے مشرکین سے ایک سوال کرتے ہیں، جس کا وہ جواب ضرور دیں گے، پھر دوسرا سوال کیا ہے، جس کے جواب میں ان کی زبانیں لڑکھڑائیں گی، پس تم جواب دینا۔

پہلا سوال: —— اور بخدا! اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ تو وہ ضرور جواب دیں گے: اللہ نے! —— کیونکہ مشرکین جواہر (امورِ عظام) کا خالق اللہ تعالیٰ ہی کو مانتے ہیں، اس لئے وہ فوراً جواب دیں گے۔

دوسرا سوال: —— آپ پوچھیں: پس بتلاؤ: اللہ تعالیٰ سے نیچے جن معبودوں کو تم پوجتے ہو: اگر اللہ تعالیٰ مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہیں تو کیا وہ معبود اللہ کی تکلیف کو دور کرسکتے ہیں؟ یا اللہ تعالیٰ مجھ پر مہربانی کرنا چاہیں تو وہ معبود اللہ کی رحمت کو روک سکتے ہیں؟ —— اِس کا جواب وہ نہیں دیں گے، ان کے منہ میں تھوک خشک ہوجائے گا، پس تم جواب دو —— کہو: اللہ میرے لئے کافی ہیں —— یعنی تمہارے معبود نہ اللہ کی طرف سے آئی ہوئی تکلیف ہٹا سکتے ہیں، نہ وہ اللہ کی رحمت کو روک سکتے ہیں، سارا اختیار اللہ کا ہے، پس ہمیں تمہارے معبودوں سے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے؟ ہمارے

(۱) بالحق: محذوف سے متعلق ہوکر الکتاب کا حال ہے أی مُتَلَبِّسًا بالحق: دینِ حق کی تعلیمات کو لئے ہوئے۔

لئے اللہ تعالیٰ کافی ہیں ـــــ اسی پر بھروسہ کرنے والے بھروسہ کرتے ہیں ـــــ پس ہمارا بھی اسی پر بھروسہ ہے، ہم تمہارے معبودوں سے ہرگز نہیں ڈرتے! کرلیں وہ جو چاہیں، وہ ہمارا بال بیکا نہیں کرسکتے۔

حاصل: ایک طرف تو خداوند قدوس ہیں جو خود تمہارے اقرار کے موافق آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے ہیں، دوسری طرف پتھر کی بے جان مورتیں ہیں، جو سب مل کر بھی خدا کی بھیجی ہوئی ادنی سے ادنی تکلیف یا راحت کو اس کی جگہ سے ہٹا نہیں سکتیں، پس تم ہی بتاؤ: دونوں میں سے کس پر بھروسہ کیا جائے؟ اور کس کو اپنی مدد کے لئے کافی سمجھا جائے؟

تم اللہ سے ڈرو، ان کا عذاب دنیا وآخرت میں پہنچنے والا ہے

مشرکین جو نبی ﷺ کو اور مؤمنین کو مورتیوں کی پکڑ سے ڈراتے تھے، ان سے کہا جارہا ہے کہ تم ہمیں مورتیوں سے کیا ڈراتے ہو، تم اللہ کی گرفت سے بچو، وہ دنیا میں جلد تم کو رسوا کن سزا دیں گے، اور آخرت میں سدا قائم رہنے والا عذاب تمہیں ملنے والا ہے، ارشاد فرماتے ہیں: ـــــ کہو: اے میری قوم! تم اپنی جگہ کام کرو ـــــ اسلام کی مخالفت میں جو کچھ کرسکتے ہو کر گذرو ـــــ میں بھی کام کر رہا ہوں ـــــ اشاعتِ اسلام کا فریضہ انجام دے رہا ہوں ـــــ پس جلدی تم جان لوگے کہ کس کو وہ عذاب پہنچتا ہے جو اس کو رسوا کردے گا ـــــ یعنی دنیا میں ـــــ اور اس پر دائمی عذاب اترتا ہے؟ ـــــ یعنی آخرت میں۔ دونوں سزائیں بہت جلد ملنے والی ہیں۔

مشرکین کو جو سزا ملے گی وہ ان کے انکار کا وبال ہوگی، ان پر ظلم نہیں ہوگا

قرآنِ کریم نے ہدایت کا سامان کردیا ہے، جو اس سے فائدہ اٹھائے گا اس کا بھلا ہوگا، اور جو انکار کرے گا اس پر اس کا وبال پڑے گا، اللہ کا اس پر کچھ ظلم نہیں ہوگا، ارشاد فرماتے ہیں: ـــــ بے شک ہم نے آپ پر لوگوں کے نفع کے لئے کتاب نازل کی ہے جو حق کو لئے ہوئے ہے ـــــ یعنی دینِ حق کی تعلیمات پر مشتمل ہے ـــــ پس جو شخص راہ پائے گا تو اسی کا فائدہ ہوگا، اور جو بے راہ ہوگا تو اسی پر اس کا وبال پڑے گا، اور آپ ان کے کچھ ٹھیکہ دار نہیں! ـــــ کہ زبردستی ان کو راہِ راست پر لے آئیں۔

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰىٓ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿٤٢﴾ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَاۗءَ ۭ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْـــًٔا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿٤٣﴾ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ۭ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٤٤﴾

اَللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	الْاُخْرٰٓى	دوسری (جان) کو	لَا يَمْلِكُوْنَ	نہ مالک
يَتَوَفَّى[1]	وصول کرتے ہیں	اِلٰٓى اَجَلٍ	مدت تک	شَيْئًا	کسی چیز کے
الْاَنْفُسَ	جانوں کو	مُّسَمًّى	مقرر	وَّلَا يَعْقِلُوْنَ	اور نہ سمجھتے ہوں
حِيْنَ مَوْتِهَا	ان کی موت کے وقت	اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ	بے شک اس میں	قُلْ	کہو
وَالَّتِيْ	اور جو (جانیں)	لَاٰيٰتٍ	یقیناً نشانیاں ہیں	لِّلّٰهِ	اللہ کے لئے ہے
لَمْ تَمُتْ	نہیں مریں	لِّقَوْمٍ	ان لوگوں کے لئے	الشَّفَاعَةُ	سفارش
فِيْ مَنَامِهَا	ان کی نیند میں	يَّتَفَكَّرُوْنَ	(جو) سوچتے ہیں	جَمِيْعًا	ساری
فَيُمْسِكُ	پس روک لیتے ہیں	اَمِ اتَّخَذُوْا	کیا اپنائے ہیں انھوں نے	لَهٗ مُلْكُ	اس کے لئے حکومت ہے
الَّتِيْ	جس پر	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ سے کم رتبہ	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں
قَضٰى عَلَيْهَا	فیصلہ کیا گیا ہے اس پر	شُفَعَآءَ	سفارشی	وَالْاَرْضِ	اور زمین کی
الْمَوْتَ	موت کا	قُلْ	کہو	ثُمَّ اِلَيْهِ	پھر اسی کی طرف
وَيُرْسِلُ	اور چھوڑتے ہیں	اَوَلَوْ كَانُوْا	کیا اگرچہ ہوں وہ	تُرْجَعُوْنَ	لوٹائے جاؤ گے تم

آخرت کو مستبعد مت سمجھو، نیند کی مثال سے اس کو سمجھو

جب مشرکین سے کہا گیا کہ انکارِ قرآن کی رسوا کن سزا تمہیں دنیا میں ملنے والی ہے، اور سدا رہنے والی سزا آخرت میں ملے گی تو وہ دنیا کی سزا سے تو ڈرے نہیں، کیونکہ اُس وقت وہ غالب تھے، اور غالب: مغلوب کی بات کو کیا وزن دے گا! اور آخرت کی سزا تو ان کے گلے ہی سے نہیں اتری، ان کے خیال میں جب مر کر ختم ہو گئے تو دوسری زندگی کیسی؟ ان کو نیند کی مثال سے آخرت کی زندگی سمجھاتے ہیں، مگر پہلے دو باتیں جان لیں:

۱- روح اور اس کی صفات: —— روح (جان) ایک امرِ الٰہی ہے، اللہ کے حکم سے وہ ایک چیز ہے، اس سے زیادہ اس کی حقیقت نہیں سمجھی جاسکتی، جب مادّہ میں مزاج پیدا ہوتا ہے تو اللہ کی طرف سے روح کا فیضان ہوتا ہے —— اور روح

(۱) يَتَوَفّٰى: باب تفعّل سے مضارع معروف، صیغہ واحد مذکر غائب، اس کے معنی ہیں: وصول کرنا، اسی سے مُتَوَفِّی (اسم فاعل) ہے: وصول کرنے والا [آلِ عمران آیت ۵۵] اسی سے مُتَوَفّٰى (اسم مفعول) ہے، مُتَوَفّٰى عنها زوجُها: عورت سے اس کا شوہر وصول کیا گیا یعنی مر گیا، پس موت کے لئے اور سُلانے کے لئے: دونوں کے لئے اس کا استعمال درست ہے، دونوں میں جان وصول کی جاتی ہے۔

کی تین صفتیں ہیں: تمیز، زندگی اور بندگی۔ تمیز: یعنی ہوش وحواس، جس میں حواس ظاہری (آنکھ، کان وغیرہ) کام کرتے ہیں، اور زندگی: یعنی حیات، جس سے سانس چلتی ہے، نبض اچھلتی ہے اور کھانا ہضم ہوتا ہے۔ بندگی: یعنی طاعت، اللہ کو پہچاننے کی کامل صلاحیت، یہ روح کا اعلی وصف ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ کی اصطلاح میں اس کو روح ربانی کہتے ہیں، اور حیات کو نسمہ، روح حیوانی اور روح ہوائی کہتے ہیں —— روح کی پہلی دونوں صفتیں تمام حیوانات میں مشترک ہیں، جانور بھی سوتے ہیں تو ان کے حواس معطل ہوجاتے ہیں، اور مرتے ہیں تو ان کی زندگی ختم ہوجاتی ہے، مگر روح ان کی بھی باقی رہتی ہے، وہی قیامت کے دن ان کے ابدان میں لوٹائی جائے گی —— اور تیسری صفت انسان کے ساتھ خاص ہے، یہ صفت حیوانات کی ارواح میں نہیں پائی جاتی، یہ صفت موت کے بعد بھی باقی رہتی ہے، اسی سے میت ادراک کرتی ہے، اور اسی سے قبر کے احوال متعلق ہیں —— پس روح ایک چیز ہے، اس کی تین صفات ہیں، جیسے ملکیت اور بہیمیت نفسِ انسانی (روح ربانی) کی دو حالتیں ہیں۔

۲- توفّی (وصولی) کلّی مشکّک ہے: —— کلّی: وہ مفہوم ہے جس میں بہت سے افراد شریک ہوں، جیسے سیاہ اور سفید کلّی ہیں، ان کے بے شمار افراد ہیں۔ مشکّک: وہ کلی ہے جس کے سب افراد یکساں نہ ہوں، جیسے سیاہ اور سیاہ یکساں نہیں ہوتے، اسی طرح سفید اور سفید ایک درجہ کے نہیں ہوتے، پس سیاہ اور سفید کلی مشکّک ہیں، اور توَفّی کے معنی ہیں: وصول کرنا، کہتے ہیں: تَوَفَّیْتُ حَقِّیْ: میں نے اپنا حق وصول کیا، یہ وصولی کلی مشکّک ہے، اس کے بہت متفاوت درجات ہیں، مثلاً: آپ کا کسی پر ہزار روپے قرض تھا، پانچ سو وصول ہوگئے تو یہ بھی وصولی ہے، پھر باقی پانچ سو بھی وصول ہوگئے، یہ اعلیٰ درجہ کی وصولی ہے، اس کے بعد بھی اگر مقروض عبدِ شکور ہو تو ممنونِ احسان رہے گا، یہ قرضِ حسنہ کا بقایا ہے، اسی طرح روح کی وصولی کے بھی مختلف درجات ہیں، پہلا درجہ ہے: صرف حواس کو معطل کردینا، جیسا نیند میں، بے ہوشی میں اور گہرے مراقبہ میں ہوتا ہے، دوسرا درجہ ہے بدن کی زندگی ختم کردینا، مگر روح باقی رہتی ہے، اور تمام حیوانات کی ارواح باقی رہتی ہیں، شاعر کہتا ہے:

یہ نکتہ سیکھا میں نے بو الحسن سے ❁ کہ روح مرتی نہیں مرگِ بدن سے

(بوالحسن: یعنی حضرت امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ)

انسان کا بدن بھی اسی طرح مرجاتا ہے، مگر اس کی روح اپنی تیسری صفت کے ساتھ باقی رہتی ہے، اور اسی پر برزخ کے احوال گذرتے ہیں۔ اور سورۃ آلِ عمران (آیت ۵۵) میں عیسیٰ علیہ السلام کے تعلق سے جو توفی ہے وہ پہلی صورت ہے، ان کو حواس معطل کرکے آسمان پر اٹھایا گیا تھا۔

آیتِ پاک: —— اللہ تعالیٰ ہی جانوں کو وصول کرتے ہیں، ان کی موت کے وقت —— یہ دوسری وصولی ہے —— اور جن کی موت کا وقت نہیں آیا، ان کے سونے کے وقت میں —— یہ پہلی وصولی ہے —— پھر روک لیتے ہیں اُن جانوں کو جن پر موت کا فیصلہ کیا گیا —— یعنی دوسری وصولی کے بعد قیامت سے پہلے جان نہیں لوٹتی، مَرَّ: یعنی گیا! —— اور دوسری جانوں کو رہا کر دیتے ہیں میعادِ معین تک —— یعنی سونے والا بیدار ہو جاتا ہے، مگر وہ بھی ہمیشہ زندہ نہیں رہتا، ایک وقت کے بعد اس کی بھی دوسری وصولی ہوتی ہے —— بے شک اس میں یقیناً نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو سوچتے ہیں —— یعنی نیند میں ہر روز جو روح وصول کرتے ہیں، پھر اس کو چھوڑتے ہیں یہی نشانی ہے آخرت کی! موت پر جو وصولی ہوتی ہے اس روح کو قیامت کے دن جب ابدان دوبارہ بنیں گے اس وقت چھوڑیں گے اور وہ آکر اپنے ابدان میں حلول کرے گی اور نئی زندگی شروع ہو جائے گی۔

کیا مشرکین مورتیوں سے سفارش کی امید باندھے ہوئے ہیں؟

ایں خیال ست و محال ست و وہم!

بتوں کی نسبت مشرکین دعوی رکھتے ہیں کہ وہ اللہ کی بارگاہ میں اُن کے سفارشی ہیں، اُن ہی کی سفارش سے کام بنتے ہیں، اسی لئے ان کی عبادت کی جاتی ہے، سو اول تو شفیع ہونے سے معبود ہونا لازم نہیں آتا، دوسرے شفیع بھی وہ بن سکتا ہے جسے اللہ کی طرف سے شفاعت کی اجازت ملے، اور صرف اس کے حق میں شفاعت کر سکتا ہے جس کو خدا پسند کرے، خلاصہ یہ کہ شفیع کا ماذون ہونا اور مشفوع کا مرتضیٰ ہونا ضروری ہے، یہاں دونوں باتیں نہیں، نہ مورتیوں کا ماذون ہونا ثابت ہے نہ کفار کا مرتضی ہونا، پس ان سے سفارش کی امید باطل ہے۔

آیت پاک: —— کیا انھوں نے اللہ سے وَرے سفارشی بنا رکھے ہیں! کہو: اگرچہ وہ کسی چیز کے مالک نہ ہوں اور نہ سمجھتے ہوں! —— یعنی مورتیاں جن ملائکہ، انبیاء اور اولیاء کا پیکر ہیں وہ مالک نہیں اور خود مورتیاں سمجھتی نہیں —— بتادو: سفارش تمام تر اللہ ہی کے اختیار میں ہے، اسی کی آسمانوں اور زمین میں حکومت ہے —— فی الحال بھی اور آئندہ بھی —— پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے —— اس وقت ان کی اجازت اور خوشنودی کے بغیر کسی کی مجال ہوگی جو زبان کھولے!

وَإِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۵﴾ قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي

الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۸﴾

وَاِذَا ذُكِرَ	اور جب تذکرہ کیا جاتا ہے	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں	مَعَهٗ	اس کے ساتھ
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ کا	وَالْاَرْضِ	اور زمین کے	لَافْتَدَوْا	(تو) ضرور جان چھڑاتے وہ
وَحْدَهُ	صرف	عٰلِمَ	جاننے والے	بِهٖ	اس کے ذریعہ
اشْمَاَزَّتْ (۱)	(تو) ناگواری محسوس	الْغَيْبِ	چھپے	مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ	سخت عذاب سے
	کرتے ہیں	وَالشَّهَادَةِ	اور کھلے کے	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	قیامت کے دن
قُلُوْبُ	دل	اَنْتَ تَحْكُمُ	آپ فیصلہ کریں گے	وَبَدَا لَهُمْ	اور ظاہر ہوا ان کے لئے
الَّذِيْنَ	ان لوگوں کے جو	بَيْنَ عِبَادِكَ	اپنے بندوں کے درمیان	مِّنَ اللّٰهِ	اللہ کی طرف سے
لَا يُؤْمِنُوْنَ	یقین نہیں رکھتے	فِيْ مَا	اس میں جو	مَا لَمْ	جو نہیں
بِالْاٰخِرَةِ	آخرت پر	كَانُوْا فِيْهِ	وہ اس میں تھے	يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ	گمان کیا کرتے تھے وہ
وَاِذَا ذُكِرَ	اور جب تذکرہ کیا جاتا ہے	يَخْتَلِفُوْنَ	(نبی سے) اختلاف کرتے	وَبَدَا لَهُمْ	اور ظاہر ہوئیں
الَّذِيْنَ	ان کا جو	وَلَوْ اَنَّ	اور اگر ہوتا	سَيِّاٰتُ	برائیاں
مِنْ دُوْنِهٖٓ	اس سے کم رتبہ ہیں	لِلَّذِيْنَ	ان کے لئے جنھوں نے	مَا كَسَبُوْا	ان کاموں کی جو کمائے
اِذَا هُمْ	(تو) اچانک وہ	ظَلَمُوْا	ظلم (شرک) کیا		انھوں نے
يَسْتَبْشِرُوْنَ	خوش ہوجاتے ہیں	مَا فِي الْاَرْضِ	جو کچھ زمین میں ہے	وَحَاقَ بِهِمْ	اور گھیر لیا ان کو
قُلِ اللّٰهُمَّ	کہو: اے اللہ!	جَمِيْعًا	سارا کا سارا	مَّا كَانُوْا بِهٖ	اس عذاب نے جس کا تھے وہ
فَاطِرَ	پیدا کرنے والے	وَّمِثْلَهٗ	اور اس کے مانند اور	يَسْتَهْزِءُوْنَ	ٹھٹھا کرتے

جو اللہ سے ملنے کی امید نہیں رکھتے ان کو اللہ کا ذکر نہیں بھاتا

بندوں کی ملاقات اللہ تعالیٰ سے قیامت کے دن ہوگی، اور وہ عظیم ترین نعمت ہوگی، اور مشرکوں کا چونکہ آخرت پر ایمان

(۱) اشْمَاَزَّتْ: ماضی، واحد مؤنث غائب، اشْمِئْزَاز: انتہائی ناگواری محسوس کرنا، دل کا غم وغصہ سے بھر جانا۔

نہیں یعنی وہ اللہ کا جلوہ دیکھنے کے خواہش مند نہیں، اس لئے وہ صرف اللہ کے ذکر سے خوش نہیں ہوتے، ان کے دل منقبض ہوتے ہیں، اور اگر ان کے جھوٹے معبودوں کی تعریف کی جائے تو وہ خوشی سے اچھلنے لگتے ہیں، جیسے جاہل نام نہاد مسلمانوں کے سامنے اللہ کی قدر وعظمت کا ذکر کیا جائے تو وہ ان کو نہیں بھاتا، اور اولیاء کا ذکر کیا جائے، اور ان کی سچی جھوٹی کرامتیں سنائی جائیں تو ان کی باچھیں کھل جاتی ہیں، زور کا قہقہہ لگاتے ہیں اور واہ واہ کرتے ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں:
—— اور جب فقط اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان لوگوں کے دل ناگواری محسوس کرتے ہیں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے —— آخرت کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ اللہ کا دیدار آخرت میں ہوگا —— اور جب ان کا ذکر کیا جاتا ہے جو اللہ سے نیچے ہیں تو اچانک وہ خوشیاں منانے لگتے ہیں —— خواہ صرف غیروں کا ذکر کیا جائے یا اللہ کے ساتھ کیا جائے: دونوں صورتوں میں ان کا یہی حال ہوتا ہے۔

مشرکین جن باتوں میں نبی ﷺ سے اختلاف کرتے ہیں ان کا عملی فیصلہ قیامت کے دن ہوگا

مشرکین توحید، رسالت اور آخرت کے مسائل میں نبی ﷺ سے اختلاف کرتے تھے، ان کا علمی فیصلہ تو قرآنِ کریم نے دنیا میں کر دیا ہے، مگر مشرکین اس کو مانتے کہاں ہیں؟ وہ عملی فیصلہ کے منتظر ہیں، سو وہ قیامت کے دن کر دیا جائے گا، ارشاد فرماتے ہیں: —— کہو: اے اللہ! آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! باطن اور ظاہر کے جاننے والے! آپ ہی قیامت کے دن اپنے بندوں کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ فرمائیں گے جن میں وہ (پیغمبر سے) اختلاف کرتے ہیں —— ناطق فیصلہ وہی ہستی کر سکتی ہے جس میں دو صفتیں ہوں: (۱) وہ کائنات کی خالق و مالک ہو، پس اس کو حق ہوگا کہ اپنی مخلوق کے بارے میں جو چاہے فیصلہ کرے (۲) جو کھلی چھپی سبھی باتوں کو جانتا ہو، تبھی وہ انصاف کے ساتھ فیصلہ کر سکتا ہے —— اس لئے اللہ کی ان دو صفتوں کا تذکرہ کیا ہے۔

جب عملی فیصلہ ہوگا تو مشرکین کو ایسی سخت سزا ملے گی کہ چھٹی کا دودھ یاد آجائے گا!

قیامت کے دن جب مشرکین کو ان کے اختلاف کا فیصلہ سنایا جائے گا تو ان کا سخت برا حال ہوگا، اگر اُس روز —— فرض کیجئے —— کل رُوئے زمین کے خزانے، بلکہ اس کے برابر اور بھی ان کے پاس موجود ہوں تو وہ سب وے دلا کر عذاب سے اپنی جان چھڑانے کے لئے تیار ہو جائیں، کیونکہ ان کے سب کرتوت ان کے سامنے ہونگے، اور قسم قسم کے ہولناک عذابوں سے سابقہ ہوگا جو کبھی ان کے خیال میں بھی نہیں آئے ہونگے، اور وہ جو دین حق کا تمسخر کیا کرتے تھے اس کا وبال ان کو گھیر لے گا، ارشاد فرماتے ہیں: —— اور اگر ہوں ان کے پاس جنھوں نے ظلم (شرک) کیا تمام وہ چیزیں جو زمین

میں ہیں، اور ان کے ساتھ اتنی چیزیں اور بھی تو وہ لوگ قیامت کے دن سخت عذاب سے چھٹنے کے لئے بدلہ میں دیدیں، اور اللہ کی طرف سے ان کو وہ معاملہ (عذاب) پیش آئے گا جس کا ان کو سان گمان بھی نہیں ہوگا، اور ان کے لئے ظاہر ہونگی ان کے کرتوتوں کی برائیاں (قسم قسم کے عذاب) اور ان کو وہ عذاب گھیرے گا جس کا وہ ٹھٹھا کیا کرتے تھے۔

فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ز ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا لا قَالَ اِنَّمَاۤ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ ط بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۹﴾ قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَاۤ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۵۰﴾ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ط وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰۤؤُلَآءِ سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا لا وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۵۱﴾ اَوَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ ع

فَاِذَا مَسَّ	پس جب چھوتی ہے	فِتْنَةٌ	آزمائش ہے	وَالَّذِيْنَ	اور جن لوگوں نے
الْاِنْسَانَ	انسان کو	وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ	لیکن ان کے اکثر	ظَلَمُوْا	ظلم (شرک) کیا
ضُرٌّ	کچھ تکلیف	لَا يَعْلَمُوْنَ	جانتے نہیں	مِنْ هٰۤؤُلَآءِ	اِن لوگوں میں سے
دَعَانَا	پکارتا ہے ہم کو	قَدْ قَالَهَا	بالتحقیق کہی یہ بات	سَيُصِيْبُهُمْ	عنقریب پہنچیں گی ان کو
ثُمَّ اِذَا	پھر جب	الَّذِيْنَ	ان لوگوں نے جو	سَيِّاٰتُ	برائیاں (سزائیں)
خَوَّلْنٰهُ (۱)	بخشتے ہیں ہم اس کو	مِنْ قَبْلِهِمْ	ان سے پہلے ہوئے	مَا كَسَبُوْا	اس کی جو کمایا انھوں نے
نِعْمَةً مِّنَّا	نعمت ہماری طرف سے	فَمَاۤ اَغْنٰى	پس نہیں کام آیا	وَمَا هُمْ	اور نہیں ہیں وہ
قَالَ اِنَّمَاۤ	کہتا ہے: اس کے علاوہ نہیں	عَنْهُمْ مَّا (۲)	ان کے جو	بِمُعْجِزِيْنَ	عاجز کرنے والے
اُوْتِيْتُهٗ	(کہ) دیا گیا ہوں	كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ	کمایا کرتے تھے وہ	اَوَلَمْ يَعْلَمُوْۤا	کیا اور نہیں جانا انھوں نے
	میں اس کو	فَاَصَابَهُمْ	پس پہنچی ان کو	اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ تعالیٰ
عَلٰى عِلْمٍ	(میرے) ہنر سے	سَيِّاٰتُ (۳)	برائیاں (سزائیں)	يَبْسُطُ	کشادہ کرتے ہیں
بَلْ هِيَ	بلکہ وہ (نصیحت)	مَا كَسَبُوْا	اس کی جو کمایا انھوں نے	الرِّزْقَ	روزی

(۱) تخویل: عطا کرنا، ہٗ: ضمیر مفعول اول (۲) ما کانوا: أغنی کا فاعل ہے (۳) سیئات: مابعد کی طرف مضاف ہے۔

لِمَنْ يَّشَآءُ	جس کیلئے چاہتے ہیں	اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ	بے شک اس میں	لِّقَوْمٍ	ان لوگوں کے لئے
وَيَقْدِرُ	اور تنگ کرتے ہیں	لَاٰيٰتٍ	البتہ نشانیاں ہیں	يُّؤْمِنُوْنَ	(جو) ایمان رکھتے ہیں

دولت قابلیت سے نہیں ملتی

مشرک کا حال یہ ہے کہ وہ جس کے ذکر سے چڑتا ہے: مصیبت میں اسی کو پکارتا ہے، اور جن کے ذکر سے خوش ہوتا ہے ان کو بھول جاتا ہے، اور اپنی دولت وثروت کو اپنی ہنرمندی کا کمال سمجھتا ہے، کہتا ہے: میرے اندر لیاقت تھی، میں کمائی کے ذرائع جانتا تھا، پھر مجھے دولت کیوں نہ ملتی؟ حالانکہ اس کو دولت اللہ نے دی ہے، اور وہ اس کا امتحان ہے، دیکھنا ہے کہ وہ شکر بجالاتا ہے یا ناشکری کرتا ہے، اگر شکر بجالائے گا تو سرخ رو ہوگا، ورنہ نعمت قمت سے بدل جائے گی، اور دنیاؤ آخرت میں سزا پائے گا۔

آیاتِ پاک: —— پس جب (مشرک) انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ ہم کو پکارتا ہے، پھر جب ہم اس کو اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا فرماتے ہیں تو وہ کہتا ہے: میں وہ (مال اپنی) ہنرمندی ہی سے دیا گیا ہوں! (نہیں) بلکہ وہ ایک آزمائش ہے، لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں! —— وہ اس کو اپنا کمال سمجھتے ہیں۔

قارون وغیرہ نے بھی اپنی دولت کو اپنی ہنرمندی کا نتیجہ سمجھا تھا: ان کا انجام کیا ہوا؟ —— یہی بات ان لوگوں نے بھی کہی تھی جو اِن (مکہ کے مشرکین) سے پہلے گذرے، سو ان کی کمائی ان کے کچھ کام نہ آئی، پس پہنچی ان کو ان کاموں کی برائیاں (سزائیں) جو کمائے تھے انھوں نے!

یہ بھی جائیں گے اُن کے قدموں پر! —— اور جن لوگوں نے ظلم (شرک) کیا اِن لوگوں (مکہ والوں) میں سے عنقریب ان کو پہنچیں گی برائیاں (سزائیں) ان کاموں کی جو کمائے انھوں نے، اور وہ ہرانے والے نہیں! —— وہ روپوش ہوکر یا کسی اور تدبیر سے اللہ کی سزا سے بچ نہیں سکتے۔

اور رزق کی کشادگی اور تنگی اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہ عقل وذہانت اور علم ولیاقت پر مبنی نہیں، نہ وہ مقبول ومردود ہونے کی دلیل ہے، کتنے بدمعاش بے وقوف چین اڑا رہے ہیں، اور کتنے نیک عقلمند فاقے کھینچتے ہیں، ارشاد فرماتے ہیں: ——
کیا ان (مکہ کے مشرک) لوگوں کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہتے ہیں روزی کشادہ کرتے ہیں، اور تنگ کرتے ہیں، بے شک اس میں ایمان والوں کے لئے یقیناً نشانیاں ہیں۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ

جَمِیْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۵۳﴾ وَاَنِیْبُوْٓا اِلٰی رَبِّکُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَکُمُ
الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَکُمُ
الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ یّٰحَسْرَتٰی عَلٰی مَا فَرَّطْتُّ فِیْ جَنْۢبِ
اللّٰهِ وَاِنْ کُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِیْنَ ﴿۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِیْ لَکُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۵۷﴾ اَوْ
تَقُوْلَ حِیْنَ تَرَی الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِیْ کَرَّةً فَاَکُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۵۸﴾ بَلٰی قَدْ جَآءَتْکَ
اٰیٰتِیْ فَکَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَکْبَرْتَ وَکُنْتَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ ﴿۵۹﴾

قُلْ	کہیں	الْغَفُوْرُ	بڑے بخشنے والے	اِلَیْکُمْ	تم پر
یٰعِبَادِیَ	اے میرے بندو	الرَّحِیْمُ	بڑے رحم والے ہیں	مِّنْ رَّبِّکُمْ	تمہارے رب کی طرف سے
الَّذِیْنَ	جنھوں نے	وَاَنِیْبُوْٓا (۱)	اور متوجہ ہوجاؤ	مِّنْ قَبْلِ	پہلے سے
اَسْرَفُوْا	حد سے زیادتی کی	اِلٰی رَبِّکُمْ	اپنے رب کی طرف	اَنْ یَّاْتِیَکُمُ	(اس کے) کہ پہنچے تمھیں
عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ	اپنی جانوں پر	وَاَسْلِمُوْا	اور سرافگندہ ہوجاؤ	الْعَذَابُ	عذاب
لَا تَقْنَطُوْا	نہ مایوس ہوؤ	لَهٗ	ان کے سامنے	بَغْتَةً	اچانک
مِنْ رَّحْمَةِ	مہربانی سے	مِنْ قَبْلِ (۲)	پہلے سے	وَّاَنْتُمْ	اور تمھیں
اللّٰهِ	اللہ کی	اَنْ یَّاْتِیَکُمُ	(اس کے) کہ آئے تم پر	لَا تَشْعُرُوْنَ	خیال بھی نہ ہو
اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ	الْعَذَابُ	عذاب	اَنْ	(کہیں ایسا نہ ہو) کہ
یَغْفِرُ	معاف کرتے ہیں	ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ	پھر نہ مدد کیے جاؤ تم	تَقُوْلَ	کہے
الذُّنُوْبَ	گناہ	وَاتَّبِعُوْٓا	اور پیروی کرو	نَفْسٌ	کوئی شخص
جَمِیْعًا	سب	اَحْسَنَ	اس اچھی بات کی	یّٰحَسْرَتٰی	ہائے افسوس
اِنَّهٗ هُوَ	بے شک وہی	مَآ اُنْزِلَ	جو اتاری گئی	عَلٰی مَا	اس پر جو

(۱) إنابة: رجوع ہونا، انابت الی اللہ: اخلاصِ عمل اور دل سے اللہ کی طرف رجوع ہونا، اور توبہ کرنا (۲) من قبل: مابعد کی طرف مضاف ہے۔

فَرَّطْتُّ	کوتاہی کی میں نے	لَكُنْتُ	(تو) ضرور ہوتا میں	مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ	نیکو کاروں میں سے
فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ	اللہ کے پہلو میں	مِنَ الْمُتَّقِيْنَ	بچنے والوں میں سے	بَلٰى	کیوں نہیں
وَاِنْ كُنْتُ	اور بے شک تھا میں	اَوْ تَقُوْلَ	یا کہے	قَدْ جَآءَتْكَ	یقیناً پہنچی تھی تجھے
لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ	ٹھٹھا کرنے والوں میں سے	حِيْنَ تَرَى	جب دیکھے (نفس)	اٰيٰتِيْ	میری آیتیں
اَوْ تَقُوْلَ	یا کہے	الْعَذَابَ	عذاب کو	فَكَذَّبْتَ بِهَا	پس تو نے ان کو جھٹلایا
لَوْ اَنَّ	کاش ہوتی یہ بات کہ	لَوْ اَنَّ لِيْ	اگر ہوتا میرے لئے	وَاسْتَكْبَرْتَ	اور تو نے گھمنڈ کیا
اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ	كَرَّةً	لوٹنا	وَكُنْتَ	اور تھا تو
هَدٰىنِيْ	راہ دکھاتے مجھے	فَاَكُوْنَ	تو ہوتا میں	مِنَ الْكٰفِرِيْنَ	انکار کرنے والوں میں سے

مشرکین کو فہمائش کے بعد دعوتِ ایمان

مشرکوں کو اور کفار کو دیر سے سمجھایا جارہا ہے کہ قرآنِ کریم سرچشمۂ ہدایت ہے، اس پر ایمان لاؤ، اس کی باتوں کو قبول کرو اور اس کی ہدایت پر عمل کرو، تمہارے سب گناہ دھل جائیں گے، اسلام قبول کرنے سے پہلے تم نے جو کچھ کیا ہے سب ختم ہوجائے گا، شرک وکفر جو آخری درجہ کا گناہ ہے وہ بھی معاف ہوجائے گا، اللہ کی رحمت بہت وسیع ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں: —— اور کہیں: اے میرے بندو جنھوں نے اپنے اوپر حد سے زیادتی کی ہے —— شرک وکفر کا ارتکاب کیا ہے —— اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہوؤ! —— رجوع ہوؤ اور توبہ کرو، بخشے جاؤ گے —— بے شک اللہ تعالیٰ سارے ہی گناہوں کو بخش دیں گے —— یعنی بڑے گناہ شرک وکفر کو بھی اور چھوٹے گناہوں کو بھی بخش دیں گے —— واقعی وہ بڑے بخشنے والے، بڑے مہربان ہیں!

یہ آیت عام ہے، سب لوگوں کو اور سب گناہوں کو، پس آخری درجہ کے مجرم بھی ناامید نہ ہوں، توبہ کا دروازہ کھلا ہے، مشرک، ملحد، زندیق، مرتد، یہودی، نصرانی، مجوسی، بدعتی، بدکردار اور فاسق وفاجر کوئی بھی اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، شرط صرف یہ ہے کہ وقت پر توبہ کرے، جب تک موت کا غرغرہ نہ لگے توبہ کا دروازہ کھلا ہے، ارشاد فرماتے ہیں: —— اور اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرو —— غیروں کی پرستش چھوڑو، اللہ کی طرف لوٹ آؤ، ایک اللہ وحدہ لا شریك له پر ایمان لاؤ —— اور ان کے (احکام کے) سامنے سرافگندہ ہوجاؤ —— دین کی سب باتوں پر مضبوطی سے عمل کرو —— ایمان اور اسلام میں یہی فرق ہے۔ ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے، اور اسلام اطاعت کا، اعمال پر کاربند ہونا بھی نجات کے لئے ضروری ہے، پس پہلے جملہ میں ایمان لانے کی دعوت ہے اور دوسرے جملہ میں احکام اسلام پر عمل کرنے کی —— اس

سے پہلے کہ تم کو عذاب پہنچے، پھر تم مدد نہ کئے جاؤ! ـــــ یعنی معائنۂ عذاب کے بعد کچھ تدارک نہ ہو سکے گا، نہ کوئی تدبیر بن پڑے گی، ابھی وقت ہے اس سے فائدہ اٹھالو!

گنہگار مؤمن کا معاملہ آخرت میں مشیت کے تحت ہوگا: چاہیں گے بخشیں گے، چاہیں گے سزا دیں گے

قرآنِ کریم کا نزول ایمان وعمل کی استواری کے لئے ہے

استواری: استحکام، مضبوطی، قرآنِ کریم اس لئے نازل کیا گیا ہے کہ لوگ ایمان وعمل میں مضبوط ہو جائیں، اس کی دعوت قبول کریں، اور اس کے احکام پر عمل پیرا ہوں تاکہ آخرت میں ان کا بھلا ہو، ارشاد فرماتے ہیں: ـــــ اور پیروی کرو اس بہترین بات کی جو تم پر تمہارے رب کی طرف سے اتاری گئی ہے، اس سے پہلے کہ تمہیں اچانک عذاب پہنچے، اور تم کو اس کا خیال بھی نہ ہو! ـــــ بہترین بات: یعنی قرآنِ کریم، اس کی ہدایات پر چل کر عذاب آنے سے پہلے اپنی دنیاؤ آخرت کو سنوار لو، عذاب کی روک تھام کرلو، ورنہ عذاب ایسی جگہ سے آئے گا کہ تمہیں سان گمان بھی نہیں ہوگا ـــــ کہیں (کل قیامت کو) کوئی شخص کہنے لگے: افسوس اس کوتاہی پر جو میں نے اللہ کے پہلو میں کی، اور یقیناً میں ہنسی اڑانے والوں میں سے تھا ـــــ اللہ کے پہلو میں: یعنی ایمان واطاعت کے معاملہ میں، جب عذاب دیکھے گا کف افسوس ملے گا، کہے گا: ہائے میری کم نصیبی! میں نے اللہ کو پہچاننے اور اس کا حق ماننے میں کس قدر کوتاہی کی، جس کے نتیجہ میں آج براوقت دیکھنا پڑا ـــــ یا کہنے لگے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے راہ دکھاتے تو میں (شرک وکفر اور معاصی سے) بچنے والوں میں سے ہوتا ـــــ لے! گناہ اللہ کے سر تھونپ دیا کہ اس نے مجھے راہ کیوں نہ دکھائی، ورنہ میں تو مؤمن متقی ہوتا! ـــــ یا جب عذاب دیکھے تو کہنے لگے: کاش میرے لئے لوٹنا ہوتا تو میں نیکوکاروں میں سے ہوتا ـــــ یعنی بس ایک مرتبہ مجھے دنیا میں جانے کا موقع دیا جائے، پھر اللہ تعالیٰ دیکھیں کہ میں کیسا نیک بندہ بن کر آتا ہوں!

جواب: ـــــ کیوں نہیں! بالتحقیق تجھے میری آیتیں پہنچی تھیں، پس تو نے ان کو جھٹلایا اور گھمنڈ کیا اور تو انکار کرنے والوں میں سے تھا ـــــ یعنی تو غلط کہتا ہے، اللہ نے تجھے راہ دکھائی تھی، اللہ نے اپنا کلام پاک نازل کیا تھا، مگر تو نے اس کی ایک بات نہیں سنی، غرور وتکبر سے اس کو جھٹلایا، تیری شیخی قبول حق سے مانع بنی، بلکہ تو قرآن کی باتوں کی ہنسی اڑاتا رہا، پس اب چکھ مزہ اپنے انکار کا!

اور دوسری بات کا جواب یہ ہے کہ اگر ہزار مرتبہ کافر کو دنیا میں لوٹایا جائے تب بھی وہ اپنی حرکات سے باز نہیں آسکتا، وہ وہی کرے گا جس سے منع کیا جائے گا، اور وہ جھوٹ کہتا ہے کہ میں نیک بن کر آؤں گا (انعام ۲۸)

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ۭ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝ وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۡ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْۗءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ	اور قیامت کے دن	اَلَيْسَ	کیا نہیں ہے	اتَّقَوْا	بچے رہے
تَرَى	دیکھے گا تو	فِيْ جَهَنَّمَ	دوزخ میں	بِمَفَازَتِهِمْ (۲)	انکی کامیابی کی جگہ میں
الَّذِيْنَ	جنھوں نے	مَثْوًى	ٹھکانا	لَا يَمَسُّهُمُ	نہیں چھوئے گی ان کو
كَذَبُوْا	جھوٹ بولا	لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ	گھمنڈ کرنے والوں کا	السُّوْۗءُ	برائی
عَلَى اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ پر	وَيُنَجِّي	اور نجات دیں گے	وَلَا هُمْ	اور نہ وہ
وُجُوْهُهُمْ (۱)	ان کے چہرے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	يَحْزَنُوْنَ	غم گین ہونگے
مُّسْوَدَّةٌ	سیاہ ہیں	الَّذِيْنَ	ان کو جو	۞	۞

آخرت میں مشرک اور مؤمن کا انجام

مشرک: اللہ پر جھوٹ بولتا ہے، مورتیوں کو خدا کا شریک ٹھہراتا ہے، بلکہ ان کی پرستش کو اللہ کا حکم قرار دیتا ہے، اس لئے قیامت کے دن وہ روسیاہ ہوگا اور جہنم کا ایندھن بنے گا، ارشاد فرماتے ہیں: — اور قیامت کے دن تو دیکھے گا ان لوگوں کو جنھوں نے اللہ پر جھوٹ بولا: ان کے چہرے سیاہ ہونگے، کیا جہنم میں متکبروں کا ٹھکانا نہیں؟ — بے شک ہے! یہ استکبار و غرور کا صلہ ہے، اور کذب کا صلہ روسیاہی ہے!

اور نجات دیں گے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو (شرک و کفر سے) بچے رہے ان کی کامیابی کی جگہ میں یعنی جنت میں، ان کو نہ برائی چھوئے گی نہ وہ غم گیں ہونگے! — یعنی وہ شرک و کفر سے بچے رہنے کی وجہ سے کامیابی کے بلند مقام (جنت میں) پہنچیں گے، جہاں ہر قسم کی تکالیف سے محفوظ رہیں گے اور ہر طرح کے فکر و غم سے آزاد ہوں گے۔

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۡ وَّهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْۗنِّىْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ۝

(۱) جملہ وجوههم مسودة: تری کے مفعول ثانی کے قائم مقام ہے (۲) مفازة: ظرف مکان یا اسم مصدر ہے، اور باء پہلی صورت میں ظرفیہ اور دوسری صورت میں مع کے معنی میں ہے، شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے پہلا ترجمہ کیا ہے: ''ان کی بچاؤ کی جگہ میں''، یعنی جنت میں اور حضرت تھانویؒ نے دوسرا ترجمہ کیا ہے: ''ان کی کامیابی کے ساتھ''، یعنی جہنم سے بچ کر۔

وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۵﴾ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۶﴾ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ السَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۷﴾

اَللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	قُلْ	کہو	وَلَتَكُوْنَنَّ	اور ضرور ہوگا تو
خَالِقُ	پیدا کرنے والے ہیں	اَفَغَيْرَ	پس کیا علاوہ کی	مِنَ الْخٰسِرِيْنَ	ٹوٹا پانے والوں میں سے
كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز کے	اللّٰهِ	اللہ کے	بَلِ اللّٰهَ	بلکہ اللہ کی
وَّهُوَ	اور وہ	تَاْمُرُوْنِّيْ (۲)	حکم دیتے ہو تم مجھ کو	فَاعْبُدْ	پس عبادت کر
عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز کے	اَعْبُدُ	(کہ) عبادت کروں میں	وَكُنْ	اور ہو تو
وَّكِيْلٌ	کارساز ہیں	اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ	اے نادانو!	مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ	شکر گذاروں میں سے
لَهٗ	ان کے لئے	وَلَقَدْ	اور بخدا! تحقیق	وَمَا	اور نہیں
مَقَالِيْدُ (۱)	چابیاں ہیں	اُوْحِيَ	وحی کی گئی	قَدَرُوا	مرتبہ پہچانا انھوں نے
السَّمٰوٰتِ	آسمانوں	اِلَيْكَ	آپ کی طرف	اللّٰهَ	اللہ کا
وَالْاَرْضِ	اور زمین کی	وَاِلَى الَّذِيْنَ	اور ان کی طرف جو	حَقَّ قَدْرِهٖ (۳)	جو ان کے مرتبہ کا حق ہے
وَالَّذِيْنَ	اور جنھوں نے	مِنْ قَبْلِكَ	آپ سے پہلے ہوئے	وَالْاَرْضُ	درانحالیکہ زمین
كَفَرُوْا	انکار کیا	لَئِنْ	بخدا! اگر	جَمِيْعًا	ساری
بِاٰيٰتِ اللّٰهِ	اللہ کی آیتوں کا	اَشْرَكْتَ	شریک کیا تو نے	قَبْضَتُهٗ	ان کی مٹھی ہوگی
اُولٰٓئِكَ هُمُ	وہ ہی	لَيَحْبَطَنَّ	ضرور اکارت جائیں گے	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	قیامت کے دن
الْخٰسِرُوْنَ	گھاٹا پانے والے ہیں	عَمَلُكَ	تیرے اعمال	وَالسَّمٰوٰتُ	اور آسمان

(۱) مقالید: جمع منتہی الجموع، مفرد مِقْلِید اور مِقْلَاد: چابی، کنجی، تالہ کھولنے کا آلہ (۲) تَأْمُرُونِّي: اصل میں تَأْمُرُونَنِي تھا نونِ جمع کا نون وقایہ میں ادغام کیا ہے (۳) حقَّ قدرِہ: مفعول مطلق ہے، حقّ: وَجَبَ وَثَبَتَ...... قَدْر: عظمت و مرتبہ،..... صفت کی موصوف کی طرف اضافت ہے، جیسے عظیمُ القدر: أی قدرٌ عظیم، وقدرٌ ثابت: یعنی جو اللہ کا واقعی مقام و مرتبہ ہے اس کو مشرکین نے نہیں پہچانا اس لئے شرک میں مبتلا ہوئے۔

مَطْوِيّٰتٌۢ	لپیٹے ہوئے ہونگے	سُبْحٰنَهٗ	ان کی ذات پاک ہے	عَمَّا يُشْرِكُوْنَ	ان سے جن کوشریک
بِيَمِيْنِهٖ	ان کی دائیں ہاتھ میں	وَتَعٰلٰى	اور برتر ہے		ٹھہراتے ہیں وہ

اثباتِ توحیداور ردّ اشراک

اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کے پیدا کرنے والے ہیں —— اور کوئی خالق نہیں اور یہ بات مشرکین کو بھی تسلیم ہے —— اور وہی ہر چیز کے ذمہ دار ہیں —— مخلوقات کی بقاء کا سامان بھی انھوں نے کیا ہے اور ہر چیز کی حفاظت بھی وہی کررہے ہیں —— انہی کے پاس آسمانوں اور زمین کی کنجیاں ہیں —— وہ اوپر سے بارش برساتے ہیں، اور زمین سے غلہ اگاتے ہیں، ایسے خالق و مالک کو چھوڑ کر آدمی کہاں جائے؟ چاہئے کہ اس پر ایمان لائے اور اس کی رحمت کا امیدوار رہے —— اور جو لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں وہی لوگ بڑے خسارہ میں رہنے والے ہیں! —— یہاں ''اللہ کی آیتوں'' سے مراد: اللہ کی قدرت کی وہ نشانیاں ہیں جو اوپر مذکور ہوئیں۔

نامعقول مطالبہ: —— مشرکین نے نبی ﷺ کو اپنے دیوتاؤں کی پرستش کی طرف بلایا، ان کو جواب دیتے ہیں: —— آپ کہئے: او نادانو! کیا تم مجھے حکم دیتے ہو کہ میں اللہ کے علاوہ کی عبادت کروں؟ —— جبکہ توحید تمام انبیاء کی متفق علیہ دعوت ہے —— اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ آپ کی طرف اور اُن انبیاء کی طرف جو آپ سے پہلے گذرے ہیں یہ وحی بھیجی گئی ہے کہ بخدا! اگر تو نے (اے مخاطب) شرک کیا تو ضرور تیرے اعمال اکارت جائیں گے، اور تو ضرور گھاٹا پانے والوں میں سے ہوگا، بلکہ اللہ کی عبادت کر، اور شکر گذاروں میں سے ہو! —— یعنی تمام انبیاء اور تمام ادیانِ سماویہ توحید کی صحت اور شرک کے بطلان پر متفق ہیں: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ إِلَّا نُوْحِيْ إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾: اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی بھی رسول نہیں بھیجا مگر ہم نے اس کی طرف وحی کی کہ معبود میں ہی ہوں، پس میری عبادت کرو [الانبیاء ۲۵] کیونکہ مشرک کے تمام اعمال اکارت ہیں، خواہ شرک سابقہ ہو یا لاحقہ، ارتداد سے بھی سب سرمایہ برباد ہوجاتا ہے، اور آخرت میں حرمان وخسران کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا، پس انسان کو چاہئے کہ ہر طرف سے کٹ کر ایک اللہ کا ہو کر رہے! یہی اس کی نعمتوں کی شکر گذاری ہے۔

شرک کا سبب اللہ کی عظمت کو کما حقہ نہ پہچاننا ہے

اور اُن لوگوں نے (مشرکوں نے) اللہ کی عظمت کو نہیں پہچانا جیسا ان کی عظمت کا حق ہے، جبکہ ساری زمینیں ان کی مٹھی میں ہونگی، قیامت کے دن، اور آسمان لپیٹے ہوئے ہونگے ان کے دائیں ہاتھ میں —— یہ ان کی عظمتِ شان اور علوّ

قدر کا بیان ہے، قیامت کے دن ساتوں زمینیں ان کی ایک مٹھی میں ہونگی، اور ساتوں آسمان کاغذ کی طرح لپیٹے ہوئے ایک ہاتھ میں ہونگے، ایسے کی عبادت میں عاجز بے جان اور محتاج مخلوق کو شریک کرنا کہاں کی عقلمندی ہے ـــــ اور مٹھی اور ہاتھ اللہ کی صفات ہیں ان پر بلا کیف ایمان رکھنا واجب ہے، اور مقصود کمالِ قدرت کا بیان، اور اشراک کی نفی کرنا ہے: ـــــ وہ لوگوں کے شرک سے پاک اور برتر ہیں!

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۭ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ۝ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْۗءَ بِالنَّـبِيّٖنَ وَالشُّهَدَاۗءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝ۧ

ع ۴

وَنُفِخَ	اور پھونکا گیا	فَاِذَا هُمْ	پس اچانک وہ	وَقُضِيَ	اور فیصلہ کیا گیا
فِي الصُّوْرِ	نرسنگے میں	قِيَامٌ	کھڑے	بَيْنَهُمْ	ان کے درمیان
فَصَعِقَ	پس ہوش اڑ گئے	يَّنْظُرُوْنَ	دیکھ رہے ہیں	بِالْحَقِّ	انصاف سے
مَنْ	(ان کے) جو	وَاَشْرَقَتِ	اور چمک گئی	وَهُمْ	اور وہ
فِي السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں ہیں	الْاَرْضُ	زمین	لَا يُظْلَمُوْنَ	ظلم نہیں کئے جائیں گے
وَمَنْ	اور ان کے جو	بِنُوْرِ	نور سے	وَوُفِّيَتْ	اور پورا پورا وصول کرلیا
فِي الْاَرْضِ	زمین میں ہیں	رَبِّهَا	اس کے رب کی	كُلُّ نَفْسٍ	ہر شخص نے
اِلَّا مَنْ	مگر جس کو	وَوُضِعَ	اور رکھی گئی	مَّا عَمِلَتْ	جو کیا اس نے
شَآءَ اللّٰهُ	چاہا اللہ نے	الْكِتٰبُ	کتاب	وَهُوَ	اور وہ
ثُمَّ نُفِخَ	پھر پھونکا گیا	وَجِايْۗءَ	اور لائے گئے	اَعْلَمُ	خوب جاننے والے ہیں
فِيْهِ	اس میں	بِالنَّـبِيّٖنَ	انبیاء	بِمَا	ان کاموں کو جو
اُخْرٰى	دوسری مرتبہ	وَالشُّهَدَاۗءِ	اور گواہ	يَفْعَلُوْنَ	وہ کرتے ہیں

قیامت برپا ہوگی اور انصاف سے فیصلے ہونگے

قیامت کا ذکر آیا کہ قیامت کے دن زمین اللہ کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان لپیٹے ہوئے ان کے دائیں ہاتھ میں ہونگے،

اس لئے اب آخر سورت تک قیامت کے احوال کا بیان ہے، جاننا چاہئے کہ آئندہ پیش آنے والے احوال کی پوری حقیقت ابھی نہیں جانی جاسکتی، جو کچھ نص میں ہے اتنا ہی جانا جاسکتا ہے، باقی تفصیل وقت پر معلوم ہوگی، قیاس آرائی سے کچھ فائدہ نہیں، مقصد پر نظر رہنی چاہئے۔

یہ دنیا اپنے شب وروز کے ساتھ چلتی رہے گی، کب تک چلے گی؟ یہ بات اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں، پھر جب اس کو ختم کرکے دوسری دنیا آباد کرنے کا وقت آئے گا تو کیا احوال پیش آئیں گے؟ ارشاد فرماتے ہیں: —— اور (قیامت کے دن) بڑے سینگ میں پھونک ماری جائے گی —— قرآنِ کریم میں صور کا تذکرہ دس جگہ آیا ہے، ترمذی کی حدیث (نمبر ۲۴۲۴) میں اس کی یہ تفسیر آئی ہے: قَرْنٌ یُنْفَخُ فِیْه: وہ ایک سینگ ہے جس میں پھونکا جائے گا، سینگ نوک کی طرف سے باریک ہوتا ہے، اور دوسری طرف سے کشادہ ہوتا ہے، اس کا پتلا حصہ منہ میں لے کر پھونکا جائے تو بہت بلند آواز پیدا ہوتی ہے، اور حضرت اسرافیل علیہ السلام جس صور میں پھونکیں گے اس کی پوری حقیقت ابھی کوئی نہیں جانتا، نبی ﷺ نے اس کو سینگ سے تشبیہ دی ہے —— پس جو آسمانوں میں ہیں —— یعنی آسمانی فرشتے —— اور جو زمین میں ہیں —— یعنی زمینی فرشتے، جنات، حیوانات اور انسان —— سب بے ہوش ہوجائیں گے —— یعنی مرجائیں گے، مگر ختم نہیں ہونگے، روح مرتی نہیں مرگِ بدن سے، فی الجملہ باقی رہیں گے، کیونکہ وصولی کلّی مشکک ہے، وصولی کے مختلف درجات ہیں، نیند اور بے ہوشی میں ایک درجہ تک وصولی ہوتی ہے، اس سے زیادہ وصولی موت کے وقت ہوتی ہے —— پس آیت میں موت کو بے ہوشی سے تعبیر کرکے اشارہ کیا ہے کہ نفخ صور پر مخلوقات بالکلیہ معدوم نہیں ہونگی، فی الجملہ ان کا وجود باقی رہے گا، اسی کا آگے استثناء ہے —— مگر جس کو اللہ تعالیٰ چاہیں —— جس درجہ میں اللہ چاہیں گے وہ باقی رہیں گے۔ کہتے ہیں: حضرات جبرئیل، میکائیل، اسرافیل اور ملک الموت علیہم السلام باقی رہیں گے (چوتھے فرشتہ کا نام (اسم علم) روایت میں نہیں آیا، اسم وصف (ملک الموت) آیا ہے)

پھر اس میں دوبارہ پھونک ماری جائے گی، پس اچانک وہ کھڑے دیکھ رہے ہونگے —— یعنی سب زندہ ہوجائیں گے اور حیرت سے گردوپیش کو دیکھیں گے —— حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ چار مرتبہ نفخ صور مانتے ہیں، پہلی مرتبہ میں عالم ختم ہوجائے گا، دوسری مرتبہ میں سب زندہ ہوجائیں گے، تیسری مرتبہ میں میدانِ حشر میں سب بے ہوش ہوجائیں گے اور چوتھی مرتبہ میں خبردار ہوجائیں گے، پھر حساب وکتاب شروع ہوگا —— لیکن عام علماء دو ہی مرتبہ نفخ صور مانتے ہیں، پہلی مرتبہ میں سب کے ہوش اڑ جائیں گے، زندے تو مردہ ہوجائیں گے اور جو مرچکے ہیں ان کی ارواح پر بے ہوشی کی کیفیت طاری ہوجائے گی، بعدہ دوسرا نفخہ ہوگا جس سے مردوں کی ارواح ابدان کی طرف واپس آجائیں گی

اور بے ہوشوں کو افاقہ ہوگا، اس وقت محشر کے عجیب وغریب منظر کو حیرت زدہ ہو کر تکتے رہیں گے، پھر خداوند قدوس کی پیشی میں تیزی کے ساتھ حاضر کئے جائیں گے (فوائد)

اور زمین چمک جائے گی اس کے پروردگار کے نور سے —— یعنی اللہ تعالیٰ حساب کے لئے اپنی شان کے مناسب نزول فرمائیں گے، اس وقت تجلی اور نور بے کیف سے زمین چمک اٹھے گی —— اور کتاب رکھی جائے گی —— یعنی حساب کا دفتر کھلے گا، سب کو نامۂ اعمال تھمایا جائے گا —— اور انبیاء اور گواہ لائے جائیں گے —— اور ان کے اظہارات (بیانات) سنے جائیں گے اور گواہیاں گذریں گی —— اور ان کے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ کیا جائے گا، اور وہ ظلم نہیں کئے جائیں گے، اور ہر شخص کو اس کے کاموں کا پورا پورا بدلہ دیدیا جائے گا، اور اللہ تعالیٰ ان کے کاموں سے خوب واقف ہیں —— نیکی کے بدلہ میں کمی کرنا اور بدی کے بدلہ میں زیادتی کرنا ظلم ہے، جس کا اللہ کی بارگاہ میں گذر نہیں، اور لوگوں کا اچھا برا ہر عمل اللہ کے علم میں ہے اسی کے موافق بدلہ ملے گا۔

وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ زُمَرًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا فُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَتْلُونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِ رَبِّكُمْ وَيُنذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا ۚ قَالُوا بَلَىٰ وَلَٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿٧١﴾ قِيلَ ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ ﴿٧٢﴾

وَسِيقَ (۱)	اور چلائے گئے	فُتِحَتْ	کھولے گئے	مِّنكُمْ	تم میں سے
الَّذِينَ	جنھوں نے	أَبْوَابُهَا	اس کے دروازے	يَتْلُونَ	(جو) پڑھتے تھے
كَفَرُوا	انکار کیا	وَقَالَ لَهُمْ	اور کہا ان سے	عَلَيْكُمْ	تم پر
إِلَىٰ جَهَنَّمَ	دوزخ کی طرف	خَزَنَتُهَا (۳)	اس کے ذمہ داروں نے	آيَاتِ	آیتیں
زُمَرًا (۲)	گروہ گروہ بنا کر	أَلَمْ	کیا نہیں	رَبِّكُمْ	تمہارے رب کی
حَتَّىٰ إِذَا	یہاں تک کہ جب	يَأْتِكُمْ	پہنچے تمہارے پاس	وَيُنذِرُونَكُمْ	اور ڈراتے تھے تم کو
جَاءُوهَا	پہنچے وہ اس پر	رُسُلٌ	پیغامبر	لِقَاءَ	ملاقات سے

(۱) سِيق: سَاقَ کا مجہول: ہانکنا، پیچھے سے چلانا (۲) زُمَر: زُمْرة کی جمع: گروہ، جتھا (۳) خَزَنَة: خَازِن کی جمع: ذمہ دار، داروغہ، چوکیدار۔

يَوْمِكُمْ هٰذَا	تمھارے اس دن کی	عَلَى الْكٰفِرِيْنَ	انکار کرنے والوں پر	خٰلِدِيْنَ	سدا رہنے والے
قَالُوْا	کہا انھوں نے	قِيْلَ	کہا گیا	فِيْهَا	اس میں
بَلٰى	کیوں نہیں	ادْخُلُوْٓا	داخل ہوجاؤ	فَبِئْسَ	پس برا ہے
وَلٰكِنْ حَقَّتْ	لیکن ثابت ہوگئی	اَبْوَابَ	دروازوں میں	مَثْوَى	ٹھکانا
كَلِمَةُ الْعَذَابِ	عذاب کی بات	جَهَنَّمَ	دوزخ کے	الْمُتَكَبِّرِيْنَ	گھمنڈ کرنے والوں کا

قرآن پر ایمان نہ لانے والوں کو جہنم میں پہنچایا جائے گا

اب آخر میں قرآن پر ایمان نہ لانے والوں کا برا انجام، اور ایمان لاکر تقوی کی زندگی اختیار کرنے والوں کا اچھا انجام بیان کرتے ہیں، ارشاد فرماتے ہیں: —— اور چلایا جائے گا ان لوگوں کو جنھوں نے (قرآن کا) انکار کیا دوزخ کی طرف گروہ گروہ بناکر —— کفر کے اقسام ومراتب بہت ہیں، انکار کلی مشکک ہے، اس لئے ہر درجہ کے کافروں کا الگ الگ گروہ بنایا جائے گا، اور فرشتے ان کو پیچھے سے ہانک کر دوزخ کی طرف لے چلیں گے —— یہاں تک کہ جب وہ دوزخ پر پہنچیں گے تو اس کے دروازے کھولے جائیں گے —— جیل خانہ کا پھاٹک کھلا نہیں رہتا، بھڑا رہتا ہے، جب کسی قیدی کو داخل کرنا ہوتا ہے تو کھول کر داخل کرتے ہیں، پھر بند کردیتے ہیں، اسی طرح جب کفار دوزخ کے قریب پہنچیں گے تو دروازے کھول کر ان میں دھکیل دیا جائے گا، اس کے بعد دروازے بند کردیئے جائیں گے —— اور ان سے دوزخ کے محافظ فرشتے (بطور سرزنش) پوچھیں گے: ''کیا تمھارے پاس تم ہی میں سے رسول نہیں آئے تھے جو تم کو تمھارے پروردگار کی آیتیں پڑھ کر سناتے اور تم کو تمھارے اس دن سے ڈراتے؟ وہ جواب دیں گے: کیوں نہیں! —— ضرور آئے تھے، انھوں نے ہم کو اللہ کی باتیں سنائیں، اور آج کے دن سے خبردار کیا —— لیکن عذاب کا فیصلہ منکروں پر پورا ہوکر رہا —— کلمۃ العذاب: یعنی لأملئن جھنم یعنی ہم نے بدقسمتی سے اللہ کی باتوں کو نہ مانا تو یہ برا دن دیکھنا پڑا —— کہا جائے گا: جہنم کے دروازوں میں داخل ہوجاؤ، سدا اس میں رہنا ہے، پس (جہنم) تکبر کرنے والوں کا برا ٹھکانا ہے! —— یعنی تم نے شیخی اور غرور میں قرآن کی دعوت قبول نہیں کی، پس اب ہمیشہ دوزخ میں سڑو!

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ۝ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاۗءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝ وَتَرَى

الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۵﴾ ع ۵

وَسِيْقَ	اور چلایا گیا	خٰلِدِيْنَ	سدا رہنے والے	الْمَلٰٓئِكَةَ	فرشتوں کو
الَّذِيْنَ	ان کو جو	وَقَالُوا	اور کہا انھوں نے	حَآفِّيْنَ	گھیرنے والے
اتَّقَوْا	ڈرتے رہے	الْحَمْدُ	تمام تعریفیں	مِنْ حَوْلِ	اردگرد کو
رَبَّهُمْ	اپنے رب سے	لِلّٰهِ	اللہ کے لئے ہیں	الْعَرْشِ	عرش کے
اِلَى الْجَنَّةِ	جنت کی طرف	الَّذِيْ	جنھوں نے	يُسَبِّحُوْنَ	پاکی بیان کرتے ہیں
زُمَرًا	گروہ گروہ کرکے	صَدَقَنَا(۲)	سچا کیا ہم سے	بِحَمْدِ رَبِّهِمْ	ان کے رب کی خوبیوں
حَتّٰٓى اِذَا	یہاں تک کہ جب	وَعْدَهٗ	اپنا وعدہ		کے ساتھ
جَآءُوْهَا	پہنچے وہ اس پر	وَاَوْرَثَنَا	اور وارث بنایا ہمیں	وَقُضِيَ	اور فیصلہ کیا گیا
وَفُتِحَتْ	درانحالیکہ کھولے گئے ہیں	الْاَرْضَ(۳)	اس زمین کا	بَيْنَهُمْ	لوگوں کے درمیان
اَبْوَابُهَا	اس کے دروازے	نَتَبَوَّاُ(۴)	رہیں ہم	بِالْحَقِّ	ٹھیک ٹھیک
وَقَالَ لَهُمْ	اور کہا ان سے	مِنَ الْجَنَّةِ(۵)	بعض جنت میں	وَقِيْلَ	اور کہا گیا
خَزَنَتُهَا	اس کے ذمہ داروں نے	حَيْثُ نَشَآءُ	جہاں چاہیں	الْحَمْدُ	تمام تعریفیں
سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ	سلامتی ہو تم پر	فَنِعْمَ	پس خوب ہے	لِلّٰهِ	اللہ کے لئے ہیں
طِبْتُمْ(۱)	خوش حال ہوئے تم	اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ	عمل کرنے والوں کا بدلہ	رَبِّ	(جو) پالنہار ہیں
فَادْخُلُوْهَا	پس داخل ہوجاؤ اس میں	وَتَرَى	اور دیکھتا ہے تو	الْعٰلَمِيْنَ	سارے جہانوں کے

ایمان وتقوی والے جنت کی طرف روانہ کئے جائیں گے

اور چلائے گئے وہ لوگ جو اپنے رب سے ڈرتے رہے جنت کی طرف جماعت جماعت بنا کر —— ایمان وتقوی

(۱) طِبتُم: ماضی، جمع مذکر حاضر، طابَ الشيئُ (ض) طِيبًا: اچھا ہونا، خوش گوار ہونا (۲) صَدَقَنا: اس نے ہم سے سچ کر دکھایا (۳) الأرض: میں ال عہدی ہے، مراد جنت کی زمین ہے (۴) نتبوأ: مضارع، جمع متکلم، تَبَوُّء: رہنا، سکونت پذیر ہونا (۵) من الجنة میں من تبعیضیہ ہے، مراد ہر جنتی کا اپنا مقام ہے۔

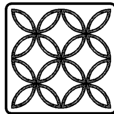
کے مدارج (مراتب) بھی متفاوت ہیں، پس ہر درجہ کے مؤمنین متقین کی جماعت الگ ہوگی، ان سب جماعتوں کو میدانِ محشر سے سیدھا جنت میں لے جایا جائے گا ـــــ یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ کفروا کے مقابل آمنوا نہیں کہا، بلکہ اتقوا کہا ہے، میدانِ حشر سے سیدھے جنت میں وہی مؤمنین جائیں گے جو متقی پرہیزگار ہیں، نافرمان گنہگار وایا (براہِ) جہنم جائیں گے۔ آج اکثر مسلمان اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ بس ایمان سے نجات اوّلی ہوگی، ایسا نہیں ہے بھائیو! جو جنت میں سیدھا جانا چاہتا ہے وہ عمل پر مضبوط ہوجائے، کرنے کا ہر کام کرے اور بچنے کے ہر کام سے بچے، تاکہ جہنم سے سابقہ نہ پڑے ـــــ یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس پہنچیں گے تو اس کے دروازے کھلے ہونگے ـــــ مہمانوں کے لئے ان کی آمد کے پہلے سے گھر کا دروازہ کھلا رکھا جاتا ہے ـــــ اور ان سے جنت کے ذمہ دار فرشتے کہیں گے: السلام علیکم! (تم جیو!) تم مزہ میں رہے! اب ہمیشہ کے لئے جنت میں داخل ہوجاؤ!

اور (جنت میں پہنچ کر) جنتیوں نے کہا: اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے، جس نے ہم سے کیا ہوا اپنا وعدہ سچا (پورا) کیا، اور ہمیں جنت کی زمین کا وارث (مالک) بنایا، تاکہ ہم جنت کے اپنے حصہ میں جہاں چاہیں رہیں، پس کیسا عمدہ بدلہ ہے نیک کام کرنے والوں کا!

عدالت برخاست!

جب اللہ تعالیٰ حساب کتاب کے لئے نزولِ اجلال فرمائیں گے تو فرشتے عرش کے گردا گرد حلقہ بنائے ہوئے پروردگار کی تسبیح وتحمید میں مشغول ہونگے، اور سب لوگوں کا انصاف سے فیصلہ کیا جائے گا، اور ہر طرف سے آواز اٹھے گی، ساری خوبیاں اس اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہاں کے پالنہار ہیں! پھر عدالت برخاست ہوجائے گی اور یہ دنیا ختم کردی جائے گی اور دوسری دنیا ہمیشہ کے لئے آباد ہوجائے گی، ارشادِ پاک ہے: ـــــ اور آپ (حساب کے اجلاس کے وقت) فرشتوں کو دیکھیں گے کہ وہ عرش کے گردا گرد حلقہ بنائے ہوئے ہونگے، اور اپنے رب کی تسبیح وتحمید کررہے ہونگے، اور لوگوں کے درمیان ٹھیک فیصلہ کردیا جائے گا، اور کہا جائے گا: تمام خوبیاں اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کے پالنہار ہیں!

﴿بحمد اللہ تعالیٰ سورۃ الزمر کی تفسیر ۱۱رمحرم الحرام ۱۴۳۷ھ = ۲۵؍اکتوبر ۲۰۱۵ء کو پوری ہوئی﴾



(۴۰) سُوْرَةُ الْمُؤْمِنِ مَكِّيَّةٌ (۶۰)

آیاتہا ۸۵ — رکوعاتہا ۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ۝ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝ مَا يُجَادِلُ فِيْۤ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ۝ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّالْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۪ وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۭ بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ ۫ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝ وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ۝

حٰمٓ	حا،میم	وَقَابِلِ	اور قبول کرنے والے	الْمَصِيْرُ	لوٹنا ہے
تَنْزِيْلُ	بتدریج اتارنا	التَّوْبِ	توبہ کے	مَا يُجَادِلُ	نہیں جھگڑتے
الْكِتٰبِ	قرآن کا	شَدِيْدِ	سخت	فِيْۤ اٰيٰتِ اللّٰهِ	اللہ کی آیتوں میں
مِنَ اللّٰهِ	اللہ کی طرف سے ہے	الْعِقَابِ	سزا والے	اِلَّا الَّذِيْنَ	مگر جنھوں نے
الْعَزِيْزِ	(جو) زبردست	ذِي الطَّوْلِ (۱)	انعام واحسان والے	كَفَرُوْا	انکار کیا
الْعَلِيْمِ	بڑے جاننے والے ہیں	لَاۤ اِلٰهَ	کوئی معبود نہیں	فَلَا يَغْرُرْكَ (۲)	پس نہ اشتباہ میں ڈالے
غَافِرِ	بخشنے والے	اِلَّا هُوَ	مگر وہی		تجھ کو
الذَّنْۢبِ	گناہوں کے	اِلَيْهِ	انہی کی طرف	تَقَلُّبُهُمْ (۳)	ان کا چلنا پھرنا

(۱) طول (طاء پر زبر) طُول (طاء پر پیش) کی طرح طال یطول کا مصدر ہے، اول کے معنی: انعام واحسان کرنے کے ہیں اور اس کا صلہ علی آتا ہے اور ثانی کے معنی لمبا ہونے کے ہیں اور اس کے معنی مقدرت (قدرت) کے بھی ہیں، امام راغب کہتے ہیں: طَول: فضیلت اور احسان کے معنی میں مخصوص ہوگیا ہے (اھ) یہاں یہی معنی ہیں، کیونکہ یہ شدید العقاب کی مقابل صفت ہے۔ (۲) غَرَّ فلانا (ن) غَرًّا وَغُرُوْرًا: دھوکہ دینا، بہکانا، باطل چیز کا لالچ دینا (۳) تقلُّب: الٹنا پلٹنا، تقلّب فی البلاد: ملکوں اور شہروں میں گھومنا۔

فِي الْبِلَادِ	شہروں میں	بِرَسُوْلِهِمْ	اپنے رسول کے ساتھ	فَكَيْفَ كَانَ	پس کیسا تھا
كَذَّبَتْ	جھٹلایا	لِيَأْخُذُوْهُ	کہ پکڑیں وہ اس کو	عِقَابِ	میرا عذاب
قَبْلَهُمْ	اِن سے پہلے	وَجٰدَلُوْا	اور لڑیں وہ	وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ	اور اسی طرح ثابت ہوگئی
قَوْمُ نُوْحٍ	قوم نوح نے	بِالْبَاطِلِ	ناحق	كَلِمَتُ رَبِّكَ	تیرے رب کی بات
وَّالْاَحْزَابُ	اور جتھوں نے	لِيُدْحِضُوْا (۱)	تاکہ پھسلادیں	عَلَى الَّذِيْنَ	ان پر جنھوں نے
مِنْۢ بَعْدِهِمْ	ان کے بعد	بِهِ	اس کے ذریعہ	كَفَرُوْا	انکار کیا
وَهَمَّتْ	اور ارادہ کیا	الْحَقَّ	(دین) حق کو	اَنَّهُمْ	کہ وہ
كُلُّ اُمَّةٍ	ہرامت نے	فَاَخَذْتُهُمْ	پس پکڑا میں نے ان کو	اَصْحٰبُ النَّارِ	دوزخ والے ہیں

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

ربط: گذشتہ سورت کے آخری رکوع میں اہل جہنم اور اہل جنت کا ذکر آیا ہے، یہ سورت اُنہی دونوں کے تذکرے سے شروع ہورہی ہے، پہلے یہ مضمون ہے کہ قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی کتاب ہے، کسی انسان کی تصنیف نہیں، یہی مضمون تمام حوامیم کے شروع میں ہے، اور اللہ تعالیٰ کی چھ صفتیں ذکر کی ہیں، جس کی وجہ سے شروع کی تین آیتیں اہم ہوگئی ہیں (حٰمٓ ایک پوری آیت ہے) اس کے بعد اہل نار کا پھر اہل جنت کا ذکر ہے۔

حوامیم یا آلِ حامیم

یہاں سے مسلسل سات سورتیں حٰمٓ سے شروع ہوئی ہیں، اس لئے یہ سورتیں حوامیم یا آلِ حٰمٓ (حم والی) کہلاتی ہیں، اس سورت کا نزول کا نمبر ۶۰ ہے، یہ مکی دور کے آخری سورت ہے، یہ پوراکش مکش کا دور تھا، اسلام کی مخالفت زوروں پر تھی، مشرکین: اسلام کا پودا اکھاڑنے کی پوری کوشش کررہے تھے، اس لئے اس سورت کا موضوع بھی توحید، رسالت اور دلیلِ رسالت (قرآنِ کریم) ہے، اس سورت میں خاندانِ فرعون کے ایک مؤمن بندے کی نصیحتوں کا ذکر ہے، اس لئے اس کا نام سورۃ المؤمن رکھا گیا ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے حوامیم کو دیباج القرآن کہا ہے، دیباج کے معنی ہیں: ریشم، ریشم کا لباس زینت ہوتا ہے، پس یہ سورتیں قرآن کی زینت ہیں، نیز آپؐ نے ان سورتوں کو رَوْضَات و مَثَات فرمایا ہے، یعنی ہری کیاریاں اور سبزہ زار، اور یہ بھی فرمایا ہے کہ جب میں قرآن کی تلاوت کرتا ہوا ان سورتوں پر پہنچتا ہوں تو گویا ان میں میری تفریح

(۱) أَدْحَضَ: پھسلانا، ہٹانا، دھکیلنا۔

ہوتی ہے یعنی مجھے ان سورتوں میں بڑا مزہ آتا ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان سورتوں کو قرآن کا خلاصہ کہا ہے، اور کوئی ان کو قرآن کی دلہنیں کہتا ہے، اس لئے ان سورتوں کو اہتمام سے پڑھنا چاہئے، یہ سورتیں حفظ وفہم کے اعتبار سے اہم ہیں۔

قرآنِ کریم بہ تدریج اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے

حا، میم —— جمہور کے نزدیک یہ حروف مقطعات (حروفِ ہجاء) ہیں، ان کی مراد اللہ تعالیٰ جانتے ہیں، اور ممکن ہے نبی ﷺ کو بھی بتائی ہو، مگر آپؐ نے امت کو نہیں بتائی، یہی حال تمام متشابہات کا ہے —— اللہ زبردست، ہر چیز جاننے والے نے بہ تدریج قرآن اتارا ہے، گناہ بخشنے والے، اور توبہ قبول فرمانے والے، سخت سزا دینے والے، انعام واحسان فرمانے والے، ان کے سوا کوئی معبود نہیں، انہی کی طرف لوٹنا ہے۔

یہ تین آیتیں اہم ہیں، ان میں اللہ تعالیٰ کے شئون وصفات کا ذکر ہے، اور جن آیات میں یہ بات ہوتی ہے ان کی اہمیت بڑھ جاتی ہے، جیسے سورۃ الحشر کی آخری تین آیتیں اور آیت الکرسی —— ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی چھ صفات کا ذکر ہے، اور مُنْزِل (اتارنے والے) کی صفات کا مُنْزَل (اتاری ہوئی کتاب) میں اثر ہوتا ہے، جیسے شفیق اور غصیلے کی تحریروں میں واضح فرق ہوتا ہے —— اللہ تعالیٰ کی چھ صفات یہ ہیں:

قاعدہ: جب واو کے ذریعہ عطف کیا جائے تو معطوف اور معطوف علیہ میں من وجہٍ اتحاد اور من وجہٍ مغائرت ہوتی ہے، اور جہاں یہ عطف نہ ہو تو وہ مستقل صفت ہوتی ہے۔

پہلی صفت: العزیز: زبردست، غالب، یعنی قرآن نے اسلام کے غلبہ کی جو خبر دی ہے اس کو واقعہ بنانے پر اللہ تعالیٰ قادر ہیں۔

دوسری صفت: العلیم: خوب جاننے والے، یعنی اسلام کس طرح غالب ہوگا؟ اس کو اللہ تعالیٰ بخوبی جانتے ہیں۔

تیسری صفت: غافر الذنب: کوتاہیوں کو بخشنے والے، ذنب: معمولی درجہ کا چھوٹا گناہ یعنی کوتاہی، اس سے اوپر خطیئة: چوک ہے، اس سے اوپر سیئة: برائی ہے اور اس سے اوپر معصیة: نافرمانی ہے (یہ کبیرہ گناہ ہے) اللہ تعالیٰ مؤمنین کی کوتاہیوں کو مختلف اسباب سے توبہ کے بغیر بھی معاف کرتے ہیں، جیسے وضوء سے، نماز سے اور دوسری نیکیوں سے ذنوب (کوتاہیاں یعنی چھوٹے گناہ) توبہ کے بغیر بھی اللہ تعالیٰ بخش دیتے ہیں۔

چوتھی صفت: قابل التوب: توبہ قبول کرنے والے: یعنی جن گناہوں کے لئے توبہ شرط ہے — کبیرہ گناہوں کے لئے توبہ شرط ہے — اس گناہ سے بندہ توبہ کرلے، مثلاً: سب سے بڑا گناہ کفر وشرک ہے، اس سے بندہ توبہ کرلے تو اللہ

تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرلیتے ہیں، اوراس کا گناہ ایسا معاف کردیتے ہیں جیسے اس نے کبھی گناہ کیا ہی نہیں۔

پانچویں صفت:شديد العقاب: سخت سزا دینے والے، یہ کافر ومشرک کے حق میں ہے، ان کا ذکر آگے آرہا ہے۔

چھٹی صفت:ذو الطّول: انعام واحسان فرمانے والے، یہ توبہ کرنے والے مؤمن کے حق میں ہے، اوراس کا مظہر (ظاہر ہونے کی جگہ) وہ نومسلم یا موروثی مسلمان ہیں جو شریعت کی پوری پیروی کرتے ہیں، جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

لا إلٰه إلا هو: ان کے سوا کوئی معبود نہیں: یعنی جوہستی ان صفات کے ساتھ متصف ہے وہی معبود ہوسکتی ہے۔

إليه المصير: انہی کی طرف لوٹنا ہے: یہ توحید کی دلیل ہے، کیونکہ کوئی اور معبود ہوتا تو وہ اپنے پرستاروں کو اپنی طرف لوٹاتا، جبکہ لوٹنا سب کو اللہ ہی کی طرف ہے، پس وہی معبود برحق ہیں، باقی سب ڈھکوسلے ہیں۔

جولوگ قرآن میں جھگڑا اٹھاتے ہیں ان کی چار دن کی چاندنی دھوکہ نہ دے، ان کا انجام اگلوں کی طرح دوزخ ہے

اللہ تعالیٰ کی آخری دو صفتیں تھیں: سخت سزا دینے والے اور انعام واحسان فرمانے والے: اب ان کے مظاہر بیان فرماتے ہیں، پہلی صفت کا مظہر قرآن کا انکار کرنے والے ہیں اور دوسری کا قرآن پر ایمان لانے والے۔

ارشاد فرماتے ہیں: —— نہیں جھگڑتے اللہ کی آیتوں میں مگر جنھوں نے (ان کو اللہ کا کلام) نہیں مانا —— یعنی اللہ کی باتیں ایسی نہیں کہ ان میں کوئی جھگڑا کرے، کھلی باتیں ہیں، مگر جنھوں نے ٹھان لی ہے کہ روشن سے روشن دلائل کو بھی نہیں ماننا، وہی قرآن کی سچی باتوں میں ناحق جھگڑے ڈالتے ہیں —— پس تجھے دھوکہ میں نہ ڈالے ان کا شہروں میں چلنا پھرنا —— یعنی مسلمانوں کو منکرین کا عروج دیکھ کر کوئی اشتباہ نہ ہو، وہ کاروبار کے لئے شہروں میں چلتے پھرتے اور کھاتے پیتے ہیں، اس سے دھوکہ نہ کھانا چاہئے، یہ چار دن کی چاندنی ہے پھر آگے اندھیری رات ہے! اگلی قوموں کا جو حال ہوا وہی ان کا بھی ہونا ہے —— اِن سے پہلے جھٹلایا قوم نوحؑ نے اور جتھوں نے ان کے بعد —— مثلاً عاد وثمود نے جو بڑی زبردست قومیں تھیں —— اور ہر امت نے ارادہ کیا اپنے رسول کے ساتھ کہ وہ اس کو پکڑیں، اوراس سے ناحق جھگڑیں تاکہ وہ پھسلا دیں اپنے جھگڑے کے ذریعہ دینِ حق کو —— یعنی ہر امت نے اپنے نبی کے ساتھ بحث وتکرار شروع کی، تاکہ سچے دین کو شکست دیدیں، اور حق کی آواز کو ابھرنے نہ دیں —— پس میں نے ان کو پکڑا، پس کیسی رہی میری سزا؟ —— یعنی ہم نے ان کا داؤ چلنے نہ دیا، جب ان کا جھگڑا حد سے بڑھا تو ہم نے ان کو پکڑ کر سخت سزا دی، بیخ وبُن سے ان کو اکھاڑ پھینکا —— اوراس طرح تیرے رب کی بات ثابت ہوگئی ان کے حق میں جنھوں نے انکار کیا کہ وہ

دوزخی ہیں ـــــ یعنی ان منکرین کو بھی صرف دنیا میں سزا نہیں ملے گی، بلکہ آخرت کی سزا سے بھی سابقہ پڑے گا۔

گذشتہ تباہ شدہ قوموں کے آثار کہیں کہیں موجود ہیں ان کو دیکھ کر ان کی تباہی کا تصور کیا جاسکتا ہے

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ الَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ۭ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ ع ۹

اَلَّذِيْنَ	جو (فرشتے)	وَسِعْتَ	وسیع ہیں آپ	وَاَدْخِلْهُمْ	اور داخل کریں آپ ان کو
يَحْمِلُوْنَ	اٹھائے ہوئے ہیں	كُلَّ شَيْءٍ	ہر چیز کو	جَنّٰتِ	باغات میں
الْعَرْشَ	تخت کو	رَّحْمَةً (۱)	مہربانی	عَدْنٍ	ہمیشہ رہنے کے
وَمَنْ حَوْلَهٗ	اور جو اس کے گرداگرد ہیں	وَّعِلْمًا	اور علم کے ذریعہ	الَّتِيْ	جن کا
يُسَبِّحُوْنَ	پاکی بیان کرتے ہیں	فَاغْفِرْ	پس بخش دیں آپ	وَعَدْتَّهُمْ	آپ نے ان سے وعدہ کیا ہے
بِحَمْدِ	خوبی کے ساتھ	لِلَّذِيْنَ	ان کو جنھوں نے	وَمَنْ	اور جو
رَبِّهِمْ	ان کے پروردگار کی	تَابُوْا	توبہ کی	صَلَحَ (۳)	ٹھیک ہوئے (قابل ہوئے)
وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ	اور یقین رکھتے ہیں وہ اس پر	وَاتَّبَعُوْا	اور پیروی کی	مِنْ اٰبَآئِهِمْ	ان کے باپوں سے
وَيَسْتَغْفِرُوْنَ	اور مغفرت طلب کرتے	سَبِيْلَكَ	آپ کے راستہ کی	وَاَزْوَاجِهِمْ	اور ان کی بیویوں سے
	ہیں وہ	وَقِهِمْ (۲)	اور بچائیں آپ ان کو	وَذُرِّيّٰتِهِمْ	اور ان کی اولاد سے
لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	ان کیلئے جو ایمان لائے	عَذَابَ الْجَحِيْمِ	دوزخ کے عذاب سے	اِنَّكَ اَنْتَ	بے شک آپ ہی
رَبَّنَا	اے ہمارے پروردگار!	رَبَّنَا	اے ہمارے رب!	الْعَزِيْزُ	زبردست

(۱) رحمة وعلما: تمیز ہیں (۲) قِ: فعل امر: بچا، وَقٰی یقی وقایة: بچانا، ھم: مفعولِ اول، عذاب الجحیم: مفعولِ ثانی
(۳) صَلَحَ (ن) صلاحاً: ٹھیک ہونا، خرابی دور ہونا۔

اَلْحَكِيْمُ	بڑی حکمت والے ہیں	السَّيِّاٰتِ	برائیوں سے	وَذٰلِكَ هُوَ	اور یہی وہ
وَقِهِمُ	اور بچائیں آپ ان کو	يَوْمَىِٕذٍ	اس دن	الْفَوْزُ	کامیابی ہے
السَّيِّاٰتِ	برائیوں سے	فَقَدْ رَحِمْتَهٗ	تو یقیناً مہربانی کی آپ نے اس پر	الْعَظِيْمُ	بڑی
وَمَنْ تَقِ (۱)	اور جس کو آپ بچائیں			۞	۞

جو لوگ کفر و شرک سے توبہ کرلیں اور شریعت کی پیروی کریں ان کے لئے مقرب فرشتے دعا کرتے ہیں

اللہ کی صفت آئی ہے ذُو الطَّول: انعام واحسان فرمانے والے، اس صفت کا مظہر (ظاہر ہونے کی جگہ) وہ کفار ومشرکین ہیں جو شرک وکفر سے توبہ کرلیں، کنارہ کش ہوجائیں، اور مسلمان ہوکر شریعت کی پوری پابندی کریں، یا وہ موروثی (قدیم) مسلمان ہیں اور شریعت کا اتباع کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ ان پر فضل وکرم اور انعام واحسان فرمائیں گے، مغفرت فرمائیں گے، جہنم سے بچائیں گے اور سدا بہار جنت میں داخل کریں گے، جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے مقرب فرشتوں کو دعا میں لگا رکھا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ ان کی دعائیں ضرور سنیں گے، کیونکہ وہ مقرب بندے ہیں۔

ارشاد فرماتے ہیں: —— جو فرشتے عرش الٰہی کو اٹھائے ہوئے ہیں —— فی الحال چار فرشتے اللہ کے تخت کو اٹھائے ہوئے ہیں، اور قیامت کے دن آٹھ فرشتے اٹھائیں گے [الحاقة ۱۷] —— اور جو فرشتے عرش کے گرداگرد ہیں —— ان کی تعداد اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں، انہی فرشتوں کو کرّوبی کہتے ہیں، یہ سب مقربین بارگاہ ہیں —— وہ اپنے پروردگار کی تسبیح وتحمید میں لگے رہتے ہیں —— تسبیح: پاکی بیان کرنا: یعنی یہ واضح کرنا کہ اللہ تعالیٰ میں کوئی عیب اور کمی نہیں۔ اور تحمید کے معنی ہیں: تعریف کرنا یعنی خوبیوں کے ساتھ متصف کرنا، یہ بیان کرنا کہ ہر خوبی اللہ تعالیٰ میں موجود ہے —— اور وہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں —— سوال: یہ بات کیوں بیان کی ہے؟ فرشتوں میں تو عدم ایمان کا احتمال ہی نہیں! پھر اگر بیان کرنی تھی تو یُسَبِّحُوْن سے پہلے بیان کرتے، ایمان والے ہی تو تسبیح وتحمید کرتے ہیں! —— جواب: یہ بات مؤمنین کے حق میں دعا کرنے کی وجہ کے طور پر بیان کی گئی ہے، فرشتے مؤمنین کے لئے دعا کیوں کرتے ہیں؟ اس لئے کرتے ہیں کہ وہ بھی مؤمن ہیں، اور مسلمان مسلمان بھائی ہیں، اور بھائی بھائی کی خیر خواہی کرتا ہے، یہ طبعی مناسبت بتانے کے لئے یہ جملہ لایا گیا ہے —— اور ایمان والوں کے لئے استغفار کرتے رہتے ہیں —— استغفار میں سین تاء طلب کے لئے ہیں، اور غفر کے مادہ میں چھپانے کے معنی ہیں، مِغْفَر: لوہے کی ٹوپی کو کہتے ہیں، جو پولیس والے پہنتے ہیں، پس استغفار کے معنی ہیں: اللہ سے دعا کرنا کہ وہ اپنی رحمت میں چھپالیں، گناہ ہوں تو معاف کرکے، ورنہ بدرجۂ اولیٰ، پس سید المرسلین ﷺ

(۱) تَقِ: مضارع، صیغہ واحد مذکر حاضر، اصل میں تَقِی تھا، آخر سے حرف علت ی: من شرطیہ کی وجہ سے گر گئی ہے۔

بھی استغفار کے محتاج ہیں ـــــ اور فرشتے اس طرح دعا کرتے ہیں: ـــــ اے ہمارے پروردگار! آپ کی رحمت اور علم ہر چیز کو شامل ہے، پس آپ ان لوگوں کی بخشش فرمائیں جنھوں نے (شرک وکفر سے) توبہ کی، اور وہ آپ کے راستہ پر چلے ـــــ یعنی شریعت کی پیروی کی ـــــ اور ان کو جہنم کے عذاب سے بچائیں ـــــ یہ منفی پہلو سے دعا کی ہے ....اور آپ کی رحمت اور علم ہر چیز کو شامل ہے: یعنی آپ کے علم میں وہ جہنم سے رستگاری کے مستحق ہیں، کافر و مشرک نہیں، مؤمن ہیں، پس ان کی معمولی کوتاہیوں سے درگذر فرمائیں، آپ کی رحمت وسیع ہے ـــــ اے ہمارے پروردگار! اور آپ ان کو ہمیشہ رہنے کے باغات میں داخل فرمائیں، جن کا آپ نے ان سے ـــــ ایمان وعمل صالح پر ـــــ وعدہ فرمایا ہے ـــــ اور ان لوگوں کو بھی جو جنت کے لائق ہیں، ان کے آباء، ازواج اور ذریات میں سے ـــــ ومن صلح کا عطف أَدْخِلْهُمْ کی ضمیر منصوب پر ہے...... صَلَحَ: قابل ولائق ہوں یعنی مؤمن ہوں...... بے شک آپ زبردست بڑی حکمت والے ہیں ـــــ یعنی متعلقین جنت میں نہیں ہونگے تو جنتیوں کا مزہ کرکرا ہوجائے گا، پس ان کو بھی جنت میں داخل کرکے جنتیوں پر انعام واحسان فرمائیں ـــــ یہ مثبت پہلو سے دعا کی ہے ـــــ اور ان کو برائیوں سے بچائیں ـــــ یعنی دنیا میں، تاکہ وہ جہنم میں نہ پہنچیں، اور سب سے بڑی برائی کفر وشرک ہے ـــــ اور آپ جس کو اُس دن (قیامت کے دن) برائیوں سے (یعنی کفر وشرک کے انجام سے) بچائیں تو یقیناً آپ نے ان پر مہربانی فرمائی، اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

جو مسلمان انابت کی راہ اختیار نہیں کرتے ان کے حق میں مقرب فرشتے دعا نہیں کرتے (فوائد)

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللَّهِ أَكْبَرُ مِن مَّقْتِكُمْ أَنفُسَكُمْ إِذْ تُدْعَوْنَ إِلَى الْإِيمَانِ فَتَكْفُرُونَ ۝ قَالُوا رَبَّنَا أَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَأَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوبِنَا فَهَلْ إِلَىٰ خُرُوجٍ مِّن سَبِيلٍ ۝ ذَٰلِكُم بِأَنَّهُ إِذَا دُعِيَ اللَّهُ وَحْدَهُ كَفَرْتُمْ ۖ وَإِن يُشْرَكْ بِهِ تُؤْمِنُوا ۚ فَالْحُكْمُ لِلَّهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيرِ ۝

إِنَّ الَّذِينَ	بے شک جنھوں نے	يُنَادَوْنَ	پکارے جائیں گے	اللهِ	اللہ کی
كَفَرُوا	انکار کیا	لَمَقْتُ (۱)	البتہ بیزاری	أَكْبَرُ	زیادہ بڑی ہے

(۱) مَقَتَ (ن) فلانا مَقْتًا: کسی سے سخت بغض وعناد رکھنا، کسی سے سخت ناراض ہونا، بیزار رہنا۔

مِنْ مَّقْتِكُمْ	تمہاری بیزاری سے	وَ اَحْيَيْتَنَا	اور زندہ کیا آپ نے ہم کو	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
اَنْفُسَكُمْ	اپنی ذاتوں سے	اثْنَتَيْنِ	دومرتبہ	وَحْدَهٗ	تنہا
اِذْ	جب	فَاعْتَرَفْنَا	پس اقرار کرتے ہیں ہم	كَفَرْتُمْ	(تو) تم انکار کرتے تھے
تُدْعَوْنَ	بلائے جاتے تھے تم	بِذُنُوْبِنَا	اپنے گناہوں کا	وَاِنْ يُّشْرَكْ	اور اگر شریک کیا جاتا تھا
اِلَى الْاِيْمَانِ	ایمان کی طرف	فَهَلْ	پس کیا	بِهٖ	ان کے ساتھ
فَتَكْفُرُوْنَ	تو انکار کرتے تھے تم	اِلٰى خُرُوْجٍ	نکلنے کی	تُؤْمِنُوْا	(تو) تم ایمان لے آتے تھے
قَالُوْا	کہا انھوں نے	مِّنْ سَبِيْلٍ	کوئی راہ ہے؟	فَالْحُكْمُ	پس فیصلہ
رَبَّنَآ	اے ہمارے ربّ!	ذٰلِكُمْ	یہ بات (فیصلہ)	لِلّٰهِ	اللہ کا ہے
اَمَتَّنَا	مارا آپ نے ہم کو	بِاَنَّهٗ [1]	بایں وجہ ہے کہ	الْعَلِيِّ	(جو) برتر
اثْنَتَيْنِ	دومرتبہ	اِذَا دُعِيَ	جب پکارے جاتے تھے	الْكَبِيْرِ	بڑے ہیں

کافروں اور مشرکوں پر فرشتے لعنت بھیجتے ہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ان سے بیزار ہیں

گذشتہ آیات میں آیا ہے کہ فرشتے نیک مؤمنین کے لئے دعائیں کرتے ہیں، فرشتے یہ کام بہ حکم الٰہی کرتے ہیں، اللہ نے ان کو اس کام پر لگایا ہے، اور اس لئے لگایا ہے کہ متبع شریعت مؤمنین سے اللہ تعالیٰ کو محبت ہے، پس کافروں اور مشرکوں کے لئے فرشتے دعائیں نہیں کرتے، بلکہ ان پر لعنت بھیجتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ ان سے بیزار ہیں، یہ ماسبق سے ربط ہوا۔

جب دوزخی جہنم میں پہنچ جائیں گے تو اپنے آپ سے سخت ناراض ہونگے کہ ہم دنیا میں کیسے برے کام کر کے آئے کہ آج یہ برادن دیکھنا پڑا! اس وقت ان کو دور سے پکار کر کہا جائے گا کہ آج جتنا تم اپنی ذاتوں سے بیزار ہو اس سے زیادہ اللہ تعالیٰ تم سے بیزار تھے جب تم کو دنیا میں ایمان لانے کی دعوت دی جاتی تھی اور تم نہیں مانتے تھے، ارشاد فرماتے ہیں:

—— بے شک جن لوگوں نے (ایمان لانے سے) انکار کیا: وہ پکارے جائیں گے: ''یقیناً اللہ تعالیٰ کی بیزاری بڑی تھی تمہاری بیزاری سے اپنی ذاتوں سے، جب تم (دنیا میں) ایمان لانے کے لئے بلائے جاتے تھے، پس تم نہیں مانتے تھے!

جہنمی اپنی جانوں سے بیزار ہونگے اور بار بار دنیا کی طرف لوٹنے کی درخواست کریں گے

ماں کے پیٹ میں بدن بنا اس سے پہلے عدم تھا، یہ پہلی موت ہوئی، پھر بدن زندہ ہوا، یہ پہلی زندگی ہوئی، پھر بدن

(۱) بأنه: میں ضمیر شان ہے۔

مر گیا، یہ دوسری موت ہوئی، قیامت میں بدن دوبارہ زندہ ہوگا، یہ دوسری زندگی ہوگی، سورۃ البقرۃ (آیت ۲۸) میں اس کا ذکر ہے، جہنمی تیسری زندگی کی درخواست کریں گے، کیونکہ وہ جہنم کی زندگی سے تنگ آچکے ہونگے، ارشاد فرماتے ہیں: —— وہ کہیں گے: اے ہمارے پروردگار! آپ نے ہمیں دومرتبہ مارا، اور دومرتبہ زندہ کیا، اب ہم اپنی خطاؤں کا اقرار کرتے ہیں، پس کیا جہنم سے نکلنے کی کوئی راہ ہے؟ —— یعنی ایک مرتبہ اور دنیا میں بھیج دیں، پھر دیکھیں: ہم وہاں سے خوب نیکیاں سمیٹ کرلائیں گے۔

کافروں اور مشرکوں کو جہنم میں ہمیشہ رہنا ہے، یہ برتر بڑے کا فیصلہ ہے جو بدل نہیں سکتا

مشرکوں اور کافروں کی درخواست منظور نہیں ہوگی، اب وہ دنیا کی طرف نہیں لوٹ سکیں گے، کیونکہ یہ اللہ برتر و بڑے کا فیصلہ ہے جس کو کوئی بدل نہیں سکتا، ارشاد فرماتے ہیں: —— وہ (جہنم میں سدا رہنے کا فیصلہ) اس وجہ سے ہے کہ جب صرف اللہ کی عبادت کی جاتی —— یعنی صرف اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دی جاتی —— تو تم انکار کرتے تھے —— یعنی توحید تمہارے گلے نہیں اترتی تھی —— اور جب ان کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جاتا تو تم مان لیتے تھے، پس فیصلہ برتر بڑے اللہ کا ہے —— جس کا مرافعہ (اپیل) نہیں ہوسکتا، پس اُس سے چھوٹنے کی تمنا عبث ہے۔

قرآن میں بار بار اعلان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بات کو نہیں بخشیں گے کہ انکے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے

هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ۭ وَمَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ ۝ فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ۝ يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ڬ لَا يَخْفٰى عَلَي اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۭ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝ اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ ۭ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝

هُوَ الَّذِيْ	وہ جو	وَيُنَزِّلُ	اور اتارتے ہیں	رِزْقًا	روزی (بارش)
يُرِيْكُمْ	دکھلاتے ہیں تمہیں	لَكُمْ	تمہارے لئے	وَمَا يَتَذَكَّرُ	اور نہیں نصیحت قبول کرتا
اٰيٰتِهٖ	اپنی نشانیاں	مِّنَ السَّمَآءِ	آسمان سے	اِلَّا مَنْ	مگر جو

يُّنِيْبُ(۱)	رجوع کرے (اللہ کی طرف)	مِنْ اَمْرِهٖ(۴)	یعنی اپنے حکم کو	اَلْيَوْمَ	آج؟
فَادْعُوا	پس پکارو	عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ	جس پر چاہتے ہیں	لِلّٰهِ	اللہ کے لئے
اللّٰهَ	اللہ کو	مِنْ عِبَادِهٖ	اپنے بندوں میں سے	الْوَاحِدِ	ایک
مُخْلِصِيْنَ	خالص کرکے	لِيُنْذِرَ	تاکہ وہ ڈرائے	الْقَهَّارِ(۶)	غالب!
لَهُ	اس کے لئے	يَوْمَ التَّلَاقِ(۵)	ملاقات کے دن سے	اَلْيَوْمَ	آج
الدِّيْنَ(۲)	دین کو	يَوْمَ	(یاد کرو) جس دن	تُجْزٰى	بدلہ دیا جائے گا
وَلَوْ كَرِهَ	اگرچہ ناپسند کریں	هُمْ	وہ لوگ	كُلُّ نَفْسٍ	ہر نفس
الْكٰفِرُوْنَ	انکار کرنے والے	بٰرِزُوْنَ	ظاہر ہونے والے ہونگے	بِمَا كَسَبَتْ	اس کا جو کیا اس نے
رَفِيْعُ(۳)	بلند کرنے والے	لَا يَخْفٰى	نہیں پوشیدہ ہوگی	لَا ظُلْمَ	نہیں ظلم ہے
الدَّرَجٰتِ	مراتب کے	عَلَى اللّٰهِ	اللہ پر	اَلْيَوْمَ	آج
ذُو الْعَرْشِ	تخت شاہی والے	مِنْهُمْ شَيْءٌ	ان کی کوئی بات	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ
يُلْقِي	ڈالتے ہیں وہ	لِمَنِ	کس کے لئے ہے	سَرِيْعُ	جلد لینے والے ہیں
الرُّوْحَ	روح (حیات) کو	الْمُلْكُ	حکومت	الْحِسَابِ	حساب

ایک اللہ کی عبادت کرو، اگرچہ کافر ناک چڑھائیں!

گذشتہ آیت میں فرمایا تھا کہ جب ایک اللہ کو پکارا جاتا ہے تو کفار انکار کرتے ہیں، اور جب کسی اور کو اس کے ساتھ شریک کیا جاتا ہے تو وہ مان لیتے ہیں، اب توحید کا بیان ہے کہ معبود ایک ہی ذات ہے، پھر تم اس کی عبادت سے کیوں ناک چڑھاتے ہو، اللہ کے ایک ہونے کی نشانیاں ہر سو پھیلی ہوئی ہیں، پتہ پتہ اللہ کے ایک ہونے کی گواہی دیتا ہے، ایک اپنی روزی ہی کے مسئلہ کو لے لو، اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی برساتے ہیں، جس سے زمین سے تمہاری روزی پیدا ہوتی ہے،

(۱) أناب إلى الله إنابةً: تائب ہوکر اللہ کی طرف لوٹنا (۲) الدین: پوری شریعت، عقائد واعمال کا مجموعہ اور ہر معاملہ میں اخلاص ضروری ہے (۳) رفیع: بروزن فعیل: بمعنی اسم فاعل (۴) من أمرہ: من بیانیہ، روح کی وضاحت ہے (۵) التلاق: باب تفاعل کا مصدر، دراصل تَلَاقِيٌ تھا، آخر سے ی حذف ہوئی ہے: ایک دوسرے سے ملاقات کرنا، جمع ہونا، یوم التلاق: قیامت کا دن (۶) القہار: اسم مبالغہ، اللہ کا مبارک نام قَهَرَهُ (ف) قَهْرًا: کسی پر غالب ہونا، زیر کرنا، القہار: وہ ذات جو سب پر غالب ہو، اس کے غلبہ کو کوئی طاقت روک نہ سکے۔

مگر سمجھے گا وہ جو اللہ کی طرف متوجہ ہو، اور غور وفکر سے کام لے، ورنہ کیا خاک فائدہ حاصل ہوگا، ارشاد فرماتے ہیں: —— (اللہ) وہی ہیں جو تم کو اپنی نشانیاں دکھلاتے ہیں —— جلد ہی تم اسلام کے غلبہ کو دیکھ لوگے، اور توحید کا بول بالا ہوگا —— اور جو آسمان سے تمہارے لئے روزی اتارتے ہیں —— یہ ربوبیت کا بیان ہے، رب اللہ ہی ہیں، انھوں نے تمہاری معاش (گذارے) کا انتظام کیا ہے، اور کوئی نہیں جو تمہاری روزی کا سامان کرے، اور توحیدِ ربوبیت کے لئے توحیدِ الوہیت لازم ہے —— بارش: روزی کا سبب ہے، پس مسبب بول کر سبب مراد لیا ہے —— اور نصیحت وہی قبول کرتا ہے جو اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے —— پس بندوں کو چاہئے کہ اللہ کی طرف رجوع ہوں، بات سمجھیں، اور صرف اللہ کی بندگی کریں —— پس اللہ کو پکارو، اس کے لئے دین (عبادت) کو خالص کرکے، گو کافروں کو ناگوار ہی کیوں نہ ہو! —— یعنی موحدین کے طرزِ عمل سے مشرک ناک چڑھائیں گے، مگر اس کا خیال نہ کریں، ڈنکے کی چوٹ توحید کا اعلان کریں —— اور 'عبادت' کے بجائے 'دین' کہنے میں اشارہ ہے کہ سارے دین میں اللہ کی خوشنودی پیش نظر رہنی چاہئے، صرف نماز روزہ کی حد تک نہیں۔

مادی روزی کی طرح اللہ نے روحانی روزی کا بھی انتظام کیا ہے

انسان میں بدن کے علاوہ روح بھی ہے، اس کی ضروریات الگ ہیں، غذا بدن کی ضرورت ہے، اس کے لئے اللہ نے آسمان سے پانی برسایا، جس سے زمین سے غذا اگتی ہے، اور بدن کی ضرورت پوری ہوتی ہے، اور روح کی تربیت کے لئے بھی آسمان سے علوم نازل کئے ہیں، نبوت کا سلسلہ قائم کیا ہے، اللہ تعالیٰ کسی شخصیت کو منتخب فرماتے ہیں، اس پر اپنے احکام نازل فرماتے ہیں، جو حیاتِ ابدی کا سبب بنتے ہیں، اللہ کے سوا کون ہے جو انسان کی یہ ضرورت پوری کرے؟ پس اسی کی بندگی کرو، ارشاد فرماتے ہیں: —— (اللہ تعالیٰ) درجات بلند کرنے والے ہیں، وہ تختِ شاہی کے مالک ہیں، وہ روح (حیات) کو یعنی اپنے احکام کو اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتے ہیں اتارتے ہیں، تاکہ وہ قیامت کے دن سے ڈرائے —— اس آیت پاک میں چار باتیں بیان فرمائی ہیں:

۱- اللہ تعالیٰ دین پر عمل کرنے کی وجہ سے مؤمنین کے مراتب بلند کرتے ہیں، اور اتنے بلند کرتے ہیں کہ وہ کرّوبیوں (مقرب فرشتوں) سے بھی آگے نکل جاتے ہیں، افاضلِ بشر: افاضلِ ملائکہ سے بھی افضل ہیں، دونوں جہانوں کی پہنائی (چوڑائی) مردِ آفاقی کے لئے ناکافی ہوجاتی ہے۔

۲- کائنات پر کنٹرول اللہ تعالیٰ کا ہے، وہی تختِ شاہی کے مالک ہیں، دوسرا کوئی مالک ومتصرف نہیں، پس کوئی اور معبود نہیں ہوسکتا۔

۳-اللہ تعالیٰ نے نبوت کا سلسلہ قائم کیا ہے اور نبی کے انتخاب میں کسی کا دخل نہیں، وہ جس کو چاہتے ہیں نبوت سے سرفراز کرتے ہیں، اس پر اپنے احکام نازل کرتے ہیں، جو انسانوں کی حیاتِ ابدی کا سبب بنتے ہیں۔

۴-اس دنیا کے بعد دوسری دنیا ہے، اسی میں بندوں کی اپنے پروردگار سے ملاقات ہوگی، انبیاء آنے والی اُس دنیا سے لوگوں کو باخبر کرتے ہیں، تاکہ وہ اُس کے لئے تیاری کریں، غفلت میں نہ رہیں، ورنہ وہ جمال خداوندی کی زیارت سے محروم رہیں گے۔

فائدہ(۱): روح سے مراد وحی ہے، من أمره: روح کا بیان ہے، اور الأمر: اسم جنس ہے، تمام اوامر اس میں داخل ہیں، بلکہ منہیات بھی، کیونکہ منفی پہلو سے نہی بھی امر ہے، اور وحی کو روح سے تعبیر کرنے میں اشارہ ہے کہ احکام: روح کی تربیت کے لئے نازل کئے گئے ہیں، یہ روح کی روزی ہیں۔

فائدہ(۲): روح: حیوانات میں بھی ہے، مگر معمولی درجہ کی ہے، اس کی تربیت کے لئے علوم فوقانی کی ضرورت نہیں، حیوانات کی صرف جسمانی ضروریات ہیں، ان کو پورا کرنے کے لئے ان کو عقل دی ہے، اور انسان کی روح: رابیہ (بڑھی ہوئی) ہے، اس کو نیکوکاری اور بدکاری الہام کی گئی ہے، اس لئے بہیمیت کو دبانے کے لئے اور ملکیت کو ابھارنے کے لئے راہ نمائی ضروری ہے، اور اسی مقصد سے علوم فوقانی نازل کئے گئے ہیں۔

دنیا کے آخری دن میں انسانوں کا انصاف سے حساب ہوگا

انسان کو علوم فوقانی دیئے ہیں، اور اس کو احکام کا مکلّف بنایا ہے، پس قیامت کے دن اس سے حساب لیا جائے گا، جس نے احکام پر عمل کیا ہے وہ بامراد ہوگا، اور نابنجار (غلط راستہ اپنانے والا) نامراد ہوگا، اور آج مجازی بادشاہ ہیں، مگر قیامت کے دن صرف اللہ بادشاہ ہونگے، ان کے علاوہ کسی کی حکومت نہیں ہوگی، پس حساب کتاب میں کوئی دخل نہیں دے سکے گا، اور انصاف کے ساتھ فیصلے ہونگے، کسی پر حبّہ بھر ظلم نہیں ہوگا، اور حساب کا یہ دن بہت جلد آرہا ہے، غفلت میں مت رہو، تیاری میں لگو، ارشاد فرماتے ہیں: —— پس جس دن لوگ اللہ کے روبرو حاضر ہونگے —— قبروں سے نکل کر میدانِ محشر میں جمع ہونگے، اس دن —— اُن کی کوئی بات اللہ سے پوشیدہ نہیں ہوگی —— انسان کا ظاہر و باطن سب کھلا ہوگا، اس دن اللہ تعالیٰ اہل محشر سے پوچھیں گے: —— آج کس کی حکومت ہے؟ —— سب لرز جائیں گے، کسی میں جواب دینے کی ہمت نہ ہوگی، پس اللہ تعالیٰ خود ہی جواب دیں گے: —— ایک غالب اللہ کی! —— حکومت ہے، جزاء کے دن کے وہی مالک ہیں —— آج بدلہ دیا جائے گا ہر شخص کو اس کے کئے کا، آج ظلم نہیں ہوگا، بے شک اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والے ہیں —— وقت: ربڑ کی مثال ہے، جب وہ سمٹ جاتا ہے تو ذرا سا رہ جاتا ہے!

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ ۬ؕ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ؕ﴿۱۸﴾ يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ﴿۱۹﴾ وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ ؕ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿۲۰﴾

وَاَنْذِرْهُمْ	اور ڈرائیے ان کو	وَّلَا شَفِيْعٍ	اور نہ کوئی سفارشی	بِالْحَقِّ	ٹھیک ٹھیک
يَوْمَ	دن سے	يُّطَاعُ (۵)	جس کی بات مانی جائے	وَالَّذِيْنَ	اور جن کو
الْاٰزِفَةِ (۱)	نزدیک آنے والی	يَعْلَمُ	جانتے ہیں وہ	يَدْعُوْنَ	پکارتے ہیں وہ
	(آفت کے)	خَآئِنَةَ (۶)	خیانت کرنے والی	مِنْ دُوْنِهٖ	اللہ سے نیچے
اِذِ الْقُلُوْبُ	جب دل	الْاَعْيُنِ	آنکھوں کو	لَا يَقْضُوْنَ	نہیں فیصلہ کریں گے
لَدَى الْحَنَاجِرِ (۲)	گلوں کے پاس ہونگے	وَمَا تُخْفِي	اور جس کو چھپاتے ہیں	بِشَيْءٍ	کچھ بھی
كٰظِمِيْنَ (۳)	وہ دبانے والے ہونگے	الصُّدُوْرُ	(ان کے) سینے	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
مَا لِلظّٰلِمِيْنَ	نہیں ہوگا ظالموں کیلئے	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	هُوَ السَّمِيْعُ	ہی ہر بات سننے والے
مِنْ حَمِيْمٍ (۴)	کوئی غم گسار دوست	يَقْضِيْ	فیصلہ کریں گے	الْبَصِيْرُ	ہر چیز دیکھنے والے ہیں

قیامت کے کچھ احوال

اور آپ لوگوں کو قریب آنے والی مصیبت کے دن سے ڈرائیں، جب کلیجے منہ کو آجائیں گے، اور وہ لوگ دبانے والے ہونگے! ـــــ یعنی خوف اور گھبراہٹ سے دل دھڑک کر گلوں تک پہنچ رہے ہونگے، اور لوگ دونوں ہاتھوں سے ان کو پکڑ کر دبائیں گے کہ کہیں سانس کے ساتھ باہر نہ نکل پڑیں (فوائد عثمانی) ـــــ (اس دن) ظالموں (مشرکوں اور کافروں) کا نہ کوئی غمگسار دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارشی ہوگا جس کا کہا مانا ہی جائے ـــــ اس دن سفارش وہی کر سکے گا جس کو اجازت ہوگی، اور اسی کے حق میں کرے گا جس کے لئے پسند ہو (فوائد) ـــــ اللہ تعالیٰ آنکھوں کی چوری کو جانتے

(۱) الآزفة: اسم فاعل، واحد مؤنث: قریب آلگی (مصیبت) موصوف کے قائم مقام ہے، أَزِفَ الوقتُ (س) أَزَفًا: وقت کا قریب آجانا (۲) الحَنْجرة: گلا، نرخرہ، سانس کی نالی (۳) أصحاب القلوب کا حال ہے (۴) مبتدا پر مِن زائد ہے (۵) جملہ يُطاع: شفيع کی صفت ہے (۶) خائنة: اسم فاعل، مؤنث، مرکب اضافی درحقیقت مرکب توصیفی ہے۔

ہیں، اور سینوں کی پوشیدہ باتوں کو بھی ـــــ یعنی مخلوق سے نظر بچا کر چوری چھپے سے کسی پر نگاہ ڈالی یا کن انکھیوں سے دیکھا یا دل میں کچھ نیت کی یا کسی بات کا ارادہ یا خیال آیا: ان میں سے ہر چیز کو اللہ جانتا ہے (فوائد) ـــــ اور اللہ تعالیٰ ٹھیک ٹھیک فیصلہ کریں گے ـــــ یعنی فیصلہ انصاف سے ہوگا ـــــ اور مشرکین اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہیں وہ کسی طرح کا کوئی فیصلہ نہیں کر سکیں گے ـــــ پھر وہ معبود کیسے ہو گئے؟ ـــــ بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والے، سب کچھ دیکھنے والے ہیں ـــــ یعنی فیصلہ کرنا اسی کا کام ہو سکتا ہے جو سننے اور جاننے والا ہو، بھلا یہ پتھر کی بے جان مورتیں جنھیں تم خدا کہہ کر پکارتے ہو کیا خاک فیصلہ کریں گی؟ پھر جو فیصلہ بھی نہ کر سکے وہ خدا کس طرح ہوا؟ (فوائد)

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ۝۲۱ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۲۲

اَوَلَمْ	کیا اور نہیں	قُوَّةً	طاقت میں	ذٰلِكَ	یہ (مؤاخذہ)
يَسِيْرُوْا	چلے پھرے وہ	وَّاٰثَارًا	اور نشانات میں	بِاَنَّهُمْ	بایں وجہ ہوا کہ
فِي الْاَرْضِ	سرزمین عرب میں	فِي الْاَرْضِ	زمین میں	كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ	پہنچتے رہے انکے پاس
فَيَنْظُرُوْا	پس دیکھتے وہ	فَاَخَذَهُمُ	پس پکڑا ان کو	رُسُلُهُمْ	ان کے پیغامبر
كَيْفَ كَانَ	کیسا ہوا	اللّٰهُ	اللہ نے	بِالْبَيِّنٰتِ	واضح دلائل کے ساتھ
عَاقِبَةُ	انجام	بِذُنُوْبِهِمْ	انکے گناہوں کی وجہ سے	فَكَفَرُوْا	پس نہیں مانا انھوں نے
الَّذِيْنَ كَانُوْا	ان کا جو تھے	وَمَا كَانَ	اور نہیں تھا	فَاَخَذَهُمُ	پس پکڑا ان کو
مِنْ قَبْلِهِمْ	ان سے پہلے	لَهُمْ	ان کے لئے	اللّٰهُ	اللہ نے
كَانُوْا هُمْ	تھے وہ	مِّنَ اللّٰهِ	اللہ سے	اِنَّهٗ قَوِيٌّ	بے شک وہ زور والے
اَشَدَّ مِنْهُمْ	زیادہ ان سے	مِنْ وَّاقٍ	کوئی بچانے والا	شَدِيْدُ الْعِقَابِ	سخت سزا دینے والے ہیں

رسولوں کی تکذیب کا انجام

نبی ﷺ نے حسبِ حکم مکہ والوں کو قیامت کے دن سے باخبر کیا، مگر انھوں نے سنی ان سنی کر دی، اور ایمان نہیں

لائے، اس لئے اب ان کو گذشتہ اقوام: عاد و ثمود وغیرہ کا انجام سناتے ہیں، انھوں نے بھی اپنے رسولوں کی تکذیب کی تھی، اس کی پاداش (سزا) میں وہ ہلاک کئے گئے، مکہ کے مکذبین ان سے سبق لیں، اِن کی بھی اُن کی طرح پکڑ ہوسکتی ہے۔

ارشاد فرماتے ہیں: —— کیا یہ لوگ سرزمین عرب میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے کیسا انجام ہوا ان لوگوں کا جو اِن سے پہلے ہوئے وہ لوگ طاقت میں اِن (مکہ والوں) سے بڑھے ہوئے تھے —— وہ زور آور اور قد آور قومیں تھیں —— اور زمین میں نشانیوں کے اعتبار سے بھی —— بڑے مضبوط قلعے اور عالی شان عمارتیں یادگار چھوڑی تھیں —— پس اللہ نے ان کو ان کے گناہوں کی پاداش میں پکڑا —— اور وہ حرفِ غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹا دیئے گئے —— اور کوئی نہیں تھا ان کو اللہ کے عذاب سے بچانے والا —— یعنی ان کے معبود آڑے وقت میں کام نہیں آئے —— یہ (مؤاخذہ) بایں وجہ ہوا کہ ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل کے ساتھ پہنچتے رہے، پس انھوں نے نہیں مانا تو اللہ نے ان کو (عذاب میں) پکڑا —— بے شک وہ بڑی قوت والے سخت سزا دینے والے ہیں —— یعنی تم بھی گذشتہ اقوام کی طرح اپنے رسول کی تکذیب کر رہے ہو، پس اپنا انجام سوچ لو، ان کی طرح رسوا اور ہلاک ہوؤ گے، اللہ تعالیٰ زور وقوت والے ہیں وہ اپنے رسول کو غالب ومنصور فرمائیں گے۔ آگے موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا واقعہ سناتے ہیں کہ دیکھو: کس طرح زبردست ہلاک ہوا اور زیردست غالب آیا!

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿٢٣﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴿٢٤﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ؕ وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿٢٥﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ ﴿٢٦﴾ وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿٢٧﴾ ع

وَلَقَدْ	اور البتہ واقعہ یہ ہے	وَ سُلْطٰنٍ[1]	اور شوکت کے ساتھ	وَقَارُوْنَ	اور قارون کی طرف
اَرْسَلْنَا	بھیجا ہم نے	مُّبِيْنٍ	واضح	فَقَالُوْا	پس کہا انھوں نے
مُوْسٰى	موسیٰ کو	اِلٰى فِرْعَوْنَ	فرعون کی طرف	سٰحِرٌ	جادوگر ہے
بِاٰيٰتِنَا	ہمارے معجزات کے ساتھ	وَهَامٰنَ	اور ہامان	كَذَّابٌ	بڑا جھوٹا ہے

(۱) سلطان: میں الف نون زائد تان ہیں، اور سُلْطة کے معنی ہیں: اقتدار، دبدبہ، شوکت۔

فَلَمَّا	پس جب	وَمَا كَيْدُ	اور نہیں ہے چال	دِيْنَكُمْ	تمہارے مذہب کو
جَآءَهُمْ	پہنچا وہ ان کے پاس	الْكٰفِرِيْنَ	کافروں کی	اَوْ اَنْ	یا یہ کہ
بِالْحَقِّ	دین حق کے ساتھ	اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ	مگر گاؤ خورد	يُّظْهِرَ	پھیلائے وہ
مِنْ عِنْدِنَا	ہمارے پاس سے	وَقَالَ	اور کہا	فِي الْاَرْضِ	زمین مصر میں
قَالُوا	کہا انھوں نے	فِرْعَوْنُ	فرعون نے	الْفَسَادَ	خرابی
اقْتُلُوْٓا	قتل کرو	ذَرُوْنِيْٓ (۲)	چھوڑو مجھے	وَقَالَ مُوْسٰٓى	اور کہا موسیٰ نے
اَبْنَآءَ	بیٹوں کو	اَقْتُلْ	قتل کردوں	اِنِّيْ عُذْتُ	بیشک میں پناہ لیتا ہوں
الَّذِيْنَ	ان کے جو	مُوْسٰى	موسیٰ کو	بِرَبِّيْ	میرے رب کی
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	وَلْيَدْعُ	اور چاہئے کہ پکارے	وَرَبِّكُمْ	اور تمہارے رب کی
مَعَهٗ	اس کے ساتھ	رَبَّهٗ	اپنے رب کو	مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ	ہر گھمنڈی سے
وَاسْتَحْيُوْا	اور زندہ رہنے دو	اِنِّيْٓ اَخَافُ	بے شک میں ڈرتا ہوں	لَّا يُؤْمِنُ	(جو) ایمان نہیں رکھتا
نِسَآءَهُمْ (۱)	ان کی عورتوں کو	اَنْ يُّبَدِّلَ	کہ بدل دے وہ	بِيَوْمِ الْحِسَابِ	حساب کے دن پر

موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ

اس واقعہ میں تکذیب رسول کا انجام دکھایا ہے، مشرکین مکہ کو یہی بات سمجھانی مقصود ہے، ارشاد فرماتے ہیں: —— اور البتہ واقعہ یہ ہے کہ ہم نے موسیٰ کو ہمارے معجزات —— عصا اور ید بیضاء —— اور واضح شوکت کے ساتھ فرعون، ہامان اور قارون کی طرف بھیجا —— اصل بعثت آپ کی بنی اسرائیل کی طرف ہوئی تھی، ساتھ ہی ان سرپھروں کو بھی دعوتِ ایمان دینے کا حکم ملا تھا —— فرعون شاہانِ مصر کا لقب ہے، کسی خاص بادشاہ کا نام نہیں، اور موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے فرعون کے نام میں اختلاف ہے (دیکھیں قصص القرآن از مجاہد ملت ۱:۳۶۱) —— اور ہامان: فرعون کا وزیر تھا —— اور قارون: موسیٰ علیہ السلام کا چچازاد بھائی تھا، اور فرعون کی پیشی میں رہتا تھا اس کا حال ومآل (ہدایت القرآن ۶:۳۰۸) میں گذر چکا ہے —— اور معجزات (نشانیوں) سے بڑی دو نشانیاں: عصا اور ید بیضاء یا تمام نو نشانیاں مراد ہیں، جن کا ذکر ہدایت القرآن (۵:۱۳۱) میں آچکا ہے —— اور سلطان کے معنی ہیں: رعب، دبدبہ، دھاک، شوکت، موسیٰ علیہ السلام کو یہ خاص

(۱) بناتھم کے بجائے نساء ھم کہنے میں اشارہ ہے کہ لڑکیاں بڑی ہوکر ہماری بیگار (مفت خدمت) کریں گی (۲) ذَرُوْا: فعل امر: چھوڑو، وَذِرَ یَذَرُ: چھوڑنا، اس کا صرف مضارع اور امر استعمال ہوتا ہے۔

صفت عطا فرمائی گئی تھی، دشمن چاہتے ہوئے بھی ہاتھ نہیں ڈال سکتا تھا، ہمارے حضرت ﷺ کو بھی یہ وصف ملا تھا، فرمایا: **نُصرتُ بالرعب مسیرۃَ شھر: ایک ماہ کی مسافت تک دھاک کے ساتھ میری مدد کی گئی ہے** ــــ اور فرعون سے مراد: سربراہِ اعلیٰ ہے، جو ایک تھا، اور ہامان سے مراد: ارکانِ دولت ہیں، اور قارون سے مراد: ہم نوا ہیں، اگرچہ وہ دوسری قوم سے ہوں، قارون: اس وقت بظاہر بھی مسلمان نہیں تھا۔

انھوں نے کہا ــــ یعنی سب نے: بادشاہ نے، ارکانِ دولت نے اور ہمنواؤں نے: سب نے دعوتِ توحید کے جواب میں کہا: ــــ جادوگر ہے مہا جھوٹا! ــــ یعنی معجزات دکھانے میں جادوگر ہے اور دعوئے رسالت میں بڑا جھوٹا ہے ــــ پس جب وہ ہمارے پاس سے دینِ حق کے ساتھ ان کے پاس پہنچا تو انھوں نے کہا ــــ یعنی سب نے مشورہ کر کے متفقہ طور پر کہا کہ ــــ اُن لوگوں کے بیٹوں کو قتل کرو جو اس کے ساتھ ایمان لائے ہیں ــــ مَعَه سے معلوم ہوا کہ شروع میں بنی اسرائیل بھی سب ایمان نہیں لائے تھے، پس جو ایمان لائے ہیں ان کے لڑکوں کو قتل کرو، تاکہ ان کی تعداد گھٹے، اور یہ لہر رکے ــــ اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دو ــــ یعنی لڑکیوں کو قتل مت کرو، تاکہ وہ بڑی ہو کر ہماری بیگار (مفت خدمت) کریں ــــ ایسا حکم ایک مرتبہ جب دیا تھا جب کہ موسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہونے والی تھی، تاکہ وہ اسرائیلی بچہ وجود میں نہ آئے جس کے ہاتھ سے فرعون کی حکومت جانی تھی، اب دوسری مرتبہ سب نے یہی بات طے کی ــــ اور کافروں کی اسکیم گاؤخورد ہوگئی ــــ یعنی اس اسکیم پر عمل نہ ہوا، کچھ تو موسیٰ علیہ السلام کا دبدبہ مانع بنا، کچھ پبلک میں خلفشار کا اندیشہ ہوا، اس لئے دوسری مرتبہ لڑکوں کو قتل نہیں کیا گیا۔

البتہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کی پارلیمنٹ سے اجازت چاہی، ارشاد پاک ہے: ــــ اور فرعون نے کہا: مجھے چھوڑو ــــ یعنی اجازت دو تم سب متفق ہو جاؤ تو ــــ میں موسیٰ کو قتل کردوں ــــ ایک کے قتل سے کوئی خلفشار نہ ہوگا ــــ اور (تم موسیٰ کے خدا سے مت ڈرو) اس کو چاہئے کہ وہ اپنے پروردگار کو (مدد کے لئے) پکارے ــــ یعنی اس کا خدا ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا ــــ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں وہ تمہارا دین بگاڑ نہ دے یا ملک میں کوئی خرابی پھیلا دے! ــــ مگر ارکانِ دولت میں سے ایک مؤمن نے جو اپنا ایمان مخفی رکھے ہوئے تھا: اس تجویز کی سخت مخالفت کی، جیسا کہ آگے آرہا ہے، اس لئے اس تجویز پر بھی عمل نہ ہوا ــــ اور موسیٰ نے کہا: میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ لیتا ہوں ہر متکبر آدمی سے جو روزِ حساب پر یقین نہیں رکھتا! ــــ یہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کی پناہ اس وقت چاہی ہے جب آپ کو ان کے مشورے کی خبر ملی، چنانچہ اللہ نے فرعون کے خاندان ہی کے ایک آدمی کو کھڑا کر دیا اور اس نے زبردست تقریر کر کے فرعون کو اس کے ارادے سے باز رکھا۔

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ۝ يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۡ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ۭ قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ۝ وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ۝ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ۝ وَيٰقَوْمِ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ۝ يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۝ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ۭ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُۨ ۝ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۭ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ۝

وَقَالَ	اور کہا	يَكْتُمُ	چھپائے ہوئے ہے	رَبِّيَ اللّٰهُ	میرا رب اللہ ہے
رَجُلٌ	ایک آدمی نے	اِيْمَانَهٗٓ	اپنا ایمان	وَقَدْ جَآءَكُمْ	اور تحقیق لایا ہے وہ
مُّؤْمِنٌ	ایماندار	اَتَقْتُلُوْنَ	کیا قتل کرو گے تم		تمہارے پاس
مِّنْ اٰلِ	خاندان سے	رَجُلًا	ایک آدمی کو	بِالْبَيِّنٰتِ	واضح معجزات
فِرْعَوْنَ	فرعون کے	اَنْ يَّقُوْلَ (۱)	اس وجہ سے کہ کہتا ہے:	مِنْ رَّبِّكُمْ	تمہارے رب کی طرف سے

(۱) أن سے پہلے لام اجلیہ مقدر ہے۔

وَاِنْ يَّكُ[1]	اور اگر ہے وہ	فِي الْاَرْضِ	مصر کی زمین میں	يَوْمِ	دن
كَاذِبًا	جھوٹا	فَمَنْ	پس کون	الْاَحْزَابِ	جتھوں کے
فَعَلَيْهِ	تو اس پر ہے	يَّنْصُرُنَا	مدد کرے گا ہماری	مِثْلَ	جیسے
كَذِبُهٗ	اس کا جھوٹ	مِنْۢ بَاْسِ	سختی سے	دَاْبِ	حال
وَاِنْ يَّكُ	اور اگر ہے وہ	اللّٰهِ	اللہ کی	قَوْمِ نُوْحٍ	قوم نوح کا
صَادِقًا	سچا	اِنْ جَآءَنَا	اگر پہنچی وہ ہمیں	وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ	اور عاد وثمود کا
يُّصِبْكُمْ	(تو) پہنچے گا تم کو	قَالَ	کہا	وَالَّذِيْنَ	اور ان کا جو
بَعْضُ	کچھ حصہ	فِرْعَوْنُ	فرعون نے	مِنْۢ بَعْدِهِمْ	ان کے بعد ہوئے
الَّذِيْ	اس کا جس کا	مَآ اُرِيْكُمْ	نہیں سُجھاتا میں تم کو	وَمَا اللّٰهُ	اور اللہ نہیں
يَعِدُكُمْ	وہ تم سے وعدہ کرتا ہے	اِلَّا مَآ اَرٰى	مگر جو سمجھتا ہوں میں	يُرِيْدُ	چاہتے
اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	وَمَآ اَهْدِيْكُمْ	اور نہیں دکھلاتا میں تم کو	ظُلْمًا	ظلم
لَا يَهْدِيْ	راہ نہیں دیتے	اِلَّا سَبِيْلَ	مگر راہ	لِّلْعِبَادِ	بندوں پر
مَنْ هُوَ	اس کو جو وہ	الرَّشَادِ[4]	بھلائی کی	وَيٰقَوْمِ	اور اے میری قوم!
مُسْرِفٌ[2]	حد سے تجاوز کرنے والا	وَقَالَ	اور کہا	اِنِّيْٓ اَخَافُ	بے شک میں ڈرتا ہوں
كَذَّابٌ	مہا جھوٹا ہے	الَّذِيْٓ	اس نے جو	عَلَيْكُمْ	تم پر
يٰقَوْمِ	اے میری قوم!	اٰمَنَ	ایمان لایا	يَوْمَ التَّنَادِ[5]	پکار کے دن سے
لَكُمُ	تمہارے لئے	يٰقَوْمِ	اے میری قوم	يَوْمَ	جس دن
الْمُلْكُ	حکومت ہے	اِنِّيْٓ اَخَافُ	بے شک میں ڈرتا ہوں	تُوَلُّوْنَ	مڑو گے تم
الْيَوْمَ	آج	عَلَيْكُمْ	تم پر	مُدْبِرِيْنَ	پیٹھ پھیر کر
ظٰهِرِيْنَ[3]	غالب ہونے والے	مِّثْلَ	مانند	مَا لَكُمْ	نہیں ہوگا تمہارے لئے

(۱)يَكُ: مضارع مجزوم، واحد مذکر غائب، اصل میں يكون تھا، إن شرطیہ کی وجہ سے نون ساکن ہوا تو اجتماع ساکنین کی وجہ سے واو کو حذف کیا، پھر نون کو تخفیفاً حذف کیا (۲) مُسْرِف: اسم فاعل، إسراف: حد سے بڑھنا (۳) ظاهرين: لكم کی ضمیر سے حال ہے (۴) الرشاد: نیکی، بھلائی، راستی، رَشَد یرشُد کا مصدر ہے (۵) التناد: فریاد کرنا، پکارنا، مصدر ہے، اصل میں تَنَادِیٌ تھا، مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے آخر سے ی حرف علت حذف ہوئی ہے۔

مِّنَ اللّٰهِ	اللہ سے	جَآءَكُمْ	آیا وہ تمہارے پاس	الَّذِيْنَ	جولوگ
مِنْ عَاصِمٍ	کوئی بچانے والا	بِهٖ	اس کے ساتھ	يُجَادِلُوْنَ	جھگڑتے ہیں
وَمَنْ	اور جس کو	حَتّٰٓى اِذَا	یہاں تک کہ جب	فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ	آیتوں میں اللہ کی
يُّضْلِلِ	گمراہ کریں	هَلَكَ	مرگیا وہ	بِغَيْرِ	بغیر
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	قُلْتُمْ	کہا تم نے	سُلْطٰنٍ	کسی سند کے
فَمَا لَهٗ	پس نہیں اس کے لئے	لَنْ يَّبْعَثَ	ہرگز نہیں بھیجیں گے	اَتٰىهُمْ	(جو) آئی ہو ان کے پاس
مِنْ هَادٍ	کوئی راہ نما	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	كَبُرَ مَقْتًا	بڑی بیزاری ہے
وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	مِنْۢ بَعْدِهٖ	اس کے بعد	عِنْدَ اللّٰهِ	اللہ کے پاس
جَآءَكُمْ	آیا تمہارے پاس	رَسُوْلًا	کوئی رسول	وَعِنْدَ الَّذِيْنَ	اور ان کے پاس جو
يُوْسُفُ	یوسف	كَذٰلِكَ	اسی طرح	اٰمَنُوْا	ایمان لائے
مِنْ قَبْلُ	قبل ازیں	يُضِلُّ	گمراہ کرتے ہیں	كَذٰلِكَ يَطْبَعُ	اسی طرح مہر کرتے ہیں
بِالْبَيِّنٰتِ	واضح دلائل کے ساتھ	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
فَمَا زِلْتُمْ	پس برابر رہے تم	مَنْ هُوَ	اس کو جو وہ	عَلٰى كُلِّ قَلْبِ	ہر دل پر
فِيْ شَكٍّ	شک میں	مُسْرِفٌ	حد سے نکلنے والا ہے	مُتَكَبِّرٍ	غرور کرنے والے
مِّمَّا	اس سے جو	مُّرْتَابُ	شک میں مبتلا ہے	جَبَّارٍ	سرکش

خاندان فرعون کے ایک مؤمن نے فرعون کو قتلِ موسیٰ سے روکا

فرعون نے ارکانِ دولت سے کہا: ذَرُوْنِی: مجھے چھوڑو: یعنی اگر تم اتفاق کرلو تو میں موسیٰ کو نمٹا دوں، تا کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری! فرعون بے لگام بادشاہ تھا، اس کو کسی کے قتل کے لئے کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں تھی، اس نے سینکڑوں جادوگروں کو جب وہ مسلمان ہوگئے تھے بغیر مشورہ کے قتل کردیا تھا، مگر وہ موسیٰ علیہ السلام پر ہاتھ ڈالتے ہوئے ڈرتا تھا، موسیٰ علیہ السلام کی شوکت مانع بن رہی تھی، اس لئے ارکانِ دولت کے اتفاق کا خواہاں تھا —— اس موقع پر اس کے خاندان کے ایک شخص نے زوردار تقریر کی، اور اس کو قتلِ موسیٰ سے روکا، یہ شخص موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا چکا تھا، جس طرح فرعون کی بیوی اسلام لا چکی تھی، مگر ابھی اس نے اپنا ایمان ظاہر نہیں کیا تھا، کہتے ہیں: یہ شخص فرعون کا چچازاد بھائی تھا، بلکہ کہتے ہیں: ولی عہد (آئندہ بننے والا بادشاہ) تھا، اس لئے اس کو بولنے کا حق تھا، اِسی مؤمن نے مشورہ سے اٹھ کر موسیٰ

علیہ السلام کو قبطی کے قتل کے موقعہ پر اطلاع دی تھی کہ آپ کے قتل کا مشورہ ہو رہا ہے، آپ شہر سے نکل جائیں، اسی نے آج بھی تقریر کی —— اور کہا ایک ایماندار آدمی نے، جو خاندانِ فرعون سے تھا، اور جو اپنا ایمان مخفی رکھے ہوئے تھا: کیا تم ایک شخص کو محض اس وجہ سے قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے: میرا رب اللہ ہے! اور وہ تمہارے پاس تمہارے رب کے پاس سے واضح معجزات بھی لایا ہے؟ —— یعنی موسیٰ کا گناہ کیا ہے؟ یہی نا کہ وہ تم کو خدا نہیں مانتا، اللہ کو اپنا رب بتاتا ہے، اور وہ اپنی بات کے دلائل یعنی واضح معجزات بھی تم کو دکھا چکا ہے، اور مذہب کے معاملہ میں ہر شخص کو آزادی ہوتی ہے، پھر تم اس کے قتل کے درپے کیوں ہو؟ —— اور اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کا جھوٹ اسی پر پڑے گا —— کاغذ کی ناؤ سدا چلتی نہیں! اس کا جھوٹ اس کو ہلاک یا رسوا کردے گا، تمہیں اس کے خون میں ہاتھ رنگنے کی کیا ضرورت ہے؟ —— اور اگر وہ سچا ہے تو تم کو پہنچے گا اس میں سے کچھ جس کی وہ پیشین گوئی کرتا ہے —— یعنی وہ اپنی تکذیب پر جس عذاب سے ڈراتا ہے اس کا کچھ حصہ تم کو ضرور پہنچ کر رہے گا —— پس پہلی شق پر اس کے قتل میں جلدی کرنے کی ضرورت نہیں، اور دوسری شق پر اس کا قتل کرنا سراسر موجب نقصان وخسران ہوگا۔

بے شک اللہ تعالیٰ منزلِ مقصود تک نہیں پہنچاتے اس کو جو حد سے تجاوز کرنے والا مہا جھوٹا ہے! —— یہ آیت کا فاصلہ (آخری حصہ) ہے، اور فواصل کے لئے ضروری نہیں کہ وہ اسی بندے کا کلام ہو، اللہ کا کلام بھی ہوسکتا ہے —— یعنی اگر موسیٰ دعوئے رسالت میں سچا ہے، اور تم اس کو قتل کرنا چاہتے ہو تو تم مُسرف (حد سے تجاوز کرنے والے) ہو، اور اگر وہ دعوئے رسالت میں جھوٹا ہے تو وہ مہا جھوٹا ہے، کیونکہ انسانوں پر جھوٹ سے اللہ پر جھوٹ سنگین گناہ ہے، اور دونوں ہی شخصوں کو اللہ تعالیٰ ہدایت سے ہم کنار نہیں کرتے۔

اے میری قوم کے لوگو! —— اب رخ ارکانِ دولت کی طرف ہے —— آج تمہاری حکومت ہے، سرزمین مصر میں تم غالب ہو، پس کون تمہاری مدد کرے گا اللہ کے عذاب سے اگر وہ ہمیں پہنچا؟ —— یعنی اپنی آن بان پر مت اتراؤ، جب اللہ کا عذاب آ گھیرے گا تو سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا، اور کوئی آنسو پونچھنے والا بھی نہ ہوگا۔

فرعون ڈھیلا پڑا: —— فرعون نے کہا: میں تمہیں وہی بات سُجھاتا ہوں جو خود میں سمجھتا ہوں، اور میں تمہیں بھلائی کا راستہ ہی دکھاتا ہوں! —— یعنی میرے نزدیک مصلحت یہی ہے کہ موسیٰ کو قتل کردیا جائے، یہی تمہاری بہتری کی بات ہے، باقی تم جانو!

اور اس مؤمن نے کہا: بھائیو! مجھے تمہارے حق میں اندیشہ ہے دیگر امتوں جیسے روز بد کا، جیسے قوم نوح، عاد، ثمود اور ان کے بعد والوں کا حال ہوا —— یہ سب اقوام تکذیب رُسل کی پاداش میں ہلاک ہوئی ہیں، آج تم بھی اللہ کے رسول کی

تکذیب کررہے ہو، پس اپنا انجام سوچ لو ــــــ اور اللہ تعالیٰ بندوں پر کسی طرح کا ظلم کرنا نہیں چاہتے ــــــ یعنی اگر ایسے بھاری جرم (تکذیب رسول) پر ان اقوام کو تباہ کیا تو وہ عین عدل وانصاف کا تقاضا تھا، ظلم کسی درجہ میں نہیں تھا، اسی طرح اگر تم تکذیب پر جمے رہے تو سخت اندیشہ ہے کہ تم کو بھی کہیں وہی دن دیکھنا نہ پڑے ــــــ اور یہ تو دنیا کا عذاب ہوگا، اور آخرت کا عذاب علاحدہ ہے: ــــــ اور اے میرے بھائیو! مجھے تمہاری نسبت اندیشہ ہے چیخ وپکار کے دن کا ــــــ تَنَادَ القومُ کے معنی ہیں: ایک دوسرے کو بلند آواز سے پکارنا، اور یومُ التناد: قیامت کا دن ہے، میدانِ حشر میں واویلا مچے گی: آؤ مدد کرو! آؤ مدد کرو! مگر کان پڑی کوئی سنے گا نہیں، نہ مدد کو پہنچے گا ــــــ جس دن تم پیٹھ پھیرو گے اللہ کے عذاب سے تم کو کوئی بچانے والا نہیں ہوگا ــــــ یعنی جب محشر سے پیٹھ پھیرو گے، اور دوزخ کی طرف ہانکے جاؤ گے، تو اللہ کے عذاب سے کوئی نہیں بچا سکے گا ــــــ اور جس کو اللہ تعالیٰ بے راہ کردیں اس کو کوئی سیدھا راستہ دکھانے والا نہیں ــــــ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے عناد کی نحوست سے تمہارے لئے گمراہی مقدر کردی ہے پس اب میں ہزار جتن کروں تم کو سیدھا راستہ نہیں دکھا سکتا۔

نعمت کی قدر زوال کے بعد ہوتی ہے: ــــــ اور یہ واقعہ ہے کہ تمہارے پاس آج سے پہلے یوسفؑ واضح دلائل کے ساتھ آچکے ہیں، پس تم برابر شک میں مبتلا رہے اس دین کے بارے میں جس کو وہ لائے ــــــ یعنی تم ایمان نہیں لائے، نعمت کی قدر نہیں پہچانی ــــــ یہاں تک کہ جب ان کی وفات ہوگئی تو تم نے (کفِ افسوس ملا) اور کہا: اب اُن کے بعد اللہ تعالیٰ کوئی رسول مبعوث نہیں فرمائیں گے ــــــ یعنی ان کی موت کے بعد جب مصر کی سلطنت کا بندوبست بگڑا تو کہنے لگے: یوسف کا قدم اس شہر پر کیا مبارک تھا، ایسا نبی کوئی نہیں آئے گا (موضح القرآن) ــــــ اسی طرح اللہ تعالیٰ گمراہ کرتے ہیں اس کو جو حد سے نکلنے والا شک میں مبتلا ہے! ــــــ یعنی تم بھی موسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں شک میں مبتلا ہو، پس اگر تم حد سے گذرو گے اور ان کو قتل کرو گے تو اپنی ہلاکت کا سامان خود کرو گے!

موسیٰ علیہ السلام کے معجزات میں بلا وجہ کا شک تھا: ــــــ جو لوگ جھگڑے کھڑے کرتے ہیں اللہ کے معجزات میں بغیر کسی ایسی دلیل کے جو ان کے پاس موجود ہو، اللہ تعالیٰ کو ــــــ اس کج بحثی سے ــــــ بڑی نفرت ہے اور مؤمنین کو بھی ــــــ وہ ان پر لعنت بھیجتے ہیں ــــــ اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر مغرور سرکش کے پورے دل پر مہر کردیتے ہیں ــــــ جس کی وجہ سے قبول حق اور نفوذ خیر کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِي صَرْحًا لَّعَلِّيٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ﴿٣٦﴾ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ۚ وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ

ع ۹

السَّبِيلِ ۚ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ إِلَّا فِي تَبَابٍ ﴿٣٧﴾ وَقَالَ الَّذِي آمَنَ يَا قَوْمِ اتَّبِعُونِ
أَهْدِكُمْ سَبِيلَ الرَّشَادِ ﴿٣٨﴾ يَا قَوْمِ إِنَّمَا هَٰذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَإِنَّ الْآخِرَةَ هِيَ
دَارُ الْقَرَارِ ﴿٣٩﴾ مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزَىٰ إِلَّا مِثْلَهَا ۖ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ
أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُونَ فِيهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٤٠﴾
وَيَا قَوْمِ مَا لِي أَدْعُوكُمْ إِلَى النَّجَاةِ وَتَدْعُونَنِي إِلَى النَّارِ ﴿٤١﴾ تَدْعُونَنِي لِأَكْفُرَ
بِاللَّهِ وَأُشْرِكَ بِهِ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ وَأَنَا أَدْعُوكُمْ إِلَى الْعَزِيزِ الْغَفَّارِ ﴿٤٢﴾ لَا
جَرَمَ أَنَّمَا تَدْعُونَنِي إِلَيْهِ لَيْسَ لَهُ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْآخِرَةِ وَأَنَّ
مَرَدَّنَا إِلَى اللَّهِ وَأَنَّ الْمُسْرِفِينَ هُمْ أَصْحَابُ النَّارِ ﴿٤٣﴾ فَسَتَذْكُرُونَ مَا أَقُولُ لَكُمْ ۚ وَأُفَوِّضُ
أَمْرِي إِلَى اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ﴿٤٤﴾

وَقَالَ	اور کہا	اَسْبَابَ	راہیں	زُيِّنَ	مزین کیا گیا
فِرْعَوْنُ	فرعون نے	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں کی	لِفِرْعَوْنَ	فرعون کے لئے
يٰهَامٰنُ	اے ہامان	فَاَطَّلِعَ	پس جھانکوں میں	سُوْٓءُ عَمَلِهٖ	اس کا برا عمل
ابْنِ (۱)	بنا تو	اِلٰٓى اِلٰهِ	معبود کی طرف	وَصُدَّ	اور روکا گیا وہ
لِيْ	میرے لئے	مُوْسٰى	موسیٰ کے	عَنِ السَّبِيْلِ	سیدھی راہ سے
صَرْحًا (۲)	کوئی عالی شان محل	وَاِنِّيْ	اور بے شک میں	وَمَا كَيْدُ	اور نہیں ہے چال
لَعَلِّيْٓ	تا کہ میں	لَاَظُنُّهٗ	یقیناً گمان کرتا ہوں اس کو	فِرْعَوْنَ	فرعون کی
اَبْلُغُ	پہنچوں	كَاذِبًا	جھوٹا	اِلَّا فِيْ تَبَابٍ (۴)	مگر تباہی میں
الْاَسْبَابَ (۳)	راہوں تک	وَكَذٰلِكَ	اور اس طرح	وَقَالَ الَّذِيْٓ	اور کہا اس نے جو

(۱) اِبْنِ: بنا تو: امر، واحد مذکر حاضر، بَنٰی یبنی (ض) بناءً: بنانا، تعمیر کرنا (۲) صَرح: عالی شان عمارت جس میں نقش ونگار ہو
(۳) أسباب: سبب کی جمع: اصل معنی رسّی، پھر ہر اس چیز کو سبب کہا جانے لگا جو دوسری چیز تک پہنچنے کا ذریعہ ہو (۴) تباب: تَبّ کی طرح مصدر ہے: باب ضرب: ہلاکت، تباہی، ہمیشہ ٹوٹے میں رہنا۔

اٰمَنَ	ایمان لایا	فَاُولٰٓئِكَ	پس وہ لوگ	اَدْعُوْكُمْ	بلاتا ہوں تم کو
يٰقَوْمِ	اے میری قوم!	يَدْخُلُوْنَ	داخل ہونگے	اِلَى الْعَزِيْزِ	زبردست کی طرف
اتَّبِعُوْنِ	پیروی کرو تم میری	الْجَنَّةَ	باغ میں	الْغَفَّارِ	بڑا بخشنے والا
اَهْدِكُمْ	دکھاؤں گا میں تم کو	يُرْزَقُوْنَ	روزی دیئے جائیں گے وہ	لَا جَرَمَ (۱)	لامحالہ
سَبِيْلَ الرَّشَادِ	بھلائی کی راہ	فِيْهَا	اس میں	اَنَّمَا	اس کے سوانہیں کہ
يٰقَوْمِ	اے میری قوم!	بِغَيْرِ حِسَابٍ	بے شمار	تَدْعُوْنَنِيْٓ	بلاتے ہو تم مجھے
اِنَّمَا هٰذِهِ	اس کے سوانہیں کہ یہ	وَيٰقَوْمِ	اور اے میری قوم!	اِلَيْهِ	اس (معبود) کی طرف
الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا	دنیا کی زندگی	مَا لِيْٓ	مجھے کیا ہوا (کیا بات ہے)	لَيْسَ لَهٗ	(کہ) نہیں ہے اس کے لئے
مَتَاعٌ	چندروز فائدہ اٹھانا ہے	اَدْعُوْكُمْ	بلاتا ہوں میں تم کو	دَعْوَةٌ (۲)	کوئی بلاوا (صدا، دہائی)
وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ	اور بے شک آخرت	اِلَى النَّجٰوةِ	نجات کی طرف	فِي الدُّنْيَا	دنیا میں
هِيَ دَارُ	ہی گھر ہے	وَتَدْعُوْنَنِيْٓ	اور بلاتے ہو تم مجھ کو	وَلَا فِي الْاٰخِرَةِ	اور نہ آخرت میں
الْقَرَارِ	اطمینان سے رہنے کا	اِلَى النَّارِ	آگ کی طرف	وَاَنَّ مَرَدَّنَآ	اور یہ کہ ہمارا لوٹنا
مَنْ عَمِلَ	جس نے کی	تَدْعُوْنَنِيْ	بلاتے ہو تم مجھ کو	اِلَى اللّٰهِ	اللہ کی طرف ہے
سَيِّئَةً	برائی	لِاَكْفُرَ	تا کہ انکار کروں میں	وَاَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ	اور یہ کہ حد سے نکلنے والے
فَلَا يُجْزٰٓى	پس نہیں بدلہ دیا جائے گا وہ	بِاللّٰهِ	اللہ کا	هُمْ	وہی
اِلَّا مِثْلَهَا	مگر اس کے مانند	وَاُشْرِكَ	اور شریک کروں میں	اَصْحٰبُ النَّارِ	دوزخ والے ہیں
وَمَنْ عَمِلَ	اور جس نے کیا	بِهٖ	اس کے ساتھ	فَسَتَذْكُرُوْنَ	پس عنقریب یاد کرو گے تم
صَالِحًا	نیک کام	مَا لَيْسَ	اس کو کہ نہیں	مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ	جو کہہ رہا ہوں میں تم سے
مِّنْ ذَكَرٍ	مرد سے	لِيْ بِهٖ	میرے لئے اس کا	وَاُفَوِّضُ	اور سونپتا ہوں میں
اَوْ اُنْثٰى	یا عورت سے	عِلْمٌ	کچھ علم	اَمْرِيْٓ	اپنا معاملہ
وَهُوَ مُؤْمِنٌ	درانحالیکہ وہ مؤمن ہے	وَّاَنَا	اور میں	اِلَى اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کو

(۱) لاجرم: کے اصل معنی ہیں: لامحالہ، پھر حقًّا اور قسم کے لئے بھی مستعمل ہوتا ہے (۲) دعوة: دعا یدعو کا مصدر ہے: دعاء، پکار، بلاوا۔

اِنَّ اللّٰہَ	بے شک اللہ تعالیٰ	بَصِیۡرٌۢ	خوب دیکھنے والے ہیں	بِالۡعِبَادِ	بندوں کو

فرعون نے قتل کا منصوبہ تو پیچھے ڈال دیا مگر اس کو بہت دور کی سوجھی

مؤمن بندے کی تقریر سے متأثر ہوکر فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا منصوبہ پیچھے ڈال دیا، البتہ اس کو بہت دور کی سوجھی ـــــ اور فرعون نے کہا: اے ہامان! میرے لئے ایک اونچا محل بنا، تاکہ میں راہوں تک پہنچوں یعنی آسمانوں کی راہوں تک ـــــ یعنی وہ پختہ بلند عمارت کو سیڑھی بنائے گا، اور اس پر چڑھ کر آسمانوں میں پہنچ جائے گا، پھر وہاں وہ ننگے پاؤں گھومے گا ـــــ پس میں موسیٰ کے معبود کو جھانکوں ـــــ یعنی اس کا معبود دیوانِ خاص میں ہوگا، اور فرعون کو اندر جانے کی اجازت تو ملے گی نہیں، پس باہر سے جھانک کر دیکھ لے گا ـــــ اور میں تو اس کو بالیقین جھوٹا سمجھتا ہوں ـــــ یعنی خدا میرے علاوہ کوئی نہیں، پس میں کہہ سکوں گا کہ میں آسمانوں میں گھوم آیا، مجھے وہاں کوئی خدا نہیں ملا! ـــــ اور اس طرح فرعون کے لئے اس کی بدعملی مزین کی گئی ـــــ بدعملی سے مراد یہاں دو باتیں ہیں: قتل موسیٰ کا منصوبہ اور آسمانوں میں چڑھ کر اللہ کو جھانکنا: دونوں باتیں حماقت بھری ہیں، مگر فرعون کو خوش نما نظر آئیں ـــــ اور وہ سیدھے راستہ سے روک دیا گیا ـــــ یعنی اس مؤمن کی تقریر سے بھی اس کو راہِ راست نصیب نہ ہوئی ـــــ تمام گمراہوں کا یہی حال ہے، ان گمراہوں کے لئے ان کی گمراہیاں مزین کردی جاتی ہیں، وہ اسی کو حق سمجھتے ہیں، اور اس دلدل سے کبھی باہر نہیں نکل سکتے ـــــ اور فرعون کی اسکیم ہلاک ہی ہوکر رہی! ـــــ یعنی نہ وہ موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرسکا اور نہ محل بنا کر آسمان پر چڑھ سکا، کہتے ہیں: ہامان نے محل بنانا شروع کیا تھا، مگر بنیادیں کمزور تھیں، اس لئے تیار ہونے سے پہلے ہی ڈھ پڑا!

مؤمن بندے کا بیان جاری ہے

اور اس مؤمن نے کہا: بھائیو! تم میری پیروی کرو، میں تم کو ’’بھلائی کا راستہ‘‘ دکھاؤں گا ـــــ یعنی بھلائی اور بہتری کا راستہ وہ نہیں جو فرعون دکھاتا ہے، تم میری سنو، میں تمہیں بھلائی کا راستہ دکھاؤں گا۔

بھلائی کا راستہ: ـــــ بھائیو! یہ دنیوی زندگی محض چندروزہ ہے، اور اصل ٹھہرنے کی جگہ آخرت ہے ـــــ اور وہاں جزاء کا قانون یہ ہے: ـــــ جس نے گناہ کیا تو اس کو برابر سرابر ہی بدلہ ملے گا، اور جس نے نیک کام کیا، خواہ مرد ہو یا عورت، بشرطے کہ وہ مؤمن ہو، تو وہ لوگ جنت میں داخل ہونگے، وہاں وہ بے حساب روزی دیئے جائیں گے ـــــ یعنی دنیا کا نشہ ٹھیک نہیں، یہ زندگی چندروز کی ہے، اللہ پر ایمان لاؤ، اس کی بندگی کرو، اور آخرت کے لئے تیاری کرو، وہاں نیک بندوں کے وارے نیارے ہوجائیں گے۔

اور اے میرے بھائیو! یہ کیا بات ہے کہ میں تم کو نجات کی طرف بلاتا ہوں، اور تم مجھے دوزخ کی طرف بلاتے ہو، تم مجھے بلاتے ہو کہ میں اللہ کا انکار کروں، اور اس کے ساتھ ایسی چیز کو شریک کروں جس کے شریک ہونے کی میرے پاس کوئی دلیل نہیں —— اور میں تمہیں زبردست بڑے بخشنے والے کی طرف بلاتا ہوں —— یعنی میرا اور تمہارا معاملہ عجیب ہے، میں چاہتا ہوں کہ تم کو ایمان کے راستہ پر لگا کر خدا کے عذاب سے نجات دلاؤں، اور تمہاری کوشش یہ ہے کہ اپنے ساتھ مجھے بھی دوزخ کی آگ میں دھکیل دو (فوائد) —— یقینی بات ہے کہ تم مجھے جس کی طرف بلاتے ہو اس کے لئے نہ دنیا میں دُہائی ہے نہ آخرت میں —— دُہائی: مدد طلب کرنا، فریاد کرنا یعنی اللہ کے علاوہ نہ دنیا میں کوئی فریاد سننے والا ہے نہ آخرت میں، پھر ان کو معبود ماننے سے کیا فائدہ؟ —— اور یہ (بات بھی یقینی ہے) کہ ہمارا لوٹنا اللہ کی طرف ہے —— یعنی اس دنیا سے گذر کر اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے، پس وہی معبود برحق ہے —— اور یہ (بات بھی یقینی ہے) کہ حد سے تجاوز کرنے والے ہی دوزخی ہیں —— پس تم جو موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنا چاہتے ہو اس کا انجام سوچ لو!

مؤمن بندے کی تقریر پوری ہوتی ہے

پس آگے چل کر تم میری بات کو یاد کرو گے، اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں، بے شک اللہ تعالیٰ سب بندوں کو خوب دیکھنے والے ہیں —— اس تقریر سے مؤمن بندے کا ایمان کھل گیا، اس نے کہا: آگے چل کر میری باتیں یاد آئیں گی کہ ایک بندہ نے سمجھایا تھا مگر ہم نہیں سمجھے تھے، اس وقت پشیمان ہونے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا، اور اب میں خود کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں، تم مجھے ستانا چاہو تو وہی میری حفاظت کرے گا، اور سب بندے اللہ کی نگاہ میں ہیں، وہ میرا اور تمہارا دونوں کا معاملہ دیکھ رہے ہیں، ﴿وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ﴾: اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے: اللہ اس کے لئے کافی ہیں۔

فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ﴿۴۵﴾ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۛ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿۴۶﴾ وَاِذْ يَتَحَاجُّوْنَ فِي النَّارِ فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ ﴿۴۷﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ ۙ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ﴿۴۸﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ

ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ﴿۴۹﴾ قَالُوْٓا اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۭ قَالُوْا بَلٰى ۭ قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ وَمَا دُعٰۗؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۵۰﴾

فَوَقٰهُ	پس بچایا اس کو	اَشَدَّ الْعَذَابِ	سخت عذاب میں	اسْتَكْبَرُوْٓا	گھمنڈ کیا
اللّٰهُ	اللہ نے	وَاِذْ	اور (یاد کرو) جب	اِنَّا كُلٌّ	بے شک ہم سب
سَيِّاٰتِ (۱)	برائیوں سے	يَتَحَآجُّوْنَ	باہم جھگڑیں گے وہ	فِيْهَآ	دوزخ میں ہیں
مَا مَكَرُوْا	ان کی چالوں کی	فِي النَّارِ	دوزخ میں	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ نے
وَحَاقَ	اور گھیر لیا	فَيَقُوْلُ	پس کہیں گے	قَدْ حَكَمَ	قطعی فیصلہ کر دیا ہے
بِاٰلِ فِرْعَوْنَ	فرعون والوں کو	الضُّعَفٰٓؤُا	کمزور	بَيْنَ الْعِبَادِ	بندوں کے درمیان
سُوْٓءُ الْعَذَابِ	برے عذاب نے	لِلَّذِيْنَ	ان سے جو	وَقَالَ	اور کہا
اَلنَّارُ (۲)	(وہ) دوزخ ہے	اسْتَكْبَرُوْٓا	بڑے بنتے تھے	الَّذِيْنَ	ان لوگوں نے جو
يُعْرَضُوْنَ	پیش کئے جاتے ہیں وہ	اِنَّا كُنَّا	بے شک ہم تھے	فِي النَّارِ	دوزخ میں ہیں
عَلَيْهَا	دوزخ پر	لَكُمْ	تمہارے	لِخَزَنَةِ	ذمہ داروں سے
غُدُوًّا	صبح	تَبَعًا	پیروکار	جَهَنَّمَ	دوزخ کے
وَّعَشِيًّا	اور شام	فَهَلْ اَنْتُمْ	تو کیا تم	ادْعُوْا	پکارو
وَيَوْمَ (۳)	اور جس دن	مُّغْنُوْنَ	ہٹانے والے ہو	رَبَّكُمْ	اپنے رب کو
تَقُوْمُ	برپا ہوگی	عَنَّا	ہم سے	يُخَفِّفْ	ہلکا کریں
السَّاعَةُ	قیامت	نَصِيْبًا	کوئی حصہ	عَنَّا	ہم سے
اَدْخِلُوْٓا	داخل کرو	مِّنَ النَّارِ	آگ کا	يَوْمًا	کسی دن
اٰلَ فِرْعَوْنَ (۴)	فرعون والوں کو	قَالَ الَّذِيْنَ	کہا جنھوں نے	مِّنَ الْعَذَابِ	کچھ عذاب

(۱) سیئات: مضاف، ما مکروا: مضاف الیہ، اور ما مصدریہ، اور اس میں فرعونیوں کے دنیاوی انجام کی طرف اشارہ ہے یعنی سب غرق ہوئے، علاوہ اُس مسلمان کے (۲) النار: ھو محذوف کی خبر ہے، اور مرجع سوء العذاب ہے، اور یہ عذابِ برزخ کا بیان ہے (۳) یہ عذابِ آخرت کا بیان ہے (۴) آل فرعون: فرعون کی پارٹی۔

قَالُوْٓا	کہا انھوں نے	بِالْبَيِّنٰتِ	واضح دلائل کے ساتھ	فَادْعُوْا	پس پکارو تم (ہی)
اَوَلَمْ تَكُ	کیا اور نہیں تھے	قَالُوْا	کہا انھوں نے	وَمَا دُعٰٓؤُا	اور نہیں دُہائی
تَاْتِيْكُمْ	آتے تمہارے پاس	بَلٰى	کیوں نہیں	الْكٰفِرِيْنَ	کافروں کی
رُسُلُكُمْ	تمہارے رسول	قَالُوْا	کہا انھوں نے	اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ	مگر لا حاصل

فرعونیوں کی دنیا میں، برزخ میں اور آخرت میں سزا

پس اللہ نے اُس (مؤمن) کو ان کی چالوں کی برائی (سزا) سے بچالیا —— یہ فرعونیوں کی دنیاوی سزا کا بیان ہے۔ وہ زندگی بھر موسیٰ علیہ السلام کے خلاف جو کچھ کرتے رہے، اس کی برائی یعنی سزا اُن کو یہ ملی کہ وہ سب بحرِ قلزم کی موجوں کی نذر کردیئے گئے، البتہ خاندانِ فرعون کے اُس مؤمن کو بچالیا، کہتے ہیں: وہ بنی اسرائیل کے ساتھ دریا سے پار اتر گئے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ تعاقب کرنے والوں کے ساتھ نہ گئے ہوں، کوئی بہانہ بنا کر پیچھے رہ گئے ہوں۔

اور فرعونیوں کو سخت عذاب نے گھیر لیا —— وہ سخت عذاب: دوزخ کی —— آگ ہے، جس پر وہ صبح وشام پیش کئے جاتے ہیں —— یہ برزخ (عالم قبر) کی سزا کا بیان ہے، عالم برزخ میں ان کو ہر صبح وشام دوزخ کا ٹھکانا دکھایا جاتا ہے تاکہ ان کو اپنا روح فرسا اخروی انجام دیکھ کر نانی یاد آتی رہے —— اور پیش کرنے کی صورت کیا ہوتی ہے؟ اس کا صحیح جواب معلوم نہیں، اور آثار میں ہے کہ ان کو سیاہ رنگ کے پرندوں کے پوٹوں میں بٹھا کر جہنم دکھائی جاتی ہے، جیسے شہداء کو ہرے رنگ کے پرندوں کے پوٹوں میں بٹھا کر جنت کی سیر کرائی جاتی ہے —— یا جیسے ہر میت کو قبر میں سوال وجواب کے بعد اس کا جنت یا جہنم کا ٹھکانا دکھایا جاتا ہے، اس طرح دکھائی جاتی ہو۔

عذابِ قبر برحق ہے، اور یہ آدھی بات ہے

پہلے یہ بات جان لیں کہ عذاب القبر حق: آدھا مضمون ہے، دوسرا آدھا مضمون فہم سامع پر اعتماد کرکے چھوڑ دیا گیا ہے۔ قبر میں عذاب ہی نہیں ہوتا، عذاب تو نافرمانوں کے لئے ہے اور اطاعت شعاروں کے لئے راحتیں ہیں۔

قرآن وحدیث میں کبھی فہم سامع پر اعتماد کرکے آدھا مضمون چھوڑ دیتے ہیں جیسے ﴿بِيَدِكَ الْخَيْرُ﴾ (آل عمران آیت ۲۶) اللہ کے ہاتھ میں خیر ہے، شر بھی اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے مگر فہم سامع پر اعتماد کرکے اس کو چھوڑ دیا گیا ہے، کیونکہ اس سے پہلے متقابلات آئے ہیں، پس سامع خود آدھا مضمون سمجھ لے گا کہ شر بھی اللہ ہی کے قبضہ میں ہے۔

اور جو جزء جہاں اہم اور مقصود ہوتا ہے اس کو ذکر کیا جاتا ہے اور دوسرا جزء قرینہ پر اعتماد کرکے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ جیسے

مذکورہ آیت میں اللہ کی تعریف کی جارہی ہے، اس کے مناسب ﴿بِيَدِكَ الْخَيْرُ﴾ ہے، پس اس کو ذکر کیا اور دوسرا آدھا فہم سامع پر اعتماد کرکے چھوڑ دیا۔

اور قبر کے معاملات میں چونکہ عذاب کا جزء اہم ہے تاکہ لوگ محتاط زندگی گذاریں اور آنے والی زندگی کی تیاری کریں، اس لئے اسی جزء کو بیان کیا جاتا ہے، اگر قبر میں نعمتوں والا جزء بیان کریں گے تو لوگوں کو غلط فہمی ہوگی، اور وہ آخرت سے بے فکر ہوجائیں گے۔

عذابِ قبر روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے

اہل السنہ والجماعہ کا متفقہ عقیدہ ہے کہ عذابِ قبر روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے، حدیث شریف میں اس کی یہ تعبیر ہے کہ نیک بندے کی قبر چوڑی اور منور کردی جاتی ہے اور برے شخص کی قبر تنگ کی جاتی ہے، یہاں تک کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں، معلوم ہوا کہ جسم کے اجزاء بھی عذاب ونعمت میں شریک ہوتے ہیں، اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ عذابِ قبر صرف روح کو ہوتا ہے وہ اہل السنہ والجماعہ کے اجماعی عقیدہ کے خلاف ہیں، اس لئے وہ گمراہ ہیں۔

اور اس بات کو اس طرح سمجھ سکتے ہیں کہ مرنے کے بعد بھی روح کا جسم کے ساتھ تعلق باقی رہتا ہے، البتہ وہ وہمی (حکمی) تعلق ہوتا ہے، اس وہمی تعلق کو ٹیلیفون کی مثال سے سمجھا جاسکتا ہے، فون اگر P.C.O ہے تو اس کا تعلق بستی کے ہر فون سے ہوتا ہے S.T.D ہے تو اس کا تعلق ملک کے ہر فون سے ہوتا ہے اور I.S.D ہے تو اس کا تعلق پوری دنیا کے فونوں سے ہوتا ہے، یہ تعلق وہمی ہے اور شہر کے مرکز مواصلات سے فون کا تعلق تحقیقی ہے، پھر اس کے توسط سے دیگر فونوں کے ساتھ تحقیقی تعلق قائم ہوتا ہے، جب آپ کوئی نمبر ڈائل کرتے ہیں تو اگر آپ کے فون کا سامنے والے فون سے حکمی تعلق ہوتا ہے تو تحقیقی تعلق قائم ہوجاتا ہے اور گھنٹی بجنے لگتی ہے، ورنہ جواب ملتا ہے: ''آپ کے فون پر یہ سہولت نہیں'' اب آپ اس مثال سے یہ مضمون سمجھئے کہ قیامت کے دن جب دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا اور تمام روحیں اس دنیا میں واپس آئیں گی تو ہر روح اپنے جسم میں داخل ہوگی، کوئی روح دوسرے جسم میں داخل نہیں ہوگی، یہ ارواح کا اجسام سے تحقیقی تعلق ہے، اور تحقیقی تعلق فرع ہے حکمی تعلق کی، پس ماننا پڑے گا کہ برزخ کی زندگی میں روح کا جسم کے اجزاء کے ساتھ تعلق باقی رہتا ہے اگر حکمی (وہمی) تعلق نہیں مانیں گے تو سوال پیدا ہوگا کہ ارواح اپنے اجسام کو کس طرح پہچانیں گی؟ اور وہ اپنے ہی اجسام میں کس تعلق کی بنا پر داخل ہونگی؟ اس طرح جسم کے اجزاء بھی جزاء وسزا میں روح کے ساتھ کسی درجہ میں شریک ہوتے ہیں۔

عذابِ قبر قرآن اور تواتر سے ثابت ہے

امام بخاری رحمہ اللہ نے بخاری شریف (تحفۃ القاری ۴: ۱۳۶) میں عذابِ قبر کے تعلق سے تین آیتیں ذکر کی ہیں،

ایک: یہی آیت ذکر کی ہے، دوسری: سورۃ الانعام کی (آیت ۹۳) اور تیسری سورۃ التوبہ کی آیت ۱۰۱ ذکر کی ہے، ان کی تفصیل تحفۃ القاری (۴: ۱۳۷) میں ہے۔ علاوہ ازیں: سورۃ التکاثر میں عذابِ قبر اور عذابِ آخرت کا ذکر ہے، اور اس سلسلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد بھی ہے، تفصیل کے لئے دیکھیں تحفۃ الالمعی (۷: ۵۶۰) اسی طرح بے شمار روایات میں عذابِ قبر کا ذکر آیا ہے، وہ روایات اگرچہ الگ الگ ہیں، مگر ان کا قدر مشترک یہ ہے کہ قبر کا عذاب برحق ہے، پس جو شخص عذابِ قبر کا انکار کرتا ہے وہ بددین گمراہ ہے۔

اور جس دن قیامت قائم ہوگی —— فرشتوں کو حکم ہوگا کہ —— فرعونیوں کو سخت عذاب میں داخل کرو —— یعنی دوزخ کے عذاب میں، یہ عذابِ آخرت کا بیان ہے۔

جہنم میں چھوٹے بڑے باہم جھگڑیں گے

جھگڑا ایک عذاب ہے، خواہ دنیا میں ہو یا جہنم میں، جنتی ایک دل ہونگے، ان میں کبھی کوئی نزاع پیش نہیں آئے گا، اور یہ اتفاق ایک نعمت ہوگا —— فرعون اپنی پارٹی کا بڑا تھا، اسی نے سب کو جہنم میں پہنچایا ہے (ہود ۹۸) جہنم میں چھوٹے بڑوں میں جھگڑا ہوگا، جو ایک مستقل عذاب ہوگا، ارشاد فرماتے ہیں: —— اور (یاد کرو) جب کفار دوزخ میں ایک دوسرے سے جھگڑیں گے، پس ادنی درجہ کے لوگ اعلیٰ درجہ کے لوگوں سے کہیں گے: بے شک ہم تمہارے تابع تھے، پس کیا تم ہم سے آگ کا کوئی جزء ہٹا سکتے ہو؟ —— یعنی دنیا میں ہم سے اپنی اطاعت اور اتباع کراتے رہے، جس کی بدولت آج ہم پکڑے گئے، اب یہاں ہمارے کچھ تو کام آؤ، آخر بڑوں کو چھوٹوں کی تھوڑی بہت خبر تو لینی ہی چاہئے، دیکھتے نہیں! ہم آج کس قدر مصیبت میں ہیں! کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ اس مصیبت کا کوئی جزو ہم سے ہلکا کردو —— بڑے جواب دیں گے: ہم سبھی دوزخ میں ہیں، اللہ تعالیٰ نے بندوں کے درمیان قطعی فیصلہ کردیا ہے —— یعنی اب موقع نہیں ہے کہ کوئی کسی کے کام آئے، ہم اپنی ہی مصیبت کو ہلکا نہیں کرسکتے، تمہارے کیا کام آسکتے ہیں؟ (فوائد)

بڑوں سے مایوس ہوکر جہنمی: جہنم کے ذمہ دار فرشتوں سے درخواست کریں گے

جہنمی اپنے سرداروں کی طرف سے مایوس ہوکر اُن فرشتوں سے درخواست کریں گے جو دوزخ کے انتظام پر مقرر ہیں کہ تم ہی اپنے رب سے کہہ کر کسی دن کچھ عذاب ہلکا کرادو، فرشتے ان کو ٹکا سا جواب دیں گے، ارشاد فرماتے ہیں: —— اور کہا ان لوگوں نے جو دوزخ میں ہیں جہنم کے ذمہ دار فرشتوں سے کہ درخواست کرو اپنے رب سے کہ ہم سے کسی دن تھوڑا سا عذاب ہلکا کردیں —— فرشتے پوچھیں گے: کیا تمہارے پاس تمہارے رسول واضح دلائل کے ساتھ نہیں آئے تھے؟

—— دوزخی جواب دیں گے: کیوں نہیں! —— بے شک آئے تھے، مگر ہم نے ان کی ایک نہ سنی! —— فرشتے کہیں گے: پس تم ہی درخواست کرلو —— یعنی سفارش کرنا ہمارا کام نہیں، ہم تو عذاب دینے پر مقرر ہیں، سفارش کرنا رسولوں کا کام ہے اور تم رسولوں کے خلاف ہی چلتے رہے، لہٰذا تم جانو تمہارا کام! —— اب وہ براہِ راست چلا کر بارگاہِ خداوندی میں عرض کریں گے —— اور کافروں کی صدا محض بے اثر ہوگی! —— یعنی صدا بہ صحرا ثابت ہوگی، کوئی جواب ہی نہیں ملے گا۔

إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ ﴿٥١﴾ يَوْمَ لَا يَنفَعُ الظَّالِمِينَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ ﴿٥٢﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْهُدَىٰ وَأَوْرَثْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ الْكِتَابَ ﴿٥٣﴾ هُدًى وَذِكْرَىٰ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿٥٤﴾ فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ ﴿٥٥﴾

اِنَّا	بے شک ہم	يَوْمَ	جس دن	اٰتَيْنَا	دی ہم نے
لَنَنْصُرُ	ضرور مدد کرتے ہیں	لَا يَنْفَعُ	کام نہیں آئے گی	مُوْسٰى	موسیٰ کو
رُسُلَنَا	اپنے رسولوں کی	الظّٰلِمِيْنَ	ظالموں (کافروں) کے	الْهُدٰى (۱)	راہ نمائی
وَالَّذِيْنَ	اور ان کی جو	مَعْذِرَتُهُمْ	ان کی عذر خواہی	وَاَوْرَثْنَا	اور وارث بنایا ہم نے
اٰمَنُوْا	ایمان لائے		(معافی مانگنا)	بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ	اولادِ یعقوب کو
فِي الْحَيٰوةِ	زندگی میں	وَلَهُمُ	اور ان کے لئے	الْكِتٰبَ	کتاب (تورات) کا
الدُّنْيَا	دنیا کی	اللَّعْنَةُ	لعنت ہے	هُدًى (۲)	(جو) راہ نما
وَيَوْمَ	اور جس دن	وَلَهُمْ	اور ان کے لئے	وَّذِكْرٰى	اور نصیحت (تھی)
يَقُوْمُ	کھڑے ہونگے	سُوْٓءُ الدَّارِ	برا گھر ہے	لِاُولِي الْاَلْبَابِ (۳)	عقل سلیم والوں کیلئے
الْاَشْهَادُ	گواہ (کافروں کے خلاف)	وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	فَاصْبِرْ	پس آپ صبر کریں

(۱) الهدی: راہ نمائی: یعنی موسیٰ علیہ السلام دین سے بے خبر تھے ان کو باخبر کیا (۲) هدی اور ذکری: مصدر ہیں، حال کی جگہ واقع ہیں (۳) ألباب: لُبّ کی جمع: گودا یعنی خالص عقل۔

اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ	بے شک وعدہ اللہ کا	لِذَنْۢبِكَ (۱)	اپنی کوتاہی	رَبِّكَ	اپنے پروردگار کی
حَقٌّ	سچا ہے	وَسَبِّحْ	اور پاکی بیان کریں	بِالْعَشِيِّ	شام میں
وَّاسْتَغْفِرْ	اور بخشوائیں آپ	بِحَمْدِ	تعریف کے ساتھ	وَالْاِبْكَارِ	اور صبح میں

ذرا صبر کریں، دن پھرنے والے ہیں، اللہ کا وعدہ سچا ہے

یہ سورت مکی دور کے تقریباً آخر میں نازل ہوئی ہے، اس کا نزول کا نمبر ۶۰ ہے، یہ پورا کشمکش کا دور تھا، ابتلاء عام تھا، اور گذشتہ آیت میں جہنم کے ذمہ دار فرشتوں نے جہنمیوں سے پوچھا تھا: کیا تمہارے پاس تمہارے رسول واضح دین لے کر نہیں آئے؟ انھوں نے جواب دیا تھا: کیوں نہیں! یعنی آئے تھے، مگر ہم نے ان کی سن کر نہ دی —— اب اسی دستورِ الٰہی کے مطابق آخری رسول تشریف لائے ہیں، مگر ان پر معدودے چند حضرات ہی ایمان لائے ہیں، مکہ والوں کی اکثریت مخالفت پر کمر بستہ ہے، اس لئے اب اللہ کے رسول ﷺ کو اور ایمان لانے والوں کو خوش خبری سنائی جاتی ہے کہ دن پھرنے والے ہیں، ذرا صبر کریں، اللہ کا وعدہ سچا ہے، اسلام غالب ہوکر رہے گا، پھر مثال دی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو کیسے سخت حالات سے گذرنا پڑا ہے، مگر آخر میں کامیاب وہی ہوئے ہیں، اسی طرح تم بھی ضرور کامیاب ہوؤگے —— اور اُس وقت تک دو کام کرو: (۱) دعوت وتبلیغ میں اگر کوئی کوتاہی رہ گئی ہوتو اس کی تلافی کرو، اور ماضی میں کوتاہی کی معافی مانگو، اللہ بڑے بخشنے والے ہیں (۲) صبح وشام نمازوں کا اہتمام کرو، معراج میں پانچ نمازیں فرض ہوئی ہیں، اس سے پہلے صبح وشام کی دو نمازیں تھیں، ان کو اہتمام سے ادا کرو۔

آیاتِ پاک: —— بے شک ہم ضرور مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی دنیا کی زندگی میں —— پس حسب دستور ہم اپنے آخری رسول کی اور ان پر ایمان لانے والوں کی بھی ضرور مدد کریں گے —— اور جس دن (کافروں کے خلاف) گواہ کھڑے ہونگے —— یعنی قیامت کے دن، اللہ تعالیٰ مؤمنین کو ایمان کی برکت سے مضبوط رکھیں گے، انہیں ذرا گھبراہٹ نہ ہوگی (سورۃ ابراہیم آیت ۲۷) —— جس دن کافروں کے کام نہیں آئے گی ان کی عذر خواہی —— وہ دن معافی تلافی کا نہیں ہوگا —— یہ مخالفین کو سنایا جارہا ہے —— اور ان کے لئے لعنت ہوگی، اور ان کے لئے برا گھر ہوگا —— ضد سے ضد پہچانی جاتی ہے، پس مؤمنین کے لئے اس دن رحمت ہوگی اور اچھا گھر!

مثال: —— اور البتہ واقعہ یہ ہے کہ ہم نے موسیٰ کی راہ نمائی کی —— یعنی دین سے باخبر کیا، نبوت سے سرفراز کیا —— ہر نبی قبلِ نبوت دین سے تفصیلی طور پر واقف نہیں ہوتا، ہمارے نبی ﷺ کے حق میں ہے: ﴿وَوَجَدَكَ ضَالًّا

(۱) ذنب: کوتاہی یعنی بہت ہی معمولی گناہ۔

فَھَدٰی ﷺ: اور اللہ نے آپؐ کو دین سے بے خبر پایا، پس آپؐ کو باخبر کیا ـــــ موسیٰ علیہ السلام کو بھی اسی طرح باخبر کیا ـــــ اور ہم نے بنی اسرائیل کو تورات کا وارث بنایا، جو عقل سلیم والوں کے لئے راہ نمائی اور نصیحت تھی ـــــ اسی طرح ہم نے اپنے اس نبی کو دین سے واقف کیا ہے، اور اس کی امت کو قرآنِ کریم کا وارث بنایا ہے، جو عقلِ سلیم رکھنے والوں کے لئے ہدایت اور نصیحت ہے۔

پس آپؐ صبر کریں، بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے، اور آپؐ اپنی کوتاہی بخشوائیں، اور آپؐ صبح وشام اپنے رب کی خوبیوں کے ساتھ پاکی بیان کریں ـــــ یہ رسول اللہ ﷺ کی اور مؤمنین کی تسلّی فرمائی۔

إِنَّ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَاهُمْ ۙ إِنْ فِي صُدُورِهِمْ إِلَّا كِبْرٌ مَا هُمْ بِبَالِغِيهِ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ ۖ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴿٥٦﴾ لَخَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ أَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٥٧﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَلَا الْمُسِيءُ ۚ قَلِيلًا مَا تَتَذَكَّرُونَ ﴿٥٨﴾ إِنَّ السَّاعَةَ لَآتِيَةٌ لَا رَيْبَ فِيهَا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٥٩﴾ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ﴿٦٠﴾ ع ۱۱

إِنَّ الَّذِينَ	بے شک جو لوگ	إِلَّا كِبْرٌ	مگر غرور (تکبر)	لَخَلْقُ	یقیناً پیدا کرنا
يُجَادِلُونَ	جھگڑتے ہیں	مَا هُمْ	نہیں ہیں وہ	السَّمَاوَاتِ	آسمانوں کا
فِي آيَاتِ	آیتوں (باتوں) میں	بِبَالِغِيهِ[2]	پہنچنے والے اس کو	وَالْأَرْضِ	اور زمین کا
اللَّهِ	اللہ کی	فَاسْتَعِذْ	پس پناہ طلب کر	أَكْبَرُ	بڑا ہے
بِغَيْرِ	بغیر	بِاللَّهِ	اللہ کی	مِنْ خَلْقِ	پیدا کرنے سے
سُلْطَانٍ	کسی دلیل کے	إِنَّهُ هُوَ	بے شک وہی	النَّاسِ	لوگوں کے
أَتَاهُمْ[1]	جو ان کو پہنچی ہو	السَّمِيعُ	خوب سننے والے	وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ	لیکن بہت
إِنْ فِي صُدُورِهِمْ	نہیں ہے ان کے سینوں میں	الْبَصِيرُ	سب کچھ دیکھنے والے ہیں	النَّاسِ	لوگ

(۱) جملہ أتاهم: سلطان کی صفت ہے (۲) بالغين کا نون اضافت کی وجہ سے حذف ہوا ہے، اور ضمیر کا مرجع کبر ہے۔

لَا يَعْلَمُوْنَ	جانتے نہیں	تَتَذَكَّرُوْنَ	نصیحت حاصل کرتے ہو تم	اُدْعُوْنِيْٓ	مجھے پکارو
وَمَا يَسْتَوِي	اور یکساں نہیں	اِنَّ السَّاعَةَ	بے شک قیامت	اَسْتَجِبْ لَكُمْ [۲]	میں تمہاری پکار قبول
الْاَعْمٰى	اندھا	لَاٰتِيَةٌ	یقیناً آنے والی ہے		کرونگا
وَالْبَصِيْرُ	اور بینا	لَارَيْبَ	کوئی شک نہیں	اِنَّ الَّذِيْنَ	بے شک جو لوگ
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	اور جو ایمان لائے	فِيْهَا	اس میں	يَسْتَكْبِرُوْنَ	سرتابی کرتے ہیں
وَعَمِلُوا	اور کئے انھوں نے	وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ	مگر اکثر	عَنْ عِبَادَتِيْ	میری عبادت سے
الصّٰلِحٰتِ	نیک کام	النَّاسِ	لوگ	سَيَدْخُلُوْنَ	عنقریب داخل ہونگے
وَلَا الْمُسِيْٓءُ [۱]	اور نہ بدکار	لَا يُؤْمِنُوْنَ	یقین نہیں رکھتے	جَهَنَّمَ	دوزخ میں
قَلِيْلًا مَّا	بہت ہی کم	وَقَالَ رَبُّكُمُ	اور فرمایا تمہارے رب نے	دٰخِرِيْنَ	ذلیل ہوکر

اسلام کی بنیادی تعلیمات میں مشرکین کا جھگڑا

مکی سورتوں میں اسلام کے تین بنیادی عقیدے: توحید، رسالت (دلیلِ رسالت) اور آخرت سمجھائے گئے ہیں، مشرکین ان میں خواہ مخواہ نبی ﷺ اور مسلمانوں سے جھگڑتے تھے، ان کے پاس کوئی نقلی دلیل نہیں تھی محض خیالات اور اوہام تھے، پھر وہ قرآن کی باتیں کیوں قبول نہیں کرتے تھے؟ ان کی شیخی اور غرور مانع بنتا تھا، وہ حق کے سامنے جھکنا نہیں چاہتے تھے، خود کو بہت لمبا کھینچتے تھے، پیغمبر کی اتباع میں ان کو عار محسوس ہوتا تھا، وہ چاہتے تھے کہ پیغمبر سے اونچے ہوکر رہیں، لیکن یاد رکھیں: وہ اس مقصد کو کبھی حاصل نہیں کرسکتے، پیغمبر کے سامنے سر اطاعت جھکانا پڑے گا، ورنہ سخت ذلیل ورسوا ہونگے، ارشاد فرماتے ہیں: —— بے شک جو لوگ جھگڑے نکالا کرتے ہیں اللہ کی باتوں میں، بغیر کسی ایسی دلیل کے جو ان کو پہنچی ہو، ان کے دلوں میں بس بڑائی ہی بڑائی ہے، جس تک وہ کبھی پہنچنے والے نہیں! —— اللہ کی باتوں میں: یعنی اسلام کے بنیادی عقائد میں جو قرآن پیش کررہا ہے —— کسی دلیل کے بغیر جو ان کو پہنچی ہو: یعنی نقلی دلیل کے بغیر جو اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہو، کیونکہ نقلی دلیل ہی قطعی ہوتی ہے، عقلی باتیں تو ڈھکوسلے ہوتے ہیں، ان کا کیا اعتبار! —— جس تک وہ کبھی پہنچنے والے نہیں: یعنی ان کی شیخی پر زوال آنے والا ہے۔

مگر فی الحال ہیں وہ زبردست اور غالب، اسلام کے خلاف کچھ بھی کرسکتے ہیں —— پس آپ اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کریں، بے شک وہی سب کچھ سننے والے، سب کچھ دیکھنے والے ہیں —— وہ آپ کو ان کے شر سے محفوظ رکھیں گے،

(۱) المسیئ: إساء ة سے اسم فاعل، بدی کرنے والا (۲) استجاب له: قبول کرنا، کہا ماننا، لبیک کہنا۔

اللہ کے سامنے ان کی کیا حیثیت ہے، اور اللہ کی کائنات میں ان کا کیا مقام ہے، ہاتھی اور چیونٹی کی نسبت بھی نہیں —— آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا یقیناً بڑا کام ہے لوگوں کے پیدا کرنے سے، لیکن اکثر لوگ سمجھتے نہیں —— وہ اس خام خیالی میں مبتلا ہیں کہ سب سے زبردست مخلوق ہم ہیں، سچ ہے: جب چیونٹی کی موت آتی ہے تو اس کے پر نکلتے ہیں اور وہ آسمان پر اڑنے کی کوشش کرتی ہے، ایاز قدر خود شناس!

یہ تو جسمانی ساخت اور زور وقوت کی بات تھی، آسمانوں وزمین کے سامنے انسان ایک ذرّہ بے مقدار ہے۔ رہا معنوی مقام ومرتبہ تو وہ اللہ کے محبوب ومقبول بندوں کے لئے ہے، مبغوض ومطرود لوگ تو جہنم کا ایندھن بنیں گے، اگر دنیا میں چند روز نالے کے جھاگ کی طرح پانی پر چھائے رہے تو اس سے کیا ہوتا ہے؟ جو لوگ اللہ کی باتوں کو مانتے ہیں وہ بینا ہیں، اور جو لوگ نہیں مانتے وہ اندھے ہیں، جو قرآن پر ایمان رکھتے ہیں، اور اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں وہ نیک کردار ہیں، اور دوسرے لوگ بدکردار، اور اندھا اور بینا کب برابر ہوتے ہیں اور ایماندار نیک کردار اور بدکردار کب یکساں ہوتے ہیں؟ دونوں کا فرق سمجھو! ارشاد فرماتے ہیں —— اور یکساں نہیں اندھا اور بینا، اور نہ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کئے اور برا کرنے والے، بہت ہی کم نصیحت پذیر ہوتے ہو تم!

مگر دونوں میں فرق دنیا میں ظاہر ہونا ضروری نہیں، البتہ قیامت کے دن یہ فرق ظاہر ہوکر رہے گا، اور —— قیامت بالیقین آنے والی ہے، اس میں کچھ شک نہیں، مگر اکثر لوگ یقین نہیں کرتے!

اللہ کی نزدیکی حاصل کرنے کی صورت

اگر مشرکین پوچھیں کہ اللہ کی نزدیکی حاصل کرنے کی کیا صورت ہے؟ اللہ کا مقبول بندہ کیسے بنا جاسکتا ہے؟ اور آنکھیں روشن اور آدمی نیک کردار کیسے بن سکتا ہے؟ تو ان کو بتاؤ کہ اس کی ایک ہی صورت ہے، مورتیوں کو چھوڑو، اور ایک اللہ کی پرستش کرو، غیر اللہ سے منہ موڑو اور ایک اللہ کو پکارو، یہی لوگ مقبول بندے ہیں، جنت انہی کی میراث ہے، اور جو لوگ اللہ کی عبادت سے سرتابی کریں گے وہ کبھی مقبول بندے نہیں بن سکتے، ان کو تو ذلیل ورسوا ہوکر جہنم میں جانا ہے۔

آیتِ پاک: —— اور تمہارے ربّ نے فرمایا کہ مجھ کو پکارو، میں تمہاری دعا قبول کروں گا، جو لوگ میری عبادت سے سرتابی کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل ہوکر جہنم میں داخل ہونگے۔

تفسیر: اس آیتِ کریمہ میں دو مضمون ہیں، اور دونوں میں گہرا ربط ہے، پہلے دونوں کو الگ الگ سمجھ لیں، پھر دونوں کو ملالیں۔

پہلا مضمون: —— بندوں کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں، غیر اللہ سے دعا: یعنی مانگنا جائز نہیں، داتا ایک ہی

ہے، اسی سے مانگو ـــــ اور اللہ تعالیٰ بندوں کی ہر دعا قبول فرماتے ہیں، کوئی دعا رد نہیں کرتے، مگر مانگی ہوئی چیز دینا نہ دینا بندے کی مصلحت پر موقوف ہے، اگر مصلحت ہوتی ہے تو دیتے ہیں، ورنہ دعا کو عبادت بنا کر اس کے نامۂ اعمال میں لکھ لیتے ہیں ـــــ قرآنِ کریم میں کہیں بھی یہ نہیں کہا گیا کہ مجھ سے مانگو، تم جو مانگو گے وہ میں دونگا، بلکہ ہر جگہ یہ فرمایا ہے کہ میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔ سورۃ البقرۃ (آیت ۱۸۶) میں ہے: ﴿أُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ﴾: میں قبول کرتا ہوں دعا مانگنے والے کی دعا، رہا دینا نہ دینا تو وہ بندے کی مصلحت پر موقوف ہے۔

ایک مثال سے وضاحت: ـــــ کسی کا اکلوتا لڑکا ہے، اس کو ملیریا ہوگیا، گرمی کا زمانہ ہے، سڑک پر قلفی بیچنے والا آیا، اس نے گھنٹی بجائی اور صدا لگائی، بچہ بے تاب ہوگیا، وہ برف کھانے کا عادی ہے، اس نے کہا: ابو! میں قلفی کھاؤں! باپ اس کا مطالبہ رد نہیں کرے گا، اس کو بچہ سے محبت ہے، بلکہ وہ نوکر کو پیسے دے کر دوڑائے گا کہ قلفی لا، نوکر اداشناس ہے، وہ پیسے لے کر غائب ہوجائے گا اور لاری والا آگے بڑھ جائے گا، اور بچہ مطالبہ بھول جائے گا، باپ اس کو برف اس وقت دے گا جب ڈاکٹر اجازت دے، اس کو بچہ کی زندگی سے کھیلنا نہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ کو بندوں سے باپ سے زیادہ محبت ہے، وہ بھی بندوں کی ہر دعا قبول فرمالیتے ہیں، مگر مانگی ہوئی چیز دیتے جب ہیں جب بندے کی مصلحت ہو۔

دوسرا مضمون: ـــــ مشرکین اللہ تعالیٰ کو جانتے اور مانتے ہیں، مگر دنیا میں ایک مندر بھی بھگوان کی بھگتی کا نہیں ہے، تمام مندروں میں غیر اللہ کی پرستش ہوتی ہے، وہ اللہ کی بندگی سے سرتابی کرتے ہیں، ان کو اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ ان کا انجام دوزخ ہے، وہ ذلیل وخوار ہوکر جہنم میں داخل ہونگے (اور جو لوگ قبروں کو سجدہ کرتے ہیں اور اولیاء سے مانگتے ہیں اور نماز بھی پڑھتے ہیں وہ آیت کا مصداق نہیں)

دونوں مضمون ملائیں: ـــــ دعا میں عبادت کی شان ہے، اس لئے غیر اللہ سے دعا کرنا جائز نہیں، جیسے غیر اللہ کی عبادت جائز نہیں، اور عبادت کا مغز دعا ہے، پس کوئی عبادت دعا سے خالی نہیں رہنی چاہئے، ورنہ عبادت بے گری کی مونگ پھلی ہوگی، اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے دعا نہیں کرتا وہ اللہ کی عبادت سے سرتابی کرتا ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَي النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٦١﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۡ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿٦٢﴾ كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِيْنَ كَانُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿٦٣﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَاۗءَ بِنَاۗءً وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ

وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ښ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۶۴ هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۶۵

اَللّٰهُ الَّذِيْ	اللہ جنھوں نے	اِلَّا هُوَ	مگر وہ	وَرَزَقَكُمْ	اور روزی دی تم کو
جَعَلَ لَكُمُ	بنایا تمہارے لئے	فَاَنّٰى	پس کہاں	مِّنَ الطَّيِّبٰتِ	ستھری (حلال) چیزوں سے
الَّيْلَ	رات کو	تُؤْفَكُوْنَ	بھٹکے جاتے ہو تم	ذٰلِكُمُ اللّٰهُ	وہ اللہ
لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ	تاکہ چین پکڑو تم اس میں	كَذٰلِكَ	اسی طرح	رَبُّكُمْ	تمہارے رب ہیں
وَالنَّهَارَ	اور دن کو	يُؤْفَكُ	بھٹکائے جاتے ہیں	فَتَبٰرَكَ	پس بڑی برکت والے ہیں
مُبْصِرًا(۱)	روشن	الَّذِيْنَ كَانُوْا	وہ لوگ جو ہیں	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ	بِاٰيٰتِ اللّٰهِ	اللہ کی آیتوں کا	رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ	(جو) جہانوں کے رب ہیں
لَذُوْ فَضْلٍ	مہربانی والے ہیں	يَجْحَدُوْنَ	انکار کرتے	هُوَ الْحَيُّ	وہ سدا زندہ ہیں
عَلَى النَّاسِ	لوگوں پر	اَللّٰهُ الَّذِيْ	اللہ جس نے	لَآ اِلٰهَ	کوئی معبود نہیں
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ	لیکن اکثر	جَعَلَ لَكُمُ	بنایا تمہارے لئے	اِلَّا هُوَ	مگر وہی
النَّاسِ	لوگ	الْاَرْضَ	زمین کو	فَادْعُوْهُ	پس پکارو ان کو
لَا يَشْكُرُوْنَ	حق نہیں مانتے	قَرَارًا	ٹھہرنے کی جگہ	مُخْلِصِيْنَ لَهُ	خالص کر کے ان کیلئے
ذٰلِكُمُ اللّٰهُ	وہ اللہ	وَّالسَّمَاۗءَ	اور آسمان کو	الدِّيْنَ	بندگی کو
رَبُّكُمْ	تمہارے رب ہیں	بِنَاۗءً	ایک عمارت	اَلْحَمْدُ	تمام تعریفیں
خَالِقُ	پیدا کرنے والے	وَّصَوَّرَكُمْ	اور نقشہ بنایا تمہارا	لِلّٰهِ	اللہ کے لئے ہیں
كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز کے	فَاَحْسَنَ	پس عمدہ بنایا	رَبِّ	(جو) پروردگار ہیں
لَآ اِلٰهَ	کوئی معبود نہیں	صُوَرَكُمْ	تمہارا نقشہ	الْعٰلَمِيْنَ	جہانوں کے

نعمتیں یاد دلا کر توحید کی دعوت

اللہ کا محبوب بندہ بننے کی صورت یہ بتائی تھی کہ اسی کو پکارا جائے اور اسی کی بندگی کی جائے، اب اللہ تعالیٰ اپنے مشرک

(۱) مُبْصِرا: اِبصار سے اسم فاعل ہے، اس کے معنی ہیں: روشن اور روشن کرنے والا۔

بندوں کو اپنی دو نعمتیں یاد دلا کر اپنی عبادت کی دعوت دیتے ہیں:

پہلی نعمت: —— شب و روز کا نظام ہے —— اللہ تعالیٰ نے وقت کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے، بارہ گھنٹے رات رہتی ہے، پھر دن شروع ہو جاتا ہے، رات میں لوگ آرام کرتے ہیں، پھر دن کی روشنی ہو جاتی ہے تو کاروبار کرتے ہیں، یہ انسانوں کے پنپنے کا سامان کیا ہے، اگر رات نہ ہوتی تو محنت کرتے کرتے تھک جاتے، اور سوتے تو چین کی نیند نہ آتی، اور رات ہی رات ہوتی تو سوتے سوتے تھک جاتے، اور اٹھتے تو اندھیرے میں کیا کرتے؟ پس رات دن کا نظام اللہ کی عظیم نعمت ہے، اس نعمت کا شکر بجالانا ضروری ہے، اور اس کی شکر گذاری یہی ہے کہ اسی مالک و مولیٰ کی بندگی کی جائے، اس کے در کو چھوڑ کر کسی اور کی چوکھٹ پر جبّہ سائی نہ کی جائے۔

ارشاد فرماتے ہیں: —— اللہ: جنھوں نے تمہارے لئے رات بنائی، تاکہ تم اس میں آرام کرو، اور دن کو روشن بنایا —— تاکہ تم اس میں کام کرو —— بے شک اللہ تعالیٰ بڑے فضل (واحسان) والے ہیں، لیکن اکثر لوگ شکر گذار نہیں ہوتے —— یہی تمہارے پروردگار اللہ تعالیٰ ہر چیز کے پیدا کرنے والے ہیں، ان کے سوا کوئی معبود نہیں، پھر تم کہاں الٹے پھیرے جا رہے ہو —— تمہارے مہنت تمہیں کدھر لے جا رہے ہیں؟ —— اسی طرح الٹے پھیرے جاتے ہیں جو لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں —— یعنی سارا قصور تمہارے بڑوں کا نہیں، تمہارے عمل کا بھی اس میں داخل ہے، تم اللہ کی باتیں نہیں مانتے اس لئے تم کو ان کی باتیں ماننی پڑتی ہیں، اور وہ جہاں چاہتے ہیں لے جاتے ہیں۔

دوسری نعمت: چار نعمتوں کا مجموعہ ہے:

۱- اللہ تعالیٰ نے زمین کو قرار گاہ یعنی قابل رہائش بنایا، زندگی کے لئے جو چیزیں ضروری ہیں: مثلاً: ہوا، پانی، گرمی، آکسیجن وغیرہ سب چیزیں زمین میں مہیا کیں: ﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَافِی الْأَرْضِ جَمِیْعًا﴾: اللہ وہ ہیں جنھوں نے تمہارے لئے وہ سب چیزیں پیدا کیں جو زمین میں ہیں، کہتے ہیں: دوسرے سیاروں میں ممدّاتِ حیات نہیں، اس لئے وہاں متنفس (سانس لینے والی مخلوق) نہیں۔

۲- آسمان بنایا، جو قبّہ کی طرح ایک گول عمارت ہے، اس گولہ میں چاند، سورج، ستارے، سیارے اور زمین مع اپنی مشمولات کے ہے، یہ سارا نظام انسان کی مصلحت کے لئے بنایا ہے، پس کیا انسان پر اس کا شکر واجب نہیں؟

۳- انسان کی صورت گری کی، اس کا بہترین ناک نقشہ بنایا: ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الإِنْسَانَ فِیْ أَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ﴾: اللہ نے انسان کو بہت خوبصورت سانچے میں ڈھالا، مخلوقات میں سب سے اچھی صورت اس کو عنایت فرمائی، اور اس کو اشرف المخلوقات بنایا، اس کا شکر بھی اس پر واجب ہے۔

۴-انسان کے کھانے پینے کے لئے صاف ستھری، حلال وطیب چیزیں پیدا کیں، جن سے وہ متمتع ہوتا ہے اور عیش کی زندگی گذارتا ہے۔

یہی منعم حقیقی انسانوں کے پالنہار ہیں، اور سارے جہانوں کے پروردگار ہیں، وہ سدا زندہ ہیں، پس وہی معبود ہیں، مشرکین کو چاہئے کہ اسی کو خالص اعتقاد سے پکاریں اور اسی کی بندگی کریں، تمام خوبیاں انہیں کے لئے ہیں، اور معبود ہونا سب سے بڑی خوبی ہے، پس وہ بھی انہی کے لئے سزاوار ہے۔

آیاتِ پاک: —— اللہ تعالیٰ: جنھوں نے تمہارے لئے زمین کو قرار گاہ بنایا، اور آسمان کو ایک عمارت بنایا، اور تمہاری صورت گری کی، پس تمہارا بہترین نقشہ بنایا، اور تم کو ستھری چیزوں میں سے روزی دی، یہی اللہ تمہارے پالنہار ہیں، سو بڑے عالی شان ہیں اللہ تعالیٰ جو تمام جہانوں کے پالنہار ہیں، وہ سدا زندہ ہیں، ان کے سوا کوئی معبود نہیں، پس ان کو خالص اعتقاد سے پکارو، تمام خوبیاں اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کے پالنہار ہیں!

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِیَ الْبَیِّنٰتُ مِنْ رَّبِّیْ ؗ وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۶﴾ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ یُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُیُوْخًا ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰی مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّی وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ هُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ۚ فَاِذَا قَضٰٓی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۶۸﴾ ع ۷/۱۲

قُلْ اِنِّیْ	کہو: بے شک میں	الْبَیِّنٰتُ	واضح دلیلیں	مِّنْ تُرَابٍ	مٹی سے
نُهِیْتُ	منع کیا گیا ہوں	مِنْ رَّبِّیْ	میرے رب کی طرف سے	ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ	پھر مادّہ سے
اَنْ اَعْبُدَ	عبادت کرنے سے	وَاُمِرْتُ	اور حکم دیا گیا ہوں میں	ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ	پھر خونِ بستہ سے
الَّذِیْنَ	اس کی جس کو	اَنْ اُسْلِمَ	کہ سرافگندہ ہو جاؤں	ثُمَّ یُخْرِجُكُمْ	پھر نکالتے ہیں وہ تم کو
تَدْعُوْنَ	تم پکارتے ہو	لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ	جہانوں کے پالنہار کے سامنے	طِفْلًا	بچہ ہونے کی حالت میں
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ سے نیچے	هُوَ الَّذِیْ	وہ جنھوں نے	ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا	پھر (باقی رکھتے ہیں)
لَمَّا جَآءَنِیَ	جب پہنچیں مجھے	خَلَقَكُمْ	پیدا کیا تم کو		تاکہ پہنچو تم

اَشُدَّكُمْ	اپنے پورے زور کو	وَلِتَبْلُغُوْٓا	اور (بعضے باقی رکھے	يُحْيٖ	زندہ کرتے ہیں
ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا	پھر (باقی رکھتے ہیں)		جاتے ہیں) تا کہ پہنچو تم	وَيُمِيْتُ	اور مارتے ہیں
	تا کہ ہوؤ تم	اَجَلًا	مدت کو	فَاِذَا قَضٰٓى	پس جب طے کرتے ہیں وہ
شُيُوْخًا	بوڑھے	مُّسَمًّى	مقررہ	اَمْرًا	کوئی کام
وَمِنْكُمْ مَّنْ	اور بعضے تم میں سے	وَّلَعَلَّكُمْ	اور تا کہ	فَاِنَّمَا يَقُوْلُ	تو بس کہتے ہیں
يُّتَوَفّٰى	وصول کرلئے جاتے ہیں	تَعْقِلُوْنَ	سمجھو تم	لَهٗ كُنْ	اس سے ہوجا
مِنْ قَبْلُ	اس سے پہلے	هُوَ الَّذِيْ	وہ جو	فَيَكُوْنُ	پس وہ ہوجاتی ہے

جب توحید پر دلائل قائم ہوگئے تو غیر اللہ کی عبادت کا کیا جواز ہے!

توحید کے دلائل سے مکی سورتیں بھری پڑی ہیں، ابھی گذشتہ آیات میں اللہ پاک نے اپنی نعمتیں یاد دلا کر اپنی عبادت کی دعوت دی ہے، اور آگے بھی دلیل آرہی ہے کہ مارنا جلانا اللہ کا کام ہے، دوسرا کوئی نہیں جو یہ کام کرسکتا ہو، پھر غیر اللہ کی عبادت کا کیا جواز ہے؟ اللہ ہی کی بندگی ضروری ہے اور اسی کے احکام کے سامنے سر جھکانا ضروری ہے، ارشاد فرماتے ہیں:
—— آپؐ (مشرکین سے) کہئے کہ مجھے اس بات کی ممانعت کی گئی ہے کہ میں اُن (مورتیوں) کی عبادت کروں جن کو تم اللہ کے علاوہ پکارتے ہو، جبکہ میرے پاس میرے رب کی طرف سے واضح دلائل آگئے، اور میں حکم دیا گیا ہوں کہ جہانوں کے پالنہار کے سامنے سر جھکالوں —— اسلام کے معنی ہیں: فرماں برداری، یعنی اللہ کے احکامات کی پیروی کرنا، نجات اوّلی کے لئے ایمان کافی نہیں، احکام پر عمل بھی ضروری ہے۔

توحید کی دلیل: —— (معبود) وہی ہیں جنھوں نے تم کو مٹی سے پیدا کیا —— نطفہ جس غذا کا خلاصہ ہے وہ خاک سے ہی پیدا ہوتی ہے —— پھر نطفہ سے، پھر خونِ بستہ سے —— اس کے بعد کے تطورات کا یہاں ذکر نہیں، سورۃ المؤمنون کے شروع میں سات تبدیلیوں کا ذکر ہے —— پھر تم کو بچہ ہونے کی حالت میں نکالتا ہے، پھر (تم کو پالتا ہے) تا کہ تم اپنی بھرپور جوانی کو پہنچو، پھر (تم کو باقی رکھتا ہے) تا کہ تم بوڑھے ہوجاؤ —— یعنی زندگی کے آخری مرحلہ تک پہنچاتا ہے —— اور کوئی تم میں سے پہلے ہی وصول کرلیا جاتا ہے —— یعنی جوانی یا بڑھاپے سے پہلے ہی گذر جاتا ہے —— اور تا کہ تم اپنے وقتِ مقرر تک پہنچ جاؤ —— یعنی ہر ایک کو لکھی ہوئی مدت تک پہنچ کر گذرنا ہے، یہ دنیا سدا رہنے کی جگہ نہیں —— اور تا کہ تم سمجھو —— اور سوچو کہ جب اتنے احوال تم پر گذرے ہیں تو ممکن ہے ایک حال اور بھی گذرے، اور وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہے، پس اس کو محال مت سمجھو —— وہی (اللہ ہیں) جو جلاتے اور مارتے ہیں ——

جب وہ تم کو دوبارہ زندہ کرنا چاہیں گے تو بس ایک حکم کی دیر ہوگی ـــــ پس جب وہ کسی کام کا فیصلہ کرتے ہیں تو بس اتنا کہتے ہیں کہ ہوجا تو وہ ہوجاتی ہے ـــــ یعنی ان کو کچھ پاپڑ بیلنے نہیں پڑتے، اور ہوجا کہنے سے مراد ہے: ارادہ کرنا۔

سوال: ﴿فَيَكُوْنُ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے ارادہ کرتے ہی چیز آناً فاناً وجود میں آجاتی ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا ہے، اور خود انسان کو سات مراحل سے گذار کر وجود پذیر کرتے ہیں، یعنی اللہ کے کاموں میں تدریج ہے، پس یہ تعارض ہے!

جواب: ﴿فَيَكُوْنُ﴾ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ کے ارادہ کرتے ہی ہر چیز آناً فاناً وجود میں آجاتی ہے، کیونکہ یکون: فعل مضارع ہے، اور مضارع میں دو زمانے ہوتے ہیں: حال اور استقبال، پس اگر اللہ کی حکمت کسی چیز کو آناً فاناً وجود میں لانے کی ہوتی ہے تو ایسا ہوتا ہے، اور اگر حکمت بہ تدریج وجود میں لانے کی ہوتی ہے تو ایسا ہوتا ہے، پس کیا تعارض ہے!

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ اَنّٰى يُصْرَفُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَبِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا ڕ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝ اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ۭ يُسْحَبُوْنَ ۝ فِي الْحَمِيْمِ ڏ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ۝ ثُمَّ قِيْلَ لَهُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ۝ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَيْـــًٔا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ۝ اُدْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝

اَلَمْ تَرَ	کیا نہیں دیکھا تو نے	اَنّٰى يُصْرَفُوْنَ	کہاں پھیرے جاتے ہیں	بِهٖ	اس کے ساتھ
اِلَى الَّذِيْنَ	ان لوگوں کو جو	اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا	جنھوں نے جھٹلایا	رُسُلَنَا	اپنے رسولوں کو؟
يُجَادِلُوْنَ	جھگڑتے ہیں	بِالْكِتٰبِ	اس کتاب کو	فَسَوْفَ	پس عنقریب
فِيْٓ اٰيٰتِ	آیتوں (باتوں) میں	وَبِمَآ	اور اس کو جو	يَعْلَمُوْنَ	جانیں گے وہ
اللّٰهِ (۱)	اللہ کی	اَرْسَلْنَا	بھیجا ہم نے	اِذِ الْاَغْلٰلُ	جب طوق

(۱) یہاں سوال پورا نہیں ہوا، رسلنا پر پورا ہوگا۔

فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ	انکی گردنوں میں ہونگے	قَالُوْا	کہاانھوں نے	تَفْرَحُوْنَ	خوش ہوتے
وَ السَّلٰسِلُ	اور زنجیریں (بھی)	ضَلُّوْا عَنَّا	رفو چکر ہوگئے وہ ہم سے [۲]	فِي الْاَرْضِ	زمین میں
يُسْحَبُوْنَ	گھسیٹے جائیں گے	بَلْ لَّمْ نَكُنْ	بلکہ نہیں تھے ہم	بِغَيْرِ الْحَقِّ	ناحق
فِي الْحَمِيْمِ	جلتے پانی میں	نَّدْعُوْا	پکارتے	وَبِمَا كُنْتُمْ	اور بایں وجہ ہیں کہ تھے تم
ثُمَّ فِي النَّارِ	پھر آگ میں	مِنْ قَبْلُ	قبل ازیں	تَمْرَحُوْنَ	اتراتے
يُسْجَرُوْنَ	جھونکے جائیں گے	شَيْـًٔا	کسی چیز کو	اُدْخُلُوْٓا	جا گھسو
ثُمَّ قِيْلَ [۱]	پھر کہا جائے گا	كَذٰلِكَ	اس طرح	اَبْوَابَ جَهَنَّمَ	دوزخ کے دروازوں میں
لَهُمْ	ان سے	يُضِلُّ اللّٰهُ	پھسلاتے ہیں اللہ [۳]	خٰلِدِيْنَ فِيْهَا	سدا رہنے والے اس میں
اَيْنَ مَا كُنْتُمْ	جہاں بھی تھے تم	الْكٰفِرِيْنَ	کافروں کو	فَبِئْسَ	پس برا ہے
تُشْرِكُوْنَ	شریک ٹھہراتے تھے	ذٰلِكُمْ	یہ سزائیں	مَثْوَى	ٹھکانا
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ سے کم رتبہ والوں کو	بِمَا كُنْتُمْ	بایں وجہ ہیں کہ تھے تم	الْمُتَكَبِّرِيْنَ	گھمنڈ کرنے والوں کا

دلائلِ توحید میں جھگڑنے والوں کی اور مورتی پوجا کرنے والوں کی سزا

توحید (ایک معبود ہونے) کی بات مشرکین کے گلے نہیں اترتی، وہ ہمیشہ اس میں الجھتے رہتے ہیں، کہتے ہیں: ایک خدا اتنی بڑی کائنات کیسے سنبھالے گا! ذیلی خدا (مددگار خدا) ہونے ضروری ہے، اس لئے وہ مورتیوں کے آسن بھرتے ہیں[۴]، ان لوگوں کو سزا سناتے ہیں: —— کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اللہ کی باتوں میں —— توحید کے مسئلہ میں —— جھگڑتے ہیں، وہ کہاں پھیرے جارہے ہیں —— ان کے مہنت ان کو کہاں لے جارہے ہیں —— جن لوگوں نے اس کتاب (قرآن) کو جھٹلایا اور ان تعلیمات کو بھی جھٹلایا جن کے ساتھ ہم نے اپنے رسولوں کو بھیجا ہے؟ —— یعنی جھگڑا کھڑا کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کا قرآن پر ایمان نہیں، اور رسول اللہ ﷺ کی بھی تکذیب کرتے ہیں اس لئے جھگڑتے ہیں —— پس عنقریب وہ جان لیں گے جب ان کی گردنوں میں طوق اور زنجیریں ہونگی —— یعنی جب عذابِ آخرت سے دوچار ہونگے تب ان کی سمجھ میں قرآن کی حقانیت اور رسول کی صداقت آئے گی —— طوق: لوہے کا حلقہ جو مجرم کی گردن میں ڈالا جاتا ہے —— اور زنجیر کا ایک سرا طوق سے بندھا ہوا ہوگا، اور دوسرا فرشتوں کے ہاتھ میں

(۱) ثم قیل: یہ ثم ترتیب ذکری کے لئے ہے۔ (۲) رفو چکر ہونا: بھاگ جانا، غائب ہوجانا (۳) پھسلانا یعنی بچلانا، بہکانا، غلطی کرانا۔ (۴) آسن: بیٹھنے کی حالت، آسن بھرنا: جوگیوں کا عبادت کے لئے بیٹھنا۔

ہوگا یعنی وہ مجرموں اور قیدیوں کی طرح لائے جائیں گے ـــــ وہ کھولتے پانی میں گھسیٹے جائیں گے ـــــ یعنی جب پیاسے ہونگے تو ان کو گھسیٹ کر جلتے پانی پر لایا جائے گا ـــــ پھر آگ میں جھونکے جائیں گے ـــــ یعنی پھر ان کو آگ میں لوٹا دیا جائے گا ـــــ کھولتے پانی کا یہ چشمہ بھی دوزخ میں ہوگا، البتہ آگ سے باہر ہوگا۔

پھر ان سے پوچھا جائے گا ـــــ یہ دخولِ جہنم سے پہلے کی بات ہے ـــــ اللہ کے سوا تمہارے وہ معبود کہاں ہیں جن کو تم شریک ٹھہراتے تھے؟ ـــــ یعنی اللہ کے سوا ان کی پرستش کرتے تھے ـــــ وہ کہاں گئے؟ آج تمہاری مدد کو کیوں نہیں آتے؟ ـــــ وہ جواب دیں گے: سب ہم سے غائب ہوگئے! ـــــ وقت پر دھوکہ دے گئے! ـــــ پھر یکدم سنبھل جائیں گے اور کہیں گے: ـــــ بلکہ ہم اس سے پہلے کسی بھی چیز کو نہیں پوجتے تھے ـــــ یعنی ہم نے کسی کو آپ کا شریک نہیں ٹھہرایا، ہم نے آپ کے علاوہ کسی کو نہیں پوجا! ـــــ اس طرح اللہ تعالیٰ کافروں کو پھسلا دیتے ہیں ـــــ یعنی گھبراہٹ میں اولاً انھوں نے شرک کا اعتراف کرلیا، پھر مکر گئے، کتے کی دُم ٹیڑھی! ـــــ یہ (مذکورہ سزائیں) بایں وجہ ہیں کہ تم زمین میں ناحق خوشیاں مناتے تھے ـــــ خوش ہونا جائز ہے، مگر ناحق کی خوشی وبال ہے ـــــ اور بایں وجہ ہے کہ تم اکڑتے تھے ـــــ اکڑفوں مطلقاً ممنوع ہے ـــــ جہنم کے دروازوں میں جا گھسو، سدا اس میں رہنا ہے، سو برا ہے گھمنڈ کرنے والوں کا ٹھکانا! ـــــ یہ بات وقوع کے اعتبار سے مقدم ہے۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ۝ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ؕ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝

ع ۱۴

فَاصْبِرْ	پس ذرا ٹھہریں آپ	بَعْضَ	کچھ حصہ	وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق
اِنَّ وَعْدَ	بے شک وعدہ	الَّذِيْ	اس سزا کا جس کا	اَرْسَلْنَا	بھیجے ہم نے
اللّٰهِ	اللہ کا	نَعِدُهُمْ	وعدہ کر رہے ہیں ہم ان سے	رُسُلًا	رسول
حَقٌّ	سچا ہے	اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ	یا موت دیں گے ہم آپ کو	مِّنْ قَبْلِكَ	آپ سے پہلے
فَاِمَّا	پس یا تو	فَاِلَيْنَا	پس ہماری طرف	مِنْهُمْ	ان میں سے بعض
نُرِيَنَّكَ	دکھلائیں گے ہم آپ کو	يُرْجَعُوْنَ	وہ لوٹیں گے	مَّنْ	وہ ہیں جن کا

قَصَصْنَا	حال بیان کیا ہم نے	وَمَا كَانَ	اور نہیں تھا	اَمْرُ اللهِ	اللہ کا معاملہ
عَلَيْكَ	آپؐ کے سامنے	لِرَسُوْلٍ	کسی بھی رسول کے لئے	قُضِيَ	(تو) فیصلہ کیا جائے گا
وَمِنْهُمْ	اور ان میں سے بعض	اَنْ يَّاْتِيَ	کہ لاتا وہ	بِالْحَقِّ	انصاف کے ساتھ
مَّنْ	وہ ہیں جن کا	بِاٰيَةٍ	کوئی نشانی	وَخَسِرَ	اور خسارے میں رہیں گے
لَّمْ نَقْصُصْ	حال بیان نہیں کیا ہم نے	اِلَّا بِاِذْنِ اللهِ	مگر اجازت سے اللہ کی	هُنَالِكَ	اس وقت
عَلَيْكَ	آپؐ کے سامنے	فَاِذَا جَآءَ	پس جب آجائے گا	الْمُبْطِلُوْنَ	باطل پرست

مشرکین کو دیر سویر سزا ہونی ہے مگر یہ بات نبی کے اختیار میں نہیں

قرآنِ کریم میں جگہ جگہ مشرکین سے کہا گیا ہے کہ ان کو شرک کی سزا دنیا و آخرت میں ضرور ملے گی، اللہ کا یہ وعدہ ہے، جو یقیناً پورا ہو کر رہے گا، پھر ممکن ہے عذاب کا کچھ حصہ نبی ﷺ کی حیات میں آجائے، جیسے بدر میں افتاد پڑی، اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپؐ کی وفات کے بعد مزہ چکھایا جائے، بہر حال وہ نہ دنیا کے عذاب سے بچ نہیں سکتے نہ آخرت کے، وہ اللہ ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں، پس عذاب کی تکمیل اُس زندگی میں ہوگی، چھٹکارا کسی صورت میں نہیں ملے گا۔

اس کے بعد کی آیت میں یہ مضمون ہے کہ عذاب لانا نبی ﷺ کے اختیار میں نہیں، آپؐ سے پہلے جتنے رسول گذرے ہیں ان کے اختیار میں بھی معجزات دکھانا نہیں تھا، عذاب کا فیصلہ اللہ ہی کرتے ہیں، اور ان کا فیصلہ برحق ہوتا ہے، ظلم کا اس بارگاہ میں گذر نہیں، اور جب عذاب نازل ہوتا ہے اور رسولوں اور ان کی قوموں کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا ہے تو غلط قسم کے لوگ گھاٹے میں رہتے ہیں۔

آیاتِ پاک: —— پس آپؐ صبر کریں —— مخالفین کے عذاب کے لئے انتظار کریں —— اللہ کا وعدہ یقیناً سچا ہے —— وقت پر گرفت ضرور ہوگی —— پس یا تو دکھلائیں گے ہم آپؐ کو کچھ حصہ اس عذاب کا جس کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں، یا ہم آپ کو وفات دیں تو وہ ہماری طرف لوٹیں گے —— یعنی ممکن ہے کچھ عذاب آپؐ کی حیات میں آئے —— چنانچہ جنگِ بدر وغیرہ میں آیا —— یا آپؐ کی وفات کے بعد آئے، ورنہ آخرت میں سزا ملے گی، ان کو بہر حال ہمارے پاس آنا ہے، انجام کار ہمارے ہاتھ میں ہے، وہ ہم سے بچ کر کہیں نہیں جا سکتے۔

بہر حال عذاب لانا نبی ﷺ کے اختیار میں نہیں —— اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ ہم نے آپؐ سے پہلے بہت سے رسول بھیجے —— مسند احمد کی روایت میں انبیاء و رسل کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار آئی ہے، ان میں سے تین سو تیرہ رسول (بڑے انبیاء) تھے —— جن میں سے بعض کا حال ہم نے آپؐ سے بیان کیا ہے —— قرآنِ کریم میں پچیس انبیاء

ورسل کا ذکر آیا ہے، یہ وہ حضرات ہیں جن سے قرآن کے پہلے مخاطب (عرب) واقف تھے، جن سے عرب واقف نہیں تھے ان کا نام بھی ذکر نہیں کیا، تاکہ قرآنِ کریم تاریخ کی کتاب یا تاریخی چیستان نہ بن جائے ـــــ اور بعض کا حال آپ ﷺ سے بیان نہیں کیا ـــــ ان پر بھی اجمالاً ایمان لانا ضروری ہے ـــــ اور یہ ضمنی بات ہے، اصل بات یہ ہے: ـــــ اور کسی رسول کے اختیار میں نہیں تھا کہ وہ کوئی نشانی (معجزہ) بدوں اذنِ الٰہی کے ظاہر کرے ـــــ معجزات اللہ تعالیٰ ظاہر فرماتے ہیں، جب مصلحت ہوتی ہے کوئی نشان دکھلاتے ہیں، انبیاء صرف دعا کرتے ہیں ـــــ پھر جب اللہ کا معاملہ ـــــ یعنی عذاب ـــــ آتا ہے تو ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دیا جاتا ہے، اور اس وقت باطل پرست خسارے میں رہتے ہیں! ـــــ یعنی رسول اور مؤمنین سرخ رو اور کامیاب ہوتے ہیں، اور باطل پرستوں کے حصہ میں ذلت وخسران آتا ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوْا عَلَيْهَا حَاجَةً فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَاَيَّ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ ﴿۸۱﴾ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّ اٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۸۳﴾ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ۭ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾

ع ۹ / ۱۴

اَللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	مِنْهَا	ان میں سے بعض پر	وَلِتَبْلُغُوْا	اور تاکہ پہنچو تم
الَّذِيْ	جنھوں نے	وَمِنْهَا	اور ان میں سے بعض کو	عَلَيْهَا	ان پر (لادکر)
جَعَلَ لَكُمُ	بنایا تمہارے لئے	تَاْكُلُوْنَ	کھاتے ہو تم	حَاجَةً	اس حاجت کو
الْاَنْعَامَ	پالتو چوپایوں کو	وَلَكُمْ فِيْهَا	اور تمہارے لئے ان میں	فِيْ صُدُوْرِكُمْ	(جو) تمہارے سینوں میں ہے
لِتَرْكَبُوْا	تاکہ سوار ہو تم	مَنَافِعُ	(اور بھی) فوائد ہیں	وَعَلَيْهَا	اور ان پر

وَعَلَى الْفُلْكِ	اور کشتیوں پر	قُوَّةً	زور میں	قَالُوْٓا	کہاانھوں نے
تُحْمَلُوْنَ	اٹھائے جاتے ہوتم	وَّاٰثَارًا	اور نشانات کے اعتبار سے	اٰمَنَّا بِاللّٰهِ	ایمان لائے ہم اللہ پر
وَيُرِيْكُمْ	اور دکھلاتے ہیں وہ تم کو	فِي الْاَرْضِ	زمین میں	وَحْدَهٗ	تنہا
اٰيٰتِهٖ	اپنی نشانیاں	فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ	پس نہیں کام آیا ان کے	وَكَفَرْنَا	اور انکار کیا ہم نے
فَاَيَّ	پس کونسی	مَّا كَانُوْا	جو تھے وہ	بِمَا	ان مورتیوں کا
اٰيٰتِ اللّٰهِ	اللہ کی نشانیوں کا	يَكْسِبُوْنَ	کماتے	كُنَّا بِهٖ	جن کو تھے ہم
تُنْكِرُوْنَ	انکار کروگے تم؟	فَلَمَّا	پس جب	مُشْرِكِيْنَ	شریک ٹھہراتے
اَفَلَمْ	کیا پس نہیں	جَآءَتْهُمْ	پہنچے ان کے پاس	فَلَمْ يَكُ	پس نہیں تھا
يَسِيْرُوْا	چلے پھرے وہ	رُسُلُهُمْ	ان کے رسول	يَنْفَعُهُمْ	(کہ) فائدہ پہنچاتا ان کو
فِي الْاَرْضِ	زمین میں	بِالْبَيِّنٰتِ	واضح دلائل کے ساتھ	اِيْمَانُهُمْ	ان کا ایمان لانا
فَيَنْظُرُوْا	کہ دیکھتے وہ	فَرِحُوْا	(تو) ناز کیا انھوں نے	لَمَّا رَاَوْا	جب دیکھ لیا انھوں نے
كَيْفَ كَانَ	کیسا ہوا	بِمَا عِنْدَهُمْ	اس پر جو ان کے پاس تھا	بَاْسَنَا	ہمارا عذاب
عَاقِبَةُ	انجام	مِّنَ الْعِلْمِ	علم میں سے	سُنَّتَ	طریقہ
الَّذِيْنَ	ان کا جو	وَحَاقَ بِهِمْ	اور گھیر لیا ان کو	اللّٰهِ	اللہ کا
مِنْ قَبْلِهِمْ	ان سے پہلے ہوئے	مَّا	اس عذاب نے	الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ	جو بالیقین گذر چکا
كَانُوْٓا اَكْثَرَ	وہ زیادہ تھے	كَانُوْا بِهٖ	جس کا تھے وہ	فِيْ عِبَادِهٖ	اس کے بندوں میں
مِنْهُمْ	ان (مکہ والوں) سے	يَسْتَهْزِءُوْنَ	ٹھٹھا کرتے	وَخَسِرَ	اور گھاٹے میں رہے
	(تعداد میں)	فَلَمَّا رَاَوْا	پس جب دیکھا انھوں نے	هُنَالِكَ	اس وقت
وَاَشَدَّ	اور سخت	بَاْسَنَا	ہمارا عذاب	الْكٰفِرُوْنَ	انکار کرنے والے

عام وخاص: ہر معاملہ کا اختیار اللہ کا ہے

عام معاملہ: جیسے انسانوں کے لئے مویشی پیدا کرنا خاص معاملہ: جیسے عذاب سے قوموں کو تباہ کرنا

ربط جاننے کے لئے ایک اصول: ـــــ قرآنِ کریم منظم کلام ہے، اس کے مضامین میں گہرا ارتباط ہے، آیات

میں بھی اور آیات کے اجزاء میں بھی ربط ہوتا ہے، جو حضرات خیال کرتے ہیں کہ قرآن میں ربط نہیں وہ درحقیقت ربط کا ایک اصول نہیں جانتے، ایک عقلمند کا کلام بے ربط نہیں ہوتا پھر حکیم الحکماء کا کلام بے ربط کیسے ہوسکتا ہے؟ قرآنِ کریم جب کسی مقصد سے کوئی کلام چلاتا ہے تو ذیلی مضامین تفصیل سے بیان کرتا ہے، پڑھنے والے کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان ضمنی مضامین کے لئے کلام چلایا گیا ہے، جبکہ مقصود کلام خاص مضمون ہوتا ہے۔ اس کی ایک مثال زیر تفسیر آیات ہیں، اس پورے رکوع میں یہ مضمون ہے کہ ہر معاملہ کا اختیار اللہ کا ہے، خواہ وہ معاملہ عام ہو یا خاص، نہ انبیاء کا کوئی اختیار ہے نہ ملائکہ کا نہ اولیاء کا، عام معاملہ کی مثال: انسانوں کے فائدے کے لئے مویشی پیدا کئے ہیں، چونکہ یہ روزمرہ کا معاملہ ہے اس لئے اس کی طرف خاص توجہ نہیں دی جاتی، اور خاص معاملہ کی مثال: نافرمان قوموں کو عذاب سے ہلاک کرنا ہے، صدیوں میں ایسا معاملہ پیش آتا ہے، جب کسی جگہ زلزلہ آتا ہے اور ایک علاقہ زمین ہضم کر لیتی ہے یا سیلاب آتا ہے اور ایک دنیا غرقاب ہوجاتی ہے تو واویلا مچ جاتا ہے، اس لئے یہ خاص معاملہ ہے، ان آیات میں یہ دو باتیں ذکر کی ہیں، مگر ساتھ ہی ہر مضمون کی تفصیلات بھی بیان کی ہیں، لیکن آیات کا خلاصہ نکالا جائے تو وہ ماسبق سے مربوط ہیں کہ عذاب کا لانا نبی ﷺ کے اختیار میں نہیں، جب اللہ چاہیں گے عذاب آئے گا، اگر دنیوی زندگی میں نہ آئے تو وہ بھاگ کر کہاں جائیں گے، ان کو لوٹنا اللہ کی طرف ہے، اس وقت وہ عذاب سے دوچار ہونگے۔

مواشی میں انسانوں کے لئے گوناگوں فوائد ہیں

آیات کریمہ مع تفسیر: —— اللہ تعالیٰ: جنھوں نے تمہارے لئے مویشی پیدا کئے، تاکہ تم ان میں سے بعض پر سواری کرو —— یہ ملکیت کے گھوڑے اور اونٹ ہیں —— اور تم ان میں سے بعض کو کھاتے ہو —— تعبیر بدل کر اشارہ کیا ہے کہ جانوروں کو کھانا ضروری نہیں، جائز ہے —— اور تمہارے لئے ان میں (اور بھی) فوائد ہیں —— مثلاً: اُن کے چمڑے، بال اور اُون وغیرہ سے طرح طرح کے فائدے اٹھاتے ہو —— اور تاکہ پہنچو ان پر (لاد کر) اپنی اس ضرورت کو جو تمہارے دلوں میں ہے —— یعنی یہ جانور بار برداری کے کام بھی آتے ہیں —— اور ان پر اور کشتی پر اٹھائے جاتے ہو —— یہ کرایہ کی سواریاں ہیں، کشتی کا مالک لوگوں کو کرایہ لے کر بٹھاتا ہے، اسی طرح بہت سے لوگ سواری کے جانور کرایہ پر چلاتے ہیں یا لفٹ دیتے ہیں یعنی مفت بٹھاتے ہیں —— یہ سواریاں کرایہ کی ہیں: اس کی طرف اشارہ کرنے کے لئے کشتی کا تذکرہ کیا ہے، کشتی کا مالک کشتی کرایہ ہی پر چلاتا ہے —— اور اللہ تعالیٰ تم کو اپنی نشانیاں دکھلاتے ہیں —— یعنی صرف مویشی کی بات نہیں، اردگرد میں بے شمار نشانیاں ہیں، کھیت میں غلہ پیدا ہوتا ہے، باغ میں پھل نمودار ہوتا ہے، بادل سے پانی برستا ہے اور خوش گوار ہوائیں چلتی ہیں: یہ سب کس کا کارنامہ ہے؟ اللہ ہی کا —— پس

تم اللہ کی کن کن نشانیوں کا انکار کروگے! ــــ الٰہی! ہم آپ کی کسی نعمت کا انکار نہیں کرتے، اور ہم شکر گذار ہیں کہ آپ نے ہمیں ان نعمتوں سے نوازا!

رسولوں کی مخالفت پر ہمیشہ عذاب آیا ہے

ماضی میں بہت قومیں گذر چکی ہیں جو تعداد میں اور زور وقوت میں مکہ کے مشرکین سے زیادہ تھیں، انھوں نے ان سے کہیں بڑھ کر زمین میں اپنی یادگاریں اور نشانیاں بنائیں، لیکن جب رسولوں کی مخالفت کی پاداش میں عذاب آیا تو وہ زور وطاقت اور ساز وسامان کچھ کام نہ آیا، سب ہلاک ہوگئے، پس آج جو لوگ اللہ کے رسول کی مخالفت کر رہے ہیں وہ اپنا انجام سوچ لیں۔

آیاتِ پاک مع تفسیر: ــــ کیا پس وہ ــــ مکہ والے رسول کے مخالفین ــــ سرزمینِ عرب میں چلے پھرے نہیں کہ ان لوگوں کا انجام دیکھتے جو اِن سے پہلے گذرے ــــ عاد وثمود وغیرہ مراد ہیں ــــ وہ لوگ اِن سے تعداد میں زیادہ تھے، اور زور آور تھے، اور زمین میں نشانیوں کے اعتبار سے بھی زیادہ تھے، پس ان کے کچھ کام نہ آئیں وہ چیزیں جو وہ کماتے تھے ــــ یعنی ان کا سارا ساز وسامان دھرا کا دھرا رہ گیا! ــــ پس جب پہنچے ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل کے ساتھ تو وہ لوگ اپنے علم پر نازاں ہوئے ــــ یعنی وجوہِ معاش اور مادی ترقیات کا جو علم ان کے پاس تھا اس پر اترانے لگے، اور انبیاء کو خاطر میں نہ لائے، بلکہ ان کا ٹھٹھا اڑایا، تو ان کا استہزاء اُن ہی پر الٹ پڑا ــــ اور ان کو گھیر لیا اس عذاب نے جس کا وہ ٹھٹھا کیا کرتے تھے ــــ پس جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو کہنے لگے: ہم ایک اللہ پر ایمان لائے، اور ہم ان معبودوں کا انکار کرتے ہیں جن کو ہم شریک ٹھہرایا کرتے تھے ــــ یعنی جب عذاب آنکھوں کے سامنے آگیا تو ایمان وتوبہ کی سوجھی ــــ پس نہیں نافع ہوا ان کے لئے ان کا ایمان لانا جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا، اللہ تعالیٰ کا یہی طریقہ ہے جو ان کے بندوں میں پہلے سے چلا آرہا ہے، اور اس وقت منکرین خسارہ میں رہ گئے! ــــ یعنی ہمیشہ سے یہی ہوتا رہا ہے کہ پہلے لوگ انکار واستہزاء سے پیش آتے ہیں، پھر جب عذاب آتا ہے تو واویلا مچاتے ہیں، مگر اب کیا ہو: چڑیا چگ گئی کھیت!

عذاب سامنے آجانے کے بعد ایمان مقبول نہیں، اور توبہ اس وقت تک مقبول ہے جب تک موت کا غرغرہ نہ لگ جائے

﴿الحمدللہ! ۲۵ محرم الحرام ۱۴۳۷ھ مطابق ۸/نومبر ۲۰۱۵ء کو سورۃ المؤمن کی تفسیر پوری ہوئی﴾

آیاتہا ۵۴ (۴۱) سُوۡرَۃُ حٰمٓ السَّجۡدَۃِ مَکِّیَّۃٌ (۶۱) رکوعاتہا ۶

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حٰمٓ ۚ﴿۱﴾ تَنۡزِیۡلٌ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۚ﴿۲﴾ کِتٰبٌ فُصِّلَتۡ اٰیٰتُہٗ قُرۡاٰنًا عَرَبِیًّا لِّقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ ﴿۳﴾ۙ بَشِیۡرًا وَّ نَذِیۡرًا ۚ فَاَعۡرَضَ اَکۡثَرُہُمۡ فَہُمۡ لَا یَسۡمَعُوۡنَ ﴿۴﴾ وَ قَالُوۡا قُلُوۡبُنَا فِیۡۤ اَکِنَّۃٍ مِّمَّا تَدۡعُوۡنَاۤ اِلَیۡہِ وَ فِیۡۤ اٰذَانِنَا وَقۡرٌ وَّ مِنۡۢ بَیۡنِنَا وَ بَیۡنِکَ حِجَابٌ فَاعۡمَلۡ اِنَّنَا عٰمِلُوۡنَ ﴿۵﴾ قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ یُوۡحٰۤی اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰـہُکُمۡ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ فَاسۡتَقِیۡمُوۡۤا اِلَیۡہِ وَ اسۡتَغۡفِرُوۡہُ ؕ وَ وَیۡلٌ لِّلۡمُشۡرِکِیۡنَ ۙ﴿۶﴾ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡتُوۡنَ الزَّکٰوۃَ وَ ہُمۡ بِالۡاٰخِرَۃِ ہُمۡ کٰفِرُوۡنَ ﴿۷﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَہُمۡ اَجۡرٌ غَیۡرُ مَمۡنُوۡنٍ ٪﴿۸﴾

ع ۱۶

حٰمٓ	حا،میم	لِقَوۡمٍ	لوگوں کے لئے	قُلُوۡبُنَا	ہمارے دل
تَنۡزِیۡلٌ	اتارنا	یَّعۡلَمُوۡنَ	(جو) جانتے ہیں	فِیۡۤ اَکِنَّۃٍ [۴]	غلافوں میں ہیں
مِّنَ الرَّحۡمٰنِ	نہایت مہربان	بَشِیۡرًا [۳]	خوشخبری سنانے والی	مِّمَّا	اس سے جو
الرَّحِیۡمِ	بڑے رحم والے کا	وَّنَذِیۡرًا	اور ڈرانے والی	تَدۡعُوۡنَاۤ	بلاتے ہیں آپ ہمیں
کِتٰبٌ	ایک کتاب	فَاَعۡرَضَ	پس روگردانی کی	اِلَیۡہِ	اس کی طرف
فُصِّلَتۡ [۱]	واضح کی گئیں	اَکۡثَرُہُمۡ	ان کے اکثر نے	وَ فِیۡۤ اٰذَانِنَا	اور ہمارے کانوں میں
اٰیٰتُہٗ	اس کی آیتیں	فَہُمۡ	پس وہ	وَقۡرٌ	بوجھ ہے
قُرۡاٰنًا [۲]	پڑھنے کی کتاب	لَا یَسۡمَعُوۡنَ	سنتے نہیں	وَّمِنۡۢ بَیۡنِنَا	اور ہمارے درمیان
عَرَبِیًّا	عربی زبان میں	وَ قَالُوۡا	اور کہا انھوں نے	وَ بَیۡنِکَ	اور تیرے درمیان

(۱)فَصَّلَ الْأَمْرَ: واضح کرنا۔ (۲)قرآنا عربیا: کتاب کے احوال ہیں (۳) بشیرا ونذیراً بھی کتاب کے احوال ہیں
(۴)أَکنة: کِنَان کی جمع: غلاف، پردہ۔

حِجَابٌ	پردہ ہے	اَنَّمَآ (۱)	سوائے اس کے نہیں	وَهُمْ	اور وہ
فَاعْمَلْ	پس کام کرتو	اِلٰهُكُمْ	(کہ) تمہارا معبود	بِالْاٰخِرَةِ	آخرت کا
اِنَّنَا	بے شک ہم	اِلٰهٌ وَّاحِدٌ	ایک معبود ہے	هُمْ	وہ
عٰمِلُوْنَ	کام کرنے والے ہیں	فَاسْتَقِيْمُوْٓا	پس سیدھے ہوجاؤ	كٰفِرُوْنَ	انکار کرنے والے ہیں
قُلْ	کہو:	اِلَيْهِ	اس کی طرف	اِنَّ الَّذِيْنَ	بے شک جولوگ
اِنَّمَآ (۱)	سوائے اس کے نہیں	وَاسْتَغْفِرُوْهُ	اور گناہ بخشواؤاس سے	اٰمَنُوْا	ایمان لائے
اَنَا	(کہ) میں	وَوَيْلٌ	اور بڑی خرابی ہے	وَعَمِلُوا	اور کئے انھوں نے
بَشَرٌ	ایک آدمی ہوں	لِّلْمُشْرِكِيْنَ	شرک کرنے والوں کیلئے	الصّٰلِحٰتِ	نیک کام
مِّثْلُكُمْ	تم جیسا	الَّذِيْنَ	جو	لَهُمْ	ان کے لئے
يُوْحٰٓى	وحی کی جاتی ہے	لَا يُؤْتُوْنَ	نہیں دیتے	اَجْرٌ	ثواب ہے
اِلَيَّ	میری طرف	الزَّكٰوةَ	خیرات	غَيْرُ مَمْنُوْنٍ (۲)	نہ ختم ہونے والا

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

سورت کا نام اور موضوع

یہ سات حوامیم میں سے دوسری سورت ہے، اس کا نام حٰمٓ السجدۃ ہے، ایک سورۃ السجدۃ اکیسویں پارہ میں ہے، اس سے جدا کرنے کے لئے شروع میں حٰمٓ لگاتے ہیں، اس کا دوسرا نام سورۃ فُصِّلَتْ ہے۔ یہ سورت مکی ہے اور اس کا نزول نمبر ۶۱ ہے یعنی سورۃ المؤمن کے بعد متصلاً نازل ہوئی ہے، اور متصل ہی رکھی گئی ہے، کیونکہ دونوں کا موضوع ایک ہے، توحید، رسالت اور آخرت۔ سورت کے شروع میں قرآن کی اہمیت واوصاف کا بیان ہے، پھر وہی مضمون ہے جو گذشتہ سورت کا آخری مضمون تھا۔

قرآن کے چار اوصاف

سورت کے شروع میں قرآنِ کریم کے تعلق سے چار باتیں بیان کی ہیں:

(۱) إنما اور أنما: دونوں کلمۂ حصر ہیں، إنَّ اور أنَّ: حروفِ مشبہ بالفعل ہیں، اور مَا کافّہ ہے، عمل سے روک دیتا ہے (۲) ممنون: مَنٌّ سے اسم مفعول: کم کیا ہوا۔

۱-قرآنِ کریم نہایت مہربان بڑے رحم والے کی طرف سے نازل کیا گیا ہے، اور مُنْزِل (اسم فاعل) کے اوصاف کا منزَل (اسم مفعول) میں اثر لازمی ہے، پس قرآن خالقِ کائنات کی 'پیاری' کتاب ہے، اس میں لوگوں کے لئے محبت بھری باتیں ہیں، یہ کتاب صرف مسلمانوں کے لئے نہیں، بلکہ سبھی بندوں کے لئے نازل کی گئی ہے۔

۲-قرآن واضح کتاب ہے، اس کے سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں، آیات الگ الگ ہیں، جملے لمبے نہیں کہ فہم میں دشواری ہو۔

۳-قرآن عربی زبان میں ہے، جو پہلے مخاطبین کی مادری زبان تھی، تاکہ وہ بے تکلف سمجھیں اور دوسروں کو سمجھائیں۔

۴-قرآنِ کریم اپنے ماننے والوں کو آخرت میں اچھے انجام کی خوش خبری سناتا ہے، اور نہ ماننے والوں کو نتائج اعمال سے آگاہ کرتا ہے، تاکہ وہ اپنی عاقبت سنواریں۔

قرآن سے فائدہ کون لوگ اٹھاتے ہیں؟

قرآنِ کریم سے فائدہ وہی لوگ اٹھاتے ہیں جو سمجھ بوجھ رکھتے ہیں، جو لوگ نفع نقصان سوچنے کے عادی ہیں انہی کو قرآن سے فائدہ پہنچتا ہے، دوسرے تو سنی اَن سنی کر دیتے ہیں، اور ایسے ہی لوگوں کی تعداد زیادہ ہے، وہ قرآن کو سننے کی زحمت ہی گوارا نہیں کرتے، بلکہ وہ اس پر فخر کرتے ہیں کہ وہ نہیں سنتے، کہتے ہیں: ہمارے دل پیک ہیں، کان بوجھل ہیں، اور ہمارے اور پیغمبر کے درمیان پردہ ہے، اور وہ یہ کہہ کر چل دیتے ہیں کہ تم اپنا کام کرو، ہم اپنا کام کر رہے ہیں! یعنی ہمیں تم سے کچھ مطلب نہیں! —— ظاہر ہے: ایسے لوگوں کو کوئی کیا سمجھا دے گا!

آیاتِ پاک: —— حا، میم —— یہ حروفِ ہجا ہیں، ان کا مطلب اللہ تعالیٰ جانتے ہیں —— یہ کلام رحمان ورحیم کی طرف سے نازل کیا جارہا ہے، ایک کتاب جس کی آیتیں واضح کی گئی ہیں —— یعنی چھوٹے چھوٹے جملے ہیں جن کے سمجھنے میں کچھ دشواری نہیں —— پڑھنے کی کتاب ہے عربی زبان میں —— جو مخاطبین اولین کی مادری زبان تھی —— ایسے لوگوں کے لئے ہے جو جانتے ہیں —— یعنی جو سمجھ رکھتے ہیں وہی اس سے منتفع ہوتے ہیں —— خوش خبری سنانے والی اور نتائج اعمال سے آگاہ کرنے والی ہے، پس اکثر لوگوں نے روگردانی کی، وہ سنتے ہی نہیں!

اور انھوں نے کہا: ہمارے دل غلاف میں ہیں اُس بات سے جس کی طرف تو ہمیں بلاتا ہے، اور ہمارے کانوں میں بوجھ ہے، اور ہمارے اور تیرے درمیان پردہ ہے، پس تو اپنا کام کر، بے شک ہم اپنا کام کر رہے ہیں!

نبی زور جبر نہیں کرسکتا، وہ صرف پیغام پہنچاتا ہے

جو لوگ قرآن کی بات سننا نہیں چاہتے، ان کو نبی ﷺ کیسے سنادیں؟ ڈبوں میں پیک دلوں میں بات کیسے اتار

دیں؟ وہ کانوں کی ڈاٹ نہیں نکال سکتے اور درمیان کے پردے کو نہیں ہٹا سکتے، وہ ایک انسان ہیں، خدا نہیں، ان کا کام پیغام رسانی ہے، آگے اختیار اللہ کا ہے، ارشاد فرماتے ہیں: —— کہہ دیں: میں تم ہی جیسا ایک انسان ہوں —— خدائی اختیارات کا مالک نہیں، ہاں میرے اندر ایک سُرخاب کا پَر لگ رہا ہے —— میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک معبود ہے —— اس امتیاز نے نبی ﷺ کو دوسرے انسانوں سے ممتاز کر دیا ہے، اب وہ ایک عام انسان نہیں رہے، مگر وہ خدا بھی نہیں بن گئے، بلکہ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر! —— اور نبی: انسان کو اس لئے بنایا جاتا ہے کہ ہم جنسی کی وجہ سے اس کی بات سمجھنا آسان ہو، اور وہ اپنے ذوق سے بھی احکام مشروع کر سکے، فرشتہ انسانی جذبات کو نہیں سمجھ سکتا، پھر وہ تشریع (قانون سازی) کیسے کرے گا؟ —— اور نبی کے پاس سب سے اہم وحی توحید کی آتی ہے کہ تمام انسانوں کے معبود ایک اللہ ہیں، ان کے سوا کسی کی بندگی نہیں —— پس اس کی طرف سیدھ باندھ لو —— یعنی تمام معاملات میں اسی ایک اللہ کا رخ کرو، اس کے راستہ سے قدم مت ہٹاؤ —— اور اس سے معافی مانگو —— یعنی اب تک جو ٹیڑھے ترچھے چلتے رہے اس کی معافی مانگو، وہ سب پچھلی خطائیں معاف کر دیں گے —— اور اگر اپنی روش سے باز نہیں آؤ گے تو سن لو! —— اور بڑی خرابی ہے —— یعنی دوزخ کا سخت عذاب ہے —— ان شریک ٹھہرانے والوں کے لئے جو خیرات نہیں دیتے، اور وہ آخرت کو بھی نہیں مانتے —— مکی سورتوں میں زکات کا لفظ مطلق انفاق (خیر خیرات) کے معنی میں استعمال ہوا ہے، جو غیر مسلم دان (خیرات) کرتے ہیں اور آخرت کو بھی مانتے ہیں، ان کو قرآن سنانا اور توحید و رسالت کے عقیدے سمجھانا آسان ہے، اور جو انتہائی بخیل ہیں، چمڑی دے سکتے ہیں دمڑی نہیں دے سکتے، اس دنیا سے آگے کوئی زندگی نہیں مانتے ان کو بات سنانا اور سمجھانا بہت مشکل ہے، وہ بات سنیں گے ہی نہیں، پھر سمجھیں گے کیسے؟

آخرت کے صحیح اعتقاد کے ساتھ خیر خیرات ایمان کا سبب ہے:

جو غیر مسلم دان (خیرات) کرتے ہیں، اور آخرت کو صحیح طریقہ پر مانتے ہیں (آواگون کا عقیدہ نہیں رکھتے) ان کو توحید و رسالت کے عقیدے آسانی سے سمجھائے جا سکتے ہیں، وہ دان کس لئے کرتے ہیں؟ آخرت کے فائدے کے لئے! آخرت کون برپا کرے گا؟ وہی جس نے یہ عالم سجایا ہے! پس وہی معبود ہے، اسی کی بندگی کرو، اس کے علاوہ کو مت پوجو، یہی توحید کا عقیدہ ہے، اور اس معبود نے اپنی مرضی کی اطلاع نبیوں کی معرفت انسانوں کو دی ہے، اس سلسلہ کی آخری کڑی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں، ان پر جو اللہ کا کلام نازل ہوا ہے وہ قرآنِ کریم ہے، یہ اللہ کا تمام بندوں کے نام پیام محبت ہے، اس کو پڑھو اور اس کے مطابق زندگی گذارو۔

اور ایمان تک پہنچنے کے لیے نیک کام کرو، خاص طور پر خیر خیرات کرو، دان: دین تک پہنچاتا ہے۔ ایک بڑے صحابی

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ ہیں، وہ کٹر اسلام کے مخالف تھے، مگر ایک وقت آیا کہ انھوں نے اسلام قبول کرلیا، انھوں نے نبی ﷺ سے پوچھا: میں نے اسلام سے پہلے خاندان کے لوگوں کے ساتھ جو حسنِ سلوک کیا ہے، جو غلام آزاد کئے ہیں، جو خیراتیں کی ہیں: ان کا کوئی ثواب مجھے ملے گا؟ نبی ﷺ نے فرمایا: أَسْلَمْتَ علی ما سَلَفَ لك من خير: تم نے پہلے جو اچھے کام کئے ہیں انہی کی برکت سے تمھیں دولتِ اسلام ملی ہے، معلوم ہوا کہ آخرت کے صحیح اعتقاد کے ساتھ جو خیراتیں کی جائیں وہ ایمان کا سبب بنتی ہیں۔

مشرکین کے مقابل مؤمنین کا ذکر: —— بے شک جو لوگ ایمان لائے، اور انھوں نے نیک کام کئے، ان کے لئے نہ موقوف ہونے والا ثواب ہے —— نجاتِ اوّلی کے لئے ایمان کے ساتھ مثبت و منفی پہلوؤں سے نیک اعمال ضروری ہیں —— اور جنت درحقیقت ایمان کا صلہ ہے، اور ایمان ایک حقیقتِ مستمرہ ہے، پس اس کا صلہ جنت بھی ابدی ہے، اور مؤمن کے نیک اعمال: اس کے ایمان کے تابع کردیئے جائیں گے، اس لئے ان کا ثواب بھی ابدی ہوگا۔

قُلْ اَىِٕنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَ تَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۚ۝۹ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَ قَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآىِٕلِيْنَ ۝۱۰ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآىِٕعِيْنَ ۝۱۱ فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ۖ وَحِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝۱۲

قُلْ	کہو	بِالَّذِيْ	اس کا جس نے	فِيْ يَوْمَيْنِ	دو دنوں میں
اَىِٕنَّكُمْ (۱)	کیا بے شک تم	خَلَقَ	پیدا کیا	وَ تَجْعَلُوْنَ	اور بناتے ہو تم
لَتَكْفُرُوْنَ	البتہ انکار کرتے ہو	الْاَرْضَ	زمین کو	لَهٗٓ	اس کے لئے

(۱) أئنكم: تین حروف ہیں: أ: ہمزہ استفہام، إنَّ: حرفِ مشبہ بالفعل، اور کم: ضمیر جمع مذکر حاضر۔

اَنْدَادًا[1]	ہم سر (مقابل)	اَيَّامٍ	دنوں میں	فَقَضٰهُنَّ	پس بنایا ان کو
ذٰلِكَ	وہ	سَوَآءً[4]	ٹھیک (پورے)	سَبْعَ سَمٰوَاتٍ	سات آسمان
رَبُّ	پروردگار ہیں	لِّلسَّآئِلِيْنَ	پوچھنے والوں کے لئے	فِيْ يَوْمَيْنِ	دو دنوں میں
الْعٰلَمِيْنَ	تمام جہانوں کے	ثُمَّ اسْتَوٰٓى	پھر قصد کیا	وَ اَوْحٰى	اور وحی بھیجی
وَجَعَلَ	اور بنائے	اِلَى السَّمَآءِ	آسمان کا	فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ	ہر آسمان میں
فِيْهَا	زمین میں	وَهِيَ دُخَانٌ	اور وہ دھواں ہے	اَمْرَهَا	اس کے معاملہ کی
رَوَاسِيَ[2]	پہاڑ	فَقَالَ لَهَا	پس کہا اس سے	وَ زَيَّنَّا	اور مزین کیا ہم نے
مِنْ فَوْقِهَا	اس کے اوپر سے	وَلِلْاَرْضِ	اور زمین سے	السَّمَآءَ الدُّنْيَا	نزدیک والے آسمان کو
وَبٰرَكَ	اور برکت فرمائی	ائْتِيَا[5]	آؤ تم دونوں	بِمَصَابِيْحَ	چراغوں سے
فِيْهَا	اس میں	طَوْعًا	خوشی سے	وَحِفْظًا[6]	اور حفاظت کی
وَ قَدَّرَ	اور تجویز فرمائی	اَوْ كَرْهًا	یا ناخوشی سے	ذٰلِكَ	یہ
فِيْهَا	اس میں	قَالَتَا	کہا دونوں نے	تَقْدِيْرُ	اندازہ ہے
اَقْوَاتَهَا[3]	اس کی روزی	اَتَيْنَا	آئے ہم	الْعَزِيْزِ	زبردست
فِيْ اَرْبَعَةِ	چار	طَآئِعِيْنَ	خوشی سے	الْعَلِيْمِ	بڑے جاننے والے کا

اللہ نے کائنات چھ دنوں میں پیدا کی ہے: دن سے کیا مراد ہے؟

قرآنِ کریم میں سات جگہ یہ بات آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کو چھ دنوں میں پیدا کیا ہے: پس دن سے کیا مراد ہے؟ یوم (دن) کے معروف معنی ہیں: سورج کے نکلنے سے غروب ہونے کا عرصہ، مگر سورۃ الٓمٓ السجدۃ (آیت ۵) میں ہزار برس کی مقدار پر بھی یوم کا اطلاق آیا ہے، اور سورۃ المعارج (آیت ۵) میں پچاس ہزار سال کی مقدار پر بھی یوم کا

(۱) أندادا: نِدّ کی جمع: برابر، ہم سر، مقابل، جوذات میں شریک ہو۔ (۲) رواسی: رَاسِية کی جمع: بوجھ، پہاڑ (۳) أقوات: قُوْت کی جمع: خوراک، روزی (۴) سواءً: فعل مقدر کا مفعول مطلق ہے، پھر أیام کی صفت ہے، أی استوتْ سواءً (ایک قراءت سواءٍ: مجرور بھی ہے، پس صفت ہونا متعین ہوگیا) (۵) ائتیا: إتیان سے فعل امر، تثنیہ مذکر حاضر: تم دونوں آؤ۔ (۶) حفظاً: فعل مقدر کا مفعول مطلق ہے، پھر زینا پر معطوف ہے، أی حفظناها حفظاً: خوب حفاظت کی ہم نے آسمان کی یعنی محفوظ کیا۔

اطلاق آیا ہے، اور تخلیقِ ارض وسماء کے وقت سورج موجود نہیں تھا، اس لیے مفسرین کرام چھ دن کی مقدار مراد لیتے ہیں یعنی ۷۲ یا ۱۴۴ گھنٹوں میں کائنات بن کر تیار ہوئی، مگر مقدار مراد لینے کی کوئی دلیل نہیں، اس لیئے لمبا زمانہ مراد لینا بہتر ہے، لمبے زمانہ کو 'دور' اور 'پریڈ' بھی کہہ سکتے ہیں، اور اس کی مدت کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔

آسمان پہلے پیدا کئے یا زمین؟

سورۃ النازعات میں ہے کہ اللہ نے پہلے آسمانوں کو پیدا کیا، اور یہاں ہے کہ پہلے زمین کو پیدا کیا: یہ تخالف ہے، یہ اعتراض نافع ابن ازرق حروری خارجی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے کیا تھا، حضرتؓ کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ زمین کی تخلیق من وجہٍ آسمان سے مقدم ہے، اور من وجہٍ مؤخر، فرمایا: ''پہلے دو دنوں میں زمین پیدا کی یعنی اس کی ہیئتِ کذائی بنائی، مگر اس کی تکمیل نہیں کی، پھر دو دنوں میں آسمانوں کو ٹھیک بنایا یعنی ان کی تکمیل کی، پھر زمین کو پھیلایا یعنی پانی اور چارہ نکالا، اور پہاڑ، اونٹ اور ٹیلے پیدا کئے، اور آسمان وزمین کی درمیانی چیزیں پیدا کیں، سورۃ النازعات میں جو زمین کو آسمان کے بعد بچھانے کا تذکرہ ہے وہ یہی ہے، پس زمین چار دنوں میں تیار ہوئی اور آسمان دو دنوں میں،

(تحفۃ القاری ۹: ۴۷۸)

معبود وہی ہے جو کائنات کا خالق ومالک ہے

کائنات کو یعنی آسمان وزمین کو ان کے مشتملات کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا، ایک ذرّہ بھی کسی اور نے پیدا نہیں کیا، اور یہ بات مشرکین بھی تسلیم کرتے ہیں، پھر معبود ان کے سوا اور کوئی کیسے ہوسکتا ہے؟ ارشاد فرماتے ہیں: —— کہو: کیا واقعی تم اس ہستی کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو دن میں پیدا کیا —— یعنی اس کی ہیئتِ کذائی (موجودہ ہیئت) بنائی —— اور تم اس کے لیے ہمسر ٹھہراتے ہو؟ —— یعنی کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ زمین کے خالق کا انکار کرتے ہو، اور دوسری چیزوں کو اس کے برابر سمجھتے ہو، اور ان کی پرستش کرتے ہو، جو ایک ذرّہ کے بھی خالق نہیں —— یہی سارے جہانوں کے پالنہار ہیں —— ان کو چھوڑ کر تم کدھر جا رہے ہو؟ —— اور اس نے زمین کے اوپر پہاڑ بنائے —— تاکہ زمین ڈانواں ڈول نہ ہو —— اور اس میں فوائد رکھے —— قسم قسم کی کھانیں، درخت، میوے، پھل، پھول، غلّے اور بھانت بھانت کے حیوانات پیدا کئے —— اور اس میں غذائیں تجویز کیں —— گوشت خور مخلوقات کے لئے حیوانات پیدا کئے، گھاس خور مخلوقات کے لئے چراگاہیں اگائیں، اور ہر علاقہ کے مناسب حال غلّہ پیدا کیا —— چار دنوں میں —— یہ چار دن مسلسل نہیں، دو دن مقدم ہیں، اور دو دن مؤخر، درمیان کے دو دنوں میں آسمان بنائے ہیں —— ٹھیک پوچھنے والوں کے لئے —— مدینہ کے یہود مکہ آئے تھے اور انھوں نے یہ بات پوچھی تھی (درمنثور اور تفسیر ابن جریر) ——

پھر آسمان کا قصد کیا ـــــ ثم ترتیب ذکری کے لئے ہے، تراخی زمان کے لئے نہیں، کیونکہ آسمانوں کی تخلیق درمیان میں ہوئی ہے ـــــ اور وہ دھواں ہے ـــــ ممکن ہے یہ آسمانوں کے مادہ کی طرف اشارہ ہو (فوائد) ـــــ پس (جب آسمان وزمین بن کر تیار ہوگئے تو) اس سے اور زمین سے کہا: دونوں خوشی سے آؤ یا ناخوشی سے ـــــ یعنی تمہیں جس مقصد کے لئے پیدا کیا ہے اس کی تمہیں خواہی نخواہی تکمیل کرنی ہے ـــــ دونوں نے عرض کیا: ہم خوشی سے آئے ـــــ یعنی ہم بہ رضا ورغبت مقصد تخلیق کی تکمیل کریں گے، اسی طرح ہر مخلوق خوشی خوشی مقصد تخلیق کی تکمیل کرتی ہے، نابجار انسانوں اور جنات کے سوا، وہ بندگی سے سرتابی کرتے ہیں ـــــ پس ان کو سات آسمان بنایا، دو دنوں میں ـــــ یہ دو دن درمیان کے ہیں ـــــ اور ہر آسمان میں اس کا معاملہ وحی کیا ـــــ فطرت میں کوئی بات رکھ دینے کے لئے بھی لفظ وحی آیا ہے ـــــ اور ہم نے نزدیک والے آسمان کو ستاروں سے مزین کیا ـــــ یعنی دیکھنے میں معلوم ہوتا ہے کہ گویا سب ستارے اسی آسمان میں جڑے ہوئے ہیں، رات کو اِن قدرتی چراغوں سے آسمان کیسا پُر رونق معلوم ہوتا ہے! ـــــ اور محفوظ کیا ـــــ شیاطین آسمان تک نہیں پہنچ سکتے، فرشتے ستاروں کے میزائیل ان پر داغتے ہیں ـــــ یہ زبردست واقف کار کا اندازہ ٹھہرانا ہے ـــــ یعنی یہ ایسا محکم نظام ہے کہ زمانہ بیت گیا، مگر لمحہ بھر کا فرق نہیں پڑا۔

تخلیقِ ارض وسماء کے اوقات، دن اور ان میں ترتیب ثابت نہیں

جن روایات میں یہ بات آئی ہے کہ اتوار کو یہ اور پیر کو یہ الی آخرہ چیزیں پیدا کیں (مثلاً مسلم شریف حدیث ۲۷۸۹ کتاب صفات المنافقین) میں یہ بات آئی ہے، اس روایت کو معلول قرار دیا ہے، صحیح بات یہ ہے کہ اس روایت کو حضرت ابو ہریرہؓ نے کعب احبار سے نقل کیا ہے، وہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نہیں (ابن کثیر ۴:۹۴ بحوالہ معارف القرآن ۷:۶۳۶) اور تخلیقِ آدم علیہ السلام کا واقعہ تخلیقِ ارض وسماء سے بہت بعد کا ہے، جبکہ زمین کی تمام ضروریات مکمل ہو چکی تھیں (معارف)

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ۝ اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ۭ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۭ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ۝ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا

صَرْصَرًا فِیْٓ اَیَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِیْقَھُمْ عَذَابَ الْخِزْیِ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَۃِ اَخْزٰی وَھُمْ لَا یُنْصَرُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَھَدَیْنٰھُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰی عَلَی الْھُدٰی فَاَخَذَتْھُمْ صٰعِقَۃُ الْعَذَابِ الْھُوْنِ بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَنَجَّیْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ ﴿۱۸﴾ ع

ع ۲ ۱۴

فَاِنْ	پس اگر	لَوْشَآءَ	اگر چاہتے	اَوَلَمْ یَرَوْا	کیا اور نہیں دیکھا انھوں نے
اَعْرَضُوْا	روگردانی کریں وہ	رَبُّنَا	ہمارے ربّ	اَنَّ اللّٰہَ	کہ اللہ تعالیٰ
فَقُلْ	تو آپ کہیں	لَاَنْزَلَ	(تو) ضرور اتارتے	الَّذِیْ	جنھوں نے
اَنْذَرْتُکُمْ	ڈرایا میں نے تم کو	مَلٰٓئِکَۃً	فرشتوں کو	خَلَقَھُمْ	ان کو پیدا کیا
صٰعِقَۃً	سخت عذاب سے	فَاِنَّا بِمَآ	پس بیشک ہم اس کا جو	ھُوَ	وہ
مِّثْلَ	جیسا	اُرْسِلْتُمْ	بھیجے گئے ہو تم	اَشَدُّ مِنْھُمْ	زیادہ ہیں ان سے
صٰعِقَۃِ (۱)	سخت عذاب	بِہٖ	اس کے ساتھ	قُوَّۃً	زور میں
عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ	عاد اور ثمود کا	کٰفِرُوْنَ	انکار کرنے والے ہیں	وَکَانُوْا	اور تھے وہ
اِذْ جَآءَتْھُمُ	جب پہنچے ان کو	فَاَمَّا عَادٌ	پس رہے عاد:	بِاٰیٰتِنَا	ہماری آیتوں کا
الرُّسُلُ	رسول	فَاسْتَکْبَرُوْا	تو گھمنڈ کیا انھوں نے	یَجْحَدُوْنَ	انکار کرتے
مِنْ بَیْنِ اَیْدِیْھِمْ (۲)	ان کے آگے سے	فِی الْاَرْضِ	زمین میں	فَاَرْسَلْنَا	پس چھوڑی ہم نے
وَمِنْ خَلْفِھِمْ	اور ان کے پیچھے سے	بِغَیْرِ الْحَقِّ	ناحق (بلاوجہ)	عَلَیْھِمْ	ان پر
اَلَّا تَعْبُدُوْٓا (۳)	کہ نہ عبادت کرو تم	وَقَالُوْا	اور کہا انھوں نے	رِیْحًا صَرْصَرًا (۴)	زور کی ہوا
اِلَّا اللّٰہَ	مگر اللہ کی	مَنْ اَشَدُّ مِنَّا	کون ہم سے زیادہ ہے	فِیْٓ اَیَّامٍ	دنوں میں
قَالُوْا	کہا انھوں نے	قُوَّۃً	زور میں	نَّحِسَاتٍ (۵)	منحوس

(۱) صاعقۃ: کڑک، زوردار بجلی، سخت عذاب (۲) من بین أیدیھم و من خلفھم: محاورہ ہے یعنی ہر طرف سے۔ (۳) ألا: أنْ لا: نون کا لام میں ادغام کیا ہے۔ (۴) صَر صر: ہوائے تُند، سخت ٹھر، سناٹے کی ٹھنڈی ہوا (۵) نحسات: نحسۃ کی جمع، منحوس، بے برکت۔

لِّنُذِيْقَهُمْ	تا کہ چکھائیں ہم ان کو	لَا يُنْصَرُوْنَ	مدد نہیں کئے جائیں گے	الْعَذَابِ الْهُوْنِ	رسوا کن عذاب کے
عَذَابَ الْخِزْيِ	رسوائی کا عذاب	وَاَمَّا ثَمُوْدُ	اور رہے ثمود:	بِمَا كَانُوْا	بدلہ میں اس کے جو
فِي الْحَيٰوةِ	زندگی میں	فَهَدَيْنٰهُمْ	پس راہ دکھائی ہم نے ان کو	يَكْسِبُوْنَ	وہ کمایا کرتے تھے
الدُّنْيَا	دنیا کی	فَاسْتَحَبُّوا	پس پسند کیا انھوں نے	وَ نَجَّيْنَا	اور بچالیا ہم نے
وَلَعَذَابُ	اور البتہ عذاب	الْعَمٰى	اندھاپن کو	الَّذِيْنَ	ان کو جو
الْاٰخِرَةِ	آخرت کا	عَلَى الْهُدٰى	راہ نمائی پر	اٰمَنُوْا	ایمان لائے
اَخْزٰى	زیادہ رسوا کن ہے	فَاَخَذَتْهُمْ	پس پکڑا ان کو	وَكَانُوْا	اور تھے وہ
وَهُمْ	اور وہ	صٰعِقَةُ	کڑاکے نے	يَتَّقُوْنَ	(شرک سے) بچتے

مشرکین کو وارننگ کہ اگر وہ شرک سے باز نہ آئے تو ان کا دنیوی انجام عاد وثمود جیسا ہوگا

عاد: عرب کا ایک قدیم قبیلہ تھا، اس کا مرکزی مقام احقاف تھا، جو حضر موت (یمن) کے شمال میں واقع ہے، یہ لوگ اپنے ڈیل ڈول اور قوت وشجاعت کے اعتبار سے ممتاز تھے، دوسری قوموں کی طرح ان کی گمراہی بھی شرک اور صنم پرستی تھی، ان کی طرف ہود علیہ السلام مبعوث کئے گئے، انھوں نے حجت تام کردی تو اللہ کا عذاب آیا، سات راتیں اور آٹھ دن متواتر ٹھنڈی ہوا چلی، جس سے وہ ٹھنڈے ہوگئے۔

اور ثمود: بھی سامی اقوام ہی کی ایک شاخ ہے، اس کو عاد ثانیہ بھی کہتے ہیں، ان کی بستیاں حِجْر میں تھیں، یہ بھی شرک میں مبتلا تھے، ان کی طرف صالح علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا، مگر ان کی محنت بھی رائگاں گئی تو وہ ایک زور کی آواز سے ہلاک کئے گئے۔

آیاتِ پاک: —— پس اگر وہ (مکہ کے مشرکین) اعراض کریں تو آپ کہہ دیں: میں تم کو ایک ایسی آفت سے ڈراتا ہوں جیسی عاد وثمود پر آئی تھی، جبکہ ان کے پاس رسول ان کے آگے سے اور ان کے پیچھے سے پہنچے —— یعنی ہر طرف سے، اور انھوں نے کہا: —— اللہ کے سوا کسی کو مت پوجو! —— کیونکہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں —— انھوں نے جواب دیا: اگر ہمارے پروردگار کو منظور ہوتا تو وہ فرشتوں کو بھیجتے —— یعنی بشر رسول نہیں ہوسکتا، اللہ چاہتے تو کسی کرّ وبی (مقرب فرشتہ) کو رسول بنا کر بھیجتے —— پس ہم اُس بات کو نہیں مانتے جس کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو —— یعنی ہم تمہاری دعوتِ توحید کو ماننے کے لئے تیار نہیں —— یہاں تک دونوں قوموں کا مشترک ذکر ہے، آگے الگ الگ تذکرہ ہے۔

پس رہے عاد: تو انھوں نے زمین میں بلا وجہ گھمنڈ کیا ــــ اور ــــ ہود علیہ السلام نے ان کو عذاب سے ڈرایا تو ــــ انھوں نے کہا: ہم سے زیادہ قوت میں کون ہے؟ ــــ جس سے ہم خوف کھائیں ــــ کیا اور انھوں نے دیکھا نہیں کہ جس نے ان کو پیدا کیا ہے وہ ان سے بہت زیادہ طاقت ور ہے؟ ــــ کیا اس کے عذاب سے بھی نہیں ڈرو گے! ــــ اور وہ ہماری باتوں کا انکار کیا کرتے تھے ــــ دل میں ان کا حق ہونا سمجھتے تھے، مگر ضد اور عناد سے انکار کرتے تھے ــــ پس ہم نے ان پر ایک ہوائے تند بھیجی نامبارک دنوں میں، تا کہ ہم ان کو رسوا کن عذاب چکھائیں دنیوی زندگی میں، اور آخرت کا عذاب یقیناً زیادہ رسوا کن ہے، اور وہ مدد نہیں کئے جائیں گے ــــ کوئی اس عذاب کو ٹال نہیں سکے گا۔

اور رہے ثمود! پس ہم نے ان کو راہِ راست دکھائی ــــ صالح علیہ السلام نے ان کو نجات کا راستہ دکھلایا ــــ پس انھوں نے اندھا رہنے کو راہِ راست پر ترجیح دی، پس ان کو رسوا کن سخت عذاب نے آ پکڑا، ان کی بدکرداریوں کی وجہ سے ــــ زلزلہ آیا، جس کے ساتھ سخت ہولناک آواز تھی جس سے سب کے جگر پھٹ گئے ــــ اور ہم نے بچالیا ایمان والوں کو اور ان کو جو (شرک سے) بچے ہوئے تھے ــــ ان کو ذرا آنچ نہیں آئی۔

وَيَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۱۹﴾ حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ؕ قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ ع ۱۷

وَيَوْمَ	اور (یاد کرو) جس دن	يُحْشَرُ	جمع کئے جائیں گے	اَعْدَآءُ اللّٰهِ	اللہ کے دشمن

إِلَى النَّارِ	دوزخ کی طرف	أَنْطَقَ	گویا کیا	مِمَّا تَعْمَلُوْنَ	ان میں سے جو تم کرتے ہو
فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ (۱)	پس وہ روکے جائیں گے	كُلَّ شَيْءٍ	ہر چیز کو	وَذٰلِكُمْ	اور یہی
حَتّٰى إِذَا مَا (۲)	یہاں تک کہ جب	وَّهُوَ	اور اس نے	ظَنُّكُمُ	تمہارا گمان
جَآءُوْهَا	آئیں گے وہ دوزخ پر	خَلَقَكُمْ	پیدا کیا تم کو	الَّذِيْ	جو
شَهِدَ عَلَيْهِمْ	گواہی دیں گے ان	أَوَّلَ مَرَّةٍ	پہلی بار	ظَنَنْتُمْ	گمان کیا تم نے
	کے خلاف	وَّإِلَيْهِ	اور اس کی طرف	بِرَبِّكُمْ	اپنے رب کے بارے میں
سَمْعُهُمْ	ان کے کان	تُرْجَعُوْنَ	لوٹائے جاؤ گے تم	أَرْدٰكُمْ (۶)	ہلاک کیا اس نے تم کو
وَأَبْصَارُهُمْ	اور ان کی آنکھیں	وَمَا كُنْتُمْ	اور نہیں تھے تم	فَأَصْبَحْتُمْ	پس ہو گئے تم
وَجُلُوْدُهُمْ	اور ان کی کھالیں	تَسْتَتِرُوْنَ (۳)	پردہ کرتے (چھپتے)	مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ	گھاٹا پانے والوں میں سے
بِمَا	ان کاموں کی جو	أَنْ (۴)	اس سے کہ	فَإِنْ يَّصْبِرُوْا	پس اگر صبر کریں وہ
كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ	وہ کیا کرتے تھے	يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ	گواہی دیں گے تمہارے خلاف	فَالنَّارُ	تو دوزخ
وَقَالُوْا	اور کہا انھوں نے	سَمْعُكُمْ	تمہارے کان	مَثْوًى لَّهُمْ	ٹھکانا ہے ان کا
لِجُلُوْدِهِمْ	اپنی کھالوں سے	وَلَآ أَبْصَارُكُمْ (۵)	اور نہ تمہاری آنکھیں	وَإِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا (۷)	اور اگر خوشنودی چاہیں وہ
لِمَ شَهِدْتُّمْ	کیوں گواہی دی تم نے	وَلَا جُلُوْدُكُمْ	اور نہ تمہاری کھالیں	فَمَا هُمْ	تو نہیں ہیں وہ
عَلَيْنَا	ہمارے خلاف؟	وَلٰكِنْ	لیکن	مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ (۸)	توبہ قبول کیے ہوؤں میں سے
قَالُوْٓا	جواب دیا انھوں نے	ظَنَنْتُمْ	گمان کیا تم نے	وَقَيَّضْنَا لَهُمْ	اور مقدر کیا ہم نے ان کیلئے
أَنْطَقَنَا	گویا کیا ہمیں	أَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ تعالیٰ	قُرَنَآءَ (۹)	ساتھ رہنے والوں کو
اللّٰهُ	اللہ نے	لَا يَعْلَمُ	نہیں جانتے	فَزَيَّنُوْا لَهُمْ	پس مزین کیا انھوں
الَّذِيْٓ	جس نے	كَثِيْرًا	بہت سی باتیں		نے ان کے لئے

(۱) یوزعون: مضارع مجہول، وَزَعَ یَزَعُ وَزْعًا (ف): روکنا، جمع کرنا (۲) مَا: زائدہ ہے (۳) اِسْتَتَرَ: چھپنا، پوشیدہ ہونا، آڑ میں ہونا، ڈھک جانا۔ (۴) أن سے پہلے من پوشیدہ ہے (۵) لا کے بعد سابقہ سارا جملہ مقدر ہوتا ہے أی و لا تسترون أن یشهد علیکم أبصارکم (۶) أَرْدیٰ إِرْدَاءً: ہلاک کرنا، غارت کرنا (۷) اسْتَعْتَبَ فلاناً: راضی کرنا، خوشنودی چاہنا، منانا عَتْبٌ: ملامت (۸) المُعْتَب: اسم مفعول، مقبول التوبہ، أَعْتَبَه: خفگی کے بعد خوش کر دینا، سبب ملامت ختم کر دینا۔ (۹) قرناء: قرین کی جمع: ساتھ رہنے والا۔

مَّا بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِمۡ	اس کو جوانکے سامنے ہے	الۡقَوۡلُ	بات	مِّنَ الۡجِنِّ	جنات سے
وَمَا خَلۡفَهُمۡ	اوراس کو جوان کے پیچھے ہے	فِىۡۤ اُمَمٍ	امتوں میں	وَالۡاِنۡسِ	اور انسانوں سے
		قَدۡ خَلَتۡ	جو بالیقین گذر گئیں	اِنَّهُمۡ	بے شک وہ
وَحَقَّ عَلَيۡهِمُ	اور ثابت ہوگئی ان پر	مِنۡ قَبۡلِهِمۡ	اِن سے پہلے	كَانُوۡا خٰسِرِيۡنَ	تھے گھاٹا پانے والے

مشرکین کوآ گہی کہ اگر وہ اسلام کی مخالفت سے باز نہ آئے تو ان کا اخروی انجام بہت برا ہوگا

گذشتہ آیات میں مخالفینِ اسلام کو وارننگ دی تھی کہ اگر وہ شرک وکفر اور اسلام دشمنی سے باز نہ آئے تو ان کا دنیوی انجام عاد وثمود جیسا ہوسکتا ہے، اب ان آیات میں ان کو اخروی انجام کی خبر دی جارہی ہے کہ وہ آخرت میں بھی گذشتہ اقوام کی طرح گھاٹے میں رہیں گے۔

جاننا چاہئے کہ لوگ قبروں سے اٹھ کر میدانِ حشر میں جمع ہونگے، یہی قیامت کا میدان ہے، یہاں مخالفینِ اسلام کو روکا جائے گا، اور ان کا حساب ہوگا، جنت وجہنم وہاں سے قریب ہیں، سورۃ الشعراء (آیات ۹۰و۹۱) میں ہے: ''اور جنت خدا ترستوں کے لئے نزدیک کردی جائے گی، اور جہنم گمراہوں کے سامنے ظاہر کردی جائے گی'' یعنی محشر میں جب پردہ ہٹ جائے گا تو جنت اور جہنم دونوں نظر آنے لگیں گی، ارشاد فرماتے ہیں: —— اور ان کو وہ دن یاد دلائیں جس دن اللہ کے دشمن دوزخ کی طرف جمع کئے جائیں گے، پس وہ (میدانِ حشر میں) روکے جائیں گے —— یعنی ان کو دوزخ کی طرف لے جایا رہا ہے، مگر اس کے قریب محشر میں روکا جائے گا۔

اور کفار جس طرح موت کے قریب برائیوں کے ارتکاب کا انکار کرتے ہیں میدانِ قیامت میں بھی انکار کریں گے۔ سورۃ النحل (آیت ۲۸) میں ان کا قول ہے: ﴿مَا كُنَّا نَعۡمَلُ مِنۡ سُوۡٓءٍ﴾: ہم کوئی برائی نہیں کیا کرتے تھے، تب ان کے مونہوں پر مہر لگائی جائے گی، اور ان کے اعضاء کو زبان دی جائے گی۔ ارشاد فرماتے ہیں: —— یہاں تک کہ جب وہ دوزخ پر آئیں گے —— یعنی جب دوزخ ان کو نظر آنے لگے گی تو کفر وشرک اور برائیوں سے مکر جائیں گے، جیسے موت کے وقت فرشتوں کے سامنے مکر جاتے ہیں، جبکہ زندگی میں تو اپنی حرکتوں پر فخر کرتے ہیں، پس —— ان کے خلاف گواہی دیں گے ان کے کان، ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں ان اعمال کی جو وہ کیا کرتے تھے —— روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ محشر میں کفار اپنے جرائم کا زبان سے انکار کریں گے، اس وقت حکم ہوگا کہ ان کے اعضاء کی شہادت پیش کی جائے، جن کے ذریعہ گناہ کئے تھے، چنانچہ ہر عضو شہادت دے گا، اور اس طرح زبان کی تکذیب ہوجائے گی، تب حیران ہوکر اپنے اعضاء کو کوسیں گے —— اور وہ اپنی کھالوں سے کہیں گے: تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی؟ —— یعنی کم بختی مارو!

تمہارے ہی لئے میں جھگڑتا تھا،تمہاری طرف سے مدافعت کرتا تھا،تمہیں کو میں عذاب سے بچانا چاہتا تھا،اب تم خود اپنے جرموں کا اعتراف کرنے لگے،کیا آفت نازل ہوئی تھی تم پر! ـــــ وہ جواب دیں گے:ہمیں اس اللہ نے گویا کیا جس نے ہر چیز کو گویا کیا ـــــ پس ہم نہ بولتے اور نہ بتلاتے تو کیا کرتے؟اور کیا ہم تمہاری طرح جھوٹ بولتے! ـــــ اس کے بعد آیت کا فاصلہ ہے،اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ـــــ اور اسی نے تم کو اول بار پیدا کیا ہے ـــــ اس وقت صرف زبان کو گویائی دی تھی،اب اعضاء کو بھی قوت گویائی دیدی ـــــ اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے ـــــ یعنی دوسری زندگی برحق ہے،اس کو ابھی سے ذہن میں رکھو ـــــ آگے بھی اللہ تعالیٰ کا کلام ہے: ـــــ اور تم چھپ نہیں سکتے تھے۔اس بات سے کہ تمہارے خلاف گواہی دیں گے تمہارے کان،تمہاری آنکھیں اور تمہاری کھالیں ـــــ یعنی اپنے اعضاء سے چھپ کر تم کوئی گناہ نہیں کر سکتے تھے ـــــ لیکن تم گمان کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نہیں جانتے بہت سے وہ کام جو تم کرتے تھے ـــــ یعنی تمہارے طرز عمل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ گویا تم کو اللہ تعالیٰ کے علم محیط کا یقین ہی نہیں،اس لئے جو چاہتے ہو شرارتیں کرتے ہو ـــــ اور یہی تمہارا گمان جو تم نے اپنے پروردگار کے بارے میں قائم کیا تھا وہ تم کو لے ڈوبا ـــــ یعنی اگر تمہیں یقین ہوتا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری تمام حرکتوں سے باخبر ہیں تو تم ہرگز ایسی شرارتیں نہ کرتے ـــــ پس تم گھاٹا پانے والوں میں سے ہو کر رہ گئے!

پس اگر وہ صبر کریں (یا نہ کریں) دوزخ ان کا ٹھکانا ہو چکا،اور اگر وہ (اللہ تعالیٰ کو) منانا چاہیں تو وہ مقبول التوبہ نہیں ہونگے ـــــ یہ ﴿فَأَصْبَحُوْا مِنَ الْخَاسِرِيْنَ﴾ کی شرح ہے۔

اور مقدر کیا ہم نے ان کے لئے ساتھ لگے رہنے والوں کو،پس مزین کیا انھوں نے ان کے لئے ان کاموں کو جو ان کے سامنے ہیں اور ان کاموں کو جو ان کے پیچھے ہیں ـــــ مقدر کیا: یعنی نظام عالم ایسا تجویز کیا ہے ـــــ ساتھ لگے رہنے والوں کو: یعنی شیاطین کو ـــــ ہر انسان کے پیچھے شیطان لگا ہوا ہے،وہ برے کاموں کو بھلے کر کے اور تباہ کن اعمال کو خوبصورت بنا کر دکھاتا ہے،اور آدمی گناہوں میں پیر پسارتا چلا جاتا ہے۔

اور یہ بات واقعہ بن گئی ان کے حق میں ـــــ کہ میں ضرور جنات اور انسانوں سے جہنم کو بھروں گا (ہود ۱۱۹) ـــــ من جملہ اُن امتوں کے جو اِن سے پہلے جن وانس میں سے گذر چکی ہیں ـــــ یعنی جس طرح ماضی کی امتیں جہنم رسید ہوئیں یہ مکہ کے مخالفین بھی وہیں پہنچیں گے ـــــ بے شک وہ خسارہ میں رہنے والے تھے ـــــ پس یہ بھی ان کی طرح گھاٹے میں رہیں گے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴿۲۶﴾

فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ ذٰلِكَ جَزَاۗءُ اَعْدَاۗءِ اللّٰهِ النَّارُ ۚ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ ۭ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۲۹﴾

وَقَالَ	اور کہا	اَسْوَاَ(۲)	برے سے برا	يَجْحَدُوْنَ	انکار کرتے
الَّذِيْنَ	جنھوں نے	الَّذِيْ	ان کاموں کا جو	وَقَالَ الَّذِيْنَ	اور کہا جنھوں نے
كَفَرُوْا	انکار کیا	كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ	وہ کیا کرتے تھے	كَفَرُوْا	انکار کیا
لَا تَسْمَعُوْا	مت سنو تم	ذٰلِكَ	یہ	رَبَّنَآ	اے ہمارے پروردگار
لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ	اس قرآن کو	جَزَاۗءُ	بدلہ ہے	اَرِنَا	دکھلائیں ہمیں
وَالْغَوْا فِيْهِ(۱)	اور بک بک کرو اس میں	اَعْدَاۗءِ اللّٰهِ	اللہ کے دشمنوں کا	الَّذَيْنِ(۴)	وہ دو جنھوں نے
لَعَلَّكُمْ	تاکہ تم	النَّارُ(۳)	دوزخ	اَضَلّٰنَا	گمراہ کیا ہم کو
تَغْلِبُوْنَ	غالب آجاؤ	لَهُمْ	ان کے لئے	مِنَ الْجِنِّ	جنات سے
فَلَنُذِيْقَنَّ	پس ضرور چکھائیں گے ہم	فِيْهَا	اس میں	وَالْاِنْسِ	اور انسانوں سے
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	ان کو جنھوں نے انکار کیا	دَارُ الْخُلْدِ	ہمیشہ کا گھر ہے	نَجْعَلْهُمَا	پس کریں ہم دونوں کو
عَذَابًا شَدِيْدًا	سخت عذاب	جَزَاۗءً	بدلہ	تَحْتَ اَقْدَامِنَا	ہمارے پیروں تلے
وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ	اور ضرور بدلہ دیں گے	بِمَا كَانُوْا	اس کا جو تھے وہ	لِيَكُوْنَا	تاکہ ہوں دونوں
	ہم ان کو	بِاٰيٰتِنَا	ہماری آیتوں کا	مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ	نچلوں میں سے

انسان متضاد صلاحیتوں کا جامع ہے

جاننا چاہئے کہ انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے متضاد صلاحیتوں کا سنگم بنایا ہے، اس میں خیر کی صلاحیت بھی رکھی ہے اور شر کی بھی: ﴿فَأَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوَاهَا﴾: پس نفس کو اس کی بدکرداری اور پرہیزگاری الہام کی، نیکی کی صلاحیت کا نام

(۱) اِلْغَوْا: امر، جمع مذکر حاضر، لَغَا (ن،س،ف) لَغْوًا: بک بک کرنا، بیکار بات کرنا (۲) أَسْوَأَ: اسم تفضیل، مابعد کی طرف مضاف ہے (۳) النار: جزاء سے بدل یا عطف بیان ہے (۴) الذَین: الذِی کا تثنیہ ہے۔

ملکیت اور برائی کی صلاحیت کا نام بہیمیت ہے، پھر نیکی کی صلاحیت کو مہمیز کرنے لئے ملائکہ (زمینی فرشتے) پیدا کئے ہیں، اور بدی کی صلاحیت کو ابھارنے کے لئے شیاطین (سرکش جنات) چھوڑے ہیں، دونوں اپنا اپنا کام کرتے ہیں۔ اور انسان اپنی خداداد صلاحیت سے کسی ایک کی طرف مائل ہوتا ہے، اور اچھائی یا برائی کرتا ہے اور جزاؤ سزا کا مستحق ہوتا ہے، یہ فرشتے اور شیاطین ہر وقت انسان کے ساتھ لگے رہتے ہیں، اور قرین کہلاتے ہیں، ابھی ایک آیت پہلے قرناء (ہر وقت ساتھ لگے رہنے والے شیاطین) کا ذکر آیا ہے، اور سورۃ قٓ میں دونوں قرینوں کا ذکر ہے۔ آیت ۲۴ میں فرشتہ کا اور آیت ۲۸ میں شیطان کا۔

شیاطین کفار سے کیا کیا حرکتیں کراتے ہیں

ہمزاد (روائتی شیاطین) کفار کے لئے گمراہی کی باتیں مزین کرتے ہیں، نہ کرنے کے کام ان کو سُجھاتے ہیں، اور وہ اسلام کے خلاف عجیب عجیب حرکتیں کرتے ہیں، اس کی ایک مثال یہ ہے: لوگ قرآن سے متأثر ہوتے تھے، جو سنتا تھا فریفتہ ہو جاتا تھا، اس سے روکنے کی تدبیر کفار نے یہ نکالی کہ جب قرآن پڑھا جائے تو غُل مچادیا جائے، نہ خود سنا جائے نہ دوسروں کو سننے دیا جائے، اس طرح قرآن کی بات دب کر رہ جائے گی، ارشاد فرماتے ہیں: —— اور منکرین نے کہا: اس قرآن کو مت سنو، اور اس میں غل مچادیا کرو، تاکہ تم غالب رہو —— مگران کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوا، قرآن کی صداقت سب تدبیروں کے باوجود غالب ہو کر رہی اور اس کی آواز دلوں کی گہرائی تک پہنچ گئی۔

مخالفینِ اسلام کی سزا: —— پس ہم ضرور چکھائیں گے انکار کرنے والوں کو سخت عذاب، اور ضرور بدلہ دیں گے ہم ان کو اُن برے کاموں کا جو وہ کیا کرتے تھے، یہ دوزخ اللہ کے دشمنوں کا بدلہ ہے، ان کو اس میں ہمیشہ رہنا ہے، اِس بات کا بدلہ کہ وہ ہماری باتوں کا انکار کیا کرتے تھے —— یعنی دنیا میں عذاب ضروری نہیں، مگر آخرت میں سزا مل کر رہے گی۔

آج جن سے دوستی کل ان سے دشمنی! —— اور منکرین نے کہا: اے ہمارے پروردگار! ہمیں وہ دونوں: شیطان اور انسان دکھلائیے جنھوں نے ہمیں گمراہ کیا، ہم ان کو اپنے پیروں تلے رونڈ ڈالیں، تاکہ وہ خوب ذلیل ہوں! —— یعنی آدمیوں اور جنّوں میں سے جن شیطانوں نے ہم کو بہکا بہکا کر اس آفت میں پھنسایا ہے، ذرا ان کو ہمارے سامنے کر دیجئے کہ ان کو ہم اپنے پاؤں تلے رونڈ ڈالیں، تاکہ وہ خوب ذلیل وخوار ہوں، اور ہمارا کلیجہ ٹھنڈا ہو!

> شیطان کے معنی ہیں: سرکش، نافرمان، اور شیطان جس طرح جنات میں ہوتے ہیں انسانوں میں بھی ہوتے ہیں [الانعام ۱۱۲]

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ﴿٣٠﴾ نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۖ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ ﴿٣١﴾ نُزُلًا مِّنْ غَفُورٍ رَّحِيمٍ ﴿٣٢﴾

ع ۱۸

اِنَّ الَّذِیْنَ	بے شک جنھوں نے	وَلَا تَحْزَنُوْا	اور نہ غم کرو	وَلَكُمْ فِیْهَا	اور تمہارے لئے اس میں ہے
قَالُوْا	کہا	وَاَبْشِرُوْا(۱)	اور خوش خبری سنو	مَا تَشْتَهِیْٓ	جو چاہیں گے
رَبُّنَا اللّٰهُ	ہمارا رب اللہ ہے	بِالْجَنَّةِ	جنت کی	اَنْفُسُكُمْ	تمہارے جی
ثُمَّ اسْتَقَامُوْا	پھر سیدھے رہے وہ	الَّتِیْ	جس کا	وَلَكُمْ فِیْهَا	اور تمہارے لئے اس میں ہے
تَتَنَزَّلُ	اترتے ہیں	كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ	وعدہ کئے جاتے تھے تم	مَا تَدَّعُوْنَ(۲)	جو آرزو کرو گے تم
عَلَیْهِمُ	ان پر	نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُكُمْ	ہم تمہارے دوست ہیں	نُزُلًا(۳)	مہمانی کے طور پر
الْمَلٰٓئِكَةُ	فرشتے	فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا	دنیوی زندگی میں	مِّنْ غَفُوْرٍ	بخشنے والے کی طرف سے
اَلَّا تَخَافُوْا	کہ نہ ڈرو تم	وَفِی الْاٰخِرَةِ	اور آخرت میں	رَّحِیْمٍ	بڑے مہربان

روحیں وصول کرنے کے لئے عالم بالا سے فرشتے آتے ہیں، اور مستقیم مسلمانوں کو خوش خبری سناتے ہیں

ملائکہ انسان کی مصلحت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں: —— قُرناء (شیاطین) کے تذکرہ کے بعد اب ملائکہ کا تذکرہ کرتے ہیں، ملائکہ نورانی مخلوق ہیں، اللہ کی حمد وتسبیح میں لگے رہتے ہیں، ان کی دو قسمیں ہیں: ملأ اعلی اور ملأ سافل یعنی عالم بالا کے فرشتے اور عالم زیریں کے فرشتے، اور دونوں قسموں کے ساتھ انسان کی مصلحت وابستہ ہے۔

ملأ اعلی: —— مؤمنین کے لئے استغفار کرتے ہیں، حضرت میکائیل بارش کا نظام سنبھالے ہوئے ہیں، اور بارش کا انسان کی مصلحت سے قریبی تعلق ہے، پہاڑوں پر بھی فرشتے مقرر ہیں، حدیث میں ملک الجبال کا ذکر آیا ہے، انسان کی حفاظت بھی فرشتے کرتے ہیں، جن کی ڈیوٹیاں بدلتی رہتی ہیں، جبرئیل علیہ السلام وحی لاتے تھے، اور حیوانات کی روحیں وصول کرنے کے لئے بھی فرشتے اترتے ہیں۔

---

(۱) أَبْشَر الرجلُ بکذا: خوش ہونا، خوشی منانا (۲) اِدَّعَاء: مانگنا، چاہنا، آرزو کرنا (۳) نُزُلاً: جُعِلَتْ: فعل مجہول مضارع مقدر کا مفعول ثانی ہے۔

ملأ سافل: ـــــ زمینی فرشتے بھی اللہ کی حمد وتسبیح میں لگے رہتے ہیں، اور ساتھ ہی انسانوں کی ملکیت کو مہمیز کرتے رہتے ہیں، مؤمنین کے دلوں میں اچھے خیالات پیدا کرتے ہیں، خاص طور پر رمضان میں جبکہ شیاطین (شر کی قوت) کو جکڑ دیا جاتا ہے تو خیر کی قوت (ملائکہ) کو پھیلا دیا جاتا ہے، اور آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنا بھی اسی سلسلہ کی کڑی تھی۔

خوش خبری: ـــــ نزع کے وقت جو فرشتے روح وصول کرنے کے لئے آتے ہیں وہ مستقیم مسلمانوں کو خوش خبری سناتے ہیں، اور مستقیم مسلمان وہ ہیں جو ایمان کا اقرار کرنے کے بعد اس پر مضبوط رہتے ہیں، اللہ کی ربوبیت اور الوہیت میں کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے، اور زبان سے جو انھوں نے کہا ہے کہ ہمارا ربّ اللہ ہے اس کے عملی تقاضوں پر جمے رہتے ہیں، اور اللہ نے جو شریعت نازل کی ہے اس کی پیروی کرتے ہیں، اگلی آیات میں ان کا تفصیل سے تذکرہ آرہا ہے، ایسے مستقیم الحال بندوں پر موت کے قریب فرشتے اترتے ہیں، یہ فرشتے روحیں وصول کرنے کے لئے آتے ہیں، وہ اس وقت تسکین وتسلی دیتے ہیں، اور جنت کی بشارت سناتے ہیں، اور یہ بھی کہتے ہیں کہ تمہارے لئے آگے کوئی ڈر اور خوف نہیں، گھبرانے کی قطعاً ضرورت نہیں، اور جو فانی دنیا ہاتھ سے نکلی جارہی ہے اس کا کچھ غم نہ کرو، تم اس سے بہتر دنیا میں جارہے ہو، جنت کے جو وعدے انبیاء کے ذریعہ کئے گئے ہیں ان کے پورا ہونے کا وقت آگیا ہے، اور ہم تمہارے دوست اور کارساز ہیں، آگے کے تمام مراحل تمہارے لئے ہم آسان کریں گے، نہ قبر کی زندگی میں تمہیں کوئی پریشانی ہوگی نہ میدانِ حشر میں اور نہ آخرت میں، اور جنت میں تمہارا جو جی چاہے گا ملے گا، اور جس چیز کا آرڈر دوگے فوراً حاضر کی جائے گی، اور یہ جنت بھیک کا لقمہ نہیں ہوگی، بلکہ اللہ غفور رحیم کی میزبانی ہوگی جو تمہیں شادکام کرے گی۔

آیاتِ پاک: ـــــ بے شک جن لوگوں نے کہا: ہمارا ربّ اللہ ہے! پھر وہ اس پر مستقیم رہے، ان پر فرشتے اترتے ہیں کہ نہ اندیشہ کرو، اور نہ رنج کرو، اور تم جنت کی خوش خبری سن لو، جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا ـــــ ہم تمہارے دوست ہیں دنیوی زندگی میں اور آخرت میں، اور تمہارے لئے جنت میں وہ چیز ہے جس کو تمہارا جی چاہے گا، اور تمہارے لئے جنت میں وہ چیز ہے جس کو تم مانگو گے، بطور مہمانی اللہ غفور رحیم کی طرف سے!

فائدہ: اگر تَتَنَزَّلُ سے اترنا مراد نہ لیا جائے، بلکہ پاس آنا مراد لیا جائے تو وقتِ نزع کی اور ملأ اعلی کی تخصیص نہیں رہے گی، سورۃ الحدید (آیت ۲۵) میں لوہا پیدا کرنے کے لئے أَنْزَلْنَا آیا ہے، اور سورۃ الشعراء (آیت ۲۲۲) میں شیاطین کے لئے تَنَزَّلُ آیا ہے، پس اب معنی ہونگے: ''متقین وابرار کو ملائکہ بہتری کی باتیں الہام کرتے ہیں، جو ان کے شرحِ صدر اور تسکین واطمینان کا موجب ہوجاتی ہیں'' اور لَكُمْ فِيهَا الآیۃ اللہ تعالیٰ کا کلام ہوگا، اب فی الحیاۃ الدنیا فٹ ہوجائے گا۔

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ۝ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۝ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

وَمَنْ (۱)	اور کون	وَلَا تَسْتَوِي	اور یکساں نہیں	وَمَا يُلَقّٰىهَآ (۷)	اور نہیں لیتا اس بات کو
اَحْسَنُ	زیادہ اچھا ہے	الْحَسَنَةُ	نیکی	اِلَّا الَّذِيْنَ	مگر جس نے
قَوْلًا (۲)	بات کے اعتبار سے	وَلَا السَّيِّئَةُ (۴)	اور برائی	صَبَرُوْا	برداشت کیا
مِّمَّنْ	اس شخص سے جس نے	اِدْفَعْ	ہٹا	وَمَا يُلَقّٰىهَآ	اور نہیں لیتا اس بات کو
دَعَآ	دعوت دی	بِالَّتِيْ (۵)	اس (طریقہ) سے جو	اِلَّا	مگر
اِلَى اللّٰهِ	اللہ کی طرف	هِيَ اَحْسَنُ	وہ بہتر ہے	ذُوْ حَظٍّ	قسمت والا
وَعَمِلَ	اور کیا اس نے	فَاِذَا الَّذِيْ (۶)	پس یکا یک جو	عَظِيْمٍ	بڑی
صَالِحًا	نیک کام	بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ	تیرے اور اس کے درمیان	وَاِمَّا	اور اگر
وَّقَالَ	اور کہا اس نے	عَدَاوَةٌ	دشمنی ہے	يَنْزَغَنَّكَ (۸)	کچوکہ لگے تجھے
اِنَّنِيْ (۳)	بے شک میں	كَاَنَّهٗ	گویا وہ	مِنَ الشَّيْطٰنِ	شیطان کی طرف سے
مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ	فرمان برداروں میں	وَلِيٌّ	دوست ہے	نَزْغٌ	کوئی کچوکہ
	سے ہوں	حَمِيْمٌ	گرم (گہرا)	فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ	تو پناہ مانگ لے اللہ کی

(۱) استفہام انکاری ہے أی لا أحدَ أحسنُ قولاً منه اور مستفہم (اسم مفعول) پوری آیت ہے (۲) قولاً: تمیز ہے (۳) إنني: إنَّ: حرف مشبہ بالفعل، نون وقایہ، ی: ضمیر واحد متکلم (۴) لا: زائدہ تاکید کے لئے ہے، جیسے: ولا الظل ولا الحرور (۵) التی: الخصلة محذوف کا صلہ ہے، ھی ضمیر اسی کی طرف راجع ہے (۶) إذا: مفاجاتیہ ہے (۷) لَقَّاہ الشيءَ: کوئی چیز ڈالنا تاکہ دوسرا لے لے، کیچ کرانا، یُلَقّٰی: مضارع مجہول، واحد مذکر غائب، مصدر تَلْقِیَة (تفعیل) (۸) إمَّا: إنْ شرطیہ کا ما زائدہ میں ادغام کیا ہے، ینزغن: مضارع با نون تاکید، نَزَغَ فلاناً: کسی کے انگلی چبھونا، کچوکا لگانا، نیزہ کا چرکا لگانا، مجازی معنی: وسوسہ ڈالنا۔

اِنَّهٗ هُوَ	بے شک وہی	السَّمِيْعُ	خوب سننے والا	الْعَلِيْمُ	سب کچھ جاننے والا ہے

استقامت یہ ہے کہ مکمل دین پر عمل کے ساتھ دین کی دعوت بھی دے

ابھی فرمایا ہے کہ جولوگ ایمان لے آئیں، پھر مستقیم (مضبوط) ہو جائیں تو ان پر بوقت نزع فرشتے اترتے ہیں، جو تسلی دیتے ہیں اور خوش خبری سناتے ہیں، اب اِن آیات میں دین پر استقامت کا بیان ہے، ایمان میں مضبوط وہ شخص ہے جو مکمل دین پر عمل کرتا ہے، اور ساتھ ہی اللہ کے دین کی دعوت بھی دیتا ہے، دعوت دینے میں خود داعی کا بھی فائدہ ہے، جو باتیں وہ بار بار لوگوں سے کہے گا ان پر خود بھی عمل کرے گا، بہ تکرار کوئی بات کہنے کا دل پر اثر پڑتا ہے، تجربہ کر کے دیکھ لیں،

ارشاد فرماتے ہیں: —— اور اس شخص سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے جو اللہ کے دین کی طرف دعوت دیتا ہے، اور خود بھی نیک کام کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ میں فرمان برداروں میں سے ہوں؟ —— جواب: اس سے بہتر کسی کی بات نہیں ہوسکتی! —— یہی استقامت ہے، ایمان پر مضبوطی سے جمنا یہی ہے۔

یہ آیت اہم ہے، اس کو ذرا تفصیل سے سمجھنا چاہئے:

۱- دعوت کو مقدم کیا: —— اس سے اس کی اہمیت واضح ہوتی ہے، اور دین کی طرف دعوت کی دو صورتیں ہیں:

اول: غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دینا۔ دوم: دین سے بے گانہ مسلمانوں کو اعمالِ اسلام کی دعوت دینا: دونوں ہی دعوتیں ضروری ہیں، اور آیت میں دونوں مراد ہیں، آیت عام ہے، جیسے لفظ جہاد عام ہے، دین کی کوئی بھی تن توڑ محنت جہاد اور مجاہدہ ہے، لیکن جب اس کے بعد لفظ سبیل آئے تو جہاد خاص ہو جاتا ہے، جَاهَدَ فی سبیل اللہ میں جہاد کے اصطلاحی معنی مراد ہیں، یعنی اعدائے اسلام سے لوہا لینا، اب جہاد عام نہیں رہتا، اسی طرح لفظ دعوت کے بعد لفظ سبیل آئے تو دعوت کی پہلی قسم مراد ہوتی ہے، جیسے: ﴿اُدْعُ إِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ﴾: آپ اپنے پروردگار کے راستہ کی طرف بلائیں [النحل ۱۲۵] اور زیر تفسیر آیت میں لفظ سبیل نہیں، اس لئے آیت دعوت کی دونوں قسموں کو شامل ہے۔

۲- وَعَمِلَ صالحاً کو مفسر ابو حیان رحمہ اللہ نے جملہ حالیہ قرار دیا ہے (جمل) لیکن اگر واو کو مطلق جمع کے لئے لیا جائے تو بھی مطلب یہی ہوگا کہ دعوت کے ساتھ داعی کا دین پر عمل ضروری ہے، اگر داعی کا دین پر عمل نہیں تو اس کی دعوت بے اثر ہوگی، بات میں وزن اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب کردار اور گفتار ہم آہنگ ہوں، حضرت شعیب علیہ السلام نے قوم سے کہا تھا: ﴿وَمَا أُرِيْدُ أَنْ أُخَالِفَكُمْ إِلٰى مَا أَنْهَاكُمْ عَنْهُ﴾: اور میں یہ نہیں چاہتا کہ تمہارے پیچھے خود اُن کاموں کی طرف جاؤں جن سے تم کو روکتا ہوں، یعنی جو کچھ میں تم سے کہتا ہوں اس پر خود بھی عمل پیرا ہوں۔ غرض: داعی، واعظ اور مبلغ کے عمل کا اس کے وعظ و نصیحت میں بڑا دخل ہوتا ہے، جس چیز پر داعی خود عامل نہ ہو اس کی بات

کا دوسروں پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔

۳-عَمِلَ صَالِحًا: قضیہ مہملہ ہے، اس میں موجبہ کلیہ کا سور نہیں، یعنی ہر ہر حکم پر عمل کرنا: اس کے مفہوم میں شامل نہیں، پس بعض احکام پر عمل کرنے کی صورت میں بھی یہ بات صادق آتی ہے کہ اس نے نیک کام کیا، اس لئے آگے بڑھایا: ﴿وَقَالَ: إِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾: اور اس نے کہا: میں فرمان برداروں میں سے ہوں۔ اسلام کے معنی ہیں: سر افگندن بجُوے[1] کے نیچے سر ڈال دینا، یعنی مکمل دین پر عمل کرنا۔ پس داعی کے لئے ضروری ہے کہ وہ مکمل دین پر عمل کا پختہ ارادہ رکھتا ہو، نماز روزہ کی حد تک دین دار ہونا کافی نہیں، خاص طور پر اخلاق، معاشرت اور معاملات میں احکام کی پابندی داعی کرے گا تبھی اس کی بات سنی جائے گی۔

دعوت کا ایک اصول: پتھر کے جواب میں پھول برسانا

دعوت کے کام میں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مدعوّ بدتمیزی پر اتر آتا ہے، کوئی سخت بات کہہ دیتا ہے یا برا برتاؤ کرتا ہے: ایسی صورت میں داعی کو صبر و تحمل سے کام لینا چاہئے، اچھے اخلاق کا مظاہرہ کرنا چاہئے، پتھر کے جواب میں پھول برسانے چاہئیں، دشمن رام ہو جائے گا، اس سلسلہ میں پہلے ایک قاعدہ سن لیں —— اور نیک خصلت اور بد خصلت یکساں نہیں —— الحسنۃ اور السیئۃ: موصوف الخَصْلۃ کے قائم مقام ہیں یعنی حسن سلوک اور بدسلوکی کے ثمرات (نتائج) مختلف ہوتے ہیں، مدعو اگر بدسلوکی کرے تو جواب میں حسن سلوک کرنا چاہئے، ارشاد فرماتے ہیں: —— آپ برے برتاؤ کو اچھے برتاؤ سے ہٹائیں —— یعنی جواب ترکی بہ ترکی نہ دیں، غصے کے جواب میں بردباری، گالی کے جواب میں شائستگی، اور سختی کے جواب میں نرمی اختیار کریں، اس طرز عمل کا نتیجہ یہ ہوگا کہ سخت سے سخت دشمن بھی ڈھیلا پڑ جائے گا، اور گو دل سے دوست نہ بنے مگر بظاہر گرم جوش دوست کی طرح برتاؤ کرے گا، ارشاد فرماتے ہیں: —— پس یکایک وہ شخص کہ تیرے اور اس کے درمیان دشمنی ہے: گویا وہ جگری دوست ہے —— گویا کی لاگ رکھ کر کیل ٹھوکی ہے[2] یعنی دل چاہے صاف نہ ہو، مگر ظاہری برتاؤ بدل جائے گا —— مگر یہ بات یعنی پتھر کے جواب میں پھول برسانا آسان کام نہیں، فرماتے ہیں: —— اور یہ بات اسی کو نصیب ہوتی ہے جو برداشت کرتا ہے —— جو شخص بے برداشت ہو جاتا ہے، آپے سے باہر ہو جاتا ہے: اس کے بس کی یہ بات نہیں، پس داعی کو برداشت کا مادّہ پیدا کرنا چاہئے —— اور یہ بات بڑے نصیبہ ور ہی کو حاصل

(۱) جُوا: وہ لکڑی جو ہل یا گاڑی کھینچنے والے بیلوں کے کندھے پر رکھی جاتی ہے۔ استعارۃً ذمہ داری ۱۲

(۲) لاگ: سہارا: جب بڑھئی کواڑ وغیرہ ہلنے والی لکڑی میں کیل ٹھوکتا ہے تو دوسرا شخص لکڑی کے پیچھے بسولہ وغیرہ لوہا رکھ کر دباتا ہے، تاکہ لکڑی ہلے نہیں، پھر بڑھئی کیل ٹھوکتا ہے: اس کو لاگ رکھ کر بات کہنا کہتے ہیں ۱۲

ہوتی ہے ـــــ یعنی جس داعی کو یہ بات حاصل ہوجائے وہ بڑا خوش قسمت ہے، اس کی دعوت کا فیض عام وتام ہوگا۔

کبھی داعی کو شیطان اوچھا کردیتا ہے: ـــــ داعی بھی ایک انسان ہے، مدعو کی بدتمیزی سے کبھی اس کو طیش آجاتا ہے، یہ شیطان کچوکے لگاتا ہے، اگر ایسی صورت پیش آئے تو فوراً کہے: أعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، ان شاء اللہ شیطان کا وسوسہ دور ہوجائے گا، ارشاد فرماتے ہیں: ـــــ اور اگر تجھے شیطان کی طرف سے کوئی ـــ چھوٹا بڑا ـــ کچوکہ لگے تو اللہ کی پناہ مانگ لے، بے شک وہ خوب سننے والے سب کچھ جاننے والے ہیں ـــــ اور یہ ہر غصہ کا علاج ہے، جب بھی غصہ چڑھے: أعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کہہ لے، ان شاء اللہ غصہ کافور ہوجائے گا۔ حدیث شریف میں ایک واقعہ آیا ہے، ایک شخص کسی پر غضبناک ہورہا تھا، چہرہ سرخ ہوگیا تھا، اور گردن کی رگیں پھول گئی تھیں، نبی ﷺ نے حاضرین سے فرمایا: ''میں ایک کلمہ جانتا ہوں، اگر یہ شخص اس کو کہہ لے تو اس کا غصہ ہلکا پڑجائے گا، کہے: أعوذ باللہ من الشیطان الرجیم: ''میں اللہ کی پناہ (حفاظت) چاہتا ہوں مردود شیطان سے! کسی نے جاکر اس شخص سے اپنی طرف سے کہا کہ أعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کہہ لے، تیرا غصہ اتر جائے گا، وہ شخص غصہ میں پاگل ہورہا تھا، اس نے کہا: کیا میں پاگل ہوگیا ہوں!

> جب دو شخص لڑتے ہیں تو عرب کہتے ہیں: صَلِّ علی محمد: درود پڑھو، دونوں درود پڑھنے لگتے ہیں تو لڑائی کی آگ بجھ جاتی ہے

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۭ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝۳۷ فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْـَٔمُوْنَ ۝۳۸ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاۗءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ۭ اِنَّ الَّذِيْٓ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۭ اِنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۳۹

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ (۱)	اور اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں	الَّيْلُ وَالنَّهَارُ	شب وروز	وَالْقَمَرُ	اور چاند
		وَالشَّمْسُ	اور سورج	لَا تَسْجُدُوْا	مت سجدہ کرو

(۱) ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ہیں، اور من آیاتہ: خبر مقدم ہے۔

لِلشَّمْسِ	سورج کو	عِنْدَ رَبِّكَ	تیرے رب کے پاس ہیں	فَاِذَآ اَنْزَلْنَا	پس جب اتارتے ہیں ہم
وَلَا لِلْقَمَرِ	اور نہ چاند کو	يُسَبِّحُوْنَ	پاکی بیان کرتے ہیں	عَلَيْهَا	اس پر
وَاسْجُدُوْا	اور سجدہ کرو	لَهٗ	اس کی	الْمَآءَ	پانی
لِلّٰهِ	اللہ کو	بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ	شب وروز	اهْتَزَّتْ (۳)	(تو) لہلہانے لگتی ہے
الَّذِيْ	جس نے	وَهُمْ	اور وہ	وَرَبَتْ (۴)	اور پھولتی ہے
خَلَقَهُنَّ	ان کو پیدا کیا	لَا يَسْـَٔمُوْنَ (۱)	نہیں تھکتے ہیں	اِنَّ الَّذِيْٓ	بے شک جس نے
اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم	وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ	اور اس کی نشانیوں میں	اَحْيَاهَا	اس کو زندہ کیا
اِيَّاهُ	اسی کی		سے ہے	لَمُحْيِ (۵)	یقیناً زندہ کرنے والا ہے
تَعْبُدُوْنَ	عبادت کرتے	اَنَّكَ تَرَى	کہ آپ دیکھتے ہیں	الْمَوْتٰى	مردوں کو
فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا	پس اگر گھمنڈ کریں وہ	الْاَرْضَ	زمین کو	اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ	بے شک وہ ہر چیز پر
فَالَّذِيْنَ	پس جو بندے	خَاشِعَةً (۲)	دبی پڑی (ویران)	قَدِيْرٌ	پوری قدرت رکھنے والا ہے

اسلام کے بنیادی عقائد کا بیان

اب اسلام کے بنیادی عقائد کا تذکرہ شروع کرتے ہیں، آخر سورت تک یہی سلسلہ چلے گا۔ اور اسلام کے بنیادی عقائد ہیں: توحید، رسالت (مع دلیلِ رسالت: قرآنِ کریم) اور آخرت (معاد) اللہ کی طرف دعوت دینے والوں کو ان مضامین کی ضرورت پڑتی ہے، اور یہ سورت مکی ہے، اور مکی دور میں یہی عقائد سمجھائے جاتے تھے۔

آفتاب و ماہتاب کو مت پوجو، یہ تو اللہ کی نشانیاں ہیں، ان کے ساتھ شب وروز کا نظام وابستہ ہے

مشرکین آفتاب و ماہتاب کو بھی پوجتے ہیں، وہ ہر مفید و مضر کے گرویدہ ہوتے ہیں، سورج کی تابانی اور چاند کی ضیاپاشی ان کے لئے فتنہ بنی ہوئی ہے، ان سے کہا جارہا ہے کہ آفتاب و ماہتاب کو مت پوجو، ان کی نفع رسانی ذاتی نہیں، اللہ نے ان کو روشنی عطا کی ہے، پس ان کے خالق و مالک کی عبادت کرو —— آفتاب و ماہتاب کے ساتھ شب وروز کا نظام وابستہ ہے، سورج دیا (چراغ) ہے اور چاند دیا بتّی، سورج نکلتا ہے تو زمین روشن ہوجاتی ہے اور دن شروع ہوجاتا ہے، لوگ کام

(۱) سَئِم (س) سَآمة: اکتانا، کبیدہ خاطر ہونا (۲) خاشعة: ذلیل، بے قدر، دبی ہوئی (۳) اهتزاز: شادابی اور تروتازگی سے گھاس وغیرہ کا ہلنا، حرکت کرنا، لہلہانا (۴) رَبَا (ن) رَبْوا: پھولنا، بڑھنا، بلند ہونا (۵) محی کی اصل مُحْيِیٌ: اسم فاعل از أحیاء: ایک ی حذف کی ہے۔

کاج میں لگ جاتے ہیں، پھر جب آرام کے لئے رات لائی جاتی ہے تو سورج چھپ جاتا ہے، اور چاند اس سے روشنی حاصل کر کے چاندنی بکھیرتا ہے تا کہ لوگ رات کی گھٹاٹوپ تاریکی سے متوحش نہ ہوں، جیسے لوگ کمرے میں رات میں زیرولائٹ جلاتے ہیں تا کہ تاریکی سے وحشت نہ ہو، باہر کھلی جگہ میں اس کی ضرورت نہیں ہوتی، چاند کی روشنی کافی ہوجاتی ہے، بلکہ لوگ چاندنی میں چلتے پھرتے بھی ہیں۔

آیتِ پاک: —— اور اللہ کی نشانیوں میں سے رات اور دن اور سورج اور چاند ہیں، تم لوگ سورج کو سجدہ مت کرو، اور نہ چاند کو، اور اس اللہ کے لئے سجدہ کرو جس نے ان کو بنایا ہے، اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو —— سورج اور چاند وغیرہ کو پوجنے والے بھی زبان سے یہی کہتے ہیں کہ ہماری غرض ان چیزوں کی پرستش سے اللہ کی پرستش ہے، مگر اللہ نے بتلادیا کہ یہ چیزیں پرستش کے لائق نہیں، عبادت کا مستحق صرف ایک خدا ہے، کسی غیر اللہ کی عبادت کرنا خدائے واحد سے بغاوت کے مُرادف ہے (فوائد)

اور مشرکین اللہ کی عبادت نہیں کریں گے تو اللہ کا کیا نقصان ہے، اس کی بندگی کے لئے کرّوبی (مقرب فرشتے) بہت ہیں، وہ شب وروز تسبیح وتقدیس میں لگے ہوئے ہیں، نہ تھکتے ہیں نہ اکتاتے ہیں، تم اس کی عبادت سے منہ موڑ کر اپنا ہی نقصان کروگے۔ ارشاد فرماتے ہیں: —— پس اگر وہ لوگ گھمنڈ کریں تو جو فرشتے آپ کے رب کے پاس ہیں وہ شب وروز اس کی پاکی بیان کرتے ہیں، اور وہ اکتاتے نہیں!

جو مردہ زمین کو زندہ کرتا ہے وہی مردہ انسانوں کو بھی زندہ کرے گا

زمین اجڑ جاتی ہے، ہر طرف خاک اڑتی ہے، اور وہ بے قدر و قیمت ہوجاتی ہے کہ اچانک رحمت کی بارش برستی ہے، اس وقت زمین کی تازگی اور رونق قابل دید ہوجاتی ہے۔ یہ انقلاب کون رونما کرتا ہے؟ قادر مطلق کا یہ کارنامہ ہے۔ وہی قادر مطلق جو مردہ زمین کو زندہ کرتا ہے وقت آنے پر مردہ انسانوں کے بدنوں میں بھی دوبارہ جان ڈالے گا، مردہ زمین کی حیاتِ نو سے مردہ انسانوں کی حیاتِ نو کو سمجھا جاسکتا ہے، ارشاد فرماتے ہیں: —— اور اس کی نشانیوں میں سے یہ بات ہے کہ آپ زمین کو اجڑی ہوئی دیکھتے ہیں، پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ لہلہانے لگتی ہے اور ابھرتی ہے —— یعنی پھولتی ہے اور اس میں سے گھاس پودے نکلتے ہیں —— بے شک جس نے اس کو زندہ کیا وہ ضرور مردوں کو زندہ کرنے والا ہے، بے شک وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے!

إِنَّ الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِيٓ اٰيٰتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ؕ اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِى النَّارِ خَيْرٌ

اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْٓ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۴۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَاۗءَهُمْ ۚ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ﴿۴۱﴾ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۭ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ﴿۴۲﴾ مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۴۳﴾ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ۭ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ ۭ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَاۗءٌ ۭ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۴۴﴾ ع وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۴۵﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَاۗءَ فَعَلَيْهَا ۭ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۴۶﴾

اِنَّ الَّذِيْنَ	بے شک جولوگ	يَّاْتِيْٓ	آئے گا	كَفَرُوْا	انکار کیا
يُلْحِدُوْنَ (۱)	کج روی اختیار کرتے ہیں	اٰمِنًا	بہ اطمینان	بِالذِّكْرِ	نصیحت (قرآن) کا
فِيْٓ اٰيٰتِنَا	ہماری آیتوں میں	يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ	قیامت کے دن	لَمَّا جَاۗءَهُمْ	جب پہنچی وہ ان کو
لَا يَخْفَوْنَ	نہیں مخفی ہیں وہ	اِعْمَلُوْا	کرو	وَاِنَّهٗ	اور بے شک وہ (ذکر)
عَلَيْنَا	ہم پر	مَا شِئْتُمْ	جو چاہو	لَكِتٰبٌ	البتہ کتاب ہے
اَفَمَنْ	کیا پس جو	اِنَّهٗ	بے شک اللہ	عَزِيْزٌ	مکرم
يُلْقٰى	ڈالا جائے گا	بِمَا	ان کاموں سے جو	لَّا يَاْتِيْهِ	نہیں آتا اس کے پاس
فِي النَّارِ	دوزخ میں	تَعْمَلُوْنَ	تم کرتے ہو	الْبَاطِلُ (۲)	باطل
خَيْرٌ	بہتر ہے	بَصِيْرٌ	باخبر ہیں	مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ	اس کے سامنے سے
اَمْ مَّنْ	یا جو	اِنَّ الَّذِيْنَ	بے شک جنھوں نے	وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ	اور نہ اس کے پیچھے سے

(۱) یلحدون: از الحاد (افعال) ٹیڑھا چلنا، راہِ راست سے ہٹنا، حق سے منحرف ہو کر اس میں بے بنیاد باتیں داخل کرنا

(۲) باطل: حق کی ضد، ناحق، غیر ثابت۔

تَنۡزِيۡلٌ	بتدریج اتارنا ہے	ءَاَعۡجَمِيٌّ[1]	کیا غیر واضح غیر فصیح کلام	الۡكِتٰبَ	خاص کتاب (تورات)
مِّنۡ حَكِيۡمٍ	حکمت والے کی طرف سے	وَّعَرَبِيٌّ	اور عربی (امت اور رسول)	فَاخۡتُلِفَ	پس اختلاف کیا گیا
حَمِيۡدٍ	ستودہ صفات	قُلۡ هُوَ	کہو: وہ	فِيۡهِ	اس میں
مَا يُقَالُ	نہیں کہا جاتا	لِلَّذِيۡنَ	ان کیلئے جنھوں نے	وَلَوۡلَا كَلِمَةٌ	اور اگر نہ ہوتی ایک بات
لَكَ	آپ ؐ سے	اٰمَنُوۡا	مان لیا	سَبَقَتۡ	(جو) پہلے نکل چکی ہے
اِلَّا مَا	مگر جو	هُدًى	راہ نمائی	مِنۡ رَّبِّكَ	تیرے رب کی طرف سے
قَدۡ قِيۡلَ	بالتحقیق کہا گیا	وَّشِفَآءٌ	اور شفا (دواء دارو) ہے	لَقُضِيَ	(تو) ضرور فیصلہ کیا جاتا
لِلرُّسُلِ	رسولوں سے	وَالَّذِيۡنَ	اور جو لوگ	بَيۡنَهُمۡ	ان کے درمیان
مِنۡ قَبۡلِكَ	آپ ؐ سے پہلے	لَا يُؤۡمِنُوۡنَ	نہیں مانتے	وَاِنَّهُمۡ	اور بے شک وہ
اِنَّ رَبَّكَ	بے شک آپ ؐ کا رب	فِيۡۤ اٰذَانِهِمۡ	ان کے کانوں میں	لَفِيۡ شَكٍّ	البتہ شک میں ہیں
لَذُوۡ مَغۡفِرَةٍ	بخشنے والا ہے	وَقۡرٌ	بوجھ ہے	مِّنۡهُ	قرآن کے بارے میں
وَّذُوۡ عِقَابٍ	اور عذاب دینے والا ہے	وَّهُوَ عَلَيۡهِمۡ	اور وہ ان پر	مُرِيۡبٍ[2]	بے چین کرنے والے
اَلِيۡمٍ	دردناک	عَمًى	بے بصری ہے	مَنۡ عَمِلَ	جس نے کیا
وَلَوۡ جَعَلۡنٰهُ	اور اگر بناتے ہم اس کو	اُولٰٓئِكَ	یہ لوگ	صَالِحًا	نیک کام
قُرۡاٰنًا	پڑھنے کی کتاب	يُنَادَوۡنَ	پکارے جاتے ہیں	فَلِنَفۡسِهٖ	تو وہ اسی کے لئے ہے
اَعۡجَمِيًّا[1]	غیر واضح غیر فصیح	مِنۡ مَّكَانٍۢ	جگہ سے	وَمَنۡ اَسَآءَ	اور جس نے برائی کی
لَّقَالُوۡا	(تو) ضرور کہتے وہ	بَعِيۡدٍ	دور	فَعَلَيۡهَا	تو وہ اسی پر ہے
لَوۡلَا	کیوں نہیں	وَلَقَدۡ	اور بخدا! واقعہ یہ ہے	وَمَا رَبُّكَ	اور نہیں ہے تیرا رب
فُصِّلَتۡ	واضح کی گئیں	اٰتَيۡنَا	دی ہم نے	بِظَلَّامٍ[3]	ذرا بھی ظلم کرنے والا
اٰيٰتُهٗ	اس کی آیتیں	مُوۡسَى	موسیٰ کو	لِّلۡعَبِيۡدِ	بندوں پر

(۱) أعجميّ: میں یاءِ نسبت کی ہے الأعْجَم: غیر واضح اور غیر فصیح زبان یا کتاب (القاموس الوحید)

(۲) إرابة سے اسم فاعل: شک میں مبتلا کرنا۔

(۳) ظلام: نفی میں مبالغہ ہے۔

دلیلِ رسالت (قرآنِ کریم) کا بیان

۱- قرآنِ کریم کے بارے میں غلط بیانی مت کرو، جہنم میں جھونکے جاؤ گے!

مشرکوں کے سردار عام لوگوں کو قرآن سننے سے روکنے کے لئے کبھی کہتے کہ وہ جادو ہے، اس کو مت سنو، ورنہ پاگل ہوجاؤ گے، کبھی کہتے کہ وہ کہانت ہے، شیاطین سے لی ہوئی باتیں ہیں، ان کو کیا سنتے ہو؟ اور کبھی کہتے کہ وہ خود ساختہ کلام ہے، اِدھر اُدھر کے قصے کہانیاں ہیں، اللہ کا نازل کیا ہوا نہیں ہے، ہم بھی ایسا کلام بنا سکتے ہیں: ﴿لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَا، إِنْ هٰذَا إِلَّا أَسَاطِيْرُ الْأَوَّلِيْنَ﴾: ہم چاہیں تو ہم بھی ایسا کلام بنا سکتے ہیں، یہ (قرآن) کچھ نہیں صرف اگلوں سے منقول مذہبی جھوٹی داستانیں ہیں، اس طرح وہ لوگ قرآن کے بارے میں غلط بیانی کرتے تھے، تاکہ لوگ قرآن نہ سنیں۔

جیسے بعض لوگ اگر ان کی مسجد میں کوئی صحیح عقیدہ نماز پڑھنے چلا جاتا ہے تو مسجد کو دھوتے ہیں، اور کتا چلا جاتا ہے تو نہیں دھوتے، درحقیقت وہ اپنے ریوڑ کو اہل حق سے دور رکھنا چاہتے ہیں، تاکہ ہدایت کی روشنی ان تک نہ پہنچے، اسی طرح مشرکوں کے سردار بھی عوام کو قرآن کی روشنی سے محروم رکھنے کے لئے غلط بیانی کرتے تھے، ان کو دھمکایا جارہا ہے —— جو لوگ ہماری آیتوں میں کج روی اختیار کرتے ہیں وہ بالیقین ہم سے مخفی نہیں —— ہم سب کو جان پہچان رہے ہیں، ان کی سزا یہ ہے: —— کیا پس جو شخص دوزخ میں ڈالا جائے گا وہ بہتر ہے یا وہ شخص جو قیامت کے دن بہ اطمینان آئے گا —— اسے ڈر نہیں ہوگا کہ اسے پکڑ کر جہنم میں جھونکا جائے گا —— اس میں قرآن کے بارے میں غلط بیانی کرنے والوں کے انجام کی طرف واضح اشارہ ہے —— آگے مزید دھمکی ہے: —— کرو تمہارا جو جی چاہے! بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو دیکھ رہے ہیں!

الحاد کی صورتیں

الحاد: کے معنی ہیں: کج روی، ٹیڑھا چلنا، اور حق سے پھر جانا، الحاد کو زندقہ بھی کہتے ہیں، پھر:

۱- الحاد فی الذات: تو ہوتا نہیں، ذاتِ باری کے تعلق سے یا تو اقرار ہوگا یا انکار۔ تمام لوگ (مسلمان، ہندو، یہودی، عیسائی وغیرہ) اللہ کا وجود تسلیم کرتے ہیں، صرف دہریے وجود باری کا انکار کرتے ہیں، ان کے نزدیک عالم کے پیچھے کوئی ذہن کار فرما نہیں، دنیا خود کار ہے، اور ارتقاء کے اصول پر مبنی ہے، یہی لوگ کہتے ہیں کہ انسان بندر سے ترقی کرکے بنا ہے، مگر وہ نہیں سوچتے کہ اب بندر ترقی کرکے انسان کیوں نہیں بنتے؟ ایک ہی مرتبہ بن کر کیوں رہ گئے؟

۲-الحاد فی الصفات: کی صورتیں یہ ہیں:

۱-اللہ کی ایسی صفات تجویز کرنا جو شانِ الوہیت کے مناسب نہیں، جیسے اللہ تعالیٰ کو مکان میں متمکن ماننا یا اللہ تعالیٰ کو بھی مخلوقات کی طرح عاجز ماننا، جس کو تعاون کی ضرورت پڑتی ہے۔

۲-اللہ کی صفات کی ایسی تاویل کرنا جو اللہ کے شایانِ شان نہ ہو، جیسے معتزلہ کا کہنا کہ اللہ کی صفات عینِ ذات ہیں یعنی ذاتِ باری سے زیادہ ان کا کوئی مفہوم نہیں، یہ تاویل نازیبا ہے، یہ کیا صفت کا ماننا ہوا!

۳-الحاد فی الآیات: یہ ہے: (۱) سیدھی بات میں شبہ پیدا کر کے ٹیڑھا کرنا (۲) آیت کو توڑ مروڑ کر غلط مطلب بیان کرنا (۳) بہانہ بنا کر آیات کا انکار کرنا (فوائد)

۴-الحاد فی الدین: ضروریاتِ دین کا انکار کرنا ہے یعنی دین کی جو باتیں معمولی لکھا پڑھا مسلمان بھی جانتا اور مانتا ہے ان کا کچھ دوسرا مطلب گڑھنا، جیسے قرآن، احادیثِ متواترہ اور اجماعِ امت سے ثابت ہے کہ ہر طرح کی نبوت خاتم النّبیین ﷺ پر پوری ہوگئی، آپؐ کے بعد کسی قسم کا کوئی نیا نبی نہیں آسکتا، اب یہ کہنا کہ تشریعی نبوت ختم ہوئی ہے ذیلی، ظلی اور بروزی نبوت باقی ہے، امتی کامل اتباع کر کے نبی بن سکتا ہے، یہ دین میں تحریف اور زندقہ ہے۔

''تاویل کرنے والے کو کافر نہیں کہنا چاہئے'': یہ قاعدہ ضروریاتِ دین کے علاوہ کے لئے ہے

علم الکلام میں اور فقہ میں جو ہے کہ متأوّل کو کافر نہیں کہنا چاہئے: یہ قاعدہ ضروریاتِ دین کے علاوہ کے لئے ہے، ورنہ تو مشرکین بھی مورتی پوجا کی تاویل کرتے ہیں، کہتے ہیں: ہم ان کو اس لئے پوجتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ سے قریب کریں گی، اور یہود و نصاریٰ کی تاویلیں تو مشہور ہیں، وہ تین خداؤں کو بھی تاویل کر کے ایک خدا بناتے ہیں، معلوم ہوا کہ مذکورہ قاعدہ عام نہیں، اس سلسلہ میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی قدس سرہٗ کی بات کانٹے کے تول پوری ہے، فرماتے ہیں:

''آیات میں تاویل باطل جس کو قرآن کی مذکورہ آیت میں الحاد فرمایا ہے: اس کی دو قسمیں ہیں: اول: وہ تاویل جو نصوص قطعیہ متواترہ یا اجماع قطعی کے خلاف ہو: وہ تو بلاشبہ کفر ہے۔ دوسری: یہ کہ وہ ایسی نصوص کے خلاف ہو جو اگر چہ ظنّی ہیں، مگر قریب بہ یقین ہیں، یا اجماع عرفی کے خلاف ہو: ایسی تاویل گمراہی اور فسق ہے، کفر نہیں ——— ان دو قسم کی تاویلوں کے علاوہ باقی تاویلات جو قرآن و حدیث کے الفاظ میں مختلف احتمالات ہونے کی بنا پر ہوں: وہ تاویل: عام فقہائے امت کا میدانِ اجتہاد ہے، جو بہ تصریح حدیث ہر حال میں باعثِ اجر و ثواب ہے''

(بحوالہ معارف القرآن شفیعی ۷: ۶۶۱)

قرآن کا انکار بلا وجہ ہے: قرآن میں تو تین خوبیاں ہیں

پہلی خوبی: —— وہ مکرّم اور پسندیدہ کتاب ہے، عَزَّ الشیئُ کے ایک معنی ہیں: محبوب وپسندیدہ ہونا، اور سورۃ الواقعہ میں ہے: ﴿اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ﴾: بے شک وہ ایک مکرم قرآن ہے۔ قرآنِ کریم کے تعلق سے آج کل یہ غلط فہمی عام ہے کہ مسلمانوں کی کتاب ہے، ہم بھی یہی سمجھتے ہیں اور دوسرے بھی، حالانکہ یہ خالق انسانیت کا پیام محبت ہے، اپنے بندوں کے نام، کاش یہ بات ہم بھی سمجھتے اور دوسرے بھی تو قرآن کا فائدہ عام وتام ہوتا۔

دوسری خوبی: قرآنِ کریم میں کوئی غیر واقعی بات نہیں، ہر بات سچی اور کھری ہے، اور اللہ کی کتاب میں کوئی غیر واقعی بات آئے تو کہاں سے آئے؟ نہ آگے سے آسکتی ہے نہ پیچھے سے، چاروں طرف حفاظتی پہرے لگے ہوئے ہیں۔

تیسری خوبی: وہ حکیم وحمید ہستی کی نازل کردہ کتاب ہے، پس اس میں حکمت ودانشمندی کی باتیں ہیں، اور اللہ ستودہ صفات کا تعارف ہے، جس کی معرفت انسان کے لئے ضروری ہے۔

آیتِ کریمہ: —— بے شک جن لوگوں نے قرآن کا انکار کیا جب وہ ان کو پہنچا —— یعنی انھوں نے خواہ مخواہ انکار کیا —— اور بے شک وہ (نصیحت نامہ) بڑی پیاری کتاب ہے، جس میں غیر واقعی بات نہ اس کے آگے کی طرف سے آسکتی ہے اور نہ اس کے پیچھے کی طرف سے، وہ حکمت والے ستودہ صفات کی طرف سے بتدریج اتاری ہوئی ہے!

قرآن کے تعلق سے نبی ﷺ پر پھبتی کسنا کوئی نئی بات نہیں

مشرکین قرآنِ کریم کے تعلق سے نبی ﷺ کو کبھی جادوگر کہتے ہیں، کبھی کاہن اور کبھی بناوٹ کرنے والا۔ یہ مضحکہ خیز باتیں کچھ نئی نہیں، ہمیشہ رسولوں کے ساتھ یہی معاملہ ہوتا رہا ہے، پس نبی ﷺ ان باتوں سے دل گیر نہ ہوں، اپنا کام جاری رکھیں، لوگوں کی خیر خواہی کرتے رہیں، اور جس طرح گذشتہ رسولوں نے ایذاء رسانیوں پر صبر کیا ہے آپ بھی صبر کریں —— نتیجہ یہ ہوگا کہ کچھ لوگ شرک سے توبہ کرکے راہِ راست پر آجائیں گے، وہ مغفرت کے حقدار ہونگے، اور جو ضد اور عناد پر قائم رہیں گے وہ دردناک عذاب سے دوچار ہونگے۔

آیتِ پاک: —— آپؐ سے وہی باتیں کہی جارہی ہیں جو پہلے رسولوں سے کہی جاچکی ہیں، بے شک آپ کا رب مغفرت والا اور دردناک سزا والا ہے۔

قرآنِ کریم کے تین اوصاف

۱- قرآنِ کریم واضح فصیح کلام ہے: —— اس لئے کہ وہ اللہ کا کلام ہے، اور اللہ کا کلام: اللہ کی صفت ہے، اور اللہ

کی صفات: صفاتِ کمالیہ ہیں، اس لئے اللہ کے کلام میں کسی طرح کی کوئی کمی نہیں ہوسکتی، وہ فصیح وبلیغ ہے اور مفصل واضح بھی، دیگر آسمانی کتابوں کی طرح نہیں، دوسری کتابیں اللہ کی کتابیں تھیں، وہ اللہ کا کلام نہیں تھیں، ان کا مضمون اللہ کی طرف سے آتا تھا، اور تعبیر فرشتہ کی یا رسول کی ہوتی تھی، جیسا کہ احادیثِ شریفہ کا حال ہے، اس لئے وہ کتابیں مُعْجِزْ (عاجز کرنے والی) نہیں تھیں، نہ وہ معجزہ تھیں، اور قرآنِ کریم خاتم النّبیین ﷺ کا زندۂ جاوید معجزہ ہے، اس لئے کہ وہ اللہ کا کلام ہے، جس میں نہ کوئی تبدیلی کرسکتا ہے، نہ اس کے مانند بنا سکتا ہے۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے دعوتِ حق پر مامور ہوتے ہیں، ان کو اثباتِ دعوی کے لئے اور امتوں کو قائل ومائل کرنے کے لئے بطور حجت معجزات عطا کئے جاتے ہیں، اور آسمانی کتابیں بھی، پس دعوت وحجت دوعلاحدہ چیزیں ہیں۔

پھر ہر پیغمبر کو اس کے زمانہ کے تقاضوں کے مطابق معجزات عطا کئے جاتے ہیں، موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادو کا زور تھا تو ان کو عصا اور ید بیضاء کے معجزات دیئے گئے، اور عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ طب وحکمت کا زمانہ تھا تو ان کو مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو چنگا کرنے کے معجزات دیئے گئے، اور ساتھ ہی اللہ کی کتابیں (تورات وانجیل) بھی دی گئیں، جو دعوت پر مشتمل تھیں، اور ہمارے نبی ﷺ عربوں میں مبعوث کئے گئے، اور عربوں میں فصاحت وبلاغت کا زور تھا، اس لئے آپ کو معجزہ کے طور پر قرآنِ کریم عطا ہوا، جس میں دعوت وحجت دونوں جمع ہیں، وہ معنی کے لحاظ سے دعوت ہے، اور بلاغت وفصاحت کے لحاظ سے حجت ہے یعنی اس کی حجیت اس کی ذات میں مضمر ہے، وہ اللہ کا کلام ہے، نہ اس کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے، نہ اس میں تبدیلی ممکن ہے، وہ نبی ﷺ کا زندۂ جاوید معجزہ ہے، اور وجوہِ اعجاز بے شمار ہیں جو بڑی کتابوں میں مذکور ہیں۔

۲-قرآنِ کریم جنت کا راستہ دکھاتا ہے: ـــــ وہ راہ نما (گائڈ بک) ہے، انسان کا وطن جنت ہے، دادا دادی کو زمین پر پیدا کرنے کے بعد جنت میں بسایا گیا تھا، وہاں سے عارضی طور پر زمین میں اتارا گیا۔ ان کو لوٹ کر جنت ہی میں جانا ہے، مگر دنیا بھول بھلیاں ہے، اور صرف ایک راستہ جنت تک جاتا ہے، باقی ہزاروں راستے جہنم کے کھڈ تک پہنچتے ہیں، اس لئے انسانوں کی راہ نمائی ضروری ہے تاکہ وہ منزلِ مقصود تک پہنچیں، راستہ بھٹک کر کہیں اور نہ پہنچ جائیں، چنانچہ ہر زمانہ میں کتابیں نازل فرمائیں، اب آخر زمانہ میں قرآنِ کریم راہ نما کتاب ہے جو زندۂ جاوید معجزہ ہے، جو اس کی پیروی کرے گا جنت میں پہنچے گا۔

۳-قرآنِ کریم روحانی اور جسمانی بیماریوں کی دواء ہے: ـــــ وہ نسخۂ شفاء ہے، اس میں روحانی بیماریوں کا بھی

علاج ہے اور جسمانی بیماریوں کا بھی —— روحانی بیماریوں میں سب سے بڑی بیماری کفر وشرک ہے، پھر اخلاق رذیلہ ہیں، سب کا علاج قرآن میں ہے، اور یہ بات واضح ہے —— اور جسمانی بیماریاں دو طرح کی ہیں:

(الف) جھاڑ کی بیماریاں، ان میں جھاڑ زیادہ کام کرتی ہے اور دواء کم، جیسے نظر لگ جائے تو جھاڑ فوری فائدہ کرتی ہے، اور قرآن سے جھاڑنے کے لئے اصول یہ ہے کہ جھاڑنے والے کا ذہن جس آیت کی طرف متوجہ ہو اس سے جھاڑ دے، البتہ بیماری اور آیت کے مضمون میں مناسبت ضروری ہے، اعمالِ قرآنی اسی اصول پر مرتب کی گئی ہے۔

(ب) جسمانی بیماریاں: جن میں دوائیں زیادہ کارگر ہیں اور جھاڑ بھی مفید ہے، ایسی بیماریوں کے لئے سورۂ فاتحہ اور معوذتین متعین ہیں، اور آیاتِ شفاء کا تو جواب نہیں، یہ چھ آیات ہیں، جن میں لفظ شفاء آیا ہے، یہ آیات بہشتی زیور وغیرہ کتابوں میں ہیں۔

ملحوظہ: قرآنِ کریم سے دوسرا اور تیسرا فائدہ اس وقت حاصل ہوگا جب قرآن کے کلام الٰہی ہونے پر ایمان ویقین ہو۔ عملیات میں بھی عامل کا یقین ضروری ہے، اور یقین کی قوت کے بقدر فائدہ ہوتا ہے، اور مریض کا یقین ضروری نہیں، اور یہ غلط مشہور ہے کہ بیمار کا یقین ہوگا تو جھاڑ تعویذ فائدہ کرے گا ورنہ نہیں (للذین آمنوا کی قید اسی لئے ہے)

آیتِ کریمہ: ﴿ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ﴾:

ترجمہ: اور اگر ہم اس (قرآن) کو غیر واضح غیر فصیح پڑھنے کی کتاب بناتے —— تو بنا سکتے تھے، جیسے گذشتہ آسمانی کتابوں کا حال تھا، مگر اس صورت میں اولین مخاطب اس میں فیہ (کیڑا) نکالتے[1] —— وہ ضرور کہتے: اس کی آیتیں واضح اور فصیح کیوں نہیں! کیا غیر واضح غیر فصیح کلام اور عربی —— رسول اور امت! —— یہ عجیب بات! معجزۃ تو مخاطبین کا لحاظ کر کے دیا جاتا ہے —— اس وجہ سے آخری پیغام بہ شکل کلام نازل کیا گیا، اور ایسی کتاب اتاری گئی جو نہایت واضح اور فصاحت وبلاغت کے اعلی معیار پر ہے —— آپ کہیں: قرآنِ کریم یقین کرنے والوں کے لئے راہ نما اور دواء ہے۔

فائدہ (۱): ﴿جَعَلْنٰهُ﴾ میں اشارہ ہے کہ سابقہ کتابیں مَجْعُوْل (مخلوق) تھیں، اور قرآن مخلوق نہیں، وہ کلام اللہ ہے، جو اللہ کی صفتِ غیر مخلوق ہے۔

فائدہ (۱): أعجمی میں ی نسبت کی ہے، اور أعجم کے تین معنی ہیں: (۱) غیر عربی (اگرچہ واضح کلام کرتا ہو) (۲) غیر واضح کلام کرنے والا (اگرچہ وہ عربی ہو) (۳) غیر واضح اور غیر فصیح زبان یا کتاب (یہاں یہ آخری معنی ہیں)

سوال: جب قرآنِ کریم ایسا اور ایسا ہے تو مکہ کے کفار اس کو کیوں نہیں مانتے؟ وہ اس پر ایمان کیوں نہیں لاتے؟

(۱) فیہ نکالنا: یعنی خواہ مخواہ کا اعتراض کھڑا کرنا۔

جواب: اس میں قرآن کا کچھ قصور نہیں، لوگوں میں کمی ہے: (۱) ان کے کانوں میں ڈاٹ لگی ہوئی ہے، وہ سننے کی زحمت ہی گوارا نہیں کرتے (۲) وہ بے بصر (اندھے) ہیں، قرآن پر ایمان لانے والوں کے بدلے ہوئے حالات کا مشاہدہ نہیں کرتے (۳) اور وہ دور سے پکارے جارہے ہیں، اور جس کو دور سے پکارا جاتا ہے وہ آواز تو سنتا ہے، مگر سمجھتا نہیں ـــــ ایسوں سے کیا امید کی جائے کہ وہ مان لیں گے!

باقی آیت: ﴿ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ﴾

ترجمہ: اور جو لوگ مانتے نہیں ان کے کانوں میں بوجھ ہے، اور وہ (قرآن) ان کے حق میں بے بصری ہے، یہ لوگ دور جگہ سے پکارے جارہے ہیں۔

قرآن کو نہ ماننے کی نظیر: ـــــ کفار مکہ قرآن کو نہیں مان رہے، یہ آج کوئی نئی بات نہیں، اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کو عظیم الشان کتاب تورات دی گئی تو اسے بھی کچھ لوگوں نے نہیں مانا، سورۃ الاعراف (آیت ۱۷۱) میں ہے کہ ان پر پہاڑ اٹھا کر منوایا گیا، پس آج یہ کیا نئی بات ہے!

آیتِ کریمہ: ﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۭ ﴾

ترجمہ: اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ ہم نے موسیٰ کو کتاب (تورات) دی، پس اس میں اختلاف کیا گیا ـــــ بعض نے نہیں مانا، انھوں نے موسیٰ علیہ السلام سے اختلاف کیا۔

سوال: پھر ایسے ناہنجاروں (بدکرداروں) کا علاج کیا ہے؟

جواب: ان کا علاج پانچویں دلیل یعنی کیل دار جوتا ہے[۱]، مگر ابھی اس کا وقت نہیں آیا، قیامت کے دن ان کی خبر لی جائے گی، اور یہ بات پروردگار کی طرف سے پہلے سے طے کر دی گئی ہے۔

سوال: فی الحال مکہ کے کفار کس پوزیشن میں ہیں؟ مؤمنین میں تو شامل نہیں، پس کیا وہ کٹر مخالفین کے پالے[۲] میں ہیں؟

جواب: نہیں، فی الحال وہ بے چین کرنے والے تردد کا شکار ہیں، چہ می کنم؟ میں مبتلا ہیں، کل کیا کرتے ہیں دیکھا جائے گا!

(۱) دلیلیں چار ہیں: قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس، اگر کوئی ان چاروں دلیلوں سے نہ مانے تو پانچویں دلیل ضرب یضرب ضربا فھو ضارب وھو مضروب ہے، جب سر پر جوتا بجے گا تو عقل ٹھکانے آجائے گی۔

(۲) پالا کے اصل معنی ہیں: خاک کا وہ تودہ جو کبڈی میں حد فاصل ہوتا ہے، پھر دونوں طرف کی فیلڈ کو بھی پالا کہتے ہیں ۱۲

باقی آیت: ﴿وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۚ وَإِنَّهُمْ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٍ﴾

ترجمہ: اور اگر ایک بات نہ ہوتی جو آپ کے رب کی طرف سے پہلے سے ٹھہر چکی ہے تو ان کے درمیان —— یعنی مؤمنین اور منکرین کے درمیان —— فیصلہ کر دیا جاتا —— مؤمنین سرخ رو ہوتے اور منکرین خائب وخاسر —— اور بے شک وہ قرآن کے بارے میں بے چین کرنے والے تردد میں ہیں۔

قرآن کو ماننے نہ ماننے کا نتیجہ قیامت میں ظاہر ہوگا: —— جو قرآن کو قبول کرے گا اور اس کے مطابق زندگی بنائے گا اس کا بھلا ہوگا، اور جو اس سے منہ موڑے گا اور بدعملی کی راہ اختیار کرے گا اس کا وبال اسی پر پڑے گا، اللہ کا کیا بگڑے گا؟ اور قیامت کے دن جو اس کو بدی کا بدلہ ملے گا وہ اللہ کا ظلم نہیں ہوگا، اس کے کئے کی سزا ہوگی، اللہ کی بارگاہ ظلم سے قطعاً بری ہے۔

آیتِ کریمہ: ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ، وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا، وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ﴾:

ترجمہ: جس نے نیک کام کیا اس کا نفع اسی کے لئے ہے، اور جس نے برا کام کیا: اس کا وبال اسی پر ہے، اور آپ کے پروردگار بندوں پر ظلم کرنے والے نہیں۔

إِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَمَا تَخْرُجُ مِن ثَمَرَاتٍ مِّنْ أَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنثَىٰ وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ ۚ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ أَيْنَ شُرَكَائِي قَالُوا آذَنَّاكَ مَا مِنَّا مِن شَهِيدٍ ﴿٤٧﴾ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَدْعُونَ مِن قَبْلُ ۖ وَظَنُّوا مَا لَهُم مِّن مَّحِيصٍ ﴿٤٨﴾ لَّا يَسْأَمُ الْإِنسَانُ مِن دُعَاءِ الْخَيْرِ وَإِن مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَئُوسٌ قَنُوطٌ ﴿٤٩﴾ وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِن بَعْدِ ضَرَّاءَ مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ هَٰذَا لِي وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً وَلَئِن رُّجِعْتُ إِلَىٰ رَبِّي إِنَّ لِي عِندَهُ لَلْحُسْنَىٰ ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِمَا عَمِلُوا وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ﴿٥٠﴾ وَإِذَا أَنْعَمْنَا عَلَى الْإِنسَانِ أَعْرَضَ وَنَأَىٰ بِجَانِبِهِ وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُو دُعَاءٍ عَرِيضٍ ﴿٥١﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِن كَانَ مِنْ عِندِ اللَّهِ ثُمَّ كَفَرْتُم بِهِ مَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ﴿٥٢﴾ سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ

اَنَّهُ الْحَقُّ ۭ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝۵۳ اَلَآ اِنَّهُمْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَاۗءِ رَبِّهِمْ ۭ اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ۝۵۴

اِلَيْهِ	اس کی طرف	وَضَلَّ عَنْهُمْ	اور بچل گئے ان سے	مِنْ بَعْدِ	بعد
يُرَدُّ	پھیرا جاتا ہے	مَّا كَانُوْا	جن کو تھے وہ	ضَرَّاۗءَ	تکلیف کے
عِلْمُ	علم	يَدْعُوْنَ	پکارا کرتے	مَسَّتْهُ	جس نے اس کو چھویا ہے
السَّاعَةِ	قیامت کا	مِنْ قَبْلُ	پہلے سے	لَيَقُوْلَنَّ	ضرور کہے گا وہ
وَمَا تَخْرُجُ	اور نہیں نکلتے	وَظَنُّوْا	اور گمان کیا انھوں نے	هٰذَا لِيْ	یہ میرے لئے ہے
مِنْ ثَمَرٰتٍ	پھلوں میں سے	مَا لَهُمْ	نہیں ان کے لئے	وَمَآ اَظُنُّ	اور نہیں خیال کرتا میں
مِّنْ اَكْمَامِهَا(۱)	ان کے غلافوں سے	مِّنْ مَّحِيْصٍ(۳)	کوئی جائے پناہ	السَّاعَةَ	قیامت کو
وَمَا تَحْمِلُ	اور نہیں اٹھاتی	لَا يَسْـَٔمُ	نہیں تھکتا	قَاۗىِٕمَةً	برپا ہونے والا
مِنْ اُنْثٰى	کوئی مادہ	الْاِنْسَانُ	انسان	وَّلَىِٕنْ	اور بخدا! اگر
وَلَا تَضَعُ	اور نہیں جنتی	مِنْ دُعَاۗءِ	دعا سے	رُّجِعْتُ	لوٹایا گیا میں
اِلَّا بِعِلْمِهٖ	مگر اس کے علم سے	الْخَيْرِ	خیر کی	اِلٰى رَبِّيْٓ	میرے رب کی طرف
وَيَوْمَ	اور جس دن	وَاِنْ مَّسَّهُ	اور اگر چھوئے اس کو	اِنَّ لِيْ	بے شک میرے لئے
يُنَادِيْهِمْ	پکارے گا وہ ان کو	الشَّرُّ	برائی	عِنْدَهٗ	اس کے پاس
اَيْنَ شُرَكَاۗءِيْ	کہاں ہیں میرے شرکاء؟	فَيَـُٔوْسٌ	تو آس توڑنے والا	لَلْحُسْنٰى	یقیناً خوبی ہے
قَالُوْٓا	جواب دیں گے وہ	قَنُوْطٌ	مایوس ہونے والا ہے	فَلَنُنَبِّئَنَّ	پس ضرور جتلائیں گے ہم
اٰذَنّٰكَ(۲)	بتلا چکے ہم آپ کو	وَلَىِٕنْ	اور بخدا! اگر	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	ان کو جنھوں نے انکار کیا
مَا مِنَّا	نہیں تھا ہم میں سے	اَذَقْنٰهُ	چکھائیں ہم اس کو	بِمَا عَمِلُوْا	وہ کام جو انھوں نے کئے
مِنْ شَهِيْدٍ	کوئی گواہ	رَحْمَةً مِّنَّا	اپنی مہربانی سے	وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ	اور ضرور چکھائیں گے ہم ان کو

(۱) أکمام: کِمّ کی جمع: وہ غلاف جو کلی یا پھل پر لپٹا ہوا ہوتا ہے (۲) آذن فلانا: خبر کرنا، آگاہ کرنا آذَنَّاكَ میں ضمیر متکلم ہے، اور کاف ضمیر حاضر: ہم نے آپ کو کہہ سنایا، آگاہ کر دیا (۳) محیص: ظرف مکان: پناہ گاہ۔

مِّنْ عَذَابٍ	عذاب سے	اِنْ كَانَ	اگر ہو (قرآن)	لَهُمْ	ان کے لئے
غَلِيْظٍ	گاڑھا (سخت)	مِنْ عِنْدِ	پاس سے	اَنَّهُ الْحَقُّ	کہ وہ (قرآن) برحق ہے
وَاِذَآ	اور جب	اللّٰهِ	اللہ کے	اَوَلَمْ يَكْفِ	کیا اور نہیں کافی
اَنْعَمْنَا	انعام کیا ہم نے	ثُمَّ كَفَرْتُمْ	پھر نہیں مانا تم نے	بِرَبِّكَ	تیرے پروردگار کے لئے
عَلَى الْاِنْسَانِ	انسان پر	بِهٖ	اس کو	اَنَّهٗ	کہ وہ
اَعْرَضَ	روگردانی کرتا ہے	مَنْ اَضَلُّ	کون زیادہ گمراہ ہے	عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز پر
وَنَا[1]	اور دور ہوتا ہے	مِمَّنْ هُوَ	اس سے جو وہ	شَهِيْدٌ	گواہ ہے
بِجَانِبِهٖ	اپنے پہلو سے	فِيْ شِقَاقٍ	اختلاف میں ہے	اَلَآ اِنَّهُمْ	سنو! بے شک وہ
وَاِذَا	اور جب	بَعِيْدٍ	دور کے	فِيْ مِرْيَةٍ	شک میں ہیں
مَسَّهُ	چھویا اس کو	سَنُرِيْهِمْ	عنقریب دیکھائیں	مِّنْ لِّقَآءِ	ملاقات سے
الشَّرُّ	برائی نے		گے ہم ان کو	رَبِّهِمْ	ان کے رب کی
فَذُوْ دُعَآءٍ	تو دعا والا ہے	اٰيٰتِنَا	اپنی نشانیاں	اَلَآ اِنَّهٗ	سنو! بے شک وہ
عَرِيْضٍ	چوڑی	فِي الْاٰفَاقِ	دنیا کے کناروں میں	بِكُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز کو
قُلْ	کہہ	وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ	اور ان کی جانوں میں	مُّحِيْطٌ	گھیرنے والا ہے
اَرَءَيْتُمْ	کیا دیکھا تو نے	حَتّٰى يَتَبَيَّنَ	یہانتک کہ کھل جائے گا	❁	❁

قیامت کب آئے گی؟ —— چونکہ نیکی بدی کا پورا بدلہ قیامت کے دن ملے گا، اس لئے منکرین پوچھیں گے: قیامت کب آئے گی؟ اس کا جواب کوئی نہیں دے سکتا، اسرافیل علیہ السلام بھی کہیں گے: اللہ أعلم! اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں، میں نہیں جانتا!

آیتِ کریمہ: ﴿اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾: —— **اللہ ہی کی طرف قیامت کا علم پھیرا جاتا ہے!**

قیامت جب بھی آئے گی اللہ کے علم سے کوئی بات مخفی نہیں ہوگی: —— علم الٰہی ہر چیز کو محیط ہے، کوئی کھجور اپنے گابھے سے، کوئی دانہ اپنے خوشہ سے اور کوئی پھل اپنے غلاف سے نہیں نکلتا مگر وہ اللہ کے علم میں ہوتا ہے، اور کسی مادہ کے حمل نہیں ٹھہرتا اور نہ وہ بچہ جنتی ہے مگر اللہ کو اس کی سب خبر ہے، اسی طرح انسان کا ہر اچھا برا عمل بھی علم الٰہی میں ہے، پس

(۱) نَآى (ف) نَأْيًا: دور ہونا، النائی: دور۔

اہم بات یہ نہیں کہ قیامت کب آئے گی؟ اہم بات یہ ہے کہ امتحان کی تیاری کرو، امتحان بہر حال ایک دن ہونا ہے، اسی طرح آدمی قیامت کا یقین کرکے اس دن کی فکر کرے۔

آیتِ کریمہ: ﴿ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ﴾

ترجمہ: ـــــ اور کوئی پھل اپنے خول سے نہیں نکلتا، اور کسی مادہ کو حمل نہیں ٹھہرتا، اور نہ وہ بچہ جنتی ہے، مگر سب اس کے علم سے ہوتا ہے۔

قیامت کی جلدی کیوں ہے؟ ـــــ قیامت کا دن ہوش رُبا ہے، اس دن شرک کے سورما شرک سے مکر جائیں گے، جب اللہ تعالیٰ دور سے پکار کر ان سے پوچھیں گے: جن کو میری عبادت میں شریک ٹھہراتے تھے وہ کہاں ہیں؟ ذرا ان کو سامنے تو لاؤ! ـــــ وہ جواب دیں گے: پروردگار! ہم تو آپ سے پہلے ہی عرض کر چکے ہیں کہ ہم نے آپ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا، ہم نے آپ کو چھوڑ کر کسی کی عبادت نہیں کی، اور عبادت کرنا تو درکنار! شرک کی جگہ میں (مندر میں) ہم میں سے کوئی موجود نہیں تھا! ـــــ جھوٹے لپاٹی! جھوٹوں کا منہ کالا!

اور قیامت کے دن دنیا میں جن شرکاء کو پکارتے تھے، ان کا کہیں پتہ نہیں ہوگا، سب رفو چکر ہو جائیں گے، وہ اپنے پرستاروں کی مدد کو نہیں آئیں گے ـــــ اور پرستار بھی سمجھ جائیں گے کہ برے پھنسے! اب گلوخلاصی کی کوئی راہ نہیں۔

آیتِ کریمہ: ﴿ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اَيْنَ شُرَكَآءِيْ ۙ قَالُوْٓا اٰذَنّٰكَ ۙ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ ۝ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَدْعُوْنَ مِنْ قَبْلُ وَظَنُّوْا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ۝ ﴾

ترجمہ: اور جس دن اللہ تعالیٰ مشرکین کو پکاریں گے: میرے شریک کہاں ہیں؟ وہ جواب دیں گے: ہم آپ سے عرض کر چکے ہیں کہ ہم میں سے کوئی (شرک کا) گواہ نہیں، اور غائب ہو جائیں گے ان سے جن کو وہ آج سے پہلے پکارا کرتے تھے اور سمجھ جائیں گے وہ کہ ان کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں!

عجیب ماجرا! ـــــ مشرکین گلوخلاصی سے مایوس کیوں ہو جاتے ہیں؟ انسان جس طرح خیر مانگنے سے نہیں تھکتا پریشانی میں بھی مایوس اور نا امید نہیں ہونا چاہئے، راحت رساں وہ ہیں تو مشکل کُشا بھی وہی ہیں، مشرکین کو چاہئے کہ مایوسی کا دن آئے اس سے پہلے پریشانی کا مداوا کرلیں۔

آیتِ کریمہ: ﴿ لَا يَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَيْرِ ۡ وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَـُٔوْسٌ قَنُوْطٌ ۝ ﴾

ترجمہ: انسان خیر مانگنے سے نہیں تھکتا، اور اگر اس کو برائی پہنچتی ہے تو نا امید مایوس ہو کر رہ جاتا ہے!

مایوسی کے بعد مہربانی پہنچتی ہے تو اس کو اپنا کمال سمجھتا ہے! ـــــ انسان کی ایک کمزوری تو یہ ہے کہ تکلیف میں

مایوس ہوجاتا ہے، دوسری کمزوری یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ تکلیف دور کر کے راحت پہنچاتے ہیں تو وہ اس خوش حالی کو اپنا کمال سمجھتا ہے، بلکہ خوشی میں پھولا نہیں سماتا، اپنی خوشی کو کھینچ کر قیامت تک لے جاتا ہے۔

آیتِ کریمہ: ﴿ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ ۙ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ۚ ﴾

ترجمہ: اور بخدا! اگر ہم اس کو اپنی مہربانی کا مزہ چکھائیں، کسی ایسی تکلیف کے بعد جو اس کو پہنچی، تو وہ ضرور کہے گا: یہ تو میرے لئے ہے ـــــ یعنی میری ہنرمندی سے یہ چیز مجھے حاصل ہوئی ہے ـــــ اور میں قیامت کو آنے والا خیال نہیں کرتا، اور اگر میں (بالفرض) میرے رب کی طرف سے لوٹایا گیا تو ضرور میرے لئے اس کے پاس بہتری ہوگی ـــــ یعنی جو یہاں بہتر وہ وہاں بہتر! وہاں بھی میرا انجام بہتر ہوگا، کیونکہ اگر میں اللہ کے نزدیک برا ہوتا تو دنیا میں مجھے عیش کیوں دیتا؟ میں اللہ کا مقبول بندہ ہوں جبھی مزے اڑا رہا ہوں! لہٰذا وہاں بھی توقع ہے کہ یہی معاملہ میرے ساتھ ہوگا۔

خوش فہمی! ـــــ خوش ہولو کہ کفر وغرور کے باوجود وہاں بھی مزے لوٹو گے، وہاں پہنچ کر پتہ چل جائے گا کہ مشرکوں اور منکروں کو کیسی سخت سزا ملتی ہے، وہاں عمر بھر کی بدکرداریاں سامنے آجائیں گی۔

باقی آیت: ﴿ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا ۡ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۝ ﴾

ترجمہ: پس ہم ضرور بتلائیں گے ان لوگوں کو جنھوں نے انکار کیا، ان کے وہ کام جو انھوں نے کئے، اور ہم ضرور ان کو سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے!

گاہے چناں گاہے چنیں! ـــــ انسان کبھی تکلیفوں میں مایوس اور نعمتوں میں نازاں فرحاں ہوتا ہے، اور کبھی اس کے برعکس ہوتا ہے، نعمتوں میں اعراض کرتا ہے اور بے پرواہی برتتا ہے، اور تکالیف میں لمبی چوڑی دعائیں کرتا ہے، گاہے چناں گاہے چنیں: کبھی ایسا کبھی ویسا! یہ انسان کی بڑی کمزوری ہے، نہ سختی میں صبر نہ نرمی میں شکر!

آیتِ کریمہ: ﴿ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ ۝ ﴾

ترجمہ: اور جب ہم انسان کو نعمت عطا کرتے ہیں تو وہ منہ موڑتا ہے، اور پہلو تہی کرتا ہے، اور جب اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو لمبی چوڑی دعاؤں میں لگ جاتا ہے۔

قرآن اللہ کی برحق کتاب ہے، اس کا انکار کر کے گھاٹے میں مت پڑو

انسان کی متضاد طبیعت کا نقشہ کھینچ کر، اور اس کی کمزوریاں مؤثر انداز میں بیان کر کے اب تنبیہ کرتے ہیں کہ قرآنِ کریم اللہ کے پاس سے آیا ہے، جو انسان کی کمزوریوں کا علاج ہے، اور اس کو انجام کی طرف توجہ دلاتا ہے، اس کا انکار

کر کے اپنی عاقبت خراب مت کرو، ورنہ تم حق کی مخالفت میں بہت دور چلے جاؤ گے، پھر تمہارے دلوں پر مہر لگ جائے گی، اور گمراہی سے واپسی نصیب نہیں ہوگی۔

آیتِ کریمہ: ﴿ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ ۝ ﴾

ترجمہ: آپ پوچھئے: بتلاؤ: اگر قرآن اللہ کے پاس سے ہو —— جیسا کہ واقع میں ہے —— پھر تم اس کا انکار کرو تو کون بڑا گمراہ ہوگا، اس سے جو دور کے اختلاف میں ہے؟ —— کوئی نہیں! وہی سب سے بڑا مجرم ہے، اور ایسے ہی مجرموں کے دلوں پر ٹھپا لگ جاتا ہے۔

قرآن کی صداقت آج نہیں کل ظاہر ہوگی

یہ مکی سورت ہے، اُس وقت اسلام دبا ہوا تھا، اور قرآن کی باتیں سمجھ میں نہیں آرہی تھیں، اب آخری آیت میں پیشین گوئی ہے کہ ذرا اسلام کو مکہ سے نکل کر اطراف میں پھیلنے دو، پھر تم خود بھی اس کو قبول کرو گے اور اس وقت قرآن کی صداقت تمہارے لئے واضح ہو جائے گی، اور فی الحال تم اس لئے قبول نہیں کر رہے کہ تم اس دھوکے میں ہو کہ تمہیں خدا سے ملنا اور اس کے سامنے جانا نہیں —— اور اس بات کی خبر اللہ تعالیٰ دے رہے ہیں جو ہر چیز کے گواہ ہیں، موقع پر موجود آدمی سے وہ زیادہ جانتے ہیں —— اور تمام امور ان کی دسترس میں ہیں، وہ جس طرح چاہتے ہیں حالات کو پلٹ دیتے ہیں، ان کے لئے یہ کام کچھ مشکل نہیں۔

آیتِ کریمہ: ﴿ سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۭ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝ اَلَآ اِنَّهُمْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَاۗءِ رَبِّهِمْ ۭ اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ۝ ﴾

ترجمہ: عنقریب ہم ان کو اپنی (غلبۂ اسلام کی) نشانیاں دکھلائیں گے، دنیا کے کناروں میں (مثلاً مدینہ میں) اور ان کی ذاتوں میں —— یعنی وہ خود اسلام قبول کرلیں گے —— یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ وہ (قرآن) برحق ہے، کیا آپ کے رب کے لئے یہ بات کافی نہیں کہ وہ ہر چیز کے گواہ ہیں —— پس ان کی باتیں گویا دیدہ ہیں۔

سنو! بے شک وہ لوگ شک میں مبتلا ہیں اپنے رب کی ملاقات کے بارے میں، سنو! بے شک وہ ہر چیز کو گھیرنے والے ہیں!

﴿ الحمدللہ! ۵ر صفر المظفر ۱۴۳۷ھ = ۱۸ر نومبر ۲۰۱۵ء کو سورۃ حٰمٓ السجدۃ کی تفسیر پوری ہوئی ﴾

(۴۲) سُوۡرَةُ الشُّوۡرٰی مَکِّیَّةٌ (۶۲)
اٰیاتہا ۵۳ — رکوعاتہا ۵

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حٰمٓ ۝۱ عٓسٓقٓ ۝۲ کَذٰلِکَ یُوۡحِیۡۤ اِلَیۡکَ وَاِلَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکَ ۙ اللّٰهُ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ۝۳ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ وَهُوَ الۡعَلِیُّ الۡعَظِیۡمُ ۝۴ تَکَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرۡنَ مِنۡ فَوۡقِهِنَّ وَالۡمَلٰٓئِکَةُ یُسَبِّحُوۡنَ بِحَمۡدِ رَبِّهِمۡ وَیَسۡتَغۡفِرُوۡنَ لِمَنۡ فِی الۡاَرۡضِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ ۝۵ وَالَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اَوۡلِیَآءَ اللّٰهُ حَفِیۡظٌ عَلَیۡهِمۡ ۫ۖ وَمَاۤ اَنۡتَ عَلَیۡهِمۡ بِوَکِیۡلٍ ۝۶ وَکَذٰلِکَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ قُرۡاٰنًا عَرَبِیًّا لِّتُنۡذِرَ اُمَّ الۡقُرٰی وَمَنۡ حَوۡلَهَا وَتُنۡذِرَ یَوۡمَ الۡجَمۡعِ لَا رَیۡبَ فِیۡهِ ؕ فَرِیۡقٌ فِی الۡجَنَّةِ وَفَرِیۡقٌ فِی السَّعِیۡرِ ۝۷ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمۡ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰکِنۡ یُّدۡخِلُ مَنۡ یَّشَآءُ فِیۡ رَحۡمَتِهٖ ؕ وَالظّٰلِمُوۡنَ مَا لَهُمۡ مِّنۡ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیۡرٍ ۝۸ اَمِ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اَوۡلِیَآءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الۡوَلِیُّ وَهُوَ یُحۡیِ الۡمَوۡتٰی ۫ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ۝۹ ع ۲

حٰمٓ	حا،میم	وَاِلَی الَّذِیۡنَ	اوران کی طرف جو	لَهٗ مَا	انہی کا ہے جو
عٓسٓقٓ	عین،سین،قاف	مِنۡ قَبۡلِکَ	آپؐ سے پہلے ہوئے	فِی السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں ہے
کَذٰلِکَ(۱)	اسی طرح	اللّٰهُ(۲)	اللہ تعالیٰ	وَمَا فِی الۡاَرۡضِ	اور جو زمین میں ہے
یُوۡحِیۡۤ	وحی کرتے ہیں	الۡعَزِیۡزُ	زبردست	وَهُوَ الۡعَلِیُّ	اور وہ برتر
اِلَیۡکَ	آپؐ کی طرف	الۡحَکِیۡمُ	حکمت والے	الۡعَظِیۡمُ	بڑے ہیں

(۱) کذلك: کاف: حرف تشبیہ، ذلك: اسم اشارہ، مشبّہ بہ یہی سورت، جیسے: هذه مقدمة میں مشارٌ الیہ مقدمة ہی ہوتا ہے
(۲) اللہ: یوحی کا فاعل ہے، رعایتِ فاصلہ کی وجہ سے مؤخر کیا ہے۔

تَكَادُ[1]	قریب ہیں	وَمَآ اَنْتَ	اور نہیں ہیں آپ	فِی السَّعِیْرِ	دہکتی آگ میں ہوگی
السَّمٰوٰتُ	آسمان	عَلَیْهِمْ	ان کے	وَلَوْ شَآءَ	اور اگر چاہتے
یَتَفَطَّرْنَ	(کہ) پھٹ جائیں	بِوَكِیْلٍ	کچھ ذمہ دار	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
مِنْ فَوْقِهِنَّ[2]	ان کے اوپر سے	وَكَذٰلِكَ[5]	اور اسی طرح	لَجَعَلَهُمْ	تو بناتے ان کو
وَالْمَلٰٓئِكَةُ	اور فرشتے	اَوْحَیْنَآ	بھیجی ہم نے	اُمَّةً وَّاحِدَةً	ایک گروہ
یُسَبِّحُوْنَ	پاکی بیان کرتے ہیں	اِلَیْكَ	آپ کی طرف	وَّلٰكِنْ یُّدْخِلُ	لیکن داخل کریں گے
بِحَمْدِ	خوبی کے ساتھ	قُرْاٰنًا[6]	پڑھنے کی کتاب	مَنْ یَّشَآءُ	جس کو چاہیں گے
رَبِّهِمْ	ان کے ربّ کی	عَرَبِیًّا[7]	فصیح وبلیغ عربی میں	فِیْ رَحْمَتِهٖ	اپنی رحمت میں
وَیَسْتَغْفِرُوْنَ	اور استغفار کرتے ہیں	لِّتُنْذِرَ	تاکہ ڈرائیں آپ	وَالظّٰلِمُوْنَ	اور ظالم (مشرک)
لِمَنْ فِی الْاَرْضِ	ان کے لئے جو زمین میں ہیں	اُمَّ الْقُرٰی	مرکزی بستی کو	مَا لَهُمْ	نہیں ہوگا ان کے لئے
اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ	سنو! بے شک اللہ	وَمَنْ حَوْلَهَا	اور ان کو جو اس کے	مِّنْ وَّلِیٍّ	کوئی کارساز
هُوَ الْغَفُوْرُ	ہی بڑے بخشنے والے		ارد گرد ہیں	وَّلَا نَصِیْرٍ	اور نہ کوئی مددگار
الرَّحِیْمُ	نہایت مہربان ہیں	وَتُنْذِرَ	اور ڈرائیں آپ	اَمِ اتَّخَذُوْا	کیا بنائے انھوں نے
وَالَّذِیْنَ	اور جنھوں نے	یَوْمَ الْجَمْعِ	اکٹھا ہونے کے دن سے	مِنْ دُوْنِهٖٓ	اللہ سے کم تر
اتَّخَذُوْا	بنائے	لَا رَیْبَ	نہیں ذرا شک	اَوْلِیَآءَ	کارساز
مِنْ دُوْنِهٖٓ	اللہ سے ورے	فِیْهِ	اس میں	فَاللّٰهُ	پس اللہ
اَوْلِیَآءَ[3]	کارساز	فَرِیْقٌ	ایک جماعت	هُوَ الْوَلِیُّ	ہی کارساز ہیں
اللّٰهُ[4]	اللہ تعالیٰ	فِی الْجَنَّةِ	جنت میں ہوگی	وَهُوَ یُحْیِ	اور وہ زندہ کریں گے
حَفِیْظٌ عَلَیْهِمْ	نگراں ہیں ان پر	وَفَرِیْقٌ	اور دوسری جماعت	الْمَوْتٰی	مُردوں کو

(۱) کاد: محل اثبات میں نفی کرتا ہے، اور محل نفی میں اثبات کرتا ہے، یہاں محل اثبات میں ہے یعنی آسمان پھٹتے نہیں، مقصد: ملائکہ کی کثرت کا بیان ہے (۲) پھٹنے کی دو صورتیں ہیں: ایک: پھٹ کر دو ٹکڑے ہوجانا یا سوراخ ہوجانا، یہ مراد نہیں۔ دوم: کریک ہوجانا، جیسے زمین اوپر سے پھٹتی ہے، یہ معنی مراد ہیں (۳) أولیاء: اتخذوا کا مفعول بہ ہے (۴) الله: مبتدا، حفیظ علیهم: خبر حفیظ (فعیل) بمعنی حافظ ہے (۵) كذلك: مشبہ بہ سابقہ کتابیں ہیں (۶) قرآنا: قرء (ف) کا قِراءۃ کی طرح مصدر ہے: پڑھنا، مراد پڑھنے کی کتاب ہے (۷) عربی کے مفہوم میں وضاحت وفصاحت داخل ہے۔

پوری قدرت رکھنے والے ہیں	قَدِيْرٌ	ہر چیز پر	عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ	اور وہ	وَهُوَ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

سورت کا نام اور موضوع

آیت ۳۸ میں مشورہ کا ذکر آیا ہے، اس کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے سورت کا نام الشوری رکھا گیا، اس کے نزول کا نمبر ۶۲ ہے، تمام حوامیم بالترتیب نازل ہوئی ہیں، حوامیم سورۃ المؤمن سے سورۃ الاحقاف تک ہیں، بلکہ سورۃ الزمر بھی متصل ہی نازل ہوئی ہے، اس کا نزول کا نمبر ۵۹ ہے، پھر تا احقاف بالترتیب نمبرات ہیں، یہ سورتیں مکی دور کے نصف آخر میں اتری ہیں، یہ پورا کش مکش کا دور تھا، اسلام کی، نبی ﷺ کی اور مسلمانوں کی مخالفت زوروں پر تھی، ان سورتوں کا انداز بھی نرالا ہے اور یہ سورت تو مضامین کا گنجینہ ہے، اس لئے یہ سورتیں حفظ وفہم کے اعتبار سے اہم ہیں، ان کو توجہ سے پڑھنا چاہئے۔

حوامیم کے مضامین مشترک ہیں، اور وہ یہ ہیں:

۱-توحید مع ابطالِ شرک، اور اسی سلسلہ میں صفاتِ کمال، افعالِ حکمت اور عمومِ نعمت کا بیان ہے۔

۲-رسالت مع دلیل رسالت (قرآنِ کریم) اور اس کی عظمت وضرورت کا بیان ہے۔

۳-معاد وآخرت اور بعث وجزاء کا بیان ہے، اور استعجال کا جواب دیا ہے، اور اسی سلسلہ میں انہماک فی الدنیا کی مذمت اور طلبِ آخرت کی ترغیب ہے، نیز مؤمنین کا حسنِ اعمال وحسن مآل اور کفار کا قبح اعمال اور قبح مآل بیان کیا ہے۔

اور گذشتہ سورت دلیلِ رسالت یعنی قرآن کے تذکرہ پر ختم ہوئی تھی، یہ سورت اسی بیان سے شروع ہو رہی ہے۔

پانچ حروفِ ہجاء:—— سورت کے شروع میں پانچ حروفِ ہجاء ہیں:—— حا، میم، عین، سین، قاف —— ان کو ایک ساتھ لکھا گیا ہے، مگر پڑھا الگ الگ جاتا ہے، اس لئے ان کو حروفِ مقطعات کہا جاتا ہے، پانچ حروفِ مقطعات سورۃ مریم کے شروع میں بھی ہیں: کاف، ھا، یاء، عین، صاد، مگر وہ ایک آیت ہیں، اور یہاں دو آیتیں ہیں، اس کی وجہ ان کے معانی کی طرح اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں۔

وحی بھیجنے کا سلسلہ قدیم سے جاری ہے

جس طرح یہ سورت آپؐ کی طرف وحی کی جارہی ہے ایسے ہی اللہ تعالیٰ کی عادت آپؐ کی طرف اور دوسرے انبیاء کی طرف وحی بھیجنے کی رہی ہے، جس سے اس کی شانِ حکمت وحکومت کا اظہار ہوتا ہے (فوائد)

آیتِ کریمہ:﴿ كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۳﴾ ﴾

ترجمہ: اسی طرح وحی بھیجتے ہیں اللہ تعالیٰ جو زبردست بڑے حکمت والے ہیں آپؐ کی طرف اوران پیغمبروں کی طرف جو آپؐ سے پہلے گذرے ہیں —— یعنی اللہ تعالیٰ زبردست اور غالب ہیں، وہی معبود برحق ہیں، اس لئے اپنی الوہیت واضح کرنے کے لئے اور کم تر خداؤں کی سخافت (بوداپن) ظاہر کرنے کے لئے از آدم تا ایں دم وحی بھیجتے رہتے ہیں، اوراس وحی میں دانشمندی کی باتیں ہوتی ہیں، تاکہ لوگ احمقانہ نظریات سے احتراز کریں اور سیدھی راہ پر چلیں۔

کائنات اللہ تعالیٰ کی ملک ہے

اور اللہ تعالیٰ ہی معبود اس لئے ہیں کہ وہی کائنات کے مالک ہیں، وہی برتر و بالا اور وہی عظیم الشان ہیں، دوسرا کوئی ایک ذرہ کا مالک نہیں، اور وہ اللہ تعالیٰ سے رتبہ میں بھی کم تر ہیں، اوران کی کوئی شان بھی نہیں، پھر وہ معبود کیسے ہوسکتے ہیں؟

آیتِ کریمہ:﴿ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴿۴﴾ ﴾

ترجمہ: انہی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور وہ برتر بڑے مرتبہ والے ہیں۔

اللہ کی عبادت کے لئے فرشتے بہت ہیں

اگر کوئی اللہ کو معبود نہیں مانتا، اوران کی عبادت نہیں کرتا تو اللہ کا کیا نقصان ہے؟ ان کی عبادت کے لئے فرشتے بہت ہیں، ان کے بوجھ سے آسمان پھٹا جارہا ہے، آسمانوں میں چار انگشت جگہ ایسی نہیں جہاں کوئی فرشتہ سربسجود نہ ہو (حدیث) —— اور وہ تمام زمین والوں کے لئے (بہ شمول مشرکین وکفار) دعائے مغفرت کرتے ہیں، مؤمنین کے لئے گناہوں سے حفاظت کی اور کفار ومشرکین کے لئے ہدایت کی، تاکہ وہ آخرت میں کامیاب ہوں۔

آیتِ کریمہ:﴿ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۵﴾ ﴾

ترجمہ: کچھ بعید نہیں کہ آسمان اپنے اوپر سے پھٹ پڑیں —— یعنی کریک ہوجائیں، اوپر سے پھٹنے کا یہی مطلب ہے، اور یہ استعارہ ہے، کثرتِ ملائکہ کا بیان مقصود ہے، فرشتوں کا ثقیل (بوجھ والا) ہونا اس سے لازم نہیں آتا —— اور فرشتے اپنے رب کی پاکی بیان کرتے ہیں ان کی خوبیوں کے ساتھ —— یہ بات پہلی بات سے مربوط ہے یعنی بے شمار فرشتے حمد وتسبیح میں لگے ہوئے ہیں، اگر کچھ نالائق انسان اس کی بندگی سے سرتابی کرتے ہیں تو اللہ کا کیا نقصان ہے؟ انہی کا نقصان ہے! —— اوران لوگوں کے لئے جو زمین میں ہیں استغفار کرتے ہیں —— یعنی دعا کرتے ہیں کہ مؤمنین کی

خطاؤں اور لغزشوں کو معاف فرما، اور کفار و مشرکین کو ہدایت نصیب فرما، تاکہ وہ آخرت میں کامیاب ہوں —— غیر مسلموں کے لئے ان کی حیات میں استغفار جائز ہے، کیونکہ زندگی میں استغفار کا مطلب ہے ہدایت سے سرفراز کرنا تاکہ موت کے بعد ان کی بخشش ہو، البتہ جب کفر و شرک پر کسی کی موت ہو جائے تو اب استغفار جائز نہیں، یہ مسئلہ سورۃ التوبہ (آیت ۱۱۳) میں ہے، اور فرشتے بھی اب ان پر لعنت بھیجتے ہیں، دعائے مغفرت حیات تک ہی کرتے ہیں، چنانچہ فرشتوں کی دعاء کی برکت سے وہ ایک دم نہیں پکڑے جاتے، ایک عرصہ کے لئے مہلت دی جاتی ہے —— سنو! بے شک اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے، بڑی مہربانی فرمانے والے ہیں!

نالائق بندے اللہ کی گرفت سے باہر نہیں

اللہ تعالیٰ دنیا میں مشرکین و کفار کو مہلت تو دیتے ہیں، مگر وہ یہ نہ سمجھیں کہ وہ ہمیشہ کے لئے بچ گئے، ان کے سب اعمال واحوال اللہ کے علم میں ہیں اور وہ اللہ کی گرفت سے باہر نہیں، وقت آنے پر ان کا حساب چکا دیا جائے گا —— اور رسول اللہ ﷺ پر ان کی کچھ ذمہ داری نہیں کہ وہ مانتے کیوں نہیں، آپ کا کام صرف پیغام حق پہنچانا ہے، آگے اللہ جانیں!

آیتِ کریمہ: ﴿وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ ۖ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۝﴾

ترجمہ: اور جن لوگوں نے اللہ سے کم تر بندوں کو کارساز بنایا ہے وہ اللہ کی گرفت سے باہر نہیں، اور آپؐ ان کے کچھ ذمہ دار نہیں!

عربوں میں کام کی ذمہ داری نبی ﷺ پر تھی

نبی ﷺ کی بعثت تمام انسانوں کے لئے ہے، سورۃ سبا کی (آیت ۲۸) ہے: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾: اور ہم نے آپ کو سبھی لوگوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے، خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا، لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں!

مگر کام کرنے کے اعتبار سے سورۃ الجمعہ میں آپؐ کی امت کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے: ایک: امیین یعنی عرب۔ دوم: آخرین یعنی غیر عرب، اول میں کام کرنے کی ذمہ داری نبی ﷺ کی تھی، اور دوسروں میں کام کرنے کی ذمہ داری پہلی امت کی تھی، سورۃ آل عمران (آیت ۱۱۰) میں ہے: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾: تم (علم الٰہی میں) بہترین امت تھے، جس کو لوگوں کی نفع رسانی کے لئے وجود میں لایا گیا ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ یہ آیت خاص صحابہ کے حق میں ہے (حیات الصحابہ جلد اول، باب سوم)

چنانچہ عربوں میں کام پورا ہونے کا وقت آیا، مکہ مکرمہ فتح ہوگیا، اور لوگ فوج درفوج اسلام میں داخل ہونے لگے تو سورۃ النصر نازل ہوئی، اور آپؐ کو قربِ وفات کی اطلاع دی گئی، کیونکہ آپؐ کے ذمہ جو کام تھا وہ پورا ہوگیا، یہاں بھی یہی مضمون ہے۔

آیتِ کریمہ:﴿ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ﴾

ترجمہ: اور اسی طرح وحی کی ہم نے آپؐ کی طرف واضح فصیح عربی زبان میں پڑھنے کی کتاب —— عربوں میں کام کرنے کے لئے ایسی کتاب ضروری تھی، جیسا ابھی سورۃ حٰمٓ السحدۃ (آیت ۴۴) میں گذرا —— تاکہ آپؐ مرکزی بستی کو اور ان کو جو اس کے اردگرد ہیں نتائج اعمال سے آگاہ کریں —— أم القریٰ (مرکزی بستی) یعنی مکہ مکرمہ، اور اس کا اردگرد: یعنی جزیرۃ العرب، سارا عرب حج کے لئے مکہ آتا تھا، اس لئے ان میں کام کی ذمہ داری رسول اللہ ﷺ کو سونپی گئی تھی۔

انبیاء کے مشن میں قیامت اور اس کے احوال سے آگاہ کرنا بھی ہے

انبیاء کرام سب سے پہلے توحید کی دعوت دیتے ہیں، اور ساتھ ہی آخرت سے بھی آگاہ کرتے ہیں۔ وہ بتاتے ہیں کہ ایک دن آنے والا ہے، جب تمام اگلے پچھلے اللہ کے حضور میں حساب کے لئے جمع کئے جائیں گے، یہ ایک طے شدہ بات ہے، اس میں ادنی شک کی گنجائش نہیں، اس دن لوگ دو حصوں میں تقسیم ہوجائیں گے، ایک فریق جنت میں جائے گا دوسرا جہنم میں، لوگوں کو چاہئے کہ اس دن کی تیاری کریں تاکہ جہنم سے بچ جائیں۔

آیتِ کریمہ:﴿ وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ ۝ ﴾

ترجمہ: اور جمع ہونے کے دن سے ڈرائیں، جس کے آنے میں ذرا شک نہیں، ایک گروہ جنت میں ہوگا اور دوسرا گروہ دوزخ میں!

جنّ وانس کی صلاحیتیں دیگر مخلوقات سے مختلف ہیں، اس لئے انجام بھی مختلف ہوگا

اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی فطرت یک رخی بنائی ہے اور جنّ وانس کی دورخی، فرشتے ہمیشہ عبادت کرتے ہیں، سورج، چاند، تارے، ہوا، سمندر اور چرندو پرند اپنا کام کرتے ہیں، جس کو جس مقصد کے لئے بنایا ہے: اس کی تکمیل میں لگا ہوا ہے، اور مکلّف مخلوق (جنّ وانس) جزوی اختیار رکھتی ہے، وہ اپنی مرضی سے طاعت بھی کرسکتی ہے اور نافرمانی بھی، اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو ان کو بھی ایک رخ کی فطرت دے سکتے تھے، مگر ان کی حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ ان کو دونوں طرح کی صلاحیت دی جائے، اس لئے ان کا انجام دوسری مخلوقات سے مختلف ہوگا، جو اطاعت کرے گا وہ اللہ کی رحمت کا حقدار ہوگا اور جو نافرمانی

کرے گا آخرت میں اس کا نہ کوئی کارساز ہوگا نہ مددگار!

آیتِ کریمہ:﴿ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝ ﴾

ترجمہ: اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو ان (انسانوں) کو ایک ہی امت بناتے ـــــ یعنی ایک طرح کی صلاحیت دیتے، تاکہ آخرت میں ان کے دو گروہ نہ بنتے، ایک ہی انجام ہوتا یعنی سب مٹی کر دیئے جاتے ـــــ لیکن وہ (اللہ تعالیٰ) جس کو چاہتے ہیں اپنی رحمت میں داخل کرتے ہیں ـــــ ﴿وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ﴾: اور اسی (مہربانی کے) لئے ان کو پیدا کیا ہے [ہود ۱۱۹] یعنی اللہ تعالیٰ نے مکلّف مخلوق کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ اس کی مہربانی کے سزاوار بنیں، ان کی اطاعت وعبادت کر کے ان کی جنت کے حقدار بنیں، مگر لوگ ہیں کہ بھلا برا سوچے بغیر دوزخ کی طرف دوڑے جارہے ہیں ـــــ اور ظالموں (مشرکوں اور کافروں) کے لئے نہ کوئی کارساز ہے نہ مددگار!

کارساز بنانا ہے تو اللہ کو بناؤ جو ہر کام کر سکتے ہیں، بے چاروں کو کیا مددگار بناتے ہو!

رفیق ومددگار بنانے کے لائق اللہ تعالیٰ ہیں، انہی کو کارساز بناؤ، وہ ہر کام کر سکتے ہیں، وہی مُردوں کو زندہ کریں گے، وہ ہر چیز پر قادر ہیں، تمہارے معبود بے چارے عاجز و مجبور ہیں، وہ کچھ نہیں کر سکتے، ان سے کیا امید باندھے بیٹھے ہو!

آیتِ کریمہ:﴿ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى ؗ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ﴾

ترجمہ: کیا انھوں نے اللہ سے کم تر کو کارساز بنایا ہے؟ ـــــ یہ ان کی نادانی ہے! ـــــ پس اللہ ہی کارساز ہیں ـــــ سب کام وہی کر سکتے ہیں، پس انہی کو کارساز بناؤ ـــــ وہی مُردوں کو زندہ کریں گے، اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں!

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّيْ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۖ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ۝ فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا ۚ يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ ؕ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

وَمَا	اور جو	فَاطِرُ	پیدا کرنے والے	وَهُوَ	اور وہ
اخْتَلَفْتُمْ	اختلاف کیا تم نے	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں کے	السَّمِيْعُ	خوب سننے والے
فِيْهِ (۱)	اس میں	وَالْاَرْضِ	اور زمین کے	الْبَصِيْرُ	خوب دیکھنے والے ہیں
مِنْ شَيْءٍ	کسی بھی چیز سے	جَعَلَ لَكُمْ	بنایا اس نے تمہارے لئے	لَهٗ	ان ہی کے پاس
فَحُكْمُهٗٓ	پس اس کا فیصلہ	مِّنْ اَنْفُسِكُمْ	تمہاری جنس سے	مَقَالِيْدُ (۵)	چابیاں ہیں
اِلَى اللّٰهِ	اللہ کی طرف ہے	اَزْوَاجًا	جوڑے	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں کی
ذٰلِكُمُ (۲)	وہی	وَّمِنَ الْاَنْعَامِ	اور پالتو چوپایوں کے	وَالْاَرْضِ	اور زمین کی
اللّٰهُ	اللہ	اَزْوَاجًا	جوڑے	يَبْسُطُ	کشادہ کرتے ہیں وہ
رَبِّيْ	میرے ربّ ہیں	يَذْرَؤُكُمْ	تعداد بڑھاتا ہے تمہاری	الرِّزْقَ	روزی
عَلَيْهِ	ان پر	فِيْهِ (۳)	اس کے ذریعہ	لِمَنْ يَّشَآءُ	جس کیلئے چاہتے ہیں
تَوَكَّلْتُ	بھروسہ کیا میں نے	لَيْسَ	نہیں ہے	وَيَقْدِرُ	اور تنگ کرتے ہیں
وَاِلَيْهِ	اور اسی کی طرف	كَمِثْلِهٖ (۴)	اس کے مانند	اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ	بے شک وہ ہر چیز کو
اُنِيْبُ	رجوع کرتا ہوں میں	شَيْءٌ	کوئی چیز	عَلِيْمٌ	خوب جاننے والے ہیں

اللہ تعالیٰ کی مادّی کارسازی

ابھی آیا کہ اللہ تعالیٰ ہی کارساز ہیں، اب اس کی تفصیل کرتے ہیں، اللہ نے انسان کی مصلحت سے آسمان وزمین پیدا کئے، پھر انسان کو پیدا کیا، اور اس کی جنس سے اس کا جوڑا بنایا، اور دونوں سے نسل چلائی، جس سے زمین بھر گئی، اسی طرح اس کی ضرورت کے لئے پالتو جانور پیدا کئے، ان کے بھی ہم جنس جوڑے بنائے، اور ان کو بھی زمین میں پھیلا دیا۔ اب بتاؤ! کون ہے جو یہ کام کرتا ہو یا کرسکتا ہو؟ کوئی نہیں! اللہ تعالیٰ ہی یہ کام کرتے ہیں، پس کہو: یہی اللہ میرے ربّ ہیں، اسی پر میرا بھروسہ ہے، اور اسی سے میں لو لگاتا ہوں، وہ بے مثل ہیں، ان کے مانند کوئی نہیں، وہ ہر چیز کو دیکھتے سنتے ہیں، اور

(۱) فیه: کی ضمیر مَا موصولہ کی طرف لوٹتی ہے اور من شيئ: ما کا بیان ہے، اور موصول صلہ مل کر مبتدا ہیں اور فحکمه: خبر ہے (۲) ذلکم: جمع کی ضمیر تعظیم کے لئے ہے۔ (۳) فی تعلیل کے لئے، جیسے: ﴿فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ﴾: یہی وہ ہے جس کی وجہ سے تم مجھے لعن طعن کرتی ہو [یوسف ۳۲] اور فیه کی ضمیر جَعْل کی طرف لوٹتی ہے، ذَرَأَ فلان الشيئَ: تعداد بڑھانا، زیادہ کرنا۔ (۴) کاف یا مثل زائد ہے (۵) مقالید: مِقْلاد کی جمع: خزانہ، کنجی۔

آسمان وزمین کے خزانوں کی چابیاں انہی کے پاس ہیں، وہ جس کو چاہتے ہیں زیادہ روزی دیتے ہیں، اور جس کو چاہتے ہیں کم دیتے ہیں، اور کم وبیش کی تعیین اپنے علم وحکمت کے مطابق کرتے ہیں (اور یہ مادی کارسازی کا بیان ہے اور روحانی ضروریات کی تکمیل کا بیان آگے آئے گا، اوران آیات میں دواصولی باتیں بھی ہیں، ان کی تفصیل تفسیر میں ہے)

آیاتِ پاک: —— اور جس بات میں بھی تم (اہل حق سے) اختلاف کرتے ہو، کوئی سی بات ہو، اس کا فیصلہ اللہ کے حوالے ہے —— یہ پہلی اصولی بات ہے، سب جھگڑوں کے فیصلے اللہ کے سپرد ہونے چاہئیں، عقائد، احکام، عبادات یا معاملات جس میں بھی اختلاف پڑجائے اس کا فیصلہ قرآن وسنت سے کرانا چاہئے، سورۃ النساء (آیت ۵۹) میں ہے: ''پھر اگر تم کسی امر میں باہم اختلاف کرنے لگو تو اس امر کو اللہ اور رسول کے حوالے کردیا کرو'' پھر قرآن وسنت سے صراحۃً یا اشارۃً جو فیصلہ ملے اس کو بے چون وچرا قبول کیا جائے، یہی بہتر اور اس کا انجام خوش تر ہے۔

اور یہ اصولی بات یہاں اس لئے ذکر کی ہے کہ مشرکین توحید کے مسئلہ میں مسلمانوں سے اختلاف کرتے تھے، ان سے کہا جارہا ہے کہ اس کا فیصلہ اللہ کے حوالے کرو، وہ آگے فیصلہ فرمارہے ہیں، ان کا فیصلہ خوش دلی سے قبول کرو، اور کہو: —— یہی اللہ میرے ربّ ہیں، میں انہی پر بھروسہ کرتا ہوں، اور انہی کی طرف رجوع کرتا ہوں!

اللہ تعالیٰ کی کارسازی کا بیان: —— وہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے ہیں —— یعنی آسمان وزمین انسان کی مصلحت کے لئے پیدا کئے ہیں —— اور انھوں نے تمہارے لئے تمہاری جنس کے جوڑے بنائے —— تاکہ ایک کو دوسرے سے سکون حاصل ہو، ناجنس جوڑا ہوتا تو یہ مقصد حاصل نہ ہوتا —— اور پالتو چوپایوں کے (بھی) جوڑے بنائے، پھر وہ تمہاری نسل چلاتے ہیں جوڑے ملانے کے ذریعہ!

دوسری اصولی بات: —— کوئی چیز ان کے مثل نہیں، اور وہ ہر بات سننے والے، ہر چیز دیکھنے والے ہیں —— یعنی جیسی کارسازی اللہ تعالیٰ بندوں کی کرتے ہیں کوئی دوسرا نہیں کرسکتا، وہ سمیع وبصیر ہیں، حکمت ومصلحت کے مطابق کام بناتے ہیں، مثلاً: —— انہی کے اختیار میں آسمانوں اور زمین کی کنجیاں ہیں، جس کو چاہتے ہیں زیادہ روزی دیتے ہیں، اور جس کو چاہتے ہیں کم دیتے ہیں، بے شک وہ ہر چیز کو خوب جاننے والے ہیں!

نہ ذات میں اللہ کا کوئی مماثل نہ صفات میں

اوپر دوسری اصولی بات یہ آئی ہے کہ کوئی چیز اللہ کے مثل نہیں، اور وہ سمیع وبصیر ہیں، جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا کما حقہ ادراک ممکن نہیں، کیونکہ ان کا نہ تو کسی محسوس چیز سے اندازہ کیا جاسکتا ہے، اور نہ کسی معقول چیز سے تخمینہ لگایا جاسکتا ہے، ان کی شانِ عالی: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾ ہے، نہ ذات میں ان کا کوئی

مماثل ہے نہ صفات میں، وہ سمیع وبصیر بے شک ہیں، مگران کا دیکھنا سننا مخلوق کے دیکھنے سننے کی طرح نہیں، کمالات ان کی ذات میں بے شمار ہیں، مگر کوئی کمال ایسا نہیں جس کی کیفیت بیان کی جاسکے، کیونکہ ان کی نظیر موجود نہیں، وہ مخلوق کی مشابہت ومماثلت سے بالکلیہ پاک، مقدس ومنزّہ ہیں، پھران کا قیاس واندازہ کیسے کیا جائے، انسان کے معقولات بھی تمام تر محسوسات سے مستفاد ہوتے ہیں، وہ محسوسات سے پوری طرح بلند ہوکر نہیں سوچ سکتا، اس لئے حق تعالیٰ کی ذات وصفات کے کماحقہ ادراک کی کوئی صورت نہیں (تفصیل کے لئے رحمۃ اللہ الواسعہ شرح حجۃ اللہ البالغہ جلداول ازصفحہ ۶۳۳ تا ۶۵۵ دیکھیں)

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ۭ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ﴿۱۳﴾

شَرَعَ (۱)	تعیین کی	وَصَّيْنَا	مکلّف کیا ہم نے	عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ	مشرکین پر
لَكُمْ	تمہارے لئے	بِهٖٓ	اس کا	مَا	جو
مِّنَ الدِّيْنِ	مذہب کی	اِبْرٰهِيْمَ	ابراہیم	تَدْعُوْهُمْ	بلاتے ہیں آپ ان کو
مَا وَصّٰى (۲)	جو مکلّف کیا	وَمُوْسٰى	موسیٰ	اِلَيْهِ	اس کی طرف
بِهٖ	اس کا	وَعِيْسٰٓى	اور عیسیٰ کو	اَللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
نُوْحًا	نوح کو	اَنْ اَقِيْمُوا	کہ قائم کرو	يَجْتَبِيْٓ (۴)	چنتے ہیں
وَّ الَّذِيْٓ	اور جو	الدِّيْنَ	مذہب کو	اِلَيْهِ	اپنی طرف
اَوْحَيْنَآ (۳)	بھیجا ہم نے	وَلَا تَتَفَرَّقُوْا	اور نہ جدا جدا ہوؤ	مَنْ يَّشَاۗءُ	جس کو چاہتے ہیں
اِلَيْكَ	آپ کی طرف	فِيْهِ	اس میں	وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ	اور راہ دکھاتے ہیں اپنی
وَمَا	اور جو	كَبُرَ	بھاری گذرتا ہے	مَنْ يُّنِيْبُ	جو رجوع کرتا ہے

(۱) شَرَعَ الدینَ: مذہب کی تعیین ووضاحت کرنا، مشروع کرنا (۲) وَصّٰی بالشیئ: مأمور ومکلّف کرنا، تاکید کرنا (۳) أوحینا: میں التفات ہے، پہلے وَصّٰی: غائب آیا تھا، اب جمع متکلم آیا (۴) اجتباء: چننا، برگزیدہ کرنا۔

روحانی کارسازی کا بیان

حیوانات کی ایک ضرورت ہے، اور وہ مادی ہے یعنی ان کی جسمانی ضرورت ہے، جو اللہ نے مہیا کی ہے، اور انسان کی دوضرورتیں ہیں: ایک: مادّی یعنی جسم کی ضرورت، دوسری: روحانی یعنی روح کی تربیت کے لئے ہدایت، دونوں ضرورتیں اللہ نے پوری کی ہیں، مادی کارسازی کا بیان ہو چکا، اب ایک آیت میں روحانی کارسازی کا بیان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی دینی ضرورت کا انتظام ہر زمانہ میں کیا ہے، نوح علیہ السلام سے لے کر خاتم النّبیین ﷺ تک برابر اللہ تعالیٰ انسانوں کی دینی راہ نمائی فرماتے رہے ہیں، ارشاد فرماتے ہیں: —— اللہ تعالیٰ نے —— مقرر کیا تمہارے لئے وہی دین جس کا مکلّف کیا نوح کو، اور جو ہم نے آپؐ کی طرف اتارا، اور جس کا مکلّف کیا ہم نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کو —— یہی روحانی کارسازی ہے، جو الوہیت کے لئے ضروری ہے، اور دین یعنی مذہب: عقائد واصول کا نام ہے، جو ہمیشہ ایک رہا ہے، اور تمام مذاہب عقائد، اخلاق اور اصول دیانات میں متفق رہے ہیں، اور اصل الاصول تین عقیدے ہیں: توحید، رسالت اور آخرت۔ تمام مذاہب میں انہی بنیادی باتوں پر زور رہا ہے، اور یہاں پانچ اولوالعزم (بڑے درجہ کے) رسولوں کا ذکر کیا ہے، باقی حضرات ان کے ضمن میں آگئے، سورۃ احزاب (آیت ۷) میں بھی انہیں پانچ کا ذکر ہے۔

سوال: سب سے پہلے پیغمبر تو حضرت آدم علیہ السلام ہیں، انبیاء کا ذکر ان سے کیوں نہیں شروع کیا؟

جواب: ان کے زمانہ میں شرک وکفر نہیں تھا، کفر وشرک کا مقابلہ نوح علیہ السلام سے شروع ہوا، اس لحاظ سے نوح علیہ السلام پہلے پیغمبر ہیں جن کو اس طرح کے معاملات پیش آئے، اس لئے سلسلۂ بیان نوح علیہ السلام سے شروع کیا۔

اقامتِ دین فرض اور اس میں اختلاف حرام ہے

(اور ہم نے حکم دیا) کہ قائم کرو اس دین کو، اور اس میں جدا جدا مت ہو جاؤ —— اس دین کو: یعنی جو دین سب انبیاء میں مشترک چلا آرہا ہے، اور وہ اصولِ عقائد، اصولِ عبادت اور اصولِ اخلاق ہیں —— اور فروع احکام میں شریعتوں میں جزوی اختلاف رہا ہے، اس کا تذکرہ سورۃ المائدۃ (آیت ۴۸) میں ہے کہ ہم نے ہر ایک کے لئے خاص شریعت اور خاص طریقت تجویز کی ہے، اسی طرح فروعی مسائل میں جہاں قرآن وحدیث میں کوئی واضح حکم موجود نہیں یا بہ ظاہر تعارض ہے: وہاں ائمہ کا اجتہاد سے کوئی حکم متعین کرنا تفرقِ ممنوع میں داخل نہیں، ایسا اختلاف صحابہ میں عہدِ رسالت سے چلا آرہا ہے، جس کو حدیث میں رحمت کہا گیا ہے۔

اور آیتِ کریمہ میں جو دو حکم ہیں وہ درحقیقت ایک ہی حکم ہے، اقامتِ دین کا حکم مثبت پہلو سے ہے اور تفرق کی

ممانعت منفی پہلو سے، قرآنِ کریم میں اور سنتِ قائمہ میں جو احکام منصوص ہیں، جن میں تاویل کا کوئی احتمال نہیں: وہ آیت کا مصداق ہیں، ان میں تفرق واختلاف ممنوع اور موجب ہلاکت ہے۔

توحید کی دعوت مشرکین پر گراں گذرتی ہے

انبیاء کے دین کا رکن اعظم توحید ہے، مگر لوگ شرک کے ایسے عادی ہوگئے ہیں کہ توحید کی دعوت ان کو بڑی بھاری معلوم ہوتی ہے، ارشاد فرماتے ہیں: —— مشرکین پر بڑی گراں گذرتی ہے وہ بات جس کی طرف آپ لوگوں کو بلاتے ہیں —— یہ ایک مثال ہے مذکورہ بالا حکم کی، توحید تمام انبیاء کی مشترک دعوت ہے، چاہئے تھا کہ لوگ اس کو فوراً قبول کرتے، مگر مشرکین اس دینِ حق کو قائم نہیں کرتے، انہیں توحید کی طرف آنا بڑا بھاری معلوم ہوتا ہے، وہ تفرقہ ڈالتے ہیں، جو حرام ہے۔

حسنِ استعداد والے توحید کو قبول کرتے ہیں

مشرکین میں جو اہل سعادت ہیں وہ اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی دستگیری کرتے ہیں، اور وہ کامیاب ہوجاتے ہیں، اور جن کو یہ دعوت بھاری معلوم ہوتی ہے وہ ان کی سوءِ استعداد کی وجہ سے ہے، ارشاد فرماتے ہیں: —— اللہ تعالیٰ اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں جس کو چاہتے ہیں، اور اپنی راہ دیتے ہیں اس کو جو (ان کی طرف) رجوع کرتا ہے۔

وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ⑭ فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاۗءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۭ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۭ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۭ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ۭ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ⑮

وَمَا تَفَرَّقُوْٓا (۱)	اور نہیں جدا ہوئے	اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ (۲)	مگر بعد	مَا جَاۗءَهُمُ	ان کے پاس آنے

(۱) تَفَرَّق الشیئُ: بکھر جانا، جدا جدا ہونا، تَفَرَّق الرجلان: ہر ایک کا اپنی اپنی راہ لینا (۲) بعد: مضاف ہے اور ماجاء هم مضاف الیہ، اور مَا: مصدریہ ہے۔

الْعِلْمُ	علم کے	مِّنْهُ	اس (عقیدۂ توحید)	بَيْنَكُمْ	تمہارے درمیان
بَغْيًا(۱)	ضد کی وجہ سے		کے بارے میں	اَللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
بَيْنَهُمْ	آپس کی	مُرِيْبٍ	بے چین کرنے والے	رَبُّنَا	ہمارے پروردگار
وَلَوْلَا	اور اگر نہ ہوتی	فَلِذٰلِكَ	پس اُس کے لئے	وَرَبُّكُمْ	اور تمہارے پروردگار ہیں
كَلِمَةٌ	ایک بات	فَادْعُ	پس آپ بلائیں	لَنَآ	ہمارے لئے
سَبَقَتْ	جو پہلے سے طے ہو چکی ہے	وَاسْتَقِمْ	اور مضبوط رہیں	اَعْمَالُنَا	ہمارے کام ہیں
مِنْ رَّبِّكَ	تیرے رب کی طرف سے	كَمَآ اُمِرْتَ	جیسا آپ حکم دیئے گئے ہیں	وَلَكُمْ	اور تمہارے لئے
اِلٰٓى اَجَلٍ	مدت تک	وَلَا تَتَّبِعْ	اور نہ پیروی کریں آپ	اَعْمَالُكُمْ	تمہارے کام ہیں
مُّسَمًّى	متعین	اَهْوَآءَهُمْ	ان کی خواہشات کی	لَا حُجَّةَ(۴)	نہیں بحث مباحثہ
لَّقُضِيَ	ضرور فیصلہ کیا جاتا	وَقُلْ	اور کہیں	بَيْنَنَا	ہمارے درمیان
بَيْنَهُمْ	ان کے درمیان	اٰمَنْتُ	میں ایمان لایا	وَبَيْنَكُمْ	اور تمہارے درمیان
وَاِنَّ الَّذِيْنَ	اور بے شک جو لوگ	بِمَآ اَنْزَلَ	اس پر جو اتاری	اَللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
اُوْرِثُوا	وارث بنائے گئے	اللّٰهُ	اللہ نے	يَجْمَعُ	جمع کریں گے
الْكِتٰبَ	آسمانی کتاب کے	مِنْ كِتٰبٍ(۳)	یعنی کتاب (قرآن)	بَيْنَنَا	ہمارے درمیان
مِنْ بَعْدِهِمْ(۲)	ان (اگلوں) کے بعد	وَاُمِرْتُ	اور حکم دیا گیا ہوں میں	وَاِلَيْهِ	اور اسی کی طرف
لَفِيْ شَكٍّ	یقیناً شک میں ہیں	لِاَعْدِلَ	کہ انصاف کروں	الْمَصِيْرُ	لوٹنا ہے

توحید: ادیانِ سماویہ کا متفقہ عقیدہ کہاں ہے؟ عیسائی تثلیث کے قائل ہیں؟

اب ایک سوال کا جواب دیتے ہیں، مکہ میں عیسائی تھے، یہودی نہیں تھے، وہ مدینہ میں تھے، وہاں عیسائی نہیں تھے، مکہ کے مشرکین عیسائیوں کے عقیدۂ تثلیث سے واقف تھے، اور قرآنِ کریم نے ابھی کہا ہے کہ پانچ الوالعزم رسولوں کا دین ایک ہے، اور اس کی بنیادی تعلیم توحید ہے، یعنی معبود صرف اللہ تعالیٰ ہیں، ان کی خدائی میں کوئی حصہ دار نہیں۔ اس پر

(۱) بغیا: مفعول لہ ہے (۲) من بعدھم: اگلوں کے بعد یعنی نزولِ قرآن کے زمانہ کے اہل کتاب (۳) من کتاب: مِن: بیانیہ، ما کا بیان ہے، اور کتاب سے مراد قرآنِ کریم ہے (۴) الحجة: دلیل، برہان، حَاجَّه مُحَاجَّة: حجت بازی کرنا، بحث ومباحثہ کرنا۔

مشرکین کہہ سکتے ہیں کہ عیسائی تو تین خدا مانتے ہیں، پھر توحید ادیانِ سماویہ کا متفقہ عقیدہ کہاں رہا؟ اس کا جواب دیتے ہیں کہ تثلیث عیسائیت کا اصل عقیدہ نہیں، بعد کے عیسائیوں کا بگاڑا ہوا مذہب ہے، عیسیٰ علیہ السلام نے تو توحید خالص کی تعلیم دی تھی، بعد میں پولس نے خود عیسیٰ علیہ السلام کو خدائی میں حصہ دار بنا دیا، اور تیسرا حصہ دار روح القدس (جبرئیل علیہ السلام) کو یا حضرت مریم رضی اللہ عنہا کو قرار دیا۔

اور اس تحریف کا سبب ضد وعناد بنا یعنی یہ جذبہ کہ میری چلے، یہی جذبہ دین کو بگاڑتا ہے، اسلام میں جو گمراہ فرقے وجود میں آئے ہیں اس کا سبب بھی یہی جذبہ بنا ہے۔ یہ تو اللہ کا شکر ہے کہ قرآن محفوظ ہے، اس لئے ایک طائفہ ہمیشہ دین حق پر قائم رہتا ہے، اور اس میں جب بگاڑ پیدا ہوتا ہے تو مجدّد جھاڑو لے کر آتا ہے اور مکڑی کے جالوں کو صاف کر دیتا ہے، اور گذشتہ مذاہب کی آسمانی کتابیں محفوظ نہیں رہیں، اس لئے جب وہ بگڑے تو بگڑتے ہی چلے گئے، اور حقیقت گم ہوگئی۔

آیتِ پاک: —— اور وہ لوگ (عیسائی) باہم متفرق نہیں ہوئے، مگر ان کے پاس (توحید کا) علم آجانے کے بعد آپس کی ضدا ضدی سے —— یعنی توحید میں انھوں نے رخنہ ڈالا وہ کچھ غلط فہمی یا اشتباہ کی وجہ سے نہیں تھا، بلکہ نفسانیت اور ضد سبب تھا، گمراہی پیدا کرنے والا اپنی بات چلانا چاہتا ہے، اور اس کو کچھ ماننے والے مل جاتے ہیں، پس اس کی پارٹی بن جاتی ہے، اور اس کا مذہب چل پڑتا ہے۔

دین بگاڑنے والوں کو اللہ تعالیٰ سزا کیوں نہیں دیتے؟

سوال: جن لوگوں نے عیسائیت کو بگاڑا ان کو اللہ تعالیٰ نے سزا کیوں نہیں دی؟

جواب: اس دنیا میں اللہ کا قانونِ امہال کام کرتا ہے، اگر وہ چاہتے تو اختلاف کرنے والوں کو یک دم ختم کر دیتے، لیکن ایسا کرنا تکوین کی غرض کے منافی ہے، ان کی حکمت کا فیصلہ یہ ہے کہ اختلافات کا دوٹوک فیصلہ قیامت کے دن کیا جائے، اس لئے مجرم پنپ رہے ہیں۔

آیتِ کریمہ: —— اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات قرار نہ پا چکی ہوتی: معین وقت تک مہلت کی تو ضرور ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا!

کیا عیسائی عقیدۂ تثلیث پر مطمئن ہیں؟

سوال: عیسائیوں نے عقیدۂ توحید کو بگاڑ کر جو تثلیث کا نظریہ چلایا ہے: کیا وہ اس پر مطمئن ہیں؟

جواب: ہرگز نہیں، وہ اپنے عقیدہ کے سلسلہ میں بے چین کرنے والے شک میں ہیں، ان کا بڑے سے بڑا پادری تثلیث کو نہیں سمجھا سکتا، ایک کے تین اور تین کا ایک: ایسا چکرّ ہے جس کو مذہب کا راز کہہ کر باور کرایا جاتا ہے، ان کی یہ بے اطمینانی دلیل ہے کہ وہ نظریہ باطل ہے، اگر دین کا بنیادی عقیدہ ہی قابل فہم نہ ہو تو وہ دین کیا ہوا!

آیتِ کریمہ: —— اور بے شک جو لوگ آسمانی کتاب (انجیل) کے وارث بنائے گئے اُن (اگلوں) کے بعد یقیناً وہ اس (تثلیث) میں بے چین کرنے والے شک میں ہیں!

عیسائیوں سے دوٹوک دس باتیں:

آخر میں ایک آیت میں عیسائیوں سے دس باتیں کہی گئی ہیں[1]:

۱ —— پس آپؐ اسی کی دعوت دیں —— عیسائی بھی تثلیث کو توحید کا نام دیتے ہیں، وہ تین خداؤں کا لڈو بناتے ہیں، صحیح توحید وہ ہے جو قرآنِ کریم بیان کرتا ہے، آپؐ عیسائیوں کو اس کی دعوت دیں۔

۲ —— اور آپؐ مستقیم رہیں جیسا آپ کو حکم دیا گیا ہے —— یعنی مسلمان قولاً، فعلاً، علماً، عقیدۃً اور حالاً برابر اسی راستہ پر گامزن رہیں جس پر وہ اب تک ہیں۔

۳ —— اور آپؐ ان کی خواہشات (باطل نظریات) کی پیروی نہ کریں —— وہ مسلمانوں کے سر اپنا باطل نظریہ تھونپنا چاہیں گے، مسلمان اس سے ہوشیار رہیں۔

۴ —— اور آپؐ کہیں: میں اللہ کی اس کتاب (قرآن) پر ایمان لایا، جو اللہ نے مجھ پر نازل فرمائی ہے —— یعنی اس میں توحید کا جو مطلب بیان کیا گیا ہے میں اسی کو مانتا ہوں۔

۵ —— اور میں حکم دیا گیا ہوں کہ تمہارے درمیان انصاف کروں —— یعنی تم میں اختلاف ہے، کوئی تثلیث کو مانتا ہے کوئی نہیں مانتا، اسی طرح اقانیم کی تعیین میں بھی اختلاف ہے، تم یہ نزاع میرے پاس لاؤ، میں انصاف سے، کسی کی رعایت کے بغیر فیصلہ کروں گا۔

۶ —— اللہ تعالیٰ ہمارے پروردگار ہیں، اور تمہارے پروردگار ہیں —— یہ بنیادی عقیدہ ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے۔

۷ —— ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال ہیں —— یعنی ہر کوئی اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے۔

(۱) اس کی نظیر آیت الکرسی ہے، اس میں بھی ایک ہی آیت میں دس باتیں ہیں ۱۲

۸ ـــ ہمارے اور تمہارے درمیان کچھ بحث نہیں ـــ یعنی میں نے توحید خالص کو دلائل وبراہین سے واضح کر دیا ہے، اب ماننا نہ ماننا تمہارا کام ہے، آگے دلائل کی گفتگو بے فائدہ ہے۔

۹ ـــ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اکٹھا کریں گے ـــ یعنی قیامت کے دن، اس دن حق وباطل کا عملی فیصلہ ہوجائے گا۔

۱۰ ـــ اور اسی کی طرف لوٹنا ہے ـــ اس کو تم بھی مانتے ہو، پھر تین خدا کہاں سے آگئے؟ اگر کوئی اور خدا ہوتا تو وہ اپنے بندوں کو اپنی طرف لوٹاتا۔

وَالَّذِيْنَ يُحَاۗجُّوْنَ فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿١٦﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ ۭ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ ﴿١٧﴾ يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ۭ اَلَآ اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ فِي السَّاعَةِ لَفِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ﴿١٨﴾ اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿١٩﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۙ وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ﴿٢٠﴾

وَالَّذِيْنَ	اور جو لوگ	حُجَّتُهُمْ	ان کی دلیل	عَذَابٌ	عذاب ہے
يُحَاۗجُّوْنَ(۱)	بحث کرتے ہیں	دَاحِضَةٌ(۳)	باطل ہے	شَدِيْدٌ	سخت
فِي اللّٰهِ	اللہ (کی یکتائی) میں	عِنْدَ رَبِّهِمْ	ان کے رب کے پاس	اَللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
مِنْۢ بَعْدِ(۲)	بعد	وَعَلَيْهِمْ	اور ان پر	الَّذِيْٓ	جنھوں نے
مَا اسْتُجِيْبَ	مان لینے کے	غَضَبٌ	غصہ ہے	اَنْزَلَ	اتارا
لَهٗ	اس کو	وَّلَهُمْ	اور ان کے لئے	الْكِتٰبَ	قرآن

(۱) حاجّه مُحاجّةً: بحث مباحثہ کرنا، حجت بازی کرنا (۲) بَعْدَ: مضاف، ما استجیب مضاف الیہ، مَا: مصدریہ، (۳) دَحَضَ: پھسلنا، داحضة: باطلة۔

بِالْحَقِّ	حق کے ساتھ	اَنَّهَا الْحَقُّ	کہ وہ برحق ہے	كَانَ يُرِيْدُ	چاہتا ہے
وَالْمِيْزَانَ	اور ترازو	اَلَآ	سنو!	حَرْثَ	کھیتی
وَمَا يُدْرِيْكَ	اور تجھے کیا خبر	اِنَّ الَّذِيْنَ	بے شک جو لوگ	الْاٰخِرَةِ	آخرت کی
لَعَلَّ السَّاعَةَ	شاید قیامت	يُمَارُوْنَ (۱)	جھگڑا کرتے ہیں	نَزِدْ	زیادہ کرتے ہیں ہم
قَرِيْبٌ	نزدیک ہو	فِي السَّاعَةِ	قیامت میں	لَهٗ	اس کے لئے
يَسْتَعْجِلُ	جلدی مچاتے ہیں	لَفِيْ ضَلٰلٍ	یقیناً گمراہی میں ہیں	فِيْ حَرْثِهٖ	اس کی کھیتی میں
بِهَا	اس کے بارے میں	بَعِيْدٍ	دور کی	وَمَنْ	اور جو
الَّذِيْنَ	جو لوگ	اَللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	كَانَ يُرِيْدُ	چاہتا ہے
لَا يُؤْمِنُوْنَ	نہیں مانتے	لَطِيْفٌ	مہربان ہیں	حَرْثَ	کھیتی
بِهَا	اس کو	بِعِبَادِهٖ	اپنے بندوں پر	الدُّنْيَا	دنیا کی
وَالَّذِيْنَ	اور جو لوگ	يَرْزُقُ	روزی دیتے ہیں	نُؤْتِهٖ	دیتے ہیں ہم اس کو
اٰمَنُوْا	مانتے ہیں	مَنْ يَّشَآءُ	جس کو چاہتے ہیں	مِنْهَا	اس میں سے کچھ
مُشْفِقُوْنَ	ڈرنے والے ہیں	وَهُوَ الْقَوِيُّ	اور وہ زور آور	وَمَا لَهٗ	اور نہیں ہے اس کے لئے
مِنْهَا	اس سے	الْعَزِيْزُ	زبردست ہیں	فِي الْاٰخِرَةِ	آخرت میں
وَيَعْلَمُوْنَ	اور جانتے ہیں وہ	مَنْ	جو	مِنْ نَّصِيْبٍ	کوئی حصہ

توحید میں بحث فضول ہے، اور مشرکین کے دلائل بے بنیاد ہیں

جب تثلیث کی بات آئی تو مشرکین کہنے لگے: جب تین خدا ہو سکتے ہیں تو تیس کیوں نہیں ہو سکتے؟ آخر ایک خدا اتنی بڑی دنیا کیسے سنبھال سکتا ہے؟ پھر خدا کی بڑی شان ہے، اس تک وسیلہ کے بغیر کیسے پہنچ سکتے ہیں؟ ہماری مورتیاں اللہ کی مددگار ہیں، وہ ہمیں اللہ سے نزدیک کریں گی، اس لئے ہم ان کو پوجتے ہیں۔

اس کا جواب دے رہے ہیں کہ عیسائی توحید کے قائل ہیں، اور تم اس میں بکھیڑا ڈالتے ہو، اور تمہارے جواز شرک کے دلائل پادر ہوا ہیں، تم سے اللہ تعالیٰ سخت ناراض ہیں، وہ تمہیں سخت سزا دیں گے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ توحید کے قائل ہیں، وہ اللہ ہی کو معبود مانتے ہیں، پھر یہود تو توحید میں پکے ہیں

(۱) یمارون: مضارع، مِراء اور مُمَارَاۃ: مصادر باب مفاعلہ: جھگڑنا۔

اور عیسائی کہے ہیں، لندن میں یہود کے بڑے ربائی نے مجھ سے کہا: ہم چرچوں میں نہیں جاسکتے، مسجدوں میں جاسکتے ہیں۔ میں نے پوچھا: کیوں؟ کہنے لگا: چرچوں میں شرک ہوتا ہے اور مسجدوں میں شرک نہیں ہوتا۔ اور عیسائیوں نے ڈالر پر لکھا ہے: توکلنا علی اللہ: ہم اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں، پس وہ بھی توحید کے قائل ہیں، اور اللہ کے لئے نماز پڑھتے ہیں، مگر وہ عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں غلو کرتے ہیں، ان کو اللہ کا بیٹا مانتے ہیں، جیسے غالی بدعتی اللہ کو معبود مانتے ہیں، مگر نبی ﷺ اور اولیاءِ کرام کی شان میں غلو کرتے ہیں، آپ کو جمیع ما کان وما یکون کا عالم اور ہر جگہ حاضر و ناظر مانتے ہیں اور اولیاء کو کائنات میں تصرف کرنے والا مانتے ہیں، اس لئے ان کی قبروں کو سجدہ کرتے ہیں اور ان سے مرادیں مانگتے ہیں۔

مگر یہود و نصاریٰ کافر ہیں، سورۃ البینہ میں دو جگہ ان پر کافر کا اطلاق آیا ہے، کیونکہ وہ محمد رسول اللہ کو نہیں مانتے، اور ایمان کے لئے کلمہ کے دونوں اجزاء کو ماننا ضروری ہے، اور بدعتیوں کے کفر کا فتوی نہیں، کیونکہ وہ تاویل سے غلو کرتے ہیں، وہ کلمہ کے دونوں اجزاء پر ایمان رکھتے ہیں، اس لئے وہ گمراہ مسلمان ہیں۔

آیتِ کریمہ: ﴿وَالَّذِيْنَ يُحَاۗجُّوْنَ فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۝﴾

ترجمہ: اور جو لوگ اللہ (کی یکتائی) میں بحث کرتے ہیں (یعنی مشرکین) اُس کے لئے (یکتائی) مان لینے کے بعد (یعنی عیسائیوں نے مان لی) ان کی دلیل ان کے پروردگار کے نزدیک باطل ہے، اور ان پر غضب نازل ہونے والا ہے، اور ان کے لئے (قیامت کو) سخت عذاب ہوگا۔

اللہ کی یکتائی سمجھنے کے لئے تین چیزوں کی ضرورت

جب تین باتیں جمع ہونگی تب توحید گلے سے اترے گی:

۱- اللہ کی کتاب کو بغور پڑھنا ——— قرآنِ کریم دینِ حق کی تعلیمات پر مشتمل ہے، اور دین کی بنیادی تعلیم: توحید کی تعلیم ہے قرآنِ کریم نے اس کو طرح طرح سے سمجھایا ہے، پس جو شخص قرآن کا بغور مطالعہ کرے گا اس کی سمجھ میں توحید آجائے گی۔

۲- عقلِ سلیم کی ترازو سے قرآن کی باتوں کو تولنا ——— اللہ نے ترازو اتاری ہے، مادّی چیزیں بھی اس سے تولی جاتی ہیں، اور معنوی چیزیں بھی، پس جس کو عقلِ سلیم ملی ہے اس کو ایک نعمت ملی ہے، اور اس ترازو سے قرآن کی باتوں کو تولے گا تو ان شاء اللہ محروم نہیں رہے گا۔

۳- آخرت کو ماننا ——— مرنے کے بعد دوسری زندگی کا کسی درجہ میں قائل ہو، جبھی قرآن کی باتیں اس کو اپیل کریں گی۔

آیتِ کریمہ: ﴿اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ ۭ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ

قَرِيْبٌ ⑰﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ: جنھوں نے قرآن اتارا، جو دین حق پر مشتمل ہے اور ترازو (بھی) اور تجھے کیا پتہ! شاید قیامت قریب ہو!

قیامت کے ماننے والے اور نہ ماننے والے

جن کو قیامت کا یقین نہیں وہ ہنسی مذاق کے طور پر نہایت بے فکری سے کہتے ہیں: ہاں صاحب وہ قیامت کب آئے گی؟ آخر دیر کیا ہے؟ جلدی کیوں نہیں آجاتی؟ —— لیکن جن کو اللہ تعالیٰ نے ایمان ویقین سے بہرہ ور کیا ہے وہ اُس ہولناک گھڑی کے تصور سے لرزتے اور کانپتے ہیں، اور خوب سمجھتے ہیں کہ یہ چیز ہونے والی ہے، کسی کے ٹلائے ٹل نہیں سکتی، اسی لئے اس کی تیاری میں لگے رہتے ہیں —— اسی سے سمجھ لو کہ ان جھگڑنے والے منکرین کا حشر کیا ہوگا؟ جب ایک شخص کو قیامت کے آنے کا یقین ہی نہیں تو وہ تیاری کیا خاک کرے گا؟ ہاں جتنا اس حقیقت کا مذاق اڑائے گا گمراہی میں اور زیادہ دور ہوتا چلا جائے گا (فوائد)

آیتِ کریمہ: ﴿يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ۭ اَلَآ اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ فِي السَّاعَةِ لَفِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ⑱﴾

ترجمہ: اس کی جلدی مچاتے ہیں وہ لوگ جو اس کا یقین نہیں رکھتے، اور جو یقین رکھتے ہیں وہ اس سے ڈرتے ہیں، اور جانتے ہیں کہ وہ برحق ہے، سنو! جو لوگ قیامت کے بارے میں جھگڑتے ہیں وہ بڑی دور کی گمراہی میں ہیں!

اللہ تعالیٰ منکرین قیامت کی بھی روزی روٹی بند نہیں کرتے

جو لوگ قیامت کی تکذیب وانکار کرتے ہیں، اور اہل حق سے جھگڑتے رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی روزی روٹی بند نہیں کرتے، کیونکہ وہ بندوں پر مہربان ہیں، ان کو سنبھلنے کا موقع دیتے ہیں —— بلکہ بعض منکرین تو لاکھ مَن کے ہوتے ہیں، کروڑوں میں پلتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو خوب روزی دیتے ہیں —— تاہم وہ اللہ کی قدرت سے باہر نہیں، اللہ تعالیٰ زور آور زبردست ہیں، وقت آنے پر ان کو دیکھ لیں گے۔

آیتِ کریمہ: ﴿اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ⑲﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہیں، جس کو چاہتے ہیں روزی دیتے ہیں، اور وہ زور آور زبردست ہیں۔

منکرین پر عنایت دنیا کی حد تک ہے، آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں

اللہ تعالیٰ کا دنیا میں خوانِ نعمت عام بچھا ہوا ہے، پس جو لوگ دنیا پیشِ نظر رکھ کر کھیتی کرتے ہیں ان کو بھی اللہ تعالیٰ محروم

نہیں کرتے، ان کا کھلیاں بھی کچھ نہ کچھ بھر جاتا ہے، وہ بھی محروم نہیں رہتے، مگر آخرت میں ان کا کچھ حصہ نہیں، وہاں وہ بالکل تہی دست ہونگے —— اور جولوگ آخرت کے لئے کام کرتے ہیں ان کے آخرت میں وارے نیارے ہونگے، ان کی خوب چاندی ہوگی، ایک نیکی کا دس گنا ثواب ملے گا، بلکہ سات سو گنا یا اس سے بھی زیادہ مل سکتا ہے، وہ آخرت میں مالا مال ہونگے، اور دنیا میں ایمان اور عمل صالح کی جو برکت پہنچے گی وہ الگ ہے!

آیتِ کریمہ: ﴿ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ﴾

ترجمہ: جو شخص آخرت کی کھیتی کا طالب ہے، ہم اس کو اس کی کھیتی میں ترقی دیتے ہیں —— یعنی اس کو آخرت میں دوناثواب ملے گا —— اور جو شخص دنیا کی کھیتی کا طالب ہے، ہم اس کو دنیا میں سے کچھ دیتے ہیں، اور اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں!

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَأْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ تَرَى الظّٰلِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا كَسَبُوْا وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا يَشَاۗءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ۝ ذٰلِكَ الَّذِيْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ قُلْ لَّآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ۭ وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ۝

اَمْ	کیا	لَهُمْ	ان کے لئے	بِهِ	اس کی
لَهُمْ	اُن (مشرکین) کے لئے	مِّنَ الدِّيْنِ	کوئی دین	اللّٰهُ	اللہ نے
شُرَكٰٓؤُا	شریک ہیں	مَا [2]	جو	وَلَوْلَا	اور اگر نہ ہوتی
شَرَعُوْا [1]	مشروع کیا انھوں نے	لَمْ يَأْذَنْ	اجازت نہیں دی	كَلِمَةُ	ایک بات

(۱) جملہ شرعوا: شرکاء کی صفت ہے، شَرَعَ الدینَ: مذہب کی تعیین ووضاحت کرنا، مشروع کرنا (۲) ما لم یأذن: شرعوا کا مفعول ہے۔

الْفَصْلِ	فیصلہ کن	وَعَمِلُوا	اور کئے انھوں نے	وَعَمِلُوا	اور کئے انھوں نے
لَقُضِيَ	ضرور فیصلہ کردیا جاتا	الصّٰلِحٰتِ	نیک کام	الصّٰلِحٰتِ	نیک کام
بَيْنَهُمْ	ان کے درمیان	فِيْ رَوْضٰتِ (۱)	سبزہ زاروں میں ہونگے	قُلْ	کہہ:
وَاِنَّ	اور بے شک	الْجَنّٰتِ	باغات کے	لَآ اَسْـَٔلُكُمْ	نہیں مانگتا میں تم سے
الظّٰلِمِيْنَ	ناانصاف (مشرکین)	لَهُمْ	ان کے لئے ہے	عَلَيْهِ	اس پر
لَهُمْ	ان کے لئے	مَّا يَشَآءُوْنَ	جو چاہیں گے وہ	اَجْرًا	کچھ بدلہ
عَذَابٌ	عذاب ہے	عِنْدَ رَبِّهِمْ	ان کے رب کے پاس	اِلَّا الْمَوَدَّةَ (۲)	لیکن محبت
اَلِيْمٌ	دردناک	ذٰلِكَ	یہ	فِي الْقُرْبٰى (۳)	رشتہ داری کی وجہ سے
تَرَى	دیکھے گا تو	هُوَ	ہی	وَمَنْ	اور جو شخص
الظّٰلِمِيْنَ	ناانصافوں کو	الْفَضْلُ	بزرگی ہے	يَّقْتَرِفْ (۴)	کمائے گا
مُشْفِقِيْنَ	ڈرنے والا	الْكَبِيْرُ	بڑی	حَسَنَةً	کوئی نیکی
مِمَّا	اس سے جو	ذٰلِكَ	یہ	نَّزِدْ	بڑھائیں گے ہم
كَسَبُوْا	کمایا انھوں نے	الَّذِيْ	وہ ہے جس کی	لَهٗ	اس کے لئے
وَهُوَ	اور وہ (کمایا ہوا)	يُبَشِّرُ	خوش خبری دیتے ہیں	فِيْهَا	اس (نیکی) میں
وَاقِعٌ	پڑنے والا ہے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	حُسْنًا (۵)	خوبی
بِهِمْ	ان پر	عِبَادَهُ	اپنے اُن بندوں کو	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
وَالَّذِيْنَ	اور جو لوگ	الَّذِيْنَ	جو	غَفُوْرٌ	بڑے بخشنے والے
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	اٰمَنُوْا	ایمان لائے	شَكُوْرٌ	بڑے حق شناس ہیں

روحانی کارسازی مورتیاں نہیں کرتیں پھر وہ معبود کیسے ہوسکتی ہیں؟

ذرا پیچھے لوٹیں! آیت ۱۳ میں یہ بات گذری ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی معبود برحق ہیں، کیونکہ وہی بندوں کی دینی ضرورت

(۱) روضات: روضة کی جمع: سبزہ زار، ہری کیاری (۲) اِلا: استثناء منقطع، بمعنی لکن ہے (۳) فی: سببیہ ہے، جیسے: اِنَّ امرأةً دخلتِ النارَ فی هرة: ایک عورت بلّی کی وجہ سے دوزخ میں گئی (روح) (۴) اقترف: کمانا، کہا جاتا ہے: فلان یقترف لعیاله۔ (۵) حسنًا: مفعول بہ یا تمیز ہے۔

پوری کرتے ہیں۔اب مشرکین سے سوال ہے: کیا تمہاری مورتیاں تمہاری یہ ضرورت پوری کرتی ہیں؟ کیا انھوں نے اللہ کے مشروع کئے ہوئے دین کے علاوہ کوئی دین مشروع کیا ہے؟ نہیں کیا! پھر وہ معبود کیسے ہوسکتی ہیں؟ معبود ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ مادی اور روحانی چارہ سازی کرے —— اور مادی چارہ سازی کا سوال اس لئے نہیں کیا کہ مشرکین بہ زعم خود اپنی مادی ضرورتیں خود ہی پوری کرتے ہیں، وہ اپنی عقل کو اپنی یہ ضرورت پوری کرنے کے لئے کافی سمجھتے ہیں، اس سلسلہ میں ان کو کسی کی چارہ سازی کی حاجت نہیں، مگر روحانی راہ نمائی تو عقل نہیں کرسکتی، اس کے لئے تو بالائی راہ نمائی کی ضرورت ہے، پس سوال ہے کہ تمہاری مورتیاں تمہاری یہ ضرورت پوری کرتی ہیں؟ نہیں کرتیں تو وہ معبود کیسے ہوسکتی ہیں؟

آیتِ کریمہ: ﴿ اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ﴾

ترجمہ: کیا مشرکین کے لئے ایسے شرکاء ہیں جنھوں نے تجویز کیا ہو ان کے لئے ایسا دین جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی؟

تفسیر: شرکاء: ساجھی: یعنی مورتیاں اور وہ بندے جن کا پیکر (نظر آنے والی صورت) یہ مورتیاں ہیں یعنی ملائکہ، انبیاء اور اولیاء وغیرہ.......... جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی: یعنی خود ساختہ: پس انبیائے کرام وحی کے ذریعہ جو دینی راہ نمائی کرتے ہیں: وہ نکل گئی۔

عذاب بھیج کر حق وباطل کا عملی فیصلہ نہ کرنے کی وجہ

مکہ کے مشرکین بات کسی طرح نہیں مانتے تھے، ایسی صورت میں اللہ کی سنت یہ ہے کہ عذاب آتا ہے، مخالفین تباہ ہوجاتے ہیں، اور مؤمنین بچ جاتے ہیں، مگر حسبِ عادت عذاب بھیج کر مشرکین ومؤمنین کے درمیان عملی فیصلہ نہیں کیا جارہا، اس کی وجہ یہ ہے کہ علم ازلی میں ایک بات مقدر ہے، اور وہ یہ ہے کہ یہی مخالفین ایک وقت کے بعد ایمان لے آئیں گے، اور خیر امت بن کر ایک دنیا کو سنبھالیں گے، اگر یہ بات طے نہ ہوتی تو ضرور عذاب آتا اور عملی فیصلہ کردیا جاتا۔

آیتِ کریمہ: ﴿ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ﴾

ترجمہ: اور اگر ایک قولِ فیصل نہ ہوتا تو ان (مؤمنین ومخالفین) کے درمیان فیصلہ کردیا جاتا۔

جو مخالفین کفر وشرک پر مریں گے ان کو آخرت کے عذاب سے سابقہ پڑے گا

جب مخالفین پر عمومی عذاب نہیں آئے گا، کیونکہ وہ آئندہ اسلام قبول کرنے والے ہیں، پس جو مخالفین کفر وشرک پر مریں گے وہ سزا سے بچ جائیں گے، حالانکہ ان کو سزا ملنی چاہئے؟ اس کا جواب دیتے ہیں کہ وہ اگرچہ دنیا کے عذاب سے بچ جائیں گے، مگر آخرت کا عذاب ان کا انتظار کررہا ہے، اس سے کسی طرح نہیں بچ سکتے، جب آخرت میں وہ اپنی

بدکرداریوں کا وبال دیکھیں گے تو سہم جائیں گے، مگر وہ وبال بہر حال ان پر پڑکر رہے گا، وہ اس سے بچ نہیں سکتے!

آیتِ کریمہ: ﴿ وَ اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ تَرَى الظّٰلِمِیْنَ مُشْفِقِیْنَ مِمَّا كَسَبُوْا وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ؕ ﴾

ترجمہ: اور مشرکوں کو آخرت میں ضرور دردناک سزا ملے گی، اور آپ مشرکوں کو دیکھیں گے ڈر رہے ہونگے ان اعمال کے وبال سے جو انھوں نے کئے ہیں، اور وہ وبال ان پر پڑکر رہے گا!

مؤمنین جنت کے سبزہ زاروں میں شادکام ہونگے

کافروں کو دنیا میں سزا ملتی تو مؤمنین کا کلیجہ ٹھنڈا ہوتا، مگر ایسا ہوگا نہیں! اس لئے نیک مؤمنین کو خوش خبری سناتے ہیں جو کفار کا ستم سہہ رہے ہیں کہ آخرت میں تمہاری خوب چاندی ہوگی، تم جنت کے سبزہ زاروں میں عیش کروگے، وہاں جو چاہوگے نصیب ہوگا، اور یہ بڑا انعام ہے، جس کی خوش خبری اللہ تعالیٰ نیک مؤمنین کو دیتے ہیں، اور اللہ کی بات سے سچی بات کس کی ہوسکتی ہے!

آیتِ کریمہ: ﴿ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِیْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا یَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِیْرُ ۝ ذٰلِكَ الَّذِیْ یُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ ﴾

ترجمہ: اور جو لوگ ایمان لائے، اور انھوں نے اچھے کام کئے وہ باغوں کے سبزہ زاروں میں ہونگے، ان کے لئے ان کے پروردگار کے پاس وہ ہے جو وہ چاہیں گے، یہی بڑا انعام ہے، اسی کی اللہ تعالیٰ بشارت دیتے ہیں اپنے ان بندوں کو جو ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے —— روضاتُ الجناتِ: اضافت بیانیہ بھی ہوسکتی ہے اور حقیقیہ بھی، بیانیہ: جیسے خاتَمُ فضةٍ اس صورت میں سارا باغ سبزہ زار ہوگا، اور حقیقیہ کی صورت میں باغات کا خاص حصہ مراد ہوگا، کیونکہ باغ میں ہر جگہ سبزہ نہیں ہوتا، پس یہ خصوصیت در خصوصیت ہے۔

مخالفین سے جدّی رشتہ کی رعایت کی درخواست

مکہ مکرمہ میں قریش آباد تھے، قریش: نضر بن کنانہ کی اولاد کو کہتے ہیں، مکہ کے تمام قبائل کے انساب نبی ﷺ کے اجداد سے جڑتے تھے، پس مکہ والے سارے جدی رشتہ سے نبی ﷺ کے قرابت دار تھے، وہی اسلام کے اولین مخاطب اور کٹر مخالف تھے —— اور اب جبکہ ان پر عمومی عذاب نہ آنا مقدر ہے، اور مسلمان ان کی چیرہ دستیوں سے تنگ آچکے ہیں: تو چارہ کیا ہے؟ اب ایک ہی راہ ہے کہ ان سے جدی رشتہ کا واسطہ دے کر رعایت کی درخواست کی جائے، شاید کچھ ڈھیلے

پڑیں، چنانچہ نبی ﷺ کی زبان سے یہ درخواست کرائی گئی۔

آیتِ کریمہ: ﴿ قُلۡ لَّاۤ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَیۡهِ اَجۡرًا اِلَّا الۡمَوَدَّةَ فِی الۡقُرۡبٰی ﴾

ترجمہ: آپؐ کہیں: میں تم سے سے (تبلیغ دین) پر کچھ بدلہ نہیں چاہتا، بجز رشتہ داری کی محبت کے!

تفسیر: یعنی قرآن جیسی دولت تم کو دے رہا ہوں، اور ابدی نجات وفلاح کا راستہ بتلاتا اور جنت کی خوش خبری سناتا ہوں: یہ سب محض لوجہ اللہ ہے! اس خیر خواہی اور احسان کا تم سے کچھ بدلہ نہیں مانگتا —— صرف ایک بات چاہتا ہوں کہ تم سے جو میرے نسبی وخاندانی تعلقات ہیں: کم از کم اُن کو نظر انداز مت کرو، آخر تمہارا معاملہ اقارب اور رشتہ داروں کے ساتھ کیا ہوتا ہے؟ بسا اوقات اُن کی بے موقع بھی حمایت کرتے ہو، میرا کہنا یہ ہے کہ تم اگر میری بات نہیں مانتے نہ مانو، میرا دین قبول نہیں کرتے یا میری تائید وحمایت میں کھڑے نہیں ہوتے نہ سہی، لیکن کم از کم قرابت ورحم (ناتا) کا خیال کرکے ظلم واذیت رسانی سے باز رہو، اور مجھ کو اتنی آزادی دو کہ میں اپنے پروردگار کا پیغام دنیا کو پہنچاتا رہوں، کیا اتنی دوستی اور فطری محبت کا بھی میں مستحق نہیں ہوں؟ (فوائد شبیری)

رعایت در رعایت کی ترغیب

اب ایک قاعدہ کلیہ بیان کرتے ہیں، جو مسلمانوں کے حق میں اور غیروں کے حق میں یکساں نافذ ہے، اس میں کفار کو رعایت در رعایت کی ترغیب دی ہے، یعنی قرابت کی محبت: ایذاء رسانی اور ظلم وزیادتی سے روکتی ہے، لیکن اگر کوئی اس سے زیادہ نبی ﷺ اور مسلمانوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرے تو اس کی نیکی ضائع نہیں ہوگی، دنیا وآخرت میں وہ نفع بخش ہوگی۔

چند مثالیں:

۱- نبی ﷺ کے چچا ابو طالب نے ہر نازک موڑ پر آپؐ کی حمایت کی ہے، پس ایمان تو ان کے لئے مقدر نہیں تھا، مگر آخرت میں وہ ٹخنوں تک آگ میں ہونگے، یہ نبی ﷺ کی حمایت کا ان کو فائدہ پہنچے گا۔

۲- مطعم بن عدی: عبد مناف کے لڑکے نوفل کی اولاد میں تھے، اور رؤسا میں سے تھے، انھوں نے نبی ﷺ کے ساتھ دو اچھے سلوک کئے:

(الف) جب نبی ﷺ طائف تشریف لے گئے، اور طائف والوں نے بات نہ مانی تو آپ مطعم کی پناہ میں مکہ مکرمہ واپس آئے۔

(ب) جب مکہ والوں نے نبی ﷺ کا بائیکاٹ کیا، اور تین سال گذر گئے، اور بنو ہاشم اور بنو مطلب جاں بلب ہوگئے تو اسی مطعم نے اس بائیکاٹ کو ختم کرنے میں اہم رول ادا کیا۔

مگر اس کے لئے بھی ایمان مقدر نہیں تھا، مگر جب اس کے لڑکے جبیرؓ بدر کے قیدیوں کو بغیر عوض چھڑانے کے لئے مدینہ آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر بڑے میاں زندہ ہوتے، اور وہ مجھ سے ان گندوں کے بارے میں گفتگو کرتے تو میں سب کو مفت چھوڑ دیتا'' —— یہ احسان شناسی ہے۔

۳- حبشہ والوں کا مسلمانوں پر احسان تھا، انھوں نے کٹھن حالات میں مسلمانوں کو پناہ دی تھی، چنانچہ نبی ﷺ نے امت کو حکم دیا: دَعُوا الْحَبَشَةَ مَا وَدَعُوكُمْ: جب تک حبشہ والے تم پر حملہ نہ کریں تم ان پر لشکر کشی نہ کرنا —— یہ بھی احسان شناسی ہے، آج تک مسلمانوں نے حبشہ پر حملہ نہیں کیا۔

آیتِ کریمہ: ﴿وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ﴾

ترجمہ: اور جو شخص کوئی نیکی کرے گا ہم اس میں خوبی بڑھائیں گے، بے شک اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے بڑے قدرداں ہیں!

تفسیر: مسلمان جب کوئی نیکی کرتا ہے تو اس کو دوسری نیکی کی توفیق ملتی ہے، یہ دنیا میں اللہ نے نیکی میں خوبی بڑھائی، حدیث میں ہے: ''ہمیشہ سچ بولو، اس لئے کہ سچ نیکی تک پہنچاتا ہے، اور نیکی جنت تک پہنچاتی ہے'' نیز نیک اعمال سے گناہ بھی معاف ہوتے ہیں: ﴿إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ﴾: نیک کام (نامۂ اعمال سے) برائیوں کو مٹاتے ہیں، وہ بڑے بخشنے والے ہیں، رحمتِ حق بہانہ می جوید، بہانمی جوید: بخشنے کے لئے بہانہ چاہئے، پوری قیمت نہیں چاہئے —— اور آخرت میں اجر وثواب کے اعتبار سے خوبی بڑھے گی، یہ اللہ کی قدردانی ہے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۚ فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ ؕ وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۴﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿۲۶﴾

اَمْ(۱)	کیا	يَقُوْلُوْنَ	کہتے ہیں وہ:	افْتَرٰى	گھڑ لیا ہے اس نے

(۱) اَم: منقطعہ ہے، وہ کبھی صرف اضراب (اعراض) کے لئے آتا ہے، اس وقت ترجمہ: 'بلکہ' ہوتا ہے، اور کبھی اس میں استفہام انکاری کے معنی بھی ہوتے ہیں، اس وقت ترجمہ: 'کیا' ہوتا ہے، یہاں دونوں صورتیں ہوسکتی ہیں۔

عَلَى اللّٰهِ	اللہ پر	الْحَقَّ	برحق بات کو	وَ يَعْلَمُ	اور جانتے ہیں
كَذِبًا	جھوٹ	بِكَلِمٰتِهٖ	اپنے فرمودات سے	مَا تَفْعَلُوْنَ	جو کرتے ہو تم
فَاِنْ	پس اگر	اِنَّهٗ	بے شک وہ	وَ يَسْتَجِيْبُ	اور دعا قبول کرتے ہیں
يَّشَاِ	چاہیں	عَلِيْمٌۢ	خوب جاننے والے ہیں	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	ان کی جو ایمان لائے
اللّٰهُ	اللہ	بِذَاتِ الصُّدُوْرِ	سینوں کی باتوں کو	وَ عَمِلُوا	اور کئے انھوں نے
يَخْتِمْ	(تو) مہر کردیں	وَ هُوَ الَّذِيْ	اور وہی ہیں جو	الصّٰلِحٰتِ	نیک کام
عَلٰى قَلْبِكَ (۱)	تیرے دل پر	يَقْبَلُ	قبول کرتے ہیں	وَيَزِيْدُهُمْ	اور زیادہ دیتے ہیں ان کو
وَ يَمْحُ (۲)	اور مٹائیں گے	التَّوْبَةَ	توبہ	مِّنْ فَضْلِهٖ	اپنے فضل سے
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	عَنْ عِبَادِهٖ	اپنے بندوں کی	وَالْكٰفِرُوْنَ	اور انکار کرنے والے
الْبَاطِلَ	غلط بات کو	وَيَعْفُوْا	اور معاف کرتے ہیں	لَهُمْ عَذَابٌ	ان کیلئے عذاب ہے
وَ يُحِقُّ	اور ثابت کریں گے	عَنِ السَّيِّاٰتِ	برائیاں	شَدِيْدٌ	سخت

مخالفت کی اصل وجہ: ایک سنگین الزام

مکہ کے مشرکین مخالفت پر تُلے ہوئے ہیں! جانتے ہو! اس کی اصل وجہ کیا ہے؟ وہ نبی ﷺ پر ایک سنگین الزام لگاتے ہیں، کہتے ہیں: اس شخص نے نبوت کا ڈھونگ رچا ہے، قرآن خود بناتا ہے اور اللہ کا نام لیتا ہے، یہ اللہ پر بہتان ہے، ایسے جھوٹے کو اس کے گھر تک پہنچانا چاہئے!

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: یہ ایسا سنگین الزام ہے کہ الزام تراش کے دل پر مہر لگ سکتی ہے، اس کی ایمان کی صلاحیت ختم ہوسکتی ہے، جیسے سورۃ مریم کے آخری رکوع میں ہے کہ جو لوگ اللہ کے لئے اولاد مانتے ہیں: یہ ایسی سنگین بات ہے کہ آسمان وزمین زیروزبر ہوسکتے ہیں، اسی طرح بعض شرارتیں بھی دل سے ایمان کی جڑ اکھاڑ دیتی ہیں۔

پھر فرماتے ہیں کہ یہ غلط بات چلنے والی نہیں، اللہ تعالیٰ اس کو نابود کریں گے، کیونکہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے، اور کاغذ کی ناؤ آج نہ ڈوبی کل ڈوبی! اور برحق بات یعنی نبوت کی صداقت اور کلام اللہ کی حقانیت آشکارہ ہوکر رہے گی، خود

(۱) علی قلبك: میں التفات ہے، پہلے یقولون: جمع غائب آیا ہے، اب واحد مذکر حاضر کی ضمیر لائے ہیں اور مراد ان قائلین میں سے وہ ایک ہے جو الزام تراش ہے، اس کے دل پر مہر لگ سکتی ہے، دوسرے تو اس کے طنبورے ہیں (۲) یمح کے آخر کا واو قرآنی رسم الخط میں نہیں لکھا گیا، اصل یمحو ہے۔

کلام معجزا اپنی صداقت ثابت کر کے رہے گا، اور اس کی خبریں جب واقعہ بنیں گی تو نبوت اور قرآن کی حقانیت ظاہر ہو کر رہے گی۔

پھر آخر میں فرماتے ہیں کہ تم جو الزام لگاتے ہو وہ دل کی بات پر ریمارک (تبصرہ) کرتے ہو، جبکہ سینوں کے بھید اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، پھر ایسی جسارت کیوں کرتے ہو؟

نوٹ: ﴿فَإِنْ يَّشَأْ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ﴾ کی یہ تفسیر قُشیری رحمہ اللہ نے کی ہے، اور آلوسی رحمہ اللہ نے اس کو روح المعانی میں نقل کیا ہے، اور پسند نہیں کیا، مگر میرے نزدیک یہی تفسیر متعین ہے۔

آیتِ کریمہ: ﴿ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۚ فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ ۗ وَ يَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَ يُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ۗ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴾

ترجمہ: کیا وہ لوگ کہتے ہیں کہ اُس نے اللہ پر جھوٹا بہتان باندھا ہے؟ پس اگر اللہ چاہیں تو تیرے دل پر مہر کر دیں ـــــ یہ وعید ہے، اس کا وقوع ضروری نہیں، مقصود الزام کی سنگینی بیان کرنا ہے ـــــ اور اللہ تعالیٰ غلط بات کو مٹائیں گے، اور برحق بات کو ثابت کریں گے اپنے فرمودات کے ذریعہ، بے شک وہ سینوں کی باتوں کو خوب جاننے والے ہیں۔

مخالفین کو ایمان کی دعوت اور مؤمنین کو دعا کی ترغیب

اب ان الزام لگانے والوں کو ایمان کی دعوت دیتے ہیں کہ اپنی حرکتوں سے باز آؤ، اللہ کی بارگاہ مایوسی کی بارگاہ نہیں، تم نے جو کچھ کیا ہے: سب اللہ کو معلوم ہے، توبہ کرلو، سب برائیاں معاف کر دیں گے۔

اور نیک مؤمنین کو ترغیب دیتے ہیں کہ وہ ان مخالفین کے لئے ایمان کی دعا کریں، اللہ تعالیٰ ان کی دعائیں سنیں گے، اور ان کی برکت سے مخالفین کو دولتِ ایمان سے نوازیں گے، اور نہیں ایمان لائیں گے تو ان کے لئے سخت عذاب تیار ہے، تمہارا کچھ نقصان نہیں ہوگا، تم دعا کے اجر و ثواب سے محروم نہیں رہو گے، کیونکہ دعا خود عبادت ہے، اس کا صلہ تمہیں ضرور ملے گا۔

﴿ وَ هُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ يَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ وَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۙ وَ يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ يَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۗ وَ الْكٰفِرُوْنَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴾

ترجمہ: اور وہی ہیں جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتے ہیں، اور ان کی برائیوں سے درگذر فرماتے ہیں، اور جانتے ہیں جو تم کرتے ہو، اور ان لوگوں کی دعائیں قبول کرتے ہیں جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کئے، اور ان کو اپنے فضل سے اور زیادہ دیتے ہیں ـــــ یعنی دعا کی برکت سے ان کو ایمان ملے گا، اور اس کے علاوہ تمہیں دعا کرنے کا ثواب بھی ملے گا ـــــ اور انکار کرنے والوں کے لئے سخت عذاب ہے!

وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۲۷﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ؕ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۸﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ؕ وَهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾

وَلَوْ	اور اگر	لِعِبَادِهٖ	اپنے بندوں کی	وَمِنْ اٰيٰتِهٖ	اور انکی نشانیوں میں سے ہے
بَسَطَ	پھیلائیں	خَبِيْرٌ	خوب خبر رکھنے والے	خَلْقُ	پیدا کرنا
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	بَصِيْرٌ	خوب دیکھنے والے ہیں	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں
الرِّزْقَ	روزی	وَهُوَ الَّذِيْ	اور وہی ہیں جو	وَ الْاَرْضِ	اور زمین کا
لِعِبَادِهٖ	اپنے بندوں کے لئے	يُنَزِّلُ	اتارتے ہیں	وَمَا بَثَّ	اور بکھیرنا
لَبَغَوْا(۱)	(تو) ضرور شرارت کریں وہ	الْغَيْثَ	بارش	فِيْهِمَا	دونوں میں
فِي الْاَرْضِ	زمین میں	مِنْۢ بَعْدِ	بعد	مِنْ دَآبَّةٍ(۴)	چلنے والی مخلوق کا
وَلٰكِنْ	لیکن	مَا قَنَطُوْا(۳)	آس توڑنے کے	وَهُوَ	اور وہ
يُنَزِّلُ	اتارتے ہیں	وَيَنْشُرُ	اور پھیلاتے ہیں	عَلٰى جَمْعِهِمْ	ان کو اکٹھا کرنے پر
بِقَدَرٍ	اندازے سے	رَحْمَتَهٗ	اپنی مہربانی	اِذَا يَشَآءُ	جب چاہیں
مَّا يَشَآءُ(۲)	جو چاہتے ہیں	وَهُوَ الْوَلِيُّ	اور وہ کارساز	قَدِيْرٌ	پوری قدرت رکھنے
اِنَّهٗ	بے شک وہ	الْحَمِيْدُ	ستودہ ہیں		والے ہیں

مکہ کے مالداروں کے لئے مؤمنین کی غریبی ایمان کی راہ کا روڑا بنی ہوئی تھی

اللہ کی سنت یہ ہے کہ جب بھی کوئی ملت وجود میں آتی ہے تو معاشی حیثیت سے کمزور لوگ بڑھ کر اس کا استقبال کرتے ہیں، اور سر برآوردہ لوگ پیچھے رہتے ہیں، وہ نبی کی پیروی میں اپنی توہین محسوس کرتے ہیں، ان کی مونچھ نیچی

(۱) بغی (ض) بَغْيًا: سرکشی، زیادتی، میانہ روی سے بڑھنے کی خواہش (۲) مایشاء: ینزل کا مفعول بہ ہے (۳) ما قنطوا: مضاف الیہ، ما: مصدریہ ہے (۴) دابة: چلنے والا، رینگنے والا، ذی حیات (فرشتوں کے پر ہیں مگر وہ چلتے بھی ہیں) اور ما: مصدریہ ہے اور خلق پر معطوف ہے۔

ہوجاتی ہے، اور غریبوں کے ساتھ بیٹھنا ان کو گوارا نہیں ہوتا، مکہ کے مالداروں کے لئے بھی یہی چیز ایمان کی راہ کا روڑا بنی ہوئی تھی، ان کو سمجھاتے ہیں کہ مالداری اور غریبی کا تعلق اللہ کی حکمت سے ہے، عزت وذلت سے اس کا تعلق نہیں، پس یہ چیز ایمان کے لئے مانع نہیں بنی چاہئے۔

پھر یہ بات مثالوں سے واضح کی ہے:

پہلی مثال: بارش: نعمت (مال) کی مثال ہے، وہ ہر سال کم زیادہ برستی ہے، سب جگہ یکساں نہیں برستی، زمین کی حالت اور لوگوں کی حاجت کا لحاظ رکھا جاتا ہے، مضبوط زمین میں پانی زیادہ پڑتا ہے اور کمزور زمین میں کم، اور کبھی سخت قحط پڑتا ہے، اور اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ بارش سال بہ سال گھٹتی جاتی ہے، یہاں تک کہ بالکل نہیں ہوتی یا برائے نام ہوتی ہے، اور لوگ سخت پریشان ہوجاتے ہیں، پھر خوش حالی آتی ہے، اور خوب بارش ہوتی ہے، لوگ اللہ کی رحمت سے آسودہ ہوجاتے ہیں، جیسے یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں مصر میں سات سال کا کال پڑا، ہر سال بارش اور پیداوار گھٹتی گئی، پھر آٹھویں سال خوب ہُن (زر) برسا، اور لوگ آسودہ ہوگئے، اور تجربہ یہ ہے کہ پچاس سال میں ایک مرتبہ ایسا سخت کال پڑتا ہے، مگر ساری زمین پر ایک ساتھ نہیں پڑتا، علاقہ واری پڑتا ہے۔ یہی معاملہ مال ودولت کا ہے، سب لوگوں کو یہ نعمت یکساں نہیں ملتی، اور اس میں بندوں کی مصلحت پیش نظر رہتی ہے، اس کا عزت وذلت سے کچھ تعلق نہیں۔

دوسری مثال: اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی معاشی ضرورت پوری کرنے کے لئے آسمان وزمین بنائے ہیں، آسمان برستا ہے اور زمین اگاتی ہے، اس سے تمام مخلوقات کو روزی ملتی ہے، اور اللہ نے آسمان وزمین میں ہلنے چلنے والی مخلوق ہر سو پھیلائی ہے، جن کو ان کی ضرورت کے مطابق روزی پہنچاتے ہیں، اسی سنت کے مطابق انسانوں کو بھی حسب مصلحت کم وبیش روزی پہنچاتے ہیں، اور یہ پھیلی ہوئی مخلوقات اللہ کی قدرت سے باہر نہیں، جب چاہیں گے سکنڈوں میں سمیٹ لیں گے۔

دولت کی عام فراوانی فساد کا سبب ہے

دنیا میں ہر فرد پر ہر قسم کے رزق کی اور ہر قسم کی نعمت کی فراوانی کردی جائے تو بغی وفساد حد سے بڑھ جائے، اس لئے کہ دولت کی فراوانی کی وجہ سے نہ کوئی کسی کا محتاج رہے گا نہ کوئی کسی سے دبے گا، پھر دولت مندی کی ایک خاصیت یہ ہے کہ جتنی دولت بڑھتی ہے اتنا ہی حرص وہوس میں اضافہ ہوتا ہے، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کی املاک پر قبضہ جمانے کے لئے زور وزبردستی کا استعمال عام ہوجاتا ہے، لڑائی جھگڑے، سرکشی اور دوسری بداعمالیاں حد سے بڑھ جاتی ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ہر فرد کو ہر قسم کا رزق اور ہر قسم کی نعمت دینے کے بجائے ان نعمتوں کو اپنے بندوں پر اس طرح

تقسیم کیا ہے کہ کسی کے پاس مال ودولت زیادہ ہے، کوئی صحت وقوت میں دوسرے سے بڑھا ہوا ہے، کوئی حسن وجمال سے مالا مال ہے، کسی کے پاس علم وحکمت کی دولت دوسروں سے زیادہ ہے، غرض: ہر شخص کسی نہ کسی چیز کے لئے دوسرے کا محتاج ہے، اور اسی باہمی احتیاج پر تمدن کی عمارت قائم ہے (معارف القرآن شفیعی)

اللہ تعالیٰ نعمتیں دیتے بھی مصلحت سے ہیں اور لیتے بھی مصلحت سے ہیں

اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں کہ کس شخص کے لئے کونسی نعمت کتنی مناسب ہے اور کونسی نقصان دہ ہے، لہٰذا اس نے ہر شخص کو مناسب نعمتیں دی ہیں، اور اگر کسی سے کوئی نعمت سلب کی ہے (یا نہیں دی) تو وہ اس کی اور پورے عالم کی مصلحت ہی کی بنا پر سلب کی ہے (یا نہیں دی) اور یہ مصلحت ہر فرد کی سمجھ میں آجائے یہ ضروری نہیں، کیونکہ ہر شخص اپنی معلومات کے دائرہ میں سوچتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے سامنے پوری کائنات کی مصلحتیں ہیں۔

اس کی ایک نظیر: یہ ہے کہ حکومت ایک قانون بناتی ہے، جو بعض افراد کے خلاف پڑتا ہے، اس قانون کی وجہ سے اس کا نقصان ہوتا ہے، اس لئے وہ اپنے دائرہ میں سوچتا ہے اور حکومت کے اقدام کو غلط سمجھتا ہے، جبکہ وہ قانون ملک وقوم کے مفاد میں ہوتا ہے، اور جس کی نظر ملک وقوم کے حالات پر ہوتی ہے وہ اس اقدام کو مناسب سمجھتا ہے، اسی طرح رب کائنات جو پوری کائنات کا نظام چلا رہا ہے: اس کی حکمتوں کا احاطہ کون کرسکتا ہے؟ وہ کوئی نعمت کسی کو دیتا ہے یا لیتا ہے یا نہیں دیتا تو اس میں بھی مصلحت ہوتی ہے، یہ نکتہ ذہن میں رہے تو بہت سی الجھنوں سے نجات مل جائے گی۔

(ماخوذ از معارف القرآن)

تمام انسانوں کا مال ودولت میں مساوی ہونا نہ ممکن ہے نہ مطلوب اور نہ نظام عالم کی مصلحتیں اس کا تقاضا کرتی ہیں (معارف)

سوال: اشتراکی (کمیونسٹ) نظریہ پر عمل کرنے والے ملکوں میں سب لوگ معیشت میں برابر ہوتے ہیں، اور وہاں کوئی بگاڑ پیدا نہیں ہوتا!

جواب: وہ لوگ ناداری میں برابر ہوتے ہیں، مالداری میں برابر نہیں ہوتے، اور بگاڑ مالداری میں مساوات سے پیدا ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں: وہ مساوات دکھاوے کی ہے یا صرف دعوی ہے، آپ چین اور روس جا کر دیکھیں: ایک وزیر اور ایک عام آدمی معیشت میں برابر نہیں، وہاں بھی احتیاج ہے، ایک دوسرے کا محتاج ہے۔

سوال: جنت میں سب لوگ نعمتوں میں ہونگے، اور وہاں کوئی فساد نہیں ہوگا!

جواب: وہاں حرص وہوس نہیں ہوگی، اس لئے کوئی بگاڑ نہیں ہوگا، فساد کی جڑ آز (حرص) ہے۔

سوال: اس دنیا میں بھی آز کو ختم کر کے سب کو نعمتوں میں برابر کر دیا جائے تو کیا حرج ہے؟

جواب: یہ دنیا خیر وشر کا مجموعہ ہے، یہاں ایثار کے ساتھ حرص ہے، اور یہ اس عالم کا مقتضی ہے اور جنت خیر محض ہے، وہاں متضاد صلاحیتیں نہیں ہونگی، اس لئے وہاں بگاڑ پیدا نہیں ہوگا، سب لوگ نعمتوں میں سرشار (مست) ہونگے۔

اس کی ایک نظیر: یہ ہے کہ اس دنیا میں نسیان (بھول) ایک نعمت ہے، اسی کے سہارے لوگ پنپ رہے ہیں، بڑا نقصان ہوجاتا ہے تو آدمی کا برا حال ہوجاتا ہے، مگر چند دن کے بعد آدمی صدمہ بھول جاتا ہے، اور زندگی نارمل (معمول کے مطابق) ہوجاتی ہے —— آخرت میں اس نعمت کی ضرورت نہیں رہے گی، پس وہاں پہنچ کر ہر بات یاد آجائے گی: ﴿یَوْمَ یَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰی﴾: اس دن انسانوں کو سب کیا کرایا یاد آجائے گا [النازعات ۳۵]

آیتِ کریمہ: ﴿وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِی الْاَرْضِ وَلٰكِنْ یُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا یَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِیْرٌۢ بَصِیْرٌ ۝۲۷﴾

ترجمہ: اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے (سب) بندوں کے لئے روزی کشادہ کر دیتے تو وہ ضرور زمین میں شرارتیں کرتے، لیکن اللہ تعالیٰ (روزی) اتارتے ہیں اندازے سے جتنی چاہتے ہیں، بے شک وہ بندوں (کے احوال) سے خوب واقف دیکھنے والے ہیں!

جب لوگ بارش سے مایوس ہوجاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ رحمت کی بارش برساتے ہیں

ظاہری اسباب وحالات پر نظر کر کے جب لوگ بارش سے ناامید ہوجاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ رحمت کی گھٹا بھیجتے ہیں جو چاروں طرف پھیل جاتی ہے اور خوب برستی ہے اور بندے جان لیتے ہیں کہ اسبابِ رزق اللہ کے قبضہ میں ہیں اور جس طرح وہ روزی ایک خاص اندازہ سے عطا فرماتے ہیں بارش بھی خاص اوقات اور خاص مقدار میں برساتے ہیں۔

آیتِ کریمہ: ﴿وَهُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَیَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ؕ وَهُوَ الْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ ۝۲۸﴾

ترجمہ: اور وہی ہیں جو بارش برساتے ہیں لوگوں کے ناامید ہوجانے کے بعد —— یعنی سخت کال کے بعد —— اور اپنی رحمت پھیلاتے ہیں —— عطف تفسیری ہے، بارش اور رحمت ایک ہیں —— اور وہی کارساز ستودہ ہیں!

آیتِ کریمہ: ﴿وَمِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِیْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ؕ وَهُوَ عَلٰی جَمْعِهِمْ اِذَا یَشَآءُ قَدِیْرٌ ۝۲۹﴾

ترجمہ: اور اللہ کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا ہے —— یعنی مخلوق کو روزی پہنچانے کے لئے اللہ

تعالیٰ نے اسباب سماویہ اور ارضیہ پیدا کئے ہیں —— اور دونوں میں چلنے والی مخلوق کا پھیلانا ہے —— یعنی ان اسباب سے ان پھیلی ہوئی مخلوق کو روزی پہنچاتے ہیں —— اور وہ ان کو سمیٹنے پر جب چاہیں قادر ہیں —— بکھری ہوئی مخلوق کو قیامت کے دن اکٹھا کریں گے۔

وَمَا اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ﴿٣٠﴾ وَمَا اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿٣١﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿٣٢﴾ اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿٣٣﴾ اَوْ يُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا وَيَعْفُ عَنْ كَثِيْرٍ ﴿٣٤﴾ وَّيَعْلَمَ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا ۭ مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿٣٥﴾

وَمَا	اور جو	وَمَا لَكُمْ	اور نہیں ہے تمہارے لئے	يُسْكِنِ	تھمادیں
اَصَابَكُمْ	پہنچی تمہیں	مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ کے سوا	الرِّيْحَ	ہوا کو
مِّنْ مُّصِيْبَةٍ	کچھ مصیبت	مِنْ وَّلِيٍّ	کوئی کام بنانے والا	فَيَظْلَلْنَ (۵)	پس ہو کر رہ جائیں
فَبِمَا كَسَبَتْ (۱)	پس بہ سبب کمائی	وَّلَا نَصِيْرٍ	اور نہ کوئی مدد کرنے والا	رَوَاكِدَ (۶)	ٹھہری ہوئیں
اَيْدِيْكُمْ	تمہارے ہاتھوں کے ہے	وَمِنْ اٰيٰتِهِ	اور اس کی نشانیوں میں	عَلٰى ظَهْرِهٖ	اس کی پیٹھ پر
وَيَعْفُوْا	اور درگذر کرتے ہیں		سے ہیں	اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ	بے شک اس میں
عَنْ كَثِيْرٍ (۲)	بہت سے (گناہوں سے)	الْجَوَارِ (۳)	کشتیاں	لَاٰيٰتٍ	یقیناً نشانیاں ہیں
وَمَا اَنْتُمْ	اور نہیں ہو تم	فِي الْبَحْرِ	سمندر میں	لِّكُلِّ صَبَّارٍ	ہر صبر شعار
بِمُعْجِزِيْنَ	ہرانے والے	كَالْاَعْلَامِ (۴)	پہاڑوں جیسی	شَكُوْرٍ	شکر گذار کے لئے
فِي الْاَرْضِ	زمین میں	اِنْ يَّشَاْ	اگر چاہیں وہ	اَوْ يُوْبِقْهُنَّ (۷)	یا ہلاک کردیں ان کو

(۱) فبما: ف جزائیہ، ب سببیہ، ما مصدریہ ہے (۲) عن كثير: أي من الذنوب۔ (۳) الجوار: الجارية کی جمع: کشتی، پانی کا جہاز (۴) أعلام: عَلَم کی جمع: پہاڑ (۵) يظللن: فعل مضارع ناقص، صیغہ جمع مؤنث غائب: وہ ہوجائیں۔ (۶) رواكد: راکد کی جمع: ایستادہ، کھڑی ہوئی، فعل ناقص کی خبر ہے (۷) يوبق: مضارع، واحد مذکر غائب، إِیباق (افعال): ہلاک کرنا، وَبَقَ (ض) وَبْقًا: ہلاک ہونا۔

بِمَا كَسَبُوْا	لوگوں کی کرتوتوں کی وجہ سے	وَ يَعْلَمَ[2]	اور جانتے ہیں وہ	مَا[3]	نہیں ہے						
وَ يَعْفُ	اور معاف کرتے ہیں وہ	الَّذِيْنَ	ان کو جو	لَهُمْ	ان کے لئے						
عَنْ كَثِيْرٍ[1]	بہت سے (لوگوں کو)	يُجَادِلُوْنَ	جھگڑتے ہیں	مِّنْ مَّحِيْصٍ	کوئی جائے پناہ						
		فِيْٓ اٰيٰتِنَا	ہماری آیتوں میں	۞	۞						

مکذبین جب مصائب سے دوچار ہوتے ہیں تو وہ اس کو نبی کی نحوست سمجھتے ہیں

اللہ کی ایک سنت یہ ہے کہ جب کوئی نبی مبعوث کئے جاتے ہیں، اور لوگ تکذیب سے پیش آتے ہیں تو تنبیہ کے لئے بیماری، قحط سالی اور مختلف قسم کی سختیاں اور تکلیفیں مسلط کی جاتی ہیں، تاکہ مکذبین ڈھیلے پڑیں اور شرارتوں سے باز آئیں، سورۃ الاعراف (آیت ۹۴) میں اس کا ذکر ہے: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا أَخَذْنَا أَهْلَهَا بِالْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ﴾: اور کسی بستی میں ہم نے کوئی نبی نہیں بھیجا مگر وہاں کے باشندوں کو سختی اور پریشانی میں پکڑا کہ شاید وہ عاجزی اختیار کریں۔

مگر ہوتا یہ ہے کہ مکذبین پیش آمدہ حالات کو نبی کی اور مؤمنین کی نحوست سمجھتے ہیں، وہ کہتے ہیں: ہم پہلے آرام چین کی زندگی بسر کر رہے تھے تم نے آکر رنگ میں بھنگ ڈال دیا، یٰسٓ شریف میں تین رسولوں کی سرگذشت ہے، لوگوں نے ان سے کہا تھا: ﴿إِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ﴾: ہم تو تم کو منحوس سمجھتے ہیں! تمہارے نامبارک قدم کیا آئے کہ ہم مصائب میں مبتلا ہوگئے!

مکہ کے مکذبین بھی جب مصائب سے دوچار ہوئے تو انھوں نے بلاء نبی ﷺ اور مؤمنین کے سر ڈالی، ان آیات میں ان سے کہا جارہا ہے کہ مصائب تو تمہارے کرتوتوں کا نتیجہ ہیں، اور تمہاری بہت سی حرکتوں سے اللہ تعالیٰ نے درگذر کیا ہے، مگر آگے ان کی بھی سزا ملے گی، تم نہ خشکی میں کہیں بھاگ کر بچ سکتے ہو نہ سمندر میں کہیں سفر کر کے جاسکتے ہو، زمین تمہیں نگل سکتی ہے، اور کشتیاں تمہاری ڈوب سکتی ہیں، پانی میں جو بڑے بڑے جہاز نظر آتے ہیں وہ اللہ کے رحم وکرم پر چل رہے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ ہوا کو روک دیں تو یہ دیوپیکر جہاز کھڑے کے کھڑے رہ جائیں، اور چاہیں تو ان کو غرقاب کردیں —— اور سنو! اللہ کی باتوں میں بکھیڑا ڈالنے والوں کو اللہ تعالیٰ جانتے ہیں، ان کو اللہ سے بچ کر کہیں پناہ نہیں مل سکتی!

آیتِ کریمہ: ﴿وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ يَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۝ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ

(۱) عن كثير: أى من الناس (۲) يعلمَ: منصوب، مقدر پر معطوف ہے أى يَغْرِقُهُمْ لِيَنْتَقِمَ منهم ويعلمَ (جلالین) اور الذين: مفعول (۳) ما: مشابہ بلیس ہے اور جملہ مستقلہ ہے۔

فِي الْاَرْضِ ۚۖ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۳۱﴾

ترجمہ: اور تم کو ـــــ اے تکذیب کرنے والو! ـــــ جو کوئی مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے ہی ہاتھوں کے کئے ہوئے کاموں کا نتیجہ ہے ـــــ یعنی تمہاری بعض شرارتوں کی سزا ہے ـــــ اور بہت (سی حرکتوں) سے تو وہ درگذر ہی کرجاتے ہیں! ـــــ ابھی سزا نہیں دیتے ـــــ اور تم زمین میں ـــــ یعنی خشکی میں ـــــ بھاگ کر ہرانے والے نہیں اور اللہ کے سوا نہ تمہارا کوئی حامی ہے نہ مددگار!

آیتِ کریمہ: ﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ۝ اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۳﴾

ترجمہ: اور اللہ (کے قابو یافتہ ہونے) کی نشانیوں میں سے کشتیاں ہیں، (جو چل رہی ہیں) سمندر میں (جو) پہاڑوں کی طرح (نظر آتی ہیں) اور اگر اللہ چاہیں تو ہوا کو روک دیں، پس کشتیاں سمندر کی سطح پر کھڑی کی کھڑی رہ جائیں، بے شک اس میں ہر صبر شعار شکر گذار کے لئے نشانیاں ہیں۔

تفسیر: پہاڑوں کی طرح: یعنی جیسے زمین کی سطح پر پہاڑ ابھرے ہوئے ہیں سمندر کی سطح پر بڑے بڑے جہاز ابھرے ہوئے نظر آتے ہیں (فوائد) ـــــ ہوا کو روک دیں: یعنی ہوا بھی اللہ کے قبضہ میں ہے، اگر ہوا کو ٹھہرا رکھیں، چلنے نہ دیں تو تمام بادبانی جہاز دریا کی پیٹھ پر جہاں کے تہاں کھڑے رہ جائیں، غرض پانی اور ہوا سب اس کے زیر فرمان ہیں (فوائد) ـــــ دریائی سفر میں موافق اور ناموافق دونوں قسم کے حالات سے سابقہ پڑتا ہے، اس لئے بہت ضروری ہے کہ انسان موافق حالات پر شکر، اور ناموافق حالات پر صبر کرتا ہوا اللہ تعالیٰ کی قدرت اور نعمت کو پہچانے (فوائد)

باقی ترجمہ: یا ان کشتیوں کو لوگوں کے اعمال کے سبب تباہ کردیں، اور بہت سے لوگوں سے تو درگذر کرجاتے ہیں، اور ان لوگوں کو جانتے ہیں جو ہماری آیتوں میں جھگڑتے ہیں، ان کے لئے کوئی بچاؤ کی جگہ نہیں!

فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۠ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۠ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا

يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٤٠﴾ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿٤١﴾ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٤٢﴾ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿٤٣﴾ ع

فَمَآ	پس جو	وَاِذَا مَا (٢)	اور جب	اَصَابَهُمُ	پہنچی ان کو
اُوْتِيْتُمْ	دیئے گئے تم	غَضِبُوْا	غضبناک ہوتے ہیں	الْبَغْيُ	زیادتی
مِّنْ شَيْءٍ	کوئی بھی چیز	هُمْ	وہ	هُمْ	وہ
فَمَتَاعُ	پس برتنے کا سامان ہے	يَغْفِرُوْنَ	معاف کردیتے ہیں	يَنْتَصِرُوْنَ	بدلہ لیتے ہیں
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا	دنیوی زندگی میں	وَالَّذِيْنَ	اور ان لوگوں کیلئے جنہوں نے	وَجَزٰٓؤُا	اور بدلہ
وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ	اور جو اللہ کے پاس ہے	اسْتَجَابُوْا (٣)	حکم مانا	سَيِّئَةٍ	برائی کا
خَيْرٌ	(وہ) بہتر	لِرَبِّهِمْ	اپنے رب کا	سَيِّئَةٌ	برائی ہے
وَّاَبْقٰى	اور دیرپا ہے	وَاَقَامُوا	اور اہتمام کیا انھوں نے	مِّثْلُهَا	اس کے مانند
لِلَّذِيْنَ	ان لوگوں کے لئے جو	الصَّلٰوةَ	نماز کا	فَمَنْ عَفَا	پس جس نے معاف کیا
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	وَاَمْرُهُمْ	اور ان کا کام	وَاَصْلَحَ	اور سنوارا
وَعَلٰى رَبِّهِمْ	اور اپنے رب پر	شُوْرٰى (٤)	مشورہ سے ہوتا ہے	فَاَجْرُهٗ	پس اس کا ثواب
يَتَوَكَّلُوْنَ	بھروسہ کرتے ہیں	بَيْنَهُمْ	باہم	عَلَى اللّٰهِ	اللہ پر ہے
وَالَّذِيْنَ (١)	اور ان لوگوں کے لئے جو	وَمِمَّا	اور اس میں سے جو	اِنَّهٗ	بے شک وہ
يَجْتَنِبُوْنَ	بچتے ہیں	رَزَقْنٰهُمْ	روزی دی ہم نے ان کو	لَا يُحِبُّ	نہیں پسند کرتے
كَبٰٓئِرَ	بڑے	يُنْفِقُوْنَ	خرچ کرتے ہیں	الظّٰلِمِيْنَ	ظالموں کو
الْاِثْمِ	گناہوں سے	وَالَّذِيْنَ	اور ان لوگوں کے لئے جو	وَلَمَنِ	اور البتہ جس نے
وَالْفَوَاحِشَ	اور بے حیائی کے کاموں سے	اِذَآ	جب	انْتَصَرَ	بدلہ لیا

(۱) یہ الذین اور بعد والے الذین معطوف ہیں پہلے الذین پر (۲) إذا ما میں ما زائدہ (۳) استجاب له: کہا ماننا، قبول کرنا، لبیک کہنا (۴) شوریٰ: مصدر ہے: مشورہ کرنا۔

بَعۡدَ ظُلۡمِهٖ(۱)	اس پر ظلم کئے جانے کے بعد	يَظۡلِمُوۡنَ	ظلم کرتے ہیں	اَلِيۡمٌ	درناک
فَاُولٰٓئِكَ	پس وہ لوگ	النَّاسَ	لوگوں پر	وَلَمَنۡ	اور البتہ جس نے
مَا عَلَيۡهِمۡ	نہیں ہے ان پر	وَيَبۡغُوۡنَ	اور چاہتے ہیں	صَبَرَ	صبر کیا
مِّنۡ سَبِيۡلٍ	کوئی راہ	فِى الۡاَرۡضِ	زمین میں	وَغَفَرَ	اور معاف کیا
اِنَّمَا	سوائے اس کے نہیں	بِغَيۡرِ الۡحَقِّ	ناحق بات	اِنَّ ذٰلِكَ	بے شک یہ بات
السَّبِيۡلُ	(کہ) راہ	اُولٰٓئِكَ	یہ لوگ	لَمِنۡ عَزۡمِ	البتہ مضبوط امور میں
عَلَى الَّذِيۡنَ	ان لوگوں پر ہے جو	لَهُمۡ عَذَابٌ	ان کیلئے عذاب ہے	الۡاُمُوۡرِ	سے ہے

دنیا کی چیزیں چندروزہ استعمال کے لئے ہیں

گذشتہ آیات میں منکرین سے کہا تھا کہ نہ خشکی میں بھاگ کر اللہ کو ہرا سکتے ہو، نہ تری میں تیر کر اللہ سے بچ سکتے ہو، تمہاری کشتیاں غرقاب ہوسکتی ہیں، اب ترقی کر کے فرماتے ہیں کہ تم اپنی جگہ بھی بچے ہوئے نہیں ہو، تمہیں دنیا میں جو بھی چیزیں دی گئی ہیں وہ چندروزہ استعمال کا سامان ہیں، دنیا میں انسان کو بدن اور مال سامان ملتا ہے، کیونکہ روح تو عالم ارواح سے آتی ہے، جو گذر جاتی ہے، عالم برزخ میں پہنچ جاتی ہے، البتہ بدن مٹی سے بنا ہے، وہ اس عالم کی چیز ہے، اور چونکہ اس دنیا کی زندگی مختصر ہے اس لئے بدن کمزور بنا ہے، اسی طرح انسان کو جو مال سامان ملا ہے وہ بھی دیر پا نہیں، یہاں کی ہر چیز ناپائدار ہے، مختصر وقفہ کے بعد آدمی راہیِ ملکِ عدم ہوجاتا ہے، اور مال سامان بھی ایک وقت کے بعد ختم ہوجاتا ہے، پس مکذبین کس چیز پر نازاں ہیں؟ اور کس برتے (طاقت) پر کودتے ہیں، ان کا بدن اور مال کئی روز کا ہے؟ غرض وہ اپنی جگہ میں بھی اللہ کی گرفت سے بچے ہوئے نہیں ہیں۔

آخرت کی نعمتیں بہتر اور دیر پا ہیں، اور وہ اُن مؤمنین کے لئے ہیں جن میں آٹھ باتیں ہوتی ہیں

قیامت کے دن جب نئی زندگی شروع ہوگی تو بدن اسی مٹی سے دوبارہ بنیں گے، اور بڑے ڈیل ڈول کے نہایت قوی اور مضبوط بنیں گے، ہر شخص کا قد ساٹھ ہاتھ کا ہوگا، اور اسی قدر موٹا بھی ہوگا، اس لئے وہ بدن ہمیشہ چلے گا، کمزور نہیں پڑے گا، اور جنت کی نعمتیں بھی دائمی ہیں، کبھی ختم نہیں ہونگی، مگر وہ ان مؤمنین کے لئے ہیں جن میں آٹھ باتیں ہوں:

پہلی بات: —— وہ اللہ پر بھروسہ کریں —— مکی دور میں مخالفت زوروں پر تھی، مسلمان دبے ہوئے تھے، اور دورِ ابتلاء کب ختم ہوگا یہ معلوم نہیں تھا، ایسے وقت میں آسرا اللہ ہی کا تھا، ایسے وقت میں اللہ پر بھروسہ کی زیادہ ضرورت ہوتی

(۱) ظلم: مصدر مجہول مضاف ہے، عربی میں مصدر معروف اور مصدر مجہول میں فرق نہیں ہوتا، قرائن سے فرق پہچانا جاتا ہے۔

ہے، چنانچہ سب سے پہلے یہی وصف ذکر کیا کہ مسلمان اللہ پر بھروسہ کریں، وہ سب کچھ ٹھیک کردیں گے۔

دوسری بات: —— وہ بڑے گناہوں سے اور بے حیائی کے کاموں سے بچے رہیں —— متفق علیہ روایت میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سات ہلاک کرنے والے گناہوں سے بچو!'' لوگوں نے دریافت کیا: وہ کیا ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: (۱) اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا (۲) جادو (کرنا کرانا) (۳) ناحق کسی کو قتل کرنا (۴) سود لینا (۵) یتیم کا مال کھانا (۶) جہاد میں جب مڈبھیڑ ہو پیٹھ پھیرنا (۷) پاک دامن مسلمان گناہ سے بے خبر عورتوں پر زنا کی تہمت لگانا'' (مشکات ۵۲)

اور دوسری متفق علیہ روایت میں ہے: ایک شخص نے پوچھا: اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کا شریک ٹھہرانا، درانحالیکہ اس نے تم کو پیدا کیا ہے'' —— یعنی دوسرا کوئی پیدا کرنے والا نہیں، پھر کوئی اللہ کا شریک کیسے ہوسکتا ہے؟ —— سائل نے پوچھا: پھر کونسا گناہ ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''اپنی اولاد کو مار ڈالنا اس ڈر سے کہ اس کو کھلانا پڑے گا'' سائل نے پوچھا: پھر کونسا گناہ ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''اپنے پڑوسی کی بیوی سے بدکاری کرنا'' (مشکات ۴۹)

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ کبائر کی تعداد روایات میں مختلف آئی ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

> ''حق بات یہ ہے کہ کبائر کی تعداد متعین نہیں۔ ان کو حد (تعریف) ہی سے پہچانا جاسکتا ہے کہ جس کام پر قرآن کریم میں اور احادیث صحیحہ میں جہنم کی وعید آئی ہے یا اس پر سزا مقرر کی گئی ہے یا نصوص میں اس کو کبیرہ کہا گیا ہے یا اس کے مرتکب کو ملت سے خارج قرار دیا گیا ہے یا اس کی خرابی اُن گناہوں سے بڑھی ہوئی ہے یا ان کے برابر ہے جن کے کبیرہ ہونے کی رسول اللہ ﷺ نے صراحت فرمائی ہے''

اور واحدی رحمہ اللہ نے تعداد متعین نہ ہونے کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ اگر کبائر کی تعداد متعین کردی جاتی تو لوگ صغائر کا ارتکاب شروع کردیتے، اور ان کو جائز سمجھ لیتے کہ یہ تو معمولی گناہ ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے بندوں سے کبائر کی تعداد مخفی رکھی تاکہ لوگ ہر منہی عنہ سے بچیں، یہ خیال کرکے کہ کہیں وہ کبیرہ کا ارتکاب نہ کربیٹھیں۔ جیسے صلوٰۃ وسطی کا، شب قدر کا اور جمعہ کے دن قبولیت کی گھڑی کا علم مخفی کردیا گیا ہے، تاکہ لوگ ہر نماز کو درمیانی نماز خیال کرکے اس کا اہتمام کریں اور رمضان کی ہر رات میں شب قدر کو تلاش کریں اور جمعہ کے دن بوقت نماز بھی، عصر کے بعد بھی اور دیگر ساعات میں بھی دعا کریں (روح المعانی ۵:۱۷)

اور فواحش: فاحشۃ کی جمع ہے: ہر بری بے شرمی کی بات یا کام، جیسے زنا، اغلام، چپٹی، گالی گلوچ وغیرہ، علماء سے اس کے معنی بھی مختلف مروی ہیں، جیسے حد سے بڑھی ہوئی بدی، ایسی بے حیائی جس کا اثر دوسروں پر پڑے۔

تیسری بات: —— جب سخت غصہ آئے تو معاف کریں —— مکی دور میں کھری کھری سنانے کی کوئی صورت نہیں تھی، مسلمانوں کا ہاتھ دبا ہوا تھا، اور مخالفین کبھی بے ہودگی پر اتر آتے تھے، پس سخت غصہ آجاتا تھا، تاہم اس وقت

مصلحت کا تقاضا یہ تھا کہ معاف کردیا جائے۔

چوتھی بات: —— اللہ کے ہر حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا —— احکام بتدریج نازل ہو رہے تھے اور بعض احکام بھاری معلوم ہوتے تھے، جیسے سورۃ البقرۃ کی (آیت ۲۸۴) نازل ہوئی ﴿وَإِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْ أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللهُ﴾: اور اگر ظاہر کروگے اپنے جی کی بات یا چھپاؤگے اس کو حساب لیں گے اللہ تعالیٰ اس کا تم سے۔ یہ آیت صحابہ پر بھاری پڑی، انھوں نے نبی ﷺ سے شکوہ کیا، آپؐ نے فرمایا: سمعنا و أطعنا کہو، چنانچہ کہا، پس ہمیشہ دل میں یہ جذبہ رہنا چاہئے کہ اللہ کا جو بھی حکم آئے گا ہم فوراً اس کو قبول کریں گے، چاہے ہمارا جی نہ چاہے۔

پانچویں بات: —— نماز کا اہتمام کرنا —— عباداتِ بدنیہ میں سب سے اہم نماز ہے، وہ دین کا بنیادی ستون ہے، اور جو نماز کا اہتمام کرتا ہے وہ دیگر اوامر کا بھی امتثال کرتا ہے، نیز کٹھن حالات میں نماز سے ڈھارس بھی بندھتی ہے، اور یہ سورت سخت حالات میں نازل ہوئی ہیں، اس وقت نماز سے مدد لینے کی خاص ضرورت تھی۔

چھٹی بات: —— باہمی مشورہ سے کام کرنا —— مشورہ سے کام کرنا اللہ کو پسند ہے، دین کا ہو یا دنیا کا، البتہ مشورہ کی ضرورت ان کاموں میں ہے جو مہتم بالشان ہوں، اور جو قرآن وسنت میں منصوص نہ ہوں، جو چیز منصوص ہو اس میں رائے اور مشورہ کے کوئی معنی نہیں، اور ہر چھوٹے بڑے کام میں اگر مشورہ ہوا کرے تو کوئی کام نہ ہو سکے (فوائد)

جاننا چاہئے کہ یہ سورت مکی دور کے وسط میں نازل ہوئی ہے، اس وقت تک مکہ مکرمہ غیر اسلامی ملک تھا، اقتدار اعلیٰ مسلمانوں کے ہاتھ میں نہیں تھا، غیروں کے ہاتھ میں تھا، ایسے ملک میں مسلمان اپنے معاملات باہمی مشورہ سے طے کریں گے، فقہ میں جزئیہ ہے: يَصِيْرُ القاضی قاضياً بتَرَاضِيْ المسلمين: مسلمان باہمی مشورہ سے قاضی مقرر کر سکتے ہیں، اسی طرح مساجد کے ائمہ، جمعہ کا امام اور امیر بھی مقرر کر سکتے ہیں، اگرچہ امیر کو قوتِ نافذہ حاصل نہیں ہوگی، مگر مسلمان اپنے اوپر کسی کو اختیار دے کر چھوٹے موٹے معاملات نمٹا سکتے ہیں، غیر اسلامی ملک میں اس طرح معاملات طے کرنا اس آیت سے ماخوذ ہے۔

ساتویں بات: —— خیر خیرات کرنا —— مکی سورتوں میں زکات کا لفظ مطلق انفاق کے معنی میں استعمال ہوا ہے، شروع میں اسلام قبول کرنے والے معیشت کے اعتبار سے کمزور تھے، اس لئے اس وقت خیر خیرات کی ضرورت تھی، اسی زمانہ میں حکم دیا تھا کہ اپنی ضرورت سے جو بچے اسے خرچ کیا کرو (البقرۃ ۲۱۹)

آٹھویں بات: —— ظلم کا برابر کا بدلہ لے سکتے ہیں مگر معاف کرنا باعث اجر ہے —— پہلے یہ بات جان لیں کہ غصہ کسی بات پر آتا ہے، کوئی بدکلامی یا بیہودگی کرتا ہے تو پارا چڑھ جاتا ہے، اور ترکی بہ ترکی جواب دے سکتا ہے، مگر غصہ پی جائے اور معاف کردے تو اچھی بات ہے، اس کا ذکر تیسری بات میں آگیا —— اور ظلم: حق تلفی کا نام ہے، جانی یا مالی

نقصان پہنچانا ظلم ہے، اس کا بدلہ لینے کی اجازت ہے، بشرطیکہ برابر سرابر کا بدلہ ہو، بدلہ لینے میں زیادتی نہ کرے، اور معاف کردے تو اس سے بہتر کیا بات ہوسکتی ہے؟ معاف کرنے سے باہمی تعلقات سنور جاتے ہیں، اور آخرت میں اللہ تعالیٰ اجرِ عظیم عطا فرماتے ہیں۔

ظلم کا بدلہ لینے کی اجازت پر ایک سوال کا جواب

سوال: ظلم کا بدلہ لینے سے نقصان ڈبل ہوجائے گا، کسی نے کسی کا ظلماً ہاتھ کاٹ دیا، اب اگر مظلوم قصاص میں اس کا ہاتھ کاٹے گا تو دو ہاتھ کٹے، یک نہ شد دو شد!

جواب: اس کی ذمہ داری ظالم پر ہے، مظلوم پر نہیں، مظلوم کا ہاتھ گیا، اب بدلہ بھی نہ لے سکے تو اس کا دوہرا نقصان ہوگا، اور ظالم کا جو ہاتھ کٹا وہ اس کے ظلم کا بدلہ ہے، اس میں مظلوم کا کیا قصور؟ —— مگر معاف کرنا ہمت کا کام ہے، اپنا دوہرا نقصان برداشت کرلے تو آخرت میں اجرِ عظیم کا حقدار ہوگا۔

آیتِ کریمہ: ﴿فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: پس جو کچھ بھی تم دیئے گئے ہو وہ دنیوی زندگی میں چند روز فائدہ اٹھانے کا سامان ہے! —— یہ مکذبین سے خطاب ہے، مگر ارشاد عام ہے، سبھی انسانوں کو دنیا میں جو کچھ ملا ہے وہ متاع ہے —— دنیا میں انسان کو دو ہی چیزیں ملتی ہیں: بدن اور اسبابِ معیشت، دونوں عارضی چیزیں ہیں، ایک وقت کے بعد بدن کمزور پڑ جاتا ہے، اور مال سامان پرانا ہوکر ختم ہوجاتا ہے —— اور کہنا یہ ہے کہ ان ناپائدار چیزوں پر کیا اتراتے ہو اور کیوں مسلمانوں کے سر ہوتے ہو!

اور جو اللہ کے پاس ہے وہ بہتر اور دیرپا ہے اُن لوگوں کے لئے جو ایمان لائے —— پس تم بھی ایمان لاؤ اور ان اخروی نعمتوں کے مستحق بنو، مگر ایمان کے ساتھ چند اوصاف بھی ضروری ہیں، پہلا وصف: —— اور وہ اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔

آیات: ﴿وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۠ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۠ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ۝ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝﴾

ترجمہ: دوسرا وصف: —— اور جو لوگ کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں —— تیسرا وصف: —— اور ان کو غصہ آتا ہے تو وہ معاف کردیتے ہیں —— ترکی بہ ترکی جواب نہیں دیتے۔ چوتھا وصف: —— اور (آخرت کی نعمتیں) ان کے لئے ہیں جنھوں نے اپنے رب کا حکم مانا —— یعنی سرِ تسلیم خم کئے رہتے ہیں۔ پانچواں وصف: ——

اور نماز کا اہتمام کرتے ہیں ـــــ چھٹا وصف: ـــــ اور ان کا کام مشورہ سے ہوتا ہے ـــــ ساتواں وصف: ـــــ اور ہم نے ان کو جو روزی دی ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں ـــــ آٹھواں وصف: ـــــ اور وہ لوگ ایسے ہیں کہ جب ان پر ظلم واقع ہوتا ہے تو وہ بدلہ لیتے ہیں ـــــ یہ جواز کا بیان ہے ـــــ اور برائی (ظلم) کا بدلہ برائی ہے اس کے مانند ـــــ برائی کے بدلہ کو مشاکلۃً برائی کہا ہے، نیز اس میں اشارہ ہے کہ برائی کا بدلہ لینا اچھا نہیں، کیونکہ وہ بھی گونہ برائی ہے ـــــ پس جس نے معاف کیا اور (باہمی تعلقات کو) سنوارا تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے، بے شک اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتے ـــــ یعنی ظالم نے تو برا کام کیا، مگر اس کو معاف کرنا اچھا کام ہے۔

آیات: ﴿وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝﴾

ترجمہ: سوال کا جواب: ـــــ اور جو شخص بدلہ لے اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد تو ایسے لوگوں پر کوئی الزام نہیں ـــــ یعنی اس کا کچھ قصور نہیں ـــــ الزام صرف ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں، اور ناحق زمین میں سرکشی کرتے ہیں ـــــ اودھم مچاتے ہیں، بگاڑ پیدا کرتے ہیں ـــــ ایسوں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

اور جو صبر کرے اور معاف کردے تو یہ بے شک بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے ـــــ اس کو اس لئے مکرر لائے کہ یہ خیال نہ ہو کہ شاید معاف کرنے کی فضیلت ختم ہوگئی، بدلہ لینا ہی چاہئے، نہیں معاف کرنے کی فضیلت برقرار ہے۔

ظالم کو معاف کرنا اس وقت افضل ہے جب وہ اپنے فعل پر نادم ہو، اور ظلم پر اس کی جرأت بڑھ جانے کا اندیشہ نہ ہو

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۭ وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝ وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ۭ وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اَلَآ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ۝ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَاۗءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ۝

وَمَنْ	اور جسے	يُعْرَضُوْنَ	پیش کئے جارہے ہونگے	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	قیامت کے دن
يُّضْلِلِ	بے راہ کردیں	عَلَيْهَا(۲)	دوزخ پر	اَلَاۤ	سنتا ہے!
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	خٰشِعِيْنَ	سہمے ہوئے	اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ	بے شک ظالم لوگ
فَمَا لَهٗ	پس نہیں اس کے لئے	مِنَ الذُّلِّ	ذلت سے	فِيْ عَذَابٍ	عذاب میں ہونگے
مِنْ وَّلِيٍّ	کوئی کارساز	يَنْظُرُوْنَ	دیکھ رہے ہوں گے	مُّقِيْمٍ	دائمی
مِّنْۢ بَعْدِهٖ	اللہ کے بعد	مِنْ طَرْفٍ	آنکھ سے	وَمَا	اور نہیں
وَتَرَى	اور دیکھے گا تو	خَفِيٍّ	چھپی	كَانَ لَهُمْ	ہوگا ان کے لئے
الظّٰلِمِيْنَ	ظالموں کو	وَقَالَ	اور کہا	مِّنْ اَوْلِيَآءَ	(کوئی) کارسازوں میں سے
لَمَّا رَاَوُا	جب دیکھیں گے وہ	الَّذِيْنَ	ان لوگوں نے جو	يَنْصُرُوْنَهُمْ	(جو) مدد کرے ان کی
الْعَذَابَ	عذاب کو	اٰمَنُوْٓا	ایمان لائے	مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ سے ورے
يَقُوْلُوْنَ	کہیں گے وہ	اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ	بیشک گھاٹا پانے والے	وَمَنْ	اور جس کو
هَلْ	کیا	الَّذِيْنَ	وہ لوگ ہیں جنھوں نے	يُّضْلِلِ	بے راہ کردیں
اِلٰى مَرَدٍّ(۱)	واپسی کی	خَسِرُوْٓا	گنوایا (کھویا)	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
مِّنْ سَبِيْلٍ	کوئی راہ ہے	اَنْفُسَهُمْ	اپنی جانوں کو	فَمَا لَهٗ	پس نہیں اس کے لئے
وَتَرٰىهُمْ	اور دیکھے گا تو ان کو	وَاَهْلِيْهِمْ	اور اپنے گھر والوں کو	مِنْ سَبِيْلٍ	کوئی بھی راہ

آخرت میں مشرکوں اور کافروں کی حالت

گذشتہ آیات میں مؤمنین کا حال بیان کیا تھا، مؤمنین کو آخرت میں جو کچھ ملے گا وہ دنیا کی چیزوں سے بہتر اور دیرپا ہوگا۔ اب ان آیات میں آخرت میں مشرکوں اور کافروں کی بدحالی کا بیان ہے، اور بات یہاں سے شروع کی ہے کہ ہدایت وضلالت کی جگہ دنیا ہے، اور دونوں اللہ کے اختیار میں ہیں، اور جو ہدایت سے محروم گیا وہ دنیا میں واپس آنا چاہے گا، مگر هَيْهَاتَ: ناممکن! گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں!

جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کریں اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا: —— ہر چیز کے خالق اللہ تعالیٰ ہیں، دوسرا کوئی کسی چیز کا خالق نہیں، اور اہل السنہ والجماعہ کے نزدیک بندوں کے اختیاری افعال کے خالق بھی اللہ تعالیٰ ہیں، انسان جب اچھے

(۱) مَرَدّ: اسم فعل: لوٹایا جانا، ظرف: لوٹانے کا وقت یا جگہ (۲) علیھا: ضمیر نار کی طرف لوٹتی ہے، جو عذاب سے مفہوم ہے۔

برے کام کا کسب کرتا ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ وجود بخشتے ہیں، پس جن لوگوں نے گمراہی اختیار کی ان کی گمراہی اللہ نے پیدا کی، اب اللہ کے سوا ان کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ ارشاد فرماتے ہیں: —— اور جس کو اللہ گمراہ کریں اس کے لئے اللہ کے بعد کوئی چارہ ساز نہیں —— جو اس کو ہدایت سے سرفراز کرے، پس کافروں اور مشرکوں کو چاہئے کہ ہدایت اللہ سے طلب کریں، ہدایت کا سامان کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی ہدایت کو پیدا کردیں گے۔

ہدایت یہاں سے لے کر آخرت میں جانا ہے: —— ہدایت حاصل کرنے کی جگہ یہ دنیا ہے، جو اس سے آخرت میں تہی دست گیا وہ بڑی تمنا کرے گا کہ دنیا کی طرف لوٹنے کا موقع مل جائے، تاکہ وہاں سے ہدایت لے آئے، مگر گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں، اب جو گمراہی لے کر آخرت میں پہنچا ہے وہاں اس کا وبال بھگتنا پڑے گا، ارشاد فرماتے ہیں: —— اور آپ اُن ظالموں (کافروں اور مشرکوں) کو دیکھیں گے جب وہ عذاب کا معائنہ کریں گے تو کہتے ہونگے: کیا واپسی کی کوئی صورت ہے؟ —— یعنی کیا کوئی ایسی سبیل ہے کہ ہم دنیا کی طرف واپس کردیئے جائیں، اور وہاں سے ہدایت لے کر آئیں؟ —— کوئی سبیل نہیں۔

آخرت میں گمراہی کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا: —— اور آپ ان (مشرکین وکفار) کو دیکھیں گے کہ پیش کئے جارہے ہونگے دوزخ پر —— یعنی جہنم میں ٹھونسنے کے لئے ان کو جہنم پر لے جایا جائے گا —— آنکھیں جھکانے والے ہونگے ذلت سے —— یعنی ڈرے سہمے ہونگے، اور رسوائی سے نظر اوپر نہیں اٹھا سکیں گے —— دزدیدہ نظروں سے دیکھ رہے ہونگے —— یعنی کن انکھیوں سے دیکھیں گے، دیکھنا نہیں چاہیں گے مگر دیکھیں گے!

اور (اس وقت) ایماندار کہیں گے: بے شک گھاٹا پانے والے وہ لوگ ہیں جو قیامت کے دن اپنی جانوں کو اور اپنے گھر والوں کو گنوا بیٹھے —— یعنی کم بخت اپنے ساتھ اپنے گھر والوں کو بھی لے ڈوبے، سبھی کو تباہ وبرباد کرکے چھوڑا!

سنو! بے شک ظالم (کافر ومشرک) دائمی عذاب میں ہونگے، اور ان کے لئے (وہاں) اللہ سے نیچے ایسے کارساز نہیں ہونگے جو ان کی مدد کریں —— یعنی ان کو جہنم کے عذاب سے بچالیں —— اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کریں اس کے لئے (نجات کا) کوئی راستہ نہیں! —— اللہ تعالیٰ با اختیار بندوں کو گمراہی اختیار کرنے پر گمراہ کرتے ہیں، خواہ مخواہ گمراہ نہیں کرتے۔

اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَىِٕذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ ۝ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ؕ اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاِنَّاۤ اِذَاۤ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ

وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ ﴿٤٨﴾

اِسْتَجِيْبُوْا(١)	حکم مان لو	فَاِنْ	پس اگر	رَحْمَةً	کوئی مہربانی
لِرَبِّكُمْ	اپنے رب کا	اَعْرَضُوْا	اعراض کریں وہ	فَرِحَ	(تو) خوش ہوتا ہے
مِّنْ قَبْلِ	پہلے	فَمَآ	تونہیں	بِهَا	اس کی وجہ سے
اَنْ يَّاْتِيَ	اس سے کہ آئے	اَرْسَلْنٰكَ	بھیجا ہم نے آپ کو	وَاِنْ	اوراگر
يَوْمٌ	وہ دن	عَلَيْهِمْ	ان پر	تُصِبْهُمْ	پہنچتی ہے ان کو
لَّا مَرَدَّ لَهٗ	پھرنا نہیں اس کے لئے	حَفِيْظًا	نگہبان (بناکر)	سَيِّئَةٌۢ	کوئی برائی
مِنَ اللّٰهِ(٢)	اللہ کی طرف سے	اِنْ عَلَيْكَ	نہیں ہے آپؐ کے ذمہ	بِمَا	ان کاموں کی وجہ سے جو
مَا لَكُمْ	نہیں ہوگی تمہارے لئے	اِلَّا الْبَلٰغُ	مگر پہنچانا	قَدَّمَتْ	آگے بھیجے
مِّنْ مَّلْجَاٍ	کوئی جائے پناہ	وَاِنَّآ اِذَآ	اور بے شک ہم جب	اَيْدِيْهِمْ	ان کے ہاتھوں نے
يَّوْمَىِٕذٍ	اس دن	اَذَقْنَا	چکھاتے ہیں	فَاِنَّ	تو بے شک
وَّمَا لَكُمْ	اور نہیں ہوگا تمہارے لئے	الْاِنْسَانَ	انسان کو	الْاِنْسَانَ	انسان
مِّنْ نَّكِيْرٍ(٣)	کوئی روک ٹوک کرنے والا	مِنَّا	اپنی طرف سے	كَفُوْرٌ	بڑا ناشکرا ہے

منکرین کو نصیحت کہ قیامت سے پہلے ایمان لے آؤ

چونکہ ہدایت دنیا سے لے کر آخرت میں جانا ہے، اس لئے مکذبین کو نصیحت کرتے ہیں کہ آخرت آئے اس سے پہلے ایمان لے آؤ، اگر آخرت میں ایمان سے تہی دست گئے تو وہاں تمہارے لئے نہ کوئی جائے پناہ ہوگی اور نہ تمہاری طرف سے اللہ کی کورٹ میں کوئی اعتراض داخل کرنے والا ہوگا، حکم شدشد! ارشاد فرماتے ہیں: —— تم اپنے رب کا حکم مان لو، اس سے پہلے کہ اللہ کی طرف سے وہ دن آجائے جس کے لئے 'پھرنا' نہیں، اس دن تمہارے لئے نہ کوئی جائے پناہ ہوگی، اور نہ تمہاری طرف سے کوئی روک ٹوک کرنے والا ہوگا!

رسول کی ذمہ داری صرف بات پہنچانے کی ہے

اور اگر مکذبین ایمان نہیں لاتے تو سن لیں: ہمارا رسول زبردستی نہیں منوا سکتا، اس کا کام پیغام پہنچانا ہے، اور وہ یہ فریضہ

(۱) استجاب له: لبیک کہنا، کہا ماننا (۲) من الله: یأتی سے متعلق ہے (۳) نکیر (فعیل) بمعنی اسم فاعل: منکِر ہے۔

انجام دے چکا، آگے تم جانو تمہارا کام! —— پس اگر وہ لوگ اعراض کریں تو ہم نے آپؐ کو ان کا نگران بنا کر نہیں بھیجا، آپؐ کے ذمہ صرف پہنچانا ہے۔

نہیں مانو گے تو آخرت میں سزا پاؤ گے اور وہ تمہارے کرتوتوں کا نتیجہ ہوگی

انسان کی فطرت بھی عجیب ہے: میٹھا ہپ کڑوا تھو! اللہ تعالیٰ بلا استحقاق انعام فرمائیں تو باچھیں کھل جائیں اور اُس کے کرتوتوں کی بدولت کوئی افتاد پڑے تو سب نعمتیں بھول جائے اور ناشکرا بن جائے، اسی فطرت کے مطابق دنیا میں اللہ نے اس کو بغیر استحقاق کے نعمتوں سے نوازا تو اکڑتا پھرتا ہے، اتراتا ہے اور اس کو اپنا استحقاق بتلاتا ہے، مگر جب قیامت کے دن اس کے آگے بھیجے ہوئے کاموں کی سزا ملے گی تو اپنی ماں کو روئے گا۔ اب کیا روتا ہے! یہ تو تیرے بوئے ہوئے کا پھل ہے! اگر اس کسیلے پھل سے بچنا ہے تو آج موقع ہے، ایمان لے آ، تاکہ کل کی سزا سے بچ جائے۔

آیتِ کریمہ: —— اور بے شک ہم جب انسان کو اپنی طرف سے —— یعنی استحقاق کے بغیر —— مہربانی کا مزہ چکھاتے ہیں —— یعنی کچھ عیش دیتے ہیں، کیونکہ کامل عیش تو آخرت میں ملے گا، اور وہ مؤمنین ہی کو ملے گا —— تو وہ خوش ہو جاتا ہے —— یعنی اس کو اپنے ہنر کا کمال سمجھتا ہے —— اور اگر ان کو کوئی برائی پہنچتی ہے —— دنیا میں یا آخرت میں —— ان اعمال کی وجہ سے جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجے ہیں تو انسان بڑا ناشکرا ہو جاتا ہے!

مؤمنین فراخی میں شکر اور تنگی میں صبر کرتے ہیں، اور کسی حال میں اللہ کے احسانات کو فراموش نہیں کرتے

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ إِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ﴿۴۹﴾ أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّإِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا ۚ إِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿۵۰﴾

لِلّٰهِ	اللہ کے لئے ہے	مَا يَشَآءُ	جو چاہتے ہیں	لِمَنْ يَّشَآءُ	جسے چاہتے ہیں
مُلْكُ	حکومت	يَهَبُ	بخشتے ہیں	الذُّكُوْرَ	لڑکے
السَّمٰوٰتِ	آسمانوں	لِمَنْ يَّشَآءُ	جسے چاہتے ہیں	أَوْ يُزَوِّجُهُمْ (۱)	یا جوڑا بناتے ہیں ان کا
وَالْأَرْضِ	اور زمین کی	إِنَاثًا	لڑکیاں	ذُكْرَانًا	لڑکوں
يَخْلُقُ	پیدا کرتے ہیں	وَّيَهَبُ	اور بخشتے ہیں	وَّإِنَاثًا	اور لڑکیوں کا!

(۱) یزوجھم: تَزْوِیج: جمع کرنا، جوڑا بنانا، ھم کا مرجع اولاد ہے اور ذکرانا و إناثا: ھم سے بدل ہیں۔

وَيَجْعَلُ	اور بناتے ہیں	عَقِيْمًا[1]	بانجھ	عَلِيْمٌ	سب کچھ جاننے والے
مَنْ يَّشَآءُ	جسے چاہتے ہیں	اِنَّهٗ	بے شک وہ	قَدِيْرٌ	بڑی قدرت والے ہیں

جس کا راج اس کا تاج

راج: حکومت، تاج: بادشاہت یعنی الوہیت۔ اب آخر میں توحید ورسالت کا بیان ہے، توحید: یعنی معبود ایک ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ ہیں، ان کے سوا کوئی معبود نہیں، کیونکہ کائنات پر حکومت انہی کی ہے، چنانچہ وہ جو چیز چاہتے ہیں پیدا کرتے ہیں، کوئی ان کے کام میں دخل نہیں دے سکتا، مثلاً: کسی کو صرف بیٹیاں دیتے ہیں، کسی کو صرف بیٹے، اور کسی کو جڑواں: بیٹے بھی اور بیٹیاں بھی، اور کسی کو بے اولاد رکھتے ہیں، جو ان کی حکمت اور بندوں کی مصلحت کا تقاضا ہوتا ہے کرتے ہیں، وہ علیم ہیں، البتہ ان کی قدرت میں سب کچھ ہے، جن کو لڑکیاں دی ہیں ان کو لڑکے بھی دے سکتے ہیں، اور اس کے برعکس بھی کر سکتے ہیں، یہی اللہ تعالیٰ معبود برحق ہیں، ان پر ایمان لاؤ، اور انہی کی بندگی کرو۔

آیتِ کریمہ: —— اللہ ہی کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین میں —— یہ توحید کی دلیل ہے —— وہ جو چاہتے ہیں پیدا کرتے ہیں —— یہ دلیل کا مقتضی ہے، پھر اس کی مثال ہے: —— جس کو چاہتے ہیں بیٹیاں عنایت فرماتے ہیں —— لوگ لڑکیوں کو پسند نہیں کرتے، عرب مشرک بھی پسند نہیں کرتے تھے، زندہ درگور کر دیتے تھے، اس لئے ان کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے ان کا تذکرہ پہلے کیا —— اور جس کو چاہتے ہیں بیٹے عنایت فرماتے ہیں، یا ان کو دونوں دیتے ہیں: بیٹے بھی اور بیٹیاں بھی —— خواہ ایک پیٹ سے یا الگ الگ پیٹوں سے —— اور جس کو چاہتے ہیں بے اولاد رکھتے ہیں —— بے شک وہ سب کچھ جاننے والے، بڑی قدرت والے ہیں!

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿۵۱﴾ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۭ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ۭ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۲﴾ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ﴿۵۳﴾

ع ۵

(۱) عقیم: بانجھ، وہ عورت جس کے مادہ میں بیضے نہ ہوں اور وہ مرد جس کے مادے میں جرثومے نہ ہوں، دونوں صورتوں میں اولاد نہیں ہوتی۔

وَمَا كَانَ (۱)	اور نہیں تھا	وَكَذٰلِكَ	اور اسی طرح	مِنْ عِبَادِنَا	اپنے بندوں میں سے
لِبَشَرٍ	کسی بھی انسان کیلئے	اَوْحَيْنَا	پہنچائی ہم نے	وَاِنَّكَ	اور بے شک آپ
اَنْ يُّكَلِّمَهُ	کہ بات کریں اس سے	اِلَيْكَ	آپ کی طرف	لَتَهْدِيْٓ	البتہ دکھاتے ہیں
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	رُوْحًا	زندگی	اِلٰى صِرَاطٍ	راستہ کی طرف
اِلَّا وَحْيًا (۲)	مگر اشارہ خفیہ کے طور پر	مِّنْ اَمْرِنَا	یعنی ہمارا دین	مُّسْتَقِيْمٍ	سیدھے
اَوْ مِنْ وَّرَآئِ	یا پیچھے سے	مَا كُنْتَ	نہیں تھے آپ	صِرَاطِ (۳)	راستہ
حِجَابٍ	پردہ کے	تَدْرِيْ	جانتے	اللّٰهِ	اللہ کا
اَوْ يُرْسِلَ	یا بھیجیں وہ	مَا الْكِتٰبُ	کتاب کیا ہے	الَّذِيْ لَهٗ	جس کے لئے ہے
رَسُوْلًا	کوئی پیغام بر	وَلَا الْاِيْمَانُ	اور نہ ایمان	مَا	جو
فَيُوْحِيَ	پس پہنچائے وہ	وَلٰكِنْ	لیکن	فِي السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں
بِاِذْنِهٖ	اس کی اجازت سے	جَعَلْنٰهُ	بنایا ہم نے اس کو	وَمَا فِي الْاَرْضِ	اور جو زمین میں ہے
مَا يَشَآءُ	جو چاہیں وہ	نُوْرًا	روشنی	اَلَآ	سنتا ہے!
اِنَّهٗ	بے شک وہ	نَّهْدِيْ	راہ دکھاتے ہیں ہم	اِلَى اللّٰهِ	اللہ کی طرف
عَلِيٌّ	بہت برتر	بِهٖ	اس کے ذریعہ	تَصِيْرُ	ہونگے
حَكِيْمٌ	بڑی حکمت والے ہیں	مَنْ نَّشَآءُ	جس کو چاہتے ہیں	الْاُمُوْرُ	تمام امور

رسالت کا بیان

مخلوق کی راہنمائی خالق کی ذمہ داری ہے

کائنات کی سلطنت اللہ کی ہے، اسی نے ہر مخلوق پیدا کی ہے، اور مخلوق کو دنیا میں زندگی کیسی گذارنی چاہئے؟ یہ راہ نمائی بھی خالق و مالک کی ذمہ داری ہے، پھر حیوانات کی صرف جسمانی ضرورتیں ہیں، ان کو پورا کرنے کے لئے ان کو عقل دی، جس سے وہ اپنی ضرورتیں پوری کرتے ہیں، اور انسان کی دو ضرورتیں ہیں: جسمانی اور روحانی، اول کے لئے انسان کو بھی عقل دی، جس سے وہ اپنی حاجتیں بہم پہنچاتا ہے، اور روحانی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے نبوت کا سلسلہ قائم کیا، عالم بالا

(۱) ما كان: أي ما صَحَّ (روح) یعنی نہیں ہوسکتا (۲) الوحي: مصدر وَحیٰ يَحِيْ وَحْيًا (ض): کسی سے اس طرح بات کرنا کہ دوسرا اس نہ سکے، چپکے سے بات کرنا، أَوْحیٰ إيحاء: کسی کو کسی بات کا اشارہ کرنا (۳) پہلے صراط سے بدل ہے۔

سے ان پر علوم کا فیضان کیا، اس سے وہ اپنی روح کی ضرورتیں پوری کرتے ہیں۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ یہود نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: ہم آپؐ پر کیسے ایمان لائیں، جبکہ آپؐ نہ خدا کو دیکھتے ہیں، نہ اس سے بالمشافہ کلام کرتے ہیں، جس طرح موسیٰ علیہ السلام کلام کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کو دیکھتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو جواب دیا: یہ غلط ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کو دیکھا ہے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۝﴾

ترجمہ: کسی بشر کے لئے ممکن نہیں کہ اس سے اللہ تعالیٰ کلام فرمائیں —— مانع انسان کا ضُعف بصر (نگاہ کی کمزوری) ہے، اللہ کی طرف کوئی مانع نہیں، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کی درخواست پر فرمایا: ﴿لَنْ تَرٰىنِيْ﴾: تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے، یہ نہیں فرمایا کہ میں ہرگز نہیں دکھ سکتا، جیسے دوپہر میں سورج کو نہیں دیکھ سکتے، آنکھیں خیرہ ہوجاتی ہیں، تو قصور آنکھوں کا ہے، سورج کا قصور نہیں۔ اور نگاہ کی یہ کمزوری اس دنیا میں ہے، آخرت میں نظر قوی ہوجائے گی: ﴿فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ﴾: سو آج تیری نگاہ بڑی تیز ہے (قٓ ۲۲) اس لئے جنت میں پہنچ کر اللہ کی زیارت ہوگی، اس پر اہل حق کا اتفاق ہے —— مگر بطور اشارہ خفیہ، یا پردہ کے پیچھے سے، یا بھیجیں پیغام بر (فرشتہ) پس وہ وحی کرے باذنِ الٰہی جو اللہ چاہیں، بے شک وہ بہت برتر بڑی حکمت والے ہیں! —— برتر ہیں: اس لئے رُودررُو کلام ممکن نہیں، اور حکیم ہیں: اس لئے انسانوں کی راہ نمائی بھی ضروری ہے، چنانچہ تین طرح راہ نمائی فرماتے ہیں:

فیضانِ علوم (وحی) کی تین صورتیں

پہلی صورت: —— اشارہ سے علوم کا فیضان کرنا —— یعنی اللہ تعالیٰ کوئی مضمون دل میں ڈالتے ہیں، اور اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں:

۱- کبھی نیند میں بصورت خواب القاء فرماتے ہیں، نبی کا خواب وحی ہوتا ہے، غیر نبی کا خواب وحی نہیں ہوتا، اس میں شیطانی تصرف کا احتمال ہوتا ہے، اس صورت میں الفاظ عموماً اللہ کی طرف سے نہیں ہوتے، صرف ایک مضمون اللہ تعالیٰ دل میں ڈالتے ہیں، جس کو پیغمبر اپنے الفاظ میں تعبیر کرتے ہیں۔

۲- اور کبھی بیداری میں جب بندہ غیب (اللہ تعالیٰ) کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کوئی واضح علم، جو غور وفکر کا نتیجہ نہیں ہوتا، نبی کے دل میں پیدا کرتے ہیں، بہت سی احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ: ''میرے دل میں یہ بات ڈالی گئی''

اس آیت میں فیضانِ علوم کی ان دونوں صورتوں کو لفظ وحی سے تعبیر کیا ہے، وحی کے لغوی معنی ہیں: اشارہ خفیہ، جو

مذکورہ دونوں صورتوں کو شامل ہے۔اور عرف میں وحی کا لفظ عام ہے، فیضانِ علوم کی تمام صورتوں کو وحی کہا جاتا ہے۔

دوسری صورت: —— پردہ کے پیچھے سے کلام کرنا —— اللہ تعالیٰ بلا واسطہ پردہ کے پیچھے سے بندے کو کوئی منظّم ومرتب کلام سناتے ہیں، بندہ خوب سمجھتا ہے کہ وہ خارج سے سن رہا ہے، مگر بندے کو کوئی بولنے والا نظر نہیں آتا یعنی نبی کی قوتِ سامعہ استماعِ کلام سے لذت اندوز ہوتی ہے، مگر آنکھیں دولتِ دیدار سے متمتع نہیں ہوتیں —— کوہِ طور پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اسی طریقہ سے وحی فرمائی تھی، اور شبِ معراج میں سید الانبیاء ﷺ کو کلام کی اسی صورت سے نوازا گیا تھا۔

تیسری صورت: —— فرشتہ کا نبی کے پاس آنا اور پیام پہنچانا —— حضرت جبرئیل علیہ السلام آتے تھے، اور نبی ﷺ سے اس طرح بات کرتے تھے جس طرح ایک آدمی دوسرے آدمی سے بات کرتا ہے، وحی کا عام طریقہ یہی رہا ہے، قرآنِ کریم پورا اسی طریقہ سے بواسطہ جبرئیل علیہ السلام نازل ہوا ہے، پھر اس کی دو صورتیں ہوتی تھیں:

۱- جبرئیل علیہ السلام عالم ملکوت میں رہتے تھے، اور نبی ﷺ عالم ناسوت سے عالم ملکوت کی طرف ترقی کرتے تھے، اور وحی اخذ کرتے تھے، یہ صورت نبی پر بھاری ہوتی تھی، چنانچہ سخت جاڑے میں نبی ﷺ کی پیشانی سے پسینہ موتیوں کی طرح ٹپکنے لگتا تھا، اس صورت میں فرشتہ آپ ؐ کے علاوہ کسی کو نظر نہیں آتا۔

۲- جبرئیل علیہ السلام عالم ناسوت میں تنزل فرماتے تھے، یہ صورت نبی ﷺ پر بھاری نہیں ہوتی تھی، اور اس صورت میں دوسرے بھی جبرئیل علیہ السلام کو دیکھتے تھے، جیسا کہ حدیث جبرئیل میں ہے۔

وحی کی ایک چوتھی صورت جو حدیث میں ہے

جب بندہ عالم ملکوت کی طرف پوری طرح متوجہ ہوجاتا ہے اور اس کے حواس مغلوب ہوجاتے ہیں یعنی کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں تو نبی کو ایک گھنٹے کی سی آواز سنائی دیتی ہے اور اس ذریعہ سے وحی کی جاتی ہے۔ متفق علیہ حدیث میں ہے کہ حضرت حارث بن ہشام ؓ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ آپ ؐ پر وحی کس طرح آتی ہے؟ آپ ؐ نے فرمایا:

> ''میرے پاس وحی کبھی گھنٹے کی آواز کی طرح آتی ہے۔ اور وحی کی یہ صورت مجھ پر بہت بھاری ہوتی ہے۔ پھر وہ مجھ سے موقوف ہوتی ہے اس حال میں کہ میں اس کو اس فرشتہ سے یاد کر چکا ہوتا ہوں'' (مشکوٰۃ، کتاب الفضائل باب المبعث وبدء الوحی، حدیث نمبر ۵۸۴۴)

علماء نے بیان کیا ہے کہ وحی کرنے والے فرشتے اور وحی لینے والے نبی میں مناسبت شرط ہے اور یہ مناسبت دو طرح پر پیدا کی جاتی ہے کبھی فرشتہ کی ملکیت اور روحانیت نبی پر غالب آتی ہے اور نبی بشریت سے غائب ہوجاتا ہے تو مذکورہ صورت پیش آتی ہے اور کبھی نبی کی بشریت فرشتہ پر غالب آتی ہے تو فرشتہ بصورت بشر نمودار ہوتا ہے اور دوسری صورت

پیش آتی ہے (مظاہر حق)

﴿وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۭ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِنَا ۭ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ۝﴾

ترجمہ: اور اسی طرح —— یعنی تیسرے طریقہ پر، ضمیر کے مرجع کی طرح مشارٌ الیہ بھی اقرب ہوتا ہے —— ہم نے آپ کی طرف حیات (زندگی) بھیجی یعنی اپنا دین (نازل فرمایا) —— من أمرنا: روحا کا بیان ہے، مِن بیانیہ ہے، اور أمر سے مراد دین ہے، اور دین کو روح اس لئے کہا ہے کہ وہ روحانی حیات کا سبب ہے —— آپؐ کو کچھ خبر نہیں تھی کہ کتاب کیا ہے؟ —— یعنی قرآن سے آپ نا آشنا تھے —— اور ایمان کیا ہے؟ —— یعنی دین کی تعلیمات سے بھی آپ باخبر نہیں تھے: ﴿وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى﴾: اور آپؐ کو دین سے بے خبر پایا پس باخبر کیا! اور دینی تعلیمات کی بنیاد ایمان کی تعلیم ہے، اس اصل الاصول کو ذکر فرمایا ہے، مراد سارا دین ہے —— لیکن ہم نے اس کتاب کو نور بنایا —— یہ قرآن کا بلکہ اللہ کی سب کتابوں کا خاص وصف ہے —— جس کے ذریعہ ہم راہ دکھاتے ہیں اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں —— یعنی قرآنِ کریم ایک روشنی ہے، اس سے تاریکیوں میں بھٹکتی انسانیت کو راہ ملتی ہے —— البتہ قرآن کی دعوت پر محنت کرنے والا چاہئے، اور وہ نبی ﷺ (اور ان کے ورثاء) ہیں، ارشاد فرماتے ہیں: —— اور بے شک آپؐ سیدھا راستہ دکھاتے ہیں یعنی اللہ کا راستہ، جس کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے —— پس وہی معبود ہیں، اور قرآن اسی معبود کی راہ دکھاتا ہے، اور آپؐ اسی کی دعوت دیتے ہیں —— سنتا ہے! سب چیزیں اللہ کی طرف لوٹیں گی —— اس میں جزاؤ سزا کی طرف اشارہ ہے، یعنی آئیں گے سب —— راہ یاب بھی اور گمراہ بھی —— ہمارے پاس، ان وقت ہدایت یاب سرخ رو ہونگے، اور گمراہ سیاہ چہرہ!

قرآن روح ہے اور قرآن لانے والا فرشتہ روح الامین

قرآنِ کریم جو دین کی تعلیمات پر مشتمل ہے روح (حیات) ہے، اس سے بندوں کی دینی زندگی استوار ہوتی ہے، سورۃ النحل (آیت ۲) میں بھی دین کو روح کہا ہے: ﴿يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ أَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ﴾: اتارتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتے ہیں، فرشتوں کی معرفت، روح (زندگی) یعنی اپنا دین —— اور دین (احکام) لانے والے فرشتہ (جبرئیل علیہ السلام) کو روح الامین کہا گیا ہے، سورۃ الشعراء میں ہے: ﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْأَمِيْنُ ۝ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ﴾: اس (قرآن) کو امانت دار فرشتے (جبرئیل علیہ السلام) نے

اتارا ہے، آپؐ کے دل پر، تا کہ آپؐ من جملہ ڈرانے والوں کے ہوں، اور دل کی تخصیص اس لئے کی ہے کہ دل ہی مدرک (سمجھنے والا) ہے، کان میں بات پڑی اور دل نے نہیں سمجھی تو کیا خاک سنی! غرض: قرآن وحی کے تین طریقوں میں سے تیسرے طریقے پر نازل کیا گیا ہے، کذلك کا یہی مطلب ہے، اور سورۃ التکویر میں قرآن کی اعتباریت کے لئے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے اوصاف بیان کئے ہیں: ﴿إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۝ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ۝ مُطَاعٍ ثَمَّ أَمِيْنٍ﴾: بے شک قرآن ایک معزز فرشتہ کا لایا ہوا کلام ہے، جو قوت والا ہے، مالکِ عرش کے نزدیک ذی رتبہ ہے، اور آسمانوں میں اس کا کہا مانا جاتا ہے، امانت دار ہے، اسی طرح سورۃ النجم کے شروع میں بھی حضرت جبرئیل علیہ السلام کے اوصاف بیان کئے ہیں، اور معارف القرآن (۷: ۱۴۷) میں مفتی شفیع صاحب نے لکھا ہے:

"تیسری صورت: ﴿أَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا﴾ ہے یعنی کسی فرشتہ جبرئیل وغیرہ کو اپنا کلام دے کر بھیجا جائے، وہ رسول کو پڑھ کر سنادے، اور یہی طریقہ عام ہے، قرآنِ مجید پورا اسی طرح بواسطہ ملائکہ نازل ہوا ہے"

اور فوائدِ شبیری میں جو فرمایا ہے کہ قرآن کی وحی زنجیر کی جھنکار کی طرح آتی تھی: اس سے اتفاق مشکل ہے، اب اگر کوئی سوال کرے کہ زنجیر کی جھنکار کی طرح کونسی وحی آتی تھی؟ اور وہ آواز کس کی ہوتی تھی؟ تو اس کا جواب دینا مشکل ہے، نص میں اس کی تعیین نہیں آئی، شاید احادیثِ قدسیہ کی وحی اس طرح آتی ہوگی۔ واللہ اعلم

قرآنِ کریم شمعِ رسالت ہے

﴿جَعَلْنَاهُ نُوْرًا﴾: ہم نے قرآن کو نور بنایا، قرآن شمعِ رسالت ہے، رسول اس کے ذریعہ ہدایت کی روشنی پھیلاتا ہے، اور یہ وصف اللہ کی سبھی کتابوں کا ہے، سورۃ المائدۃ (آیات ۴۴ و ۴۶) میں تورات وانجیل کو بھی نور کہا گیا ہے، قرآنِ کریم میں کسی شخصیت (نبی) پر نور کا اطلاق نہیں آیا، نہ کسی حدیث صحیح میں یہ اطلاق آیا ہے، اور سورۃ المائدۃ کی (آیت ۱۵) میں جو آیا ہے: ﴿قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَكِتَابٌ مُبِيْنٌ﴾: بالتحقیق تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور واضح کتاب آئی ہے، اس میں نور سے قرآن ہی مراد ہے، اور عطف تفسیری ہے، ذات والاصفات کو مراد لینا سیاقِ کلام کے خلاف ہے، اس لئے کہ آگے ﴿يَهْدِيْ بِهِ﴾ ہے، اس کے ذریعہ یعنی قرآن کے ذریعہ، عطف فی الجملہ مغائرت کے لئے ہوتا تو بہما آتا اور حدیث: أولُ ما خلق الله نوری: بے اصل روایت ہے، مصنف عبدالرزاق میں اس کا کہیں وجود نہیں، نہ کسی دوسری حدیث کی کتاب میں یہ روایت ہے۔

﴿الحمدللہ! ۲۰ رصفر المظفر ۱۴۳۷ھ = ۳ ردسمبر ۲۰۱۵ء کو سورۃ الشوریٰ کی تفسیر مکمل ہوئی﴾

آیاتھا ۸۹ (۴۳) سُوْرَةُ الزُّخْرُفِ مَكِّيَّةٌ (۶۳) رکوعاتھا ۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ﴿۱﴾ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۲﴾ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۳﴾ وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿۴﴾ اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ ﴿۵﴾ وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ ﴿۶﴾ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۷﴾ فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَّمَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۸﴾

حٰمٓ	حا،میم	فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ (۵)	اصل کتاب میں	مُّسْرِفِيْنَ (۸)	حد سے نکلنے والے
وَالْكِتٰبِ (۱)	قسم اس کتاب	لَدَيْنَا	ہمارے پاس	وَكَمْ اَرْسَلْنَا (۹)	اور بہت سے بھیجے ہم نے
الْمُبِيْنِ (۲)	واضح کی	لَعَلِيٌّ	یقیناً برتر (اعلیٰ)	مِنْ نَّبِيٍّ	انبیاء
اِنَّا	بے شک ہم نے	حَكِيْمٌ	پُرحکمت ہے	فِي الْاَوَّلِيْنَ	اگلوں میں
جَعَلْنٰهُ	بنایا اس کو	اَفَنَضْرِبُ (۶)	کیا پس پھیریں ہم	وَمَا يَاْتِيْهِمْ	اور نہیں آیا ان کے پاس
قُرْءٰنًا (۳)	پڑھنا	عَنْكُمُ	تم سے	مِّنْ نَّبِيٍّ	کوئی نبی
عَرَبِيًّا (۴)	فصیح عربی میں	الذِّكْرَ	نصیحت کو	اِلَّا كَانُوْا	مگر تھے وہ
لَّعَلَّكُمْ	تاکہ تم	صَفْحًا	بازو میں	بِهٖ	اس کا
تَعْقِلُوْنَ	سمجھو	اَنْ كُنْتُمْ (۷)	(اس وجہ سے) کہ ہو تم	يَسْتَهْزِءُوْنَ	ٹھٹھا کرتے
وَاِنَّهٗ	اور بے شک وہ	قَوْمًا	لوگ	فَاَهْلَكْنَآ	پس برباد کیا ہم نے

(۱) الكتاب: میں الف لام عہدی ہے، مراد قرآن ہے (۲) المبين: إبانة (لازم) سے اسم فاعل ہے: واضح (۳) قرآن: قراءة کی طرح مصدر ہے (۴) عَرُب (ک) کے معنی میں جو فصاحت کا مفہوم ہے وہ عربی میں بھی ہے (۵) أم الكتاب: مرکزی کتاب یعنی لوح محفوظ، جس میں ہر چیز ریکارڈ ہے (۶) ضَرَبَ عنه صَفْحًا: پھیرنا، صفحا: پہلو، بازو، یہ ضَرَبَ کا مفعول مطلق ہے، من غير لفظه (۷) أن سے پہلے لام اجلیہ محذوف ہے (۸) إسراف: حد سے بڑھنا (۹) كم: خبریہ ہے۔

اَشَدَّ (۱)	زیادہ سخت کو	بَطْشًا	پکڑ میں	مَثَلُ (۲)	حال
مِنْهُمْ	ان میں سے	وَّ مَضٰى	اور گذر گیا	الْاَوَّلِيْنَ	اگلوں کا

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بے حد مہربان نہایت رحم والے ہیں

سورت کا نام اور موضوع

الزُّخرُف کے معنی ہیں: سونا، آیت ۳۵ میں سونے کا ذکر آیا ہے، اس لئے سورت کا یہ نام رکھا گیا ہے، جُزء سے کل کا نام رکھنا معروف ہے، اور گذشتہ سورت قرآن کے ذکر پر پوری ہوئی تھی، یہ سورت اسی کے تذکرہ سے شروع ہورہی ہے، یہ سورت: سورۃ الشوری کے بعد متصلاً نازل ہوئی ہے، اِس کا نزول کا نمبر ۶۳ ہے، اُس کا ۶۲ تھا، اور اِس کو اُس سے متصل ہی رکھا گیا ہے، اس لئے کہ دونوں کا موضوع ایک ہے، تمام حوامیم کا موضوع اسلام کے بنیادی عقائد: توحید، رسالت، دلیلِ رسالت اور آخرت کا بیان ہے، دیگر مضامین ان کے متعلقات ہیں۔

قرآنِ کریم پانچ خوبیوں کی حامل کتاب ہے

قرآنِ کریم کی قسمیں شواہد ودلائل ہوتی ہیں، سورت کے شروع میں قرآن کی قسم کھائی گئی ہے، اور اس کی پانچ خوبیاں بیان کی ہیں، پھر مُسرفوں (حد سے تجاوز کرنے والوں) کی طرف قرآن نازل کرنے کی نظیر بیان کی ہے، اس کے بعد توحید کا بیان شروع ہوا ہے، وہی مدعیٰ (مقصد) ہے، اور قرآنِ کریم اس کی دلیل بیان کرتا ہے۔

قرآنِ کریم کی پانچ خوبیاں یہ ہیں:

۱-قرآن واضح کتاب ہے ـــــ اس میں کوئی پیچیدگی اور گنجلک نہیں، اپنی بات صاف وضاحت کے ساتھ سمجھاتا ہے۔

۲-قرآن فصیح عربی میں ہے ـــــ دوسری آسمانی کتابوں کی طرح نہیں، اس لئے کہ اس کے پہلے مخاطب عرب تھے، جن کو اپنی فصاحت پر ناز تھا، اگر قرآن دوسری کتابوں کی طرح ہوتا تو عرب اس کو درخورِ اعتناء نہ سمجھتے، اب وہ قرآن کی فصاحت وبلاغت سے متأثر ہوکر پڑھیں گے اور سمجھیں گے۔

۳-آسمانی کتابوں میں قرآن سب سے برتر ہے ـــــ آسمانی کتابیں لوح محفوظ میں ریکارڈ ہیں، ان میں اول نمبر قرآن کا ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسری کتابیں: اللہ کی کتابیں ہیں، وہ نبی کا کلام تھیں یا جرئیل علیہ السلام کا، اور

(۱) **أشد بطشا:** اسم تفضیل ہے: سخت زور والا (۲) **مثل:** کے بہت معانی ہیں، یہاں حالت کے معنی ہیں۔

قرآن اللہ کا کلام ہے، اور **كلامُ الملوكِ ملوكُ الكلام**: بادشاہ کی بات سب سے اوپر ہوتی ہے، اسی قاعدہ سے قرآن برتر ہے اور **لدینا** (ہمارے پاس) اس لئے بڑھایا ہے کہ اللہ کی دوسری کتابیں دنیا میں اصلی حالت میں نہیں رہیں، پھر ان کے ساتھ موازنہ کیسے کریں گے؟ ہاں اللہ کے ہاں لوح محفوظ میں اصلی حالت میں ہیں، وہاں موازنہ کر کے بتلایا ہے کہ قرآن سب سے برتر و بالا ہے۔

۴-قرآن پُر حکمت ہے ـــــ دانشمندی کی باتیں اس کے لفظ لفظ سے ٹپکتی ہیں، اور حدیث میں ہے: **لَا تَنْقَضِیْ عَجَائِبُه**: اس کی حیرت زا باتیں کبھی ختم نہیں ہوتیں، ایسی کوئی دوسری کتاب نہیں ہوسکتی۔

۵-قرآن خیر خواہی پر مشتمل ہے ـــــ اس میں لوگوں کی بھلائی کی باتیں ہیں، اور اس لحاظ سے قرآن بہت آسان ہے: ﴿**وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ**﴾: اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ ہم نے قرآن کو نصیحت پذیری کے لئے آسان کردیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ایسی خوبیوں کی حامل کتاب اتاری، لوگوں کی نالائقی کی وجہ سے اس کو لپیٹ کر نہیں رکھا، اب لوگوں کا کام ہے: اس کو ماننا، داعی تو دل سوزی کے ساتھ خیر خواہی کی باتیں کہتا ہے۔

نظیر: ـــــ مثال نہیں تھی، اس لئے نظیر پیش کی، دوسری کتابیں قرآن کے ہم پلہ نہیں، اس لئے نظیر پیش کی ہے کہ انبیاء کی بعثت کا سلسلہ قدیم سے جاری ہے، لوگ ان کا مذاق اڑاتے رہے مگر اللہ نے نبیوں کے بھیجنے کا سلسلہ بند نہیں کیا، پھر جو لوگ نالائق ثابت ہوئے وہ اگرچہ زور آور تھے، مگر اللہ نے ان کو ہلاک کیا، اور بربادی کا یہ سلسلہ قدیم سے جاری ہے اور مکہ کے مخالفین بھی حد سے تجاوز کرنے والے ہیں، وہ قرآن نہیں چاہتے، مگر ہم نازل کر رہے ہیں، اگر وہ نہیں مانیں گے اور مخالفت سے باز نہیں آئیں گے تو اپنا انجام سوچ لیں، پہلوں سے کچھ مختلف نہیں ہوگا۔

آیاتِ پاک: ـــــ حا، میم ـــــ یہ رموز واشارات ہیں، ان کے معانی اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں ـــــ اس واضح کتاب کی قسم! ـــــ یہ قرآن کی پہلی خوبی ہے ـــــ بے شک ہم نے اس کو فصیح عربی زبان میں پڑھنے کی کتاب بنایا ہے تا کہ تم سمجھو! ـــــ یہ دوسری خوبی ہے ـــــ تیسری اور چوتھی خوبی: ـــــ اور بے شک وہ ہمارے پاس لوح محفوظ میں بڑے رتبہ کی پُر حکمت کتاب ہے ـــــ کیا پس ہم اس نصیحت کو تم سے پھیر کر ایک طرف کردیں اس وجہ سے کہ تم حد سے گذرنے والے لوگ ہو؟ ـــــ اس میں پانچویں خوبی ہے، اور اس میں یہ بات بھی ہے کہ تم نانجار ہو، امید نہیں کہ مانو گے، تاہم نازل کر رہے ہیں، ہم اس کو لپیٹ کر ایک طرف نہیں رکھیں گے، اپنے بندوں کی طرف ضرور بھیجیں گے، سعید روحیں اس سے مستفید ہونگی، اور منکرین پر اتمام حجت ہوگا۔

نظیر: ـــــ اور ہم پہلے لوگوں میں بہت سے نبی بھیج چکے ہیں، اوران لوگوں کے پاس جب بھی کوئی نبی پہنچا تو انھوں نے اس کا ٹھٹھا ہی کیا ـــــ مگر اس کی وجہ سے بعثت کا سلسلہ بند نہیں کیا ـــــ پس ہم نے ان کے مضبوط پکڑ والے کو برباد کر دیا ـــــ اس میں مکذبین کے لئے ایک اشارہ ہے کہ اگر تم بھی تکذیب پر تُلے رہے تو تمہارا بھی وہی انجام ہوگا ـــــ اور اگلوں کا یہ حال گذر چکا ہے ـــــ یعنی مکذبین کی تباہی کی مثالیں پیش آچکی ہیں، جب وہ لوگ جو زور وقوت میں تم سے زیادہ تھے پکڑ سے نہ بچ سکے تو تم کاہے پر مغرور ہوتے ہو! سیدھے سیدھے قرآن کو مان لو اور ایک اللہ کی بندگی کرو! مَضٰی (گذر چکا) یعنی ماضی میں تسلسل کے ساتھ یہ سنت جاری رہی ہے، پس آج بھی اس پر عمل ہوگا۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ﴿٩﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّجَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿١٠﴾ وَالَّذِيْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿١١﴾ وَالَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ﴿١٢﴾ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ﴿١٣﴾ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴿١٤﴾

وَلَئِنْ	اور بخدا! اگر	الْعَلِيْمُ	سب کچھ جاننے والے نے	فِيْهَا	اس میں
سَاَلْتَهُمْ	پوچھیں آپ ان سے:	الَّذِيْ	جس نے	سُبُلًا	راستے
مَّنْ خَلَقَ	کس نے پیدا کئے	جَعَلَ	بنایا	لَّعَلَّكُمْ	تاکہ تم
السَّمٰوٰتِ	آسمان	لَكُمُ	تمہارے لئے	تَهْتَدُوْنَ	راہ پاؤ
وَالْاَرْضَ	اور زمین	الْاَرْضَ	زمین کو	وَالَّذِيْ	اور جس نے
لَيَقُوْلُنَّ	ضرور کہیں گے وہ	مَهْدًا(۱)	نرم	نَزَّلَ	اتارا
خَلَقَهُنَّ	پیدا کیا ان کو	وَّجَعَلَ	اور بنائے	مِنَ السَّمَآءِ	آسمان سے
الْعَزِيْزُ	زبردست	لَكُمْ	تمہارے لئے	مَآءًۢ	پانی

(۱) المَهْد: نرم وہموار زمین، اس کے معنی گہوارہ اور بچھونا بھی کرتے ہیں۔

بِقَدَرٍ	اندازے سے	لَكُمْ	تمہارے لئے	وَتَقُوْلُوْا	اور کہو تم
فَاَنْشَرْنَا(۱)	پس جان ڈالی ہم نے	مِّنَ الْفُلْكِ	کشتیوں سے	سُبْحٰنَ	پاک ذات ہے
بِهٖ	اس کے ذریعہ	وَالْاَنْعَامِ	اور چوپایوں سے	الَّذِيْ	جس نے
بَلْدَةً	علاقہ میں	مَا(۴)	جو	سَخَّرَ(۶)	کام میں لگایا
مَّيْتًا(۲)	ویران	تَرْكَبُوْنَ	سواری کرتے ہو (اس پر)	لَنَا	ہمارے
كَذٰلِكَ	اسی طرح	لِتَسْتَوٗا(۵)	تاکہ ٹھیک بیٹھ جاؤ	هٰذَا	اس کو
تُخْرَجُوْنَ	نکالے جاؤگے تم	عَلٰى ظُهُوْرِهٖ	اس کی پیٹھ پر	وَمَا كُنَّا	اور نہیں تھے ہم
وَالَّذِيْ	اور جس نے	ثُمَّ تَذْكُرُوْا	پھر یاد کرو	لَهٗ	اس کو
خَلَقَ	پیدا کیں	نِعْمَةَ	احسان	مُقْرِنِيْنَ(۷)	قابو میں کرنے والے
الْاَزْوَاجَ(۳)	اقسام	رَبِّكُمْ	اپنے رب کا	وَاِنَّآ	اور بے شک ہم
كُلَّهَا	ساری	اِذَا اسْتَوَيْتُمْ	جب ٹھیک بیٹھ جاؤ	اِلٰى رَبِّنَا	ہمارے رب کی طرف
وَجَعَلَ	اور بنایا	عَلَيْهِ	اس پر	لَمُنْقَلِبُوْنَ	پلٹنے والے ہیں

توحید کا بیان اور قدرت کی پانچ کارفرمائیاں

توحید: یعنی اللہ کی یکتائی، معبود صرف اللہ تعالیٰ ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ جو کارنامے انجام دیتے ہیں کوئی نہیں دے سکتا، پھر کوئی اور معبود کیسے ہوسکتا ہے؟ ان آیات میں اللہ تعالیٰ کے پانچ کارنامے بیان کئے ہیں، غور کریں! اللہ کے سوا کون ہے جو یہ کام کرسکتا ہے؟

۱- اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، جن کی پہنائی کا کوئی اندازہ ہی نہیں کرسکتا، اللہ کے سوا کون ہے جو ایسی عظیم مخلوقات پیدا کرے؟

۲- اللہ تعالیٰ نے زمین کو نرم وگداز بنایا، اس پر زندگی بسر کرنا ایسا ہے جیسا نرم بستر پر آرام کرنا، انسان اپنی ہر ضرورت

(۱) أَنْشَرَ الأرضَ: پانی دے کر زمین میں جان پیدا کرنا (۲) میتا: مذکر اس لئے ہے کہ بلدة بمعنی بلد اور مکان ہے (روح)
(۳) أزواج کے معنی یہاں جوڑے نہیں، بلکہ اقسام وانواع ہیں: فالزوج هنا بمعنى الصنف، لا بمعناه المشهور (روح)
(۴) ما: آگے سب مذکر ضمیریں اسی ما کی طرف لوٹیں گی (۵) اسْتَوى عليه: متمکن ہونا، استوى على العرش: تخت نشیں ہوا
(۶) سَخَّره: کسی کو ایسے کام کا پابند کرنا جسے وہ نہ چاہتا ہو، کسی کام کے لئے مجبور کرنا (۷) مُقْرِن: اسم فاعل، إقران: قابو میں لانا۔

اس سے پوری کرتا ہے، کوئی پتھر کی چٹان پر زندگی گذار کر دیکھے تو اسے زمین کی نرمی کی قدر ہو!

۳- زمین کی مصلحت سے اللہ نے زمین میں بڑے بڑے پہاڑ ڈالے، اور ان کے درمیان راستے بنائے، اسی طرح ہموار زمین میں بھی راستے بنائے، تاکہ لوگ ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ سکیں، اگر یہ راستے نہ ہوتے تو لوگ ایک جگہ گھر کر رہ جاتے، اور بھٹکتے پھرتے!

۴- اللہ تعالیٰ بارش برساتے ہیں، اور ہر جگہ کے مناسبِ حال برساتے ہیں، اس سے مردہ زمین میں جان پڑتی ہے اور سبزہ اُگ آتا ہے، اس طرح حیوانات کی معیشت کا انتظام کیا (اسی طرح قیامت کے دن خاص بارش ہوگی جس سے مُردے زمین سے نکل آئیں گے اور قیامت شروع ہوجائے گی)

۵- اللہ تعالیٰ نے زمین میں انسان کے فائدے کے لئے ہر قسم کی انواع واقسام پیدا کیں، پھلوں کی قسمیں، غلّوں کی انواع، پھولوں کے رنگ، بھانت بھانت کے حیوانات، اور معلوم نہیں کیا کیا اقسام پیدا کیں، گلہائے رنگ رنگ سے ہے زینتِ چمن!

مختلف انواع کی ایک مثال: مختلف سواریاں ہیں، سمندر میں سفر کے لئے کشتیاں پیدا کیں، اور خشکی میں سفر کے لئے چوپایے، جن پر لوگ لدے لدے پھرتے ہیں، اور بہ سہولت ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جاتے ہیں (اور اب تو ہوا میں اڑنے والی سواریاں بھی مہیا کیں، جن سے مہینوں کی مسافت منٹوں میں طے ہوجاتی ہے) پس بندوں کو چاہئے کہ جب ان سواریوں پر بیٹھیں تو اللہ کا احسان یاد کریں۔

آیاتِ پاک مع تفسیر: ـــــ اور اگر آپ ان (مشرکین) سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ تو وہ ضرور کہیں گے: ان کو زبردست خبردار اللہ نے پیدا کیا ہے! ـــــ مشرکین بھی جواہر (وہ چیزیں جو بذاتِ خود قائم ہیں) کا خالق اللہ کو مانتے ہیں، اس لئے وہ یہی جواب دیں گے ـــــ لوگ اعراض (وہ چیزیں جو دوسری چیزوں کے ذریعہ قائم ہیں) میں اختلاف کرتے ہیں، مثلاً: بندوں کے اختیاری افعال اللہ تعالیٰ پیدا کرتے ہیں یا بندے خود پیدا کرتے ہیں؟ معتزلہ کہتے ہیں: بندے خود پیدا کرتے ہیں، حالانکہ اللہ کے علاوہ کوئی خالق نہیں، سورۃ الرعد (آیت ۱۶) میں ہے: ﴿اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ﴾: اللہ ہی ہر چیز کے خالق ہیں، یہی بات سورۃ الزمر (آیت ۶۲) میں بھی ہے۔

اسی طرح کائنات میں تصرف کا حق صرف اللہ تعالیٰ کا ہے یا انبیاء اور اولیاء کا بھی؟ مشرکین اور غالی بدعتی کہتے ہیں: مورتیاں اور اولیاء بھی تصرف کرتے ہیں، اسی لئے ان کی پرستش کی جاتی ہے، قرآنِ کریم بار بار مختلف انداز سے اس کی تردید کرتا ہے، مگر جواہر میں کوئی اختلاف نہیں، اس لئے مشرکین بھی یہی جواب دیں گے۔

سوال: مشرکین اللہ کی صفات العزیز اور العلیم کو نہیں جانتے، اگر جانتے تو شرک میں کیوں مبتلا ہوتے؟ پھر انھوں

نے جواب میں یہ صفات کیسے ذکر کیں؟

جواب: یہ سوال بالفعل (سردست) نہیں کیا گیا، نہ انھوں نے بالفعل جواب دیا ہے، بلکہ سوال بالقوہ ہے یعنی اگر یہ سوال کیا جائے تو وہ یہ جواب دیں گے، بالفعل جواب ان کی طرف سے اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔

اللہ کا دوسرا کارنامہ: — جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا — یعنی زمین کی ظاہری صورت آرام دِہ ہونے میں فرش کی طرح ہے، اور زمین گول ہے، مگر اتنی بڑی ہے کہ بستر بن سکتی ہے، بڑے گنبد پر چیونٹی اس طرح چلتی ہے جیسے ہم زمین پر چلتے ہیں۔

اللہ کا تیسرا کارنامہ: — اور تمہارے لئے اس میں راستے بنائے تاکہ تم راہ پاؤ — یعنی ہموار زمین میں، پہاڑوں میں، سمندروں میں اور فضا میں راستے بنائے، انہی راستوں پر لوگ کشتیاں اور ہوائی جہاز چلاتے ہیں، اگر اُس راہ سے ہٹ جائیں تو کہیں سے کہیں جا پڑیں!

اللہ کا چوتھا کارنامہ: — اور جس نے آسمان سے اندازے سے پانی برسایا، پس ہم نے اس کے ذریعہ ویران زمین میں جان ڈالی، اسی طرح تم نکالے جاؤ گے — آخری بات بطور فائدہ کے بیان کی ہے، زمین کی حیات سے مُردوں کی حیات پر استدلال کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا پانچواں کارنامہ: — اور جس نے تمام اقسام پیدا کیں — یعنی مخلوقات کی بے شمار انواع واقسام پیدا کیں۔

تنوع کی مثال: — اور بنائے تمہارے لئے کشتیوں اور چوپایوں سے وہ جن پر تم سواری کرتے ہو — اب ان میں سائیکلوں، موٹر سائیکلوں، کاروں اور ہوائی جہازوں کو بھی شامل کرلو، اور آگے دیکھو: سواریوں کی کیا قسمیں پیدا ہوتی ہیں۔

سواریاں اللہ کی نعمت ہیں، ان کا شکر بجالاؤ: — تاکہ تم ان کی پیٹھوں پر جم کر بیٹھو، پھر اپنے رب کا احسان یاد کرو جب ان پر ٹھیک سے بیٹھ جاؤ — یہ دعا پڑھنے کا وقت ہے — اور کہو: ''پاک ہے وہ ذات جس نے ہمارے کام میں لگایا اس کو، اور نہیں تھے ہم اس کو قابو میں کرنے والے، اور بے شک ہم اپنے رب کی طرف یقیناً لوٹنے والے ہیں — پاک ہے وہ ذات: یعنی وہ سواری کی محتاج نہیں — قابو میں کرنے والے نہیں تھے: یہ بات مشینی سواریوں پر بھی صادق آتی ہے، اس طرح کہ اللہ نے انسانی دماغ کو یہ طاقت بخشی کہ اس نے ایسی سواریاں ایجاد کیں، پھر ان کے لئے خام مال پیدا کیا جس سے یہ سواریاں تیار ہوئیں — اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں: ان لفظوں میں تعلیم دی گئی ہے کہ ہر دنیوی سفر کے وقت آخرت کے کٹھن سفر کو یاد کرنا چاہئے، اور سوار ہو کر بھی اللہ کا ذکر جاری رکھنا چاہئے، تاکہ

آخرت کا سفر بھی بہ سہولت طے ہو جائے۔

جب سواری پر پاؤں رکھے تو بسم اللہ کہے، پھر سوار ہو جانے کے بعد الحمد للہ کہے، پھر یہ کلمات کہے: ﴿ سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا، وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِيْنَ، وَإِنَّا إِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴾

وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّاَصْفٰكُمْ بِالْبَنِيْنَ ﴿۱۶﴾ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۱۷﴾ اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ﴿۱۸﴾ وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ؕ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْئَلُوْنَ ﴿۱۹﴾

وَجَعَلُوْا	اور بنایا انھوں نے	بَنٰتٍ	بیٹیوں کو	ظَلَّ	(تو) پڑ جاتا ہے
لَهٗ	اس کے لئے	وَّاَصْفٰكُمْ (۱)	اور مخصوص کئے تمہارے لئے	وَجْهُهٗ	اس کا چہرہ
مِنْ عِبَادِهٖ	اس کے بندوں میں سے	بِالْبَنِيْنَ	بیٹے	مُسْوَدًّا	کالا
جُزْءًا	جزء (اولاد)	وَاِذَا	اور جب	وَّهُوَ	اور وہ
اِنَّ الْاِنْسَانَ	بے شک انسان	بُشِّرَ	خوش خبری دیا جاتا ہے	كَظِيْمٌ (۲)	گھٹنے والا ہے
لَكَفُوْرٌ	البتہ ناشکرا ہے	اَحَدُهُمْ	ان میں سے کوئی	اَوَمَنْ	کیا اور جو
مُّبِيْنٌ	واضح	بِمَا	اس صنف کی جس کے ساتھ	يُنَشَّؤُا (۳)	پرورش پائے
اَمِ اتَّخَذَ	کیا اختیار کیا اس نے	ضَرَبَ	ماری ہے اس نے	فِي الْحِلْيَةِ	زیور میں
مِمَّا	ان میں سے جن کو	لِلرَّحْمٰنِ	مہربان اللہ کے لئے	وَهُوَ	اور وہ
يَخْلُقُ	پیدا کرتے ہیں وہ	مَثَلًا	مثال	فِي الْخِصَامِ (۴)	مباحثہ میں

(۱) أَصْفَى فلانا بكذا: کسی کے لئے کوئی چیز خاص کرنا، یا اسے اس چیز میں ترجیح دینا (۲) کظیم (فعیل) کظمه الغیظ: غصہ نے اسے دبا لیا (۳) يُنَشَّأُ: مضارع مجہول، واحد مذکر غائب، نَشَّأَ تَنْشِئَةً الصبیَ: تربیت کرنا، نُشِّأَ فی النعیم: آسودگی میں پرورش پائی۔ (۴) الخِصام: جھگڑا، یہاں لمبی گفتگو اور مباحثہ مراد ہے۔

غَيْرُ مُبِيْنٍ	صاف بات کرنے والا نہ ہو	عِبٰدُ	بندے ہیں	خَلْقَهُمْ	ان کی بناوٹ کے وقت
وَجَعَلُوا	اور بنایا انھوں نے	الرَّحْمٰنِ	مہربان ذات کے	سَتُكْتَبُ	عنقریب لکھیں گے ہم
الْمَلٰٓئِكَةَ	فرشتوں کو	اِنَاثًا	عورتیں	شَهَادَتُهُمْ	ان کی گواہی
الَّذِيْنَ هُمْ	جو وہ	اَشَهِدُوْا	کیا موجود تھے وہ	وَيُسْئَلُوْنَ	اور پوچھے جائیں گے وہ

ابطالِ شرک: اللہ کی اولاد! وہ بھی بیٹیاں! العیاذ باللہ!

اللہ کی یکتائی کے بیان کے بعد اب شرک (بھاگی داری) کو باطل کرتے ہیں یعنی معبود صرف اللہ تعالیٰ ہیں، ان کی خدائی میں کوئی حصہ دار نہیں، مشرکین اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد مانتے ہیں، وہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے ہیں، اس کی تردید میں پانچ باتیں فرمائی ہیں:

۱- اگر اللہ کی اولاد ہوگی تو وہ بھی خدا ہوگی، علاقۂ جزئیت وبعضیت کا یہی تقاضا ہے، پھر توحید کہاں رہی؟

۲- آدمی اپنے حصہ میں اچھی چیز لگاتا ہے اور صنفِ نازک مشرکین کے خیال میں اچھی صنف نہیں، پھر کیا یہ بات معقول ہے کہ اللہ نے لڑکیاں لیں اور مشرکین کو لڑکوں کے ساتھ خاص کیا؟

۳- بیٹیوں کو مشرکین پسند نہیں کرتے، ان کو اپنے لئے عیب سمجھتے ہیں، پھر وہ یہ عیب اللہ کے لئے کیوں ثابت کرتے ہیں؟ اللہ تو بے عیب ہیں!

۴- اولاد ہونا ایک صفت ہے، اور اللہ کی تمام صفات: صفاتِ کمالیہ ہیں، اور عورتیں کمزور صنف ہیں، وہ گہنوں میں پلنے کی وجہ سے مباحثہ میں پھسڈی ثابت ہوتی ہیں، پس اللہ کے لئے بیٹیاں ماننا: اللہ کے لئے صفتِ ناقص ثابت کرنا ہے، یہ کس طرح جائز ہوسکتا ہے؟

۵- فرشتے نہ مذکر ہیں نہ مؤنث، وہ الگ جنس ہیں، جیسے آسمان وزمین وغیرہ نہ مذکر ہیں، نہ مؤنث، پس ان کو عورتیں قرار دینا ایک طرح کا الزام ہے، یہ الزام ریکارڈ کیا جارہا ہے، مشرکین کو قیامت کے دن یہ جھوٹی بات ثابت کرنی پڑے گی، نہیں کرسکیں گے تو جوتے پڑیں گے!

آیاتِ پاک مع تفسیر: —— اور بنایا انھوں نے اللہ کے لئے اس کے بندوں میں سے جزء —— یعنی اولاد —— اولاد ماں باپ کا جزء ہوتی ہے، اسی جزئیت وبعضیت کی وجہ سے زوجین پر ایک دوسرے کے اصول وفروع حرام ہوتے ہیں، اور اولاد: ماں باپ کی ہم جنس بھی ہوتی ہے، ناجنس اولاد بڑا عیب ہے، کسی کے گھر میں کتا بلی جنم لیں تو وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتا۔ پس اگر اللہ کی اولاد ہوگی تو وہ ہم جنس یعنی خدا اور معبود ہوگی، پھر توحید کہاں رہی؟ —— علاوہ

ازیں: اولاد غیر کی دَین ہوتی ہے، اور فرشتے وغیرہ اللہ کے بندے اور اس کی مخلوق ہیں، وہ اللہ کی اولاد کیسے ہوسکتے ہیں؟ —— غرض آیت میں دوطرح سے اولاد ہونے کا ردّ کیا ہے: ایک: ﴿مِنْ عِبَادِهٖ﴾ میں دوسرے: ﴿جُزْءًا﴾ میں —— بے شک انسان صریح ناشکرا ہے —— یہ تیسری طرح تردید کی ہے کہ اللہ کے لئے اولاد ماننا اللہ کی بدیہی ناشکری ہے، غلام: حقیقی آقا کے ساتھ کسی کو خواہ مخواہ آقا مان لے تو یہ حقیقی آقا کی ناقدری ہے —— علاوہ ازیں: فاصلہ میں ماقبل سے ربط کی طرف بھی اشارہ ہے، توحید کے بیان میں اللہ کی نعمتوں کا ذکر آیا ہے، بندوں کو چاہئے کہ وہ ان نعمتوں کو پہچان کر شکر بجالائیں، مگر انھوں نے گستاخی شروع کردی، اللہ کے لئے ایک نازیبا صفت (اولاد ہونا) ثابت کی، یہ الٹی گنگا بہائی، یہی ناشکری ہے۔

دوسری آیت: ﴿ اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّاَصْفٰكُمْ بِالْبَنِيْنَ ﴾

ترجمہ: کیا اللہ نے اپنی مخلوقات میں سے بیٹیوں کو پسند کیا اور تمہارے لئے بیٹے مخصوص کئے —— یعنی اللہ نے اپنے حصہ میں گھٹیا اور ناقص چیز رکھی اور تمہارے حصہ میں عمدہ اور بڑھیا چیز لگائی؟ یہ نہایت نامعقول بات ہے۔

تیسری آیت: ﴿ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴾

ترجمہ: اور جب ان میں سے کوئی اس صنف کی خوش خبری دیا جاتا ہے جس کی وہ رحمان کے لئے مثال دیتا ہے تو اس کا منہ کالا پڑجاتا ہے اور وہ دل میں گھٹتا رہتا ہے! —— لڑکیاں: مشرکین کے نزدیک ناقص صنف تھیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر ان کے گھر میں لڑکی آتی تو ان کے چہروں پر بولیٹ (سیاہی) برستی، اور وہ دل ہی دل میں گھٹتے رہتے کہ ہائے کیسی بری اولاد سے ہم نوازے گئے! پھر یہ بری صفت اللہ کے لئے کیوں ثابت کرتے ہو، وہ تو بے عیب ہیں اور ان کی صفات تو صفاتِ کمالیہ ہیں۔

چوتھی آیت: ﴿ اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ﴾

ترجمہ: کیا اور جو زیور میں نشو ونما پائے، اور وہ مباحثہ میں بھی زور بیان نہ رکھے! —— وہ ناقص صنف اللہ کی صفت ہوسکتی ہے؟ نہیں ہوسکتی، اللہ کی صفات: صفاتِ کمالیہ ہیں —— اور آیت سے معلوم ہوا کہ جو آرائش وزیبائش میں نشو ونما پاتا ہے وہ رائے اور عقل میں ضعیف ہوتا ہے، اسی وجہ سے مردوں کے لئے سونا اور ریشم حرام ہیں۔

پانچویں آیت: ﴿ وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ۭ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ۭ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْـَٔلُوْنَ ﴾

ترجمہ: اور انھوں نے فرشتوں کو جو اللہ کے بندے ہیں عورتیں قرار دیا —— یعنی فرشتوں کا حال تم جانتے ہو یا اللہ؟

وہ اللہ کے بندے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کا حال بہتر جانتے ہیں، تم کیا جانو! ـــــ کیا وہ ان کی پیدائش کے وقت موجود تھے ـــــ نہیں تھے! پھر قطعیت کے ساتھ یہ بات کیوں کہتے ہیں؟ ـــــ اب ان کا یہ دعوی لکھ لیا جائے گا ـــــ یعنی یہ جھوٹا دعوی ریکارڈ کرلیا گیا ہے ـــــ اور وہ باز پرس کئے جائیں گے ـــــ یعنی ان سے کہا جائے گا: اپنا یہ دعوی ثابت کرو، ورنہ جوتے کھاؤ! ـــــ اور ثابت نہیں کرسکیں گے، کیونکہ فرشتے ان کی نظروں کے سامنے ہونگے، ان کی حالت دیکھ رہے ہونگے، پس وہ جوتوں سے نوازے جائیں گے (ردّ اشراک پر ابھی گفتگو باقی ہے)

وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ؕ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۗ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿٢٠﴾
اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ ﴿٢١﴾ بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا
عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿٢٢﴾ وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِىْ قَرْيَةٍ مِّنْ
نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ﴿٢٣﴾
قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ ؕ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ
كٰفِرُوْنَ ﴿٢٤﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٢٥﴾ وَاِذْ قَالَ
اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِىْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴿٢٦﴾ اِلَّا الَّذِىْ فَطَرَنِىْ فَاِنَّهٗ
سَيَهْدِيْنِ ﴿٢٧﴾ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِىْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿٢٨﴾

وَقَالُوْا	اور کہا انھوں نے	بِذٰلِكَ	اس بارے میں	مِّنْ قَبْلِهٖ	اس سے پہلے
لَوْ شَآءَ	اگر چاہتے	مِنْ عِلْمٍ	کچھ علم	فَهُمْ بِهٖ	پس وہ اس کو
الرَّحْمٰنُ	نہایت مہربان	اِنْ هُمْ	نہیں ہیں وہ	مُسْتَمْسِكُوْنَ (۲)	مضبوط پکڑنے والے ہیں
مَا	(تو) نہ	اِلَّا يَخْرُصُوْنَ (۱)	مگر اٹکل کرتے	بَلْ قَالُوْٓا	بلکہ کہا انھوں نے
عَبَدْنٰهُمْ	پوجتے ہم ان کو	اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ	کیا دی ہم نے ان کو	اِنَّا وَجَدْنَآ	بے شک ہم نے پایا
مَا لَهُمْ	نہیں ان کے لئے	كِتٰبًا	کوئی کتاب	اٰبَآءَنَا	ہمارے اسلاف کو

(۱) خَرَصَ (ن،ض) خَرْصًا الشيئَ: اٹکل اور اندازے سے بات کہنا، قیاس دوڑانا (۲) اِسْتَمْسَك بالشيئ: مضبوطی سے پکڑے رہنا، استدلال کرنا

عَلٰٓى اُمَّةٍ(۱)	ایک مذہب پر	اَوَلَوْ	کیا اگرچہ	وَاِذْ قَالَ	اور (یاد کرو) جب کہا
وَّاِنَّا	اور بے شک ہم	جِئْتُكُمْ	لایا میں تمہارے پاس	اِبْرٰهِيْمُ	ابراہیمؑ نے
عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ	ان کے نقش قدم پر	بِاَهْدٰى(۳)	بہتر	لِاَبِيْهِ	اپنے باپ سے
مُّهْتَدُوْنَ	راہ پانے والے ہیں	مِمَّا	اس سے جو	وَقَوْمِهٖٓ	اور اپنی قوم سے
وَكَذٰلِكَ	اور اسی طرح	وَجَدْتُّمْ	پایا تم نے	اِنَّنِيْ	بے شک میں
مَآ اَرْسَلْنَا	نہیں بھیجا ہم نے	عَلَيْهِ	اس پر	بَرَآءٌ(۴)	بیزار ہوں
مِنْ قَبْلِكَ	آپؐ سے پہلے	اٰبَآءَكُمْ	تمہارے اسلاف کو	مِّمَّا	ان سے جن کو
فِيْ قَرْيَةٍ	کسی بستی میں	قَالُوْٓا	جواب دیا انھوں نے	تَعْبُدُوْنَ	پوجتے ہو تم
مِّنْ نَّذِيْرٍ	کوئی ڈرانے والا	اِنَّا بِمَآ	بے شک ہم اس کا جو	اِلَّا الَّذِيْ	مگر جس نے
اِلَّا قَالَ	مگر کہا	اُرْسِلْتُمْ	بھیجے گئے ہو تم	فَطَرَنِيْ	پیدا کیا مجھے
مُتْرَفُوْهَآ(۲)	اس کے خوش عیش لوگوں نے	بِهٖ	اس کے ساتھ	فَاِنَّهٗ	پس بے شک وہ
اِنَّا وَجَدْنَآ	بے شک پایا ہم نے	كٰفِرُوْنَ	انکار کرنے والے ہیں	سَيَهْدِيْنِ	اب راہ دکھائے گا مجھے
اٰبَآءَنَا	ہمارے اسلاف کو	فَانْتَقَمْنَا	پس بدلہ لیا ہم نے	وَجَعَلَهَا	اور بنایا اس کو
عَلٰٓى اُمَّةٍ	ایک مذہب پر	مِنْهُمْ	ان سے	كَلِمَةًۢ	بات
وَّاِنَّا	اور بے شک ہم	فَانْظُرْ	پس دیکھ	بَاقِيَةً	باقی رہنے والی
عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ	ان کے نقشِ قدم کی	كَيْفَ كَانَ	کیسا ہوا	فِيْ عَقِبِهٖ	اپنی نسل میں
مُّقْتَدُوْنَ	پیروی کرنے والے ہیں	عَاقِبَةُ	انجام	لَعَلَّهُمْ	تاکہ وہ
قٰلَ	کہا (پیغمبر نے)	الْمُكَذِّبِيْنَ	جھٹلانے والوں کا	يَرْجِعُوْنَ	باز آئیں

شرک کے جواز واستحسان پر مشرکین کی عقلی دلیل اور اس کا جواب

مشرکین کہتے ہیں: اگر رحمان ورحیم چاہتے تو ہم ان کے سوا کسی کو نہ پوجتے، جب ہم برابر مورتیوں کی پوجا کرر ہے

(۱) أمة کے متعدد معانی ہیں، یہاں مذہب اور طریقہ کے معنی ہیں (۲) مُترَف: اسم مفعول، أَترَف فلانا: عیش پرست بنانا (۳) أهدیٰ: اسم تفضیل: لغوی معنی میں ہے، اصطلاحی ہدایت مراد نہیں (۴) براء: مصدر ہے جو صفت کے طور پر استعمال ہوا ہے، اصل میں اس کے معنی ہیں: ہر وہ چیز جس کا پاس رہنا برا لگتا ہو، جس سے چھٹکارا ڈھونڈھا جائے

ہیں اور وہ قادر مطلق ہیں، پھر بھی ہمیں نہیں روکتے تو یہ دلیل ہے کہ ہمارا کام بہتر ہے، اور اللہ کو پسند ہے۔

جواب: مشرکین مسئلہ سمجھے بغیر اٹکل اڑاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کو کسی فعل پر قدرت دینا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ اس فعل پر راضی بھی ہیں، سورۃ الزمر (آیت ۷) میں گذرا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کا منکر ہونا پسند نہیں کرتے اور ان کا شکر گذار ہونا پسند کرتے ہیں، یعنی یہ سچ ہے کہ اللہ کے چاہے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا، مگر تمہارے افعال کا تمہارے حق میں بہتر ہونا اس سے نہیں نکلتا، اگر ایسا ہونے لگے تو پھر دنیا میں کوئی چیز بری نہ رہے، ہر ظالم خونخوار کہہ دے کہ میرا کام اللہ کو پسند ہے جبھی کرنے دیا، بہر حال مشیت اور رضا کو ایک کر دینا محض اٹکل کا تیر ہے۔

﴿ وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ۭ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۤ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور انھوں نے (مشرکوں نے) کہا: اگر مہربان اللہ چاہتے تو ہم ان (مورتیوں) کی عبادت نہ کرتے، انہیں اس مسئلہ کی کچھ تحقیق نہیں، وہ محض اٹکل اڑاتے ہیں!

جوازِ شرک کی کوئی نقلی دلیل نہیں، بس باپ دادوں کی اندھی تقلید ہے

سوال: دلیلِ عقلی کا حال تو تم سن چکے، اب بتاؤ! تمہارے پاس جوازِ شرک کی کوئی نقلی دلیل بھی ہے؟ یعنی قرآن سے پہلے اللہ کی اتاری ہوئی کوئی کتاب تمہارے پاس ہے جس میں شرک کا اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہونا لکھا ہو؟ اور وہ تمہارا مستدل ہو؟

جواب: ایسی کوئی سند ان کے پاس نہیں، وہ تو اپنے باپ دادوں کے طریقہ پر چل رہے ہیں اور اسی کو ہدایت کا راستہ سمجھتے ہیں یعنی گمراہ اسلاف کی اندھی تقلید کے سوا ان کے پاس کوئی دلیل نہیں، یہی ان کی زبردست دلیل ہے۔ اور یہی دلیل ہر زمانہ کے مشرک پیش کرتے آئے ہیں۔

﴿ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ ۝ بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓي اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓي اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝ وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓي اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓي اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: کیا ہم نے ان کو قرآن سے پہلے کوئی کتاب دی ہے، پس وہ اس سے استدلال کرتے ہیں؟ —— ایسی کوئی آسمانی کتاب ان کے پاس نہیں —— بلکہ انھوں نے کہا: ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ پر پایا ہے، اور بے شک ہم ان کے نقشِ قدم پر چل کر ہی راہ یاب ہیں —— یعنی وہ اسی کو ہدایت کا راستہ تصور کرتے ہیں —— اور یہی جواب ہر زمانہ کے مشرکوں نے دیا ہے: —— اور اسی طرح ہم نے آپؐ سے پہلے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا (پیغمبر) نہیں بھیجا،

مگر اس کے خوش حال لوگوں نے کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ پر پایا ہے، اور بے شک ہم ان کے نقشِ قدم کی پیروی کرنے والے ہیں ـــــ یعنی کچھ بھی ہو: ہم اسلاف کا طریقہ نہیں چھوڑ سکتے۔

بطلانِ شرک کی نقلی دلیل ہے، مگر مشرکین اس کو کہاں مانتے ہیں!

پیغمبر ﷺ نے کہا: تمہارے پاس تو جوازِ شرک کی دلیل نقلی نہیں، مگر میرے پاس بطلانِ شرک کی نقلی دلیل ہے، اللہ نے مجھ پر قرآن نازل کیا ہے، اس میں شرک کو دلائل سے باطل کیا ہے، اور اس میں تمہارے مذہبی طریقہ سے بہتر طریقہ کی تعلیم دی ہے، اس کو قبول کرو۔

مشرکین نے جواب دیا: ہم نہ تمہاری کتاب کو مانتے ہیں، نہ اس کے بتلائے ہوئے طریقہ کو، ہم تو اپنی راہ پر ہی رہیں گے! ـــــ یہی جواب گذشتہ امتوں نے بھی اپنے پیغمبروں کو دیا ہے، پھر ان کا انجام کیا ہوا؟ اور کیا تمہارا انجام ان سے مختلف ہوگا؟

﴿ قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ ۚ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: (مذکورہ جواب پر) پیغمبر نے کہا: کیا اگرچہ لایا ہوں میں تمہارے پاس اس سے بہتر جس پر تم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے؟ ـــــ یعنی میں تمہارے باپ دادوں کی راہ سے اچھی راہ بتلاؤں تو بھی تم میری بات قبول نہیں کروگے، اور پرانی لکیر پیٹتے رہوگے؟ ـــــ انھوں نے جواب دیا: بے شک ہم اس دین کو جس کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو نہیں مانتے! ـــــ یعنی ہم آبائی طریقہ ترک نہیں کرسکتے ـــــ سو ہم نے ان سے انتقام لیا، پس دیکھ! تکذیب کرنے والوں کا انجام کیسا ہوا؟ ـــــ وہ عذاب میں پکڑے گئے، اور صفحۂ ہستی سے مٹادیئے گئے۔

مشرکین کے جد امجد نے باپ کی اور قوم کی راہ غلط دیکھ کر چھوڑ دی تھی پس کیا ان کے لئے اس میں اسوہ نہیں!

ابطالِ شرک کی گفتگو اس پر ختم کی جارہی ہے کہ قریش کے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے باپ کی اور قوم کی راہ غلط دیکھ کر چھوڑ دی تھی، اور صاف توحید کا اعلان کردیا تھا، پس اگر آباؤ اجداد کی تقلید کرنی ہے تو اُس بڑے باپ کی راہ پر چلو، جس نے مکہ میں توحید کا جھنڈا گاڑا ہے، ایک اللہ کی عبادت کے لئے کعبہ شریف تعمیر کیا ہے، اور اپنی اولاد کو وصیت کی ہے کہ وہ ایک اللہ کے سوا کسی کو نہ پوجیں۔

﴿ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ بَرَاۗءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ ۝ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور (یادکرو) جب ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا: بے شک میں بیزار ہوں ان (مورتیوں) سے جن کی تم پوجا کرتے ہو، لیکن جس نے مجھ کو پیدا کیا، پس بے شک وہ اب مجھے راہ دکھائے گا —— اِلَّا: استثناء منقطع بمعنی لکن ہے، کیونکہ ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ کے مشرکین اللہ کی عبادت نہیں کرتے تھے، پس اللہ تعالیٰ مستثنیٰ منہ میں داخل نہیں —— اور وہ اس (عقیدۂ توحید) کو اپنی اولاد میں ایک باقی رہنے والی بات بنا گئے —— یعنی اولاد کو توحید کی وصیت کرگئے —— تاکہ وہ شرک سے باز آئیں —— اور راہِ حق کی طرف رجوع کریں۔

اولاد کو صحیح دین پر رکھنے کی فکر انسان کے فرائض میں داخل ہے، ان کو دین کی تعلیم دے اور ان کی دینی استقامت کے لئے دعا کا اہتمام کرے

بَلْ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَاۗءِ وَاٰبَاۗءَهُمْ حَتّٰى جَاۗءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَلَمَّا جَاۗءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰي رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ۝ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ۭ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ۭ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝ وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ۝ وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِـــــُٔوْنَ ۝ وَزُخْرُفًا ۭ وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ ع وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُـقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ۝ وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝

بَلْ	بلکہ	عَلٰى رَجُلٍ	آدمی پر	سُخْرِيًّا (۳)	خدمت گار
مَتَّعْتُ	برتنے کا سامان دیا میں نے	مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ	دو بستیوں کے	وَرَحْمَتُ	اور مہربانی
هٰٓؤُلَآءِ	اِن لوگوں کو	عَظِيْمٍ (۱)	بڑے	رَبِّكَ	تیرے رب کی
وَ اٰبَآءَهُمْ	اوران کے اسلاف کو	اَهُمْ	کیا وہ	خَيْرٌ	بہتر ہے
حَتّٰى	یہاں تک کہ	يَقْسِمُوْنَ	بانٹتے ہیں	مِّمَّا	اس سے جو
جَآءَهُمُ	پہنچا ان کے پاس	رَحْمَتَ	مہربانی	يَجْمَعُوْنَ	سمیٹتے ہیں وہ
الْحَقُّ	حق (قرآن)	رَبِّكَ	تیرے رب کی	وَلَوْلَآ اَنْ	اوراگر نہ ہوتی یہ بات کہ
وَرَسُوْلٌ	اور پیغامبر	نَحْنُ قَسَمْنَا	ہم نے بانٹی ہے	يَّكُوْنَ	ہوجائیں گے
مُّبِيْنٌ	کھول کر بیان کرنے والا	بَيْنَهُمْ	ان کے درمیان	النَّاسُ	لوگ
وَلَمَّا	اور جب	مَّعِيْشَتَهُمْ (۲)	ان کی معاش	اُمَّةً	گروہ (جماعت)
جَآءَهُمُ	پہنچا ان کے پاس	فِي الْحَيٰوةِ	زندگی میں	وَّاحِدَةً	ایک
الْحَقُّ	حق (قرآن)	الدُّنْيَا	دنیا کی	لَّجَعَلْنَا	(تو) ضرور بناتے ہم
قَالُوْا	(تو) کہا انھوں نے	وَ رَفَعْنَا	اور بلند کیا ہے ہم نے	لِمَنْ	اس کے لئے جو
هٰذَا سِحْرٌ	یہ جادو ہے	بَعْضَهُمْ	ان کے بعض کو	يَّكْفُرُ	انکار کرے
وَّاِنَّا بِهٖ	اور بے شک ہم اس کا	فَوْقَ بَعْضٍ	بعض پر	بِالرَّحْمٰنِ	نہایت مہربان کا
كٰفِرُوْنَ	انکار کرنے والے ہیں	دَرَجٰتٍ	مراتب میں	لِبُيُوْتِهِمْ (۴)	ان کے گھروں کیلئے
وَقَالُوْا	اور کہا انھوں نے	لِّيَتَّخِذَ	تا کہ بنائیں	سُقُفًا	چھتیں
لَوْلَا نُزِّلَ	کیوں نہیں اتارا گیا	بَعْضُهُمْ	ان کے بعض	مِّنْ فِضَّةٍ	چاندی کی
هٰذَا الْقُرْاٰنُ	یہ قرآن	بَعْضًا	بعض کو	وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا (۵)	اور سیڑھیاں جن پر

(۱) **عظیم**: رجل کی صفت ہے (۲) **مَعِيْشَة**: اسم مصدر: سامانِ زندگی، معاش: وہ چیز جس سے بسر اوقات کی جائے (۳) **سَخَرَ (ف) فلاناً سُخْرِيًّا**: کسی سے جبراً کام لینا، جو اس نے اپنی مرضی سے کیا ہو۔ (۴) **لبیوتھم**: لمن یکفر سے بدل اشتمال ہے، اور بدل مبدل مل کر جعل کا مفعول اول اور سُقُفًا مفعول ثانی ہے۔ (۵) **علیھا**: یظھرون سے متعلق ہے، اور جملہ معارج کی صفت ہے۔

يَظْهَرُوْنَ	چڑھیں وہ	الْحَيٰوةِ	زندگی کا	لَهٗ	اس کے لئے
وَلِبُيُوْتِهِمْ[1]	اوران کے گھروں کیلئے	الدُّنْيَا	دنیا کی	شَيْطٰنًا	ایک شیطان
اَبْوَابًا	کواڑ	وَالْاٰخِرَةُ	اورآخرت	فَهُوَ لَهٗ	پس وہ اس کا
وَّ سُرُرًا	اور تختے	عِنْدَ رَبِّكَ	تیرے رب کے یہاں	قَرِيْنٌ	ساتھی ہے
عَلَيْهَا[2]	جن پر	لِلْمُتَّقِيْنَ	پرہیزگاروں کیلئے ہے	وَاِنَّهُمْ	اور بے شک وہ
يَتَّكِئُوْنَ	ٹیک لگائیں وہ	وَمَنْ	اور جوشخص	لَيَصُدُّوْنَهُمْ	ضرور روکتے ہیں ان کو
وَزُخْرُفًا[3]	اورسونے کے	يَّعْشُ[5]	صرفِ نظر کرتا ہے	عَنِ السَّبِيْلِ[7]	سیدھے راستہ سے
وَاِنْ[4]	اورنہیں	عَنْ ذِكْرِ	نصیحت (قرآن) سے	وَيَحْسَبُوْنَ	اور گمان کرتے ہیں
كُلُّ ذٰلِكَ	یہ سب	الرَّحْمٰنِ	نہایت مہربان کی	اَنَّهُمْ	کہ وہ
لَمَّا مَتَاعُ	مگر برتنے کا سامان	نُقَيِّضْ[6]	(تو) مقدر کرتے ہیں ہم	مُّهْتَدُوْنَ[8]	راہ یاب ہیں

رسالت اور دلیلِ رسالت کا بیان

مکہ یا طائف کے کسی بڑے آدمی کو نبی بنا کر اس پر قرآن کیوں نازل نہیں کیا گیا؟

توحید اور ابطالِ شرک سے فارغ ہو کر اب رسالت اور دلیل رسالت کا تذکرہ شروع کرتے ہیں، اور بات یہاں سے شروع کی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے جس بات کو اپنی نسل میں باقی رکھا تھا، یعنی شرک سے بیزاری اور توحید پر استواری: وہ بات ان کی نسل میں باقی نہیں رہی، رفتہ رفتہ ان کی نسل شرک میں مبتلا ہوگئی، یہاں تک کہ نبی ﷺ کا عہد میمون آیا، اور قرآن کا نزول شروع ہوا، مکہ کے مشرکین ابراہیم علیہ السلام کی اولاد تھے —— ابراہیم علیہ السلام کی نسل شرک میں مبتلا ہوئی، مگر ان کو سزا نہیں دی گئی، بلکہ ان کو سامانِ عیش دیا گیا، قانونِ امہال کام کرتا رہا، اور وہ خوب پھلے پھولے، پھر جب قرآنِ کریم کا نزول شروع ہوا تو اس کو ماننے سے انکار کردیا، اور اس کو جادو بتلایا، مگر یہ ایسی مضحکہ خیز بات تھی کہ اس کے

(۱) یہ دوسرا البیوتھم پہلے لبیوتھم کی تکرار ہے۔ (۲) علیھا: یتکئون سے متعلق ہے، اور جملہ سُرُرًا کی صفت ہے (۳) زُخرفا کا عامل جعلنا کے قرینہ سے مقدر ہے أی لجعلنا لھم زخرفا اور زخرف کے دو معنی ہیں: سونا اور زینت (۴) إنْ اور لَمَّا: نفی اثبات حصر کے لئے ہیں۔ (۵) یَعْشُ: فعل مضارع، صیغہ واحد مذکر غائب، آخر سے واو (حرفِ علت) محذوف ہے، عَشَا (ن) عَشْوًا عن الشیئ: صرفِ نظر کرنا (۶) قَيَّضَ اللّٰہ لہ: مقدر کرنا، نصیب میں کرنا (۷) السبیل میں الف لام عہدی ہے (۸) مُهْتَدٌ: اسم مفعول: راہ یاب۔

جواب کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

البتہ ان کی دوسری بات سنجیدگی سے لی، اور اس کا مفصل جواب دیا، مشرکین نے کہا: اگر اللہ تعالیٰ کو قرآن اتارنا تھا تو مکہ یا طائف کے کسی سردار کو نبی بناتے اور اس پر قرآن اتارتے، پس ہم مان لیتے، اب ہم یہ بات کیسے مانیں کہ بڑے بڑے دولت مند سرداروں کو چھوڑ کر ایک بے حیثیت آدمی کو نبی بنایا اور اس پر قرآن اتارا؟

اس کا جواب دیتے ہیں کہ کیا اللہ کی رحمت یعنی نبوت تم بانٹو گے؟ یعنی تم جس کو اہل قرار دو اس کو نبوت ملے، ﴿ اللّٰهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ﴾: اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں اس جگہ کو جہاں وہ اپنا پیغام رکھتے ہیں [الانعام ۱۲۴] یعنی کون نبوت کا اہل ہے کون نہیں؟ اس کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں تم کیا جانو؟

اور نبوت تو بڑی چیز ہے، تمہاری روزی روٹی ہم بانٹتے ہیں، اس میں تمہارا کوئی دخل نہیں، پھر ہم مال سامان سب کو برابر نہیں دیتے، تفاوت رکھتے ہیں، تاکہ بعض بعض سے کام لیتے رہیں، اگر سب مالدار ہوتے یا سب نادار ہوتے تو کوئی کسی کا کام نہ کرتا، کیوں کرتا؟ اور کس امید پر کرتا؟ اور کس کو کم یا زیادہ دینا ہے یہ اللہ ہی بہتر جانتے ہیں، تمہارا اس میں کچھ دخل نہیں، جبکہ دنیاوی مال سامان: نبوت کی بہ نسبت معمولی چیز ہے، اس میں تمہارا اختیار نہیں تو نبوت میں تمہارا کیا حصہ ہوسکتا ہے؟

﴿ بَلْ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَآءِ وَ اٰبَآءَهُمْ حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۹﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ﴿۳۱﴾ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ؕ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ رَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ؕ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۳۲﴾ ﴾

ترجمہ مع تفسیر: —— بلکہ میں نے ان کو اور ان کے باپ دادوں کو سامانِ عیش دیا —— یعنی ابراہیم علیہ السلام کی نسل شرک میں مبتلا ہوگئی، مگر ان کو ہلاک نہیں کیا، بلکہ سامانِ عیش دیا، اور وہ خوب پلے بڑھے —— یہاں تک کہ ان کے پاس سچا قرآن اور صاف صاف دین کی باتیں بتانے والا رسول پہنچا —— یعنی نبی ﷺ کا مبارک زمانہ آیا، اور قرآن کا نزول شروع ہوا —— اور جب ان کو یہ سچا قرآن پہنچا تو انھوں نے کہا: یہ جادو ہے، اور ہم اس کو نہیں مانتے —— مشرکین کی اس بات کا جواب نہیں دیا، یہ مضحکہ خیز بات ہے، جادو کو کون نہیں جانتا کہ کیا ہوتا ہے!

اور انھوں نے کہا: کیوں نہیں اتارا گیا یہ قرآن دو بستیوں کے کسی بڑے آدمی پر؟ —— یعنی مکہ یا طائف کے کسی سردار کو نبی بنایا جاتا، اور اس پر یہ قرآن اتارا جاتا تو ہم مان لیتے —— کیا وہ اللہ کی رحمت (نبوت) بانٹ رہے ہیں ——

یعنی وہ جس کو کہیں ہم اس کو نبوت سے سرفراز کریں؟ ــــ ہم نے ان کے درمیان دنیوی زندگی میں ان کی معاش بانٹی ہے ــــ جس میں ان کا کچھ دخل نہیں ــــ اور بعض کو بعض سے مراتب میں اونچا کیا ہے، تاکہ ان کے بعض بعض سے کام لیں ــــ یعنی کسی کو بے شمار دولت دیدی ہے، کسی کو اس سے کم، اور کوئی تہی دست ہے، ہم نے یہ مراتب قائم کئے ہیں، تاکہ احتیاج رہے، اور ایک: دوسرے کا کام کرے ــــ اور تیرے رب کی رحمت (نبوت) بہتر ہے اس سے جس کو وہ جمع کرتے ہیں ــــ یعنی نبوت ورسالت کا شرف تو مال وجاہ اور دنیوی ساز وسامان سے کہیں اعلی ہے، جب اللہ نے دنیا کی روزی ان کی تجویز پر نہیں بانٹی، نبوت ان کی تجویز پر کیونکر دیں گے!

دنیا کا مال سامان اللہ کے نزدیک بے وقعت اور حقیر ہے

اوپر ضمناً یہ بات آئی ہے کہ نبوت کی بہ نسبت دنیا کا مال ومتاع ہیچ ہے۔ اب اس کی تفصیل کرتے ہیں کہ اللہ کے نزدیک دنیوی مال ودولت کی کوئی قدر نہیں، نہ اس کا دیا جانا کچھ قُرب ووجاہت کی دلیل ہے، یہ تو ایسی بے قدر اور حقیر چیز ہے کہ اگر ایک مصلحت مانع نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ کافروں کے مکانوں کی چھتیں، زینے، دروازے، چوکھٹ، اور تخت چوکیاں سب چاندی اور سونے کے بنا دیتے، مگر اس صورت میں لوگ یہ دیکھ کر کہ کافروں ہی کو ایسا سامان ملتا ہے عموماً کفر کا راستہ اختیار کر لیتے، اور یہ چیز مصلحتِ خداوندی کے خلاف ہوتی، اس لئے ایسا نہیں کیا گیا، حدیث میں ہے کہ اگر اللہ کے نزدیک دنیا کی قدر ایک مچھر کے بازو کے برابر ہوتی تو کافر کو ایک گھونٹ پانی کا نہ دیتے، بھلا جو چیز اللہ کے نزدیک اس قدر حقیر ہو، اسے سیادت ووجاہت عند اللہ اور نبوت ورسالت کا معیار قرار دینا کہاں تک صحیح ہوگا؟ (ماخوذ از فوائد شبیری)

﴿ وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ﴿٣٣﴾ وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ ﴿٣٤﴾ وَزُخْرُفًا ۭ وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿٣٥﴾ ﴾

ترجمہ مع تفسیر: ــــ اور اگر یہ (اندیشہ) نہ ہوتا کہ لوگ ایک ہی طریقہ پر چل پڑیں گے ــــ یعنی سب کفر کا راستہ لے لیں گے ــــ تو ہم بناتے اس کے لئے جو مہربان اللہ کا انکار کرتا: ان کے گھروں کی چھتیں چاندی کی، اور زینے جن پر وہ چڑھتے ہیں، اور ان کے گھروں کے کواڑ، اور تخت جن پر وہ ٹیک لگا کر بیٹھتے ہیں، اور سونے کے ــــ یعنی کسی کی یہ سب چیزیں چاندی کی ہوتیں اور کسی کی سونے کی ــــ اور یہ سب چیزیں صرف دنیوی زندگی کا چند روزہ سامان ہیں ــــ دیر سویر ان سب چیزوں کو ختم ہو جانا ہے ــــ اور آخرت تیرے پروردگار کے پاس خدا ترسوں کے

لئے ہے —— اوران کافروں کے لئے وہاں دہکتی آگ کے سوا کچھ نہیں!

کافروں میں سرمایہ دار ہیں تو مسلمانوں میں بھی ہیں، اور مسلمانوں میں غریب ہیں تو کافروں میں بھی ہیں، پس لوگ اس کو حق و باطل کا معیار نہ سمجھیں

جو شخص قرآن سے اعراض کرتا ہے اس پر شیطان مسلط کیا جاتا ہے

دلیلِ رسالت (قرآن) کی گفتگو اس پر پوری کرتے ہیں کہ جو شخص اللہ کی نصیحت یعنی قرآنِ کریم سے روگردانی کرتا ہے، اس پر ایک شیطان مسلط کیا جاتا ہے، جو ہر وقت اس کے ساتھ رہتا ہے، اور طرح طرح سے اس کے دل میں وسوسے ڈالتا ہے، اور نیکی کی راہ سے روکتا ہے، مگر لوگوں کی عقلیں ماری گئی ہیں، وہ گمراہی کو سیدھا راستہ سمجھتے ہیں، اور ان میں نیکی اور بدی کی تمیز باقی نہیں رہی، پس لوگ [illegible] آن کریم سے تعلق جوڑو، راہِ راست پاؤ گے۔

﴿وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ [illegible] شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ۝۳۶ وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝۳۷﴾

ترجمہ: —— اور جو شخص اللہ کی نصیحت [illegible] اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں، پس وہ (ہر وقت) اس کے ساتھ رہتا ہے، اور وہ (شیاطین) [illegible] اور وہ (لوگ) خیال کرتے ہیں کہ وہ راہِ راست پر ہیں۔

قرآن وہ راستہ بتاتا ہے جو نہایت سیدھا ہے اور نیکوکار مؤمنین کو خوش خبری سناتا ہے کہ ان کو بڑا ثواب ملنے والا ہے

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ ۝۳۸ وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ۝۳۹ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِي الْعُمْيَ وَمَنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۴۰ فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ۝۴۱ اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِيْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ۝۴۲ فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۴۳ وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ

نُسْـَٔلُوْنَ ﴿٤٤﴾ وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ﴿٤٥﴾

ع ۹

حَتّٰٓى اِذَا	یہاں تک کہ جب	اَفَاَنْتَ	کیا پس آپ	مُّقْتَدِرُوْنَ	قابو پانے والے ہیں
جَآءَنَا	آیا وہ ہمارے پاس	تُسْمِعُ	سنائیں گے	فَاسْتَمْسِكْ	پس مضبوط تھام
قَالَ	کہا اس نے	الصُّمَّ	بہرے کو	بِالَّذِيْٓ	اس کو جو
يٰلَيْتَ	اے کاش	اَوْ تَهْدِي	یا راہ دکھائیں گے	اُوْحِيَ	وحی کیا گیا
بَيْنِيْ	میرے درمیان	الْعُمْيَ	اندھے کو	اِلَيْكَ	تیری طرف
وَبَيْنَكَ	اور تیرے درمیان	وَمَنْ كَانَ	اور اس کو جو	اِنَّكَ	بے شک تو
بُعْدَ	دوری ہوتی	فِيْ ضَلٰلٍ	گمراہی میں ہے	عَلٰى صِرَاطٍ	راہ پر ہے
الْمَشْرِقَيْنِ	مشرق ومغرب کی	مُّبِيْنٍ	کھلی	مُّسْتَقِيْمٍ	سیدھی
فَبِئْسَ	پس برا ہے	فَاِمَّا (۴)	پس اگر	وَاِنَّهٗ	اور بیشک وہ (قرآن)
الْقَرِيْنُ (۱)	ساتھی (تو)	نَذْهَبَنَّ	لے جائیں ہم	لَذِكْرٌ	البتہ یاد ہے
وَلَنْ	اور ہرگز نہیں	بِكَ	آپ کو	لَّكَ	آپ کے لئے
يَّنْفَعَكُمُ (۲)	نفع پہنچائے گا وہ تم کو	فَاِنَّا مِنْهُمْ	پس بے شک ہم ان سے	وَلِقَوْمِكَ	اور آپ کی قوم کے لئے
الْيَوْمَ	آج (قیامت کے دن)	مُّنْتَقِمُوْنَ	بدلہ لینے والے ہیں	وَسَوْفَ	اور عنقریب
اِذْ ظَّلَمْتُمْ	جب شرک کیا تم نے	اَوْ نُرِيَنَّكَ	یا دکھلائیں ہم آپ کو	تُسْـَٔلُوْنَ	پوچھے جاؤ گے تم
اَنَّكُمْ (۳)	(کیوں) کہ تم	الَّذِيْ	وہ جس کا	وَسْـَٔلْ (۵)	اور پوچھو
فِي الْعَذَابِ	عذاب میں	وَعَدْنٰهُمْ	وعدہ کیا ہے ہم نے ان سے	مَنْ اَرْسَلْنَا	جن کو بھیجا ہم نے
مُشْتَرِكُوْنَ	اکٹھے ہو	فَاِنَّا عَلَيْهِمْ	پس بیشک ہم ان پر	مِنْ قَبْلِكَ	آپؐ سے پہلے

(۱) مخصوص بالذم أنت محذوف ہے (۲) لن ینفعکم میں فاعل ھو ضمیر مستتر کا مرجع قرین (ہم زاد یعنی روائتی شیطان) ہے۔ (۳) أنکم: جملہ تعلیلیہ ہے، لام اجلیہ محذوف ہے أی لأنکم، اور اسی جملہ کے قرینہ سے ھو کا مرجع قرین کو بنایا ہے (۴) إمّا: إنْ شرطیہ کا ما زائدہ میں ادغام کیا ہے۔ (۵) وَسْئَلْ: قاعدہ: سَأَلَ یَسْأَلُ کا امر اسْئَلْ واو یا فاء کے بعد آئے تو قرآنی رسم الخط میں ہمزہ نہیں لکھا جاتا (رائیہ)

مِنۡ رُّسُلِنَاۤ	ہمارے رسولوں میں سے	مِنۡ دُوۡنِ	نیچے	اٰلِهَةً	ایسے معبود
اَجَعَلۡنَا	کیا بنائے ہم نے	الرَّحۡمٰنِ	نہایت مہربان کے	يُّعۡبَدُوۡنَ (۱)	جن کی پوجا کی جائے؟

کل کا دوست آج کا دشمن!

یہ دلیلِ رسالت (قرآن) اور رسالت کا باقی مضمون ہے۔ فرماتے ہیں: جب قرآن سے اعراض کرنے والا اپنے برے ساتھی کے ساتھ قیامت کے دن ہمارے پاس آئے گا تو کل کا دوست آج کا دشمن ہوگا، اور وہ حسرت اور غصہ سے کہے گا: کاش میرے اور تیرے درمیان مشرق ومغرب کا فاصلہ ہوتا، اور ایک لحہ بھی تیری صحبت میں نہ گذرتا، تو دنیا میں میرا برا ساتھی تھا —— اس طرح کا برا ساتھی شیطان بھی ہوسکتا ہے اور انسان بھی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: تیرا یہ ساتھی آج تجھے کوئی نفع نہیں پہنچا سکتا، کیونکہ تم ایک تھیلی کے چٹے بٹے ہو(۲) سبھی مشرک ہو، اور آج سب عذاب میں گرفتا ہو، جو خود کو عذاب سے نہیں چھڑا سکتا وہ دوسرے کو کیا بچائے گا، دنیا میں آدمی برے ساتھی سے کسی نفع کی امید پر پینگ(۳) بڑھاتا ہے، مگر آخرت میں وہ تعلق کچھ کام نہیں آئے گا۔

﴿حَتّٰۤى اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيۡتَ بَيۡنِىۡ وَبَيۡنَكَ بُعۡدَ الۡمَشۡرِقَيۡنِ فَبِئۡسَ الۡقَرِيۡنُ ۝ وَلَنۡ يَّنۡفَعَكُمُ الۡيَوۡمَ اِذۡ ظَّلَمۡتُمۡ اَنَّكُمۡ فِى الۡعَذَابِ مُشۡتَرِكُوۡنَ ۝﴾

ترجمہ: یہاں تک کہ جب وہ (قرآن سے اعراض کرنے والا) ہمارے پاس آئے گا تو (اپنے برے ساتھی) سے کہے گا: اے کاش! میرے اور تیرے درمیان مشرق ومغرب کی دوری ہوتی! پس تو برا ساتھی ہے! —— اور ہرگز نفع نہیں پہنچائے گا وہ (برا ساتھی) تم کو آج (قیامت کے دن) جبکہ تم نے شرک کیا، کیونکہ تم سب عذاب میں اکٹھے ہو!

بنجر زمین میں بیج نہیں اُگتا

جس کے دل کے کان بہرے ہوں: نبی ﷺ اس کو قرآن کی آواز نہیں سنا سکتے: جس کے دل کی آنکھیں اندھی ہوں: اس کو قرآن کے ذریعہ راہ نہیں دکھا سکتے، اور جو دیدۂ ودانستہ گمراہی میں بھٹک رہا ہو: اس کو بھی سچائی کی صاف سڑک پر نہیں لا سکتے، قرآنِ کریم کے ذریعہ نفع اسی کو پہنچایا جاسکتا ہے جس میں صلاحیت ہو، کسی درجہ میں حق کا متلاشی ہو، مکہ والے بات اس لئے قبول نہیں کررہے تھے کہ وہ بہرے اندھے تھے اور عقل کے پیچھے لٹھ لے کر دوڑ رہے تھے یعنی انتہائی بےفکر بھی تھے۔

(۱) جملہ یعبدون: آلھۃ کی صفت ہے۔ (۲) چٹے بٹے: بچوں کے چھوٹے بڑے کھلونے (۳) پینگ (ی مجہول) جھولے کا لمبا جھونک۔

﴿ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِي الْعُمْيَ وَمَنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ ﴾

ترجمہ: پس کیا آپؐ بہروں کو سنا سکتے ہیں؟ یا اندھوں کو راہ دکھا سکتے ہیں، اور ان کو جو کھلی گمراہی میں ہیں؟

عذاب وقت پر آئے گا، پیغمبر کے سامنے آنا ضروری نہیں

سوال: جب مکہ والے قرآنِ کریم سنتے ہی نہیں اور ماننے کے لئے تیار نہیں تو ان کو عذاب بھیج کر نمٹا کیوں نہیں دیا جاتا؟

جواب: عذاب وقت پر آئے گا، آپؐ کی وفات کے بعد آئے تب، اور آپؐ کے سامنے آئے تب، بہر حال وہ اللہ کے قابو سے باہر نہیں، وقت پر ان کو سزا ضرور ملے گی، پیغمبر ﷺ کی حیات میں عذاب آنا ضروری نہیں۔

﴿ فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ۝ اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِيْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: پس اگر ہم آپ کو دنیا سے اٹھا لیں پس بے شک ہم ان سے بدلہ لینے والے ہیں —— یعنی انکار کی سزا دینے والے ہیں —— یا ہم آپؐ کو دکھلائیں وہ عذاب جس کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں —— یعنی دھمکی دے رہے ہیں —— تو بے شک ہم کو ان پر پوری طرح قدرت ہے!

اب قرآن کے ماننے والے کیا کریں؟

جب مکہ والے مانتے نہیں، اور عذاب آتا نہیں، تو اب قرآن کے ماننے والے کیا کریں؟ —— جواب: وہ اپنا فریضہ انجام دیں، اور جو وحی ان کی طرف بھیجی گئی ہے اس پر مضبوطی سے عمل کریں، اور جان لیں کہ دنیا کہیں اور کسی راستہ پر جائے: وہ سیدھی راہ پر ہیں، اس لئے ایک قدم اُس سے اِدھر اُدھر نہ ہٹیں۔

﴿ فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ﴾

ترجمہ: پس آپؐ اُس قرآن کو مضبوط لئے رہیں جو آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے، بے شک آپؐ سیدھے راستہ پر ہیں!

قرآنِ کریم دولتِ صد افتخار ہے!

قرآنِ کریم نبی ﷺ کے لئے اور آپؐ کی قوم قریش کے لئے فضل وشرف کا سبب ہے کہ اللہ کا کلام اور انسانیت کی نجات وفلاح کا دستور ان کی زبان میں اترا، ان کو اس نعمتِ عظمیٰ کی قدر کرنی چاہئے، اُن سے کل قیامت کو پوچھا جائے گا کہ اس نعمت کی کیا قدر کی؟ پس ایمان لاؤ، اس پر عمل کرو، اور چار دانگ عالم اس کی اشاعت کرو، تاکہ کل سر اٹھا کر کہہ سکو کہ مولیٰ! ہم نے آپ کے بخشے ہوئے فضل وشرف کا پورا حق ادا کیا، اب ہمیں صلہ عطا فرمائیے!

﴿ وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْــَٔلُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور بے شک وہ قرآن بڑا شرف ہے آپؐ کے لئے اور آپؐ کی قوم کے لئے، اور عنقریب تم پوچھے جاؤ گے!

جو قرآنِ کریم کی دعوت ہے وہی تمام انبیاء کی دعوت ہے

قرآنِ کریم کی بنیادی تعلیم توحید ہے، یہی تمام انبیاء کی مشترک دعوت ہے، شرک کی تعلیم کسی نبی نے نہیں دی، کسی دین میں اس بات کو جائز نہیں رکھا گیا کہ اللہ کے سوا کسی کی پرستش کی جائے، اہل کتاب اور ان کی کتابیں موجود ہیں، دوسرے انبیاء کی تعلیمات تو مٹ گئیں، انھیں سے پوچھ دیکھو، وہ تمہیں بتائیں گے کہ اللہ کے سوا کسی کی پوجا نہیں! اور ان سے پوچھنے کی بھی ضرورت نہیں، قرآنِ کریم خود آگے موسیٰ علیہ السلام کا قصہ ذکر کر رہا ہے، انھوں نے فرعون کو جو خدائی کا دعویدار تھا توحید کی دعوت دی تھی، اور عیسائیوں نے جو عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں غلو کیا ہے اس کی حقیقت بھی کھولی ہے۔

﴿ وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ﴾ (۴۵)

ترجمہ: اور آپؐ پوچھیں اُن پیغ ... ـــــ یعنی ان کی امتوں سے ـــــ جن کو ہم نے آپؐ سے پہلے بھیجا: کیا رحمان سے وَرے اللہ نے اب ... ت کی جائے؟

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ ... ـــَالَ اِنِّيْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (۴۶) فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ (۴۷) ... هِيَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا ز وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (۴۸) وَقَالُوْا يٰاَيُّهَ ... لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ج اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ (۴۹) فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ (۵۰) وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِيْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ ج اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (۵۱) اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ مَهِيْنٌ ۵ وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ (۵۲) فَلَوْلَآ اُلْقِيَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ (۵۳) فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ط اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ (۵۴) فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ (۵۵) فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ (۵۶) ع

وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	اَرْسَلْنَا	بھیجا ہم نے	مُوْسٰى	موسیٰ کو

قرآنی الفاظ	ترجمہ	قرآنی الفاظ	ترجمہ	قرآنی الفاظ	ترجمہ
بِاٰیٰتِنَآ	ہماری نشانیوں کے ساتھ	بِالْعَذَابِ	عذاب میں	قَالَ	اس نے کہا:
اِلٰی فِرْعَوْنَ	فرعون کی طرف	لَعَلَّهُمْ	تاکہ وہ	یٰقَوْمِ	اے میری قوم!
وَمَلَا۟ئِهٖ	اور اس کے سرداروں	یَرْجِعُوْنَ	(شرک سے) باز آئیں	اَلَیْسَ لِیْ	کیا نہیں ہے میرے لئے
	کی طرف	وَقَالُوْا	اور کہا انھوں نے	مُلْكُ مِصْرَ	مصر کی حکومت
فَقَالَ	پس کہا موسیٰ نے	یٰۤاَیُّهَ	اے	وَ هٰذِهِ	اور یہ
اِنِّیْ رَسُوْلُ	بیشک میں بھیجا ہوا ہوں	السّٰحِرُ	جادوگر! (باکمال)	الْاَنْهٰرُ	نہریں
رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ	جہانوں کے پالنہار کا	ادْعُ لَنَا	دعا کیجئے ہمارے لئے	تَجْرِیْ	بہہ رہی ہیں
فَلَمَّا جَآءَهُمْ	پس جب پہنچا وہ ان	رَبَّكَ	اپنے رب سے	مِنْ تَحْتِیْ	میرے نیچے
	کے پاس	بِمَا عَهِدَ (۱)	اس پیمان کی وجہ سے جو	اَفَلَا	کیا پس نہیں
بِاٰیٰتِنَآ	ہماری نشانیوں کے ساتھ	عِنْدَكَ	آپ کے پاس ہے	تُبْصِرُوْنَ (۳)	سمجھتے تم
اِذَا هُمْ	(تو) اچانک وہ	اِنَّنَا	بے شک ہم	اَمْ اَنَا	کیا (نہیں ہوں) میں
مِّنْهَا	ان نشانیوں پر	لَمُهْتَدُوْنَ	ضرور راہ پر آجائیں گے	خَیْرٌ	بہتر
یَضْحَكُوْنَ	ہنسنے لگے	فَلَمَّا كَشَفْنَا	پس جب کھول دیا ہم نے	مِّنْ هٰذَا	اس سے
وَمَا نُرِیْهِمْ	اور نہیں دکھلائی ہم نے	عَنْهُمُ	ان سے	الَّذِیْ هُوَ	جو کہ وہ
	ان کو	الْعَذَابَ	عذاب	مَهِیْنٌ	بے قدر ہے
مِّنْ اٰیَةٍ	کوئی نشانی	اِذَا هُمْ	یکایک وہ	وَّلَا یَكَادُ (۴)	اور نہیں قریب ہے
اِلَّا هِیَ	مگر وہ	یَنْكُثُوْنَ (۲)	عہد توڑ رہے ہیں	یُبِیْنُ	(کہ) صاف بیان کرے
اَكْبَرُ	بڑی تھی	وَنَادٰی	اور بلند آواز سے کہا	فَلَوْلَا	پس کیوں نہیں
مِنْ اُخْتِهَا	اس کی بہن سے	فِرْعَوْنُ	فرعون نے	اُلْقِیَ عَلَیْهِ	ڈالے گئے اس پر
وَاَخَذْنٰهُمْ	اور پکڑا ہم نے ان کو	فِیْ قَوْمِهٖ	اپنی قوم میں	اَسْوِرَةٌ (۵)	کنگن

(۱) بما عهد: ما: موصولہ بھی ہوسکتا ہے اور مصدریہ بھی، اور باء سببیہ ہے، عَهِدَ (س) عهدًا: پیمان باندھنا۔ (۲) نکث (ن) نَكثًا العهدَ: پیمان توڑنا (۳) أم: منقطعہ، متضمن معنی استفہام انکاری ہے (۴) کاد: محلِّ نفی میں ہے اس لئے اثبات کرتا ہے یعنی موسیٰ علیہ السلام مشکل سے سہی، مگر صاف بیان کرتے تھے (۵) أسورة: سِوَار کی جمع، کنگن، کلائی میں پہننے کا ایک زیور۔

مِّنْ ذَهَبٍ	سونے کے	فَاَطَاعُوْهُ	پس کہنا مان لیا انھوں نے اس کا	مِنْهُمْ	ان سے
اَوْ جَآءَ	یا (کیوں نہیں) آئے	اِنَّهُمْ كَانُوْا	بے شک وہ تھے	فَاَغْرَقْنٰهُمْ	پس ڈبودیا ہم نے ان کو
مَعَهُ	اس کے ساتھ	قَوْمًا	لوگ	اَجْمَعِيْنَ	سب کو
الْمَلٰٓئِكَةُ	فرشتے	فٰسِقِيْنَ	نافرمان	فَجَعَلْنٰهُمْ	پس بنایا ہم نے ان کو
مُقْتَرِنِيْنَ (۱)	پَرا باندھے	فَلَمَّآ	پس جب	سَلَفًا	پیش رو
فَاسْتَخَفَّ (۲)	پس ہلکا کردیا اس نے	اٰسَفُوْنَا	غصہ دلایا انھوں نے ہم کو	وَّمَثَلًا	اور کہانی
قَوْمَهُ	اپنی قوم کو	انْتَقَمْنَا	(تو) بدلہ لیا ہم نے	لِّلْاٰخِرِيْنَ	پچھلوں کے لئے

فرعون خود کو رب اعلیٰ (سب سے بڑا پروردگار) کہتا تھا

اس کا دماغ ٹھیک کرنے کے لئے موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کیا

پچھلی آیت میں فرمایا ہے: ''آپؐ ان پیغمبروں سے پوچھیں جن کو ہم نے آپؐ سے پہلے بھیجا ہے کہ کیا اللہ کے سوا کوئی قابلِ پرستش ہستی ہے؟'' —— یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ گذشتہ انبیاء تو گذر چکے ان سے کوئی کیسے پوچھے گا؟ جواب یہ ہے کہ ان پر نازل ہونے والے صحیفوں سے تحقیق کریں اور ان کی امتوں سے پوچھیں، انبیائے بنی اسرائیل کے صحیفے آج بھی موجود ہیں، ان میں بہت سی تحریفات کے باوجود توحید کی تعلیم اور شرک سے بیزاری کی تعلیم موجود ہے۔

اور دور کیوں جائیں؟ قرآنِ کریم تو انبیاء کے صحیفوں کا محافظ ہے [المائدۃ ۴۸] اور ان کی کجی کو بھی دور کرتا ہے [ہود ۱۲۰] پس قرآن کا بیان ہمارے لئے کافی ہے، اسی مقصد سے موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا یہ واقعہ بیان کیا ہے۔

واقعہ کا خلاصہ: اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو نو نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کی حکومت کے بڑے لوگوں کی طرف بھیجا، انھوں نے جاتے ہی توحید کی دعوت دی، فرمایا: ''میں تمام جہانوں کے پالنہار کا بھیجا ہوا ہوں'' اس میں توحید کی تعلیم ہے کہ پروردگار: اللہ کے سوا کوئی نہیں، اور میں اسی کا فرستادہ ہوں —— موسیٰ علیہ السلام کے معجزات میں سے عصا اور ید بیضاء تو بڑے معجزات تھے، باقی سات میں آزمائش کا پہلو بھی تھا، یعنی سیلاب، ٹڈی ڈل، جوئیں، خون، مینڈک، قحط سالی اور پھلوں کی کمی: ایسی نشانیاں تھیں جن میں عذاب کا پہلو بھی تھا۔

یہ نشانیاں وقتاً فوقتاً ظاہر ہوئی ہیں، اور جب بھی ظاہر ہوتیں لوگ ان کا مذاق اڑاتے، کہتے: یہ کیا معجزات ہیں؟ یہ تو

(۱) مقترین: اسم فاعل، اقترن الشیئُ بغیرہ: مل جانا، ساتھ ہونا، پَرا: صف، قطار، پَرا باندھنا: صف بنانا، قطار بنانا (۲) اسْتَخَفَّهُ: ہلکا کرنا یعنی بے وقوف بنانا۔

معمولی واقعات اور حوادث ہیں، قحط سالیاں وغیرہ تو ویسے بھی ہوجاتی ہیں ـــــ مگر جب بھی وہ گرفتار بلاء ہوتے تو موسیٰ علیہ السلام سے دعا کراتے، اوران کی دعا سے بلاء دور ہوتی، اس کا اثر یہ ہوا کہ قوم کا میلان موسیٰ علیہ السلام کی طرف بڑھا، اورفرعون نے اس کو خطرہ سمجھا، اس نے پوری قوم کو جمع کیا اور زور کا بھاشن (بیان) دیا اور قوم کو عقل سے پیدل کردیا، چنانچہ وہ اس کی خدائی پر مطمئن ہوگئے، بالآخر شرک کی پاداش میں غرقاب کردیئے گئے، اور وہ ایک قصۂ پارینہ بن کر رہ گئے!

فرعون کی تقریر: ـــــ فرعون نے اپنی تقریر میں تین باتیں کہیں:

پہلی بات: ـــــ اپنی خدائی دو لیلوں سے ثابت کی:

۱- میں مصر کا بادشاہ ہوں، اُس زمانہ میں مصر کا بادشاہ بہت بڑا سمجھا جاتا تھا، جیسے آج کا سپر پاور۔

۲- میں نے نہروں کا جال بچھا رکھا ہے، یعنی میں اَن داتا (رزاق) ہوں ـــــ مصر میں بارش کم ہوتی ہے، اور وسطی افریقہ سے دریائے نیل بہہ کر مصر سے گذرتا ہے، اور بحر ابیض متوسط میں گرتا ہے، حکومتِ مصر نے اس پر ڈیم باندھ کر نہریں نکالی تھیں، اس کو فرعون نے اپنی خدائی کی دلیل میں پیش کیا ہے۔

دوسری بات: ـــــ دو باتوں کے ذریعہ قوم کو موسیٰ علیہ السلام کی طرف مائل ہونے سے روکا:

۱- اپنی برتری اور موسیٰ علیہ السلام کی بے وقعتی بیان کی کہ میں ہر طرح موسیٰ سے افضل ہوں، پھر تم مجھے چھوڑ کر موسیٰ کی طرف کیوں مائل ہور ہے ہو؟ کیا تم سمجھتے نہیں!

۲- اپنی زور بیانی اور موسیٰ علیہ السلام میں اس کی کمی بیان کی کہ وہ صاف بات نہیں کرسکتا، پھر تم کیوں اس کو مجھ پر ترجیح دیتے ہو؟

تیسری بات: ـــــ کوئی خیال کرسکتا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام پیغمبر ہیں، پس وہ افضل ہیں، اس کو دو دلیلوں سے ردّ کیا ہے:

۱- اگر وہ بڑی سرکار کا نمائندہ ہے تو اس کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن کیوں نہیں؟ میں تو اپنے نمائندے کو کنگن پہنا کر بھیجتا ہوں!

۲- اگر وہ اللہ کا بھیجا ہوا ہے تو اس کے ساتھ فرشتہ اردلی کیوں نہیں آیا؟ میں تو اپنے ایلچی کو اردلی کے ساتھ بھیجتا ہوں!

آیاتِ پاک مع تفسیر: ـــــ اور البتہ واقعہ یہ ہے کہ ہم نے موسیٰ کو ہمارے معجزات کے ساتھ فرعون اور اس کے ارکانِ دولت کی طرف بھیجا ـــــ موسیٰ علیہ السلام کو نو نشانیاں دی گئی تھیں، ان میں سے سات از قبیل آزمائش تھیں ـــــ فرعون کی قوم مورتیوں کو پوجتی تھی، اور فرعون خود کو سب سے بڑا خدا قرار دیتا تھا، اُس شرک کو باطل کرنے کے لئے اور توحید

کی تعلیم دینے کے لئے موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا ـــــ پس موسیٰ نے کہا: میں بالیقین سارے جہانوں کے پالنہار کی طرف سے بھیجا ہوا ہوں! ـــــ اس میں مورتیوں اور فرعون کی الوہیت کی نفی ہے کہ پالنہار سارے جہانوں کا ایک اللہ ہے، وہی معبود ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور میں اسی ربّ کا فرستادہ ہوں۔

پس جب وہ ان کے پاس ہماری نشانیوں کے ساتھ پہنچا، تو وہ یکا یک ان نشانیوں پر ہنسنے لگے ـــــ یعنی اُن نشانیوں کا مذاق اڑانے لگے، کہنے لگے: یہ کیا معجزات ہیں؟ ہوا چلی: یہ بھی معجزہ، بارش ہوئی: یہ بھی معجزہ، اور برسات میں مینڈک پیدا ہو گئے: یہ بھی معجزہ، قحط سالی اور پھلوں کی کمی تو ویسے بھی ہو جاتی ہے۔

اور ہم ان کو جو بھی نشانی دکھاتے تھے وہ اُس کی بہن سے بڑی ہوتی تھی ـــــ یہ ایک محاورہ ہے، یعنی ہم نے ان کو ایک سے ایک بڑھ کر نشانیاں دکھائیں، مطلب یہ ہے کہ سب نشانیاں بڑی تھیں، کیونکہ جب کئی چیزوں کا کمال بیان کرنا چاہتے ہیں تو کہتے ہیں: ایک سے ایک بڑھ کر (بیان القرآن)

اور ہم نے ان کو تکلیف میں پکڑا ـــــ مراد سات نشانیاں ہیں جو از قبیل ابتلاء تھیں ـــــ تاکہ وہ (شرک سے) باز آئیں ـــــ مگر وہ ماننے والے کب تھے ـــــ البتہ جب بھی کوئی نشانی ظاہر ہوتی جو عذاب کا رنگ لئے ہوئے تھی، اور اس سے اُن کا ناک میں دَم آجاتا تو موسیٰ علیہ السلام سے دعا کراتے، کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ آزمائش ان کی دعوت قبول نہ کرنے کے نتیجہ میں آئی ہے۔

اور انھوں نے کہا: اے جادوگر! ـــــ یہ اعزاز کا لقب ہے یعنی اے باکمال! ـــــ مصر میں جادو کا بڑا زور تھا، اور جادوگر باکمال سمجھے جاتے تھے، جیسے آج کل پی، ایچ، ڈی والے ڈاکٹر! ـــــ ہمارے لئے اپنے پروردگار سے دعا کریں، اس پیمان کی وجہ سے جو انھوں نے آپ کے ساتھ باندھا ہے ـــــ یعنی نبوت سے سرفراز کیا ہے ـــــ ہم ضرور راہ پر آجائیں گے! ـــــ یعنی شرک سے توبہ کرلیں گے!

پس جب ہم نے وہ عذاب ان سے ہٹا دیا تو یکا یک انھوں نے اپنا عہد توڑ دیا! ـــــ یعنی ایمان نہیں لائے ـــــ مگر بار بار کی آزمائش سے، اور موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے آفت ٹلتی دیکھ کر قوم کا کچھ کچھ میلان موسیٰ علیہ السلام کی طرف ہو گیا، تو فرعون کو خطرہ محسوس ہوا کہ ریوڑ ہاتھ سے نکل نہ جائے، چنانچہ اس نے ساری قوم کو جمع کیا، اور بہ آوازِ بلند تقریر کی، کیونکہ مجمع بڑا تھا اور تقریر پُر جوش تھی، ارشاد فرماتے ہیں: ـــــ اور فرعون نے اپنی قوم میں پکارا، اس نے کہا: ـــــ :نادی میں قول کا مفہوم ہے، پھر قال مکرر لائے، تاکہ پہلا جملہ الگ ہو جائے، اور وہ اس پر دلالت کرے کہ مجمع بہت بڑا تھا اور تقریر پُر جوش تھی ـــــ اور اس کی نظیر: ﴿وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ، فَقَالَ﴾ ہے، یہاں بھی فقال لاکر پہلے جملہ کو الگ کیا ہے یعنی نوح

علیہ السلام نے بے تابی سے پکارا، جب بیٹے کو نظروں کے سامنے ڈوبتے دیکھا، پس بے تاب ہوکر اللہ کو پکارا۔

فرعون نے پہلے دو دلیلوں سے اپنی خدائی ثابت کی، اس نے کہا: ــــ اے میری قوم! ــــ یہ محبت بھرا خطاب ہے، جیسے: ''اے وہ لوگو جو مجھ پر ایمان لائے ہو!'' ــــ کیا مصر کی سلطنت میری نہیں! ــــ اس زمانہ میں مصر کا بادشاہ بہت بڑا سمجھا جاتا تھا، یہ اس نے اپنی خدائی کی پہلی دلیل پیش کی ہے ــــ اور یہ نہریں میرے زیر انتظام بہہ رہی ہیں ــــ اُن سے تمہیں روزی روٹی ملتی ہے، پس میں تمہارا رزق رساں ہوں، یہ اس کی دوسری دلیل ہے ــــ کیا پس تم سمجھتے نہیں! ــــ کہ میں ہی تمہارا پروردگار ہوں!

اور لوگوں کا ذہن موسیٰ علیہ السلام سے ہٹانے کے لئے بھی اس نے دو باتیں کہیں: پہلی بات: ــــ کیا میں اُس سے افضل نہیں ہوں جو کہ وہ بے قدر ہے! ــــ یعنی موسیٰ کے پاس نہ مال ومنال، نہ حکومت، نہ عزت اور میں ہر چیز سے مالا مال، پس سوچو کون افضل ہے؟ ــــ دوسری بات: ــــ اور وہ قوتِ بیانیہ بھی نہیں رکھتا ــــ جیسی میں فصیح وبلیغ تقریر کر رہا ہوں وہ صاف بات بھی نہیں کر سکتا، پھر تم کاہے کو اس کی طرف مائل ہو رہے ہو! ــــ پھر اس نے دفع دخل مقدر کیا، کوئی کہہ سکتا تھا کہ موسیٰ رسول ہیں، اس لئے وہ تجھ سے افضل ہیں، پس اس نے اس خیال کی تردید میں بھی دو باتیں کہیں، پہلی بات: ــــ پس وہ سونے کے کنگن کیوں نہیں پہنایا گیا ــــ سرکار تو اپنے نمائندے کو سونے کے کنگن پہنا کر بھیجتی ہے، دوسری بات: ــــ اور اس کے جلو میں فرشتے پَرا باندھے ہوئے کیوں نہیں ہیں؟ ــــ حکومت کے نمائندے کے آگے پیچھے تو فوج رہتی ہے۔

پس اس نے اپنی قوم کو عقل سے ہلکا کر دیا ــــ یعنی ان کا الّو بنا دیا ــــ پس انھوں نے اس کی بات مان لی ــــ ان کی فطرت میں نافرمانی تھی جو رنگ لائی۔

پس جب انھوں نے ہمیں غصہ دلایا ــــ یعنی انھوں نے ایسے کام کئے کہ سزا کے حقدار ہو گئے ــــ تو ہم نے ان سے بدلہ لیا ــــ یعنی سزا دی ــــ پس ہم نے سب کو ڈبو دیا ــــ بحر قلزم کی موجوں کے حوالے کر دیا! ــــ پس ہم نے ان کو پچھلوں کے لئے پیش رَو اور عبرت کا نمونہ بنا دیا ــــ یعنی وہ صفحۂ ہستی سے مٹ گئے، اور ان کا برا نام باقی رہ گیا۔

توحید اور صُحفِ انبیاء

انبیائے بنی اسرائیل کی کتابیں آج بھی موجود ہیں، ان میں بہت سی تحریفات کے باوجود توحید کی تعلیم موجود ہے:

۱- تورات (استثناء ۴: ۳۵) میں ہے: ''تا کہ تو جانے کہ خداوند ہی خدا ہے، اور اس کے سوا کوئی ہے ہی نہیں''

۲- استثناء (۶: ۴) میں ہے: ''سن اے اسرائیل: خداوند ہمارا ایک ہی خدا ہے''

۳-اور انجیل (مرقس ۱۲:۲۹ و متی ۲۲:۳۶) میں ہے: "اے اسرائیل! سن! خداوند ہمارا ایک ہی خداوند ہے، اور تو خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان، اور اپنی پیاری عقل، اور اپنی پیاری طاقت سے محبت رکھ"

(بحوالہ معارف القرآن شفیعی)

توحید اور آج کے یہود

میں نے لندن میں یہود کے سب سے بڑے عالم (ربائی) سے ایک ملاقات میں ان کے عقائد معلوم کئے، تو اس نے مجھے یہ عقائد انگریزی میں مطبوعہ دیئے:

۱-اللہ موجود ہے ۲-اللہ ایک اور بے مثال ہے ۳-اللہ مادّہ سے بنا ہوا نہیں ۴-اللہ ہمیشہ سے ہے ۵-عبادت صرف اللہ کے لئے ہے ۶-اللہ تعالیٰ انسان کی سوچ اور عمل کو جانتا ہے ۷-اللہ نیکی کا ثواب اور برائی کی سزا دے گا(۱)

> توحید میں یہود ہم سے مختلف نہیں، رسالتِ محمدی میں اختلاف کرتے ہیں، اس لئے وہ کافر (منکر) ہیں نجات کے لئے کلمہ کے دونوں اجزاء پر ایمان لانا ضروری ہے

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ ﴿٥٧﴾ وَقَالُوا أَآلِهَتُنَا خَيْرٌ أَمْ هُوَ ۚ مَا ضَرَبُوهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ ﴿٥٨﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنَاهُ مَثَلًا لِبَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿٥٩﴾ وَلَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَلَائِكَةً فِي الْأَرْضِ يَخْلُفُونَ ﴿٦٠﴾ وَإِنَّهُ لَعِلْمٌ لِلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُونِ ۚ هَٰذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ﴿٦١﴾ وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطَانُ ۖ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ﴿٦٢﴾

وَلَمَّا ضُرِبَ	اور جب ماری گئی	مَثَلًا	مثال	مِنْهُ	اس (مثال) سے
ابْنُ مَرْيَمَ	مریم کے بیٹے کی	إِذَا قَوْمُكَ	یکایک آپ کی قوم	يَصِدُّونَ(۲)	چلا رہی ہے

(۱) باقی چھ عقائد یہ ہیں: (۱) انبیاء نے سچ بولا (۲) موسیٰ علیہ السلام نبیوں میں سب سے افضل ہیں (۳) لکھی ہوئی اور زبانی تورات موسیٰ کو دی گئی (۴) اور کوئی تورات نہیں ہوگی (۵) یہود کا مسیح آئے گا (۶) بعث بعد الموت ہوگی۔

(۲) صَدَّ (ض) منه صَدًّا: چلاّنا، شور مچاتے ہوئے ہٹ جانا، اور باب نصر سے عن صلہ کے ساتھ معنی ہیں: منہ پھیرنا، اعراض کرنا۔

وَقَالُوْٓا	اور کہا انھوں نے	اَنْعَمْنَا	انعام فرمایا ہم نے	وَاِنَّهٗ	اور بے شک وہ
ءَاٰلِهَتُنَا(۱)	کیا ہمارے معبود	عَلَيْهِ	ان پر	لَعِلْمٌ(۳)	البتہ علم (کا ذریعہ) ہے
خَيْرٌ	بہتر ہیں	وَجَعَلْنٰهُ	اور بنایا ہم نے ان کو	لِّلسَّاعَةِ	قیامت کے لئے
اَمْ هُوَ	یا وہ (عیسیٰ)	مَثَلًا	ایک مثال	فَلَا تَمْتَرُنَّ	پس ہرگز شک مت کرو
مَا ضَرَبُوْهُ	نہیں ماری انھوں نے مثال	لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ	اسرائیل کے بیٹوں کیلئے	بِهَا	اس (قیامت) میں
لَكَ	آپ کے سامنے	وَلَوْ نَشَآءُ	اور اگر چاہیں ہم	وَاتَّبِعُوْنِ	اور پیروی کرو میری
اِلَّا جَدَلًا	مگر جھگڑنے کے لئے	لَجَعَلْنَا	البتہ بنائیں ہم	هٰذَا صِرَاطٌ	یہ راستہ ہے
بَلْ هُمْ	بل کہ وہ	مِنْكُمْ	تم میں سے	مُّسْتَقِيْمٌ	سیدھا
قَوْمٌ	لوگ ہیں	مَّلٰٓئِكَةً	فرشتے	وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ	اور ہرگز نہ روکے تم کو
خَصِمُوْنَ	جھگڑالو	فِي الْاَرْضِ(۲)	زمین میں	الشَّيْطٰنُ	شیطان
اِنْ هُوَ	نہیں وہ (عیسیٰ)	يَخْلُفُوْنَ	ایک دوسرے کے پیچھے	اِنَّهٗ لَكُمْ	بے شک وہ تمہارا
اِلَّا عَبْدٌ	مگر ایک بندے		آئیں وہ	عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ	کھلا دشمن ہے

عیسائیت میں توحید کہاں؟ وہ تو عیسیٰ کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں!

بیان یہ چل رہا ہے کہ تمام انبیاء نے توحید کا سبق پڑھایا ہے، شرک کی تعلیم کسی پیغمبر نے نہیں دی، اسی کے ثبوت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا واقعہ سنایا ہے، اس پر کوئی کہہ سکتا ہے کہ عیسائیوں کے یہاں توحید کہاں؟ وہ تو عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں، اور بیٹا باپ کا ہم جنس ہوتا ہے، پس ایک خدا کہاں رہا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ عیسائیوں کو یہ تعلیم عیسیٰ علیہ السلام نے نہیں دی، یہ تو بعد میں ظالموں نے دین بگاڑا ہے، پس اس کی ذمہ داری عیسیٰ علیہ السلام پر نہیں، انھوں نے تو توحید کی تعلیم دی تھی، جیسا کہ اگلی آیات میں آرہا ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ سورۃ الانبیاء کی (آیت ۹۸) نازل ہوئی: ﴿اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ

---

(۱) استفہام تقریری ہے، اس میں مخاطب سے کسی بات کا اعتراف کرایا جاتا ہے، خواہ وہ اس کو مانتا ہو یا نہ مانتا ہو (مغنی اللبیب ص ۲۶) مشرکین اپنے معبودوں کا: عیسیٰ علیہ السلام سے بہتر ہونے کا نبی ﷺ سے اقرار کرانا چاہتے ہیں، جس کو آپ ؐ نہیں مانتے ہیں۔ (۲) في الأرض: يخلفون سے متعلق ہے، خَلَفَ (ن) فلانا: جانشین ہونا، قائم مقام ہونا (۳) لعلم: میں مجاز بالحذف ہے أي لَسَبَبُ علمٍ۔

جَهَنَّمَ﴾: بے شک تم (اے مشرکو!) اور جن کو تم اللہ سے وَرے پوجتے ہو سب جہنم میں جھونکے جاؤ گے! —— یہ آیت مشرکین پر بھاری پڑی، اس کا جواب ان سے بن نہ پڑا، پس عبداللہ بن الزِّبعٰری نے —— جو اس وقت کافر تھے —— کہا: اس آیت کا بہترین جواب میرے پاس ہے، نصاریٰ حضرت مسیح علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں، اور یہود حضرت عزیر علیہ السلام کی، تو کیا یہ دونوں بھی جہنم کا ایندھن بنیں گے؟ یہ بات سن کر قریش کے مشرکین بہت خوش ہوئے کہ جواب ہوگیا، اس پر (آیت ۱۰۱) نازل ہوئی: ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنٰى أُوْلٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ﴾: بے شک جن کے لئے ہماری طرف سے بھلائی مقدر ہوچکی ہے وہ دوزخ سے دور رکھے جائیں گے۔

اس وضاحت کے بعد بھی مشرکین نبی ﷺ سے چلا کر یعنی زور شور سے مطالبہ کرتے تھے کہ یہ بات مان لو کہ ہمارے معبود عیسیٰ علیہ السلام سے بہتر ہیں، کیونکہ یہ آپؐ کی قوم کے معبود ہیں، اور عیسیٰ غیر قوم کے معبود ہیں، اور جب عیسیٰ جہنم میں نہیں جائیں گے تو ہمارے معبود بدرجۂ اولیٰ نہیں جائیں گے۔

یہاں یہ بات تمہید میں ذکر کر کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پانچ خصوصیات بیان کی ہیں، اور ان کے مطالبہ کو یہ کہہ کر ٹال دیا ہے کہ یہ تو محض جھگڑا کھڑا کرنے کی بات ہے، پھر نہلے پہ دہلا[1] رکھا ہے کہ قریش کی تو فطرت ہی جھگڑالو ہے، ان سے کوئی نمٹ سکتا ہے!

﴿ وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ۝ وَقَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ ۭ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ۭ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ مع تفسیر: —— اور جب (عیسیٰ) ابن مریم کی مثال دی گئی —— یہ مثال عبداللہ بن الزبعری نے دی تھی —— تو یکا یک آپؐ کی قوم اس مثال کو لے کر چلانے لگی، اور انھوں نے کہا: کیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ؟ —— یعنی ہمارے معبودوں کو بہتر مان لو پس جواب ہوجائے گا —— انھوں نے یہ مثال آپؐ کے سامنے نہیں ماری مگر جھگڑنے کے لئے —— یہ مثال یعنی ءَ آلِهَتُنَا خَيْرٌ أَمْ هُوَ؟ —— مشرکین کے معبودوں کو عیسیٰ علیہ السلام سے بہتر ماننے کا کیا سوال ہے؟ —— بلکہ وہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو! —— سیدھی سچی بات ان کے دماغ میں نہیں اترتی، دور از کار جھگڑے نکالنے میں ان کا ذہن خوب چلتا ہے۔

عیسیٰ علیہ السلام کے تعلق سے پانچ باتیں

﴿ اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ۝ وَلَوْ نَشَاۗءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰۗئِكَةً فِي

(۱) نہلا: تاش کا وہ پتہ جس پر نو بندیاں (نشانات) ہوتے ہیں، اور دہلا: وہ پتہ جس پر دس بندیاں ہوتی ہیں، یہ پتہ نہلے کو کاٹتا ہے ۱۲

الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ ۝ وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝

ترجمہ: (۱) وہ تو محض ایک بندے ہیں (۲) ہم نے ان پر فضل فرمایا ہے (۳) اور ہم نے ان کو بنی اسرائیل کے لئے ایک مثال بنایا ہے (۴) اور اگر ہم چاہتے تو تم میں سے فرشتے بناتے جو زمین میں یکے بعد دیگرے رہا کرتے (۵) اور بے شک وہ قیامت کا علم ہیں ـــــ پس تم قیامت میں ہرگز شک مت کرو، اور میری پیروی کرو، یہ سیدھا راستہ ہے، اور تم کو شیطان ہرگز نہ روکے، وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے!

تفسیر: ان آیات میں عیسیٰ علیہ السلام کے تعلق سے پانچ باتیں بیان کی ہیں، پھر بات آگے بڑھائی ہے:

۱- عیسیٰ علیہ السلام محض اللہ کے بندے ہیں، نہ خدا ہیں نہ خدا کے بیٹے، اور عبدیت (بندہ ہونا) ان کے لئے باعثِ فخر ہے، جیسے ہمارے نبی ﷺ کے لئے بھی اللہ کا بندہ ہونا طرّہ امتیاز تھا۔

۲- عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز کیا ہے، بلکہ انبیائے بنی اسرائیل کا خاتم بنایا ہے، یہ ان پر اللہ کا فضل عظیم ہے۔

۳- چونکہ عیسیٰ علیہ السلام انبیائے بنی اسرائیل کے آخری پیغمبر ہیں، اس لئے ان کے بعد جب نبوت کے تمام سلسلوں کے خاتم مطلق آئیں گے تو عیسیٰ علیہ السلام کا خاتم ہونا بنی اسرائیل کے لئے ایک مثال بنے گا، اور ان کے لئے خاتم النّبیین ﷺ پر ایمان لانا آسان ہوگا۔

۴- عیسیٰ علیہ السلام میں ملکوتی شان تھی، کیونکہ ان کا حمل فرشتہ کی پھونک سے ٹھہرا تھا، اور اسی لئے ان کو آسمان پر اٹھایا گیا، سورۃ النساء (آیت ۱۵۸) میں صراحت ہے: ﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ﴾: بلکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھالیا، مگر بایں امتیاز وہ اللہ کے بندے ہی رہے ـــــ نیز ان کا رفع سماوی معراجِ نبوی کو سمجھنے کے لئے بھی ایک مثال ہے۔

اور ان میں ملکوتی شان ہونے سے اور ان کے رفع سماوی سے وہ خدا نہیں بن گئے، بندے ہی رہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اگر چاہیں تو سبھی انسانوں میں یہ شان پیدا کر سکتے ہیں، پھر وہ زمین ہی میں رہیں گے، اور ان کی نسل بھی چلتی رہے گی، جیسے نزول کے بعد عیسیٰ علیہ السلام شادی کریں گے، اور ان کی اولاد بھی ہوگی، اسی طرح انسانوں کی بھی ملکوتی شان کے باوجود نسل چلے گی، مگر وہ انسان ہی رہیں گے، خدا نہیں ہو جائیں گے۔

۵- جب قیامت کے قریب عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا تو سب لوگ جان لیں گے کہ اب قیامت قریب آگئی ہے، پس ان کا نزول قیامت کے علم کا سبب بنے گا، یہ آیت نزول میں صریح جیسی ہے، اور احادیثِ متواترہ میں اس کی

تفصیل ہے۔

پھر بات آگے بڑھائی ہے: کہ جب عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا تب تو سب کو قیامت کا یقین آجائے گا، مزہ تو جب ہے کہ آج اس کو مان لو، نبی ﷺ کی بات سنو اور اس کی پیروی کرو، یہی سچا راستہ ہے، شیطان جو پٹی پڑھا رہا ہے اس کی مت سنو، وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے، وہ تمہیں بھلائی کا راستہ دکھا ہی نہیں سکتا!

وَلَمَّا جَآءَ عِیْسٰی بِالْبَیِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِاُبَیِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِیْ تَخْتَلِفُوْنَ فِیْهِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۶۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ﴿۶۴﴾ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَیْنِهِمْ ۚ فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابِ یَوْمٍ اَلِیْمٍ ﴿۶۵﴾

وَلَمَّا جَآءَ	اور جب آئے	الَّذِیْ	وہ باتیں جو	هٰذَا صِرَاطٌ	یہ راستہ ہے
عِیْسٰی	عیسیٰ	تَخْتَلِفُوْنَ	اختلاف کرتے ہو تم	مُّسْتَقِیْمٌ	سیدھا
بِالْبَیِّنٰتِ	واضح دلائل کے ساتھ	فِیْهِ	اس میں	فَاخْتَلَفَ	پس اختلاف کیا
قَالَ	کہا انھوں نے	فَاتَّقُوا	پس ڈرو تم	الْاَحْزَابُ	جماعتوں نے
قَدْ جِئْتُكُمْ	تحقیق آیا ہوں میں	اللّٰهَ	اللہ سے	مِنْۢ بَیْنِهِمْ	ان کے درمیان
	تمہارے پاس	وَاَطِیْعُوْنِ	اور کہا مانو میرا	فَوَیْلٌ	پس خرابی ہے
بِالْحِكْمَةِ	دانشمندی کی باتوں کے ساتھ	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	لِّلَّذِیْنَ	ان کے لئے جنھوں نے
وَلِاُبَیِّنَ	اور تا کہ واضح کروں میں	هُوَ رَبِّیْ	ہی میرے رب ہیں	ظَلَمُوْا	ظلم (شرک) کیا
لَكُمْ	تمہارے لئے	وَرَبُّكُمْ	اور تمہارے رب ہیں	مِنْ عَذَابِ	عذاب سے
بَعْضَ	بعض	فَاعْبُدُوْهُ	پس ان کی عبادت کرو	یَوْمٍ اَلِیْمٍ	دردناک دن کے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے توحید کی دعوت دی، پھر بعد میں عیسائیوں میں اختلاف ہوا

اور جب عیسیٰ (علیہ السلام) معجزات لے کر آئے —— ان کے معجزات یہ تھے: (۱) گارے سے پرندے کی شکل بناتے، اور اس میں پھونک مارتے تو وہ زندہ ہوجاتا (۲) مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو چنگا کرتے (۳) مردے کو بہ حکم الٰہی زندہ

کرتے وغیرہ — کہا انھوں نے: میں تمہارے پاس سمجھ کی باتیں لے کر آیا ہوں — بارہ برس کی عمر میں یہود کے سامنے انھوں نے ایسے حکیمانہ دلائل وبراہین بیان فرمائے کہ تمام علماء عاجز ومبہوت رہ گئے، اور سامعین عش عش کرنے لگے — اور تاکہ بیان کروں میں تمہارے لئے بعض وہ باتیں جن میں تم اختلاف کرتے ہو — یہود میں بعض چیزوں کے حلال وحرام ہونے میں اختلاف ہوگیا تھا، عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو کھول کر بیان کیا — پس تم اللہ سے ڈرو، اور میرا کہنا مانو — یعنی اپنا اختلاف ختم کرو اور میں جو حکم شرعی بتاتا ہوں اس کو مان لو — بے شک اللہ تعالیٰ ہی میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے، پس اسی کی عبادت کرو، یہی (توحید) سیدھا راستہ ہے! — یہ تھی حضرت مسیح علیہ السلام کی دعوت!

پس مختلف گروہوں نے باہم اختلاف کیا — یہود نے تو ان کو دجال قرار دیا، اور ان کے قتل کے درپے ہوئے، اور عیسائیوں میں سے کسی نے ان کو خدا ہی مان لیا اور کسی نے خدا کا بیٹا — سو بڑی خرابی ہے ان لوگوں کے لئے جنھوں نے ظلم کیا ایک دردناک دن کے عذاب سے — یعنی ان کو سزا قیامت کے دن ملے گی، اس طرح آگے قیامت کا بیان شروع ہوگیا ہے۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٦٦﴾ اَلْاَخِلَّاۗءُ يَوْمَىِٕذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ﴿٦٧﴾ يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿٦٨﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ﴿٦٩﴾ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ ﴿٧٠﴾ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ ۚ وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ ۚ وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٧١﴾ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٧٢﴾ لَكُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ كَثِيْرَةٌ مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿٧٣﴾

هَلْ (۱)	نہیں	اَنْ تَاْتِيَهُمْ	کہ پہنچے وہ ان کو	لَا يَشْعُرُوْنَ	بے خبر ہوں
يَنْظُرُوْنَ	انتظار کرتے وہ	بَغْتَةً	اچانک	اَلْاَخِلَّاۗءُ (۲)	دوست
اِلَّا السَّاعَةَ	مگر قیامت کا	وَّهُمْ	درانحالیکہ وہ	يَوْمَىِٕذٍۢ	اس دن

(۱) هل: استفہام انکاری بمعنی نفی ہے، أن: تفسیریہ ہے اور جملہ أن تأتیهم: الساعة سے بدل ہے (۲) الأخلاء: الخليل کی جمع: دوست۔

بَعْضُهُمْ	ان کے بعض	اُدْخُلُوا	داخل ہو	الْاَعْيُنُ	آنکھیں
لِبَعْضٍ	بعض کے	الْجَنَّةَ	جنت میں	وَاَنْتُمْ	اور تم
عَدُوٌّ	دشمن ہونگے	اَنْتُمْ	تم	فِيْهَا	اس میں
اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ	مگر پرہیزگار	وَاَزْوَاجُكُمْ	اور تمہاری بیویاں	خٰلِدُوْنَ	ہمیشہ رہنے والے ہو
يٰعِبَادِ(۱)	اے میرے بندو!	تُحْبَرُوْنَ(۲)	سرور بخشے جاؤگے	وَتِلْكَ	اور یہ
لَا خَوْفٌ	نہیں ڈر	يُطَافُ	گھمائی جائیں گی	الْجَنَّةُ	جنت
عَلَيْكُمُ	تم پر	عَلَيْهِمْ	ان پر	الَّتِيْٓ	جو
الْيَوْمَ	آج	بِصِحَافٍ	رکابیاں	اُوْرِثْتُمُوْهَا	وارث بنائے گئے تم اس کے
وَلَآ اَنْتُمْ	اور نہ تم	مِّنْ ذَهَبٍ	سونے کی	بِمَا	بدلہ میں اس کے ہے جو
تَحْزَنُوْنَ	غمگین ہوؤگے	وَّاَكْوَابٍ(۳)	اور کٹورے (سونے کے)	كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ	تم کیا کرتے تھے
اَلَّذِيْنَ	جو لوگ	وَفِيْهَا	اور اس میں	لَكُمْ فِيْهَا	تمہارے لئے اس میں
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	مَا	جو	فَاكِهَةٌ	میوے ہیں
بِاٰيٰتِنَا	ہماری باتوں پر	تَشْتَهِيْهِ	چاہیں گے اس کو	كَثِيْرَةٌ	بہت
وَكَانُوْا	اور تھے وہ	الْاَنْفُسُ	دل	مِّنْهَا	بعض ان میں سے
مُسْلِمِيْنَ	فرمان بردار	وَتَلَذُّ	اور مزہ لیں گی	تَاْكُلُوْنَ	کھاؤگے تم

ظالموں کا قیامت کے دن برا حال ہوگا

ظالم: یعنی ناانصاف، اور یہاں مراد اللہ تعالیٰ کے حق میں ناانصافی ہے، اور سب سے بڑی ناانصافی کفر وشرک ہے، پھر چھوٹی ناانصافی: مامورات کا ترک اور منہیات کا ارتکاب ہے، گذشتہ آیت میں فرمایا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد عیسائی فرقے باہم مختلف ہوگئے، ان میں سے جنھوں نے ظلم کیا، یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو الوہیت میں شریک کیا، ان کے لئے بڑی خرابی ہے دردناک دن کے عذاب سے، یہ عذاب کب ملے گا؟ وہ دن کب آئے گا؟ فرماتے ہیں: وہ قیامت کا دن ہے، اس دن وہ عذاب سے دوچار ہونگے، اور قیامت کا دن ڈھول بجا کر نہیں آئے گا، بلکہ اچانک آئے گا، سان گمان بھی نہیں

(۱) عباد: کے آخر سے ی محذوف ہے (۲) حَبَرَہ (ن) حُبُوْرًا: خوش کرنا، کیف وسرور بخشنا (۳) أکواب: کے بعد من ذھب مقدر ہے۔

ہوگا کہ قیامت قائم ہوجائے گی،اس دن دنیا کی دوستیاں دشمنی سے بدل جائیں گی،کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا۔البتہ اہل ایمان جوشرک سے بچے رہے ہیں ان کی دوستیاں کام آئیں گی۔

﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ۝ اَلْاَخِلَّاۗءُ يَوْمَىِٕذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ۝﴾

ترجمہ: یہ لوگ —— یعنی وہ ظالم جنھوں نے عیسیٰ علیہ السلام کوالوہیت میں شریک کیا —— بس قیامت کا انتظار کررہے ہیں کہ ان پر دفعۃً آپڑے، درانحالیکہ ان کو احساس بھی نہ ہو —— یعنی ابھی ان کو ان کی حرکت کی سزا نہیں دی جارہی، قیامت کو آنے دو، اس دن ان کا برا حال ہوگا —— سبھی دوست اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہونگے —— پچھتائیں گے کہ فلاں سے دوستی کیوں کی جو آج گرفتار مصیبت ہونا پڑا، اس دن جگری دوست بھی دوست کی صورت سے بیزار ہوگا —— مگر اللہ سے ڈرنے والے —— مستثنیٰ ہیں، جوشرک وکفر سے اور گناہوں سے بچے رہے ان کی دوستیاں باقی رہیں گی اور کام آئیں گی، وہ ایک دوسرے کے لئے سفارش کرسکیں گے۔

پرہیزگار آخرت میں شادکام ہوں گے

جب متقیوں کا ذکر آیا تو آخرت میں ان کا نیک انجام بیان فرماتے ہیں، متقی: یعنی بچنے والے، جوکفر وشرک سے بھی بچے رہے اور ہر طرح کی برائیوں سے بھی، فرائض وواجبات کو چھوڑنا کبیرہ گناہ ہے، آج کل مسلمان نماز تک نہیں پڑھتے پھر مرتے ہی جنت میں پہنچنے کی امید باندھے ہوئے ہیں، اسی طرح کبیرہ گناہوں سے احتراز نہیں کرتے، اور جنت کی بے سزا امید رکھتے ہیں، یہ محال ہے! ایمان کے ساتھ اسلام بھی ضروری ہے، اور دونوں میں تعلق ایسا ہے جیسا درخت کے تنے میں اور شاخوں میں، تنے کے بغیر شاخیں نہیں ہوسکتیں، اور شاخوں کے بغیر تنا بے ثمر ہے، بلکہ اس کا زندہ رہنا بھی مشکل ہے، پس مسلمان ہوش کے ناخن لیں، اعمال پر مضبوط ہوجائیں، اور گناہوں سے بچیں، تاکہ آخرت میں شادکام ہوں۔

﴿يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ۝ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ۝ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ ۚ وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ ۚ وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۝ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۝ لَكُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ كَثِيْرَةٌ مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ۝﴾

ترجمہ: اے میرے بندو! —— یہ پیار بھرا خطاب ہے —— تم پر آج کوئی خوف نہیں، اور نہ غمگیں ہوؤ گے —— خوف: آگے کا ہوتا ہے کہ معلوم نہیں کیا پیش آئے! اور غم: پیچھے کا ہوتا ہے جو رہ گیا، پس جنتیوں کے لئے نہ آگے کا ڈر ہوگا کہ

سب کچھ ٹھیک ہوگا، اور نہ پیچھے کا غم کہ ان کا اللہ والی ہے —— (یہ) وہ بندے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے —— یہ ایمان ہے —— اور وہ ہمارے فرمانبردار تھے —— یہ اسلام ہے، ایمان: دل سے یقین کرنا ہے، اور اسلام: جوارح (اعضاء) سے احکام پر عمل کرنا ہے، یہی پرہیزگار بندے ہیں، جو اللہ کے چہیتے ہیں، باقی نام کے مسلمان ہیں۔

داخل ہو جاؤ جنت میں تم اور تمہاری بیویاں، خوش کئے جاؤ گے تم —— تُحْبَرُوْنَ: مستقل جملہ ہے، اس کا بیان آگے ہے —— ان کے پاس لائی جائیں گی سونے کی رکابیاں اور گلاس —— یہ غلمان (جنت کے خدّام) لائیں گے —— اور یہ خوش کرنے کی ایک صورت ہے —— اور جنت میں وہ چیزیں ہیں جن کو ان کا جی چاہے گا اور جن سے آنکھوں کو لذت حاصل ہوگی —— اور سب سے اعلیٰ چیز جس سے آنکھیں ٹھنڈی ہونگی وہ جمالِ حق کا دیدار ہوگا، جو جنت میں پہنچ کر حاصل ہوگا —— اور تم ان میں ہمیشہ رہو گے —— یہ ایک مستقل نعمت ہے، چند روز کا قیام سہانا خواب ہوتا ہے —— یہ وہ جنت ہے جس کے تم وارث بنائے گئے ہو، ان نیک کاموں کے عوض میں جو تم کیا کرتے تھے —— اس آیت میں دو اہم باتیں ہیں، جن کو میں آگے دو عنوانوں کے تحت ذکر کروں گا، ابھی ہم آیتیں پوری پڑھ لیں، آخری آیت: —— تمہارے لئے اس میں بہت سارے میوے ہیں، جن میں سے تم کھاؤ گے —— کثیرۃ: بہت: یعنی مختلف انواع کے اور بڑی مقدار میں، جن میں سے چن چن کر جنتی کھائیں گے۔

وارث بنانے اور نائب بنانے میں فرق

﴿أُوْرِثْتُمُوْهَا﴾: تم جنت کے وارث بنائے گئے: یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں ملکیت کے طور پر ہمیشہ کے لئے جنت دیدی، اب جس طرح چاہو اس میں تصرف کرو، نہ واپس لی جائے گی، نہ داروگیر کی جائے گی —— اور اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے جو مال سامان دیا ہے: اس کا مالک نہیں بنایا، بلکہ نائب بنایا ہے، سورۃ الحدید (آیت ۷) میں ہے: ﴿وَأَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ﴾: اور خرچ کرو اس مال میں سے جس میں اللہ نے تم کو قائم مقام بنایا ہے، جیسے دکان کا منیجر سیٹھ کا نائب ہوتا ہے، دکان کا مالک نہیں ہوتا، اسی طرح اس دنیا میں جو کچھ اللہ نے بندوں کو دیا ہے: وہ اللہ ہی کا ہے، چنانچہ بندوں کے تصرف پر بھی پابندی ہے، اور اس کا حساب بھی لیا جائے گا، اور آخرت میں جنت کا وارث بنایا جائے گا، وہاں مالکانہ تصرف کا حق ہوگا، اور کوئی حساب نہیں لیا جائے گا۔

جاننا چاہئے کہ وارث بننا مورث کی موت کے بعد ہوتا ہے، اور وارث بنانا مورث کی حیات میں ہوتا ہے، آدمی مرتا ہے تو ورثاء اس کے ترکہ کے وارث بنتے ہیں، اور آدمی کبھی آخر حیات میں مال جائداد بطور میراث ورثاء میں تقسیم کرتا ہے، تا کہ بعد میں جھگڑے نہ ہوں، پس ورثاء اس کے مالک ہو جاتے ہیں، اور جو چاہیں تصرف کر سکتے ہیں، جبکہ مورث ابھی

زندہ ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ جو حَیٌّ لا یموت ہیں آخرت میں جنت جنتیوں کو بطور ملکیت عنایت فرمائیں گے، اور یہ اہل جنت پر اللہ کا خاص فضل ہوگا۔

مغفرت کا حقیقی سبب فضلِ خداوندی ہے اور اعمالِ صالحہ سببِ ظاہری ہیں

قرآنِ کریم میں جگہ جگہ یہ بات آئی ہے کہ مؤمنین کو جنت ان کے نیک اعمال کے صلہ میں دی جائے گی، یہ سبب ِ ظاہری کا بیان ہے، اور یہ مؤمنین کی قدر افزائی ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ کوئی شخص اپنے عمل سے جنت میں نہیں جائے گا، جو جائے گا وہ اللہ کے فضل وکرم سے جائے گا، یہ سببِ حقیقی کا بیان ہے، اور سببِ حقیقی برائے اعتقاد ہوتا ہے، اس پر عقیدہ رکھنا ضروری ہے، اور سببِ ظاہری برائے عمل ہوتا ہے یعنی اس کو اختیار کرنا ضروری ہے۔

جیسے تقدیر کا لکھا اٹل ہے، یہ عقیدہ کا بیان ہے، اور اسبابِ معیشت کا اختیار کرنا فریضہ کے بعد فریضہ ہے، یہ برائے عمل ہے، ہر شخص اسباب اختیار کرتا ہے، تقدیر پر کوئی تکیہ نہیں کرتا، مگر ملتا اتنا ہی ہے جتنا تقدیر میں لکھا ہے، اسی طرح یہ اعتقاد رکھنا ضروری ہے کہ جو جنت میں جائے گا: اللہ کے فضل وکرم سے جائے گا، مگر اسبابِ ظاہری یعنی اعمالِ صالحہ کا اختیار کرنا بھی ضروری ہے۔

سورۃ الاعراف (آیت ۴۳) میں دونوں باتیں جمع ہیں، جنت میں جنتی خوش وخرّم باتیں کریں گے: ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا، وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ، لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ﴾: جنتی کہیں گے: اللہ کا لاکھ لاکھ احسان ہے، جس نے ہمیں اس مقام (جنت) تک پہنچایا، اور ہماری کبھی رسائی نہ ہوتی، اگر اللہ تعالیٰ ہم کو راستہ نہ دکھاتے، واقعی بات یہ ہے کہ ہمارے رب کے رسول سچی باتیں لے کر آئے، یہ جنتی دخولِ جنت کے حقیقی سبب کا اعتراف کریں گے پس اللہ کی طرف سے ان کو پکار کر کہا جائے گا: ﴿وَنُوْدُوْۤا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾: اور پکار کر ان سے کہا جائے گا یعنی دور سے ندا آئے گی کہ یہ جنت تم کو دی گئی ہے تمہارے کئے ہوئے اعمال کے بدلہ میں۔ یہ سببِ ظاہری کا بیان ہے، اور یہ اہل جنت کی قدر افزائی ہے کہ تمہاری محنت رائگاں نہیں گئی، یہ جنت اس کا صلہ ہے۔

اِنَّ الْمُجْرِمِیْنَ فِیْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۷۴﴾ لَا یُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِیْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۷۶﴾ وَنَادَوْا یٰمٰلِكُ لِیَقْضِ عَلَیْنَا رَبُّكَ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ﴿۷۷﴾ لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿۷۸﴾ اَمْ اَبْرَمُوْۤا

اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ۞ اَمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَ نَجْوٰىهُمْ ؕ بَلٰى وَ رُسُلُنَا لَدَیْهِمْ یَكْتُبُوْنَ ۞

اِنَّ الْمُجْرِمِیْنَ	بے شک گنہگار	وَنَادَوْا	اور پکارا انھوں نے	كٰرِهُوْنَ	ناپسند کرنے والے ہیں
فِیْ عَذَابِ	عذاب میں ہونگے	یٰمٰلِكُ	اے مالک	اَمْ اَبْرَمُوْٓا (۳)	کیا طے کی ہے انھوں نے
جَهَنَّمَ	دوزخ کے	لِیَقْضِ	چاہئے کہ فیصلہ کردے	اَمْرًا	کوئی بات
خٰلِدُوْنَ	ہمیشہ رہنے والے ہیں	عَلَیْنَا	ہم پر	فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ	پس ہم بھی طے کرنے
لَا یُفَتَّرُ (۱)	نہیں سست کیا جائے	رَبُّكَ	آپ کا پروردگار		والے ہیں
	گا عذاب	قَالَ	جواب دیا اس نے	اَمْ یَحْسَبُوْنَ	کیا گمان کرتے ہیں وہ
عَنْهُمْ	ان سے	اِنَّكُمْ	بے شک تم	اَنَّا لَا نَسْمَعُ	کہ ہم نہیں سن رہے
وَهُمْ فِیْهِ	اور وہ اس میں	مّٰكِثُوْنَ	ٹھہرنے والے ہو	سِرَّهُمْ	ان کے بھید
مُبْلِسُوْنَ (۲)	امید توڑنے والے ہونگے	لَقَدْ	بخدا! واقعہ یہ ہے	وَ نَجْوٰىهُمْ	اور ان کی سرگوشی
وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ	اور نہیں ظلم کیا ہم نے ان پر	جِئْنٰكُمْ	آئے ہم تمہارے پاس	بَلٰى	کیوں نہیں
وَلٰكِنْ كَانُوْا	لیکن تھے وہ	بِالْحَقِّ	دین حق کے ساتھ	وَرُسُلُنَا	اور ہمارے بھیجے ہوئے
هُمُ	ہی	وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ	لیکن تمہارے اکثر	لَدَیْهِمْ	ان کے پاس
الظّٰلِمِیْنَ	ظلم کرنے والے	لِلْحَقِّ	دین حق کو	یَكْتُبُوْنَ	لکھ رہے ہیں

بدکاروں کا انجامِ بد

نیکوکاروں کے انجام کے بالمقابل بدکاروں کا انجام بیان فرماتے ہیں، اور مجرم سے آخری درجہ کا مجرم مراد ہے، یعنی کافر ومشرک، گنہگار مؤمن مراد نہیں، ارشاد فرماتے ہیں: —— بے شک بدکار لوگ دوزخ کے عذاب میں ہمیشہ رہیں گے —— جہنم: شرک وکفر کی سزا ہے، اور شرک وکفر عقیدہ ہے، اور عقیدہ مستمر (ابدی) ہوتا ہے، اس لئے اس کی سزا بھی دائمی

(۱) فَتَّرَ الشیئ: تکلیف دہ چیز کی تکلیف کم کرنا (۲) مُبْلِس: اسم فاعل از إبْلاس، أَبْلَسَ من رحمة الله: اللہ کی رحمت سے ناامید ہوگیا، إبلیس: رحمتِ خداوندی سے مایوس، ثلاثی مجرد سے مستعمل نہیں، باب افعال سے تمام مشتقات کے ساتھ مستعمل ہے (۳) أَبْرَمَ الأمْرَ: قطعی فیصلہ کرنا۔

ہے ــــ وہ عذاب ان سے ہلکا نہیں کیا جائے گا ــــ پس ملتوی ہونے کا کیا سوال؟ ــــ اور وہ اس عذاب میں مایوس پڑے رہیں گے ــــ یعنی ناامید ہو جائیں گے کہ اب یہاں سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں ــــ اور ہم نے ان پر کچھ ظلم نہیں کیا، بلکہ وہ خود ہی ظلم کرنے والے تھے ــــ اللہ تعالیٰ نے تو ان کو دنیا میں رسولوں کے ذریعہ بھلائی برائی سمجھا دی تھی، پھر بھی نہ مانے اور اپنی غلط راہوں سے نہ پھرے تو یہ برا دن دیکھنا پڑا، پس انھوں نے خود اپنے پیروں پر کلھاڑی ماری، اللہ نے ان پر ذرا ظلم نہیں کیا۔

اور وہ پکاریں گے: اے مالک! چاہئے کہ آپ کا پروردگار ہمارا کام تمام کر دے ــــ مالک: جہنم کے ذمہ دار فرشتہ کا نام ہے، اور جنت کے ذمہ دار فرشتہ کا نام رضوان ہے ــــ دوزخی: مالک کو پکاریں گے، یعنی دور سے درخواست کریں گے کہ اپنے رب سے کہہ کر ہمارا کام تمام کرا دے، ہمیں جنت نہیں چاہئے، بس یہ چاہتے ہیں کہ ہمیں فنا کر دے، جیسے حیوانات کو مٹی کر دیا، ہمیں بھی مٹا دے ــــ وہ جواب دے گا: بے شک تم ہمیشہ اسی حال میں رہو گے ــــ یہ جواب بھی ہزار سال کے بعد ملے گا!

ان مجرموں کو یہ سزا کیوں ملی؟ ــــ بخدا! واقعہ یہ ہے کہ ہم نے سچا دین تمہیں پہنچایا، لیکن تم میں سے اکثر لوگ سچے دین سے چڑتے تھے! ــــ اور نہ صرف یہ کہ دینِ حق سے نفرت کرتے تھے، بلکہ اس کے خلاف منصوبے گانٹھتے اور اسکیمیں بناتے تھے ــــ کیا انھوں نے کوئی قطعی منصوبہ بنایا ہے؟ سو ہم نے بھی ایک قطعی منصوبہ بنایا ہے! ــــ کافروں نے مل کر مشورہ کیا کہ تمہارے تغافل سے اس نبی کی بات بڑھی، آئندہ جو اس دین میں داخل ہو، اس کے رشتہ دار اس کو مار مار کر الٹا پھیریں، اور جو باہر کا آدمی شہر میں آئے اس کے کان بھریں، تاکہ وہ اس شخص کے پاس نہ بیٹھے ــــ یہ انھوں نے قطعی طور پر ایک بات طے کی ــــ اور اللہ نے قطعی طور پر یہ بات طے کی کہ اسلام پھیلے گا اور دین اسلام کو عروج حاصل ہوگا، چنانچہ اللہ کا ارادہ غالب رہا، اور دین اسلام کا چار دانگِ عالم ڈنکا بجا!

کیا ان لوگوں کا خیال ہے کہ ہم ان کی پوشیدہ باتوں اور ان کی سرگوشیوں کو نہیں جانتے؟ ــــ اس سے مراد اوپر والی پلاننگ ہے ــــ کیوں نہیں! ــــ سب کچھ اللہ کے علم میں ہے ــــ اور ہمارے مقرر کئے ہوئے فرشتے ان کے پاس لکھ رہے ہیں ــــ یعنی مسل تیار ہو رہی ہے جو قیامت کے دن ان کے سامنے پیش کر دی جائے گی، تاکہ ان پر حجت تمام ہو۔

قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ﴿٨١﴾ سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَ يَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۸۳﴾ وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۴﴾ وَتَبٰرَكَ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۸۷﴾ۙ وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ۘ فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ۭ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾ع

ع ۷ / ۱۳

قُلْ	کہیں:	عَمَّا يَصِفُوْنَ	ان باتوں سے جو وہ	اِلٰهٌ	معبود ہے
اِنْ كَانَ (۱)	اگر ہوتی		بیان کرتے ہیں	وَّفِي الْاَرْضِ	اور زمین میں
لِلرَّحْمٰنِ	مہربان اللہ کی	فَذَرْهُمْ	پس چھوڑیں ان کو	اِلٰهٌ	معبود ہے
وَلَدٌ	اولاد	يَخُوْضُوْا (۲)	باتوں میں لگے رہیں	وَهُوَ	اور وہ
فَاَنَا اَوَّلُ	تو میں پہلا	وَ يَلْعَبُوْا	اور کھیلیں	الْحَكِيْمُ	حکمت والا
الْعٰبِدِيْنَ	عبادت کرنے والا ہوتا	حَتّٰى يُلٰقُوْا	یہاں تک کہ ملاقات کریں وہ	الْعَلِيْمُ	خوب جاننے والا
سُبْحٰنَ	پاک ہے (اولاد سے)	يَوْمَهُمُ	ان کے اس دن سے	وَتَبٰرَكَ	اور بڑی برکت والا ہے
رَبِّ	پروردگار	الَّذِيْ (۳)	جس کا	الَّذِيْ لَهٗ	وہ جس کے لئے
السَّمٰوٰتِ	آسمانوں کا	يُوْعَدُوْنَ	وہ وعدہ کئے جارہے ہیں	مُلْكُ	حکومت ہے
وَالْاَرْضِ	اور زمین کا	وَهُوَ الَّذِيْ	اور وہی ہے جو	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں کی
رَبِّ الْعَرْشِ	تختِ شاہی کا مالک	فِي السَّمَآءِ	آسمان میں	وَالْاَرْضِ	اور زمین کی

(۱) إن: شرطیہ ہے، اس میں امکان ہوتا ہے، جیسے إن شاء الله: اگر اللہ چاہیں، اسی لئے یہ مماشات مع الخصم ہے، اور لَو: شرطیہ میں امکان نہیں ہوتا، بالفرض کلام ہوتا ہے، جیسے: لو كان بعدي نبي لكان عمر: اگر (بالفرض) میرے بعد نبی ہوتا تو عمرؓ ہوتے۔ (۲) خَاضَ في الحديث (ن) خوضًا: لوگوں کا باتوں میں لگنا، گفتگو میں مشغول ہونا (۳) الذي يوعدون: موصول صلہ مل کر یوم کی صفت ہیں۔

وَمَا بَيْنَهُمَا	اور اس کی جو دونوں کے درمیان ہے	اِلَّا مَنْ	مگر جنھوں نے	يُؤْفَكُوْنَ	پھیرے جاتے ہیں وہ
		شَهِدَ	گواہی دی	وَقِيْلِهٖ (۲)	اور رسول کے کہنے کو
وَعِنْدَهٗ	اور اس کے پاس ہے	بِالْحَقِّ	حق بات کی	يٰرَبِّ	(کہ) اے میرے ربّ!
عِلْمُ السَّاعَةِ	قیامت کا علم	وَهُمْ	درانحالیکہ وہ	اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ	بے شک یہ
وَاِلَيْهِ	اور اسی کی طرف	يَعْلَمُوْنَ	جانتے ہیں	قَوْمٌ	لوگ
تُرْجَعُوْنَ	لوٹائے جاؤ گے تم	وَلَئِنْ	اور بخدا! اگر	لَّا يُؤْمِنُوْنَ	ایمان نہیں لاتے
وَلَا يَمْلِكُ	اور نہیں مالک ہیں	سَاَلْتَهُمْ	پوچھیں آپ ان سے	فَاصْفَحْ	پس رخ پھیر لیں آپ
الَّذِيْنَ (۱)	وہ لوگ جن کو	مَّنْ خَلَقَهُمْ	کس نے پیدا کیا ان کو	عَنْهُمْ	ان سے
يَدْعُوْنَ	پکارتے ہیں وہ	لَيَقُوْلُنَّ	ضرور کہیں گے وہ	وَقُلْ سَلٰمٌ	اور کہیں: سلام لو!
مِنْ دُوْنِهِ	اللہ سے ورے	اللّٰهُ	اللہ نے	فَسَوْفَ	پس عنقریب
الشَّفَاعَةَ	سفارش کے (کسی کیلئے)	فَاَنّٰى	پھر کہاں	يَعْلَمُوْنَ	جان لیں گے وہ

توحید کا اثبات اور ولدیت کی نفی

پہلے ذکر آیا ہے کہ عیسائی: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مانتے ہیں، وہ تثلیث کے قائل ہیں، یعنی خدا تین ہیں، پھر وہ تین کا لڈو بنا کر توحید کے بھی قائل ہیں، اور مکہ کے قریش بھی فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں مانتے ہیں، اور اپنی مورتیوں کو ان کا پیکر (نظر آنے والی صورت) کہتے ہیں، اور ان کی پوجا اس لئے کرتے ہیں کہ وہ اللہ سے قریب کریں گی، اور ان کی سفارش کریں گی۔ اب سورت کے آخر میں دونوں جماعتوں کی تردید ہے، اور توحید کا اثبات ہے۔ سورت کی یہ آخری آیتیں نہایت اہم ہیں، ہر آیت نیا مضمون لئے ہوئے ہے، اس لئے غور سے پڑھیں۔

مماشات مع الخصم: مماشات: ساتھ لے چلنا، خصم: مخالف، مماشات مع الخصم: مخالف کو رواداری سے تھوڑی دور ساتھ لے چلنا، پھر جب موقع آئے تو جوت بجانا، چنانچہ پہلی آیت میں فرمایا کہ اگر اللہ کی اولاد ہوتی تو میں ان کی عبادت سے گریز نہ کرتا، بڑھ کر ان کی بندگی کرتا —— اور اللہ تعالیٰ کا ذکر صفتِ رحمان سے اس لئے کیا کہ اللہ کے لئے اولاد ماننا ایسی بھدّی اور بھونڈی بات ہے کہ اللہ کا قہر ٹوٹ سکتا ہے، مگر چونکہ اللہ تعالیٰ نہایت مہربان ہیں، دنیا میں ان کی رحمت ہر کسی

(۱) الذین يَدْعُوْن: موصول صلہ مل کر لا يملك کا فاعل ہے (۲) وقیلہ: قیل: مصدر، الساعة پر معطوف ہے، أی عنده علمُ قیله: اللہ کو رسول کی بات کا بھی علم ہے۔

کو عام ہے، اس لئے فوراً سزا نہیں دیتے، سورۃ مریم (آیات ۸۸-۹۵) میں بھی یہ مضمون ہے، اُن میں چار مرتبہ صفتِ رحمان کا ذکر اسی مقصد سے آیا ہے۔

پھر دوسری آیت میں تھپڑ مارا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے کہاں؟ وہ اولاد سے پاک ہیں، وہ پوری کائنات کے پروردگار ہیں اور تختِ شاہی کے مالک ہیں، یعنی کائنات پر انہی کا کنٹرول ہے، اگر ان کی اولاد ہوتی تو باپ اپنے ملک کا کچھ حصہ اولاد کو دے کر ان کو مختار بناتا، دنیا کے بادشاہ ایسا ہی کرتے ہیں، جبکہ ایسا نہیں ہے، کوئی دوسرا مختار نہیں، پس دونوں جماعتوں کی بات پادَر ہوا ہوئی۔

﴿قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ۝ سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: آپؐ کہیں: اگر نہایت مہربان ہستی کی اولاد ہوتی تو میں سب سے پہلے اس کی عبادت کرنے والا ہوتا —— یعنی بڑھ کر اُن کی پوجا کرتا، انکار ہرگز نہ کرتا۔ یہ تھوڑی دیر مخالف کو ساتھ لے چلنا ہے، پھر تھپڑ رسید کرتے ہیں: —— پاک ہے آسمانوں اور زمین کا پروردگار، تختِ شاہی کا مالک ان باتوں سے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں! —— یعنی اولاد سے جو یہ دونوں جماعتیں مانتی ہیں۔

لوگ قیامت تک بوگس دلائل سے اللہ کے لئے اولاد ثابت کرتے رہیں گے

عیسائی پادری اپنے بوگس دلائل سے اپنے پیروؤں کو تثلیث سمجھاتے ہیں، پھر تین خداؤں کو ایک بھی کرتے ہیں، ان کے دلائل چیستاں ہوتے ہیں، نہ سمجھنے کے نہ سمجھانے کے! اسی طرح ہندو پنڈت بھی مورتیوں کی معبودیت ثابت کرتے ہیں، مگر ان کے دلائل مکڑی کے جالے ہوتے ہیں، اور یہ سلسلہ قیامت تک چلتا رہے گا، روزِ قیامت ہی پردہ اٹھے گا اور ان کی زبان بند ہوگی، ارشاد فرماتے ہیں: ان کو ان کی باتوں میں مشغول رہنے دو اور غیر حقیقی دلائل سے کھیلنے دو، تا آنکہ قیامت کی گھڑی آجائے۔

آیتِ کریمہ: ﴿فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: —— پس آپؐ ان کو چھوڑیں —— یعنی ان کی مخالفت وہفوات کی طرف التفات نہ کریں —— باتوں میں مشغول رہیں وہ اور کھیلیں —— یعنی اپنے مصنوعی دلائل سے اللہ کی اولاد ثابت کرتے رہیں، اور یہی ان کا کھیل تماشہ ہے —— یہاں تک کہ ان کو اس دن سے سابقہ پڑے جس کا وہ وعدہ کئے جاتے ہیں —— یعنی قیامت کا دن آجائے،

اس دن ان کو اپنے دلائل کی حقیقت معلوم ہو جائے گی، اور ان کی گستاخیوں اور شرارتوں کا مزہ چکھایا جائے گا۔

کائنات میں اللہ ہی معبود ہیں

نہ آسمان میں فرشتے معبود ہیں، نہ چاند سورج معبود بن سکتے ہیں، نہ زمین میں مورتیاں اور انبیاء اولیاء معبود ہیں، سب آسمان وزمین والوں کا معبود اکیلا اللہ تعالیٰ ہے، جو عرش سے فرش تک اپنی حکمت وعلم سے نظام چلا رہا ہے۔ پس اللہ کے لئے اولاد کا کیا سوال؟ اگر وہ بالفرض ہوتی تو معبود ہوتی، اور توحید گاؤ خورد ہو جاتی۔

آیتِ کریمہ: ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴾

ترجمہ: اور وہی ہیں جو آسمان میں معبود ہیں، اور زمین میں معبود ہیں، اور وہ حکمت والے خوب جاننے والے ہیں۔

تاج وتخت اللہ کے لئے ہے، اور وہی جانتے ہیں کہ قیامت کب آئے گی

ابھی اوپر آیا ہے کہ تختِ شاہی کے مالک اللہ تعالیٰ ہیں، اب فرماتے ہیں کہ کائنات کی سلطنت کا تاج بھی انہی کے لئے ہے۔ اور وہی جانتے ہیں کہ قیامت کب برپا ہوگی، اور جب بھی قائم ہوگی سب کو لوٹ کر انہی کے پاس حاضر ہونا ہے، پس وہی معبود ہیں، اگر کوئی اور معبود ہوتا تو اپنے عابدوں کو اپنی طرف لوٹاتا۔

﴿ وَتَبٰرَكَ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴾

ترجمہ: اور بڑی عالی شان ہے وہ ذات جس کے لئے آسمانوں اور زمین اور درمیانی چیزوں کی حکومت ہے، اور انہی کو قیامت کی خبر ہے، اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

مشرکین کی مورتیاں سفارش نہیں کرسکیں گی

مشرکین مورتیوں کو اسی لئے پوجتے ہیں کہ وہ قیامت کے دن ان کی سفارش کریں گی، مگر ان کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوگا، ان کو شفاعت کا کوئی اختیار نہیں ہوگا، قیامت کے دن اہل ایمان ہی بہ اذنِ الٰہی سفارش کرسکیں گے۔

﴿ وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴾

ترجمہ: اور اللہ کے سوا جن معبودوں کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ سفارش کا اختیار نہیں رکھتے، مگر جس نے حق بات (کلمۂ توحید) کا اقرار کیا، درانحالیکہ وہ جانتے ہیں ــــ وہ سفارش کرسکیں گے ــــ اسی سے احناف کے یہاں ایک رائے یہ ہے کہ ایمان: تصدیق قلبی اور اقرار کا نام ہے ــــ مگر کہا گیا کہ اقرار: دنیا میں اسلامی احکام جاری کرنے کے لئے ضروری ہے، ورنہ نجات کا مدار تصدیق قلبی پر ہے، اور وہی نفس ایمان ہے۔

جادووہ جوسر چڑھ کر بولے

اگر کوئی مشرکین سے پوچھے کہ تمہیں کس نے پیدا کیا؟ تو وہ یہی جواب دیں گے کہ اللہ نے! پھر دوسرا معبود کہاں سے آ گیا؟ جو خالق ہے وہی معبود ہے! اسی کو کہتے ہیں: جادووہ جوسر چڑھ کر بولے یعنی بات وہی برحق ہے جس کا مخالف بھی اقرار کرے ـــــ پھر جب تم نے اپنے منہ سے اللہ کے معبود ہونے کا اقرار کرلیا تو اب الٹے کہاں جارہے ہو؟ اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ کی پرستش کیوں کررہے ہو؟

﴿ وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ ﴾

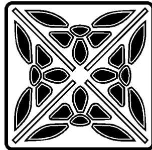
ترجمہ: اور اگر آپؐ ان سے پوچھیں کہ ان کو کس نے پیدا کیا؟ تو وہ ضرور کہیں گے: اللہ نے! پس کہاں وہ الٹے پھیرے جارہے ہیں؟

رسول کی فریاد اور تسلی

نبی ﷺ نے ہر جتن کرلیا، مگر لوگوں نے مان کر نہیں دیا، پس اس نے بارگاہِ خداوندی میں فریاد کی کہ الٰہی! یہ لوگ آپ کی یکتائی نہیں مانتے! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ہمارے رسول کی یہ فریاد ہمارے علم میں ہے، وہ اس کا غم نہ کھائیں، اپنا فرضِ منصبی ادا کرکے ان سے منہ پھیرلیں، اور کہہ دیں کہ اچھا نہیں مانتے تو ہمارا سلام لو! یہ سلامِ متارکت ہے یعنی چھوڑو ان کو! وہ لوگ بہت جلدی جان لیں گے کہ معبود اللہ ہی ہیں، انہی کے نام کا ڈنکا بجے گا۔

﴿ وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝ فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ۭ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور رسول کی اس بات کی بھی (اللہ کو خبر ہے) کہ اے میرے رب! یہ لوگ ایمان نہیں لاتے ـــــ یعنی توحید کو تسلیم نہیں کرتے ـــــ پس آپؐ ان سے رخ پھیرلیں، اور کہہ دیں: سلام لو! پس عنقریب وہ جان لیں گے۔



آیاتها ۵۹ | (۴۴) سُوْرَةُ الدُّخَانِ مَكِّيَّةٌ (۶۴) | رکوعاتها ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ۚ ﴿۱﴾ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۲﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ﴿۳﴾ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ﴿۴﴾ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ۭ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿۵﴾ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶﴾ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۘ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿۷﴾ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَاۗىِٕكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۸﴾ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ ﴿۹﴾

حٰمٓ	حا، میم	كُلُّ اَمْرٍ	ہر کام	رَبِّ (۵)	پروردگار
وَالْكِتٰبِ (۱)	قسم اس کتاب	حَكِيْمٍ	دانشمندانہ	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں کے
الْمُبِيْنِ (۲)	واضح کی	اَمْرًا (۳)	حکم ہوکر	وَالْاَرْضِ	اور زمین کے
اِنَّآ	بے شک ہم نے	مِّنْ عِنْدِنَا	ہمارے پاس سے	وَمَا بَيْنَهُمَا	اور اسکے جو ان کے بیچ میں ہے
اَنْزَلْنٰهُ	اتارا اس کو	اِنَّا كُنَّا	بے شک تھے ہم	اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم
فِيْ لَيْلَةٍ	ایک رات میں	مُرْسِلِيْنَ	بھیجنے والے	مُّوْقِنِيْنَ	یقین کرنے والے
مُّبٰرَكَةٍ	بابرکت	رَحْمَةً (۴)	مہربانی کے لئے	لَآ اِلٰهَ	نہیں کوئی معبود
اِنَّا كُنَّا	بے شک ہم تھے	مِّنْ رَّبِّكَ	آپ کے رب کی	اِلَّا هُوَ	مگر وہ
مُنْذِرِيْنَ	خبردار کرنے والے	اِنَّهٗ هُوَ	بے شک وہ ہی	يُحْيٖ	جلاتا ہے
فِيْهَا	اس (رات) میں	السَّمِيْعُ	خوب سننے والے	وَيُمِيْتُ	اور مارتا ہے
يُفْرَقُ	جدا کیا جاتا ہے	الْعَلِيْمُ	خوب جاننے والے ہیں	رَبُّكُمْ	تمہارا ربّ

(۱) الكتاب: میں الف لام عہدی ہے، مراد قرآنِ کریم ہے (۲) المبین: اسم فاعل، از إبانة (لازم ومتعدی): واضح اور واضح کرنے والی (۳) أمرًا: مفعول مطلق ہے أَمَرْنَا مقدر کا (۴) رحمةً: مفعول لہٗ ہے اور اس میں عامل أنزلنا ہے (۵) رب: بدل ہے ربك سے۔

وَرَبُّ	اوررب	الْاَوَّلِيْنَ	اگلے	فِيْ شَكٍّ	شک میں
اٰبَآئِكُمُ	تمہارے باپ دادوں کا	بَلْ هُمْ	بلکہ وہ	يَّلْعَبُوْنَ	کھیل رہے ہیں

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

سورت کا نام اور موضوع

آیت دس میں لفظ دخان (دھواں) آیا ہے، اس کی وجہ سے سورۃ الدخان نام رکھا گیا ہے، اس سورت کے نزول کا نمبر ۶۴ ہے، یہ سورت: سورۃ الزخرف کے بعد متصلاً نازل ہوئی ہے، اور متصل ہی رکھی گئی ہے، حوامیم: مکّی دور کے وسط کی سورتیں ہیں۔ مکی سورتیں کل ۸۵ ہیں، اور اس سورت کے مضامین حوامیم کی طرح توحید، اور آخرت ہیں، رسالت اور دلیلِ رسالت کا اس سورت میں تفصیلی تذکرہ نہیں! یہی مکی سورتوں کے بنیادی موضوعات ہیں، اور اس سورت کی فضیلت میں ترمذی شریف میں دوضعیف حدیثیں ہیں: (۱) جو شخص کسی بھی رات سورۃ حٰمٓ الدخان پڑھتا ہے تو صبح تک اس کے لئے ستّر ہزار فرشتے استغفار کرتے ہیں (۲) جو شخص جمعہ کی رات سورۃ الدخان پڑھے گا اس کی بخشش کردی جائے گی —— فضائل میں ضعیف حدیثیں چلتی ہیں۔

ربط: گذشتہ سورت توحید کے بیان پر پوری ہوئی تھی، یہ سورت اسی مضمون سے شروع ہورہی ہے، شروع میں واضح قرآن کی قسم کھائی ہے، پھر مقسم بہ (قرآن) کی اہمیت بیان کی ہے، پھر آیت سات سے توحید کا بیان شروع ہوا ہے، جو مقسم علیہ یعنی مدعی ہے، اور قرآنی قسمیں مدعی کے دلائل ہوتے ہیں، پس اس سورت میں جو دو بنیادی مضامین ہیں ان کی دلیل یہ واضح قرآن ہے، مَقْسَم علیه[1] آیت سات سے شروع ہوگا۔

سورت کا آغاز اور حروفِ مقطّعات

حا، میم: حروف ہجا ہیں، ملا کر لکھے جاتے ہیں اور علاحدہ علاحدہ پڑھے جاتے ہیں، اس لئے ان کو حروفِ مقطعات کہتے ہیں یعنی الگ الگ پڑھے جانے والے حروف۔ یہ حروف رموز واشارات ہیں، ان کا مطلب اللہ کو معلوم ہے، نبی ﷺ نے بھی ان کا مطلب بیان نہیں کیا، پھر کوئی کیا بیان کرے؟ اور قیاسی گھوڑا ہر جگہ نہیں دوڑایا جاسکتا:

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن ❁ کہ جاہا سپر باید انداختن

(ہر جگہ سواری نہیں دوڑائی جاسکتی ÷ کیونکہ بہت سی جگہ ڈھال ڈال دینی پڑتی ہے)

(۱) مُقْسَم (میم کا پیش) اسم مفعول: از باب افعال، مگر لوگ میم پر زبر بولتے ہیں ۱۲

قسم اوراس کی اہمیت

حروفِ مقطعات کے بعد واضح یا واضح کرنے والی کتاب یعنی قرآنِ کریم کی قسم کھائی ہے، اور قرآنی قسمیں مقسم علیہ (مدعی) کی دلیلیں ہوتی ہیں، اور سورت کا مدعی: توحید اور آخرت ہیں، قرآنِ کریم ان کی دلیل ہے۔

پھر یہ بیان ہے کہ مقسم بہ (قرآن) معمولی چیز نہیں، اس کی اہمیت دو طرح بیان کی ہے:

(الف) قرآنِ کریم ایک بابرکت رات (شبِ قدر) میں اتارا گیا ہے، اس لئے اس کی اہمیت دوبالا ہوگئی ہے، کیونکہ جس طرح اہم چیز کی وجہ سے زمان ومکان میں فضیلت آتی ہے، محترم زمان ومکان کی وجہ سے بھی چیزوں میں فضیلت پیدا ہوتی ہے، جیسے مکہ مکرمہ کو بیت اللہ کی وجہ سے فضیلت حاصل ہوئی ہے، اور بیت اللہ کی وجہ سے وہاں نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کا ملتا ہے، اسی طرح شب قدر میں نزول کی وجہ سے قرآن کی فضیلت دوبالا ہوگئی ہے۔

(ب) اور قرآن کے نزول کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر زمانہ میں لوگوں کو نتائج اعمال سے آگاہ کرتے ہیں، یہ پروردگار، پالنہار اور خالق ومالک کی ذمہ داری ہے، اسی سنتِ قدیمہ کے مطابق قرآن نازل کیا جارہا ہے، تاکہ لوگ باخبر ہوجائیں کہ آنے والی زندگی میں کیا مفید اور کیا مضر ہے؟ اور مقصد کی اہمیت سے بھی کام میں مزیّت پیدا ہوتی ہے، اس طرح بھی قرآنِ کریم کی اہمیت آشکارہ ہوتی ہے۔

بابرکت رات: —— اور شبِ قدر کی فضیلت بایں وجہ ہے کہ اس رات میں ملأ اعلیٰ تمام پُرحکمت معاملات طے کرتے ہیں، اور اپنے طور پر طے نہیں کرتے، بلکہ اللہ کے حکم کے مطابق طے کرتے ہیں، اس لئے وہ رات قابل احترام ہوگئی ہے، اور اسی رات میں قرآنِ کریم کا نزول طے ہوا ہے اور شروع بھی ہوا ہے اس لئے مقسم بہ (قرآنِ کریم) کی اہمیت دوچند ہوگئی ہے۔

شبِ قدر میں طے ہونے والی باتوں کی ایک مثال: —— ہر زمانہ میں رسالت اور اس کی تفصیلات شبِ قدر میں ملأ اعلی میں طے ہوتی ہیں، یہ پُرحکمت معاملات کی ایک مثال ہے، اور یہ رسالت بھی سنتِ قدیمہ ہے: [إِنَّا كُنَّا] کا یہی مطلب ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہ نے حجۃ اللہ البالغہ کی قسم اول کے مبحث اول کے تیسرے باب میں جو ملأ اعلی کے سلسلہ میں ہے بیان کیا ہے کہ فیصلۂ خداوندی پہلے ملأ اعلی میں اترتا ہے، اور وہاں شریعتیں متقرر ہوتی ہیں، پھر وہ زمین میں انبیاء پر نازل ہوتی ہیں۔

رسالت رحمت ہے: —— پھر یہ بیان ہے کہ رسالت رحمتِ خداوندی ہے، سورۃ الانبیاء (آیت ۱۰۷) میں ہے: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِيْنَ﴾: اور ہم نے آپ کو جہانوں کے لئے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے، رسول آ کر لوگوں

کو چوکنا کرتا ہے، غفلت میں پڑی دنیا کو بیدار کرتا ہے تاکہ وہ جنت سے ہم کنار ہوں۔

سمیع وعلیم صفتیں: —— پھر اللہ کی دو صفتیں ذکر کی ہیں، ان میں اشارہ ہے کہ رسول کی بعثت کے بعد لوگوں کا ردِّ عمل کیا ہوگا، اور وہ کیا کہیں گے، وہ سب اللہ تعالیٰ سنتے اور جانتے ہیں، یہ بات لوگ سن لیں اور جان لیں۔

یہاں یہ سلسلہ بیان پورا ہوا، آگے مقسم علیہ (مدعیٰ) کا بیان ہے، جس کی دلیل میں قرآن کو پیش کیا ہے، یعنی توحید کا بیان شروع ہوگا۔

فائدہ: مبارک رات کونسی ہے: شبِ قدر یا شبِ براءت؟ —— ان آیات میں بابرکت رات سے مراد شبِ قدر ہے، کیونکہ اس میں نزولِ قرآن کا ذکر ہے، اور سورۃ القدر میں صراحت ہے کہ قرآن شبِ قدر میں نازل ہوا ہے۔ پس جو واعظ/مفسر اس سے شب براءت مراد لیتے ہیں: وہ غلطی پر ہیں، شبِ براءت کی کچھ فضیلت نہایت ضعیف احادیث میں آئی ہے، مگر وہ انفرادی اعمال ہیں، لوگ گھروں میں نفلیں پڑھیں، ان کو اجتماعی اعمال بنانا اور مسجدوں میں گردانا بدعت ہے، اسی طرح قبرستان میں چراغاں کرنا بھی بدعت ہے، ہاں اس رات میں اموات کے لئے دعا کرنا مروی ہے، مگر اس کے لئے قبرستان جانا ضروری نہیں، اور پندرہ شعبان کو روزہ رکھنا استحباب کے درجہ کا عمل ہے۔

آیاتِ پاک کا ترجمہ اور تفسیر: —— حا، میم —— اس کا مطلب اللہ تعالیٰ جانتے ہیں —— اس واضح/ واضح کرنے والی کتاب (قرآن) کی قسم! —— بے شک ہم نے اس کو ایک برکت والی رات میں اتارا ہے —— یہ مقسم بہ کی پہلی اہمیت کا بیان ہے —— بے شک ہم آگاہ کرنے والے تھے —— یہ مقسم بہ کی دوسری اہمیت کا بیان ہے، مقصد کی اہمیت سے ذریعہ کی اہمیت پیدا ہوتی ہے —— اس رات میں ہر حکمت بھرے معاملہ کی تفصیلات طے کی جاتی ہیں، ہمارے پاس سے حکم ہوکر —— یعنی ملأ اعلی میں بحکم الٰہی تفصیلات طے ہوتی ہیں، اور یہ شبِ قدر کی اہمیت کی وجہ ہے —— بے شک ہم رسولوں کو بھیجنے والے تھے —— یہ ملأ اعلی میں طے ہونے والی باتوں میں سے ایک بات کا تذکرہ بطور مثال ہے —— آپؐ کے رب کی مہربانی سے —— یعنی رسالت رحمت ہے، زحمت نہیں —— بے شک وہی خوب سننے والے، ہر بات جاننے والے ہیں —— یعنی رسولوں کو لوگ کیا جواب دیتے ہیں اور ان کے ساتھ کیا معاملہ کرتے ہیں، وہ سب اللہ کے علم میں ہوگا: اس کو لوگ کان کھول کر سن لیں!

توحید کا بیان

توحید: یعنی معبود صرف اللہ تعالیٰ ہیں، ان کے علاوہ سب ڈھکوسلے (فریب، دھوکہ) ہیں، اور اس کی دو دلیلیں ذکر کی ہیں: ایک: آفاق سے، دوسری: انفس سے، اور مدعیٰ دونوں کے بیچ میں آیا ہے ان دلیلوں کو سمجھنے کے لئے پہلے ربّ کے

معنی جان لیں:

ربّ: وہ ہستی ہے جو کسی چیز کو نیست سے ہست کرے، عدم سے وجود میں لائے، پھر وجود میں آنے والی مخلوق کی بقاء کا سامان کرے، تاکہ وہ بجلی کی طرح کوند کر ختم نہ ہوجائے، پھر موجود کو آہستہ آہستہ ترقی دے کر لاسٹ پوئنٹ (منتہائے کمال) تک لے جائے، اب دلیلیں دیکھیں:

دلیلِ آفاق: —— آسمانوں اور زمین اور دونوں کے درمیان کی چیزوں کے رب اللہ تعالیٰ ہیں، انھوں نے ہی کائنات کو وجود بخشا ہے، باقی رکھا ہے، اور موجودہ حالت تک پہنچایا ہے، اور یہ بات مشرکین بھی تسلیم کرتے ہیں، وہ بھی جواہر کا خالق اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں —— پس اگر ان کو یقین کرنا ہے تو یہ دلیل کافی ہے!

دلیلِ انفس: —— اللہ تعالیٰ جلاتے اور مارتے ہیں، مثلاً مشرکین زندہ ہیں، اور ان کے اسلاف مر گئے، یہ اللہ ہی کا کارنامہ ہے، دونوں کا رب اللہ ہے، پہلے مشرکین کے اسلاف کو وجود بخشا، پھر جب وہ اپنی مدتِ حیات پوری کر چکے تو ربّ نے ان کو مار دیا، اور ان کی جگہ موجودہ مشرکین کو پیدا کر دیا، یہ بھی ایک دن ختم ہوجائیں گے —— اور ربّ ہی معبود ہوتا ہے، دوسرا کوئی معبود نہیں ہوسکتا۔ مگر لوگ شک میں مبتلا ہیں، اور وہ شرک کے بوگس دلائل کو الٹے پلٹتے رہتے ہیں، اور اُنہیں مصنوعی دلائل سے کھیلتے رہتے ہیں۔

﴿ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۘ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ۝ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ ۝۹ ﴾

ترجمہ: جو آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کے رب ہیں —— یہ کائنات سے دلیل ہے —— اگر تم کو یقین آئے —— تو یہ دلیل یقین کرنے کے لئے کافی ہے —— اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں —— یہ وہ بات ہے جس کا یقین کرنا ہے، اور اسی لئے مدعیٰ کو دو دلیلوں کے درمیان میں لایا گیا ہے —— وہی جلاتے اور مارتے ہیں —— اس کی ایک مثال: —— وہ تمہارے رب ہیں —— اور تم زندہ ہو، تمہیں اللہ ہی نے زندگی بخشی ہے —— اور تمہارے اگلے باپ دادوں کے رب ہیں —— جو اپنا وقت گذار کر دنیا سے رخصت ہوگئے، ان کو اللہ ہی نے مارا —— بلکہ وہ شک میں کھیل رہے ہیں —— بلکہ: یعنی اب بھی انہیں یقین نہیں آرہا، توحید کے بارے میں شک میں مبتلا ہیں، اور اپنے شرک کے بوگس دلائل سے کھیل رہے ہیں، انہی کو الٹ پلٹ کر بیان کرتے ہیں، اور اپنے متبعین کو گمراہ کرتے ہیں۔

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ۝۱۰ يَّغْشَى النَّاسَ ۭ هٰذَا عَذَابٌ

اَلِيْمٌ ﴿۱۱﴾ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ ﴿۱۵﴾ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۱۶﴾

فَارْتَقِبْ	پس انتظار کر	الْعَذَابَ	عذاب	مَّجْنُوْنٌ	باؤلا ہے
يَوْمَ	اس دن کا	اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ	بے شک ہم ایمان	اِنَّا	بے شک ہم
تَاْتِيْ	کہ آئے		لانے والے ہیں	كَاشِفُوا	کھولنے والے ہیں
السَّمَآءُ	آسمان	اَنّٰى	کہاں	الْعَذَابِ	عذاب
بِدُخَانٍ	دھویں کے ساتھ	لَهُمُ	ان کے لئے	قَلِيْلًا	تھوڑی دیر کے لئے
مُّبِيْنٍ	واضح	الذِّكْرٰى (۱)	یاد کرنا	اِنَّكُمْ	بے شک تم
يَّغْشَى	چھا جائے وہ	وَقَدْ جَآءَهُمْ	اور تحقیق آیا ان کے پاس	عَآئِدُوْنَ	لوٹنے والے ہو
النَّاسَ	لوگوں پر	رَسُوْلٌ	رسول	يَوْمَ	(یاد کرو) جس دن
هٰذَا عَذَابٌ	یہ سزا ہے	مُّبِيْنٌ	کھول کر بیان کرنے والا	نَبْطِشُ	پکڑیں گے ہم
اَلِيْمٌ	دردناک	ثُمَّ تَوَلَّوْا	پھر پیٹھ پھیری انھوں نے	الْبَطْشَةَ	پکڑ
رَبَّنَا	اے ہمارے ربّ!	عَنْهُ	اس سے	الْكُبْرٰى	بڑی
اكْشِفْ	کھول دے	وَقَالُوْا	اور کہا انھوں نے	اِنَّا	بے شک ہم
عَنَّا	ہم سے	مُعَلَّمٌ	سکھایا ہوا	مُنْتَقِمُوْنَ	بدلہ لینے والے ہیں

پیشین گوئی کہ مکہ والوں کو سخت کال سے کھڑ کھڑایا جائے گا، مگر کتے کی دُم نلکی سے ٹیڑھی نکلے گی!

سورۃ الاعراف (آیت ۹۴) میں ایک سنتِ الٰہی کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ جب بھی کسی بستی میں کوئی نبی بھیجتے ہیں تو وہاں کے باشندوں کو محتاجی اور غریبی کے ذریعہ دھمکاتے ہیں تاکہ وہ ڈھیلے پڑیں، اسی سنت کے مطابق مکہ والوں کو ایک سخت قحط کی خبر دی، اور ساتھ ہی یہ بھی بتلا دیا کہ اس کا کچھ فائدہ ظاہر نہیں ہوگا، کوئی ایمان نہیں لائے گا۔

اور پیشین گوئی کے لئے ضروری نہیں کہ فوراً ظاہر ہو، روم کے غلبہ کی پیشین گوئی سات سال کے بعد پوری ہوئی ہے،

(۱) الذکری: مصدر ہے، ذَکَرَ الشیئَ (ن): یاد کرنا، بھولنے کے بعد یاد آجانا۔

چنانچہ ہجرت کے بعد جب مکہ والے مسلسل مدینہ پر حملے کرنے لگے تو نبی ﷺ نے دعا کی کہ الٰہی! مکہ والوں پر یوسف علیہ السلام کے زمانہ جیسا قحط مسلط فرما! چنانچہ قحط پڑا، جس میں مکہ والوں کو مردار، چمڑے اور ہڈیاں کھانے کی نوبت آگئی، اور بھوک کی شدت سے اور مسلسل بارش نہ ہونے سے فضاء میں دھواں دھواں نظر آنے لگا۔ اس طرح سورۃ الدخان کی پیشین گوئی پوری ہوئی، یہ سورت مکی دور کے وسط کی ہے، اس کی خبر ہجرت کے بعد واقعہ بنی، اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ ابو سفیان وغیرہ مدینہ آئے، اور ناتے کا واسطہ دے کر نبی ﷺ سے دعا کی درخواست کی، اور ایمان لانے کا وعدہ کیا، آپؐ نے دعا فرمائی، بارش ہوئی، اور جان میں جان آئی، مگر کتے کی دم ٹیڑھی نکلی، کوئی ایمان نہیں لایا۔

آیاتِ پاک مع تفسیر: ــــ پس تو انتظار کر ــــ یہ اُن لوگوں سے کہا جارہا ہے جو شرک کے خود ساختہ دلائل سے کھیل رہے ہیں ــــ اُس دن کا کہ آسمان واضح دھواں لائے ــــ یعنی یہ دھواں فضاء میں نظر آئے گا، زمین پر نہیں ہوگا ــــ جو سب لوگوں کو عام ہوجائے گا ــــ یعنی کال سخت ہوگا، ہر کوئی اس سے متاثر ہوگا ــــ یہ دردناک سزا ہے! ــــ معمولی سزا نہیں ــــ جب یہ کال پڑے گا تو وہ دعا اور وعدہ کریں گے ــــ اے ہمارے ربّ! ہم سے یہ مصیبت دور فرما، ہم ضرور ایمان لے آئیں گے! ــــ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ــــ ان کو کہاں نصیحت حاصل ہوگی، درانحالیکہ ان کے پاس واضح کرنے والا رسول آچکا ہے ــــ یعنی قحط وغیرہ واقعات کی تو لوگ ہزار تاویلیں کرلیتے ہیں، سب سے بڑی دلیل تو رسول کی ذات ہے، جو ان کے درمیان موجود ہے، جو ہر بات ان کو کھول کر سمجھا رہے ہیں، مگر اس روشن دلیل کے ساتھ ان کا معاملہ کیا ہے؟ ــــ پھر انھوں نے اس سے پیٹھ پھیری، اور کہا: سکھلایا ہوا پاگل ہے! ــــ لاحولَ ولاقوۃ إلا باللہ!

گر نہ بیند بروز شپرہَ چشم ❁ چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

(اگر چمگاڈر جیسی آنکھوں والے کو دن میں نظر نہ آئے ÷ تو سورج کی ٹکیا کا اس میں کیا قصور!)

اور شب پرہ گر وصل آفتاب نخواہد ❁ رونقِ بازارِ آفتاب نہ کاہد

(چمگاڈر اگر آفتاب سے ملنا نہ چاہے ÷ تو سورج کے بازار کی رونق نہیں گھٹائے گا)

آگے کی بات: ــــ ہم چندے عذاب کو ہٹائیں گے، پھر تم اپنی حالت پر آجاؤ گے ــــ چنانچہ ایسا ہی ہوا، ایک بھی ایمان نہیں لایا، فرماتے ہیں: ــــ (یاد کرو) جس دن ہم بڑی سخت پکڑ پکڑیں گے اس دن ہم بدلہ لیں گے ــــ قیامت کی پکڑ مراد ہے، کیونکہ یہ کال بدر کی جنگ کے بعد پڑا تھا۔

فائدہ: دخان مبین کے بارے میں دو رائیں ہیں: ایک: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی رائے ہے کہ یہ پیشین گوئی

پوری ہوچکی، دوسری رائے: حضرات علی، ابن عباس، ابن عمر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کی ہے کہ یہ علاماتِ قیامت میں سے ایک علامت ہے، جو قیامت کے بالکل قریب میں ظاہر ہوگی۔

اور دونوں قولوں میں تطبیق یہ ہے کہ یہاں دو چیزیں ہیں: ایک: دخانِ مبین (واضح دھواں) دوم: محض دھواں۔ علاماتِ قیامت میں یہ دوم ہے، اور اول کا ذکر سورۃ الدخان میں ہے، اور دوم کا تذکرہ قرآن میں نہیں ہے، صرف حدیثوں میں ہے (دیکھیں تحفۃ الالمعی ۷:۴۴۸) اور یہ بات حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، فرمایا: ''دخان دو ہیں: ایک: گذر چکا، اور دوسرا جو باقی ہے وہ آسمان وزمین کی درمیانی فضاء کو بھر دے گا، اور مؤمن کو اس سے صرف زکام کی کیفیت پیدا ہوگی، اور کافر کے تمام منافذ کو پھاڑ ڈالے گا'' (یہ روایت روح المعانی میں ہے) یعنی سورۃ الدخان والا دھواں صرف آسمان کی طرف نظر آئے گا، اور علامتِ قیامت والا دھواں زمین سے نکلے گا اور پوری فضاء کو بھر دے گا۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ ﴿۱۷﴾ اَنْ اَدُّوْٓا اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ ۭ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۸﴾ وَّاَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنِّيْٓ اٰتِيْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۹﴾ وَاِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ ﴿۲۰﴾ وَاِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِيْ فَاعْتَزِلُوْنِ ﴿۲۱﴾ فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۲۲﴾ فَاَسْرِ بِعِبَادِيْ لَيْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ۭ اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۴﴾ كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۲۵﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۲۶﴾ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ﴿۲۷﴾ كَذٰلِكَ ۣ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿۲۸﴾ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاۗءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ﴿۲۹﴾

ع ۱۴/۲۹

وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	وَجَآءَهُمْ	اور آیا ان کے پاس	اَدُّوْٓا	حوالے کرو
فَتَنَّا (۱)	جانچا ہم نے	رَسُوْلٌ	رسول	اِلَيَّ	میرے
قَبْلَهُمْ	ان (مکہ والوں) سے پہلے	كَرِيْمٌ	معزز	عِبَادَ اللّٰهِ	اللہ کے بندے
قَوْمَ فِرْعَوْنَ	فرعون کی قوم کو	اَنْ	کہ	اِنِّيْ لَكُمْ	بیشک میں تمہارے لئے

(۱) فتنّا: ماضی معروف، جمع متکلم، فتنَہ بشیئٍ (ض): کسی چیز سے آزمانا۔

رَسُوْلٌ	پیغامبر ہوں	فَاعْتَزِلُوْنِ	تو جدا ہو جاؤ مجھ سے	مِنْ جَنّٰتٍ	باغات
اَمِیْنٌ	معتبر	فَدَعَا	پس پکارا اس نے	وَّعُیُوْنٍ	اور چشمے
وَّاَنْ	اور یہ کہ	رَبَّهٗٓ	اپنے رب کو	وَّزُرُوْعٍ	اور کھیتیاں
لَّا تَعْلُوْا	نہ بلند ہوؤ	اَنَّ هٰٓؤُلَآءِ	کہ یہ	وَّمَقَامٍ	اور جگہیں
عَلَى اللّٰهِ	اللہ پر	قَوْمٌ	لوگ ہیں	كَرِيْمٍ	عمدہ
اِنِّیْٓ	بے شک میں	مُّجْرِمُوْنَ	گنہگار	وَّنَعْمَةٍ	اور مال سامان
اٰتِیْكُمْ	لایا ہوں تمہارے پاس	فَاَسْرِ	پس لے چلیں	كَانُوْا فِیْهَا	تھے وہ اس میں
بِسُلْطٰنٍ	دلیل	بِعِبَادِیْ	میرے بندوں کو	فٰكِهِیْنَ	خوش طبعی کرنے والے
مُّبِیْنٍ	واضح	لَیْلًا	رات میں	كَذٰلِكَ	اسی طرح ہوا
وَاِنِّیْ	اور بے شک میں نے	اِنَّكُمْ	بے شک تم	وَاَوْرَثْنٰهَا	اور مالک بنایا ہم نے انکا
عُذْتُ	پناہ لے لی ہے	مُّتَّبَعُوْنَ	پیچھا کیے ہوئے ہو	قَوْمًا اٰخَرِیْنَ	دوسرے لوگوں کو
بِرَبِّیْ	میرے رب کی	وَاتْرُكِ	اور چھوڑ دیں	فَمَا بَكَتْ	پس نہیں رویا
وَرَبِّكُمْ	اور تمہارے رب کی	الْبَحْرَ	سمندر کو	عَلَیْهِمُ	ان پر
اَنْ[1]	(اس سے) کہ	رَهْوًا[2]	تھما ہوا	السَّمَآءُ	آسمان
تَرْجُمُوْنِ	سنگسار کرو تم مجھے	اِنَّهُمْ	بے شک وہ	وَالْاَرْضُ	اور زمین
وَاِنْ	اور اگر	جُنْدٌ	ایک لشکر ہے	وَمَا	اور نہیں
لَّمْ تُؤْمِنُوْا	نہیں ایمان لاتے تم	مُّغْرَقُوْنَ	ڈبایا ہوا	كَانُوْا	تھے وہ
لِیْ	مجھ پر	كَمْ تَرَكُوْا[3]	کتنے چھوڑے انھوں نے	مُنْظَرِیْنَ	مہلت دیئے ہوئے

مکہ والوں سے پہلے فرعونیوں کو جانچا گیا، اور معزز رسول بھی آیا، مگر نتیجہ صفر رہا!

گذشتہ آیات میں مکہ کے مشرکین کو سخت قحط کی دھمکی دی تھی، اور یہ بھی خبر دیدی تھی کہ اس آزمائش کا کچھ فائدہ ظاہر نہیں ہوگا، اب اس کی ایک مثال بیان فرماتے ہیں، مکہ والوں سے پہلے فرعون کی قوم کو سات آفتوں سے آزمایا گیا، کبھی

(۱) أن سے پہلے مِن محذوف ہے۔ (۲) رَهَا (ن) رَهْوًا: پرسکون ہونا، جوش ٹھنڈا ہونا، جیسے رَهَا البحر: سمندر تھم گیا (۳) کم: خبر یہ ہے، یعنی بہت سے۔

پانی کا سیلاب آ گیا، کبھی قحط پڑا، کبھی ہر طرف مینڈک پھدکنے لگے، کبھی ٹڈیاں آ گئیں اور ہر چیز چاٹ گئیں، کبھی ہر چیز خون آلود ہوگئی، کبھی جوئیں پڑ گئیں، یہ سب آفتیں موسیٰ علیہ السلام کی اطلاع کے بعد آتی تھیں، اس لئے وہ ان کے معجزات تھے، جیسے مکہ میں جو قحط پڑا وہ نبی ﷺ کا معجزہ تھا، کیونکہ وہ قرآن کی پیشین گوئی کے مطابق اور نبی ﷺ کی بددعا سے پڑا تھا۔

اور فرعونیوں کے پاس جلیل القدر پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی پہنچے تھے، جیسے مکہ والوں کے پاس عظیم المرتبت، سید المرسلین ﷺ آئے ہیں، مگر ہر طرح کی فہمائش کے بعد بھی فرعونی ایمان نہیں لائے، بلکہ موسیٰ علیہ السلام کے قتل کے درپے ہوگئے، پس اللہ نے ان کی ہلاکت کا سامان کیا، اور وہ بحر قلزم کی موجوں کے حوالے کر دیئے گئے، اور ان کے باغات، چشمے، کھیتیاں اور بہترین جگہیں دھری کی دھری رہ گئیں، اور وہ ساز وسامان بھی پیچھے رہ گیا جس میں وہ خوش گپیاں کرتے تھے، وہ سب دوسروں کے ہاتھ لگا، اور ان کی ہلاکت پر نہ آسمان کو رونا آیا نہ زمین کو، نہ ان کو لمحہ بھر کی مہلت ملی، اس میں مکہ والوں کے لئے سبق ہے، اگر وہ لیں!

آیاتِ پاک کا ترجمہ مع تفسیر: —— اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ ہم نے (مکہ والوں) سے پہلے فرعون کی قوم کو آزمایا، اور ان کے پاس معزز رسول پہنچا —— اس نے فرعون کے سامنے مطالبہ رکھا —— کہ اللہ کے بندے (بنی اسرائیل) میرے حوالے کرو —— میں ان کو ان کے وطن کنعان (فلسطین) لے جا کر بساؤں —— اور دوسری بات موسیٰ علیہ السلام نے ان سے یہ کہی کہ —— میں تمہارے نفع کے لئے اللہ کا بھیجا ہوا معتبر رسول ہوں —— پس میری بات سنو، اور مانو —— اور تم اپنے رب کے سامنے سرکشی مت کرو —— یعنی اس کے معبود ہونے کا انکار مت کرو، اسی کو خدا مانو، اور اسی کی بندگی کرو —— بے شک میں تمہارے پاس واضح دلیل لایا ہوں —— عصا اور ید بیضاء کے معجزات دکھائے ہیں —— اور میں نے اپنے رب کی اور تمہارے رب کی پناہ لے لی ہے اس سے کہ تم مجھے سنگسار کرو —— یہ موسیٰ علیہ السلام نے اس وقت کہا تھا جب فرعون نے ارکانِ سلطنت سے کہا تھا کہ اگر تم اجازت دو تو میں اس کو قتل کر دوں (المؤمن آیت ۲۶) اس وقت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ تم مجھے قتل نہیں کر سکتے، میں اللہ کی پناہ لے چکا ہوں، بہر حال وہ آپؑ کے قتل کے درپے ہوئے، مگر اللہ نے آپؑ کی حفاظت کی —— اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو مجھ سے جدا ہو جاؤ —— یعنی ستاؤ مت، یہ ارشاد ایسا ہے جیسا نبی ﷺ نے قریش سے کہا تھا: ﴿إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ﴾: مگر رشتہ داری کی رعایت میں مجھے ستاؤ مت!

پھر جب فرعونیوں کے ایمان سے مایوسی ہوگئی —— تو موسیٰ نے اپنے رب کو پکارا کہ یہ مجرم لوگ ہیں —— یعنی یہ

اپنے جرائم سے باز آنے والے نہیں، پس آپ میرے اوران کے درمیان فیصلہ کردیجئے ــــ حکم ہوا: ــــ پس لے چلیں میرے بندوں کو رات میں، تمہارا بالیقین تعاقب کیا جائے گا، اور چھوڑ دیں سمندر کو پرسکون، وہ بالیقین ڈبویا ہوا لشکر ہے! ــــ فرعون مع لشکر سمندر میں خشک راستہ دیکھ کر گھسا، اس کے بعد اللہ کے حکم سے سمندر کا پانی چاروں طرف سے آکر مل گیا، اور سارا لشکر لقمۂ اجل بن گیا!

کتنے ہی چھوڑ گئے باغات اور چشمے، اور کھیتیاں، اور عمدہ جگہیں، اور ساز وسامان جس میں وہ خوش طبعی کیا کرتے تھے ــــ اسی طرح ہوا ــــ یہ نہج بدلا ہے ــــ اور مالک بنایا ہم نے ان کا ایک دوسری قوم کو ــــ یعنی جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے، وہ سب سامان ان کے ہاتھ لگا ــــ اور سورۃ الشعراء (آیت ۵۹) میں جو ہے کہ: ﴿وَأَوْرَثْنَاهَا بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ﴾: اوران کے بعد بنی اسرائیل کو ان کا وارث بنایا: اس کو بھی یہاں مراد لے سکتے ہیں۔

پس نہ تو ان پر آسمان وزمین کو رونا آیا، اور نہ وہ مہلت دیئے ہوئے تھے ــــ روایات میں ہے کہ مؤمن کے مرنے پر آسمان کا وہ دروازہ روتا ہے جس سے اس کی روزی اترتی تھی یا جس سے اُس کا عمل صالح اُوپر چڑھتا تھا، اور زمین روتی ہے جہاں وہ نماز پڑھتا تھا یعنی افسوس کرتی ہے کہ وہ اس سعادت سے محروم ہوگئی ــــ اور کافر کے پاس عمل صالح کا بیج ہی نہیں، پھر اس پر آسمان یا زمین کیوں روئے، بلکہ شاید خوش ہوتے ہونگے کہ چلو پاپ کٹا، خس کم جہاں پاک! (فوائد)

وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ۝۳۰ مِنْ فِرْعَوْنَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِيْنَ ۝۳۱ وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰى عِلْمٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝۳۲ وَاٰتَيْنٰهُمْ مِّنَ الْاٰيٰتِ مَا فِيْهِ بَلٰٓؤٌا مُّبِيْنٌ ۝۳۳

وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	مِنْ فِرْعَوْنَ(۱)	فرعون سے	اخْتَرْنٰهُمْ	چُن لیا ہم نے ان کو
نَجَّيْنَا	نجات دی ہم نے	اِنَّهٗ كَانَ	بے شک وہ تھا	عَلٰى عِلْمٍ	اپنے علم کی رُو سے
بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ	بنی اسرائیل کو	عَالِيًا	سرکش	عَلَى الْعٰلَمِيْنَ	دنیا جہاں پر
مِنَ الْعَذَابِ	مصیبت سے	مِّنَ الْمُسْرِفِيْنَ	حد سے نکلنے والوں سے	وَاٰتَيْنٰهُمْ	اور دی ہم نے ان کو
الْمُهِيْنِ	رسوا کن	وَلَقَدِ	اور البتہ تحقیق	مِّنَ الْاٰيٰتِ	نشانیوں میں سے

(۱) من فرعون: من العذاب المهين سے بدل ہے۔

مَا فِيهِ	وہ جس میں	بَلٰٓؤٌا [1]	آزمائش تھی	مُّبِينٌ	کھلی

بنی اسرائیل کے احوال میں مکہ کے مظلوم مسلمانوں کے لئے تین اشارے

فرعون اور اس کی قوم کے احوال میں کفارِ قریش کے لئے اشارے تھے، اور بنی اسرائیل کے احوال میں مظلوم مسلمانوں کے لئے تین اشارے ہیں، اور اسی لئے اس مضمون کو فرعون کے واقعہ سے الگ کیا ہے:

۱- جس طرح اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو رسوا کن مصیبت سے یعنی فرعون سے نجات بخشی، اسی طرح ایک وقت آئے گا کہ اللہ تعالیٰ مکہ کے مظلوم مسلمانوں کو بھی ظالموں کی چیرہ دستیوں سے نجات بخشیں گے، کیونکہ یہ کفار بھی فرعون کی طرح سرکش، حد اطاعت سے نکلنے والے ہیں، اس لئے ان کی لٹیا ڈوبے گی، اور حق کا بول بالا ہوگا۔

۲- بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے ان کے زمانہ میں ہدایت وقیادت کے لئے منتخب کیا تھا، نبوت ان میں رکھی تھی، قیادت بھی ان کو سپرد کی تھی، اور یہ انتخاب اللہ تعالیٰ نے اپنے علم سے کیا تھا، وہ چھپی کھلی چیزوں سے واقف ہیں، اُس زمانہ میں بنی اسرائیل ہی اس کام کے لئے موزون تھے —— اسی طرح اب آخری دور میں صحابہ کو خیر امت بنایا جائے گا، علم الٰہی میں صحابہ ہی اس کام کے لئے موزون تھے، چنانچہ بعد میں ان کے حق میں سورۃ آل عمران کی (آیت ۱۱۹) نازل ہوئی: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾: تم (علم الٰہی میں) بہترین جماعت تھے، جن کو لوگوں کے فائدے کے لئے وجود میں لایا گیا ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد مروی ہے کہ یہ آیت خاص صحابہ کے بارے میں ہے، اور بعد کے لوگوں میں سے جو صحابہ والے کام کریں وہ بہترین امت ہیں یعنی وہ صحابہ کے ساتھ لاحق ہیں۔

۳- فرعون کے شکنجہ سے نجات پانے کے بعد بنی اسرائیل کو متعدد انعامات سے نوازا گیا، ان کو اللہ کی عظیم کتاب تورات دی، میدانِ تیہ میں بادلوں نے ان پر سایہ کیا، کھانے کے لئے منّ وسلوی اتارا، اور ملک شام ان کو دیا جو ان کا آبائی وطن تھا، حکم دیا کہ جہاد کرو اور عمالقہ کو وہاں سے نکالو، اور وہاں جا کر بسو۔

مگر یہ سب آیات ان کے لئے آزمائش بن گئیں، تورات دی گئی تو اس کو سیدھے قبول نہیں کیا، پہاڑ ان کے سروں پر معلق کیا تب قبول کیا، من وسلوی کا ذخیرہ کرنا شروع کر دیا، اور جہاد سے منہ موڑ لیا پس چالیس سال کے لئے میدانِ تیہ میں محصور کر دیئے گئے۔

اس میں مکہ کے مظلوم مسلمانوں کے لئے اشارہ ہے کہ ان کو بھی آگے بہت سے انعامات سے نوازا جائے گا، مگر ان

(۱) بلاء: مصدر ہے، جب اس کی ماضی باب نصر سے آتی ہے تو امتحان وآزمائش کے معنی ہوتے ہیں، بَلَاهُ (ن) بَلَاءً: آزمانا، گرفتار مصیبت کرنا، اس کا ترجمہ مدد اور انعام بھی کرتے ہیں، کیونکہ اس دنیا میں ہر انعام میں آزمائش ہوتی ہے۔

میں آزمائش کا پہلو بھی ہوگا، اللہ کی ہر نعمت میں یہ پہلو ہوتا ہے: ﴿إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ﴾: تمہارے اموال اور تمہاری اولاد بس تمہارے لئے آزمائش کی چیزیں ہیں، دودھاری تلواریں ہیں، احتیاط سے استعمال کروگے تو دشمن کا سر پھوڑے گی، اور بے احتیاطی کروگے تو اپنا سر پھوڑ لوگے، پس بنی اسرائیل کی طرح نہ ہوجانا، اس آزمائش میں کامیاب ہونا، چنانچہ ہجرت کے بعد اللہ تعالیٰ نے صحابہ کو انعامات سے نوازا، اور وہ اس آزمائش میں کامیاب ہوئے۔

﴿وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِينِ ۝ مِن فِرْعَوْنَ ۚ إِنَّهُ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِينَ ۝ وَلَقَدِ اخْتَرْنَاهُمْ عَلَىٰ عِلْمٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ۝ وَآتَيْنَاهُم مِّنَ الْآيَاتِ مَا فِيهِ بَلَاءٌ مُّبِينٌ ۝﴾

ترجمہ: —— اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل کو رسوا کن عذاب سے یعنی فرعون سے نجات دی، بے شک وہ سرکش حد سے نکل جانے والوں میں سے تھا —— یعنی فرعون بذات خود مجسم مصیبت تھا، بڑا متکبر اور سرکش تھا، اس سے نجات دی، اس میں پہلا اشارہ ہے —— اور ہم نے ان کو فوقیت دی، اپنے علم کی رُو سے، دنیا جہاں والوں پر —— اس میں دوسرا اشارہ ہے —— اور ہم نے ان کو ایسی نشانیاں دیں جن میں صریح آزمائش تھی —— اس میں تیسرا اشارہ ہے۔

إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَيَقُولُونَ ۝ إِنْ هِيَ إِلَّا مَوْتَتُنَا الْأُولَىٰ وَمَا نَحْنُ بِمُنشَرِينَ ۝ فَأْتُوا بِآبَائِنَا إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝ أَهُمْ خَيْرٌ أَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ أَهْلَكْنَاهُمْ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ ۝ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لَاعِبِينَ ۝ مَا خَلَقْنَاهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝ إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيقَاتُهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ يَوْمَ لَا يُغْنِي مَوْلًى عَن مَّوْلًى شَيْئًا وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ۝ إِلَّا مَن رَّحِمَ اللَّهُ ۚ إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝

إِنَّ هَٰؤُلَاءِ	بے شک یہ لوگ	إِلَّا مَوْتَتُنَا	مگر ہماری موت	بِمُنشَرِينَ(۲)	دوبارہ اٹھائے گئے
لَيَقُولُونَ	ضرور کہیں گے	الْأُولَىٰ	پہلی	فَأْتُوا	پس لاؤ
إِنْ هِيَ(۱)	نہیں ہے وہ (موت)	وَمَا نَحْنُ	اور نہیں ہیں ہم	بِآبَائِنَا	ہمارے باپ دادوں کو

(۱) هي: کا مرجع بعد میں ہے، اور وہ موت ہے (۲) مُنْشَر: اسم مفعول: اٹھائے گئے، زندہ کئے گئے إنشار: مصدر باب افعال مجرد نشر: پھیلانا۔

اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم	وَالْاَرْضَ	اور زمین کو	يَوْمَ	جس دن
صٰدِقِيْنَ	سچے	وَمَا بَيْنَهُمَا	اور دونوں کی درمیانی	لَا يُغْنِیْ	نہیں کام آئے گا
اَهُمْ	کیا وہ		چیزوں کو	مَوْلًى (۳)	ایک تعلق والا
خَيْرٌ	بہتر ہیں	لٰعِبِيْنَ (۲)	کھیلتے ہوئے	عَنْ مَّوْلًى (۴)	دوسرے تعلق والے کے
اَمْ قَوْمُ	یا قوم	مَا خَلَقْنٰهُمَآ	نہیں پیدا کیا ہم نے دونوں کو	شَيْئًا	کچھ بھی
تُبَّعٍ (۱)	تبع کی	اِلَّا بِالْحَقِّ	مگر با مقصد	وَّلَا هُمْ	اور نہ وہ
وَّالَّذِيْنَ	اور جو	وَلٰكِنَّ	لیکن	يُنْصَرُوْنَ	مدد کئے جائیں گے
مِنْ قَبْلِهِمْ	ان سے پہلے ہوئے؟	اَكْثَرَهُمْ	ان کے اکثر	اِلَّا مَنْ (۵)	مگر جس پر
اَهْلَكْنٰهُمْ	ہلاک کیا ہم نے ان کو	لَا يَعْلَمُوْنَ	جانتے نہیں	رَّحِمَ	مہربانی فرمائیں
اِنَّهُمْ كَانُوْا	بے شک وہ تھے	اِنَّ يَوْمَ	بے شک دن	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
مُجْرِمِيْنَ	بدکار	الْفَصْلِ	فیصلہ کا	اِنَّهٗ هُوَ	بے شک وہی
وَمَا خَلَقْنَا	اور نہیں پیدا کیا ہم نے	مِيْقَاتُهُمْ	ان کا وقتِ مقرر ہے	الْعَزِيْزُ	زبردست
السَّمٰوٰتِ	آسمانوں کو	اَجْمَعِيْنَ	سبھی کا	الرَّحِيْمُ	بڑے رحم والے ہیں

ارتباط کا بیان

سورت توحید کے بیان سے شروع ہوئی ہے، پھر مکہ والوں کو کھڑکھڑایا تھا کہ اگر توحید کو نہیں مانو گے تو سخت کال پڑے گا، جس سے نانی یاد آجائے گی، ساتھ ہی یہ بھی بتلادیا تھا کہ تم اس تنبیہ سے بھی ایمان نہیں لاؤ گے، پھر اس کی مثال میں فرعونیوں کا تذکرہ کیا تھا، اس کے بعد بنی اسرائیل پر انعامات کا ذکر آیا تھا، اب کلام پیچھے کی طرف لوٹ رہا ہے، مشرکین مکہ سے خطاب ہے جو بعث بعد الموت کو نہیں مانتے تھے، اب یہی سلسلۂ بیان آخر سورت تک چلے گا، اس سورت میں رسالت اور دلیلِ رسالت (قرآن) کا تفصیلی تذکرہ نہیں ہے۔

---

(۱) تُبَّع: یمن کے بادشاہوں کا لقب تھا۔ (۲) لاعبین: حال ہے (۳) مولیٰ: تعلق والا، چار مراتب ہیں: اجنبی، مولیٰ (تعلق والا) صدیق (دوست) اور خلیل (مخلص دوست) (۴) نکرہ کا نکرہ سے اعادہ کیا جائے تو ثانی غیرِ اول ہوتا ہے پس تعلق دوطرفہ ہے، ہر ایک کا دوسرے سے تعلق ہے (۵) إلا: استثناء لاینصرون سے ہے، لایغنی سے نہیں اور دلیل فاصلہ ہے یعنی مؤمنین کی اللہ تعالیٰ مدد کریں گے۔

آخرت کا بیان

مشرکین مکہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو نہیں مانتے تھے، وہ کہتے تھے: بس موت یہی دنیا کی موت ہے! یعنی مر گئے اور ختم ہوگئے، پھر کوئی زندگی نہیں، اور تم اے مسلمانو! اگر اپنے عقیدہ میں سچے ہو کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا تو ہمارے مرے ہوئے باپ دادوں کو زندہ کر کے دکھا دو تو ہم مان لیں!

ان پر دو طرح سے ردّ کیا ہے:

۱- یہی بات تبع کی قوم اور ان سے پہلے والے کہتے تھے، ان کو اسی بات کی وجہ سے ہلاک کیا گیا، اگر یہ بات صحیح ہوتی تو ان کو سزا کیوں ملتی؟ اور تم کیا ان سے ساز و سامان میں بہتر ہو؟ نہیں! پھر تم کو سزا کیوں نہیں مل سکتی؟

۲- کائنات کا اتنا بڑا کارخانہ کوئی کھیل تماشا نہیں، یہ بچوں کا گھروندا نہیں کہ کھیلا پھر توڑ دیا! بلکہ آسمان و زمین اور ان کے درمیان کا سب کچھ ایک خاص مقصد سے بنایا گیا ہے، اور وہ مقصد جزاؤ سزا ہے، اور یہ مقصد دوسری زندگی ہی میں پورا ہوگا، اس لئے وہ زندگی ناگزیر ہے۔

پھر فرمایا کہ گذشتہ قوموں کو تو ان کی اس غلط بات کی سزا دنیا میں ملی، مگر قریش کے مجرموں کو دنیا میں سزا نہیں ملے گی، ان کی سزا کا مقررہ وقت فیصلہ کا دن ہے، قیامت کے دن ان کو بھی اور اُن کو بھی سخت سزا ملے گی، دنیا کی سزا پر اُن کا قصہ نمٹ نہیں گیا، اصل سزا آخرت کی سزا ہے، وہ ضرور اِن کو اور اُن کو مل کر رہے گی، اور جب آخرت میں سزا ملے گی تو کوئی تعلق والا دوسرے تعلق والے کے کچھ کام نہیں آئے گا، نہ اللہ کی طرف سے وہ مدد کئے جائیں گے، ہاں مؤمنین کی اللہ تعالیٰ مدد کریں گے، کیونکہ وہ زبردست بڑے رحم والے ہیں، جس کی چاہیں مدد کریں، اور جس پر چاہیں مہربانی فرمائیں!

آیاتِ پاک مع تفسیر: —— بے شک یہ لوگ ضرور کہیں گے: نہیں ہے وہ (موت) مگر بس ہماری پہلی موت —— یعنی دنیا کی موت —— اور نہیں ہیں ہم دوبارہ زندہ کئے ہوئے —— کیونکہ اُس موت کے بعد زندگی ہوگی تو پھر دوسری موت آئے گی ایسا نہیں، بس یہی موت ہے —— پس لاؤ تم ہمارے اسلاف کو اگر تم سچے ہو —— تو ہم جانیں اور مانیں!

پہلا ردّ: —— کیا وہ (ساز و سامان میں) بہتر ہیں یا تبع کی قوم اور جو ان سے پہلے ہوئے؟ —— تبّع: یمن کے بادشاہوں کا لقب تھا، اور تبابعہ متعدد ہوئے ہیں، آیت میں کونسا تبع مراد ہے؟ اس کی تعیین مشکل ہے، اور کہتے ہیں کہ یہ تبع مؤمن تھا، اور اس کی رعایا کافر تھی، اس لئے قوم تبع کہا —— اور جو ان سے پہلے ہوئے: یعنی عاد و ثمود اور قوم نوح وغیرہ۔ عاد: مکہ سے جنوب میں یمن میں حضر موت کے پاس احقاف میں آباد تھے، اور ثمود: شمال میں وادی القری میں، اور شمال میں قوم لوط اور اصحابِ مدین تھے، اور قرآنِ کریم جزیرۃ العرب میں ہلاک ہونے والی قوموں کا تذکرہ کرتا ہے، ساری دنیا

کی اقوام کا ذکر نہیں کرتا، کیونکہ انہی اقوام سے قرآن کے پہلے مخاطب (عرب) واقف تھے، اور ان سے زمانہ کے اعتبار سے قریب تبع تھے، اس لئے ان سے بات شروع کی ہے، پھر ان سے پہلے گذری ہوئی قوموں کا حوالہ دیا ہے —— ہم نے ان کو ہلاک کیا، وہ بالیقین گنہگار تھے —— یعنی وہ بھی بعث بعد الموت کا انکار کرتے تھے۔

دوسرا ردّ: —— اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمانوں کو، اور زمین کو، اور جو ان کے درمیان ہے —— اس میں انسان بھی آ گئے —— کھیلتے ہوئے، نہیں پیدا کیا ہم نے دونوں کو —— درمیانی چیزوں کا ذکر چھوڑ دیا، مگر وہ بھی مراد ہیں —— مگر خاص مقصد سے، لیکن ان کے اکثر جانتے نہیں! —— اس کی تفسیر اوپر آ گئی۔

پس فیصلہ کا دن اِن کا سب کا وقتِ مقرر ہے —— اس میں اشارہ ہے کہ مکہ کے مشرکوں کو ان کی غلط بات کی سزا دنیا میں نہیں ملے گی، وہ ہلاک نہیں کئے جائیں گے —— ان کو سزا قیامت کے دن ملے گی، اور أجمعین: اس لئے بڑھایا ہے کہ گذشتہ اقوام کو بھی قیامت کے دن سزا ملے گی، دنیا کی سزا پر ان کا معاملہ نمٹ نہیں گیا۔

جس دن ایک تعلق والا دوسرے تعلق والے کے کچھ بھی کام نہیں آئے گا —— اس دن نفسی نفسی کا عالم ہوگا —— اور نہ (اللہ کی طرف سے) ان کی مدد کی جائے گی —— ہاں مگر جس پر اللہ نے رحم فرمایا —— اور اس کو دنیا میں ایمان کی توفیق دی، اس کی ضرور مدد کی جائے گی —— بے شک وہ زبردست بڑے رحم والے ہیں!

إِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّومِ ﴿٤٣﴾ طَعَامُ الْأَثِيمِ ﴿٤٤﴾ كَالْمُهْلِ ۚ يَغْلِي فِي الْبُطُونِ ﴿٤٥﴾ كَغَلْيِ الْحَمِيمِ ﴿٤٦﴾ خُذُوهُ فَاعْتِلُوهُ إِلَىٰ سَوَاءِ الْجَحِيمِ ﴿٤٧﴾ ثُمَّ صُبُّوا فَوْقَ رَأْسِهِ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيمِ ﴿٤٨﴾ ذُقْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ ﴿٤٩﴾ إِنَّ هَٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهِ تَمْتَرُونَ ﴿٥٠﴾

إِنَّ شَجَرَتَ	بے شک درخت	الْأَثِيمِ (۲)	بڑے گنہگاروں کا	فِي الْبُطُونِ	پیٹوں میں
الزَّقُّومِ (۱)	زقوم کا	كَالْمُهْلِ (۳)	جیسے پگھلی ہوئی دھات	كَغَلْيِ	کھولنے کی طرح
طَعَامُ	کھانا ہے	يَغْلِي	کھولے گا وہ	الْحَمِيمِ	سخت گرم پانی کے

(۱) زقّوم کے لئے اسی جلد میں سورۃ الصافات کی (آیت ۶۲) دیکھیں (۲) الأثیم: میں الف لام عہدی ہے: بڑا گنہگار یعنی کافر۔ (۳) مُہْل: ہر معدنی چیز، جیسے سونا، چاندی، لوہا، تانبا، اور پگھلی ہوئی دھات کو بھی کہتے ہیں، تیل کی تلچھٹ، گاد بھی اس کا ترجمہ کرتے ہیں۔

خُذُوْهُ	پکڑو اس کو	فَوْقَ رَاْسِهٖ	اس کے سر پر	الْعَزِيْزُ	زبردست
فَاعْتِلُوْهُ[1]	پھر گھسیٹو اس کو	مِنْ عَذَابِ	عذاب سے	الْكَرِيْمُ	عزت والا ہے
اِلٰى سَوَآءِ	طرف بیچ	الْحَمِيْمِ	جلتے پانی کے	اِنَّ هٰذَا	بے شک یہ
الْجَحِيْمِ	دوزخ کے	ذُقْ	چکھو	مَا كُنْتُمْ بِهٖ	وہ ہے جس میں تھے تم
ثُمَّ صُبُّوْا	پھر ریڑھو	اِنَّكَ اَنْتَ	بے شک تو تو	تَمْتَرُوْنَ	شک کرتے

قیامت کے دن کافروں کا حال

بے شک زقوم کا درخت بڑے مجرم (کافر) کا کھانا ہے، جیسے پگھلی ہوئی دھات ــــ یعنی زقوم پیٹ میں پہنچ کر پگھلی ہوئی دھات کی شکل اختیار کرلے گا ــــ کھولے گا وہ پیٹوں میں تیز گرم پانی کے کھولنے کی طرح ــــ یہ ایک منظر ہے ــــ دوسرا منظر: قیامت کے دن فرشتوں کو حکم ہوگا ــــ پکڑو اس کو، پھر گھسیٹ کر دوزخ کے بیچ میں لے جاؤ، پھر اس کے سر پر گرم پانی کا عذاب چھوڑو، چکھ! تو تو بڑا معزز و مکرم تھا ــــ یعنی اب کہاں گئی تیری عزت اور سرداری! ــــ بے شک یہ وہ چیز ہے جس میں تم شک کیا کرتے تھے ــــ یعنی تمہیں اس کا یقین کہاں تھا، اب دیکھ لیا نہ کہ قرآن کی خبریں سچی تھیں!

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ ﴿۵۱﴾ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ﴿۵۲﴾ يَّلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۵۳﴾ كَذٰلِكَ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴿۵۴﴾ يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِيْنَ ﴿۵۵﴾ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى ۚ وَوَقٰهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿۵۶﴾ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۵۷﴾ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾ فَارْتَقِبْ اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ ﴿۵۹﴾

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ	بے شک پرہیزگار	اَمِيْنٍ	چین کے ہونگے	وَّ عُيُوْنٍ	اور چشموں میں
فِيْ مَقَامٍ	جگہ میں	فِيْ جَنّٰتٍ	باغات میں	يَّلْبَسُوْنَ	پہنیں گے وہ

(۱) اعتلوا: امر، جمع مذکر، عَتَلَه (ض) عَتْلاً: بہت زور سے کھینچنا، سختی کے ساتھ گھسیٹنا۔

مِنْ سُنْدُسٍ	پتلے ریشم سے	اٰمِنِيْنَ	بہ اطمینان	ذٰلِكَ هُوَ	یہ وہ
وَّاِسْتَبْرَقٍ	اور دبیز ریشم سے	لَا يَذُوْقُوْنَ	نہیں چکھیں گے وہ	الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ	بڑی کامیابی ہے
مُّتَقٰبِلِيْنَ(۱)	ایک دوسرے کے آمنے	فِيْهَا	اس میں	فَاِنَّمَا	پس اس کے علاوہ نہیں
	سامنے ہوں گے	الْمَوْتَ	موت	يَسَّرْنٰهُ	(کہ) آسان کیا ہم
كَذٰلِكَ(۲)	ایسا ہی ہوگا	اِلَّا الْمَوْتَةَ(۴)	سوائے موت		نے اس کو
وَزَوَّجْنٰهُمْ	اور بیاہ دیں گے ہم ان کو	الْاُوْلٰى	پہلی کے	بِلِسَانِكَ	آپ کی زبان میں
بِحُوْرٍ(۳)	گوری عورتیں	وَوَقٰهُمْ	اور بچایا اللہ نے ان کو	لَعَلَّهُمْ	تاکہ وہ
عِيْنٍ	بڑی آنکھوں والیاں	عَذَابَ	عذاب سے	يَتَذَكَّرُوْنَ	نصیحت حاصل کریں
يَدْعُوْنَ	منگوائیں گے وہ	الْجَحِيْمِ	دوزخ کے	فَارْتَقِبْ	پس آپ انتظار کریں
فِيْهَا	اس میں	فَضْلًا(۵)	مہربانی	اِنَّهُمْ	بے شک وہ
بِكُلِّ فَاكِهَةٍ	ہر میوہ	مِّنْ رَّبِّكَ	تیرے رب کی طرف سے	مُّرْتَقِبُوْنَ	انتظار کرنے والے ہیں

قیامت کے دن پرہیزگاروں کا حال

بے شک پرہیزگار امن چین کی جگہ میں ہونگے —— یاد رہے: قرآن عام مسلمان کا حال بیان نہیں کرتا، نیک مسلمان کا حال بیان کرتا ہے، یہاں بھی پرہیزگاروں کا حال بیان کیا ہے، پس بے عمل اور بدعمل مسلمان چوکنا ہوجائیں —— باغوں میں اور چشموں میں ہونگے —— یعنی یہ دونوں نعمتیں ان کو حاصل ہونگی —— وہ باریک اور دبیز ریشم پہنیں گے —— جنت میں ریشم، شراب اور سونا حلال ہیں —— آمنے سامنے بیٹھے ہونگے —— یعنی جنت میں کوئی کسی سے روگردانی نہیں کرے گا، بے تکلف دوستوں کی طرح آمنے سامنے بیٹھیں گے —— اسی طرح ہوگا —— یہ کلام کا نہج بدلا ہے —— اور ہم ان کا بیاہ کردیں گے —— یعنی باقاعدہ عقدِ نکاح کریں گے یا صرف ملائیں گے —— گوری بڑی آنکھوں والی عورتوں سے —— کالا رنگ ناپسندیدہ ہے، اور چھوٹی آنکھیں عیب ہیں —— منگوائیں گے وہ جنت میں ہر میوہ اطمینان سے —— یعنی یہ اندیشہ نہیں ہوگا کہ خدام کہہ دیں: اسٹاک ختم! —— وہاں موت کا مزہ نہیں چکھیں گے

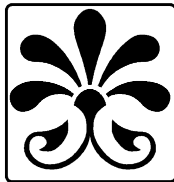
(۱) متقابلین: حال ہے یلبسون کے فاعل سے (۲) کذلك: أی الأمر كذلك۔ (۳) حور: حوراء کی جمع: گوری عورت اور عین: عیناء کی جمع: بڑی آنکھوں والی عورت (۴) إلا: بمعنی غیر: مابعد کی طرف مضاف ہے، پھر مرکب اضافی الموت کی صفت ہے۔ (۵) فضلاً: فعل مقدر کا مفعول مطلق یا وقاھم کا مفعول لہٗ ہے۔

سوائے پہلی موت کے ـــــ یہ بات دفع دخل مقدر کے طور پر بڑھائی ہے، ورنہ "وہاں موت کا مزہ نہیں چکھیں گے" کہنا کافی تھا، مگر کوئی خیال کرسکتا تھا کہ ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ﴾ قاعدہ کلیہ ہے، جنتیوں پر بھی اس کا اطلاق ہوگا، اس لئے فرمایا کہ پہلی موت میں اس کا تحقق ہو چکا، اب دوبارہ اس کا تحقق نہیں ہوگا۔

اور اللہ تعالیٰ ان کو دوزخ کے عذاب سے بچائیں گے ـــــ یہ منفی پہلو سے مستقل نعمت ہے ـــــ آپؐ کے رب کے فضل سے ـــــ یہ سب ہوگا ـــــ یہی بڑی کامیابی ہے!

پس ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان (عربی) میں آسان (نازل) کیا ہے، تاکہ وہ نصیحت پذیر ہوں ـــــ یعنی اپنی مادری زبان میں ہونے کی وجہ سے آسانی سے سمجھ لیں اور ایمان لائیں۔

سو آپؐ انتظار کریں، وہ بھی انتظار کرنے والے ہیں ـــــ یعنی اگر نہ سمجھیں تو آپؐ چندے انتظار کریں، ان کا انجام بد سامنے آجائے گا، اور وہ بھی منتظر ہیں کہ مسلمانوں پر کوئی آفت پڑے اور ان کا وجود ختم ہو جائے، مگر ایسا نہیں ہوگا، اسلام کا پودا پھلے گا پھولے گا!



ایاتها ۳۷ (۴۵) سُوْرَةُ الْجَاثِيَةِ مَكِّيَّةٌ (۶۵) رکوعاتها ۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ۝١ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝٢ اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝٣ وَ فِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝٤ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝٥ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَ اللّٰهِ وَ اٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝٦

حٰمٓ	حا،میم	وَمَا يَبُثُّ	اور جو پھیلائے	فَاَحْيَا	پس زندہ کیا
تَنْزِيْلُ	اتارنا	مِنْ دَآبَّةٍ (۱)	جانوروں سے	بِهٖ	اس کے ذریعہ
الْكِتٰبِ	اس کتاب کا	اٰيٰتٌ	نشانیاں ہیں	الْاَرْضَ	زمین کو
مِنَ اللّٰهِ	اللہ کی طرف سے ہے	لِّقَوْمٍ	ان لوگوں کے لئے	بَعْدَ	بعد
الْعَزِيْزِ	(جو) زبردست	يُّوْقِنُوْنَ	(جو) یقین کرتے ہیں	مَوْتِهَا	اس کے مرنے کے
الْحَكِيْمِ	بڑی حکمت والا ہے	وَاخْتِلَافِ (۲)	اور ادلنے بدلنے میں	وَتَصْرِيْفِ (۴)	اور رخ بدلنے میں
اِنَّ	بے شک	الَّيْلِ	رات	الرِّيٰحِ	ہواؤں کے
فِي السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں	وَ النَّهَارِ	اور دن کے	اٰيٰتٌ	نشانیاں ہیں
وَ الْاَرْضِ	اور زمین میں	وَمَآ اَنْزَلَ	اور جو اتاری	لِّقَوْمٍ	ان لوگوں کے لئے
لَاٰيٰتٍ	البتہ نشانیاں ہیں	اللّٰهُ	اللہ نے	يَّعْقِلُوْنَ	(جو) سمجھ رکھتے ہیں
لِّلْمُؤْمِنِيْنَ	ماننے والوں کے لئے	مِنَ السَّمَآءِ	آسمان سے	تِلْكَ	یہ
وَ فِيْ خَلْقِكُمْ	اور تمہارے پیدا کرنے میں	مِنْ رِّزْقٍ (۳)	روزی (بارش)	اٰيٰتُ	آیتیں ہیں

(۱) من دابة: ما: موصولہ کا بیان ہے، اور ما یبث کا خلقکم پر عطف ہے (۲) اختلافِ کو فی مقدر نے جر دیا ہے (۳) رزق: سے بارش مراد ہے، سبب بول کر مسبب مراد لیا ہے۔ (۴) تصریف: ہوا کا رخ بدلنا، ایک طرف سے دوسری طرف لے جانا۔

اللہ کے بعد	بَعْدَ اللّٰهِ	ٹھیک ٹھیک	بِالْحَقِّ	اللہ کی	اللّٰهِ
اور اس کی نشانیوں کے بعد	وَ اٰيٰتِهٖ	پس کونسی	فَبِاَيِّ	پڑھتے ہیں ان کو	نَتْلُوْهَا
ایمان لائیں گے وہ	يُؤْمِنُوْنَ	بات پر	حَدِيْثٍۭ	آپ کے سامنے	عَلَيْكَ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

سورت کا نام اور موضوع

آیت ۲۸ میں لفظ جاثیة آیا ہے، اس سے سورت کا نام رکھا ہے، جاثیة: اسم فاعل، واحد مؤنث ہے، اس کے معنی ہیں: دوزانو بیٹھنا اور گھٹنوں کے بل بیٹھنا، فعل ہے جَثَا (ن) جَثْوًا وَجُثُوًّا، فهو جاثٍ، وهي جاثية، قیامت کے دن امتیں اس طرح بیٹھیں گی۔ اس سورت کا نزول کا نمبر ۶۴ ہے، سورہ دخان کا نمبر ۶۳ تھا، یعنی یہ سورت: سورہ دخان کے بعد متصلاً نازل ہوئی ہے، اور متصل ہی رکھی گئی ہے، اس سورت کے بھی بنیادی مضامین توحید، رسالت اور آخرت ہیں، یہی حوامیم کے بنیادی مضامین ہیں —— شروع سے آیت ۱۵ تک توحید کا بیان ہے، پھر آیت ۱۶ سے ۲۰ تک رسالت کا مضمون ہے، پھر آیت ۲۱ سے آخر تک آخرت کا بیان ہے، اور اس سورت کا انداز بیان البیلا (انوکھا) ہے، اس لئے گھٹنے ٹیک کر مطالعہ کریں۔

جاننا چاہئے کہ گذشتہ دو سورتوں کے شروع میں 'کتاب مبین' کی قسم کھائی تھی، اور اس سورت میں اور آئندہ سورت میں ہے: ''یہ کتاب: اللہ زبردست حکمت والے کی طرف سے اتاری جارہی ہے'' یہ تفنّن ہے، یعنی نہج بدلا ہے، مطلب اِس کا بھی وہی ہے کہ قرآنِ کریم تینوں مسائل کی دلیل ہے، آفتاب آمد دلیلِ آفتاب!

قدرت کاملہ کے کارناموں سے توحید پر استدلال

قرآنِ کریم کبھی توحید اس طرح ثابت کرتا ہے کہ اللہ کی قدرت کاملہ کے کارنامے بیان کرتا ہے، اور ان سے توحید الوہیت پر استدلال کرتا ہے، سورۃ النبأ کے شروع میں بھی یہی انداز ہے، یہاں بھی وہی انداز ہے، اللہ کے چھ کارنامے مثال کے طور پر ذکر کئے ہیں، جو اللہ کے ساتھ خاص ہیں، کوئی دوسرا یہ کام نہیں کرسکتا۔

۱- جو شخص آسمانوں اور زمین میں غور کرے گا وہ صرف اللہ کی الوہیت مان لے گا، اتنی بڑی مخلوقات اور کون وجود میں لاسکتا ہے؟ خیال رہے: غور آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں نہیں کرنا، اس کا تو راستہ ہی ہمیں معلوم نہیں، بلکہ غور دونوں کی موجودہ ہیئت میں کرنا ہے۔

۲-انسان خود اپنی پیدائش میں غور کرے تو بھی اللہ کی الوہیت کا یقین کرسکتا ہے، اللہ نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا، بے جان مادّے کو سات مراحل سے گذارا، اور اشرف المخلوقات انسان بنایا —— پھر اس کو ساری زمین میں پھیلا دیا، قدرتی نظام یہ ہے کہ لڑکی تو دوسرے گھر چلی جاتی ہے، لڑکے کے بھی جب بال وپَر آجاتے ہیں تو وہ اڑنے کی کوشش کرتا ہے، یوں ساری زمین اللہ نے انسانوں سے آباد کردی، اگر اللہ تعالیٰ انسان کی ایسی فطرت نہ بناتے تو اولاد کبھی ماں باپ سے جدا نہ ہوتی، سارے انسان ایک ہی گھر میں بسے ہوئے ہوتے!

۳-دوابّ (حیوانات) اَن گنت ہیں، ان کی پیدائش میں غور کریں، ان کو بھی اللہ نے مٹی سے بنایا ہے، اور زمین میں پھیلایا ہے، یعنی ہر علاقہ کے مناسب حیوانات وہاں پیدا کئے ہیں۔

نوٹ: بثّ: پھیلانے کا مفہوم خلقکم میں ملحوظ ہے، اور تخلیق کا مفہوم دوابّ میں، یعنی دواب کی پیدائش بھی قدرت کی نشانی ہے، اور انسانوں کو پھیلانا بھی قدرت کی نشانی ہے، مضامین کا تبادلہ ہوگا۔

۴-اللہ تعالیٰ شب وروز کو یکے بعد دیگرے لاتے ہیں، بارہ گھنٹے دن رہتا ہے، پھر رات آجاتی ہے، پھر بارہ گھنٹے کے بعد دن شروع ہوجاتا ہے، سوچو! یہ کام اللہ کے سوا کون کرسکتا ہے؟

۵-اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش برساتے ہیں، اس سے مردہ زمین لہلہانے لگتی ہے، اور اس طرح اللہ تعالیٰ حیوانات کی معیشت کا انتظام کرتے ہیں، یہ کام بھی اللہ کے سوا کوئی نہیں کرسکتا۔

۶-ہوائیں رخ بدل بدل کر چلتی ہیں، کبھی مشرق کی طرف سے، کبھی مغرب کی طرف سے، کبھی شمال کی طرف سے، کبھی جنوب کی طرف سے، اور کبھی گرم ہوا چلتی ہے کبھی سرد، اس طرح اللہ تعالیٰ ہوا کو الٹتے پلٹتے ہیں، اگر ایسا نہ ہو، اور ایک ہی طرف سے ہوا چلتی رہے تو ہر چیز جھک جائے، کوئی چیز کھڑی نہ رہ سکے، اور گرم ہوا ہی چلتی رہے تو ہر چیز جھلس جائے، اور ٹھنڈی ہی چلتی رہے تو ہر چیز برف بن جائے۔

ان امور میں آدمی غور کرے تو سمجھ سکتا ہے کہ یہ کام اُس زبردست قادر وحکیم کے سوا کسی کے بس کی بات نہیں، پس اللہ کو چھوڑ کر دوسرا کون ہے جس کو معبود بنایا جائے؟ اور اس کی باتوں کو چھوڑ کر کس کی بات ماننے کے قابل ہے؟ یہ اللہ کی سچی اور کھری باتیں ہیں ان کو مان لو، اور صرف اسی کو معبود جانو، اور اسی کی بندگی کرو۔

آیاتِ پاک: —— حا، میم —— یہ حروفِ مقطعات ہیں —— اللہ زبردست حکمت والے کی طرف سے یہ کتاب نازل کی جارہی ہے —— اور یہی کتاب سورت میں مذکور تینوں مضامین کی دلیل ہے —— (۱) بے شک آسمانوں اور زمین میں بالتحقیق ماننے والوں کے لئے دلائل ہیں —— (۲) اور تمہارے پیدا کرنے میں (۳) اور ان

جانوروں میں جن کو زمین میں پھیلایا ہے، ان لوگوں کے لئے دلائل ہیں جو یقین کرتے ہیں —— (۴) اور رات دن کے یکے بعد دیگرے آنے میں (۵) اور اس روزی (بارش) میں جو اللہ نے آسمان سے اتاری ہے، پھر اس کے ذریعہ زمین کو مر جانے کے بعد زندہ کیا (۶) اور ہواؤں کے رخ بدلنے میں، دلائل ہیں ان لوگوں کے لئے جو سمجھتے ہیں —— یہ اللہ کی آیتیں ہیں، پڑھتے ہیں ہم ان کو آپ کے سامنے صحیح صحیح —— پس اللہ اور اس کی آیتوں کے بعد کس بات پر لوگ ایمان لائیں گے؟

وَيْلٌ لِّكُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ ﴿٧﴾ يَسْمَعُ آيَاتِ اللَّهِ تُتْلَىٰ عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَأَن لَّمْ يَسْمَعْهَا ۖ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٨﴾ وَإِذَا عَلِمَ مِنْ آيَاتِنَا شَيْئًا اتَّخَذَهَا هُزُوًا ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿٩﴾ مِّن وَرَائِهِمْ جَهَنَّمُ ۖ وَلَا يُغْنِي عَنْهُم مَّا كَسَبُوا شَيْئًا وَلَا مَا اتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٠﴾ هَٰذَا هُدًى ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّن رِّجْزٍ أَلِيمٌ ﴿١١﴾

وَيْلٌ	خرابی ہے	كَأَن لَّمْ	گویا نہیں	أُولَٰئِكَ	یہی لوگ
لِّكُلِّ أَفَّاكٍ (۱)	ہر بڑے جھوٹے کیلئے	يَسْمَعْهَا	سنا ان کو	لَهُمْ	ان کے لئے
أَثِيمٍ	پاپی (گنہگار)	فَبَشِّرْهُ	پس خوش خبری سنا اس کو	عَذَابٌ	سزا ہے
يَسْمَعُ	سنتا ہے	بِعَذَابٍ أَلِيمٍ	دردناک سزا کی	مُّهِينٌ	رسوا کن
آيَاتِ اللَّهِ	اللہ کی آیتیں	وَإِذَا عَلِمَ	اور جب جانا اس نے	مِّن وَرَائِهِمْ	ان کے پرے
تُتْلَىٰ	پڑھی جاتی ہیں	مِنْ آيَاتِنَا	ہماری آیتوں سے	جَهَنَّمُ	دوزخ ہے
عَلَيْهِ	اس کے سامنے	شَيْئًا	کسی چیز کو	وَلَا يُغْنِي	اور نہیں کام آئے گا
ثُمَّ يُصِرُّ (۲)	پھر ضد کرتا ہے	اتَّخَذَهَا	بنایا ان کو	عَنْهُمْ	ان کے
مُسْتَكْبِرًا	گھمنڈ کرتے ہوئے	هُزُوًا	ٹھٹھا	مَّا كَسَبُوا	جو کمایا انھوں نے

(۱) أفاك: إفك سے مبالغہ کا صیغہ: مہا جھوٹا (۲) أصرَّ إصرارا علی الأمر: کسی بات پر جما رہنا، اڑنا، ضد کرنا۔

شَيْـًٔا	کچھ بھی	عَذَابٌ	سزا ہے	بِاٰيٰتِ	آیتوں کا
وَّلَا مَا	اور نہ جو	عَظِيْمٌ	بڑی	رَبِّهِمْ	ان کے رب کی
اتَّخَذُوْا	بنایا انھوں نے	هٰذَا	یہ	لَهُمْ	ان کے لئے
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ کو چھوڑ کر	هُدًى	سجھانا ہے	عَذَابٌ	سزا ہے
اَوْلِيَآءَ	کارساز	وَالَّذِيْنَ	اور جنھوں نے	مِّنْ رِّجْزٍ	گندگی سے
وَلَهُمْ	اور ان کے لئے	كَفَرُوْا	انکار کیا	اَلِيْمٌ	دردناک

توحید کے دلائل سن کر شرک پر اڑے رہنے والے کا انجام

ارشاد فرماتے ہیں: —— ہر مہا جھوٹے پاپی کے لئے بڑی خرابی ہے —— یعنی شرک بہت بڑا جھوٹ ہے، اور وہ ناقابلِ عفو گناہ ہے، اس لئے مشرک کے لئے ہلاکت ہے —— وہ اللہ کی آیتیں سنتا ہے، جو اس کے سامنے پڑھی جاتی ہیں، پھر وہ (شرک پر) تکبر سے اڑا رہتا ہے، گویا اس نے ان کو سنا ہی نہیں، پس آپؐ اس کو دردناک عذاب کی خوش خبری سنادیں! —— تکبر سے: یعنی اس کو اللہ کی باتیں ماننے میں اپنی سُبکی نظر آتی ہے، کیونکہ اس صورت میں اس کو اللہ کے رسول کی اطاعت کرنی پڑے گی، جو اسے گوارہ نہیں —— اور جب اس نے ہمارے (توحید کے) دلائل میں سے کسی چیز کو جانا تو وہ ان کی ہنسی اڑاتا ہے —— یہ اس نے انکار میں ترقی کی —— انہیں لوگوں کے لئے رسوا کن عذاب ہے —— جزاء جنسِ عمل سے ہوتی ہے، اس نے آیات کی اہانت کی تو سزا اہانت آمیز ملی —— ان کے آگے جہنم ہے —— جو رسوا کن سزا ہے —— اور نہیں کام آئیں گی ان کے وہ چیزیں جو وہ کماتے تھے —— یعنی ان کے اموال واولاد وغیرہ کوئی چیز کام نہ آئے گی جب جہنم سامنے آجائے گی —— اور نہ وہ جن کو انھوں نے اللہ کو چھوڑ کر کارساز بنا رکھا ہے —— جن سے ان کو مدد کی امید ہے وہ امید بھی بَر نہ آئے گی —— اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے —— وہی جہنم کا عذاب! —— یہ سُجھانا ہے —— یعنی اللہ نے تمہیں شرک کے انجام سے آگاہ کردیا، آگے تم جانو! —— اور جن لوگوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں کا انکار کیا ان کے لئے دردناک غلیظ عذاب ہے!

اَللّٰهُ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ۫ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۵﴾

اَللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	مَّا	اس کو جو	لِلَّذِيْنَ	ان لوگوں سے جو
الَّذِيْ	جنھوں نے	فِي السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں ہے	لَا يَرْجُوْنَ	نہیں ڈرتے
سَخَّرَ	کام میں لگایا	وَمَا	اور اس کو جو	اَيَّامَ اللّٰهِ (۳)	اللہ کے دنوں سے
لَكُمُ	تمہارے لئے	فِي الْاَرْضِ	زمین میں ہے	لِيَجْزِيَ	تا کہ بدلہ دیں وہ
الْبَحْرَ	سمندر کو	جَمِيْعًا (۱)	سب کو	قَوْمًا	لوگوں کو
لِتَجْرِيَ	تا کہ چلیں	مِّنْهُ (۲)	اپنی طرف سے	بِمَا كَانُوْا	ان کاموں کا جو تھے وہ
الْفُلْكُ	کشتیاں	اِنَّ	بے شک	يَكْسِبُوْنَ	کمایا کرتے
فِيْهِ	اس میں	فِيْ ذٰلِكَ	اس میں	مَنْ عَمِلَ	جس نے کیا
بِاَمْرِهٖ	اللہ کے حکم سے	لَاٰيٰتٍ	یقیناً نشانیاں ہیں	صَالِحًا	نیک کام
وَلِتَبْتَغُوْا	اور تا کہ تلاش کرو تم	لِّقَوْمٍ	ان لوگوں کے لئے	فَلِنَفْسِهٖ	تو وہ اسکی ذات کیلئے ہے
مِنْ فَضْلِهٖ	اللہ کے فضل سے	يَّتَفَكَّرُوْنَ	(جو) سوچتے ہیں	وَمَنْ اَسَآءَ	اور جس نے برا کیا
وَلَعَلَّكُمْ	اور تا کہ تم	قُلْ	کہو	فَعَلَيْهَا	سو وہ اسی پر ہے
تَشْكُرُوْنَ	شکر بجالاؤ	لِّلَّذِيْنَ	ان لوگوں سے جو	ثُمَّ (۴)	پھر
وَسَخَّرَ	اور کام میں لگایا	اٰمَنُوْا	ایمان لائے	اِلٰى رَبِّكُمْ	تمہارے رب کی طرف
لَكُمْ	تمہارے لئے	يَغْفِرُوْا	درگذر کرو	تُرْجَعُوْنَ	لوٹائے جاؤ گے تم

نعمتیں ذکر کرکے ایمان کی دعوت

ابھی توحید ہی کا مضمون چل رہا ہے، اب اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں ذکر کرکے مشرکین کو ایمان پر ابھارتے ہیں:

پہلی نعمت: —— اللہ تعالیٰ نے سمندروں کو پایاب کردیا، جہاز بے تکلف ان میں چلتے ہیں، اور لوگ خشکی کی طرح

---

(۱) جميعًا: تاکید ہے (۲) منه: کائنا سے متعلق ہوکر سخر کے فاعل کا حال ہے (۳) أيام الله: اللہ کے دن یعنی واقعات دہر (۴) ثم: یہاں تقدیم وتاخیر ہے۔

سمندر کے راستہ سے بھی تجارت کرتے ہیں، شکار پکڑتے ہیں، اور موتی مونگے نکالتے ہیں، پس بندوں کو اس نعمت کا شکر گذار ہونا چاہئے، اور جھوٹے معبودوں کو چھوڑ کر ایک اللہ پر ایمان لانا چاہئے۔

دوسری نعمت: ـــــ آسمانوں کی بلندی اور زمین کی پستی میں جو کچھ ہے وہ سب انسان کے کام میں لگا ہوا ہے، سورج کی تابانی، چاند کی چاندنی، تاروں کی جگمگاہٹ اور ہواؤں کی فیض رسانی سب انسان ہی کے لئے ہے، ان میں اگر انسان غور کرے تو راستہ پاسکتا ہے، اور ایک اللہ پر ایمان لانے کی راہ ہموار ہوسکتی ہے۔

مسلمان ابھی عفوودرگذر سے کام لیں

توحید کا مضمون اب پورا ہو رہا ہے، آخر میں مؤمنین کو ہدایت دی ہے کہ وہ ابھی کافروں سے بدلہ لینے کی فکر نہ کریں، اللہ پر چھوڑ دیں، اللہ تعالیٰ خود دنیا میں پیش آنے والے واقعات کے ذریعہ، اور پھر جب وہ اللہ کے پاس پہنچیں گے تو ان کی شرارتوں کی کافی سزا دیں گے، مسلمان فی الحال صبر وتحمل اور عفوودرگذر سے کام لیں۔

آیاتِ پاک: ـــــ اللہ تعالیٰ ہی نے تمہارے لئے سمندر کو مسخر کیا، تاکہ بہ حکم الٰہی اس میں کشتیاں چلیں، اور تاکہ تم اس کی روزی تلاش کرو، اور تاکہ تم اس کا شکر بجالاؤ ـــــ اور تمہارے کام میں لگائیں اپنی طرف سے تمام وہ چیزیں جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں، بے شک اس میں یقیناً نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو سوچتے ہیں۔

آپ مؤمنین سے کہیں کہ اُن لوگوں سے درگذر کریں جو اللہ کے معاملات کا یقین نہیں رکھتے، تاکہ اللہ تعالیٰ بدلہ دیں لوگوں کو ان کاموں کا جو وہ کیا کرتے تھے ـــــ ایام اللہ: اللہ کے دن یعنی واقعاتِ دہر، اللہ کے معاملات یعنی وہ دن جس میں اللہ تعالیٰ سرکشوں کو سزا دیں اور فرمان برداروں پر فضل فرمائیں ـــــ لیجزی کا تعلق یغفروا سے ہے یعنی ابھی درگذر کرو، آئندہ (ہجرت کے بعد) اللہ تعالیٰ بدر وغیرہ جنگوں میں ان کو سزا دیں گے، آج وہ جو شرارتیں کر رہے ہیں ان کا بھگتان کردیا جائے گا۔

جس نے اچھا کام کیا ـــــ یعنی ایمان لایا ـــــ اس کا نفع اسی کے لئے ہے ـــــ یعنی اللہ کا اس میں کچھ نفع نہیں ـــــ اور جس نے برا کام کیا ـــــ یعنی شرک پر جما رہا ـــــ تو اس کا وبال اسی پر پڑے گا ـــــ جو بویا ہے وہ ضرور کاٹے گا ـــــ پھر بے شک تم تمہارے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤگے ـــــ یہ بات مقدم ہے، یعنی دنیا میں پیش آنے والے واقعات میں بھی ان کو ان کی شرارتوں کی سزا ملے گی، پھر جب وہ اللہ کی طرف لوٹائے جائیں گے تو اگر شرک پر برقرار رہے ہیں تو آخرت میں بھی سزا ملے گی، اور ایمان لے آئے ہیں تو اس کا نفع ان کو پہنچے گا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ

مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۶ وَاٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝۱۷ ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۱۸ اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝۱۹ هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝۲۰

وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	مِّنَ الْاَمْرِ (۲)	ہمارے دین کے	فِيْمَا كَانُوْا	ان باتوں میں کہ تھے وہ
اٰتَيْنَا	دی ہم نے	فَمَا اخْتَلَفُوْٓا	پس نہیں اختلاف کیا	فِيْهِ	اس میں
بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ	بنی اسرائیل کو		انھوں نے	يَخْتَلِفُوْنَ	اختلاف کرتے
الْكِتٰبَ (۱)	کتاب (تورات)	اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ	مگر بعد	ثُمَّ جَعَلْنٰكَ	پھر بنایا ہم نے آپ کو
وَالْحُكْمَ	اور حکومت	مَا جَآءَهُمُ (۳)	آنے ان کے پاس	عَلٰى شَرِيْعَةٍ	ایک راہ پر
وَالنُّبُوَّةَ	اور نبوت	الْعِلْمُ	علم کے	مِّنَ الْاَمْرِ (۵)	ہمارے دین کی
وَرَزَقْنٰهُمْ	اور روزی دی ہم نے ان کو	بَغْيًا (۴)	ضد سے	فَاتَّبِعْهَا	پس پیروی کریں آپ
مِّنَ الطَّيِّبٰتِ	ستھری چیزوں سے	بَيْنَهُمْ	آپس کی		اس کی
وَفَضَّلْنٰهُمْ	اور برتری بخشی ہم نے ان کو	اِنَّ رَبَّكَ	بے شک تیرا رب	وَلَا تَتَّبِعْ	اور نہ پیروی کریں آپ
عَلَى الْعٰلَمِيْنَ	جہانوں پر	يَقْضِيْ	فیصلہ کرے گا	اَهْوَآءَ	خواہشات کی
وَاٰتَيْنٰهُمْ	اور دیئے ہم نے ان کو	بَيْنَهُمْ	ان کے درمیان	الَّذِيْنَ	ان لوگوں کی جو
بَيِّنٰتٍ	واضح احکام	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	قیامت کے دن	لَا يَعْلَمُوْنَ	نہیں جانتے

(۱) الکتاب: تورات، الف لام عہدی ہے (۲) من الأمر: کائنًا سے متعلق ہوکر بنیات کی صفت ہے، اور الأمر سے مراد دین ہے، الف لام عہدی ہے (۳) ما: مصدریہ ہے، اور ماجاء هم: مضاف الیہ ہے بعدَ کا (۴) بغیًا: مفعول لہٗ ہے اختلفوا کا (۵) من الأمر: شریعة کی صفت ہے، اور الأمر سے دین مراد ہے اور شریعة کے معنی ہیں: چھوٹا راستہ، پگڈنڈی۔

اِنَّهُمْ	بے شک وہ لوگ	بَعْضُهُمْ	ان کے بعض	بَصَآئِرُ	سمجھ بوجھ کی باتیں ہیں
لَنْ يُّغْنُوْا	کام نہیں آئیں گے	اَوْلِيَآءُ	کارساز ہیں	لِلنَّاسِ	لوگوں کے لئے
عَنْكَ	آپؐ کے	بَعْضٍ	بعض کے	وَ هُدًى	اور راہ نمائی ہے
مِنَ اللّٰهِ	اللہ سے	وَ اللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	وَّرَحْمَةٌ	اور مہربانی ہے
شَيْـًٔا	کچھ بھی	وَلِيُّ	کارساز ہیں	لِّقَوْمٍ	ان لوگوں کے لئے
وَاِنَّ	اور بے شک	الْمُتَّقِيْنَ	بچنے والوں کے	يُّوْقِنُوْنَ	(جو) یقین کرتے ہیں
الظّٰلِمِيْنَ	ظالم (مشرک)	هٰذَا	یہ	۞	۞

رسالت کا بیان

نبوت کوئی انوکھی چیز نہیں جو اس کا انکار کیا جائے

ان آیات کا موضوع نبی ﷺ کی رسالت ہے، مشرکین مکہ اس کو تسلیم نہیں کرتے تھے، بات یہاں سے شروع کی ہے کہ نبوت کوئی انوکھی چیز نہیں جو اس کا انکار کیا جائے، بنی اسرائیل میں ماضی قریب تک نبوت کا سلسلہ جاری رہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بہت سے انبیاء مبعوث ہوئے ہیں، جو تورات کی تبلیغ کرتے تھے، پھر آخر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے، ان کا زمانہ نبی ﷺ کے زمانہ سے صرف چھ سو سال پہلے ہے ـــــ اور بنی اسرائیل کو اللہ نے جلیل القدر کتاب تورات عنایت فرمائی، سیادت وحکومت بھی سپرد کی، کھانے پینے کے لئے نفیس چیزیں دیں اور ان کو جہاں والوں پر فوقیت دی، یہ سب نبوت کی برکات تھیں، اور اس میں امت مسلمہ کے لئے اشارہ تھا کہ ان کو بھی یہ سب نعمتیں ملیں گی، رسالت وکتاب تو سرِ دست مل چکی ہیں، حکومت اور کھانے پینے کے لئے نفیس چیزیں بھی اللہ تعالیٰ ان کو عنایت فرمائیں گے، یہ مشرکین کو سنایا جارہا ہے، تاکہ وہ ایمان لائیں۔

علاوہ ازیں: بنی اسرائیل کو دین کے واضح احکامات بھی دیئے، جب تک وہ ان پر قائم رہے ان کی سیادت وقیادت اور ان کی خیریت وفوقیت بھی قائم رہی، مگر آگے چل کر ان میں اختلافات رونما ہوئے، اور اختلافات علم وبصیرت کے بعد ہوئے، اور اس کا سبب نفسانیت بنی، غلط راہ نماؤں نے اپنی چلائی، بَغْيًا بَيْنَهُمْ: آپس کی ضد اضدی سے، ہر عالم چاہتا تھا کہ اس کی چلی، اور مقابل کی ہیٹی ہو، یوں اختلافات بڑھتے گئے، اور الگ الگ فرقے بن گئے۔

پھر آخر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے، انھوں نے اپنی بعثت کا ایک مقصد یہ بیان کیا ہے: ﴿وَلِأُبَيِّنَ

لَكُمْ بَعْضَ الَّذِیْ تَخْتَلِفُوْنَ فِیْهِ﴾: اور تاکہ میں بعض وہ باتیں واضح کروں جن میں تم اختلاف کرتے ہو[الزخرف ۶۳] مگر ان لوگوں نے ایک نہیں سنی، بلکہ یہود نے تو ان کو مسیح ضلالت (دجال) قرار دیا، اور ان کے قتل کے درپے ہوئے، اللہ نے یہود کی چالوں سے ان کو بچا کر آسمان پر اٹھالیا، پھر ان کے رفع کے بعد ان کے متبعین نے ان کا دین بگاڑا، توحید میں شرک کی آمیزش کرلی، اور ان کے بہتر فرقے ہوگئے، اس طرح دین کی حقیقت گم ہوکر رہ گئی، اور اختلافات ایسے راسخ ہوگئے کہ اب دنیا میں حقیقت سے پردہ اٹھنے کی کوئی صورت نہیں، اب ان کے اختلافات کا فیصلہ قیامت کے دن ہوگا۔

خاتم النّبیین ﷺ کی نئی شریعت کے ساتھ بعثت

پھر جب بنی اسرائیل میں اختلافات کی وجہ سے دین وشریعت باقی نہ رہی، اور دنیا ہدایت کے لئے پیاسی ہوئی تو گھٹا اٹھی اور ابر رحمت برسا، نبی آخر الزماں ﷺ کو نئی شریعت دے کر مبعوث فرمایا —— جاننا چاہئے کہ دین اصول وفروع کا نام ہے، اصول میں تمام انبیاء متحد ہیں، اور فروع میں زمانہ کے تقاضوں کے لحاظ سے تبدیلی ہوتی ہے، پس دین (اصول) نیا نہیں، شریعت نئی ہے۔

پھر امت سے خطاب ہے، امتِ محمدیہ کو چاہئے کہ اس آخری شریعت پر مستقیم رہے، اس کی پیروی کرے، اور کبھی بھول کر بھی جاہلوں اور نادانوں (مشرکوں) کی خواہش پر نہ چلے، ان کی طرف جھکنا اللہ کے یہاں کچھ کام نہ آئے گا، وہ ایک دوسرے کے اعوان وانصار ہیں، اور اس امت کا ناصر ومددگار اللہ ہے، پھر اس کو کیا فکر ہے۔

پھر آخر میں فرمایا کہ یہ قرآن لوگوں کے لئے یعنی مشرکین کے لئے بھی آنکھیں کھولنے والی کتاب ہے، اور یقین کرنے والوں کے لئے یعنی مؤمنین کے لئے ہدایت ورحمت ہے: ﴿فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا﴾: پس لوگوں کو چاہئے کہ اس پر خوش ہوں!

﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَ اٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل کو تورات، حکومت اور نبوت دی، اور ہم نے ان کو نفیس چیزیں کھانے کو دیں، اور ہم نے ان کو دنیا جہاں والوں پر فوقیت دی، اور ہم نے ان کو دین کے واضح احکامات دیئے —— پس انھوں نے باہم اختلاف کیا، ان کے پاس علم کے آجانے کے بعد، آپس کی ضد اضدی سے —— بے شک آپ کے پروردگار قیامت کے دن ان کے درمیان فیصلہ کریں گے ان باتوں کا جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔

﴿ ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: پھر ہم نے آپؐ کو دین کے ایک خاص طریقہ پر کیا سو آپ — یعنی آپؐ کی امت — اس طریقہ پر چلیں، اور جہلاء کی خواہش پر نہ چلیں، بے شک وہ لوگ خدا کے مقابلہ میں آپ کے ذرا کام نہیں آسکتے، اور بے شک ظالم (مشرک) ایک دوسرے کے کارساز ہیں، اور اللہ تعالیٰ (شرک و معاصی سے) بچنے والے کے کارساز ہیں — یہ (قرآن) لوگوں کے لئے بصیرت کی باتیں ہیں، اور یقین کرنے والوں کے لئے ہدایت ورحمت ہے۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ۭ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝ؑ وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ۭ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝

ع ۱۰/۱۸

اَمْ حَسِبَ(۱)	کیا گمان کیا	السَّيِّاٰتِ	برائیاں	اٰمَنُوْا	ایمان لائے
الَّذِيْنَ	جنھوں نے	اَنْ نَّجْعَلَهُمْ	کہ بنائیں گے ہم ان کو	وَعَمِلُوْا	اور کئے انھوں نے
اجْتَرَحُوْا(۲)	کمائی	كَالَّذِيْنَ	مانند ان کے جو	الصّٰلِحٰتِ	اچھے کام

(۱) حَسِبَ الشيئَ كذا: (ف،ض) حِسْبَانًا: گمان کرنا، کسی چیز کو کچھ سمجھنا۔ (۲) اجْتَرَحَ الشيئَ: کمانا، حاصل کرنا، جرم وغیرہ کا ارتکاب کرنا، فلان يجترح لعياله: فلاں اہل وعیال کے لئے کمائی کرتا ہے، مجرد جَرَحَه (ف) جَرْحا: زخمی کرنا۔

ترکیب: أم: استفہام انکاری، حَسِبَ: فعل متعدی بدو مفعول، الذين: موصول صلہ مل کر فاعل، أن نجعلهم: أن: مصدریہ، نجعلهم: بہ تاویل مصدر ہو کر حسب کا مفعولِ اول، كالذين: حسب کا مفعولِ ثانی، اور جعل کے مفعولِ ثانی کے قائم مقام (تنازعِ فعلان ہے، اس لئے پہلے فعل کو عمل دیا) سواءً: مفعولِ ثانی کا حال، محیاهم ومماتهم: سواءً (مصدر) کا فاعل، اور هم کا مرجع عام، کافر اور مسلمان دونوں۔

سَوَآءً	یکساں	كُلُّ نَفْسٍ	ہر شخص	وَّخَتَمَ	اور مہر لگادی
مَّحْيَاهُمْ	جینا ان کا	بِمَا كَسَبَتْ	اس کا جو کمایا اس نے	عَلٰى سَمْعِهٖ	اس کی سماعت پر
وَمَمَاتُهُمْ	اور مرنا ان کا	وَهُمْ	اور وہ	وَقَلْبِهٖ	اور اس کے دل پر
سَآءَ	برا ہے	لَا يُظْلَمُوْنَ	حق نہیں مارے جائیں گے	وَجَعَلَ	اور گردانا (کیا)
مَا يَحْكُمُوْنَ	جو فیصلہ کرتے ہیں وہ	اَفَرَءَيْتَ	کیا پس دیکھا تونے	عَلٰى بَصَرِهٖ	اس کی بصارت پر
وَخَلَقَ	اور پیدا کیا	مَنِ اتَّخَذَ	(اس کو) جس نے بنایا	غِشٰوَةً (۴)	پردہ
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ نے	اِلٰهَهٗ (۲)	اپنا معبود	فَمَنْ يَّهْدِيْهِ	پس کون راہ دکھائے
السَّمٰوٰتِ	آسمانوں	هَوٰىهُ	اپنی خواہش کو		اس کو
وَالْاَرْضَ	اور زمین کو	وَاَضَلَّهُ	اور گمراہ کیا اس کو	مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ	اللہ کے بعد؟
بِالْحَقِّ (۱)	خاص مقصد سے	اللّٰهُ	اللہ نے	اَفَلَا	کیا پس
وَلِتُجْزٰى	اور تاکہ بدلہ دیا جائے	عَلٰى عِلْمٍ (۳)	علم کی رُو سے	تَذَكَّرُوْنَ	سمجھتے نہیں تم!

آخرت کا بیان

نیک وبد ہمیشہ یکساں نہیں رہیں گے

اب آخر تک آخرت کا بیان ہے، اور پہلی آیت میں آخرت کی ضرورت کا بیان ہے، دنیا میں برے اور بھلے از ولادت تا وفات یکساں ہیں، برے اگر مالدار، عزت دار اور تن درست ہیں تو بھلوں میں بھی ان کی کمی نہیں، اور نیک بندوں میں اگر غریب اور بیمار ہیں تو بروں میں بھی ان کی کمی نہیں، اور جس طرح کفار ومشرکین پیدا ہوتے اور مرتے ہیں مؤمنین بھی پیدا ہوتے اور مرتے ہیں، غرض: تمام احوال میں بدکار اور نیکوکار مساوی ہیں، اب اگر دونوں کا مرنا جینا یکساں ہو، اور بدی اور نیکی کا فرق ظاہر نہ ہو تو ہیرا اور ٹھیکرا برابر ہوگئے، ایسا کبھی نہیں ہوسکتا، بدی اور نیکی کا فرق ظاہر ہونا ضروری ہے، یہ فرق دوسری زندگی میں ظاہر ہوگا، اور اسی کا نام آخرت ہے۔

ایک مثال: گیہوں کے کھیت میں دانہ، بھوس اور گھاس ایک ساتھ ہوتے ہیں، اگر وہ ہمیشہ ساتھ رہیں تو کھیت بونے کا فائدہ کیا؟ ضروری ہے کہ ایک دن اناج کٹ کر کھلیان میں آئے، اور دانہ: بھوس اور گھاس سے علاحدہ ہوجائے،

(۱) بالحق: خاص مقصد سے: یعنی انسان کی مصلحت کے لئے (۲) إلٰھه: اتخذ کا مفعولِ اول، اور ھواہ: مفعولِ ثانی (۳) علی علم: یعنی علی وجہ البصیرت (۴) غشاوۃ: پردہ، جھلّی۔

یہ دنیا بھی آخرت کا کھیت ہے، یہاں نیک و بد ملے ہوئے ہیں، آخرت میں جدا کردیئے جائیں گے: ﴿وَامْتَازُوْا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ﴾: آج (اہل ایمان سے) الگ ہوجاؤ اے مجرمو! کیونکہ مؤمنین کو جنت میں بھیجنا ہے اور کافروں کو دوزخ میں!

﴿ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ۭ سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: کیا خیال کرتے ہیں وہ لوگ جنھوں نے برائیاں کمائی ہیں کہ ہم ان کو بنائیں گے ان لوگوں کی طرح جو ایمان لائے، اور انھوں نے اچھے کام کئے: یکساں ہوجائے ان کا جینا اور مرنا؟ ــــ یعنی دنیا میں از ولادت تا وفات بدکردار اور نیکوکار برابر ہیں، اب اگر بات اسی زندگی پر ختم ہوجائے، اور آگے کوئی زندگی نہ ہو جہاں بھلے برے کا فرق ظاہر ہو تو بھری مونگ پھلی اور بے گری کی مونگ پھلی برابر ہوگئیں، ایسا نہیں ہوسکتا، فرق و امتیاز ہونا ضروری ہے، مگر مشرکین کا خیال ہے کہ آگے کوئی زندگی نہیں ــــ برا ہے فیصلہ جو وہ کرتے ہیں!

کائنات بامقصد پیدا کی گئی ہے، اگر آخرت نہیں ہوگی تو مقصدِ تخلیق فوت ہوجائے گا

یہ آخرت کی ضرورت کی دوسری دلیل ہے، زمین و آسمان کو یونہی بیکار پیدا نہیں کیا، ان کی تخلیق کا خاص مقصد ہے، اور وہ اللہ کی بندگی ہے: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالإِنْسَ إِلاَّ لِيَعْبُدُوْنِ﴾: اور میں نے جنات اور انسان کو اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں [الذاریات ۵۶] اور جنات کو اور انسانوں کو جزوی (ایک درجہ تک) اختیار دیا ہے کہ وہ چاہیں تو عبادت کریں، اور چاہیں تو نہ کریں، مگر اس کی جزاؤ سزا ضرور ملے گی، ہاں فضل و انعام ہوسکتا ہے، ظلم (حق تلفی) ہرگز نہیں ہوگی، واجبی بدلہ ملے گا، اور یہ بدلہ اس دنیا میں نہیں ملتا، اس دنیا میں تو عبادت کرنے والے اور منہ موڑنے والے برابر ہیں، پس ضروری ہے کہ دوسری دنیا ہو، ورنہ کائنات کی تخلیق کا مقصد فوت ہوجائے گا۔

﴿ وَ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو خاص مقصد سے پیدا کیا ہے، اور تاکہ ہر شخص بدلہ دیا جائے اس کے کاموں کا ــــ یہ مقصد تخلیق ہے ــــ اور ان کا حق نہیں مارا جائے گا ــــ یعنی نیک عمل کا بدلہ کم دیا جائے یا بدعمل کی سزا زیادہ دی جائے: ایسا نہیں ہوگا۔

جب انسان ہدایت کی صلاحیت کھودیتا ہے تو مہر لگ جاتی ہے اور ہدایت کی راہیں مسدود ہوجاتی ہیں

ضرورتِ آخرت کی اوپر جو دو دلیلیں بیان کی ہیں، ضروری نہیں کہ مشرکین مکہ ان کو سمجھ لیں اور قبول کرلیں، کیونکہ جب

آدمی ہدایت کی صلاحیت کھودیتا ہے تو اس کے کان اور دل پر مہر لگ جاتی ہے، اور آنکھوں پر پردہ پڑ جاتا ہے، اور ہدایت کی تمام راہیں مسدود ہوجاتی ہیں، اب اس کو صحیح راستہ پر لانا اور معقول بات سمجھانا تقریباً ناممکن ہوجاتا ہے، اور اس میں نبی ﷺ کے لئے یک گونہ تسلی کا سامان ہے کہ آپ اُن کے پیچھے جان نہ کھوئیں!

جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو علم حاصل کرنے کے لئے مختلف صلاحیتیں دی ہیں، پانچ حواس ظاہرہ میں سے کان اور آنکھ کا ذکر کیا، شامّہ، ذائقہ اور لامسہ کا ذکر نہیں کیا، کیونکہ دلائل سمجھنے میں ان کا خاص دخل نہیں، علاوہ ازیں: دل اور عقل بھی دی ہے، جو بات سمجھتے ہیں اور فیصلہ کرتے ہیں، اور نفس ان کے علاوہ ہے، ان سب میں بالادستی عقل کو حاصل ہے، مگر کبھی عقل: نفس کے تابع ہوجاتی ہے، جیسے وہم کا ہمیشہ عقل پر غلبہ رہتا ہے، پھر جب نفس غالب آجاتا ہے تو آدمی من مانی کرنے لگتا ہے، عقل کی نہیں چلتی، یہ خواہش نفس کو خدا بنالینا ہے، ایسی صورت میں آدمی عقل سے پیدل ہوجاتا ہے، اور ہدایت کی صلاحیت کھودیتا ہے۔

﴿ اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ۭ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ؀ ﴾

ترجمہ: کیا پس بتلا: جس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا بنالیا ـــــ یعنی جدھر اس کی خواہش لے چلتی ہے اُدھر ہی چل پڑتا ہے، عقل کی ایک نہیں سنتا ـــــ اور اس کو اللہ نے گمراہ کیا علم کی رُو سے ـــــ یعنی علم الٰہی میں وہ گمراہی کا مستحق ہے ـــــ اور اس کے کان اور دل پر مہر کردی ـــــ چنانچہ کان نصیحت کی بات نہیں سنتے، اور دل سچی بات کو نہیں سمجھتا ـــــ اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا ـــــ چنانچہ اس کو آنکھ سے ہدایت کی روشنی نظر نہیں آتی ـــــ پس کون اس کو راہ دکھا سکتا ہے اللہ کے بعد؟ ـــــ یعنی اللہ کی باتیں تو اس کی سمجھ میں آتی نہیں، دوسرے کی باتیں کیا سمجھے گا؟ ـــــ کیا پس تم سمجھتے نہیں! ـــــ یہ مسلمانوں سے کہا ہے کہ پھر تم ان کے پیچھے کیوں جان جلارہے ہو، چھوڑو ان کو ان کے حال پر!

وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ؀ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَاۗىِٕنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ؀ قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ؀

وَ قَالُوْا	اور کہا انھوں نے	وَ اِذَا	اور جب	قُلِ	کہہ دیں
مَا هِيَ[1]	نہیں وہ (حیات)	تُتْلٰى	پڑھی جاتی ہیں	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
اِلَّا حَيَاتُنَا	مگر ہماری حیات	عَلَيْهِمْ	ان کے سامنے	يُحْيِيْكُمْ	زندہ کرتے ہیں تم کو
الدُّنْيَا	دنیا کی	اٰيٰتُنَا	ہماری آیتیں	ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ	پھر ماریں گے تم کو
نَمُوْتُ	مرتے ہیں ہم	بَيِّنٰتٍ	کھلی کھلی	ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ	پھر جمع کریں گے تم کو
وَ نَحْيَا	اور جیتے ہیں ہم	مَا كَانَ	نہیں ہوتی	اِلٰى يَوْمِ	دن میں
وَمَا يُهْلِكُنَآ	اور نہیں ہلاک کرتا ہمیں	حُجَّتَهُمْ[2]	ان کی دلیل	الْقِيٰمَةِ	قیامت کے
اِلَّا الدَّهْرُ	مگر زمانہ	اِلَّآ اَنْ	مگر یہ کہ	لَا رَيْبَ	نہیں کچھ شبہ
وَمَا لَهُمْ	اور نہیں ہے ان کے لئے	قَالُوا	کہا انھوں نے	فِيْهِ	اس میں
بِذٰلِكَ	اس بارے میں	ائْتُوْا	لاؤ تم	وَ لٰكِنَّ	لیکن
مِنْ عِلْمٍ	کچھ علم	بِاٰبَآئِنَآ	ہمارے باپ دادوں کو	اَكْثَرَ	اکثر لوگ
اِنْ هُمْ	نہیں وہ	اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم	النَّاسِ	لوگ
اِلَّا يَظُنُّوْنَ	مگر گمان کرتے	صٰدِقِيْنَ	سچے	لَا يَعْلَمُوْنَ	جانتے نہیں

خواہش کو خدا بنانے کی دو مثالیں

جو لوگ عقل سے پیدل ہوتے ہیں، وہ خواہش کو خدا بنا لیتے ہیں، وہ کیسی کیسی بے عقلی کی باتیں کرتے ہیں، اس کی دو مثالیں دیکھیں:

پہلی مثال: جو لوگ دوسری زندگی کا انکار کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: ''بس یہی ہمارا جینا مرنا ہے'' آگے کچھ نہیں، ''اور زمانہ کا چکّر ہی ہمیں ختم کرتا ہے'' —— یہ انھوں نے بے دلیل اٹکل لڑائی ہے۔ کیونکہ زمانہ تو ایک اعتباری چیز ہے، اس کا حقیقی وجود نہیں، مثلاً: کوئی شخص پہیّا گھمائے تو اس کی 'گردش' ایک اعتباری چیز ہے، اس کی طرف کوئی چیز منسوب نہیں کر سکتے، یہ نہیں کہہ سکتے کہ پہیّے کی گردش سے یہ ہوا، اگر پہیّے کے گھومنے سے کسی کو نقصان پہنچتا ہے تو اس کو پہیّا گھمانے والے کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، اسی طرح گردشِ لیل ونہار کے معاملہ کو سمجھنا چاہئے، اس سے کوئی چیز وجود میں آتی ہے تو وہ خالقِ لیل ونہار کا فعل ہے، اسی لئے حدیث شریف میں ہے: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دَہر (زمانہ) کو برا مت کہو، زمانہ

(۱) هي: کا مرجع بعد میں ہے (۲) حجتهم: کان کی خبر مقدم ہے اور اسم إلا أن ہے، کیونکہ حصر: اسم کا کرنا ہے۔

میں ہی ہوں، یعنی گردشِ لیل ونہار اللہ کا فعل ہے، پس اس سے جو اچھی بری چیزیں وجود پذیر ہوتی ہیں وہ اللہ کے افعال ہیں، اس لئے زمانہ کی برائی اللہ تک پہنچے گی۔

دوسری مثال: جب منکرینِ بعث کو ضرورتِ آخرت کی دلیلیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں، تو ان کا جواب بس یہی ہوتا ہے کہ ہمارے باپ دادوں کو زندہ کر کے دکھادو تو ہم مانیں! —— ان کو جواب دو: اس کا وقت مقرر ہے، یہ کام وقت پر ہوگا، جیسے طلوعِ شمس کا وقت مقرر ہے، اگر کوئی آدھی رات کو کہے کہ ابھی سورج نکال کر دکھاؤ تو ہم خدا کی قدرت مانیں، تو اس کو بے عقلی کی بات نہیں تو اور کیا کہیں گے!

آیاتِ پاک: —— اور ان لوگوں نے کہا: ہماری اس دنیوی زندگی کے علاوہ کوئی زندگی نہیں، اور ہمیں صرف زمانہ ہلاک کرتا ہے —— اور ان لوگوں کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں، وہ محض اٹکل اڑاتے ہیں۔

اور جب ان کے سامنے ہماری واضح دلیلیں پڑھی جاتی ہیں، تو ان کے پاس کوئی جواب نہیں ہوتا اس کے سوا کہ وہ کہتے ہیں: ہمارے باپ دادوں کو زندہ کر کے لے آؤ، اگر تم سچے ہو! —— ان کے جواب کو حجت (دلیل) کہہ کر استہزاء کیا ہے کہ دیکھو: یہ ہے ان کی دلیل! جیسے جہنم کی وعید کو خوش خبری کہہ کر استہزاء کیا جاتا ہے۔

جواب: —— آپ کہیں: اللہ نے تم کو زندہ کیا ہے —— یعنی مقررہ وقت پر تم کو حیات بخشی ہے —— پھر وہ تم کو موت دیں گے —— یعنی مقررہ وقت پر —— پھر وہ تم کو —— مقررہ وقت پر زندہ کر کے —— جمع کریں گے قیامت کے دن —— یعنی اس دن تم اور تمہارے اسلاف سب ایک ساتھ زندہ ہو کر جمع ہوؤ گے، ابھی دنیا میں ایک ساتھ زندہ ہو کر جمع نہیں ہو سکتے —— جس میں ذرا شک نہیں —— یعنی قیامت کا دن یقیناً آنا ہے —— لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں —— اس لئے انکار کرتے ہیں۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَىِٕذٍ يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿٢٧﴾ وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۣ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا ۭ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٢٨﴾ هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٢٩﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿٣٠﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۣ اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿٣١﴾

وَلِلّٰهِ	اور اللہ کے لئے	اَلْيَوْمَ	آج	الصّٰلِحٰتِ	نیک کام
مُلْكُ	حکومت ہے	تُجْزَوْنَ	بدلہ دیئے جاؤ گے تم	فَيُدْخِلُهُمْ	تو داخل کریں گے ان کو
السَّمٰوٰتِ	آسمانوں	مَا	(ان کاموں کا) جو	رَبُّهُمْ	ان کے پروردگار
وَالْاَرْضِ	اور زمین کی	كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ	کیا کرتے تھے تم	فِيْ رَحْمَتِهٖ	اپنی مہربانی میں
وَيَوْمَ	اور جس دن	هٰذَا	یہ	ذٰلِكَ هُوَ	یہ وہ
تَقُوْمُ	کھڑی ہوگی	كِتٰبُنَا	ہمارا نوشتہ ہے	الْفَوْزُ	کامیابی ہے
السَّاعَةُ	قیامت	يَنْطِقُ	بولتا ہے	الْمُبِيْنُ	واضح
يَوْمَئِذٍ	اُس دن	عَلَيْكُمْ	تمہارے خلاف	وَاَمَّا الَّذِيْنَ	اور رہے جنھوں نے
يَّخْسَرُ	گھاٹے میں رہیں گے	بِالْحَقِّ	بالکل ٹھیک	كَفَرُوْا	انکار کیا
الْمُبْطِلُوْنَ	باطل پرست	اِنَّا	بے شک ہم	اَفَلَمْ تَكُنْ	کیا پس نہیں تھیں
وَتَرٰى	اور دیکھے گا تو	كُنَّا نَسْتَنْسِخُ (۲)	لکھوایا کرتے تھے	اٰيٰتِيْ	میری آیتیں
كُلَّ اُمَّةٍ	ہر امت کو	مَا	جو	تُتْلٰى	پڑھی جاتیں
جَاثِيَةً (۱)	گھٹنوں کے بل بیٹھنے والی	كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ	تم کیا کرتے تھے	عَلَيْكُمْ	تمہارے سامنے
كُلُّ اُمَّةٍ	ہر امت	فَاَمَّا الَّذِيْنَ	پس رہے وہ جو	فَاسْتَكْبَرْتُمْ	پس گھمنڈ کیا تم نے
تُدْعٰى	بلائی جائے گی	اٰمَنُوْا	ایمان لائے	وَكُنْتُمْ قَوْمًا	اور تھے تم لوگ
اِلٰى كِتٰبِهَا	اس کے نوشتہ کی طرف	وَعَمِلُوا	اور کئے انھوں نے	مُّجْرِمِيْنَ	گناہ گار

قیامت کے احوال

تمہیدی گفتگو کے بعد اب راست قیامت کے احوال بیان فرماتے ہیں، قیامت کے دن حکومت صرف اللہ کی ہوگی، روز جزاء کے وہی مالک ہیں: ﴿مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ دنیا میں تو مجازی حکومتیں بھی ہیں، اور لوگوں کا کچھ نہ کچھ اختیار بھی چلتا ہے، مگر قیامت کے دن کوئی سر ابھارنے والا نہیں ہوگا، اختیار سارا اللہ کا ہوگا، چنانچہ سب امتیں باادب بیٹھیں گی، کسی میں شیخی اور غرور باقی نہیں رہے گا، یا سب امتیں ذلیل وخوار ہو کر گھٹنوں کے بل پڑ جائیں گی، اور نامہ اعمال اڑایا جائے گا، جب

(۱) جاثیة: اسم فاعل، واحد مؤنث: گھٹنوں کے بل بیٹھنے والی، جیسے قعدہ میں بیٹھتے ہیں، یعنی باادب یا پیروں کے پنجے کھڑے کر کے گھٹنے ٹیک کر بیٹھنے والی یعنی خوف ودہشت سے (۲) استنسخ: لکھوانا، سین ت طلب کے لئے۔

وہ سب کے ہاتھوں میں پہنچ جائے گا تو اعلان ہوگا کہ آج تم کو تمہارے کئے کا بدلہ دیا جائے گا۔ یہ نامۂ اعمال جو تمہارے ہاتھوں میں ہے، ٹھیک ٹھیک تمہارے اعمال کی گواہی دے گا، ہم نے فرشتوں سے لکھوا کر یہ مسل تیار کر رکھی ہے، تا کہ تم پر حجت ہو —— پھر نیکوکار ایماندار جنت میں داخل کئے جائیں گے، جنت اللہ کی رحمت کی جگہ ہے، وہاں ان کی خوب پزیرائی ہوگی —— اور جنھوں نے اللہ کا دین قبول نہیں کیا، ان کو دھمکاتے ہوئے کہا جائے گا: ''تمہیں دنیا میں میری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی تھیں، مگر تم نے غرور کی وجہ سے ان کو نہیں مانا، درحقیقت تم تھے ہی مجرم!'' —— اب چکھو اپنے انکار کا مزہ!

آیاتِ پاک: —— اور اللہ ہی کی سلطنت ہے آسمانوں میں اور زمین میں، اور جس دن قیامت قائم ہوگی: اس دن اہل باطل خسارہ میں رہیں گے —— اور آپ ہر امت کو دیکھیں گے زانو پر بیٹھنے والی! ہر امت اپنے نامۂ اعمال کی طرف بلائی جائے گی، آج تمہیں تمہارے کئے کا بدلہ ملے گا —— یہ ہمارا نوشتہ ہے، جو تمہارے خلاف ٹھیک ٹھیک بول رہا ہے، بے شک ہم لکھواتے جاتے تھے جو تم کیا کرتے تھے —— سو جو لوگ ایمان لائے، اور انھوں نے نیک کام کئے، ان کو ان کا پروردگار اپنی مہربانی میں داخل کرے گا، یہی کھلی کامیابی ہے —— اور رہے وہ لوگ جنھوں نے نہیں مانا: کیا میری آیتیں تم کو پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھیں؟ پس تم نے ان کو قبول کرنے سے گھمنڈ کیا، اور تم لوگ تھے ہی مجرم!

وَإِذَا قِيلَ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَّ السَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِي مَا السَّاعَةُ ۙ إِنْ نَّظُنُّ إِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِينَ ﴿٣٢﴾ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿٣٣﴾ وَقِيلَ الْيَوْمَ نَنْسٰكُمْ كَمَا نَسِيتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَاْوٰكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِينَ ﴿٣٤﴾ ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُونَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿٣٥﴾ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ ﴿٣٦﴾ وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۠ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٣٧﴾ ع

وَإِذَا قِيلَ	اور جب کہا گیا	اللّٰهِ	اللہ کا	وَّ السَّاعَةُ	اور قیامت
إِنَّ وَعْدَ	بے شک وعدہ	حَقٌّ	برحق ہے	لَا رَيْبَ	نہیں کچھ شک

فِيْهَا	اس میں	اَلْيَوْمَ	آج	لَا يُخْرَجُوْنَ	نہیں نکالے جائیں گے وہ
قُلْتُمْ	کہا تم نے	نَنْسٰكُمْ	بھلا دیں گے ہم تم کو	مِنْهَا	دوزخ سے
مَّا نَدْرِيْ	نہیں جانتے ہم	كَمَا نَسِيْتُمْ	جیسا بھلا دیا تم نے	وَلَا هُمْ	اور نہ وہ
مَا السَّاعَةُ	قیامت کیا ہے؟	لِقَآءَ	ملاقات کو	يُسْتَعْتَبُوْنَ (۲)	معافی منگوائے جائیں گے
اِنْ نَّظُنُّ	نہیں گمان کرتے ہم	يَوْمِكُمْ	تمہارے دن کی	فَلِلّٰهِ	پس اللہ کے لئے ہیں
اِلَّا ظَنًّا	مگر گمان کرنا	هٰذَا	اس	الْحَمْدُ	تمام تعریفیں
وَّمَا نَحْنُ	اور نہیں ہیں ہم	وَمَاْوٰىكُمُ	اور تمہارا ٹھکانہ	رَبِّ	(جو) پروردگار ہیں
بِمُسْتَيْقِنِيْنَ (۱)	یقین کرنے والے	النَّارُ	دوزخ ہے	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں کے
وَبَدَا لَهُمْ	اور ظاہر ہوئی ان کیلئے	وَمَا لَكُمْ	اور نہیں ہے تمہارے لئے	وَرَبِّ الْاَرْضِ	اور پروردگار ہیں زمین کے
سَيِّاٰتُ	برائیاں	مِّنْ نّٰصِرِيْنَ	کوئی مددگار	رَبِّ	پروردگار ہیں
مَا	(ان کاموں کی) جو	ذٰلِكُمْ	یہ بات	الْعٰلَمِيْنَ	سارے جہانوں کے
عَمِلُوْا	کئے انھوں نے	بِاَنَّكُمُ	باایں وجہ ہے کہ تم نے	وَلَهُ	اور ان کے لئے
وَحَاقَ	اور گھیر لیا	اتَّخَذْتُمْ	بنایا	الْكِبْرِيَآءُ	بڑائی ہے
بِهِمْ	ان کو	اٰيٰتِ اللّٰهِ	اللہ کی آیتوں کا	فِي السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں
مَّا كَانُوْا	اس (عذاب) نے جو تھے وہ	هُزُوًا	ٹھٹھا	وَالْاَرْضِ	اور زمین میں
بِهٖ	اس کا	وَّغَرَّتْكُمُ	اور دھوکہ دیا تم کو	وَهُوَ	اور وہ
يَسْتَهْزِءُوْنَ	ٹھٹھا کرتے	الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا	دنیا کی زندگی نے	الْعَزِيْزُ	زبردست
وَقِيْلَ	اور کہا گیا	فَالْيَوْمَ	پس آج	الْحَكِيْمُ	بڑی حکمت والے ہیں

ابھی قیامت کا یقین مشکل ہے، پھر جب وہ واقعہ بنے گی تو یقین سے فائدہ کیا ہوگا!

اللہ تعالیٰ نے دنیا ایسی دلچسپ بنائی ہے کہ لوگوں کو قیامت کا یقین مشکل سے آتا ہے، منکرین سے تو جب کہا جاتا ہے

(۱) مُسْتَيْقِنٌ: اسم فاعل: یقین کرنے والا، اِسْتِيْقَانٌ: مصدر (۲) لا يُسْتعتبون: مضارع منفی مجہول، جمع مذکر غائب، اِسْتِعْتَاب: باب استفعال، ماخذ عَتَب: ناراضگی، باب افعال إعتَاب: ناراضگی دور کرنا، پس اِسْتِعْتَاب کے معنی ہیں طلبِ اعتاب: یعنی ناراضگی دور کرنے کی طلب یعنی کسی سے خواہش کرنا کہ وہ آپ کی ناراضگی دور کردے اور آپ کو رضامند کرلے (لغات ←

کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے، قیامت کا آنا یقینی ہے، اس میں ذرا شک کی گنجائش نہیں تو وہ کہتے ہیں: ہماری سمجھ میں قیامت وقیامت نہیں آتی، ہاں کچھ دھندلا سا تصور آتا ہے، مگر یقین نہیں آتا۔

اور عام مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ وہ زبان سے تو قیامت کا اقرار کرتے ہیں، مگر عمل سے اس کا انکار کرتے ہیں، اگر یقین ہوتا تو نماز پڑھتے اور برائیوں سے بچتے، اسی لئے بہت سی حدیثوں میں آتا ہے کہ جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر یقین رکھتا ہے وہ یہ کرتا ہے اور یہ نہیں کرتا، کیونکہ قیامت کا یقین ہی اعمال پر ابھارتا ہے۔

مگر قیامت کو بہر حال آنا ہے، اور اس کا آنا ایسا یقینی ہے جیسا آج کے بعد آئندہ کل کا آنا، پھر جب وہ واقعہ بنے گی، اور بدکاروں کو سزا ملے گی تو اس کے یقین کرنے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا، کیونکہ گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں، آج یقین کرے تو ایمان اور نیک زندگی مل سکتی ہے۔

﴿ وَاِذَا قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ السَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ مَا السَّاعَةُ ۙ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ۝ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور جب کہا جاتا ہے: بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے، اور قیامت میں ذرا شک نہیں، تو تم کہا کرتے تھے: ہم نہیں جانتے قیامت کیا چیز ہے؟ ہاں ایک خیال سا آتا ہے، اور ہمیں یقین نہیں آتا ——— پھر جب قیامت برپا ہوئی ——— اور ظاہر ہوئی ان کے لئے ان برائیوں کی سزا جو انھوں نے کی ہیں، اور گھیر لیا ان کو اس عذاب نے جس کا وہ ٹھٹھا کیا کرتے تھے ——— تب یقین کرنے سے کیا فائدہ ہوگا؟

منکرینِ قیامت کی سزا جنسِ عمل سے ہوگی، اس لئے مستمر ہے

کافروں کو جب جہنم میں جھونکا جائے گا تو ان سے کہہ دیا جائے گا کہ اب ہم تم کو مہربانی سے کبھی یاد نہیں کریں گے، تمہیں ہمیشہ کے لئے عذاب میں چھوڑ دیں گے، کیونکہ ان کی سزا جنسِ عمل سے ہوگی، قیامت کو ماننا ایک عقیدہ ہے، اور عقیدہ مستمر ہوتا ہے، اور کافروں نے قیامت کو بھلا دیا تھا، اس لئے ان کی سزا بھی ابدی ہوگی، اور جہنم میں ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا جو اس عذاب سے چھڑائے۔

﴿ وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور کہا گیا: آج ہم تم کو بھلا دیں گے، جیسا تم نے اپنے اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا، اور تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہے، اور تمہارا کوئی بھی مددگار نہیں۔

← القرآن) اس لئے میں نے ترجمہ کیا ہے: معافی منگوانا۔

جہنمیوں کو معافی مانگنے کا موقعہ نہیں دیا جائے گا

جہنمیوں کو نہ تو جہنم سے باہر نکالا جائے گا، نہ ان کو یہ موقع دیا جائے گا کہ وہ معافی تلافی کر کے اللہ کو راضی کر لیں، اس لئے کہ انھوں نے دنیا میں اللہ کی آیتوں کی ہنسی اڑائی تھی، اور دنیا کے مزوں میں پڑ کر انہیں خیال ہی نہیں آیا تھا کہ کبھی اللہ کے سامنے پیش ہونا ہے، اس لئے اب ان کے لئے رستگاری کا کوئی موقع نہیں۔

﴿ ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّ غَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿٣٥﴾ ﴾

ترجمہ: یہ سزا اس وجہ سے ہے کہ تم نے اللہ کی آیتوں کی ہنسی اڑائی تھی، اور تمہیں دنیوی زندگی نے دھوکے میں ڈالے رکھا تھا، پس آج وہ لوگ دوزخ سے نہیں نکالے جائیں گے، اور نہ وہ معافی منگوائے جائیں گے۔

قیامت کی کورٹ برخاست اور نعرۂ حمد!

اس کے بعد قیامت کی کورٹ اٹھ جائے گی، اور نعرۂ حمد لگے گا، سورۃ الزمر کے آخر میں بھی یہی نعرہ ہے: ﴿وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ، وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾: اور (بندوں کے درمیان) ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دیا جائے گا، اور کہا جائے گا کہ ساری خوبیاں اللہ کے لئے ہیں، جو تمام جہانوں کے پالنہار ہیں! اور جنتی بھی اپنی مجلسوں کے آخر میں یہی کہیں گے، سورۃ یونس (آیت ۱۰) میں ہے: ﴿وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾: اور ان کی آخری بات ہوگی کہ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، جو سارے جہانوں کے پالنہار ہیں! —— اہل دنیا ایسے موقع پر جے پکارتے ہیں یعنی زندہ باد، پائندہ باد! یہ نعرہ اللہ کے شایانِ شان نہیں، اس سے فنا کی بو آتی ہے وھو حیّ لایموت —— اللہ تعالیٰ کی شانِ عالی کے مناسب نعرۂ حمد ہے یا وہ نعرہ ہے جو غزوۂ احد میں صحابہؓ نے نبی ﷺ کی تعلیم سے لگایا تھا: اللہ أعلیٰ و أجلّ: اللہ تعالیٰ برتر و بزرگ ہیں!

﴿ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٣٦﴾ وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۠ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٣٧﴾ ﴾

ترجمہ: پس تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، جو آسمانوں کے پروردگار، اور زمین کے پروردگار، سارے جہانوں کے پروردگار ہیں، اور انہی کے لئے بڑائی ہے آسمانوں اور زمین میں، اور وہ زبردست بڑی حکمت والے ہیں!

﴿الحمدللہ! ۱۸ر ربیع الاول ۱۴۳۷ھ = ۳۰ر دسمبر ۲۰۱۵ء بروز بدھ سورۃ الجاثیہ کی تفسیر پوری ہوئی، اب دس دن کے لئے ترکی کا سفر ہے، وہاں اساتذہ اور دراساتِ علیاء کے طلبہ موطا امام محمد پڑھیں گے، وہاں سے لوٹ کر سورۃ الاحقاف کی تفسیر شروع کروں گا، ان شاء اللہ﴾

سُوۡرَةُ الۡاَحۡقَافِ مَكِّيَّةٌ

اٰیاتھا ۳۵ (۴۶) (۶۶) رکوعاتھا ۴

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

حٰمٓ ۞ تَنۡزِيۡلُ الۡكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَكِيۡمِ ۞ مَا خَلَقۡنَا السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَيۡنَهُمَاۤ اِلَّا بِالۡحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى‌ؕ وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا عَمَّاۤ اُنۡذِرُوۡا مُعۡرِضُوۡنَ ۞ قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ مَّا تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَرُوۡنِىۡ مَاذَا خَلَقُوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ اَمۡ لَهُمۡ شِرۡكٌ فِى السَّمٰوٰتِ‌ؕ اِيۡتُوۡنِىۡ بِكِتٰبٍ مِّنۡ قَبۡلِ هٰذَاۤ اَوۡ اَثٰرَةٍ مِّنۡ عِلۡمٍ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ۞ وَمَنۡ اَضَلُّ مِمَّنۡ يَّدۡعُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَنۡ لَّا يَسۡتَجِيۡبُ لَهٗۤ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ وَهُمۡ عَنۡ دُعَآئِهِمۡ غٰفِلُوۡنَ ۞ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوۡا لَهُمۡ اَعۡدَآءً وَّكَانُوۡا بِعِبَادَتِهِمۡ كٰفِرِيۡنَ ۞

حٰمٓ	حا،میم	وَمَا بَيۡنَهُمَا	اور دونوں کے درمیان	مَّا تَدۡعُوۡنَ	جن کو تم پکارتے ہو
تَنۡزِيۡلُ (۱)	اتارنا		کی چیزوں کو	مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ	اللہ سے ورے
الۡكِتٰبِ	اس کتاب کا	اِلَّا بِالۡحَقِّ	مگر بامقصد	اَرُوۡنِىۡ (۳)	دکھلاؤ مجھے
مِنَ اللّٰهِ	اللہ کی طرف سے ہے	وَاَجَلٍ مُّسَمًّى	اور مقررہ وقت کے لئے	مَاذَا	کیا
الۡعَزِيۡزِ	جوز بردست	وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا	اور جن لوگوں نے انکار کیا	خَلَقُوۡا	پیدا کیا انھوں نے
الۡحَكِيۡمِ	بڑی حکمت والے ہیں	عَمَّاۤ اُنۡذِرُوۡا (۲)	جس بات سے وہ ڈرائے گئے	مِنَ الۡاَرۡضِ	زمین سے
مَا خَلَقۡنَا	نہیں پیدا کیا ہم نے	مُعۡرِضُوۡنَ	منہ پھیرنے والے ہیں	اَمۡ لَهُمۡ	یا ان کے لئے
السَّمٰوٰتِ	آسمانوں کو	قُلۡ	پوچھو	شِرۡكٌ	ساجھا ہے
وَالۡاَرۡضَ	اور زمین کو	اَرَءَيۡتُمۡ	بتاؤ	فِى السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں

(۱) الکتاب: میں الف لام عہدی ہے، مراد قرآنِ کریم ہے (۲) عما أنذروا: معرضون سے متعلق ہے رعایتِ فاصلہ میں مقدم کیا ہے۔ (۳) أرونی: أرء يتم کی تکرار ہے اور جملہ أرء يتم کے مفعول ثانی کے قائم مقام ہے۔

اِیْتُوْنِیْ	لاؤتم میرے پاس	یَدْعُوْا	پکارتا ہے	وَاِذَا	اور جب
بِکِتٰبٍ	کوئی کتاب	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ سے وَرے	حُشِرَ	جمع کئے جائیں گے
مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ	اس سے پہلے کی	مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ(۲)	اس کو جو جواب نہیں دیتا	النَّاسُ	لوگ
اَوْ اَثٰرَةٍ(۱)	یا کوئی منقول بات	لَهٗٓ	اس کو	كَانُوْا	ہونگے وہ
مِّنْ عِلْمٍ	علم کی	اِلٰى یَوْمِ	دن تک	لَهُمْ	ان کے لئے
اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم	الْقِيٰمَةِ	قیامت کے	اَعْدَآءً	دشمن
صٰدِقِيْنَ	سچے	وَهُمْ	اور وہ	وَّكَانُوْا	اور ہونگے وہ
وَمَنْ اَضَلُّ	اور کون زیادہ گمراہ ہے	عَنْ دُعَآئِهِمْ(۳)	ان کی پکار سے	بِعِبَادَتِهِمْ	ان کی بندگی کا
مِمَّنْ	اس سے جو	غٰفِلُوْنَ	بے خبر ہیں	كٰفِرِيْنَ	انکار کرنے والے

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

سورت کا نام اور موضوع

اس سورت کا نام احقاف ہے، احقاف: حِقْف کی جمع ہے، سورت کے تیسرے رکوع میں قوم عاد کا ذکر آیا ہے، ان کا مسکن احقاف تھا، اس سے سورت کا نام رکھا ہے۔ حِقْف کے معنی ہیں: خم دار اور لمبا ریت کا تودا۔ یہ جگہ حضر موت کے شمال میں واقع ہے، تفصیل تیسرے رکوع میں آئے گی۔

سورۃ الاحقاف مکی سورت ہے، اور یہ حوامیم کی آخری سورت ہے، اس کے نزول کا نمبر ۶۶ ہے، سورۃ الجاثیہ کا نمبر ۶۵ تھا، پس یہ سورت: سورت الجاثیہ کے بعد متصلاً نازل ہوئی ہے، اور متصلاً ہی رکھی گئی ہے۔ اور اس کا موضوع بھی وہی تین مسائل ہیں جو حوامیم کا موضوع ہیں، یعنی توحید، رسالت اور آخرت۔ شروع میں تھوڑا (آیت ۶ تک) توحید کا بیان ہے، پھر تفصیل سے (آیت ۳۲ تک) رسالت اور دلیلِ رسالت (قرآنِ کریم) کا تذکرہ ہے، پھر آخر میں آخرت کا ذکر ہے، اور منکروں کی دنیوی سزا کے تذکرہ پر سورت ختم ہوئی ہے، اور اگلی سورت اسی مضمون سے شروع ہوئی ہے۔

---

(۱) أثارة: مصدر أَثَرَهُ (ن) أَثْرًا و أَثَارَةً وَأُثْرَة الحديث: بات نقل کرنا، روایت کرنا اور من علم محذوف سے متعلق ہو کر أثارةٍ کی صفت ہے أی کائنة من علم: یعنی علمی، عقلی اور تحقیقی منقول دلیل، گھڑی ہوئی بوگس بات نہیں۔ (۲) من لا یستجیب: یدعوا کا مفعول بہ ہے (۳) عن دعائهم: غافلون سے متعلق ہے۔

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

سورت توحید کے بیان سے شروع ہوئی ہے، اور سورت کے تینوں مضامین کی دلیل کے طور پر قرآنِ مبین کا ذکر کیا ہے۔ سورۃ الزخرف اور سورۃ الدخان کے شروع میں قرآنِ مبین کی قسم کھائی تھی، اور قرآنی قسمیں مقصد کے دلائل ہوتے ہیں، یعنی سورت میں جو تین بنیادی عقائد ہیں ان کی دلیل بیان القرآن ہے۔ اور سورت الجاثیہ اور اِس سورت میں نہج بدل کر فرمایا ہے کہ یہ کتاب یعنی قرآنِ کریم زبردست اور بڑے حکمت والے اللہ کی طرف سے اتاری جارہی ہے، اور وہی سورت میں مذکور تینوں مسائل کی دلیل ہے۔

کائنات خاص مقصد سے مقررہ میعاد تک کے لئے پیدا کی گئی ہے

آسمان وزمین اور دونوں کے درمیان کی چیزیں ایک خاص مقصد سے اور ایک مقررہ میعاد تک کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ اور وہ خاص مقصد ہے: تکلیفِ شرعی، یعنی مکلّف مخلوقات کو مثبت ومنفی پہلوؤں سے احکام دیئے جائیں، پھر تعمیل وعدم تعمیل پر آخرت (آنے والی دنیا) میں جزاؤسزا ہو، اس خاص مقصد سے یہ کائنات پیدا کی گئی ہے، کوئی کھیل نہیں کیا، اور اس عالم کے لئے ایک وقت مقرر کیا ہے، جب وہ وقت پورا ہوجائے گا بساط الٹ دی جائے گی، صور پھونکا جائے گا اور ہر چیز پردۂ عدم میں چلی جائے گی۔ پھر ایک وقت کے بعد دوبارہ صور پھونکا جائے گا، اور یہی کائنات دوبارہ پیدا ہوگی، اور جزاؤسزا کا مرحلہ شروع ہوگا۔

پھر آیت اس پر ختم ہوئی ہے کہ جو لوگ اس بات کو نہیں مانتے کہ یہ کائنات خاص مقصد سے اور خاص وقت کے لئے پیدا کی گئی ہے وہ آخرت یعنی آنے والی دنیا سے بے رخی برتتے ہیں، لوگوں کو بار بار آنے والے اِس مرحلہ سے ڈرایا جاتا ہے مگر وہ بات ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیتے ہیں، اور آخرت کی کوئی فکر نہیں کرتے۔

﴿حٰمٓ ۚ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۞ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ۞﴾

ترجمہ: حا، میم، یہ کتاب اللہ زبردست حکمت والے کی طرف سے نازل کی جارہی ہے○ ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور دونوں کے درمیان کی چیزوں کو خاص مقصد اور ایک معین میعاد تک کے لئے پیدا کیا ہے، اور جو لوگ یہ بات نہیں مانتے وہ اُس (آخرت) سے بے رخی برتنے والے ہیں جس سے وہ (بار بار) ڈرائے جاتے ہیں۔

توحید کا بیان اور شرک کی تردید

معبود صرف اللہ تعالیٰ ہیں، وہی کائنات (آسمانوں اور زمین) کے خالق ومالک ہیں، دوسرا کوئی نہ خالق ہے نہ مالک،

مشرکین کے معبودوں نے نہ زمین کا کوئی حصہ پیدا کیا ہے، نہ آسمانوں کی تخلیق میں ان کی کوئی بھاگی داری ہے پھر وہ معبود کیسے ہوسکتے ہیں ـــــ پھر بھی مشرکین کو اصرار ہو کہ ان کے معبود (ملائکہ، انبیاء اور اولیاء) قابلِ پرستش ہیں تو وہ اس کی کوئی نقلی یا عقلی دلیل پیش کریں، قرآنِ کریم سے پہلے بہت سی کتابیں نازل ہوچکی ہیں، ان میں سے کوئی دلیل لائیں، یا کوئی منقول علمی (عقلی) دلیل پیش کریں، وہ ہرگز کوئی دلیل پیش نہیں کرسکیں گے، پھر کاہے کو وہ شرک کے دلدادہ ہیں؟ اور اگر ان کے خیال میں ان کے معبود حاجت روا ہیں، اس لئے وہ ان کی پرستش کرتے ہیں، تو وہ جان لیں کہ ان کے معبود قیامت کی صبح تک ان کی پکار کا جواب نہیں دے سکتے، وہ ان عابدوں کی دعاؤں سے بے خبر ہیں، پھر جواب کیسے دیں؟ یہ تو دنیا کا حال ہے اور قیامت کے دن وہ ان عابدوں کے دشمن ہوں گے، اور ان کی عبادت کا انکار کر بیٹھیں گے، پس جب ان سے نہ کوئی فائدہ دنیا میں متوقع ہے نہ آخرت میں، بلکہ آخرت میں ان کی بندگی ضرر رساں ہے تو وہ ان سے آس کیوں لگائے بیٹھے ہیں؟

﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۭ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَاۗىِٕهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَاۗءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ۝﴾

ترجمہ: کہئے: بتاؤ: جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو: مجھے دکھلاؤ: انھوں نے زمین کا کونسا حصہ پیدا کیا ہے؟ یا ان کی آسمانوں میں کچھ شرکت ہے؟ ـــــ میرے پاس کوئی کتاب لاؤ جو اس (قرآن) سے پہلے کی ہو، یا کوئی منقول علمی بات لاؤ، اگر تم سچے ہو ـــــ دعوئے شرک میں۔

اور اس شخص سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو اللہ کو چھوڑ کر ایسے معبودوں کی عبادت کرتا ہے جو قیامت تک اس کو جواب نہیں دے سکتے، اور وہ ان کی دعا سے بے خبر ہیں ـــــ اور جب سب لوگ جمع کئے جائیں گے تو وہ ان کے دشمن ہوں گے، اور وہ ان کی عبادت کا انکار بیٹھیں گے!

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاۗءَهُمْ ۙ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَـيْــــًٔا ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ۭ كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۰ ع

وَاِذَا	اور جب	يَقُوْلُوْنَ	کہتے ہیں وہ	كَفٰى بِهٖ (٧)	کافی ہیں وہ
تُتْلٰى	پڑھی جاتی ہیں	افْتَرٰىهُ	گھڑ لیا ہے اس نے اس کو	شَهِيْدًا	گواہ کے طور پر
عَلَيْهِمْ	ان (مشرکین) پر	قُلْ اِنِ	جواب دو: اگر	بَيْنِيْ	میرے درمیان
اٰيٰتُنَا	ہماری آیتیں	افْتَرَيْتُهٗ	گھڑ لیا ہے میں نے اس کو	وَبَيْنَكُمْ	اور تمہارے درمیان
بَيِّنٰتٍ (١)	واضح		(تو اللہ مجھے اس کی سزا	وَهُوَ	اور وہ
قَالَ	کہا		دیں گے) (٤)	الْغَفُوْرُ	بڑے بخشنے والے
الَّذِيْنَ	جنھوں نے	فَلَا تَمْلِكُوْنَ (٥)	پس نہیں مالک ہوگے تم	الرَّحِيْمُ	بڑے رحم والے ہیں
كَفَرُوْا	نہیں مانا	لِيْ	میرے لئے	قُلْ	کہو
لِلْحَقِّ (٢)	سچی بات (قرآن) کے	مِنَ اللّٰهِ	اللہ (کے عذاب) سے	مَا كُنْتُ	نہیں ہوں میں
	بارے میں	شَيْئًا	کچھ بھی (ہٹانے کے)	بِدْعًا (٨)	کوئی انوکھا
لَمَّا جَآءَهُمْ	جب پہنچی وہ ان کو	هُوَ اَعْلَمُ	وہ خوب جانتے ہیں	مِّنَ الرُّسُلِ (٩)	رسولوں سے
هٰذَا سِحْرٌ	یہ جادو ہے	بِمَا	اس بات کو جو	وَمَآ اَدْرِيْ	اور نہیں جانتا میں
مُّبِيْنٌ	کھلا	تُفِيْضُوْنَ (٦)	مشغول ہوتے ہو تم	مَا يُفْعَلُ (١٠)	کیا کیا جائے گا
اَمْ (٣)	بلکہ	فِيْهِ	اس میں	بِيْ	میرے ساتھ

(۱) بینات: حال ہے (۲) حق سے یہاں مراد قرآنِ کریم ہے، جو دین کی برحق تعلیمات پر مشتمل ہے (۳) أم: اضراب (اعراض) کے لئے ہے، اس کے معنی ہیں: بلکہ (۴) یہ إن: شرطیہ کا محذوف جواب ہے (۵) فلا تملکون: جواب محذوف پر متفرع ہے (۶) تفیضون: از إفاضة، جب اس کا استعمال باتوں کے لئے ہوتا ہے تو مشغول ہونے کے معنی ہوتے ہیں (۷) کفی کے فاعل پر باء زائدہ ہے، اور ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ہیں، اور شهیدًا: تمیز ہے، نسبت کے ابہام کو دور کرتی ہے (۸) بدعاً: صفتِ مشبہ ہے، جو بمعنی اسم فاعل و اسم مفعول ہوتی ہے، مبدِع: نئی بات کہنے والا، مبدَع: نیا بھیجا ہوا، انوکھا۔ (۹) من الرسل: کائنا سے متعلق ہو کر بدعا کی صفت ہے (۱۰) ما: استفہامیہ اور موصولہ دونوں ہو سکتے ہیں۔

وَلَا بِكُمْ	اور نہ تمہارے ساتھ	اَرَءَيْتُمْ	کیا دیکھا تم نے (بتلاؤ)	اِسْرَآءِيْلَ	یعقوبؑ کی
اِنْ اَتَّبِعُ	نہیں پیروی کرتا میں	اِنْ كَانَ	اگر ہے وہ (قرآن)	عَلٰى مِثْلِهٖ (۱)	اس کے مانند پر
اِلَّا مَا	مگر اس کی جو	مِنْ عِنْدِ	پاس سے	فَاٰمَنَ	پس وہ ایمان لایا
يُوْحٰٓى	وحی کی جاتی ہے	اللّٰهِ	اللہ کے	وَاسْتَكْبَرْتُمْ (۲)	اور تم نے گھمنڈ کیا
اِلَيَّ	میری طرف	وَكَفَرْتُمْ	اور انکار کیا تم نے	اِنَّ	بے شک
وَمَآ اَنَا	اور نہیں ہوں میں	بِهٖ	اس کا	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ
اِلَّا نَذِيْرٌ	مگر ڈرانے والا	وَشَهِدَ	اور گواہی دی	لَا يَهْدِي	راہ نہیں دیتے
مُّبِيْنٌ	کھول کر	شَاهِدٌ	گواہ نے	الْقَوْمَ	لوگوں کو
قُلْ	کہو	مِّنْۢ بَنِيْٓ	اولاد سے	الظّٰلِمِيْنَ	ناانصاف

رسالت اور دلیلِ رسالت کا بیان

اب یہ سلسلہ آیت ۳۲ تک چلے گا۔ اور زیرِ تفسیر آیات میں مشرکین مکہ کے رسول اور دلیلِ رسالت (قرآنِ کریم) پر دو تبصرے اور ان کے جوابات ہیں: اول: مشرکین قرآن کو جادو اور نبی ﷺ کو جادوگر کہتے ہیں، اس کا جواب نہیں دیا، بھلا کون اس بلیغ کلام کو جادو قرار دے گا؟ دوم: مشرکین قرآن کو نبی ﷺ کا خود ساختہ کلام بتاتے ہیں، یہ بات پہلی بات سے بھاری ہے، اس لئے تفصیل سے اس کے جوابات دیئے ہیں۔

مشرکین کا قرآن پر پہلا تبصرہ کہ وہ کھلا جادو ہے

جادو زود اثر ہوتا ہے، مشرکین کے نزدیک قرآن جادو بھری آواز تھی، سننے والا فوراً متاثر ہوتا تھا، اور اس پر ایمان لے آتا تھا، اور بھائی بھائی سے اور باپ بیٹے سے جدا ہو جاتا تھا ـــــ مگر یہ تو قرآن کی بہت بڑی خوبی تھی، کوئی برائی نہیں تھی، اس لئے اس کا جواب نہیں دیا۔

---

(۱) مثل: مانند، اور ضمیر قرآن کی طرف لوٹتی ہے، اور قرآن کے مانند سے مراد تورات ہے، مثل: زائد نہیں، اور شاھد سے مراد حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نہیں، کیونکہ یہ سورت مکی دور کے وسط میں نازل ہوئی ہے، وہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، اور مفسرین کرام جو اس آیت کا استثناء کرتے ہیں: وہ تفسیر ہے، روایت نہیں، اور روایات میں جو ابن سلامؓ کو مصداق بنایا ہے وہ بھی مفسرین کا قول ہے، مرفوع روایت نہیں اور سلف احتمالی صورت کو بھی شانِ نزول بناتے تھے (۲) استکبرتم کے بعد إن کان کا جواب مقدر ہے، جس پر إن اللہ لایھدی دلالت کرتا ہے۔ أی ألستم ظالمین؟

﴿ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ ﴾

ترجمہ: اور جب اُن (مشرکینِ مکہ) کے سامنے ہماری واضح آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو جن لوگوں نے سچی بات نہیں مانی وہ کہتے ہیں جب ان کو وہ (سچی بات) پہنچی کہ یہ تو کھلا جادو ہے!

مشرکین کا قرآن پر دوسرا تبصرہ کہ وہ خود ساختہ کلام ہے

جادو کہنے سے سنگین مشرکین کی یہ بات ہے کہ قرآن خود بناتے ہیں اور اللہ کے نام لگاتے ہیں ـــــ اس کے جواب میں تین باتیں فرمائی ہیں:

پہلی بات: کہو: اللہ پر جھوٹ لگانا بڑا جرم ہے، اگر خدانخواستہ میں مفتری ہوں تو اس کا وبال مجھ پر پڑ کر رہے گا، اور کوئی مجھے اللہ کی گرفت سے بچا نہیں سکے گا ـــــ مگر یہاں ایک دوسرا پہلو بھی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اگر میں سچا ہوں، اور قرآن واقعی اللہ کا کلام ہے، پس تم اس پر جو ریمارک (تبصرے) کر رہے ہو ان کو بھی اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں، پس سوچو: تمہارا حشر کیا ہوگا؟

اس کے بعد معاملہ اللہ کے سپرد کیا ہے، وہ خوب جانتے ہیں کہ صحیح کون ہے اور غلط کون؟ فرمایا: میرے اور تمہارے درمیان اللہ کی گواہی کافی ہے، کیونکہ ہمارا کوئی معاملہ ان سے پوشیدہ نہیں!

پھر آیت کے آخر میں سوالِ مقدر کا جواب ہے کہ جب مشرکین غلط ہیں تو ان کو سزا کیوں نہیں مل رہی؟ جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ غفور الرحیم بھی ہیں، وہ بندوں کو سنبھلنے کا موقعہ دیتے ہیں، پس قانونِ امہال (ڈھیل دینے) کو کوئی اپنے برحق ہونے کی دلیل نہ بنائے، اپنی حرکت سے باز آئے بخشا جائے گا۔

﴿ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ ﴾

ترجمہ: بلکہ وہ کہتے ہیں: اُس (قرآن) کو اس (رسول) نے گھڑ لیا ہے ـــــ جواب دیں: اگر میں نے اس کو گھڑ لیا ہے (تو اللہ تعالیٰ مجھے اس کی سزا ضرور دیں گے) پس تم مجھے اللہ (کی گرفت) سے ذرا بھی بچا نہیں سکو گے ـــــ وہ خوب جانتے ہیں اس بات کو جس میں تم مشغول ہو رہے ہو! ـــــ ان کی گواہی میرے اور تمہارے درمیان کافی ہے ـــــ اور وہ بڑے بخشنے والے بڑے رحم والے ہیں۔

دوسری بات: کہو: میں کوئی انوکھا رسول نہیں ہوں، نہ کوئی نئی چیز لایا ہوں، مجھ سے پہلے بھی انبیاء آتے رہے ہیں، اور ان پر کتابیں نازل ہوتی رہی ہیں ـــــ اور مجھے اس سے کچھ سروکار نہیں کہ میری دعوت کا انجام کیا ہوگا؟ اور اللہ تعالیٰ

تمہارے ساتھ کیا معاملہ کریں گے؟ میرا کام صرف وحی الٰہی کی پیروی اور حکم خداوندی کی تابعداری ہے، میں لوگوں کو ان کے برے اعمال کے نتائج سے کھول کر آگاہ کرنے والا ہی ہوں، آگے کے احوال کی مجھے خبر نہیں۔

﴿ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ۭ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ ﴾

ترجمہ: کہیں: میں کوئی انوکھا رسول نہیں ہوں، اور میں نہیں جانتا جو میرے ساتھ کیا جائے گا، اور نہ (اس کو جو) تمہارے ساتھ کیا جائے گا، میں صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف بھیجی جاتی ہے اور میں کھول کر ڈرانے والا ہی ہوں!

تیسری بات: قریش کی غیرتِ قومی کو للکارا ہے کہ تمہارے چچازاد بھائی یعنی یعقوب علیہ السلام کی اولاد تو تورات کی حقانیت کی گواہی دیتی ہے، وہ اس پر ایمان لائی ہے، اور تمہارے پاس اللہ کی عظیم الشان کتاب آئی، مگر تم اس سے منہ موڑ رہے ہو! عجیب بات! تمہاری غیرت کہاں مرگئی! —— انصاف سے کام لو، مورتیاں کسی طرح معبود نہیں ہوسکتیں، اور اللہ تعالیٰ ناانصافوں کو ہدایت سے سرفراز نہیں کرتے۔

فائدہ: دواور جگہ بھی قرآنِ کریم نے قریش کی غیرتِ قومی کو للکارا ہے:

۱- سورۃ الحج کی آخری آیت میں ہے: ﴿مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ﴾: یعنی نبی ﷺ جو دین پیش کررہے ہیں وہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی ملت ہے، اور باپ کے نام کو روشن کرنے کے لئے اولاد ہر ممکن کوشش کرتی ہے، پس اس دین کو قبول کرو، اور اس کو چار دانگ عالم پھیلانے کی محنت کرو، تمہارے جدامجد کا نام روشن ہوگا۔

۲- سورۃ الزخرف کی (آیت ۴۴) میں ہے: ﴿وَإِنَّهُ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ﴾: قرآن آپؐ کے لئے اور آپؐ کی قوم کے لئے ذکر ہے یعنی رہتی دنیا تک قرآن کے ذریعہ آپؐ کا اور آپ کی قوم کا تذکرہ باقی رہے گا، پس آپؐ کی قوم (قریش) کو چاہئے کہ اس پر ایمان لائیں، اور اس کو اقصائے عالم تک پہنچائیں۔

﴿ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ عَلٰي مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: کہیں: بتاؤ: اگر وہ (قرآن) اللہ کے پاس سے ہو، اور تم نے اس کا انکار کیا، اور بنی اسرائیل کے گواہ نے اُس (قرآن) کے مانند کی (یعنی تورات کی) گواہی دی، پس وہ ایمان لایا، اور تم نے گھمنڈ کیا —— اور قرآن پر ایمان نہیں لائے تو تم ناانصاف ٹھہرے یا نہیں؟ —— بےشک اللہ تعالیٰ ناانصافوں کو راہ نہیں دیتے!

سوال: اگر شاھد سے بنی اسرائیل اور مثلہ سے تورات مراد ہے تو شاھد مفرد کیوں ہے، جمع لانا چاہئے تھا۔
جواب: شاھد: اسم جنس ہے، جیسے انسان، پس وہ قلیل وکثیر پر صادق آتا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ۭ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ۝۱۱ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۭ وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ڰ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ۝۱۲

وَقَالَ	اور کہا	يَهْتَدُوْا	راہ پائی انھوں نے	وَّرَحْمَةً	اور مہربانی
الَّذِيْنَ	جنھوں نے	بِهٖ	اس (قرآن) کے ذریعہ	وَهٰذَا كِتٰبٌ	اور یہ کتاب
كَفَرُوْا	نہیں مانا	فَسَيَقُوْلُوْنَ	تو اب کہیں گے	مُّصَدِّقٌ	تصدیق کرنے والی ہے
لِلَّذِيْنَ (۱)	ان کے بارے میں جنھوں نے	هٰذَآ	یہ	لِّسَانًا	درانحالیکہ زبان ہے
اٰمَنُوْا	مان لیا	اِفْكٌ	افتراء ہے	عَرَبِيًّا (۲)	فصیح عربی
لَوْ كَانَ	اگر ہوتا وہ (قرآن)	قَدِيْمٌ	پرانا	لِّيُنْذِرَ	تاکہ ڈرائے وہ
خَيْرًا	بہتر	وَمِنْ قَبْلِهٖ	درانحالیکہ اس سے پہلے	الَّذِيْنَ	ان کو جنھوں نے
مَّا سَبَقُوْنَآ	(تو) نہ آگے بڑھتے وہ ہم سے	كِتٰبُ	کتاب ہے	ظَلَمُوْا	شرک کیا
اِلَيْهِ	اس کی طرف	مُوْسٰٓى	موسیٰ کی	وَبُشْرٰى	اور خوش خبری ہے
وَاِذْ لَمْ	اور جب نہیں	اِمَامًا	پیشوا	لِلْمُحْسِنِيْنَ	نیکوکاروں کے لئے

دو باتیں جو قریش کے گھمنڈ کی دلیل ہیں

گذشتہ آیت میں قریش سے کہا تھا کہ تمہارے ابنائے عم (بنی اسرائیل) تورات کی تصدیق کرتے ہیں، جوان کو دی گئی ہے اور وہ اس پر ایمان لے آئے ہیں، اور تم ہو کہ گھمنڈ سے بھر گئے، تمہیں اس سے بہتر کتاب دی گئی تو تم نے انکار کر دیا، فَيَا لَلْعَجَب: تعجب کو آواز دو! —— اب ان کے گھمنڈ سے صادر ہونے والی دو باتیں بطور مثال ذکر فرماتے ہیں:

اول: انھوں نے کہا: قرآن میں کوئی خیر نہیں، دلیل یہ ہے کہ اگر اس میں کوئی خیر ہوتی تو ہم بڑھ کر اس کو لیتے، یہ ٹٹ

(۱) للذین: میں لام جارّہ تبیین کے لئے ہے یعنی ان کے حق میں کہا، جیسے: ﴿فَتَعْسًا لَّهُمْ﴾: ان کے لئے تباہی ہے [محمد]
(۲) عربی کے مفہوم میں فصاحت داخل ہے۔

پونچیے ہم سے آگے نہ بڑھتے، ہم فرزانہ دانا ہیں، یہ لوگ عقل کے ادھورے ہیں، ہمارا قرآن کو قبول نہ کرنا دلیل ہے کہ وہ جو دین پیش کررہا ہے اس میں کوئی خیر نہیں! —— اس کا جواب نہیں دیا، کیونکہ یہ تو سنتِ الٰہی ہے، انبیاء کے پہلے متبعین ضعفاء (کمزور لوگ) ہوتے ہیں، اونچی ناک والے تو جب ان کی ناک خاک آلود ہوتی ہے تب ایمان لاتے ہیں۔

دوم: جب رؤسائے قریش کو قرآن سے ہدایت نہ ملی، یعنی اس پر ایمان لانا ان کو نصیب نہ ہوا تو خفّت مٹانے کے لئے انھوں نے کہا کہ یہ تو پرانا افتراء ہے! یعنی قدیم زمانہ سے لوگ نبوت کا دعوی کرتے آئے ہیں، اور گھڑ کر کتابیں اللہ کے نام لگاتے رہے ہیں۔

جواب: یہ پرانا جھوٹ نہیں، بلکہ پرانی صداقت ہے، کیا تم دیکھتے نہیں کہ قرآن سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کی کتاب تورات نازل ہوچکی ہے، جو لوگوں کی راہ نمائی کرتی ہے، اور لوگوں کو اللہ کی رحمت کا حقدار بناتی ہے، اور اب اس کے بعد یہ کتاب (قرآن مجید) نازل ہوئی ہے، جو تورات کی تصدیق کرتی ہے، جو فصیح عربی میں ہے، جو تمہاری مادری زبان ہے، اور یہ کتاب اس لئے نازل کی گئی ہے کہ پیغمبر مشرکوں کو کھڑ کھڑائے اور جو ایمان لا کر نیک کام کریں ان کو اچھے انجام کی خوش خبری سنائے۔

﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ۭ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ۝ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۭ وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ڰ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ۝﴾

ترجمہ: اور کہا جنھوں نے نہیں مانا ان لوگوں کے بارے میں جنھوں نے مان لیا کہ اگر ہوتی وہ کوئی اچھی چیز تو وہ لوگ ہم سے اس کی طرف آگے نہ بڑھتے —— اور جب نہیں راہ پائی انھوں نے اس کے ذریعہ تو اب کہیں گے کہ یہ پرانی من گھڑت ہے! —— حالانکہ اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب ہے، جو راہ نما اور مہربانی ہے، اور یہ کتاب اس کی تصدیق کرنے والی ہے، جو فصیح عربی زبان میں ہے، تاکہ پیغمبر ڈرائے ان لوگوں کو جنھوں نے اللہ کی حق تلفی کی ہے، اور خوش خبری سنائے نیکوکاروں کو!

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ۭ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۭ وَحَمْلُهٗ

وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ۭ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ړ اِنِّىْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝۱۵ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ فِيْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ۭ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ۝۱۶

اِنَّ الَّذِيْنَ	بے شک جنھوں نے	كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ	وہ کیا کرتے تھے	بَلَغَ	پہنچا وہ
قَالُوْا	کہا	وَوَصَّيْنَا	اور تاکید کی ہم نے	اَشُدَّهٗ	اپنی بھرپور قوت کو
رَبُّنَا	ہمارا پروردگار	الْاِنْسَانَ	انسان کو	وَبَلَغَ	اور پہنچا وہ
اللّٰهُ	اللہ ہے	بِوَالِدَيْهِ	اسکے والدین کے بارے میں	اَرْبَعِيْنَ	چالیس
ثُمَّ اسْتَقَامُوْا	پھر وہ ثابت قدم رہے	اِحْسٰنًا (۲)	حسن سلوک کرنے کی	سَنَةً	سال کی عمر کو
فَلَا خَوْفٌ	پس نہیں ڈر	حَمَلَتْهُ	پیٹ میں رکھا اس کو	قَالَ	کہا اس نے
عَلَيْهِمْ	ان پر	اُمُّهٗ	اس کی ماں نے	رَبِّ	اے میرے پروردگار!
وَلَا هُمْ	اور نہ وہ	كُرْهًا	سخت تکلیف سے	اَوْزِعْنِيْٓ (۴)	مجھے توفیق عطا فرما
يَحْزَنُوْنَ	غم گیں ہونگے	وَّوَضَعَتْهُ	اور جنا اس کو	اَنْ اَشْكُرَ	کہ شکر بجالاؤں میں
اُولٰۗىِٕكَ	یہ لوگ	كُرْهًا	سخت تکلیف ہے	نِعْمَتَكَ	آپ کی نعمتوں کا
اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ	باغ والے ہیں	وَحَمْلُهٗ	اور اسکا (گود میں) اٹھانا	الَّتِيْٓ	جو
خٰلِدِيْنَ	سدا رہنے والے	وَفِصٰلُهٗ	اور اس کا دودھ چھڑانا	اَنْعَمْتَ عَلَيَّ	کیں آپ نے مجھ پر
فِيْهَا	اس میں	ثَلٰثُوْنَ	تیس	وَعَلٰي وَالِدَيَّ	اور میرے والدین پر
جَزَاۗءًۢ (۱)	بدلہ (دیئے جائیں گے)	شَهْرًا	مہینے ہے	وَاَنْ اَعْمَلَ	اور یہ کہ کروں میں
بِمَا	ان کاموں کا جو	حَتّٰٓى اِذَا (۳)	(جیا وہ) یہاں تک کہ جب	صَالِحًا	نیک کام

(۱) جزاءً: فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے، أی یُجزَوْن جزاءً (۲) إحسانا: وصینا کا مفعول ثانی ہے (۳) حتی: فعل مقدر عاشَ (جیا) کی غایت ہے (۴) أَوْزَع اللّٰہ فلانا الشیئَ: کسی بات کی توفیق دینا، اللہ کا دل میں کوئی بات ڈالنا۔

تَرْضٰىهُ[1]	جن کو پسند کریں آپ	اُولٰٓئِكَ	یہ لوگ	عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ	ان کی برائیوں سے
وَاَصْلِحْ	اور سنواریں آپ	الَّذِيْنَ	جو	فِيْٓ اَصْحٰبِ[3]	(وہ) والوں میں
لِيْ	میرے لئے	نَتَقَبَّلُ	قبول کرتے ہیں ہم	الْجَنَّةِ	باغ کے ہیں
فِيْ ذُرِّيَّتِيْ	میری اولاد میں	عَنْهُمْ	ان کی طرف سے	وَعْدَ[4]	وعدہ
اِنِّيْ تُبْتُ	بیشک میں متوجہ ہوتا ہوں	اَحْسَنَ[2]	بہترین	الصِّدْقِ	سچا
اِلَيْكَ	آپ کی طرف	مَا عَمِلُوْا	ان کاموں کا جو کئے	الَّذِيْ[5]	جو
وَاِنِّيْ	اور بے شک میں		انھوں نے	كَانُوْا	تھے وہ
مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ	فرمان برداروں میں سے ہوں	وَنَتَجَاوَزُ	اور درگذر کرتے ہیں ہم	يُوْعَدُوْنَ	کئے جاتے

قرآنِ کریم کی دعوت قبول کرنے والوں کی زندگی کا نقشہ

جن لوگوں نے قرآنِ مجید کی دعوت قبول کی، اور وہ ایک اللہ پر ایمان لائے، پھر وہ ایمان کے تقاضوں پر استوار رہے، ان کی اخروی اور دنیوی زندگی کا نقشہ کیا ہوتا ہے؟ ان آیات میں اس کا بیان ہے، پہلی دو آیتوں میں اخروی انجام کا بیان ہے، کیونکہ وہ اہم ہے، دوسری زندگی ہی اصل زندگی ہے، پھر ایک آیت میں دنیوی زندگی کا نقشہ ہے، پھر آخری آیت میں ان کا مآل بیان کیا ہے۔

نیک مؤمنین کا اخروی انجام: —— جو لوگ ایک اللہ پر ایمان لائے ہیں، پھر اس کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں یعنی نیک اعمال کرتے ہیں، اور برے اعمال سے بچتے ہیں، صرف نام کے مسلمان نہیں ہیں، کام کے مسلمان ہیں، ان کے لئے آخرت میں نہ کوئی ڈر ہے نہ غم، ڈر آگے کا ہوتا ہے کہ نہ معلوم کیا پیش آئے! انھیں اس کا بالکل خوف نہیں، کیونکہ آگے سب کچھ ٹھیک ہوگا، اور غم پیچھے کا ہوتا ہے، انھیں دنیا چھوڑنے کا بھی غم نہیں، کیونکہ وہ بہتر دنیا میں پہنچ گئے ہیں، وہ بہتر دنیا جنت ہے، جہاں وہ سدا رہیں گے، اور جنت حقیقت میں اللہ کے فضل سے ملے گی، مگر بہ ظاہر وہ نیک اعمال کا صلہ ہوگی۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝﴾

(۱) جملہ ترضاہ: صالحاً کی صفت ہے (۲) أحسن (اسم تفضیل) مابعد کی طرف مضاف ہے (۳) فی أصحاب: کائن سے متعلق ہو کر نتقبل عنھم کی ضمیر مجرور کا حال ہے (۴) وعدَ الصدق: فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے، أی: وعدھم اللہ وعدَ الصدق۔ (۵) الذی: موصول صلہ مل کر وعدَ الصدق کی صفت ہے، اور مراد نتقبل اور نتجاوز کے وعدے ہیں۔

ترجمہ: بے شک جن لوگوں نے کہا: ہمارا پروردگار اللہ ہے، پھر وہ ثابت قدم رہے، ان کو نہ کوئی ڈر ہوگا نہ وہ غم گیں ہونگے، یہی لوگ اہل جنت ہیں، وہ اس میں سدا رہیں گے، ان کاموں کے صلہ میں جو وہ کیا کرتے تھے۔

نیک مؤمنین کے دنیوی احوال: —— دنیا میں انسان کا واسطہ چار ذوات سے پڑتا ہے: پروردگار سے، ماں باپ سے، اپنی ذات سے اور اپنی اولاد سے، ربّ کے ساتھ تعلق سب سے قوی ہے، کیونکہ وہ وجود بخشنے والے ہیں، پھر والدین کا نمبر ہے، کیونکہ وہ بھی وجود کا ظاہری سبب ہیں، مگر اللہ نے انسان کی فطرت کچھ ایسی بنائی ہے کہ جب اس کے بال و پَر نکلتے ہیں تو وہ اڑ جانے کی کوشش کرتا ہے، اور والدین کی طرف اس کا پورا التفات نہیں رہتا، اور اس طرح اللہ کی زمین آباد ہو جاتی ہے، پس اول پروردگار کے حقوق کا بیان آنا چاہئے تھا، مگر والدین کے حقوق کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے پہلے والدین کے حقوق بیان کئے ہیں، خاص طور پر ماں کا حق، پھر اللہ کی نعمتوں کی شکر گذاری کا بیان ہے، اور اپنی ذات اپنی ذات ہے، اس کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے، اس لئے تیسرے نمبر پر اس کا تذکرہ کیا ہے، اور آخر میں اولاد کی بہبودی کا ذکر ہے، کیونکہ اولاد سے والدین کا رشتہ اٹوٹ ہے، اولاد چاہے دور چلی جائے ماں باپ کے دل میں بیٹھی رہتی ہے، پھر بالکل آخر میں اللہ کے سامنے انقیاد کا اظہار ہے، کیونکہ وہی زندگی کا سرمایہ ہے۔ یہ آیت کے مضامین کا خلاصہ ہے، تفصیل آگے ہے۔

۱- نیک مسلمان والدین کا پورا خیال رکھتے ہیں: ﴿وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ۭ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۭ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ۭ﴾

ترجمہ: اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا تاکیدی حکم دیا، اس کی ماں نے اس کو بڑی مشقت سے پیٹ میں رکھا، اور اس کو بڑی مشقت سے جنا، اور اس کا گود میں اٹھانا اور اس کا دودھ چھڑانا ڈھائی سال میں ہوتا ہے —— اس آیت کے ذیل میں چند باتیں جاننی چاہئیں:

۱- باپ کا ذکر ایک مرتبہ آیا ہے، والدین میں ماں کے ساتھ باپ کا بھی ذکر ہے، پھر صرف ماں کا ذکر تین مرتبہ اور کیا ہے، اس لئے ماں کا حق خدمت میں زیادہ ہے، چنانچہ ایک حدیث میں ارشاد ہے: ''اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی (حسن سلوک) کرو، پھر اپنی ماں کے ساتھ، پھر اپنی ماں کے ساتھ، پھر اپنے باپ کے ساتھ، پھر قریب تر رشتہ دار کے ساتھ، پھر اس کے بعد کے رشتہ دار کے ساتھ (مظہری) —— والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی تفصیل اور مسائل ہدیت القرآن جلد پنجم، سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۲۳ ص ۵۶ میں آچکے ہیں۔

۲- والدین کی شفقت و مہربانی ہمیشہ باقی رہتی ہے، اولاد خواہ کتنی بھی دور چلی جائے ماں باپ کا میلان ختم نہیں ہوتا، اس لئے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا تاکیدی حکم ہے، اگر ان کے ساتھ بدسلوکی کی جائے گی تو ان کے دل کو ٹھیس پہنچے

گی، اور باپ کی شفقتوں کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ باپ کبھی حمل ٹھہرنے کے بعد مرجاتا ہے، یا دور چلا جاتا ہے مگر ماں بہرحال حمل اور تربیت کے مراحل طے کرتی ہے۔

۳- جو ناگوار کام طبیعت کے تقاضے سے کیا جائے، اس کے لئے کُرْھا (کاف کے پیش کے ساتھ) آتا ہے، اور جو ناگوار کام قسر کا سر (دوسرے کے دباؤ) سے کیا جائے، اس کے لئے کَرْھا (کاف کے زبر کے ساتھ) آتا ہے۔ سورۃ حٰمٓ السجدۃ (آیت ۱۱) میں ہے: ﴿ائْتِیَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا﴾: آسمانوں اور زمین کو بنانے کے بعد اللہ نے حکم دیا کہ تم دونوں خوشی سے آؤ یا ناخوشی سے، یعنی اللہ کے احکام تکوینیہ جو تم دونوں سے متعلق ہیں: خواہ تم راضی ہو کر کرو یا ناراضگی سے، بہرحال وہ احکام بجالانے ہونگے، آسمان وزمین حکم الٰہی کی تعمیل طبیعت کے تقاضے سے نہیں کرتے، بلکہ بہ حکم الٰہی راضی خوشی سے کرتے ہیں، اس لئے کَرْهًا: کاف کے زبر کے ساتھ ہے، اور ماں حمل اور وضع حمل کی تکلیف طبیعت کے تقاضہ سے برداشت کرتی ہے، جس عورت کے حمل نہیں ٹھہرتا وہ بے تاب رہتی ہے، اور نفاس بند ہونے کے بعد اگلے بچے کے لئے تیار ہوجاتی ہے، اس لئے کُرْهًا: کاف کے پیش کے ساتھ آیا ہے۔

۴- حَمَلَتْهُ میں حمل کے معنی ہیں: پیٹ میں اٹھانا، اور حَمْلُهُ میں حمل کے معنی ہیں: گود میں اٹھانا، پس یہاں دو چیزیں ہیں، ایک: دودھ پلانا، دوسرا: دودھ چھڑانا، اس کے لئے لفظ فصال ہے، اول کا ذکر سورۃ البقرۃ (آیت ۲۳۳) میں ہے: ﴿وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ، لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ﴾: اور مائیں اپنے بچوں کو دو سال کامل دودھ پلائیں، یہ مدت اس کے لئے ہے جو شیر خوارگی کی تکمیل کرنا چاہتا ہے یعنی یہ رضاعت (دودھ پلانے) کی زیادہ سے زیادہ مدت ہے، اس سے آگے دودھ پلانا جائز نہیں، ہاں اس مدت سے پہلے دودھ چھڑا سکتے ہیں —— اس آیت میں دودھ پلانے کی مدت کا بیان ہے، اور وہ دو سال ہے، اس پر امت کا اجماع ہے، احناف کے یہاں بھی فتوی اسی پر ہے، اور زیر تفسیر آیت میں فصال کی مدت کا ذکر ہے اور وہ ڈھائی سال ہیں، کیونکہ دو سال کے بعد بچہ یکدم دودھ نہیں چھوڑ سکتا، مائیں دودھ چھڑانے کے لئے جتن کرتی ہیں، کبھی پستان پر کڑوا مادہ لگاتی ہیں، کبھی چولی باندھ لیتی ہیں، کبھی تھپڑ مارتی ہیں، بچے کو ہَوکا (شدید خواہش) اٹھتا ہے وہ ماں سے لپٹ جاتا ہے، اور زبردستی دودھ پی لیتا ہے، اس لئے دو سال کے بعد چھ ماہ کی مدت دودھ چھڑانے کے لئے رکھی ہے، امام اعظم رحمہ اللہ اس مدت میں بھی حرمتِ رضاعت ثابت کرتے ہیں، یہ احتیاط کی بات ہے اور فتوی اسی پر ہے —— اور بچوں کے عام طور پر ڈیڑھ سال میں پیر آجاتے ہیں، مگر وہ گود کا شدید خواہش مند رہتا ہے، اس لئے ماں یا کوئی بڑا اس کو اٹھائے اٹھائے پھرتا ہے، پھر ڈھائی سال کی عمر میں خود کفیل ہو کر پیروں سے چلنے لگتا ہے، پس یہ بھی ایک مشقت ہے، جس کا آیت میں ذکر کیا ہے —— اور دودھ ماں کے خون سے

بنتا ہے، وہ خونِ جگر پلا کر بچہ کو پالتی ہے اور اٹھائے اٹھائے پھرتی ہے، اور ایک دو دن تک نہیں، پورے ڈھائی سال تک! اس لئے خدمت میں اس کا حق زیادہ ہے۔

تفسیر مظہری میں ہے کہ اس آیت سے مدتِ رضاعت ڈھائی سال ثابت کرنا صحیح نہیں

۵-حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے، اور اس پر امت کا اجماع ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ مدت اس آیت سے مستنبط کی ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک عورت نے نکاح کے چھ ماہ بعد بچہ جنا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو ناجائز حمل قرار دے کر سزا کا حکم دیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی، انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سزا دینے سے منع کیا، اور فرمایا: قرآن میں حمل اور رضاع کی مجموعی مدت تیس ماہ بیان کی ہے، پھر رضاعت کا چوبیس ماہ ہونا دوسری جگہ متعین کر دیا ہے، اس لئے باقی ماندہ مدت چھ ماہ ہی حمل کی کم سے کم مدت ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کے استدلال کو قبول کر کے اپنا حکم واپس لے لیا (قرطبی) —— اور اکثر مدتِ حمل میں بہت اختلاف ہے، ہر امام کی رائے الگ ہے، کیونکہ یہ مسئلہ بھی منصوص نہیں، اور عورتوں کی عادتیں مختلف ہیں، احناف کے نزدیک اکثر مدتِ حمل دو سال ہے۔

۲-نیک مسلمان اللہ کی نعمتوں کا شکر بجالاتا ہے:—— ﴿ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ ﴾

ترجمہ: (نیک مسلمان پلتا بڑھتا رہا) یہاں تک کہ جب وہ اپنی بھرپور جوانی کو پہنچا، اور عمر چالیس سال ہوگئی تو اس نے کہا: اے میرے پروردگار! مجھے توفیق عطا فرما کہ میں آپ کی ان نعمتوں کا شکر بجالاؤں جو آپ نے مجھ پر اور میرے والدین پر کیں! —— چالیس سال کی عمر میں انسان کی عقلی اور اخلاقی قوتیں پختہ ہوجاتی ہیں، چنانچہ انبیاء کو چالیس سال عمر پوری ہونے پر نبوت سے سرفراز کیا جاتا ہے، سعادت مند مسلمان بھی جب اس کی عمر پختہ ہوجاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے جو احسانات اس پر اور اس کے والدین پر ہوئے ہیں ان کا شکر ادا کرتا ہے —— اور جو نام کا مسلمان ہوتا ہے وہ سٹھیا جاتا ہے، مگر اللہ کی طرف متوجہ نہیں ہوتا، اس کو توفیق نہیں ملتی، کیوں کہ اس نے توفیق مانگی ہی نہیں، اور مانگے بغیر ماں بھی نہیں دیتی، وہ اسی غفلت میں رہتا ہے اور موت کا پیغام آجاتا ہے —— اور چالیس سال کی مدت اس لئے بیان کی ہے کہ اتنی عمر میں تو مؤمن کو سنبھل ہی جانا چاہئے، ورنہ بعض بندے تو عنفوانِ شباب سے اللہ کی عبادت میں پروان چڑھتے ہیں، جن کے لئے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ خاص سایہ مہیا کریں گے۔

۳-نیک مسلمان اچھے اعمال کی توفیق مانگتا ہے:—— ﴿ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ ﴾: اور یہ کہ میں

ایسے نیک کام کروں جن کو آپ پسند کریں ــــ یعنی وہ باقی زندگی میں اللہ تعالیٰ سے نیک عمل کی توفیق چاہتا ہے۔

۴- نیک مسلمان اولاد کی بہبودی کے لئے دعا کرتا ہے: ــــ ﴿ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ﴾: اور میرے فائدے کے لئے میری اولاد کو سنوار دیں! ــــ تین چیزیں مرنے کے بعد پیچھے سے فائدہ پہنچاتی ہیں: ایسی خیرات جس کا نفع جاری رہے، ایسا علم جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے رہیں، اور ایسی اولاد جو نیک کام کرے، ایسی اولاد والدین کے لئے دعا گو رہتی ہے۔ اور اولاد نیک اچھی تربیت سے بنتی ہے، پہلے خود سنورے تو اولاد اس کے نقشِ قدم پر چلے گی، ورنہ محض دعا بے اثر ہوگی۔

۵- اللہ کے سامنے انقیاد واطاعت کا اظہار: ــــ ﴿ اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ ﴾: بے شک میں آپ کے سامنے توبہ کرتا ہوں، اور بے شک میں فرمان برداروں میں سے ہوں ــــ یعنی نیک مسلمان حقوق اللہ اور حقوق العباد میں جو کوتاہی ہوگئی ہے اس سے توبہ کرتا ہے، اور از راہ تواضع اپنی فرمان برداری کا اعتراف کرتا ہے۔

نیک مسلمان کا مآل: ــــ ﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ فِيْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ۭ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: یہی لوگ ہیں جن کی طرف سے ہم قبول کرتے ہیں ان کے بہترین کام، اور ان کی برائیوں سے ہم درگذر کرتے ہیں، یہ لوگ جنت والے ہیں، یہ سچا وعدہ ہے جو ان سے کیا جارہا ہے ــــ بہترین کام: یعنی وہ کام اس لئے مقبول ہیں کہ وہ بہترین کام ہیں۔

وَالَّذِيْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ اَتَعِدٰنِنِيْٓ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِيْ ۚ وَهُمَا يَسْتَغِيْثٰنِ اللّٰهَ وَيْلَكَ اٰمِنْ ڰ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ښ فَيَقُوْلُ مَا هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ۝ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَي النَّارِ ۭ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ۝ ع

ع ۲

وَ الَّذِیْ	اور جس نے	اِلَّآ اَسَاطِیْرُ(۲)	مگر داستانیں	وَ هُمْ	اور وہ
قَالَ	کہا	الْاَوَّلِیْنَ	اگلوں کی	لَا یُظْلَمُوْنَ	ظلم نہیں کئے جائیں گے
لِوَالِدَیْهِ	اپنے والدین سے	اُولٰٓئِكَ	یہ لوگ	وَیَوْمَ یُعْرَضُ	اور جس دن پیش کئے
اُفٍّ لَّكُمَآ	اُف ہے تم دونوں پر!	الَّذِیْنَ	جو		جائیں گے
اَتَعِدٰنِنِیْٓ(۱)	کیا وعدہ دیتے ہو تم	حَقَّ عَلَیْهِمُ	ثابت ہوگئی ان پر	الَّذِیْنَ كَفَرُوْا	وہ لوگ جنھوں نے نہیں مانا
	دونوں مجھے	الْقَوْلُ	بات	عَلَی النَّارِ	دوزخ پر
اَنْ اُخْرَجَ	کہ نکالا جاؤں گا میں	فِیْٓ اُمَمٍ(۳)	امتوں میں	اَذْهَبْتُمْ	اڑا لئے تم نے
وَقَدْ خَلَتِ	درانحالیکہ گذر چکی ہیں	قَدْ خَلَتْ	جو گذر چکیں	طَیِّبٰتِكُمْ	تمہارے مزے
الْقُرُوْنُ	صدیاں (امتیں)	مِنْ قَبْلِهِمْ	ان سے پہلے	فِیْ حَیَاتِكُمُ الدُّنْیَا	تمہاری دنیا کی زندگی میں
مِنْ قَبْلِیْ	مجھ سے پہلے	مِّنَ الْجِنِّ	جنات سے	وَاسْتَمْتَعْتُمْ(۵)	اور فائدہ اٹھالیا تم نے
وَهُمَا	اور وہ دونوں	وَالْاِنْسِ	اور انسانوں سے	بِهَا	ان چیزوں سے
یَسْتَغِیْثٰنِ	فریاد کرتے ہیں	اِنَّهُمْ كَانُوْا(۴)	بے شک تھے وہ	فَالْیَوْمَ	پس آج
اللّٰهَ	اللہ سے	خٰسِرِیْنَ	ٹوٹا پانے والے	تُجْزَوْنَ	بدلہ میں دیئے جاؤ گے تم
وَیْلَكَ	تیرا ناس ہو!	وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ	اور ہر ایک کے لئے	عَذَابَ الْهُوْنِ	ذلت کا عذاب
اٰمِنْ	مان لے!		مراتب ہیں	بِمَا كُنْتُمْ	بایں وجہ کہ تم
اِنَّ وَعْدَ	بے شک وعدہ	مِّمَّا عَمِلُوْا	ان کاموں سے جو کئے	تَسْتَكْبِرُوْنَ	گھمنڈ کیا کرتے تھے
اللّٰهِ	اللہ کا		انھوں نے	فِی الْاَرْضِ	زمین میں
حَقٌّ	سچا ہے	وَلِیُوَفِّیَهُمْ	اور ضرور پورا بدلہ دیں	بِغَیْرِ الْحَقِّ	ناحق
فَیَقُوْلُ	پس کہتا ہے وہ		گے ان کو	وَبِمَا	اور بایں وجہ کہ
مَا هٰذَآ	نہیں ہے یہ	اَعْمَالَهُمْ	ان کے کاموں کا	كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ	تم نافرمانی کیا کرتے تھے

(۱) أتعدانني: ہمزہ استفہام، تَعِدَان: مضارع، تثنیہ مذکر حاضر، پھر نونِ وقایہ، پھر ضمیر واحد متکلم مفعول بہ (۲) أُسطورة: مذہبی جھوٹی داستان۔ (۳) فی أمم: کائنًا سے متعلق ہوکر علیھم کی ضمیر کا حال ہے (۴) إنھم: جملہ تعلیلہ ہے أی لأنھم (۵) عطف تفسیری ہے۔

جن لوگوں نے قرآن کی دعوت قبول نہیں کی ان کی زندگی کا نقشہ

جاننا چاہئے کہ قرآنِ کریم نیک مسلمانوں کے احوال تو کھول کر بیان کرتا ہے، اور نام کے مسلمانوں کے احوال سے صرفِ نظر کرتا ہے، کیونکہ جو مسلمان ہے اس کو کامل مسلمان ہونا چاہئے، صرف مردم شماری کے رجسٹر میں مسلمان لکھوادینا کافی نہیں، آج کل عام مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ وہ اعمال میں کوتاہ ہیں یا صفر ہیں، اور جنت میں دخولِ اوّلی کی متمنی ہیں، پھر قرآن نیک مسلمانوں کے بالمقابل کافروں کا حال بیان کرتا ہے، جنھوں نے قرآن کی دعوت قبول نہیں کی، نہ وہ وحدانیت کے قائل ہیں، نہ رسالت کے، نہ آخرت کے، یہ تینوں عقیدے ایک سلسلہ کی کڑیاں ہیں، جو ایک اللہ پر ایمان رکھتا ہے وہ اس کو بھی مانتا ہے کہ اللہ نے لوگوں کی ہدایت کے لئے اپنے نمائندے بھیجے ہیں، اور ان کے ذریعہ احکامات دیئے ہیں، اور جب احکامات دیئے ہیں تو جزاؤسزا بھی ضرور ہوگی، ہم دیکھتے ہیں کہ اس دنیا میں اچھے برے یکساں ہیں، پس ضروری ہے کہ دوسری زندگی ہو، جس میں اچھے برے کاموں کا بدلہ دیا جائے، اسی کا نام آخرت ہے۔

مگر جن لوگوں نے قرآن کی دعوت قبول نہیں کی، کافر ہیں، وہ نہ اللہ سے ڈرتے ہیں، نہ ان کو اپنا خیال ہے، نہ اولاد کا، اور ماں باپ کے ساتھ تو نہایت گستاخ! ماں باپ ان کو آخرت کی بات سمجھاتے ہیں تو وہ نہیں سمجھتے، اور نہایت گستاخانہ جواب دیتے ہیں، ماں باپ نے ان کو سمجھایا کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہے، اس نے جواب دیا: میں اس کو نہیں مانتا، بہت سی قومیں اور جماعتیں پہلے گذر چکی ہیں، ان میں سے کوئی آج تک زندہ نہیں ہوا، پھر میں یہ بات کیسے مان لوں! اس کے ماں باپ اس کے اس گستاخانہ جواب پر ایک طرف تو اللہ سے فریاد کرتے ہیں کہ الٰہی! اس کو قبولِ حق کی توفیق عطا فرما، دوسری طرف اس کو سمجھاتے ہیں کہ کم بخت! تیرا ناس ہو! مان لے کہ مرکر زندہ ہونا برحق ہے، اللہ کا وعدہ ہے، اور وہ وعدہ برحق ہے، وہ اس کا جواب دیتا ہے: یہ سب مذہب ماننے والوں کی چلائی ہوئی باتیں ہیں، آج تک ان کا وقوع نہیں ہوا، میں اس کو کیسے مان لوں!

﴿ وَالَّذِيْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ أُفٍّ لَّكُمَآ أَتَعِدَانِنِيْٓ أَنْ أُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِيْ ۚ وَهُمَا يَسْتَغِيْثٰنِ اللّٰهَ وَيْلَكَ اٰمِنْ ۖ إِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَيَقُوْلُ مَا هٰذَآ إِلَّآ أَسَاطِيْرُ الْأَوَّلِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور جس نے اپنے ماں باپ سے کہا: تُف ہے تم پر! کیا تم مجھ کو یہ وعدہ دیتے ہو ـــــ یعنی دھمکی دیتے ہو، برے انجام سے ڈراتے ہو ـــــ کہ میں نکالا جاؤں گا ـــــ یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جاؤں گا ـــــ حالانکہ مجھ سے پہلے بہت سی امتیں گذر چکی ہیں ـــــ ان میں سے کوئی آج تک زندہ نہیں ہوا ـــــ اور وہ دونوں اللہ سے فریاد کرتے ہیں کہ ارے تیرا ناس ہو! مان لے! بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے ـــــ پس وہ کہتا ہے: یہ بے سند اگلوں سے منقول

باتیں ہیں! —— ان کی حقیقت کچھ نہیں!

ایک تھیلی کے چٹّے بٹّے! یعنی سب شریر۔ یہ لوگ جنھوں نے قرآن کی دعوت قبول نہیں کی، اور گذشتہ کافر جنھوں نے انبیاء کی دعوت قبول نہیں کی، خواہ وہ جنات سے ہوں یا انسانوں سے، سب کا حشر یکساں ہوگا، سب آخرت میں گھاٹے میں رہیں گے، اللہ کا وعدہ مشرکین و کفار سے جہنم بھرنے کا ہے، یہ وعدہ دونوں کے حق میں پورا ہو کر رہے گا۔

﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ۝۱۸ ﴾

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جن کے حق میں قول پورا ہو کر رہا، گروہوں میں سے جو ان سے پہلے جنات اور انسانوں میں سے گذرے، بے شک وہ لوگ خسارہ میں رہیں گے!

جیسی کرنی ویسی بھرنی! —— اعمال کے تفاوت کی وجہ سے اہل دوزخ کے درجات مختلف ہوں گے، گھاٹے میں رہنے میں تو سب برابر ہونگے، مگر جہنم میں ان کی سزائیں مختلف ہونگی، جس نے جو کیا ہے اس کا بدلہ بے کم و کاست ملے گا، نہ کوئی بے جرم سزا دیا جائے گا، نہ کوئی جرم سے زیادہ سزا دیا جائے گا، جیسی کرنی ویسی بھرنی! —— اور یہی قاعدہ اہل جنت کے لئے بھی ہے، جنتی بھی سب ایک درجہ میں نہیں ہونگے، اعمال کے تفاوت سے ان کے درجات بھی متفاوت ہونگے۔

﴿ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝۱۹ ﴾

ترجمہ: اور ہر ایک کے لئے ان کے اعمال کی وجہ سے مختلف درجات ہیں، اور اللہ تعالیٰ ان کو ضرور ان کے اعمال کا پورا بدلہ دیں گے، اور وہ ظلم نہیں کئے جائیں گے۔

فانی نیکیوں کا اجر بھی فانی! —— آخر میں ایک سوالِ مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ بعض غیر مسلم بھی اچھے کام کرتے ہیں، پس کیا ان کو نیک کاموں کا صلہ آخرت میں نہیں دیا جائے گا؟ اللہ تعالیٰ کسی کا رتی بھر عمل ضائع نہیں کرتے، ان کے اعمالِ حسنہ کا کیا ہوگا؟ —— جواب یہ دیتے ہیں کہ ان کے نیک اعمال ایمان کی روح سے خالی ہیں، محض عمل کی صورت ہوتی ہے، ایسی فانی نیکیوں کا اجر بھی فانی ہے، ان کو دنیا میں مال، اولاد، تندرستی، عزت، شہرت اور حکومت کی شکل میں صلہ دیدیا جاتا ہے، انھوں نے دنیا میں جو مزے اڑائے ہیں وہی ان کی نیکیوں کا صلہ ہے، آگے آخرت میں ان کے لئے کچھ نہیں، وہاں تو ان کے لئے ایمان قبول کرنے سے گھمنڈ کرنے کی اور نافرمانیوں کی سزا ہے۔

﴿ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ۭ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ۝۲۰ ﴾

ترجمہ: اور جس دن منکرین دوزخ پر پیش کئے جائیں گے —— تو ان سے کہا جائے گا: —— تم اپنی لذت کی چیزیں اپنی دنیوی زندگی میں حاصل کر چکے، اور ان کو خوب برت چکے، پس آج تم کو ذلت کی سزا دی جائے گی، اس وجہ سے کہ تم دنیا میں ناحق تکبر کیا کرتے تھے، اور اس وجہ سے کہ تم نافرمانیاں کیا کرتے تھے۔

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ۭ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖٓ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۲۱﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۲﴾ قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ڮ وَاُبَلِّغُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ۭ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ۭ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۴﴾ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۢ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۲۵﴾ وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْــِٕدَةً ڮ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْــِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۲۶﴾

ع ۳

وَاذْكُرْ	اور تذکرہ کیجئے	بِالْاَحْقَافِ (۱)	احقاف (ریت کے لمبے	مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ	ان کے آگے
اَخَا عَادٍ	عاد کے برادر (ہودؑ) کا		تودوں) میں	وَمِنْ خَلْفِهٖ	اور ان کے پیچھے
اِذْ اَنْذَرَ	جب ڈرایا انھوں نے	وَقَدْ خَلَتِ (۲)	حالانکہ گذر چکے ہیں	اَلَّا تَعْبُدُوْٓا (۳)	کہ نہ عبادت کرو تم
قَوْمَهٗ	اپنی قوم کو	النُّذُرُ	ڈرانے والے	اِلَّا اللّٰهَ	مگر اللہ کی

(۱) أحقاف: حِقف کی جمع: خم دار اور لمبا ریت کا تودا، یہ جگہ حضر موت (یمن) کے شمال میں واقع ہے، یہاں عاد ارم آباد تھے، جو آندھی کے عذاب سے ہلاک کئے گئے (۲) وقد خلت: جملہ حالیہ ہے، اور اس میں سنتِ الٰہی کا بیان ہے کہ ہود علیہ السلام سے پہلے بھی اور بعد میں بھی انبیاء انذار کے لئے آتے رہے ہیں (۳) أَلَّا: أَنْ لا ہے اور أن انذار کی تفسیر ہے۔

إِنِّيٓ أَخَافُ	بیشک میں ڈرتا ہوں	أَرٰىكُمْ	دیکھتا ہوں تم کو	فَأَصْبَحُوْا	پس صبح کو ہو گئے وہ
عَلَيْكُمْ	تم پر	قَوْمًا	لوگ	لَا يُرٰٓى	نہیں دیکھے جاتے
عَذَابَ	عذاب سے	تَجْهَلُوْنَ	نادانی کرتے	إِلَّا مَسٰكِنُهُمْ	مگر ان کے مکانات
يَوْمٍ عَظِيْمٍ	بڑے دن کے	فَلَمَّا	پس جب	كَذٰلِكَ	اس طرح
قَالُوْٓا	جواب دیا انھوں نے	رَأَوْهُ	دیکھا انھوں نے عذاب کو	نَجْزِي	سزا دیتے ہیں ہم
أَجِئْتَنَا	کیا آیا تو ہمارے پاس	عَارِضًا (۲)	بادل کی صورت میں	الْقَوْمَ	لوگوں کو
لِتَأْفِكَنَا (۱)	تا کہ پھیر دے تو ہم کو	مُّسْتَقْبِلَ	سامنے آتا ہوا	الْمُجْرِمِيْنَ	جرم پیشہ
عَنْ اٰلِهَتِنَا	ہمارے معبودوں سے	أَوْدِيَتِهِمْ	ان کے میدانوں کی طرف	وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق
فَأْتِنَا	پس لا تو ہمارے پاس	قَالُوْا	کہا انھوں نے	مَكَّنّٰهُمْ	جمایا ہم نے ان کو
بِمَا	اس عذاب کو جس کا	هٰذَا عَارِضٌ	یہ ایک بادل ہے	فِيْمَآ	اس (سازوسامان) میں
تَعِدُنَآ	تو ہم سے وعدہ کرتا ہے	مُّمْطِرُنَا	برسنے والا ہم پر	إِنْ مَّكَّنّٰكُمْ	(کہ) نہیں جمایا ہم نے تم کو
إِنْ كُنْتَ	اگر ہے تو	بَلْ هُوَ	بلکہ وہ	فِيْهِ	اس میں
مِنَ الصّٰدِقِيْنَ	سچوں میں سے	مَا	(وہ عذاب ہے) جو	وَجَعَلْنَا لَهُمْ	اور بنائے ہم نے ان کیلئے
قَالَ	کہا ہودؑ نے	اسْتَعْجَلْتُمْ	جلدی مانگتے تھے تم	سَمْعًا	کان
إِنَّمَا	اس کے سوا نہیں کہ	بِهٖ	اس کو	وَّأَبْصَارًا	اور آنکھیں
الْعِلْمُ	علم (خبر)	رِيْحٌ	ایک ہوا ہے	وَّأَفْئِدَةً	اور دل
عِنْدَ اللّٰهِ	اللہ کے پاس ہے	فِيْهَا عَذَابٌ	اس میں سزا ہے	فَمَآ أَغْنٰى	پس نہیں کام آئے
وَأُبَلِّغُكُمْ	اور پہنچاتا ہوں میں تم کو	أَلِيْمٌ	دردناک	عَنْهُمْ	ان کے
مَّآ أُرْسِلْتُ	جو بھیجا گیا ہوں میں	تُدَمِّرُ	اکھاڑ پھینکے گی	سَمْعُهُمْ	ان کے کان
بِهٖ	اس کے ساتھ	كُلَّ شَيْءٍ	ہر چیز کو	وَلَآ أَبْصَارُهُمْ	اور نہ ان کی آنکھیں
وَلٰكِنِّيْٓ	لیکن میں	بِأَمْرِ رَبِّهَا	اپنے رب کے حکم سے	وَلَآ أَفْئِدَتُهُمْ	اور نہ ان کے دل

(۱) تَأْفِكُ: مضارع، واحد مذکر حاضر، أفك (ض،س) إِفْكًا عنه: پھیرنا، بدلنا، جو بھی چیز اصلی رخ سے پھیر دی جائے اس کے لئے إفك مستعمل ہے (۲) عارضًا: ہ کا حال یا تمیز ہے۔

تھے وہ	كَانُوْا	اللہ کی آیتوں کا	بِاٰيٰتِ اللّٰهِ	کچھ بھی	مِّنْ شَيْءٍ
اس کا	بِهٖ	اور گھیر لیا ان کو	وَحَاقَ بِهِمْ	کیونکہ تھے وہ	اِذْ كَانُوْا
ٹھٹھا کرتے	يَسْتَهْزِءُوْنَ	(اس عذاب نے) جو	مَّا	انکار کرتے	يَجْحَدُوْنَ

جن لوگوں نے انبیاء کی دعوت قبول نہیں کی وہ تباہ ہوئے: ماضی بعید کی مثال

قرآنِ کریم جزیرۃ العرب کی تباہ شدہ قوموں ہی کے احوال بیان کرتا ہے، قرآن کے اولین مخاطب انھیں سے واقف تھے، جزیرۃ العرب میں ایک قدیم قوم عاد گزری ہے، یہ قبیلہ صاحبِ قوت واقتدار تھا، اس کا زمانہ عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً دو ہزار سال پہلے مانا جاتا ہے، یہ قبیلہ حضر موت کے شمال میں احقاف میں آباد تھا، یہ لوگ بت پرست تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لئے حضرت ہود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا، انھوں نے عاد کو توحید کی دعوت دی، اور شرک سے روکا، مگر قوم نے ایک نہ مانی، اور ان کو سختی سے جھٹلایا، چنانچہ جب دعوت کا مرحلہ پورا ہوا، اور حجت تام ہوگئی تو اللہ کا عذاب آیا، سات راتیں اور آٹھ دن لگاتار ٹھنڈی سناٹے کی ہوا چلی، جس سے سب لقمۂ اجل بن گئے —— قرآنِ کریم مکہ کے مشرکوں کو یہ سرگذشت سناتا ہے، کیونکہ وہ بھی قرآن کی دعوت قبول نہیں کر رہے تھے، یہ ماضی بعید کی ہلاک شدہ قوم کی مثال ہے، آگے ماضی قریب میں مکہ کے اردگرد ہلاک ہونے والی اقوام کی مثال بیان کریں گے۔

اور آپؐ عاد کے برادر ہودؑ کا تذکرہ کیجئے

جب انھوں نے احقاف میں اپنی قوم کو (شرک سے) ڈرایا، حال آنکہ ان سے پہلے اور ان کے بعد میں ڈرانے والے آچکے ہیں —— جملہ حالیہ میں سنتِ الٰہی کا بیان ہے، یعنی ہود علیہ السلام کی بعثت کوئی انوکھا واقعہ نہیں تھا، ان سے پہلے بھی اور بعد میں بھی انبیاء آتے رہے ہیں —— (اور ہود علیہ السلام نے قوم کو حکم دیا:) کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت مت کرو، مجھے تم پر ایک ہولناک دن کے عذاب کا اندیشہ ہے!

ان لوگوں نے جواب دیا: کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہمیں ہمارے معبودوں سے پھیر دو؟ پس اگر تم سچے ہو تو جس عذاب کا تم ہم سے وعدہ کرتے ہو اس کو لے آؤ!

ہودؑ نے کہا: (وقوعِ عذاب کا) علم اللہ ہی کے پاس ہے، اور میں تو تم کو وہ پیغام پہنچا رہا ہوں جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں، البتہ میں تم کو دیکھتا ہوں کہ تم نری جہالت کی باتیں کرتے ہو —— یعنی عذاب کا مطالبہ تمہاری نادانی اور جہالت ہے، میرا کام پیغام رسانی ہے، اس سے زائد کا نہ مجھے علم ہے نہ اختیار، اللہ ہی یہ بات جانتے ہیں کہ منکرین کو سزا

کب ملنی چاہئے، اوران کوکتنی مہلت دینامناسب ہے۔

عذاب آیااور سب کھیت رہے! —— پس جب انھوں نے اس عذاب کو بادل کی صورت میں ان کے میدانوں کی طرف آتا ہوادیکھا تو کہنے لگے: یہ ایک بادل ہے جو ہم پر برسے گا! —— پہلے سخت قحط پڑا تھا، لوگ پانی کی کمی سے بے تاب ہو چکے تھے کہ گھٹا اٹھی، لوگ خوشی سے ناچنے لگے کہ آیا بادل! اب وارے نیارے ہونگے —— (نہیں) بلکہ وہ وہ عذاب ہے جس کی تم جلدی مچاتے تھے، ایک آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہے، جو ہر چیز کو اپنے ربّ کے حکم سے تباہ کردے گی —— چنانچہ وہ ایسے ہوگئے کہ ان کے مکانوں کے علاوہ کچھ دکھائی نہ دیتا تھا —— ہم مجرموں کو اسی طرح سزادیا کرتے ہیں!

قوم عاد پرانگوٹھی کے حلقہ کے بقدر ہوا چھوڑی گئی

جب ہود علیہ السلام کی قوم نے کفر کے سوا ہر چیز کو ماننے سے انکار کردیا، تو حق تعالیٰ نے تین سال تک مسلسل بارش کو روک دیا، جب جان پر بن آئی تو انھوں نے ستّر آدمیوں کا ایک وفد حرم مکہ کو روانہ کیا، تاکہ وہاں جا کر پانی کے لئے دعا کریں، اس وقت کعبہ شریف کی عمارت نہیں تھی، وہ نوح علیہ السلام کے طوفان میں ڈھ پڑی تھی، مگر اس کی جگہ معلوم تھی، اور عاد نوح علیہ السلام کے بعد ہلاک ہونے والی پہلی قوم ہے، اور اس زمانہ میں دستور یہ تھا کہ جب کوئی سخت آفت آتی تو حرم شریف میں جا کر اللہ تعالیٰ سے کشائش کی دعا کیا کرتے تھے۔

یہ وفد ایک ماہ تک معاویہ بن بکر کا مہمان رہا، اور مزے سے وہاں مے نوشی کرتا رہا، اس کی دولونڈیاں تھیں جو ان کو گانا سنایا کرتی تھیں، جب میزبان تنگ آگیا تو اس نے کچھ اشعار نظم کر کے لونڈیوں کو دیئے، ان اشعار میں قوم عاد کی بدحالی پر توجہ دلائی گئی تھی، اور وفد کو اپنے فرض کی بجا آوری کی طرف متوجہ کیا گیا تھا، جب لونڈیوں نے وہ اشعار گائے تو وفد کو ہوش آیا، اور وہ حرم محترم گئے اور بارش کی دعا کی، رئیس وفد قیل بن عنز تھا، جب اس نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے تین بدلیاں بھیجیں: سفید، سرخ اور سیاہ، اور آسمان سے آواز آئی کہ وہ تینوں ابروں میں سے کسی ایک کو پسند کرے، اس نے سیاہ ابر کو پسند کیا، یہ عذاب کا بادل تھا، فوراً تیز وتند ہوا چلنے لگی، اور آٹھ دن اور سات راتیں مسلسل چلتی رہی، جس نے ان کو اوران کی آبادیوں کو تہ وبالا کر کے رکھ دیا، سورۃ الذاریات (آیات ۴۱ و۴۲) میں اس کا تذکرہ ہے: ﴿وَفِيْ عَادٍ إِذْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ○ مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ أَتَتْ عَلَيْهِ إِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ﴾: اور عاد کے واقعہ میں بھی سامانِ عبرت ہے: یاد کرو جب ہم نے ان پر نامبارک ہوا بھیجی، وہ جس چیز پر بھی گذرتی تھی اس کو چورے کی طرح کر کے رکھ دیتی تھی۔ اور سورۃ القمر (آیات ۱۹ و۲۰) میں ہے: ہم نے ان پر ایک تند ہوا بھیجی، ایک دائمی نحوست والے دن میں، وہ ہوا

لوگوں کو اس طرح اکھاڑ پھینکتی تھی جیسے وہ اکھڑی ہوئی کھجور کے تنے ہوں، یعنی تنومند مضبوط باڈی کے انسان اس طرح بے حس وحرکت پڑے ہوئے نظر آتے تھے جیسے تیز آندھی میں تناور درخت گر جاتا تھا۔

اور ترمذی شریف (حدیث ۳۲۹۷) تفسیر سورۃ الذاریات میں ہے کہ نبی ﷺ نے ذکر کیا کہ نہیں چھوڑی گئی ان پر ہوا میں سے مگر اِس حلقہ کے بقدر یعنی انگوٹھی کے حلقہ کے بقدر، پھر آپؐ نے آیت پڑھی: ﴿إِذْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ ﴾ الآية۔ (تحفۃ الالمعی ۷:۴۷۲)

عاد کی ہلاکت میں مشرکینِ قریش کے لئے عبرت

اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ ہم نے ان کو (عاد کو) مقدرت دی تھی اس میں (دولت وثروت میں) جس میں ہم نے تم کو مقدرت نہیں دی ــــ یعنی مال، اولاد، جتھے اور جسمانی طاقت جو ان کو دی تھی تم کو نہیں دی، مگر جب عذاب آیا تو سب سامان دھرا کا دھرا رہ گیا، پھر تم کس برتے پر مغرور ہو؟ ــــ اور ہم نے ان کو کان، آنکھیں اور دل دیئے تھے ــــ یہ تین اعضاء علم وفہم کے ذرائع ہیں ــــ پس نہ تو ان کے کان کچھ بھی ان کے کام آئے، نہ ان کی آنکھیں، اور نہ ان کے دل، کیونکہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے، اور ان کو اس عذاب نے آگھیرا جس کی وہ ہنسی اڑایا کرتے تھے ــــ پس تم کس خیالِ خام میں مبتلا ہو؟ عذاب آئے گا تو سب صلاحتیں دھری کی دھری رہ جائیں گی!

وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ؕ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ إِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۸﴾

وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	وَصَرَّفْنَا	اور طرح طرح سے	يَرْجِعُوْنَ	لوٹیں
اَهْلَكْنَا	ہلاک کیا ہم نے		بیان کی ہم نے	فَلَوْلَا	پس کیوں نہ
مَا حَوْلَكُمْ	جو تمہارے ارد گرد ہیں	الْاٰيٰتِ	باتیں	نَصَرَهُمُ	مدد کی ان کی
مِّنَ الْقُرٰى	بستیوں سے	لَعَلَّهُمْ	تا کہ وہ	الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا (۱)	جن کو بنایا انھوں نے

(۱) جملہ الذين اتخذوا: نصرهم کا فاعل ہے، اور اتخذوا کا پہلا مفعول ضمیر هم محذوف ہے، جس کا مرجع اسم موصول ہے اور قربانا: مفعول لہٗ ہے اور آلهة: مفعولِ ثانی ہے۔

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ سے وَرے	بَلْ ضَلُّوْا	بلکہ گم ہوگئے وہ	اِفْكُهُمْ	ان کا تراشا ہوا ہے
قُرْبَانًا	نزدیکی حاصل کرنے کیلئے	عَنْهُمْ	ان سے	وَمَا كَانُوْا	اور جو تھے وہ
اٰلِهَةً	معبود	وَ ذٰلِكَ	اور وہ	يَفْتَرُوْنَ	اپنی طرف سے گھڑتے

جن لوگوں نے اللہ کی دعوت قبول نہیں کی وہ تباہ ہوئے: ماضی قریب کی مثالیں

عاد کے بعد ثمود، قوم لوط اور مدین والے بھی تباہ کئے گئے، جن کی بستیاں مکہ والوں کے پاس واقع تھیں، سفروں میں مکہ والوں کا ان پر گذر رہوتا تھا، ان کی ہلاکت میں بھی مشرکینِ قریش کے لئے عبرت کا سامان ہے، ارشاد فرماتے ہیں:

—— اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ ہم نے تمہارے آس پاس کی بستیوں کو ہلاک کیا، اور ہم نے طرح طرح سے اپنی باتیں بیان کیں تا کہ وہ شرک سے باز آجائیں —— یعنی نہج بدل بدل کر توحید کی اہمیت اور شرک کی شناعت سمجھائی، مگر ہر چند سمجھانے پر بھی وہ باز نہ آئے تو ان کی قسمت سوگئی، اور وہ صفحۂ ہستی سے مٹا دیئے گئے —— پس کیوں ان کی مدد نہ کی انھوں نے جن کو بنایا تھا انھوں نے اللہ سے وَرے اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے معبود؟ —— یعنی جن بتوں کی نسبت کہا کرتے تھے کہ ہم ان کی عبادت اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو اللہ سے نزدیک کریں گے، اور بڑے درجے دلائیں گے، وہ اس آڑے وقت میں کیوں کام نہ آئے؟ انھوں نے ان کو ہلاکت سے کیوں نہیں بچایا؟ —— بلکہ وہ ان سے غائب ہوگئے —— اور دور تک نظر نہیں آئے —— اور وہ محض ان کی تراشی ہوئی بات تھی، اور وہ بات جس کو وہ گھڑا کرتے تھے! —— یعنی ان معبودانِ باطل کی حقیقت کچھ نہیں تھی، پھر وہ مصیبت میں کیا کام آتے!

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿٢٩﴾ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٣٠﴾ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٣١﴾ وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ ۭ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٣٢﴾

وَاِذْ	اور جب	يٰقَوْمَنَآ	اے ہماری قوم	مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ	تمہارے گناہوں سے
صَرَفْنَآ	پھیرے ہم نے	اِنَّا سَمِعْنَا	بے شک سنی ہم نے	وَيُجِرْكُمْ	اور پناہ دیں گے تم کو
اِلَيْكَ	آپؐ کی طرف	كِتٰبًا	ایک کتاب	مِّنْ عَذَابٍ	عذاب سے
نَفَرًا	چند نفر (اشخاص)	اُنْزِلَ	اتاری گئی ہے	اَلِيْمٍ	دردناک
مِّنَ الْجِنِّ	جنات کے	مِنْۢ بَعْدِ	بعد	وَمَنْ	اور جو شخص
يَسْتَمِعُوْنَ	بغور سن رہے ہیں وہ	مُوْسٰى	موسیٰ کے	لَّا يُجِبْ	بات نہیں مانے گا
الْقُرْاٰنَ	قرآن کو	مُصَدِّقًا	تصدیق کرنے والی	دَاعِيَ اللّٰهِ	اللہ کے داعی کی
فَلَمَّا	پس جب	لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ	اس کی جو اس سے پہلے ہے	فَلَيْسَ	پس نہیں ہے وہ
حَضَرُوْهُ	حاضر ہوئے وہ اس کے پاس	يَهْدِيْٓ	راہ دکھاتی ہے	بِمُعْجِزٍ	تھکانے والا
قَالُوْٓا	کہا انھوں نے	اِلَى الْحَقِّ	سچے دین کی	فِي الْاَرْضِ	زمین میں
اَنْصِتُوْا	خاموش رہو	وَاِلٰى طَرِيْقٍ	اور راستے کی	وَلَيْسَ	اور نہیں ہیں
فَلَمَّا	پس جب	مُّسْتَقِيْمٍ	سیدھے	لَهٗ	اس کے لئے
قُضِيَ	پورا ہوا	يٰقَوْمَنَآ	اے ہماری قوم	مِنْ دُوْنِهٖٓ	اللہ سے ورے
وَلَّوْا	پلٹے وہ	اَجِيْبُوْا	بات مان لو	اَوْلِيَآءُ	کارساز
اِلٰى قَوْمِهِمْ	اپنی قوم کی طرف	دَاعِيَ اللّٰهِ	اللہ کے داعی کی	اُولٰٓئِكَ	یہ لوگ
مُّنْذِرِيْنَ	ڈراتے ہوئے	وَاٰمِنُوْا بِهٖ	اور ایمان لے آؤ اس پر	فِيْ ضَلٰلٍ	گمراہی میں ہیں
قَالُوْا	کہا انھوں نے	يَغْفِرْ لَكُمْ	بخشیں گے تمہارے لئے	مُّبِيْنٍ	کھلی

جنات جو سرکش مخلوق سمجھی جاتی ہے: وہ قرآن سنتے ہی ایمان لے آئی

رسالت اور دلیلِ رسالت کے سلسلہ میں جو دور سے گفتگو چل رہی ہے وہ ان آیات پر پوری ہوجائے گی، پھر تھوڑا آخرت کا تذکرہ آئے گا، اس کے بعد سورت کی آخری موعظت ہے۔

جنات مکلّف مخلوق ہیں: انسانوں کی طرح جنّات بھی نبی ﷺ کی امت ہیں، جنّات: نبوت کے معاملات میں انسانوں کے تابع ہیں، جیسے عورتیں اس معاملہ میں مردوں کے تابع ہیں نبی و رسول ہمیشہ مرد ہی ہوئے ہیں، اسی

طرح نبی ورسول ہمیشہ انسان ہوئے ہیں، اور عورتیں مردوں کے اور جنات انسانوں کے تابع ہیں، مرد ہی عورتوں کو اور انسان ہی جنات کو دین پہنچاتے ہیں۔ البتہ حکومت میں جنات مستقل ہیں، ان کی اپنی حکومت علاحدہ ہے، اور عورتیں اس معاملہ میں بھی مردوں کے تابع ہیں، البتہ سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں حکومت کے معاملہ میں بھی جنات انسانوں کے تابع تھے۔

شانِ نزول: بعثتِ نبوی کے وقت جنات کو آسمانی خبریں سننے سے شعلوں کے ذریعہ روک دیا گیا، جنات میں مشورہ ہوا کہ تحقیق کرنی چاہئے کہ کیا واقعہ دنیا میں رونما ہوا ہے، جس کے سبب ہم پر پابندی لگی ہے، چنانچہ زمین کے مختلف حصوں میں تحقیق کے لئے جنات روانہ کئے گئے، ایک وفد تہامہ کی طرف بھیجا گیا، ایک دن نبی ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ بطن نخلہ میں قیام پذیر تھے آپؐ کا ارادہ سوق عکاظ جانے کا تھا، وہاں آپؐ صبح کی نماز پڑھا رہے تھے، جنات کا وفد اتفاقاً وہاں پہنچا اور قرآن سن کر کہنے لگا: یہی وہ نیا کلام ہے جو ہمارے اور آسمانی خبروں کے درمیان حائل ہوا ہے، وہ قرآنِ کریم سن کر ایمان لاکر اپنی قوم کی طرف واپس گئے اور ان کو خبر سنا کر ایمان کی ترغیب دی، آپؐ کو اس وقت ان کے آنے کی خبر نہیں ہوئی، جب سورۂ جن نازل ہوئی تو آپؐ کو اطلاع ہوئی۔

جنات کے ایمان لانے میں قریش کے لئے سبق: — جنات: جن کے بارے میں عام تصور یہ ہے کہ وہ سرکش مخلوق ہیں: وہ قرآنِ کریم سن کر فوراً ایمان لے آئے، اور قرآن کے اولین مخاطب (مشرکینِ قریش) ہچکچاتے رہ گئے! ببیں تفاوتِ راہ از کجاست تا بہ کجا؟ شرم تم کو مگر آتی نہیں!

ترجمہ: اور یاد کرو جب ہم نے جنات کی ایک جماعت کو آپؐ کی طرف پھیرا، وہ قرآن سننے لگے، پھر جب وہ آپؐ کے پاس آپہنچے تو کہنے لگے: خاموش رہو (اور قرآن سنو) پھر جب قرآن پڑھا جاچکا تو وہ اپنی قوم کی طرف ڈرانے والے بن کر واپس لوٹے، کہنے لگے: بھائیو! ہم ایک کتاب سن کر آئے ہیں جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور حق اور راہِ راست کی طرف راہنمائی کرتی ہے، بھائیو! اللہ کی طرف بلانے والے کا کہنا مانو، اور ان پر ایمان لاؤ، اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کریں گے، اور تم کو دردناک عذاب سے بچائیں گے، اور جو شخص اللہ کی طرف بلانے والے کا کہنا نہیں مانے گا وہ زمین میں ہرا نہیں سکتا اور اللہ کے علاوہ کوئی اس کا حامی بھی نہ ہوگا، ایسے لوگ صریح گمراہی میں ہیں۔

حالتِ کفر کے گناہ اسلام کی برکت سے معاف ہوجاتے ہیں، مگر حقوق العباد کا معاف ہونا ان آیات سے نہیں نکلتا

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتَىٰ ۚ بَلَىٰ إِنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٣٣﴾ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ أَلَيْسَ هَٰذَا بِالْحَقِّ ۖ قَالُوا بَلَىٰ وَرَبِّنَا ۚ قَالَ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٣٤﴾ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَهُمْ ۚ كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوعَدُونَ لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ ۚ بَلَاغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الْفَاسِقُونَ ﴿٣٥﴾

اَوَلَمْ	کیا اور نہیں	بَلٰی	کیوں نہیں	وَرَبِّنَا	قسم ہمارے رب کی!
یَرَوْا	دیکھا انھوں نے	اِنَّهٗ عَلٰی	بے شک وہ اوپر	قَالَ	فرمایا
اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ تعالیٰ	كُلِّ شَیْءٍ	ہر چیز کے	فَذُوْقُوْا	پس چکھو
الَّذِیْ	جنھوں نے	قَدِیْرٌ	پوری طرح قادر ہے	الْعَذَابَ	سزا
خَلَقَ	پیدا کیا	وَیَوْمَ	اور جس دن	بِمَا	بعوض اس کے جو
السَّمٰوٰتِ	آسمانوں کو	یُعْرَضُ	پیش کئے جائیں گے	كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ	انکار کیا کرتے تھے تم
وَالْاَرْضَ	اور زمین کو	الَّذِیْنَ	جنھوں نے	فَاصْبِرْ	پس صبر کریں آپ
وَلَمْ یَعْیَ (۱)	اور نہیں تھکا وہ	كَفَرُوْا	نہیں مانا	كَمَا	جیسا
بِخَلْقِهِنَّ	ان کو پیدا کرنے سے	عَلَى النَّارِ	آگ پر	صَبَرَ	صبر کیا
بِقٰدِرٍ (۲)	قادر ہے	اَلَیْسَ هٰذَا	کیا نہیں ہے یہ	اُولُوا الْعَزْمِ	ہمت والے
عَلٰٓی اَنْ	اس پر کہ	بِالْحَقِّ	امر واقعی؟	مِنَ الرُّسُلِ	رسولوں نے
یُّحْیِۦَ	زندہ کرے	قَالُوْا	کہا انھوں نے	وَلَا تَسْتَعْجِلْ	اور نہ جلدی مچائیں
الْمَوْتٰی	مُردوں کو	بَلٰی	کیوں نہیں!	لَهُمْ	ان کے لئے

(۱) لم یَعْیَ: مضارع مجزوم منفی بمعنی ماضی، صیغہ واحد مذکر غائب، عَیِیَ یَعْیٰی عِیًّا وَعَیًّا: تھکنا، درماندہ ہونا (۲) بقادر: أن اللہ کی خبر ہے، اور باء زائد ہے۔

كَاَنَّهُمْ	گویا وہ	يُوْعَدُوْنَ	وعدہ کئے جارہے ہیں	بَلٰغٌ	(یہ) پہنچانا ہے
يَوْمَ	جس دن	لَمْ يَلْبَثُوْٓا	نہیں ٹھہرے وہ	فَهَلْ يُهْلَكُ	پس نہیں ہلاک ہونگے
يَرَوْنَ	دیکھیں گے	اِلَّا سَاعَةً	مگر ایک گھڑی	اِلَّا الْقَوْمُ	مگر لوگ
مَا	جو	مِّنْ نَّهَارٍ	دن کی	الْفٰسِقُوْنَ	نافرمان

آخرت کا بیان

خالقِ ارض وسماء کے لئے مُردوں کو زندہ کرنا کیا مشکل ہے!

اب تھوڑا آخرت کا بیان ہے، توحید ورسالت کے منکر آخرت کو بھی نہیں مانتے، ان کے نزدیک مرنے کے بعد زندہ ہونا محال ہے، ان سے سوال ہے کہ جس خدا نے آسمانوں اور زمین کو یعنی ساری کائنات کو پیدا کیا ہے، اور اسے تھکن چھو کر بھی نہیں گئی، کیا وہ مُردوں کو زندہ کرنے پر قادر نہیں؟ کیا وہ ایک مرتبہ پیدا کر کے دوسری مرتبہ پیدا کرنے سے تھک گیا؟ توبہ! توبہ! وہ دوسری مرتبہ پیدا کرنے کی پوری قدرت رکھتے ہیں، ان کو عاجز خیال کرنا خام خیالی ہے۔

﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۳۳﴾

ترجمہ: کیا ان لوگوں نے (مشرکین قریش نے) دیکھا نہیں ـــــ یعنی اس میں غور نہیں کیا ـــــ کہ جس اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اور وہ ان کو پیدا کرنے سے تھکا نہیں، کیا وہ اس پر پوری قدرت نہیں رکھتا کہ مُردوں کو زندہ کرے؟ کیوں نہیں! بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے!

منکرینِ آخرت کی اخروی سزا: ـــــ منکرینِ آخرت کو بڑا عذاب قیامت کے دن ہوگا، جب ان کو دوزخ پر پہنچایا جائے گا تو پوچھا جائے گا: بتاؤ: یہ دوزخ امرِ واقعی ہے یا نہیں؟ وہ قسم کھا کر اعتراف کریں گے کہ وہ واقعی حقیقت ہے! اس وقت کہا جائے گا: اچھا اب انکار وتکذیب کا مزہ چکھتے رہو!

﴿وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ۭ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ۭ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝۳۴﴾

ترجمہ: اور جس دن کفار دوزخ کے سامنے لائے جائیں گے ـــــ اس وقت ان سے پوچھا جائے گا: ـــــ کیا یہ دوزخ امرِ واقعی نہیں؟ وہ جواب دیں گے: کیوں نہیں! ہمارے پروردگار کی قسم! ـــــ ارشاد ہوگا: پس چکھو عذاب اس انکار

کا جو تم کیا کرتے تھے!

منکرینِ آخرت کی دنیوی سزا: ــــ ان کو کچھ وقت کے بعد دنیا میں بھی سزا ضرور ملے گی، آپؐ ان کے معاملہ میں جلدی نہ کریں، ایک میعادِ معین کا انتظار کریں، ہمت والے نبیوں نے بھی صبر سے کام لیا ہے، آپؐ ان کی راہ اپنائیں۔

﴿ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ﴾

ترجمہ: پس آپؐ صبر کریں جیسا اور باہمت پیغمبروں نے صبر کیا، اور ان کے انتقام کے لئے جلدی نہ کریں۔

مصیبت کے وقت عیش کا زمانہ تھوڑا معلوم ہوتا ہے: ــــ مشرکین مکہ دنیوی عذاب کے لئے جلدی مچاتے تھے، بار بار مطالبہ کرتے ہیں کہ موعود عذاب کیوں نہیں آتا؟ وہ جان لیں کہ جب ان کو پکڑا جائے گا تو وہ خیال کریں گے کہ دنیا میں ہم ایک ہی گھڑی رہے ہیں۔

﴿ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ﴾

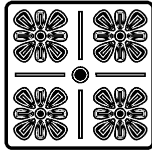
ترجمہ: وہ لوگ جس دن اس (دنیوی سزا) کو دیکھیں گے، جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے، تو گویا وہ لوگ (عیش میں) دن کی ایک گھڑی ہی ٹھہرے ہیں۔

آخری بات: ــــ اللہ نے نصیحت کی بات پہنچادی، سب نیک و بد سمجھادیا، اب جو نہیں مانیں گے وہی تباہ و برباد ہونگے، اللہ کی طرف سے حجت تام ہوچکی، اور کسی کو بے قصور اللہ تعالیٰ نہیں پکڑتے، نافرمانوں ہی کو غارت کرتے ہیں۔

﴿ بَلٰغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴾

ترجمہ: یہ پہنچانا ہے، پس نافرمان ہی برباد ہونگے!

﴿ الحمد للہ! جمعہ ۱۱ر ربیع الآخر ۱۴۳۷ھ = ۲۲ر جنوری ۲۰۱۶ء کو سورۃ الاحقاف کی تفسیر پوری ہوئی ﴾



آیاتھا ۳۸ ۔ (۴۷) سُوْرَةُ مُحَمَّدٍ مَّدَنِيَّةٌ (۹۵) ۔ رکوعاتھا ۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝۱ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ۝۲ ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ۝۳

اَلَّذِيْنَ(۱)	جن لوگوں نے	نُزِّلَ	اتارا گیا	اتَّبَعُوا	پیروی کی انھوں نے
كَفَرُوْا	انکار کیا	عَلٰى مُحَمَّدٍ	محمدؐ پر	الْبَاطِلَ	بے بنیاد بات کی
وَصَدُّوْا	اور روکا	وَّهُوَ	درانحالیکہ وہ	وَاَنَّ الَّذِيْنَ	اور اس وجہ سے کہ جنھوں نے
عَنْ سَبِيْلِ	راہ سے	الْحَقُّ	برحق ہے	اٰمَنُوا	مان لیا
اللّٰهِ	اللہ کے	مِنْ رَّبِّهِمْ	ان کے رب کی طرف سے	اتَّبَعُوا	انھوں نے پیروی کی
اَضَلَّ	کھودیئے اللہ نے	كَفَّرَ(۲)	مٹائی اللہ نے	الْحَقَّ	برحق بات کی
اَعْمَالَهُمْ	ان کے کام	عَنْهُمْ	ان سے	مِنْ رَّبِّهِمْ(۴)	جو ان کے رب کی طرف
وَالَّذِيْنَ	اور جن لوگوں نے	سَيِّاٰتِهِمْ	ان کی برائیاں		سے ہے
اٰمَنُوْا	مان لیا	وَاَصْلَحَ	اور سنوارے	كَذٰلِكَ	اسی طرح
وَعَمِلُوا	اور کئے انھوں نے	بَالَهُمْ(۳)	ان کے احوال	يَضْرِبُ	مارتے ہیں
الصّٰلِحٰتِ	نیک کام	ذٰلِكَ	یہ	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
وَاٰمَنُوْا	اور مان لیا انھوں نے	بِاَنَّ الَّذِيْنَ	اس وجہ سے ہے کہ جنھوں نے	لِلنَّاسِ	لوگوں کے لئے
بِمَا	اس کو جو	كَفَرُوا	نہیں مانا	اَمْثَالَهُمْ	ان کی مثالیں

(۱) الذین: مبتداء، اور أضل خبر ہے (۲) کَفَّرَ: دوسرے الذین کی خبر ہے (۳) البال کے دو معنی ہیں: حال اور دل، یہاں دونوں معنی کئے گئے ہیں (۴) من ربهم: کائناً سے متعلق ہوکر الحق کا حال ہے۔

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

عام ربط: —— حٰمٓ والی سات سورتیں (المؤمن سے الاحقاف تک) مکی سورتیں ہیں، ان میں اسلام کے تین بنیادی عقائد: توحید، رسالت اور آخرت زیر بحث ہیں، مخاطب مشرکین ہیں، ضمناً مؤمنین کا ذکر آیا ہے۔ اب تین سورتیں (محمدؐ سے حجرات تک) مدنی ہیں، ان میں مخاطب مؤمنین ہیں، اور کفار و مشرکین کا ذکر ضمناً آیا ہے۔

خاص ربط: سورۃ الاحقاف منکرین کے ذکر پر ختم ہوئی ہے، آخری مضمون ہے: ﴿ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ﴾: پس آپ صبر کریں یعنی انتظار کریں جیسا اور باہمت پیغمبروں نے صبر کیا، اور ان کے انتقام کے لئے جلدی نہ کریں یعنی دنیا کی سزا کے لئے، اب یہ سورت اس مضمون سے شروع ہو رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ مشرکین کی سب چالیں خاک میں ملا دیں گے، جہاد کا عمل شروع ہوگا، اور ان کو قرار واقعی سزا ملے گی، پس اگر درمیان میں بسم اللہ نہ ہو تو مضمون مسلسل ہے (روح)

سورت کا نام: اس سورت کے دو نام ہیں: (۱) سورۃ محمد (ﷺ) یہ نام دوسری آیت سے لیا گیا ہے، ہمارے قرآنوں میں یہی نام ہے (۲) سورۃ القتال (جہاد) یہ نام اس لئے ہے کہ اس سورت میں جہاد کے احکام ہیں، عرب کے قرآنوں میں یہی نام ہے۔

سورت کا موضوع: جہاد ہے، جہاد: جنگ کا مترادف نہیں، بلکہ جنگ سے خاص ہے، جنگ تو مطلق لڑائی کا نام ہے، خواہ کسی مقصد سے ہو، اور جہاد: اللہ کے دین کو سر بلند کرنے کے لئے اور دعوت کی لائن کا روڑا ہٹانے کے لئے دشمنانِ اسلام سے لوہا لینا ہے، مطلق جدوجہد (محنت) جہاد نہیں، اور جہاد دفاعی بھی ہوتا ہے اور اقدامی بھی، جب دشمن اسلامی مملکت پر حملہ آور ہو یا مسلمانوں پر ظلم کے پہاڑ توڑے تو اس کی سرکوبی ضروری ہے، جیسے ہجرت کے بعد مکہ کے کفار بار بار مدینہ پر چڑھائی کرتے تھے، اس لئے ان کو دفع کرنے کے لئے جہاد کی اجازت دی گئی، پھر جب انھوں نے حدیبیہ کے معاہدہ کی خلاف ورزی کی تو نبی ﷺ نے اقدام کر کے مکہ کو فتح کر لیا، اور راڑ (لڑائی) کاٹ دی۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ شرعی جہاد کے لئے مرکزیت اور امارت ضروری ہے، ہجرت سے پہلے مسلمان ظلم وستم کی چکی میں پس رہے تھے، مگر جہاد کی اجازت نہیں تھی، کیونکہ اس وقت امامت تو تھی، مسلمانوں کا مرجع نبی ﷺ تھے، مگر اجتماعیت نہیں تھی، ہجرت کے بعد جب دونوں باتیں جمع ہوئیں تو جہاد کی اجازت نازل ہوئی، پس آج کل جو بے قاعدہ جہاد ہوتا ہے اس کا مستدل حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے، مرتا کیا نہ کرتا! جب ہاتھوں سے دبا کر پائپ کا پانی روک

دیا جائے تو وہ لامحالہ اِدھر اُدھر پھوٹے گا، پس قصور پانی روکنے والوں کا ہے، با قاعدہ جہاد ہونے دو دہشت گردی خود بخود ختم ہوجائے گی۔

اللہ تعالیٰ کافروں کی چالوں کو خاک میں ملائیں گے، اور مؤمنین کے احوال سنواریں گے

بات یہاں سے شروع کی ہے کہ جن لوگوں نے ایمان کی دعوت قبول نہیں کی، اور دوسروں کو بھی اللہ کی راہ سے روکا، وہ اللہ کے دشمن اور شیطان کی پارٹی ہیں، وہ بے بنیاد بات (شرک) کو اپنائے ہوئے ہیں، اس لئے ان کا بیڑا غرق ہونا چاہئے، اور جن لوگوں نے ایمان کی دعوت پر لبیک کہا، اور انھوں نے ایمان کے تقاضوں پر عمل کیا، اور اس قرآنِ کریم کو سینہ سے لگایا جو محمد ﷺ پر نازل کیا گیا ہے، جو اللہ کی برحق کتاب ہے، وہ اللہ کے دوست ہیں، وہ برحق بات (دینِ اسلام) کو اپنائے ہوئے ہیں، اور اب وقت آگیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو سر بلند کریں، تبلیغ دین کے تعلق سے ان کی کوتاہیوں کو معاف کریں، اور ان کے احوال درست کریں، تا کہ دین اسلام کا بول بالا ہو۔

آیاتِ پاک: —— جن لوگوں نے ایمان کی دعوت قبول نہیں کی، اور انھوں نے اللہ کے راستہ سے روکا، اللہ تعالیٰ ان کے کاموں کو کالعدم کریں گے —— اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ان کی چالوں کو خاک میں ملادیں گے —— اور جن لوگوں نے ایمان کی دعوت قبول کی، اور انھوں نے نیک کام کئے، اور وہ اُس کتاب پر ایمان لائے جو محمد (ﷺ) پر اتاری گئی ہے، جو سچی کتاب ہے، ان کے پروردگار کی طرف سے ہے: اللہ تعالیٰ ان سے ان کے گناہ اتاریں گے، اور ان کے احوال سنواریں گے —— یہ بات بایں وجہ ہے کہ منکرین غلط راستہ پر چل رہے ہیں، اور ایماندار صحیح راستہ اپنائے ہوئے ہیں، جو ان کے پروردگار کا راستہ ہے —— اس طرح اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے ان کے احوال بیان فرماتے ہیں —— جن سے فریقین کا تفاوت خوب واضح ہوجاتا ہے۔

فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا أَثْخَنْتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا ۚ ذَٰلِكَ ۖ وَلَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلَٰكِنْ لِيَبْلُوَ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ۗ وَالَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَلَنْ يُضِلَّ أَعْمَالَهُمْ ۝ سَيَهْدِيهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ۝ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ۝

فَاِذَا[1]	پس جب	فِدَآءً	بدلہ لینا ہے	وَ الَّذِیْنَ	اور جو لوگ
لَقِیْتُمُ	ملاقات کرو تم	حَتّٰی[4]	یہاں تک کہ	قُتِلُوْا	مارے گئے
الَّذِیْنَ	ان سے جنھوں نے	تَضَعَ	رکھ دے	فِیْ سَبِیْلِ	راستے میں
كَفَرُوْا	دین کا انکار کیا	الْحَرْبُ	جنگ	اللّٰهِ	اللہ کے
فَضَرْبَ[2]	پس مارنا ہے	اَوْزَارَهَا	اپنے بوجھ (ہتھیار)	فَلَنْ يُّضِلَّ	پس ہرگز نہیں ضائع کریں گے
الرِّقَابِ	گردنوں پر	ذٰلِكَ	یہ سن چکے	اَعْمَالَهُمْ	ان کے کام
حَتّٰٓى اِذَآ	یہاں تک کہ جب	وَلَوْ يَشَآءُ	اور اگر چاہیں	سَيَهْدِيْهِمْ	عنقریب راہ دکھائیں
اَثْخَنْتُمُوْهُمْ[3]	خوب قتل کرلوان کو	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ		گے ان کو
فَشُدُّوا	تو مضبوط باندھو	لَانْتَصَرَ	(تو) ضرور بدلہ لیں	وَيُصْلِحُ	اور سنواریں گے
الْوَثَاقَ	بندش	مِنْهُمْ	ان سے	بَالَهُمْ	ان کے احوال کو
فَاِمَّا	پھر یا تو	وَلٰكِنْ	لیکن	وَيُدْخِلُهُمُ	اور داخل کریں گے ان کو
مَنًّا	احسان کرنا ہے	لِّيَبْلُوَا	تاکہ آزمائیں	الْجَنَّةَ	جنت میں
بَعْدُ	بعد میں	بَعْضَكُمْ	تمہارے بعض کو	عَرَّفَهَا[5]	پہچان کرادی ہے اس کی
وَاِمَّا	اور یا	بِبَعْضٍ	بعض سے	لَهُمْ	ان کو

جہاد دنیا کے احوال سنوارنے کا ایک ذریعہ ہے

تمام سماوی شریعتوں میں جہاد کا حکم رہا ہے، جہاد کے ذریعہ اللہ تعالیٰ دنیا کو سنوارتے ہیں، انسانوں پر اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی مہربانی یہ ہے کہ ان کو نیکوکاری کی راہ دکھائیں، ظالموں کو ظلم سے روکیں، لوگوں کے دنیوی معاملات، ان

(۱) فاء کا مابعد ماقبل پر متفرع ہے (روح) یعنی اسلام کے خلاف کفار کی چالوں کو اللہ تعالیٰ جہاد کے ذریعہ نابود کریں گے (۲) ضرب (مصدر) فعل محذوف کا مفعول مطلق (بیانِ نوعیت کے لئے) ہے، أی فاضربوا الرقاب ضربًا۔ (۳) أثخنتموهم: ماضی، جمع مذکر حاضر، هم: مفعول بہ، مصدر إثخان، أثخن في الأمر: مبالغہ کرنا، حد سے بڑھنا، أثخن في الأرض: خوب جنگ کرنا، کشتوں کے پشتے لگا دینا، مجرد ثَخُن (ک) ثُخونة: موٹا اور دبیز ہونا اور حتی: ضرب کی غایت ہے یعنی جب کفار کا زور ٹوٹ جائے اور ان کی شوکت ختم ہو جائے تب قیدی بناؤ۔ (۴) یہ دوسرا حتی: شُدوا کی غایت ہے، یعنی قیدی بنانے کا سلسلہ جنگ ختم ہونے تک جاری رہے، اور اسلامی جہاد قیامت تک چلے گا۔ (۵) عَرَّف تعریفا کے دو معنی ہیں: پہچانوانا اور خوشبودار کرنا۔

کی گھریلو زندگی اور ملکی نظام کو سنواریں، جن علاقوں پر خونخوار لوگ قابض ہوتے ہیں، اور وہ سخت جنگ جو بھی ہوتے ہیں: وہ پورے علاقہ کا ناس مار دیتے ہیں، یہ لوگ اس آفت زدہ عضو کی طرح ہیں جس کو کاٹے بغیر جسم درست نہیں ہوسکتا، جو شخص جسم کی صحت کا فکر مند ہے اس پر لازم ہے کہ اس عضو کو کاٹ دے، کیونکہ بڑی منفعت کی خاطر چھوٹا ضرر برداشت کیا جاسکتا ہے۔

اور یہ بات سمجھنے کے لئے قریش کی اور ان کے اردگرد کے عربوں کی مثال کافی ہے، طلوع اسلام کے وقت وہ ایمان واحسان سے کوسوں دور تھے، کمزوروں پر ستم ڈھاتے تھے، باہم برسرِ پیکار رہتے تھے، اور ایک دوسرے کو قید کرتے تھے، ان میں سے بیشتر اسلام کے دلائل میں غور کرنے کے لئے تیار نہیں تھے، نہ معجزات سے متأثر ہوتے تھے، اس صورتِ حال میں اگر نبی ﷺ ان سے جہاد نہ کرتے، اور سخت گیر اور شریر لوگوں کو قتل نہ کرتے تو وہ دینِ اسلام سے بے بہرہ رہتے، عرب میں امن وامان قائم نہ ہوتا، اور ان کے گھریلو اور ملکی احوال نہ سنورتے، پس جہاد دنیا کے احوال کو سنوارنے کا ایک ذریعہ ہے، چنانچہ ہجرت کے بعد مسلمانوں کو جہاد کا حکم دیا، تاکہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ کفار کی چالوں کو نابود کریں۔

﴿ فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ۭ حَتّٰٓي اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ڎ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاۗءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ڗ ﴾

ترجمہ: پس جب تمہارا کفار سے مقابلہ ہو تو ان کی گردنیں مارو —— یعنی جب حق وباطل کا مقابلہ ہو تو مسلمانوں کو چستی، مضبوطی اور بہادری سے کام لینا چاہئے، باطل کا زور جبھی ٹوٹے گا کہ بڑے شریر مارے جائیں، اور ان کے جتھے توڑ دیئے جائیں، اس لئے ہنگامۂ کارزار میں سستی، بزدلی اور تردد کو راہ مت دو، اور دشمنانِ خدا کی گردنیں مارنے میں کچھ باک مت کرو —— یہاں تک کہ جب تم ان کی خوب خوں ریزی کرلو تو خوب مضبوط باندھ لو —— یعنی کافی خون ریزی کے بعد جب تمہاری دھاک بیٹھ جائے اور ان کا زور ٹوٹ جائے تو قتل سے ہاتھ روک لو، اور زندوں کو قید کرکے مضبوط باندھ لو، تاکہ بھاگ نہ جائیں، قیدی ہمیشہ بھاگنے کی کوشش کرتے ہیں —— پھر اس کے بعد یا تو بلا معاوضہ چھوڑ دینا ہے، اور یا معاوضہ لے کر چھوڑ دینا ہے —— جنگی قیدیوں کا معاملہ چار طرح حل کیا جاسکتا ہے:

۱- امام مصلحت سمجھے تو ایسے قیدی کو جو سنگین جرم کا مرتکب ہوا ہے قتل کردے، احادیث سے قیدی کو قتل کرنے کا ثبوت خاص حالات میں ملتا ہے۔

۲- اور مصلحت سمجھے تو بدوں کسی معاوضہ کے احسان کرکے ان کو قید سے رہا کردے، حدیبیہ کے میدان میں نبی ﷺ نے قیدیوں کو مفت رہا کردیا تھا، تاکہ صلح کی گفتگو میں خلل نہ پڑے۔

۳-اور یہ بھی کیا جاسکتا ہے کہ زرفدیہ لے کر یا مسلمان قیدیوں کے تبادلہ میں رہا کردیا جائے، بدر کے قیدیوں کو جنگ کا ہرجانہ لے کر رہا کیا گیا تھا۔

۴-اور آخری صورت یہ ہے کہ قیدیوں کو غلام بنا کر فوج میں تقسیم کردیا جائے، وہ آقا کے یہاں کھائیں اور ان کا کام کریں، پس وہ ان کے لئے بوجھ نہیں ہونگے، مگر رقیت (غلامی) جنگوں کا پیدا کیا ہوا مسئلہ ہے، اسلام نے اس کو شروع نہیں کیا۔ تفصیل آگے آئے گی۔

یہاں تک کہ جنگ اپنے ہتھیار رکھ دے! —— یعنی جب تک جہاد جاری ہے، قیدیوں کے ساتھ یہی معاملہ کیا جائے، اور اسلام کا جہاد قیامت تک جاری رہے گا، اس کے دشمن چاروں طرف ہیں، ایک سے نمٹتے ہیں تو دوسرا مقابلہ میں آجاتا ہے، پس یہ احکام رہتی دنیا تک کے لئے ہیں۔

رقیت (غلامی) جنگوں کا پیدا کیا ہوا مسئلہ ہے

جب دو فریق لڑتے ہیں اور ایک دوسرے کے آدمیوں کو قید کرتا ہے اور قیدیوں کا کوئی مناسب حل نہیں نکلتا تو قدیم زمانہ سے ساری دنیا میں اس کا یہ حل چلا آرہا تھا کہ ان قیدیوں کو غلام بنالیا جائے اس طرح ملکیت بمعنی غلامی وجود میں آئی۔ غلامی کا مسئلہ اسلام کا پیدا کیا ہوا نہیں ہے نہ اسلام کو اس پر اصرار ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جنگی قیدیوں کا مسئلہ مختلف طرح سے حل کیا جاسکتا ہے۔ یا تو قیدیوں کو تہ تیغ کردیا جائے یا قیدیوں سے تبادلہ کیا جائے۔ یا مفت چھوڑ دیا جائے یا جنگ کا حرجانہ (فدیہ) لے کر چھوڑا جائے یا جیل میں رکھ کر زندگی بھر کھلایا جائے۔ اگر یہ سب حل ممکن نہ ہوں یا مناسب نہ ہوں تو آخری حل یہ ہے کہ ان کو فوج میں تقسیم کردیا جائے۔ اور ہر فوجی اپنے غلام کو اپنے گھر بھیج دے، وہاں وہ کام کرے اور کھائے۔

اسلام نے مسئلہ کے اس حل کو جو پہلے سے چلا آرہا تھا اور ساری دنیا میں رائج تھا، باقی رکھا ہے۔ اس میں قیدیوں کا یہ فائدہ ہے کہ جب وہ اسلامی معاشرہ میں پہنچیں گے تو اسلامی تعلیمات سے روشناس ہوں گے اور دیر سویر ان کے سینے نور ایمان سے منور ہوجائیں گے۔ اسلام کی ابتدائی تاریخ اس کی بہترین مثال ہے —— اور اسلام نے غلاموں کے لئے ایسے قواعد وضوابط بنادیئے ہیں جن سے ظلم وستم کا سد باب ہوجاتا ہے، نیز غلامی سے نکلنے کی بہت سی راہیں بھی تجویز کردی ہیں، تاکہ غلامی کا طوق ہمیشہ کے لئے گردن میں نہ پڑجائے۔

جہاد میں بندوں کا امتحان ہے: جہاد کی پہلی حکمت

اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہیں کہ کافروں کو آسمانی عذاب سے ہلاک کردیں، لیکن جہاد کا حکم دے کر امتحان کرنا مقصود ہے، وہ

دیکھتے ہیں کہ کتنے مسلمان اللہ کے نام پر جان ومال نثار کرنے کے لئے تیار ہیں، اور کتنے کافر اس تنبیہ سے بیدار ہوتے ہیں اور اسلام کے سایے میں آتے ہیں، گذشتہ قوموں کی طرح ایک دم پکڑ کر مونڈی توڑ نہیں دیتے، سنبھلنے کا موقعہ دیتے ہیں۔

﴿ ذٰلِكَ ۚ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ؕ ﴾

ترجمہ: (جہاد کا) یہ حکم (بجالاؤ!) اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو خود ان (کفار) سے انتقام لیتے، لیکن وہ چاہتے ہیں کہ تم میں سے ایک کا دوسرے کے ذریعہ امتحان کریں!

جہاد کے ذریعہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو جنت سے ہم کنار کرنا چاہتے ہیں: جہاد کی دوسری حکمت

جنت مہنگا سودا ہے، اس کے حصول کے لئے بڑے جتن کرنے پڑتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس کو حاصل کرنے کا ایک مختصر راستہ کھول دیا ہے، اور وہ ہے جہاد! جام شہادت نوش کرتے ہی سیدھا جنت میں پہنچ جاتا ہے، البتہ حقوق العباد مستثنیٰ ہیں، سب گناہ معاف ہوجاتے ہیں، مگر بندوں کے حقوق کھڑے رہتے ہیں، جو لوگ اللہ کے راستہ میں مارے جاتے ہیں دنیا ان کو ناکام سمجھتی ہے، مگر حقیقت میں وہ کامیاب ہیں، اللہ تعالیٰ ان کا عمل (جہاد) ضائع نہیں کرتے، ان کی محنت ٹھکانے لگاتے ہیں، آخرت میں ان کے احوال ٹھیک کردیتے ہیں، اور ان کو جنت میں داخل کرتے ہیں، جس کی پہچان ان کو انبیاء کے ذریعہ کرادی ہے یا جس کو خوشبوؤں سے مہکا دیا ہے۔

﴿ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝ سَيَهْدِيْهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ۝ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ۝ ﴾

ترجمہ: اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے تو اللہ تعالیٰ ہرگز ان کے اعمال (جہاد وغیرہ) کو ضائع نہیں کریں گے، ان کو منزلِ مقصود تک پہنچائیں گے، اور ان کے احوال کو سنواریں گے، اور ان کو جنت میں داخل کریں گے، جس کی ان کو پہچان کرادی ہے/ جس کو انھوں نے خوشبوؤں سے مہکا دیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ۝ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۡ وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ۝

ع ۱۱ ۵

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے لوگو جو	ذٰلِكَ (۲)	یہ بات	مِنْ قَبْلِهِمْ	ان سے پہلے ہوئے
اٰمَنُوْۤا	ایمان لائے	بِاَنَّهُمْ	اس لئے ہے کہ انھوں نے	دَمَّرَ اللّٰهُ	ہلاکت ڈالی اللہ نے
اِنْ تَنْصُرُوا	اگر مدد کروگے تم	كَرِهُوْا	ناپسند کیا	عَلَيْهِمْ	ان پر
اللّٰهَ	اللہ کی	مَاۤ اَنْزَلَ	جس کو اتارا	وَلِلْكٰفِرِيْنَ (۳)	اور اِن منکروں کیلئے
يَنْصُرْكُمْ	مدد کریں گے وہ تمہاری	اللّٰهُ	اللہ نے	اَمْثَالُهَا	اُن کے مانند ہے
وَيُثَبِّتْ	اور جمائیں گے وہ	فَاَحْبَطَ	پس اکارت کردیا	ذٰلِكَ	یہ بات
اَقْدَامَكُمْ	تمہارے پیروں کو	اَعْمَالَهُمْ	ان کے کاموں کو	بِاَنَّ	اس لئے ہے کہ
وَالَّذِيْنَ	اور جنھوں نے	اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا	کیا پس نہیں چلے پھرے وہ	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ
كَفَرُوْا	نہیں مانا	فِي الْاَرْضِ	زمین میں	مَوْلَى	کارساز ہیں
فَتَعْسًا (۱)	پس اوندھے منہ گرنا ہے	فَيَنْظُرُوْا	پس دیکھتے وہ	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	ایمانداروں کے
لَّهُمْ	ان کے لئے	كَيْفَ كَانَ	کیسا ہوا	وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ	اور اس وجہ سے کہ منکرین
وَاَضَلَّ	اور کھودیا	عَاقِبَةُ	انجام	لَا مَوْلٰى	کوئی کارساز نہیں
اَعْمَالَهُمْ	ان کے کاموں کو	الَّذِيْنَ	ان کا جو	لَهُمْ	ان کا

مجاہدین جم کر مقابلہ کریں، وہی کامیاب ہونگے اور مخالفین پسپا ہونگے

جب رن پڑتا ہے تو پتّہ پانی ہوجاتا ہے، پیرا کھڑ جاتے ہیں، مجاہد بھاگنے کی سوچتا ہے، اِس سے جیتا ہوا میدان ہاتھ سے نکل جاتا ہے، میدان وہی مارتا ہے جو ڈٹ کرلڑتا ہے، اور قدم قدم بڑھتا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ایک قاعدہ کلیہ بیان فرمایا ہے کہ جو اللہ کے دین کی مدد کرتا ہے اسی کی اللہ تعالیٰ مدد کرتے ہیں، اس کے قدم جماتے ہیں، مجاہدین میدانِ کارزار میں جم کرلڑیں گے تو وہی کامیاب ہونگے، اور دشمنانِ اسلام اوندھے منہ گریں گے، ان کی سب چالیں خاک میں مل جائیں گی۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کفار اللہ کے نازل کئے ہوئے دین کو ناپسند کرتے ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ اسلام کے خلاف ان کی کارروائیوں کو اکارت کردیتے ہیں، سرزمین عرب میں وہ چل پھر کے دیکھیں، ان کو بہت مثالیں مل جائیں گی، نافرمان قوموں کو اللہ نے تباہ وبرباد کردیا، آج ان کا نام ونشان باقی نہیں، یہی حال مشرکین مکہ کا ہونا ہے، اور مسلمان

(۱) تَعْسًا: مفعول مطلق فعل محذوف کا، أی تَعِسَ تَعْسًا، عامل کا حذف واجب ہے تَعِسَ (س): منہ کے بل گرنا، ہلاک ہونا۔
(۲) ذلك: أی ما ذُكر من التعس والإضلال (روح) (۳) الكافرين کا الف لام عہدی ہے، مراد مکہ کے کفار ہیں۔

سرخ رو ہونگے، اللہ تعالیٰ ان کے کارساز ہیں، وہ جلد ان کی بگڑی بنادیں گے، اور کافروں کا کوئی پرسانِ حال نہ ہوگا جو ان پر آنسو بہائے!

آیاتِ پاک: —— اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کروگے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا —— اللہ تعالیٰ تو کسی کی مدد کے محتاج نہیں، وہ تو صمد (بے نیاز) ہیں، البتہ اللہ کے دین کی اشاعت کے لئے جدوجہد (محنت) درکار ہے، اور اس میں محنت کرنے والوں کا نفع ہے، غرض: اس عام ضابطہ میں جہاد بھی آتا ہے —— اور تمہارے قدم جمائے گا —— یعنی جہاد میں اللہ کی مدد سے تمہارے قدم ڈگمگائیں گے نہیں، اسلام واطاعت پر ثابت قدم رہو گے۔

یہ بات بایں وجہ ہے کہ انھوں نے —— یعنی مکہ کے کافروں نے —— اُس (قرآن) کو ناپسند کیا جو اللہ نے اتارا ہے، اس لئے اُن کے اعمال (چالیں اور اسکیمیں) اکارت کردیئے —— کیا وہ لوگ سرزمین عرب میں چلے پھرے نہیں، پس وہ دیکھتے کہ کیسا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے ہوئے؟ —— اللہ تعالیٰ نے ان پر تباہی ڈالی —— انھوں نے اللہ کی باتوں کو ناپسند کیا، سو دیکھ لو! دنیا ہی میں ان کی کیا گت بنی؟ —— اور اِن کافروں کے لئے بھی اسی قسم کے معاملات ہونے والے ہیں —— یعنی اِن کے منصوبے بھی خاک میں مل جائیں گے —— یہ بات بایں وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے کارساز ہیں —— وہ ان کی بگڑی بنائیں گے —— اور کافروں کا کوئی کارساز نہیں! —— جو اللہ کے مقابلہ میں ان کے کچھ کام آئے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۝ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ۝ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ۝ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ؕ وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ؕ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ۝

إِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	أَشَدُّ قُوَّةً	زیادہ زور آور تھیں	الْمُتَّقُوْنَ	پرہیزگاروں سے
يُدْخِلُ	داخل کریں گے	مِّنْ قَرْيَتِكَ	آپ کی بستی سے	فِيْهَا أَنْهٰرٌ	اس میں نہریں ہیں
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	ان کو جو ایمان لائے	الَّتِيْٓ	جس نے	مِّنْ مَّآءٍ	پانی کی
وَعَمِلُوا	اور کئے انھوں نے	أَخْرَجَتْكَ	نکال دیا آپ کو	غَيْرِ اٰسِنٍ (۴)	نہ بو کرنے والا
الصّٰلِحٰتِ	نیک کام	أَهْلَكْنٰهُمْ	ہلاک کیا ہم نے ان کو	وَأَنْهٰرٌ	اور نہریں ہیں
جَنّٰتٍ (۱)	باغوں میں	فَلَا نَاصِرَ	پس کوئی مددگار نہیں	مِّنْ لَّبَنٍ	دودھ کی
تَجْرِيْ	بہتی ہیں	لَهُمْ	ان کے لئے	لَّمْ يَتَغَيَّرْ	نہیں بدلا
مِنْ تَحْتِهَا (۲)	ان کے نیچے سے	أَفَمَنْ كَانَ	کیا پس جو ہے	طَعْمُهٗ	اس کا مزہ
الْأَنْهٰرُ	نہریں	عَلٰى بَيِّنَةٍ (۳)	واضح راستہ پر	وَأَنْهٰرٌ	اور نہریں ہیں
وَالَّذِيْنَ	اور جن لوگوں نے	مِّنْ رَّبِّهٖ	جو اس کے رب کی طرف	مِّنْ خَمْرٍ	شراب کی
كَفَرُوْا	انکار کیا		سے ہے	لَّذَّةٍ	مزیدار
يَتَمَتَّعُوْنَ	فائدہ اٹھاتے ہیں	كَمَنْ	مانند اس شخص کے ہے	لِّلشّٰرِبِيْنَ	پینے والوں کے لئے
وَيَأْكُلُوْنَ	اور کھاتے ہیں وہ	زُيِّنَ لَهٗ	جس کیلئے مزین کی گئی	وَأَنْهٰرٌ	اور نہریں ہیں
كَمَا تَأْكُلُ	جس طرح کھاتے ہیں	سُوْٓءُ عَمَلِهٖ	اس کی بدعملی	مِّنْ عَسَلٍ	شہد کی
الْأَنْعَامُ	پالتو چوپایے	وَاتَّبَعُوْٓا	اور پیروی کی انھوں نے	مُّصَفًّى (۵)	صاف شفاف
وَالنَّارُ	اور دوزخ	أَهْوَآءَهُمْ	اپنی خواہشات کی	وَلَهُمْ فِيْهَا	اور ان کے لئے اس میں
مَثْوًى لَّهُمْ	ٹھکانا ہے ان کا	مَثَلُ	حالت	مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ	ہر طرح کے میوے ہیں
وَكَأَيِّنْ	اور کتنی ہی	الْجَنَّةِ	اس جنت کی	وَمَغْفِرَةٌ	اور بخشش ہے
مِّنْ قَرْيَةٍ	بستیاں	الَّتِيْ	جس کا	مِّنْ رَّبِّهِمْ	ان کے رب کی طرف سے
هِيَ	جو	وُعِدَ	وعدہ کیا گیا	كَمَنْ هُوَ	برابر ہے اس کے جو

(۱) جناتٍ: یدخل کا مفعول فیہ ہے (۲) من تحتها: کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں: (۱) زیر زمیں (۲) محلات کے نیچے (۳) علی بینة: ای علی طریق بینة۔ (۴) آسِن: اسم فاعل، أَسَنَ الماءُ (ن) أَسْنًا: سڑ جانا، بدبودار رہنا (۵) مصفی: میل کچیل، اور موم نہ ملا ہوا۔

خَالِدٌ	سدا رہنے والا ہے	وَ سُقُوْا	اور پلائے گئے وہ	فَقَطَّعَ	پس ٹکڑے ٹکڑے کردیا اس نے
فِي النَّارِ	دوزخ میں	مَآءً حَمِیْمًا	کھولتا پانی	اَمْعَآءَهُمْ	ان کی آنتوں کو

نیک مؤمن اور کافر کا انجام مختلف ہوگا

گذشتہ آیات میں مؤمن (مجاہد) اور کافر کا دنیوی فرق بیان کیا ہے، مؤمنین جو اللہ کے دین کی مدد کرتے ہیں، اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے سردھڑ کی بازی لگاتے ہیں: اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرتے ہیں، اور وہ سر بلند ہوتے ہیں، اور ان کے مخالفین سرنگوں ہوتے ہیں، ان کی سب اسکیمیں فیل ہوجاتی ہیں، اور ان کی چالیں خاک میں مل جاتی ہیں —— اب اِن آیات میں نیک مؤمن اور کافر کے درمیان اخروی انجام کا تفاوت بیان کرتے ہیں۔ آخرت میں بھی دونوں کا انجام یکساں نہیں ہوگا:

ایماندار جنھوں نے اچھے کام کئے، ایسے باغات میں داخل کئے جائیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، جن سے وہ سدا شاداب رہیں گے، اور دین اسلام کے نہ ماننے والے جو دنیا میں عیش اڑا رہے ہیں، اور چوپایوں کی طرح کھاپی رہے ہیں، اور انجام سے بے فکر ہیں، ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے، جس میں وہ ہمیشہ سڑیں گے۔

اور ماضی میں ایسی بہت سی قومیں ہلاک کی جاچکی ہیں جو زور وقوت میں مکہ والوں سے بڑھی ہوئی تھیں، اللہ نے ان کو ایک ایک کرکے ہلاک کیا، اور کوئی ان کی مدد کو نہیں پہنچا، پھر مکہ کے مشرک کس زعم میں مبتلا ہیں جنھوں نے آپ ﷺ کو اور مسلمانوں کو گھر سے بے گھر کیا ہے؟ کیا ان کا نمبر نہیں آئے گا؟ ضرور آئے گا، بھلا جو شخص دین کے واضح راستہ پر چل رہا ہو، اور جو شخص بدعملی کا شکار ہو، اور خواہشِ نفسانی کی پیروی کررہا ہو: یکساں ہوسکتے ہیں؟ ہرگز نہیں! پہلا شخص کامیاب ہوگا، اور دوسرا منہ کی کھائے گا۔

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۖ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۝ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ۝ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ۝ ﴾

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کئے، ایسے باغات میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں —— جن سے وہ باغات سدا بہار ہونگے —— اور جن لوگوں نے دین اسلام قبول نہیں کیا وہ عیش کررہے ہیں، اور اس طرح کھاپی رہے ہیں جس طرح چوپایے کھاتے پیتے ہیں، اور دوزخ ان کا ٹھکانا ہے! —— یعنی کیا دونوں یکساں ہیں؟ ہرگز نہیں! اِن کے لئے تو دنیا میں بھی تباہی ہے، پھر وہ آخرت میں کامیاب کیسے ہونگے؟

اور بہت سی بستیاں ایسی تھیں جو قوت میں آپؐ کی اُس بستی سے بڑھی ہوئی تھیں جس نے آپؐ کو نکال دیا ہے، ہم نے ان کو ہلاک کیا، سو ان کا کوئی مددگار نہیں ہوا!

کیا پس جو شخص اپنے پروردگار کے واضح راستہ پر ہو، وہ اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جس کے لئے اس کی بدعملی مزین کی گئی، اور جو اپنی خواہشات پر چل رہے ہیں؟

جنت کا حال جس کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے

جنت میں چار قسم کی نہریں ہیں:

۱- پانی کی نہریں ہیں جو زندگی کا سرمایہ ہے، جس میں ذرا بو نہیں۔

۲- دودھ کی نہریں ہیں جو غذائے لطیف ہے، اس کا ذائقہ نہیں بدلا ہوگا، دودھ سڑتا ہے، مگر جنت کا دودھ تازہ ہوگا۔

۳- شرابِ طہور کی نہریں ہیں، جو سرور ونشاط کے لئے پی جاتی ہے، دنیا کی شراب میں بدمزگی اور سرگرانی ہوتی ہے، جنت کی شراب میں یہ دونوں چیزیں نہیں ہونگی، وہ پینے والوں کے لئے مزیدار ہوگی، اور سرور سے سرمست کرے گی۔

۴- صاف شفاف شہد کی نہریں ہیں جو شفا ہے، دنیا کے شہد میں کبھی موم مل جاتا ہے تو وہ گدلا ہو جاتا ہے۔

علاوہ ازیں: جنت میں ہر قسم کے میوے ہیں اور اللہ کی بخشش ہے، یعنی جنتیوں کی سب خطائیں معاف کرکے ان کو جنت میں داخل کیا جائے گا، پھر وہاں کبھی خطاؤں کا تذکرہ بھی نہیں آئے گا، جو کلفت کا سبب بنے۔

اور کافر دوزخ میں داخل کئے جائیں گے، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، ان کو کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا، جس سے آنتیں کٹ کٹ جائیں گی —— کیا وہ مؤمن اور یہ کافر آخرت میں یکساں ہونگے؟ ہرگز نہیں! اول چین میں رہے گا اور ثانی بے چین! اور آخرت میں انجام کا یہ اختلاف دین قبول کرکے اس کے لئے جدوجہد کرنے اور دین کا انکار کرنے کی وجہ سے ہوگا۔

﴿مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّاۗءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ڬ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ۭ وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ۭ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوْا مَاۗءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَاۗءَهُمْ ۝﴾

ترجمہ: اس جنت کا حال جس کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے: اس میں پانی کی نہریں ہیں، جس میں ذرا تغیر نہیں آیا، اور ایسی دودھ کی نہریں ہیں جس کا ذائقہ ذرا نہیں بدلا، اور ایسی شراب کی نہریں ہیں، جو پینے والوں کو مزہ دینے والی ہے، اور صاف شفاف شہد کی نہریں ہیں، اور ان کے لئے اس میں ہر قسم کے پھل ہیں، اور ان کے پروردگار کی طرف سے

بخشش ہے، کیا یہ لوگ اس شخص کی طرح ہونگے جو ہمیشہ دوزخ میں رہے گا، اور اس کو کھولتا ہوا پانی پینے کو دیا جائے گا، پس وہ اس کی آنتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا؟

وَمِنْهُم مَّن يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ حَتَّىٰ إِذَا خَرَجُوا مِنْ عِندِكَ قَالُوا لِلَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ آنِفًا ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ ﴿١٦﴾ وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَآتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ ﴿١٧﴾ فَهَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَن تَأْتِيَهُم بَغْتَةً ۖ فَقَدْ جَاءَ أَشْرَاطُهَا ۚ فَأَنَّىٰ لَهُمْ إِذَا جَاءَتْهُمْ ذِكْرَاهُمْ ﴿١٨﴾ فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوَاكُمْ ﴿١٩﴾

ع ۲

وَمِنْهُم	اور ان میں سے بعض	أُولَٰئِكَ	یہ لوگ	تَقْوَاهُمْ	ان کی پرہیز گاری
مَّن يَسْتَمِعُ	جو کان لگاتے ہیں	الَّذِينَ	جو	فَهَلْ يَنظُرُونَ	پس نہیں انتظار کرتے وہ
إِلَيْكَ	آپ کی طرف	طَبَعَ اللَّهُ	مہر کردی اللہ نے	إِلَّا السَّاعَةَ	مگر قیامت کا
حَتَّىٰ إِذَا	یہاں تک کہ جب	عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ	ان کے دلوں پر	أَن تَأْتِيَهُم (۲)	کہ آ کھڑی ہو ان پر
خَرَجُوا	نکلتے ہیں وہ	وَاتَّبَعُوا	اور پیروی کی انھوں نے	بَغْتَةً	اچانک
مِنْ عِندِكَ	آپ کے پاس سے	أَهْوَاءَهُمْ	اپنی خواہشات کی	فَقَدْ جَاءَ	پس بالیقین آ چکی ہیں
قَالُوا	پوچھتے ہیں	وَالَّذِينَ (۱)	اور جن لوگوں نے	أَشْرَاطُهَا (۳)	اس کی چھوٹی نشانیاں
لِلَّذِينَ	ان سے جو	اهْتَدَوْا	راہ راست پائی	فَأَنَّىٰ لَهُمْ (۴)	پس کہاں ہوگا ان کیلئے
أُوتُوا الْعِلْمَ	دیئے گئے علم	زَادَهُمْ	بڑھایا ان کو	إِذَا جَاءَتْهُمْ	جب آپہنچے گی ان کے پاس
مَاذَا قَالَ	کیا کہا اس نے	هُدًى	راہ یابی میں	ذِكْرَاهُمْ	ان کا نصیحت پذیر ہونا
آنِفًا	ابھی؟	وَآتَاهُمْ	اور دی ان کو	فَاعْلَمْ	پس جان لیں

(۱) الذین: مبتدا، زادھم: خبر (۲) أن تأتیھم: الساعۃ سے بدل اشتمال (۳) شَرَط: قیامت کی چھوٹی نشانیاں، دور کی نشانیاں اور آیات: بڑی نشانیاں، قریبی نشانیاں، جیسے سورج کا مغرب سے نکلنا۔ (۴) أنی: خبر مقدم، ذکراھم: مبتدا مؤخر، یا اس کا برعکس۔

اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ	کہ نہیں کوئی معبود	لِذَنْۢبِكَ	اپنے گناہ کی	وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ	اور اللہ جانتے ہیں
اِلَّا اللّٰهُ	اللہ کے سوا	وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ	اور مؤمنین کے لئے	مُتَقَلَّبَكُمْ (۱)	تمہارے گھومنے پھرنے کی جگہ
وَ اسْتَغْفِرْ	اور معافی مانگیں	وَ الْمُؤْمِنٰتِ	اور مؤمنات کے لئے	وَمَثْوٰىكُمْ (۲)	اور تمہاری فرودگاہ

نام نہاد مسلمانوں کے کچھ احوال، دھمکی اور فہمائش

اوپر مؤمنوں اور کافروں کا حال مذکور ہوا ہے، ایک قسم کافروں کی وہ ہے جسے منافق کہتے ہیں، یعنی ظاہر میں اسلام کا دعوی ہے اور باطن میں اس سے انحراف، ان آیات میں ان کا ذکر ہے، ارشاد فرماتے ہیں: —— اور بعضے آدمی ایسے ہیں جو آپ کی طرف کان لگاتے ہیں، یہاں تک کہ جب وہ آپؐ کے پاس سے باہر جاتے ہیں: اہل علم سے پوچھتے ہیں: انھوں نے ابھی کیا بات فرمائی؟ —— یعنی مجلس میں تو ایسا نظر آتا ہے کہ وہ بغور نبی ﷺ کی بات سن رہے ہیں، مگر حقیقت میں توجہ نہیں، اس لئے مجلس سے اٹھنے کے بعد سچے ذی علم صحابہ سے پوچھتے ہیں: انھوں نے ابھی مجلس میں کیا فرمایا؟ اور اس پوچھنے میں بھی چوٹ کر رہے ہیں کہ ہم ان کی بات کو لائق اعتناء نہیں سمجھتے، اس لئے ہم نے غور سے سنا ہی نہیں۔ ایسے نالائقوں سے کیا امید باندھتے ہو کہ وہ جہاد میں تمہارا ساتھ دیں گے —— یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر کردی ہے، اور وہ اپنی من مانی کر رہے ہیں —— یعنی ایسی نالائق حرکتوں کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اللہ ان کے دلوں پر مہر کردیتے ہیں، پھر نیکی کی توفیق قطعاً نہیں ہوتی، محض خواہشات کی پیروی رہ جاتی ہے (فوائد)

منافقوں کے بالمقابل سچے مسلمانوں کا حال: —— اور جن لوگوں نے راہ پائی، ان کی ہدایت میں اللہ تعالیٰ اضافہ کرتے ہیں، اور ان کو ان کے تقوی کی توفیق دیتے ہیں —— یعنی سچائی کے راستہ میں چلنے کا اثر یہ ہوتا ہے کہ آدمی روز بروز ہدایت میں ترقی کرتا چلا جاتا ہے، اور اس کی پرہیزگاری بڑھتی جاتی ہے، اور یہی لوگ سرفروشی کا جذبہ رکھتے ہیں۔

منافقوں کو دھمکی: —— پس وہ لوگ بس قیامت ہی کا انتظار کر رہے ہیں کہ وہ دفعۃً ان پر آپڑے، سو اس کی علامتیں تو آچکی ہیں، پس کہاں نصیب ہوگا ان کو، جب قیامت ان کے سر پر آجائے گی، ان کا نصیحت پذیر ہونا! —— یعنی وہ لوگ سب نصیحتیں اور گذشتہ اقوام کی عبرتناک مثالیں، اور وعدو وعید تو سن چکے، اب ماننے کے لئے کس بات کا انتظار ہے؟ جب قیامت کی گھڑی اچانک ان کے سر پر آکھڑی ہوگی تب مانیں گے؟ سو قیامت کی کئی نشانیاں تو آچکیں، ان

(۱) متقلَّب: ظرف مکان، تقلّب: مصدر: گھومنا پھرنا، الٹ پلٹ ہونا (۲) مثوی: ظرف مکان: ٹھکانا، فرودگاہ، لمبی مدت تک رہنے کی جگہ۔ ثوی یثوی (ض) بالمکان ثواء: ٹھہرنا، قیام کرنا۔

میں سے ایک نشانی خاتم النّبیین ﷺ کی بعثت ہے، جب سلسلۂ نبوت پورا ہو گیا تو اب جزاوسزا کا مرحلہ ہی سامنے ہے، اور جب قیامت برپا ہو جائے گی تو ماننے کا موقع کہاں رہے گا؟ اس وقت سمجھنا اور ماننا بے کار ہو گا، اس پر نجات نہیں ہو سکے گی۔

نبی ﷺ نے شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی ملا کر اشارہ فرمایا کہ میں اور قیامت اس طرح ہیں یعنی میں قیامت سے اتنا آگے نکل آیا ہوں، جتنا بیچ کی انگلی شہادت کی انگلی سے آگے نکلی ہوئی ہے

منافقوں کو فہمائش:۔۔۔ پس تو جان لے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ۔۔۔ یعنی اللہ کے سوا تیرے دماغ میں جو معبود بیٹھے ہوئے ہیں ان کو نکال ۔۔۔ اور تو اپنی خطا کی معافی مانگ ۔۔۔ یعنی شرک سے توبہ کر ۔۔۔ اور مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کے لئے بھی ۔۔۔ یعنی اسلامی برادری میں شامل ہو جا، آدمی اپنی برادری کے لئے دعا گو رہتا ہے ۔۔۔ اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں تمہارے چلنے پھرنے کی اور رہنے سہنے کی جگہ کو! ۔۔۔ یعنی تو اللہ کی دسترس سے باہر نہیں، تیری عارضی چلنے پھرنے کی جگہ اور تیری مستقل فرودگاہ کی اللہ کو خبر ہے، وہ جب چاہیں گے دارو گیر کر سکتے ہیں، تو ان سے بچ کر کہاں جا سکتا ہے؟ پس ایمان لا اور ان کی پناہ حاصل کر لے۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُورَةٌ ۖ فَإِذَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ مُحْكَمَةٌ وَذُكِرَ فِيهَا الْقِتَالُ ۙ رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۖ فَأَوْلَىٰ لَهُمْ ﴿٢٠﴾ طَاعَةٌ وَقَوْلٌ مَعْرُوفٌ ۚ فَإِذَا عَزَمَ الْأَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللَّهَ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ ﴿٢١﴾ فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ ﴿٢٢﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ ﴿٢٣﴾ أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ﴿٢٤﴾

وَيَقُولُ	اور کہتے ہیں	لَوْلَا	کیوں نہیں	فَإِذَا	پس جب
الَّذِينَ	جو لوگ	نُزِّلَتْ	اتاری گئی	أُنْزِلَتْ	اتاری گئی
آمَنُوا	ایمان لائے	سُورَةٌ	کوئی سورت؟	سُورَةٌ	سورت

مُّحْكَمَةٌ(۱)	محکم	فَاَوْلٰى لَهُمْ(۵)	پس تباہی ہے ان کیلئے	اَنْ تُفْسِدُوْا	کہ خرابی پھیلاؤ گے تم
وَّذُكِرَ	اور ذکر کیا گیا	طَاعَةٌ(۶)	اطاعت	فِى الْاَرْضِ	ملک میں
فِيْهَا	اس میں	وَّقَوْلٌ	اور بات	وَتُقَطِّعُوْٓا	اور پارہ پارہ کرو گے تم
الْقِتَالُ	جہاد کا	مَّعْرُوْفٌ	بھلی (بہتر ہے)	اَرْحَامَكُمْ	تمہاری قرابتوں کو؟
رَاَيْتَ	دیکھا آپؐ نے	فَاِذَا عَزَمَ	پس جب پختہ ہوگیا	اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ	یہ لوگ جو
الَّذِيْنَ	ان کو جو	الْاَمْرُ	کام	لَعَنَهُمُ	لعنت کی ان پر
فِىْ قُلُوْبِهِمْ	ان کے دلوں میں	فَلَوْ صَدَقُوا	تو اگر سچی بات کہی ہوتی	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ نے
مَّرَضٌ	بیماری ہے		انھوں نے	فَاَصَمَّهُمْ	پس بہرہ کردیا ان کو
يَّنْظُرُوْنَ	دیکھتے ہیں وہ	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ سے	وَاَعْمٰٓى	اور اندھا کردیا
اِلَيْكَ	آپؐ کی طرف	لَكَانَ خَيْرًا	(تو) البتہ بہتر ہوتا	اَبْصَارَهُمْ	ان کی آنکھوں کو
نَظَرَ(۲)	(جیسے) دیکھنا	لَّهُمْ	ان کے لئے	اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ	کیا پس نہیں غور کرتے وہ
الْمَغْشِيِّ(۳)	اس کا کہ چھائی ہوئی ہو	فَهَلْ	پس کیا	الْقُرْاٰنَ	قرآن میں
عَلَيْهِ	اس پر	عَسَيْتُمْ(۷)	امید کرتے ہو تم	اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ	یا دلوں پر
مِنَ الْمَوْتِ(۴)	موت	اِنْ تَوَلَّيْتُمْ(۸)	اگر اقتدار سنبھالو تم	اَقْفَالُهَا(۹)	ان کے تالے ہیں!

(۱) مُحْكَمَة: اسم مفعول، جمع مُحْكَمَات، مصدر إحكام: مضبوط کرنا، پختہ کرنا، محکمة: قرآن کی اصطلاح ہے، اس کی جمع سورۃ آل عمران (آیت ۷) میں آئی ہے، اس کا مقابل متشابهات ہے، محکم: وہ کلام ہے جس کے ایک ہی معنی ہوں، دوسرے معنی کا احتمال نہ ہو، اور جس کلام کے متعدد معانی ہوسکتے ہوں وہ متشابہ ہے (۲) نَظَرَ: منصوب بنزع خافض ہے أی کنظر (۳) المغشی: اسم مفعول، الف لام بمعنی الذی، اصل میں مَغْشُوْىٌ تھا، واو کو یاء بنا کر یاء میں ادغام کیا، پھر ماقبل کو کسرہ دیا، جیسے مَغْنِیٌّ اصل میں مَغْنُوْىٌ تھا، غَشِيَ (س): بے ہوشی طاری ہونا (۴) من الموت: من بیانیہ المَغْشِیُّ میں الف لام بمعنی الذی کا بیان ہے (۵) أولى (اسم تفضیل) کا صلہ جب لام آتا ہے تو دھمکی کے لئے ہوتا ہے، یعنی خرابی اور برائی سے زیادہ قریب، زیادہ مستحق (۶) طاعة وقول معروف: مبتدا، اور خبر محذوف ہے، أی أمثلُ بکم من غیرهما (۷) عسی: افعال مقاربہ میں سے رجا وامید کے معنی کے لئے ہے، ضمیر تم اس کا اسم ہے، اور أن تفسدوا خبر ہے، اور إن تولیتم: جملہ معترضہ ہے (۸) تَوَلَّى السُّلْطة: اقتدار سنبھالنا، حاکم بننا، شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ نے ترجمہ کیا ہے: "اگر تم کو حکومت مل جائے" (۹) أقفالها کی ضمیر قلوب کی طرف لوٹتی ہے، دلوں کے تالے جیسے دروازوں کے تالے،

جب جہاد کی اجازت ملی تو منافقین پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھنے لگے!

مکی دور میں مسلمان ناقابل بیان ظلم وستم سہتے رہے، اس وقت جوابی کاروائی کی اجازت نہیں تھی، ہاتھ روکے رکھنے کا حکم تھا۔ سورۃ الحجر (آیات ۹۴و۹۵) ہیں: ﴿ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ۝﴾: آپؐ ڈنکے کی چوٹ وہ بات بیان کریں جس کا آپؐ کو حکم دیا گیا ہے، اور مشرکوں سے رخ پھیر لیں، ہم آپؐ کی طرف سے ان ہنسی اڑانے والوں سے نمٹ لیں گے —— پھر جب مسلمانوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تب بھی کافروں نے پیچھا نہیں چھوڑا، انھوں نے مدینہ پر چڑھائی کی تیاری شروع کردی، تفصیل ہدایت القرآن (۴۸۴:۵) میں ہے، اس وقت مسلمانوں نے چاہا کہ جوابی کاروائی کی اجازت ملے تو مشرکوں کو ترکی بہ ترکی جواب دیں، چنانچہ سورۃ الحج کی (آیت ۳۹) نازل ہوئی: ﴿ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ﴾: (لڑنے کی) اجازت دی گئی ان لوگوں کو جن کے ساتھ جنگ کی جاتی ہے، اس وجہ سے کہ وہ مظلوم ہیں۔

جب جہاد کا یہ حکم آیا تو منافق اور کچے لوگوں پر بھاری ہوا، خوف زدہ اور بے رونق آنکھوں سے پیغمبر کی طرف دیکھنے لگے کہ کاش! ہم کو اس حکم سے معاف رکھیں، بے حد خوف میں بھی آنکھ کی رونق نہیں رہتی، جیسے مرتے وقت آنکھوں کا نور جاتا رہتا ہے (موضح)

﴿ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّ ذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ ۙ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۭ فَاَوْلٰى لَهُمْ ۝﴾

ترجمہ: اور جو لوگ ایمان لائے وہ کہتے ہیں: "کیوں نہیں کوئی سورت اتاری گئی؟" —— جس میں جہاد کی اجازت ہو —— پھر جب محکم الدلالۃ سورت نازل کی گئی اور اس میں جہاد کا ذکر کیا گیا —— یعنی جہاد کا واضح حکم آیا جس میں دوسرے معنی کا احتمال نہیں تھا، استعارہ کنایہ کی گنجائش نہیں تھی —— تو آپؐ نے ان لوگوں کو دیکھا جن کے دلوں میں روگ (نفاق) ہے کہ وہ آپؐ کی طرف دیکھ رہے ہیں جیسے وہ شخص دیکھتا ہے جس پر موت کی بے ہوشی طاری ہو —— یعنی ان کے ہوش اڑ گئے، وہ حواس باختہ ہیں کہ اب کیا ہوگا؟ اب تو جہاد کے لئے نکلنا ہی پڑے گا، ورنہ بھانڈا پھوٹ جائے گا —— سو کم بختی ہو ان کے لئے! —— ناس ہو جائے ان بزدلوں کا!

جہاد کے تعلق سے مسلمانوں کی ذمہ داری

عام حالات میں جب جہاد نہ ہو رہا ہو امیر کی اطاعت اور بھلی بات یعنی لوگوں کو جہاد کے لئے تیار رہنے کی تلقین کرنا ضروری ہے، پھر جب جہاد کا قطعی فیصلہ ہو جائے تو اس کے لئے نکلنا اور جم کر دشمن کا مقابلہ کرنا ضروری ہے، اس وقت

مسلمانوں کو چاہئے کہ خود کو اللہ کے سامنے سچا ثابت کریں، اور سر فروشی کا جو عہد کیا ہے اس کو پورا کریں، یہ صورت ان کے لئے بہتر اور بھلائی کی ہے۔

﴿طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ فَإِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ﴾

ترجمہ: اطاعت اور بھلی بات (چاہئے!) پھر جب (جہاد کا) قطعی فیصلہ ہو جائے تو اگر وہ اللہ کے سامنے سچے ثابت ہوں تو وہ یقیناً ان کے لئے بہتر ہوگا۔

امن عالم کے لئے اسلامی حکومت ضروری ہے، اور وہ جہاد سے قائم ہوگی

پھر منافقین کا ایک خلجان دور کرتے ہیں، وہ یہ خیال کر سکتے ہیں کہ ابھی مکہ کے کفار بر سر اقتدار ہیں، ہم اگر جہاد کر کے ان سے حکومت چھین لیں گے تو کیا حاصل ہوگا؟ نام بدل جائے گا، کام تو وہی رہے گا، اسلامی حکومت بھی وہی کام کرے گی جو کافروں کی حکومت کر رہی ہے، پھر شیطانِ اکبر ہی کا اقتدار کیوں نہ مان لیں، جانیں کیوں کھوئیں!

اس کا جواب دیتے ہیں کہ اسلامی حکومت کافروں کی حکومت کی طرح نہیں ہوگی، وہ تو زمین میں فساد مچاتے ہیں، نبی ﷺ اور مہاجرین کے ساتھ رشتہ ناتا بھی توڑ لیا ہے، تو کیا اسلامی حکومت بھی یہی کام کرے گی؟ ہرگز نہیں! اسلامی حکومت تو امنِ عالم کی ضامن ہے، اس کا منشور سورۃ الحج (آیت ۴۱) میں آیا ہے: ﴿الَّذِيْنَ إِنْ مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوْا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ﴾: یعنی اگر سچے مسلمانوں کی حکومت قائم ہوگی تو مسجدیں آباد اور پُر رونق ہو جائیں گی، زکات کی ادائیگی عام ہو جائے گی، اور اس کی تقسیم کا ایسا نظام بن جائے گا کہ کوئی ننگا بھوکا نہیں رہے گا، نیک کاموں کا چلن ہوگا، اور برائیاں دم توڑ دیں گی، اور دنیا جنت کا نمونہ بن جائے گی، پھر تم جہاد سے کیوں کترا رہے ہو، قدم بڑھاؤ، دنیا میں امن قائم کرنا تو دنیا کی ضرورت ہے!

﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوْا أَرْحَامَكُمْ﴾

ترجمہ: پس کیا تم امید کرتے ہو ـــــ اگر تم اقتدار سنبھالو ـــــ کہ تم ملک میں خرابی پھیلاؤ گے، اور رشتہ داری کو پامال کرو گے!

کسی کو جہاد کے فوائد نظر نہ آئیں تو وہ قرآن کا مطالعہ کرے

منافقین پر ادبار پڑا ہے، ان کی آنکھیں اندھی ہو گئی ہیں، کان بہرے ہو گئے ہیں، اور دلوں پر تالے پڑ گئے ہیں، ان کو جہاد کے فوائد نظر نہیں آتے، ان کو قرآنِ کریم کا بغور مطالعہ کرنا چاہئے، اگر توفیق ملی تو ان کی سمجھ میں آ جائے گا کہ جہاد میں بے شمار دنیوی اور اخروی فوائد ہیں۔

﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ۝ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ۝ ﴾

ترجمہ: یہ (منافقین) وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے، پس ان کو بہرہ کر دیا، اوران کی آنکھوں کو اندھا کر دیا، پس کیا وہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے، یا دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں!

اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ۭ وَاَمْلٰى لَهُمْ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ ښ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ ۝ فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ۝

ركوع ۳

اِنَّ الَّذِيْنَ	بے شک جولوگ	لَهُمْ	ان کے لئے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ نے
ارْتَدُّوْا (۱)	الٹے پھر گئے	وَاَمْلٰى (۴)	اور لمبی امید دلائی	سَنُطِيْعُكُمْ	(کہ) عنقریب مانیں
عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ	اپنی پیٹھوں پر	لَهُمْ	ان کو		گے ہم تمہاری
مِّنْۢ بَعْدِ (۲)	بعد	ذٰلِكَ	یہ بات	فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ	بعض باتیں
مَا تَبَيَّنَ	واضح ہونے	بِاَنَّهُمْ	بایں وجہ ہے کہ انھوں نے	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
لَهُمُ	ان کے لئے	قَالُوْا	کہا	يَعْلَمُ	جانتے ہیں
الْهُدَى	ہدایت	لِلَّذِيْنَ	ان لوگوں سے جنھوں نے	اِسْرَارَهُمْ (۵)	ان کی سرگوشیاں
الشَّيْطٰنُ	شیطان نے	كَرِهُوْا	ناپسند کیا	فَكَيْفَ	پس کیا حال ہوگا
سَوَّلَ (۳)	مزین کیا	مَا نَزَّلَ	اس کو جو اتارا	اِذَا	جب

(۱) ارْتَدَّ علی عَقِبِه/ علی دُبُرِه: مقابلہ سے ہٹ جانا، پیٹھ دکھانا، ارْتَدَّ عن دینه: مذہب چھوڑ دینا (۲) من: حرفِ جر: ارتدوا سے متعلق، بعد: مضاف مجرور، ماتبین: ما مصدریہ، تبین: بتاویل مصدر ہو کر مضاف الیہ، الهدی: تبین کا مفعول بہ (۳) سَوَّل تسویلا: بری بات کو اچھی شکل میں پیش کرنا، اوراس پر اکسانا، برائی مزین کرنا۔ الشیطان: مبتدا، جملہ سول: خبر، پھر جملہ اسمیہ خبر یہ إن الذین کی خبر (۴) إملاء: گمراہی میں ڈھیل دینا، لمبی امید دلانا۔ (۵) إسْرار: مصدر: خفیہ بات کرنا۔

تَوَفَّتْهُمُ	جانیں وصول کریں گے	ذٰلِكَ	یہ سزا	اللّٰهَ	اللہ کو
الْمَلٰٓئِكَةُ	فرشتے	بِاَنَّهُمُ	بایں وجہ ہے کہ	وَكَرِهُوْا	اورناپسند کیاانھوں نے
يَضْرِبُوْنَ	مارتے ہونگے	اتَّبَعُوْا	پیروی کی انھوں نے	رِضْوَانَهٗ	اللہ کی خوشنودی کو
وُجُوْهَهُمْ	ان کے چہروں	مَآ	اس کی جس نے	فَاَحْبَطَ	پس اکارت کردیئے
وَاَدْبَارَهُمْ	اوران کی پیٹھوں پر	اَسْخَطَ	سخت ناراض کیا	اَعْمَالَهُمْ	ان کے کام

جہاد میں پیٹھ پھیرنے کی وجہ اور اس کی سزا

کبھی مسلمان بھی جہاد سے پیٹھ پھیرتے ہیں، راستے سے لوٹ آتے ہیں یا میدان چھوڑ دیتے ہیں، ان کو شیطان پٹی پڑھاتا ہے، بری بات بھلی کرکے دکھاتا ہے، جیسے مشرکوں کے لئے شرک کو مزین کرتا ہے یا جیسے بدکاروں کے لئے بدکاری کو دلچسپ بناتا ہے، اسی طرح شیطان ان لوگوں کو سُجھاتا ہے کہ لوٹ جاؤ بہت دنوں تک جیو گے، اور شریک ہوؤ گے یا میدان میں ڈٹے رہو گے تو مارے جاؤ گے۔

دوسری وجہ: یہ ہے کہ ان کا دشمنوں کے حق میں نرم گوشہ ہوتا ہے، وہ دشمن جو اللہ کے نازل کئے ہوئے دین کو ناپسند کرتے ہیں ان کے ساتھ رازداریاں ہوتی ہیں کہ ہم کچھ تمہاری بھی رعایت کریں گے، جیسے جنگِ احد میں تین سو افراد اس وقت لشکر اسلام سے الگ ہوئے جب مسلمان کافروں کی زد پر پہنچ گئے، ان کا مقصد یہ تھا کہ کافروں کا حوصلہ بڑھے، اور مجاہدین کی ہمت ٹوٹے، اسی طرح منافقین نے بنو نضیر سے کہہ رکھا تھا کہ اگر تم نکالے گئے تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل جائیں گے، اور تمہارے معاملہ میں ہم کسی کی بات نہیں سنیں گے، اور تمہارے ساتھ جنگ کی جائے گی تو ہم تمہاری مدد کریں گے (سورۃ الحشر آیت ۱۱) اس قسم کا نرم گوشہ پیٹھ پھیرنے کا سبب بنتا ہے، اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ سب رازداریاں معلوم ہیں، ان سے کوئی بات مخفی نہیں۔

اور ان لوگوں کی سزا یہ ہے کہ جب فرشتے ان کی جانیں نکالیں گے تو ان کے چہروں پر اور پیٹھوں پر جوت بجائیں گے، عذاب: قبر سے شروع ہوتا ہے، مگر ان کا عذاب نزع سے شروع ہوجائے گا، کیونکہ ان کا یہ عمل یعنی پیٹھ پھیرنا اللہ کو سخت ناپسند ہے، اور ان لوگوں نے اس کو اپنایا ہے، اور جہاد میں جم کر لڑنا اللہ کو پسند ہے اور وہ ان کو ناپسند ہے، اس لئے اللہ نے ان کے سارے اعمال کالعدم کردیئے، ان کا نام کا ایمان اور ظاہری اعمال ان کے لئے کچھ نفع بخش نہیں ہونگے۔

آیاتِ پاک: —— بے شک جن لوگوں نے پیٹھ پھیری، اس کے بعد کہ ہدایت ان کے لئے واضح ہوگئی —— یعنی وہ مسلمان ہیں —— شیطان نے ان کے لئے بری بات مزین کی اور ان کو لمبی امید دلائی —— یہ ایک وجہ ہے،

دوسری وجہ: ــــ یہ بات بایں وجہ ہے کہ ان لوگوں نے کہا ان لوگوں سے جنھوں نے ناپسند کیا اس دین کو جو اللہ نے نازل کیا ہے ــــ خواہ وہ مشرک ہوں یا اہل کتاب ــــ کہ ہم کچھ باتوں میں تمہارا کہنا مانیں گے ــــ یعنی تمہاری رعایت کریں گے ــــ اور اللہ تعالیٰ ان کی رازداریاں جانتے ہیں ــــ ان سے کوئی بات مخفی نہیں، وہ ان کو ان سرگوشیوں کی ضرور سزا دیں گے ــــ پس کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کی جانیں نکال رہے ہونگے، مار رہے ہونگے ان کے چہروں پر اور ان کی پیٹھوں پر؟ ــــ یعنی اس وقت ان کا ناک میں دَم آجائے گا، اور ہاتھوں کے طوطے اڑ جائیں گے ــــ یہ سزا بایں وجہ ہے کہ انھوں نے پیروی کی اس بات کی جس نے اللہ کو سخت ناراض کیا ــــ یعنی جہاد سے پیٹھ پھیرنا ــــ اور انھوں نے اللہ کی خوشنودی کو ناپسند کیا ــــ یعنی جم کر جہاد نہیں کیا ــــ اس لئے اللہ نے ان کے اعمال کالعدم کر دیئے ــــ یعنی ان کے کسی عمل نے ان کو دوسری زندگی میں فائدہ نہیں پہنچایا۔

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ أَنْ لَنْ يُخْرِجَ اللَّهُ أَضْغَانَهُمْ ﴿٢٩﴾ وَلَوْ نَشَاءُ لَأَرَيْنَاكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيمَاهُمْ ۚ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ أَعْمَالَكُمْ ﴿٣٠﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتَّىٰ نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِينَ مِنْكُمْ وَالصَّابِرِينَ ۙ وَنَبْلُوَ أَخْبَارَكُمْ ﴿٣١﴾

أَمْ حَسِبَ	کیا گمان کیا	لَأَرَيْنَاكَهُمْ	ضرور دکھلائیں ہم	وَاللَّهُ	اور اللہ تعالیٰ
الَّذِينَ	ان لوگوں نے		آپ کو وہ لوگ	يَعْلَمُ	جانتے ہیں
فِي قُلُوبِهِمْ	جن کے دلوں میں	فَلَعَرَفْتَهُمْ	پس ضرور پہچان لیں	أَعْمَالَكُمْ	تمہارے کاموں کو
مَرَضٌ	روگ ہے		آپ ان کو	وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ (۴)	اور ضرور آزمائیں گے
أَنْ لَنْ	کہ ہرگز نہیں	بِسِيمَاهُمْ (۲)	ان کی علامتوں سے		ہم تم کو
يُخْرِجَ	نکالیں گے	وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ	اور ضرور پہچان لیں	حَتَّىٰ	یہاں تک کہ
اللَّهُ	اللہ تعالیٰ		آپ ان کو	نَعْلَمَ	جانیں ہم
أَضْغَانَهُمْ (۱)	ان کے کینوں کو	فِي لَحْنِ (۳)	ڈھب میں	الْمُجَاهِدِينَ	جہاد کرنے والوں کو
وَلَوْ نَشَاءُ	اور اگر چاہیں ہم	الْقَوْلِ	بات کے	مِنْكُمْ	تم میں سے

(۱) أضغان: ضِغْن کی جمع: دل کی سخت ناراضگی، کینہ، عداوت (۲) السِّیما: علامت، خاص نشان۔ (۳) اللَّحْن: طرز ادا، لہجہ، بات کا انداز۔ (۴) بَلاہُ یَبْلُو بَلاءً: آزمانا، برتنا، گرفتار مصیبت کرنا۔

وَ الصّٰبِرِیْنَ	اور صبر کرنے والوں کو	وَ نَبْلُوَا	اور پرکھیں ہم	اَخْبَارَكُمْ	تمہارے احوال کو

منافقوں کے دلوں کا کھوٹ ظاہر ہوکر رہے گا

منافقین اپنے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں سے جو عداوتیں اور کینے رکھتے ہیں: کیا وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ دلوں میں پنہاں ہی رہیں گے، اللہ تعالیٰ ان کو طشت از بام نہیں کریں گے؟ اور مسلمان ان کے مکروفریب پر مطلع نہیں ہونگے؟ ہرگز نہیں! ان کا خبثِ باطن ظاہر ہوکر رہے گا، اور اللہ تعالیٰ چاہیں تو تمام منافقین کو نام بنام مشخص کرسکتے ہیں، مگر ان کی حکمت اس کو مقتضی نہیں، اس دنیا میں پردہ پڑا ہوا ہے، دوسری دنیا میں پردہ اٹھ جائے گا، ویسے اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو نورفراست عطا فرمایا ہے، آپ چہرے بُشرے سے ان کو پہچان لیتے ہیں، اور آگے چل کر ان لوگوں کے طرزِ کلام سے مزید پہچان ہوجائے گی، منافق اور مخلص کا طرز گفتگو علاحدہ ہوتا ہے، مخلص کی باتوں میں جو اخلاص ہوتا ہے منافق کتنی بھی کوشش کرے اپنے کلام میں اس کو پیدا نہیں کرسکتا (ماخوذ از فوائد عثمانی)

﴿ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ۝ وَلَوْ نَشَاۗءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۭ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ ۭ ﴾

ترجمہ: کیا خیال کرتے ہیں وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی ان کی دلی عداوتوں کو ظاہر نہیں کریں گے؟ اور اگر ہم چاہیں تو آپؐ کو ان کا پورا پتہ بتادیں، پس آپؐ نے ان کو ان کی علامتوں سے تو پہچان لیا ہے، اور آپؐ آئندہ ان کو ان کے طرز کلام سے پہچان لیں گے۔

جہاد کا حکم ایک آزمائش ہے

بندوں کی کوئی بات اللہ تعالیٰ سے چھپی ہوئی نہیں، تاہم جہاد کا حکم دیا ہے، اس سے آزمائش مقصود ہے کہ کون اللہ کے راستہ میں لڑتا ہے، اور کون اس امتحان میں ثابت قدم رہتا ہے، اور کون ایسا نہیں، اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ ہر ایک کے ایمان واطاعت کا وزن کھل کر لوگوں کے سامنے آجائے، اور لوگوں کے اندرونی احوال عملاً محقق ہوجائیں۔

﴿ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ۝ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَنَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ ۝ ﴾

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو جانتے ہیں، اور ہم ضرور تمہاری آزمائش کریں گے، یہاں تک کہ ہم جان لیں ـــــ یعنی لوگوں کو دِکھلادیں ـــــ تم میں سے جہاد کرنے والوں کو، اور ثابت قدم رہنے والوں کو، اور ہم تمہارے احوال کو جانچیں گے!

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَاۗقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ

لَهُمُ الْهُدٰى ۙ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ﴿۳۲﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ﴿۳۴﴾

اِنَّ الَّذِيْنَ	بے شک جن لوگوں نے	اللّٰهَ	اللہ کو	اِنَّ	بے شک
كَفَرُوْا	انکار کیا	شَيْـًٔا	کچھ بھی	الَّذِيْنَ	جن لوگوں نے
وَصَدُّوْا	اور روکا انھوں نے	وَسَيُحْبِطُ	اور عنقریب اکارت	كَفَرُوْا	انکار کیا
عَنْ سَبِيْلِ	راستے سے		کریں گے وہ	وَصَدُّوْا	اور روکا انھوں نے
اللّٰهِ	اللہ کے	اَعْمَالَهُمْ	ان کے کاموں کو	عَنْ سَبِيْلِ	راستے سے
وَشَآقُّوا (۱)	اور مخالفت کی انھوں نے	يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	اللّٰهِ	اللہ کے
الرَّسُوْلَ (۲)	اللہ کے رسول کی	اٰمَنُوْٓا	ایمان لائے	ثُمَّ مَاتُوْا	پھر مر گئے وہ
مِنْ بَعْدِ (۳)	بعد	اَطِيْعُوا	اطاعت کرو	وَهُمْ	درانحالیکہ وہ
مَا تَبَيَّنَ	واضح ہونے کے	اللّٰهَ	اللہ کی	كُفَّارٌ	انکار کرنے والے ہیں
لَهُمُ	ان کے لئے	وَاَطِيْعُوا	اور اطاعت کرو	فَلَنْ	پس ہرگز نہیں
الْهُدٰى	ہدایت ہے	الرَّسُوْلَ	اللہ کے رسول کی	يَّغْفِرَ	بخشیں گے
لَنْ يَّضُرُّوا	ہرگز نقصان نہیں	وَلَا تُبْطِلُوْٓا	اور مت ضائع کرو	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
	پہنچائیں گے وہ	اَعْمَالَكُمْ	اپنے کاموں کو	لَهُمْ	ان کو

چھپے کافر کیا کھلے کافر بھی دین کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے

چھپے کافر یعنی منافقین آستین کے سانپ ہیں، وہ مسلمانوں کی صفوں میں گھسے ہوئے ہیں، وہ چھپ کر مسلمانوں پر وار کرتے ہیں، اور نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں، مگر ان سے کچھ نہیں ہوسکتا، بلکہ کھلے کافر جو برسرِ پیکار ہیں وہ بھی اسلام کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، ان کی ساری محنتیں اللہ تعالیٰ رائگاں کر دیتے ہیں، مجاہدین ان کی ذرا پرواہ نہ کریں۔

(۱) شَاقَّه مشاقّة: مخالفت کرنا (۲) الرسول: کا الف لام عہدی ہے (۳) من: شاقّوا سے متعلق ہے، اور بعد: مضاف ہے، ماتبین: ما: مصدریہ، اور فعل بتاویل مصدر ہو کر مضاف الیہ، لهم: صلہ، الهدى: تبين کا مفعول بہ۔

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا، وَسَيُحْبِطُ أَعْمَالَهُمْ ﴾

ترجمہ: بے شک جن لوگوں نے دین اسلام کو نہیں مانا، اور انھوں نے اللہ کے راستہ سے روکا، اور انھوں نے اللہ کے رسول کی مخالفت کی ــــ اور اس سے برسر پیکار ہوگئے ــــ ان کے لئے ہدایت واضح ہوجانے کے بعد ــــ یعنی دلائل عقلیہ ونقلیہ سے دین اسلام کی حقانیت واضح ہوجانے کے بعد ــــ وہ لوگ اللہ کے دین کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچاسکیں گے، اور اللہ تعالیٰ عنقریب ان کی کوششوں کو ملیامیٹ کردیں گے ــــ پس تم جم کر مقابلہ کرتے رہو۔

حکم عدولی محنت پر پانی پھیردیتی ہے

چھپے کھلے دشمن تو اسلام کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، البتہ جہاد میں امیر کی حکم عدولی مجاہدین کی محنت پر پانی پھیر دیتی ہے، اس سے بچنا نہایت ضروری ہے، غزوۂ احد میں جنگ شروع ہوتے ہی مجاہدین نے پالا مارلیا تھا، مگر نبی ﷺ نے پچاس تیر اندازوں کا دستہ ایک پہاڑی پر مقرر کیا تھا، اور ان کو حکم دیا تھا کہ خواہ کچھ بھی ہو: ہم جیتیں یا ہاریں: تمہیں وہاں سے نہیں ہٹنا، مگر جب کفار میدان سے بھاگ کھڑے ہوئے تو مجاہدین غنیمت سمیٹنے لگے، اور اس دستہ میں سے چالیس آدمی لوٹ آئے، خالد بن ولید نے جو اس وقت کافر تھے مورچہ خالی دیکھ کر پہاڑ کے پیچھے سے چکر کاٹ کر عقب سے حملہ کردیا، اور جنگ کا پانسہ پلٹ گیا، ستر صحابہ شہید ہوگئے، اور نبی ﷺ بھی زخمی ہوگئے، اس لئے اللہ پاک حکم دیتے ہیں کہ اللہ کا کہنا مانو، اس کا ذکر اس لئے کیا کہ رسول اللہ ﷺ کا حکم اللہ کا حکم ہے، پھر فرمایا: اللہ کے رسول کا کہنا مانو، کیونکہ آپؐ نے وحی متلوّ سے حکم نہیں دیا تھا، بلکہ وحی غیر متلوّ سے حکم دیا تھا، جس کی اطاعت اسی طرح ضروری تھی جیسی وحی متلوّ کی اطاعت ضروری ہے، پھر آخر میں قاعدہ کلیہ بیان کیا کہ اپنے کاموں کا ناس مت مارو، حکم عدولی کرکے مجاہدین کی محنت ضائع مت کرو۔

فائدہ(۱): اب رسول کی جگہ امیر لے گا، اس کا حکم ماننا بھی ضروری ہے، بس ایک شرط ہے کہ اس کا حکم شریعت کے خلاف نہ ہو، اس کے علاوہ ہر حکم ماننا ضروری ہے۔

فائدہ(۲): ﴿وَلَا تُبْطِلُوْا أَعْمَالَكُمْ﴾: ایک عام ضابطہ ہے، احناف نے اس سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ نفل عبادت خواہ نماز ہو یا روزہ اگر عذر سے یا بلا عذر توڑ دی جائے تو اس کی قضا واجب ہے، اور بغیر عذر توڑنے میں گناہ بھی ہوگا، جیسے چاروں ائمہ نے: ﴿لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ﴾: سے مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ بے وضوء قرآن کو چھونا جائز نہیں، حالانکہ آیت لوح محفوظ کے بارے میں ہے، مگر الفاظ عام ہیں، اور اعتبار الفاظ کے عموم کا ہوتا ہے، خاص مورد کا اعتبار نہیں ہوتا، اسی طرح یہ آیت اگرچہ جہاد کے تعلق سے ہے، مگر الفاظ عام ہیں، اس لئے احناف نے آیت سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے۔

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ ۝ ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرو، اور اپنے اعمال کا ناس مت مارو!

جہاد کافروں کو جہنم سے بچانے کے لئے ہے

یہ بات طے ہے کہ جس کی موت کفر وشرک کی حالت میں ہوگی اس کی کبھی بخشش نہیں ہوگی، پس جہاد اس لئے ہے کہ لوگوں کو ایمان کی دولت ملے، اور وہ جنت کے حقدار بنیں، جہاد لوگوں کے لئے رحمت ہی رحمت ہے۔

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۝ ﴾

ترجمہ: بے شک جن لوگوں نے دین اسلام کو نہیں مانا، اور انھوں نے اللہ کے راستے سے روکا، پھر وہ کافر ہی مرگئے، تو اللہ تعالیٰ ان کو کبھی بھی نہیں بخشیں گے! —— انھوں نے اللہ کے راستہ سے روکا: یعنی وہ کٹر کافر ہیں، کفر کے سرغنہ ہیں، جب جہاد کے ذریعہ وہ روک ہٹ جائے گی تو دوسروں کو ایمان کی دولت نصیب ہوگی، اور ممکن ہے وہ بھی ایمان سے بہرہ ور ہوں۔

فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْۤا اِلَى السَّلْمِ ۖۗ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖۗ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ۝ اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ۝

فَلَا تَهِنُوْا (۱)	پس کمزور مت پڑو	وَاللّٰهُ	اور اللہ	الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا	دنیا کی زندگانی
وَتَدْعُوْۤا (۲)	اور مت بلاؤ	مَعَكُمْ	تمہارے ساتھ ہیں	لَعِبٌ وَّلَهْوٌ	کھیل اور تماشہ ہے
اِلَى السَّلْمِ	صلح کی طرف	وَلَنْ يَّتِرَكُمْ (۴)	اور ہرگز کم نہیں کریں گے	وَاِنْ تُؤْمِنُوْا	اور اگر ایمان لائے تم
وَاَنْتُمُ	اور تم	اَعْمَالَكُمْ	تمہارے کاموں کو	وَتَتَّقُوْا	اور بچتے رہو تم
الْاَعْلَوْنَ (۳)	سربلند ہو	اِنَّمَا	اس کے سوا نہیں	يُؤْتِكُمْ	تو دیں گے وہ تم کو

(۱) ف: مابعد کے ماسبق پر ترتّب کے لئے ہے، یعنی جب تم لوگوں کی بہبودی کے لئے جہاد کر رہے ہو تو ہمت کیوں ہار رہے ہو، اور صلح کی طرف کیوں مائل ہو رہے ہو؟ (۲) تدعوا: مجزوم پر معطوف ہے، پس لا یہاں بھی آئے گا۔ (۳) الأعْلَون: اصل میں الأعْلَوُوْن تھا، تعلیل کی وجہ سے پہلے واو کو الف سے بدلا، پھر دو ساکنوں کے اجتماع کی وجہ سے الف گرگیا (۴) وَتَرَ يَتِرُ (ض) وَتْرًا فلانا حقَّه: کسی کے حق میں کمی کرنا، اور اعمال سے مراد جہاد ہے یعنی غنیمت سے محروم نہیں رہو گے

تہمارے اموال	اَمْوَالَكُمْ	اور نہیں مانگیں گے تم سے	وَلَا يَسْئَلْكُمْ	تمہارا بدلہ	اُجُوْرَكُمْ(۱)

دو صورتوں میں دشمن سے صلح جائز نہیں

اول: —— کم ہمتی کی وجہ سے —— جب مجاہدین لوگوں کی بہبودی کے لئے جہاد کررہے ہیں تو ہمت کیوں ہاریں؟ جب مقصد بلند ہے تو ہمت بھی بلند ہونی چاہئے، پس مجاہدین بوداپن کی وجہ سے صلح کی پیش کش نہ کریں، ہمتِ مرداں مددِ خدا! جیت تمہاری ہوگی، اور غنیمت بھی ملے گی، ارشاد فرماتے ہیں: —— پس —— یعنی جب جہاد لوگوں کو جہنم سے بچانے کے لئے ہے تو —— ہمت مت ہارو، اور صلح کی طرف مت بلاؤ —— یعنی پیش قدمی مت کرو —— اور تم ہی غالب رہوگے —— یعنی ہمت کر کے لڑو، میدان تم مارو گے —— اور اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہیں —— اور جدھر رب اُدھر سب! —— اور وہ تمہارے اعمال میں ہرگز کمی نہیں کریں گے —— یعنی جدو جہد کا پورا نتیجہ نکلے گا، نامراد نہیں ہوؤ گے۔

دوم: —— دنیوی مفاد کے لئے —— اگر دشمن مال ومنال کی پیش کش کرے تو اس کی خاطر بھی صلح مت کرو، کیونکہ دنیا کی حقیقت کھیل تماشا سے زیادہ نہیں، ایسی ناپائدار چیز پر کیا رال ٹپکانی! اگر تم ایماندار اور تقوی شعار رہے تو اللہ تعالیٰ تمہیں عوض عنایت فرمائیں گے، جو صلح کے مال سے بہتر ہوگا، اور وہ غنیمت تمہارے لئے حلال ہوگی اور اللہ تعالیٰ تم سے وہ اموال نہیں لیں گے، جیسا گذشتہ امتوں سے لیتے تھے۔

فائدہ (۱): گذشتہ امتوں کے لئے غنیمت حلال نہیں تھی، جو غنیمت جہاد میں حاصل ہوتی تھی اس کو خاص جگہ جمع کر دیا جاتا، پھر آسمان سے سفید آگ آتی اور اس کو خاکستر کر دیتی، اور وہ قبولیت کی علامت ہوتی، اس امت کے لئے غنیمت حلال کی گئی، چار اخماس تو مجاہدین کا حصہ ہیں، اور ایک خمس حکومت لیتی ہے وہ بھی ناداروں کا حصہ ہے (تفصیل تحفۃ القاری ۲:۱۴۲) میں ہے)

فائدہ (۲): شرعی مصلحت سے صلح کرنا جائز ہے، نبی ﷺ نے حدیبیہ میں مشرکین مکہ سے صلح کی ہے، جو فتح مبین کا پیش خیمہ ثابت ہوئی، ممانعت کم ہمتی اور دنیوی منافع کی وجہ سے صلح کرنے کی ہے۔

آیتِ کریمہ: —— دنیوی زندگی تو محض کھیل تماشا ہے! —— اس کو غیر معمولی اہمیت مت دو، اور اس کی خاطر صلح مت کرو —— اور اگر تم ایمان اور تقوی اختیار کرو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو تمہارا بدلہ دیں گے —— غنیمت کے ذریعہ نہال کر دیں گے —— اور تم سے تمہارے اموال طلب نہیں کریں گے —— تمہارے اموال: مالِ غنیمت کو مجاہدین کا مال قرار دیا —— طلب نہیں کریں گے: یعنی وہ اموال تمہارے لئے حلال ہونگے۔

(۱) أجور سے مراد غنیمت ہے اور أموال سے بھی وہی مراد ہے۔

اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ﴿۳۷﴾ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ﴿۳۸﴾

اِنْ	اگر	لِتُنْفِقُوْا	تاکہ خرچ کرو	الْغَنِيُّ	بے نیاز ہیں
يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا[۱]	مانگیں تم سے وہ اموال	فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	راہِ خدا میں	وَاَنْتُمُ	اور تم
فَيُحْفِكُمْ[۲]	پس تم سے آخری حد	فَمِنْكُمْ	پس تم میں سے بعض	الْفُقَرَآءُ	محتاج ہو
	تک مانگیں	مَّنْ	(وہ ہیں) جو	وَاِنْ	اور اگر
تَبْخَلُوْا	(تو) بخیلی کروگے تم	يَّبْخَلُ	بخیلی کرتے ہیں	تَتَوَلَّوْا	روگردانی کروگے تم
وَيُخْرِجْ	اور نکالیں وہ	وَمَنْ يَّبْخَلْ	اور جو شخص بخیلی کرتا ہے	يَسْتَبْدِلْ	(تو) بدل دیں گے
اَضْغَانَكُمْ[۳]	تمہاری ناگواریاں	فَاِنَّمَا	تو اس کے سوا نہیں	قَوْمًا	لوگوں کو
هٰٓاَنْتُمْ[۴]	سنو! تم	يَبْخَلُ	(کہ) بخیلی کرتا ہے	غَيْرَكُمْ	تمہارے علاوہ
هٰٓؤُلَآءِ	یہی ہو	عَنْ نَّفْسِهٖ	اپنی ذات سے	ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا	پھر نہیں ہونگے وہ
تُدْعَوْنَ	بلائے جاتے ہو	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	اَمْثَالَكُمْ	تم جیسے

مجاہدین جہاد کے لئے خرچ کرنے میں پس وپیش نہ کریں

پہلے دو باتیں جان لیں:

۱- دورِ اول میں حکومت کے پاس فنڈ نہیں تھا، جس سے جہاد میں خرچ کیا جائے، مہاجرین لُٹے پِٹے مدینہ میں جمع ہوئے تھے، اور فوراً ہی جنگوں کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا، اس لئے مجاہدین ہی کو جان کے ساتھ مال بھی خرچ کرنا پڑتا تھا، اپنے

(۱) يَسْأَلْ: مضارع مجزوم، كُمُوْ: ضمیر مفعول، کمو اور کم ایک ہیں، صرف املائی اور اشاعی فرق ہے (۲) يُحْفِ: اصل میں يُحْفِيْ تھا، یاء حرف علت جزم کی وجہ سے گرگئی، أَحْفَى الشيءَ إِحفاءً: بالکل صاف کردینا، سارا لے لینا حَفِيَ (س) حفًا: برہنہ ہونا الحافي: برہنہ پا (۳) أضغان: ضِغْن کی جمع: کینہ، حضرت تھانویؒ نے ترجمہ کیا ہے: ناگواری (۴) هأنتم میں ها حرف تنبیہ ہے۔

ہتھیار، اپنی سواری، اپنا کھانا پانی لے کر چلنا پڑتا تھا، اس لئے اب جہاد کے کاز کے لئے خرچ کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔

۲- مجاہدین کے پاس مالِ غنیمت کے سوا کچھ نہیں تھا، ان کو کمانے کی فرصت نہیں ملتی تھی، اسی لئے مالِ غنیمت ان کے لئے حلال کیا ہے، پس اللہ نے جس مالِ غنیمت کا ان کو مالک بنایا ہے اس میں سے کچھ خرچ کرنے کا مطالبہ ہے، سارا دیا ہوا واپس نہیں مانگا، ایسا کرتے تو ناگوار ہوتا، اور ناگواری ظاہر ہو کر رہتی، اس لئے کچھ خرچ کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔

اب آیاتِ کریمہ تلاوت کریں:

اگر وہ تم سے تمہارے اموال طلب کریں —— یعنی جن اموال غنیمت کا تم کو مالک بنایا ہے ان کو خرچ کرنے کا مطالبہ کریں —— **پھر آخری حد تک طلب کریں** —— یعنی حکم دیں کہ سارا مال خرچ کرو —— **تو تم بخیلی کروگے، اور وہ تمہاری ناگواریاں ظاہر کریں گے** —— یعنی سارا مال خرچ کرنا تمہیں ناگوار ہوگا، اور تم خرچ کرتے وقت تنگ دلی کا ثبوت دوگے، اور دل کی خفگی ظاہر ہوجائے گی، اس لئے دیا ہوا سب واپس نہیں مانگتے۔

پس کچھ خرچ کرو، ایک کے ہزار ہزار پاؤگے: —— **سنو! تم یہی تو ہو جن کو راہِ خدا میں خرچ کرنے کی دعوت دی جاتی ہے، پس تم میں سے بعض بخل کرتے ہیں، اور جو شخص بخل کرتا ہے اس کا نقصان اس کی ذات کو پہنچے گا، اور اللہ تعالیٰ بے نیاز ہیں** —— ان کا کچھ نقصان نہیں ہوگا —— **اور تم محتاج ہو** —— یعنی مال خرچ کرنے کا مطالبہ اس لئے نہیں ہے کہ اللہ کو حاجت ہے، بلکہ اس میں تمہاری بھلائی ہے، خرچ کرو ایک کے ہزار پاؤگے —— **اور اگر تم روگردانی کروگے تو وہ تمہاری جگہ دوسری قوم کو لے آئیں گے، پھر وہ تم جیسے نہیں ہونگے** —— بلکہ وہ جی کھول کر خرچ کریں گے، اور تم اس سعادت سے محروم رہ جاؤگے، پس کیوں نہ تم ہی بڑھ کر دامنِ مراد بھرلو!

حدیث: —— صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ دوسری قوم کون لوگ ہوسکتے ہیں؟ آپؐ نے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ پر ہاتھ رکھا، اور فرمایا: ''اس کی قوم'' اور فرمایا: ''خدا کی قسم! اگر ایمان ثریا پر ہوتا تو فارس کے لوگ وہاں سے بھی اس کو اتار لاتے'' —— صحابہ رضی اللہ عنہم نے تو بے نظیر ایثار کا ثبوت دیا، اس لئے ان کی جگہ دوسری قوم کو لانے کی نوبت نہیں آئی، مگر اس میں فارس والوں کی بڑی فضیلت ہے، انھوں نے دین کی بے مثال خدمات انجام دی ہیں، تاریخ کا جائزہ لینے سے یہ بات عیاں ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ فارسی ہیں، وہ اس ارشاد کے اولین مصداق ہیں، انھوں نے دین کی جو خدمت کی ہے وہ اظہر من الشمس ہے، آج دو تہائی دنیا ان کی فقہ پر عمل پیرا ہے!

الحمدللہ! ۲۰ ربیع الآخر ۱۴۳۷ھ مطابق ۳۱ جنوری ۲۰۱۶ء کو سورہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تفسیر پوری ہوئی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الفتح

سورۃ الفتح مدنی سورت ہے، اس کا نزول کا نمبر ایک سو گیارہ ہے، سورۃ محمد (ﷺ) کا نزول کا نمبر ۹۵ تھا، اُس میں جہاد کا بیان تھا، اور اِس میں اس کا نتیجہ ہے، اگر جہاد مسلسل چلتا رہے تو ایک دن فتح مبین حاصل ہوگی، فتح مبین: یعنی کھلی فتح، آخری درجہ کی فتح، جس کے بعد حالات یکسر بدل جائیں، اور فتح مبین سے مراد مکہ مکرمہ کی فتح ہے، اس کے بعد عرب فوج درفوج اسلام میں داخل ہونے شروع ہوگئے، اس کے بعد کسی بڑی جنگ کی نوبت نہیں آئی، مگر اس سورت میں تلمیح (اشارہ) ہے، بظاہر صلح حدیبیہ کو فتح مبین کہا ہے، اس لئے کہ وہ فتح مکہ کی تمہید تھی، پس پہلے صلح حدیبیہ کی تھوڑی تفصیل جان لیں۔

حدیبیہ: ایک کنواں کا نام ہے، اس کے پاس ایک گاؤں ہے، وہ بھی حدیبیہ کہلاتا ہے، آج کل اس کو شمسیہ کہتے ہیں، یہ گاؤں مکہ معظّمہ سے ۹ میل کے فاصلہ پر ہے، اس کا اکثر حصہ حرم میں ہے، اور کچھ حصہ حل میں ہے، یہ غزوہ ذی قعدہ سن ٦ ہجری میں پیش آیا۔

واقعات کا تسلسل:

۱- غزوۂ احزاب میں جب کفار کا لشکر نامراد واپس لوٹا تو آپؐ نے فرمایا: اب ہم ان پر چڑھائی کریں گے وہ ہم پر حملہ نہیں کرسکیں گے، ہم ان پر فوج کشی کریں گے۔ نبی ﷺ کا یہ ارشاد تمام صحابہ جانتے تھے۔

۲- پھر نبی ﷺ نے خواب دیکھا: آپؐ صحابہ کے ساتھ عمرہ کے لیے مکہ تشریف لے گئے اور باطمینان عمرہ ادا کیا، اس خواب کا ذکر سورۃ الفتح آیت ۲۷ میں ہے، کعبہ شریف تمام عربوں کی مشترک عبادت گاہ تھی، اس لئے آپؐ نے اور صحابہ نے خیال کیا کہ اگر وہ عمرہ کے لئے جائیں گے تو مکہ والے نہیں روکیں گے، چنانچہ سن ٦ ہجری میں آپؐ پندرہ سو صحابہ کے ساتھ ذوالحلیفہ سے عمرہ کا احرام باندھ کر اور قربانی کے اونٹ ساتھ لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے، اور خبروں کو چھپانے کا اہتمام نہیں کیا، کیونکہ جنگ مقصود نہیں تھی، عمرہ کرنا مقصود تھا، اس لئے خبر مکہ والوں تک پہنچ گئی کہ مسلمان عمرہ کرنے آرہے ہیں، اُن لوگوں نے طے کیا کہ کسی قیمت پر ان کو مکہ نہیں آنے دینا۔

۳-جب نبی ﷺ اور صحابہ مکہ سے تین مرحلوں پر رہ گئے تو آپؐ کو اطلاع ملی کہ قریش کا ہراول دستہ ذوطوی مقام پر پہنچ گیا ہے، لوگ عام طور پر ذوطوی سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوتے تھے، یہ ہراول دستہ (مقدمۃ الجیش) خالد بن الولید کی سرکردگی میں کُرَاعُ الْغَمِیْم پر موجود تھا، اس لئے آپؐ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ ذوطوی کا راستہ چھوڑ کر دائیں جانب کا راستہ اختیار کریں، تا کہ ہم دوسرے راستہ سے مکہ پہنچ جائیں، چنانچہ ایک راہبر دشوار گذار راستہ سے آپؐ کو لے کر چلا، اس طرح آپؐ حدیبیہ میں پہنچ گئے، ورنہ عام طور پر جو لوگ مدینہ سے آتے تھے وہ حدیبیہ سے نہیں گذرتے تھے۔

۴-جب نبی ﷺ اس نکڑ پر پہنچے جہاں سے مکہ والوں پر اترا جاتا ہے تو آپؐ کی اونٹنی بیٹھ گئی، لوگوں نے کہا: اٹھ اٹھ! وہ نہیں اٹھی، لوگوں نے کہا: قصواء اڑ گئی، نبی ﷺ نے فرمایا: قصواء اڑی نہیں، نہ یہ اس کی عادت ہے بلکہ اس کو روک لیا ہے ہاتھی کو روکنے والے نے، پھر آپؐ نے عہد کیا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! نہیں مطالبہ کریں گے مکہ والے مجھ سے کسی ایسی بات کا جس میں اللہ کی محترم کی ہوئی جگہوں کی تعظیم ہوگی، مگر میں ان کی بات مان لوں گا، پھر آپؐ نے اونٹنی کو جھڑکا تو وہ کود کر کھڑی ہوگئی، پس آپؐ نے مکہ کا راستہ چھوڑ دیا اور حدیبیہ کے آخر میں اترے (حدیبیہ کا یہ حصہ حرم سے باہر تھا) وہاں جو چشمہ تھا اس میں برائے نام پانی تھا، لوگوں نے پہنچتے ہی پانی چوس لیا، جب پانی نہ رہا تو لوگوں نے پیاس کا شکوہ کیا، آپؐ نے اپنے ترکش میں سے ایک تیر نکالا، اور لوگوں کو حکم دیا کہ وہ اس کو کنویں میں گاڑ دیں، تھوڑی دیر کے بعد پانی جوش مارنے لگا، لوگوں نے پانی پیا، یہاں تک کہ سب سیراب ہوگئے اور جب تک حدیبیہ میں قیام رہا لوگ اس چشمہ سے پانی لیتے رہے۔

۵-حدیبیہ پہنچ کر نبی ﷺ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو مکہ بھیجا تا کہ وہ انہیں بتائیں کہ ہم لڑنے نہیں آئے، عمرہ کرنے آئے ہیں، اور کعبہ شریف پر سب کا حق ہے، لہٰذا ہمیں عمرہ کرنے کا موقع دیا جائے، جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پہنچے تو ان کو روک لیا گیا، اور کہا گیا: ہم مشورہ کر کے جواب دیتے ہیں، جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آنے میں دیر ہوئی تو افواہ اڑی کہ ان کو قتل کر دیا گیا، اب جنگ ناگزیر ہوگئی، چنانچہ آپؐ نے ایک کیکر کے درخت کے نیچے صحابہ سے بیعت لی کہ اگر جنگ ہوئی تو وہ پیٹھ نہیں پھیریں گے، جب اس بیعت کی اطلاع مکہ والوں کو پہنچی تو انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جلدی سے بھیج دیا پھر سفارتوں کا سلسلہ شروع ہوا۔

پانچ سفارتیں آئی گئیں، آخر میں صلح ہوئی، جس کی بنیادی دفعات درج ذیل تھیں:

(الف) نبی ﷺ اور مسلمان اس سال مکہ میں داخل ہوئے بغیر واپس جائیں، اگلے سال عمرہ کرنے آئیں، اور تین دن مکہ میں قیام کریں، اور وہ ہتھیار لے کر نہ آئیں، صرف تلوار ساتھ لائیں جو میان میں اور خرجی میں ہو۔

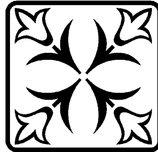
(ب) دس سال تک فریقین کے درمیان جنگ کی ڈبیہ بند رہے گی اس عرصہ میں لوگ مامون رہیں گے، کوئی کسی پر ہاتھ نہیں اٹھائے گا۔

(ج) قبائل میں سے جو چاہے قریش کے عہدو پیمان میں داخل ہو اور جو چاہے نبی ﷺ کے عہدو پیمان میں داخل ہو، جو قبیلہ جس فریق کے ساتھ شامل ہوگا اس کا ایک جزء سمجھا جائے گا، اگر اس قبیلہ پر زیادتی ہوئی تو خود اس پر زیادتی تصور کی جائے گی۔

(د) قریش کا جو آدمی مسلمان ہو کر مدینہ جائے وہ واپس کیا جائے اور مدینہ کا جو مسلمان مرتد ہو کر مکہ آئے مکہ والے اس کو واپس نہیں کریں گے۔

یہ معاہدہ لکھ لیا گیا، اس پر فریقین کے دستخط ہو گئے اور کاغذات کا تبادلہ ہو گیا، جب صلح مکمل ہو گئی تو بنی خزاعہ نبی ﷺ کے عہدو پیمان میں داخل ہوئے، یہ لوگ عبدالمطلب کے زمانہ سے بنو ہاشم کے حلیف تھے، اور بنو بکر قریش کے عہدو پیمان میں داخل ہوئے۔

۶- جب صلح نامہ لکھا جا چکا تو نبی ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: اٹھو، قربانیاں کرو اور احرام کھول دو، مگر کوئی نہیں اٹھا، آپؐ نے تین مرتبہ یہ بات فرمائی، جب کوئی نہیں اٹھا تو آپؐ خیمہ میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور لوگوں کے طرز عمل کا شکوہ کیا، ام المؤمنین نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا آپ ایسا چاہتے ہیں؟ آپؐ تشریف لے جائیں اور کسی سے کچھ نہ کہیں، جانور ذبح کریں اور حجام کو بلا کر سر منڈالیں، آپؐ باہر تشریف لائے اور کسی سے کچھ نہیں کہا، اپنا ہدی کا جانور ذبح کیا اور حجام کو بلا کر سر منڈا دیا، جب لوگوں نے یہ دیکھا تو ایک دم اٹھے اپنے اپنے جانور ذبح کئے اور ایک دوسرے کے سر مونڈنے لگے، کیفیت یہ تھی کہ فرطِ غم سے ایک دوسرے کو قتل کر ڈالیں گے، پھر چند دن حدیبیہ میں قیام کر کے آپؐ مدینہ کی طرف واپس لوٹے، راستہ میں سورۃ الفتح نازل ہوئی، اس میں صلح حدیبیہ کو 'فتح مبین' (واضح کامیابی) قرار دیا گیا۔



سُورَةُ الْفَتْحِ مَدَنِيَّةٌ (۴۸) (۱۱۱)
آیاتہا ۲۹ — رکوعاتہا ۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝۱ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝۲ وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ۝۳

اِنَّا	بے شک ہم نے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	وَيَهْدِيَكَ	اور دکھائیں آپ کو
فَتَحْنَا	کھول دیا	مَا تَقَدَّمَ	جو پہلے ہوئیں	صِرَاطًا	راہ
لَكَ	آپؐ کے لئے	مِنْ ذَنْۢبِكَ (۲)	آپؐ کی کوتاہیوں سے	مُّسْتَقِيْمًا	سیدھی
فَتْحًا	کھولنا	وَمَا تَاَخَّرَ	اور جو پیچھے ہونگی	وَّيَنْصُرَكَ	اور مدد کریں آپؐ کی
مُّبِيْنًا	واضح	وَيُتِمَّ	اور پوری کریں	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
لِّيَغْفِرَ (۱)	تا کہ بخشیں	نِعْمَتَهٗ	اپنی نعمتیں	نَصْرًا	مدد کرنا
لَكَ	آپؐ کے لئے	عَلَيْكَ	آپؐ پر	عَزِيْزًا	زبردست

صلح حدیبیہ کے ذریعہ نبی ﷺ پر پانچ انعامات

صلح حدیبیہ کی دفعات ایسی تھیں کہ مسلمانوں کو سخت غم لاحق تھا، کیونکہ آپؐ نے صحابہ کو بتایا تھا کہ بیت اللہ جائیں گے اور اس کا طواف کریں گے، اب طواف کئے بغیر واپس ہو رہے تھے، پھر آپؐ اللہ کے برحق رسول تھے، اور اللہ نے اپنے دین کو غالب کرنے کا وعدہ کیا تھا، پھر آپؐ نے صلح میں قریش کا دباؤ کیوں قبول کیا؟ اور دب کر صلح کیوں کی؟ اس قسم کی باتیں وسوسے پیدا کر رہی تھی، واپسی میں سورۃ الفتح نازل ہوئی، جس میں صلح کو فتح مبین قرار دیا، اور اس کے شروع میں بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس صلح کے ذریعہ نبی ﷺ پر پانچ انعامات فرمائے ہیں:

ا- صلح حدیبیہ کے روپ میں اللہ نے نبی ﷺ کو کھلی فتح عنایت فرمائی، جس سے بڑی کوئی فتح نہیں ہوسکتی، یعنی اس

(۱) لیغفر: میں لام عاقبت ہے، جس کو لام غایت بھی کہتے ہیں، لام تعلیل نہیں یعنی فتح مبین کا نتیجہ یہ نکلے گا (۲) ذنب: کوتاہی، گناہ کے چار درجے ہیں: (۱) معصیۃ (نافرمانی) یہ سخت گناہ ہے (۲) سیئۃ (برائی) یہ دوسرے درجہ کا گناہ ہے (۳) خطیئۃ (چوک) یہ معمولی درجہ کا گناہ ہے (۴) ذنب (کوتاہی) یہ برائے نام گناہ ہے۔

صلح سے مکہ مکرمہ فتح ہوگیا، مگر بات اشارے کنایے میں کہی ہے، کیونکہ ابھی بات کو کھولنے کا وقت نہیں آیا تھا، ورنہ دشمنوں کے کان کھڑے ہوجاتے، اور اشارہ سمجھداروں کے لئے صراحت سے ابلغ ہوتا ہے۔ ابھی اس صلح ہی کو مجاز ما یؤل کے اعتبار سے فتح مبین کہا ہے، آگے اصلی فتح کے کیا اسباب بنیں گے اس کو ابھی صیغۂ راز میں رکھا گیا ہے۔

۲- اعلان کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی تمام کوتاہیاں (نامناسب باتیں) معاف کردیں، جو اس صلح سے پہلے ہوئیں یا بعد میں ہونگی، اور اس اعلان کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ لوگوں کے خیال میں صلح نامناسب تھی، ان کو جتلایا کہ جب اللہ نے معاف کردیا تو تم کون ہوتے ہو ایسا خیال پکانے والے!

فائدہ: تمام انبیاء معصوم ہوتے ہیں، وہ بخشے بخشائے ہوتے ہیں، مگر کسی نبی کے لئے کسی آسمانی کتاب میں یہ اعلان نہیں کیا گیا جو نبی ﷺ کے بارے میں کیا گیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ آپؐ کے تعلق سے اس اعلان کی ضرورت پیش آئی تھی، تاکہ صلح کے تعلق سے لوگوں کا ذہن صاف ہوجائے، دوسرے انبیاء کے تعلق سے ایسی کوئی ضرورت پیش نہیں آئی تھی، اس لئے اعلان نہیں کیا گیا —— اور اس اعلان کی ایک مصلحت قیامت کے دن ظاہر ہوگی، کوئی نبی شفاعتِ کبریٰ کے لئے تیار نہیں ہونگے، سب خائف ہوں گے، اس وقت نبی ﷺ ہمت کریں گے، کیونکہ آپؐ کے تعلق سے یہ اعلان آگیا ہے۔

۳- جب فتح مبین یعنی مکہ مکرمہ فتح ہوگا تو اللہ کی نعمتیں نبی ﷺ پر مکمل ہوجائیں گی۔ نعمتیں دو قسم کی ہیں: علمی اور عملی، جب قرآنِ کریم کا نزول مکمل ہوا تو یہ آیت اتری: ﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ، وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ﴾: آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کردیا، اور میں نے تم پر اپنی نعمت تام کردی [المائدۃ ۳] یہ علمی نعمت تام ہوئی، اور عملی نعمتیں فتح مکہ کے ذریعہ تام ہونگی۔

۴- جب مکہ مکرمہ فتح ہوجائے گا تو آپؐ کے لئے سیدھے راستہ پر چلنا آسان ہوجائے گا، ابھی تو آپؐ کو مکہ میں داخل ہونے کا سیدھا راستہ (ذوطوی) چھوڑ کر دشوار گذار راستہ اختیار کرنا پڑا، فتح مکہ کے بعد اس کی نوبت نہیں آئے گی، اور امت کے لئے بھی صراط مستقیم پر چلنا سہل ہوجائے گا، جیسا کہ آیت ۲۰ میں آرہا ہے، پھر کوئی مائی کا لال نہیں ہوگا جو ان کو ہراساں کرسکے۔

۵- فتح مکہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ آپؐ کی زبردست مدد فرمائیں گے، جس کا تذکرہ سورۃ النصر کے شروع میں ہے: ﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ﴾: جب اللہ کی مدد آجائے، اور مکہ مکرمہ فتح ہوجائے تو آپؐ کے دین کا بول بالا ہوجائے گا۔

یہ پانچ انعامات ہیں جو صلح حدیبیہ کے روپ میں نبی ﷺ پر اللہ تعالیٰ نے فرمائے۔

﴿ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝١ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ

وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ۝ وَيَنصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا ۝

ترجمہ:(۱) بے شک ہم نے آپ کو کھلی فتح دی (۲) تا کہ اللہ تعالیٰ آپؐ کی سب اگلی پچھلی کوتاہیاں معاف فرمادیں (۳) اور آپؐ پر اپنے انعامات کی تکمیل فرمائیں (۴) اور آپؐ کو سیدھے راستہ پر چلائیں (۵) اور اللہ تعالیٰ آپؐ کی زبردست مدد فرمائیں۔

هُوَ الَّذِي أَنزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيَزْدَادُوا إِيمَانًا مَّعَ إِيمَانِهِمْ ۗ وَلِلَّهِ جُنُودُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عِندَ اللَّهِ فَوْزًا عَظِيمًا ۝ وَيُعَذِّبَ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ الظَّانِّينَ بِاللَّهِ ظَنَّ السَّوْءِ ۚ عَلَيْهِمْ دَائِرَةُ السَّوْءِ ۖ وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۝

هُوَ الَّذِي	وہی ہیں جنھوں نے	وَ لِلَّهِ	اور اللہ کے لئے ہیں	وَالْمُؤْمِنَاتِ	اور مؤمن عورتوں کو
أَنزَلَ	اتارا	جُنُودُ	لشکر	جَنَّاتٍ	باغات میں
السَّكِينَةَ	اطمینان	السَّمَاوَاتِ	آسمانوں	تَجْرِي	بہتی ہیں
فِي قُلُوبِ	دلوں میں	وَالْأَرْضِ	اور زمین کے	مِن تَحْتِهَا	ان کے نیچے سے
الْمُؤْمِنِينَ	مؤمنوں کے	وَكَانَ اللَّهُ	اور ہیں اللہ تعالیٰ	الْأَنْهَارُ	نہریں
لِيَزْدَادُوا (۱)	تا کہ بڑھ جائیں وہ	عَلِيمًا	خوب جاننے والے	خَالِدِينَ	ہمیشہ رہنے والے
إِيمَانًا	ایمان میں	حَكِيمًا	بڑی حکمت والے	فِيهَا	ان میں
مَّعَ إِيمَانِهِمْ	اپنے (سابقہ) ایمان	لِّيُدْخِلَ (۲)	تا کہ داخل کریں	وَيُكَفِّرَ	اور مٹائیں
	کے ساتھ	الْمُؤْمِنِينَ	مؤمن مردوں کو	عَنْهُمْ	ان سے

(۱) یزدادوا: مضارع، جمع مذکر غائب، ازدیاد: بڑھ جانا، زیادہ ہونا (۲) لیدخل: محذوف سے متعلق ہے، جس کو وللہ جنود سے منتزع کیا جائے گا، أی یستعملھم: اللہ تعالیٰ اپنی فوج کو استعمال کریں گے۔

سَيِّاٰتِهِمْ	ان کی برائیاں	وَالْمُشْرِكٰتِ	اور مشرک عورتوں کو	اللهُ	اللہ تعالیٰ
وَكَانَ ذٰلِكَ	اور ہے یہ	الظَّآنِّيْنَ (۱)	جو گمان کرنے والے ہیں	عَلَيْهِمْ	ان پر
عِنْدَ اللهِ	اللہ کے نزدیک	بِاللهِ	اللہ کے ساتھ	وَلَعَنَهُمْ	اور رحمت سے دور کیا
فَوْزًا عَظِيْمًا	بڑی کامیابی	ظَنَّ السَّوْءِ (۲)	برا گمان		ان کو
وَّيُعَذِّبَ	اور سزا دیں	عَلَيْهِمْ	ان پر پڑے	وَاَعَدَّ لَهُمْ	اور تیار کی ان کے لئے
الْمُنٰفِقِيْنَ	منافق مردوں کو	دَآئِرَةُ (۳)	گردش	جَهَنَّمَ	دوزخ
وَالْمُنٰفِقٰتِ	اور منافق عورتوں کو	السَّوْءِ	بُری!	وَسَآءَتْ	اور بری ہے وہ
وَالْمُشْرِكِيْنَ	اور مشرک مردوں کو	وَغَضِبَ	اور غضبناک ہوئے	مَصِيْرًا	لوٹنے کی جگہ

صحابہ رضی اللہ عنہم پر تین نوازشیں

جب اس سورت کے شروع کی تین آیتیں نازل ہوئیں، اور ان میں نبی ﷺ پر پانچ انعامات کا ذکر آیا، اور آپؐ نے وہ آیتیں صحابہ کو پڑھ کر سنائیں، تو انھوں نے آپؐ کی خدمت میں مبارک باد پیش کی، اور عرض کیا: یارسول اللہ! یہ تو آپؐ کے لئے ہوا، ہمارے لئے کیا ہے؟ اس پر یہ آیتیں اتریں، اور ان میں صحابہ پر تین نوازشوں کا ذکر کیا:

۱- اللہ تعالیٰ نے اطمینان نازل فرما کر مؤمنین کا ایمان بڑھایا، کیونکہ اِس کے باوجود کہ صلح خلاف طبع تھی، صحابہ نے اس کو دل کی خوشی سے مان لیا، کافروں کی طرح ضد نہیں کی، اس کی برکت سے ان کے ایمان کا درجہ بڑھا، اور عرفان ویقین کے مراتب میں ترقی ہوئی۔ جاننا چاہئے کہ اصل ایمان تو بسیط (غیر مرکب) ہے، اس میں کمی بیشی نہیں ہوتی، مگر کامل ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے، یہاں اسی کا ذکر ہے۔

۲- اللہ تعالیٰ نے صحابہ کی فوج ظفر موج کو اپنی فوج کہا، آسمانوں اور زمین میں اللہ کے بے شمار لشکر ہیں، ان میں صحابہ کا یہ لشکر بھی ہے، جیسے سورۃ المجادلہ کی آخری آیت میں مؤمنین کو حزب اللہ (اللہ کی پارٹی) کہہ کر اعزاز بخشا ہے، اسی طرح صحابہ کے لشکر کو اپنی فوج کہہ کر اعزاز بخشا۔

۳- اللہ تعالیٰ اپنی اس فوج کو استعمال کریں گے، اور اس کے صلہ میں جنت کی سدا بہار زندگی عطا فرمائیں گے،

---

(۱) الظانین: میں الف لام بمعنی الذی ہے، اور موصول صلہ مل کر چاروں کی صفت ہے (۲) ظن السوء: الظانین (اسم فاعل) کا مفعول مطلق ہے (۳) دائرۃ: مصدر دار یدور: گھومنا، اصلی معنی ہیں: گول دائرہ، مجازی معنی ہیں: گردشِ زمانہ، جو ہر طرف سے انسان کو گھیر لے۔

اور ان کی تمام برائیاں مٹا دیں گے، ان کا نام ونشان باقی نہیں رہے گا، یہی بڑی کامیابی ہے، اس سے بڑی کوئی کامیابی نہیں ہوسکتی۔

﴿ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ۭ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝ ﴾

ترجمہ: (۱) وہی ہیں جنھوں نے مسلمانوں کے دلوں میں سکون اتارا، تاکہ ان کے ایمان میں مزید ایمان کا اضافہ ہو (۲) اور اللہ کے لئے ہے آسمانوں اور زمین کا لشکر، اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے بڑی حکمت والے ہیں — یعنی اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں کہ کس فوج کو کب استعمال کرنا ہے؟ ان کی حکمت جب مقتضی ہوتی ہے تو وہ اپنا کوئی بھی لشکر (ہوا، پانی وغیرہ) استعمال کرتے ہیں، حدیبیہ میں اللہ کی حکمت نہیں تھی کہ اللہ کی فوج لڑے، جنگ ہوتی تو کشتوں کے پشتے لگ جاتے، اس لئے معاملہ صلح پر ختم ہوگیا، پھر جب فتح مبین کا وقت آئے گا تو اللہ تعالیٰ اپنی اس فوج سے کام لیں گے، اور کسی کی نکسیر نہیں پھوٹے گی اور فتح مبین حاصل ہوجائے گی۔

(۳) (اللہ تعالیٰ اپنے اس لشکر سے کام لیں گے) تاکہ اللہ تعالیٰ داخل کریں مسلمان مردوں کو اور مسلمان عورتوں کو ایسے باغات میں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، وہ ان میں سدا رہیں گے، اور ان سے ان کی برائیوں کو مٹا دیں گے، اور یہ بات اللہ کے نزدیک بڑی کامیابی ہے۔

جب فتح مبین حاصل ہوگی تو منافقوں اور مشرکوں کی میّا مرے گی!

اب مؤمنین کے بالمقابل منافقوں اور مشرکوں کا حال بیان کرتے ہیں، جیسا کہ قرآن کا اسلوب ہے، تاکہ ضد سے ضد پہچانی جائے، جب مدینہ سے صحابہ عمرہ کے لئے نکلے تھے تو ایک منافق (جدّ بن قیس) کے علاوہ کوئی منافق ساتھ نہیں چلا تھا، بہانے بنا کر پیچھے رہ گئے تھے، انھوں نے دل میں سوچا تھا کہ مڈبھیڑ ضرور ہوگی، مکہ والے مسلمانوں کو مکہ میں نہیں گھسنے دیں گے، اور مسلمان لڑائی میں تباہ ہوجائیں گے، ایک بھی زندہ واپس نہیں آئے گا، جیسا کہ آیت ۱۲ میں آرہا ہے، پھر ہم کیوں ان کے ساتھ خود کو ہلاکت میں ڈالیں، اور کفار مکہ تو اس زعم میں تھے کہ مکہ پر کون ہاتھ ڈال سکتا ہے؟ اور ڈالے گا تو اپنی ماں کو روئے گا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: تم کس خیال میں ہو، زمانہ کی گردش تم پر پڑنے والی ہے۔ اور تم مبتلائے مصیبت ہوکر رہوگے، اور آخرت میں تمہارے لئے دہکتی آگ تیار ہے، جو برا ٹھکانا ہے۔

﴿وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ۭ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۚ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ۝﴾

ترجمہ: اور سزا دیں گے منافق مردوں اور منافق عورتوں کو، اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو، جو اللہ کے ساتھ برا گمان کرنے والے ہیں، ان پر زمانہ کی گردش پڑے! اور اللہ تعالیٰ ان پر غضبناک ہوئے، اور ان کو رحمت سے دور کر دیا، اور ان کے لئے دوزخ تیار کی ہے، اور وہ برا ٹھکانا ہے!

وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ۭ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ۭ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰي نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ ع

وَلِلّٰهِ	اور اللہ (ہی) کیلئے ہیں	شَاهِدًا (۱)	احوال بتانے والا	بُكْرَةً	صبح
جُنُوْدُ	لشکر	وَّمُبَشِّرًا	اور خوشخبری دینے والا	وَّاَصِيْلًا	اور شام
السَّمٰوٰتِ	آسمانوں	وَّنَذِيْرًا	اور ڈرانے والا (بناکر)	اِنَّ الَّذِيْنَ	بے شک جو لوگ
وَالْاَرْضِ	اور زمین کے	لِّتُؤْمِنُوْا	تاکہ ایمان لاؤ تم	يُبَايِعُوْنَكَ	بیعت کرتے ہیں آپؐ سے
وَكَانَ اللّٰهُ	اور ہیں اللہ تعالیٰ	بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ پر	اِنَّمَا	اس کے سوا نہیں کہ
عَزِيْزًا	زبردست	وَرَسُوْلِهٖ (۲)	اور ان کے رسول پر	يُبَايِعُوْنَ	بیعت کرتے ہیں وہ
حَكِيْمًا	بڑی حکمت والے	وَتُعَزِّرُوْهُ (۲)	اور مدد کرو ان کی	اللّٰهَ	اللہ سے
اِنَّآ	بے شک ہم نے	وَتُوَقِّرُوْهُ (۲)	اور تعظیم کرو ان کی	يَدُ اللّٰهِ	اللہ کا ہاتھ
اَرْسَلْنٰكَ	بھیجا آپؐ کو	وَتُسَبِّحُوْهُ (۲)	اور پاکی بیان کرو ان کی	فَوْقَ	اوپر ہے

(۱) شاهدًا: اسم فاعل، شَهِدَ لفلان/ علی فلان بکذا: کسی کے حق میں/ کسی کے خلاف کسی بات کی گواہی دینا، آنکھ سے دیکھی ہوئی اور کان سے سنی ہوئی بات بتانا (۲) چاروں ضمیروں کا مرجع اللہ تعالیٰ ہیں، تاکہ انتشار ضمائر لازم نہ آئے۔ عَزَّرَ تعزیرًا: مدد دینا، پشت پناہی کرنا...... وَقَّرَ توقیرًا: تعظیم وتکریم کرنا۔

اَیۡدِیۡھِمۡ	ان کے ہاتھوں کے	عَلٰی نَفۡسِہٖ	اپنے نقصان کے لئے	عَلَیۡہُ(۴)	اس کا
فَمَنۡ	پس جس نے	وَمَنۡ	اور جس نے	اللّٰہَ	اللہ تعالیٰ سے
نَّکَثَ(۱)	پیمان توڑا	اَوۡفٰی(۲)	پورا کیا	فَسَیُؤۡتِیۡہِ	پس عنقریب دیں گے
فَاِنَّمَا	تو اس کے سوانہیں کہ	بِمَا(۳)	اس بات کو جو		وہ اس کو
یَنۡکُثُ	پیمان توڑا اس نے	عٰھَدَ	پیمان باندھا اس نے	اَجۡرًا عَظِیۡمًا	بڑا بدلہ

اللہ کے لشکر کو فہمائش

جند اللہ پر نوازشات کے بیان کے بعد ان کو فہمائش (تنبیہ) کرتے ہیں، کیونکہ بشارت کبھی دھوکہ میں ڈالتی ہے، اسی لئے ہر ایک کو بشارت نہیں سنائی جاتی۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں کہ آسمانوں اور زمین میں اللہ کے اَن گنت لشکر ہیں، لشکر: جو دشمن کا مقابلہ کرے، اور اللہ کے دشمن وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے پیدا کیا، اور ان کی تمام ضرورتیں مہیا کیں، اور وہ ہیں کہ غیروں کی چوکھٹ پر جبّہ سائی کرتے ہیں، ان سے بڑا دشمن کون ہوسکتا ہے؟ ان کو سزا دینے کے لئے اللہ تعالیٰ کے پاس بہت لشکر ہیں، ہوا، پانی، بیماری وغیرہ آفات کے ذریعہ ان کو سزا دے سکتے ہیں، اور کبھی مجاہدین کے ذریعہ سزا دیتے ہیں، مگر وہ کسی خاص فوج کے محتاج نہیں، وہ زبردست ہیں، جس فوج سے چاہیں کام لیں، مگر وہ حکیم بھی ہیں، جو حکمت کا تقاضا ہوتا ہے وہی کرتے ہیں، کسی کو دریا میں ڈوباتے ہیں، کسی کو زمین میں دھنساتے ہیں، کسی کو طوفانِ باد و باراں سے ہلاک کرتے ہیں، اور کسی کی مجاہدین کے ذریعہ گوشمالی کرتے ہیں، جس وقت ان کی حکمت مقتضی ہوتی ہے لشکرِ اسلام حرکت میں آتا ہے، پس جند اللہ اس زعم میں مبتلا نہ ہو کہ وہی قلعہ فتح کرتے ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ ان سے کام لیتے ہیں۔

﴿وَلِلّٰہِ جُنُوۡدُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ عَزِیۡزًا حَکِیۡمًا ۝﴾

ترجمہ: اور اللہ ہی کے لئے آسمانوں اور زمین کی فوج ہے، اور اللہ تعالیٰ زبردست بڑی حکمت والے ہیں۔

فائدہ: آیت کی یہ تفسیر روح المعانی میں منقول ہے، فرماتے ہیں: وھھنا أرید به التھدید: یعنی یہی آیت پہلے آئی ہے، وہاں اللہ کی صفت علیم آئی ہے، اور یہاں صفت عزیز آئی ہے، پس یہاں فہمائش کرنا مقصود ہے۔

(۱) نکث العھد (ن): پیمان توڑنا، نکث الحبل: رسی کے بل کھولنا (۲) أوفی بالعھد: ذمہ داری پوری کرنا، أوفی بالنذر: منت پوری کرنا (۳) بما: باء صلہ، ما موصولہ (۴) علیه: ضمیر کا مرجع ما موصولہ ہے، اور ہُ (مضموم) واحد مذکر غائب کی ضمیر ہے، جو ضمہ پر مبنی ہے، مگر جب اس سے پہلے یاء ساکن یا کسرہ آتا ہے تو خلافِ اصل ہاء کو مجرور پڑھتے ہیں، جیسے علیه اور به، مگر دو جگہ (یہاں اور سورۃ الکہف آیت ۶۳ و ما أنسانیهُ میں) اصل کے موافق مضموم پڑھا گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی مجاہدین پر نظر

دوسری فہمائش یہ کرتے ہیں کہ مجاہدین اس خیال میں نہ رہیں کہ ان کو کوئی دیکھ نہیں رہا، اللہ تو دیکھ ہی رہے ہیں، اور رسول اللہ ﷺ کو بھی مبعوث فرمایا ہے، وہ بھی شاہد ہیں، مجاہدین کے احوال پر ان کی نظر ہے، اور کل قیامت کے دن وہ اس کی گواہی دیں گے، وہ دنیا میں سیدھا چلنے والوں کو سہلاتے ہیں، خوش خبری سنا کر حوصلہ افزائی کرتے ہیں، اور ٹیڑھا چلنے والوں کو دھمکاتے ہیں، ان کی سرزنش کرتے ہیں، مجاہدین یہ بات پیش نظر رکھیں، اس کو نظر انداز نہ کریں۔

﴿ إِنَّآ أَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ ﴾

ترجمہ: بے شک ہم نے آپؐ کو احوال بتانے والا، خوش خبری سنانے والا، اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

حوالہ: آیت عام ہے، اس میں نبی ﷺ کے تین اوصاف کا ذکر ہے، یہ تین اوصاف سورۃ الاحزاب کی (آیت ۴۵) میں بھی آئے ہیں، اس کی تفصیل ہدایت القرآن (۴۷۹:۶) میں ہے۔

شاہد کا مطلب: —— نبی ﷺ شاہد ہیں، احوال بتلانے والے ہیں، آپؐ نے اللہ کے دین کے داعی ہونے کی حیثیت سے امت کے جو احوال دیکھے ہیں: کل قیامت کو ان کی گواہی دیں گے، یہ مضمون سورۃ النساء (آیت ۴۱) میں ہے: ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ، وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰؤُلَآءِ شَهِيْدًا﴾: پس کیا حال ہوگا اس وقت جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ سامنے لائیں گے، اور آپؐ کو اِن لوگوں پر گواہی دینے کے لئے حاضر کریں گے —— ھٰؤلاء سے معلوم ہوا کہ آپؐ اپنے زمانہ کے لوگوں کے خلاف گواہی دیں گے جنھوں نے دین قبول نہیں کیا، وفات کے بعد آپؐ حاضر ناظر نہیں کہ سب کے لئے گواہی دیں، ایسا سمجھنا قطعاً غلط ہے —— پھر آپؐ کے بعد داعیانِ اسلام گواہی دیں گے، یہ مضمون سورۃ الحج کی آخری آیت میں ہے۔

کیا اللہ تعالیٰ حاضر ناظر ہیں؟

اللہ تعالیٰ لازمانی اور لامکانی ہیں، شرح عقائد کے متن العقائد النسفیۃ میں ہے: لایَتَمَكَّنُ فی مکان، ولا یجری علیہ زمان: اللہ تعالیٰ نہ کسی جگہ میں قرار پکڑے ہوئے ہیں، نہ ان پر زمانہ گذرتا ہے، زمان ومکان مخلوق (پیدا کئے ہوئے) ہیں، اور خالق: مخلوق میں نہیں ہوسکتا، کیونکہ مکین: مکان کا محتاج ہوتا ہے، اور اللہ کی بارگاہ احتیاج سے پاک ہے، احتیاج مقام الوہیت کے منافی ہے —— علاوہ ازیں: سوال ہوگا کہ زمان ومکان کی تخلیق سے پہلے اللہ تعالیٰ کہاں تھے؟ اس لئے اللہ کے بارے میں أین (کہاں) کے ذریعہ اور اللہ کی صفات کے بارے میں کیف (کیسی) کے ذریعہ سوال

باطل ہے، اور نصوص میں جو آیا ہے: ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنتُمْ﴾: وہ تمہارے ساتھ ہیں خواہ تم کہیں ہو [الحدید ۴] اور سورۃ قٓ (آیت ۱۶) میں ہے: ﴿وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾: اور ہم انسان سے اس کی گردن کی رگ (شاہ رگ) سے بھی زیادہ قریب ہیں، اس قسم کی نصوص کی تأویل مفسرین کرام نے علم سے کی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ بندوں کے احوال سے واقف ہیں۔ جلالین کے حاشیہ جمل میں کرخی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے:

(قوله: أقربُ إليه بالعلم) أشار به إلى أن المرادَ بالقُرْبِ العلمُ به وبأحواله، لايخفى عليه شيئ من خفياته، فكأن ذاتَه قريبةٌ منه، كما يقال: الله في كل مكان، أى بعلمه، فإنه سبحانه وتعالىٰ منزه عن الأمكنة، وحاصله: أنه تَجَوَّزَ بقربِ الذات عن قرب العلم (جمل ۴:۱۹۲)

ترجمہ: صاحب جلالین کا قول: اللہ تعالیٰ انسان سے علم کے ذریعہ زیادہ قریب ہیں: اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ نزدیک ہونے سے مراد انسان کو اور اس کے احوال کو جاننا ہے، اللہ تعالیٰ پر انسان کی ادنی بات بھی مخفی نہیں، پس گویا اللہ کی ذات انسان سے نزدیک ہے، جیسے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہیں یعنی اپنے علم سے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ جگہوں سے پاک ہیں، اور حاصل یہ ہے کہ ذات کی نزدیکی سے مجازاً علم کی نزدیکی مراد ہے (ترجمہ پورا ہوا)

پس مجازی معنی میں تو اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر کہنا درست ہے، کیونکہ وہ مخلوقات کے احوال سے واقف ہیں، حقیقی معنی میں کہنا درست نہیں، مگر عام لوگ حقیقی معنی مراد لیتے ہیں، پس اعتراض ہوتا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ بیت الخلاء میں بھی ہیں؟ یہ اعتراض حقیقی معنی مراد لینے کی صورت میں ہوگا، مجازی معنی مراد لینے کی صورت میں کچھ اعتراض نہیں ہوگا۔

بعثتِ نبوی کا اصل مقصد: لوگ اطاعت وعبادت کی زندگی اپنائیں

﴿لِتُؤْمِنُوْا﴾: ﴿أَرْسَلْنَاكَ﴾ سے متعلق ہے۔ نبی ﷺ کا شاہد ہونا، یعنی اللہ کے لشکر پر نظر رکھنا تو بعثتِ نبوی کا ضمنی مقصد ہے، اصل مقصد یہ ہے کہ لوگ اطاعت وعبادت والی زندگی اپنائیں، اللہ پر اور ان کے رسول پر ایمان لائیں، اللہ کے دین کی مدد کریں، اللہ کی تعظیم وتکریم کریں، اور پانچ نمازیں پابندی سے پڑھیں۔ بکرۃ سے مراد فجر کی نماز ہے، اور أصیل: زوال سے رات چھانے تک کا زمانہ ہے، اس میں چار نمازیں آتی ہیں۔

﴿ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ ؕ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ۝ ﴾

ترجمہ: تاکہ تم لوگ اللہ پر اور ان کے رسول پر ایمان لاؤ، اور ان کی مدد کرو، اور ان کی تعظیم کرو، اور صبح وشام ان کی پاکی بیان کرو —— نماز دین کا ستون ہے، اس لئے اس کو لیا ہے، مراد سارے دین پر عمل کرنا ہے۔

فائدہ: ﴿تُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ﴾ کی ضمیریں راجح قول میں اللہ کی طرف راجع ہیں، اور اللہ کی مدد سے اللہ کے دین کی

مددمراد ہے، جیسے سورۃ محمدؐ میں ہے:﴿إن تَنْصُرُوْا اللّٰهَ﴾:اگر تم اللہ کی مدد کرو گے، یعنی اللہ کے دین کی مدد کرو گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کی مدد کے محتاج نہیں —— اور اللہ کی توقیر و تعظیم سے مراد عقیدۃً اللہ تعالیٰ کو کمالات کے ساتھ متصف اور نقائص سے منزہ ماننا ہے(بیان القرآن)

اور بعض مفسرین نے دونوں ضمیریں رسول اللہ کی طرف لوٹائی ہیں، کیونکہ وہ قریب مرجع ہے،اس صورت میں مطلب واضح ہے، جب اللہ کے رسول پر ایمان لائے تو ان کی مدد اور تعظیم وتکریم لازم ہے، تعظیم وتکریم اطاعت پر ابھارے گی،اور رسول کی اطاعت اللہ کی عبادت تک مفضی ہوگی۔

اطاعت وعبادت والی زندگی کے لئے بیعت کی اہمیت

بیعت:بَاعَ يَبِيْعُ کا مصدر ہے،بَيْعًا کے معنی ہیں: بیچنا،فروخت کرنا،بَيْعٌ کے آخر میں تائے وصفی بڑھائی تو بَيْعَة ہوا، اسی کو اردو میں لمبی تاء سے بیعت لکھتے ہیں،اور بَايَعَ، يُبَايِعُ، مُبَايَعَةً:باب مفاعلہ کے معنی ہیں:دو شخصوں کا باہم سودا کرنا۔

اور حقیقی بیعت: کے اصطلاحی معنی ہیں:اپنی جان ومال کو برضا ورغبت اللہ کے ہاتھ جنت کے عوض بیچنا،سورۃ التوبہ (آیت ۱۱۱) میں ہے:﴿إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ﴾: بے شک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں اور مالوں کو جنت کے عوض میں خرید لیا ہے۔مبیع: مؤمنین کی جانیں اوران کے اموال ہیں، اور ثمن جنت ہے۔

عرفی بیعت:مگر چونکہ اللہ تعالیٰ غیب ہیں،اس لئے کوئی پیکر محسوس چاہئے جس کے ساتھ سودا کیا جائے، وہ پیکر محسوس (نظر آنے والی صورت) رسول اللہ ﷺ ہیں، پھر ان کے وارثین، ان حضرات کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر پکا معاملہ کیا جائے تو اس کا عرفی نام بیعت ہے، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی ﷺ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر مختلف طرح کی بیعتیں کی ہیں، بیعتِ اسلام کی ہے، بیعتِ جہاد کی ہے،اور بیعتِ سلوک بھی کی ہے، حدیبیہ میں بیعتِ جہاد کی تھی، جس کا ذکر (آیت ۱۸) میں آرہا ہے، یہاں جس بیعت کا ذکر ہے اس سے مراد بھی بیعتِ جہاد ہے،مگر وہ بیعتِ سلوک کو بھی شامل ہے، کیونکہ الفاظ عام ہیں،اور بیعتِ سلوک کا خاص طور پر ذکر سورۃ ممتحنہ (آیت ۱۰) میں ہے۔

بیعتِ سلوک کیوں کی جاتی ہے؟ —— سَلَكَ سُلُوْكًا کے معنی ہیں: چلنا، یہ بیعت نوافل اعمال کرکے جنت کے بلند درجات حاصل کرنے کے لئے کی جاتی ہے، آدمی فرائض وواجبات پر عمل تو ایمان کے تقاضے سے کرتا ہے،اور کبائر سے بھی ایمان بچاتا ہے،مگر نفل اعمال جو شرعاً ضروری نہیں، مگر مفید ہیں ان پر بھی آدمی ہمت سے عمل کرسکتا ہے، اسی طرح چھوٹے گناہوں سے بھی بچ سکتا ہے، مگر کبھی بے ہمتی مانع بنتی ہے اور آدمی اپنے عیوب سمجھ نہیں سکتا، ایسی صورت

میں کسی راہ بر کی ضرورت ہوتی ہے، یہی بیعت کا فائدہ ہے۔ نجات اخروی کے لئے بیعتِ سلوک ضروری نہیں، اگر ضروری ہوتی تو تمام صحابہ (مردوزن) یہ بیعت کئے ہوئے ہوتے، جبکہ خاص خاص افراد نے یہ بیعت کی تھی، آخرت میں نجات کے لئے ایمان صحیح اور اعمال صالحہ کافی ہیں، اور جاہلوں کا یہ خیال کہ پیر کے بغیر نجات نہیں ہوسکتی: صحیح نہیں!

بیعتِ سلوک کے تعلق سے مختلف نظریے

جاننا چاہئے کہ بیعتِ سلوک کے تعلق سے دنیا میں تین نظریے پائے جاتے ہیں:

پہلا نظریہ: غیر مقلدین، سلفیوں، نجدیوں اور مودودیوں کا ہے، ان کے نزدیک بیعتِ سلوک بے اصل ہے، اس کا کوئی ثبوت نہیں، بلکہ مودودی صاحب نے تو اس کو چھنیا بیگم لکھا ہے، چھنیا بیگم افیم کو کہتے ہیں۔

دوسرا نظریہ: بریلویوں کا ہے، وہ کہتے ہیں: آخرت میں نجات کے لئے بیعت ضروری ہے، اور جس کا کوئی پیر نہیں: اس کا پیر شیطان ہے، بلکہ ان کے جاہل تو کہتے ہیں: گونگے پیر (قرآنِ کریم) سے نجات نہیں ہوگی، بولتا پیر (زندہ پیر) چاہئے۔

تیسرا نظریہ: علمائے دیوبند کا ہے، وہ کہتے ہیں: بیعتِ سلوک کا قرآن وحدیث سے ثبوت ہے، مگر نجات اخروی کے لئے بیعت ضروری نہیں۔ نجات کا مدار ایمانِ صحیح اور اعمالِ صالحہ پر ہے۔ البتہ بیعتِ سلوک کے دو بڑے فائدے ہیں:

ایک: بیعت نوافل اعمال میں زیادتی اور اس کے ذریعہ جنت میں بلند درجات حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ آدمی خود بھی نوافل اعمال کرسکتا ہے مگر تجربہ یہ ہے کہ وہ کامیاب نہیں ہوتا اگر خود کو کسی کے سپرد کردے تو یہ مقصد آسانی سے حاصل ہوسکتا ہے۔

دوسرا: بیعت کے ذریعہ باطن کی صفائی کی جاسکتی ہے، جس طرح ہمارا ظاہر میلا ہوتا ہے اور اس کو صاف کرنا پڑتا ہے، اسی طرح باطن بھی میلا ہوتا ہے اور اس کی صفائی کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ باطن کا میل اخلاق رذیلہ ہیں جس کی صفائی آنحضور ﷺ کا فرضِ منصبی تھا، سورۃ البقرۃ (آیت ۱۲۹) میں آنحضور ﷺ کے چار فرائض بیان کئے گئے ہیں، ان میں سے ایک: ﴿يُزَكِّيْهِمْ﴾: ہے یعنی مسلمانوں کے باطن کو صاف کرنا اور ان کو اخلاق حسنہ سے آراستہ کرنا، اور آپ کا ارشاد ہے: بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ: میری بعثت اخلاق حسنہ کی تکمیل کے لئے ہوئی ہے، یہ مقصد بھی بیعت ہی کے ذریعہ حاصل ہوسکتا ہے۔

نوٹ: بیعتِ سلوک کی دفعات اور ان کی تفصیلات سورۃ ممتحنہ (آیت ۱۰) کی تفسیر میں آئیں گی۔

رواجی بیعت: حقیقی بیعت جس درجہ مفید ہے: رواجی بیعت اسی درجہ غیر مفید ہے، صوفیاء سے اسلام پھیلا ہے اور ان کی نالائق اولاد سے گمراہی پھیلی ہے، اکابر صوفیا اور معتبر علماء: دین سے واقف ہوتے تھے، اس لئے ان کے ذریعہ

اصلاح ہوتی تھی، پھران کے ناخلف جانشیں آتے ہیں ان سے گمراہی پھیلتی ہے، اسی طرح کچھ لوگ خلیفہ بننے ہی کے لئے بیعت ہوتے ہیں، وہ بھی بڑا فتنہ ہیں۔

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ۭ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰي نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝۱۰ ﴾

ترجمہ: بے شک جولوگ آپؐ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں ـــــ یعنی نبی ﷺ اور آپؐ کے بعد آپؐ کے ورثاء پیکرِ محسوس ہیں، پسِ پردہ اللہ تعالیٰ ہیں، درحقیقت لوگ بیعت اللہ تعالیٰ سے کرتے ہیں ـــــ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے ـــــ یہ استعارہ ہے۔ استعارہ میں لفظ کے حقیقی اور مجازی معنی کے درمیان تشبیہ کا علاقہ ہوتا ہے، اور حروفِ تشبیہ کے بغیر حقیقی معنی کو مجازی معنی میں استعمال کیا جاتا ہے، ہاتھ کے حقیقی معنی ہیں: جارحہ (عضو) اور مجازی معنی ہیں: نصرت (مدد) یعنی اللہ تعالیٰ کی مدد بیعت کرنے والوں کے ساتھ ہے، مگر استعارہ میں بھی حقیقی معنی کا قائل ہونا ضروری ہے، پس صفت ید (ہاتھ) کو اللہ کے لئے ثابت کرنا ضروری ہے، البتہ اس کی کیفیت کو علم الٰہی کے حوالے کیا جائے گا، اس میں خوض (غور) کرنا جائز نہیں ـــــ پس جو شخص عہد و پیمان توڑے گا: اسی پر اس کے عہد توڑنے کا وبال پڑے گا ـــــ جیسے بیعتِ رضوان میں صحابہ نے عہد کیا تھا کہ اگر جنگ ہوئی تو وہ مر کھپیں گے، اس عہد کو اگر انھوں نے توڑا تو انہیں کا نقصان ہوگا، یا جیسے بیعتِ سلوک میں عہد کیا کہ وہ بدنظری سے بچے گا، اب اگر بدنظری نہیں چھوڑے گا تو اسی کا نقصان ہوگا، اللہ اور پیر کا کچھ نقصان نہیں ہوگا ـــــ اور جو شخص اُس بات کو پورا کرے گا جس کا اُس نے اللہ سے عہد کیا ہے ـــــ اس سے معلوم ہوا کہ عہد درحقیقت اللہ تعالیٰ سے کیا جاتا ہے ـــــ پس عنقریب اُس کو اللہ تعالیٰ بڑا اجر عنایت فرمائیں گے ـــــ یعنی جو بیعت پر مستقیم رہا، اپنے عہد و پیمان کو پورا کیا تو اس کو بدلہ بھی پورا ملے گا، اس کے خوب وارے نیارے ہونگے!

سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ۭ بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝۱۱ بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّزُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ښ وَكُنْتُمْ قَوْمًۢا بُوْرًا ۝۱۲

وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ﴿۱۳﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۴﴾

سَيَقُوْلُ	عنقریب کہیں گے	مِّنَ اللّٰهِ (۲)	اللہ کے عوض	وَالْمُؤْمِنُوْنَ	اور مؤمنین
لَكَ	آپ سے	شَيْـًٔا	کسی چیز کا	اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ	اپنے گھر والوں کی طرف
الْمُخَلَّفُوْنَ (۱)	پیچھے رکھے ہوئے	اِنْ اَرَادَ	اگر چاہیں وہ	اَبَدًا	کبھی بھی
مِنَ الْاَعْرَابِ	بدّوؤں سے	بِكُمْ	تمہارے ساتھ	وَّزُيِّنَ	اور مزین کی گئی
شَغَلَتْنَآ	مشغول کردیا ہمیں	ضَرًّا	کوئی نقصان	ذٰلِكَ	یہ بات
اَمْوَالُنَا	ہمارے مالوں نے	اَوْ اَرَادَ	یا چاہیں وہ	فِيْ قُلُوْبِكُمْ	تمہارے دلوں میں
وَاَهْلُوْنَا	اور ہمارے گھر والوں نے	بِكُمْ	تمہارے ساتھ	وَظَنَنْتُمْ	اور گمان کیا تم نے
فَاسْتَغْفِرْ	پس گناہ بخشوائیے آپ	نَفْعًا	کوئی نفع	ظَنَّ السَّوْءِ	برا گمان
لَنَا	ہمارے لئے	بَلْ	بلکہ	وَكُنْتُمْ	اور ہو تم
يَقُوْلُوْنَ	کہتے ہیں وہ	كَانَ اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ ہیں	قَوْمًا بُوْرًا (۴)	لوگ تباہ ہونے والے
بِاَلْسِنَتِهِمْ	اپنی زبانوں سے	بِمَا تَعْمَلُوْنَ	ان کاموں سے جو تم کرتے ہو	وَمَنْ	اور جو شخص
مَّا لَيْسَ	جو نہیں ہے	خَبِيْرًا	پورے باخبر	لَّمْ يُؤْمِنْ	ایمان نہیں لایا
فِيْ قُلُوْبِهِمْ	ان کے دلوں میں	بَلْ (۳)	بلکہ	بِاللّٰهِ	اللہ پر
قُلْ	آپ پوچھیں	ظَنَنْتُمْ	گمان کیا تم نے	وَرَسُوْلِهٖ	اور اس کے رسول پر
فَمَنْ	پس کون	اَنْ	کہ	فَاِنَّآ	پس بے شک ہم نے
يَّمْلِكُ	مالک ہے	لَّنْ يَّنْقَلِبَ	ہرگز نہیں لوٹیں گے	اَعْتَدْنَا	تیار کی ہے
لَكُمْ	تمہارے لئے	الرَّسُوْلُ	اللہ کے رسول	لِلْكٰفِرِيْنَ	منکروں کے لئے

(۱) مُخَلَّف: اسم مفعول، خَلَّفَ تَخْلِيْفًا: پیچھے چھوڑنا، وہ بدّو جن کو اللہ نے پیچھے رکھا۔ (۲) من اللہ: میں من حرفِ جر برائے عوض ہے، اس کا ترجمہ: بجائے یا بدلے: ہے (۳) یہ دوسرا بل پہلے بل کی تکرار ہے، جیسے سورۃ الحدید کی آخری آیت میں لا کو لوٹایا ہے، ایسی صورت میں اس حرف کا ترجمہ دوسری جگہ کرنا چاہئے کہ وہ اصلی محل ہے۔ (۴) بُور: بائر کی جمع: ہلاک ہونے والا، بَارَ (ن) بَوْرًا: ہلاک ہونا۔

سَعِيْرًا	دہکتی آگ	وَالْاَرْضِ	اور زمین کی	مَنْ يَّشَآءُ	جسے چاہیں گے
وَلِلّٰهِ	اور اللہ کے لئے ہے	يَغْفِرُ	بخشیں گے وہ	وَكَانَ اللّٰهُ	اور ہیں اللہ تعالیٰ
مُلْكُ	حکومت	لِمَنْ يَّشَآءُ	جسے چاہیں گے	غَفُوْرًا	بڑے بخشنے والے
السَّمٰوٰتِ	آسمانوں	وَيُعَذِّبُ	اور سزادیں گے	رَّحِيْمًا	بڑے رحم فرمانے والے

غزوۂ حدیبیہ میں منافقین کا کردار

عمرہ کے لئے روانہ ہوتے وقت نبی ﷺ نے اعلان کیا تھا، اور مسلمانوں کو ساتھ چلنے کے لئے ابھارا تھا، شاید قرائن سے آپؐ کو لڑائی کا گمان تھا، مگر دیہاتی گنوار جان چُرا کر بیٹھ رہے، اِن آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان کے نفاق کا پردہ چاک کیا ہے، آپؐ کو مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی راستہ میں بتلا دیا کہ جب تم صحیح سالم گھر پہنچو گے تو وہ لوگ اپنی غیر حاضری کا جھوٹا عذر پیش کریں گے، کہیں گے: معاف کرنا! ہمیں گھر بار کے دھندوں سے فرصت نہ ملی، کوئی ہمارے پیچھے جانوروں کی اور اہل وعیال کی خبر گیری کرنے والا نہیں تھا، اس لئے ہم ساتھ نہ چل سکے، ہم سے یہ کوتاہی ہوگئی، اب اللہ سے ہمارا قصور معاف کرا دیجئے! —— حالانکہ دل میں جانتے ہیں کہ یہ عذر بالکل غلط ہے، اور اللہ کو تو حقیقتِ حال کا پتہ ہے، اور استغفار کی درخواست بھی محض ظاہر داری ہے۔

حقیقت میں پیچھے رہنے کا سبب وہ نہیں تھا جو وہ بیان کر رہے ہیں، بلکہ ان کا خیال تھا کہ اب پیغمبر اور مسلمان بچ کر واپس نہیں آئیں گے، دشمن کے منہ میں جا رہے ہیں سب وہاں کھیت رہیں گے، پھر ہم کیوں خود کو ہلاکت میں ڈالیں؟ یہ بدگمانی ان کے دلوں میں خوب جم گئی تھی، اس لئے انھوں نے اپنی سلامتی پیچھے رہنے میں سمجھی، حالانکہ یہ صورت ان کی تباہی کی تھی، وہ اس سفر کی برکات سے محروم رہ گئے، اس سفر کی برکات خیبر کی غنیمت تھی، جس سے وہ محروم رہ جائیں گے، اور اصل وجہ یہ ہے کہ وہ بے ایمان ہیں، اور کافروں کے لئے دوزخ تیار ہے، مگر اب بھی وہ سنبھل جائیں تو معافی کی امید ہے، اللہ تعالیٰ کائنات کے مالک ہیں، اور غفور الرحیم ہیں! ان کی رحمت غضب پر غالب ہے، اس لئے معافی کی امید ہے۔

آیاتِ پاک: —— عنقریب آپؐ سے وہ بدّو کہیں گے جو پیچھے رکھے گئے ہیں کہ ہمارے اموال (مویشی) اور ہمارے گھر والوں نے ہمیں پھنسائے رکھا، پس آپؐ ہماری کوتاہی اللہ سے معاف کرا دیجئے! —— وہ لوگ اپنی زبانوں سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے —— دل میں کچھ ہے زبان پر کچھ ہے! —— آپؐ کہیں: پس کون مالک ہے تمہارے لئے اللہ کے بجائے کسی چیز کا اگر وہ چاہیں تمہیں کوئی نقصان پہنچانا، یا وہ چاہیں تمہیں کوئی نفع پہنچانا؟ —— یعنی تم کہتے ہو کہ مال اور گھر والوں کی حفاظت کی وجہ سے ہم ساتھ نہ چل سکے: بتاؤ: اگر اللہ تعالیٰ تمہارے مال اور

گھر والوں کو کوئی نقصان پہنچانا چاہیں تو تم گھر میں رہ کر اس کو روک دوگے؟ یا اللہ ان کو کچھ فائدہ پہنچانا چاہیں اور تم سفر میں ہو، تو کیا اسے کوئی روک سکتا ہے؟ جب نفع ونقصان کو کوئی نہیں روک سکتا تو اللہ ورسول کی خوشنودی کے مقابلہ میں ان چیزوں کا خیال کرنا حماقت وضلالت نہیں تو اور کیا ہے؟ جان لو اِن بہانوں سے اللہ تعالیٰ راضی ہونے والے نہیں، ان کو تمہارے سب کھلے چھپے احوال معلوم ہیں، ارشاد فرماتے ہیں: ـــــ بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے پوری طرح باخبر ہیں! ـــــ اس بل کا محل آگے آرہا ہے، ارشاد فرماتے ہیں ـــــ بلکہ تم نے یہ سمجھا تھا کہ رسول اور مؤمنین کبھی بھی لوٹ کر اپنے گھر والوں کی طرف نہیں آئیں گے، اور یہ بات تمہارے دلوں میں مزین کی گئی، اور تم نے برا گمان کیا، اور تم برباد ہونے والے لوگ ہو۔

اور جو شخص اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لایا: پس ہم نے اس کے لئے دہکتی آگ تیار کر رکھی ہے، اور اللہ ہی کے لئے آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے، جس کو چاہیں بخش دیں، اور جس کو چاہیں سزا دیں، اور اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے بڑے رحم فرمانے والے ہیں!

سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ۭ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ۭ بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿١٥﴾ قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٦﴾ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٧﴾

ع ۲

سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ	عنقریب کہیں گے پیچھے رکھے ہوئے	اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ	جب چلو گے تم غنیمتوں کی طرف	لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا(۱)	تاکہ لو تم ان کو چھوڑو ہمیں

(۱) ذَرُوْنَا: فعل امر ذَرُوْا: صیغہ جمع مذکر حاضر، نا: ضمیر جمع متکلم، مفعول بہ۔

نَتَّبِعْكُمْ	ساتھ چلیں ہم تمہارے	مِنَ الْاَعْرَابِ	بدّوں سے	عَلَى الْاَعْمٰى	اندھے پر
يُرِيْدُوْنَ	چاہتے ہیں وہ	سَتُدْعَوْنَ	عنقریب بلائے جاؤ گے تم	حَرَجٌ	کچھ تنگی
اَنْ يُّبَدِّلُوْا	کہ بدل دیں	اِلٰى قَوْمٍ	ایک قوم کی طرف	وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ	اور نہ لنگڑے پر
كَلٰمَ اللّٰهِ	اللہ کی بات کو	اُولِيْ بَاْسٍ	جنگ کرنے والی	حَرَجٌ	کچھ تنگی
قُلْ	کہو	شَدِيْدٍ	سخت	وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ	اور نہ بیمار پر
لَنْ تَتَّبِعُوْنَا	ہرگز ہمارے ساتھ نہیں	تُقَاتِلُوْنَهُمْ	لڑو گے تم ان سے	حَرَجٌ	کچھ تنگی
	چلو گے تم	اَوْ يُسْلِمُوْنَ	یا سپر انداز ہو جائیں گے وہ	وَمَنْ يُّطِعِ	اور جو اطاعت کرتا ہے
كَذٰلِكُمْ	یونہی	فَاِنْ تُطِيْعُوْا	پس اگر کہنا مانو گے تم	اللّٰهَ	اللہ کی
قَالَ اللّٰهُ	فرمایا ہے اللہ نے	يُؤْتِكُمُ	(تو) دیں گے تم کو	وَرَسُوْلَهٗ	اور اس کے رسول کی
مِنْ قَبْلُ	پہلے سے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	يُدْخِلْهُ	داخل کریں گے اس کو
فَسَيَقُوْلُوْنَ	پس عنقریب کہیں گے وہ	اَجْرًا حَسَنًا	اچھا بدلہ	جَنّٰتٍ	باغات میں
بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا	بلکہ جلتے ہو تم ہم پر	وَاِنْ تَتَوَلَّوْا	اور اگر روگردانی کرو گے تم	تَجْرِيْ	بہتی ہیں
بَلْ كَانُوْا	بلکہ ہیں وہ	كَمَا تَوَلَّيْتُمْ	جیسی روگردانی کی تم نے	مِنْ تَحْتِهَا	ان کے نیچے سے
لَا يَفْقَهُوْنَ	نہیں سمجھتے	مِّنْ قَبْلُ	پہلی بار	الْاَنْهٰرُ	نہریں
اِلَّا قَلِيْلًا	مگر تھوڑا	يُعَذِّبْكُمْ	(تو) سزا دیں گے تم کو	وَمَنْ يَّتَوَلَّ	اور جو پھر جائے گا
قُلْ	کہہ	عَذَابًا اَلِيْمًا	دردناک سزا	يُعَذِّبْهُ	سزا دیں گے ان کو
لِّلْمُخَلَّفِيْنَ	پیچھے رکھے ہوئے	لَيْسَ	نہیں	عَذَابًا اَلِيْمًا	دردناک سزا

غزوۂ حدیبیہ کا تتمہ غزوۂ خیبر کو بنایا تا کہ مجاہدین نہال ہوں

نہال: مالا مال، مجاہدین کی روزی روٹی کا سامان اللہ نے غنیمت کو حلال کر کے کیا ہے، اور جیسے غزوۂ احزاب میں مجاہدین کے ہاتھ کچھ نہیں آیا تھا: اس لئے فوراً ہی غزوۂ بنو قریظہ کا حکم دیا تا کہ مجاہدین کو کھان پان ملے، اسی طرح غزوۂ حدیبیہ میں مجاہدین کے پلّے کچھ نہیں پڑا: اس لئے فتح خیبر کو اس کا تتمہ بنایا تا کہ مجاہدین مالا مال ہو جائیں، اسی طرح کا قصہ فتح مکہ اور غزوۂ حنین کا ہے، اس حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ خیبر فتح کرنے کے لئے وہی جائیں جو حدیبیہ میں تھے، دوسرا کوئی شریک نہ ہو۔

خیبر میں غدار یہودی آباد تھے، جوغزوۂ احزاب میں کافروں کے جتھوں کو مدینہ پر چڑھا لائے تھے، ان سے نمٹنے کے لئے نبی ﷺ نے صلح حدیبیہ کے بعد سن سات ہجری میں خیبر پر چڑھائی کی اور اس کو فتح کرلیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اس کے بعد ہی ہمیں پیٹ بھر کر کھانے کو کھجوریں ملیں۔

اس آیت میں خبر دی ہے کہ جب تم خیبر کے لئے نکلو گے تو جو لوگ غزوۂ حدیبیہ میں پیچھے رہ گئے ہیں ساتھ چلنے کے لئے اصرار کریں گے، کیونکہ خطرہ کم اور غنیمت کی امید زیادہ ہے، مگر ان سے صاف کہہ دیا جائے کہ کوئی اور ساتھ نہیں چلے گا، اللہ کا ایسا ہی حکم ہے، اس پر وہ کہیں گے کہ اللہ نے تو کچھ نہیں فرمایا، تم ہم پر جلتے ہو، نہیں چاہتے کہ ہمارا فائدہ ہو، ساری غنیمت تم ہی سمیٹ لینا چاہتے ہو، ان لوگوں کے پیش نظر اپنا ہی نفع ہے، وہ نہیں سمجھتے کہ یہ غزوۂ حدیبیہ کا تتمہ ہے، پھر کوئی اور ساتھ کیسے چلے گا؟

﴿ سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ۭ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ۭ بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۱۵ ﴾

ترجمہ: عنقریب کہیں گے وہ لوگ جو پیچھے رکھے گئے ہیں —— یہاں من الأعراب نہیں بڑھایا، کیونکہ پیچھے رہنے والے اور لوگ بھی تھے —— جب تم غنیمتوں کی طرف چلو گے —— مراد خیبر کی غنیمتیں ہیں، مگر ابھی نام نہیں لیا، تاکہ خیبر والوں کے کان کھڑے نہ ہوجائیں —— تاکہ تم ان کو لو —— اس میں فتح (کامیابی) کی طرف اشارہ ہے —— اجازت دو کہ ہم تمہارے ساتھ چلیں —— اور جہاد میں حصہ لیں —— وہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کا فرمان بدل دیں —— اللہ کا فرمان اسی کلام کے اقتضا سے ثابت ہوتا ہے یعنی کوئی اور ساتھ نہیں چلے گا —— کہو: تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے، اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی فرمایا ہے، پس اب وہ لوگ کہیں گے —— اللہ نے تو کچھ نہیں فرمایا —— بلکہ تم لوگ ہم پر جلتے ہو، بلکہ وہ لوگ بہت کم بات سمجھتے ہیں —— ان کے پیش نظر اپنا ہی نفع ہے، اور حکمتِ غزوۂ خیبر کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔

جب سخت جنگ جو قوم سے ٹکر ہوگی تب گنواروں کی اطاعت کا بھرم کھلے گا

غزوۂ خیبر میں شرکت پر اصرار کرنے والوں سے کہہ دیں: ذرا صبر کرو، اس لڑائی میں تو تم نہیں جاسکتے، البتہ آگے ایک سخت جنگ جو قوم سے مقابلہ ہوگا، اس وقت تمہیں ساتھ چلنے کی دعوت دی جائے گی، پھر دیکھا جائے گا کہ تم کیسی اطاعت کرتے ہو؟ ساتھ چلو گے تو اچھا بدلہ پاؤ گے، اور بیٹھ رہو گے تو دردناک عذاب چکھو گے!

یہ غزوۂ تبوک کی طرف اشارہ ہے، جو سن نو ہجری میں پیش آیا، جزیرۃ العرب کی سرحد پر بسے ہوئے عرب قبائل جو عیسائی ہوگئے تھے، ان کو ساتھ لے کر قیصر روم نے ایک فوج تیار کی، تاکہ مدینہ پر حملہ آور ہو، نبی ﷺ تیس ہزار مردانِ جنگی کو ساتھ لے کر تبوک مقام تک گئے، مگر حلیف اسلامی لشکر کی خبر سن کر بکھر گیا، آپؐ نے بیس دن تبوک میں قیام فرمایا، پھر اسلامی لشکر مظفر و منصور واپس آیا، یہ ایک سخت معرکہ تھا، رومی حکومت کی حدود میں گھس کر ان کے ساتھ ایک فیصلہ کن جنگ لڑنی تھی، چنانچہ آپؐ نے اعلان فرمایا کہ لوگ لڑائی کی تیاری کریں، عرب قبائل اور اہل مکہ کو بھی پیغام بھیجا کہ جنگ کے لئے اٹھ کھڑے ہوں، اس وقت یہ گنوار کچے مسلمان اور منافق دبک گئے اور انھوں نے ساتھ نہیں دیا، چنانچہ سورۃ التوبہ میں ان پر لتاڑ پڑی۔

﴿ قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ ﴾

ترجمہ: آپؐ ان پیچھے رکھے ہوئے گنواروں سے کہیں: عنقریب تم ایسے لوگوں سے لڑنے کے لئے بلائے جاؤ گے جو سخت جنگ جو ہیں ــــ رومن امپائر اور عرب قبائل کی طرف اشارہ ہے، مگر ابھی بات کھولی نہیں، پس یہ ایک پیشین گوئی ہے ــــ تم ان سے لڑو گے یا وہ مطیع ہوجائیں گے ــــ یہ دوسری پیشین گوئی ہے، اس میں اشارہ ہے کہ حلیف بکھر جائے گا، اور مقابلہ کی نوبت نہیں آئے گی، مگر ﴿تُقَاتِلُوْنَهُمْ﴾ کو مقدم کیا، تاکہ خطرہ منڈلاتا رہے اور فوج مطمئن نہ ہوجائے ــــ پس اگر تم اطاعت کرو گے ــــ یعنی ساتھ دو گے ــــ تو اللہ تعالیٰ تمہیں اچھا بدلہ دیں گے ــــ اس میں بھی اشارہ ہے کہ جنگ نہیں ہوگی اور غنیمت نہیں ملے گی، البتہ اچھا بدلہ یعنی ثواب بھرپور ملے گا ــــ اور اگر روگردانی کرو گے ــــ یعنی ساتھ نہیں چلو گے ــــ جیسا کہ اس سے پہلے روگردانی کرچکے ہو ــــ یعنی غزوۂ حدیبیہ میں، پس ــــ وہ تمہیں دردناک سزا دیں گے!

معذوروں پر جہاد فرض نہیں، مگر اطاعت ضروری ہے

جہاد سے پیچھے رہنے والوں کا تذکرہ چل رہا ہے، شاید معذور سوچیں کہ ہمارا کیا ہوگا؟ ہم تو عذر کی وجہ سے پیچھے رہتے ہیں! اس لئے اب ان کا استثناء کرتے ہیں کہ معذور لوگ: مثلاً نابینا، لنگڑا اور بیمار وغیرہ جو عذر کی وجہ سے جہاد میں نہیں نکل سکتے، ان پر نکلنا فرض نہیں، البتہ احکام شرعیہ کی تعمیل ضروری ہے، اطاعت کریں گے تو وہی جنت پائیں گے جو مجاہدین کو ملے گی، اور احکام کی خلاف ورزی کریں گے تو دردناک سزا پائیں گے۔

﴿ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۷﴾

ترجمہ: نابینا پر کچھ تنگی نہیں، اور نہ لنگڑے پر کچھ تنگی ہے، اور نہ بیمار پر کچھ تنگی ہے، اور جو اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانے گا ــــ یعنی شریعت پر عمل کرے گا ــــ اس کو اللہ تعالیٰ ایسے باغات میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، اور جو شخص روگردانی کرے گا ــــ یعنی احکام شرعیہ پر عمل نہیں کرے گا ــــ اس کو دردناک سزا دیں گے!

جب معذور تعمیلِ احکام سے مستثنیٰ نہیں، تو غیر معذور جو احکام کی تعمیل نہیں کرتے سزا سے کیسے بچ سکتے ہیں!

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۱۸﴾ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۹﴾ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۲۰﴾ وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۱﴾

لَقَدْ	اور بخدا! واقعہ یہ ہے	تَحْتَ الشَّجَرَةِ	درخت کے نیچے	وَاَثَابَهُمْ (۲)	اور ان کو بدلہ میں دی		
رَضِيَ	خوش ہوگئے	فَعَلِمَ	پس جانا اس نے	فَتْحًا قَرِيْبًا	نزدیکی فتح		
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ	ان جذبات کو جو ان کے دلوں میں ہیں	وَّمَغَانِمَ	اور غنیمتیں		
عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ	مؤمنین سے			كَثِيْرَةً	بہت		
اِذْ	جب	فَاَنْزَلَ	پس اتارا	يَّاْخُذُوْنَهَا	لیں گے وہ ان کو		
يُبَايِعُوْنَكَ (۱)	وہ آپ سے بیعت کر رہے ہیں	السَّكِيْنَةَ	اطمینان	وَكَانَ اللّٰهُ	اور ہیں اللہ تعالیٰ		
		عَلَيْهِمْ	ان پر	عَزِيْزًا	زبردست		

(۱) بایع مبایعة: دو شخصوں کا ہاتھ میں ہاتھ دے کر عہد و پیمان کرنا (۲) أثاب إثابة: بدلہ دینا۔

حَكِيْمًا	بڑی حکمت والے	اَيْدِيَ	ہاتھ	لَمْ تَقْدِرُوْا	نہیں قابو پایا تم نے
وَعَدَكُمُ	وعدہ کیا تم سے	النَّاسِ	لوگوں کے	عَلَيْهَا	ان پر
اللهُ	اللہ نے	عَنْكُمْ	تم سے	قَدْ اَحَاطَ	بالتحقیق گھیر رکھا ہے
مَغَانِمَ	غنیمتوں کا	وَلِتَكُوْنَ	اور تاکہ ہوے وہ	اللهُ	اللہ نے
كَثِيْرَةً	ڈھیر ساری	اٰيَةً	ایک نشانی	بِهَا	ان کو
تَاْخُذُوْنَهَا	لوگے تم ان کو	لِّلْمُؤْمِنِيْنَ	مؤمنین کے لئے	وَكَانَ	اور ہیں
فَعَجَّلَ	پس جلدی دی	وَيَهْدِيَكُمْ	اور لے چلے وہ تم کو	اللهُ	اللہ تعالیٰ
لَكُمْ	تم کو	صِرَاطًا	راہ	عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز پر
هٰذِهٖ	یہ	مُّسْتَقِيْمًا	سیدھی	قَدِيْرًا	پوری قدرت رکھنے
وَكَفَّ	اور روک دیئے	وَّاُخْرٰى (۱)	اور دوسری (غنیمتیں)		والے

حدیبیہ میں مؤمنین پر چار انعامات

اب مؤمنین کا تذکرہ شروع کرتے ہیں، اور یہ بیان آخر سورت تک چلے گا، حدیبیہ میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنین پر چار انعامات فرمائے: (۱) ان کو اللہ کی خوشنودی حاصل ہوئی (۲) ان پر سکینت نازل ہوئی (۳) ان کو لگے ہاتھوں ایک کامیابی ملی (فتح خیبر) (۴) جس میں ان کو بہت غنیمت حاصل ہوئی۔ تفصیل درج ذیل ہے:

۱- بیعتِ رضوان: وہ بیعت جس سے اللہ تعالیٰ مؤمنین سے خوش ہوئے —— حدیبیہ میں پہنچ کر نبی ﷺ نے خراش بن امیہ خزاعی رضی اللہ عنہ کو مکہ والوں کے پاس بھیجا کہ ہم لڑنے نہیں آئے، عمرہ کر کے چلے جائیں گے، مکہ والوں نے ان کے اونٹ کو ذبح کر ڈالا، اور ان کے قتل کا ارادہ کیا، مگر کچھ لوگوں نے درمیان میں پڑ کر ان کو بچادیا، انھوں نے واپس آ کر پورا واقعہ بیان کیا، پس آپؐ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھیجنا چاہا، انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھیجنے کا مشورہ دیا، چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھیجے گئے، قریش نے ان کو روک لیا، اور حدیبیہ میں بات پہنچی کہ قریش نے ان کو قتل کر دیا، اب جنگ ناگزیر ہوگئی، کیونکہ سفیر کو قتل کرنا معمولی بات نہیں تھی، چنانچہ آپؐ نے ایک کیکر کے درخت کے نیچے بیٹھ کر جہاد کی بیعت لی، یہ بیعتِ رضوان کہلاتی ہے، جب قریش نے اس بیعت کی خبر سنی تو وہ ڈر گئے، کیونکہ جب ایک آدمی مرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے تو وہ سو پر بھاری ہو جاتا ہے، انھوں نے فوراً حضرت عثمانؓ کو واپس کر دیا، پھر سفارتوں کا

(۱) أخری: آخَرَ کا مؤنث، مغانم کی صفت ہے۔

سلسلہ شروع ہوا، بعض امور میں بحث وتکرار بھی ہوئی، اور مسلمانوں کو غصہ اور جوش بھی آیا، مگر نبی ﷺ نے سب باتیں منظور فرمالیں، اور صلح ہوگئی۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیعت کرنے والوں سے اپنی خوشنودی کا اعلان فرمایا ہے، اور صحیحین کی روایت میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم لوگ تمام روئے زمین کے لوگوں سے بہتر ہو'' اور صحیح مسلم میں روایت ہے کہ جن لوگوں نے درخت کے نیچے بیعت کی ہے ان میں سے کوئی جہنم میں نہیں جائے گا، پس ان کا حال بدری صحابہ جیسا ہوگیا۔

۲-سکینت کا نزول: سکینت کے معنی ہیں: اطمینان، یعنی دل سے ڈر، خوف اور فکر کا نکل جانا، اور حالتِ حاضرہ پر مطمئن ہوجانا، پندرہ سو صحابہ کی مکہ والوں کے سامنے کیا حیثیت تھی؟ جیسے ہاتھی کے پیر کے نیچے چیونٹی! مگر بیعت کے بعد ایک ایک مجاہد پُرعزم تھا کہ وہ تنہا سارے مکہ والوں سے نمٹ لے گا، اس وجہ سے جب صلح میں نامناسب شرطوں کا مطالبہ ہوا تو صحابہ کو سخت غصہ آیا، وہ تلوار سے فیصلہ کرنا چاہتے تھے، مگر جب نبی ﷺ نے شرطیں منظور فرمالیں تو انھوں نے بھی منظور کرلیں، یہ وہ سکینت تھی جو بیعت کے نتیجہ میں قلوب پر نازل ہوئی۔ مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی صورتوں اور جسموں کو نہیں دیکھتے، بلکہ ان کے دلوں کو دیکھتے ہیں، بیعت کے وقت فدائیت کے جو جذبات دلوں میں موجزن تھے، انھوں نے مجاہدین کو نڈر بنادیا تھا، پھر جب صلح ہوگئی تو وہ اس پر بھی مطمئن ہوگئے، مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ!

۳-فتح قریب: جلد حاصل ہونے والی فتح، یعنی فتح خیبر، وہ صلح حدیبیہ سے دو ماہ بعد حاصل ہوئی، فتح مکہ اس کا مصداق نہیں، وہ دو سال بعد حاصل ہوئی ہے، اس لئے اس کو فتح قریب نہیں کہہ سکتے، چونکہ حدیبیہ میں صلح ہوگئی تھی، فتح نصیب نہیں ہوئی تھی، نہ غنیمت ملی تھی، جبکہ مجاہدین کی معاش اسی سے وابستہ تھی، اس لئے صلح حدیبیہ کے بدل فتح خیبر عطا فرمائی۔

حدیبیہ سے لوٹنے کے بعد محرم سن ۷ ہجری میں نبی ﷺ نے خیبر پر چڑھائی کی، خیبر: مدینہ کے شمال میں شام کی طرف آٹھ برید یعنی تقریباً سو میل پر ایک شہر تھا، وہاں قلعے بھی تھے اور کھیتیاں بھی، اس کی آبادی یہودیوں پر مشتمل تھی، اللہ تعالیٰ نے غزوۂ حدیبیہ کے بدل یہ فتح عنایت فرمائی۔

۴-ڈھیر ساری غنیمت: خیبر کی ساری زمینیں اور باغات مراد ہیں، جن سے سب صحابہ آسودہ ہوگئے، صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: فتح خیبر کے بعد ہم نے شکم سیر ہوکر کھجوریں کھائیں۔

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝﴾

ترجمہ: بخدا! واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤمنین سے خوش ہوئے، جب وہ لوگ آپؐ سے درخت کے نیچے بیعت کررہے تھے —— یہ اللہ کا خوش ہونا پہلا انعام ہے —— اوران کے دلوں میں —— فدائیت اورمر مٹنے کے —— جو جذبات تھےان کو اللہ نے جانا، پس اللہ نے ان پر سکینت نازل فرمائی —— یہ دوسرا انعام ہوا —— اوران کو بدلے میں جلدی حاصل ہونے والی کامیابی دی —— یعنی حدیبیہ میں فتح نہیں ملی تو دوسری جگہ فتح دی، مگر ابھی اس کو صیغۂ راز میں رکھا ہے، یہ تیسرا انعام ہوا —— اورڈھیر ساری غنیمت جس کو وہ لیں گے —— خیبر کی غنیمت مراد ہے، اور یہ چوتھا انعام ہے، یعنی دوسری جگہ صرف فتح ہی نہیں ملے گی، کیونکہ فتح تو کبھی غنیمت کے بغیر بھی حاصل ہوتی ہے، بلکہ فتح کے ساتھ مالا مال ہوجائیں گے —— اوراللہ تعالیٰ زبردست بڑی حکمت والے ہیں —— یعنی اپنے زور وحکمت سے حدیبیہ کی کسر یہاں نکال دی۔

صلح حدیبیہ کے بعد کے پانچ واقعات

اب دو آیتوں میں صلح حدیبیہ کے بعد پیش آنے والے پانچ واقعات کا اشاروں اشاروں میں تذکرہ فرماتے ہیں، مگر اب جبکہ وہ واقعات پیش آچکے ہیں تو ان کو تفصیل سے بیان کرتا ہوں، واقعات رونما ہونے سے پہلے وہ پیشین گوئیاں اور معجزات تھے:

۱- امت کو بہت غنیمتیں ملیں گی، خیبر کی غنیمت ان کی پہلی قسط ہے: —— جہاد قیامت تک جاری رہے گا، کیونکہ اسلام عالم گیر اور ابدی مذہب ہے، اس لئے اس کے دشمن بہت ہیں، اور مجاہدین کا گذارہ غنیمت پر ہے، اس لئے امت کو بے شمار غنیمتیں حاصل ہونگی، وہ کبھی خالی ہاتھ نہیں لوٹیں گے، ان میں سے ایک حصہ خیبر میں دلائیں گے۔

۲- بنوغطفان کو خیبر نہیں پہنچنے دیا: —— جب نبی ﷺ کی خیبر کی طرف پیش قدمی کی یہود کو اطلاع ہوئی تو انھوں نے کنانہ بن ابی الحُقیق اور ہوذہ بن قیس کو بنوغطفان کے پاس روانہ کیا، وہ خیبر کے یہودیوں کے حلیف اور مسلمانوں کے خلاف ان کے مددگار تھے، ادھر نبی ﷺ نے وادی صہباء سے گذر کر رجیع نامی وادی میں قیام فرمایا، جو بنو غطفان کی آبادی سے صرف ایک شبانہ روز دوری پر واقع تھی، بنوغطفان تیار ہوکر یہود کی مدد کے لئے چل پڑے، اثناءِ راہ میں ان کو اپنے پیچھے کچھ شور سنائی دیا، انھوں نے سمجھا کہ مسلمانوں نے ان کے بال بچوں پر حملہ کردیا، اس لئے وہ واپس لوٹ گئے، اس طرح بنوغطفان کی مدد سے یہود محروم ہوگئے۔

۳- بنوغطفان کا واقعہ مؤمنین کے لئے ایک نشانی ہے: —— اس میں فتح مکہ کی طرف اشارہ ہے کہ جب اس کا وقت آئے گا تو اللہ تعالیٰ مکہ والوں کے ہاتھ بھی روک لیں گے، اور مجاہدین بغیر مزاحمت کے مکہ کو فتح کرلیں گے۔

۴- اللہ تعالیٰ مؤمنین کو سیدھے راستہ پر چلائیں گے: —— اس میں بھی فتح مکہ کی طرف اشارہ ہے، غزوۂ حدیبیہ میں جس طرح راستہ بدل کر دشوار گذار راستے سے حدیبیہ تک پہنچے تھے: اس کی نوبت نہیں آئے گی، سیدھے راستہ پر چل کر مجاہدین مکہ مکرمہ فتح کریں گے۔

۵- فتح مکہ کے بعد ایک بڑی غنیمت مسلمانوں کو حاصل ہوگی: —— یہ حنین کی غنیمت کی طرف اشارہ ہے، فتح مکہ میں مجاہدین کے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا، اس لئے اللہ تعالیٰ اس کا تتمہ غزوۂ حنین کو بنائیں گے، جس میں بے شمار دولت ملے گی، ابھی وہ غنیمت ان کے قابو میں نہیں آئی، مگر وہ اللہ کے قابو میں ہے، وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں، وقت پر وہ غنیمت بھی ان کو عطا فرمائیں گے۔

﴿ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿٢٠﴾ وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿٢١﴾ ﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کیا ہے، جن کو تم لوگے —— یعنی قیامت تک ہر جہاد میں تمہیں غنیمت ملے گی —— پس سر دست تم کو یہ غنیمت دی —— یہ یعنی جس کا اس سے پہلے آیت ۱۹ میں ذکر آیا ہے، یعنی خیبر کی غنیمت —— اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیئے —— یعنی بنو غطفان کو یہود کی مدد کے لئے نہیں پہنچنے دیا —— اور تاکہ یہ واقعہ اہل ایمان کے لئے ایک نمونہ بنے —— یعنی جب فتح مکہ کا وقت آئے گا تو اسی طرح اللہ تعالیٰ قریش کے ہاتھ روک لیں گے —— اور تم کو سیدھی راہ پر چلائیں گے —— یعنی کوئی مزاحمت کرنے والا نہیں ہوگا، تم سیدھی صاف سڑک پر چل کر مکہ مکرمہ میں داخل ہوؤ گے —— اور ایک دوسری (غنیمت) بھی جو تمہارے قابو میں نہیں آئی، اللہ تعالیٰ نے اس کو گھیر رکھا ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں —— یہ حنین کی غنیمت کی طرف اشارہ ہے۔

وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿٢٢﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ښ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿٢٣﴾ وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ﴿٢٤﴾

وَلَوْ	اور اگر	الَّتِيْ	جو	وَاَيْدِيَكُمْ	اور تمہارے ہاتھ
قٰتَلَكُمُ	لڑتے تم سے	قَدْ خَلَتْ	تحقیق گذر چکی	عَنْهُمْ	ان سے
الَّذِيْنَ	جنھوں نے	مِنْ قَبْلُ	پہلے سے	بِبَطْنِ(۲)	پیٹ میں
كَفَرُوْا	نہیں مانا	وَلَنْ تَجِدَ	اور ہرگز نہیں پائے گا تو	مَكَّةَ	مکہ کے
لَوَلَّوُا	ضرور پھیرتے وہ	لِسُنَّةِ اللّٰهِ	اللہ کی سنت کو	مِنْ بَعْدِ	بعد
الْاَدْبَارَ	پیٹھیں	تَبْدِيْلًا	بدلنا	اَنْ اَظْفَرَكُمْ(۳)	تمہارے کامیاب ہونے کے
ثُمَّ	پھر	وَهُوَ	اور وہی ہیں	عَلَيْهِمْ	ان پر
لَا يَجِدُوْنَ	نہ پاتے وہ	الَّذِيْ	جنھوں نے	وَكَانَ اللّٰهُ	اور ہیں اللہ تعالیٰ
وَلِيًّا	کوئی کارساز	كَفَّ	روک دیئے	بِمَا	ان کاموں کو جو
وَّلَا نَصِيْرًا	اور نہ کوئی مددگار	اَيْدِيَهُمْ	ان کے ہاتھ	تَعْمَلُوْنَ	کرتے ہو تم
سُنَّةَ اللّٰهِ(۱)	اللہ کی سنت	عَنْكُمْ	تم سے	بَصِيْرًا	خوب دیکھنے والے

حدیبیہ میں صلح نہ ہوتی جنگ چھڑ جاتی تو کیا ہوتا؟ دشمن دُم دبا کر بھاگتا!

اگر حدیبیہ میں صلح نہ ہوتی: لڑائی ہوتی تو مسلمان ہی غالب رہتے، کفار پیٹھ پھیر کر بھاگتے، اور کوئی حامی اور مددگار نہ ہوتا، جو ان کو آفت سے بچالے، کیونکہ اللہ کی سنت جو ہمیشہ سے چلی آرہی ہے، جو کبھی بدلتی نہیں: یہ ہے کہ جب اہل حق اور اہل باطل میں فیصلہ کن مقابلہ ہوتا ہے تو اہل حق غالب اور اہل باطل مغلوب ہوتے ہیں، اسی سنتِ الٰہی کے مطابق نتیجہ نکلتا۔ اور جیسے جنگِ بدر پہلا یوم الفرقان (فیصلہ کن دن) ثابت ہوا تھا، جنگ حدیبیہ آخری یوم الفرقان ثابت ہوتا۔

قریش کے جوانوں نے جنگ بھڑکانے کی پوری کوشش کی

جب قریش کے جوانوں نے دیکھا کہ بڑے لوگ صلح کی طرف مائل ہیں تو انھوں نے صلح میں رخنہ ڈالنے کے لئے ایک پلان بنایا، پچاس جوان رات میں تنعیم پہاڑی سے اتر کر مسلمانوں کے کیمپ میں گھس آئے، انھوں نے چاہا کہ ہنگامہ برپا کردیں، تاکہ جنگ کی آگ بھڑک جائے، مگر پہریداروں کے کمانڈر حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے سب کو

(۱) سنةَ اللّٰه: فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے، أی سَنَّ اللّٰهُ ذلك (۲) بطن سے مجاور و ملاصق مراد ہے یعنی مکہ کے پاس (۳) أن: مصدریہ، أظفركم بتاویل مصدر ہو کر بعد کا مضاف الیہ۔

گرفتار کرلیا، اور صبح سب کو نبی ﷺ کے سامنے پیش کیا، آپؐ نے سب کو معاف کردیا تاکہ صلح میں رخنہ نہ پڑے، اس طرح دونوں طرف کے ہاتھ روک لئے تاکہ جنگ کی نوبت نہ آئے، اور حرم شریف کی حرمت پامال نہ ہو۔

ترجمہ: اور اگر تم سے یہ کفار لڑتے تو ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگتے، پھر ان کو نہ کوئی یار ملتا اور نہ کوئی مددگار () اللہ کا یہی دستور ہے، جو پہلے سے چلا آتا ہے، اور تو اللہ کے دستور میں ردوبدل نہیں پائے گا! —— اور اللہ تعالیٰ ہی نے ان کے ہاتھ تم سے روک دیئے، اور تمہارے ہاتھ ان سے روک دیئے، مکہ کے قریب، اس کے بعد کہ تم کو ان پر قابو دیدیا، اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو خوب دیکھ رہے تھے!

هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ۚ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۲۵﴾ اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۲۶﴾

هُمْ (۱)	وہی ہیں	وَالْهَدْيَ (۲)	اور (روکا) ہدی کو	مُّؤْمِنُوْنَ	ایماندار
الَّذِيْنَ	جنھوں نے	مَعْكُوْفًا	درانحالیکہ وہ روکی ہوئی ہے	وَنِسَآءٌ	اور کچھ عورتیں
كَفَرُوْا	نہیں مانا	اَنْ يَّبْلُغَ (۳)	پہنچنے سے	مُّؤْمِنٰتٌ	ایماندار
وَصَدُّوْكُمْ	اور روکا تمہیں	مَحِلَّهٗ	اس کی جگہ میں	لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ	نہیں جانا تم نے ان کو
عَنِ الْمَسْجِدِ	مسجد سے	وَلَوْلَا	اور اگر نہ ہوتے	اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ (۴)	کہ روندڈالوگے تم ان کو
الْحَرَامِ	محترم	رِجَالٌ	کچھ مرد	فَتُصِيْبَكُمْ	پس پہنچے گی تم کو

(۱) هم: مبتدا، الذين: خبر (۲) الهدیَ: کم پر معطوف، ضمیر متصل پر جب فصل ہوجائے عطف جائز ہے (۳) أن: مصدریہ، اور اس سے پہلے مِن محذوف أی من البلوغ۔ (۴) أن تطئوهم: هم سے بدل اشتمال ہے۔

مِّنْهُمْ	ان کی وجہ سے	عَذَابًا اَلِیْمًا	دردناک سزا	عَلٰی رَسُوْلِهٖ	اپنے رسول پر
مَّعَرَّةٌ (۱)	مضرت	اِذْ	(یادکرو) جب	وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ	اور مؤمنین پر
بِغَیْرِ عِلْمٍ	لاعلمی میں	جَعَلَ	گردانی	وَاَلْزَمَهُمْ	اور چپکائی ان پر
لِیُدْخِلَ	تاکہ داخل کریں	الَّذِیْنَ	جنھوں نے	كَلِمَةَ	بات
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	كَفَرُوْا	نہیں مانا	التَّقْوٰى	پرہیزگاری کی
فِیْ رَحْمَتِهٖ	اپنی مہربانی میں	فِیْ قُلُوْبِهِمُ	اپنے دلوں میں	وَكَانُوْٓا	اور تھے وہ
مَنْ یَّشَآءُ	جس کو چاہیں	الْحَمِیَّةَ (۳)	ہٹ (ضد)	اَحَقَّ	زیادہ حقدار
لَوْ تَزَیَّلُوْا (۲)	اگر ایک طرف ہوجاتے وہ	حَمِیَّةَ	ضد	بِهَا	اس کے
لَعَذَّبْنَا	ضرور سزا دیتے ہم	الْجَاهِلِیَّةِ	جاہلیت کی	وَاَهْلَهَا (۴)	اور اہل اس کے
الَّذِیْنَ	ان کو جنھوں نے	فَاَنْزَلَ	پس اتاری	وَكَانَ اللّٰهُ	اور ہیں اللہ تعالیٰ
كَفَرُوْا	نہیں مانا	اللّٰهُ	اللہ نے	بِكُلِّ شَیْءٍ	ہر چیز کو
مِنْهُمْ	ان میں سے	سَكِیْنَتَهٗ	سکینت	عَلِیْمًا	خوب جاننے والے

قریش کے سربراہوں نے بھی جنگ بھڑکانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی

جس طرح قریش کے جوانوں نے جنگ بھڑکانی چاہی تھی، ان کے سربراہوں نے بھی کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی تھی:

اول: تو انھوں نے دین اسلام کو ٹھکرادیا، جو اللہ کا سچا دین ہے، اور اس کی صداقت کے واضح دلائل موجود ہیں، اس کی سزا ان کو ملنی چاہئے اور وہ جہاد ہی سے ملے گی۔

دوم: کعبہ اور حرم شریف کامن پراپرٹی (مشترک جگہ) تھی، ہر عرب کو وہاں حج اور عمرہ کرنے کے لئے آنے کا حق تھا، مگر قریش کے بڑے اس کے لئے روادار نہیں ہوئے کہ مسلمانوں کو یہ حق دیں، انھوں نے طے کرلیا کہ مسلمانوں کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے یعنی وہ اس مشترک جگہ کے مالک بن بیٹھے، اس کی بھی سزا ان کو ملنی چاہئے۔

سوم: قربانی کے جو جانور بیت اللہ کی نذر کئے گئے ہیں، جن کو حرم میں ذبح کیا جانا ہے، ان کو بھی کفار نے حرم میں داخل ہونے سے روک دیا، وہ حدیبیہ میں داخلہ کے منتظر کھڑے ہیں، اس کی سزا بھی قریش کو ملنی چاہئے، اور وہ جنگ کی

(۱) **معرة:** اسم ہے: مضرت، نقصان اور لولا کا جواب بغیر علم کے بعد محذوف ہے، أی: لَقُضِيَ الأمرُ، ولكنه كفّها عنهم ليدخل بذلك الكف (۲) **تَزَيَّلُوْا:** الگ الگ ہونا (۳) **الحمية:** پچ، ضد، ہٹ (۴) **أهلها:** عطف تفسیری ہے۔

صورت ہی میں ملے گی، پس جنگ کا پورا ماحول کفار نے: جوانوں نے اور بڑوں نے، تیار کر دیا تھا۔

﴿هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ﴾

ترجمہ: وہی لوگ ہیں جنھوں نے دین اسلام کو نہیں مانا، اور تم کو مسجد حرام سے روک دیا، اور قربانی کے جانوروں کو روک دیا، درانحالیکہ وہ روکے ہوئے ہیں ان کی ذبح ہونے کی جگہ میں پہنچنے سے۔

ملحوظہ: حدیبیہ کا آدھا حصہ حرم میں ہے، اور آدھا باہر، حرم کی لکیر درمیان سے گذرتی ہے، صحابہ کا قافلہ باہر رکا تھا، اور قربانیاں حرم میں کی تھیں۔

وہ مصلحت جس کی وجہ سے اللہ نے حدیبیہ میں جنگ نہیں ہونے دی

جب جنگ کا ماحول پوری طرح تیار تھا، جوان اور بڑے جنگ کے لئے پر تول رہے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے جنگ کیوں نہیں ہونے دی؟ جواب یہ ہے کہ بالفعل ایمان لائے ہوؤں کی اور بالقوۃ ایمان لانے والوں کی حفاظت مقصود تھی بالفعل: یعنی جو ایمان لا چکے ہیں، مگر چھپے ہوئے ہیں، اور بالقوۃ: یعنی جو آئندہ ایمان لائیں گے، جن کے لئے ایمان مقدر ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ کچھ مسلمان مرد وزن جو مکہ میں پھنسے ہوئے تھے، جن سے مجاہدین واقف نہیں تھے، اگر جنگ ہوجاتی تو وہ انجانے میں مارے جاتے، اور اس نقصان پر بعد میں افسوس ہوتا، اس کے علاوہ بہت سے لوگوں کے لئے ایمان لانا علم الٰہی میں مقدر تھا، اگر ابھی جنگ ہوجاتی تو وہ مارے جاتے، اور ایمان سے محروم رہ جاتے —— ان دو وجوہ سے اللہ تعالیٰ نے فی الحال جنگ نہیں ہونے دی —— اگر کفار اور یہ دونوں قسم کے مسلمان الگ الگ ہوجاتے تو دنیا دیکھ لیتی کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے ہاتھوں کفار کو کیسی عبرت ناک سزا دلواتے ہیں۔

﴿وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا﴾

ترجمہ: اور اگر نہ ہوتے مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، جن کو تم نہیں جانتے —— یہ بالفعل (سردست) ایمان لانے والے ہیں —— کہ پیس ڈالو گے تم ان کو —— یعنی گھوڑوں کے پیروں میں روندے جائیں گے —— پس لاعلمی میں پہنچے گی تمہیں ان کی وجہ سے مضرت —— یعنی بعد میں اس قومی نقصان پر افسوس ہوگا —— اگر یہ بات نہ ہوتی تو سب قصہ نمٹا دیا جاتا، لیکن ایسا اس لئے نہیں کیا گیا —— تاکہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں جس کو چاہیں داخل کریں —— یہ بالقوۃ ایمان لانے والوں کا ذکر ہے —— اگر وہ لوگ وہاں سے ہٹ جاتے —— بالفعل ایمان لانے والوں کا جدا ہونا تو ممکن تھا، مگر بالقوۃ ایمان لانے والوں کا جدا ہونا ممکن نہیں تھا، کیونکہ ان کو خود بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ آئندہ ایمان

لائیں گے، اور اُن کی تعداد کا اندازہ اس سے لگائیں کہ غزوۂ حدیبیہ میں پندرہ سو صحابہ ہمرکاب تھے، اور اس کے دو سال بعد فتح مکہ کے موقع پر دس ہزار قدسیوں کا لشکر جرار ہمرکاب تھا، پھر وہ کیسے جدا ہوتے؟ —— پس ہم دردناک سزا دیتے ان میں سے —— مکہ والوں میں سے —— ان لوگوں کو جنھوں نے دین اسلام کو قبول نہیں کیا۔

صلح اس وقت ہوتی ہے جب کوئی ایک فریق نرم پڑے، اور وہی فریق اچھا ہوتا ہے!

نزاع میں اگر دونوں فریق بضد رہیں تو صلح نہیں ہوسکتی، ایک فریق نرم پڑے اور دوسرے کی ہٹ مان لے تبھی صلح ہوسکتی ہے، حدیبیہ میں کفار ضد سے بھر گئے تھے، اور ضد بھی نادانی والی! ان کی شرط تھی کہ امسال عمرہ کئے بغیر واپس جاؤ، آئندہ سال نہتے آؤ، اور مکہ میں صرف تین دن رہو، اور جو مسلمان مدینہ آئے اُسے واپس کرو، اور بسم اللہ اور محمد رسول اللہ نہیں لکھنے دیا، اگر مسلمانوں کی طرف سے بھی ہٹ ہوتی تو صلح کیسے ہوتی؟ جبکہ صلح ہونی تھی، اس کا مقصد حرم کو خون خرابہ سے بچانا تھا، چنانچہ نبی ﷺ نرم پڑ گئے، اور آپؐ نے ان کی ہر نامناسب شرط مان لی، کیونکہ جب حدیبیہ میں آپؐ کی اونٹنی بیٹھ گئی تھی تو آپؐ نے عہد کیا تھا کہ قریش جو بھی بات مجھ سے منوانا چاہیں گے جس میں حرم شریف کا احترام ہوگا: میں اس کو مان لونگا، اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر اور مؤمنین پر سکینت نازل فرمائی، ان کے دل دب کر صلح کرنے پر راضی ہوگئے، اور انھوں نے حرم کا احترام ملحوظ رکھا، اس کی حرمت وعظمت کو پامال نہیں ہونے دیا، اور وہی اس کے زیادہ حقدار تھے کہ حرم محترم کی عظمت ملحوظ رکھیں، کفار تو دکھاوے کی تعظیم کرتے تھے، مسلمان ہی دل سے تعظیم کرتے ہیں، جس کا اللہ تعالیٰ کو بخوبی علم تھا، اس طرح صلح ہوگئی۔ **فللّٰہ الحمد!**

﴿اِذْ جَعَلَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِیَّةَ حَمِیَّةَ الْجَاهِلِیَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰی وَكَانُوْۤا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا۝۲۶﴾

ترجمہ: (یاد کرو) جب ان کافروں نے اپنے دلوں میں ضد کو جگہ دی، نادانی والی ضد! پس اللہ نے اپنی سکینت نازل فرمائی اپنے رسول پر اور مؤمنین پر، اور ان کو تقوی کی بات سے لگائے رکھا —— یعنی انھوں نے حرم کا احترام ملحوظ رکھا —— اور وہ اس کے زیادہ حقدار اور زیادہ اہل تھے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والے ہیں! —— تقوی کے معنی ہیں: اللہ سے ڈر کر نافرمانی سے بچنا، اور اس کی بنیاد کلمۂ توحید ہے، مگر یہاں ماسیق لاجلہ الکلام (مقصودِ کلام) حرم کے ادب پر مضبوطی سے قائم رہنا ہے۔ مگر ارشاد پاک عام ہے اس لئے حدیث شریف میں: ﴿كَلِمَةَ التَّقْوٰی﴾ کی تفسیر **لا إلٰه إلا الله** سے کی گئی ہے، کیونکہ تمام تر تقوی وطہارت کی بنیاد یہی کلمہ ہے، جس کے اٹھانے اور حق ادا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اصحابِ رسول ﷺ کو چن لیا، اور بلاشبہ اللہ کے علم میں وہی اس کے مستحق اور اہل تھے (فوائد)

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ۭ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝۲۷

لَقَدْ	بخدا! واقعہ یہ ہے	الْمَسْجِدَ	مسجد	وَمُقَصِّرِيْنَ	اور کترواتے ہوئے
صَدَقَ	سچا دکھایا	الْحَرَامَ	محترم میں	لَا تَخَافُوْنَ	نہیں ڈر رہے ہوگے تم
اللّٰهُ	اللہ نے	اِنْ شَآءَ (۳)	اگر چاہا	فَعَلِمَ	پس جانی اللہ نے
رَسُوْلَهُ	اپنے رسول کو	اللّٰهُ	اللہ نے	مَا لَمْ تَعْلَمُوْا	وہ مصلحت جو تم نے نہیں جانی
الرُّءْيَا	خواب	اٰمِنِيْنَ	بہ اطمینان	فَجَعَلَ	پس گردانی
بِالْحَقِّ (۱)	واقع کے مطابق	مُحَلِّقِيْنَ	مونڈاتے ہوئے	مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ	اس سے وَرے
لَتَدْخُلُنَّ (۲)	ضرور داخل ہوؤگے تم	رُءُوْسَكُمْ	اپنے سروں کو	فَتْحًا قَرِيْبًا	جلدی ملنے والی فتح

خواب سچا دکھایا ہے، وقت پر ضرور شرمندۂ تعبیر ہوگا

حدیبیہ سے واپسی میں ایک بات مسلمانوں کے دلوں میں کھٹک رہی تھی، نبی ﷺ نے خواب دیکھا تھا کہ آپؐ صحابہ کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہوئے، بیت اللہ کا طواف کیا، اور احرام کھولا، پھر کیا ہوا کہ عمرہ کئے بغیر واپس لوٹ رہے ہیں، نبی کا خواب تو وحی ہوتا ہے، اس کا جواب دے رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو بالکل سچا خواب دیکھایا ہے، مگر اس کا وقت نہیں بتایا، تم ضرور مسجد حرام میں داخل ہوؤگے، اور اللہ نے چاہا تو اطمینان سے داخل ہوؤگے، اور عمرہ کر کے احرام کھولوگے، اور اس وقت تمہیں ڈر نہیں ہوگا، مگر اللہ تعالیٰ تمہاری ایک مصلحت جانتے ہیں، جس کو تم نہیں جانتے، اس لئے عمرہ سے پہلے تمہیں ایک فتح سے ہمکنار کریں گے، یہ ابھی پیشین گوئی ہے، بعد میں ظاہر ہوا کہ فتح قریب سے مراد فتح خیبر ہے۔

حدیبیہ میں صلح ذی قعدۃ سن ۶ ہجری میں ہوئی، وہاں سے لوٹ کر دو ماہ بعد نبی ﷺ نے محرم سن ۷ ہجری میں خیبر فتح کیا، پھر ذی قعدۃ سن ۷ ہجری میں شرط کے مطابق عمرۂ قضاء کے لئے تشریف لے گئے، آپؐ نے اور صحابہؓ نے ذوالحلیفہ سے عمرہ کا احرام باندھا، اور قریش کی جانب سے بدعہدی کے اندیشہ سے ہتھیار ساتھ لئے، جب وادیٔ یأجج پہنچے جو مکہ سے

(۱) بالحق: کائن سے متعلق ہوکر الرؤیا کا حال ہے (۲) لتدخلن: لام تاکید بانون تاکید ثقیلہ ہے، اور قطعی بات ہے، اس میں کھٹک کا احتمال ہی نہیں (۳) إن شاء اللہ: تعلیق مقدم ہے، آمنین سے اس کا تعلق ہے۔

آٹھ میل ہے تو ہتھیار وہاں رکھ دیئے، اور دو سو آدمی ان کی حفاظت کے لئے چھوڑ دیئے، اور صرف تلواریں میانوں میں رکھ کر مکہ میں داخل ہوئے، اور عمرہ کر کے شرط کے مطابق تین دن میں واپس ہوگئے، اس طرح خواب پورا ہوگیا۔

آیتِ پاک: —— اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھلایا، جو واقع کے مطابق ہے، تم ضرور مسجد حرام میں داخل ہوؤگے، اگر اللہ نے چاہا امن سے —— إن شاء الله کا تعلق آمنین کے ساتھ ہے، کیونکہ لتدخلن میں تاکید کا لام اور تاکید کی نون ثقیلہ ہے، جن کا ترجمہ 'ضرور' ہے، پس یہ تو پکا وعدہ ہے، اس میں کوئی کھٹک نہیں، البتہ بہ اطمینان داخلہ ہوگا یا جنگ کی نوبت آئے گی؟ اس کو اللہ کی مشیت پر معلق کیا ہے، تاکہ فوج نڈر نہ ہوجائے، بچاؤ کا سامان ساتھ لے کر چلے، چنانچہ صحابہ ہتھیار لے کر چلے تھے، اور مکہ کے قریب رکھ دیئے تھے، تاکہ اچانک پیش آنے والی صورت سے نمٹا جاسکے —— اور تعلیق: مقدم ومؤخر دونوں طرح ہوسکتی ہے، إن شاء الله أنتِ طالق اور أنتِ طالق إن شاء الله: دونوں طرح درست ہے —— اپنے سروں کو منڈاتے ہوئے اور بال کترواتے ہوئے —— اور احرام کھولتے وقت —— کسی طرح کا تمہیں ڈر نہیں ہوگا —— داخلہ کے وقت تو مزاحمت ہوسکتی تھی، مگر جب داخل ہوگئے اور افعال عمرہ بھی کر لئے تو اب کوئی اندیشہ نہیں رہا، کیونکہ کفار مکہ خالی کر کے باہر چلے گئے تھے —— سو اللہ نے وہ مصلحت جانی جو تم نے نہیں جانی، پس اس کے ورے —— یعنی خواب کی تعبیر پوری ہو اس سے پہلے —— ایک جلدی ملنے والی فتح گردانی —— مراد خیبر کی فتح ہے۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝۲۸ۭ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ڔ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ڗ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰي سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۭ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝۲۹ۧ

رکوع ۴

هُوَ	وہ	الَّذِيْٓ	جنھوں نے	اَرْسَلَ	بھیجا

رَسُوْلَهٗ	اپنے رسول کو	بَيْنَهُمْ	آپس میں	اَخْرَجَ	نکالی اس نے
بِالْهُدٰى	ہدایت کے ساتھ	تَرٰىهُمْ	دیکھتا ہے تو ان کو	شَطْـَٔهٗ (۴)	اپنی کونپل
وَدِيْنِ	اور دین	رُكَّعًا	رکوع کرنے والا	فَاٰزَرَهٗ (۵)	پس اس کو مضبوط کیا
الْحَقِّ	حق کے ساتھ	سُجَّدًا	سجدہ کرنے والا	فَاسْتَغْلَظَ (۶)	پس وہ موٹی ہوئی
لِيُظْهِرَهٗ (۱)	تاکہ غالب کریں وہ اس کو	يَبْتَغُوْنَ	چاہتے ہیں وہ	فَاسْتَوٰى (۷)	پس وہ کھڑی ہوئی
عَلَى الدِّيْنِ (۲)	ادیان پر	فَضْلًا	مہربانی	عَلٰى سُوْقِهٖ (۸)	اپنی نال پر
كُلِّهٖ	سارے	مِّنَ اللّٰهِ	اللہ کی	يُعْجِبُ	بھلی لگتی ہے
وَكَفٰى	اور کافی ہیں	وَرِضْوَانًا	اور خوشنودی	الزُّرَّاعَ	کسانوں کو
بِاللّٰهِ (۳)	اللہ تعالیٰ	سِيْمَاهُمْ	ان کی خاص علامت	لِيَغِيْظَ	تاکہ جل بھن جائیں
شَهِيْدًا	گواہ	فِيْ وُجُوْهِهِمْ	ان کے چہروں میں ہے	بِهِمُ	ان کی وجہ سے
مُحَمَّدٌ	محمد (ﷺ)	مِّنْ اَثَرِ	اثر سے	الْكُفَّارَ	کفار
رَّسُوْلُ	رسول ہیں	السُّجُوْدِ	سجدوں کے	وَعَدَ	وعدہ کیا ہے
اللّٰهِ	اللہ کے	ذٰلِكَ	یہ	اللّٰهُ	اللہ نے
وَالَّذِيْنَ	اور جو لوگ	مَثَلُهُمْ	ان کی حالت ہے	الَّذِيْنَ	ان سے جو
مَعَهٗ	ان کے ساتھ ہیں	فِي التَّوْرٰىةِ	تورات میں	اٰمَنُوْا	ایمان لائے
اَشِدَّآءُ	بہت سخت ہیں	وَمَثَلُهُمْ	اور ان کی حالت	وَعَمِلُوا	اور کئے انھوں نے
عَلَى الْكُفَّارِ	کافروں پر	فِي الْاِنْجِيْلِ	انجیل میں	الصّٰلِحٰتِ	نیک کام
رُحَمَآءُ	مہربان ہیں	كَزَرْعٍ	جیسے کھیتی	مِنْهُمْ	ان میں سے

(۱) إظهار: ظَهْر سے ہے: اس کے معنی ہیں: چت کرنا، أصلُ الإظهار: جعل الشيئ على الظهر (روح) اور چت کرنے کے دو طریقے ہیں، ایک: پیٹھ کے بل پچھاڑ کر سینے پر بیٹھ جانا، دوسرا: پیٹ کے بل پچھاڑ کر پیٹھ پر بیٹھ جانا، یہی اظہار ہے (۲) الدین: اسم جنس ہے، قلیل وکثیر کو شامل ہے، اس لئے صفت کله آئی ہے (۳) بالله: كفى کے فاعل پر باء زائد ہے، اور شهيداً: تمیز ہے (۴) شَطْءٌ: سوئی، کونپل: نئی چھوٹی ملائم پتی جو سب سے پہلے نکلتی ہے، جمع: أَشْطاء، شُطُوْءٌ (۵) آزَرَ الشيئَ: مضبوط کرنا، اور ضمیروں کا مرجع زَرْع ہے (۶) استغلظ النباتُ: موٹا ہونا (۷) اسْتوىٰ على: اوپر چڑھنا، بلند ہونا۔ (۸) السوق: الساق: تنا جس پر شاخیں نکلتی ہیں۔

مَّغْفِرَةً	بخشش کا	وَّاَجْرًا	اور ثواب کا	عَظِيْمًا	بڑا

اللہ تعالیٰ فتح پر فتح اس لئے دے رہے ہیں کہ اسلام کو جلد غلبہ حاصل ہو

گذشتہ آیت میں فتح قریب یعنی فتح خیبر کا ذکر آیا ہے، اور سورت کے شروع میں صلح حدیبیہ کو فتح مبین کہا ہے، اور چند دن کے بعد مکہ مکرمہ فتح ہوگا، وہ تو حقیقی فتح مبین ہے، یہ دھڑادھڑ امت کو فتوحات سے کیوں نوازا جارہا ہے؟ اس کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر کو برحق دین کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، اور اللہ کا فیصلہ ہے کہ دین اسلام تمام ادیان پر غالب ہوکر رہے، اس لئے پے درپے فتوحات سے نوازا جارہا ہے، غور کریں! صرف آٹھ سال کے عرصہ میں پورے جزیرۃ العرب میں دین کے پھیلنے کی راہ ہموار ہوگئی، آٹھ سال کیا ہوتے ہیں؟ مگر اللہ کا فیصلہ کوئی روک نہیں سکتا۔

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝۲۸﴾

ترجمہ: اور اللہ وہ ہیں جنھوں نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا، تاکہ وہ اس دین کو تمام ادیان پر غالب کردیں، اور اللہ کافی گواہ ہیں —— ہدایت اور دینِ حق ایک ہیں، عطف تفسیری ہے —— غالب کردیں: یعنی تمام ادیان کو چت کردیں، ان کی پیٹھ پر اسلام کو سوار کردیں، یعنی دیگر مذاہب ختم نہیں ہونگے، نیچے پڑے سسکتے رہیں گے —— حجت اور دلیل کے اعتبار سے تو آج بھی دین اسلام غالب ہے، کوئی دوسرا مذہب اس کے برابر کھڑا نہیں ہوسکتا —— اور سیاسی اعتبار سے بھی غالب تھا، جب امت دین پر عمل پیرا تھی، مگر جب امت کا حال بگڑ گیا تو پانسا پلٹ گیا، اللہ کی سنت ہے: ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ﴾: اللہ تعالیٰ اس وقت تک کسی قوم کی حالت قطعاً نہیں بدلتے جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدل دے، یعنی اللہ پاک کی سنت یہ ہے کہ جب کوئی قوم اپنی حالت بگاڑ لیتی ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی حالت کے بدلنے کا فیصلہ فرمادیتے ہیں، آج بھی امت سنور جائے تو اس کی بگڑی بن جائے۔

ایک مثال سے اس بات کی وضاحت: ایک دکان میں گیہوں کی چار بوریاں ہیں، ایک بوری: دکاندار نے مزدوروں سے صاف کراکر بھر رکھی ہے، دوسری میں جیسا کہ ہوتا ہے کلو دو کلو کوڑا ہے، تیسری میں بیس کلو کوڑا ہے، چوتھی میں بیس ہی کلو گیہوں ہے، باقی کوڑا ہے، پہلی بوری گاہک پچاس روپے زائد دے کر بھی اٹھائے گا، اور دوسری پوری قیمت پر لے گا، اور تیسری کو لیتے ہوئے ہچکچائے گا، ہاں دکاندار قیمت کم کردے تو لے گا، اور چوتھی کو کوئی ہاتھ نہیں لگائے گا، حالانکہ اس میں بیس کلو گیہوں ہیں، مگر وہ کوڑے کے ساتھ رلے ملے ہیں —— صحابہ اور بعد کے زمانوں کا حال پہلی اور دوسری بوری جیسا تھا، اس لئے اللہ کی مدد ان کو پہنچی، اور وہ دنیا پر چھا گئے، اور آج امت کا حال چوتھی بوری جیسا ہوگیا ہے، اس لئے خریدار اس کو ہاتھ نہیں لگاتا۔

اب کیا کیا جائے؟ اب دوہی صورتیں ہیں: ایک: یہ کہ بیس کلو گیہوں کو کوڑے سے الگ کرلیا جائے تو ان کی قیمت آئے گی، مگر ایسا کرنا ناممکن ہے۔ دوم: اسّی کلو کوڑے کو گیہوں بنالیا جائے، یہ ممکن ہے۔ انبیاء جب مبعوث ہوتے ہیں تو بوری میں سو فیصد کوڑا ہوتا ہے، وہ محنت کرکے اس کو سو فیصد گیہوں بنادیتے ہیں، پھر آج یہ بات کیوں ممکن نہیں؟ البتہ امت پر محنت کی ضرورت ہے، واللہ الموفق!

ملحوظہ: ﴿وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا﴾ کو معانقہ میں لینا چاہئے، اس کا ماسبق سے بھی تعلق ہوسکتا ہے اور مابعد سے بھی، ماقبل سے تعلق یہ ہے کہ اسلام غالب ہوکر رہے گا: اس کے اللہ تعالیٰ کافی گواہ ہیں، ابھی اس کے آثار نہیں، مگر اللہ تعالیٰ گواہی دے رہے ہیں کہ ایسا ہوکر رہے گا ــــ اور مابعد سے تعلق اس طرح ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ کے رسول ہیں اس کے گواہ اللہ تعالیٰ ہیں، اور وہ کافی گواہ ہیں، اور کسی گواہی کی ضرورت نہیں۔

حدیبیہ میں موجودین کی مدحت ومنقبت

اب آخری آیت میں جو حضرات حدیبیہ میں حاضر تھے ان کی تعریف وتوصیف ہے، اور پانچ باتیں بیان کرتے ہیں:

پہلی بات: حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ جو جماعتِ مجاہدین کے سرخیل ہیں وہ اللہ کے سچے نبی ہیں، یہی وہ بات ہے جس کو کفار نے صلح نامہ میں نہیں لکھنے دیا تھا، اللہ نے اپنی گواہی ثبت فرمائی کہ آپ اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں۔

دوسری بات: صحابہ کرام گرم بھی اور نرم بھی، دشمنوں کے حق میں نہایت سخت، مضبوط اور قوی، جس سے کافروں پر رعب پڑے، اور کفر سے نفرت اور بیزاری ظاہر ہو، اور اپنے بھائیوں کے حق میں نرم اور ہم درد، ان کے ساتھ تواضع اور انکساری سے پیش آتے ہیں۔

غیر مسلم کے ساتھ حسن سلوک جائز ہے، مگر دین کے معاملہ میں ڈھیلا نہ پڑے

تیسری بات: نمازیں کثرت سے پڑھتے ہیں، جب دیکھو رکوع وسجود میں پڑے ہیں، ان کو اللہ کے فضل اور خوشنودی کی تلاش ہے، اور کوئی دوسری غرض نہیں، نہایت اخلاص سے وظیفۂ عبودیت ادا کرتے ہیں۔

چوتھی بات: تورات میں ان کی یہ علامت ہے کہ نمازوں کی برکت سے ان کے چہرے پُر رونق ہونگے، ان کا خشوع باطن سے پھوٹ کر ان کے ظاہر کو روشن کررہا ہوگا، اور غیر متعصب اہل کتاب جن کو دیکھ کر پکار اٹھیں گے کہ یہ تو مسیح کے حواری معلوم ہوتے ہیں!

پانچویں بات: انجیل میں ان کی ایک تمثیل آئی ہے کہ وہ شروع میں کمزور ہونگے، مگر آہستہ آہستہ قوی ہوجائیں گے،

اتنے کہ کفاران کو دیکھ کر جل بُھن جائیں گے، مگر اللہ کو وہ بہت پسند ہونگے، چنانچہ اسلام کا آغاز ایک دو سے ہوا، حدیبیہ میں وہ کمزور تھے، کفاران کو دبا رہے تھے، مگر دو سال بعد فتح مکہ کے موقع پر دس ہزار ہوگئے، اور کافروں میں ان سے آنکھیں ملانے کی طاقت نہ رہی، اور حجۃ الوداع میں تو ایک لاکھ سے زائد ہوگئے، آسمان نے اتنا بڑا مجمع روئے زمین پر کبھی نہیں دیکھا تھا!

آخر میں اصحابِ حدیبیہ سے اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کے لئے مغفرت اور اجرِ عظیم ہے

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ٻ وَ مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ڗ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَــظَ فَاسْتَوٰى عَلٰي سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۭ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝۲۹﴾

ترجمہ: (۱) محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں (۲) اور جو لوگ (حدیبیہ میں) ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں بہت سخت ہیں، اور آپس میں مہربان ہیں (۳) (اے مخاطب) تو ان کو رکوع کرتے ہوئے اور سجدہ کرتے ہوئے دیکھتا ہے، وہ اللہ کی مہربانی اور خوشنودی کے طلب گار ہیں (۴) ان کی خاص نشانی ان کے چہروں میں ہے، سجدوں کے اثر سے، یہ ان کا تورات میں وصف ہے (۴) اور انجیل میں ان کا حال ہے: جیسے کھیتی، اس نے اپنی کونپل نکالی، پھر اللہ نے اس کو قوی کیا، پھر وہ موٹی ہوئی، پھر وہ اپنی نال پر سیدھی کھڑی ہوگئی، کسانوں کو (وہ کھیتی) بھلی معلوم ہوتی ہے، تاکہ کفاران کی وجہ سے جل بُھن جائیں (یہ مثال سے ممثل لہ کی طرف آگئے) —— اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ کیا ہے ان میں سے جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کئے (جد بن قیس جیسے منافق نکل گئے)

تفسیر: آیتِ کریمہ کی تفسیر میں چند وضاحتیں پیش ہیں:

پہلی بات: ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ﴾ میں نام مبارک کی صراحت مقتضائے حال کے مطابق ہے، قرآنِ کریم میں چار جگہ نام پاک محمدؐ کی صراحت آئی ہے، ایسا موقع کے تقاضے سے کیا ہے، یہاں صراحت اس لئے کی ہے کہ کفار نے صلح نامہ میں محمد رسول اللہ نہیں لکھنے دیا تھا، اس لئے اللہ نے اس پر اپنی گواہی ثبت کی ہے۔

دوسری بات: ﴿وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ﴾: جو حضرات محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہیں: اس سے مراد حدیبیہ میں حاضر صحابہ ہیں، پس عبارت النص کے اعتبار سے آیت خاص ہے، اور دیگر صحابہ کا حکم قیاس سے لیں گے کہ وہ بھی گرم بھی تھے اور نرم بھی، بلکہ ہر مؤمن ایسا ہی ہوتا ہے۔

تیسری بات: ﴿أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ﴾: وہ کافروں کے مقابلہ میں نہایت سخت ہیں، اس میں بوقت بیعت اور بوقت صلح صحابہ کے جوش وخروش اور غیظ وغضب کی پذیرائی ہے، جیسے بنونضیر کے درخت کاٹنے کو سورۃ الحشر (آیت ۵) میں درست قرار دیا ہے۔

چوتھی بات: ﴿رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾: وہ آپس میں مہربان ہیں، اس کی صراحت اس لئے کی کہ صحابہ کا اصل وصف سامنے آجائے، کیونکہ غصیلا آدمی ہر وقت غصہ کرتا ہے، سخت مزاج آدمی ہر ایک کے ساتھ سخت برتاؤ کرتا ہے، صحابہ کا مزاج ایسا نہیں تھا، وہ فی نفسہ رحم دل تھے، ہاں جب دشمنوں کا سامنا ہوتا تو ان کا پارہ چڑھ جاتا، مگر یہ ان کی عارضی حالت ہوتی تھی، آدمی زیادہ تر اپنوں کے ساتھ رہتا ہے، دشمن سے کبھی کبھی واسطہ پڑتا ہے، پس جو حالت اکثری احوال میں ہوتی ہے وہی اصلی ہوتی ہے، دوسری عارضی۔

پانچویں بات: ﴿رُكَّعًا سُجَّدًا﴾: رُکعا: راکع کی اور سجدا: ساجد کی جمع ہیں، نماز کے ارکان میں سے ان دو کی صراحت اس لئے کی ہے کہ لوگ ان دو ارکان کی اہمیت سے واقف نہیں، لوگ جلدی جلدی رکوع وسجود کرتے ہیں، حالانکہ بندہ سجدہ میں سب سے زیادہ اللہ سے قریب ہوتا ہے، پس ہر نماز میں خاص طور پر تہجد کی نماز میں جبکہ قراءت طویل ہو اس کے تناسب سے رکوع وسجود کرنے چاہئیں، نبی ﷺ تہجد میں پچاس آیتوں کے بقدر رکوع وسجود کرتے تھے۔

چھٹی بات: ﴿يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا﴾: وہ اللہ کے فضل وکرم اور رضا وخوشی کے طلب گار ہیں، یعنی ہر عبادت — خواہ نماز ہو، روزہ ہو، زکات ہو یا حج ہو — اللہ کو خوش کرنے کے لئے کرنی چاہئے، دوسرا کوئی مقصود نہیں ہونا چاہئے، ورنہ عبادت ریا وسُمعہ کے زمرہ میں داخل ہو کر بے کار ہو جائے گی۔

ساتویں بات: ﴿سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ﴾: ان کی خاص علامت ان کے چہروں میں ہے، وجوہ: وجہ کی جمع ہے: چہرہ: یعنی منہ: جس کا وضوء میں دھونا فرض ہے، فی جِباهِهم نہیں فرمایا، یعنی ان کی پیشانیوں میں، اس لئے ایک مفسر نے تو پیشانی کے کالے نشان کو جو سجدہ کی وجہ سے پڑ جاتا ہے (ڈالا جاتا ہے وہ مراد نہیں) مراد لیا ہے، باقی تمام مفسرین چہرہ کی رونق مراد لیتے ہیں۔

آٹھویں بات: ﴿من أثر السجود﴾: سجدوں کے اثر سے یعنی نماز پڑھنے سے، سجدوں سے نماز مراد ہے، جزء بول کر کل مراد لیا ہے، صرف سجدہ مراد نہیں، اور سجدہ کی تخصیص اس کی اہمیت کی وجہ سے کی ہے۔

نویں بات: ﴿ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ﴾: یہ ان کا وصف ہے تورات میں، ذلک کا مشار الیہ سیماهم ہے، یعنی صحابہ کے چہرے نمازوں کی وجہ سے پُر رونق ہونگے: یہ بات تورات میں مذکور ہے، مگر تورات اصلی صورت میں نہیں رہی،

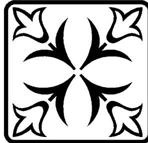
اوراس مضمون کی کوئی آیت موجودہ تورات میں نہیں ہے،اوراس کی ضرورت بھی نہیں،قرآن کا حوالہ کافی ہے،اور مفسرین جوعبارت نقل کرتے ہیں وہ صحابہ کے اس وصف سے متعلق نہیں، وہ نبی ﷺ کی نبوت سے متعلق ہے،اس لئے میں نے اس کونقل نہیں کیا۔

دسویں بات:﴿وَمَثَلُهُمْ فِي الإِنْجِيْلِ﴾:کومعانقہ میں لیا ہے یعنی اس کا تعلق دونوں طرف ہوسکتا ہے،مگر راجح تفسیر یہ ہے کہ﴿فِي التَّوْرَاةِ﴾ پروقف تام ہے،اوراس جملہ کا مابعد سے تعلق ہے،اور یہ مبتدا ہےاور﴿كَزَرْعٍ﴾خبر ہے اور قرینہ یہ ہے کہ اگر ماقبل سے تعلق ہوتا تو مثلھم دوبارہ لانے کی ضرورت نہیں تھی،اور یہ بات بھی موجودہ انجیل میں نہیں ہے،اور مفسرین جوحوالہ دیتے ہیں وہ بھی فٹ نہیں، وہ خدا کی بادشاہی سے متعلق ہے یعنی وہ حکومتِ اسلامیہ سے متعلق ہے،اوراس کے آخر میں درانتی لگانے کا بھی ذکر ہے یعنی زوال آجانا۔

گیارہویں بات: قرآنِ کریم میں جورموزاوقاف ہیں وہ توقیفی نہیں،اور معلوم نہیں یہ رموز کس نے لگائے ہیں،اور عربی اور عجمی مصاحف میں بعض جگہ اختلاف بھی ہے، پس ان رموز کوایک طرح کی تفسیر سمجھنا چاہئے،جس سے اختلاف ممکن ہے۔

بارہویں بات:﴿منهم﴾اس من کوشیعوں کے ایک بیہودہ استدلال سے بچنے کے لئے بیانیہ قرار دیا گیا ہے، حالانکہ من کے بعد ضمیر آئے تو وہ بیانیہ نہیں ہوتا،اسم ظاہر آئے تو بیانیہ ہوسکتا ہے، جیسے:﴿فَاجْتَنِبُوْا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ﴾: بتوں کی گندگی سے بچو[الحج ۳۰] پس یہ من تبعیضیہ ہے،اور منافقین کونکالنے کے لئے لایا گیا ہے،حدیبیہ میں بعض منافقین بھی تھے، جیسے جدّ بن قیس، جب بیعت لی جارہی تھی تو وہ اونٹ کے پیچھے چھپ گیا تھا،ایسے منافقین کو باہر کرنے کے لئے ﴿منهم﴾ بڑھایا ہے واللہ اعلم!

(اللہ کے فضل وکرم سے بروز بدھ یکم جمادی الاولیٰ سن ۱۴۳۷ھ مطابق ۱۰رفروری سن ۲۰۱۶ء کو سورۃ الفتح کی تفسیر پوری ہوئی)



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الحجرات

یہ مدنی سورت ہے، اس کا نزول کا نمبر ۱۰۶ ہے، اور سورۃ الفتح کا نزول کا نمبر ۱۱۱ تھا، دونوں سورتوں کے مضامین میں ارتباط ہے، اس لئے یکے بعد دیگرے ہیں۔ اس سورت کی چوتھی آیت میں لفظ الحجرات آیا ہے، اُس سے سورت کا نام رکھا ہے ـــــ حُجُرَات: حُجْرة کی جمع ہے، اس کے معنی ہیں: چہار دیواری، صحن، کوٹ، اب حجرۃ: کمرے کو کہتے ہیں، نزول قرآن کے وقت یہ معنی نہیں تھے، حجرۃ (کمرہ) کو بَیْت کہتے تھے، جس میں رات گذاری جائے، اس پر چھت ہوتی تھی، اور حجرۃ چہار دیواری کو کہتے تھے، جس پر چھت نہیں ہوتی تھی۔

نبی ﷺ کے مکانات مسجدِ نبوی کی جدار قبلی میں تھے، پہلے یہ مسجد کا پچھلا حصہ تھا، جب قبلہ بیت المقدس تھا تو محراب شمال کی طرف تھی، پھر جب تحویل قبلہ ہوئی تو محراب جنوب کی طرف آگئی، اس طرح مکانات جدار قبلی میں آگئے، اوران کو وہاں اس لئے باقی رکھا گیا کہ آپؐ کے متروکات صدقہ ہونگے، اور وہ سب مکانات مسجدِ نبوی میں آجائیں گے، ان کے دروازے مسجد کی طرف بھی کھلتے تھے، مگر وہ عام گذرگاہ نہیں تھے، وہ صرف نبی ﷺ کے مسجد میں تشریف لانے کے لئے تھے، اور مکانوں کی دوسری جانب صحن تھے، جو کوٹ میں گھرے ہوئے تھے، ان میں بیت الخلاء وغیرہ تھے، یہی چہار دیواریاں حجرات کا مصداق ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے الادب المفرد میں اور بیہقی نے داؤد بن قیس سے روایت کی ہے کہ میں نے ان حجرات کی زیارت کی ہے، میرا گمان یہ ہے کہ حجرۃ کے دروازے سے مسقّف بیت تک چھ ہاتھ ہوگا، اور بیت (کمرہ) دس ہاتھ، اور چھت کی اونچائی سات آٹھ ہاتھ ہوگی، یہ حجراتِ امہات المؤمنین ولید بن عبد الملک کی حکومت میں اُن کے حکم سے مسجدِ نبوی میں شامل کردیئے گئے (معارف القرآن)

سورتوں میں ارتباط: ـــــ حٰمٓ والی سات سورتوں میں اسلام کے تین بنیادی عقائد پیش کئے گئے ہیں:

۱- توحید یعنی لا إلٰہ إلا اللہ: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور لوگ جن معبودوں کو پوجتے ہیں وہ سب باطل ہیں۔

۲- رسالت: یعنی محمد رسول اللہ: محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، نبوت کا جو سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا تھا، اس کی آخری کڑی محمد عربی ﷺ ہیں، ان کی معرفت اللہ نے جو دین بھیجا ہے، جو قرآن وحدیث کی

شکل میں موجود ہے، وہی برحق دین ہے، اور اسی کی پیروی میں نجات ہے۔

۳- آخرت: یعنی یہ عالم ہمیشہ نہیں رہے گا، ایک دن ختم ہوجائے گا، اور دوسری دنیا آباد ہوگی، جہاں جزاؤسزا ہوگی، جو ایمان لایا ہے، اور اس کے مقتضا پر چلا ہے وہ جنت میں جائے گا، اور جس نے اللہ کے دین کا انکار کیا ہے وہ جہنم میں جائے گا۔

اسلام کے ان تین بنیادی عقائد کو چاردانگِ عالم پھیلانا امتِ مسلمہ کی ذمہ داری ہے، اور اگر کوئی دعوت کی راہ میں روڑا اٹکائے تو اس کی سرکوبی بھی امت کی ذمہ داری ہے، اس لئے حوامیم کے بعد سورۃ محمدؐ آئی، اس کی پہلی آیت ہے: ﴿الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ﴾: جن لوگوں نے دین اسلام قبول نہیں کیا، اور انھوں نے اللہ کے راستہ سے روکا: اللہ نے ان کے سب کام کھودیئے، یعنی اللہ کا انکار کرنے والوں کو زندہ رہنے کا حق ہے، مگر اللہ کے دین سے روکنے کا حق نہیں، جو لوگ دعوتِ اسلام کی راہ میں کانٹے بچھاتے ہیں ان کے ساتھ جہاد فرض ہے، چنانچہ پوری سورۂ محمدؐ میں جہاد کے احکام ہیں۔

پھر اگر جہاد مسلسل چلتا رہے تو ایک دن فتح مبین حاصل ہوگی، اسلام کا جھنڈا بلند ہوگا، دعوت کی راہ صاف ہوگی، اور آخری درجہ کی کامیابی حاصل ہوگی، پوری سورۃ الفتح میں اسی کا بیان ہے۔

پھر جب فتح مبین حاصل ہوجائے تو ملک اپنا ہوگا، اب اس کو سنوارنے کے لئے جدوجہد کا آغاز کرنا ہوگا، سورت الحجرات میں اس سلسلہ کے احکام ہیں، اس سورت پر یہ ضمنی مضامین پورے ہوجائیں گے، پھر سورۃ قٓ سے پیچھے لوٹیں گے، اور وہی تین بنیادی عقائد کا بیان شروع ہوگا۔

> جہاد کے ذریعہ جب فتح مبین حاصل ہوجائے اور ملک اپنا ہوجائے تو اس کو سنبھالنے اور سنوارنے کے لئے جِد وجُہد ضروری ہے، ورنہ جہاد لاحاصل ہوگا

دو سورتوں میں ارتباط: سورۃ الفتح کے آخر میں حدیبیہ میں موجود صحابہ کی مدحت ومنقبت تھی، اور اس سورت کے شروع میں نبی ﷺ کی تعظیم وتکریم کا حکم ہے، دونوں میں ربط یہ ہے کہ صلح چونکہ صحابہ کی مرضی کے خلاف ہوئی تھی، اس لئے بعض صحابہ نے اس سلسلہ میں نبی ﷺ سے بے باکی کے ساتھ گفتگو کی تھی، بخاری شریف (حدیث ۳۱۸۲) میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی گفتگو کا تذکرہ ہے، اس لئے اس سورت کے شروع میں نبی ﷺ کی تعظیم وتکریم کا حکم دیا، تاکہ آئندہ اس قسم کا کوئی واقعہ پیش نہ آئے۔

آیاتہا ۱۸ (۴۹) سُوْرَةُ الْحُجُرٰتِ مَدَنِيَّةٌ (۱۰۶) رکوعاتہا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ① يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ② اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ③ اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ④ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑤

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے لوگو جو	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	صَوْتِ النَّبِيِّ	نبی کی آواز کے
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	سَمِيْعٌ	ہر بات سننے والے	وَلَا تَجْهَرُوْا (۲)	اور نہ زور سے کہو
لَا تُقَدِّمُوْا (۱)	نہ آگے کرو (قول وفعل)	عَلِيْمٌ	ہر کام جاننے والے ہیں	لَهٗ	ان کے سامنے
بَيْنَ يَدَيِ	سامنے	يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے لوگو جو	بِالْقَوْلِ	بات
اللّٰهِ	اللہ کے	اٰمَنُوْا	ایمان لائے	كَجَهْرِ	جیسے زور سے کہنا
وَرَسُوْلِهٖ	اور اس کے رسول کے	لَا تَرْفَعُوْۤا	نہ بلند کرو	بَعْضِكُمْ	تمہارے بعض کا
وَاتَّقُوا	اور ڈرو	اَصْوَاتَكُمْ	اپنی آوازیں	لِبَعْضٍ	بعض سے
اللّٰهَ	اللہ سے	فَوْقَ	اوپر	اَنْ (۳)	کبھی

(۱) لَاتُقَدِّمُوْا: فعل نہی، صیغہ جمع مذکر حاضر، قَدَّمَ تقدیما: آگے کرنا، لاتقدموا کا مفعول چھوڑ دیا گیا ہے، أی القولَ والفعلَ، جیسے یُعطی ویَمنع اور کلوا وشربوا کے مفاعیل چھوڑ دیئے گئے ہیں (۲) جَهَرَ به: زور سے کہنا (۳) أن: أی خشیةَ أن: أن: محذوف کا مضاف الیہ ہوکر مفعول لہٗ ہے، اور أن مصدریہ ہے تحبط کو بتاویل مصدر کرتا ہے، أی خشیةَ حَبْطِ الأعمال۔

تَحْبَطَ	اکارت جائیں	امْتَحَنَ(۲)	جانچ لیا ہے	اَكْثَرُهُمْ	ان کے اکثر
اَعْمَالُكُمْ	تمہارے کام	اللّٰهُ	اللہ نے	لَا يَعْقِلُوْنَ	سمجھ نہیں رکھتے
وَاَنْتُمْ	اور تمہیں	قُلُوْبَهُمْ	ان کے دلوں کو	وَلَوْ اَنَّهُمْ	اور اگر یہ بات ہوتی کہ وہ
لَا تَشْعُرُوْنَ	خبر بھی نہ ہو	لِلتَّقْوٰى	بچنے کے لئے	صَبَرُوْا	صبر کرتے
اِنَّ الَّذِيْنَ	بے شک جو لوگ	لَهُمْ	ان کے لئے	حَتّٰى تَخْرُجَ	تا آنکہ آپؐ نکلتے
يَغُضُّوْنَ(۱)	پست رکھتے ہیں	مَّغْفِرَةٌ	بخشش	اِلَيْهِمْ	ان کی طرف
اَصْوَاتَهُمْ	اپنی آوازیں	وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ	اور بڑا بدلہ ہے	لَكَانَ خَيْرًا	تو بہتر ہوتا
عِنْدَ رَسُوْلِ	اللہ کے رسول کے	اِنَّ الَّذِيْنَ	بے شک جو لوگ	لَّهُمْ	ان کے لئے
اللّٰهِ	سامنے	يُنَادُوْنَكَ	آپؐ کو پکارتے ہیں	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
اُولٰٓئِكَ	یہی لوگ وہ ہیں	مِنْ وَّرَآءِ	پیچھے سے	غَفُوْرٌ	بڑے بخشنے والے
الَّذِيْنَ	جو	الْحُجُرٰتِ	دیواروں کے	رَّحِيْمٌ	بڑے رحم والے ہیں

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

آیاتِ پاک کا خلاصہ

ان آیات میں نبی پاک ﷺ کی تعظیم و تکریم کے تعلق سے دو حکم ہیں، اور ہر حکم کے شروع میں ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ ہے:

پہلا حکم: لوگ اقوال وافعال میں نبی ﷺ سے سبقت نہ کریں، اس حکم کا تعلق معنوی تعظیم سے ہے، اور یہ اہم ہے، اس لئے اس کو مقدم کیا۔

دوسرا حکم: دو اجزاء پر مشتمل ہے: اول: لوگ اپنی آواز نبی ﷺ کی آواز سے بلند نہ کریں، دوم: لوگ آپؐ سے چلا کر خطاب نہ کریں، اس حکم کا تعلق حسی تعظیم سے ہے، پھر جزاول کی ضد یعنی پست آواز سے بات کرنے کی فضیلت ہے، پھر جزء دوم کی ضد یعنی چلا کر بات کرنے کی فضیحت (رسوائی) ہے۔

پہلا حکم: لوگ نبی ﷺ سے قول وفعل میں سبقت نہ کریں

قول میں سبقت کی صورت یہ ہے کہ جس معاملہ میں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے حکم ملنے کی توقع ہو اس معاملہ

(۱) غَضَّ (ن) غَضًّا صوتَه: آواز پست کرنا (۲) امتحن امتحانا: جانچنا، پرکھنا، آزمانا۔

میں بڑھ کر اپنی رائے نہ دیں، حکم رسول کا انتظار کریں، اسی طرح جب تک قرائن قویہ سے یا بالتصریح گفتگو کی اجازت نہ ہو گفتگو شروع نہ کریں، شانِ نزول کے واقعہ میں ہے کہ ایک مرتبہ بنو تمیم کے لوگ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، یہ بات زیرِ غور تھی کہ اس قبیلہ پر حاکم کس کو بنایا جائے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قعقاع کی رائے دی، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اقرع کی، مجلس نبوی میں دونوں میں گفتگو بڑھ کر آوازیں بلند ہوگئیں، اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

اور فعل میں سبقت: آپؐ کے آگے چلنا ہے، صحابۂ کرامؓ نبی ﷺ کے آگے نہیں چلتے تھے، دائیں، بائیں چلتے تھے، پیچھے بھی نہیں چلتے تھے، آپؐ کی ایڑی کو کوئی روندتا نہیں تھا، پس شاگرد اور مرید جو استاذ اور پیر کے پیچھے چلتے ہیں: وہ اسوۂ صحابہ کے خلاف ہے۔

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے سبقت مت کیا کرو، اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ تعالیٰ خوب سننے والے، سب کچھ جاننے والے ہیں — اللہ کا ڈر: احکام پر کما حقہ عمل کی بنیاد ہے، قانون تنہا کچھ نہیں کرسکتا، خوفِ خدا نہ ہو تو آدمی ہزار عذر تراش لیتا ہے، ہر بدعمل خود کو نیک عمل گمان کرتا ہے، یہ خود فریبی ہے، تقوی اس سے بچاتا ہے، مگر کب؟ جب یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ ہر بات سن رہے ہیں، اور ہر حال دیکھ رہے ہیں۔

دوسرا حکم: لوگ نبی ﷺ سے اونچی آواز سے بات نہ کریں نہ چلا کر خطاب کریں

لوگ نبی ﷺ سے تعظیم واحترام کے لہجہ میں ادب وشائستگی سے بات کریں، اپنی آواز کو آپؐ کی آواز سے بلند نہ ہونے دیں، پیغمبرانہ مرتبہ کا پورا لحاظ رکھیں، اور چلا کر تو ہرگز خطاب نہ کریں، مبادا بے ادبی ہوجائے، اور قلب مبارک میں تکدر آجائے تو لٹیا ڈوب جائے گی، اور ایمان کے لالے پڑ جائیں گے اور وہ خواب خرگوش میں ہونگے!

جو لوگ نبی ﷺ کی مجلس میں تواضع اور ادب وعاجزی سے بولتے ہیں، اور نبی ﷺ کی آواز سے اپنی آواز پست رکھتے ہیں، انہیں کے دل تقوی کا محل ہیں، اللہ نے ان کے قلوب کو پرکھ کر ان میں تقوی کا بیج بویا ہے، اُس اخلاص وحق شناسی کی برکت سے آخرت میں ان کی سب کوتاہیاں معاف ہونگی اور ان کو بڑا اجر وثواب ملے گا۔

اور بنو تمیم کے لوگ ایسے وقت پہنچے تھے کہ آپؐ گھر میں تشریف رکھتے تھے، وہ کوٹ کے باہر سے آواز دینے لگے: اے محمد! باہر آیئے! یہ بے عقلی، بے تہذیبی اور قدر ناشناسی تھی، اگر وہ کچھ دیر صبر کرتے، جب آپؐ خود باہر تشریف لاتے اس وقت ملتے تو کیا بگڑ جاتا؟ بلکہ ان کے حق میں بہتر ہوتا، آپؐ کے دل میں ان کی قدر بڑھتی، خیر جو بات اتفاقاً سرزد ہوگئی، اگر وہ اپنی تقصیر پر نادم ہوں تو اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہیں۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَاۗءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند مت کرو، اور ان سے ایسے کھل کر مت بولو جیسے تم آپس میں کھل کر بولتے ہو، کبھی تمہارے اعمال برباد ہوجائیں، اور تم کو خبر بھی نہ ہو○ بے شک جو لوگ اپنی آوازیں اللہ کے رسول کے سامنے پست رکھتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقوی (بے ادبی سے بچنے) کے لئے پرکھ لیا ہے یعنی قابل پایا ہے، ان کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے○ بے شک جو لوگ چہار دیواریوں کے پیچھے سے آپؐ کو پکارتے ہیں، ان میں سے اکثر ناسمجھ ہیں○ اور اگر وہ لوگ صبر کرتے، یہاں تک کہ آپؐ ان کے پاس نکل آتے، تو وہ ان کے لئے بہتر ہوتا، اور اللہ غفور الرحیم ہیں!

لوگوں کی ذہن سازی کرنی چاہئے کہ وہ چھوٹے بڑوں میں فرقِ مراتب کریں

سوال: نبی ﷺ اب دنیا میں نہیں رہے، پھر اس مضمون کی افادیت کیا ہے؟

جواب: علماء صلحاء آپؐ کے جانشین ہیں، نیز قرآن وحدیث بھی موجود ہیں، پس ان کے ساتھ یہی آداب برتنے چاہئیں۔ علاوہ ازیں: یہ ایک موٹی حقیقت ہے کہ لوگوں میں فرق مراتب ہے، بادشاہ اور رعایا، مالک اور ملازم، علماء وصلحاء اور عام مسلمان، ماں باپ اور اولاد، استاذ اور شاگرد، پیر اور مرید، شوہر اور بیوی، بوڑھے اور بچے برابر نہیں، پس اگر معاشرہ میں فرقِ مراتب کا لحاظ نہیں رکھا جائے گا تو صورتِ حال پراگندہ ہوجائے گی، اس لئے مصلحین امت کی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں کی ذہن سازی کریں کہ وہ فرقِ مراتب کا لحاظ رکھیں تاکہ معاشرہ خوش گوار ہو۔ اور اس کے لئے اس مضمون کو پیشِ نظر رکھیں، نبی: امت کا بڑا اور برگزیدہ ہوتا ہے اور امت اس کی پروردہ، ان کے مابین جن آداب کا لحاظ ضروری ہے، درجات کا فرق کرکے تمام چھوٹوں بڑوں میں ان کا خیال رکھنا ضروری ہے، حدیث میں یہ واقعہ ہے کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے آگے چل رہے تھے، نبی ﷺ نے دیکھا تو تنبیہ کی اور فرمایا: ''کیا تم ایسے شخص کے آگے چلتے ہو جو دنیا وآخرت میں تم سے بہتر ہے؟'' —— اور علماء نے لکھا ہے کہ استاذ اور مرشد کے ساتھ بھی یہی آداب ملحوظ رکھنے چاہئیں۔

چھوٹوں بڑوں کا ایک دوسرے کو نام سے پکارنا

بڑا: چھوٹے کو نام سے پکارے تو چھوٹے کو خوشی ہوتی ہے، اور چھوٹا: بڑے کو نام سے پکارے تو بے ادبی سمجھی جاتی ہے۔ نبی ﷺ اور صحابہ: ازواج واولاد کو نام سے پکارتے تھے، مگر ازواج: شوہروں کو نام سے نہیں پکارتی تھیں، بلکہ کنیت یا لقب استعمال کرتی تھیں، یہی اسلامی طریقہ ہے، اور لوگ بڑی حد تک اس کا خیال رکھتے ہیں، مگر آج کل ایک فیشن چلا ہے، میاں بیوی ایک دوسرے کو نام سے پکارتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اس سے محبت بڑھتی ہے، حالانکہ شوہر کو نام سے پکارا جائے تو محبت گھٹتی ہے، عظمت کے ساتھ کنیت یا لقب سے پکارے تو محبت بڑھے گی۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَاۗءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰي مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ۝ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۭ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	اَنْ [۳]	(کہیں ایسا نہ ہو) کہ	نٰدِمِيْنَ	پشیمان
اٰمَنُوْٓا	ایمان لائے	تُصِيْبُوْا	پہنچو تم	وَاعْلَمُوْٓا	اور جان لو
اِنْ جَاۗءَكُمْ	اگر آئے تمہارے پاس	قَوْمًۢا	کسی قوم کو	اَنَّ فِيْكُمْ [۴]	کہ تم میں
فَاسِقٌۢ [۱]	کوئی غیر معتبر آدمی	بِجَهَالَةٍ	نادانی سے	رَسُوْلَ اللّٰهِ	اللہ کے رسول ہیں
بِنَبَاٍ	کسی خبر کے ساتھ	فَتُصْبِحُوْا	پس ہو جاؤ تم	لَوْ يُطِيْعُكُمْ	اگر کہا مانیں وہ تمہارا
فَتَبَيَّنُوْٓا [۲]	تو تحقیق کرو	عَلٰي مَا فَعَلْتُمْ	اپنے کئے پر	فِيْ كَثِيْرٍ	بہت سے

(۱) فاسق: اسم فاعل، فسق کے لغوی معنی ہیں: کھجور کا اپنے چھلکے کے اندر سے باہر نکل آنا، کہا جاتا ہے: فَسَقَتِ الرُّطَبَةُ عن قِشرها، پھر راستی (اعتباریت) سے نکل جانے اور دینداری سے نکل جانے کے لئے یہ لفظ استعمال کیا گیا، پس، شریر، غیر معتبر اور گنہگار ترجمے ہو سکتے ہیں (۲) تَبَيَّنَ الشيئَ: غور کرنا، پتہ لگانا، معلوم کر لینا۔ (۳) أن: مصدریہ ہے، اور مضاف خشية محذوف ہے، پھر مفعول لہٗ ہے (۴) فیکم: أن کی خبر مقدم ہے۔

مِنَ الْاَمْرِ	کاموں میں	فِيْ قُلُوْبِكُمْ	تمہارے دلوں میں	الرّٰشِدُوْنَ	نیک راہ
لَعَنِتُّمْ (۱)	ضرور مشقت میں پڑ	وَكَرَّهَ	اور ناپسند کیا	فَضْلًا (۲)	فضل سے
	جاؤتم	اِلَيْكُمُ	تمہارے لئے	مِّنَ اللّٰهِ	اللہ کے
وَلٰكِنَّ اللّٰهَ	لیکن اللہ تعالیٰ نے	الْكُفْرَ	انکار کو	وَنِعْمَةً (۳)	اور نعمت سے (اس کی)
حَبَّبَ اِلَيْكُمُ	محبوب کیا تمہارے لئے	وَالْفُسُوْقَ	اور حد سے نکلنے کو	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
الْاِيْمَانَ	ایمان کو	وَالْعِصْيَانَ	اور نافرمانی کو	عَلِيْمٌ	خوب جاننے والے
وَزَيَّنَهٗ	اور مزین کیا اس کو	اُولٰٓئِكَ هُمُ	یہی ہیں وہ	حَكِيْمٌ	بڑی حکمت والے ہیں

غیر معتبر آدمی کوئی خبر لائے تو تحقیق کے بغیر اقدام نہ کریں

رسول اللہ ﷺ کی تعظیم وتکریم کے احکام کے بعد یہ حکم اس لئے آیا ہے کہ اس حکم کے ضمن میں بھی نبی ﷺ کی موجودگی کی اہمیت کا بیان ہے، پس یہ حکم بھی اُسی قبیل سے ہے۔

ایک واقعہ پیش آیا تھا، اس کے تعلق سے عام الفاظ میں حکم نازل ہوا ہے، پس آیت مورد سے عام ہے۔ واقعہ یہ پیش آیا تھا کہ بنوالمصطلق کے سردار حارث بن ضرار جب مسلمان ہوئے تو انھوں نے قبیلہ کو دعوتِ ایمان دینے کی ذمہ داری لی، اور عرض کیا کہ جو لوگ مسلمان ہونگے ان کی زکاتیں وصول کرکے جمع کروں گا، آپؐ فلاں مہینہ کی فلاں تاریخ کو اپنا آدمی بھیجیں جو مال لے آئے، آپؐ نے حسبِ وعدہ ولید بن عقبہؓ کو بھیجا، جب وہ قبیلہ کے قریب پہنچے تو لوگ استقبال کے لئے نکلے، ان کی اس قبیلہ سے پرانی دشمنی تھی، انھوں نے گمان کیا کہ لوگ مجھے مارنے کے لئے آرہے ہیں، وہ راستہ ہی سے لوٹ آئے، اور آکر نبی ﷺ سے کہہ دیا کہ وہ لوگ آمادۂ پیکار ہیں، اتنے میں قبیلہ کے لوگ بھی آپہنچے، اور انھوں نے صورتِ حال سے واقف کیا، اس پر یہ آیات نازل ہوئیں:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ۝﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر کوئی غیر معتبر آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو خوب تحقیق کرلیا کرو، کبھی کسی قوم کو نادانی سے کوئی ضرر پہنچادو، پھر اپنے کئے پر پچھتانا پڑے! —— یعنی خبر کا تعلق خاص طور پر جنگ سے ہو تو اس کی تحقیق نہایت

(۱) عَنِتُّم: ماضی، جمع مذکر حاضر، عَنِتَ (س) فلان: مصیبت ومشقت میں پڑنا، تکلیف اٹھانا (۲) فضلاً: فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے، أی أَفْضَلَ فضلاً (۳) نعمة کے بعد منه پوشیدہ ہے۔

ضروری ہے۔

تحقیق کے لئے بات ذمہ دار کے سامنے پیش کی جائے

خبر کی تحقیق ہر شخص نہیں کرسکتا، اس لئے بات ذمہ دار کے سامنے پیش کی جائے، وہ اپنے ذرائع سے تحقیق کر کے جو حکم دے اس کی تعمیل کی جائے، حیاتِ نبوی میں سب سے بڑی شخصیت آپؐ ہی کی تھی، لہٰذا بات آپؐ کے سامنے پیش کی جائے، پھر اگر آپؐ رائے مانگیں تو دی جائے، مگر اپنی رائے پر اصرار نہ کیا جائے، اگر وہ لوگوں کی ہر بات مان لیں تو لوگوں کو ضرر پہنچے گا، وہ اپنی صوابدید سے فیصلہ کریں، اور لوگ اس کی تعمیل کریں ـــــ اور اب ملک کا بڑا، اگر خبر عالمی ہو یا علاقہ کا بڑا، اگر خبر مقامی ہو: نبی ﷺ کی جگہ لے گا۔

﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۭ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ﴾

ترجمہ: اور جان لو کہ تم میں اللہ کے رسول ہیں، اگر وہ تمہارا کہنا مانیں بہت سی باتوں میں تو تم مضرت میں پڑ جاؤ!

فضائل صحابہ

پھر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تین فضیلتیں بیان کی ہیں: ایک: مثبت پہلو سے: صحابہ کو ایمان بہت پیارا ہے، وہ ان کے دلوں میں کُھب (سما) گیا ہے، دوم: منفی پہلو سے: کفر وفسق وعصیان سے ان کو سخت نفرت ہے، وہ ان کے قریب بھی نہیں جاسکتے، سوم: عام پہلو سے: وہ راہِ راست پر ہیں، اور یہ بات ان کو اللہ کے فضل وانعام سے حاصل ہوئی ہے، اور اللہ تعالیٰ علیم وحکیم ہیں، وہ بندوں کی استعدادوں سے واقف ہیں، پس وہ ہر ایک کو اپنی حکمت سے احوال ومقامات سے سرفراز فرماتے ہیں۔

فائدہ: لکن: استدراک کے لئے ہے یعنی سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا صحابہ میں کسی کوتاہی کا احتمال تھا جو یہ احکام دیئے جارہے ہیں؟ جواب: ان میں کسی کوتاہی کا احتمال نہیں تھا، ان کے تو یہ اور یہ فضائل ہیں، یہ احکام تو ان کو مخاطب بنا کر امت کو دیئے ہیں، جیسے نبی ﷺ کو مخاطب کر کے احکام امت کو دیئے جاتے ہیں۔

﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝ۙ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝﴾

ترجمہ: لیکن اللہ نے تم کو ایمان کی محبت دی، اور اس کو تمہارے دلوں میں مزین کردیا، اور کفر وفسق وعصیان سے تمہیں متنفر کردیا، یہی لوگ راہ راست پر ہیں، اللہ کے فضل وانعام سے، اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والے، بڑی حکمت والے ہیں! ـــــ دو دائرے ہیں: ایک: بڑا دائرہ ہے، دو دین کا دائرہ ہے، اس سے جو نکل جاتا ہے وہ کافر ہے۔ دوسرا: چھوٹا

دائرہ ہے، وہ دین داری کا دائرہ ہے، اس سے جو نکل جاتا ہے وہ فاسق ہے، اور عصیان (نافرمانی) عام ہے۔

وَ اِنْ طَآىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰى تَفِیْٓءَ اِلٰۤى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَ اَقْسِطُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ۝۹ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْكُمْ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝۱۰ ع

وَ اِنْ	اور اگر	الَّتِیْ	اس سے جو	یُحِبُّ	پسند کرتے ہیں
طَآىِٕفَتٰنِ	دو فریق	تَبْغِیْ	بغاوت کر رہا ہے	الْمُقْسِطِیْنَ	انصاف کرنے والوں کو
مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ	مسلمانوں کے	حَتّٰى تَفِیْٓءَ (۲)	یہاں تک کہ لوٹے وہ	اِنَّمَا	اس کے سوا نہیں کہ
اقْتَتَلُوْا	آپس میں لڑیں	اِلٰۤى اَمْرِ	حکم کی طرف	الْمُؤْمِنُوْنَ	مسلمان
فَاَصْلِحُوْا	تو ملاپ کرا دو	اللّٰهِ	اللہ کے	اِخْوَةٌ	بھائی ہیں
بَیْنَهُمَا	دونوں کے درمیان	فَاِنْ فَآءَتْ	پس اگر لوٹ گیا وہ	فَاَصْلِحُوْا	پس ملاپ کراؤ
فَاِنْۢ	پس اگر	فَاَصْلِحُوْا	تو ملاپ کرا دو	بَیْنَ اَخَوَیْكُمْ (۴)	اپنے دو بھائیوں کے درمیان
بَغَتْ (۱)	بغاوت کرے	بَیْنَهُمَا	دونوں کے درمیان	وَاتَّقُوْا	اور ڈرو تم
اِحْدٰىهُمَا	دونوں میں سے ایک	بِالْعَدْلِ	برابری کے ساتھ	اللّٰهَ	اللہ سے
عَلَى الْاُخْرٰى	دوسرے پر	وَ اَقْسِطُوْا (۳)	اور انصاف کرو	لَعَلَّكُمْ	تا کہ تم
فَقَاتِلُوْا	پس لڑو تم	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	تُرْحَمُوْنَ	رحم کیے جاؤ

مسلمانوں میں کوئی نزاع پیش آئے تو فریقین میں انصاف کے ساتھ صلح صفائی کرا دینی چاہئے

گذشتہ آیات جس واقعہ میں نازل ہوئی ہیں: اُس میں خبر صحیح نہیں تھی، مگر کبھی خبر صحیح ہوتی ہے، مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑتی ہیں، پس حکام اور سر برآوردہ لوگ پوری کوشش کریں کہ نزاع رفع دفع ہو جائے، عہد نبوی میں متعدد واقعات پیش آئے ہیں، نبی ﷺ نے فریقین کے درمیان صلح کرا دی ہے، کیونکہ آگ شروع میں معمولی ہوتی ہے،

(۱) بغی علیہ: بغاوت کرنا، مخالفت کرنا (۲) فاء یفیء فَیْئًا: لوٹنا، باز آنا، اصلی حالت پر آنا (۳) إقساط: انصاف کرنا (۴) أخ کا تثنیہ أخوین: اضافت کی وجہ سے نون گر گیا۔

مگر جب بڑھ جاتی ہے تو قابو سے باہر ہو جاتی ہے، اس لئے شروع ہی میں اس کی طرف توجہ کرنی چاہئے۔

لیکن اگر کامیابی نہ ہو، ایک فریق اینٹھا رہے تو بھی یکسو ہو کر نہیں بیٹھنا چاہئے، جس کی زیادتی ہو اس پر دباؤ بنانا چاہئے، تاکہ وہ مجبور ہو کر زیادتی سے باز آئے، اور اللہ کے حکم کی طرف رجوع ہو کر صلح کے لئے تیار ہو جائے، اس وقت فریقین میں مساوات اور انصاف کے ساتھ صلح اور میل ملاپ کرا دیں۔

فائدہ: چھوٹے نزاع قوم کے ذمہ دار بھی نمٹا سکتے ہیں، اور بڑے نزاع حکومت ہی نمٹا سکتی ہے، ایک ادارہ میں نظام کے سلسلہ میں نزاع ہوا، حکومت نے ادارہ میں تالا ڈال دیا، اور فریقین سے کہا: کورٹ میں جاؤ، کورٹ نے ایک ماہ میں ایک فریق کے حق میں فیصلہ دیدیا، اور نزاع ختم ہو گیا، لیکن اگر حکومت کی پالیسی لڑانے کی ہو تو خدا حافظ!

آیاتِ پاک: اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ باہم لڑیں تو ان کے درمیان ملاپ کرا دو، پھر اگر ان میں سے ایک فریق دوسرے پر زیادتی کرے تو اُس سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے، تا آنکہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے، پھر اگر وہ لوٹ آئے تو دونوں میں برابری کے ساتھ ملاپ کرا دو، اور انصاف کرو (عطف تفسیری ہے) بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں، مسلمان بھائی بھائی ہیں، پس اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرا دو، اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم پر مہربانی کی جائے —— یعنی صلح میں یہ ملحوظ رہے کہ دو بھائیوں کی مصالحت ہے، کسی ایک کی طرف نہ جھک جاؤ، اصلاح ذات البین کی پوری کوشش کرو، اور کوشش کرتے وقت اللہ سے ڈرتے رہو، کسی کی بے جا طرف داری نہ کرو، نہ انتقامی جذبہ سے کام لو۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاۗءٌ مِّنْ نِّسَاۗءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ⑪

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	اے وہ لوگو جو ایمان لائے	لَا يَسْخَرْ[1] قَوْمٌ	نہ ٹھٹھا کرے ایک قوم	مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى[2]	دوسری قوم کا امید ہے

(۱) لایسخر: سَخِرَ (س) منه وبه سَخْرًا: مذاق کرنا، کھلّی کرنا، ٹھٹھا کرنا (۲) عسی: افعالِ مقاربہ میں سے ہے، اور امید کے لئے ہے۔

اَنْ يَّكُوْنُوْا	کہ ہوں وہ	خَيْرًا مِّنْهُنَّ	بہتر ان سے	الْفُسُوْقُ[5]	گنہگاری کا
خَيْرًا مِّنْهُمْ	بہتر ان سے	وَلَا تَلْمِزُوْٓا[1]	اور نہ عیب نکالو	بَعْدَ الْاِيْمَانِ	ایمان کے بعد
وَلَا نِسَآءٌ	اور نہ عورتیں	اَنْفُسَكُمْ[2]	اپنے لوگوں میں	وَ مَنْ	اور جس نے
مِّنْ نِّسَآءٍ	عورتوں سے	وَلَا تَنَابَزُوْا[3]	اور نہ چڑاؤ	لَّمْ يَتُبْ	توبہ نہیں کی
عَسٰٓى	امید ہے	بِالْاَلْقَابِ	(برے) لقبوں سے	فَاُولٰٓئِكَ هُمُ	پس وہی
اَنْ يَّكُنَّ	کہ ہوں وہ	بِئْسَ الِاسْمُ[4]	برا ہے لفظ	الظّٰلِمُوْنَ	ظالم ہیں

فساد کے تین اسباب: مذاق کرنا، عیب نکالنا اور برے القاب سے پکارنا

چھوٹی باتوں سے بڑے جھگڑے کھڑے ہوتے ہیں، اس لئے دو فریقوں میں لڑائی کے احکام کے بعد چھ ایسی باتوں کی ممانعت فرماتے ہیں جو معاشرہ کو بگاڑتی ہیں، اس آیت میں تین باتوں کی ممانعت ہے، اگلی آیت میں دوسری تین باتوں کی ممانعت آئے گی۔ یہ باتیں بادی النظر میں معمولی ہیں، مگر حقیقت میں سنگین ہیں، پس ان سے کلّی اجتناب چاہئے:

۱- مذاق کرنا: —— ٹھٹھا مخول اور ہنسی مذاق بری بات ہے، کسی کی تحقیر وتوہین کے لئے اس کے کسی عیب کو اس طرح ذکر کرنا کہ لوگ ہنس پڑیں تمسخر کہلاتا ہے، اور تمسخر جیسے زبان سے ہوتا ہے نقل اتارنے سے اور اشارہ کرنے سے بھی ہوتا ہے، اور مزاح: خوش طبعی اور دل لگی کا نام ہے، وہ اچھی چیز ہے، اس سے دل خوش ہوتا ہے۔

اور مَردوں کو جو حکم دیا جاتا ہے اس میں عورتیں بھی شامل ہوتی ہیں، مگر اہتمام کے لئے یا اس لئے کہ عورتوں میں یہ عیب زیادہ پایا جاتا ہے: ان کو الگ مخاطب بنایا ہے، اور مانعت کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ مذاق کرنے والوں سے وہ لوگ بہتر ہوسکتے ہیں جن کا مذاق اڑایا جارہا ہے، بلکہ عسی (امید ہے) میں افضلیت میں ان کا پلّہ بھاری دکھایا ہے، پھر ان کی ہنسی اڑانے کا کیا جواز ہے؟

۲- اپنے لوگوں کا عیب نکالنا: —— لوگوں کو اپنے عیوب نظر نہیں آتے، دوسروں کے عیوب پر نظر پڑتی ہے،

---

(۱) لَمَزَهُ (ض) لَمْزًا: کسی میں عیب نکالنا، برائی کرنا، طعنہ دینا (۲) أنفسكم: سے اپنے لوگ مراد ہیں: عبارةٌ عن بعض آخرين من جنس المخاطبين (روح) (۳) لاتنابزوا: فعل نہی، باب تفاعل، ایک تاء محذوف، تنابز: ایک دوسرے کو برے القاب یا برے ناموں سے پکارنا، گالی گفتار بھی اس کا فرد ہے، جیسے اولنگڑے، او یہودی (۴) الاسم: لفظ، اس میں دونوں الف وصلی ہیں، ملا کر پڑھتے وقت دونوں گر جائیں گے، اور لام ساکن رہ جائے گا، اور ساکن کو حرکت دینی ہوتی ہے تو کسرہ دیتے ہیں، پس لام کو کسرہ دے کر پڑھیں گے، قرآن کریم میں یہی ایک لفظ ایسا ہے، اور عربی میں ایسے الفاظ بہت ہیں، جیسے الاستقامة: اس کے دونوں الف وصلی ہیں، پس کہیں گے: نِعْمَتِ الِاستقامةُ (۵) الفسوق اور الفسق: ہم معنی ہیں۔

حالانکہ اپنے عیوب پر نظر رہنی چاہئے، ان کی اصلاح کی فکر کرنی چاہئے، بہادر شاہ ظفر کہتے ہیں:

نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنی خبر، رہے دیکھتے لوگوں کے عیب وہنر ❁ پڑی اپنی برائیوں پر جو نظر، تو جہاں میں کوئی برا نہ رہا

اور ﴿أَنفُسَكُمْ﴾ سے اپنے لوگ مراد ہیں، جیسے: ﴿لَاتَقْتُلُوْا أَنفُسَكُمْ﴾ میں، کیونکہ مسلمان بھائی کا عیب نکالنا اور قتل کرنا: اپنا عیب نکالنا اور قتل کرنا ہے، کیونکہ مسلمان سب بھائی ہیں، پس بھائی کا قتل اپنا قتل ہے۔

۳- برے القاب سے پکارنا: —— لوگ ایک دوسرے کو برے القاب سے پکارتے ہیں، جیسے عقل کا دشمن، لولا، لنگڑا، اندھا، کانا وغیرہ، اور یہ لے (سُر) بڑھتی ہے تو گالی گفتار کی نوبت آجاتی ہے، اور قوموں اور زمانوں کے اختلاف سے گالیاں مختلف ہوتی ہیں، عربی کی گالیاں یہ ہیں: احمق، یہودی، فاسق، کافر، خبیث وغیرہ، کسی مسلمان کو ایسی گالیاں دینا آخری درجہ کا کمینہ پن ہے، اور کوئی گالی تو قتل تک پہنچا دیتی ہے، اور حدیث میں ہے کہ اگر کوئی کسی پر لعنت بھیجتا ہے، اور وہ اس کا مستحق نہیں ہوتا تو وہ لعنت بھیجنے والے کی طرف لوٹ آتی ہے، پس کسی مسلمان کو کافر کہہ کر پکارا اور وہ کافر نہیں تو یہ بات پکارنے والے کی طرف لوٹ آئے گی، اور وہ سخت گنہگار ہوگا، پھر اگر توبہ نہیں کرے گا تو وہی ظالم ہوگا۔

آیتِ پاک: —— اے ایمان والو! ایک قوم دوسری قوم کا مذاق نہ کرے —— افراد کا بھی یہی حکم ہے، اور قوم کی تخصیص اس لئے کی ہے کہ پہلے دو فریقوں میں لڑائی کا ذکر آیا ہے —— کیا عجب ہے کہ وہ —— جن کی ہنسی اڑائی جارہی ہے —— اُن سے —— ہنسی اڑانے والوں سے —— بہتر ہوں، اور نہ عورتیں: عورتوں کا مذاق کریں، کیا عجب ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور اپنے لوگوں کا عیب مت نکالو، اور ایک دوسرے کو بُرے القاب سے مت پکارو —— یہ ہلکے بُرے القاب کا حکم ہے —— ایمان کے بعد گنہگاری کا لفظ بہت برا ہے! —— یہ گالی گفتار والے الفاظ کا ذکر ہے —— اور جنھوں نے توبہ نہیں کی تو وہی ظلم پیشہ ہیں!

خلاصہ: ایک جماعت دوسری جماعت کے ساتھ نہ مسخرا پن کرے، نہ ایک دوسرے پر آوازے کسے جائیں، نہ کھوج لگا کر عیب نکالے جائیں اور نہ برے ناموں اور برے القاب سے فریق مقابل کو یاد کیا جائے، نہ گالم گلوچ کیا جائے، کیونکہ ان باتوں سے دشمنی اور نفرت میں ترقی ہوتی ہے، اور فتنہ وفساد کی آگ بھڑکتی ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَّأْكُلَ لَحْمَ أَخِيْهِ

مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ⑫

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	وَّلَا تَجَسَّسُوْا(۲)	اور سراغ مت لگاؤ تم	لَحْمَ اَخِيْهِ	اپنے بھائی کا گوشت
اٰمَنُوا	ایمان لائے	وَلَا يَغْتَبْ	اور غیبت نہ کرے	مَيْتًا(۳)	مردہ
اجْتَنِبُوْا	بچو تم	بَّعْضُكُمْ	تمہارا بعض	فَكَرِهْتُمُوْهُ	پس تم گھن کرتے ہو اس سے
كَثِيْرًا	بہت سی	بَعْضًا	بعض کی	وَاتَّقُوا اللّٰهَ	اور ڈرو تم اللہ تعالیٰ سے
مِّنَ الظَّنِّ(۱)	بدگمانیوں سے	اَيُحِبُّ	کیا پسند کرتا ہے	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
اِنَّ بَعْضَ	بے شک بعض	اَحَدُكُمْ	تمہارا ایک	تَوَّابٌ	بڑے توجہ فرمانے والے
الظَّنِّ اِثْمٌ	بدگمانیاں گناہ ہیں	اَنْ يَّاْكُلَ	کہ کھائے وہ	رَّحِيْمٌ	بڑے رحم فرمانے والے ہیں

فساد کے دیگر تین اسباب: بدگمانی کرنا، سراغ لگانا اور غیبت کرنا

اختلاف کو بڑھاوا دینے میں دیگر تین برائیوں کا بھی بڑا دخل ہے:

۱-بدگمانی کرنا: ـــــ اختلاف کی صورت میں ایک فریق دوسرے فریق سے ایسا بدگمان ہوجاتا ہے کہ حُسنِ ظن کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی، مخالف کی ہر بات کو اپنے خلاف باور کرلیا جاتا ہے، اس کی بات میں ہزار احتمال بھلائی کے ہوں اور ایک احتمال برائی کا ہو تو اسی کو لے بیٹھتے ہیں، بلکہ اس برے اور کمزور پہلو کو لے کر اس پر حاشیہ آرائی شروع کردیتے ہیں، جو فساد کا بڑا سبب بن جاتا ہے۔

سوال: ''بہت سی بدگمانیوں سے بچو'': اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ بدگمانیاں جائز ہیں: وہ کونسی بدگمانیاں ہیں؟ ـــــ اور ''بعض بدگمانیاں گناہ ہیں'': اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض بدگمانیاں گناہ نہیں یا کبیرہ گناہ نہیں، نیچے کے درجہ کی ممنوع بدگمانیاں ہیں: وہ کونسی بدگمانیاں ہیں؟

جواب: اگر بدگمانی کا تعلق صرف گمان کرنے والے کے ساتھ ہو، دوسرے شخص کے ساتھ اس کا تحقیقی تعلق نہ ہو (اگرچہ تقدیری تعلق ہو) تو وہ بدگمانی جائز ہے، حدیث میں ہے: إِنَّ مِنَ الْحَزْمِ سوءُ الظن: احتیاط بدگمانی میں ہے، دوسری حدیث میں ہے: أَخَاكَ الْبِكرِيَّ فلا تأْمَنْه: اپنے بکری بھائی پر بھروسہ مت کر، جیسے رات کو مسافر بیدار رہا، تا کہ

(۱) الظن: میں الف لام عہدی ہے، بدگمانی مراد ہے، مطلق گمان ممنوع نہیں، ظن غالب سے تو بہت سے فیصلے کئے جاتے ہیں (۲) وَلاَ تجسسوا: باب تفعل، کھود کرید کرنا، سراغ لگانا، ٹوہ میں رہنا (۳) میتا: أخ کا حال ہے۔

کوئی سامان نہ اٹھا جائے، شیخ سعدی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

نگہ دارد آن شوخ در کیسہ دُر ❁ کہ بیند ہمہ خلق را کیسہ بُر

وہ چالاک بٹوے میں موتی محفوظ رکھتا ہے جو سبھی لوگوں کو تھیلی چور سمجھتا ہے۔

اور اگر بدگمانی کا کسی کے ساتھ تحقیقی تعلق ہے، تو پھر دو صورتیں ہیں: جس کے بارے میں بدگمانی ہے وہ بدگمانی کا محل ہے یا نہیں؟ اگر وہ بدگمانی کا محل نہیں ہے تو بدگمانی بڑا گناہ ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کے بارے میں گمان رکھنا کہ وہ خُردہ گیری کریں گے، چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی پکڑ کریں گے، کوئی گناہ نہیں بخشیں گے، جبکہ حدیث میں ہے: **لایموتنَّ أحدُکم إلا وھو یُحسِنُ الظنَّ باللہ**: ہرگز تم میں سے کسی کی موت نہ آئے، مگر اس حال میں کہ وہ اللہ کے ساتھ اچھا گمان رکھتا ہو، یا جیسے صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں بدگمانی کرنا قطعاً ناجائز ہے، وہ بدگمانی کا محل ہی نہیں، ارشادِ پاک ہے: ﴿**لَوْ لَآ إِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنْفُسِهِمْ خَيْرًا**﴾: جب تم لوگوں نے یہ بات سنی تو مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے اپنے لوگوں کے بارے میں کیوں اچھا گمان نہ کیا، اور کیوں نہ کہا کہ یہ صریح بہتان ہے!

اور اگر وہ درجۂ احتمال میں بدگمانی کا محل ہو، مگر کوئی دلیل نہ ہو تو بدگمانی کرنا درمیانی درجہ کا گناہ ہے، جیسے نیک چلن آدمی کے بارے میں بدچلنی کا گمان کرنا: گناہ ہے، اگرچہ بدچلنی کا احتمال ہے، کہنے والوں نے کہا ہے: **ظُنُّوْا بالمؤمنین خیرًا**: نیک مسلمانوں کے بارے میں اچھا گمان رکھو! اسی صورت کے بارے میں حدیث میں ہے: **إیاکم والظنَّ! فإن الظن أکذب الحدیث**: بدگمانی سے بچو! کیونکہ بدگمانی جھوٹی بات ہے!

فائدہ: مطلق گمان کرنا ممنوع نہیں، ظن غالب پر تو بہت سے مسائل میں عمل کیا جاتا ہے: (۱) قاضی جو گواہیوں پر فیصلہ کرتا ہے تو وہ گواہوں کے صدق کے ظن غالب پر فیصلہ کرتا ہے، فی نفسہ تو کذب کا احتمال ہے (۲) سمتِ قبلہ معلوم نہ ہو تو تحری کرکے ظن غالب پر عمل کیا جاتا ہے (۳) رکعتوں کی تعداد میں شک ہو جائے، اور نمازی ذی رائے ہو تو تحری کرکے ظن غالب پر عمل کرتا ہے۔

۲- سراغ لگانا: —— یعنی کسی کا عیب یا بھید تلاش کرنا، حدیث میں ہے: ''کسی کے عیوب کی جستجو مت کرو، جو شخص مسلمانوں کے عیوب تلاش کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے عیوب تلاش کریں گے، اور اللہ تعالیٰ جس کے عیوب تلاش کریں گے، اس کو اس کے گھر کے اندر رسوا کردیں گے'' —— اور بیان القرآن میں ہے:

''چھپ کر کسی کی باتیں سننا یا اپنے کو سوتا ہوا بنا کر باتیں سننا بھی تجسس میں داخل ہے، البتہ اگر کسی سے مضرت پہنچنے کا احتمال ہو، اور اپنی یا دوسرے کسی مسلمان کی حفاظت کی غرض سے مضرت پہنچانے والے کی خفیہ تدبیروں اور ارادوں کا تجسس

کرے تو جائز ہے'' (معارف القرآن)

دو لفظوں میں فرق: ایک لفظ تحسس (حاء مہملہ) کے ساتھ ہے، اس کے معنی ہیں: سراغ لگانا، ٹوہ میں رہنا۔ دوسرا لفظ ہے تجسس (جیم کے ساتھ) اس کے بھی یہی معنی ہیں، اور دونوں میں فرق یہ ہے کہ تحسس میں دور سے پتہ چلایا جاتا ہے، جیسے: ﴿إِذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُوْسُفَ وَأَخِيْهِ﴾: جاؤ یوسف اور اس کے بھائی کا سراغ لگاؤ، ظاہر ہے بادشاہ کے قریب جا کر پتہ نہیں لگا سکتے، دور سے پتہ لگائیں گے، اور تجسس میں قریب سے پتہ لگایا جاتا ہے، جَسّ کے معنی ہیں: ٹٹولنا، اور دونوں ممنوع ہیں۔

۳-غیبت کرنا: —— یعنی کسی کی غیر موجودگی میں اس کے متعلق کوئی ایسی بات کہنا کہ جس کو وہ سنتا تو اس کو ایذاء ہوتی، اگرچہ وہ سچی بات ہی ہو، کیونکہ غلط الزام لگائے تو وہ تہمت ہے، جو غیبت سے بھی بڑا گناہ ہے، اور اگر کسی کے منہ پر تکلیف دہ بات کہے تو وہ لَمْز (طعنہ دینا) ہے، اور اس کی حرمت ابھی بیان ہوئی۔

پھر غیبت کی تغلیظ (بھاری گناہ ہونا بیان کرنے) کے لئے اس کو تشبیہ دی ہے مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے، جس سے ہر کوئی گھن کرتا ہے، کوئی اس کو کھانے کے لئے تیار نہیں ہوتا، پھر اس کی غیبت کیوں کرتا ہے —— اور مردہ بھائی کے گوشت کے ساتھ تشبیہ اس لئے دی ہے کہ زندہ بھائی کا گوشت اول تو کوئی کھا نہیں سکتا، اور کھانے کی کوشش کرے تو وہ مدافعت کرے گا، اور لاش کو کھائے تو کون مدافعت کرے گا؟ اسی طرح دوسرے کی عدم موجودگی میں غیبت کرے تو وہ کیا مدافعت کرے گا؟ ہمت ہو تو سامنے برائی کر کے دکھائے! اس صورت میں منہ کی کھائے گا!

اور حضرت تھانوی قدس سرہٗ نے لکھا ہے کہ محقق یہ ہے کہ غیبت گناہ کبیرہ ہے، البتہ جس سے بہت کم تاذّی ہو وہ صغیرہ ہو سکتا ہے، اور بلا اضطرار غیبت سننا مثل غیبت کرنے کے ممنوع ہے۔

غیبت کا جواز: اور علماء نے بیان کیا ہے کہ چھ صورتوں میں غیبت جائز ہے۔

پہلی صورت: مظلوم کے لئے جائز ہے کہ بادشاہ، قاضی یا ایسے شخص سے ظلم کا شکوہ کرے جس سے فریادرسی کی امید ہو، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اللہ تعالیٰ بری بات زبان پر لانے کو پسند نہیں کرتے مگر مظلوم مستثنیٰ ہے'' (النساء آیت ۱۴۸) یعنی مظلوم اگر ظالم کے خلاف حرفِ شکایت زبان پر لائے تو جائز ہے۔

دوسری صورت: کسی امر منکر میں تبدیلی اور نافرمان کو راہ راست پر لانے کے لئے کسی سے مدد طلب کرنے کے لئے برائی کرے تو جائز ہے۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو عبداللہ بن ابی منافق کی وہ دو باتیں پہنچائی تھیں جو سورۃ المنافقین آیات ۷ و ۸ میں مذکور ہیں (متفق علیہ، ریاض الصالحین حدیث ۱۵۳۲) اور حضرت ابن مسعود

رضی اللہ عنہ نے حنین کی غنیمت کی تقسیم میں انصار کی بات رسول اللہ ﷺ کو پہنچائی تھی (بخاری حدیث ۳۱۵۰)

تیسری صورت: فتوی حاصل کرنے کے لئے کسی کی غیبت کرنی پڑے تو جائز ہے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت ہندہؓ نے نبی ﷺ سے عرض کیا: ابوسفیان بخیل آدمی ہیں، مجھے اتنا خرچ نہیں دیتے جو میرے اور میری اولاد کے لئے کافی ہوالی آخرہ (متفق علیہ، ریاض الصالحین حدیث ۱۵۳۲)

چوتھی صورت: مسلمانوں کو شر سے بچانے کے لئے کسی کی برائی کرنی پڑے تو جائز ہے، جیسے ایک شخص نے نبی ﷺ کے پاس حاضری کی اجازت چاہی، آپؐ نے فرمایا: آنے دو، قبیلہ کا برا آدمی ہے (متفق علیہ، ریاض الصالحین حدیث ۱۵۲۹) اور جیسے ضعیف راویوں پر جرح کرنا اور جیسے نبی ﷺ کا یہ ارشاد: ''معاویہ تو کنگال ہیں، ان کے پاس کچھ نہیں، اور ابوالجہم کندھے سے لاٹھی نہیں اتارتے'' (متفق علیہ، ریاض الصالحین حدیث ۱۵۳۱)

پانچویں صورت: جو شخص کھلے عام فسق و فجور میں مبتلا ہو، لوگوں کو اس سے متنفر کرنے کے لئے اس کی برائی کرنا جائز ہے، جیسے نبی ﷺ نے دو منافقوں کے بارے میں فرمایا: ''میں نہیں خیال کرتا کہ فلاں اور فلاں ہمارے دین سے کچھ بھی جانتے ہوں!'' (متفق علیہ، ریاض الصالحین حدیث ۱۵۳۰)

چھٹی صورت: کسی کا کوئی ایسا لقب ہو جس میں برائی ہو تو پہچان کے لئے اس کا تذکرہ جائز ہے، جیسے اعمش (چندھیا) اور اعرج (لنگڑا) وغیرہ (رحمۃ اللہ ۵:۵۷۸)

آیتِ پاک: —— اے ایمان والو! بہت سی بدگمانیوں سے بچو، بے شک بعض بدگمانیاں گناہ ہیں، اور سراغ مت لگاؤ، اور کوئی کسی کی غیبت نہ کرے، کیا تم میں سے کسی کو یہ بات پسند ہے کہ وہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے؟ اس سے تو تم گھن کرتے ہو، اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ تعالیٰ بڑے توبہ قبول کرنے والے، بڑے رحم فرمانے والے ہیں

—— یعنی ان نصیحتوں پر کاربند وہی ہوگا جس کے دل میں خدا کا ڈر ہو، یہ نہیں تو کچھ نہیں! چاہئے کہ ایمان و اسلام کا دعوی رکھنے والے واقعی طور پر اُس خداوند قہار کے غضب سے ڈریں، اور ایسی ناشائستہ حرکتوں کے قریب نہ جائیں، اگر پہلے کچھ غلطیاں اور کمزوریاں سرزد ہوئی ہیں، اللہ کے سامنے صدق دل سے توبہ کریں، وہ اپنی مہربانی سے معاف فرمادے گا (فوائد)

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۭ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝۱۳

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ	اے لوگو	اِنَّا	بے شک ہم نے	خَلَقْنٰكُمْ	تم کو پیدا کیا ہے

مِّنْ ذَكَرٍ	مرد سے	لِتَعَارَفُوْا	تاکہ ایک دوسرے کو	اَتْقٰكُمْ	تم میں زیادہ پرہیزگار ہے
وَّ اُنْثٰى	اور عورت سے		پہچانو	اِنَّ	بے شک
وَجَعَلْنٰكُمْ	اور بنایا ہم نے تم کو	اِنَّ	بے شک	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ
شُعُوْبًا (۱)	برادریاں	اَكْرَمَكُمْ	تم میں زیادہ عزت والا	عَلِيْمٌ	ہر چیز جاننے والے
وَّ قَبَآئِلَ	اور خاندان	عِنْدَ اللّٰهِ	اللہ کے نزدیک	خَبِيْرٌ	پوری طرح باخبر ہیں

ذات پات پر فخر کرنا بگاڑ کا بڑا سبب ہے

سورت کا موضوع ہے: معاشرہ کو کیسے سنوارا جائے؟ چھ مذکورہ خرابیاں جو معاشرہ کو بگاڑتی ہیں: ان کے اسباب بیان فرماتے ہیں، پہلا سبب ہے: ذات پات پر فخر کرنا، آدمی خود کو بڑا اور دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے، اس لئے کہ وہ حقیر ذات اور گھٹیا خاندان سے تعلق رکھتا ہے، جبکہ ذات پات پر فخر کرنا جاہلی بات ہے، نسب کی حقیقت یہ ہے کہ سارے انسان ایک مرد اور ایک عورت کی اولاد ہیں، سید، شیخ، مغل، پٹھان، صدیقی، فاروقی، عثمانی اور انصاری وغیرہ: سب کا سلسلہ آدم وحواء علیہما السلام پر منتہی ہوتا ہے اور ذاتیں اور خاندان محض تعارف وشناخت کے لئے ہیں، لوگوں نے ان کو بڑائی اور شرافت کا معیار بنالیا ہے، جبکہ فضیلت کی بنیاد تقوی وطہارت ہے، اور متقی آدمی دوسروں کو کبھی حقیر نہیں سمجھتا، اور اس سبب کا سبب ایمان کی کمزوری ہے، نام کا ایمان کبھی ثمر بار نہیں ہوتا، اس لئے اصل محنت اس پر ہونی چاہئے کہ لوگوں کا ایمان پختہ ہو، پس سب خرابیاں خود بخود کافور ہوجائیں گی۔

آیتِ کریمہ: —— اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد وزن سے پیدا کیا ہے، اور ہم نے تمہاری برادریاں اور خاندان بنائے، تاکہ باہمی شناخت ہو، بے شک اللہ کے نزدیک تم میں بڑا معزز وہ ہے جو تم میں بڑا پرہیزگار ہے، بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے بڑے باخبر ہیں —— یعنی تقوی کا اصل محل دل ہے، اور اللہ ہی کو خبر ہے کہ کون کس درجہ کا متقی ہے؟ اس سلسلہ میں خود فریبی میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ۭ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ

(۱) الشّعب: برادری، لوگوں کا بڑا گروہ جو ایک باپ کی طرف منسوب ہو، یہ قبیلہ (خاندان) سے زیادہ وسیع ہوتا ہے، اس کو ذات اور قوم بھی کہتے ہیں۔

شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿۱۵﴾ قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۶﴾ يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾

ع ۲ ۱۴

قَالَتِ	کہا	وَاِنْ	اور اگر	الْمُؤْمِنُوْنَ	ایمان لانے والے
الْاَعْرَابُ(۱)	بدوؤں نے	تُطِيْعُوا	کہا مانو گے تم	الَّذِيْنَ	(وہ ہیں) جو
اٰمَنَّا	ایمان لائے ہم	اللّٰهَ	اللہ کا	اٰمَنُوْا	ایمان لائے ہیں
قُلْ	کہو	وَرَسُوْلَهٗ	اور ان کے رسول کا	بِاللّٰهِ	اللہ پر
لَمْ تُؤْمِنُوْا	ایمان نہیں لائے تم	لَا يَلِتْكُمْ(۲)	نہیں حق مارے گا تمہارا	وَرَسُوْلِهٖ	اور اس کے رسول پر
وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا	لیکن کہو	مِّنْ اَعْمَالِكُمْ	تمہارے کاموں سے	ثُمَّ	پھر
اَسْلَمْنَا	تابع دار ہوئے ہم	شَيْـًٔا	کچھ بھی	لَمْ يَرْتَابُوْا(۳)	نہیں شک کیا انھوں نے
وَلَمَّا	اور اب تک نہیں	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	وَجٰهَدُوْا	اور لڑے وہ
يَدْخُلِ	داخل ہوا ہے	غَفُوْرٌ	بڑے بخشنے والے	بِاَمْوَالِهِمْ	اپنے مالوں سے
الْاِيْمَانُ	ایمان	رَّحِيْمٌ	بڑے رحم والے ہیں	وَاَنْفُسِهِمْ	اور اپنی جانوں سے
فِيْ قُلُوْبِكُمْ	تمہارے دلوں میں	اِنَّمَا	اس کے سوا نہیں کہ	فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	اللہ کے راستہ میں

(۱) الأعراب: أعرابی کی جمع: بدّو جو بارشوں اور سبزہ والے مقامات میں سکونت پذیر ہوتے ہیں (۲) لایلتكم: مضارع منفی، واحد مذکر غائب، کم: مفعول کی ضمیر، أَلَتَ يَأْلِتُ (ض) أَلْتًا الشيئَ: کم کرنا، حَقَّه: حق مارنا۔ (۳) ارْتاب فيه وبه: شک وشبہ کرنا۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ	یہی وہ	عَلِيْمٌ	خوب جاننے والے ہیں	لِلْاِيْمَانِ	ایمان کی
الصّٰدِقُوْنَ	سچے ہیں	يَمُنُّوْنَ(۱)	احسان رکھتے ہیں وہ	اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم
قُلْ	کہو	عَلَيْكَ	آپؐ پر	صٰدِقِيْنَ	سچے
اَتُعَلِّمُوْنَ	کیا بتلاتے ہو تم	اَنْ اَسْلَمُوْا	کہ مسلمان ہوئے ہیں وہ	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
اللّٰهَ	اللہ کو	قُلْ	کہو	يَعْلَمُ	جانتے ہیں
بِدِيْنِكُمْ	اپنا دین	لَا تَمُنُّوْا	مت احسان جتلاؤ تم	غَيْبَ(۲)	چھپی چیزیں
وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	عَلَيَّ	مجھ پر	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں
يَعْلَمُ	جانتے ہیں	اِسْلَامَكُمْ	اپنے اسلام کا	وَالْاَرْضِ	اور زمین کی
مَا فِي السَّمٰوٰتِ	جو آسمانوں میں	بَلِ اللّٰهُ	بلکہ اللہ تعالیٰ	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
وَمَا فِي الْاَرْضِ	اور جو زمین میں ہے	يَمُنُّ	احسان رکھتے ہیں	بَصِيْرٌ	خوب دیکھ رہے ہیں
وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	عَلَيْكُمْ	تم پر	بِمَا	ان کو جو
بِكُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز کو	اَنْ هَدٰىكُمْ	کہ راہ دکھائی تم کو	تَعْمَلُوْنَ	تم کرتے ہو

ایمان کی کمزوری بھی بگاڑ کا ایک سبب ہے

نام کے ایمان اور کام کے ایمان میں بڑا فرق ہے، جن کے دلوں میں ایمان راسخ نہیں، صرف زبان پر ایمان ہے، ان سے کیا توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ احکام اسلام کی پیروی کریں گے، ایمان ویقین جب پوری طرح دل میں راسخ ہوجاتے ہیں تو غیبت، طعنہ زنی اور عیب جوئی وغیرہ برائیاں خود بخود ختم ہوجاتی ہیں، جو شخص لوگوں کی دل آزاری کرتا ہے سمجھو کہ ایمان نے اس کے دل میں جگہ نہیں پکڑی، حدیث میں ہے: ''اے وہ لوگو جو اپنی زبان سے ایمان لائے ہو، اور اب تک وہ تمہارے دلوں میں نہیں اترا: مسلمانوں کی غیبت مت کرو، اور ان کے عیوب تلاش مت کرو'' آج جو مسلمانوں کے معاشرہ میں بگاڑ نظر آرہا ہے اس کا سبب ان کے ایمان کی کمزوری ہے، زبان سے تو ہر شخص ایمان کا دعوی کرتا ہے مگر اس کے آثار کہاں؟ جس کو پورا یقین حاصل ہو وہ تو ایسے کھلے دعوے کرنے سے ڈرتا اور شرماتا ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ یہ آیات ایک واقعہ میں نازل ہوئی ہیں، قبیلہ بنی اسد کے کچھ لوگ مدینہ آئے، سخت قحط کا

---

(۱) مَنَّ (ن) علیہ بکذا مَنًّا: احسان جتلانا، کوئی انعام کرکے منہ پر مارنا (۲) غیب: وہ جو حواس سے معلوم نہیں کیا جاسکتا، یہ غیب انسانوں کے تعلق سے ہے، اللہ کے لئے کوئی چیز غیب نہیں۔

زمانہ تھا، وہ لوگ دل سے تو مؤمن تھے نہیں، محض صدقات حاصل کرنے کے لئے انھوں نے اپنے اسلام کا اظہار کیا، چونکہ حقیقت میں مؤمن نہیں تھے، صرف ظاہرداری تھی، اس لئے اسلامی احکام وآداب سے بھی ناواقف تھے، انھوں نے مدینہ کی گلیاں غلاظت سے بھر دیں، اور انھوں نے نبی ﷺ پر احسان بھی رکھا کہ اور لوگ عرصہ تک آپؐ سے برسرپیکار رہے، اور ہم خود حاضر ہوکر اپنے اسلام کا اعلان کر رہے ہیں، اس لئے ہماری قدر ہونی چاہئے، اس پر یہ آیاتِ پاک نازل ہوئیں۔

﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ۭ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْــــًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ؀﴾

ترجمہ: اور گنوار کہتے ہیں: ہم ایمان لائے، آپؐ کہیں: تم ایمان نہیں لائے، لیکن کہو: ہم مطیع ہوگئے، اور اب تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا —— ایمان تصدیق قلبی (دل سے مان لینے) کا نام ہے، اور اسلام ظاہری اطاعت کا —— اور اگر تم اللہ کا اور اس کے رسول کا کہنا مانو گے —— یعنی سچے دل سے مسلمان ہوؤ گے —— تو وہ تمہارے اعمال کا ذرا بھی حق نہیں ماریں گے —— یعنی پورا بدلہ دیں گے —— بے شک اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے، بڑے رحم فرمانے والے ہیں۔

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ؀﴾

ترجمہ: ایمان والے تو بس وہی ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں، پھر وہ شک وشبہ میں مبتلا نہیں ہوئے، اور وہ راہِ خدا میں اپنے مالوں اور جانوں سے لڑتے ہیں، یہی لوگ (ایمان میں) سچے ہیں —— یعنی سچے مؤمن کی شان یہ ہوتی ہے کہ اللہ ورسول پر پختہ اعتقاد رکھتا ہو، اور ان کی راہ میں ہر طرح جان ومال سے حاضر رہے (فوائد)

﴿قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ؀﴾

ترجمہ: آپؐ کہیں: کیا تم اللہ کو اپنے دین کی خبر دیتے ہو، حالانکہ اللہ کو سب آسمانوں اور سب زمین کی چیزوں کی خبر ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والے ہیں —— یعنی اگر واقعی سچا دین اور پورا یقین تم کو حاصل ہے تو کہنے سے کیا ہوگا؟ جس سے معاملہ ہے وہ آپ خبردار ہے (فوائد)

﴿يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ۭ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ

لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۷﴾

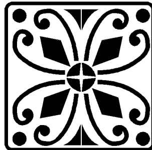
ترجمہ: وہ لوگ اپنے مسلمان ہونے کا آپؐ پر احسان رکھتے ہیں ــــ کہتے ہیں: ہم لڑے بھڑے بغیر مسلمان ہوگئے ہیں ــــ آپ کہیں: مجھ پر اپنے مسلمان ہونے کا احسان مت رکھو، بلکہ اللہ تعالیٰ کا تم پر احسان ہے کہ تمہیں ایمان کی راہ دکھائی، اگر تم (دعوئے ایمان میں) سچے ہو! ــــ یعنی آدمی نیکی کرے تو اس کا کیا کمال ہے؟ اللہ کے لئے تعریف ہے جس نے وہ نیکی کروائی!

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾ ﴾

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ جانتے ہیں آسمانوں اور زمین کی مخفی چیزیں، اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھ رہے ہیں اُن کاموں کو جو تم کر رہے ہو ــــ یعنی وہ تمہارے دلوں کے بھید جانتے ہیں، ان کے سامنے باتیں مت بناؤ!

آگے سے ربط: حٰمٓ والی سورتوں میں اسلام کے بنیادی عقائد کا بیان تھا، ان کے بعد تین سورتوں میں ضمنی مضامین بیان ہوئے ہیں، یہ سلسلہ یہاں پورا ہوگیا۔ آگے سورۃ قٓ میں سابق مضمون کی طرف لوٹیں گے، اور ان بنیادی عقائد کا بیان شروع ہوگا، یہ جلد اسی سورت کی تفسیر پر مکمل ہوتی ہے، اگلی آخری جلد ان شاء اللہ سورۃ قٓ کی تفسیر سے شروع ہوگی۔

﴿ بفضلہ تعالیٰ بروز بدھ ۸؍ جمادی الاولیٰ سن ۱۴۳۷ھ مطابق ۱۷؍ فروری سن ۲۰۱۶ء کو سورۃ الحجرات کی تفسیر مکمل ہوئی ﴾



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ قٓ

اس سورت سے ساتویں منزل اور مفصلات شروع ہو رہے ہیں، اس سورت کا نمبر شمار ۵۰ ہے، قرآن کی کل ۱۱۴ سورتیں ہیں، ۴۹ کی تفسیر سے فراغت ہو چکی، اب ۶۵ سورتوں کی تفسیر باقی ہے، ان میں سے ۱۴ مدنی اور ۵۱ مکی ہیں۔

مکی و مدنی سورتیں اور آیتیں: مکی و مدنی کی تقسیم مقام نزول کے اعتبار سے نہیں، بلکہ زمانۂ نزول کے اعتبار سے ہے، ہجرت مکمل ہونے سے پہلے جو سورتیں اور آیتیں نازل ہوئی ہیں وہ مکی ہیں، اگرچہ وہ مکہ مکرمہ سے باہر نازل ہوئی ہوں، اور آپؐ کے مدینہ پہنچنے کے بعد جو نازل ہوئی ہیں وہ مدنی ہیں، اگرچہ وہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہوں۔

مکی و مدنی سورتوں کے امتیازات:

مکی سورتیں/ آیتیں عموماً چھوٹی اور جملے مختصر ہوتے ہیں، اور مدنی آیات/ سُور لمبی اور مفصل ہوتی ہیں۔ اور مکی سورتیں زیادہ تر توحید، رسالت، آخرت، حشر و نشر، صبر و تسلی اور گذشتہ امتوں کے واقعات پر مشتمل ہوتی ہیں، ان میں احکام و قوانین کا بیان کم ہے، اور مدنی سورتوں میں احکام و فرائض کا بیان ہے۔ اور مکی سورتوں کا اسلوبِ بیان پُر شکوہ ہے، ان میں استعارات، تشبیہات اور تمثیلات زیادہ ہیں، اور مدنی سورتوں کا اندازِ بیان نسبۃً سادہ ہے، اور یہ اختلاف دراصل حالات اور مخاطبین کے اختلاف کی وجہ سے ہے، مکی زندگی میں واسطہ عرب کے بُت پرستوں سے تھا، اس لئے زیادہ زور عقائد کی درستی، اخلاقیات کی تعلیم، شرک کی تردید اور قرآنِ کریم کے اعجاز کے بیان پر تھا، اور مدینہ طیبہ میں اسلامی ریاست وجود میں آچکی تھی، لوگ شوق سے اسلام کے سایے تلے آرہے تھے، علمی سطح پر بُت پرستی کا ابطال ہو چکا تھا، اور اب مقابلہ یہود سے تھا، اس لئے مدنی سورتوں میں احکام و قوانین اور حدود و فرائض کی تعلیم اور اہل کتاب کی تردید پر زیادہ توجہ دی گئی ہے، اور اسی کے مناسب اسلوبِ بیان اختیار کیا گیا ہے (ماخوذ از علوم القرآن: مولانا تقی عثانی صاحب مدظلہ)

سورتوں کی تقسیم

آیتوں کے کم و بیش اور چھوٹی بڑی ہونے کے اعتبار سے سورتیں چار قسموں میں منقسم ہیں:

۱- طُوَل: لمبی سورتیں، یہ سات سورتیں ہیں، بقرہ سے توبہ تک، اس میں فاتحہ شامل نہیں، کیونکہ وہ پورے قرآن کا

دیباچہ (پیش لفظ) ہے، اسی لئے اس کو پہلے پارے میں بھی شمار نہیں کیا، اور انفال وتوبہ کو ایک شمار کیا ہے، کیونکہ دونوں میں غزوات کا بیان ہے۔

۲۔ مئین: جن میں سو یا زیادہ یا کچھ کم آیتیں ہیں، جیسے مریم میں ۹۸ آیتیں ہیں۔

۳۔ مثانی: جن میں سو سے، بہت کم آیتیں ہیں، ان سورتوں کی تلاوت زیادہ کی جاتی ہے اس لئے ان کو مثانی کہتے ہیں۔

۴۔ مفصلات: جن میں عموماً چھوٹی چھوٹی آیتیں ہیں، مشہور قول کے مطابق ان کی ابتداء سورۃ الحجرات سے اور راجح قول کے مطابق سورۃ قاف سے ہوتی ہے ـــــ پھر مفصلات کی تین قسمیں ہیں: طِوال، اوساط اور قصار:

(الف) طِوالِ مفصل: سورۃ قاف سے سورۃ البروج تک ہیں۔

(ب) اوساطِ مفصل: سورۃ الطارق سے سورۃ البینۃ تک ہیں۔

(ج) قِصارِ مفصل: سورۃ الزلزال سے آخر تک ہیں۔

فائدہ: سورتوں کی مذکورہ چہارگانہ تقسیم محض ذہنی ہے، سورتیں اس طرح مرتب نہیں، بلکہ مضمون کی مناسبت ملحوظ ہے۔

قرآنِ کریم کتنے دنوں میں ختم کیا جائے؟ چھوٹی سات منزلیں اور بڑی تین منزلیں:

قرآنِ کریم ختم کرنے کے لئے کوئی حد متعین نہیں، کم وبیش وقت میں ختم کرسکتے ہیں، بہت سے باہمت لوگ روزانہ ایک قرآن ختم کرتے ہیں، بلکہ بعض حضرات سے تو ایک رکعت میں ختم کرنا مروی ہے، جواز قبیلِ کرامت ہے، اور ایسے لوگ تو کچھ کم نہیں جو منزل فیل کا ورد رکھتے ہیں، یعنی تین دن میں قرآنِ کریم ختم کرتے ہیں، فیل کے معنی ہیں: ہاتھی، یہ بڑی منزلیں کہلاتی ہیں، پہلی منزل: سورۂ فاتحہ سے، دوسری سورۂ یونس سے اور تیسری سورۂ لقمان سے شروع ہوتی ہے، ف، ی، ل سے فیل بنا، اور ایسے لوگوں کی تعداد تو بے حساب ہے جو سات دن میں قرآنِ کریم ختم کرتے ہیں، یہ لوگ فَمِیْ بِشَوْقٍ کا ورد کرتے ہیں، یہ منزلیں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہیں، پہلی منزل سورۂ فاتحہ سے، دوسری المائدۃ سے، تیسری یونس سے، چوتھی بنی اسرائیل سے، پانچویں الشعراء سے، چھٹی والصافات سے اور ساتویں سورۂ قٓ سے آخر تک ہے، ہر سورت کا پہلا حرف لیا تو فَمِیْ بِشَوْقٍ بنا، قرآنِ کریم میں یہی منزلیں لکھی ہوئی ہیں، پس قرآن ختم کرنے کا سب سے افضل طریقہ یہی ہے، صحابہ کرام اسی طرح ورد کرتے تھے، ابوداؤد میں حدیث (نمبر ۱۳۹۳) ہے، اوس بن ابی اوس رضی اللہ عنہ نے صحابہ سے پوچھا: کیف تُحَزِّبون القرآن؟ آپ حضرات قرآن کا ورد کس طرح کرتے ہیں؟ انھوں نے بتایا: تین سورتیں (بقرہ، آلِ عمران اور نساء ایک دن میں) پانچ سورتیں (مائدۃ سے توبہ تک دوسرے دن میں) سات سورتیں (یونس سے نحل تک تیسرے دن میں) نو سورتیں (بنی اسرائیل سے فرقان تک چوتھے دن میں) گیارہ سورتیں (شعراء سے یٰس تک پانچویں دن میں) تیرہ سورتیں (والصافات سے حجرات تک چھٹے دن میں) اور تمام مفصلات (ق سے آخر تک

ساتویں دن میں)

اس روایت سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

۱-سورتوں اور آیتوں کی ترتیب توقیفی ہے، لوح محفوظ میں جو ترتیب ہے وہی مصاحف میں ہے، نبی ﷺ کے عہد میمون میں بھی اذہان میں یہی ترتیب تھی، البتہ مصحف میں جمع نہیں تھیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اُسی ترتیب سے مصاحف تیار کئے گئے، اس کے خلاف جو روایات ہیں کہ صحابہ نے اپنے اجتہاد سے سورتوں کو مرتب کیا: وہ صحیح نہیں، البتہ انفال وتوبہ کے درمیان بسم اللہ لکھ کر فصل کیا جائے یا نہ کیا جائے؟ یہ اجتہادی مسئلہ ہے۔

۲-مفصلات: سورۃ قاف سے شروع ہوتے ہیں، اس کے علاوہ جو اقوال ہیں وہ مرجوح ہیں۔

کن نمازوں میں کونسی سورتیں مسنون ہیں:

چاروں ائمہ متفق ہیں کہ فجر اور ظہر میں طوالِ مفصل، عصر اور عشاء میں اوساطِ مفصل، اور مغرب میں قصار مفصل پڑھنا مسنون ہے، اور ظہر میں اوساط مفصل اور عصر میں قصار مفصل کے مسنون ہونے کا بھی ایک قول ہے —— اور طوال، اوساط اور قصار میں سے پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ اتنی مقدار پڑھے، یعنی پورے قرآن میں سے فجر اور ظہر میں طوالِ مفصل کے بقدر، اور عصر وعشاء میں اوساط مفصل کے بقدر اور مغرب میں قصار مفصل کے بقدر پڑھے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ نمازوں میں تلاوت صرف مفصلات کی کی جائے، باقی قرآن مہجور کر دیا جائے، سارا قرآن نمازوں میں پڑھنے کے لئے ہے، نبی ﷺ اور خلفائے راشدین ہر جگہ سے پڑھتے تھے۔

سورت کا نام اور موضوع:

قاف: اکیسواں حرفِ ہجاء ہے، اور اسی سے سورت موسوم ہے، قرآنِ کریم میں ۲۹ سورتوں کے شروع میں حروفِ مقطعات آئے ہیں، اور ان کے بعد عموماً قرآنِ کریم کا تذکرہ ہے، تاہم ان کی مراد مخفی ہے، پس یہ رموز واشارات ہیں، ان کی مراد اللہ تعالیٰ جانتے ہیں —— اور یہ سورت مکی ہے، اس کا نزول کا نمبر ۳۴ ہے یعنی یہ مکی دور کے ابتداء کی سورت ہے، شروع میں چھوٹی سورتیں نازل کی گئی ہیں، تاکہ حفظ آسان ہو، اب بھی عَمَّ کے پارے سے بچوں کو حفظ شروع کراتے ہیں۔

اس سورت کا موضوع: آخرت (قیامت، بعث بعد الموت اور حساب وکتاب) ہے، اور گذشتہ سورت کے آخر میں بیان کیا ہے کہ اب بات حٰمٓ والی سورتوں میں زیر بحث مسائل کی طرف لوٹ جائے گی، اسلام کے بنیادی عقائد: توحید، رسالت اور آخرت ہیں، اس سورت میں آخرت کا مضمون ہے، مگر توحید تو خالص عقلی مسئلہ ہے اور نبوت وآخرت سمعی (نقلی) مسائل ہیں، نبی آئیں گے تو ہی آخرت کی خبر دیں گے، پس مسئلہ آخرت: مسئلہ نبوت سے بچ (لگا ہوا) ہے، اس

لئے ضمناً نبوت کا تذکرہ آئے گا۔

سورت کی اہمیت: مسلم شریف میں روایت ہے کہ نبی ﷺ فجر کی نماز میں بکثرت یہ سورت پڑھتے تھے، اور حضرت ابوواقد لیثی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ عید کی نماز میں سورۃ قٓ اور سورۃ القمر پڑھتے تھے، اور ام ہشامؓ سے مروی ہے کہ آپؐ جمعہ کے خطبہ میں یہ سورت بکثرت پڑھتے تھے، اور انھوں نے خطبہ میں سن کر یہ سورت یاد کی ہے، لیکن اگر مقتدی عربی نہ جانتے ہوں یا امام بھدّی آواز کا ہو تو ایک رکعت میں ایک ہی رکوع پڑھے۔

پارے اور رکوع: قرآنِ کریم کو تلاوت اور تعلیم کی سہولت کے لئے تیس برابر حصوں میں تقسیم کیا ہے، یعنی اس کے تیس پارے بنائے ہیں، پارہ: فارسی لفظ ہے، اس کے معنی ہیں: ٹکڑا، حصہ، پھر عجمیوں کی سہولت کے لئے مشائخ بخاری نے رکوع بنائے، پورے قرآن میں پانچ سو چالیس رکوع ہیں، اور حاشیہ پر رکوع کی علامت 'ع' بنائی ہے، یہ تقسیم معنی کے لحاظ سے کی گئی ہے، تاکہ بے پڑھے لوگ جان سکیں کہ کہاں مضمون پورا ہوتا ہے، اور کہاں سے نیا مضمون شروع ہوتا ہے (فتاوی تاتارخانیہ ۱: ۴۷۹) اور فتاوی عالم گیری (۱: ۹۴ فصل التراویح) میں قرآن کو ۵۴۰ رکوع پر منقسم کرنے کی حکمت بیان کی ہے کہ مشائخ نے قرآن کو ۵۴۰ رکوع پر تقسیم اس لئے کیا ہے کہ تراویح میں قرآن کا ختم ستائیسویں رمضان میں ہو سکے، یعنی اگر ہر رکعت میں ایک رکوع پڑھا جائے تو ستائیسویں رمضان کو قرآن پورا ہو جائے گا۔

فائدہ: دو مسئلے الگ الگ ہیں:

پہلا مسئلہ: رکوع مضمون کا لحاظ کر کے لگائے گئے ہیں، پس ہر رکعت میں مکمل رکوع پڑھنا چاہئے، اگرچہ دوسری رکعت لمبی ہو جائے۔

دوسرا مسئلہ: دوسری رکعت: پہلی رکعت سے بڑی نہ ہو۔

زیادہ اہمیت پہلی بات کی ہے، سورۃ بقرۃ کا پہلا رکوع چھوٹا ہے، دوسرا بڑا، ایسا مضمون کا لحاظ کر کے کیا گیا ہے، پہلے رکوع میں مؤمنین اور کفار کا ذکر ہے، اور دوسرے رکوع میں منافقین کا، مگر تراویح میں حفاظ کے ذہن پر دوسرا مسئلہ سوار رہتا ہے، وہ دوسرے رکوع کا کچھ حصہ پہلی رکعت میں پڑھتے ہیں، تاکہ دوسری رکعت لمبی نہ ہو جائے، اس سے مضمون بے جوڑ ہو جاتا ہے، یہ ٹھیک نہیں، پہلی بات کی اہمیت زیادہ ہے، اور نوافل میں تو دوسری رکعت بڑی ہو جائے تو کچھ حرج نہیں، پس رکوع کی پابندی کرنی چاہئے، ہاں جو مضمون سمجھتا ہے اور صحیح جگہ قراءت روکے تو کچھ حرج نہیں۔

ربط خاص: گذشتہ سورت کے آخر میں کچے ایمان والے بدّؤں کا تذکرہ تھا، اب پکّے بے ایمانوں کا ذکر ہے، جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، اور تقابل تضاد بھی ایک تعلق ہے۔

سُوْرَةُ قٓ مَكِّيَّةٌ

(۵۰) — (۳۴)

آیاتہا ۴۵ — رکوعاتہا ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ۝۱ بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَاۗءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ۝۲ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ۝۳ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ۝۴ بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاۗءَهُمْ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ۝۵

بِسْمِ	نام سے	مُّنْذِرٌ	ایک ڈرانے والا	رَجْعٌ	لوٹنا ہے
اللّٰهِ	اللہ کے	مِّنْهُمْ	ان میں سے	بَعِيْدٌ	بعید
الرَّحْمٰنِ	نہایت مہربان	فَقَالَ	پس کہا	قَدْ	بالتحقیق
الرَّحِيْمِ	بڑے رحم والے	الْكٰفِرُوْنَ	منکروں نے	عَلِمْنَا	جانتے ہیں ہم
قٓ	قاف	هٰذَا شَيْءٌ (۴)	یہ چیز ہے	مَا تَنْقُصُ	جو گھٹاتی ہے
وَالْقُرْاٰنِ	قسم قرآنِ	عَجِيْبٌ	عجیب!	الْاَرْضُ	زمین
الْمَجِيْدِ (۱)	باعظمت کی	ءَاِذَا (۵)	کیا جب	مِنْهُمْ	ان سے
بَلْ (۲)	بلکہ	مِتْنَا	مرجائیں گے ہم	وَعِنْدَنَا	اور ہمارے پاس
عَجِبُوْٓا	تعجب کیا انھوں نے	وَكُنَّا	اور ہوجائیں گے ہم	كِتٰبٌ	نوشتہ ہے
اَنْ (۳)	(اس بات سے) کہ	تُرَابًا	مٹی؟	حَفِيْظٌ (۶)	یاد رکھنے والا
جَاۗءَهُمْ	آیا ان کے پاس	ذٰلِكَ	وہ (بعث بعد الموت)	بَلْ (۷)	بلکہ

(۱) مجید (فعیل): باعظمت، بزرگ، مَجُدَ (ک) مَجْدًا: باعظمت ہونا، فھو مجید (۲) بل: برائے ترقی، اس سے پہلے: ''ہم نے نبی ﷺ کو عذابِ آخرت سے ڈرانے کے لئے بھیجا ہے، مگر لوگوں نے نہیں مانا'' پوشیدہ ہے (۳) أن سے پہلے مِنْ پوشیدہ ہے (۴) ھذا کا مشار الیہ ''بشر کا رسول ہونا'' ہے (۵) إذا: فعل ماضی پر داخل ہوکر اس کو مضارع کے معنی میں کردیتا ہے۔ (۶) حفیظ (فعیل) بمعنی حافظ ہے (۷) یہ بل بھی ترقی کے لئے ہے، اور اس سے پہلے ''بعث بعد الموت کی بات تعجب خیز نہیں'' محذوف ہے۔

كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ (۱)	جھٹلایا انھوں نے سچی بات کو	لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ	جب پہنچی وہ ان کو پس وہ	فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ (۲)	معاملہ میں مذبذب ہیں

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

منکروں کی سمجھ میں نہ بشر کی نبوت آئی نہ موت کے بعد کی زندگی

بشر کا نبی ہونا مشرکین مکہ کے گلے نہیں اترتا تھا، ان کے خیال میں اس کام کے لئے مقرب فرشتے موزوں تھے، پس جب نبی ﷺ مبعوث ہوئے، اور آپؐ نے لوگوں کو بتایا کہ زندگی بس یہی زندگی نہیں، موت کے بعد دوسری زندگی بھی ہے، جس میں سزاؤ سزا ہوگی تو منکروں کو اور بھی حیرت ہوئی، اس لئے قرآنِ کریم نے بات یہاں سے شروع کی ہے کہ باعظمت قرآن کے دلائل وشواہد ثابت کرتے ہیں کہ موت کے بعد زندگی برحق ہے، مرنے کے بعد بدن اگرچہ مٹی ہوجاتا ہے مگر روح باقی رہتی ہے، اور انسان دراصل روح کا نام ہے، بدن تو اس کی سواری ہے، پھر بدن کے جو اجزاء تحلیل ہوکر زمین میں جہاں بھی منتشر ہوجاتے ہیں وہ سب اللہ کے علم میں ہیں، اور نہ صرف علم میں ہیں، بلکہ لوح محفوظ میں ریکارڈ بھی ہیں، پس جب وقت آئے گا تو اللہ تعالیٰ اُن اجزاء کو جمع کریں گے، اور بدن دوبارہ بنے گا، پھر ارواح ابدان کی طرف لوٹ آئیں گی، اور نئی زندگی شروع ہوجائے گی۔ مگر منکرین اس سچی حقیقت کو ٹھکراتے ہیں، اور وہ اس معاملہ میں تذبذب کا شکار ہیں —— اور بشر کی نبوت پر جو انھیں حیرت ہورہی ہے اس کا جواب یہاں نہیں دیا، کیونکہ یہاں یہ ضمنی مسئلہ ہے، قرآن نے بہت جگہ اس کا جواب دیا ہے، مثلاً: سورۃ بنی اسرائیل (آیت ۹۵) میں۔

آیاتِ پاک مع تفسیر: —— قاف —— یہ عربی کا اکیسواں حرف ہجاء ہے، اس کے معنی اللہ تعالیٰ جانتے ہیں۔ —— باعظمت قرآن کی قسم! —— قرآنی قسمیں مدعیٰ (مقسم علیہ) کی دلیلیں ہوتی ہیں، مدعیٰ یہاں بعث بعد الموت ہے، جو محذوف ہے، مگر وہ بشر کی نبوت کے ساتھ پچ (ملا ہوا) ہے، پھر بل ترقی کے لئے ہے، ارشاد فرماتے ہیں: ہم نے نبی ﷺ کو عذابِ قیامت سے ڈرانے کے لئے بھیجا، مگر لوگوں نے نہیں مانا —— بلکہ ان کو تعجب ہوا کہ ان کے پاس انھیں میں سے ایک ڈرانے والا آیا —— انھیں میں سے: نبی مخاطبین کا ہم جنس ہوتا ہے —— پس منکروں نے کہا: یہ عجیب بات ہے —— یعنی بشر کا نبی ہونا حیرت انگیز بات ہے، کیا اللہ کے یہاں فرشتوں کی کمی تھی جو انسان کو نبی بنایا

(۱) الحق: سچی بات: یعنی بعث بعد الموت (۲) مَرِيْج: فعیل بمعنی مفعول: گڈ مڈ، مختلط، مذبذب، متزلزل، غُصْنٌ مَرِيْجٌ: گتھی ہوئی شاخ، مَرِجَ (س) الناسُ مَرَجًا: لوگوں کا ملا جلا مخلوط ہونا، ﴿مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ﴾: دو سمندر ملتے ہیں۔

—— یہ پہلی بات ہے جو ضمناً آئی ہے، اور اس کا یہاں جواب نہیں دیا۔

کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی ہوجائیں گے —— تو پھر دوبارہ زندہ کئے جائیں گے؟ —— یہ دوبارہ زندہ ہونا بہت دور کی کوڑی ہے! —— یعنی محال اور ناممکن ہے!

جواب: —— بالیقین ہم جانتے ہیں جو زمین ان میں سے گھٹاتی ہے —— زمین آہستہ آہستہ جسم کو کھاتی ہے، مٹی کے ان اجزاء کو اللہ تعالیٰ جانتے ہیں —— اور ہمارے پاس یاد رکھنے والا نوشتہ ہے —— یعنی جسم کے وہ اجزاء نہ صرف اللہ کے علم میں ہیں، بلکہ لوح محفوظ میں لکھے ہوئے ہیں، پھر اللہ کے لئے ان کو جمع کرنا کیا مشکل ہے! —— بلکہ انھوں نے سچی بات کو جھٹلایا جب وہ ان کو پہنچی —— یعنی وہ بات محال نہیں، ہوکر رہنے والی سچی بات ہے —— پس وہ مذبذب حالت میں ہیں —— گومگو کی حالت میں ہیں کہ مانیں یا نہ مانیں!

فائدہ: پیغمبر صرف مُنْذِرْ (ڈرانے والا) نہیں ہوتا، وہ مُبَشِّر بھی ہوتا ہے، منکروں کو قیامت کی بلاخیزی سے ڈراتا ہے، اور مؤمنوں کو جنت کی بشارت سناتا ہے، مگر کبھی آدھا مضمون بیان کرتے ہیں، اور آدھا مضمون فہم سامع پر اعتماد کر کے چھوڑ دیتے ہیں، جیسے: عذاب القبر حق: آدھا مضمون ہے، نافرمانوں کو قبر میں عذاب ہوگا، اور فرماں برداروں کے لئے قبر میں راحتیں ہیں۔

اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَاۗءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ۝ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۝ تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۝ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ ۝ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ۝ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۭ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ۝

اَفَلَمْ	کیا پس نہیں	فَوْقَهُمْ	اپنے اوپر	وَزَيَّنّٰهَا	اور مزین کیا ہم نے اس کو
يَنْظُرُوْٓا	دیکھا انھوں نے	كَيْفَ	کیسا	وَمَا لَهَا	اور نہیں ہے اس میں
اِلَى السَّمَاۗءِ	آسمان کو	بَنَيْنٰهَا	بنایا ہم نے اس کو	مِنْ فُرُوْجٍ(۱)	کوئی شگاف

(۱) فروج: فَرْج کی جمع: شگاف، دراڑ، پھٹن۔

وَ الۡاَرۡضَ(۱)	اور زمین کو	مُّنِيۡبٍ(۵)	رجوع کرنے والے	لَّهَا	ان کے لئے
مَدَدۡنٰهَا	پھیلایا ہم نے اس کو	وَ نَزَّلۡنَا	اور اتارا ہم نے	طَلۡعٌ(۸)	خوشے ہیں
وَ اَلۡقَيۡنَا فِيۡهَا	اور ڈالے ہم نے اس میں	مِنَ السَّمَآءِ	بادل سے	نَّضِيۡدٌ(۹)	تہ بہ تہ
رَوَاسِىَ(۲)	بوجھ (پہاڑ)	مَآءً مُّبٰرَكًا	بابرکت پانی	رِّزۡقًا(۱۰)	روزی کے لئے
وَاَنۡۢبَتۡنَا	اور اگائی ہم نے	فَاَنۡۢبَتۡنَا	پس اگائے ہم نے	لِّلۡعِبَادِ	بندوں کی
فِيۡهَا	اس میں	بِهٖ	اس کے ذریعہ	وَاَحۡيَيۡنَا	اور زندہ کیا ہم نے
مِنۡ كُلِّ زَوۡجٍ	ہر قسم سے	جَنّٰتٍ	باغات	بِهٖ	اس (پانی) کے ذریعہ
بَهِيۡجٍ(۳)	بارونق	وَّحَبَّ	اور غلہ	بَلۡدَةً(۱۱)	دیس (زمین)
تَبۡصِرَةً(۴)	سجھانے کے لئے	الۡحَصِيۡدِ(۶)	کٹی ہوئی کھیتی کا	مَّيۡتًا	ویران
وَّذِكۡرٰى	اور یاددہانی کے لئے	وَالنَّخۡلَ	اور کھجور کے درخت	كَذٰلِكَ	اسی طرح
لِكُلِّ عَبۡدٍ	ہر بندے کے لئے	بٰسِقٰتٍ(۷)	لمبے لمبے	الۡخُرُوۡجُ	دوبارہ پیدا ہونا ہے

مظاہر قدرت سے بعث بعد الموت پر استدلال

مظاہر: ظاہر ہونے کی جگہیں، مظاہر قدرت: اللہ کی قدرت کی نشانیاں، اب اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کی تین نشانیاں ذکر فرماتے ہیں، اور ان سے بعث بعد الموت پر استدلال کرتے ہیں:

پہلی نشانی: —— آسمان ہے، اس کو دیکھو، کتنا بڑا عظیم الشان گنبد کیسا مضبوط و مستحکم تنا ہوا ہے، رات میں جب اس پر ستاروں کے جھاڑ فانوس روشن ہوتے ہیں تو کتنا خوبصورت اور پُر رونق نظر آتا ہے، پھر لطف یہ ہے کہ ہزاروں لاکھوں

(۱) الأرضَ: منصوب علی شریطة التفسیر ہے۔ (۲) رَوَاسی: رَاسِیَة کی جمع: مضبوطی کے ساتھ جمے ہوئے پہاڑ، رَسَا الشیئُ (ن) رَسْوًا: جم جانا، مضبوطی سے قائم رہنا۔ (۳) بهیج: زوج کی صفت ہے، زَوج: صنف، قسم، بهیج: صفت مشبہ: تروتازہ، بَهِجَ (س) بَهْجًا: تروتازہ ہونا (۴) تبصرة اور ذکری: فعل محذوف فَعَلْنَا ذٰلك کے مفعول لہٗ ہیں، تَبْصِرَةً: باب تفعیل کا مصدر: سمجھانا، سُجھانا...... ذکری: باب نصر کا مصدر، یاد دلانا، نصیحت کرنا، ذکری: ذکر سے أبلغ ہے (۵) منیب: إنابة سے اسم فاعل: اللہ کی طرف رجوع کرنا، خلوص سے توبہ کرنا، اللہ سے لو لگانا۔ (۶) حصید: فعیل: صفت مشبہ: بمعنی محصود: کٹی ہوئی کھیتی، حَبَّ الحصید: پکا ہوا غلہ (۷) باسقات: باسقة کی جمع، بَسَقَ (ن) بُسُوْقًا: لمبا دراز ہونا (۸) طلع: کھجور کا شگوفہ، خوشہ، طَلَعَ (ن) النخلُ: درخت خرما پر شگوفے کھلنا، نکلنا (۹) نضید: بمعنی منضود، نَضَدَ الشیئَ (ض) نَضْدًا: تہ بہ تہ رکھنا، ترتیب سے لگانا (۱۰) رزقًا: أنبتنا کا مفعول لہٗ (۱۱) بلدة بمعنی مکان، اس لئے میتا مذکر صفت آئی ہے۔

سال گذر گئے: نہ اس چھت میں دراڑ پڑی، نہ پلاستر جھڑا، نہ رنگ پھیکا پڑا، کیا جس دستِ قدرت نے یہ پہنا آسمان بنایا وہ انسانوں کو دوبارہ بنانے پر قادر نہیں؟ تمہاری عقلوں کو کیا ہوگیا؟ تم کیسے فیصلے کرتے ہو!

دوسری نشانی: زمین ہے، زمین کو اللہ تعالیٰ نے اتنا بڑا بنایا ہے کہ یہ گول کرہ ایک بستر بن گیا ہے، جس پر مخلوقات چین سے زندگی بسر کرتی ہیں، پھر غور کرو! اس پر بھاری پہاڑوں کے کھونٹے گاڑ دیئے، تاکہ وہ مخلوقات کے ساتھ ڈانواڈول نہ ہو، اگر یہ میخیں نہ ہوتیں اور زمین لرزتی رہتی تو حیات کیسے وجود میں آتی، پھر زمین کے ذرہ ذرہ میں حیات کی قابلیت رکھ دی، اور اس میں انواع واقسام کی تروتازہ نباتات اگائیں، تاکہ وہ حیوانات کی زندگی کا قوام (بنیاد) بنے، اسی زمین سے اللہ نے انسان کو پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے، پس کیا وہ دوبارہ اس سے پیدا کرنے پر قادر نہیں؟ پھر اللہ جانے لوگ حق کو جھٹلانے کی جرأت کیوں کرتے ہیں!

فائدہ: اور اللہ کی طرف رجوع ہونے والے بندے اللہ کی ربوبیت سے الوہیت پر استدلال کرسکتے ہیں، وہ سمجھ سکتے ہیں کہ جس اللہ نے زمین کو ایسا بنایا ہے وہی معبود برحق ہے، پالتے تو اللہ ہیں اور پوجی جائیں مورتیاں یہ کیسی بے تکی بات ہے! توحید ربوبیت اور توحید الوہیت میں چولی دامن کا ساتھ ہے (یہ فائدہ دوسری نشانی کے ضمن میں بیان کیا ہے)

تیسری نشانی: —— بارش ہے، اللہ تعالیٰ بادلوں سے نفع بخش مینہ برساتے ہیں، یہ پانی سمندروں سے آتا ہے، مگر اس میں حموضت (کھاراپن) بالکل نہیں ہوتا، اگر اس میں کڑواہٹ ہوتی تو زمین سے روئیدگی ناممکن ہوجاتی، نہایت صاف شفاف شیریں پانی برساتے ہیں، اس سے ہر طرح کے باغات اور پکا غلہ پیدا ہوتا ہے، خاص طور پر نخلستان: ان کے درخت آسمان سے باتیں کرتے ہیں، وہ بھی انرجی زمین سے اٹھاتے ہیں، اور آخری بلندی پر لے جاتے ہیں، وہاں تہ بہ تہ پُر رونق گچھے لگتے ہیں، جن سے بندوں کو روزی ملتی ہے۔

علاوہ ازیں: بارش کی بوندیں پڑتے ہی ویران زمین لہلہانے لگتی ہے، کل جہاں خاک اڑ رہی تھی آج وہاں سبزہ زار ہے، اور بے شمار حیوانات بھی پیدا ہوجاتے ہیں، اسی طرح قیامت کے دن مردے زندہ کئے جائیں گے، پس یہ کوئی ناممکن بات نہیں، سچی حقیقت ہے، اس کو مان لو ورنہ حشر برا ہوگا، جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

﴿ اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ۝ ﴾

قدرت کی پہلی نشانی: —— کیا ان لوگوں نے —— منکرین بعث بعد الموت نے —— اپنے اوپر آسمان کی طرف نہیں دیکھا —— اوپر جو نیل گوں چھت نظر آرہی ہے وہی پہلا آسمان ہے، زمین سے اس کا فاصلہ پانچ سو سال کی مسافت ہے، اور پانچ سو سے مراد بے حد مسافت ہے، تحدید مراد نہیں، مگر وہ نہایت قریب نظر آتا ہے، بلکہ اس کے کنارے

زمین کو چھوتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں، اور پہلے آسمان سے نیچے نظام شمسی ہے، تمام ستارے اور سیارے اس نظام میں گردش کررہے ہیں —— اور جولوگ کہتے ہیں کہ یہ تو نظر کی انتہاء ہے، ان کا قول: ﴿ فَوْقَهُمْ ﴾ سے پادَر ہوا ہو جاتا ہے —— ہم نے اس کو کیسا بنایا ہے؟ —— یعنی نہایت بلند، وسیع، مضبوط و مستحکم بے ستون قائم ہے —— اور اس کو (ستاروں سے) مزین کیا ہے، اور اس میں کوئی شگاف نہیں —— حالانکہ چھت پرانی ہو جاتی ہے تو اس میں دراڑ پڑ جاتی ہے۔

﴿ وَ الْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَ اَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِيْجٍ ۝ ﴾

قدرتِ خداوندی کی دوسری نشانی: —— اور زمین کو ہم نے پھیلایا —— یعنی نہایت وسیع بنایا، جس سے وہ بچھا ہوا فرش محسوس ہوتی ہے —— اور اس میں پہاڑوں کو جمایا —— ان کی میخیں گاڑ دیں، تاکہ وہ متزلزل نہ ہو —— اور ہم نے اس میں ہر خوش نما قسم اگائی —— اور اس طرح انسانوں کی معیشت کا انتظام کیا۔

﴿ تَبْصِرَةً وَّ ذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۝ ﴾

فائدہ: —— زمین کو ہم نے ایسا بنایا —— ہر رجوع ہونے والے بندے کی بینائی اور دانائی کے لئے! —— تاکہ وہ ربوبیت سے الوہیت پر استدلال کریں اور ایک اللہ سے کو لگائیں۔

﴿ وَ نَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ ۝ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ۝ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ؕ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ۝ ﴾

قدرتِ خداوندی کی تیسری نشانی: —— اور ہم نے بادل سے نفع بخش پانی برسایا —— بارش کا پانی بعض علاجوں میں بھی کام آتا ہے، دواؤں اور تعویذوں میں بھی استعمال ہوتا ہے —— پھر ہم نے اس کے ذریعہ باغات اگائے اور کھیتی کا غلہ پیدا کیا —— یہ عام باغات کا ذکر ہے، اور کھیت اس وقت کٹتا ہے جب اناج پک جاتا ہے —— پھر خاص باغ یعنی نخلستان کا ذکر ہے: —— اور لمبے لمبے کھجور کے درخت (اگائے) جن پر تہ بہ تہ جمے ہوئے خوشے لگتے ہیں —— قرآنِ کریم اُن نعمتوں کا تفصیل سے ذکر کرتا ہے جن سے قرآن کے پہلے مخاطب واقف تھے، دوسری نعمتوں کا ذکر اجمالاً کرنا ہے، جیسے باغات میں آم کے، امرود کے، لیچی کے، آڑو کے ہر قسم کے باغات آ گئے، اور عرب میں لمبے درخت کھجور ہی کے ہوتے ہیں، اس لئے صرف ان کا ذکر کیا، ناریل اور تاڑ کے درخت وہاں نہیں ہوتے، یہ درخت کھجور سے بھی اونچے جاتے ہیں، اور وہ بھی زمین سے انرجی لیتے ہیں اور چوٹی پر پہنچاتے ہیں، اور ناریل کے ہر دانہ میں پانچ سو گرام پانی ہوتا ہے، جس سے مغز بنتا ہے، اور تاڑ پھل بھی اوپر ہی لگتا ہے، غور کرو! قدرتِ خداوندی کہاں تک انرجی پہنچا کر پھل پیدا کرتی ہے، یہ سب: —— بندوں کی روزی کے لئے ہے!

علاوہ ازیں:—— اور ہم نے اس (بارش) کے ذریعہ مردہ زمین کو زندہ کیا، اسی طرح (زمین) سے نکلنا ہوگا!

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّأَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُودُ ﴿١٢﴾ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَإِخْوَانُ لُوطٍ ﴿١٣﴾ وَّأَصْحٰبُ الْأَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ۚ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيدِ ﴿١٤﴾ أَفَعَيِينَا بِالْخَلْقِ الْأَوَّلِ ۚ بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ ﴿١٥﴾

ع ۱ ۵ ۱۵

كَذَّبَتْ	جھٹلایا	وَّأَصْحٰبُ الْأَيْكَةِ	اور بَن والوں نے	أَفَعَيِينَا[۲]	کیا پس تھک گئے ہم
قَبْلَهُمْ	اُن سے پہلے	وَقَوْمُ تُبَّعٍ	اور تبع کی قوم نے	بِالْخَلْقِ	پیدا کرکے
قَوْمُ نُوحٍ	نوحؑ کی قوم نے	كُلٌّ	سب نے	الْأَوَّلِ	پہلی بار
وَّأَصْحٰبُ الرَّسِّ[۱]	اور کنویں والوں نے	كَذَّبَ	جھٹلایا	بَلْ هُمْ	بلکہ وہ
وَثَمُودُ	اور ثمود نے	الرُّسُلَ	رسولوں کو	فِي لَبْسٍ[۳]	اشتباہ میں ہیں
وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ	اور عاد اور فرعون نے	فَحَقَّ	پس ثابت ہوگئی	مِّنْ خَلْقٍ	پیدا کرنے سے
وَإِخْوَانُ لُوطٍ	اور برادرانِ لوطؑ نے	وَعِيدِ	میری دھمکی	جَدِيدٍ	نئے

جن اقوام نے رسولوں کو جھٹلایا وہ ہلاک ہوئیں

کسی ایک رسول کی تکذیب سارے رسولوں کی تکذیب ہے، کیونکہ سب کی دعوت ایک ہے، اور رسالت کی تکذیب رسول کی خبر کی تکذیب کو اپنے جلو میں لئے ہوئے ہے، اور انبیاء توحید اور بعث بعد الموت کی خبر دیتے ہیں، اور ماضی میں جن قوموں نے رسالت کا انکار کیا وہ سب ہلاک ہوئی ہیں، مکہ کے مشرکین بھی یہی راہ اپنائے ہوئے ہیں، پس وہ بھی اپنا انجام سوچ لیں، ارشاد فرماتے ہیں:—— اِن (مکہ والوں) سے پہلے جھٹلایا قوم نوح نے، اصحاب الرس نے، ثمود نے، عاد نے، فرعون نے، لوط کے برادروں نے، اصحاب الایکہ نے اور تبع کی قوم نے، سب نے پیغمبروں کو جھٹلایا —— اس میں بعث بعد الموت کا انکار بھی آگیا —— پس میری دھمکی ثابت ہوکر رہی! —— یعنی عذاب آیا اور سب قومیں ہلاک

(۱) الرَّس: مطلق کنواں یا بے من کا کنواں، امام بخاریؒ نے کھان ترجمہ کیا ہے (تحفۃ القاری ۹: ۴۱۰) قرآن میں ان کا دو جگہ صرف نام آیا ہے، یہاں اور سورۃ الفرقان کے دوسرے رکوع میں (۲) أفعیینا: ہمزہ استفہام انکاری، فاء عاطفہ (محذوف پر عطف) عَيِينَا: ماضی جمع متکلم، عَيِيَ (س) عِيًّا: تھکنا، عاجز ہونا (۳) لَبس: باب ضرب کا مصدر، لَبَسَ علیه الأمر: کوئی چیز مشتبہ اور پیچیدہ ہونا، اور باب سمع کا مصدر لُبس (لام کے پیش کے ساتھ) ہے، اس کے معنی ہیں: پہننا۔

ہوئیں، پس ثابت ہوا کہ بعث کا انکار غلط تھا —— اصحاب الرس، اصحاب الایکہ اور قوم تبع کی تفصیلات معلوم نہیں، بس اتنا معلوم ہے کہ یہ اقوام تکذیب رسل کی پاداش میں ہلاک ہوئیں۔

اب یہ گفتگو ایک سوال پر ختم کرتے ہیں: —— کیا پس ہم تھک گئے پہلی بار پیدا کر کے؟ —— یعنی یہ کائنات اللہ نے پیدا کی ہے، اس کو مشرکین بھی مانتے ہیں، اب وہ بتائیں کہ اللہ اس کائنات کو ختم کر کے دوسری مرتبہ پیدا کرنے پر قادر نہیں؟ اگر جواب مثبت ہے کہ ہاں اللہ پاک پہلی بار پیدا کر کے تھک گئے ہیں، تو جان لیں کہ تھکن تو ان کو چھو کر بھی نہیں گئی، وہ تو عیب ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہیں، اور اگر جواب منفی ہے کہ نہیں تھکے، تو بعث بعد الموت کو ماننے میں کیا پریشانی ہے؟ —— بلکہ وہ نئی آفرینش کے بارے میں شبہ میں پڑے ہوئے ہیں —— یعنی تذبذب کا شکار ہیں کہ مانیں یا نہ مانیں! ﴿فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ﴾: پس وہ گڈمڈ معاملہ میں ہیں!

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۚۖ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴿۱۶﴾ اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ﴿۱۷﴾ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ﴿۱۸﴾ وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ﴿۱۹﴾ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ ﴿۲۰﴾ وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ ﴿۲۱﴾ لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ﴿۲۲﴾ وَقَالَ قَرِيْنُهٗ هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ ؕ ﴿۲۳﴾ اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۲۴﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبٍ ۙ ﴿۲۵﴾ الَّذِيْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَاَلْقِيٰهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ ﴿۲۶﴾ قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ بَعِيْدٍ ﴿۲۷﴾ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ ﴿۲۸﴾ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۲۹﴾ ع يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ﴿۳۰﴾

وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	خَلَقْنَا	پیدا کیا ہم نے	الْاِنْسَانَ	انسان کو

وَنَعْلَمُ	اور جانتے ہیں ہم	اِلَّا لَدَيْهِ	مگر اُس کے پاس	لَقَدْ كُنْتَ	البتہ تحقیق تھا تو
مَا	جو	رَقِيْبٌ	راہ دیکھنے والا	فِيْ غَفْلَةٍ	بے خبری میں
تُوَسْوِسُ	خیال ڈالتا ہے	عَتِيْدٌ	تیار ہے	مِّنْ هٰذَا	اس سے
بِهٖ[1]	اس کو	وَجَآءَتْ	اور آئی	فَكَشَفْنَا	پس کھول دیا ہم نے
نَفْسُهٗ	اس کا نفس	سَكْرَةُ	بے ہوشی	عَنْكَ	تجھ سے
وَنَحْنُ	اور ہم	الْمَوْتِ	موت کی	غِطَآءَكَ	تیرا ڈھکنا (پردہ)
اَقْرَبُ	زیادہ نزدیک ہیں	بِالْحَقِّ	سچی	فَبَصَرُكَ	پس تیری آنکھ
اِلَيْهِ	اس سے	ذٰلِكَ	یہ (موت)	الْيَوْمَ	آج
مِنْ حَبْلِ	رگ سے	مَا كُنْتَ مِنْهُ	جو تھا تو اس سے	حَدِيْدٌ	لوہا (نہایت تیز) ہے
الْوَرِيْدِ[2]	دھڑکتی	تَحِيْدُ[4]	کنارہ کرتا	وَقَالَ	اور کہا
اِذْ	(یاد کرو) جب	وَنُفِخَ	اور پھونکا گیا	قَرِيْنُهٗ[5]	اس کے ساتھی نے
يَتَلَقَّى	لے رہے ہیں	فِي الصُّوْرِ	صور میں	هٰذَا	یہ
الْمُتَلَقِّيٰنِ	دو لینے والے	ذٰلِكَ	یہ	مَا لَدَيَّ	جو میرے پاس ہے
عَنِ الْيَمِيْنِ	دائیں سے	يَوْمُ الْوَعِيْدِ	دھمکی کا دن ہے	عَتِيْدٌ	تیار ہے
وَعَنِ الشِّمَالِ	اور بائیں سے	وَجَآءَتْ	اور آیا	اَلْقِيَا	ڈالو دونوں
قَعِيْدٌ[3]	بیٹھے ہوئے	كُلُّ نَفْسٍ	ہر شخص	فِيْ جَهَنَّمَ	دوزخ میں
مَا	نہیں	مَّعَهَا	اس کے ساتھ	كُلَّ كَفَّارٍ	ہر بڑے منکر
يَلْفِظُ	بولتا وہ	سَآئِقٌ	ہانکنے والا	عَنِيْدٍ	سخت مخالف
مِنْ قَوْلٍ	کوئی بات	وَّشَهِيْدٌ	اور احوال بتانے والا ہے	مَّنَّاعٍ	بہت زیادہ روکنے والے

(۱) به: ضمیر مَا موصولہ کی طرف عائد ہے (۲) حبل الورید: رگِ جہاں، شہ رگ، وہ رگ جو دل سے دماغ تک ہے، اور جس کے کٹنے سے موت واقع ہوجاتی ہے (۳) قعید: متلقیان کی صفت ہے، اور فعیل میں مفرد، تثنیہ جمع یکساں ہوتے ہیں، اس لئے قعیدانِ نہیں کہا (۴) حَادَ يحيد (ض) حَيْدًا: ہٹنا، کنارہ کش ہونا۔ (۵) یہ قرین فرشتہ ہے، جو نامۂ اعمال ریکارڈ کرنے کے لئے ساتھ رہتا ہے۔

لفظ	معنی	لفظ	معنی	لفظ	معنی
لِلْخَیْرِ	بھلائی سے	اَطْغَیْتُهٗ	سرکش بنایا میں نے اس کو	الْقَوْلُ	بات
مُعْتَدٍ	حد سے تجاوز کرنے والے	وَ لٰکِنْ کَانَ	لیکن تھا وہ	لَدَیَّ	میرے یہاں
مُّرِیْبِۣ	شک میں ڈالنے والے کو	فِیْ ضَلٰلٍۭ	گمراہی میں	وَمَآ اَنَا	اور نہ میں
الَّذِیْ جَعَلَ	جس نے بنایا	بَعِیْدٍ	دور کی	بِظَلَّامٍ(۲)	ظلم کرنے والا ہوں
مَعَ اللّٰهِ	اللہ کے ساتھ	قَالَ	فرمایا	لِّلْعَبِیْدِ	بندوں پر
اِلٰهًا اٰخَرَ	دوسرا معبود	لَا تَخْتَصِمُوْا	مت جھگڑو	یَوْمَ(۳)	جس دن
فَاَلْقِیٰهُ	پس ڈالو دونوں اس کو	لَدَیَّ	میرے پاس	نَقُوْلُ	پوچھیں گے ہم
فِی الْعَذَابِ	عذاب میں	وَقَدْ	اور تحقیق	لِجَهَنَّمَ	جہنم سے
الشَّدِیْدِ	سخت	قَدَّمْتُ	آگے بھیج چکا میں	هَلِ	کیا
قَالَ	کہا	اِلَیْکُمْ	تمہاری طرف	امْتَلَاْتِ	بھر گئی تو؟
قَرِیْنُهٗ(۱)	اس کے ساتھی نے	بِالْوَعِیْدِ	دھمکی	وَتَقُوْلُ	اور کہے گی وہ
رَبَّنَا	اے ہمارے رب!	مَآ	نہیں	هَلْ	کیا
مَآ	نہیں	یُبَدَّلُ	بدلی جاتی	مِنْ مَّزِیْدٍ	اور بھی ہیں؟

اللہ کے علم میں سب کچھ ہے، پھر بھی مصلحت سے ریکارڈ کیا جارہا ہے

آیت چار میں ہے کہ باڈی جو دفن کی جاتی ہے، اس کو آہستہ آہستہ زمین کھا کر مٹی کر دیتی ہے، مٹی کے وہ اجزاء اللہ کے علم میں ہیں، تاہم لوح محفوظ میں وہ اجزاء ریکارڈ بھی ہیں، یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب وہ اجزاء اللہ کے علم میں ہیں تو ان کو لوح محفوظ میں لکھنے کی کیا ضرورت ہے؟ تین آیتوں میں اس کا جواب ہے کہ ایسا کسی مصلحت سے کیا گیا ہے، اور اس کی نظیر یہ ہے کہ اللہ نے انسان کو پیدا کیا ہے، وہ اس کے سارے احوال سے واقف ہیں، وہ اپنے علم سے بندوں کی شہ رگ سے بھی قریب ہیں، انسان خود اپنے احوال نہیں جانتا وہ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں، پھر بھی ہر انسان کے ساتھ کراماً کاتبین (ریکارڈ تیار کرنے والے دو معزز فرشتے) لگائے ہیں، جو اس کا ہر لفظ لکھتے ہیں، اور اس میں مصلحت ہے، جس کا بیان آگے ہے کہ وہ مسل قیامت کے دن بندے پر حجت ہوگی، اسی طرح لوح محفوظ کا معاملہ سمجھنا چاہئے، مگر اس کی

(۱) یہ دوسرا قرین شیطان (روائتی ہمزاد) ہے، جو گمراہ کرنے کے لئے ساتھ لگا رہتا ہے۔ (۲) ظلام: نفی میں مبالغہ ہے یعنی ذرا بھی ظلم کرنے والے نہیں (۳) یوم: ظلّام کا ظرف ہے۔

مصلحت نہیں کھولی، جیسے رزق کی کشادگی اور تنگی کا معیار نہیں کھولا، مگر مصلحت بہرحال ہے، جیسے نامۂ اعمال لکھنے کی مصلحت کھولی ہے۔

﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۚ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴿١٦﴾ إِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ﴿١٧﴾ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ﴿١٨﴾ ﴾

ترجمہ: اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ ہم نے انسان کو پیدا کیا، اور ہم جانتے ہیں ان خیالات کو جواس کے جی میں آتے ہیں، اور ہم اس سے شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں!

(یاد کرو) جب دو اخذ کرنے والے فرشتے اخذ کرتے رہتے ہیں، دائیں بائیں، بیٹھے ہوئے۞ انسان کوئی لفظ منہ سے نہیں نکالتا مگر اس کے پاس ایک تاک لگانے والا تیار ہے! —— جو اس بات کو ریکارڈ کر لیتا ہے۔

حوالہ: اللہ کا انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ نزدیک ہونا علم کے اعتبار سے ہے، مکانیت کے اعتبار سے نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ زمان ومکان سے منزہ ہیں، زمان ومکان مخلوق ہیں، اور خالق: مخلوق میں نہیں ہوسکتا، یہ مسئلہ تفصیل سے جلد ہفتم ص:۴۶۲ میں گذر چکا ہے۔

علت کو معلول کے ساتھ وہ قرب حاصل ہوتا ہے جو معلول کو خود اپنے نفس سے بھی نہیں ہوتا

فرشتے جو اعمال نامے لکھتے ہیں وہ قیامت کے دن کام آئیں گے

مجرموں کی محشر میں حاضری اور انصاف سے فیصلہ

قیامتیں دو ہیں: چھوٹی اور بڑی۔ قیامتِ صغری: آدمی کی اپنی موت ہے، **من مات فقد قامت قیامته**: جس کی موت آ گئی اس کی قیامت شروع ہوگئی، کیونکہ وہ دوسری دنیا میں پہنچ گیا۔ یہی وہ قیامت ہے جس کو آدمی ٹلانا چاہتا ہے، موت سے آدمی بھاگتا ہے، مگر وہ گھڑی ٹلنے والی نہیں، جب وہ سر پر آجائے گی تو کوئی تدبیر کارگر نہ ہوگی۔

اور قیامتِ کبری: اس وقت شروع ہوگی جب صور پھونکا جائے گا، اس وقت وہ ہولناک دن شروع ہوگا جس سے انبیاءؑ رُسل ڈراتے رہے ہیں، اس دن کفار محشر میں اس طرح حاضر کئے جائیں گے کہ ایک فرشتہ ان کو ہانک رہا ہوگا، اور دوسرا ان کے اعمال نامے لئے ہوئے ہوگا، جن میں ان کے کرتوت درج ہونگے، اس دن ان سے کہا جائے گا: تم اِس دن سے غفلت میں تھے، تمہاری آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے تھے، آج وہ پردے ہٹا دیئے گئے ہیں، اور تمہاری نگاہیں خوب تیز کر دی گئی ہیں، اب اپنی آنکھوں سے دیکھ لو! انبیاء نے جو خبر دی تھی وہ صحیح تھی یا غلط؟ اس وقت فرشتہ اعمال نامہ پیش کرے گا

اور کہے گا: یہ مسل تیار ہے! پھر اس کے مطابق فیصلہ صادر ہوگا، دونوں فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اس کو جہنم میں جھونک دو، یہ کٹر کافر، نہایت ضدی، خیر کے کاموں سے بہت روکنے والا، حد سے گذرنے والا، لوگوں کے ذہنوں کو بگاڑنے والا تھا، اور غیر اللہ کی پرستش کرتا تھا، اس لئے اس کی سزا دائمی جہنم ہے، پس اس کو دوزخ میں جھونک دو!

﴿وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ۝ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ۭ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ ۝ وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ ۝ لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ۝ وَقَالَ قَرِيْنُهٗ هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ ۝ اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ ۝ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبٍ ۝ الَّذِيْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَاَلْقِيٰهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ ۝﴾

ترجمہ: اور موت کی برحق بے ہوشی آپہنچی ـــــ یعنی نزع (جان کنی) شروع ہوگئی ـــــ یہ وہ چیز ہے جس سے تو کتراتا تھا ـــــ مگر اس سے مفر (بھاگنے کی جگہ) کہاں ہے؟ یہی قیامتِ صغریٰ ہے!

اور صور پھونکا گیا ـــــ اور قیامتِ کبریٰ شروع ہوئی ـــــ یہ وعید کا دن ہے ـــــ یعنی یہ وہ دن ہے جس سے انبیاء ڈرایا کرتے تھے ـــــ اور آیا ہر شخص: اس کے ساتھ ایک ہانکنے والا اور ایک احوال بتانے والا ہے، بخدا! واقعہ یہ ہے کہ تو اس دن سے غفلت میں تھا ـــــ تجھے اس دن کا یقین ہی نہیں تھا ـــــ پس ہم نے تجھ سے پردہ ہٹا دیا ـــــ دنیا اور آخرت کے درمیان دبیز پردہ ہے، آخرت فی الحال موجود ہے مگر نظر نہیں آرہی، موت کے بعد جب عالم برزخ میں پہنچیں گے تو یہ پردہ مہین (پتلا) ہوجائے گا، اور کچھ کچھ آخرت نظر آنے لگے گی، اور قیامت کے دن یہ پردہ بالکل ہٹ جائے گا ـــــ سو آج تیری آنکھ بہت تیز ہے ـــــ اب تجھے سب کچھ نظر آرہا ہے!

اور اس کے ساتھی فرشتہ نے کہا: یہ میرے پاس مسل تیار ہے ـــــ اس کے مطابق فیصلہ صادر فرمایا جائے ـــــ پس بارگاہِ عالی سے حکم صادر ہوگا: ـــــ دونوں دوزخ میں ڈالو ہر کٹر کافر، نہایت ضدی، نیکیوں سے بہت زیادہ روکنے والے، حد سے بڑھنے والے، شبہات میں ڈالنے والے کو، جس نے اللہ کے ساتھ دوسرا معبود تجویز کیا تھا ـــــ یہ جہنم میں جھونکے جانے کی بنیادیں ہیں ـــــ پس تم دونوں اس کو سخت عذاب میں ڈالو! ـــــ اب وہ وہاں ہمیشہ سڑے گا!

کافر کے ساتھ اس کا ہم زاد شیطان بھی دوزخ میں ڈالا جائے گا

اور اس کی حجت بازی نہیں چلے گی، نہ بندوں پر ظلم ہوگا

جب کفار کو جہنم میں جھونکا جائے گا تو ان کے ساتھ ان کے ہم زادوں (روائتی شیطانوں) کو بھی دوزخ میں ڈالا جائے گا

اس وقت وہ شیطان ساتھی کہے گا: پروردگار! میرا کیا قصور ہے! میں نے اس کو گمراہ نہیں کیا، وہ خود آخری درجہ کی گمراہی (کفر وشرک) میں مبتلا تھا، مجھے اس کے ساتھ جیل میں کیوں بھیجا جا رہا ہے؟ —— ارشادِ عالی ہوگا: میرے سامنے جھک جھک مت کرو، حجت بازی سے کام نہیں چلے گا، میں تمہیں دنیا میں نیک وبد سے آگاہ کرچکا تھا، اب میرے یہاں بات نہیں بدلتی، کفر وشرک کی دائمی سزا جہنم ہے، اب معافی اور درگذر کا کوئی سوال نہیں، تمہارے جرم کی یہی سزا ہے، اور اللہ کا یہ فیصلہ مبنی بر انصاف ہے، قیامت کے دن بندوں پر اللہ تعالیٰ ذرہ بھر ظلم نہیں کریں گے، اللہ نے جہنم سے بھرنے کا وعدہ کیا ہے: ﴿ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴾: بخدا! ضرور بھروں گا میں جہنم کو جنات اور انسانوں سے سبھی سے [ہود ۱۱۹] اور جہنم اتنی بڑی ہے کہ بھرنے کا نام ہی نہیں لے گی، جب بھی اللہ تعالیٰ اس سے پوچھیں گے: اری! تو بھری؟ تو وہ کہے گی: اور لاؤ! ابھی میں نہیں بھری، اس وقت بھی اللہ تعالیٰ بے گناہوں کو جہنم میں ٹھونس کر اس کو نہیں بھریں گے، بلکہ متفق علیہ حدیث میں ہے کہ اس پر قدم رکھیں گے، جس سے وہ سکڑ جائے گی، اور کہے گی: بس بس! بھر گئی! بھر گئی! اس طرح بھریں گے، بے گناہوں سے نہیں بھریں گے، کیونکہ ان کی بارگاہ ظلم سے پاک ہے۔

﴿ قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ۝ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ ۝ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝ يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ۝ ﴾

ترجمہ: اور اس کے (شیطان) ساتھی نے کہا: اے ہمارے پروردگار! میں نے اس کو سرکش نہیں بنایا، بلکہ وہ خود دور کی گمراہی میں تھا! —— ارشاد ہوگا: میرے سامنے حجت بازی مت کرو، میں پہلے ہی تمہارے پاس وعید بھیج چکا ہوں —— کہ شرک وکفر کی ابدی سزا جہنم ہے —— میرے یہاں بات بدلتی نہیں —— جو فیصلہ ہو چکا: ہو چکا، اب معافی کا کوئی سوال نہیں۔ اور میں بندوں پر ذرہ بھر ظلم کرنے والا نہیں، جس دن ہم دوزخ سے پوچھیں گے کہ تو بھر گئی؟ اور وہ کہے گی کہ کچھ اور بھی ہے؟ —— یعنی میں ابھی نہیں بھری، ابھی میرے اندر بہت جگہ ہے، اس وقت بھی اللہ تعالیٰ بے گناہوں سے جہنم کو نہیں بھریں گے کہ یہ ظلم ہوگا، بلکہ اس کو سکیڑ دیں گے اور اس طرح اللہ کا وعدہ پورا ہو جائے گا۔

وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ۝ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ ۝ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبِ ۝ ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ ۝ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ ۝

وَاُزْلِفَتِ (۱)	اور نزدیک کی گئی	مَنْ	جو شخص	بِسَلٰمٍ	سلامتی کے ساتھ
الْجَنَّةُ	جنت	خَشِیَ	ڈرا	ذٰلِكَ	یہ
لِلْمُتَّقِیْنَ	پرہیزگاروں کے لئے	الرَّحْمٰنَ	نہایت مہربان سے	یَوْمُ الْخُلُوْدِ	ہمیشہ رہنے کا دن ہے
غَیْرَ بَعِیْدٍ (۲)	کچھ دور نہیں	بِالْغَیْبِ	بن دیکھے	لَهُمْ	ان کے لئے ہے
هٰذَا مَا	یہ جو	وَجَآءَ	اور آیا	مَّا یَشَآءُوْنَ	جو چاہیں گے وہ
تُوْعَدُوْنَ	وعدہ کئے گئے تم	بِقَلْبٍ	دل کے ساتھ	فِیْهَا	اس میں
لِكُلِّ اَوَّابٍ (۳)	ہر رجوع ہونے والے کیلئے	مُّنِیْبٍ (۵)	رجوع ہونے والا	وَلَدَیْنَا	اور ہمارے پاس
حَفِیْظٍ (۴)	حفاظت کرنے والے کیلئے	اُدْخُلُوْهَا	داخل ہو تم	مَزِیْدٌ (۶)	اور بھی ہے

کفار کی تعذیب اخروی کے مقابلہ میں اہل جنت کے عیش کا ذکر

قرآنِ کریم کا ایک اسلوب ہے، جب وہ مؤمنین وکفار میں سے کسی ایک کا اخروی انجام بیان کرتا ہے تو ساتھ ہی دوسرے فریق کا بھی اخروی انجام بیان کرتا ہے، کیونکہ ضد سے ضد پہچانی جاتی ہے، گذشتہ آیات میں کفار کی تعذیب اخروی کا بیان تھا، اب ان کے مقابلہ میں اہل جنت کے عیش کا ذکر ہے۔ جنت پرہیزگاروں کے لئے میدانِ حشر سے نزدیک کی جائے گی کہ کچھ دور نہیں رہے گی یعنی جنت دوسرے عالم ہی میں رہے گی، مگر بہت نزدیک نظر آئے گی۔ دو عالم (دنیا وآخرت) ساتھ ساتھ چل رہے ہیں، دنیا کی طرح آخرت بھی اپنے تمام مشمولات کے ساتھ فی الحال موجود ہے، مگر دونوں عالموں کے درمیان دبیز پردہ پڑا ہوا ہے، اس لئے دنیا سے آخرت نظر نہیں آتی، مگر آخرت سے دنیا نظر آتی ہے، حدیث میں ہے کہ اگر کوئی عورت شوہر کو ستاتی ہے، تو جنت میں اس کی حور اس بیوی کو کوستی ہے، کہتی ہے: اری! کیوں ستاتی ہے، یہ تو تیرے پاس چند دن کا مہمان ہے، تجھے چھوڑ کر ہمارے پاس آجائے گا (ترمذی حدیث ۱۱۷۴ تحفۃ الالمعی ۳:۶۱۳) اس روایت سے معلوم ہوا کہ حوروں کو یہ دنیا نظر آتی ہے، اسی طرح فرشتوں کو بھی یہ عالم نظر آتا ہے، مگر دنیا والوں کو آخرت نظر نہیں آتی، تاکہ ایمان بالغیب حاصل رہے، جیسے کار کے شیشے پر کالی پٹی چپکا دیتے ہیں تو باہر سے اندر کا نظر نہیں آتا، اور

(۱) أَزْلَفَ الشيئَ: نزدیک کرنا (افعال) زَلَفَ (ن) زَلْفًا: نزدیک ہونا (۲) غیر بعید: موصوف مکانا کے قائم مقام اور أزلفت کا مفعول فیہ ہے یا الجنة کا حال ہے۔ (۳) أواب: اسم مبالغہ، آب إليه (ن): لوٹنا، توبہ کرنا، لکل: للمتقين سے حرفِ جر کے اعادہ کے ساتھ بدل ہے۔ (۴) حفیظ بمعنی حافظ (۵) منیب: اسم فاعل، أناب إلى الله: اللہ کی طرف رجوع کرنا (۶) مزید: حاصل مصدر: زائد، اور بھی۔

اندر سے باہر کا نظر آتا ہے۔

پھر جب لوگ عالم برزخ (قبر) میں پہنچ جاتے ہیں تو وہ پردہ مہین ہو جاتا ہے، حدیث میں اس کی تعبیر یہ آئی ہے کہ قبر میں جنت اور جہنم کی طرف کھڑکیاں کھول دی جاتی ہیں، جنت سے بھینی بھینی (نرم نرم) ہوائیں آنے لگتی ہیں، اور جہنم سے اونٹ جیسے شرارے اڑ کر آتے ہیں، اس لئے قبر میں پہنچ کر ہر شخص کو آخرت کا یقین آجاتا ہے۔

پھر قیامت کے دن یہ پردہ بالکل اٹھا دیا جائے گا، میدانِ حشر یہی زمین ہوگی، مگر محشر سے جنت نظر آئے گی، تاکہ آتش شوق تیز ہو جائے، اور جہنم بھی تاکہ وہ روح فرسا ثابت ہو، سورۃ الشعراء کی (آیات ۹۰ و ۹۱) ہیں: ﴿ وَ اُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ وَ بُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ ﴾: جنت خدا ترسوں کے لئے نزدیک کر دی جائے گی ۝ اور جہنم گمراہوں کے لئے ظاہر کر دی جائے گی یعنی جنت اور جہنم اپنی جگہ رہیں گی، مگر دونوں میدانِ حشر سے نظر آئیں گی۔

اور میدانِ حشر میں پرہیز گاروں سے کہا جائے گا: یہ وہ جنت ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا، خوش ہو جاؤ، حساب کتاب سے نمٹ کر یہی جنت تمہارا ٹھکانا ہے۔ البتہ یہ جنت ان لوگوں کے لئے ہے جن میں چار باتیں ہوں:

۱- وہ اللہ سے لو لگانے والے ہوں، اوّاب کے یہی معنی ہیں۔

۲- وہ کرنے کے کاموں پر مضبوطی سے عمل کرنے والے ہوں۔ حفیظ: بمعنی حافظ ہے، اس کے معنی ہیں حفاظت کرنے والا یعنی اعمالِ صالحہ کی پابندی کرنے والا۔

۳- اللہ تعالیٰ سے دیکھے بغیر ڈرتا ہو، یعنی ممنوعاتِ شرعیہ سے بچتا ہو۔

۴- دل محفوظ ہو، اللہ کی طرف رجوع ہونے والا دل لے کر میدانِ حشر میں آئے۔

پھر جب حساب کتاب نمٹ جائے گا تو پرہیز گاروں سے کہا جائے گا: اب بے کھٹک جنت میں چلے جاؤ، تم وہاں ہمیشہ رہو گے اور وہاں جو چاہو گے ملے گا، کسی بات کا ٹوٹا نہیں ہوگا، اور مزید دیدارِ خداوندی سے سرفراز کئے جاؤ گے۔

﴿ وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ۝ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ ۝ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبٍ ۝ ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ ۝ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ ۝ ﴾

ترجمہ: اور جنت پرہیز گاروں کے لئے نزدیک لائی جائے گی، وہ ان سے کچھ دور نہیں رہے گی (کہا جائے گا:) یہ وہ جنت ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا، یہ جنت ہر ایسے شخص کے لئے ہے جو رجوع ہونے والا، پابندی کرنے والا ہے۔ جو نہایت مہربان اللہ سے دیکھے بغیر ڈرتا ہے، اور وہ رجوع ہونے والا دل لے کر آیا ہے (کہا جائے گا:) جنت میں بے کھٹک داخل ہو جاؤ، یہ ہمیشہ رہنے کا دن ہے، ان کو جنت میں جو چاہیں گے ملے گا، اور ہمارے پاس اور بھی نعمت ہے —— یعنی دیدارِ خداوندی۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ ؕ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿۳۶﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ﴿۳۷﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖۗ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ﴿۳۸﴾ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ﴿۳۹﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ﴿۴۰﴾ وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿۴۱﴾ يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ ﴿۴۲﴾ اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُ ﴿۴۳﴾ يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ؕ ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ﴿۴۴﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَا اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۫ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ﴿۴۵﴾

وَكَمْ(۱)	اور بہت سی	فِي الْبِلَادِ	شہروں کو	السَّمْعَ	کان
اَهْلَكْنَا	ہلاک کیں ہم نے	هَلْ	کیا	وَهُوَ	درانحالیکہ وہ
قَبْلَهُمْ	اُن سے پہلے	مِنْ مَّحِيْصٍ(۴)	کوئی جائے پناہ ملی؟	شَهِيْدٌ	موجود ہے
مِّنْ قَرْنٍ	جماعتیں (امتیں)	اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ	بے شک اس میں	وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق
هُمْ	وہ	لَذِكْرٰى(۵)	یقیناً نصیحت ہے	خَلَقْنَا	پیدا کیا ہم نے
اَشَدُّ(۲)	سخت تھیں	لِمَنْ	اس شخص کے لئے جو	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں کو
مِنْهُمْ	اُن سے	كَانَ لَهٗ	ہے اس کے لئے	وَالْاَرْضَ	اور زمین کو
بَطْشًا	پکڑ میں	قَلْبٌ	دل	وَمَا بَيْنَهُمَا	اور دونوں کے درمیان
فَنَقَّبُوْا(۳)	پس چھان مارا انھوں نے	اَوْ اَلْقَى	یا ڈالا اس نے		کی چیزوں کو

(۱) کم: خبریہ، من قرن: اس کا بیان (۲) أشد بطشا: اسم تفضیل (۳) نَقَّبَ: بہت کھود کرید کرنا، تلاش و جستجو کرنا (۴) محیص: ظرف: پناہ گاہ، لوٹنے کی جگہ (۵) ذکری: ذکر کی طرح مصدر: نصیحت کرنا۔

فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ	چھ دنوں میں	وَاسْتَمِعْ	اور کان لگا کر سن!	الْاَرْضُ	زمین
وَّمَا مَسَّنَا	اور نہیں چھویا ہمیں	يَوْمَ	جس دن	عَنْهُمْ	ان سے
مِنْ لُّغُوْبٍ (۱)	ذرا تکان نے	يُنَادِ	پکارے گا	سِرَاعًا (۴)	تیزی سے
فَاصْبِرْ	پس صبر کریں آپ ﷺ	الْمُنَادِ	پکارنے والا	ذٰلِكَ حَشْرٌ	یہ جمع کرنا
عَلٰى مَا	اس پر جو	مِنْ مَّكَانٍ	جگہ سے	عَلَيْنَا	ہم پر
يَقُوْلُوْنَ	وہ کہتے ہیں	قَرِيْبٍ	نزدیک	يَسِيْرٌ	آسان ہے
وَسَبِّحْ	اور پاکی بیان کریں	يَوْمَ	جس دن	نَحْنُ	ہم
بِحَمْدِ	خوبی کے ساتھ	يَسْمَعُوْنَ	سنیں گے وہ	اَعْلَمُ	خوب جانتے ہیں
رَبِّكَ	اپنے رب کی	الصَّيْحَةَ	سخت آواز	بِمَا	اس کو جو
قَبْلَ	پہلے	بِالْحَقِّ	برحق	يَقُوْلُوْنَ	کہتے ہیں وہ
طُلُوْعِ	نکلنے	ذٰلِكَ يَوْمُ	یہ دن	وَمَا	اور نہیں
الشَّمْسِ	سورج کے	الْخُرُوْجِ	نکلنے کا ہے	اَنْتَ	آپ
وَقَبْلَ	اور پہلے	اِنَّا نَحْنُ	بے شک ہم ہی	عَلَيْهِمْ	ان پر
الْغُرُوْبِ	چھپنے کے	نُحْيٖ	زندہ کرتے ہیں	بِجَبَّارٍ	زور والے
وَمِنَ الَّيْلِ	اور رات کے کچھ حصہ میں	وَنُمِيْتُ	اور مارتے ہیں	فَذَكِّرْ	پس نصیحت کریں
فَسَبِّحْهُ	پس پاکی بیان کریں	وَاِلَيْنَا	اور ہماری طرف	بِالْقُرْاٰنِ	قرآن کے ذریعہ
	ان کی	الْمَصِيْرُ	لوٹنا ہے	مَنْ	اس کو جو
وَاَدْبَارَ (۲)	اور پیچھے	يَوْمَ	جس دن	يَّخَافُ	ڈرتا ہے
السُّجُوْدِ (۳)	نمازوں کے	تَشَقَّقُ	پھٹے گی	وَعِيْدِ (۵)	(میری) دھمکی سے

(۱) لغوب: مصدر: تکان، تعب، لغَبَ (ف) لَغْبًا وَلُغُوبا: بہت تھک جانا۔ (۲) أدبار: دُبُر کی جمع: پیٹھ، پیچھے (۳) السُّجود: مصدر: سجدہ کرنا، اسم مصدر: عبادت، سجدۃ، یہاں نماز مراد ہے، راغب نے لکھا ہے: کبھی نماز کو سجود سے تعبیر کیا جاتا ہے (یہ السجدة کی جمع نہیں، اس کی جمع السجدات ہے) (۴) سراعاً: عنهم کی ضمیر کا حال ہے۔ (۵) وعید: یاء محذوف ہے، دال کا کسرہ اس کی علامت ہے۔

منکرینِ مکہ کو دنیا میں بھی سزا مل سکتی ہے

درمیان میں اہل جنت کے ناز ونعمت کا ذکر تھا، اب پھر مشرکین مکہ کی سزا ہی کا ذکر ہے، ان کو آخرت سے پہلے دنیا میں بھی سزا مل سکتی ہے، اللہ تعالیٰ کتنی ہی سرکش قوموں کو تباہ کر چکے ہیں، جو زور وقوت اور ساز وسامان میں مکہ کے کفار سے بڑھ کر تھیں، جنھوں نے کتنے ہی شہر چھان مارے تھے، ایک دنیا پامال کر رکھی تھی، مگر جب عذاب آیا تو روئے زمین پر کہیں بھی پناہ نہ ملی، ان کے عبرت ناک واقعات سے وہ شخص نصیحت حاصل کر سکتا ہے جس کے پاس سمجھنے والا دل ہے، وہ تو بات سنتے ہی راہ راست پر آجائے گا، یا پھر وہ دماغ حاضر کر کے کان دے کر بات سنے تو اس کے سنبھلنے کی بھی امید ہے، اور یہ دونوں باتیں نہ ہوں تو اس کو خدا سمجھے!

﴿ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ ۭ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ۝ ﴾

ترجمہ: اور ہم اُن (مکہ والوں) سے پہلے کتنی ہی امتیں ہلاک کر چکے، جو اُن (مکہ والوں) سے زیادہ زور آور تھیں، پس انھوں نے شہروں کو چھان مارا، تو کیا (ان کو) کوئی جائے پناہ ملی؟ —— یعنی وہ عذاب الٰہی سے بچ سکے؟ —— بے شک اس میں یقیناً عبرت ہے اس کے لئے جس کے پاس (سمجھنے والا) دل ہے، یا وہ کان دے کر بات سنے درانحالیکہ اس کا دماغ حاضر ہو!

جو پہلی مرتبہ کائنات پیدا کر کے تھکا نہیں وہ دوسری مرتبہ کیوں تھکے گا!

اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات (آسمان، زمین اور درمیان کی چیزیں) چھ دنوں (ادوار) میں بنائی ہیں، اور ان کو تھکن چھو کر بھی نہیں گئی، اور یہود بکواس کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کائنات پیدا کر کے تھک گئے تھے، اس لئے ساتویں دن (بار کے دن) بے بار رہے، چھٹی کی اور آرام کیا، یہ ان کی ناقدر شناسی ہے، پس جو پہلی مرتبہ کائنات بنا کر نہیں تھکا وہ اس کائنات کو ختم کر کے دوسری مرتبہ کیوں نہیں بنا سکتا؟ ضرور بنائے گا، وہ ہر بار پیدا کرنے پر قادر ہے!

﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ڰ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ۝ ﴾

ترجمہ: اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو، اور دونوں کے درمیان کی چیزوں کو چھ دنوں میں پیدا کیا، اور ہمیں تھکن چھو کر بھی نہیں گئی!

مسلمان ابھی تعمیر خودی میں مشغول رہیں

اس سورت کا نزول کا نمبر ۳۴ ہے، یہ سورت ابتدائے اسلام میں نازل ہوئی ہے، اس وقت تک معاملہ بہت زیادہ گرم

نہیں ہوا تھا، اس لئے اس سورت کا انداز پیارا ہے، بات نرمی سے سمجھائی ہے، اور دھمکی دی ہے تو کیپسول میں بھر کر دی ہے۔ اور اب تک خطاب منکرین سے تھا، اب مؤمنین سے ہے کہ ابھی تم خود کو بناؤ، پانچ وقت کی نمازیں پابندی سے پڑھو، اور نمازوں کے بعد اذکار کا بھی اہتمام کرو، اس سے خود اعتمادی پیدا ہوگی، اور ابھی صبر و ہمت سے کام لو، دن پھرنے والے ہیں۔ بخاری شریف (حدیث ۴۸۵۲) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ سبھی نمازوں کے بعد اللہ کی پاکی بیان کریں، یہ ابن عباسؓ نے ﴿ اَدْبَارَ السُّجُوْدِ ﴾ کی تفسیر کی ہے۔

اور سورج نکلنے سے پہلے فجر کی نماز ہے، اور سورج چھپنے سے پہلے دو نمازیں (ظہر اور عصر) ہیں، اور رات کے شروع حصہ میں دو نمازیں (مغرب اور عشاء) ہیں، اور فرض نمازوں کے بعد تسبیح و تحمید اور دیگر اذکار کا اہتمام کرو، اس سے تمہاری دینی شخصیت بنے گی۔

ملحوظہ: اذکار و تسبیحات عام طور پر مسلمان جانتے ہیں، اور اذکار و دعوات کی کتابوں میں بیان ہوئے ہیں۔

﴿ فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ الْغُرُوْبِ۝ وَمِنَ الَّیْلِ فَسَبِّحْهُ وَ اَدْبَارَ السُّجُوْدِ ۝﴾

ترجمہ: پس آپ اُن (منکر بعث) کی باتوں پر صبر کریں۝ اور اپنے رب کی خوبی کے ساتھ پاکی بیان کریں، سورج نکلنے سے پہلے، اور چھپنے سے پہلے، اور رات کے ایک حصہ میں اس کی پاکی بیان کریں اور نمازوں کے بعد بھی۔

آخری دو باتیں: ایک: منکرین بعث سے، دوسری: پیغمبر ﷺ سے

پہلی بات: —— منکرین بعث الموت سے فرمایا جا رہا ہے کہ جب اسرافیل صور پھونکیں گے تو ایسا محسوس ہوگا جیسے قریب سے آواز آ رہی ہے، حالانکہ وہ اپنے مقام سے پھونکیں گے، جب لوگ یہ واقعی چیخ سنیں گے وہ قبروں سے نکلنے کا دن ہوگا، جلاتے مارتے اللہ تعالیٰ ہی ہیں، اس دنیا میں بھی حیات انھوں نے ہی بخشی ہے، پھر وہی لے بھی لیتے ہیں، اور جب صور پھونکا جائے گا اس وقت وہ پھر ابدان کو حیاتِ نو بخشیں گے، اور اس کی صورت یہ ہوگی کہ زمین مردوں سے تیزی کے ساتھ پھٹے گی، اور اجسام بنے بنائے زمین سے نکل آئیں گے، پھر ارواح ان کی طرف لوٹائی جائیں گی، پھر سب کو میدانِ حشر میں جمع کریں گے، یہی لوٹ کر اللہ کے پاس آنا ہے، اور یہ اللہ پر آسان ہے۔

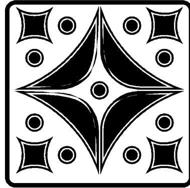
دوسری بات: —— پیغمبر ﷺ سے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو لوگوں کا ردِّعمل معلوم ہے، وہ آپؐ کی دعوت کا کیا جواب دے رہے ہیں اس سے اللہ تعالیٰ خوب واقف ہیں، مگر آپؐ زور زبردستی اپنی بات کسی سے نہیں منوا سکے، پس آپؐ لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑیں، اور قرآن سنا کر فہمائش کرتے رہیں، جو اللہ سے ڈرتا ہے وہ ضرور ایمان لے آئے گا۔

﴿ وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِن مَّكَانٍ قَرِيبٍ ۝٤١ يَوْمَ يَسْمَعُونَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۚ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوجِ ۝٤٢ إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ وَإِلَيْنَا الْمَصِيرُ ۝٤٣ يَوْمَ تَشَقَّقُ الْأَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ۚ ذَٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيرٌ ۝٤٤ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ ۖ وَمَا أَنتَ عَلَيْهِم بِجَبَّارٍ ۖ فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَن يَخَافُ وَعِيدِ ۝٤٥ ﴾

ترجمہ: اور کان کھول کر سنو! جس دن پکارنے والا پاس سے پکارے گا ـــــ دوسری بار نفخ صور کا ذکر ہے ـــــ پاس سے پکارے گا: یعنی اس کی آواز ہر جگہ نزدیک لگے گی ـــــ جس دن لوگ برحق چیخ سنیں گے ـــــ برحق: یعنی واقعی، وہ کوئی دھوکہ نہیں ہوگا ـــــ یہ (قبروں سے) نکلنے کا دن ہے، بے شک ہم ہی جلاتے اور مارتے ہیں، اور ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے، جس دن زمین لوگوں سے تیزی کے ساتھ پھٹے گی، یہ (میدانِ حشر میں) جمع کرنا ہمارے لئے آسان ہے!

ہم خوب جانتے ہیں جو وہ کہتے ہیں، اور آپؐ ان پر کچھ جبر کرنے والے نہیں، پس آپؐ قرآن کے ذریعہ اس کو نصیحت کریں جو میری دھمکی سے ڈرتا ہے۔

﴿جمعہ یکم جمادی الاخری سن ۱۴۳۷ھ مطابق ۱۱/مارچ سن ۲۰۱۶ء﴾



آیاتہا ۶۰ — (۵۱) سُوْرَةُ الذّٰرِيٰتِ مَكِّيَّةٌ (۶۷) — رکوعاتہا ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ۙ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ۙ فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ۙ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ۙ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ۙ وَّاِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ ۭ وَالسَّمَاۗءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۙ يُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ۭ قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ۙ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ۙ يَسْـَٔلُوْنَ اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ ۭ يَوْمَ هُمْ عَلَي النَّارِ يُفْتَنُوْنَ ۝ ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ ۭ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۝

وَالذّٰرِيٰتِ	قسم اڑانی والی ہواؤں کی	اَمْرًا	حکم کو	وَالسَّمَاۗءِ	قسم آسمان
ذَرْوًا	ابھار کر	اِنَّمَا	بے شک جو	ذَاتِ الْحُبُكِ	پُر رونق کی
فَالْحٰمِلٰتِ	پس اٹھانے والیوں کی	تُوْعَدُوْنَ	وعدہ کئے جارہے ہو تم	اِنَّكُمْ	بے شک تم
وِقْرًا	بوجھ کو	لَصَادِقٌ	البتہ سچا ہے	لَفِيْ قَوْلٍ	باتوں میں ہو
فَالْجٰرِيٰتِ	پس چلنے والیوں کی	وَّاِنَّ	اور بے شک	مُّخْتَلِفٍ	مختلف
يُسْرًا	نرمی سے	الدِّيْنَ	بدلہ	يُّؤْفَكُ	پھیرا جاتا ہے
فَالْمُقَسِّمٰتِ	پس بانٹنے والیوں کی	لَوَاقِعٌ	ضرور ملنے والا ہے	عَنْهُ	اس (حق بات) سے

(۱) الذاریات سے المقسمات تک چاروں اسم فاعل، جمع مؤنث کے صیغے ہیں۔ ریح جمع أرواح کے قائم مقام ہیں، اور روایت میں چاروں کے مختلف مصادیق بھی آئے ہیں، مگر وہ روایت ضعیف ہے...... اور واوقسمیہ: حرفِ جر ہے...... ذَرَتِ الریحُ الترابَ (ن) ذروًا: ہوا کا مٹی اڑانا...... ذَرْوًا: مفعول مطلق...... وَقرًا: مفعول بہ...... یسرا: مفعول مطلق من غیر لفظہ ...... اور امر سے امر الٰہی مراد ہے یعنی جہاں جتنا پانی برسنا چاہئے ہوائیں برساتی ہیں، پھر بادلوں کو آگے بڑھادیتی ہیں

(۲) إنما: إنَّ: حرفِ مشبہ بالفعل اور ما: موصولہ، اور اس کی طرف لوٹنے والی ضمیر صلہ میں محذوف ہے أی توعدون بہ۔

(۳) ذات الحبك: کا ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اسْتِوَاءُ ھا و حُسْنُھَا کیا ہے، یعنی درست اور پُر رونق آسمان (تحفۃ القاری ۹: ۵۱۸) اور اس کا ترجمہ راہیں اور دھاری دار بھی کیا گیا ہے۔

مَنْ أُفِكَ	جو پھیرا گیا	سَاهُونَ	بھولنے والے ہیں	يُفْتَنُونَ	تپائے جائیں گے
قُتِلَ	ناس ہو	يَسْـَٔلُوْنَ	پوچھتے ہیں وہ	ذُوْقُوْا	چکھو
الْخَرّٰصُوْنَ	اٹکل اڑانے والوں کا	اَيَّانَ	کب ہے	فِتْنَتَكُمْ	اپنی گمراہی!
الَّذِيْنَ	جو	يَوْمُ الدِّيْنِ	جزاء کا دن؟	هٰذَا الَّذِيْ	یہ جو
هُمْ	وہ	يَوْمَ هُمْ	جس دن وہ	كُنْتُمْ بِهٖ	تھے تم اس کی
فِيْ غَمْرَةٍ	گہرے پانی (غفلت) میں	عَلَى النَّارِ	آگ پر	تَسْتَعْجِلُوْنَ	جلدی مچاتے

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

سورت کا نام اور موضوع: یہ سورت مکی ہے، پہلے لفظ سے نام رکھا ہے، اس کا نزول کا نمبر ۶۷ ہے یعنی یہ مکی دور کے وسط کی ہے، اس کا موضوع بھی سورۂ قٓ کی طرح بعث بعد الموت، آخرت، حساب کتاب اور ثواب وعقاب ہے، گذشتہ سورت: ﴿مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ﴾ پر پوری ہوئی تھی: یہ سورت اسی مضمون سے شروع ہورہی ہے۔

جزاء کا وعدہ سچا ہے، اختلاف فضول ہے، اختلاف کرنے والے سزا پائیں گے

بات یہاں سے شروع کی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام جو خبر دیتے ہیں کہ اس زندگی کے بعد دوسری زندگی ہے، یہ خبر بالکل سچی ہے، دوسری زندگی میں جزاؤسزا سے ضرور سابقہ پڑے گا، مگر لوگ اس سلسلہ میں مختلف نظریات رکھتے ہیں، کوئی کہتا ہے: زندگی بس یہی زندگی ہے: ﴿وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ﴾: دنیوی زندگی کے علاوہ کوئی زندگی نہیں، اور ہم صرف زمانہ کی گردش سے مرتے جیتے ہیں [الجاثیہ ۲۴] یعنی اس عالم کا کوئی کارساز نہیں، اور کوئی کہتا ہے: نرک (دوزخ) اور سورگ (جنت) ہیں، اور جزاؤسزا بھی ہے، مگر وہ اسی دنیا میں ہے، مرکر پھر اسی عالم میں اچھے برے حال میں لوٹ آنا ہے، اسی کو وہ آواگون (تناسخ) کہتے ہیں، اور یہود کہتے ہیں: آخرت میں جنت ہمارے ہی لئے ہے، ہم اللہ کی اولاد اور چہیتے ہیں، اور عیسائی کہتے ہیں: ہمارے ہی لئے ہے، اللہ کے بیٹے سولی پر چڑھ کر ہمارے گناہوں کا کفارہ بن گئے ہیں، اور اسلام کہتا ہے کہ آنے والی زندگی میں ہر شخص کو اس کے کئے کا پھل ملے گا، ان مختلف نظریات میں سے صرف اسلام کا نظریہ صحیح ہے، مگر اس کو قبول کرنے کی توفیق ہر شخص کو نہیں ملتی، دوسرے لوگ اٹکل پچو کا تیر چلاتے ہیں، مگر یہ مسئلہ اٹکل اڑانے کا نہیں، نہایت سنجیدہ مسئلہ ہے، مگر لوگ غفلت کا شکار ہیں، آخرت کو بھولے ہوئے ہیں، عام مسلمانوں کا حال بھی دوسروں سے کچھ مختلف نہیں، وہ بھی جنت کو عمل کے بغیر اپنی جاگیر سمجھتے ہیں، اور منکرین دوسری زندگی کا ٹھٹھا کرتے ہیں،

کہتے ہیں: جزاء کا دن کب آئے گا؟ جواب: جس دن تم جہنم کا ایندھن بنو گے، اور تم سے کہا جائے گا: اپنی گمراہی کا مزہ چکھو! یہی وہ دن ہے جس کے بارے میں تم جلدی مچاتے تھے!

پھر پہلی دو باتوں کو شواہد و دلائل کے ذریعہ مدلل کیا ہے، قرآن کی قسمیں مقسم علیہ (مدعی) کی دلیلیں ہوتی ہیں، مگر دلیل کی تقریریں دو ہیں:

پہلی بات: —— مرنے کے بعد زندہ ہونے کی بات سچی ہے، اور اس کی دلیل کی دو تقریریں ہیں:

پہلی تقریر: —— آندھیاں چلتی ہیں تو مٹی کو اڑا کر فضاء کی بلندی میں لے جاتی ہیں، جبکہ زمین کی کشش کا تقاضا ہے کہ گرد اوپر نہ اٹھے، ڈھیلا پھینکتے ہیں تو فوراً زمین کی طرف لوٹ آتا ہے، مگر آندھی میں گرد اوپر ہی اٹھتی چلی جاتی ہے —— اور سمندر سے جو بھاپ اٹھتی ہے وہ فضاء میں پہنچ کر بوجھل بادل بن جاتی ہے، ہوا اس کو فضاء میں تھامے رہتی ہے —— اور لاکھوں ٹن کی کشتیاں پانی پر رواں دواں ہیں، جبکہ سو گرام کا ڈھیلا پانی پر نہیں رکتا —— اور فرشتے مخلوق کی روزی بانٹتے ہیں، کسی کو کم اور کسی کو زیادہ دیتے ہیں، اور وہ ایسا اللہ کے حکم سے کرتے ہیں —— یہ سب قدرت الٰہی کی ادنی کرشمہ سازیاں ہیں، کیا ایسا قادر مطلق دوسری زندگی وجود میں نہیں لا سکتا؟

دوسری تقریر: اللہ تعالیٰ پروردگار عالم ہیں، وہ سب کو روزی پہنچاتے ہیں، اور بارش برساتے ہیں، اور اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ہوائیں سمندر سے بھاپ کو ابھار کر فضاء کی بلندی میں لے جاتی ہیں، وہاں بھاپ کے بوجھل بادل بن جاتے ہیں، ہوا ان کو فضاء میں اٹھائے رہتی ہے، پھر ان کو سہج سہج لے چلتی ہے، اور جہاں اللہ کا حکم ہوتا ہے بادل برستے ہیں، اسی طرح قیامت کا جو وعدہ ہے وہ سچا ہے، اس کے بھی اسباب بن رہے ہیں، جب اسباب مہیا ہو جائیں گے تو یہ دنیا ختم ہو جائے گی، اور دوسری دنیا شروع ہوگی، اور مؤمنین افضالِ الٰہی سے نہال ہو جائیں گے اور دوسرے ماتم کناں رہ جائیں گے۔

دوسری بات: —— لوگ آخرت کے تعلق سے مختلف باتیں کرتے ہیں، اس کی دلیل کی بھی دو تقریریں ہیں:

پہلی تقریر: —— آسمان میں راہیں ہیں، سیاروں اور ستاروں کی مداریں ہیں، اور فرشتوں کی گذرگاہیں ہیں، جیسے یہ دھاریاں مختلف ہیں اسی طرح قیامت کے تعلق سے لوگوں کی باتیں مختلف ہیں۔

دوسری تقریر: —— آسمان کو دیکھو! کیسا خوبصورت اور پُر رونق ہے، اس کی یہ رعنائی تاروں کی مرہونِ منت ہے، اور ستارے مختلف رنگوں کے ہیں، کوئی سرخ ہے، کوئی سفید، کوئی زرد، کوئی بڑا، کوئی درمیانی اور کوئی چھوٹا، اسی طرح آخرت کے تعلق سے لوگوں کی باتیں مختلف ہیں۔

﴿ وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ۙ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ۙ فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ۙ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ۙ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ۙ وَّاِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ ۭ ﴾

ترجمہ: (گرد یا بھاپ) ابھار کر اڑانے والی ہواؤں کی قسم! پس (بادلوں کا) بوجھ اٹھانے والی ہواؤں کی، پس نرمی سے (بادلوں کو) لے چلنے والی ہواؤں کی، پس حکم (الٰہی کے مطابق بارش) بانٹنے والی ہواؤں کی! بے شک جو تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ سچا ہے، اور جزاؤ سزا ضرور ہو کر رہنے والی ہے۔

﴿ وَالسَّمَاۗءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۙ يُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ۭ ﴾

ترجمہ: خوبصورت (یا راہوں والے) آسمان کی قسم! بالیقین تم مختلف باتوں میں ہو — جو سب صحیح نہیں، ان میں سے ایک ہی بات صحیح ہے — اس سے پھیرا جاتا ہے جو پھیرا گیا — یعنی جو سعادت سے محروم رہا وہی اس بات کو نہیں مانتا۔

﴿ قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ۙ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ۙ يَسْــَٔـلُوْنَ اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ ۭ يَوْمَ هُمْ عَلَي النَّارِ يُفْتَنُوْنَ ۝ ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ ۭ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: غارت ہوں اٹکل ہانکنے والے! جو غفلت میں (آخرت کو) بھولے ہوئے ہیں — اور نہ صرف غافل ہیں، بلکہ ٹھٹھا کرتے ہیں — پوچھتے ہیں: روز جزاء کب ہوگا؟ — جواب: — جس دن وہ آگ پر تپائے جائیں گے — یہ جزاء کا دن ہے، اس دن ان سے کہا جائے گا: — چکھو اپنی گمراہی! یہی ہے جس کی تم جلدی مچاتے تھے!

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۙ اٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ ۭ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ۝ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝ وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّاۗىِٕلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝ وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ۙ وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ وَفِي السَّمَاۗءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ۝ فَوَرَبِّ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ۝

ع ۳ / ۱۸

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ	بے شک پرہیزگار باغات میں	وَّعُيُوْنٍ اٰخِذِيْنَ (۱)	اور چشموں میں ہیں لینے والے	مَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ	اس کو جو دیا ان کو ان کے پروردگار نے

(۱) آخذین: حال ہے المتقین کا۔

إِنَّهُمْ كَانُوا	بے شک وہ تھے	وَفِي أَمْوَالِهِمْ	اوران کے مالوں میں	رِزْقُكُمْ	تمہاری روزی ہے
قَبْلَ ذَٰلِكَ	اس سے پہلے	حَقٌّ	حق ہے	وَمَا	اور جو
مُحْسِنِينَ	نیکوکار	لِلسَّائِلِ	مانگنے والے کا	تُوعَدُونَ	وعدہ کئے جاتے ہوتم
كَانُوا	تھے وہ	وَالْمَحْرُومِ	اور کم نصیب کا	فَوَرَبِّ السَّمَاءِ	پس قسم رب آسمان
قَلِيلًا(۱)	بہت کم	وَفِي الْأَرْضِ	اور زمین میں	وَالْأَرْضِ	وزمین کی!
مِنَ اللَّيْلِ	رات میں	آيَاتٌ	نشانیاں ہیں	إِنَّهُ(۴)	بے شک وہ
مَا يَهْجَعُونَ(۲)	سوتے	لِلْمُوقِنِينَ	یقین کرنے والوں کیلئے	لَحَقٌّ	یقیناً برحق ہے
وَبِالْأَسْحَارِ(۳)	اور رات کے آخر میں	وَفِي أَنْفُسِكُمْ	اور تمہاری ذاتوں میں	مِثْلَ(۵)	جیسے
هُمْ	وہ	أَفَلَا تُبْصِرُونَ	کیا پس دیکھتے نہیں تم؟	مَا أَنَّكُمْ(۶)	کہ تم
يَسْتَغْفِرُونَ	استغفار کرتے ہیں	وَفِي السَّمَاءِ	اور آسمان میں	تَنْطِقُونَ	بولتے ہو

پرہیزگار آخرت میں مزے میں رہیں گے

منکرین پوچھتے تھے: جزاء کا دن کب آئے گا؟ ان کو جواب دیا تھا کہ جس دن تم کو دوزخ میں اُلٹ پلٹ کیا جائے گا وہ جزاء کا دن ہوگا، اور قرآن کا اسلوب یہ ہے کہ جب دوزخیوں کا ذکر آئے تو بالمقابل جنتیوں کا ذکر کرتا ہے، اس لئے اب متقیوں کا اچھا انجام بیان فرماتے ہیں: —— بے شک وہ قبل ازیں نیکوکار تھے —— یعنی دنیا سے نیکیاں کما کر لائے ہیں: آج ان کا صلہ ملا ہے —— پھر ان نیکیوں کی تھوڑی تفصیل ہے: —— وہ رات میں بہت کم سویا کرتے تھے —— یعنی عشاء کے بعد فوراً سوجاتے تھے، اور بہت جلدی اٹھ کر عبادت میں مشغول ہوجاتے تھے —— اور آخر شب میں استغفار کیا کرتے تھے —— کہ الٰہی! حقِ بندگی ادا نہ ہوا، معاف فرما! یعنی عبادت ان کو مغرور نہیں کرتی تھی، بندگی ان کی خشیت کو بڑھاتی تھی —— اور ان کے مالوں میں سوالی اور غیر سوالی کا حق تھا —— ایک حدیث میں ہے کہ مسکین: وہ نہیں جو کھجور دو کھجور اور لقمہ دو لقمہ کے لئے در بدر پھرے (یہ سوالی ہے) صحابہ نے پوچھا: پھر مسکین کون ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ جس کے پاس بقدر حاجت نہیں، اور اس کا حال بھی کوئی نہیں جانتا کہ اس کو خیرات دے، پس یہی محروم ہے (روح)

(۱) آگے ما: زائدہ ہے وہ قلت کی تاکید کے لئے ہے (۲) هَجَعَ (ف) هُجُوْعا: رات میں سونا (۳) سَحَر: رات کا آخری حصہ (۴) إنه: ضمیر کا مرجع ما ہے یعنی روز جزاء، قیامت (۵) مثلَ: منصوب بنزع خافض ہے أی کمثل (۶) ما أنکم: ما زائدہ یا مصدریہ ہے أی کنطقکم۔

پرہیزگاروں کے اچھے انجام کا بیان پورا ہوا۔ اب منکرینِ قیامت سے گفتگو ہے: —— اور یقین کرنے والوں کے لئے زمین میں (قیامت کی) نشانیاں ہیں —— گرمیوں میں زمین اُجڑ جاتی ہے، ہر طرف خاک اڑتی ہے، پھر جونہی بارش کی بوندیں پڑتی ہیں زمین لہلہانے لگتی ہے، اسی طرح قیامت کے دن مردے زندہ ہونگے —— اور زمین میں اللہ تعالیٰ نے بے پناہ حیات کی قابلیت رکھی ہے، ذرہ ذرہ سے ذی حیات مخلوقات پیدا ہوتی ہیں، اسی طرح زمین سے حیاتِ نو وجود میں آئے گی، یہ دوسری نشانی ہے —— اور خود تمہاری ذاتوں میں —— انسان پہلی مرتبہ مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں، دوسری مرتبہ بھی مٹی سے پیدا ہونگے —— کیا پس تم کو دکھائی نہیں دیتا؟ —— کہ جو پہلی مرتبہ مٹی سے پیدا کرتا ہے وہ دوسری مرتبہ بھی اس سے پیدا کر سکتا ہے۔

اور آسمان میں تمہاری روزی ہے —— یعنی روزی کا فیصلہ آسمان میں ہوتا ہے —— اور وہ جو تم سے (قیامت کے تعلق سے) وعدہ کیا جاتا ہے —— وہ فیصلہ بھی اوپر سے اترتا ہے —— پس قسم ہے آسمان وزمین کے پروردگار کی! بے شک وہ (قیامت کا وعدہ) برحق ہے، جیسے تم باتیں کر رہے ہو —— یعنی جیسے اپنے بولنے میں شبہ نہیں ویسا ہی قیامت میں شبہ نہیں، قیامت قائم ہوگی، آخرت آکر رہے گی، اور اللہ کے وعدے ضرور پورے ہونگے۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿۲۴﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ۭ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَاۗءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ﴿۲۶﴾ فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ۭ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۭ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾ فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ﴿۲۹﴾ قَالُوْا كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۰﴾

هَلْ اَتٰىكَ	کیا پہنچی آپ کو	الْمُكْرَمِيْنَ(۱)	عزت والے	سَلٰمًا(۲)	سلام
حَدِيْثُ	بات	اِذْ دَخَلُوْا	جب داخل ہوئے وہ	قَالَ	جواب دیا
ضَيْفِ	مہمانوں	عَلَيْهِ	اس پر	سَلٰمٌ(۳)	سلام
اِبْرٰهِيْمَ	ابراہیم کے	فَقَالُوْا	پس کہا انھوں نے	قَوْمٌ	لوگ ہیں

(۱) الْمُكْرَم: اسم مفعول، باب إکرام: بزرگ، معزز، ضیف کی صفت (۲) سلامًا: أی نسلم علیك سلاماً: جملہ فعلیہ ہے۔ (۳) سلام: أی علیکم سلام: جملہ اسمیہ ہے، پس جواب ابلغ ہے۔

مُّنۡكَرُوۡنَ	انجانے	مِنۡهُمۡ	ان سے	وَجۡهَهَا	اپنے چہرے پر
فَرَاغَ(۱)	پس چپکے سے گیا	خِيۡفَةً	ڈر	وَقَالَتۡ	اور کہا
اِلٰٓى اَهۡلِهٖ	اپنے گھر والوں کے پاس	قَالُوۡا	کہا انھوں نے	عَجُوۡزٌ	بڑھیا
فَجَآءَ	پس آیا وہ	لَا تَخَفۡ	مت ڈر	عَقِيۡمٌ	بانجھ!
بِعِجۡلٍ	بچھڑے کے ساتھ	وَبَشَّرُوۡهُ	اور خوش خبری دی	قَالُوۡا	کہا انھوں نے
سَمِيۡنٍ	چربی دار (گھی میں		انھوں نے اس کو	كَذٰلِكِ	اسی طرح
	بھنا ہوا)	بِغُلٰمٍ	لڑکے کی	قَالَ	فرمایا ہے
فَقَرَّبَهٗۤ	پس نزدیک کیا اس کو	عَلِيۡمٍ	ذی علم	رَبُّكِ	تیرے رب نے
اِلَيۡهِمۡ	ان سے	فَاَقۡبَلَتِ	پس سامنے آئی	اِنَّهٗ هُوَ	بے شک وہی
قَالَ	کہا	امۡرَاَتُهٗ	اس کی بیوی	الۡحَكِيۡمُ	بڑا حکمت والا
اَلَا تَاۡكُلُوۡنَ	کیوں کھاتے نہیں؟	فِىۡ صَرَّةٍ	بولتی ہوئی	الۡعَلِيۡمُ	بڑا علم والا ہے
فَاَوۡجَسَ(۲)	پس دل میں چھپایا	فَصَكَّتۡ(۳)	پس ہاتھ مارا اس نے		

فرشتوں نے قوم لوطؑ کو ہلاک کرنے کے لئے جاتے ہوئے

ابراہیم علیہ السلام کو ذی علم بیٹے کی خوش خبری دی

اب پانچ اقوام کی تباہی کا ذکر کریں گے، جنھوں نے قیامت کا انکار کیا یعنی قوم لوطؑ، فرعون، عاد، ثمود اور قوم نوحؑ۔ پہلے نمبر پر لوط علیہ السلام کی قوم کا ذکر ہے، اور قرآنِ کریم اس واقعہ کی تمہید میں حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت کا ذکر کرتا ہے، جیسے سورۂ ہود وغیرہ میں کیا ہے، اور جیسے عیسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ میں حضرات یحییٰ وزکریا علیہما السلام کا سورۂ مریم میں ذکر کیا ہے، یہاں بھی تمہید میں بشارتِ اسحاق علیہ السلام کا تذکرہ ہے۔

جب فرشتے لوط علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کرنے کے لئے اترے تو پہلے ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے اور سلام کیا، ابراہیم علیہ السلام نے سلام کا جواب دیا، اور دل میں کہا: معلوم نہیں کون لوگ ہیں؟ مگر مہمان تھے، بٹھایا اور چپکے سے گھر میں گئے، اور ایک فربہ بچھڑا بھن کرلائے، مہمان ہاتھ نہیں بڑھا رہے ہے، فرشتے کھاتے کہاں ہیں؟ ابراہیم علیہ السلام نے کہا:

(۱) رَاغَ (ن) رَوْغا إلى كذا: کسی چیز کی طرف خفیہ طور پر مائل ہونا (۲) أوجس الأمر: دل میں چھپانا (۳) صَكَّ (ن) صَكًّا: زور سے مارنا۔

آپ حضرات کھاتے کیوں نہیں! اب بھی انھوں نے ہاتھ نہیں بڑھایا تو ابراہیم علیہ السلام کے دل میں انجانا خوف آیا کہ کہیں بدخواہ تو نہیں! فرشتوں نے تسلی دی کہ آپ ڈریں نہیں، ہم فرشتے ہیں، آپ کو ایک ذی علم بیٹے کی خوش خبری دیتے ہیں، اہلیہ محترمہ پس پردہ سن رہی تھیں، جب معلوم ہوا کہ مہمان فرشتے ہیں تو وہ سامنے آگئیں اور چہرے پر ہاتھ مار کر زور سے کہا: ایک بڑھیا بانجھ! جس کی جوانی میں اولاد نہ ہوئی، اب بڑھاپے میں بچہ جنے گی؟ فرشتوں نے کہا: ہم اپنی طرف سے نہیں کہہ رہے، اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی فرمایا ہے، اور وہی جانتے ہیں کہ بڑھاپے میں بچہ کیسے ہوگا؟ وہ بڑی حکمت والے سب کچھ جاننے والے ہیں۔

آیاتِ پاک: —— کیا ابراہیمؑ کے معزز مہمانوں کا واقعہ آپ کو پہنچا ہے؟ جب وہ ان کے پاس آئے، پس ان کو سلام کیا، انھوں نے جواب میں سلام کہا (اور دل میں کہا:) انجانے لوگ ہیں، پس وہ چپکے سے اپنے گھر میں گیا اور ایک فربہ بچھڑا لایا، پس اس کو ان کے سامنے رکھا، کہا اس نے: آپ حضرات کھاتے کیوں نہیں؟ پس ان سے دل میں خوف زدہ ہوا، انھوں نے کہا: مت ڈر! اور ان کو ایک ذی علم لڑکے کی خوش خبری دی، پس ان کی بیوی بولتی ہوئی سامنے آئی، پس اس نے اپنے چہرے پر ہاتھ مارا، اور کہا: ایک بڑھیا بانجھ! انھوں نے کہا: ایسا ہی تیرے پروردگار نے فرمایا ہے، بے شک وہ بڑا حکمت والا، بڑا جاننے والا ہے!

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ﴿٣١﴾ قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ مُّجْرِمِينَ ﴿٣٢﴾ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّن طِينٍ ﴿٣٣﴾ مُّسَوَّمَةً عِندَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِينَ ﴿٣٤﴾ فَأَخْرَجْنَا مَن كَانَ فِيهَا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٣٥﴾ فَمَا وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿٣٦﴾ وَتَرَكْنَا فِيهَا آيَةً لِّلَّذِينَ يَخَافُونَ الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿٣٧﴾

قَالَ	کہا اس نے	اِلٰی قَوْمٍ	قوم کی طرف	مِّنْ طِیْنٍ	مٹی کے
فَمَا خَطْبُکُمْ (۱)	پس تمہارا کیا معاملہ ہے	مُّجْرِمِیْنَ	گنہ گار	مُّسَوَّمَةً (۲)	نشان زدہ
اَیُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ	اے بھیجے ہوؤ؟	لِنُرْسِلَ	تا کہ چھوڑیں ہم	عِنْدَ رَبِّکَ	تیرے رب کے پاس
قَالُوْٓا	کہا انھوں نے	عَلَیْهِمْ	ان پر	لِلْمُسْرِفِیْنَ	حد سے نکلنے والوں کیلئے
اِنَّآ اُرْسِلْنَآ	بیشک ہم بھیجے گئے ہیں	حِجَارَةً	پتھر	فَاَخْرَجْنَا	پس نکالا ہم نے

(۱) خَطْب: معاملہ، حالت (۲) مُسَوَّمة: اسم مفعول، تَسْوِیْم: نشان دار، ممتاز، سِیْمَاء: علامت، نشانی۔

مَنۡ كَانَ	جو تھے	فِيۡهَا	اس میں	اٰيَةً (۲)	بڑی نشانی
فِيۡهَا	اس میں	غَيۡرَ بَيۡتٍ (۱)	سوائے ایک گھر کے	لِّلَّذِيۡنَ	ان لوگوں کے لئے جو
مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ	مؤمنین سے	مِّنَ الۡمُسۡلِمِيۡنَ	مسلمانوں کے	يَخَافُوۡنَ	ڈرتے ہیں
فَمَا وَجَدۡنَا	پس نہیں پایا ہم نے	وَ تَرَكۡنَا فِيۡهَاۤ	اور چھوڑی ہم نے اس میں	الۡعَذَابَ الۡاَلِيۡمَ	دردناک سزا سے

فرشتے دراصل قوم لوط علیہ السلام کی سزا ہی کے لئے اترے تھے

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ حضرت لوط علیہ السلام کے واقعہ کی تمہید تھا، فرشتے دراصل قوم لوطؑ کی سزا ہی کے لئے بھیجے گئے تھے، یہ قوم سدّوم اور عمورۃ میں آباد تھی، جہاں اب بحرمیت یا بحیرۂ لوط ہے، یہ قوم طرح طرح کی بدکاریوں میں مبتلا تھی، خاص طور پر تلذّذ بالمثل کی لعنت میں گرفتار تھی، فرشتے جب اترے تو انھوں نے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی اور ان کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کی بشارت سنائی —— ابراہیمؑ نے پوچھا: پس اے بھیجے ہوؤ (فرشتو!) تمہیں کیا بڑی مہم درپیش ہے؟ —— یہ بات فرشتوں نے پہلے ہی بتادی تھی کہ وہ قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں: ﴿قَالُوۡا لَا تَخَفۡ اِنَّاۤ اُرۡسِلۡنَاۤ اِلٰى قَوۡمِ لُوۡطٍ﴾: انھوں نے کہا: آپ نہ ڈریے، ہم لوطؑ کی قوم کی طرف بھیجے ہوئے فرشتے ہیں [ہود ۷۰] اور فرشتے کسی اہم کام کے لئے اتارے جاتے ہیں، اس لئے ابراہیم علیہ السلام نے ان کی مہم دریافت کی —— انھوں نے کہا: ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں، تاکہ ان پر کنکر کے پتھر برسائیں —— یعنی ان کے جرائم کی پاداش میں ان پر زمین الٹ دیں، اس علاقہ کے نیچے گندھک کے خزانے عرصہ سے جل رہے تھے، جس سے زمین پک کر کھنگر بن گئی تھی، جب زمین پھٹی تو ان پر پتھروں کی بارش برسی —— جن پر آپ کے رب کے پاس خاص نشان ہیں حد سے گذرنے والوں کے لئے —— یعنی کونسا پتھر کس کو لگے گا یہ بات اللہ کے علم میں ہے، کوئی بات اللہ سے مخفی نہیں —— پس نکالا ہم نے —— یعنی اللہ تعالیٰ نے —— ان ایمان داروں کو جو اس بستی میں تھے، پس نہیں پایا ہم نے اس میں مسلمانوں کے ایک گھر کے علاوہ —— یہ گھر لوط علیہ السلام کا تھا، اور کوئی ایمان نہیں لایا تھا، —— اور ہم نے اس میں ایک بڑی نشانی چھوڑی ان لوگوں کے لئے جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں —— بحرمیت مراد ہے، دیکھو اس کو جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو!

وَفِيۡ مُوۡسٰۤى اِذۡ اَرۡسَلۡنٰهُ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ بِسُلۡطٰنٍ مُّبِيۡنٍ ۝ فَتَوَلّٰى بِرُكۡنِهٖ وَقَالَ سٰحِرٌ

(۱) غیر: مضاف ہے۔ (۲) آیۃ: تنوین تعظیم کے لئے ہے۔

اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۳۹﴾ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿۴۰﴾ وَفِيْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ﴿۴۱﴾ مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ ﴿۴۲﴾ وَفِيْ ثَمُوْدَ اِذْ قِيْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۴۳﴾ فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِيَامٍ وَّمَا كَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۴۶﴾

وَفِيْ مُوْسٰٓى (۱)	اور موسیٰ میں:	فِي الْيَمِّ	دریا میں	وَفِيْ ثَمُوْدَ	اور ثمود میں
اِذْ (۲)	(یاد کرو) جب	وَهُوَ مُلِيْمٌ	درانحالیکہ وہ ملامت	اِذْ (۲)	(یاد کرو) جب
اَرْسَلْنٰهُ	بھیجا ہم نے اس کو		کیا ہوا	قِيْلَ لَهُمْ	کہا گیا ان سے
اِلٰى فِرْعَوْنَ	فرعون کی طرف	وَفِيْ عَادٍ	اور عاد میں	تَمَتَّعُوْا	فائدہ اٹھالو
بِسُلْطٰنٍ (۳)	غلبہ کے ساتھ	اِذْ (۲)	(یاد کرو) جب	حَتّٰى حِيْنٍ	ایک وقت تک
مُّبِيْنٍ	کھلے	اَرْسَلْنَا	چھوڑی ہم نے	فَعَتَوْا	پس سرکشی کی انھوں نے
فَتَوَلّٰى	پس روگردانی کی اس نے	عَلَيْهِمُ	ان پر	عَنْ اَمْرِ	حکم سے
بِرُكْنِهٖ (۴)	اپنے کھونٹے کے ساتھ	الرِّيْحَ	ہوا	رَبِّهِمْ	ان کے رب کے
وَقَالَ	اور کہا اس نے	الْعَقِيْمَ (۵)	بانجھ	فَاَخَذَتْهُمُ	پس پکڑا ان کو
سٰحِرٌ	جادوگر ہے	مَا تَذَرُ	نہیں چھوڑتی تھی وہ	الصّٰعِقَةُ	کڑک نے
اَوْ مَجْنُوْنٌ	یا پاگل ہے	مِنْ شَيْءٍ	کسی چیز کو	وَهُمْ	درانحالیکہ وہ
فَاَخَذْنٰهُ	پس پکڑا ہم نے اس کو	اَتَتْ عَلَيْهِ	گذرتی تھی وہ اس پر	يَنْظُرُوْنَ	دیکھ رہے تھے
وَجُنُوْدَهٗ	اور اس کے لشکر کو	اِلَّا جَعَلَتْهُ	مگر کردیتی تھی وہ اس کو	فَمَا	پس نہیں
فَنَبَذْنٰهُمْ	پس پھینک دیا ہم نے ان کو	كَالرَّمِيْمِ	چورے کی طرح	اسْتَطَاعُوْا	طاقت رکھی انھوں نے

(۱) وفی موسی: فیھا پر عطف ہے، أی: ترکنا فی قصة موسی آیة: موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں بڑی نشانی چھوڑی (۲) إذ: تینوں جگہ فعل محذوف أذکُر کا ظرف ہے (۳) سلطان: دبدبہ، غلبہ، مراد معجزات ہیں (۴) رُکن: پایہ، کھونٹا، مراد ارکانِ دولت ہیں، وہی فرعون کا کھونٹا تھے (۵) العقیم: بانجھ یعنی خیر سے خالی۔

مِنْ قِيَامٍ	کھڑے ہونے کی	وَ قَوْمَ نُوْحٍ (۱)	اور نوح کی قوم کو	كَانُوْا	تھے
وَّمَا كَانُوْا	اور نہ تھے وہ	مِّنْ قَبْلُ	ان سے پہلے	قَوْمًا	لوگ
مُنْتَصِرِيْنَ	بدلہ لینے والے	اِنَّهُمْ	بے شک وہ	فٰسِقِيْنَ	نافرمان

فرعون، عاد، ثمود اور قوم نوحؑ کی تباہی میں بھی عبرت کا سامان ہے

ان اقوام نے بھی رسولوں کی تکذیب کی، اور رسول کی تکذیب توحید وآخرت کی تکذیب ہے، پس دیکھو! ان کی تکذیب کا انجام:

۱-اور موسیٰ (کے قصہ) میں (بھی عبرت ہے، یاد کرو:) جب ہم نے ان کو فرعون کی طرف بھیجا، واضح غلبہ کے ساتھ ـــــ یعنی بڑے دو معجزات (عصا اور ید بیضاء) کے ساتھ ـــــ پس اس نے اپنے ارکان کے ساتھ سرتابی کی ـــــ یعنی اکیلا نہیں ڈوبا، دوسروں کو بھی لے ڈوبا! ـــــ اور اس نے کہا: (یہ) جادوگر (ہے) یا پاگل ہے ـــــ أو: بمعنی واو ہے یعنی معجزات دکھانے میں تو جادوگر ہے اور دعوئے رسالت میں پاگل ہے ـــــ پس ہم نے اس کو اور اس کے لشکر کو پکڑا ـــــ یہ معنوی پکڑ ہے یعنی سزا دی ـــــ اور ان کو دریا میں ڈال دیا درانحالیکہ وہ ملامت زدہ تھے ـــــ یعنی انھوں نے کام ہی ملامت کے کئے تھے!

۲-اور عاد (کے قصہ) میں بھی (عبرت ہے، یاد کرو:) جب ہم نے ان پر نامبارک ہوا چھوڑی ـــــ یعنی عذاب کی آندھی آئی، جو خیر وبرکت سے یکسر خالی تھی ـــــ وہ جس چیز پر بھی گذرتی اس کو ریزہ ریزہ کر دیتی ـــــ اس نے مجرموں کی بھی جڑ کاٹ دی!

۳-اور ثمود (کے قصہ) میں (بھی عبرت ہے، یاد کرو:) جب ان سے کہا گیا: چند دن مزے اڑالو! ـــــ ان کو صالح علیہ السلام نے اطلاع دی تھی کہ تین دن کے بعد عذاب آئے گا [ہود ۶۵] ـــــ پس انھوں نے اپنے پروردگار کے حکم سے سرتابی کی ـــــ یعنی عذاب کی وارننگ کے بعد بھی ان کی شرارت دن بدن بڑھتی گئی ـــــ پس ان کو کڑک نے پکڑا ـــــ زلزلہ آیا، اس میں سخت آواز تھی ـــــ اور وہ کھلی آنکھوں اس کو دیکھ رہے تھے ـــــ یعنی دن دہاڑے زلزلہ آیا تھا ـــــ پس نہ تو وہ کھڑے ہی ہو سکے، نہ وہ بدلہ لے سکے ـــــ یعنی جو جس حال میں تھا اسی حال میں ڈھیر ہو گیا، اور ان کا سب زور خاک میں مل گیا، وہ کسی تدبیر سے اللہ کے عذاب سے بچ نہ سکے۔

۴-اور (ہم نے ہلاک کیا) نوحؑ کی قوم کو ان (اقوام) سے پہلے، بے شک وہ نافرمان لوگ تھے! ـــــ یعنی بغاوت

(۱) قومَ نوح: أهلكنا: فعل محذوف کا مفعول بہ ہے۔

وسرکشی اور کفر وعصیان کی وجہ سے تباہ کئے گئے، اللہ نے ان پر کچھ ظلم نہیں کیا۔

وَ السَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۹﴾

وَ السَّمَآءَ	اور آسمان کو	وَالْاَرْضَ	اور زمین کو	خَلَقْنَا	بنائے ہم نے
بَنَيْنٰهَا	بنایا ہم نے اس کو	فَرَشْنٰهَا	بچھایا ہم نے اس کو	زَوْجَيْنِ	جوڑے
بِاَيْىدٍ (۱)	ہاتھوں سے	فَنِعْمَ	پس کیا خوب ہیں (ہم)	لَعَلَّكُمْ	تاکہ تم
وَّاِنَّا	اور بے شک ہم	الْمٰهِدُوْنَ (۳)	بچھانے والے	تَذَكَّرُوْنَ	دھیان کرو
لَمُوْسِعُوْنَ (۲)	البتہ کشادہ کرنے والے ہیں	وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ	اور ہر چیز کے	❁	❁

قانونِ ازدواج (جوڑی کے قانون) سے آخرت پر استدلال

ازدواج: دو ہونا، جوڑا ہونا، جوڑی: وہ دو چیزیں جو مل کر ایک مقصد کی تکمیل کریں، ان کیلئے نر مادہ ہونا ضروری نہیں، جیسے:

۱- دو جوتے چپل جوڑی ہیں، آدمی جوتے پہن کر سوار ہو کر چلتا ہے، پیر گرد وغبار سے بچتے ہیں، کانٹا کنکر نہیں چبھتا، اور تھکن بھی کم لگتی ہے، تجربہ کر کے دیکھو، اسی لئے ایک چپل پہن کر چلنے کی ممانعت آئی ہے، کیونکہ اس سے مقصد حاصل نہیں ہوتا۔

۲- کرتا پاجامہ جوڑا ہیں، زینت دونوں کپڑوں سے حاصل ہوتی ہے، ایک کپڑے میں بھونڈا معلوم ہوتا ہے۔

۳و۴- نر مادہ جوڑا ہیں، نسل دونوں سے چلتی ہے، اسی طرح غلہ اور تلہن (روٹی سالن) جوڑا ہیں، کھانا دونوں سے جزوِ بدن ہوتا ہے۔

۵- جنت اور جہنم جوڑا ہیں، جزاؤ سزا کا مقصد دونوں سے حاصل ہوتا ہے۔

۶- فرشتے اور شیاطین جوڑا ہیں، ایک خیر کی قوت (ملکیت) کو مہمیز کرتے ہیں دوسرے شر کی قوت (بہیمیت) کو، اس طرح اختیاری اعمال وجود میں آتے ہیں، اور جزاؤ سزا کا استحقاق پیدا ہوتا ہے۔

۷- آسمان اور زمین جوڑا ہیں، آسمان برستا ہے اور زمین اُگاتی ہے، اس طرح معیشت کا انتظام ہوتا ہے۔

اسی طرح متقابلات: رات دن، اندھیرا اجالا، سیاہی سفیدی، بیماری تندرستی اور کفر وایمان وغیرہ کو سمجھنا چاہئے اور سورۃ

(۱) أید: یَدٌ کی جمع، اصل میں أیدی تھا، تنوین کی وجہ سے یاء گری، جیسے قاضی سے قاضٍ (۲) أَوْسَعَ إِيْسَاعا: کشادہ کرنا، الموسع: اسم فاعل۔ (۳) مخصوص بالمدح: نحن پوشیدہ ہے۔

یٰسٓ (آیت ۳۶) میں ہے کہ جوڑے کا قانون کلی ہے: ﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (جوڑے سے) پاک ہے وہ ذات جس نے سب چیزوں کی جوڑیاں بنائیں، نباتات کی اقسام کی اور خود انسانوں کی، اور ان مخلوقات کی جن کو لوگ نہیں جانتے۔

اسی طرح دنیا اور آخرت جوڑی ہیں، دونوں مل کر ایک مقصد کی تکمیل کرتے ہیں، اور وہ مقصد ہے: تکلیف شرعی اور جزاؤسزا، دنیا عمل کے لئے ہے، یہاں عمل کا بدلہ نہیں، اور آخرت جزاء کے لئے ہے وہاں اختیاری عمل نہیں، اگر صرف دنیا ہوتی تو نیک عمل رائگاں جاتا، اور صرف آخرت ہوتی تو جزاؤسزا کس بات کی ہوتی؟ پس جو لوگ دھیان کریں وہ سمجھ سکتے ہیں کہ دنیا کے ساتھ آخرت کا ہونا ضروری ہے۔

قرآن کا ایک خاص اسلوب: قرآنِ کریم جب کوئی دلیل پیش کرتا ہے تو کبھی اجزائے دلیل کی تفصیل بھی کرتا ہے ایسی جگہ قاری تفصیل میں کھو جاتا ہے اور استدلال کی طرف توجہ نہیں جاتی، یہاں بھی آسمان وزمین کو متقابلات (جوڑی) کی حیثیت سے پیش کیا ہے، ساتھ ہی آسمان وزمین کی وسعت (کشادگی) بھی بیان کی ہے، اللہ تعالیٰ نے آسمان کو بہت بڑا بنایا ہے، کیونکہ اللہ نے اس کو اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے، اس لئے اس کو بہت پہنا بنایا ہے، یہی حال زمین کا ہے ﴿الْمٰهِدُوْنَ﴾ میں یہ مفہوم بھی ہے، زمین اتنی بڑی بنائی ہے کہ وہ فرش (بستر) بن گئی ہے۔

﴿وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ۝ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ۝ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: اور ہم نے آسمان کو ہاتھوں سے بنایا —— اضافت تعظیم کے لئے ہے کہ اللہ نے آسمان بہت بڑا بنایا ہے —— اور بے شک ہم اس کو بہت وسیع بنانے والے ہیں —— یہ ہاتھوں سے بنانے کا ثمرہ ہے —— اور زمین کو ہم نے بچھایا —— یہاں بھی بأَیْدٍ مراد ہے —— سو ہم کیا خوب بچھانے والے ہیں —— یہ بأیدٍ کا ثمرہ ہے، یعنی زمین اتنی بڑی بنائی ہے کہ وہ باوجود گولائی کے فرش معلوم ہوتی ہے، مگر وہ آسمان جتنی بڑی نہیں، فی نفسہ بڑی ہے، اس لئے بأیدٍ کو حذف کیا —— اور ہم نے ہر چیز کے جوڑے بنائے —— پس یہ کلی قانون ہے —— تا کہ تم دھیان دو —— کہ اس دنیا کا بھی جوڑا ہے، اور اس طرح تم آخرت کی ضرورت کو سمجھ لو۔

فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنِّىْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۭ اِنِّىْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ۝ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ۝ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ۝ وَّ

ذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٥٥﴾ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴿٥٦﴾ مَا أُرِيدُ مِنْهُم مِّن رِّزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَن يُطْعِمُونِ ﴿٥٧﴾ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ ﴿٥٨﴾ فَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذَنُوبًا مِّثْلَ ذَنُوبِ أَصْحَابِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُونِ ﴿٥٩﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا مِن يَوْمِهِمُ الَّذِي يُوعَدُونَ ﴿٦٠﴾

فَفِرُّوا	پس لپکو	مَا أَتَى	نہیں آیا	فَتَوَلَّ (۴)	پس مڑیں آپ
إِلَى اللَّهِ (۱)	اللہ کی طرف	الَّذِينَ	(ان کے پاس) جو	عَنْهُمْ	ان سے
إِنِّي لَكُمْ	بیشک میں تمہارے لئے	مِن قَبْلِهِم	ان سے پہلے ہوئے ہیں	فَمَا أَنتَ	پس نہیں ہیں آپ
مِّنْهُ	اللہ کی طرف سے	مِّن رَّسُولٍ	کوئی پیغامبر	بِمَلُومٍ (۵)	ملامت کئے ہوئے
نَذِيرٌ	ڈرانے والا ہوں	إِلَّا قَالُوا	مگر کہا انھوں نے	وَذَكِّرْ	اور نصیحت کریں
مُّبِينٌ	کھول کر	سَاحِرٌ	جادوگر ہے	فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ	بے بیشک نصیحت کرنا
وَلَا تَجْعَلُوا	اور نہ بناؤ تم	أَوْ مَجْنُونٌ	یا دیوانہ ہے	تَنفَعُ	فائدہ پہنچاتا ہے
مَعَ اللَّهِ	اللہ کے ساتھ	أَ	کیا	الْمُؤْمِنِينَ	مؤمنین کو
إِلَٰهًا آخَرَ	کوئی اور معبود	تَوَاصَوْا (۳)	ایک دوسرے کو وصیت	وَمَا خَلَقْتُ	اور نہیں پیدا کیا میں نے
إِنِّي لَكُمْ	بیشک میں تمہارے لئے		کر مرے ہیں وہ	الْجِنَّ	جنات کو
مِّنْهُ	اللہ کی طرف سے	بِهِ	اس (انکار رسالت) کی؟	وَالْإِنسَ	اور انسانوں کو
نَذِيرٌ	ڈرانے والا ہوں	بَلْ هُمْ	بلکہ وہ	إِلَّا لِيَعْبُدُونِ	مگر تاکہ عبادت کریں
مُّبِينٌ	کھول کر	قَوْمٌ	لوگ ہیں		وہ میری
كَذَٰلِكَ (۲)	اس طرح	طَاغُونَ	سرکشی کرنے والے	مَا أُرِيدُ	نہیں چاہتا میں

(۱) إلى الله: میں مجاز بالحذف ہے أی: إلى دين الله (۲) كذلك: کا مشار الیہ/ مشبہ بہ بعد کا مضمون ہے، جیسے هذه مقدّمة کا مشار الیہ بعد کا مضمون ہوتا ہے (۳) تَوَاصی القوم: ایک دوسرے کو وصیت کرنا، نصیحت و تلقین کرنا (۴) تَوَلَّ: تَوَلِّی سے امر کا صیغہ واحد مذکر حاضر، عن: صلہ کے ساتھ: منہ پھیرنا، نزدیکی چھوڑنا، اور بغیر صلہ کے دوستی کرنا، والی حاکم بننا، کسی کام کا ذمہ دار ہونا (۵) ملوم: اسم مفعول، لَامَهُ (ن) لَوْمًا: ملامت کرنا، کسی کو آڑے ہاتھوں لینا۔

مِنۡهُمۡ	ان سے	الۡمَتِیۡنُ	قوی	فَلَا یَسۡتَعۡجِلُوۡنِ	پس جلدی نہ مچائیں وہ مجھ سے
مِّنۡ رِّزۡقٍ	کوئی روزینہ	فَاِنَّ	پس بے شک	فَوَیۡلٌ	پس ہلاکت ہے
وَّمَاۤ اُرِیۡدُ	اور نہیں چاہتا میں	لِلَّذِیۡنَ	ان کے لئے جنھوں نے	لِّلَّذِیۡنَ	ان کے لئے جنھوں نے
اَنۡ یُّطۡعِمُوۡنِ	کہ کھلائیں وہ مجھے	ظَلَمُوۡا	ناانصافی کی	کَفَرُوۡا	انکار کیا
اِنَّ اللّٰهَ هُوَ	بے شک اللہ تعالیٰ ہی	ذَنُوۡبًا (1)	بھرا ہوا ڈول ہے	مِنۡ یَّوۡمِهِمُ	ان کے اس دن سے
الرَّزَّاقُ	روزی دینے والے ہیں	مِّثۡلَ ذَنُوۡبِ	جیسے بھرا ہوا ڈول	الَّذِیۡ	جس کا وہ
ذُو الۡقُوَّةِ	زور والے	اَصۡحٰبِهِمۡ	ان کے ساتھیوں کا	یُوۡعَدُوۡنَ	وعدہ کئے گئے ہیں

آخرت کے عقیدہ کے ساتھ توحید ورسالت کا اعتقاد بھی ضروری ہے

اسلام کے بنیادی عقیدے تین ہیں: توحید، رسالت اور آخرت، آخرت کی ضرورت دلیل سے ثابت ہوگئی، اب لوگوں کو چاہئے کہ فوراً اللہ کا دین قبول کریں اور آخرت کی تیاری کریں، اللہ کے رسول اسی لئے معبوث کئے گئے ہیں کہ وہ لوگوں کو کھڑ کھڑائیں تاکہ لوگ اپنے باطل ادیان کو چھوڑ کر اللہ کا دین قبول کریں۔

اور اللہ کے دین کا بنیادی عقیدہ توحید ہے، سب سے پہلے اس کو درست کرنا ضروری ہے، اس کے بغیر دین معتبر نہیں، اور توحید کا مطلب ہے: ایک اللہ کا ہو کر رہنا، کسی دوسرے سے لو نہ لگانا، کسی دوسرے کی چوکھٹ پر ماتھا نہ ٹیکنا، رسول کی بعثت کا بنیادی مقصد لوگوں کو وارننگ دینا ہے کہ وہ شرک سے بچیں۔

اور اسلام کا دوسرا بنیادی عقیدہ رسالت ہے، نبوت کا سلسلہ آدم علیہ السلام سے شروع ہوا ہے، پہلا انسان پہلا نبی ہے، کیونکہ اللہ کی راہ نمائی کے بغیر بندے اللہ کی مرضی (پسند) نہیں جان سکتے، چنانچہ اللہ تعالیٰ انبیاء پر احکام نازل فرماتے ہیں، وہ بندوں کو آگاہ کرتے ہیں، اور لوگ ان پر عمل کر کے اللہ کے مقبول بندے بنتے ہیں۔

مگر لوگوں کا برتاؤ ہمیشہ رسولوں کے ساتھ گستاخی کا رہا ہے، جب بھی کوئی رسول مبعوث کئے گئے تو لوگوں نے ان پر جادوگر یا پاگل کی پھبتی کسی، یہی معاملہ مکہ کے مشرک نبی ﷺ کے ساتھ کر رہے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لوگ ایک دوسرے کو وصیت کر مرتے ہیں کہ اگر تمہارے زمانہ میں کوئی رسول مبعوث ہو تو اس کو جادوگر یا پاگل کہنا، اور اس کی بات ہرگز نہ سننا۔

پھر فرماتے ہیں کہ ایسی وصیت تو کوئی نہیں کرتا، بات در حقیقت یہ ہے کہ لوگوں کی فطرت میں سرکشی ہے، اور ایک فطرت سے ایک ہی طرح کے افعال صادر ہوتے ہیں، اس لئے ہر زمانہ میں لوگوں نے رسولوں کے ساتھ یہی برتاؤ کیا،

(۱) ذنوب: پانی سے بھرا ڈول، دَلْو: خالی ڈول، اور سِجْل: عام ڈول۔

پھر اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کو تسلی دیتے ہیں کہ آپؐ اپنا فرض ادا کر چکے، اب زیادہ لوگوں کے پیچھے پڑنے کی اور غم کھانے کی ضرورت نہیں، لوگ نہیں مانتے تو آپؐ پر اس کا کچھ الزام نہیں، وہ خود الزام خوردہ ہیں، ہاں سمجھانا آپؐ کا کام ہے، آپؐ یہ سلسلہ جاری رکھیں، جس کی قسمت میں ایمان ہوگا اس کو نفع پہنچے گا، اور منکروں پر اللہ کی حجت تام ہوگی۔

﴿ فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنِّىْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰــهًا اٰخَرَ ۭ اِنِّىْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ۝ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ۝ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ۝ وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: پس اللہ (کے دین) کی طرف لپکو — دیر مت کرو، معلوم نہیں موت کب آجائے! — بیشک میں تمہارے لئے اللہ کی طرف سے کھلا ڈرانے والا ہوں — اگر خوابِ غفلت میں رہے، اور موت آپہنچی تو سنہرا موقعہ ہاتھ سے نکل جائے گا۔

اور تم اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود تجویز مت کرو — یہ دین اسلام کا سب سے اہم مسئلہ ہے یعنی اللہ کو ماننا کافی نہیں، اللہ کو تو سبھی مانتے ہیں، اس کو وحدہ لاشریك له ماننا ضروری ہے، اور عملاً بھی غیر اللہ کی بندگی سے کنارہ کش رہنا ضروری ہے — بیشک میں تمہارے لئے اللہ کی طرف سے کھلا ڈرانے والا ہوں — پہلا انذار خاص کافروں کے لئے تھا، یہ دوسرا انذار عام ہے، کافروں کے لئے بھی ہے اور نام نہاد مسلمانوں کے لئے بھی یعنی قبر پرستوں کے لئے بھی، اس لئے تکرار نہیں۔

رسالت کا مسئلہ: — اسی طرح — یعنی جیسا گذشتہ اقوام نے رسولوں کے ساتھ برتاؤ کیا ویسا ہی برتاؤ یہ مکہ کے مشرکین بھی آپؐ کے ساتھ کر رہے ہیں، گذشتہ امتوں نے کیا برتاؤ کیا؟ — نہیں آیا گذشتہ کافروں کے پاس کوئی پیغمبر مگر انھوں نے کہا: یہ جادوگر ہے یا پاگل ہے! — یہی پھبتی یہ لوگ آپؐ پر کس رہے ہیں۔

جواب: — کیا وہ لوگ اس بات کی ایک دوسرے کو وصیت کر مرے ہیں؟ (نہیں) بلکہ وہ سب سرکش لوگ ہیں! — یعنی شرارتی طبیعت میں سب مشترک ہیں، یہی اشتراک آج کے کافروں سے وہ الفاظ کہلواتا ہے جو گذشتہ شریروں نے کہے تھے۔

تسلی: — پس آپؐ ان سے منہ پھیر لیں، آپؐ پر کسی طرح کا الزام نہیں — کہ وہ مسلمان کیوں نہیں ہوئے؟ — اور سمجھاتے رہیں، کیونکہ سمجھانا ایمان داروں کو نفع دیتا ہے — آیت عام ہے بالفعل اور بالقوۃ ایمانداروں کو، سب کے لئے سمجھانا مفید ہے۔

دین بندوں کی مصلحت کے لئے نازل کیا گیا ہے

اب ایک سوال کا جواب دیتے ہیں، لوگ ہمیشہ رسولوں کے ساتھ گستاخانہ برتاؤ کرتے رہے، اور ہلاک ہوتے رہے،

پھر بھی رسالت کا سلسلہ برابر جاری ہے، آخر اس میں مصلحت کیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ دین مکلّف مخلوقات (جنات اور انسانوں) کی مصلحت کے لئے نازل کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ رب العالمین ہیں، جس طرح انھوں نے بدن کی ضروریات کا انتظام کیا ہے، روح کی بالیدگی کا بھی انتظام کیا ہے، اور اسی مصلحت سے اللہ نے ہر زمانہ میں اپنا دین نازل کیا ہے تاکہ بندے اس پر عمل کر کے خود کو سنواریں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جنات اور انسان اللہ کے بندے (غلام) ہیں، بندگی ان کی فطرت ہے، ان کی طبیعت کا تقاضا ہے کہ وہ کسی کے سامنے جھکیں، پس ضروری ہوا کہ وہ اپنے خالق و مالک کے سامنے جھکیں، پیدا کیا اللہ نے، پال پوس رہے ہیں وہ، اور سر جھکائیں کسی غیر کے سامنے: یہ کیسی نامعقول بات ہے! چنانچہ فرمایا کہ میں نے جنات اور انسانوں کو اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں، کسی دوسری چوکھٹ پر جبہہ سائی نہ کریں، مگر انسان مظاہر پرست ہے، ہر نافع اور ضار کی طرف جھک جاتا ہے، اور اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ کی بندگی شروع کر دیتا ہے، اس لئے ضروری ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنا دین نازل فرمائیں، اور بندوں کو اپنی بندگی کا مکلّف بنائیں، اس لئے لوگوں کے نہ چاہتے ہوئے بھی نبوت کا سلسلہ قائم فرمایا اور ہر زمانہ میں اپنا دین نازل کیا۔

مگر یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ اللہ کی بندگی میں اللہ کا کچھ نفع نہیں، بندوں ہی کا نفع ہے، دنیا کے آقا غلاموں جیسا معاملہ نہیں، جب رقیت (غلامی) کا دور تھا تو غلام دو مقصد کے لئے ہوتے تھے، بعض سے تو آقا روزینہ (دہاڑی، روز کی مزدوری) کمواتا تھا، اور بعض سے خدمت لیتا تھا، وہ کھانا پکا کر آقا کو کھلاتے تھے، اس قسم کا کوئی نفع اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں لوٹتا، اللہ تعالیٰ تو خود روزی رساں ہیں، وہ مضبوط قوت وطاقت والے ہیں، ان کو کسی کے تعاون کی کیا ضرورت ہے؟ اور کھانا تو اللہ کی شان کے خلاف ہے، بلکہ بندوں کی بندگی خود ان کے حق میں مفید ہے، اور وہ یہ ہے کہ اچھا بندہ (غلام) وہ ہے جو آقا کی مرضی کے مطابق چلے، آقا اس سے خوش ہوگا اور انعام سے نوازے گا۔ اسی طرح بندے بندگی کے ذریعہ اللہ کے محبوب بنتے ہیں، اور دنیا وآخرت میں سرخ رو ہوتے ہیں۔

﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝ مَا أُرِيدُ مِنْهُمْ مِنْ رِزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَنْ يُطْعِمُونِ ۝ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ ۝ ﴾

ترجمہ: اور میں نے جنات اور انسانوں کو اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں —— جنات اور انسانوں سے مکلّف مخلوقات مراد ہیں، اس عالم میں یہی دو مکلّف مخلوق ہیں، اور مکلّف کے معنی ہیں: اپنے اختیار سے کام کرنا یا نہ کرنا۔ اِن بندوں کو اللہ تعالیٰ نے جزوی اختیار دیا ہے، جب وہ اپنے اُس اختیار سے کوئی کام کرنا چاہتے ہیں یا نہیں کرنا چاہتے تو اللہ تعالیٰ اس فعل کو پیدا کرتے ہیں، پس بندے کاسب ہیں اور اللہ تعالیٰ خالق، پھر پسند یا ناپسند خلق کے علاوہ ہیں، اور یہ

پسند اور ناپسند بھی بندوں کے تعلق سے ہے، اور اسی پر جزاؤ سزا مرتب ہوتی ہے۔

اور عبادت (بندگی) سے مراد نماز روزہ ہی نہیں، پوری زندگی کو آقا کی مرضی کے تابع کرنے کا نام عبادت ہے، اور علماء نے انسان کی زندگی کو پانچ اقسام میں گھیرا ہے: عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق اور معاشرت (رہن سہن) ان پانچوں میں اللہ نے احکام دیئے ہیں، ان کی تعمیل کا نام عبادت ہے۔

میں اُن سے کوئی روزینہ نہیں چاہتا، اور نہ میں یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں —— یہ آقا اور غلام کی مثال ہے —— بے شک اللہ تعالیٰ ہی سب کو روزی پہنچانے والے، مضبوط قوت والے ہیں —— یعنی اُن کی بندگی سے میرا کچھ فائدہ نہیں، انہی کا نفع ہے، میں وہ مالک نہیں جو غلاموں سے کہے: میرے لئے کما کر لاؤ یا میرے سامنے کھانا لاکر رکھو، میری ذات ان تخیلات سے پاک اور برتر ہے، میں ان سے اپنے لئے روزی کیا طلب کرتا، خود ان کو اپنے پاس سے روزی پہنچاتا ہوں، بھلا مجھ جیسے زور آور اور قادر وتوانا کو تمہاری خدمات کی کیا حاجت ہوسکتی ہے؟ بندگی کا حکم صرف اس لئے دیا گیا ہے کہ تم میری شہنشاہی اور عظمت وکبریائی کا قولاً وفعلاً اعتراف کرکے میرے خصوصی الطاف ومراحم کے موردو مستحق بنو:

من نہ کردم خلق تا سُودے کنم ❁ بلکہ تا بر بندگاں جُودے کنم

(میں نے مخلوق اس لئے نہیں بنائی کہ کچھ نفع اٹھاؤں ❁ بلکہ اس لئے بنائی ہے کہ بندوں پر سخاوت کروں)

(فوائد شبیری)

اللہ کا دین قبول نہ کرنے والوں کو الٹی میٹم

اگر مکہ کے ظالم (مشرک) فہمائش کے باوجود اللہ کا دین قبول نہیں کرتے تو وہ جان لیں کہ ان کا شرارت کا پیمانہ لبریز ہوچکا ہے، جیسے گذرے ہوئے ان کے بھائی بندوں کا شرارت کا پیمانہ لبریز ہوچکا تھا تو عذاب آیا اور وہ صفحۂ ہستی سے مٹادیئے گئے، مشرکین مکہ کے لئے بھی ایک وعدہ کا دن ہے، اس کو آنے دو، جلدی مت مچاؤ، کیونکہ کام وقت پر ہوتا ہے۔ مراد قیامت کا دن ہے، یا اس سے پہلے ہی کوئی دن سزا کا آجائے، چنانچہ مشرکین مکہ کو بدر میں خاصی سزا ملی۔

﴿ فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ ۝ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ يَّوْمِهِمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ۝ ﴾:

ترجمہ: پس بیشک ناانصافوں (مشرکوں) کا ڈول بھر چکا ہے، جیسے ان کے ساتھیوں کا ڈول بھر چکا تھا، پس وہ مجھ سے عذاب جلدی طلب نہ کریں، کیونکہ منکرین کے لئے ہلاکت ہے اُن کے اُس دن میں جس کا اُن سے وعدہ کیا جاتا ہے!

﴿ ۷ر جمادی الاخری ۱۴۳۷ھ مطابق ۱۷ر مارچ سن ۲۰۱۶ء ﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الطّور

یہ مکی سورت ہے، اس کا نزول کا نمبر ۷۶ ہے، یعنی مکی دور کے آخر کی سورت ہے، اور پہلے لفظ سے نام رکھا ہے، اس کا موضوع بھی مکی سورتوں کی طرح آخرت اور رسالت ہے، توحید کا بیان اس سورت میں نہیں ہے، سورت آخرت کے بیان سے شروع ہوئی ہے، پھر رسالت کا بیان ہے، اور آخر میں نبی ﷺ کی تسلی فرمائی ہے۔

گذشتہ سورت عذاب کی دھمکی ﴿ یُوْعَدُوْنَ ﴾ پر پوری ہوئی تھی، یہ سورت اسی کے تحقق وقوع: ﴿ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ﴾ سے شروع ہوئی ہے، پہلے چار شواہد (نظائر) سے جو حقیقۃً یا حکماً وعدے ہیں استدلال کیا ہے کہ عذابِ آخرت کا وعدہ یقینی ہے۔

(۵۲) سُوْرَةُ الطُّوْرِ مَكِّيَّةٌ (۷۶) — اٰیاتُھا ۴۹ — رکوعاتُھا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالطُّوْرِ ① وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ② فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ③ وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ④ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ⑤ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ⑥ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ⑦ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ⑧ يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ⑨ وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ⑩ فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ⑪ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ ⑫

وَالطُّوْرِ (۱)	طور پہاڑ کی قسم!	مَّسْطُوْرٍ	لکھی ہوئی کی	مَّنْشُوْرٍ (۴)	پھیلی ہوئی
وَكِتٰبٍ (۲)	اور کتاب	فِيْ رَقٍّ (۳)	پتلی کھال میں	وَّالْبَيْتِ	قسم اللہ کے گھر

(۱) والطور: چار جگہ واو قسمیہ ہے (۲) وکتاب: میں واو عاطفہ ہے، منشور تک ایک قسم ہے (۳) رق: پتلی کھال، پہلے اس پر مختصر تحریریں لکھتے تھے، کسریٰ کے نام والا نامہ ہرن کی کھال پر لکھا تھا (۴) منشور: دستاویز کی طرح پھیلی ہوئی، جس کو گول لپیٹتے ہیں۔

الْمَعْمُوْرِ	آباد کئے ہوئے کی	مَا لَهٗ	نہیں ہے اس کو	سَيْرًا	چل کر
وَالسَّقْفِ	قسم چھت	مِنْ دَافِعٍ	کوئی ہٹانے والا	فَوَيْلٌ	پس بری گت بنے گی
الْمَرْفُوْعِ	بلند کی ہوئی کی	يَوْمَ (۲)	جس دن	يَوْمَئِذٍ	اس دن
وَالْبَحْرِ	قسم سمندر	تَمُوْرُ (۳)	لرز جائے گا	لِّلْمُكَذِّبِيْنَ	جھٹلانے والوں کی
الْمَسْجُوْرِ (۱)	کھولائے ہوئے کی	السَّمَآءُ	آسمان	الَّذِيْنَ	جو
اِنَّ عَذَابَ	بے شک سزا	مَوْرًا	کپکپا کر	هُمْ	وہ
رَبِّكَ	تیرے رب کی	وَّ تَسِيْرُ	اور پھریں گے	فِيْ خَوْضٍ (۴)	فضول باتوں میں
لَوَاقِعٌ	ضرور ہونے والی ہے	الْجِبَالُ	پہاڑ	يَّلْعَبُوْنَ	کھیل رہے ہیں

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

چار وعدوں کی طرح قیامت کا وعدہ بھی ضرور پورا ہوگا

پہلا وعدہ: موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ آپ طور پر آئیں، آپ کو تورات دی جائے گی، چنانچہ گئے اور تورات شریف ملی، دس احکام تو پتلی کھال پر لکھے، باقی تورات لکڑی کی تختیوں پر لکھی، یہ تورات وحی غیر متلوّ (احادیث شریفہ) کی شکل میں ملی تھی، اللہ کا کلام نہیں تھا، ورنہ اس میں تبدیلی ممکن نہ ہوتی، فرشتہ کا یا موسیٰ علیہ السلام کا کلام تھا، اور: ﴿وَكَتَبْنَا لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ﴾: اور لکھا ہم نے ان کے لئے تختیوں میں [الاعراف ۱۴۵] میں اضافت تشریف (عزت بڑھانے) کے لئے ہے، جیسے: ﴿فَاِذَا قَرَاْنٰهُ﴾: پس جب ہم اس کو پڑھیں [القیامہ ۱۸] یعنی جب فرشتہ پڑھے، اور اللہ کی طرف اضافت تشریف کے لئے ہے، بہر حال وعدہ پورا ہوا، اور تورات شریف ملی۔

سوال: طور پہاڑ پر پتلی کھال، لکڑی کی تختیاں اور لکھنے کا سامان کہاں سے آیا؟

جواب: موسیٰ علیہ السلام اکیلے طور پر تھوڑے گئے ہونگے، خدام بھی ساتھ ہونگے، وہاں چالیس دن ٹھہرنا ہوا تھا، کھانے پینے کی ضرورت پیش آئی ہوگی، اس کا انتظام خدام نے کیا ہوگا، یہ چیزیں بھی انہیں سے منگوائی ہونگی۔

دوسرا وعدہ: آسمانوں کے اوپر بھی اللہ کا گھر ہے، جس کو بیتِ معمور کہتے ہیں، اس سے اللہ تعالیٰ نے حکماً وعدہ کیا

---

(۱) المسجور: اسم مفعول: خوب گرم کیا ہوا، سَجَرَ (ن) سَجْرًا التنورَ: تنور کو گرم کرنا، ﴿وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ﴾: اور جب سمندر ابلیں گے [التکویر ۶] (۲) یومَ: واقع کا ظرف ہے (۳) مَارَ الشيئُ (ن) مَوْرًا: کسی چیز میں لہریں اٹھنا، حرکت کرنا۔
(۴) فی خوض: یلعبون سے متعلق ہے، خاض فی الماء: پانی میں گھسنا، خاض فی الحدیث: فضول باتیں کرنا۔

ہے کہ اس کو عبادت کرنے والوں سے آباد کریں گے، چنانچہ اس کی عبادت کے لئے اتنے فرشتے پیدا کئے ہیں کہ جو ایک مرتبہ عبادت کر کے نکلتے ہیں ان کا قیامت تک نمبر نہیں آتا، جبکہ روزانہ ستّر ہزار فرشتے عبادت کے لئے داخل ہوتے ہیں، اس طرح یہ وعدہ بھی پورا ہوا۔

تیسرا وعدہ: آسمان سے اللہ تعالیٰ نے حکماً وعدہ کیا ہے کہ اس کو بہت اونچا بنائیں گے، کیونکہ جو چیز جتنی اونچی ہوتی ہے اتنی وسیع ہوتی ہے، اس لئے آسمان بہت اونچا بنایا، آسمان اتنا کشادہ بنایا کہ ہمارے نظام شمسی جیسے کئی نظام (کہکشاں) اس میں سمائے ہوئے ہیں، پھر بھی وہ چھت کی طرح قریب نظر آتا ہے، اس طرح یہ وعدہ بھی پورا ہوا۔

چوتھا وعدہ: مخلوق کو روزی پہنچانے کا وعدہ کیا ہے، اس کا انتظام یہ کیا کہ تین چوتھائی زمین پر پانی پیدا کیا، اور اس کے نیچے آگ (Heat) رکھی جس سے سمندر ہمیشہ کھولتے رہتے ہیں، اور جو بھاپ اٹھتی ہے اس کو ہوائیں فضاء میں ابھارتی ہیں، وہاں بادل بنتے ہیں، پھر ہوائیں ان کو لے چلتی ہیں، اور حسبِ حکم الٰہی وہ خشکی پر برستے ہیں، اس سے زمین میں سبزہ اگتا ہے، اور اس طرح مخلوقات کو روزی ملتی ہے، اس طرح یہ وعدہ بھی پورا ہوا۔

مقسم علیہ کا بیان: اسی طرح اللہ کا وعدہ ہے کہ ایک دن یہ دنیا ختم کر دی جائے گی، اور دوسری دنیا آباد ہوگی، یہ وعدہ بھی سچا ہے، ضرور پورا ہو کر رہے گا، پھر دوسری دنیا میں نیکوکاروں کو ان کی نیکی کا صلہ ملے گا، اور تکذیب میں مشغول لوگوں کی بری گت بنے گی —— یہ دن جب آئے گا کہ آسمان لرز جائے گا، اور پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اڑتے پھریں گے، اس دن آخرت کی تکذیب کرنے والوں کو سخت سزا دی جائے گی۔

﴿ وَالطُّوْرِ ۝ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۝ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۝ وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ۝ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ۝ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ۝ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۝ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ۝ يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ۝ وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ۝ فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: طور (پہاڑ) کی قسم، اور لکھی ہوئی کتاب کی، پھیلائی ہوئی پتلی کھال میں، اور آباد کئے ہوئے اللہ کے گھر کی قسم! اور بلند کی ہوئی چھت کی قسم! اور کھولائے ہوئے سمندر کی قسم! بے شک آپ کے رب کا عذاب ضرور ہو کر رہے گا، کوئی اس کو ہٹا نہیں سکتا، جس دن آسمان تھرانے لگے گا، اور پہاڑ چلتے پھریں گے، پس اس دن تکذیب کرنے والوں کی بری گت بنے گی، جو فضول باتوں میں کھیل رہے ہیں۔

يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ۝ هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۝ اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ۝ اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ

إِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٦﴾

يَوْمَ	جس دن	الَّتِي كُنْتُمْ بِهَا	جو تھے تم اس کی	فَاصْبِرُوٓا	پس صبر کرو
يُدَعُّونَ (۱)	بے رحمی سے دھکے	تُكَذِّبُونَ	تکذیب کرتے	أَوْ لَا تَصْبِرُوا	یا صبر نہ کرو
	دیئے جائیں گے وہ	أَفَسِحْرٌ	کیا پس جادو ہے	سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ	یکساں ہے تم پر
إِلَى نَارِ	آگ کی طرف	هٰذَآ	یہ	إِنَّمَا	اس کے سوانہیں کہ
جَهَنَّمَ	دوزخ کی	أَمْ أَنْتُمْ	یا تم	تُجْزَوْنَ	بدلہ دیئے جارہے ہو تم
دَعًّا (۲)	دھکے دینا	لَا تُبْصِرُونَ	دیکھتے نہیں	مَا كُنْتُمْ	اس کا جو تھے تم
هٰذِهِ النَّارُ	یہ آگ ہے	اِصْلَوْهَا	داخل ہوؤ اس میں	تَعْمَلُونَ	کیا کرتے

آخرت کی تکذیب کرنے والوں کی سزا

(یاد کرو) جس دن وہ لوگ (آخرت کی تکذیب کرنے والے) آتشِ دوزخ کی طرف (میدانِ حشر سے) دھکے دے کرلائے جائیں گے (جب وہ دوزخ پر پہنچیں گے تو ان سے کہا جائے گا:) یہ وہی دوزخ ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے، پس کیا یہ جادو ہے؟ (دنیا میں تم انبیاء کی باتوں کو جادو کہا کرتے تھے، اب بتاؤ یہ واقعی حقیقت ہے یا نظر کا دھوکا ہے؟) ــــ یا تمہیں کچھ سوجھتا نہیں! (جیسے دنیا میں تمہیں کچھ سوجھتا نہیں تھا، اب بھی نہیں سوجھتا! ــــ اس میں گھسو! پھر خواہ صبر کرو یا نہ کرو، دونوں یکساں ہیں ــــ روؤ گے چلاؤ گے تو کوئی فریاد نہیں سنے گا، اور دم سادھے رہو گے تو خون کے گھونٹ پیو گے، دونوں حالتیں برابر ہیں، اب تم پر کچھ رحم نہیں کیا جائے گا ــــ جیسا تم کیا کرتے تھے ویسا ہی تمہیں بدلہ دیا جارہا ہے ــــ ذرہ بھر ظلم نہیں کیا جارہا!

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنّٰتٍ وَّنَعِيمٍ ﴿١٧﴾ فٰكِهِينَ بِمَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ ۚ وَوَقٰهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ﴿١٨﴾ كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٩﴾ مُتَّكِـِٔينَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوفَةٍ ۚ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُورٍ عِينٍ ﴿٢٠﴾ وَالَّذِينَ اٰمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ

(۱) دَعَّهُ (ن) دَعًّا: بے رحمی کے ساتھ کسی کو دھکے دینا: ﴿ يَدُعُّ الْيَتِيمَ ﴾: یتیم کو دھکے دیتا ہے (۲) دَعًّا: مفعول مطلق برائے تاکید ہے۔

ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ أَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۚ كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ۝٢١ وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ۝٢٢ يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا كَاْسًا لَّا لَغْوٌ فِيْهَا وَلَا تَاْثِيْمٌ ۝٢٣ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ ۝٢٤ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ۝٢٥ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ ۝٢٦ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ ۝٢٧ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ ۝٢٨

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ	بیشک اللہ سے ڈرنے والے	هَنِيْٓـــًٔا (۳)	رچ پچ کر (خوشگوار)	وَاتَّبَعَتْهُمْ	اور پیروی کی ان کی
فِيْ جَنّٰتٍ	باغات میں	بِمَا	بعوض اس کے جو	ذُرِّيَّتُهُمْ	ان کی اولاد نے
وَّنَعِيْمٍ (۱)	اور نعمتوں میں ہیں	كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ	کیا کرتے تھے تم	بِاِيْمَانٍ	ایمان کے ساتھ
فٰكِهِيْنَ (۲)	خوش ہونے والے	مُتَّكِـــِٕيْنَ	ٹیک لگائے ہوئے	اَلْحَقْنَا	ملایا ہم نے
بِمَآ	اس چیز سے جو	عَلٰى سُرُرٍ (۴)	تختوں پر	بِهِمْ	ان کے ساتھ
اٰتٰىهُمْ	دی ان کو	مَّصْفُوْفَةٍ (۵)	صف میں بچھے ہوئے	ذُرِّيَّتَهُمْ	ان کی اولاد کو
رَبُّهُمْ	ان کے رب نے	وَزَوَّجْنٰهُمْ	اور نکاح میں دی ہم	وَمَآ	اور نہیں
وَوَقٰىهُمْ	اور بچایا ان کو		نے ان کے	اَلَتْنٰهُمْ (۸)	کم کیا ہم نے ان سے
رَبُّهُمْ	ان کے رب نے	بِحُوْرٍ (۶)	گوری عورتیں	مِّنْ عَمَلِهِمْ	ان کے اعمال میں سے
عَذَابَ	عذاب سے	عِيْنٍ (۷)	بڑی آنکھوں والیاں	مِّنْ شَيْءٍ	کچھ بھی
الْجَحِيْمِ	دوزخ کے	وَالَّذِيْنَ	اور جو لوگ	كُلُّ امْرِئٍ	ہر انسان
كُلُوْا وَاشْرَبُوْا	کھاؤ اور پیو	اٰمَنُوْا	ایمان لائے	بِمَا كَسَبَ	بعوض اس کے جو کمایا اس نے

(۱) نعیم (بروزن فعیل) اس میں مفرد جمع برابر ہیں (۲) فاکھین: المتقین کا حال ہے، فَكِهَ (س) فَكَهًا وَفَكَاهَةً: خوش طبع ہونا، فَكِهَ به: لطف اندوز ہونا، مزے لینا (۳) هنیئا (بروزن فعیل) فاعل کی ضمیر سے حال ہے، هَنَأَ (ف) الطعامَ: کھانے کو مزے دار بنانا، رچنا پچنا: خوش گوار جزوِ بدن ہونے والا۔ (۴) سرر: سریر کی جمع: تخت، چوکی، گدّی (۵) مصفوفة: قطار میں بچھائے ہوئے، جیسے جلسہ میں گاؤ تکیے دیوار سے لگا کر رکھتے ہیں (۶) حور: حوراء کی جمع: گوری۔ (۷) عین: عیناء کی جمع: بڑی آنکھوں والی (۸) أَلَتَ (ض) أَلْتًا: کم کرنا، حق مارنا۔

رَهِيْنٌ	گروی ہے	عَلَيْهِمْ	ان کے پاس	مُشْفِقِيْنَ	ڈرنے والے
وَاَمْدَدْنٰهُمْ [1]	اور کمک پہنچائی ہم نے	غِلْمَانٌ لَّهُمْ	ان کے نابالغ لڑکے	فَمَنَّ	پس احسان کیا
	ان کو	كَاَنَّهُمْ	گویا وہ	اللّٰهُ	اللہ نے
بِفَاكِهَةٍ	میوں سے	لُؤْلُؤٌ	موتی ہیں	عَلَيْنَا	ہم پر
وَّلَحْمٍ	اور گوشت سے	مَّكْنُوْنٌ	چھپا کر رکھے ہوئے	وَوَقٰنَا	اور بچایا ہمیں
مِّمَّا	اس میں سے جس کو	وَاَقْبَلَ	اور متوجہ ہوا	عَذَابَ	عذاب سے
يَشْتَهُوْنَ	وہ چاہیں گے	بَعْضُهُمْ	ان کا ایک	السَّمُوْمِ	لُو (دوزخ) کے
يَتَنَازَعُوْنَ	چھینا جھپٹی کریں گے وہ	عَلٰى بَعْضٍ	دوسرے پر	اِنَّا كُنَّا	بے شک ہم تھے
فِيْهَا	جنت میں	يَّتَسَآءَلُوْنَ	ایک دوسرے سے	مِنْ قَبْلُ	اس سے پہلے
كَاْسًا	ایسے جام میں		پوچھ رہے ہیں	نَدْعُوْهُ	پکارتے تھے ہم اس کو
لَّا لَغْوٌ	(کہ) نہ بک بک ہے	قَالُوْٓا	کہا انھوں نے	اِنَّهٗ	بے شک وہ
فِيْهَا	اس میں	اِنَّا كُنَّا	بے شک ہم تھے	هُوَ	ہی
وَلَا تَاْثِيْمٌ [2]	اور نہ گناہ میں ڈالنا	قَبْلُ	قبل ازیں	الْبَرُّ	نیک سلوک کرنے والے
وَيَطُوْفُ	اور گھومیں گے	فِيْٓ اَهْلِنَا	اپنے گھر والوں میں	الرَّحِيْمُ	بڑے مہربان ہیں

آخرت میں نیک مؤمنین کا انجام

اب مکذبین کے انجام کے بالمقابل نیک مؤمنین کا انجام بیان فرماتے ہیں، قرآن کا یہی اسلوب ہے۔

﴿اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَعِيْمٍ ۝ فٰكِهِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ ۚ وَوَقٰهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝﴾:

کلّی حال: —— بے شک پرہیزگار باغوں میں اور نعمتوں میں ہونگے، مزے سے لیں گے جو چیزیں ان کو ان کے پروردگار دیں گے —— یہ مثبت پہلو سے حال بیان کیا —— اور ان کے پروردگار نے ان کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھا —— یہ منفی پہلو سے حال بیان کیا —— رچ پچ کر کھاؤ پیؤ اپنے اعمال کے صلہ میں —— یہ عام حال بیان کیا۔

تفسیر: دنیا میں جن بندوں نے اللہ سے ڈرتے ہوئے زندگی گذاری ہے وہ آخرت میں بالکل مأمون اور بے فکر

(۱) أَمَدَّ إِمْدَادًا: اضافہ کرنا، کمک: وہ فوجی جو فوج کی مدد کے لئے بھیجے جائیں (۲) تأثیم: باب تفعیل کا مصدر: گناہ میں ڈالنا۔

ہونگے، ہر قسم کے عیش وآرام کے سامان ان کے لئے حاضر رہیں گے، اور یہ ہی انعام کیا کم ہے کہ دوزخ کے عذاب سے اللہ تعالیٰ نے ان کو محفوظ رکھا (از فوائد)

﴿ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ۚ ﴾

جنتیوں کی مجلس کا حال: ـــــ تکیہ لگائے ہوئے (بیٹھے ہونگے) برابر برابر بچھائے ہوئے تختوں پر ـــــ یعنی جنتی بادشاہوں کی طرح اپنے اپنے تختوں پر بیٹھے ہونگے، اور تخت قرینہ سے بچھے ہوئے ہونگے، سب کے چہرے آمنے سامنے ہونگے، کسی کا چہرہ دوسرے کی پیٹھ کی طرف نہیں ہوگا۔

﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ اتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ۝۲۱ ﴾

کاملین کی اولاد کو ان کے ساتھ ملایا جائے گا: ـــــ اور جو لوگ ایمان لائے، اور ان کی اولاد نے ایمان میں ان کا ساتھ دیا: ہم ان کی اولاد کو ان کے ساتھ ملائیں گے ـــــ یعنی اولاد کو آبائے کاملین کے درجہ میں پہنچادیں گے، تاکہ ان کو سکون قلبی حاصل ہو، اولاد کے پاس ہونے سے کلیجا ٹھنڈا ہوتا ہے، البتہ ملانے کے لئے شرط یہ ہے کہ اولاد مؤمن ہو، اگرچہ اعمال میں کوتاہ ہو۔

اور ہم ان کے اعمال سے ذرا بھی کم نہیں کریں گے ـــــ یعنی آباء کاملین کے اعمالِ صالحہ میں سے کچھ حصہ اولاد کو دے کر برابر نہیں کریں گے، بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ان کا درجہ بڑھائیں گے۔

قاعدہ ہے: ـــــ ہر شخص اپنے اعمال کے بدل گروی ہے ـــــ ہزار روپے قرض لے کر گھڑی گروی رکھی، پس جب قرض ادا کرے گا تب گھڑی ملے گی ـــــ اور یہ ضابطہ کلیہ ہے، مثبت ومنفی دونوں پہلوؤں سے ہے یعنی اَپ گریڈ تو کرسکتے ہیں، ڈاؤن گریڈ نہیں کرسکتے، مؤمن کو اس کے درجہ سے نیچے اتار دیا جائے: ایسا نہیں کرسکتے، البتہ اولاد کو آباء کے درجہ میں پہنچادیا جائے: ایسا کرسکتے ہیں کہ یہ فضل واحسان ہے: ﴿ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ! ﴾: اسی طرح گناہ کی سزا زیادہ نہیں دے سکتے، البتہ معاف کرسکتے ہیں کہ یہ بھی فضل ہے۔

﴿ وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ۝۲۲ ﴾

جنتیوں کے لئے نعمتوں کا تار باندھ دیا جائے گا: ـــــ اور ہم ان کو کمک پہنچائیں گے میووں اور دل پسند گوشت سے ـــــ تار باندھنا یعنی کسی کام کو مسلسل کرنا، اور کمک پہنچانا: یعنی بڑے لشکر کی مدد کے لئے پیچھے سے فوجی بھیجنا، جن میووں اور گوشت کے لئے جنتیوں کا جی چاہے گا: بے طلب بھی وہ چیزیں حاضر کی جائیں گی، اور مسلسل بھیجی جائیں گی۔

﴿ يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا كَاْسًا لَّا لَغْوٌ فِيْهَا وَلَا تَاْثِيْمٌ ۝۲۳ ﴾

شرابِ طہور اور خوش طبعی: ـــــ وہ جنت میں چھینا جھپٹی کریں گے، ایسے جام میں جس میں نہ بک بک ہوگی نہ گناہ میں مبتلا کرنا ـــــ جنت کی شراب میں محض نشاط اور لذت ہوگی، نشہ، بکواس اور فتورِ عقل وغیرہ کچھ نہ ہوگا، پس اس کو پی کر کسی گناہ کا سوال ہی نہیں، اور جب شرابِ طہور کا دور چلے گا تو جنتی بطور خوش طبعی کے ایک دوسرے سے چھینا جھپٹی کریں گے، مگر جام و سبو ٹوٹیں گے نہیں!

﴿ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ ۝۲۴ ﴾

جنتیوں کے خدام: ـــــ اور ان کے پاس ان کے (خدام) لڑکے آتے جاتے رہیں گے، گویا وہ چھپا کر رکھے ہوئے موتی ہیں ـــــ یہ حوروں کی طرح جنت کی مخلوق ہیں، چھپا کر رکھے ہوئے موتیوں کی طرح یعنی صاف شفاف اور پاکیزہ۔

﴿ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ۝۲۵ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ ۝۲۶ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ ۝۲۷ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ ۝۲۸ ﴾

جنتیوں کو روحانی خوشی: ـــــ اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر باتیں کریں گے، کہیں گے: بے شک ہم اس سے پہلے (دنیا میں) اپنے گھروں میں ڈرتے تھے ـــــ کہ دیکھئے! مرنے کے بعد کیا انجام ہو؟ یہ کھٹکا برابر لگا رہتا تھا ـــــ پس اللہ نے ہم پر احسان کیا اور ہمیں لُو کے عذاب سے (دوزخ کے عذاب سے) بچایا، بے شک ہم قبل ازیں (دنیا میں) اسی کی عبادت کیا کرتے تھے (اسی کو پکارا کرتے تھے) بے شک وہ بڑے محسن بڑے مہربان ہیں۔

فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ۝۲۹ اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ۝۳۰ قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ۝۳۱ اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ۝۳۲ اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝۳۳ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ۝۳۴

فَذَكِّرْ	پس سمجھائیں آپ	رَبِّكَ	آپ کے رب کے	اَمْ يَقُوْلُوْنَ(۱)	یا کہتے ہیں وہ
فَمَآ اَنْتَ	پس نہیں ہیں آپ	بِكَاهِنٍ	جنات سے خبریں لینے والے	شَاعِرٌ	شاعر ہے
بِنِعْمَتِ	فضل سے	وَّلَا مَجْنُوْنٍ	اور نہ پاگل	نَّتَرَبَّصُ	انتظار کرتے ہیں ہم

(۱) اَم: حرفِ عطف استفہام کے معنی دیتا ہے، یہ پندرہ مرتبہ آیا ہے، کہیں استفہام کا ترجمہ کیا ہے کہیں حرفِ عطف کا۔

بِهٖ	اس کے بارے میں	اَمۡ تَاۡمُرُهُمۡ	کیا حکم دیتی ہیں ان کو	بَلۡ	بلکہ
رَیۡبَ (۱)	حادثہ	اَحۡلَامُهُمۡ	ان کی عقلیں	لَّا یُؤۡمِنُوۡنَ	ایمان نہیں لاتے وہ
الۡمَنُوۡنِ (۲)	موت کا	بِهٰذَاۤ	اس بات کا	فَلۡیَاۡتُوۡا	پس چاہئے کہ لائیں وہ
قُلۡ	کہیں	اَمۡ هُمۡ	یا وہ	بِحَدِیۡثٍ	کوئی کلام
تَرَبَّصُوۡا	انتظار کرو	قَوۡمٌ	لوگ ہیں	مِّثۡلِهٖۤ	قرآن کے مانند
فَاِنِّیۡ	پس بے شک میں	طَاغُوۡنَ	سرکش (شرارتی)	اِنۡ	اگر
مَعَكُمۡ	تمہارے ساتھ	اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ	یا کہتے ہیں وہ	كَانُوۡا	ہوں وہ
مِّنَ الۡمُتَرَبِّصِیۡنَ	انتظار کرنے والوں سے ہوں	تَقَوَّلَهٗ (۳)	گھڑ لیا ہے اس کو	صٰدِقِیۡنَ	سچے

رسالت کا بیان

رسول پر چار تبصرے

اب آخر تک رسالت کا بیان ہے، منکرین کی سزا کے بعد مؤمنین کا انجام بیان کیا تھا، اب پھر بات پیچھے لوٹ رہی ہے، فرماتے ہیں: آپ مکذبین کو سمجھاتے رہیں، نصیحت کرتے رہیں، اور ان کی بکواس سے دل گیر (غم گیں) نہ ہوں، وہ کبھی آپ کو کاہن کہتے ہیں، کبھی مجنون، کاہن: جنات سے باتیں لے کر غیب کی باتیں بتانے والا اور دیوانہ اِدھر اُدھر کی بکتا ہے، اس کی تردید میں فرمایا کہ اللہ کے فضل وکرم سے آپ نہ کاہن ہیں نہ مجنون!

اور کبھی وہ آپ کو شاعر قرار دیتے تھے، اور کہتے تھے: شعراء بہت گذرے ہیں، سب مر کھپ گئے، یہ بھی چند دنوں میں ٹھنڈے ہوجائیں گے، پھر ان کا کوئی نام لیوا نہ ہوگا، اس کے جواب میں کہلوایا: اچھا تم میرا انجام دیکھتے رہو، میں تمہارا انجام دیکھ رہا ہوں، آئندہ فیصلہ ہوگا: کون کامیاب ہوتا ہے اور کون خائب وخاسر!

پھر ان تینوں باتوں کے تعلق سے فرمایا کہ یہ باتیں تمہاری عقلوں کا فیصلہ ہے یا حماقت کی ہانک رہے ہو؟ کاہنوں کی بے تکی باتوں میں اور قرآن کے حکیمانہ اصول میں فرق نہیں کرسکتے؟ اسی طرح دیوانے کی بے معنی بڑ میں اور قرآن کی پُر حکمت باتوں میں فرق نہیں جانتے؟ اور شاعری تو تمہاری گھٹی میں پڑی ہوئی ہے: کیا قرآن شاعری ہے؟ جو اس کے پیش کرنے والے کو شاعر کہتے ہو، حقیقت میں یہ شرارت کی باتیں ہیں، ان کو ماننا نہیں اس لئے یہ باتیں کہہ رہے ہیں۔

(۱) رَیۡب: رَابَ یَرِیۡبُ کا مصدر ہے، اس کے معنی ہیں: شک میں ڈالنا، لیکن جب زمانہ کے ساتھ اس کا استعمال ہوتا ہے تو 'گردش' کے معنی ہوتے ہیں، اس لئے کہ حادثہ کا وقت بھی معلوم نہیں (۲) المنون: اسم ہے: موت، ریب المنون: حادثۂ موت (۳) تقوُّل: باب تفعل: بہ تکلف کہنا، بات گھڑنا، بناوٹ کرنا۔

اور ایک بات مکذبین یہ بھی کہتے تھے کہ یہ اللہ کا کلام نہیں، خود بناتے ہیں اور اللہ کے نام لگاتے ہیں، یہ بات بھی وہ اس لئے کہتے تھے کہ انہیں ماننا نہیں، ورنہ ہمیں میداں ہمیں چوگاں! تم بھی قرآن کا مثل بنالاؤ، تم تو فصاحت کے دعویدار ہو، قصیدے کعبہ پر لٹکاتے ہو، یہیں آزمائش ہوجائے، ورنہ تمہاری بات پادر ہوا ہے۔

آیاتِ پاک: —— پس آپ ﷺ سمجھاتے رہیں، آپ ﷺ بفضلہ تعالیٰ نہ کاہن ہیں نہ دیوانے! —— کیا وہ کہتے ہیں کہ ایک شاعر ہے، اس کے بارے میں ہم حادثۂ موت کا انتظار کرتے ہیں —— آپ کہیں: تم انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کررہا ہوں —— کیا ان کی عقلیں ان کو اس بات کا حکم دیتی ہیں یا وہ شریر لوگ ہیں؟ —— یا وہ کہتے ہیں کہ اُس نے قرآن کو خود گھڑ لیا ہے! —— بلکہ ان کو ماننا نہیں —— پس چاہئے کہ کوئی کلام لائیں قرآن جیسا اگر وہ سچے ہیں۔

أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ ﴿۳۵﴾ أَمْ خَلَقُوا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ ۚ بَل لَّا يُوقِنُونَ ﴿۳۶﴾ أَمْ عِندَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ أَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُونَ ﴿۳۷﴾ أَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَسْتَمِعُونَ فِيهِ ۖ فَلْيَأْتِ مُسْتَمِعُهُم بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ﴿۳۸﴾ أَمْ لَهُ الْبَنَاتُ وَلَكُمُ الْبَنُونَ ﴿۳۹﴾ أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُم مِّن مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُونَ ﴿۴۰﴾ أَمْ عِندَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُونَ ﴿۴۱﴾ أَمْ يُرِيدُونَ كَيْدًا ۖ فَالَّذِينَ كَفَرُوا هُمُ الْمَكِيدُونَ ﴿۴۲﴾ أَمْ لَهُمْ إِلَٰهٌ غَيْرُ اللَّهِ ۚ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۴۳﴾

أَمْ خُلِقُوا	کیا پیدا کئے گئے ہیں	بَلْ	بلکہ	أَمْ لَهُمْ	یا ان کے لئے
مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ	بغیر کسی چیز کے	لَا يُوقِنُونَ	یقین نہیں کرتے وہ	سُلَّمٌ	سیڑھی ہے
أَمْ هُمُ	یا وہ	أَمْ عِندَهُمْ	یا ان کے پاس	يَسْتَمِعُونَ	سنتے ہیں وہ
الْخَالِقُونَ	پیدا کرنے والے ہیں	خَزَائِنُ	خزانے ہیں	فِيهِ	اس میں
أَمْ خَلَقُوا	یا پیدا کیا ہے انھوں نے	رَبِّكَ	آپ کے رب کے	فَلْيَأْتِ	پس چاہئے کہ لائے
السَّمَاوَاتِ	آسمانوں کو	أَمْ هُمُ	یا وہ	مُسْتَمِعُهُمْ (۲)	ان کا سننے والا
وَالْأَرْضَ	اور زمین کو	الْمُصَيْطِرُونَ (۱)	کنٹرولر (ذمہ دار) ہیں	بِسُلْطَانٍ	کوئی سند (دلیل)

(۱) المُصَیْطِر: اسم فاعل، صاد، سین سے بدلا ہوا ہے، سَیْطَرَ (رباعی) علیہ: نگرانی کرنا، کنٹرول کرنا، قابو میں کرنا (۲) مُسْتَمِع: اسم فاعل، مِن: محذوف ہے أی مُسْتَمِعٌ منهم: ان میں سے سننے والا۔

مُّبِيْنٍ	واضح (کھلی)	مُّثْقَلُوْنَ (۲)	بوجھل ہیں	هُمُ	وہ
اَمْ لَهُ	یا اس کے لئے	اَمْ عِنْدَهُمُ	یا ان کے پاس	الْمَكِيْدُوْنَ (۳)	چال چلے ہوئے ہیں
الْبَنٰتُ	بیٹیاں ہیں	الْغَيْبُ	غیب ہے	اَمْ لَهُمْ	یا ان کے لئے
وَلَكُمُ	اور تمہارے لئے	فَهُمْ	پس وہ	اِلٰهٌ	کوئی معبود ہے
الْبَنُوْنَ	بیٹے ہیں	يَكْتُبُوْنَ	لکھتے ہیں	غَيْرُ اللّٰهِ	اللہ کے علاوہ
اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ	یا آپ ان سے مانگتے ہیں	اَمْ يُرِيْدُوْنَ	یا وہ چاہتے ہیں	سُبْحٰنَ	پاک ہیں
اَجْرًا	کوئی مزدوری	كَيْدًا	کوئی مکر	اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ
فَهُمْ	پس وہ	فَالَّذِيْنَ	پس جنھوں نے	عَمَّا	اس سے جس کو
مِّنْ مَّغْرَمٍ (۱)	تاوان سے	كَفَرُوْا	انکار کیا	يُشْرِكُوْنَ	شریک ٹھہراتے ہیں وہ

سات باتیں جو پیغمبر پر ایمان لانے سے مانع ہیں

پہلی بات: —— کیا منکرین نبوت یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کے اوپر کوئی خدا نہیں، جس کی بات ماننی ضروری ہو، کیا وہ اپنے خیال میں بغیر کسی پیدا کرنے والے کے خود بخود پیدا ہوگئے ہیں، یا انھوں نے خود ہی آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، اس لئے وہ اپنی کائنات میں جو چاہیں کریں، ان کو روکنے ٹوکنے والا کون ہے۔

اگر ان کا یہ خیال ہے تو وہ مہمل اور باطل ہے، کائنات کا اور خود ان کا ایک خالق و مالک ہے، اس پر ایمان لانا ضروری ہے، اور وہ جس کو اپنا نمائندہ بنائے اس کو ماننا بھی ضروری ہے، مگر ان کو اس کی توفیق کہاں؟

﴿ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ۝ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ۝ ﴾

ترجمہ: کیا وہ لوگ بغیر کسی پیدا کرنے والے کے (خود بخود) پیدا ہوگئے ہیں، یا وہ (خود کو) پیدا کرنے والے ہیں؟ یا انھوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے؟ بلکہ ان لوگوں کو یقین نہیں آتا!

دوسری بات: —— کیا مکذبین کا یہ خیال ہے کہ زمین و آسمان تو اللہ نے بنائے ہیں، مگر اللہ نے اپنے خزانوں کا مالک ان کو بنا دیا ہے، وہی خزانوں پر کنٹرولر ہیں، اس لئے جس کو نبوت سے سرفراز کیا جائے، ان کی اجازت سے کیا جائے —— ان کا یہ کہنا بھی جہل محض ہے، کیونکہ: ﴿ لِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾: اللہ ہی کے ہیں سب خزانے آسمانوں اور

(۱) مَغْرَم: اسم مصدر: تاوان، ڈنڈ، عوض۔ (۲) مُثْقَل: اسم مفعول: بوجھ لادا ہوا (۳) المکید: اسم مفعول: چال چلا ہوا، چال میں گرفتار۔

زمین کے [المنافقون ۷] پس اللہ جس کو نبوت سے سرفراز کرنا چاہیں کریں، ان کو کسی سے پرمیشن لینے کی ضرورت نہیں۔

﴿ اَمۡ عِنۡدَهُمۡ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمۡ هُمُ الۡمُصَۜيۡطِرُوۡنَ ۝ ﴾

ترجمہ: یا ان کے پاس آپ کے رب کے خزانے ہیں، یا وہ (محکمۂ نبوت کے) ذمہ دار ہیں۔

تیسری بات: —— یا ان کا یہ دعوی ہے کہ ان کے پاس سیڑھی ہے، اس سے وہ آسمان پر چڑھ جاتے ہیں، اور اللہ سے براہِ راست باتیں سن آتے ہیں، پھر کسی بشر کا اتباع کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ —— جواب: جس کا یہ دعوی ہے وہ اپنی سند اور حجت پیش کرے، بلکہ اُن کے دعوے کے خلاف اُن کا یہ اعتقاد دلیل ہے کہ اللہ کے لئے بیٹیاں ہیں اور ان کے لئے بیٹے ہیں یعنی وہ خود اپنے لئے بیٹے پسند کرتے ہیں اور اللہ کے حصہ میں بیٹیاں لگاتے ہیں، کیا وہ یہ عیب کی بات اللہ سے سن آئے ہیں، یہ تو ان کا خودساختہ اعتقاد ہے، اللہ کے یہاں سے کہاں آیا ہے؟

﴿ اَمۡ لَهُمۡ سُلَّمٌ يَّسۡتَمِعُوۡنَ فِيۡهِ‌ ۚ فَلۡيَاۡتِ مُسۡتَمِعُهُمۡ بِسُلۡطٰنٍ مُّبِيۡنٍؕ ۝ اَمۡ لَهُ الۡبَنٰتُ وَلَـكُمُ الۡبَنُوۡنَؕ ۝ ﴾

ترجمہ: کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے، جس پر چڑھ کر (اللہ کی باتیں) وہ سن آتے ہیں؟ —— اگر ایسا (دعوی ہے) تو جو شخص باتیں سن آتا ہے وہ کوئی واضح دلیل پیش کرے، کیا اللہ کے لئے بیٹیاں ہیں، اور ان کے لئے بیٹے ہیں —— یعنی یہ عقیدہ تو ان کے دعوے کی تردید کرتا ہے۔

چوتھی بات: —— کیا وہ لوگ آپ کی بات اس لئے نہیں مانتے کہ آپ ان سے تبلیغ دین پر بھاری معاوضہ طلب کرتے ہیں، جس کا وہ تحمل نہیں کر سکتے —— جواب: تمام انبیاء انسانیت کی بے لوث خدمت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: ﴿ يٰقَوۡمِ لَاۤ اَسۡـئَلُكُمۡ عَلَيۡهِ مَالًا‌ ؕ اِنۡ اَجۡرِىَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ﴾: اے میری قوم! میں تم سے تبلیغ پر کچھ مال نہیں مانگتا، میرا معاوضہ تو صرف اللہ پر ہے [ہود ۲۹] پس یہ بات بھی ایمان کے لئے مانع نہیں بن سکتی!

﴿ اَمۡ تَسۡـئَلُهُمۡ اَجۡرًا فَهُمۡ مِّنۡ مَّغۡرَمٍ مُّثۡقَلُوۡنَؕ ۝ ﴾

ترجمہ: کیا آپ ان سے کوئی معاوضہ طلب کرتے ہیں؟ پس وہ تاوان ان کو گراں معلوم ہوتا ہے!

پانچویں بات: —— کیا خود ان پر اللہ تعالیٰ اپنی وحی بھیجتے ہیں، اور پیغمبروں کی طرح ان کو اپنے بھیدوں سے واقف کرتے ہیں، جس کو وہ لکھ لیتے ہیں، جیسے انبیاء کی وحی لکھی جاتی ہے، اس لئے ان کو آپ کی پیروی کی ضرورت نہیں —— جواب: ظاہر ہے ایسا نہیں، پھر وہ اللہ کی راہ نمائی پیغمبر کی پیروی کے بغیر کیسے حاصل کریں گے؟

﴿ اَمۡ عِنۡدَهُمُ الۡغَيۡبُ فَهُمۡ يَكۡتُبُوۡنَؕ ۝ ﴾

ترجمہ: یا ان کے پاس غیب کا علم ہے، جس کو وہ لکھ لیتے ہیں۔

چھٹی بات: —— اگر یہ سب باتیں نہیں ہیں تو کیا وہ نبی کے ساتھ کوئی داؤ چلنا چاہتے ہیں، تا کہ خفیفہ تدبیروں سے

اسلام کو مغلوب کر دیں ـــــ اگر ایسی کوئی بات ہے تو وہ جان لیں کہ ان کے داؤ پیچ انہیں پر الٹ جائیں گے، وہ خود مغلوب ہو کر نابود ہو جائیں گے!

﴿ اَمْ یُرِیْدُوْنَ كَیْدًا ؕ فَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِیْدُوْنَ ﴾

ترجمہ: یا وہ کوئی چال چلنا چاہتے ہیں؟ (اگر ایسا ہے) تو منکرین خود ہی اپنی چال میں گرفتار ہونگے!

ساتویں بات: ـــــ کیا ان کا اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہے، جس سے وہ زندگی میں راہ نمائی حاصل کرتے ہیں، اس لئے انہیں پیغمبر کی پیروی کی ضرورت نہیں؟ ـــــ جواب: اللہ کی ذات پاک ہے کہ کوئی اس کا شریک ہو، پس اس کی ہدایت اس کے رسول ہی کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہے۔

﴿ اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَیْرُ اللّٰهِ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴾

ترجمہ: یا ان کے لئے اللہ کے سوا کوئی معبود ہے؟ ـــــ پاک ہیں اللہ تعالیٰ اس سے جس کو وہ شریک ٹھہراتے ہیں!

وَ اِنْ یَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا یَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ ﴿۴۴﴾ فَذَرْهُمْ حَتّٰی یُلٰقُوْا یَوْمَهُمُ الَّذِیْ فِیْهِ یُصْعَقُوْنَ ﴿۴۵﴾ یَوْمَ لَا یُغْنِیْ عَنْهُمْ كَیْدُهُمْ شَیْـًٔا وَّ لَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَ اِنَّ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَ اصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْیُنِنَا وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِیْنَ تَقُوْمُ ﴿۴۸﴾ وَ مِنَ الَّیْلِ فَسَبِّحْهُ وَ اِدْبَارَ النُّجُوْمِ ﴿۴۹﴾

ع ۲

وَ اِنْ یَّرَوْا	اور اگر دیکھیں وہ	مَّرْكُوْمٌ (۲)	تہ بہ تہ جما ہوا	یُصْعَقُوْنَ (۳)	بے ہوش کئے جائیں گے
كِسْفًا (۱)	ٹکڑے	فَذَرْهُمْ	پس چھوڑیے ان کو	یَوْمَ	جس دن
مِّنَ السَّمَآءِ	آسمان کے	حَتّٰی	یہاں تک کہ	لَا یُغْنِیْ	نہیں کام آئے گی
سَاقِطًا	گرنے والے	یُلٰقُوْا	ملاقات کریں وہ	عَنْهُمْ	ان کے
یَّقُوْلُوْا	کہیں گے وہ	یَوْمَهُمُ	ان کے اس دن سے	كَیْدُهُمْ	ان کی چال
سَحَابٌ	بادل ہے	الَّذِیْ فِیْهِ	جس میں وہ	شَیْـًٔا	کچھ بھی

(۱) كِسْف: كِسْفة کی جمع: ٹکڑا، كَسَفَ الثوبَ: کپڑا کاٹا، کسفت الشمسُ: سورج گہنانا (۲) مرکوم: اسم مفعول، گاڑھا، تہ بہ تہ جما ہوا، رَكَمَ الترابَ: مٹی کا ڈھیر لگایا (۳) یُصْعَق: مضارع مجہول، صَعِقَ کے دو معنی ہیں: چیخ سے بے ہوش ہونا اور مر جانا۔

وَّلَا هُمْ	اور نہ وہ	وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ	لیکن ان کے اکثر	بِحَمْدِ	خوبی کے ساتھ
يُنْصَرُوْنَ	مدد کئے جائیں گے	لَا يَعْلَمُوْنَ	جانتے نہیں	رَبِّكَ	اپنے رب کی
وَاِنَّ	اور بے شک	وَاصْبِرْ	اور انتظار کریں آپ	حِيْنَ تَقُوْمُ	جب اٹھیں آپ
لِلَّذِيْنَ	ان لوگوں کیلئے جنھوں نے	لِحُكْمِ رَبِّكَ	اپنے رب کے حکم کا	وَمِنَ الَّيْلِ	اور رات کے حصہ میں
ظَلَمُوْا	ناانصافی کی (شرک کیا)	فَاِنَّكَ	پس بے شک آپ	فَسَبِّحْهُ	پس پاکی بولیں اس کی
عَذَابًا	عذاب ہے	بِاَعْيُنِنَا	ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں	وَاِدْبَارَ	اور پیٹھ پھیرنے کے وقت
دُوْنَ ذٰلِكَ	اس دن سے ورے	وَسَبِّحْ	اور پاکی بیان کریں	النُّجُوْمِ	ستاروں کے

منکرین نہیں مانتے تو ان کو مطلوبہ معجزہ دکھا کر قائل کیا جائے

سوال: سورۃ بنی اسرائیل (آیت ۹۲) میں کفار کا مطالبہ ہے: ﴿اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا﴾: یا آسمان کو اپنے قول کے مطابق پارہ پارہ کر کے ہم پر گرادیں، اور سورۃ سبا (آیت ۹) میں ہے: ''یا ان پر آسمان کے ٹکڑے گرادیں، تاکہ نبی ﷺ کی صداقت ظاہر ہو، یہ مطالبہ پورا کر دیا جائے، اور اس طرح ان کو قائل کیا جائے۔

جواب: ان کی یہ فرمائش پوری کر دی جائے تو بھی وہ قائل نہیں ہونگے، وہ اس کی تاویل کریں گے، کہیں گے کہ یہ آسمان کا ٹکڑا نہیں، یہ تو گاڑھا بادل ہے، اور بادل تو گرتے ہی رہتے ہیں، ایسے معاندوں سے قبولیت کی کیا توقع کی جاسکتی ہے۔

﴿وَ اِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ ﴿۴۴﴾﴾

ترجمہ: اور اگر وہ آسمان کے ٹکڑوں کو گرتا ہوا دیکھیں تو کہیں گے: یہ تہ بہ تہ جما ہوا بادل ہے۔

مکذبین کا علاج تو بس قیامت کے دن ہوگا

آخر میں فرماتے ہیں کہ ایسے معاندوں کے پیچھے پڑنے کی ضرورت نہیں، قیامت کا دن آنے دیجئے، جب پہلی مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو ان کے ہوش اڑ جائیں گے (یا وہ مرجائیں گے) اس دن ان کی کوئی چال نہیں چلے گی، نہ ان کی مدد کی جائے گی۔

﴿فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ ﴿۴۵﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۶﴾﴾

ترجمہ: پس چھوڑیں ان کو، یہاں تک کہ ان کو اپنے اس دن سے سابقہ پڑے جس میں ان کے ہوش اڑ جائیں گے، اس دن ان کی کوئی تدبیر ان کے کچھ کام نہ آئے گی، اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔

کفار قیامت سے پہلے بھی سزا پائیں گے

اکثر کفار کو خبر نہیں کہ آخرت کے عذاب سے ورے دنیا میں بھی ان کے لئے ایک سزا ہے جو مل کر رہے گی، یہ سزا جنگِ بدر میں اور اس کے بعد کی جنگوں میں ملی۔

﴿ وَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا عَذَابًا دُونَ ذَٰلِكَ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور بے شک ظالموں (مشرکوں) کے لئے اس (قیامت) سے پہلے بھی سزا ہے، مگر ان کے اکثر لاعلم ہیں!

مسلمان اوراد میں مشغول رہیں

فی الحال (مکی دور میں) نبی ﷺ اور مؤمنین صبر وسکون کے ساتھ فیصلۂ خداوندی کا انتظار کریں، دن پلٹنے والے ہیں، اور آپؐ کو مخالفین کی طرف سے کچھ بھی نقصان نہیں پہنچے گا، آپؐ اللہ کی حفاظت میں ہیں، ابھی سب تسبیح وتحمید اور عبادت گذاری میں لگے رہیں، خصوصاً جب سوکر اٹھیں یا مجلس سے اٹھیں، اور رات کے حصہ میں یعنی تہجد کے وقت اور صبح صادق کے بعد جب ستارے غائب ہونے شروع ہوجاتے ہیں۔

﴿ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ ۝ وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَإِدْبَارَ النُّجُومِ ۝ ﴾

ترجمہ: اور آپؐ اپنے رب کے فیصلہ کا انتظار کریں، پس آپؐ یقیناً ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں، اور آپؐ اپنے رب کی خوبی کے ساتھ پاکی بیان کریں، جب آپؐ اٹھیں، اور رات کے حصہ میں پس اس کی پاکی بیان کریں، اور ستاروں کے پیٹھ پھیرنے کے وقت۔

تفسیر: سورۃ قٓ (آیات ۳۹و۴۰) میں پانچ فرض نمازوں کو پابندی سے پڑھنے کا حکم تھا، یہاں ان کے علاوہ اوراد کی پابندی کا حکم ہے، اوراد شریعت کی طرف سے لازم نہیں، یہ نفل اعمال ہیں، جنت کے بلند درجات حاصل کرنے کے لئے ہیں، مگر جب کوئی مؤمن بندہ کسی نفل عمل کو ورد (وظیفہ) بنالے تو اس کی واجب کی طرح پابندی ضروری ہے، اور اوراد کو اوقات میں تقسیم کرنا چاہئے، اس آیت میں تین اوقات کا ذکر ہے: جب سوکر اٹھے تو ذکر کرتا ہوا اٹھے، پھر تہجد گذار ہے تو تہجد کے بعد اوراد پڑھے، اور فجر کے بعد اٹھے تو نماز فجر سے پہلے یا بعد میں تسبیحات، تلاوت اور اذکار کرے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں۔

﴿ بحمدہ تعالیٰ ۱۱؍ جمادی الاخری ۱۴۳۷ھ مطابق ۱۷؍ مارچ سن ۲۰۱۶ء کو سورۃ الطّور کی تفسیر پوری ہوئی ﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ النجم

یہ مکی دور کے ابتداء کی سورت ہے، اس کا نزول کا نمبر ۲۳ ہے، پہلے لفظ سے نام رکھا ہے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: سب سے پہلی سورت جس میں سجدۂ تلاوت ہے وہ سورۃ النجم ہے (بخاری شریف حدیث ۴۸۶۳) اور یہی سورت نبی ﷺ نے سب سے پہلے برملا پڑھ کر سنائی ہے (روح) اس سورت کا موضوع: رسالت، توحید اور آخرت ہے، مکی سورتوں کے یہی موضوع ہیں، اور گذشتہ سورت رسالت کے مضمون پر پوری ہوئی تھی: یہ سورت اسی سے شروع ہو رہی ہے، گذشتہ سورت کے آخری الفاظ تھے: ﴿ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ ﴾ اور اس سورت کی ابتداء میں ستارے کی قسم ہے، پس یہ غایت درجہ مناسبت ہے۔

اور بخاری شریف میں حدیث (نمبر ۱۰۶۷) ہے: ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ نے مکہ میں سورۃ النجم تلاوت فرمائی پس آپؐ نے اس میں سجدہ کیا اور آپؐ کے ساتھ جتنے لوگ تھے سب نے سجدہ کیا، سوائے ایک سیٹھ کے، اس نے کنکریوں کی یا مٹی کی ایک مٹھی بھری اور اس کو پیشانی کی طرف اٹھایا اور کہا: میرے لئے یہ کافی ہے (ابن مسعودؓ کہتے ہیں:) میں نے اس کو بعد میں دیکھا، وہ کفر کی حالت میں مارا گیا۔

تشریح: مکی دور کا واقعہ ہے، ایک مجلس میں آنحضور ﷺ نے سورۃ النجم تلاوت فرمائی اس مجلس میں مسلمانوں کے علاوہ مشرکین اور انسانوں کے علاوہ جنات بھی تھے، جب آپؐ نے سورت ختم کی تو سجدۂ تلاوت کیا، پس مجلس میں موجود سبھی لوگوں نے سجدہ کیا، مگر امیہ بن خلف نے سجدہ نہیں کیا، اس نے زمین سے مٹی اٹھائی اور پیشانی سے لگائی اور کہا: میرے لئے یہ کافی ہے، اس مجلس میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ بھی تھے وہ فرماتے ہیں: اس موقع پر جس نے بھی سجدہ کیا دیر سویر اس کو ایمان کی دولت نصیب ہوئی، مگر امیہ بن خلف ایمان کی دولت سے محروم رہا اور جنگ بدر میں مارا گیا۔

اور کفار نے اس موقع پر سجدہ اس لئے کیا تھا کہ سورۃ النجم نہایت فصیح و بلیغ سورت ہے پھر زبان نبوت نے وہ سورت تلاوت کی تھی اس لئے سماں بندھ گیا، اور جب حضور اکرم ﷺ نے سجدہ کیا تو بے اختیار کفار بھی سجدے میں گر پڑے، بعد میں جب ان کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو انھوں نے خفت مٹانے کے لئے الغرانیق العلی والا واقعہ گڑھا، اور کہنا شروع

کیا کہ ہم نے سجدہ اس لئے کیا تھا کہ محمد (ﷺ) نے ہماری مورتیوں کی تعریف کی تھی، انھوں نے کہا تھا: تلك الغَرَانِيْقُ العُلَى، وإِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجَى: وہ (تین بت) عالم بالا کے پرندے ہیں، اوران کی سفارش بالیقین قبول کی جائے گی۔ اس سورت میں تین بتوں کا یعنی لات، منات اور عزی کا ذکر ہے، کفار نے کہنا شروع کیا کہ محمد (ﷺ) نے ان بتوں کی تعریف کی اوران کو طائرانِ لاہوتی (عالم بالا کے پرندے یعنی فرشتے) قرار دیا اور یہ بھی کہا کہ ان کی سفارش ضرور قبول کی جائے گی، اس لئے ہم نے سجدہ کیا۔

مگر سوال یہ ہے کہ یہ جملے آپؐ کی زبان مبارک سے ادا ہوئے تھے تو کس جگہ پڑھے گئے تھے؟ اس کے لئے کوئی موزوں جگہ بتاؤ؟ پوری سورت میں کوئی بھی جگہ ان کلمات کے لئے موزوں نہیں، اور صاحب جلالین نے جہاں ان کو فٹ کیا ہے وہ تو بالکل ہی غیر موزوں جگہ ہے، بھلا: ایک طرف قرآن ان بتوں کو کنڈم بھی کرے پھر وہیں ان کی تعریف بھی کرے، اس سے زیادہ بے تکی بات کیا ہوسکتی ہے؟

الغرض الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى والا واقعہ محض بے اصل اور من گھڑت ہے اور مفسر محلّی پر اللہ رحم کریں انھوں نے تحقیق کے بغیر اس واقعہ کو لے لیا، اوراس پر ستم یہ ڈھایا کہ تاویل کی کہ یہ جملے حضور ﷺ نے نہیں کہے تھے بلکہ آپؐ کی آواز میں شیطان نے پڑھے تھے، اس قسم کی تاویلیں اور من گھڑت واقعات سے شیطان سلمان رشدی کو دَغَل فَصَلَ (فساد) کا موقع ملا، اوراس نے ''شیطانی آیات'' نامی ناول لکھا، اس کی ناول کا حاصل یہ ہے کہ جب شیطان محمد (ﷺ) کی آواز میں وحی کے درمیان کچھ بھی پڑھ سکتا ہے تو اس وحی کا کیا اعتبار؟

سجودِ تلاوت کتنے ہیں؟

سجودِ تلاوت کی تعداد میں اختلاف ہے، اور یہ اختلاف دو باتوں پر مبنی ہے، ایک: مفصلات کے سجدے (النجم، الانشقاق، العلق) مشروع ہیں یا منسوخ؟ دوم: سورۃ الحج میں دو سجدے ہیں یا ایک؟ اور سورۂ ص میں سجدہ ہے یا نہیں؟ امام مالک رحمہ اللہ مفصلات کے سجدے تسلیم نہیں کرتے وہ کہتے ہیں: یہ سجدے مکی دور میں تھے، مدنی دور میں منسوخ ہوگئے ہیں، پس ان کے نزدیک سجودِ تلاوت گیارہ ہیں، اور امام شافعی رحمہ اللہ سورۃ الحج میں دو سجدے مانتے ہیں اور سورۂ ص کا سجدہ نہیں مانتے۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ سورۂ ص میں سجدہ مانتے ہیں اور سورۃ الحج میں ایک سجدہ مانتے ہیں، پس ان دونوں اماموں کے نزدیک سجودِ تلاوت کی تعداد چودہ ہے۔ اور امام احمد رحمہ اللہ سورۃ الحج میں دو سجدوں کے قائل ہیں، اور سورۂ ص کا سجدہ بھی تسلیم کرتے ہیں پس ان کے نزدیک آیاتِ سجدہ کی تعداد پندرہ ہے۔

آیاتها ۶۲ (۵۳) سُوْرَةُ النَّجْمِ مَكِّيَّةٌ (۲۳) رکوعاتها ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰىۙ ۝۱ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۝۲ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝۳ اِنْ
هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰىۙ ۝۴ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰىۙ ۝۵ ذُوْ مِرَّةٍ ۭ فَاسْتَوٰىۙ ۝۶ وَهُوَ بِالْاُفُقِ
الْاَعْلٰى ۝۷ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰىۙ ۝۸ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝۹ فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ
اَوْحٰى ۝۱۰ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ۝۱۱ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰي مَا يَرٰى ۝۱۲ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً
اُخْرٰىۙ ۝۱۳ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۝۱۴ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۝۱۵ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰىۙ ۝۱۶
مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ۝۱۷ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۝۱۸

وَالنَّجْمِ (۱)	ستارے کی قسم	اِلَّا وَحْيٌ	مگر وحی	بِالْاُفُقِ	آسمان کے کنارے پر تھا
اِذَا هَوٰى (۲)	جب وہ گرے!	يُّوْحٰى (۵)	جو کی گئی	الْاَعْلٰى	اونچے
مَا ضَلَّ (۳)	راستے سے نہیں ہٹے	عَلَّمَهٗ	سکھلایا ان کو	ثُمَّ دَنَا	پھر قریب آیا
صَاحِبُكُمْ	تمہارے ساتھی	شَدِيْدُ	مضبوط	فَتَدَلّٰى (۸)	پس لٹک آیا
وَمَا غَوٰى (۴)	اور نہ بھٹکے	الْقُوٰى (۶)	قوتوں والے نے	فَكَانَ	پس تھا وہ
وَمَا يَنْطِقُ	اور نہیں بولتے وہ	ذُوْ مِرَّةٍ (۷)	طاقت ور	قَابَ قَوْسَيْنِ (۹)	کمان کی تانت کے بقدر
عَنِ الْهَوٰى	اپنی خواہش سے	فَاسْتَوٰى	پس سیدھا بیٹھا	اَوْ اَدْنٰى	یا اس سے بھی کم
اِنْ هُوَ	نہیں ہے وہ (کلام)	وَهُوَ	درانحالیکہ وہ	فَاَوْحٰى	پس وحی کی اللہ نے

(۱) النجم: اسم جنس، کوئی بھی تارہ، ایک یا زیادہ (۲) هَوىٰ يَهْوِيْ (ض) هُوِيًّا: اوپر سے نیچے گرنا، غروب ہونا (۳) ضلَّ ضلالاً: گم راہ ہونا، صحیح راستہ سے معمولی ہٹ جانا (۴) غویٰ یَغْوِیْ (ض) غَیًّا وغَوایۃً: سخت گمراہ ہونا، صحیح راستہ سے دور جا پڑنا (۵) جملہ یوحی: وحی کی صفت ہے (۶) القوی: القوۃ کی جمع (۷) المِرَّۃ: طاقت، دوسرے معنی: رسّی مضبوط بٹنا، مضبوط بٹی ہوئی رسّی مضبوط ہوتی ہے (۸) تدلّٰی: ڈول کا لٹکنا، بلندی سے اترنا۔ (۹) القاب: کمان کی تانت کے وسط سے کنارہ تک کا فاصلہ، پس ایک تانت میں دو قاب ہوتے ہیں، اس لئے قاب قوسین کے معنی ہیں: کمان کی ایک تانت کے بقدر، ←

اِلٰى عَبْدِهٖ	اپنے بندے کی طرف	نَزْلَةً (۳)	ایک مرتبہ	مَا يَغْشٰى	جو چیز چھا رہی تھی
مَآ اَوْحٰى	جو وحی کی	اُخْرٰى	اور بھی	مَا زَاغَ (۵)	نہیں ٹیڑھی ہوئی
مَا كَذَبَ (۱)	نہیں غلطی کی	عِنْدَ سِدْرَةِ	بیری کے درخت کے پاس	الْبَصَرُ	نظر
الْفُؤَادُ	دل نے	الْمُنْتَهٰى	باڈر (آخری حد) کی	وَمَا طَغٰى	اور نہ حد سے بڑھی
مَا رَاٰى	اس میں جو دیکھا اس نے	عِنْدَهَا	اس کے پاس	لَقَدْ	البتہ تحقیق
اَفَتُمٰرُوْنَهٗ (۲)	کیا پس تم اس سے جھگڑتے ہو	جَنَّةُ	باغ ہے	رَاٰى	دیکھی اس نے
عَلٰى مَا يَرٰى	اس میں جو دیکھا اس نے	الْمَاْوٰى (۴)	ہمیشہ رہنے کا	مِنْ اٰيٰتِ	نشانیوں سے
وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	اِذْ يَغْشَى	(یاد کرو) جب چھا رہی تھی	رَبِّهِ	اس کے رب کی
رَاٰهُ	دیکھا اس نے اس کو	السِّدْرَةَ	بیری کے درخت پر	الْكُبْرٰى	بڑی

رسالت کا بیان

وحیِ متلوّ (قرآن کی وحی) کی درمیانی کڑیوں کی توثیق

توثیق: مضبوطی، پختگی۔ قرآنِ کریم رب العالمین کا پیامِ محبت ہے، اپنے بندوں کے نام، مگر وہ واسطہ در واسطہ بھیجا گیا ہے، جبرئیل علیہ السلام نے نبی ﷺ کو پہنچایا، پھر انھوں نے لوگوں کو سنایا، مگر دونوں واسطوں کا اُس کلام میں ابلاغ کے علاوہ کوئی دخل نہیں، ان آیاتِ پاک میں اُن دونوں واسطوں کی توثیق کا بیان ہے کہ یہ دونوں واسطے صدفی صد قابلِ اعتماد ہیں، اور اُن میں سے ایک نے دوسرے کو خوب پہچانا ہے، نبی ﷺ نے دو مرتبہ جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت میں دیکھا ہے، اس لئے وہ نبی ﷺ کے لئے انجانے نہیں۔

اور بات یہاں سے شروع کی ہے کہ ستاروں کے احوال میں غور کرو، وہ طلوع سے غروب تک ٹھیک اپنی مدار (راستہ) پر چلتے ہیں، سرِ مو اِدھر اُدھر نہیں ہوتے، اسی طرح نبی ﷺ سیدھے راستہ سے ایک انچ بھی نہیں ہٹے، نہ سیدھے راستہ

← یعنی بہت قریب —— اور آیت میں لفظی قلب ہے، اصل قابینِ قوسٍ تھا، مضاف کے یاء نون کو مضاف الیہ کی طرف منتقل کردیا پس قاب قوسین ہوا، مگر معنی اصل کے باقی ہیں (تفصیل تحفۃ القاری ۹:۵۲۱ میں ہے) پس 'دو کمانوں' ترجمہ صحیح نہیں۔

(۱) كَذَبَ (ض) كِذْبًا: غلطی ہونا، كَذَبَ الظَّنُّ: گمان غلط ہوا، جھوٹ بھی غلط ہوتا ہے اس لئے اس کو كِذْب کہتے ہیں (۲) مَارَاه مُمَارَاةً: جھگڑنا، حجت بازی کرنا (۳) نزلة: مصدر: ایک مرتبہ اترنا (۴) المأوى: اسم ظرف: ٹھہرنے کی جگہ، أوىٰ يَأْوِي (ض) ٹھکانا پکڑنا (۵) زَاغَ (ض) زَيْغًا عنه: ٹیڑھا ہونا۔

سے دور جا پڑے ہیں، وہ تمہارے ساتھی ہیں، انھوں نے چالیس سال تمہارے درمیان گذارے ہیں، ان کی ایک ایک بات سے تم واقف ہو، ان کا قدم کبھی سیدھے راستہ سے نہیں ڈگمگایا، تم ان کو **الصادق الأمین** (سچے امانت دار) کہتے تھے، اب وہ کلامِ الٰہی پیش کررہے ہیں، یہ ان کا اپنا کلام نہیں، وہ ایسی خیانت نہیں کرسکتے، وہ اتنا بڑا جھوٹ کیسے بول دیں گے، وہ جو کلام پیش کررہے ہیں وہ بالیقین اللہ کا کلام ہے، جو ان کے پاس وحی کے ذریعہ بھیجا گیا ہے، اور وحی لانے والا فرشتہ (جبرئیل علیہ السلام) ایک طاقت ور مضبوط باڈی کا فرشتہ ہے، احتمال ہی نہیں کہ راستہ میں شیطان اس پر اثر انداز ہو جائے۔

اور نبی ﷺ نے اس فرشتہ کو اس کی اصلی شکل میں دو مرتبہ دیکھا ہے:

ایک مرتبہ: وہ فرشتہ ان کے سامنے اصلی صورت میں نمودار ہوا، اس وقت وہ آسمان کے بلند کنارے پر تھا، پھر وہ اتر آیا، اور کمان کی تانت کے بقدر رہ گیا، بلکہ اس سے بھی نزدیک آگیا، اور وہ جو وحی لایا تھا وہ پہنچائی، اس وقت نبی ﷺ نے اس فرشتہ کو دیکھا اور پہچانا، اور پہچاننے میں دل نے کوئی غلطی نہیں کی —— پس اب تمہارا یہ کہنا کہ یہ کلام اس نے خود بنالیا ہے: کیا جھگڑے کی بات نہیں؟

دوسری مرتبہ: نبی ﷺ نے اس فرشتہ کو اس کی اصلی صورت میں اس وقت دیکھا ہے جب آپؐ معراج میں تشریف لے گئے، جب آپؐ باڈر کی بیری پر پہنچے تو جبرئیل اپنی اصلی صورت میں آپؐ کو نظر آئے، شروع سے وہ انسانی شکل میں ساتھ تھے۔

اور باڈر کی بیری سے جنت کا ایریا شروع ہوتا ہے، وہ درخت حد فاصل ہے، اوپر والے یہاں تک اترتے ہیں اور نیچے والے یہاں تک چڑھتے ہیں، جب نبی ﷺ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ سونے کے پتنگے اس کو لپٹ رہے ہیں، اس کی وجہ سے وہ درخت انتہائی خوبصورت معلوم ہو رہا ہے، فرمایا: ''میں اس کی خوبصورتی بیان ہی نہیں کرسکتا!'' وہاں نبی ﷺ کو جو دکھلانا منظور تھا وہی آپؐ نے دیکھا، نظر نہ کج ہوئی نہ حد سے بڑھی، وہاں آپؐ نے قدرتِ الٰہی کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔

خلاصہ: یہ کہ دونوں واسطے ایک دوسرے کو خوب پہچانتے ہیں، ایسے بااعتماد وسائط کے ذریعہ جو کلام نازل کیا گیا ہے اس کو مان لو، حجت بازی مت کرو!

﴿ وَالنَّجْمِ إِذَا هَوٰى ﴾: —— قسم ستارے کی جب وہ غروب ہوا —— یہ مقسم بہ ہے، اور آدھا مضمون ہے، دوسرا آدھا ہے: ''جب وہ طلوع ہوا'' کیونکہ طلوع ہوگا جبھی غروب ہوگا، اس لئے فہم قاری پر اعتماد کرکے آدھا مضمون چھوڑ دیا ہے، ستارے طلوع سے غروب تک سیدھے چلتے ہیں، اِدھر اُدھر نہیں ہوتے، یہی نبی ﷺ کا حال ہے۔

﴿ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۝﴾ —— تمہارے ساتھی (محمد ﷺ) نہ گم راہ ہوئے نہ بھٹکے! —— یہ مقسم علیہ ہے، یعنی نبی ﷺ جو تمہارے درمیان زندگی گذار رہے ہیں، جن کے احوال سے تم خوب واقف ہو: عنفوانِ شباب سے آج تک بالکل پاکیزہ زندگی گذار رہے ہیں، آج تک ان کی چال پر کوئی حرف نہیں آیا، ستاروں کے احوال اس کی نظیر ہیں، پس اب ایکدم ان کی چال کیسے بدل گئی کہ وہ اللہ پر جھوٹ بولنے لگے؟ ضلال: گمراہی کا ابتدائی درجہ ہے اور غوایت اعلی درجہ، جیسے ریل کی پٹری ایک انچ کے فاصلہ سے جدا ہوتی ہے، پھر فاصلہ بڑھتا جاتا ہے، پس ضلال: راہ سے بے راہ ہوجانا ہے، اور غوایت بھٹک کر دور چلا جانا ہے۔

﴿ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝﴾ —— اور وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے ○ وہ (جو کلام پیش کررہے ہیں وہ) وحی ہی ہے، جو ان کی طرف کی گئی ہے —— آیت کا منطوق (مدلول اولیں) وحی متلو یعنی قرآنِ کریم ہے، مگر لفظ عام ہے، یتلو کے بجائے ینطق فرمایا ہے، اور تفسیر کا اصول ہے کہ نص کے الفاظ عام ہوں تو حکم مورد کے ساتھ خاص نہیں رہتا، عام ہوتا ہے، پس احادیث شریفہ بھی آیت میں مراد ہیں، وہ بھی وحی غیر متلو ہیں —— یہاں تک قریبی واسطہ یعنی نبی ﷺ کا ذکر ہے۔

﴿ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۝ ذُوْ مِرَّةٍ ۭ فَاسْتَوٰى ۝ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۝ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝ فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ۝ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ۝ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ۝﴾

ترجمہ: ان کو (نبی ﷺ کو) ایک طاقتور فرشتہ نے (جبرئیل علیہ السلام نے) تعلیم کی ہے، جو مضبوط باڈی والا ہے، پس وہ اپنی اصلی صورت میں نمودار ہوا، درانحالیکہ وہ آسمان کے بلند کنارہ پر تھا، پھر وہ قریب آیا، پس نیچے اتر آیا، پس کمان کی ایک تانت کے بقدر رہ گیا، بلکہ اور بھی قریب آگیا، پھر اللہ نے اپنے بندے کی طرف وحی کی جو (اس وقت) فرمانی منظور تھی (نبی ﷺ کے) دل نے دیکھی ہوئی چیز میں کوئی غلطی نہیں کی، کیا پس تم اس سے جھگڑتے ہو اس کی دیکھی ہوئی چیز میں؟ —— یہ دوسرے واسطہ کا ذکر ہے، اور اس کو پہلی مرتبہ دیکھنے کا تذکرہ ہے، ان آیات کے مضمرات کو سمجھنے کے لئے چند باتیں عرض ہیں:

۱- عربوں میں تعلیم کا طریقہ تلقین ہے، ایک پڑھتا ہے دوسرا سنتا ہے، جبرئیلؑ قرآن پڑھ کر سناتے تھے، نبی ﷺ کو سنتے ہی یاد ہوجاتا تھا، یہ آپؐ کی خصوصیت تھی۔

۲- جبرئیل علیہ السلام بڑے طاقتور فرشتے ہیں، ان کے چھ سو بازو (ہاتھ) ہیں، اور انھوں نے اپنی ایڑی ماری تھی تو زمین کے سوتے ٹوٹ کر زمزم کا چشمہ پھوٹ نکلا تھا۔

۳-باڈی (جسم) ہر مخلوق کی ہوتی ہے، کسی مخلوق کی خاکی، کسی کی ناری، کسی کی نوری، حضرت جبرئیل علیہ السلام کا نورانی جسم ہے، مادی (خاکی یا ناری) نہیں۔

۴-بخاری شریف میں حدیث (نمبر۴) ہے: نبی ﷺ نے فرمایا: ''دریں اثنا کہ میں چل رہا تھا، میں نے آسمان سے ایک آواز سنی، میں نے اپنی نظر اٹھائی، اچانک وہ فرشتہ جو میرے پاس غارِ حراء میں آیا تھا آسمان وزمین کے درمیان کرسی پر بیٹھا ہوا ہے، پس میں اس سے گھبرایا، اور میں گھر لوٹا، اور میں نے کہا: مجھے کپڑا اڑھاؤ، مجھے کپڑا اڑھاؤ! پس فرشتہ اتر کر قریب آیا، اور سورۃ المدثر کی شروع کی پانچ آیتیں پڑھیں —— یہ نبی ﷺ نے پہلی مرتبہ جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت میں دیکھا، ان آیات میں اسی کا ذکر ہے۔

۵-عرب کسی مسافت کا اندازہ کرنے کے لئے مختلف الفاظ بولتے ہیں: مثلاً: کمان برابر، ایک نیزے کے برابر، ایک کوڑے کے برابر، ہاتھ برابر، بانہہ برابر، بالشت بھر، انگل برابر وغیرہ (لغات القرآن ۵:۶۳) پس قاب قوسین ایک اندازہ ہے، تحدید مراد نہیں، قرب بیان کرنا ہے یعنی قریب آ کر وحی سنائی۔ اور یہ قریب آنے والے حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے، نبی ﷺ کا اللہ تعالیٰ سے قریب ہونا مراد نہیں، یہ بات حضرات ابن مسعود و عائشہ رضی اللہ عنہما نے بیان کی ہے، اور ﴿فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ﴾ میں التفات ہے۔

﴿ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ﴿۱۳﴾ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ﴿۱۴﴾ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ﴿۱۵﴾ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ﴿۱۶﴾ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ﴿۱۷﴾ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ﴿۱۸﴾ ﴾

ترجمہ: اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ اس نے (نبی ﷺ نے) اس فرشتہ کو ایک مرتبہ اور بھی (اصلی صورت میں معراج میں) دیکھا ہے، باڑ کی بیری کے پاس، اس کے پاس سدا رہنے کی جنت ہے، جب اس بیری کے درخت پر چھارہی تھیں وہ چیزیں جو چھارہی تھیں —— بعض روایات میں ہے کہ وہ سنہری پروانے تھے یعنی نہایت خوش رنگ جن کے دیکھنے سے دل کھنچا جائے، اس وقت درخت کی بہار اور رونق اور اس کا حسن و جمال ایسا تھا کہ کسی مخلوق کی طاقت نہیں کہ لفظوں میں بیان کرسکے (فوائد) —— (نبی ﷺ کی) نگاہ نہ تو کج ہوئی اور نہ بڑھی —— یعنی نگاہ اسی چیز پر جمی رہی جس کا دکھلانا منظور تھا، نہ کن انکھیوں سے دوسری چیز دیکھی، نہ نگاہ اٹھا کر —— بخدا! واقعہ یہ ہے کہ انھوں نے (معراج میں) اپنے پروردگار کے بڑے بڑے عجائبات دیکھے! —— وہ عجائبات کیا تھے؟

اکنوں کرا دماغ کہ پُرسد ز باغباں ❁ بلبل چہ گفت وگل چہ شنید؟ وصبا چہ کرد

(اب کس کی ہمت کہ باغبان سے پوچھے ❁ بلبل نے کیا کہا؟ پھول نے کیا سنا؟ اور صبا نے کیا کیا؟)

اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ﴿۱۹﴾ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ﴿۲۰﴾ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ﴿۲۱﴾ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ﴿۲۲﴾ اِنْ هِىَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ﴿۲۳﴾ اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى ﴿۲۴﴾ فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى ﴿۲۵﴾ وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِى السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِىْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ﴿۲۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ﴿۲۷﴾ وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِىْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ﴿۲۸﴾ فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى ۙ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۙ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى ﴿۳۰﴾

اَفَرَءَيْتُمُ (۱)	کیا پس دیکھا تم نے	وَلَهُ الْاُنْثٰى	اور اس کے لئے بیٹیاں	وَاٰبَآؤُكُمْ	اور تمہارے باپ دادوں نے
	(بتلاؤ)	تِلْكَ اِذًا	تب تو یہ	مَّآ اَنْزَلَ	نہیں اتاری
اللّٰتَ	لات کو	قِسْمَةٌ	بٹوارہ ہے	اللّٰهُ	اللہ نے
وَالْعُزّٰى	اور عزّیٰ کو	ضِيْزٰى (۴)	بھونڈا	بِهَا	ان کی
وَمَنٰوةَ	اور منات کو	اِنْ هِىَ	نہیں وہ (مورتیاں)	مِنْ سُلْطٰنٍ	کوئی سند
الثَّالِثَةَ (۲)	تیسرا	اِلَّآ اَسْمَآءٌ	مگر چند نام	اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ	نہیں پیروی کرتے وہ
الْاُخْرٰى (۳)	پچھلا	سَمَّيْتُمُوْهَا	رکھ لئے ہیں تم نے وہ	اِلَّا الظَّنَّ	مگر گمان کی
اَلَكُمُ الذَّكَرُ	کیا تمہارے لئے بیٹے	اَنْتُمْ	تم نے	وَمَا تَهْوٰى (۵)	اور اس کی جو چاہتے ہیں

(۱) ہمزہ استفہام آگے مکرر آئے گا، وہاں ترجمہ ہوگا۔ (۲) الثالثة اور الأخرى: مناة کی صفتیں ہیں، اور ان میں ذم کا پہلو ہے۔ (۳) الأخرى: آخَر اور آخِر کا مؤنث ہے، آخَر: دوسرا، آخِر: پچھلا (۴) ضِيزى: صفت یا مصدر: ظالمانہ، منصفانہ، بھونڈی، بہت ناقص، بے ڈھنگی، ضَازَ يَضِيزُ (اجوف یائی باب ضرب) اور ضَأَزَ يَضْأَزُ (مہموز باب فتح) کے قریب قریب معنی ہیں (۵) وما تهوى الأنفس: واو: عاطفہ، الظن پر معطوف، ما: موصولہ یا مصدریہ، الأنفس کا الف لام عہدی۔

الْاَنْفُسُ	ان کے جی	اللّٰهُ	اللہ کی	مِنَ الْحَقِّ (۲)	حق کے سامنے
وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	لِمَنْ	جس کے لئے	شَيْـًٔا	کچھ بھی
جَآءَهُمْ	پہنچی ان کو	يَّشَآءُ	چاہیں وہ	فَاَعْرِضْ	پس روگردانی کریں آپ
مِّنْ رَّبِّهِمُ	ان کے رب کی طرف سے	وَيَرْضٰى	اور پسند کریں	عَنْ مَّنْ	اس سے جس نے
الْهُدٰى	ہدایت (راہ نمائی)	اِنَّ الَّذِيْنَ	بے شک جو لوگ	تَوَلّٰى	منہ موڑا
اَمْ لِلْاِنْسَانِ	کیا انسان کیلئے ہے	لَا يُؤْمِنُوْنَ	نہیں مانتے	عَنْ ذِكْرِنَا	ہماری نصیحت سے
مَا تَمَنّٰى	جس کی وہ آرزو کرے؟	بِالْاٰخِرَةِ	آخرت کو	وَلَمْ يُرِدْ	اور نہیں چاہی اس نے
فَلِلّٰهِ	پس اللہ کے لئے ہے	لَيُسَمُّوْنَ	البتہ نام رکھتے ہیں وہ	اِلَّا الْحَيٰوةَ	مگر زندگی
الْاٰخِرَةُ	پچھلا (آخرت)	الْمَلٰٓئِكَةَ	فرشتوں کا	الدُّنْيَا	دنیا کی
وَالْاُوْلٰى	اور پہلا (دنیا)	تَسْمِيَةَ	نام رکھنا	ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ	وہ ان کی پہنچ ہے
وَكَمْ	اور بہت سے	الْ	نانہ	مِّنَ الْعِلْمِ	علمی
مِّنْ مَّلَكٍ	فرشتے ہیں	وَمَا لَهُمْ	کو	اِنَّ رَبَّكَ	بے شک آپ کا رب
فِي السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں	بِهٖ	اس بـ	هُوَ اَعْلَمُ	وہ خوب جانتا ہے
لَا تُغْنِيْ	نہیں کام آئے گی	مِنْ عِلْمٍ	کچھ بھی خبر	بِمَنْ ضَلَّ	اس کو جو گمراہ ہوا
شَفَاعَتُهُمْ	ان کی سفارش	اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ	نہیں پیروی کرتے وہ	عَنْ سَبِيْلِهٖ	اس کے راستہ سے
شَيْـًٔا	کچھ بھی	اِلَّا الظَّنَّ	مگر گمان کی	وَهُوَ اَعْلَمُ	اور وہ خوب جانتا ہے
اِلَّا مِنْ بَعْدِ	مگر بعد	وَاِنَّ الظَّنَّ	اور بے شک گمان	بِمَنِ اهْتَدٰى	اس کو جس نے راہ پائی
اَنْ يَّاْذَنَ (۱)	اجازت	لَا يُغْنِيْ	نہیں کام آتا	۞	۞

توحید کا بیان

صنم پرستی کی تردید

رسالت کے بعد اب توحید کا موضوع لیتے ہیں، مکہ کے مشرک صنم پرست تھے، اور مشرکوں کے ان گنت خدا ہوتے

(۱) أن يأذن: أن مصدریہ اور یأذن: بتاویل مصدر ہو کر مضاف الیہ ہے (۲) من الحق: من برائے بدل، عوض، جیسے: ﴿ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ﴾: کیا تم نے آخرت کے بجائے (اس کے بدلہ میں) دنیوی زندگی کو پسند کر لیا [التوبہ ۳۸]

ہیں، ان میں بڑے بھی ہوتے ہیں اور چھوٹے بھی، اور علامہ یاقوت حموی رحمہ اللہ نے معجم البلدان میں لکھا ہے کہ قریش کعبہ کا طواف کرتے ہوئے ایک گیت گاتے تھے: **واللّاتِ والعزّٰی، ومناةَ الثالثة الأخری، هؤلاء الغرانیقُ العُلی، وإن شفاعتَهن لَتُرتجی**: قسم لات اور عزیٰ کی اور تھرڈ کلاس دور واقع منات کی، یہ تینوں طائرانِ لاہوتی ہیں (مقرب فرشتے ہیں) اور ان کی سفارش ضرور قبول کی جائے گی، لات: طائف والوں کے نزدیک معظم تھا، عزّیٰ کو قریش اور بنی کنانہ وغیرہ بڑا سمجھتے تھے، جو مکہ کے قریب نخلہ مقام میں تھا، اور منات: اوس وخزرج اور خزاعہ کے نزدیک محترم تھا، جو کعبہ شریف سے دور تیسرے درجہ کا بت تھا، یہ مدینہ کے قریب مشلّل میں تھا، اور علامہ یاقوت نے یہ بھی لکھا ہے کہ مشرکین ان بتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے (از فوائد) یہی گیت روایتوں کے راستے تفسیروں میں در آیا، جیسے اہل کتاب کی خرافات اسرائیلی روایات کی راہ سے تفسیروں میں در آئی ہیں۔

مشرکین کی اس صنم پرستی کی چار طرح سے تردید کی ہے:

۱- واہ رے! خود تو بیٹوں کے خواہاں، اور اللہ کی طرف بیٹیاں لگائیں، کیسی بھونڈی اور بے ڈھنگی تقسیم ہے؟ اللہ میں تو صفاتِ کمالیہ ہوتی ہیں، اور لڑکیاں تمہارے نزدیک عیب ہیں، پھر ان کو اللہ کے لئے کیسے ثابت کرتے ہو!

۲- مذکورہ تین دیویاں تو محض نام ہیں، جو مشرکین نے رکھ لئے ہیں، ان کی حقیقت کچھ نہیں، اور اللہ نے ان کے معبود ہونے کی کوئی دلیل بھی نہیں اتاری، اگر یہ مقرب بارگاہ ہوتیں تو اس کی نقلی دلیل ضرور ہوتی۔

۳- مشرکین بے اصل خیالات اور خواہشِ نفس کی پیروی کرتے ہیں، جبکہ پروردگار کی طرف سے ہدایت آچکی ہے، پس چاہئے کہ اس کی پیروی کریں۔

۴- اچھا بتاؤ! تم جو مرادیں ان مورتیوں سے مانگتے ہو تو وہ سب پوری ہو جاتی ہیں؟ نہیں ہوتیں! پھر ان کی پوجا کیوں کرتے ہو؟ —— اختیار سارا اللہ کا ہے، اس دنیا میں بھی اور آنے والی دنیا میں بھی، اس دنیا میں جو چاہیں گے وہ دیں گے اور آنے والی دنیا میں جس کے حق میں چاہیں گے سفارش ہو سکے گی۔

﴿ اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ﴿١٩﴾ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ﴿٢٠﴾ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ﴿٢١﴾ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ﴿٢٢﴾ اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ﴿٢٣﴾ اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى ﴿٢٤﴾ فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى ﴿٢٥﴾ ﴾

ترجمہ: بتاؤ! لات، عزیٰ اور تیسری پچھلی منات: کیا تمہارے لئے بیٹے اور اس کے لئے بیٹیاں؟ —— أَفَرَأَيْتُمْ: میں جو ہمزہ استفہام ہے: وہ ألكم میں مکرر آیا ہے —— تب تو یہ بے ڈھنگی تقسیم ہے —— یہ پہلی تردید ہے —— وہ

(مورتیاں) چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے اسلاف نے رکھ لئے ہیں ـــــ ان کی حقیقت کچھ بھی نہیں، اور ـــــ اللہ نے ان کے معبود ہونے کی کوئی دلیل نہیں اتاری ـــــ حالانکہ یہ مسئلہ نقل کا محتاج ہے، یہ دوسری تردید ہے ـــــ وہ لوگ بے اصل خیالات اور نفس کی خواہش ہی پر چل رہے ہیں ـــــ جس چیز کو ان کا جی چاہتا ہے خدا بنا لیتے ہیں ـــــ حالانکہ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت آچکی ہے ـــــ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، پس اسی کی پیروی کرنی چاہئے، یہ تیسرا ردّ ہے ـــــ کیا انسان کی ہر آرزو پوری ہو جاتی ہے؟ ـــــ یعنی مورتیاں ان کی ہر مراد پوری کرتی ہیں؟ نہیں کرتیں، نہ کر سکتی ہیں ـــــ پس اللہ ہی کے اختیار میں ہے دنیا و آخرت! ـــــ یہ چوتھی تردید ہے۔

اصنام پرستی کی بنیاد ہی غلط ہے

مشرکین مورتیوں کو مقرب فرشتوں کا پیکر (نظر آنے والی صورت) قرار دیتے ہیں، وہ ان کی عبادت اس لئے کرتے ہیں کہ وہ خوش ہو کر ان کی مرادیں برلائیں ـــــ ان کا یہ خیال: خام ہے، آسمانوں میں بے شک بہت سے مقرب فرشتے ہیں، مگر وہ اللہ کی اجازت کے بغیر کسی کے لئے سفارش نہیں کر سکتے، نہ کسی کو بامراد کر سکتے ہیں، ہاں جس کے حق میں اللہ تعالیٰ سفارش کرنے کی اجازت دیں اور وہ اس بندے سے راضی بھی ہوں تو وہ بے شک سفارش کر سکتے ہیں، اور وہ سفارش ان کے کام بھی آئے گی، مگر مشرکوں کی تو بخشش ہی نہیں ہوگی، پھر ان کے لئے شفاعت کی اجازت کیسے ہوگی؟ اور ان کی بندگی سے کیا فائدہ ہوگا؟ نہ مورتیاں دنیا میں ان کی کوئی آرزو پوری کر سکتی ہیں، کیونکہ سارا اختیار اللہ کا ہے۔

﴿وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ۝۲۶﴾

ترجمہ: اور بہت سے فرشتے آسمانوں میں ہیں جن کی سفارش ذرا بھی کام نہیں آسکتی، مگر اللہ کی اجازت کے بعد، جس کے لئے وہ چاہیں، اور پسند کریں۔

جو آخرت کو نہیں مانتے وہ فرشتوں کو زنانی مخلوق سمجھتے ہیں

عام لوگوں کا فرشتوں سے آمنا سامنا قیامت کے دن ہوگا، اس وقت اس کو پتہ چلے گا کہ فرشتے نورانی مخلوق ہیں، نہ مرد ہیں نہ عورت، جیسے آسمان، زمین، ستارے، پہاڑ، درخت وغیرہ بے شمار مخلوقات نہ مرد ہیں نہ عورت، مگر جو لوگ مخبر صادق کی بات نہیں مانتے اور قیامت کا ان کو یقین نہیں وہ فرشتوں کو زنانی مخلوق سمجھتے ہیں اور ان کے زنانے نام رکھتے ہیں، جیسے مذکورہ دیویاں، ان کی یہ بات بھی بے دلیل ہے، وہ محض اٹکل اڑا رہے ہیں، جبکہ حقیقت کے سامنے اٹکل نہیں چلتی، اور قرآن حقیقت بیان کرتا ہے، پس ان کے اوہام و خیالات پا دَر ہوا (ہوا میں پاؤں) ہیں۔

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَۃِ لَیُسَمُّوۡنَ الۡمَلٰٓئِکَۃَ تَسۡمِیَۃَ الۡاُنۡثٰی ﴿۲۷﴾ وَ مَا لَہُمۡ بِہٖ مِنۡ عِلۡمٍ ؕ اِنۡ یَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَ اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغۡنِیۡ مِنَ الۡحَقِّ شَیۡئًا ﴿ۚ۲۸﴾﴾

ترجمہ: بے شک جولوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ فرشتوں کے زنانے نام رکھتے ہیں، حالانکہ ان کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں، وہ بے اصل خیالات ہی پر چل رہے ہیں، اور بے اصل خیالات حق کے سامنے کچھ بھی مفید نہیں!

معاندین کا معاملہ اللہ کے سپرد کردیں

اب توحید کا مضمون پورا ہورہا ہے، جولوگ اللہ کی نصیحت (توحید کی بات) نہیں سنتے: نبی ﷺ ابھی ان سے توجہ ہٹالیں، وہ لوگ آخرت کو بھولے ہوئے ہیں، دنیوی زندگی ہی ان کا مطمح نظر ہے، اسی تک ان کے فہم کی رسائی ہے، پڑے رہنے دیں ان کو ان کی گمراہی میں، اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں: کون گمراہی میں ہے، اور کون راہِ راست پر آگیا ہے، اللہ تعالیٰ ہر ایک سے آخرت میں اس کے حسب حال معاملہ فرمائیں گے (یوں آگے آخرت کا موضوع شروع ہوجائے گا)

﴿فَاَعۡرِضۡ عَنۡ مَّنۡ تَوَلّٰی ۬ۙ عَنۡ ذِکۡرِنَا وَ لَمۡ یُرِدۡ اِلَّا الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا ﴿ؕ۲۹﴾ ذٰلِکَ مَبۡلَغُہُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ ؕ اِنَّ رَبَّکَ ہُوَ اَعۡلَمُ بِمَنۡ ضَلَّ عَنۡ سَبِیۡلِہٖ ۙ وَ ہُوَ اَعۡلَمُ بِمَنِ اہۡتَدٰی ﴿۳۰﴾﴾

ترجمہ: پس آپ توجہ ہٹالیں اس سے جو ہماری نصیحت کا خیال نہیں کرتا، اور دنیوی زندگی کے سوا اس کا کوئی مقصد نہیں، اسی (دنیوی زندگی) تک اس کے فہم کی رسائی ہے، بے شک آپ کا رب خوب جانتا ہے اس کو جو اللہ کے راستہ سے بھٹکا ہوا ہے، اور وہ خوب جانتا ہے اس کو جو راہِ راست پر ہے!

وَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ ۙ لِیَجۡزِیَ الَّذِیۡنَ اَسَآءُوۡا بِمَا عَمِلُوۡا وَ یَجۡزِیَ الَّذِیۡنَ اَحۡسَنُوۡا بِالۡحُسۡنٰی ﴿ۚ۳۱﴾ اَلَّذِیۡنَ یَجۡتَنِبُوۡنَ کَبٰٓئِرَ الۡاِثۡمِ وَ الۡفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ؕ اِنَّ رَبَّکَ وَاسِعُ الۡمَغۡفِرَۃِ ؕ ہُوَ اَعۡلَمُ بِکُمۡ اِذۡ اَنۡشَاَکُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ وَ اِذۡ اَنۡتُمۡ اَجِنَّۃٌ فِیۡ بُطُوۡنِ اُمَّہٰتِکُمۡ ۚ فَلَا تُزَکُّوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ ؕ ہُوَ اَعۡلَمُ بِمَنِ اتَّقٰی ﴿۳۲﴾

ركوع ۲

وَلِلّٰهِ	اور اللہ ہی کی ملک ہیں	وَمَا	اور جو چیزیں	لِيَجْزِيَ[1]	تاکہ بدلہ دیں وہ
مَا فِي السَّمٰوٰتِ	جو چیزیں آسمانوں	فِي الْاَرْضِ	زمین میں ہیں	الَّذِيْنَ	ان کو جنھوں نے

(۱) لیجزی: لام عاقبت وصیرورت ہے یعنی کائنات کا انجام یہ ہوگا۔

اَسَآءُوْا	برے کام کئے	وَالْفَوَاحِشَ	اور بے حیائی کے کاموں سے	وَاِذْ اَنْتُمْ	اور جب تھے تم
بِمَا عَمِلُوْا	ان کے کئے ہوئے کاموں کا	اِلَّا اللَّمَمَ (۱)	مگر کچھ آلودگی	اَجِنَّةٌ	بچے
وَيَجْزِيَ	اور بدلہ دیں	اِنَّ رَبَّكَ	بے شک آپ کے رب	فِيْ بُطُوْنِ	پیٹوں میں
الَّذِيْنَ	ان کو جنھوں نے	وَاسِعُ	وسیع	اُمَّهٰتِكُمْ	اپنی ماؤں کے
اَحْسَنُوْا	اچھے کام کئے	الْمَغْفِرَةِ	بخشش والے ہیں	فَلَا تُزَكُّوْٓا	پس صفائی بیان مت کرو
بِالْحُسْنٰى	اچھا بدلہ	هُوَ اَعْلَمُ	وہ خوب جانتے ہیں	اَنْفُسَكُمْ	اپنی ذاتوں کی
اَلَّذِيْنَ	جو لوگ	بِكُمْ	تم کو	هُوَ اَعْلَمُ	وہ خوب جانتے ہیں
يَجْتَنِبُوْنَ	بچتے ہیں	اِذْ اَنْشَاَكُمْ	جب پیدا کیا تم کو	بِمَنِ اتَّقٰى	اس کو جو (گناہوں
كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ	بڑے گناہوں سے	مِّنَ الْاَرْضِ	زمین سے		سے) بچا

آخرت کا بیان

نیک و بد کا بدلہ دینے کے لئے دوسری دنیا ضروری ہے

اب آخرت کا موضوع لیتے ہیں، یہ موضوع آخر سورت تک چلے گا، بات یہاں سے شروع کی ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ کی ملکیت ہے، اور مالک نے اتنا بڑا کارخانہ بے مقصد پیدا نہیں کیا، اور مالک کو اپنی ملکیت میں ہر تصرف کا حق ہے، اللہ نے یہ کائنات اس لئے پیدا کی ہے کہ مکلّف مخلوقات کو احکام دیئے جائیں، پھر تعمیل اور عدم تعمیل پر جزاوسزا ہو، یہ مقصد دو دنیا مل کر پورا کریں گی، اس لئے آخرت ضروری ہے۔

﴿وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ۝۳۱﴾

ترجمہ: اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اللہ ہی کی ملک ہے، انجام کار بدلہ دیں گے وہ برائی کرنے والوں کو ان کے کئے ہوئے کاموں کا، اور بدلہ دیں گے نیکوکاروں کو اچھا بدلہ!

نیکوکار کون لوگ ہیں؟ اور لَمَمْ کی تفسیر

اب نیکوکاروں کا تعارف کراتے ہیں، اس سے بدکاروں کا حال بھی معلوم ہوجائے گا، فرماتے ہیں: نیکوکار وہ لوگ

(۱) اللمم: اسم مصدر ہے، حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے ترجمہ کیا ہے: کچھ آلودگی، یہ بہترین ترجمہ ہے۔

ہیں جو بڑے گناہوں سے اور خاص طور پر بے حیائی کے کاموں سے (زنا اغلام وغیرہ سے) بچتے ہیں، اور فرائض وواجبات کو جان کر چھوڑنا بھی کبیرہ گناہ ہے، البتہ کچھ آلودگی مستثنیٰ ہے، وہ معاف ہوجائے گی، یعنی کبیرہ گناہ کے مقدمات مستثنیٰ ہیں، جبکہ بندہ کبیرہ گناہ سے بچ جائے، مثلاً: زنا کے مقدمات (بولنا چالنا اور بوس وکنار وغیرہ) مستثنیٰ ہیں، اگر آدمی زنا سے بچ جائے تو یہ مقدمات معاف کردیئے جائیں گے، اللہ کی مغفرت بہت وسیع ہے، وہ خردہ گیری نہیں کریں گے، **إلا اللمم** کا **الفواحش** سے استثناء ہے، اور **إن ربك**: اس کی تعلیل ہے۔

اور لَمَم کی یہ تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہمانے کی ہے، فرمایا: لَمَمْ کی اس سے بہتر تفسیر مجھے نہیں معلوم جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں آئی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ نے ابن آدم پر اس کا زنا کا حصہ لکھ دیا ہے، وہ ضرور اس کو پہنچ کر رہے گا، پس آنکھ کا زنا دیکھنا ہے، اور زبان کا زنا باتیں کرنا ہے، اور نفس: زنا کی خواہش کرتا ہے، اور شرمگاہ اس پر صاد کرتی ہے یا جھٹلاتی ہے'' یعنی فرج سے زنا صادر ہوگیا تو آنکھ زبان دل سب کا زانی ہونا محقق ہوگیا، ورنہ ان مقدمات کی معافی کی امید ہے۔

دو مثالیں: (۱) سودی معاملہ کبیرہ گناہ ہے، کسی نے سود دینے لینے کا ارادہ کیا، دستاویز لکھ لی، گواہ بنالئے پھر اللہ کے خوف سے سودی معاملہ کرنے سے باز رہا تو یہ مقدمات لَمَم ہیں۔ (۲) کسی کو ناحق قتل کرنا کبیرہ گناہ ہے، ایک شخص نے کسی کو قتل کرنے کے لئے پلان بنایا، چھری چاقو لے کر چل دیا، دشمن کو پالیا، پھر اللہ کے خوف سے قتل نہیں کیا تو یہ مقدمات لَمَم ہیں، ان کی معافی کی امید ہے۔

کبیرہ اور صغیرہ گناہوں کی حد بندی نہیں کی گئی

قرآن وحدیث میں کبیرہ اور صغیرہ گناہوں کی حد بندی نہیں کی گئی، ایسا کرنے میں نقصان ہے، لوگ صغیرہ گناہوں پر بے باک ہوجائیں گے، جیسے لوگ 'مکروہ' کے سلسلہ میں لاپرواہی برتتے ہیں، علاوہ ازیں: صغیرہ اور کبیرہ امور اضافیہ ہیں، ہر گناہ نیچے کے اعتبار سے کبیرہ ہے اور اوپر کے اعتبار سے صغیرہ، جیسے چار بھائی ہیں، بیچ کے دو بھائی بڑے بھی ہیں اور چھوٹے بھی، اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہ نے حجۃ اللہ البالغہ کی قسم اول کے مبحث خامس، باب پندرہ میں کبیرہ اور صغیرہ گناہوں کی حد بندی کی ہے، جس کو شوق ہو وہ رحمۃ اللہ الواسعہ (۱:۹۱۷) میں دیکھے۔ تفسیر کے قارئین کو تو چاہئے کہ ہر گناہ کو سنگین سمجھیں، جیسے ہر نیکی کو اہم سمجھ کر کرنا چاہئے، کیونکہ پیاسے کتّے کو پانی پلانے سے، اور راستے سے کانٹے دار ٹہنی ہٹانے سے بھی بخشش ہوجاتی ہے، اور معمولی چنگاری بھی لاوا (گھاس کا ڈھیر) پھونکنے (جلانے) کے لئے کافی ہے، پس معلوم نہیں کس گناہ سے بیڑا غرق ہوجائے، اس لئے ہر گناہ کو بڑا سمجھ کر اس سے بچنا چاہئے۔

کبیرہ گناہ توبہ کے بغیر معاف ہوتا ہے یا نہیں؟ ــــ یہ مسئلہ اس آیت میں نہیں ہے، اس آیت میں تو نیک بندوں کا تعارف ہے، نیک بندے وہ ہیں جو کبیرہ گناہوں سے بچتے ہیں، رہا یہ مسئلہ کہ کسی نے کبیرہ گناہ کیا، پھر وہ توبہ کئے بغیر مر گیا تو وہ بخشا جائے گا یا نہیں؟ یہ مسئلہ سورۃ النساء کی آیات (۴۸و۱۱۶) میں ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ﴾: اللہ تعالیٰ اس بات کو تو نہیں بخشیں گے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے، اور اس کے سوا جو بھی گناہ ہے، جس کے لئے منظور ہوگا، بخش دیں گے، پس کبیرہ گناہ بھی بغیر توبہ کے معاف ہوسکتا ہے، اہل السنہ والجماعہ کا یہی مذہب ہے۔

﴿ اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ؕ ﴾

ترجمہ: جو لوگ بچتے ہیں بڑے گناہوں سے اور بے حیائی کے کاموں سے، مگر کچھ آلودگی (مستثنیٰ ہے) بے شک آپؐ کے رب وسیع مغفرت والے ہیں۔

خودستائی مت کرو اور خوش فہمی میں مت رہو

انسان کی ایک کمزوری ہے: ﴿ يُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا ﴾: وہ چاہتے ہیں کہ جو کام انھوں نے نہیں کئے ان پر ان کی تعریف کی جائے [آل عمران ۱۸۷] کوئی بھی شخص خود کو برا نہیں سمجھتا، شرابی کبابی بھی خود کو متقی خیال کرتا ہے، یہ ڈھول میں پول ہے، اس لئے فرماتے ہیں: اپنی ستائش مت کرو، اللہ تعالیٰ کے علم میں سب کچھ ہے، وہ تمہیں جانتے ہیں جب انھوں نے تم کو مٹی سے بنایا، دادا کو مٹی سے بنایا، اور ہر کسی کو مٹی سے بنایا، پھر جب تم پیٹ کے بچے تھے، کچھ کرنے کے قابل نہیں تھے، اس وقت بھی اللہ تعالیٰ جانتے تھے کہ تم وجود میں آکر کیا کروگے، اعتبار اسی علم کا ہے، پس لوگ خود کو مقدس نہ سمجھیں، پاکیزہ زندگی گذارنے کی کوشش کریں۔

﴿ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ۝ ﴾

ترجمہ: وہ تمہیں خوب جانتے ہیں جب تم کو زمین سے بنایا، اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹوں میں بچے تھے، پس تم خود کو مقدس مت سمجھا کرو، وہ تقوی شعار لوگوں کو خوب جانتے ہیں۔

اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ تَوَلّٰى ۝ وَاَعْطٰى قَلِيْلًا وَّاَكْدٰى ۝ اَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرٰى ۝ اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِيْ صُحُفِ مُوْسٰى ۝ وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰٓى ۝ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ

اُخْرٰى ﴿۳۸﴾ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴿۳۹﴾ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ﴿۴۰﴾ ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ﴿۴۱﴾

اَفَرَءَيْتَ(۱)	کیا پس دیکھا تونے	يُنَبَّاْ	خبر دیا گیا وہ	اُخْرٰى	دوسرے شخص کا
الَّذِيْ	اس کو جس نے	بِمَا	اس کی جو	وَاَنْ لَّيْسَ	اور یہ کہ نہیں ہے
تَوَلّٰى	منہ پھیرا	فِيْ صُحُفِ	کتابوں میں	لِلْاِنْسَانِ	انسان کے لئے
وَاَعْطٰى	اور دیا اس نے	مُوْسٰى	موسیٰ کے ہے	اِلَّا مَا	مگر جو
قَلِيْلًا	تھوڑا سا	وَاِبْرٰهِيْمَ	اور ابراہیم کے	سَعٰى	کمایا اس نے
وَّاَكْدٰى(۲)	اور سخت نکلا	الَّذِيْ	جس نے	وَاَنَّ سَعْيَهٗ	اور یہ کہ اس کی کمائی
اَعِنْدَهٗ	کیا اس کے پاس ہے	وَفّٰٓى(۳)	قول پورا کیا	سَوْفَ يُرٰى	عنقریب دیکھی جائے گی
عِلْمُ الْغَيْبِ	غیب کی خبر	اَلَّا تَزِرُ(۴)	کہ نہیں اٹھائے گا	ثُمَّ يُجْزٰىهُ	پھر اس کو بدلہ دیا جائیگا
فَهُوَ يَرٰى	پس وہ دیکھتا ہے	وَازِرَةٌ	کوئی بوجھ اٹھانے والا	الْجَزَآءَ	بدلہ
اَمْ لَمْ	کیا نہیں	وِّزْرَ	بوجھ	الْاَوْفٰى(۵)	پورا پورا

سودا بازی آخرت میں کام نہیں دے گی، کھرے ایمان ہی سے نجات ہوگی

شانِ نزول: یہ آیات سیف اللہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے باپ ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، قرآن کی باتیں سن کر اُس کو اسلام کی طرف تھوڑی رغبت ہو چلی تھی، اور کفر کی سزا سے ڈر کر قریب تھا کہ مشرف باسلام ہو جاتا، مگر ایک کافر نے اس سے کہا کہ ایسا مت کر، میں تیرے سب گناہ آخرت میں اوڑھ لونگا، تیری طرف سے سزا بھگت لوں گا، تو مجھے اتنا مال دے کر بےفکر ہو جا، چنانچہ ولید ایمان لانے سے رک گیا، اور اس کو زرفدیہ میں سے کچھ دیا، پھر ہاتھ کھینچ لیا۔

اس واقعہ میں یہ آیات نازل ہوئیں کہ کیا ولید کو غیب (قیامت کے دن) کی خبر ہے، کیا وہ اس دن کو آنکھوں سے دیکھ

(۱) ہمزہ استفہام: أعنده میں مکرر آئے گا، ترجمہ وہاں ہوگا (۲) أكدى: وہ پتھر کی طرح سخت نکلا، مصدر إكداءٌ، كُدْيَةٌ: سخت زمین، مرادی معنی: بخیلی (۳) وفّٰى توفية: پورا کرنا، پورا دینا (۴) ألَّا: أن لا ہے، نون کا لام میں ادغام کیا ہے (۵) الأوفى: اسم تفضیل، وفى يفى وفاء: پورا دینا۔

رہا ہے کہ دوسرا اس کے گناہ اٹھالے گا؟ اور کیا اس کو وہ مضمون نہیں پہنچا جو موسیٰ علیہ السلام اور احکام کی تعمیل کرنے والے ابراہیم علیہ السلام کی کتابوں میں ہے کہ قیامت کے دن کوئی کسی کا گناہ نہیں اٹھائے گا، ہر ایک کو اپنے عمل کی جواب دہی کرنی ہوگی، اور آخرت میں اپنا ہی ایمان کام آئے گا، ایک کا ایمان دوسرے کے کام نہیں آئے گا، پھر ایمان بھی صحیح ہونا چاہئے، کھوٹا ایمان (منافق کا ایمان) بے سود ہوگا، پھر جب ایمان کھرا ثابت ہوگا تو اس کو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، پس ولید کو چاہئے کہ سچے دل سے ایمان لائے تاکہ اس کی نجات ہو۔

آیاتِ پاک: پس بتلا: جس نے (ایمان سے) منہ پھیرا، اور تھوڑا سا مال دیا، پھر دینا بند کر دیا، کیا اس کے پاس غیب (قیامت کے دن) کی خبر ہے، پس وہ اس کو دیکھ رہا ہے؟ کیا وہ اُس مضمون کی خبر نہیں دیا گیا جو موسیٰ اور احکام بجالانے والے ابراہیم کی کتابوں میں ہے کہ کوئی شخص دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، اور یہ کہ اس کے لئے سود مند نہیں مگر جو اس نے کمایا، اور یہ کہ اس کی کمائی عنقریب دیکھی جائے گی، پھر اس کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا —— پس وہ اس کو دیکھ رہا ہے: یعنی دیکھ رہا ہے کہ دوسرا اس کے گناہوں کو اٹھا رہا ہے —— احکام بجالانے والا: یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خصوصی وصف ہے، ان کو سخت سے سخت حکم دیا گیا، انھوں نے اس کی بجا آوری میں پس وپیش نہیں کی —— کوئی شخص دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا: اس کا تعلق گناہوں سے ہے، اعمالِ صالحہ ایک کے دوسرے کے لئے مفید ہوں گے، ابھی سورۃ الطّور (آیت ۲۱) میں آیا ہے کہ آبائے صالحین کی برکت ان کی ایماندار ذریت کو پہنچے گی، اسی طرح زندوں کے ایصالِ ثواب سے مردوں کو فائدہ پہنچتا ہے —— پس جو اس نے کمایا: میں سعیِ ایمانی مراد ہے —— دیکھی جائے گی: یعنی جانچی جائے گی۔

وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ﴿۴۲﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى ﴿۴۳﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحْيَا ﴿۴۴﴾ وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿۴۵﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى ﴿۴۶﴾ وَاَنَّ عَلَيْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى ﴿۴۷﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَاَقْنٰى ﴿۴۸﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ﴿۴۹﴾

وَاَنَّ	اور یہ کہ	اَضْحَكَ	ہنسایا	وَاَحْيَا	اور جلایا
اِلٰى رَبِّكَ	تیرے رب کی طرف	وَاَبْكٰى	اور رلایا	وَاَنَّهٗ	اور یہ کہ اس نے
الْمُنْتَهٰى	پہنچنا ہے	وَاَنَّهٗ هُوَ	اور یہ کہ اسی نے	خَلَقَ	بنایا
وَاَنَّهٗ هُوَ	اور یہ کہ اسی نے	اَمَاتَ	مارا	الزَّوْجَيْنِ	جوڑا

الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى	نر اور مادہ کا	النَّشْاَةَ	اٹھانا ہے	وَاَقْنٰى (۱)	اور فقیر کیا
مِنْ نُّطْفَةٍ	ایک بوند سے	الْاُخْرٰى	دوسری بار	وَاَنَّهٗ هُوَ	اور یہ کہ وہی
اِذَا تُمْنٰى	جب وہ ٹپکائی گئی	وَاَنَّهٗ هُوَ	اور یہ کہ اسی نے	رَبُّ	رب ہے
وَاَنَّ عَلَيْهِ	اور یہ کہ اس پر	اَغْنٰى	مالدار کیا	الشِّعْرٰى (۲)	شعری کا

گذشتہ صحیفوں میں متقابلات سے آخرت پر استدلال

متقابلات: یعنی جوڑی کے قانون سے آخرت پر استدلال موسیٰ وابراہیم علیہما السلام کی کتابوں میں بھی ہے۔ فرمایا: سب کو اللہ کی طرف لوٹنا ہے، آخرت: دنیا کا جوڑا ہے، جیسے ہنسا رونا، مرنا جینا، نر مادہ، مالداری غریبی اور شعری ستارے کی جوڑی، اسی طرح اللہ نے ذمہ لیا ہے کہ وہ اس دنیا کو ایک دن ختم کر کے اس کا جوڑا (آخرت کو) پیدا کریں گے، پھر وہ دنیا ہمیشہ چلے گی، اسی میں نیک وبد کا فرق ظاہر ہوگا۔

اور جوڑی کے قانون کی وضاحت ابھی سورۃ الذاریات میں آچکی ہے، وہ دو چیزیں جومل کر کسی مقصد کی تکمیل کرتی ہیں: جوڑی ہیں، ہنسنے اور رونے سے زندگی خوش گوار ہوتی ہے، ہمیشہ ہنستا ہی رہے تو پاگل کہلائے، اور ہمیشہ روتا ہی رہے تو قبر میں پہنچ جائے، اسی طرح موت وحیات کے ساتھ ایک مقصد وابستہ ہے، جیسے سونے جاگنے کے ساتھ ایک مقصد وابستہ ہے، اور وہ مقصد ہے: عمل کر کے آرام پانا، موت پر بے قراری کو قرار آجاتا ہے، اور نر و مادہ سے نسل چلتی ہے، اور غریبی سے مالداری کی قدر وقیمت معلوم ہوتی ہے، جیسے کڑوے سے میٹھے کی قدر معلوم ہوتی ہے، کڑوی دواء کے بعد میٹھی چیز کھانے سے منہ کا مزہ بدل جاتا ہے، اور شعری ستاروں کی جوڑی کس مقصد کی تکمیل کرتی ہے؟ اس کو نجوم کے ماہرین جانتے ہیں، ہم تو اتنا جانتے ہیں کہ بعض عرب قبائل اس کی افادیت کے پیشِ نظر اس کی پرستش کرتے تھے، اس لئے مثالوں میں اس کا تذکرہ کرنے کے ساتھ اس کی معبودیت کی نفی کی، تاکہ اس کی حیثیت گھٹے!

آیاتِ پاک: —— اور یہ کہ (سب کو) آپ کے پروردگار کے پاس پہنچنا ہے، اور یہ کہ وہی ہنساتا اور رُلاتا ہے، اور یہ کہ وہی مارتا اور جلاتا ہے، اور یہ کہ اسی نے نر اور مادہ کا جوڑا بنایا ہے، ایک بوند سے جب وہ بچہ دانی میں ڈالی جاتی ہے —— یعنی ایک ہی بوند سے نر بھی اور مادہ بھی بناتے ہیں —— اور یہ کہ اس کے ذمہ دوبارہ پیدا کرنا ہے —— یہی آخرت

(۱) أقنى: إقناء (باب افعال) کا ہمزہ سلب مأ خذ کے لئے ہے، اور سلبِ قنیہ کے معنی ہیں: فقیر بنانا، یہی معنی یہاں مناسب ہیں۔ کیونکہ متقابلات کا ذکر چلا آرہا ہے (فوائد) (۲) شعری ستارہ دو ستاروں کی جوڑی ہے، ایک کا نام عَبُوْر اور دوسرے کا نام غُمَيْصاء ہے۔

دنیا کا جوڑا ہے، دونوں مل کر جزا وسزا کے مقصد کی تکمیل کریں گے ــــ اور یہ کہ وہی مالدار اور فقیر کرتا ہے، اور یہ کہ وہی شعریٰ ستارہ کا پروردگار ہے۔

وَاَنَّهٗٓ اَهْلَكَ عَادَا ا۟لْاُوْلٰى ﴿٥٠﴾ وَثَمُوْدَا۟ فَمَآ اَبْقٰى ﴿٥١﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَاَطْغٰى ﴿٥٢﴾ وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى ﴿٥٣﴾ فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى ﴿٥٤﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ﴿٥٥﴾

وَاَنَّهٗٓ	اور یہ کہ اللہ نے	نُوْحٍ	نوح کو	اَهْوٰى	گرایا اس نے
اَهْلَكَ	برباد کیا	مِّنْ قَبْلُ	ان سے پہلے	فَغَشّٰىهَا	پس چھائی اس پر
عَادَا ا۟لْاُوْلٰى	عادِ اولیٰ کو	اِنَّهُمْ	بے شک وہ	مَا غَشّٰى	جو چیز چھائی
وَثَمُوْدَا۟	اور ثمود (عادِ ثانیہ) کو	كَانُوْا هُمْ	تھے وہ	فَبِاَيِّ	پس کونسی
فَمَآ اَبْقٰى	پس نہیں باقی چھوڑا	اَظْلَمَ	بڑے ظالم	اٰلَاۗءِ	نعمتوں میں
	(کسی کو)	وَاَطْغٰى	اور بڑے سرکش	رَبِّكَ	اپنے رب کی
وَقَوْمَ	اور قوم	وَالْمُؤْتَفِكَةَ (۱)	اور پلٹ گئی ہوئی بستی کو	تَتَمَارٰى (۲)	جھگڑے گا تو؟

گذشتہ صحیفوں میں آخرت کی تکذیب کرنے والی قوموں کی ہلاکت کا ذکر

حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کی آسمانی کتابوں سے جو مضامین نقل کئے جارہے ہیں وہ ان آیات (آیت ۵۴) پر پورے ہوجائیں گے۔ آخرت کا عقیدہ توحید ورسالت کے عقائد کی طرح بنیادی عقیدہ ہے، اور تینوں عقائد میں چولی دامن کا ساتھ ہے، ان عقائد کو نہ ماننے کی وجہ سے چار قومیں ہلاک کی جاچکی ہیں، صحف موسیٰ وابراہیم علیہما السلام میں ان کا ذکر ہے، ارشاد فرماتے ہیں: ــــ اور یہ کہ اللہ نے عادِ اولیٰ کو ہلاک کیا ــــ ان کی طرف ہود علیہ السلام مبعوث کئے گئے تھے، ان میں سے جو مؤمنین باقی رہ گئے وہ عادِ ثانیہ اور ثمود کہلائے، پھر جب وہ بگڑے تو ان کی طرف صالح علیہ السلام مبعوث کئے گئے، پھر جب انھوں نے بات نہ مانی تو وہ سارے ہلاک کئے گئے ــــ اور ثمود کو، پس کسی کو باقی نہیں چھوڑا ــــ اور قوم نوح کو ان (عاد وثمود) سے پہلے (ہلاک کیا) بے شک وہ بڑے ظالم اور شریر

(۱) المؤتفكة: اسم فاعل، ائتفكت الأرض: زمین پلٹ جانا (۲) تتمارى: مضارع، واحد مذکر حاضر، تَمَارَى القومُ: باہم جھگڑنا، بحث کرنا، اس کے معنی: شک کرنے اور جھٹلانے کے بھی کئے گئے ہیں۔

تھے ـــــ نوح علیہ السلام نے ساڑھے نوسو سال تک محنت کی مگر لا حاصل رہی، اس سے بڑی ناانصافی کیا ہوگی؟ اور کہتے ہیں: لوگ حضرت نوح علیہ السلام کو اتنا مارتے تھے کہ وہ پتھروں میں ڈھک جاتے تھے، اس سے بڑی شرارت کیا ہوسکتی ہے؟ ـــــ اور پلٹ گئی بستی کو پھینک مارا ـــــ یہ لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیوں سدّوم وغیرہ کا ذکر ہے ـــــ پس چھاگئی اس بستی پر جو چیز چھاگئی! ـــــ یعنی ان پر کھنگر کے پتھروں کی بارش برسی، اور ابہام تہویل (خوب زدہ کرنے) کے لئے ہے۔

پس تو اپنے رب کی کس کس نعمت میں شک کرے گا/ جھگڑے گا/ جھٹلائے گا؟ ـــــ یہ آیت واسطۃ العقد ہے، ہار کے درمیان کا قیمتی ہیرا ہے، آگے سے بھی اس کا ربط ہے، اور خطاب ولید بن مغیرہ سے یا عام انسان سے ہے، اور نعمت سے مراد توحید، رسالت اور آخرت کی تعلیمات ہیں۔

هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى ﴿٥٦﴾ اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ﴿٥٧﴾ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ﴿٥٨﴾ اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ ﴿٥٩﴾ وَتَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ ﴿٦٠﴾ وَ اَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ﴿٦١﴾ فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ﴿٦٢﴾

رکوع ۳

هٰذَا نَذِيْرٌ	یہ ڈرسنانے والے ہیں	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کے سوا	وَلَا تَبْكُوْنَ	اور نہیں روتے تم
مِّنَ النُّذُرِ	ڈرسنانے والوں میں سے	كَاشِفَةٌ	کوئی کھولنے والا	وَ اَنْتُمْ	درانحالیکہ تم
الْاُوْلٰى (۱)	اگلے	اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ	کیا پس اس بات سے	سٰمِدُوْنَ (۲)	تکبر کرنے والے ہو
اَزِفَتِ	قریب آگئی			فَاسْجُدُوْا	پس سجدہ کرو
الْاٰزِفَةُ	قریب آنے والی	تَعْجَبُوْنَ	تعجب کرتے ہو تم	لِلّٰهِ	اللہ کو
لَيْسَ لَهَا	نہیں ہے اس کے لئے	وَتَضْحَكُوْنَ	اور ہنستے ہو تم	وَاعْبُدُوْا	اور عبادت کرو

آخری موعظتیں

سورت کا موضوع: رسالت، توحید اور آخرت ہے، آخر میں تینوں کے تعلق سے نصیحت فرماتے ہیں:

۱- رسالت کے تعلق سے فرمایا کہ جس طرح ماضی میں برے اعمال کے بھیانک نتائج سے ڈرانے والے آتے رہے ہیں: یہ پیغمبر بھی مجرموں کو برے انجام سے ڈرانے آئے ہیں، ان کی بات قبول کرو، اس میں تمہارا نفع ہے۔

(۱) الأولی: فاصلہ کی رعایت میں مؤنث لائے ہیں، النذر: بہ تاویل جماعت ہے (۲) سَمَدَ (ن) سُمُوْدًا: بلند ہونا۔

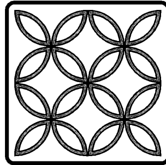
۲-آخرت کے تعلق سے فرمایا کہ قیامت قریب آ لگی ہے، جب اس کا وقت آجائے گا تو کوئی طاقت اس کو روک نہیں سکے گی۔ پس خواب غفلت سے بیدار ہو جاؤ، اور اس دن کی تیاری میں لگ جاؤ۔

۳-دلیلِ رسالت (قرآنِ کریم) کے تعلق سے فرمایا: تم اس کلام الٰہی سے تعجب کرتے ہو، اس کو سن کر ہنستے ہو، روتے نہیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تمہاری انانیت تم کو اس پر ایمان لانے سے روکتی ہے۔

۴-توحید کے تعلق سے فرمایا: اطاعت کی راہ اختیار کرو، بندگی کا طریقہ اپناؤ، سرنیاز ختم کرو، اور ایمان لاکر آخرت کی تیاری میں لگ جاؤ۔

آیاتِ پاک: ـــــ یہ (محمد ﷺ) بھی پہلے پیغمبروں کی طرح ایک پیغمبر ہیں، قریب آنے والی چیز (قیامت) قریب آ پہنچی ہے، اللہ کے سوا کوئی اس کو ٹالنے والا نہیں، کیا پس تم اس کلام سے تعجب کرتے ہو؟ اور ہنستے ہو، اور روتے نہیں! اور تم (اس کو قبول کرنے سے) تکبر کرتے ہو! پس اللہ کو سجدہ کرو، اور اس کی عبادت کرو ـــــ (یہاں سجدہ کرنا واجب ہے)

(۱۸/ جمادی الاخری ۱۴۳۷ھ = ۲۸/ مارچ ۲۰۱۶ء)



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ القمر

یہ سورت مکی ہے، اس کا نزول کا نمبر ۳۷ ہے، یہ ابتدائی دور کی سورت ہے، اس کی پہلی آیت میں معجزۂ شق القمر کا ذکر ہے، اس لئے یہ نام رکھا ہے، اس سورت کا موضوع: قیامت اور قیامت سے پہلے دنیا میں منکرین کو ملنے والی سزا کا بیان ہے، یہ سزا بھی قیامت کی سزا کا ایک نمونہ ہے، سورت کے آخر میں پھر قیامت کے احوال ہیں۔

معجزۂ شق القمر:

ہجرت سے پہلے نبی ﷺ حج کے موقعہ پر منی میں تشریف فرما تھے، کفار نے آپؐ سے کوئی معجزہ طلب کیا، آپؐ نے فرمایا: آسمان کی طرف دیکھو، اچانک چاند پھٹ کر دو ٹکڑے ہوگیا، ایک ٹکڑا مشرق کی طرف اور دوسرا ٹکڑا مغرب کی طرف چلا گیا، بیچ میں پہاڑ حائل تھا، جب سب نے خوب اچھی طرح یہ معجزہ دیکھ لیا تو دونوں ٹکڑے آپس میں مل گئے، کفار کہنے لگے: محمد نے جادو کردیا! اسی معجزہ کو معجزۂ شق القمر کہتے ہیں، یہ قیامت کی ایک نشانی ہے، آگے سب کچھ اسی طرح پھٹے گا، یہ معجزہ قرآن سے اور احادیث سے ثابت ہے، اور کسی دلیل عقلی سے اس کا محال ہونا ثابت نہیں، اور محض استبعاد کی بنا پر قطعی الثبوت کو رد نہیں کیا جاسکتا، استبعاد (عقل سے دور ہونا) تو اعجاز کے لئے لازم ہے۔

سوال: اگر یہ معجزہ واقع ہوا ہے تو تاریخ کی کتابوں میں اس کا ذکر کیوں نہیں؟

جواب: یہ واقعہ رات کا تھا، بعض ممالک میں تو اس وقت دن ہوگا، بعض جگہ آدھی رات، لوگ سوتے ہونگے، اور جہاں بیدار ہونگے آسمان کی طرف کون دیکھتا ہوگا؟ اور چاند کے دو ٹکڑے ہونے سے چاندنی میں کوئی فرق نہیں پڑتا، پھر تھوڑی دیر کا قصہ تھا، اور اس زمانہ میں رصدگاہیں بھی نہیں تھیں، اس لئے تاریخوں میں مذکور نہ ہونے سے اس کی تکذیب نہیں ہوسکتی۔ علاوہ ازیں: تاریخ فرشتہ میں اس کا ذکر موجود ہے، کہتے ہیں مالی بار کا راجہ اسی معجزہ کو دیکھ کر مسلمان ہوا تھا۔

سوال: کچھ لوگ اس واقعہ کو قدرتی حادثہ کہتے ہیں، معجزہ نہیں مانتے، کیا ان کا خیال صحیح ہے؟

جواب: ان کا خیال قطعاً غلط ہے، قرآنِ کریم نے اس کو آیۃ: بڑا معجزہ کہا ہے، پھر اس کو صرف قدرتی حادثہ کیسے کہہ سکتے ہیں، ایسا کہنے والے کا ذہن مسموم (زہر آلود) ہے!

لطیفہ: کسی شاعر نے کہا ہے:

معجزہ شق القمر کا ہے مدینہ سے عیاں ❁ مہ نے شق ہوکر دین کو لیا ہے آگوش میں

شرح: لفظ مدینہ سے میم اور ہاء کو الگ کرلو، مہ ہوگیا، اور بیچ میں دین آگیا، معجزۂ شق القمر ثابت ہوگیا، اور نبی ﷺ کے لائے ہوئے دینِ اسلام کی حقانیت روزِ روشن کی طرح واضح ہوگئی۔

(۵۴) سُوْرَةُ الْقَمَرِ مَكِّيَّةٌ (۳۷)

ایاتھا ۵۵ — رکوعاتھا ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝۱ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝۲ وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ۝۳ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ۝۴ حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ۝۵ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ ۘ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ ۝۶ خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ۝۷ مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ ۭ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ۝۸

اِقْتَرَبَتِ	نزدیک آگئی	مُّسْتَمِرٌّ(۱)	ہمیشہ سے چلا آنے والا	مَا فِيْهِ	وہ جس میں ہے
السَّاعَةُ	قیامت	وَكَذَّبُوْا	اور جھٹلایا انھوں نے	مُزْدَجَرٌ(۳)	ڈانٹ (جھڑکی)
وَانْشَقَّ	اور پھٹ گیا	وَاتَّبَعُوْٓا	اور پیروی کی انھوں نے	حِكْمَةٌ(۴)	(وہ) دانشمندی کی بات ہے
الْقَمَرُ	چاند	اَهْوَآءَهُمْ	اپنی خواہشات کی	بَالِغَةٌ(۵)	آخری درجہ کی
وَاِنْ يَّرَوْا	اور اگر دیکھیں وہ	وَكُلُّ اَمْرٍ	اور ہر معاملہ	فَمَا تُغْنِ	پس کام نہیں آئے
اٰيَةً	کوئی معجزہ	مُّسْتَقِرٌّ(۲)	ٹھہرنے والا ہے	النُّذُرُ(۶)	ڈرانے والے
يُّعْرِضُوْا	روگردانی کریں وہ	وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	فَتَوَلَّ عَنْهُمْ	پس روگردانی کریں ان سے
وَيَقُوْلُوْا	اور کہیں وہ	جَآءَهُمْ	آیا ان کے پاس	يَوْمَ	(یاد کرو) جس دن
سِحْرٌ	(یہ) جادو (ہے)	مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ	خبروں میں سے	يَدْعُ(۷)	بلائے گا

(۱) مُسْتَمِرٌّ: اسم فاعل، اِسْتَمَرَّ الشيئُ: مسلسل رہنا، جاری رہنا (۲) مُسْتَقِرٌّ: اسم فاعل، استقرار: قرار پکڑنا، ٹھہرنا (۳) مُزْدَجَرٌ: مصدر میمی، اِزْدِجَار: جھڑکی، ڈانٹ (۴) حكمة: هو: ضمیر محذوف کی خبر، اور ضمیر کا مرجع قرآنِ کریم ہے، جو ماقبل سے مفہوم ہوتا ہے۔ (۵) بالغة: أی بينة واضحة التی بلغت غايةَ المتانةِ والقوة علی الإثبات: صاف واضح، نہایت قوی اور اعلیٰ درجہ کی مثبت مدعیٰ بات۔ (۶) النُّذُر: النذير کی جمع: ڈرانے والا، پیغمبر۔ (۷) يَدْعُ: دراصل يدعو تھا، واو قرآنی رسم الخط میں حذف کر دیا ہے۔

الدَّاعِ	بلانے والا	مِنَ الْاَجْدَاثِ	قبروں سے	يَقُوْلُ	کہیں گے
اِلٰى شَيْءٍ	ایک چیز کی طرف	كَاَنَّهُمْ	جیسے وہ	الْكٰفِرُوْنَ	منکرین
نُّكُرٍ (۱)	انجانی (ناگوار)	جَرَادٌ	ٹڈیاں ہیں	هٰذَا	یہ
خُشَّعًا (۲)	جھکائے ہوئے ہونگے	مُّنْتَشِرٌ	بکھری پڑیں	يَوْمٌ	دن ہے
اَبْصَارُهُمْ	اپنی آنکھوں کو	مُّهْطِعِيْنَ (۳)	تیزی سے جانے والے	عَسِرٌ	مشکل (بھاری)
يَخْرُجُوْنَ	نکلیں گے وہ	اِلَى الدَّاعِ	بلانے والے کی طرف	۞	۞

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

قیامت قریب آگئی، ہوش میں آجاؤ!

قیامت سے پہلے سورج بے نور ہوجائے گا، ستارے جھڑ جائیں گے (تکویر ا و ۲) اس کی ابتداء ہوچکی، نبی ﷺ نے معجزہ دکھایا، اور چاند کے دو ٹکڑے ہوگئے، آگے اسی طرح سب کچھ درہم برہم ہوجائے گا۔

مگر لوگوں کا حال یہ ہے کہ جب بھی کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو اس کو ٹلا جاتے ہیں، کہہ دیتے ہیں: یہ جادو ہے جو چلا آرہا ہے یعنی لوگ نظر بندی کر کے ایسے کرشمے دکھاتے آرہے ہیں، آج یہ کوئی نئی بات نہیں۔

اس طرح لوگ اللہ کے رسول کو، اللہ کے کلام کو اور اس کی خبروں کو جھٹلا دیتے ہیں، اور اپنی خواہشات پر چلتے رہتے ہیں، اپنے باطل نظریات پر نظر ثانی نہیں کرتے، حالانکہ وہ دنیا پر نظر ڈالیں تو انہیں صاف نظر آئے گا کہ ہر چیز کو ٹھہرنا ہے، ہر چیز کو کسی منزل پر پہنچ کر رک جانا ہے، دنیا کی بھی آخری منزل ہے، اس تک پہنچ کر اس کو بھی رک جانا ہے، ختم ہوجانا ہے۔

امم سابقہ کے احوال میں غور کرو، ہر قوم رسول کی تکذیب کی پاداش میں ہلاک کی جاچکی ہے، اور ان کے واقعات قرآنِ کریم میں بیان کردیئے گئے ہیں، جن میں عبرت کا سامان ہے، اور قرآن اعلیٰ درجہ کی حکمت کی کتاب ہے، مگر پہلے بھی ڈرانے والوں کی باتیں رائگاں گئی ہیں، لہٰذا آپ منکرین سے رخ پھیر لیں، ان کو ان کے حال پر چھوڑیں، وہ قیامت کا انتظار کریں، جب دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو ایک بلانے والا فرشتہ میدانِ حشر کی طرف بلائے گا، اس وقت وہ قبروں سے نکل پڑیں گے، ذلت سے ان کی نظریں جھکی ہوئی ہونگی، وہ ٹڈی دَل کی طرح بکھرے پڑے ہونگے، اور وہ تیزی سے بلانے والے کی طرف چل رہے ہونگے، اس دن مکذبین کہہ رہے ہونگے: یہ سخت مشکل دن آن پڑا!

آیاتِ پاک: —— قیامت نزدیک آپہنچی اور چاند پھٹ گیا، اور اگر لوگ کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو ٹال جاتے ہیں،

(۱) نُکُر: میدانِ حشر مراد ہے (۲) خشعا: یخرجون کے فاعل کا حال ہے (۳) أَهْطَعَ فی سیره: تیز رفتار ہونا۔

اور کہہ دیتے ہیں: یہ جادو ہے جو چلا آرہا ہے! اور انھوں نے جھٹلایا، اور اپنی خواہشات کی پیروی کی، اور ہر چیز کو قرار آنا ہے —— اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ ان کے پاس پہنچ چکی ہیں امم ماضیہ کی وہ خبریں جن میں عبرت کا سامان ہے (اور قرآن) اعلیٰ درجہ کی دانشمندی کی باتیں ہیں، مگر نتائج اعمال سے آگاہ کرنے والوں کی باتیں رائگاں ہی جاتی ہیں —— پس ان سے رخ پھیر لیں (اور وہ یاد کریں:) جس دن بلانے والا فرشتہ ایک ناگوار چیز (میدانِ حشر) کی طرف بلائے گا، (اس دن) ان کی آنکھیں (ذلت سے) جھکی ہوئی ہونگی، وہ قبروں سے نکلیں گے گویا وہ پھیلی ہوئی ٹڈیاں ہیں —— کثرت اور بے ترتیبی میں —— تیزی سے چل رہے ہونگے بلانے والے کی طرف، منکرین کہتے ہونگے: یہ بڑا سخت دن ہے! —— اس کی تیاری ابھی کرلو، تاکہ وہ دن آسان ہوجائے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَّازْدُجِرَ ۝ فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ۝ فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ۝ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ۝ وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ۝ تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا ۚ جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ۝ وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اٰيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ۝ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝

كَذَّبَتْ	جھٹلایا	وَّازْدُجِرَ (۲)	اور دھمکایا گیا	السَّمَآءِ	آسمان کے
قَبْلَهُمْ	اُن سے پہلے	فَدَعَا	پس پکارا اس نے	بِمَآءٍ	پانی کے ساتھ
قَوْمُ نُوحٍ	قوم نوح نے	رَبَّهٗٓ	اپنے رب کو	مُّنْهَمِرٍ (۳)	خوب برسنے والے
فَكَذَّبُوا (۱)	پس جھٹلایا انھوں نے	اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ	کہ میں ہار گیا	وَّفَجَّرْنَا	اور پھاڑا ہم نے
عَبْدَنَا	ہمارے بندے کو	فَانْتَصِرْ	پس آپ بدلہ لیں	الْاَرْضَ	زمین کو
وَقَالُوا	اور کہا انھوں نے	فَفَتَحْنَآ	پس کھول دیئے ہم نے	عُيُوْنًا (۴)	چشموں کے اعتبار سے
مَجْنُوْنٌ	پاگل ہے	اَبْوَابَ	دروازے	فَالْتَقَى	پس مل گیا

(۱) فکذبوا: فاء تفصیلیہ ہے، تکذیب کی تفصیل ہے (۲) ازدجر: ماضی مجہول، واحد مذکر غائب، اِزْدِجَار: جھڑکنا، ڈانٹنا، بعض نے آسیب زدہ ترجمہ کیا ہے۔ (۳) منهمر: اسم فاعل، انهمار: خوب برسنے والا (۴) عیونا: تمیز ہے، اصل عیون الأرض تھا۔

الْمَآءُ	پانی	لِّمَنْ كَانَ	اس شخص کے جو تھا	كَانَ عَذَابِیْ	تھی میری سزا
عَلٰٓى اَمْرٍ	ایک کام پر	كُفِرَ	انکار کیا گیا	وَنُذُرِ (۳)	اور میرا کھڑکھڑانا؟
قَدْ قُدِرَ	تحقیق طے کیا جا چکا تھا	وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق
وَحَمَلْنٰهُ	اور اٹھایا ہم نے اس کو	تَّرَكْنٰهَآ	رہنے دیا ہم نے اس کو	يَسَّرْنَا	آسان کیا ہم نے
عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ	تختوں والی پر	اٰيَةً	بڑی نشانی	الْقُرْاٰنَ	قرآن کو
وَّدُسُرٍ (۱)	اور کیلوں (والی پر)	فَهَلْ	پس کیا	لِلذِّكْرِ	نصیحت حاصل کرنے کیلئے
تَجْرِیْ	بہہ رہی ہے وہ	مِنْ مُّدَّكِرٍ (۲)	کوئی نصیحت قبول	فَهَلْ	پس کیا
بِاَعْيُنِنَا	ہماری آنکھوں کے سامنے		کرنے والا ہے؟	مِنْ مُّدَّكِرٍ	کوئی نصیحت حاصل
جَزَآءً	بدلہ کے طور پر	فَكَيْفَ	پس کیسی		کرنے والا ہے؟

امم ماضیہ کے واقعات جن میں عبرت کا سامان ہے

پہلا واقعہ: نوح علیہ السلام کی قوم کی غرقابی کا

اب قوم نوحؑ، عاد، ثمود، قوم لوطؑ اور فرعون کی ہلاکت کے واقعات بیان فرماتے ہیں۔نوح علیہ السلام پہلے رسول اور انسانوں کے دوسرے جدامجد ہیں، انھوں نے لمبے عرصہ تک محنت کی مگر کوئی خاص نتیجہ برآمد نہ ہوا، لوگوں نے آپ کو پاگل قرار دیدیا، اوردھمکی دی کہ اگر تم اپنی باتوں سے باز نہ آئے تو ہم تم کو سنگسار کردیں گے۔

پھر جب پیمانۂ صبر لبریز ہوگیا تو آپ نے دعا کی: الٰہی! میں ان لوگوں سے عاجز آ گیا، میری کوئی فہمائش کارگر نہیں ہوتی، اب آپ ان سے نمٹ لیں! بس پھر کیا تھا، دعا قبول ہوئی، اور پانی ٹوٹ کر برسنے لگا، اور زمین کے سوتے ٹوٹ گئے، چشمے ابل پڑے، اور دونوں پانی مل کر پہاڑوں کی چوٹیوں کو شرمانے لگے، اور پوری قوم لقمۂ اجل بن گئی!

اور اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام اور مؤمنین کی نجات کے لئے پہلے سے کشتی تیار کروالی تھی، نوح علیہ السلام نے وحی کی راہ نمائی میں کیلوں سے تختے جوڑ کر کشتی بنائی تھی، سب اہل ایمان اس میں سوار ہوگئے، اور کشتی اللہ کی حفاظت میں

(۱) دُسُر: دِسَار کی جمع: کیل جو لکڑی میں ٹھوکی جائے (۲) مدکر کی اصل مذتکر ہے، پہلے تاء کو دال (مہملہ) سے بدلا، پھر ذال (معجمہ) کو دال (مہملہ) سے بدلا، پھر دونوں میں ادغام کیا، مادہ ذکر ہے، ادکار: نصیحت قبول کرنا (۳) نُذُر: مصدر مفرد، فُعُلٌ کے وزن پر مصدر آسکتا ہے (جمل) اور آخر سے یاء محذوف ہے راء کا کسرہ اس کی علامت ہے۔اور نذیر کی جمع بھی نُذُر ہے۔

چلتی رہی، یہ اللہ نے اپنے بندے کا بدلہ لیا، اور یہ واقعہ عبرت کی نشانی بن گیا، بعد کے تمام انبیاء کی کتابوں میں اس کا ذکر کیا جاتا رہا۔

قرآنِ کریم کا پڑھنا اور سمجھنا آسان ہے

سورۃ القمر میں چار مرتبہ فرمایا ہے کہ ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کیا ہے، پس کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟ —— اور یہ آیت بھی بار بار آئی ہے: ﴿فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾: کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟ قرآن کا ناظرہ، حفظ اور سمجھنا: تینوں آسان ہیں، مجاہدؒ کہتے ہیں: ہم نے قرآن کا پڑھنا آسان کیا ہے: اس میں تینوں باتیں داخل ہیں —— واقعہ یہ ہے کہ کسی زبان کو سمجھے بغیر اتنی بڑی کتاب اندر دیکھ کر پڑھنا آسان نہیں، مگر قرآن کو کروڑوں انسان: مرد وزن: بغیر سمجھے فرفر پڑھتے ہیں —— اسی طرح کسی زبان کو سمجھے بغیر زبانی یاد کرنا ناممکن ہے، مگر قرآن کا حال یہ ہے کہ بچے بے سمجھے دو تین سال میں پورا قرآن ایسا پکا یاد کر لیتے ہیں کہ ایک حرف اِدھر سے اُدھر نہیں ہونے دیتے —— اور سمجھنے کا حال یہ ہے کہ عربی ہو، عجمی ہو، جوان ہو، بوڑھا ہو، شہری ہو، دیہاتی ہو، مرد ہو یا عورت سب قرآن کو یکساں سمجھ سکتے ہیں، مگر نصیحت پذیری کی حد تک، حقائق ودقائق علماء کا حصہ ہیں، یہ قرآنِ کریم کا معجزہ ہے۔

آیاتِ پاک: ان (مکہ والوں) سے پہلے قوم نوحؑ نے تکذیب کی، یعنی ہمارے بندے (نوحؑ کی) تکذیب کی، اور انھوں نے کہا: یہ پاگل ہے! اور وہ دھمکایا گیا، پس اس نے اپنے رب سے دعا کی کہ میں ہار گیا، پس آپ بدلہ لیں، پس ہم نے آسمان کے موسلا دھار برسنے والے دہانے کھول دیئے، اور زمین سے چشمے ابل پڑے، پس دونوں پانی اس کام کے لئے مل گئے جو تجویز کیا جا چکا تھا، اور ہم نے نوح کو تختوں اور کیلوں والی کشتی پر سوار کیا، جو ہماری نگرانی میں چل رہی تھی، بدلہ لینے کے لئے اس شخص کا جس کا انکار کیا گیا، اور ہم نے اس واقعہ کو عبرت بنا دیا، پس کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟ پس دیکھو! میرا عذاب اور میرا کھڑکھڑانا کیسا رہا؟ —— یعنی اللہ کی وعید واقعہ بن کر رہی —— اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے، پس کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟ —— اس کے مخاطب کفار ہیں، ہم مسلمان تو قرآن کی باتیں سن کر ایمان لے آئے ہیں۔ **فالحمد لله على ذلك!**

كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿١٨﴾ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴿١٩﴾ تَنْزِعُ النَّاسَ كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ﴿٢٠﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَ نُذُرِ ﴿٢١﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿٢٢﴾ ع ۲

كَذَّبَتْ	جھٹلایا	صَرْصَرًا	ٹھنڈی سناٹے کی	فَكَيْفَ كَانَ[3]	پس کیسا تھا
عَادٌ	عاد نے	فِيْ يَوْمِ	دن میں	عَذَابِيْ	میرا عذاب
فَكَيْفَ	پس کیسا	نَحْسٍ	منحوس	وَ نُذُرِ	اور میرا کھڑ کھڑانا
كَانَ	تھا	مُّسْتَمِرٍّ[1]	دائمی	وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق
عَذَابِيْ	میرا عذاب	تَنْزِعُ	اکھاڑتی ہے وہ	يَسَّرْنَا	آسان کیا ہم نے
وَنُذُرِ	اور میرا کھڑ کھڑانا	النَّاسَ	لوگوں کو	الْقُرْاٰنَ	قرآن کو
اِنَّآ	بے شک ہم نے	كَاَنَّهُمْ	گویا وہ	لِلذِّكْرِ	نصیحت کے لئے
اَرْسَلْنَا	چھوڑی ہم نے	اَعْجَازُ	تنے ہیں	فَهَلْ	پس کیا
عَلَيْهِمْ	ان پر	نَخْلٍ	کھجور کے	مِنْ مُّدَّكِرٍ	کوئی نصیحت حاصل
رِيْحًا	ہوا	مُّنْقَعِرٍ[2]	جڑ سے اکھڑے ہوئے		کرنے والا ہے؟

دوسرا واقعہ: عاد کی ہلاکت کا

عاد: تنومند اور قدآور تھے، سرکش بھی اتنے ہی تھے، ان کی طرف ہود علیہ السلام مبعوث کئے گئے، جب وہ ایمان نہ لائے تو عذاب آیا، سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل منحوس ہوا چلی، جس میں ٹھرتھی، ہوا کے جھکڑوں نے ان کو اٹھا کر اس طرح زمین پر پٹک دیا جیسے کھجور کے تنے اکھاڑ کر زمین پر ڈال دیئے جاتے ہیں، پس دیکھو! جو دیدۂ عبرت ہو، اللہ کا عذاب اور ان کی دھمکی کیسی رہی؟ —— اور قرآنِ کریم نصیحت پذیری کے تعلق سے بہت آسان ہے، پس اس کی نصیحت قبول کرو!

آیاتِ پاک: —— عاد نے (بھی) جھٹلایا، پس میرا عذاب اور میری دھمکی کیسی رہی؟ ہم نے ان پر ایک دن میں جو آخری دن تک منحوس تھا سناٹے کی ٹھنڈی ہوا چھوڑی، جس نے لوگوں کو اکھاڑ پھینکا جیسے وہ اکھڑے ہوئے کھجور کے تنے ہوں، پس میرا عذاب اور میری دھمکی کیسی رہی؟ —— اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ ہم نے قرآن کو نصیحت پذیری کے لئے آسان کیا ہے، پس کیا کوئی نصیحت قبول کرنے والا ہے۔

فائدہ: یہ منحوس دن انہیں کے حق میں تھے، جو لوگ مہینہ کے آخری بدھ کو منحوس سمجھتے ہیں وہ غلطی پر ہیں، جب پورا ہفتہ منحوس ہوا چلی تو نحوست سے کونسا دن خالی رہا؟

(۱) مستمر: دائمی: ہوا آٹھ دن مسلسل چلی تھی، وہ پہلے دن سے آخری دن تک منحوس تھی یعنی نحوست نہ اٹھی جب تک وہ ہلاک نہ ہوگئے (۲) منقعر: اسم فاعل: انقعار: جڑ سے اکھڑ جانا، قَعْر: مادہ: جڑ، بنیاد (۳) فکیف: تکرار تہویل (ڈرانے) کے لئے ہے۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ﴿٢٣﴾ فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿٢٤﴾ ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ﴿٢٥﴾ سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ﴿٢٦﴾ اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ﴿٢٧﴾ وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ﴿٢٨﴾ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ ﴿٢٩﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿٣٠﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ ﴿٣١﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿٣٢﴾

كَذَّبَتْ	جھٹلایا	ءَاُلْقِيَ	کیا ڈالی گئی	اِنَّا مُرْسِلُوا	بیشک ہم بھیجنے والے ہیں
ثَمُوْدُ	ثمود نے	الذِّكْرُ	نصیحت	النَّاقَةِ	اونٹنی کو
بِالنُّذُرِ	ڈرانے والوں کو	عَلَيْهِ	اس پر	فِتْنَةً (۵)	آزمائش کے لئے
فَقَالُوْٓا	پس کہا انھوں نے	مِنْۢ بَيْنِنَا	ہمارے درمیان سے؟	لَّهُمْ	ان کی
اَبَشَرًا (۱)	کیا کوئی انسان	بَلْ هُوَ	بلکہ وہ	فَارْتَقِبْهُمْ	پس آپ انتظار کریں ان کا
مِّنَّا (۲)	ہم میں سے	كَذَّابٌ	مہا جھوٹا	وَاصْطَبِرْ (۶)	اور صبر کریں
وَاحِدًا	ایک	اَشِرٌ (۴)	بڑائی مارنے والا ہے	وَنَبِّئْهُمْ	اور آگاہ کریں ان کو
نَّتَّبِعُهٗٓ	پیروی کریں ہم اس کی	سَيَعْلَمُوْنَ	عنقریب جانیں گے وہ	اَنَّ الْمَآءَ	کہ پانی
اِنَّآ اِذًا	بے شک ہم تب تو	غَدًا	آئندہ کل	قِسْمَةٌۢ	بانٹا ہوا ہے
لَّفِيْ ضَلٰلٍ	ضرور گمراہی میں	مَّنِ الْكَذَّابُ	کون مہا جھوٹا	بَيْنَهُمْ (۷)	ان کے درمیان
وَّسُعُرٍ (۳)	اور جنوں میں ہیں	الْاَشِرُ	بڑائی مارنے والا ہے	كُلُّ شِرْبٍ	ہر پانی کا حصہ

(۱) بشرًا: منصوب علی شریطۃ التفسیر ہے، نتّبعه: بشرًا کے عامل کی تفسیر کرتا ہے (۲) منّا اور واحدًا دو صفتیں ہیں (۳) اصل میں سَعْو کے معنی آگ بھڑکانے کے ہیں، جب دماغ میں گرمی ہوجاتی ہے تو پاگل ہوجاتا ہے، بایں اعتبار وہ جنوں کے لئے مستعمل ہے (لغات القرآن) (۴) أشر: صفتِ مشبہ: بہت زیادہ اترانے والا، بڑائی مارنے والا (۵) فتنة: مفعول لہٗ ہے (۶) اصطبر: باب افتعال: طاء: تاء سے بدلی ہوئی ہے۔ (۷) بينهم: أى بين القوم والناقة، فغلب العاقل عليها (جمل)

مُّحۡتَضَرٌ	حاضری کا وقت ہے	عَذَابِیۡ	میرا عذاب	الۡمُحۡتَظِرِ[۴]	باڑا بنانے والے کا
فَنَادَوۡا	پس پکارا انھوں نے	وَ نُذُرِ	اور میرا دھمکانا	وَلَقَدۡ	اور البتہ تحقیق
صَاحِبَهُمۡ	اپنے ساتھی کو	اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَا	بیشک ہم نے چھوڑی	يَسَّرۡنَا	آسان کیا ہم نے
فَتَعَاطٰى[۱]	پس دست دراز کی اس نے	عَلَيۡهِمۡ	ان پر	الۡقُرۡاٰنَ	قرآن کو
فَعَقَرَ[۲]	پس ٹانگ کاٹ دی	صَيۡحَةً	چیخ	لِلذِّكۡرِ	نصیحت کے لئے
	اس نے	وَّاحِدَةً	ایک	فَهَلۡ	پس کیا
فَكَيۡفَ	پس کیسا	فَكَانُوۡا	پس تھے وہ	مِنۡ مُّدَّكِرٍ	کوئی نصیحت حاصل
كَانَ	تھا	كَهَشِيۡمِ[۳]	جیسے کوڑا		کرنے والا ہے؟

تیسرا واقعہ: ثمود کی تباہی کا

عادِاولیٰ کی ہلاکت کے بعد جو مؤمنین بچ گئے: ثمود ان کی اولاد تھے، اسی وجہ سے یہ عادِثانیہ کہلاتے ہیں، ثمود بھی اپنے پیشروؤں کی طرح بت پرست تھے، ان کی اصلاح کے لئے حضرت صالح علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا، مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئے تو بھیانک زلزلہ آیا، اور اس کی خوفناک آواز سے سب کھیت رہے۔

آیاتِ پاک: —— ثمود نے (بھی) پیغمبروں کی تکذیب کی —— ایک نبی کا جھٹلانا سب کا جھٹلانا ہے، کیونکہ اصل دین میں سب انبیاء متفق ہیں —— پس انھوں نے کہا: کیا ہم اپنے جیسے تنہا ایک بشر کی پیروی کریں؟ تب تو ہم بلاشبہ گمراہی اور جنون میں ہیں! —— یعنی صالح ہم ہی جیسے ایک آدمی ہیں، فرشتے نہیں، اور اکیلے ہیں، ان کے ساتھ کوئی جتھا نہیں، پس اگر ہم ان کی بات مان لیں تو اس سے بڑی بے وقوفی اور پاگل پن کیا ہوگا! —— کیا ہمارے درمیان سے اسی پر وحی نازل کی گئی ہے؟ —— یعنی پیغمبری کے لئے بس وہی رہ گیا تھا؟ —— بلکہ وہ بڑا جھوٹا شیخی باز ہے —— نبوت کا ڈھونگ رچاتا ہے، اور خواہ مخواہ بڑائی مارتا ہے کہ اللہ نے مجھے رسول بنایا ہے، میری بات مانو! —— جواب: عنقریب آئندہ کل (قیامت کے دن) ان کو معلوم ہوجائے گا کہ کون بڑا جھوٹا اور شیخی باز ہے؟ —— تم یا وہ؟

اونٹنی کا معجزہ اور اس کی بے قدری: مغرور اور سرکش قوم نے صالح علیہ السلام سے معجزہ طلب کیا، آپ نے پوچھا:

(۱) تَعاطَی الرجلُ: کوئی چیز اوپر سے لینے کے لئے پیروں کی انگلیوں پر کھڑے ہوکر ہاتھ بڑھانا (۲) عَقَر (ض) البعیر: اونٹ کو بوقت ذبح قابو میں کرنے کے لئے ایک ٹانگ کاٹ دینا تاکہ وہ گرجائے (۳) ھشیم: صفتِ مشبہ: بمعنی اسم مفعول: سوکھے کانٹے ٹوٹے ہوئے۔ (۴) محتظِر: اسم فاعل: اِحۡتِظَار: باڑہ بنانا، حَظۡر: مادہ: روکنا، حظیرۃ: لکڑیوں وغیرہ کا باڑا۔

کیا معجزہ چاہتے ہو؟ انھوں نے کہا: فلاں چٹان سے ایسی اونٹنی نکالو جو گابھن ہو، صالح علیہ السلام نے دعا کی: چٹان پھٹی اور اونٹنی نکلی، اور فوراً بچہ دیا، یہ معجزہ دیکھ کر بھی کوئی ایمان نہیں لایا، مگر متاثر ہوئے، چنانچہ گھاس پانی کی باری مقرر کر دی، اور قوم کو بتادیا کہ جب تم بری نیت سے اونٹنی کو ہاتھ لگاؤ گے اس وقت عذاب آئے گا، باری چلتی رہی، آہستہ آہستہ یہ بات ان کو کھٹکنے لگی، انھوں نے اونٹنی کو ختم کرنے کے لئے ایک آدمی کو تیار کیا، اس نے اونٹنی کی ٹانگ کاٹ دی، اور اونٹنی ہلاک ہوگئی تو ان کو تین دن کا الٹی میٹم دیدیا گیا، تین دن کے بعد بھیانک زلزلہ آیا، اور ساری قوم کانٹوں کی باڑ بنانے والے کے بچے کھچے چورے کی طرح ہو کر رہ گئی۔

آیاتِ پاک: —— ہم ان کی آزمائش کے لئے اونٹنی کو بھیجنے والے ہیں —— یعنی چٹان سے برآمد کرنے والے ہیں —— پس آپ انتظار کریں اور صبر کریں —— یعنی دیکھتے رہیں کیا نتیجہ نکلتا ہے —— اور ان کو بتادیں کہ پانی ان کے درمیان بانٹا ہوا ہے، ہر ایک اپنی باری پر آئے —— اونٹنی جب پانی پینے آتی تھی تو سب جانور بھاگتے تھے، اس لئے باری ٹھہرادی، ایک دن اللہ کی اونٹنی پیئے اور ایک دن سب جانور —— پس انھوں نے اپنے رفیق کو پکارا —— یعنی تیار کیا، پس —— اس نے وار کیا، پس مار ڈالا —— ایک بدکار عورت نے اپنے آشنا کو تیار کیا، اس نے یہ حرکت کی —— پس کیسا تھا میرا عذاب اور میرا دھمکانا؟ —— اس کا بیان آگے ہے —— پس ہم نے ان پر ایک چیخ چھوڑی —— یعنی زلزلہ کی بھیانک آواز آئی —— پس وہ کانٹوں کی باڑ بنانے والے کے بچے ہوئے چورے کی طرح ہوگئے —— اور بالتحقیق ہم نے قرآن کو نصیحت کے لئے آسان کیا ہے، پس کیا کوئی نصیحت لینے والا ہے!

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍۭ بِالنُّذُرِ ۝٣٣ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ۭ نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ۝٣٤ نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ شَكَرَ ۝٣٥ وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ۝٣٦ وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ۝٣٧ وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ۝٣٨ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ۝٣٩ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝٤٠ ؏ وَلَقَدْ جَاۗءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ۝٤١ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ ۝٤٢

كَذَّبَتْ	جھٹلایا	قَوْمُ لُوْطٍ	قوم لوط نے	بِالنُّذُرِ	ڈرانے والوں کو

إِنَّآ أَرْسَلْنَا	بے شک ہم نے چھوڑی	وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق
عَلَيْهِمْ	ان پر	رَاوَدُوْهُ (۳)	پھسلایا انھوں نے لوط کو	يَسَّرْنَا	آسان کیا ہم نے
حَاصِبًا	سنگ بار ہوا	عَنْ ضَيْفِهٖ	اس کے مہمانوں سے	الْقُرْاٰنَ	قرآن کو
اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ	لوط کے گھرانے کے سوا	فَطَمَسْنَآ	پس مٹادی ہم نے	لِلذِّكْرِ	نصیحت کے لئے
نَجَّيْنٰهُمْ	نجات دی ہم نے ان کو	اَعْيُنَهُمْ	ان کی آنکھیں	فَهَلْ	پس کیا
بِسَحَرٍ	پچھلی رات میں	فَذُوْقُوْا	پس چکھو	مِنْ مُّدَّكِرٍ	کوئی نصیحت لینے والا ہے
نِّعْمَةً (۱)	مہربانی	عَذَابِيْ	میرا عذاب	وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق
مِّنْ عِنْدِنَا	ہماری	وَنُذُرِ	اور میرا کھڑکھڑانا	جَآءَ	پہنچے
كَذٰلِكَ	اسی طرح	وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	اٰلَ فِرْعَوْنَ	فرعون والوں کے پاس
نَجْزِيْ	بدلہ دیتے ہیں ہم	صَبَّحَهُمْ	صبح کے وقت آیا ان پر	النُّذُرُ	ڈرانے والے
مَنْ شَكَرَ	اس کو جس نے حق مانا	بُكْرَةً	سویرے	كَذَّبُوْا	جھٹلایا انھوں نے
وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	عَذَابٌ	عذاب	بِاٰيٰتِنَا	ہماری نشانیوں کو
اَنْذَرَهُمْ	ڈرایا لوط نے ان کو	مُّسْتَقِرٌّ (۴)	دائمی	كُلِّهَا	ساری
بَطْشَتَنَا	ہماری پکڑ سے	فَذُوْقُوْا	پس چکھو	فَاَخَذْنٰهُمْ	پس پکڑا ہم نے ان کو
فَتَمَارَوْا (۲)	پس جھگڑا کیا انھوں نے	عَذَابِيْ	میرا عذاب	اَخْذَ عَزِيْزٍ (۵)	زبردست کا پکڑنا
بِالنُّذُرِ	ڈرانے والوں کے ساتھ	وَنُذُرِ	اور میرا کھڑکھڑانا	مُّقْتَدِرٍ	قابو یافتہ

چوتھا واقعہ: لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کا

لوط علیہ السلام: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے، سدّوم اور مضافات کی بستیوں کی طرف مبعوث کئے گئے تھے، یہ قوم تلذّذ بالمثل کی بیماری میں مبتلا تھی، حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو ہر چند سمجھایا، مگر وہ نہ مانے تو فرشتے نوجوانوں کی صورت میں عذاب کے لئے آگئے، لوگوں نے ان پر ہاتھ ڈالنا چاہا تو اللہ نے ان کی آنکھوں کو چوپٹ

(۱) نعمة: نجيناهم کا مفعول مطلق ہے، دونوں ہم معنی ہیں، نجات دینا بھی نعمت ہے (۲) تَمَارَوْا: ماضی، جمع مذکر غائب، تَمَارِیٌ: باہم جھگڑنا (۳) رَاوَدَ مُرَاوَدَةً: پُھسلانا (۴) مستقر: اسم فاعل، مسلسل، دائمی (۵) أخذ: مفعول مطلق، فاعل کی طرف مضاف ہے، منصوب بنزع خافض نہیں۔

(اندھا) کردیا، وہ ٹامک ٹوئیاں مارنے لگے، پھر فرشتوں کے حکم سے لوط علیہ السلام اپنی فیملی کے ساتھ آخر شب میں بستی سے نکل گئے، پیچھے فرشتوں نے ان بستیوں کو تلپٹ (برباد) کردیا، آج وہاں 'بحر مروہ' ہے، دیکھے اُسے جو عبرت حاصل کرنا چاہے!

آیاتِ پاک: —— قوم لوطؑ نے پیغمبروں کو جھٹلایا —— ایک کا جھٹلانا سب کا جھٹلانا ہے —— ہم نے ان پر پتھر برسانے والی ہوا چھوڑی —— زیرزمین کبریت (گندھک) کا لاوا جل رہا تھا، اس سے اوپر کی مٹی پک گئی، پھر جب لاوا پھٹا تو زمین کا اوپری حصہ فضا میں اڑ کر بکھر گیا، ہوا نے اُن کھنگروں کی بارش برسادی، جس سے سب برباد ہوگئے، یہ معاملہ کا ظاہری پہلو تھا، اور درپردہ فرشتوں کا ہاتھ تھا، وہ اسی لئے بھیجے گئے تھے —— مگر لوطؑ کے گھر والے —— بچ گئے، کیونکہ وہ آخر شب میں بستی سے نکل گئے تھے —— ہمارے فضل سے —— وہ بچے، اپنی کوشش سے نہیں بچے —— اسی طرح ہم شکر گذاروں (مؤمنوں) کو بدلہ دیتے ہیں —— یہاں شَکَرَ: کَفَرَ کا مقابل ہے، اور مؤمنین مراد ہیں۔

اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ لوطؑ نے ان کو ہماری پکڑ سے ڈرایا —— ہر پیغمبر اللہ کی پکڑ سے ڈراتا ہے —— پس انھوں نے رسولوں سے جھگڑا کیا —— ایک کے ساتھ جھگڑا سب کے ساتھ جھگڑا ہے —— اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ انھوں نے لوطؑ سے اس کے مہمانوں کو بارادۂ بد لینا چاہا —— فرشتے حسین لڑکوں کی شکل میں آئے تھے، ان کو انسان خیال کرکے قبھانا چاہا —— پس ہم نے ان کی آنکھیں چوپٹ کردیں، اور کہا: —— اب لو چکھو میری سزا اور میری دھمکی! —— یہ چھوٹی سزا تھی بڑی سزا سے پہلے۔

اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ صبح سویرے ان پر دائمی عذاب آن پڑا —— یہ بڑا عذاب ہے، ان کی بستیاں الٹ دی گئیں، اور اوپر سے پتھر برسائے گئے، اور کہا گیا: پس چکھو میرا عذاب اور میرا دھمکانا!

> اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ ہم نے قرآن کو نصیحت پذیری کے لئے آسان نازل کیا ہے، پس کیا کوئی نصیحت قبول کرنے والا ہے!

پانچواں واقعہ: فرعونیوں کی تباہی کا

اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ فرعونیوں کے پاس پیغمبر پہنچے —— حضرات موسیٰ وہارون علیہما السلام پہنچے —— انھوں نے ہماری ساری ہی نشانیوں کو جھٹلایا —— دو نشانیاں بڑی تھیں: عصا اور ید بیضاء، اور سات نشانیاں چھوٹی تھیں: پانی کا سیلاب، ٹڈی دل، جوئیں یا چیچڑی یا سُرسُری، مینڈک، خون، قحط سالیاں اور پھلوں کی کمی —— پس ہم نے ان کو پکڑا

باقدرت زبردست کا پکڑنا! ـــــ پس اللہ کی پکڑ سے کوئی بچ نہیں سکا، سب کو بحر قلزم میں غرقاب کردیا!

اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ۝ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۝ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ۝ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ۝ يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ۝ اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ۝ وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ۝ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَآ اَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝ وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ۝ وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ ۝ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ۝ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ۝

اَكُفَّارُكُمْ	کیا تمہارے منکرین	وَيُوَلُّوْنَ	اور پھیریں گے وہ	فِي النَّارِ	آگ میں
خَيْرٌ	(سازوسامان میں)	الدُّبُرَ	پیٹھ	عَلٰى وُجُوْهِهِمْ	اپنے چہروں پر
	بہتر ہیں	بَلِ السَّاعَةُ	بلکہ قیامت	ذُوْقُوْا	چکھو
مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ	اُن سے	مَوْعِدُهُمْ	ان کے وعدے کا وقت ہے	مَسَّ سَقَرَ	آگ کا چھونا
اَمْ لَكُمْ	یا تمہارے لئے	وَالسَّاعَةُ	اور قیامت	اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ	بیشک ہم نے ہر چیز کو
بَرَآءَةٌ	بے باقی کا پروانہ ہے	اَدْهٰى[2]	بڑی آفت	خَلَقْنٰهُ	پیدا کیا ہے اس کو
فِي الزُّبُرِ[1]	کتابوں میں	وَاَمَرُّ[3]	اور بہت کڑوی ہے	بِقَدَرٍ	خاص اندازے سے
اَمْ يَقُوْلُوْنَ	یا کہتے ہیں وہ	اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ	بے شک بدکار	وَمَآ اَمْرُنَآ	اور نہیں ہمارا معاملہ
نَحْنُ جَمِيْعٌ	ہم جتھا ہیں	فِيْ ضَلٰلٍ	گمراہی میں	اِلَّا وَاحِدَةٌ	مگر یکبارگی
مُّنْتَصِرٌ	بدلہ لینے والے	وَّسُعُرٍ	اور جنوں میں ہیں	كَلَمْحٍ	جیسے جھپکنا
سَيُهْزَمُ	عنقریب شکست کھائے گا	يَوْمَ	(یاد کرو) جس دن	بِالْبَصَرِ	آنکھ کا
الْجَمْعُ	جتھا	يُسْحَبُوْنَ	گھسیٹے جائیں گے وہ	وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق

(۱) الزُّبُر: الزبور کی جمع: کتاب، زَبَرَ الکتاب: کتاب لکھنا (۲) أدھی: داھیة کا اسم تفضیل (۳) أَمَرّ: مُرٌّ کا اسم تفضیل۔

اَهۡلَكۡنَاۤ	ہلاک کیا ہم نے	فَعَلُوۡهُ	کیا انھوں نے اس کو	فِیۡ جَنّٰتٍ	باغات میں
اَشۡيَاعَكُمۡ	تمہارے ہم مشربوں کو	فِی الزُّبُرِ	کتابوں میں ہے	وَّنَهَرٍ	اور نہروں میں ہیں
فَهَلۡ	پس کیا	وَكُلُّ صَغِيۡرٍ	اور ہر چھوٹی	فِیۡ مَقۡعَدِ	بیٹھک میں
مِنۡ مُّدَّكِرٍ	کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟	وَّكَبِيۡرٍ	اور بڑی بات	صِدۡقٍ	سچی
		مُّسۡتَطَرٌ (۱)	لکھی ہوئی ہے	عِنۡدَ مَلِيۡكٍ	بادشاہ کے پاس
وَكُلُّ شَیۡءٍ	اور ہر چیز	اِنَّ الۡمُتَّقِيۡنَ	بے شک پرہیزگار	مُّقۡتَدِرٍ	بااختیار

امم ماضیہ کے واقعات سنا کر مشرکینِ مکہ سے تین سوالات

سوال (۱): ـــــ کیا موجودہ کافر پہلے کافروں سے کچھ اچھے ہیں؟ کیا تمہارے پاس ساز و سامان اور کرّ وفر گذشتہ اقوام سے کچھ زیادہ ہے، جو تم اللہ کے عذاب کو روک دو گے؟ ـــــ نہیں! گذشتہ قومیں دنیوی ساز و سامان میں مکہ والوں سے کہیں زیادہ تھیں، پھر بھی وہ اللہ کے عذاب کو روک نہ سکیں، پس یہ کیا روک لیں گے؟

سوال (۲): ـــــ کیا موجودہ کافر اللہ کے ہاں سے کوئی پروانہ لکھوالائے ہیں کہ وہ جو کچھ بھی شرارت کریں اللہ ان کو کوئی سزا نہیں دیں گے؟ ـــــ نہیں! ایسی کوئی فارغ خطّی ان کو لکھ کر نہیں دی۔

سوال (۳): ـــــ کیا تمہارا یہ زعم ہے کہ ہمارا جتھا بہت بڑا ہے، عذاب آئے گا تو تم ایک دوسرے کی مدد کرو گے اور عذاب کو روک دو گے، بلکہ عذاب بھیجنے والے سے بدلہ لو گے، اس کے دانت کھٹے کر دو گے۔

اگر ایسا خیال ہے تو اس کی حقیقت چند دنوں کے بعد معلوم ہو جائے گی، جب مسلمانوں سے مقابلہ ہوگا تو قلعی کھل جائے گی، پہلا مقابلہ بدر میں ہوا، اس وقت عذاب کا مزہ چکھا، شکست کھا کر پیٹھ پھیر کر بھاگے، اس دن نبی ﷺ کی زبانِ مبارک پر یہی آیت تھی: ﴿ سَيُهۡزَمُ الۡجَمۡعُ وَيُوَلُّوۡنَ الدُّبُرَ ﴾

﴿ اَكُفَّارُكُمۡ خَيۡرٌ مِّنۡ اُولٰٓئِكُمۡ اَمۡ لَكُمۡ بَرَآءَةٌ فِی الزُّبُرِ ﴿٤٣﴾ اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ نَحۡنُ جَمِيۡعٌ مُّنۡتَصِرٌ ﴿٤٤﴾ سَيُهۡزَمُ الۡجَمۡعُ وَيُوَلُّوۡنَ الدُّبُرَ ﴿٤٥﴾ ﴾

ترجمہ: (۱) کیا تمہارے منکرین (ساز و سامان میں) امم ماضیہ سے بہتر ہیں؟ (۲) یا تمہارے لئے (آسمانی) کتابوں میں کوئی معافی ہے؟ (۳) یا وہ کہتے ہیں کہ ہم بدلہ لینے والا جتھا ہیں؟ ـــــ جواب: ـــــ عنقریب جتھا شکست کھائے گا، اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے!

(۱) مُسۡتَطَر: اسم مفعول: سَطَرَ الكتاب: لکھنا۔

سزا کا اصل وقت قیامت کا دن ہے

دنیا میں سزا ملے نہ ملے کیا فرق پڑتا ہے؟ سزا کا اصل وقت قیامت کا دن ہے، اور قیامت بھاری مصیبت اور کڑوا گھونٹ ہے، ابھی مجرمین غفلت کے نشہ میں چور ہیں، مگر اُس دن دماغ درست ہوجائے گا جب وہ اوندھے منہ دوزخ میں گھسیٹے جائیں گے، اور کہا جائے گا: لو! اب دوزخ کی آگ کا مزہ چکھو!

﴿ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ۝ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ۝ يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ۝ ﴾

ترجمہ: بلکہ قیامت ان کا (اصل) وعدہ کا وقت ہے، اور قیامت بڑی سخت مصیبت اور بہت کڑوی چیز ہے، بے شک مجرمین (کفار آج) بڑی غلطی اور بے عقلی میں ہیں (یاد کرو) جس دن وہ چہروں کے بل دوزخ میں گھسیٹے جائیں گے (اور کہا جائے گا:) دوزخ کی آگ کا مزہ چکھو!

ہر چیز ایک اندازے سے پیدا کی گئی ہے

دنیا کے احوال میں غور کرو، ہر مخلوق ایک اندازے سے پیدا کی گئی ہے، کسی مخلوق کی عمر بہت زیادہ ہے، کسی کی کم، اور کسی کی بہت کم۔ برسات میں کیڑے پیدا ہوتے ہیں، ایک ہفتہ کے بعد مر جاتے ہیں، اور فرشتوں کی، آسمانوں کی، زمین کی اور پہاڑوں کی بڑی لمبی زندگی ہے، جنات کی عمریں ان سے کم ہیں، وہ بھی ایک وقت کے بعد مر جاتے ہیں، اور انسانوں کی عمریں شروع میں لمبی تھیں، پھر گھٹتی چلی گئیں، اسی طرح ہر چیز کی بقاء کے لئے اللہ نے ایک اندازہ مقرر کیا ہے، دنیا کی بقاء کے لئے بھی ایک وقت ٹھہرایا ہے، جب وہ وقت آجائے گا تو آناً فاناً دنیا ختم کردی جائے گی، پلک جھپکتے دنیا نابود ہوجائے گی، اور دوسری دنیا آباد ہوگی۔

﴿ اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ۝ وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ۝ ﴾

ترجمہ: بے شک ہم نے ہر چیز کو ایک اندازے سے پیدا کیا ہے، اور ہمارا (دنیا کو ختم کرنے کا) معاملہ بس یکبارگی ہوگا، جیسے آنکھ کا جھپکنا!

دنیا کی سزا عبرت کے لئے ہے، اور آخرت کی سزا کے لئے ریکارڈ تیار ہے

دنیا میں کفار کو جو سزا دی جاتی ہے وہ عبرت کے لئے ہوتی ہے، پس ضروری نہیں کہ ہر کافر کو دنیا میں سزا ملے، فرماتے ہیں: مکہ کے کافروں کی قماش (جنس) کے بہت سے کافروں کو ہم پہلے تباہ کر چکے ہیں، پس کیا تم میں کوئی ان کے حال

سے عبرت حاصل کرنے والا ہے؟ اور اصل سزا تو آخرت کی ہے، اور لوگوں کے چھوٹے بڑے تمام اعمال لوح محفوظ میں ریکارڈ ہیں، اور نامۂ اعمال میں بھی درج ہیں، یہ مسل قیامت کے دن مجرموں کے سامنے رکھ دی جائے گی۔

﴿ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَآ اَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ۝ وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ۝ وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ۝ ﴾

ترجمہ: اور ہم نے تمہارے ہم مشربوں کو ہلاک کیا، پس کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟ اور لوگوں نے جو کچھ بھی کیا ہے سب کتابوں میں ہے، اور ہر چھوٹی بڑی چیز (نامہ اعمال میں) لکھی ہوئی ہے۔

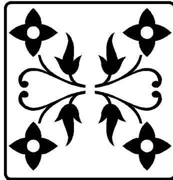
مجرمین کے بعد متقین کا انجام

قرآن کا طریقہ ہے، ایک کے انجام کے بعد دوسرے کا انجام بیان کرتا ہے، پرہیزگار باغات میں عیش کریں گے، اور نہروں میں مزے لیں گے، اور سچے مرتبہ میں ہونگے ﴿مَقْعَدِ صِدْقٍ﴾ میں موصوف کی صفت کی طرف اضافت ہے یعنی یہ مرتبہ جو ان کو ملے گا وہ یقینی ہے، اور ہمیشہ باقی رہنے والا اور لازوال ہے، دنیا کے مرتبوں کی طرح نہیں جو زائل ہوجاتے ہیں، اور ان کو بااختیار بادشاہ (اللہ تعالیٰ) کا قرب حاصل ہوگا، پس زہے قسمت!

﴿ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ نَهَرٍ۝ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ۝ ﴾

ترجمہ: بے شک پرہیزگار باغوں اور نہروں میں ہونگے، سچے مرتبہ میں قدرت والے بادشاہ کے پاس!

﴿۲۱/ جمادی الاخری ۱۴۳۷ھ = ۳۱/ مارچ ۲۰۱۶ء﴾



أَلَا لَا آلَاءَ إِلَّا آلَاءَ الإِلٰه

سنو! نعمتیں صرف اللہ کی نعمتیں ہیں

سورۃ الرحمان

آلَاء: إِلْيٌ اور أَلْيٌ کی جمع ہے، اس کے معنی ہیں: نعمت، یہ لفظ اس سورت میں ۳۱ بار آیا ہے، اس لئے اس کے معنی اچھی طرح ذہن نشین کر لینے چاہئیں، سورت کا نام پہلے لفظ سے الرحمان رکھا ہے، رحمان کے معنی ہیں: نہایت مہربان، اور رحیم کے معنی ہیں: بڑے مہربان، پس رحمان: رحیم سے عام ہے، رحمان: وہ ہستی ہے جس کی مہربانی مؤمن وکافر سب کو عام ہو، اور رحیم: وہ ہستی ہے جو آخرت میں صرف مؤمنین پر مہربانی فرمائے۔

یہ سورت مکی ہے یا مدنی؟ —— اس میں اختلاف ہے، اس کا نزول کا نمبر ۹۷ ہے، پس یہ سورت مدنی ہونی چاہئے، کیونکہ مکی سورتیں کل ۸۵ ہیں، اور یہ سورت نبی ﷺ نے جنات کے سامنے پڑھی ہے، جب لیلۃ الجن میں آپؐ ان کے مجمع میں تشریف لے گئے، پس یہ مکی سورت ہونی چاہئے، مصاحف میں بھی اختلاف ہے، کسی میں مکی لکھا ہے، کسی میں مدنی، راجح مکی ہونا ہے۔

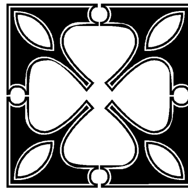
یہ قرآنِ کریم کی اہم سورت ہے: مشکوۃ شریف میں (حدیث ۲۱۸۰) بیہقی رحمہ اللہ کی شعب الایمان سے حدیث ہے: **لکل شیئ عَرُوس، وَعَرُوْسُ القرآنِ الرحمانُ**: ہر چیز کے لیے دلہن ہوتی ہے، اور قرآن کی دلہن سورۃ الرحمان ہے، دلہن: یعنی اہم چیز، برات میں دلہن اہم ہوتی ہے، اسی لیے وہ منہ دکھائی کے پیسے لیتی ہے، اور لوگ ممالک، محلات اور نمائشیں دیکھنے جاتے ہیں تو اہم چیزوں کو دیکھتے ہیں، وہی اس کی دلہنیں ہیں، پس یہ سورت قرآنِ کریم کی اہم سورت ہے، دلہن کا یہی مطلب ہے۔

تردید وتکریر: دونوں لفظوں کے معنی ایک ہیں: بار بار لانا، دوہرانا، مگر اصطلاح میں تھوڑا فرق ہے، کلام کی ایک مقدار کے بعد ایک ہی جملہ مکرر آئے تو اس کو تردید کہتے ہیں، جیسے سورۂ شعراء میں: ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ﴾ بار بار آیا ہے، اور سورۃ القمر میں: ﴿فَكَیْفَ كَانَ عَذَابِیْ وَنُذُرِ ۝ وَلَقَدْ

یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴾ بار بار آیا ہے، اور سورۃ مرسلات میں: ﴿ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴾ کئی مرتبہ آیا ہے: یہ تردید ہے —— اور ہر جملہ کے بعد ایک ہی جملہ بار بار آئے تو اس کو تکریر کہتے ہیں، اس کی ایک ہی مثال ہے، سورۃ الرحمٰن میں اکتیس مرتبہ: ﴿ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴾ آیا ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ قرآنِ کریم شاعری نہیں، مگر شاعری کی خوبیاں اور حلاوت اپنے جلو میں لئے ہوئے ہے، جیسے شرابِ جنت میں نشہ نہیں، مگر سرور ہے، اسی طرح تردید وتکریر سے طبیعت میں سرور وفرحت پیدا ہوتی ہے، اس لئے قرآن میں اس کا بھی نمونہ ہے، نظموں میں حلاوت ہی کے لیے مطلع بار بار دوہرایا جاتا ہے، اور مہلہل (جاہلی شاعری) نے ایک قصیدہ میں پہلا مصرعہ بار بار دوہرایا ہے (روح) سورۃ الرحمان میں اس کے برعکس دوسرا جملہ بار بار آیا ہے۔

سورت کا موضوع: اس سورت میں پرہیزگار مؤمنین کو آخرت میں ملنے والی نعمتوں کا بیان ہے، گذشتہ سورت میں امم ماضیہ کی ہلاکت اور قیامت کا ذکر تھا، مگر متقیوں کا اخروی انجام صرف دو آیتوں میں بیان کیا تھا، اس لئے ان کا انجام تفصیل سے اس سورت میں بیان کیا ہے۔



(۵۵) سُوْرَةُ الرَّحْمٰنِ مَدَنِيَّةٌ (۹۷)

اٰیاتھا ۷۸ — رکوعاتھا ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلرَّحْمٰنُ ۙ﴿۱﴾ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ؕ﴿۲﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۙ﴿۳﴾ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ﴿۴﴾ اَلشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۙ﴿۵﴾ وَّالنَّجْمُ وَ الشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ﴿۶﴾ وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۙ﴿۷﴾ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ﴿۸﴾ وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ﴿۹﴾ وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ۙ﴿۱۰﴾ فِيْهَا فَاكِهَةٌ ۙ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ۖ﴿۱۱﴾ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَ الرَّيْحَانُ ﴿۱۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۳﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۙ﴿۱۴﴾ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۚ﴿۱۵﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۶﴾ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ۚ﴿۱۷﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۸﴾ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ۙ﴿۱۹﴾ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ۚ﴿۲۰﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۱﴾ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ۚ﴿۲۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۳﴾ وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ۚ﴿۲۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۵﴾

ع ۱۱/۴۵

اَلرَّحْمٰنُ	نہایت مہربان اللہ نے	عَلَّمَهُ	سکھلایا اس نے اس کو	وَّالنَّجْمُ (۳)	اور بیلیں
عَلَّمَ	سکھلایا	الْبَيَانَ (۱)	دل کی بات سمجھانا	وَ الشَّجَرُ	اور درخت
الْقُرْاٰنَ	قرآن	اَلشَّمْسُ	سورج	يَسْجُدٰنِ	دونوں سجدہ کرتے ہیں
خَلَقَ	پیدا کیا اس نے	وَ الْقَمَرُ	اور چاند	وَالسَّمَآءَ	اور آسمانوں کو
الْاِنْسَانَ	انسان کو	بِحُسْبَانٍ (۲)	حساب سے چل رہے ہیں	رَفَعَهَا	بلند کیا اس نے اس کو

(۱) البیان: مصدر، بان بَیَانا: کھولنا، واضح کرنا یعنی دل کی بات الفاظ کے ذریعہ سمجھانا، یہ نُطق سے عام ہے، لکھ کر سمجھانا بھی بیان ہے۔ (۲) حُسبان: باب حسب کا مصدر ہے بمعنی حساب (۳) النجم: بلیدار گھاس، اس کے معنی ستارہ کے بھی ہیں۔

وَوَضَعَ	اور رکھ دیا اس نے	وَالْحَبُّ	اور غلہ	رَبِّكُمَا	اپنے رب کی
الْمِيْزَانَ(۱)	توازن	ذُو الْعَصْفِ	بھوسے والا	تُكَذِّبٰنِ	جھٹلاؤ گے تم دونوں
اَلَّا(۲)	کہ نہ	وَالرَّيْحَانُ(۵)	اور خوشبودار پھول (روزی)	رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ	دو مشرقوں کے پروردگار
تَطْغَوْا	زیادتی کرو تم	فَبِاَيِّ	پس کونسی	وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ	اور دو مغربوں کے پروردگار
فِي الْمِيْزَانِ	ترازو میں	اٰلَآءِ(۶)	نعمتوں کو	فَبِاَيِّ	پس کونسی
وَاَقِيْمُوا	اور سیدھا کرو تم	رَبِّكُمَا	اپنے رب کی	اٰلَآءِ	نعمتوں کو
الْوَزْنَ	تول کو	تُكَذِّبٰنِ	جھٹلاؤ گے تم دونوں	رَبِّكُمَا	اپنے رب کی
بِالْقِسْطِ	انصاف کے ساتھ	خَلَقَ	پیدا کیا اللہ نے	تُكَذِّبٰنِ	جھٹلاؤ گے تم دونوں
وَلَا تُخْسِرُوا	اور نہ گھٹاؤ تم	الْاِنْسَانَ	انسان کو	مَرَجَ	بہایا (چلایا)
الْمِيْزَانَ	ترازو کو	مِنْ صَلْصَالٍ	کھنکھناتی مٹی سے	الْبَحْرَيْنِ	دو دریاؤں کو
وَالْاَرْضَ	اور زمین کو	كَالْفَخَّارِ	جیسے ٹھیکری	يَلْتَقِيٰنِ(۹)	ملتے ہیں دونوں
وَضَعَهَا	رکھ دیا اللہ نے اس کو	وَخَلَقَ	اور پیدا کیا	بَيْنَهُمَا	دونوں کے درمیان
لِلْاَنَامِ(۳)	مخلوقات کے لئے	الْجَآنَّ	جانّ کو	بَرْزَخٌ	ایک آڑ ہے
فِيْهَا	اس میں	مِنْ مَّارِجٍ(۷)	ملنے والی	لَا يَبْغِيٰنِ	نہیں زیادتی کرتے دونوں
فَاكِهَةٌ	میوے ہیں	مِّنْ نَّارٍ(۸)	آگ سے	فَبِاَيِّ	پس کونسی
وَّالنَّخْلُ	اور کھجور کے درخت	فَبِاَيِّ	پس کونسی	اٰلَآءِ	نعمتوں کو
ذَاتُ الْاَكْمَامِ(۴)	غلاف والے	اٰلَآءِ	نعمتوں کو	رَبِّكُمَا	اپنے رب کی

(۱) المیزان: اسم مصدر ہے، اور وزن کے معنی ہیں: تعدیلٌ و استقامة: برابر کرنا اور درست کرنا (ابن فارس) میں نے اس کا ترجمہ توازن کیا ہے (۲) أَلَّا: أن لا (۳) الأنام: زمین کی تمام مخلوقات ما ظهر على الأرض من جميع الخلق (لسان العرب) اور خاص طور پر جنّ وانس کو بھی أنام کہا جاتا ہے، أو الجنّ والإنس، وبه فُسِّر قوله تعالىٰ: ﴿وَالْأَرْضَ وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ﴾ وهما الثقلان (تاج العروس) (۴) الأكمام: كِمّ کی جمع: غلاف جو پھل پر لپٹا ہوا ہو (۵) الريحان: کے دو معنی کئے گئے ہیں: (۱) ہر خوشبودار پھول (۲) رزق روزی (۶) آلآء: أَلْيٌ اور إِلْيٌ کی جمع: نعمتیں (۷) مارج: اسم فاعل، مَرَجَ الشيئَ (ن) مَرْجًا: ملانا، ایک کو دوسرے سے جوڑنا، جیسے مرج البحرین: دو سمندروں کو ملایا، اور مِن: ابتدائیہ ہے (۸) من نار: میں من: بیانیہ ہے، یامن نار: بدل ہے، المَرْج: الإجراء (لسان العرب) (۹) یلتقیان: حال یا صفت ہے۔

تُكَذِّبٰنِ	جھٹلاؤ گے تم دونوں	اٰلَآءِ	نعمتوں کو	فِي الْبَحْرِ	سمندر میں
يَخْرُجُ	نکلتے ہیں	رَبِّكُمَا	اپنے رب کی	كَالْاَعْلَامِ (۴)	پہاڑوں جیسی
مِنْهُمَا	دونوں سے	تُكَذِّبٰنِ	جھٹلاؤ گے تم دونوں	فَبِاَيِّ	پس کونسی
اللُّؤْلُؤُ	موتی	وَلَهُ	اور اس کے لئے	اٰلَآءِ	نعمتوں کو
وَالْمَرْجَانُ	اور مونگے (۱)	الْجَوَارِ (۲)	کشتیاں ہیں	رَبِّكُمَا	اپنے رب کی
فَبِاَيِّ	پس کونسی	الْمُنْشَئٰتُ (۳)	اُبھری ہوئی	تُكَذِّبٰنِ	جھٹلاؤ گے تم دونوں

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

زمین پر دو مکلّف مخلوقات (جنّ وانس) ایک ساتھ بسی ہوئی ہیں

اور دونوں کی روحانی اور مادی ضرورتوں کا اللہ نے انتظام کیا ہے

سورۃ الذاریات کی (آیت ۵۶) ہے: ﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴾: اور میں نے جنات اور انسانوں کو اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں۔ یہ دونوں مخلوقات زمین میں ایک ساتھ آباد ہیں، اور دونوں مکلّف ہیں، اللہ کی بندگی کے لئے پیدا کی گئی ہیں، دونوں کو احکام کی تعمیل وعدم تعمیل پر جزاؤسزا ہوگی۔

ان دونوں مخلوقات میں اللہ تعالیٰ نے لطافت وکثافت کا فرق رکھا ہے، انسان خاکی مخلوق ہے، اور جنات ناری، اور خاک: آگ سے کثیف ہے، اور لطیف کو کثیف نظر آتا ہے، پس جنات کو انسان نظر آتے ہیں، اور کثیف کو لطیف نظر نہیں آتا، اس لئے انسانوں کو جنات نظر نہیں آتے، جیسے ہمیں فرشتے نظر نہیں آتے، کیونکہ وہ جنات سے بھی لطیف ہیں، وہ نوری مخلوق ہیں، اور نور: نار سے بھی لطیف ہے۔

اور دونوں مخلوقات کی مادی (جسمانی) ضرورتیں پوری کرنے کے لئے اللہ نے چاند سورج کا نظام بنایا ہے، آسمان اونچا بنایا، نظام شمسی اس کے نیچے رکھا اور زمین بچھائی اور اس میں ہر طرح کی ضرورتیں پیدا کیں۔

اور روحانی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے نبوت کا سلسلہ قائم فرمایا، انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ ہدایات نازل کیں، آخر

(۱) مونگا: ایک قسم کے سمندری کیڑوں کا گھر، اور مرجان کے معنی: چھوٹے موتی بھی کئے گئے ہیں (۲) الجوار: الجارية کی جمع: کشتی (۳) المنشآت: المنشأة کی جمع: اسم مفعول، إنشاء مصدر: سطح سمندر سے اونچی ابھری ہوئی کشتی، وہ کشتیاں جن کے بادبان اونچے ہوں، بادبان: وہ کپڑا جو کشتی کی رفتار تیز کرنے کے لئے یا اس کا رخ موڑنے کے لئے لگاتے ہیں (۴) أعلام: علَم کی جمع: پہاڑ۔

میں قرآنِ کریم اتارا، جواس کو سیکھنا چاہتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ قرآن کا علم عطا فرماتے ہیں، ساتھ ہی قوتِ بیانیہ بھی دی، تاکہ قرآن سیکھا ہوا دوسروں کی بھی راہ نمائی کرے، اب جو بندے اللہ کی ان نعمتوں کا انکار کرتے ہیں، اور اللہ کی بندگی نہیں کرتے وہ ناہنجار (بے راہ) اور نالائق ہیں، یہ آیات پاک کا خلاصہ ہے، آگے قرآن کے بیان کے مطابق تقریر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مکلّف مخلوقات کی روحانی ضرورتوں کا سامان کیا

روحانی ضرورت ماڈی ضرورت سے اہم ہے، اس لئے اس کو مقدم کیا ہے، چونکہ اللہ تعالیٰ رحمان (نہایت مہربان) ہیں، دنیا میں سبھی بندوں پر کرم کی بارش فرماتے ہیں، اس لئے ان کی مہربانی کا تقاضا ہوا کہ مکلّف مخلوقات کی روح کی بالیدگی کا سامان کریں، جنات کا وجود انسان سے پہلے ہے، انسانوں کی تخلیق سے پہلے ان میں نبوت کا سلسلہ ہوگا، پھر جب انسان کو پیدا کیا تو نبوت انسانوں میں سمٹ آئی، اب جنات دینی راہ نمائی میں انسانوں کے تابع ہیں، اور ان میں بھی وہ تمام فرقے ہیں جو انسانوں میں ہیں، ان میں مسلمان، ہندو، عیسائی، یہودی وغیرہ سب فرقے ہیں۔

اور پہلا انسان پہلا نبی ہے، پھر یہ سلسلہ چلتا رہا، اللہ کی ہدایات اور کتابیں نازل ہوتی رہیں، تا آنکہ خاتم النّبیین ﷺ پر آخری کتاب نازل ہوئی، اب جو لوگ اس پر ایمان لائیں گے اور اس کو سیکھنا چاہیں گے، اللہ تعالیٰ ان کو علوم قرآنی سے بہرہ ور فرمائیں گے، اور جو روگردانی کریں گے وہ محروم رہیں گے۔

اللہ کی سنت یہ ہے کہ خلق اللہ کرتے ہیں اور کسب بندے، جب بندہ اپنے جزوی اختیار سے کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کام کو وجود بخشتے ہیں، پس قرآن پر ایمان کی توفیق اور قرآن کا علم اسی کو ملتا ہے جو اس کے لئے جتن کرتا ہے، اس لئے فرمایا کہ نہایت مہربان اللہ نے قرآن سکھایا یعنی دورِ آخر میں قرآن نازل کیا، اور جو اس پر ایمان لایا، اور اس نے سیکھنا چاہا اس کو علوم قرآنی سے بہرہ ور کیا۔

اور انسان اور جنات دونوں حیوان ناطق ہیں، ناطق کے معنی ہیں: الفاظ کی مدد سے اپنی بات دوسرے کو سمجھانا، اور دوسرا جو سمجھائے اس کو سمجھنا، یہ خوبی اللہ نے جنّ وانس دونوں میں رکھی ہے، دیگر مخلوقات أَعْجَم (بے زبان) ہیں، محض بولنا ناطق کے اصطلاحی معنی نہیں، بولتی تو ہر مخلوق ہے، اور انسان کے اس وصف کا نام قوتِ بیانیہ ہے، بیان: قرآنی اصطلاح ہے اور وہ ناطق سے زیادہ واضح ہے، یہ قوت انسان کو اس لئے دی ہے کہ جس نے قرآن سمجھ لیا ہے وہ دوسروں کو سمجھائے اور انسان کی تخصیص اس لئے کی ہے کہ وہ جنّ وانس دونوں کو سمجھاتا ہے، اور جنات صرف جنات کو سمجھاتے ہیں، علاوہ ازیں جنات نبوت میں انسانوں کے تابع ہیں۔

﴿ اَلرَّحْمٰنُ ۙ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ؕ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۙ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝ ﴾

ترجمہ وتفسیر: نہایت مہربان ہستی نے قرآن سکھایا ــــ یعنی نازل فرمایا، پھر جس نے سیکھنا چاہا اس کو سکھایا ــــ اس نے انسان کو پیدا کیا اور اس کو مافی الضمیر ادا کرنا سکھایا ــــ تا کہ قرآن سیکھا ہوا دوسروں کو سکھلائے۔

اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی مادّی ضرورتوں کا بھی انتظام کیا

مکلّف مخلوق دو چیزوں کا مجموعہ ہے: روح اور جسم، دونوں کی ضرورتیں الگ الگ ہیں، اہم روحانی ضرورت ہے، اس کا بیان ہو چکا، اور جسم کی ضرورت بھی کچھ کم اہم نہیں، اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے تین انتظامات کئے ہیں:

۱- چاند، سورج کا نظام بنایا، دونوں حساب سے (Regular) چل رہے ہیں، لاکھوں سال ہو گئے ان کی چال میں فرق نہیں پڑا، شب و روز اور گرمی سردی کا تعلق اسی نظام سے ہے، اور بیلیں اور درخت بھی اس نظام سے وابستہ ہیں، سورج اور چاند ان کی نشو و نما میں اثر انداز ہوتے ہیں، سورج کی گرمی سے ہر چیز پلتی بڑھتی اور پکتی ہے، اور چاند کی روشنی سے پھلوں میں مٹھاس پیدا ہوتی ہے، یہ تو چاند کی سیدھی چال کا ثمرہ ہے، اور الٹی چال سے عبادتوں کے سیزن بدلتے ہیں، رمضان کبھی گرمیوں میں آتا ہے کبھی سردیوں میں۔

۲- اللہ تعالیٰ نے اونچا آسمان بنایا، اتنا اونچا کہ ہم اس کا اندازہ نہیں کر سکتے، اتنی اونچی چھت کس سہارے پر ٹکی ہوئی ہے؟ ایک توازن (Balance) ہے جو اس کو تھامے ہوئے ہے، سورۃ لقمان (آیت ۱۰) میں ہے: ﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا﴾: اللہ نے آسمانوں کو بلا ستون بنایا، تم ان کو دیکھ رہے ہو، یعنی جو تمہیں نظر آ رہا ہے، اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ آسمان کے ستون ہیں، مگر وہ نظر نہیں آتے، اسی کا نام توازن ہے، جیسے ستارے اور سیارے باہمی کشش سے اپنی جگہ ٹھہرے ہوئے ہیں، اسی طرح کا توازن آسمان کو روکے ہوئے ہے۔

اور یہ توازن (دو چیزوں کی برابری) ہر چیز میں ضروری ہے، خاص طور پر معاملات اور لین دین میں عدل و انصاف ضروری ہے، ڈنڈی مارنا جائز نہیں، کیونکہ بندوں کو اللہ کی خوبیاں اپنے اندر پیدا کرنی چاہئیں، جب اللہ نے آسمان متوازن بنایا ہے تو ضروری ہے کہ لوگ معاملات ٹھیک سے کریں، ورنہ معاشی نظام درہم برہم ہو جائے گا۔

۳- جنّ و انس کے فائدے کے لئے اللہ نے زمین بچھائی، اور اس میں ان کی بے شمار منفعتیں رکھ دیں، مثلاً:

(الف) زمین میں میوے پیدا کئے، میوہ: جس کو لطف کے لئے کھایا جائے (تمبا کو میوہ نہیں) جیسے انگور کھجور وغیرہ۔ کھجور کا جب پھول نکلتا ہے تو دانہ نرم و نازک ہوتا ہے، اور بہت بلندی پر ہوتا ہے اس لئے گرمی سے جھلس سکتا ہے، اس لئے حفاظت کے لئے اس پر غلاف چڑھا دیا، پھر جب دانہ گرمی برداشت کرنے کے قابل ہو جاتا ہے تو گابھا آگے بڑھ جاتا ہے اور پیچھے دانے نمودار ہو جاتے ہیں، جیسے جنین میں روح پڑنے کے بعد اس کو چار ماہ بچہ دانی میں رکھا جاتا ہے، پھر پیدا

(ظاہر) ہوتا ہے، اس سے پہلے پیٹ سے نکل آئے گا تو دنیا کی آب وہوا برداشت نہیں کرسکے گا۔

(ب) اللہ نے زمین میں غلہ پیدا کیا، اس کا دانہ بھی شروع میں نرم ہوتا ہے، اس لئے اس پر بُھس لپیٹ دیا، پھر جب اندر غلہ پک جاتا ہے اور دانہ سخت ہوجاتا ہے تو اس کو بھس سے نکال لیا جاتا ہے، اور بھس بھی بیکار نہیں جاتا، جانور کھاتے ہیں اور دودھ دیتے ہیں۔

(ج) ریحان کے دو معنی کئے ہیں: (۱) خوشبودار پھول، پس یہ میوہ کا مقابل ہے، میوے لطف کے لئے کھائے جاتے ہیں اور پھول دلچسپی سے سونگھے جاتے ہیں (۲) روزی، خواہ کوئی ہو، پس یہ غلہ کا مقابل ہے، یعنی غلہ کے علاوہ بھی اللہ نے انسان کی روزی پیدا کی ہے۔

﴿اَلشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۝ وَّالنَّجْمُ وَ الشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ۝ وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۝ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ۝ وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ۝ وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ۝ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ۝ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَ الرَّيْحَانُ ۝﴾

ترجمہ اور تفسیر: سورج اور چاند حساب سے چلتے ہیں، اور بیلیں اور درخت مطیع ہیں ــــ یعنی دونوں جس مقصد کے لئے پیدا کئے گئے ہیں: اس کی تکمیل میں لگے ہوئے ہیں ــــ اور اس نے آسمان کو اونچا کیا، اور توازن قائم کردیا ــــ یہاں میزان کے معنی: معروف ترازو نہیں، بلکہ بیلنس ہے، المَوْرِد (انگریزی۔عربی لغت) میں بیلنس کا ترجمہ میزان کیا ہے، اور ابن فارس نے مَقَاييْسُ اللغة میں مادہ کے معنی تعدیل اور استقامة: برابر کرنا اور صحیح کرنا: کئے ہیں، اور یہ محاورات لکھے ہیں: قَامَ مِيْزَانُ النهار: دن آدھا ہوگیا، هذا يُوْزَنُ ذلك: یہ اس کے برابر ہے، وَزِيْنُ الرأى: معتدل رائے والا، رَاجِحُ الْوَزْن: بہترین رائے والا، مضبوط رائے والا، معروف ترازو بھی دو چیزوں کو برابر کرتا ہے اس لئے اس کو میزان کہتے ہیں ــــ (اور حکم دیا:) کہ تم تولنے میں کمی بیشی مت کرو ــــ یہ منفی پہلو سے حکم ہے ــــ اور تم انصاف کے ساتھ ٹھیک تولو ــــ یہ مثبت پہلو سے حکم ہے ــــ اور تول کو گھٹاؤ مت! ــــ یہ تاکید کے لئے تیسری مرتبہ منفی پہلو سے حکم دیا۔

فائدہ: قرآنِ کریم کا اسلوب یہ ہے کہ جب وہ کوئی بات بیان کرتا ہے تو اس کو ضروری حد تک بڑھاتا ہے، یہاں آسمان کے توازن کا ذکر آیا تو معاملات میں توازن کی تاکید کی۔

اور اس نے زمین کو خلقت کے فائدے کے لیے رکھ دیا، جس میں میوے اور غلاف والے کھجور کے درخت اور بُھس والا غلہ اور خوشبودار پھول/ رزق ہے ــــ پس تم (اے جن وانس) اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے! ــــ یعنی کیا

یہ نعمتیں ایسی ہیں کہ ان کا انکار کیا جائے؟ جواب: پروردگار! ہم آپ کی کسی نعمت کا انکار نہیں کرتے، ہر حمد وثنا آپ کے لئے ہے! ـــــ سوال: جنات کا ذکر اب تک نہیں آیا، پھر ﴿ تُكَذِّبٰنِ ﴾ میں تثنیہ کی ضمیر کیسے لوٹائی؟ جواب: ﴿ اَلْاَنَامِ ﴾ میں ان کا ضمناً ذکر آ گیا ہے، اور آگے صراحۃً آ رہا ہے۔

فائدہ: ارشادِ پاک: ﴿ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ؟﴾: آگے تیس مرتبہ اور آئے گا، سب جگہ مذکورہ جواب دینا ہے اس کی ہر آیت کے بعد تفسیر نہیں کی جائے گی، کیونکہ یہ تکریر ہے، اور اس کا مقصد غافل کو بیدار کرنا ہے، جیسے خواجہ مجذوب صاحب رحمہ اللہ کی ایک نظم میں چار مصرعوں کے بعد یہ شعر آتا ہے:

ایک دن مرنا ہے، آخر موت ہے! ❁ کر لے جو کرنا ہے، آخر موت ہے!

اس کا مقصد یہ ہے کہ دل پر چوٹ لگے، اور آدمی غفلت سے ہوش میں آئے، اسی طرح اس ارشاد کو سمجھنا چاہئے۔

جنّ وانس کی تخلیق کا مادہ ذرا مختلف ہے، مگر دونوں زمین میں ایک ساتھ آباد ہیں

خلقت کی مادی ضروریات کے بیان سے فارغ ہو کر اب یہ بات بیان فرماتے ہیں کہ جنّ وانس کا مادۂ تخلیق اگرچہ مختلف ہے، مگر دونوں کا مسکن یہی زمین ہے، دونوں عناصر اربعہ (آگ، پانی، ہوا، مٹی) سے پیدا کئے گئے ہیں، مگر حضرت آدم علیہ السلام ٹھیکری کی طرح بجتی مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں، یعنی ان کے آمیزہ (خمیر) میں خاک کا غلبہ ہے، اس لئے انسان خاکی مخلوق کہلاتی ہے، اور جنات کے دادا جانّ کے آمیزہ میں آگ کا غلبہ ہے، اس لئے جنات ناری مخلوق کہلاتی ہے، اور مادہ کے اس اختلاف کی وجہ سے انسان کثیف اور جنات لطیف ہیں۔

اور معجون میں مفردات کا اثر آتا ہے، مٹی پامال رہتی ہے، اس لئے انسان کے مزاج میں تواضع ہے، اور آگ کے مزاج میں استعلاء (اوپر کو اٹھنا) ہے، اس لئے جنات کے مزاج میں سرکشی ہے، تاہم دونوں اللہ کے بندے ہیں، جیسے دو مشرقوں اور دو مغربوں کے رب اللہ تعالیٰ ہیں، گرمیوں میں سورج خط استواء کے قریب چلا جاتا ہے، اور مقابل نقطہ میں غروب ہوتا ہے، اور سردیوں میں جنوب کی طرف نیچے چلا جاتا ہے اور مقابل نقطہ میں ڈوبتا ہے، اس لئے آثار مختلف ہوتے ہیں۔ ایک وقت نہایت گرم اور دوسرا وقت نہایت سرد ہوتا ہے، مگر دونوں کے پروردگار اللہ تعالیٰ ہیں، اسی طرح جنات اور انسانوں کے پروردگار اللہ ہی ہیں، اگرچہ دونوں کے مزاج مختلف ہیں۔

دوسری مثال: دو دریا ہیں، سمندر کا پانی شور (کڑوا) ہوتا ہے، اور اس میں میٹھے پانی کے دریا گرتے ہیں، اور دور تک بہتے چلے جاتے ہیں اور الگ الگ رہتے ہیں، اسی طرح جب سمندر میں جوار بھاٹا ہوتا ہے تو سمندر کا پانی ساتھ لگے دریاؤں پر چڑھ آتا ہے، مگر میٹھے پانی کے ساتھ ملتا نہیں، دونوں پانیوں کے درمیان ایک آڑ ہے جو ملنے نہیں دیتی،

اور وہ ہلکا بھاری ہونے کی آڑ ہے، کڑوا پانی ہلکا ہوتا ہے اور میٹھا پانی بھاری، جیسے پانی میں تیل ڈالیں تو نہیں ملے گا، کیونکہ تیل ہلکا ہوتا ہے۔

اور جب میٹھا دریا سمندر میں گرتا ہے تو تلقیح (قلم کاری) ہوتی ہے، اور اس جگہ موتی مونگے پیدا ہوتے ہیں جو دنیا کی بڑی نعمت ہیں، سمندر کے بیچ میں موتی نہیں پیدا ہوتے، اسی طرح جنات اور انسان زمین میں ایک ساتھ رہتے ہیں، مگر دونوں ملتے نہیں، اور دونوں کے ایک ساتھ ہونے میں فوائد ہیں جن کو اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں، جیسے انسان کی تخلیق کے وقت فرشتوں نے دبی زبان میں اعتراض کیا تھا، پس اللہ تعالیٰ نے ان کو جواب دیا: ﴿اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾: میں جو مصلحت جانتا ہوں اس کو تم نہیں جانتے [البقرۃ ۳۰] اسی طرح دونوں مخلوقات کے ساتھ ہونے میں جو مصلحت ہے اس کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں۔

پھر ایک سوالِ مقدر کا جواب: ہے کہ جنات سرکش مخلوق ہے، وہ زمین میں انسان کو کیسے پنپنے دے گی؟ جواب: اللہ انسانوں کے محافظ ہیں، جنات انسانوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے، جیسے سمندر میں پہاڑوں جیسے جہاز کھڑے ہیں اور ڈوبتے نہیں، حالانکہ تولہ بھر وزن پانی پر نہیں رکتا، اور جہاز نہیں ڈوبتے: ﴿لَهُ﴾ میں اس کی وجہ ہے کہ یہ جہاز اللہ کی حفاظت میں ہیں، اس لئے پانی ان کو ڈبو نہیں سکتا، اسی طرح انسان اللہ کی حفاظت میں رہیں گے، جنات ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔

آیت کا ماسیق لاجلہ الکلام تو یہی ہے کہ یہ سوالِ مقدر کا جواب ہے، لیکن ساتھ ہی بڑی کشتیاں اللہ کی بڑی نعمت بھی ہیں، قدیم زمانے میں اِن ہی جہازوں کے ذریعے ایک برِّ اعظم سے دوسرے براعظم تک پہونچتے تھے۔ اور بڑی تجارتیں اُن کے ذریعے وجود میں آتی تھیں، اِس لیے اِن میں نعمت کا پہلو بھی ہے۔

سوال: جنات تو انسانوں کو لگتے ہیں اور پریشان کرتے ہیں؟

جواب: انسان بھی وظیفے پڑھ کر جنات کو تابع کرتے ہیں، پس حساب برابر ہو گیا، دوسرا جواب: یہ ہے کہ یہ شاذ واقعات ہیں، جیسے انسان کو اللہ نے بہترین سانچے میں ڈھالا ہے، مگر بعض انسان لولے لنگڑے اور اندھے کانے ہوتے ہیں، یہ شاذ واقعات ہیں، ان سے اعتراض نہیں ہو سکتا، یہ صورت مادّہ کی نافرمانی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، ورنہ انسان کو اللہ نے شاندار سانچے میں ڈھالا ہے۔

اب سوچو! جس مالک نے دونوں مخلوقات کو پیدا کیا، ان کی مادی اور روحانی ضرورتوں کا انتظام کیا، پس ان کو جس مقصد کے لئے پیدا کیا ہے اگر وہ اس کی تکمیل نہ کریں تو ان سے زیادہ بے راہ کون ہوگا؟ جو اللہ کی نعمتوں کو کھاتے ہیں اور

ان کو جھٹلاتے ہیں وہ حرام خور نہیں تو اور کیا ہیں؟ اللہ تعالیٰ ہمیں شکر گذار بندہ بنائیں، اور اپنی فرمان برداری کے کاموں میں لگائیں (آمین)

﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۙ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۚ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ۚ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ۙ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ۚ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ۚ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ۚ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝﴾

ترجمہ اور تفسیر: اللہ نے انسان کو ٹھیکری کی طرح بجتی مٹی سے پیدا کیا —— حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے تعلق سے قرآنِ کریم میں مختلف تعبیریں آئی ہیں، کہیں ہے: ﴿مِنْ تُرَابٍ﴾: مٹی سے، کہیں ہے: ﴿مِنْ طِيْنٍ لَازِبٍ﴾: چپکتے ہوئے گارے سے، کہیں ہے: ﴿مِنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ﴾: سڑے ہوئے بدبودار گارے سے، اور کہیں ہے: ﴿مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ﴾: ٹھیکری کی طرح کھنکھناتی مٹی سے، ان مختلف تعبیرات کا حاصل ایک ہے، حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا، اس طرح کہ مٹی میں پانی ملایا تو وہ لازب بنی، اس میں چپک پیدا ہوئی، پھر وہ سیاہ ہوگئی، اور سڑ گئی تو حمأ مسنون بن گئی، پھر خشک ہو کر ٹھیکری کی طرح کھن کھن بجنے لگی، تو صلصال کالفخار ہوگئی، چونکہ آدم علیہ السلام کا مادہ مختلف مراحل سے گذرا ہے اس لئے مختلف تعبیرات آئی ہیں۔

اور جانّ (جنات کے جدِ امجد) کو ملنے والی آگ سے پیدا کیا —— مارج کے معنی ہیں: ملنے والی، ابھی فعل مَرَجَ آرہا ہے...... ملنے والی: یعنی عناصر ثلاثہ کے ساتھ...... مگر اس کی حقیقت سمجھنا مشکل ہے۔

پس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

دو مشرقوں کے پروردگار اور دو مغربوں کے پروردگار —— پروردگار: یعنی خالق و مالک و پالنہار —— اسی طرح انسان اور جنات کے خالق و مالک و پروردگار اللہ تعالیٰ ہیں، اگرچہ دونوں مخلوقات فطرت میں مختلف ہیں۔

پس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

اللہ نے دو دریا بہائے جو باہم ملتے ہیں، دونوں کے درمیان ایک آڑ ہے، دونوں ایک دوسرے پر چڑھائی نہیں کرتے —— دونوں کے ملنے سے تلقیح ہوتی ہے، اسی طرح جنات اور انسان اپنے اپنے دائرہ میں رہ کر اپنا کام کرتے ہیں، اور دونوں کے ایک ساتھ ہونے میں فوائد ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ جانتے ہیں۔

پس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

دونوں دریاؤں سے موتی اور مونگے برآمد ہوتے ہیں —— یہ ملنے کا فائدہ ہے۔

پس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

اور اللہ کی ملک ہیں سمندر میں پہاڑوں جیسی ابھری ہوئی کشتیاں —— یہ سوالِ مقدر کا جواب ہے۔

پس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

جواب: اے ہمارے پروردگار! ہم آپ کی کسی نعمت کا انکار نہیں کرتے، آپ کے لئے حمد وثنا ہے!

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿٢٦﴾ وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ ﴿٢٧﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٢٨﴾ يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ﴿٢٩﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٠﴾ سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ﴿٣١﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٢﴾ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴿٣٣﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٤﴾ يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ﴿ۙ﴾ وَّ نُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ﴿٣٥﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٦﴾ فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ﴿٣٧﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٨﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖۤ اِنْسٌ وَّ لَا جَآنٌّ ﴿٣٩﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٤٠﴾ يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَ الْاَقْدَامِ ﴿٤١﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٤٢﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٤٣﴾ يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَ بَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ﴿٤٤﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٤٥﴾ ع ۲ / ۱۲

كُلُّ مَنْ	ہر وہ شخص جو	فَانٍ	ختم ہونے والا ہے	وَجْهُ رَبِّكَ	تیرے رب کا چہرہ
عَلَيْهَا	زمین پر ہے	وَّ يَبْقٰى	اور باقی رہے گا	ذُو الْجَلٰلِ	بزرگی والا

وَالۡاِكۡرَامِ	اور عظمت والا	الۡجِنِّ	جنات کی	تَنۡتَصِرٰنِ (۵)	فتح پاسکو گے تم دونوں
فَبِاَیِّ اٰلَآءِ	پس کونسی نعمتوں کو	وَالۡاِنۡسِ	اور انسانوں کی	فَبِاَیِّ اٰلَآءِ	پس کونسی نعمتوں کو
رَبِّكُمَا	اپنے رب کی	اِنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ	اگر تمہارے بس میں ہو	رَبِّكُمَا	اپنے رب کی
تُكَذِّبٰنِ	جھٹلاؤ گے تم دونوں	اَنۡ تَنۡفُذُوۡا (۲)	کہ آر پار ہو جاؤ	تُكَذِّبٰنِ	جھٹلاؤ گے تم دونوں
یَسۡـَٔلُهٗ	مانگتے ہیں اس سے	مِنۡ اَقۡطَارِ	کناروں سے	فَاِذَا انۡشَقَّتِ	پس جب پھٹ جائیگا
مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ	جو آسمانوں میں ہیں	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں کے	السَّمَآءُ	آسمان
وَالۡاَرۡضِ	اور زمین میں ہیں	وَالۡاَرۡضِ	اور زمین کے	فَكَانَتۡ	پس ہو جائے گا وہ
كُلَّ یَوۡمٍ هُوَ	ہر دن وہ	فَانۡفُذُوۡا	تو آر پار ہو جاؤ	وَرۡدَةً	سرخ گلابی
فِیۡ شَاۡنٍ	کسی اہم کام میں ہے	لَا تَنۡفُذُوۡنَ	نہیں نکل سکتے تم	كَالدِّهَانِ (۶)	جیسے تیل کی تلچھٹ
فَبِاَیِّ اٰلَآءِ	پس کونسی نعمتوں کو	اِلَّا بِسُلۡطٰنٍ	مگر غلبہ کے ذریعہ		(سرخ چمڑا)
رَبِّكُمَا	اپنے رب کی	فَبِاَیِّ اٰلَآءِ	پس کونسی نعمتوں کو	فَبِاَیِّ اٰلَآءِ	پس کونسی نعمتوں کو
تُكَذِّبٰنِ	جھٹلاؤ گے تم دونوں	رَبِّكُمَا	اپنے رب کی	رَبِّكُمَا	اپنے رب کی
سَنَفۡرُغُ	ہم ابھی فارغ ہوتے ہیں	تُكَذِّبٰنِ	جھٹلاؤ گے تم دونوں	تُكَذِّبٰنِ	جھٹلاؤ گے تم دونوں
لَكُمۡ	تمہارے لئے	یُرۡسَلُ	چھوڑے جائیں گے	فَیَوۡمَئِذٍ	پس اس دن
اَیُّهَ الثَّقَلٰنِ (۱)	اے دولدی پھدی مخلوقو!	عَلَیۡكُمَا	تم دونوں پر	لَّا یُسۡـَٔلُ	نہیں پوچھا جائے گا
فَبِاَیِّ اٰلَآءِ	پس کونسی نعمتوں کو	شُوَاظٌ (۳)	شعلے	عَنۡ ذَنۡۢبِهٖۤ (۷)	اس گناہ کے بارے میں
رَبِّكُمَا	اپنے رب کی	مِّنۡ نَّارٍ	آگ کے	اِنۡسٌ	کسی انسان سے
تُكَذِّبٰنِ	جھٹلاؤ گے تم دونوں	وَّنُحَاسٌ (۴)	اور دھواں	وَّلَا جَآنٌّ	اور نہ کسی جنّ سے
یٰمَعۡشَرَ	اے جماعت	فَلَا	پس نہیں	فَبِاَیِّ اٰلَآءِ	پس کونسی نعمتوں کو

(۱) الثقلان: الثَقَلْ کا تثنیہ، الثقل: سامان، لدی پھدی: بوجھل، سامان ڈھوئی ہوئی، کوئی نیکی لئے ہوئے کوئی برائی سے گرانبار (۲) نفذ (ن) فیه ومنه: آر پار ہونا، چیر کر دوسری طرف نکل جانا۔ (۳) الشُوَاظ: بغیر دھویں کا شعلہ (۴) النُّحَاس: خالص دھواں جس کے ساتھ چنگاریاں نہ ہوں (تانبا پیتل بھی اس کے معنی ہیں) (۵) انتصر علی خصمه: مقابل پر فتح پانا، بازی جیتنا (۶) الدِّهان کے دو معنی ہیں: سرخ چمڑا اور تیل کی گاد۔ (۷) ذنبه کا مرجع بعد میں ہے تعود علی أحد المذکورین (جمل)

رَبِّكُمَا	اپنے رب کی	وَالْاَقْدَامِ	اور ٹانگوں سے	يَطُوْفُوْنَ	آتے جاتے رہیں
تُكَذِّبٰنِ	جھٹلاؤ گے تم دونوں	فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ	پس کونسی نعمتوں کو		گے وہ
يُعْرَفُ	پہچانے جائیں گے	رَبِّكُمَا	اپنے رب کی	بَيْنَهَا	اس کے درمیان
الْمُجْرِمُوْنَ	گنہگار (آخری درجے)	تُكَذِّبٰنِ	جھٹلاؤ گے تم دونوں	وَبَيْنَ حَمِيْمٍ	اور گرم پانی کے درمیان
بِسِيْمٰهُمْ	ان کے چہروں کی علامتوں سے	هٰذِهٖ جَهَنَّمُ	یہ وہ دوزخ ہے	اٰنٍ(۱)	کھولتے ہوئے
فَيُؤْخَذُ	پس پکڑے جائیں	الَّتِيْ يُكَذِّبُ	جس کو جھٹلاتے تھے	فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ	پس کونسی نعمتوں کو
	گے وہ	بِهَا	اس کو	رَبِّكُمَا	اپنے رب کی
بِالنَّوَاصِيْ	پیشانی کے بالوں سے	الْمُجْرِمُوْنَ	بدکردار لوگ	تُكَذِّبٰنِ	جھٹلاؤ گے تم دونوں

یہ دنیا ختم ہوگی، دوسری دنیا آباد ہوگی، مجرموں کو سزا ملے گی اور کوئی بدکردار بچ نہیں سکے گا

جنات اور انسانوں کی یہ دنیا ختم ہونے والی ہے، رب ذوالجلال والاکرام کی ہستی باقی رہے گی، وہ دوسری دنیا آباد کریں گے، اور یہ ان کا ایک کارنامہ ہے، ان کی تو شان یہ ہے کہ وہ ہر وقت کسی کام میں ہوتے ہیں، آسمانوں اور زمین کی مخلوقات ان سے اپنی حاجات طلب کرتی ہیں، اور وہ سب کی حاجتیں پوری کرتے ہیں، ان کا ارشاد ہے: ہم جلد جزاؤسزا کا مرحلہ شروع کرنے والے ہیں، اور مجرم: اللہ کی سزا سے بچ کر نہ آسمانوں کے پار جاسکتے ہیں نہ زمین میں کہیں بھاگ سکتے ہیں، اس کے لئے بڑی قدرت کی ضرورت ہے، وہ ثقلین کو حاصل نہیں، اور اگر وہ آسمانوں سے آر پار نکلنا چاہیں تو کوشش کر دیکھیں، ان پر خالص آگ کے شعلے چھوڑے جائیں گے، یعنی میزائل داغے جائیں گے، جس سے وہ جل کر خاک ہوجائیں گے، اور دھواں چھوڑا جائے گا، جیسے آنسو گیس چھوڑتے ہیں، جس سے ان کا دم گھٹ جائے گا، پھر وہ اس آفت کو ہٹا نہ سکیں گے۔

یہ قیامت کب شروع ہوگی؟ جس دن آسمان پھٹ جائے گا، وہ سرخ چمڑے کی طرح گہرا گلابی ہوجائے گا، نیلگونی رنگ بدل جائے گا، اس دن قیامت شروع ہوگی، اور جنّ وانس کو سزا دینے کے لئے جرائم کی تحقیق ضروری نہیں ہوگی، کیونکہ سب کچھ اللہ کے علم میں ہوگا، اور نامۂ اعمال میں ریکارڈ بھی ہوگا، مجرموں کو ان کے چہروں کی علامتوں سے پہچان لیا جائے گا، پھر ان کو بیک بینی ودوگوش جہنم میں ڈال دیا جائے گا، اور کہا جائے گا: یہی وہ دوزخ ہے جس کو تم جھٹلاتے تھے! اب تم ہمیشہ اس میں رہوگے، البتہ جب وہ پیاسے ہونگے تو کھولتے گرم پانی کے چشمہ پر باہر لائے جائیں گے، پھر واپس

(۱) آنٍ: اسم فاعل: کھولتا پانی، أنی (ض) أنيًا السائلُ: سیال چیز کا انتہائی گرم ہونا۔

جہنم میں پہنچادیئے جائیں گے، اسی طرح تاابد واٹرورکس اور دوزخ کے درمیان آتے جاتے رہیں گے۔

﴿ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴾: جو بھی روئے زمین پر ہے فنا ہونے والا ہے —— یہ گریز کی آیت ہے، گریز: قصیدہ میں تمہید کے بعد اصل مقصد کی طرف متوجہ ہونے کا نام ہے، پہلے رکوع میں اس دنیا کا ذکر تھا، اب بات دوسری دنیا کی طرف مڑ رہی ہے، دوسری دنیا اس وقت شروع ہوگی جب یہ دنیا ختم ہوجائے گی۔ اور ﴿ مَنْ عَلَيْهَا ﴾ میں جنّ وانس مراد ہیں، اور سورۃ القصص کی آخری آیت عام ہے: ﴿ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ﴾: ہر چیز فنا ہونے والی ہے، صرف اللہ کی ہستی باقی رہے گی، اس سورت کا موضوع چونکہ ثقلین: لدی پھدی دو مخلوقات ہیں، اس لئے تخصیص کی ہے۔

﴿ وَّ يَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْإِكْرَامِ ﴾: اور آپ کے بزرگی اور عظمت والے پروردگار کی ذات باقی رہے گی —— یہ آیت گویا سوالِ مقدر کا جواب ہے۔ یعنی جب یہ دنیا ختم ہوجائے گی تو دوسری دنیا کون آباد کرے گا؟ جواب: اللہ ذوالجلال والاکرام موجود رہیں گے، وہ سدا زندہ ہیں، وہ دوسری دنیا آباد کریں گے۔

﴿ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴾: پس تم دونوں اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے!

﴿ يَسْئَلُهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ ﴾: اسی سے حاجتیں طلب کرتے ہیں سب آسمانوں اور زمین والے، وہ ہر وقت کسی اہم کام میں ہوتے ہیں —— اس آیت میں تقدیم وتاخیر ہے، اللہ تعالیٰ ہر وقت کسی اہم کام میں ہوتے ہیں، کیونکہ آسمانوں اور زمین کی خلقت اپنی حاجتیں اللہ تعالیٰ سے مانگتی رہتی ہے، اور اللہ تعالیٰ سب کی حاجتیں پوری کرتے ہیں، یہ اللہ کے کام ہیں، اور اس دنیا کو ختم کرکے دوسری دنیا وجود میں لانا بھی ان کا ایک اہم کام ہے۔

﴿ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴾: پس تم دونوں اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے!

﴿ سَنَفْرُغُ لَكُمْ أَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ﴾: ہم ابھی تمہارے لئے فارغ ہوتے ہیں اے دو بوجھل مخلوقو! —— یعنی قیامت بہت جلد قائم ہونے والی ہے، بس تھوڑا سا وقت باقی رہ گیا ہے —— اور اللہ کے یہاں کا تھوڑا سا ہمارے یہاں کا لمبا وقت ہے، وہاں کا ایک دن یہاں کے ہزار سال کے برابر ہے، اس لئے یہ خیال کرنا کہ بس اگلے جمعہ کو صور پھونکا جائے گا: صحیح نہیں، مگر کلُّ ماھو آتٍ فھو قریب کے قاعدہ سے قیامت قریب آ لگی ہے۔

﴿ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴾: پس تم دونوں اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے!

﴿ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ إِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ أَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ إِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴾:

ترجمہ: اے جنّ وانس کی جماعت! اگر تمہارے بس میں ہو کہ آسمانوں اور زمین کے کناروں سے آر پار ہوجاؤ تو ہوجاؤ، قوت کے بغیر باہر نہیں ہوسکتے ـــــ یعنی مجرم اللہ کی گرفت سے باہر نہیں ہیں، بھاگ کر کہاں جائیں گے؟ کیا وہ زمین کی پہنائی سے یا آسمانوں کے کناروں سے نکل جائیں گے؟ اس کے لئے قوت وغلبہ چاہئے وہ ان کو کہاں حاصل ہے؟

فائدہ: پہلے جنّ وانس آسمانوں سے آگے جاتے تھے، دادا دادی کو جنت میں بسایا تھا، جنت سدرۃ المنتہیٰ سے پَرے ہے، عیسیٰ علیہ السلام بھی آسمان پر اٹھائے گئے، البتہ ادریس علیہ السلام کا چپکے سے آسمانوں میں پہنچ جانا افسانہ ہے، اور ہمارے نبی ﷺ کا معراج میں آسمانوں میں جانا ثابت ہے، اور ابلیس علیہ اللعنہ نے دادا دادی کو جنت میں جاکر پھسلایا تھا۔ پھر جب دادا دادی اور ابلیس کو نیچے اتارا گیا تو ان کا آسمانوں کے پار جانا موقوف ہوگیا، مگر جنات اب بھی آسمان کے قریب جاتے ہیں، اور انسان چونکہ خاکی مخلوق ہے، اس لئے عام حالات میں وہ زمین سے بہت زیادہ دور نہیں جاسکتے، اس لئے فرمایا کہ آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکلنے کے لئے غلبہ اور قوت چاہئے، جو جنّ وانس کو حاصل نہیں۔

﴿ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴾: پس تم دونوں اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے!

﴿ یُرْسَلُ عَلَیْکُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۙ وَّ نُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ﴾

ترجمہ: تم دونوں پر آگ کے شعلے اور دھواں چھوڑا جائے گا، پھر تم دونوں اس کو ہٹا نہ سکو گے ـــــ جنات جب آسمان کے قریب جاتے ہیں تو ان پر شہابِ ثاقب (دہکتا شعلہ) پھینکا جاتا ہے، یہی شواظ (آگ کا شعلہ) ہے، اور دھواں چھوڑا جائے گا جیسے آنسو گیس چھوڑا جاتا ہے، اس سے جنات کا دم گھٹ جائے گا۔ غرض: جنّ وانس بھاگ کر نہ آسمان کے پار جاسکتے ہیں نہ زمین سے نکل سکتے ہیں، پھر وہ عذابِ الٰہی سے کیسے بچ سکتے ہیں؟

﴿ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴾: پس تم دونوں اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے!

﴿ فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَکَانَتْ وَرْدَۃً کَالدِّهَانِ ﴾

ترجمہ: پس جب آسمان پھٹ جائے گا، اور وہ سرخ گلابی رنگ کا ہوجائے گا، جیسے رنگا ہوا سرخ چمڑا ـــــ یعنی آسمان کا موجودہ نیلگونی رنگ بدل جائے گا، اور وہ خون کی طرح سرخ ہوجائے گا، اس وقت قیامت قائم ہوگی۔

﴿ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴾: پس تم دونوں اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے!

﴿ فَیَوْمَئِذٍ لَّا یُسْئَلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ﴾: اس دن کسی جنّ وانس سے اس کے جرم کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا ـــــ اس لئے کہ سب کچھ اللہ کے علم میں ہوگا، اور جرائم کی مسل بھی موجود ہوگی، نامۂ اعمال میں سب کچھ ریکارڈ ہوگا، پھر پوچھ گچھ کی کیا ضرورت ہے؟

﴿ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴾: پس تم دونوں اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے!

﴿ یُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِیْمٰهُمْ فَیُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِیْ وَالْاَقْدَامِ ﴾

ترجمہ: مجرم لوگ ان کے چہروں کی علامتوں سے پہچان لئے جائیں گے ــــ کافروں کے چہروں پر بولیٹ (سیاہی) برس رہی ہوگی، اوران کی آنکھیں نیل گونی ہونگی، اس سے مجرم خود بخود پہچان لئے جائیں گے، جیسے مؤمنین سجدوں اور وضوء کے آثار وانوار سے پہچان لئے جائیں گے ــــ پس وہ پیشانی کے بالوں اور ٹانگوں سے پکڑے جائیں گے ــــ مفسرین نے اس کی دو صورتیں لکھی ہیں: (۱) کسی کے بال اور کسی کی ٹانگ پکڑ کر جہنم کی طرف گھسیٹا جائے گا۔ (۲) مجرم کی ہڈیاں پسلیاں توڑ کر پیشانی کو پاؤں سے ملادیں گے، اور زنجیر وغیرہ سے پکڑ کر دوزخ میں ڈالیں گے (فوائد) اور اس کو تمثیل بھی قرار دے سکتے ہیں۔

﴿ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴾: پس تم دونوں اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے!

﴿ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیْ یُکَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴾: یہ دوزخ ہے جس کو مجرم لوگ جھٹلایا کرتے تھے ــــ یعنی دنیا میں اسی دوزخ کا انکار کیا کرتے تھے۔

﴿ یَطُوْفُوْنَ بَیْنَهَا وَبَیْنَ حَمِیْمٍ اٰنٍ ﴾: وہ لوگ دوزخ اور کھولتے گرم پانی کے درمیان آتے جاتے رہیں گے ــــ جہنمیوں کا یہ واٹر ورکس جہنم سے باہر ہوگا، مگر جہنم کے ایریا میں ہوگا، جب جہنمی پیاسے ہونگے تو ان جانوروں کو پانی پینے کے لئے ٹنکی پر لایا جائے گا، پھر ان کو جہنم میں پہنچادیا جائے گا، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

﴿ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴾: پس تم دونوں اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے!

فائدہ: مجرموں کو سزا دینا بھی وفاداروں کے حق میں انعام ہے، اور اُس سزا کا بیان کرنا بھی، تاکہ لوگ سن کر اس جرم سے باز رہیں، یہ مستقل انعام ہے۔ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ”ہر آیت میں نعمت جتائی، کوئی اب نعمت ہے، اور کسی کی خبر دینا نعمت ہے کہ اس سے بچیں“ (فوائد)

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۴۷﴾ ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ﴿۴۸﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۴۹﴾ فِیْهِمَا عَیْنٰنِ تَجْرِیٰنِ ﴿۵۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۱﴾ فِیْهِمَا مِنْ کُلِّ فَاکِهَةٍ زَوْجٰنِ ﴿۵۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۳﴾ مُتَّکِـِٕیْنَ عَلٰی فُرُشٍۭ بَطَآئِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ؕ وَجَنَا الْجَنَّتَیْنِ دَانٍ ﴿۵۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا

تُكَذِّبٰنِ ۝٥٥ فِيْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ۝٥٦
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝٥٧ كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ۝٥٨ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبٰنِ ۝٥٩ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ۝٦٠ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝٦١
وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ۝٦٢ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝٦٣ مُدْهَآمَّتٰنِ ۝٦٤
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝٦٥ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ۝٦٦ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبٰنِ ۝٦٧ فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ۝٦٨ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝٦٩
فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ ۝٧٠ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝٧١ حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي
الْخِيَامِ ۝٧٢ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝٧٣ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ۝٧٤
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝٧٥ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰي رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّعَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ۝٧٦
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝٧٧ تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝٧٨

وَلِمَنْ	اور اس کے لئے جو	تُكَذِّبٰنِ	جھٹلاؤ گے تم دونوں	تَجْرِيٰنِ (۳)	بہہ رہے
خَافَ	ڈرا	ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ (۲)	شاخوں والے	فَبِاَيِّ اٰلَآءِ	پس کون کونسی نعمتوں کو
مَقَامَ (۱)	کھڑے ہونے سے	فَبِاَيِّ	پس کونسی	رَبِّكُمَا	اپنے رب کی
رَبِّهٖ	اپنے رب کے سامنے	اٰلَآءِ	نعمتوں کو	تُكَذِّبٰنِ	جھٹلاؤ گے تم دونوں
جَنَّتٰنِ	دو باغ ہیں	رَبِّكُمَا	اپنے رب کی	فِيْهِمَا	دونوں باغوں میں
فَبِاَيِّ	پس کونسی	تُكَذِّبٰنِ	جھٹلاؤ گے تم دونوں	مِنْ كُلِّ	ہر قسم سے
اٰلَآءِ	نعمتوں کو	فِيْهِمَا	دونوں باغوں میں	فَاكِهَةٍ	میوے ہیں
رَبِّكُمَا	اپنے رب کی	عَيْنٰنِ	دو چشمے ہیں	زَوْجٰنِ (۴)	قسم قسم کے

(۱) مقام: مصدر میمی اور اضافت لامیہ ہے: ﴿يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (۲) ذواتا: ذوات کا تثنیہ ہے ذات کا نہیں اور أفنان: فَنّ کا تثنیہ ہے: شاخ، فنون: شاخیں (۳) تجریان: عینان کی صفت ہے (۴) زوجان: تثنیہ تکرار کے لیے ہے، جیسے ﴿فَارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ﴾۔

لفظ	ترجمہ	لفظ	ترجمہ	لفظ	ترجمہ
فَبِاَیِّ	پس کونسی	قَبْلَهُمْ	ان سے پہلے	تُكَذِّبٰنِ	جھٹلاؤ گے تم دونوں
اٰلَاۗءِ	نعمتوں کو	وَلَا جَاۗنٌّ	اور نہ کسی جنّ نے	وَمِنْ دُوْنِهِمَا	اور ان دو باغوں سے ورے
رَبِّكُمَا	اپنے رب کی	فَبِاَیِّ	پس کونسی	جَنَّتٰنِ	دو باغ ہیں
تُكَذِّبٰنِ	جھٹلاؤ گے تم دونوں	اٰلَاۗءِ	نعمتوں کو	فَبِاَیِّ	پس کونسی
مُتَّكِـِٕیْنَ	ٹیک لگانے والے	رَبِّكُمَا	اپنے رب کی	اٰلَاۗءِ	نعمتوں کو
عَلٰی فُرُشٍۭ	بچھونوں پر	تُكَذِّبٰنِ	جھٹلاؤ گے تم دونوں	رَبِّكُمَا	اپنے رب کی
بَطَاۗىِٕنُهَا (۱)	ان کے اَستر	كَاَنَّهُنَّ	گویا وہ عورتیں	تُكَذِّبٰنِ	جھٹلاؤ گے تم دونوں
مِنْ اِسْتَبْرَقٍ	دبیز ریشم کے ہیں	الْیَاقُوْتُ	لعل (ہیرے)	مُدْهَاۗمَّتٰنِ (۵)	دونوں گہرے سبز
وَجَنَا (۲)	اور پکّے ہوئے پھل	وَالْمَرْجَانُ	اور مونگے ہیں		(سیاہ) ہیں
الْجَنَّتَیْنِ	دونوں باغوں کے	فَبِاَیِّ	پس کونسی	فَبِاَیِّ	پس کونسی
دَانٍ (۳)	قریب ہونے والے ہیں	اٰلَاۗءِ	نعمتوں کو	اٰلَاۗءِ	نعمتوں کو
فَبِاَیِّ	پس کونسی	رَبِّكُمَا	اپنے رب کی	رَبِّكُمَا	اپنے رب کی
اٰلَاۗءِ	نعمتوں کو	تُكَذِّبٰنِ	جھٹلاؤ گے تم دونوں	تُكَذِّبٰنِ	جھٹلاؤ گے تم دونوں
رَبِّكُمَا	اپنے رب کی	هَلْ	نہیں	فِیْهِمَا	دو باغوں میں
تُكَذِّبٰنِ	جھٹلاؤ گے تم دونوں	جَزَاۗءُ	بدلہ	عَیْنٰنِ	دو چشمے ہیں
فِیْهِنَّ	ان باغات میں	الْاِحْسَانِ	نیکوکاری کا	نَضَّاخَتٰنِ (۶)	ابل رہے ہیں
قٰصِرٰتُ	روکنے والیاں ہیں	اِلَّا الْاِحْسَانُ	مگر حسن سلوک	فَبِاَیِّ	پس کونسی
الطَّرْفِ	نگاہ کو	فَبِاَیِّ	پس کونسی	اٰلَاۗءِ	نعمتوں کو
لَمْ یَطْمِثْهُنَّ (۴)	نہیں ہاتھ لگایا ان کو	اٰلَاۗءِ	نعمتوں کو	رَبِّكُمَا	اپنے رب کی
اِنْسٌ	کسی انسان نے	رَبِّكُمَا	اپنے رب کی	تُكَذِّبٰنِ	جھٹلاؤ گے تم دونوں

(۱) بطائن: بِطَانَة کی جمع: استر: دوہرے کپڑے کی نیچے کی تہ۔ (۲) جَنَا: مفرد: پکا عمدہ میوہ، أَجْنَاء اور أَجْنِ جمع (۳) دانٍ: اسم فاعل، دُنُوّ سے: قریب ہونا (۴) طَمَثَ (ض) المرأةَ: ہم بستری کرنا (۵) مُدْهَامَّة: اسم فاعل واسم مفعول ادْهِيْمَام: اتنا گہرا سبز کہ سیاہ معلوم ہو (۶) نَضَّاخة: اسم مبالغہ: ابلتا ہوا جوش زن جس کا پانی کبھی ختم نہ ہو۔

فِيْهِمَا	دونوں باغوں میں	تُكَذِّبٰنِ	جھٹلاؤ گے تم دونوں	تُكَذِّبٰنِ	جھٹلاؤ گے تم دونوں
فَاكِهَةٌ	میوے	حُوْرٌ	گوری عورتیں	مُتَّكِـِٕيْنَ	ٹیک لگانے والے
وَّنَخْلٌ	اور کھجوریں	مَّقْصُوْرٰتٌ (۳)	پردہ نشیں	عَلٰى رَفْرَفٍ (۴)	چاندنی پر
وَّرُمَّانٌ	اور انار ہیں	فِي الْخِيَامِ	خیموں میں	خُضْرٍ (۵)	سبز
فَبِاَيِّ	پس کونسی	فَبِاَيِّ	پس کونسی	وَّعَبْقَرِيٍّ (۶)	اور قیمتی بستر پر
اٰلَاۗءِ	نعمتوں کو	اٰلَاۗءِ	نعمتوں کو	حِسَانٍ	نفیس (خوب صورت)
رَبِّكُمَا	اپنے رب کی	رَبِّكُمَا	اپنے رب کی	فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ	پس کونسی نعمتوں کو
تُكَذِّبٰنِ	جھٹلاؤ گے تم دونوں	تُكَذِّبٰنِ	جھٹلاؤ گے تم دونوں	رَبِّكُمَا	اپنے رب کی
فِيْهِنَّ	ان باغات میں	لَمْ يَطْمِثْهُنَّ	ہاتھ نہیں لگایا ان کو	تُكَذِّبٰنِ	جھٹلاؤ گے تم دونوں
خَيْرٰتٌ (۱)	اچھی عورتیں ہیں	اِنْسٌ	کسی انسان نے	تَبٰرَكَ	بڑی برکت والا ہے
حِسَانٌ (۲)	خوبصورت	قَبْلَهُمْ	ان سے پہلے	اسْمُ رَبِّكَ	آپ کے رب کا نام
فَبِاَيِّ	پس کونسی	وَلَا جَاۗنٌّ	اور نہ کسی جن نے	ذِي الْجَلٰلِ	بزرگی والا
اٰلَاۗءِ	نعمتوں کو	فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ	پس کونسی نعمتوں کو	وَالْاِكْرَامِ	اور عزت والا
رَبِّكُمَا	اپنے رب کی	رَبِّكُمَا	اپنے رب کی		(احسان والا)

ایماندار جنّ وانس کا اخروی انجام

پہلے تین باتیں ذہن نشیں کرلیں:

۱- یہ دنیا مخلوقات کا آمیزہ (مرکب) ہے، مؤمن وکافر، نیکوکار وبدکار، جنّ وانس سب ایک ساتھ ہیں، ان میں کوئی امتیاز نہیں، مگر آنے والی دنیا میں ان کے درمیان جدائی کردی جائے گی، مؤمنین جنت میں اور کفار جہنم میں ہونگے، اور نیکوکار انسانوں کی جنت الگ ہوگی، اور نیکوکار جنات کی الگ، مگر اس سورت میں دونوں کا بیان ساتھ چل رہا ہے، اس لئے ﴿جَنَّتٰنِ﴾ فرمایا، ایک جنت انسانوں کی ہے، دوسری جنات کی، اور دونوں جنتیں نعمتوں کے اعتبار سے یکساں

(۱) خیرات: خَيْرة کی جمع: نیک سیرت، اچھی عورت (۲) حِسَان: حَسَنَة کی جمع: خوبصورت، حسین وجمیل (۳) مقصورة: بمعنی قاصرات یعنی اسم مفعول بمعنی اسم فاعل: پردہ نشیں۔ (۴) رَفْرَف: قالین؛ چاندنیاں، گدے تکیے (۵) خُضْر: أَخْضَر اور خَضْرَاء کی جمع: سبز، ہرا (۶) عَبْقَرِی: قیمتی، نادر، نفیس، خوبصورت بچھونا، عجیب وغریب آدمی بھی اس کے معنی ہیں یعنی ہیرو۔

ہونگی، کیونکہ دونوں عمل کے اعتبار سے یکساں ہیں، دونوں مکلّف ہیں، اور دونوں کے لئے احکام ایک ہیں —— اسی طرح کافر جن وانس کی دوزخیں بھی الگ الگ ہونگی، تقابل کا یہی تقاضا ہے —— رہے فرشتے تو وہ دونوں جنتوں اور دونوں دوزخوں میں آتے جاتے رہیں گے، ﴿ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴾ اور ﴿ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴾ سے یہ بات واضح ہے۔

۲-سورت میں دوجگہ ہم بستری کی نفی کی ہے، انسانوں کی ازواج کے تعلق سے انسانوں کے ہاتھ لگانے کی اور جنات کی ازواج کے تعلق سے جنات کے ہاتھ لگانے کی نفی کی ہے۔

۳-قرآنِ کریم متقی مؤمنین کا اخروی انجام بیان کرتا ہے، دوسرے درجہ کے مؤمنین کا انجام صراحۃً بیان نہیں کرتا، تاکہ ان کی بدکرداری کو شہ نہ ملے، چنانچہ اول درجہ کی جنت کے بیان میں: ﴿ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ ﴾ کی صراحت کی ہے، اور ﴿ وَمِنْ دُوْنِهِمَا ﴾ میں صراحت نہیں کی کہ یہ دوجنتیں کن لوگوں کے لئے ہیں، ظاہر ہے یہ بھی مؤمنین کے لئے ہیں، مگر دوسرے درجہ کے مؤمنین کے لئے۔

اعلی درجہ کی جنت کا حال: اعلی درجہ کی جنت اعلی درجہ کے مسلمانوں کے لئے ہے، اور اعلی درجہ کے مسلمان وہ ہیں جن کو دنیا میں ہر وقت دھڑکا لگا رہتا ہے کہ ان کو ایک دن اللہ کے سامنے حساب کے لئے کھڑا ہونا ہے، اس لئے وہ اللہ کی نافرمانی سے بچتے ہیں، اور تقوی کی راہ اپناتے ہیں۔ آخرت میں دو باغ ہیں: ایک نیک انسانوں کے لئے اور دوسرا نیک جنات کے لئے، اور دونوں کا حال یکساں ہے، دونوں باغ شاخوں دار ہیں، خوب پھلے پھولے ہوئے ہیں، ان میں دو چشمے بہہ رہے ہیں، اس لئے سدابہار ہیں، ان میں قسم قسم کے میوے ہیں، کسی بات کا ٹوٹا نہیں، جنتیوں کی نشست گاہیں ایسے فرشوں کی ہیں جن کا اُستر دبیز ریشم کا ہے، اَبرے کا حال اللہ بہتر جانیں! دونوں باغوں کے پکّے ہوئے میوے جھکے ہوئے ہیں، تاکہ بے تکلف کھڑے بیٹھے لے سکیں، اور ہر جنتی کی جنت بہت سے باغات پر مشتمل ہوگی، اور ہر باغ میں اس کی فیملی ہوگی، ان کی بیویاں دوشیزہ نیچی نگاہ والیاں ہونگی، ان کو ان کے شوہروں سے پہلے کسی نے ہاتھ نہیں لگایا ہوگا، وہ صاف رنگت کی بیش بہا یاقوت ومرجان کی طرح ہونگی، یہ اعلیٰ درجہ کی جنت اعلیٰ درجہ کے نیکوکاروں کا صلہ ہے، کیونکہ حسن سلوک کا صلہ حسن سلوک ہی ہوتا ہے، ان بندوں نے چونکہ دنیا میں احکام کی پوری پیروی کی، اس لئے صلہ میں اعلیٰ درجہ کی جنت ملی۔

کم درجہ کی جنت کا حال: پہلی دوجنتوں سے کم درجہ کی دوجنتیں اور ہیں، ایک کم درجہ کے انسانوں کے لئے، دوسری کم درجہ کے جنات کے لئے، اور دونوں کا حال یکساں ہے، دونوں گہری سبز سیاہی مائل ہیں، خوب تر وتازہ! ان میں

ابلتے ہوئے دو چشمے ہیں، جن کا سوت کبھی خشک نہیں ہوگا، ان میں ہر طرح کے میوے، کھجوریں اور انار ہیں، اِن کی جنت بھی کئی باغات پر مشتمل ہوگی، اور ہر باغ میں اس کی فیملی ہوگی، ان کی بیویاں خوب سیرت خوب صورت ہونگی، گوری رنگت والی خیموں میں پردہ نشیں، جن کو ان کے شوہروں سے پہلے کسی نے ہاتھ نہیں لگایا ہوگا، ان کی نشست گاہوں میں سبز چاندنی بچھی ہوگی، جس پر قیمتی نفیس بستر لگے ہونگے، وہ ان پر ٹیک لگا کر بیٹھیں گے!

یہ جنتیں عظمت و بزرگی والے رب العالمین نے تیار کی ہیں، ان کا نام پاک بڑا برکت والا ہے!

﴿ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۴۷﴾ ﴾

ترجمہ: اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا ہے: اس کے لئے دو باغ ہیں —— یعنی اعلیٰ درجہ کے مؤمنین کے لئے دو باغ ہیں، ایک انسان مؤمن کے لئے، دوسرا جنات مؤمن کے لئے —— پس تم دونوں اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے!

﴿ ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ﴿۴۸﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۴۹﴾ ﴾

ترجمہ: دونوں کثیر شاخوں والے ہیں، پس تم دونوں اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے!

﴿ فِیْهِمَا عَیْنٰنِ تَجْرِیٰنِ ﴿۵۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۱﴾ ﴾

ترجمہ: دونوں (جنتوں) میں دو چشمے ہیں، جو بہہ رہے ہیں، پس تم دونوں اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے!

﴿ فِیْهِمَا مِنْ کُلِّ فَاکِهَةٍ زَوْجٰنِ ﴿۵۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۳﴾ ﴾

ترجمہ: دونوں (باغوں) میں ہر میوے کی دو دو قسمیں ہیں/قسم قسم کے میوے ہیں —— زوجان (تثنیہ) عدد کے لئے بھی ہوسکتا ہے، اور تکرار اور کثرت کے لئے بھی —— پس تم دونوں اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے!

﴿ مُتَّکِـِٕیْنَ عَلٰی فُرُشٍۭ بَطَآئِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ؕ وَجَنَا الْجَنَّتَیْنِ دَانٍ ﴿۵۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۵﴾ ﴾

ترجمہ: ٹیک لگانے والے ایسے فرشوں پر جن کا اُستر دبیز ریشم کا ہے —— ابرے کو اسی پر قیاس کرلو —— اور دونوں باغوں کے پکّے پھل نزدیک ہونے والے ہیں —— یعنی پھل خود بخود جنتی کی حالت کے قریب آجائیں گے، ہر وقت جھکے ہوئے نہیں رہیں گے —— پس تم دونوں اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے!

﴿ فِیْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ ۙ لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿۵۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۷﴾ ﴾

ترجمہ: ہاتھ نہیں لگایا ان کو ان سے پہلے کسی انسان نے اور نہ کسی جن نے —— لَا کے بعد پورا جملہ لوٹایا جاتا ہے، پس یہ دو جملے ہیں، اور دو مخلوق سے متعلق ہیں، انسانوں کی ازواج سے ان سے پہلے کسی انسان نے مقاربت نہیں کی ہوگی

یعنی وہ دوشیزہ (کنواری) ہونگی، یہی حال جنات کی ازواج کا ہوگا ـــــ پس تم دونوں اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ـــــ یعنی انکار کروگے۔

﴿ كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ۞ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۞﴾

ترجمہ: گویا وہ یاقوت اور مرجان ہیں ـــــ پہلی تشبیہ بیش قیمت ہونے کے اعتبار سے ہے اور دوسری نظافت اور صفائی کے اعتبار سے ـــــ پس تم دونوں اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے!

﴿ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ۞ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۞﴾

ترجمہ: نیکوکاری کا بدلہ نیکوکاری ہی ہوتا ہے ـــــ یعنی ان جنتیوں نے دنیا میں انتہائی درجہ کی عبادت کی تھی اس لئے ان کو اعلیٰ درجہ کی جنت عنایت فرمائی ـــــ پس تم دونوں اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے!

﴿ وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ۞ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۞﴾

ترجمہ: اور ان دونوں سے کم درجہ دوسرے دو باغ ہیں ـــــ یہ برائے نام کم درجہ ہیں ـــــ پس تم دونوں اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے!

﴿ مُدْهَآمَّتٰنِ ۞ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۞﴾

ترجمہ: دونوں باغ گہرے سبز ہیں ـــــ تروتازہ اور ہرے بھرے کھیت اور باغ ایسے ہی ہوتے ہیں ـــــ پس تم دونوں اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے!

﴿ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ۞ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۞﴾

ترجمہ: دونوں باغوں میں دو چشمے ہیں، دونوں جوش مار رہے ہیں ـــــ دونوں کے سوت (واو مجہول) کبھی خشک نہیں ہونگے ـــــ پس تم دونوں اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے!

﴿ فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ۞ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۞﴾

ترجمہ: دونوں باغوں میں میوے، کھجوریں اور انار ہیں ـــــ عرب میں خاص یہی دو میوے ہوتے ہیں، اس لئے ان کی تخصیص کی ـــــ پس تم دونوں اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے!

﴿ فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ ۞ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۞﴾

ترجمہ: ان (باغات) میں خوب سیرت خوبصورت عورتیں ہیں ـــــ ہر جنتی کی جنت بہت سے باغات کا مجموعہ ہوگی، اور ہر باغ میں اس کی فیملی ہوگی، اس لئے هُنَّ: (ضمیر جمع مؤنث غائب) لائے ہیں ـــــ پس تم دونوں اپنے رب

کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے!

﴿ حُوۡرٌ مَّقۡصُوۡرٰتٌ فِی الۡخِیَامِ ۚ﴿۷۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۚ﴿۷۳﴾ ﴾

ترجمہ: گوری، خیموں میں پردہ نشیں ہیں ـــــ عورت کی یہی دو اہم خوبیاں ہیں ـــــ پس تم دونوں اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے!

﴿ لَمۡ یَطۡمِثۡہُنَّ اِنۡسٌ قَبۡلَہُمۡ وَ لَا جَآنٌّ ۚ﴿۷۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۚ﴿۷۵﴾ ﴾

ترجمہ: ہاتھ نہیں لگایا ان سے پہلے کسی انسان نے اور نہ کسی جنّ نے ـــــ یعنی کنیا ہونگی ـــــ پس تم دونوں اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے!

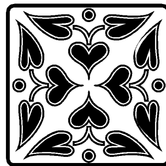
﴿ مُتَّکِـِٕیۡنَ عَلٰی رَفۡرَفٍ خُضۡرٍ وَّ عَبۡقَرِیٍّ حِسَانٍ ۚ﴿۷۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۚ﴿۷۷﴾ ﴾

ترجمہ: تکیہ لگائے ہوئے ہونگے سبز چاندنیوں اور نہایت خوبصورت بستروں پر ـــــ الرَّفْرَف: بچھانے کا فرش، دری، چاندنی، ثَوْبٌ رَفْرَف: باریک کپڑا، رَفْرَفٌ خُضْر: سبز کپڑا یا گدا ـــــ الْعَبْقَرِیّ: عَبْقَر کی طرف نسبت، حیرت انگیز، باکمال و بے مثال آدمی یا بے مثال چیز ـــــ پس تم دونوں اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے!

﴿ تَبٰرَکَ اسۡمُ رَبِّکَ ذِی الۡجَلٰلِ وَ الۡاِکۡرَامِ ﴿۷۸﴾ ﴾

ترجمہ: بڑا بابرکت نام ہے آپ کے عظمت واحسان والے پروردگار کا! ـــــ اسی کریم وعظیم نے یہ جنتیں مہیا کی ہیں۔

﴿۲۹؍ جمادی الاخری ۱۴۳۷ھ = ۸؍ اپریل ۲۰۱۶ء﴾



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الواقعہ

یہ مکی سورت ہے، اس کا نزول کا نمبر ۴۶ ہے، یہ مکی دور کے وسط کی سورت ہے، اس کی خاص فضیلت یہ ہے کہ اگر اس کو رات کو پڑھا جائے تو فقر وفاقہ سے حفاظت ہو جاتی ہے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے، خلیفہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ عیادت کے لئے تشریف لائے، پوچھا: کیا تکلیف ہے؟ جواب دیا: اپنے گناہوں کی تکلیف ہے! پوچھا آپ کیا چاہتے ہیں؟ جواب دیا: اپنے رب کی رحمت چاہتا ہوں! پوچھا: کسی طبیب کو بلاؤں؟ فرمایا: طبیب ہی نے بیمار کیا ہے! پوچھا: آپ کے لئے بیت المال سے کوئی عطیہ بھیج دوں؟ فرمایا: مجھے اس کی ضرورت نہیں، حضرت عثمانؓ نے فرمایا: عطیہ لے لیجئے، وہ آپ کے بعد آپ کی لڑکیوں کے کام آئے گا، جواب دیا: کیا آپ کو میری لڑکیوں کے بارے میں یہ فکر ہے کہ وہ فقر وفاقہ میں مبتلا ہو جائیں گی؟ مگر مجھے یہ فکر اس لئے نہیں کہ میں نے اپنی لڑکیوں کو تاکید کر رکھی ہے کہ وہ ہر رات سورۂ واقعہ پڑھا کریں، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص ہر رات سورۂ واقعہ پڑھا کرے وہ کبھی فاقہ میں مبتلا نہیں ہوگا (معارف القرآن)

ربط اور سورت کے مضامین: سورۃ الرحمان میں انسانوں اور جنات کی تین قسمیں کی ہیں: اعلیٰ درجہ کی جنت حاصل کرنے والے، کم درجہ کی جنت حاصل کرنے والے اور کفار، اس سورت کے شروع میں بھی انہیں تین کا ذکر ہے، پھر توحید، دلیلِ رسالت اور آخرت کا ذکر ہے، آیت دس تک تمہید ہے، پھر آیت ۲۶ تک سابقین کا ذکر ہے، یہی حضرات اعلیٰ درجہ کی جنت پانے والے ہیں، پھر آیت ۴۰ تک اصحاب الیمین کا ذکر ہے، یہ کم درجہ کی جنت پانے والے ہیں، پھر آیت ۵۶ تک کفار کا ذکر ہے، یہ دوزخ والے ہیں، پھر آیت ۷۳ تک توحید کے دلائل عقلیہ ہیں، پھر آیت ۸۲ تک دلیلِ رسالت کا ذکر ہے، جو توحید کی نقلی دلیل ہے، پھر آخر تک آخرت کا مضمون ہے۔

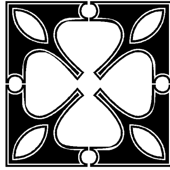
اصحاب الیمین: اصحاب الیمین (دائیں والوں) کی بہت تفسیریں کی گئی ہیں، مثلاً: (۱) جو لوگ عرشِ عظیم کی داہنی طرف ہونگے (۲) جن کو آدم علیہ السلام کے داہنے پہلو سے نکالا گیا تھا (۳) جن کو اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا، یہ آخری تفسیر راجح ہے۔

سوال: ایک مقسم کے اقسام میں تباین ہوتا ہے، جیسے کلمہ کی اقسام ثلاثہ (اسم، فعل اور حرف) میں تباین ہے، جبکہ انسان کی اقسام ثلاثہ (سابقین، اصحابِ الیمین اور کفار) میں تباین نہیں، کیونکہ سابقین کو بھی نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، پس وہ بھی اصحاب الیمین ہیں۔

جواب: سابقین میں تجرید کریں گے، تجرید: علم بیان کی ایک صنعت ہے، جس میں زوائد کو حذف کر کے صرف ایک معنی سے غرض رکھتے ہیں، بہ الفاظِ دیگر: کسی چیز کو اس کی صفت سے ذہنی طور پر الگ کر کے اصل پر اعتماد کرنا اور نتیجہ نکالنا، پس سابقین کے اصحاب الیمین ہونے کا پہلو الگ کر لیا جائے گا، تو تباین کی نسبت صحیح ہو جائے گی۔

لطیفہ: دو حقیقی بھائی ایک دوسرے کو ماں کی گالی دے رہے تھے، کسی نے کہا: تم دونوں کی ماں تو ایک ہے! اس نے جواب دیا: جب میں بھائی کو ماں کی گالی دیتا ہوں تو اپنی ماں کی تجرید کر لیتا ہوں! یعنی اس سے قطع نظر کر لیتا ہوں، صرفِ نظر کر لیتا ہوں، اسی طرح جب السابقین کہا تو ان کی اصحابِ الیمین ہونے کی صفت سے صرفِ نظر کر لی۔

ملحوظہ: تجرید کا مقابل تضمین ہے یعنی ایک فعل میں دوسرے فعل کے معنی شامل کرنا، اب دوسرے فعل کا خاص صلہ لانا درست ہو جائے گا۔



آیاتھا ۹۶ (۵۶) سُوْرَةُ الْوَاقِعَةِ مَكِّيَّةٌ (۴۶) رکوعاتھا ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿١﴾ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ﴿٢﴾ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ﴿٣﴾ إِذَا رُجَّتِ الْأَرْضُ رَجًّا ﴿٤﴾ وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ﴿٥﴾ فَكَانَتْ هَبَاءً مُّنْبَثًّا ﴿٦﴾ وَّكُنْتُمْ أَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ﴿٧﴾ فَأَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۙ مَا أَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ﴿٨﴾ وَأَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۙ مَا أَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ﴿٩﴾ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ﴿١٠﴾

إِذَا وَقَعَتِ	جب رونما ہوگا	وَّبُسَّتِ(۳)	اور ریزہ ریزہ کردیئے	فَأَصْحٰبُ	پس دائیں والے
الْوَاقِعَةُ	ہونے والا واقعہ		جائیں گے	الْمَيْمَنَةِ	(اہل سعادت)
لَيْسَ	نہیں ہوگا	الْجِبَالُ	پہاڑ	مَا أَصْحٰبُ(۵)	کیا خوب ہیں
لِوَقْعَتِهَا	اس کے ہونے کو	بَسًّا	توڑ پھوڑ کر	الْمَيْمَنَةِ	دائیں والے!
كَاذِبَةٌ(۱)	کوئی جھٹلانے والا	فَكَانَتْ	پس ہوجائیں گے وہ	وَأَصْحٰبُ	اور بائیں والے
خَافِضَةٌ	پست کرنے والا	هَبَاءً	غبار	الْمَشْئَمَةِ	(اہل شقاوت)
رَّافِعَةٌ	بلند کرنے والا	مُّنْبَثًّا(۴)	اڑتا ہوا	مَا أَصْحٰبُ	کیسے برے ہیں
إِذَا رُجَّتِ(۲)	جب ہلادی جائے گی	وَّكُنْتُمْ	اور ہوجاؤ گے تم	الْمَشْئَمَةِ	بائیں والے!
الْأَرْضُ	زمین	أَزْوَاجًا	قسمیں	وَالسّٰبِقُوْنَ	اور آگے نکلنے والے
رَجًّا	ہلادیا جانا	ثَلٰثَةً	تین	السّٰبِقُوْنَ	تو آگے نکلنے والے ہیں

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

قیامت کے دن انسانوں کی تین قسمیں

یہ تمہیدی آیات ہیں۔ جب قیامت کا واقعہ رونما ہوگا تو اس کو جھٹلانے کی کسی میں ہمت نہ ہوگی، آج تو جھٹلانے والے

(۱) کاذبۃ: أی نفس کاذبۃ (۲) رَجَّ يَرُجُّ رَجًّا: ہلانا، جنبش دینا (۳) بَسَّ (ن) بَسًّا: چکنا چور کرنا، ٹکڑے ٹکڑے کرنا (۴) منبثا: اصل میں مُنبثٌ (اسم فاعل یا اسم مفعول) تھا: پراگندہ، اڑتا ہوا، پھیلا ہوا (۵) ما: استفہامیہ ہے۔

ہیں۔مگر جب وہ واقعہ ہو پڑے گا تو کون جھٹلا سکے گا؟اس دن مؤمنین سرخ رو ہونگے اور منکرین ذلیل وخوار، یہ واقعہ اس وقت رونما ہوگا جب زمین میں سخت زلزلہ آئے گا،اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہوکر غبار کی طرح اڑتے پھریں گے،اس دن لوگوں کی تین قسمیں ہوجائیں گی،آج تو سب رلے ملے ہیں،اس دن جدا جدا ہوجائیں گے،اس دن مقربین جنت کے نہایت اعلیٰ درجہ پر فائز ہونگے،اور جن کو نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا وہ بھی جنت میں شادکام ہونگے،اور جن کو نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا ان کی بری گت بنے گی۔

آیاتِ پاک:—— جب ہونے والا واقعہ ہو پڑے گا—— یعنی قیامت قائم ہوجائے گی—— تو اس کے ہونے کو کوئی جھٹلانے والا نہیں ہوگا،وہ واقعہ بعض کو پست اور بعض کو بلند کرے گا—— جب زمین میں سخت زلزلہ آئے گا،اور پہاڑ بالکل ریزہ ریزہ ہوجائیں گے،اور وہ پراگندہ غبار ہوجائیں گے تو تم تین قسمیں ہوجاؤ گے،پس داہنے والے کیا خوب ہیں داہنے والے!اور بائیں والے کیسے برے ہیں بائیں والے!اور جو اعلیٰ درجہ کے ہیں وہ تو اعلیٰ ہی درجے کے ہیں!

أُولَٰئِكَ الْمُقَرَّبُونَ ﴿١١﴾ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿١٢﴾ ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ ﴿١٣﴾ وَقَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ ﴿١٤﴾ عَلَىٰ سُرُرٍ مَّوْضُونَةٍ ﴿١٥﴾ مُّتَّكِئِينَ عَلَيْهَا مُتَقَابِلِينَ ﴿١٦﴾ يَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ ﴿١٧﴾ بِأَكْوَابٍ وَأَبَارِيقَ وَكَأْسٍ مِّن مَّعِينٍ ﴿١٨﴾ لَّا يُصَدَّعُونَ عَنْهَا وَلَا يُنزِفُونَ ﴿١٩﴾ وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُونَ ﴿٢٠﴾ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ ﴿٢١﴾ وَحُورٌ عِينٌ ﴿٢٢﴾ كَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُونِ ﴿٢٣﴾ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢٤﴾ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا تَأْثِيمًا ﴿٢٥﴾ إِلَّا قِيلًا سَلَامًا سَلَامًا ﴿٢٦﴾

أُولَٰئِكَ	وہ لوگ	ثُلَّةٌ[1]	ایک انبوہ	عَلَىٰ سُرُرٍ[2]	تختوں پر
الْمُقَرَّبُونَ	نزدیک کئے ہوئے ہیں	مِّنَ الْأَوَّلِينَ	پہلوں میں سے	مَّوْضُونَةٍ[3]	جڑاؤ والے (جواہرات سے آراستہ)
فِي جَنَّاتِ	باغات میں	وَقَلِيلٌ	اور تھوڑے		
النَّعِيمِ	نعمتوں کے	مِّنَ الْآخِرِينَ	پچھلوں میں سے	مُّتَّكِئِينَ	ٹیک لگانے والے

(۱) ثلة: گروہ،لوگوں کی جماعت،جمع ثُلَل (۲) سُرُر: سَرِیْر کی جمع: بیٹھنے کا تخت،چارپائی۔(۳) موضونة: اسم مفعول: وَضَنَ يَضِنُ وَضْنًا: السریرَ: تخت کو جواہرات سے جڑنا۔

عَلَيْهَا	ان پر	عَنْهَا	اس (شراب) سے	اللُّؤْلُؤِ	موتی
مُتَقٰبِلِيْنَ	آمنے سامنے	وَلَا يُنْزِفُوْنَ (۳)	اور نہ بے ہوش ہونگے وہ	الْمَكْنُوْنِ	چھپائے ہوئے
يَطُوْفُ	گھومیں گے	وَفَاكِهَةٍ	اور میوے کے ساتھ	جَزَآءً	بدلہ
عَلَيْهِمْ	ان پر	مِّمَّا	اس میں سے جو	بِمَا	ان کاموں کا جو
وِلْدَانٌ	لڑکے	يَتَخَيَّرُوْنَ (۴)	پسند کریں گے وہ	كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ	کیا کرتے تھے وہ
مُّخَلَّدُوْنَ	ہمیشہ رہنے والے	وَلَحْمِ	اور گوشت کے ساتھ	لَا يَسْمَعُوْنَ	نہیں سنیں گے وہ
بِاَكْوَابٍ (۱)	گلاسوں کے ساتھ	طَيْرٍ	پرندے کے	فِيْهَا	اس میں
وَّاَبَارِيْقَ	اور جگوں کے ساتھ	مِّمَّا	اس میں سے جو	لَغْوًا	بکواس
وَكَاْسٍ	اور پیالے کے ساتھ	يَشْتَهُوْنَ	چاہیں گے وہ	وَّلَا تَاْثِيْمًا (۵)	اور نہ گناہ میں مبتلا کرنا
مِّنْ مَّعِيْنٍ	بہتے چشمے سے	وَحُوْرٌ	اور گوری عورتیں	اِلَّا قِيْلًا	مگر کہنا
لَا يُصَدَّعُوْنَ (۲)	نہ دردسر میں مبتلا کئے	عِيْنٌ	بڑی آنکھوں والیاں	سَلٰمًا سَلٰمًا	سلام! سلام!
	جائیں گے وہ	كَاَمْثَالِ	جیسے	۞	۞

سابقین پر آخرت میں انعامات

سابقین (آگے والے) یعنی صفِ اول کے مؤمنین، جو ایمان میں چٹان کی طرح مضبوط ہوتے ہیں، اور کرنے کے کاموں میں مستحبات تک کی پابندی کرتے ہیں، اور بچنے کے کاموں میں خلافِ اولیٰ سے بھی بچتے ہیں، ان کا انجام بیان فرماتے ہیں:

سابقین کی بڑی فضیلت یہ ہے کہ وہ اللہ کے چہیتے بندے ہیں، مقرب ہونے کا یہی مطلب ہے، تفسیروں میں ایک بات ہے کہ اصحاب الیمین عرش کی دائیں طرف ہونگے، اور اصحاب الشمال بائیں طرف، اور سابقین سامنے، یعنی اللہ کے روبرو، یہی تقربِ خاص ہے —— دوسری فضیلت ان کی یہ ہے کہ وہ سابقین میں سے ہیں، یعنی فرسٹ ڈویژن میں

(۱) کوب: گلاس، إبریق: جگ، لوٹا (۲) لایصدعون: مضارع مجہول منفی، جمع مذکر غائب: مصدر تصدیع: دورانِ سر نہیں ہوگا، سر نہیں چکرائے گا (۳) ینزِفون: مضارع معروف، مصدر إِنْزَاف: بے ہوش ہونا، اور سورۃ الصافات آیت ۴۷ میں يُنْزَفُوْنَ: بابِ ضرب سے مضارع مجہول ہے، اس کے معنی بھی ہیں: عقل میں فتور آنا۔ (۴) یتخیرون از تَخَيُّر (باب تفعل) پسند کرنا۔ (۵) أَثَّمَهُ تَأْثِيْمًا: گناہ گار بنانا، گناہ میں مبتلا کرنا، یہاں مراد بیہودہ بات ہے، کیونکہ وہ عام طور پر گناہ گار بناتی ہے۔

کامیاب ہوئے ہیں ـــــ تیسری فضیلت ان کی یہ ہے کہ جنت میں ان کو ہر طرح کی نعمتیں حاصل ہونگی، النعیم: اسم جنس ہے، تمام نعمتوں کو عام ہے۔

پھر فرمایا: اگلوں میں سابقین کی تعداد بہت ہے، اور پچھلوں میں کم، اس کا ماسیق لاجلہ الکلام اس امت کے مؤمنین (جنّ وانس) ہیں، اور گذشتہ امتوں کا حکم قیاس سے لیا جائے گا، ان میں بھی نبی سے متصل مؤمنین میں سابقین کی تعداد زیادہ ہوگی، اور بعد کے لوگوں میں کم، اور انبیاء اس میں شامل نہیں، ان کا مقام ومرتبہ سابقین سے، بہت بلند ہے۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قربِ نبوت کی برکت سے باکمال لوگ زیادہ ہوتے ہیں، پھر جوں جوں زمانہ دراز ہوتا ہے کمال میں کمی آتی ہے، البتہ عام مؤمنین کی تعداد ہمیشہ بہت رہتی ہے۔

جنت میں سابقین کی محفلیں: جنت میں ان کی محفلیں سجیں گی، خوش طبعی کے لئے سب مل کر بیٹھیں گے، جن تختوں/ چار پائیوں پر بیٹھیں گے، وہ سونے کے تاروں سے اور پتّروں سے آراستہ کئے ہوئے ہونگے، اور سب آمنے سامنے ٹیک لگا کر بیٹھیں گے، کسی کی پشت کسی کے چہرے کی طرف نہیں ہوگی۔

سابقین کے خدام: سابقین کے لئے خدام لڑکے ہونگے، جو جنت کی مخلوق ہونگے، وہ ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے، وہ بہتی شراب کے جام، جگ اور پیالے بھر کر لاتے رہیں گے، جنت کی شراب سے نہ درد سر ہوگا نہ عقل میں فتور آئے گا، نیز سابقین کو جو میوے پسند ہونگے: لڑکے وہ بھی لائیں گے، اور جس پرندے کا گوشت ان کو مرغوب ہوگا وہ بھی لائیں گے۔

سابقین کی ازواج: ان کے لئے گوری رنگت کی بڑی آنکھوں والی ازواج ہونگی، گویا وہ لاک (تالے) میں رکھے ہوئے موتی ہیں ـــــ یہ ان کے اعمال کا صلہ ہے، وہ وہاں نہ بک بک سنیں گے نہ بیہودہ بات، بس ہر طرف سے سلام! سلام! کی آواز آئے گی۔

آیاتِ پاک: ـــــ یہ لوگ مقرب (نزدیک کئے ہوئے) ہیں، نعمتوں کے باغوں میں ہونگے، ایک انبوہ اگلوں میں سے اور تھوڑے پچھلوں میں سے، سونے کے تاروں اور پتّروں سے آراستہ کئے ہوئے تختوں/ چار پائیوں پر آمنے سامنے ٹیک لگا کر بیٹھے ہونگے ـــــ ان کے پاس ایسے لڑکے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے بہتی شراب کے جام، جگ اور پیالے لاتے رہیں گے، نہ اس سے ان کو درد سر ہوگا، اور نہ عقل میں فتور آئے گا، اور (لاتے رہیں گے) میوے ان میں سے جن کو وہ پسند کریں گے، اور پرندے کا گوشت ان میں سے جن کو وہ چاہیں گے ـــــ اور گوری بڑی آنکھوں والی عورتیں، جیسے چھپا کر رکھے ہوئے موتی ـــــ بدلہ ان کاموں کا جو وہ کیا کرتے تھے ـــــ وہ وہاں نہ بک بک سنیں گے، نہ کوئی بیہودہ بات، البتہ ہر طرف سے سلام کی آواز آئے گی! ـــــ بہتی شراب کے: یعنی جنت میں شراب کے قدرتی چشمے

ہونگے، وہ کسی فیکٹری میں نہیں بنی ہوگی ــــ چھپا کر رکھے ہوئے: یعنی صاف موتی کی طرح جس پر گرد وغبار کا ذرا اثر نہ ہو۔

> ہر امت کے پہلے طبقہ میں نبی کی صحبت یا قُرب عہد کی برکت سے اعلیٰ درجہ کے مقربین جس قدر کثرت سے ہوئے ہیں، پچھلے طبقوں میں وہ بات نہیں رہی (فوائد)

وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ مَاۤ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ؕ﴿۲۷﴾ فِىْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ۙ﴿۲۸﴾ وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ۙ﴿۲۹﴾ وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ۙ﴿۳۰﴾ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ۙ﴿۳۱﴾ وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ۙ﴿۳۲﴾ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ۙ﴿۳۳﴾ وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ؕ﴿۳۴﴾ اِنَّاۤ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ۙ﴿۳۵﴾ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ۙ﴿۳۶﴾ عُرُبًا اَتْرَابًا ۙ﴿۳۷﴾ لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ؕ﴿۳۸﴾ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۙ﴿۳۹﴾ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ؕ﴿۴۰﴾

ع ۱۴

الفاظ	ترجمہ	الفاظ	ترجمہ	الفاظ	ترجمہ
وَاَصْحٰبُ	اور دائیں والے	وَّمَآءٍ	اور پانی میں	فَجَعَلْنٰهُنَّ	پس کیا ہم نے ان کو
الْيَمِيْنِ	(اہل سعادت)	مَّسْكُوْبٍ (۲)	بہتے ہوئے	اَبْكَارًا	کنواریاں
مَاۤ اَصْحٰبُ	کیا کہنے	وَّفَاكِهَةٍ	اور میووں میں	عُرُبًا (۴)	محبوبائیں
الْيَمِيْنِ	دائیں والوں کے!	كَثِيْرَةٍ	بہت زیادہ	اَتْرَابًا (۵)	ہم جولیاں
فِىْ سِدْرٍ	بیری میں	لَّا مَقْطُوْعَةٍ	نہ کاٹے ہوئے	لِّاَصْحٰبِ (۶)	دائیں
مَّخْضُوْدٍ (۱)	کانٹے اتاری ہوئی	وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ	نہ روکے ہوئے	الْيَمِيْنِ	والوں کے لئے
وَّطَلْحٍ	اور کیلوں میں	وَّفُرُشٍ (۳)	اور بستروں میں	ثُلَّةٌ	ایک انبوہ
مَّنْضُوْدٍ	تہ بہ تہ جمائے ہوئے	مَّرْفُوْعَةٍ	بلند کئے ہوئے	مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ	پہلوں سے
وَّظِلٍّ	اور سایے میں	اِنَّاۤ اَنْشَاْنٰهُنَّ	بیشک ہم نے بنایا ان کو	وَثُلَّةٌ	اور ایک انبوہ
مَّمْدُوْدٍ	لمبے لمبے	اِنْشَآءً	خاص بنانا	مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ	پچھلوں سے

(۱) خَضَدَ (ض) الشَّجَرَ: درخت کے کانٹے اتارنا (۲) سَكَبَ (ن) الماءُ: پانی بہنا (۳) فُرُش: فِرَاش کی جمع، مراد عورتیں، آگے ضمیر هُنَّ اسی کی طرف راجع ہے۔ (۴) عُرُب: عَرُوْب کی جمع: سہاگ والیاں، پیار دلانے والیاں، محبوبائیں، صفت مشبہ ہے: وہ عورت جو اپنے ناز وانداز سے شوہر کی محبوبہ ہو، اور اپنی فراست سے اس کی مزاج شناس ہو (۵) أتراب: تِرْبٌ کی جمع: ہم جولی، ہم عمر (۶) لأصحاب: إنشاء سے متعلق۔

اصحاب الیمین پر آخرت میں نوازشات

نوازشات: مہربانیاں۔ اصحاب الیمین: دائیں والے: یعنی جن کو نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا: یعنی سابقین کو مستثنیٰ کر کے عام مؤمنین، ان کی تعداد امت کے اگلوں میں بھی بہت ہے اور پچھلوں میں بھی، ان کے لئے آخرت میں جو نعمتیں ہونگی ان کا تذکرہ فرماتے ہیں، عرب میں جو نعمتیں عام ہوتی تھیں یا جو وہاں کم یاب تھیں انہی کو ذکر فرمائیں گے، قرآن کا یہی اسلوب ہے، جن نعمتوں سے قرآن کے پہلے مخاطب واقف نہیں ان کا تذکرہ الجھن کا سبب ہوگا، اس لئے ان کا ذکر قرآن نہیں کرتا، فرماتے ہیں:

۱- دائیں والوں کے لئے آخرت میں بیری کے ایسے درخت ہونگے جن کے کانٹے دور کر دیئے گئے ہونگے، تاکہ وہ بے آزار پھل توڑ سکیں، میں نے امارات عربیہ میں ایسا بیری کا درخت دیکھا ہے۔

۲- کیلے کے ایسے گچھے ہونگے جن میں کیلے تہ بہ تہ جمے ہوئے ہونگے، کیونکہ کیلا اکیلا نہیں کھایا جاتا۔

۳- عرب میں سایے کی بڑی اہمیت ہے، جنت میں لمبے لمبے سایے ہونگے، کیونکہ وہاں دھوپ کا نام نہیں۔

۴- پانی کی بھی عرب میں بہت کمی ہے، اس لئے جنت میں بہتا ہوا پانی ہوگا۔

۵- اور میووں کی تو کوئی حد نہیں ہوگی، نہ ٹوٹا ہوگا نہ روکے ہوئے ہونگے، جب چاہے گا، جو چاہے گا، بے روک ٹوک لے سکے گا۔

۶- عالی شان بستر ہونگے، جیسے میٹرس ڈبل تبل بچھاتے ہیں، اور وہ بیش قیمت بھی ہونگے۔

۷- اصحاب الیمین کی بیویوں کو اللہ تعالیٰ خاص انداز سے بنائیں گے، چنانچہ وہ کنواری، دل لبھانے والیاں اور ہم جولیاں ہونگی۔

فائدہ (۱): یہ بات دنیا کی عورتوں کو بھی حاصل ہوگی، ان کو بھی خاص طور پر بنایا جائے گا، ایک بڑھیا سے نبی ﷺ نے فرمایا: ''بوڑھی جنت میں نہیں جائے گی!'' وہ پریشان ہوگئی اور رونے لگی، آپ نے فرمایا: ''بوڑھی جوان ہو کر جائے گی'' پھر آپ نے یہ آیت پڑھی، معلوم ہوا کہ آیت عام ہے، حوروں کے لئے ہی نہیں۔

اور ترمذی میں حدیث (نمبر ۳۳۲۰) ہے: إِنَّ مِنَ الْمُنْشَآتِ اللَّائِيْ كُنَّ فِي الدُّنْيَا عَجَائِزَ عُمْشًا رُمْصًا: بیشک خاص طور پر بنائی ہوئی عورتوں میں سے وہ عورتیں بھی ہیں جو دنیا میں بوڑھی، چوندھی، اور گوشۂ چشم پر سفید میل جمی ہوئی ہیں یعنی ان کو حسین شکل وصورت میں جوان رعنا کر دیا جائے گا۔

فائدہ (۲): سابقین کی ازواج کا حال دلالۃ النص سے لیا جائے گا، ان کی ازواج کو بھی خاص طور پر بدرجۂ اولیٰ بنایا

جائے گا، جیسے شہداء بنصِ قرآن زندہ ہیں، پس انبیاء بدرجۂ اولیٰ زندہ ہیں، کیونکہ وہ ان سے عالی مرتبہ ہیں۔

فائدہ (۳): ﴿ فُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ﴾ میں صنعتِ استخدام ہے، بستر بھی مراد ہیں اور بیویاں بھی، عرب بیوی کو فراش کہتے ہیں اور صنعتِ استخدام یہ ہے کہ جب کوئی لفظ بولا جائے تو ایک معنی مراد لئے جائیں، پھر جب اس کی طرف ضمیر لوٹائی جائے تو دوسرے معنی مراد لئے جائیں، جیسے:

إذا نَزَلَ السماءُ بأرضِ قومٍ ۞ رَعَيْنَاهُ، وَإِنْ كانوا غَضْبَانًا

(جب کسی قوم کے علاقہ میں بارش ہوتی ہے تو ہم گھاس چرا آتے ہیں، چاہے وہ غصہ سے بھن جائیں)

اس میں السماء سے بارش مراد ہے، پھر جب اس کی طرف رعیناہ کی ضمیر لوٹائی تو السماء سے وہ گھاس مراد لی جو بارش سے اگتی ہے —— اسی طرح فُرش فرمایا تو بستر مراد لیا، پھر جب اس کی طرف أنشأناهن کی ضمیر لوٹائی تو بیویاں مراد لیں، اور مرفوعة: حسی اور معنوی دونوں بلندیوں کو عام ہے۔

آیاتِ پاک: —— اور داہنے والے: کیسے اچھے ہیں داہنے والے! بے خار بیریوں میں، اور تہ بہ تہ کیلوں میں اور لمبے لمبے سایے میں، اور بہتے ہوئے پانی میں، اور بہت زیادہ میووں میں، نہ ختم ہونے والے نہ پابندی لگائے ہوئے، اور بلند بستروں میں، بے شک ہم نے ان عورتوں کو خاص طور پر بنایا، پس ہم نے ان کو کنواریاں، محبوبائیں اور ہم جولیاں بنایا، داہنے والوں کے لئے، ایک بڑا گروہ اگلے لوگوں میں سے اور ایک بڑا گروہ پچھلے لوگوں میں سے (رکوع یہاں لگنا چاہئے، ایک آیت پہلے لگا دیا ہے، وہ صحیح نہیں)

دنیا ساری چند دن برتنے کا سامان ہے، اور دنیا کی بہترین برتنے کی چیز نیک بیوی ہے (حدیث)

وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۥۙ مَاۤ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ؕ﴿۴۱﴾ فِیْ سَمُوْمٍ وَّحَمِیْمٍ ۙ﴿۴۲﴾ وَّظِلٍّ مِّنْ یَّحْمُوْمٍ ۙ﴿۴۳﴾ لَّا بَارِدٍ وَّلَا کَرِیْمٍ ﴿۴۴﴾ اِنَّهُمْ کَانُوْا قَبْلَ ذٰلِکَ مُتْرَفِیْنَ ۚۖ﴿۴۵﴾ وَکَانُوْا یُصِرُّوْنَ عَلَی الْحِنْثِ الْعَظِیْمِ ۚ﴿۴۶﴾ وَکَانُوْا یَقُوْلُوْنَ ۥۙ اَئِذَا مِتْنَا وَکُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۙ﴿۴۷﴾ اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ ۙ﴿۴۹﴾ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۥۙ اِلٰی مِیْقَاتِ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۵۰﴾ ثُمَّ اِنَّکُمْ اَیُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُکَذِّبُوْنَ ۙ﴿۵۱﴾ لَاٰکِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ۙ﴿۵۲﴾ فَمَالِئُوْنَ

مِنْهَا الْبُطُوْنَ ۝ فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ ۝ فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ ۝ هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ ۝

وَ اَصْحٰبُ	اور بائیں والے	وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ	اور کہا کرتے تھے وہ	اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ	اے بھٹکے ہوؤ
الشِّمَالِ	(اہل شقاوت)	اَئِذَا مِتْنَا	کیا جب مرجائیں گے ہم	الْمُكَذِّبُوْنَ	جھٹلانے والو
مَآ اَصْحٰبُ	کیسے برے ہیں	وَكُنَّا تُرَابًا	اور ہوجائیں گے ہم مٹی	لَاٰكِلُوْنَ	ضرور کھانے والے ہو
الشِّمَالِ	بائیں والے!	وَّعِظَامًا	اور ہڈیاں	مِنْ شَجَرٍ	درخت سے
فِيْ سَمُوْمٍ	جھلسنے والی ہوا میں	ءَاِنَّا	کیا بے شک ہم	مِّنْ زَقُّوْمٍ (۴)	زقوم کے
وَّحَمِيْمٍ	اور کھولتے ہوئے پانی میں	لَمَبْعُوْثُوْنَ	البتہ دوبارہ زندہ کئے	فَمَالِئُوْنَ	پس بھرنے والے ہو
وَّظِلٍّ	اور سایے میں		جائیں گے	مِنْهَا	اس سے
مِّنْ يَّحْمُوْمٍ (۱)	سیاہ دھوئیں کے	اَوَاٰبَآؤُنَا	کیا اور ہمارے باپ دادا	الْبُطُوْنَ	پیٹوں کو
لَّا بَارِدٍ	نہ ٹھنڈا	الْاَوَّلُوْنَ	اگلے (بھی)	فَشٰرِبُوْنَ	پس پینے والے ہو
وَّلَا كَرِيْمٍ	نہ عزت والا	قُلْ	کہیں	عَلَيْهِ	اس پر
اِنَّهُمْ كَانُوْا	بے شک وہ تھے	اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ	بے شک اگلے	مِنَ الْحَمِيْمِ	کھولتے پانی سے
قَبْلَ ذٰلِكَ	اس سے پہلے	وَالْاٰخِرِيْنَ	اور پچھلے	فَشٰرِبُوْنَ	پس پینے والے ہو
مُتْرَفِيْنَ (۲)	بڑے خوش حال	لَمَجْمُوْعُوْنَ	البتہ اکٹھا کئے جائیں گے	شُرْبَ	مانند پینے
وَكَانُوْا يُصِرُّوْنَ	اور اصرار کیا کرتے تھے	اِلٰى مِيْقَاتِ	وقت میں	الْهِيْمِ (۵)	سخت پیاسے اونٹ کے
عَلَى الْحِنْثِ (۳)	گناہ پر	يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ	معین دن کے	هٰذَا نُزُلُهُمْ	یہ ان کی مہمانی ہے
الْعَظِيْمِ	بہت بڑا	ثُمَّ اِنَّكُمْ	پھر بے شک تم	يَوْمَ الدِّيْنِ	جزاء کے دن

(۱) یَحْمُوم: اسم ہے (فعل مضارع نہیں) اس کا مادہ حَمَمٌ ہے، اس کے مشتقات میں سیاہی یا گرمی یا دونوں باتیں ہوتی ہیں (۲) مُتْرَف: اسم مفعول، اِتْراف: عیش پرست، خوش حال مزے کی زندگی کاٹنے والا (۳) حِنْث: گناہ، جمع اَحْناث، حَنِثَ (س) حِنْثًا: قسم توڑنا اور گناہ گار ہونا۔ (۴) من زقوم: میں مِن: بیانیہ ہے، زقوم: دوزخ کا ایک درخت ہے، بدبودار نہایت کڑوا، تھوہر بھی ترجمہ کرتے ہیں (۵) هِیم: وہ پیاس جو کسی طرح نہ بجھے، یہ اونٹوں کی ایک بیماری ہے، جیسے استسقاء (جلندر) انسانوں کی بیماری ہے اردو میں اونٹوں کی اس بیماری کے لئے 'تونس' لفظ ہے، شاہ عبدالقادر صاحب نے یہی ترجمہ کیا ہے۔

اصحاب الشمال کی آخرت میں بدحالی

اصحاب الشمال: بائیں والے: یعنی کفار ومشرکین، جن کو قیامت کے دن اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، جب اعمال نامے اڑیں گے تو وہ بایاں ہاتھ پیٹھ پیچھے چھپادیں گے، وہیں ان کو بائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال تھمادیا جائے گا: ﴿وَ اَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَہٗ وَرَآءَ ظَھْرِہٖ﴾: رہاوہ شخص جس کو اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا گیا۔

یہ لوگ دنیا میں بڑے بھاری گناہ میں یعنی کفر وشرک میں مبتلا تھے، خوش حالی میں مزے کی زندگی کاٹتے تھے، اور مرنے کے بعد زندہ ہونے کے تصور سے بھی خالی تھے، ان کے لئے آخرت میں جھلسنے والی دوزخ کی ہوا اور پینے کے لئے کھولتا پانی ہوگا، اور دوزخ کی آگ سے کالا دھواں اٹھے گا: اس کے سایے میں رکھے جائیں گے، جو نہ ٹھنڈک پہنچائے گا نہ وہ عزت کا سایہ ہوگا، ذلیل وخوار ہوکر اس کی تپش میں بُھنتے رہیں گے، اور کھانے کے لئے تھوہر تیار ہوگا، وہ اس کو زہر مار کریں گے اور اس سے پیٹ بھریں گے، پھر پینے کے لئے کھولتا پانی دیا جائے گا، جس کو وہ تونسے ہوئے اونٹ کی طرح بے تحاشا پئیں گے، یہ قیامت میں جھوٹے گمراہوں کی دعوت ہے۔

آیاتِ پاک: —— اور بائیں والے: کیسے برے ہیں بائیں والے! جھلسنے والی ہوا میں، کھولتے ہوئے پانی میں، اور سیاہ دھوئیں کے سایے میں، نہ ٹھنڈا نہ عزت والا! —— بے شک وہ اس سے پہلے (دنیا میں) بڑے خوش عیش تھے، اور وہ بڑے گناہ پر اصرار کیا کرتے تھے، اور وہ کہا کرتے تھے: کیا جب ہم مرجائیں گے، اور ہم مٹی اور ہڈیاں ہوجائیں گے تو کیا ہم دوبارہ زندہ کئے جائیں گے؟ اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی! —— کہو: بے شک اگلے اور پچھلے سب جمع کئے جائیں گے ایک معین دن کے وقت میں، پھر تم اے گمراہو جھٹلانے والو! ضرور زقوم کا درخت کھاؤ گے، پھر اس سے پیٹ بھروگے، پھر اس پر کھولتا پانی پیئو گے، پھر تونسے ہوئے اونٹ کی طرح پیئو گے، یہ جزاء کے دن تمہاری دعوت ہے!

نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ﴿۵۷﴾ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ﴿۵۸﴾ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۵۹﴾ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۶۰﴾ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ﴿۶۳﴾ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴿۶۴﴾ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ﴿۶۵﴾ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ بَلْ

نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿٦٧﴾ اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ﴿٦٨﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿٦٩﴾ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ﴿٧٠﴾ اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ﴿٧١﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِــُٔوْنَ ﴿٧٢﴾ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ﴿٧٣﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿٧٤﴾ ع ۱۵

نَحْنُ	ہم نے	بِمَسْبُوْقِيْنَ(۲)	عاجز ہونے والے	ءَاَنْتُمْ	کیا تم
خَلَقْنٰكُمْ	پیدا کیا تم کو	عَلٰٓى اَنْ(۳)	اس بات سے کہ	تَزْرَعُوْنَهٗٓ	اُگاتے ہو اس کو
فَلَوْلَا	پس کیوں نہیں	نُّبَدِّلَ	بدل دیں ہم (تم کو)	اَمْ نَحْنُ	یا ہم
تُصَدِّقُوْنَ	مانتے تم ؟	اَمْثَالَكُمْ	تمہارے جیسوں سے	الزّٰرِعُوْنَ	اُگانے والے ہیں
اَفَرَءَيْتُمْ	بتاؤ	وَنُنْشِئَكُمْ	اور پیدا کردیں ہم تم کو	لَوْ نَشَآءُ	اگر چاہیں ہم
مَّا تُمْنُوْنَ(۱)	جو قطرہ ٹپکاتے ہو تم	فِيْ مَا	اس حالت میں جس کو	لَجَعَلْنٰهُ	البتہ بنادیں اس کو
ءَاَنْتُمْ	کیا تم	لَا تَعْلَمُوْنَ	تم نہیں جانتے	حُطَامًا	چورا
تَخْلُقُوْنَهٗٓ	پیدا کرتے ہو اس کو	وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	فَظَلْتُمْ(۴)	پس ہو جاؤ تم
اَمْ نَحْنُ	یا ہم	عَلِمْتُمُ	جانا تم نے	تَفَكَّهُوْنَ	باتیں بناتے
الْخٰلِقُوْنَ	پیدا کرنے والے ہیں	النَّشْاَةَ	پیدائش کو	اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ	(کہ) بے شک ہم
نَحْنُ	ہم نے	الْاُوْلٰى	پہلی بار		تاوان زدہ ہیں
قَدَّرْنَا	اندازہ ٹھہرایا ہے	فَلَوْلَا	پس کیوں نہیں	بَلْ نَحْنُ	بلکہ ہم
بَيْنَكُمُ	تمہارے درمیان	تَذَكَّرُوْنَ	یاد کرتے تم	مَحْرُوْمُوْنَ	بے نصیب ہیں
الْمَوْتَ	موت کا	اَفَرَءَيْتُمْ	بتلاؤ	اَفَرَءَيْتُمُ	بتلاؤ
وَمَا نَحْنُ	اور نہیں ہیں ہم	مَّا تَحْرُثُوْنَ	جو بوتے ہو تم	الْمَآءَ	وہ پانی

(۱) أمنَى النطفةَ: نطفہ ڈالنا، قطرۂ منی ڈالنا (۲) مسبوق: اسم مفعول: سابق کی ضد: ہارا ہوا، سَبَقَ علیه: جیتنا، سُبِقَ علیه: ہارنا، علی صلہ آگے آرہا ہے (۳) أن سے پہلے عن یا من پوشیدہ ہے (۴) ظلتم: اصل میں ظَلَلْتُمْ تھا، ایک لام حذف کیا، جیسے تفکھون سے ایک تاء حذف کی۔

الَّذِيْ	جو	فَلَوْلَا	پس کیوں نہیں	الْمُنْشِئُوْنَ	پیدا کرنے والے ہیں
تَشْرَبُوْنَ	تم پیتے ہو	تَشْكُرُوْنَ	شکر بجالاتے تم	نَحْنُ	ہم نے
ءَاَنْتُمْ	کیا تم نے	اَفَرَءَيْتُمُ	بتلاؤ	جَعَلْنٰهَا	بنایا اس کو
اَنْزَلْتُمُوْهُ	اس کو اتارا ہے	النَّارَ	وہ آگ	تَذْكِرَةً	یاددہانی
مِنَ الْمُزْنِ	بادل سے	الَّتِيْ	جس کو	وَّمَتَاعًا	اور فائدہ اٹھانے کی چیز
اَمْ نَحْنُ	یا ہم	تُوْرُوْنَ	تم سلگاتے ہو	لِّلْمُقْوِيْنَ (۱)	جنگل والوں کے لئے
الْمُنْزِلُوْنَ	اتارنے والے ہیں	ءَاَنْتُمْ	کیا تم نے	فَسَبِّحْ	پس پاکی بول
لَوْ نَشَاءُ	اگر چاہیں ہم	اَنْشَاْتُمْ	پیدا کیا ہے	بِاسْمِ رَبِّكَ	تیرے رب کے نام کی
جَعَلْنٰهُ	بنادیں اس کو	شَجَرَتَهَا	اس کے درخت کو	الْعَظِيْمِ	بہت بڑے مرتبہ والا
اُجَاجًا	کھارا	اَمْ نَحْنُ	یا ہم	❁	❁

توحید کا بیان

چار کارناموں سے توحید پر استدلال

قدرتِ الٰہی کے چار عظیم کارنامے بیان کرتے ہیں، اور ان سے توحید الوہیت پر استدلال کرتے ہیں، پہلے دو میں سبب کا توسط ہے، اور دوسرے دو میں سبب کا توسط نہیں، اور ہر کارنامے کے ذکر کے بعد متعلقات کا ذکر ہے، یہ قرآنِ کریم کا اسلوب ہے، جب وہ کسی موضوع پر بات کرتا ہے تو متعلقات تک بات دراز کرتا ہے۔

پہلا کارنامہ: ـــــ انسان کو اللہ نے پیدا کیا، مگر اس میں انسان کا توسط ہے، مرد و زن ملتے ہیں، مادّہ بچہ دانی میں پہنچتا ہے پھر تین اندھیریوں میں اس کو اللہ تعالیٰ انسان بناتے ہیں، دوسرا کون ہے جو یہ کارنامہ انجام دے سکے؟ ـــــ پھر بات آگے بڑھائی ہے کہ جب انسان دنیا میں آجاتا ہے تب بھی اللہ کے اختیار میں ہوتا ہے، ہر انسان کی موت کا وقت اللہ نے مقرر کردیا ہے، اس وقت میں اس کو لامحالہ مرنا ہے، کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی دسترس سے باہر نہیں ـــــ بلکہ اللہ تعالیٰ چاہیں تو موجودہ انسانوں کو مسخ کردیں، سور اور بندر بنادیں، اور موجودہ انسانوں کی جگہ دوسرے انسان پیدا کردیں ـــــ

(۱) المُقْوِی: اسم فاعل، إقْوَاءٌ: مصدر، قَیٌّ: مادّہ: ویران زمین جس میں کوئی رہنے والا نہ ہو، أقْوَتِ الدارُ: مکان غیر آباد ہوگیا، مُقْوِیْن: صحراء نشین، ان کو آگ سے زیادہ فائدہ پہنچتا ہے، رات کو آگ جلاتے ہیں تو درندے بھاگ جاتے ہیں، اور سردی میں لحاف کے بغیر بھی گذارہ ہوجاتا ہے۔

پھر یہ بات اس سوال پر ختم کی ہے کہ جب تم جانتے ہو کہ اللہ ہی نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا ہے تو پھر تم دوسری پیدائش کو کیوں نہیں مانتے؟ جس نے پہلی بار نیست سے ہست کیا ہے: وہ دوسری بار کیوں پیدا نہیں کرسکتا؟

﴿ نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ۝ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ۝ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ۝ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: ہم نے تم کو پیدا کیا، پھر تم (اللہ کی یکتائی) کیوں نہیں مانتے؟ —— یہ آیت توحید کے بیان کی تمہید ہے —— بتلاؤ: جو قطرہ تم (بچہ دانی میں) ٹپکاتے ہو: کیا تم اس کو پیدا کرتے ہو یا ہم پیدا کرنے والے ہیں؟ —— اللہ تعالیٰ ہی اس بے قدر مادہ کو اشرف المخلوقات انسان بناتے ہیں، مرد وزن کا عمل تو پورا ہو گیا، ان کو اب کچھ خبر نہیں کہ اندر کیا ہو رہا ہے —— پھر بات آگے بڑھائی ہے —— ہم نے تمہارے لئے موت کا وقت ٹھہرایا ہے —— یعنی انسان دنیا میں آکر اللہ کی دسترس سے نکل نہیں جاتا، اس کو مقررہ وقت پر لامحالہ مرنا ہے —— اور ہم عاجز نہیں کہ ہم (تم کو) تم جیسوں سے بدل دیں —— یعنی موت سے پہلے بھی انسان اللہ کی قدرت سے باہر نہیں، وہ موجودہ انسانوں کی جگہ دوسرے انسان پیدا کرسکتے ہیں —— اور تمہیں ایسی صورت میں کردیں جس کو تم نہیں جانتے —— یعنی بندر سور بنادیں، مگر بات مبہم رکھی ہے لِيَذْهَبَ الذهنُ كلَّ مذهبٍ: تاکہ ہر احتمال کی طرف ذہن جائے یعنی جس بناوٹ میں بھی ہم چاہیں تبدیل کرسکتے ہیں —— اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ تم پہلی پیدائش کو جانتے ہو —— اور مانتے ہو کہ پہلی بار اللہ نے پیدا کیا ہے —— پھر تم کیوں (دوسری پیدائش کو) یاد نہیں کرتے؟ —— جو پہلی بار پیدا کرسکتا ہے وہ دوسری بار کیوں پیدا نہیں کرسکتا؟ اس کو یاد کرو اور اس کے لئے تیاری کرو۔

دوسرا کارنامہ: انسان زمین جوتتا ہے، پھر اس میں بیج ڈالتا ہے، یہ سبب کا توسط ہوا، پھر اس بیج کو اللہ تعالیٰ اُگاتے ہیں، دانے کو زمین کی نمی گلاتی ہے، پھر اس میں سے نرم ونازک کونپل نکلتی ہے، اور زمین کا سینہ چیر کر باہر آتی ہے، پھر اس کو پروان چڑھاتے ہیں، انسان کو اس سے غلہ ملتا ہے، یہ کارنامہ کس کا ہے؟ اللہ ہی کا! پھر اس کی الوہیت کیوں نہیں مانتے!

پھر بات آگے بڑھائی ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین سے جو بیج اُگاتے ہیں: وہ پودا کمال کو پہنچنے سے پہلے ہی پیلا پڑسکتا ہے، اور ٹوٹ کر چورا ہوسکتا ہے، پھر تم باتیں چھانٹتے رہ جاؤ کہ ہم پر آفت آن پڑی! بلکہ ہم بے نصیب رہ گئے!

﴿ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ۝ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا

فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ۝ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ۝ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: بتلاؤ! جو بیج تم بوتے ہو: کیا تم اس کو اگاتے ہو یا ہم اُگانے والے ہیں؟ —— پھر بات آگے بڑھائی ہے: —— اگر ہم چاہیں تو اس (اُگی ہوئی کھیتی) کو چورا کردیں، پھر تم باتیں چھانٹتے رہ جاؤ کہ ہم پر تاوان آپڑا! بلکہ ہم بے نصیب رہ گئے!

تیسرا کارنامہ: انسان جو پانی پیتا ہے، ندی نالے اور کنویں چشمے سے، وہ پانی بادل سے برستا ہے، پھر زمین پر بہتا ہے یا زمین میں اتر جاتا ہے، بادل یہ پانی دریا سے لاتے ہیں، جو نہایت کھارا ہوتا ہے، پینے کے قابل نہیں ہوتا، مگر اللہ تعالیٰ اس کو میٹھا کرکے برساتے ہیں، اللہ کے علاوہ کون ہے جو بادل سے ایسا شیریں پانی برسائے؟ اگر اللہ چاہیں تو وہ کھارا برسے، پھر لوگ کیا پئیں، ان کی زندگی کا مدار تو پانی پر ہے! پھر اس نعمت کا لوگ شکر کیوں نہیں ادا کرتے؟ اور اس کا شکریہ ہے کہ اسی کی بندگی کی جائے۔

﴿اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ۝ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: بتلاؤ: جو پانی تم پیتے ہو، کیا تم اس کو بادل سے برساتے ہو، یا ہم برسانے والے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اس کو کھارا بنادیں، پھر تم کیوں شکر نہیں بجالاتے؟!

چوتھا کارنامہ: اللہ نے دو درخت پیدا کئے، ایک کا نام العَفَار ہے، دوسرے کا نام المَرْخ، دونوں کی لکڑیاں ٹکرانے سے آگ جھڑتی ہے، اسی طرح چق ماق کے دو پتھر ٹکرانے سے بھی آگ جھڑتی ہے، اور ہرے بانس بھی رگڑ کھاتے ہیں تو جنگل میں آگ لگ جاتی ہے، اور آگ تو ہر درخت میں ہوتی ہے، لیکن مرخ اور عفار کو ان میں بڑا درجہ حاصل ہے، یہ ہرے درخت سے آگ کون پیدا کرتا ہے؟ یہ اللہ ہی کا کام ہے، پس اس کی یکتائی اور الوہیت کو کیوں نہیں مانتے؟ —— پھر بات بڑھائی ہے کہ دنیا کی یہ آگ آخرت کی آگ (دوزخ) کا نمونہ ہے، اس کو یاد کرو، اور اس سے بچنے کا سامان کرو —— اور یہ آگ صحرا نشینوں (مسافروں وغیرہ) کے لئے بڑے فائدے کی چیز ہے، پس اس کا شکر بجالاؤ، اور اس عظیم المرتبت اللہ کی پاکی بیان کرو، صرف اسی کی الوہیت کے گیت گاؤ، کسی اور کو اس کے ساتھ شریک مت ٹھہراؤ!

﴿اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُوْنَ ۝ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا

تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ﴿۷۳﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۷۴﴾

ترجمہ: بتلاؤ: جس آگ کو تم سلگاتے ہو: کیا تم نے اس کا درخت اُگایا ہے یا ہم اُگانے والے ہیں؟ ہم نے اس (آگ) کو یاد دہانی اور جنگل والوں کے لئے فائدہ اٹھانے کی چیز بنایا ہے۔

پس پاکی بیان کر واپنے عظیم پروردگار کے نام کی!

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ﴿۷۵﴾ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ﴿۷۶﴾ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۷﴾ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿۷۸﴾ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿۷۹﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۸۲﴾

فَلَآ (۱)	پس نہیں!	لَقُرْاٰنٌ	البتہ پڑھنے کی کتاب ہے	الْعٰلَمِيْنَ	جہانوں کے
اُقْسِمُ	قسم کھاتا ہوں میں	كَرِيْمٌ	معزز	اَفَبِهٰذَا	کیا پس اس
بِمَوٰقِعِ (۲)	جمع ہونے کی جگہوں کی	فِيْ كِتٰبٍ	ایک نوشتہ میں	الْحَدِيْثِ	بات کو
النُّجُوْمِ	ستاروں کے	مَّكْنُوْنٍ	چھپائے ہوئے	اَنْتُمْ	تم
وَاِنَّهٗ (۳)	اور بے شک وہ (قسم)	لَّا يَمَسُّهٗٓ	نہیں چھوتے اس کو	مُّدْهِنُوْنَ (۵)	سرسری سمجھتے ہو؟
لَقَسَمٌ	یقیناً قسم ہے	اِلَّا	مگر	وَتَجْعَلُوْنَ	اور گردانتے ہو
لَّوْ تَعْلَمُوْنَ (۴)	اگر سمجھ سکو تم	الْمُطَهَّرُوْنَ	نہایت پاک بندے	رِزْقَكُمْ (۶)	اپنا حصہ
عَظِيْمٌ	بہت بڑی	تَنْزِيْلٌ	اتارنا ہے	اَنَّكُمْ	کہ تم
اِنَّهٗ	بے شک وہ (قرآن)	مِّنْ رَّبِّ	پروردگار کی طرف سے	تُكَذِّبُوْنَ	جھٹلاتے ہو!

(۱) لا: سے منکر توحید کے کلام کی نفی کی ہے، تقدیرہ: فلاصحۃَ لما یقوله الکافر (جمل) (۲) مواقع: موقِع کی جمع ہے، اسم ظرف، : واقع ہونے کی جگہ یعنی وہ برج جس میں ستارے اکٹھا ہوئے (۳) وإنه: مقسم بہ اور مقسم علیہ کے درمیان جملہ معترضہ ہے (۴) لو تعلمون: جملہ معترضہ کے درمیان جملہ معترضہ ہے (۵) مُدْهِن: اسم فاعل، إدْهَان: تیل لگانا، نرم کرنا، مادہ دُهن: تیل، مجازی معنی: بے وقعت سمجھنا (۶) رزقکم: مفعولِ اول ہے، اور رزق کے معنی ہیں: روزی، حصہ، اور أنکم تکذبون: مفعولِ ثانی ہے، اور حدیث میں رزق کی تفسیر ''شکر'' سے آئی ہے (ترمذی ح: ۳۳۱۹)

ربط: توحید کے مضمون کے بعد دلیلِ رسالت یعنی قرآنِ کریم کی عظمتِ شان کا بیان ہے، کیونکہ توحید کا مضمون قرآنِ کریم ہی نے مفصل ومدلل بیان کیا ہے، پس قرآن: توحید کی دلیلِ نقلی ہے ـــــ اور مواقع النجوم: ستاروں کے جمع ہونے کی جگہ کی قسم کو سمجھنے کے لئے تھوڑی تمہید ضروری ہے۔

عُلویات کے سِفلیات پر اثرات

امام اکبر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہٗ نے حجۃ اللہ البالغہ میں دو جگہ اس مسئلہ پر گفتگو کی ہے، اس کی شرح: رحمۃ اللہ الواسعہ (۱:۲۳۰) میں ہے:

سوال: کیا کواکب کی شکلوں (عقرب، جدی، دَلْو، حُوت، میزان، ثریا، سُہیل وغیرہ) میں اللہ تعالیٰ نے سفلیات پر اثر انداز ہونے کی صلاحیتیں رکھی ہیں؟ علم نجوم والے اس کے قائل ہیں، شریعت اس سلسلہ میں کیا کہتی ہے؟

جواب: کواکب کی بعض تاثیرات تو بدیہی ہیں، مثلاً سورج کے احوال کے اختلاف سے سردی گرمی کے موسموں کا بدلنا اور دن کا چھوٹا بڑا ہونا اور چاند کی کشش کی وجہ سے سمندر میں جُوار بھاٹا اٹھنا وغیرہ۔ اور حدیث میں آیا ہے کہ (سنت الٰہی یہ ہے کہ) جب ثریا ستارہ طلوع ہوتا ہے تو کھجوروں کی بیماریاں ختم ہو جاتی ہیں (رواہ احمد کنز العمال حدیث نمبر ۲۱۶۱۴ کشف الخفاء ۱:۱۱۰) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ثُریا ستارے کے سفلیات پر اثرات پڑتے ہیں۔

رہی یہ بات کہ مالداری اور غریبی، خوش حالی اور خشک سالی اور دیگر انسانی واقعات پر کواکب کی حرکتوں کے اثرات پڑتے ہیں یا نہیں؟ تو یہ بات نہ تو بدیہی ہے، نہ دلیل نقلی سے ثابت ہے اور ہمیں اس میں غور کرنے سے منع بھی کیا گیا ہے حدیث شریف میں ہے کہ ''جس نے علم نجوم کا کوئی حصہ حاصل کیا اس نے اتنا ہی سحر کا حصہ حاصل کیا، اور جس نے زیادہ حاصل کیا اس نے اتنا ہی جادو سیکھا'' (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ، مشکوۃ باب الکہانہ حدیث ۴۵۹۸) یعنی جس طرح سحر سیکھنا حرام ہے علم نجوم سیکھنا بھی حرام ہے اور جو لوگ بارش ہونے کو نچھتروں کی طرف منسوب کرتے ہیں حدیث متفق علیہ میں ان پر سخت نکیر آئی ہے (مشکوۃ باب الکہانہ حدیث ۴۵۹۶)

سوال: تو کیا ہم یہ بات سمجھنے میں حق بجانب ہیں کہ علویات کے اس قسم کے اثرات سفلیات پر نہیں پڑتے؟ جبھی تو علم نجوم کی تحصیل سے روکا گیا ہے اور مُطِرْنَا بِنَوْءِ کذا کہنے والوں پر نکیر آئی ہے۔

جواب: نہیں، میں یہ بھی نہیں کہتا کہ شریعت میں کواکب کی اس قسم کی تاثیرات کی صراحۃً نفی آئی ہے۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ نے ستاروں میں ایسی خصوصیات رکھی ہوں کہ وہ زمینی واقعات کو متاثر کرتے ہوں، اور اس کی شکل یہ ہوتی ہو کہ ستاروں کے اثرات اولاً ان کے ماحول (اردگرد) پر پڑتے ہوں، پھر رفتہ رفتہ ہوا کے توسط سے یہ اثرات سفلیات تک

منتقل ہوتے ہوں اور زمینی واقعات کو متاثر کرتے ہوں، جیسے عطریات اور گندگیاں پہلے اپنے اردگرد کی ہوا کو متاثر کرتی ہیں، پھر وہ اثرات رفتہ رفتہ دور تک پھیل جاتے ہیں۔

سوال: اگر کواکب میں اس قسم کے اثرات ہیں یا ہو سکتے ہیں تو پھر شریعت نے علم نجوم کی تحصیل سے کیوں روکا ہے؟ اس صورت میں تو علم نجوم کی تحصیل جائز ہونی چاہئے تاکہ اس کے ذریعہ جلب منفعت یا دفع مضرت کیا جاسکے، یہ ممانعت تو اس پر صاف دلالت کرتی ہے کہ علویات میں اس قسم کے اثرات نہیں۔

جواب: ممانعت کی وجوہ تو اور بھی ہوسکتی ہیں، مثلاً:

(۱) شریعت نے کہانت (جنات سے خبریں لے کر بتانے) سے سختی سے روکا ہے، مسلم شریف میں حدیث ہے کہ حضرت معاویہ بن الحکم رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ ہم زمانہ جاہلیت میں چند کام کرتے تھے، ہم کاہنوں کے پاس جاتے تھے؟ آپ نے فرمایا: **فلا تأتوا الکھان** (اب کاہنوں کے پاس مت جایا کرو) (مشکوۃ باب الکہانہ حدیث ۴۵۹۲)

اور جو کاہن کے پاس جاتا ہے اور اس سے غیب کی باتیں پوچھتا ہے، پھر وہ جو بتاتا ہے اس کو مانتا ہے تو آپؐ نے اس شخص سے بے تعلقی کا اعلان فرمایا ہے (احمد، ابوداؤد، ترمذی مشکوۃ باب الکہانہ حدیث ۴۵۹۹)

مگر جب آپ سے کاہنوں کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپؐ نے بتلایا کہ فرشتے بادلوں میں اترتے ہیں اور آسمانوں میں جو معاملہ طے پاتا ہے اس کا چرچا کرتے ہیں، شیاطین وہاں سے کوئی بات چرالاتے ہیں اور جس کاہن کے تابع ہوتے ہیں اس کو وہ ادھوری بات پہنچا دیتے ہیں، کاہن اس میں سو جھوٹ ملا کر بات مکمل کرتا ہے اور پیشین گوئی کرتا ہے، جب وہ ایک بات صحیح نکلتی ہے تو لوگ اس کے گرویدہ ہوجاتے ہیں، مگر نہیں سوچتے کہ اس کی بتائی ہوئی ننانوے باتیں تو جھوٹی نکلیں (رواہ البخاری مشکوۃ باب الکہانہ حدیث ۴۵۹۴ و ۴۶۰۰)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ کاہنوں کی بعض باتیں صحیح ہوتی ہیں، تاہم کہانت سیکھنے سے، اس پر عمل کرنے سے اور اس سے فائدہ اٹھانے سے منع کیا گیا ہے، حدیث میں ہے کہ جو عرّاف کے پاس گیا اور اس سے کوئی بات معلوم کی تو اس کی چالیس دن کی نماز قبول نہیں کی جائے گی (رواہ مسلم مشکوۃ حدیث ۴۵۹۵) پس ممکن ہے کہ کواکب میں بھی تاثیرات ہوں مگر کسی مصلحت سے شریعت نے علم نجوم پڑھنے سے اور کواکب کی طرف نسبت کرنے سے منع کیا ہو۔

(۲) سورۂ آل عمران آیت ۱۵۶ میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ منافقین جیسی باتیں نہ کریں۔ منافقین اپنے بھائی بندوں سے کہتے تھے، جبکہ وہ کسی سرزمین میں سفر کرتے تھے، یا جہاد کے لئے نکلتے تھے: "اگر وہ ہمارے پاس رہتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے" حالانکہ یہ بات کہنا فی نفسہ ممنوع نہیں، لوگ اس قسم کی بات کہا ہی کرتے ہیں، جب کوئی شخص

خطرہ کے کام میں کودتا ہے تو اس کے متعلقین اس کو سمجھاتے ہیں کہ بھئی! یہ سفر مت کر، یہ خطرے کا کام مت کر، مگر جب وہ نہیں مانتا اور لقمۂ اجل بن جاتا ہے تو لوگ کہا کرتے ہیں کہ ہماری نہیں مانی، اس لئے یہ نوبت آئی۔

غرض اس قسم کی باتیں ممنوع نہیں ہیں، مگر منافقین اس قسم کی باتیں اہل ایمان کو جہاد سے روکنے کے لئے اور ان میں بزدلی پیدا کرنے کے لئے کہا کرتے تھے، اس لئے اہل ایمان کو اس قسم کی باتیں کہنے سے منع کیا گیا۔

(۳) اور متفق علیہ حدیث میں ہے کہ کسی کا بھی عمل اس کو جنت میں نہیں لے جائیگا، جو بھی جنت میں جائے گا، فضل باری سے جائے گا (فتح ۱۰: ۱۲۷ مسلم کتاب صفات المنافقین ۱۷: ۱۶۱) حالانکہ آدمی اعمال صالحہ حصول جنت ہی کے لئے کرتا ہے اور قرآن کریم بھرا پڑا ہے کہ اعمال صالحہ کی جزاء جنت ہے، پس اس حدیث کا مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ دخول جنت کا حقیقی سبب فضل الٰہی ہے اور اعمال بس ظاہری سبب ہیں۔

(۴) حضرت ابو رمثہ رضی اللہ عنہ کے والد نے مہر نبوت دیکھ کر عرض کیا: یارسول اللہ! میں حکیم ہوں، آپ کے اس پھوڑے کا علاج کرسکتا ہوں، آپ نے فرمایا: ''تم ہمدرد ہو اور اللہ حکیم ہیں'' (مشکوۃ کتاب القصاص حدیث ۳۴۷۱ مسند احمد ۴: ۱۶۳) حالانکہ دنیا علاج کرنے والے کو حکیم، ڈاکٹر کہا کرتی ہے پس اس حدیث میں جو نفی ہے وہ کسی اور مصلحت سے ہے۔

کواکب کی تاثیر کی دوصورتیں

اور رحمۃ اللہ (۵: ۵۳۲) میں ہے:

اور اس میں کچھ استبعاد نہیں کہ کواکب کی تاثیر دو طریقوں سے ہو:

پہلا طریقہ — کواکب کی تاثیر طبائع (ماہیات) کی تاثیر کی طرح ہو — اللہ تعالیٰ نے ہر نوع کے لئے ایسی طبائع بنائی ہیں جو اس کے ساتھ مختص ہیں۔ مثلاً کوئی چیز حار ہے تو کوئی بارد۔ کسی چیز میں یبوست ہے تو کسی میں رطوبت۔ اور انہی طبائع سے اطباء کام لیتے ہیں، اور علاج تجویز کرتے ہیں۔ پس افلاک وکواکب کے لئے بھی طبیعتیں اور خاصیتیں ہیں۔ جیسے سورج گرم ہے اور چاند مرطوب۔ اس لئے جب کوئی ستارہ اس کی معین جگہ میں آتا ہے تو اس کی قوت وصلاحیت زمین میں ظاہر ہوتی ہے۔

مثال: عورتوں میں نسوانی عادتیں اور زنانے خصائل ہوتے ہیں۔ اور اس کی وجہ زنانی فطرت ہے، جس کا ادراک دشوار ہے۔ اسی طرح مردوں میں بہادری اور بلند آہنگی ہوتی ہے۔ اور اس کی وجہ بھی مردانہ مزاج ہے۔ لہٰذا اس بات کا انکار نہیں کرنا چاہئے کہ زہرہ اور مریخ وغیرہ ستاروں کی صلاحیتیں جب زمین تک پہنچیں تو ان کے مخفی طبائع کے آثار ظاہر ہوں۔

دوسرا طریقہ — کواکب کی تاثیر روحانی اور طبعی صلاحیتوں کا آمیزہ ہو — جنیں (پیٹ کے بچہ) پر ماں اور باپ

دونوں کے اثرات پڑتے ہیں۔مثلاً: مرد کا مادّہ قوی ہوتا ہے تو بچہ ددھیال کے مشابہ، اور ماں کا مادہ قوی ہوتا ہے تو ننھیال کے مشابہ ہوتا ہے (بخاری حدیث ۳۹۳۸) اور موالید ثلاثہ اور آسمانوں اور زمین میں ایسا ہی تعلق ہے جیسا جنین اور اس کے ماں باپ کے درمیان ہے۔پس آسمان وزمین کی صلاحیتیں ہی حیوانات اور انسانوں کے وجود کا سبب ہیں۔

حکومتوں اور شریعتوں کی تبدیلی میں قِرَانات کی تاثیر

قِرَانات: قِرَانة کی جمع ہے، علم نجوم کی اصطلاح میں جب دوستارے ایک برج میں ایک درجہ میں جمع ہوتے ہیں، تو اس اجتماع کو قران، نظر اور زائچہ کہتے ہیں۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہٗ سے سوال کیا گیا کہ مواقع النجوم کو خود قرآن نے بہت بڑی قسم کہا ہے: اس کی کیا وجہ ہے؟ حضرت نے اسرار قرآنی میں اس کا یہ جواب دیا:

"سفلیات را اگر بہر انفعال نہادہ اند، علویات را جلوۂ اِفعال دادہ اند، ہر تغیرے وانقلابے کہ درخاکدانِ زمیں رُومی دہد، منشأ آن در عالم اسباب ہمیں کواکب اند، کہ باطوار مختلفہ می آیند ومی روند،

عمدہ تغیرے ومہین انقلابے کہ پس از "انقلابِ ظہورِ قِدم بآئینۂ حدوث" برروئے کار آمد، نزول قرآنی است۔نظر بریں زائچہ ایں انقلاب از جملہ زائچہا برتر باشد، ونقشۂ این اجمال کہ از اجتماع جملہ نجوم بہیئت مخصوصہ ظہور فرمودہ، از جملہ نقشہائے کہ در حوادث جلوہ گر بہا دارند احسن واعلیٰ باشد۔بدیں وجہ نقشہ ہٴ دیگر حوادث کہ مقسم بہ خداوندی گردیدہ اند، بدیں نقشہ نہ رسد، بدیں سبب موصوف بہ قسم عظیم گردیدہ" (اسرار قرآنی ص ۴ جواب سوال دوم)

ترجمہ: سفلیات کو اگر اثر پذیری کے لئے بنایا ہے تو علویات کو اثر اندازی کا کمال دیا ہے، جو بھی تبدیلی اور انقلاب زمین میں رونما ہوتا ہے اس کا منشأ (پیدا ہونے کی جگہ) عالم اسباب میں ستارے ہیں، جو مختلف انداز سے آتے جاتے ہیں ـــــ بہترین تغیر اور بڑا انقلاب جو روبعمل آیا ہے ـــــ ذاتِ قدیم کے حدوث کے آئینہ میں ظہور انقلاب کے بعد ـــــ وہ قرآن کا نزول ہے، نظر بریں زائچہ یہ انقلاب دوسرے تمام انقلابوں سے بڑا ہے، اور اس اجمال کا نقشہ (نزولِ قرآن) جو چند ستاروں کے مخصوص ہیئت میں جمع ہونے سے وجود میں آیا ہے: اُن تمام نقشوں سے (سابقہ نبوتوں اور کتابوں کے نزول سے) جو حوادث میں جلوہ گر ہوئے ہیں: عمدہ اور اعلیٰ ہے، اس وجہ سے دیگر واقعات کے نقشے جو مقسم بہ خداوندی ہیں: اس نقشہ تک نہیں پہنچ سکتے: اس وجہ سے اس کو "بہت بڑی قسم" کہا ہے۔

وضاحت: دو باتیں: (۱) زمینی واقعات اثر قبول کرتے ہیں، اور کواکب اثر ڈالتے ہیں، عالم اسباب میں نئی باتوں کا منشأ ستارے ہیں، تمامی اہم واقعات جو زمین میں رونما ہوتے ہیں، ان کا منشا یہی کواکب ہیں (۲) اور اللہ تعالیٰ نے جب

سے یہ عالم حادث بنایا ہے: بہترین تغیر اور عظیم انقلاب جو رونما ہوا ہے وہ قرآن کا نزول ہے، اس سے بڑا کوئی واقعہ رونما نہیں ہوا ـــــ نتیجہ: گذشتہ کتابوں کے نزول کے وقت بھی کواکب کا اجتماع ہوتا تھا، مگر نزولِ قرآن کے وقت چند ایسے ستارے کسی برج میں جمع ہوئے جو شروع کائنات سے اُس وقت تک کبھی جمع نہیں ہوئے تھے، یہی زائچہ (ستاروں کا اجتماع) مواقع النجوم ہے، اس کی قسم کھائی ہے یعنی اس کو قرآن کی حقانیت کی دلیل میں پیش کیا ہے، اور کواکب کا یہ اجتماع چونکہ سب سے بڑا اجتماع تھا، اس لئے اس کو ''بڑی قسم'' کہا ہے۔

دلیلِ رسالت (قرآنِ کریم) کی عظمتِ شان کا بیان

سابقہ آیات میں قدرتِ خداوندی کے چار کارناموں سے توحید پر استدلال کیا تھا، وہ توحید کی دلیلِ عقلی تھی، اب دلیلِ نقلی پیش کرتے ہیں، اور وہ قرآنِ کریم ہے، اسی نے توحید کو کھول کر بیان کیا ہے۔

اور بات یہاں سے شروع کی ہے کہ مشرکین جو توحید کا انکار کرتے ہیں: وہ غلط ہے، توحید برحق ہے، اور اس کی دلیل عظیم الشان قرآنِ کریم ہے، اس کے نزول کے وقت چند ایسے ستارے ایک برج میں جمع ہوئے تھے جو ابتدائے آفرینش سے کبھی جمع نہیں ہوئے تھے، نہ آئندہ کبھی جمع ہونگے، اور عالم اسباب میں علویات کی سفلیات پر تاثیر اکابر نے تسلیم کرلی ہے، پس اس عظیم اجتماع کے زمین پر عظیم اثرات مرتب ہوئے، اور جو قرآن لوحِ محفوظ میں تھا اس کو رب العالمین نے انسانوں اور جنات کی ہدایت کے لئے نازل فرمایا، اور لوحِ محفوظ تک فرشتوں کے سوا کسی کی پہنچ نہیں کہ یہ احتمال ہو کہ شیاطین وہاں سے لے آئے ہوں، اور جیسے وہ کاہنوں کو بات پہنچاتے ہیں آپ کو قرآن پہنچایا ہو، پس اب تم سوچو! کیا یہ قرآن سرسری بات ہے جو تم اس کی تکذیب کے درپے ہو؟

قرآنِ کریم کو بے وضوء ہاتھ لگانا جائز نہیں

ارشادِ پاک: ﴿ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴾: کا ماسیق لاجلہ الکلام (بنیادی مقصد) یہ ہے کہ کتابِ مکنون (لوحِ محفوظ) ایسی جگہ ہے جہاں تک فرشتوں کے علاوہ کسی کی پہنچ نہیں، مگر اس آیت سے یہ مسئلہ بھی اخذ کیا گیا ہے کہ قرآن کو بے وضوء ہاتھ لگانا جائز نہیں، کیونکہ نص کے الفاظ عام ہیں، لَايَصِلُ کے بجائے لَا يَمَسُّ فرمایا ہے، اور الملائکۃ کے بجائے المطھرون فرمایا ہے، اور تفسیر کا اصول یہ ہے کہ اعتبار الفاظ کے عموم کا ہوتا ہے، اس لئے چاروں ائمہ نے الفاظ کے عموم سے مذکورہ مسئلہ ثابت کیا ہے، تفصیل تحفۃ الالمعی شرح سنن الترمذی جلد اول کے مقدمہ میں ہے۔

﴿ فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ۝ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ۝ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۝ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۝ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۝ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ۝

وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: —— پس نہیں! —— یعنی توحید کا انکار درست نہیں! —— میں قسم کھاتا ہوں ستاروں کے اجتماع کی —— قرآن کائناتی چیزوں کی جو قسم کھاتا ہے وہ درحقیقت مقسم علیہ (مدعی) کے دلائل ہوتے ہیں، مدعی آگے آرہا ہے، درمیان میں جملہ معترضہ ہے —— اور بے شک یہ قسم اگر تم بوجھو یقیناً بڑی قسم (دلیل) ہے —— کیونکہ کواکب کا ایسا اجتماع کبھی نہیں ہوا —— بے شک وہ قرآن معزز پڑھنے کی کتاب ہے —— یہ مقسم علیہ (مدعی) ہے —— چھپائے ہوئے نوشتہ (لوحِ محفوظ) میں ہے، اس کو نہایت پاک بندوں کے سوا کوئی نہیں چھوتا، اس کو جہانوں کے پالنہار نے اتارا ہے، پس کیا تم اس کلام کو سرسری بات سمجھتے ہو، اور اس کی تکذیب کو اپنی غذا بناتے ہو! —— یعنی کیا یہ ایسی دولت ہے جس سے مستفید ہونے میں تم سستی کرو؟ اور اپنا حصہ اتنا ہی سمجھو کہ اس کو جھٹلاتے رہو؟ تمہیں چاہئے کہ اس نعمت کا شکر بجالاؤ، اور اس کے بتلائے ہوئے راستہ کو اپناؤ!

فائدہ: یہ دنیا دار الاسباب ہے، یہاں اسباب ومسببات زنجیر میں جکڑے ہوئے ہیں، مگر جہاں سبب اور مسبب کے درمیان تعلق خفی ہوتا ہے وہاں مسبب کی سبب کی طرف اضافت ونسبت جائز نہیں، ایسی جگہ حکم ہے کہ مسبب کی نسبت مسبب الاسباب کی طرف کی جائے، البتہ باہمی تعلق واضح ہو تو نسبت جائز ہے، جیسے علاج معالجہ سے شفاء ہوتی ہے، اور دونوں میں تعلق واضح ہے، پس کہہ سکتے ہیں کہ فلاں حکیم/ ڈاکٹر کا علاج کرایا، اس لئے شفا ہوگئی، اور یہ کہنا کہ فلاں نچھتر لگا یعنی کواکب کا اجتماع ہوا اس لئے بارش ہوئی: یہ کہنا جائز نہیں، کیونکہ کواکب کے اجتماع اور بارش کے درمیان تعلق خفی ہے، ایسی جگہ کہا جائے گا کہ اللہ کے فضل سے بارش ہوئی —— البتہ یہ ضابطہ انسانوں کے لئے ہے، جن کا علم محدود ہے، اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہیں وہ نسبت کرسکتے ہیں، جیسا کہ اس آیت میں نزولِ قرآن کی نسبت مواقع النجوم کی طرف کی ہے۔

فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ۝ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ۝ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ۝ فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ۝ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۥ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ۝ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ۝ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ۝ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ ۝ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ۝ وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ۝ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ۝ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ۝ ع

فَلَوْلَآ (۱)	پس کیوں نہیں	اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم	وَاَمَّآ اِنْ كَانَ	اور یا اگر ہے وہ
اِذَا بَلَغَتِ	جب پہنچ جاتی ہے (روح)	صٰدِقِيْنَ	سچے	مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ	جھٹلانے والوں سے
الْحُلْقُوْمَ	گلے میں	فَاَمَّآ اِنْ كَانَ	پس یا اگر ہے وہ	الضَّآلِّيْنَ	بھٹکے ہوؤں سے
وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ	اور تم اس وقت	مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ	مقرب لوگوں میں سے	فَنُزُلٌ	پس مہمانی ہے
تَنْظُرُوْنَ	دیکھ رہے ہوتے ہو	فَرَوْحٌ	پس راحت	مِّنْ حَمِيْمٍ	جلتے پانی کی
وَنَحْنُ	اور ہم	وَّرَيْحَانٌ	اور روزی	وَّتَصْلِيَةُ (۴)	اور جلنا ہے
اَقْرَبُ اِلَيْهِ	اس سے زیادہ نزدیک ہیں	وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ	اور نعمت کا باغ ہے	جَحِيْمٍ	دوزخ میں
مِنْكُمْ	تم سے	وَاَمَّآ اِنْ كَانَ	اور یا اگر ہے وہ	اِنَّ هٰذَا لَهُوَ	بے شک یہ البتہ وہ
وَلٰكِنْ	لیکن	مِنْ اَصْحٰبِ	دائیں والوں میں سے	حَقُّ الْيَقِيْنِ (۵)	لائق یقین ہے
لَّا تُبْصِرُوْنَ	تم دیکھتے نہیں	الْيَمِيْنِ		فَسَبِّحْ	پس پاکی بول
فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ	پس کیوں نہیں اگر ہو تم	فَسَلٰمٌ لَّكَ	پس سلامتی ہے تیرے لئے	بِاسْمِ	نام کے
غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ (۲)	نہ بدلہ دیے ہوئے	مِنْ اَصْحٰبِ	دائیں والوں سے	رَبِّكَ	تیرے رب کی
تَرْجِعُوْنَهَآ (۱)	لوٹا لیتے تم اس کو	الْيَمِيْنِ (۳)		الْعَظِيْمِ	بڑے رتبہ والا

جو بویا ہے وہی کاٹے گا

دلیلِ عقلی ونقلی سے توحید کو ثابت کرنے کے بعد اب یہ مضمون ہے کہ یہ دنیا عارضی ہے، ایک دن ختم ہوجائے گی، پھر دوسری دنیا آباد ہوگی، اور جزاؤسزا کا عمل شروع ہوگا، انسان نے اس دنیا میں جو بویا ہے اس کو کاٹے گا —— مگر مشرکین یہ سمجھتے ہیں کہ انسان خود بخود پیدا ہوگئے ہیں، پیدا ہوتے ہیں اور مرجاتے ہیں، آگے کوئی زندگی ہے نہ جزاؤسزا، نہ وہ انسان کو کسی کی قدرت کے ماتحت سمجھتے ہیں، ان سے کہا جارہا ہے کہ اگر ایسا ہے تو تم مرنے والے کو مرنے کیوں دیتے ہو؟ جب یہی دنیا سب کچھ ہے تو اسی میں ہمیشہ رہو، حالانکہ جب جان کنی کا وقت ہوتا ہے، روح مرنے والے کے گلے میں آجاتی ہے، اور تم پاس بیٹھے ٹکٹکی باندھے دیکھ رہے ہوتے ہو، مگر بے بس ہوتے ہو، کچھ کر نہیں سکتے، اور اللہ تعالیٰ اس وقت

(۱) لولا: مکرر ہے، اور وہ ترجعونها پر داخل ہے، ترجمہ اس کے ساتھ ہوگا۔ (۲) مَدِيْنٌ: اسم مفعول: (۱) بدلہ دیا ہوا (۲) زیرِ حکم، محکوم (۳) مِن: تعلیلیہ ہے، أي من أجل أنه منهم اور ﴿لَكَ﴾ میں التفات ہے، اصل: له تھا۔ (۴) تصلية: باب تفعیل کا مصدر ہے: جلنا۔ (۵) حق اليقين: موصوف کی صفت کی طرف اضافت ہے۔

مرنے والے سے تم سے زیادہ قریب ہوتے ہیں، یعنی مرنے والا اللہ کے اختیار میں ہوتا ہے، اگر مرنے والا تمہارے اختیار میں ہے، تو اس کو مرنے کیوں دیتے ہو؟ اس کی روح کو پھیر لاؤ!

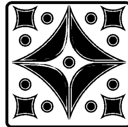
انسان کو مر کر اللہ کے پاس پہنچنا ہے، پھر اگر وہ مقرب بندوں میں سے ہے تو اس کے وارے نیارے! اس کے لئے راحت، روزی اور نعمت کا باغ ہے، اور اگر وہ دائیں والوں میں سے ہے تو بھی زہے نصیب! کامیاب تو ہے! لیکن اگر وہ تکذیب کرنے والوں گمراہوں میں سے ہے، تو اس کی دعوت جلتے پانی سے ہوگی، اور اس کو جہنم میں جلنا ہوگا، یہ قطعی اور لائق یقین فیصلہ ہے، اس میں ادنی شک کی گنجائش نہیں، اللہ تعالیٰ تینوں فریقوں کو ان کے انجام سے ہم کنار کرنے پر قادر ہیں، پس ان کی پاکی کا گیت گاؤ، وہ عظیم ہستی ہیں!

سبحان اللہ وبحمدہ! سبحان اللہ وبحمدہ! سبحان اللہ وبحمدہ!

آیاتِ پاک: —— پس جس وقت روح حلق میں آ پہنچتی ہے، اور تم اس وقت تک رہے ہوتے ہو، اور ہم اس سے تم سے زیادہ نزدیک ہوتے ہیں، لیکن تم دیکھتے نہیں —— کیونکہ وہ علم وقدرت کی نزدیکی ہوتی ہے، جو معنوی نزدیکی ہے —— پس اگر تمہارا حساب کتاب ہونے والا نہیں —— یعنی دوسری زندگی نہیں، جیسا کہ تمہارا خیال ہے —— تو تم اس روح کو پھیر کیوں نہیں لاتے، اگر تم سچے ہو —— کہ دوسری زندگی نہیں۔

پس اگر وہ شخص (مرنے والا) مقربین (سابقین) میں سے ہے تو اس کے لئے راحت اور روزی اور آرام کا باغ ہے! —— اور اگر وہ دائیں والوں میں سے ہے (یعنی عام مؤمنین میں سے ہے) تو تیرے لئے یعنی اس کے لئے سلامتی ہے، دائیں والوں میں ہونے کی وجہ سے —— اور اگر وہ جھٹلانے والوں بھٹکے ہوؤں میں سے ہے تو اس کے لئے جلتے پانی کی دعوت ہے، اور اس کو دوزخ میں جلنا ہے، بے شک یہ تحقیقی پکی بات ہے، پس پاکی بول اپنے بڑے رتبہ والے پروردگار کے نام کی!

﴿۱۱ر رجب ۱۴۳۷ھ - ۱۹/۴/۲۰۱۶ء﴾



(۵۷) سُوْرَةُ الْحَدِيْدِ مَدَنِيَّةٌ (۹۴)

آیاتہا ۲۹ رکوعاتہا ۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۱ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۲ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۳ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ۭ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۴ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝۵ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۭ وَهُوَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۶

سَبَّحَ	پاکی بیان کرتی ہیں	وَ الْاَرْضِ	اور زمین میں	وَ هُوَ	اور وہ
لِلّٰهِ	اللہ تعالیٰ کی	يُحْيٖ	جلاتا ہے	بِكُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز کو
مَا	جو چیزیں	وَ يُمِيْتُ	اور مارتا ہے	عَلِيْمٌ	خوب جانتا ہے
فِي السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں	وَهُوَ	اور وہ	هُوَ الَّذِيْ	وہی جس نے
وَالْاَرْضِ	اور زمین میں ہیں	عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز پر	خَلَقَ	پیدا کیا
وَهُوَ	اور وہ	قَدِيْرٌ	پوری قدرت والا ہے	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں
الْعَزِيْزُ	زبردست	هُوَ الْاَوَّلُ	وہی سب سے پہلا	وَ الْاَرْضَ	اور زمین کو
الْحَكِيْمُ	حکمت والے ہیں	وَ الْاٰخِرُ	اور سب سے پچھلا	فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ	چھ دنوں میں
لَهٗ مُلْكُ	انہی کا راج ہے	وَ الظَّاهِرُ	اور کھلا	ثُمَّ اسْتَوٰى	پھر قائم ہوا
السَّمٰوٰتِ	آسمانوں	وَ الْبَاطِنُ	اور چھپا ہے	عَلَى الْعَرْشِ	تخت شاہی پر

يَعْلَمُ	جانتا ہے	وَ هُوَ مَعَكُمْ	اور وہ تمہارے ساتھ ہے	وَ اِلَى اللّٰهِ	اور اللہ کی طرف
مَا يَلِجُ	جو داخل ہوتا ہے	اَيْنَ مَا كُنْتُمْ	جہاں کہیں تم ہو	تُرْجَعُ	لوٹیں گے
فِي الْاَرْضِ	زمین میں	وَ اللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	الْاُمُوْرُ	سب کام
وَمَا يَخْرُجُ	اور جو نکلتا ہے	بِمَا	ان کاموں کو جو	يُوْلِجُ الَّيْلَ	داخل کرتا ہے رات کو
مِنْهَا	زمین سے	تَعْمَلُوْنَ	تم کرتے ہو	فِي النَّهَارِ	دن میں
وَمَا يَنْزِلُ	اور جو اترتا ہے	بَصِيْرٌ	خوب دیکھنے والا ہے	وَيُوْلِجُ النَّهَارَ	اور داخل کرتا ہے دن کو
مِنَ السَّمَآءِ	آسمان سے	لَهٗ مُلْكُ	اسی کا راج ہے	فِي الَّيْلِ	رات میں
وَمَا يَعْرُجُ	اور جو چڑھتا ہے	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں	وَهُوَ عَلِيْمٌ	اور وہ خوب جانتا ہے
فِيْهَا	اس میں	وَ الْاَرْضِ	اور زمین میں	بِذَاتِ الصُّدُوْرِ	سینوں کی باتوں کو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الحدید

یہ مدنی سورت ہے، اس کا نزول کا نمبر ۹۴ ہے، اس کے بعد نو سورتیں اور مدنی آرہی ہیں، جو یہ ہیں: المجادلہ ۱۰۵، الحشر ۱۰۱، الممتحنۃ ۹۱، الصفّ ۱۰۹، الجمعۃ ۱۱۰، المنافقون ۱۰۴، التغابن ۱۰۸، الطلاق ۹۹ اور التحریم ۱۰۷۔ یہ مختلف زمانوں میں نازل ہوئی ہیں، جیسا کہ ان کے نزول کے نمبروں سے واضح ہے، مگر مصاحف میں لوح محفوظ کی ترتیب سے رکھی گئی ہیں، یہ ترتیب مضامین کے لحاظ سے ہے، اور مدنی سورتوں کا موضوع احکام ہیں، ان سب سورتوں میں احکام کا بیان ہے۔

ان میں سے پانچ سورتیں مُسَبِّحات کہلاتی ہیں، اور وہ یہ ہیں: الحدید، الحشر، الصفّ، الجمعۃ اور التغابن، ان کے شروع میں سَبَّحَ یا یُسَبِّحُ ہے، اور حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ رات کو سونے سے پہلے یہ سورتیں پڑھا کرتے تھے، اور آپؐ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ان میں ایک آیت ایسی ہے جو ہزار آیتوں سے افضل ہے، ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: وہ آیت یہ ہے: ﴿ هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَ الْبَاطِنُ ۚ وَ هُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ ﴾ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اگر کبھی کسی کے دل میں شیطان کوئی وسوسہ ڈالے تو وہ یہ آیت آہستہ سے پڑھ لے (معارف القرآن)

ربط: سورۃ الواقعہ میں مؤمنین کی دو قسمیں: سابقین اور اصحاب الیمین کی ہیں، یہ قسمیں ایمان میں پختگی اور اعمال میں مضبوطی کے اعتبار سے ہیں، چنانچہ اب دس سورتوں میں احکام بیان فرماتے ہیں، ان میں جتنی پختگی اور مضبوطی ہوگی

اسی قدر مؤمنین کے درجات بلند ہونگے، اور ربط خاص یہ ہے کہ گذشتہ سورت توحید کے بیان پر پوری ہوئی ہے، اب یہ سورت اللہ کے شئون وصفات کے بیان سے شروع ہورہی ہے، کیونکہ یہ بھی توحید ہی کا مضمون ہے۔

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جونہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

اللہ تعالیٰ کے شُئون وصفات

شُئون: شأن کی جمع ہے: یعنی اہم کام، ارشادِ پاک ہے: ﴿ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَأْنٍ ﴾: وہ ہر وقت کسی اہم کام میں ہوتے ہیں۔ اور صفت: کسی چیز کی وہ حالت وکیفیت ہے جس پر وہ قائم ہے، جیسے سیاہی سفیدی، اور علم وجہالت وغیرہ وہ علامات ہیں جن سے موصوف پہچانا جاتا ہے۔

اور تسبیح وتقدیس: صفاتِ سلبیہ کا نام ہے، یعنی اللہ تعالیٰ یہ نہیں وہ نہیں، عیوب ونقائص سے مبّرا ہیں، اور تحمید وتمجید: صفاتِ ثبوتیہ کا نام ہے، یعنی اللہ تعالیٰ میں یہ خوبی ہے وہ خوبی ہے۔

اوران آیات میں اللہ تعالیٰ کے تعلق سے تین باتوں کا بیان ہے:

۱- شروع کی تین آیتوں میں تقدیس وتمجید یعنی تسبیح وتحمید ہے، نقائص سے پاکی بیان کرکے اللہ کی چار خوبیاں بیان کی ہیں۔

۲- پھر ایک آیت میں یہ بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے یہ کائنات چھ ادوار میں پیدا کی ہے، اور اس پر کنٹرول بھی انہیں کا ہے، دوسرا کوئی تدبیر عالم میں شریک نہیں، ساتھ ہی مشرکین کے وسوسہ کا جواب بھی دیا ہے۔

۳- پھر آخری دو آیتوں میں یہ بات بیان کی ہے کہ اس کائنات کا مرجع (لوٹنے کی جگہ) اللہ ہی کی ذات ہے، اور اس بات کو شب وروز کے گھٹنے بڑھنے سے سمجھایا ہے۔

تسبیح وتقدیس: آسمانوں اور زمین کی ہر چیز حالاً وقالاً اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے، یعنی یہ ظاہر کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ بے عیب ہیں، ان کی ذات میں کوئی کمی نہیں۔

اور حالاً پاکی بیان کرنا: یہ ہے کہ جب ہم کوئی مصنوع (بنائی ہوئی) چیز دیکھتے ہیں جو شاندار ہوتی ہے، جیسے تاج محل، تو ہمارا ذہن کاریگر کے کمال کی طرف جاتا ہے، کائنات کے ذرے ذرے کا بھی یہی حال ہے، جس چیز کو جیسا ہونا چاہئے تھا ویسا ہی اللہ نے اس کو بنایا ہے، ہر چیز اللہ کی صنّاعی (کاریگری) کے کمال پر دلالت کرتی ہے، یہی تسبیح حالی ہے۔

لطیفہ: ایک عقل کے مارے آم کے درخت کے نیچے لیٹے تھے، اوپر آم لگ رہے تھے، اور ساتھ میں تربوز کا کھیت تھا، اس کی بیلوں میں تربوز لگے ہوئے تھے، وہ عقل کے پُتلے سوچنے لگے کہ خاکم بدہن! اللہ پاک کیسے بے عقل ہیں! اتنے

بڑے درخت کوذرا ذرا سے پھل دیئے ہیں، اوراس ناتواں بیل کو اتنے بڑے بڑے پھل اٹھوائے ہیں! اچانک ایک آم ٹوٹا اور کھوپڑی پر گرا، ایک دم اٹھ بیٹھے، اور کہنے لگے: نہیں! اللہ پاک عقلمند ہیں، اگر آم: تربوز جتنا بڑا ہوتا تو آج ہمارا کام تمام ہوگیا ہوتا! ـــــ یعنی اللہ کی حکمت ومصلحت کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں، بالا جمال ہم جانتے ہیں کہ ہر چیز موزون ہے، یہ تسبیح حالی ہے، اور تسبیح قالی زبان سے اعتراف کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر عیب اور ہر نقص سے پاک ہیں، یہ اُس مخلوق کا کام ہے جس کو اللہ نے بیان سکھلایا ہے۔

تحمید وتمجید: تعریف کرنا اور بزرگی بیان کرنا۔ اللہ تعالیٰ کی چار صفات بیان کی ہیں:

۱-العزیز: زبردست **لا یَغْلِبُہ شیئ:** کوئی چیز اللہ کو عاجز نہیں کرسکتی، ہرا نہیں سکتی، پس یہ صفت: **قدیر** کے ہم معنی ہے۔

۲-الحکیم: بڑے حکمت والے، یعنی اللہ کا ہر کام فوائد پر مشتمل ہے، اور عقل کے مقتضاء کے مطابق ہے۔

۳-یحی ویمیت: جلاتے ہیں اور مارتے ہیں، یعنی اس دنیا میں جو آرہا ہے اور جارہا ہے، وہ اللہ کا کارنامہ ہے، پس آسمانوں اور زمین میں اللہ ہی کی سلطنت ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہیں، جس چیز کو چاہیں دنیا میں لائیں اور جس چیز کو چاہیں لے جائیں!

۴-اس دنیا کے تعلق سے جو حادث اور فانی ہے اللہ تعالیٰ کی چار صفات ہیں:

(الف) الأول: اس دنیا سے پہلے اللہ ہی تھے، یہ دنیا انھی نے پیدا کی ہے۔

(ب) الآخر: اس دنیا کے بعد اللہ ہی رہ جائیں گے، یہ دنیا ایک دن ختم ہوجائے گی، رہے گا نام باقی اللہ کا! ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝﴾ اور ﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ﴾

(ج) الظاهر: کھلے: یعنی عالم کا ذرہ ذرہ ان کے وجود کی شہادت دیتا ہے، ہر ورق دفترے است ازمعرفتِ کردگار! عرب کا ایک بدّو کہتا ہے: راستے میں مینگنیاں اونٹ کے گذرنے کی دلیل ہیں، پیروں کے نشانات راہ رو کی دلیل ہیں، پس یہ بڑے بڑے ستاروں والا آسمان اور گہری گھاٹیوں والی زمین صانعِ خبیر وبصیر کی دلیل کیوں نہیں!

(د) الباطن: چھپے ہوئے، یعنی اس دنیا میں اللہ کو کوئی دیکھ نہیں سکتا، کیونکہ یہاں ایمان بالغیب مطلوب ہے، مگر بایں ہمہ وہ ہر چیز سے واقف ہیں ـــــ اللہ کی یہ چار صفتیں اس دنیا کے اعتبار سے ہیں۔

﴿سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝﴾:

ترجمہ: اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں ـــــ یہاں تک تقدیس کا مضمون ہے، پھر آگے

تحمید ہے، یعنی صفاتِ کمالیہ کا بیان ہے: —— (۱) اور وہ زبردست (۲) بڑی حکمت والے ہیں (۳) ان کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین میں، پیدا کرتے ہیں اور مارتے ہیں، اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں —— اس میں تقدیم وتاخیر ہے، ان کی سلطنت ہے: بعد میں ہے —— (۴) وہی پہلے ہیں، اور پچھلے ہیں، اور کھلے ہیں، اور چھپے ہیں، اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والے ہیں!

آسمانوں اور زمین پر مشتمل کائنات اللہ ہی نے پیدا کی ہے

اور اس پر کنٹرول بھی انہی کا ہے، دوسرا کوئی تدبیر عالم میں شریک نہیں

ہماری یہ دنیا جو آسمانوں اور زمین پر مشتمل ہے: اللہ تعالیٰ ہی کی پیدا کی ہوئی ہے، یہ کائنات چھ ادوار میں بن کر تیار ہوئی ہے، پھر تختِ شاہی پر اللہ تعالیٰ جلوہ افروز ہیں، یعنی یہ عالم انہی کے کنٹرول (استیلاء) میں چل رہا ہے، دوسرا کوئی نظم وانتظام میں شریک نہیں —— اور مشرکوں کا یہ خیال باطل ہے کہ اللہ تعالیٰ تنہا پورے عالم کا انتظام وانصرام کیسے کر سکتے ہیں؟ لامحالہ انھوں نے کائنات کے حصے بنائے ہیں، اور ہر حصہ کا کسی کو ذمہ دار بنایا ہے، پس اگر بارش چاہئے تو بارش کے ذمہ دار کو راضی کرنا پڑے گا: مشرکین کا یہ خیال غلط ہے، اس کی حاجت ناقص العلم کو ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ تو جانتے ہیں ان چیزوں کو جو زمین میں داخل ہوتی ہیں، یا زمین سے نکلتی ہیں، اور جو چیزیں آسمان سے اترتی ہیں یا آسمان میں چڑھتی ہیں، اور وہ علم وقدرت کے اعتبار سے انسانوں کے ساتھ ہیں، جہاں کہیں وہ ہوں، وہ ان کے کاموں کو خوب دیکھ رہے ہیں، پس ایسے کامل العلم وسیع القدرت کے لئے تنہا کائنات کا نظم وانتظام کرنا کیا مشکل ہے!

فائدہ: اللہ تعالیٰ فرشتوں سے کام لیتے ہیں، اور اسباب بھی کارگر ہیں، مگر وہ خدائی میں شریک نہیں، ان کی حیثیت نوکروں کی ہے، کارخانے میں ملازم ہوتے ہیں، مگر وہ کارخانے میں حصہ دار نہیں ہوتے۔

﴿ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاۗءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۴ ﴾

ترجمہ: وہ ایسے ہیں جنھوں نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر وہ تختِ شاہی پر قائم ہوئے، وہ جانتے ہیں جو چیزیں زمین میں داخل ہوتی ہیں —— مثلاً: بارش کا پانی اور بیج زمین کے اندر جاتا ہے —— اور جو چیزیں زمین سے نکلتی ہیں —— مثلاً: کھیتی اور درخت وغیرہ زمین سے نکلتے ہیں —— اور جو چیزیں آسمان سے اترتی

ہیں —— مثلاً: فرشتے، شریعتیں، قضاؤ قدر کے فیصلے اور بارش وغیرہ آسمان کی طرف سے اترتے ہیں —— اور جو چیزیں آسمان میں چڑھتی ہیں —— مثلاً: فرشتے اور بندوں کے اعمال آسمان میں چڑھتے ہیں —— اور وہ تمہارے ساتھ ہیں جہاں کہیں تم ہوؤ —— یہ ساتھ ہونا: علم وقدرت کے اعتبار سے ہے —— اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو خوب دیکھ رہے ہیں —— یعنی وہ بندوں کے تمام کھلے چھپے احوال سے واقف ہیں، ان کے لئے کائنات کو سنبھالنا کچھ مشکل نہیں۔

کائنات کا مرجع اللہ تعالیٰ کی ذات ہے

آسمانوں اور زمین کی سلطنت اللہ کی ہے (یہ تمہید لوٹائی ہے) اُس کی قلم رو سے نکل کر کوئی کہیں نہیں جاسکتا، آخر کار سب کو لوٹ کر اللہ کے پاس حاضر ہونا ہے، اللہ تعالیٰ اس دنیا کی جگہ دوسری دنیا لے آئیں گے، اور یہ کام ان کے لئے کچھ مشکل نہیں، تم دیکھتے نہیں: اللہ تعالیٰ رات کا ایک حصہ دن میں داخل کرتے ہیں، پس دن بڑا ہوجاتا ہے، اور دن کا ایک حصہ رات میں داخل کرتے ہیں، پس رات بڑی ہوجاتی ہے، اسی طرح اس پورے عالم کو اللہ تعالیٰ آخرت میں داخل کریں گے، پھر وہ عالم ہمیشہ چلے گا —— وہ ایسا کب کریں گے؟ وہی جانتے ہیں کہ وہ ایسا کب کریں گے! وہ کائنات کے رازوں سے واقف ہیں، وہ سینوں کی باتوں کو بھی جانتے ہیں، جب ان کی مصلحت ہوگی وہ ایسا ضرور کریں گے۔

﴿لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ۝ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ؕ وَهُوَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ۝﴾

ترجمہ: ان کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین میں، اور اللہ کی طرف سب کام لوٹیں گے، وہ رات کو دن میں داخل کرتے ہیں، اور دن کو رات میں داخل کرتے ہیں، اور وہ سینوں کی باتوں کو خوب جانتے ہیں!

فائدہ: قرآن کا اسلوب یہ ہے کہ جب وہ کسی بات پر دو باتیں متفرع کرنا چاہتا ہے تو دونوں باتیں ساتھ بیان نہیں کرتا، اس سے مضمون میں پیچیدگی پیدا ہوجاتی ہے، بلکہ وہ تمہید لوٹا کر دوسری بات بیان کرتا ہے، پس اس کو تکرار نہیں سمجھنا چاہئے۔

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ۝ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۝ هُوَ الَّذِيْ

يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۹ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ۭ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۱۰ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗٓ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ۝۱۱

ع ۱۷

اٰمِنُوْا	ایمان لاؤ	وَمَا لَكُمْ	اور تمھیں کیا ہوا	عَلٰى عَبْدِهٖٓ	اپنے خاص بندے پر
بِاللّٰهِ	اللہ پر	لَا تُؤْمِنُوْنَ	ایمان نہیں لاتے	اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ	واضح آیتیں
وَرَسُوْلِهٖ	اور اس کے رسول پر	بِاللّٰهِ	اللہ پر	لِّيُخْرِجَكُمْ (۲)	تاکہ نکالیں وہ تمھیں
وَاَنْفِقُوْا	اور خرچ کرو	وَالرَّسُوْلُ	اور اس کے رسول	مِّنَ الظُّلُمٰتِ	تاریکیوں سے
مِمَّا	اس میں سے جو	يَدْعُوْكُمْ	تمھیں بلاتے ہیں	اِلَى النُّوْرِ	روشنی کی طرف
جَعَلَكُمْ	بنایا اس نے تم کو	لِتُؤْمِنُوْا	تاکہ ایمان لاؤ تم	وَاِنَّ اللّٰهَ	اور بے شک اللہ
مُّسْتَخْلَفِيْنَ (۱)	قائم مقام (نائب)	بِرَبِّكُمْ	اپنے پروردگار پر	بِكُمْ	تم پر
فِيْهِ	اس میں	وَقَدْ اَخَذَ	اور بالتحقیق لیا اس نے	لَرَءُوْفٌ	یقیناً بہت شفیق
فَالَّذِيْنَ	پس جو لوگ	مِيْثَاقَكُمْ	تم سے عہد و پیمان	رَّحِيْمٌ	بڑے مہربان ہیں
اٰمَنُوْا مِنْكُمْ	ایمان لائے تم میں سے	اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم	وَمَا لَكُمْ	اور تمھیں کیا ہوا
وَاَنْفَقُوْا	اور خرچ کیا انھوں نے	مُّؤْمِنِيْنَ	یقین کرنے والے	اَلَّا	کہ نہیں
لَهُمْ	ان کے لئے	هُوَ الَّذِيْ	وہی ہیں جو	تُنْفِقُوْا	خرچ کرتے
اَجْرٌ كَبِيْرٌ	بڑا ثواب ہے	يُنَزِّلُ	اتارتے ہیں	فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	راہ خدا میں

(۱) مُسْتَخْلَف: اسم مفعول، اِسْتِخْلَاف: خلیفہ اور نائب بنانا (۲) لِيُخْرِجَكُمْ: کا فاعل اللہ تعالیٰ ہیں، رسول فاعل نہیں اور قرینہ: آیت کا فاصلہ (آخر) ہے۔

وَ لِلّٰهِ	اور اللہ کے لئے ہے	اَعْظَمُ	بڑے ہیں	تَعْمَلُوْنَ	تم کرتے ہو
مِیْرَاثُ[1]	متروکہ	دَرَجَةً	مرتبہ میں	خَبِیْرٌ	پوری خبر رکھتے ہیں
السَّمٰوٰتِ	آسمانوں	مِّنَ الَّذِیْنَ	ان سے جنھوں نے	مَنْ ذَا	کون ہے یہ
وَالْاَرْضِ	اور زمین کا	اَنْفَقُوْا	خرچ کیا	الَّذِیْ	جو
لَا یَسْتَوِیْ	یکساں نہیں	مِنْ بَعْدُ[2]	اس کے بعد	یُقْرِضُ	قرض دے
مِنْكُمْ	تم میں سے	وَ قٰتَلُوْا	اور لڑے وہ	اللّٰهَ	اللہ کو
مَّنْ اَنْفَقَ	جس نے خرچ کیا	وَكُلًّا	اور سب سے	قَرْضًا حَسَنًا	اچھا قرض
مِنْ قَبْلِ	پہلے	وَّعَدَ اللّٰهُ	وعدہ کیا ہے اللہ نے	فَیُضٰعِفَهٗ	پس بڑھائیں وہ اس کو
الْفَتْحِ	فتح کے	الْحُسْنٰی	خوبی کا	لَهٗ	اس کے لئے
وَ قٰتَلَ	اور لڑا وہ	وَ اللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	وَلَهٗٓ	اور اس کے لئے
اُولٰٓئِكَ	یہ لوگ	بِمَا	ان کاموں کو جو	اَجْرٌ كَرِیْمٌ	عزت والا ثواب ہے

آیاتِ پاک تلاوت کرنے سے پہلے چار باتیں سمجھ لیں:

پہلی بات: —— سورۃ التوبہ (آیت ۱۱۱) میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین سے ان کی جانیں اور ان کے اموال جنت کے عوض میں خرید لیے ہیں: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ﴾: پس مؤمنین کی جانیں اور اموال ان کے اپنے نہیں رہے، مگر ہیں وہ ان کے پاس، اس اعتبار سے وہ ان چیزوں میں اللہ کے نائب اور خلیفہ ہیں، اور وہ مکلّف ہیں حسبِ حکم خرچ کرنے کے، جیسے دکان کا منیجر مالک کا نمائندہ ہوتا ہے، مالک کے حکم کے مطابق خرچ کرتا ہے: ﴿ جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِیْنَ فِیْهِ ﴾ کا یہی مطلب ہے، یعنی اللہ نے تم کو جس مال میں اپنا نائب بنایا ہے اس کو جہاد میں خرچ کرو۔

دوسری بات: —— سورۃ الاعراف (آیت ۱۷۲) میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان کی ذرّیت ان کی پشت سے نکالی، پھر ان کو اپنی پہچان کرائی اور پوچھا: کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا: کیوں نہیں! یعنی آپ ہی ہمارے پروردگار ہیں، یہ عہد و پیمان انسانوں کی فطرت میں داخل ہے، چنانچہ آڑے وقت اللہ یاد آتا ہے، پھر انبیاء علیہم السلام کو بھیجا، تاکہ وہ لوگوں کو یہ وچن یاد دلائیں: ﴿ وَقَدْ اَخَذَ مِیْثَاقَكُمْ ﴾ میں

(۱) میراث: باب حسب کا مصدر ہے: کسی کے بعد اس کا چھوڑا ہوا مال۔ (۲) بعدُ: مبنی ہے، اور مضاف الیہ محذوف منوی ہے۔

اسی کا ذکر ہے۔

تیسری بات: ـــــ اللہ کے لئے خرچ کرنے کا ثواب موقع محل کے اعتبار سے گھٹتا بڑھتا ہے، بوقتِ حاجت خرچ کرنے کی اہمیت زیادہ ہے، جیسے نونہال (نیا پودا) آب یاری کا محتاج ہے، پھر جب وہ تناور درخت بن جاتا ہے تو آبیاری کی ضرورت نہیں رہتی، اسلام کے پودے کی بھی فتح مکہ سے پہلے آبیاری کی ضرورت تھی، بعد میں اس کی ضرورت نہیں رہی، اس لئے فتح سے پہلے جن حضرات نے جہاد کیا، اور اس کے لئے مال خرچ کیا ان کا اجر وثواب بڑھ گیا، اور بعد والے ان کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکے۔

چوتھی بات: ـــــ جہاد کے لئے خرچ کرنا اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسنہ دینا ہے، قرآنِ کریم میں جگہ جگہ یہ تعبیر آئی ہے، اور عمدہ قرض: وہ ہے جو خوش دلی سے بامید ثواب دیا جائے، اس پر زیادتی کا مطالبہ سود ہے، بس اصل قرض واپس آئے گا، البتہ قرض لینے والا عالی ظرف ہو اور بڑھا کر واپس کرے تو اچھا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فیاض ہیں، وہ قرضِ حسنہ کو غنیمت کی صورت میں بڑھا کر واپس کرتے ہیں، پس جہاد کے لئے خرچ کرنے میں نفع ہی نفع ہے، اور آخرت میں ثواب الگ ہے۔

اللہ اور رسول پر ایمان لاؤ، اور جہاد میں مال خرچ کرو

﴿اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ۚ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ۝﴾

ترجمہ: اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور اس مال میں سے خرچ کرو جس میں اللہ نے تم کو نائب بنایا ہے ـــــ یعنی جو مال تمہارے ہاتھ میں ہے اس کے مالک اللہ تعالیٰ ہیں، تم صرف امین اور خزانچی ہو، لہٰذا جہاں مالک بتائے دل کھول کر خرچ کرو ـــــ پس جو لوگ تم میں سے ایمان لائے، اور انھوں نے خرچ کیا: ان کے لئے بڑا ثواب ہے! ـــــ یہ ایمان وانفاق کا فائدہ بتلایا، پروردگار پر ایمان لانا اور اللہ کا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ضروری ہے، مگر قربان جائیے ان کے کرم کے! اس پر ثواب بھی عنایت فرماتے ہیں۔

﴿وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۝﴾

اللہ پر ایمان لانے کی ترغیب: ـــــ اور تمہیں کیا ہوا کہ اللہ پر ایمان نہیں لاتے، جبکہ اللہ کے رسول تمہیں دعوت دے رہے ہیں کہ اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ، اور واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سے عہد لے چکے ہیں، اگر تم یقین کرو! ـــــ

یعنی اللہ پر ایمان لانے میں کیا چیز مانع ہے، درانحالیکہ اللہ کا رسول تمہیں وہ عہد یاد دلا رہا ہے جو اللہ تعالیٰ نے تم سے لیا ہے؟ یعنی کوئی مانع نہیں! پھر اس معاملہ میں دیر کیوں؟

﴿هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾

رسول پر ایمان لانے کی ترغیب: —— اللہ وہ ہیں جو اپنے خاص بندے پر صاف صاف آیتیں اتار رہے ہیں، تاکہ اللہ تعالیٰ تم کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف نکالیں، اور بے شک اللہ تعالیٰ تم پر بڑے شفیق بڑے مہربان ہیں! —— یعنی اللہ کے رسول پر ایمان لاؤ گے تبھی اللہ کی ہدایات سے مستفید ہو سکو گے، کیونکہ اللہ کی راہ نمائی رسول کی معرفت آتی ہے، اور اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ تم کو کفر وجہل کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان وعلم کے اجالے میں لائیں، کیونکہ وہ بندوں پر بہت ہی شفیق ومہربان ہیں، اس لئے اللہ کے رسول پر ایمان لاؤ، اور اس پر اللہ جو وحی بھیج رہے ہیں اس کی پیروی کرو، تاکہ دارین میں سرخ رو ہوؤ!

﴿وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ﴾

جہاد کے لئے خرچ کرنے کی ترغیب: —— اور تمہیں کیا ہوا کہ تم راہِ خدا میں خرچ نہیں کرتے، جبکہ سب آسمان وزمین آخر میں اللہ ہی کے رہ جائیں گے! —— یعنی تمہارے ہاتھ میں جو کچھ ہے چند دن کے لئے ہے، اس دنیا کو ایک دن ختم ہونا ہے، اور آخر میں اللہ ہی ہر چیز کے مالک رہ جائیں گے، پھر خرچ کرنا تمہیں کیوں بھاری معلوم ہو رہا ہے!

﴿لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ۭ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۱۰﴾

سنہرا موقعہ ہاتھ سے نہ جائے! —— یکساں نہیں جنھوں نے تم میں سے فتح سے پہلے خرچ کیا اور جہاد کیا: یہ لوگ بڑے درجہ والے ہیں ان لوگوں سے جنھوں نے فتح کے بعد خرچ کیا اور جہاد کیا —— یعنی ابھی سنہرا موقعہ ہے، فتح سے پہلے خرچ کر کے اور جہاد کر کے بڑا درجہ حاصل کر لو —— اور فتح سے یا فتح مکہ مراد ہے یا صلح حدیبیہ، کیونکہ وہ فتح مکہ کی تمہید تھی —— اور اللہ نے سب سے خوبی کا وعدہ کیا ہے —— یعنی اللہ کے راستہ میں کسی بھی وقت خرچ کیا جائے اور لڑا جائے: اچھا ہی اچھا ہے، اللہ تعالیٰ اس کا بہترین بدلہ دیں گے، وہ کسی کا اجر ضائع نہیں کرتے —— اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب کاموں کی پوری خبر ہے —— کہ کس کا عمل کس درجہ کا ہے؟ وہ اپنے علم کے موافق ہر ایک سے معاملہ کریں گے۔

جہاد میں خرچ کرو: غنیمت اور آخرت میں بڑے مرتبے پاؤ گے

﴿ مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗۤ اَجْرٌ كَرِیْمٌ ۝ ﴾

ترجمہ: کون ہے وہ جو اللہ کو عمدہ قرض دے؟ —— یعنی جہاد میں خرچ کرے —— پھر اللہ اس کو اس کے لئے دو چند کریں —— یعنی غنیمت کی صورت میں کئی گنا بڑھا کر واپس کریں —— دورِ اول میں حکومت کے پاس فنڈ نہیں تھا، مسلمان ہی جان و مال سے جہاد کرتے تھے، اس لئے جہاد میں خرچ کرنے کی ترغیب دی —— اور اس کے لئے عزت والا بدلہ ہے —— اس کا ذکر اگلی آیت میں ہے۔

یَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ یَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَبِاَیْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْیَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝ یَوْمَ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِیْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ؕ فَضُرِبَ بَیْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ؕ بَاطِنُهٗ فِیْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ۝ یُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَ لٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَ ارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِیُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَ غَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝ فَالْیَوْمَ لَا یُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْیَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ؕ هِیَ مَوْلٰىكُمْ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ۝

یَوْمَ	(یاد کرو) جس دن	نُوْرُهُمْ	ان کی روشنی	جَنّٰتٌ	ایسے باغات کی
تَرَى	دیکھیں گے آپ	بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ	ان کے آگے	تَجْرِیْ	بہتی ہیں
الْمُؤْمِنِیْنَ	مؤمن مردوں کو	وَبِاَیْمَانِهِمْ (۱)	اور ان کے دائیں	مِنْ تَحْتِهَا	جن کے نیچے
وَ الْمُؤْمِنٰتِ	اور مؤمن عورتوں کو	بُشْرٰىكُمُ	خوشخبری ہے تمہارے لئے	الْاَنْهٰرُ	نہریں
یَسْعٰى	دوڑ رہی ہوگی	الْیَوْمَ	آج	خٰلِدِیْنَ	وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں

(۱) درمنثور کی ایک روایت میں ہے کہ بائیں طرف بھی نور ہوگا (بیان القرآن)

فِيهَا	ان میں	لَّهٗ	جس کے لئے	وَغَرَّتْكُمُ	اور دھوکہ دیا تم کو
ذٰلِكَ هُوَ	یہی وہ	بَابٌ	ایک دروازہ ہے	الْاَمَانِيُّ	آرزوؤں نے
الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ	بڑی کامیابی ہے	بَاطِنُهٗ	اس کا اندر	حَتّٰى جَآءَ	یہاں تک کہ آیا
يَوْمَ	(یاد کرو) جس دن	فِيْهِ	اس اندر میں	اَمْرُ اللّٰهِ	اللہ کا معاملہ
يَقُوْلُ	کہیں گے	الرَّحْمَةُ	مہربانی ہے	وَغَرَّكُمْ	اور بہکایا تم کو
الْمُنٰفِقُوْنَ	منافق مرد	وَظَاهِرُهٗ	اور اس کا باہر	بِاللّٰهِ	اللہ کے نام سے
وَالْمُنٰفِقٰتُ	اور منافق عورتیں	مِنْ قِبَلِهِ	اس باہر کی جانب	الْغَرُوْرُ	بڑے دھوکہ باز نے
لِلَّذِيْنَ	ان سے جو	الْعَذَابُ	عذاب ہے	فَالْيَوْمَ	پس آج
اٰمَنُوا	ایمان لائے	يُنَادُوْنَهُمْ	پکاریں گے وہ ان کو	لَا يُؤْخَذُ	نہیں لیا جائے گا
انْظُرُوْنَا	انتظار کرو ہمارا	اَلَمْ نَكُنْ	کیا نہیں تھے ہم	مِنْكُمْ	تم سے
نَقْتَبِسْ	کچھ لے لیں ہم	مَّعَكُمْ	تمہارے ساتھ	فِدْيَةٌ	کوئی بدلہ
مِنْ نُّوْرِكُمْ	تمہارے نور سے	قَالُوْا	جواب دیا انھوں نے	وَّلَا مِنَ	اور نہ ان لوگوں سے
قِيْلَ	کہا گیا	بَلٰى	کیوں نہیں	الَّذِيْنَ	جنھوں نے
ارْجِعُوْا	لوٹو تم	وَلٰكِنَّكُمْ	مگر	كَفَرُوْا	انکار کیا
وَرَآءَكُمْ	تمہارے پیچھے	فَتَنْتُمْ	آزمائش میں ڈالا تم نے	مَاْوٰىكُمُ	تمہارا ٹھکانا
فَالْتَمِسُوْا	پس ڈھونڈھو تم	اَنْفُسَكُمْ	خود کو	النَّارُ	دوزخ ہے
نُوْرًا	کوئی روشنی	وَتَرَبَّصْتُمْ	اور انتظار کیا تم نے	هِيَ	وہ
فَضُرِبَ	پس ماری گئی		(حوادث کا)	مَوْلٰىكُمْ	تمہارا رفیق ہے
بَيْنَهُمْ	ان کے درمیان	وَارْتَبْتُمْ	اور شک کیا تم نے	وَبِئْسَ	اور بری ہے وہ
بِسُوْرٍ	ایک دیوار		(دین میں)	الْمَصِيْرُ	لوٹنے کی جگہ

قرضِ حسنہ دینے والوں کے لئے آخرت میں نور ہوگا

گذشتہ آیت میں فرمایا تھا کہ جو لوگ اللہ کو قرض حسنہ دیں گے، یعنی جہاد میں خرچ کریں گے: ان کو ایک تو قرض دو چند ہو کر واپس ملے گا، دوسرے: ان کے لئے اجر کریم (عزت کا ثواب) ہوگا، جو آخرت میں ملے گا، اب یہ بیان ہے کہ

ان حضرات کو پل صراط سے گذرتے ہوئے ایک روشنی ملے گی، اوراس سے آگے سدابہار باغات ہیں، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، یہی اجر کریم ہے، اور وہ بڑی کامیابی ہے ـــــ پھران کے بالمقابل منافقوں کا ذکر ہے، ان کو بھی روشنی ملے گی، مگر وہ آگے جا کر بجھ جائے گی، وہ مسلمانوں سے درخواست کریں گے: ہمیں اپنی روشنی سے استفادہ کرنے دو! مسلمان جواب دیں گے: ہمیں جنت میں پہنچنے کی جلدی ہے، تم اُسی ڈپو (DIPOT) پر جاؤ، اور وہاں سے روشنی لے آؤ، وہ واپس جائیں گے، وہاں سے ٹکا سا جواب ملے گا کہ ایک ہی مرتبہ نور ملتا ہے، وہ وہاں سے لوٹیں گے تو دیکھیں گے کہ مسلمان جنت میں پہنچ گئے ہیں، اور جنت اور جہنم کے درمیان ایک دیوار قائم کردی گئی ہے، جس میں ایک دروازہ ہے، اس سے پَرے جنت اور رحمت ہے، اور اس سے وَرے دوزخ اور عذاب ہے، وہ مسلمانوں کو پکاریں گے: کیا ہم دنیا میں تمہارے ساتھ نہیں تھے؟ پھر تم ہمیں چھوڑ کر آگے کیوں بڑھ گئے؟ مسلمان جواب دیں گے: بظاہر تم ہمارے ساتھ تھے، مگر تم نے خود کو گمراہی میں پھنسائے رکھا تھا، تم مسلمانوں کے حق میں حوادث کا انتظار کرتے تھے، دین اسلام کے بارے میں شک میں مبتلا تھے، اور تمہیں امید تھی کہ اسلام کا غلبہ کبھی نہیں ہوگا، مگر ہو کر رہا! یہ تمہیں شیطانِ لعین نے اللہ کا نام لے کر فریب دیا، پس اب تم سے اور کافروں سے فدیہ نہیں لیا جائے گا، اور نہ تم عذاب سے نکل سکو گے، تم سب کا ٹھکانا دوزخ ہے، یہی رفیقِ حیات ہے، اور وہ برا ٹھکانا ہے۔

فائدہ (۱): پل صراط پر گھٹاٹوپ اندھیرا ہوگا، مؤمنین اور منافقین جب اس سے گذریں گے تو ان کو ایک روشنی ملے گی، جو دائیں بائیں اور آگے دوڑ رہی ہوگی، کیونکہ مؤمنین برق رفتاری سے پل صراط سے گذریں گے، اس لئے روشنی بھی دوڑ رہی ہوگی، مؤمنین اس کے اجالے میں پل کو پار کرلیں گے، اور منافقین کا دیا بجھ جائے گا، وہ بظاہر مسلمان تھے اس لئے ان کو بھی روشنی ملے گی، اور بباطن دغاباز تھے اس لئے روشنی سلب ہوجائے گی، پھر دوبارہ ان کو روشنی نصیب نہیں ہوگی ـــــ یہ روشنی قرض حسنہ دینے والوں کے علاوہ اور لوگوں کو بھی ملے گی، تفصیل تفسیر مظہری اور معارف القرآن میں ہے، مثلاً:

۱- جو لوگ اندھیری راتوں میں مسجدوں میں نماز پڑھنے جاتے ہیں: ان کو بھی یہ روشنی ملے گی۔

۲- جو لوگ پانچوں نمازیں پابندی سے پڑھتے ہیں: ان کے لئے نماز قیامت کے دن نور ہوگی۔

۳- جو لوگ جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھتے ہیں ان کے لئے بھی نور ہوگا۔

۴- جو لوگ اعمالِ اسلام کرتے ہوئے بوڑھے ہوجاتے ہیں، ان کو بھی قیامت کے دن نور ملے گا۔

فائدہ (۲): اُس نور کے سلسلہ میں کفار کا کہیں ذکر نہیں آیا، کیونکہ ان کے حق میں نور کا احتمال ہی نہیں۔

فائدہ (۳): جب منافقین کی روشنی بجھ جائے گی تو مؤمنین کو بھی خطرہ محسوس ہوگا، پس وہ روشنی باقی رہنے کی دعا کریں گے، سورۃ التحریم (آیت ۸) میں ہے: ﴿نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا

نُوۡرَنَا وَاغۡفِرۡ لَنَا ﴾: ان کا نور ان کے دائیں اور سامنے دوڑتا ہوگا، اور وہ دعا کریں گے: اے ہمارے رب! ہمارے لئے اس نور کو آخر تک رکھئے، یعنی راہ میں گل نہ ہوجائے اور ہماری مغفرت فرمادیجئے!

﴿ یَوۡمَ تَرَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتِ یَسۡعٰی نُوۡرُهُمۡ بَیۡنَ اَیۡدِیۡهِمۡ وَ بِاَیۡمَانِهِمۡ بُشۡرٰىكُمُ الۡیَوۡمَ جَنّٰتٌ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا ؕ ذٰلِكَ هُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ﴿۱۲﴾ ﴾

ترجمہ: (یاد کرو:) جس دن آپ مؤمن مردوں کو اور مؤمن عورتوں کو دیکھیں گے: ان کا نور ان کے آگے اور ان کے دائیں دوڑ رہا ہوگا ـــــ جس درجہ کا کسی کا ایمان وعمل ہوگا اسی درجہ کی روشنی ملے گی ـــــ آج تمہارے لئے خوش خبری ہے ـــــ یہ خوش خبری فرشتے سنائیں گے ـــــ ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ اس میں سدا رہیں گے، یہی بڑی کامیابی ہے ـــــ اور یہی وہ اجر کریم (عزت کا ثواب) ہے۔

﴿ یَوۡمَ یَقُوۡلُ الۡمُنٰفِقُوۡنَ وَ الۡمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوا انۡظُرُوۡنَا نَقۡتَبِسۡ مِنۡ نُّوۡرِكُمۡ ۚ قِیۡلَ ارۡجِعُوۡا وَرَآءَكُمۡ فَالۡتَمِسُوۡا نُوۡرًا ؕ فَضُرِبَ بَیۡنَهُمۡ بِسُوۡرٍ لَّهٗ بَابٌ ؕ بَاطِنُهٗ فِیۡهِ الرَّحۡمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنۡ قِبَلِهِ الۡعَذَابُ ﴿۱۳﴾ ﴾

ترجمہ: (یاد کرو:) جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان لانے والوں سے کہیں گے: ہمارا انتظار کرو، ہم تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کرلیں ـــــ یعنی اپنا دیا جلالیں یا تمہاری روشنی میں چلیں ـــــ ان کو جواب دیا جائے گا: اپنے پیچھے لوٹو، پس روشنی کی درخواست کرو ـــــ التماس (Request) کرکے وہاں سے لے آؤ ـــــ پس ان کے درمیان ایک دیوار حائل کردی جائے گی، جس میں ایک دروازہ ہوگا ـــــ جس سے بات چیت ہوسکے گی ـــــ اس کے اندر کی جانب میں رحمت ہے ـــــ اُدھر جنت ہے ـــــ اور اُس کی باہر کی جانب میں عذاب ہے ـــــ اِدھر دوزخ ہے، منافق اسی میں رہ جائیں گے۔

﴿ یُنَادُوۡنَهُمۡ اَلَمۡ نَكُنۡ مَّعَكُمۡ ؕ قَالُوۡا بَلٰی وَ لٰكِنَّكُمۡ فَتَنۡتُمۡ اَنۡفُسَكُمۡ وَتَرَبَّصۡتُمۡ وَ ارۡتَبۡتُمۡ وَغَرَّتۡكُمُ الۡاَمَانِیُّ حَتّٰی جَآءَ اَمۡرُ اللّٰهِ وَ غَرَّكُمۡ بِاللّٰهِ الۡغَرُوۡرُ ﴿۱۴﴾ ﴾

ترجمہ: وہ (منافق) اُن (مؤمنین) کو پکاریں گے ـــــ یعنی دور سے آواز دیں گے، کیونکہ مؤمنین جنت میں پہنچ چکے ہونگے ـــــ کیا ہم (دنیا میں) تمہارے ساتھ نہیں تھے؟ ـــــ پھر تم ہمیں چھوڑ کر آگے کیوں بڑھ گئے؟ ـــــ وہ (مسلمان) جواب دیں گے: کیوں نہیں ـــــ یعنی تم بظاہر ہمارے ساتھ تھے ـــــ مگر تم نے خود کو گمراہی میں پھنسائے رکھا، اور (حوادث کا) انتظار کرتے رہے، اور (دین میں) شک میں مبتلا رہے، اور تمناؤں نے تمہیں دھوکے میں ڈالے رکھا، یہاں تک کہ اللہ کا حکم آگیا ـــــ یعنی اسلام غالب ہوگیا اور تمہاری امیدوں پر پانی پھر گیا! ـــــ اور تمہیں بڑے

دھوکہ باز نے اللہ کا نام لے کر دھوکہ دیا!

﴿ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ۭ هِىَ مَوْلٰىكُمْ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۱۵ ﴾

ترجمہ: (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:) پس آج نہ تو تم سے کوئی معاوضہ لیا جائے گا، اور نہ کافروں سے —— یعنی اب سزا سے بچنے کی کوئی صورت نہیں —— تم سب کا ٹھکانا دوزخ ہے، وہی تمہاری رفیقہ ہے، اور وہ بڑا ٹھکانا ہے —— یعنی اب کسی دوسری جگہ کی امید مت رکھو!

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝۱۶ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۱۷ اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ۝۱۸ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ڰ وَالشُّهَدَاۗءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝۱۹ۧ

رکوع ۱۸

اَلَمْ	کیا نہیں	اَنْ تَخْشَعَ (۲)	کہ جھک جائیں	مِنَ الْحَقِّ	سچے دین سے
يَاْنِ (۱)	وقت آیا	قُلُوْبُهُمْ	ان کے دل	وَلَا يَكُوْنُوْا	اور نہ ہوں وہ
لِلَّذِيْنَ	ان کے لئے جو	لِذِكْرِ اللّٰهِ	اللہ کی یاد کے لئے	كَالَّذِيْنَ	ان کی طرح جو
اٰمَنُوْٓا	ایمان لائے	وَمَا نَزَلَ (۳)	اور اس کے لئے جو اترا	اُوْتُوا	دیئے گئے

(۱) لم يَأْنِ: مضارع مجزوم منفی، اصل میں يَأْنِيْ تھا، أَنَى يَأْنِيْ أَنْيًا: وقت آجانا، جیسے أَنَى لك أن تفعلَ: وقت آ گیا کہ آپ کریں، ألم يأنِ لك أن تفعل: کیا آپ کے لئے وقت نہیں آیا کہ کریں (۲) خشع (ف) خشوعا: عاجزی دکھانا، جھکنا، گڑگڑانا (۳) وما نزل کا عطف ذکرِ اللہ پر ہے، اور من الحق: ما موصولہ کا بیان ہے۔

الْکِتٰبَ	آسمانی کتاب	لَکُمُ	تمہارے لئے	بِاللّٰهِ	اللہ پر
مِنْ قَبْلُ	قرآن سے پہلے	الْاٰیٰتِ	باتیں	وَرُسُلِهٖٓ	اوراُس کے رسولوں پر
فَطَالَ	پس لمبی ہوگئی	لَعَلَّکُمْ	تاکہ	اُولٰٓئِکَ هُمُ	یہی لوگ وہ
عَلَیْهِمُ	ان پر	تَعْقِلُوْنَ	سمجھوتم	الصِّدِّیْقُوْنَ	بہت سچا ٹھہرانے والے
الْاَمَدُ	مدت	اِنَّ	بے شک	وَالشُّهَدَآءُ (۲)	اوراحوال بتانے والے ہیں
فَقَسَتْ	پس سخت ہوگئے	الْمُصَّدِّقِیْنَ (۱)	خیرات کرنے والے مرد	عِنْدَ رَبِّهِمْ	ان کے رب کے پاس
قُلُوْبُهُمْ	ان کے دل	وَالْمُصَّدِّقٰتِ	اورخیرات کرنے والی	لَهُمْ	ان کے لئے
وَکَثِیْرٌ	اور بہت سے		عورتیں	اَجْرُهُمْ	ان کا ثواب
مِّنْهُمْ	ان میں سے	وَاَقْرَضُوا	اورقرض دیا انھوں نے	وَنُوْرُهُمْ	اوران کا نور ہے
فٰسِقُوْنَ	نافرمان ہیں	اللّٰهَ	اللہ کو	وَالَّذِیْنَ	اورجنھوں نے
اِعْلَمُوْٓا	جان لو	قَرْضًا حَسَنًا	اچھا قرض دینا	کَفَرُوْا	نہیں مانا
اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ تعالیٰ	یُّضٰعَفُ	دوچند کیا جائے گا	وَکَذَّبُوْا	اورجھٹلایا انھوں نے
یُحْیِ	زندہ کرتے ہیں	لَهُمْ	ان کے لئے	بِاٰیٰتِنَآ	ہماری باتوں کو
الْاَرْضَ	زمین کو	وَلَهُمْ	اوران کے لئے	اُولٰٓئِکَ	وہ لوگ
بَعْدَ مَوْتِهَا	اس کے مرنے کے بعد	اَجْرٌ کَرِیْمٌ	عزت والا ثواب ہے	اَصْحٰبُ	والے ہیں
قَدْ بَیَّنَّا	تحقیق کھول کر بیان	وَالَّذِیْنَ	اورجولوگ	الْجَحِیْمِ	دوزخ کے
	کی ہیں ہم نے	اٰمَنُوْا	ایمان لائے	❁	❁

عمل میں کوتاہ مسلمانوں کو جھنجھوڑتے ہیں

اللہ پر اوراس کے رسول پر ایمان لانے والوں کا اور جہاد کے لئے دل کھول کرخرچ کرنے والوں کا تذکرہ کرنے کے بعد دغاباز منافقوں کا تذکرہ کیا تھا، اب بےعمل مسلمانوں کا تذکرہ کرتے ہیں، جن کا ایمان تو درست ہے، مگر کمزور ہے اس

(۱) اَلْمُصَّدِّقِین: اسم فاعل، جمع مذکر، اصل میں المُتَصَدِّقِین تھا، تَصَدُّق: خیرات دینا (۲) شهداء: شهید کی جمع فعیل بمعنی فاعل: آنکھ سے دیکھی ہوئی اور کان سے سنی ہوئی بات بتانا (ہدایت القرآن ۷:۴۶۰) شہید: کا یہ ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے کیا ہے اور حضرت شیخ الہندؒ نے اس کو برقرار رکھا ہے۔

لئے وہ اعمال میں کوتاہ ہیں، فرماتے ہیں: جب تم ایمان لائے ہو تو دین پر عمل کیوں نہیں کرتے؟ کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ تمہارے دل اللہ کی یاد کی طرف جھکیں اور تم دین پر مضبوطی سے عمل کرو؟

پھر اس کی وجہ بیان کی ہے کہ عمل میں کوتاہی کیوں ہے؟ اور اس کے لئے یہود کی مثال ماری ہے، ان کو اللہ نے تورات دی، شروع میں تو انھوں نے اس پر مضبوطی سے عمل کیا، مگر جب زمانہ دراز ہوگیا تو ان کے دل سخت ہوگئے، اور وہ عمل میں سست پڑگئے، بلکہ ان میں سے اکثر بد دین ہوگئے —— یہ مثال اس امت کو سنائی، زمانہ گذرنے کے ساتھ امت کے احوال بھی بگڑ گئے، آج امت کی صورتِ حال یہ ہے کہ شاید بیس فیصد مسلمان بھی کامل دین پر عمل نہیں کرتے، اور ایک بڑی تعداد تو بد دین مسلمانوں کی ہے، پھر شکوہ یہ ہے کہ اللہ ہماری مدد کیوں نہیں کرتے!

﴿ اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴾

ترجمہ: کیا وقت نہیں آیا ایمان لانے والوں کے لئے کہ ان کے دل جھک جائیں اللہ کی یاد کی طرف، اور اس سچے دین کی طرف جو اترا ہے؟ اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہوجائیں جو (قرآن سے) پہلے آسمانی کتاب دیئے گئے، پس ان پر مدت گذر گئی تو ان کے دل سخت ہوگئے، اور ان میں سے اکثر نافرمان ہیں!

سخت دل نرم پڑ سکتے ہیں جیسے مردہ زمین زندہ ہوجاتی ہے

جو دل زمانۂ نبوت سے دور ہونے کی وجہ سے سخت ہوگئے: ان کا علاج کیا ہے؟ ان کا علاج اللہ کا ذکر اور ہمت کر کے دین پر عمل کرنا ہے، اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو نرم کردیں گے، پھر دین پر عمل کرنا ان کے لئے آسان ہوجائے گا، جیسے اللہ تعالیٰ مردہ زمین کو آبِ رحمت سے زندہ کردیتے ہیں، جہاں کل خاک اُڑ رہی تھی: بارش کا چھینٹا پڑتے ہی وہاں آج سبزہ لہلہار ہا ہے، کاش مردہ دل اس حقیقت کو سمجھ لیں تو وہ کبھی مایوس نہ ہوں، دین پر عمل شروع کریں ان کا ایمان قوی ہوجائے گا۔

﴿ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴾

ترجمہ: یہ بات جان لو کہ اللہ تعالیٰ زمین کو مرے پیچھے زندہ کرتے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ ہم نے باتیں تمہارے لئے کھول کر بیان کی ہیں، تا کہ تم سمجھو!

اللہ تعالیٰ ہر نیکی کو بڑھاتے ہیں

اللہ تعالیٰ اپنی رحمت و مہربانی سے مؤمنین کی ہر نیکی کو بڑھاتے ہیں، عمل سے ثواب دوچند دیتے ہیں، پھر عمل میں کوتاہ مسلمان ڈھیلے کیوں پڑیں، قدم بڑھائیں اور دامنِ مراد بھریں! —— اور اللہ تعالیٰ جہاد میں جو خرچ کیا جاتا ہے اسی کو نہیں

بڑھاتے، بلکہ ہر عمل کو بڑھاتے ہیں، مسلمان مرد وزن جو عام خیراتیں کرتے ہیں ان کو بھی بڑھاتے ہیں —— یہ الگ بات ہے کہ کسی عمل کو کم بڑھاتے ہیں کسی کو زیادہ، عام خیرات دس گنا سے سات سو گنا تک بڑھائی جاتی ہے، اور اللہ کو جو قرضِ حسنہ دیا جاتا ہے اس کو سات سو گنا سے غیر متناہی حد تک بڑھاتے ہیں، ایسا موقع محل کے تقاضے سے ہوتا ہے —— اور آخرت میں عزت والا ثواب سبھی کو ملتا ہے۔

﴿اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَ الْمُصَّدِّقٰتِ وَ اَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَ لَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ۝﴾

ترجمہ: بلاشبہ خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں، اور جنھوں نے اللہ کو قرضِ حسنہ دیا: ان کے لئے (ثواب) دو چند کیا جائے گا، اور ان کے لئے عزت والا بدلہ (جنت) ہے!

دینی کمالات کے دو مراتب: صدیقیت اور شہادت ہر نیک مسلمان حاصل کرسکتا ہے

دینی کمالات چار ہیں: نبوت، صدیقیت، شہادت اور صالحیت، سورۃ النساء کی (آیات ۶۹) ہے:

﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝﴾

ترجمہ: اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانے گا: وہ اُن حضرات کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے: یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صلحاء کے ساتھ ہوگا، اور یہ لوگ بہت اچھے ساتھی ہیں۔

نبوت تو اب اپنی نہایت کو پہنچ گئی، اب کوئی نیا نبی نہیں آسکتا، نہ کوئی اتباع میں کمال پیدا کر کے نبی بن سکتا ہے۔ اور صلاح وتقوی کمالات کا ابتدائی درجہ ہے، اس سے اوپر دو درجے ہیں: صدیقیت اور شہادت، ان مراتب کو ہر نیک مؤمن حاصل کرسکتا ہے۔ اور صدیقیت نام ہے: ایمان میں آخری درجہ کی پختگی کا، جس کا دل حق بات کو اس طرح قبول کرلے جس طرح معدہ مٹھائی کو قبول کرلیتا ہے، یہ مقام ہر مرد وزن کو حاصل ہوسکتا ہے، ضرورت ایمان میں پختگی پیدا کرنے کی ہے، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس امت کے صدیق اکبر (سب سے بڑے صدیق) تھے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی صدیقہ تھیں، معلوم ہوا کہ ہر کوئی اس مرتبہ تک پہنچ سکتا ہے۔

اور شہید اور شاہد ہم معنی ہیں: فعیل بمعنی فاعل ہے، اور شاہد کے معنی ہیں: احوال بتلانے والا، یہ مرتبہ بھی ہر کوئی حاصل کرسکتا ہے، جو مرد وزن خود دین پر عمل کرتے ہیں، اور دوسروں کو دین پر لانے کی فکر کرتے ہیں وہ سب قیامت کے دن گواہ ہونگے کہ کس نے ان کی بات مانی اور کس نے نہیں مانی؟ بایں معنی نبی ﷺ بھی شہید (گواہ) ہونگے۔ سورۃ النساء (آیت ۴۱) میں ہے: ﴿وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴾: اور ہم آپ کو بھی ان لوگوں پر گواہ بنا کر لائیں گے، اور

بایں معنی امت کے دُعات ومبلغین بھی گواہ ہونگے، سورۃ الحج کی آخری آیت میں ہے: ﴿ وَ تَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ﴾: اورتم لوگوں کے خلاف گواہ بنوگے، اور بایں معنی امتِ محمدیہ گذشتہ امتوں کے خلاف گواہی دے گی، سورۃ البقرۃ (آیت ۱۴۳) میں اس کا ذکر ہے۔

اور جو بندے اس لائن میں محنت کرتے ہوئے قتل کئے گئے وہ تو اعلیٰ درجہ کے شہید ہیں، حقیقی شہید وہی ہیں، اور اس آیت میں جن شہداء کا ذکر ہے وہ حقیقی شہداء کے ساتھ ملائے ہوئے ہیں، اور حقیقی شہداء کے لئے دنیا میں بھی مخصوص احکام ہیں، ان کو غسل نہیں دیا جاتا، نماز جنازہ پڑھ کر خون کے ساتھ دفن کیا جاتا ہے، اور وہ قیامت کے دن بھی خون آلود اٹھیں گے، رنگ خون کا ہوگا، اور خوشبو مشک کی ہوگی، تاکہ اہل محشر کے سامنے ان کی مظلومیت ظاہر ہو، اور اس آیت میں جن شہداء کا ذکر ہے وہ حکمی شہداء ہیں، اس لئے آیت میں: ﴿ عِنْدَ رَبِّهِمْ ﴾ بڑھایا ہے، یعنی یہ حضرات آخرت میں شہید ہونگے، دنیا میں ان پر شہادت کے احکام جاری نہیں ہونگے، اور ایسے حکمی شہید بہت ہیں، روایات میں ایسے ساٹھ شہداء کا ذکر آیا ہے (اوجز المسالک شرح موطا امام مالک)

غرض: کمالات کے یہ دونوں درجے ہر نیک مؤمن محنت کرکے حاصل کرسکتا ہے، رہے وہ لوگ جنھوں نے دین اسلام کو قبول نہیں کیا، اور انھوں نے اللہ کی باتوں کو جھٹلایا تو ان کے لئے دوزخ کی بھٹی تیار ہے!

﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۗ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿١٩﴾ ﴾

ترجمہ: اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے: وہی صدیق اور شہداء ہیں ان کے رب کے پاس، ان کے لئے ان کا ثواب اور ان کا نور ہے —— اور جن لوگوں نے نہیں مانا، اور ہماری باتوں کو جھٹلایا: وہی لوگ دوزخ والے ہیں!

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ۭ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطٰمًا ۭ وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿٢٠﴾ سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿٢١﴾

اِعْلَمُوْٓا	جان لو	فَتَرٰىهُ	پس دیکھتا ہے تو اس کو	عَرْضُهَا	اس کی پہنائی
اَنَّمَا	اس کے سوانہیں	مُصْفَرًّا	پیلا (زرد)	كَعَرْضِ	جیسے پہنائی
الْحَيٰوةُ	زندگی	ثُمَّ يَكُوْنُ	پھر ہوجاتا ہے وہ	السَّمَآءِ	آسمان
الدُّنْيَا	دنیا کی	حُطَامًا	چورا چورا	وَالْاَرْضِ	اور زمین کی
لَعِبٌ وَّلَهْوٌ (۱)	کھیل اور تماشا ہے	وَفِي الْاٰخِرَةِ	اور آخرت میں	اُعِدَّتْ	تیار کیا گیا ہے
وَّزِيْنَةٌ	اور ٹیپ ٹاپ	عَذَابٌ شَدِيْدٌ	سخت عذاب ہے	لِلَّذِيْنَ	ان کے لئے جو
وَّتَفَاخُرٌۢ	اور بڑائی جتلانا	وَّمَغْفِرَةٌ	اور بخشش ہے	اٰمَنُوْا	ایمان لائے
بَيْنَكُمْ	آپس میں	مِّنَ اللّٰهِ	اللہ کی	بِاللّٰهِ	اللہ پر
وَتَكَاثُرٌ	اور زیادہ طلبی	وَرِضْوَانٌ	اور خوشنودی ہے	وَرُسُلِهٖ	اور اس کے رسولوں پر
فِي الْاَمْوَالِ	دولت میں	وَمَا الْحَيٰوةُ	اور نہیں ہے زندگی	ذٰلِكَ	یہ
وَالْاَوْلَادِ	اور اولاد میں	الدُّنْيَآ	دنیا کی	فَضْلُ	مہربانی ہے
كَمَثَلِ	(دنیا کا حال) جیسے حال	اِلَّا مَتَاعُ	مگر برتنے کا سامان	اللّٰهِ	اللہ کی
غَيْثٍ	بارش کا	الْغُرُوْرِ	دھوکے کا	يُؤْتِيْهِ	دیتے ہیں وہ اس کو
اَعْجَبَ	پسند آیا	سَابِقُوْٓا (۴)	ایک دوسرے سے آگے بڑھو	مَنْ يَّشَآءُ	جسے چاہتے ہیں
الْكُفَّارَ (۲)	کسانوں کو	اِلٰى مَغْفِرَةٍ	بخشش کی طرف	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
نَبَاتُهٗ	اس کا سبزہ	مِّنْ رَّبِّكُمْ	اپنے رب کی	ذُو الْفَضْلِ	مہربانی والے ہیں
ثُمَّ يَهِيْجُ (۳)	پھر زور پر آیا	وَجَنَّةٍ	اور باغ کی طرف	الْعَظِيْمِ	بڑی

کمالات حاصل کرنے کی راہ کا روڑا: دنیا کی مشغولیت

گذشتہ آیت میں یہ بیان تھا کہ مؤمنین بڑے سے بڑا دینی کمال حاصل کرسکتے ہیں، صدیق وشہید بن سکتے ہیں، مگر

(۱) لعب اور لہو میں تھوڑا سا فرق ہے: خود کھیلنا لعب ہے اور دوسروں کا کھیل دیکھنا لہو ہے (۲) كُفَّار: کافر کی جمع ہے، كَفَرَ الشيئَ: کے دو معنی ہیں: (۱) چھپانا، ڈھانکنا، پس کفار سے کسان مراد ہیں، کیونکہ وہ بیج زمین میں چھپاتے ہیں (۲) انکار کرنا، نہ ماننا، پس کفار کے معنی ہونگے: غیر مسلم۔ (۳) هَاجَ النباتُ يهيج هيجًا: کھیتی کا زور پر آنا، شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے یہ ترجمہ کیا ہے (۴) سابق مسابقة: ریس کرنا، ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنا۔

اس راہ کا ایک 'روڑا' ہے جو منزل سے ہم کنار نہیں ہونے دیتا، اور وہ ہے: دنیا کی مشغولیت! آدمی دنیا میں منہمک ہو کر کمال سے محروم رہ جاتا ہے، اب ایک آیت میں اس کا بیان ہے۔

دنیا کی زندگی دھوکے کی ٹٹی ہے، کسی بھی وقت وہ زمین بوس ہوسکتی ہے، مگر آدمی اس کی عارضی بہار سے دھوکہ کھا کر آخرت برباد کرلیتا ہے، اور دنیا کی مشغولیات کیا ہیں؟ بچپن میں کھیل کود، پھر جب سیانا ہوتا ہے تو کھیل دیکھتا ہے، بلکہ اب تو جوان بھی کھیلتے ہیں، کھیل ایک مشغلہ اور کاروبار بن گیا ہے، اور جوانی میں بننے سنورنے کا شوق دامن گیر ہوجاتا ہے، بالوں کی تراش خراش اور کپڑوں کی وضع قطع سے فرصت نہیں ملتی، پھر جب کاروبار شروع کرتا ہے تو مسابقت (Competition) میں لگ جاتا ہے، اور بڑھاپے میں مال و دولت اور اولاد کی کثرت پر فخر کرتا ہے۔ غرض: کسی حال میں فرصت نہیں، ایک حالت کے بعد دوسری حالت لگی آتی ہے، پھر کمالات کیسے حاصل کرے؟ اس کے لئے فرصت کے لمحات درکار ہیں، اور اس کی صورت یہی ہے کہ دنیا کی مشغولیت ذرا کم کرے۔

دنیا کی زندگانی کا حال: بارش جیسا ہے، مینہ برستا ہے تو سبزہ اُگ آتا ہے، وہ کسانوں کو / غیر مسلموں کو بھلا لگتا ہے، پھر وہ زور پر آتا ہے، کھیت لہلہانے لگتا ہے، پھر دیکھتے دیکھتے پیلا پڑجاتا ہے، اور آخر میں چورا چورا ہوجاتا ہے، یہی حال دنیوی زندگی کا ہے، اللہ اپنی رحمت سے بچہ دیتے ہیں، وہ ماں باپ کو اور ہر کسی کو بھلا لگتا ہے، پھر وہ جوان رعنا ہوتا ہے، پھر آنکھ جھپکتے بوڑھاپا آنا شروع ہوجاتا ہے، اور آخر میں راہئ ملکِ عدم ہوجاتا ہے۔

آگے کیا ہے؟ آگے آخرت میں منکروں کے لئے سخت سزا ہے، اور نیک مؤمنوں کے لئے اللہ کی بخشش اور خوشنودی ہے۔ غرض: دنیا چند روز برتنے کا سامان ہے، بالآخر اسے چھوڑنا ہے، مگر انسان دھوکے میں مبتلا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ دنیا ہمیشہ اس کے ہاتھ میں رہے گی، مگر ایسا نہیں، پس اس فانی دنیا میں بقدر ضرورت لگنا چاہئے، اس کا ہی ہو کر نہیں رہنا چاہئے، جبھی کمالات بدست آسکتے ہیں۔

﴿اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ۭ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ۭ وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝﴾

ترجمہ: جان لو کہ دنیوی زندگی محض کھیل اور تماشا اور زینت، اور ایک دوسرے پر فخر کرنا، اور اموال و اولاد میں ایک دوسرے سے زیادہ بتلانا ہے —— جیسے بارش کا حال کہ اس کا سبزہ کاشتکاروں کو بھلا لگتا ہے، پھر وہ زور پر آتا ہے، پس تم اس کو زرد دیکھتے ہو، پھر وہ چورا چورا ہوجاتا ہے —— اور آخرت میں سخت سزا اور اللہ کی بخشش اور خوشنودی ہے —— اور

دنیوی زندگی بس دھوکہ دینے والا چندروز برتنے کا سامان ہے!

دینی کمالات حاصل کرنے کا ذریعہ: شوقِ وطن

انسان کا وطن جنت ہے، دادا دادی کو زمین میں پیدا کرکے جنت میں بسایا تھا، پھر عارضی طور پر زمین میں اتارا ہے، اُسے لوٹ کر جنت میں پہنچنا ہے، پس اگر وطن کا شوق دامن گیر ہوجائے تو دنیا سے دل ہٹانا آسان ہوجائے، اس لئے ایک آیت میں جنت کا شوق پیدا کیا ہے، ارشاد فرمایا: ایک دوسرے سے آگے بڑھو، اور پروردگار کی بخشش حاصل کرو، اور اس جنت تک پہنچو جس کی وسعت آسمان اور زمین کی وسعت کے بقدر ہے، یعنی آسمان اور زمین کو کھول کر پھیلایا جائے تو اس کی لمبائی کے بقدر جنت کی پہنائی (چوڑائی) ہے، اور جنت کی لمبائی کا حال اللہ بہتر جانتے ہیں، لمبائی: چوڑائی سے زیادہ ہوتی ہے۔

اور یہ بھی ایک محسوس مثال کے ذریعہ جنت کی وسعت سمجھائی ہے، حقیقی وسعت کا حال اللہ بہتر جانتے ہیں، کیونکہ جنت کی وسعت سمجھانے کے لئے اس سے بڑی کوئی مخلوق نہیں تھی جیسے سورۃ ہود (آیات ۱۰۷و۱۰۸) میں جنت وجہنم کے خلود (ہمیشہ رہنے) کو: ﴿ مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ﴾ کے ذریعہ سمجھایا ہے، یعنی جب تک آسمان وزمین قائم ہیں: جنتی جنت میں اور جہنمی جہنم میں رہیں گے یعنی جتنی لمبی ان دونوں مخلوقات کی زندگی ہے: اتنی مدت رہیں گے، حالانکہ آسمان وزمین ایک دن ختم ہونے والے ہیں اور جنت وجہنم ابدی ہیں، پس یہ محسوس مثال کے ذریعہ خلود کو سمجھایا ہے، کیونکہ آسمانوں اور زمین کی عمر سے لمبی عمر والی کوئی مخلوق نہیں تھی ـــــ اسی طرح اس آیت میں جنت کی وسعت کو محسوس مثال کے ذریعہ سمجھایا ہے، ان کو حقیقی وسعت تصور نہیں کرنا چاہئے۔

یہ جنت کس کے لئے ہے؟ ـــــ یہ جنت ان بندوں کے لئے تیار کی گئی ہے جو اللہ پر اور اس کے تمام رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور یہ ایمان دخولِ جنت کا سبب ظاہری ہے، حقیقی سبب اللہ کا فضل ہے۔ وہ جسے چاہیں جنت میں داخل کریں۔ حدیث میں ہے کہ جو بھی جنت میں جائے گا اللہ کے فضل سے جائے گا، اپنے عمل سے کوئی نہیں جائے گا، پوچھا گیا: یارسول اللہ! آپ بھی! فرمایا: میں بھی! یعنی اپنے عمل سے جنت میں نہیں جاؤں گا، اللہ کی رحمت سے جاؤں گا ـــــ اور سبب ظاہری سرسری سبب ہوتا ہے اور وہ عمل کے لئے ہوتا ہے، عالم اسباب میں سبب کو اختیار کرنا فرض ہے، مگر مدار حقیقی سبب پر ہوتا ہے اور وہ اعتقاد کے لئے ہوتا ہے، اس کا عقیدہ رکھنا ضروری ہے۔

پھر آخر میں ایک سوالِ مقدر کا جواب ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کو جنت میں کیوں داخل نہیں کریں گے؟ کیا اللہ کے فضل کا کوٹا ختم ہوجائے گا جو بعض محروم رہ جائیں گے؟ ـــــ جواب: اللہ تعالیٰ تو بڑے فضل والے ہیں، کمی فضل حاصل کرنے والوں میں ہوگی، جو ایمان نہیں لائے وہ اللہ کے فضل سے محروم رہیں گے۔

﴿ سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۱﴾ ﴾

ترجمہ: ایک دوسرے سے آگے بڑھو اپنے پروردگار کی بخشش کی طرف، اور ایسی جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان اور زمین کی وسعت کے بقدر ہے —— وہ تیار کی گئی ہے اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے والوں کے لئے، یہ اللہ کا فضل ہے، جسے چاہیں عنایت فرمائیں —— اور اللہ بڑے فضل والے ہیں!

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۲۲﴾ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِۨ ﴿۲۳﴾ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۴﴾

مَآ اَصَابَ	نہیں پہنچتی	يَسِيْرٌ	آسان ہے	فَخُوْرِۨ	شیخی بگارنے والے کو
مِنْ مُّصِيْبَةٍ	کوئی آفت	لِّكَيْلَا	تاکہ نہ	الَّذِيْنَ [2]	جو
فِي الْاَرْضِ	زمین میں	تَاْسَوْا	غم گیں ہوؤ تم	يَبْخَلُوْنَ	بخیلی کرتے ہیں
وَلَا	اور نہ	عَلٰي مَا	اس پر جو	وَيَاْمُرُوْنَ	اور حکم دیتے ہیں
فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ	تمہاری جانوں میں	فَاتَكُمْ	تمہارے ہاتھ سے نکل گیا	النَّاسَ	لوگوں کو
اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ	مگر ایک نوشتہ میں ہے	وَلَا تَفْرَحُوْا	اور نہ خوش ہوؤ تم	بِالْبُخْلِ	بخیلی کا
مِّنْ قَبْلِ [1]	پہلے سے	بِمَآ اٰتٰىكُمْ	اس پر جو دیا تم کو	وَمَنْ يَّتَوَلَّ [3]	اور جو شخص روگردانی کرے
اَنْ نَّبْرَاَهَا	اس کو پیدا کرنے کے	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	فَاِنَّ اللّٰهَ	پس بے شک اللہ تعالیٰ
اِنَّ ذٰلِكَ	بے شک یہ بات	لَا يُحِبُّ	نہیں پسند کرتے	هُوَ الْغَنِيُّ	ہی بے نیاز
عَلَي اللّٰهِ	اللہ پر	كُلَّ مُخْتَالٍ	ہر اترانے والے	الْحَمِيْدُ	ستودہ صفات ہیں

(۱) قبل: مضاف ہے اور أن مصدر یہ ہے، نبرأھا: بہ تاویل مصدر ہو کر مضاف الیہ ہے (۲) الذین: مختال وفخور کی صفت ہے۔ (۳) یتول: مضارع مجزوم، آخر سے یاء حذف ہے تولّی (تفعل): منہ موڑنا، اعراض کرنا، پیٹھ پھیرنا۔

شریعت میں اعذار کا اعتبار ہے

تحصیلِ کمال کے موانع اور تشویق کے بیان کے بعداب یہ بیان ہے کہ شریعت میں اعذار کا اعتبار ہے، جاننا چاہئے کہ جنت کے بلند درجات نوافل اعمال کے ذریعہ حاصل کئے جاتے ہیں، فرائض وواجبات تو سبھی مسلمان ادا کرتے ہیں، ان سے تو جنت ملتی ہے۔ اور اوراد ونوافل اعمال کے سلسلہ میں قاعدہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بیماری، بڑھاپے یا سفر کی وجہ سے اوراد کی پابندی نہ کرسکے تو بھی ثواب ملتا رہتا ہے، حدیث میں ہے: اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں: ''میرا بندہ تندرستی میں جو عمل کرتا تھا، اب وہ بیماری کی وجہ سے نہیں کر پارہا، پس اس کا ثواب مسلسل لکھتے رہو، مثلاً: عذر کی وجہ سے کوئی تہجد نہ پڑھ سکے تو بھی اس کا اصلی ثواب برابر لکھا جاتا ہے، اور انعامی ثواب تو پڑھنے ہی پر ملے گا۔

﴿مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ۚ۲۲﴾

ترجمہ: جو بھی مصیبت تمہیں زمین میں پہنچتی ہے —— جہاد یا سفر کی نوبت آتی ہے —— یا تمہاری جانوں میں —— یعنی بیماری یا بڑھاپا آتا ہے —— تو وہ اس کو پیدا کرنے سے پہلے ایک نوشتہ (لوح محفوظ) میں لکھی ہوئی ہے —— پس وہ تو ضرور پہنچے گی، اس لئے اللہ نے ان اعذار میں سہولت رکھی ہے، اگر ان کی وجہ سے نفل عمل نہ کرسکے تو اس کا ثواب ملتا رہتا ہے —— اور یہ بات اللہ پر آسان ہے —— یعنی مقدرات (ہونے والی باتوں) کو طے کرنا، اور ان کو لوح محفوظ میں لکھ لینا اللہ کے لئے کچھ مشکل نہیں۔

مقدرات بندوں کی مصلحت سے ہیں

جو باتیں پیش آتی ہیں، خواہ وہ غم کی ہوں یا خوشی کی، سب مقدر ہیں، اور لوحِ محفوظ میں لکھی ہوئی ہیں، اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ جب غم کی کوئی بات پیش آئے، مثلاً: کوئی بڑا نقصان ہوجائے تو آدمی غم سے نڈھال نہ ہوجائے، بقدر ضرورت ہی اس کا اثر لے، اسی طرح جب خوشی کی کوئی بات پیش آئے، مثلاً: اللہ کوئی نعمت عطا فرمائیں تو آپے سے باہر نہ ہوجائے، بلکہ اللہ کی نعمت کا شکر بجالائے۔

﴿لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ۭ﴾

ترجمہ: (جو کچھ پیش آنا ہے وہ تو آنا ہے) تاکہ تم غم گیں نہ ہوؤ اس پر جو تمہارے ہاتھ سے نکل جائے، اور تم خوش نہ ہوؤ اس پر جو تمہیں عنایت فرمائیں۔

اعمال سے روگردانی کرنے والے اللہ کو پسند نہیں

جب اللہ کا فضل شاملِ حال ہوتا ہے، جوانی، فارغ بالی اور خوش حالی آتی ہے تو اوچھے لوگ اِتراتے ہیں، اور شیخی بگھارتے ہیں، ایسے لوگ اللہ کو پسند نہیں، مثلاً: اللہ نے دولت دی، مگر نہ خود غریبوں پر خرچ کرتا ہے نہ دوسروں کو ترغیب دیتا ہے، بلکہ اپنے طرزِ عمل سے لوگوں کو بخل کی تعلیم دیتا ہے، جبکہ اللہ کا حکم ہے کہ اللہ کی نعمت اللہ کے بندوں پر خرچ کرو، جو لوگ اللہ کے اس حکم سے اعراض کرتے ہیں وہ اپنا ہی نقصان کرتے ہیں، اللہ کا کچھ نہیں بگاڑتے، وہ تو بے نیاز ستودہ صفات ہیں۔

﴿وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِۣ ۝ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَ يَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝۲۴﴾

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کسی بھی اِترانے والے شیخی باز کو پسند نہیں کرتے، جو لوگ بخیلی کرتے ہیں، اور لوگوں کو بخل کا حکم دیتے ہیں، اور جو شخص اعراض کرے گا تو اللہ تعالیٰ ہی بے نیاز ستودہ صفات ہیں ــــ یعنی خوبیوں کے مالک ہیں۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَ رُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝۲۵

ع ۱۹

لَقَدْ	بخدا! واقعہ یہ ہے	لِيَقُوْمَ	تا کہ کھڑے ہوں	وَّ مَنَافِعُ	اور فوائد ہیں
اَرْسَلْنَا	بھیجے ہم نے	النَّاسُ	لوگ	لِلنَّاسِ	لوگوں کے لئے
رُسُلَنَا	ہمارے رسول	بِالْقِسْطِ	انصاف کے ساتھ	وَ لِيَعْلَمَ	اور تا کہ جانیں
بِالْبَيِّنٰتِ	واضح دلائل کے ساتھ	وَ اَنْزَلْنَا(۱)	اور اتارا ہم نے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
وَ اَنْزَلْنَا	اور اتاری ہم نے	الْحَدِيْدَ	لوہا	مَنْ يَّنْصُرُهٗ	کون مدد کرتا ہے ان کی
مَعَهُمُ	ان کے ساتھ	فِيْهِ	اس میں	وَ رُسُلَهٗ	اور ان کے رسولوں کی
الْكِتٰبَ	آسمانی کتاب	بَاْسٌ	سختی ہے	بِالْغَيْبِ(۲)	دیکھے بغیر
وَ الْمِيْزَانَ	اور ترازو	شَدِيْدٌ	بہت زیادہ	اِنَّ	بے شک

(۱) أنزلنا: اتارا ہم نے، یعنی پیدا کیا ہم نے، جیسے: ﴿اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا﴾: ہم نے تمہارے لئے لباس پیدا کیا [الاعراف ۲۶] (۲) بالغیب: ینصرہ کی ضمیر مفعول کا حال ہے۔

اللهَ	اللہ تعالیٰ	قَوِيٌّ	زور آور	عَزِيْزٌ	زبردست ہیں

شریعت پر عمل کے لئے ترغیب کے ساتھ ترہیب بھی ضروری ہے

اللہ تعالیٰ نے انسانیت کے آغاز ہی سے نبوت کا سلسلہ شروع کیا، پھر نوح علیہ السلام سے رسالت کا سلسلہ شروع فرمایا، یہ انبیاؤرسل دین کے واضح دلائل کے ساتھ مبعوث کئے جاتے تھے، اور ان کے ساتھ آسمانی کتابیں بھی بھیجی جاتی تھیں، یہ سب ترغیب کے لئے تھا، تاکہ لوگ ایمان لائیں اور شریعت پر عمل کریں، اور اللہ نے ترازو بھی اتاری، تاکہ لوگ معاملات میں انصاف کو بروئے کار لائیں، اور ظلم وزیادتی سے بچیں، عبادات تو آسان ہیں، مگر معاملات میں انصاف کی رعایت مشکل ہے، اس لئے کسوٹی بھیجی اور ترازو واتاری یعنی احکامات بھیجے، تاکہ لوگ صحیح معاملات کریں، اور ساتھ ہی لوہا پیدا کیا، جس میں تین منفعتیں ہیں: (۱) اس میں نہایت سختی ہے، اس کے ذریعہ لوگوں پر کنٹرول کیا جاسکتا ہے (۲) لوگ لوہے سے اسباب وآلات بناتے ہیں اور مختلف کام نکالتے ہیں (۳) اس سے جنگی سازوسامان بنتا ہے، جس کے ذریعہ جہاد کیا جاتا ہے۔ جہاد اللہ کی اور اللہ کے رسول کی مدد ہے، شریعت پر عمل کے لئے اسلامی حکومت ضروری ہے، اور وہ جہاد ہی سے قائم ہوسکتی ہے، اسی لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں معاملات کے بیان کے بعد کتاب الجہاد رکھی ہے، تاکہ اسلامی حکومت قائم ہو، وہی معاملات پر کنٹرول کرسکتی ہے، جو لوگ ترغیب سے راہ راست پر نہیں آئیں گے ان پر ترہیب کے ذریعہ قابو پائے گی۔

اور جہاد اس لئے نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے تعاون کے محتاج ہیں، وہ زور آور اور زبردست ہیں، ان کو کمزور مخلوق کی تعاون کی کیا حاجت ہے؟ جہاد اس لئے ہے کہ اللہ کو دیکھے بغیر ان کے دین کی کون مدد کرتا ہے؟ اور اللہ کے رسولوں کا ساتھ کون دیتا ہے؟ جو وفادار ثابت ہونگے ان کو جنت کے اعلیٰ مقامات پر فائز فرمائیں گے۔

آیت ِ پاک: بخدا! واقعہ یہ ہے کہ ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلائل کے ساتھ بھیجا، اور ہم نے ان کے ساتھ آسمانی کتابیں اور ترازو واتاری، تاکہ لوگ انصاف کو بروئے کار لائیں —— اور ہم نے لوہا پیدا کیا، اس میں نہایت سختی ہے، اور لوگوں کے لئے منافع ہیں، اور تاکہ اللہ تعالیٰ جانیں کہ اُن کی دیکھے بغیر اور ان کے رسولوں کی کون مدد کرتا ہے؟ بے شک اللہ تعالیٰ زور آور زبردست ہیں!

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّ اِبْرٰهِيْمَ وَ جَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝۲۶ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَ قَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَ اٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۙ وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ

رَأْفَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَرَهْبَانِيَّةَ ۨ ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِينَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُونَ ﴿۲۷﴾

وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	وَقَفَّيْنَا	اور پیچھے بھیجا ہم نے	إِلَّا ابْتِغَاءَ	مگر چاہنے کے لئے
اَرْسَلْنَا	بھیجا ہم نے	بِعِيسَى	عیسیٰ کو	رِضْوَانِ	خوشنودی
نُوحًا	نوح کو	ابْنِ	بیٹے	اللّٰهِ	اللہ کی
وَّاِبْرٰهِيمَ	اور ابراہیم کو	مَرْيَمَ	مریم کے	فَمَا رَعَوْهَا	پس نہیں لحاظ کیا انھوں
وَجَعَلْنَا	اور گردانا ہم نے	وَاٰتَيْنٰهُ	اور دی ہم نے ان کو		نے اس کا
فِي ذُرِّيَّتِهِمَا	دونوں کی نسل میں	الْإِنْجِيلَ	انجیل	حَقَّ رِعَايَتِهَا	جیسا اس کا لحاظ کرنے
النُّبُوَّةَ	نبوت کو	وَجَعَلْنَا	اور گردانی ہم نے		کا حق تھا
وَالْكِتٰبَ	اور آسمانی کتاب کو	فِي قُلُوبِ	دلوں میں	فَاٰتَيْنَا	پس دیا ہم نے
فَمِنْهُمْ	پس ان میں سے بعض	الَّذِينَ	ان کے جنھوں نے	الَّذِينَ	ان کو جو
مُّهْتَدٍ	راہ یاب ہیں	اتَّبَعُوهُ	ان کی پیروی کی	اٰمَنُوْا	ایمان لائے
وَكَثِيرٌ	اور بہت سے	رَأْفَةً	نرمی	مِنْهُمْ	ان میں سے
مِّنْهُمْ	ان میں سے	وَّرَحْمَةً	اور مہربانی	اَجْرَهُمْ	ان کا ثواب
فٰسِقُونَ	نافرمان ہیں	وَرَهْبَانِيَّةَ	اور ترکِ دنیا	وَكَثِيرٌ	اور بہت سے
ثُمَّ قَفَّيْنَا (۱)	پھر پیچھے بھیجا ہم نے	ابْتَدَعُوهَا	نیا جاری کیا انھوں نے اس کو	مِّنْهُمْ	ان میں سے
عَلٰى اٰثَارِهِمْ	ان کے نشاناتِ قدم پر	مَا كَتَبْنٰهَا	نہیں لکھا ہم نے اس کو	فٰسِقُونَ	نافرمان ہیں
بِرُسُلِنَا	ہمارے رسولوں کو	عَلَيْهِمْ	ان پر	۞	۞

شریعت پر عمل کے تعلق سے بنی اسرائیل کی حالتِ زار

حضرت نوح علیہ السلام پہلے رسول ہیں، پھر ان کے متبعین میں حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں: ﴿ وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ

(۱) قَفَّيْنَا: تقفية (باب تفعیل): پیچھے بھیجنا، مادّہ: قَفَا: گدّی، سر کا پچھلا حصہ، قُفُوّ: پیچھے چلنا۔

﴿لِابْرٰهِيْمَ﴾: پھر ان کے صاحب زادے اسحاق علیہ السلام ہوئے، اور ان کے بعد پوتے حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں، ان کا لقب اسرائیل تھا، ان کے بارہ بیٹے تھے، ان کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی، ان میں نبوت اور آسمانی کتابوں کا سلسلہ جاری رہا، کہتے ہیں: بنی اسرائیل میں ایک لاکھ انبیاء ہوئے ہیں، اور عہد قدیم میں انبیاء کے تقریباً سو صحیفے ہیں، مگر نتیجہ صفر رہا! کچھ ہی لوگ راہ یاب تھے، اور اکثریت ان کی نافرمان تھی۔

پھر آخر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے، ان کو انجیل مرحمت فرمائی، اور ان کے ماننے والوں کا امتیاز یہ ہے کہ ان کے دلوں میں خلق خدا پر شفقت اور مہربانی ہے، چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام کا مذہب جو صرف بنی اسرائیل کے لئے تھا: اس کو عیسائیوں نے عام کیا، اور ساری دنیا میں عیسائیت کو پھیلانے کے لئے انتھک محنت کرتے ہیں، تاکہ ان کے خیال میں انسانوں کی نجات ہو، اور اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے انھوں نے رہبانیت شروع کی، جو شرعی حکم نہیں تھا، پھر ترکِ دنیا کے پردہ میں سب کچھ کرتے رہے جو نہیں کرنا چاہئے تھا، شہوتِ بطن وفرج پوری کرتے رہے، نذرانے بٹورتے رہے اور ننوں (راہبہ عورتوں) سے استفادہ کرتے رہے، ان عیسائیوں کا حال بھی ابتر تھا، تھوڑی تعداد مؤمنوں کی تھی، ان کو ان کا اجر وثواب ملا، اور ان کی بڑی تعداد نافرمانوں کی تھی، اور اب تو ان کا اصلی دین ہی باقی نہیں رہا۔

آیتِ کریمہ: اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ ہم نے نوح اور ابراہیم کو بھیجا، اور دونوں کی اولاد میں پیغمبری اور آسمانی کتابوں کا سلسلہ جاری رکھا، پس بعضے ہدایت یافتہ ہوئے، اور بہت سے ان میں سے نافرمان ہوئے۔

پھر ہم نے یکے بعد دیگرے اور رسولوں کو ان کے پیچھے بھیجا، اور ان کے پیچھے عیسیٰ بن مریم کو بھیجا، اور ہم نے ان کو انجیل عنایت فرمائی، اور جن لوگوں نے ان کی پیروی کی ان کے دلوں میں شفقت اور مہربانی گردانی، اور ترکِ دنیا کو انھوں نے خود ایجاد کیا، ہم نے اس کو ان پر واجب نہیں کیا تھا، مگر انھوں نے اللہ کی رضا جوئی کے لئے اس کو ایجاد کیا، پس انھوں نے اس کا وہ لحاظ نہیں رکھا جو لحاظ رکھنے کا حق تھا، پس ہم نے ان میں سے ایمان لانے والوں کو ان کا ثواب دیا، اور ان میں سے زیادہ تر نافرمان تھے!

فائدہ: بدعت کہتے ہیں: ایسا کام کرنا جس کی اصل کتاب وسنت اور قرونِ مشہود لہا بالخیر میں نہ ہو، اور اس کو دین اور ثواب کا کام سمجھ کر کیا جائے (فوائد) دین اسلام میں رہبانیت (فطری اعتدال سے متجاوز ترکِ دنیا) نہیں، اس امت کی رہبانیت جہاد فی سبیل اللہ ہے، کیونکہ مجاہد اپنے سب حظوظ وتعلقات سے الگ ہوکر اللہ کے راستہ میں دشمنانِ اسلام سے لوہا لینے کے لئے نکلتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ

وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۸﴾ لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	لَكُمْ	تمہارے لئے	اَلَّا(۲)	کہ نہیں
اٰمَنُوا	(سابقہ نبیوں پر)	نُوْرًا	ایک روشنی	يَقْدِرُوْنَ	قادر ہیں وہ
	ایمان لائے	تَمْشُوْنَ	چلوگے تم	عَلٰى شَيْءٍ	کسی چیز پر
اتَّقُوا	ڈرو	بِهٖ	اس کے ساتھ	مِّنْ فَضْلِ	فضل سے
اللّٰهَ	اللہ سے	وَيَغْفِرْ	اور بخشیں گے	اللّٰهِ	اللہ کے
وَاٰمِنُوْا	اور ایمان لاؤ	لَكُمْ	تمہارے لئے	وَاَنَّ الْفَضْلَ	اور یہ کہ فضل
بِرَسُوْلِهٖ	اللہ کے (آخری)	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	بِيَدِ اللّٰهِ	اللہ کے ہاتھ میں ہے
	رسول پر	غَفُوْرٌ	بڑے بخشنے والے	يُؤْتِيْهِ	دیتے ہیں وہ اس کو
يُؤْتِكُمْ	دیں گے وہ تمہیں	رَّحِيْمٌ	بڑے رحم والے ہیں	مَنْ يَّشَاۗءُ	جسے چاہتے ہیں
كِفْلَيْنِ	دو حصے	لِّئَلَّا(۱)	تاکہ	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
مِنْ رَّحْمَتِهٖ	اپنی رحمت کے	يَعْلَمَ	جانیں	ذُو الْفَضْلِ	فضل والے ہیں
وَيَجْعَلْ	اور بنائیں گے	اَهْلُ الْكِتٰبِ	اہل کتاب	الْعَظِيْمِ	بڑے

اہلِ کتاب کو آخری پیغمبر پر ایمان لانے کی دعوت

بنی اسرائیل کا حالِ زار آپ نے پڑھ لیا، اب ان کو نبی ﷺ پر ایمان لانے کی دعوت دیتے ہیں۔ جب کوئی نعمت کسی قوم کو عرصۂ دراز تک حاصل رہتی ہے تو وہ اس کو اپنا ذاتی کمال سمجھ لیتی ہے، بنی اسرائیل میں بھی عرصہ تک نبوت اور کتاب رہی، اس لئے ان کو خیال ہوا کہ یہ دونوں چیزیں ان کے ساتھ خاص ہیں، کسی اور کو نبوت اور کتاب نہیں مل سکتی، حالانکہ اللہ کی نعمتیں قوموں کے ساتھ خاص نہیں ہوتیں: ﴿ تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ﴾: ہم ان ایام کو لوگوں کے درمیان ادلتے بدلتے رہتے ہیں [آل عمران ۱۴۰] یعنی حکومتوں میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے، چنانچہ جب آخر زمانہ میں

(۱) لِئَلَّا: اصل میں لأن لا ہے، اور لا آگے مکرر آئے گا، ترجمہ وہاں ہوگا، یہاں زائد ہے (۲) أَلَّا: اصل میں أن لا ہے۔

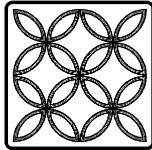
اللہ تعالیٰ نے بنی اسماعیل کو نبوت اور کتاب کے لئے چنا تو بنی اسرائیل جل بُھن گئے، اور آپؐ پر ایمان لانے کے لئے تیار نہیں ہوئے، دوسری آیت میں ان کو یہ بات سمجھائی ہے کہ اللہ کا فضل تمہارے اختیار میں نہیں، اللہ جسے چاہیں اپنے فضل سے نوازیں۔

اور پہلی آیت میں ان کو دعوتِ ایمان دی ہے کہ اے وہ لوگو جو گذشتہ نبیوں پر اور سابقہ کتابوں پر ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو، نبوت اور کتاب کو اپنی جاگیر مت سمجھو، نبی آخر الزماں ﷺ پر اور ان کی کتاب پر ایمان لاؤ، اللہ تعالیٰ تمہیں دوہرا اجر عنایت فرمائیں گے، اور دوسرے مؤمنین کی طرح ایک نور بھی عطا فرمائیں گے، جو ہر وقت تمہارے ساتھ رہے گا، اور تمہاری گذشتہ خطائیں معاف فرمائیں گے، وہ بڑے بخشنے والے بڑے رحم والے ہیں۔

آیاتِ پاک: اے (گذشتہ نبیوں پر) ایمان رکھنے والو! اللہ سے ڈرو، اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی رحمت سے دو حصے دیں گے، اور تمہیں ایسا نور عنایت فرمائیں گے، جسے تم لئے ہوئے چلو گے، اور تمہاری خطاؤں کو بخش دیں گے، اور اللہ بڑے بخشنے والے بڑے رحم والے ہیں، تاکہ اہل کتاب جان لیں کہ وہ اللہ کے فضل کے کسی بھی جزء پر دسترس نہیں رکھتے، اور یہ کہ فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہ جس کو چاہیں دیں، اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں۔

فائدہ: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے خطاب ہمیشہ اس امت کے مؤمنین سے ہوتا ہے، مگر اس آیت میں اہل کتاب سے خطاب ہے، وہ بالقوہ یا مجاز ما یؤل کے اعتبار سے مؤمنین ہیں، اور ان کو دوہرا ثواب اس لئے ملتا ہے کہ ان کے لئے نبی ﷺ پر ایمان لانا بھاری ہے، اور ثواب بقدر مشقت ہوتا ہے، اس لئے ان کا اجر دوگنا ہوگیا، تفصیل تحفۃ القاری (۱:۳۸۳) میں ہے۔

﴿۲۳/رجب ۱۴۳۷ھ = یکم مئی ۲۰۱۶ء﴾

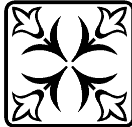


بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ المجادلہ

مجادلہ: باب مفاعلہ کا مصدر ہے، اس کے معنی ہیں: جھگڑا کرنا، بحث مباحثہ کرنا، کٹ حجتی کرنا، گذشتہ سورت کی آخری دو آیتوں میں اہل کتاب (یہود و نصاری) کو آخری پیغمبر ﷺ پر ایمان لانے کی دعوت دی تھی، وہ اس دعوت کو قبول کریں گے یا نہیں؟ ان کو آخری آیت میں یہ بھی سمجھایا تھا کہ نبوت اور کتاب کسی قوم کی میراث نہیں، یہ اللہ کا فضل ہے، وہ کسی کو بھی یہ نعمت دے سکتے ہیں، یہ بات ان کی سمجھ میں آئے گی یا نہیں؟ اس سورت کے شروع میں اشارہ ہے کہ وہ یہ دعوت قبول نہیں کریں گے، کٹ حجتی کریں گے، یہود آج تک یہی کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام آخری رسول ہیں، اور تورات اللہ کی آخری کتاب ہے، اس کے بعد نہ کوئی کتاب ہے نہ رسول، عیسائی بھی ایسی ہی بات کہتے ہیں، ان کا یہ جھگڑا قیامت تک چلے گا، اللہ تعالیٰ ان کی کٹ حجتی دیکھ رہے ہیں، یہ اس سورت کا ماسبق سے ربط ہے، اور عام ربط واضح ہے، یہ سورت مدنی ہے، اور مدنی سورتوں میں احکام ہوتے ہیں۔

اس سورت کے شروع کا شانِ نزول یہ ہے کہ حضرت اوس بن الصامت رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا سے ظہار کیا، جاہلیت میں ظہار سے بیوی ہمیشہ کے لئے حرام ہوجاتی تھی، خولہ خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئیں اور ماجرا بیان کیا، آپؐ نے پہلے سے جو حکم تھا وہ بتا دیا، کیونکہ ابھی تک اسلامی شریعت میں کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا، خولہ نے آپؐ سے جھگڑا شروع کیا، اور اللہ سے فریاد کی، پس ظہار کا حکم نازل ہوا کہ ظہار سے حرمت مؤبدہ نہیں ہوتی، موقتہ ہوتی ہے، کفارہ دینے پر حرمت ختم ہوجاتی ہے ــــــ غرض: گفتہ آید در حدیثِ دیگراں کے طور پر اشارہ کیا ہے کہ اہل کتاب ایمان کی دعوت قبول نہیں کریں گے، کٹ حجتی کریں گے۔



آیاتها ۲۲ (۵۸) سُوْرَةُ الْمُجَادَلَةِ مَدَنِيَّةٌ (۱۰۵) رکوعاتها ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝ اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ۭ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰۗــِٔيْ وَلَدْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝ وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاۗسَّا ۭ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاۗسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ۭ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

قَدْ سَمِعَ	تحقیق سنی	تَحَاوُرَكُمَا (۱)	تم دونوں کی بات چیت	مَا هُنَّ	نہیں ہیں وہ
اللّٰهُ	اللہ نے	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	اُمَّهٰتِهِمْ	ان کی مائیں
قَوْلَ الَّتِيْ	بات اس کی جو	سَمِيْعٌ	خوب سننے والے	اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ	نہیں ان کی مائیں
تُجَادِلُكَ	جھگڑتی ہے آپؐ سے	بَصِيْرٌ	دیکھنے والے ہیں	اِلَّا الّٰۗــِٔيْ (۳)	مگر جنھوں نے
فِيْ زَوْجِهَا	اپنے شوہر کے معاملہ میں	اَلَّذِيْنَ	جو لوگ	وَلَدْنَهُمْ	جنا ان کو
وَتَشْتَكِيْٓ	اور فریاد کرتی ہے	يُظٰهِرُوْنَ (۲)	ماں کی پیٹھ جیسا کہتے ہیں	وَاِنَّهُمْ	اور بے شک وہ
اِلَى اللّٰهِ	اللہ کے سامنے	مِنْكُمْ	تم میں سے	لَيَقُوْلُوْنَ	یقیناً کہتے ہیں
وَاللّٰهُ يَسْمَعُ	اور اللہ تعالیٰ سن رہے ہیں	مِّنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ	اپنی بیویوں کو	مُنْكَرًا	اور بری (ناجائز)

(۱) تَحاوُر: مصدر باب تفاعل: باہم بات چیت کرنا۔ (۲) ظَاهَرَ مظاهرة و ظِهَارًا: بیوی سے کہنا: تو مجھ پر اسی طرح حرام ہے جس طرح میری ماں کی پیٹھ: أنتِ عليَّ كَظَهْرِ أُمي (۳) اللّائي: اسم موصول بمعنی اللّوَاتِي۔

مِنَ الْقَوْلِ	بات	اَنْ يَّتَمَآسَّا (۲)	ایک دوسرے کو ہاتھ	اَنْ يَّتَمَآسَّا	ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے کے
وَزُوْرًا	اور جھوٹی بات		لگانے کے	فَمَنْ	پس جو شخص
وَاِنَّ اللّٰهَ	اور بے شک اللہ	ذٰلِكُمْ (۳)	یہ (حکم)	لَّمْ يَسْتَطِعْ	طاقت نہ رکھے
لَعَفُوٌّ	یقیناً معاف کرنے والے	تُوْعَظُوْنَ	نصیحت کیے جاتے ہو تم	فَاِطْعَامُ	تو کھلانا ہے
غَفُوْرٌ	بڑے بخشنے والے ہیں	بِهٖ	اس کے ذریعہ	سِتِّيْنَ	ساٹھ
وَالَّذِيْنَ	اور جو لوگ	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	مِسْكِيْنًا	غریبوں کو
يُظٰهِرُوْنَ	ماں کی پیٹھ جیسا کہہ	بِمَا	ان کاموں سے جو	ذٰلِكَ	یہ (حکم)
	بیٹھتے ہیں	تَعْمَلُوْنَ	تم کرتے ہو	لِتُؤْمِنُوْا	تاکہ ایمان لاؤ تم
مِّنْ نِّسَآئِهِمْ	اپنی بیویوں کو	خَبِيْرٌ	پورے باخبر ہیں	بِاللّٰهِ	اللہ پر
ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ	پھر وہ لوٹتے ہیں	فَمَنْ	پس جو شخص	وَرَسُوْلِهٖ	اور اس کے رسول پر
لِمَا قَالُوْا (۱)	اس بات کے لئے جو	لَّمْ يَجِدْ	نہ پائے (غلام)	وَتِلْكَ	اور یہ (حکم)
	کہی ہے انھوں نے	فَصِيَامُ	تو روزے ہیں	حُدُوْدُ	محفوظ علاقہ ہے
فَتَحْرِيْرُ	پس آزاد کرنا ہے	شَهْرَيْنِ	دو ماہ کے	اللّٰهِ	اللہ کا
رَقَبَةٍ	گردن کا	مُتَتَابِعَيْنِ	لگاتار	وَلِلْكٰفِرِيْنَ	اور نہ ماننے والوں کیلئے
مِّنْ قَبْلِ	پہلے	مِنْ قَبْلِ	پہلے	عَذَابٌ اَلِيْمٌ	دردناک سزا ہے

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

ظہار اور اس کا کفارہ

ظِہار: ظَہر سے ماخوذ ہے، جس کے معنی: پشت کے ہیں، اور اصطلاحی معنی ہیں: بیوی کے پورے وجود کو یا اس کے نصف، چوتھائی وغیرہ کو یا ایسے عضو کو بول کر جس سے پورا وجود مراد لیا جاتا ہو، جیسے سر، چہرہ، گردن، شرمگاہ وغیرہ: اپنے نسبی یا سسرالی یا رضاعی محرم کے ایسے عضو سے تشبیہ دینا جس کا دیکھنا جائز نہیں، ظہار: سخت گناہ ہے، وہ خلافِ واقعہ اور بے ہودہ

(۱) لما قالوا: ما مصدریہ، اور لام بمعنی فی یا عن أی عن قولهم یعنی أنتِ عليّ کظهر أمي: کہہ کر بیوی کو حرام کیا، اب اس کو حلال کرنا چاہتا ہے (۲) قبل: مضاف، أن: مصدریہ، یتماسا: بہ تاویل مصدر ہو کر مضاف الیہ (۳) ذلکم: مبتدا، توعظون: خبر، توعظون: أی تُزْجَرُوْن۔

بات ہے، اس لئے اس کی سزا مقرر کی ہے، جس کا نام کفارہ ہے، جب تک کفارہ ادا نہ کیا جائے بیوی سے صحبت جائز نہیں، کفارہ تین چیزیں ترتیب وار ہیں: (۱) غلام آزاد کرنا، مگر اب غلام نہیں رہے (۲) دو ماہ کے مسلسل روزے رکھنا (۳) اور بیماری یا بڑھاپے کی وجہ سے اس کی استطاعت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا، تفصیل فقہ کی کتابوں میں ہے۔

شانِ نزول: اَوس بن الصامتؓ نے جو بہت بوڑھے تھے اپنی بیوی خولہؓ سے کہہ دیا: **أنتِ عليَّ كظهر أمي**: تو میرے لئے میری ماں کی پشت کی طرح (حرام) ہے، زمانۂ جاہلیت میں یہ لفظ ابدی حرمت کے لئے بولا جاتا تھا، خولہؓ خدمتِ نبوی میں اس کا حکم معلوم کرنے کے لئے حاضر ہوئیں، آپؐ نے فرمایا: ''میری رائے میں تو تم اپنے شوہر پر حرام ہوگئیں'' یہ سن کر وہ واویلا کرنے لگیں کہ میری جوانی اس شوہر کی خدمت میں ختم ہوگئی، اب میں کہاں جاؤں؟ میرے بچوں کا کیا ہوگا؟ پھر انھوں نے اللہ سے فریاد کی کہ میرے لئے کوئی سہولت نازل فرما، اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

آیاتِ پاک: —— واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سن لی جو آپؐ سے اپنے شوہر کے معاملہ میں جھگڑ رہی ہے، اور اللہ سے فریاد کر رہی ہے، اور اللہ تعالیٰ تم دونوں کی بات چیت سن رہے ہیں، بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والے سب کچھ دیکھنے والے ہیں —— یہ ظہار کے بیان کی تمہید ہے، اور اس میں اشارہ ہے کہ اہل کتاب دعوتِ ایمان قبول نہیں کریں گے، کٹ حجتی کریں گے۔

جو لوگ تم میں سے اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں —— اس کا حکم اگلی آیت میں ہے —— وہ ان کی مائیں نہیں —— پس جاہلیت میں جو ظہار کو حرمتِ مؤبدہ سمجھا جاتا تھا وہ غلط تھا —— ان کی مائیں تو بس وہی ہیں جنھوں نے ان کو جنا ہے —— دوسری کسی بھی عورت کو ماں کہنے سے وہ ماں نہیں بن جاتی —— اور بلاشبہ وہ لوگ ایک نامعقول اور جھوٹی بات کہتے ہیں —— جس کا خمیازہ ان کو بھگتنا پڑے گا —— اور یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے بخش دینے والے ہیں —— یعنی کفارہ ادا کرنے سے گناہ معاف ہو جائے گا۔

اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں، پھر اپنی کہی ہوئی بات کی تلافی کرنا چاہتے ہیں تو گردن (غلام یا باندی) آزاد کرنا ہے، اس سے پہلے کہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں —— دواعئ صحبت: شہوت سے چومنا، چھونا اور شرمگاہ کو دیکھنا بھی حرام ہے، البتہ بغیر شہوت کے دیکھنا، بات چیت کرنا اور ہاتھ لگانا حرام نہیں —— اس حکم کے ذریعہ تمہیں نصیحت کی جاتی ہے —— یعنی کفارہ کی مشروعیت تمہاری تنبیہ ونصیحت کے لئے ہے کہ پھر ایسی غلطی نہ کرو —— اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے کاموں کی پوری خبر ہے —— اس لئے تمہارے احوال کے مناسب احکام بھیجتا ہے، پھر دیکھے گا کہ تم کس حد تک اُن پر عمل کرتے ہو۔

پس جو (بردہ) نہ پائے تو لگا تار دو ماہ کے روزے ہیں، اس سے پہلے کہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں —— اگر کفارہ ادا کرنے سے پہلے صحبت کرلی تو بڑا گناہ کیا، توبہ کرے، اور آئندہ کفارہ ادا کرنے سے پہلے یہ حرکت نہ کرے —— اور روزوں کے درمیان اُس عورت سے صحبت کرلی تو استیناف (ازسرِ نو روزے شروع) کرے، سب روزے پھر سے رکھے —— پس جو (اس کی بھی) طاقت نہیں رکھتا تو ساٹھ غریبوں کو کھانا کھلانا ہے —— اور یہ کام بھی ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے ہونا چاہئے، لیکن اگر بیچ میں صحبت کرلی تو گناہ تو ہوا، مگر کفارہ دہرانا نہیں پڑے گا، کیونکہ ﴿مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّتَمَآسَّا﴾ کی قید منصوص نہیں —— یہ حکم اس لئے ہے کہ تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ —— یعنی جاہلیت کی باتیں چھوڑو، اللہ ورسول کے احکام پر چلو، جو مؤمن کامل کی شان ہے (فوائد) —— اور یہ اللہ کی حدود (Boundaries) ہیں —— اس کے اندر گھسنے کی کوشش مت کرو —— اور نہ ماننے والوں کے لئے دردناک سزا ہے —— ریزروایریے میں جو گھستا ہے وہ سزا پاتا ہے۔

فائدہ: اگر تشبیہ نہیں دی، بلکہ کہا: تو میری ماں کے برابر ہے، یا کہا: تو ماں کی طرح ہے، تو تین صورتیں ہیں: (۱) اگر تعظیم مقصود ہے یا یہ مراد ہے کہ تو بڑھیا ناکارہ ہوگئی ہے تو کچھ نہیں ہوا (۲) اور طلاق دینا اور چھوڑنا مقصود ہے تو ایک طلاق بائنہ پڑگئی (۳) اور صحبت کو حرام کرنا مقصود ہے تو ظہار ہوگیا، کفارہ دے اگر رکھنا چاہے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُحَآدُّوۡنَ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ کُبِتُوۡا کَمَا کُبِتَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ وَ قَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ ؕ وَ لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَذَابٌ مُّہِیۡنٌ ۚ﴿۵﴾ یَوۡمَ یَبۡعَثُہُمُ اللّٰہُ جَمِیۡعًا فَیُنَبِّئُہُمۡ بِمَا عَمِلُوۡا ؕ اَحۡصٰہُ اللّٰہُ وَ نَسُوۡہُ ؕ وَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ شَہِیۡدٌ ٪﴿۶﴾

ع-۱

اِنَّ الَّذِیۡنَ	بے شک جو لوگ	کَمَا کُبِتَ	جس طرح ذلیل کئے گئے	بَیِّنٰتٍ	صاف صاف
یُحَآدُّوۡنَ (۱)	مخالفت کرتے ہیں	الَّذِیۡنَ	جو	وَ لِلۡکٰفِرِیۡنَ	اور منکروں کے لئے
اللّٰہَ	اللہ کی	مِنۡ قَبۡلِہِمۡ	ان سے پہلے گذرے	عَذَابٌ مُّہِیۡنٌ	رسوا کن سزا ہے
وَ رَسُوۡلَہٗ	اور اس کے رسول کی	وَ قَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ	اور تحقیق اتارے ہم نے	یَوۡمَ (۳)	جس دن
کُبِتُوۡا (۲)	ذلیل کئے جائیں گے	اٰیٰتٍ	احکام	یَبۡعَثُہُمۡ	اٹھائیں گے ان کو

(۱) حَادَّ مُحَادَّةً وَمُحَادَدَةً: مخالفت کرنا (۲) کُبِتوا: ماضی مجہول، کَبَتَ (ض) کَبۡتًا: ذلیل وخوار کرنا (۳) یوم: مھین کا ظرف ہے (جمل)

اللّٰہُ جَمِیْعًا	اللہ سبھی کو	عَمِلُوْا	کئے انھوں نے	وَاللّٰہُ	اور اللہ تعالیٰ
فَیُنَبِّئُھُمْ	پس آگاہ کریں گے ان کو	اَحْصٰہُ[1] اللّٰہُ	گن رکھا ہے اسکو اللہ نے	عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ	ہر چیز پر
بِمَا	ان کاموں سے جو	وَنَسُوْہُ	اور بھول گئے ہیں وہ اس کو	شَھِیْدٌ	گواہیں ہیں

حدود اللہ کی پاسداری

یہ آیتیں حکم ظہار کا تتمہ ہیں، ظہار کے بعد کفارہ ادا کرنے سے پہلے بیوی سے صحبت اور دواعی صحبت حرام ہیں، اور تمام حرام امور حدود اللہ ہیں، حدیث میں ہے کہ جس طرح حکومتیں سرکاری جانوروں کے لئے چراگاہ مخصوص کرتی ہیں، جن میں پبلک کو جانور چرانے کی اجازت نہیں ہوتی، اسی طرح اللہ نے جو کام حرام کئے ہیں، وہ اللہ کا محفوظ ایریا ہیں، مؤمنین کو اس کی حدود میں داخل ہونے کی اجازت نہیں (تحفۃ القاری ۱:۲۹۶)

آیاتِ پاک: —— جو لوگ اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں —— یعنی ان کے احکام کی تعمیل نہیں کرتے —— وہ یقیناً ذلیل وخوار ہونگے —— دنیا میں بھی —— جیسے ان سے پہلے گذرے ہوئے —— یعنی یہود ونصاریٰ اپنے اپنے زمانہ میں —— ذلیل وخوار ہوئے —— آج مسلمانوں کی زبوں حالی کا ایک سبب احکام الٰہی سے روگردانی ہے —— اور واقعہ یہ ہے کہ ہم نے صاف صاف احکام نازل کئے ہیں —— پھر ان کا احترام کیوں نہیں کیا جاتا؟ اور ان کو مسلمانوں کی حکومتوں میں کیوں رائج نہیں کیا جاتا؟ —— اور نہ ماننے والوں کے لئے ذلت کا عذاب ہے —— کب؟ —— جس دن اللہ تعالیٰ سب کو زندہ کریں گے —— ماننے والوں کو بھی اور نہ ماننے والوں کو بھی —— پھر ان کو ان کا کیا ہوا جتلائیں گے، اللہ نے اس کو محفوظ کر رکھا ہے، گو وہ اس کو بھول گئے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کے گواہ (حال بتلانے والے) ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۭ مَا یَکُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَۃٍ اِلَّا ھُوَ رَابِعُھُمْ وَلَا خَمْسَۃٍ اِلَّا ھُوَ سَادِسُھُمْ وَلَآ اَدْنٰی مِنْ ذٰلِکَ وَلَآ اَکْثَرَ اِلَّا ھُوَ مَعَھُمْ اَیْنَ مَا کَانُوْا ۚ ثُمَّ یُنَبِّئُھُمْ بِمَا عَمِلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ۭ اِنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝

اَلَمْ تَرَ	کیا نہیں دیکھا تو نے	اَنَّ اللّٰہَ	کہ اللہ تعالیٰ	یَعْلَمُ	جانتے ہیں

(۱) أَحْصٰی: اس نے گن لیا، مصدر إِحْصَاءٌ۔

مَا فِي السَّمٰوٰتِ	جو آسمانوں میں ہے	وَلَا خَمْسَةٍ	اور نہ پانچ کی	اَيْنَ مَا كَانُوْا	جہاں کہیں ہوں وہ
وَمَا فِي الْاَرْضِ	اور جو زمین میں ہے	اِلَّا هُوَ	مگر وہ	ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ	پھر بتلائیں گے ان کو
مَا يَكُوْنُ	نہیں ہوتی	سَادِسُهُمْ	اس کے چھٹے ہیں	بِمَا عَمِلُوْا	جو کچھ کیا انھوں نے
مِنْ نَّجْوٰى	کوئی سرگوشی	وَلَآ اَدْنٰى	اور نہ کم	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	قیامت کے دن
ثَلٰثَةٍ	تین کی	مِنْ ذٰلِكَ	اس سے	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ
اِلَّا هُوَ	مگر وہ	وَلَآ اَكْثَرَ	اور نہ زیادہ	بِكُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز کو
رَابِعُهُمْ	ان کے چوتھے ہیں	اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ	مگر وہ ان کے ساتھ ہیں	عَلِيْمٌ	خوب جاننے والے ہیں

ہر چیز اللہ کے سامنے ہے، وہ ہر سرگوشی سے واقف ہیں

حضرت خولہؓ نے نبی ﷺ سے راز دارانہ گفتگو کی تھی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں اس وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس تھی، جب خولہ اپنے شوہر کی شکایت بیان کر رہی تھی، پھر بھی میں بعض باتیں نہ سن سکی، اور اللہ نے سن لی —— اسی طرح گذشتہ آیت کے آخر میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے گواہ ہیں، شہید اور شاھد: ایک ہیں، دونوں کے معنی ہیں: احوال بتلانے والے، گواہ قاضی کو احوال بتلاتا ہے، اللہ تعالیٰ گواہ بایں معنی ہیں کہ ہر چیز ان کے سامنے ہے، اور وہ ہر مشورہ میں شریک ہیں، وہ قیامت کے دن لوگوں کو ان کے اعمال جتلا دیں گے۔

آیتِ کریمہ: —— کیا آپ نے دیکھا نہیں —— یعنی غور نہیں کیا —— کہ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں جو کچھ آسمانوں میں ہے، اور جو کچھ زمین میں ہے —— یعنی کائنات کا کوئی ذرہ ان کے علم سے باہر نہیں —— کوئی تین آدمیوں کی سرگوشی ایسی نہیں ہوتی جس میں چوتھے وہ نہ ہوں، اور نہ پانچ کی جس میں چھٹے وہ نہ ہوں، اور نہ اس سے کم اور نہ زیادہ مگر وہ ان کے ساتھ ہوتے ہیں، خواہ وہ کہیں بھی ہوں —— مشورہ دو کا بھی ہوسکتا ہے، مگر اختلاف کی صورت میں ترجیح دشوار ہوگی، اور طاق عدد کی رعایت اولیٰ ہے، اور ایک کے بعد پہلا طاق عدد تین ہے، پھر پانچ، اس لئے ان کو لیا، پھر تعمیم کر دی —— پھر وہ قیامت کے دن ان کو ان کے کئے ہوئے کام جتلائیں گے، بے شک اللہ تعالیٰ کو ہر بات کی خوب خبر ہے!

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ ۡ وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَيَقُوْلُوْنَ

فِيٓ اَنۡفُسِهِمۡ لَوۡلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوۡلُ ؕ حَسۡبُهُمۡ جَهَنَّمُ ۚ يَصۡلَوۡنَهَا ۚ فَبِئۡسَ الۡمَصِيۡرُ ۝۸

اَلَمۡ تَرَ	کیا نہیں دیکھا تو نے	وَمَعۡصِيَتِ	اور نافرمانی کی	فِيٓ اَنۡفُسِهِمۡ	اپنے دلوں میں
اِلَى الَّذِيۡنَ	ان کی طرف جو	الرَّسُوۡلِ	رسول کی	لَوۡلَا	کیوں نہیں
نُهُوۡا	روکے گئے	وَاِذَا	اور جب	يُعَذِّبُنَا	سزا دیتے ہمیں
عَنِ النَّجۡوٰى	سرگوشی سے	جَآءُوۡكَ	آتے ہیں وہ آپ کے پاس	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
ثُمَّ يَعُوۡدُوۡنَ	پھر لوٹتے ہیں وہ	حَيَّوۡكَ (۱)	زندہ رہنے کی دعا دیتے	بِمَا	ان لفظوں کی وجہ سے جو
لِمَا	اس بات کے لئے جو		ہیں وہ آپ کو	نَقُوۡلُ	بولتے ہیں ہم
نُهُوۡا عَنۡهُ	روکے گئے وہ اس سے	بِمَا لَمۡ	ان الفاظ سے کہ نہیں	حَسۡبُهُمۡ	کافی ہے ان کے لئے
وَيَتَنٰجَوۡنَ	اور کانا پھوسی کرتے	يُحَيِّكَ (۲)	زندہ رہنے کی دعا دی	جَهَنَّمُ	دوزخ
	ہیں وہ		آپ کو	يَصۡلَوۡنَهَا	داخل ہونگے وہ اس میں
بِالۡاِثۡمِ	گناہ کی	بِهِ اللّٰهُ	ان لفظوں سے اللہ نے	فَبِئۡسَ	اور بری ہے (وہ)
وَالۡعُدۡوَانِ	اور زیادتی کی	وَيَقُوۡلُوۡنَ	اور کہتے ہیں وہ	الۡمَصِيۡرُ	لوٹنے کی جگہ

منافقین کو یقین ہی نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ ہر سرگوشی سنتے ہیں

روایات میں دو واقعے آئے ہیں:

۱- مسلمانوں اور یہود میں صلح تھی، مگر ان کا دل حسد سے بھرا ہوا تھا، اس لئے جب وہ کسی مسلمان کو دیکھتے تو اس کو پریشان خیالی میں مبتلا کرنے کے لئے آپس میں سرگوشی کرتے، مسلمان سمجھتا کہ میرے خلاف کوئی سازش کر رہے ہیں، نبی ﷺ نے ان کو اس سے منع کیا مگر وہ باز نہ آئے۔

۲- یہود جب خدمتِ نبوی میں آتے تو ازراہِ خباثت السلام علیکم کے بجائے السَّام علیکم کہتے، سام کے معنی موت کے ہیں، یعنی تم مرو، آپؐ جواب دیتے: علیك: تم مرو!

مدینہ کے منافقین زیادہ تر یہودی تھے، جب گذشتہ آیت نازل ہوئی کہ ہر سرگوشی میں اللہ تعالیٰ موجود ہوتے ہیں، تو انہیں اس کا یقین ہی نہیں آیا، اور منع کرنے کے باوجود سرگوشیاں کرتے رہے، ان کی سرگوشیاں گناہ کی باتیں، ظلم

(۱) حَيَّوا: ماضی، جمع مذکر غائب: زندگی کی دعا دیتے ہیں، اور پارہ ۸ رکوع ۵ میں حَيُّوْا ہے، وہ فعل امر صیغہ جمع مذکر حاضر ہے۔
(۲) يُحَيِّ: اصل میں يُحَيِّيُ تھا، مضارع، واحد مذکر غائب، ك: ضمیر مفعول، حَيِيَ: لفیف مقرون ہے، حَيَّاهُ اللّٰهُ: اللہ زندہ رکھے۔

وزیادتی کے پلان اور رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی باتیں ہوتی تھیں، اور وہ کہتے تھے کہ ہم السام علیکم کہتے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ ہر بات جانتے ہیں تو ہمیں اس کی فوراً سزا کیوں نہیں دیتے، اس کا جواب دیتے ہیں کہ چھوٹے گناہوں کی سزا دنیا میں دیتے ہیں، تمہارا گناہ سنگین ہے، اس کی سزا آخرت میں ملے گی، تمہیں دوزخ میں جانا ہوگا، اور وہ برا ٹھکانا ہے!

آیتِ کریمہ: —— کیا نہیں دیکھا آپ نے ان لوگوں کو جو سرگوشی سے روکے گئے، پھر وہ لوٹتے ہیں اس بات کی طرف جس سے وہ روکے گئے ہیں، اور وہ سرگوشیاں کرتے ہیں گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی —— اور جب وہ لوگ آپؐ کے پاس آتے ہیں تو ایسے لفظ سے آپؐ کو سلام کرتے ہیں، جس سے اللہ نے آپؐ کو سلام نہیں کیا —— اور وہ اپنے دلوں میں کہتے ہیں: کیوں اللہ تعالیٰ ہمیں سزا نہیں دیتے اس لفظ کی وجہ سے جو ہم بولتے ہیں؟ —— ان کے لئے جہنم کافی ہے، وہ لوگ اس میں داخل ہونگے، پس وہ برا ٹھکانا ہے!

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَاۗرِّهِمْ شَيْـًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَعَلَي اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى	نیکی اور پرہیز گاری کی	وَلَيْسَ	اور نہیں ہے وہ
اٰمَنُوْٓا	ایمان لائے	وَاتَّقُوا اللّٰهَ	اور ڈرو اللہ سے	بِضَاۗرِّهِمْ	نقصان پہنچانے والا
اِذَا تَنَاجَيْتُمْ	جب تم سرگوشی کرو	الَّذِيْٓ اِلَيْهِ	جس کی طرف		ان کو
فَلَا تَتَنَاجَوْا	تو سرگوشی مت کرو	تُحْشَرُوْنَ	تم جمع کئے جاؤگے	شَيْـًٔا	ذرا بھی
بِالْاِثْمِ	گناہ	اِنَّمَا	اس کے سوا نہیں کہ	اِلَّا بِاِذْنِ	مگر اجازت سے
وَالْعُدْوَانِ	اور زیادتی	النَّجْوٰى	سرگوشی	اللّٰهِ	اللہ کے
وَمَعْصِيَتِ	اور نافرمانی	مِنَ الشَّيْطٰنِ	شیطان سے ہے	وَعَلَي اللّٰهِ	اور اللہ ہی پر
الرَّسُوْلِ	رسول کی	لِيَحْزُنَ	تاکہ وہ دلگیر کرے	فَلْيَتَوَكَّلِ	پس چاہئے کہ بھروسہ کریں
وَتَنَاجَوْا	اور سرگوشی کرو	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	ایمان لانے والوں کو	الْمُؤْمِنُوْنَ	ایمان والے

مسلمانوں کی سرگوشی کا موضوع: برّ وتقوی

منافقین کی سرگوشی کا موضوع: گناہ، زیادتی اور رسول کی نافرمانی تھا، اب مسلمانوں کی سرگوشی کا موضوع متعین فرماتے ہیں، ان کی خفیہ میٹنگوں کا موضوع برّ وتقوی ہونا چاہئے۔ برّ کے معنی ہیں: نیکی کا کام، سورۃ البقرۃ (آیت ۱۷۷) میں نیکی کے کاموں کا بیان ہے: ﴿ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ﴾ الآیۃ: اللہ پر، قیامت کے دن پر، فرشتوں پر، تمام آسمانی کتابوں پر اور تمام پیغمبروں پر ایمان لانا، یتیموں پر، محتاجوں پر، مسافروں پر، سوال کرنے والوں پر اور گردن چھڑانے میں مال خرچ کرنا، نماز کی پابندی کرنا، زکات ادا کرنا، عہد وپیمان کی پاسداری کرنا اور تنگ دستی، بیماری اور جہاد میں برداشت کرنا، یہ سب نیکی کے کام ہیں۔ اور سورۃ النساء (آیت ۱۱۴) میں ہے: ﴿ لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ ﴾ الآیۃ: ان کی اکثر سرگوشیوں میں کوئی خیر نہیں ہوتی، ہاں جو لوگ خیرات کی یا اور کسی نیک کام کی یا لوگوں کے بگڑے معاملات کو سنوارنے کی میٹنگیں کرتے ہیں: وہ ٹھیک ہیں، یہی نیک کام ہیں —— اور تقوی کے معنی ہیں: پرہیزگاری، یعنی برے کاموں کے انسداد کی کوشش کرنا، یہ دو باتیں مسلمانوں کی سرگوشیوں کا موضوع ہونی چاہئیں۔

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم سرگوشی کرو تو گناہ، اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشی مت کرو، اور نیکی اور پرہیزگاری کی سرگوشی کرو، اور اس اللہ سے ڈرو جس کے پاس تم سب جمع کئے جاؤ گے!

شیطان: مسلمانوں کو دل گیر کرنا چاہتا ہے، مگر وہ ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا

منافقوں کی سرگوشیوں کا موضوع: گناہ، زیادتی اور رسول کی نافرمانی: اس لئے تھا کہ شیطان نے ان کو یہی پٹی پڑھائی تھی، شیطان چاہتا ہے کہ مسلمانوں کو رنجیدہ کرے، مگر وہ اللہ کی مرضی کے بغیر کسی کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا، پس مسلمانوں کو اللہ پر بھروسہ کرنا چاہئے، منافقین جو چاہیں میٹنگیں بھریں: ہوگا وہی جو منظورِ خدا ہے۔

﴿ اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْئًا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: سرگوشی شیطان ہی کی طرف سے ہے، تاکہ وہ مسلمانوں کو رنج میں ڈالے، اور وہ اذنِ خداوندی کے بغیر کسی کو

ضرر نہیں پہنچا سکتا، اور مسلمانوں کو اللہ پر بھروسہ کرنا چاہئے۔

مجلس میں تین شخص ہوں تو دو کانا پھوسی نہ کریں، تیسرا غمگین ہوگا (حدیث)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ۭ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾ ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ۭ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳﴾

ع ۲

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	وَاِذَا قِيْلَ	اور جب کہا جائے	وَاللّٰهُ	اور اللہ
اٰمَنُوْٓا	ایمان لائے	انْشُزُوْا (۲)	تم اٹھ کھڑے ہو	بِمَا تَعْمَلُوْنَ	ان کاموں سے جو تم کرتے ہو
اِذَا قِيْلَ	جب کہا جائے	فَانْشُزُوْا	تو اٹھ کھڑے ہو جایا کرو	خَبِيْرٌ	خوب واقف ہیں
لَكُمْ	تم سے	يَرْفَعِ اللّٰهُ (۳)	بلند کرتے ہیں اللہ	يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو
تَفَسَّحُوْا (۱)	کشادگی پیدا کرو	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	ان کے جو ایمان لائے	اٰمَنُوْٓا	ایمان لائے
فِي الْمَجٰلِسِ	محفلوں میں	مِنْكُمْ	تم میں سے	اِذَا نَاجَيْتُمُ	جب سرگوشی کرو تم
فَافْسَحُوْا	تو کشادگی پیدا کرو	وَالَّذِيْنَ	اور ان کے جو	الرَّسُوْلَ	اللہ کے رسول سے
يَفْسَحِ	کشادگی پیدا کریں گے	اُوْتُوا الْعِلْمَ	دیئے گئے علم	فَقَدِّمُوْا	تو آگے کرو
اللّٰهُ لَكُمْ	اللہ تعالیٰ تمہارے لئے	دَرَجٰتٍ (۴)	مراتب	بَيْنَ يَدَيْ (۵)	سامنے

(۱) فَسَحَ (ف) فَسْحًا له في المجلس: کسی کو جگہ دینا، مجلس میں دوسرے کے لئے کشادگی کرنا (۲) نَشَزَ (ن، ض) نَشْزًا عن مكانه: کسی جگہ سے اٹھ کھڑا ہونا (۳) يَرْفَعْ: جواب امر ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے، ملانے کے لئے کسرہ دیا ہے، اسی طرح يفسح الله کا معاملہ ہے (۴) درجات: يرفع کا مفعول ثانی ہے (۵) بين يدي: محاورہ ہے، یدی کا ترجمہ نہیں کرتے۔

نَجْوٰىكُمْ	اپنی سرگوشی کے	ءَاَشْفَقْتُمْ	کیا ڈر گئے تم	فَاَقِيْمُوا	پس اہتمام کرو
صَدَقَةً	خیرات کو	اَنْ تُقَدِّمُوْا (۱)	آگے کرنے سے	الصَّلٰوةَ	نماز کا
ذٰلِكَ	یہ	بَيْنَ يَدَيْ	سامنے	وَاٰتُوا	اور دو
خَيْرٌ لَّكُمْ	بہتر ہے تمہارے لئے	نَجْوٰىكُمْ	اپنی سرگوشی کے	الزَّكٰوةَ	زکات
وَاَطْهَرُ	اور پاکیزہ	صَدَقٰتٍ	خیراتوں کو	وَاَطِيْعُوا	اور کہا مانو
فَاِنْ لَّمْ	پس اگر نہ	فَاِذْ لَمْ	پس جب نہیں	اللّٰهَ	اللہ کا
تَجِدُوْا	پاؤ تم	تَفْعَلُوْا	کیا تم نے	وَرَسُوْلَهٗ	اور اس کے رسول کا
فَاِنَّ اللّٰهَ	پس بے شک اللہ تعالیٰ	وَتَابَ	اور توجہ فرمائی	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
غَفُوْرٌ	بڑے بخشنے والے	اللّٰهُ	اللہ نے	خَبِيْرٌ	خوب جانتے ہیں
رَّحِيْمٌ	بڑے رحم والے ہیں	عَلَيْكُمْ	تم پر	بِمَا تَعْمَلُوْنَ	ان کاموں کو جو تم کرتے ہو

مشورہ میں کوئی بزرگ یا عالم دیر سے پہنچیں تو صدران کو بٹھانے کا اہتمام کرے

بزرگ: کے لغوی معنی ہیں: بوڑھا، بڑی عمر کا، اور اصطلاحی معنی ہیں: نیک بندہ، ایمان میں پختہ، اور **عالم:** وہ ہے جسے اللہ نے دین کا علم دیا ہے، جب کسی معاملہ میں مشورہ کے لئے مجلس طلب کی جائے تو بڑوں کو جلدی پہنچنا چاہئے، تا کہ ان کو مناسب مقام ملے، لیکن اگر کسی وجہ سے دیر ہو جائے تو صدر مجلس کو چاہئے کہ ان کو مناسب جگہ بٹھائے، اور اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں: **ایک:** مجلس حلقہ کشادہ کرے۔ **دوم:** کسی کو اس کی جگہ سے اٹھایا جائے۔

عرب دائرہ بنا کر بیٹھتے ہیں، اس کو کشادہ کرنے کی صورت یہ ہے کہ سب تھوڑا تھوڑا پیچھے ہٹیں، آنے والے کے لئے جگہ نکل آئے گی، ہم لوگ مل کر بیٹھتے ہیں، پس لوگ سمٹ جائیں تو پیچھے جگہ نکل آئے گی، مگر اس سے مسئلہ حل نہیں ہوگا، کیونکہ آنے والے کو آگے بٹھانا ہے، اس لئے کسی کو اس کی جگہ سے اٹھانا ہوگا، یہ بات پہلی بات سے بھاری ہے، اس لئے پہلی صورت میں صرف خوش خبری سنائی کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کشادگی کریں گے، جنت میں وسیع جگہ عنایت فرمائیں گے، اور دوسری صورت کو مدلل کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان اور اہل علم کا درجہ بلند کیا ہے، پس تمہیں اس کی پاسداری کرنی چاہئے، اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب کاموں کی خبر ہے کہ کون خوشی سے اٹھتا ہے اور کون ناخوشی سے؟ جو خوشی سے اٹھے گا وہ ثواب پائے گا، اور جو ناخوشی سے اٹھے گا وہ محروم رہے گا۔

(۱) أن: مصدریہ ہے یا اس سے پہلے من محذوف ہے۔

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۱۱ ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ مجالس میں کشادگی پیدا کرو تو جگہ کھول دیا کرو، اللہ تعالیٰ تمہارے لئے (جنت میں) کشادگی پیدا کریں گے، اور جب کہا جائے کہ اپنی جگہ سے اٹھ جاؤ تو اٹھ جایا کرو، اللہ تعالیٰ تم میں سے ایمان والوں کے اور اہل علم کے درجات بلند کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے کاموں کی پوری خبر ہے۔

فائدہ: آیت سے معلوم ہوا کہ ایمان میں پختگی کا مقام: علم میں کمال سے بڑھا ہوا ہے، اسی لئے امام بخاری رحمہ اللہ اپنی صحیح میں پہلے کتاب الایمان لائے ہیں، پھر کتاب العلم، اور اگر دونوں باتیں جمع ہوں تو سونے پہ سہاگا!

جو لوگ سرگوشی کے نام پر وقت ضائع کریں ان کے لئے قانون

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ہر شخص آپؐ کا قرب چاہتا تھا، اس لئے منافقین بے فائدہ آپؐ کے کان میں باتیں کرتے تھے تاکہ لوگوں میں اپنی بڑائی جتلائیں، اس لئے حکم آیا کہ جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کرنا چاہے وہ پہلے کچھ خیرات دے کر آیا کرے، اس میں کئی فائدے تھے: غریبوں کا تعاون، خیرات دینے والے کے نفس کا تزکیہ، مخلص اور منافق کے درمیان امتیاز اور سرگوشی کرنے والوں کی تقلیل، ہاں جس کے پاس خیرات کرنے کے لئے کچھ نہ ہو وہ اس قانون سے مستثنیٰ تھا۔ جب یہ حکم آیا تو منافقین نے مارے بخل کے یہ حرکت چھوڑ دی، اور مسلمان بھی سمجھ گئے کہ زیادہ سرگوشیاں اللہ کو پسند نہیں

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۲ ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم اللہ کے رسول سے سرگوشی کرنا چاہو تو اپنی سرگوشی سے پہلے کچھ خیرات دیا کرو، یہ تمہارے لئے بہتر اور پاکیزہ ہے، پس اگر مقدرت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے بڑے رحم والے ہیں۔

سرگوشی سے پہلے خیرات کا وجوب ختم، مقصود اطاعت کا پتہ چلانا تھا

گذشتہ آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ خیرات کا حکم وجوبی تھا، البتہ ناداری کی صورت مستثنیٰ تھی، اب اس آیت کے ذریعہ اس کا وجوب ختم کرتے ہیں، کیونکہ جس مصلحت سے وہ حکم تھا وہ مصلحت حاصل ہوگئی، مقصود اطاعت کا پتہ چلانا تھا اور سرگوشی کا سدّ باب کرنا تھا، جو حاصل ہوگیا، لوگ احتیاط کرنے لگے، اور قُرب کے لئے نماز، زکات اور اطاعت کو ضروری قرار دیا۔

﴿ ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ۭ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۳ ﴾

ترجمہ: کیا تم لوگ اپنی سرگوشی سے پہلے خیراتیں دینے سے ڈر گئے؟ —— کہ یہ تو بہت بھاری حکم ہے! —— سو جب تم نے اس پر عمل نہیں کیا —— صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عمل کیا، انھوں نے ایک دینار خیرات کر کے تنہائی میں بات کرنے کا وقت لیا —— اور اللہ نے تمہارے حال پر توجہ فرمائی، پس نماز کا اہتمام کرو، اور زکات دیا کرو، اور اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانا کرو، اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب کاموں کی پوری خبر ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۭ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ ۙ وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝۱۴ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ اِنَّهُمْ سَاۗءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۵ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝۱۶ لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۱۷ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰي شَيْءٍ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝۱۸ اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰـىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۱۹

اَلَمْ تَرَ	کیا نہیں دیکھا تو نے	مَا هُمْ مِّنْكُمْ	نہیں ہیں وہ تم میں سے	اَعَدَّ اللّٰهُ	تیار کیا ہے اللہ نے
اِلَى الَّذِيْنَ	ان لوگوں کو جو	وَلَا مِنْهُمْ	اور نہیں وہ ان میں سے	لَهُمْ	ان کے لئے
تَوَلَّوْا (۱)	دوستی کرتے ہیں	وَيَحْلِفُوْنَ	اور قسمیں کھاتے ہیں وہ	عَذَابًا شَدِيْدًا	سخت عذاب
قَوْمًا	ایسے لوگوں سے	عَلَى الْكَذِبِ	جھوٹی	اِنَّهُمْ سَاۗءَ (۲)	بیشک انھوں نے برا کیا
غَضِبَ	(کہ) غضبناک ہوئے ہیں	وَهُمْ	درانحالیکہ وہ	مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ	جو کیا کرتے تھے وہ
اللّٰهُ عَلَيْهِمْ	اللہ تعالیٰ ان پر	يَعْلَمُوْنَ	جانتے ہیں	اِتَّخَذُوْٓا	بنایا انھوں نے

(۱) تَوَلَّوا: ماضی، صیغہ جمع مذکر غائب، تَوَلّی کا تعدیہ جب بلا واسطہ ہوتا ہے تو اس کے معنی دوستی کرنے کے ہوتے ہیں (۲) إنھم ساء: جملہ مابعد کی طرف مضاف ہے۔

اَيْمَانَهُمْ	اپنی قسموں کو	اَصْحٰبُ النَّارِ	دوزخ والے ہیں	اَلَآ اِنَّهُمْ	سنو! بے شک وہ
جُنَّةً	ڈھال	هُمْ فِيْهَا	وہ اس میں	هُمُ الْكٰذِبُوْنَ	ہی جھوٹے ہیں
فَصَدُّوْا	پس روکا انھوں نے	خٰلِدُوْنَ	ہمیشہ رہنے والے ہیں	اِسْتَحْوَذَ (۳) عَلَيْهِمُ	غلبہ پالیا ہے ان پر
عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	اللہ کے راستہ سے	يَوْمَ (۲) يَبْعَثُهُمُ	جس دن اٹھائیں گے ان کو	الشَّيْطٰنُ	شیطان نے
فَلَهُمْ عَذَابٌ	پس ان کے لئے سزا ہے	اللّٰهُ جَمِيْعًا	اللہ تعالیٰ سبھی کو	فَاَنْسٰهُمْ	پس بھلا دی ہے ان کو
مُّهِيْنٌ	رسوا کن	فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ	پس قسمیں کھائیں گے	ذِكْرَ اللّٰهِ	اللہ کی یاد
لَنْ تُغْنِيَ	ہرگز کام نہیں آئے گی		وہ اس کے سامنے	اُولٰٓئِكَ حِزْبُ	وہ گروہ ہے
عَنْهُمْ	ان کے	كَمَا	جس طرح	الشَّيْطٰنِ	شیطان کا
اَمْوَالُهُمْ	ان کی دولت	يَحْلِفُوْنَ	قسمیں کھاتے ہیں وہ	اَلَآ اِنَّ	سنو! بے شک
وَلَآ اَوْلَادُهُمْ	اور نہ ان کی اولاد	لَكُمْ	تمہارے سامنے	حِزْبَ الشَّيْطٰنِ	گروہ شیطان کا
مِّنَ اللّٰهِ (۱) شَيْئًا	اللہ کے بدل کچھ بھی	وَيَحْسَبُوْنَ	اور گمان کرتے ہیں وہ	هُمُ الْخٰسِرُوْنَ	ہی گھاٹے میں رہنے
اُولٰٓئِكَ	وہ لوگ	اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ	کہ وہ کسی چیز پر ہیں		والا ہے

منافقین کے احوال

ظہار کے حکم کے بعد سے منافقین کے ساتھ گفتگو چل رہی ہے، وہ گفتگو ان آیات پر پوری ہو رہی ہے، ان آیات میں منافقین کے تعلق سے چار باتیں بیان کی ہیں:

پہلی بات: —— منافقین نہ مسلمانوں میں ہیں نہ یہود میں —— منافقین: مسلمانوں میں شامل نہیں، کیونکہ وہ دل سے کافر ہیں، اور وہ یہود سے ساز باز رکھتے ہیں جو مغضوب علیہم ہیں، مگر پوری طرح وہ ان کے ساتھ بھی نہیں، کیونکہ زبان سے خود کو مسلمان کہتے ہیں، پس وہ دھوبی کے کتّے ہیں، نہ گھر کے نہ گھاٹ کے، نہ اِدھر کے نہ اُدھر کے!

اور مسلمانوں کے سامنے جو وہ قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ مسلمان ہیں تو وہ جانتے ہیں کہ وہ جھوٹی قسمیں ہیں، ان کی یہ دوغلی پالیسی ہے، جو بہت بری ہے، ان کے لئے سخت عذاب تیار ہے۔

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۭ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ ۙ وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ

(۱) مِن: برائے بدل ہے، جیسے: ﴿ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ﴾ (۲) یوم: خالدون کا ظرف ہے (۳) استحوذ: قابو میں کر کے ہانکنا۔

يَعْلَمُوْنَ ۝ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

ترجمہ: کیا آپ نے ان لوگوں کو دیکھا نہیں جو ایسے لوگوں سے دوستی کرتے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ غضبناک ہوئے ہیں، نہ وہ تم میں سے ہیں اور نہ اُن میں سے ہیں، اور جانتے بوجھتے وہ جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے سخت سزا تیار کی ہے، بے شک وہ برے برے کام کیا کرتے تھے —— یعنی ان کی دوغلی پالیسی ان کی بہت بری حرکت تھی۔

دوسری بات: —— منافقین کی قسمیں ان کی سپر ہیں —— منافقین: جھوٹی قسمیں کھا کر مسلمانوں کے ہاتھوں سے اپنی جان و مال کو بچاتے ہیں، اور اپنے کو مسلمان ظاہر کر کے دوستی کے پیرائے میں دوسروں کو اللہ کی راہ پر آنے سے روکتے ہیں، سو یاد رہے کہ یہ لوگ اس طرح کچھ عزت نہیں پاسکتے، سخت ذلت کے عذاب میں گرفتار ہونگے، اور جب سزا کا وقت آئے گا اللہ کے ہاتھ سے کوئی بچا نہیں سکے گا، نہ مال کام آئے گا نہ اولاد، جن کی حفاظت کے لئے جھوٹی قسمیں کھاتے پھرتے ہیں (فوائد)

﴿ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: انھوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنایا ہے، پس وہ روکتے ہیں اللہ کے راستہ سے، پس ان کے لئے رسوا کن عذاب ہے، ہرگز کام نہیں آئے گی ان کے: ان کی دولت اور نہ ان کی اولاد اللہ کے بدل کچھ بھی! یہ لوگ دوزخی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے —— من اللہ میں مجاز بالحذف بھی ہوسکتا ہے، أي: من عذاب الله، اب مِن کو برائے بدل لینے کی ضرورت نہیں۔

تیسری بات: —— منافقین اللہ کے سامنے بھی جھوٹی قسمیں کھائیں گے —— یہاں کی عادت پڑی ہوئی وہاں بھی نہیں جائے گی، جس طرح تمہارے سامنے جھوٹ بول کر بچ جاتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ ہم بڑے ہوشیار ہیں، دیکھو مسلمانوں کا کیسا الّو بنایا، ہم بڑی اچھی چال رہے ہیں، اسی طرح اللہ کے سامنے بھی جھوٹی قسمیں کھائیں گے کہ پروردگار! ہم ایسے نہ تھے، مخلص مسلمان تھے، اور وہ خیال کریں گے کہ انھوں نے کچھ بات بنالی، اب شاید ان کی رہائی ہوجائے، مگر هيهات: دور ہے! جھوٹوں کو ان کے گھر تک پہنچایا جائے گا۔

﴿ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰي شَيْءٍ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: جس دن اللہ تعالیٰ ان کو سب کو دوبارہ پیدا کریں گے، پس وہ ان کے سامنے قسمیں کھائیں گے، جس طرح وہ تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں، اور وہ خیال کریں گے کہ انھوں نے کچھ بات بنالی! سنو! بے شک وہی جھوٹے ہیں!

—— یعنی ان کے جھوٹ میں کوئی شبہ نہیں۔

چوتھی بات: —— شیطان نے منافقوں پر پورا قابو پالیا ہے، اس نے اللہ کی یاد بھی بھلادی ہے، انھیں یہ بھی یاد نہیں رہا کہ اللہ بھی بالاتر کوئی ہستی ہیں، یہی لوگ شیطان کا لشکر ہیں، اور شیطان کے لشکر کا انجام ناکامی ہے، نہ دنیا میں ان کے منصوبے آخری کامیابی کا منہ دیکھیں گے، نہ آخرت میں وہ عذاب شدید سے بچ سکیں گے۔

﴿ اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۱۹ ﴾

ترجمہ: ان پر شیطان نے غلبہ پالیا ہے، پس اس نے ان کو خدا کی یاد بھلادی ہے، یہی لوگ شیطان کا لشکر ہیں، سنو! شیطان کا لشکر گھاٹے میں رہنے والا ہے!

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ ۝۲۰ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝۲۱ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۲۲

اِنَّ الَّذِيْنَ	بے شک جو لوگ	قَوِيٌّ	زور آور	اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ	اللہ اور اس کے رسول کی
يُحَآدُّوْنَ(۱)	مخالفت کرتے ہیں	عَزِيْزٌ	زبردست ہیں	وَلَوْ كَانُوْٓا	اگرچہ ہوں وہ
اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ	اللہ اور اس کے رسول کی	لَا تَجِدُ	نہیں پائے گا تو	اٰبَآءَهُمْ	ان کے باپ
اُولٰٓئِكَ	وہ لوگ	قَوْمًا	ان لوگوں کو	اَوْ اَبْنَآءَهُمْ	یا ان کے بیٹے
فِي الْاَذَلِّيْنَ	نہایت ذلیل خوار ہیں	يُّؤْمِنُوْنَ	جو ایمان رکھتے ہیں	اَوْ اِخْوَانَهُمْ	یا ان کے بھائی
كَتَبَ اللّٰهُ	لکھ دیا ہے اللہ نے	بِاللّٰهِ	اللہ پر	اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ	یا ان کا کنبہ
لَاَغْلِبَنَّ	ضرور غالب رہونگا	وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ	اور پچھلے دن پر	اُولٰٓئِكَ	یہ لوگ
اَنَا وَرُسُلِيْ	میں اور میرے رسول	يُوَآدُّوْنَ(۲)	دوستی کریں وہ	كَتَبَ	لکھ دیا (جما دیا)
اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	مَنْ حَآدَّ	اُس سے جو مخالفت کرے	فِيْ قُلُوْبِهِمْ	ان کے دلوں میں

(۱) حَادَّهُ مُحَادَّةً: مخالفت کرنا (۲) وَادَّهُ مُوَادَّةً وَوِدَادًا: کسی کے ساتھ دوستی کرنا

الْاِیْمَانَ	ایمان	مِنْ تَحْتِهَا	ان کے نیچے سے	وَرَضُوْا عَنْهُ	اور خوش ہوئے وہ اللہ سے
وَاَیَّدَهُمْ	اور قوی کیا ان کو	الْاَنْهٰرُ	نہریں	اُولٰٓئِكَ	یہ لوگ
بِرُوْحٍ مِّنْهُ (۱)	اپنے فضل (نور) سے	خٰلِدِیْنَ	ہمیشہ رہنے والے	حِزْبُ اللّٰهِ	اللہ کا لشکر ہیں
وَیُدْخِلُهُمْ	اور داخل کریں گے ان کو	فِیْهَا	ان میں	اَلَآ اِنَّ	سنو! بے شک
جَنّٰتٍ	باغات میں	رَضِیَ اللّٰهُ	خوش ہوئے اللہ	حِزْبَ اللّٰهِ	اللہ کا لشکر
تَجْرِیْ	بہتی ہیں	عَنْهُمْ	ان سے	هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ	ہی کامیاب ہونے والا ہے

صحابہ رضی اللہ عنہم کے احوال

حزب اللہ (اللہ کا لشکر) کامیاب ہونے والا ہے

گذشتہ آیات کے آخر میں فرمایا ہے کہ شیطان کا لشکر (منافقین وکفار) گھاٹے میں رہنے والا ہے، اب اس کے بالمقابل فرماتے ہیں کہ اللہ کا لشکر کامیاب ہونے والا ہے، پہلے ایک قاعدہ کلیہ بیان فرماتے ہیں:

قاعدہ کلیہ: جو لوگ اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ سخت ذلیل لوگ ہیں۔

اس قاعدہ کی رُو سے ازل سے یہ بات طے ہے کہ اللہ اور ان کے پیغامبر ہی غالب رہیں گے، جب کسی پیغمبر کا اور اس کے ساتھیوں کا دشمنوں سے مقابلہ ہوگا تو اتار چڑھاؤ تو ہوگا، ورنہ غیب سے پردہ ہٹ جائے، ہمیشہ اللہ کا لشکر ہی غالب رہے تو حق واضح ہوجائے، پھر امتحان کیا رہا؟ اس لئے نشیب وفراز تو آئیں گے۔ مگر آخر میں اللہ کا لشکر سرخ رُو ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ زور آور زبردست ہیں، ان کی نصرت جند اللہ کے ساتھ ہوگی۔

جند اللہ کی کامیابی کے لئے شرط: مگر اللہ کے لشکر کی کامیابی کے لئے ایک شرط ہے، اور وہ مخالفوں سے بے تعلقی ہے، جو لوگ اللہ پر اور آخرت کے دن پر یقین رکھتے ہیں وہ مخالفین اسلام سے دوستی کا تعلق رکھ ہی نہیں سکتے، چاہے وہ ان کے باپ، بیٹے، بھائی اور کنبہ کے لوگ ہوں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مؤمنین کے دلوں میں ایمان پہاڑ کی طرح جما ہوا ہوتا ہے، اس کا تقاضا ہے کہ اللہ کے دشمنوں سے کچھ تعلق نہ رہے، مزید اللہ تعالیٰ اپنے لشکر کو خاص فیض (نور) سے قوی بھی کرتے ہیں، اس لئے کامیابی ان کے قدم چومتی ہے۔

جند اللہ کا آخرت میں صلہ: آخرت میں اللہ کے لشکر کو ایسے باغات ملیں گے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، اس

(۱) روح کے معنی: نور، مدد اور فضل کے ہیں، حیات سے مراد: دینی حیات ہے، اور منہ: میں من اضافت کا ہے۔

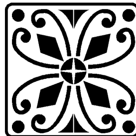
لئے وہ سدا بہار ہونگے، اور مؤمنین ان میں ہمیشہ رہیں گے، اس کا لطف ہی اور ہے، عارضی اقامت گاہ خواہ کتنی ہی اچھی ہو بے لطف ہوتی ہے، ذہن میں یہ رہتا ہے کہ ایک دن اس کو چھوڑنا ہے —— اور باغات سے بڑی نعمت رضوانٌ من اللہ ہے، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہونگے، اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہونگے —— یہی لوگ اللہ کا لشکر ہیں، اور یہی لوگ دارین میں کامیاب ہونے والے ہیں۔

آیاتِ پاک: بے شک جو لوگ اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں —— خواہ وہ کفار ہوں یا منافق —— وہ لوگ سخت ذلیل لوگوں میں سے ہیں —— یہ قاعدہ کلیہ ہے —— اللہ تعالیٰ نے یہ بات لکھ دی ہے کہ ضرور میں اور میرے پیغمبر غالب رہیں گے، بے شک اللہ تعالیٰ زورآور زبردست ہیں —— یہ قاعدہ کلیہ پر تفریع ہے۔

آپؐ نہیں دیکھیں گے ان لوگوں کو جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ دوستی کرتے ہوں اُن لوگوں سے جو اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں، اگرچہ وہ ان کے باپ، بیٹے، بھائی اور کنبہ کے لوگ ہی کیوں نہ ہوں —— جنگِ بدر میں حضرت ابوعبیدۃ رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ کو قتل کیا، جنگِ احد میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کے مقابلہ میں نکلنے کو تیار ہوگئے، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی عبید بن عمیر کو قتل کیا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ماموں عاص بن ہشام کو قتل کیا، اور حضرات علی، حمزہ اور عبیدۃ بن الحارث رضی اللہ عنہم نے اپنے کنبہ والوں کو قتل کیا۔

ان کے دلوں میں اللہ نے ایمان ثبت کر دیا ہے، اور ان کو اپنے خاص فیض سے قوی کیا ہے —— اور وہ ان کو ایسے باغات میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے —— اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوئے، اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے —— یہ لوگ اللہ کا لشکر ہیں، سنتا ہے! بے شک اللہ کا لشکر ہی کامیاب ہونے والا ہے!

﴿۲۹ رشعبان ۱۴۳۷ھ = ۷ رمئی ۲۰۱۶ء﴾



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الحشر

ربط: گذشتہ سورت کے آخر میں حزب الشیطان اور حزب اللہ کا تذکرہ آیا ہے، حزب الشیطان ہمیشہ گھاٹے میں رہتا ہے، اور حزب اللہ فائز المرام۔ حزب الشیطان کا مصداق منافقین تھے، یہود مدینہ کے ساتھ وہ ساز باز رکھتے تھے، اور حزب اللہ کا مصداقِ اولیں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تھے، اس سورت کے شروع میں اول کی ناکامی اور ثانی کی کامیابی کی منظر کشی کی گئی ہے، بنو نضیر کے مقابلہ میں اللہ کا لشکر کیسے کامیاب رہا؟ اس کو دیکھیں:

نبی ﷺ نے ہجرت کے فوراً بعد یہود کے ساتھ معاہدہ کیا تھا، مدینہ میں مسلمانوں کے ساتھ مشرکین اور یہود بھی آباد تھے، مشرکین سے زیادہ خطرہ نہیں تھا، کیونکہ مسلمان انہیں قبائل سے تعلق رکھتے تھے، مگر یہود مسلمانوں سے عداوت رکھتے تھے، اس لئے ان کے شر کا اندیشہ تھا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ ایک معاہدہ کیا، جس سے ان کے شر سے حفاظت ہوگئی۔

بنو نضیر: مدینہ سے مشرقی جانب میں چند میل کے فاصلہ پر آباد تھے، یہ لوگ بڑے جتھے والے اور سرمایہ دار تھے، ان کو اپنے مضبوط قلعوں پر ناز تھا، کعب بن اشرف ان کا شریر سردار تھا، بدر کی جنگ کے بعد وہ چالیس سواروں کے ساتھ مکہ گیا، اور کعبہ کے سامنے مسلمانوں کے خلاف قریش سے عہد و پیمان باندھا، اس کو محمد بن مسلمہؓ نے نمٹا دیا، مگر بنو نضیر کی طرف سے بدعہدی کا سلسلہ جاری رہا، تا آنکہ انھوں نے نبی ﷺ کے قتل کا پلان بنایا، آپؐ ایک معاملہ میں چندہ کے لئے ان کے محلّہ میں تشریف لے گئے، انھوں نے ایک دیوار کے پاس آپؐ کو بٹھایا، اور اوپر سے بھاری پتھر گرانا چاہا، مگر وحی سے آپ کو اطلاع ہوگئی اور آپؐ وہاں سے اٹھ کر مدینہ لوٹ آئے، اور مسلمانوں کو ان پر لشکر کشی کا حکم دیا، مسلمانوں نے نہایت سرعت و مستعدی کے ساتھ ان کے قلعوں کا محاصرہ کرلیا، وہ مرعوب اور خوفزدہ ہوگئے، اس لئے عام لڑائی کی نوبت نہیں آئی، انھوں نے گھبرا کر صلح چاہی، آخر یہ قرار پایا کہ وہ مدینہ خالی کردیں، ان کی جانوں سے تعرض نہیں کیا جائے گا، اور جو مال و اسباب لے جاسکتے ہیں لے جائیں، ہتھیاروں کے علاوہ، اور مکانات اور باغات پر مسلمان قابض ہوگئے، یوں اللہ کا لشکر فائز المرام رہا اور شیطان کا لشکر نامراد ہوا۔ سورت کے شروع میں اسی واقعہ کا تذکرہ ہے، پھر مالِ فَیٔ کے احکام ہیں، پھر منافقین کی خبر لی ہے اور آخر میں مؤمنین سے خطاب ہے اور بالکل آخر میں قرآن کی اہمیت کا بیان ہے۔

آیاتھا ۲۴ (۵۹) سُوْرَةُ الْحَشْرِ مَدَنِيَّةٌ (۱۰۱) رکوعاتھا ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۱ هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ۭ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۤ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۤ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ۝۲ وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَاۗءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ۭ وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۝۳ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاۗقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاۗقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۴ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَاۗىِٕمَةً عَلٰٓي اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۵

سَبَّحَ	پاکی بیان کرتی ہیں	اَخْرَجَ	نکالا	اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ	کہ انکو بچانے والے ہیں
لِلّٰهِ	اللہ کے لئے	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (۱)	ان کو جنھوں نے انکار کیا	حُصُوْنُهُمْ	ان کے قلعے
مَا	جو چیزیں	مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ	کتاب والوں میں سے	مِّنَ اللّٰهِ	اللہ (کے عذاب) سے
فِي السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں ہیں	مِنْ دِيَارِهِمْ	ان کے گھروں سے	فَاَتٰىهُمُ	پس پہنچے ان کے پاس
وَمَا	اور جو چیزیں	لِاَوَّلِ	پہلی مرتبہ کی	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
فِي الْاَرْضِ	زمین میں ہیں	الْحَشْرِ (۲)	لشکر کشی میں	مِنْ حَيْثُ	جہاں سے
وَهُوَ الْعَزِيْزُ	اور وہ زبردست	مَا ظَنَنْتُمْ	نہیں گمان کیا تم نے	لَمْ يَحْتَسِبُوْا	گمان نہیں کرتے تھے وہ
الْحَكِيْمُ	بڑی حکمت والے ہیں	اَنْ يَّخْرُجُوْا	کہ نکلیں گے وہ	وَقَذَفَ	اور ڈالا
هُوَ الَّذِيْٓ	وہی ہیں جنھوں نے	وَظَنُّوْٓا	اور گمان کیا انھوں نے	فِيْ قُلُوْبِهِمُ	ان کے دلوں میں

(۱) اسلام: توحید ورسالت محمدی کے اقرار کا نام ہے، جو لوگ رسالت محمدی کے منکر ہیں وہ کافر ہیں، چاہے توحید کے قائل ہوں اور گذشتہ نبیوں اور کتابوں کو مانتے ہوں (۲) حشر: کے معنی ہیں: اجتماع، ہجوم، یہاں قیامت والا حشر مراد نہیں۔

الرُّعْبَ	رعب (دھاک)	لَعَذَّبَهُمْ	ضرور سزا دیتے ان کو	فَإِنَّ اللهَ	پس بے شک اللہ
يُخْرِبُوْنَ	اجاڑ رہے ہیں وہ	فِي الدُّنْيَا	دنیا میں	شَدِيْدُ	سخت
بُيُوْتَهُمْ	اپنے گھروں کو	وَلَهُمْ	اور ان کے لئے	الْعِقَابِ	سزا دینے والے ہیں
بِأَيْدِيْهِمْ	اپنے ہاتھوں سے	فِي الْاٰخِرَةِ	آخرت میں	مَا قَطَعْتُمْ	جو کاٹے تم نے
وَاَيْدِي	اور ہاتھوں سے	عَذَابُ النَّارِ	دوزخ کا عذاب ہے	مِّنْ لِّيْنَةٍ(۱)	کھجور کے درخت
الْمُؤْمِنِيْنَ	مسلمانوں کے	ذٰلِكَ	یہ بات	اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا	یا چھوڑ دیا تم نے ان کو
فَاعْتَبِرُوْا	پس سبق لو	بِاَنَّهُمْ	بایں وجہ ہے کہ انھوں نے	قَائِمَةً	کھڑا ہوا
يٰاُولِي الْاَبْصَارِ	اے آنکھوں والو	شَآقُّوا	مخالفت کی	عَلٰٓى اُصُوْلِهَا	ان کی جڑوں پر
وَلَوْلَآ اَنْ	اور اگر نہ ہوتی یہ بات کہ	اللهَ	اللہ کی	فَبِاِذْنِ اللهِ	پس اللہ کے حکم سے ہے
كَتَبَ اللهُ	لکھ دی ہے اللہ نے	وَ رَسُوْلَهٗ	اور اس کے رسول کی	وَلِيُخْزِيَ	اور تاکہ رسوا کریں وہ
عَلَيْهِمُ	ان پر	وَمَنْ يُّشَآقِّ	اور جو مخالفت کرتا ہے	الْفٰسِقِيْنَ	نافرمانوں کو
الْجَلَاۗءَ	جلاوطنی	اللهَ	اللہ کی	۞	۞

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں، جو بے حد مہربان نہایت رحم والے ہیں

تقدیس وتمجید: سورت کریمہ اللہ کی پاکی اور بزرگی کے بیان سے شروع ہوئی ہے، ارشاد پاک ہے: —— اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں —— یہاں تک تقدیس ہے —— اور وہ زبردست بڑی حکمت والے ہیں! —— یہ تمجید ہے، اور دونوں باتوں میں چولی دامن کا ساتھ ہے، جس میں کوئی عیب اور کمی نہیں وہ بزرگ (خوبیوں والا) ہے، اور ہر باکمال نقائص سے پاک ہوتا ہے، ورنہ ہر خوبی اس میں کہاں ہوئی؟ —— کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ کے بے عیب ہونے پر دلالت کرتا ہے، یہ تقدیس ہے، اور وہ زبردست بڑی حکمت والے ہیں: یہ بزرگی کا بیان ہے۔

غزوۂ بنونضیر میں حزب اللہ کی کامیابی

مدینہ میں یہود کے تین چار قبیلے آباد تھے، ان میں زبردست اور زور آور بنونضیر تھے، ان کا سردار کعب بن اشرف تھا، یہ عرب قبیلہ طے کا تھا، مگر اس کی ماں بنونضیر کی تھی، اور اس کا محل بھی ان کے قلعہ کے قریب تھا، یہ بڑا شاطر شخص تھا، اس نے

(۱) لِيْنَة: عجوہ کے علاوہ کھجور کا ہر درخت، جمع لِيْنٌ۔

جنگ بدر کے بعد قریش کو اپنے سرداروں کا بدلہ لینے پر ابھارا، اس کو تو محمد بن مسلمہؓ نے نمٹا دیا، مگر بنونضیر کی شرارت پھر بھی جاری رہی، پھر یہ واقعہ پیش آیا کہ قریش نے یہود کو لکھا کہ تم جائدادوں اور قلعوں والے ہو، محمد (ﷺ) سے لڑو، ورنہ ہم تمہارے ساتھ یہ کریں گے وہ کریں گے، اور تمہاری عورتوں کے پازیب بھی اتار لیں گے۔ اس خط کے ملنے پر بنونضیر نے عہد شکنی کا اور نبی ﷺ سے فریب کا ارادہ کیا، انھوں نے نبی ﷺ کو پیغام بھیجا کہ آپؐ تین آدمی اپنے ساتھ لے کر آئیں، ہمارے تین عالم آپؐ سے بحث کریں گے اگر ہمارے آدمی مطمئن ہو گئے تو ہم اسلام قبول کرلیں گے اور انھوں نے اپنے تینوں عالموں سے کہہ دیا کہ اپنے ساتھ خنجر چھپا کر رکھنا اور موقع ملتے ہی آپؐ کو قتل کر دینا۔

بنونضیر میں ایک انصاری خاتون تھی اس کا بھائی مسلمان تھا اس نے اس سازش کی اطلاع اپنے بھائی کو دی، بھائی نے آ کر آپ ﷺ کو خبر دی، چنانچہ نبی ﷺ نے مذاکرہ کا ارادہ ترک فرما دیا۔

پھر یہ واقعہ پیش آیا کہ بنوکلاب کے دو شخصوں کو عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ نے غلطی سے قتل کر دیا، اس لئے ان کی دیت ادا کرنی ضروری تھی، اور معاہدہ کی رو سے اس میں اعانت کرنا یہود پر بھی واجب تھا، چنانچہ آپؐ چند صحابہ کے ساتھ بنونضیر کی بستی میں گئے ان لوگوں نے آپؐ کو اور صحابہ کو ایک دیوار کے پاس بٹھایا اور کہا: ہم مشورہ کر کے آپؐ کی ضرورت پوری کرتے ہیں، پھر وہ تنہائی میں جمع ہوئے اور باہم مشورہ کیا کہ آپؐ کو قتل کر دیا جائے تا کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری! انھوں نے عمرو بن جحّاش کو تیار کیا کہ وہ چکی کا پاٹ لے کر چھت پر چڑھے اور آپؐ کے سر پر گرا دے، سلام بن مشکم نے منع بھی کیا کہ ایسا مت کرو، تمہارے ارادوں کی ان کو خبر ہو جائے گی، پھر ہمارے اور ان کے درمیان عہد و پیمان بھی ہے اور یہ حرکت اس کی خلاف ورزی ہے، مگر انھوں نے ایک نہیں سنی، سب اپنے منصوبہ کو روبہ عمل لانے پر مصر رہے۔

ادھر وحی کے ذریعہ آپؐ کو یہود کے ارادہ کی خبر دیدی گئی، آپؐ تیزی سے اٹھ کر مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے، ساتھی تھوڑی دیر انتظار کر کے مایوس ہو کر مدینہ لوٹ آئے آپؐ نے ان کو بتلایا کہ یہود کا یہ ارادہ تھا اس واقعہ کے بعد آپؐ نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو ان کے پاس بھیجا اور نوٹس دیا کہ تم لوگ مدینہ سے نکل جاؤ، اب تم یہاں میرے ساتھ نہیں رہ سکتے، تمہیں دس دن کی مہلت دی جاتی ہے، اس نوٹس کے بعد بنونضیر نے جلاوطنی کی تیاری شروع کر دی، مگر رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے کہلا بھیجا کہ اپنی جگہ برقرار رہو، ڈٹ جاؤ اور گھر بار نہ چھوڑو، میرے پاس دو ہزار مردانِ جنگی ہیں، جو تمہاری حفاظت میں جان دیدیں گے اور اگر تمہیں نکالا گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل جائیں گے اور ہم تمہارے بارے میں کسی سے ہرگز سمجھوتہ نہیں کریں گے، اور اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم تمہاری مدد کریں گے اور بنوقریظہ اور بنوغطفان جو تمہارے حلیف ہیں، وہ بھی تمہاری مدد کریں گے۔

رئیس المنافقین کا یہ پیغام سن کر بنونضیر کی خود اعتمادی لوٹ آئی، انھوں نے طے کرلیا کہ جلاوطن نہیں ہونا، ان کے سردار حیی بن اخطب کو توقع تھی کہ رئیس المنافقین نے جو کچھ کہا ہے وہ پورا کرے گا، چنانچہ اس نے جوابی پیغام بھیجا کہ ہم اپنے دیار سے نہیں نکلتے، آپ کو جو کرنا ہو کرلو، جب رسول اللہ ﷺ کو حیی بن اخطب کا جوابی پیغام ملا تو آپؐ نے صحابہ کو حکم دیا کہ بنونضیر پر فوج کشی کرو، چنانچہ لشکر نے بنونضیر کے علاقہ میں پہنچ کر ان کا محاصرہ کرلیا، وہ قلعوں اور گڑھیوں میں پناہ گزیں ہوگئے اور فصیل سے تیر و پتھر برسانے لگے، عبداللہ بن ابی نے خیانت کی اور ان کے حلیف غطفان بھی مدد کو نہیں آئے اور بنوقریظہ بھی الگ تھلگ رہے۔

یہ محاصرہ کچھ زیادہ طویل نہیں ہوا، صرف چھ دن یا بقول بعض پندرہ دن جاری رہا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا، ان کے حوصلے ٹوٹ گئے اور وہ ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہوگئے، اور انھوں نے کہلوایا کہ ہم مدینہ سے نکلنے کے لئے تیار ہیں، آپؐ نے ان کی جلاوطنی کی پیشکش منظور کرلی اور اجازت دی کہ ہتھیار کے علاوہ جو ساز و سامان لے جاسکتے ہیں وہ لے کر بال بچوں سمیت کہیں چلے جائیں، ان میں سے اکثر نے اور ان کے لیڈروں نے خیبر کا رخ کیا، حیی بن اخطب اور سلام بن ابی الحُقیق بھی خیبر چلے گئے اور ایک جماعت ملک شام روانہ ہوئی، صرف دو شخص: یامین بن عمرو اور ابوسعید بن وہب مسلمان ہوئے، نبی ﷺ نے شرط کے مطابق بنونضیر کے ہتھیار، زمین، گھر اور باغات اپنے قبضہ میں لے لئے، اس طرح یہود کا یہ دوسرا قبیلہ بھی جلاوطن کیا گیا۔

آیاتِ پاک: ـــــ انھوں نے ہی ـــــ یعنی جن کا ذکر پہلی آیت میں آیا ہے کہ وہ بے عیب، زبردست بڑی حکمت والے ہیں انھوں نے ہی ـــــ نکال باہر کیا اہل کتاب کفار کو ـــــ اگرچہ وہ توحید کو، موسیٰ علیہ السلام کو اور تورات کو مانتے تھے، مگر نبی ﷺ کو نہیں مانتے تھے، اس لئے وہ کافر تھے ـــــ ان کے گھروں سے لشکر کشی کرتے ہی ـــــ یعنی وہ ایک ہی ہلّہ میں گھبرا گئے، اور پہلی ہی مڈبھیڑ پر مکان اور قلعے چھوڑ کر بھاگنے کو تیار ہو بیٹھے، کچھ بھی ثابت قدمی نہ دکھلائی (فوائد) ـــــ تمہارا گمان نہیں تھا کہ وہ نکلیں گے ـــــ ان کے حلیف عبداللہ بن ابی نے مدد کا یقین دلایا تھا، اور وہ خود بھی زبردست تھے ـــــ اور خود ان کا گمان تھا کہ ان کے قلعے ان کو بچالیں گے ـــــ یعنی ان کو اپنے قلعوں پر ناز تھا ـــــ پس اللہ تعالیٰ ان کے پاس پہنچے جہاں سے ان کو گمان نہیں تھا ـــــ یعنی اللہ کا لشکر پہنچا ـــــ اور ان کے دلوں میں (اللہ نے) رعب ڈال دیا ـــــ بے سروسامان مسلمانوں کی دھاک بٹھادی، ایک تو پہلے ہی اپنے سردار کعب بن اشرف کے ناگہانی قتل سے مرعوب اور خوب زدہ تھے، اب مسلمانوں کے اچانک حملے نے رہے سہے حواس بھی کھودیئے ـــــ وہ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے اجاڑ رہے ہیں ـــــ یعنی حرص و ہوس اور غیظ و غضب کے

جوش میں مکانوں کی کڑیاں، تختے اور کواڑ اکھاڑنے لگے، تاکہ جو بھی چیز ساتھ لے جاسکتے ہیں: لے جائیں، اور مسلمانوں نے بھی اس کام میں ان کا ہاتھ بٹایا ــــ پس اے آنکھوں والو سبق لو! ــــ یعنی اہل بصیرت کے لئے اس واقعہ میں بڑی عبرت ہے، اور یہ قاعدہ کلیہ ہے، اس سے قیاس کی حجیت پر استدلال کیا گیا ہے، اعتبار کے معنی ہیں: موازنہ کرنا یعنی جو بھی اللہ ورسول کی مخالفت کرے گا اس کا انجام یہی ہوگا، پس علتِ حکم جہاں بھی پائی جائے گی حکم متعدی ہوگا۔

حکمتِ الٰہی سے دنیا میں قتل کے بجائے جلاوطنی

ان غداروں کی واقعی سزا تو قتل تھی، جیسے ان کے برادر بنو قریظہ قتل کئے گئے، مگر ازل سے ان کی قسمت میں جلاوطنی لکھ دی تھی، اس لئے سستے چھوٹ گئے، لیکن یہ تخفیف صرف دنیوی عذاب میں ہے، آخرت کی ابدی سزا کسی طرح ان سے ٹل نہیں سکتی۔

﴿ وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ۖ وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ ﴾

ترجمہ: اور اگر اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے جلاوطنی نہ لکھی ہوتی تو ان کو دنیا میں (قتل کی) سزا دیتے، اور ان کے لئے آخرت میں دوزخ کا عذاب ہے ــــ یہ بات (دوزخ کی سزا) بایں وجہ ہے کہ انھوں نے اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کی، اور جو شخص اللہ کی مخالفت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں ــــ یہاں دوبارہ رسول کا ذکر نہیں کیا، اس لئے کہ اللہ کی مخالفت میں رسول کی مخالفت شامل ہے۔

جنگی مصلحت سے اہل حرب کے اموال جلانا افساد فی الارض نہیں

جب بنو نضیر کے قلعہ کا محاصرہ کیا گیا تو وہ قلعہ بند ہوگئے، باہر نکل کر دوبدو جنگ نہیں لڑتے تھے، اور ان کے قلعہ کو ان کے بُویرۃ نامی نخلستان نے گھیر رکھا تھا، اس وجہ سے جنگ کے لئے میدان بھی نہیں تھا، چنانچہ نبی ﷺ نے حکم دیا کہ قلعہ کے اردگرد جو کھجور کے درخت ہیں، ان کو کاٹو اور ان میں آگ لگاؤ، تاکہ وہ اپنے باغات کو بچانے کے لئے نکلیں، اور فیصلہ کن جنگ ہو، اور لڑائی کے لئے میدان بھی ہاتھ آئے، مگر وہ پھر بھی نہیں نکلے، اور درختوں کے کاٹنے اور جلانے پر اعتراض کرنے لگے کہ یہ افساد فی الارض ہے، مسلمان اس کی مخالفت کرتے ہیں، اور اس پر عمل پیرا بھی ہیں، اس معاملہ میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: جو کھجور کے درخت تم نے کاٹے، یا ان کو ان کی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا، یہ دونوں باتیں باذنِ الٰہی ہوئیں —— یعنی اللہ کو یہ کاٹنا اور جلانا پسند آیا، اور درختوں کو باقی رہنے دینا بھی پسند آیا، کیونکہ جنگی مصلحت سے اہل حرب کے اموال کا احراق افساد فی الارض نہیں —— اور تاکہ اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو ذلیل کریں —— یہ احراق کی دوسری مصلحت ہے، وہ قلعہ کے اندر سے دیکھیں گے کہ مسلمان ان کی چیزوں میں کیسے تصرفات کررہے ہیں! اور وہ ان کو روک نہیں سکیں گے، یہ ان کے لئے ذلت کی بات ہوگی۔

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

وَمَآ اَفَآءَ(۱)	اور جو لوٹایا	عَلَيْهِ	اس پر	رُسُلَهٗ	اپنے رسولوں کو
اللّٰهُ	اللہ نے	مِنْ خَيْلٍ	کوئی گھوڑا	عَلٰى مَنْ	جس پر
عَلٰى رَسُوْلِهٖ	اپنے رسول پر	وَّلَا رِكَابٍ	اور نہ کوئی اونٹ	يَّشَآءُ	چاہتے ہیں
مِنْهُمْ	اُن سے	وَّلٰكِنَّ	بلکہ	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
فَمَآ	پس نہیں	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ	عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز پر
اَوْجَفْتُمْ(۲)	دوڑایا تم نے	يُسَلِّطُ	قبضہ دیتے ہیں	قَدِيْرٌ	پوری قدرت رکھنے والے ہیں

مالِ فَیٔ کونسا مال ہے؟

کافروں سے بغیر جنگ کے مصالحت یا خود سپردگی کے طور پر جو مال حاصل ہو: وہ مالِ فَیٔ ہے، اسی طرح اگر قدرے جنگ ہونے کے بعد دشمن مرعوب ہوکر صلح کی طرف مائل ہو، اور مسلمان قبول کرلیں تو جو مال حاصل ہوگا وہ بھی مالِ فَیٔ ہے، بنونضیر کا علاقہ: مکانات، کھیت اور باغات اسی طرح حاصل ہوئے تھے، اور اموالِ فَیٔ حکومت کے کنٹرول میں ہوتے ہیں، اور ان کے مصارف اگلی آیات میں بیان ہوئے ہیں۔

آیتِ پاک: —— اور جو کچھ اللہ نے اپنے رسول کو اُن (بنونضیر) سے دلوایا، سو تم نے اس پر نہ گھوڑے دوڑائے نہ اونٹ، لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو جس پر چاہیں قبضہ دلوادیتے ہیں —— یہ مالِ فَیٔ کی تعریف ہے —— اور اللہ تعالیٰ

(۱) أَفَاءَ عليه المال: فَیٔ کے طور پر کوئی مال دینا (باب افعال) فَاءَ (ض) فَيْئًا: لوٹنا، الفَيئ: زوال کے بعد مشرق کی طرف لوٹنے والا سایہ۔ (۲) أَوْجَفَ دابتَه: چوپایے کو تیز دوڑانا، وَجَفَ (ض) وَجْفًا: تھرتھرانا، کپکپانا۔

کو ہر چیز پر پوری قدرت حاصل ہے۔

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ۭ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۤ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ۚ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ڵ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ۚ وَالَّذِيْنَ جَاۗءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ۧ

رکوع

مَآ اَفَآءَ	جو لوٹایا	وَالْمَسٰكِيْنِ	اور محتاجوں کے لئے	فَخُذُوْهُ	پس لو اس کو
اللّٰهُ	اللہ نے	وَابْنِ السَّبِيْلِ	اور مسافر کے لئے ہیں	وَمَا نَهٰىكُمْ	اور جو روکا تم کو
عَلٰى رَسُوْلِهٖ	اپنے رسول پر	كَيْ لَا يَكُوْنَ	تاکہ نہ ہو جائے وہ مال	عَنْهُ	اس سے
مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى	بستیوں والوں سے	دُوْلَةًۢ (۱)	گردش کرنے والا	فَانْتَهُوْا	پس رک جاؤ تم
فَلِلّٰهِ	پس اللہ کے لئے	بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ	مالداروں کے درمیان	وَاتَّقُوا اللّٰهَ	اور ڈرو اللہ سے
وَلِلرَّسُوْلِ	اور رسول کے لئے	مِنْكُمْ	تم میں سے	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
وَلِذِي الْقُرْبٰى	اور رشتہ داروں کے لئے	وَمَآ اٰتٰىكُمُ	اور جو دیا تم کو	شَدِيْدُ الْعِقَابِ	سخت سزا دینے والے ہیں
وَالْيَتٰمٰى	اور یتیموں کے لئے	الرَّسُوْلُ	اللہ کے رسول نے	لِلْفُقَرَآءِ	غریبوں کے لئے ہے

(۱) الدُّوْلَة: اَدل بدل ہونے والی چیز کبھی کسی کے پاس اور کبھی کسی کے پاس، آنے جانے والی چیز، جیسے مال اور اقتدار، دست گرداں چیز۔

الْمُهٰجِرِيْنَ	وطن چھوڑنے والے	مِنْ قَبْلِهِمْ	اُن (مہاجرین) سے پہلے	وَ الَّذِيْنَ جَآءُوْ	اور (ان کیلئے ہے) جو آئے
الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا	جو نکالے گئے	يُحِبُّوْنَ	محبت کرتے ہیں وہ	مِنْۢ بَعْدِهِمْ	ان کے بعد
مِنْ دِيَارِهِمْ	ان کے گھروں سے	مَنْ هَاجَرَ	ان سے جو وطن چھوڑ کر آئے	يَقُوْلُوْنَ	کہتے ہیں
وَ اَمْوَالِهِمْ	اور ان کے مالوں سے	اِلَيْهِمْ	ان کے پاس	رَبَّنَا	اے ہمارے ربّ!
يَبْتَغُوْنَ	چاہتے ہیں وہ	وَلَا يَجِدُوْنَ	اور نہیں پاتے وہ	اغْفِرْ لَنَا	بخش دے ہمیں
فَضْلًا	مہربانی	فِيْ صُدُوْرِهِمْ	اپنے سینوں میں	وَ لِاِخْوَانِنَا	اور ہمارے بھائیوں کو
مِّنَ اللّٰهِ	اللہ کی	حَاجَةً	کوئی تنگی	الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا	جنھوں نے سبقت کی ہم سے
وَ رِضْوَانًا	اور خوشنودی	مِّمَّآ اُوْتُوْا	اس سے جو دیئے گئے وہ	بِالْاِيْمَانِ	ایمان میں
وَّ يَنْصُرُوْنَ	اور مدد کرتے ہیں وہ	وَ يُؤْثِرُوْنَ	اور ترجیح دیتے ہیں وہ	وَلَا تَجْعَلْ	اور نہ بنائیں آپ
اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ	اللہ کی اور اس کے رسول کی	عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ	اپنی ذاتوں پر	فِيْ قُلُوْبِنَا	ہمارے دلوں میں
اُولٰٓئِكَ هُمُ	یہی لوگ	وَلَوْ كَانَ بِهِمْ	اگرچہ ہو ان کا	غِلًّا (۳)	بیر (دشمنی)
الصّٰدِقُوْنَ	(ایمان میں) سچے ہیں	خَصَاصَةٌ (۲)	فاقہ	لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	ایمان والوں کی
وَ الَّذِيْنَ	اور (ان کیلئے ہے) جنھوں نے	وَمَنْ يُّوْقَ	اور جو بچایا گیا	رَبَّنَآ	اے ہمارے ربّ!
تَبَوَّءُو (۱)	ٹھکانا بنایا	شُحَّ نَفْسِهٖ	اپنے جی کے بخل سے	اِنَّكَ	بے شک آپ
الدَّارَ	اُس گھر میں	فَاُولٰٓئِكَ هُمُ	پس وہی	رَءُوْفٌ	بے حد شفقت کرنے والے
وَ الْاِيْمَانَ	اور ایمان میں	الْمُفْلِحُوْنَ	کامیاب ہونے والے ہیں	رَّحِيْمٌ	بڑے رحم والے ہیں

(۱) تبوَّأ المکان تبوُّءً ا: جگہ بنانا، مقیم ہونا (۲) خصاصة: محتاجی، تنگ دستی، مفلوک الحالی (۳) الغِلّ: دل میں چھپا ہوا بغض وکینہ، دل کا میل کھوٹ۔

چاروں آیتوں کی ترکیب: ذی القربی تک حرفِ جر کے اعادہ کے ساتھ عطف ہے، کیونکہ تینوں مصارف کی استقلالی حیثیت ہے، اللہ تعالیٰ تو مالک کل ہیں، ان کا تذکرہ باقی مصارف کی دلداری کے لئے ہے، تاکہ باقی مصارف مالِ فَیْ کو بھیک کا لقمہ نہ سمجھیں، وہ حلال وطیب اور باعزت ملنے والا مال ہے ـــــ اور رسول اللہ ﷺ کا تذکرہ قاسم (بانٹنے والا) ہونے کی حیثیت سے بھی ہے ـــــ پھر ذوی القربی سے عہد نبوی میں مصارف کا بیان شروع ہوا ہے، اس لئے آگے تین مصارف کا ذوی القربی پر حرفِ جر لوٹائے بغیر عطف کیا، کیونکہ چاروں کی حیثیت یکساں ہے ـــــ اور للفقراء: لذوی القربی سے بدل ہے، پس یہ بھی مصرف ہے ـــــ اور آگے تین الذین ہیں، پچھلے دو کا پہلے الذین پر عطف ہے، یعنی انصار اور بعد کے مسلمان بھی مصارف ہیں۔

مالِ فئ کے مصارف

ان چار آیتوں میں فئ کے مصارف کا بیان ہے، اور یہ اہم آیتیں ہیں، ان میں چند ضمنی باتیں بھی ہیں، اس لئے پہلے چند باتیں عرض ہیں:

۱-فئ: وہ مال ہے جو دشمن سے لڑے بغیر حاصل ہوا ہو، اور جو مال جنگ کر کے حاصل کیا جائے وہ غنیمت ہے، اس کا پانچواں حصہ مالِ فئ کے حکم میں ہے، باقی چار اخماس مجاہدین کا حق ہیں۔

۲-فئ اور خمس کے مصارف ایک ہیں، دسویں پارے کی پہلی آیت میں خمس کے مصارف کا بیان ہے، اور یہاں فئ کے مصارف کا بیان ہے۔

۳-فئ کے اموال حکومت چلانے کے لئے نہیں، فئ کے مصارف قرآن نے متعین کر دیئے ہیں، انہیں مصارف میں خرچ کرنا ضروری ہے۔

۴-فئ کے یہ مصارف متعین نہیں، امیر المؤمنین اپنی صوابدید سے اور جگہوں میں بھی خرچ کر سکتا ہے، نبی ﷺ نے حنین کے خمس میں سے مؤلفۃ القلوب کو بھی دیا ہے، جو قبائل کے بڑے لوگ اور مالدار تھے۔

۵-اموالِ فئ اور غنیمت کا خمس حکومت کی تحویل میں رہے گا، امیر المؤمنین ان کا مالک نہیں، وہ صرف قاسم ہے۔

۶-ان آیات میں فئ کے نو مصارف بیان کئے ہیں:

(الف) یہ مال اللہ کے لئے ہے، اللہ کا ذکر باقی مصارف کی دلداری کے لئے ہے، اللہ تعالیٰ تو کائنات کے مالک ہیں۔

(ب) یہ مال اللہ کے رسول کے لئے ہے، آپؐ اس میں سے اپنی ازواج کو سال بھر کا خرچ دیتے تھے، آپؐ قاسم بھی تھے، یہ اموال آپؐ کی تحویل میں تھے، آپؐ ان کے مالک نہیں تھے۔

(ج) یہ مال نبی ﷺ کے رشتہ داروں کے لئے ہے، آپؐ اس میں سے بنو ہاشم اور بنو مطلب کو دیتے تھے۔

(د) یہ مال یتیموں کے لئے ہے، اسلامی حکومت رفاہی حکومت ہے، ناداروں کی کفالت اس کی ذمہ داری ہے۔

(ھ) یہ مال مساکین کے لئے ہے، اسلامی حکومت میں کوئی بھوکا نہیں سوئے گا، پیٹ بھر کھانا مہیا کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔

(و) یہ مال مسافر کے لئے ہے، کبھی مسافر سفر میں کنگال ہو جاتا ہے، اس کا تعاون اس مال سے کیا جائے گا۔

(ز) یہ مال غریب مہاجرین کے لئے ہے، نبی ﷺ نے بنو نضیر کی زمین اور باغات مہاجرین میں تقسیم کئے تھے۔

(ح) یہ مال غریب انصار کے لئے ہے، نبی ﷺ نے دو تین انصار کو بھی بنو نضیر کی جائداد میں سے دیا تھا۔

(ط) یہ مال بعد میں آنے والے مسلمانوں کے لئے ہے۔ بعد میں آنے والے: یعنی بعد میں ہجرت کر کے آنے والے یا آئندہ مسلمان ہونے والے یا آئندہ نسلوں کے لئے، سب کا اس مال میں حق ہے۔

۷- مصارف میں اللہ کا تذکرہ تو تبرک کا تھا، اور اللہ کے رسول اب رہے نہیں، اور آپؐ کے رشتہ داروں کا حصہ نصرت کی وجہ سے تھا یا حاجت کی وجہ سے؟ اس میں اختلاف ہے، احناف کے نزدیک ان کا حصہ نصرت کی وجہ سے تھا، اس لئے اب یہ مصرف ختم ہوا، اور جو غریب ہیں وہ مساکین کے مصرف میں آجائیں گے، اور مہاجرین وانصار بھی اب نہیں رہے، ہاں بعد میں آنے والے مسلمان آتے رہیں گے، پس اب چار مصارف باقی رہ گئے: یتامی، مساکین، مسافر اور بعد میں آنے والے مسلمان، اور یہ بات پہلے بیان کی ہے کہ مصارف میں حصر نہیں، دیگر مصارف میں بھی امیر المؤمنین اپنی صوابدید سے خرچ کرسکتا ہے، البتہ یہ اموال حکومت چلانے کے لئے نہیں۔

۸- پہلی آیت میں بیانِ مصارف کے علاوہ ایک سوال کا جواب بھی ہے، سوال یہ ہے کہ اموالِ فئ وخمس غانمین ہی کے لئے کیوں نہیں؟ دیگر مصارف میں خرچ کرنا کیوں ضروری ہے؟ جواب یہ ہے کہ اگر یہ اموال بھی غانمین ہی کو دیئے جائیں گے تو دولت کا اکتناز لازم آئے گا، اور سرمایہ داری وجود میں آئے گی، جو ملک کی مصلحت کے خلاف ہوگی۔

نیز حجیتِ حدیث کی طرف بھی اشارہ ہے، یعنی رسول اللہ ﷺ کے اوامر کا امتثال اور نواہی سے اجتناب ضروری ہے، تفصیل آگے آئے گی۔ اور دوسری آیت میں مہاجرین کے فضائل بھی ہیں، اور تیسری آیت میں انصار کی خصوصیات کا بیان ہے، اور آخری آیت میں اخلاف کی اسلاف کے ساتھ عقیدت کا بیان ہے —— یہ آیات کا خلاصہ ہے، تفصیل آیات کے ذیل میں ہے۔

﴿ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ۭ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۤ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ ﴾

ترجمہ: جو کچھ اللہ نے اپنے رسول کو دلوایا بستیوں والوں سے —— حضرت ابن عباسؓ سے بستیوں کے نام مروی ہیں: قریظہ اور نضیر: مدینہ میں، فدک: خیبر میں، عرینہ کی بستیاں اور ینبع یعنی بنونضیر کی بستیاں ہی مراد نہیں، حکم عام ہے، خواہ کوئی بستی فئ میں حاصل ہو —— سو اللہ کے لئے ہے، اور اللہ کے رسول کے لئے، اور رسول کے رشتہ داروں کے لئے، اور یتیموں کے لئے، اور غریبوں کے لئے، اور مسافر کے لئے، تاکہ نہ ہو وہ (مال) دست گرداں تمہارے مالداروں کے درمیان —— یعنی اگر غنیمت کا خمس اور اموالِ فئ بھی مجاہدین ہی کو دیئے جائیں گے تو دولت چند ہاتھوں میں سمٹ

جائے گی، ملک کی زمینوں کے مالک چندافراد بن جائیں گے، اور سرمایہ داری وجود میں آئے گی، جو ملک کے لئے مہلک ہوگی ـــــ اور اسی لئے اللہ نے سود کو حرام کیا ہے، اور بیع کو جائز رکھا ہے، رِبَا: زر سے زر پیدا کرنے کا نام ہے، اور بیع: عمل کے واسطہ سے نفع کمانے کا نام ہے، اگر زر سے براہ راست زر پیدا کرنے کی حوصلہ افزائی کی جائے گی تو ملک کی دولت مہاجنوں کے ہاتھ میں سمٹ جائے گی، اور بیع کا واسطہ لائیں گے، مثلاً کوئی بڑا کارخانہ قائم کر کے مصنوعات تیار کریں گے تو لوگوں کو روزگار ملے گا، اور دولت تنخواہوں کی صورت میں پھیلے گی، اور کارخانہ والے کو بھی نفع ہوگا ـــــ اور اسی وجہ سے مالداروں کے مال میں زکات اور صدقۂ فطر لازم کیا ہے، تا کہ ان کے اموال کا ایک حصہ غریبوں تک پہنچے۔

اور جو کچھ اللہ کے رسول تم کو دیں اس کو لو، اور جس چیز سے روک دیں پس رک جاؤ ـــــ اس آیت میں دو باتیں ہیں:

اول: ماسیق لاجلہ الکلام ہے کہ مذکورہ مصارف مالِ فئ کے مصارف ہیں، مستحق نہیں، پس اللہ کے رسول جس کو دیں وہ لیلے، اور جس کو نہ دیں وہ مانگے نہیں، کیونکہ آپؐ جس کو دینا مناسب سمجھیں گے دیں گے، اور جس کو چھوڑنا مناسب سمجھیں گے چھوڑیں گے۔

حدیث: جنگ حنین کے بعد جب آنحضور ﷺ نے جعرانہ میں مالِ غنیمت تقسیم فرمایا تو آپؐ نے نئے مسلمانوں کو جن کے دلوں میں ابھی اسلام راسخ نہیں ہوا تھا تالیف قلب کے لئے مال عطا فرمایا۔ اس موقع کا قصہ ہے، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ ایک جماعت کو بلا کر مال دیا۔ اس وقت حضرت سعدؓ آپؐ کے پاس تھے، آپؐ نے ایک شخص (جُعیل بن سراقہؓ) کو چھوڑ دیا انہیں کچھ نہ دیا۔ حالانکہ ان کی دینی حالت ان کے نزدیک ان لوگوں سے زیادہ اچھی تھی جن کو آپؐ دے رہے تھے۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ جُعیل کو کیوں نہیں دیتے؟ قسم بخدا! میرا گمان یہ ہے کہ وہ مؤمن ہیں! آپؐ نے فرمایا: ''یا مسلمان ہیں'' میں تھوڑی دیر خاموش رہا پھر جُعیل کے بارے میں میں جو جانتا تھا وہ مجھ پر غالب آیا۔ چنانچہ میں نے دوبارہ عرض کیا: آپؐ فلاں کو کیوں نہیں دیتے؟ قسم بخدا! میرا گمان یہ ہے کہ وہ مؤمن ہیں، آپؐ نے پھر فرمایا: ''یا مسلمان ہیں'' پھر میں تھوڑی دیر خاموش رہا، پھر جُعیل کے بارے میں میرا علم مجھ پر غالب آیا، چنانچہ میں نے وہی بات پھر عرض کی، اور رسول اللہ ﷺ نے بھی وہی جواب دیا، پھر فرمایا: ''میں ایک شخص کو دیتا ہوں جبکہ دوسرا شخص مجھے اس کی بہ نسبت زیادہ پسند ہوتا ہے، اس اندیشہ سے کہ کہیں اللہ تعالیٰ اس کو جہنم میں اوندھے منہ نہ ڈال دیں'' ـــــ یعنی جو پکا مسلمان ہوتا ہے، اور جس کے دل میں اسلام راسخ ہوتا ہے، جس کے دین وایمان کے سلسلہ میں مجھے کوئی اندیشہ نہیں ہوتا اس کو نہیں دیتا اور اس کو اس کے ایمان کے حوالے کرتا ہوں، اور جو نیا مسلمان ہوا ہے اور ابھی اس کے دل میں اسلام کا پودا جما نہیں، اس کو دیتا ہوں تا کہ وہ ایمان پر جم

جائے، ایسا نہ ہو کہ وہ الٹے پاؤں پھر جائے اور اپنی عاقبت خراب کرلے۔

دوم: اس میں حجیتِ حدیث کی طرف اشارہ ہے کہ جو احکامات نبی ﷺ دیں ان کا امتثال ضروری ہے، مأمورات پر عمل اور منہیات سے بچنا ضروری ہے، کیونکہ آیت میں فانتھوا ہے فلا تطلبوا نہیں ہے، اور تفسیر کا قاعدہ ہے کہ الفاظ کے عموم کا اعتبار ہے، موردِ کی خصوصیت کا اعتبار نہیں، اور یہ استدلال سبھی حضرات نے کیا ہے، اور آیت کا آخر اس کا قرینہ ہے، فرمایا: —— اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں —— یعنی نبی ﷺ کے احکام کی خلاف ورزی کرو گے تو سخت سزا پاؤ گے۔

﴿ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ۚ ﴾

ترجمہ: اور وطن چھوڑنے والے حاجت مندوں کے لئے ہے، جو اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے نکالے گئے، وہ اللہ کی مہربانی اور خوشنودی چاہتے ہیں، اور اللہ کی اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، یہی لوگ ایمان میں سچے ہیں —— یعنی یوں تو اس مال سے عام مسلمانوں کی ضروریات وحوائج متعلق ہیں، لیکن خصوصی طور پر اُن ایثار پیشہ جان نثاروں اور سچے مسلمانوں کا حق مقدم ہے، جنھوں نے محض اللہ کی خوشنودی اور رسول کی محبت واطاعت میں اپنے گھر بار اور مال ودولت سب کو خیر باد کہا، اور بالکل خالی ہاتھ ہو کر وطن سے نکل آئے، تاکہ اللہ ورسول کے کاموں میں آزادانہ مدد کرسکیں (فوائد)

﴿ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ڵ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ۚ ﴾

ترجمہ: اور ان لوگوں کے لئے ہے جو: (۱) قرار پکڑے ہوئے ہیں مدینہ میں اور ایمان میں مہاجرین سے پہلے (۲) محبت کرتے ہیں اس سے جو ہجرت کرکے ان کے پاس آتا ہے (۳) اور وہ اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہیں پاتے اس سے جو مہاجرین دیئے جاتے ہیں (۴) اور وہ اپنے سے مقدم رکھتے ہیں، اگرچہ ان کا فاقہ ہو، اور جو شخص طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا گیا: وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں —— یعنی وہ اموال خصوصی طور پر انصار کے لئے بھی ہیں، جن میں چار خوبیاں ہیں:

۱- انصار: مہاجرین کی آمد سے پہلے مدینہ میں سکونت پذیر تھے، اور ایمان وعرفان کی راہوں پر بہت مضبوطی کے

ساتھ مستقیم ہو چکے تھے (فوائد)

۲-لوگ باہر سے آکر بستی میں بسنے والوں کو پسند نہیں کرتے، مگر انصار: مہاجرین سے محبت کرتے ہیں، وہ ان کو خوش آمدید کہتے ہیں، کہتے ہیں: آئندگانِ رحمت، باشندگانِ زحمت! اور ہر طرح ان کی خدمت کرتے ہیں، حتی کہ اپنے اموال وغیرہ میں مہاجرین کو برابر کا شریک بنانے کے لئے تیار ہیں۔

۳-مہاجرین کو اموالِ فئ وغیرہ میں سے نبی ﷺ عنایت فرماتے ہیں، تو انصار تنگ دل نہیں ہوتے، بلکہ خوش ہوتے ہیں، بنو نضیر کے اموال میں سے عام طور پر مہاجرین کو دیا گیا، پس انصار ذرا تنگ دل نہیں ہوئے، بہت خوش ہوئے۔

۴-انصار: مہاجرین کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں، خود فاقہ سے رہتے ہیں، اور مہمان کو کھلاتے ہیں، حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ ایک مہمان کو گھر لے گئے، بیوی سے پوچھا: گھر میں کیا کھانا ہے؟ بیوی نے بتایا: صرف بچوں کا کھانا ہے، ہمارے لئے بھی کچھ نہیں، انھوں نے اہلیہ سے کہا: بچوں کو پھسلا کر سلا دو، پھر مہمان کے سامنے کھانا رکھ کر بتّی کو ٹھیک کرنے کے بہانے گل کر دو، اس طرح مہمان کو پیٹ بھر کر کھلایا، اور میاں بیوی اور بچے فاقہ سے رہے، اور یہ کوئی ایک واقعہ نہیں، صحابہ کی سوانح ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے، قرطبی میں اور وہاں سے معارف القرآن میں بہت سے واقعات نقل کئے ہیں۔

پھر آیت کے آخر میں اس چوتھی خصوصیت کے تعلق سے ایک قیمتی بات بیان فرمائی ہے کہ جو خود غرضی سے محفوظ رہا وہ کامیاب رہا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ بخل (روکنا) انسان کی فطرت ہے، اس کے خمیر میں مٹی بھی ہے، جس کا خاصہ امساک ہے، کتنے خزانے زمین میں دفن ہیں، مگر وہ نکالتی نہیں، پس بخیلی تو رہے گی، آدمی بچوں کی خاطر بچا کر رکھتا ہے، مگر طبیعت کی بخیلی بہت بری چیز ہے، ایسا شخص خود غرض کہلاتا ہے، اور چاہو تو مکھی چوس کہہ لو، جو اس سے بچ گیا اس کے وارے نیارے! اور اُس سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ طبیعت پر دباؤ ڈال کر خرچ کرے: نفس بخل سے پاک ہوگا، زکات اسی رذیلہ کے علاج کے لئے فرض کی گئی ہے۔

﴿ وَ الَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَ لَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَاۤ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۠ ﴾

ترجمہ: اور ان کے لئے ہے جو ان کے بعد آئے —— یعنی ان مہاجرین وانصار کے بعد عالم وجود میں آئے، یا اُن کے بعد حلقۂ اسلام میں آئے، یا مہاجرین سابقین کے بعد ہجرت کر کے مدینہ آئے، والظاهر هو الأول (فوائد) ——

وہ دعا کرتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں بخش دے، اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور

ہمارے دلوں میں اہل ایمان کے لئے کوئی کینہ نہ ہونے دے، اے ہمارے رب! بے شک آپ بڑے شفقت فرمانے والے بڑے مہربان ہیں ـــــ یعنی اموالِ فئ آئندہ نسلوں کے لئے بھی ہیں، اسی آیت کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عراق کی زمین مجاہدین میں تقسیم نہیں کی تھی، بلکہ اس پر بیگھہ لگایا تھا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب عراق فتح ہوا تو فوج نے مطالبہ کیا کہ عراق کی ساری زمین ہمیں بانٹ کر دیدی جائے، کیونکہ نبی ﷺ نے خیبر کی زمین مجاہدین کو بانٹ کر دیدی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سلسلہ میں مشورہ کیا اور استخارہ بھی کیا، آخر میں آپ کو شرح صدر ہوا، اور فرمایا: مجھے یہ آیت یاد آئی، اگر میں زمین مجاہدین کو بانٹ دوں تو آنے والی نسلوں کے لئے کیا رہے گا؟ اور خیبر اور عراق میں فرق یہ ہے کہ خیبر میں یہودیوں کو مالکانہ حیثیت سے برقرار نہیں رکھا گیا تھا، بلکہ مزارع کی حیثیت سے باقی رکھا تھا، اس لئے خیبر کی ساری زمین غنیمت تھی، اور عراق میں اصل باشندوں کو مالکانہ حیثیت سے برقرار رکھا تھا، اس لئے میدانِ کارزار (قادسیہ وغیرہ) میں جو کچھ ہاتھ آیا وہ غنیمت تھا، اور وہ فوج کو بانٹ دیا، اور ملک کی زمین کو فئ قرار دیا، جس میں آنے والی نسلوں کا بھی حصہ ہے، اس پر بیگھہ لگایا تا کہ حکومت کی آمدنی ہو، اور آنے والی نسلیں بھی اس سے استفادہ کریں۔

آنے والی نسلوں کی گذرے ہوئے لوگوں سے عقیدت

اس آیت میں آنے والی نسلوں کی گذرے ہوئے لوگوں کے حق میں دو دعائیں ہیں: ایک: اخلاف: اسلاف کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں، دوم: یہ دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے سینوں کو اسلاف کی عداوت سے پاک رکھیں، اہل حق ہمیشہ اسلاف کے حق میں باادب ہوتے ہیں، اور گمراہ فرقوں میں قلّتِ تعبّد اور قلّتِ تأدّب ہوتا ہے، ان کو اللہ کی عبادت سے موت آتی ہے، اور وہ اسلاف کے حق میں دریدہ دہن ہوتے ہیں، رمضان آیا کہ غیر مقلدین آٹھ رکعت تراویح کا فتنہ کھڑا کرتے ہیں، تا کہ بیس رکعتیں نہ پڑھنی پڑیں، یہ قلتِ تعبد ہے، اور اللہ و رسول کے علاوہ کسی کی ذہنی غلامی جائز نہیں، ہر کسی پر بے محابا تنقید کی جاسکتی ہے، اور کرتے ہیں، یہ قلت تأدّب ہے۔ یہ لوگ اس آیت میں غور کریں، اخلاف کا اسلاف کے ساتھ کیا معاملہ ہونا چاہئے۔

گمراہ لوگوں کی علامت: قلّتِ تعبّد اور قلّتِ تأدّب ہے، عبادت سے ان کو موت آتی ہے، اور اسلاف کے حق میں دریدہ دہن ہوتے ہیں، ان کی تعظیم وتوقیر ان کو ایک آنکھ نہیں بھاتی

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَىِٕنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ لَىِٕنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَىِٕنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ وَلَىِٕنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ۫ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝ لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۝

اَلَمْ تَرَ	کیا نہیں دیکھا آپ نے	وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ	اور اگر جنگ کئے گئے تم	نَّصَرُوْهُمْ	مدد کی انھوں نے ان کی
اِلَى الَّذِيْنَ	ان لوگوں کو جنھوں نے	لَنَنْصُرَنَّكُمْ	(تو) ضرور مدد کریں	لَيُوَلُّنَّ	(تو) ضرور پھیریں گے وہ
نَافَقُوْا	منافقت کی		گے ہم تمہاری	الْاَدْبَارَ	پیٹھوں کو
يَقُوْلُوْنَ	کہتے ہیں	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ	پھر وہ مدد نہیں کئے
لِاِخْوَانِهِمُ	اپنے برادروں سے	يَشْهَدُ	گواہی دیتے ہیں		جائیں گے
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	جنھوں نے انکار کیا	اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ	کہ وہ یقیناً جھوٹے ہیں	لَاَنْتُمْ	البتہ تم
مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ	اہل کتاب سے	لَىِٕنْ اُخْرِجُوْا	بخدا اگر نکالے گئے وہ	اَشَدُّ رَهْبَةً	زیادہ سخت ہو ڈر کے
لَىِٕنْ اُخْرِجْتُمْ	بخدا اگر نکالے گئے تم	لَا يَخْرُجُوْنَ	(تو) نہیں نکلیں گے وہ		اعتبار سے
لَنَخْرُجَنَّ	(تو) ضرور نکلیں گے ہم	مَعَهُمْ	ان کے ساتھ	فِيْ صُدُوْرِهِمْ	ان کے سینوں میں
مَعَكُمْ	تمہارے ساتھ	وَلَىِٕنْ قُوْتِلُوْا	اور بخدا اگر جنگ کئے گئے وہ	مِّنَ اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ سے
وَلَا نُطِيْعُ	اور نہیں کہا مانیں گے	لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ	(تو) نہیں مدد کریں	ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ	یہ بات بایں وجہ ہے کہ وہ
فِيْكُمْ	تمہارے معاملہ میں		گے وہ ان کی	قَوْمٌ	ایسے لوگ ہیں
اَحَدًا اَبَدًا	کسی کا کبھی بھی	وَلَىِٕنْ	اور بخدا اگر	لَّا يَفْقَهُوْنَ	جو سمجھتے نہیں

منافقین نے بنو نضیر سے مدد کا وعدہ کیا تھا مگر وفا نہیں کیا

جب بنو نضیر نے نبی ﷺ کے سر پر بھاری پتھر ڈال کر قتل کا پلان بنایا، اور وحی سے آپؐ کو اطلاع ہوگئی، تو آپؐ تیزی سے اٹھ کر مدینہ کی طرف روانہ ہوگئے، اور صحابہ کو بتلایا کہ یہود کا یہ ارادہ تھا، پھر آپؐ نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ

کو ان کے پاس بھیجا اور نوٹس دیا کہ تم لوگ مدینہ سے نکل جاؤ، اب تم یہاں میرے ساتھ نہیں رہ سکتے، تمہیں دس دن کی مہلت دی جاتی ہے، اس نوٹس کے بعد بنونضیر نے جلاوطنی کی تیاری شروع کردی، مگر رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے کہلا بھیجا کہ اپنی جگہ برقرار رہو، ڈٹ جاؤ اور گھر بار نہ چھوڑو، میرے پاس دو ہزار مردانِ جنگی ہیں، جو تمہاری حفاظت میں جان دیدیں گے اور اگر تمہیں نکالا گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل جائیں گے اور ہم تمہارے بارے میں کسی سے ہرگز کوئی سمجھوتہ نہیں کریں گے، اور اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم تمہاری مدد کریں گے اور بنوقریظہ اور بنوغطفان جو تمہارے حلیف ہیں، وہ بھی تمہاری مدد کریں گے۔ مگر وقت پر منافقین نے دغا دیا، وعدہ وفا نہیں کیا، اور بنونضیر کو جلاوطن ہونا پڑا۔

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۞ لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ۫ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ۞ لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۞ ﴾

ترجمہ: کیا آپ نے ان لوگوں کو دیکھا نہیں جنھوں نے نفاق کی راہ اختیار کی: وہ اپنے کفار اہل کتاب برادروں سے کہتے ہیں: بخدا! اگر تم نکالے گئے تو ہم تمہارے ساتھ نکل جائیں گے ـــــ یعنی تم خود کو اکیلا مت سمجھو، ہم ہر طرح تمہارے ساتھ ہیں ـــــ اور ہم تمہارے معاملہ میں کسی کی کچھ نہیں مانیں گے ـــــ یعنی یہ ہمارا بالکل اٹل اور قطعی فیصلہ ہے ـــــ اور اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم ضرور تمہاری مدد کریں گے ـــــ ہمارا جنگی بیڑا تیار کھڑا ہے ـــــ اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتے ہیں کہ وہ (منافقین) بالکل جھوٹے ہیں ـــــ اللہ تعالیٰ شاہد (احوال بتلانے والے) ہیں، وہ آئندہ کے احوال بتلاتے ہیں: ـــــ بخدا! اگر وہ نکالے گئے تو منافقین ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے، اور بخدا! اگر ان سے لڑائی ہوئی تو یہ ان کی مدد نہیں کریں گے، اور بخدا! اگر وہ ان کی مدد کریں گے تو وہ (منافقین) پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے، پھر وہ مدد نہیں کئے جائیں گے ـــــ یعنی پھر مسلمان ان کو نہیں بخشیں گے ـــــ بے شک تم لوگوں کا ڈر ان (منافقین) کے دلوں میں اللہ کے ڈر سے بھی زیادہ ہے ـــــ اللہ سے ڈرتے تو نفاق کیوں اختیار کرتے؟ ـــــ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ناسمجھ لوگ ہیں ـــــ اللہ کی عظمت کو سمجھتے تو مخلص مسلمان ہوتے، ہاں مسلمانوں کی شجاعت سے ڈرتے ہیں اس لئے دوغلی پالیسی اختیار کئے ہوئے ہیں!

لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ؕ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ؕ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ۞ كَمَثَلِ

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۵﴾

لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ	نہیں لڑیں گے وہ تم سے	تَحْسَبُهُمْ	گمان کرتے ہیں آپ انکو	الَّذِيْنَ	ان کا جو
جَمِيْعًا(۱)	دوبدو (اکٹھے)	جَمِيْعًا(۳)	اکٹھا	مِنْ قَبْلِهِمْ	ان سے پہلے ہوئے
اِلَّا فِيْ قُرًى	مگر بستیوں میں	وَّ قُلُوْبُهُمْ	جبکہ ان کے دل	قَرِيْبًا	نزدیک ہی
مُّحَصَّنَةٍ(۲)	قلعہ بند	شَتّٰى	جدا جدا ہیں	ذَاقُوْا	چکھا انھوں نے
اَوْ مِنْ وَّرَآءِ	یا پیچھے سے	ذٰلِكَ	یہ بات	وَبَالَ	وبال
جُدُرٍ	دیواروں کے	بِاَنَّهُمْ	بایں وجہ ہے کہ وہ	اَمْرِهِمْ	ان کی حرکت کا
بَاْسُهُمْ	ان کی جنگ	قَوْمٌ	ایسے لوگ ہیں	وَلَهُمْ	اور ان کے لئے
بَيْنَهُمْ	آپس میں	لَّا يَعْقِلُوْنَ	جو عقل نہیں رکھتے	عَذَابٌ	سزا ہے
شَدِيْدٌ	سخت ہے	كَمَثَلِ	(ان کا حال) جیسا حال	اَلِيْمٌ	دردناک

بنو نضیر کے احوال

اب بنو نضیر کے تعلق سے چار باتیں بیان فرماتے ہیں:

۱- بنو نضیر: مسلمانوں سے دوبدو نہیں لڑیں گے، قلعہ بند بستیوں سے یا دیواروں کی اوٹ سے لڑیں گے، کیونکہ وہ مسلمانوں سے خوف زدہ ہیں، اس لئے کھلے میدان میں آمنے سامنے جنگ نہیں کریں گے۔

۲- ان کی آپسی لڑائی بڑی تیز ہوتی ہے، مسلمانوں کے مقابلہ میں بھیگی بلّی بن جاتے ہیں۔

۳- وہ بظاہر متفق ومتحد ہیں، مگر ان کے دل اندر سے پھٹے ہوئے ہیں، اگر ان میں عقل ہوتی تو یہ صورت نہ ہوتی، عقلمند جانتے ہیں کہ حقیقی یگانگت باطن کا اتحاد ہے۔

۴- ان کا حال وہی ہوگا جو ان سے پہلے بنو قینقاع کا ہو چکا ہے، ہجرت کے بعد نبی ﷺ نے مدینہ کے یہود اور مشرکین کے ساتھ ایک معاہدہ کیا تھا، پھر جب مسلمان بدر کی طرف نکلے تو ایک مسلمان عورت بنو قینقاع کے محلّہ میں دودھ بیچنے گئی، یہودیوں نے شرارت کی اور اسے سر بازار ننگا کر دیا، عورت چلائی ایک مسلمان موقع پر پہنچ گیا، اس نے طیش میں آکر فسادی یہودی کو قتل کر دیا، اس پر یہودی جمع ہو گئے اور اس مسلمان کو مار ڈالا اور اس طرح بلوہ ہو گیا، نبی

(۱) جمیعا: فاعل اور مفعول: دونوں سے حال ہے۔ (۲) مُحَصَّنَة: اسم مفعول: حَصَّنَ الشيئَ: محفوظ کرنا، مادّہ حِصْن: قلعہ۔ (۳) جمیعا: صرف مفعول سے حال ہے۔

ﷺ جب بدر سے لوٹے تو یہودیوں کو واقعہ کی تحقیق کے لئے بلایا، انھوں نے معاہدہ کا کاغذ واپس کر دیا اور جنگ پر آمادہ ہوگئے، ان کی یہ حرکت بغاوت کے مترادف تھی، اس لئے ان کو سزا دی گئی کہ وہ مدینہ چھوڑ دیں، اور خیبر جا بسیں، اس طرح سب سے پہلے بنو قینقاع کو مدینہ سے جلاوطن کیا۔

آیاتِ پاک: —— وہ لوگ (بنونضیر) اکٹھے تم سے نہیں لڑیں گے، مگر قلعہ بند بستیوں سے یا دیواروں کی اوٹ سے، ان کی آپس کی جنگ بڑی سخت ہوتی ہے —— دو بدو لڑتے ہیں، کیونکہ وہ ایک دوسرے سے خائف نہیں، اور مسلمانوں سے خائف ہیں —— آپ ان کو متفق خیال کرتے ہیں، حالانکہ ان کے دل جدا جدا ہیں، یہ بات اس وجہ سے ہے کہ وہ بے عقل لوگ ہیں۔

(ان کا حال) ان لوگوں کے حال جیسا ہے جو ان سے کچھ ہی پہلے ہوئے ہیں، جنھوں نے اپنی حرکت کا وبال چکھا، اور (آخرت میں) ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا الظّٰلِمِيْنَ ۝

كَمَثَلِ	(منافقوں کا حال)	قَالَ	کہا اس نے	عَاقِبَتَهُمَا	دونوں کا انجام
	جیسے حال	اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ	بیشک میں بے تعلق ہوں	اَنَّهُمَا	کہ دونوں
الشَّيْطٰنِ	شیطان کا	مِّنْكَ	تجھ سے	فِي النَّارِ	دوزخ میں ہونگے
اِذْ قَالَ	جب کہا اس نے	اِنِّيْٓ اَخَافُ	بیشک میں ڈرتا ہوں	خَالِدَيْنِ فِيْهَا	ہمیشہ رہنے والے اس میں
لِلْاِنْسَانِ	انسان سے	اللّٰهَ	اللہ	وَذٰلِكَ	اور یہ
اكْفُرْ	انکار کر	رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ	رب العالمین سے	جَزٰۗؤُا	بدلہ ہے
فَلَمَّا كَفَرَ	پس جب انکار کیا اس نے	فَكَانَ	پس ہوگا	الظّٰلِمِيْنَ	ظالموں کا

منافقین نے ہمت دلا کر بنونضیر کو سولی پر چڑھایا پھر پیچھے ہٹ گئے، جیسے شیطان انسان سے کفر کرا کر پیچھے ہٹ جاتا ہے

منافقوں نے جھوٹے وعدے کر کے بنونضیر کو جنگ کے لئے آمادہ کیا، پھر وہ پیچھے ہٹ گئے، گھروں میں بیٹھ رہے،

پس ان کا حال شیطان کے حال جیسا ہے، شیطان اول انسان کو کفر و معصیت پر ابھارتا ہے، پھر جب انسان اس کے دام میں پھنس جاتا ہے تو صاف کہہ دیتا ہے: میرا تیرا کچھ تعلق نہیں، مجھے اللہ کا ڈر لگتا ہے (وہ یہ بات بھی مکاری سے کہتا ہے) پھر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دونوں دوزخ میں جاتے ہیں، ایک گمراہ کرنے کی وجہ سے، دوسرا گمراہ ہونے کی وجہ سے —— یہی مثال منافقوں کی بھی ہے، وہ بنونضیر کو اپنی حمایت ورفاقت کا یقین دلا کر بھرّے پر چڑھاتے رہے، آخر جب وہ مصیبت میں پھنس گئے، آپ الگ ہو بیٹھے، لیکن کیا وہ اس طرح عذاب سے بچ سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں! دونوں کا ٹھکانا دوزخ ہے

(فوائد) بھرّے پر چڑھانا: جھانسے میں لانا، تعریف کرکے کسی بات پر آمادہ کرنا (فیروز)

آیاتِ پاک: (منافقوں کی مثال) شیطان کی سی مثال ہے: اول تو وہ انسان سے کہتا ہے: کفر اختیار کر، پھر جب وہ کافر ہو جاتا ہے تو صاف کہہ دیتا ہے: میرا تجھ سے کچھ تعلق نہیں، میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں! —— پس دونوں کا اخروی انجام یہ ہوگا کہ دونوں دوزخ میں جائیں گے، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے، اور ظالموں کی یہی سزا ہے!

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۸ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۱۹ لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۭ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ۝۲۰ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰي جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝۲۱

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے لوگو جو	مَّا	اس کو جو	خَبِيْرٌۢ	باخبر ہیں
اٰمَنُوا	ایمان لائے	قَدَّمَتْ	آگے بھیجا اس نفس نے	بِمَا	ان کاموں سے جو
اتَّقُوا اللّٰهَ	ڈرو اللہ سے	لِغَدٍ	آئندہ کل کے لئے	تَعْمَلُوْنَ	تم کرتے ہو
وَلْتَنْظُرْ	اور چاہئے کہ دیکھے	وَاتَّقُوا اللّٰهَ	اور ڈرو اللہ سے	وَلَا تَكُوْنُوْا	اور مت ہوؤ
نَفْسٌ (۱)	نفس (شخص)	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	كَالَّذِيْنَ	ان لوگوں کی طرح جو

(۱) نفس: مؤنث سماعی ہے۔

نَسُوا اللّٰهَ	بھول گئے اللہ کو	وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ	اور باغ والے	مُّتَصَدِّعًا	پھٹنے والا
فَاَنْسٰهُمْ[1]	پس بھلادی اللہ نے ان کو	اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ	باغ والے	مِّنْ خَشْيَةِ	ڈر سے
اَنْفُسَهُمْ	ان کی جانیں	هُمُ الْفَآئِزُوْنَ	ہی کامیاب ہیں	اللّٰهِ	اللہ کے
اُولٰٓئِكَ	یہ لوگ	لَوْ اَنْزَلْنَا	اگر اتارتے ہم	وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ	اور عجیب مضامین
هُمُ	ہی	هٰذَا الْقُرْاٰنَ	اس قرآن کو	نَضْرِبُهَا	مارتے ہیں ان کو
الْفٰسِقُوْنَ	نافرمان ہیں	عَلٰى جَبَلٍ	کسی پہاڑ پر	لِلنَّاسِ	لوگوں کے لئے
لَا يَسْتَوِيْٓ	برابر نہیں	لَّرَاَيْتَهٗ	(تو) ضرور دیکھتا تو اس کو	لَعَلَّهُمْ	تاکہ وہ
اَصْحٰبُ النَّارِ	آگ والے	خَاشِعًا	دبنے والا	يَتَفَكَّرُوْنَ	سوچیں

حزب اللہ (مؤمنین) سے خطاب

حزب الشیطان (یہود اور منافقین) کے دنیوی اور اخروی احوال بیان کرنے کے بعد، اب حزب اللہ (مؤمنین) کا ذکر کرتے ہے، ان کے اخروی احوال بیان فرماتے ہیں، دنیوی کامیابی کا ذکر ساتھ ساتھ ہے، اور ان آیتوں میں چار باتیں بیان کی ہیں:

پہلی بات: —— نیکیوں میں بڑھو اور برائیاں گھٹاؤ —— ہر مؤمن کو ہر دن اپنا حساب آڈٹ (AUDIT) کرنا چاہئے، جانچے کہ آئندہ کل کے لئے کیا برا عمل آگے بھیجا ہے، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ گناہ کم ہوتے جائیں گے اور نیک کاموں میں اضافہ ہوگا، جیسے تاجر روزانہ شام کو دن بھر کے کاروبار کو سوچتا ہے، تاکہ اگلے دن زیادہ کمائے اور گھاٹے سے بچے —— اور پہلے ﴿ اتَّقُوا اللّٰهَ ﴾: اللہ سے ڈرو کا مطلب یہ ہے کہ برائیاں چھوڑو، اور یہ آدھا مضمون ہے، دوسرا آدھا مضمون فہم سامع پر اعتماد کرکے چھوڑ دیا ہے، اور وہ ہے: أطیعوا اللہ: اللہ کی اطاعت کرو، یعنی نیکیوں میں آگے بڑھو —— اور آئندہ کل کے لئے کیا آگے بھیجا ہے: یعنی کیا گناہ کئے ہیں، گناہوں کو یاد رکھنا ضروری ہے، تاکہ ان سے بچے اور جو ہوگئے ہیں ان سے توبہ کرے، نیکیوں کو یاد رکھنا ضروری نہیں، نیکی کر دریا میں ڈال! —— اور آئندہ کل سے مراد قیامت کا دن ہے، اس کو آئندہ کل اس لئے کہا کہ اس کا آنا یقینی ہے، جیسے آئندہ کل کا آنا یقینی ہے، اور قرب قیامت کی طرف بھی اشارہ ہے، آئندہ کل کی طرح قیامت قریب ہے —— اور دوسرے ﴿ اتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ کا تعلق حساب جانچنے سے ہے، حساب جانچنے میں آدمی نفس کو دھوکہ دیتا ہے، برائیاں کرتا رہتا ہے اور خود کو پرہیزگار سمجھتا ہے، اس لئے فرمایا کہ اعمال کی

(۱) أنفسهم: ان کی جانیں: یعنی اپنی بھلائی کا خیال نہ رہا۔

پڑتال میں اللہ سے ڈرو، اللہ کو تمہارے سب اعمال کی خبر ہے، تم اللہ تعالیٰ کو دھوکہ نہیں دے سکتے۔

دوسری بات: —— اللہ کو بھولو گے تو اپنا نقصان کرو گے —— جو لوگ اللہ کو بھول جاتے ہیں وہ گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور طاعات میں کوتاہی کرنے لگتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو اپنی ذوات کا خیال بھلا دیتے ہیں، ان کو اپنے نفع نقصان کی بھی خبر نہیں رہتی، یہی لوگ بدکار ہیں، ان کو دوزخ میں جانا پڑے گا، کھرے مؤمن کو ایسا نہیں ہونا چاہئے، اللہ کو یاد رکھے، اور آخرت کی تیاری میں لگے، اپنا نقصان نہ کرے۔

تیسری بات: —— اہل جنت اور اہل نار میں موازنہ —— آگ والے اور باغ والے برابر نہیں ہوسکتے، اس حقیقت کو سمجھو، کامیاب باغ والے ہیں، اور گھاٹے میں آگ والے رہیں گے، پس کامیابی کے راستہ پر پڑو اور خسارے کے راستہ سے بچو۔

چوتھی بات: قرآنِ کریم جنت کا راستہ دکھاتا ہے، اس کا اثر قبول کرو —— بے حس مت بنو، افسوس ہے کہ آدمی کے دل پر قرآن کا اثر نہیں ہوتا، جبکہ قرآنِ کریم ایسا پُر تاثیر ہے کہ وہ پہاڑ جیسی سخت مخلوق پر اتارا جاتا تو وہ بھی متکلم کی عظمت کے سامنے دب جاتا، مارے خوف کے پھٹ جاتا، مگر انسان ہے کہ اس سے کوئی سبق نہیں لیتا۔

آیاتِ پاک: —— اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو —— گناہ چھوڑو اور طاعات میں بڑھو —— اور چاہئے کہ ہر شخص جانچ لے کہ اس نے آئندہ کل کے لئے کیا آگے بھیجا ہے —— یعنی گناہوں کو یاد کرے اور ان سے توبہ کرے —— اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ کو تمہارے کاموں کی سب خبر ہے —— یعنی اعمال کی جانچ صحیح کرو، نفس کو دھوکہ مت دو۔

اور تم لوگ ان لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ جو اللہ کو بھول گئے —— کافر اور بدکار مراد ہیں —— پس اللہ نے ان کو ان کی جانیں بھلا دیں —— یعنی ان کو اپنے نفع نقصان کا بھی خیال نہ رہا —— یہی لوگ نافرمان ہیں! —— گناہوں کا ارتکاب یہی لوگ کرتے ہیں —— آگ والے اور باغ والے برابر نہیں ہوسکتے، باغ والے ہی کامیاب ہیں!

اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر اتارتے —— اور اس کو عقل وفہم دیتے —— تو تو اس کو دیکھتا سہا ہوا پھٹا ہوا اللہ کے ڈر سے —— یعنی قرآن اتنا قوی التاثیر ہے، مگر کافر کا سخت دل اس کا کوئی اثر قبول نہیں کرتا —— اور یہ عجیب مضامین ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ سوچیں —— اور ہدایت کا راستہ اختیار کریں —— یہ کلام کی عظمت کا ذکر ہے، آگے متکلم کی عظمت ورفعت کا بیان ہے، کہتے ہیں: بادشاہوں کا کلام: کلام کا بادشاہ ہوتا ہے!

هُوَ اللّٰهُ الَّذِىْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿٢٢﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِىْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ

الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ۭ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ ع

هُوَ	وہ (متکلم)	لَآ اِلٰهَ	کوئی معبود نہیں	هُوَ اللّٰهُ	وہ (متکلم) اللہ ہیں
اللّٰهُ	اللہ ہیں	اِلَّا هُوَ	مگر وہی	الْخَالِقُ	(مثال سے) پیدا کرنے والا
الَّذِيْ	جو	اَلْمَلِكُ	بادشاہ	الْبَارِئُ (۳)	(بے مثال) پیدا کرنے والا
لَآ اِلٰهَ	کوئی معبود نہیں	الْقُدُّوْسُ	تمام عیوب سے پاک	الْمُصَوِّرُ	صورتیں بنانے والا
اِلَّا هُوَ	مگر وہی	السَّلٰمُ	ہر نقصان سے محفوظ	لَهُ الْاَسْمَاۗءُ	ان کے لئے نام ہیں
عٰلِمُ	جاننے والے	الْمُؤْمِنُ	عذاب سے پناہ دینے والا	الْحُسْنٰى (۴)	اچھے اچھے
الْغَيْبِ	ان دیکھی چیزوں کے	الْمُهَيْمِنُ (۲)	نگہبان (قابض)	يُسَبِّحُ	پاکی بولتی ہیں
وَالشَّهَادَةِ (۱)	اور دیکھی ہوئی چیزوں کے	الْعَزِيْزُ	زبردست	لَهٗ	ان کی
هُوَ الرَّحْمٰنُ	وہ نہایت مہربان	الْجَبَّارُ	بگڑی بنانے والا	مَا فِي السَّمٰوٰتِ	جو آسمانوں میں ہیں
الرَّحِيْمُ	بڑے رحم والے ہیں	الْمُتَكَبِّرُ	بڑی عظمت والا	وَالْاَرْضِ	اور زمین میں ہیں
هُوَ	وہ (قرآن نازل کرنے والے)	سُبْحٰنَ اللّٰهِ	پاک ہیں اللہ	وَهُوَ	اور وہ
اللّٰهُ	اللہ ہیں	عَمَّا يُشْرِكُوْنَ	ان سے (جن کو) شریک	الْعَزِيْزُ	زبردست
الَّذِيْ	جو		ٹھہراتے ہیں لوگ	الْحَكِيْمُ	بڑی حکمت والے ہیں

قرآنِ کریم عظیم الشان اللہ کا کلام ہے اس لئے وہ باعظمت پُر تاثیر ہے

گذشتہ آیت میں تھا کہ قرآنِ کریم پُر تاثیر کلام ہے، اب اس کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ قرآن اللہ کا کلام ہے، اور اللہ تعالیٰ محمود الصفات جلیل الشان ہیں، اور متکلم کا اثر کلام میں آتا ہے: کلامُ المُلوكِ ملوكُ الكلام: بادشاہوں کا کلام: کلام کا بادشاہ ہوتا ہے، یعنی اعلیٰ درجہ کا ہوتا ہے، پس مَلِكُ الأملاك: شاہوں کے شاہ کا کلام سب سے بہتر ہونا ہی چاہئے۔

(۱) الغیب: چھپی، الشهادة: کھلی: یہ انسانوں کے تعلق سے ہے، اللہ کے لئے کوئی چیز چھپی نہیں (۲) هَيْمَنَ: حفاظت کرنا، قابض ومتصرف ہونا (۳) خَلَقَ اور بَرَأَ کے معنی قریب ہیں، فرق کی طرف ترجمہ میں اشارہ کیا ہے (۴) اسمائے حسنیٰ کی تفصیل ہدایت القرآن، سورۃ الاعراف (آیت ۱۸۰) کی تفسیر میں ہے۔

صرف قرآن اللہ کا کلام ہے: یہ بات جان لیں کہ سو سے زیادہ اللہ کی کتابیں نازل ہوئی ہیں، مگر وہ سب اللہ کی کتابیں تھیں، کلام نہیں تھیں، کلام یا تو فرشتہ کا تھا یا پیغمبر کا، جیسا کہ حدیثوں کا حال ہے، وہ رسول اللہ ﷺ کا کلام ہیں، اللہ کا کلام صرف قرآنِ کریم ہے، جس میں جبرئیل علیہ السلام کا کوئی دخل ہے نہ نبی ﷺ کا، اسی لئے اس میں تحریف ممکن نہیں: ﴿ وَاتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ ﴾: اور آپؐ پڑھا کریں اپنے رب کی اس کتاب کو جو آپؐ کے پاس وحی کے ذریعہ بھیجی جارہی ہے، اس کی باتوں کو کوئی بدل نہیں سکتا [الکہف ۲۷] اور گذشتہ کتابوں میں تحریف ممکن ہوئی، اس لئے کہ وہ اللہ کا کلام نہیں تھیں، جیسے حدیثوں میں موضوع حدیثیں لوگوں نے داخل کردیں، مگر قرآن کا زبر زیر اِدھر اُدھر نہیں ہوا (اور یہ بات حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہٗ نے براہین قاسمیہ میں بیان کی ہے، جس کا پرانا نام ''جواب ترکی بہ ترکی'' ہے، اور میں نے ان کی عبارت تحفۃ القاری جلد نہم کے شروع میں نقل کی ہے، حضرت کی بات بہت مدلل ہے، اس کی مراجعت کریں)

ان آیات کی فضیلت: اِن تین آیات کی فضیلت میں ترمذی شریف میں حدیث ہے:

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے تین مرتبہ کہا جب اس نے صبح کی: **أعوذ باللّٰهِ السَّمِيْعِ العَلِيْمِ، مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ**: پھر اس نے سورۃ الحشر کی آخری تین آیتیں پڑھیں تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتوں کو لگاتے ہیں جو اس پر درود بھیجتے ہیں، یعنی اس کے لئے دعائے رحمت کرتے ہیں، یہاں تک کہ وہ شام کرتا ہے، اور اگر وہ اس دن میں مرگیا تو شہید ہونے کی حالت میں مرتا ہے، اور جو شخص ان کو پڑھتا ہے جب وہ شام کرتا ہے تو وہ بھی اسی مرتبہ میں ہوتا ہے:

آیاتِ پاک کا خلاصہ: ان آیات میں معبودیت کو اللہ کی ذات میں منحصر کرکے اللہ تعالیٰ کے پندرہ اسمائے حسنیٰ بیان کئے ہیں، پھر فرمایا ہے کہ اللہ کے اور بھی (بے شمار) اچھے اچھے نام ہیں، اللہ کے وہ پندرہ نام یہ ہیں:

اللّٰہ: تو اسم علَم (خاص نام) ہے، جو واجب الوجود کی ذات کے ساتھ خاص ہے، کسی اور پر اس کا اطلاق نہیں ہوسکتا، اس وجہ سے یہ نام سب سے افضل واعلیٰ ہے، اور بعض کے نزدیک یہ اسم اعظم ہے۔

۱-عَالِمُ الغیب والشهادة: چھپے کھلے کو جاننے والا: بندوں کے لئے جو چیزیں بن دیکھی ہیں ان کو بھی اللہ جانتے ہیں۔

۲و۳-الرحمان الرحیم: نہایت مہربان، بڑے رحم والے: دونوں رحمت سے بنے ہیں، رحمت کے معنی ہیں: مصیبت زدہ کو دیکھ کر دل کا نرم ہونا، اور اس پر انعام واحسان فرمانا، اور اللہ کے ناموں میں مبادی کا اعتبار نہیں، غایات کا

اعتبار ہے، پس دونوں مبارک نام: انعام واحسان فرمانے کے اعتبار سے ہیں ـــ اور مبانی کی کثرت معانی کی کثرت پر دلالت کرتی ہے، رحمان: میں پانچ حروف ہیں اور رحیم میں چار، اس لئے الرحمٰن میں معنی زائد ہیں، اور دنیا اور آخرت دونوں کی رحمت کو شامل ہے، یا کہیں کہ مؤمن وکافر: دونوں پر مہربانی کو شامل ہے، اور صرف اللہ کے ساتھ مخصوص ہے، اور الرحیم آخرت کے اعتبار سے ہے، آخرت میں رحمت مؤمنوں کے لئے خاص ہوگی۔

۴-المَلِك: بادشاہ (حقیقی) دونوں جہاں جس کے قبضۂ قدرت میں ہیں، جو بے نیاز ہے اور سب اس کے محتاج ہیں۔

۵-القُدُّوس: صیغۂ مبالغہ: بہت پاک، تمام عیوب سے منزّہ، قَدُسَ (ک) قُدْسا: پاک ہونا، بے عیب ہونا۔

۶-السَّلام: مصدر ہے، مبالغۃً ذات باری کو متصف کیا گیا ہے، جیسے زید عدل: زید انصاف ہے، سَلِمَ منه (س) سَلَامًا: عیب وغیرہ سے پاک صاف ہونا، صحیح سالم، تمام نقصان سے محفوظ۔

۷-المُؤْمِن: اسم فاعل: امن دینے والا، یہ معنی جب ہیں جب مأخذ أمان ہو اور مأخذ إیمان ہو تو معنی ہونگے: مُصَدِّق: یعنی ایمانداروں کے ایمان کو بارآور کرنے والا۔

۸-المُهَيْمِن: اسم فاعل: نگہبانی کرنے والا، حفاظت کرنے والا، هَيْمَنَ هَيْمَنَةً: نگہبانی کرنا، بایں معنی قرآنِ کریم بھی سابقہ کتابوں کا مُهَيْمِن ہے۔

۹-العزیز: زبردست، غالب، قوی، قاہر، اصل میں عزیز اس کو کہتے ہیں جس کی بارگاہ میں آسانی سے پہنچنا ممکن نہ ہو، عَزَّ (ض) عِزًّا: طاقت ور ہونا، صاحبِ عزت ہونا۔

۱۰-الجَبَّار: صیغۂ مبالغہ: اس کے دو معنی ہیں: (۱) خرابی کو دور کرنے والا، بگڑی بنانے والا، جَبَرَهُ (ن) جَبْرًا: درست کرنا، اسی سے جبیرۃ ہے: شکستہ ہڈی پر باندھی جانے والی لکڑی یا پٹی (۲) بڑے دباؤ والا، جَبَرَ (ن) فلانا علی الأمر: کسی کو کسی کام پر مجبور کرنا۔

۱۱-المتکبر: اسم فاعل: بڑی عظمت وبزرگی والا، تَكَبَّرَ تَكَبُّرًا: بڑا بننا۔

۱۲-الخالق: اسم فاعل: پیدا کرنے والا، اور جب البارئ کے ساتھ ہو تو مادہ سے یا مثال سے پیدا کرنے والا۔

۱۳-البارئ: اسم فاعل: پیدا کرنے والا، اور جب الخالق کے ساتھ ہو تو بغیر مادہ کے یا بغیر مثال کے پیدا کرنے والا، بَرَأَ اللّٰه (ف) بَرْءً: پیدا کرنا۔

۱۴-المُصَوِّر: اسم فاعل: صورت بنانے والا، اجناس کی انواع کی، اصناف کی اور افراد کی الگ الگ صورتیں

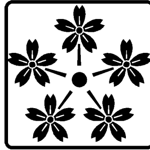
بنانے والا۔

۱۵-**الحکیم**: حکمت والا، دانشمند، حکمت: دانائی: یعنی ہر کام کسی مصلحت سے کرنے والا۔

آیاتِ پاک: ــــ وہ اللہ ہیں ــــ قرآنِ کریم انہیں کا کلام ہے ــــ ان کے سوا کوئی معبود نہیں ــــ وہی برحق معبود ہیں، ان کے سوا سب ہیچ ہیں ــــ (۱) وہ چھپی کھلی چیزوں کے جاننے والے (۲) نہایت مہربان (۳) بڑے رحم والے ہیں۔

وہ اللہ ہیں ــــ قرآن انہیں کا کلام ہے ــــ ان کے سوا کوئی (برحق) معبود نہیں ــــ یہ تکرار نہیں، بلکہ قرآن کا اسلوب ہے وہ تمہید لوٹا کر دوسری بات کہتا ہے ــــ (۴) بادشاہ (۵) پاکیزہ (۶) سالم (۷) امن دینے والا (۸) نگہبان (۹) زبردست (۱۰) شکستگی ٹھیک کرنے والا (۱۱) بڑی عظمت والا ہے، اللہ تعالیٰ لوگوں کے شرک سے پاک ہیں، وہ اللہ ــــ جن کا کلام قرآنِ کریم ہے، یہاں تمہید نہیں لوٹائی، کیونکہ سابقہ کلام دو ہی مرتبہ لوٹانے کی نظیر ہے، البتہ لاحقہ کلام ۳۱ مرتبہ سورۃ الرحمان میں لوٹایا ہے ــــ (۱۲) خالق (۱۳) موجد (۱۴) صورت بنانے والا ــــ ان کے لئے اچھے اچھے (غیر متناہی) نام ہیں، ان کی پاکی بیان کرتی ہیں جو چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہیں، اور وہ زبردست (۱۵) حکمت والے ہیں۔

﴿۵/شعبان ۱۴۳۷ھ = ۱۳/مئی بروز جمعہ ۲۰۱۶ء﴾



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الممتحِنۃ

ممتحنہ: حا پر زبر یا زیر: اول: اسم مفعول واحد مؤنث، اور ثانی: اسم فاعل، واحد مؤنث، اشہر اول اور ثانی جائز۔

اسم مفعول کے معنی ہیں: آزمائی ہوئی عورت، جانچی ہوئی عورت، امتحان کی ہوئی عورت، جو عورت مسلمان ہو کر ہجرت کر کے مدینہ آئی اور اس کا امتحان کیا گیا کہ واقعی وہ مسلمان ہو کر آئی ہے یا کسی اور غرض سے ہجرت کر کے آئی ہے، اس صورت میں **ممتحنہ**: مہاجرہ کی صفت ہوگی —— اور آیت دس میں ﴿ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ﴾ آئے گا، یعنی ہجرت کر کے آنے والی عورتوں کو جانچو، امتحان لو، پھر آیت بارہ میں بیعت کی دفعات ہیں، جن کے ذریعہ امتحان کیا جاتا تھا، جو ان باتوں کا اقرار کرتی وہ مسلمان قرار پاتی، اس صورت میں **ممتحنہ**: سورت کی صفت ہوگی، یعنی امتحان لینے والی سورت، جس میں مذکور دفعات کے ذریعہ امتحان کیا جائے۔

ربط: گذشتہ سورت میں حزب الشیطان (یہود و منافقین) کی ناکامی اور حزب اللہ (مؤمنین) کی کامیابی دکھائی تھی، اب اس سورت میں حزب اللہ کی کامیابی کے لئے منفی پہلو سے ایک شرط عائد کرتے ہیں کہ اللہ کا لشکر اس وقت کامیاب ہوگا جب وہ دشمن سے دوستانہ تعلق نہ رکھے، ورنہ رنگ میں بھنگ پڑ سکتا ہے —— پھر آئندہ سورت (سورۃ الصّف) میں مثبت پہلو سے شرط عائد کریں گے کہ اللہ کا لشکر اس وقت کامیاب ہوگا جب وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح متحد ہو کر لڑے تو کامیابی قدم چومے گی، اور قرآن کا اسلوب ہے کہ جب وہ کوئی بات لیتا ہے تو اس کو ممکن حد تک بڑھاتا ہے، پس سورت کا موضوع تو منفی شرط کا بیان ہے، اور اسی سے سورت کا آغاز ہوا ہے، پھر آگے متعلقات کا بیان ہے۔

کفار کے ساتھ معاملات کے احکام:

کفار کے ساتھ تین قسم کے معاملات ہوتے ہیں:

۱- موالات: یعنی دوستی، یہ کسی حال میں جائز نہیں، کہتے ہیں: **المرء علی دین خلیله**: آدمی دوست کا مذہب قبول کر لیتا ہے، اور جنگی حالات میں تو دشمن سے دوستی خطرناک ہے۔

۲- مدارات: یعنی رکھ رکھاؤ، ظاہری خوش خلقی، یہ تین حالتوں میں جائز ہے: **ایک**: دفع ضرر کے لئے، **دوم**: کافر کی

دینی مصلحت کے لئے یعنی توقع ہدایت کے لئے،سوم: اکرام ضیف کے طور پر،اور اپنی مصلحت ومنفعتِ مال وجان کے لئے درست نہیں۔

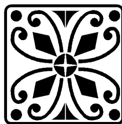
۳-مواسات: غم خواری،احسان ونفع رسانی اہل حرب کے ساتھ ناجائز ہے،اور غیر اہل حرب کے ساتھ جائز ہے۔

مکہ مکرمہ فتح کرنا کیوں ضروری تھا؟

مکہ مکرمہ میں کعبہ شریف تھا،وہ توحید کا مرکز تھا،اور وہاں کافروں کی حکومت تھی،اور دنیا میں کافروں کی حکومت ہوسکتی ہے،جیسے اسلامی ملک میں غیر مسلم شہری ہوسکتے ہیں،مگر مکہ مکرمہ کو فتح کرنا ضروری تھا،عربوں کی نظریں اس پر جمی ہوئی تھیں کہ مکہ پر کون قابض ہے؟ وہی برحق ہے،اسی کا دین سچا ہے،اس لئے حق کا بول بالا کرنے کے لئے اس پر قبضہ ضروری تھا ـــــ مگر اس پر قبضہ آسان نہیں تھا،کفار ایڑی چوٹی کا زور لگائیں گے اور مکہ کو ہاتھ سے نہیں جانے دیں گے،وہ احزاب کو اکٹھا کرلیں گے اور خون کا آخری قطرہ بھی بہادیں گے ـــــ اس لئے جب مکہ والوں نے صلح حدیبیہ کو توڑ دیا،اور فتح مکہ کا وقت آگیا تو نبی ﷺ نے دو باتوں کا اہتمام کیا: ایک: دس ہزار قدسیوں کا لشکر جرار لے کر آپؐ بڑھے،معمولی لشکر کے ساتھ روانہ نہیں ہوئے،کیونکہ جنگ کا پورا خطرہ تھا۔دوم: خبروں کو اندھا کرنے کا اہتمام کیا،اور اس کے لئے خاص دعا کی،تاکہ اچانک مکہ والوں کے سر پر پہنچ جائیں،ان کو کانوں کان خبر نہ ہو اور مکہ کو جالیں،تاکہ حرم کی حرمت کم سے کم پامال ہو،ورنہ مکہ میں کشتوں کے پشتے لگ جاتے،اور خواب شاید شرمندۂ تعبیر نہ ہوتا۔

اللہ نے خبر کو لیک ہونے سے بچالیا:

نبی ﷺ نے خواص کو اپنا ارادہ بتلایا تھا،اور خبروں کو روکنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کی تھی،تاہم حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے اہل مکہ کے نام خط لکھا کہ آپؐ مکہ کی تیاری کررہے ہیں،اور ایک عورت کے ہاتھ یہ خط روانہ کیا،اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو بذریعہ وحی اس کی اطلاع دی،آپؐ نے چند صحابہ کو روانہ کیا کہ روضۂ خاخ میں تمہیں ایک اونٹ سوار عورت ملے گی،اس کے پاس مشرکین مکہ کے نام حاطب کا خط ہے وہ لے آؤ،وہ خط لایا گیا،مگر حضرت حاطبؓ کو کوئی سزا نہیں دی گئی،کیونکہ وہ بدنیتی سے نہیں لکھا گیا تھا،غلط فہمی سے لکھا گیا تھا،اور وہ بدری صحابی تھے،اس لئے ان سے درگذر کیا گیا،سورت کے شروع میں اِسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔



آیاتھا ۱۳ (۶۰) سُوْرَۃُ الْمُمْتَحِنَۃِ مَدَنِیَّۃٌ (۹۱) رکوعاتھا ۲

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْھِمْ بِالْمَوَدَّۃِ وَقَدْ کَفَرُوْا بِمَا جَآءَکُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ یُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِیَّاکُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ رَبِّکُمْ ؕ اِنْ کُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِھَادًا فِیْ سَبِیْلِیْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِیْ ۖ تُسِرُّوْنَ اِلَیْھِمْ بِالْمَوَدَّۃِ ۖ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَیْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ؕ وَمَنْ یَّفْعَلْہُ مِنْکُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ① اِنْ یَّثْقَفُوْکُمْ یَکُوْنُوْا لَکُمْ اَعْدَآءً وَّیَبْسُطُوْٓا اِلَیْکُمْ اَیْدِیَھُمْ وَاَلْسِنَتَھُمْ بِالسُّوْٓءِ وَوَدُّوْا لَوْ تَکْفُرُوْنَ ؕ ② لَنْ تَنْفَعَکُمْ اَرْحَامُکُمْ وَلَآ اَوْلَادُکُمْ ۚۛ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ۚۛ یَفْصِلُ بَیْنَکُمْ ؕ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ③

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ	اے لوگو جو	مِّنَ الْحَقِّ	سچے دین سے	فِیْ سَبِیْلِیْ	میرے راستہ میں
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	یُخْرِجُوْنَ	نکالتے ہیں وہ	وَابْتِغَآءَ	اور ڈھونڈھنے کے لئے
لَا تَتَّخِذُوْا	مت بناؤ تم	الرَّسُوْلَ	اللہ کے رسول کو	مَرْضَاتِیْ	میری خوشنودی
عَدُوِّیْ	میرے دشمن کو	وَاِیَّاکُمْ	اور تم کو	تُسِرُّوْنَ	چھپا کر بھیجتے ہو تم
وَعَدُوَّکُمْ	اور تمہارے دشمن کو	اَنْ	ان وجہ سے کہ	اِلَیْھِمْ	ان کی طرف
اَوْلِیَآءَ	دوست	تُؤْمِنُوْا	ایمان لائے تم	بِالْمَوَدَّۃِ	محبت
تُلْقُوْنَ	ڈالتے ہو تم	بِاللّٰہِ	اللہ پر	وَاَنَا اَعْلَمُ	اور میں خوب جانتا ہوں
اِلَیْھِمْ	ان کی طرف	رَبِّکُمْ	جو تمہارے پروردگار ہیں	بِمَآ اَخْفَیْتُمْ	جس کو تم چھپاتے ہو
بِالْمَوَدَّۃِ	محبت	اِنْ کُنْتُمْ	اگر ہو تم	وَمَآ اَعْلَنْتُمْ	اور جس کو تم ظاہر کرتے ہو
وَقَدْ کَفَرُوْا	اور تحقیق انکار کیا انھوں نے	خَرَجْتُمْ	نکلے	وَمَنْ یَّفْعَلْہُ	اور جو کرے گا اس کام کو
بِمَا جَآءَکُمْ	اس کا جو تمہارے پاس آیا	جِھَادًا	لڑنے کے لئے	مِنْکُمْ	تم میں سے

فَقَدْ ضَلَّ	پس بالیقین گمراہ ہوگیا وہ	وَ اَلْسِنَتَهُمْ	اور اپنی زبانیں	يَفْصِلُ	جدائی کریں گے (فیصلہ
سَوَآءَ السَّبِيْلِ	سیدھے راستہ سے	بِالسُّوْٓءِ	برائی کے ساتھ		کریں گے) وہ
اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ (۱)	اگر پالیں وہ تم کو	وَ وَدُّوْا	اور تمنا کریں گے	بَيْنَكُمْ	تمہارے درمیان
يَكُوْنُوْا لَكُمْ	ہونگے تمہارے لئے	لَوْ تَكْفُرُوْنَ	کاش کافر ہوجاؤ تم	وَ اللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
اَعْدَآءً	دشمن	لَنْ تَنْفَعَكُمْ	ہرگز کام نہیں آئیں گے	بِمَا	ان کاموں کو جو تم
وَّ يَبْسُطُوْٓا	اور پھیلائیں گے	اَرْحَامُكُمْ	تمہارے رشتہ دار	تَعْمَلُوْنَ	کرتے ہو
اِلَيْكُمْ	تمہاری طرف	وَلَآ اَوْلَادُكُمْ	اور نہ تمہاری اولاد	بَصِيْرٌ	خوب دیکھنے والے ہیں
اَيْدِيَهُمْ	اپنے ہاتھ	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	قیامت کے دن	۞	۞

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بے حد مہربان نہایت رحم والے ہیں

شانِ نزول: جب نبی ﷺ نے فتح مکہ کے لئے چڑھائی کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے جو بدری صحابی ہیں، اور یمن کے رہنے والے تھے، اور مکہ میں آبسے تھے، اور ان کے بھائی، والدہ، اولاد، اہل وعیال اور اموال اب تک مکہ میں تھے: انھوں نے اہل مکہ کے نام ایک خط لکھا کہ رسول اللہ ﷺ تم پر چڑھائی کرنے والے ہیں، اور یہ خط ایک عورت کو دیا جو مکہ جارہی تھی، آپ کو وحی سے اس کی اطلاع ہوگئی، آپؐ نے حضرت علی اور چند صحابہ کو بھیجا کہ فلاں جگہ ایک عورت ملے گی، اس سے خط لے آؤ، وہ عورت ملی، اس کو دھمکایا تو اس نے چوٹی سے نکال کر خط دیا، جب خط آیا تو آپؐ نے حاطبؓ سے پوچھا: یہ کیا حرکت ہے؟ انھوں نے جواب دیا: میں مرتد نہیں ہوا، نہ مخالفتِ اسلام کے سبب یہ خط لکھا ہے، بلکہ اس لئے لکھا ہے کہ میرے اہل وعیال اور اموال مکہ میں ہیں، میں نے سوچا کہ اسلام کا تو اس سے کوئی ضرر نہ ہوگا، وہ تو غالب ہوکر رہے گا، اور میرا مکہ والوں پر ایک احسان ہوجائے گا، وہ اس کے بدل میرے اہل وعیال اور اموال کی حفاظت کریں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو حضور کے زمانہ میں جلاّد (سزا دینے والے) تھے، قتل کی اجازت چاہی، آپؐ نے فرمایا: یہ بدری ہیں، اور اللہ نے اہل بدر کے گناہ معاف فرمادیئے ہیں، اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ ﴾: اے ایمان والو! تم میرے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ ـــــ کفار سے موالات کا حکم ابھی سورت کی تمہید میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ مطلقاً (کسی بھی صورت میں) جائز نہیں، اور مسلمانوں میں جو گمراہ فرقے ہیں ان کے ساتھ موالات کا بھی یہی حکم ہے، جو فرقے دائرہ

(۱) ثَقِفَ (س) ثَقَفًا الشيئَ: کوشش کے بعد پالینا، قابو پانا۔ ثَقِفَ العلم: ماہر ہونا، مُثَقَّف: مہذب، تعلیم یافتہ۔

اسلام سے خارج ہیں وہ تو کفار کے حکم میں ہیں، اور جو دائرہ اسلام میں ہیں مگر گمراہ ہیں: ان سے بھی دور کی صاحب سلامت اچھی! ان سے بھی دینی ضرر کا اندیشہ ہے۔

﴿ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ﴾: تم ان کی طرف دوستی (نامہ) ڈالتے ہو، حالانکہ وہ اس برحق دین کے منکر ہیں جو تمہارے پاس آیا ہے —— اس لئے وہ اللہ کے دشمن ہوئے اور تمہارے بھی دشمن ہوئے، اور دشمن سے دوستانہ مراسم ایمان والوں کو زیب نہیں دیتے۔

﴿ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ﴾: وہ اللہ کے رسول کو اور تم کو شہر بدر کر چکے ہیں، اس وجہ سے کہ تم اپنے پروردگار اللہ پر ایمان لائے ہو —— یعنی اس سے بڑی دشمنی اور ظلم کیا ہوگا؟ پھر بھی تم ایسوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتے ہو!

﴿ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ ﴾: اگر تم اپنے گھروں سے نکلے ہو میرے راستہ میں لڑنے کے لئے، اور میری خوشنودی حاصل کرنے کے لئے —— یعنی مکہ والے تو تمہارے دشمن ہیں، انہی کے ساتھ تمہاری لڑائی ہے، پھر انہی دشمنوں کے ساتھ دوستی گانٹھنے کا کیا مطلب؟ کیا ان کو راضی کر کے اللہ کو ناراض کرنا چاہتے ہو؟

﴿ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۖ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ﴾: تم چپکے سے ان کی طرف دوستی (نامہ) بھیجتے ہو، حالانکہ میں خوب جانتا ہوں ان باتوں کو جو تم چھپا کر کرتے ہو، اور ان باتوں کو جو تم علانیہ کرتے ہو —— یعنی اللہ سے کیا بات چھپی ہے؟ دیکھو تم نے خفیہ نامہ روانہ کیا، مگر اللہ نے اپنے رسول کو مطلع کر دیا، پس یہ تم نے حماقت کی یا نہیں؟

﴿ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝ ﴾: اور جو شخص تم میں سے یہ حرکت کرے گا وہ یقیناً راہ راست سے بھٹک گیا —— یہ حرکت: یعنی دشمن سے ساز باز..... سیدھے راستہ: یعنی جنت کے راستہ سے..... بھٹک گیا: یعنی اب جائے گا سیدھا جہنم میں!

﴿ اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اگر ان (کفار) کو تم پر دسترس حاصل ہو جائے تو وہ تمہارے دشمن ہونگے، اور تمہاری طرف بدنیتی سے دست درازی اور زبان درازی کریں گے، اور تمنا کریں گے کہ تم کافر ہو جاؤ —— یعنی ان کافروں سے بحالتِ موجودہ کسی بھلائی کی امید مت رکھو، خواہ تم کتنی ہی رواداری اور دوستی کا اظہار کرو گے وہ کبھی مسلمانوں کے خیر خواہ نہیں ہو سکتے، باوجود انتہائی رواداری کے اگر تم پر ان کا قابو ہو جائے تو کسی قسم کی برائی اور دشمنی سے درگذر نہ کریں، زبان سے ہاتھ سے ہر طرح ایذاء پہنچائیں، اور یہ چاہیں کہ جیسے خود صداقت کے منکر ہیں کسی طرح تم کو بھی منکر بنا ڈالیں، کیا ایسے شریر اور بدباطن اس

لائق ہیں کہ ان کو دوستانہ پیغام بھیجا جائے؟ (فوائد)

﴿لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝﴾: ترجمہ: ہرگز تمہارے کام نہیں آئیں گے تمہارے رشتہ دار اور نہ تمہاری اولاد قیامت کے دن، جدائی کر دیں گے اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان، اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب جانتے ہیں ـــــ یعنی حاطب ؓ نے وہ خط اپنے اہل وعیال کی خاطر لکھا تھا، اس پر تنبیہ فرمائی کہ اولاد اور رشتہ دار قیامت کے دن کچھ کام نہ آئیں گے، کیونکہ وہ کافر ہیں، اللہ تعالیٰ تمہارے اور ان کے درمیان جدائی کر دیں گے، ان کو جہنم رسید کریں گے اور تمہیں جنت نشیں! پھر ایسے ناہنجاروں (نالائقوں) کے لئے اپنی آخرت کیوں برباد کرتے ہو ـــــ دوسرا ترجمہ: اللہ فیصلہ فرمائیں گے، تمہارے لئے جنت کا اور ان کے لئے جہنم کا، پھر تم ان کی خاطر اپنی آخرت کیوں تباہ کر رہے ہو۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۡ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاۗءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝ ع

قَدْ كَانَتْ	بالتحقیق تھا	فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ	ابراہیم میں	لِقَوْمِهِمْ	اپنی برادری سے
لَكُمْ	تمہارے لئے	وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ	اور ان میں جو ان کے	اِنَّا بُرَءٰٓؤُا(۲)	بے شک ہم بیزار ہیں
اُسْوَةٌ(۱)	نمونہ		ساتھ ہیں	مِنْكُمْ	تم سے
حَسَنَةٌ	اچھا	اِذْ قَالُوْا	جب کہا انھوں نے	وَمِمَّا	اور ان سے جن کو

(۱) أسوة: نمونۂ عمل، چال، ڈھنگ، نمونہ اچھا بھی ہوتا ہے اور برا بھی، منفعت رساں بھی، اور مضرت رساں بھی (راغب)
(۲) بُرَآءُ: بَرِیٌّ کی جمع، جیسے ظَرِیف کی جمع ظُرَفاء: بیزار، بے تعلق۔

تَعْبُدُوْنَ	تم پوجتے ہو	لَكَ	تیرے لئے	وَاغْفِرْ لَنَا	اور بخش دیں آپ ہمیں
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ سے ورے	وَمَآ اَمْلِكُ	اور نہیں مالک ہوں میں	رَبَّنَا	اے ہمارے ربّ!
كَفَرْنَا بِكُمْ (١)	اظہارِ بےتعلقی کرتے	لَكَ	تیرے لئے	اِنَّكَ اَنْتَ	بے شک آپ ہی
	ہیں ہم تم سے	مِنَ اللّٰهِ	اللہ سے	الْعَزِيْزُ	زبردست
وَبَدَا	اور ظاہر ہوئی	مِنْ شَيْءٍ	کسی چیز کا	الْحَكِيْمُ	حکمت والے ہیں
بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ	ہمارے اور تمہارے درمیان	رَبَّنَا	اے ہمارے ربّ!	لَقَدْ كَانَ	بخدا! تحقیق تھا
الْعَدَاوَةُ	دشمنی	عَلَيْكَ	آپ پر	لَكُمْ فِيْهِمْ	تمہارے لئے ان میں
وَالْبَغْضَآءُ	اور بیر (شدید دشمنی)	تَوَكَّلْنَا	بھروسہ کیا ہم نے	اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ	اچھا نمونہ
اَبَدًا	ہمیشہ کے لئے	وَاِلَيْكَ	اور آپ کی طرف	لِّمَنْ كَانَ	اس کے لئے جو ہے
حَتّٰى تُؤْمِنُوْا	یہاں تک کہ ایمان لاؤ تم	اَنَبْنَا	متوجہ ہوئے ہم	يَرْجُوا اللّٰهَ	امید رکھتا اللہ کی
بِاللّٰهِ	اللہ پر	وَاِلَيْكَ	اور آپ کی طرف	وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ	اور آخری دن کی
وَحْدَهٗ	اکیلے	الْمَصِيْرُ	لوٹنا ہے	وَمَنْ	اور جو
اِلَّا قَوْلَ	مگر بات	رَبَّنَا	اے ہمارے رب!	يَّتَوَلَّ (٢)	منہ پھیرے گا
اِبْرٰهِيْمَ	ابراہیم کی	لَا تَجْعَلْنَا	نہ بنائیں آپ ہمیں	فَاِنَّ اللّٰهَ	پس بے شک اللہ تعالیٰ
لِاَبِيْهِ	اپنے باپ سے	فِتْنَةً	آزمائش	هُوَ الْغَنِيُّ	ہی بے نیاز
لَاَسْتَغْفِرَنَّ	ضرور معافی مانگوں گا میں	لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا	کافروں کے لئے	الْحَمِيْدُ	ستودہ صفات ہیں

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت کی، پھر اپنی قوم کی طرف منہ نہیں کیا، تم بھی وہی کرو

اب نصیحت کرتے ہیں کہ تمہارے لئے بہترین نمونہ ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھی ہیں، تم ملتِ ابراہیمی پر رہو، تمہارے لئے ان سے بہتر کوئی اسوہ نہیں ہوسکتا، ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں نے اپنی قوم سے علاحدگی اختیار کرلی تھی، اور بیزاری ظاہر کردی تھی، صاف کہہ دیا تھا کہ تم اللہ کے منکر ہو، اس لئے جب تک شرک چھوڑ کر ایک اللہ کی بندگی نہیں کروگے ہمارا تمہارا کچھ تعلق نہیں، ہم تم سے اظہارِ بےتعلقی کرتے ہیں، اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے

(۱) كَفَرَ بِه: بےتعلقی کا اظہار کرنا (۲) يتول: مضارع مجزوم جب تَوَلّٰى: عن کے ساتھ متعدی ہو، خواہ عن مذکور ہو یا پوشیدہ تو منہ پھیرنے اور نزدیکی چھوڑنے کے معنی ہوتے ہیں، یہاں عن: محذوف ہے۔

لئے عداوت کھلی ہے، ہاں تم شرک چھوڑ کر ایک اللہ کے بندے بن جاؤ تو پھر ہم اور تم ایک ہیں۔

﴿ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۫ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاۗءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ ﴾:

ترجمہ: واقعہ یہ ہے کہ تمہارے لئے ابراہیمؑ میں اور ان لوگوں میں جو ان کے ساتھ تھے ایک عمدہ نمونہ ہے، جب انھوں نے اپنی قوم سے کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو: بیزار ہیں، ہم تم سے بے تعلق ہیں، اور ہم میں اور تم میں ہمیشہ کے لئے عداوت اور بغض ظاہر ہو گیا، جب تک تم ایک اللہ پر ایمان نہ لاؤ۔

ابراہیم علیہ السلام نے باپ سے جو استغفار کا وعدہ کیا تھا وہ قطع تعلق کے منافی نہیں

جب ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت کی تو باپ سے یہ کہہ کر چلے تھے کہ میں آپ کے لئے استغفار کرتا رہوں گا، مگر استغفار کو قبول کروانا میرے اختیار میں نہیں یعنی تو کفر پر مرا تو میں تجھے بخشوا نہیں سکتا: یہ وعدہ قطع تعلق کے منافی نہیں، اس استغفار کا حاصل طلبِ ہدایت ہے، اور کافر کی حیات میں ایسی دعا ہر شخص کر سکتا ہے، شاید کسی کو غلط فہمی ہو اس لئے یہ استثناء فرمایا، پھر جب ان کا باپ کفر پر مرا تو آپؑ اس سے بے تعلق ہو گئے [التوبۃ ۱۱۴]

﴿ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ ﴾

ترجمہ: لیکن ابراہیمؑ کی اتنی بات تو اپنے باپ سے ہوئی تھی کہ میں تمہارے لئے استغفار ضرور کروں گا، اور تمہارے لئے مجھ کو خدا کے آگے کسی بات کا اختیار نہیں (تھانویؒ)

فائدہ: مستثنیٰ بظاہر دو چیزیں ہیں: (۱) میں ضرور استغفار کروں گا (۲) مجھے کوئی اختیار نہیں ــــ لیکن مجموعہ کا استثناء پہلے جزء کے اعتبار سے ہے، اور دوسرا جزء تبعاً آ گیا ہے (بیان القرآن)

ابراہیم علیہ السلام اور مؤمنین کی دو دعائیں، انبیاء کی دعاؤں میں بھی تعلیم ہوتی ہے

ابراہیم علیہ السلام نے اور ان کے ساتھیوں نے دو دعائیں کیں، ان میں بھی اس امت کے مؤمنین کے لئے سبق ہے، ان کو بھی یہ دعائیں کرنی چاہئیں:

پہلی دعا: الٰہی! ہم سب کو چھوڑ کر تجھ پر بھروسہ کرتے ہیں، اور ہم قوم سے ٹوٹ کر تیری طرف رجوع ہوتے ہیں، اور ہم خوب جانتے ہیں کہ سب کو پھر کر آپ ہی کے پاس آنا ہے۔

دوسری دعا: الٰہی! ہمیں کافروں کا تختۂ مشق مت بنا، وہ ہم پر ظلم وستم کے پہاڑ نہ توڑیں، اور الٰہی! ہماری کوتاہیوں کو معاف فرما، ہماری تقصیرات سے درگذر فرما! آپ زبردست حکمت والے ہیں، آپ کے دستِ قدرت میں سب کچھ ہے، ہمیں دشمنوں کے مقابلہ میں مغلوب ومقہور نہ ہونے دے!

﴿ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ۝ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ ﴾

ترجمہ: (۱) اے ہمارے پروردگار! ہم آپ پر بھروسہ کرتے ہیں، اور آپ کی طرف رجوع کرتے ہیں، اور آپ ہی کی طرف لوٹنا ہے (۲) اے ہمارے پروردگار! ہمیں کافروں کا تختۂ مشق مت بنا، اور ہمارے گناہ بخش دے، اے ہمارے پروردگار! بے شک آپ ہی زبردست حکمت والے ہیں۔

ترغیب کے ساتھ ترہیب بھی

گذشتہ نصیحت: جس میں ترغیب تھی: اس کے ساتھ ترہیب (دھمکی) کو ملا کر بحث ختم کرتے ہیں۔

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ ۚ وَمَن يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ۝ ﴾

ترجمہ: بخدا! واقعہ یہ ہے کہ ان لوگوں میں —— ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں میں —— تمہارے لئے عمدہ نمونہ ہے ایسے شخص کے لئے جو اللہ کی اور آخری دن کی امید رکھتا ہے —— یہ ترغیب ہے —— اور جو روگردانی کرے گا تو اللہ تعالیٰ بے نیاز سزاوارِ حمد ہیں —— یہ ترہیب ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا طرز اپناؤ، اگر اس کے خلاف چلوگے اور دشمنوں سے دوستانہ گانٹھوگے تو خود نقصان اٹھاؤگے، اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑوگے، وہ بے نیاز اور تمام خوبیوں کے مالک ہیں۔

عَسَى اللَّهُ أَن يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِينَ عَادَيْتُم مِّنْهُم مَّوَدَّةً ۚ وَاللَّهُ قَدِيرٌ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝ إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَلَىٰ إِخْرَاجِكُمْ أَن تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝

عَسَی اللّٰهُ[1]	ہوسکتا ہے اللہ	عَنِ الَّذِیْنَ	ان لوگوں سے جو	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
اَنْ یَّجْعَلَ	کہ کردیں	لَمْ یُقَاتِلُوْكُمْ	نہیں لڑتے تم سے	عَنِ الَّذِیْنَ	ان لوگوں سے جو
بَیْنَكُمْ[2]	تمہارے درمیان	فِی الدِّیْنِ	دین میں	قٰتَلُوْكُمْ	لڑے تم سے
وَبَیْنَ الَّذِیْنَ	اور ان کے درمیان	وَلَمْ یُخْرِجُوْكُمْ	اور نہیں نکالا تم کو	فِی الدِّیْنِ	دین میں
عَادَیْتُمْ	دشمنی ہے تمہاری	مِّنْ دِیَارِكُمْ	تمہارے گھروں سے	وَاَخْرَجُوْكُمْ	اور نکالا تم کو
مِّنْهُمْ[3]	ان سے	اَنْ تَبَرُّوْهُمْ[4]	کہ حسن سلوک کرو تم	مِّنْ دِیَارِكُمْ	تمہارے گھروں سے
مَّوَدَّةً	محبت		ان سے	وَ ظٰهَرُوْا[5]	اور ایک دوسرے کی
وَ اللّٰهُ	اور اللہ	وَتُقْسِطُوْٓا	اور انصاف کا معاملہ کرو		مدد کی
قَدِیْرٌ	قدرت والے ہیں	اِلَیْهِمْ	ان کے ساتھ	عَلٰٓی اِخْرَاجِكُمْ	تمہارے نکالنے میں
وَاللّٰهُ	اور اللہ	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	اَنْ تَوَلَّوْهُمْ[6]	کہ دوستی کرو تم ان سے
غَفُوْرٌ	بڑے بخشنے والے	یُحِبُّ	پسند کرتے ہیں	وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ	اور جو دوستی کرے گا
رَّحِیْمٌ	بڑے مہربان ہیں	الْمُقْسِطِیْنَ	انصاف کرنے والوں کو		ان سے
لَا یَنْهٰكُمُ	نہیں روکتے تم کو	اِنَّمَا	اس کے سوا نہیں	فَاُولٰٓئِكَ هُمُ	پس وہی لوگ
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	یَنْهٰكُمُ	روکتے ہیں تم کو	الظّٰلِمُوْنَ	گنہگار ہیں

مکہ والوں سے ترکِ موالات چند دن کے لئے ہے

مکہ والوں سے ترکِ موالات کا حکم مہاجرین پر بھاری تھا، اس لئے اب امید کی کرن دکھاتے ہیں کہ اللہ کی قدرت سے کچھ بعید نہیں کہ تمہارے بدترین دشمن: مسلمان ہوجائیں، اور تمہارے اور ان کے درمیان دوستانہ تعلقات قائم ہوجائیں، چنانچہ فتح مکہ کے بعد ایسا ہی ہوا، مکہ کے سب لوگ مسلمان ہوگئے، اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ایک دوسرے پر جان چھڑکنے لگے، مگر فی الحال ترک موالات پر مضبوطی سے عمل ضروری ہے، اور کسی سے کوئی غلطی ہوگئی تو وہ اللہ سے معافی مانگے، اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے بڑے مہربان ہیں۔

(۱) عسی: فعل مقارب: امید ورجاء کے لئے ہے، اللہ: اس کا اسم ہے، اور جملہ أن یجعل خبر ہے (۲) بینکم: ظرف مستقر ہوکر جعل کا مفعول ثانی اور مودۃ: مفعولِ اول ہے (۳) منھم: ظرف مستقر ہوکر حال ہے (۴) جملہ أن تبروھم: بدل ہے جملہ لم یقاتلوکم سے (۵) ظاھر مظاھرۃ: ایک دوسرے کی مدد کرنا (۶) أن تولوھم: الذین سے بدل ہے۔

﴿ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ؕ وَ اللّٰهُ قَدِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ تم میں اور ان لوگوں میں جن سے تمہاری دشمنی ہے: دوستی کردیں گے، اور اللہ کو بڑی قدرت ہے، اور اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے، بڑے رحم والے ہیں۔

جو کافر مسلمانوں کے ساتھ برسرِ پیکار نہیں ان کے ساتھ رواداری جائز ہے

مکہ میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو مسلمان نہیں ہوئے تھے، مگر مسلمانوں سے ان کو ضد اور پُرخاش بھی نہیں تھی، نہ دین کے معاملہ میں مسلمانوں سے لڑے، نہ ان کو ستانے اور شہر بدر کرنے میں ظالموں کے مددگار بنے، اس قسم کے کافروں کے ساتھ نرمی، رواداری اور انصاف کا برتاؤ جائز ہے، اسلام کی تعلیم یہ نہیں کہ سب کافروں کو ایک لاٹھی سے ہانکا جائے، ایسا کرنا حکمت وانصاف کے خلاف ہوگا، ضروری ہے کہ معاند ومسالم میں فرق کیا جائے، ہاں ظالموں سے جو دوستانہ برتاؤ کرے وہ قابل مؤاخذہ ہے، ایسا شخص سخت گنہ گار ہے۔

﴿ لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَ ظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہیں ان لوگوں سے نہیں روکتے جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے، اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا کہ ان کے ساتھ حسنِ سلوک اور انصاف کرو، بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں —— اللہ تعالیٰ تمہیں انہیں لوگوں سے روکتے ہیں جو تم سے دین کے بارے میں لڑے ہیں، اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے کہ ان سے دوستی کرو، اور جو ایسوں سے دوستی کرے گا وہی گنہگار ہے!

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ؕ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ؕ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ وَاِنْ فَاتَكُمْ

شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	وَاٰتُوْهُمْ	اور دو تم ان کو	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
اٰمَنُوْٓا	ایمان لائے	مَّآ اَنْفَقُوْا	جو خرچ کیا انھوں نے	عَلِيْمٌ	خوب جاننے والے
اِذَا جَآءَكُمُ	جب آئیں تمہارے پاس	وَلَا جُنَاحَ	اور نہیں کچھ گناہ	حَكِيْمٌ	حکمت والے ہیں
الْمُؤْمِنٰتُ	مسلمان عورتیں	عَلَيْكُمْ	تم پر	وَاِنْ فَاتَكُمْ	اور اگر تمہارے ہاتھ
مُهٰجِرٰتٍ	وطن چھوڑ کر	اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ	کہ نکاح کروان سے		سے نکل جائیں
فَامْتَحِنُوْهُنَّ	پس جانچ لو ان کو	اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ	جب دو تم ان کو	شَيْءٌ	کچھ
اَللّٰهُ اَعْلَمُ	اللہ خوب جانتے ہیں	اُجُوْرَهُنَّ	ان کی اجرت	مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ	تمہاری بیویوں میں سے
بِاِيْمَانِهِنَّ	ان کے ایمان کو	وَلَا تُمْسِكُوْا	اور نہ تھامے رہو تم	اِلَى الْكُفَّارِ	کافروں کی طرف
فَاِنْ	پس اگر	بِعِصَمِ(۱)	عصمتیں	فَعَاقَبْتُمْ(۳)	پس نمبر آئے تمہارا
عَلِمْتُمُوْهُنَّ	جانو تم ان کو	الْكَوَافِرِ(۲)	کافر عورتوں کی	فَاٰتُوا الَّذِيْنَ	تو دو ان کو جو
مُؤْمِنٰتٍ	ایماندار	وَسْئَلُوْا	اور مانگ لو تم	ذَهَبَتْ	جاتی رہیں
فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ	پس نہ لوٹاؤ ان کو	مَآ اَنْفَقْتُمْ	جو خرچ کیا تم نے	اَزْوَاجُهُمْ	ان کی بیویاں
اِلَى الْكُفَّارِ	کافروں کی طرف	وَلْيَسْئَلُوْا	اور چاہئے کہ مانگیں وہ	مِّثْلَ	جتنا
لَا هُنَّ	نہ وہ عورتیں	مَآ اَنْفَقُوْا	جو خرچ کیا انھوں نے	مَآ اَنْفَقُوْا	انھوں نے خرچ کیا ہے
حِلٌّ لَّهُمْ	حلال ہیں ان کے لئے	ذٰلِكُمْ	یہ	وَاتَّقُوا اللّٰهَ	اور ڈرو اللہ سے
وَلَا هُمْ	اور نہ وہ کافر	حُكْمُ اللّٰهِ	اللہ کا فیصلہ ہے	الَّذِيْٓ اَنْتُمْ	تم
يَحِلُّوْنَ	حلال ہیں	يَحْكُمُ	فیصلہ کرتے ہیں وہ	بِهٖ	جس کا
لَهُنَّ	ان عورتوں کے لئے	بَيْنَكُمْ	تمہارے درمیان	مُؤْمِنُوْنَ	یقین کرنے والے ہو

(۱) عِصَم: عِصْمَة کی جمع: ناموس، اصل معنی رسّی اور مجازی معنی عقدِ نکاح (۲) الکوافر: الکافرۃ کی جمع (۳) عاقب معاقبۃ: سزا دینا، نوبت آنا، غنیمت پانا۔

ترک موالات اس حد تک ضروری تھا کہ جن مسلمانوں کے نکاح میں کافر عورتیں تھیں ان کو حکم دیا گیا کہ وہ ان کو چھوڑ دیں

یہ عنوان آیت کا ماقبل سے ربط ہے، اور وہ آیت میں ضمنی مضمون ہے، مگر ماقبل سے مربوط ہے۔ دشمنوں سے ترکِ موالات اس حد تک ضروری تھا کہ جن صحابہ کے نکاح میں کافر عورتیں تھیں ان کو حکم دیا کہ وہ ان کو چھوڑ دیں، گھر میں کافر عورت ہوگی تو کوئی راز: راز نہیں رہے گا، اور راز افشاء ہوجائے گا تو کامیابی کیسے ملے گی، جیسے آج کل عرب اسلامی حکومتوں کے امراء کے گھروں میں عیسائی یا یہودی لڑکی بیٹھی ہوئی ہے، اور لڑ بھی انھیں سے رہے ہیں، اس لئے ان کا ہر راز فاش ہوجاتا ہے، اور محنت پر پانی پھر جاتا ہے، وہ کہتے ہیں: اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح جائز ہے۔ بے شک جائز ہے، مگر ہر جائز کام کرنے کا نہیں ہوتا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے طلاق خواہ مخواہ نہیں دلوائی تھی، اور حضرت صلاح الدین ایوبیؒ کی کامیابی کا راز یہی تو تھا کہ انھوں نے کسی عیسائی لڑکی کو حرم میں گھسنے نہیں دیا، اور امراء پر بھی سختی کی، اس لئے فتح نے ان کے قدم چومے!

صلح حدیبیہ کا اطلاق عورتوں پر نہیں ہوا

صلح حدیبیہ میں ایک شرط یہ تھی کہ جو شخص مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ جائے گا: اس کو واپس کیا جائے گا، چنانچہ کئی حضرات حدیبیہ اور مدینہ سے واپس کئے گئے، پھر وہیں حدیبیہ میں چند خواتین آئیں، ان کے متعلقین ان کو لینے کے لئے آئے تو یہ آیت نازل ہوئی، اور مشرکین سے کہہ دیا گیا کہ عورتوں پر صلح کا اطلاق نہیں ہوتا، انھوں نے مان لیا، البتہ حکم دیا کہ ان عورتوں کو جانچا جائے، واقعی وہ مسلمان ہوکر آئی ہیں؟ اس کے لئے آئندہ آیت نازل ہوئی جو عورت بیعت کی ان دفعات کا اقرار کرتی اس کو مسلمان سمجھا جاتا، اور اس کا مہر کفار کو واپس کیا جاتا۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ﴾: اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کرکے آئیں تو ان کا امتحان لو ﴿اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ﴾: اللہ تعالیٰ ان کے ایمان کو خوب جانتے ہیں —— یعنی امتحان سے حقیقی حالت تو معلوم نہیں ہوتی، وہ تو اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں، بندوں کو تو حکم یہ ہے کہ ظاہر پر حکم دائر کریں: ﴿فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ﴾: پس اگر تم ان کو مسلمان سمجھو تو ان کو کفار کی طرف مت لوٹاؤ —— کیونکہ صلح کا اطلاق عورتوں پر نہیں ہوتا، نیز: ﴿لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ﴾: وہ مسلمان عورتیں اُن کفار کے لئے حلال نہیں، اور نہ وہ کفار ان مسلمان عورتوں کے لئے حلال ہیں —— پس وہ عورتیں

ان کافروں کے گھر حرام میں پڑیں گی ﴿ وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا ﴾: اوران کو دیدو جوانھوں نے خرچ کیا ہے ــــ یعنی ان کا مہر ان کے شوہروں کو پھیر دو: ﴿ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ﴾: اور تم پر کچھ گناہ نہیں کہ ان عورتوں سے نکاح کرو، جب تم ان کو ان کے مہر دو ــــ یعنی نکاح کرنے والا مسلمان ایک تو کافر شوہر کا مہر لوٹائے، دوسرا: عورت کو نیا مہر دے کر نکاح میں لائے: ﴿ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ﴾: اور تم کافر عورتوں کے تعلقات باقی مت رکھو ــــ یعنی تمہاری جو عورتیں کافر ہیں ان کو طلاق دیدو ــــ اور مانگ لو جو تم نے خرچ کیا ہے ــــ یعنی جو مہر دیا ہے وہ نکاح کرنے والے کافر سے لے لو ــــ اور چاہئے کہ وہ کافر بھی مانگ لیں جو کچھ انھوں نے خرچ کیا ہے ــــ یہی انصاف اور برابری ہے، جب یہ حکم اترا تو مسلمان تیار ہوئے دینے کو بھی اور لینے کو بھی، مگر کفار لینے کو تو تیار ہو گئے دینا قبول نہ کیا: ﴿ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ۭ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۱۰ ﴾: یہ اللہ کا فیصلہ ہے، وہ تمہارے درمیان فیصلہ کرتے ہیں ــــ یعنی اُن عورتوں کو واپس نہیں کیا جائے گا، ہاں ان کا مہر لوٹایا جائے گا، اور تمہاری کافر عورتوں کو بھی چھوڑ دیا جائے گا، یہ سب اللہ کے فیصلے ہیں ــــ اور اللہ خوب جاننے والے حکمت والے ہیں۔

﴿ وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝۱۱ ﴾

ترجمہ: اور اگر تمہاری کوئی بیوی تمہارے ہاتھ سے نکل کر کافروں کے پاس پہنچ جائے ــــ اور وہ اس کا مہر واپس نہ کرے ــــ پھر تمہاری باری آئے ــــ یعنی کسی مسلمان عورت کا مہر واپس کرنے کا موقع آئے یا غنیمت حاصل ہو ــــ تو جن کی بیویاں ہاتھ سے نکل گئی ہیں: جتنا انھوں نے خرچ کیا ہے اس کے برابر تم ان کو دیدو ــــ اور باقی بچے وہ کافر شوہر کو دیدو، مثلاً ہزار دینا ہے اور پانچ سو لینا ہے، تو وہ پانچ سو مسلمان کو دیدو، اور باقی پانچ سو کافر شوہر کو دیدو ــــ اور اللہ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو ــــ اللہ اکبر! کس قدر عدل وانصاف ہے، لیکن اس پر کار بند وہی ہوگا جس کے دل میں اللہ کا ڈر ہے، اور اس پر ٹھیک ٹھیک ایمان رکھتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَاۗءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓي اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـــًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ۭ اِنَّ

اللهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ﴿۱۳﴾

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ	اے پیغمبر	بِبُهْتَانٍ	بہتان (افترا)	يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے لوگو جو
اِذَا جَآءَكَ	جب آئیں آپ کے پاس	يَّفْتَرِيْنَهٗ	جس کو وہ گھڑ رہی ہوں	اٰمَنُوْا	ایمان لائے
الْمُؤْمِنٰتُ	مسلمان عورتیں	بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ	اپنے ہاتھوں کے سامنے	لَا تَتَوَلَّوْا	نہ دوستی کرو
يُبَايِعْنَكَ	بیعت کر رہی ہیں آپ سے	وَاَرْجُلِهِنَّ	اور اپنے پیروں کے سامنے	قَوْمًا	ان لوگوں سے
عَلٰۤى اَنْ	اس بات پر کہ	وَلَا يَعْصِيْنَكَ	اور نافرمانی نہیں کریں	غَضِبَ اللهُ	غضبناک ہیں اللہ
لَّا يُشْرِكْنَ	نہیں شریک کریں گی وہ		گی آپؐ کی	عَلَيْهِمْ	ان پر
بِاللهِ	اللہ کے ساتھ	فِيْ مَعْرُوْفٍ	جائز کام میں	قَدْ يَئِسُوْا	تحقیق آس توڑے
شَيْـًٔا	کسی چیز کو	فَبَايِعْهُنَّ	پس ان کو بیعت کرلیں		ہوئے ہیں
وَّلَا يَسْرِقْنَ	اور چوری نہیں کریں گی	وَاسْتَغْفِرْ	اور مغفرت طلب کریں	مِنَ الْاٰخِرَةِ	آخرت سے
وَلَا يَزْنِيْنَ	اور بدکاری نہیں کریں گی	لَهُنَّ اللهَ	ان کے لئے اللہ سے	كَمَا يَئِسَ	جیسا آس توڑے ہوئے ہیں
وَلَا يَقْتُلْنَ	اور قتل نہیں کریں گی	اِنَّ اللهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	الْكُفَّارُ	کفار
اَوْلَادَهُنَّ	اپنی اولاد کو	غَفُوْرٌ	بڑے گناہ بخشنے والے	مِنْ اَصْحٰبِ	قبر والوں سے
وَلَا يَاْتِيْنَ	اور نہیں لائیں گی وہ	رَّحِيْمٌ	بڑے مہربان ہیں	الْقُبُوْرِ	

مسلمان عورتوں کو جو ہجرت کر کے آئیں: جانچنے کا طریقہ

ربط: پہلے فرمایا تھا کہ مسلمان عورتوں کی جو ہجرت کر کے آئیں جانچ کی جائے، اس آیت میں جانچ کا طریقہ بیان کیا ہے، آیت میں چھ باتیں ہیں، جو عورت ان باتوں کا اقرار کرے اسے مسلمان سمجھا جائے۔

آیتِ بیعت: یہ آیت: آیت بیعت کہلاتی ہے، صحابہ نے نبی ﷺ سے مختلف بیعتیں کی ہیں، اس آیت میں جس بیعت کا ذکر ہے وہ ''بیعتِ سلوک'' ہے، بیعتِ سلوک: گناہوں سے بچنے اور نوافل اعمال کر کے جنت کے بلند درجات حاصل کرنے کے لئے ہے، نجات اخروی کے لئے یہ بیعت ضروری نہیں، ضروری ہوتی تو تمام صحابہ وصحابیات یہ بیعت کرتے، آخرت میں نجات کے لئے ایمانِ صحیح اور اعمالِ صالحہ کافی ہیں، اور جاہلوں کا جو خیال ہے کہ پیر کے بغیر نجات نہیں

ہوسکتی: یہ بات صحیح نہیں۔

بیعتِ سلوک کے تعلق سے مختلف نظریے:

جاننا چاہئے کہ بیعتِ سلوک کے تعلق سے دنیا میں تین نظریے پائے جاتے ہیں:

پہلا نظریہ: غیر مقلدین، سلفیوں، نجدیوں اور مودودیوں کا ہے، ان کے نزدیک بیعتِ سلوک بے اصل ہے، اس کا کوئی ثبوت نہیں، بلکہ مودودی صاحب نے تو اس کو چھنیا بیگم کہا ہے، چھنیا بیگم افیم کو کہتے ہیں۔

دوسرا نظریہ: بریلویوں کا ہے، وہ کہتے ہیں: آخرت میں نجات کے لئے بیعت ضروری ہے، اور جس کا کوئی پیر نہیں: اس کا پیر شیطان ہے، بلکہ ان کے جاہل تو کہتے ہیں: گونگے پیر (قرآنِ کریم) سے نجات نہیں ہوگی، بولتا پیر (زندہ پیر) چاہئے۔

تیسرا نظریہ: علمائے دیوبند کا ہے، وہ کہتے ہیں: بیعتِ سلوک کا قرآن وحدیث سے ثبوت ہے، مگر نجات اخروی کے لئے بیعت ضروری نہیں۔ نجات کا مدار ایمانِ صحیح اور اعمالِ صالحہ پر ہے۔ البتہ بیعتِ سلوک کے دو بڑے فائدے ہیں:

ایک: بیعت نوافل اعمال میں زیادتی اور اس کے ذریعہ جنت میں بلند درجات حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ آدمی خود بھی نوافل اعمال کرسکتا ہے مگر تجربہ یہ ہے کہ وہ کامیاب نہیں ہوتا اگر خود کو کسی کے سپرد کردے تو یہ مقصد آسانی سے حاصل ہوسکتا ہے۔

دوسرا: بیعت کے ذریعہ باطن کی صفائی کی جاسکتی ہے، جس طرح ہمارا ظاہر میلا ہوتا ہے اور اس کو صاف کرنا پڑتا ہے، اسی طرح باطن بھی میلا ہوتا ہے اور اس کی صفائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ باطن کا میل اخلاق رذیلہ ہیں جس کی صفائی آنحضور ﷺ کا فرضِ منصبی تھا، سورۃ البقرۃ (آیت ۱۲۹) میں آنحضور ﷺ کے چار فرائض بیان کئے گئے ہیں، ان میں سے ایک: ﴿یُزَکِّیْھِمْ﴾: ہے یعنی مسلمانوں کے باطن کو صاف کرنا اور ان کو اخلاق حسنہ سے آراستہ کرنا، اور آپ کا ارشاد ہے: بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْأَخْلَاقِ: میری بعثت اخلاق حسنہ کی تعلیم کے لئے ہوئی ہے، یہ مقصد بھی بیعت ہی کے ذریعہ سے حاصل ہوسکتا ہے۔

بیعتِ سلوک کی دفعات:

بیعتِ سلوک مردوں اور عورتوں کے لئے یکساں ہیں، اور اس کی دفعات میں کمی بیشی ہوسکتی ہے، مثلاً ایک شخص غیبت کرتا ہے، جب اس کو بیعت کریں گے تو کہلوائیں گے کہ میں غیبت نہیں کرونگا، یا کسی جگہ اغلام کی وبا عام ہے، وہاں لوگوں

سے یہ گناہ نہ کرنے کا بھی عہد لیں گے، یا کسی جگہ میت کا ماتم کیا جاتا ہے تو نوحہ نہ کرنے کا عہد بھی عورتوں سے لیں گے، یا کوئی شخص نماز میں سستی کرتا ہے تو جماعت کے ساتھ پابندی سے نماز پڑھنے کا عہد لیں گے —— اس آیت میں بیعتِ سلوک کی چھ دفعات ہیں:

۱- اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا۔ شرک دو ہیں: شرک جلی اور شرک خفی، شرک جلی: شرکِ اکبر ہے، یہ مشرکین کا شرک ہے، اور شرکِ خفی کی بہت سی شکلیں ہیں، مثلاً: قبر کا طواف کرنا، قبروں کو سجدہ کرنا، ان کو چومنا، صاحبِ قبر کی منت ماننا وغیرہ سب شرک کی باتیں ہیں، اور ریا کاری سے بھی عمل خراب ہوجاتا ہے، پس ہر طرح کے شرک سے بچنا ضروری ہے، شرکِ جلی سے بھی اور شرکِ خفی سے بھی۔

۲- چوری نہ کرنا، یہ بیماری مردوں میں بھی ہوتی ہے اور عورتوں میں زیادہ ہوتی ہے۔

۳- زنا سے بچنا، عربوں میں زنا کوئی برائی نہیں تھی، جیسے یورپ اور امریکہ میں یہ کوئی گناہ نہیں، مردوزن باہمی رضامندی سے جو چاہیں کریں، اس لئے بیعت میں اس گناہ سے بچنے کا بھی عہد لیا جائے گا۔

۴- اولاد کو قتل نہ کرنا، قتلِ اولاد کا بھی عربوں میں عام رواج تھا، لڑکوں کو رزق کے ڈر سے قتل کرتے تھے، اور لڑکیوں کو عار کے خوف سے، لڑکی ہوگی تو کسی کو داماد بنانا پڑے گا۔

۶- افتراء کرنا، کسی کا بچہ کسی کی طرف منسوب کرنا، مثلاً: عورت نے زنا کیا، اس سے حمل ٹھہر گیا، تو وہ بچہ شوہر کا کہلائے گا، حالانکہ وہ اس کا نہیں۔

۶- کسی بھی نیک کام میں نافرمانی نہ کرنا، معروف: وہ کام ہے جو شرعاً جائز ہے، اور جو جائز نہیں وہ منکر ہے۔

آیتِ کریمہ: اے نبی! جب مسلمان عورتیں آپؐ کے پاس ان باتوں پر بیعت کرنے کے لئے آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گی، اور چوری نہیں کریں گی، اور بدکاری (زنا) نہیں کریں گی، اور اپنے بچوں کو قتل نہیں کریں گی، اور بہتان کی اولاد نہیں لائیں گی، جس کو انھوں نے اپنے ہاتھوں پیروں کے سامنے گھڑ لیا ہو، اور مشروع باتوں میں آپؐ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کریں گی: تو آپؐ ان کو بیعت کرلیں، اور ان کے لئے اللہ سے گناہوں کی بخشش چاہیں بے شک اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے بڑے رحم والے ہیں۔

فائدہ: قتلِ اولاد کے بہت سے درجات ہیں، پیدا ہونے کے بعد بچہ کو مار ڈالنا، روح پڑنے کے بعد حمل گرادینا، روح پڑنے سے پہلے حمل گرادینا، اور مانع حمل صورتیں اختیار کرنا، مسلم شریف میں عزل کو چپکے سے بچہ کو زندہ درگور کرنا کہا ہے، جب قتل کے درجات مختلف ہیں تو احکام بھی مختلف ہونگے، تفصیل تحفۃ الالمعی (۳:۵۶۹-۵۷۱) میں ہے۔

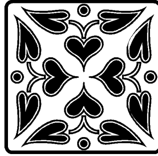
یہود سے بھی موالات کی ممانعت

یہود مغضوب علیہم قوم ہے، سورۃ الفاتحہ: ﴿ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ ﴾ کی تفسیر میں حدیث میں یہود کی مثال دی ہے، اور سورۃ المائدۃ (آیت ۶۰) میں ان کے حق میں: ﴿ غَضِبَ عَلَيْهِ ﴾ آیا ہے، اس لئے اب آخری حکم دیتے ہیں کہ یہود سے بھی دوستی مت کرو، وہ ایسی قوم ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ غضبناک ہیں، اور وہ آخرت سے مایوس ہیں، جیسے کفار مُردوں کی حیاتِ نو سے مایوس ہیں، دونوں میں نقطۂ اشتراکُ مایوسی ہے، اگرچہ مایوسی مختلف ہے، ایک کی عملی ہے دوسرے کی اعتقادی، مگر نتائج دونوں کے ایک ہیں، اور وہ بددینی کی زندگی ہے۔ آج نام نہاد مسلمان بھی بے دھڑک برائیاں کرتے ہیں، کیونکہ وہ بھی آخرت سے مایوس ہیں۔

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ﴿۱۳﴾ ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! ان لوگوں سے دوستی مت کرو جن پر اللہ تعالیٰ غضبناک ہیں —— یعنی یہود سے —— جو آخرت سے مایوس ہو چکے ہیں، جیسے کفار قبر والوں سے مایوس ہو چکے ہیں —— یعنی ان کو امید نہیں کہ قبر سے کوئی اٹھے گا۔

﴿۸ر شعبان ۱۴۳۷ھ = ۱۶ر مئی ۲۰۱۶ء﴾



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الصّف

ربط: گذشتہ سورت کے شروع میں بیان کیا ہے کہ حزب اللہ (اللہ کے لشکر) کی کامیابی کے لئے منفی پہلو سے شرط یہ ہے کہ کوئی بھی مسلمان دشمن سے ساز باز نہ کرے، جاسوسی نہ کرے، راز افشاء نہ کرے ورنہ کامیابی مشکل ہوگی، اب بتلاتے ہیں کہ مثبت پہلو سے شرط یہ ہے کہ اسلامی لشکر سیسہ پلائی ہوئی عمارت کی طرح یک جہت ہوکر اور ڈٹ کر لڑے، تاکہ کوئی رخنہ نہ پڑے، کیونکہ اگر فوجیوں کے قدم اکھڑ گئے تو کامیابی قدم پیچھے ہٹالے گی، اس پوری سورت میں اسی کا ذکر ہے۔

سورت کے مضامین: سورت تقدیس وتمجید کے بیان سے شروع ہوئی ہے، پھر یہ تنبیہ ہے کہ مسلمان کو گفتار کا غازی نہیں ہونا چاہئے، کردار کا غازی بنے، یہ تنبیہ شانِ نزول کے اعتبار سے ہے، پھر بتلایا کہ اللہ کے نزدیک سب سے محبوب عمل جہاد فی سبیل اللہ ہے، اور اسلام عالم گیر مذہب ہے، اس لئے اس کے دشمن بہت ہیں، اس لئے اسلامی جہاد ہمیشہ جاری رہے گا، پھر عموم بعثت کا بیان ہے کہ خاتم النّبیین ﷺ کی نبوت عالم گیر ہے، آپؐ سے پہلے خاص قوم اور خاص علاقہ کے لئے انبیاء مبعوث کئے جاتے تھے، موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کی نبوتیں بھی خاص تھیں، وہ صرف بنی اسرائیل کی طرف مبعوث کئے گئے تھے، دونوں نے بنی اسرائیل کو مخاطب بنایا ہے کہ ہم تمہاری طرف مبعوث کئے گئے ہیں، پھر عمومی بعثت کی بشارت عیسیٰ علیہ السلام نے دی ہے، مگر جب عام بعثت کا دور شروع ہوا، اور خاتم النّبیین ﷺ واضح دلائل (قرآن) کے ساتھ مبعوث ہوئے تو اہل کتاب نے اس کو جادو کہہ دیا، ایمان نہیں لائے، مگر اسلام کا چراغ پھونکوں سے بجھایا نہیں جاسکتا، اس کی روشنی پھیل کر رہی، اس نے تمام ملتوں کو چت کردیا، پھر آخری رکوع میں جہاد کی ترغیب ہے، عربوں کا ذریعۂ معاش کھیتی باڑی اور گلہ بانی نہیں تھا، وہ تجارت پیشہ تھے، اس لئے ان کو بہترین تجارت بتائی، اور وہ جان ومال سے جہاد کرنا ہے، اور فتحِ قریب کی خوش خبری سنائی، پھر آخر میں عیسائیوں کی مثال دی کہ وہ بھی شروع میں تھوڑے تھے، صرف بارہ حواری تھے، اور یہود ان کے دشمن تھے، مگر جب انھوں نے جہاد شروع کیا تو اللہ نے ان کی مدد کی، اور وہ اپنے دشمنوں پر غالب آگئے، یہ مثال اس امت کو سنائی ہے کہ وہ اپنی قلّت کا رونا نہ روئیں، کمر ہمت باندھیں، ہمتِ مرداں مددِ خدا!

سورت کا شانِ نزول: حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: صحابہ کی ایک جماعت نے آپس میں مذاکرہ کیا کہ اگر ہمیں معلوم ہوجائے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عمل کونسا ہے؟ تو ہم اس پر عمل کریں (اور ایک روایت میں ہے کہ بعض نے کہا: اگر ہمیں معلوم ہوجائے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عمل کونسا ہے؟ تو ہم جان ومال کی بازی لگادیں! اور مسند احمد (۵:۴۵۲) میں یہ بھی ہے کہ ان حضرات نے چاہا کہ کوئی صاحب جاکر نبی ﷺ سے یہ بات دریافت کریں، مگر کسی کی ہمت نہ ہوئی) پس اللہ تعالیٰ نے سورۃ الصّف نازل فرمائی (اور آپؐ نے سب کو نام بنام بلایا، اور ان کو یہ سورت پڑھ کر سنائی، جو اسی وقت نازل ہوئی تھی) (ترمذی حدیث ۳۳۰۹ تفسیر سورۃ الصّف)

آیاتہا ۱۴ — (۶۱) سُوْرَةُ الصَّفِّ مَدَنِيَّةٌ (۱۰۹) — رکوعاتہا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۲﴾ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ﴿۴﴾

سَبَّحَ لِلّٰهِ	اللہ کی پاکی بولتا ہے	لِمَ تَقُوْلُوْنَ	کیوں کہتے ہو	يُحِبُّ	پسند کرتے ہیں
مَا فِي السَّمٰوٰتِ	جو کچھ آسمانوں میں ہے	مَا لَا تَفْعَلُوْنَ	جو کرتے نہیں	الَّذِيْنَ	ان کو جو
وَمَا فِي الْاَرْضِ	اور جو کچھ زمین میں ہے	كَبُرَ مَقْتًا	بڑی بیزاری کی بات ہے	يُقَاتِلُوْنَ	لڑتے ہیں
وَهُوَ الْعَزِيْزُ	اور وہ زبردست	عِنْدَ اللّٰهِ	اللہ کے نزدیک	فِيْ سَبِيْلِهٖ	اس کی راہ میں
الْحَكِيْمُ	حکمت والے ہیں	اَنْ تَقُوْلُوْا	کہ کہو	صَفًّا	قطار باندھ کر
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے لوگو جو	مَا لَا تَفْعَلُوْنَ	جو کرو نہیں	كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ	گویا وہ عمارت ہیں
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	مَّرْصُوْصٌ	سیسہ پلائی ہوئی

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عمل جہاد فی سبیل اللہ ہے

سورت کا آغاز تسبیح وتحمید سے ہوا ہے، کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ کی پاکی بیان کرتا ہے کہ وہ بے عیب ہیں، اُن میں کوئی کمی نہیں، یہ تسبیح ہے، اور وہ زبردست حکمت والے ہیں، یہ تحمید ہے یعنی تمام کمالات ان کی ذات میں مجتمع ہیں۔

پھر اُن حضرات سے خطاب ہے جن کا ذکر شانِ نزول کی روایت میں آیا ہے، جنھوں نے مسجدِ نبوی میں بیٹھ کر عہد کیا تھا کہ اگر انہیں معلوم ہو جائے کہ اللہ کو سب سے زیادہ کونسا عمل پسند ہے تو وہ اس کے لئے جان کی بازی لگا دیں گے، ان کو تنبیہ کی ہے کہ یہ بات صرف زبانی جمع خرچ کی حد تک نہیں رہنی چاہئے، آدمی کو ایسی بات نہیں کہنی چاہئے جسے کرے نہیں، آدمی کو چاہئے کہ کردار کا غازی بنے، گفتار کا نہیں، اللہ تعالیٰ کو یہ بات بہت ہی ناپسند ہے کہ آدمی ایک بات کہے اور

اس کو کرے نہیں۔

اس تنبیہ کے بعد بتلایا کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند کرتے ہیں جو اس کے راستہ میں اس طرح صف بستہ لڑتے ہیں جیسے وہ سیسہ پلائی ہوئی عمارت ہیں، جس میں کوئی رخنہ نہیں پڑسکتا، قرآنِ کریم اور احادیث شریفہ میں اس کے علاوہ بھی جہاد کے بے شمار فضائل آئے ہیں، اتنے کہ خواتینِ اسلام کی رال ٹپک گئی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ہم دیکھتے ہیں کہ جہاد کے بہت فضائل ہیں: پس کیا ہم جہاد نہ کریں؟ آپؐ نے فرمایا: **لَا، لٰکِنَّ أفضلَ الجهاد حَجٌّ مَبْرُوْرٌ**: نہیں، تمہارا بہترین جہاد مقبول حج ہے (بخاری حدیث ۱۵۲۰) جہاد بھاری کام ہے، عورتوں کا دل گردہ نہیں کہ وہ یہ کام کرسکیں۔ اس لئے ان کو اس فریضہ سے مستثنیٰ رکھا گیا، اور ان کے لئے متبادل (حج مقبول) تجویز کیا۔

آیاتِ پاک: —— اللہ کی پاکی بیان کرتی ہیں جو چیزیں آسمانوں میں ہیں اور جو چیزیں زمین میں ہیں، اور وہ زبردست حکمت والا ہے۔ اے ایمان والو! تم ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں؟ اللہ کے نزدیک بڑی بیزاری کی بات ہے کہ آدمی وہ بات کہے جو کرے نہیں، بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند کرتے ہیں جو اس کے راستہ میں قطار باندھ کر لڑتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی عمارت ہیں!

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ؕ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ؕ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰٓى اِلَى الْاِسْلَامِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝ ع

وَاِذْ قَالَ	اور جب کہا	مُوْسٰى	موسیٰ نے	لِقَوْمِهٖ	اپنی قوم سے

يٰقَوْمِ	اے میری قوم!	مِنَ التَّوْرٰىةِ	یعنی تورات کی	الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ	ناانصاف لوگوں کو
لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ	کیوں ستاتے ہو مجھ کو	وَمُبَشِّرًاۢ	اور خوشخبری دینے والا	يُرِيْدُوْنَ	چاہتے ہیں وہ (اہل کتاب)
وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ	جبکہ تم جانتے ہو	بِرَسُوْلٍ(۱)	ایک عظیم رسول کی	لِيُطْفِـُٔوْا	کہ بجھادیں
اَنِّيْ رَسُوْلُ	کہ میں رسول ہوں	يَّاْتِيْ	(جو) آئیں گے	نُوْرَ اللّٰهِ	اللہ کی روشنی کو
اللّٰهِ اِلَيْكُمْ	اللہ کا تمہاری طرف	مِنْۢ بَعْدِي	میرے بعد	بِاَفْوَاهِهِمْ	اپنے مونہوں سے
فَلَمَّا زَاغُوْٓا	پس جب ٹیڑھے ہوئے وہ	اسْمُهٗٓ	ان کا نام	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
اَزَاغَ اللّٰهُ	(تو) ٹیڑھا کردیا اللہ نے	اَحْمَدُ(۲)	احمد ہے	مُتِمُّ	پورا کرنے والے ہیں
قُلُوْبَهُمْ	ان کے دلوں کو	فَلَمَّا	پس جب	نُوْرِهٖ	اپنی روشنی کو
وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	جَآءَهُمْ	آئے وہ ان کے پاس	وَلَوْ كَرِهَ	اگرچہ ناپسند کریں
لَا يَهْدِي	نہیں راہ دیتے	بِالْبَيِّنٰتِ	واضح دلائل کے ساتھ	الْكٰفِرُوْنَ	منکرین
الْقَوْمَ	لوگوں کو	قَالُوْا	(تو) کہا انھوں نے	هُوَ الَّذِيْٓ	وہی جنھوں نے
الْفٰسِقِيْنَ	نافرمان	هٰذَا سِحْرٌ	یہ جادو ہے	اَرْسَلَ	بھیجا
وَاِذْ قَالَ	اور جب کہا	مُّبِيْنٌ	کھلا	رَسُوْلَهٗ	اپنے رسول کو
عِيْسَى	عیسیٰ	وَمَنْ اَظْلَمُ	اور کون بڑا ظالم ہے	بِالْهُدٰى	ہدایت کے ساتھ
ابْنُ	بیٹے	مِمَّنِ افْتَرٰى	اس سے جس نے گھڑا	وَدِيْنِ	اور دین کے ساتھ
مَرْيَمَ	مریم نے	عَلَى اللّٰهِ	اللہ پر	الْحَقِّ	سچے
يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ	اے بنی اسرائیل	الْكَذِبَ	جھوٹ	لِيُظْهِرَهٗ	تاکہ اوپر کرے وہ اس کو
اِنِّيْ رَسُوْلُ	بیشک میں رسول ہوں	وَهُوَ يُدْعٰٓى	درانحالیکہ وہ بلایا جاتا ہے	عَلَى الدِّيْنِ	ادیان پر
اللّٰهِ اِلَيْكُمْ	اللہ کا تمہاری طرف	اِلَى الْاِسْلَامِ	اسلام کی طرف	كُلِّهٖ	سارے
مُّصَدِّقًا	تصدیق کرنے والا	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	وَلَوْ كَرِهَ	اگرچہ ناپسند کریں
لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ	اس کی جو میرے سامنے ہے	لَا يَهْدِي	راہ نہیں دیتے	الْمُشْرِكُوْنَ	مشرکین

(۱) رسول کی تنوین تعظیم کے لئے ہے، یعنی عظیم المرتبت رسول (۲) أحمد: أکبر کے وزن پر اسم تفضیل ہے: اللہ کی سب سے زیادہ تعریف کرنے والا، مضارع واحد متکلم نہیں۔

عمومِ بعثت اور یہود ونصاری کا موقف

اسلام ہی آفاقی اور ابدی مذہب ہے، موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کی نبوتیں بنی اسرائیل کے لئے خاص تھیں نبی ﷺ سے پہلے نبوتیں اور رسالتیں خاص ہوتی تھیں، انبیاؤ رسل خاص اقوام اور خاص علاقوں کی طرف مبعوث کئے جاتے تھے، پھر دورِ آخر میں خاتم النّبیین ﷺ مبعوث ہوئے، آپؐ کی نبوت آفاقی تھی، تمام سلسلوں کو آپؐ کی ذات میں سمیٹ لیا گیا، یہاں تک کہ موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کی رسالتیں بھی خاص بنی اسرائیل کے لئے تھیں، دونوں پیغمبروں نے بنی اسرائیل سے خطاب کیا ہے کہ ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ساتھ ہی بنی اسرائیل کو ایک عظیم المرتبت رسول کی خوش خبری بھی سنائی ہے، مگر جب وہ عظیم الشان رسول مبعوث ہوئے اور واضح دلائل (قرآن) کے ساتھ آئے تو یہود ونصاری نے اس کو جادو قرار دیا، اور ایمان نہیں لائے، بلکہ افتراء کیا کہ موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کی نبوتیں ابدی تھیں، حالانکہ وہ جھوٹ تھا، ابدی مذہب تو اسلام ہی ہے، اسی کی ان کو دعوت دی جارہی ہے، مگر اللہ تعالیٰ ناانصافوں کو قبولِ حق کی راہ نہیں دیتے، اب اہل کتاب اللہ کی روشنی کو اپنی پھونکوں سے بجھانا چاہتے ہیں، لیکن جسے اللہ رکھّے اسے کون چکھّے! اللہ کا نور چاردانگ عالم میں پھیل کر رہے گا، بلکہ ان کے گھروں میں بھی گھسے گا، چاہے ان کو کتنا ہی ناگوار ہو، اور مشرکین بھی دین اسلام کی برتری نہیں چاہتے، مگر اسلام تمام ادیان کو چت کر کے رہے گا، اور ان کی ناک خاک آلود ہوگی۔ یہی دو (کفار ومشرکین) اسلام کے دشمن ہیں، اس کے خلاف ریشہ دوانیاں کرتے رہتے ہیں، اس لئے ان سے نمٹنے کے لئے مجاہدین ہر وقت تیار رہیں۔

موسیٰ علیہ السلام کو اپنوں نے ستایا:

یہ تو آیات کا خلاصہ تھا، اب آیات میں جو ضمنی مضامین ہیں ان کو بیان کرتا ہوں، یوں تو سبھی انبیاؤ رسل کو سخت حالات سے گذرنا پڑا ہے، مگر وہ تکالیف مخالفین کی طرف سے تھیں، اس لئے ان کا شکوہ بیکار تھا، اور موسیٰ علیہ السلام کو اپنوں کی طرف سے اذیتیں پہنچتی تھیں، اس لئے آپ نے قوم سے شکوہ کیا: (۱) جب فرعون نے دوسری مرتبہ بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو قوم نے اس کا ردّہ موسیٰ علیہ السلام کے سر رکھا: ﴿قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا﴾: قوم کے لوگ کہنے لگے کہ ہم تو ہمیشہ مصیبت میں رہے، آپ کے آنے سے پہلے بھی اور آپ کے آنے کے بعد بھی [الاعراف ۱۲۹] (۲) میدانِ تیہ میں پہنچے تو بچھڑا بنا کر پوجنے لگے، اور کہنے لگے: یہی موسیٰ کا معبود ہے، وہ اس کو بھول کر طور پر معبود کی تلاش میں گئے ہیں [طٰہٰ ۸۸] (۳) آپ پر شرمناک بیماری کا الزام لگایا، جس سے اللہ نے آپ کو

بری کیا[الاحزاب ۶۹] (۴) حکم آیا کہ عمالقہ سے جہاد کرو، اور بیت المقدس میں جابسو، پس قوم نے کہہ دیا: آپ اور آپ کے خدا جائیں، اور لڑیں، ہم تو یہاں ہی مریں گے [المائدۃ ۲۴] یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام کو دعا کرنی پڑی: ﴿رَبِّ اِنِّیْ لَآ اَمْلِکُ اِلَّا نَفْسِیْ وَاَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ﴾: اے میرے پروردگار! میں اپنا اور اپنے بھائی کا مالک ہوں، پس آپ ہمارے اور نافرمان قوم کے درمیان جدائی کردیجئے [المائدۃ ۲۵] (۵) جعرانہ میں نبی ﷺ نے حنین کی غنیمت تقسیم کی تو ذوالخویصرۃ نے کہا: انصاف سے تقسیم نہیں ہوئی، ابن مسعودؓ نے یہ بات آپؐ کو پہنچائی، آپؐ نے فرمایا: رَحِمَ اللّٰہ موسیٰ! قد أُوْذِیَ بِأَکْثَرَ من ھذا فَصَبَرَ: موسیٰ علیہ السلام پر اللہ کی رحمت! وہ اس سے زیادہ ستائے گئے، پس انھوں نے صبر کیا (بخاری حدیث ۳۱۵۰) اسی کا موسیٰ علیہ السلام نے شکوہ کیا ہے کہ تم دل میں یقین رکھتے ہو کہ میں اللہ کا سچا رسول ہوں، پھر تم رنج دہ حرکتیں کر کے مجھے کیوں ستاتے ہو!

برائیاں کرتے کرتے دل سخت ہوجاتا ہے:

حدیث میں ہے کہ جب آدمی کوئی گناہ کرتا ہے تو دل میں سیاہ دھبہ لگ جاتا ہے، پھر توبہ کرتا ہے تو مٹ جاتا ہے، ورنہ بڑھتے بڑھتے سارا دل سیاہ ہوجاتا ہے، بنی اسرائیل بھی ہر بات میں رسول سے ضد کرتے رہے، اور برابر ٹیڑھی چال چلتے رہے، پس اللہ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کردیا، اب ان کے دلوں میں سیدھی سچی بات قبول کرنے کی صلاحیت ہی باقی نہیں رہی، ایسے ضدی نافرمانوں کے بارے میں اللہ کی سنت یہ ہے کہ ان کو راہِ ہدایت نہیں ملتی، چنانچہ یہود کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام آخری نبی ہیں، اور تورات آخری کتاب ہے، پھر کہتے ہیں کہ یہودیت نسلی مذہب ہے، اسرائیل کی اولاد ہی یہودی ہوسکتی ہے، پس کیا ساری دنیا قیامت تک جہالت کی تاریکی میں رہے گی، دین حق کی روشنی سے اللہ تعالیٰ لوگوں کی دستگیری نہیں فرمائیں گے؟ کیسی الٹی سمجھ ہے! مگر عقل پر پتھر پڑجائیں تو کوئی کیا کرے!

عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت: موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کا تتمہ تھی:

موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل میں بہت انبیاء ہوئے، ایک نبی کی وفات ہوتی تو دوسرے کو نبوت مل جاتی، یہ سب انبیاء شریعت موسوی کی تعلیم وتبلیغ کرتے تھے، تا آنکہ انبیائے بنی اسرائیل کے خاتم حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے، مگر آپ کی شریعت بھی: موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کا تتمہ تھی، اور آپ کی کتاب انجیل تورات کا ضمیمہ تھی، اس لئے فرمایا کہ میں تورات کے منجانب اللہ ہونے کی تصدیق کرنے والا ہوں۔

عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو عظیم الشان رسول کی خوش خبری سنائی:

چونکہ عیسیٰ علیہ السلام اور خاتم النّبیین ﷺ کے درمیان کوئی نبی نہیں، اس لئے عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو نبی

ﷺ کی آمد آمد کی خوش خبری سنائی، تاکہ جب وہ مبعوث ہوں تو بنی اسرائیل ان کی پیروی کریں، آپ نے أحمد نام سے بشارت سنائی، یہ صفاتی نام ہے، اور أکبر کے وزن پر اسم تفضیل ہے، یعنی اللہ کی سب سے زیادہ تعریف کرنے والا، تمام انبیاء نے مجموعی طور پر اللہ کی وہ تعریف نہیں کی جو آپ ؐ نے اکیلے کی ہے، آپ ؐ کے اذکار وادعیہ کے ملاحظہ سے یہ بات واضح ہے، انجیل میں یونانی لفظ پیراکلی ٹس (Peroclitus) تھا، اس کی عربی فارقلیط ہے، یہ عربی کے أحمد کے ہم معنی ہے، عیسائی پادریوں نے بھی یہ بات تسلیم کی ہے، اور ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں نراشیش اور کلکی اوتار کے الفاظ سے پیشین گوئی ہے، نراشیش: محمد کے ہم معنی ہیں: یعنی ستودہ، تعریف کیا ہوا، اور کلکی اوتار: خاتم النّبیین کے ہم معنی ہے۔

مگر افسوس: جب وہ عظیم الشان رسول واضح دلائل کے ساتھ مبعوث کئے گئے تو اہل کتاب نے ان دلائل کو کھلا جادو کہا، جادو بہت زود اثر ہوتا ہے، قرآنِ کریم بھی قوی التأثیر ہے، پھر بھی وہ ایمان نہیں لائے، بلکہ جھوٹی بات یہ گھڑی کہ ان کا دین ابدی ہے، اور ان کے رسول اور اس کی کتاب آخری کتاب ہے، اور یہود نے کہا: نصرانیت بے بنیاد ہے، یہی بات عیسائی بھی کہتے ہیں [البقرۃ ۱۱۳] حالانکہ دونوں تورات پڑھتے ہیں، اور دونوں کتابیں بائبل میں ساتھ چھپتی ہیں، پس دونوں میں سے ایک کی بات یقیناً جھوٹی ہے، بلکہ دونوں ہی غلط کہتے ہیں، مگر دونوں اسلام کے خلاف برسرِ پیکار ہیں، اسلام کو جڑ سے اکھاڑنا چاہتے ہیں، اس لئے مجاہدین ایک محاذ سے نمٹتے نہیں کہ دوسرا محاذ کھل جاتا ہے، مگر اسلام کی روشنی پھیلتی جارہی ہے، وہ جتنا تپے گا اتنا ہی بڑھے گا، اور اس نے تمام ادیان کو چت کررکھا ہے، ان کی پیٹھ پر سوار ہے، کوئی اس سے لوہا نہیں لے سکتا، یہ مجاہدین کی محنت کا ثمرہ ہے، اللّٰهُمَّ زِدْ فَزِدْ!

﴿ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ۭ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: —— اور جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! تم مجھے کیوں ایذاء پہنچاتے ہو، جبکہ تم جانتے ہو کہ میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں؟ —— معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت خاص بنی اسرائیل کے لئے تھی —— پس جب وہ ٹیڑھے ہوئے تو اللہ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا —— پس اب سیدھی سچی بات بھی ان کے گلے نہیں اترتی —— اور اللہ تعالیٰ حد اطاعت سے نکل جانے والوں کو راہ نہیں دیا کرتے —— ایصال الی المطلوب کی نفی ہے۔

﴿ وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ۭ فَلَمَّا جَاۗءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ ﴾

ترجمہ: اور جب مریم کے بیٹے عیسیٰؑ نے کہا: اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں ——

معلوم ہوا عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت بھی بنی اسرائیل کے لئے خاص تھی —— تصدیق کرنے والا ہوں اس تورات کی جو مجھ سے پہلے نازل کی گئی ہے —— کیونکہ آپ کی شریعت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کا تتمہ اور انجیل: تورات کا ضمیمہ تھی —— اور خوش خبری سنانے والا ہوں اس عظیم رسول کی جو میرے بعد آئیں گے —— یعنی میرے بعد اب ان کے علاوہ کوئی رسول نہیں آئے گا —— جن کا (وصفی) نام احمد (بہت زیادہ اللہ کی تعریف کرنے والا) ہے —— اسم علم (ذاتی نام) میں اشتباہ ہوسکتا ہے، کئی آدمی بچوں کا وہ نام رکھ لیں تو کیسے پہچانیں گے؟ اور وصفی نام میں اشتباہ نہیں ہوسکتا، کیونکہ خوبی تو کسی ایک شخص میں پائی جائے گی —— پس جب وہ (عظیم المرتبت رسول) ان کے پاس واضح دلائل کے ساتھ پہنچے —— واضح دلائل سے مراد قرآنِ کریم ہے —— تو انھوں نے کہا کہ یہ کھلا جادو ہے —— مشرکین مکہ بھی قرآن کو جادو قرار دیتے تھے، کیونکہ قرآن جادو کی طرح زود اثر ہے۔

﴿ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰٓى اِلَى الْاِسْلَامِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور اس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ گھڑتا ہے —— کہتا ہے کہ اس کا مذہب ابدی ہے، اور اس کی کتاب آخری ہے —— درانحالیکہ وہ اسلام کی طرف بلایا جارہا ہے —— جو آفاقی اور ابدی مذہب ہے —— اور اللہ تعالیٰ ناانصافوں کو راہ نہیں دیا کرتے —— جو انصاف سے کام لیتا ہے اسی کو ہدایت ملتی ہے۔

﴿ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: وہ (اہل کتاب) چاہتے ہیں کہ اللہ کی روشنی کو اپنی پھونکوں سے بجھادیں، جبکہ اللہ تعالیٰ اپنے نور کو پورا کرکے رہیں گے، خواہ کافر کتنے ہی ناخوش ہوں —— اس آیت کا تعلق اہل کتاب سے ہے، وہ کافر ہیں کیونکہ وہ توحید کو تو مانتے ہیں، مگر رسالتِ محمدی کو نہیں مانتے۔

اللہ وہ ہیں جنھوں نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا، تاکہ وہ اس کو غالب کردے سارے ادیان پر —— غالب کردے: یعنی چڑھ کر اوپر بیٹھ جائے، چت کردے، اس میں اشارہ ہے کہ مذاہبِ باطلہ ختم نہیں ہونگے، اسلام کے سامنے دب جائیں گے —— خواہ مشرکین کتنے ہی ناخوش ہوں —— اس کا تعلق مشرکین کے ساتھ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ

لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝١١ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنّٰتِ عَدْنٍ ۚ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝١٢ وَأُخْرٰى تُحِبُّونَهَا ۖ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ۝١٣

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے لوگو جو	وَاَنْفُسِكُمْ	اور اپنی جانوں سے	فِيْ جَنّٰتِ	باغات میں
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	ذٰلِكُمْ	یہ	عَدْنٍ	ہمیشہ رہنے کے
هَلْ اَدُلُّكُمْ	کیا بتلاؤں میں تمہیں	خَيْرٌ لَّكُمْ	بہتر ہے تمہارے لئے	ذٰلِكَ	یہ
عَلٰى تِجَارَةٍ	ایسی سوداگری	اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم	الْفَوْزُ	کامیابی ہے
تُنْجِيْكُمْ	جو بچائے تمہیں	تَعْلَمُوْنَ	جانتے	الْعَظِيْمُ	بڑی
مِّنْ عَذَابٍ	عذاب سے	يَغْفِرْ لَكُمْ	بخشیں گے تمہارے لئے	وَاُخْرٰى	اور ایک اور نعمت
اَلِيْمٍ	دردناک	ذُنُوْبَكُمْ	تمہارے گناہوں کو	تُحِبُّوْنَهَا	جس کو تم پسند کرتے ہو
تُؤْمِنُوْنَ	ایمان لاؤ تم	وَيُدْخِلْكُمْ	اور داخل کریں گے تم کو	نَصْرٌ	(یعنی) مدد
بِاللّٰهِ	اللہ پر	جَنّٰتٍ	ایسے باغات میں	مِّنَ اللّٰهِ	اللہ کی طرف سے
وَرَسُوْلِهٖ	اور اس کے رسول پر	تَجْرِيْ	بہتی ہیں	وَفَتْحٌ	اور فتح (کامیابی)
وَتُجَاهِدُوْنَ	اور لڑو تم	مِنْ تَحْتِهَا	ان کے نیچے	قَرِيْبٌ	نزدیکی
فِيْ سَبِيْلِ	راستے میں	الْاَنْهٰرُ	نہریں	وَبَشِّرِ	اور خوش خبری دیں
اللّٰهِ	اللہ کے	وَمَسٰكِنَ	اور گھروں میں	الْمُؤْمِنِيْنَ	مؤمنین کو
بِاَمْوَالِكُمْ	اپنے مالوں سے	طَيِّبَةً	ستھرے	۞	۞

جہاد کی ترغیب اور فتح کی بشارت

اسلام غالب آئے گا، مگر اس کے لئے محنت درکار ہے، اور فتح قریب ہے، اس کے بعد اسلام کا بول بالا ہوگا ——— حجاز میں غلہ وغیرہ پیدا نہیں ہوتا، عربوں کا ذریعۂ معاش تجارت تھا، وہ سال میں دو سفر کرتے تھے، جاڑوں میں یمن جاتے تھے کہ وہ گرم تھا، اور گرمیوں میں شام جاتے تھے جو سرد اور شاداب ملک تھا، ان سے فرمارہے ہیں کہ کیا میں تم کو ایسی تجارت بتلاؤں جو دنیا کی تجارت سے بہتر ہے؟ یہ تجارت تمہیں آخرت کے عذاب سے نجات دے گی۔

وہ تجارت یہ ہے: اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور اللہ کے راستہ میں جہاد کرو، یہ دنیا کی تجارت سے بہتر ہے، اللہ تمہارے گناہ بخش دیں گے، اور باغات اور ہمیشہ رہنے کے ستھرے مکانات عنایت فرمائیں گے، اور ہاں ایک اور نعمت جو تمہیں بہت پسند ہے عنایت فرمائیں گے، یعنی اللہ کی مدد آئے گی، مکہ مکرمہ فتح ہوجائے گا، اور اسلام کا بول بالا ہوگا۔

آیاتِ پاک: —— اے ایمان والو! کیا میں تم کو ایسی تجارت بتلاؤں جو تم کو دردناک عذاب سے بچالے؟ —— اس میں دنیوی نفع کی نفی نہیں، غنیمت بھی ملے گی —— وہ تجارت یہ ہے: —— تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ —— اس کے بغیر جہاد لاحاصل ہے —— اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ذریعہ جہاد کرو —— دورِ اول میں حکومت کے پاس فنڈ نہیں تھا، اس لئے جہاد میں خود ہی خرچ کرنا پڑتا تھا —— یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تمہیں کچھ سمجھ ہو —— تو یہ بات بوجھو! —— اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ بخشیں گے، اور تم کو ایسے باغات میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، اور عمدہ مکانات میں ہمیشہ رہنے کے باغات میں —— داخل کریں گے —— یہ بڑی کامیابی ہے!

اور ایک دوسری نعمت: جس کو تم پسند کرتے ہو: یعنی اللہ کی مدد اور جلد ملنے والی فتح —— مراد فتح مکہ ہے، مگر بات اشارے کنایے میں کہی ہے —— اور آپؐ مؤمنین کو بشارت سنادیں —— بشارت سنانا ایک مستقل نعمت ہے۔

فائدہ: مہاجرین مکہ مکرمہ سے نکالے گئے تھے، اس لئے ان کی بڑی خواہش تھی کہ مکہ فتح ہوجائے، چنانچہ اس کی خوش خبری سنائی، مگر بات اشارے کنایے میں کہی، ابھی کھولنے کا وقت نہیں آیا، اور لفظ چونکہ عام ہیں اس لئے مطلق کامیابی بھی مراد لے سکتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰي عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ﴿١٤﴾ ع

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے لوگو جو	اللّٰهِ	اللہ کے		مَرْيَمَ	مریم نے	
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	كَمَا قَالَ	جیسا کہا		لِلْحَوَارِيّٖنَ	حواریوں سے	
كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ	ہوجاؤ مددگار	عِيْسَى ابْنُ	عیسیٰ بیٹے		مَنْ اَنْصَارِيْٓ	کون میرا مددگار ہے	

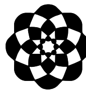
اِلَى اللّٰهِ	اللہ کے لئے	طَّآئِفَةٌ	ایک جماعت	فَاَيَّدْنَا	پس قوی کیا ہم نے
قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ	یاروں نے کہا	مِّنْۢ بَنِيْٓ	اولاد سے	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	ان کو جو ایمان لائے
نَحْنُ اَنْصَارُ	ہم مددگار ہیں	اِسْرَآءِيْلَ	یعقوب کے	عَلٰى عَدُوِّهِمْ	ان کے دشمنوں پر
اللّٰهِ	اللہ کے	وَكَفَرَتْ	اور انکار کیا	فَاَصْبَحُوْا	پس ہو گئے وہ
فَاٰمَنَتْ	پس ایمان لائی	طَّآئِفَةٌ	ایک جماعت نے	ظٰهِرِيْنَ	غالب

ہمتِ مرداں مددِ خدا

مدنی دور کی ابتداء تھی، مجاہدین کی تعداد 'نہ' کے برابر تھی، اس لئے دُہائی دی، مدد طلب کی کہ اے مؤمنو! اللہ کے دین کی مدد کے لئے تیار ہو جاؤ، عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی طرف مبعوث کئے گئے تھے، مگر شروع میں ان کی دعوت قبول نہیں کی گئی، بنی اسرائیل سخت مخالف ہو گئے، قتل کے درپے ہو گئے، اللہ نے ان کو تو رسوائی سے بچالیا، اپنی طرف اٹھالیا، مگر ان کے بعد ان کا دین غالب ہو کر رہا، یارانِ مسیح (حواری) تھوڑے تھے، وہ حسب ونسب کے اعتبار سے بھی کچھ معزز نہیں سمجھے جاتے تھے، مسیح علیہ السلام نے ان کو پکارا، انھوں نے لبیک کہا، رفع عیسیٰؑ کے بعد انھوں نے بڑی قربانیاں دے کر بنی اسرائیل پر محنت کی اور ان میں دعوت پھیلی، ایک جماعت تیار ہوئی، پھر کش مکش شروع ہوئی، اور جہاد کی نوبت آئی، پس اللہ نے اہل حق کی مدد کی تو ان کا ہاتھ اوپر ہو گیا، اسی طرح آج مجاہدین بھی اگرچہ تھوڑے ہیں، مگر ہمتِ مرداں مددِ خدا، انھیں اور راہِ خدا میں تن توڑ کر کوشش کریں، اللہ ان کی مدد کریں گے، ان کی کوشش بار آور ہوگی، مکہ مکرمہ فتح ہو جائے گا اور اسلام کا بول بالا ہوگا، دنیا ایک ہو جائے گی اور عالم میں دین کا ڈنکا بجے گا، جیسا کہ اگلی سورت میں آرہا ہے۔

آیتِ پاک: اے ایمان والو! تم اللہ کے دین کے مددگار بن جاؤ، جیسے عیسیٰ بن مریم نے حواریوں سے مدد طلب کی کہ اللہ کے دین کے لئے کون میری مدد کو تیار ہے؟ حواریوں نے جواب دیا: ہم مدد کو تیار ہیں! پھر بنی اسرائیل کے کچھ لوگ ایمان لائے، اور کچھ لوگ منکر رہے، پس ہم نے ایمان لانے والوں کی ان کے دشمنوں کے مقابلہ میں تائید کی، سو وہ غالب ہو گئے!

﴿۱۰ر شعبان ۱۴۳۷ھ = ۱۸ر مئی ۲۰۱۶ء﴾



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الجمعہ

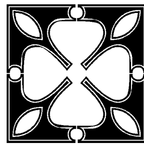
ربط: پیچھے سے جہاد کا بیان چل رہا ہے، اگر جہاد اپنی شرائط کے ساتھ چلتا رہے تو دنیا ایک ہو جائے گی، عرب وعجم متحد ہو جائیں گے، اسلام کی روشنی چار دانگ عالم پھیل جائے گی، اور سب خاتم النّبیین ﷺ کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں گے، یہ جہاد کا بہت بڑا فائدہ ہے۔

سورت کے مضامین: تسبیح وتمجید کے بعد سورت میں تین مضمون ہیں:

۱- عموم بعثت کا بیان ہے، اللہ نے خاتم النّبیین ﷺ کو عرب وعجم (ساری دنیا) کی طرف مبعوث فرمایا ہے، مگر کام کی ذمہ داری تقسیم کی ہے، امیوں میں کام کی ذمہ داری آپؐ کی ہے، اور آخرین (عجمیوں) میں کام کی ذمہ داری صحابہ کی ہے، اور معلّم کی استعداد کا متعلّم پر اثر پڑتا ہے، اس لئے عرب تو سارے اسلام قبول کرلیں گے، مگر سب عجمیوں کے حصہ میں یہ دولت نہیں آئے گی، اور اللہ کے فضل میں کوئی کمی نہیں، بلکہ فضل حاصل کرنے والوں کی کوتاہی ہے۔

۲- اس امت میں بھی آگے چل کر عملی کوتاہی رونما ہوگی، اس کے لئے یہود کی مثال دی ہے، ان کا حال چارپائے برو کتابے چند جیسا تھا، اس امت کا بھی آگے چل کر ایسا ہی حال ہو جائے گا، اور یہ امت بھی یہود کی طرح خوش فہمی میں مبتلا ہوگی، مگر موت کی تمنا نہیں کرے گی، مگر موت بہرحال آنی ہے۔

۳- پھر آخری رکوع میں عموم بعثت کے مضمون کو ایک مثال سے سمجھایا ہے، پہلے جمعہ کی نماز آبادی میں ایک جگہ ہوتی تھی، باقی نمازیں ہر مسجد میں ہوتی تھیں، اسی طرح دنیا میں نبوت ورسالت کے مختلف سلسلے چل رہے تھے، مگر دورِ آخر میں ان کو آخری رسول کی ذات میں سمیٹ لیا، اب عرب وعجم کی تفریق مٹ جائے گی اور سب انسان ایک امت بن جائیں گے، اسی لئے سورت کا نام الجمعہ رکھا گیا ہے۔



سُوْرَةُ الْجُمُعَةِ مَدَنِيَّةٌ

آیاتہا ۱۱ — (۶۲) — (۱۱۰) — رکوعاتہا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱﴾ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲﴾ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۳﴾ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۴﴾

لفظ	ترجمہ	لفظ	ترجمہ	لفظ	ترجمہ
يُسَبِّحُ	پاکی بیان کرتے ہیں	مِّنْهُمْ	انہی میں سے	مِنْهُمْ	انہی (کی جنس) میں سے
لِلّٰهِ	اللہ کی	يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ	جوان کے سامنے پڑھتا ہے	لَمَّا [۳]	اب تک نہیں
مَا فِي السَّمٰوٰتِ	جو آسمانوں میں ہیں	اٰيٰتِهٖ	اللہ کی آیتیں	يَلْحَقُوْا بِهِمْ	ملے وہ ان کے ساتھ
وَمَا فِي الْاَرْضِ	اور جو زمین میں ہیں	وَيُزَكِّيْهِمْ	اور سنوارتا ہے ان کو	وَهُوَ الْعَزِيْزُ	اور وہ زبردست
الْمَلِكِ [۱]	(جو) بادشاہ	وَيُعَلِّمُهُمُ	اور سکھلاتا ہے ان کو	الْحَكِيْمُ	حکمت والے ہیں
الْقُدُّوْسِ	پاک ذات	الْكِتٰبَ	اللہ کی کتاب	ذٰلِكَ	یہ
الْعَزِيْزِ	زبردست	وَالْحِكْمَةَ	اور دانشمندی کی باتیں	فَضْلُ اللّٰهِ	اللہ کی مہربانی ہے
الْحَكِيْمِ	حکمت والے ہیں	وَاِنْ كَانُوْا	اگرچہ وہ تھے	يُؤْتِيْهِ	دیتے ہیں وہ اس کو
هُوَ الَّذِيْ	وہی جنھوں نے	مِنْ قَبْلُ	قبل ازیں	مَنْ يَّشَآءُ	جسے چاہتے ہیں
بَعَثَ	بھیجا	لَفِيْ ضَلٰلٍ	گمراہی میں	وَاللّٰهُ	اور اللہ
فِي الْاُمِّيّٖنَ	ناخواندہ لوگوں میں	مُّبِيْنٍ	صریح	ذُو الْفَضْلِ	بڑی مہربانی والے ہیں
رَسُوْلًا	عظیم رسول کو	وَّاٰخَرِيْنَ [۲]	اور دوسروں میں (بھیجا)	الْعَظِيْمِ	

(۱) الملك: اللہ کی صفت ہے (۲) آخرین کا الأمیین پر عطف ہے (۳) لَمَّا: لَمْ کی طرح مضارع کو ماضی منفی بناتا ہے، مگر اس کی نفی متوقع الوجود ہوتی ہے۔

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

نبی ﷺ کی بعثت عرب وعجم سب کے لئے ہے، مگر کام کی ذمہ داری منقسم ہے

بعثتِ نبوی کے وقت عرب وعجم میں منافرت آخری حد تک پہنچی ہوئی تھی، تنابز (برے ناموں سے پکارنا) اس درجہ تک پہنچا ہوا تھا کہ عرب: دوسرے لوگوں کو عجمی (بے زبان جانور) کہتے تھے، اور خود کو عرب (فصیح وبلیغ) قرار دیتے تھے، اور غیر عرب: عربوں کو امّی (اَن پڑھ) کہتے تھے، اس لئے دونوں ایک ہوجائیں اور ایک دوسرے کی خوبیوں کی قدر کرنے لگیں: بظاہر ناممکن نظر آتا تھا، مگر ایسا ہونا ضروری تھا، زمانہ کا دور آخر آگیا تھا، نبوت کے مختلف سلسلوں کو ایک ذات میں جمع کرنا ضروری تھا، اور قادر مطلق اللہ کے لئے ایسا کرنا کچھ مشکل نہ تھا، وہ بے عیب ہیں، کائنات کا ذرہ ذرہ ان کی پاکی بیان کرتا ہے، زبانِ حال سے بھی اور زبانِ قال سے بھی، وہ تمام خوبیوں کے مالک ہیں، وہ شہنشاہِ مطلق ہیں، وہ برتر وبالا ہستی ہیں، وہ زبردست اور حکمت والے ہیں، ان کی حکمت کا جو تقاضا ہوتا ہے اس کو کرنے سے ان کو کوئی روک نہیں سکتا، انھوں نے دورِ آخر میں امّیوں میں سے ایک عظیم رسول چنا اور اس کے ذمہ چار کام رکھے: (۱) لوگوں کو قرآن پڑھ کر سنانا۔ (۲) لوگوں کو سنوارنا (اخلاقِ رذیلہ سے پاک کرنا) (۳) لوگوں کو قرآن کی تعلیم دینا۔ (۴) لوگوں کو دانشمندی کی باتیں سکھانا (یہی حکمت کی باتیں حدیثیں کہلاتی ہیں) اور عربوں میں کام کی ذمہ داری آپ کو سونپی، چنانچہ جب عربوں میں کام پورا ہونے آیا تو سورۃ النصر کے ذریعہ آپؐ کو اطلاع دی کہ آپؐ کا دنیا کا کام پورا ہوگیا، اب آپ ہمارے یہاں آنے کی تیاری کریں۔

اور امیوں کے علاوہ کی طرف بھی آپؐ کی بعثت ہے، ان کو آخرین سے ذکر کیا، اور واو کے ذریعہ عطف کیا، واو کے ذریعہ عطف کرنے کی صورت میں من وجہٍ اتحاد ہوتا ہے اور من وجہٍ مغائرت، اور آخرین (دوسرے لوگوں) کہا، أعجمین نہیں کہا، یہ جذبات کی انتہائی درجہ رعایت ہے، رہے امّی تو وہ اپنے امّی ہونے پر فخر کرتے تھے، خود نبی ﷺ نے فرمایا ہے: نحنُ أمة أمية: ہم ناخواندہ امت ہیں، اس لئے ان کو أميين کہا، یہ دوسرے لوگ بھی آپؐ کی امت ہیں، یہ اتحاد کا پہلو ہے، اور ان میں کام کرنے کی ذمہ داری صحابہ کی ہے، یہ مغائرت کا پہلو ہے، اور ﴿مِنْهُمْ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ غیر عرب بھی انسان ہیں، کیونکہ سب ایک ماں باپ کی اولاد ہیں، مگر جدا جدا ہوگئے ہیں، اب وقت آگیا ہے کہ باہم مل جائیں، اور ایک نبی کی امت بن جائیں، اور ﴿لَمَّا﴾ سے نفی کرتے ہیں تو وہ مستقبل میں متوقع الوجود ہوتی ہے، یعنی اب تک نہیں ملے، آگے ملیں گے، اور ان کو زبردست اللہ ملائیں گے، وہ حکیم ہیں، ان کی حکمت کا تقاضا ہے کہ باہم مل جائیں۔

مگر اسلام کی دولت سب عربوں کو تو ملے گی، سب عجمیوں کو نہیں ملے گی، اللہ تعالیٰ جسے چاہیں گے عنایت فرمائیں گے، اور یہ معلّم کی استعداد کا فرق ہوگا، عربوں پر محنت نبی ﷺ نے کی ہے، اس لئے سب عرب مسلمان ہوگئے، مگر آخرین سب مسلمان نہیں ہوئے، کیونکہ ان پر صحابہ نے محنت کی ہے —— اس کی وجہ یہ نہیں کہ اللہ کے فضل میں ٹوٹا پڑ گیا، اللہ کا فضل تو عظیم ہے، ان کی رحمت بے پایاں ہے، کمی لینے والوں میں ہے:

یہ بزمِ مئے ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی ❁ جو بڑھ کر اٹھالے جام مینا اسی کا ہے

آخری نبی امیوں (عربوں) میں کیوں مبعوث کئے گئے؟

اوپر آیاتِ پاک کا مسلسل مطلب تھا، اب چند متفرق باتیں عرض کرتا ہوں:

آخری نبی عربوں میں کیوں مبعوث کئے گئے، آخرین سے کیوں نہیں اٹھائے گئے؟ اس میں کیا حکمت ہے؟ اس میں بہت حکمتیں ہیں، میں چند ذکر کرتا ہوں، آپ غور کریں اور بھی حکمتیں سمجھ میں آئیں گی۔

۱- عرب صریح گمراہی میں تھے، ان کی اصلاح عرب رسول ہی کرسکتا تھا، باریک گمراہی آسانی سے سمجھائی جاسکتی ہے، مگر کھلی گمراہی آسانی سے نہیں سمجھائی جاسکتی۔

۲- عربوں میں قوتِ عمل زیادہ تھی، حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالن پوری قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ اسلام کی گاڑی کا پیٹرول عرب ہیں، ہم تو بغیر تیل کی گاڑی دھکا دے کر چلا رہے ہیں، اور ساری دنیا میں آخری رسول کام نہیں کرسکتے تھے، کام کو تقسیم کرنا ضروری تھا، عربوں میں یہ صلاحیت تھی کہ وہ دنیا کی اصلاح کا بیڑا اٹھائیں۔

۳- جزیرۃ العرب معلوم دنیا کے سینٹر میں تھا، وہاں سے مغرب میں افریقہ کے آخر تک، مشرق میں ایشیا کے آخر تک، اور شمال میں روم کے آخر تک بیک وقت پہنچ سکتے تھے، جنوب میں سمندر تھا، اور امریکہ ابھی دریافت نہیں ہوا تھا، پس ساری دنیا میں کام کی یہاں سے آسانی تھی۔

۴- عربی افضل زبان ہے، اللہ کی آخری کتاب کو اسی زبان میں اتارنا تھا، اور اس کے لئے عربی رسول ہی موزون تھا۔

نبی ﷺ کے چار کام:

۱- اللہ کی کتاب لوگوں کے سامنے پڑھنا تاکہ وہ اس کو یاد کریں، عربوں میں یاد کرنے کا طریقہ تلقین ہے، قاری پڑھتا ہے، سامع دوہراتا ہے، اس طرح اسے یاد ہوجاتا ہے، رہا ناظرہ اور تجوید سکھانا تو اہل لسان اس سے مستغنی ہیں۔

۲- باطن کو سنوارنا: تزکیہ: اخلاق رذیلہ کو اخلاقِ عالیہ سے بدلنا آسان کام نہیں، اور جس طرح آدمی کا ظاہر اچھا برا ہوتا ہے، اور بری حالت کو سنوار بھی سکتے ہیں، اسی طرح باطن کو سمجھنا چاہئے، حدیث میں ہے: **بُعثتُ لأتمم مکارم**

الأخلاق: میری بعثت کی ایک غرض اخلاقِ عالیہ کی تعلیم دینا بھی ہے۔

۳- قرآنِ کریم کو سکھلانا: یعنی اس کے حقائق واضح کرنا، اہلِ لسان کلام کا سرسری مطلب تو کلام ہی سے سمجھ جاتے ہیں، مگر حقائق نہیں سمجھ سکتے، مثلاً: قرآن میں نماز کی بار بار تاکید آئی ہے، اور نماز کے ارکان بھی متفرق جگہ بیان ہوئے ہیں، مگر سب کو جوڑ کر نماز کی ہیئت کذائی بنانا ہر شخص کا کام نہیں، یہ کام آپؐ نے کیا، اور فرمایا: صَلُّوْا كما رأيتموني أصلي: میں نے جس طرح نماز پڑھائی اس طرح پڑھو، یہ قرآن سکھانا ہے۔

۴- حکمت سکھلانا: یعنی دقائق واضح کرنا، کلام کی تہہ تک ہر کوئی نہیں پہنچ سکتا، مجتہد ہی پہنچ سکتا ہے، بلکہ بعض دقائق پیغمبر ہی واضح کرسکتا ہے، مثلاً: قرآن میں رضاعت کے تعلق سے دو رشتوں کی حرمت کا بیان ہے، نبی ﷺ نے بتلایا کہ یہ بطور مثال ہے، ورنہ رضاعت سے وہ ساتوں رشتے حرام ہوتے ہیں جو ناتے (نسب) سے حرام ہوتے ہیں، یہ ایسی بات ہے جس کو مجتہدین بھی نہیں پاسکتے، اور ایسی باتیں حدیثوں میں بے شمار ہیں، سعدی شیرازی فرماتے ہیں:

یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست ❁ کتب خانۂ چند ملت بشست

(ایک یتیم بچہ جس نے کسی سے پڑھنا نہیں سیکھا ÷ اتنے علوم بیان کئے کہ دنیا کی لائبریریاں پیچھے رہ گئیں)

لَمْ اور لَمّا میں تین فرق:

لَمْ اور لَمَّا: مضارع پر داخل ہوتے ہیں، اور اس کو ماضی منفی بناتے ہیں، مگر دونوں میں تین فرق ہیں: (۱) لَم ماضی مطلق میں فعل کی نفی کرتا ہے اور لما ماضی قریب میں، جیسے لم يأتِ زيد: زید نہیں آیا، اور لما يأت زيد: زید اب تک نہیں آیا۔ (۲) لم میں نفی زمانہ حال تک ممتد نہیں ہوتی، اور لما میں نفی ممتد ہوتی ہے، اوپر کی مثال سے یہ بات واضح ہے۔ (۳) لم سے جو نفی کی جاتی ہے وہ آئندہ متوقع الوجود ہے یا نہیں؟ لم کی اس پر کوئی دلالت نہیں ہوتی، اور لما سے جو نفی کی جاتی ہے اس کی آئندہ امید ہوتی ہے، جیسے زید اب تک نہیں آیا یعنی ہم ابھی اس کے آنے کی امید رکھتے ہیں —— اور آیت میں: ﴿لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ﴾ ہے یعنی اب تک عجم عربوں کے ساتھ نہیں ملے مگر آئندہ ملنے کی امید ہے، کون ملائے گا؟ اللہ تعالیٰ ملائیں گے جو زبردست حکمت والے ہیں

عربوں سے جزیہ قبول نہیں کیا جائے گا:

امام اعظم رحمہ اللہ نے آیات سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ عربوں سے جزیہ قبول نہیں کیا جائے گا، کیونکہ امیین کی طرف کوئی استثناء نہیں، عجم سے جزیہ قبول کیا جائے گا، کیونکہ ان کی طرف ﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ﴾ بمنزلہ استثناء ہے۔

آخرین کا مصداق بطور مثال:

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم نبی ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپؐ پر سورۃ الجمعہ نازل ہوئی، اس میں ہے: ﴿وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ﴾ میں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! یہ آخرین کون ہیں؟ آپؐ نے جواب نہیں دیا، انھوں نے تین مرتبہ پوچھا، وہاں حضرت سلمان فارسیؓ موجود تھے، آپؐ نے اپنا ہاتھ سلمانؓ پر رکھا، اور فرمایا: ''اگر ایمان ثریا (ستارہ) پر ہوتا تو بھی اس کو کچھ لوگ ان میں سے حاصل کرتے!'' (معلوم ہوا کہ آخرین سے عجم مراد ہیں)

﴿يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝﴾

ترجمہ: اللہ کی پاکی بیان کرتی ہیں وہ چیزیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں —— یعنی ساری کائنات تسبیح خواں ہے، یہاں تک تقدیس ہے —— جو بادشاہ، پاک ذات، زبردست، حکمت والے ہیں —— یہ تمجید ہے، اللہ کی خوبیاں اور کمالات کا بیان ہے۔

﴿هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝﴾

ترجمہ: وہی ہیں —— جن کا پہلی آیت میں ذکر آیا —— جنھوں نے امیوں (ناخواندہ عربوں) میں انہی میں سے ایک بڑے رسول کو اٹھایا، جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے، اور ان کو سنوارتا ہے، اور ان کو اللہ کی کتاب اور دانشمندی کی باتیں (حدیثیں) سکھاتا ہے، اگرچہ وہ لوگ قبل ازیں کھلی گمراہی میں تھے —— اس میں اشارہ ہے کہ ان کی اصلاح دشوار تھی، آپؐ ہی کے ذریعہ ان کی اصلاح ہو سکتی تھی۔

﴿وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝﴾

ترجمہ: اور (بھیجا) دوسروں میں (بھی) انہی میں سے —— اس کا عطف الأمیین پر ہے، دوسرے بھی آپؐ کی امت ہیں مگر بالواسطہ، جیسے قیامت تک کے لوگ آپؐ کی بالواسطہ امت ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہٗ نے اس کو 'دوہری بعثت' سے تعبیر کیا ہے، یعنی آپؐ کی بلاواسطہ بعثت عربوں کی طرف ہے، پھر ان کے واسطہ سے ساری دنیا کی طرف ہے، اور نبیوں میں سب سے اونچا مقام اس نبی کا ہے جس کی بعثت دوہری ہے (یہ مضمون رحمۃ اللہ الواسعہ ۲: ۵۰ میں مفصل ہے)...... اور ﴿مِنْهُمْ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ آخرین بھی انسان ہی ہیں —— جو ابتک ان (عربوں) کے ساتھ نہیں ملے —— مگر آگے ملیں گے —— اور اللہ زبردست حکمت والے ہیں —— وہ ملا کر سب کو

ایک امت بنادیں گے۔

﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝﴾

ترجمہ: یہ (اسلام) اللہ کی مہربانی ہے، دیتے ہیں اس کو جسے چاہتے ہیں —— یہ بمنزلۂ استثناء ہے —— اور اللہ بڑے فضل والے ہیں —— یہ سوال مقدر کا جواب ہے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ۚ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۚ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ ع

مَثَلُ	حالت	بِئْسَ مَثَلُ	بری مثال ہے	هَادُوْٓا(۲)	یہودی ہوئے
الَّذِيْنَ	ان لوگوں کی جو	الْقَوْمِ الَّذِيْنَ	ان لوگوں کی	اِنْ زَعَمْتُمْ	اگر گمان کرتے ہو تم
حُمِّلُوا	اٹھوائے گئے	كَذَّبُوْا	جنھوں نے جھٹلایا	اَنَّكُمْ	کہ تم
التَّوْرٰىةَ	تورات	بِاٰيٰتِ اللّٰهِ	اللہ کی آیتوں کو	اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ	اللہ کے دوست ہو
ثُمَّ لَمْ	پھر نہیں	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	مِنْ دُوْنِ النَّاسِ	لوگوں کے سوائے
يَحْمِلُوْهَا	اٹھایا انھوں نے اس کو	لَا يَهْدِي	راہ نہیں دیتے	فَتَمَنَّوُا	تو آرزو کرو
كَمَثَلِ الْحِمَارِ	جیسے گدھے کی حالت	الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ	ظالم لوگوں کو	الْمَوْتَ	موت کی
يَحْمِلُ	اٹھائے ہوئے ہو	قُلْ	کہیں	اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم
اَسْفَارًا(۱)	کتابیں	يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے لوگو جو	صٰدِقِيْنَ	سچے

(۱) أسفار: سِفْر کی جمع: وہ کتاب جو حقائق کو واضح کرتی ہو، دینی کتاب (۲) هَادَ (ن) هَوْدًا: تائب ہو کر حق کی طرف لوٹنا، هَادَ فلان: یہودی ہونا، یہودی مذہب کا متبع ہونا، بچھڑے کی پوجا سے توبہ کی اس لئے یہودی کہلائے۔

وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ	اور نہیں آرزو کریں گے	عَلِيْمٌۢ	جانتے ہیں	ثُمَّ تُرَدُّوْنَ	پھر لوٹائے جاؤ گے تم
	وہ اس کی	بِالظّٰلِمِيْنَ	ظالموں کو	اِلٰى عٰلِمِ	جاننے والے کی طرف
اَبَدًا	کبھی بھی	قُلْ	کہیں	الْغَيْبِ	چھپی
بِمَا قَدَّمَتْ	ان کاموں کی وجہ سے	اِنَّ الْمَوْتَ	بے شک موت	وَالشَّهَادَةِ	اور کھلی چیزوں کو
	جو آگے بھیجے ہیں	الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ	جو بھاگتے ہو تم	فَيُنَبِّئُكُمْ	پھر آگاہ کریں گے وہ تم کو
اَيْدِيْهِمْ	ان کے ہاتھوں نے	مِنْهُ	اس سے	بِمَا كُنْتُمْ	ان کاموں سے جو تھے تم
وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ	ملاقات کرنے والی ہے تم سے	تَعْمَلُوْنَ	کرتے

قرآنِ کریم کا ایک اسلوب

اس امت کا پہلا قافلہ (صحابہ) دودھ کا دُھلا ہوا طبقہ تھا، ان میں ایک کنکر نہیں تھا، نبی 'معصوم' ہوتا ہے، کیونکہ وہ اللہ کی طرف سے مبعوث ہوتا ہے، اور صحابہ آپؐ کے واسطہ سے آخرین کی طرف مبعوث تھے، اس لئے وہ 'محفوظ' تھے، مگر یہ صورتِ حال ہمیشہ باقی رہنے والی نہیں تھی، آگے چل کر زبوں حالی رونما ہونے والی تھی، اس لئے اس بدلی ہوئی حالت کو بھی بیان کرنا ضروری تھا، مگر اگر گفتگو 'ہوائی' ہوتی تو اس کا سمجھنا مشکل ہوتا، اور مثال دے کر مضمون بیان کیا جاتا تو اس کا سمجھنا آسان ہوتا، گفتہ آید در حدیثِ دیگراں: کامیاب طریقہ ہے۔

مثال کس کی بیان کی جائے؟ قرآن کے بعد عظیم الشان کتاب تورات ہے، اور نبی ﷺ کے بعد بڑے رسول موسیٰ علیہ السلام ہیں، اور ان کی امت مدینہ میں آباد تھی، اور ان کے احوال سے عرب واقف تھے، اس لئے بہترین مثال یہود کی ہو سکتی تھی، چنانچہ قرآنِ کریم: آگے چل کر اس امت کی زبوں حالی یہود کی زبوں حالی سے سمجھاتا ہے، سورۃ الحدید (آیت ۱۶) میں مسلمانوں کو تنبیہ کی ہے کہ وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو ان سے پہلے کتاب دی گئی، پھر زمانہ دراز ہو گیا تو ان کے دل سخت ہو گئے، اور بہت سے ان میں سے بدکار ہو گئے، یہی حال آگے چل کر اس امت کا ہونا تھا، اس کو گدھے کی مثال سے سمجھایا ہے۔

آگے چل کر امتِ مسلمہ کی زبوں حالی یہود کی مثال سے واضح کی ہے

قرآنِ کریم کے بعد عظیم المرتبت کتاب تورات ہے، یہ کتاب بنی اسرائیل کو دی گئی، اور اس پر عمل کا ان کو مکلف بنایا، مگر عرصہ گذرنے کے بعد ان کا حال برا ہو گیا، وہ بے عملی بلکہ بدعملی میں مبتلا ہو گئے، اور وہ نام کے یہودی رہ گئے، ان کا حال اس گدھے جیسا ہے جس پر دینی کتابیں لدی ہوئی ہوں، اس کو ان کتابوں سے کیا نفع! یہ بری مثال ہے ان لوگوں کی

جنھوں نے اللہ کے احکام کو پس پشت ڈال دیا، مسلمانوں کو اس بری مثال کا مصداق نہیں بننا چاہئے، مگر ہائے افسوس! آگے چل کر مسلمان بھی یہود کے نقش قدم پر چل پڑے، پھر قاعدہ سنایا کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کو راہ راست نہیں دیتے، ہدایت زبردستی کسی کے سر نہیں منڈھتے! انصاف سے کام لینے والا ہدایت پاتا ہے اور اپنے پاؤں پر تیشہ زنی کرنے والا ہدایت سے محروم رہتا ہے۔

﴿ مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: ان لوگوں کی حالت جن کو تورات پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا، پھر انھوں نے اس پر عمل نہیں کیا، اس گدھے جیسی ہے، جس پر دینی کتابیں لدی ہوں، یہ بری مثال ہے ان لوگوں کی جنھوں نے اللہ کی آیتوں (احکامات) کو جھٹلایا، اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو راہِ ہدایت نہیں دیتے۔

یہود کا دعوی ہے کہ ہم ہی اللہ کے دوست اور چہیتے ہیں

ان سے کہو: اگر تم اس دعوے میں سچے ہو تو 'وصلِ حبیب' کی تمنا کرو، اور اس کا پُل 'موت' ہے جو دوست کو دوست سے ملاتا ہے، مگر سن لو! وہ کبھی موت کی تمنا نہیں کریں گے، ان سے بڑھ کر موت سے ڈرنے والا کوئی نہیں، موت کا نام سن کر ان کو پسینہ آنے لگتا ہے، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ انھوں نے زندگی بھر کیا کرتوت کئے ہیں، دنیا چھوٹتے ہی ان کی سزا میں پکڑے جائیں گے، مگر موت سے کسی کو مفر نہیں، وہ تو اچانک آ پکڑے گی، پھر غیب وشہادت کا جاننے والا ان کا سب کچا چٹھا ان کے سامنے رکھ دے گا۔

آج جاہل مسلمان بھی یہی کہتے ہیں کہ ہم محبوب کی امت ہیں، اور اللہ غفور رحیم ہیں، اور عمل کے نام صفر ہیں، اگر محبوب کی امت ہیں تو محبوب جیسا عمل کرو:

تَعْصِیْ الإله وَأنت تُظهر حُبَّه ۞ إن المُحِبَّ لمن یحب مُطیع

(اللہ کی نافرمانی کرتا ہے اور اللہ کی محبت کا دعوی بھی کرتا ہے÷ محبت کرنے والا تو محبوب کے اشاروں پر چلتا ہے)

اور اللہ بے شک غفور رحیم ہیں، مگر ان کی پکڑ بھی تو سخت ہے، اس کو کیوں بھول جاتے ہو، سورۃ الحجر کی (آیات ۴۹و۵۰) ہیں: ﴿ نَبِّئْ عِبَادِیْۤ اَنِّیْۤ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۝ وَ اَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ ۝ ﴾: میرے بندوں کو بتادو کہ میں بڑا مغفرت والا رحمت والا ہوں اور یہ کہ میری سزا دردناک سزا ہے۔ اصل یہ ہے کہ انسان کو مشقت اٹھائے بغیر جنت چاہئے، حالانکہ وہ مکارہ (ناگواریوں) سے گھیری گئی ہے۔

﴿ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: آپ کہیں: اے یہودیو! اگر تمہارا خیال ہے کہ تم ہی بلاشرکتِ غیرے اللہ کے دوست ہو تو موت کی آرزو کرو، اگر تم (دعوے میں) سچے ہو —— اور وہ کبھی بھی موت کی تمنا نہیں کریں گے، ان اعمال کی وجہ سے جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ظالموں کے احوال سے بخوبی واقف ہیں —— کہ انھوں نے کیا کرتوت کئے ہیں —— آپ کہیں: بے شک وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو وہ یقیناً تم کو آ پکڑے گی، پھر تم پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے کی طرف لوٹائے جاؤ گے، پس وہ تمہیں تمہارے سب کام جتلا دیں گے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَۨا انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا ۭ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ع

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے لوگو جو	وَذَرُوا	اور چھوڑ دو	فَانْتَشِرُوْا	تو پھیل جاؤ
اٰمَنُوْٓا	ایمان لائے ہو	الْبَيْعَ	خرید وفروخت	فِي الْاَرْضِ	زمین میں
اِذَا نُوْدِيَ	جب پکارا جائے	ذٰلِكُمْ	یہ	وَابْتَغُوْا	اور تلاش کرو
لِلصَّلٰوةِ	نماز کے لئے	خَيْرٌ لَّكُمْ	بہتر ہے تمہارے لئے	مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ	اللہ کی روزی سے
مِنْ يَّوْمِ	دن میں	اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم	وَاذْكُرُوا اللّٰهَ	اور اللہ کو یاد کرو
الْجُمُعَةِ	جمعہ کے	تَعْلَمُوْنَ	جانتے	كَثِيْرًا	بہت
فَاسْعَوْا	پس چل پڑو	فَاِذَا قُضِيَتِ	پس جب تمام ہو چکے	لَّعَلَّكُمْ	تا کہ تم
اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ	اللہ کی یاد کی طرف	الصَّلٰوةُ	نماز	تُفْلِحُوْنَ	کامیاب ہوؤ

وَ اِذَا رَاَوْا	اور جب دیکھتے ہیں وہ	وَ تَرَكُوْكَ	اور چھوڑ جاتے ہیں	خَيْرٌ	بہتر ہے
تِجَارَةً	سوداگری		آپ کو	مِّنَ اللَّهْوِ	کھیل تماشے سے
اَوْ لَهْوَا	یا کھیل تماشا	قَآئِمًا	کھڑا ہوا (خطبہ دیتا ہوا)	وَ مِنَ التِّجَارَةِ	اور سوداگری سے
انْفَضُّوْٓا	بکھر جاتے ہیں وہ	قُلْ	کہو	وَاللّٰهُ خَيْرُ	اور اللہ بہترین
اِلَيْهَا	اس (تجارت) کی طرف	مَا عِنْدَ اللّٰهِ	جو اللہ کے پاس ہے	الرّٰزِقِيْنَ	روزی دینے والے ہیں

نبوت کے سلسلوں کو ایک شخصیت میں جمع کرنے کی مثال

ربط: سورت کا موضوع عموم بعثت ہے، یعنی اب ساری دنیا کے لئے ایک رسول ہیں، الگ الگ نبوتیں خاتم النّبیین ﷺ میں جمع کر دی ہیں، جیسے آبادی کی ہر مسجد میں پنج وقتہ نمازیں ہوتی ہیں، مگر جمعہ کے دن سب مسجدوں کے نمازی ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں، اور جمعہ کی نماز ایک ساتھ پڑھتے ہیں، اسی طرح مختلف نبوتوں کو ایک ذات میں جمع کر دیا ہے۔

احکامِ جمعہ

ان آیات میں جمعہ کے تعلق سے دو حکم ہیں، پہلا وجوبی ہے دوسرا استحبابی:

وجوبی حکم: جب جمعہ کے دن نماز جمعہ کے لئے اذان دی جائے تو تمام مشاغل چھوڑ کر نماز اور خطبہ سننے کے لئے چل دینا واجب ہے، سستی کرنے والا گنہ گار ہوگا، البتہ جمعہ کی تیاری میں مشغول ہونا جائز ہے۔

استحبابی حکم: نماز جمعہ سے فارغ ہونے کے بعد جہاں چاہے جا سکتا ہے، کاروبار بھی کر سکتا ہے، مگر ساتھ ہی اللہ کا ذکر بھی چلتا رہے، کامیابی کی کنجی یہی ہے۔

فائدہ: اذان سے اذانِ اول مراد ہے، اسی کے ذریعہ لوگوں کو نماز کے لئے بلایا جاتا ہے، دوسری اذان تو حاضرین کو خطیب کی آمد کی اطلاع دینے کے لئے ہے، رہی یہ بات کہ نزولِ آیت کے وقت پہلی اذان نہیں تھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ تفسیر کا قاعدہ ہے: **العبرۃُ لعموم اللفظ، لا لخصوص المورِد:** اعتبار الفاظ کے عموم کا ہے، خاص شانِ نزول کا اعتبار نہیں: ﴿ اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ ﴾ عام ہے، پہلی یا دوسری اذان کی کوئی قید نہیں، پس جس اذان سے نماز کے لئے بلایا جائے وہ آیت کا مصداق ہے۔

سوال: اذان جمعہ کے بعد کاروبار اور دیگر مشاغل ترک کر کے مسجد جانا فرض ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ فَاسْعَوْا

اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَذَرُوا الْبَیْعَ ﴾ مگر عام طور پر پہلی اذان کے بعد لوگ مشاغل ترک نہیں کرتے اور گناہ گار ہوتے ہیں۔ پس کیوں نہ دوسری اذان کو آیت کا مصداق قرار دیا جائے تاکہ لوگ گناہ گار نہ ہوں؟

جواب: یہ خرابی مسلمانوں کے اپنے عمل کی بناء پر پیدا ہوئی ہے۔ اور اس کا علاج بھی مسلمانوں کے پاس ہے، ہمارے دیار میں جو آدھا گھنٹہ پہلے اذان دی جاتی ہے وہ غلط طریقہ ہے، دس منٹ پہلے پہلی اذان دینی چاہئے تاکہ لوگ فوراً مشاغل ترک کرکے مسجد کی طرف چل پڑیں۔ غرض ہمارے پاس اس کا کوئی علاج نہیں، لوگ خود ہی اس کا علاج کرسکتے ہیں۔

آخری آیت کا واقعہ: پہلے عیدین کی طرح جمعہ کی نماز پہلے ہوتی تھی اور خطبہ بعد میں، مراسیل ابی داؤد میں روایت ہے کہ مدینہ میں ایک تجارتی قافلہ آیا، مدینہ میں غلّہ کی کمی تھی، لادی نے ڈھول بجایا، لوگ نماز پڑھ چکے تھے، خطبہ سن رہے تھے، پس یہ خیال کرکے کہ نماز تو ہوچکی ہے اور بیان ہر جمعہ کو ہوتا ہے: اٹھ کر خریداری کے لئے چل دیئے، صرف بارہ آدمی رہ گئے، اس پر آخری آیت میں تنبیہ ہے کہ یہ ٹھیک نہیں کیا، نماز کی طرح خطبہ سننا بھی واجب ہے، عیدین میں خطبہ اگرچہ بعد میں ہوتا ہے، مگر اس کا سننا بھی واجب ہے۔

پھر ترتیب بدل دی، جمعہ کا خطبہ پہلے کردیا، کیونکہ جمعہ ہر ساتویں دن آتا ہے، اور مشاغل کے درمیان نماز ادا کرنی ہوتی ہے، اس لئے نماز میں آنے میں کسی سے تاخیر ہوسکتی ہے، اب جب خطبہ پہلے دیا جائے گا تو کوئی تاخیر کرے گا تو خطبہ کا کوئی حصہ چھوٹے گا، نماز نہیں چھوٹے گی، اور عیدین کو اصل پر برقرار رکھا، کیونکہ مقصود عبادت ہے، بیان ضمنی مقصد ہے، اور عید سال میں ایک دو مرتبہ آتی ہے، اور لوگ اس دن فارغ ہوتے ہیں، اس لئے نماز چھٹنے کا احتمال نادر ہے۔

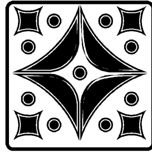
آیاتِ کریمہ: —— اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے پکارا جائے تو تم فوراً اللہ کی یاد کی طرف چل پڑو، اور خرید وفروخت چھوڑ دو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تمہیں کچھ سمجھ ہو! —— پہلے آبادی میں جمعہ کی نماز ایک جگہ ہوتی تھی، پھر جب آبادیاں بڑھ گئیں تو ضرورۃً متعدد جگہ جمعہ کی نماز ہونے لگی............ اور آیت عام مخصوص منہ البعض ہے، عورتیں، بچے، بیمار اور مسافر وغیرہ مستثنیٰ ہیں............ اسی طرح صحتِ جمعہ کے لئے خاص قسم کا تمدن ضروری ہے، حنفیہ کے نزدیک شہر، قصبہ اور بڑے گاؤں میں جمعہ درست ہے، چھوٹے گاؤں میں جمعہ درست نہیں، آیتِ کریمہ میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ لوگوں کی معیشت کا مدار جہاں خرید وفروخت پر ہو وہیں جمعہ ہوگا، اور جس بستی کی معیشت کا مدار کھیتی باڑی پر ہو وہاں جمعہ درست نہیں............ یہ پہلا حکم وجوبی ہے۔

دوسرا حکم: پھر جب جمعہ کی نماز پوری ہوجائے تو تم زمین میں پھیل جاؤ —— اس میں بھی اشارہ ہے کہ آبادی بڑی

ہے ـــــ اور اللہ کی روزی میں سے تلاش کرو ـــــ یعنی کاروبار شروع کردو ـــــ اور اللہ کو بکثرت یاد کرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہوؤ ـــــ کاروبار میں احکامِ شرع کا خیال رکھنا بھی اللہ کا ذکر ہے۔

آخری آیت: ـــــ اور جب لوگ کوئی تجارت یا کھیل تماشا دیکھتے ہیں تو وہ اس کی طرف بکھر جاتے ہیں ـــــ ﴿اِلَیۡهَا﴾ واحد مؤنث کی ضمیر ﴿تِجَارَةً﴾ کی طرف لوٹتی ہے، اور ﴿لَهۡوَ﴾ کو چھوڑ دیا، لھما: تثنیہ کی ضمیر لاکر لہو کی طرف بھی ضمیر نہیں لوٹائی، کیونکہ میلوں میں جانے والے زیادہ تر خریداری کے لئے جاتے ہیں، تماش بین تھوڑے ہوتے ہیں، اس لئے ان کا اعتبار نہیں کیا ـــــ اور آپ ﷺ کو کھڑا ہوا چھوڑ جاتے ہیں ـــــ اس میں اشارہ ہے کہ جمعہ اور عیدین کے خطبوں میں سنت کھڑے ہو کر دینا ہے، دوسرے بیانات منبر پر بیٹھ کر دے سکتے ہیں ـــــ کہیں: جو اللہ کے پاس ہے ـــــ یعنی واجب خطبہ سننے کا ثواب ـــــ وہ کھیل تماشے اور تجارت سے بہتر ہے ـــــ رہا قحط کی وجہ سے روزی کا کھٹکا تو سن لو: ـــــ اور اللہ تعالیٰ سب سے اچھے روزی پہنچانے والے ہیں ـــــ لہو: ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو اللہ کی یاد سے غافل کرے، پس مارکیٹ کی رونق بھی لہو ہے۔

﴿۱۲/ شعبان ۱۴۳۷ھ = ۲۰/ مئی ۲۰۱۶ء﴾



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ المنافقون

سورۃ المجادلہ سے سلسلۂ بیان چل رہا ہے، سورۃ المجادلہ میں حزب اللہ اور حزب الشیطان کا تذکرہ آیا ہے، پھر سورۃ الحشر میں اول کی کامیابی اور ثانی کی ناکامی دکھائی ہے، پھر سورۂ ممتحنہ میں حزب اللہ کی کامیابی کے لئے ایک منفی شرط عائد کی ہے کہ کوئی مسلمان دشمن سے دوستانہ تعلق نہ رکھے۔

پھر سورۃ الصّف میں مثبت شرط لگائی ہے کہ مجاہدین سیسہ پلائی ہوئی عمارت کی طرح متحد ہو کر لڑیں، پھر سورۃ الجمعہ میں عموم بعثت کا بیان ہے کہ اگر جہاد شرائط کے ساتھ چلتا رہا تو اسلام کی روشنی پوری دنیا میں پھیل کر رہے گی، اور عرب و عجم خاتم النّبیین ﷺ کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں گے۔

شیطان کا لشکر مشرکین تھے، ان کا یہود کے ساتھ دوستانہ تھا، اور اللہ کا لشکر مسلمان تھے، ان کے ساتھ منافقین رلے ملے تھے، اب اس سورت میں یہ بیان ہے کہ مسلمانوں کے اصل دشمن منافقین ہیں، اِن آستین کے سانپوں سے چوکنا رہنا چاہئے، آیت ۴ میں ہے: ﴿هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ﴾: وہی دشمن ہیں ان سے محتاط رہو —— اور حصر ادّعائی ہے، جیسے لا ربوا إلا في النسیئۃ: ادھار ہی میں سود ہے، حالانکہ ربوی چیزیں ہم جنس بیچی جائیں، اور ان میں تفاضل (کمی بیشی) ہو تو وہ بھی سود ہے، اور مذکورہ حدیث میں حصر ادّعائی ہے، لوگ ادھار کو سود ہی نہیں سمجھتے، اس لئے زور دینے کے لئے کہا کہ ادھار ہی سود ہے، اسی طرح منافقین چونکہ مسلمانوں کے ساتھ ہیں، اس لئے ان کو دشمن نہیں سمجھا جاتا، پس فرمایا کہ وہی دشمن ہیں، ان سے محتاط رہو۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ نفاق کی دو قسمیں ہیں: اعتقادی اور عملی، پہلے رکوع میں نفاق اعتقادی کا بیان ہے، اور دوسرے رکوع میں نفاق عملی کا، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ کی دوسری قسم کے شروع میں اس کو مفصل بیان کیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے:

"ایمان کی دو قسمیں ہیں: ظاہری انقیاد، اس کا مقابل کفر ہے، اور یقینِ کامل، اس کے مقابل کی تین صورتیں ہیں، اور ان کے تین نام ہیں:

۱- اگر تصدیق قلبی بالکل ہی فوت ہو، اور ظاہری انقیاد واطاعت صرف تلوار کے خوف سے ہو تو وہ اصلی اور اعتقادی نفاق ہے۔

۲-اور اگر دل میں تصدیق تو موجود ہو، مگر عمل بالجوارح فوت ہو، یعنی فرائض کا تارک اور کبائر کا مرتکب ہو تو وہ فاسق ہے۔

۳-اور اگر دل میں تصدیق ہو، مگر یقین کی دولت سے محروم ہو تو وہ نفاقِ عملی ہے۔

اور نفاقِ عملی تین طرح سے پیدا ہوتا ہے:

۱-آدمی پر نفس کا یا دنیا یا جہالت کا پردہ پڑ جائے، اور وہ مال، خاندان اور اولاد کی محبت میں بری طرح پھنس جائے، اس لئے جزاؤسزا کو مستبعد سمجھنے لگے، اور گناہوں پر بے باک ہو جائے، دوسرے رکوع میں انہی لوگوں کا ذکر ہے۔

۲-اسلام میں سختیاں دیکھے، یعنی مسلمان ہونے کے بعد آلام ومصائب سے دوچار ہو، یا آبائی مسلمان ہو، اور اس کو یہ صورت پیش آئے، پس وہ اسلام کو ناپسند کرنے لگے۔

۳-بعض خاص کافروں سے اس کو محبت ہو، جو اس کو اللہ کا بول بالا کرنے سے روک دیں، اسی لئے کفار سے مودت یعنی قلبی تعلق حرام ہے۔

سورۃ المنافقون کا شانِ نزول: ۵ ہجری یا ۶ ہجری میں غزوۂ بنی المصطلق پیش آیا، اسی کا نام غزوۂ مریسیع بھی ہے (مریسیع: اس قوم کے چشمے یا کنویں کا نام ہے) اس جنگ میں کامیابی کے بعد ایک واقعہ پیش آیا۔ ایک مہاجری اور ایک انصاری میں جھگڑا ہو گیا، مہاجری نے مہاجرین کو مدد کے لئے پکارا، اور انصاری نے انصار کو، اور قریب تھا کہ مسلمانوں میں ایک فتنہ کھڑا ہو جائے، اس جھگڑے میں انصاری کو چوٹ لگی، نبی ﷺ موقع پر پہنچے، اور فرمایا: ''یہ جاہلیت کا نعرہ کیسا ہے؟ اسے چھوڑو، یہ بدبودار نعرہ ہے!'' اس طرح معاملہ رفع دفع ہو گیا۔

مگر اس واقعہ سے رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے فائدہ اٹھایا، اس نے اپنے لوگوں سے کہا: تم نے ان مہاجرین کو سر پے چڑھا لیا ہے، تم نے ان کو اپنے اموال اور جائدادیں تقسیم کر کے دیں، اب یہ تمہاری روٹیوں پر پلے ہوئے تمہیں آنکھیں دکھارہے ہیں، اگر اب بھی تم نے ان کے تعاون سے ہاتھ نہ کھینچا تو یہ لوگ تمہارا جینا حرام کر دیں گے، تمہیں چاہئے کہ جب تم مدینہ پہنچو تو عزت والا ذلیل کو وہاں سے باہر کرے۔

یہ گفتگو حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے سنی، وہ اس وقت نوجوان تھے، انھوں نے یہ بات اپنے چچا کو بتلائی، چچا نے وہ بات رسول اللہ ﷺ کو بتائی، آپؐ نے حضرت زید کو بلا کر تحقیق کی، اور پوچھا: ''لڑکے تم جھوٹ تو نہیں بولتے؟'' حضرت زید نے قسم کھا کر کہا کہ انھوں نے وہ بات اپنے کانوں سے سنی ہے، آپؐ نے پھر پوچھا: ''تمہیں کچھ شبہ تو نہیں ہو گیا؟'' حضرت زید نے پھر وہی جواب دیا، تب آپؐ نے عبداللہ کو بلا کر پوچھا، وہ قسم کھا گیا کہ اس نے یہ بات نہیں کہی، اور زید جھوٹا ہے، چنانچہ تھوڑی دیر کے لئے آپؐ کو اس کا اعتبار آ گیا، اور حضرت زید سے بدظنی ہو گئی، پھر جب سورۃ المنافقین نازل ہوئی تو ڈھول کا پول کھل گیا، اور قرآن نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کی تصدیق کر دی۔

آیاتها ۱۱ (۶۳) سُوْرَةُ الْمُنٰفِقُوْنَ مَدَنِيَّةٌ (۱۰۴) رکوعاتها ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۚ﴿۱﴾ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۳﴾ وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ؕ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ؕ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ؕ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ؕ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۡ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۴﴾

اِذَا جَآءَكَ	جب آئیں گے آپ	اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ	بے شک منافقین	فَطُبِعَ	پس مہر لگ گئی
	کے پاس	لَكٰذِبُوْنَ	یقیناً جھوٹے ہیں	عَلٰى قُلُوْبِهِمْ	ان کے دلوں پر
الْمُنٰفِقُوْنَ	منافقین	اِتَّخَذُوْٓا	بنایا انھوں نے	فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ	پس وہ سمجھتے نہیں
قَالُوْا	(تو) کہیں گے	اَيْمَانَهُمْ	اپنی قسموں کو	وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ	اور جب آپ انکو دیکھیں
نَشْهَدُ	ہم گواہی دیتے ہیں	جُنَّةً	ڈھال	تُعْجِبُكَ	پسند آئیں آپ کو
اِنَّكَ	بے شک آپ	فَصَدُّوْا	پس روکا انھوں نے	اَجْسَامُهُمْ	ان کے جسم
لَرَسُوْلُ اللّٰهِ	البتہ اللہ کے رسول ہیں	عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	اللہ کے راستہ سے	وَاِنْ يَّقُوْلُوْا	اور اگر کہیں وہ
وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	اِنَّهُمْ سَآءَ مَا	بے شک برا ہے جو	تَسْمَعْ	سنیں آپ
يَعْلَمُ	جانتے ہیں	كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ	کیا کرتے تھے وہ	لِقَوْلِهِمْ	ان کی بات
اِنَّكَ	بے شک آپ	ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ	یہ بات بایں وجہ ہے کہ وہ	كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ	گویا وہ لکڑی ہیں
لَرَسُوْلُهٗ	اس کے رسول ہیں	اٰمَنُوْا	ایمان لائے	مُّسَنَّدَةٌ	سہارے سے رکھی ہوئی
وَاللّٰهُ يَشْهَدُ	اور اللہ گواہی دیتے ہیں	ثُمَّ كَفَرُوْا	پھر انھوں نے انکار کیا	يَحْسَبُوْنَ	گمان کرتے ہیں

ناس کریں ان کا اللہ	قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ	وہی دشمن ہیں	هُمُ الْعَدُوُّ	ہر چیخ کو	كُلَّ صَيْحَةٍ
کہاں بھٹکے جارہے ہیں	اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ	پس بچیں آپ ان سے	فَاحْذَرْهُمْ	اپنے اوپر	عَلَيْهِمْ

اللہ تعالیٰ گواہی دیتے ہیں کہ منافقین دعوئے ایمان میں جھوٹے ہیں

منافقین دل میں نبی ﷺ کے رسول ہونے کا اعتقاد نہیں رکھتے تھے، مگر جھوٹ بولتے تھے کہ ان کو دل سے اعتقاد ہے، وہ اپنی اغراض کے لئے زبان سے باتیں بناتے تھے، اور جھوٹ بولنا تو ان کا شعار تھا، بات بات میں دروغ بیانی سے کام لیتے تھے، شانِ نزول کے واقعہ میں انھوں نے جھوٹ بولا ہے، اور اللہ نے آسمان سے ان کی تکذیب کی ہے۔

﴿ اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۚ﴾

ترجمہ: جب منافقین آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں، اور اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں، اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتے ہیں کہ منافقین (گواہی میں) جھوٹے ہیں۔

منافقین نے قسموں کو ڈھال بنایا ہے

منافقین جھوٹی قسمیں کھا کر مسلمانوں کو یقین دلاتے تھے کہ وہ مسلمان ہیں، تاکہ وہ مجاہدین اسلام کے ہاتھوں سے اپنی جان و مال محفوظ رکھیں، اور در پردہ وہ اسلام کی جڑیں کھودتے تھے، اسلام اور مسلمانوں کی عیب جوئی کر کے دوسروں کو بھی اسلام سے روکتے تھے، پس ان کی جھوٹی قسموں کا ضرر ان تک محدود نہیں رہتا تھا، بلکہ دوسروں تک متعدی ہوجاتا تھا، پس اس سے بڑھ کر اور برا کام کیا ہوگا؟

﴿اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: انھوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے، پھر وہ دوسروں کو بھی اللہ کے راستے سے روکتے ہیں، بے شک برے ہیں وہ کام جو وہ کیا کرتے ہیں۔

منافقوں کے دلوں پر مہر لگ گئی ہے، اس لئے وہ حق بات سمجھتے نہیں!

منافقین زبان سے تو ایمان لائے، مگر دل منکر رہے، اور انھوں نے کافروں جیسے کام کئے، تو ان کے دلوں پر مہر لگ گئی، اب ان میں قبولِ حق کی صلاحیت مطلق نہیں رہی، اس لئے اب اُن سے بات سمجھنے کی امید رکھنا فضول ہے۔

﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: وہ بات یعنی منافقین کے اعمال بہت برے ہیں اس سبب سے کہ وہ لوگ (بہ ظاہر) ایمان لائے، پھر (در پردہ) کفر کیا تو ان کے دلوں پر مہر کردی گئی، پس وہ (حق بات) نہیں سمجھتے!

منافقین میں چھ باتیں: اچھی، بری اور بہت بری

منافقین میں چھ باتیں ہیں: دو کھلی ہیں جو اچھی ہیں، دو چھپی ہیں جو بری ہیں، اور دو اخفی ہیں، جو بہت بری ہیں: کھلی دو باتیں یہ ہیں: (۱) ان کے جسم بڑے خوبصورت ہیں، ان کو دیکھ کر جی خوش ہوتا ہے (۲) ان کی باتیں لچھے دار ہوتی ہیں، ایسی کہ آدمی سنتا ہی رہے۔ اور دو چھپی باتیں یہ ہیں: (۱) وہ دیوار سے لگا کر کھڑی کی ہوئی لکڑی کی طرح ہیں، ان کو مسلمانوں کا سہارا چاہئے، اسی لئے وہ بظاہر مسلمان ہوئے ہیں (۲) وہ بزدل اور ڈرپوک ہیں، کہیں ذرا شور وغل ہوتا ہے تو ان کا دل دہل جاتا ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ آئی ہم پر آفت! اور دو اخفی باتیں یہ ہیں: (۱) مسلمانوں کے حقیقی دشمن یہی لوگ ہیں، ان کی چالوں سے ہمیشہ ہوشیار رہنا چاہئے (۲) وہ راہِ حق کو چھوڑ کر بھٹک رہے ہیں، اللہ ان کا ناس مارے!

﴿ وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ ۖ وَإِن يَقُولُوا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ۖ كَأَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ۖ يَحْسَبُونَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ۚ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ۚ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ ۖ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ۝ ﴾

ترجمہ: (۱) اور جب آپ دیکھیں تو ان کے اجسام آپ کو پسند آئیں (۲) اور اگر وہ بات کہیں تو آپ ان کی بات سننے لگیں (۳) گویا وہ سہارے سے لگا کر کھڑی کی ہوئی لکڑیاں ہیں (۴) ہر غل پکار کو اپنے اوپر پڑنے والی بلا سمجھتے ہیں (۵) وہی دشمن ہیں، پس آپ ان سے ہوشیار رہیں (۶) اللہ ان کو غارت کرے! وہ کہاں پھرے جا رہے ہیں؟

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللَّهِ لَوَّوْا رُءُوسَهُمْ وَرَأَيْتَهُمْ يَصُدُّونَ وَهُم مُّسْتَكْبِرُونَ ۝ سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۝٦ هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنفِقُوا عَلَىٰ مَنْ عِندَ رَسُولِ اللَّهِ حَتَّىٰ يَنفَضُّوا ۗ وَلِلَّهِ خَزَائِنُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَفْقَهُونَ ۝٧ يَقُولُونَ لَئِن رَّجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ ۚ وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۝٨

ع ۱ / ۱۴

وَاِذَا قِیْلَ	اور جب کہا گیا	اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ	یا معافی نہ چاہیں	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں
لَھُمْ	ان سے	لَھُمْ	ان کے لئے	وَالْاَرْضِ	اور زمین کے
تَعَالَوْا	آؤ	لَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ	ہرگز معاف نہیں کریں	وَلٰکِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ	لیکن منافقین
یَسْتَغْفِرْ	گناہ معاف کرائیں	لَھُمْ	گے اللہ ان کو	لَا یَفْقَھُوْنَ	سمجھتے نہیں
لَکُمْ	تمہارے	اِنَّ اللّٰہَ	بے شک اللہ تعالیٰ	یَقُوْلُوْنَ	کہتے ہیں
رَسُوْلُ اللّٰہِ	اللہ کے رسول	لَا یَھْدِی	راہ نہیں دیتے	لَئِنْ رَّجَعْنَآ	بخدا! اگر لوٹے ہم
لَوَّوْا (۱)	مٹکائے انھوں نے	الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ	نافرمان لوگوں کو	اِلَی الْمَدِیْنَۃِ	مدینہ کی طرف
رُءُوْسَھُمْ	اپنے سر	ھُمُ الَّذِیْنَ	وہی ہیں جو	لَیُخْرِجَنَّ	ضرور نکال باہر کرے گا
وَرَاَیْتَھُمْ	اور دیکھتا ہے تو ان کو	یَقُوْلُوْنَ	کہتے ہیں	الْاَعَزُّ مِنْھَا (۴)	زیادہ معزز اس سے
یَصُدُّوْنَ (۲)	رکتے ہیں وہ	لَا تُنْفِقُوْا	مت خرچ کرو	الْاَذَلَّ	زیادہ ذلیل کو
وَھُمْ	درانحالیکہ وہ	عَلٰی مَنْ عِنْدَ	ان پر جو پاس ہیں	وَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ	اور اللہ کیلئے عزت ہے
مُّسْتَکْبِرُوْنَ	گھمنڈ کرنے والے ہیں	رَسُوْلِ اللّٰہِ	اللہ کے رسول کے	وَلِرَسُوْلِہٖ	اور اس کے رسول کے لئے
سَوَآءٌ عَلَیْھِمْ	یکساں ہے ان پر	حَتّٰی یَنْفَضُّوْا (۳)	تاکہ بکھر جائیں وہ	وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ	اور مسلمانوں کے لئے
اَسْتَغْفَرْتَ	خواہ آپ معافی چاہیں	وَلِلّٰہِ	اور اللہ کے لئے ہیں	وَلٰکِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ	لیکن منافقین
لَھُمْ	ان کے لئے	خَزَآئِنُ	خزانے	لَا یَعْلَمُوْنَ	جانتے نہیں

جب منافقین کا پردہ فاش ہوجاتا ہے تب بھی وہ گناہ معاف کرانے نہیں آتے

جب کسی معاملہ میں صاف طور پر منافقین کی شرارت کھل جاتی ہے، اور ان سے کہا جاتا ہے کہ خدمتِ نبوی میں حاضر ہوکر اپنا گناہ معاف کرالو تو ان کا غرور اس کی اجازت نہیں دیتا، وہ گردن ہلا کر سر مٹکا کر رہ جاتے ہیں، اور سنی ان سنی کر دیتے ہیں۔

﴿ وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ تَعَالَوْا یَسْتَغْفِرْ لَکُمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ لَوَّوْا رُءُوْسَھُمْ وَرَاَیْتَھُمْ یَصُدُّوْنَ وَھُمْ مُّسْتَکْبِرُوْنَ۝ ﴾

ترجمہ: اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ، اللہ کے رسول تمہارے گناہ معاف کرادیں تو وہ سر مٹکا کر رہ جاتے ہیں، اور آپؐ ان کو دیکھیں گے کہ بے رخی اختیار کرتے ہیں، درانحالیکہ وہ تکبر کرنے والے ہیں۔

(۱) لَوَّوْا: ماضی معروف، جمع مذکر، تَلْوِیَۃ مصدر، لَیّ: مادہ: سر کو مٹکانا، گھمانا، ہلانا (۲) صَدَّ (ن): اعراض کرنا، باز رہنا، رکنا، عن: صلہ آئے تو روکنا، باز رکھنا۔ (۳) انفِضَاض: منتشر ہونا (۴) منھا: ای من المدینۃ۔

منافقین کے لئے خواہ معافی چاہیں یا نہ چاہیں، اللہ تعالیٰ ان کو معاف نہیں کریں گے

آیت ٦ میں نبی ﷺ کو اختیار دیا ہے کہ خواہ آپ منافقین کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں اللہ تعالیٰ ان کو نہیں بخشیں گے، اس میں اشارہ تھا کہ ان کے لئے استغفار نہیں کرنا چاہئے، مگر آپؐ نے اختیار سے فائدہ اٹھا کر رئیس المنافقین کا جنازہ پڑھایا، پھر سورۃ التوبہ کی (آیت ۸۴) نازل ہوئی، اور ممانعت کو قطعی شکل دیدی۔

﴿ سَوَآءٌ عَلَيۡهِمۡ اَسۡتَغۡفَرۡتَ لَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ‌ؕ لَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَهُمۡ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِيۡنَ ۞ ﴾

ترجمہ: یکساں ہے ان کے حق میں: خواہ آپ ان کے لئے استغفار کریں یا ان کے لئے استغفار نہ کریں: اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہیں بخشیں گے، بے شک اللہ تعالیٰ حد اطاعت سے نکل جانے والوں کو راہ ہدایت نہیں دیتے۔

انصار کا مہاجرین پر خرچ کرنا منافقین کو کھلتا تھا

آیت سات کا ترجمہ: وہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں: ان لوگوں پر خرچ مت کرو جو اللہ کے رسول کے پاس ہیں، تا کہ وہ متفرق ہو جائیں، اور آسمانوں اور زمین کے خزانے اللہ کے لئے ہیں، لیکن منافقین سمجھتے نہیں —— وہ سمجھتے ہیں کہ وہ خرچ نہیں کریں گے تو مہاجرین بھوکوں مریں گے، نہیں وہ رزق کے دوسرے دروازے کھول دیں گے۔

عزت (غلبہ) اللہ کے لئے، اس کے رسول کے لئے، اور مؤمنین کے لئے ہے، کفار و منافقین کا اس میں کوئی حصہ نہیں

شانِ نزول کی حدیث ایک مرتبہ اور پڑھ لیں: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم ایک غزوہ (غزوۂ مریسیع) میں نبی ﷺ کے ساتھ تھے اور لوٹے آپؐ کے ساتھ بہت سے مہاجرین یعنی لشکر میں مہاجرین کی تعداد زیادہ تھی، اور مہاجرین میں ایک تفریح باز آدمی تھا، اس نے ایک انصاری کی سرین پر ہاتھ یا لات ماری، پس انصاری بہت زیادہ غصہ ہوا، یہاں تک کہ اس نے (اپنے قبیلہ کو) مدد کے لئے پکارا: او انصار! مدد کو دوڑو! اور مہاجری نے پکارا! او مہاجرو! مدد کو دوڑو! پس نبی ﷺ (خیمہ سے) باہر نکلے اور پوچھا: یہ جاہلیت کا نعرہ کیسا ہے؟ پھر پوچھا: کیا قصہ ہے؟ پس آپؐ کو مہاجری کے انصار کی سرین پر ہاتھ یا لات مارنے کی بات بتائی گئی، پس نبی ﷺ نے فرمایا: اس نعرہ کو چھوڑو، یہ گندہ نعرہ ہے، اور عبداللہ بن ابی ابن سلول نے کہا: کیا انھوں نے ہمارے مقابلہ پر مدد کے لئے پکارا؟ اگر ہم مدینہ لوٹے تو نہایت عزت والا ضرور نہایت ذلیل کو مدینہ سے نکال دے گا، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: کیا ہم اس خبیث کو یعنی عبداللہ کو قتل نہ کر دیں اے اللہ کے نبی! آپؐ نے فرمایا: نہیں، لوگ باتیں کریں گے کہ محمدؐ اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں یعنی رہتی دنیا تک لوگ پروپیگنڈہ کریں

گے کہ محمدؐ نے تو اپنے ساتھیوں کو بھی نہیں چھوڑا، ان کو بھی قتل کیا، پس ایسے غلط پروپیگنڈہ کا موقع لوگوں کو نہیں دینا چاہئے۔

منافقین یہ نہیں جانتے کہ عزت والا اور زور والا کون ہے، اصلی عزت تو اللہ کے لئے ہے، پھر ان کی عنایت سے رسول اور مؤمنین کے لئے، کفار و منافقین کا اس میں کوئی حصہ نہیں۔

﴿يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ۭ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: وہ کہتے ہیں: بخدا! اگر لوٹ کر ہم مدینہ پہنچے تو ضرور نکال باہر کرے گا نہایت عزت دار بڑے ذلیل کو ــــــ

جواب: اور عزت اللہ کے لئے ہے اور اس کے رسول کے لئے اور مؤمنین کے لئے ہے، مگر منافقین جانتے نہیں ــــــ وہ آج خود کو عزت والا اور زور والا تصور کرتے ہیں، مگر کل جوان کی درگت بنے گی اس کی ان کو خبر نہیں!

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَاۗءَ اَجَلُهَا ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ؑ

ع ۲ ۱۴

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے لوگو جو	فَاُولٰۗىِٕكَ	پس وہ لوگ	اَنْ يَّاْتِيَ	کہ آئے
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	هُمُ الْخٰسِرُوْنَ	ہی گھاٹے میں رہنے	اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ	تم میں سے کسی کو موت
لَا تُلْهِكُمْ (۱)	نہ غافل کریں تم کو		والے ہیں	فَيَقُوْلَ	پس کہے وہ
اَمْوَالُكُمْ	تمہارے اموال	وَاَنْفِقُوْا	اور خرچ کرو	رَبِّ	اے میرے ربّ
وَلَآ اَوْلَادُكُمْ	اور تمہاری اولاد	مِنْ مَّا	اس میں سے جو	لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ	کیوں نہیں مؤخر کیا
عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ	اللہ کی یاد سے	رَزَقْنٰكُمْ	بطور روزی دیا ہم نے		آپ نے مجھ کو
وَمَنْ يَّفْعَلْ	اور جو شخص کرے گا		تم کو	اِلٰٓى اَجَلٍ	ایک مدت تک
ذٰلِكَ	یہ کام	مِّنْ قَبْلِ	پہلے اس سے	قَرِيْبٍ	تھوڑی

(۱) أَلْهٰی يُلْهِی إِلْهَاءً: غافل کرنا، لَا تُلْهِ: فعل نہی ہے۔

فَاَصَّدَّقَ[1]	پس خیرات کرتا میں	اللّٰہُ	اللہ تعالیٰ	وَ اللّٰہُ	اور اللہ تعالیٰ
وَ اَكُنْ	اور ہوتا میں	نَفْسًا	کسی شخص کو	خَبِيْرٌۢ	خوب جانتے ہیں
مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ	نیکوں میں سے	اِذَا جَآءَ	جب آجاتا ہے	بِمَا	ان کاموں کو جو
وَلَنْ يُّؤَخِّرَ	اور ہرگز مؤخر نہیں کرتے	اَجَلُهَا	اس کی موت کا وقت	تَعْمَلُوْنَ	تم کرتے ہو

نفاقِ عملی کا بیان

عمل میں کوتاہ مسلمان قیامت کے دن آرزو کریں گے: کاش انہیں تھوڑی مہلت مل جاتی!

پہلے رکوع میں نفاقِ اعتقادی کا بیان تھا، اخروی احکام میں اس منافق اور کافر مجاہر میں کچھ فرق نہیں، بلکہ یہ منافق: کافر سے بدتر ہے، وہ جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوگا —— اب آخر میں ضمناً نفاق عملی کا بیان ہے، یہ نفاق: ایمان کے ساتھ جمع ہوتا ہے، مگر یہ منافق ایمان میں یقین کی دولت سے محروم ہوتا ہے، اس لئے عمل میں کوتاہ ہوتا ہے۔

ابھی سورت کی تمہید میں شاہ صاحبؒ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ یہ نفاق تین طرح پیدا ہوتا ہے، اس کی ایک صورت یہ ہے کہ آدمی پر نفس یا دنیا یا جہالت کا پردہ پڑ جائے، اور وہ مال، اولاد اور خاندان کی محبت میں بری طرح پھنس جائے، اس لئے جزاؤسزا کو مستبعد سمجھنے لگے، اور گناہوں پر بے باک ہوجائے، اور یہ باتیں اس طرح اس کے دل میں سرایت کر جائیں کہ اسے احساس تک نہ ہو، اگرچہ عقل وبرہان سے اُن باتوں کو مانتا ہو جن کا ماننا ایمان کے لئے ضروری ہے۔

یہ عملی منافق قیامت کے دن اور موت کے وقت آرزو کرے گا کہ کاش اُسے تھوڑی مہلت مل جاتی یا وہ دنیا کی طرف تھوڑی مدت کے لئے لوٹایا جاتا تو خوب خیر خیرات کرکے نیک صالح بن کر آتا، مگر اب کیا ہوت ہے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت! جب موت کی گھڑی سرپے آکھڑی ہوتی ہے تو لمحہ بھر کی مہلت نہیں ملتی، اور وہ جو کچھ کما کر لایا ہے اس سے اللہ تعالیٰ پورے باخبر ہیں، اب اس کا حساب چکائیں گے۔

آیاتِ پاک: —— اے ایمان والو! تمہیں غافل نہ کریں تمہارے اموال اور نہ تمہاری اولاد اللہ کے ذکر سے —— اللہ کے ذکر سے ساری شریعت مراد ہے —— اور جو ایسا کرے گا —— یعنی دنیا کے دھندوں میں پڑ کر آخرت کو بھول جائے گا —— پس وہی لوگ گھاٹے میں پڑنے والے ہیں۔

اور کچھ خرچ کرو اس میں سے جو ہم نے تم کو دیا ہے —— یہ منافقوں کے قول: ﴿لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ﴾ کا مقابل ہے —— اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کو موت آئے، پس وہ کہے: اے میرے ربّ! کیوں

(۱) أَصَّدَّقَ: تصدق سے مضارع صیغہ واحد متکلم ہے: صدقہ دینا، خیرات کرنا، باب تفعّل کی تا کا صاد میں ادغام ہوا ہے۔

مہلت نہ دی آپ نے مجھ کو تھوڑی سی کہ میں خیرات کرتا، اور نیک بندوں میں شامل ہو جاتا؟

جواب: ــــ اور اللہ تعالیٰ ہرگز مہلت نہیں دیتے کسی شخص کو جب اس کی موت کا وقت آجاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے کاموں کی سب خبر ہے!

آیات کی یہ تفسیر: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کی ہے، ترمذی شریف میں حدیث (نمبر ۳۳۳۹) ہے:

حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس کے پاس اتنا مال ہے کہ وہ اس کو بیت اللہ تک حج کے لئے پہنچا سکتا ہے، یا اس کے پاس اتنا مال ہے کہ اس میں زکوٰۃ واجب ہے، پس اس نے حج نہ کیا اور زکوٰۃ ادا نہ کی تو وہ موت کے وقت دنیا میں واپس لوٹنے کی درخواست کرے گا (تاکہ اپنی کوتاہی کی تلافی کرے)...... پس ایک شخص نے کہا: ابن عباس! اللہ سے ڈرو! واپس لوٹنے کی درخواست کفار ہی کریں گے۔ حضرت ابن عباسؓ نے کہا: میں ابھی آپ کے سامنے اس سلسلہ میں قرآن پڑھوں گا کہ یہ بات کافروں کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ وہ مؤمن جس نے اعمال میں کوتاہی کی ہے وہ بھی درخواست کرے گا، پھر آپؓ نے سورۃ المنافقین کی (آیات ۹-۱۱) پڑھیں۔

تشریح: سورۃ المؤمنون کی (آیات ۹۹و۱۰۰) ہیں: ﴿حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۝ لَعَلِّیْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ۝﴾: یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے سر پر موت آکھڑی ہوتی ہے تو وہ کہتا ہے: اے میرے رب! آپ مجھے دنیا میں واپس بھیج دیں، تاکہ جس (مال) کو میں چھوڑ آیا ہوں اس میں نیک کام کروں، ہرگز نہیں! یہ اس کی ایک بات ہے جس کو وہ کہہ رہا ہے یعنی وہ بات پوری ہونے والی نہیں اور ان کے آگے ایک آڑ (قبر کی زندگی) ہے قیامت کے دن تک...... اس آیت سے اعتراض کرنے والے کو دھوکہ ہوا ہے، اس آیت میں کافر کا ذکر ہے، مگر اس میں حصر نہیں کہ وہی واپس لوٹنے کی درخواست کرے گا، اور سورۃ المنافقین کی آیات میں صراحت ہے کہ مسلمان بھی اگر اس نے اعمال میں کوتاہی کی ہے: واپس لوٹنے کی درخواست کرے گا۔

ملحوظہ: احادیث میں جو تین چار باتوں کو منافق کی علامتیں کہا ہے: وہ بطور مثال ہے، ان احادیث میں کلمۂ حصر نہیں ہے (بخاری حدیث ۳۳و۳۴) پس ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر سے اس کا تعارض نہیں۔

ایک نکتہ: سورۃ المنافقون کا نمبر شمار ۶۳ ہے، اور نبی ﷺ کی وفات ۶۳ سال کی عمر میں ہوئی ہے، اور اس سورت کی آخری آیت ہے کہ جب موت کا وقت آتا ہے تو لحہ بھر کی مہلت نہیں ملتی، یہ بات محبوب رب العالمین کے لئے بھی ہے، اور آگے سورۃ التغابن (خسارے کی سورت) آرہی ہے، اس سے بعض علماء نے عمر مبارک اور وفات کا عظیم خسارہ ہونا مستنبط کیا ہے (جمل)

﴿۱۳ رشعبان ۱۴۳۷ھ = ۲۱ رمئی ۲۰۱۶ء﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ التغابن

التغابن: بابِ تفاعل کا مصدر ہے، اس باب میں مشارکت (حصہ داری) ہوتی ہے، تَغَابَنَ الْقَوْمُ کے معنی ہیں: ایک دوسرے کو دھوکہ دینا، نقصان پہنچانا، اور یوم التغابن کے معنی ہیں: ہار جیت کا دن، سود وزیاں کا دن، یعنی قیامت کا دن، اس دن دوزخی ہاریں گے اور جنتی جیتیں گے، جنت میں دوزخیوں کا جو ٹھکانہ ہے وہ جنتیوں کے ہاتھ آئے گا، اور دوزخ میں جنتیوں کا جو ٹھکانہ ہے وہ دوزخیوں کے پلّے پڑے گا۔

دوسری وجہ: قیامت کے دن کو یوم التغابن اس لئے کہا گیا ہے کہ لوگوں نے اللہ تعالیٰ سے جو عہد و پیمان کیا ہے، پھر اس کی خلاف ورزی کی ہے، اور وہ اپنی دانست میں دھوکہ دیتے رہے ہیں: اُس دن ان کا یہ فعل کھل کر سامنے آجائے گا، القاموس الوحید میں یہ معنی لکھے ہیں، اور امام راغب رحمہ اللہ نے بھی 'مفردات' میں اسی کو پھیلا کر لکھا ہے، میں نے یہ معنی اختیار کئے ہیں، اس صورت میں سورت التغابن کا سورۃ المنافقون سے ربط زیادہ واضح ہوتا ہے، اس صورت میں التغابن میں مجاز بالحذف ہوگا یعنی مضاف محذوف ہوگا، أی ظھور التغابن: فریب کھلنے کا دن، قیامت کے دن اعتقادی منافقین کا فریب کھل جائے گا۔

ربط: سورۃ المنافقین کے پہلے رکوع میں اعتقادی منافقین کا تذکرہ ہے، یہ نفاق کفر بُواح (واضح) سے بدتر ہے، ان منافقین کا ٹھکانہ اسفل السافلین (جہنم کا سب سے نچلا حصہ) ہے، اور دوسرے رکوع میں عملی منافقین یعنی عمل میں کوتاہ مؤمنین کا ذکر ہے، یہ نفاق: ایمان کے ساتھ جمع ہوتا ہے، اور یہ کوتاہ عمل مسلمان ان شاء اللہ مغفور ہوں گے۔ اس سورت میں بھی نفاق کی ان دونوں قسموں کا تذکرہ ہے، پس یہ سورت ماقبل سے مربوط ہے۔

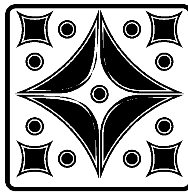
سورت کے مضامین: سورت ایک تمہید سے شروع ہوئی ہے، پہلے تسبیح و تحمید ہے، پھر یہ بیان ہے کہ انسانوں کے خالق اللہ تعالیٰ ہیں، پس سب کو ان کی عبادت اور اطاعت کرنی چاہئے، مگر صورتِ حال یہ ہے کہ بعض اللہ کو مانتے ہیں، اور بعض انکار کرتے ہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ نے کائنات انسان کے لئے پیدا کی ہے اور انسانوں کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے، مگر کفار و منافقین مقصدِ تخلیق کو پورا نہیں کرتے، جبکہ انسان اشرف مخلوق ہے، اس لئے اس کی ذمہ داری سوا ہے، اس کے بعد گذشتہ منکرین کا دنیوی انجام موجودین کی عبرت کے لئے بیان کیا ہے، اور بتایا ہے کہ ان کا یہ انجام دو وجہ سے ہوا: ایک: انھوں نے رسولوں کی تکذیب کی، انسان کا رسول ہونا ان کے گلے نہیں اترا۔ دوم: انھوں نے موت کے بعد کی

زندگی کو تسلیم نہیں کیا، جبکہ وہ برحق زندگی ہے۔

پھر اعتقادی منافقین سے خطاب ہے کہ رسول بھیجنے کا مقصد یہ ہے کہ لوگ اللہ پر، اس کے رسول پر اور قرآنِ کریم پر ایمان لائیں، اور آخرت کے لئے تیاری کریں، ورنہ قیامت کا دن آرہا ہے، اس دن منافقین کا فریب کھل جائے گا، اس کے بعد قیامت میں مؤمنین وکفار کا انجام بیان کیا ہے۔

اس کے بعد ایک سوالِ مقدر کا جواب ہے کہ مصائب تو مؤمنین پر بھی آتے ہیں، تو کیا وہ بھی عذاب ہیں؟ جواب: نہیں، جو بھی مصیبت آتی ہے، وہ باذنِ الٰہی آتی ہے، اور مؤمن پر جب کوئی آفت آتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو تسلیم ورضا کی راہ سُجھاتے ہیں، پس اس کو اس حال میں بھی اطاعت شعار رہنا چاہئے اور اللہ پر بھروسہ کرنا چاہئے۔

پھر عملی منافقین یعنی اعمال میں کوتاہی کرنے والے مسلمانوں سے خطاب ہے، اور کوتاہی کا سبب ازواج واولاد کی پاس داری کو قرار دیا ہے، اور بتایا ہے کہ وہ دوست نما دشمن ہیں، ان سے محتاط رہنا چاہئے، ساتھ ہی بتایا ہے کہ دولت اور اولاد آزمائش ہیں، اس لئے انسان کو اس امتحان میں کامیاب اترنا چاہئے، پھر عام انفاق اور خاص انفاق (جہاد کے لئے خرچ کرنے) کا حکم ہے، اس پر سورت تمام ہوئی ہے۔



آیاتہا ۱۸ (۶۴) سُوْرَةُ التَّغَابُنِ مَدَنِيَّةٌ (۱۰۸) رکوعاتہا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۲ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝۳ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۴

يُسَبِّحُ	پاکی بیان کرتے ہیں	كَافِرٌ	انکار کرنے والا ہے	صُوَرَكُمْ	تمہاری صورتیں
لِلّٰهِ	اللہ تعالیٰ کی	وَّمِنْكُمْ	اور کوئی تم میں سے	وَاِلَيْهِ	اور اس کی طرف
مَا فِي السَّمٰوٰتِ	جو آسمانوں میں ہیں	مُّؤْمِنٌ	ایماندار ہے	الْمَصِيْرُ	لوٹنا ہے
وَمَا فِي الْاَرْضِ	اور جو زمین میں ہیں	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	يَعْلَمُ	جانتے ہیں وہ
لَهُ الْمُلْكُ	اسی کے لئے حکومت ہے	بِمَا	ان کاموں کو جو	مَا فِي السَّمٰوٰتِ	جو آسمانوں میں ہے
وَلَهُ الْحَمْدُ	اور اسی کیلئے ہر تعریف ہے	تَعْمَلُوْنَ	تم کرتے ہو	وَالْاَرْضِ	اور زمین میں ہے
وَهُوَ	اور وہ	بَصِيْرٌ	خوب دیکھنے والے ہیں	وَيَعْلَمُ	اور جانتے ہیں وہ
عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز پر	خَلَقَ	پیدا کیا	مَا تُسِرُّوْنَ	جو چھپاتے ہو تم
قَدِيْرٌ	پوری قدرت رکھنے	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں کو	وَمَا تُعْلِنُوْنَ	اور جو ظاہر کرتے ہو تم
	والے ہیں	وَالْاَرْضَ	اور زمین کو	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
هُوَ الَّذِيْ	وہی ہیں جنھوں نے	بِالْحَقِّ	بامقصد	عَلِيْمٌ	خوب جاننے والے ہیں
خَلَقَكُمْ	تم کو پیدا کیا	وَصَوَّرَكُمْ	اور ناک نقشہ بنایا تمہارا	بِذَاتِ	راز
فَمِنْكُمْ	پھر کوئی تم میں سے	فَاَحْسَنَ	پس اچھی بنائیں	الصُّدُوْرِ	سینوں کے

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

تقدیس وتمجید

تقدیس: پاکی بیان کرنا، تمجید: بزرگی بیان کرنا ـــــ اللہ کی پاکی بیان کرتی ہیں وہ چیزیں جو آسمانوں میں ہیں، اور وہ چیزیں جو زمین میں ہیں ـــــ یعنی علویات اور سفلیات سب بدلالت حال ظاہر کرتے ہیں کہ خالقِ کائنات ہر عیب اور ہر کمی سے پاک ہے، انھوں نے ہر چیز کو خوب بنایا ہے ـــــ انہی کے لئے راج ہے ـــــ وہی کائنات کے تاجدار ہیں ـــــ اور انہی کے لئے تمام تعریفیں ہیں ـــــ یعنی راج ہی نہیں ہر خوبی اور کمال انہی کے لئے ہے، اور سب سے بڑی خوبی معبود ہونا ہے جو ان کے لئے خاص ہے، اور دوسروں کو جو بھی خوبی ملی ہے وہ انہی کی دَین ہے، اس لئے اگر کسی کی تعریف کی جائے تو وہ درحقیقت اللہ کی تعریف ہے ـــــ اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں ـــــ پس ان کے لئے کائنات کا سنبھالنا کچھ مشکل نہیں۔

خالق سے برگشتہ لوگوں کے احوال سے اللہ تعالیٰ واقف ہیں

وہی ہیں جنھوں نے تم کو پیدا کیا، پس تم میں سے بعض منکر اور تم میں سے بعض مؤمن ہیں ـــــ یعنی چاہئے تو یہ تھا کہ سب انسان اپنے پیدا کرنے والے کی وحدانیت والوہیت کے قائل ہوتے، سب اس کی اطاعت وعبادت کرتے، مگر ہوا یہ کہ کچھ لوگ برگشتہ ہوگئے اور کچھ ایماندار رہے ـــــ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب دیکھ رہے ہیں ـــــ وہ ہر ایک کو قرار واقعی بدلہ دیں گے۔

کائنات اشرف المخلوقات انسان کے لئے پیدا کی ہے، اور اس کو اطاعت وبندگی کے لئے

آسمانوں اور زمین کا یہ نظام اللہ تعالیٰ نے خاص مقصد سے پیدا کیا ہے، اور وہ مقصد ہے انسان کی خدمت اور چارہ سازی۔ اور انسان کو مخلوقات میں سب سے اشرف بنایا ہے، سب سے انسانوں کی خلقت اچھی ہے، دیکھنے میں بھی خوبصورت اور ملکات وقُویٰ میں بھی ممتاز، اور اس کو اپنی اطاعت وبندگی کے لئے پیدا کیا ہے، اور اس کو جزوی (ایک حد تک) اختیار دیا ہے، کلّی اختیار نہیں دیا، ورنہ وہ قادر مطلق ہوکر خود خدا بن جاتا، پس انسان اللہ کے بخشے ہوئے اختیار سے خیر وشر کا کسب کرتا ہے یعنی ابتدائی اسباب اختیار کرتا ہے، پس اللہ تعالیٰ اس فعل کا خلق کرتے ہیں۔ غرض انسان اللہ کے اختیار سے باہر نہیں، اور اس کو لوٹ کر اللہ کے پاس جانا ہے، وہاں وہ جزاء وسزا پائے گا، مکافاتِ عمل کے لئے کلی اختیار ضروری نہیں، جزوی اختیار کافی ہے، اور دیگر مخلوقات کو انسان سے بہت کم اختیار دیا ہے،

اس لئے ان کے لئے جزاؤسزا نہیں۔

﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۳﴾

ترجمہ: اس نے آسمانوں اور زمین کو خاص مقصد سے پیدا کیا ہے ـــــ حقّ کے معنی ہیں: الأمر الثابت: پکی بات یعنی خاص غرض ـــــ اور اس نے تمہارا ناک نقشہ بنایا ہے، پس اس نے تمہاری بہترین صورت بنائی، اور اسی کی طرف لوٹنا ہے۔

اللہ تعالیٰ انسانوں کے سربستہ رازوں سے واقف ہیں، اس لئے جزاؤسزا آسان ہے

وہ جانتے ہیں ان چیزوں کو جو آسمانوں اور زمین میں ہیں، اور وہ جانتے ہیں ان باتوں کو جو تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو، اور اللہ تعالیٰ دلوں کے رازوں کو بھی خوب جانتے ہیں ـــــ یعنی سب کو اللہ کی طرف لوٹنا ہے، وہاں لوگ مکافاتِ عمل سے دوچار ہونگے، اور یہ بات اللہ کے لئے آسان ہے، کیونکہ وہ کائنات کے اسرار سے واقف ہیں، اور انسان جو کچھ چھپ کر کرتا ہے یا علانیہ کرتا ہے اس سے بھی واقف ہیں، بلکہ وہ دل کے بھیدوں سے بھی واقف ہیں، اس لئے اللہ کے لئے انسان کو ان کے اعمال کا بدلہ دینا مشکل نہیں۔

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۫ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۵ ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ۫ فَكَفَرُوْا وَ تَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۶ زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ۭ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ۭ وَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۷

اَلَمْ يَاْتِكُمْ	کیا نہیں پہنچی تمہیں	فَذَاقُوْا	پس چکھا انھوں نے	ذٰلِكَ	یہ بات
نَبَؤُا	خبر	وَبَالَ	وبال	بِاَنَّهٗ	اس لئے کہ شان یہ ہے کہ
الَّذِيْنَ	ان لوگوں کی جنھوں نے	اَمْرِهِمْ	اپنے کام کا	كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ	آتے تھے ان کے پاس
كَفَرُوْا	انکار کیا	وَلَهُمْ	اور ان کے لئے	رُسُلُهُمْ	ان کے رسول
مِنْ قَبْلُ	پہلے سے	عَذَابٌ اَلِيْمٌ	دردناک عذاب ہے	بِالْبَيِّنٰتِ	واضح نشانیوں کے ساتھ

فَقَالُوْٓا	پس انھوں نے کہا	غَنِيٌّ	بڑے بے نیاز	وَ رَبِّيْ	میرے ربّ کی قسم!
اَبَشَرٌ	کیا کوئی انسان	حَمِيْدٌ	تعریفوں والے ہیں	لَتُبْعَثُنَّ	ضرور اٹھائے جاؤگے تم
يَّهْدُوْنَنَا	ہمیں راہ سُجھائے گا؟	زَعَمَ	گمان کیا	ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ	پھر ضرور جتلائے جاؤ
فَكَفَرُوْا	پس نہیں مانا انھوں نے	الَّذِيْنَ	ان لوگوں نے		گے تم
وَ تَوَلَّوْا	اور منہ پھیرا انھوں نے	كَفَرُوْٓا	جنھوں نے کفر کیا	بِمَا عَمِلْتُمْ	وہ کام جو تم کیا کرتے تھے
وَّاسْتَغْنَى	اور بے نیاز ہوگئے	اَنْ لَّنْ	کہ ہرگز نہیں	وَ ذٰلِكَ	اور یہ بات
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	يُّبْعَثُوْا	اٹھائے جائیں گے وہ	عَلَى اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ پر
وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	قُلْ بَلٰى	کہو: کیوں نہیں!	يَسِيْرٌ	آسان ہے

پہلے بہت قومیں ہلاک کی گئیں، اور آخرت کا عذاب الگ رہا

اب اہل مکہ سے خطاب ہے کہ تم سے پہلے بہت سی قومیں عاد وثمود وغیرہ تکذیب رسل اور کفر وانکار کی پاداش میں ہلاک کی گئی ہیں، پس تم کس شمار میں ہو! اور آخرت میں وہ دردناک عذاب سے دوچار ہونگی، پس ان سے سبق لو! ارشاد فرماتے ہیں: —— کیا تمھیں ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی، جنھوں نے (تم سے) پہلے انکار کیا، پس انھوں نے اپنے اعمال کا وبال چکھا —— یعنی دنیا میں عذاب سے ہلاک ہوئے —— اور (آخرت میں) ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

وہ لوگ دنیا میں عذاب سے ہلاک کیوں کئے گئے؟ جواب: رسولوں کی تکذیب کی وجہ سے، ان کی سمجھ میں انسان کا رسول ہونا نہیں آیا، اس لئے انھوں نے رسولوں کی بات ماننے سے انکار کردیا، اور ہلاکت سے دوچار ہوئے، مکہ والے بھی انہیں کی روش چل رہے ہیں، پس وہ بھی اپنا انجام سوچ لیں، ارشاد فرماتے ہیں: —— یہ (دنیوی سزا) بایں سبب ہے کہ ان کے پاس ان کے پیامبر واضح نشانات کے ساتھ پہنچے، پس انھوں نے کہا: کیا انسان ہمیں راہ دکھائے گا! پس انھوں نے انکار کیا، اور انھوں نے منہ موڑا، اور اللہ تعالیٰ بے نیاز ہوگئے —— یعنی اللہ نے ان کی کچھ پرواہ نہ کی، سب کو ہلاک کردیا —— اور اللہ تعالیٰ بڑے بے نیاز ستودہ صفات ہیں —— یعنی کوئی رہے یا نہ رہے اللہ کا کیا نقصان ہے؟ اور فاسد عضو کو کاٹ دینا حکیم کا کمال ہے، ظلم نہیں!

اور منکرین: آخرت کے عذاب سے بےفکر اس لئے تھے کہ وہ موت کے بعد زندگی کے قائل نہیں تھے، جبکہ وہ برحق زندگی ہے، ارشاد فرماتے ہیں: —— منکرین نے گمان کیا کہ وہ ہرگز دوبارہ زندہ نہیں کئے جائیں گے، آپ کہیں: کیوں نہیں! میرے پروردگار کی قسم! تم ضرور زندہ کئے جاؤگے، پھر تم ضرور جتلائے جاؤگے وہ کام جو تم نے کئے ہیں، اور یہ بات

اللہ پر بہت آسان ہے۔

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ۝۸ یَوْمَ یَجْمَعُكُمْ لِیَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ یَوْمُ التَّغَابُنِ ؕ وَمَنْ یُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَیَعْمَلْ صَالِحًا یُّكَفِّرْ عَنْهُ سَیِّاٰتِهٖ وَیُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝۹ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ۝۱۰

ع ۱۵

فَاٰمِنُوْا	پس ایمان لاؤ	التَّغَابُنِ	فریب ظاہر ہونے کا	فِیْهَآ	ان میں
بِاللّٰهِ	اللہ پر	وَمَنْ	اور جو شخص	اَبَدًا	ہمیشہ
وَرَسُوْلِهٖ	اور اس کے رسول پر	یُّؤْمِنْۢ	یقین رکھتا ہے	ذٰلِكَ	یہ
وَالنُّوْرِ	اور اس روشنی پر	بِاللّٰهِ	اللہ پر	الْفَوْزُ	کامیابی ہے
الَّذِیْٓ	جو	وَیَعْمَلْ	اور کرتا ہے	الْعَظِیْمُ	بڑی
اَنْزَلْنَا	اتاری ہم نے	صَالِحًا	نیک کام	وَالَّذِیْنَ	اور جنھوں نے
وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	یُّكَفِّرْ	مٹائیں گے وہ	كَفَرُوْا	انکار کیا
بِمَا تَعْمَلُوْنَ	ان کاموں کی جو تم کرتے ہو	عَنْهُ	اس سے	وَكَذَّبُوْا	اور جھٹلایا
خَبِیْرٌ	پوری خبر رکھنے والے ہیں	سَیِّاٰتِهٖ	اس کی برائیاں	بِاٰیٰتِنَآ	ہماری باتوں کو
یَوْمَ	(یاد کرو) جس دن	وَیُدْخِلْهُ	اور داخل کریں گے وہ اس کو	اُولٰٓىِٕكَ	وہ لوگ
یَجْمَعُكُمْ	اکٹھا کریں گے وہ تم کو	جَنّٰتٍ	باغات میں	اَصْحٰبُ النَّارِ	آگ والے ہیں
لِیَوْمِ	دن میں	تَجْرِیْ	بہتی ہیں	خٰلِدِیْنَ	ہمیشہ رہنے والے
الْجَمْعِ	جمع ہونے کے	مِنْ تَحْتِهَا	ان کے نیچے سے	فِیْهَا	اس میں
ذٰلِكَ	وہ	الْاَنْهٰرُ	نہریں	وَبِئْسَ	اور بری ہے
یَوْمُ	دن ہے	خٰلِدِیْنَ	رہنے والے وہ	الْمَصِیْرُ	لوٹنے کی جگہ

اعتقادی منافقین سے خطاب اور مؤمنین ومنکرین کا انجام

پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس روشنی پر جو ہم نے اتاری —— یعنی قرآنِ کریم پر، اسی سے ہدایت کا راستہ واضح ہوتا ہے —— اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھتے ہیں —— کہ کون دل سے ایمان لایا ہے اور کس نے صرف زبانی جمع خرچ کیا ہے —— (یاد کرو) جس دن وہ تم کو جمع کریں گے جمع ہونے کے دن میں —— جس دن سب اولین وآخرین اکٹھا کئے جائیں گے —— وہ دن فریب (ظاہر ہونے) کا دن ہوگا —— اس دن منافقین کا فریب کھل کر سامنے آجائے گا، اور ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ جائیں گے۔

اور جو شخص ایمان لایا اللہ پر اور اس نے نیک عمل کیا: اللہ تعالیٰ اس سے اس کی برائیاں مٹائیں گے، اور وہ اس کو ایسے باغات میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں —— اس لئے وہ سدابہار ہونگے —— جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، یہ بڑی کامیابی ہے —— اور جن لوگوں نے نہیں مانا اور ہماری باتوں کو جھٹلایا وہ دوزخ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، اور وہ برا ٹھکانہ ہے!

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۱۱ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰي رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝۱۲ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ وَعَلَي اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱۳

مَآ اَصَابَ	نہیں پہنچتی	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	عَلٰي رَسُوْلِنَا	ہمارے رسول کے ذمہ
مِنْ مُّصِيْبَةٍ	کوئی مصیبت	بِكُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز کو	الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ	کھول کر پہنچانا ہے
اِلَّا بِاِذْنِ	مگر اجازت سے	عَلِيْمٌ	خوب جاننے والے ہیں	اَللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
اللّٰهِ	اللہ کے	وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ	کہا مانو اللہ کا	لَآ اِلٰهَ	کوئی معبود نہیں
وَمَنْ يُّؤْمِنْ	اور جو یقین رکھتا ہے	وَ اَطِيْعُوا	اور کہا مانو	اِلَّا هُوَ	مگر وہی
بِاللّٰهِ	اللہ پر	الرَّسُوْلَ	اللہ کے رسول کا	وَعَلَي اللّٰهِ	اور اللہ تعالیٰ پر
يَهْدِ	راہ دکھاتے ہیں وہ	فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ	پس اگر تم منہ موڑو گے	فَلْيَتَوَكَّلِ	پس چاہئے کہ بھروسہ کریں
قَلْبَهٗ	اس کے دل کو	فَاِنَّمَا	تو اس کے سوا نہیں کہ	الْمُؤْمِنُوْنَ	مؤمنین

کوئی مصیبت اللہ کی مرضی کے بغیر نہیں پہنچتی، پس مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ!

یہ آیاتِ پاک ایک سوال کا جواب ہیں کہ مصائب تو مؤمن پر بھی آتے ہیں تو کیا وہ بھی عذاب ہوتے ہیں؟ جواب وہ عذاب نہیں ہوتے، پہلے ایک قاعدہ سمجھ لیں: کوئی بھی مصیبت اذنِ الٰہی کے بغیر نہیں آتی، ایک پتہ بھی بدوں حکم خداوندی کے نہیں پھڑکتا، مگر جب مؤمن پر کوئی مصیبت آتی ہے تو توفیقِ خداوندی اس کے شاملِ حال ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اس کو تسلیم ورضا کی راہ سُجھاتے ہیں، پس وہ رضا بہ قضا رہتا ہے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ وہ بندہ ہے کہ جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو خوش رہتا ہے، اور جان لیتا ہے کہ مصیبت اللہ کی طرف سے ہے (بخاری سورۃ التغابن کی تفسیر) —— پس مؤمن کو ہر حال میں اللہ ورسول کا حکم ماننا چاہئے، اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو اللہ ورسول کا کیا بگڑے گا، اسی کا دل پراگندہ ہوگا، رسول تو سب نیک وبد کھول کر سمجھا چکا۔ ارشاد فرماتے ہیں: —— کوئی مصیبت بغیر اذنِ خداوندی کے نہیں پہنچتی، اور جو شخص اللہ پر یقین رکھتا ہے: اللہ تعالیٰ اس کے دل کو راہ سُجھاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والے ہیں —— وہ جانتے ہیں کہ کون صبر واستقامت اور تسلیم ورضا کی راہ پر چلا، اس کو سکونِ قلبی کی دولت عطا فرماتے ہیں، اور کون ہائے ہائے کرتا رہا، اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں —— اور دل کی تخصیص اس لئے کی کہ دل ہی بُجھتا ہے، کان تو سنی ان سنی کر دیتا ہے، جیسے: ﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝ عَلٰى قَلْبِكَ﴾: اس (قرآن) کو امانت دار فرشتے نے آپؐ کے دل پر اتارا —— اور حکم مانو اللہ کا، اور حکم مانو رسول کا، پس اگر روگردانی کی تم نے تو ہمارے رسول کے ذمہ صاف صاف پہنچا دینا ہی ہے —— یعنی ہر حال میں احکامِ الٰہی کو پیشِ نظر رکھو، اگر ایسا نہیں کروگے تو تمہارا ہی نقصان ہوگا، اللہ ورسول کا کچھ نہیں بگڑے گا —— اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور اللہ تعالیٰ ہی پر پس چاہئے کہ بھروسہ کریں مؤمنین! —— یعنی معبود اور مستعان تنہا اسی کی ذات ہے، نہ کسی اور کی بندگی، نہ کوئی دوسرا بھروسہ کے لائق (فوائد)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ۭ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ

حَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے لوگو جو	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ	ہی کامیاب ہیں
اٰمَنُوْۤا	ایمان لائے	عِنْدَهٗۤ	ان کے پاس	اِنْ تُقْرِضُوا	اگر قرض دو تم
اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ	بیشک تمہاری کچھ بیویاں	اَجْرٌ عَظِيْمٌ	بڑا ثواب ہے	اللّٰهَ	اللہ کو
وَاَوْلَادِكُمْ	اور تمہاری کچھ اولاد	فَاتَّقُوا	پس ڈرو	قَرْضًا حَسَنًا	اچھا قرضہ
عَدُوًّا لَّكُمْ	تمہاری دشمن ہے	اللّٰهَ	اللہ سے	يُّضٰعِفْهُ	(تو) دو چند کریں گے
فَاحْذَرُوْهُمْ	پس محتاط رہو اُن سے	مَا اسْتَطَعْتُمْ	جہاں تک تم سے ہو سکے		وہ اس کو
وَاِنْ تَعْفُوْا	اور اگر معاف کرو		(امکان بھر)	لَكُمْ	تمہارے لئے
وَتَصْفَحُوْا	اور درگذر کرو	وَاسْمَعُوْا	اور سنو	وَيَغْفِرْ لَكُمْ	اور بخشیں گے وہ تمہارے گناہ
وَتَغْفِرُوْا	اور بخشو	وَاَطِيْعُوْا	اور کہا مانو	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
فَاِنَّ اللّٰهَ	تو بے شک اللہ تعالیٰ	وَاَنْفِقُوْا	اور خرچ کرو	شَكُوْرٌ	بڑے قدردان
غَفُوْرٌ	بڑے بخشنے والے	خَيْرًا	بھلے کو	حَلِيْمٌ	بڑے بردبار ہیں
رَّحِيْمٌ	بڑے رحم والے ہیں	لِّاَنْفُسِكُمْ	اپنی ذاتوں کے	عٰلِمُ	جاننے والے ہیں
اِنَّمَآ	اس کے سوا نہیں کہ	وَمَنْ يُّوْقَ	اور جو بچایا گیا	الْغَيْبِ	چھپی
اَمْوَالُكُمْ	تمہارے اموال	شُحَّ	حرص سے	وَالشَّهَادَةِ	اور کھلی چیزوں کو
وَاَوْلَادُكُمْ	اور تمہاری اولاد	نَفْسِهٖ	اپنے جی کے	الْعَزِيْزُ	زبردست
فِتْنَةٌ	آزمائش ہے	فَاُولٰٓئِكَ	پس وہ	الْحَكِيْمُ	بڑے حکمت والے ہیں

اعمال میں کوتاہی کا ایک خاص سبب: ناہنجار بیوی/شوہر اور نالائق اولاد کی موافقت

ان آیات میں اعمال میں کوتاہی کرنے والے مسلمانوں (عملی منافقوں) کا تذکرہ ہے، ایمان کے باوجود اعمال میں کوتاہی کے بہت سے اسباب ہیں، مثلاً: (۱) دین سے ناواقفیت (جہالت) (۲) برے ماحول کے اثرات (۳) اچھی تربیت کا فقدان (۴) غیر ضروری علوم (ایجوکیشن) وغیرہ۔ اور ایک خاص سبب جس کا یہاں تذکرہ ہے: وہ یہ ہے کہ بدچلن بیوی اور بداطوار شوہر کے جذبات کی ناجائز پاسداری، اور اولاد کی حد سے بڑھی ہوئی ناز برداری دینی اعمال میں کوتاہی کا

سبب بنتی ہے۔ مثلاً: فیشن پسند بیوی اصرار کرتی ہے کہ گھر میں ٹی وی لاؤ، اور شوہر اس کی خاطر سانپوں کی یہ پٹاری گھر میں لے آتا ہے، اور گھر تباہ ہوجاتا ہے، یا جذبات سے مغلوب شوہر اصرار کرتا ہے، اور بیوی جس زمانہ میں نماز نہیں پڑھتی، شب باشی میں اس کی موافقت کرتی ہے، اور دونوں گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوتے ہیں، اسی طرح اولاد کے لئے آدمی حلال وحرام کا خیال کئے بغیر مال حاصل کرتا ہے، اور جس گھر میں حرام یا مشتبہ مال آجاتا ہے وہ گھر دینی اعتبار سے برباد ہوجاتا ہے، ایسی ہی بیوی/شوہر اور اولاد آدمی کے دشمن ہیں، ان سے محتاط رہنے کا حکم ہے، تاکہ وہ دین کی بربادی کا سبب نہ بنیں۔

﴿ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ وَ اَوْلَادِکُمْ عَدُوًّا لَّکُمْ فَاحْذَرُوْھُمْ ۚ ﴾

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے! بے شک تمہاری کچھ بیویاں اور تمہاری کچھ اولاد تمہاری دشمن ہے، پس تم ان سے محتاط رہو۔

دین کی دشمن بیوی/شوہر اور اولاد کی نرمی سے اصلاح

کجی (ٹیڑھاپن) پہلے نرمی سے دور کرنی چاہئے، بداطوار بیوی/شوہر اور نالائق اولاد کی اصلاح کا پہلا مرحلہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ نرمی کی جائے: (۱) ان کو معاف کیا جائے یعنی ان کی غلطی نظر انداز کی جائے (۲) ان سے درگذر کیا جائے یعنی ایکشن نہ لیا جائے، تادیب نہ کی جائے، مارا نہ جائے (۳) اور بخش دیا جائے یعنی ان سے راضی ہوجائے، اللہ تعالیٰ بھی جب بندے کا گناہ بخش دیتے ہیں تو اس سے راضی ہوجاتے ہیں، پس یہ ترقی من الادنی الی الاعلی ہے۔ جب انسان اپنی بری زندگی کا ورق پلٹ دیتا ہے، اور اچھی زندگی اختیار کرلیتا ہے تو وہ اس کی فعلی توبہ ہوجاتی ہے، اور گناہ سے توبہ کرنے والے مانند گناہ نہ کرنے والے کے ہوجاتا ہے۔ **التائب من الذنب کمن لاذنب له** (مشکات حدیث ۲۳۶۳) ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَ تَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝۱۴ ﴾

ترجمہ: اور اگر تم معاف کرو، اور درگذر کرو، اور بخش دو تو بے شک اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے بڑے رحم والے ہیں۔

مال اور اولاد آزمائش ہیں، اس امتحان میں پورا اترنا چاہئے

اموال: یعنی دولت اور اولاد فتنہ ہیں، فتنہ دودھاری تلوار کو کہتے ہیں، ایسی تلوار اگر احتیاط سے چلائی جائے تو دشمن کا سر پھوٹے گا، اور بے احتیاطی کی جائے تو پہلے اپنا ہی سر پھوڑے گا، اب بیوی کو نہیں لیا کہ اس سے گلوخلاصی کا راستہ ہے، مگر اموال واولاد کا کیا کیا جائے؟ وہ فتنہ ہیں، اللہ ان کے ذریعہ بندے کا امتحان کرتے ہیں، لہٰذا مال جائز طریقہ پر کمایا جائے، اس میں بھی ثواب ہے، اور اچھی جگہوں پر خرچ کیا جائے اس کا بھی اجر عظیم ملے گا، اسی طرح اولاد کی شروع ہی سے اچھی

تربیت کی جائے، دینی تعلیم کے زیور سے آراستہ کیا جائے، ان کے عمل سے بھی موت کے بعد اجر آتا رہے گا، ورنہ بری اولاد دنیا میں بھی وبال ہے اور آخرت میں بھی ان کی جواب دہی کرنی پڑے گی۔

﴿اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ۝۱۵﴾

ترجمہ: تمہاری دولت اور تمہاری اولاد آزمائش ہے، اور اللہ کے پاس اجر عظیم ہے —— جائز طریقوں سے اموال کمانے میں اور اچھی راہوں میں خرچ کرنے میں اور اولاد کی دینی تربیت کرنے میں بڑا ثواب ہے۔

ماموارات میں امکان بھر عمل مطلوب ہوتا ہے، اور منہیات میں کلی اجتناب ضروری ہے

پہلے ایک ضابطہ سمجھ لیں: مامورات (کرنے کے کاموں) میں حسبِ استطاعت (امکان بھر) عمل مطلوب ہوتا ہے، اور منہیات (ناجائز کاموں) میں کلی اجتناب (بچنا) ضروری ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مامورات کے مختلف درجات ہیں، فرض، واجب، سنتِ مؤکدہ، عام سنت، اور مستحبات ومندوبات، اول دو پر تو عمل ضروری ہے، مگر وہ بہت تھوڑے احکام ہیں، اور سنتِ مؤکدہ کو بھی مستقل چھوڑنے والا گنہگار ہوتا ہے، باقی احکام پر عمل ضروری نہیں، وہ مستحبات ہیں، امکان بھر ان میں عمل مطلوب ہے اور ایسے احکام بہت ہیں، اسی لئے مامورات کی جانب میں ''امکان بھر'' کی قید لگاتے ہیں۔

اور منہیات (ناجائز کاموں) میں کلی اجتناب (پوری طرح بچنا) ضروری ہے، کیونکہ ان کے دو ہی درجات ہیں، حرام اور مکروہ تحریمی، اور دونوں سے بچنا ضروری ہے، مکروہ تحریمی بھی حرام ہی ہوتا ہے، مگر اس کا ثبوت ظنّی ہوتا ہے، زنا کے تعلق سے فرمایا ہے: ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى﴾: زنا کے پاس بھی مت پھٹکو (بنی اسرائیل ۳۲) یعنی زنا کے مقدمات سے بھی بچو، اور حائضہ بیوی کے تعلق سے فرمایا ہے: ﴿وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ﴾: ان کے نزدیک مت جایا کرو، جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں (البقرۃ ۲۲۲) یعنی ایک ساتھ مت لیٹو، ورنہ گناہ میں مبتلا ہوگے، اور ابن ماجہ کے شروع ہی میں حدیث ہے: إذا أمرتُکم بشیئ فخذوا منه ما استطعتم، وإذا نهیتکم عن شیئ فانتهوا: جب میں تمہیں کسی کام کے کرنے کا حکم دوں تو امکان بھر اس پر عمل کرو، اور جب میں تمہیں کسی بات سے روکوں تو اس سے (کلی طور پر) رک جاؤ (حدیث ۲) اور جب نبی ﷺ خواتین سے بیعت لیتے تھے، اور جائز کاموں میں نافرمانی نہ کرنے کا عہد لیتے تھے تو فیما اسْتَطَعْتُنَّ وَأَطَقْتُنَّ بڑھواتے تھے کہ ہم حتی الامکان جائز کاموں پر عمل کریں گی، نافرمانی نہیں کریں گی (درمنثور سورۂ ممتحنہ) ان دلائل سے ثابت ہوا کہ مامورات میں امکان بھر عمل مطلوب ہوتا ہے، اور منہیات میں کلی اجتناب ضروری ہے۔

تقوی کے مفہوم میں مامورات ومنہیات دونوں شامل ہیں، اور حسب موقع معنی مراد لئے جاتے ہیں

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ ﴿اتَّقُوا اللّٰهَ﴾: اللہ سے ڈرو! کے مفہوم میں مامورات ومنہیات دونوں شامل ہیں،

ماموراتِ کی خلاف ورزی نہیں کرنی چاہئے، اور منہیات کا ارتکاب نہیں کرنا چاہئے، دونوں سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں ــــ اور اللہ سے ڈرنا: سانپ، شیر اور دشمن سے ڈرنے کی طرح نہیں، یہ ڈرنا بربنائے خوف ہوتا ہے، اللہ سے ڈرنا بربنائے محبت ہے، جیسے سعادت مند بیٹا، علم کا خواہش مند شاگرد اور اللہ کے وصل کا طالب مرید: باپ، استاذ اور پیر سے ڈرتے ہیں، یہ ڈرنا بربنائے محبت ہے، وہ پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہیں کہ کوئی ایسی حرکت نہ ہوجائے جس سے باپ، استاذ اور پیر ناراض ہوجائیں، ورنہ وہ نیک بختی، علم کی دولت اور وصلِ خداوندی سے محروم رہیں گے۔

اور مؤمنین کو اللہ تعالیٰ سے بے حد محبت ہوتی ہے: اس کی دلیل یہ ارشادِ پاک ہے: ﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾: اور جو لوگ مؤمن ہیں ان کو اللہ کے ساتھ بے حد محبت ہوتی ہے، اس لئے وہ اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کرکے اللہ کی ناراضگی سے بچتے ہیں، یہی اللہ سے ڈرنا ہے۔

اور آیتِ پاک: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾: میں تقوی سے منہیات مراد ہیں، ان میں کلی اجتناب ضروری ہے، اس لئے فرمایا: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا ڈرنے کا حق ہے، اور قرینہ آیت کا آخر ہے کہ تمہاری موت مکمل اطاعت کی حالت میں آنی چاہئے، اور زیرِ تفسیر آیت میں ﴿اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ کے ساتھ ﴿مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ کی قید اس لئے لگائی کہ یہاں مامورات مراد ہیں، ان میں امکان بھر عمل مطلوب ہوتا ہے۔

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِیْعُوْا﴾

ترجمہ: پس ڈرو اللہ سے جہاں تک تم سے ہوسکے، اور بات سنو اور حکم مانو ــــ یعنی تمام مامورات پر عمل کی کوشش کرو۔

عام خرچ کرنے میں بھی مؤمن کی بہتری ہے

اموال اور اولاد آزمائش ہیں، مال غریبوں پر اور وجوہ خیر میں خرچ کیا جائے تو وہ بہتر ہے، اور اولاد کا معاملہ مؤخر کیا ہے، اس کا ذکر سورۃ التحریم میں آئے گا: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا﴾: اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ سے بچاؤ، گھر والوں میں اولاد بھی شامل ہے، اور جائز ذرائع سے مال کمانے کا حکم قرآن میں دوسری جگہ (سورۃ النساء آیت ۲۹) اور حدیثوں میں ہے۔ اور عام انفاق کی بہتری کی دلیل یہ حدیث ہے: بندہ کہتا ہے: یہ مال میرا ہے، وہ مال میرا ہے! حالانکہ اس کے اموال تین ہیں: (۱) کھا پی لیا اور ختم کردیا (۲) پہن لیا اور پرانا کردیا (۳) خیرات کردیا اور آخرت کی بینک میں جمع کردیا ــــ ان کے سوا جو کچھ ہے وہ دوسروں کے لئے چھوڑ جانا ہے۔

(رواہ مسلم مشکات حدیث ۵۱۶۹)

﴿وَاَنْفِقُوْا خَیْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ﴾

ترجمہ: اور خرچ کرو، تمہارے لئے بہتر ہوگا۔

بخل فطری صفت ہے، مگر اس میں افراط وتفریط بری چیز ہے

بخل کی حقیقت ہے روکنا، مگر اس کا استعمال کنجوسی کے لئے عام ہوگیا ہے، بخل کی وجہ سے انسان اندوختہ کرتا ہے، اور انسان میں یہ صفت مٹی سے آئی ہے، دوسرے جانور جمع نہیں کرتے، صبح چلتے ہیں اور شام پیٹ بھر کر لوٹتے ہیں، اور انسان حاجت کے وقت کے لئے جمع رکھتا ہے، مگر اچھی صفت میں بھی افراط وتفریط بری چیز ہے، سورہ بنی اسرائیل (آیت ۲۹) میں ہے ﴿ لَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ ﴾: تو اپنا ہاتھ نہ تو گردن سے باندھ لے اور نہ بالکل ہی کھول دے، پھر بخل میں افراط کا نام شُحّ ہے، یعنی خود غرضی، اپنا مفاد پیش نظر رکھنا، غریب کے لئے جیب سے کچھ نہ نکلے، یہ بری صفت ہے، کامیابی میانہ روی میں ہے۔

﴿ وَمَنْ يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿١٦﴾ ﴾

ترجمہ: اور جو شخص اس کے جی کی لالچ سے محفوظ رکھا گیا، تو وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔

جہاد کے کاز کے لئے خرچ کرنے کا صلہ دنیا میں ملتا ہے

دوسرا حکم: خاص انفاق کا ہے، یعنی جہاد کے مقصد کے لئے خرچ کرنا، دور اول میں حکومت کے پاس فنڈ نہیں تھا، صحابہ جان ومال سے جہاد کرتے تھے، یہ مال کس کو دیا؟ امیر کو یا حکومت کو؟ نہیں، اللہ کو قرض دیا، اور قرض بہر حال واپس آتا ہے، اللہ تعالیٰ بھی اس قرض کو غنیمت کی صورت میں دو چند کر کے واپس کرتے ہیں، اور آخرت میں بخشش نفع میں رہی! مگر شرط یہ ہے کہ قرض: حسنہ (خوبی والا قرض) ہو، یعنی امیر یا حکومت پر احسان نہ رکھے کہ وہ دل آزاری کا سبب ہوگی۔

﴿ إِنْ تُقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُضَاعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ شَكُورٌ حَلِيمٌ ﴿١٧﴾ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١٨﴾ ﴾

ترجمہ: اور اگر تم اللہ تعالیٰ کو قرض دو گے اچھی طرح قرض دینا تو وہ اس کو تمہارے لئے دو چند کریں گے، اور تمہارے گناہ بخشیں گے، اور اللہ بڑے قدر دان ہیں —— اس لئے قرضہ بڑھا کر لوٹاتے ہیں —— اور وہ بڑے بردبار ہیں —— اس لئے آخرت میں بخشش فرماتے ہیں —— وہ پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والے ہیں —— پس جس کا انفاق جس درجہ کا ہوگا اس کے بقدر صلہ دیں گے —— زبردست بڑی حکمت والے ہیں —— یعنی وہ خود جہاد کے لئے سامان فراہم کر سکتے ہیں، وہ زبردست ہیں، مگر مسلمانوں سے خرچ کراتے ہیں اس میں حکمت ہے، اور وہ مؤمنین کا نفع ہے۔

﴿۱۵ر شوال ۱۴۳۷ھ = ۲۰ر جولائی ۲۰۱۶ء، سورۃ المنافقون کے بعد سفر امریکہ کی وجہ سے وقفہ رہا، دوبارہ کام ۱۰ر شوال سے شروع کیا﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الطلاق

ربط: گذشتہ سورت کے آخر میں عمل میں کوتاہی کرنے والے مسلمانوں (عملی منافقین) کا ذکر تھا، اور کوتاہی کا سبب ازواج واولاد کو قرار دیا تھا، وہ اعمال میں کوتاہی کا باعث بنتے ہیں، پھر یہ بیان تھا کہ نرمی سے ان کی اصلاح کی جائے، ان کو معاف کیا جائے، درگذر کیا جائے اور بخش دیا جائے، سورۃ النساء (آیات ۳۴و۳۵) میں بھی بیوی کی اصلاح کے چار طریقے بیان کئے ہیں: (۱) اس کو سمجھایا جائے، فہماش کی جائے (۲) اس کا بستر میں بائیکاٹ کیا جائے، ساتھ نہ لٹایا جائے (۳) تادیب کی جائے، سزادی جائے (۴) کمیشن مقرر کیا جائے، ایک آدمی شوہر کی طرف سے اور ایک عورت کی طرف سے، دونوں اصلاحِ حال کی کوشش کریں، مگر کبھی صورتِ حال سنگین ہوجاتی ہے، معاملہ کسی طرح قابو میں نہیں آتا تو آخری علاج جدائی ہے، اب اس سورت میں طلاق اور اس کے متعلقات عدت ورضاعت وغیرہ کا بیان ہے، اور یہی سورت کا موضوع ہے۔

سورت کے مضامین: پہلے رکوع میں طلاق، عدت اور رضاعت کا بیان ہے، اور دوسرے رکوع میں ان معاشرتی احکام پر عمل کی تاکید ہے، اگر مسلمان ان احکام کی خلاف ورزی کریں گے تو دنیا میں سخت سزا پائیں گے، اور آخرت میں گھاٹے میں رہیں گے، اور اگر اطاعت کریں گے تو دنیا میں بھی سرخ رُو ہونگے، اور آخرت میں جنت کے سدابہار باغات کے وارث ہوں گے ـــــ پھر آخری آیت میں یہ مضمون ہے کہ کائنات بہت وسیع ہے، آسمان سات ہیں، اور زمینیں بھی اسی قدر ہیں، اور سب میں احکام نازل ہوتے ہیں، اور سب مخلوقات ان کی تعمیل کرتی ہے، اس زمین میں بھی اللہ نے احکام بھیجے ہیں، لوگوں کو ان کی تعمیل کرنی چاہئے، ورنہ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں، اور وہ ہر چیز کو اپنے احاطۂ علمی میں لئے ہوئے ہیں۔

عدتیں دو ہیں: عدت التطلیق اور عدت الطلاق: عدت التطلیق یعنی طلاق دینے کا مقررہ وقت، اور عدت الطلاق کا دوسرا نام عدت النساء بھی ہے، عدت التطلیق کا تعلق مرد سے ہے اور عدت الطلاق کا تعلق عورت سے، ﴿وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ﴾ (سورۃ البقرہ آیت ۲۲۸) میں عدت الطلاق کا ذکر ہے، اور یہاں ﴿لِعِدَّتِهِنَّ﴾ میں عدت التطلیق کا ذکر ہے۔

اور امام اعظم اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک قروء سے مراد حیض ہیں، اور امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک طہر مراد ہیں، اور تمام ائمہ متفق ہیں کہ طلاق طہر میں دی جائے، حیض میں طلاق دینا گناہ ہے، پھر قائلین طہر کے نزدیک عورت عدت طہر سے گذارے گی، اور جس طہر میں طلاق دی ہے وہ طہر عدت میں شمار ہوگا، چاہے طہر کے بالکل آخر میں طلاق دی ہو، اور قائلین حیض کے نزدیک عدت حیض سے گزارے گی، اور ثمرۂ اختلاف اس طرح ظاہر ہوگا کہ قائلین طہر کے نزدیک تیسرا حیض عدت میں داخل نہیں ہوگا، اور قائلین حیض کے نزدیک داخل ہوگا۔

قرآنِ کریم مسئلہ کی احسن اور حسن صورتیں بیان کرتا ہے، اور انہی کو پیش نظر رکھتا ہے

قرآنِ کریم کا یہ خاص اسلوب ہے کہ وہ مسئلہ کی احسن اور حسن صورتوں ہی کو بیان کرتا ہے، اور انہی کو پیش نظر رکھتا ہے، قبیح (بدعی) صورتوں کو بیان نہیں کرتا، نہ ان کو پیش نظر رکھتا ہے، تاکہ ان کو اعتباریت حاصل نہ ہو، مثلاً: طلاق دینے کے تین طریقے ہیں: احسن، حسن اور بدعی:

احسن طریقہ: یہ ہے کہ ایسے طہر میں جس میں صحبت نہ کی ہو ایک صریح طلاق دے، پھر مزید طلاق نہ دے، عدت گذرنے دے، اس صورت میں عدت میں رجوع کا حق حاصل رہے گا، اور عدت کے بعد بھی تدارک ممکن ہوگا، اس لئے یہ افضل طریقہ ہے۔

اور طلاقِ حسن: یہ ہے کہ جس طہر میں صحبت نہ کی ہو اس میں ایک صریح طلاق دے، پھر دوسرے طہر میں دوسری صریح طلاق دے، پھر عدت گذرنے دے، تیسری طلاق نہ دے، اس صورت میں بھی عدت کے ختم تک غور وفکر اور رجوع کا موقع رہے گا، اور عدت کے بعد بھی تدارک ممکن ہوگا، اس لئے یہ اچھا طریقہ ہے، اور چونکہ دوسری طلاق بے ضرورت دی ہے اس لئے اس کا نمبر دوسرا ہے۔

طلاق بدعی: مذکورہ دونوں طریقوں کے علاوہ طلاق دینے کی ہر صورت بدعی (بری) ہے، مثلاً: ایسے طہر میں طلاق دینا جس میں صحبت کی ہے یا حیض کی حالت میں طلاق دینا یا ایک ساتھ ایک سے زیادہ طلاقیں دینا بُرا ہے۔ کیونکہ جب طہر میں صحبت کی پھر طلاق دی تو احتمال ہے کہ حمل ٹھہر گیا ہو، پس عورت حیض آنے تک شش وپنج میں مبتلا رہے گی کہ اسے عدت حیض سے گذارنی ہے یا وضع حمل سے؟ عورت کو اس الجھن سے بچانے کے لئے ایسے طہر میں طلاق دینے کا حکم ہے جس میں صحبت نہ کی ہو، اور یہ قید حدیث نے بڑھائی ہے —— اور حیض میں طلاق دینا اس لئے ممنوع ہے کہ وہ شوہر کی فطری نفرت کا زمانہ ہے، اور طہر میں فطری میلان ہوتا ہے، پس اس وقت بیوی سے فائدہ نہ اٹھانا، بلکہ طلاق دینا واقعی ضرورت کی علامت ہے۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر حیض میں طلاق دی جائے گی تو عورت کی عدت لمبی ہوجائے گی کیونکہ امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ کے نزدیک عدت طہر سے گذرتی ہے اور جس طہر میں طلاق دی گئی ہے وہ طہر عدت میں شمار کیا جاتا ہے، پس یہ حیض جس میں طلاق دی گئی ہے خواہ مخواہ گذارنا پڑے گا۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک حیض سے عدت گذرتی ہے مگر یہ حیض جس میں طلاق دی گئی ہے شمار نہیں کیا جاتا اس لئے عدت لمبی ہوجائے گی۔

اور ایک طہر میں تین طلاقیں دینا، یا ایک مجلس میں یا ایک لفظ میں تین طلاقیں دینا بھی طلاق بدعی ہے، چونکہ اس صورت میں معاملہ تنگ ہوجاتا ہے اور عدت کے اندر اور عدت کے بعد تدارک کی کوئی راہ باقی نہیں رہتی اور کبھی کف افسوس ملنے کی نوبت آتی ہے اس لئے اس طرح سے طلاق دینا ناپسندیدہ ہے، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک من حیث الوقت طلاق بدعی ہوتی ہے، من حیث العدد نہیں ہوتی، ان کے نزدیک ایک سے زیادہ طلاقیں ایک ساتھ دینا جائز ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں۔

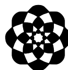
سورۃ البقرۃ (آیت ۲۲۹) میں ارشادِ پاک ہے: ﴿ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ﴾: طلاق دوبار ہے، مرتان کے ایک معنی ہیں: مَرةً بعد مرةٍ: یعنی دوطہروں میں دوطلاقیں دے اور بس کرے، یہی طلاق کا حسن طریقہ ہے، اور اسی سے احسن طریقہ کی افضلیت بھی سمجھ میں آجاتی ہے۔

سوال: ارشادِ پاک: ﴿ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ ﴾: (آیت ۲۳۰) میں تیسری طلاق کا بھی ذکر ہے، جبکہ تیسری طلاق دینا اچھا نہیں، پھر یہ کہنا کیسے درست ہوگا کہ قرآن نامناسب صورت ذکر نہیں کرتا!

جواب: اس آیت میں تیسری طلاق کی قباحت کا بیان ہے کہ اگر تیسری طلاق دے گا تو حلالہ کی ضرورت پیش آئے گی، جو شوہر کی غیرت کے خلاف ہوگا۔

طلاق اور اس کے متعلقات کے بیان میں تقوی کا بار بار تذکرہ

احکام کی پابندی قانون اور دباؤ سے نہیں کرائی جاسکتی، حکومتیں قانون بناتی ہیں اور لوگ چور دروازے کھول لیتے ہیں، احکام پر عمل اسی وقت ممکن ہے جب دل میں اللہ کا ڈر ہو، اور آخرت میں مؤاخذہ کا یقین ہو، اس لئے احکام کی آیات میں تقوی کا ذکر ضرور آتا ہے، پھر جن احکام کی تعمیل نفس پر شاق ہوتی ہے، جیسے طلاق اور اس کے متعلقات ان میں بار بار تقوی کا تذکرہ کیا جاتا ہے، چنانچہ پہلے رکوع میں پانچ بار تقوی کا ذکر کیا ہے، اور ہر بار تقوی کا نیا فائدہ بھی بیان کیا ہے۔



آیاتہا ۱۲ (۶۵) سُوْرَۃُ الطَّلَاقِ مَدَنِیَّۃٌ (۹۹) رکوعاتہا ۲

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَ اَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُیُوْتِهِنَّ وَ لَا یَخْرُجْنَ اِلَّاۤ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ ؕ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ لَا تَدْرِیْ لَعَلَّ اللّٰهَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ①

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ	اے پیغمبر	لَا تُخْرِجُوْهُنَّ	مت نکالو ان کو	وَ مَنْ یَّتَعَدَّ	اور جو شخص بڑھے گا
اِذَا طَلَّقْتُمُ	جب تم طلاق دو	مِنْۢ بُیُوْتِهِنَّ	ان کے گھروں سے	حُدُوْدَ	حدوں سے
النِّسَآءَ	عورتوں کو	وَ لَا یَخْرُجْنَ	اور نہ نکلیں وہ	اللّٰهِ	اللہ کی
فَطَلِّقُوْهُنَّ	تو ان کو طلاق دو	اِلَّاۤ اَنْ	مگر یہ کہ	فَقَدْ ظَلَمَ	تو یقیناً ظلم کیا اس نے
لِعِدَّتِهِنَّ (۱)	ان کی عدت کے شروع میں	یَّاْتِیْنَ	ارتکاب کریں وہ	نَفْسَهٗ	اپنی ذات پر
وَ اَحْصُوا	اور شمار کرو	بِفَاحِشَةٍ	بے حیائی کا	لَا تَدْرِیْ (۲)	نہیں جانتی وہ
الْعِدَّةَ	عدت کو	مُّبَیِّنَةٍ	صریح	لَعَلَّ اللّٰهَ	شاید اللہ تعالیٰ
وَ اتَّقُوا	اور ڈرو	وَ تِلْكَ	اور یہ	یُحْدِثُ	نئی پیدا کریں
اللّٰهَ	اللہ سے	حُدُوْدُ	مقرر کی ہوئی حدیں ہیں	بَعْدَ ذٰلِكَ	اس کے بعد
رَبَّكُمْ	جو تمہارے پروردگار ہیں	اللّٰهِ	اللہ کی	اَمْرًا	کوئی صورت

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

طلاق طہر میں دی جائے اور عدت یاد رکھی جائے

ارشادِ پاک ہے: ــــــ اے پیغمبر! جب آپ لوگ اپنی بیویوں کو طلاق دیں تو ان کو ان کی عدت کے شروع میں طلاق

(۱) لِعِدَّتھن: میں لام وقتیہ ہے، أی فی قُبُلِ عِدَّتِهِنَّ: عدت کے شروع میں یعنی طہر میں تا کہ عدت حیض سے شروع ہو

(۲) لاتدری: واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے اور ھی کا مرجع مطلقہ ہے۔

دیں ـــــ یہ حکم امت کو دیا ہے، اور خطاب پیغمبر علیہ السلام سے کیا ہے، ایسا دو وجہ سے کیا ہے:

پہلی وجہ: قدیم دستور یہ تھا کہ بادشاہ قوموں کو حکم دیا کرتے تھے سرداروں کو مخاطب کرکے، یہی طریقہ یہاں اپنایا ہے۔

دوسری وجہ: طلاق جائز کاموں میں بھی اللہ کو نہایت ناپسند ہے، مگر بوقتِ ضرورت ناپسند نہیں، حتی کہ پیغمبر ﷺ بھی بوقتِ ضرورت طلاق دے سکتے ہیں، پس آپؐ کا تذکرہ امت کے قلوب کی تطییب کے لئے ہے، جیسے غنیمت وفئ کے مصارف میں اللہ پاک کا تذکرہ باقی مصارف کے قلوب کی تطییب کے لئے ہے۔

طلاق دینے کا حکم: جیسے نکاح کرنا کبھی واجب ہوتا ہے، کبھی سنتِ مؤکدہ اور کبھی مکروہ تحریمی: بے تابی کی حالت میں (عند التَّوَقَان) نکاح کرنا واجب ہے، اعتدال کی حالت میں سنتِ مؤکدہ، اور بیوی پر ظلم کے اندیشہ کے وقت مکروہ تحریمی (درمختار) اسی طرح طلاق دینا کبھی واجب ہوتا ہے، کبھی مستحب، کبھی مباح، اور کبھی مکروہ تحریمی: جب شقاق (کشاکش) اس حد تک بڑھ جائے کہ حکمین (ثالثوں) سے بھی مسئلہ حل نہ ہو تو طلاق دینا واجب ہے، اور عورت بدکار ہو تو طلاق دینا مستحب ہے، اور بوقتِ حاجت مباح ہے، اور بلاوجہ (محض چکھنے کے لئے) طلاق دینا مکروہ تحریمی ہے۔

آگے ارشادِ پاک ہے: ـــــ اور عدت کو یاد رکھو، اور اس اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا پروردگار ہے ـــــ عدت تو سبھی مطلقات اور متوفی عنہا زوجہا پر واجب ہے، اور وہ وقت کے ساتھ خود بخود گذر جاتی ہے، مگر اس کی خاص اہمیت ان عورتوں کے لئے ہے جن کو عدت کے بعد نکاح کرنا ہے، ان عورتوں کی چونکہ نکاح کے ساتھ دلچسپی ہوتی ہے، اس لئے عدت کے شمار میں گپلا کرسکتی ہیں، اس لئے مردوں کو حکم دیا کہ تم عدت کو یاد رکھو، تاکہ کوئی بے عنوانی نہ ہونے پائے۔

اور طلاق رجعی میں شوہر رجوع کرسکتا ہے، پس وہ بھی دغل فصل (فریب) کرسکتا ہے اس لئے حکم دیا کہ اللہ سے ڈرتے رہو، ورنہ پکڑے جاؤ گے۔

عورت عدت میں اسی گھر میں رہے جس میں شوہر کے ساتھ رہتی تھی

آگے ارشاد فرماتے ہیں: ـــــ ان (مطلقہ) عورتوں کو ان کے (رہنے کے) گھروں سے مت نکالو، اور وہ خود بھی نہ نکلیں، ہاں مگر وہ کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں (تو اور بات ہے) اور یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں، اور جو شخص اللہ کی مقرر کی ہوئی حدوں سے تجاوز کرے گا اس نے بالیقین اپنا ہی نقصان کیا، اسے (مطلقہ) کو کیا خبر شاید اللہ تعالیٰ اُس (طلاق) کے بعد کوئی نئی بات پیدا کردیں۔

تفسیر: ان آیات میں پیش نظر یہ ہے کہ شوہر نے ایک یا دو رجعی طلاقیں دی ہیں، پس عورت عدت میں شوہر کے ساتھ اسی گھر میں رہے جس میں طلاق سے پہلے رہتی تھی، کسی پردہ وغیرہ کی بھی ضرورت نہیں، کیونکہ رجعی طلاق میں عورت

نکاح میں رہتی ہے، ہاں اگر بائنہ یا مغلظہ طلاق دی ہے تو پردہ یا علاحدہ کمرہ ضروری ہے، اور اس کا انتظام نہ ہو تو شوہر نکلے، عورت بہر حال اسی گھر میں عدت گذارے، شوہر اس کو وہاں سے نکال نہیں سکتا، ناجائز ہے۔ اور وہ خود بھی نکل کر میکے وغیرہ نہ چلی جائے، ایسا کرنا صریح بے حیائی کا کام ہے، اور یہ احکام اللہ کی مقرر کی ہوئی باؤنڈری ہیں، ان سے نکلنے کی اجازت نہیں، اگر عورت ایسی حرکت کرے گی تو وہ اپنا نقصان کرے گی اسے کیا معلوم! شاید اللہ تعالیٰ کوئی نئی بات پیدا کردیں یعنی مصالحت ہوجائے اور شوہر رجوع کرلے، اور کہیں اور چلی گئی تو یہ راہ مسدود ہوجائے گی۔

فائدہ (۱): حدیں (دائرے) دو ہیں: چھوٹا اور بڑا: پہلا دینداری کا دائرہ ہے اور دوسرا دین کا، جو پہلے دائرے سے نکل جاتا ہے وہ فاسق کہلاتا ہے، وہ دیندار نہیں رہتا، اور جو دوسرے دائرے سے نکل جاتا ہے وہ مسلمان ہی نہیں رہتا، یہاں پہلا دائرہ مراد ہے، پس مطلقہ کا شوہر کے گھر سے نکل کر میکہ وغیرہ جاکر عدت گذارنا کبیرہ گناہ ہے، ایسی عورت فاسقہ اور ناشزہ (نافرمان) ہے، اور وہ عدت کے نفقہ کی بھی مستحق نہیں۔

فائدہ (۲): عورت کی خوبی گھر میں رہنے میں ہے، اس کا بے ضرورت گھر سے نکلنا برا ہے، اور مطلقہ کا نکلنا تو کھلی بے حیائی ہے، اللہ کے حکم کی صریح خلاف ورزی ہے، فاحشة مبينة سے یہی خروج مراد ہے۔

فائدہ (۳): آیت کے آخر میں شوہر کے گھر میں عدت گذارنے کی حکمت کا بیان ہے کہ رجوع کی صورت نکل سکتی ہے، وہ شوہر کو راضی کرلے، اور شوہر اس کو رکھ لے، اور چلی گئی تو اصلاح کی کوئی صورت ممکن نہ ہوگی۔

فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَأَشْهِدُوا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنكُمْ وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ ۚ ذَٰلِكُمْ يُوعَظُ بِهِ مَن كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا ۝۲ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۚ وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ ۚ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۝۳

فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ	پس جب پہنچیں وہ اپنی مقررہ مدت کو	فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ (۱)	تو روکو ان کو اچھے انداز سے	أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ	یا جدا کرو ان کو اچھے انداز سے

(۱) معروف: ہر وہ قول یا فعل جس کی خوبی عقلاً یا شرعاً ثابت ہو، یعنی اچھا کام، اچھی بات، اس کی ضد منکر ہے۔

وَ اَشْهِدُوْا	اور گواہ بناؤ	بِاللّٰهِ	اللہ پر	عَلَى اللّٰهِ	اللہ پر
ذَوَىْ عَدْلٍ(۱)	دو معتبر آدمیوں کو	وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ	اور پچھلے دن پر	فَهُوَ	تو وہ اس کے لئے
مِّنْكُمْ	تم میں سے	وَمَنْ يَّتَّقِ	اور جو کوئی ڈرتا ہے	حَسْبُهٗ	کافی ہیں
وَ اَقِيْمُوا	اور ٹھیک ٹھیک دو	اللّٰهَ	اللہ سے	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
الشَّهَادَةَ	گواہی	يَجْعَلْ لَّهٗ	گردانتے ہیں اس کیلئے	بَالِغُ	پہنچنے والے ہیں
لِلّٰهِ	اللہ کے لئے	مَخْرَجًا	کوئی نکلنے کی راہ	اَمْرِهٖ	اپنے معاملہ کو
ذٰلِكُمْ(۲)	یہ بات	وَّيَرْزُقْهُ	اور روزی دیتے ہیں اس کو	قَدْ جَعَلَ	تحقیق ٹھہرایا ہے
يُوْعَظُ	نصیحت کی جاتی ہے	مِنْ حَيْثُ	جہاں سے	اللّٰهُ	اللہ نے
بِهٖ	اس کے ذریعہ	لَا يَحْتَسِبُ	خیال نہیں ہوتا	لِكُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز کے لئے
مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ	اس کو جو ایمان لایا	وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ	اور جو بھروسہ کرتا ہے	قَدْرًا	ایک اندازہ

جب عدت پوری ہونے کو آئے تو شوہر کو دو اختیار ہیں

ایک یا دو طلاقِ رجعی میں جب عدت ختم ہونے کو آئے تو شوہر کو دو اختیار ہیں: (۱) یا عدت ختم ہونے سے پہلے عورت کو دستور کے موافق رجعت کر کے اپنے نکاح میں رکھ لے (۲) یا عدت پوری ہونے پر معقول طریقہ سے اس کو جدا کر دے، یعنی رکھنا ہو تب اور الگ کرنا ہو تب آدمیت اور شرافت کا برتاؤ کرے، تطویلِ عدت کے لئے رجعت نہ کرے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

—— پس جب وہ عورتیں اپنی مقررہ مدت کو پہنچیں تو تم ان کو بھلے طریقہ پر نکاح میں رکھو یا ان کو بھلے طریقہ پر جدا کرو۔

مراجعت یا مفارقت پر گواہ بنانا مستحب ہے، اور گواہ گواہی بغیر رو رعایت کے دیں

نکاح میں تو گواہ بنانا ضروری ہے، مگر مراجعت یا مفارقت میں گواہ بنانا ضروری نہیں، مستحب ہے، بنالے تو بہتر ہے تاکہ لوگوں میں متہم نہ ہو، ارشاد فرماتے ہیں: —— اور اپنوں میں سے (مسلمانوں میں سے) دو معتبر آدمیوں (یا ایک آدمی اور دو عورتوں) کو گواہ بنالو، اور وہ اللہ کے لئے (بغیر رو رعایت کے) ٹھیک ٹھیک گواہی دیں۔

مذکورہ احکام بندوں کی خیر خواہی کے لئے ہیں

شروع سورت سے اب تک جو احکام بیان ہوئے ہیں وہ بندوں کے لئے نصیحت (خیر خواہی) ہیں، مگر ان پر عمل وہی

(۱) ذَوَىْ: اصل میں ذَوَيْن تھا، اضافت کی وجہ سے نون گر گیا ہے (۲) ذلکم کا مشار الیہ مذکورہ تمام احکام ہیں۔

شخص کرتا ہے جو اللہ اور آخرت کے دن پر یقین رکھتا ہے، دوسرے تو سنی اَن سنی کردیتے ہیں، اور اپنا ہی نقصان کرتے ہیں جیسے قرآنِ کریم: ﴿هُدًى لِّلنَّاسِ﴾: ہے، سبھی لوگوں کی راہ نمائی کے لئے اترا ہے [البقرۃ آیت ۱۸۵] مگر اس سے فائدہ متقی ہی اٹھاتے ہیں، اس لئے فرمایا: ﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾ [البقرۃ آیت ۲]

یہی معاملہ مذکورہ احکام کا ہے، جاہل مسلمان جب غصہ چڑھتا ہے تو فوراً فیر کردیتے ہیں، چاہے حیض کی حالت ہو، اور دھڑا دھڑ تین فیر کرتے ہیں، پھر سر پکڑ کر بیٹھ جاتے ہیں یا عورت یا شوہر نکاح اور رجعت میں بے عنوانی کرتے ہیں، یا شوہر مطلقہ کو گھر سے چلتا کرتا ہے یا عورت خود صریح بے حیائی کا ارتکاب کرتی ہے اور میکہ چلی جاتی ہے، اس طرح نادان مسلمان اللہ کی حدود کو پار کر جاتے ہیں اور اپنا ہی نقصان کر بیٹھتے ہیں۔

﴿ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾

ترجمہ: ان احکام سے اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر یقین رکھتا ہے۔

مشکلات میں بھی اللہ کے احکام پر عمل کرے، اللہ تعالیٰ گلوخلاصی کی راہ نکالیں گے

عام بات: احکام الٰہی کی تعمیل بہرحال کرنی چاہئے، خواہ کتنی ہی مشکلات اور شدائد کا سامنا کرنا پڑے، اللہ تعالیٰ مشکلات سے نکلنے کا دیر سویر راستہ بناتے ہیں، مثلاً: معیشت کی تنگی ہو تو گھبرائے نہیں، ہمتِ مرداں مددِ خدا!

خاص مراد: مطلقہ کو شوہر کے گھر میں عدت گذارنے میں کبھی پریشانی پیش آتی ہے، گھر کے افراد کی نظریں پھری ہوئی ہوتی ہیں یا شوہر سے جھگڑا ہوا ہے اور وہ شوہر کو ایک آنکھ نہیں بھاتی، ایسی صورت میں مطلقہ تین ماہ اس گھر میں کیسے رہے؟ فرماتے ہیں: گھبرائے نہیں، اللہ کے حکم پر عمل کرے، اس میں اس کی مصلحت ہے، اور عدت کے دن کتنے ہیں؟ بہت جلد اللہ تعالیٰ اس گھر سے نکلنے کی راہ بنائیں گے، عدت پوری ہوتے ہی چلی جانا، ابھی صبر وسکون سے یہیں رہ!

﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝﴾

ترجمہ: اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لئے نکلنے کی راہ بناتے ہیں۔

عدت کے بعد عورت کا کیا ہوگا؟ مطلقہ اس الجھن میں نہ پڑے، اللہ تعالیٰ اس کا انتظام کریں گے

عام بات: تقویٰ کامیابی کی کلید ہے، اس سے مشکلیں آسانی ہوتی ہیں، بے قیاس وگمان روزی ملتی ہے، اور سکون واطمینان کی دولت الگ نصیب ہوتی ہے، لہٰذا بندہ اللہ پر بھروسہ رکھے، اسباب پر تکیہ نہ کرے، اللہ کی قدرت اسباب کی پابند نہیں، ان کو جو کام کرنا ہے وہ پورا ہو کر رہتا ہے، سب اسباب اسی کی مشیت کے تابع ہیں، البتہ ہر چیز کا اس کے یہاں ایک اندازہ

ہے، اسی کے موافق وہ ظہور پذیر ہوتی ہے، اس لئے اگر کسی چیز کے حاصل ہونے میں دیر لگے تو متوکل کو گھبرانا نہیں چاہئے۔

خاص مراد: معتدہ اس الجھن میں مبتلا رہتی ہے کہ عدت کے بعد اس کا کیا ہوگا؟ میکہ میں عدت گذارتی تو رشتہ دار اس کی فکر کرتے، یہاں شوہر کے گھر میں کس کو اس کی پڑی ہے؟ فرماتے ہیں: معتدہ اس الجھن میں مبتلا نہ ہو، عدت کے بعد اللہ تعالیٰ اس کا انتظام کر دیں گے، ایسی جگہ سے اس کی روزی روٹی (نکاح) کا انتظام ہو جائے گا کہ اس کو اس کا سان گمان بھی نہیں ہوگا، میکہ والے اپنی جگہ اس کے بارے میں سوچیں گے، اور نکاح کے خواہش مند بھی نظریں دوڑائیں گے، اس طرح عدت کے بعد اس کا حل نکل آئے گا، شوہر کے گھر سے نکل کر میکہ میں عدت گذارنے پر یہ بات موقوف نہیں، اور جو شخص اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہو جاتے ہیں، اور اللہ کا فیصلہ بہر حال پورا ہو کر رہتا ہے، خواہ کچھ دیر لگے، کیونکہ اللہ نے ہر کام کا ایک اندازہ ٹھہرا رکھا ہے، ہر کام اس کے وقت پر ہوتا ہے، **كل أمر مرهون بوقته:** ہر کام اس کے وقت پر ہوتا ہے۔

﴿ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۭ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ۭ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۝ ﴾

ترجمہ: اور اس کو روزی پہنچاتے ہیں ایسی جگہ سے جس کا خیال بھی نہیں ہوتا، اور جو شخص اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اللہ اس کے لئے کافی ہو جاتے ہیں، بے شک اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کر کے رہتے ہیں، البتہ اللہ نے ہر کام کا ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔

وَالّٰۗـِٔيْ يَىِٕسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَاۗىِٕكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّالّٰۗـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ ۭ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۭ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ۝ ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗٓ اِلَيْكُمْ ۭ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗٓ اَجْرًا ۝

وَالّٰۗـِٔيْ	اور جو عورتیں	اِنِ ارْتَبْتُمْ	اگر تمہیں شک ہو	لَمْ يَحِضْنَ	حیض نہیں آیا
يَىِٕسْنَ	ناامید ہو گئیں	فَعِدَّتُهُنَّ	تو ان کی عدت	وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ	اور حمل والیاں
مِنَ الْمَحِيْضِ	حیض سے	ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ	تین ماہ ہے	اَجَلُهُنَّ	ان کا مقررہ وقت
مِنْ نِّسَاۗىِٕكُمْ	تمہاری عورتوں میں سے	وَّالّٰۗـِٔيْ	اور جن عورتوں کو	اَنْ يَّضَعْنَ	یہ ہے کہ رکھ دیں وہ

حَمْلَهُنَّ	اپنے حمل کو	يُسْرًا	آسانی	اللّٰهَ	اللہ سے
وَمَنْ يَّتَّقِ	اور جو ڈرے	ذٰلِكَ	یہ	يُكَفِّرْ عَنْهُ	مٹائیں گے اس سے
اللّٰهَ	اللہ سے	اَمْرُ اللّٰهِ	اللہ کا حکم ہے	سَيِّاٰتِهٖ	اس کی برائیاں
يَجْعَلْ	بنائیں گے وہ	اَنْزَلَهٗٓ	اتارا ہے اس کو	وَيُعْظِمْ	اور بڑا کریں گے
لَّهٗ	اس کے لئے	اِلَيْكُمْ	تمہاری طرف	لَهٗٓ	اس کے لئے
مِنْ اَمْرِهٖ	اس کے معاملہ میں	وَمَنْ يَّتَّقِ	اور جو ڈرے	اَجْرًا	ثواب

آیسہ اور نابالغہ مطلقہ کی عدت تین ماہ ہے

سورۃ البقرۃ (آیت ۲۲۹) میں مطلقہ کی عدت تین حیض آئی ہے، سوال ہوا کہ اگر کبر سنی کی وجہ سے حیض بند ہو گیا ہو یا لڑکی نابالغ ہو، ابھی حیض نہیں آیا، ان کو اگر طلاق ہو جائے تو عدت کیا ہوگی؟ اس آیت میں بتایا کہ ان کی عدت تین ماہ ہے۔

ترجمہ: اور تمہاری جو عورتیں حیض سے ناامید ہو چکی ہیں، اگر تمہیں ان کا حکم معلوم نہ ہو، تو ان کی عدت تین ماہ ہے، اور جن کو ابھی حیض نہیں آیا —— ان کی بھی یہی عدت ہے۔

حاملہ کی عدت وضع حمل ہے، اور حمل کی مدت لمبی ہو جائے تو گھبرائے نہیں

حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے، خواہ ایک منٹ کے بعد ولادت ہو جائے خواہ لمبا زمانہ گذر جائے، اور اس میں مطلقہ اور متوفی عنہا زوجہا کا حکم یکساں ہے، اور حمل خواہ کامل پیدا ہو یا ناقص، بشرطیکہ کوئی عضو بن گیا ہو، گو ایک انگلی ہی سہی، اور حمل کی مدت لمبی ہو جائے تو حاملہ گھبرائے نہیں، اگر وہ اللہ سے ڈرے گی اور حمل ضائع نہیں کرے گی تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے آسانی کریں گے۔

﴿وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ۝۴﴾

ترجمہ: اور حاملہ عورتوں کی عدت یہ ہے کہ وہ اپنا حمل جن دیں، اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا تو اللہ اس کے لئے اس کے کام میں آسانی کریں گے۔

تقویٰ (اللہ سے ڈرنے) کے دو اخروی فائدے

تقویٰ کا مضمون بار بار مختلف پیرایوں میں دوہرایا گیا ہے تاکہ رنگ چڑھے اور احکام پر عمل کرنا آسان ہو، اب اتقا کے

دو اخروی فائدے بیان کرتے ہیں: ایک: اس سے گناہ معاف ہوتے ہیں دوم: آخرت میں اجر عظیم ملتا ہے۔اس لئے احکام الٰہی کی تعمیل میں پس وپیش نہیں کرنی چاہئے۔

﴿ ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗۤ اِلَيْكُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَ يُعْظِمْ لَهٗۤ اَجْرًا ۝ ﴾

ترجمہ: یہ (مذکورہ احکام) اللہ کا حکم ہے جس کو اس نے تمہاری طرف اتارا ہے، اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا —— اور اس کے احکام کی خلاف ورزی نہیں کرے گا —— اللہ اس سے اس کی برائیاں مٹائیں گے، اور اس کو بڑا اجر عطا فرمائیں گے۔

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ۚ وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗۤ اُخْرٰى ۝ لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ۚ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ۚ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا ۚ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۝ ع

اَسْكِنُوْهُنَّ	رکھوان کو	اُولَاتِ حَمْلٍ	حمل والیاں	اُجُوْرَهُنَّ	ان کی اجرت
مِنْ حَيْثُ	جہاں	فَاَنْفِقُوْا	تو خرچ کرو	وَاْتَمِرُوْا[3]	اور مشورہ کرو
سَكَنْتُمْ	تم رہتے ہو	عَلَيْهِنَّ	ان پر	بَيْنَكُمْ	باہم
مِّنْ وُّجْدِكُمْ[1]	اپنی آسودگی سے	حَتّٰى يَضَعْنَ	تا آنکہ جن دیں وہ	بِمَعْرُوْفٍ	اچھے انداز سے
وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ[2]	اور ضرر مت پہنچاؤان کو	حَمْلَهُنَّ	اپنا حمل	وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ[4]	اور اگر اختلاف کرو تم
لِتُضَيِّقُوْا	تاکہ تنگی کرو	فَاِنْ اَرْضَعْنَ	پھر اگر دودھ پلائیں وہ	فَسَتُرْضِعُ	تو دودھ پلائے گی
عَلَيْهِنَّ	ان پر	لَكُمْ	تمہارے لئے	لَهٗۤ	اس کو
وَاِنْ كُنَّ	اور اگر ہوں وہ	فَاٰتُوْهُنَّ	تو دوان کو	اُخْرٰى	کوئی دوسری عورت

(۱) وُجد: آسودگی، مالی وسعت (۲) ضارّہ مُضارّۃ: نقصان پہنچانا (۳) ائتمر بمعنی تآمر ہے، باہم مشورہ کرنا (۴) تعاسَرَ الرجلان: اختلاف کرنا۔

لِيُنْفِقْ	چاہئے کہ خرچ کرے	فَلْيُنْفِقْ	تو چاہئے کہ خرچ کرے وہ	نَفْسًا	کسی کو
ذُوْ سَعَةٍ	گنجائش والا	مِمَّا	اس میں سے جو	اِلَّا مَا	مگر اس کا جو
مِّنْ سَعَتِهٖ	اپنی گنجائش سے	اٰتٰىهُ	دیا ہے اس کو	اٰتٰىهَا	دیا ہے اس کو
وَمَنْ قُدِرَ	اور جو شخص تنگ کی گئی	اللّٰهُ	اللہ نے	سَيَجْعَلُ اللّٰهُ	عنقریب بنائیں گے وہ
عَلَيْهِ	اس پر	لَا يُكَلِّفُ	نہیں حکم دیتے	بَعْدَ عُسْرٍ	تنگی کے بعد
رِزْقُهٗ	اس کی روزی	اللّٰهُ	اللہ	يُسْرًا	آسانی

معتدہ رجعیہ کا سکنی اور حاملہ کا نفقہ

تمام ائمہ متفق ہیں کہ مطلقہ رجعیہ کو نفقہ بھی ملے گا اور سکنی بھی، کیونکہ وہ ابھی نکاح میں ہے، اسی طرح حاملہ کو بھی دونوں چیزیں ملیں گی، خواہ اس کو رجعی طلاق دی ہو یا بائنہ یا مغلظہ، اور مبتوتہ حائلہ کے بارے میں اختلاف ہے، حنفیہ کے نزدیک اسے بھی دونوں چیزیں ملیں گی، اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک اس کو دونوں چیزیں نہیں ملیں گی، اور امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک صرف سکنی ملے گا، نفقہ نہیں ملے گا۔ اور مبتوتہ کے معنی ہیں: کاٹی ہوئی، یعنی وہ عورت جس کو ایک یا دو بائنہ طلاقیں دی ہوں، اور جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہیں وہ تو مبتوتہ ہے ہی، اور حائلہ کے معنی ہیں: غیر حاملہ۔

آیتِ پاک: تم ان (مطلقہ رجعیہ) عورتوں کو اپنی وسعت کے موافق رہنے کی جگہ دو —— وہ عدت میں شوہر کے ساتھ بغیر پردہ کے رہے، کیونکہ وہ ابھی نکاح میں ہے —— اور ان کو تکلیف مت پہنچاؤ، تاکہ ان کو تنگ کرو —— یعنی ستاؤ نہیں کہ وہ تنگ آ کر نکلنے پر مجبور ہو جائیں —— اور اگر وہ حاملہ ہوں تو (سکنی کے ساتھ) ان پر خرچ (بھی) کرو، یہاں تک کہ وہ اپنا حمل جن دیں —— حمل کی مدت کبھی طویل ہو جاتی ہے، اس لئے خصوصیت سے بتلایا کہ پوری مدت میں خرچ کرتے رہو، خواہ مدت کتنی ہی طویل ہو، وضع حمل تک اس کو نفقہ دینا ہوگا۔

اجرتِ رضاعت: منکوحہ پر اپنے بچہ کو دودھ پلانا واجب ہے، البتہ اگر بچہ کا باپ مالدار ہو اور وہ کوئی اور انا تلاش کر سکے تو ماں کا دودھ نہ پلانے میں بھی کوئی گناہ نہیں (بہشتی زیور) اور مطلقہ پر شوہر کے بچے کو دودھ پلانا واجب نہیں، خواہ بچہ طلاق سے پہلے کا ہو یا اسی کو جننے سے عدت پوری ہوئی ہو۔

پھر اگر وضع حمل کے بعد ماں بچہ کو مفت دودھ نہ پلائے تو جو اجرت کسی اور انا کو دیتے ہیں اس کو دی جائے، اور معقول طریقہ سے باہم مشورہ کر کے اجرت طے کی جائے، فریقین خواہ مخواہ کج روی اختیار نہ کریں، نہ عورت دودھ پلانے سے انکار کرے نہ زیادہ اجرت مانگے، ورنہ کوئی اور عورت دودھ پلانے والی مل جائے گی، نہ شوہر ماں کو چھوڑ کر دوسری کا دودھ

پلوائے، کیونکہ اس کو بھی تو اجرت دینی پڑے گی، پھر ماں ہی کو کیوں نہ دے۔

بچہ کا خرچ: وضع حمل کے بعد بچہ کی پرورش کا خرچ باپ کے ذمہ ہے، وسعت والے کو اپنی وسعت کے موافق اور کم حیثیت والے کو اپنی حیثیت کے مناسب خرچ کرنا چاہئے، اگر کسی شخص کو زیادہ فراخی نصیب نہ ہو، محض نپی تلی روزی اللہ نے دی ہو، وہ اس میں سے اپنی گنجائش کے موافق خرچ کرے، اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے، جب تنگی کی حالت میں اس کے حکم کے موافق خرچ کرو گے: وہ تنگی اور سختی کو فراخی اور آسانی سے بدل دے گا (فوائد)

﴿ فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ۖ وَأْتَمِرُوا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوفٍ ۖ وَإِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهُ أُخْرَىٰ ﴿٦﴾ ﴾

ترجمہ: پھر اگر وہ تمہاری خاطر دودھ پلائیں تو ان کو ان کی اجرت دو، اور اجرت کے معاملہ میں باہم مناسب طور پر مشورہ کر لو، اور اگر تم باہم کشمکش کرو گے تو اس کو کوئی دوسری عورت دودھ پلائے گی۔

﴿ لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِنْ سَعَتِهِ ۖ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ ۚ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا ۚ سَيَجْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا ﴿٧﴾ ﴾

ترجمہ: چاہئے کہ وسعت والا اپنی وسعت کے موافق خرچ کرے، اور جس پر اس کا رزق تنگ کیا گیا چاہئے کہ وہ اس میں سے خرچ کرے جو اس کو اللہ نے دیا ہے، اللہ تعالیٰ کسی کو حکم نہیں دیتے مگر اسی کا جو اس کو دیا ہے، جلد ہی اللہ تعالیٰ تنگی کے بعد آسانی کر دیں گے۔

وَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ أَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهِ فَحَاسَبْنَاهَا حِسَابًا شَدِيدًا وَعَذَّبْنَاهَا عَذَابًا نُكْرًا ﴿٨﴾ فَذَاقَتْ وَبَالَ أَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ أَمْرِهَا خُسْرًا ﴿٩﴾ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ الَّذِينَ آمَنُوا ۚ قَدْ أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكُمْ ذِكْرًا ﴿١٠﴾ رَسُولًا يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِ اللَّهِ مُبَيِّنَاتٍ لِيُخْرِجَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ قَدْ أَحْسَنَ اللَّهُ لَهُ

رِزْقًا ﴿۱۱﴾ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۙ۬ وَّ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ﴿۱۲﴾ ع ۲۵/۱۸

وَكَاَیِّنْ	کتنی ہی	عَذَابًا شَدِیْدًا	سخت عذاب	اِلَى النُّوْرِ	روشنی کی طرف
مِّنْ قَرْیَةٍ	بستیاں	فَاتَّقُوا اللّٰهَ	پس ڈرو اللہ سے	وَمَنْ یُّؤْمِنْۢ	اور جو یقین رکھتا ہے
عَتَتْ	نافرمانی کی انھوں نے	یٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ	اے عقل مندو	بِاللّٰهِ	اللہ پر
عَنْ اَمْرِ	حکم کی	الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (۱)	جو ایمان لائے ہو	وَیَعْمَلْ	اور کرتا ہے
رَبِّهَا	اپنے رب کی	قَدْ اَنْزَلَ	تحقیق اتاری ہے	صَالِحًا	نیک کام
وَرُسُلِهٖ	اور اس کے رسولوں کی	اللّٰهُ	اللہ نے	یُّدْخِلْهُ	داخل کریں گے اس کو
فَحَاسَبْنٰهَا	پس دارو گیر کی ہم نے ان کی	اِلَیْكُمْ	تمہاری طرف	جَنّٰتٍ	باغات میں
حِسَابًا شَدِیْدًا	سخت دارو گیر کرنا	ذِكْرًا	خاص نصیحت	تَجْرِیْ	بہتی ہیں
وَّعَذَّبْنٰهَا	اور سزا دی ہم نے ان کو	رَّسُوْلًا (۲)	(بھیجا) عظیم رسول	مِنْ تَحْتِهَا	ان کے نیچے سے
عَذَابًا نُّكْرًا	سخت سزا دینا	یَّتْلُوْا عَلَیْكُمْ	پڑھتا ہے تمہارے سامنے	الْاَنْهٰرُ	نہریں
فَذَاقَتْ	پس چکھا انھوں نے	اٰیٰتِ اللّٰهِ	اللہ کی آیتیں	خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ	رہنے والے ان میں
وَبَالَ اَمْرِهَا	اپنے معاملہ کا وبال	مُبَیِّنٰتٍ	واضح	اَبَدًا	سدا
وَكَانَ عَاقِبَةُ	اور تھا آخری انجام	لِّیُخْرِجَ	تاکہ نکالیں وہ	قَدْ اَحْسَنَ	تحقیق بہترین بنائی
اَمْرِهَا	ان کے معاملہ کا	الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	ان کو جو ایمان لائے	اللّٰهُ	اللہ نے
خُسْرًا	گھاٹا	وَعَمِلُوا	اور کئے انھوں نے	لَهٗ	اس کے لئے
اَعَدَّ اللّٰهُ	تیار کیا ہے اللہ نے	الصّٰلِحٰتِ	نیک کام	رِزْقًا	روزی
لَهُمْ	ان کے لئے	مِنَ الظُّلُمٰتِ	تاریکیوں سے	اَللّٰهُ	اللہ تعالیٰ

(۱) الذين آمنوا: منصوب ہے، اور منادی أولی الألباب کی صفت یا عطف بیان ہے یا أُعْنِی مقدر ہے (۲) رسولاً سے پہلے أرسلنا محذوف ہے اور قرینہ أنزلنا ہے، اور غایتِ اتحاد کی وجہ سے حرف عطف نہیں لایا گیا اور ذکراً سے بدل بھی ہوسکتا ہے۔

اَلَّذِیْ	جنھوں نے	یَتَنَزَّلُ	اترتا ہے	قَدِیْرٌ	پوری قدرت رکھنے
خَلَقَ	پیدا کئے	الْاَمْرُ	حکم		والے ہیں
سَبْعَ	سات	بَیْنَھُنَّ	ان کے درمیان	وَّ اَنَّ اللّٰہَ	اور یہ کہ اللہ نے
سَمٰوٰتٍ	آسمان	لِتَعْلَمُوْٓا	تاکہ جانو تم	قَدْ اَحَاطَ	تحقیق گھیر رکھا ہے
وَّمِنَ الْاَرْضِ	اور زمین سے	اَنَّ اللّٰہَ	کہ اللہ	بِکُلِّ شَیْءٍ	ہر چیز کو
مِثْلَھُنَّ	ان کے مانند	عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ	ہر چیز پر	عِلْمًا	علم کے اعتبار سے

احکام الٰہی کی نافرمانی کا وبال اور اطاعت کا صلہ

احکام الٰہی کی نافرمانی کرنے کی وجہ سے کتنی ہی بستیاں تباہ کی جا چکی ہیں، دنیا میں ان کی سخت پڑتال کی گئی، اور آخرت میں ان کو سخت سزا ملے گی، وہ گھاٹے میں رہیں گے اور ان کے لئے سخت عذاب تیار ہے، ان عبرتناک واقعات سے عقل منداہل ایمان سبق لیں، کہیں حکم عدولی کی سزا میں پکڑے نہ جائیں اور ان کی آخرت برباد نہ ہو۔

اللہ نے نصیحت نامہ (قرآنِ کریم) اتارا ہے، ساتھ ہی عظیم رسول بھیجا ہے، جو قرآن کی صاف صاف آیتیں پڑھ کر سناتا ہے، تاکہ اللہ تعالیٰ جن لوگوں میں ایمان کی صلاحیت ہے: کفر وجہل کی اندھیروں سے نکال کر ایمان وعمل صالح کی شاہ راہ پر ڈالیں، پھر جو ایمان لے آئیں اور نیک کام کریں ان کو جنت کے سدا بہار باغات میں داخل کریں، جہاں وہ ہمیشہ رہیں، اور جنت سے بہتر مقام کیا ہوسکتا ہے؟

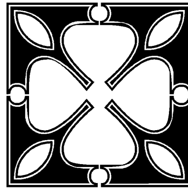
پھر آخری آیت ہے، کائنات بہت وسیع ہے، آسمان سات ہیں اور زمینیں بھی اتنی ہی ہیں، اور سب میں احکامات بھیجے جاتے ہیں، انسانوں کی زمین میں بھی یہ تشریعی احکام بھیجے جارہے ہیں، ان کی تعمیل کرو، ورنہ یاد رکھو اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں، اور ہر چیز کو اپنے احاطۂ علمی میں لئے ہوئے ہیں، ان سے کیسے بچ سکوگے؟ ہر نافرمانی کی سزا پاؤگے!

آیاتِ پاک: —— اور کتنی ہی بستیاں ہیں جنھوں نے اپنے پروردگار کے اور اس کے رسولوں کے حکم سے سرتابی کی، پس ہم نے ان کی سخت پڑتال کی اور ہم نے ان کو سخت سزا دی، پس انھوں نے اپنے معاملہ (نافرمانی) کا وبال چکھا، اور ان کا آخری انجام گھاٹا ہے، اللہ نے ان کے لئے سخت سزا تیار کی ہے، پس اللہ سے ڈرو اے عقل مندو جو ایمان لائے ہو، یقیناً اللہ نے تمہاری طرف نصیحت اتاری ہے، عظیم رسول (بھیجا ہے) جو تمہارے سامنے اللہ کی واضح آیتیں پڑھتا ہے، تاکہ اللہ تعالیٰ نکالیں ان کو جو (بالقوۃ) ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کئے: تاریکیوں سے روشنی کی طرف، اور جو شخص

(بالفعل) اللہ پر ایمان لایا، اور اس نے نیک کام کئے: اللہ تعالیٰ اس کو ایسے باغات میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، یقیناً اللہ نے ان کے لئے بہترین روزی کا انتظام کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ وہ ہیں جنھوں نے سات آسمان پیدا کئے، اور زمین سے ان کے مانند، ان کے درمیان احکامات اترتے ہیں، تا کہ تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں اور یہ بات کہ اللہ نے ہر چیز کو اپنے احاطۂ علمی میں لے رکھا ہے —— کوئی چیز ان کے علم سے باہر نہیں۔

تفسیر: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک اثر (قول) ہے، حدیث نہیں کہ سب زمینوں میں مکلّف مخلوقات ہیں، اور اس زمین کے آدم کی طرح آدم، نوح، ابراہیم اور محمد (ﷺ) ہیں۔ یہ روایت معلوم نہیں کیسی ہے؟ بعض نے اس کو موضوع (گھڑی ہوئی) کہا ہے (بیان القرآن، روح المعانی) اور اکثر حضرات نے اس کا اعتبار کیا ہے، اور حضرت نانوتوی قدس سرہ نے "فتوی تحذیر الناس من انکار اثر ابن عباس" میں اس کی شرح کی ہے، یہاں سمجھنے کی بات یہ ہے کہ ﴿یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ﴾ کی دلالت: تشریعی احکامات پر صریح نہیں، تکوینی احکامات کو بھی یہ ارشاد شامل ہے، اور زمینوں کی ہیئت کذائی کیا ہے؟ یہ بات قرآن وحدیث میں مصرح نہیں، پس اس میں سر کھپانا بے فائدہ ہے، مقصود آیت صرف یہ ہے کہ اللہ کی وسیع کائنات میں احکامات بھیجے جاتے ہیں، اور تمام مخلوقات ان کی تابعداری کرتی ہیں، حسب دستور اس زمین میں بھی یہ معاشرتی احکام بھیجے جا رہے ہیں، ان کی اطاعت کرو، ورنہ منہ کی کھاؤ گے!



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ التحریم

تحریم: کے معنی ہیں: حرام کرنا، ناجائز بنانا، چونکہ پہلی آیت میں حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کو حرام کرنے پر خفگی کا اظہار ہے، اس لئے سورت کا نام التحریم رکھا ہے، اور سورت کا موضوع اصلاح وتربیت ہے، گذشتہ سورت میں طلاق، اور اس کے متعلقات کا بیان تھا، طلاق کی نوبت اس وقت آتی ہے جب پانی سر سے اوپر ہوجائے، اگر شروع ہی سے اصلاح کی جائے تو طلاق کی نوبت نہیں آئے گی، یہ سورت کا ماسبق سے ربط ہے۔

سورت کے مضامین: سورت کی پہلی آیت میں یہ بات بیان کی ہے کہ بیوی کی دلداری ایک حد تک ہی مناسب ہے ہر معاملہ میں بیوی کی خوشنودی کی خواہش: کردنی ناکردنی کراتی ہے، آدمی حلال کو حرام کر بیٹھتا ہے، پھر دوسری آیت میں یہ بیان ہے کہ ایسا ہوجائے تو قسم کا کفارہ دے، اس کے حرام کرنے سے وہ چیز حرام نہیں ہوگی۔

اس کے بعد کی دو آیتوں میں یہ بیان ہے کہ عورت کو شوہر کا راز فاش نہیں کرنا چاہئے، یہ بات غضب ڈھا سکتی ہے، پھر پانچویں آیت میں یہ مضمون ہے کہ بیویوں میں کیا صفات مطلوب ہیں۔ پھر خود کو اور فیملی کو دوزخ سے بچانے کا حکم ہے، یہ بات اصلاح اور دینی تربیت کے ذریعہ ممکن ہے، ورنہ قیامت کے دن کوئی معذرت نہیں چلے گی، مگر یہ بات راست نہیں کہی، بلکہ گفتہ آید در حدیثِ دیگراں کے طور پر کہی ہے کہ قیامت کے دن کفار سے کہا جائے گا: ﴿لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ﴾: آج بہانے مت بناؤ، یہ بات گنہگار مؤمنین کو بھی ذہن میں رکھنی چاہئے، ان کا بھی کوئی بہانہ نہیں چلے گا، البتہ آج دنیا میں اصلاح کا موقعہ ہے، سچی توبہ کریں، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کو رسوا نہیں کریں گے، بلکہ پل صراط پر روشنی عطا فرمائیں گے، جو جنت تک ان کا ساتھ دے گی۔

پھر آیت ۹ میں نبی ﷺ کو حکم دیا ہے کہ وہ کفار ومنافقین سے ٹکر لیں، ان کے ساتھ سختی برتیں، یہاں منافقین عام ہے، اعتقادی اور عملی دونوں کو شامل ہے، عمل میں کوتاہی کرنے والا نفس، بیوی اور بچے سب اس میں داخل ہیں، نفس بے راہ ہوجائے تو اس کو لگام دے، فیملی پر لاٹھی کا ہوّا لٹکائے رکھے، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو نبی ﷺ نے تاکید فرمائی ہے: **لَا تَرْفَعْ عصاك عنهم أدباً وأَخِفْهُم فى الله:** تربیت کے لئے لاٹھی ان سے اٹھا مت دو، یعنی وہ بے خوف نہ ہوجائیں، اور اللہ کے دین کے معاملہ میں ان کو ڈراتے رہو، فہمائش کرتے رہو، تاکہ وہ دین دار بنیں۔

پھر آخر میں چار عورتوں کی مثالیں ہیں، دو کی کافروں کے لئے اور دو کی مؤمنین کے لئے، پہلی دو نے اپنی اصلاح نہیں کی تو وہ تباہ ہوئیں، اور دوسری دو نے اپنی اصلاح کی تو وہ کامیاب ہوئیں۔

آیاتها ۱۲ (۶۶) سُوْرَةُ التَّحْرِيْمِ مَدَنِيَّةٌ (۱۰۷) رکوعاتها ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝ وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ؕ قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝ اِنْ تَتُوْبَاۤ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ۝ عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ۝

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ	اے پیامبر	وَ اللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	وَ اللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
لِمَ تُحَرِّمُ	کیوں حرام کرتے ہیں آپ	غَفُوْرٌ	بڑے بخشنے والے	مَوْلٰىكُمْ	تمہارے کارساز ہیں
مَاۤ اَحَلَّ	اس کو جس کو حلال کیا	رَّحِيْمٌ	بڑے رحم والے ہیں	وَهُوَ الْعَلِيْمُ	اور وہ خوب جاننے والے
اللّٰهُ	اللہ نے	قَدْ فَرَضَ	تحقیق مقرر کیا ہے	الْحَكِيْمُ	بڑی حکمت والے ہیں
لَكَ	آپؐ کے لئے	اللّٰهُ	اللہ نے	وَاِذْ	اور (یاد کرو) جب
تَبْتَغِيْ	چاہتے ہیں آپؐ	لَكُمْ	آپؐ کے لئے	اَسَرَّ	چپکے سے کہی
مَرْضَاتَ	خوشنودی	تَحِلَّةَ(۱)	کفارہ دے کر درست کرنا	النَّبِيُّ	پیامبر نے
اَزْوَاجِكَ	اپنی بیویوں کی	اَيْمَانِكُمْ	اپنی قسموں کا	اِلٰى بَعْضِ	اپنی کسی

(۱) تَحِلَّةَ: مصدر باب حَلَّلَ، تَحْلِيْلًا اور تَحِلًّا بھی مصادر ہیں، حَلَّلَ اليمينَ: قسم کو کفارہ دے کر درست کرنا۔

اَزْوَاجِهٖ	بیوی سے	نَبَّاَنِیَ	بتلائی مجھے	بَعْدَ ذٰلِكَ	اس کے بعد
حَدِیْثًا	کوئی بات	الْعَلِیْمُ	خوب جاننے والے	ظَهِیْرٌ	مددگار ہیں
فَلَمَّا نَبَّاَتْ	پس جب خبر کردی اس نے	الْخَبِیْرُ	بڑے باخبر نے	عَسٰی رَبُّهٗٓ	ہوسکتا ہے ان کا رب
بِهٖ	اس کی	اِنْ تَتُوْبَآ	اگر توبہ کرو تم دونوں	اِنْ طَلَّقَكُنَّ	اگر طلاق دیدیں وہ تم کو
وَاَظْهَرَهُ	اور ظاہر کردیا اس کو	اِلَی اللّٰهِ	اللہ کے سامنے	اَنْ یُّبْدِلَهٗٓ	تو بدلہ میں دیدے وہ
اللّٰهُ عَلَیْهِ	اللہ نے اس پر	فَقَدْ	پس بالیقین		ان کو
عَرَّفَ	جتلایا اس نے	صَغَتْ (۱)	جھک گئے ہیں	اَزْوَاجًا	بیویاں
بَعْضَهٗ	اس کا کچھ	قُلُوْبُكُمَا	تم دونوں کے دل	خَیْرًا مِّنْكُنَّ	بہتر تم سے
وَاَعْرَضَ	اور ٹلایا	وَاِنْ تَظٰهَرَا (۲)	اور اگر جوش وجذبات کا	مُسْلِمٰتٍ	سرافگندہ
عَنْۢ بَعْضٍ	کچھ		اظہار کروگی تم دونوں	مُّؤْمِنٰتٍ	ایمان دار
فَلَمَّا نَبَّاَهَا	پس جب خبردی نبی	عَلَیْهِ	اس کے خلاف	قٰنِتٰتٍ	اطاعت شعار
	نے اس کو	فَاِنَّ اللّٰهَ	پس بے شک اللہ تعالیٰ	تٰٓئِبٰتٍ	توبہ کرنے والیاں
بِهٖ	اس کی	هُوَ مَوْلٰىهُ	اس کے رفیق ہیں	عٰبِدٰتٍ	عبادت گذار
قَالَتْ	پوچھا اس نے	وَجِبْرِیْلُ	اور جبرئیل	سٰٓئِحٰتٍ (۳)	(اللہ کی راہ میں) سفر
مَنْ اَنْۢبَاَكَ	کس نے بتلائی آپ کو	وَصَالِحُ	اور نیک		کرنے والیاں
هٰذَا	یہ بات	الْمُؤْمِنِیْنَ	مسلمان	ثَیِّبٰتٍ	بیوائیں
قَالَ	جواب دیا اس نے	وَالْمَلٰٓئِكَةُ	اور فرشتے	وَّاَبْكَارًا	اور کنواریاں

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

بیوی کی دلداری ایک حد تک ہونی چاہئے

گھر کے بگاڑ کا ایک سبب بیوی کی حد سے زیادہ خاطر داری ہے، اس کی ہر روا ناروا بات نہیں ماننی چاہئے، ورنہ گھر تباہ

(۱) صَغَا یَصْغُوْ صَغْوًا (ن) جھکنا (۲) تظاھروا: اظہار ناراضگی کے لئے لوگوں کا اکٹھا ہونا، مظاہرہ کرنا (۳) سائحات: سائحة کی جمع، سَاحَ الماءُ کے معنی ہیں: پانی کا سطح زمین پر بہنا اور ساح فی الأرض کے معنی ہیں: زمین میں پانی کی طرح بہہ پڑنا، چل کھڑا ہونا، عورتوں کے لئے بھی حج کے لئے سفر کرنا فرض ہے۔

ہوگا، بیوی بےشک محبت کرنے کی چیز ہے، اس سے محبت نہیں کرے گا تو کس سے کرے گا، مگر اس کی محبت میں پاگل نہیں ہوجانا چاہئے، جو شخص بیوی کی حد سے زیادہ رضامندی چاہتا ہے وہ کبھی اس کی محبت میں نامناسب کام کر بیٹھتا ہے، اس کی ایک مثال پہلی آیت کے شانِ نزول کے واقعہ میں ہے۔

شانِ نزول کا واقعہ: حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا: نبی ﷺ کی سُرّیہ تھیں، اسکندریہ کے بادشاہ نے ان کا ہدیہ بھیجا تھا، ان کو قبا میں رکھا گیا تھا اور گاہ بہ گاہ آپؐ ان کے پاس تشریف لے جاتے تھے، ایک مرتبہ وہ آپؐ سے ملنے آئیں، آپؐ اس وقت حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے، اور وہ اپنے ابا کے گھر گئی ہوئی تھیں، اس لئے گھر خالی تھا، نبی ﷺ نے حضرت ماریہؓ سے اس گھر میں مقاربت فرمائی، جب یہ بات حضرت حفصہؓ کے علم میں آئی تو ان کو سخت غیرت آئی، اور انھوں نے کہا: آپؐ اس کو میرے گھر میں لائے، کسی اور بیوی کے گھر میں نہیں لے گئے، معلوم ہوا کہ میری حیثیت آپ کی نظر میں چار پیسے کی بھی نہیں! **تُدْخِلُها في بيتي، ما صنعتَ هذا من بين نسائك إلا من هَوَاني عليك!** نبی ﷺ نے فرمایا: تم یہ بات عائشہ سے ذکر مت کرنا، وہ مجھ پر حرام ہے میں اس سے صحبت نہیں کروں گا: **لاتذكری هذا لعائشة، فهي علی حرام إن قَرُبْتُها**، حضرت حفصہؓ نے کہا: وہ آپ پر حرام کیسے ہوگی وہ تو آپ کی باندی ہے؟ آپ نے ان کو خوش کرنے کے لئے قسم کھائی کہ آپ اس سے صحبت نہیں کریں گے، اس پر پہلی آیت نازل ہوئی، اس میں خفگی کا اظہار ہے کہ آپؐ نے اپنی بیوی کی خوشی کے لئے ایک حلال چیز کو حرام کیوں کیا! خیر اللہ نے آپؐ کو معاف کیا۔

ملحوظہ: یہ روایت دارقطنی میں ہے اور یہی آیت کی اچھی تفسیر ہے، قرطبی رحمہ اللہ یہ حدیث لکھ کر فرماتے ہیں: **وأما من رَوی أنه حَرَّم ماريةَ القبطيةَ فهو أمثلُ في السند وأقربُ إلى المعنى، ولكنه لم يُدَوَّنْ في الصحيح، وروی مرسلاً: [الجامع لأحكام القرآن]**

﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱ ﴾

ترجمہ: اے نبی! آپ کیوں حرام کرتے ہیں اس چیز کو جس کو اللہ نے آپ کے لئے حلال کیا ہے؟ آپ اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہیں! اور اللہ بڑے بخشنے والے بڑے مہربان ہیں۔

تحلیل وتحریم سے قسم ہوجاتی ہے

حلال چیز کو حرام کرنے سے وہ حرام نہیں ہوتی، وہ حلال ہی رہتی ہے، اسی طرح حرام چیز کو حلال کرنے سے وہ حلال نہیں ہوجاتی، بدستور حرام رہتی ہے، مگر اس نامناسب اقدام کی سزا ہے، جیسے ظہار میں بیوی کو ماں کی پیٹھ کی طرح حرام کیا

جاتا ہے، مگر وہ حرام نہیں ہوتی، بیوی ہی رہتی ہے، مگر اس اوپری بات کی سزا ہے، اور وہ کفارہ ادا کرنا ہے، کفارہ ادا کرنے کے بعد ہی مقاربت کرسکتا ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص اپنے اوپر کسی حلال چیز کو حرام کرلے یا حرام کو حلال کرلے تو قسم ہوجائے گی، جیسے ٹماٹر کو حرام کیا یا شراب کو حلال کیا، پھر پہلی صورت میں اس حلال چیز کو استعمال کرے گا تو کفارہ دینا ہوگا، نبی ﷺ نے حضرت ماریہؓ سے مقاربت فرمائی اور قسم کا کفارہ ادا فرمایا، اور دوسری صورت میں فوراً کفارہ دینا ہوگا، کیونکہ اس چیز کو استعمال کرہی نہیں سکتے۔

﴿ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ وَ اللّٰهُ مَوْلٰكُمْ ۚ وَ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝۲ ﴾

ترجمہ: بالتحقیق اللہ نے تمہارے لئے (کفارہ دے کر) اپنی قسموں کو درست کرنے کا طریقہ مقرر کیا ہے، اور اللہ تعالیٰ تمہارے کارساز ہیں ــــ تحلیل وتحریم کو یمین میں پلٹ دینا اور کفارہ ادا کرکے محذور سے نکل آنا کارسازی ہے ــــ اور وہ خوب جاننے والے بڑی حکمت والے ہیں!

شوہر کا راز فاش کرنا غضب ڈھاسکتا ہے

شوہر کو بیوی کی خلقی اور خُلقی حالت اجنبی کے سامنے بیان نہیں کرنی چاہئے، ورنہ رقابت پیدا ہوسکتی ہے۔ اور بیوی بھی شوہر کی خلقی اور خُلقی حالت کسی عورت سے بیان نہ کرے، ورنہ وہ اس کو دھکا دے گی یا شریک کار ہوجائے گی ــــ اور بیوی شوہر کی رازدار ہوتی ہے، اس کو چاہئے کہ شوہر کا راز فاش نہ کرے، خاص طور پر جب کسی کی متعدد بیویاں ہوں، اور راز ازواج سے متعلق ہو تو اس کا فاش کرنا غضب ڈھاسکتا ہے، اس کی ایک مثال آئندہ دوآیتوں کے شانِ نزول کا واقعہ میں ہے، اس میں اگر بات حضرت زینب رضی اللہ عنہا تک پہنچ جاتی تو محاذ آرائی شروع ہوجاتی، پھر بات کہاں تک بڑھتی اس کا اندازہ کون کرسکتا ہے!

شانِ نزول کا واقعہ: نبی ﷺ کا معمول تھا کہ آپ عصر کے بعد سب ازواج کے پاس مزاج پرسی اور ضروریات معلوم کرنے کے لئے تشریف لے جاتے تھے، اس موقعہ پر ہر بیوی کی خواہش ہوتی تھی کہ آپؐ اس کے پاس زیادہ سے زیادہ رکیں، اور نبی ﷺ کو شہد پسند تھا، چنانچہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے جو آپؐ کی پھوپی زاد بہن بھی تھیں: شہد منگوالیا، جب آپؐ ان کے پاس پہنچتے تو وہ پوچھتیں: کیا آپ شہد نوش فرمائیں گے؟ آپ خواہش کا اظہار فرماتے تو وہ شربت بناتیں اور باتیں کرتیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ان سے حسن میں مقابلہ تھا، جب انھوں نے دیکھا کہ آپؐ زینبؓ کے یہاں زیادہ ٹھہرتے ہیں تو وہ ٹوہ میں لگ گئیں، جب پتہ چلا کہ انھوں نے شہد منگوا رکھا ہے اور وہ شربت کے بہانے روکتی ہیں تو انھوں نے حضرات حفصہ وسودہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ مل کر ایک اسکیم بنائی کہ جب

نبی ﷺ شہد نوش فرما کر جس کے پاس بھی آئیں تو وہ کہے: یارسول اللہ! آپؐ نے مغافیر کھایا ہے؟ (یہ ایک بدبودار گوند ہے) آپ کہیں گے: نہیں! میں نے شہد پیا ہے تو وہ کہے: شاید شہد کی مکھی نے مغافیر کے پھول کا رس چوسا ہوگا، اور نبی ﷺ کو یہ بات نہایت ناپسند تھی کہ ازواج آپ کے منہ سے بدبو محسوس کریں، اسی لئے گھر میں آتے ہی مسواک کرنے کا معمول تھا، چنانچہ جب نبی ﷺ حضرت سودہؓ کے پاس پہنچے تو انھوں نے یہ بات کہی آپ نے وہی جواب دیا تو انھوں نے وہی وجہ بتائی، پھر آپؐ حضرت حفصہؓ کے پاس پہنچے تو انھوں نے بھی یہی بات کہی، آپؐ نے ان کو بھی یہی جواب دیا، پھر جب آپؐ حضرت عائشہؓ کے پاس پہنچے تو انھوں نے بھی یہی بات کہی، آپؐ نے ان سے فرمایا: اب میں وہ شہد نہیں پیونگا، مگر تم کسی سے ذکر نہ کرنا، خیال تھا کہ اگر یہ بات زینبؓ کو پہنچے گی تو ان کا دل ٹوٹے گا، دوسرے دن آپؐ حضرت زینبؓ کے پاس پہنچے تو انھوں نے شہد کی پیش کش کی، آپؐ نے فرمایا: مجھے شہد نہیں پینا، اور آپؐ تھوڑی دیر رک کر آگے بڑھ گئے، حضرت عائشہؓ سمجھ گئیں کہ پلان کامیاب ہوگیا، اور انھوں نے یہ بات حفصہؓ کو بتادی، کیونکہ وہ بھی شریک کار تھیں (اس واقعہ میں شہد کو حرام کرنے کا ذکر کسی روایت میں نہیں آیا)

اُدھر زینبؓ بھی ٹوہ میں لگ گئیں کہ اب آپ شہد کیوں نوش نہیں فرماتے، اور ازواج میں ان کی بھی ہم نوا تھیں، پس اندیشہ لاحق ہوا کہ بات بڑھ جائے، چنانچہ وحی نازل ہوئی، اور آپؐ کو صورتِ حال سے واقف کیا گیا، آپؐ نے عائشہؓ سے فرمایا: تم نے راز فاش کردیا، مگر یہ نہیں بتایا کہ کس کو بتایا؟ مگر ان کا ماتھا ٹھنکا، انھوں نے خیال کیا کہ حفصہؓ نے بتایا ہوگا، کیونکہ انھوں نے صرف حفصہؓ کو بتایا تھا، انھوں نے پوچھا: آپ کو یہ بات کس نے بتلائی؟ اگر حفصہ نے بتلائی ہے تو وہ ان کے سر ہوجائیں گی، آپؐ نے جواب دیا: مجھے علیم وخبیر اللہ نے یہ بات بتلائی ہے۔

﴿ وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ۭ قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝ ﴾

ترجمہ: اور (یاد کرو) جب نبی نے چپکے سے اپنی ایک بیوی سے —— عائشہؓ سے —— کوئی بات کہی: پھر جب بتلادی اس بیوی نے وہ بات —— حفصہؓ کو —— اور اللہ نے اس کو آپؐ پر ظاہر کردیا تو آپؐ نے اس میں سے کچھ بات بتلائی —— یعنی اتنا بتلایا کہ تم نے راز فاش کردیا —— اور کچھ بات ٹلائی —— یعنی یہ نہیں بتلایا کہ تم نے کس کو بتلایا —— پھر جب آپؐ نے بیوی کو وہ بات بتلائی تو اس نے پوچھا: آپؐ کو یہ بات کس نے بتلائی؟ —— آپؐ نے فرمایا: مجھے علیم وخبیر اللہ نے بتلائی —— یعنی حفصہؓ نے مجھے نہیں بتلایا۔

﴿ اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ

وَ جِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ﴿۴﴾

ترجمہ: اگر تم دونوں اللہ کے سامنے توبہ کرو تو تمہارے دل ـــــ نبی کی مخالفت کی طرف ـــــ مائل ہوئے ہیں، اور اگر تم دونوں نبی کے خلاف مظاہرہ کرو تو بے شک اللہ تعالیٰ ہی ان کے کارساز ہیں، اور جبرئیل اور نیک مؤمنین اور فرشتے بعدازاں ـــــ اللہ کی کارسازی کے بعد ـــــ مددگار ہیں۔

سوال: اللہ کی کارسازی کے بعد اتنے بڑے لاؤلشکر کی کیا ضرورت تھی؟

جواب: کارساز تو اللہ تعالیٰ ہی ہیں، مگر مظاہرہ کے جواب میں مظاہرہ چاہئے، دونوں ازواج اپنی پارٹی کی ازواج کے ساتھ مل کر جوش وخروش کے ساتھ سامنے آئیں گی تو مظاہرہ کے جواب میں بھی مظاہرہ چاہئے، مثلاً: بدر میں کفار نے مظاہرہ کیا، وہ ایک ہزار کا لشکر لے کر چڑھ آئے، اور مسلمان تین سو تیرہ تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی کمک اتاری، جس سے مسلمانوں کی نفری بڑھ گئی، فرشتے لڑے نہیں تھے، لڑنا مسلمانوں کا کام تھا، مگر ان کو دیکھ کر کافروں کے چھکے چھوٹ گئے۔

ازواج میں مطلوبہ اوصاف

﴿عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ﴿۵﴾﴾

ترجمہ: ہوسکتا ہے ان کے پروردگار ـــــ اگر وہ تمہیں طلاق دیدیں ـــــ ان کو بدل کر دیں تم سے بہتر بیویاں: فرمان بردار، ایمان دار، اطاعت شعار، توبہ کرنے والیاں، عبادت گذار، روزہ رکھنے والیاں، غیر کنواریاں اور کنواریاں۔

تفسیر: اسکیم بنانے والی ازواج کو سنایا کہ تم یہ وسوسہ دل میں نہ لانا کہ آخر مردوں کو بھی تو بیویوں کی ضرورت ہوتی ہے؟ اور ہم سے بہتر عورتیں کہاں ہیں؟ پس لامحالہ ہماری سب باتیں سہی جائیں گی! یہ سوچ کر تم مظاہرہ شروع کردو ایسا ہرگز نہ کرنا، یاد رکھو! نبی ﷺ اگر تم کو چھوڑ دیں اور اللہ چاہیں تو تم سے بہتر بیویاں اپنے نبی کے لئے مہیا کردیں، جن میں سات خوبیاں ہوں۔

اسلام: اعمالِ ظاہری پر عمل کا نام ہے اور ایمان: صحیح عقائد کا، اہل السنہ والجماعہ کے عقائد ہی صحیح عقائد ہیں، اور اسلام کا درجہ ایمان کے بعد ہے، مگر عمل کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے مسلمات کو مقدم لائے ہیں، جیسے میراث میں وصیت کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے تین مرتبہ اس کو دَین (قرض) پر مقدم کیا ہے۔

اور قانتات سے مراد: شوہر کی اطاعت کرنے والیاں ہیں، سورۃ النساء (آیت ۳۴) میں بھی یہ خوبی آئی ہے، اور اللہ کی اطاعت کا ذکر مسلمات میں آگیا۔ اور سائحات کے اصل معنی تو اللہ کی راہ میں سفر کرنے والیاں ہیں، عورتوں پر بھی سفر

کرنا مردوں کی طرح لازم ہے، وہ حج کے لئے، علم حاصل کرنے کے لئے سفر کرسکتی ہیں، اور روزہ اس کا متبادل ہے، تفصیل کے لئے سورۃ التوبہ (آیت ۱۱۲) کی تفسیر دیکھیں۔ اور کنواری اور بیوہ نکاح کے تعلق سے یکساں ہیں، ہر ایک میں فوائد ہیں جو دوسری میں نہیں، پس ثیبات و أبکاراً ایک صفت ہیں، خواہ بیوہ ہو خواہ کنواری اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴿۶﴾ يَآيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ ؕ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۷﴾ يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۸﴾ يَآيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ اغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۹﴾

ع ۱۹

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ	اے لوگو جو	وَّقُوْدُهَا (۲)	جس کی چھپٹیاں	شِدَادٌ (۴)	مضبوط
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	النَّاسُ	لوگ	لَّا يَعْصُوْنَ	نہیں نافرمانی کرتے
قُوْٓا (۱)	بچاؤ	وَ الْحِجَارَةُ	اور پتھر ہیں	اللّٰهَ	اللہ کی
اَنْفُسَكُمْ	اپنے آپ کو	عَلَيْهَا	ان پر (مقرر ہیں)	مَآ	ان کاموں میں جن کا
وَ اَهْلِيْكُمْ	اور اپنے گھر والوں کو	مَلٰٓئِكَةٌ	فرشتے	اَمَرَهُمْ	ان کو حکم دیا ہے
نَارًا	ایسی آگ سے	غِلَاظٌ (۳)	تندخو	وَ يَفْعَلُوْنَ	اور کرتے ہیں

(۱) قُوا: امر، جمع حاضر، وَقٰى يَقِيْ وَقْيًا ووِقَايَةً: بچانا، حفاظت کرنا (۲) وَقُوْد: ایندھن، چھپٹی: لکڑی کی چھیلن (۳) غلاظ: غلیظ کی جمع: سخت دل، بے رحم (۴) شداد: شدید کی جمع: زبردست، مضبوط۔

مَا يُؤْمَرُوْنَ	جو حکم دیئے جاتے ہیں وہ	سَيِّاٰتِكُمْ	تمہاری برائیاں	رَبَّنَا	اے ہمارے رب
يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے لوگو جو	وَيُدْخِلَكُمْ	اور داخل کرے تم کو	اَتْمِمْ لَنَا	پورا کیجئے ہمارے لئے
كَفَرُوْا	منکر ہوئے	جَنّٰتٍ	باغات میں	نُوْرَنَا	ہماری روشنی کو
لَا تَعْتَذِرُوا	مت بہانہ بناؤ	تَجْرِیْ	بہتی ہیں	وَاغْفِرْ لَنَا	اور بخش دیجئے ہمیں
الْيَوْمَ	آج کے دن	مِنْ تَحْتِهَا	ان کے نیچے سے	اِنَّكَ	بے شک آپ
اِنَّمَا	اس کے سوا نہیں کہ	الْاَنْهٰرُ	نہریں	عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز پر
تُجْزَوْنَ	بدلہ دیئے جاتے ہو تم	يَوْمَ	جس دن	قَدِيْرٌ	پوری قدرت رکھنے
مَا كُنْتُمْ	ان کاموں کا جو تھے تم	لَا يُخْزِي	نہیں رسوا کریں گے		والے ہیں
تَعْمَلُوْنَ	کرتے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ	اے پیامبر
يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے لوگو جو	النَّبِيَّ	نبیؐ کو	جَاهِدِ	ٹکر لیجئے
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	وَالَّذِيْنَ	اور ان کو جو	الْكُفَّارَ	منکرین
تُوْبُوْا	توبہ کرو	اٰمَنُوْا	ایمان لائے	وَالْمُنٰفِقِيْنَ	اور منافقین سے
اِلَى اللّٰهِ	اللہ کے سامنے	مَعَهٗ	اس کے ساتھ	وَاغْلُظْ	اور سختی کیجئے
تَوْبَةً	توبہ	نُوْرُهُمْ	ان کی روشنی	عَلَيْهِمْ	ان پر
نَصُوْحًا (۱)	خالص	يَسْعٰى	دوڑتی ہوگی	وَمَاْوٰىهُمْ	اور ان کا ٹھکانہ
عَسٰى رَبُّكُمْ	ہوسکتا ہے تمہارا ربّ	بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ	ان کے سامنے	جَهَنَّمُ	دوزخ ہے
اَنْ يُّكَفِّرَ	کہ مٹادے وہ	وَبِاَيْمَانِهِمْ	اور ان کے دائیں	وَبِئْسَ	اور بری ہے وہ
عَنْكُمْ	تم سے	يَقُوْلُوْنَ	دعا کرتے ہونگے وہ	الْمَصِيْرُ	لوٹنے کی جگہ

خودکو اور گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ

سورت کا موضوع اصلاح وتربیت ہے، تمام مسلمانوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دین کی راہ پر ڈالو، اور جہنم کی آگ سے بچاؤ، سمجھا کر، ڈرا کر، پیار سے، مار سے، جس طرح بھی ہو سکے ان کو سچا مسلمان بنانے کی فکر کرو، انسان اپنی ذات کے علاوہ زیر نگرانی افراد کا بھی ذمہ دار ہے، حدیث میں ہے: **كلكم راع و كلكم مسئولٌ عن رَعِيَّته:**

(۱) النَّصُوْح: بالکل خالص، بے غل وغش۔

تم میں سے ہرشخص چرواہا(نگہبان) ہے،اور تم میں سے ہر ایک سے اس کے ریوڑ کے بارے میں باز پرس ہوگی (کہ ایک بکری گم کیوں ہوئی ؟ یا بکریاں بھوکی کیوں رہیں؟ وغیرہ)—— اور حدیث میں ہے کہ جب بچہ سات سال کا ہوجائے تو اس کو نماز سکھلاؤ،اور جب دس سال کا ہوجائے تو اس کو(نماز نہ پڑھنے پر) مارو اور ان کو علاحدہ سلاؤ—— آج کل مدارس میں بچے ایک ساتھ سوتے ہیں،ان میں تکیہ کے علاوہ کوئی فصل نہیں ہوتا، یہ خرابی کا باعث ہے،اربابِ مدارس اس کا نظم سوچیں۔

اگر مسلمان نے اپنی اور اپنے گھر والوں کی اسلامی تربیت نہ کی،اور وہ بدعملی میں مبتلا ہوگئے تو گنہگار مؤمنین کو بھی جہنم میں جانا پڑسکتا ہے،اس کی آگ بہت تیز ہے، کفار واصنام سے اس کو دہکایا جائے گا،اور اس پر ایسے فرشتے مقرر ہیں جو سخت دل طاقتور ہیں، وہ کسی کے ساتھ رورعایت نہیں کریں گے، وہ نہ رحم کھا کر کسی کو چھوڑیں گے، نہ کوئی طاقتور ان کی گرفت سے بچ سکے گا، کیونکہ فرشتے اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے،ان کو جو حکم دیا جاتا ہے وہ بجالاتے ہیں۔

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ:اے لوگو جو ایمان لائے ! خود کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ سے بچاؤ، جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں،اس پر تندخو مضبوط فرشتے مقرر ہیں، وہ اللہ کی اس بات میں جس کا ان کو حکم دیا جاتا ہے نافرمانی نہیں کرتے،اور جو بھی ان کو حکم دیا جاتا ہے بجالاتے ہیں۔

قیامت کے دن کوئی بہانہ بازی نہیں چلے گی،اس میں گنہگار مسلمانوں کے لئے اشارہ ہے

قیامت کے دن جب جہنم کا عذاب سامنے ہوگا:اس وقت منکروں سے کہا جائے گا کہ حیلے بہانے مت بناؤ،آج کوئی بہانہ چلنے والا نہیں، بلکہ تم جو کچھ کرتے تھے اس کی پوری پوری سزا بھگتنے کا دن ہے، ہماری طرف سے کوئی ظلم زیادتی نہیں، تمہارے ہی اعمال ہیں جو عذاب کی صورت میں نظر آرہے ہیں(فوائد) یہی جواب نافرمان مسلمانوں کو بھی مل سکتا ہے، اسی مناسبت سے یہ آیت یہاں آئی ہے، پس آج موقع ہے، مسلمان سنبھل جائیں۔

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ ؕ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اے وہ لوگو جنھوں نے انکار کیا! آج بہانے مت بناؤ، تمہیں انہی کاموں کی سزا دی جارہی ہے جو تم کیا کرتے تھے۔

ابھی زندگی سنوارنے کا موقعہ ہے،اس سے فائدہ اٹھالو

ابھی توبہ کا دروازہ بند نہیں ہوا، گنہگار بندہ اگر صاف دل سے توبہ کرلے تو اللہ تعالیٰ ہر گناہ بخش دیں گے،اور آخرت میں

سدابہار باغات میں داخل کریں گے، اور نبی ہی کو نہیں، اس کے ساتھیوں کو بھی ذلیل نہیں کریں گے، اور پل صراط پر ایسی روشنی ملے گی جو جنت تک ساتھ رہے گی ـــــ اور سچی پکی توبہ یہ ہے کہ پھر اس گناہ کا خیال دل میں نہ آئے، ورنہ زبانی جمع خرچ ہوگا۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ۭ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ﴾

ترجمہ: اے وہ لوگو جو ایمان لائے! تم اللہ کے سامنے سچی پکی توبہ کرو، ہوسکتا ہے تمہارا پروردگار تمہاری برائیاں مٹادے ـــــ ہوسکتا ہے: شاہی محاورہ ہے یعنی پکا وعدہ ہے ـــــ اور تمہیں ایسے باغات میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، جس دن اللہ تعالیٰ نبیؐ کو اور ان کے ساتھ والوں کو رسوا نہیں کریں گے ـــــ یعنی محروم نہیں رکھیں گے، بلکہ اپنے فضل وکرم سے مالا مال کردیں گے ـــــ ان کی روشنی ان کے ساتھ ان کے سامنے اور ان کے دائیں دوڑ رہی ہوگی ـــــ یہ ایمان کی روشنی ہوگی، اور چونکہ مؤمنین پل صراط پر تیزی سے گذر رہے ہونگے، اس لئے روشنی بھی ان کے ساتھ دوڑ رہی ہوگی ـــــ اور سورۃ حدید (آیت ۱۳) میں ہے کہ منافقین کی روشنی پل صراط پر بجھ جائے گی، وہ گُپ اندھیرے میں رہ جائیں گے، اس وقت ـــــ وہ دعا کرتے ہونگے: اے ہمارے پروردگار! ہمارے لئے ہماری روشنی آخر تک باقی رکھئے، اور ہمارے گناہ بخش دیجئے، بے شک آپ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں۔

اصلاح وتربیت سختی چاہتی ہے

تربیت واصلاح سختی چاہتی ہے، بہت نرمی سے معاملہ بگڑتا ہے، اس لئے جب بچہ کی عمر دس سال کی ہوجائے، اور وہ نماز میں کوتاہی کرے تو تأدیب کا حکم ہے، اور نافرمان عورتوں کی تادیب کا حکم بھی سورۃ النساء میں آیا ہے، جہاد بھی اسی مقصد سے ہے، نبی ﷺ کو حکم دیتے ہیں کہ وہ کفار اور اعتقادی منافقوں سے ٹکرلیں، ان سے سیف وسناں سے جہاد کریں حکومت کی گرفت بھی عمل میں کوتاہی کرنے والے مسلمانوں پر مضبوط ہونی چاہئے، نبی ﷺ نے جماعت میں شریک نہ ہونے والوں کو جلا دینے کا ارادہ فرمایا تھا، پھر کسی مصلحت سے اس پر عمل نہیں کیا، یہ حکم اس جگہ اسی مناسبت سے آیا ہے، ساتھ ہی کفار ومنافقین کا اخروی انجام بھی بیان کیا ہے، یہ قرآنِ کریم کا اسلوب ہے، وہ مؤمنین کے اچھے انجام کے بعد کفار کا برا انجام بھی بیان کرتا ہے۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ

الْمَصِيْرُ ۝

ترجمہ: اے پیامبر! آپ کفار ومنافقین سے ٹکر لیجئے، اوران پر سختی کیجئے، اوران کا ٹھکانہ دوزخ ہے، اور وہ بُری لوٹنے کی جگہ ہے!

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّ امْرَاَتَ لُوْطٍ ؕ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ۝ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ۙ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ۝ؑ

ضَرَبَ اللّٰهُ(۱)	ماری اللہ نے	فَخَانَتٰهُمَا	پس بے ایمانی کی	مَعَ الدّٰخِلِيْنَ	داخل ہونے والوں
مَثَلًا	ایک مثال		انھوں نے دونوں سے		کے ساتھ
لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا	منکرین کے لئے	فَلَمْ يُغْنِيَا	پس نہیں کام آئے وہ دونوں	وَضَرَبَ اللّٰهُ	اور ماری اللہ نے
امْرَاَتَ نُوْحٍ	نوح کی بیوی کی	عَنْهُمَا	ان دونوں کے لئے	مَثَلًا	ایک مثال
وَّ امْرَاَتَ لُوْطٍ	اور لوط کی بیوی کی	مِنَ اللّٰهِ	اللہ کے (عذاب) سے	لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا	مؤمنین کے لئے
كَانَتَا تَحْتَ	دونوں تھیں نیچے	شَيْـًٔا	کچھ بھی	امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ	فرعون کی بیوی کی
عَبْدَيْنِ	دو بندوں کے	وَّقِيْلَ	اور کہا گیا	اِذْ قَالَتْ	جب دعا کی اس نے
مِنْ عِبَادِنَا	ہمارے بندوں میں سے	ادْخُلَا	جا گھسو	رَبِّ ابْنِ لِيْ (۲)	اے رب بنا میرے لئے
صَالِحَيْنِ	نیک صالح	النَّارَ	دوزخ میں	عِنْدَكَ	اپنے پاس

(۱) ترکیب: ضرب اللہ: فعل فاعل، ضرب: جعل کے معنی کو متضمن ہے، اس لئے وہ متعدی بدو مفعول ہے، مثلاً: مفعول ثانی مقدم، للذین کفروا: ظرف مستقر مثلاً کی صفت، امرأۃ نوح اور امرأۃ لوط: معطوف معطوف علیہ مل کر مفعول اول مؤخر۔
(۲) ابنِ: امر حاضر معروف، بَنٰی یَبْنِی بِنَاءً: بنانا۔

بَيْتًا	ایک گھر	الظّٰلِمِيْنَ (۲)	ظلم پیشہ	مِنْ رُّوْحِنَا	ہماری روح سے
فِي الْجَنَّةِ	جنت میں	وَمَرْيَمَ ابْنَتَ	اور مریم بیٹی	وَصَدَّقَتْ	اور تصدیق کی اس نے
وَنَجِّنِيْ	اور بچا مجھے	عِمْرٰنَ	عمران کی	بِكَلِمٰتِ	باتوں کی
مِنْ فِرْعَوْنَ	فرعون سے	الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ	جس نے پاک رکھا	رَبِّهَا	اپنے رب کی
وَعَمَلِهٖ (۱)	اور اس کے کام سے	فَرْجَهَا (۳)	اپنے گریبان کو	وَكُتُبِهٖ	اور اس کی کتابوں کی
وَنَجِّنِيْ	اور بچا مجھے	فَنَفَخْنَا	پس پھونکا ہم نے	وَكَانَتْ	اور تھی وہ
مِنَ الْقَوْمِ	لوگوں سے	فِيْهِ	اس میں	مِنَ الْقٰنِتِيْنَ	تابعداروں میں سے

اصلاح اور عدم اصلاح کے عواقب

دو عورتوں نے اپنی اصلاح نہیں کی، وہ تباہ ہوئیں، اور دو نے اصلاح کی وہ اعلیٰ درجہ میں کامیاب ہوئیں

حکم آیا تھا کہ اپنی اصلاح کرو، اور دوزخ سے بچو، یہ حکم مردوں کی طرح عورتوں کے لئے بھی ہے، وہ بھی مکلّف ہیں، ان پر بھی اپنی اصلاح واجب ہے، اب چار عورتوں کی مثالیں بیان فرماتے ہیں، دو نے اپنی اصلاح نہیں کی، وہ نفاقِ اعتقادی میں مبتلا تھیں، اپنے بہترین شوہروں سے اپنا کفر چھپائے رکھا، ان کی بے ایمانی کا پتہ اس وقت چلا جب کشتی میں سوار ہونے کا اور ساتھ چلنے کا وقت آیا، نوح علیہ السلام کی بیوی کا نام وَاعِلة لکھتے ہیں، وہ آپ کے ایک بیٹے کی طرح درپردہ کافرہ تھی، کشتی میں سوار نہیں ہوئی، دنیا میں بھی عذاب میں مبتلا ہوئی، اور آخرت میں جہنم رسید ہوئی۔ اور لوط علیہ السلام کی بیوی کا نام وَاهلَة لکھتے ہیں، وہ ساتھ نہیں چلی، عذاب سے ہلاک ہوئی اور جہنم میں پہنچ گئی، دونوں کے شوہر نامدار: پیغمبر تھے، مگر ان کا تعلق دونوں کو عذاب سے نہیں بچا سکا، پس ضرورت ہے کہ ہر شخص اپنی اصلاح کرے، وہی کام آئے گا۔

تیسری خاتون: فرعون کی بیوی آسیا رضی اللہ عنہا ہیں، وہ موسیٰ علیہ السلام کی صحابیہ تھیں، وہ آلِ فرعون کی طرح موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئی تھیں، آلِ فرعون پر تو فرعون کا بس نہیں چلا، مگر اہلیہ کو چومیخا کر کے تڑپا تڑپا کر شہید کر دیا، اور وہ کامیاب ہوگئیں، کافر کی بیوی ہونے سے ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا، کیونکہ انھوں نے اپنی اصلاح کر لی تھی۔

چوتھی خاتون: حضرت مریمؒ ہیں، آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صحابیہ تھیں، آپ کنواری مگر عفیفہ تھیں، انھوں نے

---

(۱) عمل سے فرعون کی تعذیب مراد ہے (۲) ظالم لوگ: یعنی فرعون کے ہم نوا (۳) فرج: دو چیزوں کے درمیان کشادگی، فاصلہ، پھٹن، یہاں مراد چاک گریبان ہے، أحصنت فرجها: اس نے اپنے گریبان کو پاک رکھا یعنی کسی کا ہاتھ اس تک نہیں پہنچنے دیا، پس یہ کنایہ ہے عفت وعصمت سے، جیسے اردو محاورہ میں پاک دامن اور عربی محاورہ میں نَقِيُّ الجیب اور طاهر الذیل: صاف گریباں، پاک دامن یعنی عفیف النفس یہ بلیغ کنایہ ہیں۔

بھی اپنی اصلاح کی تو وہ بھی اعلیٰ درجہ میں کامیاب ہوئیں، نبی ﷺ نے ان کے باکمال ہونے کی شہادت دی ہے۔

خلاصہ: دوعورتوں کو اصلاح کے مواقع حاصل تھے، ان کے شوہر پیغمبر تھے، وہ ایمان لاتیں اور نیک عمل کرتیں تو کامیاب ہوتیں، مگر ہائے رے شومیٔ قسمت! —— اور حضرت آسیہؓ فرعون کے شکنجہ میں تھیں، انھوں نے مصائب سہے، مگر ایمان کی باگ ہاتھ سے نہیں چھوڑی تو وہ کامیاب ہوئیں، جنت کا محل ان کو دنیا میں دکھایا گیا —— اور حضرت مریمؑ آزاد تھیں، ان کی شادی نہیں ہوئی تھی، وہ ہر طرح سے پاک دامن رہیں، وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وجود کا سبب بنیں، وہ اللہ کی چھوٹی بڑی کتابوں پر ایمان لائیں، اور ان کے احکام پر عمل کیا تو کامیاب ہوئیں، پہلی دوعورتوں کی مثال کافروں کی عبرت کے لئے ہے اور آخری دوعورتوں کی مثال مسلمانوں کے فائدے کے لئے!

آیاتِ پاک کا ترجمہ: اللہ تعالیٰ کافروں (کی عبرت) کے لئے نوح ولوط (علیہما السلام) کی بیویوں کی مثالیں بیان فرماتے ہیں، دونوں ہمارے بندوں میں سے دو نیک بندوں کے نکاح میں تھیں، پس انھوں نے دونوں سے بے ایمانی کی (دل میں کفر چھپایا اور بظاہر مسلمان بنی رہیں) پس وہ دونوں ان کو اللہ (کے عذاب) سے ذرا بچا نہیں سکے، اور حکم ہوا کہ دونوں دوزخ میں جاؤ، جانے والوں کے ساتھ!

اور اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں (کے فائدے) کے لئے فرعون کی بیوی کی مثال بیان کی، (یاد کرو) جب اس نے دعا کی اے میرے ربّ! میرے لئے اپنے پاس جنت میں ایک گھر (ٹھکانہ) بنا، اور مجھے فرعون سے اور اس کے کام (سزا سے) نجات عطا فرما، اور مجھے ظالم لوگوں سے نجات عطا فرما! —— یہ دعا انھوں نے اس وقت کی تھی جب فرعون نے چومیخا کر کے ان کو قتل کیا تھا۔

اور عمران کی بیٹی مریم کی (مثال بیان کی) جس نے اپنا گریبان پاک رکھا، پس ہم نے اس (چاک گریبان) میں اپنی روح میں سے پھونکا —— اضافت تشریف کے لئے ہے، انسانوں کی سبھی ارواح معزز ہیں، ان میں سے ایک عیسیٰ علیہ السلام کی روح بھی ہے، سورۃ الحجر (آیت ۲۹) میں آدم علیہ السلام کے تعلق سے آیا ہے: ﴿وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي﴾: اور میں اس میں اپنی روح میں سے پھونکوں یعنی محترم روح ڈالوں —— اور ﴿فَنَفَخْنَا﴾ میں اسناد مجازی ہے، بظاہر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پھونک ماری تھی، مگر حقیقت میں اللہ نے روح پھونکی تھی، جیسے: ﴿وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ﴾: اور جب آپؐ نے مٹھی مٹی پھینکی تو آپؐ نے نہیں پھینکی، حقیقت میں اللہ نے پھینکی [انفال ۱۷]

اور اس نے اپنے رب کی باتوں کی اور ان کی کتابوں کی تصدیق کی —— یعنی ایمان لائیں، کلمات اور کُتُب ایک ہیں، عطف تفسیری ہے —— اور وہ عبادت کرنے والوں میں سے تھیں —— یعنی اللہ کے احکام پر عمل پیرا تھیں، اس لئے باکمال ہوئیں اور اونچا مرتبہ پایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الملک

ربط: گذشتہ سورت کا موضوع اصلاح وتربیت تھا، اصلاح: عقائد حقّہ اور اعمالِ صالحہ سے ہوتی ہے، اوران میں بھی اہم عقائد ہیں، اور بنیادی عقیدے تین ہیں: توحید، رسالت اور آخرت، سورۃ الملک میں توحید اور اس کے متعلقات کا بیان ہے، پھر سورۃ نون والقلم میں رسالت اور اس کے متعلقات کا بیان آئے گا، پھر کئی سورتوں میں آخرت کا بیان ہے، یہ دور تک سورتوں میں ارتباط کا بیان ہے۔

فضیلت: جن سورتوں اور آیتوں میں توحید اور صفاتِ باری کا بیان ہوتا ہے ان کی اہمیت بڑھ جاتی ہے، چنانچہ اس سورت کے بھی فضائل وارد ہوئے ہیں، ترمذی شریف کی حدیث (۲۸۹۹) میں اس سورت کو وَاقية (قبر کے عذاب سے بچانے والی) اور مُنجية (آخرت کے عذاب سے بچانے والی) قرار دیا ہے، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کتاب اللہ میں ایک ایسی سورت ہے جس کی تیس آیتیں ہیں، یعنی زیادہ بڑی نہیں، وہ قیامت کے دن ایک شخص کی سفارش کرے گی، یہاں تک کہ اس کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کرے گی، اور وہ سورۂ تبارک ہے۔

سورت کے مضامین: پہلی آیت میں یہ مضمون ہے کہ کائنات (آسمان وزمین) پر راج اللہ کا ہے، اور وہ عالی شان ہیں، اس لئے وہی برحق معبود ہیں، دوسرا کوئی ان کا شریک نہیں، اور تنہا کائنات کا سنبھالنا ان کے لئے کچھ مشکل نہیں، وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں، وہ اسباب اور فرشتوں سے کام ضرور لیتے ہیں، مگر ان کی حیثیت نوکروں کی ہے، وہ بُوس (مالک) کی اجازت کے بغیر کچھ نہیں کر سکتے۔

پھر دوسری آیت میں یہ مضمون ہے کہ اللہ نے مرنا اور جینا یعنی اس دنیا کی زندگی انسان کی آزمائش کے لئے بنائی ہے کہ کون ان میں سے سب سے اچھا عمل کرتا ہے، اور اس کی راحت کے لئے مضبوط اور خوشنما آسمان بنایا ہے، پھر پہلے رکوع میں آسمان کے تعلق سے مضامین ہیں، اور دوسرے رکوع میں زمین کا ذکر ہے، زمین میں اللہ نے انسان کی تمام ضروریات کا انتظام کیا ہے، زمین کو اللہ نے انسان کے لئے رام کیا ہے، وہ جس طرح چاہے اس میں تصرف کر سکتا ہے، پھر دلائلِ قدرت کا بیان ہے، اور دلائلِ امتنان سے توحید پر استدلال کر کے ایمان کی دعوت دی ہے۔

آیاتہا ۳۰ (۶۷) سُوْرَةُ الْمُلْكِ مَكِّيَّةٌ (۷۷) رکوعاتہا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۙ ﴿۱﴾ الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۙ ﴿۲﴾

تَبٰرَكَ(۱)	بڑی عالی شان ہے	قَدِيْرٌ	پوری قدرت رکھنے	لِيَبْلُوَكُمْ	تاکہ آزمائے وہ تم کو
الَّذِيْ	وہ ذات		والے ہیں	اَيُّكُمْ(۳)	کہ تم میں سے کون
بِيَدِهِ	جس کے قبضہ میں	الَّذِيْ	جس نے	اَحْسَنُ	اچھا ہے
الْمُلْكُ	سلطنت ہے	خَلَقَ	پیدا کیا	عَمَلًا	عمل کے اعتبار سے
وَهُوَ	اور وہ	الْمَوْتَ(۲)	مرنا	وَهُوَ الْعَزِيْزُ	اور وہ زبردست
عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز پر	وَالْحَيٰوةَ	اور جینا	الْغَفُوْرُ	بڑا بخشنے والا ہے

توحید کا بیان

توحید: کے معنی ہیں: وحدانیت، یکتائی یعنی معبود صرف اللہ تعالیٰ ہیں، دوسرا کوئی معبود نہیں، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ وہ عالی شان ہیں، دوسرا کوئی ان کے برابر نہیں، پھر کوئی دوسرا معبود کیسے ہوسکتا ہے؟ اور اللہ کے عالی شان ہونے کی دلیل یہ ہے کہ کائنات (آسمان وزمین) کی حکومت انہی کی ہے، سب کچھ ان کے قبضۂ قدرت میں ہے، اور اگر کوئی خیال کرے کہ اتنی بڑی کائنات وہ تنہا کیسے سنبھال سکتے ہیں؟ تو آخر آیت میں اس کا جواب ہے کہ وہ غیر معمولی قدرت رکھتے ہیں، تنہا ان کے لئے کائنات کا سنبھالنا کچھ مشکل نہیں۔

فائدہ: ید (ہاتھ) اللہ کی صفت ہے، اور صفاتِ متشابہات میں سے ہے، جس کے حق ہونے پر ایمان لانا واجب ہے، اور اس کی کیفیت وحقیقت کو اللہ کے حوالے کرنا ضروری ہے، صفاتِ متشابہات کے بارے میں سلف کا مذہب

(۱) تبارك پر سورۃ الفرقان کی پہلی آیت کا حاشیہ دیکھیں (ہدایت القرآن ۶:۱۱۳) (۲) موت کی حیات پر تقدیم اس کا یقین بٹھانے کے لئے ہے، اور موت: عدم محض کا نام نہیں، بلکہ روح کا بدن سے تعلق منقطع کرکے اس کو عالم برزخ میں منتقل کرنے کا نام ہے، جو ایک وجودی چیز ہے۔ (۳) أیکم: جملہ اسمیہ، لیبلو کم کا مفعول ثانی ہے۔

تنزیہ مع التفویض ہے یعنی یہ اعتقاد رکھنا ضروری ہے کہ اللہ کا ہاتھ ہے، مگر مخلوق کے ہاتھ کے مانند نہیں، پھر کیسا ہے؟ اس کو اللہ کے علم کے حوالے کرنا ضروری ہے۔

﴿ تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ﴾

ترجمہ: بڑی عالی شان ہے وہ ذات جس کے قبضہ میں (کائنات کی) سلطنت ہے، اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی دنیوی زندگی اپنی بندگی کے لئے بنائی ہے

سورۃ الذاریات میں ہے: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴾: میں نے جنات اور انسانوں کو اپنی بندگی ہی کے لئے پیدا کیا ہے، بندگی کا مفہوم عام ہے، اللہ کے تمام احکام کی اطاعت کا نام بندگی ہے، صرف نماز روزہ ہی کا نام بندگی نہیں —— اور اس بندگی کا فائدہ بندوں کی طرف لوٹتا ہے، جو اطاعت کریں گے وہ بڑا رتبہ پائیں گے، اور جو نافرمانی کریں گے وہ سخت عذاب میں مبتلا ہونگے —— دنیا کی یہ مختصر زندگی اسی مقصد سے بنائی ہے، پھر جزاؤ سزا کے لئے ابدی زندگی ہے —— اور فرماں برداروں میں بھی اعلیٰ درجہ کے لوگوں کو چھانٹنے کے لئے یہ عالم پیدا کیا ہے، مرنے جینے سے مراد نیوی لائف ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ انسان اس دنیا میں نیا نہیں پیدا ہوتا، اس دنیا میں صرف انسان کا جسم نیا بنتا ہے کیونکہ یہ عالم اجساد ہے اور اس کی روح اس سے بہت پہلے پیدا کی جاچکی ہے اور تمام روحیں عالم ارواح میں موجود ہیں، وہاں سے وہ روح شکم مادر میں بننے والے جسد خاکی میں منتقل کی جاتی ہے۔ سورۃ الاعراف کی آیت ۱۷۲ ہے۔

﴿ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰى ۚ شَهِدْنَا ۚ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور جب آپ کے رب نے اولاد آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان سے ان ہی کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا: کیوں نہیں! ہم سب گواہ بنتے ہیں، تاکہ تم لوگ قیامت کے روز یوں نہ کہو کہ ہم تو اس سے محض بے خبر تھے۔

یہ عہد الست اور عالم ذُرّ کا واقعہ ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد ان کی پشت سے ان کی صلبی اولاد پیدا کی گئی جیسا کہ حدیث میں تفصیل ہے، پھر اولاد کی پشت در پشت سے ان کی اولاد نکالی گئی اور اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو اپنے سامنے پھیلا دیا یعنی ان پر اپنی تجلی فرمائی، اپنا جلوہ دکھایا، اس طرح دیدار کرا کر اپنی معرفت اور پہچان کرائی، پھر ان

سے پوچھا: ’’کیا میں تمہارا رب نہیں؟‘‘ سب نے کہا! کیوں نہیں! ہم سب گواہی دیتے ہیں یعنی اقرار کرتے ہیں۔ یہ مضمون مسند احمد ج ۱ ص ۲۷۲ اور مستدرک حاکم ج ۲ ص ۵۴۴ کی روایت میں ہے جس کی سند صحیح ہے۔

پھر وہ روحیں اصلاب میں واپس نہیں کی گئیں بلکہ عالم ارواح میں ان کو خاص ترتیب سے رکھ دیا گیا، بخاری شریف میں روایت ہے الأرواحُ جنودٌ مُجَنَّدَة: عالم ارواح میں روحیں خاص ترتیب سے جیسے کہ فوج کی پلٹنیں ہوتی ہیں رکھی ہوئی ہیں پھر شکم مادر میں تیار ہونے والے جسم میں وہیں سے روح لاکر فرشتہ پھونکتا ہے۔

یہ جسم کی حیات ہے، پھر ایک مدت کے بعد روح جسم میں سے پرواز کر جاتی ہے، اور عالم برزخ میں پہنچ جاتی ہے، یہ جسم کی موت ہے، روح جو اصل انسان ہے وہ بحالہ باقی رہتی ہے، اور حیات مقدم ہے اور موت بعد میں، مگر آیت میں موت کو اس کا یقین بٹھانے کے لئے مقدم کیا ہے، کیونکہ انسان کو اپنے وجود کا تو حق الیقین حاصل ہے، اور موت کا بھی یقین ہے، اس لئے کہ وہ رات دن لوگوں کو مرتا دیکھتا ہے، تاہم وہ موت سے غفلت میں ہے، اس لئے اس کو پہلے لائے ہیں۔

﴿الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ ۝﴾

ترجمہ: (عالی شان اللہ وہ ہے:) جس نے مرنا اور جینا پیدا کیا ـــــ یعنی دنیا کی یہ زندگی بنائی ـــــ تاکہ وہ تمہیں آزمائے ـــــ بندگی کا حکم دے کر ـــــ کہ کون تم میں سے سب سے زیادہ اچھا عمل کرنے والا ہے، اور وہ زبردست ہے ـــــ جو چاہے کرے، اس کا ہاتھ کون پکڑ سکتا ہے؟ ـــــ بڑا بخشنے والا ہے ـــــ یہ بندگی میں کوتاہی کرنے والوں کی ڈھارس بندھائی ہے۔

ملحوظہ: ایسی ہی آیت سورۃ الکہف میں بھی آئی ہے، وہاں کی تفسیر بھی دیکھ لیں (ہدایت القرآن ۵:۱۵۱)

فائدہ: دنیا کی یہ زندگی یہ دیکھنے کے لئے نہیں ہے کہ کون برے کام کرتا ہے، یا کون بُرے سے بُرے کام کرتا ہے؟ اگرچہ یہ بات بھی ضمناً سامنے آہی جائے گی، مثلاً: تعلیم گاہ اس لئے قائم کی جاتی ہے کہ دیکھا جائے کہ کون اعلیٰ نمبرات حاصل کرتا ہے، اور کس کو طلائی یا نُقرئی تغمہ ملتا ہے۔ اگرچہ امتحان کے نتیجہ میں بعض بدشوق طلبہ فیل بھی ہوجاتے ہیں اور وہ سرزنش کے مستحق بھی ہوتے ہیں، مگر تعلیم گاہ کے قیام کی غرض وہ طلبہ نہیں ہوتے۔ اسی طرح یہ عالم رنگ و بو بہتر سے بہتر کام کرنے والوں کو چھانٹنے کے لئے ہے تاکہ ان کو جنت کے بلند سے بلند درجے عطا فرمائے جائیں ـــــ یہ حضرات سابقین اولین ہیں اور نسبۃً کچھ کم نمبر حاصل کرنے والے اصحاب الیمین ہیں، جو جنت کے فروتر درجات حاصل کریں گے اور بُرے کام کرنے والے بھی چھٹ جائیں گے جو جہنم رسید ہوں گے، بلکہ بد سے بدتر اعمال کرنے والے بھی ہونگے،

جن کو جہنم میں سخت سے سخت سزا دی جائے گی، مگر مقصد حیات صرف قسم اول کو چھانٹنا ہے، تا کہ ان کا پوری طرح اعزاز کیا جا سکے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بہتر سے بہتر اعمال کی توفیق عطا فرمائیں اور جنت کے بلند سے بلند درجات سے سرفراز فرمائیں (آمین)

خلاصہ: عالم ارواح میں روح کی صرف حیات تھی، موت نہیں تھی، اور اصل انسان روح کا نام ہے، اور باڈی روح کی چلت پھرت اور عمل کے لئے ایک کار ہے، اور آخرت میں بھی حیات ہی ہوگی، مرنا نہیں ہوگا، اور بدن کا جینا اور مرنا اسی دنیا میں ہے، اور یہ زندگی مختصر برائے عمل ہے۔

الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ﴿۳﴾ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِیْرٌ ﴿۴﴾ وَلَقَدْ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّیٰطِیْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِیْرِ ﴿۵﴾ وَلِلَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿۶﴾ اِذَآ اُلْقُوْا فِیْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِیْقًا وَّهِیَ تَفُوْرُ ﴿۷﴾ تَكَادُ تَمَیَّزُ مِنَ الْغَیْظِ ؕ كُلَّمَآ اُلْقِیَ فِیْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ یَاْتِكُمْ نَذِیْرٌ ﴿۸﴾ قَالُوْا بَلٰی قَدْ جَآءَنَا نَذِیْرٌ ۙ۵ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ ۖۚ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ كَبِیْرٍ ﴿۹﴾ وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِیْۤ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ﴿۱۰﴾ فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ﴿۱۱﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِیْرٌ ﴿۱۲﴾ وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۳﴾ اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ﴿۱۴﴾

ع ۱

الَّذِیْ خَلَقَ	جس نے پیدا کئے	مَا تَرٰی	نہیں دیکھتا تو	مِنْ تَفٰوُتٍ	کوئی خلل
سَبْعَ سَمٰوٰتٍ	سات آسمان	فِیْ خَلْقِ	بناوٹ میں	فَارْجِعِ	پس لوٹا تو
طِبَاقًا	تہ بہ تہ	الرَّحْمٰنِ	مہربان اللہ کے	الْبَصَرَ	نگاہ

هَلْ تَرٰى	کیا دیکھتا ہے تو	وَلِلَّذِيْنَ	اوران کے لئے جنھوں	اَلَمْ يَاْتِكُمْ	کیا نہیں آیا تمہارے پاس
مِنْ فُطُوْرٍ	کوئی شگاف؟	كَفَرُوْا	نے انکار کیا	نَذِيْرٌ	کوئی ڈرانے والا
ثُمَّ ارْجِعِ	پھر لوٹا	بِرَبِّهِمْ	اپنے رب کا	قَالُوْا	جواب دیں گے وہ
الْبَصَرَ	نگاہ	عَذَابُ جَهَنَّمَ	دوزخ کی سزا ہے	بَلٰى	کیوں نہیں
كَرَّتَيْنِ(۱)	بار بار	وَبِئْسَ	اور بُری ہے وہ	قَدْ جَآءَنَا	بالیقین آیا ہمارے پاس
يَنْقَلِبْ	پلٹ آئے گی	الْمَصِيْرُ	لوٹنے کی جگہ	نَذِيْرٌ	ڈرانے والا
اِلَيْكَ الْبَصَرُ	تیری طرف نگاہ	اِذَآ اُلْقُوْا	جب ڈالے جائیں گے وہ	فَكَذَّبْنَا	پس جھٹلایا ہم نے
خَاسِئًا(۲)	ذلیل ہوکر	فِيْهَا	اس میں	وَقُلْنَا	اور کہا ہم نے
وَّهُوَ	درانحالیکہ وہ	سَمِعُوْا لَهَا	سنیں گے وہ اس کیلئے	مَا نَزَّلَ	نہیں اتاری
حَسِيْرٌ(۳)	درماندہ ہوگی!	شَهِيْقًا(۵)	دھاڑنا (زور کی آواز)	اللّٰهُ	اللہ نے
وَلَقَدْ	اور البتہ واقعہ یہ ہے	وَّهِيَ	درانحالیکہ وہ	مِنْ شَيْءٍ	کوئی چیز
زَيَّنَّا	مزین کیا ہم نے	تَفُوْرُ(۶)	جوش ماررہی ہوگی	اِنْ اَنْتُمْ	نہیں ہو تم
السَّمَآءَ الدُّنْيَا	قریبی آسمان کو	تَكَادُ	قریب ہوگی	اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ	مگر گمراہی میں
بِمَصَابِيْحَ	چراغوں سے	تَمَيَّزُ	(کہ) پھٹ پڑے	كَبِيْرٍ	بڑی
وَجَعَلْنٰهَا	اور بنایا ہم نے ان کو	مِنَ الْغَيْظِ	غصہ سے	وَقَالُوْا	اور کہا انھوں نے
رُجُوْمًا(۴)	پھینک مارنا (میزائل)	كُلَّمَآ اُلْقِيَ	جب جب ڈالا جائے گا	لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ	اگر سنا ہوتا ہم نے
لِّلشَّيٰطِيْنِ	شیاطین کے لئے	فِيْهَا	اس میں	اَوْ نَعْقِلُ	یا سمجھا ہوتا
وَاَعْتَدْنَا	اور تیار کیا ہے ہم نے	فَوْجٌ	کوئی گروہ	مَا كُنَّا	نہ ہوتے ہم
لَهُمْ	ان کے لئے	سَاَلَهُمْ	پوچھیں گے ان سے	فِيْٓ اَصْحٰبِ	دوزخ والوں میں
عَذَابَ السَّعِيْرِ	دوزخ کا عذاب	خَزَنَتُهَآ	جہنم کے ذمہ دار فرشتے	السَّعِيْرِ	

(۱) کرتین: تثنیہ، تکرار کے لئے ہے (۲) خَسأَ الکلبَ: کتے کو دھتکارنا، دور کرنا، ذلیل کرنا (۳) حسیر: صفت مشبہ، حَسَرَ البعیرُ: تھکنا، تھکانا (۴) رجوما: مصدر ما یُرجم بہ کے معنی میں ہے، اس لئے اسم جامد ہوگیا ہے اور رَجمًا کی جمع ہے (۵) شھیقا: گدھے کے رینکنے کی آخری آواز (۶) فَارَ القِدر: ہانڈی کا جوش مارنا۔

فَاعْتَرَفُوْا	پس اقرار کرلیا انھوں نے	بِالْغَيْبِ	دیکھے بغیر	بِذَاتِ	بھیدوں کو
بِذَنْۢبِهِمْ	اپنے گناہ کا	لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ	ان کے لئے بخشش ہے	الصُّدُوْرِ	سینوں کے
فَسُحْقًا (۱)	پس دوری ہو	وَّ اَجْرٌ كَبِيْرٌ	اور بڑا صلہ ہے	اَلَا يَعْلَمُ	کیا نہیں جانے گا
لِّاَصْحٰبِ	دوزخ والوں کے لئے	وَ اَسِرُّوْا	اور چپکے سے کہو تم	مَنْ خَلَقَ	جس نے پیدا کیا
السَّعِيْرِ		قَوْلَكُمْ	اپنی بات	وَهُوَ	درانحالیکہ وہ
اِنَّ الَّذِيْنَ	بے شک جو لوگ	اَوِ اجْهَرُوْا	یا زور سے کہو	اللَّطِيْفُ	باریک بیں
يَخْشَوْنَ	ڈرتے ہیں	بِهٖ	اس کو	الْخَبِيْرُ	باخبر ہے
رَبَّهُمْ	اپنے رب سے	اِنَّهٗ عَلِيْمٌ	بیشک وہ جانتے ہیں	۞	۞

بندوں کی چارہ سازی کے لئے اللہ نے مضبوط بارونق آسمان بنایا

اللہ تعالیٰ ہی معبود برحق ہیں، انھوں نے مکلّف مخلوقات (جن وانس) کو اپنی بندگی کے لئے پیدا کیا ہے، پس ضروری ہے کہ وہ ان کی یاری کریں، ان کی ضروریات کا انتظام کریں، چنانچہ اللہ نے زمین پر تہ بہ تہ مضبوط سات آسمان بنائے، اور اس چھت کو جگمگاتے ستاروں سے مزین کیا، اور آسمان کی چھت اتنی اونچی بنائی کہ اس کی اونچائی کا کوئی اندازہ نہیں کرسکتا، تاہم وہ زمین کے کناروں سے ملتا نظر آتا ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک قبّہ (خیمہ) ہے جو زمین پر تان دیا ہے، انسان اسی قدرتی گھر میں آرام سے زندگی بسر کررہا ہے، اور یہ خیمہ اتنا مضبوط بنایا ہے کہ مدتِ مدید گذرنے کے بعد بھی نہ اس میں کوئی شگاف پڑا نہ اس کا رنگ پھیکا پڑا، انسان اس کو بار بار دیکھے اور غور کرے اسے اللہ کی کاریگری میں کوئی خلل نظر نہیں آئے گا، پھر چھت میں فانوس لٹکا دیئے، رات کے سناٹے میں ان کو دیکھ کر جی خوش ہوتا ہے، یہ بندوں کی چارہ سازی ہے۔

﴿الَّذِىْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۚ مَا تَرٰى فِىْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ۚ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ۞ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ۞﴾

ترجمہ: جس نے اوپر تلے سات آسمان پیدا کئے، آپ اللہ کی کاریگری میں کوئی خلل نہیں دیکھیں گے، آپ نگاہ پھیریں، کیا آپ کو کوئی شگاف نظر آتا ہے؟ پھر بار بار دیکھیں: نگاہ ذلیل اور درماندہ ہوکر آپ کی طرف لوٹ آئے گی! ـــــ مگر آسمان میں کوئی کمی نظر نہیں آئے گی۔

(۱) سُحْقًا: فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے، تقدیر عبارت: أسْحَقَهُمُ اللّٰه ہے، سُحْقًا: دور کرنا۔

فائدہ: طباقًا: مصدر: سبع کی صفت ہے، اور ذَاتُ طِبَاقٍ کے معنی میں ہے، اور اللہ نے سات آسمان تہ بہ تہ کیسے بنائے ہیں؟ اس کی حقیقت وکیفیت نہیں جانی جاسکتی، البتہ مقصد واضح ہے، جیسے مکان پر بالائی منزل بناتے ہیں تاکہ تپش نیچے نہ آئے، اسی طرح سات آسمان بنائے تاکہ عالم بالا کے زیادہ اثرات زمین پر نہ آئیں، اور اگر سات آسمان پیاز کے چھلکوں کی طرح ہیں تو ان کا مقصد آسمان کی مضبوطی ہے۔ واللہ اعلم

ستاروں کے دو مقصد: آسمان کی زینت اور شیاطین کی مار

اللہ کے کاموں کی حکمتوں کا کوئی احاطہ نہیں کرسکتا، ہر کام میں متعدد حکمتیں ہوتی ہیں، ناک: ہونٹ کے قریب کیوں رکھی ہے؟ سوچو! اس میں حکمتیں ہیں، اسی طرح تارے بھی مختلف مقاصد سے بنائے ہیں، یہاں دو مقصد ذکر فرمائے ہیں:

اول: ستارے آسمانِ دنیا کے لئے زینت ہیں، ان چراغوں سے آسمان کتنا خوبصورت معلوم ہوتا ہے، اور اسی مقصد سے لوگ چھت میں جھاڑ فانوس لٹکاتے ہیں۔

دوم: شیاطین: فرشتوں کی باتیں سننے کے لئے آسمان کے قریب جاتے ہیں، پس ستارے میزائل بن کران پر گرتے ہیں، وہ مرجاتے ہیں یا خبطی ہوجاتے ہیں، اور کبھی کوئی بات نیچے ڈال دیتے ہیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ پہلے انسان، جنات اور فرشتے سب جنت تک جاسکتے تھے، دادا دادی کو زمین میں پیدا کرکے جنت میں بسایا تھا، اور ابلیس نے جنت میں پہنچ کران کو ورغلایا تھا، پھر دونوں کو آسمان سے نیچے اتارا، اب انسان آسمان کے قریب نہیں جاسکتا، اور جنات: انسان کی بہ نسبت لطیف ہیں، وہ فضا میں آسمان کے قریب جاسکتے ہیں، اور وہاں فرشتوں میں زمینی معاملات کے سلسلہ میں جو گفتگو ہوتی ہے اس کو سننے کی کوشش کرتے ہیں، ان کو تاروں سے مارا جاتا ہے، سورۃ الصافات (آیات ۷و۸) میں بھی اس کا تذکرہ ہے (ہدایت القرآن ۷:۵۵) اور یہ شیاطین کے لئے دنیوی عذاب ہے، اور آخرت میں ان کے لئے دوزخ کا عذاب تیار ہے۔

﴿ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ۝﴾

ترجمہ: اور واقعہ یہ ہے کہ ہم نے قریبی آسمان کو چراغوں سے مزین کیا، اور ہم نے ان (ستاروں) کو شیطانوں (کافر سرکش جنات) کے مارنے کا ذریعہ (میزائل) بنایا، اور ہم نے ان کے لئے دوزخ کا عذاب تیار کیا ہے۔

کافر انسانوں کے لئے بھی دوزخ تیار ہے

شیاطین ہی کے لئے نہیں کافر انسانوں کے لئے بھی آخرت میں دوزخ کی سزا تیار ہے، اور دنیا میں بھی ہلاکت سے

محفوظ نہیں، زمین دھنس سکتی ہے، سنگ بار ہوا چل سکتی ہے، اور فضا میں اڑتے ہوئے بھی گر سکتے ہیں، جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

﴿ وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ ﴾

ترجمہ: اوران لوگوں کے لئے جنھوں نے اپنے پروردگار کا انکار کیا دوزخ کا عذاب ہے، اور وہ بری لوٹنے کی جگہ ہے!

جب کفار دوزخ میں ڈالے جائیں گے تو دوزخ دانت پیسے گی!

جب کفار کا کوئی گروہ دوزخ میں ڈالا جائے گا تو وہ ان پر سخت غضبناک ہوگی، کفار اس کی ڈانٹ ڈپٹ اور چنگھاڑ سنیں گے، اور وہ ایسا جوش مارے گی جیسے غصہ سے پھٹ پڑے گی، اور جہنم کے ذمہ دار فرشتے بھی ان کی خبر لیں گے، وہ پوچھیں گے: کم بختو! تمہارے پاس پیغمبر نہیں آئے جو تم یہاں آدھمکے؟ وہ جواب دیں گے: آئے، مگر ہم نے ان کی اور ان کی وحی کی تکذیب کی، اس لئے آج یہ برادن دیکھنا پڑا! کاش ہم ان کی بات سنتے اور سمجھتے تو آج ہم کو یہ بُرا دن نہ دیکھنا پڑتا!

﴿ اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّهِىَ تَفُوْرُ ۝ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ۭ كُلَّمَآ اُلْقِىَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ۝ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَاۗءَنَا نَذِيْرٌ ڏ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ښ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ۝ وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝ ﴾

ترجمہ: جب وہ لوگ دوزخ میں ڈالے جائیں گے تو وہ اس کی زور کی آواز سنیں گے، اور وہ جوش مار رہی ہوگی، قریب ہوگی کہ غصہ سے پھٹ پڑے، جب بھی اس میں کوئی گروہ ڈالا جائے گا تو اس کے محافظ فرشتے ان سے پوچھیں گے: کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا؟ وہ جواب دیں گے: کیوں نہیں! واقعی ہمارے پاس ڈرانے والا آیا، مگر ہم نے اس کو جھٹلایا اور ہم نے کہا: اللہ نے کچھ بھی نازل نہیں کیا، تم بڑی غلطی میں ہو، اور انھوں نے کہا: کاش ہم سنتے یا سمجھتے تو دوزخ والوں میں سے نہ ہوتے!

دل کی بات زبان پر آگئی

دیکھو! منکرین نے اپنے جرم کا اعتراف کرلیا، میدانِ قیامت میں تو انھوں نے شرک وکفر کا انکار کیا تھا، کہا تھا: ﴿ وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ﴾: ہمارے پروردگار اللہ کی قسم! ہم مشرک نہیں تھے [الانعام ۲۳] مگر فرشتوں کے سامنے دل کی بات زبان پر آگئی!

﴿ فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝ ﴾

ترجمہ: پس انھوں نے اپنے جرم کا اعتراف کرلیا، سو لعنت ہو دوزخ والوں پر!

مؤمنین کا نیک انجام: قرآنِ کریم کا اسلوب ہے کہ وہ کفار کے انجام کے بعد مؤمنین کا انجام بیان کرتا ہے، قاعدہ ہے: **تُعْرَفُ الأشياءُ بأضْدَادِها:** میٹھے سے کڑوا اور کڑوے سے میٹھا پہچانا جاتا ہے، ارشاد فرماتے ہیں: جو لوگ پروردگار کو دیکھے بغیر، رسولوں کے بتلانے سے ایمان لاتے ہیں، اللہ سے ڈرتے ہیں اور احکامِ الٰہی کی پیروی کرتے ہیں ان کے لئے مغفرت اور اجرِ عظیم ہے۔

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿۱۲﴾ ﴾

ترجمہ: بے شک جو لوگ اپنے پروردگار سے بن دیکھے ڈرتے ہیں ان کے لئے بخشش اور بڑا بدلہ ہے۔

اللہ تعالیٰ دلوں کے بھیدوں سے بھی واقف ہیں

آخر میں ایک خلجان کا جواب ہے، کفار خیال کرسکتے ہیں کہ ہم دوزخ کے ذمہ دار فرشتوں کو جو جواب دیں گے اس کی اللہ کو کیا خبر؟ پس وہ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ آہستہ کہی ہوئی باتوں کو بھی جانتے ہیں اور زور سے کہی ہوئی باتوں کو بھی جانتے ہیں، انھوں نے فرشتوں سے چپکے سے جو کہا ہے وہ بھی اللہ کے علم میں ہے اور قیامت کے میدان میں جو برملا کہا ہے وہ بھی اللہ کے علم میں ہے، اللہ تعالیٰ دلوں کے رازوں سے بھی واقف ہیں، بھلا جس نے ان کو پیدا کیا وہ مخلوق کے احوال سے بے خبر ہوگا، جبکہ وہ باریک بیں باخبر بھی ہیں؟

ایک واقعہ: ہجرت سے پہلے چند کفار ایک جگہ جمع ہوئے، ایک نے نبی ﷺ کی بدگوئی کی، دوسرا بولا: آہستہ بول محمد کا خدا سن لے گا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ خدا تو دل کی باتوں کو بھی جانتا ہے، کیا خالق اپنی مخلوق کے احوال سے بے خبر ہوگا؟

﴿ وَ اَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۳﴾ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۴﴾ ﴾

ترجمہ: اور تم خواہ چپکے سے بات کہو یا اس کو زور سے کہو، وہ یقیناً دلوں کے بھیدوں سے واقف ہیں، کیا وہ نہیں جانے گا جس نے پیدا کیا ہے، اور وہ باریک بیں باخبر ہیں؟

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ ﴿۱۵﴾ ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ ﴿۱۶﴾ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ؕ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ ﴿۱۷﴾

وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۱۸﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّيَقْبِضْنَ ۚ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ۭ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍۢ بَصِيْرٌ ﴿۱۹﴾

هُوَ الَّذِيْ	وہی ہے جس نے	بِكُمُ الْاَرْضَ	تمہارے ساتھ زمین کو	فَكَيْفَ كَانَ	پس کیسا تھا
جَعَلَ لَكُمُ	بنایا تمہارے لئے	فَاِذَا هِيَ	پس اچانک وہ	نَكِيْرِ	میرا انکار کرنا
الْاَرْضَ	زمین کو	تَمُوْرُ	لرزنے لگے	اَوَلَمْ يَرَوْا	کیا اور نہیں دیکھتے وہ
ذَلُوْلًا	رام (پست)	اَمْ اَمِنْتُمْ	کیا نڈر ہو گئے تم	اِلَى الطَّيْرِ	پرندوں کو
فَامْشُوْا	پس چلو تم	مَّنْ فِي السَّمَاۗءِ	اس سے جو آسمان میں ہے	فَوْقَهُمْ	اپنے اوپر
فِيْ مَنَاكِبِهَا	اس کے کندھوں میں	اَنْ يُّرْسِلَ	کہ چھوڑ دے وہ	صٰٓفّٰتٍ	پر کھولے ہوئے
وَكُلُوْا	اور کھاؤ تم	عَلَيْكُمْ	تم پر	وَّيَقْبِضْنَ	اور پر جھپکتے ہیں وہ
مِنْ رِّزْقِهٖ	اس کی روزی سے	حَاصِبًا	پتھر برسانے والی ہوا	مَا يُمْسِكُهُنَّ	نہیں تھامے ہوئے ہے
وَاِلَيْهِ	اور اسی کی طرف	فَسَتَعْلَمُوْنَ	پس عنقریب جان لوگے تم		ان کو
النُّشُوْرُ	اٹھنا ہے	كَيْفَ نَذِيْرِ	کیسا ہے میرا ڈرانا	اِلَّا الرَّحْمٰنُ	مگر مہربان اللہ
ءَاَمِنْتُمْ	کیا نڈر ہو گئے تم	وَلَقَدْ كَذَّبَ	اور تحقیق جھٹلایا	اِنَّهٗ	بے شک وہ
مَّنْ فِي السَّمَاۗءِ	اس سے جو آسمان میں ہے	الَّذِيْنَ	ان لوگوں نے جو	بِكُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز کو
اَنْ يَّخْسِفَ	کہ دھنسا دے وہ	مِنْ قَبْلِهِمْ	ان سے پہلے ہوئے	بَصِيْرٌ	خوب دیکھنے والا ہے

اللہ تعالیٰ نے بندوں کی چارہ سازی کے لئے زمین کو رام کیا، اور اس میں ان کی معیشت کا انتظام کیا

اللہ تعالیٰ نے بندوں کی مصلحت کے لئے اوپر سات مضبوط اور خوبصورت آسمان بنائے، اور دوسرا انتظام یہ کیا کہ یہ چوڑی چکلی زمین بنائی، اور اس کو انسان کے لئے مسخر کیا، تاکہ جس طرح چاہے اس میں تصرف کرے، کودے پھاندے، بوئے جوتے، اس کی راہوں میں چلے پھرے، اور پیروں سے اس کو پامال کرے، اور اس میں روزی کے اسباب پھیلا دیئے، تاکہ اللہ کا رزق تلاش کرے، مگر یاد رکھے کہ: کہیں بھی نکل جائے مرے گا ضرور، پھر قیامت کے دن زندہ ہو کر بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہونا ہے۔

﴿هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ۭ وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ ﴿۱۵﴾﴾

ترجمہ: وہی اللہ ہیں جنھوں نے تمہارے لئے زمین کو رام کیا، پس تم اس کے کندھوں (راہوں) میں چلو پھرو، اور اللہ کی روزی میں سے کھاؤ، اور اسی کے پاس دوبارہ زندہ ہو کر جانا ہے!

انسان زمین میں کہیں بھی جائے اللہ کی پکڑ سے باہر نہیں

انسان زمین میں آزاد ہے، جہاں چاہے جائے اور رہے، مگر یاد رکھے کہ وہ اللہ کی پکڑ سے باہر نہیں، اللہ تعالیٰ اس کو زمین میں دھنسا سکتے ہیں، زمین تھر تھر کانپنے لگے اور وہ زمین میں اترتا چلا جائے: ایسا ممکن ہے، یا اس پر سنگریزے اڑانے والی آندھی چھوڑ دے، جو اس کا بھرتا بنا دے، کیا اس نے گذشتہ قوموں کے واقعات نہیں سنے! قارون زمین میں دھنسایا گیا، اور عاد پر سنگ بار ہوا چھوڑی گئی جس سے وہ مرکھپ گئے، اور اگر فضا میں پرواز کرے تو وہاں سے بھی گر سکتا ہے، کیا لوگ دیکھتے نہیں! پرندے فضا میں اڑتے ہیں، ان کو کون روکتا ہے؟ رحمان روکتے ہیں، فضا ثقل کو نہیں روک سکتی، اور زمین کی کشش بھی ثقیل چیز کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے، مگر پرندے نہیں گرتے، اور کوئی خیال کرے کہ پرندے پَر پھیلا کر اڑتے ہیں، ان کے پَر ان کو روکتے ہیں، تو پرندے پَر جھپکتے بھی ہیں اس وقت ان کو کون روکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ ہی روکتے ہیں، اسی طرح ہوائی جہازوں کو بھی اللہ تھامتے ہیں، کیونکہ جب ان میں کوئی ٹیکنیکل خرابی پیدا ہوتی ہے تو وہ زمین پر گر جاتے ہیں، معلوم ہوا کہ فضا میں بھی انسان اللہ کی گرفت سے باہر نہیں، اللہ تعالیٰ اس کے سب احوال سے واقف ہیں۔

﴿ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَاۗءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ ﴿۱۶﴾ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَاۗءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ۭ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ ﴿۱۷﴾ وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۱۸﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰۗفّٰتٍ وَّيَقْبِضْنَ ڤ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ۭ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍۢ بَصِيْرٌ ﴿۱۹﴾﴾

ترجمہ: کیا تم لوگ اس ہستی سے نڈر ہو گئے ہو جو آسمان میں ہے کہ وہ تم کو زمین میں دھنسا دے، پس اچانک وہ تھر تھر کانپنے لگے؟ —— یا تم لوگ اس ذات سے بے خوف ہو گئے ہو جو آسمان میں ہے کہ وہ تم پر سنگ بار ہوا چھوڑ دے، پس عنقریب تم جان لوگے کہ میرا ڈرانا کیسا ہے؟ —— اور البتہ واقعہ یہ ہے کہ ان (مکہ والوں) سے پہلے والوں نے جھٹلایا، پس کیسا رہا میرا انکار! —— کیا انھوں نے نہیں دیکھا اپنے اوپر پرندوں کو، پَر پھیلائے ہوئے اور وہ پَر سمیٹتے بھی ہیں، ان کو مہربان اللہ ہی تھامتے ہیں، بے شک وہ ہر چیز کو خوب دیکھ رہے ہیں!

فائدہ: ﴿مَّنْ فِي السَّمَاۗءِ﴾: جو آسمان میں ہے، یہ صفتِ متشابہ ہے، اور صفاتِ متشابہات کے بارے میں سلف کا مذہب تنزیہ مع التفویض ہے، جیسا کہ ابھی گذرا، پس اللہ کا آسمان سے تعلق تو ماننا ہوگا، مگر وہ اللہ کی جہت اور مکان نہیں،

کیونکہ آسمان مخلوق ہے، اور مخلوق: خالق کا مکان اور جہت نہیں ہوسکتی، پس یہ ارشاد: ﴿الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾: کے قبیل سے ہوگا۔

اور اگر تاویل کی راہ اختیار کی جائے تو صفتِ عُلو (بلندی) مراد ہوگی، اللہ تعالیٰ کی صفت عَلِیٌّ ہے، ہندوستان کے لوگ بھی دعا میں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھاتے ہیں اور امریکہ کے مسلمان بھی، یہی عُلو ہے، وہ کسی جہت میں نہیں، ورنہ کوئی ایک زمین کی طرف ہاتھ لٹکا کر دعا کرتا، یہ راہ بھی جائز ہے، اور یہ تنزیہ مع التاویل ہے۔

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ۭ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِيْ غُرُوْرٍ ﴿۲۰﴾ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ يَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ۚ بَلْ لَّجُّوْا فِيْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ ﴿۲۱﴾ اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰي وَجْهِهٖٓ اَهْدٰٓى اَمَّنْ يَّمْشِيْ سَوِيًّا عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۲﴾

اَمَّنْ هٰذَا(۱)	کیا یہ	اَمَّنْ هٰذَا(۱)	کیا کون یہ ہے	يَّمْشِيْ	چلے گا
الَّذِيْ هُوَ	جو وہ	الَّذِيْ يَرْزُقُكُمْ	جو روزی دے گا تمہیں	مُكِبًّا	اوندھا
جُنْدٌ لَّكُمْ	تمہارا لشکر ہے	اِنْ اَمْسَكَ	اگر روک لیں وہ	عَلٰي وَجْهِهٖٓ	اپنے چہرے کے بل
يَنْصُرُكُمْ	(کیا) مدد کریگا تمہاری	رِزْقَهٗ	اپنی روزی	اَهْدٰٓى	زیادہ راہ یاب ہے
مِّنْ دُوْنِ	سوائے	بَلْ لَّجُّوْا	بلکہ گھسے ہیں وہ	اَمَّنْ يَّمْشِيْ	یا جو شخص چلے گا
الرَّحْمٰنِ	مہربان اللہ کے	فِيْ عُتُوٍّ	سرکشی میں	سَوِيًّا	سیدھا
اِنِ الْكٰفِرُوْنَ	نہیں ہیں کفار	وَّنُفُوْرٍ	اور نفرت میں	عَلٰي صِرَاطٍ	راستے پر
اِلَّا فِيْ غُرُوْرٍ	مگر دھوکے میں	اَفَمَنْ	کیا پس جو شخص	مُّسْتَقِيْمٍ	سیدھے

شرک کا بطلان

اب دو آیتوں میں شرک کی سخافت (کمزوری) کا بیان ہے، عبادت کسی نفع کی امید پر کی جاتی ہے، مشرکین بتائیں:

(۱) دونوں جگہ أَمَّنْ دو لفظ ہیں، أم: استفہامیہ اور من بھی استفہامیہ، میم کا میم میں ادغام ہے، اور دونوں ساتھ ہیں، مگر ایک دوسرے پر داخل نہیں، حرف پر حرف داخل نہیں ہوتا، أم کا مدخول ھذا ہے اور من کا مدخول ینصر کم اور یرزقکم ہیں، اس لئے اس کا ترجمہ وہاں کیا ہے۔

۱- کیا ان کے معبودوں کی بھیڑ (لشکر) ــــ اللہ کو چھوڑ کر ــــ ان کی کچھ مدد کرتی ہے؟ نہیں کرتی، مگر مشرکین فریب خوردہ ہیں، وہ اپنے معبودوں سے آس لگائے بیٹھے ہیں!

۲- بتاؤ! اگر اللہ تعالیٰ تمہاری روزی روٹی روک دیں تو کیا تمہارے معبودوں کا یہ لشکر تمہیں روزی پہنچا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں! وہ ایک ذرہ کے بھی مالک نہیں، تاہم مشرکین اللہ سے سرکشی اور نفرت میں پیر پسارے ہوئے ہیں! غرض: جب معبودانِ باطل سے کسی نفع کی امید نہیں، تو وہ ان کی سمادھی پر آسن جمائے کیوں بیٹھے ہیں؟

﴿ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ یَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ؕ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِیْ غُرُوْرٍ ۚ۝۲۰ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ یَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ۚ بَلْ لَّجُّوْا فِیْ عُتُوٍّ وَّ نُفُوْرٍ ۝۲۱ ﴾

ترجمہ: کیا یہ جو کہ وہ تمہارا لشکر (بھیڑ) ہے: کون تمہاری مدد کرتا ہے اللہ کے سوا؟ نہیں ہیں کافر مگر دھوکہ میں! ــــ کیا یہ جو (بھیڑ ہے) کون روزی پہنچائے گا تمہیں اگر اللہ اپنی روزی روک دیں؟ بلکہ وہ سرکشی اور نفرت میں گھسے ہوئے ہیں!

مشرک اور موحد کی چال میں فرق

دنیا میں بھی اور محشر میں بھی مشرک اور موحد کی چال مختلف ہے، مشرک ناہموار راستہ پر اوندھا چلتا ہے، اس کے منزل مقصود تک پہنچنے کی کیا توقع ہو سکتی ہے؟ اور موحد سیدھے راستہ پر آدمیوں کی طرح سیدھا چلتا ہے، وہ ضرور منزل مقصود تک پہنچے گا ــــ اور میدانِ محشر میں بھی کفار اوندھے منہ چہرے کے بل چلیں گے اور موحدین سیدھے چلیں گے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ اوندھے منہ چہرے کے بل کیسے چلے گا؟ آپ نے فرمایا: جو اللہ پیروں سے چلانے پر قادر ہے وہ چہرے کے بل بھی چلا سکتا ہے یعنی اس پر اجمالی ایمان رکھنا چاہئے۔

﴿ اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُكِبًّا عَلٰی وَجْهِهٖۤ اَهْدٰۤی اَمَّنْ یَّمْشِیْ سَوِیًّا عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝۲۲ ﴾

ترجمہ: کیا پس جو شخص اپنے چہرے کے بل اوندھا چلے گا / چلتا ہے: وہ زیادہ راہ یاب ہے یا جو سیدھے راستہ پر سیدھا چلتا ہے؟

قُلْ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَكُمْ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝۲۳ قُلْ هُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ وَ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝۲۴ وَ یَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝۲۵ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۪ وَ اِنَّمَاۤ

اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۶﴾ فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِيْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقِيْلَ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ﴿۲۷﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِيَ اَوْ رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾ قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۹﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ﴿۳۰﴾ ع

ع ۲

قُلْ هُوَ	کہو: وہی ہے	وَيَقُوْلُوْنَ	اور کہتے ہیں وہ	سِيْٓـَٔتْ	بگڑ جائیں گے
الَّذِيْٓ	جس نے	مَتٰى هٰذَا	کب ہوگا یہ	وُجُوْهُ	چہرے
اَنْشَاَكُمْ	تم کو پیدا کیا	الْوَعْدُ	وعدہ	الَّذِيْنَ	ان کے جنھوں نے
وَجَعَلَ لَكُمُ	اور تمہارے لئے بنائی	اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم	كَفَرُوْا	انکار کیا
السَّمْعَ	سماعت	صٰدِقِيْنَ	سچے	وَقِيْلَ	اور کہا جائے گا
وَالْاَبْصَارَ	اور آنکھیں	قُلْ	کہو	هٰذَا الَّذِيْ	یہ ہے وہ جو
وَالْاَفْـِٕدَةَ	اور دل	اِنَّمَا	اس کے سوا نہیں کہ	كُنْتُمْ بِهٖ	تھے تم اس کو
قَلِيْلًا مَّا	بہت ہی کم	الْعِلْمُ (۱)	(قیامت کا) علم	تَدَّعُوْنَ	مانگتے
تَشْكُرُوْنَ	شکر بجالاتے ہو تم	عِنْدَ اللّٰهِ	اللہ کے پاس ہے	قُلْ	کہو
قُلْ هُوَ	کہو: وہی ہے	وَاِنَّمَآ	اور اس کے سوا نہیں کہ	اَرَءَيْتُمْ (۳)	بتلاؤ
الَّذِيْ	جس نے	اَنَا نَذِيْرٌ	میں ڈرانے والا ہوں	اِنْ اَهْلَكَنِيَ	اگر ہلاک کریں مجھے
ذَرَاَكُمْ	پھیلایا تم کو	مُّبِيْنٌ	صاف صاف	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
فِي الْاَرْضِ	زمین میں	فَلَمَّا	پس جب	وَمَنْ مَّعِيَ	اور ان کو جو میرے
وَاِلَيْهِ	اور اسی کی طرف	رَاَوْهُ	دیکھیں گے وہ اس کو		ساتھ ہیں
تُحْشَرُوْنَ	جمع کئے جاؤ گے تم	زُلْفَةً (۲)	قریب	اَوْ رَحِمَنَا	یا مہربانی فرمائیں ہم پر

(۱) العلم: الف لام عہدی ہے (۲) زلفة: مصدر: اسم فاعل کے معنی میں ہے (۳) أرأيتم: مماشات مع الخصم ہے یعنی تھوڑی دور پٹا کر مخالف کو ساتھ لے چلنا، پھر جب موقع آئے جوت بجانا۔

فَمَنْ يُّجِيْرُ	پس کون پناہ دے گا	وَعَلَيْهِ	اور انہی پر	اَرَءَيْتُمْ	بتلاؤ
الْكٰفِرِيْنَ	منکروں کو	تَوَكَّلْنَا	بھروسہ کیا ہم نے	اِنْ اَصْبَحَ	اگر صبح کو ہو جائے
مِنْ عَذَابٍ	سزا سے	فَسَتَعْلَمُوْنَ	پس عنقریب جان لوگے تم	مَآؤُكُمْ	تمہارا پانی
اَلِيْمٍ	دردناک	مَنْ هُوَ	کون ہے وہ	غَوْرًا	زمین میں اترا ہوا
قُلْ	کہو	فِيْ ضَلٰلٍ	گمراہی میں	فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ	تو کون لائے گا
هُوَ الرَّحْمٰنُ	وہ مہربان اللہ ہیں	مُّبِيْنٍ	کھلی	بِمَآءٍ	تمہارے پاس
اٰمَنَّا بِهٖ	ایمان لائے ہم ان پر	قُلْ	کہو	مَّعِيْنٍ	چشمہ دار پانی

تین احسانات سے توحید پر استدلال اور ایمان کی ترغیب

اور درمیان میں قیامت کے بارے میں جلدی مچانے کا جواب

شرک کے بطلان کے بعد اب آخر میں تین احسانات سے توحید پر استدلال کر کے مشرکین کو ایمان کی دعوت دیتے ہیں:

۱- اللہ نے انسان کو پیدا کیا، اس کو سماعت، بصارت اور سمجھنے والا دل عطا فرمایا، علم کے ذرائع حواس خمسہ ہیں (سننا، دیکھنا، سونگھنا، چکھنا اور ٹٹولنا) مگر اہم آنکھ اور کان ہیں، زیادہ تر علوم انہی دو سے حاصل ہوتے ہیں، اس لئے انہی کا تذکرہ کیا ہے، اور دل ادراک کرتا ہے، ان قُوی سے کام لے کر انسان آسمان زمین کے قُلّابے (کڑیاں) ملاتا ہے، اور ستاروں پر کمندیں پھینکتا ہے۔ اسی سے انسان کو اشرف المخلوقات کا اعزاز حاصل ہوا ہے، مگر کفار و مشرکین اس احسان کی ذرا قدر نہیں کرتے، یہ محسن کا انکار ہے۔

۲- اللہ تعالیٰ نے زمین میں انسانوں کو پھیلایا، زمین کا چپہ چپہ انسانوں کے وجود سے بھر گیا، آباد غیر آباد ہر جگہ انسان ملیں گے، بلکہ اب تو انسان سمندر کی تہ میں بھی آبادیاں بسانے کی سوچ رہا ہے، بلکہ زمین سے اٹھ کر ستاروں اور سیاروں پر جھنڈے گاڑنے جا رہا ہے، یہ کتنا بڑا احسان ہے! مگر انسان نے اس کی کیا قدر کی؟ یہ قدر کی کہ اس نے اپنے خالق و مالک کا انکار کر دیا یا اس کو چھوڑ کر اینٹ پتھر کو پوجنے لگا، مگر یاد رکھے! وہ جہاں تک بھی پھیلے گا: مرے گا ضرور! پھر قیامت کو دوبارہ زندہ ہو کر خدا کے حضور میں پہنچے گا، اور وہاں اس کا نامۂ اعمال کھلے گا، لہٰذا اس کی فکر ضرور کرے!

ضمنی مضمون: جب بات یہاں تک پہنچی کہ: ﴿وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ﴾ تو منکرین قیامت بے تاب ہو کر بول

پڑے: ﴿ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ ﴾: لوگ کب اکٹھے کئے جائیں گے؟ قیامت کب آئے گی؟ اگر تم سچے ہو تو جلدی لے آؤ!

ان کو رسول اللہ ﷺ کی زبان سے جواب دیا ہے کہ قیامت کب آئے گی؟ اس کا علم اللہ ہی کو ہے، اور میرا کام تو بس کھول کر بتا دینا ہے، تا کہ کوئی دھوکہ میں نہ رہے، البتہ تم جان لو کہ جب قیامت برپا ہوگی تو تمہاری شامت آئے گی، تمہارے چہرے بگڑ جائیں گے، اور تم سے کہا جائے گا: یہ ہے وہ جس کو تم مانگا کرتے تھے!

پھر اس دن میرا اور میرے ساتھیوں کا کیا ہوگا؟ اس کو چھوڑو، اگر اس دن اللہ ہمیں سزا دیں یا ہم پر مہربانی فرمائیں تو ہمیں سب منظور ہے (یہ مماشات مع الخصم ہے) تم اپنی سوچو! تمہیں اس دن اللہ کے دردناک عذاب سے کون بچائے گا؟ تمہارے لئے عذاب طے ہے! اور ہمیں تو رحمان (مہربان اللہ) بچائے گا، کیونکہ ہم اس پر ایمان لائے ہیں، اور ہمارا بھروسہ انہی پر ہے، اس لئے وہی ہمارے کارساز ہونگے، مگر اس دن تمہارا کیا بنے گا؟ اس دن تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ آج دنیا میں گمراہی میں کون تھا: ہم یا تم؟ مگر اس دن معلوم ہونے سے کیا فائدہ ہوگا؟ فائدہ تو جب ہے کہ آج جان لو، اور اللہ پر اور اللہ کے رسول پر ایمان لاؤ (ضمنی مضمون پورا ہوا)

۳- پانی حیوانات کی بنیادی ضرورت ہے، ہر جاندار کی نشو ونما پانی سے ہوتی ہے: ﴿ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ﴾: چنانچہ اللہ تعالیٰ نے زمین کی تین چوتھائی پر سمندر پیدا کئے، وہاں سے پانی اٹھا کر ہر جگہ برساتے ہیں پھر اس کو زمین میں اسٹور کرتے ہیں، اور زیر زمین اس کے سوت چلتے ہیں، اور جگہ جگہ آبشاروں اور چشموں کی شکل میں پانی نمودار ہوتا ہے اور لوگ اور جاندار اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں، پہاڑوں کی چوٹیوں پر بھی تالاب، آبشاریں اور چشمے ہیں، سوچو! اگر یہ سوت نیچے چلے جائیں تو چشمے کون بہا سکتا ہے۔ مگر انسان اس احسان کی کیا قدر کرتا ہے، محسن کا انکار کرتا ہے یا غیر سے کو لگاتا ہے۔

فائدہ: پہلے آبشاریں ٹپکتی تھیں اور چشمے پھوٹتے تھے، اور بے مشقت پانی ملتا تھا، پھر لوگوں نے کنویں بنانے شروع کئے تو سوت نیچے چلا گیا، پھر بجلی دریافت ہوئی اور ٹیوب ویل بننے لگے تو سوت اور نیچے چلا گیا اور کنویں خشک ہو گئے، مگر ٹیوب ویل بھی گرمیوں میں خشک ہو جاتے ہیں یا بجلی بھاگ جاتی ہے تو انسانوں اور جانوروں کے پینے کے پانی کے لالے پڑ جاتے ہیں، پس لوگو! اس نعمت کی قدر کرو!

﴿ قُلْ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝ قُلْ هُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: (پہلا احسان:) کہو: اس نے تم کو پیدا کیا، اور تمہارے لئے سماعت، بصارت اور دل بنائے، بہت ہی کم شکر

بجالاتے ہوتم! —— (دوسرا احسان:) کہو: اسی نے تم کو زمین میں پھیلایا، اور اسی کی طرف تم جمع کئے جاؤ گے!

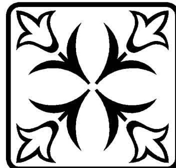
﴿ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۪ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِيْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقِيْلَ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ۝ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِيَ اَوْ رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ ﴾

ترجمہ: (ضمنی مضمون:) اور وہ کہتے ہیں: کب پورا ہوگا یہ وعدہ اگر تم سچے ہو؟ جواب دو: اس کا علم اللہ ہی کے پاس ہے، اور میں صاف صاف ڈرانے والا ہی ہوں —— پس جب دیکھیں گے وہ اس (قیامت کے دن) کو نزدیک تو بگڑ جائیں گے منکروں کے چہرے، اور کہا جائے گا: یہی ہے وہ جس کو تم مانگا کرتے تھے —— پوچھو! بتلاؤ: اگر اللہ تعالیٰ مجھ کو اور میرے ساتھ والوں کو ہلاک کریں یا ہم پر مہربانی فرمائیں —— یعنی ہمیں دونوں باتیں منظور ہیں: یہ مماشات مع الخصم ہے —— پس کافروں کو دردناک عذاب سے کون بچائے گا —— یعنی تم اپنی سوچو! —— آپ کہیں: (یہ مماشات مع الخصم کے بعد تھپڑ ہے:) وہی مہربان اللہ ہیں، ہم ان پر ایمان لائے ہیں، اور ہم نے ان پر بھروسہ کیا ہے —— اس لئے قیامت کے دن وہ ہماری کارسازی فرمائیں گے —— پس جلد تم جان لو گے اس شخص کو جو (آج دنیا میں) صریح گمراہی میں ہے —— مگر اس دن جاننے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

﴿ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ۝ ﴾

ترجمہ: (تیسرا احسان:) پوچھو: بتلاؤ: اگر تمہارا پانی صبح کو زمین میں اتر جائے تو کون پانی کا چشمہ بہائے گا؟ —— کوئی نہیں بہا سکتا!

﴿ جمعہ ۸ / ذی قعدۃ ۱۴۳۷ھ = ۱۲ / اگست ۲۰۱۶ء ﴾



(۶۸) سُوْرَةُ الْقَلَمِ مَكِّيَّةٌ (۲)
اٰیاتہا ۵۲ — رکوعاتہا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۝۱ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝۲ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۝۳ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝۴ فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ۝۵ بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ ۝۶ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۠ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝۷

نٓ	نون	وَاِنَّ لَكَ	اور بیشک آپ کے لئے	بِاَيِّكُمُ	کہ کون تم میں سے
وَالْقَلَمِ	قلم کی قسم	لَاَجْرًا	البتہ بدلہ ہے	الْمَفْتُوْنُ (۲)	فتنہ میں مبتلا ہے
وَمَا	اور جس کو	غَيْرَ مَمْنُوْنٍ	بے انتہا	اِنَّ رَبَّكَ	بے شک آپ کا رب
يَسْطُرُوْنَ (۱)	لوگ لکھتے ہیں	وَاِنَّكَ	اور بے شک آپؐ	هُوَ اَعْلَمُ	وہ خوب جانتا ہے
مَآ اَنْتَ	نہیں آپؐ	لَعَلٰى خُلُقٍ	البتہ اخلاق پر ہیں	بِمَنْ ضَلَّ	اس کو جو بہکا
بِنِعْمَةِ	فضل سے	عَظِيْمٍ	بڑے	عَنْ سَبِيْلِهٖ	اس کے راستہ سے
رَبِّكَ	اپنے رب کے	فَسَتُبْصِرُ	پس عنقریب دیکھیں گے آپؐ	وَهُوَ اَعْلَمُ	اور وہ خوب جانتا ہے
بِمَجْنُوْنٍ	دیوانے	وَيُبْصِرُوْنَ	اور دیکھیں گے وہ	بِالْمُهْتَدِيْنَ	راہ پانے والوں کو

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

سورۃ القلم

اس سورت کا موضوع رسالت ہے، سورۃ الملک کا موضوع توحید تھا، یہ سورت ابتدائی دور کی ہے، اس وقت مخالفت زوروں پر تھی، جب نبی ﷺ نے دعوت کا آغاز کیا تو مشرکین نے آپؐ پر 'دیوانہ' کی پھبتی کسی، کیونکہ آپؐ نے قوم کے عقائد کے خلاف دعوی کیا تھا کہ مورتیاں معبود نہیں ہوسکتیں، عبادت کے قابل اللہ کے سوا کوئی نہیں، بت بے علم وشعور ہیں اور کسی نفع وضرر کے مالک نہیں، یہ باتیں مشرکین کے گلے نہیں اتریں، وہ اس دعوت کو پاگل پن اور آپؐ کو دیوانہ کہنے لگے،

(۱) ما: موصولہ کی طرف عائد محذوف ہے أی یسطرونہ (۲) المفتون: اسم مفعول: فتنہ میں مبتلا کیا ہوا اور فَتَنَ الشيئَ فلانًا کے معنی ہیں: دیوانہ بنانا، پس مفتون کا ترجمہ مجنوں بھی کرتے ہیں۔

سورت کے شروع میں چار طرح سے اس کی تردید کی ہے۔

مسئلہ: قسم صرف اللہ کی اور اللہ کی صفات کی جائز ہے، غیر اللہ کی قسم جائز نہیں، حدیث میں اس کو شرک کہا ہے، یعنی کبیرہ گناہ قرار دیا ہے، اب سوال یہ ہے کہ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ کائناتی چیزوں کی قسمیں کیوں کھائی ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قسم کا روپ (صورت) ہے، حقیقت نہیں، قسم: بات کی تاکید کے لئے کھائی جاتی ہے، اور یہ قسمیں شہادت ہیں، ان کے بعد دعوی یا تو صراحۃً مذکور ہوتا ہے یا محذوف ہوتا ہے، اور آگے کی عبارت اس کا قرینہ ہوتی ہے، معارف القرآن شفیعی میں ہے: ''علماء نے فرمایا ہے کہ قرآنِ کریم میں حق تعالیٰ جس چیز کی قسم کھاتے ہیں وہ مضمون قسم پر ایک شہادت ہوتی ہے'' (۸:۵۳۱) یہ بات یاد رکھیں، آخری پاروں میں ایسی قسمیں بہت ہیں۔

قلم سے کونسا قلم مراد ہے؟ اس سورت کے شروع میں جو قلم کی قسم کھائی ہے: اس سے کونسا قلم مراد ہے؟ تین رائیں ہیں:

۱- تقدیر لکھنے والا قلم مراد ہے، عبد الواحد جو ضعیف راوی ہے کہتا ہے: میں مکہ پہنچا، میری ملاقات حضرت عطاء رحمہ اللہ سے ہوئی، میں نے کہا: اے ابو محمد! کچھ لوگ ہمارے یہاں (بصرہ میں) تقدیر میں گفتگو کرتے ہیں، یعنی تقدیر کا انکار کرتے ہیں، پس حضرت عطاء نے ولید سے، اور انھوں نے اپنے ابا حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا، اور اس سے کہا: لکھ! پس وہ چلی اس چیز کے ساتھ جو ابد تک ہونے والی ہے یعنی سب کچھ قلم تقدیر نے لکھ دیا (یہ حدیث ترمذی شریف ابواب القدر کے آخر (تحفہ ۵:۵۱۶) میں مفصل ہے) —— اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی تفسیر مروی ہے (درمنثور)

۲- فرشتوں کے قلم مراد ہیں جو انسانوں کے اعمال لکھتے ہیں، یا ملأ اعلی کے قلم مراد ہیں، جو معاملات الٰہی لکھتے ہیں۔

۳- انسانوں کے عام قلم مراد ہیں جو علوم و تاریخ انسانی کے واقعات لکھتے ہیں، اور جس کا ذکر ﴿عَلَّمَ بِالْقَلَمِ﴾ میں آیا ہے، یا انسانوں کے خاص قلم مراد ہیں جو ''سیرتِ نبوی'' رقم کرتے ہیں —— یہ آخری احتمال سب سے احسن ہے، آیتوں کے ساتھ زیادہ فٹ یہی احتمال ہے۔

چار طرح سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دیوانہ ہونے کی تردید

۱- سب سے پہلے سیرتِ نبوی لکھنے والے قلم کی شہادت پیش کی ہے، اپنوں نے اور پرایوں نے، نظم و نثر میں اتنا کچھ لکھا ہے اور لکھیں گے کہ ایک کتب خانہ تیار ہوگیا ہے، کیا کسی دیوانے کے اتنے سوانح (حالات) لکھے گئے ہیں؟ ابھی ماضی قریب میں ایک عیسائی نے تاریخ انسانیت کے: ''سو بڑے آدمی'' (The 100) نامی کتاب لکھی، اس میں اول نمبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا، جب وہ کتاب چھپی تو عیسائی دنیا میں کھلبلی مچ گئی، دوسرے ایڈیشن میں اس نے جواب دیا کہ میں نے

معیار یہ بنایا ہے کہ کس نے لوگوں کو کتنا متأثر کیا ہے؟ اور واقعہ یہ ہے کہ محمدؐ نے جتنا لوگوں کو متأثر کیا ہے اتنا کسی اور نے نہیں کیا، اس لئے میں نے ان کو ان کا صحیح مقام دیا ہے ـــــ دیوانہ تو بڑبڑاتا ہے، عقل وفہم کا پتلا ہی لوگوں پر اثر ڈالتا ہے:

آفاقہا گردیدہ ام، مہرِ بتاں ورزیدہ ام ❁ بسیار خوباں دیدہ ام، لیکن تو چیزے دیگری!

(دنیا گھوم چکا ہوں، محبوبوں کی محبت دیکھ چکا ہوں ❁ بہت خوبیوں والے دیکھے ہیں، مگر آپؐ کوئی اور ہی چیز ہیں!)

۲- دوسری آیت میں: ﴿ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ ﴾ بڑھا کر ایک اور دلیل دی ہے، جس شخص پر اللہ کی نعمت ورحمت ہو وہ مجنون کیسے ہوسکتا ہے؟ اس کو مجنون کہنے والا خود مجنون ہوتا ہے۔

۳- آپ ﷺ کا لایا ہوا دین دنیا کے آخر دن تک باقی رہے گا، ارشاد پاک ہے: ﴿ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ﴾: اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لئے پسند کرلیا یعنی قیامت تک تمہارا یہی دین رہے گا، اس کو منسوخ کر کے دوسرا دین تجویز نہیں کیا جائے گا (تھانویؒ) اور ارشادِ پاک ہے: ﴿ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴾: اور ہم نے آپؐ کے فائدے کے لئے آپؐ کا آوازہ بلند کیا، پس جب تک آپؐ کا لایا ہوا دین باقی رہے گا آپؐ کا ثواب جاری رہے گا: **الدالُّ علی الخیر کفاعله**، اور واقعہ یہ ہے:

اِک نامِ مصطفیٰ ہے جو بڑھ کر گھٹا نہیں ❁ ورنہ پنہاں ہر عروج میں زوال ہے

۴- اور نبی ﷺ بلند اخلاق اور اعلیٰ خوبیوں کے مالک تھے، ایسی بلندی پر تھے کہ کوئی کوہ پیما اس چوٹی کو سر نہیں کرسکا:

حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ، یدِ بیضا داری ❁ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

(یوسفؑ کی خوبصورتی، عیسیٰؑ کی پھونک، موسیٰؑ کے ہاتھ کی روشنی آپؐ رکھتے ہیں

جو خوبیاں متفرق طور پر لوگ رکھتے ہیں وہ آپؐ تنہا رکھتے ہیں)

بتاؤ! تاریخ انسانیت میں کوئی ایسی خوبیوں والا پاگل گذرا ہے؟ سو عنقریب دنیا دیکھ لے گی کہ دیوانہ کون ہے: آپؐ یا آپؐ کو دیوانہ کہنے والے؟ اور بے راہ کون ہے اور سیدھی راہ پر کون ہے؟ یہ بھی سامنے آجائے گا۔

آیاتِ کریمہ: ـــــ ن ـــــ یہ عربی حروفِ ہجاء کا پچیسواں حرف ہے، اس کی مراد اللہ ہی بہتر جانتے ہیں، قرآنِ کریم میں جو حروفِ مقطعات ہیں وہ آخری درجہ کے متشابہات ہیں، ان کے معانی سمجھنے کی سعی لاحاصل ہے ـــــ قلم کی اور ان تحریروں کی قسم جن کو لوگ لکھیں گے ـــــ یہ جنون کی نفی کی ایڈوانس دلیل ہے ـــــ آپؐ اپنے پروردگار کے فضل سے دیوانے نہیں ـــــ فرزانے (ہوشیار) ہیں، یہ نفی مع الدلیل ہے، جس پر اللہ کی نعمت ورحمت ہو وہ دیوانہ کیسے ہوسکتا ہے؟ ـــــ اور بے شک آپؐ کے لئے نہ ختم ہونے والا اجر ہے ـــــ اس میں اشارہ ہے کہ آپؐ کا لایا ہوا دین آخر تک رہے گا، اور کیا کسی پاگل کی تحریک دو دن بھی چلی ہے؟ یہ ایک بڑی دلیل ہے کہ آپؐ مجنون نہیں ـــــ اور بے شک آپؐ

اخلاق کے اعلیٰ رتبہ میں ہیں ـــــ اور کیا پاگل میں اخلاق ہوتے ہیں؟ ـــــ پس عنقریب آپ بھی دیکھ لیں گے اور وہ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں سے دیوانہ کون ہے؟ ـــــ بے شک آپ کا پروردگار اس شخص کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے ـــــ اور اللہ کے سچے اور عظیم رسول کو دیوانہ بتلا رہا ہے ـــــ اور وہ خوب جانتا ہے اس کو جو اس کی راہ پر چلنے والا ہے ـــــ یعنی آپ ﷺ کی دعوت کے نتائج جب سامنے آئیں گے تو سب کو نظر آ جائے گا کہ شیطان نے کس کی راہ ماری اور کون کامیابی کی منزل پر پہنچا۔

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۸﴾ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ﴿۹﴾ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ﴿۱۰﴾ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيْمٍ ﴿۱۱﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ﴿۱۲﴾ عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ﴿۱۳﴾ اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۱۴﴾ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۵﴾ سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ﴿۱۶﴾

فَلَا تُطِعِ	پس نہ کہا مانیں آپ	هَمَّازٍ	بہت طعنے دینے والے کا	بَعْدَ ذٰلِكَ	اس کے بعد
الْمُكَذِّبِيْنَ	جھٹلانے والوں کا	مَّشَّآءٍ	بہت چلنے والے کا	زَنِيْمٍ	بدنام کا
وَدُّوْا	چاہتے ہیں وہ	بِنَمِيْمٍ	چغلی کے ساتھ	اَنْ كَانَ	اس وجہ سے کہ وہ
لَوْ تُدْهِنُ[1]	اگر ڈھیلے پڑیں آپ	مَّنَّاعٍ	بہت روکنے والے کا	ذَا مَالٍ	مال والا
فَيُدْهِنُوْنَ	تو ڈھیلے پڑیں وہ	لِّلْخَيْرِ	بھلے کاموں سے	وَّبَنِيْنَ	اور بیٹوں والا ہے
وَلَا تُطِعْ	اور نہ کہا مانیں آپ	مُعْتَدٍ	حد سے بڑھنے والے کا	اِذَا تُتْلٰى	جب پڑھی جاتی ہیں
كُلَّ حَلَّافٍ[2]	بہت قسمیں کھانے والے کا	اَثِيْمٍ	بڑے گنہگار کا	عَلَيْهِ	اس کے سامنے
مَّهِيْنٍ	بے قدر کا	عُتُلٍّ	اجڈ کا	اٰيٰتُنَا	ہماری آیتیں

(۱) أَدْهَنَ في الأمر: ڈھیلا پڑنا، نرمی برتنا (۲) حَلَّاف: صیغۂ مبالغہ...... مهين: صفتِ مشبہ، مَهُنَ (ک) حقیر ہونا...... هَمَّاز: صیغۂ مبالغہ، هَمَزَه (ض، ن) هَمْزًا: عیب لگانا، طعنہ دینا...... مشاء: صیغۂ مبالغہ: بہت چلنے والا...... مَشٰى بالنميمة: چغلی لگانا...... مَنَّاع: اسم مبالغہ، بہت روکنے والا...... معتد: اسم فاعل، اعتدى عن الحق: حق سے ہٹنا...... أثيم: فعيل: برائے مبالغہ: بڑا گنہگار، أَثِمَ (س) إِثْمًا: گناہ کرنا...... عُتُلّ: صیغہ صفت: سخت بدمزاج، اجڈ، عَتَلَهٗ (ض) سختی سے گھسیٹنا...... زنیم: صفتِ مشبہ: بدنام، حرامی، زَنَمَ الشاةَ: بکری کے کان کا ایک حصہ کاٹ کر لٹکا ہوا چھوڑ دینا۔

قَالَ	(تو) کہتا ہے وہ:	الْاَوَّلِيْنَ	اگلوں کی	عَلَى الْخُرْطُوْمِ(۳)	سونڈ پر!
اَسَاطِيْرُ(۱)	جھوٹی داستانیں ہیں	سَنَسِمُهٗ(۲)	ابھی داغ دیں گے ہم اسکی	۞	۞

مشرکین نبی ﷺ کو دیوانہ کیوں کہتے تھے؟

مشرکین نبی ﷺ کو جو کائنات میں سب سے زیادہ فرزانے تھے دیوانہ اس لئے کہتے تھے کہ وہ اپنے ریوڑ (عوام) کو آپؐ سے دور رکھنا چاہتے تھے، لوگ آپؐ سے قریب ہونگے تو متأثر ہونگے اور ایمان لائیں گے، جیسے بدعتی: جب اہل حق ان کی مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے جاتے ہیں وہ مسجد کو دھوتے ہیں، اور کتّا گھس جائے تو نہیں دھوتے، درحقیقت وہ چاہتے ہیں کہ ان کے عوام اہل حق سے قریب نہ ہوں، اس لئے دلوں میں اہل حق کی نفرت بٹھانے کے لئے وہ مسجد دھوتے ہیں، اسی طرح مشرکین نبی ﷺ کو پاگل کہہ کر بدنام کرتے تھے، تاکہ ان کے عوام آپؐ سے قریب نہ ہوں۔

البتہ اگر اہل حق ڈھیلے پڑ جائیں اور بدعتیوں کی ہاں میں ہاں ملائیں تو وہ ان کو گلے لگائیں گے، اس لئے فرماتے ہیں: آپؐ ان کی بات کا اثر قبول نہ کریں، اپنی بات پر مضبوط رہیں۔

﴿فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ○ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ○﴾

ترجمہ: پس آپؐ ان تکذیب کرنے والوں کی نہ سنیں ـــــ ان کی بکواس سے دل گیر نہ ہوں ـــــ وہ تو چاہتے ہیں کہ آپؐ ڈھیلے پڑیں ـــــ یعنی مورتیوں کی نسبت اپنا رویہ بدل دیں ـــــ تو وہ بھی ڈھیلے پڑیں ـــــ یعنی پھر آپؐ ان کو بھانے لگیں گے، آپ عقلمند ہو جائیں گے، اور وہ آپؐ کے قریب آئیں گے، مگر ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟

نبی ﷺ کو دیوانہ کون کہتا ہے؟

چھلنی کہتی ہے جس میں ستّر سوراخ ہوتے ہیں!

مکہ میں ایک شخص تھا، مالدار اور جتھے والا، ولید بن مغیرہ اس کا نام لکھتے ہیں، وہ بدنام زمانہ اور عیوب کی پوٹ تھا، لوگوں میں اس کی چار پیسے کی وقعت نہیں تھی، مال اور اولاد کے ذریعہ رعب جماتا تھا، سورۃ المدثر آیت گیارہ اور اس کے بعد کی آیات میں بھی اس کا ذکر ہے، وہ نبی ﷺ کے بارے میں کہتا پھرتا تھا کہ یہ شخص پاگل ہے، اس سے بچو! جبکہ وہ خود برائیوں کا پلندہ تھا، قرآن نے اس کے نو عیوب ذکر کئے ہیں: ۱- وہ بات بات میں قسم کھاتا تھا، ایسا شخص جھوٹا ہوتا ہے ۲- لوگوں میں اس کی کچھ وقعت نہیں تھی ۳- عزت داروں کو طعنے دیتا تھا ۴- لگائی بجھائی اس کا مشغلہ تھا ۵- بھلے کاموں

(۱) أُسطورۃ کی جمع: مذہبی جھوٹی داستان (۲) نَسِمُ: ہم نشان لگائیں گے، مضارع، جمع متکلم وَسَمَه (ض) وَسْمًا وسِمَةً: داغ لگانا (۳) خرطوم: جمع خَرَاطِيم: درندہ کی ناک، اور زیادہ تر اس کا اطلاق ہاتھی اور خنزیر کی ناک پر ہوتا ہے۔

سے لوگوں کو روکتا تھا ۶- شرارتوں میں حد سے بڑھا ہوا تھا ۷- گناہوں کا ارتکاب کرتا تھا ۸- اجڈ اور سخت مزاج تھا ۹- اور بدنام (حرامی) بھی تھا، وہی آپ گو بدنام کرتا تھا۔

وہ یہ حرکت کیوں کرتا تھا؟ اس وجہ سے کہ وہ مال دار اور اولاد والا تھا، کہتے ہیں: اس کے دس لڑکے تھے، اور سب مجلس مشاورت کے ممبر تھے، ان کے ذریعہ لوگوں پر دھونس بٹھاتا تھا، جب نبی ﷺ اس کو قرآن سناتے تو وہ اس کو اگلوں سے منقول مذہبی جھوٹی داستانیں قرار دیتا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''ہم عنقریب اس کی سونڈ (ناک) پر داغ لگائیں گے'' جس سے وہ اور بدنام ہوگا، جَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا!

﴿ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ۝ هَمَّازٍ مَّشَّاۗءٍۢ بِنَمِيْمٍ ۝ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝ عُتُلٍّۢ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ۝ اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ ۝ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ۝ ﴾

ترجمہ: اور آپ اس شخص کی بات نہ مانیں جو: (۱) بہت زیادہ قسمیں کھانے والا (۲) بے وقعت (۳) طعنہ دینے والا (۴) چغلیاں کھانے والا (۵) نیک کاموں سے روکنے والا (۶) سرکشی میں حد سے گذرنے والا (۷) گناہوں کا ارتکاب کرنے والا (۸) اجڈ (سخت مزاج) ہے (۹) اور ان (عیوب) کے علاوہ وہ بدنام (حرامی) بھی ہے، بایں سبب (وہ یہ حرکت کرتا ہے) کہ وہ مال والا اور اولاد والا ہے، جب ہماری آیتیں اس کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے: اگلوں سے منقول بے سند باتیں ہیں! ہم عنقریب (دنیا میں یا آخرت میں) اس کی سونڈ پر داغ لگائیں گے!

اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۚ اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ۝ وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ ۝ فَطَافَ عَلَيْهَا طَاۗىِٕفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَاۗىِٕمُوْنَ ۝ فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ ۝ فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ ۝ اَنِ اغْدُوْا عَلٰي حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ ۝ فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ۝ اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ ۝ وَّغَدَوْا عَلٰي حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْٓا اِنَّا لَضَاۗلُّوْنَ ۝ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ۝ قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰي بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ۝ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ۝ عَسٰى رَبُّنَآ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ۝ كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ

أَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝۳۳

إِنَّا بَلَوْنٰهُمْ	بیشک ہم نے ان کو آزمایا	مُصْبِحِيْنَ	صبح کے وقت	إِنَّا لَضَآلُّوْنَ	بیشک ہم راستہ بھول گئے
كَمَا بَلَوْنَآ	جس طرح ہم نے آزمایا	أَنِ اغْدُوْا	کہ سویرے چلو تم	بَلْ نَحْنُ	بلکہ ہم
أَصْحٰبَ الْجَنَّةِ	باغ والوں کو	عَلٰى حَرْثِكُمْ	اپنے کھیت پر	مَحْرُوْمُوْنَ	محروم ہیں
إِذْ أَقْسَمُوْا	جب قسمیں کھائیں انھوں نے	إِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم	قَالَ	کہا
لَيَصْرِمُنَّهَا(۱)	کہ ضرور پھل توڑیں	صٰرِمِيْنَ	پھل توڑنے والے	أَوْسَطُهُمْ(۵)	ان کے بہتر نے
	گے وہ اس کا	فَانْطَلَقُوْا	پس چلے وہ	أَلَمْ أَقُلْ	کیا نہیں کہا تھا میں نے
مُصْبِحِيْنَ(۲)	صبح کے وقت	وَهُمْ	درانحالیکہ وہ	لَّكُمْ	تم سے
وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ	اور ان شاء اللہ نہیں کہا	يَتَخَافَتُوْنَ	چپکے چپکے باتیں کر رہے تھے	لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ	کیوں نہیں پاکی بیان
	انھوں نے	أَنْ لَّا	کہ نہ		کرتے تم
فَطَافَ عَلَيْهَا	پس اس پر گھما	يَدْخُلَنَّهَا	داخل ہو باغ میں	قَالُوْا	کہا انھوں نے
طَآئِفٌ	ایک گھومنے والا	الْيَوْمَ	آج	سُبْحٰنَ	پاک ہیں
مِّنْ رَّبِّكَ	تیرے رب کی طرف سے	عَلَيْكُمْ	تمہارے پاس	رَبِّنَآ	ہمارے پروردگار!
وَهُمْ	درانحالیکہ وہ	مِّسْكِيْنٌ	کوئی غریب	إِنَّا كُنَّا	بے شک تھے ہم
نَآئِمُوْنَ	سوئے ہوئے تھے	وَّغَدَوْا	اور سویرے چلے وہ	ظٰلِمِيْنَ	قصوروار
فَأَصْبَحَتْ	پس صبح میں ہو کر رہ گیا وہ	عَلٰى حَرْدٍ(۴)	روکنے (نہ دینے پر)	فَأَقْبَلَ	پس متوجہ ہوا
كَالصَّرِيْمِ(۳)	پھل توڑے ہوئے	قٰدِرِيْنَ	قادر ہو کر	بَعْضُهُمْ	ان کا بعض
	درخت کی طرح	فَلَمَّا رَأَوْهَا	پس جب دیکھا انھوں	عَلٰى بَعْضٍ	بعض کی طرف
فَتَنَادَوْا	پس ایک دوسرے کو		نے اس کو	يَّتَلَاوَمُوْنَ	ملامت کر رہے ہیں وہ
	پکارا انھوں نے	قَالُوْٓا	کہا انھوں نے		ایک دوسرے کو

(۱) لیصرِمُن: مضارع، لام تاکید بانون تاکید ثقیلہ، صیغہ جمع مذکر غائب، صَرَمَ النخلَ: پھل توڑنا (۲) مصبحین: فاعل سے حال ہے (۳) صریم: فعیل بمعنی اسم مفعول: کاٹا ہوا (۴) علی حرد: قادرین سے متعلق ہے، اور حرد کے معنی ہیں: روکنا، نہ دینا (تھانویؒ) (۵) أوسط: درمیانی یعنی افضل۔

قَالُوْا	کہا انھوں نے	خَیْرًا مِّنْهَآ	اس باغ سے بہتر	وَلَعَذَابُ	اور البتہ سزا
يٰوَيْلَنَآ	ہائے کم بختی ہماری!	اِنَّآ	بے شک ہم	الْاٰخِرَةِ	آخرت کی
اِنَّا كُنَّا	بے شک تھے ہم	اِلٰى رَبِّنَا	اپنے رب کی طرف	اَكْبَرُ	(اس سے) بڑی ہے
طٰغِيْنَ	حد سے بڑھنے والے	رٰغِبُوْنَ	رغبت کرنے والے ہیں	لَوْ كَانُوْا	کاش ہوتے وہ
عَسٰى رَبُّنَآ	ہوسکتا ہے ہمارا پروردگار	كَذٰلِكَ	یوں	يَعْلَمُوْنَ	جانتے
اَنْ يُّبْدِلَنَا	کہ بدل دے ہمیں	الْعَذَابُ	آفت آتی ہے	❁	❁

اللہ تعالیٰ نے مشرکینِ مکہ کو خوش حالی سے آزمایا

سنتِ الٰہی یہ ہے کہ جب کسی قوم میں کوئی نبی مبعوث کیا جاتا ہے، اور قوم مخالفت پر کمر بستہ ہوجاتی ہے تو پہلے ان کو تنگ حالی سے آزمایا جاتا ہے، پھر اگر وہ سیدھے نہیں ہوتے تو تنگ حالی کو خوش حالی سے بدل دیا جاتا ہے، اس پر بھی شکر گذار نہیں ہوتے تو عذابِ الٰہی آتا ہے، سورۃ الاعراف کی (آیات ۹۴و۹۵) ہیں:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ۝ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ۝﴾

ترجمہ: اور ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی نہیں بھیجا مگر وہاں کے رہنے والوں کو ہم نے محتاجی اور بیماری میں نہ پکڑا ہو، تاکہ وہ ڈھیلے پڑ جائیں() پھر ہم نے اس بدحالی کی جگہ خوش حالی بدل دی، یہاں تک کہ ان کو خوب ترقی ہوئی، اور وہ (خوش فہمی سے) کہنے لگے کہ ہمارے آبا وَاجداد کو بھی تنگی اور راحت پیش آئی تھی، پس ہم نے ان کو دفعۃً پکڑ لیا، اور ان کو خبر بھی نہ تھی! (تھانویؒ)

مگر مکہ کے مشرکین کے ساتھ — جب انھوں نے نبی ﷺ کی دعوت کی مخالفت کی — برعکس معاملہ فرمایا، پہلے ان کو خوش حالی سے آزمایا، جب وہ ایمان نہیں لائے اور مخالفت تیز کردی تو نبی ﷺ نے ان کے لئے بددعا کی: اللّٰھم! سِنِیْنَ کَسِنِیْنِ یُوْسُفَ: الٰہی! ان پر یوسف علیہ السلام کے زمانے جیسا سات سالہ قحط مسلط فرما! چنانچہ ہجرت کے بعد سخت قحط پڑا، مردار، چمڑے اور ہڈیاں کھانے کی نوبت آئی، فضا میں دھواں نظر آنے لگا، ابوسفیان مدینہ آیا، اور ناتے کا واسطہ دے کر دعا کی درخواست کی، آپؐ نے دعا فرمائی اور لوگ نہال ہوگئے، اس سورت میں جو ابتدائی دور کی ہے یہ مضمون ایک مثال کے ذریعہ سمجھایا ہے: گفتہ آید درحدیثِ دیگراں! اور آخر میں اشارہ کیا ہے کہ اگر مشرکین سنبھل جائیں اور ایمان لے

آئیں تو ان کی خوش حالی باقی رہے گی، جیسے باغ والے اللہ کی طرف رجوع ہوئے تو اللہ نے ان کو بہتر باغ اور کھیت عنایت فرمائے، ورنہ ان پر اچانک آفت آئے گی۔

باغ والوں کا واقعہ: یمن میں ایک نیک آدمی تھا، اللہ نے اس کو بڑا باغ اور اس میں کھیتی کی زمین دی تھی، اس کا معمول تھا کہ جب باغ اترتا اور کھیت کٹتا تو وہ غریبوں اور مسکینوں کو نوازتا، اس کے انتقال کے بعد اس کے بیٹے وارث ہوئے، ان کی نیت بگڑی، انھوں نے سوچا: غریب غرباء کیوں لے جائیں، ہمیں سب کیوں نہ رکھ لیں! چنانچہ جب باغ اور کھیت کے کٹنے کا وقت آیا اور مساکین امید باندھے بیٹھے تھے کہ انھوں نے رات میں مشاورت کی کہ صبح جلدی چلو، اور غریبوں کو بھنک نہ پڑے اس طرح باغ اور کھیت کاٹ لاؤ، اور ایسا پکا پلان بنایا کہ ان شاء اللہ کہنے کی بھی ضرورت محسوس نہ کی، پھر صبح سویرے ایک دوسرے کو اٹھایا، اور سب چپکے چپکے باتیں کرتے ہوئے چلے تا کہ مساکین جاگ نہ جائیں کہ آج کسی غریب کو موقع ہی نہ دو کہ آدھمکے!

اُدھر رات میں باغ اور کھیت پر کوئی آفت آئی، بگولا آیا اس نے سب کچھ خاکستر کر دیا، جب وہ لوگ موقع پر پہنچے تو وہاں سنسان میدان پایا، پہلے تو انھوں نے سمجھا: ہم راستہ بھول کر غلط جگہ آگئے، پھر گرد ونواح میں غور کیا تو کہنے لگے: ہماری قسمت پھوٹی! سب کچھ برباد ہو گیا! اس موقع پر جو نسبۃً اچھا بھائی تھا: اس نے کہا: میں نے رات میں مشورے کے وقت کہا نہ تھا کہ ایسا مت سوچو! غریبوں کا حق مارنا اچھا نہیں! اور اب اللہ کی پاکی کیوں بیان نہیں کرتے کہ یہ اللہ نے ظلم نہیں کیا، ہمارے لچھّن (کرتوت) کی سزا ہے۔ پھر سب بھائی ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے، اور سب نے اپنے جرم کا اعتراف کیا، تو اللہ نے ان کو اس سے بہتر باغ اور کھیت دیا۔

اور اس میں مشرکین کے لئے اشارہ ہے کہ تم بھی اگر اپنی خوش حالی پر شکر بجالاؤ گے تو تمہاری خوب چاندی ہوگی، ورنہ اچانک آفت آئے گی اور تم کفِ افسوس ملتے رہ جاؤ گے، اور آخرت کا عذاب جو تمہارے سروں پر منڈلا رہا ہے وہ تو اس سے کہیں زیادہ بڑا ہے، کاش تم سمجھو!

آیاتِ پاک: ـــــ ہم نے ان (مکہ والوں) کی آزمائش کی ـــــ اور ان کو خوش حال اور نہال کیا ـــــ جیسے باغ والوں کی آزمائش کی، جب ان لوگوں نے باہم قسمیں کھائیں ـــــ یعنی پکا پلان بنایا ـــــ کہ وہ ضرور باغ کا پھل صبح چل کر توڑ لیں گے! اور انھوں نے ان شاء اللہ نہیں کہا ـــــ کیونکہ ان کو اپنے پلان کی کامیابی کا یقین تھا، اس لئے انھوں نے ان شاء اللہ کہنے کی ضرورت نہیں سمجھی!

ایک واقعہ: ایک شخص جیب میں دس ہزار روپے ڈال کر پینٹھ میں گھوڑا خریدنے چلا، راستہ میں ایک دوست ملا، پوچھا: کہاں جا رہے ہو؟ کہا: پینٹھ میں گھوڑا خریدنے جا رہا ہوں، دوست نے کہا: ان شاء اللہ کہہ لو، کہنے لگا: جیب میں پیسے ہیں،

بازار میں گھوڑا ہے، ان شاء اللہ کی کیا ضرورت ہے!

خیر! پینٹھ میں پہنچا، بھیڑ میں جیب کٹ گئی، گھوڑے کا سودا کیا، جیب میں ہاتھ ڈالا تو آر پار! مجبوراً سودا ختم کر کے گھر لوٹا، راستہ میں اور دوست ملا، پوچھا: کہاں سے آرہے ہو؟ کہنے لگا: ان شاء اللہ گھر سے چلا تھا، ان شاء اللہ دس ہزار روپے جیپ میں ڈالے تھے، ان شاء اللہ پینٹھ میں پہنچ کر گھوڑے کا سودا کیا، ان شاء اللہ پیسوں کے لئے جیب میں ہاتھ ڈالا ان شاء اللہ جیب کٹ چکی تھی، اس لئے ان شاء اللہ اب گھر جارہا ہوں! اب ان شاء اللہ کی قدر معلوم ہوئی۔

پس اس باغ پر ایک پھرنے والا پھر گیا آپ کے پروردگار کی طرف سے —— رات کو بگولا اٹھا، آگ لگی یا اور کوئی آفت آئی، اور سب کھیت اور باغ صاف ہوگیا —— اور وہ سورہے تھے، پس صبح کو وہ باغ ایسا ہوگیا جیسے کٹا ہوا کھیت، پس وہ صبح کے وقت ایک دوسرے کو پکارنے لگے کہ اپنے کھیت پر سویرے چلو: اگر تمہیں پھل توڑنا ہے —— پس وہ لوگ آپس میں چپکے چپکے باتیں کرتے ہوئے چلے کہ آج تم تک کوئی محتاج نہ آنے پائے! اور خود کو نہ دینے پر قادر سمجھ کر چلے! پھر جب اس باغ کو دیکھا تو کہنے لگے: واقعی ہم راستہ بھول گئے، بلکہ ہماری قسمت پھوٹی!

ان میں جو اچھا آدمی تھا اس نے کہا: کیا میں نے تم سے کہا نہ تھا! —— کہ ایسی بات مت سوچو؟ اب —— تم اللہ کی پاکی کیوں بیان نہیں کرتے! —— کہ یہ اللہ نے ظلم نہیں کیا بلکہ ہماری حرکت کی سزا ہے —— سب نے کہا: ہمارا پروردگار پاک ہے، بے شک ہم قصوروار ہیں —— یہ سب نے توبہ کی —— پھر ایک دوسرے کو الزام دینے لگے —— ناکامی کے وقت ایک دوسرے کو الزام دینے کا معمول ہے —— انھوں نے کہا: بے شک ہم حد سے نکلنے والے تھے —— یعنی سب نے اپنے قصور کا اعتراف کیا —— ہوسکتا ہے ہمارا پروردگار ہمیں اس کے بدلے میں اس سے اچھا باغ دیدے، بے شک ہم اپنے پروردگار کی طرف رجوع ہوتے ہیں —— یہ ان بھائیوں نے اللہ تعالیٰ سے امید باندھی، اور یہی ان کی دعا تھی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی امید پوری کی، اور ان کو بہتر باغ دیا۔

مشرکین سے خطاب: —— (دنیا میں) عذاب اسی طرح آتا ہے، اور آخرت کا عذاب (اس سے) بڑا ہے، کیا خوب ہوتا جو وہ لوگ سمجھتے! —— اور متقیوں کا انجام آگے آرہا ہے۔

إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيمِ ﴿۳۴﴾ أَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ ﴿۳۵﴾ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ﴿۳۶﴾ أَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيهِ تَدْرُسُونَ ﴿۳۷﴾ إِنَّ لَكُمْ فِيهِ لَمَا تَخَيَّرُونَ ﴿۳۸﴾ أَمْ لَكُمْ أَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ إِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُونَ ﴿۳۹﴾

سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيْمٌ ﴿٤٠﴾ اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ ۚ فَلْيَاْتُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿٤١﴾

اِنَّ	بے شک	فِيْهِ	جس میں	لَمَا	البتہ وہ ہے جو
لِلْمُتَّقِيْنَ	پرہیزگاروں کے لئے	تَدْرُسُوْنَ	تم پڑھتے ہو	تَحْكُمُوْنَ	تم فیصلہ کرتے ہو
عِنْدَ رَبِّهِمْ	ان کے رب کے پاس	اِنَّ لَكُمْ	(کہ) بیشک تمہارے لئے	سَلْهُمْ	پوچھو ان سے
جَنّٰتِ	باغات ہیں	فِيْهِ	اس (کتاب) میں	اَيُّهُمْ	ان میں سے کون
النَّعِيْمِ	نعمتوں کے	لَمَا	البتہ وہ ہے جو	بِذٰلِكَ	اس کا
اَفَنَجْعَلُ	کیا پس گردانیں گے ہم	تَخَيَّرُوْنَ	پسند کرتے ہو تم	زَعِيْمٌ	ذمہ دار ہے
الْمُسْلِمِيْنَ	فرمان برداروں کو	اَمْ لَكُمْ	یا تمہارے لئے	اَمْ لَهُمْ	یا ان کے لئے
كَالْمُجْرِمِيْنَ	گنہگاروں کی طرح	اَيْمَانٌ	کوئی عہد و پیمان ہے	شُرَكَآءُ	ساجھی ہیں
مَا لَكُمْ	تمہیں کیا ہوا	عَلَيْنَا	ہمارے ذمے	فَلْيَاْتُوْا	پس چاہئے کہ لائیں وہ
كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ	کیسے فیصلے کرتے ہو	بَالِغَةٌ	پہنچنے والا	بِشُرَكَآئِهِمْ	اپنے ساجھیوں کو
اَمْ لَكُمْ	یا تمہارے لئے	اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ	قیامت کے دن تک	اِنْ كَانُوْا	اگر ہوں وہ
كِتٰبٌ	کوئی کتاب ہے	اِنَّ لَكُمْ	(کہ) بیشک تمہارے لئے	صٰدِقِيْنَ	سچے

متقیوں کا انجام اور مشرکوں کی خام خیالی

قرآنِ کریم کفار و مشرکین کا انجام بیان کرنے کے بعد، متقیوں کا انجام بیان کرتا ہے، اور یاد ہوگا کہ یہ سورت ابتدائی دور کی ہے، اس وقت کفار مکہ کو خوش حالی سے آزمایا جارہا تھا، فرماتے ہیں: تم دنیا کے باغ و بہار پر کیا رِیجھ رہے ہو: آخرت میں کفر و شرک سے بچنے والوں کے لئے باغات ہونگے جو تمہاری موجودہ حالت سے کہیں بہتر ہونگے، جن میں ہر قسم کی نعمتیں ہونگی۔

﴿اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٣٤﴾﴾

ترجمہ: بے شک پرہیزگاروں کے لئے ان کے رب کے پاس — یعنی آخرت میں — نعمتوں کے باغات ہیں!

مشرکین کی خام خیالی: مشرکوں کے دماغ میں یہ بھوسا بھرا ہوا تھا کہ اگر قیامت کے دن مسلمانوں پر عنایت ہوگی تو ہم پر ان سے بہتر اور بڑھ کر ہوگی، اور جس طرح دنیا میں ہم کو اللہ نے عیش و رفاہیت میں رکھا ہے: وہاں بھی یہی معاملہ

رہے گا، اس کو فرماتے ہیں کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ وفادار غلام اور مجرم باغی کبھی برابر ہوسکتے ہیں؟ ایسا ہو تو خالی مونگ پھلی اور گری والی مونگ پھلی برابر ہوگئیں! اس کو عقلِ سلیم اور فطرت صحیحہ رد کرتی ہے —— پھر کیا کوئی نقلی دلیل تمہارے خیال کی تائید میں ہے؟ کیا کسی آسمانی کتاب میں تم یہ بات پڑھتے ہو کہ جو تم اپنے لئے پسند کروگے وہی تمہیں ملے گا؟ اور تمہاری خواہشات پوری کی جائیں گی —— اور اللہ نے اس دنیا میں تو سب کو روزی پہنچانے کا وعدہ کیا ہے: پس کیا آخرت میں بھی اس کا وعدہ ہے؟ جو ایسا دعوی کرتا ہے وہ اس کو ثابت کرے —— اور اگر مشرکین اس خیال میں ہیں کہ ان کے دیوتا ان کا کلیان (صاحبِ اقبال) کریں گے تو بلالائیں ان کو اور اپنی من مانی کاروائی کرادیں، لیکن یاد رکھیں! وہ عابدوں سے بھی زیادہ عاجز اور بے بس ہیں، وہ ان کی کیا مدد کریں گے، خود اپنی مدد نہیں کرسکتے۔

آیاتِ پاک: —— پس کیا ہم فرماں برداروں کو (آخرت میں) نافرمانوں کے برابر کردیں گے؟ تمہیں کیا ہوا: تم کیسے فیصلے کرتے ہو؟ کیا تمہارے پاس کوئی آسمانی کتاب ہے جس میں تم پڑھتے ہو کہ بالیقین تمہارے لئے اس (کتاب) میں وہ چیز (لکھی) ہے جس کو تم پسند کرتے ہو؟ یا تمہارے لئے ہمارے ذمہ کچھ قسمیں چڑھی ہوئی ہیں، جو قیامت کے دن تک پہنچنے والی ہیں کہ تمہیں (آخرت میں) وہ چیز ملے گی جس کا تم فیصلہ کررہے ہو، ان سے پوچھو: ان میں سے کون اس کا ذمہ دار ہے؟ کیا ان کے کچھ ساجھی ہیں؟ پس پیش کریں وہ اپنے ساجھیوں کو اگر وہ سچے ہیں۔

تفسیر: قسمیں چڑھی ہوئی ہیں: یعنی تم نے اللہ پر واجب کررکھا ہے، اس دنیا میں تو اللہ نے خود اپنے ذمہ رزق رسانی واجب کی ہے: ﴿ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا ﴾ رہا آخرت کا معاملہ تو وہاں کفار سے اللہ نے کوئی وعدہ نہیں کیا کہ ان کو آخرت میں بھی نعمتیں دیں گے، قیامت کے دن تک پہنچنے والی: کا یہی مطلب ہے۔

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۴۲﴾ خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾

يَوْمَ	جس دن	فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ	پس وہ طاقت نہیں رکھیں گے	وَقَدْ كَانُوْا	اور تحقیق تھے وہ
يُكْشَفُ	کھولی جائے گی	خَاشِعَةً	جھکی ہوئی ہونگی	يُدْعَوْنَ	بلائے جاتے تھے
عَنْ سَاقٍ	پنڈلی	أَبْصَارُهُمْ	ان کی نگاہیں	إِلَى السُّجُوْدِ	سجدوں کی طرف
وَّيُدْعَوْنَ	اور وہ بلائے جائیں گے	تَرْهَقُهُمْ	چھائی ہوئی ہوگی ان پر	وَهُمْ	درانحالیکہ وہ
إِلَى السُّجُوْدِ	سجدہ کرنے کی طرف	ذِلَّةٌ	رسوائی	سٰلِمُوْنَ	صحیح سلامت تھے

میدانِ قیامت میں حق تعالیٰ ساق کی تجلی ظاہر فرمائیں گے

حق تعالیٰ میدانِ قیامت میں اپنی ساق (پنڈلی) کھولیں گے یعنی معمولی تجلی فرمائیں گے اور اہل محشر کو سجدہ کرنے کی دعوت دیں گے اس وقت تمام مؤمنین ومؤمنات سجدہ میں گر پڑیں گے، مگر اعتقادی منافقین اور کفار کی کمر نہیں مڑے گی، ان کی کمر تختہ سی ہو کر رہ جائے گی، محشر میں ایسا اس لئے کیا جائے گا کہ مؤمن وکافر اور مخلص ومنافق صاف طور پر کھل جائیں، اور ہر ایک کی اندرونی حالت حسّی طور پر مشاہد ہو جائے۔

اس دن منافقین وکفار کی ندامت وشرمندگی دیکھی نہیں جائے گی، ان کے چہروں پر بولیٹ (سیاہی) برس رہی ہوگی، کیونکہ دنیا میں ان کو سجدہ کا حکم دیا گیا تھا جبکہ وہ صحیح سالم تھے، اپنے اختیار سے سجدہ کر سکتے تھے، مگر کبھی اخلاص سے سجدہ نہیں کیا، اس کا اثر یہ ہوا کہ استعداد ہی ختم ہوگئی، اب وہ چاہتے ہوئے بھی سجدہ نہیں کر سکے۔

آیاتِ پاک: —— جس دن پنڈلی کھولی جائے گی، اور وہ (کفار) سجدہ کرنے کے لئے بلائے جائیں گے: پس وہ سجدہ نہ کر سکیں گے، ان کی نظریں جھکی ہوئی ہونگی، ان پر رسوائی چھائی ہوئی ہوگی، وہ لوگ سجدے کرنے کے لئے (دنیا میں) بلائے جاتے تھے درانحالیکہ وہ صحیح سالم تھے۔

فائدہ: ساق (پنڈلی) ید (ہاتھ) اور وجہ (چہرہ) کی طرح صفتِ متشابہ ہے، اور صفاتِ متشابہات کے بارے میں سلف کا مذہب تنزیہ مع التفویض ہے، پس اس کو ماننا اور اس کی کیفیت کو اللہ کے حوالے کرنا ضروری ہے، اور اس کی تاویل 'معمولی تجلی' ہے، اور اس کی شرح بخاری شریف کی حدیث میں ہے:

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: "ہمارے پروردگار اپنی پنڈلی کھولیں گے، پس سجدہ کرے گا اس کو ہر مؤمن مرد وزن، اور باقی رہ جائے گا وہ شخص جو دنیا میں دکھانے اور سنانے کے لئے سجدہ کرتا تھا، یعنی منافق، وہ سجدہ کرنا چاہے گا، پس ہو جائے گی اس کی پیٹھ ایک تختہ!

تشریح: پنڈلی اللہ کی صفت ہے ہاتھ اور چہرے کی طرح، اس کی حقیقت اللہ ہی جانتے ہیں، اور سمجھانا یہ ہے کہ اس خاص تجلی کے ظہور کے وقت سب سجدہ میں گر پڑیں گے، مگر کافروں اور منافقوں کی کمر اکڑ کر رہ جائے گی، وہ ون پیس تختہ کے مانند ہو جائے گی، اس وقت مؤمن وکافر، اور مؤمن ومنافق کا فرق کھل جائے گا۔

فَذَرْنِيْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ ؕ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَ اُمْلِيْ لَهُمْ ؕ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۴۵﴾

فَذَرْنِیْ	پس چھوڑ دے مجھے	سَنَسْتَدْرِجُهُمْ	بتدریج پکڑ رہے ہیں	وَ اُمْلِیْ	اور ڈھیل دے رہا ہوں میں
وَمَنْ	اور اس کو جو		ہم ان کو	لَهُمْ	ان کو
یُّكَذِّبُ	جھٹلاتا ہے	مِّنْ حَیْثُ	ایسی جگہ سے	اِنَّ كَیْدِیْ	بے شک میری تدبیر
بِهٰذَا الْحَدِیْثِ	اس بات (قرآن) کو	لَا یَعْلَمُوْنَ	(کہ) نہیں جانتے وہ	مَتِیْنٌ	بڑی مضبوط ہے

اللہ کی لاٹھی میں آواز نہیں

مکہ کے مشرکین کو عذاب ہونا تو یقینی ہے، مگر جو تھوڑی دیر ہو رہی ہے وہ آپؐ کے لئے باعثِ تشویش نہ ہو، اللہ تعالیٰ گناہ کی سزا اس طرح دیتے ہیں کہ مجرم کو گمان بھی نہیں ہوتا، آپؐ ان کا معاملہ میرے حوالے کریں، میں خود ان سے نمٹ لونگا، میں ان کو اس طرح آہستہ آہستہ دوزخ کی طرح لے جاؤں گا کہ ان کو پتہ بھی نہیں چلے گا، رسّی ڈھیلی چھوڑ تا رہونگا، وہ اپنی حالت پر مگن ہونگے کہ میرا عذاب ان کو آ پکڑے گا، میری تدبیر ایسی پکی ہے کہ کوئی اس کا توڑ نہیں کرسکتا، یہ ایک پیشین گوئی ہے جو اسلام کی ابتدا میں کی گئی، اس کا ظہور ہجرت کے بعد بدر وغیرہ میں ہوا۔

آیاتِ پاک: پس چھوڑ دے مجھے اور ان لوگوں کو جو اس کلام کو جھٹلاتے ہیں، ہم ان کو آہستہ آہستہ لے جا رہے ہیں اس طرح کہ ان کو خبر بھی نہیں، اور میں ان کو ڈھیل دے رہا ہوں، بے شک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے۔

اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۶﴾ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَیْبُ فَهُمْ یَكْتُبُوْنَ ﴿۴۷﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ اِذْ نَادٰى وَهُوَ مَكْظُوْمٌ ﴿۴۸﴾ لَوْلَاۤ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ ﴿۴۹﴾ فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۵۰﴾ وَاِنْ یَّكَادُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَیُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَیَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۵۱﴾ وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۵۲﴾

ع ۲ ۱۹

اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ	کیا مانگتے ہیں آپ ان سے	مُّثْقَلُوْنَ	دبے ہوئے ہیں	یَكْتُبُوْنَ	(اس کو) لکھتے ہیں
اَجْرًا	کوئی معاوضہ	اَمْ عِنْدَهُمُ	یا ان کے پاس	فَاصْبِرْ	پس انتظار کریں آپؐ
فَهُمْ	پس وہ	الْغَیْبُ	غیب (کی خبر) ہے	لِحُكْمِ	حکم کا
مِّنْ مَّغْرَمٍ	تاوان سے	فَهُمْ	پس وہ	رَبِّكَ	اپنے رب کے

وَلَا تَكُنۡ	اور نہ ہوں آپؐ	وَ هُوَ	درانحالیکہ وہ	بِاَبۡصَارِهِمۡ	اپنی نظروں کے ذریعہ
كَصَاحِبِ الۡحُوۡتِ	مچھلی والے کی طرح	مَذۡمُوۡمٌ	الزام خوردہ ہوتا	لَمَّا	جب
اِذۡ نَادٰى	جب پکارا اس نے	فَاجۡتَبٰهُ	پس چن لیا اس کو	سَمِعُوا	سنی انھوں نے
وَهُوَ مَكۡظُوۡمٌ	درانحالیکہ وہ دم گھٹا ہوا تھا	رَبُّهٗ	اس کے رب نے	الذِّكۡرَ	نصیحت
لَوۡلَاۤ اَنۡ	اگر نہ ہوتی یہ بات کہ	فَجَعَلَهٗ	پس گردانا اس کو	وَ يَقُوۡلُوۡنَ	اور کہتے ہیں وہ
تَدٰرَكَهٗ	سنبھال لیا اس کو	مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ	نیک لوگوں میں سے	اِنَّهٗ	بے شک وہ
نِعۡمَةٌ	مہربانی نے	وَاِنۡ يَّكَادُ	اور بے شک قریب ہیں	لَمَجۡنُوۡنٌ	یقیناً پاگل ہے
مِّنۡ رَّبِّهٖ	اس کے رب کی	الَّذِيۡنَ	جنھوں نے	وَمَا هُوَ	حالانکہ نہیں ہے وہ
لَنُبِذَ	(تو) البتہ ڈالا جاتا	كَفَرُوۡا	انکار کیا	اِلَّا ذِكۡرٌ	مگر نصیحت
بِالۡعَرَآءِ	چٹیل میدان میں	لَيُزۡلِقُوۡنَكَ	کہ پھسلا دیں آپؐ کو	لِّلۡعٰلَمِيۡنَ	سارے جہانوں کیلئے

رسول کی بات نہ ماننے کی وجہ

افسوس! مشرکین تباہی کی طرف جا رہے ہیں مگر آپؐ کی بات نہیں مانتے، آخر نہ ماننے کی وجہ کیا ہے؟ (۱) کیا آپؐ ان سے کچھ معاوضہ طلب کرتے ہیں جو ان کو بھاری پڑ رہا ہے؟ (۲) یا ان کے پاس وحی آتی ہے: جس کو وہ قرآن کی طرح لکھ لیتے ہیں؟ اس لئے آپؐ کی اتباع کی ضرورت نہیں سمجھتے! آخر کوئی وجہ تو ہونی چاہئے! —— جب ان پر کچھ بار بھی نہیں ڈالا جاتا اور وحی سے استغناء بھی نہیں تو بات نہ ماننے کا سبب بجز عناد اور ہٹ دھرمی کے اور کیا ہو سکتا ہے؟

﴿ اَمۡ تَسۡـَٔلُهُمۡ اَجۡرًا فَهُمۡ مِّنۡ مَّغۡرَمٍ مُّثۡقَلُوۡنَ ۝ اَمۡ عِنۡدَهُمُ الۡغَيۡبُ فَهُمۡ يَكۡتُبُوۡنَ ۝ ﴾

ترجمہ: کیا آپؐ ان سے کچھ معاوضہ مانگتے ہیں کہ وہ اس تاوان (بوجھ) سے دبے جا رہے ہیں؟ یا ان کے پاس غیب (کا علم) ہے، پس وہ اس کو لکھ لیتے ہیں۔

ابھی وطن چھوڑنے کا وقت نہیں آیا، آپؐ یونس علیہ السلام کی طرح جلدی نہ کریں

مشرکین نے نبی ﷺ کے لئے مکہ میں جینا حرام کر دیا تھا، ہر طرف سے پاگل! پاگل! کی آوازیں آتی تھیں، ایسی صورت میں آدمی سوچتا ہے کہ کہیں اور نکل جاؤں، ملکِ خدا تنگ نیست پائے گدا لنگ نیست! اس لئے ارشاد فرماتے ہیں: ابھی وطن چھوڑنے کا وقت نہیں آیا، آپؐ حضرت یونس علیہ السلام کی طرح جلدی نہ کریں، جب وقت آئے گا حکم الٰہی آئے گا، اس وقت قدم نکالیں۔

حضرت یونسؑ نینوی والوں کی ہدایت کے لئے مبعوث کئے گئے تھے، یہ شہر دریائے فرات کے کنارے پر تھا، آپؑ نے عرصہ تک ان پر محنت کی مگر نتیجہ صفر رہا، بالآخر آپؑ نے عذاب کی اطلاع دی، پھر چوک یہ ہوئی کہ ہجرت کی اجازت کے بغیر چل دیئے، یہ خیال کرکے کہ جب عذاب آنا ہے تو میرا یہاں کیا کام! حالانکہ وہاں ان کی ضرورت تھی، قوم توبہ کرنے والی تھی، اور عذاب ٹل جانے والا تھا، اس لئے کشتی میں ان کو ابتلا پیش آیا، اس لئے فرمایا کہ آپؐ ان کی طرح جلدی نہ کریں، اور یونس علیہ السلام کا تذکرہ سورۂ یونس (آیت ۹۸) سورۃ الانبیاء (آیات ۸۷و۸۸) اور سورۃ الصافات (آیات ۱۳۹-۱۴۸) میں آچکا ہے۔

﴿فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ ۘ إِذْ نَادَىٰ وَهُوَ مَكْظُومٌ ﴿٤٨﴾ لَوْلَا أَنْ تَدَارَكَهُ نِعْمَةٌ مِنْ رَبِّهِ لَنُبِذَ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ مَذْمُومٌ ﴿٤٩﴾ فَاجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَجَعَلَهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿٥٠﴾﴾

ترجمہ: پس آپؐ اپنے رب کے حکم کا انتظار کریں اور مچھلی والے (پیغمبر) کی طرح نہ ہوں، جب اس نے دعا کی درانحالیکہ اس کا دَم گھٹا ہوا تھا —— یعنی مچھلی کے پیٹ میں دعا کی —— اگر احسانِ الٰہی اس کی دستگیری نہ کرتا تو وہ بدحالی کی حالت میں کھلے میدان میں ڈالا جاتا، پس اس کو اس کے رب نے برگزیدہ کیا، اور اس کو نیک لوگوں میں شامل کیا —— اور حدیث میں ہے کہ تم میں سے کوئی شخص یہ نہ کہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یونس بن متّی سے بہتر ہیں!

مشرکین آپؐ کو گھبرا کر مقام صبر سے ڈگمگانا چاہتے ہیں، آپؐ اپنی جگہ جمے رہیں

أَزْلَقَ فلانا ببصره (باب افعال) کے معنی ہیں: کسی کو انتہائی غضبناک نگاہ سے دیکھنا کہ وہ لڑکھڑا جائے یا لڑکھڑانے کے قریب ہوجائے، مجرد زَلَقَ ببصره کے بھی یہی معنی ہیں، کفارِ مکہ آپؐ کو غضبناک اور ترچھی نگاہوں سے دیکھتے تھے، تاکہ آپؐ کو اپنے مقام سے لغزش دیدیں اور جب وہ اللہ کا کلام سنتے تھے تو کہتے تھے: یہ دیوانے کی بڑ ہے! اسے مت سنو! فرماتے ہیں: یہ کلام تو تمام جہاں والوں کے لئے نصیحت اور ان کی صلاح وفلاح کا ضامن ہے، ایسا کلام کہیں کوئی پاگل کہہ سکتا ہے؟ شروع سورت میں کفار کے اسی طعن کا مدلل جواب دیا ہے، ختم سورت پر اسی کا ایک دوسرے انداز سے جواب دیا ہے۔

﴿وَإِنْ يَكَادُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَيُزْلِقُونَكَ بِأَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُولُونَ إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ ﴿٥١﴾ وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ﴿٥٢﴾﴾

ترجمہ: بے شک (شان یہ ہے کہ) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ منکرین جب قرآن سنتے ہیں تو آپؐ کو غضبناک نظروں سے دیکھ کر اپنے مقام سے پھسلا دیں گے، اور کہتے ہیں: بالیقین وہ پاگل ہے! حالانکہ یہ قرآن جہانوں کے لئے نصیحت ہے!

کسی انسان کو نظر لگ جائے تو وَإِنْ يَكَادُ سے آخر تک پڑھ کر دم کریں اثر زائل ہوجائے گا (حسن بصریؒ)

﴿جمعہ ۱۵؍ ذی قعدہ ۱۴۳۷ = ۱۹؍ اگست ۲۰۱۶ء﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الحاقہ

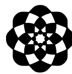
اس سورت کا اور آئندہ سورت کا موضوع آخرت (قیامت) ہے، بالترتیب مضامین چل رہے ہیں، سورۃ الملک میں توحید کا اور القلم میں رسالت کا بیان تھا، یہ تینوں مضامین مالوف سے بعید ہیں، اس لئے مکی دور کی پچاسی سورتوں میں یہی مضامین بار بار مختلف پیرایوں میں بیان کئے گئے ہیں، اور کلام الٰہی کا اعجاز یہ ہے کہ تکرار کہیں محسوس نہیں ہوتی، اس سورت میں قیامت کے تحقّقِ وقوع کا بیان ہے، یعنی قیامت کا آنا ایک پکی بات ہے، اس میں ذرا شک کی گنجائش نہیں، اور آئندہ سورت میں منکرین قیامت کی تعذیب کی تفصیل ہے، اور اس سورت میں چار مضامین ہیں:

۱- قیامت کی خبر ایک پکی بات ہے، اور اس کو اس طرح مدلل کیا ہے کہ جن قوموں نے اس کا انکار کیا وہ ہلاک کی گئیں، اقوامِ خمسہ (قوم نوح، عاد، ثمود، فرعون اور قوم لوط) کا ذکر کیا ہے، انھوں نے پیغمبروں کا انکار کیا، توحید کو نہیں مانا اور انھوں نے آخرت کی جو خبر دی اس کو جھٹلایا، اس لئے صفحۂ ہستی سے مٹادی گئیں، یہ دلیل ہے کہ قیامت کی خبر پکی ہے، جو اس کا انکار کرے گا وہ تباہ ہوگا (یہ مضمون آیت بارہ تک ہے)

۲- قیامت کا حادثہ کس طرح رونما ہوگا؟ اس دن آسمانوں کا کیا حال ہوگا؟ (یہ مضمون آیت ۱۸ تک ہے)

۳- قیامت کے دن لوگ دو قسموں میں منقسم ہونگے: دائیں والے اور بائیں والے، پھر ہر ایک کی جزا وسزا کا بیان ہے (یہ مضمون پہلے رکوع کے ختم تک ہے)

۴- قیامت کے وقوع کو نزولِ قرآن کی مثال سے سمجھایا ہے، یہ اہم مضمون ہے، کچھ حقائق مرئی اور کچھ غیر مرئی ہوتے ہیں، دونوں کے مجموعہ سے قرآن کا نزول ہوا ہے، تفصیل آگے آئے گی، اسی طرح آخرت جو غیر مرئی ہے دنیا سے قریب آئے گی جو مرئی ہے، اور دونوں کے امتزاج سے قیامت قائم ہوگی، پھر دنیا کا آخرت کی طرف عروج ہوگا، پھر آخرت تا ابد چلتی رہے گی۔



آیاتھا ٥٢ — (٦٩) سُوْرَةُ الْحَاۤقَّةِ مَكِّيَّةٌ (٧٨) — رکوعاتھا ٢

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَاۤقَّةُ ۙ﴿١﴾ مَا الْحَاۤقَّةُ ۚ﴿٢﴾ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْحَاۤقَّةُ ؕ﴿٣﴾ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ ﴿٤﴾ فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ﴿٥﴾ وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۙ﴿٦﴾ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۚ﴿٧﴾ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ﴿٨﴾ وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ۚ﴿٩﴾ فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ﴿١٠﴾ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ۙ﴿١١﴾ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَاۤ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ﴿١٢﴾

اَلْحَاۤقَّةُ(١)	وہ بالکل پکی بات!	بِالطَّاغِيَةِ(٣)	نہایت سخت آواز سے	وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ	اور آٹھ دن
مَا الْحَاۤقَّةُ	کیا ہے وہ بالکل پکی بات؟	وَاَمَّا عَادٌ	اور رہے عاد	حُسُوْمًا(٥)	لگاتار
وَمَاۤ اَدْرٰىكَ	اور کیا تو جانتا ہے	فَاُهْلِكُوْا	تو ہلاک کئے گئے وہ	فَتَرَى	پس دیکھتا ہے تو
مَا الْحَاۤقَّةُ	وہ بالکل پکی بات کیا ہے؟	بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ(٤)	نہایت ٹھنڈی ہوا کے	الْقَوْمَ	لوگوں کو
كَذَّبَتْ	جھٹلایا		ذریعہ	فِيْهَا	ان (دنوں) میں
ثَمُوْدُ وَعَادٌ	ثمود اور عاد نے	عَاتِيَةٍ	بے قابو ہونے والی	صَرْعٰى	پچھڑا ہوا
بِالْقَارِعَةِ(٢)	کھڑکھڑانے والی چیز کو	سَخَّرَهَا	مسلط کیا اس کو	كَاَنَّهُمْ	گویا وہ
فَاَمَّا ثَمُوْدُ	پس رہے ثمود	عَلَيْهِمْ	ان پر	اَعْجَازُ	تنے ہیں
فَاُهْلِكُوْا	تو ہلاک کئے گئے وہ	سَبْعَ لَيَالٍ	سات راتیں	نَخْلٍ	کھجور کے

(١) الحاقّ اور الحقّ: ایک ہیں، أی الأمر الثابت: پکی اور قطعی بات (٢) قَرَعَ الباب: کھٹکھٹانا، یہ بھی قیامت کا ایک نام ہے (٣) طاغية: سرکش، یہاں زلزلہ کی سخت آواز مراد ہے (٤) صرصر: ٹھر...... عاتية: فرشتوں کے قابو سے باہر (٥) حسوما: حاسم کی جمع، حَسَمَتِ الدابة: جانور کو مسلسل داغنا، یہاں تتابع (لگاتار) مراد ہے۔

خَاوِيَةٍ	کھوکھلے	بِالْخَاطِئَةِ	گناہوں کے ساتھ	حَمَلْنٰكُمْ	سوار کیا تم کو
فَهَلْ تَرٰى	پس کیا دیکھتا ہے تو	فَعَصَوْا	پس نافرمانی کی انھوں نے	فِي الْجَارِيَةِ	چلتی کشتی میں
لَهُمْ	ان میں سے	رَسُوْلَ رَبِّهِمْ	اپنے رب کے رسول کی	لِنَجْعَلَهَا	تا کہ بنائیں ہم اس کو
مِّنْۢ بَاقِيَةٍ	کوئی بچا ہوا؟	فَاَخَذَهُمْ	پس پکڑا ان کو	لَكُمْ	تمہارے لئے
وَجَآءَ	اور آیا	اَخْذَةً	پکڑنا	تَذْكِرَةً	یادگار
فِرْعَوْنُ	فرعون	رَّابِيَةً (۱)	تباہ کرنے والا (سخت)	وَّتَعِيَهَآ (۲)	اور یاد رکھیں اس کو
وَمَنْ قَبْلَهٗ	اور جو ان سے پہلے ہوئے	اِنَّا لَمَّا	بے شک ہم نے جب	اُذُنٌ	کان
وَالْمُؤْتَفِكٰتُ	اور الٹی ہوئی بستیوں والے	طَغَا الْمَآءُ	پانی ابلا	وَّاعِيَةٌ	یاد رکھنے والے

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

قیامت کا واقعہ ایسا قطعی ہے کہ جس نے اس کا انکار کیا ہلاک ہوا

سوال کبھی استحضار (ذہن حاضر کرنے) کے لئے ہوتا ہے، اور یہاں استفہام (سوال) کا جواب محذوف ہے، یعنی وہ پکا واقعہ: قیامت کا واقعہ ہے، اور قرینہ پانچ قوموں کا ذکر ہے جو قیامت کا انکار کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئیں، ارشاد فرماتے ہیں: وہ پکّی بات! وہ پکّی بات کیا ہے؟ اور آپ جانتے ہیں وہ پکّی بات کیا ہے؟ —— وہ قیامت ہے —— ثمود اور عاد نے اس کھٹکھٹانے والے واقعہ کو جھٹلایا، پس ثمود تو ایک زور کی آواز سے ہلاک کئے گئے —— بھونچال آیا، اس کی بھیانک آواز سے سب کھیت رہے! —— اور رہے عاد تو وہ بے قابو ہونے والی نہایت ٹھنڈی تیز و تند ہوا سے ہلاک کئے گئے، اللہ نے اس کو ان پر مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن مسلط کیا، پس دیکھتا ہے تو ان لوگوں کو ان دنوں میں پچھڑا ہوا، گویا وہ کھجور کے کھوکھلے تنے ہیں —— وہ لوگ قد آور تھے، اس لئے کھجور کے تنوں سے تشبیہ دی اور بے جان ہو گئے تھے اس لئے کھوکھلے کہا —— پس کیا تجھے ان میں سے کوئی بچا ہوا نظر آتا ہے؟ —— نہیں! بچے اور عورتیں سب ہلاک ہو گئے —— اور فرعون نے اور اس سے پہلے والوں نے —— یعنی قوم نوح اور عاد و ثمود نے۔

سوال: عاد و ثمود کا ذکر آ گیا؟ جواب: وہ ان کی ہلاکت کا ذکر تھا، اب ان کے ارتکابِ جرم کا ذکر ہے —— اور الٹی ہوئی بستیوں نے بڑے قصور کئے —— کیا قصور کئے؟ —— سو انھوں نے اپنے پروردگار کے پیامبر کی نافرمانی کی

(۱) رابیة: سختی میں بڑھا ہوا، رَبَا الشیئُ: زیادہ ہونا (۲) وَعیٰ یَعِیْ وَعْیًا: یاد رکھنا۔

—— اس کی باتوں کو نہیں مانا —— پس اللہ نے ان کو بہت سخت پکڑا —— یہ چار قوموں کا ذکر ہوا: عاد، ثمود، فرعون اور قوم لوط کا، آگے پانچویں قوم کا ذکر ہے —— بے شک ہم نے جب پانی میں طغیانی آئی تو تمہیں چلتی کشتی میں سوار کیا، تاکہ ہم اس واقعہ کو تمہارے لئے ایک یادگار بنائیں، اور اس کو یاد رکھنے والے کان یاد رکھیں!

سوال: کان کی تخصیص کیوں کی؟ بوجھتا تو دل ہے!

جواب: بعد کے لوگ کتابوں میں یہ واقعہ پڑھیں گے یا سنیں گے جبھی دل یاد رکھے گا، اس لئے ابتدائی مرحلہ کا ذکر کیا۔

فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿۱۳﴾ وَّ حُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ﴿۱۴﴾ فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿۱۵﴾ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ﴿۱۶﴾ وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا ۚ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ﴿۱۷﴾ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ﴿۱۸﴾

فَاِذَا	پس جب	دَكَّةً وَّاحِدَةً (۲)	ایک بار کوٹنا	وَيَحْمِلُ	اور اٹھائے ہوئے ہوں گے
نُفِخَ	پھونکا جائے گا	فَيَوْمَئِذٍ	پس اس دن	عَرْشَ رَبِّكَ	آپ کے رب کے تخت کو
فِي الصُّوْرِ	نرسنگے میں	وَّقَعَتِ	ہو پڑے گا	فَوْقَهُمْ	اپنے اوپر
نَفْخَةٌ (۱)	پھونکنا	الْوَاقِعَةُ	ہو پڑنے والا واقعہ	يَوْمَئِذٍ	اس دن
وَّاحِدَةٌ	ایک بار	وَانْشَقَّتِ	اور پھٹ جائے گا	ثَمٰنِيَةٌ	آٹھ (فرشتے)
وَّ حُمِلَتِ	اور اٹھائی جائے گی	السَّمَآءُ	آسمان	يَوْمَئِذٍ	اُس دن
الْاَرْضُ	زمین	فَهِيَ يَوْمَئِذٍ	پس وہ اس دن	تُعْرَضُوْنَ	تم پیش کئے جاؤ گے
وَالْجِبَالُ	اور پہاڑ	وَّاهِيَةٌ	بودا ہوگا	لَا تَخْفٰى	نہیں پوشیدہ ہوگی
فَدُكَّتَا	پس کوٹ دیئے جائیں	وَّالْمَلَكُ	اور فرشتے	مِنْكُمْ	تمہاری
	گے دونوں	عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا (۳)	آسمان کے کناروں پر ہوں گے	خَافِيَةٌ	ادنی سی بات

(۱) نفخةٌ: هو محذوف کی خبر ہے، نائب فاعل نہیں، جیسے: ضُرب فی ظهره ضربةٌ واحدةٌ أی هو ضربة واحدة (۲) دكة واحدة: مفعول مطلق ہے (۳) رَجا کی جمع: جانب، کنارہ۔

جب قیامت کا حادثہ رونما ہوگا تو آسمان، زمین اور پہاڑوں وغیرہ کا کیا حال ہوگا؟

جب پہلی مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو سارا کارخانہ درہم برہم ہوجائے گا، ارشاد فرماتے ہیں: —— پس جب صور میں پھونکا جائے گا: (وہ) ایک پھونکنا (ہے) —— یعنی یکبارگی پھونکنا ہے یا تھوڑی دیر کے لئے پھونکنا ہے —— اور زمین اور پہاڑ اٹھائے جائیں گے —— وہ اپنے حیّز کو چھوڑ دیں گے —— پھر دونوں ایک ہی مرتبہ میں باہم ٹکرا دیئے جائیں گے —— اور کوٹ پیٹ کر ریزہ ریزہ کردیئے جائیں گے —— تو اس دن ہونے والا واقعہ ہو پڑے گا —— یعنی وہی وقت قیامت کے برپا ہونے کا ہوگا —— اور آسمان پھٹ جائے گا —— وہ آسمان جس میں لاکھوں سال گذرنے پر بھی کہیں شگاف نہیں پڑا پھٹنا شروع ہوگا —— اور وہ اس دن بالکل بودا ہوگا —— جیسے پُرانا بوسیدہ کپڑا پھٹتا ہے آسمان پھٹنے لگے گا —— اور فرشتے اس کے کناروں پر آجائیں گے —— آسمان درمیان سے پھٹنا شروع ہوگا اور فرشتے اس کے کناروں پر چلے جائیں گے —— اور آپ کے پروردگار کے شاہی تخت کو اس دن آٹھ فرشتے اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہونگے —— اب عرش عظیم کو چار فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں، اُس دن چار اور ساتھ لگیں گے، اور ایسا اظہار جلال واکرام کے لئے ہوگا —— اس دن تمہاری پیشی ہوگی —— سب اللہ کی عدالت میں حاضر کئے جائیں گے —— تمہاری ادنی بات پوشیدہ نہیں ہوگی —— کسی کی کوئی نیکی بدی چھپی نہیں رہے گی، سب کچھ اللہ کے علم میں ہوگا، اور انصاف سے فیصلہ ہوگا۔

فائدہ: جس طرح ماورائے طبیعی دنیا (عالم آخرت) کے معاملات کو ابھی پوری طرح نہیں سمجھ سکتے، جنت کے نیچے نہریں کیسے بہہ رہی ہیں؟ اس کے میوے کس طرح جھکے ہوئے ہیں؟ حور وغلمان کی حقیقت کیا ہے؟ اسی طرح جہنم کے احوال کو بھی تقریبی ہی سمجھ سکتے ہیں، یہ معاملات اچھی طرح اس وقت سمجھ میں آئیں گے جب ہم آخرت میں پہنچیں گے۔

اسی طرح مستقبل (آئندہ) کے معاملات بھی ابھی ہم پوری طرح نہیں سمجھ سکتے، دھندلا سا تصور کرسکتے ہیں، جیسے یاجوج وماجوج آسمان کی طرف جو تیر چلائیں گے: ان کی نوعیت کیا ہوگی؟ وہ وقت بتائے گا، ابھی ہم اس کو اچھی طرح نہیں سمجھ سکتے —— قیامت میں پیش آنے والے معاملات بھی مستقبل کی باتیں ہیں، زمین اور پہاڑ کیسے ٹکرائیں گے؟ آسمان کیسے پھٹے گا؟ یہ باتیں وقت پر سمجھ میں آئیں گی، ابھی ان کو پوری طرح نہیں سمجھ سکتے، لہٰذا اس سلسلہ میں دماغ سوزی کی ضرورت نہیں، میں بھی قیامت سے متعلق آیات کا صرف ترجمہ کررہا ہوں، میں ابھی اس کی کوئی تشریح نہیں کرسکتا۔

فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَٰبَهُۥ بِيَمِينِهِۦ فَيَقُولُ هَآؤُمُ ٱقْرَءُوا۟ كِتَٰبِيَهْ ﴿١٩﴾ إِنِّي ظَنَنتُ أَنِّي مُلَٰقٍ حِسَابِيَهْ ﴿٢٠﴾ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَّاضِيَةٍ ﴿٢١﴾ فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿٢٢﴾ قُطُوفُهَا دَانِيَةٌ ﴿٢٣﴾

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـــًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ۝۲۴ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۥ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ۝۲۵ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ۝۲۶ يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ۝۲۷ مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ ۝۲۸ هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ ۝۲۹ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ۝۳۰ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ۝۳۱ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ۝۳۲ اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۝۳۳ وَلَا يَحُضُّ عَلٰي طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝۳۴ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ ۝۳۵ وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ ۝۳۶ لَّا يَاْكُلُهٗٓ اِلَّا الْخَاطِـُٔوْنَ ۝۳۷

فَاَمَّا مَنْ	پس رہا جو	فِيْ عِيْشَةٍ	گذران میں ہوگا	الْخَالِيَةِ	گذرے ہوئے
اُوْتِيَ	دیا گیا	رَّاضِيَةٍ	من مانے	وَاَمَّا مَنْ	اور رہا جو
كِتٰبَهٗ	اس کی کتاب	فِيْ جَنَّةٍ	باغ میں	اُوْتِيَ	دیا گیا
بِيَمِيْنِهٖ	اس کے دائیں ہاتھ میں	عَالِيَةٍ	اونچے	كِتٰبَهٗ	اس کی کتاب
فَيَقُوْلُ	پس کہے گا وہ	قُطُوْفُهَا	اس کے میوے	بِشِمَالِهٖ	اس کے بائیں ہاتھ میں
هَآؤُمُ(۱)	لو	دَانِيَةٌ	جھکنے والے ہیں	فَيَقُوْلُ	پس وہ کہے گا:
اقْرَءُوْا	پڑھو	كُلُوْا	کھاؤ	يٰلَيْتَنِيْ	کیا اچھا ہوتا
كِتٰبِيَهْ(۲)	میری کتاب	وَاشْرَبُوْا	اور پیو	لَمْ اُوْتَ	نہ دیا جاتا میں
اِنِّيْ ظَنَنْتُ	بیشک میں نے گمان کیا	هَنِيْٓـــًٔا(۳)	رچ پچ کر	كِتٰبِيَهْ	میری کتاب
اَنِّيْ مُلٰقٍ	کہ مجھے ملنے والا ہے	بِمَآ اَسْلَفْتُمْ	ان اعمال کے بدل جو	وَلَمْ اَدْرِ	اور نہ جانتا میں
حِسَابِيَهْ	میرا حساب		آگے بھیجے تم نے	مَا حِسَابِيَهْ	کیا حساب ہے میرا
فَهُوَ	پس وہ	فِي الْاَيَّامِ	دنوں میں	يٰلَيْتَهَا	کیا اچھا ہوتا وہی موت

(۱) ھاؤم: اسم فعل: بمعنی خذوا (۲) کتابیه: ی: مضاف الیہ، اور آخر میں ھا سکتہ کی ہے (۳) ھنیئا أی أکلاً و شربا ھنیئا، مفعول مطلق ہے۔

كَانَتِ الْقَاضِيَةَ	ختم کر دینے والی ہوتی	ثُمَّ	پھر	عَلٰی طَعَامِ	کھلانے پر
مَآ اَغْنٰی	کچھ کام نہیں آیا	فِیْ سِلْسِلَةٍ	ایک زنجیر ہے	الْمِسْكِيْنِ	فقیر کے
عَنِّیْ	میرے	ذَرْعُهَا	جس کی پیائش	فَلَيْسَ	پس نہیں ہے
مَالِيَهْ	میرا مال	سَبْعُوْنَ	ستّر	لَهُ	اس کے لئے
هَلَكَ	برباد ہوئی	ذِرَاعًا	گز ہے	الْيَوْمَ	آج
عَنِّیْ	مجھ سے	فَاسْلُكُوْهُ	پس اس کو جکڑو	هٰهُنَا	یہاں
سُلْطٰنِيَهْ	میری سلطنت	اِنَّهٗ كَانَ	بے شک وہ تھا	حَمِيْمٌ	کوئی غم گسار دوست
خُذُوْهُ	پکڑو اس کو	لَا يُؤْمِنُ	نہیں ایمان لایا تھا	وَّلَا طَعَامٌ	اور نہیں ہے کھانا
فَغُلُّوْهُ	پس طوق پہناؤ اس کو	بِاللّٰهِ	اللہ پر	اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ	مگر دھوون سے
ثُمَّ الْجَحِيْمَ	پھر دوزخ میں	الْعَظِيْمِ	سب سے بڑے	لَّا يَاْكُلُهٗٓ	نہیں کھاتے اس کو
صَلُّوْهُ	ٹھونسو اس کو	وَلَا يَحُضُّ	اور نہیں ابھارتا تھا	اِلَّا الْخَاطِئُوْنَ	مگر گنہگار

قیامت کے دن لوگوں کی دو قسمیں ہونگی: اصحاب الیمین اور اصحاب الشمال، اور دونوں کے احوال

اصحاب الیمین: —— پھر جس شخص کا نامۂ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا —— سابقین کو بھی دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے گا —— وہ کہے گا: لو، پڑھو میرا نامۂ اعمال! مجھے یقین تھا کہ میرے سامنے میرا حساب آنے والا ہے، پس وہ شخص پسندیدہ عیش میں، بہشت بریں میں ہوگا، جس کے میوے جھکے ہوئے ہونگے —— ان سے فرشتے کہیں گے: —— مزے سے کھاؤ پیؤ ان اعمال کے صلہ میں جو تم نے گذشتہ ایام میں کئے ہیں!

اصحاب الشمال: —— اور جس کا نامۂ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، وہ کہے گا: کیا اچھا ہوتا جو مجھ کو میرا نامۂ اعمال نہ دیا جاتا، اور مجھ کو میرے حساب کی خبر ہی نہ ہوتی، کیا اچھا ہوتا کہ پہلی موت ہی پر خاتمہ ہو جاتا، میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا، میرا جاہ بھی گیا گذرا ہوا —— فرشتوں کو حکم ہوگا: —— اس کو پکڑو، اور اس کو طوق پہناؤ، پھر اس کو دوزخ میں جھونکو، پھر ایک ایسی زنجیر میں اس کو باندھو جس کی پیائش ستر گز ہے —— زنجیر کا لمبا اور بھاری ہونا ایک مستقل عذاب ہے —— وہ شخص خدائے بزرگ پر ایمان نہیں رکھتا تھا، نہ غریب کو کھلانے کی ترغیب دیتا تھا، پس یہاں آج اس شخص کا نہ کوئی غم گسار دوست ہے، اور نہ اس کو کوئی کھانے کی چیز نصیب ہوگی، سوائے (جہنمیوں کے) زخموں کے دھوون کے، جس کو بڑے گنہگاروں کے سوا کوئی نہیں کھائے گا!

فَلَآ اُقۡسِمُ بِمَا تُبۡصِرُوۡنَ ۝۳۸ وَمَا لَا تُبۡصِرُوۡنَ ۝۳۹ اِنَّهٗ لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ كَرِيۡمٍ ۝۴۰ وَّمَا هُوَ بِقَوۡلِ شَاعِرٍ‌ؕ قَلِيۡلًا مَّا تُؤۡمِنُوۡنَ ۝۴۱ وَلَا بِقَوۡلِ كَاهِنٍ‌ؕ قَلِيۡلًا مَّا تَذَكَّرُوۡنَ ۝۴۲ تَنۡزِيۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝۴۳ وَلَوۡ تَقَوَّلَ عَلَيۡنَا بَعۡضَ الۡاَقَاوِيۡلِ ۝۴۴ لَاَخَذۡنَا مِنۡهُ بِالۡيَمِيۡنِ ۝۴۵ ثُمَّ لَقَطَعۡنَا مِنۡهُ الۡوَتِيۡنَ ۝۴۶ فَمَا مِنۡكُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ عَنۡهُ حٰجِزِيۡنَ ۝۴۷ وَاِنَّهٗ لَتَذۡكِرَةٌ لِّلۡمُتَّقِيۡنَ ۝۴۸ وَاِنَّا لَنَعۡلَمُ اَنَّ مِنۡكُمۡ مُّكَذِّبِيۡنَ ۝۴۹ وَاِنَّهٗ لَحَسۡرَةٌ عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ ۝۵۰ وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الۡيَقِيۡنِ ۝۵۱ فَسَبِّحۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الۡعَظِيۡمِ ۝۵۲

ع ۲ ۱۵

فَلَآ(۱)	پس نہیں	وَلَا بِقَوۡلِ	اور نہیں ہے بات	لَاَخَذۡنَا	ضرور پکڑتے ہم
اُقۡسِمُ	قسم کھاتا ہوں میں	كَاهِنٍ	کسی غیب کی خبریں	مِنۡهُ	اس کو
بِمَا تُبۡصِرُوۡنَ	ان کی جن کو تم دیکھتے ہو		دینے والے کی	بِالۡيَمِيۡنِ(۴)	دائیں ہاتھ سے
وَمَا لَا	اوران کی جن کو تم نہیں	قَلِيۡلًا مَّا	بہت ہی کم	ثُمَّ لَقَطَعۡنَا	پھر ضرور کاٹ دیتے ہم
تُبۡصِرُوۡنَ	دیکھتے	تَذَكَّرُوۡنَ	دھیان دیتے ہو تم	مِنۡهُ	اس کی
اِنَّهٗ لَقَوۡلُ	بے شک وہ (قرآن)	تَنۡزِيۡلٌ	(وہ) اتارنا ہے	الۡوَتِيۡنَ	دل کی رگ کو
رَسُوۡلٍ كَرِيۡمٍ(۲)	بات ہے معزز فرستادے کی	مِّنۡ رَّبِّ	پروردگار کی طرف سے	فَمَا مِنۡكُمۡ	پس نہ ہوتا تم میں سے
وَّمَا هُوَ	اور نہیں ہے وہ	الۡعٰلَمِيۡنَ	جہانوں کے	مِّنۡ اَحَدٍ	کوئی بھی
بِقَوۡلِ	بات	وَلَوۡ تَقَوَّلَ(۳)	اور اگر گھڑتا وہ (پیغمبر)	عَنۡهُ	اس کو
شَاعِرٍ	کسی شاعر کی	عَلَيۡنَا	ہمارے نام پر	حٰجِزِيۡنَ	بچانے والا
قَلِيۡلًا مَّا	بہت ہی کم	بَعۡضَ	کچھ	وَاِنَّهٗ لَتَذۡكِرَةٌ	اور بیشک وہ یادداشت ہے
تُؤۡمِنُوۡنَ	یقین کرتے ہو تم	الۡاَقَاوِيۡلِ	باتیں	لِّلۡمُتَّقِيۡنَ	پرہیزگاروں کے لئے

(۱) یہ جو کہا جاتا ہے کہ فعل قسم پر لا زائد ہوتا ہے: وہ خودساختہ قاعدہ ہے (۲) رسول: سے جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں (۳) بابِ تفعُّل میں تکلف یعنی بناوٹ ہوتی ہے (۴) یمین سے اللہ کا ہاتھ مراد ہے جو متشابہات میں سے ہے (مظہری) اور منہ أی بعضاً منہ۔

وَاِنَّا	اور بے شک ہم یقیناً	وَاِنَّهٗ	اور بیشک وہ (قرآن)	لَحَقُّ الْيَقِيْنِ	یقین کے قابل ہے
لَنَعْلَمُ	جانتے ہیں	لَحَسْرَةٌ	پچھتاوا ہے	فَسَبِّحْ	پس پاکی بول
اَنَّ مِنْكُمْ	کہ بعض تم میں سے	عَلَى الْكٰفِرِيْنَ	منکرین پر	بِاسْمِ رَبِّكَ	تیرے رب کے نام کی
مُّكَذِّبِيْنَ	جھٹلانے والے ہیں	وَاِنَّهٗ	اور بے شک وہ	الْعَظِيْمِ	سب سے بڑا

نزولِ قرآن سے وقوعِ قیامت پر استدلال

عالَم (ماسوی اللہ) میں کچھ چیزیں محسوس (مرئی) ہیں اور کچھ چیزیں غیر محسوس (غیر مرئی) اور دونوں عالم الگ الگ ہیں، مرئی عالم کا نام دنیا ہے، اور غیر مرئی کا آخرت، پھر کبھی مرئی اور غیر مرئی مل کر اس دنیا میں کوئی چیز وجود میں آتی ہے، قرآنِ کریم کا اس دنیا میں وجود (نزول) اسی طرح ہوا ہے۔

قرآن کلام الٰہی ہے، اور اللہ تعالیٰ غیب الغیب اور وراء الوراء ہیں، پھر ان کا کلام لوح محفوظ میں ریکارڈ ہوا، لوح محفوظ: عرش کی قوتِ خیالیہ کا نام ہے، جو سدرۃ المنتہیٰ (باڈر کی بیری) سے پَرے ہے، وہاں تک جبرئیل علیہ السلام کی رسائی نہیں، اور انبیاء پر شریعتوں کا نزول بواسطہ جبرئیل علیہ السلام طے ہے، اس لئے پورا قرآن یکبارگی ساتویں آسمان پر اللہ کے گھر بیتِ معمور میں اتارا گیا، تاکہ وہاں سے جبرئیل علیہ السلام حسبِ حکم نبی ﷺ پر تھوڑا تھوڑا اتاریں، یہاں تک سب وسائط غیر مرئی ہیں، پھر نبی ﷺ کاتبین وحی اور صحابہ جن کو آپ قرآن سنا کر یاد کرایا کرتے تھے سب مرئی (محسوس) ہیں، اس طرح قرآنِ کریم کا اس دنیا میں وجود (نزول) ہوا، یعنی مرئی اور غیر مرئی کے امتزاج سے ایک چیز دنیا میں موجود ہوئی۔

اسی طرح مرئی اور غیر مرئی حقائق کے امتزاج سے زمین پر قیامت قائم ہوگی، صور پھونکا جائے گا، آسمان پھٹے گا، فرشتے زمین پر اتریں گے، عرش کو آٹھ فرشتے اٹھا کر زمین پر لائیں گے یعنی اللہ تعالیٰ خود زمین پر جلوہ افروز ہونگے، یہ سب غیر مرئی حقیقتیں ہیں، اور زمین اور اس کے شب وروز، اور اس کی مخلوقات نظر آنے والی چیزیں (مرئی) ہیں، اس طرح دونوں کے امتزاج (ملنے) سے قیامت برپا ہوگی، یہ نزولِ قرآن سے وقوعِ قیامت پر استدلال ہے، اور یہی مابعد آیات کا ماسبق سے ربط ہے۔

قرآنِ کریم بواسطہ جبرئیل علیہ السلام نازل کیا ہوا اللہ کا کلام ہے اور فرضی تین احتمالات باطل ہیں

رسولِ کریم: (برگزیدہ پیامبر) سے حضرت جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں اور ما تبصرون اور مالا تبصرون یعنی مرئی

اور غیر مرئی کی شہادت سے ثابت ہے کہ قرآنِ کریم: رسولِ کریم کا نازل کیا ہوا کلام الٰہی ہے، اور تین فرضی احتمالات قطعاً باطل ہیں، وہ احتمالات یہ ہیں:

۱۔قرآن: نبی ﷺ کی شاعری ہو۔

۲۔ نبی ﷺ کاہن ہوں، اور قرآن: جنّ پری سے لی ہوئی باتیں ہوں۔

۳۔قرآن: نبی ﷺ نے خود بنایا ہو، اور اللہ کے نام لگایا ہو۔

یہ تینوں احتمال باطل ہیں:

پہلا احتمال: اس لئے باطل ہے کہ شاعری کو عرب جانتے تھے، وہ ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، اس میں اوزان، بحور اور قوافی ہوتے ہیں، اور قرآن میں ان کا پتہ نہیں، اور شاعروں کی باتیں اکثر بے اصل ہوتی ہیں، وہ جو مضامین باندھتے ہیں ان کے اکثر وہمی اور خیالی ہوتے ہیں، اور قرآنِ کریم حقائق ثابتہ اور یقینی باتیں پیش کرتا ہے، اس لئے یہ آزاد شاعری بھی نہیں ہوسکتی۔

اور دوسرا احتمال: اس لئے باطل ہے کہ کاہن: عرب میں وہ لوگ تھے، جو بھوت پریت اور جنّوں پریوں سے مناسبت رکھتے تھے، وہ ان کو کچھ غیب کی باتیں بتاتے تھے، وہ ان میں ننانوے جھوٹ ملا کر مسجّع کلام کے ذریعہ پیشین گوئی کرتے تھے، ان کے کلام میں بہت سے کلمات بھرتی کے ہوتے تھے، اور قرآن کی ہر بات کانٹے کے تول پوری ہے، اس میں بھرتی کا ایک لفظ بھی نہیں، اور آج تک اس کی کوئی بات جھوٹی ثابت نہیں ہوئی، پس قرآن کی کاہنوں کے کلام سے کیا مناسبت!

اور تیسرا احتمال: اس لئے باطل ہے کہ اگر قرآن کو نبی ﷺ نے گھڑ لیا ہے اور یہ ان کا خود ساختہ کلام ہے، اور اس کو اللہ کے نام لگایا ہے، تو اول ان کے دشمن اللہ ہوئے، وہ ان کو دائیں ہاتھ سے یعنی قوت سے پکڑتے، اور رگِ دل کاٹ دیتے، پنپنے نہ دیتے، اور تم میں سے کوئی ان کو بچا نہ سکتا، مگر تم دیکھ رہے ہو کہ ان کا معاملہ دن بہ دن ترقی کر رہا ہے، پس یہ احتمال بھی باطل ہے۔

غرض: قرآنِ کریم ان کا گھڑا ہوا کلام نہیں، اللہ کا کلام ہے، جو متقیوں کی نصیحت کے لئے نازل کیا گیا ہے، اور اللہ جانتے ہیں کہ سب لوگ اس کو قبول نہیں کریں گے، کچھ لوگ اس کی تکذیب کریں گے اور اس سے فائدہ نہیں اٹھائیں گے، وہ قیامت کے دن کفِ افسوس ملیں گے، پس کان کھول کر سن لو! یہ کتاب ایسی ہے جس پر یقین سے بڑھ کر یقین کیا جاسکتا ہے، اور لازم ہے کہ جس عظیم ہستی نے اس کو نازل کیا ہے اس کی تعریف کے گن گائے جائیں، وہ ہر عیب سے

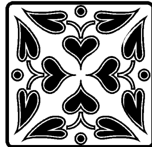
پاک ہیں: سبحان ربی العظیم! سبحان ربی العظیم! سبحان ربی العظیم!

آیاتِ پاک: ـــــ پس نہیں! ـــــ یعنی قیامت کا انکار مت کر ـــــ میں قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی جن کو تم دیکھتے ہو، اور ان چیزوں کی جن کو تم نہیں دیکھتے ـــــ یعنی مرئی اور غیر مرئی چیزوں کے امتزاج سے بھی چیزیں وجود میں آتی ہیں، جیسے قرآنِ کریم، قیامت بھی اسی طرح برپا ہوگی ـــــ یہ قرآن ایک معزز فرشتہ کا لایا ہوا ہے ـــــ جو غیر مرئی ہے ـــــ اور وہ کسی شاعر کا کلام نہیں، تم بہت ہی کم ایمان لاتے ہو! اور نہ وہ کسی کاہن کا کلام ہے، تم بہت ہی کم سمجھتے ہو، وہ جہانوں کے پالنہار کا نازل کیا ہوا ہے، اور اگر یہ پیغمبر ہمارے ذمہ کچھ باتیں لگا تا تو ہم اس کو داہنے ہاتھ سے پکڑتے ـــــ اور اللہ کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں یعنی دونوں ہاتھوں میں یکساں قوت ہے، کوئی ہاتھ کمزور نہیں ـــــ پھر ہم اس کی رگِ دل کو کاٹ دیتے، پھر تم میں سے کوئی اس کو ہلاکت سے بچانے والا نہ ہوتا!

اور یہ قرآن بلاشبہ متقیوں کے لئے نصیحت ہے، اور ہمیں بالیقین معلوم ہے کہ تم میں سے بعضے تکذیب کرنے والے ہیں، اور یہ قرآن کافروں کے حق میں موجب حسرت ہے، اور یہ قرآن پکی یقینی بات ہے، پس اپنے عظیم الشان پروردگار کے نام کی پاکی بیان کر! ـــــ اس میں تسبیح اور تقدیس دونوں ہیں، اور اسی کو نبی ﷺ نے رکوع میں تسبیح پڑھنے کے لئے مقرر فرمایا ہے۔

فائدہ: آیات ۴۴-۴۷ میں فرمایا ہے کہ اگر خدانخواستہ رسول اللہ ﷺ اپنی طرف سے کوئی بات گھڑ کر اللہ کی طرف منسوب کر دیتے تو آپ کے ساتھ یہ معاملہ کیا جاتا، اس میں کوئی عام ضابطہ بیان نہیں کیا گیا کہ جو شخص بھی نبوت کا جھوٹا دعوی کرے ہمیشہ اس کو ہلاک ہی کر دیا جائے، یہی وجہ ہے کہ دنیا میں بہت سے لوگوں نے نبوت کا جھوٹا دعوی کیا، ان پر کوئی ایسا عذاب نہیں آیا (معارف القرآن شفیعی ۸: ۵۴۸)

﴿اتوار ۱۷ ذی قعدہ ۱۴۳۷ھ = ۲۱ اگست ۲۰۱۶ء﴾



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ المعارج

یہ سورت مکی دور کے آخر کی ہے، اس کا نزول کا نمبر ۷۹ ہے، مکی سورتیں کل ۸۵ ہیں، پس یہ سورت ہجرت کے قریب نازل ہوئی ہے، اس کے آخر میں پیشین گوئی ہے کہ اگر قریش ایمان نہیں لائے تو اللہ تعالیٰ دوسری قوم کو ان کی جگہ کھڑا کریں گے، اللہ کے لئے ایسا کرنا کچھ مشکل نہیں، چنانچہ مدینہ کے انصار نے قریش کی جگہ لے لی اور ان کی نصرت سے اسلام کا ستارہ چمکا!

اس سورت کا موضوع بھی آخرت ہے، گذشتہ سورت میں قیامت کے تحقق (یقینی وقوع) کے دلائل تھے، اور اس سورت میں آخرت میں کفار کی سزا کا بیان ہے، اور ابتدائی آیات کے شانِ نزول میں جو نضر بن الحارث کے مطالبہ کا ذکر کیا جاتا ہے وہ برمحل نہیں، اس کا مطالبہ سورۃ الانفال (آیت ۳۲) میں ہے:

﴿وَ اِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۳۲﴾

ترجمہ: اور جب انھوں نے کہا: اے اللہ! اگر یہ قرآن آپ کی طرف سے واقعی ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہم پر کوئی اور دردناک عذاب واقع کردے!

یہ مطالبہ صرف نضر کا نہیں تھا سبھی کفار کا تھا، پھر وہ مطالبہ دنیا کے عذاب کا تھا، اور اس سورت میں عذابِ آخرت کا ذکر ہے، پس یہ حقیقی شخص کا سوال نہیں، بلکہ تقدیری (مانے ہوئے) شخص کا سوال ہے۔

قیامت کے دن کی درازی: اس سورت میں قیامت کے دن کی درازی پچاس ہزار سال بیان کی گئی ہے، اگرچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے تلمیذ عکرمہ رحمہ اللہ نے اس کی ایک دوسری تفسیر کی ہے، ان کے نزدیک جب سے آسمان وزمین کی یہ دنیا وجود میں آئی ہے: جب اس کے پچاس ہزار سال پورے ہوں گے تو قیامت قائم ہوگی، مگر اس تفسیر کو پسند نہیں کیا گیا، آلوسی رحمہ اللہ نے روح المعانی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول سے اس کی تردید کی ہے، اس لئے جمہور کے نزدیک یہ قیامت کے دن کی درازی ہے۔

پھر سورۃ السجدۃ (آیات ۴و۵) سے تعارض پیدا کیا جاتا ہے، اس میں ایک دن کی درازی ایک ہزار سال بیان کی ہے۔

ارشاد پاک ہے:

﴿ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ؕ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا شَفِیْعٍ ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور دونوں کی درمیانی چیزوں کو چھ دنوں میں، پھر وہ تختِ شاہی پر جلوہ افروز ہوئے، تمہارے لئے اللہ سے وَرے نہ کوئی کارساز ہے نہ کوئی سفارش کرنے والا، کیا پس تم سمجھتے نہیں! اللہ تعالیٰ معاملہ کا انتظام کرتے ہیں آسمان سے لے کر زمین تک، پھر وہ معاملہ ان کے حضور میں پہنچ جاتا ہے، ایک ایسے دن میں جس کی مقدار ہزار سال ہے، تمہاری گنتی کے اعتبار سے۔

ان آیات میں آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو 'چھ دنوں' میں پیدا کرنے کا ذکر ہے، ان دنوں کی مقدار کیا تھی؟ کیونکہ اس وقت نظام شمسی پیدا نہیں ہوا تھا، اس لئے معروف ایام مراد نہیں ہو سکتے۔

جواب: زمان ومکان: مخلوق (موجود خارجی) ہیں، محض اعتباری نہیں، سر اقبال رحمہ اللہ نے زمان ومکان پر پی، ایچ، ڈی کی ہے، اور اللہ تعالیٰ نہ زمانی ہیں نہ مکانی، شرح عقائد کے متن العقائد النسفیة میں ہے: لایتمکن فی مکان، ولا یجری علیه زمان: نہ تو اللہ تعالیٰ کسی جگہ میں قرار پکڑے ہوئے ہیں، نہ ان پر زمانہ گذرتا ہے، پس اللہ کا یوم: مطلق وقت کے معنی میں ہوگا، اور دنیا کا یوم زمانہ کی مقدار کا نام ہوگا۔

اور زمانہ ربڑ کی مثال ہے، اس کو دونوں سروں سے پکڑ کر کھینچیں تو لمبا ہو جائے گا، کتنا لمبا ہوگا؟ اس کا مدار کھینچنے کی مقدار پر ہوگا، پس وہ 'چھ دن' کتنے لمبے تھے؟ اس کی وضاحت کسی جگہ نہیں آئی، البتہ اس دنیا کی تدبیر (نظم وانتظام) ایک ہزار سال میں چڑھتی ہے اور نیا انتظام نازل ہوتا ہے، یہ اللہ کے یہاں کا ایک دن ہے، اور قیامت کی درازی پچاس ہزار سال ہے: یہ بھی اللہ کے یہاں کا ایک دن ہے، اس کو زیادہ کھینچ دیا تو زیادہ لمبا ہو گیا!

فائدہ: پھر وقت گذرنے کے ساتھ زمانہ کا ربڑ سمٹتا جاتا ہے، ہماری گذری ہوئی زندگی لمحہ بھر کی معلوم ہوتی ہے، اور جو باقی ہے وہ لمبی معلوم ہوتی ہے، کیونکہ مستقبل میں ربڑ کھنچا ہوا ہے اور ماضی میں سمٹا ہوا۔

الروح سے کیا مراد ہے؟ قرآنِ کریم میں الروح کا استعمال تین معنی میں ہوا ہے: (۱) دو جگہ دین وشریعت کے معنی ہیں، سورۃ النحل آیت ۲ اور سورۃ الشوریٰ آیت ۵۲ میں ہے: ﴿ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ﴾ (۲) متعدد جگہ انسان کی روح مراد ہے ﴿ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ﴾ (۳) اور تین جگہ الروح سے جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں، اس سورت میں بھی جمہور مفسرین نے جبرئیل علیہ السلام کو مراد لیا ہے، لیکن اگر مکلّف مخلوقات کی ارواح مراد لی جائیں تو اس میں بھی کچھ استبعاد نہیں۔

(۷۰) سُوْرَةُ الْمَعَارِجِ مَكِّيَّةٌ (۷۹)
اٰیاتھا ۴۴ — رکوعاتھا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَاَلَ سَآئِلٌ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۙ﴿۱﴾ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ ۙ﴿۲﴾ مِّنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِ ؕ﴿۳﴾ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ﴿۴﴾ فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا ﴿۵﴾ اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا ۙ﴿۶﴾ وَّ نَرٰىهُ قَرِيْبًا ؕ﴿۷﴾

سَاَلَ	مانگا	ذِي الْمَعَارِجِ(۳)	سیڑھیوں والے	سَنَةٍ	سال ہے
سَآئِلٌ	ایک مانگنے والے نے	تَعْرُجُ	چڑھتے ہیں	فَاصْبِرْ	پس صبر کریں آپ
بِعَذَابٍ	عذاب	الْمَلٰٓئِكَةُ	فرشتے	صَبْرًا جَمِيْلًا	خوبصورت صبر کرنا
وَّاقِعٍ(۱)	پڑنے والا	وَالرُّوْحُ(۴)	اور روحیں	اِنَّهُمْ	بے شک وہ
لِّلْكٰفِرِيْنَ	منکروں پر	اِلَيْهِ	اس کی طرف	يَرَوْنَهٗ	دیکھتے ہیں اس کو
لَيْسَ لَهٗ	نہیں اس کو	فِيْ يَوْمٍ(۵)	ایک دن میں	بَعِيْدًا	دور
دَافِعٌ	کوئی ہٹانے والا	كَانَ مِقْدَارُهٗ(۶)	اس کی مقدار	وَّ نَرٰىهُ	اور ہم دیکھتے ہیں اس کو
مِّنَ اللّٰهِ(۲)	اللہ کی طرف سے	خَمْسِيْنَ اَلْفَ	پچاس ہزار	قَرِيْبًا	نزدیک

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

کافروں کو دائمی عذاب قیامت کے دن ہوگا، اور قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا ہے

دنیا میں کافروں کا عذاب مصلحت کے تابع ہے، آ بھی سکتا ہے اور ٹل بھی سکتا ہے، مگر قیامت کے دن لامحالہ ان پر عذاب پڑے گا، جس کو کوئی ہٹا نہیں سکے گا، اور قیامت کا دن دنیا کے پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا، اس دن میں فیصلے ہونگے، پھر آسمان سے اترے ہوئے اور زمینی فرشتے اور مکلّف مخلوقات (جنّ وانس) کی ارواح آخرت (پرے کی دنیا) کی طرف چڑھیں گی، ان کے چڑھنے کے لئے اللہ نے سیڑھیاں بنا رکھی ہیں، جن کی حقیقت ابھی نہیں جانی جاسکتی، جیسے

(۱) واقع: عذاب کی صفت ہے (۲) من اللہ: واقع سے متعلق ہے (۳) معارج: مِعْراج کی جمع: سیڑھی، زینہ، چڑھنے کا ذریعہ (۴) الروح: اسم جنس ہے، قلیل وکثیر پر اس کا اطلاق ہوتا ہے (۵) فی یوم: تعرج سے متعلق ہے (۶) جملہ کان: یوم کی صفت ہے۔

آج کی لفٹ: پرانے زمانہ کی سیڑھی ہے، پھر یہ دنیا ختم کردی جائے گی، کفار اس دن کو دور سمجھ رہے ہیں، حالانکہ کل ماھو آتٍ فھو قریب، وہ دن آیا ہی چاہتا ہے۔

آیاتِ پاک: —— ایک سوال کرنے والے نے اس عذاب کے بارے میں سوال کیا جو منکرین پر واقع ہونے والا ہے، جس کو کوئی ہٹانے والا نہیں، سیڑھیوں والے اللہ کی طرف سے (واقع ہوگا) فرشتے اور روحیں اللہ کی طرف چڑھیں گی ایک ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے، پس آپ صبر کریں خوبصورت صبر کرنا —— جس میں دل گیری نہ ہو —— وہ (کافر) اس دن کو دور سمجھتے ہیں اور ہم اس کو قریب دیکھتے ہیں!

يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ﴿۸﴾ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ﴿۹﴾ وَلَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ﴿۱۰﴾ يُّبَصَّرُوْنَهُمْ ۭ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍۢ بِبَنِيْهِ ﴿۱۱﴾ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ﴿۱۲﴾ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُـْٔوِيْهِ ﴿۱۳﴾ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ ثُمَّ يُنْجِيْهِ ﴿۱۴﴾ كَلَّا ۭ اِنَّهَا لَظٰى ﴿۱۵﴾ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ﴿۱۶﴾ تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى ﴿۱۷﴾ وَجَمَعَ فَاَوْعٰى ﴿۱۸﴾

يَوْمَ تَكُوْنُ	جس دن ہو جائے گا	وَلَا يَسْـَٔلُ	اور نہیں پوچھے گا	يَوْمِئِذٍ	اس دن کے
السَّمَآءُ	آسمان	حَمِيْمٌ	جگری دوست	بِبَنِيْهِ	اپنے بیٹوں سے
كَالْمُهْلِ(۱)	پگھلے ہوئے تانبے (تیل	حَمِيْمًا	جگری دوست کو	صَاحِبَتِهٖ	اور اپنی بیوی سے
	کی تلچھٹ) کی طرح	يُّبَصَّرُوْنَهُمْ(۳)	دکھلائے جائیں گے وہ ان کو	وَ اَخِيْهِ	اور اپنے بھائی سے
وَتَكُوْنُ	اور ہو جائیں گے	يَوَدُّ	تمنا کرے گا	وَفَصِيْلَتِهِ	اور اپنے کنبے سے
الْجِبَالُ	پہاڑ	الْمُجْرِمُ	گنہگار	الَّتِيْ تُـْٔوِيْهِ(۴)	جو اس کو ٹھکانہ دیتا ہے
كَالْعِهْنِ(۲)	رنگین دھنکی ہوئی اون	لَوْ يَفْتَدِيْ	کاش بدلہ دیتا وہ	وَمَنْ فِي الْاَرْضِ	اور ان سے جو زمین میں ہیں
	کی طرح	مِنْ عَذَابِ	عذاب سے	جَمِيْعًا	سبھی سے

(۱) مُہْل کے تین ترجمے کئے گئے ہیں: (۱) پگھلی ہوئی دھات (جیسے سونا، چاندی، لوہا، تانبا) (۲) اونٹوں کو ملنے کا تارکول نما پتلا تیل (۳) تیل کی گاد (نیچے بیٹھا ہوا میل) (۲) عِهْن: رنگی ہوئی اون (۳) یبصرونھم: مستقل جملہ ہے، یُبَصَّرُوْن: فعل مع نائب فاعل (فاعل اللہ ہیں جو محذوف ہے) ھم: مفعول ثانی (۴) التی تؤویه: موصول صلہ مل کر فصیلة کی صفت، فصیلة: آدمی کا کنبہ جو قریبی رشتہ داروں پر مشتمل ہوتا ہے۔

ثُمَّ يُنْجِيْهِ(1)	پھر وہ اس کو بچالے	نَزَّاعَةً(3)	کھینچ لینے والی ہے	اَدْبَرَ	پیٹھ پھیری
كَلَّا	ہرگز نہیں	لِّلشَّوٰى(4)	کلیجے (سر کی کھال) کو	وَتَوَلّٰى	اور روگردانی کی
اِنَّهَا	بے شک وہ	تَدْعُوْا	بلائے گی وہ	وَجَمَعَ	اور اکٹھا کیا
لَظٰى(2)	شعلہ زن (تپتی آگ ہے)	مَنْ	اس کو جس نے	فَاَوْعٰى(5)	پس سینت کر رکھا

قیامت کے دن کے احوال

جس دن آسمان تیل کی گاد کی طرح ہوجائے گا ـــــ یعنی سیاہی مائل ہوجائے گا ـــــ اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین اون کی طرح ہوجائیں گے ـــــ پہاڑ مختلف رنگتوں کے ہیں، اس لئے جب وہ ریزہ ریزہ ہوجائیں گے تو ان کی گرد دھنکی ہوئی رنگین اون کے گالوں کی طرح ہوجائے گی ـــــ اور کوئی جگری دوست دوسرے جگری دوست کو نہیں پوچھے گا ـــــ سب کو اپنی اپنی پڑی ہوگی ـــــ وہ ایک دوسرے کو دکھائے جائیں گے ـــــ یعنی ایسا نہیں ہوگا کہ ملاقات نہ ہو، ملاقات ہوگی مگر کوئی کسی کا حال نہیں پوچھے گا۔

(اس دن) گنہگار تمنا کرے گا: کاش وہ بدلہ دیتا: اس دن کے عذاب سے: اپنے بیٹوں، اپنی بیوی، اپنے بھائی اور اپنے کنبے کے ذریعہ، جس میں وہ رہتا ہے، اور سبھی اہل زمین کے ذریعہ، پھر وہ اس کو بچالے ـــــ ہرگز نہیں ـــــ یعنی کوئی نہیں بچاسکتا ـــــ بے شک وہ آگ شعلہ زن ہے، کھال کھینچ لینے والی ہے! ـــــ وہ اس شخص کو بلائے گی جس نے پیٹھ پھیری اور بے رخی برتی اور مال جمع کیا اور اس کو سینت کر رکھا ـــــ اور اس میں جو اللہ کا حق ہے وہ نہیں دیا۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ﴿19﴾ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ﴿20﴾ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ﴿21﴾ اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ﴿22﴾ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ﴿23﴾ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ﴿24﴾ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿25﴾ وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿26﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿27﴾ اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ﴿28﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ﴿29﴾ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ

(۱) ینجیه: مستقل جملہ ہے اور فاعل ھو ضمیر من کی طرف لوٹتی ہے (۲) لَظٰی: مُلْتَظِیَة کے معنی میں ہیں: شعلہ زن، لَظِیَتِ النارُ: آگ کا بھڑکنا (۳) نزاعة: صیغۂ مبالغہ: سخت کھینچنے والی (۴) شوی: شَوَاة کی جمع: سر اور انگلیوں کی کھال، کلیجہ بھی اس کے معنی ہیں (۵) أوعی الشیئَ: کسی چیز کو برتن میں رکھنا، سینت کر رکھنا۔

مَلُوْمِيْنَ ۝۳۰ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝۳۱ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَ عَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝۳۲ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ۝۳۳ وَ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝۳۴ اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ۝۳۵ ع

اِنَّ الْاِنْسَانَ	بے شک انسان	لِّلسَّآئِلِ	مانگنے والوں کا	اَوْ مَا مَلَكَتْ	یا جن کے مالک ہیں
خُلِقَ	پیدا کیا گیا ہے	وَالْمَحْرُوْمِ	اور بے نصیب کا	اَيْمَانُهُمْ	ان کے دائیں ہاتھ
هَلُوْعًا (۱)	جی کا کچا (کم ہمت)	وَ الَّذِيْنَ	اور جو	فَاِنَّهُمْ	پس بے شک وہ
اِذَا مَسَّهُ	جب اس کو پہنچتی ہے	يُصَدِّقُوْنَ	تصدیق کرتے ہیں	غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ	ملامت کئے ہوئے نہیں
الشَّرُّ	برائی	بِيَوْمِ الدِّيْنِ	قیامت کے دن کی	فَمَنِ ابْتَغٰى	پس جس نے چاہا
جَزُوْعًا (۲)	(تو) گھبرا جاتا ہے	وَ الَّذِيْنَ هُمْ	اور جو کہ وہ	وَرَآءَ ذٰلِكَ	اس کے سوا
وَّاِذَا مَسَّهُ	اور جب اس کو پہنچتی ہے	مِّنْ عَذَابِ	عذاب سے	فَاُولٰٓئِكَ هُمُ	تو وہی
الْخَيْرُ	بھلائی	رَبِّهِمْ	اپنے رب کے	الْعٰدُوْنَ	حد سے بڑھنے والے ہیں
مَنُوْعًا	(تو) بہت روکنے والا	مُّشْفِقُوْنَ	ڈرنے والے ہیں	وَالَّذِيْنَ هُمْ	اور جو کہ وہ
	ہوتا ہے	اِنَّ عَذَابَ	بے شک عذاب	لِاَمٰنٰتِهِمْ	اپنی امانتوں کی
اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ (۳)	مگر نمازی مستثنیٰ ہیں	رَبِّهِمْ	ان کے رب کا	وَ عَهْدِهِمْ	اور اپنے پیمانوں کی
الَّذِيْنَ هُمْ	جو کہ وہ	غَيْرُ مَاْمُوْنٍ	بے خوف نہیں	رٰعُوْنَ	رعایت کرنے والے ہیں
عَلٰى صَلَاتِهِمْ	اپنی نمازوں پر	وَالَّذِيْنَ هُمْ	اور جو کہ وہ	وَالَّذِيْنَ هُمْ	اور جو کہ وہ
دَآئِمُوْنَ	ہمیشہ رہنے والے ہیں	لِفُرُوْجِهِمْ	اپنی شرمگاہوں کی	بِشَهٰدٰتِهِمْ	اپنی گواہیوں پر
وَالَّذِيْنَ	اور جو	حٰفِظُوْنَ	حفاظت کرنے والے ہیں	قَآئِمُوْنَ	قائم ہیں
فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ	ان کے مالوں میں	اِلَّا	مگر	وَ الَّذِيْنَ هُمْ	اور جو کہ وہ
حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ	مقررہ حق ہے	عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ	اپنی بیویوں سے	عَلٰى صَلَاتِهِمْ	اپنی نمازوں کی

(۱) ہلوعاً: خُلق کی ضمیر سے حال هَلِع (س) هَلَعًا: گھبرا جانا، بے صبرا ہو جانا (۲) جزوعًا اور منوعا: یکون محذوف کی خبر، پھر جملہ إذا کی جزاء (۳) مصلین سے مؤمنین مراد ہیں، کیونکہ نماز مؤمن کی سب سے بڑی علامت ہے۔

يُحَافِظُوْنَ	حفاظت کرنے والے ہیں	اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ	یہی لوگ باغوں میں	مُّكْرَمُوْنَ	عزت کئے ہوئے ہیں
				۞	۞

اللہ نے انسان کو بہترین سانچے میں ڈھالا ہے

پھر اس کو اختیار ہے کہ خود کو نیچے گرائے یا اوپر اٹھائے

سورۃ التین میں ہے اللہ نے انسان کو خوبصورت سانچے میں ڈھالا، پھر اللہ تعالیٰ اس کو پست سے پست تر کر دیتے ہیں، مگر جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کئے وہ بلند سے بلند تر ہو جاتے ہیں، یہی مضمون سورۃ الشّمس میں ہے، اللہ نے نفس انسانی کو درست بنایا، اور اس کو اس کی بدکرداری اور نیکوکاری الہام کی، اب وہ نفس کو مزکّی (ستھرا) بھی کر سکتا ہے اور گدلا بھی یعنی بلند بھی کر سکتا ہے اور پست بھی۔

یہاں بھی یہی مضمون ہے، انسان خود کو اپنے لیول سے گرائے گا تو کم ہمت ہو جائے گا، ذرا تکلیف پہنچے گی گھبرا جائے گا، اور خوش حال ہوگا تو بے توفیقا ہو جائے گا، اللہ کے دیئے ہوئے مال میں جو غریبوں کا حق ہے وہ بھی نہیں دے گا، یہ کافر اور نام نہاد مسلمانوں کا حال ہے، اور جو خود کو اپنے لیول سے اونچا اٹھاتے ہیں، ان کی قیامت کے دن جنت میں پذیرائی ہوگی، اور یہ مؤمن بندے ہیں، جن کی خاص علامت نماز ہے، ان میں نو خوبیاں ہوتی ہیں: ۱- وہ پابندی سے نماز پڑھتے ہیں ۲- وہ مانگنے والوں کو بھی دیتے ہیں اور نہ مانگنے والوں کو بھی پہنچاتے ہیں ۳- وہ قیامت پر یقین رکھتے ہیں ۴- وہ اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہیں ۵- وہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں ۶- وہ امانتوں کا خیال رکھتے ہیں ۷- وہ عہد و پیمان (وچن) کا پاس رکھتے ہیں ۸- وہ گواہیاں ٹھیک ٹھیک ادا کرتے ہیں ۹- وہ نمازوں کی نگہداشت رکھتے ہیں، اس میں کوئی خلل پیدا نہیں ہونے دیتے (ان خوبیوں کا ذکر اٹھارہویں پارے کے شروع میں بھی آیا ہے، تفصیل وہاں ہے ہدایت القرآن ۵:۵۲۱)

آیاتِ پاک: —— یقیناً انسان کم ہمت پیدا کیا گیا ہے، جب اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو گھبرا جاتا ہے، اور جب اس کو خوش حالی پہنچتی ہے تو بے توفیقا ہو جاتا ہے —— یعنی خرچ کرنے کی توفیق نہیں ہوتی، یہ ان بندوں کا ذکر ہے جو خود کو نیچے گراتے ہیں، یہ بندے کفار تو ہیں ہی، نام کے مسلمانوں کا بھی یہی حال ہے، کوئی بڑا نقصان ہو جاتا ہے تو ہارٹ فیل ہو جاتے ہیں یا خودکشی کر لیتے ہیں، گویا اب اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرنے پر قادر نہیں۔

سوال: کم ہمت تو اللہ نے پیدا کیا ہے، انسان نے خود کو کہاں گرایا ہے؟

جواب: بندوں کے اختیاری افعال کی دو جہتیں ہیں: کسب کی جہت اور خلق کی جہت، کبھی پہلی جہت کے لحاظ سے فعل کو بندوں کی طرف منسوب کیا جاتا ہے: ﴿ مَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ﴾: اور تجھے جو کوئی برائی پہنچتی ہے تو وہ تیرے نفس کی طرف سے ہے [النساء ۷۹] اور کبھی دوسری جہت سے بندوں کے فعل کو اللہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، یہاں ایسا ہی کیا گیا ہے، ورنہ وہ اپنی بے ایمانی سے کم ہمت ہوا ہے۔

مگر نمازی بندے —— مستثنیٰ ہیں، اور نمازیوں سے مراد مؤمنین ہیں، ایماندار بندے باحوصلہ ہوتے ہیں، مگر کامل مؤمن: —— (۱) جو پابندی سے نماز پڑھتے ہیں —— یعنی ٹھاٹھ کے نمازی ہیں، آٹھ کے اور تین سو ساٹھ کے نمازی نہیں —— (۲) اور جن کے مالوں میں سوالی اور غیر سوالی کا مقررہ حق ہے —— یعنی زکات ادا کرتے ہیں —— (۳) اور جو قیامت کے دن کی تصدیق کرتے ہیں —— یعنی دل کی تھاہ سے قیامت کو مانتے ہیں —— (۴) اور جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں —— اس لئے حرام کاموں کا ارتکاب نہیں کرتے —— بے شک ان کے رب کا عذاب بے خوف ہونے کی چیز نہیں —— (۵) اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، مگر اپنی بیویوں سے یا اپنی باندیوں سے، پس وہ ملامت کئے ہوئے نہیں، البتہ جو اس کے علاوہ چاہے وہی لوگ حد سے نکلنے والے ہیں —— (۶ و ۷) اور جو اپنی امانتوں اور اپنے پیمانوں کا لحاظ کرنے والے ہیں —— (۸) اور جو اپنی گواہیوں کو ٹھیک ٹھیک ادا کرنے والے ہیں —— (۹) اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرنے والے ہیں —— یعنی نمازوں میں آداب و سنن کا لحاظ رکھتے ہیں —— انہی کی جنت کے باغوں میں پذیرائی ہوگی!

فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ۝ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ ۝ اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ ۝ كَلَّا ۭ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ۝ فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ۝ عَلٰٓي اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ ۙ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ۝ فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ۝ يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ ۝ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۭ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ۝ ع

فَمَالِ	پس کیا ہوا	الَّذِيْنَ	ان کو جنھوں نے	كَفَرُوْا	انکار کیا

قِبَلَكَ	آپ کی طرف	أُقْسِمُ	قسم کھاتا ہوں میں	الَّذِیْ	جس کا
مُهْطِعِيْنَ (١)	دوڑنے والے ہیں	بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ	مشرقوں کے رب کی	يُوْعَدُوْنَ	وہ وعدہ کئے جاتے ہیں
عَنِ الْيَمِيْنِ	دائیں سے	وَالْمَغٰرِبِ	اور مغربوں کی	يَوْمَ	جس دن
وَعَنِ الشِّمَالِ	اور بائیں سے	اِنَّا	بے شک ہم	يَخْرُجُوْنَ	نکلیں گے وہ
عِزِيْنَ (٢)	ٹولیاں بنا کر	لَقٰدِرُوْنَ	یقیناً قادر ہیں	مِنَ الْاَجْدَاثِ (٤)	قبروں سے
اَيَطْمَعُ	کیا امید رکھتا ہے	عَلٰٓى اَنْ	اس بات پر کہ	سِرَاعًا (٥)	تیزی کے ساتھ
كُلُّ امْرِئٍ	ہر انسان	نُّبَدِّلَ	بدل دیں	كَاَنَّهُمْ	گویا وہ
مِّنْهُمْ	ان میں سے	خَيْرًا مِّنْهُمْ	ان سے بہتر کو	اِلٰى نُصُبٍ (٦)	پرستش گاہوں کی طرف
اَنْ يُّدْخَلَ	کہ داخل کیا جائے گا وہ	وَمَا نَحْنُ	اور نہیں ہیں ہم	يُّوْفِضُوْنَ (٧)	دوڑے جارہے ہیں
جَنَّةَ نَعِيْمٍ	نعمت کے باغ میں	بِمَسْبُوْقِيْنَ (٣)	ہارنے والے	خَاشِعَةً	جھکی ہوئی ہیں
كَلَّا	ہرگز نہیں	فَذَرْهُمْ	پس چھوڑیں ان کو	اَبْصَارُهُمْ	ان کی نگاہیں
اِنَّا	بے شک ہم نے	يَخُوْضُوْا	باتوں میں گھسے رہیں	تَرْهَقُهُمْ	چھائی ہوئی ہے ان پر
خَلَقْنٰهُمْ	ان کو پیدا کیا ہے	وَيَلْعَبُوْا	اور کھیلتے رہیں	ذِلَّةٌ	رسوائی
مِّمَّا	اُس سے جس کو	حَتّٰى	یہاں تک کہ	ذٰلِكَ الْيَوْمُ	یہ وہ دن ہے
يَعْلَمُوْنَ	وہ جانتے ہیں	يُلٰقُوْا	ملاقات کریں وہ	الَّذِیْ كَانُوْا	جس کا تھے وہ
فَلَآ	پس نہیں	يَوْمَهُمُ	ان کے اس دن سے	يُوْعَدُوْنَ	وعدہ کئے جاتے

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھئے!

جب نبی ﷺ قرآن کی تلاوت فرماتے تو کفار ٹھٹھ کے ٹھٹھ جمع ہوجاتے، اور ٹھٹھا مخول کرتے، سورۃ حٰمٓ السجدۃ میں ہے: ﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ۝ ﴾: اور منکرین نے کہا: اس قرآن کو مت سنو، اور اس میں غل مچادیا کرو، تاکہ تم غالب رہو، دیکھو! پستی کا حد سے گذرنا، کفار نیچے گر کر کہاں پہنچ

(۱) مُهْطِع: اسم فاعل، أَهْطَعَ فی سیرہ: تیز چلنا، دوڑنا (۲) عزین: عِزَة کی جمع: ٹولی، لوگوں کی جماعت (۳) مسبوق: سابق کی ضد، جیسے مخدوم: خادم کی ضد (۴) أجداث: جَدَث کی جمع: پرانی قبر (۵) سراعًا: حال یخرجون کے فاعل کا (۶) نُصُب: مفرد: پوجا کا پتھر، پرستش گاہ، جمع أنصاب (۷) إیفاض: تیز چلنا۔

گئے؟ اللہ کے کلام کا، اللہ کے عظیم رسول کا مذاق اڑانے لگے، کیا ان کو اس حرکت کی سزا نہیں ملے گی؟

﴿فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ۝ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ۝﴾

ترجمہ: پس کافروں کو کیا ہوا کہ آپؐ کی طرف دوڑے آرہے ہیں، دائیں اور بائیں سے غول کے غول!

یہ منہ اور مسور کی دال!

مشرکین آخری درجہ کی پستی میں گر چکے ہیں، مگر امیدوار ہیں کہ وہ جنت کے باغوں میں داخل کئے جائیں، سورۃ النحل (آیت ۶۲) میں ہے: ﴿وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى﴾: ان کی زبانیں یہ جھوٹے دعوے کرتی ہیں کہ (آخرت کی) بھلائی انہی کے لئے ہے یعنی اگر ان کو لوٹ کر اللہ کی طرف جانا ہوا تو وہاں بھی ان کے لئے بہتری ہی بہتری ہوگی ـــــ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: یہ منہ اور مسور کی دال! تم جانتے ہو کہ ہم نے تم کو مٹی سے سات مراحل سے گذار کر انسان بنایا ہے، یعنی ان کے مادۂ تخلیق میں کوئی خوبی نہیں، انسان اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری! خوبی انسان بننے کے بعد ایمان وعمل صالح سے پیدا ہوتی ہے، اور وہ ان میں ہے نہیں! پھر وہ کس منہ سے جنت کے دعویدار ہیں!

﴿اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ۝ كَلَّا ۭ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ۝﴾

ترجمہ: کیا ان میں سے ہر ایک امیدوار ہے کہ وہ نعمتوں کے باغ میں داخل کیا جائے گا؟ ہرگز نہیں! ہم نے ان کو ایسی چیز سے پیدا کیا ہے جس کو وہ جانتے ہیں!

پیشین گوئی کہ قریش آگے نہ بڑھے تو کوئی بہتر قوم ان کی جگہ لے گی

یاد ہوگا یہ سورت مکی دور کے آخر کی ہے، اب پیشین گوئی فرماتے ہیں کہ قریش پر کچھ موقوف نہیں، وہ آگے نہیں بڑھتے تو دوسری قوم ان سے بہتر اسلام کا جھنڈا اٹھائے گی، اور یہ تبدیلی اللہ کے لئے کچھ مشکل نہیں، وہ ہر روز سورج کے نکلنے کا اور ڈوبنے کا نقطہ بدلتے ہیں، ان کے لئے قریش کی جگہ بہتر لوگوں کو لانا کیا مشکل ہے!

یہ پیشین گوئی مدینہ کے انصار کے حق میں پوری ہوئی، وہ آئے اور عقبہ میں بیعت کی، اور آپؐ کو اور مسلمانوں کو مدینہ آنے کی دعوت دی، اور ہر طرح مدد کا وعدہ کیا، اس طرح اسلام کا بول بالا ہوا۔

﴿فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ۝ عَلٰٓي اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ ۙ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ۝﴾

ترجمہ: پس نہیں ـــــ قریش پر کچھ موقوف نہیں ـــــ میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے پروردگار کی!

بے شک ہم اس پر قادر ہیں کہ ان کی جگہ ان سے بہتر لوگ لے آئیں، اور ہم عاجز نہیں!

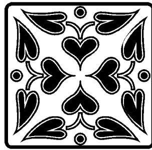
قریش کو ان کے مشغلہ میں چھوڑیے، ان کو سزا قیامت کے دن ملے گی

آخری بات یہ ہے کہ قریش کو تھوڑے دنوں کی ڈھیل ہے، ان کو ان کی لغویات میں مشغول رہنے دیجئے، ان کو سزا قیامت کے دن ملے گی، جب وہ پرانی قبروں سے نکل کر میدانِ حشر کی طرف تیزی سے دوڑیں گے جیسے اب وہ پرستش گاہوں کی طرف عقیدت اور شوق سے دوڑتے ہیں، اس دن ان کی نگاہیں جھکی ہوئی ہونگی، اور ان پر رسوائی چھائی ہوئی ہوگی، یہی دن ان کی سزا کا ہے، اور اسی کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔

﴿فَذَرْهُمْ يَخُوضُوا وَيَلْعَبُوا حَتّٰى يُلٰقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِىْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۴۲﴾ يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ ﴿۴۳﴾ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِىْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۴۴﴾﴾

ترجمہ: پس آپ ان کو اسی شغل اور تفریح میں چھوڑیں، یہاں تک کہ ان کو اپنے اس دن سے سابقہ پڑے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے، جس دن وہ قبروں سے تیزی سے نکلیں گے گویا وہ پرستش گاہوں کی طرف دوڑے جارہے ہیں، ان کی نگاہیں جھکی ہوئی ہونگی، ان پر رسوائی چھائی ہوئی ہوگی، یہی ان کا وہ دن ہے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا۔

﴿۱۹؍ ذی قعدہ ۱۴۳۷ھ = ۲۳؍ اگست ۲۰۱۶ء﴾

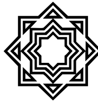


بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ النوح

یہ سورت بھی مکی دور کے آخر کی ہے، اس کا نزول کا نمبر ۷۰ ہے، اور اس سورت کا موضوع توحید ہے، اس میں توحید کی دعوت، فوائد اور دلائل ہیں، اور آخر میں انکار وعناد پر عام تباہی کا ذکر ہے، نوح علیہ السلام نے دعا کی تھی: الٰہی! زمین پر کافروں میں سے ایک باشندہ بھی نہ چھوڑیے، یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے ایسی بددعا کیوں کی، انبیاء تو رحمت ہوتے ہیں، سورۃ الانبیاء کے آخر میں ہے: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ۝﴾: اور ہم نے آپؐ کو جہانوں کے لئے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے، اس آیت میں رحمت کا حصر کیا گیا ہے، ذاتِ پاک ﷺ کا حصر نہیں کیا گیا، کیونکہ نبوت مطلقاً رحمت ہے، پھر نوح علیہ السلام نے ایسی بددعا کیوں کی؟

اس کا جواب: سورۂ یونس (آیت ۸۸) کی تفسیر میں دیا ہے کہ مقبولانِ بارگاہِ الٰہی وحی کے ذریعہ یا الہام سے یا قرائن سے: منشأ خداوندی کو پہچانتے ہیں، اور وہی کہتے ہیں جو استادِ ازل (اللہ تعالیٰ) کہلانا چاہتا ہے، عام لوگوں کو ایسے مواقع میں الجھن کا سامنا ہوتا ہے، ان کے خیال میں دعا یا بددعا: مناسب یا نامناسب ہوتی ہے، مگر مقبولانِ بارگاہِ الٰہی کے یہاں معاملہ کچھ اور ہوتا ہے، حضرت نوح علیہ السلام کی بددعا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فرعونیوں کے لئے بددعا، اور رحمۃ للعالمین ﷺ نے مسلسل سات سالہ قحط کے لئے جو بددعا فرمائی تھی (بخاری شریف، کتاب التفسیر، سورۂ دخان) وہ سب اسی شان کی دعائیں ہیں، اور اسی لئے درِ اجابت فوراً وَا ہوتا ہے —— اور اس کی نظیر: قیامت کے دن شفاعتیں ہیں، مقبولانِ بارگاہِ الٰہی اللہ تعالیٰ کی مرضی جان کر ہی شفاعتیں کریں گے، آیت الکرسی میں ہے: ﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾: وہ کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے سامنے سفارش کر سکے؟ —— اور اس کی مثال: تیماردار جب بیمار کے کسی فاسد عضو سے مایوس ہو جاتا ہے تو ڈاکٹر سے درخواست کرتا ہے کہ وہ آپریشن کر کے اس فاسد عضو کو کاٹ دے، تا کہ باقی جسم فساد سے بچ جائے!



(۷۱) سُوْرَةُ نُوْحٍ مَكِّيَّةٌ (۷۱)
آیاتہا ۲۸ — رکوعاتہا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۱ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۲ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ ۝۳ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَاۗءَ لَا يُؤَخَّرُ ۘ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۴

اِنَّآ اَرْسَلْنَا	بے شک ہم نے بھیجا	يٰقَوْمِ	اے میری قوم!	وَيُؤَخِّرْكُمْ	اور ڈھیل دیں گے تم کو
نُوْحًا	نوحؑ کو	اِنِّيْ لَكُمْ	بیشک میں تمہارے لئے	اِلٰٓى اَجَلٍ	ایک مدت تک
اِلٰى قَوْمِهٖٓ	اس کی قوم کی طرف	نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ	کھول کر ڈرانے والا ہوں	مُّسَمًّى	مقررہ
اَنْ اَنْذِرْ	(ہم نے حکم دیا) کہ ڈرا	اَنِ اعْبُدُوا	کہ بندگی کرو تم	اِنَّ اَجَلَ	بے شک مقررہ وقت
قَوْمَكَ	اپنی قوم کو	اللّٰهَ	اللہ کی	اللّٰهِ	اللہ کا
مِنْ قَبْلِ	اس سے پہلے	وَاتَّقُوْهُ	اور ڈرو اس سے	اِذَا جَاۗءَ	جب آجاتا ہے
اَنْ يَّاْتِيَهُمْ	کہ پہنچے ان کو	وَاَطِيْعُوْنِ	اور کہنا مانو میرا	لَا يُؤَخَّرُ	ٹلایا نہیں جاتا
عَذَابٌ اَلِيْمٌ	دردناک عذاب	يَغْفِرْ لَكُمْ	بخشیں گے تمہارے لئے	لَوْ كُنْتُمْ	کاش ہوتے تم
قَالَ	کہا اس نے	مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ	تمہارے گناہوں سے	تَعْلَمُوْنَ	جانتے

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

نوح علیہ السلام قوم کو توحید کی دعوت دینے کے لئے مبعوث کئے گئے

حضرت نوح علیہ السلام پہلے رسول اور انسانوں کے دوسرے دادا ہیں، اب سب انسان نوح علیہ السلام کی اولاد ہیں، ان سے پہلے انبیاء مبعوث ہوتے تھے، نبی: مؤمنین کی طرف بھیجا جاتا ہے، اور رسول: کفار ومشرکین کی طرف، وہی اس کی امتِ دعوت ہوتے ہیں، پھر جو ایمان لاتے ہیں وہ اس کی امتِ اجابت ہوتے ہیں، نوح علیہ السلام کے زمانہ تک انسان

بہت زیادہ نہیں پھیلے تھے، مگر وہ شرک میں پکّے ہو گئے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو توحید کی دعوت دینے کے لئے نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا، تا کہ وہ ان کو شرک کے بھیانک انجام سے ڈرائیں، نوح علیہ السلام نے پہلے قوم کو اپنا شناختی کارڈ دکھایا، فرمایا: میں اللہ کا رسول ہوں، تمہیں شرک کے انجام سے صاف صاف ڈرانے کے لئے آیا ہوں، پھر فرمایا:

''مورتیوں کو چھوڑ دو، اور ایک اللہ کی عبادت کرو، اور اللہ کے احکام کی خلاف ورزی مت کرو، اور میں جو باتیں تم سے کہوں ان کو مانو، اللہ تعالیٰ اب تک کی تمہاری ساری کوتاہیاں معاف کریں گے، اور تمہیں موت تک مہلت دیں گے، عذاب میں نہیں پکڑیں گے، ہاں موت وقت پر ضرور آئے گی، اللہ کا مقررہ وقت جب آتا ہے ٹلتا نہیں، کیا اچھا ہو جو تم میری باتیں بوجھو!''

آیاتِ پاک کا ترجمہ: ـــــ ہم نے بالیقین نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا کہ اپنی قوم کو ڈرا، اس سے پہلے کہ ان کو دردناک عذاب پہنچے، اس نے کہا: ''اے میری قوم! میں تمہارے لئے صاف صاف ڈرانے والا ہوں، کہ تم اللہ کی عبادت کرو، اور اس سے ڈرو، اور میرا کہنا مانو، وہ تمہارے کچھ گناہ (سابقہ گناہ) معاف کر دے گا، اور تمہیں مقررہ وقت (موت) تک ڈھیل دے گا، بے شک اللہ کا مقررہ وقت جب آتا ہے ٹلتا نہیں، کیا خوب ہو جو تم یہ باتیں جان لو''

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّنَهَارًا ۙ﴿۵﴾ فَلَمْ یَزِدْهُمْ دُعَآءِیْۤ اِلَّا فِرَارًا ﴿۶﴾ وَاِنِّیْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْۤا اَصَابِعَهُمْ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِیَابَهُمْ وَاَصَرُّوْا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ۚ﴿۷﴾ ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۙ﴿۸﴾ ثُمَّ اِنِّیْۤ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ۙ﴿۹﴾

قَالَ	کہا اس نے	اِلَّا فِرَارًا	مگر بھاگنا	فِیْۤ اٰذَانِهِمْ	اپنے کانوں میں
رَبِّ	اے میرے پروردگار!	وَاِنِّیْ	اور بے شک میں نے	وَاسْتَغْشَوْا	اور اوڑھ لئے انھوں نے
اِنِّیْ دَعَوْتُ	بے شک میں نے بلایا	كُلَّمَا	جب بھی	ثِیَابَهُمْ	اپنے کپڑے
قَوْمِیْ	اپنی قوم کو	دَعَوْتُهُمْ	بلایا ان کو	وَاَصَرُّوْا	اور اڑے رہے وہ
لَیْلًا وَّنَهَارًا	شب و روز	لِتَغْفِرَ لَهُمْ	تا کہ بخشیں آپ ان کو	وَاسْتَكْبَرُوا	اور گھمنڈ کیا انھوں نے
فَلَمْ یَزِدْهُمْ	پس نہیں بڑھایا ان کو	جَعَلُوْۤا	ٹھونسی انھوں نے	اسْتِكْبَارًا	گھمنڈ کرنا بڑا
دُعَآءِیْۤ	میرے بلانے نے	اَصَابِعَهُمْ	اپنی انگلیاں	ثُمَّ اِنِّیْ	پھر بے شک میں نے

دَعَوْتُهُمْ	بلایا ان کو	ثُمَّ اِنِّيْٓ	پھر بے شک میں نے	وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ	اور چپکے سے کہا ان سے
جِهَارًا	برملا	اَعْلَنْتُ لَهُمْ	کھول کر کہا ان سے	اِسْرَارًا	بالکل چھپ کر

نوح علیہ السلام کی دعوت صدا بہ صحرا ثابت ہوئی

نوح علیہ السلام نے قوم پر ساڑھے نوسوسال تک محنت کی مگر نتیجہ صفر رہا، ارشاد فرماتے ہیں:

نوحؑ نے عرض کیا: اے میرے رب! میں نے اپنی قوم کو شب و روز بلایا، مگر میرے بلانے پر وہ اور زیادہ بھاگتے رہے، اور میں نے جب بھی ان کو بلایا کہ آپ ان کو بخشیں تو انھوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونسیں —— کیونکہ میری بات سننا ان کو گوارہ نہ تھا، چاہتے تھے کہ میری آواز ان کے کان میں نہ پڑے —— اور اپنے کپڑے اوڑھ لئے —— تاکہ وہ مجھے نہ دیکھیں اور نہ میں ان کو دیکھوں —— اور وہ اپنی بات (شرک) پر اڑے رہے، اور انھوں نے غایت درجہ گھمنڈ کیا پھر میں نے ان کو بآوازِ بلند بلایا، پھر میں نے ان کو علانیہ سمجھایا، اور ان کو بالکل خفیہ بھی سمجھایا —— مگر سب لا حاصل رہا!

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝۱۰ۙ يُّرْسِلِ السَّمَاۗءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝۱۱ۙ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ۝۱۲ۭ مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۝۱۳ۚ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ۝۱۴ اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۝۱۵ۙ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ۝۱۶ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۝۱۷ۙ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ۝۱۸ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ۝۱۹ۙ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ۝۲۰ۧ

رکوع ۹

فَقُلْتُ	پس میں نے کہا	يُّرْسِلِ	چھوڑے گا	وَّبَنِيْنَ	اور بیٹوں سے
اسْتَغْفِرُوْا	گناہ بخشواؤ تم	السَّمَاۗءَ عَلَيْكُمْ	آسمان کو تم پر	وَيَجْعَلْ لَّكُمْ	اور بنائے گا تمہارے لئے
رَبَّكُمْ	اپنے پروردگار سے	مِّدْرَارًا (۱)	موسلا دھار	جَنّٰتٍ	باغات
اِنَّهٗ كَانَ	بے شک وہ ہے	وَّيُمْدِدْكُمْ	اور بڑھائے گا تم کو	وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ	اور بنائے گا تمہارے لئے
غَفَّارًا	بڑا بخشنے والا	بِاَمْوَالٍ	مال سے	اَنْهٰرًا	نہریں

(۱) مِدْرَار: صیغۂ مبالغہ، دَرَّ الدَّرُّ (ن،ض) دَرًّا: دودھ کا کثرت سے ہونا، جاری ہونا، بہنا۔

مَا لَكُمْ	تمہیں کیا ہوا	طِبَاقًا	تہ بہ تہ	ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ	پھر لوٹائے گا وہ تم کو
لَا تَرْجُوْنَ	نہیں امید رکھتے تم	وَّجَعَلَ	اور بنایا	فِيْهَا	اس میں
لِلّٰهِ	اللہ کے لئے	الْقَمَرَ فِيْهِنَّ	چاندکوان میں	وَيُخْرِجُكُمْ	اور نکالے گا تم کو
وَقَارًا(۱)	عظمت کی	نُوْرًا	نور	اِخْرَاجًا(۴)	خاص انداز سے نکالنا
وَقَدْ خَلَقَكُمْ	حالانکہ پیدا کیا ہے اس	وَّجَعَلَ	اور بنایا	وَاللّٰهُ	اور اللہ نے
	نے تم کو	الشَّمْسَ	سورج کو	جَعَلَ لَكُمُ	بنایا تمہارے لئے
اَطْوَارًا(۲)	طرح طرح سے	سِرَاجًا	چراغ	الْاَرْضَ	زمین کو
اَلَمْ تَرَوْا	کیا نہیں دیکھتے تم	وَاللّٰهُ	اور اللہ نے	بِسَاطًا	فرش
كَيْفَ خَلَقَ	کیسے پیدا کئے ہیں	اَنْۢبَتَكُمْ	اگایا تم کو	لِتَسْلُكُوْا مِنْهَا	تاکہ چلو تم اس کی
اللّٰهُ	اللہ نے	مِّنَ الْاَرْضِ	زمین سے	سُبُلًا	راہوں میں
سَبْعَ سَمٰوٰتٍ	سات آسمان	نَبَاتًا(۳)	خاص انداز سے اگانا	فِجَاجًا	کشادہ

نوح علیہ السلام نے قوم کو انفس وآفاق کے دلائل سے توحید اور اللہ کی عظمت سمجھائی

جو گناہوں سے توبہ کرے وہ نہال اور مالا مال ہوجائے گا: ـــــ پس میں نے ـــــ نوح علیہ السلام نے ـــــ کہا: تم اپنے پروردگار سے گناہ بخشواؤ ـــــ یعنی شرک سے توبہ کرو ـــــ بے شک وہ بڑے بخشنے والے ہیں، وہ بکثرت تم پر بارش برسائیں گے، اور تمہیں مال اور اولاد میں ترقی دیں گے، اور تمہارے لئے باغات لگائیں گے، اور تمہارے لئے نہریں بہائیں گے!

انفس وآفاق میں غور کرو اللہ کی عظمت سمجھ میں آئے گی: ـــــ (نوح علیہ السلام نے کہا:) تمہیں کیا ہوا کہ تم اللہ کی عظمت کے معتقد نہیں ہوتے، حالانکہ اس نے تم کو طرح طرح سے پیدا کیا ـــــ مٹی سے غذا نکالی، غذا سے خون بنایا، خون سے مادّہ بنایا، مادّہ رحم مادر میں پہنچا تو خون بستہ (کلیجی جیسا) بنا، پھر وہ گوشت کی بوٹی بن گیا، پھر اس میں ہڈیاں ابھریں، پھر ان پر گوشت چڑھا، پھر اشرف المخلوقات انسان وجود میں آیا، فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ! ـــــ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح سات آسمان اوپر تلے پیدا کئے ہیں، اور ان میں چاند کو نور بنایا، اور سورج کو چراغ

(۱) وقار: مصدر، وَقُر (ک) باوقار ہونا، یہاں عظمت کے معنی ہیں (۲) أطوار: طَور کی جمع: مختلف حالتیں (۳) نباتا اور إخراجا: مفعول مطلق بیان نوع کے لئے ہیں (۴) فِجَاج: فَجّ کی جمع: کشادہ۔

بنایا، اور اللہ نے تم کو زمین سے خاص طور پر اگایا ـــ جس کی تفصیل ابھی گذری ـــ پھر وہ (موت کے بعد) تم کو اس میں لوٹائے گا، پھر وہ تمہیں (قیامت کے دن) خاص طور سے نکالے گا ـــ اجسام زمین سے گھاس کی طرح اگیں گے، پھر ارواح عالم برزخ سے ریوس آئیں گی، اور اپنی اپنی باڈیوں میں داخل ہونگی تو نئی زندگی شروع ہوگی ـــ اور اللہ نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا، تا کہ تم اس کے کشادہ راستوں میں چلو! ـــ مکہ میں پہاڑ ہی پہاڑ ہیں، مگر درمیان میں کشادہ راہیں بھی ہیں، جن کی وجہ سے ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچنا آسان ہوگیا ہے، اگر یہ راہیں نہ ہوتیں تو انسان ایک جگہ گھر کر رہ جاتا!

قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗٓ اِلَّا خَسَارًا ﴿۲۱﴾ وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ﴿۲۲﴾ وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۥ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ﴿۲۳﴾ وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۥ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ﴿۲۴﴾

قَالَ نُوْحٌ	نوحؑ نے کہا	اِلَّا خَسَارًا	مگر گھاٹا	وَّلَا سُوَاعًا	اور نہ سواع کو
رَّبِّ	اے رب!	وَمَكَرُوْا	اور داؤ چلے وہ	وَّلَا يَغُوْثَ	اور نہ یغوث کو
اِنَّهُمْ	بے شک انھوں نے	مَكْرًا	داؤ	وَيَعُوْقَ	اور یعوق کو
عَصَوْنِيْ	میری نافرمانی کی	كُبَّارًا (۲)	بڑے	وَنَسْرًا	اور نسر کو
وَاتَّبَعُوْا	اور پیروی کی انھوں نے	وَقَالُوْا	اور کہا انھوں نے	وَقَدْ اَضَلُّوْا	اور بالتحقیق گمراہ کیا انھوں نے
مَنْ (۱)	اس کی جس کو	لَا تَذَرُنَّ	ہرگز مت چھوڑو	كَثِيْرًا	بہت سوں کو
لَّمْ يَزِدْهُ	نہیں بڑھایا اس کو	اٰلِهَتَكُمْ	اپنے معبودوں کو	وَلَا تَزِدِ	اور نہ بڑھائیں آپ
مَالُهٗ	اس کے مال نے	وَلَا تَذَرُنَّ	اور ہرگز مت چھوڑو	الظّٰلِمِيْنَ	ظالموں کی
وَوَلَدُهٗ	اور اس کی اولاد نے	وَدًّا	ودّ کو	اِلَّا ضَلٰلًا	مگر گمراہی

قوم نے نوح علیہ السلام کی بات نہیں مانی، اپنے سرداروں کی بات مانی

نوحؑ نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! ان لوگوں نے میرا کہنا نہیں مانا، اور ایسے لوگوں کا کہنا مانا جن کے مال اور

(۱) مَن: موصولہ، صلہ سے مل کر اتبعوا کا مفعول بہ (۲) کُبَّار: صیغۂ مبالغہ، اس میں کُبار سے معنی کی زیادتی ہے، اور کُبار میں کبیر سے معنی کی زیادتی ہے۔

اولاد نے ان کو نقصان ہی پہنچایا ـــــ یعنی اپنے رئیسوں اور مالداروں کا کہنا مانا، جن کے مال اور اولاد میں کچھ خوبی اور بہتری نہیں، بلکہ وہ ان پر ٹوٹا ہے، اُن ہی کے سبب دین سے محروم رہے (فوائد) ـــــ اور وہ (میرے خلاف) بڑی بڑی چالیں چلے، اور انھوں نے (لوگوں سے) کہا: تم اپنے معبودوں کو ہرگز مت چھوڑو! اور تم (خاص طور پر) ہرگز مت چھوڑو وَدّ کو اور نہ سُواع کو اور نہ یغوث کو، اور یعوق اور نسر کو، اور انھوں نے بہتوں کو گمراہ کیا ـــــ صرف اسّی مرد وزن ایمان لائے تھے ـــــ اور آپ ان ظالموں کی گمراہی اور بڑھا دیجئے!

فائدہ (۱): نوح علیہ السلام کی قوم میں بت پرستی کا رواج کیسے ہوا؟ پہلے زمانہ میں کچھ بزرگ لوگ تھے، ان کی وفات کے بعد شیطان کے اغواء (بہکانے) سے قوم نے ان کی تصویریں بطور یادگار کھڑی کرلیں، پھر ان کی تعظیم ہونے لگی، پھر پرستش ہونے لگی، یہی مورتیاں عرب میں آگئی تھیں: بخاری شریف کی حدیث (نمبر ۴۹۲۰) ہے:

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: جو مورتیاں قوم نوح میں رائج تھیں وہ بعد میں عرب میں رائج ہوگئیں: وَدّ: دومۃ الجندل میں قبیلہ کلب کا تھا، سُوَاع: قبیلہ ہذیل کا، یَغُوْث: قبیلۂ مراد کا، بعد میں وہ سبأ کے پاس یعنی یمن میں جوف مقام میں قبیلہ غطفان کا ہوا، یَعُوْق: قبیلۂ ہمدان کا، اور نَسْر: حمیر قبیلہ کے ذوالکلاع خاندان کا تھا ـــــ اور نَسْر (اور باقی چار) قوم نوح علیہ السلام کے نیک لوگوں کے نام ہیں، جب ان کا انتقال ہوا تو شیطان نے ان کی قوم کو پٹی پڑھائی کہ ان کی ان مجلسوں میں جن میں وہ بیٹھا کرتے تھے ان کے مجسمے کھڑے کردو، اور ان کے ناموں سے نامزد کردو، چنانچہ انھوں نے ایسا کیا، پس وہ پوجے نہیں گئے یہاں تک کہ جب وہ نسل ختم ہوگئی، اور علم مٹ گیا تو ان کی پرستش شروع ہوگئی۔

فائدہ (۲): دیوبندیت کا امتیاز اکابر کی قبروں کے ساتھ اعتدال برتنا ہے، سنت سے جو ثابت ہے اسی تک رہنا ہے، آگے نہیں بڑھنا، مگر اب دیوبند میں اکابر کے فوٹو بکنے لگے ہیں، ان کی قبروں پر کتبے لگ گئے ہیں، مراقبے ہونے لگے ہیں، یہ سلسلہ بڑھا تو سجدے بھی ہونے لگیں گے، اور دور دور سے لوگ اکابر کی قبروں کی زیارت کے لئے آنے لگے ہیں، یہ سلسلہ بڑھا تو عرس بھی ہونے لگے گا، اور بڑوں کی قبریں مسجد یا مدرسہ کے احاطے میں بننے لگی ہیں، جب دیوبندیوں میں جہالت آئے گی تو ان قبروں کی پرستش ہوگی، اللہ ہماری حفاظت فرمائیں۔

مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ۝۲۵ وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ۝۲۶ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۝۲۷ رَبِّ

اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا ۝۲۸

مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ (۱)	ان کی غلطیوں کی وجہ سے	عَلَى الْاَرْضِ	زمین پر	اغْفِرْ لِيْ	بخشیں مجھے
اُغْرِقُوْا	وہ ڈبائے گئے	مِنَ الْكٰفِرِيْنَ	کافروں کا	وَلِوَالِدَيَّ	اور میرے ماں باپ کو
فَاُدْخِلُوْا	پس داخل کیے گئے	دَيَّارًا (۲)	کوئی بسنے والا گھر	وَلِمَنْ	اور اس کو جو
نَارًا	آگ میں	اِنَّكَ اِنْ	بے شک آپ اگر	دَخَلَ	آیا
فَلَمْ يَجِدُوْا	پس نہیں پایا انھوں نے	تَذَرْهُمْ	چھوڑیں گے ان کو	بَيْتِيَ	میرے گھر میں
لَهُمْ	اپنے لئے	يُضِلُّوْا	گمراہ کریں گے وہ	مُؤْمِنًا	مؤمن ہوکر
مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ سے ورے	عِبَادَكَ	آپ کے بندوں کو	وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ	اور مؤمن مردوں کو
اَنْصَارًا	کوئی مددگار	وَلَا يَلِدُوْٓا	اور نہیں جنیں گے وہ	وَالْمُؤْمِنٰتِ	اور مؤمن عورتوں کو
وَقَالَ نُوْحٌ	اور دعا کی نوح نے	اِلَّا فَاجِرًا	مگر بدکار	وَلَا تَزِدِ	اور نہ بڑھائیں آپ
رَّبِّ	اے میرے ربّ!	كَفَّارًا	حق کے منکر کو	الظّٰلِمِيْنَ	ظالموں کی
لَا تَذَرْ	نہ چھوڑیں آپ	رَبِّ	اے میرے رب	اِلَّا تَبَارًا (۳)	مگر تباہی!

نوح علیہ السلام کی قوم اپنی غلطیوں کی وجہ سے غرقاب ہوئی، بددعا رمز تھا

ارشاد فرماتے ہیں: اپنے ان ہی گناہوں کے سبب وہ غرقاب کئے گئے، پھر وہ دوزخ میں داخل کئے گئے ـــــ یعنی دنیا کی سزا پر اکتفا نہیں کیا گیا ـــــ اور اللہ کے سوا ان کو کوئی مددگار میسر نہیں آیا ـــــ آگے نوح علیہ السلام کی بددعا آرہی ہے، اس آیت کی تقدیم میں اشارہ ہے کہ ان کی ہلاکت کا اصل سبب ان کی نافرمانی تھی۔

اور نوحؑ نے دعا کی: اے میرے رب! کافروں میں سے زمین پر ایک بھی باشندہ نہ چھوڑیں، اگر آپ ان کو چھوڑیں گے تو وہ آپ کے بندوں کو (ان مؤمنین کو جو نجات پائیں گے) گمراہ کریں گے، اور ان کی کافر وفاجر ہی اولاد پیدا ہوگی! ـــــ اے میرے پروردگار! مجھے، میرے ماں باپ کو، اور جو مؤمن ہونے کی حالت میں میرے گھر میں آئے اور مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو بخش دیں، اور ان ظالموں کی ہلاکت ہی بڑھائیں!

(۱) مما: میں ما زائد ہے، اور من اجلیہ ہے (۲) دَیَّار: بسنے والا، رہنے والا، دَوْر سے جس کے معنی ہیں: گھومنا (۳) تَبَار: مصدر: ہلاکت، ہلاک کرنا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الجنّ

اس سورت کا موضوع بھی توحید ہے، یہ سورت مکی دور کے وسط کی ہے، اس کا نزول کا نمبر ۴۰ ہے، گذشتہ سورت میں انسان (نوح علیہ السلام) نے انسانوں کو توحید کی دعوت دی تھی، اس سورت میں جنات نے جنات کو توحید کی دعوت دی ہے، اور دوسرے رکوع میں بھی نفی شرک اور توحید سے متعلق مختلف مضامین ہیں۔

زمین میں تین مخلوقات ایک ساتھ بسی ہوئی ہیں: زمین میں بے شمار مخلوقات ہیں:﴿ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ﴾: اور آپ کے رب کے لشکروں کو ان کے سوا کوئی نہیں جانتا! مگر ان میں خاص مخلوقات تین ہیں: زمینی فرشتے (ملأ سافل) جنّات اور انسان، اور تینوں میں لطافت و کثافت کا پارٹیشن ہے، لطیف مخلوق کو کثیف مخلوق نظر آتی ہے، اور کثیف کو لطیف نظر نہیں آتی، ان میں سے فرشتے مکلّف نہیں، جیسے اور مخلوقات (حیوانات) مکلّف نہیں، فرشتوں کی فطرت میں دیگر مخلوقات کی طرح سلامتی ہے، وہ ہر وقت اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں:﴿ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ ﴾: کوئی چیز ایسی نہیں جو تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بیان نہ کرتی ہو!

اور جنات اور انسان مکلّف مخلوق ہیں، ان کی فطرت میں خیر وشر دونوں ہیں، وہ اپنے اختیار سے ایک پہلو اختیار کر سکتے ہیں، اور پہلے زمین پر فرشتے پیدا کئے گئے، پھر جنات، پھر انسان، یہ آخری دونوں ہدایت کے محتاج ہیں، پہلے جنات میں بھی رسالت کا سلسلہ ہوگا، مگر جب سے انسان پیدا ہوا ہدایت ورسالت میں جنات انسانوں کے تابع کئے گئے، اب وہ انسان رسول کی امت ہیں، اور ان میں بھی وہ تمام فرقے ہیں جو انسانوں میں ہیں، ان میں یہود ونصاری، ہندو اور مسلمان سب ہیں۔

سورۂ جنّ میں جنات کی رپورٹ نازل کی گئی ہے: جنات پہلے آسمان کے قریب جاتے تھے، فرشتوں کی باتیں سنتے تھے اور کاہنوں کے کانوں میں ڈالتے تھے، پھر جب قرآن کا نزول شروع ہوا تو ان پر پابندی لگ گئی، اب وہ آسمان کے قریب نہیں جا سکتے، جاتے ہیں تو میزائل داغے جاتے ہیں، شہاب ثاقب سے ان کی خبر لی جاتی ہے، اس صورتِ حال نے شیاطین کے لئے لمحۂ فکر یہ پیدا کیا، انھوں نے عالمی کانفرس بلائی، اس میں غور وفکر کے بعد طے پایا کہ ضرور زمین میں کوئی نئی بات پیدا ہوئی ہے جس کی وجہ سے یہ پابندی لگی ہے، چنانچہ نئی بات جاننے کے لئے کمیشن بنائے گئے جو زمین کا دورہ کریں گے، اور ان کو ڈویژن تقسیم کر کے دیئے گئے، ان میں ایک وفد نصیبین کے جنات کا تھا، ان کو تہامہ کا جائزہ لینے کی

ذمہ داری سپرد کی گئی۔

ہجرت سے پہلے نبی ﷺ عکاظ میلے میں لوگوں کو دین کی دعوت دینے کے لئے تشریف لے جارہے تھے، رات میں نخلہ مقام میں قیام فرمایا، وہاں آپؐ فجر کی نماز پڑھارہے تھے، اور زور سے قرآن پڑھ رہے تھے اچانک وہاں سے جنات کا وفد گذرا، جب قرآن کی آواز ان کے کان میں پڑی تو وہ یکدم رک گئے، اور غور سے سننے لگے، قرآن سن کر وہ سمجھ گئے کہ یہی وہ کلام ہے جس کی وجہ سے ان پر پابندی لگی ہے، وہ قرآن پر ایمان لے آئے، اور نبی ﷺ سے ملاقات کئے بغیر قوم کی طرف لوٹ گئے، اور اپنی مفصل رپورٹ پیش کی، جو سورۃ الجن میں نازل کی گئی، اور جنات کی آمد کی اور ایمان قبول کرنے کی اطلاع آپؐ کو سورۃ الاحقاف آیات (۲۹-۳۲) کے ذریعہ دی گئی۔

اور یہ مضمون بخاری شریف کی حدیث (نمبر ۴۹۲۱) میں آیا ہے، جو درج ذیل ہے:

حدیث: رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کی ایک جماعت کے ساتھ بازار عکاظ کی طرف جانے کی نیت سے چلے درانحالیکہ شیاطین کے درمیان اور آسمان کی خبروں کے درمیان روک لگادی گئی تھی یعنی اس واقعہ سے پہلے جنات کو آسمان پر جانے سے روک دیا گیا تھا، اور ان پر انگارے برسائے جاتے تھے (میزائل داغے جاتے تھے) پس شیاطین اپنی قوم کی طرف لوٹے، پس قوم نے پوچھا: کیا بات ہے؟ یعنی خبریں کیوں نہیں لائے؟ انھوں نے کہا: ہمارے درمیان اور آسمان کی خبروں کے درمیان پہرہ بٹھادیا گیا ہے اور ہم پر آگ کے گولے داغے جاتے ہیں، انھوں نے کہا: تمہارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان جو رکاوٹ پیدا ہوئی ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ کوئی نئی بات پیدا ہوئی ہے، لہٰذا تم مشرق ومغرب کا دورہ کرو، پس دیکھو وہ کیا نئی بات ہے جو تمہارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان حائل ہوئی ہے؟ پس پھرے وہ لوگ جو تہامہ کی طرف متوجہ ہوئے تھے، نبی ﷺ کی طرف، درانحالیکہ آپ مقام نخلہ میں تھے، اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ بازار عکاظ جانے کا ارادہ رکھتے تھے، اور آپؐ وہاں صحابہ کو فجر کی نماز پڑھارہے تھے، پس جب ان جنات نے قرآن سنا تو وہ بغور سننے لگے، پس انھوں نے کہا: قسم بخدا! یہی وہ کلام ہے جو ہمارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان حائل ہوا ہے، پس وہی جگہ ہے جب وہ اپنی قوم کی طرف لوٹے، کہا انھوں نے: اے ہماری قوم! بے شک ہم نے عجیب قرآن سنا ہے جو نیک راستے کی راہنمائی کرتا ہے، پس ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر یہ آیات اتاریں ﴿قُلْ أُوْحِیَ اِلَیَّ﴾ (سورۃ الجنّ) اور آپؐ کی طرف جنات کی بات ہی وحی کی گئی، یعنی جنات نے اپنی قوم میں جو رپوٹ پیش کی تھی وہ سورۃ الجن میں نازل کی گئی، اس وقت وہ جنات آپؐ سے نہیں ملے تھے، سورۂ احقاف (آیت ۲۹) میں ان جنات کی آمد کی اطلاع دی گئی۔

آیاتها ۲۸ (۷۲) سُوْرَةُ الْجِنِّ مَكِّيَّةٌ (۴۰) رکوعاتها ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۝۱ يَّهْدِيْٓ
اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ۭ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۝۲ وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا
مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ۝۳ وَّاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ۝۴
وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۝۵ وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ
الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۝۶ وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ
لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ۝۷ وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَاۗءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ۝۸
وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ۭ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا
رَّصَدًا ۝۹ وَّاَنَّا لَا نَدْرِيْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۝۱۰
وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ۭ كُنَّا طَرَاۗىِٕقَ قِدَدًا ۝۱۱ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ
نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ۝۱۲ وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓى اٰمَنَّا بِهٖ ۭ فَمَنْ
يُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ۝۱۳ وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ۭ
فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰۗىِٕكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ۝۱۴ وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ۝۱۵
وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَي الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّاۗءً غَدَقًا ۝۱۶ لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۭ وَمَنْ
يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ۝۱۷ وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ
اللّٰهِ اَحَدًا ۝۱۸ وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ۝۱۹ ع

قُلْ	آپ کہیں	اُوْحِيَ	وحی کی گئی	اِلَيَّ	میری طرف

اَنَّهٗ[1]	شان یہ ہے کہ	وَّ اَنَّهٗ	اورشان یہ ہے کہ	الْاِنْسُ وَالْجِنُّ	انس وجن
اسْتَمَعَ	غور سے سنی بات	تَعٰلٰی	برتر ہے	عَلَی اللّٰهِ	اللہ پر
نَفَرٌ	ایک جماعت نے	جَدُّ[3]	نصیبہ	كَذِبًا	جھوٹی بات
مِّنَ الْجِنِّ	جنات کی	رَبِّنَا	ہمارے رب کا	وَّاَنَّهٗ	اورشان یہ ہے کہ
فَقَالُوْٓا	پس کہا انھوں نے	مَا اتَّخَذَ	نہیں بنائی اس نے	كَانَ رِجَالٌ	کچھ مرد تھے
اِنَّا سَمِعْنَا[2]	بے شک ہم نے سنا	صَاحِبَةً	کوئی بیوی	مِّنَ الْاِنْسِ	انسانوں میں سے
قُرْاٰنًا	پڑھنا	وَّلَا وَلَدًا	اور نہ کوئی اولاد	يَعُوْذُوْنَ	پناہ لیتے تھے
عَجَبًا	عجیب	وَّاَنَّهٗ	اورشان یہ ہے کہ	بِرِجَالٍ	کچھ مردوں کی
يَّهْدِيْٓ	راہ دکھاتا ہے	كَانَ يَقُوْلُ	کہا کرتا تھا	مِّنَ الْجِنِّ	جنات میں سے
اِلَى الرُّشْدِ	بھلائی کی	سَفِيْهُنَا	ہمارا بے وقوف	فَزَادُوْهُمْ	پس بڑھائی انھوں نے انکی
فَاٰمَنَّا	پس ایمان لائے ہم	عَلَى اللّٰهِ	اللہ پر	رَهَقًا[5]	بد دماغی
بِهٖ	اس پر	شَطَطًا[4]	بڑھی ہوئی بات	وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا	اور یہ کہ گمان کیا انھوں نے
وَلَنْ نُّشْرِكَ	اور ہرگز شریک نہیں	وَّاَنَّا	اور یہ کہ ہم نے	كَمَا ظَنَنْتُمْ	جیسا گمان کیا تم نے
	کریں گے ہم	ظَنَنَّآ	خیال کیا	اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ	کہ ہرگز نہیں بھیجیں گے
بِرَبِّنَآ	ہمارے رب کے ساتھ	اَنْ لَّنْ	کہ ہرگز نہیں	اللّٰهُ اَحَدًا	اللہ کسی کو
اَحَدًا	کسی کو	تَقُوْلَ	کہیں گے	وَّاَنَّا لَمَسْنَا	اور یہ کہ ہم نے ٹٹول لیا

(۱) اس أنَّ پر آگے جو پندرہ جگہ أنَّ آرہا ہے: معطوف ہے، پھر سب أوحی کا نائب فاعل (مفعول بہ) ہیں، جنات کی یہ پوری رپورٹ جو سولہ دفعات پر مشتمل ہے: وحی کی گئی ہے۔ قاعدہ: إن (بالکسر) اور أن (بالفتح) دونوں حروف مشبہ بالفعل ہیں، دونوں مضمون جملہ کی تاکید کے لئے ہیں، إنَّ: جملہ کے شروع میں آتا ہے اور أن درمیان میں، جیسے إن الله عليم: بے شک اللہ جاننے والے ہیں اور علمتُ أنك عالم: بے شک مجھے معلوم ہے کہ آپ جانتے ہیں، اور دونوں کا اسم منصوب اور خبر مرفوع ہوتی ہے، اور دونوں کا اسم کبھی ضمیر ہوتی ہے، پھر ضمیر کبھی خالی ہوتی ہے، اس کا مرجع نہیں ہوتا، وہ ضمیر شان کہلاتی ہے، اور کبھی ضمیر بھری ہوتی ہے، اس کا مرجع ہوتا ہے، جنات کی رپورٹ میں پانچ جگہ ضمیر شان ہے، اس کا ترجمہ نہیں کیا گیا۔

(۲) یہ إن: قال کے ماتحت ہے (۳) جَدّ: شان، نصیبہ، عظمت (۴) شطط: مصدر، شَطَّ شَطَطًا: حد سے تجاوز کرنا۔

(۵) رَهَقًا: مصدر: زیادتی، بد دماغی رَهِق (س) رَهَقًا: ظلم وزیادتی کرنا، گناہوں میں مبتلا ہونا، بد دماغی: حاصل مصدر ہے۔

السَّمَآءَ	آسمان کو	وَّاَنَّا مِنَّا	اور یہ کہ ہم میں سے بعض	وَّلَا رَهَقًا	اور نہ کسی زبردستی سے
فَوَجَدْنٰهَا	پس پایا ہم نے اس کو	الصّٰلِحُوْنَ	نیک ہیں	وَّاَنَّا مِنَّا	اور یہ کہ ہم میں سے بعض
مُلِئَتْ	بھرا گیا ہے	وَمِنَّا	اور ہم میں سے بعض	الْمُسْلِمُوْنَ	فرمان بردار ہیں
حَرَسًا شَدِيْدًا	سخت چوکیداروں سے	دُوْنَ ذٰلِكَ	اس سے ورے ہیں	وَمِنَّا	اور ہم میں سے بعض
وَّشُهُبًا	اور انگاروں سے	كُنَّا طَرَآئِقَ	تھے ہم راہیں	الْقٰسِطُوْنَ	ناانصاف ہیں
وَّاَنَّا كُنَّا	اور یہ کہ تھے ہم	قِدَدًا(۱)	پھٹی ہوئی	فَمَنْ اَسْلَمَ	پس جو فرمان بردار ہوا
نَقْعُدُ	بیٹھتے تھے	وَّاَنَّا ظَنَنَّا	اور یہ کہ خیال کیا ہم نے	فَاُولٰٓئِكَ	پس انھوں نے
مِنْهَا	آسمان سے	اَنْ لَّنْ	کہ ہرگز نہیں	تَحَرَّوْا	سوچ لی
مَقَاعِدَ	نشست گاہوں میں	نُّعْجِزَ اللّٰهَ	عاجز کر سکتے ہم اللہ کو	رَشَدًا	بھلائی
لِلسَّمْعِ	سننے کے لئے	فِي الْاَرْضِ	زمین میں	وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ	اور رہے ناانصاف
فَمَنْ يَّسْتَمِعِ	پس جو سنتا ہے	وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ	اور ہرگز نہیں عاجز کر	فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ	پس وہ جہنم کا
الْاٰنَ	اب		سکتے اس کو	حَطَبًا	ایندھن ہیں
يَجِدْ لَهٗ	پاتا ہے اپنے لئے	هَرَبًا	بھاگ کر	وَّاَنْ لَّوِ	اور یہ کہ اگر
شِهَابًا رَّصَدًا	انگارا گھات میں لگا ہوا	وَّاَنَّا لَمَّا	اور یہ کہ جب	اسْتَقَامُوْا	سیدھے رہتے وہ
وَّاَنَّا لَا نَدْرِيْٓ	اور ہم نہیں جانتے کہ	سَمِعْنَا	سنی ہم نے	عَلَى الطَّرِيْقَةِ	راستے پر
اَشَرٌّ	آیا برائی	الْهُدٰٓى	ہدایت (راہ نمائی)	لَاَسْقَيْنٰهُمْ	تو ضرور پلاتے ہم ان کو
اُرِيْدَ	چاہی گئی ہے	اٰمَنَّا بِهٖ	ایمان لائے ہم اس پر	مَّآءً غَدَقًا(۲)	کثیر پانی
بِمَنْ فِي الْاَرْضِ	ان کے ساتھ جو زمین	فَمَنْ يُّؤْمِنْۢ	پس جو ایمان لایا	لِّنَفْتِنَهُمْ	تاکہ جانچیں ہم ان کو
	میں ہیں	بِرَبِّهٖ	اپنے رب پر	فِيْهِ	اس (پانی) میں
اَمْ اَرَادَ بِهِمْ	یا چاہی ہے ان کے ساتھ	فَلَا يَخَافُ	پس نہیں ڈرتا وہ	وَمَنْ يُّعْرِضْ	اور جو روگردانی کرے گا
رَبُّهُمْ رَشَدًا	ان کے رب نے بھلائی	بَخْسًا	کسی کمی سے	عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ	اپنے رب کے ذکر سے

(۱) قِدَد: قِدَّة کی جمع: مختلف الخیال لوگوں کی جماعت۔

(۲) غَدَقًا: مصدر باب سَمِع: کثیر پانی، غَدِقَ المطرُ: خوب بارش ہونا۔

يَسْلُكْهُ	چلائیں گے وہ اس کو	مَعَ اللهِ	اللہ کے ساتھ	يَدْعُوْهُ	پکارتا ہے وہ اس کو
عَذَابًا صَعَدًا(۱)	سخت عذاب میں	اَحَدًا	کسی کو	كَادُوْا	قریب ہیں وہ
وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ	اور یہ کہ عبادت گاہیں	وَّاَنَّهٗ	اور شان یہ ہے کہ	يَكُوْنُوْنَ	ہوجائیں
لِلّٰهِ	اللہ کے لئے ہیں	لَمَّا قَامَ	جب کھڑا ہوا	عَلَيْهِ	اس پر
فَلَا تَدْعُوْا	پس مت پکارو	عَبْدُ اللهِ	اللہ کا بندہ	لِبَدًا	ٹھٹھ (جھم گٹا)

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

جنات کی سولہ دفعات پر مشتمل تحقیقاتی رپورٹ

جنات نے اپنی اتھارٹی کو یہ تحقیقاتی رپورٹ سولہ دفعات پر مشتمل پیش کی ہے، آج بھی کمیشن اسی طرح دفعہ دار رپورٹ لکھتے ہیں، ذیل میں ان کو دفعہ دار لکھا ہے، تا کہ سمجھنے میں آسانی ہو۔

﴿قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ:﴾

ترجمہ: آپ (لوگوں سے) کہیں: میری طرف وحی کی گئی:

﴿اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۝ يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ۭ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۝﴾

۱- کہ جنات کی ایک جماعت نے قرآن سنا، پس انھوں نے (اپنی قوم سے) کہا: بے شک ہم نے ایک عجیب پڑھنے کی کتاب سنی، جو راہ ہدایت دکھاتی ہے، پس ہم تو اس پر ایمان لے آئے، اور ہم اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے!

﴿وَّ اَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ۝﴾

۲-اور یہ کہ ہمارے پروردگار کا بڑا رتبہ (شان) ہے، اس نے نہ کسی کو بیوی بنایا اور نہ اولاد!

﴿وَّاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللهِ شَطَطًا ۝﴾

۳-اور یہ کہ ہمارا بے وقوف اللہ کی شان میں حد سے بڑھی ہوئی بات کہا کرتا تھا ــــــ یعنی وہ اللہ کے لئے بیوی اور اولاد مانتا ہے، جو اس کی بے وقوفی ہے، جنات کے احمقوں نے اللہ کا جنات کے ساتھ دامادی کا رشتہ قائم کیا تھا، اور وہ اللہ کو صاحبِ اولاد مانتے تھے، مشرکین فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں اور عیسائی: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مانتے ہیں، سورۃ

(۱) صَعَدَ: سخت، مصدر بابِ سمع أي غذابًا عاليا يغمره ويعلو عليه۔

الصافات میں اس کی تردید ہے (ہدایت القرآن ۷: ۸۳)

﴿ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۙ﴾

۴- اور یہ کہ ہمارا خیال تھا کہ انسان اور جنات کبھی اللہ کے بارے میں جھوٹ نہیں کہیں گے ـــــ یہی خیال کر کے ہم بھی بہک گئے، اب قرآن سن کر قلعی کھلی، اور ان احمقوں کی اندھی تقلید سے نجات ملی۔

﴿ وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۙ﴾

۵- اور یہ کہ کچھ انسان جنات کی پناہ لیا کرتے تھے، پس اُن آدمیوں نے اُن جنات کی بد دماغی اور بڑھا دی ـــــ عرب میں یہ جہالت بہت پھیلی ہوئی تھی: جنّوں سے غیب کی خبریں پوچھتے، ان کے نام کی نذر و نیاز کرتے، چڑھاوے چڑھاتے، اور جب کسی قافلہ کا گذر یا پڑاؤ کسی خوفناک وادی میں ہوتا تو کہتے کہ اس حلقہ کے جنّوں کا جو سردار ہے ہم اس کی پناہ میں آتے ہیں، تا کہ وہ اپنے ماتحت جنّوں سے ہماری حفاظت کرے، ان باتوں سے جن اور زیادہ مغرور ہو گئے اور سر چڑھنے لگے، اب قرآن نے آکر ان خرابیوں کی جڑ کاٹی (فوائد)

﴿ وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ۙ﴾

۶- اور یہ کہ انھوں نے خیال کر رکھا تھا جیسا تم نے خیال کر رکھا ہے کہ (اب) اللہ تعالیٰ کسی کو (نبی بنا کر) مبعوث نہیں فرمائیں گے ـــــ یعنی جیسا تمہارا خیال ہے بہت آدمیوں کا بھی یہی خیال ہے کہ اب اللہ تعالیٰ کوئی پیغمبر مبعوث نہیں فرمائیں گے، جو رسول پہلے ہو چکے سو ہو چکے، اب قرآن سے معلوم ہوا کہ اس نے ایک عظیم الشان رسول بھیجا ہے، اور اس پر اپنی آخری کتاب نازل فرمائی ہے۔

﴿ وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ۙ﴾

۷- اور یہ کہ ہم نے آسمان کو ٹٹول لیا، پس ہم نے اس کو سخت پہرے اور شعلوں سے بھرا پایا ـــــ یہ کانفرس کے موضوع کا جواب ہے، کانفرس اس لئے بلائی گئی تھی کہ جنات آسمان سے خبریں کیوں نہیں لاتے؟ جواب یہ ہے کہ کیسے لائیں، وہاں سخت پہرہ لگا ہوا ہے اور میزائل داغے جاتے ہیں، اور یہ رسول اور قرآن کے برحق ہونے کی علامت ہے، نزولِ قرآن کی تقریب ہی سے یہ سیکورٹی قائم کی گئی ہے۔

﴿ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ۭ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۙ﴾

۸- اور یہ کہ ہم آسمان کی نشست گاہوں میں باتیں سننے کے لئے بیٹھا کرتے تھے، پس اب جو کوئی بات سننا چاہتا ہے اپنے لئے ایک تیار شعلہ پاتا ہے ـــــ یہ پہلی ہی بات انداز بدل کر کہی۔

﴿ وَّاَنَّا لَا نَدۡرِیۡۤ اَشَرٌّ اُرِیۡدَ بِمَنۡ فِی الۡاَرۡضِ اَمۡ اَرَادَ بِهِمۡ رَبُّهُمۡ رَشَدًا ۙ﴾

۹-اور یہ کہ ہم نہیں جانتے کہ کیا زمین والوں کو کوئی تکلیف پہنچانا مقصود ہے یا ان کے ربّ نے ان کی ہدایت کا قصد کیا ہے؟ —— یعنی یہ جدید انتظامات اور سخت ناکہ بندیاں خدا جانے کس غرض سے عمل میں آئی ہیں؟ یہ تو ہم سمجھ چکے کہ قرآنِ کریم کا نزول اور پیغمبر عربی کی بعثت اس کا سبب ہوا، لیکن نتیجہ کیا ہونے والا ہے؟ آیا زمین والے قرآن کو مان کر راہ پر آئیں گے، اور اللہ ان پر الطافِ خصوصی مبذول فرمائیں گے یا یہی ارادہ ٹھہر چکا ہے کہ لوگ قرآنی ہدایات سے اعراض کرنے کی پاداش میں تباہ و برباد کیے جائیں گے؟ ہم کچھ نہیں کہہ سکتے، اس کا علم علاّم الغیوب کو ہے (فوائد)

﴿ وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوۡنَ وَمِنَّا دُوۡنَ ذٰلِكَ ؕ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ۙ﴾

۱۰-اور یہ کہ ہم میں سے بعضے نیک اور بعضے اور طرح کے ہیں، ہم مختلف طریقوں میں بٹے ہوئے تھے —— یعنی جنات میں بھی فرقے اور جماعتیں ہیں، کوئی مشرک، کوئی عیسائی، کوئی یہودی، کوئی بدھسٹ اور کوئی مسلمان ہے، اور سب صحیح نہیں، صحیح کوئی ایک ہے، اس کا فیصلہ اب قرآنِ کریم نے کیا۔

﴿ وَّاَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنۡ لَّنۡ نُّعۡجِزَ اللّٰهَ فِی الۡاَرۡضِ وَلَنۡ نُّعۡجِزَهٗ هَرَبًا ۙ﴾

۱۱-اور یہ کہ ہم نے سمجھ لیا ہے کہ ہم زمین میں اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے، اور نہ بھاگ کر اس کو ہرا سکتے ہیں —— یعنی اگر ہم نے قرآن کو نہ مانا تو ہم اللہ کی سزا سے بچ نہیں سکتے، نہ زمین میں کسی جگہ چھپ کر، نہ اِدھر اُدھر بھاگ کر، نہ ہوا میں اڑ کر، پس سلامتی کا راستہ قرآن پر ایمان لانا ہے۔

﴿ وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعۡنَا الۡهُدٰۤی اٰمَنَّا بِهٖ ؕ فَمَنۡ یُّؤۡمِنۡۢ بِرَبِّهٖ فَلَا یَخَافُ بَخۡسًا وَّلَا رَهَقًا ۙ﴾

۱۲-اور یہ کہ ہم نے جب ہدایت کی بات سنی تو ہم اس پر ایمان لے آئے، پس جو شخص اپنے رب پر ایمان لائے گا اس کو نہ کسی کمی کا اندیشہ ہوگا اور نہ زیادتی کا —— یعنی ہمارے لئے فخر کا موقع ہے کہ جنّوں میں سب سے پہلے ہم نے قرآن سن کر بلا توقف قبول کیا، اور ایمان لانے میں ایک منٹ کی دیر نہیں کی اور سچے ایمانداروں کو اللہ کے ہاں کوئی کھٹکا نہیں، نہ نقصان کا کہ اس کی کوئی نیکی اور محنت یونہی رائگاں چلی جائے، نہ زیادتی کا کہ زبردستی کسی دوسرے کے جرم اس کے سر تھوپ دیئے جائیں، غرض وہ نقصان، تکلیف اور ذلت و رسوائی سب سے مأمون و محفوظ ہے (فوائد)

﴿ وَّاَنَّا مِنَّا الۡمُسۡلِمُوۡنَ وَمِنَّا الۡقٰسِطُوۡنَ ؕ فَمَنۡ اَسۡلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوۡا رَشَدًا ۝ وَاَمَّا الۡقٰسِطُوۡنَ فَكَانُوۡا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ۙ﴾

۱۳-اور یہ کہ ہم میں سے بعضے فرمان بردار ہیں، اور بعضے ہم میں سے ناانصاف ہیں، سو جو مسلمان ہو گیا تو انھوں نے

بھلائی کا راستہ تلاش کرلیا، اور جو ناانصاف ہیں وہ دوزخ کا ایندھن ہیں ـــــ یہ ایمان لانے کا فائدہ اور انکار کا انجام سمجھایا، پس یہ ایمان لانے کی دعوت ہے۔

﴿ وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ۝ لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۭ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ۝ ﴾

۱۴- اور یہ کہ اگر وہ سیدھے راستہ پر قائم ہوجاتے تو ہم ان کو کثیر پانی سے سیراب کرتے، تاکہ ہم اس (پانی) سے ان کا امتحان کریں، اور جو اپنے رب کی یاد سے روگردانی کرے گا اللہ اس کو سخت عذاب میں داخل کریں گے ـــــ بہت سے مفسرین یہاں سے اللہ کا ارشاد مانتے ہیں یعنی جنات کی رپورٹ ختم ہوگئی، مگر التفات ہوسکتا ہے، اور التفات قرآنِ کریم کا خاص اسلوب ہے، پس یہ بھی ایمان کی دعوت ہے اسلوب بدل کر کہ جو ایمان لائیں گے ان کی خوب چاندی ہوگی، اللہ تعالیٰ ان کو مائے کثیر سے سیراب کریں گے، اور اللہ کی ہر نعمت کے ذریعہ امتحان مقصود ہوتا ہے اور عرب میں پانی بہت کم تھا، اور جو ایمان نہیں لائے گا اس کو سخت عذاب سے سابقہ پڑے گا۔

﴿ وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ۝ ﴾

۱۵- اور یہ کہ سجدہ گاہیں سب اللہ کے لئے ہیں، پس اللہ کے ساتھ کسی کی عبادت مت کرو ـــــ یہ توحید کی دعوت کے بعد شرک سے بچنے کی ہدایت ہے، ہر عبادت اللہ ہی کے لئے خالص ہونی چاہئے، اس میں شرک کا شائبہ نہیں ہونا چاہئے، ورنہ وہ عبادت منہ پر ماردی جائے گی، اور مساجد (عبادت گاہوں) کی تخصیص ان کی اہمیت کی وجہ سے ہے، ورنہ ہر عبادت کا یہی حکم ہے، کسی عبادت میں شرکت گوارا نہیں۔

﴿ وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ۝ ﴾

۱۶- اور یہ کہ جب اللہ کے بندے (رسول اللہ ﷺ) اللہ کی عبادت کے لئے کھڑے ہوئے تو لوگ ان پر بھیڑ لگانے کو تیار ہوگئے ـــــ کاد: محلِ اثبات میں فعل کی نفی کرتا ہے، صرف قُرب بتلاتا ہے اور عبادت سے مراد دعوت بھی ہے، اور یہ درمیانی دور کی سورت ہے، اس وقت لوگ پل پڑتے تھے ـــــ اور لوگوں کا جو برتاؤ اللہ کے رسول کے ساتھ ہوتا ہے وہی ان کے ورثاء کے ساتھ ہوتا ہے، پس اس آخری بات میں اشارہ ہے کہ تم ہماری باتیں سن کر چراغ پا ہوجاؤ گے، مگر ہمیں اس کی پرواہ نہیں، یہ تو ہمارے رسول کی سنت ہے!

قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا ۝ قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ۝ قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ

مُلْتَحَدًا ﴿۲۲﴾ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ
نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ﴿۲۳﴾ حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ
نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا ﴿۲۴﴾ قُلْ اِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ يَجْعَلُ لَهٗ
رَبِّيْٓ اَمَدًا ﴿۲۵﴾ عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰي غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ
رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿۲۷﴾ لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ
اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾

قُلْ	آپؐ کہیں:	مِنَ اللّٰهِ	اللہ سے	اَبَدًا	سدا
اِنَّمَآ	اس کے سوا نہیں کہ	اَحَدٌ	کوئی	حَتّٰٓى اِذَا	یہاں تک کہ جب
اَدْعُوْا	میں پکارتا ہوں	وَّلَنْ اَجِدَ	اور ہرگز نہیں پاؤں گا میں	رَاَوْا	دیکھیں گے وہ
رَبِّيْ	میرے رب کو	مِنْ دُوْنِهٖ	اس سے ورے	مَا يُوْعَدُوْنَ	اس کو جس کا وعدہ کئے
وَلَآ اُشْرِكُ	اور میں شریک نہیں کرتا	مُلْتَحَدًا (۲)	کوئی جائے پناہ		گئے ہیں وہ
بِهٖٓ اَحَدًا	اس کے ساتھ کسی کو	اِلَّا بَلٰغًا	مگر پہنچانا	فَسَيَعْلَمُوْنَ	پس عنقریب جان لیں گے وہ
قُلْ	آپؐ کہیں:	مِّنَ اللّٰهِ	اللہ کی طرف سے	مَنْ اَضْعَفُ	کون کمزور ہے
اِنِّيْ	بے شک میں	وَرِسٰلٰتِهٖ (۳)	اور اس کے پیغامات	نَاصِرًا	مددگار کے اعتبار سے
لَآ اَمْلِكُ	نہیں مالک ہوں	وَمَنْ يَّعْصِ	اور جو نافرمانی کرے گا	وَّاَقَلُّ	اور کم ہے
لَكُمْ	تمہارے لئے	اللّٰهَ	اللہ کی	عَدَدًا	گنتی کے اعتبار سے
ضَرًّا	کسی برائی کا	وَرَسُوْلَهٗ	اور اس کے رسول کی	قُلْ	آپؐ کہیں:
وَّلَا رَشَدًا	اور نہ کسی بھلائی کا	فَاِنَّ لَهٗ	پس بیشک اس کے لئے	اِنْ اَدْرِيْٓ	نہیں جانتا میں
قُلْ اِنِّيْ	آپؐ کہیں: بیشک میں	نَارَ جَهَنَّمَ	دوزخ کی آگ ہے	اَقَرِيْبٌ	کیا نزدیک ہے
لَنْ يُّجِيْرَنِيْ (۱)	ہرگز نہیں بچائے گا مجھے	خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ	ہمیشہ رہنے والا اس میں	مَّا تُوْعَدُوْنَ	جس کا وعدہ کئے جاتے ہو تم

(۱) أجَار إجارة: بچانا، پناہ دینا، مادّہ جَور، باب نصر: پناہ کا طالب ہونا جار علیه: ظلم کرنا (۲) مُلْتَحَد: اسم ظرف از بابِ افتعال: پناہ کی جگہ (۳) رسالاتِ کا بلاغا پر عطف ہے، اور استثناء منقطع ہے أی لا أملك شيئا ما إلا بلاغا۔

اَمْ يَجْعَلُ	یا بنائی ہے	مِنْ رَّسُوْلٍ	رسول سے	اَبْلَغُوْا	پہنچائے انھوں نے
لَهٗ رَبِّيْٓ	اس کیلئے میرے رب نے	فَاِنَّهٗ	پس بے شک وہ	رِسٰلٰتِ	پیغامات
اَمَدًا	کوئی دراز مدت	يَسْلُكُ	چلاتے ہیں	رَبِّهِمْ	ان کے رب کے
عٰلِمُ الْغَيْبِ	بھیدوں کے جاننے والے	مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ	اس کے آگے	وَاَحَاطَ	اور گھیر لیا ہے
فَلَا يُظْهِرُ	پس نہیں ظاہر کرتے	وَمِنْ خَلْفِهٖ	اور اس کے پیچھے	بِمَا لَدَيْهِمْ	اس کو جوان کے پاس ہے
عَلٰى غَيْبِهٖٓ	اپنے بھید پر	رَصَدًا(۱)	چوکیدار	وَاَحْصٰى	اور محفوظ کر لیا ہے
اَحَدًا	کسی کو	لِّيَعْلَمَ	تا کہ وہ جانیں	كُلَّ شَيْءٍ	ہر چیز کو
اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى	مگر جس کو پسند کیا	اَنْ قَدْ	کہ تحقیق	عَدَدًا	گن کر

نبی ﷺ کی زبانِ مبارک سے شرک کی تردید

کمیشن نے اپنی رپورٹ شرک کی تردید سے شروع کی ہے، کیونکہ نفیِ شرک کی اہمیت توحید کے برابر ہے، بلکہ توحید کا حصہ ہے، اور جنات نے آخری دفعہ میں نبی ﷺ کا ذکر کیا ہے، اور سورت کا موضوع توحید ہے، اس لئے اللہ پاک نبی ﷺ کی زبانِ مبارک سے شرک کی تردید فرماتے ہیں:

﴿قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا ۝۲۰﴾

ترجمہ: آپؐ کہیں: میں تو صرف اپنے پروردگار کی عبادت کرتا ہوں، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔

نبی ﷺ کا خدائی میں کوئی حصہ نہیں!

اگر کوئی خیال کرے کہ کائنات میں سب سے اونچا مقام رسول اللہ ﷺ کا ہے، اس لئے شاید ان کا خدائی میں کوئی حصہ ہوگا، وہ اپنی امتِ اجابہ کو نفع اور امتِ دعوت کو ضرر پہنچانے کا اختیار رکھتے ہونگے؟ اس لئے آپؐ ہی کی زبان سے تردید کراتے ہیں کہ آپؐ کو ایسا کوئی اختیار نہیں۔

﴿قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ۝۲۱﴾

ترجمہ: آپؐ کہیں: میں تمہارے لئے نہ کسی ضرر کا اختیار رکھتا ہوں نہ کسی بھلائی کا!

آپ ﷺ کے سوا اور بھی کوئی خدائی اختیار نہیں رکھتا

اگر کوئی خیال کرے کہ شاید آپؐ کے سوا کوئی اور نبی ولی ایسا اختیار رکھتا ہوگا تو اس کی بھی زبانِ مبارک سے تردید

(۱) رَصَد: مصدر بمعنی اسم فاعل: نگہبانی کرنے والا، چوکیدار، رَصَد (ن) رَصدًا: گھات میں بیٹھنا، نگاہ رکھنا۔

کراتے ہیں کہ اگر مجھ پر اللہ کی طرف سے کوئی افتاد پڑے تو مجھے اس سے کوئی نہیں بچاسکتا، نہ مجھے کوئی پناہ کی جگہ ملے گی، جہاں چھپ کر اللہ کی پکڑ سے بچ جاؤں، معلوم ہوا کہ اور بھی کوئی خدائی اختیار نہیں رکھتا۔

﴿قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ۬ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ۙ﴾

ترجمہ: آپؐ کہیں: مجھ کو اللہ کے سوا کوئی نہیں بچاسکتا، اور نہ میں اس کے سوا کوئی پناہ کی جگہ پاؤں گا۔

نبی ﷺ کا منصب ومقام

اگر کوئی سوچے کہ نبی ﷺ کا خدائی میں کوئی حصہ نہیں تو آخر آپؐ کا منصب ومقام کیا ہے؟ اس کا اعلان بھی آپؐ ہی کی زبانِ مبارک سے کراتے ہیں کہ میرا منصب ومقام اور میری ذمہ داری صرف اللہ کے احکام پہنچانے کی اور پیغام رسانی کی ہے، پھر جو اللہ اور اس کے رسول کا کہنا نہیں مانے گا وہ جہنم رسید ہوگا، وہ وہاں ہمیشہ سڑے گا، اور جو مانے گا وہ جنت نشیں ہوگا، اور وہاں ہمیشہ مزے لوٹے گا۔

﴿اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ؕ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ﴾

ترجمہ: مگر اللہ کی طرف سے پہنچانا اور اس کے پیغامات کا ادا کرنا (میرا کام ہے) اور جو اللہ اور اس کے رسول کا کہنا نہیں مانے گا: اس کے لئے آتشِ دوزخ ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا!

توحید کی دعوت کب کامیاب ہوگی؟

اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ان کے نبی کی تحریک کامیاب ہوگی، مگر ابھی کامیابی کے آثار نظر نہیں آتے، ابھی مکی دور کا وسط ہے، مسلمان کفار کے ظلم وستم سے تنگ آکر حبشہ چلے گئے ہیں، مکہ مکرمہ میں گنتی کے چند مسلمان رہ گئے ہیں، مگر جلد وہ وقت آرہا ہے کہ آپؐ کی تحریک کامیاب ہوگی، اس وقت لوگوں کو معلوم ہوگا کہ کس کے مددگار کمزور اور کس کی جماعت کم ہے۔

یہ وعدہ فتح مکہ کے دن پورا ہوا، اس سورت کے نزول کے پندرہ سال بعد نبی ﷺ دس ہزار قدسیوں کے ساتھ مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے اور قریش کی آنکھیں کھل گئیں!

﴿حَتّٰۤی اِذَا رَاَوْا مَا یُوْعَدُوْنَ فَسَیَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا ۝﴾

ترجمہ: یہاں تک کہ جب لوگ اس چیز کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے: اس وقت وہ جانیں گے کہ کس کے مددگار کمزور ہیں اور کس کی جماعت کم ہے!

ابھی یہ بھید ہے کہ توحید کی دعوت کب کامیاب ہوگی؟ اور بھیدوں کو صرف اللہ تعالیٰ جانتے ہیں

دعوتِ توحید کی کامیابی میں کتنے دن باقی ہیں؟ ابھی یہ ایک بھید ہے، اور غیب کو صرف اللہ تعالیٰ جانتے ہیں، اس لئے

نبی ﷺ ابھی نہیں بتلا سکتے کہ کامیابی کا وعدہ قریب ہے یا اس کے لئے اللہ نے کوئی دراز مدت مقرر کی ہے؟

﴿ قُلْ اِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْٓ اَمَدًا ۝ عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ ﴾

ترجمہ: آپؐ کہیں: مجھے معلوم نہیں کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ نزدیک ہے یا میرے پروردگار نے اس کے لئے کوئی مدتِ دراز مقرر کر رکھی ہے، غیب کا جاننے والا وہی ہے، وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا۔

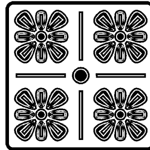
قرآنِ کریم کی وحی فرشتوں کے پہرے میں آتی ہے

غیب: یعنی وہ باتیں جو پس پردہ ہیں، جو حواس کی گرفت سے باہر ہیں: جن سے اللہ تعالیٰ ہی واقف ہیں، جب ان میں سے کسی بات سے اللہ تعالیٰ انبیاء کو مطلع کرنا چاہتے ہیں تو وحی کے ذریعہ اطلاع دیتے ہیں، اور وحی لانے والے فرشتہ کے ساتھ دوسرے فرشتوں کا پہرہ ہوتا ہے، تاکہ کسی طرح شیطان اس میں دخل کرنے نہ پائے، اور وحی بالیقین انبیاء تک پہنچ جائے، قرآنِ کریم کی وحی اسی طرح آئی ہے، جنات نے اپنی رپورٹ میں اسی کا ذکر کیا ہے۔

﴿ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ۝ لِّیَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَیْهِمْ وَاَحْصٰی كُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا ۝ ﴾

ترجمہ: (اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا) مگر اپنے کسی برگزیدہ پیغمبر کو، پس بے شک وہ اس (وحی) کے آگے اور پیچھے محافظ فرشتے چلاتا ہے، تاکہ اللہ تعالیٰ جان لیں کہ انھوں نے (فرشتوں نے) بالیقین اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچا دیئے، اور اللہ تعالیٰ ان (فرشتوں) کے تمام احوال کا احاطہ کئے ہوئے ہے، اور ان کو ہر چیز کی گنتی معلوم ہے!

فائدہ: غیب: وہ چیزیں ہیں جو پسِ پردہ ہیں، جب انبیاء کو ان کی اطلاع دیدی جاتی ہے تو وہ غیب نہیں رہتیں، جیسے قرآنِ کریم پس پردہ اور غیب تھا، جب نبی ﷺ پر اس کا نزول ہوا تو اب وہ غیب نہیں رہا۔



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ المزّمّل

اب دوسورتوں کا موضوع رسالت ہے، گذشتہ سورت میں توحید کا بیان تھا، مگر اس کے آخر میں رسول اللہ ﷺ کی زبانِ مبارک سے متعدد اعلان کرائے تھے، اس طرح اب رسالت کا بیان شروع ہوگیا، یہ اس سورت کا گذشتہ سورت سے ربط ہے۔ اس سورت کے شروع میں رسول اللہ ﷺ کے لئے تہجد کا حکم ہے، یہ حکم امت کے لئے بھی ہے، آخری آیت میں صحابہ کے تہجد پڑھنے کا ذکر ہے، پھر امتِ دعوت (کفار) کا مختصر تذکرہ ہے، پھر آخری آیت میں امتِ اجابہ (مؤمنین) کا ذکر ہے اور آئندہ سورت کے شروع میں رسول اللہ ﷺ کے لئے چند احکام ہیں، پھر پوری سورت میں کفار کا ذکر ہے، پہلے ایک کٹر مخالف کا ذکر ہے، پھر عام کفار کا، اور سورت آخرت کے عذاب کے بیان پر پوری ہوگی، چنانچہ آگے کئی سورتیں آخرت کے عنوان پر آئیں گی۔

یہ سورت بالکل ابتدا میں نازل ہوئی ہے، مطلقاً پہلی سورت: العلق ہے، اس کی ابتدائی پانچ آیتیں سب سے پہلے نازل ہوئی ہیں، پھر چھ ماہ وحی بند رہی، یہ زمانۂ فترت کہلاتا ہے، پھر دوسری مرتبہ: پہلی وحی سورۃ المدثر کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئی ہیں، اور یہ سورت اس کے بعد نازل ہوئی ہے، خیال رہے کہ یہ ترتیب ابتدائی آیات کے اعتبار سے ہے، باقی حصہ بعد میں نازل ہوا ہے۔

حکم کبھی عمل سے پہلے تخفیفاً منسوخ کیا جاتا ہے

حکم کبھی تخفیف (سہولت) کے لئے عمل شروع کرنے سے پہلے منسوخ کیا جاتا ہے، ایسی صورت میں اصل حکم کا استحباب باقی رہتا ہے، جیسے معراج میں پہلے پچاس نمازیں فرض کیں، پھر عمل سے پہلے پانچ کردیں، مگر پچاس نمازوں کا استحباب اب بھی باقی ہے، نبی ﷺ اور خواص امت رات دن میں پچاس رکعتیں پڑھتے تھے، کیونکہ اصل نماز ایک رکعت ہے، دو رکعتیں شفعہ (جوڑی) ہیں۔

اس کی دوسری مثال یہاں ہے، پہلے رات بھر عبادت کا حکم دیا، تھوڑی دیر کو مستثنیٰ کیا، پھر دوسری آیت میں اس حکم کو عمل شروع کرنے سے پہلے منسوخ کرکے آدھی رات یا کم وبیش عبادت کرنے کا حکم دیا، اس میں مصلحت یہ ہے کہ اس طریقہ سے عمل آسان ہوجاتا ہے، اب بندے خوشی خوشی پانچ نمازیں پڑھیں گے، اسی طرح اب بندے خوشی سے آدھی رات

عبادت کریں گے۔

کیا شروع میں تہجد واجب تھا؟ مشہور یہ ہے کہ ابتداء میں تہجد فرض تھا، پھر ایک سال کے بعد آخری آیت سے اس کی فرضیت ختم کی گئی، مگر آخری آیت میں ہے: ﴿ وَ طَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ﴾ یعنی صحابہ کی ایک جماعت بھی تہجد پڑھتی ہے، اگر تہجد واجب ہوتا تو سب صحابہ پڑھتے، پس صحیح یہ ہے کہ شروع ہی سے تہجد مستحب ہے، اور امر ﴿ قُمِ ﴾ استحباب کے لئے ہے، اور استحباب کے بھی متفاوت درجات ہیں، آخری آیت کے ذریعہ درجۂ استحباب میں بھی تخفیف کردی ہے۔

کیا نبی ﷺ پر آخر تک تہجد واجب تھا؟ اب یہ مسئلہ طے کرنا ضروری نہیں، اور وجوب کا قول مرجوح ہے، صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ اگر کسی دن آپؐ کی آنکھ نہ کھلتی یا سونے کا تقاضا ہوتا تو آپؐ سورج نکلنے کے بعد اس کا بدل بارہ رکعتیں پڑھتے، تہجد واجب ہوتا تو آپؐ کیسے چھوڑتے؟ اور شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے حجۃ اللہ میں لکھا ہے کہ آپؐ نے مزدلفہ کی رات میں بالقصد تہجد نہیں پڑھا تھا تا کہ اس کے وجوب کا گمان نہ ہو، اس لئے راجح یہ ہے کہ آپؐ کے لئے بھی تہجد مستحب تھا، اور ﴿ نَافِلَةً لَّكَ ﴾ سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

آیاتھا ۲۰ (۷۳) سُوْرَةُ الْمُزَّمِّلِ مَكِّيَّةٌ (۳) رکوعاتھا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ① قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ② نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ③ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ④ اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ⑤ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ⑥ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ⑦ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ⑧ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ⑨ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ⑩

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ(۱)	اے کپڑے میں لپٹنے والے	قُمِ الَّيْلَ	کھڑے ہوں رات بھر	اِلَّا قَلِيْلًا	مگر تھوڑی دیر

(۱) مُزَّمِّل: باب تفعل سے اسم فاعل: کپڑے میں لپٹنے والا، اصل میں مُتَزَمِّل تھا، تاء کو زاء میں ادغام کیا، تَزَمَّل: کپڑا اوڑھنا، کپڑے میں لپٹنا، یا باب اِفَّعُل سے اسم فاعل ہے، اس کے بھی یہی معنی ہیں۔

نِّصْفَهٗٓ (۱)	(کھڑے ہوں) آدھی رات	الَّيْلِ	رات کا	تَبْتِيْلًا	پوری طرح کٹ جانا
اَوِ انْقُصْ	یا کم کریں	هِيَ اَشَدُّ	وہ سخت ہے	رَبُّ الْمَشْرِقِ	(وہ) مشرق کے رب
مِنْهُ	اس سے	وَطْاً (۳)	کچلنے کے اعتبار سے	وَالْمَغْرِبِ	اورمغرب (کے رب ہیں)
قَلِيْلًا	تھوڑا	وَّاَقْوَمُ	اورزیادہ سیدھا ہے	لَآ اِلٰهَ	کوئی معبود نہیں
اَوْ زِدْ عَلَيْهِ	یا زیادہ کریں اس پر	قِيْلًا (۴)	بات کے اعتبار سے	اِلَّا هُوَ	ان کے سوا
وَرَتِّلِ	اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں	اِنَّ لَكَ	بے شک آپ کے لئے	فَاتَّخِذْهُ	پس ان کو بنا
الْقُرْاٰنَ	قرآن	فِي النَّهَارِ	دن میں	وَكِيْلًا	کارساز
تَرْتِيْلًا	صاف صاف	سَبْحًا	تیرنا (مشغلہ) ہے	وَاصْبِرْ	اور صبر کر
اِنَّا	بے شک ہم	طَوِيْلًا	لمبا	عَلٰى مَا	اس پر جو
سَنُلْقِيْ	عنقریب ڈالیں گے	وَاذْكُرِ	اور ذکر کریں	يَقُوْلُوْنَ	وہ کہتے ہیں
عَلَيْكَ	آپ پر	اسْمَ رَبِّكَ	اپنے رب کا نام	وَاهْجُرْهُمْ	اور چھوڑ ان کو
قَوْلًا ثَقِيْلًا	بھاری بات	وَتَبَتَّلْ (۵)	اور کٹ جائیں (لولگالیں)	هَجْرًا	چھوڑنا
اِنَّ نَاشِئَةَ (۲)	بے شک اٹھنا	اِلَيْهِ	اس کی طرف (اس سے)	جَمِيْلًا	خوبصورت

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

ابتدائے اسلام میں پانچ مقاصد سے آدھی رات یا کم وبیش تہجد پڑھنے کا حکم

ابتدائے اسلام میں نبی ﷺ کو مخاطب بنا کر امت کو آدھی رات یا کم وبیش تہجد پڑھنے کا استحبابی حکم دیا تھا: اور یہ حکم پانچ مقاصد سے تھا:

۱- صحابہ نے قرآن بڑی عمروں میں حفظ کیا تھا، ایسا حفظ کچا ہوتا ہے، جبکہ حافظ اہل لسان بھی ہو، اس لئے حفظ پکا کرنے کے لئے ہر رات نازل شدہ سارا قرآن اللہ پاک کو سنانا ہوتا تھا، نماز میں پڑھنا اللہ کو سنانا ہے، اور چونکہ اس

(۱) نصفه کا عامل قُمْ محذوف ہے، قلیلا سے بدلِ کل نہیں، آدھی یا کم وبیش رات سونا نہیں، تہجد پڑھنا ہے، جیسا کہ آخری آیت میں ہے۔ اور اللیل سے بدل بعض بھی نہیں، ورنہ إلا قلیلا سے تعارض ہوگا اور نا قابل قبول توجیہ کرنی پڑے گی۔ (۲) ناشئة: مصدر نشأ اللیلَ (ف) ناشئة: رات کو سوکر اٹھا (۳) وَطْأ: مصدر، وَطِیَ (س): روندنا، کچلنا (۴) قیلا: مصدر (ن): کہنا، بولنا (۵) تبتَّل (تفعل) کٹ جانا، یکسو ہو جانا، تبتیلا: مصدر باب تفعیل، بمعنی تبتل۔

وقت تھوڑا قرآن نازل ہوا تھا،اس لئے ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے کا حکم دیا،تاکہ سارا وقت مشغول ہوجائے،اور تلاوت کا حق بھی ادا ہوجائے۔

۲-آگے دعوت کی مشغولیت بڑھے گی،اس لئے ذمہ داری بڑھے گی،اس سے پہلے قرآن خوب پکا کرلیا جائے،بعد میں صحابہ کو وقت نہیں ملے گا،حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:تَعَلَّموا قبلَ أن تُسَوَّدُوْا:سردار بنائے جاؤ یعنی ذمہ داری سر پہ آجائے:اس سے پہلے علم حاصل کرلو،یعنی پھر موقع نہیں ملے گا۔

۳-رات میں اٹھ کر عبادت کی ریاضت نفس کی اصلاح کے لئے بہت مفید ہے،اس سے نفس خوب پامال ہوتا ہے۔

۴-رات میں پڑھنا دن کی بہ نسبت آسان ہے،زبان سے بات سیدھی نکلتی ہے،کیونکہ دل ودماغ زبان کے پیچھے راست کام کرتے ہیں،کسی اور چیز میں دل ودماغ مشغول نہیں ہوتے،علاوہ ازیں:رات کے مزاج میں انبساط ہے اور دن کے مزاج میں انقباض،اسی لئے رات کی نمازیں جہری ہیں اور دن کی سرّی،یہ وجہ ﴿اَقْوَمُ قِيْلًا﴾ میں بیان کی ہیں۔

۵-دن میں آدمی کے مشاغل ہوتے ہیں،انسان اِدھر اُدھر دوڑتا بھاگتا ہے،اور رات میں آدمی فارغ ہوتا ہے،اس لئے بھی رات کا وقت طویل نفل عبادت کے لئے موزون ہے۔

آیاتِ پاک:—— اے کپڑا لپیٹنے والے رات بھر عبادت کریں،مگر تھوڑی دیر (آرام کریں) —— یہ پہلا حکم تھا، پھر اس کو عمل سے پہلے منسوخ کرتے ہیں —— (عبادت کریں) آدھی رات،یا اس سے کچھ کم کریں یا اس سے کچھ زیادہ کریں —— ابتدا میں تہجد سنتِ مؤکدہ تھا،پھر آخری آیت سے اس کی تاکید ختم کی۔

اور یہ حکم پانچ مصلحتوں سے تھا:(پہلی مصلحت) —— اور آپ قرآن کو خوب صاف صاف پڑھیں —— اس ارشاد میں تین باتیں ہیں:

۱-صحابہ حفظ کیا ہوا پارہ ہر رات اللہ پاک کو سنائیں،تاکہ ان کا حفظ پکا ہوجائے —— اور حفظ سنانے کے ترتیب وار چار درجے ہیں:

(الف) خود کو سنانا،یہ سب سے آسان درجہ ہے،بچہ جب سبق یاد کرلیتا ہے تو منہ اٹھا کر پڑھتا ہے،یہ خود کو سنانا ہے، یہ کچا پکا بھی سنا دیتا ہے۔

(ب) استاذ کو سنانا،یہ اول سے مشکل ہے،اسی لئے بچہ فجر کی اذان کے ساتھ اٹھتا ہے،اور رات کا یاد کیا ہوا دوبارہ یاد کرتا ہے،تب فجر کی نماز کے بعد سناتا ہے۔

(ج) اللہ کو سنانا یعنی نماز میں پڑھنا، اس کے لئے مضبوط یاد ہونا ضروری ہے، ورنہ نماز میں بھولے گا۔

(د) لوگوں کو سنانا یعنی تراویح میں پڑھنا، یہ سب سے مشکل ہے، حافظ اوابین میں پارہ پڑھتا ہے، پھر بھی تراویح کے رکوع سجدے میں اگلی رکعت کا قرآن دماغ میں گھماتا ہے، ایسا خوف کی وجہ سے کرتا ہے —— پس اس آیت میں ایک تو اللہ کو پارہ سنانے کا ذکر ہے۔

۲- ایک سوالِ مقدر کا جواب بھی ہے، سوال یہ ہے کہ ابتداء میں تھوڑا قرآن نازل ہوا تھا، حافظ اس کو تھوڑی دیر میں پڑھ کر فارغ ہو جائے گا، راجدھانی حافظ دس منٹ میں پارہ سنا دیتا ہے، پھر آدھی رات تک کیا کرے گا؟ جواب: ٹھہر ٹھہر کر صاف صاف پڑھے، پس تھوڑا بھی لمبا ہو جائے گا، حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ چھوٹی سورت ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے تھے کہ وہ بڑی سے بڑی سورت کے بقدر ہو جاتی تھی۔

۳- اس آیت میں قرآن پڑھنے کے ادب کی بھی تعلیم ہے، نماز میں اور خارج نماز قرآن خوب صاف صاف پڑھنا چاہئے، یہاں قراء والی ترتیل مراد نہیں، وہ امر حادث ہے، پہلے بچوں کو پلین (ہوائی جہاز) میں بٹھا کر حفظ کراتے تھے، اس لئے وہ تراویح میں اس طرح پڑھتے تھے کہ یعلمون تعلمون کے سوا کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا، اب الحمد للہ! حفظ کا طریقہ بدل رہا ہے، حفظ صاف صاف پڑھا کر کرایا جائے، تاکہ حفاظ اسی طرح تراویح میں پڑھیں۔

دوسری مصلحت: —— بے شک ہم جلد ہی آپ پر بھاری ذمہ داری ڈالیں گے —— مراد دعوت کی ذمہ داری ہے، اور جو ذمہ داری آپؐ پر ڈالی جائے گی وہ صحابہ پر بھی ڈالی جائے گی، لہٰذا صحابہ اس سے پہلے اپنا حفظ پکا کر لیں۔

تیسری اور چوتھی مصلحت: —— بیشک رات میں اٹھنا ہی سخت کچلنے والا ہے، اور بہت زیادہ سیدھی بات والا ہے۔

پانچویں مصلحت: —— بے شک آپ کے لئے دن میں لمبا پیرنا ہے —— یعنی اِدھر اُدھر بھاگنا ہے، جیسے مچھلی حوض میں اِدھر اُدھر بھاگتی ہے، آدمی کو بھی چاروں طرف دوڑنا پڑتا ہے، اس لئے ان میں عبادت مشکل ہوتی ہے، اور رات فرصت کا وقت ہے، اس لئے تہجد کے لئے رات کا وقت موزون ہے۔

تہجد کے علاوہ بھی اللہ کا ذکر جاری رہے، اور جب زبان خاموش رہے تو دل اللہ کی طرف متوجہ رہے

مؤمن تہجد کے علاوہ بھی ہمہ وقت اللہ کا نام لیتا رہے، حدیث میں ہے: **لایزالُ لسانُك رَطْبًا بذكر الله**: تیری زبان برابر اللہ کا ذکر چٹخارا لے کر کرتی رہے، اور جس وقت زبان کسی شغل کی وجہ سے خاموش رہے تو دل اللہ کی طرف متوجہ رہے، اسی کو کارساز سمجھے، اسباب ضرور اختیار کرے مگر ان پر تکیہ نہ کرے، اس لئے کہ کائنات کے خالق و مالک اللہ ہیں، وہی مشرق و مغرب کے رب ہیں، اور وہی معبود ہیں، پس ان ہی سے لو لگائے —— اور کانٹوں بھرے کھیت سے

گذرنا پڑے اور کانٹے دامن سے الجھ رہے ہوں تو مخالفت کی پرواہ نہ کرے، صبر کرے، اور مخالفین کو اچھے انداز سے نظر انداز کرے۔

آیاتِ پاک: ـــــ اور آپ اپنے پروردگار کا نام لیتے رہیں، اور اسی سے پوری طرح کو لگائے رہیں، مشرق ومغرب کے مالک وہی ہیں، ان کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، پس ان ہی کو اپنا کارساز بنائیں، اور مخالفین جو باتیں کرتے ہیں ان پر صبر کریں، اور ان کو خوبصورت انداز سے نظر انداز کریں۔

وَ ذَرْنِيْ وَ الْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا ﴿۱۱﴾ اِنَّ لَدَيْنَاۤ اَنْكَالًا وَّ جَحِيْمًا ﴿۱۲﴾ وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۳﴾ يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَ الْجِبَالُ وَ كَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ﴿۱۴﴾ اِنَّاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۙ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾ فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا ﴿۱۶﴾ فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا ﴿۱۷﴾ السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ ؕ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ﴿۱۸﴾ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۱۹﴾ ع ۱۴

وَ ذَرْنِيْ	اور چھوڑیں مجھے	وَّطَعَامًا	اور کھانا ہے	مَّهِيْلًا (۳)	بہتی ریت کے
وَ الْمُكَذِّبِيْنَ	اور جھٹلانے والوں کو	ذَا غُصَّةٍ (۲)	گلے میں پھنسنے والا	اِنَّاۤ اَرْسَلْنَاۤ	بیشک ہم نے بھیجا ہے
اُولِي النَّعْمَةِ	نعمتوں والے	وَّ عَذَابًا اَلِيْمًا	اور دردناک عذاب ہے	اِلَيْكُمْ	تمہاری طرف
وَمَهِّلْهُمْ	اور ڈھیل دیں ان کو	يَوْمَ تَرْجُفُ	جس دن لرزے گی	رَسُوْلًا	عظیم رسول
قَلِيْلًا	تھوڑی	الْاَرْضُ	زمین	شَاهِدًا	گواہی دینے والا
اِنَّ لَدَيْنَاۤ	بے شک ہمارے پاس	وَ الْجِبَالُ	اور پہاڑ	عَلَيْكُمْ	تمہارے خلاف
اَنْكَالًا (۱)	بیڑیاں	وَ كَانَتِ الْجِبَالُ	اور ہونگے پہاڑ	كَمَاۤ اَرْسَلْنَاۤ	جیسے ہم نے بھیجا
وَّ جَحِيْمًا	اور دوزخ ہے	كَثِيْبًا	تودے	اِلٰى فِرْعَوْنَ	فرعون کی طرف

(۱) أنکال: نِکل کی جمع: بیڑی: لوہے کی زنجیر جو مجرموں کو ڈالتے ہیں (۲) غُصَّة: گلے میں کوئی چیز پھنسنا، اچھولگنا (۳) مَهِيْل: بروزن فعیل: بمعنی مفعول: بہائی ہوئی، بکھری ہوئی، هَالَ الرملَ: ریت کو بکھیرنا۔

رَسُوْلًا	عظیم رسول	اِنْ كَفَرْتُمْ	اگر ایمان نہ لائے تم	كَانَ وَعْدُهٗ	ہے اللہ کا وعدہ
فَعَصٰى	پس نافرمانی کی	يَوْمًا	اس دن میں	مَفْعُوْلًا	پورا ہو کر رہنے والا
فِرْعَوْنُ	فرعون نے	يَّجْعَلُ	جو کر ڈالے گا	اِنَّ هٰذِهٖ	بے شک یہ
الرَّسُوْلَ	اس رسول کی	الْوِلْدَانَ	بچوں کو	تَذْكِرَةٌ	یاددہانی ہے
فَاَخَذْنٰهُ	پس پکڑا ہم نے اس کو	شِيْبًا	بوڑھا	فَمَنْ شَآءَ	پس جو چاہے
اَخْذًا	پکڑنا	السَّمَآءُ	آسمان	اتَّخَذَ	بنائے
وَّبِيْلًا (۱)	وبال کا	مُنْفَطِرٌ	پھٹنے والا ہے	اِلٰى رَبِّهٖ	اپنے رب کی طرف
فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ	پس کیسے بچو گے تم	بِهٖ (۲)	اس دن میں	سَبِيْلًا	راستہ

رسول اللہ ﷺ کے مخالفین سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نمٹیں گے

آیاتِ پاک: —— اور مجھے اور جھٹلانے والے مالداروں کو چھوڑ! اور ان کو ذرا ڈھیل دے، بالیقین ہمارے پاس بیڑیاں اور دوزخ ہے، اور گلے میں پھنسنے والا کھانا اور دردناک عذاب ہے —— ان چیزوں سے مخالفین کو کس دن سابقہ پڑے گا؟ —— جس دن زمین اور پہاڑ ہلنے لگیں گے، اور پہاڑ ریگِ رواں ہو جائیں گے —— اس دن مخالفین عذاب سے دوچار کیوں ہونگے؟ —— بے شک ہم نے تمہارے پاس عظیم رسول بھیجا ہے، جو قیامت کے دن تمہارے خلاف گواہی دے گا —— کہ تم اس پر ایمان نہیں لائے تھے —— جس طرح ہم نے فرعون کے پاس عظیم رسول بھیجا، پس فرعون نے رسول کی نافرمانی کی —— جیسے تم کر رہے ہو —— پس ہم نے اس کو سخت پکڑا —— تمہیں بھی اسی طرح سخت پکڑا جا سکتا ہے، اور اگر تم دنیا کی پکڑ سے بچ گئے —— تو کیسے بچو گے اگر ایمان نہیں لائے اس دن میں جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا —— یہ اس دن کی شدت کی تعبیر ہے —— آسمان اس دن پھٹ جائے گا، اللہ کا وعدہ بالیقین ہو کر رہے گا —— بے شک یہ ایک یاددہانی ہے، پس جس کا جی چاہے اپنے رب کا راستہ اختیار کرے!

> اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَ طَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ

(۱) وبیل: بروزن فعیل: صفتِ مشبہ، وَبَلَتِ السماءُ: موسلا دھار بارش برسنا، پس وبیل: وہ وبال جو پیچھا نہ چھوڑے (۲) به: أي فيه، اور باءِ سببیہ بھی ہو سکتا ہے یعنی اس دن کی شدت کی وجہ سے۔

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ۭ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ڮ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ۭ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ۭ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۲۰

ع ۲

اِنَّ رَبَّكَ	بے شک آپ کا ربّ	تُحْصُوْهُ	احاطہ کرسکتے تم اس کا	يُقَاتِلُوْنَ	لڑیں گے
يَعْلَمُ	جانتا ہے	فَتَابَ عَلَيْكُمْ	پس توجہ فرمائی تم پر	فِيْ سَبِيْلِ	راہ میں
اَنَّكَ تَقُوْمُ	کہ آپ کھڑے ہوتے ہیں	فَاقْرَءُوْا	پس پڑھو	اللّٰهِ	اللہ کے
اَدْنٰى	ذرا کم	مَا تَيَسَّرَ	جو آسان ہو	فَاقْرَءُوْا	پس پڑھو
مِنْ ثُلُثَيِ	دو تہائی سے	مِنَ الْقُرْاٰنِ	قرآن سے	مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ	جو آسان ہو اس سے
الَّيْلِ	رات کے	عَلِمَ	جانا اس نے	وَاَقِيْمُوا	اور سیدھا کرو
وَنِصْفَهٗ	اور اس کی آدھی	اَنْ سَيَكُوْنُ	کہ عنقریب ہوں گے	الصَّلٰوةَ	نماز کو
وَثُلُثَهٗ	اور اس کی تہائی	مِنْكُمْ	تم میں سے	وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ	اور دو زکات
وَطَآئِفَةٌ	اور ایک جماعت	مَّرْضٰى	بیمار	وَاَقْرِضُوا	اور قرضہ دو
مِّنَ الَّذِيْنَ	ان لوگوں کی جو	وَاٰخَرُوْنَ	اور دوسرے	اللّٰهَ	اللہ کو
مَعَكَ	آپؐ کے ساتھ ہیں	يَضْرِبُوْنَ	(پیر) ماریں گے	قَرْضًا حَسَنًا	اچھا قرضہ
وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	فِي الْاَرْضِ	زمین میں	وَمَا	اور جو
يُقَدِّرُ	اندازہ کرتے ہیں	يَبْتَغُوْنَ	چاہیں گے وہ	تُقَدِّمُوْا	آگے بھیجو گے تم
الَّيْلَ وَالنَّهَارَ	شب وروز کا	مِنْ فَضْلِ	مہربانی سے	لِاَنْفُسِكُمْ	اپنی ذاتوں کے لئے
عَلِمَ	جانا اس نے	اللّٰهِ	اللہ کی	مِّنْ خَيْرٍ	نیکی میں سے
اَنْ لَّنْ	کہ ہرگز نہیں	وَاٰخَرُوْنَ	اور دوسرے	تَجِدُوْهُ	پاؤ گے تم اس کو

عِنْدَ اللّٰهِ	اللہ کے پاس	اَجْرًا	ثواب کے اعتبار سے	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
هُوَخَيْرًا(۱)	وہ بہتر ہے	وَاسْتَغْفِرُوا	اور گناہ بخشواؤ	غَفُوْرٌ	بڑے بخشنے والے
وَّاَعْظَمَ	اور بڑا ہے	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ سے	رَّحِيْمٌ	بڑے رحم والے ہیں

تہجد کا تاکیدی حکم ایک وقت کے بعد ہلکا کر دیا

آیتِ پاک: —— بے شک آپ کے رب جانتے ہیں کہ آپ رات کے دو تہائی سے کچھ کم —— یہ آدھی رات سے زیادہ ہے —— اور آدھی رات اور تہائی رات —— یہ آدھی رات سے کم ہے —— عبادت میں مشغول رہتے ہیں، اور ان لوگوں کی ایک جماعت بھی جو آپؐ کے ساتھ ہیں، اور اللہ تعالیٰ شب و روز کا اندازہ کرتے ہیں، ان کو معلوم ہے کہ تم اس کو ہرگز ضبط نہیں کر سکتے، اس لئے اس نے تمہاری طرف توجہ فرمائی، پس قرآن میں سے جتنا آسان ہو اس کو پڑھو، وہ جانتے ہیں کہ تم میں سے بعضے بیمار ہونگے، اور دوسرے تلاش معاش میں زمین میں سرگرداں ہونگے، اور تیسرے راہِ خدا میں اعدائے اسلام سے لوہا لیں گے، پس قرآن میں سے جتنا آسان ہو پڑھو، اور نماز کا اہتمام کرو، اور زکات ادا کرو، اور اللہ کو اچھے طریقہ پر قرض دو، اور جو بھی نیک کام تم اپنے لئے آگے بھیجوگے اس کو اللہ کے پاس بہتر اور ثواب میں بڑھا ہوا پاؤ گے، اور اللہ سے گناہ بخشواؤ، اللہ بڑے بخشنے والے بڑے رحم والے ہیں۔

چند وضاحتیں

۱-﴿ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ ﴾ وہی تعبیر ہے جو شروع سورت میں آئی ہے: ﴿ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۝ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ ﴾: دو تہائی رات سے کچھ کم یعنی آدھی رات سے زیادہ۔ اور تہائی رات: یعنی آدھی رات سے کم۔ پس یہ تفنّن (نہج بدلنا) ہے، اس سے کلام میں فصاحت پیدا ہوتی ہے۔

۲-﴿ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ ﴾: رات اور دن کی پلاننگ اللہ تعالیٰ کرتے ہیں، کبھی رات کو دن سے گھٹاتے ہیں، کبھی بڑھاتے ہیں، کبھی برابر کرتے ہیں، پس رات کتنی گذری اور کتنی باقی ہے اس کا اندازہ گھڑیوں سے نہیں ہوسکتا، گھڑی سے تو اتنا معلوم ہوگا کہ رات کے دو بجے ہیں، مگر رات کتنی گذری اور کتنی باقی ہے اس کا صحیح اندازہ ہر شخص نہیں کرسکتا: ﴿ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ ﴾ کا یہی مطلب ہے۔

۳-قراءت نماز کا ایک رکن ہے، اور فاتحہ واجب ہے، یہ حدیث سے ثابت ہے، اور فاتحہ کے ضمن میں قراءت کا تحقق

(۱) هو خيراً: تجدوه کا مفعول ثانی ہے، اور اس کے بغیر سورۃ البقرۃ (آیت ۱۱۰) میں ہے۔

ہوجاتا ہے ــــ نماز کے ارکان قرآن میں متفرق جگہ آئے ہیں، کسی جگہ تکبیر تحریمہ کا ذکر ہے، کسی جگہ قیام کا، یہاں قراءت کا، اور کسی جگہ رکوع وسجود کا۔ نبی ﷺ نے ان کو جمع کر کے نماز کی ہیئتِ کذائی بنائی ہے، پس حدیثوں کے بغیر نماز کی ہیئت نہیں جانی سکتی، اس لئے قرآن کی طرح حدیثیں بھی حجت ہیں۔

۴- یہ جو فرمایا کہ جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکو پڑھو: اس میں قراءتِ قرآن سے تہجد کی نماز مراد ہے، نماز تہجد کو اس کے ایک رکن سے تعبیر کیا ہے، پس یہ تہجد کی تاکید میں تخفیف ہے، اب تہجد سنتِ مؤکدہ نہیں رہا، صرف سنت ہے۔

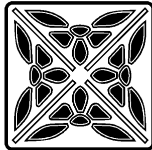
۵- ابھی قتال فی سبیل اللہ جاری نہیں ہوا تھا، جیسے ابھی زکات کی تفصیلات نازل نہیں ہوئی تھیں، مگر دونوں کا ذکر کیا، یہ ایڈوانس ذہن سازی ہے۔

۶- فرائض میں سے دو اہم فرض عبادتیں: نماز اور زکات کا ذکر کیا، مگر مراد تمام فرائض ہیں۔

۷- اللہ کو قرض دینا: جہاد کے لئے خرچ کرنا ہے، ابتدا میں حکومت کے پاس فنڈ نہیں تھا، صحابہ جان و مال سے جہاد کرتے تھے، پس یہ بھی ایڈوانس ذہن سازی ہے۔

۸- مسلمان جو نیک عمل کرتا ہے وہ ضائع نہیں ہوتا، اللہ کے یہاں محفوظ ہوجاتا ہے، یہ بات سورۃ بقرۃ (آیت ۱۱۰) میں ہے، اور وہ عمل قیامت کے دن بہتر حالت میں سامنے آئے گا اور اس کا ثواب کئی گنا بڑھ جائے گا: یہ بات یہاں ہے، حدیث میں ہے کہ مؤمن ایک کھجور خیرات کرتا ہے تو رحمان اس کو دائیں ہاتھ میں لیتے ہیں، پھر اس کو بڑھاتے ہیں، جیسے تم اپنے بچھیرے کی پرورش کرتے ہو، چنانچہ وہ کھجور قیامت کے دن پہاڑ سے بڑی ہوجائے گی۔

۹- غَفَرَ کے مادہ میں چھپانے کا مفہوم ہے، پس استغفار کے معنی ہیں: اللہ سے دعا کرنا کہ وہ اپنی رحمت میں چھپالیں، اس کا ہر بندہ محتاج ہے، بلکہ جو زیادہ پاکیزہ ہے وہ استغفار کا زیادہ حقدار ہے، نبی ﷺ روزانہ ستّر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرتے تھے۔



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ المدّثر

مصاحف میں سورتوں کے شروع میں بسم اللہ کی بائیں طرف نزول کا نمبر لکھا ہے، یہ ترتیب سیوطی رحمہ اللہ نے اتقان میں لکھی ہے، ان کے نقطہ نظر سے پہلی سورت العلق، دوسری سورت القلم، تیسری سورت المزمل اور چوتھی سورت المدثر ہے، مگر صحیح حدیث کی رو سے پہلی سورۃ العلق، دوسری المدثر اور تیسری المزمل ہے۔

حدیث: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی ﷺ سے سنا، درانحالیکہ آپؐ وحی کے وقفہ کا تذکرہ فرما رہے تھے، آپؐ نے اپنی حدیث میں فرمایا: اس درمیان کہ میں چل رہا تھا، میں نے آسمان سے ایک آواز سنی، میں نے اپنا سر اوپر اٹھایا، تو اچانک وہ فرشتہ جو میرے پاس غار حراء میں آیا تھا، آسمان وزمین کے درمیان کرسی پر بیٹھا ہوا ہے، پس میں ہیبت سے اکھڑ گیا اور لوٹ گیا، اور گھر والوں سے کہا: مجھے کپڑا اوڑھاؤ! مجھے کپڑا اوڑھاؤ! لوگوں نے مجھے کمبل اوڑھا دیا، پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں اتاریں: ”اے کپڑے میں لپٹنے والے! اٹھو یعنی مستعد ہو جاؤ، پس (کافروں کو) ڈراؤ، اور اپنے رب کی بڑائی بیان کرو، اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو، اور بتوں کو چھوڑ دو“ یعنی لوگوں کو سمجھاؤ کہ وہ بتوں کو چھوڑ دیں۔

اس سورت کا موضوع بھی رسالت ہے، شروع سورت میں نبی ﷺ کو چند احکامات دیئے ہیں، جو ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں، پھر مخالفین کا تذکرہ ہے، پہلے ایک کٹر مخالف کا ذکر ہے، پھر عام مؤمنین کا، اور سورت آخرت کے ذکر پر پوری ہوئی ہے، اس لئے اگلی سورت آخرت کے موضوع پر آئے گی۔

پہلی وحی کے موقع پر نبی ﷺ کو نبوت کی اطلاع نہیں دی تھی، اور خطاب بھی ﴿اِقْرَاْ﴾ سے کیا تھا، اس سے کچھ پتہ نہیں چلا، مگر اس دوسری سورت کے نزول کے وقت اطلاع دی، اور احکام بھی مشعرِ نبوت تھے، مگر خطاب یأیھا النبی یا یأیھا الرسول سے نہیں کیا، بلکہ نزولِ وحی کے وقت آپؐ جس حالت میں تھے اسی حالت سے خطاب کیا، اس سورت کے نزول کے وقت آپ چادر اوڑھ کر لیٹے ہوئے تھے، اور سورت المزمل کے نزول کے وقت آپؐ رات میں کمبل اوڑھے ہوئے تھے۔

❁ ❁ ❁

(۷۴) سُورَةُ الْمُدَّثِّرِ مَكِّيَّةٌ (۴)
اٰیاتُھا ۵۶ رکوعاتھا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝

يٰۤاَيُّهَا	اے	فَكَبِّرْ	پس بڑائی بیان کیجئے	وَلَا تَمْنُنْ	اور احسان مت کیجئے
الْمُدَّثِّرُ (۱)	کپڑا اوڑھنے والے	وَثِيَابَكَ	اور اپنے کپڑے	تَسْتَكْثِرُ	(کہ) زیادہ چاہیں
قُمْ	اٹھیے	فَطَهِّرْ	پس پاک رکھیے	وَلِرَبِّكَ	اور اپنے رب کی خاطر
فَاَنْذِرْ	پس ڈرایئے	وَالرُّجْزَ (۲)	اور گناہ	فَاصْبِرْ	پس صبر کیجئے
وَرَبَّكَ	اور اپنے رب کی	فَاهْجُرْ	پس چھوڑیے	۞	۞

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

دعوت کا آغاز

(چھ احکام جو ایک سلسلہ کی کڑیاں ہیں)

پہلے جو حکم دیا جاتا ہے وہ اہم ہوتا ہے، جیسے پہلی وحی میں امیوں (بے پڑھوں) کو پڑھنے کا حکم دیا، اس سے تعلیم کی اہمیت واضح ہوئی، اب چھ ماہ کے وقفہ کے بعد جو پہلی وحی آئی اس میں چھ احکام ہیں جو ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں، اس سے اس حکم کی اہمیت واضح ہوتی ہے، وہ چھ احکام یہ ہیں:

۱- دعوت کا کام شروع کریں، مشرکین کو مورتی پوجا سے ڈرائیں۔

۲- توحید کا ڈنکا بجائیں، اللہ کی بڑائی بیان کریں، وہی معبود ہیں، ان کے سوا کوئی معبود نہیں۔

۳- کپڑے پاک صاف رکھیں، ناپاک کپڑا پہننا اگرچہ جائز ہے، مگر پاک کپڑا بہتر ہے، اور یہ مستقل حکم ہے، کیونکہ

(۱) المدثر: اسم فاعل، تَدَثُّر مصدر، اصل میں متدثر تھا، شعار: وہ کپڑا جو بدن کی کھال (بالوں) سے لگا رہے، جیسے بنیان اور دِثار: وہ کپڑا جو اوپر سے پہنایا اوڑھا جائے، جیسے کرتا، چادر (۲) الرُّجز کے معنی: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے گناہ کئے ہیں، ان کے نزدیک زاء بسین سے مبدل ہے اور مجاہدؒ نے مورتیاں مراد لی ہیں (بخاری شریف) درحقیقت یہ لفظ رجس بمعنی گندگی ہے۔

نماز کا حکم ابھی نہیں آیا۔

۴- گناہوں سے بچیں، اپنی زندگی کو داغ دار نہ ہونے دیں۔

۵- کسی کو کوئی چیز مفت اس نیت سے نہ دیں کہ عوض زیادہ ملے گا۔

۶- دعوت کی راہ میں جو حالات پیش آئیں ان کو اللہ کی خاطر برداشت کریں۔

ان چھ‌وں احکام میں ارتباط: نبوت کے آغاز کے ساتھ توحید کی دعوت کا حکم ملا، یہی اصل الاصول ہے، اور توحید کی دعوت کے دو پہلو ہیں: مثبت اور منفی۔ منفی پہلو مقدم ہے، جلب منفعت سے دفع مضرت مقدم ہے، لہٰذا مشرکین کو مورتی پوجا سے ڈرایئے، پھر مثبت پہلو لیجئے اور اللہ کی بڑائی بیان کیجئے، وہی معبود ہیں، ان کے سوا کوئی معبود نہیں، اور جب آپؐ لوگوں کو دعوت دینے جائیں تو صاف ستھرے کپڑے پہن کر جائیں، نبی ﷺ وفودِ عرب سے ملاقات کے وقت اور جمعہ کے لئے اچھے کپڑے پہننے کا اہتمام فرماتے تھے، اور داعی کے لئے ضروری ہے کہ اس کا دامن داغدار نہ ہو، اگر اس کا دامن کسی گناہ میں ملوث ہوگا تو لوگوں کی اس پر انگلی اٹھے گی، اور دعوت کا فائدہ نہیں ہوگا، نیز داعی اپنی دعوت پر لوگوں سے کسی عوض کی امید بھی نہ رکھے، لوجہ اللہ فریضہ انجام دے، اور دعوت کی راہ میں جو مشقتیں پیش آئیں ان کو خندہ پیشانی سے برداشت کرے، ان شاء اللہ دعوت کا ثمرہ ظاہر ہوگا۔

آیاتِ پاک: اے کپڑا اوڑھنے والے! اٹھیں، اور ڈرائیں، اور اپنے رب کی پس بڑائی بیان کریں، اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھیں، اور گناہ کو چھوڑیں، اور اس غرض سے نہ دیں کہ زیادہ ملے گا، اور اپنے رب کی خاطر تکالیف برداشت کریں۔

فائدہ: عرب معاشرہ میں کسی کو کوئی چیز مفت (ہدیہ) دی جاتی ہے تو لازماً اس کا عوض دیا جاتا ہے، اور بہتر عوض دیا جاتا ہے، ہمارے معاشرہ کی طرح جزاك الله کہنے پر اکتفا نہیں کیا جاتا، اس پسِ منظر میں آیت سمجھیں۔

فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ ﴿٨﴾ فَذَٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ ﴿٩﴾ عَلَى الْكَافِرِينَ غَيْرُ يَسِيرٍ ﴿١٠﴾ ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا ﴿١١﴾ وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَّمْدُودًا ﴿١٢﴾ وَبَنِينَ شُهُودًا ﴿١٣﴾ وَمَهَّدتُّ لَهُ تَمْهِيدًا ﴿١٤﴾ ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَ ﴿١٥﴾ كَلَّا ۖ إِنَّهُ كَانَ لِآيَاتِنَا عَنِيدًا ﴿١٦﴾ سَأُرْهِقُهُ صَعُودًا ﴿١٧﴾ إِنَّهُ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ﴿١٨﴾ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿١٩﴾ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿٢٠﴾ ثُمَّ نَظَرَ ﴿٢١﴾ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ﴿٢٢﴾ ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ﴿٢٣﴾ فَقَالَ إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثَرُ ﴿٢٤﴾ إِنْ هَٰذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿٢٥﴾

فَاِذَا نُقِرَ[1]	پس جب پھونکا جائے گا	وَّمَهَّدْتُّ	اور تیار کیا میں نے	كَيْفَ قَدَّرَ	کیسا دل میں ٹھہرایا
فِي النَّاقُوْرِ	نرسنگے میں	لَهٗ	اس کے لئے	ثُمَّ قُتِلَ	پھر مارا جائیو!
فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ	پس وہ دن	تَمْهِيْدًا	اور بھی تیار کرنا	كَيْفَ قَدَّرَ	کیسا دل میں ٹھہرایا
يَّوْمٌ عَسِيْرٌ	سخت دن ہوگا	ثُمَّ يَطْمَعُ	پھر امید رکھتا ہے وہ	ثُمَّ نَظَرَ	پھر اس نے دیکھا
عَلَى الْكٰفِرِيْنَ	کافروں پر	اَنْ اَزِيْدَ	کہ زیادہ دوں میں	ثُمَّ عَبَسَ	پھر تیور چڑھائے
غَيْرُ يَسِيْرٍ	آسان نہیں ہوگا	كَلَّا	ہرگز نہیں	وَ بَسَرَ	اور منہ بگاڑا
ذَرْنِيْ	چھوڑ دے مجھے	اِنَّهٗ كَانَ	بے شک وہ ہے	ثُمَّ اَدْبَرَ	پھر پیٹھ پھیری
وَمَنْ خَلَقْتُ	اور جس کو پیدا کیا میں نے	لِاٰيٰتِنَا	ہماری آیتوں کا	وَ اسْتَكْبَرَ	اور گھمنڈ کیا
وَحِيْدًا	اکیلے	عَنِيْدًا	مخالف	فَقَالَ اِنْ هٰذَآ	پس کہا: نہیں ہے یہ
وَّجَعَلْتُ	اور گردانا میں نے	سَاُرْهِقُهٗ	اب اسے چڑھاؤں گا میں	اِلَّا سِحْرٌ	مگر جادو
لَهٗ	اس کے لئے	صَعُوْدًا	آگ کے پہاڑ پر	يُّؤْثَرُ	نقل کیا جاتا ہے
مَالًا مَّمْدُوْدًا	لمبا کیا ہوا مال	اِنَّهٗ فَكَّرَ	بے شک اس نے سوچا	اِنْ هٰذَآ	نہیں ہے یہ
وَّبَنِيْنَ	اور بیٹے	وَقَدَّرَ	اور دل میں ٹھہرایا	اِلَّا قَوْلُ	مگر کہا
شُهُوْدًا	حاضر باش	فَقُتِلَ	پس مارا جائیو!	الْبَشَرِ	آدمی کا

انذار کے لئے قیامت کا موضوع

داعیِ توحید کی دعوت انذار (ڈرانے) سے شروع کرے، وہ لوگوں کو بتائے کہ یہ دنیا ہمیشہ نہیں رہے گی، اس کا آخری دن آئے گا، جو منکروں پر بڑا سخت ہوگا، اور ایمان لانے والے اس دن مزے میں رہیں گے، ان کو میدانِ حشر میں اللہ کا سایہ ملے گا، اس طرح داعی قیامت کو موضوع بنا کر ایمان کی دعوت دے۔

﴿ فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ ۝ فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ۝ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ ۝ ﴾

ترجمہ: پس جب صور میں پھونکا جائے گا وہ دن سخت ہوگا، کافروں کے حق میں آسان نہیں ہوگا —— تیسری آیت دوسری آیت کے لئے بمنزلۂ استثناء ہے یعنی قیامت کا دن صرف کافروں پر سخت ہوگا، مؤمنین پر نہیں، پس اس میں تبشیر بھی آگئی۔

(۱) نَقَرَ بلسانه: آواز نکالنا، نقر بضمه: پھونکنا، سیٹی بجانا...... الناقور: پھونکنی، بگل، صور، نرسنگا۔

داعی کو کٹر مخالفوں سے بھی سابقہ پڑتا ہے

ولید بن مغیرہ نام کا ایک شخص قریش میں سردار تھا، یگانۂ روزگار (وحید) کہلاتا تھا، اللہ نے اس کو ڈھیر سارا مال دے رکھا تھا، اس کے دس بیٹے قریش کی مجلس مشاورت کے ممبر تھے، اور بھی ہر طرح کا سامان اسے میسر تھا، پھر بھی زیادہ کا حریص تھا، مگر وہ نبی ﷺ کا کٹّر مخالف تھا، اس لئے اب اللہ تعالیٰ اس کو دنیا میں آگے کچھ نہیں دیں گے، ہاں جہنم میں صعود نامی آگ کے پہاڑ پر چڑھائیں گے، جس پر ستّر سال میں چڑھے گا، پھر جہنم میں گرے گا، اور اسی طرح ہمیشہ کرتا رہے گا۔ (ترمذی شریف)

ولید نے ایک مرتبہ مجلس مشاورت کی، مسئلہ یہ زیر غور تھا کہ نبی ﷺ جو کلام پیش کر رہے ہیں، اور اس کو اللہ کا کلام بتا رہے ہیں: اس کے بارے میں کیا کہا جائے؟ ماننا تو ہے نہیں، مگر کوئی بات بنانی بھی ضروری ہے، کسی نے رائے دی: اس کو شاعری کہا جائے، ولید نے کہا: اس کو شاعری کون باور کرے گا؟ میں شاعری جانتا ہوں، قرآن کا شاعری سے کوئی تعلق نہیں، دوسرے نے رائے دی: محمد کاہن ہیں، اور قرآن کہانت ہے، جنّ پری سے حاصل کی ہوئی باتیں ہیں، ولید نے کہا: کاہنوں کا کلام مسجّع ہوتا ہے، اور اس میں بھرتی کے الفاظ ہوتے ہیں، اور قرآن میں سجع نہیں (فواصل ہیں) اور اس میں ایک لفظ بھی بھرتی کا نہیں، پھر اس کو کہانت کون باور کرے گا؟ —— لوگوں نے کہا: صدر صاحب! آپ ہی فرمائیں: قرآن کے بارے میں کیا کہا جائے؟ اس نے منہ بگاڑا، تیور چڑھائے، اٹھ کر چلتے ہوئے گھمنڈ سے کہتا گیا: یہ جادو ہے، منتروں کی طرح زود اثر ہے، اور یہ محمد ہی کا کلام ہے، اور یہ باتیں اگلوں سے منقول چلی آرہی ہیں، لوگ آخرت، قیامت، جنت اور جہنم کی باتیں کرتے رہے ہیں، انہی باتوں کو محمد اپنے کلام میں پیش کر رہے ہیں، یہ کہو گے تو لوگ مان لیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: کم بخت نے سوچ کر کیا بات تجویز کی! کیسی دور کی کوڑی لایا! ابھی وہ اس کی سزا پائے گا!

آیاتِ پاک: —— مجھے اور اس شخص کو چھوڑیے جس کو میں نے اکیلے پیدا کیا ہے —— ولید: وحید کہلاتا تھا، اس کا جواب دیا کہ وحید (یگانہ) وہ نہیں، ہم ہیں، ہم نے اسے پیدا کیا ہے —— اور میں نے اس کو ڈھیر سارا مال دیا، اور حاضر باش بیٹے دیئے، اور سب طرح کا سامان اس کے لئے مہیا کیا، اب وہ ہوس رکھتا ہے کہ میں اس کو اور دوں! ہرگز نہیں!

کیونکہ —— وہ ہماری آیتوں کا مخالف ہے میں عنقریب اس کو دوزخ کی آگ کے پہاڑ پر چڑھاؤں گا! —— بے شک اس نے سوچا، اور ایک بات تجویز کی، سو اس پر خدا کی مار! کیسی بات تجویز کی! پھر اس پر خدا کی مار! کیسی بات تجویز کی! پھر اس نے (اہل مجلس کی طرف) دیکھا، پھر تیور چڑھائے —— یعنی چیں بہ جبیں ہوا —— اور منہ بگاڑا، پھر پیٹھ پھیری اور گھمنڈ کیا، اور کہا: یہ تو جادو ہی ہے، جو منقول چلا آرہا ہے، یہ تو آدمی ہی کا کلام ہے!

سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ ﴿۲۶﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ﴿۲۷﴾ لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ ﴿۲۸﴾ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ﴿۲۹﴾ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿۳۰﴾ وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ۙ وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۙ لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ۭ وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ﴿۳۱﴾ ع ۱۵

سَاُصْلِيْهِ	اب جھونکونگا میں اس کو	وَّمَا جَعَلْنَا	اور نہیں بنایا ہم نے	وَالْمُؤْمِنُوْنَ	اور مؤمنین
سَقَرَ (۱)	دوزخ میں	عِدَّتَهُمْ	ان کی تعداد کو	وَلِيَقُوْلَ	اور تاکہ کہیں
وَمَآ اَدْرٰىكَ	اور تجھے کیا پتہ	اِلَّا فِتْنَةً	مگر آزمائش	الَّذِيْنَ	وہ لوگ جو
مَا سَقَرُ	دوزخ کیا ہے؟	لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا	منکروں کے لئے	فِيْ قُلُوْبِهِمْ	ان کے دلوں میں
لَا تُبْقِيْ	نہ باقی رکھے	لِيَسْتَيْقِنَ	تاکہ یقین کریں	مَّرَضٌ	بیماری ہے
وَلَا تَذَرُ	اور نہ چھوڑے	الَّذِيْنَ اُوْتُوا	جو لوگ دیئے گئے	وَّالْكٰفِرُوْنَ	اور منکرین
لَوَّاحَةٌ (۲)	جھلس دینے والی	الْكِتٰبَ	آسمانی کتاب	مَاذَآ	کیا
لِّلْبَشَرِ (۳)	کھال کو	وَيَزْدَادَ	اور بڑھ جائیں	اَرَادَ اللّٰهُ	چاہا اللہ نے
عَلَيْهَا	اس پر ہیں	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا	جو ایمان لائے	بِهٰذَا مَثَلًا (۴)	اس عجیب مضمون سے
تِسْعَةَ عَشَرَ	انیس	اِيْمَانًا	ایمان میں	كَذٰلِكَ	اسی طرح
وَمَا جَعَلْنَآ	اور نہیں بنایا ہم نے	وَّلَا يَرْتَابَ	اور نہ شک کریں	يُضِلُّ اللّٰهُ	گمراہ کرتے ہیں اللہ
اَصْحٰبَ النَّارِ	دوزخ کا ذمہ دار	الَّذِيْنَ اُوْتُوا	جو دیئے گئے	مَنْ يَّشَاۗءُ	جس کو چاہتے ہیں
اِلَّا مَلٰٓئِكَةً	مگر فرشتوں کو	الْكِتٰبَ	آسمانی کتاب	وَيَهْدِيْ	اور راہ دکھاتے ہیں

(۱) سَقَر: دوزخ کا نام، سَقَرَتِ النارُ (ن): جھلس دینا (۲) لواحة: اسم مبالغہ، لاح (ن): جھلس دینا (۳) بشر کے دو معنی ہیں: کھال اور انسان (۴) مثلا: ھذا کا حال، اور مثل کے معنی ہیں: عجیب بات، انوکھا مضمون۔

مَنْ يَّشَآءُ	جس کو چاہتے ہیں	رَبِّكَ	تیرے رب کے	اِلَّا	مگر
وَمَا يَعْلَمُ	اور نہیں جانتا	اِلَّا هُوَ	مگر وہی	ذِكْرٰى	نصیحت
جُنُوْدَ	لشکر کو	وَمَا هِيَ	اور نہیں ہے وہ (دوزخ)	لِلْبَشَرِ	انسان کے لئے

دعوتِ اسلام کے کٹر مخالف کا بھیانک انجام

اب ولید بن مغیرہ کا بھیانک انجام سنیں: ـــــ میں اس کو جلدی دوزخ میں جھونکوں گا! اور تم کو کچھ خبر ہے کہ دوزخ کیا ہے؟ نہ باقی رہنے دے نہ چھوڑے! ـــــ یعنی جو دوزخ میں ڈالا جائے گا: دوزخ اس کا ستیاناس کر دے گی، اور چھوڑے گی بھی نہیں کہ چھٹک جائے، اور یہ ایسی ہی تعبیر ہے جیسی سورۃ اعلی میں ہے: ﴿ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ﴾: نہ وہ اس میں مر ہی جائے گا اور نہ جئے گا ـــــ وہ کھال کو بگاڑ کر رکھ دے گی، اس پر انیس مقرر ہیں! ـــــ یعنی دوزخ کے انتظام پر جو بے شمار فرشتے مقرر ہیں ان کے افسر انیس ہیں اور ان کے کمانڈر انچیف مالک ہیں۔

جہنم پر جو انیس مقرر ہیں وہ فرشتے ہیں

انیس کا عدد سن کر مشرکین ٹھٹھا کرنے لگے کہ ہم ہزاروں ہیں، انیس ہمارا کیا کرلیں گے؟ ہمارے دس دس ان کے ایک ایک کے مقابلہ میں ڈٹ جائیں گے، اور ایک پہلوان بولا: سترہ کے لئے تو میں اکیلا کافی ہوں، باقی دو کا تم سب مل کر تیاپانچا کر دینا، اس پر یہ آیت اتری کہ وہ انیس آدمی نہیں فرشتے ہیں، جن کی قوت کا یہ حال ہے کہ ایک فرشتہ نے قوم لوط کی ساری بستیاں ایک بازو پر اٹھا کر پٹک دی تھیں۔

اور آیتِ کریمہ میں آٹھ باتیں ہیں:

۱- انیس کا عدد کافروں کے لئے آزمائش ہے، دیکھتے ہیں وہ اس عدد پر ایمان لاتے ہیں یا ٹھٹھا کرتے ہیں؟ جیسے حروفِ مقطعات راز ہیں، ان کو کھولا نہیں گیا، ان کے ذریعہ امتحان مقصود ہے، اتنا تو سب جانتے ہیں کہ وہ حروف ہجا ہیں، مگر مراد کیا ہے؟ یہ راز ہے، اسی طرح انیس کا عدد تو سب جانتے ہیں، مگر جہنم کے ذمہ دار فرشتوں کے افسر انیس کیوں ہیں؟ اٹھارہ یا بیس کیوں نہیں؟ اس کو نہیں کھولا، اب دیکھنا ہے کہ اس کو کون مانتا ہے اور کون انکار کرتا ہے؟ پس جن اکابر نے ان کو کھولنے کی کوشش کی ہے: وہ ٹھیک نہیں کیا، جب اللہ نے نہیں کھولا تو اور کون یقینی طور پر ان کو کھول سکتا ہے؟ پس یہ راز سر بستہ ہی رہے: یہ بہتر ہے۔

۲- اہل کتاب اس عدد کو مان لیں گے، کیونکہ ان کی کتابوں میں بھی یہی عدد ہے۔

۳- جب اہل کتاب کی تائید حاصل ہوگی تو مؤمنین کا ایمان قوی ہوجائے گا۔

۴- باہم ایک دوسرے کی موافقت سے دونوں کو اطمینان حاصل ہوگا، کسی کو اس عدد میں شک نہیں رہے گا۔

۵- منافقین ومنکرین تعجب کریں گے کہ یہی عدد کیوں ہے؟ جیسے یورپ اور امریکہ کے لوگ تیرہ کے عدد کو منحوس سمجھتے ہیں، پس لوگ تعجب کرتے ہیں کہ یہی عدد منحوس کیوں ہے؟

۶- قرآن کے بعض مضامین سے سلیم ذہنوں کو ہدایت ملتی ہے اور بیمار ذہن گمراہ ہوتے ہیں، جب قرآنِ کریم میں مکھی مکڑی جیسی چھوٹی چھوٹی اور حقیر چیزوں کی مثال بیان کی تو کافروں کو حیرت ہوئی، انھوں نے کہا: عظیم المرتبت اللہ تعالیٰ ایسی حقیر اور معمولی چیزوں کی مثال کیوں دیتے ہیں؟ سورۃ البقرۃ (آیت ۲۶) میں اس کا جواب نازل ہوا ہے: ﴿ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ﴾: اللہ تعالیٰ ایسی مثالوں سے بہت سوں کو گمراہ کرتے ہیں، اور بہت سوں کو اس سے ہدایت دیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ اس مثال سے صرف حد اطاعت سے نکلنے والوں کو گمراہ کرتے ہیں ــــ انیس کا عدد بھی ایسا ہی ہے، کسی کو اس سے ہدایت ملے گی کوئی گمراہ ہوگا۔

۷- انیس افسروں کے ماتحت بے شمار فرشتے ہیں، جن کی تعداد اللہ ہی جانتے ہیں جیسے ملک الموت (حضرت عزرائیل علیہ السلام) کے ماتحت بے شمار فرشتے مخلوق کی جانیں وصول کرتے ہیں، وہ سب ملک الموت (موت کے فرشتے) ہیں۔

۸- دوزخ کا تذکرہ اس لئے کیا جاتا ہے کہ لوگ نصیحت پذیر ہوں، اور آخرت کے لئے تیاری کریں۔ جیسے قبر کا عذاب برحق ہے: یہ آدھا مضمون ہے، قبر میں عذاب گنہگاروں کو ہوگا، نیک مؤمنین قبر میں مزے لوٹیں گے، مگر اس کو ذکر نہیں کرتے تاکہ لوگ غفلت میں نہ پڑیں۔

﴿وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰۗىِٕكَةً ۠ وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۙ لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ۭ وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ﴿۳۱﴾﴾

ترجمہ: (۱) اور ہم نے ان کی تعداد کو کافروں کے لئے آزمائش بنایا ہے (۲) تاکہ اہل کتاب یقین کریں (۳) اور مؤمنین کا ایمان بڑھ جائے (۴) اور اہل کتاب اور مؤمنین کسی شک میں مبتلا نہ ہوں (۵) اور جن کے دلوں میں روگ ہے اور منکرین کہیں کہ اس عجیب مضمون سے اللہ تعالیٰ کو کیا مقصود ہے؟ (۶) اس طرح اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں گمراہ کرتے

ہیں، اور جس کو چاہتے ہیں راہ راست پر لے آتے ہیں (۷) اور آپ کے رب کے لشکر کو ان کے سوا کوئی نہیں جانتا (۸) اور دوزخ صرف آدمیوں کی نصیحت کے لئے ہے۔

كَلَّا وَالْقَمَرِ ﴿٣٢﴾ وَاللَّيْلِ إِذْ أَدْبَرَ ﴿٣٣﴾ وَالصُّبْحِ إِذَا أَسْفَرَ ﴿٣٤﴾ إِنَّهَا لَإِحْدَى الْكُبَرِ ﴿٣٥﴾ نَذِيرًا لِّلْبَشَرِ ﴿٣٦﴾ لِمَن شَاءَ مِنكُمْ أَن يَتَقَدَّمَ أَوْ يَتَأَخَّرَ ﴿٣٧﴾

كَلَّا	ہرگز نہیں (دوزخ کا انکار مت کر)	إِذَا أَسْفَرَ	جب وہ روشن ہوئی!	لِّلْبَشَرِ	انسانوں کو
		إِنَّهَا	بے شک وہ (دوزخ)	لِمَن	اس کے لئے جو
وَالْقَمَرِ	چاند کی قسم!	لَإِحْدَى (۱)	البتہ ایک ہے	شَاءَ	چاہے
وَاللَّيْلِ	اور رات کی قسم	الْكُبَرِ (۲)	بڑی بھاری چیزوں	مِنكُمْ	تم میں سے
إِذْ أَدْبَرَ	جب اس نے پیٹھ پھیری!		میں سے	أَن يَتَقَدَّمَ	کہ آگے بڑھے
وَالصُّبْحِ	اور صبح کی قسم	نَذِيرًا	ڈرانے والی	أَوْ يَتَأَخَّرَ	یا پیچھے ہٹے

آخرت میں دوزخ بڑی بھاری مصیبت ہے، اور آخرت پر جوڑی کے قانون سے استدلال

گذشتہ آیت کی آخری بات تھی کہ دوزخ: انسانوں کے لئے ایک نصیحت ہے، اب فرماتے ہیں کہ دوزخ کا انکار مت کر، دوسری دنیا (آخرت) بالیقین قائم ہونے والی ہے، اور اس میں دوزخ ایک سنگین چیز ہوگی، اس سے سابقہ پڑنے والا ہے، ابھی وہ انسانوں کے لئے ڈراوا ہے، پس جس کا جی چاہے اس کی طرف بڑھے، دوزخ والے کام کرے اور جائے جہنم میں! اور جس کا جی چاہے اس سے ہٹے، جنت والے کام کرے اور جنت نشیں بنے!

آخرت پر جوڑی کے قانون سے استدلال: آخرت ضرور آئے گی، اس پر جوڑی کے قانون سے استدلال کرتے ہیں، جوڑی کے قانون کی وضاحت سورۃ الذاریات میں گذر چکی ہے، جوڑی: وہ دو چیزیں ہیں جو مل کر ایک مقصد کی تکمیل کرتی ہیں، جیسے دو جوتے، کرتا پاجامہ، نر مادہ اور شب وروز۔

اسی طرح چاند سورج کی جوڑی ہے، سورج دن میں روشنی پھیلاتا ہے اور چاند رات میں چاندنی بکھیرتا ہے، اس طرح شب وروز روشن ہوجاتے ہیں، اور انسان آرام سے رات دن سفر کرتے ہیں۔

دوسری مثال: اسی طرح رات دن کی جوڑی ہے، رات گذرتی ہے تو صبح ہوتی ہے، اور شام ڈھلتی ہے تو رات آتی

(۱) إحدى: مضاف، واحد اور أحد کا مؤنث (۲) الكُبَر: كُبرى کی جمع، أكبر کا مؤنث۔

ہے، دونوں سے زندگی کی راحت ہے، اگر ایک ہو: رات ہی رات رہے دن نہ آئے یا دن ہی دن رہے، رات نہ آئے تو انسان پریشان ہوجائے، دونوں مل کر انسان کی راحت کا سامان کرتے ہیں، اس لئے دونوں کی جوڑی ہے۔

اسی طرح دنیا کی جوڑی آخرت ہے، دونوں مل کر تکلیف (جزاوسزا) کا مقصد پورا کرتے ہیں، جوڑی کی اس دلیل سے آخرت کا آنا قطعی ہے، اور آخرت میں دوزخ ایک بھاری چیز ہے، ابھی اس سے اس لئے آگاہ کیا جارہا ہے کہ جو شخص اس کی طرف بڑھنا چاہے بڑھے، اور جو اس سے ہٹنا چاہے ہٹے۔

سوال: صرف چاند کی قسم کیوں کھائی ہے؟ سورج کی قسم کیوں نہیں کھائی؟ سورج کی قسم کے بغیر جوڑی کیسے بنے گی؟

جواب: سورج کا ذکر: ﴿ وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ ﴾ میں آرہا ہے، اگر اس کی الگ قسم کھائی جاتی تو تکرار ہوجاتی، اور کلام فصیح نہ رہتا، اور انسان کو اللہ نے عقلمند پیدا کیا ہے، اس کے لئے اشارہ کافی ہے۔

فائدہ: چاند کی قسم میں ایک اور مضمون بھی ہے، چاند خود روشن نہیں، سورج سے فیض پاتا ہے، اسی طرح آخرت (جنت وجہنم) اس دنیا سے آباد ہیں، وہ یہاں کے اعمال کا نتیجہ ہیں، حدیث میں ہے: جب بندہ الله أكبر کہتا ہے تو جنت میں ایک کھجور کا درخت لگتا ہے، ورنہ جنت چٹیل میدان ہے، اسی طرح یہاں کی بدکاریاں جہنم کے سانپ بچھو بنتے ہیں، پس چاند کی قسم میں یہ مضمون بھی ہے۔

آیاتِ کریمہ: —— ہرگز نہیں —— یعنی دوزخ کا انکار مت کر —— چاند کی قسم! اور رات کی قسم جب جانے لگے! اور صبح کی قسم جب وہ روشن ہوجائے —— یہ جوڑیاں دلیل ہیں کہ دنیا کی جوڑی آخرت ہے، پس مدعیٰ محذوف ہے، اور قرینہ اگلا ارشاد ہے: —— بے شک دوزخ بڑی بھاری چیز ہے! —— دوزخ آخرت میں ہے پس یہ مقسم علیہ کا قرینہ ہے —— وہ انسانوں کے لئے بڑا ڈراوا ہے —— یعنی اس دنیا میں اس کا تذکرہ اسی مقصد سے کیا جاتا ہے —— اس کے لئے جو تم میں سے آگے بڑھنا چاہے —— یعنی جو کنویں میں گرنا چاہے وہ علی وجہ البصیرت گرے —— یا پیچھے ہٹنا چاہے —— یعنی جنت والے کام کرنا چاہے تو کرے!

كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ﴿٣٨﴾ اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ﴿٣٩﴾ فِيْ جَنّٰتٍ ۛ يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿٤٠﴾ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٤١﴾ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ﴿٤٢﴾ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ﴿٤٣﴾ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ﴿٤٤﴾ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ﴿٤٥﴾ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿٤٦﴾ حَتّٰٓى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ﴿٤٧﴾

كُلُّ نَفْسٍ	ہر شخص	مَا سَلَكَكُمْ	کس چیز نے پہنچایا تم کو	وَكُنَّا	اور تھے ہم
بِمَا كَسَبَتْ	اپنے کئے میں	فِي سَقَرَ	دوزخ میں	نَخُوضُ	گھستے
رَهِيْنَةٌ	گروی (پھنسا ہوا) ہے	قَالُوْا	کہا انھوں نے	مَعَ الْخَآئِضِيْنَ	گھسنے والوں کے ساتھ
إِلَّآ أَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ	مگر دائیں والے	لَمْ نَكُ	نہیں تھے ہم	وَكُنَّا نُكَذِّبُ	اور جھٹلاتے تھے ہم
فِيْ جَنّٰتٍ	باغوں میں (ہونگے)	مِنَ الْمُصَلِّيْنَ	نمازیوں میں سے	بِيَوْمِ	دن کو
يَتَسَآءَلُوْنَ	ایک دوسرے سے	وَلَمْ نَكُ	اور نہیں تھے ہم	الدِّيْنِ	قیامت کے
	پوچھیں گے	نُطْعِمُ	کھلاتے	حَتّٰى أَتٰنَا	یہاں تک کہ آیا ہمیں
عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ	گنہگاروں کے بارے میں	الْمِسْكِيْنَ	غریبوں کو	الْيَقِيْنُ	یقین (موت)

دوزخیوں کے بالمقابل جنتیوں کا تذکرہ

قرآن کا اسلوب یہ ہے کہ وہ آگ والوں کے بعد باغ والوں کا تذکرہ کرتا ہے، پہلے ایک قاعدہ بیان کرتے ہیں کہ ہر شخص اپنے اعمال کے بدلہ میں محبوس ہوگا، یہ ضابطہ دوزخ والوں کے لئے ہے، ان کو گناہ کے بقدر ہی سزا ملے گی، جنتی اس ضابطہ سے مستثنیٰ ہیں، ان کو ان کے اعمال سے کہیں زیادہ انعام ملے گا، وہ ایک باغ میں نہیں، بہت سے باغوں میں ہونگے، ادنی جنتی کو دس دنیا کے بقدر باغ ملیں گے۔

علاوہ ازیں: وہ اپنے اعمال پر خوش ہونگے اور وہ ایک مستقل نعمت ہوگی، اور ان کو یہ خوشی اس وقت حاصل ہوگی جب وہ دوزخیوں کے بارے میں پوچھیں گے کہ تم دوزخ میں کیسے پہنچ گئے؟ وہ جواب دیں گے: ہم دو کام نہیں کرتے تھے اور دو کام کرتے تھے: اس وجہ سے جہنم کا منہ دیکھنا پڑا، ہم نماز نہیں پڑھتے تھے اور زکات نہیں دیتے تھے اور ہم اسلام کے خلاف باتیں بنانے والوں کی موافقت کرتے تھے، اور ہم قیامت کے دن کو نہیں مانتے تھے، یہاں تک کہ موت کے وقت ہمیں یقین آ گیا کہ قیامت آنے والی ہے، جب جنتی: دوزخیوں کے یہ احوال سنیں گے تو اپنی زندگی پر نازں فرحاں ہونگے، اور وہ ان کے لئے مستقل نعمت ہوگی، جیسے محنتی طالب علم کامیاب ہوتا ہے، پس فیل ہونے والے طالب علم سے پوچھتا ہے: ارے تو فیل کیوں ہوا؟ وہ کہتا ہے: میں مطالعہ نہیں کرتا تھا، سبق سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا تھا، اور خواندہ یاد نہیں کرتا تھا تو کامیاب ہونے والا طالب علم اپنی محنت پر پھولا نہیں سماتا!

سوال: یہ بات طے ہے کہ کفار فروع کے مکلّف نہیں، پھر نماز نہ پڑھنے اور زکات نہ دینے پر جہنم میں ان کو سزا کیوں ہوگی؟

جواب: آیت میں کفار کی تخصیص نہیں، مجرمین عام لفظ ہے اور نافرمان مسلمانوں کو بھی جہنم میں جانا پڑسکتا ہے، پس بے نمازی اور زکات ادا نہ کرنے والے مسلمان ہوشیار ہوجائیں!

آیاتِ کریمہ: —— ہر شخص اپنے اعمال کے بدلہ میں محبوس ہوگا، مگر داہنے والے مستثنیٰ ہیں، وہ باغوں میں ہونگے، وہ مجرموں کا حال پوچھتے ہونگے: تم کو دوزخ میں کس چیز نے داخل کیا؟ وہ جواب دیں گے: ہم نہ تو نماز پڑھا کرتے تھے، اور نہ غریبوں کو کھانا کھلایا کرتے تھے، اور (دین اسلام کے خلاف) باتیں چھانٹنے والوں کے ساتھ باتیں چھانٹا کرتے تھے، اور قیامت کے دن کو (عملاً) جھٹلایا کرتے تھے، یہاں تک کہ ہم کو (موت پر) یقین آگیا —— اب کیا ہوت ہے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت!

فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ﴿۴۸﴾ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ﴿۴۹﴾ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿۵۰﴾ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿۵۱﴾ بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿۵۲﴾ كَلَّا بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۵۳﴾ كَلَّآ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ﴿۵۴﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۵۵﴾ وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿۵۶﴾

فَمَا تَنْفَعُهُمْ	پس نہیں کام دے گی ان کو	مِنْ قَسْوَرَةٍ (۲)	شیر (شور) سے	الْاٰخِرَةَ	آخرت سے
شَفَاعَةُ	سفارش	بَلْ يُرِيْدُ	بلکہ چاہتا ہے	كَلَّآ	ہرگز نہیں
الشّٰفِعِيْنَ	سفارش کرنے والوں کی	كُلُّ امْرِئٍ	ہر انسان	اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ	بیشک وہ نصیحت نامہ ہے
فَمَا لَهُمْ	پس کیا ہوا ان کو	مِّنْهُمْ	ان میں سے	فَمَنْ شَآءَ	پس جو چاہے
عَنِ التَّذْكِرَةِ	نصیحت سے	اَنْ يُّؤْتٰى	کہ دیا جائے وہ	ذَكَرَهٗ	اس سے نصیحت پذیر ہو
مُعْرِضِيْنَ	روگردانی کرنے والے ہیں	صُحُفًا	صحیفے (خطوط)	وَمَا يَذْكُرُوْنَ	اور نہیں نصیحت حاصل
كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ (۱)	گویا وہ گدھے ہیں	مُّنَشَّرَةً	کھلے ہوئے		کریں گے وہ
مُّسْتَنْفِرَةٌ	بدکنے والے	كَلَّا	ہرگز نہیں	اِلَّآ	مگر
فَرَّتْ	بھاگے جارہے ہیں	بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ	بلکہ وہ نہیں ڈرتے	اَنْ يَّشَآءَ	یہ کہ چاہیں

(۱) حُمُرٌ مستنفرة: بدکنے والے گدھے یعنی وحشی گدھے: گورخر (۲) قسورة کے معنی: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے شیر کئے ہیں، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے شور کئے ہیں۔ اصل معنی ہیں: نہایت سخت۔

اللّٰہُ	اللہ تعالیٰ	اَھْلُ التَّقْوٰی[1]	اس کے حقدار ہیں کہ	وَاَھْلُ	اور وہ اس کے حقدار
ھُوَ	وہ		ان سے ڈرا جائے	الْمَغْفِرَۃِ[2]	ہیں کہ گناہ بخشیں

دوزخیوں کا باقی تذکرہ: کوئی سفارش دوزخ سے نہیں بچا سکے گی

پہلی آیت: سابقہ آیات سے جڑی ہوئی ہے، مجرموں (کافروں اور بدکاروں) کا اگر یہ خیال ہے کہ مورتیاں، اولیاء یا شفیع المذنبین ﷺ سفارش کر کے دوزخ سے بچالیں گے تو یہ خام خیالی ہے، کیونکہ سفارش اللہ کی اجازت کے بغیر نہیں ہوسکے گی، اور کافروں کے لئے تو اجازت کا سوال ہی نہیں، اور بدکاروں کے لئے اجازت ملے گی، مگر دھلائی کے بعد!

﴿ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ۝۴۸ ﴾

ترجمہ: پس ان کو سفارش کرنے والوں کی سفارش نفع نہیں دے گی۔

کفار قرآن کی نصیحت سے سر پر پیر رکھ کر بھاگتے ہیں!

گورخر (جنگلی گدھے) شیر یا شکاریوں کے شور سے بے تحاشا بھاگتے ہیں، اسی طرح کفار قرآن کی باتیں سن کر بھاگتے ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ ان کے نام اللہ کی طرف سے کھلا خط آئے، جس میں ان کو ایمان کی دعوت دی ہو پس وہ ایمان لائیں، مگر یہ کیونکر ممکن ہے؟ اللہ جانتے ہیں جن کے پاس پیغام بھیجتے ہیں، ہر شخص میں رسالت (اللہ کا مخاطب بننے) کی صلاحیت کہاں ہے؟

درحقیقت وہ لوگ آخرت سے نہیں ڈرتے، جبکہ آخرت سے بے خوف ہونا عقلمندی کی بات نہیں، پس لوگ سن لیں! قرآن ایک نصیحت نامہ ہے، ان کو چاہئے کہ قرآن سے نصیحت پذیر ہوں۔

﴿ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ۝۴۹ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ۝۵۰ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ۝۵۱ بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً۝۵۲ كَلَّا ۭ بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ۝۵۳ كَلَّآ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ۝۵۴ فَمَنْ شَاۗءَ ذَكَرَهٗ۝۵۵ ﴾

ترجمہ: پس ان کو کیا ہوا کہ نصیحت سے روگردانی کرتے ہیں؟ گویا وہ وحشی گدھے ہیں جو شیر سے (یا شور سے) بھاگے جارہے ہیں! بلکہ ان کا ہر شخص چاہتا ہے کہ ان کو کھلے خط دیئے جائیں ـــــ یعنی ہر شخص کے نام الگ الگ خط آئے ـــــ ہرگز نہیں ـــــ یہ ممکن نہیں ـــــ بلکہ وہ آخرت سے نہیں ڈرتے ـــــ ہرگز نہیں ـــــ یعنی آخرت سے

(۱) التقوی: مصدر مجہول ہے (۲) المغفرۃ: مصدر معروف ہے۔

بے خوف ہونا ٹھیک نہیں ـــــ یہ قرآن ایک نصیحت ہے، پس جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے!

بندوں کی مشیت اللہ کی مشیت کے تابع ہے، پس اللہ سے توفیق مانگیں!

بندوں کا قرآنِ کریم سے نصیحت پذیر ہونا اللہ کی مشیت پر موقوف ہے، بندوں کا کوئی معاملہ اللہ کے اختیار سے باہر نہیں، ورنہ بندے خود خدا بن جائیں گے، پس بندوں کو چاہئے کہ اللہ سے توفیق مانگیں، اللہ تعالیٰ محروم نہیں کریں گے۔

﴿ وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ﴾

ترجمہ: اور بدوں اللہ کے چاہے وہ لوگ نصیحت پذیر نہیں ہوسکتے۔

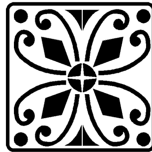
اللہ تعالیٰ اس کے حقدار ہیں کہ ان سے ڈرا جائے اور وہی اس کے حقدار ہیں کہ گناہ بخشیں!

حدیثِ قدسی: نبی ﷺ نے آیت: ﴿ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴾ کی تفسیر میں فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: ''میں اس کا حقدار ہوں کہ مجھ سے ڈرا جائے، پس جو مجھ سے ڈرتا ہے، اور میرے ساتھ کوئی اور معبود نہیں گردانتا تو میں اس کا حقدار ہوں کہ اس کی بخشش کردوں'' یعنی جو اللہ سے ڈر کر شرک سے بچے گا: اللہ تعالیٰ اس کے سب گناہ معاف کردیں گے (ترمذی شریف حدیث ۳۳۵۱ تحفۃ الالمعی ۷: ۵۳۳)

﴿ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ۝ ﴾

ترجمہ: وہ اس کے حقدار ہیں کہ ان سے ڈرا جائے، اور وہ اس کے حقدار ہیں کہ گناہ بخشیں!

﴿۲۹ ذی قعدہ ۱۴۳۷ھ = ۲ ستمبر ۲۰۱۶ء﴾



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ القیامہ

یہ مکی دور کے وسط کی سورت ہے، اس کا نزول کا نمبر ۳۱ ہے، اور اس کا موضوع آخرت ہے، گذشتہ سورت کے آخر میں دوزخ کا ذکر تھا، دوزخ: آخرت میں ہے، اس لئے اب کئی سورتوں کا یہی موضوع ہے اور یہ سورت جوڑی دار ہے، اگلی سورت کے ساتھ مل کر اس کا مضمون مکمل ہوتا ہے، اس سورت میں کفار کا اور آخرت میں ان کی سزا کا بیان ہے، اور اگلی سورت میں مؤمنین کے اعمال کا اور ان کے انعام کا ذکر ہے۔

قیامت اور آخرت دو الگ الگ چیزیں ہیں، مگر لگواں ہیں، قیامت اس دنیا کا آخری دن ہے، اس لئے اس کو الیوم الآخر بھی کہتے ہیں، اور قیامت اس کو اس لئے کہتے ہیں کہ وہ متعین دن ہے، اور اس کا آنا یقینی ہے، اور آخرت: ساتھ والی دنیا کا نام ہے، جو فی الحال موجود ہے، وہاں جنت و جہنم ہیں، قیامت کے دن حساب کے بعد مکلّف مخلوقات کو جزاؤسزا کے لئے آخرت میں منتقل کیا جائے گا، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

آخرت کا موضوع بھی توحید و رسالت کی طرح اہم ہے، لوگوں کو اس کا یقین ہی نہیں آتا، جو لوگ قیامت اور آخرت کو مانتے ہیں: ان کے عمل سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ نہیں مانتے، اس لئے اب کئی سورتیں اسی موضوع پر ہیں۔

آیاتها ۴۰ (۷۵) سُوْرَةُ الْقِيٰمَةِ مَكِّيَّةٌ (۳۱) رکوعها ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۝۱ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۝۲ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ۝۳ بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ۝۴ بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ ۝۵ يَسْـَٔلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ۝۶ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۝۷ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ۝۸ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۝۹ يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَىِٕذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ۝۱۰ كَلَّا لَا وَزَرَ ۝۱۱ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَىِٕذِ ۣالْمُسْتَقَرُّ ۝۱۲

لَآ	نہیں (آخرت کا انکار	بَلٰی	کیوں نہیں!	وَخَسَفَ	اور گہنا (بےنور ہو) جائیگا
	مت کر)	قٰدِرِیْنَ	(ہم) قادر ہیں	الْقَمَرُ	چاند
اُقْسِمُ	میں قسم کھاتا ہوں	عَلٰٓی اَنْ	اس پر کہ	وَجُمِعَ	اور اکٹھا کئے جائیں گے
بِیَوْمِ	دن کی	نُّسَوِّیَ	درست بنائیں	الشَّمْسُ	سورج
الْقِیٰمَةِ	قیامت کے	بَنَانَهٗ[2]	اس کی پوریوں کو	وَالْقَمَرُ	اور چاند
وَلَآ	اور نہیں (سزا کا انکار	بَلْ یُرِیْدُ	بلکہ چاہتا ہے	یَقُوْلُ	کہے گا
	مت کر)	الْاِنْسَانُ	انسان	الْاِنْسَانُ	انسان
اُقْسِمُ	میں قسم کھاتا ہوں	لِیَفْجُرَ	کہ بدکاریاں کرے	یَوْمَىِٕذٍ	آج
بِالنَّفْسِ	نفس کی	اَمَامَهٗ[3]	اس (دن) سے پہلے	اَیْنَ الْمَفَرُّ	کہاں بھاگوں؟
اللَّوَّامَةِ[1]	بہت ملامت کرنے والے	یَسْـَٔلُ	پوچھتا ہے	كَلَّا	ہرگز نہیں
اَیَحْسَبُ	کیا گمان کرتا ہے	اَیَّانَ	کب (ہے)	لَا وَزَرَ	کوئی جائے پناہ نہیں
الْاِنْسَانُ	انسان	یَوْمُ الْقِیٰمَةِ	قیامت کا دن	اِلٰى رَبِّكَ	تیرے رب کے پاس
اَلَّنْ	کہ ہرگز نہیں	فَاِذَا	پس جب	یَوْمَىِٕذِ	آج
نَّجْمَعَ	اکٹھا کریں گے ہم	بَرِقَ	چکاچوند ہوگی	الْمُسْتَقَرُّ	ٹھہرنا ہے
عِظَامَهٗ	اس کی ہڈیوں کو؟	الْبَصَرُ	آنکھیں	❁	❁

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

آخرت اور اس میں سزا کے برحق ہونے کے دلائل

آخرت کے برحق ہونے کی دلیل قیامت کا دن ہے، وہ اس دنیا کا آخری دن ہے، اس میں اولین وآخرین دوبارہ زندہ کئے جائیں گے، پھر حساب کتاب کے بعد مکلّف مخلوقات آخرت میں منتقل کی جائے گی، اب اگر آخرت کو کوئی نہیں مانے گا تو جنّ وانس کہاں جائیں گے؟ یہ دنیا تو ختم کردی جائے گی! اس کا تو آخری دن آگیا، پس لامحالہ آخرت کو ماننا ہوگا، جو آخری ٹھکانا ہوگا۔

(۱) اللوامة: صیغہ مبالغہ: بہت ملامت کرنے والا (۲) بنان: بنانة کی جمع (۳) أمامه: ضمیر یوم القیامة کی طرف عائد ہے۔

اور مکلّف مخلوقات کے لئے آخرت میں برائیوں کی سزا ہے: اس کی دلیل اس کا بہت زیادہ ملامت کرنے والا نفس ہے، انسان اور جانور کے احوال میں غور کریں، انسان خواہ کوئی ہو: اگر اس کی گاڑی کے پہیے میں غلطی سے کوئی معصوم بچہ آجائے تو اس کا کیا حال ہوتا ہے؟ اس کا دل کتنا روتا ہے! اور بھینس کے پیروں میں بچہ کچل جائے تو اس کا نفس اس کو ذرا ملامت نہیں کرتا، یہ دلیل ہے کہ انسان کو یقین ہے کہ اس کی غلطی پر پکڑ ہوگی۔

﴿ لَآ أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۝ وَلَآ أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۝ ﴾

ترجمہ: نہیں —— یعنی آخرت کا انکار مت کر —— میں قیامت کے دن کی قسم کھاتا ہوں —— یہ دلیل ہے جس کو قسم کے روپ میں پیش کیا ہے، اور مدعیٰ وہ ہے جس کی لا کے ذریعہ نفی کی ہے —— اور نہیں —— یعنی سزا کا انکار مت کر —— میں بہت زیادہ ملامت کرنے والے نفس کی قسم کھاتا ہوں۔

قیامت کے احوال

اللہ تعالیٰ کو قیامت کے دن مخلوقات کو دوبارہ پیدا کرنے پر پوری قدرت ہے

اگر کوئی خیال کرے کہ آخرت اور سزا کا قصہ تو جب ہے کہ ہم مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کئے جائیں، کیا یہ ممکن ہے؟

جواب: کیا انسان گمان کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو اکٹھا نہیں کریں گے؟ کیوں نہیں! ہم اس کی پور پور دوبارہ ٹھیک بنانے پر قدرت رکھتے ہیں —— جس نے پہلی بار پیدا کیا ہے وہ دوسری بار کیوں پیدا نہیں کرسکتا؟ دوسری بار کسی چیز کو بنانا پہلی بار سے آسان ہوتا ہے —— اور پوریوں کی تخصیص شاید اس لئے کی کہ اطرافِ بدن میں باوجود چھوٹی ہونے کے صنعت کی رعایت زیادہ ہے، کسی بھی دو شخصوں کے فینگر پرنٹ یعنی پوریوں کی لکیریں یکساں نہیں ہوتیں، کچھ نہ کچھ فرق ہوتا ہے، یہ کتنا دشوار اور باریک کام ہے؟

انسان قیامت کا انکار کیوں کرتا ہے؟

جو لوگ قیامت کا انکار کرتے ہیں اور دوبارہ زندہ کئے جانے کو محال جانتے ہیں: اس کا سبب یہ نہیں ہے کہ یہ مسئلہ بہت مشکل ہے، اور اللہ کی قدرتِ کاملہ کے دلائل ونشانات غیر واضح ہیں، بلکہ آدمی چاہتا ہے کہ قیامت کے آنے سے پہلے اپنی اگلی عمر میں —— جو باقی رہ گئی ہے —— بالکل بے باک ہو کر فسق وفجور کرتا رہے، اگر کہیں قیامت کا اقرار کرلیا اور حساب کتاب کا خوف دل میں بیٹھ گیا تو بے باکی اور ڈھٹائی سے بدکاری نہیں کرسکے گا، اس لئے ایسا خیال دل میں آنے ہی نہیں دیتا، بلکہ سینہ زوری سے سوال کرتا ہے: صاحب! آپ کی قیامت کب آئے گی؟ جواب: جب سورج سر سے قریب

ہوجائے گا، اوراس کی چمک سے آنکھیں پتھرا جائیں گی، اور سورج کے ساتھ تقابل نہ رہنے سے چاند بے نور ہوجائے گا، بلکہ سورج اور چاند ایک دوسرے کے مقابل نہیں رہیں گے، ایک ساتھ ہوجائیں گے: اس دن قیامت قائم ہوگی، اس وقت انسان بدحواس ہوکر پوچھے گا: آج کدھر بھاگوں؟ اور کہاں پناہ لوں؟ جواب ملے گا: اب نہ بھاگنے کا موقع ہے نہ کوئی جائے پناہ! اب سب کو پروردگار کی عدالت میں حاضر ہونا ہے!

آیاتِ پاک: —— بلکہ انسان چاہتا ہے کہ روز جزاء سے پہلے بدکاریاں کرلے، پوچھتا ہے: قیامت کا دن کب ہے؟ —— پس جب آنکھیں پتھرا جائیں گی، چاند گہنا جائے گا، اور سورج اور چاند جمع کردیئے جائیں گے تو انسان کہے گا: اب کہاں بھاگوں؟ ہرگز نہیں (اب کہیں نہیں بھاگ سکتا) کوئی جائے پناہ نہیں، اب تیرے رب کے پاس ہی ٹھہرنا ہے!

يُنَبَّؤُا الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَأَخَّرَ ﴿١٣﴾ بَلِ الْإِنْسَانُ عَلَى نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ ﴿١٤﴾ وَلَوْ أَلْقَى مَعَاذِيرَهُ ﴿١٥﴾ لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ﴿١٦﴾ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ﴿١٧﴾ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ﴿١٨﴾ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ ﴿١٩﴾ كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ ﴿٢٠﴾ وَتَذَرُونَ الْآخِرَةَ ﴿٢١﴾

يُنَبَّؤُا	جتلایا جائے گا	لَا تُحَرِّكْ	آپ نہ ہلائیں	فَاتَّبِعْ	پس پیروی کریں آپ
الْإِنْسَانُ	انسان	بِهِ	وحی کے ساتھ	قُرْآنَهُ	اس کے پڑھنے کی
يَوْمَئِذٍ	اس دن	لِسَانَكَ	اپنی زبان	ثُمَّ إِنَّ	پھر بے شک
بِمَا قَدَّمَ	جو آگے بھیجا اس نے	لِتَعْجَلَ	تاکہ جلدی لیں آپ	عَلَيْنَا	ہمارے ذمہ ہے
وَأَخَّرَ	اور (جو) پیچھے چھوڑا اس نے	بِهِ	اس (وحی) کو	بَيَانَهُ	اس کی وضاحت
بَلِ الْإِنْسَانُ	بلکہ انسان	إِنَّ عَلَيْنَا	بیشک ہمارے ذمہ ہے	كَلَّا	ہرگز نہیں
عَلَى نَفْسِهِ	اپنے بارے میں	جَمْعَهُ	اس کو (دل ودماغ میں)	بَلْ تُحِبُّونَ	بلکہ پسند کرتے ہو تم
بَصِيرَةٌ	بابصیرت ہے		جمع کرنا	الْعَاجِلَةَ	جلدی کو
وَلَوْ أَلْقَى	اگرچہ ڈالے وہ (پیش کرے وہ)	وَقُرْآنَهُ	اور اس کا پڑھنا	وَتَذَرُونَ	اور چھوڑتے ہو تم
		فَإِذَا	پس جب	الْآخِرَةَ	پچھلے کو
مَعَاذِيرَهُ	اپنے غیر واقعی اعذار	قَرَأْنَاهُ	پڑھیں ہم اس کو	❁	❁

قیامت کے دن جب انسان کواس کے اعمال جتلائے جائیں گے

تو وہ غیر واقعی اعذار پیش کرے گا اور اس کی مثال اور مثال در مثال

اس دنیا میں 'بھول' ایک نعمت ہے، اسی کے سہارے آدمی پنپتا ہے، بڑے سے بڑا نقصان ہوجاتا ہے مگر چند دن کے بعد بھول جاتا ہے اور زندگی معمول پر آجاتی ہے ـــــ قیامت کے دن اس نعمت کی ضرورت نہیں رہے گی، چنانچہ سب کیا کرایا یاد آجائے گا، سورۃ النازعات میں ہے: ﴿ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْإِنْسَانُ مَا سَعٰى ﴾: قیامت کے دن انسان کو اپنا کیا کرایا سب یاد آجائے گا ـــــ تاہم قیامت کے دن انسان کو اس کے اچھے برے آگے بھیجے ہوئے اور پیچھے چھوڑے ہوئے سب اعمال جتلائے جائیں گے، اس وقت انسان اپنے اعمال کے بارے میں بابصیرت ہوگا، سب کو جانتا ہوگا، پھر بھی برے اعمال کے لئے بہانے تراشے گا، اور غیر واقعی اعذار پیش کرے گا کہ میں نے یہ گناہ اس مجبوری میں کیا۔

اس کی مثال: شروع میں نزولِ وحی کے وقت نبی ﷺ: حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ زبان سے سرأ پڑھتے تھے، اس سے دُوہرا بوجھ پڑتا تھا، ایک تو آپؐ کو ناسوت سے ملکوت کی طرف عروج کرنا پڑتا تھا، جس سے آپ سخت جاڑے میں پسینہ پسینہ ہوجاتے تھے، دوسرے: وحی سننا بھی اور ساتھ ہی پڑھنا بھی، اس لئے آپؐ کو نزولِ وحی کے ساتھ پڑھنے سے روک دیا، لیکن اگر آپؐ سے پوچھا جائے کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ تو آپؐ جواب دیں گے: میں ایسا اس لئے کرتا ہوں کہ وحی یاد ہوجائے، کوئی حصہ بھول نہ جاؤں، یہ غیر واقعی عذر ہے، کیونکہ وحی بھولنے کا آج تک کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔

مثال در مثال: انسان کی فطرت ہے کہ وہ جلد اور نقد کو پسند کرتا ہے، اگرچہ ادھار میں نفع ہوتا ہے جیسے کفار دنیا کے پیچھے مرتے ہیں اور آخرت کو چھوڑتے ہیں، کیونکہ دنیا عاجلہ (نقد) ہے اور آخرت (آخرۃ) ادھار ہے، اس کے ملنے میں ابھی دیر ہے، اسی طرح نزولِ وحی کی حالت عاجلہ ہے اور بعد کی حالت آخرۃ، اور وہ پچھلی حالت: پہلی حالت سے بہتر ہے، پہلی حالت میں تو ساری وحی یاد نہیں ہوتی، ابھی وحی اتر رہی ہے اور بعد میں ساری وحی یاد ہوجاتی ہے، مگر آپ عاجلہ کو آخرۃ پر ترجیح دیتے ہیں، جبرئیل کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

ملحوظہ: یہ آیتوں کے مضامین میں ارتباط ہے، اور ذرا دقیق ہے، غور سے آیات پڑھیں، اگر واضح نہ ہو تو تحفۃ القاری جلد اول صفحہ ۱۴۸ دیکھیں، وہاں بھی یہ مضمون ہے۔

آیاتِ کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر: ـــــ قیامت کے دن انسان جتلایا جائے گا جو کچھ اس نے آگے بھیجا اور جو کچھ اس

نے پیچھے چھوڑا ـــ آگے بھیجا: یعنی مرنے سے پہلے وہ اعمال کئے، اور پیچھے چھوڑا: یعنی مرنے کے بعد بھی وہ اعمال جاری رہے، جیسے برا طریقہ چلا گیا، جب تک اس غلط راستے پر لوگ چلتے رہیں گے: ریت چلانے والے کو وبال پہنچتا رہے گا، جیسے قابیل نے ظلماً قتل کیا، اور وہ ریت پڑ گئی تو قیامت تک جو ناحق قتل ہوگا اس کے گناہ کا ایک حصہ قابیل کو پہنچے گا ـــ بلکہ انسان اپنے بارے میں بابصیرت ہے ـــ اس لئے جتلانے کی ضرورت نہیں تھی ـــ اگرچہ وہ غیر واقعی اعذار (بہانے) تراشے!

غیر واقعی اعذار کی مثال: ـــ آپ وحی کے ساتھ اپنی زبان نہ ہلائیں ـــ یعنی سر اُنہ پڑھیں ـــ تاکہ آپ وحی جلدی لے لیں ـــ اس میں آپ کے غیر واقعی عذر کی طرف اشارہ ہے ـــ بے شک ہمارے ذمہ اس کو (آپ کے ذہن میں) جمانا، اور اس کا پڑھنا ہے ـــ یعنی آپ لوگوں کے سامنے جو پڑھیں گے: وہ ہماری ذمہ داری ہے، اس میں نبی ﷺ کے پڑھنے کو اللہ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے ـــ پس جب ہم اس کو پڑھیں تو آپ اس پڑھنے کی پیروی کریں ـــ اس میں جبرئیل علیہ السلام کے پڑھنے کو اللہ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے ـــ پھر بے شک ہمارے ذمہ اس کی وضاحت ہے ـــ یعنی آپ جبرئیل سے وحی کا مطلب نہ پوچھیں، ہم آپ کو خود اس کا مطلب سمجھا دیں گے۔

مثال در مثال: ـــ ہرگز نہیں ـــ یعنی آخرت کو نظر انداز مت کر ـــ بلکہ تم جلدی (دنیا) کو پسند کرتے ہو، اور پچھلی (آخرت) کو چھوڑتے ہو ـــ جبکہ وہ پچھلی دنیا اصل ہے، پس پوری توجہ اس کی طرف رہنی چاہئے۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿۲۲﴾ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿۲۳﴾ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍۢ بَاسِرَةٌ ﴿۲۴﴾ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿۲۵﴾ كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ﴿۲۶﴾ وَقِيْلَ مَنْ ٜرَاقٍ ﴿۲۷﴾ وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴿۲۸﴾ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴿۲۹﴾ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَىِٕذِ ۣالْمَسَاقُ ﴿۳۰﴾ ع

وُجُوْهٌ (۱)	کچھ چہرے	نَاظِرَةٌ	دیکھنے والے ہوں گے	تَظُنُّ	خیال کرتے ہونگے
يَّوْمَىِٕذٍ	اس دن	وَوُجُوْهٌ	اور کچھ چہرے	اَنْ يُّفْعَلَ	کہ کیا جائے گا
نَّاضِرَةٌ	تروتازہ ہوں گے	يَّوْمَىِٕذٍ	اس دن	بِهَا	ان (چہروں) کے ساتھ
اِلٰى رَبِّهَا	اپنے پروردگار کی طرف	بَاسِرَةٌ (۲)	اداس ہونگے	فَاقِرَةٌ (۳)	کمر توڑ معاملہ

(۱) وجہ: بول کر ذات مراد لی ہے (۲) باسرۃ: بہت زیادہ منہ بگاڑنے والی، بد رونق کرنے والی، اداس: مرادی معنی ہیں (۳) فَقَرَ الرجلَ: ریڑھ کی ہڈی توڑنا، مُہرے توڑنا۔

كَلَّآ	ہرگز نہیں (جزا کا انکار	رَاقٍ	جھاڑنے والا؟	السَّاقُ	پنڈلی
	مت کر)	وَّظَنَّ	اور گمان کرے گا وہ	بِالسَّاقِ	پنڈلی سے
إِذَا بَلَغَتِ	جب پہنچ جائے گی روح		(مرنے والا)	إِلٰى رَبِّكَ	تیرے رب کی طرف
التَّرَاقِيَ (۱)	ہنسلیوں کو	أَنَّهُ	کہ وہ	يَوْمَئِذٍ	آج
وَقِيْلَ	اور کہا جائے گا	الْفِرَاقُ	جدائی ہے	الْمَسَاقُ	کھنچا جانا ہے
مَنْ	کوئی ہے	وَالْتَفَّتِ	اور لپٹ جائے گی	۞	۞

آخرت: دنیا سے بہتر کیوں ہے؟

آخرت: دنیا سے بہتر اس لئے ہے کہ آخرت میں جنتیوں کو دیدارِ خداوندی نصیب ہوگا، پس یہ مثال در مثال ہے، معتزلہ اس کے منکر ہیں، اس لئے وہ محروم رہیں گے، ارشاد فرماتے ہیں: —— کچھ چہرے اس دن تروتازہ ہونگے، اپنے رب کا دیدار کررہے ہونگے —— اور ان کے بالمقابل —— اور کچھ چہرے اس دن اداس ہونگے، وہ خیال کرتے ہونگے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ معاملہ کیا جائے گا!

سفرِ آخرت کی ابتداء

اب پھر مضمون پیچھے کی طرف لوٹ رہا ہے، ارشاد فرماتے ہیں: —— ہرگز نہیں! —— یعنی آخرت کی سزا کا انکار مت کر، انسان کو دنیا میں ہمیشہ کہاں رہنا ہے؟ —— جب روح ہنسلیوں تک پہنچ جائے گی —— اور تیمار دار مایوس ہوجائیں گے —— اور کہا جائے گا: کوئی جھاڑنے والا ہے؟ —— جب علاج معالجہ سے لوگ مایوس ہوجاتے ہیں تو جھاڑ پھونک کا سہارا لیتے ہیں —— اور وہ (بیمار) گمان کرے گا کہ جدائی کا وقت آگیا، اور پنڈلی پنڈلی سے لپٹ گئی —— نیچے کے بدن کی روح نکل گئی —— اس دن تیرے رب کے پاس کشاں کشاں جانا ہے —— اور وہاں جزاء سے دوچار ہونا ہے۔

فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ﴿۳۱﴾ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۳۲﴾ ثُمَّ ذَهَبَ إِلٰى أَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ﴿۳۳﴾ أَوْلٰى لَكَ فَأَوْلٰى ﴿۳۴﴾ ثُمَّ أَوْلٰى لَكَ فَأَوْلٰى ﴿۳۵﴾ أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ﴿۳۶﴾ أَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ﴿۳۷﴾ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ﴿۳۸﴾ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنْثٰى ﴿۳۹﴾ أَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰى أَنْ يُّحْيِيَ الْمَوْتٰى ﴿۴۰﴾

ع ۲ / ۱۸

(۱) التراقی: تَرْقُوۃ کی جمع: ہنسلی، وہ ہڈی جو گردن کے نیچے ہوتی ہے۔

فَلَاصَدَّقَ	پس نہ تصدیق کی	اَيَحْسَبُ	کیا خیال کرتا ہے	فَسَوّٰى	پس درست بنایا
وَلَا صَلّٰى	اور نہ نماز پڑھی	الْاِنْسَانُ	انسان	فَجَعَلَ	پس بنائے
وَلٰكِنْ كَذَّبَ	بلکہ جھٹلایا	اَنْ يُّتْرَكَ	کہ چھوڑ دیا جائے گا	مِنْهُ	اس سے
وَتَوَلّٰى	اور منہ موڑا	سُدًى	مہمل (بے سزا)	الزَّوْجَيْنِ	جوڑے
ثُمَّ ذَهَبَ	پھر گیا	اَلَمْ يَكُ	کیا نہیں تھا وہ	الذَّكَرَ	نر
اِلٰٓى اَهْلِهٖ	اپنے گھر والوں کے پاس	نُطْفَةً	ایک بوند	وَالْاُنْثٰى	اور مادہ
يَتَمَطّٰى(۱)	اکڑتا ہوا	مِّنْ مَّنِيٍّ	منی کی	اَلَيْسَ ذٰلِكَ	کیا نہیں ہے وہ
اَوْلٰى لَكَ(۲)	کم بختی ہو تیرے لئے	يُّمْنٰى	جو ٹپکائی گئی	بِقٰدِرٍ	قدرت رکھنے والا
فَاَوْلٰى	پس کم بختی ہو	ثُمَّ كَانَ	پھر تھا وہ	عَلٰٓى اَنْ	اس پر کہ
ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ	پھر کم بختی ہو تیرے لئے	عَلَقَةً	خونِ بستہ	يُّحْيِۦَ	زندہ کرے
فَاَوْلٰى(۳)	پس کم بختی ہو	فَخَلَقَ	پس پیدا کیا (اس کو)	الْمَوْتٰى	مُردوں کو؟

دیکھو دنیا میں کیا کر کے آیا ہے؟

مر کر برزخ میں پہنچا، وہاں جائزہ لیا جائے گا کہ دنیا میں کیا کر کے آیا ہے؟ فرماتے ہیں: —— پس نہ تو اس نے تصدیق کی —— یعنی ایمان نہیں لایا، منافق اعتقادی بھی اس میں شامل ہیں —— اور نہ نماز پڑھی، بلکہ جھٹلایا اور منہ موڑا پھر اکڑتا ہوا اپنے گھر والوں کے پاس گیا —— گویا بڑی بہادری اور ہنر مندی کا کام کر کے آیا ہے —— کم بختی ہو تیرے لئے! پس کم بختی ہو! پھر کم بختی ہو تیرے لئے، پس کم بختی ہو!

انسان اشرف مخلوق ہے اس لئے اس کو بے سزا نہیں چھوڑا جاسکتا: —— کیا انسان خیال کرتا ہے کہ وہ بے سزا چھوڑ دیا جائے گا؟ —— ہر گز نہیں، اس کو سزا ضرور ملے گی اس لئے کہ وہ فرزانہ ہے۔

انسان اپنی پہلی پیدائش میں غور کرے تو دوبارہ پیدا ہونا اس کی سمجھ میں آجائے گا:

کیا وہ منی کی ایک بوند نہیں تھا، جو رحم مادر میں ٹپکائی گئی، پھر وہ خونِ بستہ بنا، پھر اللہ نے اس کو ٹھیک بنایا، اور اس (بوند) سے نر مادہ کے جوڑے بنائے، کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ مُردوں کو زندہ کرے؟ —— بے شک قادر ہے!

(۱) تَمطّٰی: باب تفعّل: غرور سے اکڑ کر چلنا، اتراتے ہوئے چلنا، مجرد مَطَّ (ن) پھیلانا، بڑھانا (۲) أولی لك: محاورہ ہے أی الهلاكُ لك (۳) فأولی کے بعد لك محذوف ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الدہر

یہ مدنی سورت ہے، اس کا نزول کا نمبر ۹۸ ہے، سورۃ القیامہ کے بعد یہ سورت اس لئے ہے کہ یہ اس کی جوڑی ہے، سورۃ القیامہ کے ساتھ مل کر مضمون مکمل ہوتا ہے، سورۃ القیامہ میں کفار کی تکذیب کا ذکر تھا، مؤمنین کا ذکر نہیں تھا اور قرآن کا اسلوب ہے کہ وہ ایک فریق کے بعد دوسرے فریق کا ذکر کرتا ہے، اس لئے اب دوسرے فریق (مؤمنین) کا ذکر اس سورت میں ہے۔

اٰیاتھا ۳۱ — (۷۶) سُوْرَۃُ الدَّھْرِ مَدَنِیَّۃٌ (۹۸) — رکوعاتھا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ﴿۱﴾ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۲﴾ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ﴿۳﴾ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَا۟ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا ﴿۴﴾

هَلْ (۱)	تحقیق	شَيْـًٔا	کوئی چیز	اَمْشَاجٍ (۲)	مخلوط
اَتٰى	گذرا ہے	مَّذْكُوْرًا	زبان پر آئی ہوئی	نَّبْتَلِيْهِ (۳)	الٹتے پلٹتے رہے ہم اسکو
عَلَى الْاِنْسَانِ	انسان پر	اِنَّا	بے شک ہم نے	فَجَعَلْنٰهُ	پس بنایا ہم نے اس کو
حِيْنٌ	ایک وقت	خَلَقْنَا	پیدا کیا	سَمِيْعًا	سننے والا
مِّنَ الدَّهْرِ	لمبے زمانہ سے	الْاِنْسَانَ	انسان کو	بَصِيْرًا	دیکھنے والا
لَمْ يَكُنْ	نہیں تھا وہ	مِنْ نُّطْفَةٍ	بوند سے	اِنَّا هَدَيْنٰهُ	بیشک دکھائی ہم نے اس کو

(۱) ھل: استفہام تقریری ہے، اپنے مدخول کو ثابت کرتا ہے (۲) أمشاج: جمع ہے، اس کے مفرد میں مختلف قول ہیں، ایک قول مَشَج ہے، مَشَجَ الشیئَ (ن) مَشْجًا: ملانا، مخلوط کرنا، یہاں نطفہ کی صفت ہے، دو نطفوں پر جمع کا اطلاق کیا گیا ہے (۳) نبتلیہ: مستقل جملہ ہے۔

السَّبِيْلَ	راہ	اِنَّآ اَعْتَدْنَا	بے شک تیار کی ہیں	سَلٰسِلَاۡ	زنجیریں
اِمَّا شَاكِرًا	یا شکر گذار		ہم نے	وَاَغْلٰلًا	اور بیڑیاں
وَّاِمَّا كَفُوْرًا	اور یا ناشکرا	لِلْكٰفِرِيْنَ	منکروں کے لئے	وَّسَعِيْرًا	اور دہکتے انگارے

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

انسان کی تاریخ

انسان کو غیر معمولی صلاحیتیں دے کر مکلّف بنایا

زمین وآسمان اوران کے درمیان کی چیزیں اللہ تعالیٰ نے چھ ادوار میں پیدا کیں، پھر زمینی فرشتے (ملأ سافل) پیدا کئے، لمبے عرصہ تک وہ زمین کو آباد کئے رہے اور اللہ کی عبادت کرتے رہے، وہ مکلّف نہیں تھے، دیگر مخلوقات کی طرح اپنی فطرت سے تسبیح میں مشغول رہے۔

پھر ایک وقت کے بعد اللہ نے جانّ کو پیدا کیا، ان کی اولاد جنات کہلائی، یہ مکلّف تھے، وہ بھی لمبے زمانے تک زمین کو آباد کئے رہے، مگر ان کی فطرت میں آگ کا غلبہ تھا، اس لئے انھوں نے سرکشی کی، اور زمین کو فتنہ وفساد سے بھر دیا، پس اللہ نے اپنے نائب انسان کو پیدا کیا۔

انسان کی پیدائش کے وقت اللہ نے فرشتوں کے سامنے ڈکلیر کیا کہ میں زمین میں اپنا خلیفہ پیدا کرنے جارہا ہوں، اب کائنات میں انسان کا چرچا شروع ہوا، اس سے پہلے اس کا کوئی ذکر نہیں تھا۔

پھر آدم علیہ السلام کو اور دادی حواء رضی اللہ عنہا کو مٹی سے پیدا کیا، اس لئے کہ انسان کی تخلیق مٹی سے مقدر تھی، پھر دونوں کو جنت میں بسایا، وہاں ان کی کوئی اولاد نہیں ہوئی، اولاد کو بھی مٹی سے پیدا کرنا مقدر تھا، پھر جب دونوں نے شجر ممنوعہ کھایا تو دونوں زمین پر اتارے گئے، انھوں نے زمین سے پیدا ہونے والی غذا کھائی تو ان کے بدن میں خون بنا، اس سے مادّہ بنا، پھر مرد وزن کے مادّے بچہ دانی میں پہنچے، وہاں اللہ تعالیٰ نے اس کو مختلف مراحل میں گذارا، اس کو علقہ بنایا، پھر مضغہ، پھر ہڈیاں، پھر ان پر گوشت چڑھا، اور جب باڈی مکمل ہوگئی تو اس میں فرشتہ نے عالم ارواح سے روح لاکر پھونکی، یہ روحیں تخلیقِ آدم کے بعد وجود میں لائی گئی تھیں، اور ان سے ربوبیت کا اقرار لے کر ان کو عالم ارواح میں خاص ترتیب سے رکھ دیا ہے، وہاں سے روح لاکر فرشتہ نے باڈی میں ڈالی تو ماں کے پیٹ میں جسم زندہ ہوگیا، پھر ایک وقت تک اس کو بچہ دانی میں رکھا، پھر جب وہ دنیا کی آب وہوا برداشت کرنے کے قابل ہوگیا تو پیدا (ظاہر) ہوا، اور بتدریج بڑھ کر جوان ہوا، پس اللہ نے اس کو عقل وفہم سے بہرہ ور کیا اور احکامات دیئے۔

اللہ نے انسان میں خیر وشر کی دونوں صلاحیتیں رکھی ہیں، اس کو دونوں راہیں سُجھائی ہیں، وہ اپنی مرضی سے اللہ کا شکر گذار بندہ بھی بن سکتا ہے اور ناشکرا بھی، جب اس میں دونوں طرح کی صلاحیتیں ہیں تو اس کو ایک راہ پر ڈالنا مناسب نہیں، اس لئے اس کو ایسے احکام دیئے کہ اس کی دونوں صلاحیتیں بروئے کار آئیں، اب اگر وہ احکام کی خلاف ورزی کرے گا تو اللہ کے یہاں اس کے لئے زنجیریں، بیڑیاں اور دہکتے انگارے ہیں، اور احکام کی فرمان برداری کرے گا تو اللہ کے پاس پہنچ کر مزے لوٹے گا، اس کا ذکر آگے آئے گا۔

آیاتِ پاک: —— یقیناً انسان پر ایک لمبا زمانہ ایسا گذرا ہے کہ کائنات میں اس کا کوئی چرچا نہیں تھا —— اس کا تذکرہ اس وقت سے شروع ہوا جب اللہ نے فرشتوں کے سامنے ظاہر کیا کہ وہ زمین میں اپنا خلیفہ پیدا کرنے والے ہیں —— بے شک ہم نے انسان کو —— یعنی اولادِ آدم کو —— ایک مخلوط قطرہ سے پیدا کیا —— جب مرد کے مادے کے جُرثومے: عورت کے مادے کے خلیے میں داخل ہوتے ہیں تو حمل ٹھہرتا ہے، ورنہ مادہ باہر نکل آتا ہے —— ہم اس (مادہ) کو الٹتے پلٹتے ہیں —— اس کی تفصیل سورۃ المؤمنین کے شروع میں اور سورۃ نوح میں گذری ہے، مٹی سے سات مراحل میں گذار کر انسان کا جسم تیار کرتے ہیں —— پھر ہم نے اس کو سننے والا دیکھنے والا بنایا —— مراد سبھی قوی عقلیہ اور علمیہ ہیں، پھر —— بے شک ہم نے اس کو راہ دکھائی: خواہ شکر گذار بنے یا ناشکرا! —— بے شک ہم نے منکروں کے لئے زنجیریں، بیڑیاں اور انگارے تیار کئے ہیں!

إِنَّ الْأَبْرَارَ يَشْرَبُونَ مِن كَأْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُورًا ۝ عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللَّهِ يُفَجِّرُونَهَا تَفْجِيرًا ۝ يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا ۝ وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ۝ إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا ۝ إِنَّا نَخَافُ مِن رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا ۝ فَوَقَاهُمُ اللَّهُ شَرَّ ذَٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقَّاهُمْ نَضْرَةً وَسُرُورًا ۝

إِنَّ الْأَبْرَارَ يَشْرَبُونَ	بے شک نیکوکار پئیں گے	مِن كَأْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا (۱)	ایک جام سے جس میں ملونی ہے	كَافُورًا عَيْنًا (۲)	کافور کی ایک چشمہ

(۱) مِزَاج: حاصل مصدر: ملونی جیسے شربت میں عرق گلاب کی ملونی (۲) عینا: من کأس کے محل سے بدل ہے، من کأس محلاً منصوب ہے، وہ یشربون کا مفعول بہ ہے۔

يَّشْرَبُ بِهَا	پئیں گے اس سے	عَلٰى حُبِّهٖ	اللہ کی محبت میں	مِنْ رَّبِّنَا	ہمارے رب سے
عِبَادُ اللّٰهِ	اللہ کے بندے	مِسْكِيْنًا	غریبوں	يَوْمًا	ایک ایسے دن سے
يُفَجِّرُوْنَهَا	بہالے جائیں گے وہ اس کو	وَّ يَتِيْمًا	یتیموں	عَبُوْسًا(۱)	جو سخت
تَفْجِيْرًا	بہالے جانا	وَّاَسِيْرًا	اور قیدیوں کو	قَمْطَرِيْرًا(۲)	تکلیف دہ ہے
يُوْفُوْنَ	پورا کرتے ہیں وہ	اِنَّمَا	اس کے سوانہیں کہ	فَوَقٰىهُمُ	پس بچایا ان کو
بِالنَّذْرِ	منتوں (واجبات) کو	نُطْعِمُكُمْ	کھلاتے ہیں ہم تم کو	اللّٰهُ	اللہ نے
وَيَخَافُوْنَ	اور ڈرتے ہیں وہ	لِوَجْهِ اللّٰهِ	اللہ کی خوشنودی کیلئے	شَرَّ	برائی سے
يَوْمًا	ایک دن سے	لَا نُرِيْدُ	نہیں چاہتے ہم	ذٰلِكَ الْيَوْمِ	اس دن کی
كَانَ شَرُّهٗ	جس کی برائی (تکلیف)	مِنْكُمْ	تم سے	وَلَقّٰىهُمْ(۳)	اور کھینچ کرائی ان کو
مُسْتَطِيْرًا	پھیلنے والی (عام) ہے	جَزَآءً	کوئی بدلہ	نَضْرَةً	تازگی
وَ يُطْعِمُوْنَ	اور کھلاتے ہیں	وَّلَا شُكُوْرًا	اور نہ شکر گذاری	وَّسُرُوْرًا	اور خوشی
الطَّعَامَ	کھانا	اِنَّا نَخَافُ	بے شک ہم ڈرتے ہیں	❁	❁

نیک لوگوں کے کام اوران کا انعام

نیک لوگوں کے دوکام اوران کے دوانعام ذکر فرمائے ہیں: دوکام یہ ہیں:

۱- وہ جو بھی منت مانتے ہیں اس کو پورا کرتے ہیں، اور جب خود اپنی لازم کی ہوئی چیز کو پورا کرتے ہیں تو اللہ کی لازم کی ہوئی باتوں کو کیسے چھوڑ سکتے ہیں (فوائد) دوسری تفسیر: منت سے مراد واجبات ہیں یعنی تمام ضروری احکام پر عمل کرتے ہیں (بیان القرآن)

۲- اللہ کی محبت میں مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو یعنی محتاجوں کو کھلاتے ہیں، دوراول میں حکومت کے پاس فنڈ نہیں تھا، اس لئے جنگوں میں جو قیدی (کافر) پکڑے جاتے ان کو لوگ کھلاتے تھے۔

اور یہ دونوں کام نیک لوگ لوجہ اللہ اور قیامت کے ڈر سے کرتے ہیں، وہ محتاجوں سے کسی بدلہ یا شکریہ کے طالب نہیں ہوتے، اور قیامت کے دن سے اس لئے ڈرتے ہیں کہ وہ سخت تکلیف دہ دن ہے، اور اس کی تکلیف سب کو عام

(۱) عبوسا: صفت مشبہ: سخت، عَبَسَ الیومُ: سخت ہونا، ترش ہونا (۲) قمطریر: اسم: بہت زیادہ سخت، تکلیف دہ، تلخ (۳) لَقَّاهُ الشیئَ (تفعیل): کسی کی طرف کوئی چیز ڈالنا تاکہ وہ لیلے، یعنی کھینچ کرانا۔

ہے، مگر اللہ تعالیٰ جس کو محفوظ رکھیں وہ محفوظ رہے گا، ابرار کو اللہ تعالیٰ اس دن کی تکالیف سے محفوظ رکھیں گے۔

اور ابرار کے دو انعام یہ ہیں:

۱- وہ آخرت میں ایسے جام سے شاد کام کئے جائیں گے، جس میں تھوڑا سا کافور ملایا گیا ہوگا، اور یہ کافور: دنیا کے کافور کی طرح نہیں ہوگا، بلکہ وہ جنت کا ایک چشمہ ہے، اس میں سے ملونی کی جائے گی، اور وہ چشمہ نیک بندوں کے اختیار میں ہوگا، جہاں چاہیں گے بہالے جائیں گے، عرب کافور کی خوشبو پسند کرتے ہیں، جیسے ہم گلاب اور کیوڑے کی خوشبو پسند کرتے ہیں۔

۲- ابرار میدانِ قیامت میں خوش وخرم اور تر وتازہ ہونگے، جبکہ قیامت کا دن سخت تکلیف دہ ہوگا، اللہ تعالیٰ ان کو اس دن کی تکالیف سے محفوظ رکھیں گے۔

آیاتِ پاک: —— بے شک نیکوکار ایسے جام سے پئیں گے جس میں کافور کی آمیزش ہوگی، جو ایک چشمہ ہے، جس سے اللہ کے بندے پئیں گے، وہ اس کو جہاں چاہیں گے بہا کرلے جائیں گے، وہ منتوں (واجبات) کو پورا کرتے ہیں، اور ایسے دن سے ڈرتے ہیں جس کی سختی عام ہے، اور وہ اللہ کی محبت میں غریب، یتیم اور قیدی کو کھلاتے ہیں ہم تم کو اللہ کی خوشنودی کے لئے کھلاتے ہیں، ہم تم سے نہ کوئی بدلہ چاہتے ہیں نہ شکریہ! ہم اپنے رب کی طرف سے ایک سخت تلخ دن کا اندیشہ رکھتے ہیں، پس اللہ نے ان کو اس دن کی سختی سے بچایا، اور ان کو تازگی اور خوشی عطا فرمائی!

وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ﴿۱۲﴾ مُّتَّكِئِيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ۚ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ﴿۱۳﴾ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ﴿۱۴﴾ وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا ﴿۱۵﴾ قَوَارِيْرَا مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ﴿۱۶﴾ وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا ﴿۱۷﴾ عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا ﴿۱۸﴾ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۚ اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ﴿۱۹﴾ وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّمُلْكًا كَبِيْرًا ﴿۲۰﴾ عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ ۫ وَّحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ۚ وَسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ﴿۲۱﴾ اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۲۲﴾

ع ۱ / ۲۲ / ۱۹

وَجَزٰىهُمْ	اور بدلہ دیا (اللہ نے) انکو	مِنْ فِضَّةٍ	چاندی کے ہونگے	نَعِيْمًا	نعمتیں
بِمَا صَبَرُوْا	ان کے صبر کرنے کی وجہ سے	قَدَّرُوْهَا	اندازہ کیا انھوں نے ان کا	وَّمُلْكًا كَبِيْرًا	اور ملک بڑا
جَنَّةً وَّحَرِيْرًا	باغ اور ریشم کا	تَقْدِيْرًا	اندازہ کرنا	عٰلِيَهُمْ	ان کی بالائی پوشاک
مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا	ٹیک لگانے والے اس میں	وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا	اور پلائے جائیں گے	ثِيَابُ	کپڑے ہیں
عَلَى الْاَرَآئِكِ	مسہریوں پر		وہ اس میں	سُنْدُسٍ	باریک ریشم کے
لَا يَرَوْنَ فِيْهَا	نہیں دیکھیں گے اس میں	كَاْسًا	ایک ایسا پیالہ	خُضْرٌ	ہرے رنگ کے
شَمْسًا	سورج	كَانَ مِزَاجُهَا	جس میں ملونی ہوگی	وَّاِسْتَبْرَقٌ	اور دبیز ریشم کے
وَّلَا زَمْهَرِيْرًا	اور نہ ٹھر (سخت جاڑا)	زَنْجَبِيْلًا	سونٹھ کی	وَّحُلُّوْٓا	اور پہنائے جائیں گے وہ
وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ	اور جھکنے والے ہیں ان پر	عَيْنًا فِيْهَا	ایک چشمہ ہے اس میں	اَسَاوِرَ	کنگن
ظِلٰلُهَا	ان کے سایے	تُسَمّٰى	کہلاتا ہے	مِنْ فِضَّةٍ	چاندی کے
وَذُلِّلَتْ	اور تابع کردیئے گئے	سَلْسَبِيْلًا	سلسبیل (بہتا پانی)	وَسَقٰىهُمْ	اور پلائیں گے ان کو
قُطُوْفُهَا	ان کے خوشے	وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ	اور گھومیں گے ان پر	رَبُّهُمْ	ان سے پروردگار
تَذْلِيْلًا	تابع کرنا	وِلْدَانٌ	لڑکے	شَرَابًا طَهُوْرًا	پاک کرنے والا مشروب
وَيُطَافُ	اور گھمائے جائیں گے	مُّخَلَّدُوْنَ	سدا رہنے والے	اِنَّ هٰذَا	بے شک یہ
عَلَيْهِمْ	ان پر	اِذَا رَاَيْتَهُمْ	جب دیکھیں آپ ان کو	كَانَ لَكُمْ	ہے تمہارا
بِاٰنِيَةٍ	برتن	حَسِبْتَهُمْ	خیال کریں آپ ان کو	جَزَآءً	بدلہ
مِّنْ فِضَّةٍ	چاندی کے	لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا	بکھرے موتی	وَّكَانَ	اور ہے
وَّاَكْوَابٍ	اور پیالے	وَاِذَا رَاَيْتَ	اور جب دیکھیں آپ	سَعْيُكُمْ	تمہاری محنت
كَانَتْ قَوَارِيْرَا	جو شیشے کے ہونگے	ثَمَّ	وہاں	مَّشْكُوْرًا	شکریہ ادا کی ہوئی
قَوَارِيْرَا	شیشے	رَاَيْتَ	دیکھیں	❁	❁

ابرار (نیک لوگوں) کی جنت کے احوال

نیک لوگ دنیا میں اعمال پر جمے رہے، اور معاصی سے رکے رہے، اس لئے اللہ تعالیٰ ان کو آخرت میں عیش کرنے کے لئے باغات اور پہننے کے لئے ریشم عنایت فرمائیں گے، ان کی جنت کے دس احوال بیان فرمائے ہیں:

۱-مجلس کا حال ـــــ جنتی جنت میں مسہریوں پر ٹیک لگا کر بیٹھیں گے، وہ وہاں شہنشاہِ بے تاج ہونگے۔

۲-موسم کا حال ـــــ وہاں نہ تپش ہوگی نہ ٹھر، موسم نہایت معتدل ہوگا۔

۳-سایوں اور خوشوں کا حال ـــــ درختوں کے سایے قریب اور خوشے لٹکے ہوئے ہونگے، جنتی ہر حال میں ان سے استفادہ کرسکیں گے۔ سوال: جب سورج نہیں ہوگا تو سایہ کیسے ہوگا؟ جواب: سایہ چاندنی میں بھی ہوتا ہے، چودھویں رات میں تجربہ کرکے دیکھیں، اور جنت میں اندھیرا نہیں ہوگا، چاندنا ہوگا۔

۴-برتنوں اور پیالوں کا حال ـــــ جنت میں برتن چاندی کے اور پیالے کانچ کے ہونگے، اور کانچ چاندی سے بنائے گئے ہوں گے، دنیا میں کانچ خاص مٹی سے بنائے جاتے ہیں، اس میں سے چمکدار اجزاء نکال کر شیشہ بناتے ہیں، جنت میں چاندی میں سے چمکدار اجزاء نکال کر شیشے بنائے جائیں گے، خدام ان برتنوں اور پیالوں کو خوب اندازے سے بھر کر لائیں گے کہ پینے کے بعد نہ خواہش باقی رہے نہ برتن میں کچھ بچے۔

۵-مشروب میں سونٹھ کی ملونی ـــــ جنت میں سلسبیل نامی ایک چشمہ ہے، اس کی جام شراب میں ملونی کی جائے گی پس سونٹھ کی خوشبو آئے گی، عرب اس کو بہت پسند کرتے ہیں، جیسے ہمارے بچے بلکہ بڑے بھی فروٹی کو پسند کرتے ہیں، اس میں آم کا فلیور ہے۔

۶-خدام کا حال ـــــ جنت میں حوروں کی طرح خدام ہونگے، جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے، جنت میں ان کو آتے جاتے دیکھیں تو بکھرے موتی معلوم ہونگے۔

۷-جنت کی وسعت ـــــ جنت نعمتوں سے بھری ایک بڑا ملک ہے، اور جس کو اللہ تعالیٰ بڑا ملک فرمائیں اس کی وسعت کا اندازہ کون کرسکتا ہے؟

۸-لباس کا حال ـــــ جنتیوں کی شیروانیاں اور صدریاں سبز باریک ریشم اور دبیز ریشم کی ہونگی۔

۹-زیور کا حال ـــــ جنتیوں کو سونے چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے، زیور زنانہ پن پیدا کرتا ہے، مگر جنت کے زیور میں یہ بات نہیں ہوگی، جیسے شراب میں نشہ ہے اس لئے حرام ہے، مگر جنت کی شراب میں نشہ نہیں ہوگا، اس لئے حلال ہوگی۔

۱۰-شرابِ طہور ـــــ جنتیوں کو اللہ تعالیٰ شرابِ طہور کا ایک خاص جام پلائیں گے، جس سے باطن روشن ہوجائے گا، یہ دیدارِ خداوندی کی طرح ایک عظیم نعمت ہے۔

حوصلہ افزائی: اور جنتیوں سے کہا جائے گا: یہ تمہارے اعمال کا صلہ ہے اور تمہاری محنت ٹھکانے لگی! یہ سن کر جنتی

پھولے نہیں سمائیں گے!

آیاتِ کریمہ:—— اور اُن (ابرار) کو ان کے صبر کرنے کی وجہ سے باغ اور ریشم عطا فرمایا—— یہ تمہید ہے——
(۱) وہ وہاں مسہریوں پر ٹیک لگانے والے ہیں (۲) وہ وہاں نہ سورج دیکھیں گے نہ سخت سردی (۳) ان پر جنت کے درختوں کے سایے نزدیک ہونے والے ہونگے، اور ان کے میوے ان کے اختیار میں ہونگے (۴) اور ان کے پاس چاندی کے برتن لائے جائیں گے، اور پیالے شیشے کے ہونگے، شیشے چاندی کے ہونگے، جن کو خدام خوب اندازے سے بھریں گے (۵) اور وہاں وہ ایسا جام پلائے جائیں گے جن میں سونٹھ کی ملونی ہوگی، یہ جنت میں ایک چشمہ ہے، جس کا نام سلسبیل ہے (۶) اور ان کے پاس ایسے لڑکے آتے جاتے رہیں گے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے، اگر آپ ان کو دیکھیں تو ان کو خیال کریں بکھرے موتی! (۷) اور جب آپ اس جگہ کو دیکھیں تو نعمتیں اور بڑی حکومت دیکھیں (۸) ان کا اوپر کا لباس سبز باریک ریشم اور دبیز ریشم کا ہوگا (۹) اور ان کو چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے (۱۰) اور ان کو ان کا رب پاک کرنے والا مشروب پلائے گا (حوصلہ افزائی:) بے شک یہ تمہارا صلہ ہے، اور تمہاری محنت پسندیدہ ہے!

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ۝ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ۝ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ۝ وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَ سَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ۝ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَ يَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ۝ نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ ۚ وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا ۝ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ۝ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ وَ الظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝

اِنَّا نَحْنُ	بے شک ہم نے	فَاصْبِرْ	پس آپ انتظار کریں	اَوْ كَفُوْرًا	یا ناشکرے کا
نَزَّلْنَا عَلَيْكَ	اتارا آپ پر	لِحُكْمِ رَبِّكَ	اپنے رب کے حکم کا	وَاذْكُرِ	اور لیں آپ
الْقُرْاٰنَ	قرآن	وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ	اور نہ کہا مانیں ان میں سے	اسْمَ رَبِّكَ	اپنے رب کا نام
تَنْزِيْلًا	تھوڑا تھوڑا	اٰثِمًا	کسی گنہگار کا	بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا	صبح وشام

وَمِنَ الَّيۡلِ	اور کسی قدر رات میں	اَسۡرَهُمۡ	ان کے جوڑ بند	تَشَآءُوۡنَ	چاہو گے تم
فَاسۡجُدۡ لَهٗ	پس سجدہ کریں اس کو	وَاِذَا شِئۡنَا	اور ہم جب چاہیں گے	اِلَّاۤ اَنۡ	مگر یہ کہ
وَ سَبِّحۡهُ	اور اسکی پاکی بیان کریں	بَدَّلۡنَاۤ	بدل دیں گے	يَّشَآءَ اللّٰهُ	چاہیں اللہ تعالیٰ
لَيۡلًا طَوِيۡلًا	لمبی رات تک	اَمۡثَالَهُمۡ	ان کے مانند	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ	بے شک یہ لوگ	تَبۡدِيۡلًا	بدلنا	كَانَ عَلِيۡمًا	خوب جاننے والے
يُحِبُّوۡنَ	پسند کرتے ہیں	اِنَّ هٰذِهٖ	بے شک یہ	حَكِيۡمًا	بڑی حکمت والے ہیں
الۡعَاجِلَةَ	جلدی (دنیا) کو	تَذۡكِرَةٌ	نصیحت ہے	يُدۡخِلُ	داخل کرتے ہیں
وَ يَذَرُوۡنَ	اور چھوڑتے ہیں	فَمَنۡ شَآءَ	پس جو چاہے	مَنۡ يَّشَآءُ	جس کو چاہتے ہیں
وَرَآءَهُمۡ	اپنے آگے	اتَّخَذَ	بنائے	فِىۡ رَحۡمَتِهٖ	اپنی مہربانی میں
يَوۡمًا ثَقِيۡلًا	بھاری دن کو	اِلٰى رَبِّهٖ	اپنے رب کی طرف	وَ الظّٰلِمِيۡنَ	اور ناانصاف
نَحۡنُ خَلَقۡنٰهُمۡ	ہم نے پیدا کیا ان کو	سَبِيۡلًا	راستہ	اَعَدَّ لَهُمۡ	تیار کیا ہے ان کے لئے
وَشَدَدۡنَاۤ	اور مضبوط بنائے ہم نے	وَمَا	اور نہیں	عَذَابًا اَلِيۡمًا	دردناک عذاب

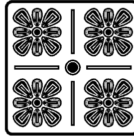
سید الابرار ﷺ کو تسلی

ابرار کے ذکر کے بعد اب سید الابرار ﷺ کا ذکر ہے، یہ سورت ہجرت کی ابتدا میں نازل ہوئی ہے، اس کا نزول کا نمبر ۹۸ ہے، مکی سورتیں ۸۵ ہیں، باقی سورتیں مدنی ہیں، یہ زمانہ سخت ابتلاء کا تھا، مکہ والے مسلسل مدینہ پر حملے کر رہے تھے، اس لئے دن کا چین اور رات کا سکون ختم ہو گیا تھا، اور آگے کیا ہونا ہے؟ یہ معلوم نہیں تھا، ایسے پر آشوب زمانہ میں یہ سورت نازل ہوئی ہے، اس لئے اِن آیات میں نبی ﷺ کو تسلی دی ہے، اور فی الحال کرنے کے جو کام ہیں ان کی راہ نمائی کی ہے، اور آگے اللہ کے حکم کے انتظار کا حکم دیا ہے۔ اور کفار کی ہم نوائی سے روکا ہے، ارشاد فرمایا کہ کفار دنیا کے پیچھے رال ٹپکا رہے ہیں، اور آگے جو سخت دن آرہا ہے اس کو بھولے ہوئے ہیں، اور اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ ہم طاقت ور ہیں، وہ جان لیں کہ ان کو ایسا ہم نے بنایا ہے، اور ہم اس میں انقلاب بھی لا سکتے ہیں —— پھر آخر میں فرمایا کہ قرآن ایک نصیحت نامہ ہے، کفار کو چاہئے کہ اس سے نصیحت پذیر ہوں، مگر یاد رکھیں: انسان کی مشیت اللہ کی مشیت کے تابع ہے، اس لئے ہدایت اسی سے مانگیں، وہ جس کو چاہتے ہیں اپنی رحمت میں داخل کرتے ہیں، ہدایت سے سرفراز کرتے ہیں، اور جو لوگ اپنے پیروں پر کلہاڑی مارتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب تیار ہے، جس کا تذکرہ اگلی سورت میں ہے۔

آیاتِ پاک: ــــ بے شک ہم نے آپ پر تھوڑا تھوڑا قرآن اتارا ہے ــــ اس لئے آخر تک کی بات ابھی نہیں بتائی ــــ پس آپؐ اپنے رب کے حکم کا انتظار کریں ــــ کہ آگے کیا ہونا ہے؟ ــــ اور ان میں سے گنہگار اور ناشکرے کا کہنا نہ مانیں ــــ یعنی اپنے موقف پر جمے رہیں ــــ اور اپنے پروردگار کا صبح وشام نام لیں ــــ یعنی پانچ نمازیں پڑھیں، اصیل کا ترجمہ شام پورا مفہوم ادانہیں کرتا، اصیل: زوال سے رات چھانے تک کا وقت ہے، اس میں چار نمازیں ہیں، وہ سب مراد ہیں ــــ اور کچھ رات میں بھی اس کو سجدہ کریں ــــ یعنی تہجد پڑھیں ــــ اور لمبی رات تک اس کی پاکی بیان کریں!

بے شک یہ لوگ (کفار) دنیا سے محبت رکھتے ہیں، اور اپنے آگے ایک بھاری دن (قیامت) کو چھوڑے ہوئے ہیں، ہم نے ان کو پیدا کیا ہے، اور ہم نے ان کے جوڑ بند مضبوط بنائے ہیں ــــ یعنی ان کو اپنی طاقت کا زعم ہے تو جان لیں ان کو ایسا طاقتور ہم نے بنایا ہے ــــ اور ہم جب چاہیں ان کے مانند کو بدل سکتے ہیں ــــ یعنی ان کی جگہ دوسروں کو طاقتور بنا سکتے ہیں۔

بے شک یہ قرآن ایک نصیحت ہے، پس جو چاہے اپنے رب کی طرف راستہ بنائے ــــ یعنی قرآن سے نصیحت حاصل کر کے ایمان لائے ــــ اور نہیں چاہو گے تم مگر یہ کہ چاہیں اللہ تعالیٰ ــــ کیونکہ بندوں کا کوئی فعل اللہ کے اختیار سے باہر نہیں، اور بندوں کا چاہنا بھی ایک فعل ہے جو اللہ کے اختیار میں ہے، اور بندوں کا اختیار ایک حد تک ہے، اور وہ کسب کا اختیار کہلاتا ہے، جیسا کہ سورۃ المدثر کے آخر میں گذرا، اور مقصد یہ ہے کہ ایمان کی توفیق اللہ سے مانگو، وہ چاہیں گے تب تم چاہو گے ــــ بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے، بڑی حکمت والے ہیں ــــ وہ جانتے ہیں کہ کس کی استعداد وقابلیت کس قسم کی ہے، اسی کے موافق اس کی مشیت کام کرتی ہے ــــ وہ جس کو چاہتے ہیں اپنی رحمت میں داخل کرتے ہیں ــــ یعنی جس کی استعداد اچھی ہوتی ہے اس کو ایمان لانے کی توفیق دیتے ہیں، اور اپنی رحمت وفضل کا مستحق بناتے ہیں ــــ اور اس نے ناانصافوں کے لئے دردناک عذاب تیار کیا ہے ــــ یعنی ان کو گمراہی میں پڑا چھوڑ دیتے ہیں تا کہ ان کو آخرت میں دردناک عذاب سے واسطہ پڑے، جس کی تفصیل اگلی سورت میں ہے۔



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ المرسلات

یہ مکی دور کے وسط کی سورت ہے، اس کا نزول کا نمبر ۳۳ ہے، یہ دور سخت ابتلا کا تھا، مخالفت زوروں پر تھی، اس لئے اس کا لہجہ بھی سخت ہے، اس وقت کفار زور شور سے مطالبہ کرتے تھے کہ ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا؟ اس سورت میں ان کو جواب دیا ہے کہ سزا قیامت کو ملے گی، اور اس کا وقت متعین ہے، اس کا انتظار کرو۔

اور گذشتہ سورت کا آخری مضمون تھا کہ ظالموں کے لئے اللہ نے دردناک عذاب تیار کیا ہے، اسی کا بیان اس سورت میں ہے کہ وہ دردناک عذاب قیامت کے دن ہوگا، اور اس دن قیامت کو جھٹلانے والوں کے لئے بڑی کم بختی ہوگی، یہ بات اس سورت میں دس مرتبہ آئی ہے۔

ایاتها ۵۰ (۷۷) سُوْرَةُ الْمُرْسَلٰتِ مَكِّيَّةٌ (۳۳) رکوعاتها ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ﴿۱﴾ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ﴿۲﴾ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ﴿۳﴾ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ﴿۴﴾ فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ﴿۵﴾ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ﴿۶﴾ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ﴿۷﴾ فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ﴿۸﴾ وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ﴿۹﴾ وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ﴿۱۰﴾ وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ﴿۱۱﴾ لِاَيِّ يَوْمٍ اُجِّلَتْ ﴿۱۲﴾ لِيَوْمِ الْفَصْلِ ﴿۱۳﴾ وَمَآ اَدْرٰكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ ﴿۱۴﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۵﴾

وَالْمُرْسَلٰتِ (۱) عُرْفًا	قسم چلتی ہواؤں کی عام طور پر	فَالْعٰصِفٰتِ (۲) عَصْفًا	پس آندھیوں کی تیز ہوکر	وَّالنّٰشِرٰتِ (۳) نَشْرًا	اور پھیلانے والیوں کی خوب پھیلانا

(۱) مرسَلة: اسم مفعول: بھیجی ہوئی، چھوڑی ہوئی...... عُرْفًا: عام طور پر، معمول کے مطابق، یہ عرف وعادت والا لفظ ہے، کوئی غریب لفظ نہیں، اور مفعول مطلق من غیر لفظہ ہے أی المرسَلات إرسالا عادیا، عَرّفه: پہچاننا، معمول سے لوگ واقف ہوتے ہیں (۲) عاصفة: آندھی، تیز چلنے والی ہوا، عصفتِ الریح: ہوا کا تیز چلنا...... عصفا: مفعول مطلق ہے (۳) ناشرة: پھیلانے والی، نَشر الشیئَ: پھیلانا۔

فَالْفٰرِقٰتِ (۱)	پس جدا کرنے والیوں کی	فَاِذَا النُّجُوْمُ	پس جب ستارے	اُجِّلَتْ	وہ مؤخر کئے گئے ہیں
فَرْقًا	بانٹ کر	طُمِسَتْ	بے نور کردیئے جائیں گے	لِيَوْمِ الْفَصْلِ	فیصلہ کے دن کے لئے
فَالْمُلْقِيٰتِ (۲)	پس ڈالنے والیوں کی	وَاِذَا السَّمَآءُ	اور جب آسمان	وَمَآ اَدْرٰىكَ	اور کیا تو جانتا ہے
ذِكْرًا	نصیحت کو	فُرِجَتْ	کھول دیا جائے گا	مَا يَوْمُ	کیا ہے دن
عُذْرًا (۳)	توبہ کرنے کے لئے	وَاِذَا الْجِبَالُ	اور جب پہاڑ	الْفَصْلِ	فیصلہ کا
اَوْ نُذْرًا (۴)	یا ڈرانے کے لئے	نُسِفَتْ	اڑادیئے جائیں گے	وَيْلٌ	بڑی کم بختی ہے
اِنَّمَا (۵)	بے شک جو	وَاِذَا الرُّسُلُ	اور جب رسول	يَّوْمَئِذٍ	اس دن
تُوْعَدُوْنَ	وعدہ کئے جاتے ہو تم	اُقِّتَتْ (۶)	وقت مقرر کئے جائیں گے	لِّلْمُكَذِّبِيْنَ	جھٹلانے والوں کیلئے
لَوَاقِعٌ	ضرور پورا ہونے والا ہے	لِاَيِّ يَوْمٍ	کس دن کے لئے	❁	❁

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

اللہ کا وعدہ ضرور پورا ہوتا ہے، جیسے بارش کا وعدہ اور اس کے لئے اسباب بنتے ہیں

اسی طرح قیامت کا وعدہ ضرور پورا ہوگا، اور اس کے لئے بھی اسباب بنیں گے

اللہ نے بندوں سے بارش کا وعدہ کیا ہے، چنانچہ پہلے ہوائیں حسبِ معمول چلتی ہیں، پھر تیز ہوکر آندھی بن جاتی ہیں، اور بادلوں کو آسمان میں پھیلا دیتی ہیں، پھر حسبِ مصلحتِ خداوندی بادلوں کو بانٹ کر جدا کرتی ہے، اور وہ لوگوں کے لئے نصیحت ہوتی ہیں، کوئی توبہ کرتا ہے اور کوئی خوف کھا کر رہ جاتا ہے، حدیث میں ہے: جب بارانی ہوا چلتی تھی تو نبی ﷺ کبھی گھر میں آتے کبھی باہر جاتے اور چہرے پر پریشانی ظاہر ہوتی، صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس کی وجہ پوچھی تو آپؐ نے فرمایا: میں کیا جانوں بادل میں کیا ہے؟ عاد کے بادل کی طرح آگ بھی تو ہوسکتی ہے! ــــ اس طرح بارش ہوتی ہے اور اللہ کا وعدہ پورا ہوتا ہے۔

اسی طرح قیامت کا وعدہ بھی سچا ہے، جب اس کا وقت آئے گا ستارے بے نور ہوجائیں گے، آسمان پھٹ جائے گا، پہاڑ گرد بن کر اڑ جائیں گے، انبیاء کی قوموں کی سزا دہی کے لئے یہی دن متعین کیا گیا ہے، یہی فیصلہ کا دن ہے، اس دن

(۱) الفارقة: جدا کرنے والی، فرق بین الشیئین: جدا کرنا ...... فرقا: مفعول مطلق (۲) الملقیة: ڈالنے والی، ألقی الشیئَ: ڈالنا ...... ذکرًا: مفعول بہ (۳) عذر: مصدر: معذرت یعنی توبہ (۴) نذر: مصدر: ڈرانا (۵) إنما: کلمہ حصر نہیں، اس میں ما کافہ ہوتا ہے، یہ إنَّ اور مَا موصولہ ہے (۶) أقتت: اصل میں وُقتت تھا: وقت مقرر کرنا۔

جنھوں نے قیامت کو جھٹلایا ہے ان کے لئے بڑی کم بختی ہوگی۔

آیاتِ پاک:۔۔۔۔ قسم ہے عام طور پر چلنے والی ہواؤں کی! پھر آندھی بن کر چلنے والی ہواؤں کی! پھر خوب بادلوں کو پھیلانے والی ہواؤں کی! پس بانٹ کر جدا کرنے والی ہواؤں کی! پھر نصیحت ڈالنے والی ہواؤں کی! توبہ کرنے کے لئے اور ڈرانے کے لئے، بے شک تم سے جس چیز کا وعدہ کیا گیا ہے وہ ضرور پورا ہونا ہے۔

پس جب ستارے بے نور کر دیئے جائیں گے، اور جب آسمان کھول دیا جائے گا، اور جب پہاڑ اڑا دیئے جائیں گے، اور جب رسولوں کے لئے وقت مقرر کیا جائے گا، کس دن کے لئے ان کو مؤخر کیا گیا ہے؟ فیصلہ کے دن کے لئے! اور آپ جانتے ہیں: فیصلہ کا دن کیا ہے؟ اس دن جھٹلانے والوں کے لئے بڑی کم بختی ہے!

اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٦﴾ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ ﴿١٧﴾ كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿١٨﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿١٩﴾ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ﴿٢٠﴾ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿٢١﴾ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿٢٢﴾ فَقَدَرْنَا ۖ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ﴿٢٣﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٢٤﴾ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ﴿٢٥﴾ اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا ﴿٢٦﴾ وَّجَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ وَّاَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا ﴿٢٧﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٢٨﴾

اَلَمْ نُهْلِكِ	کیا ہلاک نہیں کیا ہم نے	اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ	کیا نہیں پیدا کیا ہم	فَنِعْمَ	پس کیسے اچھے ہیں ہم
الْاَوَّلِيْنَ	اگلوں کو		نے تم کو	الْقٰدِرُوْنَ	اندازہ کرنے والے
ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ	پھر پیچھے بھیجا ہم نے ان کے	مِّنْ مَّآءٍ	پانی سے	وَيْلٌ	بڑی کم بختی ہے
الْاٰخِرِيْنَ	پچھلوں کو	مَّهِيْنٍ	بے قدر	يَّوْمَئِذٍ	اس دن
كَذٰلِكَ	اسی طرح	فَجَعَلْنٰهُ	اور گردانا ہم نے اس کو	لِّلْمُكَذِّبِيْنَ	جھٹلانے والوں کیلئے
نَفْعَلُ	کرتے ہیں ہم	فِيْ قَرَارٍ	ٹھہرنے کی جگہ میں	اَلَمْ نَجْعَلِ	کیا نہیں بنایا ہم نے
بِالْمُجْرِمِيْنَ	گنہگاروں کے ساتھ	مَّكِيْنٍ	اطمینان سے	الْاَرْضَ	زمین کو
وَيْلٌ	بڑی کم بختی ہے	اِلٰى قَدَرٍ	ایک وقت تک	كِفَاتًا	سمیٹنے والا
يَّوْمَئِذٍ	اس دن	مَّعْلُوْمٍ	جانے ہوئے	اَحْيَآءً	زندوں کو
لِّلْمُكَذِّبِيْنَ	جھٹلانے والوں کیلئے	فَقَدَرْنَا	پس اندازہ کیا ہم نے	وَّاَمْوَاتًا	اور مردوں کو

وَّجَعَلْنَا	اور گردانے ہم نے	شٰمِخٰتٍ	اونچے اونچے	وَيْلٌ	بڑی کم بختی ہے
فِيْهَا	اس میں	وَّاَسْقَيْنٰكُمْ	اور پلایا ہم نے تم کو	يَّوْمَىِٕذٍ	اس دن
رَوَاسِيَ	بھاری پہاڑ	مَّآءً فُرَاتًا	پیاس بجھانے والا پانی	لِّلْمُكَذِّبِيْنَ	جھٹلانے والوں کیلئے

جس قوم نے بھی قیامت کا انکار کیا وہ ہلاک ہوئی، اس میں قریش کے لئے اشارہ ہے

ارشاد فرماتے ہیں: —— کیا ہم نے اگلوں کو ہلاک نہیں کیا —— اگلے قوم نوح اور عاد ہیں —— پھر دوسروں کو ان کے پیچھے چلتا کیا —— بعد میں جس نے بھی قیامت کا انکار کیا ان کو ہلاک کیا —— ہم گنہگاروں کے ساتھ ایسا ہی کرتے ہیں —— اس میں قریش کو تنبیہ ہے کہ تم انکار پر مصر رہے تو تم بھی ہلاک کئے جاؤ گے —— اس دن جھٹلانے والوں کے لئے بڑی کم بختی ہے!

انسان اپنی پہلی پیدائش میں غور کرے تو سمجھ سکتا ہے کہ وہ دوسری مرتبہ پیدا کیا جا سکتا ہے

ارشاد فرماتے ہیں: —— کیا ہم نے تم کو بے قدر پانی (منی) سے پیدا نہیں کیا؟ پھر اس پانی کو ہم نے اطمینان سے ٹھہرنے کی جگہ میں گردانا —— مراد بچہ دانی ہے —— ایک معلوم وقت تک —— یعنی نو ماہ تک —— پھر ہم نے اندازہ کیا —— کہ کیا بنانا ہے —— پس ہم بہترین اندازہ کرنے والے ہیں —— یعنی اس سے اشرف الخلوق انسان کو بنایا —— اس دن جھٹلانے والوں کے لئے بڑی کم بختی ہے! —— اس دن: یعنی جس دن اس کو دوبارہ بنایا جائے گا، اس کی کم بختی آئے گی!

زمین میں اللہ نے بے پناہ صلاحیتیں رکھی ہیں

ارشاد فرماتے ہیں: —— کیا ہم نے زمین کو زندوں اور مردوں کو سمیٹنے والا نہیں بنایا؟ —— یعنی تم پیدا ہوئے کہاں سے؟ زمین سے! پھر مر کر کھپو گے کہاں؟ زمین میں! پھر اسی زمین سے دوبارہ کیوں پیدا نہیں ہو سکتے؟ —— اور ہم نے اس میں اونچے اونچے بھاری پہاڑ رکھے —— یہ پہاڑ اسی زمین سے ابھرے ہیں، پھر اس سے تم جیسی کمزور مخلوق کیوں نہیں ابھر سکتی؟ —— اور ہم نے تم کو پیاس بجھانے والا پانی پلایا —— ساری زمین کے نیچے سوت بہتے ہیں، پھر چشموں اور دریاؤں میں پانی بہتا ہے اور کنوں اور ٹیوب ویل سے میٹھا پانی نکلتا ہے، جس سے تمہاری پیاس بجھتی ہے، اسی پانی سے اللہ نے ہر چیز بنائی ہے، پھر تم کو اس سے دوبارہ کیوں نہیں بنا سکتا؟ —— اس دن (قیامت کو) جھٹلانے والوں کے لئے بڑی کم بختی ہے —— اس دن: یعنی جس دن زمین کے پانی سے تمہیں دوبارہ پیدا کیا جائے گا۔

اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِيْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ﴿۳۰﴾

لَا ظَلِيْلٍ وَّلَا يُغْنِيْ مِنَ اللَّهَبِ ﴿٣١﴾ اِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ﴿٣٢﴾ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ﴿٣٣﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٣٤﴾ هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿٣٥﴾ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ﴿٣٦﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٣٧﴾ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ ﴿٣٨﴾ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيْدُوْنِ ﴿٣٩﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٤٠﴾

اِنْطَلِقُوْٓا	چلو	كَالْقَصْرِ	جیسے بڑے محل	وَيْلٌ	بڑی کم بختی ہے
اِلٰى مَا	اس چیز کی طرف	كَاَنَّهٗ	گویا وہ	يَّوْمَئِذٍ	اس دن
كُنْتُمْ بِهٖ	جس کو تھے تم	جِمٰلَتٌ	اونٹ ہیں	لِّلْمُكَذِّبِيْنَ	جھٹلانے والوں کیلئے
تُكَذِّبُوْنَ	جھٹلاتے	صُفْرٌ	پیلے	هٰذَا يَوْمُ	یہ دن ہے
اِنْطَلِقُوْٓا	چلو	وَيْلٌ	بڑی کم بختی ہے	الْفَصْلِ	فیصلہ کا
اِلٰى ظِلٍّ	ایک سایے کی طرف	يَّوْمَئِذٍ	اس دن	جَمَعْنٰكُمْ	اکٹھا کیا ہے ہم نے تم کو
ذِيْ ثَلٰثِ	تین	لِّلْمُكَذِّبِيْنَ	جھٹلانے والوں کیلئے	وَالْاَوَّلِيْنَ	اور اگلوں کو
شُعَبٍ	شاخوں والا	هٰذَا يَوْمُ	یہ ایسا دن ہے	فَاِنْ كَانَ	پس اگر ہو
لَا ظَلِيْلٍ	نہ ٹھنڈی چھاؤں	لَا يَنْطِقُوْنَ	کہ نہیں بولیں گے وہ	لَكُمْ كَيْدٌ	تمہارے لئے کوئی داؤ
وَّلَا يُغْنِيْ	اور نہ بے نیاز کرے	وَلَا يُؤْذَنُ	اور نہیں اجازت دی	فَكِيْدُوْنِ	تو چل دیکھو میرے ساتھ
مِنَ اللَّهَبِ	لپٹ سے		جائے گی	وَيْلٌ	بڑی کم بختی ہے
اِنَّهَا تَرْمِيْ	بیشک دوزخ پھینکے گی	لَهُمْ	ان کو	يَّوْمَئِذٍ	اس دن
بِشَرَرٍ	چنگاریاں	فَيَعْتَذِرُوْنَ	پس معافی مانگیں وہ	لِّلْمُكَذِّبِيْنَ	جھٹلانے والوں کیلئے

قیامت کے تین ہولناک مناظر

ا- کافر دوزخ کے سیاہ دھوئیں میں ہونگے، اور اس میں سے بڑے محل جیسے شرارے اڑیں گے

ارشاد فرماتے ہیں: (میدانِ حشر میں کافروں سے کہا جائے گا:) —— چلو! اس عذاب کی طرف جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے، چلو! تین شاخوں والے سایے کی طرف، نہ ٹھنڈی چھاؤں نہ لپٹ میں کام دے —— قتادہ وغیرہ سے مروی ہے کہ کافروں کے سایہ کے لئے ایک دھواں دوزخ سے اٹھے گا جو پھٹ کر کئی ٹکڑے ہو جائے گا، کہتے ہیں کہ ان میں سے ہر شخص کو

تین طرف سے گھیرے گا، ایک ٹکڑا سر کے اوپر سائبان کی طرح ٹھہرے گا، دوسرا ٹکڑا داہنے اور تیسرا بائیں ہو جائے گا، حساب سے فارغ ہونے تک وہ لوگ اسی سایہ کے نیچے رہیں گے (فوائد) —— دوزخ بڑے محل کے برابر چنگاریاں پھینکے گی، گویا وہ زرد اونٹ ہیں —— آگ سے شرارہ اڑتا ہے تو پھٹ کر چھوٹے ٹکڑے ہو جاتا ہے، شرارے کو بڑے محل سے اور چھوٹے ٹکڑوں کو زرد اونٹوں سے تشبیہ دی ہے —— اس دن جھٹلانے والوں کے لئے بڑی کم بختی ہے!

۲- قیامت کے دن نہ کوئی بول سکے گا نہ کوئی معافی مانگ سکے گا

ارشاد فرماتے ہیں: —— یہ ایسا دن ہے جس میں لوگ نہیں بولیں گے —— سورۃ طٰہٰ میں ہے: ﴿وَ خَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا﴾: اور تمام آوازیں نہایت مہربان اللہ کے سامنے دب جائیں گی پس آپ پیروں کی چاپ کے سوا کچھ نہیں سنیں گے —— اور ان کو اجازت نہیں دی جائے گی کہ وہ معذرت پیش کریں —— کیونکہ معذرت اور توبہ کے قبول ہونے کا وقت گذر گیا —— اس دن جھٹلانے والوں کے لئے بڑی کم بختی ہے!

۳- قیامت کے دن کوئی چال اللہ کی گرفت سے نہ بچا سکے گی

ارشاد فرماتے ہیں: —— یہ فیصلہ کا دن ہے، ہم نے تم کو اور اگلوں کو اکٹھا کیا ہے، پس اگر تمہارے پاس کوئی داؤ ہو تو اس کو میرے خلاف چل دیکھو! اس دن جھٹلانے والوں کے لئے بڑی کم بختی ہے!

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿٤١﴾ وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿٤٢﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔۢا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٤٣﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٤٤﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٤٥﴾ كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ﴿٤٦﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٤٧﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ﴿٤٨﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٤٩﴾ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿٥٠﴾

ع ۲ ۲۲

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ	بے شک پرہیزگار	مِمَّا	اس میں سے جو	هَنِيْٓـًٔۢا	رغبت سے (رچ پچ کر)
فِيْ ظِلٰلٍ	سایوں میں	يَشْتَهُوْنَ	چاہیں گے وہ	بِمَا كُنْتُمْ	ان کاموں کے عوض جو تم
وَّعُيُوْنٍ	اور چشموں میں ہونگے	كُلُوْا	کھاؤ	تَعْمَلُوْنَ	کیا کرتے تھے
وَّفَوَاكِهَ	اور میوں میں	وَاشْرَبُوْا	اور پیو	اِنَّا كَذٰلِكَ	ہم اسی طرح

تَجْزِی	بدلہ دیتے ہیں	اِنَّکُمْ	بے شک تم	لَا یَرْکَعُوْنَ	(پس) نہیں جھک سکیں گے
الْمُحْسِنِیْنَ	نیکوکاروں کو	مُّجْرِمُوْنَ	گنہگار رہو	وَیْلٌ	بڑی کم بختی ہے
وَیْلٌ	بڑی کم بختی ہے	وَیْلٌ	بڑی کم بختی ہے	یَّوْمَئِذٍ	اس دن
یَّوْمَئِذٍ	اس دن	یَّوْمَئِذٍ	اس دن	لِّلْمُکَذِّبِیْنَ	جھٹلانے والوں کیلئے
لِّلْمُکَذِّبِیْنَ	جھٹلانے والوں کیلئے	لِّلْمُکَذِّبِیْنَ	جھٹلانے والوں کیلئے	فَبِاَیِّ	پس کونسی
کُلُوْا	کھاؤ تم	وَاِذَا قِیْلَ[1]	اور جب کہا جاتا ہے	حَدِیْثٍ	بات پر
وَتَمَتَّعُوْا	اور فائدہ اٹھاؤ	لَھُمْ	ان سے	بَعْدَہٗ	قرآن کے بعد
قَلِیْلًا	تھوڑے وقت کے لئے	ارْکَعُوْا	جھکو	یُؤْمِنُوْنَ	ایمان لائیں گے وہ؟

آخرت میں پرہیزگاروں کی خوش انجامی

سورت تو کفار کی سزا کے بیان کے لئے ہے، مگر قرآنِ کریم کا اسلوب یہ ہے کہ وہ ایک فریق کے بعد دوسرے فریق کا ذکر کرتا ہے، تاکہ توازن قائم ہوجائے، اور ضد سے ضد پہچانی جائے، اس لئے اب تھوڑا متقیوں کا انجام بیان فرماتے ہیں:

—— بے شک پرہیزگار سایوں میں اور چشموں میں اور مرغوب میووں میں ہونگے (ان سے کہا جائے گا:) خوب مزے سے کھاؤ پیؤ ان کاموں کے صلہ میں جو تم کیا کرتے تھے، ہم اسی طرح نیکوکاروں کو صلہ دیتے ہیں، اس دن جھٹلانے والوں کے لئے کم بختی ہے! —— اپنی حالت کا متقیوں کی حالت سے موازنہ کریں گے تو کفِ افسوس ملیں گے۔

اب پھر جھٹلانے والوں کو آڑے ہاتھوں لیتے ہیں

ارشاد فرماتے ہیں: —— کھاؤ اور فائدہ اٹھالو چند دن بے شک تم گنہگار رہو —— آخر یہ کھایا پیا بہت بری طرح نکلے گا —— اس دن جھٹلانے والوں کے لئے بڑی کم بختی ہے! اور جب ان سے کہا جائے گا کہ جھکو تو وہ جھک نہیں سکیں گے —— میدانِ حشر میں پنڈلی کی تجلی ہوگی، اور اہل محشر سے سجدہ کے لئے کہا جائے گا، مؤمنین سجدہ کریں گے اور منافقین اور کفار کی کمر تختہ ہوجائے گی، وہ سجدہ نہیں کرسکیں گے، اس کا ذکر ہے، تفصیل سورۃ القلم میں گذری ہے —— اس دن جھٹلانے والوں کے لئے بڑی کم بختی ہے! پس کونسی بات پر قرآن کے بعد وہ ایمان لائیں گے؟ —— یعنی قرآن سے بڑھ کر کامل اور مؤثر بیان کس کا ہوگا! اگر یہ مکذبین اس پر یقین نہیں لاتے تو اور کس بات پر ایمان لائیں گے؟ کیا قرآن کے بعد کسی اور کتاب کے منتظر ہیں جو آسمان سے اترے گی؟ (فوائد)

(۱) إذا: ظرف برائے زمانۂ مستقبل متضمن معنی شرط ہے۔